خلافة علىٰ منهاج النبوة

افاضات

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ

جلد اول

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد المصلح الموعود

خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

پیشگوئی مصلح موعود

اُس کے ساتھ فضل ہے جو اُس کے آنے کے ساتھ آئے گا۔ وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا، وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت و غیوری نے اُسے کلمہء تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا اور دل کا حلیم اور علومِ ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا (اس کے معنے سمجھ میں نہیں آئے) دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند۔ مَظْھَرُالْاَوَّلِ وَالْاٰخِرِ، مَظْھَرُالْحَقِّ وَالْعَلَاءِ کَاَنَّ اللّٰہَ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ۔ جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا۔ وَ کَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا۔

(اشتہار 20 فروری 1886ء)

عرض ناشر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اپنی اُمّت میں خلافت علیٰ منہاج نبوّت کے قیام کا بڑی صراحت کے ساتھ یوں ذکر فرمایا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم میں نبوّت قائم رہے گی جب تک اللہ چاہے گا۔ پھر وہ اس کو اٹھا لے گا۔ پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہو گی۔اور وہ اس وقت تک رہے گی جب تک اللہ چاہے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ جب چاہے گا اس (نعمت) کو بھی اٹھا لے گا۔ پھر ایذا رساں بادشاہت (کاٹ کھانے والی حکومت) قائم ہو گی اور وہ اس وقت تک رہے گی جب تک اللہ چاہے گا۔ پھر جب وہ چاہے گا اسے (بھی) اٹھا لے گا۔ پھر جابر بادشاہت (ظالم حکومت) قائم ہو گی۔ اور وہ اس وقت تک رہے گی جب تک اللہ چاہے گا۔ پھر جب وہ چاہے گا اسے (بھی) اٹھا لے گا۔ اس کے بعد پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہو گی۔ پھر (یہ فرمانے کے بعد) آپؐ خاموش ہو گئے''۔

(مسند احمد بن حنبلؒ۔ مسند الکوفیین۔ حدیث 18596)

اس حدیث نبوی میں اُمّت محمدیہ میں خلافت علیٰ منہاجِ نبوّت کے دو ادوار کا ذکر کیا گیا ہے۔ پہلا دَور خلافت علیٰ منہاجِ نبوت کا وہ دَور ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے معاً بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت سے شروع ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ تک قائم رہا۔ اس کے بعد جیسا کہ حدیث مذکورہ بالا میں بیان ہے ایذا رساں بادشاہت اور جابر حکومتوں کے ادوار آئے۔ اور پھر پیشگوئیوں کے مطابق اللہ تعالیٰ کا رحم جوش میں آیا اور اس نے زمانہ کی اصلاح و تکمیلِ اشاعتِ ہدایت کی غرض سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع و غلام حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کو ظلی طور پر امّتی نبوّت کے مقام پر فائز فرماتے ہوئے مسیح موعود اور مہدی معہود بنا کر بھیجا۔ اور آپ کی وفات (26 مئی 1908ء) کے بعد 27 مئی 1908ء سے حضرت الحاج حکیم مولانا نورالدین رضی اللہ عنہ کے منصب خلافت پر فائز ہونے کے ساتھ خلافت علیٰ منہاجِ نبوّت کے دوسرے مبشر دَور کا آغاز ہوا جو انشاء اللہ حسبِ بشارات نبوی دائمی ہے۔ کیونکہ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور دَور کے آنے کا ذکر نہیں فرمایا۔

گزشتہ سو سال سے زائد عرصہ سے جماعت احمدیہ مُسلمہ اس موعود خلافت علیٰ منہاج نبوّت کی آسمانی قیادت سے فیضیاب ہے اور اِس وقت ہم حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی خلافت کے پانچویں مظہر کے مبارک دَور سے گزر رہے ہیں۔

1914ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی وفات کے بعد حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ، المصلح الموعود خلافت کے منصب پر فائز ہوئے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے معاً بعد سے ہی خلافت کے قیام و استحکام کے سلسلہ میں آپ نے غیر معمولی خدمات انجام دیں۔ بالخصوص آپ نے اپنی وفات (1965ء) تک اپنی خلافت کے ساڑھے اکاون برس سے زائد عرصہ میں نظام خلافت کے استحکام کے سلسلہ میں بہت سے عملی اقدامات فرمائے۔ آپ نے اپنے خطبات، خطابات، کلمات طیّبات، نہایت مدلّل اور پُر اثر تحریرات کے ذریعہ خلافت کی عظمت و اہمیت، اس کی غرض و غایت اور اس کی عظیم الشان برکات کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا۔

صد سالہ خلافت جوبلی (2008ء) کے تاریخی موقع کی مناسبت سے ادارہ فضل عمر فاؤنڈیشن نے حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی جملہ تصانیف، خطبات جمعہ، خطابات، مجالس عرفان، مجالس شوریٰ، تفاسیر اور غیر مطبوعہ تحریرات سے خلافت کے موضوع پر بیان فرمودہ مواد کو اکٹھا کر کے تین جلدوں میں مرتب کرنے کی سعادت و توفیق پائی۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس کاوش کو بہت پسند فرمایا اور اس کتاب کے لیے 'خلافت علیٰ منہاج النبوۃ' کا نام منظور فرمایا۔ حضور انور ایدہ اللہ کے ارشاد پر تین جلدوں پر مشتمل یہ کتاب یُوکے سے شائع کی جا رہی ہے۔

اس کتاب کے لئے مواد کی تلاش و تحقیق اور اس کی کمپوزنگ ، ترتیب، پروف ریڈنگ وغیرہ متفرق امور کی انجام دہی اور اسے موجودہ فائنل صورت تک پہنچانے کے لیے ادارہ فضل عمر فاؤنڈیشن کے تحت بہت سے احباب نے بہت محنت اور جانفشانی سے مختلف خدمات کو انجام دیا۔ ایسے تمام احباب شکریہ اور دعاؤں کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ادارہ فضل عمر فاؤنڈیشن اور اس کے جملہ رفقائے کار کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور اپنی جناب سے انہیں بہترین جزا سے نوازے۔ آمین۔

امید ہے کہ احباب جماعت خصوصیت کے ساتھ خلافت کے موضوع پر اس علمی و روحانی بیش قیمت جواہر سے معمور خزانے سے کماحقّہ فیضیاب ہوتے ہوئے خلافت حقّہ اسلامیہ احمدیہ سے اپنے تعلقِ اخلاص ووفا اور محبت و فدائیت و اطاعت میں مزید آگے قدم بڑھائیں گے اور برکات خلافت سے وافر حصہ پانے کے لیے اعمال صالحہ کی مزید توفیق پاتے چلے جائیں گے۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔

خاکسار

نصیر احمد قمر

ایڈیشنل وکیل الاشاعت (طباعت)۔ لندن

فہرست عناوین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ　　　　نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

عصرجدید

حضرت اقدس مسیح موعودعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات پربعض مخالف اخباروں کی آراء حضرت صاحبزادہ مرزامحموداحمد صاحب نے رسالہ تشحیذ الاذہان میں درج فرمائیں اوراس میں بیان کردہ غلط باتوں کی درستگی بھی ساتھ ساتھ فرمائی۔ان اخبارات ورسائل میں سے ایک رسالہ’’عصرجدید‘‘ لکھنؤ کے نام سے شائع ہوتا تھا اس کے بارے میں آپ نے فرمایا:۔

’’رسالہ عصرجدید کے پرچہ ماہِ جون میں ایک مضمون جس کا ہیڈنگ’’اَلانصاف‘‘ تھا نکلا ہے جس میں صاحبِ مضمون نے جو اپنا نام بتانا تقیہ کے برخلاف سمجھتے ہیں قادیانی جماعت کے خاتمہ پر بحث کی ہے۔اس مضمون کا جواب لکھنے سے پہلے میں اِس قدر لکھنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ایڈیٹرعصرجدید کواحمدی جماعت سے ہمیشہ دلچسپی رہی ہے اور جب کبھی آپ سے ہوسکا آپ نے کوشش کی ہے کہ حضرت مسیح موعودعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور اُن کے پیروان پرکوئی ذلیل نیش زنی کریں۔ چنانچہ آپ کے ایک دومضامین کا جواب رسالہ ریویوآف ریلیجنز میں شائع بھی ہوچکا ہے چونکہ آپ کا مذہب شیعہ ہے اس لئے بیجا طعن وتشنیع سے کچھ پرہیزنہیں۔غرض یہ مضمون ان کے کسی ہم خیال کی طرف سے جس نے اپنا نام’’ماوروں رابنگریم وحال را‘‘ بتایا ہے شائع ہوا ہے اور آپ نے اُس کے کسی خیال کی تردیدنہیں کی۔مضمون متانت سے بالکل گراہوا اورتہذیب سے کوسوں دُور ہے اور ناول کی طرز پرزید اور عبداللہ کی گفتگو کے پیرایہ میں ہے۔اگر راقم مضمون واقعی عبداللہ ہیں اوروہی عبداللہ جن کومولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح کے برخلاف لکھنا شرعاً وانصافاً کسی طرح بھی جائزنہیں۔۔۔۔۔۔۔

آپ نے لکھا ہے کہ مولوی نورالدین صاحب بھی اس سلسلہ کے اصل مرکز تھے اور آج اُن کی مدت کی خواہش برآئی کہ وہ خلیفہ بن گئے تو آپ کو یاد رکھنا چاہیے کہ مولوی صاحب نے اپنے پہلے ہی خطبہ میں اس بات کا اقرار کیا تھا کہ میرے دل میں کبھی اِس عہدہ کا خیال تک نہیں آیا۔ چنانچہ اِس بات کے ہم لوگ گواہ ہیں کیونکہ کسی شخص کے پاس رہنے والے اُس کی عادات کو بہ نسبت دُور کے رہنے والوں اور بے تعلقوں کے زیادہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں اور حالات بھی ایسے ہیں کہ ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ یہ سلسلہ مشورہ اور منصوبہ سے نہیں بنا بلکہ خدا تعالیٰ کے ارادہ کے ماتحت بنا ہے۔ چنانچہ حضرت صاحب کی وفات پر بہت سے دانا اور چشمِ بصیرت رکھنے والے مخالفوں تک نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ یہ سلسلہ منصوبوں کا نتیجہ نہ تھا۔ ہاں ایک آپ کی متعصب آنکھ تھی جو نہ دیکھ سکی۔ سو یاد رہے کہ اعتراض بغیر دلیل کے کوئی وقعت نہیں رکھتا بلکہ اگر کوئی شخص تعصب سے اعتراض کرے تو **نَعُوْذُ بِاللّٰہِ** حضرت علیؓ پر زیادہ اعتراض کر سکتا ہے کہ وہ خلافت لینا چاہتے تھے اور مدت سے اُن کے دل میں یہ بات پوشیدہ تھی۔ چنانچہ بقول آپ لوگوں کے اُنہوں نے اسی غصہ میں حضرت ابوبکرؓ کی بیعت بھی چھ مہینے تک نہیں کی اور کی بھی تو تقیہ کے طور پر۔ پس ہر ایک اعتراض کرتے وقت دلائل ساتھ دینے چاہئیں تا کہ عقلمندوں میں رُسوائی نہ ہو''۔

(تشحیذ الاذہان۔ اگست ستمبر ۱۹۰۸ء)

خلافت اسلامیہ

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب جب اخبار الفضل کے ایڈیٹر تھے تو اُس وقت بہت سے مضامین خود تحریر فرمایا کرتے تھے۔ پیسہ اخبار نے جب سردار والا گوہر صاحب پنشنر ڈسٹرکٹ جج لدھیانہ کا ایک مضمون خلافت عثمانیہ کے بارے میں شائع کیا تو آپ نے اس مضمون کا حوالہ دیتے ہوئے اس پر ایک تبصرہ تحریر کرتے ہوئے خلافت اسلامیہ کی حقیقت ان الفاظ میں بیان فرمائی:۔

''ہم عصر پیسہ اخبار نے اپنی ایک پچھلی اشاعت میں سردار والا گوہر صاحب پنشنر ڈسٹرکٹ جج لدھیانہ کا ایک مضمون شائع کیا ہے جس میں اُنہوں نے خلافتِ عثمانیہ پر نہایت عمدگی اور خوبی کے ساتھ بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ موجودہ خلافت قطعاً اسلامی خلافت کہلانے کی مستحق نہیں ہے کیونکہ اس میں تمام ان امور کی پابندی نہیں کی جاتی جو اسلامی خلافت کے لئے ضروری ہیں اور پارلیمنٹ کے وجود سے اس شیرازۂ قومی کو بالکل بکھیر دیا گیا ہے جو اسلام نے خلافت کے رشتہ میں باندھ دیا تھا۔ انہوں نے دنیاوی نقطہ نظر سے بھی اس بات کو ثابت کیا ہے کہ ایک ایسے ملک میں جس میں یہودی اور مسیحی کثرت سے آباد ہوں پارلیمنٹ کبھی مسلمانوں کو راس نہیں آ سکتی کیونکہ پارلیمنٹ تو باشندوں کے قائم مقاموں کا مجموعہ ہوتی ہے اگر پورے طور سے اس میں باشندوں کو نیابت دی گئی تو حکومت بجائے مسلمانوں کے مسیحیوں کے قبضہ میں چلی جائے گی۔ خصوصاً جب کہ ان کی پُشت پر بہت سی مسیحی حکومتیں ہیں جو ان کے قول کی تائید کے لئے ہر وقت آمادہ وتیار رہیں گی۔

دنیاوی پہلو سے بہت زیادہ اہم مذہبی پہلو ہے اور اس پہلو کو بھی انہوں نے جس خوبی سے نباہا ہے اِس پر وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ لوگ کہہ سکتے ہیں کہ مشورہ

قرآن شریف سے ثابت ہے اور پارلیمنٹ بھی مشیروں کی ایک مجلس ہے پھر اِس کو کیوں مخالف ہدایت اسلامی کہا جائے ۔اس اعتراض کا جواب میں یہ دوں گا کہ مجلس شوریٰ جس کا اشارہ قرآن شریف میں ہے ہرگز پارلیمنٹ کے درجہ میں ذِی اختیار نہیں ...... بلکہ ان کا صرف یہ کام ہوتا ہے کہ مُہماتِ مُلکی میں اپنا مشورہ **اُولِی الْاَمْر** کے سامنے پیش کریں اگر **اُولِی الْاَمْر** نے مان لیا بہتر ورنہ حکم **اُولِی الْاَمْر** اس پر غالب رہتا ہے۔

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ پارلیمنٹ تو خود ہی صاحبِ حکم بن جاتی ہے۔مسلمانوں میں کبھی بھی اِس قسم کی پارلیمنٹ جاری نہیں ہوئی ۔البتہ خلیفہ بمشورہ قوم منتخب ہوا کرتا تھا مگر بعد انتخاب کے جب تک وہ مسندِ حکومت پر رہتا تھا اُس کا حُکم سب پر واجبُ التعمیل ہوا کرتا تھا۔ خدا نے مسلمانوں کو مشورہ کا حکم دیا ہے نہ پارلیمنٹ کا۔ یہ مسلمانوں پر غلط الزام ہے کہ اُنہوں نے پارلیمنٹ کا عنصر ڈالا ہے۔

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ اب دوسری دلیل سنو جو یہ ہے کہ خدا نے اپنے حکم کی فرمانبرداری کا ارشاد کیا اور رسول کے حکم کی اور پھر تیسرے درجہ میں **اُولِی الْاَمْر** کے۔ اس حکم کی آیت سے **اُولِی الْاَمْر** کا وجود ضرور ہے کہ مسلمانوں میں موجود ہو اور وہ شخص خاص ہونا چاہیے۔بعض اشخاص جو اس آیت سے علمائے وقت مراد لیتے ہیں وہ میرے خیال میں صحیح نہیں ہے ۔کیا معنی کہ ایک ہی زمانہ میں بہت سے عالم صاحبِ اجتہاد ہوتے ہیں اور ہر ایک کا اجتہاد جداگانہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ شخصِ مطیع ایک ہی وقت میں جداگانہ اجتہادوں کی تعمیل کر سکے۔تعمیل تو اُس حکم کی ہوسکتی ہے جس میں اختلاف نہ ہو کیونکہ رعایا پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تک حکمِ خدا و رسول کی مخالفت نہ ہو **اُولِی الْاَمْر** کا حکم دل و جان سے قبول کر کے تعمیل کریں۔

پھر آگے چل کر کیا سچا فقرہ لکھتے ہیں کہ ''یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں کیونکہ یہ خود ہی مُجرم ہیں''۔

ہم سردار والا گوہر صاحب کی تحریر کے ساتھ بالکل متفق ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام نے خلافت کا حکم دیا ہے اور جس کے ماتحت رہنے کی کُل مسلمانوں کو تاکید کی ہے وہ

ایسی خلافت نہیں ہے جیسے کہ آجکل کے بادشاہوں کی حکومت ہے کہ گو بظاہر وہ بادشاہ کہلاتے ہیں لیکن دراصل کسی معاملہ میں آزادی سے رائے نہیں دے سکتے اور رعایا کی نسبت بھی ان کے حقوق کم ہوتے ہیں کیونکہ رعایا کسی حکم کے خلاف اپنی آواز اُٹھا سکتی ہے لیکن موجودہ بادشاہوں کو اتنا اختیار بھی نہیں دیا گیا۔ اسلامی خلافت ایک شاندار چیز ہے جسے چھوڑ کر مسلمان کبھی سُکھ نہیں پا سکتے۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ خلیفہ کا مقابلہ کر کے مسلمانوں پر ایسی نحوست طاری ہوگئی ہے کہ ان کی دعائیں تک اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتا۔ لیکن ہم اس بات کے ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ وہ خلافتِ عثمانیہ کی مخالفت کا نتیجہ ہے بلکہ خدا کے مقرر کردہ خلیفۂ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی جانشین کی مخالفت کے سبب مسلمانوں پر یہ عذاب نازل ہوا ہے اور اُس وقت تک وہ ان مصائب سے نہیں چھُوٹیں گے جب تک اس کی اطاعت کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ خدا کا منشاء ہے کہ وہ اس خلیفہ کی معرفت دنیا پر اسلام کو غالب کرے لیکن لوہے کے ہتھیاروں اور توپ کے گولوں کے ساتھ نہیں بلکہ نصرتِ الٰہی اور دعاؤں کے ساتھ۔ جس خدا نے پہلے دشمن کی تلوار کا جواب تلوار سے دینے کا حکم دیا ہے اب اس خدا نے اسلام کے دشمنوں کا جواب دلائلِ صحیحہ اور براہینِ قاطعہ سے دینے کا حکم دیا ہے۔ چونکہ اسلامی خلافت پر آجکل بہت زور سے بحث ہوتی ہے اور بعض لوگ قرآن و حدیث سے لوگوں کو مغالطہ میں ڈال رہے ہیں اس لئے میں اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی اگلے پرچہ میں اِس مضمون پر کچھ لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ ۔ لیکن سردار صاحب کو اتنا ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ آسمانی خلافت کی موجودگی میں وہ کیوں ایک وہمی خلافت کی تیاری کا مشورہ دیتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ اس بات کو قبول کریں جسے خدا نے پسند کیا ہے''۔

(الفضل ۹ جولائی ۱۹۱۴ء)

''پچھلے پرچہ سردار والا گوہر صاحب کے مضمون کا خلاصہ دینے اور اس پر مناسب ریمارک کرنے کے بعد ہم نے وعدہ کیا تھا کہ اگلے ہفتہ اِنْشَاءَ اللّٰہُ خلافت اسلامیہ کے متعلق اپنی تحقیقات لکھیں گے۔ سو اَلْحَمْدُلِلّٰہِ کہ آج اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کے پورا کرنے کا موقع دیا۔

دنیا میں ایک حاکم اور اُس کے ماتحت حُکّام کے سِوا گذارہ نہیں

انسان تو آزادی پسند ہے اگر سوائے بادشاہ کے گذارہ ہو سکتا تو یہ ضرور اس طرح رہنا چاہتا لیکن حاکم کا سایہ سر سے اُٹھا اور فساد ہونے شروع ہوئے۔کوئی کسی کو قتل کرتا ہے،کوئی کسی کا مال لُوٹ لیتا ہے،کوئی کسی کی جائداد پر قابض ہو جاتا ہے،کوئی کسی کو اپنا خادم اور غلام بنا لیتا ہے،کوئی کسی کی عزت آبرو کو غارت کرنے کی کوشش کرتا ہے غرضیکہ ہر ممکن سے ممکن طریقہ سے ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے اور اپنی دولت، جائداد،عزت اور اختیار کو زیادہ کرنا چاہتا ہے اس لئے ایک حاکم کی ضرورت پیش آتی ہے جو صاحبِ اختیار ہو اور مظلوم کی حمایت کرے اور ظالم کی خبر لے اور حقدار کو اُس کا حق دلائے۔لوگوں نے اپنی اپنی سمجھ اور فہم کے مطابق مختلف قسم کے حکام تجویز کئے ہیں کہیں تو ایسا کیا گیا ہے کہ ایک شخص کو کچھ مدت کے لئے اختیار دیئے جاتے ہیں وہ اس عرصہ میں انتظام کو قائم رکھتا ہے۔اس عرصہ کے ختم ہونے پر اس کی بجائے کوئی اور شخص مقرر ہو جاتا ہے۔کہیں ایک حاکم کی بجائے ایک جماعت مقرر کی جاتی ہے جو آپس کے مشورہ سے امور متعلقہ انتظام کا فیصلہ کرتی ہے۔ کہیں ایک آدمی بادشاہ مقرر ہوتا ہے اور نَسْلاً بَعْدَ نَسْلٍ وہ خاندان حکومت کرتا چلا جاتا ہے اور ان کے معاملات میں کوئی شخص مشورہ دینے کا استحقاق نہیں رکھتا۔کہیں بادشاہ اور مجلس مشیراں ایسے رنگ کی ہوتی ہے کہ بادشاہ صرف برائے نام ہوتا ہے اور اصل کام سب پارلیمنٹ کرتی ہے۔اسلام نے ان تدابیر کے خلاف ایک حاکمِ اعلیٰ تجویز کیا ہے جو تین طرح مقرر ہوتا ہے۔یا اسے خود اللہ تعالیٰ مقرر فرماتا ہے جیسے آدم،نوح وابراہیم اور موسیٰ و داؤد و ہمارے رسول اللہ خاتم النّبیین رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ صَلٰوۃُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ کو۔اور یا پہلا حاکم اُسے مقرر کرتا ہے یا مدبّرین حکومت اُسے منتخب کرتے ہیں۔ ان سب حکام کو حکم ہے مناسب لوگوں سے امورِ مملکت میں مشورہ طلب کیا کریں۔یہ بلکہ خود حضرت نبی کریم ﷺ کو بھی قرآن کریم میں ارشاد ہے وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا

عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ [1]

یہ حاکم اپنی وفات تک اپنے عہدہ پر قائم رہتا ہے اور انسانوں کا اختیار نہیں کہ اُسے الگ کرسکیں کیونکہ اس کا انتخاب خدا کا یا اللہ تعالیٰ کے منتخب کردہ کا انتخاب قرار دیا گیا ہے اور قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ خلیفہ ہم بناتے ہیں۔

اسلامی خلیفہ کا طرزِ حکومت

اِس زمانہ میں جب کہ پارلیمنٹوں کا زور ہے اور لبرٹی لبرٹی کے آوازہ گسے[2] جا رہے ہیں، آزادی کی چیخ و پکار زوروں پر ہے، حریت کی صدائیں اُفقِ عالَم میں گونج رہی ہیں۔ مسلمانوں میں بھی اِس مسئلہ پر بحث شروع ہوگئی ہے کہ خلافتِ اسلامیہ کیا چیز ہے۔ اور اکثر فدائیانِ یورپ اور شیدائیانِ تہذیبِ جدید اسلام میں بھی پارلیمنٹ کا وجود دکھانے میں کوشاں ہیں اور آیات و احادیث اور خلفائے راشدین کے عمل سے اپنے اقوال کے ثبوت بہم پہنچاتے ہیں۔ گو میرے خیال میں اس کی کچھ ضرورت نہیں تھی اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ نازنینِ یورپ کا میلانِ طبع اس قسم کی حکومت کی طرف ہے اس لئے محبانِ صادق کا یہی فرض ہے کہ اس کی ہاں میں ہاں ملائیں اور اس رنگ میں رنگین ہوں جس سے ان کا مطلوب مزین ہے۔ جو لوگ اس طرزِ حکومت کی تائید اپنی عقل اور فہم سے کرتے تھے ان پر اتنا افسوس نہیں جتنا ان لوگوں پر جو پارلیمنٹ میں حکومت کو اپنی اصلی صورت میں یا بہ تغیر خفیف اسلام کے سر تھوپنا چاہتے ہیں۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۖ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ [3]

چونکہ یہ فتنہ بڑھتا جاتا ہے اور عام طور پر لوگوں کو دھوکا دیا جاتا ہے اس لئے میں نے ارادہ کیا ہے کہ مختصر طور پر اسلامی خلافت پر اپنی تحقیق یہاں بیان کروں۔

قرآن شریف سے بیانِ خلافت

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خوشخبری دی ہے کہ وہ بنی اسرائیل کی طرح اُن میں سے بھی خلفاء بنائے گا چنانچہ فرماتا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ [۴] اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے تم میں سے مؤمنوں کو اور نیک عمل کرنے والوں کو کہ انہیں زمین میں خلیفہ بنا دے گا۔ اسی طرح جس طرح ان سے پہلی قوموں کو خلیفہ بنا دیا اور ان کا وہ دین جسے خدا نے ان کے لئے پسند کیا ہے قائم کر دے گا اور ان کے خوفوں کو امن سے بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے کسی کو شریک نہ بنائیں گے اور جو اُس کے بعد کُفر کرے گا تو ایسے لوگ بدعمل ہو جائیں گے۔

اس آیت سے کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ اسلام میں خلفاء ہوں گے۔ دینی و دُنیوی دونوں قسم کے ان کے مشرب وطریق کو خدا تعالیٰ دنیا میں پھیلائے گا۔ ان کی حفاظت کرے گا۔ ان کے منکر گنہگار رہوں گے اور ان کے انکار کی وجہ سے ان کے دل ایسے سیاہ ہو جائیں گے کہ وہ بدکار ہو جائیں گے۔

حدیث میں خلافت کا ذکر

جس طرح قرآن شریف میں خلافت کا ذکر ہے اسی طرح احادیث سے بھی مسئلہ خلافت ثابت ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے حضرت ابوبکر اور عبدالرحمٰن کو بُلا کر لکھوا دوں [۵] (یعنی خلافت) اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ نے حضرت عثمان سے فرمایا کہ خدا تعالیٰ تجھے ایک کُرتہ پہنائے گا (قمیص خلافت) اور لوگ تجھ سے وہ چھیننا چاہیں گے تو اُتاریو نہیں۔ [۶]

پھر آپ کی ایک رؤیا بھی ہے کہ ابوبکرؓ نے ایک دو ڈول کھینچے اور عمرؓ نے جب کھینچا تو چولہ بن گیا [۷] اور ایک رؤیا ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ پہلے خلافت حضرت ابوبکر کے ہاتھوں میں جائے گی، پھر حضرت عمر کے اور حضرت عمر اس کا انتظام خوب عمدگی کے ساتھ کریں گے۔ ان سب حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود خلافت کا فیصلہ کر دیا تھا اور حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، علی رضی اللہ عنہم کی خلافت پیشگوئیوں کے ماتحت

اور اللہ تعالیٰ کے منشاء کے ماتحت تھی۔

خلافتِ اسلامیہ کا دستورُ العمل

جب کہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے ماتحت خلافت اسلامیہ قائم ہوئی ہے اور خود صحابہؓ کا دستورُ العمل **فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ**[8] کے حکم سے قرآن شریف نے ہمارے لئے واجب الاطاعت قرار دیا ہے تو پھر کسی مسلمان کو کوئی حق نہیں کہ اس دستورُ العمل کے خلاف کوئی اور راہ نکالے اور اگر کوئی دوسری راہ نکالے گا تو کبھی کامیاب نہ ہوگا بلکہ خائب و خاسر ہی رہے گا۔ برکت اس طریقِ خلافت میں ہے جس پر خلفائے راشدین کے زمانہ میں عمل ہوتا رہا یعنی ایک خلیفہ ہو۔

اگر پارلیمنٹ اسلام میں ہوتی تو اللہ تعالیٰ ایک پارلیمنٹ کی خبر دیتا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بجائے حضرت ابوبکر کی خلافت کے ایک پارلیمنٹ قائم کرتے اور بجائے حضرت عثمان کو خلافت پر قائم رہنے کی نصیحت کرنے کے خلافت سے دست بردار ہونے کی صلاح دیتے۔

عزمِ خلفاء

خلافت کیا چیز ہے؟ دنیا کی روحانی اور جسمانی اصلاح کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی نیابت کرنی۔ اور جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی جسمانی اور روحانی اصلاح کی طرف متوجہ رہتے تھے خلیفہ کا فرض ہے کہ مخلوقِ خدا کا نگران رہے۔ ہاں بعض دفعہ خلافتِ روحانی **عَلٰى حِدَه** بھی قائم ہو جاتی ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے کیا ارشاد فرمایا ہے وہی ارشاد دوسرے خلفاء کیلئے بہ حیثیت خلیفہ ہونے کے واجب العمل ہوگا۔ وہ حکم یہ ہے کہ **فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ**[9] اللہ تعالیٰ کے فضل سے تُو ان لوگوں کے لئے نرم ہو گیا ہے ورنہ اگر تُو لوگوں کو پراگندہ کر دینے والا سخت دل ہوتا تو لوگ تیرے پاس سے متفرق ہو جاتے پس تُو ان کی غلطیوں کو معاف کیا کر اور خدا سے دعا مانگا کر

کہ وہ ان کے گناہوں کو معاف کرے اور حکومت کے بارہ میں ان سے مشورہ کر لیا کر۔ پھر جب مشورہ کے بعد تُو ایک بات کا پختہ ارادہ کر لے تو خدا پر توکل کر کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے پر توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ کے لئے سرگروہانِ قوم سے بلکہ بعض دفعہ ساری قوم سے مشورہ کرنے کا حکم ہے اور اس کا فرض ہے کہ کُل اہم مسائل میں لوگوں سے مشورہ کر لیا کرے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ان مشوروں پر کاربند بھی ضرور ہو بلکہ مشورہ کے بعد جو فیصلہ اُس کا دل کرے اُس پر کاربند ہو اور خدا پر توکل کر کے اسے جاری کر دے۔ احادیث و آثار سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ حکم اصل میں خلفاء کیلئے ہیں۔ چنانچہ حسن بصری کا قول ہے کہ یہ حکم اس لئے نازل ہوا کہ لوگوں کے لئے سنت ہو جائے اور آئندہ خلفاء اس پر عمل کریں۔ امام سیوطی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے **اَمَّا اَنَّ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ لَیَغْنِیَانِ عَنْھَا وَلٰکِنَّ اللّٰہَ جَعَلَھَا رَحْمَۃً لِاُمَّتِیْ فَمَنِ اسْتَشَارَ مِنْ اُمَّتِیْ لَمْ یَعْدَمْ رُشْدًا وَمَنْ تَرَکَھَا لَمْ یَعْدَمْ غَیًّا** [۱۰] اچھی طرح سن لو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس مشورہ سے غنی ہیں لیکن خدا نے میری اُمت پر رحم کر کے یہ حکم دیا ہے۔ پس جس نے میری اُمت میں سے مشورہ کیا ہدایت سے بے بہرہ نہ ہوگا اور جس نے مشورہ نہ کیا ہلاکت میں پڑ جائے گا۔

اس آیت اور احادیث و آثار سے یہ بات صاف ثابت ہے کہ اسلامی خلافت اسی کا نام ہے کہ ایک خلیفہ ہو جو عمر بھر کے لئے مقرر کیا جائے اور اسی کے ساتھ ایک مشیروں کی جماعت ہو جس سے وہ مشورہ کرے۔ لیکن وہ اُن کے مشوروں پر کاربند ہونے کے لئے مجبور نہ ہوگا بلکہ جب وہ مشورہ کے بعد ایک رائے پر پختہ ہو جائے تو خواہ کثرتِ رائے اس کے موافق ہو یا مخالف توکّل علی اللہ کر کے اس کام کو شروع کر دے۔

خلفاء کا دستورُ العمل

قرآن و حدیث سے اس مسئلہ کے متعلق اپنی تحقیق بیان کرنے کے بعد اب میں خلفاء کا دستورُ العمل بیان کرتا ہوں مجھے افسوس ہے کہ بعض لوگوں نے واقعات کو اس طرح موڑ توڑ کر بیان کیا ہے کہ جس سے عوام کو دھوکا ہو جاوے۔ حتیٰ کہ ایک بہت بڑے مؤرخ نے زمانہ حال میں ایک خلیفہ کی

سوانح عمری میں بالالتزام اس بات کا خیال رکھا ہے کہ کس طرح نوجوان پارٹی کو خوش کرے اور اسلام میں پارلیمنٹ ثابت کرے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ [۱۱]۔ اس مؤرخ نے بھی اور چند دیگر مدعیانِ حریت نے بھی چند واقعات یاد کئے ہوئے ہیں کہ جنہیں وہ ہر موقع پر پیش کر دیتے ہیں کہ ان سے ثابت ہوتا ہے اسلام میں خلیفہ کی حیثیت صرف ایک پریذیڈنٹ کی تھی اور جس طرح فرانس و امریکہ کے پریذیڈنٹ ہیں اسی طرح وہ بھی ہوا کرتے تھے اور مشورۂ عوام پر چلنے پر مجبور تھے۔ ہم اس بات سے قطعاً انکار نہیں کرتے کہ مشورہ لینے کا خلفاء کو ضرور حکم ہے اور وہ ایسا کرتے بھی تھے لیکن اس مشورہ کا پابند بنانے کے لئے انہیں کوئی حکم نہیں ملا اور قرآن و حدیث سے کہیں ثابت نہیں بلکہ خلفاء کا عمل اس کے خلاف ثابت ہے اور کئی ایسے امور ہوئے ہیں کہ جن کے متعلق خلفاء نے مشورہ تو لیا لیکن اس پر کاربند نہ ہوئے۔ اور یہ کچھ ضروری نہیں کہ ایسے سب معاملات تاریخ نے محفوظ ہی رکھے ہوں بلکہ چند ایک اہم واقعات محفوظ رکھے باقی حوادثِ زمانہ میں مٹ گئے۔

جیش اُسامہ کا واقعہ

ایک عظیم الشان واقعہ جس میں حضرت ابوبکرؓ نے کثرت رائے کی مخالفت کی ہے جیشِ اسامہ کا واقعہ ہے۔ قریباً سب انصار اور بہت سے مہاجرین (جیسا کہ احادیث و تواریخ سے ثابت ہے) اسامہ کے سردارِ لشکر مقرر ہونے پر معترض تھے لیکن حضرت ابوبکرؓ نے کسی کا ایک اعتراض نہیں سُنا اور انہیں کو مقرر کیا۔ اسی طرح اس لشکر کے بھیجنے کے متعلق بھی صحابہؓ کو اعتراض تھا مگر آپ نے کچھ پرواہ نہ کی اور یہ کہہ کر ڈانٹ دیا کہ جس لشکر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کیا ہے میں اُسے کبھی نہیں روکوں گا۔ [۱۲] چنانچہ اشہر المشاہیر میں لکھا ہے کہ آپ نے لوگوں کے اس مشورہ کے جواب میں فرمایا کہ اگر مجھے اس بات کا بھی یقین ہو جائے کہ دشمن مجھ پر درندوں کی طرح حملہ کریں گے تب بھی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے لشکر جہاں آپ نے بھیجا ہے ضرور بھیجوں گا [۱۳]۔

مرتدین سے جنگ

دوسرا عظیم الشان واقعہ مرتدین سے جنگ ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب عرب کی اقوام باغی ہو گئیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے ان سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا۔صحابہؓ نے اعتراض کیا جس کے سرگروہ حضرت عمرؓ تھے۔لیکن آپ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم! جب تک وہ لوگ تمام زکوٰۃ حتی کہ ایک اونٹ کے باندھنے کی رسّی بھی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے ادا نہ کریں گے میں ان سے جنگ کروں گا [۱۴]۔چنانچہ صحابہؓ کو سرِ تسلیم خم کرنا پڑا اور جنگ ہوئی۔

ایسی مثالیں دے کر جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ یا حضرت ابوبکرؓ نے شوریٰ کے مشورہ پر عمل کیا یہ ثابت کرنا کہ اس سے خلیفہ پر اطاعتِ شوریٰ لازمی ہے غلط ہے بلکہ دیکھنا تو یہ ہے کہ جن موقعوں پر خلیفہ اور مجلس شوریٰ میں اختلاف ہوتا کیا کِیا جاتا تھا۔آیا اس کی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ باوجود اس کے کہ ایک امر خلیفہ کی خواہش کے خلاف تھا اور وہ اس پر مُصِر تھا شوریٰ نے کچھ اور کر دیا۔اگر یہ ثابت ہو جائے تو تب جا کر ایسے لوگوں کے دعاوی ثابت ہوتے ہیں ورنہ نہیں مگر مذکورہ بالا مثالوں سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ایسا نہیں تھا ایسے اوقات میں خلیفہ وقت کی ہی رائے پر عمل کیا جاتا تھا۔

عوام کا مشورہ اور رائے

عوام سے مشورہ طلب کرنا بھی بہت ضروری ہے اور خدا تعالیٰ کا حکم ہے بلکہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ جو خلیفہ مشورہ نہیں لیتا وہ خلیفہ ہی نہیں لیکن یہاں بھی سوال وہی ہے کہ **فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ**۔

بعض حریت کی مثالیں

بعض لوگ خلفائے اسلامیہ کے زمانہ کی حریت ثابت کرنے کے لئے اِس واقعہ کو بار بار دُہرایا کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میری بات سنو۔اس پر ایک شخص نے اُٹھ کر صاف کہہ دیا کہ ہم تب تک نہیں سنیں گے جب تک یہ نہ بتاؤ کہ یہ کُرتہ تم نے کیونکر بنایا ہے جو حصہ تمہیں ملا تھا اس سے تو یہ کُرتہ تیار نہیں ہوسکتا تھا۔آپ نے اس کی تسلی کی کہ میرے بیٹے نے اپنے حصہ کا کپڑا مجھے دے دیا تھا اس سے مل کر یہ کُرتہ تیار ہوا۔جس پر معترض نے اپنا اعتراض واپس لیا اور حضرت عمرؓ نے اپنا خطبہ سنایا [۱۵]۔

اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ ہر ایک مسلمان کو خلیفہ سے محاسبہ کرنے کا حق تھا اور جب

تک وہ جواب باثواب نہ دے اس کی اطاعت فرض نہ سمجھی جاتی تھی لیکن میرے خیال میں یہ لوگ بہت دور چلے گئے ہیں انہیں ایسی مثالیں ڈھونڈنے کے لئے دور جانے کی ضرورت نہ تھی۔ اگر اس قسم کے واقعات سے حریت ثابت ہوتی ہے تو یہ حُریت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ایک خاص گروہ میں پائی جاتی تھی۔ چنانچہ حدیثوں سے ثابت ہے کہ بنونضیر کو جب قتل کا حکم ہوا تو عبداللہ بن ابی بن سلول نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گلے میں پٹکا ڈال دیا اور کہا جب تک اِنہیں چھوڑ و گے نہیں میں آپ کو نہ چھوڑوں گا۔ جس پر آپ نے آخر ان کو چھوڑ دیا۔

اسی طرح ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مالِ غنیمت تقسیم کیا۔ ایک شخص نے آپ پر اعتراض کیا اور کہا کہ آپ نے انصاف نہیں کیا جس کا جواب آپ نے یہ دیا کہ میں نے انصاف نہیں کیا تو اور کون کرے گا[۱۶]۔

اب اگر اِسی کا نام حُریت ہے تو ان منافقین کو بھی حُرا ور خدامِ قومی کا خطاب دینا پڑے گا۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فتوحات کی کثرت کی وجہ سے حدیث العہد مسلمان کثرت سے ہوگئے تھے اور وہ خلفاء کا ادب نہیں جانتے تھے اس لئے وہ اس قسم کے اعتراض کر دیتے تھے یہی لوگ جب اور بڑھے تو حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں سخت فتنہ کا موجب ہوئے اور آپؓ شہید ہوئے۔ حضرت علیؓ کے زمانہ میں ان کی شرارت اور بھی بڑھ گئی۔ اگر ان کی تقلید پر مسلمان اُتر آئے تو ان کا خدا ہی حافظ ہے۔ اگر یہ اعتراضات کوئی اعلیٰ حریت کا نمونہ تھے تو کیا وجہ کہ صحابہ کبار کی طرف سے نہ ہوئے۔ اگر یہ خوبی تھی تو سب سے زیادہ اس کے عامل عشرہ مبشرہ ہوتے مگر ان کی خاموشی ثابت کرتی ہے کہ وہ اس فعل کو جائز نہ سمجھتے تھے۔

حضرت عمرؓ کا اپنا قول

کچھ لوگ حضرت عمرؓ کا ایک قول نقل کرتے ہیں کہ تم میری خواہشوں کی پیروی نہ کرو۔ مگر اس سے بھی پارلیمنٹ کا نتیجہ نکالنا غلط ہے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اطاعت کے عہد میں یہ شرط کرتے تھے کہ امر بِالمعروف میں میری پیروی کرنا۔[۱۷] تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا

ہے کہ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض حکم خراب بھی دیتے تھے اور ان کی پیروی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ پس اس سے پارلیمنٹ کا ثبوت نکالنا غلطی ہے اب میں کافی طور سے ثابت کر چکا ہوں کہ اسلامی خلافت کا طریق یہ تھا کہ ایک خلیفہ عمر بھر کے لئے منتخب ہوتا تھا اور وہ ایک مجلس شوریٰ سے مشورہ لے کر کام کرتا تھا مگر اس کے مشورہ کا پابند نہ ہوتا تھا اور جو لوگ ایک پارلیمنٹ کا وجود ثابت کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ (الفضل ۱۶ جولائی ۱۹۱۳ء)

۱؎ اٰل عمران: ۱۶۰

۲؎ آوازہ کسنا: طعنہ زنی کرنا۔ چھیڑنا (فیروز اللغات اردو جامع صفحہ ۴۵ مطبوعہ فیروز سنز لاہور ۲۰۱۰ء)

۳؎ البقرۃ: ۸۰　　۴؎ النور: ۵۶

۵؎ مسلم کتاب فضائل الصحابۃ رضی اللّٰہ عنھم باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی اللّٰہ عنہ صفحہ ۱۰۵۱ حدیث نمبر ۶۱۸۱ مطبوعہ ریاض ۲۰۰۰ء الطبعۃ الثانیۃ

۶؎ ابن ماجہ کتاب السنۃ باب فی فضائل اصحاب رسول اللّٰہ ﷺ صفحہ ۱۸ حدیث نمبر ۱۱۲ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعۃ الاولیٰ

۷؎ بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم باب قول النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لو کنت متخذا خلیلا صفحہ ۶۱۵ حدیث نمبر ۳۶۶۴ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعۃ الاولیٰ

۸؎ الانعام: ۹۱　　۹؎ اٰل عمران: ۱۶۰

۱۰؎ تفسیر درمنثور جلد ۲ صفحہ ۵۹ مطبوعہ بیروت ۱۹۹۰ء

۱۱؎ البقرۃ: ۱۵۷

۱۲ تا ۱۴؎ تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ ۶۰ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز ۲۰۰۴ء

۱۵؎ عیون الاخبار جلد اول صفحہ ۱۱۸ باب خیانات العمال مطبوعہ بیروت ۱۹۹۸ء

۱۶؎ بخاری کتاب المناقب باب علامات النبوۃ فی الاسلام صفحہ ۶۰۵ حدیث نمبر ۳۶۱۰ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعۃ الاولیٰ

۱۷؎ بخاری کتاب مناقب الانصار باب وفود الانصار صفحہ ۶۵۴ حدیث نمبر ۳۸۹۲ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعۃ الاولیٰ

وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّأْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ [1]

تصدیق المسیح

اخبار الفضل میں ''تصدیق المسیح'' کے عنوان کے تحت حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد کے دو مضامین دو علیحدہ شماروں میں شائع ہوئے جن میں سے ایک کا عنوان ''خلیفہ بنانا خدا کا کام ہے'' اور دوسرے کا ''ضرورتِ امام'' تھا۔ ان مضامین کے متن ذیل کے صفحات میں درج کئے جا رہے ہیں:۔

''خلیفہ بنانا خدا کا کام ہے''

شریعتِ غراء اسلامیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ مقرر کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں لیا ہے۔ خلیفہ کہتے ہیں جو کہ اپنا حکم نافذ کرے۔ دوسرے کے جا بجا آنے والا۔ اور خلیفہ کے یہ بھی معنی ہوتے ہیں کہ اس کا کوئی قائمقام ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو فرمایا۔ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً [2] میں ضرور زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ [3]۔ اُنہوں عرض کیا، کیا تُو بناتا ہے جو زمین میں فساد کرے اور خون گرائے۔ ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح اور تقدیس کرتے ہیں۔

خدا کی عجیب شان ہے کہ جو جو خدا نے خلیفہ بنایا ہے اس کی ضرور سخت مخالفت ہوتی ہے۔ مخالفت ابتدا میں نیک لوگ بھی کرتے ہیں اور اشرار بھی۔ لیکن نیک لوگوں کو خدا بچا لیتا

ہے اور وہ خلیفۂ برحق کے آگے سربسجود ہو جاتے ہیں اور ابلیس صفت لوگ اس کے آگے سرِ تسلیم خم نہیں کرتے اور اپنے تئیں بڑا سمجھ بیٹھتے ہیں۔

سب سے پہلا گناہ جو دنیا میں سرزد ہوا ہے وہ اِبَا[۴] اور تکبر ہے اور وہ گناہ خلیفۂ برحق کے مقابل میں کیا گیا ہے۔ ارشادِ الٰہی کے مقابلہ میں قیاس ہرگز کام نہیں آ سکتا۔ بڑا وہی ہو سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ بڑا کر دے۔ **اَنَا خَیْرٌ**[۵] کہنے والا ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی درگاہ سے دور پھینکا گیا بلکہ یوں فرمایا گیا کہ جو ابلیس کی پیروی کرے گا وہ بھی دوزخ میں ڈالا جاوے گا۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ بنی آدم کو غیرت دلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ تم اپنے مورثِ اعلیٰ کے قدموں کی پیروی کرو اور اس پلید خبیث ہلاک شُدہ روح کی پیروی مت کرو جس نے تمہارے مورثِ اعلیٰ کی اطاعت سے انحراف کیا تھا۔ **اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗۤ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا**[۶]۔ اے آدم کی اولاد! کیا تم ابلیس کو اور اُس کی ذُرّیّت کو مجھے چھوڑ کر اپنا دوست بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ ظالموں کے لئے بہت بُرا بدلہ ہے۔

خلیفہ کا مقابلہ اور اس کا انکار حقیقت میں خلیفہ بنانے والے کا مقابلہ اور انکار ہوتا ہے۔ دیکھو حضرت آدم علیہ السلام کی اطاعت نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **قَالَ يٰۤاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ**[۷]۔ فرمایا اے ابلیس! کس چیز نے تجھ کو روکا کہ اس کی فرمانبرداری کرے جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ کیا تُو اپنے تئیں بڑا خیال کرتا ہے؟ **قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ**[۸]۔ اس حالت تکبر سے اُتر جا۔ تیری یہ شان نہیں ہے کہ تو تکبر کرے۔ چلا جا تُو ذلیلوں میں سے ہے۔

دوسرے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں خلیفہ کا لفظ حضرت داؤد علیہ السلام پر بولا ہے۔ **يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ**[۹]۔ اے داؤد! ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ

بنایا تُو لوگوں کے درمیان حق کا فیصلہ دے اور لوگوں کی گری ہوئی خواہشات کی پیروی نہ کر۔ وہ تجھ کو اللہ کی راہ سے ہٹا دیں گی۔ جو اللہ کی راہ سے ہٹا دیتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے کیونکہ انہوں نے حساب کے دِن کو بھلا دیا۔

جانتے ہو کہ داؤد کی مخالفت کرنے والوں نے کیا ثمرہ پایا؟ قرآن کریم میں یہ سب کچھ لکھا ہوا ہے کیوں قرآن شریف تدبر سے نہیں پڑھتے۔ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا[10] یہ لوگ کیوں قرآن شریف کو تدبر سے نہیں پڑھتے؟ کیا ان کے دلوں پر قفل لگ گئے ہیں؟ چھٹے پارہ کے آخری رکوع میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ[11] ملعون قرار پائے بنی اسرائیل میں سے وہ لوگ جنہوں نے کُفر کیا۔ حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنی اسرائیل کے اُن لوگوں پر لعنت کی جنہوں نے اس سے رُوگردانی کی اور کُفر کیا۔ یہ اس لئے ہوا کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے اور حد سے تجاوز کر جاتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے خلیفہ بنایا تھا اس کا مقابلہ کرنا کوئی چھوٹی سی بات نہ تھی۔ اس مقابلہ کی وجہ سے لعنت کا زنجیر ان کے گلے کا ہار بنا۔

اسی طرح اللہ جل شانہٗ نے ہم مسلمانوں کو وعدہ دیا ہوا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ[12] اللہ مومنوں سے وعدہ کرتا ہے کہ تم میں سے ایمانداروں کو جو اصلاح کرنے کے قابل ہونگے زمین میں خلیفہ بناتا رہے گا۔

یہاں بھی خلیفہ بنانے کے کام کو اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے جیسا کہ اس نے حضرت آدم اور حضرت داؤد علیہما السلام کی خلافت اپنی طرف منسوب کی ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کے تقرر کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ پس کیسے ظالم ہیں

وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ لوگ خلیفہ بناتے ہیں۔ ان کو شرم کرنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ کے کلام کی تکذیب نہیں کرنی چاہیے۔ انسان بیچارہ ضعیف البنیان کیا طاقت اور سکت رکھتا ہے کہ وہ دوسرے کو بڑا بنا سکے۔ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ [۱۳] کسی کو بڑا بنانا خدا کے ہاتھ میں ہے کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔ انسان کا علم کمزور، اُس کی طاقت اور قدرت محدود اور ضعیف۔ طاقتور مقتدر ہستی کا کام ہے کہ کسی کو طاقتِ اقتدار عطا کرے اور عجیب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تقررِ خلافت کسی انسان کے سپرد نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد کسی کو نامزد نہیں کیا کیونکہ آنحضور خوب سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ خود اس وقت یہ انتظام کر دے گا۔ ایسا ہی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے کُھلے الفاظ میں اپنے بعد کسی کو خلافت کے لئے نامزد نہیں کیا بلکہ یہ معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا جو آڑے وقتوں پر اپنے بندوں اور سلسلوں کی حفاظت فرمایا کرتا ہے۔ اور آپ نے کھلے الفاظ میں دو قدرتوں کا ذکر فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ کی قدیم سنت ہے جو ہمیشہ اسے ظاہر فرماتا رہا ہے۔ قدرتِ اوّل تو رسولوں اور نبیوں کے وجود میں ظہور پذیر ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ ان کو اپنی قدرتِ کاملہ سے دنیا میں استحکام بخشتا ہے اگرچہ دنیا کی زبردست طاقتیں ان کے اِستیصال کے درپے ہوتی ہیں اور ان کی تخریب میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جاتا۔ اور یہ تو مسلّم امر ہے کہ رُسل کے اتباع ابتداء میں غرباء ہی ہوا کرتے ہیں۔ اشراف القوم ہمیشہ مخالفت کرتے رہتے ہیں اور یہ محض اس لئے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت نمائی سے غرباء کو بڑے انسان بنا دے اور رسولوں کے مخالف اکابر کو ذلیل اور خوار کر دے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قدرتِ ثانیہ کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ جب رسول اپنی اُمت کے سر پر سے اُٹھ جاتا ہے اور اُس کی موت بے وقت سمجھی جاتی ہے اور اُمت پر سخت ابتلاء کی آندھیاں چلنے لگ پڑتی ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ اپنی دوسری قدرت ظاہر فرماتا ہے اور گرِتی ہوئی جماعت کو پھر سنبھال لیتا ہے اور ایک زبردست انسان ان کے امور کا متولی بنا دیتا ہے۔ اور حضرت اقدس علیہ السلام نے صاف بیان فرمادیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرنے کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کو سخت ابتلا آیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی دوسری قدرت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وجود میں ظاہر فرمائی اور اسلام کی کشتی کا ان کو ناخدا بنایا اور ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچالیا۔ اسی قدرتِ ثانیہ کا ذکر اللہ تعالیٰ نے آیت استخلاف میں کُھلے اور بیّن الفاظ میں کیا ہے۔ بانی سلسلہ کی موت کے باعث اس کی موت پر چونکہ دین میں سخت ضُعف اور اختلال واقعہ ہوجاتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ اس خلیفہ کے ذریعہ اس دین کو تمکین عطا کردیتا ہے اور جو اَخواف اور اَخطار اُس وقت پیدا ہوجاتے ہیں اُس خلیفہ کے ذریعہ سے اُن کو امن سے بدل دیتا ہے۔ وہ خلیفہ شرک کا سخت دشمن ہوتا ہے۔ عبادتِ الٰہی کرتا ہے اور تمام لوگوں کو شرک سے منع کرتا رہتا ہے اور عبادتِ الٰہیہ کی طرف بُلاتا رہتا ہے۔ ہم اللہ کے محض فضل وکرم سے بتاسکتے ہیں کہ ہر خلیفہ جو اس محک [۱۴] میں پورا اُترا ہے وہ ضرور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا۔ اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں تمام عرب نے ارتداد اختیار کرلیا تھا اور سوائے جواثی [۱۵] مدینہ اور مکہ کے اور مقامات کے لوگوں نے نماز تک چھوڑ دی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیفہ اوّل کے ذریعہ دین کو دوبارہ تمکین اور طاقت بخشی اور تمام خوف امن سے بدل گئے اور اللہ تعالیٰ نے دوبارہ شرک کو فروغ نہ پانے دیا۔ اور عبادتِ الٰہیہ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوتی تھی پھر ویسے ہی ہونے لگی۔

چوتھی بات خلفاء کے منکروں میں فسق بڑھ جاتا ہے اور ان میں راستبازی بالکل نہیں رہتی۔ یہی چاروں باتیں ہمارے خلیفہ اوّل میں **مِنْ کُلِّ الْوُجُوْہِ** موجود ہیں۔ آپ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے سلسلہ کو تمکین بخشی۔ سلسلہ عالیہ پر جو خوف کی آندھیاں چلی تھیں اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و رحم کے ساتھ ان کو امن میں بدل دیا۔ وہ اللہ کی خالص عبادت کرتا ہے، شرک سے سخت بیزار ہے۔ اس کے منکر فسق و فجور میں مبتلا ہیں۔ کیا ان شرائط کو کسی کے وجود میں جمع کردینا کسی انسان کا کام ہوسکتا ہے؟ یہ سب اللہ تعالیٰ کے کام ہیں۔ اور ہماری آنکھوں میں عجیب۔ بس خلیفہ بنانا اللہ ہی کا کام ہے کسی کو اس میں دخل نہیں۔'' (الفضل ۱۰؍دسمبر ۱۹۱۳ء)

ضرورتِ امام

''اسلام نے جو اللہ تعالیٰ پیش کیا ہے اُس کی صفاتِ کاملہ کا فوٹو سورۃ **اَلْحَمْدُ** میں کمال بسط و ایجاز سے بیان فرمایا گیا ہے اور لطیف بات

یہ ہے کہ وہ صفاتِ الٰہیہ افعالِ الٰہیہ کے عین مطابق ہیں کہ ایک عقلمند فہیم اس نظارہ کو دیکھ کر بالکل حیران و ششدر رہ جاتا ہے۔ سب سے بڑی صفت اللہ تعالیٰ کی ربوبیتِ عامہ ہے۔ تمام اشیاء خدا تعالیٰ کی ربوبیت سے فیض پا رہی ہیں۔ اگر اس کا یہ فیض ایک ہزارویں حصہٴ سیکنڈ کے لئے بھی رُک جاوے تو سلسلہٴ عالَم درہم برہم ہو جائے۔ غلطی پر ہیں وہ لوگ جو یہ مان رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اب روحانی تربیت کے سلسلہ کو مسدود کر دیا ہے حالانکہ وہ دیکھ رہے ہیں کہ روح اور جسم میں اتنا سخت ارتباط اور توافق ہے کہ ایک بغیر دوسرے کے ایک منٹ کیلئے بھی نہیں چل سکتا۔ ربُّ العٰلمین کی صفت صاف بتا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کی تربیت کرتا ہے خواہ وہ جسمانی ہوں یا روحانی۔

جیسا جسمانی عالم کے لئے اللہ تعالیٰ نے بارش وغیرہ سامان مہیا کر دیئے ہیں وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ [۱۶]۔ پانی کے بغیر اشیاء کی طراوت اور نضارت میں سخت اختلال واقع ہو جاتا ہے ایسا ہی اگر روحانی بارش کا سلسلہ بند ہو جاوے تو روحانی عالَم میں یکدم پژمردگی چھا جائے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے روحانی بارش کو بھی بند نہیں کیا اور وقتاً فوقتاً اللہ کی طرف سے خدا کے بندے تشریف لاتے رہتے ہیں تاکہ وہ اس خشکی کو دور کریں جو روحانی بارش نہ ہونے کی وجہ سے لاحق ہو چکی ہے یہی وجہ ہے کہ سچے مذہب نے الہام کے ابواب کو قُفل نہیں لگایا اور جن مذاہب نے ابوابِ الہامِ الٰہی پر قُفل لگا دیا ہے وہ معرفت الٰہی سے بالکل خام ہیں۔ باوجودیکہ دنیا میں تری خشکی سے بہت زیادہ ہے یہاں تک کہ تین چوتھائی دنیا میں سمندر ہے اور پھر خشکی میں جو کہ صرف ایک چوتھائی ہے اتنے دریا ہیں کہ حدوشمار سے باہر ہیں اور پہاڑوں کے ندی نالے اس کے علاوہ ہیں۔ پھر اس قدر پانی کے ہوتے ہوئے دنیا میں اگر بارش ایک سال کے لئے بھی بند ہو جاوے تو دنیا میں قحط کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔ پھر اس نظارہٴ قدرت کو ملاحظہ کرتے ہوئے لوگ یہ سبق نہیں سیکھتے کہ بغیر بارشِ الٰہی کے دنیا کا کام نہیں چلتا تو پھر ہم سوائے اس کے کیا کہیں کہ لوگ تغافل سے کام لیتے ہیں اور ان میں احساس اور شعور نہیں پیدا ہوا۔ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ [۱۷] اور زمین و آسمان میں کتنے نشان

ہیں ۔لوگ ان کے پاس سے گذرتے ہیں مگر ان سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھاتے بلکہ ان سے منہ پھیر لیتے ہیں ۔ دنیا میں پانی کی اس قدر بہتات اور کثرت ہے پھر بھی بغیر بارانِ الٰہی کے قحط پڑ جاتا ہے تو پھر کیسی بدقسمتی کی بات ہے کہ لوگ اس قانونِ الٰہی کو فراموش کر دیتے ہیں اور کہہ دیا کرتے ہیں کہ بس دنیا کیلئے صرف وید ہی کافی ہیں جو ابتدائے پیدائش عالَم میں دنیا کو عطا ہوئے تھے ۔صرف ژنداَوِستا و دساتیر ہی کافی ہیں جو کہ ویدوں کے بعد اہل فارس کو دیئے گئے ۔ یہودی لوگ کہہ دیتے ہیں کہ صرف تورات ہی کافی ہے جو بنی اسرائیل کے لئے خدائی عہد اور قانون تھا اور عیسائی صاحبان بائبل پر ہی اکتفاء کر بیٹھتے ہیں اور مسلمان بھی ان کی دیکھا دیکھی اس بات کے قائل ہو گئے ہیں کہ جب ہمارے پاس قرآن مجید موجود ہے اور احادیث صحیحہ موجود ہیں تو پھر ہمیں کسی مجدد یا امام کی کیا ضرورت ہے ۔ یہ ایسی ہی بات ہے کہ کوئی کہہ دے جب کہ ہمارے پاس پانی کے سمندر اور دریا اور کنویں موجود ہیں تو پھر ہمیں کسی بارش کی کیا ضرورت ہے ۔ کیا ایسا انسان عقلمند کہلا سکتا ہے ۔ **کَلاَّوَحَاشَا**۔

صاحبان ! جب کہ عالَمِ جسمانی کی تربیت کے لئے سمندر، دریا اور کنویں کافی نہیں ہیں تو پھر کس طرح روحانی سمندر، دریا اور کنویں کے ساتھ روحانی بارش کی ضرورت نہ ہوگی ۔ اگر صرف کُتب ہی کافی ہوتیں اور کسی انسان کی ضرورت نہ ہوتی تو رُسل کی کیا ضرورت تھی ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کتاب بغیر مُعلّم کے کبھی کوئی پڑھ نہیں سکتا ۔ انسان بغیر زندہ نمونہ کے کچھ سمجھ نہیں سکتا ۔ اور یہی وجہ ہے کہ انسانوں کے لئے انسان سمجھانے کے لئے بھیجے گئے ہیں اور اُنہوں نے اس تعلیم پر خود چل کر ثابت کر دیا کہ تعلیمِ الٰہی قابل عمل ہے انسانی طاقت اور وُسعت سے بڑھ کر نہیں ہے ۔ بے شک قرآن شریف اور احادیث صحیحہ کے ہوتے ہوئے کسی اور تعلیم کی ضرورت نہیں ہے مگر مُعلّم کی تو ضرورت بہرحال رہے گی کتب حساب میں مثالیں حل کی ہوئی بھی ہیں مگر پھر بھی بڑی مُغلَق ہوتی ہیں کہ وہاں تک ہر ایک کے فہم کی رسائی نہیں ہوسکتی اور بغیر مدد اُستاد کے انسان اس سے مستفید نہیں ہوسکتا ۔

لوگوں کا کیا حق ہے کہ وہ کہیں کہ ہمیں کسی امام یا مجدد کی ضرورت نہیں ہے۔ جب کہ دنیا کے علوم کے سیکھنے کے لئے اُستاد سے مدد لیتے ہیں۔ اگر ان کی یہ دلیل اور وسیع کی جاوے تو پھر قرآن کے مُعلّموں اور قاریوں اور مولویوں کی کیا ضرورت ہے۔ کیوں ہم اپنے بچوں کو کسی مولوی، یا قاری یا حافظ کے پاس بھیجیں کہ وہ ان سے جا کر قرآن کے الفاظ پڑھے۔ اگر قرآن کے الفاظ سیکھنے میں انسانوں کی مدد کی ضرورت پڑتی ہے تو کیا اس کے معانی سیکھنے کے لئے خدائی ماموروں کی ضرورت پیش نہیں آئے گی؟ کسی کا کیا حق ہے کہ وہ کہے کہ ہمیں کسی مجدد یا امام یا مأمور من اللہ انسان کی ضرورت نہیں ہے جب کہ خود قرآن شریف اور احادیث صحیحہ پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ضرور ضرور اپنی طرف سے ایسے بندے مبعوث فرماتا رہے گا جو کہ اس کے باغ کی آبیاری کرتے رہیں گے۔

دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین فرائض منصبی قرآن شریف نے قرار دیئے ہیں۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ [18]۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر بڑا احسان اور فضل کیا جب ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا۔ وہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور دعاؤں سے ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور ضرور وہ اس سے پہلے کُھلی گمراہی میں تھے۔

سوچنے اور غور کرنے کا مقام ہے کہ اگر صرف کتاب ہی کافی ہو تو پھر تالی [19] کی کیا ضرورت ہے اور معلّم کی کیا ضرورت ہے اور مزکی کی کیا ضرورت ہے جب کہ قرآن شریف کے عین نزول کے وقت تالی، معلّم اور مزکی کی ضرورت تھی۔ تو پھر اب اس قدر مرورِ زمانہ کے بعد کیوں ان کی ضرورت نہیں رہے گی۔ اگر عام مولوی تالی کا کام دے سکتے ہیں تو پھر مزکی اور معلّم کون بنے۔ مزکی اور معلّم بننے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آئمہ اور خلفاء اور مأمورین من اللہ کا وجود باجود قائم فرمایا ہے اور ائمہ اور خلفاء کے کام بھی قرآن شریف میں ذکر فرما دیئے ہیں۔ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۗ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ [20]۔ امام اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ لوگوں کو ہدایت کرتے ہیں اور

مخالفت میں صبر اور استقلال سے کام لیتے ہیں اور ان کو آیاتِ الٰہی کے ساتھ کامل یقین ہوتا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا [۲۱] مومنوں میں سے اللہ خلیفے بنا تا رہے گا۔ ان کے ذریعہ سے دینِ اسلام کی تمکین کرے گا اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔ وہ عباداتِ الٰہیہ کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

کیا اب یہ ظلمِ صریح نہیں کہ اب کسی مجدد یا امام یا خلیفہ کی ضرورت نہیں ہے حالانکہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ خلیفہ بناتا رہے گا جب کہ قانونِ قدرت جو خدائی فعل ہے صاف بتا رہا ہے کہ بارانِ الٰہی کی ہر زمانہ میں ضرورت ہے۔ جب کہ قرآن مجید جو خدائی قول ہے صاف بتا رہا ہے کہ اللہ کی طرف سے خلیفہ آیا کرے گا تو کس مسلمان کا گردہ ہے کہ وہ جسارت اور جرأت سے کہے کہ اب ہمیں کسی امام کی ضرورت نہیں ہے کافی ہے ماننے کو اگر اہل کوئی ہے۔'' (الفضل ۷ جنوری ۱۹۱۴ء)

---

۱ الصف: ۷ ۲، ۳ البقرۃ: ۳۱

۴ اِبا: انکار، نفرت، پرہیز، اختلاف (فیروز اللغات اردو جامع صفحہ ۵۰ مطبوعہ فیروز سنز لاہور ۲۰۱۰ء)

۵ الاعراف: ۱۳ ۶ الکھف: ۵۱ ۷ ص: ۷۶

۸ الاعراف: ۱۴ ۹ ص: ۲۷ ۱۰ محمد: ۲۵

۱۱ المائدۃ: ۷۹ ۱۲ النور: ۵۶ ۱۳ اٰل عمران: ۷۴

۱۴ محک: کسوٹی (فیروز اللغات اردو جامع صفحہ ۱۲۱۴ مطبوعہ فیروز سنز لاہور ۲۰۱۰ء)

۱۵ جواثی: مدینہ کے قریب ایک جگہ

۱۶ الانبیاء: ۳۱ ۱۷ یوسف: ۱۰۶ ۱۸ اٰل عمران: ۱۶۵

۱۹ تالی: تلاوت کرنے والا

۲۰؎ السجدة: ۲۵ ۲۱؎ النور: ۵٦

کلماتِ طیبات

(حضرت مصلح موعود کی ''بیعت خلافت'' کے وقت پہلی تقریر)

(فرمودہ ۱۴ مارچ ۱۹۱۴ء)

''اَشْھَدُ اَنْ لَّآاِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

سنو! دوستو! میرا یقین اور کامل یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ میرے پیارو! پھر میرا یقین ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں۔ میرا یقین ہے کہ آپ کے بعد کوئی شخص نہیں آ سکتا جو آپ کی دی ہوئی شریعت میں سے ایک شوشہ بھی منسوخ کر سکے۔

میرے پیارو! میرا وہ محبوب آقا سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ایسی عظیم الشان شان رکھتا ہے کہ ایک شخص اس کی غلامی میں داخل ہو کر کامل اِتباع اور وفاداری کے بعد نبیوں کا رُتبہ حاصل کر سکتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ایسی شان اور عزت ہے کہ آپؐ کی سچی غلامی میں نبی پیدا ہو سکتا ہے یہ میرا ایمان ہے اور پورے یقین سے کہتا ہوں۔

پھر میرا یقین ہے کہ قرآن مجید وہ پیاری کتاب ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور وہ خاتم الکتب اور خاتم شریعت ہے۔ پھر میرا یقین کامل ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام وہی نبی تھے جس کی خبر مسلم میں ہے اور وہی امام تھے جس کی خبر بخاری میں ہے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ شریعت اسلامی سے کوئی حصہ اب منسوخ نہیں ہو سکتا۔

صحابہ کرام رِضْوَانُ اللّٰہِ عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ کے اعمال کی اقتداء کرو۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں اور کامل تربیت کا نمونہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دوسرا

اجماع جو ہوا وہ وہی خلافت حقّہ راشدہ کا سلسلہ ہے۔خوب غور سے دیکھ لو اور تاریخ اسلام میں پڑھ لو کہ جو ترقی اسلام کی خلفائے راشدین کے زمانہ میں ہوئی جب وہ خلافت محض حکومت کے رنگ میں تبدیل ہوگئی تو گھٹتی گئی۔ یہاں تک کہ اب جو اسلام اور اہل اسلام کی حالت ہے تم دیکھتے ہو۔تیرہ سَو سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسی منہاجِ نبوۃ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدوں کے موافق بھیجا اور ان کی وفات کے بعد پھر وہی سلسلہ خلافت راشدہ کا چلا ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح مولانا مولوی نورالدین صاحب (ان کا درجہ اعلیٰ عِلّیین میں ہو۔اللہ تعالیٰ کروڑوں کروڑ رحمتیں اور برکتیں ان پر نازل کرے جس طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محبت ان کے دل میں بھری ہوئی اور ان کے رگ و ریشہ میں جاری تھی جنت میں بھی اللہ تعالیٰ انہیں پاک وجودوں اور پیاروں کے قُرب میں آپ کو اکٹھا کرے) اس سلسلہ کے پہلے خلیفہ تھے اور ہم سب نے اسی عقیدہ کے ساتھ ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔پس جب تک یہ سلسلہ چلتا رہے گا اسلام مادی اور روحانی طور پر ترقی کرتا رہے گا۔اِس وقت جو تم نے پکار پکار کر کہا ہے کہ میں اِس بوجھ کو اُٹھاؤں اور تم نے بیعت کے ذریعہ اظہار کیا ہے میں نے مناسب سمجھا کہ میں تمہارے آگے اپنے عقیدہ کا اظہار کروں۔

میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ میرے دل میں ایک خوف ہے اور اپنے وجود کو بہت ہی کمزور پاتا ہوں۔حدیث میں آیا ہے کہ تم اپنے غلام کو وہ کام مت بتاؤ جو وہ کر نہیں سکتا۔تم نے مجھے اِس وقت غلام بنانا چاہا ہے تو وہ کام مجھے نہ بتانا جو میں نہ کر سکوں۔میں جانتا ہوں کہ میں کمزور اور گنہگار ہوں میں کس طرح دعویٰ کر سکتا ہوں کہ دنیا کی ہدایت کر سکوں گا اور حق اور راستی کو پھیلا سکوں گا۔ہم تھوڑے ہیں اور اسلام کے دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہے مگر اللہ تعالیٰ کے فضل اور کرم اور غریب نوازی پر ہماری امیدیں بے انتہاء ہیں۔تم نے یہ بوجھ مجھ پر رکھا ہے تو سنو! اِس ذمہ داری سے عُہدہ برآ ہونے کے لئے میری مدد کرو اور وہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ سے فضل اور توفیق چاہو اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور فرمانبرداری میں میری اطاعت کرو۔

میں انسان ہوں اور کمزور انسان ۔ مجھ سے کمزوریاں ہوں گی تو تم چشم پوشی کرنا۔تم سے غلطیاں ہوں گی میں خدا تعالیٰ کو حاضر ناظر سمجھ کر عہد کرتا ہوں کہ میں چشم پوشی اور درگزر کروں گا اور میرا اور تمہارا متحد کام اس سلسلہ کی ترقی اور اِس سلسلہ کی غرض و غایت کو عملی رنگ میں پورا کرنا ہے پس اب جو تم نے میرے ساتھ ایک تعلق پیدا کیا ہے اس کو وفاداری سے پورا کرو۔تم مجھ سے اور میں تم سے چشم پوشی خدا کے فضل سے کرتا رہوں گا۔تمہیں امر بالمعروف میں میری اطاعت اور فرمانبرداری کرنی ہوگی ۔اگر نَعُوْذُبِاللّٰہِ کہوں کہ خدا ایک نہیں تو اُسی خدا کی قسم دیتا ہوں جس کے قبضۂ قدرت میں ہم سب کی جان ہے جو وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ اور لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ[1] ہے کہ میری ایسی بات ہرگز نہ ماننا۔

اگر میں تمہیں نَعُوْذُبِاللّٰہِ نبوت کا کوئی نقص بتاؤں تو مت مانیو۔اگر قرآن کریم کا کوئی نقص بتاؤں تو پھر خدا کی قسم دیتا ہوں مت مانیو۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو خدا تعالیٰ سے وحی پا کر تعلیم دی ہے اس کے خلاف کہوں تو ہرگز ہرگز نہ ماننا۔ہاں میں پھر کہتا ہوں اور پھر کہتا ہوں کہ امر معروف میں میری خلاف ورزی نہ کرنا۔اگر اطاعت اور فرمانبرداری سے کام لو گے اور اس عہد کو مضبوط کرو گے تو یاد رکھو اللہ تعالیٰ کا فضل ہماری دستگیری کریگا۔

ہماری متحد دعائیں کامیاب ہوں گی

اور میں اپنے مولیٰ کریم پر بہت بڑا بھروسہ رکھتا ہوں مجھے یقین کامل ہے کہ کہ میری نصرت ہوگی ۔ پرسوں جمعہ کے روز میں نے ایک خواب سنایا تھا کہ میں بیمار ہوگیا اور مجھے ران میں درد محسوس ہوا اور میں نے سمجھا کہ شاید طاعون ہونے لگا تب میں نے اپنا دروازہ بند کرلیا اور فکر کرنے لگا کہ یہ کیا ہونے لگا ہے۔ میں نے سوچا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ[2] یہ خدا کا وعدہ آپ کی زندگی میں پورا ہوا۔شاید خدا کے مسیحؑ کے بعد یہ وعدہ نہ رہا ہو کیونکہ وہ پاک وجود ہمارے درمیان نہیں ۔ اِسی فکر میں میں کیا دیکھتا ہوں یہ خواب نہ تھا بیداری تھی میری آنکھیں کُھلی تھیں میں درو دیوار کو دیکھتا تھا، کمرے کی چیزیں نظر آرہی تھیں میں نے اسی حالت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا کہ ایک سفید اور نہایت چمکتا ہوا نور ہے۔ نیچے سے آتا ہے اور اوپر چلا جاتا

ہے نہ اس کی ابتداء ہے نہ انتہاء۔ اس نور میں سے ایک ہاتھ نکلا جس میں ایک سفید چینی کے پیالہ میں دودھ تھا جو مجھے پلایا گیا جس کے بعد معاً مجھے آرام ہو گیا اور کوئی تکلیف نہ رہی۔ اس قدر حصہ میں نے سنایا تھا اس کا دوسرا حصہ اُس وقت میں نے نہیں سنایا اَب سناتا ہوں وہ پیالہ جب مجھے پلایا گیا تو معاً میری زبان سے نکلا ''میری اُمت بھی کبھی گمراہ نہ ہوگی''۔

میری اُمت کوئی نہیں تم میرے بھائی ہو مگر اِس نسبت سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ہے یہ فقرے نکلے۔ جس کام کو مسیح موعود علیہ السلام نے جاری کیا اپنے موقع پر وہ امانت میرے سپرد ہوئی ہے۔ پس دعائیں کرو اور تعلقات بڑھاؤ اور قادیان آنے کی کوشش کرو اور بار بار آؤ۔ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سنا اور بار بار سنا کہ جو یہاں بار بار نہیں آتا اندیشہ ہے کہ اس کے ایمان میں نقص ہو۔

اسلام کا پھیلانا ہمارا پہلا کام ہے مل کر کوشش کرو تا کہ اللہ تعالیٰ کے احسانوں اور فضلوں کی بارش ہو۔ میں پھر تمہیں کہتا ہوں، پھر کہتا ہوں اور پھر کہتا ہوں اب جو تم نے بیعت کی ہے اور میرے ساتھ ایک تعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد قائم کیا ہے اس تعلق میں وفاداری کا نمونہ دکھاؤ اور مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھو میں ضرور تمہیں یاد رکھوں گا۔ ہاں یاد رکھتا بھی رہا ہوں۔ کوئی دعا میں نے آج تک ایسی نہیں کی جس میں میں نے سلسلہ کے افراد کے لئے دعا نہ کی ہو مگر اب آگے سے بھی بہت زیادہ یاد رکھوں گا۔ مجھے کبھی پہلے بھی دعا کے لئے کوئی ایسا جوش نہیں آیا جس میں احمدی قوم کے لئے دعا نہ کی ہو۔

پھر سنو! کہ کوئی کام ایسا نہ کرو جو اللہ تعالیٰ کے عہد شکن کیا کرتے ہیں۔ ہماری دعائیں یہی ہوں کہ ہم مسلمان جیئیں اور مسلمان مریں۔ آمین

الفاظ بیعت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل جس طرح پر ہاتھ میں ہاتھ لے کر فرماتے جاتے تھے اور طالب تکرار کرتا تھا اسی طرح پر اب بیعت لیتے ہیں۔

اَشْھَدُ اَنْ لَّآاِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

(تین بار) آج میں احمدی سلسلہ میں محمود کے ہاتھ پر اپنے اُن تمام گناہوں سے توبہ کرتا

ہوں جن میں میں گرفتار تھا اور میں سچے دل سے اقرار کرتا ہوں کہ جہاں تک میری طاقت اور سمجھ ہے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے آئندہ بھی گناہوں سے بچنے کی کوشش کروں گا۔ اور دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔ شرک نہیں کروں گا۔ اسلام کے تمام احکام بجالانے کی کوشش کروں گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء یقین کروں گا۔ اور مسیح موعود علیہ السلام کے تمام دعاوی پر ایمان رکھوں گا۔ جو تم نیک کام بتاؤ گے ان میں تمہاری فرمانبرداری کروں گا۔ قرآن شریف اور حدیث کے پڑھنے اور سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا۔ حضرت صاحب کی کتابوں کو پڑھنے یا سننے اور یاد رکھنے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ (۳ بار) رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا كَثِيْرًا وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ فَاِنَّهٗ لَايَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ اے میرے رَبّ! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور بہت ظلم کیا۔ اور میں اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں۔ میرے گناہ بخش کہ تیرے سوا کوئی بخشنے والا نہیں۔ (آمین)''

(الفضل غیر معمولی پرچہ ۲۱ مارچ ۱۹۱۴ء)

---

۱ الشوریٰ: ۱۲

۲ تذکرہ صفحہ ۳۴۸، ۳۴۹۔ ایڈیشن چہارم ۲۰۰۴ء

کون ہے جو خدا کے کام کو روک سکے

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

(مضمون محررہ ۲۱ مارچ ۱۹۱۴ء)

"وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاۗءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ [۱] اور جب تیرے ربّ نے ملائکہ سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ مقرر کرنا چاہتا ہوں تو اُنہوں نے جواب دیا کہ کیا آپ ایسے شخص کو خلیفہ مقرر کرتے ہیں جو فساد کرے گا اور خون بہائے گا اور ہم وہ لوگ ہیں جو حضور کی تسبیح وتحمید کرتے ہیں اور آپ کی قدوسیت کا اقرار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی اِس بات کو سن کر فرمایا کہ میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

یہ ایک ایسی آیت ہے جس سے خلافت کے کُل جھگڑوں کا فیصلہ ہو جاتا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم کے زمانہ سے خلافت پر اعتراض ہوتے چلے آئے ہیں اور ہمیشہ بعض لوگوں نے خلافت کے خلاف جوشوں کا اظہار کیا ہے پس میں بھی جماعت احمدیہ کو اسی آیت کی طرف متوجہ کرتا ہوں تا وہ صِرَاطِ مُسْتَقِيْم کو پاسکے اور ہدایت کی راہ معلوم کر سکے۔

خوب یاد رکھو کہ خلیفہ خدا بناتا ہے اور جھوٹا ہے وہ انسان جو یہ کہتا ہے کہ خلیفہ انسانوں کا مقرر کردہ ہوتا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح مولوی نورالدین صاحب اپنی خلافت کے زمانہ میں چھ سال متواتر اس مسئلہ پر زور دیتے رہے کہ خلیفہ خدا مقرر کرتا ہے نہ انسان۔ اور درحقیقت قرآن شریف کا غور سے مطالعہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ایک جگہ بھی خلافت کی نسبت

انسانوں کی طرف نہیں کی گئی بلکہ ہر قسم کے خلفاء کی نسبت اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے کہ انہیں ہم بناتے ہیں چنانچہ انبیاء و ماً مورین کے خلفاء کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْــًٔا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ [۲] اللہ تعالیٰ تم میں سے مؤمنوں اور نیک اعمال والوں سے وعدہ کرتا ہے کہ وہ انہیں اسی طرح زمین میں خلیفہ مقرر فرمائے گا جس طرح ان سے پہلوں کو مقرر کیا اور ان خلفاء کے اس دین کو جو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے قائم کرے گا اور ان کے خوفوں کو امن سے بدل دے گا وہ میری ہی عبادت کریں گے اور میرا کسی کو شریک نہیں قرار دیں گے اور جو شخص اس حکم کے ہوتے ہوئے بھی ان کا انکار کرے گا تو وہ خدا تعالیٰ سے دور کیا جائے گا۔

اب اس آیت کے ماتحت جس قسم کی خلافت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوئی وہی خلافت راشدہ ہے اور اسی قسم کی خلافت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد ہونی ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں مسیح موعود علیہ السلام کی نسبت فرماتا ہے هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ [۳] خدا ہی ہے جس نے اُمیوں میں ایک رسول بھیجا جو انہی میں سے ہے اور جو ان پر خدا کا کلام پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور بیشک اس سے پہلے کھلی کھلی گمراہی میں تھے اور وہ رسول ایک اور قوم کو بھی سکھائے گا جو ابھی تک ان سے نہیں ملی اور خدا تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے تشبیہہ دی ہے اور فرمایا ہے کہ ایک دفعہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی تربیت کی ہے اور ایک دفعہ وہ پھر ایک اور قوم کی تربیت کریں

گے جو ابھی تک پیدا نہیں ہوئی ۔ پس مسیح موعود کی جماعت کو صحابہ رضوان اللہ علیہم سے مشابہہ قرار دے کر بتا دیا ہے کہ دونوں میں ایک ہی قسم کی سنت جاری ہوگی پس جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کا سلسلہ جاری ہوا ضرور تھا کہ مسیح موعود علیہ السلام کے بعد بھی ایسا ہی ہوتا ۔ چنانچہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے الوصیت میں صاف لکھ دیا ہے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکرؓ کے ذریعہ دوسری قدرت کا اظہار ہوا ضرور ہے کہ تم میں بھی ایسا ہی ہو ۔ اور اس عبارت کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے بعد سلسلۂ خلافت کے منتظر تھے مگر جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر میں صرف اشارات پر اکتفا کیا اسی طرح آپؑ نے بھی اشارات کو ہی کافی سمجھا کیونکہ ضرور تھا کہ جس طرح پہلی قدرت یعنی مسیح موعود علیہ السلام کے وقت ابتلاء آئے دوسری قدرت یعنی سلسلۂ خلافت کے وقت بھی ابتلاء آتے ۔

ہاں ایک بات یاد رکھنی چاہیے کہ خلیفہ اپنے پیش رَو کے کام کی نگرانی کے لئے ہوتا ہے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء مُلک و دین دونوں کی حفاظت پر مأمور تھے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے دینی اور دنیاوی دونوں بادشاہتیں دی تھیں لیکن مسیح موعود علیہ السلام جس کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جمالی ظہور ہوا صرف دینی بادشاہ تھا اس لئے اس کے خلفاء بھی اسی طرز کے ہوں گے ۔

پس جماعت کے اتحاد اور شریعت کے احکام کو پورا کرنے کیلئے ایک خلیفہ کا ہونا ضروری ہے اور جو اِس بات کو ردّ کرتا ہے وہ گویا شریعت کے احکام کو ردّ کرتا ہے صحابہ کا عمل اس پر ہے اور سلسلہ احمدیہ سے بھی خدا تعالیٰ نے اسی کی تصدیق کرائی ہے ۔ جماعت کے معنی ہی یہی ہیں کہ وہ ایک امام کے ماتحت ہو جو لوگ کسی امام کے ماتحت نہیں وہ جماعت نہیں اور ان پر خدا تعالیٰ کے وہ فضل نازل نہیں ہو سکتے اور کبھی نہیں ہو سکتے جو ایک جماعت پر ہوتے ہیں ۔

پس اے جماعت احمدیہ ! اپنے آپ کو ابتلاء میں مت ڈال اور خدا تعالیٰ کے احکام کو ردّ مت کر کہ خدا کے حکموں کو ٹالنا نہایت خطرناک اور نقصان دہ ہے ۔ اسلام کی حقیقی ترقی اُس زمانہ میں ہوئی جو خلافت راشدہ کا زمانہ کہلاتا ہے پس تو اپنے ہاتھ سے اپنی ترقیوں کو

مت روک اور اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مت مار۔ کیسا نادان ہے وہ انسان جو اپنا گھر آپ گراتا ہے اور کیا ہی قابلِ رحم ہے وہ شخص جو اپنے گلے پر آپ چھُری پھیرتا ہے پس تُو اپنے ہاتھ سے اپنی تباہی کا بیج مت بو اور جو سامان خدا تعالیٰ نے تیری ترقی کیلئے بھیجے ہیں اُن کو ردّ مت کر کیونکہ فرمایا ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ [4] البتہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں بڑھاؤں گا اور زیادہ دوں گا اور اگر تم نے ناشکری کی راہ اختیار کی تو یاد رکھو کہ میرا عذاب بھی بڑا سخت ہے۔

یہ ایک دھوکا ہے کہ سلسلۂ خلافت سے شرک پھیلتا ہے اور گدیوں کے قائم ہونے کا خطرہ ہے کیونکہ آج سے تیرہ سَو سال پہلے خدا تعالیٰ نے خود اس خیال کو ردّ فرما دیا ہے کیونکہ خلفاء کی نسبت فرماتا ہے يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا [5] خلفاء میری ہی عبادت کیا کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں قرار دیں گے۔ خدا تعالیٰ جانتا تھا کہ ایک زمانہ میں خلافت پر یہ اعتراض کیا جائے گا کہ اس سے شرک کا اندیشہ ہے اور غیر مامور کی اطاعت جائز نہیں پس خدا تعالیٰ نے آیتِ استخلاف میں ہی اس کا جواب دے دیا کہ خلافت شرک پھیلانے والی نہیں بلکہ اسے مٹانے والی ہوگی اور خلیفہ مشرک نہیں بلکہ موحد ہوں گے ورنہ آیت استخلاف میں شرک کے ذکر کا اور کوئی موقع نہ تھا۔

غرض کہ خلافت کا کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا خصوصاً وہ قوم جو اپنے عمل سے چھ سال تک مسئلۂ خلافت کے معنی کر چکی ہو اس کا ہرگز حق نہیں کہ اب خلافت کی تحقیقات شروع کرے۔ اور اگر کوئی شخص ایسا کرے گا تو سمجھا جائے گا کہ خلیفہ اوّل کی بیعت بھی اس نے نِفاق سے کی تھی کیونکہ وہ اپنے آپ کو ہمیشہ خلفائے سلسلہ اوّل سے مشابہت دیتا تھا اور خلیفہ کی حیثیت میں بیعت لیا کرتا تھا اور اس کے وعظوں اور لیکچروں میں اس امر کو ایسا واضح کر دیا گیا تھا کہ کوئی راستباز انسان اس کا انکار نہیں کرسکتا اور اب اس کی وفات کے بعد کسی کا حق نہیں کہ جماعت میں فساد ڈلوائے۔

مجھے اس مضمون کے لکھنے کی اس لئے ضرورت پیش آئی ہے کہ میں دیکھتا ہوں کہ جماعت میں تفرقہ کے آثار ہیں اور بعض لوگ خلافت کے خلاف لوگوں کو جوش دلا رہے ہیں

یا کم سے کم اس بات پر زور دیتے ہیں کہ خلیفہ ایک پریذیڈنٹ کی حیثیت میں ہو اور یہ کہ ابھی تک جماعت کا کوئی خلیفہ نہیں ہوا۔ مگر میں اس اعلان کے ذریعہ سے تمام جماعت کو اطلاع دیتا ہوں کہ خلیفہ کا ہونا ضروری ہے جیسا کہ میں ثابت کر چکا ہوں اور اس کی بیعت کی بھی اسی طرح ضرورت ہے جس طرح حضرت خلیفہ اوّل کی تھی اور یہ بات بھی غلط مشہور کی جاتی ہے کہ جماعت کا اِس وقت تک کوئی خلیفہ مقرر نہیں ہوا بلکہ خدا نے جسے خلیفہ بنانا تھا بنا دیا اور اب جو شخص اس کی مخالفت کرتا ہے وہ خدا کی مخالفت کرتا ہے۔

میں نے کسی سے درخواست نہیں کی کہ وہ میری بیعت کرے نہ کسی سے کہا کہ وہ میرے خلیفہ بننے کے لئے کوشش کرے۔ اگر کوئی شخص ایسا ہے تو وہ علی الاعلان شہادت دے کیونکہ اس کا فرض ہے کہ جماعت کو دھوکے سے بچائے اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو وہ خدا کی لعنت کے نیچے ہے اور جماعت کی تباہی کا عذاب اُس کی گردن پر ہوگا۔ اے پاک نفس انسانو! جن میں بدظنی کا مادہ نہیں میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے کبھی انسان سے خلافت کی تمنا نہیں کی اور یہی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ سے بھی کبھی یہ خواہش نہیں کی کہ وہ مجھے خلیفہ بنا دے یہ اُس کا اپنا فعل ہے یہ میری درخواست نہ تھی۔ میری درخواست کے بغیر یہ کام میرے سپرد کیا گیا ہے اور یہ خدا تعالیٰ کا فعل ہے کہ اس نے اکثروں کی گردنیں میرے سامنے جُھکا دیں میں کیونکر تمہاری خاطر خدا تعالیٰ کے حکم کو ردّ کر دوں۔ مجھے اُس نے اسی طرح خلیفہ بنایا جس طرح پہلوں کو بنایا تھا۔ گو میں حیران ہوں کہ میرے جیسا نالائق انسان اُسے کیونکر پسند آ گیا لیکن جو کچھ بھی ہو اُس نے مجھے پسند کر لیا اور اب کوئی انسان اِس کُرتہ کو مجھ سے نہیں اُتار سکتا جو اُس نے مجھے پہنایا ہے۔ یہ خدا کی دین ہے اور کون سا انسان ہے جو خدا کے عطیہ کو مجھ سے چھین لے۔ خدا تعالیٰ میرا مددگار ہوگا۔ میں ضعیف ہوں مگر میرا مالک بڑا طاقتور ہے، میں کمزور ہوں مگر میرا آقا بڑا توانا ہے، میں بِلا اسباب ہوں مگر میرا بادشاہ تمام اسبابوں کا خالق ہے، میں بے مددگار ہوں مگر میرا ربّ فرشتوں کو میری مدد کیلئے نازل فرمائے گا۔ (اِنْشَاءَ اللّٰہ) میں بے پناہ ہوں مگر میرا محافظ وہ ہے جس کے ہوتے ہوئے کسی پناہ کی ضرورت نہیں۔

لوگ کہتے ہیں میں جھوٹا ہوں اور یہ کہ میں مدتوں سے بڑائی کا طلبگار تھا اور فخر میں مبتلا

تھا، جاہ طلبی مجھے چین نہ لینے دیتی تھی مگر میں ان لوگوں کو کہتا ہوں کہ تمہارا اعتراض تو وہی ہے جو ثمود نے صالحؑ پر کیا یعنی بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ [۶] وہ تو جھوٹا اور متکبر اور بڑائی کا طالب ہے۔ اور میں بھی تم کو وہی جواب دیتا ہوں جو حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیا کہ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ [۷] ذرا صبر سے کام لو خدا تعالیٰ کچھ دنوں تک خود بتا دے گا کہ کون جھوٹا اور متکبر ہے اور کون بڑائی کا طلبگار رہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ خلافت کے انتخاب کیلئے ایک لمبی میعاد مقرر ہونی چاہیے تھی کہ کل جماعتیں اکٹھی ہوتیں اور پھر انتخاب ہوتا لیکن اِس کی کوئی دلیل پیش نہیں کی جاتی کہ ایسا کیوں ہوتا۔ نہ تو ایسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوا اور نہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر ہوا۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب کی بیعت کرنے والے ۱۲۰۰ آدمی تھے اور ۲۴ گھنٹہ کا وقفہ ہوا تھا لیکن اب ۲۸ گھنٹہ کے وقفہ کے بعد قریباً دو ہزار آدمی نے ایک شخص کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حالانکہ حالات بھی مخالف تھے اور یہ سوال پیدا کیا گیا تھا کہ خلافت کی ضرورت ہی نہیں اور یہ خدا تعالیٰ ہی کا کام تھا کہ اس نے اس فتنہ کے وقت جماعت کو بچا لیا اور ایک بڑے حصہ کو ایک شخص کے ہاتھ پر متحد کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر تو ابتدا میں صرف تین آدمیوں نے بیعت کی تھی یعنی حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ نے مہاجرین میں سے اور قیس بن سعدؓ نے انصار میں سے۔ اور بیعت کے وقت بعض لوگ تلواروں کے ذریعہ سے بیعت کو روکنا چاہتے تھے اور پکڑ پکڑ کر لوگوں کو اُٹھانا چاہتے تھے اور بعض تو ایسے جوش میں تھے کہ طعنہ دیتے تھے اور بیعت کو لغو قرار دیتے تھے تو کیا اس کا یہ نتیجہ سمجھنا چاہئے کہ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ حضرت ابوبکرؓ کو خلافت کی خواہش تھی کہ صرف تین آدمیوں کی بیعت پر آپ بیعت لینے کے لئے تیار ہوگئے اور باوجود سخت مخالفت کے بیعت لیتے رہے یا یہ نتیجہ نکالا جائے کہ آپ کی خلافت ناجائز تھی۔ مگر جو شخص ایسا خیال کرتا ہے وہ جھوٹا ہے۔ پس جب کہ ایک شخص کی دو ہزار آدمی بیعت کرتے ہیں اور صرف چند آدمی بیعت سے الگ رہتے ہیں تو کون ہے جو کہہ سکے کہ وہ خلافت ناجائز ہے۔ اگر اس کی خلافت ناجائز ہے تو ابوبکرؓ، عثمان و علی اور نورالدین رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ کی خلافت اس سے بڑھ کر ناجائز ہے۔

پس خدا کا خوف کرو اور اپنے منہ سے وہ باتیں نہ نکالو جو کل تمہارے لئے مصیبت کا باعث ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرو اور وہ سلسلہ جو اس کے مامور نے سالہا سال کی مشقت اور محنت سے تیار کیا تھا اسے یوں اپنے بُغضوں اور کینوں پر قربان نہ کرو۔

مجھ پر اگر اعتراض ہوتے ہیں کیا ہوا مجھے وہ شخص دکھاؤ جس کو خدا نے اس منصب پر کھڑا کیا جس پر مجھے کیا...... اور اس پر کوئی اعتراض نہ ہوا ہو۔ جب کہ آدمؑ پر فرشتوں نے اعتراض کیا تو میں کون ہوں جو اعتراضوں سے محفوظ رہوں۔ فرشتوں نے بھی اپنی خدمات کا دعویٰ کیا تھا اور ابلیس نے بھی اپنی بڑائی کا دعویٰ کیا تھا مگر بے خدمت آدمؑ جو ان کے مقابلہ میں اپنی کوئی بڑائی اور خدمت نہیں پیش کر سکتا تھا خدا کو وہی پسند آیا اور آخر سب کو اس کے سامنے جھکنا پڑا۔ پس اگر آدمؑ کے مقابلہ میں فرشتوں نے اپنی خدمات کا دعویٰ کیا تھا کہ ہم نے بڑی بڑی خدمات کی ہیں وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ [8] آج بھی وہی دعویٰ نہ پیش کیا جاتا۔ مگر فرشتہ خصلت ہے وہ انسان جو ٹھوکر کھا کر سنبھلتا ہے اور خدا تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو تکبر کی وجہ سے آخر تک اطاعت سے سرگردان رہے۔ پس اے میرے دوستو! تم فرشتہ بنو اور اگر تم کو ٹھوکر لگی بھی ہے تو توبہ کرو کہ تا خدا تمہیں ملائکہ میں جگہ دے ورنہ یاد رکھو کہ فتنہ کا نتیجہ اچھا نہیں ہوتا۔

کیا تمہیں مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیوں پر اعتبار نہیں؟ اگر نہیں تو تم احمدی کس بات کے ہو؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سبز اشتہار میں ایک بیٹے کی پیشگوئی کی تھی کہ اس کا ایک نام محمود ہوگا دوسرا نام فضل عمر ہوگا اور تریاق القلوب میں آپ نے اس پیشگوئی کو مجھ پر چسپاں بھی کیا ہے۔ پس مجھے بتاؤ کہ عمرؓ کون تھا؟ اگر تمہیں علم نہیں تو سنو کہ وہ دوسرا خلیفہ تھا۔ پس میری پیدائش سے پہلے خدا تعالیٰ نے یہ مقدر کر چھوڑا تھا کہ میرے سپرد وہ کام کیا جائے جو حضرت عمرؓ کے سپرد ہوا تھا۔ پس اگر مرزا غلام احمد خدا کی طرف سے تھا تو تمہیں اس شخص کے ماننے میں کیا عذر ہے جس کا نام اس کی پیدائش سے پہلے عمر رکھا گیا۔ اور میں تمہیں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حضرت خلیفۃ المسیح کی زندگی میں اس پیشگوئی کا مجھے کچھ بھی علم نہ تھا بلکہ بعد میں ہوا۔

اس پیشگوئی کے علاوہ خدا تعالیٰ نے سینکڑوں آدمیوں کو خوابوں کے ذریعہ سے میری طرف جُھکا دیا اور قریباً ڈیڑھ سَو خواب تو اِن چند دنوں میں مجھ تک بھی پہنچ چکی ہے اور میرا ارادہ ہے کہ اس کو شائع کر دیا جائے۔ اور میری ان تمام باتوں سے یہ غرض نہیں ہے کہ میں اپنی بڑائی بیان کروں بلکہ غرض یہ ہے کہ کسی طرح جماعت کا تفرقہ دور ہو اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بھی ہدایت دے جو اِس وقت ایک اتحاد کی رسّی میں نہیں جکڑے گئے۔ ورنہ میری طبیعت ان باتوں کے اظہار سے نفرت کرتی ہے۔ مگر جماعت کا اتحاد مجھے سب باتوں سے زیادہ پیارا ہے۔

وہ لوگ جو میری مخالفت کرتے ہیں یا اب تک بیعت میں داخل نہیں ہوئے آخر کیا چاہتے ہیں؟ کیا وہ چاہتے ہیں کہ آزاد رہیں؟ مگر وہ یاد رکھیں کہ ان کا ایسا کرنا اپنے آپ کو ہلاک کرنے کے مترادف ہوگا۔ پھر کیا وہ یہ چاہتے ہیں کہ کوئی اور خلیفہ مقرر کریں؟ اگر وہ ایسا چاہتے ہیں تو یاد رکھیں کہ ایک وقت میں دو خلیفہ نہیں ہو سکتے اور شریعت اسلام اسے قطعاً حرام قرار دیتی ہے۔ پس اب وہ جو کچھ بھی کریں گے اس سے جماعت میں تفرقہ پیدا کریں گے۔ خدا چاہتا ہے کہ جماعت کا اتحاد میرے ہی ہاتھ پر ہو اور خدا کے اس ارادہ کو اب کوئی نہیں روک سکتا۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ان کے لئے صرف دو ہی راہ کھلے ہیں۔ یا تو وہ میری بیعت کر کے جماعت میں تفرقہ کرنے سے باز رہیں یا اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ کر اس پاک باغ کو جسے پاک لوگوں نے خون کے آنسوؤں سے سینچا تھا اُکھاڑ کر پھینک دیں۔ جو کچھ ہو چکا ہو چکا مگر اب اس میں کوئی شک نہیں کہ جماعت کا اتحاد ایک ہی طریق سے ہوسکتا ہے کہ جسے خدا نے خلیفہ بنایا ہے اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے ورنہ ہر ایک شخص جو اس کے خلاف چلے گا تفرقہ کا باعث ہوگا۔

میرا دل اِس تفرقہ کو دیکھ کر اندر ہی اندر گھلا جاتا ہے اور میں اپنی جان کو پگھلتا ہوا دیکھتا ہوں رات اور دن میں غم و رنج سے ہم صحبت ہوں۔ اس لئے نہیں کہ تمہاری اطاعت کا میں شائق ہوں بلکہ اس لئے کہ جماعت میں کسی طرح اتحاد پیدا ہو جائے۔ لیکن میں اس کے ساتھ ہی کوئی ایسی بات نہیں کر سکتا جو عہدۂ خلافت کی ذلّت کا باعث ہو۔ وہ کام جو خدا نے

میرے سپرد کیا ہے خدا کرے کہ عزت کے ساتھ اس سے عہدہ برآ ہوں اور قیامت کے دن مجھے اپنے مولا کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

اب کون ہے جو مجھے خلافت سے معزول کر سکے۔ خدا نے مجھے خلیفہ بنایا ہے اور خدا تعالیٰ اپنے انتخاب میں غلطی نہیں کرتا۔ اگر سب دنیا مجھے مان لے تو میری خلافت بڑی نہیں ہوسکتی۔ اور اگر سب کے سب خدانخواستہ مجھے ترک کر دیں تو بھی خلافت میں فرق نہیں آ سکتا۔ جیسے نبی اکیلا بھی نبی ہوتا ہے اسی طرح خلیفہ اکیلا بھی خلیفہ ہوتا ہے۔ پس مبارک ہے وہ جو خدا کے فیصلہ کو قبول کرے۔ خدا تعالیٰ نے جو بوجھ مجھ پر رکھا ہے وہ بہت بڑا ہے اور اگر اُسی کی مدد میرے شامل حال نہ ہو تو میں کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ لیکن مجھے اُس پاک ذات پر یقین ہے کہ وہ ضرور میری مدد کرے گی۔ میرا فرض ہے کہ جماعت کو متحد رکھوں اور انہیں متفرق نہ ہونے دوں اس لئے ہر ایک مشکل کا مقابلہ کرنا میرا کام ہے اور اِنْشَاءَ اللّٰہُ آسمان سے میری مدد ہوگی۔ میں اس اعلان کے ذریعہ ہر ایک شخص پر جو اَب تک بیعت میں داخل نہیں ہوا یا بیعت کے عہد میں متردّد ہے حُجت پوری کرتا ہوں اور خدا کے حضور میں اب مجھ پر کوئی الزام نہیں۔ خدا کرے میرے ہاتھ سے یہ فساد فرو ہو جائے اور یہ فتنہ کی آگ بُجھ جائے تا کہ وہ عظیم الشان کام جو خلیفہ کا فرضِ اوّل ہے یعنی کل دنیا میں اپنے مُطاع کی صداقت کو پہنچانا میں اُس کی طرف پوری توجہ کرسکوں۔ کاش! میں اپنی موت سے پہلے دنیا کے دور دراز علاقوں میں صداقتِ احمدیہ روشن دیکھ لوں۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ [9]

مجھے اپنے ربّ پر بہت سی امیدیں ہیں اور میں اس کے حضور میں دعاؤں میں لگا ہوا ہوں اور چاہیے کہ وہ تمام جماعت جو خدا کے فضل کے ماتحت اس ابتلاء سے محفوظ رہی ہے اس کام میں میری مدد کرے اور دعاؤں سے اس فتنہ کی آگ کو فرو کرے۔ اور جو ایسا کریں گے خدا کے فضل کے وارث ہو جائیں گے اور میری خاص دعاؤں میں ان کو حصہ ملے گا۔

میرے پیارو! آجکل نمازوں میں خشوع وخضوع زیادہ کرو اور تہجد کے پڑھنے میں بھی سُستی نہ کرو۔ جو روزہ رکھ سکتے ہیں وہ روزہ رکھیں اور جو صدقہ دے سکتے ہیں وہ صدقہ دیں۔ نہ معلوم کس کی دعا سے، کس کے روزے سے، کس کے صدقہ سے خدا تعالیٰ اِس

اختلاف کی مصیبت کو ٹال دے اور احمدی جماعت پھر شاہراہِ ترقی پر قدم زَن ہو۔ خوب یاد رکھو کہ گو اکثر حصہ جماعت بیعت کر چکا ہے مگر تھوڑے کو بھی تھوڑا نہ سمجھو کیونکہ ایک باپ یا ایک بھائی کبھی پسند نہیں کرتا کہ اس کے دس بیٹوں یا بھائیوں میں سے ایک بھی جدا ہو جائے پس ہم کیونکر پسند کر سکتے ہیں کہ ہمارے بھائیوں میں سے بعض کھوئے جائیں خدا نہ کرے کہ ایسا ہو۔

پھر میں یہ بھی نصیحت کرتا ہوں کہ فتنہ کی مجلسوں میں مت بیٹھو کیونکہ ابتداء میں انسان کا ایمان ایسا مضبوط نہیں ہوتا کہ وہ ہر ایک زہر سے بچ سکے۔ پس ایسا نہ ہو کہ تم ٹھوکر کھاؤ۔ ان دو نصیحتوں کے علاوہ ایک اور تیسری نصیحت بھی ہے اور وہ یہ کہ جہاں جہاں تمہیں معلوم ہو کہ اختلاف کی آگ بھڑک رہی ہے وہاں وہ لوگ جو مضبوط دل رکھتے ہیں اپنے وقت کا حرج کر کے بھی پہنچیں اور اپنے بھائیوں کی جان بچائیں اور جو ایسا کریں گے خدا کی اُن پر بڑی بڑی رحمتیں ہوں گی۔

فتنے ہیں اور ضرور ہیں مگر تم جو اپنے آپ کو اتحاد کی رسّی میں جکڑ چکے ہو خوش ہو جاؤ کہ انجام تمہارے لئے بہتر ہو گا۔ تم خدا کی ایک برگزیدہ قوم ہو گے اور اس کے فضل کی بارشیں اِنْشَاءَ اللّٰہُ تم پر اِس زور سے برسیں گی کہ تم حیران ہو جاؤ گے۔ میں جب اس فتنہ سے گھبرایا اور اپنے ربّ کے حضور گرا تو اس نے میرے قلب پر یہ مصرعہ نازل فرمایا کہ

''شکر للہ مل گیا ہم کو وہ لعلِ بے بدل''

اتنے میں مجھے ایک شخص نے جگا دیا اور میں اُٹھ کر بیٹھ گیا مگر پھر مجھے غنودگی آئی اور میں اس غنودگی میں اپنے آپ کو کہتا ہوں کہ اس کا دوسرا مصرعہ یہ ہے کہ

''کیا ہوا اگر قوم کا دل سنگ خارا ہو گیا''

مگر میں نہیں کہہ سکتا کہ دوسرا مصرعہ الہامی تھا یا بطور تفہیم تھا۔

پھر کل بھی میں نے اپنے ربّ کے حضور میں نہایت گھبرا کر شکایت کی کہ مولا! میں ان غلط بیانیوں کا کیا جواب دوں جو میرے برخلاف کی جاتی ہیں اور عرض کی کہ ہر ایک بات حضور ہی کے اختیار میں ہے اگر آپ چاہیں تو اس فتنہ کو دور کر سکتے ہیں تو مجھے ایک جماعت کی

نسبت بتایا گیا کہ لَیُمَزِّقَنَّهُمْ یعنی اللہ تعالیٰ ضرور ضرور ان کوٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ پس اس سے معلوم ہوتا ہے ابتلاء ہیں لیکن انجام بخیر ہو گا مگر یہ شرط ہے کہ تم اپنی دعاؤں میں کوتاہی نہ کرو۔

حضرت صاحب نے لکھا ہے کہ بعض بڑے چھوٹے کئے جائیں گے اور چھوٹے بڑے کئے جائیں گے [۱۰] پس خدا کے حضور میں گر جاؤ کہ تم ان چھوٹوں میں داخل کئے جاؤ جنہوں نے بڑا ہونا اور ان بڑوں میں داخل نہ ہو جن کیلئے چھوٹا ہونا مقدر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم کرے اور اپنے فضل کے سایہ کے نیچے رکھے اور شماتت اعداء سے بچائے۔ اسلام پر ہی ہماری زندگی ہو اور اسلام پر ہی ہماری موت ہو۔ آمین یَارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ

خاکسار

مرزا محمود احمد

از قادیان ۲۱/ مارچ ۱۹۱۴ء''

(انوار العلوم جلد۲ صفحہ ۱۱ تا ۱۹)

---

۱ البقرة: ۳۱ ۲ النور: ۵۶ ۳ الجمعة: ۳،۴

۴ ابراهیم: ۸ ۵ النور: ۵۶ ۶،۷ القمر: ۲۶،۲۷

۸ البقرة: ۳۱ ۹ ابراهیم: ۲۱

۱۰ تذکرہ صفحہ ۴۵۳۔ ایڈیشن چہارم ۲۰۰۴ء

منصبِ خلافت

(نمائندگان جماعت سے ایک اہم خطاب فرمودہ ۱۲/اپریل ۱۹۱۴ء)

"اَشْھَدُ اَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ [1]

دعائے ابراہیمؑ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ایک پیشگوئی کا ذکر فرمایا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے رنگ میں ہے وہ دعا جو ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر مکہ کے وقت کی۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ یہ دعا ایک جامع دعا ہے اس میں اپنی ذرّیت میں سے ایک نبی کے مبعوث ہونے کی دعا کی۔ پھر اِسی دعا میں یہ ظاہر کیا کہ انبیاء علیہم السلام کے کیا کام ہوتے ہیں، ان کے آنے کی کیا غرض ہوتی ہے؟ فرمایا الٰہی! ان میں ایک رسول ہو، انہی میں سے ہو۔

انبیاء کی بعثت کی غرض

وہ رسول جو مبعوث ہو اُس کا کیا کام ہو؟ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ اس کا پہلا کام یہ ہو کہ وہ تیری آیات ان پر پڑھے۔ دوسرا کام وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ اُن کو کتاب سکھائے اور تیسرا کام یہ ہو کہ حکمت سکھائے۔ چوتھا کام وَيُزَكِّيْهِمْ اُن کو پاک کرے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد میں مبعوث ہونے والے ایک رسول کے لئے

دعا کی اور اس دعا ہی میں اُن اغراض کو عرض کیا جو انبیاء کی بعثت سے ہوتی ہیں اور یہ چار کام ہیں۔ میں نے غور کر کے دیکھا ہے کہ کوئی کام اصلاحِ عالَم کا نہیں جو اس سے باہر رہ جاتا ہو۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاح دنیا کی تمام اصلاحوں کو اپنے اندر رکھتی ہے۔

خلفاء کا کام

انبیاء علیہم السلام کے اغراضِ بعثت پر غور کرنے کے بعد یہ سمجھ لینا بہت آسان ہے کہ خلفاء کا بھی یہی کام ہوتا ہے کیونکہ خلیفہ جو آتا ہے اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اپنے پیشرو کے کام کو جاری کرے پس جو کام نبی کا ہوگا وہی خلیفہ کا ہوگا۔ اب اگر آپ غور اور تدبر سے اس آیت کو دیکھیں تو ایک طرف نبی کا کام اور دوسری طرف خلیفہ کا کام کھلجائے گا۔

میں نے دعا کی تھی کہ میں اس موقع پر کیا کہوں تو اللہ تعالیٰ نے میری توجہ اس آیت کی طرف پھیر دی اور مجھے اسی آیت میں وہ تمام باتیں نظر آئیں جو میرے اغراض اور مقاصد کو ظاہر کرتی ہیں اس لئے میں نے چاہا کہ اس موقع پر چند استدلال پیش کر دوں۔

شکرِ ربّانی بر جماعت حقانی

مگر اس سے پہلے کہ میں استدلال کو پیش کروں میں خدا تعالیٰ کا شکر کرنا چاہتا ہوں کہ اس نے ایک ایسی جماعت پیدا کر دی جس کے دیئے جانے کا انبیاء سے وعدۂ الٰہی ہوتا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ چاروں طرف سے محض دین کی خاطر، اسلام کی عزت کے لئے اپنا روپیہ خرچ کر کے اور اپنے وقت کا حرج کر کے احباب آئے ہیں۔ میں جانتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ایسے مخلص دوستوں کی محنت کو ضائع نہیں کرے گا وہ بہتر سے بہتر بدلے دے گا کیونکہ وہ اس وعدہ کے موافق آئے ہیں جو خدا تعالیٰ نے مسیح موعود علیہ السلام سے کیا تھا۔ اس لئے جب کل میں نے درس میں ان دوستوں کو دیکھا تو میرا دل خدا تعالیٰ کی حمد اور شکر سے بھر گیا کہ یہ لوگ ایسے شخص کے لئے آئے ہیں جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ چالباز ہے (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) اور پھر میرے دل میں اور بھی جوش پیدا ہوا جب میں نے دیکھا کہ وہ میرے دوستوں کے بُلانے ہی پر جمع ہو گئے ہیں۔ اس لئے آج رات کو میں نے بہت دعائیں کیں اور اپنے ربّ سے یہ عرض کیا کہ الٰہی! میں تو غریب ہوں میں اِن لوگوں کو کیا دے سکتا ہوں حضور! آپ ہی

اپنے خزانوں کو کھول دیجئے اور ان لوگوں کو جو محض دین کی خاطر یہاں جمع ہوئے ہیں اپنے فضل سے حصہ دیجئے۔ اور مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دعاؤں کو ضرور قبول کرے گا کیونکہ مجھے یاد نہیں میں نے کبھی درد دِل اور بڑے اضطراب سے دعا کی ہو اور وہ قبول نہ ہوئی ہو۔ بچہ بھی جب درد سے چلاتا ہے تو ماں کی چھاتیوں میں دودھ جوش مارتا ہے۔ پس جب ایک چھوٹے بچے کے لئے باوجود ایک قلیل اور عارضی تعلق کے اس کے چلّانے پر چھاتیوں میں دودھ آجاتا ہے تو یہ ناممکن ہے کہ خدا تعالیٰ کی مخلوق میں سے کوئی اضطراب اور درد سے دعا کرے اور وہ قبول نہ ہو۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ وہ دعا ضرور قبول ہوتی ہے یہ معاملہ میرے ساتھ ہی نہیں بلکہ ہر شخص کے ساتھ ہے چنانچہ فرماتا ہے۔

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ [۲] جب میرے بندے میری نسبت تجھ سے سوال کریں تو ان کو کہہ دے کہ میں قریب ہوں اور پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں اور اسے قبول کرتا ہوں۔ یہاں اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ فرمایا یہ نہیں کہا کہ میں صرف مسلمان یا کسی خاص مُلک اور قوم کے آدمی کی دعا سنتا ہوں، کوئی ہو، کہیں کا ہو، اور کہیں ہو۔

اس قبولیت دعا کی غرض کیا ہوتی ہے؟ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ مان لے اور مسلمان ہو جاوے اور مسلمان اور مؤمن ہو تو اس ایمان میں ترقی کرے۔ کافر کی دعائیں اس لئے قبول کرتا ہوں کہ مجھ پر ایمان ہو اور وہ مؤمن بن جاوے۔ اور مؤمن کی اس لئے کہ رُشد اور یقین میں ترقی کرے۔ خدا تعالیٰ کی معرفت اور شناخت کا بہترین طریق دعا ہی ہے اور مؤمن کی امیدیں اسی سے وسیع ہوتی ہیں۔ پس میں نے بھی بہت دعائیں کی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ وہ قبول ہوں گی۔

پھر میں نے اس کے حضور دعا کی کہ میں ان لوگوں کے سامنے کیا کہوں تو آپ مجھے تعلیم کرا اور آپ مجھے سمجھا۔ میں نے اس فتنہ کو دیکھا جو اِس وقت پیدا ہوا ہے میں نے اپنے آپ کو اِس قابل نہ پایا کہ اُس کی توفیق اور تائید کے بغیر اِس کو دور کرسکوں میرا سہارا اُسی پر ہے

اس لئے میں اُسی کے حضور جھکا اور درخواست کی کہ آپ ہی مجھے بتائیں اِن لوگوں کو جو جمع ہوئے ہیں کیا کہوں ۔اُس نے میرے قلب کو اسی آیت کی طرف متوجہ کیا اور مجھ پر ان حقائق کو کھولا جو اِس میں ہیں ۔ میں نے دیکھا کہ خلافت کے تمام فرائض اور کام اِس آیت میں بیان کر دیئے گئے ہیں تب میں نے اِسی کو اِس وقت تمہارے سامنے پڑھ دیا۔

لَاخِلَافَةَ اِلَّا بِالْمَشُوْرَةِ

میرا مذہب ہے لَاخِلَافَةَ اِلَّا بِالْمَشُوْرَةِ [۳] خلافت جائز ہی نہیں جب تک اس میں شوریٰ نہ ہو۔اِسی اصول پر تم لوگوں کو یہاں بُلوایا گیا ہے اور میں خدا تعالیٰ کے فضل سے اس پر قائم ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اِس پر قائم رہوں ۔ میں نے چاہا کہ مشورہ لوں مگر میں نہیں جانتا تھا کہ کیا مشورہ لوں ۔میرے دوستوں نے کہا کہ مشورہ ہونا چاہیے میں نے اس کی تصریح نہیں پوچھی ۔ میں چونکہ مشورہ کو پسند کرتا ہوں اس لئے ان سے اتفاق کیا اور انہوں نے آپ کو بُلا لیا مگر مجھے کل تک معلوم نہ تھا کہ میں کیا کہوں آخر جب میں نے خدا کے حضور توجہ کی تو یہ آیت میرے دل میں ڈالی گئی کہ اسے پڑھو۔

تفسیر دعائے ابراہیمؑ

اس آیت کی تلاوت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی یا خلیفہ کا پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ آیاتُ اللہ لوگوں کو سنائے۔ آیت کہتے ہیں نشان کو، دلیل کو جس سے کسی چیز کا پتہ لگے۔پس نبی جو آیاتُ اللہ پڑھتا ہے اس سے یہ مراد ہے کہ وہ ایسے دلائل سناتا اور پیش کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اُس کی توحید پر دلالت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فرشتوں ، رسولوں اور اس کی کتب کی تائید اور تصدیق ان کے ذریعہ ہوتی ہے۔پس اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ لوگوں کو ایسی باتیں سنائے جن سے ان کو اللہ پر اور نبیوں اور کتب پر ایمان حاصل ہو۔

پہلا کام

اس سے معلوم ہوا کہ نبی اور اس کے جانشین خلیفہ کا پہلا کام تبلیغ الحق اور دعوت اِلَی الْخَیْرِ ہوتی ہے۔ وہ سچائی کی طرف لوگوں کو بُلاتا ہے اور اپنی دعوت کو دلائل اور نشانات کے ذریعہ مضبوط کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہو کہ وہ تبلیغ کرتا ہے۔

دوسرا کام پھر دوسرا فرض نبی یا خلیفہ کا اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ ان کو کتاب سکھا دے۔ انسان جب اس بات کو مان لے کہ اللہ تعالیٰ ہے اور اس کی طرف سے دنیا میں رسول آتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے ملائکہ ان پر اُترتے ہیں اور ان کے ذریعہ کتب الٰہیہ نازل ہوتی ہیں تو اس کے بعد دوسرا مرحلہ اعمال کا آتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ پر ایمان لاکر دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے آدمی کو اَب کیا کرنا چاہیے۔ اس ضرورت کو پورا کرنے والی آسمانی شریعت ہوتی ہے اور نبی کا دوسرا کام یہ ہے کہ ان نَو مُسلموں کو شریعت سکھائے۔ ان ہدایات اور تعلیمات پر عمل ضروری ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ کے رسولوں کی معرفت آتی ہیں۔ پس اس موقع پر دوسرا فرض نبی کا یہ بتایا گیا ہے کہ وہ انہیں فرائض کی تعلیم دے۔

کتاب کے معنی شریعت اور فرض کے ہیں۔ جیسے قرآن مجید میں یہ لفظ فرض کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے جیسے كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ [۴] پس اس ترتیب کو خوب یاد رکھو کہ پہلا کام اسلام میں لانے کا تھا۔ دوسرا ان کو شریعت سکھانے اور عامل بنانے کا۔

تیسرا کام عمل کے لئے ایک اور بات کی ضرورت ہے اُس وقت تک انسان کے اندر کسی کام کے کرنے کے لئے جوش اور شوق پیدا نہیں ہوتا جب تک اسے اس کی حقیقت اور حکمت سمجھ میں نہ آجائے۔ اس لئے تیسرا کام یہاں یہ بیان کیا وَالْحِكْمَةَ اور وہ ان کو حکمت کی تعلیم دے۔ یعنی جب وہ اعمالِ ظاہری بجالانے لگیں تو پھر ان اعمال کی حقیقت اور حکمت سے انہیں باخبر کرے جیسے ایک شخص ظاہری طور پر نماز پڑھتا ہے۔ نماز پڑھنے کی ہدایت اور تعلیم دینا یہ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ کے نیچے ہے۔ اور نماز کیوں فرض کی گئی، اِس کے کیا اغراض و مقاصد ہیں؟ اِس کی حقیقت سے واقف کرنا یہ تعلیم الحکمة ہے۔ ان دونوں باتوں کی مثال خود قرآن شریف سے ہی دیتا ہوں۔ قرآن شریف میں حکم ہے اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ [۵] نمازیں پڑھو، یہ حکم تو گویا يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ کے ماتحت ہے۔ ایک جگہ یہ فرماتا ہے اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ [۶] یعنی نماز بدیوں اور ناپسند باتوں سے روکتی ہے۔ یہ نماز کی حکمت بیان فرمائی کہ نماز کی غرض کیا ہے۔ اسی طرح

پھر رکوع، سجود، قیام اور قعدہ کی حکمت بتائی جائے اور خدا کے فضل سے میں یہ سب بتا سکتا ہوں۔ غرض تیسرا کام نبی یا اس کے خلیفہ کا یہ ہوتا ہے کہ وہ احکامِ شریعت کی حکمت سے لوگوں کو واقف کرتا ہے۔

غرض ایمان کے لئے یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ فرمایا۔ پھر ایمان کے بعد اعمال کے لیے یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ ۔ پھر ان اعمال میں ایک جوش اور ذوق پیدا کرنے اور ان کی حقیقت بتانے کے واسطے وَالْحِكْمَةَ فرمایا، نماز کے متعلق میں نے ایک مثال دی ہے ورنہ تمام احکام میں اللہ تعالیٰ نے حکمتیں رکھی ہیں۔

چوتھا کام

پھر چوتھا کام فرمایا وَیُزَكِّیْهِمْ حکمت کی تعلیم کے بعد انہیں پاک کرے۔ تزکیہ کا کام انسان کے اپنے اختیار میں نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اپنے قبضہ اور اختیار میں ہے۔

اب سوال ہوتا ہے کہ جب یہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے تو نبی کو کیوں کہا کہ وہ پاک کرے؟ اس کی تفصیل میں آگے بیان کروں گا مختصر طور پر میں یہاں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس کا ذریعہ بھی اللہ تعالیٰ نے آپ ہی بتا دیا ہے کہ پاک کرنے کا کیا طریق ہے اور وہ ذریعہ دعا ہے، پس نبی کو جو حکم دیا گیا ہے کہ ان لوگوں کو پاک کرے تو اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کرے۔

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بڑی بڑی حکمتیں مخفی رکھی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ آیت سورہ بقرہ کی ترتیب کا پتہ دیتی ہے لوگوں کو سورہ بقرہ کی ترتیب میں بڑی بڑی دقتیں پیش آئی ہیں لوگ حیران ہوتے ہیں کہ کہیں کچھ ذکر ہے کہیں کچھ۔

کہیں بنی اسرائیل کا ذکر آجاتا ہے کہیں نماز روزہ کا، کہیں طلاق کا، کہیں ابراہیم علیہ السلام کے مباحثات کا، کہیں طالوت کا، ان تمام واقعات کا آپس میں جوڑ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ مجھے یہ سب کچھ سکھا دیا ہے۔

سورۃ بقرہ کی ترتیب کس طرح سمجھائی گئی

حضرت خلیفۃ المسیح کی زندگی کا واقعہ ہے کہ منشی فرزند علی صاحب

نے مجھ سے کہا کہ میں تم سے قرآن مجید پڑھنا چاہتا ہوں۔ اُس وقت اُن سے میری اس قدر واقفیت بھی نہ تھی میں نے عذر کیا مگر انہوں نے اصرار کیا، میں نے سمجھا کہ کوئی منشاء الٰہی ہے آخر میں نے ان کو شروع کرا دیا۔ ایک دن میں پڑھا رہا تھا کہ میرے دل میں بجلی کی طرح ڈالا گیا کہ آیت رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ سورۃ بقرہ کی ترتیب پورے طور میری سمجھ میں آ گئی، اب آپ اس کو مدنظر رکھ کر سورۃ بقرہ کی ترتیب پر غور کریں تو حقیقت معلوم ہو جائے گی۔

ترتیب سورۃ بقرہ

اب غور کرو! پہلے بتایا کہ قرآن کریم کا نازل کرنے والا عالم خدا ہے پھر بتایا کہ قرآن مجید کی کیا ضرورت ہے کیونکہ سوال ہوتا تھا کہ مختلف مذاہب کی موجودگی میں اس مذہب کی کیا ضرورت پیش آئی اور یہ کتاب خدا تعالیٰ نے کیوں نازل کی، اس کی غرض و غایت بتائی۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ یعنی سب مذاہب تو صرف متقی بنانے کا دعویٰ کرتے ہیں اور یہ کتاب ایسی ہے جو متقی کو بھی آگے لے جاتی ہے۔ متقی تو اسے کہتے ہیں جو انسانی کوشش کو پورا کرے پس اسے آگے لے جانے کے یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ اب خود اس سے ہمکلام ہو۔ پھر متقین کے اعمال اور کام بتائے پھر بتایا کہ اس کتاب کے ماننے والوں اور منکروں میں کیا امتیاز ہوگا۔ پھر بتایا کہ انسان چونکہ عبادتِ الٰہی کے لیے پیدا ہوا ہے اس لیے اس کے لیے کوئی ہدایت نامہ چاہیے اور وہ ہدایت نامہ خدا کی طرف سے آنا چاہیے۔ پھر بتایا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہدایت آتی بھی رہی ہے جیسے کہ ابتدائے عالم میں آدم کی بعثت ہوئی، اس کے بعد اس کو اور کھولا اور آدم کی مثال پیش کر کے بتایا کہ یہ سلسلہ وہیں ختم نہ ہو گیا بلکہ ایک لمبا سلسلہ انبیاء کا بنی اسرائیل میں ہوا۔ جو موجود ہیں ان سے پوچھو ہم نے ان پر کس قدر نعمتیں کی ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ ظالم ہمارے کلام کے مستحق نہیں ہو سکتے اب جب کہ یہ ظالم ہو گئے ہیں ان کو ہمارا کلام سننے کا حق نہیں اب ہم کسی اور خاندان سے تعلق کریں گے اور وہ بنی اسماعیل کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا کیونکہ ابراہیم علیہ السلام سے خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا کہ دونوں بیٹوں کے ساتھ نیک سلوک کروں گا جب ایک سے وہ وعدہ پورا ہوا، تو ضرور تھا کہ دوسرے سے بھی پورا ہو چنانچہ بتایا کہ ابراہیم

علیہ السلام نے تعمیر کعبہ کے وقت اس طرح دعا کی تھی جو اَب پوری ہونے لگی ہے۔ بار بار یٰبَنِیٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ [7] فرما کر یہ بتایا کہ بنی اسرائیل کا حق شکایت کا کوئی نہیں ان سے وعدہ پورا ہو چکا ہے اور جس خدا نے ان کا وعدہ پورا کیا ضرور تھا کہ بنی اسماعیل کا وعدہ بھی پورا کرتا۔ اور اس طرح پر بنی اسرائیل پر بھی اتمامِ حجت کیا کہ باوجود انعامِ الٰہیہ کے تم نے نافرمانی کی اور مختلف قسم کی بدیوں میں مبتلا ہو کر اپنے آپ کو تم نے محروم کرنے کا مستحق ٹھہرا لیا ہے تم میں نبی آئے، بادشاہ ہوئے اب وہی انعام بنی اسماعیل پر ہوں گے۔

اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ یہ دعا تو تھی ہم کیونکر مانیں کہ یہ شخص وہی موعود ہے اس کا ثبوت ہونا چاہیے۔ اس کے لئے فرمایا کہ موعود ہونے کا یہ ثبوت ہے کہ اس دعا میں جو باتیں بیان کی گئی تھیں وہ سب اس کے اندر پائی جاتی ہیں اور چونکہ اس نے ان سب وعدوں کو پورا کر دیا ہے اس لئے یہی وہ شخص ہے۔ گو سارا قرآن شریف ان چار ضرورتوں کو پورا کرنے والا ہے لیکن اس سورۃ میں خلاصۃً سب باتیں بیان فرمائیں تا معترض پر حجت ہو يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ کے متعلق فرمایا اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ [8] اور آخر میں فرمایا لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ [9] اس میں عقل رکھنے والوں کے لئے کافی دلائل ہیں جن سے اللہ تعالیٰ، ملائکہ، کلامِ الٰہی اور نبوت کا ثبوت ملتا ہے یہ تو نمونہ دیا تلاوتِ آیات کا۔ اس کے بعد تھا يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ اس کیلئے مختصر طور پر شریعت اسلام کے موٹے موٹے احکام بیان فرمائے اور ان میں بار بار فرمایا كُتِبَ عَلَيْكُمْ، كُتِبَ عَلَيْكُمْ جس سے یہ بتایا کہ دیکھو اس پر کیسی بے عیب شریعت نازل ہوئی ہے۔ پس یہ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ کا بھی مصداق ہے اور يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ کا بھی۔ تیسرا کام بتایا تھا کہ لوگوں کو حکمت سکھائے۔ اس لئے شریعت کے موٹے موٹے حکم بیان فرمانے کے بعد قومی ترقی کے راز اور شرائع کی اغراض کا ذکر فرمایا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور طالوتؑ کے واقعات سے بتایا کہ کس طرح قومیں ترقی کرتی ہیں اور کس طرح مُردہ قومیں زندہ کی جاتی ہیں۔ پس تم کو بھی ان راہوں کو اختیار کرنا چاہیے اور اس حصہ میں

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا فرما کر یہ اشارہ فرما دیا کہ لو تیسرا وعدہ بھی پورا ہو گیا۔ اس رسول نے حکمت کی باتیں بھی سکھا دی ہیں۔ مثلاً طالوت کا واقعہ بیان فرمایا کہ اُنہوں نے حکم دیا کہ نہر سے کوئی پانی نہ پیئے اور پینے والے کو ایسی سزا دی کہ اسے اپنے سے علیحدہ کر دیا اور بتایا کہ جب کوئی شخص چھوٹا حکم نہیں مان سکتا تو اس نے بڑے بڑے حکم کہاں ماننے ہیں۔ اور یہ بھی بتایا کہ جس وقت جنگ ہو اُس وقت حاکم کی کیسی اطاعت کرنی چاہیے۔ اس میں یہ بھی بتایا کہ خلفاء پر اعتراض ہوا ہی کرتا ہے اور آخر اللہ تعالیٰ ان کو غلبہ دیتا ہے۔ ان حکموں کے بتانے کے بعد تزکیہ رہ گیا تھا۔ اس کے لئے یہ انتظام فرمایا کہ اس سورۃ کو دعا پر ختم کیا ہے جس میں یہ بتایا ہے کہ تزکیہ کا طریق دعا ہے۔ نبی بھی دعا کرے اور جماعت کو بھی دعا کی تعلیم دے۔ آپ لوگ اس سورۃ کو اَب پڑھ کر دیکھیں جس ترتیب سے آیت مذکورہ میں الفاظ ہیں اسی ترتیب سے اس سورۃ میں آیات اور کتاب اور حکمت اور طریق تزکیہ بیان فرمایا ہے۔ پس یہ آیت اس سورۃ کی کنجی ہے جو اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھ میں دی ہے۔

الغرض نبی کا کام بیان فرمایا تبلیغ کرنا، کافروں کو مؤمن کرنا، مؤمنوں کو شریعت پر قائم کرنا، پھر باریک در باریک راہوں کا بتانا، پھر تزکیۂ نفس کرنا۔ یہی کام خلیفہ کے ہوتے ہیں۔ اب یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے یہی کام اِس وقت میرے رکھے ہیں۔

آیات اللہ کی تلاوت میں اللہ تعالیٰ کی ہستی پر دلائل، ملائکہ پر دلائل، ضرورتِ نبوت اور نبوتِ محمدیہ کے دلائل، قرآن مجید کی حقّیت پر دلائل، اور ضرورتِ الہام و وحی پر دلائل، جزاء و سزا اور مسئلہ تقدیر پر دلائل، قیامت پر دلائل شامل ہیں۔ یہ معمولی کام نہیں اس زمانہ میں اس کی بہت بڑی ضرورت ہے اور یہ بہت بڑا سلسلہ ہے۔

پھر يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ دوسرا کام ہے بار بار شریعت پر توجہ دلائے اور احکام و اوامر الٰہی کی تعمیل کے لئے یاد دہانی کراتا رہے۔ جہاں سُستی ہو اس کا انتظام کرے۔ اب تم خود غور کرو کہ یہ کام کیا چند کلرکوں کے ذریعہ ہو سکتے ہیں اور کیا خلیفہ کا اتنا ہی کام رہ جاتا ہے کہ وہ چندوں کی نگرانی کرے؟ اور دیکھ لے کہ دفتر محاسب ہے، اس میں چندہ آتا ہے اور

چندممبر مل کر اسے خرچ کر دیں؟ انجمنیں دنیا میں بہت ہیں اور بڑی بڑی ہیں جہاں لاکھوں روپیہ سالانہ آتا ہے اور وہ خرچ کرتی ہیں مگر کیا وہ خلیفہ بن جاتی ہیں؟

خلیفہ کا کام کوئی معمولی اور رذیل کام نہیں یہ خدا تعالیٰ کا ایک خاص فضل اور امتیاز ہے جو اُس شخص کو دیا جاتا ہے جو پسند کیا جاتا ہے۔ تم خود غور کر کے دیکھو کہ یہ کام جو میں نے بتائے ہیں میں نے نہیں خدا نے بتائے ہیں کیا کسی انجمن کا سیکرٹری اِس کو کر سکتا ہے؟ ان معاملات میں کوئی سیکرٹری کی بات کو مان سکتا ہے؟ یا آج تک کہیں اِس پر عمل ہوا ہے؟ اور جگہ کو جانے دو یہاں ہی بتا دو کہ کبھی انجمن کے ذریعہ یہ کام ہوا ہو۔ ہاں چندوں کی یاددہانیاں ہیں وہ ہوتی رہتی ہیں۔

یہ پکی بات ہے کہ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ کے لئے ضرور خلیفہ ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ کسی انجمن کے سیکرٹری کے لئے یہ شرط کہاں ہے کہ وہ پاک بھی ہو۔ ممکن ہے ضرورتاً عیسائی رکھا جاوے یا ہندو ہو جو دفاتر کا کام عمدگی سے کر سکے پھر وہ خلیفہ کیونکر ہو سکتا ہے؟

خلیفہ کے لئے تعلیم الکتاب ضروری ہے اس کے فرائض میں داخل ہے سیکرٹری کے فرائض میں قواعد پڑھ کر دیکھ لو کہیں بھی داخل نہیں۔ پھر خلیفہ کا کام ہے کہ خدا تعالیٰ کے احکام کے اغراض و اسرار بیان کرے جن کے علم سے ان پر عمل کرنے کا شوق و رغبت پیدا ہوتی ہے۔ مجھے بتاؤ کہ کیا تمہاری انجمن کے سیکرٹری کے فرائض میں یہ بات ہے؟ کتنی مرتبہ احکامِ الٰہیہ کی حقیقت اور فلاسفی انجمن کی طرف سے تمہیں سکھائی گئی کیا اس قسم کے سیکرٹری رکھے جا سکتے ہیں؟ یا انجمنیں اس مخصوص کام کو کر سکتی ہیں؟ ہرگز نہیں۔

انجمنیں محض اِس غرض کے لئے ہوتی ہیں کہ وہ بہی کھاتے رکھیں اور خلیفہ کے احکام کے نفاذ کے لئے کوشش کریں۔ پھر خلیفہ کا کام ہے يُزَكِّيْهِمْ قوم کا تزکیہ کرے۔ کیا کوئی سیکرٹری اِس فرض کو ادا کر سکتا ہے؟ کسی انجمن کی طرف سے یہ ہدایت جاری ہوئی؟ یا تم نے سنا ہو کہ سیکرٹری نے کہا ہو کہ میں قوم کے تزکیہ کے لئے رو رو کر دعائیں کرتا ہوں؟

میں سچ سچ کہتا ہوں کہ یہ کام سیکرٹری کا ہے ہی نہیں اور نہ کوئی سیکرٹری کہہ سکتا ہے کہ میں دعائیں کرتا ہوں۔ جھوٹا ہے جو کہتا ہے کہ انجمن اس کام کو کر سکتی ہے۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا

ہوں کہ کوئی سیکرٹری یہ کام نہیں کرسکتا اور کوئی انجمن نبی کے کام نہیں کرسکتی۔ اگر انجمنیں یہ کام کرسکتیں تو خدا تعالیٰ دنیا میں ماموراور مرسل نہ بھیجتا بلکہ اس کی جگہ انجمنیں بنا تا مگر کسی ایک انجمن کا پتہ دو جس نے کہا ہو کہ خدا نے ہمیں مامور کیا ہے۔

کوئی دنیا کی انجمن نہیں ہے جو یہ کام کر سکے۔ ممبر تو اکٹھے ہوکر چند امور پر فیصلہ کرتے ہیں کیا کبھی کسی انجمن میں اس آیت پر بھی غور کیا گیا ہے۔ یاد رکھو خدا تعالیٰ جس کے سپرد کوئی کام کرتا ہے اُسی کو بتاتا ہے کہ تیرے یہ کام ہیں۔ یہ کام ہیں جو انبیاء اور خلفاء کے ہوتے ہیں۔ روپیہ اکٹھا کرنا ادنیٰ درجہ کا کام ہے۔ خلفاء کا کام انسانی تربیت ہوتی ہے اور ان کو خدا تعالیٰ کی معرفت اور یقین کے ساتھ پاک کرنا ہوتا ہے۔ روپیہ تو آریوں اور عیسائیوں کی انجمنیں بلکہ دہریوں کی انجمنیں بھی جمع کر لیتی ہیں۔ اگر کسی نبی یا اس کے خلیفہ کا بھی یہی کام ہوتو **نَعُوْذُ بِاللّٰہِ** یہ سخت ہتک اور بے ادبی ہے اُس نبی اور خلیفہ کی۔

یہ سچ ہے کہ ان مقاصد اور اغراض کی تکمیل کے لئے جو اس کے سپرد ہوتے ہیں اس کو بھی روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ بھی **مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ**[11] کہتا ہے مگر اس سے اُس کی غرض روپیہ جمع کرنا نہیں بلکہ اِس رنگ میں بھی اُس کی غرض وہی تکمیل اور تزکیہ ہوتی ہے۔ اور پھر بھی اس غرض کے لئے اس کی قائم مقام ایک انجمن یا شوریٰ ہوتی ہے جو انتظام کرے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ خلیفہ کا کام روپیہ جمع کرنا نہیں ہوتا اور نہ اس کے اغراض و مقاصد کا دائرہ کسی مدرسے کے جاری کرنے تک محدود ہوتا ہے یہ کام دنیا کی دوسری قومیں بھی کرتی ہیں۔

خلیفہ کے اس قسم کے کاموں اور دوسری قوموں کے کاموں میں فرق ہوتا ہے وہ ان امور کو بطور مبادی اور اسباب کے اختیار کرتا ہے یا اختیار کرنے کی ہدایت کرتا ہے دوسری قومیں اس کو بطور ایک اصل مقصد اور غایت کے اختیار کرتی ہیں۔

حضرت صاحب نے جو مدرسہ بنایا اس کی غرض وہ نہ تھی جو دوسری قوموں کے مدرسوں کی ہے۔ پس یاد رکھو کہ خلیفہ کے جو کام ہوتے ہیں وہ کسی انجمن کے ذریعہ نہیں ہو سکتے۔

اس قومی اجتماع کی کیا غرض ہے

اب آپ کو جو بلایا گیا ہے تو خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ میں ان کاموں کے متعلق جو خدا نے میرے سپرد کر دیئے ہیں آپ سے مشورہ کروں کہ انہیں کس طرح کروں۔ میں جانتا ہوں اور نہ صرف جانتا ہوں بلکہ یقین رکھتا ہوں کہ وہ آپ میری ہدایت اور رہنمائی کرے گا کہ مجھے کس طرح ان کو سرانجام دینا چاہیئے۔لیکن اُسی نے مشورہ کا بھی تو حکم دیا ہے۔ یہ کام اُس نے خود بتائے ہیں، اُس نے آپ میرے دل میں اس آیت کو ڈالا جو میں نے پڑھی ہے۔ پرسوں مغرب یا عصر کی نماز کے وقت یکدم میرے دل میں ڈالا۔ میں حیران تھا کہ بُلا تو لیا ہے کیا کہوں۔ اِس پر یہ آیت اُس نے میرے دل میں ڈالی۔

پس یہ چار کام انبیاء اوران کے خلفاء کے ہیں ان کے سرانجام دینے میں مجھے تم سے مشورہ کرنا ہے میں اب ان کاموں کو اور وسیع کرتا ہوں۔

چار نہیں بلکہ آٹھ

میں اس آیت کی ایک اور تشریح کرتا ہوں جب ان پر میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ ان چار میں اور معنی پوشیدہ تھے اور اس طرح پر یہ چار آٹھ بن جاتے ہیں۔

(۱) **يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ** اس کے معنی ایک یہ کرتا ہوں کہ کافروں کو مؤمن بنا دے یعنی تبلیغ کرے۔ دوسرے مؤمنوں کو آیات سنائے۔اس صورت میں ترقی ایمان یا درستی ایمان بھی کام ہوگا یہ دو ہو گئے۔

(۲) **يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ** قرآن شریف کتاب موجود ہے اس لئے اس کی تعلیم میں قرآن مجید کا پڑھنا پڑھانا، قرآن مجید کا سمجھنا آ جائے گا۔ کتاب تو لکھی ہوئی موجود ہے اس لئے کام یہ ہوگا کہ ایسے مدارس ہوں جہاں قرآن مجید کی تعلیم ہو۔ پھر اس کے سمجھانے کے لئے ایسے مدارس ہوں جہاں قرآن مجید کا ترجمہ سکھایا جائے اور وہ علوم پڑھائے جائیں جو اس کے خادم ہوں۔ایسی صورت میں دینی مدارس کا اجراء اوران کی تکمیل کام ہوگا۔ (ب) دوسرا کام اس لفظ کے ماتحت قرآن شریف پر عمل کرانا ہوگا کیونکہ تعلیم دو قسم کی ہوتی ہے ایک کسی کتاب کا پڑھا دینا اور دوسرے اس پر عمل کروانا۔

(۳) اَلۡحِکۡمَۃَ ۔ تَعۡلِیۡمُ الۡحِکۡمَۃِ کے لئے تجاویز اور تدابیر ہوں گی کیونکہ اس فرض کے نیچے احکامِ شرائع کے اسرار سے آگاہ کرنا ضروری ہے۔

(۴) یُزَکِّیۡھِمۡ ۔ یُزَکِّیۡھِمۡ کے معنوں پر غور کیا تو ایک تو یہی بات ہے جو میں بیان کر چکا ہوں کہ دعاؤں کے ذریعہ تزکیہ کرے۔ پھر ابن عباسؓ نے معنی کئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اخلاص پیدا کرنا۔ غرض ایک تو یہ معنی ہوئے کہ گناہوں سے بچانے کی کوشش کرے۔ اس لئے جماعت کو گناہوں سے بچانا ضروری ٹھہرا کہ وہ گناہوں میں نہ پڑے۔ اور دوسرے معنوں کے لحاظ سے یہ کام ہوا کہ صرف گناہوں سے نہ بچائے بلکہ ان میں نیکی پیدا کرے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہو کہ ایک تو وہ تدابیر اختیار کرے جن سے جماعت کے گناہ دور کر دے۔ دوسرے اُن کو خوبصورت بنا کر دکھاوے۔ اعلیٰ مدارج کی طرف لے جاوے اور اُن کے کاموں میں اخلاص اور اطاعت پیدا کرے۔ پھر تیسرے معنی بھی یُزَکِّیۡھِمۡ کے ہیں وہ یہ کہ ان کو بڑھائے۔ ان معانی کے لحاظ سے دین و دنیا میں ترقی دینا ضروری ہوا اور یہ ترقی ہر پہلو سے ہونی چاہیے۔ دُنیوی علوم میں دوسروں سے پیچھے ہوں تو اس میں ان کو آگے لے جاوے، تعداد میں کم ہوں تو بڑھائے، مالی حالت کمزور ہو تو اس میں بڑھاوے۔ غرض جس رنگ میں بھی کمی ہو بڑھاتا چلا جاوے۔ اب ان معنوں کے لحاظ سے جماعت کی ہر قسم کی ترقی نبی اور اس کے ماتحت اس کے خلیفہ کا فرض ہوا۔ پھر جب میل سے پاک کرنا اور ترقی کرانا اس کا کام ہوا تو اسی میں غرباء کی خبر گیری بھی آ گئی کیونکہ وہ بھی ایک دنیاوی میل سے لتھڑے ہوتے ہیں اُن کو پاک کرنا اس کا فرض ہے۔ اس غرض کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کا صیغہ رکھا ہے کیونکہ جماعت کے غرباء اور مساکین کا انتظام کرنا بھی خلیفہ کا کام ہے اور اس کے لئے روپیہ کی ضرورت ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس کا بھی انتظام فرما دیا اور امراء پر زکوٰۃ مقرر فرمائی۔

پس یاد رکھو کہ یُزَکِّیۡھِمۡ کے معنی ہوئے پاک کرے، اخلاص پیدا کرے اور ہر رنگ میں بڑھائے۔ چہارم صدقات کا انتظام کر کے اصلاح کرے۔ اب انجمن والے بھی بے شک بولیں کیونکہ ان امور کے انتظام انجمن کو چاہتے ہیں۔ مگر باوجود اس کے بھی یہ انجمن کا کام

نہیں بلکہ خلیفہ کا کام ہے۔اب تمہیں معلوم ہو گیا ہو گا کہ یہ سب باتیں اس کے نیچے ہیں اور یہ خیالی طور پر نہیں، ڈھکوسلہ کے رنگ میں نہیں بلکہ لغت اور صحابہؓ کے اقوال اِس کی تائید کرتے ہیں۔

پس میں نے تمہیں وہ کام خلیفہ کے بتائے ہیں جو خدا تعالیٰ نے بیان کئے ہیں اور اس کی حقیقت لغت عرب اور صحابہؓ کے مسلّمہ معنوں کی رو سے بتائی ہے میرا کام اتنا ہے۔خدا تعالیٰ نے مجموعی اور یکجائی طور پر مجھے اس سے آگاہ کر دیا اور محض اپنے فضل سے سورۃ بقرہ کی کلید مجھے بتا دی۔ میں اِس راز اور حقیقت کو آج سمجھا کہ تین سال پیشتر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت بجلی کی طرح میرے دل میں کیوں ڈالی؟ قبل از وقت میں اِس راز سے آگاہ نہیں ہو سکتا تھا مگر آج حقیقت کھلی کہ ارادۂ الٰہی میں یہ میرے ہی فرائض اور کام تھے اور ایک وقت آنے والا تھا کہ مجھے ان کی تکمیل کے لئے کھڑا کیا جانا تھا۔پس جب یہ ظاہر ہو چکا کہ خلیفہ کے کیا کام ہیں یا دوسرے لفظوں میں یہ کہو کہ میرے کیا فرائض ہیں تو اب سوال ہوتا ہے کہ ان کو کیونکر کرنا ہے؟ اور اسی میں مجھے تم سے مشورہ کرنا ہے۔

مقاصدِ خلافت کی تکمیل کی کیا صورت ہو

یہ تو آپ کو معلوم ہو چکا کہ خلافت کا پہلا اور ضروری کام تبلیغ ہے اس لئے ہمیں سوچنا چاہیے کہ تبلیغ کی کیا صورتیں ہوں۔مگر میں ایک اور بات بھی تمہیں بتانا چاہتا ہوں اور یہ بات ابھی میرے دل میں ڈالی گئی ہے کہ خلافت کے یہ مقاصدِ اربعہ حضرت خلیفۃ المسیح کی وصیت میں بھی بیان کئے گئے ہیں۔

خلیفۃ المسیح کی وصیت اسی کی تشریح ہے

حضرت خلیفۃ المسیح نے اپنی وصیت میں اپنے جانشین کیلئے فرمایا۔ متقی ہو، ہر دلعزیز ہو، قرآن و حدیث کا درس جاری رہے، عالم باعمل ہو۔ اس میں **يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ** کی طرف اشارہ اس حکم میں ہے کہ قرآن و حدیث کا درس جاری رہے کیونکہ **الْكِتٰبَ** کے معنی قرآن شریف ہیں اور **الْحِكْمَةَ** کے معنی بعض آئمہ نے حدیث کے کئے ہیں۔اس طرح **يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ** کے معنی ہوئے قرآن و

حدیث سکھائے عام ترجمہ ہے يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ کا۔ کیونکہ تبلیغ کے لئے علم کی ضرورت ہے۔ متقی اور باعمل ہونا اور ہر دلعزیز ہونا یہ يُزَكِّيْهِمْ کے لئے ضروری ہے کیونکہ جو متقی ہے وہی تزکیہ کر سکتا ہے اور جو خود عمل نہ کرے گا اس کی بات پر اور لوگ عمل نہیں کر سکتے۔ اسی طرح جو قوم کا مزکی ہوگا وہ ہر دلعزیز بھی ضرور ہوگا۔ پھر کہو کہ وصیت میں ایک اور بات بھی ہے کہ درگزر سے کام لے۔ میں کہتا ہوں اس کا ذکر بھی اس آیت میں ہے۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اللہ تعالیٰ جو الْعَزِيْزُ ہے اُس کو بھی معزز کرے گا اور غلبہ دے گا۔ جس کا لازمی نتیجہ درگزر ہوگا کیونکہ یہ ایک طاقت کو چاہتا ہے طاقت ملے تو درگزر کرے۔ پس اس دعا میں اللہ تعالیٰ کے ان اسماء کا ذکر کرنے کے یہی معنی ہیں۔ پھر یہ بتایا کہ درگزر نَعُوْذُ بِاللّٰهِ لغو نہیں بلکہ الْحَكِيْمُ کے خیال کے نیچے ہوگا۔ پس یاد رکھو کہ حضرت خلیفۃ المسیح (خدا تعالیٰ کے بڑے بڑے فضل اُن پر ہوں) کی وصیت بھی اسی آیت کی تشریح ہے۔ اب جب کہ یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید نے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور خود حضرت خلیفۃ المسیح نے خلیفہ کے کام پہلے سے بتا دیئے تو اب جدید شرائط کا کسی کو کیا حق ہے۔ گورنمنٹ کی شرائط کے بعد کسی اور کو کوئی حق نہیں ہوتا کہ اپنی خود ساختہ باتیں پیش کرے۔

خلیفہ تو خداوند مقرر کرتا ہے پھر تمہارا کیا حق ہے کہ تم شرائط پیش کرو۔ خدا سے ڈرو اور ایسی باتوں سے توبہ کرو یہ ادب سے دور ہیں۔ خدا تعالیٰ نے خود خلیفہ کے کام مقرر کر دیئے ہیں اب کوئی نہیں جو ان میں تبدیلی کر سکے یا ان کے خلاف کچھ اور کہہ سکے۔ پھر کہتا ہوں کہ حضرت خلیفۃ المسیح (خدا کی ہزاروں ہزار رحمتیں اُن پر ہوں) نے بھی وہی باتیں پیش کیں جو اس آیت میں خدا نے بیان کی تھیں گویا ان کی وصیت اس آیت کا ترجمہ ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ اور تشریح کروں۔

تبلیغ پہلا فرض خلیفہ کا تبلیغ ہے جہاں تک میں نے غور کیا ہے میں نہیں جانتا کیوں بچپن ہی سے میری طبیعت میں تبلیغ کا شوق رہا ہے اور تبلیغ سے ایسا اُنس رہا ہے کہ میں سمجھ ہی نہیں سکتا۔ میں چھوٹی سی عمر میں بھی ایسی دعائیں کرتا تھا اور مجھے ایسی حرص تھی کہ اسلام کا جو کام

بھی ہو میرے ہی ہاتھ سے ہو۔ میں اپنی اس خواہش کے زمانہ سے واقف نہیں کہ کب سے ہے۔ میں جب دیکھتا تھا اپنے اندر اس جوش کو پاتا تھا اور دعائیں کرتا تھا کہ اسلام کا جو کام ہو میرے ہی ہاتھ سے ہو پھر اِتنا ہو اِتنا ہو کہ قیامت تک کوئی زمانہ ایسا نہ ہو جس میں اسلام کی خدمت کرنے والے میرے شاگرد نہ ہوں۔ میں نہیں سمجھتا تھا اور نہیں سمجھتا ہوں کہ یہ جوش اسلام کی خدمت کا میری فطرت میں کیوں ڈالا گیا۔ ہاں اتنا جانتا ہوں کہ یہ جوش بہت پُرانا رہا ہے۔ غرض اسی جوش اور خواہش کی بناء پر میں نے خداتعالیٰ کے حضور دعا کی کہ میرے ہاتھ سے تبلیغ اسلام کا کام ہو اور میں خداتعالیٰ کا شکر کرتا ہوں کہ اُس نے میری اِن دعاؤں کے جواب میں بڑی بڑی بشارتیں دی ہیں۔ غرض تبلیغ کے کام سے مجھے بڑی دلچسپی ہے۔ یہ میں جانتا ہوں کہ خداتعالیٰ دعاؤں کو قبول کرتا ہے اور یہ بھی جانتا ہوں کہ سب دنیا ایک مذہب پر جمع نہیں ہوسکتی۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس کام کو نہیں کرسکے اور کون ہے جو اسے کرسکے یا اس کا نام بھی لے لیکن اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی خادم اور غلام توفیق دیا جاوے کہ ایک حد تک تبلیغ اسلام کے کام کو کرے تو یہ اس کی اپنی کوئی خوبی اور کمال نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا کام ہے۔ میرے دل میں تبلیغ کے لئے اتنی تڑپ تھی کہ میں حیران تھا اور سامان کے لحاظ سے بالکل قاصر۔ پس میں اس کے حضور ہی جھکا اور دعائیں کیں اور میرے پاس تھا ہی کیا؟ میں نے بار بار عرض کی کہ میرے پاس نہ علم ہے، نہ دولت، نہ کوئی جماعت ہے، نہ کچھ اور ہے جس سے میں خدمت کرسکوں۔ مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ اس نے میری دعاؤں کو سنا اور آپ ہی سامان کردیئے اور تمہیں کھڑا کردیا کہ میرے ساتھ ہو جاؤ۔

پس آپ وہ قوم ہیں جس کو خدا نے چُن لیا اور یہ میری دعاؤں کا ایک ثمرہ ہے جو اُس نے مجھے دکھایا۔ اس کو دیکھ کر میں یقین رکھتا ہوں کہ باقی ضروری سامان بھی وہ آپ ہی کرے گا اور ان بشارتوں کو عملی رنگ میں دکھاوے گا۔ اور اب میں یقین رکھتا ہوں کہ دنیا کو ہدایت میرے ہی ذریعہ ہوگی اور قیامت تک کوئی زمانہ ایسا نہ گزرے گا جس میں میرے شاگرد نہ ہوں گے۔ کیونکہ آپ لوگ جو کام کریں گے وہ میرا ہی کام ہوگا۔

اب تم یہ تو سمجھ سکتے ہو کہ میری دلچسپی تبلیغ کے کام سے آج پیدا نہیں ہوئی اس حالت سے پہلے بھی جہاں تک مجھے موقع ملا مختلف رنگوں اور صورتوں میں تبلیغ کی تجویزیں کرتا رہا۔ وہ جوش اور دلچسپی جو فطرتاً مجھے اس کام سے تھی اور اس راہ کے اختیار کرنے کی جو بے اختیار کشش میرے دل میں ہوتی تھی اس کی حقیقت کو بھی اب میں سمجھتا ہوں کہ یہ میرے کام میں داخل تھا ورنہ جب تک اللہ تعالیٰ ایک فطرتی جوش اس کے لئے میری روح میں نہ رکھ دیتا میں کیونکر اسے سرانجام دے سکتا تھا۔ اب میں آپ سے مشورہ چاہتا ہوں کہ تبلیغ کے لئے کیا کیا جاوے۔ میں جو کچھ اس کے متعلق ارادہ رکھتا ہوں وہ میں بتا دیتا ہوں مگر تم سوچو اور غور کرو کہ اس کی تکمیل کی کیا صورتیں ہوسکتی ہیں اور ان تجاویز کو عملی رنگ میں لانے کے واسطے کیا کرنا چاہیے۔

ہر زبان کے مبلّغ ہوں

میں چاہتا ہوں کہ ہم میں ایسے لوگ ہوں جو ہر ایک زبان کے سیکھنے والے اور پھر جاننے والے ہوں تا کہ ہم ہر ایک زبان میں آسانی کے ساتھ تبلیغ کر سکیں۔ اس کے متعلق میرے بڑے بڑے ارادے اور تجاویز ہیں اور میں اللہ تعالیٰ کے فضل پر یقین رکھتا ہوں کہ خدا نے زندگی دی اور توفیق دی اور پھر اپنے فضل سے اسباب عطا کئے اور ان اسباب سے کام لینے کی توفیق ملی تو اپنے وقت پر ظاہر ہو جاویں گے۔ غرض میں تمام زبانوں اور تمام قوموں میں تبلیغ کا ارادہ رکھتا ہوں اس لئے کہ یہ میرا کام ہے کہ تبلیغ کروں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ بڑا ارادہ ہے اور بہت کچھ چاہتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی میں یقین رکھتا ہوں کہ خدا ہی کے حضور سے سب کچھ آوے گا۔ میرا خدا قادر ہے جس نے یہ کام میرے سپرد کیا ہے۔ وہی مجھے اس سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق اور طاقت دے گا۔ کیونکہ ساری طاقتوں کا مالک تو وہ آپ ہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس مقصد کے لئے بہت روپیہ کی ضرورت ہے بہت آدمیوں کی ضرورت ہے مگر اس کے خزانوں میں کس چیز کی کمی ہے۔ کیا اس سے پہلے ہم اس کے عجائباتِ قدرت کے تماشے دیکھ نہیں چکے؟ یہ جگہ جس کو کوئی جانتا بھی نہیں تھا اس کے مأمور کے باعث دنیا میں شُہرت یافتہ ہے اور جس طرح پر خدا نے اس سے وعدہ کیا تھا ہزاروں نہیں لاکھوں لاکھ روپیہ اس کے کاموں

کی تکمیل کے لئے اس نے آپ بھیج دیا۔اس نے وعدہ کیا تھا یَنْصُرُکَ رِجَالٌ نُّوْحِیْ اِلَیْھِمْ [۱۲] تیری مدد ایسے لوگ کریں گے جن کو ہم خود وحی کریں گے۔ پس میں جب کہ جانتا ہوں کہ جو کام میرے سپرد ہوا ہے یہ اُسی کا کام ہے اور میں نے یہ کام خود اس سے طلب نہیں کیا خدا نے خود دیا ہے تو وہ انہی رِجَال کو وحی کرے گا جو مسیح موعود علیہ السلام کے وقت وحی کئے جاتے تھے۔

پس میرے دوستو! روپیہ کے معاملہ میں گھبرانے اور فکر کرنے کی کوئی بات نہیں۔ وہ آپ سامان کرے گا۔ آپ اُن سعادت مند روحوں کو میرے پاس لائے گا جو اِن کاموں میں میری مددگار ہوں گی۔

میں خیالی طور پر نہیں کامل یقین اور بصیرت سے کہتا ہوں کہ ان کاموں کی تکمیل و اجراء کے لئے کسی محاسب کی تحریکیں کام نہیں دیں گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود علیہ السلام سے خود وعدہ کیا ہے کہ یَنْصُرُکَ رِجَالٌ نُّوْحِیْ اِلَیْھِمْ تیری مدد وہ لوگ کریں گے جن کو ہم وحی کریں گے۔ پس ہمارے محاسب کا عُہدہ خود خدا تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لیا ہے اور وعدہ فرمایا ہے کہ روپیہ دینے کی تحریک ہم خود لوگوں کے دلوں میں کریں گے۔ ہاں جمع کا لفظ استعمال کر کے بتایا کہ بعض انسان بھی ہماری اس تحریک کو پھیلا کر ثواب حاصل کر سکتے ہیں۔ پس خدا آپ ہی ہمارا محاسب اور محصل ہوگا۔ اُسی کے پاس ہمارے سب خزانے ہیں۔ اس نے آپ ہی وعدہ کیا ہے یَنْصُرُکَ رِجَالٌ نُّوْحِیْ اِلَیْھِمْ پھر ہمیں کیا فکر ہے؟ ہاں ثواب کا ایک موقع ہے۔ مبارک وہ جو اس سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔

ہندوستان میں تبلیغ

تبلیغ کے سلسلہ میں میں چاہتا ہوں کہ ہندوستان کا کوئی قصبہ یا گاؤں باقی نہ رہے جہاں ہماری تبلیغ نہ ہو۔ ایک بھی بستی باقی نہ رہ جاوے جہاں ہمارے مبلّغ پہنچ کر خدا تعالیٰ کے اس سلسلہ کا پیغام نہ پہنچا دیں اور خوب کھول کھول کر انہیں سنا دیں۔ یہ کام معمولی نہیں اور آسان بھی نہیں ہاں اس کو آسان بنا دینا اور معمولی کر دینا خدا تعالیٰ کی قدرت کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔ ہمارا یہ کام نہیں کہ ہم لوگوں کو منوا دیں البتہ یہ کام ہمارا ہے اور ہونا چاہیے کہ ہم انہیں حق پہنچا دیں وہ مانیں نہ

مانیں یہ اُن کا کام ہے۔ وہ اگر اپنا فرض پورا نہیں کرتے تو اس کے یہ معنے نہیں کہ ہم بھی اپنا فرض پورا نہ کریں۔

اِس موقع پر مجھے ایک بزرگ کا واقعہ یاد آیا۔ کہتے ہیں کہ ایک بزرگ بیس برس سے دعا کررہے تھے وہ ہر روز دعا کرتے اور صبح کے قریب اُن کو جواب ملتا مانگتے رہو کہ میں تو کبھی بھی تمہاری دعا قبول نہیں کروں گا۔ بیس برس گزرنے پر ایک دن ان کا کوئی مرید بھی ان کے ہاں مہمان آیا ہوا تھا۔ اس نے دیکھا کہ پیر صاحب رات بھر دعا کرتے ہیں اور صبح کے قریب ان کو یہ آواز آتی ہے۔ یہ آواز اس مرید نے بھی سنی۔ تیسرے دن اس نے عرض کیا کہ جب اس قسم کا سخت جواب آپ کو ملتا ہے تو پھر آپ کیوں دعا کرتے رہتے ہیں؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ تُو بہت بے استقلال معلوم ہوتا ہے بندے کا کام ہے دعا کرنا خدا تعالیٰ کا کام ہے قبول کرنا۔ مجھے اِس سے کیا غرض کہ وہ قبول کرتا ہے یا نہیں۔ میرا کام دعا کرنا ہے سو میں کرتا رہتا ہوں میں تو بیس سال سے ایسی آوازیں سن رہا ہوں میں تو کبھی نہیں گھبرایا تو تین دن میں گھبرا گیا۔ دوسرے دن خدا تعالیٰ نے اسے فرمایا کہ میں نے تیری وہ ساری دعائیں قبول کرلیں جو تو نے بیس سال کے اندر کی ہیں۔

غرض ہمارا کام پہنچا دینا ہے اور محض اس وجہ سے کہ کوئی قبول نہیں کرتا ہمیں تھکنا اور رُکنا نہیں چاہئے۔ کیونکہ ہمارا کام منوانا نہیں ہم کو تو اپنا فرض ادا کرنا چاہیے تا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور ہم کہہ سکیں کہ ہم نے پہنچا دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ [۱۳]۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ [۱۴] اور آپ کا کام اتنا ہی فرمایا بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ [۱۵] جو تم پر نازل ہوا اُسے پہنچاؤ۔ پس ہمیں اپنا کام کرنا چاہیے۔ جب منوانا ہمارا کام نہیں تو دوسرے کے کام پر ناراض ہوکر اپنا کام کیوں چھوڑیں؟ ہم کو اللہ تعالیٰ کے حضور سُرخرو ہونے کے لئے پیغامِ حق پہنچا دینا چاہیے۔ پس ایسی تجویز کرو کہ ہر قصبہ اور شہر اور گاؤں میں ہمارے مبلّغ پہنچ جاویں اور زمین و آسمان گواہی دے دیں کہ تم نے اپنا فرض ادا کردیا اور پہنچا دیا۔

دوم ہندوستان سے باہر ہر ایک مُلک میں ہم اپنے واعظ بھیجیں۔ مگر میں اس بات کے

کہنے سے نہیں ڈرتا کہ اس تبلیغ سے ہماری غرض سلسلہ احمدیہ کی صورت میں اسلام کی تبلیغ ہو۔ میرا یہی مذہب ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس رہ کر اندر باہر ان سے بھی یہی سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ اسلام کی تبلیغ یہی میری تبلیغ ہے پس اِس اسلام کی تبلیغ کرو جو مسیح موعود علیہ السلام لایا۔ حضرت صاحب اپنی ہر ایک تحریر میں اپنا ذکر فرماتے تھے اور ہم مسیح موعود علیہ السلام کے ذکر کے بغیر زندہ اسلام پیش کر بھی کب سکتے ہیں۔ پس جو لوگ مسیح موعود علیہ السلام کی تبلیغ کا طریق چھوڑتے ہیں یہ ان کی غلطی ہے، کمزوری ہے ان پر حُجت پوری ہو چکی ہے۔ حضرت صاحب کی ایک تحریر ملی ہے جو مولوی محمد علی صاحب کو ہی مخاطب کر کے فرمائی تھی۔ اور وہ یہ ہے۔

اخبار بدر جلد ۶ نمبر ۸ مؤرخہ ۲۱ رفروری ۱۹۰۷ء صفحہ ۴ ''۱۳رفروری ۱۹۰۷ء مولوی محمد علی صاحب کو بُلا کر حضرت اقدس نے فرمایا کہ ہم چاہتے ہیں کہ یورپ امریکہ کے لوگوں پر تبلیغ کا حق ادا کرنے کے واسطے ایک کتاب انگریزی زبان میں لکھی جائے اور یہ آپ کا کام ہے۔ آجکل ان مُلکوں میں جو اسلام نہیں پھیلتا اور اگر کوئی مسلمان ہوتا بھی ہے تو وہ بہت کمزوری کی حالت میں رہتا ہے۔ اس کا سبب یہی ہے کہ وہ لوگ اسلام کی اصل حقیقت سے واقف نہیں ہیں اور نہ ان کے سامنے اصل حقیقت کو پیش کیا گیا ہے۔ ان لوگوں کا حق ہے کہ ان کو حقیقی اسلام دکھلایا جائے جو خدا تعالیٰ نے ہم پر ظاہر کیا ہے۔ وہ امتیازی باتیں جو خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ میں رکھی ہیں وہ ان پر ظاہر کرنی چاہئیں اور خدا تعالیٰ کے مکالمات اور مخاطبات کا سلسلہ ان کے سامنے پیش کرنا چاہیے اور ان سب باتوں کو جمع کیا جائے جن کے ساتھ اسلام کی عزت اِس زمانہ میں وابستہ ہے۔ ان تمام دلائل کو ایک جگہ جمع کیا جائے جو اسلام کی صداقت کے واسطے خدا تعالیٰ نے ہم کو سمجھائے ہیں۔ اس طرح ایک جامع کتاب تیار ہو جائے تو امید ہے کہ اس سے ان لوگوں کو بہت فائدہ حاصل ہو''۔

اب بتاؤ کہ جب مسیح موعود علیہ السلام نے خود یورپ میں تبلیغ اسلام کا طریق بتا دیا ہے تو پھر کسی نئے طریق اختیار کرنے کی کیا وجہ ہے۔ افسوس ہے جن کو اس کام کے لائق سمجھ کر ہدایت کی گئی تھی وہی اَور راہ اختیار کر رہے ہیں۔ یہ غلط ہے کہ لوگ وہاں سلسلہ کی باتیں سننے

کو تیار نہیں ۔ ایک دوست کا خط آیا ہے کہ لوگ سلسلہ کی باتیں سننے کو تیار ہیں کیونکہ ایسی جماعتیں وہاں پائی جاتی ہیں جو مسیح کی آمد کی اِنہی دنوں میں منتظر ہیں ۔ ایسا ہی ریویو کو پڑھ کر بعض خطوط آتے ہیں ۔ سویڈن اور انگلستان سے بھی آتے ہیں ۔ ایک شخص نے مسیح کے کشمیر آنے کا مضمون پڑھ کر لکھا ہے کہ اسے الگ چھپوایا جائے اور دو ہزار مجھے بھیجا جائے میں اسے شائع کروں گا یہ ایک جرمن یا انگریز کا خط ہے ۔ ایسی سعادت مند روحیں ہیں جو سننے کو موجود ہیں مگر ضرورت ہے سنانے والوں کی ۔

میں یورپ میں تبلیغ کے سوال پر آج تک خاموش رہا اِس کی یہ وجہ نہ تھی کہ میں اس سوال کا فیصلہ نہیں کر سکتا تھا ، نہیں بلکہ میں نے احتیاط سے کام لیا کہ جو لوگ وہاں گئے ہیں وہ وہاں کے حالات کا بہترین علم رکھتے ہیں میں چونکہ وہاں نہیں گیا اس لئے مجھے خاموش رہنا چاہیے لیکن جو لوگ وہاں گئے ان میں سے بعض نے لکھا ہے کہ حضرت صاحب کا ذکر لوگ سنتے ہیں اور ہماری تبلیغ میں حضرت صاحب کا ذکر ہونا چاہیے ۔ اس کے علاوہ خود حضرت صاحب نے یورپ میں تبلیغ کے لئے یہی فرمایا کہ اس سلسلہ کو پیش کیا جاوے ۔ اور جو کشف آپ نے دیکھا تھا اس کے بھی یہی معنی کئے کہ میری تحریریں وہاں پہنچیں گی ۔ ان تمام امور پر غور کر کے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ممالکِ غیر اور یورپ میں بھی اس سلسلہ کی اشاعت ہو اور ہمارے مبلّغ وہاں جا کر انہیں بتائیں کہ تمہارا مذہب مردہ ہے اس میں زندگی کی روح نہیں ہے زندہ مذہب صرف اسلام ہے جس کی زندگی کا ثبوت اس زمانہ میں بھی ملتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نازل ہوئے ۔ غرض وہاں بھی سلسلہ کا پیغام پہنچایا جاوے اور جہاں ہم سرِ دست واعظ نہیں بھیج سکتے وہاں ٹریکٹ اور چھوٹے چھوٹے رسالے چھپوا کر تقسیم کریں ۔

اشتہاری تبلیغ کا جوش

چونکہ مجھے تبلیغ کے لئے خاص دلچسپی رہی ہے اس دلچسپی کے ساتھ عجیب عجیب ولولے اور جوش پیدا ہوتے رہے ہیں اور اس تبلیغی عشق نے عجیب عجیب ترکیبیں میرے دماغ میں پیدا کی ہیں ۔ ایک بار خیال آیا کہ جس طرح پر اشتہاری تاجر اخبارات میں اپنا اشتہار دیتے ہیں میں بھی چین کے اخبارات

میں ایک اشتہار تبلیغِ سلسلہ کا دوں اور اس کی اُجرت دے دوں تا کہ ایک خاص عرصہ تک وہ اشتہار چھپتا رہے۔ مثلاً یہی اشتہار کہ ’’مسیح موعود آ گیا‘‘ بڑی موٹی قلم سے اس عنوان سے ایک اشتہار چھپتا رہے۔ غرض میں اِس جوش اور عشق کا نقشہ الفاظ میں نہیں کھینچ سکتا جو اس مقصد کے لئے مجھے دیا گیا ہے یہ ایک نمونہ ہے اس جوش کے پورا کرنے کا۔ ورنہ یہ ایک لطیفہ ہی ہے۔ اس تجویز کے ساتھ ہی مجھے بے اختیار ہنسی آئی کہ یہ اشتہاری تبلیغ بھی عجیب ہوگی۔ مگر یہ کوئی نئی بات نہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی تبلیغ سلسلہ کے لئے عجیب عجیب خیال آتے تھے اور وہ دن رات اسی فکر میں رہتے تھے کہ یہ پیغام دنیا کے ہر کونے میں پہنچ جاوے۔ ایک مرتبہ آپ نے تجویز کی کہ ہماری جماعت کا لباس ہی الگ ہو تا کہ ہر شخص بجائے خود ایک تبلیغ ہو سکے اور دوستوں کو ایک دوسرے کی ناواقفی میں شناخت آسان ہو۔ اِس پر مختلف تجویزیں ہوتی رہیں۔ میں خیال کرتا ہوں کہ شاید اسی بناء پر لکھنؤ کے ایک دوست نے اپنی ٹوپی پر احمدی لکھوا لیا۔ غرض تبلیغ ہو اور کونہ کونہ میں ہو کوئی جگہ باقی نہ رہے۔ یہ جوش، یہ تجویزیں اور کوششیں ہماری نہیں یہ حضرت صاحب ہی کی ہیں اور سب کچھ اِنہیں کا ہے ہمارا تو کچھ بھی نہیں۔

مبلّغ کہاں سے آویں

جب ہم چاہتے ہیں کہ دنیا کے ہر گوشہ اور ہر قوم اور ہر زبان میں ہماری تبلیغ ہو تو دوسرا سوال جو قدرتاً پیدا ہوتا ہے یہ ہوگا کہ تبلیغ کے لئے مبلّغ کہاں سے آویں؟ یہ وہ سوال ہے جس نے ہمیشہ میرے دل کو دُکھ میں رکھا ہے۔ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی یہ تڑپ رکھتے تھے کہ اخلاص کے ساتھ تبلیغ کرنے والے ملیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح کی بھی یہ آرزو رہی۔ اسی خواہش نے اِسی جگہ اِسی مسجد میں مدرسہ احمدیہ کی بنیاد مجھ سے رکھوائی اور اِسی مسجد میں بڑے زور سے اس کی مخالفت کی گئی۔ لیکن میری کوئی ذاتی خواہش اور غرض نہ تھی محض اعلائے سلسلہ کی غرض سے میں نے یہ تحریک کی تھی باوجودیکہ بڑے بڑے آدمیوں نے مخالفت کی آخر اللہ تعالیٰ نے اِس مدرسہ کو قائم کر ہی دیا۔ اُس وقت سمجھنے والوں نے نہ سمجھا کہ اس مدرسہ کی کس قدر ضرورت ہے اور مخالفت میں حصہ لیا۔ میں دیکھتا تھا کہ علماء کے قائم مقام پیدا نہیں ہوتے۔

میرے دوستو! یہ معمولی مصیبت اور دکھ نہیں ہے۔ کیا تم چاہتے ہو، ہاں کیا تم چاہتے ہو کہ فتویٰ پوچھنے کے لئے تم ندوہ اور دوسرے غیر احمدی مدرسوں یا علماء سے سوال کرتے پھرو جو تم پر کفر کے فتوے دے رہے ہیں؟ دینی علوم کے بغیر قوم مُردہ ہوتی ہے پس اِس خیال کو مدنظر رکھ کر باوجود پُر جوش مخالفت کے میں نے مدرسہ احمدیہ کی تحریک کو اُٹھایا اور خدا کا فضل ہے کہ وہ مدرسہ دن بدن ترقی کر رہا ہے لیکن ہمیں تو اِس وقت واعظ اور معلّموں کی ضرورت ہے۔ مدرسہ سے تعلیم یافتہ نکلیں گے اور اِنْشَاءَ اللّٰہ وہ مفید ثابت ہوں گے مگر ضرورتیں ایسی ہیں کہ ابھی ملیں۔ میرا اپنا دل تو چاہتا ہے کہ گاؤں گاؤں ہمارے علماء اور مفتی ہوں۔ جن کے ذریعہ علومِ دینیہ کی تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری ہو اور کوئی بھی احمدی باقی نہ رہے جو پڑھا لکھا نہ ہو اور علومِ دینی سے واقف نہ ہو۔ میرے دل میں اس غرض کے لئے بھی عجیب عجیب تجویزیں ہیں جو خدا چاہے گا تو پوری ہو جائیں گی۔

غرض یہ ضروری سوال ہے کہ مبلّغ کہاں سے آویں؟ اور پھر چونکہ ہم چاہتے ہیں کہ ہر قوم اور ہر زبان میں ہماری تبلیغ ہو اس لئے ضرورت ہے کہ مختلف زبانیں سکھائی جاویں۔ حضرت خلیفۃ المسیح کی زندگی میں میں نے ارادہ کیا تھا کہ بعض ایسے طالبعلم ملیں جو سنسکرت پڑھیں اور پھر وہ ہندوؤں کے گاؤں میں جا کر کوئی مدرسہ کھول دیں اور تعلیم کے ساتھ تبلیغ کا سلسلہ بھی جاری رکھیں اور ایک عرصہ تک وہاں رہیں۔ جب اسلام کا بیج بویا جائے تو مدرسہ کسی شاگرد کے سپرد کر کے آپ دوسری جگہ جا کر کام کریں۔ غرض جس رنگ میں تبلیغ آسانی سے ہو سکے کریں۔

اِس قسم کے لوگوں کی بہت بڑی ضرورت ہے جو خدمتِ دین کے لئے نکل کھڑے ہوں۔ یہ ضرورت کس طرح پوری ہو؟ ایک سہل طریق خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہاں ایک مدرسہ ہو۔ تم باہم مل کر اس کے لئے مشورہ کرو پھر میں غور کروں گا۔ میں پھر کہتا ہوں کہ میں تم سے جو مشورہ کر رہا ہوں یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے نیچے کر رہا ہوں۔ قرآن مجید میں اس نے فرمایا ہے **وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ**[16] پس تم مشورہ کر کے مجھے بتاؤ۔ پھر اللہ تعالیٰ جو کچھ میرے دل میں

ڈالے گا میں اس پر تَـوَکُّلاً عَـلَی اللّٰہِ عزم کروں گا۔غرض ایک مدرسہ ہواس میں ایک ایک مہینے یا تین تین مہینے کے کورس ہوں ۔اس عرصہ میں مختلف جگہ سے لوگ آ جاویں اور وہ کورس پورا کر کے اپنے وطنوں کو چلے جاویں اور وہاں جا کر اپنے اس کورس کے موافق سلسلہ تبلیغ کا جاری کریں ۔ پھران کی جگہ ایک اور جماعت آوے اور وہ بھی اسی طرح اپنا کورس پورا کر کے چلی جاوے۔سال تک برابر اسی طرح ہوتا رہے پھر اسی طریق پر وہ لوگ جو پہلے سال آئے تھے آتے رہیں ۔اس طرح پر ان کی تکمیل ہو اور ساتھ ہی وہ تبلیغ کرتے رہیں ۔ میں اس مقصد کے لئے خاص استاد مقرر کروں گا اور جو لوگ اس طرح پر آتے رہیں گے وہ برابر پڑھتے رہیں گے ۔ یہ تعلیم کا ایک ایسا ہی طریق ہے جیسا کہ میدانِ جنگ میں نماز کا ہے ۔ اِس وقت بھی دشمن سے جنگ ہے اب تیر و تفنگ کی لڑائی نہیں بلکہ دلائل اور براہین سے ہو رہی ہے اس لئے اِنہیں ہتھیاروں سے ہم کو مسلح ہونا چاہیے اور اِس کی یہ ایک صورت ہے ۔

غرض ایک سال کا کورس ختم ہونے کے بعد پھر پہلی جماعت آئے اور کورس ختم کرے ۔ ایک ایک سال کے لئے ذخیرہ موجود ہوگا حتّٰی کہ چار پانچ چھ سات سال میں جب تک خدا چاہے کام کرتے رہیں اتنے عرصہ میں مبلّغ تیار ہو جاویں گے ۔ یہ ایک طریق ہے، یہ ایک رنگ ہے پس تم غور کرو کہ ایک مدرسہ اس قسم کا چاہیے ۔

واعظین کا تقرر

واعظین کے تقرر کی بھی ضرورت ہے اور میری رائے یہ ہے کہ کم ازکم دس تو ہوں ۔ ان کو مختلف جگہ بھیج دیا جاوے ۔ مثلاً ایک سیالکوٹ چلا جاوے وہ وہاں جا کر درس دے اور تبلیغ کرے تین ماہ تک وہاں رہے اور پھر دوسری جگہ چلا جاوے ۔ کسی جگہ ایک آدھ دن کے لیکچر یا وعظ کی بجائے یہ سلسلہ زیادہ مفید ہوسکتا ہے واعظین کم ازکم دس ہوں اور اگر یہ بھی نہ مل سکیں تو کم ازکم پانچ ہی ہوں ۔

قومِ لوط کا واقعہ

اِس موقع پر مجھے ایک خطرناک واقعہ یاد آ گیا۔حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر جب عذاب آیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی

’’تب ابراہام نزدیک جا کے بولا ۔کیا تُو نیک کو بد کے ساتھ ہلاک کرے گا ؟ شاید پچاس صادق اس شہر میں ہوں ۔ کیا تو اسے ہلاک کرے گا اور ان پچاس صادقوں کی خاطر جو اس

کے درمیان ہیں اس مقام کو نہ چھوڑے گا؟ ایسا کرنا تجھ سے بعید ہے کہ نیک کو بد کے ساتھ مار ڈالے اور نیک بد کے برابر ہو جاویں یہ تجھ سے بعید ہے۔ کیا تمام دنیا کا انصاف کرنے والا انصاف نہ کرے گا؟ اور خداوند نے کہا کہ اگر میں سدوم میں شہر کے درمیان پچاس صادق پاؤں تو میں ان کے واسطے تمام مکان کو چھوڑوں گا۔ تب ابراہام نے جواب دیا اور کہا کہ اب دیکھ میں نے خداوند سے بولنے میں جرأت کی اگرچہ میں خاک اور راکھ ہوں۔ شاید پچاس صادقوں سے پانچ کم ہوں۔ کیا ان پانچ کے واسطے تُو تمام شہر کو نیست کرے گا؟ اور اس نے کہا اگر میں وہاں پنتالیس پاؤں تو نیست نہ کروں گا۔ پھر اس نے اس سے کہا شاید وہاں چالیس پائے جائیں۔ تب اس نے کہا کہ میں چالیس کے واسطے بھی نہ کروں گا۔ پھر اس نے کہا کہ میں منت کرتا ہوں کہ اگر خداوند خفا نہ ہوں تو میں پھر کہوں شاید وہاں تیس پائے جائیں۔ وہ بولا اگر میں وہاں تیس پاؤں تو میں یہ نہ کروں گا۔ پھر اس نے کہا دیکھ میں نے خداوند سے بات کرنے میں جرأت کی شاید وہاں بیس پائے جائیں۔ وہ بولا میں بیس کے واسطے بھی اسے نیست نہ کروں گا۔ تب اس نے کہا میں منت کرتا ہوں کہ خداوند خفا نہ ہوں تب میں فقط اب کی بار پھر کہوں شاید وہاں دس پائے جائیں۔ وہ بولا میں دس کے واسطے بھی اسے نیست نہ کروں گا[١٧]۔

قرآن شریف میں اس کی نسبت فرمایا **فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ**[١٨] غرض دس کے ذکر پر مجھے یہ واقعہ یاد آ گیا تو کس قدر افسوس کی بات ہے کہ دس مولوی بھی نہ ملیں یہ بہت ہی رونے اور گڑگڑانے اور دعاؤں کا مقام ہے کیونکہ جب علماء نہ ہوں تو دین میں کمزوری آ جاتی ہے میں تو بہت دعائیں کرتا ہوں کہ اللہ اس نقص کو دور فرماوے۔

یہ تجویز جو میں نے پیش کی ہے قرآن مجید نے ہی اس کو پیش کیا ہے چنانچہ فرمایا **فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ**[١٩] سارے مؤمن تو ایک وقت اکٹھے نہیں ہو سکتے اس لئے یہ فرمایا کہ ہر علاقہ سے کچھ لوگ آویں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور رہ کر دین حاصل کر کے اپنی قوم میں جا کر انہیں سکھائیں۔ یہ تو میری پہلی تجویز کی تائید قرآن مجید سے ہے یا

یوں کہو کہ قرآن مجید کی ہدایت کے موافق میری پہلی تجویز ہے۔

دوسری تجویز بھی قرآن مجید ہی کی ہے چنانچہ فرمایا وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ[۲۰] یہ آیت واعظین کی ایک ایسی جماعت کی تائید کرتی ہے جس کا کام ہی تبلیغ ہو۔

تعلیم شرائع

ان امور کے بعد پھر تعلیم شرائع کا کام آتا ہے جب تک قوم کو شریعت سے واقفیت نہ ہو، انہیں معلوم نہ ہو کہ اُنہوں نے کیا کرنا ہے عملی حالت کی اصلاح مشکل ہوتی ہے اس لئے خلیفہ کے کاموں میں تعلیم شرائع ضروری ہے۔ میں نے ایک شخص کو دیکھا جو بیعت کرنے لگا۔ اُس کو کلمہ بھی نہیں آتا تھا۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہماری جماعت کا کوئی فرد باقی نہ رہے جو ضروری باتیں دین کی نہ جانتا ہو۔ پس اس تعلیمِ شرائع کے انتظام کی ضرورت ہے۔ یہ کام کچھ تو مبلغین اور واعظین سے لیا جاوے۔ وہ ضروری دینی مسائل سے قوم کو واقف کرتے رہیں۔ میں نے ایسے آدمیوں کو دیکھا ہے جو قوم میں لیڈر کہلاتے ہیں وہ نماز نہیں پڑھنا جانتے اور بعض اوقات عجیب عجیب قسم کی غلطیاں کرتے ہیں اور نمازیں پڑھنی نہیں آتی ہیں اور یقیناً نہیں آتی ہیں۔ کوئی کہہ دے گا کہ یہ (تعدیل ارکان) فضول ہیں میں کہتا ہوں کہ خدا نے کیوں فرمایا يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ پس یہ ضروری چیز ہے اور میں خدا تعالیٰ کے فضل سے ہر ایک کی حکمت بیان کر سکتا ہوں۔ میں نے حضرت صاحب کو دیکھا ہے کہ جراب میں ذرا سوراخ ہو جاتا تو فوراً اُس کو تبدیل کر لیتے۔ مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ لوگ ایسی پھٹی ہوئی جرابوں پر بھی جن کی ایڑی اور پنجہ دونوں نہیں ہوتے مسح کرتے چلے جاتے ہیں یہ کیوں ہوتا ہے؟ شریعت کے احکام کی واقفیت نہیں ہوتی۔ اکثر لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ رخصت اور جواز کے صحیح محل کو نہیں سمجھتے۔

مجھے ایک دوست نے ایک لطیفہ سنایا کہ کسی مولوی نے ریشم کے کنارے والا تہ بند پہنا ہوا تھا اور وہ کنارہ بہت بڑا تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ ریشم تو منع ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ کہاں لکھا ہے؟ میں نے کہا کہ آپ لوگوں سے ہی سنا ہے کہ چار انگلیوں سے زیادہ نہ

ہو؟ مولوی صاحب نے کہا کہ چار انگلیاں ہماری تمہاری نہیں بلکہ حضرت عمرؓ کی۔ اُن کی چار انگلیاں ہماری بالشت کے برابر تھیں۔ اسی طرح انسان خیالی شریعتیں قائم کرتا ہے۔ یہ خوف کا مقام ہے ایسی باتوں سے پرہیز کرنا چاہیے اور یہ اُسی وقت ہوسکتا ہے جب انسان حدودِ شرائع سے واقف ہو اور خدا کا خوف دل میں ہو۔

یہ مت سمجھو کہ چھوٹے چھوٹے احکام میں اگر پرواہ نہ کی جاوے تو کوئی حرج نہیں یہ بڑی بھاری غلطی ہے جو شخص چھوٹے سے چھوٹے حکم کی پابندی نہیں کرتا وہ بڑے سے بڑے حکم کی بھی پابندی نہیں کرسکتا۔ خدا کے حکم سب بڑے ہیں بڑوں کی بات بڑی ہی ہوتی ہے جن احکام کو لوگ چھوٹا سمجھتے ہیں ان سے غفلت اور بے پرواہی بعض اوقات کُفر تک پہنچا دیتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے بعض چھوٹے چھوٹے احکام بتائے ہیں مگر ان کی عظمت میں کمی نہیں آتی۔ طالوت کا واقعہ قرآن مجید میں موجود ہے۔ ایک نہر کے ذریعہ قوم کا امتحان ہوگیا۔ سیر ہوکر پینے والوں کو کہہ دیا فَلَيْسَ مِنِّي[۲۱] اب ایک سطحی خیال کا آدمی تو یہی کہے گا کہ پانی پی لینا کونسا جُرم تھا مگر نہیں اللہ تعالیٰ کو اطاعت سکھانا مقصود تھا۔ وہ جنگ کے لئے جارہے تھے اس لئے یہ امتحان کا حکم دے دیا اگر وہ اس چھوٹے سے حکم کی اطاعت کرنے کے بھی قابل نہ ہوں گے تو پھر میدانِ جنگ میں کہاں مانیں گے؟ بہرحال اللہ تعالیٰ کے تمام احکام میں حکمتیں ہیں اور اگر انسان ان پر عمل کرتا رہے تو پھر اللہ تعالیٰ ایمان نصیب کردیتا ہے اور اپنے فضل کے دروازے کھول دیتا ہے۔

(چونکہ وقت زیادہ ہوگیا تھا آپ نے فرمایا کہ گھبرانا نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بعض وقت لمبی تقریر کرنے کی ضرورت پیش آئی ہے آپ لوگوں کو جس غرض کے لئے جمع کیا گیا ہے میں چاہتا ہوں کہ آپ پورے طور پر اس سے واقف ہوجاویں)

غرض شرائع میں حکمتیں ہیں اگر ان کی حقیقت معلوم نہ ہو تو بعض وقت اصل احکام بھی جاتے رہتے ہیں اور پھر غفلت اور سُستی پیدا ہوکر مٹ جاتے ہیں۔ کسی جنٹلمین نے لکھ دیا کہ نماز کسی بنچ یا کرسی پر بیٹھ کر ہونی چاہیے کیونکہ پتلون خراب ہو جاتی ہے۔ دوسرے نے کہہ دیا کہ وضو کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ اس سے کفیں وغیرہ خراب ہو جاتی ہیں۔ جب یہاں تک

نوبت پہنچی تو رکوع اور سجدہ بھی ساتھ ہی گیا۔ اگر کوئی شخص ان کو حکمت سکھانے والا ہوتا اور انہیں بتاتا کہ نماز کی حقیقت یہ ہے، وضو کے یہ فوائد ہیں اور رکوع اور سجود میں یہ حکمتیں ہیں تو یہ مصیبت کیوں آتی اور اس طرح وہ دین کو کیوں خیر باد کہتے۔ مسلمانوں نے شرائع کی حکمتوں کے سیکھنے کی کوشش نہیں کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت لوگ مرتد ہو رہے ہیں اگر کوئی عالم ان کو حکمتوں سے واقف کرتا تو کبھی دہریت اور ارتداد نہ پھیلتا۔

یہاں اسی مسجد والے مکان کے مالک حضرت صاحب کے چچا کا بیٹا مرزا امام الدین دہریہ تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح نے ایک مرتبہ ان سے پوچھا کہ مرزا صاحب! کبھی یہ خیال بھی آیا ہے کہ اسلام کی طرف توجہ کرنی چاہیے؟ کہنے لگا کہ میری فطرت بچپن سے ہی سلیم تھی لوگ جب نماز پڑھتے اور رکوع سجود کرتے تو مجھے ہنسی آتی تھی کہ یہ کیا کرتے ہیں۔ یہ کیوں ہوا؟ اس لئے کہ انہیں کسی نے حکمت نہ سکھائی، شرائع اسلام کی حقیقت سے واقف نہ کیا نتیجہ یہ ہوا کہ دہریہ ہو گیا۔ سو یہ کام خلیفہ کا ہے کہ حکمت سکھائے اور چونکہ وہ ہر جگہ تو جا نہیں سکتا اس لئے ایک جماعت ہو جو اس کے پاس رہ کر اِن حکمتوں اور شرائع کے حدود کو سیکھے پھر وہ اس کے ماتحت لوگوں کو سکھائے تا کہ لوگ گمراہ نہ ہوں۔ اِس زمانہ میں اس کی خصوصیت سے ضرورت ہے کہ لوگ جدید علوم پڑھ کر ہوشیار ہو رہے ہیں۔ عیسائیوں نے اسلام پر اعتراض کیا ہے کہ عبادات کے ساتھ مادی امور کو شامل کیا ہے۔ انہیں چونکہ شریعت کی حقیقت کی خبر نہیں اس لئے دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں پس ضرورت ہے کہ واعِظ مقرر ہوں جو شرائع کی تعلیم دیں اور ان کی حکمت سے لوگوں کو آگاہ کریں۔

تعلیم العقائد کی کتاب

اس کے سوا ایک اور ضروری بات ہے حضرت صاحب کو اس کے متعلق بڑی توجہ تھی مگر لوگوں نے بھلا دی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پھر حضرت خلیفۃ المسیح نے توجہ دلائی مگر لوگوں نے پھر بھلا دی۔ میں اب پھر یاد دلاتا ہوں اور اِنْشَاءَ اللّٰہُ الْعَزِیْزُ میں اس کو یاد رکھوں گا اور یاد دلاتا رہوں گا جب تک اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کی تکمیل کے کام سے سُرخرو کر دے۔ میں نے حضرت صاحب سے بارہا یہ خواہش سنی تھی کہ ایسا رسالہ ہو جس میں عقائد احمدیہ ہوں۔ اگر

ایسا رسالہ تیار ہو جائے تو آئے دن کے جھگڑے فیصل ہو جائیں اور پھر نزاعیں برپا نہ ہوں۔

میں چاہتا ہوں کہ علماء کی ایک مجلس قائم کروں اور وہ حضرت صاحب کی کتابوں کو پڑھ کر اور آپ کی تقریروں کو زیر نظر رکھ کر عقائد احمدیہ پر ایک کتاب لکھیں اور اس کو شائع کیا جاوے۔ اِس وقت جو بحثیں چھڑتی ہیں جیسے کفر و اسلام کی بحث کسی نے چھیڑ دی اس سے اس قسم کی تمام بحثوں کا سدباب ہو جائے گا۔ لیکن اب جب کہ کوئی ایسی مستند اور جامع کتاب موجود نہیں مختلف جھگڑے آئے دن ہوتے رہتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے حضرت صاحب مسیح ناصری سے افضل تھے دوسرا کہتا ہے نہیں۔ اِس کی جڑ یہی ہے کہ لوگوں کو واقفیت نہیں۔ مگر جب ایسی جامع کتاب علماء کی ایک مجلس کے کامل غور کے بعد شائع ہو جاوے گی تو سب کے سب اسے اپنے پاس رکھیں گے اور اس طرح پر عقائد میں اِنْشَاءَ اللّٰہ اختلاف نہیں ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق وعظ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق یہ تھا کہ آپؐ بہت ہی مختصر وعظ فرماتے لیکن کبھی ایسا بھی ہوا کہ آپؐ وعظ فرما رہے ہیں اور ظہر کا وقت آ گیا۔ پھر نماز پڑھ لی۔ پھر وعظ کرنے لگے اور عصر کا وقت آ گیا پھر نماز پڑھ لی۔ پس آج کا وعظ اِسی سنت پر عمل معلوم ہوتا ہے۔ میں جب یہاں آیا ہوں تو بیت الدعا میں دعا کر کے آیا تھا کہ میرے منہ سے کوئی بات ایسی نہ نکلے جو ہدایت کی بات نہ ہو۔ ہدایت ہو اور لوگ ہدایت سمجھ کر مانیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ وقت زیادہ ہو گیا ہے اور میں اپنے آپ کو روکنا چاہتا ہوں مگر باتیں آ رہی ہیں اور مجھے بولنا پڑتا ہے۔ پس میں انہیں ربّانی تحریک سمجھ کر اور اپنی دعا کا نتیجہ یقین کر کے بولنے پر مجبور ہوں۔ غرض تعلیم العقائد کیلئے ایک ایسے رسالہ یا ٹریکٹ کی ضرورت ہے۔ اس کے نہ ہونے کی وجہ سے یہ دقت آ رہی ہے کہ کسی نے صرف تریاق القلوب کو پڑھا اور اس سے ایک نتیجہ نکال کر اس پر قائم ہو گیا حقیقۃ الوحی کو نہ دیکھا۔ اب دوسرا آیا اس نے حقیقۃ الوحی کو پڑھا اور سمجھا ہے وہ اس کی بناء پر اس سے بحث کرتا ہے اور تیسرا آتا ہے اس نے حضرت صاحب کے تمام اشتہارات کو بھی جن کی تعداد ۱۸۰ سے زیادہ ہے پڑھا ہے وہ اپنے علم کے موافق کلام کرتا ہے۔ مثلاً مجھے اب تک معلوم نہ تھا کہ اشتہارات کی اس قدر

تعداد ہے آج ہی معلوم ہوا ہے اور اب اِنْشَاءَ اللّٰہ میں خود بھی ان تمام اشتہارات کو پڑھوں گا۔

پس ضرورت ہے کہ علماء کی ایک جماعت ہو وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابیں پڑھ کر عقائد کے متعلق ایک نتیجہ نکال کر ایک رسالہ میں انہیں جمع کریں۔ وہ تمام عقائد جماعت کو دیئے جاویں اور سب انہیں پڑھیں اور یاد رکھیں۔ یہ اختلاف جو عقائد کے متعلق پیدا ہوتا ہے اِنْشَاءَ اللّٰہ بالکل مٹ جاوے گا۔سب کا ایک ہی عقیدہ ہوگا اور اگر پھر اختلاف ہوگا بھی تو نہایت ہی خفیف ہوگا۔تفرقہ نہ ہوگا جیسے اب ہوا۔ میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اِس وقت بھی جو اختلاف ہوا وہ عقائد کی وجہ سے نہیں کفر و اسلام کا بہانہ ہے۔ احمدی اور غیر احمدی کے سوال کو خلافت سے کیا تعلق۔ اگر یہ سوال حل ہو جائے تو کیا یہ معترض خلافت کو مانیں گے؟ کبھی نہیں۔ یہ تو غیر احمدیوں کی ہمدردی کو حاصل کرنے اور بعض احمدیوں کو بھڑکانے کے لئے ہے بھلا خیال تو کرو کہ دو میاں بیوی یا بھائی بھائی اگر آپس میں لڑ کر ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں کہ ہمارے ہمسایہ کا کیا مذہب ہے تو یہ عقلمندی ہوگی؟ نہیں یہ مسئلہ صرف ایک آڑ ہے۔

میری خواہش

میرا دل چاہتا ہے کہ ان خواہشوں کی تکمیل میرے وقت میں ہو جاوے یہ اتحاد کے لئے بڑی ضروری ہیں اگر خدا تعالیٰ نے چاہا جیسا کہ میں اپنے خدا پر بڑی بڑی امیدیں رکھتا ہوں تو سب کچھ ہو جائے گا۔تعلیم شرائع کا انتظام بھی ہو جاوے گا اور حکمت بھی سکھائیں گے اور یہ ساری باتیں قرآن شریف سے ہی اِنْشَاءَ اللّٰہ بتادیں گے۔

تزکیہ نفوس

ان امور کے بعد اب تزکیہ نفس ہے میں نے کہا ہے کہ قرآن مجید سے اور سورہ بقرہ کی ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ تزکیہ نفوس کے لئے سب سے بڑا ہتھیار، ناقابل خطا ہتھیار دعا ہے۔نماز بھی دعا ہے۔سورہ بقرہ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تزکیہ بتایا ہے اسے بھی دعا پر ہی ختم کیا ہے اور نماز کے آخری حصہ میں بھی دعائیں ہی ہیں۔

پس تزکیہ نفوس کے لئے پہلی چیز دعا ہی ہے خدا کے محض فضل سے میں بہت دعائیں کرتا ہوں اور بہت کرتا ہوں تم بھی دعاؤں سے کام لو۔ خدا تعالیٰ زیادہ توفیق دے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ میری اور تمہاری دعاؤں میں فرق ہے جیسے ایک ضلع کے افسر کی رپورٹ کا اور اثر ہوتا ہے، لیفٹیننٹ گورنر کا اور، اور وائسرائے کا اور۔ اسی طرح پر اللہ تعالیٰ جس کسی کو منصب خلافت پر سرفراز کرتا ہے تو اس کی دعاؤں کی قبولیت بڑھا دیتا ہے کیونکہ اگر اس کی دعائیں قبول نہ ہوں تو پھر اس کے اپنے انتخاب کی ہتک ہوتی ہے۔ تم میرے لئے دعا کرو کہ مجھے تمہارے لئے زیادہ دعا کی توفیق ملے اور اللہ تعالیٰ ہماری ہر قسم کی سستی دور کر کے چستی پیدا کرے۔ میں جو دعا کروں گا وہ اِنْشَاءَ اللّٰہ فرداً فرداً ہر شخص کی دعا سے زیادہ طاقت رکھے گی۔

تزکیہ نفس کے متعلق کسی نے ایک لطیف بات بیان کی ہے اور وہ یہ ہے کہ ان تین باتوں کا نتیجہ **یُزَکِّیْھِمْ** ہوتا ہے یعنی قرآن مجید کی تلاوت کرے اور **تَعْلِیْمُ الْکِتٰبِ وَالْحِکْمَۃَ** کرے اس کے بعد اس جماعت میں تزکیہ پیدا ہو جائے گا۔

پھر ایک اور بڑا ذریعہ تزکیہ نفوس کا ہے جو مسیح موعود علیہ السلام نے کہا ہے اور میرا یقین ہے کہ وہ بالکل درست ہے۔ ہر ہر حرف اس کا سچا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر شخص جو قادیان نہیں آتا یا کم از کم ہجرت کی خواہش نہیں رکھتا اس کی نسبت شُبہ ہے کہ اس کا ایمان درست ہو۔ عبدالحکیم کی نسبت یہی فرمایا کرتے تھے کہ وہ قادیان نہ آتا تھا۔ قادیان کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ؟ [۲۲] فرمایا۔ یہ بالکل درست ہے کہ یہاں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ والی برکات نازل ہوتی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی فرماتے ہیں۔

زمین قادیاں اب محترم ہے
ہجومِ خلق سے ارضِ حرم ہے [۲۳]

جب خدا تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا کہ ''بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے'' [۲۴] تو پھر جہاں وہ پیدا ہوا، جس زمین پر چلتا پھرتا رہا اور آخر دفن ہوا کیا وہاں برکت نازل نہ ہوگی!

یہ جو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ وعدہ دیا کہ مکہ میں دجال نہ جائے گا کیا زمین کی وجہ سے نہیں جائے گا؟ نہیں بلکہ اس لئے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں مبعوث ہوئے۔

میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتا دیا ہے کہ قادیان کی زمین بابرکت ہے۔ میں نے دیکھا کہ ایک شخص عبدالصمد کھڑا ہے اور کہتا ہے

''مبارک ہو قادیان کی غریب جماعت تم پر خلافت کی رحمتیں یا برکتیں نازل ہوتی ہیں''۔

یہ بالکل درست ہے کہ مسیح موعود علیہ السلام کے مقامات دیکھنے سے ایک رقت پیدا ہوتی ہے اور دعا کی تحریک ہوتی ہے اس لئے قادیان میں زیادہ آنا چاہیے۔

پھر دعاؤں کے لئے تعلق کی ضرورت ہے حضرت صاحب کو میں نے دیکھا ہے مگر حضرت خلیفۃ المسیح بچتے تھے اور میں خود بھی بچتا ہوں۔ حضرت صاحب بعض لوگوں کو کہہ دیا کرتے تھے کہ تم ایک نذر مقرر کرو میں دعا کروں گا۔ یہ طریق محض اس لئے اختیار کرتے تھے کہ تعلق بڑھے۔ اس کے لئے حضرت صاحب نے بارہا ایک حکایت سنائی ہے کہ ایک بزرگ سے کوئی شخص دعا کرانے گیا اس کے مکان کا قبالہ گم ہو گیا تھا۔ اُنہوں نے کہا کہ میں دعا کروں گا مگر پہلے میرے لئے حلوہ لاؤ۔ وہ شخص حیران تو ہوا مگر دعا کی ضرورت تھی حلوہ لینے چلا گیا اور حلوائی کی دکان سے حلوہ لیا۔ وہ جب حلوہ ایک کاغذ میں ڈال کر دینے لگا تو وہ چلّایا کہ اس کو پھاڑیو نہیں یہ تو میرے مکان کا قبالہ ہے اسی کے لئے وہ دعا کرانا چاہتا تھا۔ غرض وہ حلوہ لے کر گیا اور بتایا کہ قبالہ مل گیا تو اس بزرگ نے کہا میری غرض حلوہ سے صرف یہ تھی کہ تعلق پیدا ہو۔ غرض دعا کے لئے ایک تعلق کی ضرورت ہے اور میں اس کے لئے اتنا ہی کہتا ہوں کہ خطوط کے ذریعہ یاد دلاتے رہو تا کہ تم مجھے یاد رہو۔

یُزَکِّیْھِمْ کے دوسرے معنی

اب **یُزَکِّیْھِمْ** کے دوسرے معنی لو جس میں غرباء ومساکین کی خبر گیری داخل ہے۔ لوگ یہ تو نہیں جانتے کہ میرے پاس ہے یا نہیں مگر جب وہ جانتے ہیں کہ میں خلیفہ ہو گیا ہوں تو حاجت مند

تو آتے ہیں اور یہ سیدھی بات ہے کہ جو شخص کسی قوم کا سردار بنے گا اس کے پاس حاجت مند تو آئیں گے اس لئے شریعت نے زکوٰۃ کا انتظام خلیفہ کے سپرد کیا ہے تمام زکوٰۃ اُس کے پاس آنی چاہیے تا کہ وہ حاجتمندوں کو دیتا رہے۔ پس چونکہ یہ میرا ایک فرض اور کام ہے کہ میں کمزور لوگوں کی کمزوریوں کو دور کروں اس لئے تمہارا فرض ہونا چاہیے کہ اس میں میرے مددگار رہو۔ ابھی تو جھگڑے ہی ختم نہیں ہوئے مگر پھر بھی کئی سَو کی درخواستیں آ چکی ہیں جن کا مجھے انتظام کرنا پڑتا ہے جیسا کہ ابھی میں نے کہا ہے کہ یہ سلسلہ خلیفہ کے ذمہ رکھا ہے کہ ہر قسم کی کمزوریاں دور کرے خواہ وہ جسمانی ہوں یا مالی، ذہنی ہوں عملی یا علمی اور اس کے لئے سامان چاہئے۔ پس اس کے انتظام کے لئے زکوٰۃ کی مد کا انتظام ہونا ضروری ہے۔ میں نے اس کے انتظام کے لئے یہ تجویز کی ہے کہ زکوٰۃ سے اس قسم کے اخراجات ہوں۔ حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں بھی یہ تجویز میں نے پیش کی تھی۔ پہلے تو میں ان سے بے تکلّف تھا اور دو دو گھنٹہ تک مباحثہ کرتا رہتا تھا لیکن جب وہ خلیفہ ہو گئے تو کبھی میں ان کے سامنے چوکڑی مار کر بھی نہیں بیٹھا کرتا تھا۔ جاننے والے جانتے ہیں خواہ مجھے تکلیف بھی ہوتی مگر یہ جرأت نہ کرتا اور نہ اونچی آواز سے کلام کرتا۔ کسی ذریعہ سے میں نے انہیں کہلا بھیجا تھا کہ زکوٰۃ خلیفہ کے پاس آنی چاہئے۔ کسی زمانہ میں تو عُشر آتے تھے اب وہ وقت نہیں۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ اس شخص کو کہا کہ تم مجھے زکوٰۃ دے دیا کرو میرا یہی مذہب ہے۔ اور میرا بھی یہی عقیدہ ہے کہ زکوٰۃ خلیفہ کے پاس جمع ہو۔

پس تمہیں چاہئے کہ اپنی انجمنوں میں زکوٰۃ کے رجسٹر رکھو اور ہر شخص کی آمدنی تشخیص کر کے اس میں درج کرو اور جو لوگ صاحب نصاب ہوں وہ حساب کر کے پوری زکوٰۃ ادا کریں اور وہ براہِ راست انجمن مقامی کے رجسٹروں میں درج ہو کر میرے پاس آ جائے اس کا باقاعدہ حساب کتاب رہے۔ ہاں یہ بھی ضروری ہے کہ جن زکوٰۃ دینے والوں کے بعض رشتہ دار مستحق زکوٰۃ ہوں کہ ان کی مدد زکوٰۃ سے ہوسکتی ہو وہ ایک فہرست اِس مطلب کی یہاں بھیج دیں۔ پھر ان کے لئے بھی مناسب مدد یا تو یہاں سے بھیج دی جایا کرے گی یا وہاں ہی سے دے دیئے جانے کا حکم دیا جایا کرے گا۔ بہرحال زکوٰۃ جمع ایک جگہ ہونی

چاہئے اور پھر خلیفہ کے حکم کے ماتحت وہ خرچ ہونی چاہیے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر باقاعدہ رجسٹر کھولے گئے اور اس کے جمع کرنے میں کوشش کی گئی تو اس مد میں ہزاروں روپیہ جمع ہوسکتا ہے بلکہ میرا یقین ہے کہ تھوڑے ہی دنوں میں لاکھ سے بھی زیادہ آمدنی ہوسکتی ہے اس طرف زور سے توجہ ہو۔ میں یہ کروں گا کہ مسئلہ زکوٰۃ پر ایک ٹریکٹ لکھوا کر شائع کردوں گا جس میں زکوٰۃ کے تمام احکام ہوں گے مگر آپ کا یہ کام ہے کہ زکوٰۃ کے لئے باقاعدہ رجسٹر کھول دیں اور نہایت احتیاط اور کوشش سے زکوٰۃ جمع کریں اور وہ زکوٰۃ باقاعدہ میرے پاس آنی چاہیے یہ ایک تجویز ہے۔

ترقیِ تعلیم میں نے بتایا تھا کہ **یُزَکِّیْھِمْ** کے معنوں میں اُبھارنا اور بڑھانا بھی داخل ہے اور اس کے مفہوم میں قومی ترقی داخل ہے اور اس ترقی میں علمی ترقی بھی شامل ہے اور اسی میں انگریزی مدرسہ، اشاعتِ اسلام **وَغَیْرَھُمَا** امور آجاتے ہیں اس سلسلہ میں میرا خیال ہے کہ ایک مدرسہ کافی نہیں ہے جو یہاں کھولا ہوا ہے اس مرکزی سکول کے علاوہ ضرورت ہے کچھ مختلف مقامات پر مدرسے کھولے جائیں زمیندار اس مدرسہ میں لڑکے کہاں بھیج سکتے ہیں۔ زمینداروں کی تعلیم بھی تو مجھ پر فرض ہے پس میری یہ رائے ہے کہ جہاں جہاں بڑی جماعت ہے وہاں سرِ دست پرائمری سکول کھولے جائیں ایسے مدارس یہاں کے مرکزی سکول کے ماتحت ہوں گے۔

ایسا ہونا چاہیے کہ جماعت کا کوئی فرد عورت ہو یا مرد باقی نہ رہے جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو۔ صحابہؓ نے تعلیم کے لئے بڑی بڑی کوششیں کی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دفعہ جنگ کے قیدیوں کا فدیۂ آزادی یہ مقرر فرمایا ہے کہ وہ مسلمان بچوں کو تعلیم دیں۔ میں جب دیکھتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیا فضل لے کر آئے تھے تو جوشِ محبت سے روح بھر جاتی ہے۔ آپؐ نے کوئی بات نہیں چھوڑی ہر معاملہ میں ہماری راہنمائی کی ہے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح نے بھی اسی نقش قدم پر چل کر ہر ایسے امر کی طرف توجہ دلائی ہے جو کسی بھی پہلو سے مفید ہوسکتا ہے۔

غرض عام تعلیم کی ترقی کے لئے سردست پرائمری سکول کھولے جائیں۔ ان تمام

مدارس میں قرآن مجید پڑھایا جائے اور عملی دین سکھایا جائے، نماز کی پابندی کرائی جائے مؤمن کسی معاملہ میں پیچھے نہیں رہتا۔ پس تعلیمِ عامہ کے معاملہ میں ہمیں جماعت کو پیچھے نہیں رکھنا چاہیے اگر اس مقصد کے ماتحت پرائمری سکول کھولے جائیں گے تو گورنمنٹ سے بھی مدد مل سکتی ہے۔

جماعت کی دُنیوی ترقی

تعلیم کے سوال کے ساتھ ہی یہ بھی قابلِ غور امر ہے کہ جماعت کی دُنیوی ترقی ہو۔ ان کو فقر اور سوال سے بچایا جائے اور واعظین، تبلیغ اور تعلیم شرائع کے لئے جائیں۔ ان کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ وہ جماعت کی مادی ترقی کا بھی خیال رکھیں اور یہاں رپورٹ کرتے رہیں کہ احمدی سُست تو نہیں۔ اگر کسی جگہ کوئی شخص سست پایا جائے تو اُس کو کاروبار کی طرف متوجہ کیا جائے۔ مختلف حرفتوں اور صنعتوں کی طرف انہیں متوجہ کیا جائے اِس قسم کی باقاعدہ اطلاعیں جب ملتی رہیں گی تو جماعت کی اصلاحِ حال کی کوشش اور تدبیر ہو سکے گی۔

عملی ضرورت ہے

جب میں نے ان باتوں پر غور کیا تو میں نے دیکھا کہ یہ بہت بڑا میدان ہے۔ میں نے غور کیا تو ڈر گیا کہ باتیں تو بہت کیں اگر عمل میں سُستی ہو تو پھر کیا ہوگا اور دوسری طرف خیال آیا کہ اگر چستی ہو تو پھر اور قسم کی مشکلات ہیں۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی خلافت پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ چل پھر کر خوب واقفیت پیدا کر لیتے تھے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کا قصور تھا وہ جھوٹے ہیں۔ حضرت عثمانؓ بہت بوڑھے تھے اور چل پھر کر وہ کام نہیں کر سکتے تھے جو حضرت عمرؓ کر لیتے تھے۔ پھر میں نے خیال کیا کہ میرا اپنا تو کچھ بھی نہیں جس خدا نے یہ امور اصلاحِ جماعت کے لئے میرے دل میں ڈالے ہیں وہی مجھے توفیق بھی دے دے گا۔ مجھے دے گا تو میرے ساتھ والوں کو بھی دے گا۔

غرض دُنیوی ترقی کے لئے مدارس قائم کئے جائیں اور واعظین اپنے دَوروں میں اِس امر کو خصوصیت سے مدنظر رکھیں کہ جماعتیں بڑھ رہی ہیں یا گھٹ رہی ہیں؟ اور تعلیمی اور دُنیوی حالت میں کیا ترقی ہو رہی ہے؟ عملی پابندیوں میں جماعت کی کیسی حالت ہے؟ باہم

اخوت اور محبت کے لحاظ سے وہ کس قدر ترقی کر رہے ہیں؟ ان میں باہم نزاعیں اور جھگڑے تو نہیں؟ یہ تمام امور ہیں جن پر واعظوں کو نظر رکھنی ہوگی اور اس کے متعلق مفصل رپورٹیں میرے پاس آتی رہیں۔

کالج کی ضرورت

جب مختلف مقامات پر مدرسے کھولے جائیں گے تو اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ ہمارا اپنا ایک کالج ہو۔ حضرت خلیفۃ المسیح کی بھی یہ خواہش تھی۔ کالج ہی کے دنوں میں کیرکٹر بنتا ہے۔ سکول لائف میں تو چال چلن کا ایک خاکہ کھینچا جاتا ہے اس پر دوبارہ سیاہی کالج لائف ہی میں ہوتی ہے پس ضرورت ہے کہ ہم اپنے نوجوانوں کی زندگیوں کو مفید اور مؤثر بنانے کے لئے اپنا ایک کالج بنائیں۔ پس تم اس بات کو مدنظر رکھو میں بھی غور کر رہا ہوں۔ یہ خلیفہ کے کام ہیں جن کو میں نے مختصراً بیان کیا ہے ان کو کھول کر دیکھو اور ان کے مختلف حصوں پر غور کرو تو معلوم ہو جائے گا کہ انجمن کی کیا حقیقت ہے اور خلیفہ کی کیا۔ میں یہ بڑے زور سے کہتا ہوں کہ نہ کوئی انجمن اس قسم کی ہے اور نہ ایسا دعویٰ کر سکتی ہے نہ ہو سکتی ہے نہ خدا نے کبھی کوئی انجمن بھیجی۔

انجمن اور خلیفہ کی بحث

بعض کہتے ہیں کہ خلیفہ نے انجمن کا حق غصب کر لیا پھر کہتے ہیں کہ یہ لوگ شیعہ ہیں۔ میں جب ان باتوں کو سنتا ہوں تو مجھے افسوس آتا ہے کہ ان لوگوں کو کیا ہو گیا۔ کہتے ہیں بیٹے کو خلافت کیوں مل گئی؟ میں حیران ہوں کہ کیا کسی ولی یا نبی کا بیٹا ہونا ایسا ناقابلِ عفو جُرم ہے کہ اس کو کوئی حصہ خدا کے فضل سے نہ ملے اور کوئی عہدہ وہ نہ پائے؟ اگر یہ درست ہے تو پھر نَعُوْذُبِاللّٰہِ کسی ولی یا نبی کا بیٹا ہونا تو ایک لعنت ہوئی برکت نہ ہوئی۔ پھر انبیاء علیہم السلام اولاد کی خواہش یونہی کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کی اولاد کی پیشگوئی نَعُوْذُبِاللّٰہِ لغو کی اور خداتعالیٰ نے مسیح موعود علیہ السلام سے جو وعدے کئے وہ برکت کے وعدے نہ تھے؟ (نَعُوْذُبِاللّٰہِ مِن ذٰلِکَ) اور اگر یہ پیر پرستی ہے کہ کوئی بیٹا وارث ہو تو پھر اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ پیر کی اولاد کو ذلیل کیا جائے تا کہ پیر پرستی کا الزام نہ آئے پھر احترام اور عزت وتکریم کے دعاوی کس حد تک درست سمجھے جائیں۔

یہ شرم کرنے کا مقام ہے سوچو اور غور کرو۔ میں تمہیں کھول کر کہتا ہوں کہ میرے دل میں یہ خواہش نہ تھی اور کبھی نہ تھی۔ پھر اگر تم نے مجھے گندہ سمجھ کر میری بیعت کی ہے تو یاد رکھو کہ تم ضرور پیر پرست ہو۔ لیکن اگر خدا تعالیٰ نے تمہیں پکڑ کر جھکا دیا ہے تو پھر کسی کو کیا؟

یہ کہنا کہ میں نے انجمن کا حق غصب کر لیا ہے بہت بڑا بول ہے۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے خدا تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ میں تیری ساری خواہشوں کو پورا کروں گا۔ اب ان لوگوں کے خیال کے موافق تو حضرت صاحب کا منشاء اور خواہش تو یہ تھی کہ انجمن ہی وارث ہے اور خلیفہ ان کے خیال میں بھی نہ تھا تو اب بتاؤ کہ کیا اس بات کے کہنے سے تم اپنے قول سے یہ ثابت نہیں کر رہے کہ نَعُوْذُبِاللّٰہِ خدا نے ان کے منشا کو پورا نہ ہونے دیا۔

سوچ کر بتاؤ کہ شیعہ کون ہوئے؟ شیعہ بھی تو یہی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا تھا کہ حضرت علیؓ خلیفہ ہوں آپؐ کے خیال و وہم میں بھی نہ تھا کہ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ خلیفہ ہوں۔ تو جیسے ان کے اعتقاد کے موافق مسئلہ خلافت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء کو لوگوں نے بدل دیا اسی طرح یہاں بھی ہوا۔ افسوس! کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کوئی عزت اور عظمت تمہارے دلوں میں ہے کہ تم قرار دیتے ہو کہ وہ اپنے منشا میں نَعُوْذُبِاللّٰہِ ناکام رہے۔ خدا سے ڈرو اور توبہ کرو۔

پھر ایک تحریر لئے پھرتے ہیں اور اس کے فوٹو چھپوا کر شائع کئے جاتے ہیں یہ بھی وہی شیعہ والے قرطاس کے اعتراض کا نمونہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے قرطاس نہ لانے دیا اگر قرطاس آ جاتا تو ضرور حضرت علیؓ کی خلافت کا فیصلہ کر جاتے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ افسوس قرطاس لکھ کر بھی دیئے گئے پھر بھی کوئی نہیں مانتا بتاؤ شیعہ کون ہوا؟ میں کہتا ہوں کہ اگر وہ قرطاس ہوتا تو کیا بنتا۔ وہی کچھ ہونا تھا جو ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ لکھوایا اور شیعہ کو خلیفہ ثانی پر اعتراض کا موقع ملا۔ یہاں مسیح موعود علیہ السلام نے لکھ کر دیا اور اب اس کے ذریعہ اس کے خلیفہ ثانی پر اعتراض کیا جاتا ہے۔

یاد رکھو کہ مسیح موعود علیہ السلام تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جس قدر اعتراض ہوتے

ہیں اُن کو دور کرنے آئے تھے جیسے مثلاً اعتراض ہوتا تھا کہ اسلام تلوار کے ذریعہ پھیلایا گیا ہے مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آ کر دکھا دیا کہ اسلام تلوار کے ذریعہ نہیں پھیلا بلکہ وہ اپنی روشن تعلیمات اور نشانات کے ذریعہ پھیلا ہے اسی طرح قرطاس کی حقیقت معلوم ہوگئی۔ سن لو! خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں قرطاس کی کیا حقیقت ہوتی ہے؟ اور میں یہ بھی تمہیں کھول کر سناتا ہوں کہ قرطاس منشاءِ الٰہی کے خلاف بھی نہیں ہوسکتا۔

حضرت خلیفۃ المسیح فرمایا کرتے تھے کہ ایک شیعہ ہمارے اُستاد صاحب کے پاس آیا اور ایک حدیث کی کتاب کھول کر ان کے سامنے رکھ دی۔ آپ نے پڑھ کر پوچھا کیا ہے؟ شیعہ نے کہا کہ منشاءِ رسالت پناہی حضرت علیؓ کی خلافت کے متعلق معلوم ہوتا ہے فرماتے تھے میرے استاد صاحب نے نہایت متانت سے جواب دیا ہاں منشاءِ رسالت پناہی تو تھا مگر منشاءِ الٰہی اس کے خلاف تھا اس لئے وہ منشاء پورا نہ ہوسکا۔ میں اِس قرطاس کے متعلق پھر کہتا ہوں کہ اگر کوئی کہے تو یہ جواب دوں گا کہ حقیقۃ الوحی میں ایک جانشین کا وعدہ کیا ہے اور یہ بھی فرمایا **خَلِیْفَۃٌ مِّنْ خُلَفَائِہٖ** پس غصب کی پُکار بالکل بیہودہ اور عبث ہے۔ حضرت صاحبؑ کو الہام ہوا تھا۔

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

ایک شریف آدمی بھی امانت میں خیانت نہیں کرتا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے تو اللہ تعالیٰ نے خود یہ دعا کرائی۔ پھر کیا تم سمجھتے ہو کہ **نَعُوْذُبِاللّٰہِ** خدا تعالیٰ نے خیانت کی؟ توبہ کرو توبہ کرو۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اتنا توکّل کہ وفات کے قریب یہ الہام ہوتا ہے پھر خدا نے **نَعُوْذُبِاللّٰہِ** یہ عجیب کام کیا کہ امانت غیر حقدار کو دے دی۔ خدا تعالیٰ نے خلیفہ مقرر کر کے دکھا دیا کہ ''سپردم بتو مایۂ خویش را'' کے الہام کے موافق کیا ضروری تھا۔ پھر میں پوچھتا ہوں کہ کیا خدا (**نَعُوْذُبِاللّٰہِ**) گمراہی کرواتا ہے؟ ہرگز نہیں خدا تعالیٰ تو اپنے مرسلوں اور خلفاء کو اس لئے بھیجتا ہے کہ وہ دنیا کو پاک کریں۔ اس لئے انبیاء کی جماعت ضلالت پر قائم

نہیں ہوتی۔اگرمسیح موعود علیہ السلام نے ایسی گندی جماعت پیدا کی جو ضلالت پر اکٹھی ہوگئی تو پھر نَعُوْذُبِاللّٰہِ اپنے منہ سے ان کو جھوٹا قرار دو گے! تقویٰ کرو۔

لیکن اگر مسیح موعود علیہ السلام خدا کی طرف سے تھے اور ضرور تھے تو پھر یاد کرو کہ یہ جماعت ضلالت پر اکٹھی نہیں ہوسکتی۔قرآن شریف کو کوئی مسیح نہیں توڑ سکتا۔میرا یقین ہے کہ کوئی ایسا مسیح نہیں آ سکتا۔جو آئے گا قرآن کا خادم ہوکر آئے گا اس پر حاکم ہوکر نہیں۔یہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عقیدہ تھا یہی شرح ہے آپ کے اس قول کی

''وہ ہے میں چیز کیا ہوں''۔

یہ تو دشمن پر حجت ہے مسیح موعود علیہ السلام قرآن کریم کی حقانیت ثابت کرنے کو آیا تھا۔ اسے نَعُوْذُبِاللّٰہِ باطل کرنے نہیں آیا تھا۔اس نے اپنے کام سے دکھا دیا کہ وہ قرآن مجید کا غلبہ ثابت کرنے کے لئے آیا تھا۔

قرآن مجید میں فرمایا ہے فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ [۲۵]۔

طریق حکومت کیا ہونا چاہیے؟

پھر کہتے ہیں کہ خلیفہ کا طریق حکومت کیا ہو؟ خداتعالیٰ نے اس کا فیصلہ کر دیا ہے تمہیں ضرورت نہیں کہ تم خلیفہ کیلئے قواعد اور شرائط تجویز کرو یا اس کے فرائض بتاؤ۔اللہ تعالیٰ نے جہاں اس کے اغراض و مقاصد بتائے ہیں قرآن مجید میں اس کے کام کرنے کا طریق بھی بتا دیا ہے وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ [۲۶] ایک مجلس شوریٰ قائم کرو، ان سے مشورہ لے کر غور کرو پھر دعا کرو جس پر اللہ تعالیٰ تمہیں قائم کر دے اس پر قائم ہو جاؤ۔خواہ وہ اس مجلس کے مشورہ کے خلاف بھی ہو تو خدا تعالیٰ مدد کرے گا۔خدا تعالیٰ تو کہتا ہے جب عزم کرلو تو اللہ پر توکّل کرو۔گویا ڈرو نہیں اللہ تعالیٰ خود تمہاری تائید اور نصرت کرے گا اور یہ لوگ چاہتے ہیں کہ خواہ خلیفہ کا منشاء کچھ ہو اور خدا تعالیٰ اسے کسی بات پر قائم کرے مگر وہ چند آدمیوں کی رائے کے خلاف نہ کرے۔حضرت صاحب

نے جو مصلح موعود کے متعلق فرمایا ہے۔

''وہ ہوگا ایک دن محبوب میرا''

اس کا بھی یہی مطلب ہے کیونکہ خدا تعالیٰ متوکلین کو محبوب رکھتا ہے جو ڈرتا ہے وہ خلیفہ نہیں ہو سکتا اسے تو گویا حکومت کی خواہش ہے کہ ایسا نہ ہو میں کسی آدمی کے خلاف کروں تو وہ ناراض ہو جائے ایسا شخص تو مشرک ہوتا ہے اور یہ ایک لعنت ہے۔خلیفے خدا مقرر کرتا ہے اور آپ اُن کے خوفوں کو دُور کرتا ہے جو شخص دوسروں کی مرضی کے موافق ہر وقت ایک نوکر کی طرح کام کرتا ہے اُس کو خوف کیا اور اس میں موحد ہونے کی کونسی بات ہے۔حالانکہ خلفاء کے لئے تو یہ ضروری ہے کہ خدا انہیں بناتا ہے اور ان کے خوف کو امن سے بدل دیتا ہے اور وہ خدا ہی کی عبادت کرتے ہیں اور شرک نہیں کرتے۔

اگر نبی کو ایک شخص بھی نہ مانے تو اس کی نبوت میں فرق نہیں آتا وہ نبی ہی رہتا ہے یہی حال خلیفہ کا ہے اگر اُس کو سب چھوڑ دیں پھر بھی وہ خلیفہ ہی ہوتا ہے کیونکہ جو حکم اصل کا ہے وہی فرع کا ہے۔خوب یاد رکھو کہ اگر کوئی شخص محض حکومت کے لئے خلیفہ بنا ہے تو جھوٹا ہے اور اگر اصلاح کے لئے خدا کی طرف سے کام کرتا ہے تو وہ خدا کا محبوب ہے خواہ ساری دنیا اس کی دشمن ہو۔اس آیت مشورہ میں کیا لطیف حکم ہے۔

اُس مشورہ کا کیا فائدہ جس پر عمل نہیں کرنا

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر مشورہ لے کر اس پر عمل کرنا ضروری نہیں تو اس مشورہ کا کیا فائدہ ہے وہ تو ایک لغو کام بن جاتا ہے اور انبیاء اور اولیاء کی شان کے خلاف ہے کہ کوئی لغو کام کریں۔اس کا جواب یہ ہے کہ مشورہ لغو نہیں بلکہ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص ایک بات سوچتا ہے دوسرے کو اس سے بہتر سُوجھ جاتی ہے۔پس مشورہ سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ مختلف لوگوں کے خیالات سن کر بہتر رائے قائم کرنے کا انسان کو موقع ملتا ہے جب ایک آدمی چند آدمیوں سے رائے پوچھتا ہے تو بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی ایسی تدبیر بتا دیتا ہے جو اسے نہیں معلوم تھی۔جیسا کہ عام طور پر لوگ اپنے دوستوں سے مشورہ کرتے ہیں کیا پھر اسے ضرور مان بھی لیا کرتے ہیں؟ پھر اگر

مانتے نہیں تو کیوں پوچھتے ہیں؟ اس لئے کہ شائد کوئی بہتر بات معلوم ہو۔ پس مشورہ سے یہ غرض نہیں ہوتی کہ اس پر ضرور کاربند ہوں بلکہ یہ غرض ہوتی ہے کہ ممکن ہے کہ بہت سے لوگوں کے خیالات سن کر کوئی اور مفید بات معلوم ہو سکے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ مشورہ لینے والا مخاطب ہے اگر فیصلہ مجلس شوریٰ کا ہوتا تو یوں حکم ہوتا کہ فَإِذَا عَزَمْتُمْ فَتَوَكَّلُوْا عَلَى اللّٰهِ اگر تم سب لوگ ایک بات پر قائم ہو جاؤ تو اللہ پر توکّل کر کے کام شروع کر دو۔ مگر یہاں صرف اس مشورہ کرنے والے کو کہا کہ تُو جس بات پر قائم ہو جائے اُسے تَوَكُّلاً عَلَى اللّٰهِ شروع کر دے۔ دوسرے یہاں کسی کثرتِ رائے کا ذکر ہی نہیں بلکہ یہ کہا ہے کہ لوگوں سے مشورہ لے یہ نہیں کہا کہ اُن کی کثرت دیکھ اور جس پر کثرت ہو اُس کی مان لے یہ تو لوگ اپنی طرف سے ملا لیتے ہیں قرآن کریم میں کہیں نہیں کہ پھر ووٹ لئے جائیں اور جس طرف کثرت ہو اُس رائے کے مطابق عمل کرے بلکہ یوں فرمایا ہے کہ لوگوں سے پوچھ، مختلف مشوروں کو سن کر جس بات کا تو قصد کرے (عَزَمْتَ کے معنی ہیں جس بات کا تو پختہ ارادہ کرے) اُس پر عمل کر اور کسی سے نہ ڈر بلکہ خدا تعالیٰ پر توکّل کر۔

عجیب نکتہ وَ شَاوِرْهُمْ کے لفظ پر غور کرو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشورہ لینے والا ایک ہے دو بھی نہیں اور جن سے مشورہ لینا ہے وہ بہرحال تین یا تین سے زیادہ ہوں۔ پھر وہ اس مشورہ پر غور کرے پھر حکم ہے عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ جس بات پر عزم کرے اُس کو پورا کرے اور کسی کی پرواہ نہ کرے۔

حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں اس عزم کی خوب نظیر ملتی ہے۔ جب لوگ مرتد ہونے لگے تو مشورہ دیا گیا کہ آپ اس لشکر کو روک لیں جو اسامہؓ کے زیر کمانڈ جانے والا تھا۔ مگر اُنہوں نے جواب دیا کہ جو لشکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے میں اسے واپس نہیں کر سکتا۔ ابو قحافہ کے بیٹے کی طاقت نہیں کہ ایسا کر سکے [۲۷]۔ پھر بعض کو رکھ بھی لیا چنانچہ حضرت عمرؓ بھی اسی لشکر میں جا رہے تھے اُن کو روک لیا گیا۔

میں یہ ایک مصلحت سے کہتا ہوں

پھر زکوٰۃ کے متعلق کہا گیا کہ مرتد ہونے سے بچانے کے لئے ان کو معاف کر دو۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ اگر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اونٹ باندھنے کی ایک رسّی بھی دیتے تھے تو وہ بھی لوں گا۔ اور اگر تم سب مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ اور مرتدین کے ساتھ جنگل کے درندے بھی مل جائیں تو میں اکیلا اُن سب کے ساتھ جنگ کروں گا۔ یہ عزم کا نمونہ ہے پھر کیا ہوا؟ تم جانتے ہو خدا تعالیٰ نے فتوحات کا ایک دروازہ کھول دیا۔ یاد رکھو جب خدا سے انسان ڈرتا ہے تو پھر مخلوق کا رُعب اس کے دل پر اثر نہیں کر سکتا۔

شرک کا مسئلہ کیسے سمجھا دیا

مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے شرک کا مسئلہ خوب سمجھا دیا ہے۔ ایک رؤیا کے ذریعہ اس کو حل کر دیا۔ میں نے دیکھا کہ میں مقبرہ بہشتی میں گیا ہوں۔ واپس آتے وقت ایک بڑا سمندر دیکھا جو پہلے نہ تھا اس میں ایک کشتی تھی اس میں بیٹھ گیا دو آدمی اور ہیں ایک جگہ پہنچ کر کشتی چکر کھانے لگی۔ اس سمندر میں سے ایک سر نمودار ہوا۔ اس نے کہا کہ یہاں ایک پیر صاحب کی قبر ہے تم ان کے نام ایک رُقعہ لکھ کر ڈال دو تا کہ یہ کشتی صحیح سلامت پار نکل جائے۔ میں نے کہا کہ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ وہ آدمی جو ساتھ ہیں ان میں سے کسی نے کہا کہ جانے دو کیا حرج ہے رُقعہ لکھ کر ڈال دو۔ جب بچ جائیں گے تو پھر توبہ کر لیں گے۔ میں نے کہا ہرگز نہیں ہو گا۔ اس پر اُس نے چُھپ کر خود رُقعہ لکھ کر ڈالنا چاہا میں نے دیکھ لیا تو پکڑ کر پھاڑنا چاہا۔ وہ چھپاتا تھا آخر اس کشمکش میں سمندر میں گر پڑے مگر میں نے وہ رُقعہ لے کر پھاڑ ڈالا اور پھر کشتی میں بیٹھ گیا تو میں نے دیکھا کہ وہ کشتی اس بھنور سے نکل گئی۔ اس کھلی کھلی ہدایت کے بعد میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں کہ اس کی مخلوق سے ڈروں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ یہ کشتی جس میں میں اب سوار ہوں اس بھنور سے نکل جائے اور مجھے یقین ہے کہ ضرور نکل جائے گی۔

چھوٹی عمر ہے

منکرین خلافت یہ بھی کہتے ہیں کہ عمر چھوٹی ہے۔ اس پر مجھے ایک تاریخی واقعہ یاد آ گیا۔ کوفہ والے بڑی شرارت کرتے تھے جس گورنر کو وہاں

بھیجا جاتا وہ چند روز کے بعد اس کی شکائتیں کر کے اُس کو واپس کر دیتے۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے جب تک حکومت میں فرق نہ آئے ان کی مانتے جاؤ۔ آخر جب ان کی شرارتیں حد سے گزرنے لگیں تو حضرت عمرؓ نے ایک گورنر جن کا نام غالباً ابن ابی لیلیٰ تھا اور جن کی عمر ۱۹ برس کی تھی کوفہ میں بھیجا۔ جس وقت یہ وہاں پہنچے تو وہ لوگ لگے چہ میگوئیاں کرنے کہ عمرؓ کی عقل (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) ماری گئی جو ایک لڑکے کو گورنر کر دیا۔ اور اُنہوں نے تجویز کی کہ ''گربہ کشتن روزِ اوّل'' پہلے ہی دن اس گورنر کو ڈانٹنا چاہیے اور اُنہوں نے مشورہ کر کے یہ تجویز کی کہ پہلے ہی دن اس سے اس کی عمر پوچھی جائے۔ جب دربار ہوا تو ایک شخص بڑی متین شکل بنا کر آگے بڑھا اور بڑھ کر کہا کہ حضرت! آپ کی عمر کیا ہے؟ ابن ابی لیلیٰ نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہؓ کے لشکر پر اُسامہؓ کو افسر بنا کر شام کی طرف بھیجا تھا تو جو اُس وقت اُن کی عمر تھی اُس سے میں دو سال بڑا ہوں (اُسامہؓ کی عمر اُس وقت سترہ سال کی تھی اور بڑے بڑے صحابہؓ اُن کے ماتحت کئے گئے تھے) کوفہ والوں نے جب یہ جواب سنا تو خاموش ہو گئے اور کہا کہ اِس کے زمانہ میں شور نہ کرنا۔ اِس سے یہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ چھوٹی عمر والے کی بھی اطاعت ہی کریں جب وہ امیر ہو۔ حضرت عمرؓ جیسے انسان کو سترہ سال کے نوجوان اسامہؓ کے ماتحت کر دیا گیا تھا۔ میں بھی اِسی رنگ میں جواب دیتا ہوں کہ میری عمر تو ابن ابی لیلیٰ سے بھی سات برس زیادہ ہے۔

ایک اور اعتراض کا جواب

ایک اور اعتراض کرتے ہیں مگر خدا تعالیٰ نے اس کا جواب بھی تیرہ سَو سال سے پہلے ہی دے دیا ہے۔

کہتے ہیں وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے خلافت کہاں سے نکل آئی۔ لیکن یہ لوگ یاد رکھیں کہ حضرت ابوبکرؓ پر جب زکوٰۃ کے متعلق اعتراض ہوا تو وہ بھی اِسی رنگ کا تھا کہ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً[۲۸] تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے اب وہ رہے نہیں اور کسی کا حق نہیں کہ زکوٰۃ وصول کرے جسے لینے کا حکم تھا وہ فوت ہو گیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہی جواب دیا کہ اب میں مخاطب ہوں۔ اِسی کا ہم آہنگ ہو کر اپنے

معترض کو کہتا ہوں کہ اب میں مخاطب ہوں۔ اگر اُس وقت یہ جواب سچا تھا اور ضرور سچا تھا تو یہ بھی درست ہے جو میں کہتا ہوں۔ اگر تمہارا اعتراض درست ہو تو اس پر قرآن مجید سے بہت سے احکام تم کو نکال دینے پڑیں گے اور یہ کھلی کھلی ضلالت ہے۔

ایک عجیب بات

میں تمہیں ایک اور عجیب بات سناتا ہوں جس سے تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ خدا تعالیٰ کے کاموں میں تفاوت نہیں ہوتا۔ اشتہار سبز میں میرے متعلق خدا کے حُکم سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بشارت دی۔ خدا کی وحی سے میرا نام اولوالعزم رکھا۔ اور اس آیت میں فرمایا **فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ** اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجھے اس آیت پر عمل کرنا پڑے گا پھر میں اس کو کیسے ردّ کرسکتا ہوں۔

کیا خدمت کی ہے؟

پھر ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ اس نے کیا خدمت کی ہے؟ اس سوال کا حل تو اسامہؓ والی بات ہی میں موجود ہے۔ اسامہؓ کی خدمات کس قدر تھیں کہ وہ بڑے بڑے صحابہ پر افسر مقرر کر دیا گیا۔ خلافت تو خدا تعالیٰ کے فضل سے ملتی ہے وہ جسے چاہتا ہے دے دیتا ہے ہاں اس کا یہ فعل **نَعُوْذُ بِاللّٰہِ** لغو نہیں ہوتا۔ پھر خالد بن ولیدؓ، ابوعبیدہؓ، عمرو بن العاصؓ، سعد بن الوقاصؓ اُنہوں نے جو خدمات کیں ان کے مقابلہ میں حضرت عمرؓ کیا خدمات پیش کر سکتے ہیں مگر خلیفہ تو حضرت عمرؓ ہوئے۔ وہ نہ ہوئے خدا تعالیٰ سے بہتر اندازہ کون لگا سکتا ہے۔

آیت استخلاف

میں نے آیت استخلاف پر غور کیا ہے اور مجھے بہت ہی لطیف معنی آیت استخلاف کے سمجھائے گئے ہیں جن پر غور کرنے سے بڑا مزا آیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ [29]

يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا کے ایک معنی تو میں اپنے اس ٹریکٹ میں لکھ چکا ہوں جو ''کون ہے جو خدا کے کام کو روک سکے'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ ایک دوسرے معنی بھی اللہ تعالیٰ نے مجھے سمجھائے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ اس آیت میں اوّل تو خدا تعالیٰ کے وعدہ کا ذکر کیا گیا ہے کہ وَعَدَ اللّٰهُ۔ پھر خلافت دینے کے وعدے کو لامِ تاکید اور نونِ تاکید سے مؤکد کیا اور بتایا کہ خدا ایسا کرے گا اور ضرور کرے گا۔ پھر بتایا کہ خدا ضرور ضرور ان خلفاء کو تمکین عطا کرے گا اور پھر فرمایا کہ خدا ضرور ضرور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔ غرض کہ تین بار لامِ تاکید اور نونِ تاکید لگا کر اس بات پر زور دیا ہے کہ ایسا خدا ہی کرے گا کسی کا اس میں دخل نہ ہوگا۔ اس کی غرض بتائی کہ ایسا کیوں ہوگا؟ اس لئے کہ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا اس کے نتیجہ میں وہ میری ہی عبادت کریں گے کسی کو میرا شریک نہ قرار دیں گے یعنی اگر انسانی کوشش سے خلیفہ بنے تو خلیفہ کو گروہ سے دبتے رہنا پڑے کہ ان لوگوں نے مجھ پر احسان کیا ہے۔ پس ہم سب کچھ خود ہی کریں گے تا شرک خلفاء کے قریب بھی نہ پھٹک سکے۔ اور جب خلیفہ اس وقت اور قدرت کو دیکھے گا جس کے ذریعہ خدا نے اسے قائم کیا ہے تو اُسے وہم بھی نہیں ہوسکتا کہ اس میں کسی دوسرے کا بھی ہاتھ ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا یہ معنی خدا تعالیٰ نے بتائے ہیں پس خلیفہ خدا مقرر کرتا ہے اور کوئی نہیں جو اس کو مٹا سکے۔

بعض کہتے ہیں کہ اگر خلیفے نہ ہوں تو کیا مسلمانوں کی نجات نہ ہوگی جب خلافت نہ رہی تو اُس وقت کے مسلمانوں کا پھر کیا حال ہوگا؟ یہ ایک دھوکا ہے دیکھو قرآن مجید میں وضو کے لئے ہاتھ دھونا ضروری ہے لیکن اگر کسی کا ہاتھ کٹ جائے تو اس کا وضو بغیر ہاتھ دھوئے کے ہو جائے گا۔ اب اگر کوئی شخص کسی ایسے ہاتھ کٹے آدمی کو پیش کر کے کہے کہ دیکھو اس کا وضو ہو جاتا ہے یا نہیں؟ جب یہ کہیں کہ ہاں ہو جاتا ہے تو وہ کہے کہ بس اب میں بھی ہاتھ نہ دھوؤں گا تو کیا وہ راستی پر ہوگا؟ ہم کہیں گے کہ اس کا ہاتھ کٹ گیا مگر تیرا تو موجود ہے۔ پس یہی جواب اِن معترضین کا ہے۔ ہم انہیں کہتے ہیں کہ ایک زمانہ میں جابر بادشاہوں نے تلوار کے زور سے خلافتِ راشدہ کو قائم نہ ہونے دیا کیونکہ ہر کام ایک مدت کے بعد مٹ جاتا ہے پس

جب خلافت تلوار کے زور سے مٹا دی گئی تو اب کسی کو گناہ نہیں کہ وہ بیعت خلیفہ کیوں نہیں کرتا۔ مگر اِس وقت وہ کونسی تلوار ہے جو ہم کو قیامِ خلافت سے روکتی ہے۔ اب بھی اگر کوئی حکومت زبردستی خلافت کے سلسلہ کو روک دے تو یہ الٰہی فعل ہوگا اور لوگوں کو رُکنا پڑے گا۔ لیکن جب تک خلافت میں کوئی روک نہیں آتی اُس وقت تک کون خلافت کو روک سکتا ہے اور اُس وقت تک کہ خلیفہ ہوسکتا ہو جب کوئی خلافت کا انکار کرے گا وہ اُسی حکم کے ماتحت آئے گا جو ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم کے منکرین کا ہے۔ ہاں جب خلافت ہو ہی نہیں تو اس کے ذمہ دار تم نہیں۔ سارق کی سزا قرآن مجید میں ہاتھ کاٹنا ہے۔ اب اگر اسلامی سلطنت نہیں اور چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تو یہ کوئی قصور نہیں غیر اسلامی سلطنت اس حکم کی پابند نہیں۔

موجودہ انتظام میں دِقتیں

اب دیکھنا ہے کہ موجودہ انتظام میں کیا دِقتیں پیش آرہی ہیں۔ انجمن کے بعض ممبر جنہوں نے بیعت نہیں کی وہ اپنی ہی مجموعی رائے کو انجمن قرار دے کر کہتے ہیں کہ انجمن جانشین ہے۔ دوسری طرف ایک شخص کہتا ہے کہ مجھے خدا نے خلیفہ بنایا ہے اور واقعات نے اس کی تائید بھی کی کہ جماعت کے ایک کثیر حصہ کو اس کے سامنے جُھکا دیا۔ اب اگر دو عملی رہے تو تفرقہ بڑھے گا ایک میان میں دو تلواریں سما نہیں سکتیں۔ پس تم غور کرو اور مجھے مشورہ دو کہ کیا کرنا چاہیے۔ میری غرض اس مشورہ سے شَاوِرْهُمْ پر عمل کرنا ہے ورنہ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ میرے سامنے ہے میں تو یقین رکھتا ہوں کہ اگر کوئی میرا ساتھ نہ دے تو خدا میرے ساتھ ہے۔

میں پھر ایک دفعہ اِس سوال کا جواب دیتا ہوں کہ اگر کوئی بات ماننی ہی نہیں تو مشورہ کا کیا فائدہ؟ یہ بہت چھوٹی سی بات ہے ایک دماغ سوچتا ہے تو اس میں محدود باتیں آتی ہیں اگر دو ہزار آدمی قرآن مجید کی آیات پر غور کر کے ایک مجلس میں معنی بیان کریں تو بعض غلط بھی ہوں گے مگر اس میں بھی تو کوئی شُبہ نہیں کہ اکثر درست بھی ہوں گے پس درست لے لئے جائیں گے اور غلط چھوڑ دیئے جائیں گے۔ اِسی طرح ایسے مشوروں میں جو امور صحیح ہوں وہ لے لئے جائیں گے۔ ایک آدمی اتنی تجاویز نہیں سوچ سکتا ایک وقت میں بہت سے آدمی

ایک امر پر سوچیں گے تو اِنْشَاءَ اللّٰہ کوئی مفید راہ نکل آئے گی۔
پھر مشورہ سے یہ بھی غرض ہے کہ تمہاری دماغی طاقتیں ضائع نہ ہوں بلکہ قومی کاموں میں مل کر غور کرنے اور سوچنے اور کام کرنے کی طاقت تم میں پیدا ہو۔ پھر ایک اور بات ہے کہ اس قسم کے مشوروں سے آئندہ لوگ خلافت کے لئے تیار ہوتے رہتے ہیں۔ اگر خلیفہ لوگوں سے مشورہ ہی نہ لے تو نتیجہ یہ نکلے کہ قوم میں کوئی دانا انسان ہی نہ رہے اور دوسرا خلیفہ احمق ہی ہو کیونکہ اسے کبھی کام کرنے کا موقع نہیں دیا گیا۔ ہماری پچھلی حکومتوں میں یہی نقص تھا۔ شاہی خاندان کے لوگوں کو مشورہ میں شامل نہ کیا جاتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ان کے دماغ مشکلات حل کرنے کے عادی نہ ہوتے تھے اور حکومت رفتہ رفتہ تباہ ہو جاتی تھی۔ پس مشورہ لینے سے یہ بھی غرض ہے کہ قابل دماغوں کی رفتہ رفتہ تربیت ہو سکے تا کہ ایک وقت وہ کام سنبھال سکیں۔ جب لوگوں سے مشورہ لیا جاتا ہے تو لوگوں کو سوچنے کا موقع ملتا ہے اور اس سے ان کی استعدادوں میں ترقی ہوتی ہے۔ ایسے مشوروں میں یہ بھی فائدہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کو اپنی رائے کے چھوڑنے میں آسانی ہوتی ہے اور طبیعتوں میں ضد اور ہٹ نہیں پیدا ہوتی۔
اِس وقت جو دِقتیں ہیں وہ اِس قسم کی ہیں کہ باہر سے خطوط آتے ہیں کہ واعظ بھیج دو۔ اب جو انجمن کے ملازم ہیں اُنہیں کون بھیجے۔ انجمن تو خلیفہ کے ماتحت ہے نہیں۔ حضرت خلیفہ اوّل ملازمین کو بھیج دیتے اور وہ آن ڈیوٹی (ON DUTY) سمجھے جاتے تھے ہمارے ہاں کام کرنے والے آدمی تھوڑے ہیں اس لئے یہ دِقتیں پیش آتی ہیں۔ یا ایک شخص آتا ہے کہ مجھے فلاں ضرورت ہے مجھے کچھ دو۔ پچھلے دنوں مونگیر والوں نے لکھا کہ یہاں مسجد کا جھگڑا ہے اور جماعت کمزور ہے مدد کرو۔ حضرت صاحب کو میں نے دیکھا ہے کہ مسجدوں کے معاملات میں بڑی احتیاط کرتے۔ حضرت خلیفۃ المسیح بھی بڑی کوشش کرتے۔ کپورتھلہ کی مسجد کا مقدمہ تھا حضرت صاحب نے فرمایا کہ اگر میں سچا ہوں تو یہ مسجد ضرور ملے گی۔ غرض مسجد کے معاملہ میں بڑی احتیاط فرماتے۔ اب ایسے موقع پر میں تو پسند نہیں کر سکتا تھا کہ ان کی مدد نہ کی جائے اس لئے مجھے روپیہ بھیجنا ہی پڑا۔ یا مثلاً کوئی اور فتنہ ہو اور کوئی ماننے والا نہ ہو تو کیا ہو۔ اِس قسم کی دِقتیں اس اختلاف کی وجہ سے پیش آ رہی ہیں اور پیش آئیں گی۔ اللہ تعالیٰ پر میری

امیدیں بہت بڑی ہیں میں یقین رکھتا ہوں کہ معجزانہ طور پر کوئی طاقت دکھائے گا۔لیکن یہ عالَمِ اسباب ہے اس لئے مجھ کو اسباب سے کام لینا چاہیے۔

میں جو کچھ کروں گا خدا تعالیٰ کے خوف سے کروں گا۔اس بات کی مجھے پرواہ نہ ہوگی کہ زید یا بکر اِس کی بابت کیا کہتا ہے پس میں پھر کہتا ہوں کہ اگر میں خدا سے ڈر کر کرتا ہوں، اگر میرے دل میں ایمان ہے کہ خدا ہے تو پھر میں نیک نیتی سے کر رہا ہوں جو کچھ کرتا ہوں اور کروں گا۔ اور اگر میں نَعُوْذُبِاللّٰہِ خدا سے نہیں ڈرتا تو پھر تم کون ہو کہ تم سے ڈروں پس میں تم سے مشورہ پوچھتا ہوں کہ کیا تجویز ہوسکتی ہے کہ اِن دِقتوں کو رفع کیا جائے؟

لوگ کہتے ہیں کہ کبھی خلیفہ نے انجمن کو کوئی حکم نہیں دیا مگر میں سیکرٹری کے دفتر پر کھڑا ہوں بہت ہی کم کوئی ایجنڈا نکلا ہوگا جس میں بحکم خلیفۃ المسیح نہ لکھا ہو۔ یہ واقعات کثرت سے موجود ہیں اور انجمن کی روئدادیں اور رجسٹر اس شہادت میں موجود ہیں (اس مقام پر منشی محمد نصیب صاحب ہیڈ کلرک دفتر سیکرٹری کھڑے ہوئے اور اُنہوں نے بہ آواز بلند کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں یہ بالکل درست ہے)

اس قسم کے اعتراض تو فضول ہیں جو واقعات کے خلاف ہیں۔غرض اس وقت کچھ دِقتیں پیش آئی ہیں اور آئندہ اور ضرورتیں پیش آئیں گی۔اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ احباب غور کریں۔ میں نے اس موجودہ اختلاف کے متعلق کچھ تجاویز سوچی ہیں ان پر غور کیا جائے اور مجھے اطلاع دی جائے۔میری غیر حاضری میں آپ لوگ ان پر غور کریں تا کہ ہر شخص آزادی سے رائے دے سکے۔

اوّل: خلیفہ اور انجمن کے جھگڑے نپٹانے کی بہتر صورت کیا ہے۔انجمن سے یہ مراد ہے انجمن کے وہ ممبر جنہوں نے بیعت نہیں کی وہ اپنے آپ کو انجمن کہتے ہیں اس لئے میں نے انجمن کہا ہے صرف مبائعین رائے دیں۔

دوم: جن لوگوں نے میری بیعت کر لی ہے میں انہیں تاکید کرتا ہوں کہ وہ ہر قسم کا چندہ میری معرفت دیں۔ یہ تجویز میں ایک رؤیا کی بناء پر کرتا ہوں جو ۸/ مارچ ۱۹۰۷ء کی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے ان کی اپنی کاپی الہامات میں

درج ہے اس کے آگے پیچھے حضرت صاحب کے اپنے الہامات درج ہیں اوراب بھی وہ کاپی موجود ہے یہ ایک لمبی خواب ہے اس میں میں نے دیکھا کہ ''ایک پارسل میرے نام آیا ہے محمد چراغ کی طرف سے آیا ہے اس پر لکھا ہے محمود احمد پرمیشر اس کا بھلا کرے۔ خیر اس کو کھولا تو وہ روپوں کا بھرا ہوا صندوقچہ ہوگیا۔ کہنے والا کہتا ہے کہ کچھ تم خود رکھ لو، کچھ حضرت صاحب کو دے دو، کچھ صدرانجمن احمدیہ کو دے دو'' پھر حضرت صاحب کہتے ہیں کہ محمود کہتا ہے کہ ''کشفی رنگ میں آپ مجھے دکھائے گئے اور چراغ کے معنی سورج سمجھائے گئے اور محمد چراغ کا یہ مطلب ہوا کہ محمد جو کہ سورج ہے اس کی طرف سے آیا ہے''۔

غرض یہ ایک سات سال کی رؤیا ہے حضرت صاحب کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی وقت صدرانجمن احمدیہ کو روپیہ میری معرفت ملے گا ہمیں جو کچھ ملتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہی ملتا ہے۔ پس جو روپیہ آتا ہے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی بھیجتے ہیں۔ حضرت صاحب کو دینے سے یہ مراد معلوم ہوتی ہے کہ اشاعتِ سلسلہ میں خرچ کیا جائے۔ قرآن شریف کی ایسی آیات کے صحابہؓ نے یہی معنی کئے ہیں۔ یہ ایک سچی خواب ہے ورنہ کیا چھ سال پہلے میں نے ان واقعات کو اپنی طرف سے بنالیا تھا اور خدا تعالیٰ نے اسے پورا بھی کردیا۔ **نَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ** پس ہر قسم کے چندے ان لوگوں کو جو میرے مبائعین ہیں میرے پاس بھیجنے چاہئیں۔

سوم: جب تک انجمن کا قطعی طور پر فیصلہ نہ ہو اشاعت اسلام اور زکوٰة کا روپیہ میرے ہی پاس آنا چاہیے۔ جو واعظین کے اخراجات اور بعض دوسری وقتی ضرورتوں کیلئے خرچ ہوگا جو اشاعت اسلام سے تعلق رکھتی ہیں یا مصارفِ زکوٰة سے متعلق ہیں۔

چہارم: مجلس شوریٰ کی ایسی حالت ہو کہ ساری جماعت کا اس میں مشورہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں ایسا ہی ہوتا تھا کیا وجہ ہے کہ روپیہ تو قوم سے لیا جائے اور اس کے خرچ کرنے کے متعلق قوم سے پوچھا بھی نہ جائے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ بعض معاملات میں تخصیص ہو **وَاِلَّا** ساری جماعت سے مشورہ ہونا چاہیے۔ سوچنا یہ ہے کہ اس مشورہ کی کیا تدبیر ہو۔

پنجم: فی الحال اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ انجمن میں دو ممبر زائد ہوں کیونکہ بعض اوقات ایسی دقتیں پیدا ہو جاتی ہیں کہ ان کا تصفیہ نہیں ہوتا اور اب اختلاف کی وجہ سے ایسی دِقتوں کا پیدا ہونا اور بھی قرین قیاس ہے علاوہ ازیں مجھے بھی جانا پڑتا ہے اور وہاں دِقتیں پیدا ہو جاتی ہیں اس لئے دو بلکہ تین ممبر اَور ہونے چاہئیں اور یہ دو ممبر عالم ہونے چاہئیں۔

ششم: جہاں کہیں فتنہ ہو ہمارے دوستوں کو چاہیے کہ وہاں جا کر دوسروں کو سمجھائیں اور اس کو دور کریں۔ اس کے لئے اپنی عقلوں اور علموں پر بھروسہ نہ کریں بلکہ خدا تعالیٰ کی توفیق اور فضل کو مقدم کریں اور اس کے لئے کثرت سے دعائیں کریں۔ اپنے اپنے علاقوں میں پھر کر کوشش کرو اور حالاتِ ضروریہ کی مجھے اطلاع دیتے رہو۔

یہ وہ امور ہیں جن پر آپ لوگوں کو غور کرنا چاہیے۔ ان میں فیصلہ اس طرح پر ہو کہ مولوی سید محمد احسن صاحب یہاں تشریف رکھتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح بھی آپ کا اعزاز فرماتے تھے اور وہ اپنے علم وفضل اور سلسلہ کی خدمات کی وجہ سے اس قابل ہیں کہ ہم ان کی عزت کریں وہ اس جلسہ شوریٰ کے پریذیڈنٹ ہوں میں اس جلسہ میں نہ ہوں گا تاکہ ہر شخص آزادی سے بات کر سکے۔ جو بات باہمی مشورہ اور بحث کے بعد طے ہو وہ لکھ لی جائے اور پھر مجھے اطلاع دو۔ دعاؤں کے بعد خدا تعالیٰ جو میرے دل میں ڈالے گا اُس پر عمل درآمد ہوگا۔ تم کسی معاملہ پر غور کرتے وقت اور رائے دیتے وقت یہ ہرگز خیال نہ کرو کہ تمہاری بات ضرور مانی جائے بلکہ تم خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے سچے دل سے ایک مشورہ دے دو اگر وہ غلط بھی ہوگا تو بھی تمہیں ثواب ہوگا لیکن اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ اس کی بات ضرور مانی جائے تو پھر اس کو کوئی ثواب نہیں۔

میری اِن تجاویز کے علاوہ نواب صاحب کی تجاویز پر غور کیا جائے، شیخ یعقوب علی صاحب نے بھی کچھ تجاویز لکھی ہیں ان میں سے تین کے پیش کرنے کی میں نے اجازت دی ہے ان پر بھی فکر کی جائے۔

پھر میں کہتا ہوں کہ مولوی صاحب کا جو درجہ ان کے علم اور رُتبہ کے لحاظ سے ہے وہ تم جانتے ہو حضرت صاحب بھی ان کا ادب کرتے تھے پس ہر شخص جو بولنا چاہے وہ مولوی

صاحب سے اجازت لے کر بولے۔ ایک بول چکے تو پھر دوسرا، پھر تیسرا بولے۔ ایسا نہ ہو کہ ایک وقت میں دو تین کھڑے ہو جائیں جس کو وہ حکم دیں وہ بولے۔ نواب صاحب یا منشی فرزند علی صاحب اس مجلس کے سیکرٹری کے کام کو اپنے ذمہ لیں۔ وہ لکھتے جائیں اور جو گفتگو کسی امر پر ہو اُس کا آخری نتیجہ سنا دیا جائے۔ اگر کسی امر پر دو تجویزیں ہوں تو دونوں کو لکھ لیا جائے۔

اب آپ سب دعا کریں میں بھی دعا کرتا ہوں کیونکہ پھر دوستوں نے کھانا کھانا ہے۔ قادیان کے دوست ساتھ مل کر کھانا کھلائیں، کسی قسم کی تکلیف نہ ہو، پانی کا انتظام اچھی طرح سے ہو۔ خود بھی دعا کریں، مہمان بھی کریں سفر کی دعا قبول ہوتی ہے۔ اس مشورہ اور دعا کے ساتھ جو کام ہوگا خدا کی طرف سے ہوگا۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ"

(انوارالعلوم جلد۲ صفحہ ۲۳ تا ۶۶)

---

۱ البقرة: ۱۳۰　　۲ البقرة: ۱۸۷

۳ کنز العمال جلد۵ صفحہ ۶۴۸ حدیث نمبر ۱۴۱۳۶ مطبوعہ بیروت ۲۰۱۲ء میں یہ الفاظ آئے ہیں "لا خلافة الا عن مشورة"

۴ البقرة: ۱۸۴　　۵ البقرة: ۴۷　　۶ العنكبوت: ۴۶

۷ البقرة: ۴۱　　۸، ۹ البقرة: ۱۶۵　　۱۰ البقرة: ۲۷۰

۱۱ الصف: ۱۵

۱۲ تذکرہ صفحہ ۵۰۔ ایڈیشن چہارم ۲۰۰۴ء

۱۳ الغاشيه: ۲۳　　۱۴ البقرة: ۲۵۷　　۱۵ المائدة: ۶۸

۱۶ اٰل عمران: ۱۶۰

۱۷ پیدائش باب ۱۸ آیت ۲۳ تا ۳۲ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۲۲ء

۱۸ الذّٰريات: ۳۷　　۱۹ التوبة: ۱۲۲　　۲۰ اٰل عمران: ۱۰۵

۲۱ البقرة: ۲۵۰

۲۲ تذکرہ صفحہ ۲۶۱۔ ایڈیشن چہارم ۲۰۰۴ء

۲۳؎ درثمین اردو صفحہ ۵۶

۲۴؎ تذکرہ صفحہ ۸۔ایڈیشن چہارم ۲۰۰۴ء

۲۶،۲۵؎ اٰل عمران: ۱۶۰

۲۷؎ تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ ۶۰۔الناشر مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز ۲۰۰۴ء

۲۸؎ التوبة: ۱۰۳ ۲۹؎ النور: ۵۶

برکاتِ خلافت

(تقریر جلسہ سالانہ ۲۷ دسمبر ۱۹۱۴ء)

تشہد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

''میں نے کچھ ضروری باتیں آپ لوگوں کے سامنے بیان کرنی ہیں۔ان میں سے ایک وہ بات بھی ہے جو میرے خیال میں احمدیت کے لئے ہی نہیں بلکہ اسلام کے قیام کا واحد ذریعہ ہے اور جس کے بغیر کوئی انسان اللہ تعالیٰ تک پہنچ ہی نہیں سکتا اور نہ ہی کوئی مسلمان مسلمان ہوسکتا ہے مگر کوئی انسان خدا تعالیٰ کی رحمت اور فضل کے بغیر اس کو حاصل بھی نہیں کر سکتا۔اس کے علاوہ کچھ اور بھی ضروری باتیں ہیں مگر اس سے کم درجہ پر ہیں۔ میں نے ارادہ کیا ہے اگر اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال ہوا اور اُس کی رحمت ممد اور معاون ہوئی تو **اِنْشَاءَ اللّٰہُ** وہ بات جو نہایت ضروری ہے اور جس کے پہنچانے کی مدت سے مجھے تڑپ تھی کل بیان کروں گا۔آج ارادہ ہے کہ درمیانی باتیں جو اس سے کم درجہ پر ہیں مگر ان کا پہنچانا بھی ضروری ہے وہ پہنچادوں۔اس ضروری بات کو کل پر رکھنے سے میری یہ بھی غرض ہے کہ جو نعمت آسانی سے مل جاتی ہے اور جس کے لئے محنت نہیں کرنی پڑتی اُس کی قدر نہیں ہوتی۔ پس جو لوگ کل تک یہاں اس بات کو سننے کے اشتیاق میں رہیں گے وہی اس کے سننے کے حقدار ہوں گے۔ چونکہ مجھے کھانسی کی وجہ سے تکلیف ہے اس لئے اگر میری آواز سب تک نہ پہنچے تو بھی سب لوگ صبر سے بیٹھے رہیں۔اگر انہیں آواز نہ پہنچے گی تو ثواب تو ضرور ہی ہو جائے گا۔ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ کان میں پڑیں بھی تو اثر نہیں ہوتا مگر اس مقام کا اثر ہو جاتا ہے جہاں کوئی بیٹھا ہوتا ہے۔ باتیں تو اکثر لوگ سنتے ہیں مگر کیا سارے ہی پاک ہو جاتے ہیں؟ نہیں۔

تو معلوم ہوا کہ نیک باتوں کے سننے والے کو ہدایت ہو جانا ضروری بات نہیں ہے۔ پھر ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ ایک شخص کو کسی پاک مقام پر جانے کی وجہ سے بلا کسی دلیل کے ہدایت ہوگئی ہے تو اگر بعض لوگوں تک آواز نہ پہنچے اور وہ بیٹھے رہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے اخلاص کی وجہ سے ہی بغیر باتیں سننے کے انہیں ہدایت دے دے گا۔

اب میں اپنی اصل بات کی طرف آنے سے پیشتر چند ایسی باتیں بیان کرتا ہوں جن کا آجکل چرچا ہو رہا ہے اور جو نہایت ضروری ہیں۔

پہلی بات

میں کل یہاں آ رہا تھا چند لوگوں نے جو کہ دیہاتی زمیندار معلوم ہوتے تھے مجھے اس طرح سلام کیا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ جانتے ہی نہیں کہ رسول کیا ہوتا ہے۔ میری یہ عادت نہیں ہے کہ کسی آدمی کو خصوصیت سے اُس کی غلطی جتلاؤں۔ اصل بات یہ ہے کہ مجھے شرم آ جاتی ہے۔ ایک تو اس لئے کہ اُس کو اپنی غلطی پر شرمندگی اُٹھانی پڑے گی دوسرے خود مجھے دوسرے کو ملامت کرنے پر شرم محسوس ہوتی ہے اس لئے میں کسی کی غلطی کو عام طور پر بیان کر دیا کرتا ہوں اور کسی خاص آدمی کی طرف اشارہ نہیں کرتا سوائے اُن خاص آدمیوں کے جن سے خاص تعلق ہوتا ہے ایسے آدمیوں کو میں علیحدگی میں بتا دیتا ہوں۔ سو یہ بات اچھی طرح یاد رکھو کہ رسول رسول ہی ہوتا ہے ہر ایک شخص رسول نہیں ہوسکتا۔ ہاں ہمیں خدا تعالیٰ نے یہ فخر بخشا ہے کہ ایک رسول کی خدمت کا شرف عطا کیا ہے۔ تو تم لوگ اللہ تعالیٰ کے رسولوں کا جو درجہ ہوتا ہے وہ رسولوں کو دو اور دوسرے کسی کو ان کے درجہ میں شامل نہ کرو۔ اللہ کے رسولوں کے نام قرآن شریف میں درج ہیں اور جو اِس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے اپنا رسول بھیجا ہے اُس کا نام بھی آپ لوگ جانتے ہیں باقی سب ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں۔ ہاں خدا تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کی ترقی کے لئے خلافت کا سلسلہ جاری کیا ہے اور جو انسان اِس کام کے لئے چنا گیا ہے وہ درحقیقت تمہارا بھائی ہی ہے پس اُس کو رسول کہنا ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے۔

دوسری بات

بعض لوگ گھٹنوں یا پاؤں کو ہاتھ لگاتے ہیں گو وہ یہ کام شرک کی نیت سے نہیں بلکہ محبت اور عقیدت کے جوش میں کرتے ہیں لیکن ایسے کاموں کا

انجام ضرور شرک ہوتا ہے۔اس وقت ایسا کرنے والوں کی نیت شرک کرنے کی نہیں ہوتی مگر نتیجہ شرک ہی ہوتا ہے۔ بخاری شریف میں آیا ہے ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ قرآن شریف میں حضرت نوحؑ کی قوم کے جن بُتوں کے نام آئے ہیں وہ دراصل مشرک اقوام کے بڑے بڑے آدمی تھے۔اُن کے مرنے پر پچھلوں نے اُن کی یادگاریں قائم کرنی چاہیں تاکہ ان کو دیکھ کر ان میں جو صفات تھیں ان کی تحریک ہوتی رہے۔اس کے لئے اُنہوں نے سٹیچو (STATUE) بنادیئے لیکن ان کے بعد آنے والے لوگوں نے جب دیکھا کہ ہمارے آباواجداد ان مجسموں کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے تو اُنہوں نے ان کی اور عزت کرنی شروع کردی پھر اِسی طرح رفتہ رفتہ ان کی تعظیم بڑھتی گئی۔بِالآخر نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ان کے آگے سجدے کئے جانے لگے اور ان کی اصل حالت کو بُھلا کر انہیں خدا کا شریک بنالیا گیا[1] تو بعض باتیں ابتداء میں چھوٹی اور بے ضرر معلوم ہوتی ہیں مگر ان کا نتیجہ ایسا خطرناک نکلتا ہے کہ پھر اس کی تلافی ناممکن ہو جاتی ہے۔میری اپنی حالت اور فطرت کا تو یہ حال ہے کہ میں ہاتھ چومنا بھی ناپسند کرتا تھا لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ چومتے تھے اور وہ اس سے منع نہ فرماتے تھے جس سے میں سمجھتا تھا کہ یہ جائز ہے لیکن میرے پاس دلیل کوئی نہ تھی۔ پھر خلیفۃ المسیح جن کی نسبت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میرے قدم بقدم چلتا ہے ان کے ہاتھوں کو لوگ چومتے۔آپ میرے استاد بھی تھے اور دوسرے خلیفۂ وقت۔ میں آپ کے فعل کو بھی حجت خیال کرتا تھا لیکن مجھے پوری تسلی جو دلائل کے ساتھ حاصل ہوتی ہے تب حاصل ہوئی جب میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کو بھی صحابہؓ چومتے اور آنکھوں سے لگاتے تھے اس لئے میں ایسے لوگوں کو جو ہاتھ چومتے ہیں روکتا تو نہیں لیکن انہیں ایسا کرتے دیکھ کر مجھے شرم آجاتی ہے اور میں صرف اس لئے انہیں منع نہیں کرتا کہ وہ یہ کام اپنی محبت اور عقیدت کے جوش میں کرتے ہیں لیکن ان باتوں کو بڑھانا نہیں چاہیئے تاکہ وہ شرک کی حد تک نہ پہنچ جائیں۔

پہلی اہم بات

اب میں ایک بات بیان کرنا شروع کرتا ہوں اور وہ خلافت کے متعلق ہے۔شاید کوئی کہے کہ خلافت کے بڑے جھگڑے سنتے رہے ہیں اور یہاں بھی کل اور پرسوں سے سُن رہے ہیں آخر یہ بات ختم بھی ہوگی یا نہیں۔اصل بات یہ ہے کہ پہلے جو باتیں تم خلافت کے متعلق سن چکے ہو وہ تو تمہیں ان لوگوں نے سنائی ہیں جو راہرو[2] کی طرح ایک واقعہ کو دیکھنے والے تھے۔دیکھو! ایک بیمار کی حالت اس کا تیمار دار بھی بیان کرتا ہے مگر بیمار جو اپنی حالت بیان کرتا ہے وہ اَور ہی ہوتی ہے۔اسی طرح دوسرے لوگوں نے اپنی سمجھ اور عقل کے مطابق تمہیں باتیں سنائی ہیں مگر میں جو کچھ تمہیں سناؤں گا وہ آپ بیتی ہوگی جگ بیتی نہیں ہوگی۔ دوسرے کے درد اور تکلیف کو خواہ کوئی کتنا ہی بیان کرے لیکن اس حالت کا وہ کہاں اندازہ لگا سکتا ہے جو مریض خود جانتا ہے اس لئے جو کچھ مجھ پر گزرا ہے اُس کو میں ہی اچھی طرح سے بیان کرسکتا ہوں۔دیکھنے والوں کو تو یہ ایک عجیب بات معلوم ہوتی ہوگی کہ کئی لاکھ کی جماعت پر حکومت مل گئی مگر خدارا غور کرو کیا تمہاری آزادی میں پہلے کی نسبت کچھ فرق پڑ گیا ہے؟ کیا کوئی تم سے غلامی کرواتا ہے؟ یا تم پر حکومت کرتا ہے؟ یا تم سے ماتحتوں،غُلاموں اور قیدیوں کی طرح سلوک کرتا ہے؟ کیا تم میں اور ان میں جنہوں نے خلافت سے روگردانی کی ہے کوئی فرق ہے؟ کوئی بھی فرق نہیں لیکن نہیں ایک بہت بڑا فرق بھی ہے اور وہ یہ کہ تمہارے لئے ایک شخص تمہارا درد رکھنے والا،تمہاری محبت رکھنے والا،تمہارے دکھ کو اپنا دکھ سمجھنے والا، تمہاری تکلیف کو اپنی تکلیف جاننے والا،تمہارے لئے خدا کے حضور دعائیں کرنے والا ہے۔مگر ان کے لئے نہیں ہے۔تمہارا اسے فکر ہے، درد ہے اور وہ تمہارے لئے اپنے مولیٰ کے حضور تڑپتا رہتا ہے لیکن ان کے لئے ایسا کوئی نہیں ہے۔کسی کا اگر ایک بیمار ہو تو اس کو چین نہیں آتا لیکن کیا تم ایسے انسان کی حالت کا اندازہ کرسکتے ہو جس کے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں بیمار ہوں۔پس تمہاری آزادی میں تو کوئی فرق نہیں آیا ہاں تمہارے لئے ایک تم جیسے ہی آزاد پر بڑی ذمہ داریاں عائد ہوگئی ہیں۔

سنا جاتا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مجھے حکومت کی خواہش تھی اس لئے جماعت میں تفرقہ ڈال کر لوگوں سے بیعت لے لی ہے لیکن بیعت لینے کے وقت کی حالت میں تمہیں بتاتا ہوں۔ جس وقت بیعت ہو چکی تو میرے قدم ڈگمگا گئے اور میں نے اپنے اوپر ایک بہت بڑا بوجھ محسوس کیا۔ اُس وقت مجھے خیال آیا کہ آیا اب کوئی ایسا طریق بھی ہے کہ میں اِس بات سے لَوٹ سکوں۔ میں نے بہت غور کی اور بہت سوچا لیکن کوئی طرز مجھے معلوم نہ ہوئی۔ اس کے بعد بھی کئی دن میں اِسی فکر میں رہا تو خدا تعالیٰ نے مجھے رؤیا میں بتایا کہ میں ایک پہاڑی پر چل رہا ہوں۔ دُشوار گزار راستہ دیکھ کر میں گھبرا گیا اور واپس لَوٹنے کا ارادہ کیا جب میں نے لَوٹنے کے لئے پیچھے مُڑ کر دیکھا تو پچھلی طرف میں نے دیکھا کہ پہاڑ ایک دیوار کی طرح کھڑا ہے اور لَوٹنے کی کوئی صورت نہیں۔ اس سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ اب تم آگے ہی آگے چل سکتے ہو پیچھے نہیں ہٹ سکتے۔

نکتۂ معرفت

میں نے اس بات پر غور کیا ہے کہ نبی پر چالیس سال کے بعد نبوت کیوں نازل ہوتی ہے؟ اس سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ چالیس سال کے بعد تھوڑے سال ہی انسان کی زندگی ہوتی ہے اس لئے ان میں مشکلات کو برداشت کر کے نبی گزارہ کر لیتا ہے لیکن اگر جوانی میں ہی اُسے نبوت مل جائے تو بہت مشکل پڑے اور اتنے سال زندگی کے بسر کرنے نہایت دشوار ہو جائیں کیونکہ یہ کام کوئی آسان نہیں ہے۔

خلافت کی اہمیت

دیکھنے میں آگ کا انگارہ بڑا خوشنما معلوم ہوتا ہے مگر اس کی حقیقت وہی جانتا ہے جس کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اسی طرح خلافت بھی دوسروں کو بڑی خوبصورت چیز معلوم ہوتی ہے اور نادان دیکھنے والے سمجھتے ہیں کہ خلیفہ بننے والے کو بڑا مزا ہو گیا ہے لیکن انہیں کیا معلوم ہے کہ جو چیز ان کی آنکھوں میں بڑی خوبصورت نظر آتی ہے دراصل ایک بہت بڑا بوجھ ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے بغیر کسی کی طاقت ہی نہیں کہ اسے اُٹھا سکے۔ خلیفہ اس کو کہتے ہیں کہ جو ایک پہلے شخص کا کام کرے اور خلیفہ جس کا قائم مقام ہوتا ہے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝[۳] کہ ہم نے تیرا وہ بوجھ جس

نے تیری کمر توڑ دی تھی اُتار دیا ہے تو جب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ اس بوجھ سے ٹوٹنے کے قریب تھی تو اور کون ہے جو یہ بار اُٹھا کر سلامت رہ سکے۔ لیکن وہی خدا جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بوجھ کو ہلکا کیا تھا اور اِس زمانہ میں بھی اپنے دین کی اشاعت کے لئے اُس نے ایک شخص کو اس بوجھ کے اُٹھانے کی توفیق دی وہی اس نبی کے بعد اِس کے دین کو پھیلانے والوں کی کمریں مضبوط کرتا ہے۔ میری طبیعت پہلے بھی بیمار رہتی تھی مگر تم نے دیکھا کہ میں اُس دن کے بعد کسی کسی دن ہی تندرست رہا ہوں اور کم ہی دن مجھ پر صحت کے گزرے ہیں۔ اگر مجھے خلافت کے لینے کی خوشی تھی اور میں اس کی امید لگائے بیٹھا تھا تو چاہئے تھا کہ اُس دن سے میں تندرست اور موٹا ہوتا جاتا۔ اگر منکرانِ خلافت کے خیال کے مطابق چھ سال میں اِسی کے حاصل کرنے کی کوشش میں رہا ہوں تو اب جب کہ یہ حاصل ہوگئی ہے تو مجھے خوشی سے موٹا ہونا چاہیے تھا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ بچپن میں کبھی والدہ صاحبہ مجھے پتلا دُبلا دیکھ کر گھبراتیں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے کہ جب اس کو خوشی حاصل ہوگی تو موٹا ہو جائے گا اور مثال کے طور پر خواجہ صاحب کا ذکر فرماتے کہ وکالت کے امتحان کے پاس کرنے سے پہلے یہ بھی دُبلے ہوتے تھے جب سنا کہ وکالت پاس کر لی ہے تو چند دنوں میں ہی موٹے ہوگئے تو اگر مجھے خلافت ایک حکومت مل گئی ہے اور اس کے لینے میں میری خوشی تھی تو چاہیے تھا کہ میں موٹا اور تندرست ہوتا جاتا لیکن میرے پاس بیٹھنے والے اور پاس رہنے والے جانتے ہیں کہ مجھ پر کیسے کیسے سخت دن آتے ہیں اور اپنی تکلیف کو میں ہی جانتا ہوں۔

مسئلہ خلافت

خلافت کا مسئلہ کوئی پیچیدہ مسئلہ نہیں ہے۔ میں نے ۱۲؍اپریل ۱۹۱۴ء کو جو تقریر کی تھی (یہ تقریر منصب خلافت کے نام سے چھپ چکی ہے) اس میں قرآن شریف کی ایک آیت سے میں نے بتایا تھا کہ خلیفہ کا کیا کام ہوتا ہے۔ خلیفہ کے معنی ہیں کسی کے پیچھے آ کر وہی کام کرنے والا جو اس سے پہلے کیا کرتا تھا۔ اس کی پہچان کے لئے جس کا کوئی خلیفہ ہوگا اس کے اصل کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کیا کام کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کام یہ بتایا ہے یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ [4] یعنی یہ کہ (۱) خدا کی آیات لوگوں پر پڑھے۔ (۲) ان کا تزکیہ نفس کرے۔ (۳) انہیں کتاب سکھائے۔ (۴) ان کو حکمت سکھائے۔ میں نے یہ بھی اس تقریر میں بتایا تھا کہ یہ چاروں کام نبی کے دنیا کی کوئی انجمن نہیں کرسکتی۔ یہ وہی شخص کرسکتا ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے نبی کے بعد مقرر کیا جاتا ہے اور جسے خلیفہ کہا جاتا ہے۔ اس موقع پر یہ باتیں نہیں ذکر کی جاتیں۔ ہاں چند موٹے موٹے اعتراضات میں بیان کر کے ان کے جواب دیتا ہوں اور یہ بھی بتاتا ہوں کہ کیوں میں نے دلیری اور استقلال کو ہاتھ سے نہ دیا اور اپنی بات پر مضبوط جما رہا۔

بعض لوگ میری نسبت یہ کہتے ہیں کہ اس نے کیوں وسعت حوصلہ سے کام لے کر یہ نہ کہہ دیا کہ میں خلیفہ نہیں بنتا۔ ایسا کہنے والا سمجھتا ہے کہ خلافت بڑے آرام اور راحت کی چیز ہے مگر اس احمق کو یہ معلوم نہیں کہ خلافت میں جسمانی اور دنیاوی کسی قسم کا سُکھ نہیں ہے۔ اب میں یہ بتاتا ہوں کہ کیوں میں نے جرأت اور دلیری سے کام لے کر اس بار کو اُٹھایا اور وہ کیا چیز تھی جس نے مجھے قوم کے دو ٹکڑے ہوتے دیکھ کر ایک جگہ پر قائم رہنے دیا اور وہ کونسا ہاتھ تھا جس نے مجھے ایک جگہ کھڑا کئے رکھا۔ اِس وقت تو چاروں طرف کے لوگ موجود ہیں لیکن ایک وہ وقت تھا کہ بہت قلیل حصہ جماعت کا بیعت میں شامل ہوا تھا۔ سوال یہ ہے کہ اُس وقت جماعت کے اتحاد کی خاطر میں نے کیوں نہ اپنی بات چھوڑ دی؟ اور اتحاد قائم رکھا اس لئے آج میں اس بات کو بیان کروں گا جس نے مجھے مضبوط رکھا لیکن اس سے پہلے میں چند اور باتیں بیان کرتا ہوں۔

پہلا اعتراض اور اس کا جواب

ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ خلیفہ وہ ہوتا ہے جو بادشاہ ہو یا مأمور۔ تم کون ہو؟ بادشاہ ہو؟ میں کہتا ہوں۔ نہیں۔ مأمور ہو؟ میں کہتا ہوں نہیں۔ پھر تم خلیفہ کس طرح ہو سکتے ہو خلیفہ کے لئے بادشاہ یا مأمور ہونا شرط ہے۔ یہ اعتراض کرنے والے لوگوں نے خلیفہ کے لفظ پر ذرا بھی تدبر نہیں کیا۔ یہ ایسی ہی بات ہے کہ ایک شخص درزی کی دکان پر جائے اور دیکھے کہ ایک لڑکا اپنے استاد کو کہتا ہے ''خلیفہ جی''۔ وہ وہاں سے آ کر لوگوں کو کہنا شروع کر دے کہ خلیفہ تو

درزی کو کہتے ہیں اور کوئی شخص جو درزی کا کام نہیں کرتا وہ خلیفہ کس طرح ہوسکتا ہے۔ اسی طرح ایک شخص مدرسہ میں جائے (پہلے زمانہ میں مانیٹر کو خلیفہ کہتے تھے) اور لڑکوں کو ایک لڑکے کو خلیفہ کہتے سنے اور باہر آ کر کہہ دے کہ خلیفہ تو اُسے کہتے ہیں جو لڑکوں کا مانیٹر ہوتا ہے۔ اس لئے وہ شخص جو لڑکوں کا مانیٹر نہیں وہ خلیفہ نہیں ہوسکتا خلیفہ کے لئے تو لڑکوں کا ہونا شرط ہے۔

اسی طرح ایک شخص دیکھے کہ آدم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے خلیفہ بنایا اور اُن کے لئے فرشتوں کو حکم دیا کہ سجدہ کرو۔ وہ کہے کہ خلیفہ تو وہی ہوسکتا ہے جس کو سجدہ کرنے کا حکم فرشتوں کو ملے ورنہ نہیں ہوسکتا۔

اسی طرح ایک اور شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کو دیکھے جن کے پاس سلطنت اور حکومت تھی تو کہے کہ خلیفہ تو اس کو کہتے ہیں جس کے پاس سلطنت ہو اس کے سوا اور کوئی خلیفہ نہیں ہوسکتا کیونکہ خلیفہ کے لئے سلطنت کا ہونا شرط ہے۔ لیکن ایسا کہنے والے اتنا نہیں سمجھتے کہ خلیفہ کے لفظ کے معنی کیا ہیں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ جس کا کوئی خلیفہ کہلائے اس کا کام وہ کرنے والا ہو۔ اگر کوئی درزی کا کام کرتا ہے تو وہی کام کرنے والا اس کا خلیفہ ہے اور اگر کوئی طالب علم کسی استاد کی غیر حاضری میں اس کا کام کرتا ہے تو وہ اس کا خلیفہ ہے۔

اسی طرح اگر کوئی کسی نبی کا کام کرتا ہے تو وہ اس نبی کا خلیفہ ہے۔ اگر خدا نے نبی کو بادشاہت اور حکومت دی ہے تو خلیفہ کے پاس بھی بادشاہت ہونی چاہیے اور خدا خلیفہ کو ضرور حکومت دے گا۔ اور اگر نبی کے پاس ہی حکومت نہ ہو تو خلیفہ کہاں سے لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ خدا تعالیٰ نے دونوں چیزیں یعنی روحانی اور جسمانی حکومتیں دی تھیں اس لئے ان کے خلیفہ کے پاس بھی دونوں چیزیں تھیں۔ لیکن اب جب کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو حکومت نہیں دی تو اس کا خلیفہ کس سے لڑتا پھرے کہ مجھے حکومت دو۔ ایسا اعتراض کرنے والے لوگوں نے خلیفہ کے لفظ پر غور نہیں کیا۔ اگر کوئی شخص یہاں بیٹھے ہوئے آدمیوں کی پگڑیوں، ٹوپیوں اور کپڑوں کو دیکھ کر یہ لکھ لے کہ آدمی وہی ہوتے ہیں جن کی پگڑیاں، ٹوپیاں اور کپڑے ان کی طرح ہوتے ہیں اور باہر جا

کہ کسی شخص کو اس اپنے مقرر کردہ لباس میں نہ دیکھے تو کہے کہ یہ تو آدمی ہی نہیں ہوسکتا تو کیا وہ بیوقوف نہیں ہے؟ ضرور ہے۔ اسی طرح اگر کوئی چند نبیوں کے خلیفوں کو دیکھ کر کہے کہ ایسے ہی خلیفے ہو سکتے ہیں ان کے علاوہ اور کوئی خلیفہ نہیں ہوسکتا تو کیا اس کی بات کسی عقلمند کے نزدیک ماننے کے قابل ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس کو چاہیے کہ خلیفہ کے لفظ کو دیکھے اور اس پر غور کرے۔ اس وقت خلیفہ کے لفظ کے متعلق عربی علم سے ناواقفیت کی وجہ سے لوگوں کو غلطی لگی ہے۔ خلیفہ اس کو کہتے ہیں۔ (۱) جو کسی کا قائم مقام ہو۔ (۲) خلیفہ اس کو کہتے ہیں جس کا کوئی قائم مقام ہو۔ (۳) خلیفہ وہ ہے جو احکام واوامر کو جاری کرتا اور ان کی تعمیل کراتا ہے۔ پھر خلیفے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو اصل کے مرنے کے بعد ہوتے ہیں اور ایک اس کی موجودگی میں بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً وائسرائے شہنشاہ کا خلیفہ ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی وائسرائے کو کہے کہ چونکہ اسے دین سے کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے یہ شہنشاہ کا خلیفہ نہیں ہو سکتا تو یہ اس کی بہت بڑی غلطی ہے کیونکہ وہ جس بادشاہ کا نائب ہے اس کے پاس صرف حکومت ہی ہے اس لئے وائسرائے حکومت میں ہی اس کا خلیفہ ہے نہ کہ دین میں۔ تو یہ ایک موٹی بات ہے جس کو بعض لوگ نہیں سمجھے یا نہیں سمجھنا چاہتے۔

دوسرا اعتراض اور اس کا جواب

پھر یہ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت مسیحؑ اسرائیلی کے مثیل تھے اس لئے ان کے خلفاء بھی ایسے ہی ہونے چاہئیں جیسے مسیح اسرائیلی کے ہوئے لیکن چونکہ حضرت مسیح اسرائیلی کے بعد خلافت کا سلسلہ ثابت نہیں ہے اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد بھی کوئی خلیفہ نہیں ہونا چاہیے۔ اوّل تو یہ بات ہی بہت عجیب ہے ہم تو یہ مانتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ نے صلیب پر وفات نہیں پائی اور صلیب کے واقعہ کے بعد اسّی سال تک زندہ رہے ہیں لیکن انجیل جس سے ان کے بعد کی خلافت کا سلسلہ نہیں نکلتا وہ تو ان کی صلیب کے واقعہ تک کے حالاتِ زندگی کی تاریخ ہے۔ پس اس سے خلافت کا کس طرح پتہ لگ سکتا ہے۔ یہ تو ویسی ہی بات ہے کہ کوئی شخص حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب براہین احمدیہ پیش کر کے کہے کہ اس میں تو خلافت کا کوئی ذکر نہیں اور نہ ہی کسی خلیفہ کا اس سے پتہ چلتا ہے اس لئے آپ کے

بعد کوئی خلیفہ بھی نہیں ہوا۔ پس لوگ حضرت مسیحؑ کا خلیفہ انجیل سے کس طرح پا لیں جب کہ وہ اس کی صرف ۳۳ سال کی زندگی کے حالات ہیں۔ حالانکہ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ نے ایک سَو بیس سال کی عمر پائی ہے۔تو جب ۳۳ سال انجیلی زندگی کے بعد بھی حضرت مسیحؑ زندہ رہے ہیں تو ان کے خلفاء کا پتہ انجیل سے کس طرح لگے۔ اگر کوئی کہے کہ حضرت مسیحؑ کے ایک سَو بیس برس کی عمر میں مرنے کے بعد بھی تو کسی خلیفہ کا پتہ نہیں لگتا۔ اس کے لئے ہم کہتے ہیں کہ اگر تم حضرت مسیحؑ کی تیس سالہ زندگی کے بعد کے حالات ہمیں لا دو تو ہم ان کے خلیفے بھی نکال دیں گے اور جب حضرت مسیحؑ کی پچھلی زندگی کی کوئی تاریخ ہی موجود نہیں ہے تو ان کے خلفاء کے متعلق بحث کرنا ہی فضول اور لغو ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ صلیب پر لٹکنا اور مُلک سے چلا جانا بھی موت ہی ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی الوصیت میں لکھا ہے کہ ''ایسا ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ معاملہ ہوا'' یعنی ان کے بعد بھی خلیفہ ہوا اس لئے کوئی خلیفہ دکھاؤ۔ اچھا ہم اس کو مان لیتے ہیں لیکن اس اعتراض سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے انجیل پر بھی غور نہیں کیا۔ انجیل میں بعینہٖ وہی نقشہ درج ہے جو الوصیت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کھینچا ہے اور جس طرح الوصیت میں خلیفہ اور انجمن کا ذکر ہے اسی طرح انجیل میں ہے۔ حضرت مسیحؑ جب صلیب کے بعد اپنے حواریوں کے پاس آئے اور کشمیر جانے کا ارادہ کیا تو اس کا ذکر یوحنا باب ۲۱ میں اس طرح پر ہے کہ:۔

> ''اور جب کھانا کھا چکے تو یسوع نے شمعون پطرس سے کہا کہ اے شمعون یوحنا کے بیٹے! کیا تو ان سے زیادہ مجھ سے محبت رکھتا ہے؟ اس نے اس (مسیح) سے کہا۔ ہاں خداوند تو تو جانتا ہی ہے کہ میں تجھے عزیز رکھتا ہوں۔ اس نے اس سے کہا۔تو میرے برے چَرا۔ اس نے دوبارہ اس سے پھر کہا کہ اے شمعون یوحنا کے بیٹے! کیا تُو مجھ سے محبت رکھتا ہے؟ وہ بولا ہاں۔ خداوند تُو تو جانتا ہی ہے کہ میں تجھ کو عزیز رکھتا ہوں۔ اس نے اس سے کہا۔تو میری بھیڑوں کی گلہ بانی کر۔ اس نے تیسری بار اس سے کہا کہ اے شمعون یوحنا کے بیٹے! کیا تُو مجھے عزیز رکھتا ہے؟ چونکہ

اس نے تیسری بار اس سے کہا کیا تُو مجھے عزیز رکھتا ہے؟ اس سبب سے پطرس نے دلگیر ہوکر اس سے کہا اے خداوند! تُو تو سب کچھ جانتا ہے تجھے معلوم ہی ہے کہ میں تجھے عزیز رکھتا ہوں۔ یسوع نے اس سے کہا کہ تُو میری بھیڑیں چَرا‘‘ [۵]

تو حضرت مسیحؑ نے اپنے بعد پطرس کو خلیفہ مقرر کیا۔ ایک جگہ لوقا باب ۹ میں اس طرح حضرت مسیحؑ کے متعلق لکھا ہے۔

’’پھر اس نے ان بارہ (حواریوں) کو بُلا کر انہیں سب بَد روحوں پر اور بیماریوں کو دور کرنے کے لئے قدرت اور اختیار بخشا اور انہیں خدا کی بادشاہت کی منادی کرنے اور بیماروں کو اچھا کرنے کے لئے بھیجا‘‘۔ [۶] ’’پس وہ روانہ ہوکر گاؤں گاؤں خوشخبری سناتے اور ہر جگہ شفا دیتے پھرتے‘‘۔ [۷]

ان آیات سے ثابت ہے کہ حضرت مسیحؑ نے اپنے حواریوں کے سپرد تبلیغ کا کام کیا ہے لیکن اُنہوں نے اپنی جماعت کو کسی جماعت کے سپرد نہیں کیا بلکہ صرف پطرس کو ہی کہا ہے کہ ’’تو میرے برے چَرا‘‘ ’’تو میری بھیڑوں کی گلہ بانی کر‘‘ ’’تو میری بھیڑیں چَرا‘‘ ہاں اپنے سلسلہ میں داخل کرنے کا حکم دیتے وقت سارے حواریوں کو ’’خدا کی بادشاہت کی منادی کرنے اور بیماروں کو اچھا کرنے کیلئے بھیجا‘‘ ہے اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے الوصیت میں تحریر فرمایا ہے اور جہاں آپ نے خلیفہ کا ذکر کیا ہے وہاں تو یہ لکھا ہے۔

’’یہ خدا تعالیٰ کی سنت ہے اور جب سے کہ اُس نے انسان کو زمین میں پیدا کیا ہمیشہ اِس سنت کو وہ ظاہر کرتا رہا ہے کہ وہ اپنے نبیوں اور رسولوں کی مدد کرتا ہے اور اُن کو غلبہ دیتا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیْ [۸] اور غلبہ سے مراد یہ ہے کہ جیسا کہ رسولوں اور نبیوں کا یہ منشا ہوتا ہے کہ خدا کی حجت زمین پر پوری ہو جائے اور اُس کا مقابلہ کوئی نہ کر سکے اِسی طرح خدا تعالیٰ قوی نشانوں کے ساتھ اُن کی سچائی ظاہر کر دیتا ہے اور جس راستبازی کو وہ دنیا میں پھیلانا چاہتے ہیں اُس کی تخم ریزی اُنہیں کے ہاتھ سے کر دیتا ہے لیکن اُس کی پوری تکمیل اُن کے ہاتھ سے نہیں کرتا بلکہ ایسے وقت میں اُن کو وفات دے کر جو بظاہر ایک ناکامی کا خوف اپنے ساتھ رکھتا ہے مخالفوں کو ہنسی اور ٹھٹھے اور طعن اور

تشنیع کا موقع دے دیتا ہے اور جب وہ ہنسی ٹھٹھا کر چکتے ہیں تو پھر ایک دوسرا ہاتھ اپنی قدرت کا دکھاتا ہے اور ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے جن کے ذریعہ سے وہ مقاصد جو کسی قدر نا تمام رہ گئے تھے اپنے کمال کو پہنچتے ہیں۔ غرض دو قسم کی قدرت ظاہر کرتا ہے (۱) اوّل خود نبیوں کے ہاتھ سے اپنی قدرت کا ہاتھ دکھاتا ہے۔ (۲) دوسرے ایسے وقت میں جب نبی کی وفات کے بعد مشکلات کا سامنا پیدا ہو جاتا ہے اور دشمن زور میں آ جاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اب کام بگڑ گیا اور یقین کر لیتے ہیں کہ اب یہ جماعت نابود ہو جائے گی اور خود جماعت کے لوگ بھی تردّد میں پڑ جاتے ہیں اور اُن کی کمریں ٹوٹ جاتی ہیں اور کئی بدقسمت مرتد ہونے کی راہیں اختیار کر لیتے ہیں تب خدا تعالیٰ دوسری مرتبہ اپنی زبردست قدرت ظاہر کرتا ہے اور گرتی ہوئی جماعت کو سنبھال لیتا ہے پس وہ جو اخیر تک صبر کرتا ہے خدا تعالیٰ کے اس معجزہ کو دیکھتا ہے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے وقت میں ہوا جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت ایک بے وقت موت سمجھی گئی اور بہت سے بادیہ نشین نادان مرتد ہو گئے اور صحابہؓ بھی مارے غم کے دیوانہ کی طرح ہو گئے۔ تب خدا تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو کھڑا کر کے دوبارہ اپنی قدرت کا نمونہ دکھایا اور اسلام کو نابود ہوتے ہوتے تھام لیا اور اُس وعدہ کو پورا کیا جو فرمایا تھا وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا[9]۔ یعنی خوف کے بعد پھر ہم ان کے پیر جما دیں گے۔ ایسا ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ہوا جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر اور کنعان کی راہ میں پہلے اِس سے جو بنی اسرائیل کو وعدہ کے موافق منزل مقصود تک پہنچا دیں فوت ہو گئے اور بنی اسرائیل میں اُن کے مرنے سے ایک بڑا ماتم برپا ہوا جیسا کہ توریت میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل اس بے وقت موت کے صدمہ سے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ناگہانی جدائی سے چالیس دن تک روتے رہے۔ ایسا ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ معاملہ ہوا۔ اور صلیب کے واقعہ کے وقت تمام حواری تتر بتر ہو گئے اور ایک ان میں سے مرتد بھی ہو گیا''۔[10]

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے گرتی ہوئی جماعت کو سنبھالنے کے لئے وہی طریق بتایا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے بعد عمل میں آیا یعنی

خلفاء ہوئے۔لیکن جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تبلیغ کا حکم فرمایا ہے وہاں یہ لکھا ہے۔

''اور چاہئے کہ جماعت کے بزرگ جو نفس پاک رکھتے ہیں میرے نام پر میرے بعد لوگوں سے بیعت لیں خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اُن تمام روحوں کو جو زمین کی متفرق آبادیوں میں آباد ہیں کیا یورپ اور کیا ایشیا اُن سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں توحید کی طرف کھینچے اور اپنے بندوں کو دینِ واحد پر جمع کرے یہی خدا تعالیٰ کا مقصد ہے جس کے لئے میں دنیا میں بھیجا گیا سو تم اس مقصد کی پیروی کرو مگر نرمی اور اخلاق اور دعاؤں پر زور دینے سے''۔[۱۱]

تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو کچھ اپنی جماعت کے متعلق فرمایا ہے ویسا ہی حضرت مسیحؑ نے بھی لکھا ہے۔ البتہ مسیح ناصری نے پطرس کا نام لے کر اس کے سپرد اپنی بھیڑوں (مریدوں) کو کیا تھا لیکن چونکہ مسیح محمدی کا ایمان اس سے زیادہ تھا اس لئے اس نے کسی کا نام نہیں لیا اور اللہ تعالیٰ کے سپرد اس معاملہ کو کر دیا کہ وہ جس کو چاہے گا کھڑا کر دے گا۔ اِدھر ایک جماعت کو حکم دے دیا کہ یہ ''میرے نام پر میرے بعد لوگوں سے بیعت لیں''۔ہم کہتے ہیں کہ یہ سب احمدیوں کا فرض ہے کہ وہ ایسا کریں۔تو جس طرح حضرت عیسیٰؑ نے اپنی جماعت کو پطرس کے حوالہ کیا اسی طرح مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی جماعت کو ایک آدمی کے ماتحت رہنے کا حکم دیا اور جس طرح حضرت عیسیٰؑ نے اپنے حواریوں کو تبلیغ کا حکم دیا اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی جماعت کے لوگوں کو اپنے نام پر بیعت لینے کا حکم دیا۔

اس کے بعد میں کچھ واقعات بیان کرتا ہوں جو لوگ بیٹھے ہوئے ہیں وہ غور سے سنیں اور جو نہیں بیٹھے ہوئے انہیں پہنچا دیں۔ جب حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل سخت بیمار ہو گئے تو میں نے اپنے اختلاف پر غور کیا اور بہت غور کیا۔ جب میں نے یہ دیکھا کہ جماعت کا ایک حصہ عقائد میں ہم سے خلاف ہے تو میں نے کہا کہ یہ لوگ ہماری بات تو نہیں مانیں گے آؤ ہم ہی ان کی مان لیتے ہیں۔ میں نے بہت غور کر کے ایک شخص کی نسبت خیال کیا کہ اگر کوئی جھگڑا پیدا ہوا تو پہلے میں اس کی بیعت کر لوں گا پھر میرے ساتھ جو ہوں گے وہ بھی کر لیں گے اور

اس طرح جماعت میں اتحاد اور اتفاق قائم رہ سکے گا۔ حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات کے دن پچھلے پہر وہ شخص مجھے ملا اور میرے ساتھ سیر کو چل پڑا اور اُس نے مجھے کہا کہ ابھی خلیفہ کی بحث نہ کی جائے جب باہر سے سب لوگ آ جائیں گے تو اس مسئلہ کو طے کر لیا جائے گا۔ میں نے کہا دو دن تک لوگ آ جائیں گے اس وقت اس بات کا فیصلہ ہو جائے۔ اس نے کہا نہیں سات آٹھ ماہ تک یونہی کام چلے پھر دیکھا جائے گا اتنی جلدی کی ضرورت ہی کیا ہے۔ میں نے کہا کہ اگر اس معاملہ میں میری رائے پوچھتے ہو تو میں تو یہی کہوں گا کہ خلافت کا مسئلہ نہایت ضروری ہے اور جس قدر بھی جلدی ممکن ہو سکے اس کا تصفیہ ہو جانا چاہیے۔ میں نے کہا کہ کیا آپ کوئی ایسا خاص کام بتا سکتے ہیں کہ حضرت خلیفہ اوّل کے زمانہ میں اگر آپ خلیفہ نہ ہوتے تو وہ رُک جاتا اور جس کی وجہ سے فوراً ان کو خلیفہ بنانے کی حاجت پڑی۔ اگر اُس وقت کوئی ایسا خاص کام نہ ہوتے ہوئے پھر بھی ان کی ضرورت تھی تو اب بھی ہر وقت ایک خلیفہ کی ضرورت ہے۔ خلیفہ کا تو یہ کام ہوتا ہے کہ جماعت میں جب کوئی نقص پیدا ہو جائے تو وہ اُسے دور کر دے نہ کہ وہ مشین ہوتی ہے جو ہر وقت کام ہی کرتی رہتی ہے۔ آپ کو کیا معلوم ہے کہ آج ہی جماعت میں کوئی جھگڑا پیدا ہو جائے تو پھر کون اس کا فیصلہ کرے گا۔ میں نے کہا کہ ہماری طرف سے خلافت کے متعلق کوئی جھگڑا نہیں پیدا ہو سکتا آپ کوئی آدمی پیش کریں میں اس کی بیعت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ کچھ اور لوگوں کو بھی مجھ سے محبت ہے وہ بھی اس کی بیعت کر لیں گے اور کچھ لوگ آپ سے تعلق رکھنے والے ہیں وہ بھی بیعت کر لیں گے اس طرح یہ معاملہ طے ہو جائے گا۔ پھر میں نے کہا یہ بحث نہیں ہونی چاہئے کہ خلیفہ ہو یا نہ ہو بلکہ اس بات پر بحث ہو سکتی ہے کہ کون خلیفہ ہو۔ اُس وقت پھر میں نے یہ کہا کہ آپ اپنے میں سے کوئی آدمی پیش کریں میں اُس کی بیعت کرنے کے لئے تیار ہوں مگر میں یہ کبھی بھی نہیں مان سکتا کہ کوئی خلیفہ نہ ہو۔ اگر تمام لوگ اس خیال کو چھوڑ دیں اور اس خیال کے صرف چند آدمی رہ جائیں تب بھی ہم کسی نہ کسی کی بیعت کر لیں گے اور ایک کو خلیفہ بنائیں گے مگر ہم یہ کبھی نہ مانیں گے کہ خلیفہ نہ ہو۔ دوسرا آدمی خواہ کوئی ہو، غیر احمدیوں کو کافر کہے یا نہ کہے، ان کے پیچھے نماز جائز سمجھے یا نہ سمجھے ان سے تعلقات رکھے یا نہ رکھے ایک خلیفہ

چاہیئے تا کہ جماعت کا اتحاد قائم رہے اور ہم اس کی بیعت کرنے کے لئے تیار ہیں۔ یہ گفتگو بیچ میں ہی رہی اور کوئی فیصلہ نہ ہوا اور تجویز ہوئی کہ اس پر مزید غور کے بعد پھر گفتگو ہو اور دوسرے دوست بھی شامل کئے جائیں۔ دوسرے دن پانچ سات آدمی مشورہ کے لئے آئے اور اس بات پر بڑی بحث ہوئی کہ خلافت جائز ہے یا نہیں۔ بڑی بحث مباحثہ کے بعد جب وقت تنگ ہو گیا تو میں نے کہا اب صرف ایک ہی طریق ہے اور وہ یہ کہ جو لوگ خلیفہ کی ضرورت سمجھتے ہیں وہ اپنا ایک خلیفہ بنا کر اس کی بیعت کر لیں۔ ہم ایسے لوگوں کو ایک جگہ جمع کر کے مشورہ پوچھتے ہیں۔ آپ لوگ جو کہ خلیفہ ہونا ناجائز سمجھتے ہیں وہاں تشریف نہ لائیں تا کہ کسی قسم کا جھگڑا نہ ہو۔ اس کے بعد ہم یہاں (مسجد نور میں) آ گئے۔ وہ لوگ بھی یہیں آ پہنچے۔ پھر جو خدا کو منظور تھا وہ ہوا۔ اُس وقت جو لوگ میرے پاس بیٹھے تھے وہ خوب جانتے ہیں کہ اُس وقت میری کیا حالت تھی۔ اگر میں نے پہلے سے کوئی منصوبہ سازی کی ہوتی تو چاہیے تھا کہ پہلے سے ہی میں نے بیعت کے الفاظ یاد کئے ہوتے لیکن اُس وقت ایک شخص مجھے بتلاتا گیا اور میں وہ الفاظ کہتا گیا۔

کیا یہی منصوبہ باز کا حال ہوتا ہے؟

تیسرا اعتراض اور اُس کا جواب

پھر کہتے ہیں کہ اُس وقت ایک شخص تقریر کرنے کے لئے کھڑا ہوا تو اُس کو کہا گیا کہ بیٹھ جاؤ۔ اس سے اس کی ہتک ہوئی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اُس وقت اس کو اگر مار بھی پٹتی تو کوئی حرج نہ تھا کیونکہ یہی تو خلیفہ کی ضرورت تھی جس کا وہ انکار کرتا تھا۔ اس نے دیکھ لیا کہ نورالدین خلیفۃ المسیح نے ہی اس کی عزت سنبھالی ہوئی تھی اس کی آنکھ بند ہوتے ہی وہ ذلیل ہو گیا اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ خلیفہ کی فوراً ضرورت ہوتی ہے نہ کہ سات آٹھ ماہ کے بعد جا کر اس کی حاجت پیش آتی ہے مگر مجھے اس معاملہ کے متعلق کچھ علم نہیں تھا کہ کون بولنے کے لئے کھڑا ہوا ہے اور کس نے منع کیا ہے۔ اس مسجد سے باہر جا کر مجھے ایک شخص نے سنایا کہ ایک آدمی کہتا ہے کہ واقعی قادیان ہسپتال ہے اور اس میں رہنے والے سارے مریض

ہیں۔ میں نے پوچھا یہ اس نے کیوں کہا؟ تو اس نے جواب دیا کہ وہ کہتا ہے کہ اس وقت مولوی محمد علی بولنے کے لئے کھڑے ہوئے تھے ان کو بولنے نہیں دیا گیا جس سے ان کی ہتک ہوئی ہے اُس وقت مجھے اس بات کا علم ہوا اور اگر اُسی وقت مجھے علم ہو جاتا تو میرا کیا حق تھا کہ میں کسی کو روک دیتا اور ایسا نہ کرنے دیتا اور لوگوں کو مجھ سے اُس وقت کون سا تعلق تھا جس کی وجہ سے وہ میری بات ماننے کے لئے تیار ہو جاتے۔ اُس وقت تک تو کوئی شخص جماعت کا امام مقرر نہ ہوا تھا۔

ایک اور واقعہ

اس کے بعد ایک اور واقعہ ہوا اور وہ یہ کہ میں نے سنا کہ مولوی محمد علی صاحب قادیان کو چھوڑ کر جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ میں نے اُنہیں لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ یہاں سے جانا چاہتے ہیں آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ آپ اپنی تکلیف مجھے لکھیں کہ آپ کو کیا تکلیف ہے؟ میں نے لکھ کر ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کو دیا کہ آپ ان کے پاس لے جائیں۔ میں نے کسی ملازم وغیرہ کے ہاتھ خط دے کر اس لئے نہ بھیجا تا کہ وہ یہ نہ کہیں کہ کسی اور آدمی کے ہاتھ خط بھیجنے سے میری ہتک ہوئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو میں نے یہ بھی کہا کہ آپ جا کر ان سے پوچھیں کہ آپ یہاں سے کیوں جاتے ہیں؟ اگر آپ کو کوئی تکلیف ہے تو میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ بھلا ہم قادیان کو چھوڑ کر کہیں جا سکتے ہیں؟ آپ کو معلوم ہی ہے کہ میں نے چھٹی لی ہوئی ہے اسے پورا کرنے کے لئے جاتا ہوں۔ جواب کے آخر میں یہ بھی لکھا تھا کہ میرے جانے کی یہ وجہ بھی ہے کہ آجکل چونکہ بعض طبائع میں جوش ہے اس لئے میں نے خیال کیا ہے کہ کچھ عرصہ باہر رہوں تا کہ جوش کم ہو جائے ایسا نہ ہو پٹھانوں میں سے کوئی جوش میں مجھ پر حملہ کر بیٹھے۔ لیکن اس خط میں زیادہ تر زور اس بات پر دیا گیا تھا کہ ہم قادیان چھوڑ کر کہاں جا سکتے ہیں؟ میں تو چھٹی کے ایام باہر گزارنے کے لئے جاتا ہوں۔ اس کے بعد میں ان سے ملنے کے لئے اُن کے گھر گیا۔ میرے ساتھ نواب صاحب بھی تھے۔ جب ہم ان کے پاس جا کر بیٹھے تو کچھ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوئیں۔ ترجمہ قرآن کے متعلق کچھ گفتگو ہوئی۔ پھر ڈاکٹر صاحب نے اصل مطلب کی طرف کلام کی رَو پھیرنے کے لئے کہا کہ میاں صاحب آپ کے

خط پر خود آپ کے پاس آئے ہیں۔ابھی یہ بات اُنہوں نے کہی ہی تھی کہ مولوی صاحب نے ایک ایسی حرکت کی جس سے ہم نے سمجھا کہ یہ ہمیں ٹالنا چاہتے ہیں۔ممکن ہے کہ ان کا مطلب یہ نہ ہو اس وقت انہیں کم از کم یہ تو خیال کرنا چاہیے تھا کہ ہم گو اسے نہیں مانتے لیکن جماعت کے ایک حصہ نے اس کو امام تسلیم کیا ہے۔ایک آدمی جس کا نام بگا ہے وہ کوٹھی کے باہر اُن کو نظر آیا اُنہوں نے فوراً اُس کو آواز دی کہ آ میاں بگا تو لاہور سے کب آیا؟ کیا حال ہے؟ اور اُس سے اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں۔ یہ دیکھ کر ہم اُٹھ کر چلے آئے۔ میں نے ان کی اس حرکت سے یہ نتیجہ نکالا کہ شاید وہ اس معاملہ کے متعلق گفتگو کرنی ہی نہیں چاہتے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ ۔ان کی یہ منشاء تھی یا نہ لیکن میرے دوسرے ساتھیوں کا بھی ایسا ہی خیال تھا اس لئے ہم چلے آئے۔

اتحاد کی کوشش

اِن باتوں کے علاوہ میں نے قوم کے اتحاد اور اتفاق کے قائم رکھنے کے لئے اور بھی تجویزیں کیں۔ جب حضرت خلیفۃ المسیح کی حالت بہت نازک ہوگئی اور مجھے معلوم ہوا کہ بعض لوگ مجھے فتنہ گر کہتے ہیں تو میں نے ارادہ کر لیا کہ میں قادیان سے چلا جاؤں اور جب اس بات کا فیصلہ ہو جائے تو پھر آ جاؤں گا۔ میں نواب صاحب کی کوٹھی سے جہاں حضرت خلیفۃ المسیح بستر علالت پر پڑے تھے گھر آیا اپنی بیٹھک کے دروازے کھول کر نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے مولیٰ! اگر میں فتنہ کا باعث ہوں تو مجھے اس دنیا سے اُٹھا لیجئے یا مجھے توفیق دیجئے کہ میں قادیان سے کچھ دنوں کے لئے چلا جاؤں۔ دعا کرنے کے بعد پھر میں نواب صاحب کی کوٹھی پر آیا۔مگر اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہی ڈالا کہ ہم ذمہ دار ہوں گے تم یہاں سے مت جاؤ۔ میں ایک دفعہ قسم کھا چکا ہوں اور پھر اُسی ذات کی قسم کھاتا ہوں جس کے قبضہ میں میری جان ہے اور جو اس گھر (مسجد) کا مالک ہے اور میں اسی کی قسم کھا کر کہتا ہوں جو آسمان اور زمین کا حاکم ہے اور جس کی جھوٹی قسم لعنت کا باعث ہوتی ہے اور جس کی لعنت سے کوئی جھوٹا بچ نہیں سکتا کہ میں نے کسی آدمی کو کبھی نہیں کہا کہ مجھے خلیفہ بنانے کے لئے کوشش کرو اور نہ ہی کبھی خدا تعالیٰ کو میں نے یہ کہا کہ مجھے خلیفہ بنائیو۔پس جب کہ خدا تعالیٰ نے مجھے اس کام کے لئے خود اپنے

فضل سے چن لیا ہے تو میں کس طرح اسے ناپسند کرتا؟ کیا اگر تمہارا کوئی دوست تمہیں کوئی نعمت دے اور تم اس کو لے کر نالی میں پھینک دو تو تمہارا دوست خوش ہوگا؟ اور تمہاری یہ حرکت درست ہوگی؟ ہرگز نہیں۔ تو اگر خدا تعالیٰ نعمت دے تو کون ہے جو اس کو ہٹا سکے۔ جب دنیا کے دوستوں کی نعمتوں کو کوئی ردّ نہیں کرتا بلکہ بڑی عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو میں خدا تعالیٰ کی دی ہوئی اس نعمت کو کس طرح ردّ کر دوں کیونکہ خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو ردّ کرنے والوں کے بڑے بڑے خطرناک انجام ہوتے رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کی قوم کے لوگ طُور پر گئے۔ خدا تعالیٰ نے اُن کو فرمایا تھا کہ آ ؤ ہم تم سے کلام کریں۔ وہاں جب زلزلہ آیا تو وہ ڈر گئے اور کہنے لگے کہ ہم خدا کی باتوں کو نہیں سننا چاہتے اور واپس چلے آئے۔ خدا تعالیٰ نے ان کو اس نعمت کی ناقدری میں یہ سزا دی کہ فرمایا اب تم سے کوئی شرعی نبی برپا نہیں کیا جائے گا بلکہ تمہارے بھائیوں میں سے کیا جائے گا۔ تو خدا تعالیٰ کی نعمت کو ردّ کرنے والوں کی نسبت جب میں یہ دیکھ چکا ہوں تو پھر خدا کی نعمت کو میں کس طرح ردّ کر دیتا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ خدا جس نے مجھے اس کام کے لئے چنا ہے وہ خود میرے پاؤں کو مضبوط کر دے گا اور مجھے استقامت اور استقلال بخشے گا۔ پس اگر مجھے خلیفہ ماننے والے بھی سب کے سب نہ ماننے والے ہو جاتے اور کوئی بھی مجھے نہ مانتا اور ساری دنیا میری دشمن اور جان کی پیاسی ہو جاتی جو کہ زیادہ سے زیادہ یہی کرتی کہ میری جان نکال لیتی تو بھی میں آخری دم تک اس بات پر قائم رہتا اور کبھی خدا تعالیٰ کی نعمت کے ردّ کرنے کا خیال بھی میرے دل میں نہ آتا کیونکہ یہ غلطی بڑے بڑے خطرناک نتائج پیدا کرتی ہے۔

امام حسنؓ کا واقعہ

امام حسنؓ سے یہی غلطی ہوئی تھی جس کا بہت خطرناک نتیجہ نکلا۔ گو یہ غلطی ان سے ایک خاص اعتقاد کی بناء پر ہوئی اور وہ یہ کہ بیٹا باپ کے بعد خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ کا اعتقاد تھا اور میرا بھی یہی اعتقاد ہے اور یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے اپنے بعد انتخاب خلیفہ کے متعلق فرمایا کہ میرے بیٹے سے اس میں مشورہ لیا جائے لیکن اس کو خلیفہ بننے کا حق نہ ہوگا۔ حضرت علیؓ نے اپنے بیٹے امام حسنؓ کو اپنے بعد خلیفہ مقرر کیا۔ ان کی نیت نیک تھی کیونکہ اور کوئی ایسا انسان نہ تھا جسے خلیفہ بنایا جا سکتا

اور جو خلافت کا اہل ہوتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسنؓ بھی حضرت عمرؓ کا سا ہی خیال رکھتے تھے یعنی یہ کہ باپ کے بعد بیٹا خلیفہ نہیں ہونا چاہیے اس لئے اُنہوں نے بعد میں معاویہؓ سے صلح کر لی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے بعد امام حسینؓ اور ان کا سب خاندان شہید ہو گیا۔ ایک دفعہ اُنہوں نے خدا کی نعمت کو چھوڑا۔ خدا تعالیٰ نے کہا اچھا اگر تم اس نعمت کو قبول نہیں کرتے تو پھر تم میں سے کسی کو یہ نہ دی جائے گی۔ چنانچہ پھر کوئی سیّد کبھی بادشاہ نہیں ہوا سوائے چھوٹی چھوٹی حکومتوں کے سیّدوں کو حقیقی بادشاہت اور خلافت کبھی نہیں ملی۔ امام حسنؓ نے خدا کی دی ہوئی نعمت واپس کر دی جس کا نتیجہ بہت تلخ نکلا۔ تو خدا تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو ردّ کرنا کوئی معمولی بات نہیں۔

اس شخص کو خدا کی معرفت سے کوئی حصہ نہیں ملا اور وہ خدا کی حکمتوں کے سمجھنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتا جو مجھے کہتا ہے کہ آپ خلافت کو چھوڑ دیں۔ اس نادان کو کیا معلوم ہے کہ اس کے چھوڑنے کا کیا نتیجہ ہوگا۔ پس حضرت عثمانؓ کی طرح میں نے بھی کہا کہ جو قبا مجھے خدا تعالیٰ نے پہنائی ہے وہ میں کبھی نہیں اُتاروں گا خواہ ساری دنیا اس کے چھیننے کے درپے ہو جائے۔ پس میں اب آگے ہی آگے بڑھوں گا خواہ کوئی میرے ساتھ آئے یا نہ آئے۔ مجھے خدا تعالیٰ نے بتایا ہے کہ ابتلاء آئیں گے مگر انجام اچھا ہوگا۔ پس کوئی میرا مقابلہ کر کے دیکھ لے خواہ وہ کوئی ہو اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی میں کامیاب رہوں گا اور مجھے کسی کے مقابلہ کی خدا کے فضل سے کچھ بھی پرواہ نہیں ہے۔

بعض باتیں ایسی ہیں جو کہ میں خود ہی سنا سکتا ہوں کسی کو کیا معلوم ہے کہ مجھ پر کتنا بڑا بوجھ رکھا گیا ہے بعض دن تو مجھ پر ایسے آتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ شام تک میں زندہ نہیں رہوں گا۔ اُس وقت میں یہی خیال کرتا ہوں کہ جتنی دیر زندہ ہوں اتنی دیر کام کئے جاتا ہوں۔ جب میں نہ رہوں گا تو خدا تعالیٰ کسی اور کو اس کام کے لئے کھڑا کر دے گا مجھے اپنی زندگی تک اس کام کی فکر ہے جو میرے سپرد خدا تعالیٰ نے کیا ہے بعد کی مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔ یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ نے ہی چلایا ہے اور وہی اس کا انتظام کرتا رہے گا۔

خلافت کیا گدی بن گئی ہے؟

وہ نادان جو کہتا ہے کہ گدی بن گئی ہے اس کو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں تو یہ جائز ہی نہیں سمجھتا کہ باپ کے بعد بیٹا خلیفہ ہو۔ ہاں اگر خدا تعالیٰ چاہے مأمور کر دے تو یہ الگ بات ہے اور حضرت عمرؓ کی طرح میرا بھی یہی عقیدہ ہے کہ باپ کے بعد بیٹا خلیفہ نہیں ہونا چاہیے۔

پھر کہا جاتا ہے کہ وصیت کے قول کو دیکھو چھ سال کا عمل کیا چیز ہوتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ چھ سال کیا ہوتے ہیں۔ ہم مان لیتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے لے کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام تک کے بارہ سَو سال کے زمانہ کا عمل بھی کوئی چیز نہیں ہوتا اور چھ سال کیا بلکہ اس سارے زمانہ کے عمل کی قربانی کرنے کے لئے ہم تیار ہو جاتے ہیں مگر ہمیں یہ نمونہ کہیں سے نہیں ملتا کہ کسی نبی کی وفات کے بعد ہی اس کی جماعت نے گمراہی پر اجماع کیا ہو۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کو ایک دن بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ جماعت احمدیہ نے خلافت پر اجماع کیا۔ کیا نَعُوْذُ بِاللّٰہِ یہ گمراہی پر اجماع تھا؟ ہرگز نہیں۔

ہمیں یہ سنایا جاتا ہے کہ کیا ہم منافق ہیں؟ ہم کہتے ہیں کہ ہم سب کو منافق نہیں کہتے۔ ہاں جس کے دل میں صداقت کا نام بھی نہیں اور جو بول اُٹھے کہ میں منافق ہوں اسے ہم منافق کہتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ بقول ان کے مان لیا کہ اس وقت جماعت کے بیسویں حصہ نے بیعت کی ہے مگر اُس وقت یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے وقت تو ساری جماعت نے ایک خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ وہ کہہ سکتے ہیں کہ اُس وقت جماعت نے گمراہی پر اجماع کیا تھا لیکن یہ نظیر پہلے کہیں سے نہ ملے گی۔ حضرت مسیحؑ کی وفات پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام بہت بڑی دلیل تو فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ [۱۲] کی دیا کرتے تھے اور دوسری بڑی بھاری دلیل صحابہؓ کے ''اجماع'' کو بتلاتے تھے۔ مگر آج کہا جاتا ہے کہ مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد چھ سال تک جماعت احمدیہ کا اجماع گمراہی پر رہا ہے۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کے بعد جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھا اور آپ کی صحبت سے فیض اُٹھایا دوسرے لوگ کسی غلط مسئلہ پر اجماع کر لیں مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ کے صحابی ایسا کریں۔ اگر یہ لوگ ہی ایسا کریں تو حضرت مسیح موعود

علیہ السلام کے دنیا میں آنے کا فائدہ ہی کیا ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ ہم میں سے کچھ لوگ کمزور بھی ہیں لیکن کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت منافقوں کا گروہ نہیں تھا؟ اور کیوں بعض اشخاص کو جو کہ آپ کے صحابہ کے گروہ میں شامل رہتے تھے اب رضی اللہ عنہ نہیں کہا جاتا حتّٰی کہ ان کو صحابی بھی نہیں کہا جاتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ منافق تھے۔ وہ زبان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے تھے لیکن ان کا دل نہیں مانتا تھا۔ اسی طرح اب ہم کہتے ہیں کہ جو دل سے مسیح موعود علیہ السلام کے احکام کو مانتے رہے اور مانتے ہیں ان کو ہم آپ کے صحابہ میں سے کہیں گے اور جو نہیں مانیں گے ان کو نہیں کہیں گے۔ کیا عبداللہ بن ابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں رہتا تھا اور آپ کے صحابہؓ میں شامل نہیں تھا؟ مگر اس کو صحابہ میں اس لئے شامل نہیں کیا جاتا کہ وہ منافق تھا۔ اسی طرح اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ رہنے والوں میں سے کوئی ٹھوکر کھائے تو یہ اُس کا اپنا قصور ہے نہ کہ اس کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت میں رہنا اس ٹھوکر کے نقصان سے اُسے بچا سکتا ہے۔

پھر میں کہتا ہوں کہ یہ ہمارا قیاس ہی قیاس نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد ساری جماعت کو ٹھوکر نہیں لگی بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہام ہوا تھا۔

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

مسیح موعود علیہ السلام اللہ تعالیٰ کو اپنا سرمایہ پیش کرتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرے اور یہ خدا تعالیٰ نے خود فرمایا کہ تم اپنی جماعت کو میرے سپرد کردو ہم اس کی حفاظت کریں گے۔ اب اگر منکرین خلافت کی بات مان لی جائے تو خدا تعالیٰ نے مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت کی اچھی حفاظت کی کہ اس کا پہلا اجماع ضلالت پر کروا دیا۔ مسیح موعود علیہ السلام نے جماعت کو خدا کے سپرد کیا تھا خدا نے اس جماعت کو نورالدین کے سپرد کر دیا۔ جس کی نسبت (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) کہا جاتا ہے کہ گمراہی تھی۔ کیا خدا تعالیٰ کو یہ طاقت نہ تھی کہ نورالدین سے جماعت کو چھڑا لیتا اور گمراہ نہ ہونے دیتا؟ طاقت تھی لیکن اس نے ایسا نہیں کیا جس سے ثابت ہوا کہ جماعت کا اجماع غلطی پر نہ تھا بلکہ خدا تعالیٰ کی منشاء کے ماتحت تھا۔

یہی باتیں نہیں ہیں جنہوں نے مجھے اپنی بات پر قائم رکھا بلکہ ان سے بھی بڑھ کر ہیں اور میں نے اپنے قیاس پر ہی اس بات کو نہیں چلایا بلکہ یقینی امور پر سمجھا ہے اور وہ ایسی باتیں ہیں کہ جن کی وجہ سے میں اس سے ہٹ نہیں سکتا۔ اور وہ زمین کی گواہی نہیں ہے بلکہ آسمان کی گواہی ہے۔ وہ آدمیوں کی گواہی نہیں بلکہ خدا کی گواہی ہے۔ پس میں اس بات کو کس طرح چھوڑ سکتا ہوں۔ ساری دنیا بھی اگر مجھے کہے کہ یہ بات غلط ہے تو میں کہوں گا کہ تم جھوٹے ہو اور جو کچھ خدا تعالیٰ کہتا ہے وہی سچ ہے کیونکہ خدا ہی سب سچوں سے سچا ہے۔

صلح کیونکر ہو؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپس میں صلح ہو جانی چاہیے۔ کیا ان لوگوں کا جو یہ عقیدہ ہے کہ خلیفہ نہیں ہونا چاہیے وہ اس کو چھوڑ دیں گے؟ یا ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ خلیفہ ہونا چاہیے ہم اسے چھوڑ دیں گے؟ اگر نہیں چھوڑیں گے تو دونہایت متضاد خیالات کے لوگوں کا اکٹھا کام کرنا اور ہر ایک کا یہ خیال کرنا کہ دوسرے فریق کے خیالات سلسلہ کے لئے سخت نقصان دہ ہیں اَور زیادہ اختلاف کا باعث ہوگا یا امن کا؟ میں تو صلح کے لئے تیار ہوں اور میں اس باپ کا بیٹا ہوں جس کو صلح کا شہزادہ کہا گیا ہے لیکن وہ صلح جو دین کی تباہی کا باعث ہوتی ہو وہ میں کبھی قبول نہیں کر سکتا۔ مگر وہ صلح جس میں راستی کو نہ چھوڑنا پڑے اس کے کرنے کے لئے مجھ سے زیادہ اور کوئی تیار نہیں ہے مجھے حضرت مسیح کی وہ تمثیل بہت ہی پسند ہے جو کہ لوقا باب ۱۵ میں لکھی ہے کہ ''کسی شخص کے دو بیٹے تھے۔ ان میں سے چھوٹے نے باپ سے کہا کہ اے باپ! مال کا جو حصہ مجھ کو پہنچتا ہے مجھے دے۔ اس نے اپنا مال متاع انہیں بانٹ دیا اور بہت دن نہ گزرے کہ چھوٹا بیٹا اپنا سب کچھ جمع کر کے دُور دراز مُلک کو روانہ ہوا اور وہاں اپنا مال بَد چلنی میں اُڑا دیا اور جب سب خرچ کر چکا تو اس مُلک میں سخت کال پڑا اور وہ محتاج ہونے لگا۔ پھر اس مُلک کے ایک باشندہ کے ہاں جا پڑا۔ اس نے اس کو اپنے کھیتوں میں سؤر چرانے بھیجا اور اسے آرزو تھی کہ جو پھلیاں سؤر کھاتے تھے انہیں سے اپنا پیٹ بھرے مگر کوئی اسے نہ دیتا تھا۔ پھر اس نے ہوش میں آ کر کہا کہ میرے باپ کے کتنے ہی مزدوروں کو روٹی افراط سے ملتی ہے اور میں یہاں بھوکا مَر رہا ہوں۔ میں اُٹھ کر اپنے باپ کے پاس جاؤں گا اور اس سے کہوں گا کہ اے باپ! میں آسمان کا اور تیری نظر

میں گنہگار رہوااب اس لائق نہیں رہا کہ پھر تیرا بیٹا کہلاؤں مجھے اپنے مزدوروں جیسا کر لے۔ پس وہ اُٹھ کر اپنے باپ کے پاس چلا۔ وہ ابھی دور ہی تھا کہ اسے دیکھ کراس کے باپ کو ترس آیا اور دَوڑ کر اُس کو گلے لگا لیا اور بوسے لئے۔ بیٹے نے اس سے کہا کہ اے باپ! میں آسمان کا اور تیری نظر میں گنہگار رہوا۔ اب اس لائق نہیں رہا کہ پھر تیرا بیٹا کہلاؤں۔ باپ نے اپنے نوکروں سے کہا کہ اچھے سے اچھا جامہ جلد نکال کر اسے پہناؤ۔ اور اس کے ہاتھ میں انگوٹھی اور پاؤں میں جوتی پہناؤ۔ اور پلے ہوئے بچھڑے کو لا کر ذبح کرو تا کہ ہم کھا کر خوشی منائیں کیونکہ میرا یہ بیٹا مُردہ تھا اب زندہ ہوا۔ کھویا ہوا تھا اب ملا ہے۔ پس وہ خوشی منانے لگے لیکن اس کا بڑا بیٹا کھیت میں تھا جب وہ آکر گھر کے نزدیک پہنچا تو گانے بجانے اور ناچنے کی آواز سنی اور ایک نوکر کو بُلا کر دریافت کرنے لگا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ اس نے اس سے کہا تیرا بھائی آ گیا ہے اور تیرے باپ نے پلا ہوا بچھڑا ذبح کرایا ہے اس لئے کہ اسے بھلا چنگا پایا۔ وہ غصے ہوا اور اندر جانا نہ چاہا مگر اس کا باپ باہر جاکے اُسے منانے لگا۔ اس نے اپنے باپ سے جواب میں کہا کہ دیکھ اتنے برس سے میں تیری خدمت کرتا ہوں اور کبھی تیری حکم عدولی نہیں کی مگر مجھے تو نے کبھی ایک بکری کا بچہ بھی نہ دیا کہ اپنے دوستوں کے ساتھ خوشی مناتا لیکن جب تیرا یہ بیٹا آیا جس نے تیرا مال متاع کسبیوں میں اُڑا دیا تو اس کے لئے تُو نے پلا ہوا بچھڑا ذبح کرایا۔ اس نے اس سے کہا بیٹا تُو تو ہمیشہ میرے پاس ہے اور جو کچھ میرا ہے وہ تیرا ہی ہے لیکن خوشی منانی اور شادمان ہونا مناسب تھا کیونکہ تیرا یہ بھائی مُردہ تھا اب زندہ ہوا۔ کھویا ہوا تھا اب ملا ہے''۔ [۱۳]

سو میں بہت وسعتِ حوصلہ رکھتا ہوں۔ اگر کوئی پچھتاتا ہوا آئے تو میں اس کی آمد پر بہ نسبت ان کے بہت خوش ہوں گا جنہوں نے پہلے دن بیعت کر لی تھی کیونکہ وہ گمراہ نہیں ہوئے اور یہ گمراہ ہو گیا تھا۔ وہ کھوئے نہیں گئے اور یہ کھویا گیا تھا لیکن مل گیا ہے۔ باپ اپنے بیٹوں کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے مگر اس باپ سے بیٹے کے دیکھنے کی خوشی پوچھو جس کا بیٹا بیمار ہو کر تندرست ہو گیا ہو۔ میں نفاق کی صلح ہرگز پسند نہیں کرتا۔ ہاں جو صاف دل ہو کر اور اپنی غلطی کو چھوڑ کر صلح کے لئے آگے بڑھے میں اس سے زیادہ اس کی طرف بڑھوں گا۔

ایک ضروری بات

میں اب ایک اور بات بتا تا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جو منافقت کی صلح کرنی چاہتے ہیں وہ یادرکھیں کہ یہ کبھی نہیں ہوسکے گی کیونکہ پچھلے دنوں میں جو کچھ ہوا ہے وہ منشاءِ الٰہی کے مطابق ہوا ہے۔ ہم میں شامل ہونے والے تو آئیں گے اور آتے ہی رہیں گے اور ان کو وہی رُتبہ اور درجہ دیا جائے گا جو اُن کا پہلے تھا مگر جو ہونا تھا وہ ہوگیا اس کو روکنا کسی انسان کی طاقت اور قدرت میں نہیں ہے۔ یہ جو فتنہ پڑا ہے اس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے قبل از وقت خبر دے دی تھی۔ کمزور دل کے لوگ کہتے ہیں کہ اب کیا ہوگا، احمد یہ سلسلہ ٹوٹ جائے گا۔ میں کہتا ہوں کہ اس فتنہ سے سلسلہ ٹوٹتا نہیں بلکہ بنتا ہے مبارک ہے وہ انسان جو اس نکتہ کو سمجھے۔ اللہ تعالیٰ کے پیارے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب خدا تعالیٰ انہیں ایک زخم لگاتا ہے تو ان کی جماعت اور بڑھتی اور ترقی کرتی ہے۔ کیا تم نے کبھی باغبان کو دیکھا نہیں جب وہ کسی درخت کی شاخیں کاٹتا ہے تو اور زیادہ شاخیں اُس کی نکل آتی ہیں۔ پس خدا تعالیٰ نے جو اِس سلسلہ احمدیہ کے درخت کی کچھ شاخیں کاٹی ہیں تو اس لئے نہیں کہ یہ درخت سُوکھ جائے بلکہ اس لئے کہ اور زیادہ بڑھے۔ سو یہ مت سمجھو کہ اس فتنہ کی وجہ سے لوگ سمجھیں گے کہ یہ سلسلہ جھوٹا ہے کیونکہ یہ تو اس کی صداقت کو ظاہر کرتا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیاں پوری ہوئی ہیں۔ اگر کوئی نبی بیمار ہو جائے اور اس کے مخالفین خوش ہوں کہ یہ اب فوت ہو جائے گا لیکن وہ انہیں اپنا الہام نکال کر دکھا دے کہ میرا بیمار ہونا تو میری صداقت کی دلیل ہے کیونکہ مجھے پہلے بتایا گیا تھا کہ تو بیمار ہوگا تو اس بیماری سے اس نبی کی صداقت پر کوئی دھبہ نہیں لگتا بلکہ اس کی صداقت اَور ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح جب اِس فتنہ کے لئے پہلے خبریں دی گئی تھیں تو یہ ہماری ترقی میں کوئی روک نہیں ہوسکتا بلکہ اور زیادہ ترقی کے لئے اس فتنہ کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے ہمیں دلائل و براہین کی تلواریں دے دی ہیں تا کہ نہ ماننے والوں کو دلائل کے ساتھ قتل کرتے پھریں۔

فتنہ کا ہونا ضروری تھا

(۱) دیکھو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۷؍دسمبر۱۸۹۲ء کو اپنا ایک رؤیا بیان فرمایا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ میں حضرت

علی کرم اللہ وجہہ بن گیا ہوں یعنی خواب میں ایسا معلوم کرتا ہوں کہ وہی ہوں اور خواب کے عجائبات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بعض اوقات ایک شخص اپنے تئیں دوسرا شخص خیال کر لیتا ہے سو اُس وقت میں سمجھتا ہوں کہ میں علی مرتضٰی ہوں اور ایسی صورت واقعہ ہے کہ ایک گروہ خوارج کا میری خلافت کا مزاحم ہو رہا ہے یعنی وہ گروہ میری خلافت کے امر کو روکنا چاہتا ہے اور اس میں فتنہ انداز ہے۔ تب میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس ہیں اور شفقت اور تودّد سے مجھے فرماتے ہیں کہ **یَاعَلِیُّ دَعْهُمْ وَاَنْصَارَهُمْ وَزِرَاعَتَهُمْ** یعنی اے علی! ان سے اور ان کے مددگاروں اور ان کی کھیتی سے کنارہ کر اور ان کو چھوڑ دے اور ان سے منہ پھیر لے۔ اور میں نے پایا کہ اس فتنہ کے وقت صبر کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو فرماتے ہیں اور اعراض کے لئے تاکید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تُو ہی حق پر ہے مگر ان لوگوں سے ترکِ خطاب بہتر ہے۔[۱۴] اس رؤیا میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بتایا گیا کہ لوگ تمہاری خلافت کا انکار کریں گے اور فتنہ ڈالیں گے لیکن صبر کرنا ہوگا۔ آپ نے اس رؤیا کے معنی یہ بھی کئے ہیں کہ لوگ میرا انکار کریں گے۔ لیکن خدا تعالیٰ کی باتوں کے کئی معنی ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے الہام **شَاتَانِ تُذْبَحَانِ**[۱۵] کے پہلے اور معنی کئے تھے اور پھر اسے سیّد عبداللطیف صاحب شہید اور مولوی عبدالرحمٰن صاحب پر چسپاں فرمایا اور دونوں ہی معنی درست تھے۔ تو اس رؤیا کے ایک معنی تو یہ بھی ہیں کہ لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا انکار کریں گے۔ لیکن اس کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے بعد جو خلافت ہوگی اس کا انکار ایک جماعت کرے گی اور فتنہ ڈالے گی۔ پس اگر کوئی جماعت خلافت کی منکر نہ ہوتی تو یہ رؤیا کس طرح پوری ہوتی۔

(۲) لوگ کہتے ہیں کہ خلافت کا انکار کرنے والے بڑے آدمی ہیں۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ یہ ٹھیک ہے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام بڑے لوگوں کی نسبت ہی لکھتے ہیں کہ ''پس جو شخص درحقیقت اپنی جان اور مال اور آبرو کو اس راہ میں بچتا نہیں میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ خدا کے نزدیک بیعت میں داخل نہیں بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ ابھی تک ظاہری بیعت کرنے والے بہت ایسے ہیں کہ نیک ظنی کا مادہ بھی ہنوز ان میں کامل نہیں اور ایک کمزور بچہ کی طرح

ہر ایک ابتلاء کے وقت ٹھوکر کھاتے ہیں اور بعض بدقسمت ایسے ہیں کہ شریر لوگوں کی باتوں سے جلد متأثر ہو جاتے ہیں اور بدگمانی کی طرف ایسے دوڑتے ہیں جیسے کتا مردار کی طرف۔ پس میں کیونکر کہوں کہ وہ حقیقی طور پر بیعت میں داخل ہیں مجھے وقتاً فوقتاً ایسے آدمیوں کا علم بھی دیا جاتا ہے۔مگر اِذن نہیں دیا جاتا کہ ان کو مطلع کروں۔ کئی چھوٹے ہیں جو بڑے کئے جائیں گے اور کئی بڑے ہیں جو چھوٹے کئے جائیں گے۔ پس مقامِ خوف ہے''۔ [۱۶] اگر یہ بات جو روزِ ازل سے مقدر ہو چکی تھی اور جس کی خبر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو وقتاً فوقتاً دی جاتی تھی اُس وقت اِس طرح پوری نہ ہوتی کہ جو بڑے تھے وہ چھوٹے نہ کئے جاتے اور وہ جماعت جس کو دبایا جاتا تھا اس کو بڑھایا نہ جاتا تو کس طرح اس کی صداقت ثابت ہوتی۔

(۳) پھر اگر جماعت احمدیہ کے دو گروہ نہ ہوتے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ الہام کس طرح پورا ہوتا کہ ''خدا دو مسلمان فریق میں سے ایک کا ہوگا۔ پس یہ پھوٹ کا ثمرہ ہے۔ [۱۷] یعنی جماعت کے دو گروہ ہو جائیں گے اور ان میں سے خدا ایک کے ہی ساتھ ہوگا۔ اگر کوئی کہے کہ اس سے مراد احمدی اور غیر احمدی ہیں اور اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ وہ اس اختلاف میں احمدیوں کے ساتھ ہوگا تو ہم کہتے ہیں کہ اگر اس سے احمدی اور غیر احمدی مراد ہیں تو الہام اس طرح ہونا چاہیے تھا کہ ''اللہ ایک کا ہے'' نہ کہ ''اللہ ایک کا ہوگا'' کیونکہ حضرت صاحب کا الہام ہے اِنِّیْ مَعَکَ وَمَعَ اَھْلِکَ وَمَعَ کُلِّ مَنْ اَحَبَّکَ [۱۸] (ترجمہ) میں تیرے ساتھ ہوں اور تیرے اہل کے ساتھ ہوں اور ان تمام کے ساتھ جو تجھ سے محبت رکھتے ہیں یا رکھیں گے۔ [۱۹] یعنی اللہ تعالیٰ اِس وقت احمدیوں کے ساتھ ہے۔مگر اس الہام کا لفظ ''ہوگا'' ثابت کرتا ہے کہ اللہ کسی آئندہ زمانہ میں ایک کا ہوگا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس الہام میں احمدی جماعت کے دو گروہوں کی طرف اشارہ ہے۔ پس اگر موجودہ فتنہ نہ ہوتا تو یہ الہام کس طرح پورا ہوتا؟

(۴) پھر وہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحبت یافتہ اور آپ کے بڑے پیارے دوستوں میں سے ہیں۔ ہم کہتے ہیں ٹھیک ہے ایک وقت آپ ایسے ہی تھے لیکن کیا آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وہ الہام یاد نہیں ہے جو کہ شیخ رحمت اللہ صاحب

کے دعا کے عرض کرنے پر صبح کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سنایا تھا کہ میں نے آپ کے لئے دعا کی تھی اور مجھے یہ الہام ہوا ہے شَرُّ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (ترجمہ) شرارت ان لوگوں کی جن پر تو نے انعام کیا۔ [20] آج اگر اِس فتنہ میں بعض وہ لوگ شامل نہ ہوتے جن پر حضرت صاحب انعام فرماتے تھے تو وہ الہام کیونکر پورا ہوتا خصوصاً وہ شخص کہ جس کو مخاطب کر کے آپ نے اپنا یہ الہام سنایا۔

(۵) ایک ۱۳؍ مارچ ۱۹۰۷ء کا الہام ہے ۱۳؍ مارچ کو ہی حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فوت ہوئے۔ ۱۳؍ مارچ کو ہی لاہور سے ٹریکٹ شائع ہوا۔ اگر یہ ٹریکٹ شائع نہ ہوتا تو یہ الہام کہ ’’لاہور میں ایک بے شرم ہے‘‘ [21] کس طرح پورا ہوتا۔

(۶) کہتے ہیں پہلے ہمیں نیک کہا جاتا تھا اب کیوں بُرا بھلا کہا جاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ انسان کی حالت بدلتی رہتی ہے۔ نیک بَد اور بَد نیک ہو جاتے ہیں مبارک انسان وہی ہے جس کا انجام بخیر ہو۔ پھر اگر اِس فتنہ میں بعض لوگ شامل نہ ہوتے جن کو ہم پہلے صالح سمجھا کرتے تھے اور جن کے نیک ارادے ہوا کرتے تھے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ کشف کہ آپ نے مولوی محمد علی صاحب کو رؤیا میں کہا۔ آپ بھی صالح تھے اور نیک ارادہ رکھتے تھے۔ آؤ ہمارے ساتھ بیٹھ جاؤ [22] کیونکر پورا ہوتا۔

(۷) پھر اگر کوئی لاہور میں ۱۹۰۹ء میں لاہور کی جماعت کو جمع کر کے ان سے اس بات کے لئے انگوٹھے نہ لگواتا اور دستخط نہ کرواتا کہ خلیفۃ المسیح کا کوئی دخل نہیں ہے اصل خلیفہ انجمن ہی ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ رؤیا کس طرح پورا ہوتا کہ چھوٹی مسجد کے اوپر تخت بچھا ہوا ہے اور میں اُس پر بیٹھا ہوا ہوں اور میرے ساتھ ہی مولوی نورالدین صاحب بھی بیٹھے ہوئے ہیں ایک شخص (اس کا نام ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں) دیوانہ وار ہم پر حملہ کرنے لگا۔ میں نے ایک آدمی کو کہا کہ اس کو پکڑ کر مسجد سے نکال دو۔ اور اس کو سیڑھیوں سے نیچے اُتار دیا ہے۔ وہ بھاگتا ہوا چلا گیا۔ اور یاد رہے کہ مسجد سے مراد جماعت ہوتی ہے۔

(۸) پھر میں کہتا ہوں کہ اس فتنہ کے دوران میں اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے

خاندان پر حملہ نہ کیا جاتا (اور حضور کے) اہل بیت کے مقابلہ میں بدزبانی کی تلوار نہ کھینچی جاتی تو یہ الہام کہ ''اے میرے اہل بیت! خدا تمہیں شر سے محفوظ رکھے''۔[۲۳] کس طرح پورا ہوتا۔ اگر کوئی شر کھڑا ہی نہیں ہونا تھا تو خدا تعالیٰ نے یہ کیوں کہا تھا؟

(۹) پھر اگر ان کے چال چلن پر حملہ نہ کیا جاتا تو **اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً**[۲۴] اے اہلِ بیت! خدا تعالیٰ نے تم سے ناپاکی دور کرنے کا ارادہ کیا ہے اور تم کو ایسا پاک کرے گا جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے کس طرح سچا ثابت ہوتا؟

(۱۰) اگر بعض لوگ یہ نہ کہتے کہ حضرت (اماں جان) خلافت کے لئے منصوبے باندھتی رہی ہیں اور عورتوں میں اس بات کو پھیلاتی رہی ہیں اور اُنہوں نے اپنی مرضی کے لئے خدا تعالیٰ کی رضا کو چھوڑ دیا ہے تو یہ خواب کیونکر پوری ہوتی جو آپ نے ۱۹؍مارچ ۱۹۰۷ء کو دیکھی اور فرمایا خواب میں میں نے دیکھا کہ میری بیوی مجھے کہتی ہے کہ ''میں نے خدا کی مرضی کے لئے اپنی مرضی چھوڑ دی ہے'' اس پر میں نے اُن کو جواب میں یہ کہا۔ اسی سے تو تم پر حُسن چڑھا ہے۔[۲۵]

(۱۱) ہاں اگر میری عداوت کی وجہ سے میرے ان چھوٹے بھائیوں پر حملے نہ کئے جاتے جو ابھی تک عملی میدان میں داخل ہی نہیں ہوئے اور ابھی تعلیم حاصل کر رہے ہیں تو حضرت صاحب کی یہ خواب جو آپ نے ۲۱؍اگست ۱۹۰۶ء کو سنائی تھی کس طرح پوری ہوتی فرمایا ''شب گزشتہ کو میں نے خواب میں دیکھا کہ اس قدر زنبور ہیں (جن سے مراد کمینہ دشمن ہیں) کہ تمام سطح زمین اُن سے پُر ہے اور ٹڈی دل سے زیادہ ان کی کثرت ہے۔ اس قدر ہیں کہ زمین کو قریباً ڈھانک دیا ہے اور تھوڑے ان میں سے پرواز بھی کر رہے ہیں جو نیش زنی کا ارادہ رکھتے ہیں مگر نامراد رہے اور میں اپنے لڑکوں شریف اور بشیر کو کہتا ہوں کہ قرآن شریف کی یہ آیت پڑھو اور بدن پر پھونک لو کچھ نقصان نہیں کریں گے اور وہ آیت یہ ہے **وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ**''[۲۶]

(۱۲) اگر قادیان کے رہنے والوں پر حملے نہ کئے جاتے تو خدا تعالیٰ کو یہ کہنے کی کیا

ضرورت تھی کہ وَلَاتَسْئَمْ مِنَ النَّاسِ اَصْحَابُ الصُّفَّةِ وَمَآ اَدْرٰکَ مَآ اَصْحَابُ الصُّفَّةِ تَرٰی اَعْیُنَھُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ [۲۷]

(۱۳) اس وقت قادیان کو چھوڑ کر اگر لاہور کو مدینۃ المسیح نہ بنایا جانا ہوتا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آج سے تیس سال پہلے یہ کیوں دکھایا جاتا کہ قادیان کا نام قرآنِ شریف کے نصف میں لکھا ہوا ہے اور یہ دکھایا گیا کہ دنیا میں عزت والے تین گاؤں ہیں ایک مکہ، دوسرا مدینہ اور تیسرا قادیان۔ [۲۸] جن کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔ پھر یہ الہام کیوں ہوتا کہ ''خدا قادیان میں نازل ہوگا'' [۲۹] اگر لاہور کو قادیان کے مقابلہ میں نہ کھڑا کیا جانا ہوتا تو اس طرح خصوصیت سے قادیان کا کیوں ذکر ہوتا۔

(۱۴) اگر خاندانِ نبوت پر کوئی اعتراض کرنے والا نہ ہوتا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام الوصیت میں یہ کیوں تحریر فرماتے۔ ''میری نسبت اور میرے اہل وعیال کی نسبت خدا نے استثناء رکھا ہے۔ باقی ہر ایک مرد ہو یا عورت ان کو شرائط کی پابندی لازم ہوگی اور شکایت کرنے والا منافق ہوگا''۔ [۳۰]

پس اس فتنہ کو کوئی روک نہیں سکتا تھا اور کیونکر کوئی روک سکتا جب کہ خدا نے مقدر کر رکھا تھا اس لئے ایسا ہونا ضروری تھا اور ہوا۔ مگر جس طرح کسی کا ہاتھ بیماری کی وجہ سے خراب ہو جاتا ہے تو وہ مجبوراً اسے کٹا دیتا ہے لیکن اس ہاتھ کٹانے پر وہ خوش نہیں ہوتا ہاں اس کو اس بات کی خوشی ہوتی ہے کہ ہاتھ کٹانے سے باقی جسم تو بچ گیا ہے اسی طرح ہمیں بھی اس بات کا درد تو ہے کہ ایک حصہ جماعت کا کٹ گیا ہے مگر خوشی بھی ہے کہ باقی جماعت تو اس کے مضر اثر سے بچ گئی ہے۔

اب میں وہ شہادتیں پیش کرتا ہوں جو خدا تعالیٰ نے مجھے اس معاملہ کے متعلق دی ہیں۔ گو دل چاہتا تھا کہ یہ فتنہ نہ اُٹھتا مگر ان الہامات اور رؤیا کی صداقت کیونکر ظاہر ہوتی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس فتنہ کی نسبت قبل از وقت دکھلائی گئی تھیں اور میرے لئے تو ان تمام فسادات میں یہ الہامات ہی خضر راہ کا کام دینے کے لئے کافی تھے مگر میرے ربّ نے مجھے خود بھی آگاہ کرنا پسند فرمایا اور یہ اس کا ایک ایسا احسان ہے جس کا شکر میں جس قدر

بھی بجا لاؤں تھوڑا ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ ان لوگوں کے لئے جو صداقت کے قبول کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں ان شہادتوں کو بیان کر دوں جو اللہ تعالیٰ نے ان تمام فتن کے متعلق جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد ظاہر ہوئے میرے لئے ظاہر فرمائیں جن سے میرے دل کو تسلی اور تسکین ہوئی کہ جو راہ میں اختیار کر رہا ہوں وہی درست ہے اور بعض آئندہ کی خبریں ایسی بتائیں جن کے پورا ہونے سے میرا ایمان تازہ ہوا۔

خلافت کے جھگڑا کے متعلق آسمانی شہادت

خلافت کے متعلق جس قدر جھگڑے ہیں ان کی بنیاد اسی مسئلہ پر ہے کہ مسیح موعود علیہ السلام کا خلیفہ ہونا چاہیے یا نہیں۔ اگر یہ فیصلہ ہو جائے تو اصول مباحث سب طے ہو جاتے ہیں اور صرف ذاتیات کا پردہ رہ جاتا ہے پس سب سے پہلے میں اِسی کے متعلق ایک آسمانی شہادت پیش کرتا ہوں جس کے بعد میں نہیں خیال کرتا کہ کوئی سعید انسان خلافت کا انکار کرے۔

۸/ مارچ ۱۹۰۷ء کی بات ہے کہ رات کے وقت رؤیا میں مجھے ایک کاپی الہاموں کی دکھائی گئی اس کی نسبت کسی نے کہا کہ یہ حضرت صاحب کے الہاموں کی کاپی ہے اور اس میں موٹا لکھا ہوا ہے عَسٰی اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ یعنی کچھ بعید نہیں کہ تم ایک بات کو ناپسند کرو لیکن وہ تمہارے لئے خیر کا موجب ہو۔

اس کے بعد نظارہ بدل گیا اور دیکھا کہ ایک مسجد ہے اس کے متولی کے برخلاف لوگوں نے ہنگامہ کیا ہے اور میں ہنگامہ کرنے والوں میں سے ایک شخص کے ساتھ باتیں کرتا ہوں۔ باتیں کرتے کرتے اس سے بھاگ کر الگ ہو گیا ہوں اور یہ کہا کہ اگر میں تمہارے ساتھ ملوں گا تو مجھ سے شہزادہ خفا ہو جائے گا۔ اتنے میں ایک شخص سفید رنگ آیا ہے اور اس نے مجھے کہا کہ مسجد کے ساتھ تعلق رکھنے والوں کے تین درجے ہیں۔ ایک وہ جو صرف نماز پڑھ لیں یہ لوگ بھی اچھے ہیں۔ دوسرے وہ جو مسجد کی انجمن میں داخل ہو جائیں۔ تیسرا متولی۔ اس کے ساتھ ایک اور خواب بھی دیکھی لیکن اس کے یہاں بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

ان دونوں رؤیا پر اگر کوئی شخص غور کرے تو اُسے معلوم ہو جائے گا کہ حضرت مسیح موعود

علیہ السلام کی وفات سے بھی ایک سال اور چند ماہ پہلے اللہ تعالیٰ نے مجھے اس فتنہ خلافت کے متعلق خبر دے دی تھی اور یہ وہ زمانہ تھا کہ جب خلافت کا سوال ہی کسی کے ذہن میں نہیں آ سکتا تھا اور انجمن کا کاروبار بھی ابھی نہیں چلا تھا۔ بہت تھوڑی مدت اس کے قیام کو ہوئی تھی اور کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ایک دن یہ نوزائیدہ انجمن مسیح موعود علیہ السلام کی جانشین ہونے کا دعویٰ کرے گی بلکہ یہ وہ زمانہ تھا کہ احمدیوں کے دماغ میں وہم کے طور پر بھی یہ خیال نہیں آتا تھا کہ حضرت صاحب فوت ہوں گے بلکہ ہر ایک شخص باوجود اشاعت وصیت کے غالباً یہ خیال کرتا تھا کہ یہ واقعہ ہماری وفات کے بعد ہی ہوگا اور اس میں شک ہی کیا ہے کہ عاشق اپنے معشوق کی موت کا وہم بھی نہیں کر سکتا اور یہی حال جماعت احمدیہ کا تھا۔ پس ایسے وقت میں خلافت کے جھگڑے کا اس وضاحت سے بتا دینا اور اس خبر کا حرف بہ حرف پورا ہونا ایک ایسا زبردست نشان ہے کہ جس کے بعد متقی انسان کبھی بھی خلافت کا انکار نہیں کر سکتا۔ کیا کوئی انسان ایسا کر سکتا ہے کہ ایک واقعہ سے دو سال پہلے اس کی خبر دے اور ایسے حالات میں دے کہ جب کوئی سامان موجود نہ ہو اور وہ خبر دو سال بعد بالکل حرف بہ حرف پوری ہو اور خبر بھی ایسی ہو جو ایک قوم کے ساتھ تعلق رکھتی ہو۔

دیکھو اِن دونوں رؤیا سے کس طرح ثابت ہوتا ہے کہ کوئی واقعہ ہوگا جو بظاہر خطرناک معلوم ہوگا لیکن درحقیقت نہایت نیک نتائج کا پیدا کرنے والا ہوگا چنانچہ خلافت کا جھگڑا جو ۱۹۰۹ء میں برپا ہوا گو نہایت خطرناک معلوم ہوتا تھا مگر اس کا یہ عظیم الشان فائدہ ہوا کہ آئندہ کے لئے جماعت کو خلافت کی حقیقت معلوم ہوگئی اور حضرت خلیفۃ المسیح کو اس بات کا علم ہو گیا کہ کچھ لوگ خلافت کے منکر ہیں اور آپ اپنی زندگی میں برابر اس امر پر زور دیتے رہے کہ خلیفہ خدا بناتا ہے اور خلافت جماعت کے قیام کے لئے ضروری ہے اور ان نصائح سے گو بانیانِ فساد کو فائدہ نہ ہوا ہو لیکن اِس وقت سینکڑوں ایسے آدمی ہیں جن کو ان وعظوں سے فائدہ ہوا اور وہ اس وقت ٹھوکر سے اس لئے بچ گئے کہ اُنہوں نے **مُختَلَفٌ فِیهَا** مسائل کے متعلق بہت کچھ خلیفہ اوّل سے سنا ہوا تھا۔

پھر دوسری رؤیا سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسجد ہے اس کے متولی کے خلاف کچھ لوگوں

نے بغاوت کی ہے۔اب مسجد کی تعبیر جماعت لکھی ہے۔ پس اس رؤیا سے معلوم ہوا کہ ایک جماعت کا ایک متولی ہوگا۔ (متولی اور خلیفہ بالکل ہم معنی الفاظ ہیں) اور اس کے خلاف کچھ لوگ بغاوت کریں گے اور ان میں سے کوئی مجھے بھی ورغلانے کی کوشش کرے گا مگر میں ان کے پھندے میں نہیں آؤں گا اور ان کو صاف کہہ دوں گا کہ اگر میں تمہارے ساتھ ملوں گا تو شہزادہ مجھ سے ناراض ہو جائے گا۔اور جب ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات دیکھتے ہیں تو آپ کا نام شہزادہ بھی رکھا گیا ہے۔ پس اس کے معنی یہ ہوئے کہ جو لوگ ان باغیوں کے ساتھ شامل ہوں گے ان سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام ناراض ہوں گے (یعنی ان کا یہ فعل مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کے خلاف ہوگا) یہ تو اس فتنہ کی کیفیت ہے جو ہونے والا تھا لیکن ساتھ ہی یہ بتا دیا کہ یہ فتنہ کون کرے گا۔اور وہ اس طرح کہ اس امر سے کہ متولی کے خلاف بغاوت کرنے والوں سے شہزادہ ناراض ہو جائے گا یہ بتایا گیا ہے کہ متولی حق پر ہے اور باغی ناحق پر اور پھر یہ بتا کر کہ مسجد کے ساتھ تعلق رکھنے والے دوسرے دو گروہوں یعنی عام نمازیوں اور انجمن والوں میں سے عام نمازی اچھے ہیں) بتا دیا کہ یہ فتنہ عام جماعت کی طرف سے نہ ہوگا۔اب ایک ہی گروہ رہ گیا یعنی انجمن پس وہی باغی ہوئی۔لیکن میری علیحدگی سے یہ بتا دیا کہ میں باوجود ممبر انجمن ہونے کے ان فتنہ پردازوں سے الگ رہوں گا۔

یہ رؤیا ایسی کھلی اور صاف ہے کہ جس قدر غور کرو اس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور خلافت کی صداقت کا ثبوت ایسے کھلے طور پر ملتا ہے کہ کوئی شقی ہی انکار کرے تو کرے۔

اس رؤیا کے گواہ

شاید کوئی شخص کہہ دے کہ ہم نے مانا کہ یہ رؤیا نہایت واضح ہے لیکن اس بات کا ثبوت کیا ہے کہ واقعہ میں آپ نے کوئی ایسی رؤیا دیکھی بھی ہے یا نہیں اور جب تک اس بات کا ثبوت نہ ملے تو اس رؤیا کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہوسکتی اور اس کا کہنا بالکل بجا ہوگا اس لئے میں اپنی صداقت کے لئے گواہ کے طور پر خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو پیش کرتا ہوں۔ شاید بعض لوگوں کو تعجب ہو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو فوت ہو چکے ہیں آپ کیونکر اس دنیا میں واپس آ کر میری

صداقت کی گواہی دے سکتے ہیں تو میں ان کو بتاتا ہوں کہ گو حضرت مسیح موعود علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں لیکن پھر بھی وہ اس بات کی شہادت دے دیں گے کہ واقعہ میں ۸؍ مارچ کو میں نے یہ رؤیا دیکھی تھی اور وہ اس طرح کہ جس رات کو میں نے یہ رؤیا دیکھی اُسی صبح کو حضرت والد ماجد کو سنایا۔ آپ سن کر نہایت متفکر ہوئے اور فرمایا کہ مسجد سے مراد تو جماعت ہوتی ہے شاید میری جماعت کے کچھ لوگ میری مخالفت کریں یہ رؤیا مجھے لکھوا دے۔ چنانچہ میں لکھواتا گیا اور آپ اپنی الہاموں کی کاپی میں لکھتے گئے۔ پہلے تاریخ لکھی پھر یہ لکھا کہ محمود کی رؤیا، پھر تینوں رؤیا لکھیں۔ ان تینوں رؤیا کے اِردگرد اس سے پہلی اور پچھلی تاریخوں کے الہام حضرت صاحب کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے موجود ہیں۔ (کاپی لوگوں کو دکھائی گئی) اور یہ کاپی اب تک میرے پاس ہے اور ہر ایک طالبِ حق کو دکھائی جا سکتی ہے جو لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دستخط پہچانتے ہیں وہ گواہی دے سکتے ہیں کہ یہ سب کاپی حضرت صاحب کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے اور کئی سال کے الہام اس میں درج ہیں اور یہ میری رؤیا بھی آپ ہی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی اس میں موجود ہے۔ یہ ایک ایسی شہادت ہے کہ کوئی احمدی اس کا انکار نہیں کر سکتا کیونکہ ایسے کھلے کھلے نشان کا جو شخص انکار کرے گا اسے ہر ایک صداقت کا انکار کرنا پڑے گا۔

اس رؤیا کے معلوم کر لینے کے بعد ہر ایک شخص معلوم کر سکتا ہے کہ کیوں مجھے خلافت کے مسئلہ میں اس قدر یقین اور تسلی ہے اور کیوں میں ہر ایک مقابلہ کی پرواہ نہ کر کے فتنہ کے وقت خلافت کا مُمِد و معاون رہا ہوں۔

میں اس شک کو بھی دور کر دینا چاہتا ہوں کہ کیوں اس رؤیا کو شیطانی نہ خیال کیا جائے اور وہ اس طرح کہ اوّل تو اس رؤیا کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قدر کی نگاہوں سے دیکھا اور لکھ لیا اور اپنے الہاموں کی کاپی میں لکھا۔ پھر یہ رؤیا دو سال بعد حرف بہ حرف پوری ہوئی اور جو رؤیا اس شان کے ساتھ پوری ہو وہ شیطانی نہیں ہو سکتی کیونکہ پھر شیطان اور رحمٰن کے کلام میں کیا فرق رہ جائے گا؟ اور کیوں نہ لوگ ہر ایک الہام کو شیطانی کہہ دیں گے۔

مسئلہ خلافت کے متعلق دوسری آسمانی شہادت

۱۹۰۹ء کی بات ہے ابھی مجھے خلافت کے متعلق کسی جھگڑے کا علم نہ تھا صرف ایک صاحب نے مجھ سے حضرت خلیفۃ المسیح خلیفہ اوّل کی خلافت کے قریباً پندرہویں دن کہا تھا کہ میاں صاحب اب خلیفہ کے اختیارات کے متعلق کچھ غور کرنا چاہیے جس کے جواب میں میں نے اُن سے کہا کہ یہ وقت وہ تھا کہ سلسلہ خلافت قائم نہ ہوا تھا جب کہ ہم نے بیعت کر لی تو اب خادم مخدوم کے اختیارات کیا مقرر کریں گے۔ جس کی بیعت کی اُس کے اختیارات ہم کیونکر مقرر کر سکتے ہیں۔ اس واقعہ کے بعد کبھی مجھ سے اس معاملہ کے متعلق کسی نے گفتگو نہ کی تھی اور میرے ذہن سے یہ واقعہ اُتر چکا تھا کہ جنوری ۱۹۰۹ء میں میں نے یہ رؤیا دیکھی کہ ایک مکان ہے بڑا عالیشان سب تیار ہے لیکن اُس کی چھت ابھی پڑنی باقی ہے۔ کڑیاں پڑ چکی ہیں ان پر اینٹیں رکھ کر مٹی ڈال کر کوٹنی باقی ہے۔ ان کڑیوں پر کچھ پھونس پڑا ہے اوراس کے پاس میر محمد اسحٰق صاحب کھڑے ہیں اور ان کے پاس میاں بشیر احمد اور نثار احمد مرحوم (جو پیر افتخار احمد صاحب لدھیانوی کا صاحبزادہ تھا) کھڑے ہیں۔ میر محمد اسحٰق صاحب کے ہاتھ میں ایک ڈبیہ دیا سلائیوں کی ہے اور وہ اس پھونس کو آگ لگانی چاہتے ہیں۔ میں انہیں منع کرتا ہوں کہ ابھی آگ نہ لگائیں نہیں تو کڑیوں کو آگ لگنے کا خطرہ ہے۔ ایک دن اس پھونس کو جلایا تو جائے گا ہی لیکن ابھی وقت نہیں۔ بڑے زور سے منع کر کے اور اپنی تسلی کر کے میں وہاں سے لوٹا ہوں لیکن تھوڑی دُور جا کر میں نے پیچھے سے کچھ آہٹ سنی اور منہ پھیر کر کیا دیکھتا ہوں کہ میر محمد اسحٰق صاحب دیا سلائی کی تیلیاں نکال کر اس کی ڈبیہ سے جلدی جلدی رگڑتے ہیں وہ نہیں جلتیں پھر اور نکال کر ایسا ہی کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جلد اس پھونس کو آگ لگا دیں۔ میں اس بات کو دیکھ کر واپس بھاگا کہ ان کو روکوں لیکن میرے پہنچتے پہنچتے اُنہوں نے آگ لگا دی تھی۔ میں اس آگ میں کُود پڑا اور اسے میں نے بُجھا دیا لیکن تین کڑیوں کے سرے جل گئے۔ یہ خواب میں نے اُسی دن دوپہر کے وقت مولوی سید سرور شاہ صاحب کو سنائی جو سن کر ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ یہ خواب تو پوری ہوگئی ہے اور اُنہوں نے مجھے بتایا کہ میر محمد اسحٰق

صاحب نے چند سوالات لکھ کر حضرت خلیفۃ المسیح کو دیئے ہیں جن سے ایک شور پڑ گیا ہے۔ اس کے بعد میں نے حضرت خلیفۃ المسیح کو یہ رؤیا لکھ کر دی اور آپ نے وہ رُقعہ پڑھ کر فرمایا کہ خواب پوری ہوگئی ہے اور ایک کاغذ پر مفصّل واقعہ لکھ کر مجھے دیا کہ پڑھ لو۔ جب میں نے پڑھ لیا تو لے کر پھاڑ دیا۔ اس رؤیا کے گواہ مولوی سید سرور شاہ صاحب ہیں ان سے دریافت کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ یہ رؤیا حرف بہ حرف پوری ہوئی اور ان سوالات کے جواب میں بعض آدمیوں کا نِفاق ظاہر ہو گیا اور ایک خطرناک آگ لگنے والی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اُس وقت اپنے فضل سے بجھا دی۔ ہاں کچھ کڑیوں کے سرے جل گئے اور ان کے اندر ہی اندر یہ آگ دہکتی رہی۔ اس خواب میں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ یہ پھونس آخر جلا ہی دیا جائے گا اور بعد میں ایسا ہی ہوا۔

مسئلہ خلافت کے متعلق تیسری آسمانی شہادت

ابھی کسی جلسہ وغیرہ کی تجویز نہ تھی ہاں خلافت کے متعلق فتنہ ہو چکا تھا کہ میں نے رؤیا میں دیکھا کہ ایک جلسہ ہے اور اس میں حضرت خلیفہ اوّل کھڑے تقریر کر رہے ہیں اور تقریر مسئلہ خلافت پر ہے اور جو لوگ آپ کے سامنے بیٹھے ہیں ان میں سے کچھ مخالف بھی ہیں۔ میں آیا اور آپ کے دہنے کھڑا ہو گیا اور کہا کہ حضور کوئی فکر نہ کریں ہم لوگ پہلے مارے جائیں گے تو پھر کوئی شخص حضور تک پہنچ سکے گا ہم آپ کے خادم ہیں۔ چنانچہ یہ خواب حضرت خلیفہ اوّل کو سنائی جب جلسہ کی تجویز ہوئی اور احباب بیرون جات سے مسئلہ خلافت پر مشورہ کے لئے جمع ہوئے اور چھوٹی مسجد کے صحن میں حضرت خلیفہ اوّل کھڑے ہوئے کہ تقریر فرمائیں تو میں آپ کے بائیں طرف بیٹھا تھا آپ نے اس رؤیا کی بناء پر مجھے وہاں سے اُٹھا کر دوسری طرف بیٹھنے کا حکم دیا اور اپنی تقریر کے بعد مجھے بھی کچھ بولنے کے لئے فرمایا اور میں نے ایک مضمون جس کا مطلب اس قسم کا تھا کہ ہم تو آپ کے بالکل فرمانبردار ہیں بیان کیا۔

مسئلہ خلافت پر چوتھی آسمانی شہادت

جب خلافت کا جھگڑا شروع ہوا تو گو مجھے وہ رؤیا بھی ہو چکی تھی جس کا ذکر

میں پہلے کر چکا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ کی لکھی ہوئی موجود ہے اور وہ دوسری رؤیا بھی دیکھ چکا تھا جس میں میر محمد اسحٰق صاحب کے سوالات سے منافقوں کے سر جلنے کا پتہ دیا گیا تھا لیکن پھر بھی طبیعت پر ایک بوجھ تھا اور میں چاہتا تھا کہ زیادہ وضاحت سے مجھے اس مسئلہ کی نسبت کچھ بتایا جائے اور میں نے اپنے ربّ کے حضور میں بار بار عرض کی کہ الٰہی! مجھے حق کا پتہ دیا جائے اور صداقت مجھ پر کھول دی جائے اور جو بات سچ ہو وہ مجھے بتا دی جائے کیونکہ مجھے کسی پارٹی سے تعلق نہیں بلکہ صرف حضور کی رضا حاصل کرنے کا شوق ہے۔ جس قدر دن جلسہ میں باقی تھے ان میں میں برابر یہ دعا کرتا رہا لیکن مجھے کچھ نہ بتایا گیا حتّٰی کہ وہ رات آ گئی جس دن صبح کو وہ جلسہ تھا جس میں یہ سوالات پیش ہونے تھے اور اُس رات میرا کرب بڑھ گیا اور میرا دل دھڑکنے لگا اور میں گھبرا گیا کہ اب میں کیا کروں۔ اُس رات میں بہت ہی گڑگڑایا اور عرض کیا کہ الٰہی! صبح کو یہ معاملہ پیش ہوگا حضور مجھے بتائیں کہ میں کس طرف ہوں۔ اِس وقت تک تو میں خلافت کو حق سمجھتا ہوں لیکن مجھے حضور کی رضا مطلوب ہے کسی اپنے اعتقاد پر اصرار نہیں میں حضور سے ہی اس مسئلہ کا حل چاہتا ہوں تا میرے دل کو تسلی ہو۔ پس صبح کے وقت میری زبان پر یہ الفاظ جو قرآن کریم کی ایک آیت ہے جاری کئے گئے قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ [۱۳۱] کہہ دے کہ میرا ربّ تمہاری پرواہ ہی کیا کرتا ہے۔ اس کے بعد مجھے تسلی ہوگئی اور میں نے خیال کیا کہ میں حق پر ہوں کیونکہ لفظ قُلْ نے بتا دیا ہے کہ میرا خیال درست ہے تبھی تو مجھے حُکم ہوا کہ میں لوگوں کو حکمِ الٰہی سنا دوں اور اگر میرا عقیدہ غلط ہوتا تو یہ الفاظ ہوتے کہ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ میں نے یہ الفاظ کئی لوگوں کو سنا دیئے تھے مگر اب یاد نہیں کہ کس کس کو سنائے تھے۔

مسئلہ خلافت پر پانچویں آسمانی شہادت

میں نے حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات سے تین سال پہلے ایک خواب دیکھا جس کی تعبیر یہ تھی کہ آپ کی وصیت سے نواب صاحب کا بھی کچھ تعلق ہے۔ چنانچہ تین سال بعد اللہ تعالیٰ نے اس رؤیا کو پورا کر کے دکھا دیا کہ وہ کیسا زبردست ہے۔

مسئلہ خلافت پر چھٹی آسمانی شہادت

۱۹۱۳ء میں میں ستمبر کے مہینہ میں چند دن کے لئے شملہ گیا تھا۔ جب میں یہاں سے چلا ہوں تو حضرت خلیفۃ المسیح کی طبیعت اچھی تھی لیکن وہاں پہنچ کر میں نے پہلی یا دوسری رات دیکھا کہ رات کا وقت ہے اور قریباً دو بجے ہیں میں اپنے کمرہ میں (قادیان میں) بیٹھا ہوں۔ مرزا عبدالغفور صاحب (جو کلانور کے رہنے والے ہیں) میرے پاس آئے اور نیچے سے آواز دی میں نے اُٹھ کر ان سے پوچھا کہ کیا ہے؟ اُنہوں نے کہا کہ حضرت خلیفۃ المسیح کو سخت تکلیف ہے تپ کی شکایت ہے ایک سَو دو کے قریب تپ ہو گیا تھا آپ نے مجھے بھیجا ہے کہ میاں صاحب کو جا کر کہہ دو کہ ہم نے اپنی وصیت شائع کر دی ہے مارچ کے مہینہ کے بدر میں دیکھ لیں۔ جب میں نے یہ رؤیا دیکھی تو سخت گھبرایا اور میرا دل چاہا کہ واپس لَوٹ جاؤں لیکن میں نے مناسب خیال کیا کہ پہلے دریافت کرلوں کہ کیا آپ واقع میں بیمار ہیں۔ سو میں نے وہاں سے تار دیا کہ حضور کا کیا حال ہے؟ جس کے جواب میں حضرت نے لکھا کہ اچھے ہیں۔ یہ رؤیا میں نے اُسی وقت نواب محمد علی خان صاحب رئیس مالیرکوٹلہ کو اور مولوی سیّد سرور شاہ صاحب کو سنا دی تھی اور غالباً نواب صاحب کے صاحبزادگان میاں عبدالرحمٰن خان صاحب، میاں عبداللہ خان صاحب، میاں عبدالرحیم خان صاحب میں سے بھی کسی نے وہ رؤیا سُنی ہوگی کیونکہ وہاں ایک مجلس میں میں نے اس رؤیا کو بیان کر دیا تھا۔

اب دیکھنا چاہیے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت مجھے حضرت کی وفات کی خبر دی اور چار باتیں ایسی بتائیں کہ جنہیں کوئی شخص اپنے خیال اور اندازہ سے دریافت نہیں کر سکتا۔

اوّل　تو یہ کہ حضور کی وفات تپ سے ہوگی۔

دوم　یہ کہ آپ وفات سے پہلے وصیت کر جائیں گے۔

سوم　یہ کہ وہ وصیت مارچ کے مہینہ میں شائع ہوگی۔

چہارم　یہ کہ اس وصیت کا تعلق بدر کے ساتھ ہوگا۔

اگر ان چاروں باتوں کے ساتھ میں یہ پانچویں بات بھی شامل کر دوں تو نامناسب نہ ہوگا کہ اس رؤیا سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس وصیت کا تعلق مجھ سے بھی ہوگا کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو میری طرف آدمی بھیج کر مجھے اطلاع دینے سے کیا مطلب ہوسکتا تھا اور یہ ایک ایسی بات تھی کہ جسے قبل از وقت کوئی بھی نہیں سمجھ سکتا تھا لیکن جب واقعات اپنے اصل رنگ میں پورے ہوگئے تو اب یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ اس رؤیا میں میری خلافت کی طرف بھی اشارہ تھا لیکن چونکہ یہ بات وہم وگمان میں بھی نہ تھی اس لئے اُس وقت جب کہ یہ رؤیا دکھلائی گئی تھی اِس طرف خیال بھی نہیں جا سکتا تھا۔

مندرجہ بالا پانچ نتائج جو اس رؤیا سے نکالے گئے ہیں ان سے چار تو صاف ہیں یعنی تپ سے وفات کا ہونا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ وصیت کا کرنا وہ بھی صاف ہے کیونکہ آپ نے اپنی وفات سے پہلے وصیت کر دی تھی۔ تیسرے مارچ میں وصیت کا ہونا وہ بھی ایک بالکل واضح ہے کیونکہ آپ نے مارچ ہی میں وصیت کی اور مارچ ہی میں وہ شائع ہوئی۔ پانچواں امر بھی صاف ہے کہ اِس وصیت کا مجھ سے بھی کچھ تعلق تھا چنانچہ ایسا ہی ظاہر ہوا۔لیکن چوتھی بات کہ بدر میں دیکھ لیں تشریح طلب ہے کیونکہ آپ کی وصیت جہاں الفضل ،الحکم ،نور میں شائع ہوئی وہاں بدر میں شائع نہیں ہوئی کیونکہ وہ اُس وقت بند تھا۔ پس اس کے کیا معنی ہوئے کہ بدر میں دیکھ لیں۔ سو اس امر کے سمجھنے کے لئے یاد رکھنا چاہیے کہ رؤیا اور کشوف کبھی بالکل اصل شکل میں پورے ہوتے ہیں اور کبھی وہ تعبیر طلب ہوتے ہیں اور کبھی ان کا ایک حصہ تو اصل رنگ میں ظاہر ہوتا ہے اور ایک حصہ تعبیر طلب ہوتا ہے سو یہ خواب بھی اسی طرح کی ہے اور جہاں اس رؤیا میں سے چار امور بالکل صاف اور واضح طور پر پورے ہوئے ایک امر تعبیر طلب بھی تھا لیکن رؤیا کی صداقت پر باقی چار امور نے مُہر کر دی تھی اور اس چوتھے امر کی تعبیر یہ تھی کہ بدر اصل میں پندرھویں رات کے چاند کو کہتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے رؤیا میں ایک قسم کا اخفاء رکھنے کے لئے مارچ کی چودھویں تاریخ کا نام چودھویں کی مشابہت کی وجہ سے بدر رکھا اور یہ بتایا کہ یہ واقعہ چودہ تاریخ کو ہوگا۔ چنانچہ وصیت باقاعدہ طور پر جو شائع ہوئی یعنی اس کے امین نواب محمد علی خان صاحب نے پڑھ کر سنائی تو چودہ تاریخ کو ہی

سنائی اور اسی تاریخ کو خلافت کا فیصلہ ہوا۔

مسئلہ خلافت کے متعلق ساتویں آسمانی شہادت

اس بات کو قریباً تین چار سال کا عرصہ ہوا یا کچھ کم کہ میں نے رؤیا میں دیکھا کہ میں گاڑی میں سوار ہوں اور گاڑی ہمارے گھر کی طرف جا رہی ہے کہ راستہ میں کسی نے مجھے حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات کی خبر دی تو میں نے گاڑی والے کو کہا کہ جلدی دَوڑاؤ تا میں جلدی پہنچوں۔ یہ رؤیا بھی میں نے حضرت کی وفات سے پہلے ہی بہت سے دوستوں کو سنائی تھی (جن میں سے چند کے نام یاد ہیں۔نواب محمد علی خان صاحب، مولوی سید سرور شاہ صاحب، شیخ یعقوب علی صاحب، حافظ روشن علی صاحب اور غالباً ماسٹر محمد شریف صاحب بی۔اے پلیڈر چیف کورٹ لاہور) کہ مجھے ایک ضروری امر کے لئے حضرت کی بیماری میں لاہور جانے کی ضرورت ہوئی اور چونکہ حضرت کی حالت نازک تھی میں نے جانا مناسب نہ سمجھا اور دوستوں سے مشورہ کیا کہ میں کیا کروں؟ اور ان کو بتایا کہ میں جانے سے اس لئے ڈرتا ہوں کہ میں نے رؤیا میں گاڑی میں سواری کی حالت میں حضرت کی وفات دیکھی ہے۔پس ایسا نہ ہو کہ یہ واقعہ ابھی ہو جائے۔پس میں نے یہ تجویز کی کہ ایک خاص آدمی بھیج کر اس ضرورت کو رفع کیا۔لیکن منشائے الٰہی کو کون روک سکتا ہے۔ چونکہ حضرت، نواب صاحب کے مکان پر رہتے تھے میں بھی وہیں رہتا تھا اور وہیں سے جمعہ کے لئے قادیان آتا تھا۔جس دن حضور فوت ہوئے میں حسب معمول جمعہ پڑھانے قادیان آیا اور جیسا کہ میری عادت تھی نماز کے بعد بازار کے راستہ سے واپس جانے کے لئے تیار ہوا کہ اتنے میں نواب صاحب کی طرف سے پیغام آیا کہ وہ احمدیہ محلّہ میں میرے منتظر ہیں اور مجھے بُلاتے ہیں کیونکہ اُنہوں نے مجھ سے کچھ بات کرنی ہے۔ میں وہاں گیا تو ان کی گاڑی تیار تھی اس میں وہ بھی بیٹھ گئے اور میں بھی اور ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب اسسٹنٹ سرجن بھی ہمارے ساتھ تھے۔گاڑی آپ کی کوٹھی کی طرف روانہ ہوئی اور جس وقت اُس سڑک پر چڑھ گئی جو مدرسہ تعلیم الاسلام کی گراؤنڈ میں تیار کی گئی ہے تو آپ کا ایک ملازم دوڑتا ہوا آیا کہ حضور فوت ہو گئے ہیں اُس وقت میں بے اختیار ہو کر آگے بڑھا اور

گاڑی والے کو کہا کہ گاڑی دَوڑاؤ اور جلد پہنچاؤ۔ اُسی وقت نواب صاحب کو وہ رؤیا یاد آ گئی اور آپ نے کہا کہ وہ رؤیا پوری ہوگئی۔

یہ رؤیا ہستی باری کا ایک ایسا زبردست ثبوت ہے کہ سوائے کسی ایسے انسان کے جو شقاوت کی وجہ سے صداقت نہ ماننے سے بالکل انکار کر دے ایک حق پسند کے لئے نہایت رُشد اور ہدایت کا موجب ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کے فیصلہ سے بچنے کی لاکھ کوشش کرے تقدیر پوری ہو کر ہی رہتی ہے میں نے جس خوف سے لاہور کا سفر ملتوی کرنے کا ارادہ کیا تھا وہ امر قادیان ہی میں پورا ہوا۔

حضرت کی وفات اور میری خلافت کے متعلق آٹھویں آسمانی شہادت

قریباً تین چار سال کا عرصہ ہوا جو میں نے دیکھا کہ میں اور حافظ روشن علی صاحب ایک جگہ بیٹھے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجھے گورنمنٹ برطانیہ نے افواج کا کمانڈر اِن چیف مقرر فرمایا ہے اور میں سر اومور کرے سابق کمانڈر اِن چیف افواجِ ہند کے بعد مقرر ہوا ہوں اور ان کی طرف سے حافظ صاحب مجھے عہدہ کا چارج دے رہے ہیں۔ چارج لیتے لیتے ایک امر پر میں نے کہا کہ فلاں چیز میں تو نقص ہے میں چارج میں کیونکر لے لوں؟ میں نے یہ بات کہی ہی تھی کہ نیچے کی چھت پھٹی (ہم چھت پر تھے) اور حضرت خلیفۃ المسیح خلیفہ اوّل اس میں سے برآمد ہوئے اور میں خیال کرتا ہوں کہ آپ سر اومور کرے کمانڈر اِن چیف افواج ہند ہیں آپ نے فرمایا کہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں بلکہ لارڈ کچنر (KITCHENER) سے مجھے یہ چیز اِسی طرح ملی تھی۔

اس رؤیا پر مجھے ہمیشہ تعجب ہوا کرتا تھا کہ اس سے کیا مراد ہے؟ اور میں اپنے دوستوں کو سنا کر حیرت کا اظہار کیا کرتا تھا کہ اس خواب سے کیا مراد ہو سکتی ہے؟ مگر خدا تعالیٰ کی قدرت ہے کہ واقعات کے ظہور پر معلوم ہوا کہ یہ رؤیا ایک نہایت ہی زبردست شہادت تھی اس بات پر کہ حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات کے بعد جو فیصلہ ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے منشاء اور اس کی رضا کے ماتحت ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت مولوی صاحب کی وفات پر میری طبیعت اس طرف گئی کہ

یہ رؤیا تو ایک عظیم الشان پیشگوئی تھی اور اس میں بتایا گیا تھا کہ مولوی صاحب کے بعد خلافت کا کام میرے سپرد ہوگا اور یہی وجہ تھی کہ حضرت خلیفۃ المسیح مجھے یہ لباس سراومور کرے کے دکھائے گئے اور افواج کی کمانڈ سے مراد جماعت کی سرداری تھی کیونکہ انبیاء کی جماعتیں بھی ایک فوج ہوتی ہیں جن کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ دین کو غلبہ دیتا ہے۔ اِس رؤیا کی بناء پر یہ بھی امید ہے کہ اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی تبلیغ کا کام جماعت احمدیہ کے ہاتھ سے ہوگا اور غیر مبائعین احمدیوں کے ذریعہ نہ ہوگا۔ اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ۔ برکت مبائعین کے کام میں ہی ہوگی۔

اس رؤیا کا جب غور سے مطالعہ کیا جائے تو یہ ایک ایسی زبردست شہادت معلوم ہوتی ہے کہ جس قدر غور کریں اُسی قدر عظمتِ الٰہی کا اظہار ہوتا ہے اور وہ اس طرح کہ اس رؤیا میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو لارڈ کچنر کے نام سے ظاہر کیا گیا ہے اور حضرت خلیفہ اوّل کو سراومور کرے کے نام سے۔ اور جب ہم ان دونوں افسروں کے عہدہ کو دیکھتے ہیں تو جس سال حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وفات پائی تھی اسی سال لارڈ کچنر ہندوستان سے رخصت ہوئے تھے اور سراومور کرے کمانڈر مقرر ہوئے مگر یہ بات تو پچھلی تھی۔ عجیب بات یہ ہے کہ جس سال اور جس مہینہ میں سراومور کرے ہندوستان سے راونہ ہوئے ہیں اُسی سال اور اُسی مہینہ یعنی مارچ ۱۹۱۴ء میں حضرت خلیفۃ المسیح فوت ہوئے اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اِس کام پر مقرر فرمایا۔ کیا کوئی سعید الفطرت انسان کہہ سکتا ہے کہ یہ رؤیا شیطانی ہوسکتی تھی یا کوئی انسان اس طرح دو تین سال قبل از وقوع ایک بات اپنے دل سے بنا کر بتا سکتا ہے؟ کیا یہ ممکن تھا کہ میں دو سال پہلے یہ سب واقعات اپنے دل سے گھڑ کر لوگوں کو سُنا دیتا اور پھر وہ صحیح بھی ہو جاتے؟ یہ کون تھا جس نے مجھے یہ بتا دیا کہ حضرت مولوی صاحب مارچ میں فوت ہوں گے، ۱۹۱۴ء میں ہوں گے اور آپ کے بعد آپ کا جانشین میں ہوں گا۔ کیا خدا تعالیٰ کے سوا کوئی اور بھی ایسا کرسکتا ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔

اس رؤیا میں یہ جو دکھایا گیا کہ چارج میں ایک نقص ہے اور میں اس کے لینے سے انکار کرتا ہوں تو وہ ان چند آدمیوں کی طرف اشارہ تھا کہ جنہوں نے اِس وقت فساد کھڑا کیا اور

اللہ تعالیٰ نے اس رؤیا کے ذریعہ سے حضرت مولوی صاحب پر سے یہ اعتراض دور کیا ہے جو بعض لوگ آپ پر کرتے ہیں کہ اگر حضرت مولوی صاحب اپنے زمانہ میں ان لوگوں کے اندرونہ سے لوگوں کو عَلَی الْاِعْلَان آگاہ کر دیتے اور اشارات پر ہی بات نہ رکھتے یا جماعت سے خارج کر دیتے تو آج یہ فتنہ نہ ہوتا۔ اور مولوی صاحب کی طرف سے قبل از وقت یہ جواب دے دیا کہ یہ نقص میرے زمانہ کا نہیں بلکہ پہلے کا ہی ہے اور یہ لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ہی بگڑ چکے تھے ان کے بگڑنے میں میرے کسی سلوک کا دخل نہیں مجھ سے پہلے ہی ایسے تھے۔

شاید کوئی شخص اعتراض کرے کہ یہ تعبیر تو اَب بنائی جاتی ہے مگر یاد رکھنا چاہیے کہ تعبیر کا علم واقعہ کے بعد ہی ہوتا ہے یہ خواب صاف ہے اور اس میں کوئی پیچ نہیں۔ ہر ایک شخص اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ جو تعبیر میں نے کی ہے اس کے سوا کوئی درست تعبیر نہیں ہوسکتی۔ یہ خواب میں نے حافظ روشن علی صاحب کو قبل از وقت سنا دی تھی اَور دوستوں کو بھی سنائی ہے لیکن ان کے نام یاد نہیں۔

مسئلہ خلافت پر نویں آسمانی شہادت جس طرح خلافت کے جھگڑے، حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات، آپ کی وصیت، میری جانشینی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت مجھے اطلاع دی تھی اسی طرح مجھے یہ بھی بتایا گیا تھا کہ میرے مقابلہ پر کون ہوگا جو سخت فتنہ برپا کرے گا لیکن ناکام رہے گا۔

اس بات کو قریباً سات سال ہوگئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ۱۹۰۲ء کے اکتوبر یا نومبر میں میں نے رؤیا دیکھی کہ میں بورڈنگ کے ایک کمرہ میں ہوں یا ریویو آف ریلیجنز کے دفتر میں وہاں ایک بڑے صندوق پر مولوی محمد علی صاحب بیٹھے ہیں اور میں ذرا فاصلہ پر کھڑا ہوں اتنے میں ایک دروازہ سے شیخ رحمت اللہ صاحب تاجر داخل ہوئے اور ہم دونوں کو دیکھ کر کہا کہ میاں صاحب! آپ لمبے ہیں یا مولوی صاحب؟ مولوی صاحب نے کہا کہ میں لمبا ہوں۔ میں نے کہا کہ میں لمبا ہوں۔ شیخ صاحب نے کہا آ ؤ دونوں کو ناپیں۔ مولوی صاحب صندوق پر سے اُترنا چاہتے ہیں لیکن جس طرح بچے اونچی

چار پائی پر سے مشکل سے اُترتے ہیں اس طرح بڑی مشکل سے اُترتے ہیں اور جب شیخ صاحب نے مجھے اوران کو پاس کھڑا کیا تو وہ بے اختیار کہہ اُٹھے ہیں! میں تو سمجھتا تھا کہ مولوی صاحب اونچے ہیں لیکن اونچے تو آپ نکلے۔ میں نے کہا ہاں میں ہی اونچا ہوں۔ اس پر اُنہوں نے کہا کہ اچھا میں مولوی صاحب کو اُٹھا کر آپ کے کندھوں کے برابر کرتا ہوں دیکھیں ان کے پیر کہاں آتے ہیں اور یہ کہہ کر اُنہوں نے مولوی صاحب کو اُٹھا کر میرے کندھوں کے برابر کرنا چاہا۔ جتنا وہ اونچا کرتے جاتے اُسی قدر میں اونچا ہوتا جاتا آخر بڑی دقت سے اُنہوں نے ان کے کندھے میرے کندھوں کے برابر کئے تو اُن کی لاتیں میرے گھٹنوں تک بھی نہ پہنچ سکیں جس پر وہ سخت حیران ہوئے۔ یہ خواب اُس وقت کی ہے جب ان جھگڑوں کا وہم وگمان بھی نہ ہوسکتا تھا۔ سات سال کے بعد کے واقعات بتانا انسان کا کام نہیں۔ میں نے یہ رؤیا اُسی وقت سیّد سرور شاہ صاحب، سیّد ولی اللہ شاہ صاحب کو جو اِس وقت بیروت (شام) میں ہیں اور سید حبیب اللہ شاہ صاحب کو جو میڈیکل کالج کی آخری کلاس میں پڑھتے ہیں سنادی تھی اور ان سے گواہی لی جاسکتی ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اُن کو یہ رؤیا یاد ہوگی۔ ممکن ہے کہ اور دوستوں کو بھی سنائی ہو لیکن اور کسی کا نام یاد نہیں ہم اُس وقت اِس رؤیا پر حیران ہوا کرتے تھے کہ یہ قدوں کا ناپنا کیا معنی رکھتا ہے نہ خلافت کا سوال تھا نہ خلیفہ کی بیعت کا، حضرت مسیح موعود علیہ السلام زندہ تھے کون سمجھ سکتا تھا کہ کبھی واقعات بدل کر اور کی اور صورت اختیار کرلیں گے مگر خدا کی باتیں پورے ہوئے بغیر نہیں رہتیں۔ مولوی محمد علی صاحب کے دوستوں نے اُنہیں میرے مقابلہ پر کھڑا کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو سخت ناکام کیا حتّٰی کہ اُنہوں نے اپنی ذلّت کا خود اقرار کیا۔ جس قدر بھی ان کے دوستوں نے زور مارا کہ اُن کو اونچا کریں اُسی قدر خدا تعالیٰ نے اِن کو نیچا کیا اور قریباً ستانوے فیصدی احمدیوں کو میرے تابع کر دیا اور میرے ذریعہ جماعت کا اتحاد کر کے مجھے بلند کیا۔

اب میں آخر میں تمام راستی پسند انسانوں کو کہتا ہوں کہ اگر وہ اب تک خلافت کے مسئلہ میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکے تو اب بھی فیصلہ کرلیں کیونکہ یہ کام خدا کی طرف سے ہوا ہے اور کسی

انسان کا اس میں دخل نہیں۔ اگر آپ اس صداقت کا انکار کریں گے تو آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا بھی انکار کرنا پڑے گا۔ پس حق کو قبول کریں اور جماعت میں تفرقہ نہ ڈالیں۔ میں کیا چیز ہوں؟ میں جماعت کا ایک خادم ہوں جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس جماعت کو متحد کرنا چاہتا ہے ورنہ کام تو سب اللہ تعالیٰ کا ہے۔ مجھے خلافت کا نہ کوئی شوق تھا اور نہ ہے مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کام پر مقرر کر دیا تو میں ہوگیا میرا اس میں کوئی دخل نہیں۔ اور آپ ان باتوں کو سُن کر یہ بھی اندازہ کر سکیں گے کہ جب کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے قبل از وقت خلافت کا جھگڑا، خلیفہ کی صداقت، خلیفہ اوّل کی وفات کا سن، مہینہ، آپ کی وصیت، میرا گاڑی میں آپ کی وفات کی خبر سننا، آپ کی بیماری کا حال سب کچھ بتا دیا تھا تو کیا ایک لمحہ کے لئے بھی میرا دل متردّد ہو سکتا تھا اور جب کہ بعض دوسری رؤیا نے وقت پر پوری ہو کر بتا دیا کہ منشائے الٰہی یہی تھا کہ میں ہی دوسرا خلیفہ ہوں اور میری مخالفت بھی ہو اور کامیابی میرے لئے ہو تو کیا میں خلافت کے متعلق ان لوگوں کا مشورہ سُن سَکتا تھا جو مجھے مشورہ دیتے تھے کہ میں اب بھی اس کام کو ترک کر دوں۔ کیا میں منشائے الٰہی کے خلاف کر سکتا ہوں؟ اگر میں ایسا کروں تو میں خدا تعالیٰ کے فیصلہ کو ردّ کرنے والا ہوں گا اور اللہ تعالیٰ مجھے اس حرکت سے محفوظ رکھے۔ خدا نے جو چاہا وہ ہو گیا اور جو لوگوں نے چاہا وہ نہ ہوا۔ مگر مبارک ہے وہ جو خدا کے فیصلہ کو قبول کرے اور اس قدر آسمانی شہادتوں کے بعد ضد اور ہٹ سے کام نہ لے۔'' (انوار العلوم جلد ۲ صفحہ ۱۵۵ تا ۱۹۲)

---

۱ بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورة نوح باب ودّا ولا سواعا صفحہ ۸۷۵ حدیث نمبر ۴۹۲۰ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانية

۲ راہرو: مسافر (فرہنگ آصفیہ جلد دوم صفحہ ۹۴۷ مطبوعہ لاہور ۲۰۱۵ء)

۳ الم نشرح: ۴،۳　　۴ اٰل عمران: ۱۶۵

۵ یوحنا باب ۲۱ آیت ۱۵ تا ۱۷ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۲۲ء

۶ لوقا باب ۹ آیت ۱۔۲ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۲۲ء

۷ لوقا باب ۹ آیت ۶ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۲۲ء

۸؎ المجادلہ: ۲۲ ۹؎ النور: ۵۶

۱۰؎ الوصیت روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۰۴، ۳۰۵ ایڈیشن ۲۰۰۸ء

۱۱؎ الوصیت روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۰۶، ۳۰۷ ایڈیشن ۲۰۰۸ء

۱۲؎ المائدۃ: ۱۱۸

۱۳؎ لوقا باب ۱۵ آیت ۱۱ تا ۳۲ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۲۲ء

۱۴؎ تذکرہ صفحہ ۱۶۹۔ ایڈیشن چہارم ۲۰۰۴ء

۱۵؎ تذکرہ صفحہ ۶۹۔ ایڈیشن چہارم ۲۰۰۴ء

۱۶؎ براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۱۱۴ ایڈیشن ۲۰۰۸ء

۱۷؎ تذکرہ صفحہ ۱۵۷۔ ایڈیشن چہارم

۱۸، ۱۹؎ تذکرہ صفحہ ۴۶۷۔ ایڈیشن چہارم ۲۰۰۴ء

۲۰؎ تذکرہ صفحہ ۴۶۴۔ ایڈیشن چہارم ۲۰۰۴ء

۲۱؎ تذکرہ صفحہ ۵۹۴۔ ایڈیشن چہارم ۲۰۰۴ء

۲۲؎ تذکرہ صفحہ ۴۳۵۔ ایڈیشن چہارم ۲۰۰۴ء

۲۳، ۲۴؎ تذکرہ صفحہ ۵۹۱۔ ایڈیشن چہارم ۲۰۰۴ء

۲۵؎ تذکرہ صفحہ ۵۹۷۔ ایڈیشن چہارم ۲۰۰۴ء

۲۶؎ تذکرہ صفحہ ۵۶۵، ۵۶۶۔ ایڈیشن چہارم ۲۰۰۴ء

۲۷؎ تذکرہ صفحہ ۱۹۷۔ ایڈیشن چہارم ۲۰۰۴ء

۲۸؎ تذکرہ صفحہ ۶۰۔ ایڈیشن چہارم ۲۰۰۴ء

۲۹؎ تذکرہ صفحہ ۳۵۸۔ ایڈیشن چہارم ۲۰۰۴ء

۳۰؎ الوصیت روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۲۷ ایڈیشن ۲۰۰۸ء

۳۱؎ الفرقان: ۷۸

القول الفصل

(مطبوعہ ۳۰؍جنوری ۱۹۱۵ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی وفات کے وقت خواجہ کمال الدین صاحب لندن میں تھے۔آپ نومبر ۱۹۱۴ء میں واپس آئے اور اہل پیغام کے پہلے جلسہ سالانہ ۱۹۱۴ء میں ایک لیکچر ''اندرونی اختلافاتِ سلسلہ احمدیہ کے اسباب'' پر دیا جو بعد میں ٹریکٹ کی شکل میں احمدی احباب میں مُفت تقسیم کیا گیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے جب اس لیکچر کا مطالعہ فرمایا تو اُسی دن یعنی ۲۱؍جنوری ۱۹۱۵ء کو صبح سے شام تک یہ جوابی رسالہ ''القول الفصل'' کے نام سے تحریر فرمایا جو ۳۰؍جنوری ۱۹۱۵ء کو انجمن ترقی اسلام نے شائع کیا۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانی، خواجہ کمال الدین صاحب کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''اب ایک مسئلہ خلافت باقی رہ گیا ہے جس پر خواجہ صاحب نے بڑا زور دیا ہے اور درحقیقت یہی ایک بڑی بنائے مخاصمت ہے ورنہ ہم سے ان کو کچھ زیادہ پُرخاش نہیں۔ خلافت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ وہی باتیں ہیں جن کا مفصل جواب خلافت احمدیہ میں حضرت خلیفہ اوّل کے حکم کے ماتحت انجمن انصاراللہ نے دیا تھا۔اب ایک طرف تو وہ مضمون ہے جس کا خود خلیفہ اوّل نے حکم دیا اسے دیکھا، اصلاح فرمائی، اجازت دی۔کیا اس کے مقابلہ میں آپ بھی کوئی ایسا مضمون خلافت کے خلاف پیش کرسکتے ہیں جسے حضرت خلیفہ اوّل نے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہو، پسند فرمایا ہو اور شائع کرنے کی اجازت دی ہوتا کہ اس سے آپ کے اس دعوے کی تصدیق ہوسکے کہ حضرت خلیفہ اوّل شخصی خلافت کے قائل نہ تھے۔

میری اس سے یہ غرض نہیں کہ حضرت خلیفہ اوّل کی پسندیدگی سے خلافت کا مسئلہ حل ہو جائے گا کیونکہ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ آپ کی پسندیدگی یا عدمِ پسندیدگی سے فیصلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ اصل فیصلہ وہی ہونا چاہیئے جو اسلام اور مسیح موعودؑ کے حکم کے ماتحت ہو۔ لیکن میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آپ کے مضمون سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح بھی آپ کے اس خیال کے مؤید تھے اور آپ صرف ایک بزرگ ہونے کے لحاظ سے بیعت لیتے تھے نہ کہ خلیفہ کی حیثیت سے۔ لیکن یہ بات صریح غلط ہے۔ حضرت کی پہلی تقریر جو خلافت سے پہلے آپ نے کی موجود ہے اور آپ لوگوں نے اس پر جو اعلان کیا وہ بھی موجود ہے۔ ان کو دیکھ کر کوئی انسان فیصلہ نہ کرے گا کہ حضرت خلیفۃ المسیح مسئلہ خلافت کے قائل نہ تھے بلکہ یہ بھی فیصلہ نہ کرے گا کہ خود خواجہ صاحب بھی قائل نہ تھے۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح کو جب بیعت کے لئے کہا گیا تو آپ نے ایک تقریر فرمائی جس کے بعض فقرات ذیل میں درج ہیں۔

''موجودہ وقت میں سوچ لو کہ کیسا وقت ہے جو ہم پر آیا ہے۔ اِس وقت مردوں بچوں عورتوں کے لئے ضروری ہے کہ وحدت کے نیچے ہوں۔ اِس وحدت کے لئے ان بزرگوں میں سے کسی کی بیعت کرلو (جن کے آپ نے پہلے نام لئے تھے) میں تمہارے ساتھ ہوں''۔

پھر آگے فرماتے ہیں:۔

''میں چاہتا ہوں کہ دفن ہونے (حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دفن ہونے) سے پہلے تمہارا کلمہ ایک ہو جائے''۔

اب ان دونوں فقرات سے کیا ظاہر ہوتا ہے کیا یہ کہ آپ خلافت کی بیعت کے لئے کھڑے ہوئے تھے یا اپنے زہد و اتقاء کی وجہ سے آپ نے دوسرے پیروں کی طرح بیعت لی تھی۔ یہ فقرات دلالت کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دفن ہونے سے پہلے آپ چاہتے تھے کہ کُل جماعت ایک خلیفہ کے ماتحت ہو اور اس میں وحدت پیدا ہو جائے نہ کہ علم و تقویٰ کی وجہ سے بیعت لینے کے لئے آگے بڑھے تھے۔ پھر آپ نے جو اعلان حضرت خلیفہ اوّل کی بیعت پر شائع کیا اس میں آپ نے لکھا ہے کہ مطابق الوصیت آپ کی

بیعت کی گئی ہے اور سب جماعت آپ کی خدمت میں بیعت کے خطوط لکھ دے۔ اب فرمائیے کہ کیا آپ کا یہ اعلان یہی ظاہر کرتا ہے کہ آپ نے صرف بزرگ سمجھ کر بیعت کی تھی۔ الوصیت کے کون سے فقرات میں یہ بات درج ہے کہ اگر کوئی نیک آدمی جماعت میں ہوتو میری ساری جماعت اس کی بیعت کرے۔ اور اس کا فرمان سب جماعت کے لئے آئندہ ایسا ہی ہو جیسا کہ حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا''۔

بات یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات سے جماعت میں ایسے شدید تفرقہ کا خطرہ تھا کہ اُس وقت سوائے ایک خلیفہ کے ذریعہ جماعت کو متحد رکھنے کے آپ کو اور کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آتی تھی اور خلافت کی مخالفت کے خیال بعد کے ہیں یا اُس وقت شدتِ غم میں دَب گئے تھے کیونکہ حضرت خلیفہ اوّل نے اُس وقت فرما دیا تھا کہ بیعت کے بعد میری ایسی فرمانبرداری کرنی ہوگی جس میں کسی انکار کی گنجائش نہ ہو۔ پس اگر اُس وقت آپ کے خیالات اِس کے خلاف ہوتے تو آپ کیوں بیعت سے انکار نہ کر دیتے۔

خواجہ صاحب! اور امور میں میں خیال کرسکتا ہوں کہ آپ کو غلطی لگی ہوگی لیکن اس امر میں میں ایک منٹ کے لئے بھی خیال نہیں کرسکتا کہ آپ غلطی سے یہ اثر قارئین ٹریکٹ کے دل پر ڈالنا چاہتے ہیں کہ آپ خلیفہ اوّل کی وفات تک ان کے سامنے اظہار کرتے رہے کہ آپ خلافت کے قائل نہیں ہیں اور یہ کہ چھوٹی مسجد کی چھت پر آپ سے جو بیعت لی گئی وہ خوشنودی کی بیعت تھی۔ میرے کانوں میں یہ الفاظ گونج رہے ہیں کہ جس نے یہ لکھا ہے کہ خلیفہ کا کام بیعت لینا ہے اصل حاکم انجمن ہے وہ توبہ کرلے۔ خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ اگر اس جماعت میں سے کوئی تجھے چھوڑ کر مرتد ہو جائے گا تو میں اس کے بدلے تجھے ایک جماعت دوں گا اور آپ جانتے ہیں کہ وہ شخص جس نے یہ الفاظ لکھے تھے کون تھا۔ ہاں یہ الفاظ بھی میرے کانوں میں اب تک گونج رہے ہیں کہ دیکھو میں اس انجمن کی بنائی ہوئی مسجد پر بھی نہیں کھڑا ہوا بلکہ اپنے میرزا کی بنائی ہوئی مسجد پر کھڑا ہوں اور یہ وہ الفاظ تھے جن کو سن کر لوگوں کی چیخیں نکل گئی تھیں وہ لوگ اب تک زندہ ہیں جن کو سمجھا کر آپ لاہور سے لائے تھے اور جن کو الگ الگ حضرت خلیفہ اوّل نے سخت ڈانٹ پلائی تھی...... خود مجھ سے دیر دیر تک آپ کی اس

بغاوت کے متعلق حضرت ذکر فرمایا کرتے تھے اور سخت الفاظ میں اپنے رنج کا اظہار فرمایا کرتے تھے بلکہ یہی نہیں میں آپ کے دوستوں کے ہاتھ کے لکھے ہوئے خطوط پیش کرسکتا ہوں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت خلیفہ اوّل اس معاملہ میں آپ پر سخت ناراض تھے۔ وفات سے کچھ دن پہلے جلسہ کی خوشی میں جو اعلان کیا اس میں بھی اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں موجود ہے۔

''جب ایک دفعہ خلافت کے خلاف شور ہوا تھا تو مجھے اللہ تعالیٰ نے رؤیا میں دکھایا تھا''۔ اور آپ جانتے ہیں کہ یہ رؤیا مسجد کی چھت پر اسی جلسہ میں جس میں آپ فرماتے ہیں کہ مجھ سے بیعت ارشاد لی، سنائی تھی اور وہ کون تھے جنہوں نے خلافت کے خلاف شور مچایا تھا۔ خلافت کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح کی بہت سی تحریریں موجود ہیں اور وہ شائع ہو چکی ہیں۔ جب آپ ملتان ایک مقدمہ میں گواہی دینے کے لئے تشریف لے گئے تھے تو آپ نے ان الفاظ میں اپنی شہادت کو شروع کیا تھا۔

''میں حضرت مرزا صاحب کا خلیفہ اوّل ہوں۔ جماعت احمدیہ کا لیڈر ہوں''۔

پھر آپ اپنی ایک تقریر میں فرماتے ہیں:۔

''میں خلیفۃ المسیح ہوں اور خدا نے مجھے بنایا ہے...... خدا تعالیٰ نے مجھے یہ رِدا پہنا دی ہے...... اُس نے آپ۔ نہ تم میں سے کسی نے مجھے خلافت کا کُرتہ پہنا دیا...... معزول کرنا اب تمہارے اختیار میں نہیں۔ ایک وہ خلیفہ ہوتا ہے جو لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ [1] میں موعود ہے...... تم معزول کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ میں تم سے کسی کا بھی شکرگزار نہیں ہوں۔ جھوٹا ہے وہ شخص جو کہتا ہے کہ ہم نے خلیفہ بنایا۔ مجھے یہ لفظ بھی دکھ دیتا ہے جو کسی نے کہا کہ پارلیمنٹوں کا زمانہ ہے...... میں کہتا ہوں وہ بھی توبہ کر لے جو اس سلسلہ کو پارلیمنٹ اور دستوری سمجھتا ہے...... مجھے وہ لفظ خوب یاد ہیں کہ ایران میں پارلیمنٹ ہوگئی اور دستوری کا زمانہ ہے اُنہوں نے اس قسم کے الفاظ بول کر جھوٹ بولا بے ادبی کی ...... میں پھر کہتا ہوں وہ اب بھی توبہ کرلیں...... اور حضرت مسیح موعود اور مہدی بھی آ چکے جس کا خدا نے اپنے فضل سے مجھ کو خلیفہ بنایا''۔

خواجہ صاحب! بتائیں کہ اگر آپ یا آپ کے دوست نہ تھے تو اور کون لوگ تھے جنہوں نے کہا تھا کہ ہمارا ہی بنایا ہوا خلیفہ ہے ہم اسے معزول کر دیں گے اور وہ کون لوگ تھے جو کہتے تھے کہ یہ زمانہ ہی پارلیمنٹوں کا ہے ایک حاکم کا نہیں ۔ دیکھو ایران میں بھی دستوریت ہوگئی ہے اس لئے انجمن ہی اصل حاکم ہونی چاہیے ۔

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر جو پہلا جلسہ ہوا اس میں جو تقریر آپ نے فرمائی اس کے بعض فقرات یہ ہیں ۔

''اب ایک سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ تم ملہم نہیں تمہاری کیا ضرورت ہے ۔ کیا حضرت صاحب ہمارے لئے کم ہدایت چھوڑ گئے ہیں ۔ ان کی اسّی (۸۰) کے قریب کتابیں موجود ہیں وہ ہمارے لئے کافی ہیں یہ سوال بدبخت لوگوں کا ہے جو خدا تعالیٰ کی سنت کا علم نہیں رکھتے ۔ اس قسم کے سوال سے تمام انبیاء کا سلسلہ باطل ہو جاتا ہے چنانچہ کہہ سکتے ہیں کہ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا[۲] جب خدا نے سب کچھ آدم کو بتا دیا تو اب نوح اور ابراہیم کیا لائے جو ماننا ضروری ہے؟ كُلَّهَا تو ان کے حق میں آ چکا ہے ۔ پھر آدم کے لئے سب ملائکہ نے سجدہ کیا پس اب ان دوسرے انبیاء کی کیا ضرورت ہے ۔ پھر دم نقد واقعہ موجود ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جامع جمیع کمالات جن کی نسبت میرا اعتقاد ہے خاتم الرسل، خاتم الحکام، خاتم النبیّن، خاتم الاولیاء، خاتم الانسان ہیں ۔ اب ان کے بعد اگر کوئی ابوبکر کو نہیں مانتا تو فرمایا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ[۳] یعنی جو انکار کرے گا وہ خدا کی اطاعت سے باہر نکلنے والا ہے''۔

''غرض یہ سوال پہلے آدم پر پڑتا ہے ۔ پھر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ۔ پھر ابوبکرؓ پر، پھر علیؓ پر، پھر مہدی پر ۔ جب سارے علوم رسالت مآب سنا گئے تو مہدی کی کیا ضرورت ہے؟ حقیقی بات یہی ہے کہ ضرورت ہے اجتماع کی ۔ اور شیرازۂ اجتماع قائم رہ سکتا ہے ایک امام کے ذریعہ ۔ اور پھر یہ اجتماع کسی ایک خاص وقت میں کافی نہیں مثلاً صبح کو امام کے پیچھے اکٹھے ہوئے تو کیا کہہ سکتے ہیں کہ اب ظہر کو کیا ضرورت ہے؟ عصر کو کیا؟ پھر شام کو کیا؟ پھر عشاء کو کیا؟ پھر جمعہ کو اکٹھے ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ پھر عید کے دن کیا ضرورت

ہے؟ پھر حج میں کیا ضرورت ہے؟ اسی طرح ایک وقت کی روٹی کھالی تو پھر دوسرے وقت کیا ضرورت ہے؟ جب ان باتوں میں تکرار ضروری ہے تو اس اجتماع میں بھی تکرار ضروری ہے یہ میں اس لئے بیان کرتا ہوں تا تم سمجھو کہ ہمارے امام چلے گئے تو پھر بھی ہم میں اسی وحدت، اتفاق، اجتماع اور پُر جوش روح کی ضرورت ہے''۔

اس تقریر میں آپ نے جو اعتراض خلافت پر کئے ہیں ان کے جواب خود حضرت خلیفہ اوّل کی زبانی موجود ہیں لیکن میں نے یہ حوالہ جات اس لئے نقل نہیں کئے کہ میں یہ آپ پر حجت قائم کروں کہ حضرت خلیفہ اوّل نے یوں فرمایا ہے اس لئے آپ بھی مان لیں بلکہ اس لئے نقل کئے ہیں تا آپ کو معلوم ہو جائے کہ حضرت خلیفہ اوّل کا مذہب شائع ہو چکا ہے اور آخری حوالہ تو خود صدر انجمن احمدیہ کی رپورٹ سے نقل کیا گیا ہے پس آپ کی یہ کوشش کہ لوگوں پر یہ ثابت کریں کہ حضرت خلیفہ اوّل کسی شخصی حکومت کے قائل نہ تھے کامیاب نہیں ہو سکتی بلکہ اس سے آپ کی دیانت پر خطرناک اعتراض آتا ہے۔ پس آپ یہ بیشک اعلان کریں کہ خلافت کے متعلق حضرت خلیفہ اوّل کی رائے حجت نہیں لیکن یہ خیال لوگوں کے دلوں میں بٹھانے کی کوشش نہ کریں کہ حضرت خلیفہ اوّل آپ کے اس خیال پر آپ سے خوش تھے یا یہ کہ آپ سے ناراض نہ تھے یا یہ کہ خود آپ سے متفق تھے کیونکہ ان خیالات میں سے کسی ایک کا ظاہر کرنا گویا اس بات کا یقینی ثبوت دینا ہے کہ خلافت کے مقابلہ میں حق کی بھی پرواہ نہیں رہی ضرور ہے کہ اس مضمون کو پڑھ کر خود آپ کے وہ دوست جن کی مجلس میں آپ بیٹھتے ہیں آپ پر دل ہی دل میں ہنستے ہوں گے یا اگر ان کے دل میں ذرا بھی خوفِ خدا ہوگا تو روتے ہوں گے کہ خواجہ صاحب کو خلاف بیانی کی کیا ضرورت پیش آئی تھی۔ اگر وہ بیعت جو نہایت سخت ڈانٹ کے بعد آپ سے لی گئی اور اگر وہ بیعت جو حکیم فضل دین کے مکان کے جھگڑے پر آپ کے بعض دوستوں سے لی گئی ایک انعام تھا تو دنیا میں ناراضگی اور خفگی کوئی شَے کا نام نہیں۔ مولوی غلام حسن صاحب پشاوری بھی ان تمام واقعات سے آگاہ ہیں اور آپ کی جماعت کے خلیفہ ہیں کیا آپ اپنے بیان کی تصدیق انہی سے حلفی بیان کے ساتھ کروا سکتے ہیں؟ غالباً ان کو یاد ہوگا کہ ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح کو یہ خبر پہنچی تھی کہ ان کے

خیالات بھی اسی قسم کے ہیں تو وہ کیسے ناراض ہوئے تھے بلکہ اس کی بھی ضرورت نہیں کیا آپ خود تریاق القلوب کے مطابق قسم کھا کر ان دونوں امور پر شہادت دے سکتے ہیں کہ خلیفہ اوّل خلافت کے متعلق آپ کے خیالات سے متفق تھے یا یہ کہ ناراض نہ تھے اور یہ کہ چھوٹی مسجد کی بیعت ایک انعام کے طور پر اور خوشی کی سند کے طور پر تھی یا اس لئے کہ آپ کی مخالفت کی بناء پر آپ کو جماعت سے الگ خیال کر کے آپ سے دوبارہ بیعت لی گئی تھی؟ مجھے اس پر بھی تعجب آتا ہے کہ آپ نے اس بیعت کے متعلق لکھا ہے کہ وہ مجھ سے اور نواب صاحب سے بھی لی گئی۔ اس کے متعلق میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ آپ نے جھوٹ بولا ہاں آپ کو یاد نہیں رہا۔ میں نے ایک خواب دیکھی تھی اور حضرت کو سنائی تھی اِسی کی بناء پر آپ نے عین تقریر میں مجھے اپنی بائیں طرف سے اُٹھا کر دائیں طرف بٹھایا اور پھر اپنی تائید میں تقریر کرنے کا ارشاد فرمایا۔ ورنہ مجھ سے کوئی بیعت نہیں لی گئی اور نہ نواب صاحب سے۔

باقی رہا وصیت کا معاملہ اس پر خلافت احمدیہ میں مفصل بحث موجود ہے آپ پہلے اس کا جواب دے دیں۔ پھر اس پر بھی کچھ لکھ دیا جائے گا مگر ضروری ہے کہ جو کچھ پہلے لکھا جا چکا ہے اس کا جواب پہلے ہو جائے۔ اگر آپ کے پاس یہ رسالہ نہ ہو تو آپ مجھے اطلاع دیں میں آپ کی خدمت میں بھجوا دوں گا۔ اسی میں تحریر کا معاملہ بھی آ چکا ہے مگر میں سوال کرتا ہوں دنیا میں لاکھوں نبی اور مامور گزرے ہیں کیا ان میں سے ایک بھی ایسا ہوا ہے کہ اس کی وفات کے بعد اس کی ساری اُمت گمراہ ہو جائے اور ضلالت پر اجماع ہو؟ یہ ناممکن ہے۔ پس وہی معنی درست ہیں جو خدا تعالیٰ کے عمل نے کئے کیونکر ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے قول کے خلاف اس کا فعل ہو۔ خلافت پر ایک خاص رنگ میں بحث میرے لیکچر میں بھی ہے جو سالانہ جلسہ پر ہوا اور اب چھپ رہا ہے۔ وہ چھپ جائے گا تو وہ بھی آپ کو بھجوا دیا جائے گا اس کو بھی دیکھ لیں۔

میں اس جگہ یہ بھی بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ خواجہ صاحب اپنے مضمون میں بار بار لکھتے ہیں کہ ہم الوصیت پیش کرتے ہیں اور ہمارے مقابلہ میں پچھلا طریق عمل پیش کیا جاتا ہے اب بتاؤ کہ کون حق پر ہے۔ لیکن میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ طریق عمل تو اور دلیلوں

میں سے ایک دلیل ہے ورنہ ہم الوصیت کو چھوڑتے نہیں آپ سے بڑھ کر ہم پیش کرتے ہیں۔ ہمارا یقین ہے کہ الوصیت میں نہایت وضاحت سے خلافت کا ذکر ہے۔ چنانچہ قدرتِ ثانیہ کے نام سے آپ نے خلافت کا مسئلہ ایسی وضاحت سے کھولا ہے کہ کسی صداقت پسند انسان کو اس میں شک وشُبہ کی گنجائش نہیں رہتی اور ابوبکرؓ کی مثال دے کر اس مسئلہ کا پوری طرح فیصلہ کر دیا ہے۔ پس آپ کا یہ لکھنا کہ لاہوری الوصیت پیش کرتے ہیں اور قادیانی نہیں کرتے ایک خلافِ واقعہ بات ہے۔ آپ خلافت احمدیہ کو پڑھیں اس میں الوصیت سے خلافت کو بِالوضاحت ثابت کیا گیا ہے اور الوصیت کیا حضرت صاحب کی اور مختلف کتب سے بھی ہم ثابت کر سکتے ہیں کہ آپ کے بعد خلافت کا سلسلہ قائم ہونا تھا۔ چنانچہ پیغامِ صلح، حمامة البشریٰ اور ایک لاہور کی تقریر سے جو ۱۹۰۸ء میں آپ نے فرمائی ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے بعد خلفاء ہوں گے وہ کل جماعت کے مطاع ہوں گے اور یہ کہ خلفاء کو نبی نہیں مقرر کرتا بلکہ خدا پر چھوڑ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ خود خلیفہ مقرر کرتا ہے۔

میں اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے آپ کو ایک اور واقعہ بھی یاد دلا دیتا ہوں جس سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ایک وقت آپ بھی کسی دوسرے خلیفہ کے منتظر تھے جب حضرت خلیفة المسیح گھوڑے سے گر کر سخت بیمار تھے تو اُس وقت مرزا یعقوب بیگ صاحب مجھے گھر سے بُلا کر مولوی محمد علی صاحب کی کوٹھی تک لے گئے تھے وہاں آپ بھی تھے۔ مولوی صاحب بھی تھے اور دوسرے آپ کے دوستوں میں سے بھی دو آدمی تھے۔ آپ نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ حضرت کی حالت خطرناک ہے مجھے خلیفہ ہونے کی خواہش نہیں اور نہ مولوی صاحب کو ہے ہم سب آپ کو ہی خلیفہ بنائیں گے لیکن آپ یہ بات مدنظر رکھیں کہ ہمارے لاہور سے آنے تک خلیفہ کا انتخاب نہ ہو۔ آپ نے اپنے آنے تک انتظار کرنے پر جو زور دیا اِس میں آپ کی نیت کیا تھی اِس سے مجھے بحث نہیں مگر میں نے ایک اثر کی بناء پر کہ ایک خلیفہ کی موجودگی میں دوسرے کے انتخاب پر بحث کرنا ناجائز ہے گفتگو کرنے سے انکار کر دیا اور بات ختم ہوگئی۔ اس واقعہ سے آپ کو یاد آ گیا ہوگا کہ آپ بھی کسی وقت خلافت کے قائل تھے یا کسی مصلحت کی وجہ سے آپ نے ایسا ظاہر کرنا پسند فرمایا تھا آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس

سے مراد بیعت لینے والا خلیفہ تھا کیونکہ اس کے لئے چالیس آدمیوں کی شرط ہے اور آپ کے آنے نہ آنے کا اس پر کوئی اثر نہ ہوسکتا تھا اور نہ ایسا خلیفہ بنانے کے لئے آپ کو یہ ضرورت تھی کہ آپ کہتے کہ نہ میں خلیفہ بننا چاہتا ہوں اور نہ مولوی محمد علی صاحب کیونکہ ایسے خلیفہ کئی ہو سکتے ہیں۔ (آپ ان کا نام خلیفہ رکھتے ہیں میں ان کو خلیفہ نہیں کہتا۔)

خواجہ صاحب ایک جگہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ جو بیعت لے وہ خلیفۃ المسیح کہلا سکتا ہے بلکہ جو شخص پہلے کا کوئی کام کرے وہ اس کا خلیفہ ہے تو کیا وہ بتا سکتے ہیں کہ کیا جس قدر صحابہ اشاعتِ اسلام میں لگے ہوئے تھے اور صحابہ سب ہی اس کام میں مشغول تھے خلیفۃ الرسول کہلاتے تھے؟ اگر صرف ایک شخص ہی کہلاتا تھا تو کیا اس سے ثابت نہیں کہ خلیفہ ایک اسلامی اصطلاح ہے جس کی آپ لوگ ہتک کرتے ہیں۔ پھر اگر خلیفہ اسی کو کہتے ہیں جو کسی کا کام کرے تو کیوں خلیفہ اوّل کی موجودگی میں آپ خلیفۃ المسیح نہیں کہلاتے تھے کیونکہ آپ بقول اپنے مسیح موعود کا اصل کام اشاعتِ اسلام کر رہے تھے اُس وقت کیوں آپ کو خلیفۃ المسیح کہلانے کی جرأت نہیں ہوئی۔ پھر میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ اگر آپ کو یہ دکھانا مدنظر نہیں کہ ہمارے امیر کے ماتحت چند خلیفۃ المسیح ہیں تو کیوں خود مولوی محمد علی صاحب کو خلیفۃ المسیح نہیں لکھا جاتا وہ تو آپ کے نزدیک مسیح موعود کے زیادہ قائم مقام ہیں۔

باقی رہا سوال مقدمہ کا کہ مقدمہ ہوگا اور عدالتوں تک جانا پڑے گا یہ ایسی دھمکیاں ہیں جو ہمیشہ راست بازوں کو ملتی رہی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے لئے کسریٰ نے اپنے آدمی بھیجے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو عدالتوں میں گھسیٹا گیا اسی طرح اگر کوئی مجھے بھی عدالت میں بُلوائے یا انجمن پر مقدمہ کرے تو کیا حرج ہے۔ ''ایں ہمہ اندر عاشقی بالائے غمہائے دگر''۔ جب میں نے خدا کے لئے اور صرف خدا کے لئے اس کام کو اپنے ذمہ لیا ہے اور میں نے کیا لینا تھا خدا تعالیٰ نے یہ کام میرے سپرد کر دیا ہے تو اب مجھے اس سے کیا خوف ہے کہ انجام کیا ہوگا۔ میں جانتا ہوں کہ انجام بہرحال بہتر ہوگا کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کا مجھ سے وعدہ ہے اور وہ سچے وعدوں والا ہے۔ پس آپ مجھے مقدموں سے کیا ڈراتے ہیں۔ ہمارا مقدمہ خدا کے دربار میں داخل ہے کیا یہ بات بعید ہے کہ پیشتر اس کے کہ دنیا کی حکومتیں

ہمارے جھگڑے کا فیصلہ کریں اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْنَ خود ہمارے مقدمہ کا فیصلہ کر دے اور گورنمنٹ کے دخل دینے کے بعد کسی ماتحت عدالت کا کیا حق ہے کہ کچھ کر سکے۔ پس اگر خدا تعالیٰ ہی کوئی فیصلہ صادر فرمائے جس سے سب فساد دور ہو کر امن ہو جائے تو دنیا کی حکومتوں نے کیا دخل دینا ہے۔ مقدمات سے ان کو ڈرائیں جن کی نظر دنیا کے اسباب پر ہے کوئی دنیا کی حکومت ہمیں اس مقام سے نہیں ہٹا سکتی جس پر خدا تعالیٰ نے ہمیں کھڑا کیا ہے کیونکہ دنیاوی حکومتوں کا اثر جسم پر ہے دل پر نہیں دل صرف خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں۔

اس ٹریکٹ میں کچھ متفرق باتیں بھی ہیں گو ان کا جواب ایسا ضروری نہیں مگر کچھ جواب دے دیتا ہوں۔ خواجہ صاحب اس ٹریکٹ میں اس امر سے بھی ڈراتے ہیں کہ حضرت خلیفہ اوّل کے کوئی خطوط ان کے پاس ایسے بھی ہیں جن کے اظہار سے ہمیں سخت دقت پیش آئے گی۔ ان خطوں کی اطلاع مختلف ذرائع سے مجھے پہنچی ہے اور ہر ایک شخص نے یہی بیان کیا ہے کہ خواجہ صاحب فرماتے تھے کہ میں یہ خط صرف آپ کو ہی دکھاتا ہوں اور کسی کو نہیں دکھایا مگر جب دیکھا تو راوی چار پانچ نکلے جس پر مجھے حیرت ہوئی کہ صرف ایک کو سُنا کر اِس قدر لوگوں کو کیونکر علم ہو گیا۔ مگر کوئی تعجب نہیں کہ خواجہ صاحب پہلے ایک سے ذکر کرتے ہوں اور پھر یہ بھول جاتے ہوں کہ میں پیغام بھیج چکا ہوں پھر کوئی اور شخص نظر آ جاتا ہو اور آپ مناسب خیال کرتے ہوں کہ اس کے ہاتھ بھی پیغام بھیج دیں بہرحال ہم خواجہ صاحب کی اِس مہربانی کے ممنون ہیں کہ اُنہوں نے ان خطوط کے مضمون سے بغیر اسے شہرت دینے کے ہمیں مطلع کر دیا۔ لیکن میں کہتا ہوں خواجہ صاحب بیشک ان خطوط کو شائع کر دیں مجھے ان کی عبارت پوری طرح یاد نہیں۔ نہیں تو میں ابھی لکھ دیتا۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ کوئی میری نسبت کیا لکھتا ہے مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میں نے اپنے پیر کے خلاف کبھی کچھ نہیں کہا اور ہمیشہ اس کا فرمانبردار رہا ہوں اور میں نے اس کے منہ سے بارہا یہ الفاظ سنے ہیں کہ مجھے آپ سے محبت نہیں بلکہ عشق ہے۔ اس نے مجھے اُس وقت جب کہ میں کسی قدر بیمار تھا اور بیماری بالکل خفیف تھی۔ ایسی حالت میں کہ خود اسے کھانسی کے ساتھ خون آتا تھا۔ اس طرح پڑھایا ہے کہ وہ مجھے یہ کہہ کر کتاب نہ پڑھنے دیتا تھا کہ آپ بیمار ہیں اور خود اس بیماری میں

پڑھتا تھا۔سو خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں اپنے اُس محسن کا وفادار رہا۔ ہاں چونکہ انسان کمزور ہے اگر میری کسی کمزوری کی وجہ سے وہ کسی وقت مجھ سے ناراض ہوا ہو تو کیا تعجب ہے۔ بخاری میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی جنگ کا ذکر ہے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو سخت ڈانٹا۔ حتیّٰ کہ حضرت ابوبکرؓ کو حضور سے ان الفاظ میں سفارش کرنی پڑی کہ نہیں حضور قصور میرا ہی تھا[۱۴] تو کیا حضرت عمرؓ پر اس واقعہ سے کوئی الزام آ جاتا ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہو گے کہ حضرت عمرؓ سے میری ایک اور مشابہت ہوگئی۔ استاد کا شاگرد کو ڈانٹنا بُری بات نہیں شاگرد کا استاد کو گالی دینا بُرا ہے۔ کیونکہ ڈانٹنا استاد کا کام تھا اور گالی دینا شاگرد کا کام نہیں ہے۔

پس وہ لوگ ایسی کسی تحریر پر کیا خوش ہو سکتے ہیں جو آج بڑے زور سے اعلان کر رہے ہیں کہ ہم نے کبھی خلیفہ اوّل کی مخالفت نہیں کی حالانکہ ان کی دستخطی تحریریں موجود ہیں جن میں اُنہوں نے آپ کو اسلام کا دشمن اور حکومت پسند اور چڑ چڑا وغیرہ الفاظ سے یاد کیا ہے۔ پھر جس تحریر پر ناز کیا جاتا ہے اگر وہ درست بھی مان لی جائے تو اس کے متعلق میرے پاس بھی سیّد ڈاکٹر صاحب کا خط موجود ہے جس سے اصل معاملہ پر روشنی پڑ جاتی ہے اور جس تحریر کی طرف خواجہ صاحب اشارہ کرتے ہیں اس کے بعد کی وہ تحریر ہے جس میں حضرت خلیفہ اوّل نے میری نسبت لکھا ہے کہ میں اسے مصلح موعود سمجھتا ہوں اور پھر اس کے بعد کا واقعہ ہے کہ آپ نے ایک بھری مجلس میں فرمایا کہ مسند احمد بن حنبل کی تصحیح کا کام ہم سے تو ہو نہ سکا میاں صاحب کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ چاہے تو ہو سکے گا۔ اور یہ جنوری ۱۹۱۴ء کی بات ہے۔ آخری بیماری سے ایک دو دن پہلے کی۔ پس آپ ان زبردست حملوں کی اشاعت سے ہرگز نہ چوکیں؟ کیوں اپنے ہاتھ سے موقع جانے دیتے ہیں شاید اسی سے آپ کو کوئی فائدہ پہنچ جائے مگر خوب یاد رکھیں کہ میرا معاملہ کسی انسان کی تعریف کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا اگر حضرت خلیفہ اوّل کی وہ تحریریں میری تائید میں موجود نہ ہوتیں جو آپ کے پاس جس قدر خطوط ہیں ان کی نفی کر دیتی ہیں تو بھی مجھے خدا نے اس کام پر کھڑا کیا ہے نہ کہ کسی انسان نے۔ میں کسی انسان کی تحریروں کا محتاج نہیں۔ خلافت خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ جو انسانوں کے

خیالات سے اندازہ لگا کر میری بیعت میں داخل ہوا ہے وہ فوراً اپنی بیعت کو واپس لے لے اور مجھے خدا پر چھوڑ دے میں مشرک نہیں ہوں۔ مجھے انسانوں کے خیالات کی پرواہ نہیں۔ خدا تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ مجھے کامیاب کرے گا۔ پس میں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحم کے ماتحت کامیاب ہوں گا اور میرا دشمن مجھ پر غالب نہ آ سکے گا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنی پوشیدہ در پوشیدہ حکمتوں کے ماتحت جن کو میں خود بھی نہیں سمجھتا۔ ایک پہاڑ بنایا ہے پس وہ جو مجھ سے ٹکراتا ہے اپنا سر پھوڑتا ہے۔ میں نالائق ہوں اس سے مجھے انکار نہیں۔ میں کم علم ہوں اس سے میں ناواقف نہیں۔ میں گنہگار ہوں اس کا مجھے اقرار ہے۔ میں کمزور ہوں اس کو میں مانتا ہوں لیکن میں کیا کروں کہ میرے خلیفہ بنانے میں خدا تعالیٰ نے مجھ سے نہیں پوچھا اور نہ وہ اپنے کاموں میں میرے مشورہ کا محتاج ہے۔ میں اپنے ضعف کو دیکھ کر خود حیران ہو جاتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے مجھے کیوں چنا اور میں اپنے نفس کے اندر ایک بھی ایسی خوبی نہیں پاتا جس کی وجہ سے میں اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا مستحق سمجھا گیا مگر باوجود اس کے اس میں کوئی شک نہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس کام پر مقرر فرما دیا ہے۔ اور وہ میری اُن راہوں سے مدد فرماتا ہے جو میرے ذہن میں بھی نہیں ہوتیں۔ جب کُل اسباب میرے برخلاف تھے۔ جب جماعت کے بڑے بڑے لوگ میرے خلاف اعلان کر رہے تھے اور جن کو لوگ بڑا خیال کرتے تھے وہ سب میرے گرانے کے درپے تھے اُس وقت میں حیران تھا لیکن سب کچھ میرا ربّ آپ کر رہا تھا۔ اس نے مجھے اطلاعیں دیں اور وہ اپنے وقت پر پوری ہوئیں اور میرے دل کو تسلی دینے کے لئے نشان پر نشان دکھایا اور امورِ غیبیہ سے مجھے اطلاع دے کر اس بات کو پایۂ ثبوت کو پہنچایا کہ جس کام پر میں کھڑا کیا گیا ہوں وہ اس کی طرف سے ہے۔ خواجہ صاحب! آپ نے لکھا ہے کہ اگر آپ الہام سے مصلح موعود ہونے کا دعویٰ کریں تو میں پھر کچھ نہ بولوں گا۔ اگر آپ نے یہ بات سچ لکھی ہے تو میں آپ کو بتاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بار بار بتایا ہے کہ میں خلیفہ ہوں اور یہ کہ وہ میرے مخالفوں کو آہستہ آہستہ میری طرف کھینچ لائے گا یا تباہ کر دے گا اور ہمیشہ میرے متبعین میرے مخالفوں پر غالب رہیں گے۔ یہ سب باتیں مجھے متفرق اوقات میں اللہ تعالیٰ نے بتائی ہیں۔ پس آپ اپنے وعدہ کے

مطابق خاموشی اختیار کریں اور دیکھیں کہ خدا تعالیٰ انجام کار کیا دِکھلاتا ہے۔ اگر مصلح موعود کے ہونے کے متعلق میرے الہام کی آپ قدر کرنے کے لئے تیار ہیں تو کیوں اِس امر میں آسمانی شہادت کی قدر نہیں کرتے۔ آپ خوب یاد رکھیں کہ یہاں خدمات کا سوال نہیں یہاں خدائی دین کا سوال ہے۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ خدمات کے متعلق میرا کوئی دعویٰ نہیں۔ اللہ تعالیٰ اگر مجھ سے کوئی خدمت لے لے تو یہ اُس کا احسان ہوگا ورنہ میں کوئی چیز نہیں۔ میں اِس قدر جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے ذریعہ اس جماعت کو پھر بڑھانا چاہتا ہے۔ میرا ایک بہت بڑا کام ہو گیا ہے۔ جماعت میں احساس پیدا ہو گیا ہے باقی حصہ بھی جلد پورا ہو جائے گا اور احمدیہ جماعت بے نظیر سرعت سے ترقی کرنی شروع کرے گی۔ میں نے تو اس قدر احتیاط سے کام لیا ہے کہ آپ کے طریق تبلیغ کی بھی اُس وقت تک مخالفت نہیں کی جب تک اللہ تعالیٰ نے مجھے نہیں بتایا کہ یہ غلط ہے۔ پس میں آسمان کو زمین کے لئے نہیں چھوڑ سکتا اور اللہ تعالیٰ سے توفیق چاہتا ہوں کہ وہ مجھے ہمیشہ اپنی رضا پر چلنے کی توفیق دے اور ہر قسم کی لغزشوں اور ٹھوکروں سے بچائے۔ آمین

غیر ذمہ دار لوگ

خواجہ صاحب اپنے سارے مضمون میں اس بات پر بہت زور دیتے ہیں کہ یہ سب فساد غیر ذمہ دار لوگوں کا ہے اور اس امر کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں کہ مجھے کچھ لوگ ورغلاتے رہتے ہیں اور یہ لوگ امن نہیں ہونے دیتے۔ میں خواجہ صاحب کو اس معاملہ میں خاص طور پر نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اس لفظ کو میری جماعت کے لوگوں کی نسبت استعمال نہ کیا کریں۔ کیونکہ میں اس امر کا قائل نہیں کہ کچھ خاص لوگ سلسلہ کے ٹھیکیدار ہیں۔ خوب یاد رکھیں کہ ہر ایک وہ شخص جو مسیح موعود کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلسلہ میں داخل ہوتا ہے وہ ذمہ دار ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ** [۵] پھر آپ کیوں کر فرماتے ہیں کہ غیر ذمہ دار لوگ کیوں بولتے ہیں۔ انہی کا یہ سب فساد ڈالا ہوا ہے۔ آپ نے ذمہ داری شاید یہ سمجھ لی ہے کہ ایک شخص مالدار ہو یا ڈگری یافتہ ہو۔ میرے خیال میں ذمہ داری کچھ اور ہی چیز ہے اور ہر ایک مسلمان خدا کے نزدیک ذمہ دار ہے خواہ وہ گُدڑی پوش ہو یا تخت شاہی پر بیٹھا

ہوا ہو۔ میں احمدی ہونے کے لحاظ سے جس طرح ایک امیر سے امیر مبائع کو سلسلہ کے کاموں کا ذمہ دار خیال کرتا ہوں ۔اسی طرح اس شخص کو جسے دو تین وقت کا فاقہ ہوا اور جس کے تن پر پھٹے ہوئے کپڑے ہوں ۔آپ اپنی جماعت کے لوگوں میں خواہ کس قدر فریق ہی بنائیں میں اپنے مبائعین میں ہرگز کوئی فرق نہیں پاتا۔خلیفہ ایک وجود ہے جس کو اللہ تعالیٰ انتظام کے لئے کھڑا کرتا ہے۔اس امر کو چھوڑ کر خود خلیفہ جماعت میں سے ایک معمولی فرد ہے اور اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ اصولوں کا ایسا ہی پابند ہے جیسے اور ممبر۔اور جس طرح اور لوگ سلسلہ احمدیہ کے افراد ہیں وہ ان افراد میں سے ایک فرد ہے ان کا بھائی ہے۔انہی کا ہے۔اسے اس انتظام سے علیحدہ ہو کر جو جماعت کے قیام کیلئے اس کے سپرد کیا گیا ہے اور کوئی فضیلت نہیں ۔اگر وہ غریب سے غریب آدمی کے حق کو دباتا ہے تو وہ خدا کے حضور جوابدہ ہے۔ پس اس جماعت کا ہر ایک فرد ذمہ دار ہے اور اسلام کسی کو ذلیل نہیں کرتا۔ حضرت عمرؓ کے وقت ایک حبشی غلام نے ایک شہر سے صُلح کر لی تھی باوجود افسروں کی ناراضگی کے حضرت عمرؓ نے اُس کو قائم رکھا اور باوجود اس کے کہ اس میں بعض جگہ انتظامی دِقتیں پیدا ہو جانے کا خطرہ ہوسکتا تھا۔[۶] مگر میں کہتا ہوں اس واقعہ سے خوب ظاہر ہو جاتا ہے کہ اسلام خلیفہ کو اس مقام پر کھڑا کرتا ہے جہاں اس کی نظر میں سب مسلمان برابر ہوں ۔آپ ایک طرف تو یہ اصل مقرر کرتے ہیں کہ یہ دیکھنا چاہیے کہ بات کیسی ہے اور یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ کس نے کہی ہے اور کن خیالات سے کہی ہے لیکن آپ نے اس پر عمل تو نہ کیا۔ جماعت کے ایک حصہ کو جو آپ کی اور میری طرح معزز ہے بے وجہ غیر ذمہ دار قرار دے دیا۔ بے شک اگر بعض لوگوں کی بعض باتیں آپ کو پسند نہ آئی تھیں تو آپ کہہ سکتے تھے کہ فلاں فلاں باتیں ان کی غلط ہیں ان کو بند کیا جاوے یا ان کی اصلاح کی جائے۔ بجائے اس کے آپ ایک گروہ غیر ذمہ داروں کا قرار دے کر اس کی باتوں کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی غیر ذمہ داری کی وجہ سے مجھے مشورہ دیتے ہیں کہ اسے بند کر دوں ۔مگر چونکہ میں سب کو ذمہ دار خیال کرتا ہوں اس لئے اس مشورہ پر عمل کرنے سے معذور ہوں ۔ ہاں اگر کوئی بات نامعقول ہو تو اس کے روک دینے کے لئے تیار ہوں ۔مگر خدا کی دی ہوئی طاقتوں کو زائل کرنا میرا کام نہیں ۔

انہی متفرق باتوں میں سے جن کا مختصر جواب میں اس جگہ دینا ضروری سمجھتا ہوں ایک یہ بھی ہے کہ خواجہ صاحب لکھتے ہیں کہ اگر محمد علی اور اس کے دوست ایسے ہی ہیں جیسے تم خیال کرتے ہو تو پھر مرزا کی نہ تعلیم درست نہ تربیت درست اور پھر الزام لگاتے ہیں کہ یہ خیال تو شیعوں کے تھے کہ سب صحابہ سوائے چند اہل بیت اور صحابہ کے منافق تھے۔ مگر میں پوچھتا ہوں کہ یہ خیال تو آپ کا ہے۔ آپ ستانوے فیصدی احمدیوں کو تو غلطی پر خیال کرتے ہیں، منصوبہ باز خیال کرتے ہیں، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کاموں کو تباہ کرنے والا بیان کرتے ہیں اور ایک بڑے حصہ کو اپنے اسی مضمون میں کافر ظاہر کرتے ہیں کیونکہ وہ مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں پھر تعجب ہے کہ اس صورت میں آپ شیعوں کے متبع ہوئے یا ہم۔ شیعہ بھی تو اکثر حصہ کو گندہ کہتے ہیں صرف چند کو پاک خیال کرتے ہیں اور انہی کو ذمہ وار اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیارا سمجھتے ہیں آپ کا بھی ایسا خیال ہے تو یہ اعتراض آپ پر پڑا یا ہم پر؟ اور اگر مولوی محمد علی صاحب اور ان کے چند دوستوں کے بُرا ہو جانے سے مرزا صاحب کی تعلیم پر بھی پانی پھر جاتا ہے تو کیوں احمدی جماعت کے کثیر حصہ کے کافر ہو جانے سے جیسا کہ آپ نے اپنے ٹریکٹ صفحہ ۴۲ پر صریح الفاظ میں لکھا ہے مرزا صاحب ناکام نہیں رہے۔ اگر کہو کہ ہم نے تو حدیث اور مسیح موعود علیہ السلام کے فتویٰ کے مطابق کہا ہے کہ چونکہ آپ لوگ غیر احمدی مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں اس لئے کافر ہو گئے، اپنی طرف سے تو بات نہیں کہی تو میں بھی کہتا ہوں کہ ہم بھی جو فتویٰ لگاتے ہیں قرآن کریم اور احادیث کے مطابق لگاتے ہیں اور ہمارا فتویٰ بھی آیت استخلاف کے ماتحت ہی ہے۔ پس اگر آپ کا فتویٰ درست ہے تو یہ بھی درست ہے اور اگر آپ کا فتویٰ درست ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام **نَعُوْذُ بِاللّٰہِ** ناکام گئے مگر یہ غلط ہے۔ ایسا نہیں ہوا۔ مسیح موعود علیہ السلام کامیاب گئے اور ہر طرح کامیاب گئے۔ جماعت کا اکثر حصہ اُس راہ پر چل رہا ہے جس پر آپ نے چلایا تھا۔ ہاں کچھ لوگ الگ ہو گئے۔ بے شک آپ لکھتے ہیں کہ کیا وہ اکابر خراب ہو سکتے ہیں جو سلسلہ کے خادم تھے؟ تو میں کہتا ہوں کہ مسیح موعود علیہ السلام کی وہ بات کیوں کر پوری ہوتی جو آپ نے الہام کی بناء پر لکھی تھی کہ ''کئی چھوٹے ہیں جو بڑے کئے جائیں گے اور کئی بڑے ہیں جو

چھوٹے کئے جائیں گے۔ پس مقامِ خوف ہے"[7] اگر آپ کے خیال کے مطابق بڑے چھوٹے نہیں ہو سکتے تھے بلکہ اکابر معصوم عن الخطاء ہی سمجھے جانے کے لائق ہیں تو پھر اس عبارت کا کیا مطلب ہے۔ اس عبارت سے تو بِالبداہت ثابت ہو جاتا ہے کہ اکابر کا چھوٹا ہو جانا بھی ممکن ہے بلکہ بعض چھوٹے کئے بھی جائیں گے۔ پس آپ اس دلیل سے کوئی فائدہ نہیں حاصل کر سکتے۔ خصوصاً جب کہ صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ان لوگوں کو جنہوں نے بیعت ابی بکرؓ نہ کی تھی اور جن میں سے ایک ایسا بڑا اُرتبہ رکھتا تھا کہ وہ بارہ نقیبوں میں سے ایک تھا مرتد اور منافق کہا ہے اور اس کا ثبوت صحیح احادیث اور مستند روایات سے مل سکتا ہے۔[8] پس چند آدمیوں کا ٹھوکر کھا جانا جب کہ کثرت حق پر قائم ہو سلسلہ کی تباہی کی علامت نہیں اور پھر اس حالت میں جب کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے رؤیا میں بتایا بھی ہے کہ جماعت کا ایک سنجیدہ آدمی مرتدوں میں مل گیا ہے۔

"۱۸ر ستمبر ۱۹۰۷ء رؤیا۔ فرمایا: چند روز ہوئے میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا تھا کہ وہ مرتدین میں داخل ہو گیا ہے۔ میں اس کے پاس گیا وہ ایک سنجیدہ آدمی ہے۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ یہ کیا ہوا؟ اُس نے کہا کہ مصلحت وقت ہے"۔[9]

اور یہ رؤیا عبدالحکیم کے ارتداد کے بعد کی ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ آپ کا قدم غیر احمدیوں کے زیادہ قریب ہے بہ نسبت ہمارے۔ کیونکہ ہم پر تو آپ الزام دیتے ہیں کہ ہم ان مسلمانوں سے دور ہی دور جا رہے ہیں اور خود جب کہ حضرت کا کشف مولوی محمد علی صاحب کی نسبت موجود ہے کہ آپ بھی صالح تھے اور نیک ارادہ رکھتے تھے، یہ "تھے" ظاہر کرتا ہے کہ کبھی ایسا وقت آنے والا ہے کہ ہمیں نہایت افسوس سے "ہیں" کی بجائے "تھے" کہنا پڑے گا۔ اسی طرح شیخ رحمت اللہ صاحب کی نسبت دعا کرنا اور الہام ہونا کہ شَرُّ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ[10] جن پر تُو نے انعام کیا ان کی شرارت۔ اور یہ بات تو آپ بھی بار بار پیش کرتے ہیں کہ ہم پر حضرت بہت مہربان تھے اور شیخ صاحب کی نسبت دعا کرنے پر اس الہام کا ہونا مطلب کو اور بھی واضح کر دیتا ہے۔

اور اگر آپ کہیں کہ کیا ہماری خدمات کا یہی بدلہ ملنا چاہیے تھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے

کہ خدمات کا یہ بدلہ نہیں ملتا۔ خدمات تو سارے احمدیوں نے کی ہیں اور بُہتوں نے آپ سے بڑھ کر کی ہیں۔ جن کے پاس مسیح موعود علیہ السلام کی لکھی ہوئی سندات موجود ہیں۔ پس یہ نہیں کہہ سکتے کہ خدمات کا ایسا اُلٹا بدلہ کیوں ملا کیونکہ بہتوں نے خدمات کیں اور انعام پائے۔ اگر آپ کو ٹھوکر لگی تو اس کے کوئی پوشیدہ اسباب ہوں گے جن سے خدا تعالیٰ واقف ہے اور ممکن ہے کہ آپ بھی واقف ہوں ہمیں اس بات کے معلوم کرنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ باقی رہا یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کیوں ایسے لوگوں سے آگاہ نہ کیا گیا اس کے دو جواب ہیں۔ اوّل یہ کہ مجملاً آگاہ کیا گیا جیسا کہ پہلے میں الہام لکھ آیا ہوں دوسرے یہ کہ کوئی ضروری نہیں کہ آپ کو آپ کی وفات کے بعد کی کُل کارروائیوں سے واقف کیا جاتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ پر آپؐ کی وفات کے بعد سخت مصائب آئے مگر آپ کو نہیں بتایا گیا کہ کس کا کیا ل حال ہوگا۔ آپ لوگوں پر اصل ابتلاء حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد آیا۔ خلافت بعد میں ہوئی اُس وقت تو نہ تھی۔ پھر یہ کون سی ضروری بات تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بتایا جاتا کہ فلاں فلاں شخص انکارِ خلافت کرے گا اور اگر ضروری تھا تو کیا یہ بتایا گیا کہ آپ کی اولاد سب کی سب اور سب قادیان کے مہاجرین اور اکثر حصہ جماعت آپ کی وفات کے بعد کافر ہو جائیں گے (جیسا کہ آپ نے صفحہ ۴۶ پر کافر قرار دیا ہے) اگر یہ امر آپ کے خیال کے مطابق واقعہ ہو گیا لیکن اس کا آپ کو علم نہ دیا گیا تو آپ کون سی ایسی خصوصیت رکھتے ہیں کہ آپ کے متعلق ضرور کوئی الہام ہونا چاہیے تھا۔ آپ کے سب بیٹے بقول آپ کے کافر ہو جائیں تو کسی الہام کی ضرورت نہیں، سب مہاجرین بگڑ جائیں تو کسی الہام کی ضرورت نہیں لیکن اگر آپ کے عقائد میں کچھ فرق آتا تھا تو اس کی اطلاع مسیح موعود علیہ السلام کو ضرور ہو جانی چاہیے تھی۔ اور اگر نہیں ہوئی تو ثابت ہوا کہ آپ حق پر ہیں۔ خواجہ صاحب! ان دلائل سے کام نہیں چل سکتا کسی بات کے ثابت کرنے کیلئے کوئی مضبوط دلیل چاہیے۔ طلحہؓ اور زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ کے بیعت نہ کرنے سے آپ حُجت نہ پکڑیں۔ ان کو انکارِ خلافت نہ تھا بلکہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا سوال تھا۔ پھر میں آپ کو بتاؤں جس نے آپ سے کہا ہے کہ اُنہوں نے حضرت علیؓ کی بیعت

نہیں کی وہ غلط کہتا ہے۔ حضرت عائشہؓ تو اپنی غلطی کا اقرار کر کے مدینہ جا بیٹھیں اور طلحہؓ اور زبیرؓ نہیں فوت ہوئے جب تک بیعت نہ کر لی۔ چنانچہ چند حوالہ جات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

(الف) وَاَخرَجَ الْحَاكِمُ عَنْ ثَوْرِبْنِ مَجْزَاةَ قَالَ مَرَرْتُ بِطَلْحَةَ يَوْمَ الْجَمَلِ فِیْ اٰخِرِ رَمَقٍ. فَقَالَ لِیْ مِمَّنْ اَنْتَ؟ قُلْتُ مِنْ اَصْحٰبِ اَمِيْرِالْمُؤْمِنِيْنَ عَلِیٍّ ۔ فَقَالَ اُبْسُطْ يَدَکَ اُبَايِعُکَ ۔ فَبَسَطْتُ يَدِیْ وَبَايَعَنِیْ وَفَاضَتْ نَفْسُهٗ. فَاَتَيْتُ عَلِيًّا فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبَى اللّٰهُ اَنْ يَّدْخُلَ طَلْحَةُ الْجَنَّةَ اِلَّا وَبَيْعَتِیْ فِیْ عُنُقِهٖ [۱۱]

ترجمہ: اور حاکم نے روایت کی ہے کہ ثور بن مجزاۃ نے مجھ سے ذکر کیا کہ میں واقعہ جمل کے دن حضرت طلحہؓ کے پاس سے گذرا۔ اُس وقت ان کی نزع کی حالت قریب تھی۔ مجھ سے پوچھنے لگے کہ تم کون سے گروہ میں سے ہو؟ میں نے کہا کہ حضرت امیرالمؤمنین علیؓ کی جماعت میں سے ہوں۔ تو کہنے لگے اچھا! اپنا ہاتھ بڑھاؤ تا کہ میں تمہارے ہاتھ پر بیعت کر لوں چنانچہ اُنہوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کی اور پھر جان بحق تسلیم کر گئے۔ میں نے آ کر حضرت علیؓ سے تمام واقعہ عرض کر دیا۔ آپ سن کر کہنے لگے۔ اَللّٰہُ اَکْبَر خدا کے رسول کی بات کیا سچی ثابت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے یہی چاہا کہ طلحہ میری بیعت کے بغیر جنت میں نہ جائے۔ (آپ عشرہ مبشرہ میں سے تھے)''

(ب) وَذکر کرده شد۔ عائشه را یک بار روز جمل۔ گفت مردم روز جمل میگویند ۔ گفتند اری گفت من دوست داشتم که مے نشستم ۔ چنانکه بنشست غیر من که ایں احب ست بسوی من ازیں که می زائید م از رسول خدا صلعم ده کس که همه ایشاں مانند عبدالرحمن بن الحارث بن هشام می بودند [۱۲]۔

ترجمہ: اور حضرت عائشہؓ کے پاس ایک دفعہ واقعہ جمل مذکور ہوا تو کہنے لگیں کیا لوگ واقعہ جمل کا ذکر کرتے ہیں؟ کسی ایک نے کہا جی اسی کا ذکر کرتے ہیں۔ کہنے لگیں کہ کاش!

جس طرح اورلوگ اس روز بیٹھے رہے میں بھی بیٹھی رہتی۔ اس بات کی تمنا مجھے اس سے بھی کہیں بڑھ کر ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دس بچے جنتی۔ جن میں سے ہر ایک بچہ عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام جیسا ہوتا۔

(ج) نیز طلحه و زبیر از عشرة مبشرة بالجنة اندوبشارت آنحضرت صلعم حق ست۔ با آنکه ایشاں رجوع کردند از خروج و توبه نمودند[۱۳]۔

ترجمہ: اور طلحہ اور زبیر عشرہ مبشرہ میں سے بھی ہیں جن کی بابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی ہوئی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کا سچا ہونا یقینی ہے پھر یہی نہیں بلکہ اُنہوں نے خروج سے رجوع اور توبہ کر لی۔

خواجہ صاحب! آپ نے حضرت صاحب کا ایک الہام لکھا ہے۔ مسلمانوں کے دوفریق ہیں۔ خدا ایک کے ساتھ ہوا یہ سب پھوٹ کا نتیجہ۔ یہ کب ہوا تھا اور کہاں لکھا ہے۔ جب الہاموں کی نقل میں احتیاط سے کام نہیں لیتے تو دوسری باتوں میں آپ نے کیا احتیاط کرنی ہے۔ کلامِ الٰہی کے نقل کرنے میں تو انسان کو حد درجہ کامحتاط ہونا چاہیے اور اپنی طرف سے الفاظ بدل دینے سے ڈرنا چاہیے۔

اس ٹریکٹ میں خواجہ صاحب نے ایک اور بات پر بھی زور دیا ہے کہ یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ مرشد سے عقیدہ میں خلاف ہو۔ اور پھر اس کو چھپائیں یہ تو نفاق ہے۔ بیشک ایک مرشد سے عقیدہ میں اختلاف رکھنا اور اسے چھپانا نفاق ہے لیکن ایک شخص کی بیعت کرنے سے پہلے اُس پر ظاہر کر دینا کہ میرے یہ اعتقادات ہیں اتحادِ عمل کے لئے آپ مجھے اپنی جماعت میں داخل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس شخص کا اسے بیعت میں داخل کرنا نفاق نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی نواب صاحب کو لکھا تھا کہ آپ شیعہ رہ کر بھی بیعت کر سکتے ہیں۔ چنانچہ نواب صاحب کی گواہی ذیل میں درج ہے۔

''میں نے بہ تحریک اپنے استاد مولوی عبداللہ صاحب فخری حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں غالباً آخر ۱۸۸۹ء یا ابتدائے ۱۸۹۰ء میں خط دعا کے لئے لکھا تھا۔ جس پر حضرت نے جواب میں لکھا کہ دعا بِلا تعلق نہیں ہوسکتی آپ بیعت کر لیں۔ اس پر میں نے

جواباً ایک عریضہ لکھا تھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ میں شیعہ ہوں اور اہلِ تشیع اَئمہ اِثناعشر کے سوا کسی کو ولی یا امام نہیں تسلیم کرتے اس لئے میں آپ کی کس طرح بیعت کر سکتا ہوں؟ اِس پر حضرت نے ایک طولانی خط لکھا جس کا مَا حصل یہ تھا کہ اگر برکات روحانیہ محض اَئمہ اِثناعشر پر ختم ہوگئے تو ہم جو روز دعا مانگتے ہیں کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ [14] یہ سب بیکار ہے۔ اور اب مے تو ہو چکی دود [15] باقی ہے۔ کیا ہم دود کے لئے اب مشقت ریاضات کریں؟ حضرت نے یہ بھی لکھا کہ منجملہ ان لوگوں کے جو حضرت امام حسین کے ہم پلہ ہیں میں بھی ہوں بلکہ ان سے بڑھ کر۔ اس خط سے ایک گونہ میرا رُجحان ہوگیا مگر میں نے پھر حضرت کو لکھا کہ کیا ایک شیعہ آپ کی بیعت کر سکتا ہے؟ تو آپ نے تحریر فرمایا کہ ہاں۔ چنانچہ پھر بمقام لدھیانہ ستمبر یا اکتوبر ۱۸۹۰ء میں میں حضرت سے ملا اور اس ملاقات کے بعد میں نے حضرت صاحب کو بیعت کا خط لکھ دیا مگر ساتھ ہی لکھا کہ اس کا اظہار سرِ دست نہ ہو۔ مگر ازالہ اوہام کی تصنیف کے وقت حضرت نے لکھا کہ مجھ کو اس طرح آپ کا پوشیدہ رکھنا نامناسب معلوم ہوتا ہے۔ میں آپ کے حالات ازالہ اوہام میں درج کرنا چاہتا ہوں۔ آپ اپنے حالات لکھ کر بھیج دیں چنانچہ میں نے حالات لکھ دیئے اور باوجود بیعت اور تعلق حضرت اقدس میں ۱۸۹۳ء تک شیعہ ہی کہلاتا رہا اور نماز وغیرہ سب ان کے ساتھ ہی ادا کرتا تھا بلکہ یہاں قادیان اس اثناء میں آیا تو نماز علیحدہ ہی پڑھتا رہا تھا۔ ۱۸۹۳ء سے میں نے شیعیت کو ترک کیا ہے۔ محمد علی خان''۔

خواجہ صاحب نفاق تو اس کو کہتے ہیں کہ ظاہر اور بات کی جائے اور دل میں اور ہو لیکن جو شخص آگے آ کر خود کہہ دے کہ میرا یہ عقیدہ ہے وہ نفاق کا مرتکب کیونکر کہلا سکتا ہے اور جس کی بیعت کرتا ہے اس سے کبھی اس عقیدہ کو پوشیدہ نہ رکھے اور وہ اسے اجازت دے دے تو یہ نفاق کیونکر ہوا۔

خواجہ صاحب! نہ معلوم آپ نے یہ بات کہاں سے معلوم کی کہ احمدیت کی روک کا اصل باعث تکفیر ہے اگر یہ بات تھی تو چاہئے تھا کہ جب سے آپ الگ ہوئے ہیں آپ کا حصہٴ جماعت سرعت سے بڑھنے لگتا لیکن بجائے اس کے آپ نے تو کوئی معتد بہ ترقی نہیں کی

لیکن برخلاف آپ کے بیان کے کہ

''پیارو تم احمدیت کو تو کیا پھیلاؤ گے سنو! اور ہوش سے سنو!! اگر وہ خبر درست ہے جو مجھے گذشتہ ہفتہ معتبر ذرائع سے معلوم ہوئی ہے تو تمہاری رفتارِ احمدیت جو نہایت سرعت سے خراسان اور حدودِ افغانستان میں جاری تھی ختم ہوگئی اور بہت سے احمدی احمدیت سے الگ ہوگئے اور اس کے ذمہ دار دو ہی مسئلے ہیں جیسے مجھے اطلاع ملی ایک تکفیرِ غیر احمدیاں اور دوسری مرزا صاحب کی نبوتِ مستقلہ۔ کوئی شخص نفاق کے سوائے اس عقیدہ پر افغانستان میں نہیں رہ سکتا''۔ [16]

احمدیت نہایت زور سے بڑھ رہی ہے اور پچھلے چند ماہ میں سینکڑوں نئے آدمی سلسلہ میں داخل ہوئے ہیں جن میں انگریزی علوم کے لحاظ سے ایم۔ اے اور بی۔ اے بھی شامل ہیں۔ عربی علوم کے لحاظ سے تحصیل یافتہ مولوی ہیں، سرکاری عہدوں کے لحاظ سے ای۔ اے۔ سی اور اسسٹنٹ انسپکٹر ان سکول ہیں۔ رئیسوں کے لحاظ سے بڑے بڑے جاگیردار ہیں غرض کہ غریب بھی اور امیر بھی جو اپنے اندر نہایت اخلاص رکھتے ہیں اس سلسلہ میں داخل ہوئے ہیں اور مبائعین میں شامل ہوئے ہیں۔ بعض کو لوگ تکلیفیں بھی دیتے ہیں لیکن صبر سے کام لے رہے ہیں اور اپنے عقائد کو بدلنے کی انہیں کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ پھر میں کیونکر مان لوں کہ ہمارے عقائد سلسلہ کے راستہ میں روک ہیں اور کیونکر تسلیم کر لوں کہ اب سلسلہ کی ترقی رُک گئی ہے۔ اگر آپ کا خیال درست ہوتا تو واقعات اس کی تصدیق کرتے اور بجائے ہماری ترقی کے تنزّل ہوتا اور بجائے ہمارے بڑھنے کے آپ بڑھتے لیکن باوجود اس کے خلاف خدائے تعالیٰ کا معاملہ دیکھنے کے آپ کو ہم راستی پر کیونکر مان سکتے ہیں؟

خواجہ صاحب نے ایک یہ شکوہ بھی کیا ہے کہ وہ جب ہندوستان میں آئے تو ان کا ارادہ فوراً قادیان جانے کا تھا لیکن بعض غیر ذمہ دار لوگوں کی تحریروں کی وجہ سے جن میں اُنہوں نے غیر مبائعین سے مِلنے جُلنے اور بولنے کی ممانعت کی ہے میں رُک گیا۔ پھر وہ شکایت کرتے ہیں کہ اگر احمدیوں سے یہ سلوک ہے تو غیر احمدیوں اور پھر عیسائیوں سے کیا سلوک کرنا

چاہیے۔ اوّل تو یہ سوال ہے کہ یہ مضمون کب نکلا اور آپ لاہور کب تشریف لائے۔ اگر آپ کا ارادہ تھا کہ فوراً ہی قادیان آئیں تو اس امر سے کونسی چیز آپ کو مانع ہوئی کہ آپ ایک عرصہ تک لاہور میں بیٹھے رہے اور فوراً نہ آسکے اتنے میں وہ مضمون نکل گیا۔ پس اوّل تو یہ آپ کا فوراً ظاہر کرتا ہے کہ الفضل کا وہ مضمون ایک بہانہ کا کام دے رہا ہے۔

پھر میں پوچھتا ہوں کہ آپ نے مجھ سے ملنا تھا یا لوگوں سے؟ لوگ آپ سے ملتے یا نہ ملتے؟ اگر آپ تبادلۂ خیالات چاہتے تھے تو مجھ سے ملتے۔ اگر آپ کہیں کہ مجھے یہ کیونکر معلوم ہوسکتا تھا کہ آپ مل لیں گے تو میں کہتا ہوں کہ اب تو کسی بڑے خرچ کی بھی ضرورت نہیں ایک پیسہ کے کارڈ کے ذریعہ سے آپ مجھ سے پوچھ سکتے تھے کہ اگر میں آؤں تو تم مجھ سے بات کرسکو گے یا نہیں؟ یا الفضل کے مضمون کے مطابق مجھ سے ملنا پسند نہ کرو گے۔ اگر اس خط کا جواب میں نفی میں دیتا یا جواب ہی نہ دیتا تو آپ کا عذر قابل سماعت ہوتا لیکن جب آپ نے یہ تکلیف نہیں اُٹھائی تو میں آپ کے عذر کو کس طرح قبول کروں۔ کیا یہ بات درست نہیں کہ آپ نے میرے مریدین کو بڑی بڑی لمبی چٹھیاں لکھی تھیں؟ پھر کیا یہ درست نہیں کہ آپ نے ان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی؟ پھر کیا آپ اس وقت سے کچھ وقت بچا کر اور ان کاغذوں لفافوں سے ایک کاغذ اور لفافہ بچا کر ایک خط میری طرف مذکورہ بالا مضمون کا نہیں لکھ سکتے تھے؟ جب کہ اس بات سے آپ کو کوئی امر مانع نہ تھا۔ تو آپ کا جماعت کے دوسرے افراد کو دعوت دینا اور ان کے ملنے کی خواہش ظاہر کرنا، ان کی طرف خطوط لکھنا لیکن مجھ سے فیصلہ کرنے یا گفتگو کرنے کی کوئی تحریک نہ کرنا اور خط لکھ کر دریافت نہ کرنا صاف ظاہر نہیں کرتا کہ آپ کا اصل منشاء لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانا اور جماعت میں پھوٹ ڈالنا تھا نہ کہ صلح کرنا۔ صلح مجھ سے ہوسکتی تھی اور کس کا حق تھا کہ میری اجازت کے بغیر صلح کرلے۔ یہ صلح کوئی مقامی معاملہ نہ تھا، یہ فیصلہ کسی خاص شہر سے تعلق نہ رکھتا تھا بلکہ سب جماعت اور سب احمدیوں پر اس کا اثر پڑتا تھا پس یہ فیصلہ مبائعین میں سے بغیر میری اجازت کے اور کون کرسکتا تھا۔ اگر آپ کا منشاء صلح تھا تو مجھ سے براہِ راست کیوں آپ نے گفتگو نہ کی؟

اب رہا یہ سوال کہ ایسا اعلان بعض غیر ذمہ دار لوگوں نے کیوں کیا کہ لوگ آپ

سے نہ ملیں نہ بولیں اس کی وجہ مجھے اس کے بغیر کوئی نہیں سمجھ میں آئی کہ اُنہوں نے آپ کی مذکورہ بالا کارروائی کو محسوس کر لیا اور جماعت کو خطرہ سے آگاہ کر دیا اور چونکہ آپ کی اس کارروائی کا نتیجہ سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ فساد اور بڑھے گو آپ کا منشاء صلح کا ہی ہو اس لئے مضمون لکھنے والے نے پسند نہ کیا کہ جماعت میں فساد بڑھے اور اس نے تحریک کی کہ لوگ آپ سے نہ ملیں اگر فیصلہ کرنا تھا تو براہِ راست مجھ سے ہو سکتا تھا اور یہ امر کہ کیوں آپ سے وہ سلوک کیا گیا جو ہندوؤں اور مسیحیوں سے نہیں کیا جاتا۔ اس کا جواب آسان ہے۔ مسلمان یہود اور مسیحیوں سے کلام کرتے تھے لیکن اگر آپ کو یاد ہو تو الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا [۷۱] جن کے واقعہ کی طرف سورۃ توبہ میں اشارہ کیا گیا ہے ان کا مفصل ذکر بخاری میں آتا ہے۔ ان تین سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام منع کر دیا تھا اور مسلمان ان سے نہ بولتے نہ ملتے نہ تعلق رکھتے حتّٰی کہ بیویوں کو بھی جدا کر دیا تھا۔ کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ کیا وہ تین منافقوں سے بھی بدتر تھے؟ کیا وہ یہود سے بھی بدتر تھے؟ پھر کیا وہ مشرکوں سے بھی بدتر تھے؟ اور اگر ان سے یہ سلوک کیا گیا تو مسیحیوں اور یہودیوں سے اس سے سخت کون سا سلوک کیا گیا۔ مگر آپ جانتے ہیں کہ یہ اعتراض غلط ہے ان کو سرزنش کی ایک خاص وجہ تھی اور انتظامِ جماعت کے قائم رکھنے کے لئے ایسا کرنا پڑتا ہے۔ دنیاوی حکومتیں بھی میدانِ جنگ کے سپاہی کو پکڑ کر صلیب پر نہیں لٹکاتیں حالانکہ وہ کئی خون کر چکا ہوتا ہے اور اپنے مُلک کے مجرموں کو سزائیں دیتی ہیں کیوں؟ اسی لئے کہ اس سپاہی کا کام تھا کہ وہ ان کا مقابلہ کرتا مگر یہ اپنے تھے اور اپنے کا فرض ایک طرف تو یہ تھا کہ امن کو قائم رکھے جس کے خلاف اس نے کیا۔ دوسرے اس سپاہی کا حملہ ظاہر ہے اور اس اپنے کا حملہ اندر ہی اندر تباہ کر سکتا ہے پس جن لوگوں سے یہ خوف ہو کہ ایک حد تک اپنے بن کر مخالفت کریں گے اُن سے بچنا اور بچانا ایک ضروری بات ہے۔ دوسرے اپنے غلطی کریں تو وہ زیادہ سزا کے مستحق ہوتے ہیں۔ آجکل کی مثال لے لیجئے وہ رحیم کریم انسان جو شفقت علی خلق اللہ کا کامل نمونہ تھا اور یقیناً اسی کے منہ سے اور اسی کی تحریروں سے ہم نے یہ بات معلوم کی ہے کہ اسلام کی دو ہی غرضیں ہیں ایک تعلق باللہ اور دوسری شفقت علی خلق اللہ۔ وہ

ہندوؤں سے ملتا تھا، مسیحیوں سے ملتا تھا لیکن مرزا سلطان احمد صاحب سے کبھی نہیں ملتا تھا اور کئی دفعہ جب حضرت خلیفہ اوّل نے کوشش کی کہ آپ کو ان سے ملائیں تو آپ نے نہایت سختی سے انکار کر دیا اور آخر مولوی صاحب کو منع کر دیا کہ پھر ایسا ذکر نہ کریں۔ اب بتایئے اس تعلق میں اور ہندوؤں کے تعلق میں کچھ فرق معلوم ہوتا ہے یا نہیں؟ بیٹے سے تو ملتے نہ تھے اور لالہ شرمپت گھنٹہ گھنٹہ آپ کے پاس آ کر بیٹھ رہا کرتے تھے۔ پس آپ ان مثالوں سے سمجھ لیں کہ کبھی ضروریات ایسا مجبور کرتی ہیں کہ باوجود اس کے کہ غیروں سے ملتے رہیں بعض اپنوں سے ملنا چھوڑ دیا جائے۔ آپ نے اپنے حال پر غور نہیں کیا کہ غیر احمدیوں کو مسلمان بنانے کے لئے آپ نے احمدیوں کو کافر ثابت کیا ہے۔ پھر جب آپ خود اس مجبوری کا شکار ہوئے ہیں تو دوسروں پر اعتراض کی کیا وجہ ہے۔ پھر اخبار پیغام لاہور محمد حسین بٹالوی اور مولوی ثناء اللہ کے خلاف کچھ نہیں لکھتا لیکن اس کا سارا زور ہمارے خلاف خرچ ہو رہا ہے کیا یہ مثال آپ کے لئے کافی نہ تھی؟ آپ نے خلافت پر اعتراض کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے کہ کیا خلیفہ غلطی سے مَصُئُوْن[18] ہے مگر میں کہتا ہوں کہ اگر اسی کا فیصلہ ماننا شرط ہو جو غلطی سے مَصُئُوْن اور محفوظ ہو تو آپ بتائیں کہ کس انسان کا فیصلہ آپ مانیں گے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا انسان جو کُل کمالاتِ انسانیہ کا خاتم ہے فرماتا ہے۔

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ سَمِعَ جَلَبَةَ خَصْمٍ بِبَابِ حُجْرَتِهٖ فَخَرَجَ اِلَيْهِمْ فَقَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَاَنَّهٗ يَأْتِيْنِى الْخَصْمُ فَلَعَلَّ بَعْضُهُمْ اَنْ يَكُوْنَ اَبْلَغَ مِنْ بَعْضٍ فَاَحْسِبَ اَنَّهٗ صَادِقٌ فَاَقْضِىَ لَهٗ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهٗ بِحَقِّ مُسْلِمٍ فَاِنَّمَا هِىَ قِطْعَةٌ مِّنَ النَّارِ فَلْيَحْمِلْهَا اَوْيَذَرْهَا۔[19]

ترجمہ: اُم سلمہ (اُم المؤمنین) رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ مکان کے دروازہ کے پاس چند آدمیوں کا باہمی مقدمہ کی بابت شور وشغب سن کر ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمانے لگے میں ایک بشر ہوں (عالم الغیب نہیں) لوگ میرے پاس مقدمے لے کر آتے ہیں سو ممکن ہے کہ ایک فریق بات کرنے میں زیادہ ہوشیار ہو اور اس کی باتوں کی وجہ سے میں اُسے سچا خیال کر کے اس کے حق میں فیصلہ دے

دوں سو یاد رکھو کہ اس طرح سے اگر کسی شخص کو مسلم کا حق دِلا دوں تو یہ مال آگ کا ٹکڑا ہے اب چاہے تو اُسے اُٹھا لے اور چاہے تو چھوڑ دے۔

پس کیا آپ کے فیصلہ کو بھی ردّ کر دینا چاہیے کہ ممکن ہے آپ سے غلطی ہوگئی ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا[20]

یعنی تیرے ربّ کی ہی قسم! یہ اُس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک تجھ سے اپنے جھگڑوں کا فیصلہ نہ چاہیں اور پھر فیصلوں اور قضایا کو خوشی سے تسلیم نہ کریں۔

کیا گورنمنٹ اور اس کے مجسٹریٹ خطاء سے محفوظ ہوتے ہیں؟ اگر نہیں تو کیا اس بناء پر گورنمنٹ اور ججوں کے فیصلے ردّ کر دیئے جاتے ہیں کہ ممکن ہے کہ وہ غلطی کرتے ہوں۔ کیا خلیفۃ المسیح جن کی بیعت آپ نے کی تھی خطاء سے محفوظ تھے؟ پھر میں پوچھتا ہوں کہ کیا انجمن اپنے فیصلہ میں کبھی غلطی نہیں کرسکتی؟ پھر انجمن جماعت کی حاکم کیونکر ہوسکتی ہے؟ اگر صرف مَصُئُوْن عَنِ الْخَطَاء کے فیصلے ہی واجبُ العمل ہوتے ہیں تو پھر دنیا کی سب حکومتیں سب انجمنیں مٹا دینی چاہئیں کیونکہ انسان کوئی مَصُئُوْن عَنِ الْخَطَاء نہیں۔ نماز ہمارے لئے دلیل ہے امام غلطی کرتا ہے اور خطاء سے پاک نہیں ہوتا مقتدیوں کو حکم ہے کہ باوجود اس کی غلطی کے اس کی اتباع کریں کیونکہ اتحاد رکھنا ضروری ہے اور اتحاد بغیر ایک مرکز کے نہیں ہوسکتا اور خواہ ایک انسان افسر ہو یا بہت سے ہوں وہ غلطی سے پاک نہیں ہوسکتے پس اتحاد کے قیام کیلئے قیاسات میں امام کی خطا کی بھی پیروی کرنے کا حکم ہے سوائے نصوصِ صریحہ کے۔ مثلاً کوئی امام کہے کہ نماز مت پڑھو، کلمہ نہ پڑھو، روزہ نہ رکھو اس کی اتباع فرض نہیں اور یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک امام اگر چار کی بجائے پانچ یا تین رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے تو مقتدیوں کو حکم ہے کہ باوجود اس کی غلطی کے علم کے اس کی اتباع کریں۔ لیکن اگر وہ اُٹھ کر ناچنے لگ جائے یا مسجد میں دوڑنے لگے تو اب مقتدیوں کو حکم نہیں کہ اس کی اتباع کریں کیونکہ اب قیاس کا معاملہ نہیں رہا بلکہ جنون یا شرارت کی شکل آ گئی ہے لیکن یہ مثالیں بفرضِ محال ہیں ورنہ خدائے تعالیٰ جس کو امام

بنا تا ہے اسے ایسے اعمال سے بچاتا ہے جو قومی تباہی کا موجب ہوں۔

آپ نے اپنے اس مضمون میں خلافت کے ردّ میں ایک یہ دلیل بھی دی ہے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ اکثروں نے مان لیا یہ کوئی دلیل نہیں کیونکہ اگر ابوبکرؓ، عمرؓ کو اکثروں نے مان لیا تو یزید کو بھی تو مان لیا مگر خواجہ صاحب یہ مثال پیش کرتے وقت ان واقعات کو نظر انداز کر گئے ہیں جو ان دونوں قسم کی خلافتوں کے وقت پیش آئے۔ ابوبکرؓ اور عمرؓ کی خلافت پر اتفاق کرنے والوں میں صحابہؓ کا گروہ تھا یزید کے ہاتھ پر اکٹھا ہونے والی کون سی جماعت تھی۔ کیا صحابہ کی کثرت تھی؟ صحابہ کے لئے خدائے تعالیٰ کے بڑے بڑے وعدے تھے اسی طرح اس جماعت کے لئے بھی بڑے بڑے وعدے ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر سلسلہ میں داخل ہوئی۔ اور جس طرح صحابہؓ کی کثرت نے اوّل الذکر دونوں بزرگوں کو تسلیم کیا اسی طرح اس جماعت کے کثیر حصہ نے مجھے تسلیم کیا جو مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر سلسلہ میں داخل ہوئی تھی۔ اگر اسی جماعت کا اکثر حصہ ضلالت پر جمع ہو گیا تو یہ بے شک شیعوں والا عقیدہ ہے جو چند کے لئے کثیر حصہ کو بدنام کرتے ہیں۔ پھر یہ بھی سوال ہے کہ خلافت تو مشورہ سے ہوتی ہے دوسرے باپ کے بعد بیٹا فوراً خلیفہ نہیں ہو سکتا جیسا کہ احادیث اور صحابہؓ کے اقوال سے ثابت ہے امرِ اوّل کے لئے آیت **اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا**[21] یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانات ان کے اہلوں کو دو اور حدیث **لَا خِلَافَةَ اِلَّا بِالْمَشُوْرَةِ**[22] اور امر دوم کے لئے حضرت عمرؓ کا قول اور صحابہؓ کی تسلیم۔ لیکن یزید کی خلافت کیونکر ہوئی۔ باپ نے اپنی زندگی میں جبراً سب سے اس کی بیعت کروائی۔ ہم حضرت معاویہ کی نیت پر حملہ نہیں کرتے لیکن ان کے اس فعل کی وجہ سے یزید کی خلافت خلافت نہ رہی بلکہ تلوار کے ذریعہ سے بیعت لی گئی اور حکومت ہو گئی لیکن یہاں ان دونوں باتوں میں سے کون سی بات پائی جاتی ہے نہ ہی باپ کے بعد فوراً خلیفہ ہوا اور نہ والد صاحب نے اپنے سامنے جبر و اکراہ سے لوگوں کو میری بیعت پر مجبور کیا۔ پس ایک جبری کثرت اور دلوں کے کھنچ لانے میں آپ فرق نہیں کر سکتے۔ کیا خدائے تعالیٰ کی تائید و نصرت سچائی کا ایک زبردست ثبوت نہیں؟ پھر اس معاملہ میں آپ اس کو کیوں غلط قرار دیتے ہیں؟

خواجہ صاحب کا ایک یہ بھی سوال ہے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ قادیان مکرم مقام ہے اس کو چھوڑ کر جانا غلطی پر دلالت کرتا ہے یہ غلط ہے کیونکہ مکہ بھی ایک مکرم مقام ہے لیکن وہ غیراحمدیوں کے پاس ہے جو آپ کے نزدیک مسلمان نہیں۔ اوّل تو یہ دلیل نہیں کیونکہ اگر ایک طور پر پہلا دعویٰ کرنے والے پر یہ حجت ہے تو خواجہ صاحب اور ان کی پارٹی پر بھی تو حجت ہے کیونکہ کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ خواجہ صاحب آپ کے نزدیک تو مکہ مدینہ مسلمانوں کے ہی قبضہ میں ہیں پھر آپ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ مکرم مقامات حقیقی وارثوں کے ہاتھ سے نکل سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ایک لمبے عرصہ کے بعد ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک جماعت خراب ہو جائے اور مرکز اس کے پاس رہے جب تک کہ نئی جماعت ترقی کرے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شروع زمانہ میں مکہ مشرکوں کے پاس تھا یا یروشلم مسیح کے زمانہ میں یہود کے پاس تھا لیکن اس بات کا ثابت کرنا خواجہ صاحب کو مشکل ہوگا کہ ابھی کامل ترقی ہونے سے پہلے ہی ایک مقامِ متبرک ایک پاک جماعت کے پاس آ کر ان کے ہاتھ سے نکل جائے اور اس کے سب افراد گندے اور کافر ہو جائیں اس طرح تو امان بالکل اُٹھ جاتا ہے اور ان تمام پیشگوئیوں پر پانی پھر جاتا ہے جو اس جگہ کے رہنے والوں کے متعلق ہیں۔ دوسرے یہ دلیل کوئی ایسی نہیں کہ جس پر فیصلہ کا مدار ہو ایسی باتیں تو ضمناً پیش ہوا کرتی ہیں ہاں یہ کہہ دینا بھی ضروری ہے کہ حضرت علیؓ کے مدینہ چھوڑ دینے کی دلیل درست نہیں جب آپ مدینہ سے تشریف لے گئے تو صرف میدانِ جنگ کے قریب ہونے کے لئے تشریف لے گئے ورنہ مدینہ آپ کے قبضہ میں تھا اور مدینہ کے لوگ آپ کے ساتھ تھے اور یہی حال مکہ کا تھا۔

پھر آپ لکھتے ہیں کہ ''کہا جاتا ہے کہ مولوی محمد علی کی ذلّت ہوئی لوگوں نے ان کو تقریر سے روک دیا۔ یہ بات وہ کہہ سکتے ہیں جنہیں وہ تکالیف معلوم نہیں جن کا سامنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کرنا پڑا'' مجھے افسوس ہے کہ یہ جواب بھی درست نہیں کیونکہ دونوں معاملوں میں ایسا کھلا فرق ہے جس کو ہر ایک شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام محمد حسین بٹالوی کو کُرسی نہ ملنے کا واقعہ ہمیشہ بیان فرماتے تھے بلکہ آپ نے کتاب البریہ صفحہ ۱۰ میں اسے لکھا بھی ہے اور اسے اُس کی ذلّت قرار دیتے تھے۔ لیکن کیا خود یہی واقعہ

حضرت صاحب پر چسپاں نہیں ہوتا؟ کیا کرم دین کے مقدمہ میں مجسٹریٹ آپ کو کھڑا نہ رکھتا تھا؟ کیا ایسا نہیں ہوا کہ بعض اوقات آپ نے پانی پینا چاہا اور اُس نے پانی تک پینے کی اجازت نہیں دی؟ لیکن کیا آپ اس کو ذلّت کہہ سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو کیوں اور پھر کیوں؟ محمد حسین سے ویسے ہی سلوک پر اُسے ذلّت قرار دیا گیا۔ سنیئے! ان دونوں مثالوں میں ایک فرق ہے اوّل تو یہ کہ محمد حسین کو سخت ڈانٹ دی گئی اور ڈپٹی کمشنر بہادر نے جھڑک کر پیچھے ہٹا دیا لیکن حضرت صاحب سے یہ معاملہ نہیں ہوا۔ دوسرے مقدمہ ایک ایسے مجسٹریٹ کے سامنے پیش تھا جس کے سامنے دونوں برابر تھے بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مسیحیت کے دشمن تھے اور وہ ایک مسیحی تھا پس صاحب بہادر کا سلوک محمد حسین سے بِلا کسی محرک کے ہوا لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بوجہ اُن کی تبلیغی کوششوں اور سب مذاہب کی بنیادیں کھوکھلی کر دینے کے سب فِرقوں کو عداوت تھی خصوصاً اہالیانِ ہند کو۔ پس ایک ہندوستانی کا آپ سے یہ سلوک کرنا پہلے معاملہ سے اس کو علیحدہ کر دیتا ہے۔

پھر ایک اور بات ہے کہ لوگ ہمیشہ مرا بھی کرتے ہیں لیکن غلام دستگیر کی موت کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی سچائی کی دلیل قرار دیتے ہیں یہ کیوں؟ اس لئے کہ اس نے مباہلہ کیا تھا اور مطابق مباہلہ کے مرگیا۔ اسی طرح اب اس معاملہ کو لیجئے مولوی محمد علی صاحب نے صبح کے وقت مسجد میں تقریر کی کہ اگر میں نے بدنیّتی سے ٹریکٹ لکھا تھا تو خدا مجھے پکڑے، مجھے ہلاک کرے، مجھے ذلیل کر دے۔ عصر کے وقت وہ ایک ایسے مجمع میں کھڑے ہوتے ہیں جو ان کے دشمنوں کا نہیں اس جماعت کا ہے جس میں پہلے کھڑے ہو کر اُنہوں نے یہاں تک بھی کہا تھا کہ تم اپیل تو سنتے رہے، چندہ مانگنے کے وقت اُٹھ کر بھاگتے تھے ہم جوتیوں سے چندہ وصول کریں گے اس جماعت کا تھا جس میں آپ کے ماتحت ملازم شامل تھے۔ اس جماعت کا تھا جس میں وہ طلباء موجود تھے جو مولوی صدرالدین صاحب ہیڈ ماسٹر کی زیرِ تربیت رہتے تھے اور مولوی صدرالدین صاحب ہی اُس وقت کے سیکرٹری تھے وہ اس مجمع میں کھڑے ہوتے ہیں جس پر میرا کوئی زور نہ تھا، کوئی حکومت نہ تھی، جماعت کے لوگ مختلف جگہوں سے اکٹھے ہوئے ہوئے تھے۔ وہ دیرینہ سیکرٹری شپ کی وجہ سے مولوی صاحب کے ایسے معتقد تھے کہ بعض ان

میں سے آپ کے لئے تحفہ تحائف بھی لایا کرتے تھے۔ مولوی صاحب جماعت کے معززین اشخاص میں خیال کئے جاتے تھے ان کے ترجمہ قرآن کی طرف لوگوں کی نظریں لگی ہوئی تھیں۔ چند سال کی متواتر کوشش سے وہ لوگوں کی نظروں میں ایسے بنائے گئے تھے کہ گویا موجودہ نسلوں میں ایک ہی انسان ہے ایسا شخص ایسے مجمع میں اس بددعا کے بعد کھڑا ہوتا ہے جب کہ ابھی کوئی خلیفہ مقرر نہ تھا۔ جن کو آپ اکابر کہتے ہیں ان کی ایک جماعت اس کے ساتھ ہے جو خود ہمیشہ اپنا رُعب بٹھانے کے درپے رہتی تھی۔ لیکن جب وہ شخص کھڑا ہوتا ہے تو اس ہزاروں کے مجمع میں سے ایک شور بلند ہوتا ہے کہ ہم آپ کی بات نہیں سنتے۔ لیکن شاید کوئی کہے کہ چند شریروں نے منصوبہ سے ایسا کر دیا۔ نہیں! اس ہزاروں کے مجمع سے کوئی شخص ان آوازوں کے خلاف آواز نہیں اُٹھاتا اور سب کے سب اپنی خاموشی سے اپنی رضامندی کا اظہار کرتے ہیں اور اپنے خاص دوستوں سمیت مولوی صاحب وہاں سے چلے جاتے ہیں۔ صبح کی بددعا کے بعد ایسے مجمع میں اس واقعہ کا ہونا اگر ایک الٰہی شہادت نہیں تو اور کیا ہے؟

اگر میری بیعت کے بعد ان سے یہ سلوک ہوتا اور میری مرضی یا میرے علم سے ہوتا تو یہ ایک اور معاملہ تھا اس میں ان کی نہیں میری ذلّت ہوتی۔ چنانچہ جب مجھے اطلاع دی گئی کہ ایک دو پانچ چھ سالہ بچوں نے نادانی سے آپ پر کنکر پھینکنے کا ارادہ کیا تو میں نے درس میں لوگوں کو سخت ڈانٹا کہ گو بچہ نادان ہو لیکن میں والدین کو اس کا ذمہ دار قرار دوں گا۔ بیعت کے بعد مریدین کا سلوک اور شے ہے لیکن بیعت سے پہلے اس بددعا کے بعد وہ سلوک ضرور ایک الٰہی نشان تھا اور خواجہ صاحب کبھی یہ خیال نہ کریں کہ اب اگر وہ قادیان آئیں تو ان سے کسی مبائع سے سختی کروا کر کہہ دیا جائے گا کہ ان کی ذلّت ہوئی یہ صرف بدظنی کا نتیجہ ہے۔ اگر وہ زیادہ تدبر سے کام لیں گے تو دونوں معاملات میں ان کو فرق نظر آئے گا۔

خواجہ صاحب لکھتے ہیں کہ جلسہ کو بارونق کرنے کے لئے آدمی بھیجے گئے۔ میں ان کو یقین دلاتا ہوں کہ کسی شخص نے غلطی سے ان کے سامنے یہ بات بیان کر دی ہے بات یہ ہے کہ میری طرف سے یا انجمن کی طرف سے ایسا نہیں کیا گیا نہ کسی اور مبائع کی طرف سے۔ بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ انجمن احمدیہ اشاعتِ اسلام نے کچھ اشتہار مبائعین میں تقسیم کرنے کے

لئے شائع کئے تھے اور کچھ بعض آدمی امرتسر اور لاہور سٹیشنوں پر اس غرض کے لئے گئے تھے کہ لوگوں کو روک کر لاہور اُتار لیں یا لاہور لے جائیں۔ بعض مہمانوں سے جھگڑا بھی ہو گیا لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا کہ باوجود اس کے کہ وہ لوگ غلطی سے اصرار سے بڑھ کر تکرار تک نوبت پہنچا دیتے تھے کہ آپ لاہور کیوں نہیں جاتے لیکن کسی قسم کا دنگہ نہ ہوا اور لوگوں کو ہنسی کا موقع نہیں ملا۔ شاید کسی شخص نے اس واقعہ کو میری طرف منسوب کر دیا ہو مگر حق یہی ہے کہ یہ واقعہ آپ کے دوستوں کی طرف سے ہوا ہے میری طرف سے ہرگز نہیں ہوا۔

خواجہ صاحب اپنے لیکچر میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ میں نے کیوں مولوی شیر علی صاحب کو ولایت جانے سے روک دیا حالانکہ میں خلیفہ اوّل سے وعدہ کر چکا تھا کہ میں آپ کے حکم بھی مانوں گا اور آپ کے بعد کے خلفاء کا بھی۔ حالانکہ مجھے حضرت ابوبکرؓ اور ابوعبیدہؓ کی مثال یاد کرنی چاہیے تھی۔ میں حیران ہوں کہ خواجہ صاحب نے میرے وعدہ سے میرے عمل کو مخالف کس طرح سمجھا۔ میں نے کہا تھا کہ حضرت خلیفہ اوّل کا حکم بھی مانوں گا اور بعد کے خلفاء کا بھی۔ حضرت کی زندگی تک میرا فرض تھا کہ آپ کے حکم مانتا اور بعد میں جو خلیفہ ہوتا اُس کے حکم ماننا میرا فرض تھا۔ قدرتِ ایزدی نے خلافت مجھے ہی سپرد کر دی تو اب مسیح موعود علیہ السلام کے احکام کے ماتحت میرا ہی حکم ماننا ضروری تھا اور میں نے حالاتِ وقت کے ماتحت مناسب فیصلہ کر دیا۔ ایک خلیفہ کا حکم اُسی وقت تک چلتا ہے جب تک وہ زندہ ہو۔ اُس کے بعد جو ہو اُس کا حکم ماننے کے قابل ہے۔ یہ مسئلہ آپ نے نیا نکالا ہے کہ ہر ایک خلیفہ کا حکم ہمیشہ کے لئے قابلِ عمل ہے یہ درجہ تو صرف انبیاء کو حاصل ہے کہ ان کے احکام اس وقت تک جاری رہتے ہیں۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی پا کر کوئی نیا نبی انہیں منسوخ نہ کرے۔ خلفاء کی یہ حیثیت تو صرف آپ کی ایجاد ہے صحابہ ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک کے فرمانبردار تھے۔ لیکن ان میں سے ہر ایک بعد میں آنے والے نے اپنے سے پہلے کے چند احکام کو منسوخ کیا یا بعض انتظامات کو بدل دیا لیکن کسی صحابی نے نہ کہا کہ ہم تو پہلے کے فرمانبردار ہیں اس لئے آپ کا حکم نہ مانیں گے۔ حضرت عمرؓ نے خالدؓ کو جو حضرت ابوبکرؓ کے مقرر کردہ سپہ سالار تھے معزول کر دیا۔ ان پر کسی نے اعتراض نہ کیا کہ

حضرت! آپ تو ابوبکرؓ کی بیعت کر چکے ہیں ان کے مقرر کردہ کمانڈر کو کیوں معزول کرتے ہیں۔ اے کاش! کہ ہر اعتراض کے پیش کرنے سے پہلے یہ غور بھی کر لیا جایا کرے کہ ہم کیسی بے وقعت باتوں سے اپنے دعوے کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

پھر سنیئے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کوئی ایسا اعتراض نہیں ہونے دیا جو پہلوں پر نہ پڑتا ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر جو پہلا اجلاس مجلس معتمدین کا ہوا تھا اور جس میں آپ بھی شریک تھے اس میں مولوی محمد علی صاحب کی ایک تحریک پیش ہوکر جو فیصلہ ہوا اُس کے الفاظ یہ ہیں۔

''درخواست مولوی محمد علی صاحب کہ کچھ مساکین کا کھانا حضرت اقدس نے لنگر خانہ سے بند کر کے ان میں سے بعض کے لئے لکھا ہے کہ مجلس انتظام کرے۔ پیش ہوکر قرار پایا کہ اب حسبِ احکام حضرت خلیفۃ المسیح الموعود علیہ السلام لنگر کی حالت دگرگوں ہوگئی ہے اس لئے اس کاغذ کو داخل دفتر کیا جائے''۔

کیا حضرت صاحب کی وفات پر پہلے ہی اجلاس میں مجلس معتمدین نے جس میں آپ بھی حاضر تھے اس حکم کے خلاف نہ کیا جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دیا تھا؟ آپ شاید کہیں گے کہ ہم نے خود وجہ بھی لکھ دی تھی کہ حالات دگرگوں ہوگئے اس لئے اس حکم کو تبدیل کر دیا گیا یہی جواب آپ اپنے اعتراض کا سمجھ لیں۔ جب مسیح موعود علیہ السلام کے حکم کو حالات کے بدل جانے سے بدلا جا سکتا ہے تو کیوں حضرت خلیفہ اوّل کے احکام کو نہیں بدلا جا سکتا۔ حضرت کی وفات کے بعد یہاں آدمیوں کی ضرورت تھی اس لئے میں نے اُن کو روک دیا۔ پھر لعل شاہ صاحب برق کے متعلق جو فیصلہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا تھا اُس کو آپ کی ہی تحریک پر حضرت خلیفہ اوّل نے بدل دیا یا نہیں اور مولوی شیر علی صاحب کے معاملہ میں تو ایک فرق بھی ہے اور وہ یہ کہ مولوی صاحب نے اپنی رخصت آپ منسوخ کروائی تھی نہ کہ میں نے منسوخ کی تھی۔

ایک بات آپ اور بھی لکھتے ہیں کہ حضرت مسیح کا نام کاٹ دیا گیا۔ مجھے تعجب ہے کہ ایک طرف تو آپ کہتے ہیں کہ سچی بات کو پیش کرنا چاہیے نہ کہ جذبات کو اُکسانے والی

باتوں کو۔ اور پھر آپ خود ایسے کام کرتے ہیں کیا کہیں میں نے یہ فیصلہ شائع کیا ہے کہ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مسیح موعود نہ تھے یا یہ کہ اب ان کی جگہ میں مسیح موعود ہوں یا یہ کہ اب اُن کا حکم ماننا ضروری نہیں اب صرف میرا حکم ماننا ضروری ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو بیشک آپ کہہ سکتے تھے کہ مسیح موعود کا نام کاٹ دیا گیا لیکن جب کہ ان باتوں میں سے کوئی بھی نہیں تو پھر آپ کا ایک بات کو غلط پیرایہ میں بیان کرنے سے سوائے جذبات کو برانگیختہ کرنے کے کیا مطلب ہے۔

انجمن کا قاعدہ تھا کہ مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں انجمن کے معاملات میں آپ کا حکم آخری ہوگا بعد میں انجمن کا۔ اس کی بجائے جماعت احمدیہ کے قائم مقاموں نے انجمن کو مجبور کیا کہ وہ اس قاعدہ میں اصلاح کرے اور خلفاء کے حکم کو آخری قرار دے اور اسی وجہ سے میرا نام وہاں لکھا گیا۔ اب آپ بتائیں گے کہ کیا اِس کو مسیح موعود کا نام کاٹ دینا کہتے ہیں۔ نام تو انجمن چھ سال پہلے کاٹ چکی تھی کیونکہ اس ریزولیوشن کے انجمن یہ معنی کرتی تھی کہ اب ہم حاکم ہیں۔ جماعت نے اس کی بجائے یہ فیصلہ کیا کہ خلیفۂ وقت کا فیصلہ آخری فیصلہ ہے اور اسی کے ماتحت تبدیلی ہوئی۔ آپ کا اس امر کو یہ رنگ دینا کہ گویا فیصلہ کر دیا گیا کہ مسیح موعود کا نام مٹا دیا جائے۔ (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ) کہاں تک دیانتداری کے ماتحت ہے۔

میں اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے ان تمام لوگوں کو جو صداقت کے طالب ہوں اور راستی اور حق کے جویاں ہوں مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ جماعت کا موجودہ اختلاف کوئی معمولی بات نہیں اگر وہ اس امر میں کامل غور اور فکر سے کام لے کر حق کی اتباع نہ کریں گے تو ان کو خدا تعالیٰ کے حضور جوابدہ ہونا ہوگا۔ خدا تعالیٰ نے ایک پودا اپنے ہاتھ سے لگایا ہے اور ضرور ضرور وہ اس کی آبیاری کرے گا۔ کوئی آندھی، کوئی طوفان خطرناک سے خطرناک ژالہ باری اِس پودا کو اُکھاڑ نہیں سکتی، خشک نہیں کرسکتی، جلا نہیں سکتی کیونکہ اس پودا کا محافظ، اس کا نگران خود اللہ تعالیٰ ہے لیکن وہ جو اپنے عمل سے یا اپنے قول سے خدا تعالیٰ کے لگائے ہوئے پودا کو اُکھاڑنا چاہتے ہیں، اس کے جلائے ہوئے چراغ کو بجھانا چاہتے ہیں اپنی فکر کریں۔ نیک نیتی اور غلط فہمی بیشک ایک حد تک ایک جُرم کو ہلکا بنا دیتی ہے لیکن یہ عُذر ایسے

زبردست نہیں کہ ان کے پیش کرنے سے انسان الہٰی گرفت سے بالکل محفوظ ہو جائے۔ ہر ایک شخص اپنی قبر میں خود جائے گا اور کوئی شخص اس کا مددگار نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ہر ایک انسان کو عقل اور فہم عطا فرمایا ہے۔ پس ہر ایک شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہے۔ صرف یہ خیال کر کے کہ ہم کسی ایسے شخص کے ساتھ ہیں جو تمہارے خیال میں بہت سی خدماتِ دین کر چکا ہے تم بچ نہیں سکتے۔ تمہارا یہی فرض نہیں کہ تم اس قدر غور کرلو کہ تم جس کے ساتھ ہو وہ کسی وقت کوئی اچھی خدمت کر چکا ہے نہ یہ کہ تم جس کے ساتھ ہو وہ کسی بڑے آدمی کا بیٹا ہے بلکہ تم میں سے ہر ایک شخص اس بات کا پابند ہے کہ اس عقل اور فہم سے کام لے جو خدا تعالیٰ نے ہر ایک انسان کو عطا فرمایا ہے۔ اپنے اپنے طور پر غور کرو اور دیکھو کہ وہ کون لوگ ہیں جو مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم اور اس کے مشن کو تباہ کر رہے ہیں۔ آخر تم لوگ سالہا سال تک مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ رہے ہو اُس کی کتابیں موجود ہیں، اُس کا اپنے آپ کو دشمنوں کے سامنے پیش کرنے کا طریق، اس کا اپنے دعوے پر زور دینا، اس کا یورپ وامریکہ میں تبلیغ کرنا تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اس کے عمل پر غور کرو کہ وہ تمہارے لئے حَکَم وعدل مقرر کیا گیا ہے۔ اپنی ہوا و ہوس کو چھوڑ کر خدا کے پھینکے ہوئے مضبوط رسّے کو پکڑ لو تا نجات پاؤ۔

دیکھو اسلام اِس وقت ایک سخت مصیبت میں ہے اور اس کے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود علیہ السلام کو بھیجا ہے اسے چھوڑ کر اسلام ہرگز ترقی نہیں کرسکتا۔ دنیا کے سامنے مسیح موعود علیہ السلام کو پیش کرو کہ اسی کے نام سے شیطان کی افواج بھاگیں گی۔ وہ اِس زمانہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی افواج کا سپہ سالار ہے اور آئندہ ہر ایک زمانہ میں اس کے پروانہ کے بغیر کوئی شخص دربارِ خاتم النبیّن میں باریاب نہیں ہوسکتا۔ پس تم اپنے طریق پر غور کرو تا ایسا نہ ہو کہ غلطی سے اس شخص کی ہتک کر بیٹھو جسے خدا نے معزز کیا ہے کیونکہ خدا چاہتا ہے کہ مسیح موعود علیہ السلام کی عزت کو بلند کرے جو اُس کی ہتک کرتا ہے اور جو اُس کے درجہ کو گھٹاتا ہے ضرور ہے کہ اس کی ہتک کی جائے اور اس کے درجے کو گھٹایا جائے۔ مسیح موعود علیہ السلام کی عزت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت ہے کیونکہ جس کا

سپہ سالار بڑے درجہ کا ہو وہ آقا ضرور ہے کہ اور بھی اعلیٰ شان کا ہو۔

میں تمہیں خدا کی قسم کھا کر جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہتا ہوں کہ میں نے حصولِ خلافت کے لئے کوئی منصوبہ بازی نہیں کی۔ میرے مولیٰ نے پکڑ کر مجھے خلیفہ بنا دیا ہے۔ میں اپنی لیاقت یا خدمت تمہارے سامنے پیش نہیں کرتا کیونکہ میں الٰہی کام کے مقابلہ میں خدمات یا لیاقت کا سوال اُٹھانا حماقت خیال کرتا ہوں اللہ بہتر جانتا ہے کہ کوئی کام کس طرح کرنا چاہیے۔ خدا نے جو کچھ کیا ہے اُسے قبول کرو۔ مجھے کسی عزت کی خواہش نہیں، مجھے کسی رُتبہ کی طمع نہیں، مجھے کسی حکومت کی تڑپ نہیں۔ وہ شخص جو یہ خیال کرتا ہے کہ میں خلافت کا مسئلہ جاہ پسندی کی غرض سے چھیڑتا ہوں نادان ہے اُسے میرے دل کا حال معلوم نہیں۔ میری ایک ہی خواہش ہے اور وہ یہ کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی عظمت پھر قائم ہو جائے اور میں دیکھتا ہوں کہ یہ ہو نہیں سکتا جب تک کہ اس اسلام کو دنیا کے سامنے نہ پیش کیا جائے جو مسیح موعود دنیا میں لایا۔ مسیح موعود کے بغیر اِس زمانہ میں اسلام مُردہ ہے۔ ہر زمانہ کے لئے ایک شخص مذہب کی جان ہوتا ہے اور اب خدا تعالیٰ نے مسیح موعود کو اسلام کی روح قرار دیا ہے۔ پس میں خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ایک ہتھیار کی طرح ہوں۔ مجھے دنیا کا لالچ نہیں میرا کام صرف اپنے ربّ کے ذکر کو بلند کرنا ہے اور وہ بھی اپنی لیاقت اور اپنے علم کے زور سے نہیں بلکہ اُن ذرائع سے جو خود اللہ تعالیٰ نے میرے لئے مہیا فرما دیئے۔ پس بدظنیوں کو دور کرو اور خدا کے فیصلہ کو قبول کرلو کہ خدا تعالیٰ کا مقابلہ اچھا نہیں ہوتا۔ نادان ہے وہ جو اس کام میں مجھ پر نظر کرتا ہے۔ میں تو ایک پردہ ہوں اسے چاہیے کہ وہ اُس ذات پر نظر کرے جو میرے پیچھے ہے۔ احمق انسان تلوار کو دیکھتا ہے لیکن دانا وہی ہے جو تلوار چلانے والے کو دیکھے کیونکہ لائق شمشیر زن کند تلوار سے وہ کام لے سکتا ہے کہ بے علم تیز تلوار سے وہ کام نہیں لے سکتا۔ پس تم مجھے کند تلوار خیال کرو مگر میں جس کے ہاتھ میں ہوں وہ بہت بڑا شمشیر زن ہے اور اس کے ہاتھ میں میں وہ کام دے سکتا ہوں جو نہایت تیز تلوار کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہیں دے سکتی۔

میں حیران ہوں کہ تمہیں کن الفاظ میں سمجھاؤں مبارک وقت کو ضائع نہ کرو اور جماعت

کو پراگندہ کرنے سے ڈرو۔ آؤ کہ اب بھی وقت ہے ابھی وقت گزر نہیں گیا۔ خدا کا عفو بہت وسیع ہے اور اس کا رحم بے اندازہ۔ پس اس کے رحم سے فائدہ اُٹھاؤ اور اس کے غضب کے بھڑکانے کی جرأت نہ کرو۔ مسیح موعود علیہ السلام کا کام ہو کر رہے گا کوئی طاقت اس کو روک نہیں سکتی مگر تم کیوں ثواب سے محروم رہتے ہو خدا کے خزانے کھلے ہیں اپنے گھروں کو بھر لو تا تم اور تمہاری اولاد آرام اور سُکھ کی زندگیاں بسر کریں۔

خاکسار

مرزا محمود احمد از قادیان‘‘

---

۱ النور: ۵۶　　۲ البقرة: ۳۲　　۳ النور: ۵۶

۴ بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب قول النبی ﷺ لو کنت متخذا خلیلاً صفحہ ۶۱۴ حدیث نمبر ۳۶۶۱ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانیة

۵ بخاری کتاب النکاح باب المرأة راعیة صفحہ ۹۳۰ حدیث نمبر ۵۲۰۰ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانیة

۶ طبری جلد ۵ صفحہ ۲۷ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۷ء

۷ تذکرہ صفحہ ۴۵۳۔ ایڈیشن چہارم ۲۰۰۴ء

۸ طبری جلد ۴ صفحہ ۴۲ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۷ء

۹ تذکرہ صفحہ ۶۱۹۔ ایڈیشن چہارم ۲۰۰۴ء

۱۰ تذکرہ صفحہ ۴۶۴۔ ایڈیشن چہارم ۲۰۰۴ء

۱۱ الخصائص الکُبریٰ الجزء الثانی صفحہ ۱۹۶، ۱۹۷ ذکر المعجزات مطبوعہ بیروت

۱۲ حجج الکرامة فی اٰثار القیامة صفحہ ۱۶۷ مطبوعہ بھوپال

۱۳ حجج الکرامة فی اٰثار القیامة صفحہ ۱۷۱ مطبوعہ بھوپال

۱۴ الفاتحة: ۶، ۷

۱۵ دود: دُھواں، دُھند، غبار (جامع فارسی لغات فارسی سے اردو صفحہ ۳۰۵ مطبوعہ لاہور ۲۰۱۴ء)

۱۶ اندرونی اختلافات سلسلہ احمدیہ کے اسباب صفحہ ۱۶ مطبوعہ لاہور ۱۹۱۴ء

۱۷ **التوبة: ۱۱۸**

۱۸ **مصئون:** محفوظ (فیروز اللغات اردو جامع صفحہ ۱۲۵۵ مطبوعہ فیروز سنز لاہور ۲۰۱۰ء)

۱۹ **مسلم کتاب الاقضية باب بيان ان حكم الحاكم لا يغير الباطن** صفحہ ۷۵۹ حدیث نمبر ۴۴۷۵ مطبوعہ ریاض ۲۰۰۰ء **الطبعة الثانية**

۲۰ **النساء: ۶۶**　　۲۱ **النساء: ۵۹**

۲۲ **کنز العمال** جلد ۵ صفحہ ۶۴۸ حدیث نمبر ۱۴۱۳۶ مطبوعہ بیروت ۲۰۱۲ء میں یہ الفاظ آئے ہیں **"لاخلافة الاعن مشورة"**

انوارِ خلافت

(فرمودہ ۲۸ دسمبر ۱۹۱۵ء برموقع جلسہ سالانہ)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے درج ذیل آیات تلاوت فرمائیں:-

''اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا [1]

میں نے آپ لوگوں کے سامنے جو یہاں تشریف لائے ہیں بعض باتیں بیان کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ چنانچہ میں نے نوٹ کرلیا تھا کہ فلاں فلاں بات کہوں گا اور میرا منشاء تھا کہ جس طرح پچھلے جلسہ پر یہ انتظام کیا گیا تھا کہ کچھ امور ایسے بیان کئے جائیں جو جماعت کی اصلاح کے متعلق ہوں اور کچھ ایسے جو روحانیت سے تعلق رکھتے ہوں۔ چنانچہ گزشتہ جلسہ پر میں نے بتایا تھا کہ انسان کی روحانی ترقی کے سات درجے ہیں اور یہ بھی بتایا تھا کہ ان کے حصول کے کیا ذرائع ہیں۔ اِس دفعہ بھی میرا ارادہ تھا کہ ایک دن تو دوسری ضروری باتیں بیان کروں اور دوسرے دن ذکرِ الٰہی اور عباداتِ الٰہی پر کچھ کہوں۔ لیکن کہتے ہیں ''تدبیر کند بندہ تقدیر زند خندہ''۔ یہ کسی نے تو اپنے رنگ میں کہا ہوگا مگر میں جو کل اپنے ارادہ کو پورا نہیں کرسکا تو معلوم ہوتا ہے کہ یہی خدا تعالیٰ کا منشاء ہوگا کیونکہ خدا تعالیٰ کے سلسلوں کے کام اُس کی منشاء اور ارادہ کے ماتحت ہوتے ہیں۔ کل جو میں تقریر کرنے لگا تو گو بہت اختصار سے کام لیا اور بہت حصہ مضمون کا کاٹ کر بیان کیا مگر مغرب تک پھر بھی نہ بیان کرسکا اور ایک حصہ رہ ہی گیا جو میرے خیال میں بہت ضروری ہے اور آج وقت بھی مل گیا ہے اس لئے

اسی حصہ کو بیان کرتا ہوں۔

وہ دوسرا حصہ جس کو میں اِس وقت بیان کرنا چاہتا ہوں اس کے متعلق میں نے ایک مختصر سی سورۃ پڑھی ہے جو گوعبارت کے لحاظ سے بہت مختصر ہے لیکن مضامین کے لحاظ سے بہت وسیع باتیں اپنے اندر رکھتی ہے اور حکمت اور معرفت کے بڑے بڑے دریا اس کے اندر بہہ رہے ہیں۔ نیز اس سورۃ میں خداتعالیٰ نے مسلمانوں کو وہ بات بتائی ہے کہ اگر وہ اس پر غور وفکر اور عملدرآمد کرتے تو ان پر وہ ہلاکت اور تباہی کبھی نہ آتی جو آج آئی ہوئی ہے اور نہ مسلمان پراگندہ ہوتے۔ نہ ان کی حکومتیں جاتیں نہ اس قدر کشت وخون کی نوبت پہنچتی اور نہ ان میں تفرقہ پڑتا۔ اور اگر پڑتا تو اتنا جلدی اور اس عمدگی سے زائل ہو جاتا کہ اس کا نام ونشان بھی باقی نہ رہتا۔ لیکن افسوس کہ ان میں وہ تفرقہ پڑا جو باوجود گھٹانے کے بڑھا اور باوجود دبانے کے اُٹھا اور باوجود مٹانے کے اُبھرا اور آخر اِس حد تک پہنچ گیا کہ آج مسلمانوں میں سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں فرقے موجود ہیں۔ کیونکہ وہ بند جس نے مسلمانوں کو باندھا ہوا تھا کاٹا گیا اور اس کے جوڑنے والا کوئی پیدا نہ ہوا۔ بلکہ دن بدن وہ زیادہ سے زیادہ ہی ٹوٹتا گیا۔ حتّٰی کہ تیرہ سَو سال کے دراز عرصہ میں جب بالکل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تو خداتعالیٰ نے اپنے پاس سے ایک شخص کو اس لئے بھیجا کہ وہ آ کر اس کو جوڑے۔ اس فرستادۂ خدا سے پہلے کے تمام مولویوں، گدی نشینوں، بزرگوں اور اولیاؤں نے بڑی بڑی کوششیں کیں مگر اکارت گئیں اور اسلام ایک نقطہ پر نہ آیا، پر نہ آیا۔ اور کس طرح آ سکتا تھا جب کہ اس طریق سے نہ لایا جاتا جو خداتعالیٰ نے مقرر کیا تھا یعنی کسی مامور من اللہ کے ذریعے سے۔

غرض اس سورۃ میں خداتعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک آنے والے فتنہ پر آگاہ فرمایا ہے اور اس سے بچنے کا علاج بھی بتایا ہے۔ اس سورۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تاکید کی گئی ہے کہ آپ استغفار کریں۔ چونکہ استغفار کے معنی عام طور پر اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کے ہوتے ہیں اس لئے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ شخص جو دنیا کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے آیا تھا، گمراہ اور بے دین لوگوں کو باخدا بنانے آیا تھا، گناہوں

اور بدیوں میں گرفتار شدہ انسانوں کو پاک وصاف کرنے آیا تھا اور جس کا درجہ قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ[2] سب لوگوں کو کہہ دے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ تم خدا تعالیٰ کے محبوب اور پیارے بن جاؤ گے۔ پھر وہ جس کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا ہے لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ[3] کہ اس رسول میں تمہارے لئے پورا پورا نمونہ ہے۔ اگر تم خدا کے حضور مقبول بننا چاہتے ہو، اگر تم خدا سے تعلق پیدا کرنا پسند کرتے ہو تو اِس کا آسان طریق یہ ہے کہ اِس رسول کے اقوال، افعال اور حرکات وسکنات کی پیروی کرو۔ کیا اس قسم کا انسان تھا کہ وہ بھی گناہ کرتا تھا اور اسے بھی اِستغفار کرنے کی ضرورت تھی؟ جس رسول کی یہ شان ہو کہ اس کا ہر ایک قول اور فعل خدا کو پسندیدہ ہو کس طرح ہوسکتا ہے کہ اُس کی نسبت یہ کہا جائے کہ تُو اپنے گناہوں کی معافی مانگ۔ اگر وہ بھی گناہ گار ہوسکتا ہے تو خدا تعالیٰ نے اُس کی اتباع کی دوسروں کو کیوں ہدایت فرمائی ہے۔

ہم اس بات کو ثابت کرسکتے ہیں کہ آپ ہر ایک قسم کی بدی اور گناہ سے پاک تھے۔ یہی تو وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اے لوگو! اگر تمہیں مجھ سے محبت کا دعویٰ ہے اور میرے محبوب بننا چاہتے ہو تو اس کا ایک ہی طریق ہے کہ تم اس رسول کی اتباع کرو۔ ورنہ ممکن نہیں کہ تم میرے قرب کی کوئی راہ پا سکو۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی گناہ کا منسوب کرنا تعلیم قرآن کے بالکل خلاف ہے مگر کوئی کہہ سکتا ہے کہ پھر آپ کے متعلق یہ کیوں آیا ہے کہ تو استغفار کر، استغفار کر، یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ انہی الفاظ کو مدنظر رکھ کر عیسائی صاحبان بھی مسلمانوں پر ہمیشہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ تمہارا رسول گناہ گار تھا کیونکہ قرآن اس کو حکم دیتا ہے کہ تو استغفار کر۔ لیکن ہمارے مسیح کی نسبت قرآن میں یہ کہیں نہیں آیا پس معلوم ہوا کہ تمہارا رسول گناہ کرتا تھا۔ اور بعض جگہ تو تمہارے رسول کی نسبت ذَنْــــب کا لفظ بھی آیا ہے تو معلوم ہوا کہ تمہارا رسول گناہ گار تھا اور ہمارا مسیح گناہوں سے پاک۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ مسیح کا درجہ اس سے بہت بلند ہے۔ اِس اعتراض کے جواب میں مسلمانوں کو بڑی دِقت پیش آئی ہے اور گو اُنہوں نے جواب دینے کی بڑی کوشش کی

ہے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے پہلے اس کا جواب دینے میں وہ کامیاب نہیں ہوسکے۔ یہی وجہ تھی کہ ہزارہا مسلمانوں کی اولاد عیسائی ہوگئی اور تو اور سیّدوں کی اولادوں نے بھی بپتسمہ لینا پسند کرلیا اور وہ اب سٹیجوں پر کھڑے ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے ہیں۔ غرض ان الفاظ کی وجہ سے نادانوں نے دھوکا کھایا اور بجائے اس کے کہ عیسائیوں کو جواب دیتے خود عیسائی بن گئے۔ قرآن شریف پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اُن معنوں کے لحاظ سے استعمال نہیں کیا گیا جن معنوں میں عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ آپ کے متعلق اور معنوں میں استعمال ہوا ہے اور یہ بات اس طرح معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ذَنب کا لفظ قرآن شریف میں تین جگہ آیا ہے۔ اوّل سورہ مؤمن میں جہاں خداتعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَ الْاِبْكَارِ [4] دوم سورہ محمد میں یوں آیا ہے۔ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ [5] سوم سورہ فتح میں آیا ہے اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ﴿۲﴾ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَ يُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ﴿۳﴾ [6]

اسی طرح بعض جگہ پر استغفار کا لفظ آپ کی نسبت استعمال ہوا ہے جیسا کہ اسی سورۃ میں جو میں نے ابھی پڑھی ہے۔ ان سب جگہوں پر اگر ہم غور کریں تو ایک ایسی عجیب بات معلوم ہوتی ہے جو سارے اعتراضوں کو حل کردیتی ہے اور وہ یہ کہ ان سب جگہوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے ہلاک ہونے اور آپ کی فتح کا ذکر ہے۔ پس اس جگہ بِالطبع یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کی فتح اور آپ کے دشمنوں کی مغلوبیت کے ساتھ گناہ کا کیا تعلق ہے۔ اور یہی بات ہے جس کے بیان کرنے کیلئے میں نے یہ سورۃ پڑھی ہے اور جس سے ہمیں اقوام کے تنزل و ترقی کے قواعد کا علم ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے ان آیات کے یہ معنی کئے ہیں کہ خداتعالیٰ آپ کو یہ فرماتا ہے کہ اب تمہاری فتح ہوگئی اور

تمہارے دشمن مغلوب ہو گئے اس لئے تمہارے دنیا سے رخصت ہونے کا وقت آ گیا ہے پس تو توبہ اور استغفار کر کیونکہ تیری موت کے دن قریب آ گئے ہیں۔اور گو یہ استدلال درست ہے لیکن ان معنوں پر بھی وہ اعتراض قائم رہتا ہے کہ آپ نے کوئی گناہ کئے ہی ہیں اسی لئے توبہ کا حکم ہوتا ہے۔

میں نے جب ان آیات پر غور کیا تو خدا تعالیٰ نے مجھے ایک عجیب بات سمجھائی اور وہ یہ کہ جب کسی قوم کو فتح حاصل ہوتی ہے اور مفتوح قوم کے ساتھ فاتح قوم کے تعلقات قائم ہوتے ہیں تو ان میں جو بدیاں اور بُرائیاں ہوتی ہیں وہ فاتح قوم میں بھی آنی شروع ہو جاتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ فاتح قوم جن مُلکوں سے گزرتی ہے ان کے عیش وعشرت کے جذبات اپنے اندر لیتی جاتی ہے۔اور چونکہ عظیم الشان فتوحات کے بعد اس قدر آبادی کے ساتھ فاتح قوم کا تعلق ہوتا ہے جو فاتح سے بھی تعداد میں زیادہ ہوتی ہے اس لئے اس کو فوراً تعلیم دینا اور اپنی سطح پر لانا مشکل ہوتا ہے اور جب فاتح قوم کے افراد مفتوح قوم میں ملتے ہیں تو بجائے اُس کو نفع پہنچانے کے خود اس کے بداثرات سے متأثر ہو جاتے ہیں جس کا نتیجہ رفتہ رفتہ نہایت خطرناک ہوتا ہے۔جب اسلام کی فتوحات کا زمانہ آیا تو اسلام کیلئے بھی یہی مشکل درپیش تھی گو اسلام ایک نبی کے ماتحت ترقی کر رہا تھا لیکن نبی باوجود نبی ہونے کے پھر انسان ہی ہوتا ہے اور انسان کے تمام کام خواہ کسی حد تک وسیع ہوں محدود ہی ہوتے ہیں۔ایک استاد خواہ کتنا ہی لائق ہو اور ایک وقت میں تیس چالیس نہیں بلکہ سَو سَوا سَو لڑکوں تک کو بھی پڑھا سکتا ہو لیکن اگر اس کے پاس ہزار دو ہزار لڑکے لے آئیں تو نہیں پڑھا سکے گا۔رسول بھی استاد ہی ہوتے ہیں جیسا کہ قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت آیا ہے **يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ**[۵] کہ اس رسول کا یہ کام ہو کہ وہ خدا تعالیٰ کی آیتیں لوگوں کو سنائے کتاب کی تعلیم دے اور ان کو پاک کرے۔غرض نبی ایک استاد ہوتا ہے اس کا کام تعلیم دینا ہوتا ہے۔اس لئے وہ تھوڑے لوگوں کو ہی دے سکتا ہے کیونکہ لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کو سبق دینا اور پھر یاد بھی کروا دینا کسی انسان کا کام نہیں ہوسکتا۔پس جب کسی کے سامنے لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کی

جماعت سبق لینے کے لئے کھڑی ہوتو ضرور ہوگا کہ اس کی تعلیم میں نقص رہ جائے اور پوری طرح علم نہ حاصل کر سکے۔ یا یہ ہوگا کہ بعض تو پڑھ جائیں گے اور بعض کی تعلیم ناقص رہ جائے گی اور بعض بالکل جاہل کے جاہل ہی رہ جائیں گے اور کچھ تعلیم نہ حاصل کر سکیں گے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب فتوحات پر فتوحات ہونی شروع ہوئیں اور بے شمار لوگ آپ کے پاس آنے لگے تو ان کے دل میں جو بڑا ہی پاک دل تھا یہ گھبراہٹ پیدا ہوئی کہ ان تھوڑے سے لوگوں کو تو میں اچھی طرح تعلیم دے لیتا، قرآن سکھا سکتا تھا (چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑی پابندی سے صحابہ کو قرآن سکھاتے تھے) لیکن یہ جو لاکھوں انسان اسلام میں داخل ہو رہے ہیں ان کو میں کس طرح تعلیم دوں گا اور مجھ میں جو بوجہ بشریت کے یہ کمزوری ہے کہ اتنے کثیر لوگوں کو تعلیم نہیں دے سکتا اس کا کیا علاج ہوگا۔ اس کا جواب سورۃ نصر میں خدا تعالیٰ نے یہ دیا کہ اس میں شک نہیں کہ جب فتح ہوگی اور نئے نئے لوگ کثرت سے اسلام میں داخل ہوں گے تو ان میں بہت سی کمزوریاں ہوں گی اور یہ بھی سچ ہے کہ وہ سب کے سب تجھ سے تعلیم نہیں پا سکتے مگر ان کو تعلیم دلانے کا یہ علاج ہے کہ تو خدا سے دعا مانگے کہ اے خدا! مجھ میں بشریت کے لحاظ سے یہ کمزوری ہے کہ اتنے لوگوں کو تعلیم نہیں دے سکتا تُو میری اس کمزوری کو ڈھانپ دے اور وہ اس طرح کہ ان سب لوگوں کو خود ہی تعلیم دے دے اور خود ہی ان کو پاک کر دے۔ پس یہی وہ بات ہے جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کرنے کا ارشاد ہوا ہے۔ ذنب کے معنی ایک زائد چیز کے ہیں اور غفر ڈھانکنے کو کہتے ہیں۔ اس سے خدا تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات سکھائی ہے کہ تم یہ کہو کہ میں اِس قدر لوگوں کو کچھ نہیں سکھا سکتا پس آپ ہی ان کو سکھایئے اور میری اس انسانی کمزوری کو ڈھانپ دیجئے۔

دیکھو حضرت مسیح موعود علیہ السلام ابتدائی زمانہ میں ایک ایک سے اپنے ہاتھ پر ہاتھ رکھا کر بیعت لیتے تھے پھر ترقی ہوئی تو لوگ ایک دوسرے کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت کرنے لگے۔ پھر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے زمانہ میں تو پگڑیاں پھیلا کر بیعت ہوتی تھی اور اب بھی اِسی طرح ہوتی ہے۔ تو ایک آدمی ہر طرف نہیں پہنچ سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

زمانہ میں کوئی مسلمان یمن میں تھا کوئی شام میں، کوئی عراق میں تھا کوئی بحرین میں اور کوئی نجد میں تھا اس لئے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کے پاس پہنچ سکتے تھے اور نہ وہ آپ تک آسکتے تھے۔ جب حالت یہ تھی تو ضرور تھا کہ آپ کی تعلیم میں نقص رہ جاتا لیکن آپ کا دل کبھی یہ برداشت نہ کرسکتا تھا اس لئے آپ کو حکم ہوا کہ خدا سے دعا کرو کہ اے خدا! اب یہ کام میرے بس کا نہیں اس لئے تو ہی اسے پورا کر۔ کیونکہ شاگرد بہت ہیں اور میں اکیلا مدرّس ہوں مجھ سے ان کی تعلیم کا پورا ہونا مشکل ہے۔ آجکل تو سکولوں میں یہ قاعدہ ہو گیا ہے کہ ایک استاد کے پاس چالیس یا پچاس سے زیادہ لڑکے نہ ہوں اور اس سے زیادہ لڑکوں کو جماعت میں داخل نہ کیا جائے اور اگر کیا جائے تو ایک اور استاد رکھا جائے کیونکہ افسرانِ تعلیم جانتے ہیں کہ اگر ایک جماعت میں بہت زیادہ لڑکے ہوں اور ایک اکیلا استاد پڑھانے والا ہو تو لڑکوں کی تعلیم ناقص رہ جاتی ہے۔ چنانچہ جن سکولوں میں بہت سے لڑکے ہوتے ہیں اور ایک استاد وہاں کے لڑکوں کی تعلیمی حالت بہت کمزور ہوتی ہے کیونکہ زیادہ لڑکوں کی وجہ سے استاد ہر ایک کی طرف پوری پوری توجہ نہیں کرسکتا۔ تو چونکہ فتح کے وقت لاکھوں انسان مسلمان ہو کر اسلام میں داخل ہوتے تھے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خطرہ دامن گیر ہوا کہ مسلمان تعلیم میں ناقص نہ رہ جائیں۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو اس کے متعلق یہ گُر بتا دیا کہ خدا کے آگے گر جاؤ اور اُسی کو کہو کہ آپ ہی اس کام کو سنبھالے کہ میری طاقت سے تو اس کا سنبھالنا باہر ہے۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق استغفار کا لفظ اسی لئے استعمال کیا گیا ہے کہ آپؐ کو اس بات کی طرف متوجہ کیا جائے کہ اسلام میں کثرت سے داخل ہونے والے لوگوں کی تعلیم و تربیت کے لئے آپؐ خدا تعالیٰ سے دعا کریں اور التجا کریں کہ اب لوگوں کے کثرت سے آنے سے جو بدنتائج نکلیں گے ان سے آپ ہی بچایئے اور ان کو خود ہی دور کر دیجئے۔ اور آپؐ کا لاکھوں انسانوں کو ایک ہی وقت میں پوری تعلیم نہ دے سکنا کوئی گناہ نہیں بلکہ بشریت کا تقاضا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آپ کی نسبت ذَنْب کا لفظ استعمال تو ہوا ہے لیکن جناح کا لفظ کبھی استعمال نہیں ہوا۔ گناہ اسے کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت

اور قوت کے باوجود اس کے حکم کی فرمانبرداری نہ کی جائے اور وہ بات جس کی خدا تعالیٰ کی طرف سے طاقت ہی نہ دی جائے اس کا نہ کرسکنا گناہ نہیں ہوتا بلکہ وہ بشری کمزوری کہلاتی ہے۔ مثلاً ایک شخص بیمار ہو جاتا ہے تو یہ اس کا گناہ نہیں بلکہ ایک کمزوری ہے جو بشریت کی وجہ سے اسے لاحق ہے۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ گناہ نہ تھا کہ آپؐ اس قدر زیادہ لوگوں کو پڑھا نہ سکتے تھے بلکہ خدا تعالیٰ نے ہی آپؐ کو ایسا بنایا تھا اور آپؐ کے ساتھ یہ ایسی بات لگی ہوئی تھی جو آپؐ کی طاقت سے بالا تھی اس لئے آپؐ کو بتایا گیا کہ آپؐ خدا تعالیٰ کے حضور کثرتِ طلباء کی وجہ سے جو نقص تعلیم میں ہونا تھا اس کے دور کرنے کے لئے دعا کریں۔

پس ان تمام آیات سے پتہ لگتا ہے کہ ان میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گناہ کا اظہار نہیں ہے بلکہ ایک بشری کمزوری کے بدنتائج سے بچنے کی آپؐ کو راہ بتائی گئی ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ آپؐ کے وقت کثرت سے لوگ ایمان لے آئے مگر ابتلاؤں اور فتنوں کے وقت ان کا ایمان خراب نہ ہوا اور وہ اس نعمت سے محروم نہ ہوئے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو لوگ ایمان لائے تھے آپ کے بعد گو ان میں سے بھی کچھ مرتد ہو گئے مگر جھٹ پٹ ہی واپس آ گئے اور ان فتنہ وفسادوں میں شامل نہ ہوئے جو اسلام کو تباہ کرنے کے لئے شریروں اور مفسدوں نے برپا کئے تھے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جو بہت بڑا فساد ہوا اس میں عراق، مصر، کوفہ اور بصرہ کے لوگ تو شامل ہو گئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایمان لائے تھے لیکن یمن، حجاز اور نجد کے لوگ شامل نہ ہوئے۔ یہ وہ ملک تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں فتح ہوئے تھے۔ جانتے ہو اس کی کیا وجہ ہے کہ وہ خفیہ منصوبے جو مسلمانوں کی تباہی کا موجب ہوئے ان میں وہ ممالک تو شامل ہو گئے جو آپؐ کی وفات کے بعد فتح ہوئے مگر وہ ملک شامل نہ ہوئے جو آپؐ کے زمانہ میں فتح ہوئے تھے۔ اس کی یہی وجہ ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان مُلکوں کے لوگوں کی جو آپ کے زمانہ میں اسلام لائے تھے بُرائیاں اور بدیاں دور کر دی تھیں۔ لوگ تو کہتے ہیں کہ امیر معاویہؓ کا زور اور طاقت تھی کہ شام کے لوگ اِس فتنہ میں شامل نہ ہوئے لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی

کرامت تھی کہ وہ لوگ حضرت عثمانؓ کے خلاف نہیں اُٹھے تھے۔ کیونکہ گو یہ مُلک آپؐ کے زمانہ میں فتح نہ ہوا لیکن آپؐ نے اس پر بھی چڑھائی کی تھی۔ جس کا ذکر قرآن شریف کی سورۃ توبہ میں ان تین صحابہؓ کا ذکر کرتے ہوئے جو اس سفر میں شامل نہ ہوئے تھے آیا ہے۔ پس شام کا اس فتنہ میں شامل نہ ہونا امیر معاویہؓ کی دانائی کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اس لئے تھا کہ وہاں اسلام کا بیج رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بویا گیا اور اس سرزمین میں آپؐ نے اپنا قدم مبارک ڈالا تھا۔ پس خدا تعالیٰ نے آپؐ کی دعاؤں میں اس مُلک کو بھی شامل کر لیا۔ اتنے بڑے فتنہ میں اِس قدر صحابہؓ میں سے صرف تین صحابہ کے شامل ہونے کا پتہ لگتا ہے اور ان کی نسبت بھی ثابت ہے کہ صرف غلط فہمیوں کی وجہ سے شامل ہو گئے تھے اور بعد میں توبہ کر لی تھی تو یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایسی خصوصیت ہے جو کسی اور نبی کو حاصل نہیں ہوئی۔ اس لئے جہاں آپؐ کی فتح کا ذکر آیا ہے وہاں ساتھ ہی استغفار کا حکم بھی آیا ہے جو آپؐ کو اس طرف متوجہ کرنے کے لئے تھا کہ دیکھنا ہم آپؐ کو بہت بڑی فتح اور عزت دینی چاہتے ہیں اور بے شمار لوگوں کو آپؐ کے ساتھ شامل کرنا چاہتے ہیں۔ پس یاد رکھو کہ جب تمہارے بہت سے شاگرد ہو جائیں تو تم خدا کے حضور گر جانا اور کہنا کہ الٰہی! اب کام انسانی طاقت سے بڑھتا جاتا ہے آپ خود ہی ان نو واردوں کی اصلاح کر دیجئے۔ ہم آپ کی دعا قبول کریں گے اور ان کی اصلاح کر دی جائے گی اور ان کی کمزوریوں اور بدیوں کو دور کر کے ان کو پاک کر دیا جائے گا۔ لیکن ان سب باتوں کو ملانے سے جہاں ایک طرف یہ اعتراض مٹ جاتا ہے کہ آپؐ کسی گناہ کے مرتکب نہیں ہوئے وہاں دوسری طرف یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت ایک قوم ترقی کرتی اور کثرت سے پھیلتی ہے وہی زمانہ اُس کے تنزّل اور انحطاط کا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے فتح کے ساتھ ہی استغفار کا ارشاد فرمایا ہے کیونکہ کسی قوم کے بڑھنے اور ترقی کرنے کا جو وقت ہوتا ہے وہی وقت اُس کے تنزّل کے اسباب کو بھی پیدا کرتا ہے اور جب کوئی قوم بڑھ جاتی ہے اُسی وقت اس میں فساد اور فتنے بھی شروع ہو جاتے ہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ قوم میں ایسے لوگ آ جاتے ہیں جو نبی کی خدمت اور صحبت میں نہیں رہے ہوتے، اچھی طرح

بدآ لائشوں سے پاک و صاف نہیں ہوتے اور جنہیں وہ مشکلات پیش نہیں آئی ہوتیں جو خدا تعالیٰ نے اپنے پیارے بندوں کو پاک کرنے کے لئے مقرر فرمائی ہوئی ہیں اس لئے وہ فتنہ وفساد پیدا کرتے ہیں اور قوم کو تباہی کے گھاٹ اُتارنا چاہتے ہیں۔

آپ لوگ اس مضمون کو غور سے سنیں اس کا کچھ حصہ علمی اور تاریخی ہے اس لئے ممکن ہے کہ بعض کو مشکل معلوم ہو لیکن یہ وہ بات ہے اور میں کامل یقین سے کہتا ہوں یہ وہ بات ہے جو خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں تو بیان فرمائی ہے لیکن آج تک کسی نے اسے قرآن شریف سے سیکھ کر بیان نہیں کیا۔ مجھے خدا تعالیٰ نے سکھائی ہے اور اس بات کا موقع دیا ہے کہ آپ لوگوں کو سناؤں۔ پس جو شخص اسے سُنے گا اور پھر اس پر عمل کرے گا وہ کامیاب اور بامراد ہو جائے گا اور جو نہیں سُنے گا اور عمل نہیں کرے گا وہ یاد رکھے کہ ایسے ایسے فتنے آنے والے ہیں کہ جن کے ساتھ یہ فتنہ جو اس وقت برپا ہوا ہے کچھ مقابلہ ہی نہیں کرسکتا۔ کیا یہ فتنہ تم کو یاد نہیں ہے اور تم نے نہیں دیکھا کہ اس کے بانیوں نے کس قدر زور سے کیا مگر انہیں کیا حاصل ہوا؟ کچھ بھی نہیں۔ آج یہ نظارہ دیکھ لو اور لاہور جاکر بھی دیکھ لو باوجود اس کے کہ بیعت کے وقت وہ زیادہ تھے اور ہم تھوڑے لیکن خدا تعالیٰ نے ظاہر کر دیا ہے کہ ان کی کچھ بھی پیش نہیں گئی پس یہ وہ فتنہ نہیں ہے جو جماعتوں کی تباہی اور ہلاکت کا موجب ہوا کرتا ہے۔ وہ وہ فتنہ ہوتا ہے جو سمندر کی لہروں کی طرح آتا ہے اور خس وخاشاک کی طرح قوموں کو بہا کرلے جاتا ہے۔

پس اس فتنہ سے خدا تعالیٰ کی رحمت اور فضل کے بغیر کوئی بچ نہیں سکتا۔ ہم سے پہلے بہت سی جماعتوں نے اس کے تلخ تجربے کئے ہیں۔ پس مبارک ہے وہ جو ان کے تجربوں سے فائدہ اُٹھائے اور افسوس ہے اُس پر جس نے پہلوں کے تجربہ سے فائدہ نہ اُٹھایا اور چاہا کہ خود تجربہ کرے۔ دیکھو! سنکھیا ایک زہر ہے اور اس کو ہر ایک زہر جانتا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ بہت سے لوگوں نے جب اِس کو کھایا تو مر گئے۔ اس کے متعلق اب کوئی یہ نہیں کہتا کہ میں اسے اُس وقت تک زہر نہیں کہوں گا جب تک کہ خود تجربہ کر کے نہ دیکھ لوں۔ لیکن کیسا افسوس ہوگا اُس شخص پر جو خود تجربۃً سنکھیا کھائے کیونکہ اس کا انجام سوائے اس کے کچھ نہیں ہوگا کہ مرے۔ تم لوگ بھی اِس بات کا تجربہ کرنے کا خیال دل میں نہ لاؤ جس کا تجربہ تم سے پہلے

لوگ کر چکے ہیں کیونکہ ان تجربات کا نتیجہ ایسا خطرناک تھا کہ اگر جوان سنے تو بوڑھا ہو جائے اور اگر سیدھی کمر والا سنے تو اس کی کمر ٹیڑھی ہو جائے اور اگر کالے بالوں والا سنے تو اس کے بال سفید ہو جائیں۔ وہ بہت تلخ اور کڑوے تجربے تھے اور ازحد دل ہلا دینے والے واقعات تھے وہ نہایت پاک روحوں کے شریروں اور بد باطنوں کے ہاتھ سے قتل کے نظارے تھے۔ وہ ایسے درد انگیز حالات تھے کہ جن کو سن کر مؤمن کا دل کانپ جاتا ہے اور وہ ایسے روح فرسا منظر تھے کہ جن کو آنکھوں کے سامنے لانے سے کلیجہ پھٹنے لگتا ہے۔ انہی کی سزا میں مسلمانوں میں اس قدر فتنہ اور فساد پڑا کہ جس نے انہیں تباہ کر دیا۔ حضرت عثمانؓ کو جو آدمی قتل کرنے آئے تھے اُن کو آپ نے فرمایا کہ اگر تم میرے قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو یاد رکھنا کہ مسلمان جو اِس وقت اِس طرح پیوستہ ہیں جیسے دو کنگھیوں کے دندانے ہوتے ہیں بالکل جُدا ہو جائیں گے اور ایسے جدا ہوں گے کہ قیامت تک انہیں کوئی نہ اکٹھا کر سکے گا۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے بھی اس فتنہ کے بانیوں سے بیان کیا کہ میں نے بنی اسرائیل کی بعض کتب میں دیکھا ہے کہ ایک نبی ہوگا اس کے بعد اس کے خلفاء ہوں گے اس کے خلیفہ ثالث کے خلاف لوگ فساد کریں گے اگر وہ اس کے مارنے پر کامیاب ہو گئے تو اس کی سزا ان کو یہ دی جائے گی کہ وہ ہمیشہ کے لئے پراگندہ کر دیئے جائیں گے اور پھر کوئی تدبیر ان کو جمع نہ کر سکے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہ فتنہ اتنا پھیلا اتنا پھیلا کہ سوائے مسیح موعود علیہ السلام کے کوئی اس کو روک نہ سکا اور مسلمان جو ٹوٹ چکے تھے انہیں کوئی نہ جوڑ سکا۔ پس تم لوگ یاد رکھو کہ آنے والا فتنہ بہت خطرناک ہے اس سے بچنے کے لئے بہت بہت تیاری کرو۔ پہلوں سے یہ غلطیاں ہوئیں کہ اُنہوں نے ایسے لوگوں کے متعلق حسن ظنی سے کام لیا جو بدظنیاں پھیلانے والے تھے۔ حالانکہ اسلام اُس کی حمایت کرتا ہے جس کی نسبت بدظنی پھیلائی جاتی ہے اور اُس کو جھوٹا قرار دیتا ہے جو بدظنی پھیلاتا ہے اور جب تک کہ باقاعدہ تحقیقات پر کسی شخص پر کوئی الزام ثابت نہ ہو اُس کا پھیلانے والا اور لوگوں کو سنانے والا اسلام کے نزدیک نہایت خبیث اور منتفنی ہے۔

پس تم لوگ تیار ہو جاؤ تا کہ تم بھی اس قسم کی کسی غلطی کا شکار نہ ہو جاؤ کیونکہ اب تمہاری

فتوحات کا زمانہ آ رہا ہے اور یاد رکھو کہ فتوحات کے زمانہ میں ہی تمام فسادات کا بیج بویا جاتا ہے۔ جو اپنی فتح کے وقت اپنی شکست کی نسبت نہیں سوچتا اور اقبال کے وقت ادبار کا خیال نہیں کرتا اور ترقی کے وقت تنزّل کے اسباب کو نہیں مٹاتا اس کی ہلاکت یقینی اور اس کی تباہی لازمی ہے۔ نبیوں کی جماعتیں بھی اس فساد سے خالی نہیں ہوتیں اور وہ بھی جب ترقی کرتی ہیں اور ایسے لوگ ان میں داخل ہوتے ہیں جنہوں نے نبی کی صحبت نہیں پائی ہوتی اور ان کا ایمان اتنا مضبوط نہیں ہوتا جتنا ان لوگوں کا ہوتا ہے جو نبی کی صحبت میں رہے ہوتے ہیں اور جن کی تربیت بوجہ اس کے کہ وہ جماعت در جماعت آ کر داخل ہوئے ہوتے ہیں نامکمل ہوتی ہے تو ان میں بھی فساد شروع ہو جاتا ہے جو آخر کار ان کو مختلف جماعتوں میں تقسیم کر کے ان کے اتحاد کو توڑ دیتا ہے یا ان کی جڑ کو ایسا کھوکھلا کر دیتا ہے کہ آئندہ ان کی روحانی طاقتیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ ہماری جماعت کی ترقی کا زمانہ بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت قریب آ گیا ہے اور وہ دن دور نہیں جب کہ افواج در افواج لوگ اس سلسلہ میں داخل ہوں گے۔ مختلف مُلکوں سے جماعتوں کی جماعتیں داخل ہوں گی اور وہ زمانہ آتا ہے کہ گاؤں کے گاؤں اور شہر کے شہر احمدی ہوں گے اور ابھی سے مختلف اطراف سے خوشخبری کی ہوائیں چل رہی ہیں اور جس طرح خدا کی یہ سنت ہے کہ بارش سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں چلاتا ہے تاکہ غافل لوگ آگاہ ہو جائیں اور اپنے مال و اسباب کو سنبھال لیں اسی طرح خدا تعالیٰ نے ہماری ترقی کی ہوائیں چلا دی ہیں پس ہوشیار ہو جاؤ۔ آپ لوگوں میں سے خدا کے فضل سے بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت پائی ہے، آپ کے منہ سے باتیں سنی ہیں، آپ سے ہم کلامی کا شرف حاصل کیا ہے۔ ان کا فرض ہے کہ وہ آنے والوں کے لئے ہدایت اور راہنمائی کا باعث ہوں۔ کیونکہ کوئی ایک شخص بہتوں کو نہیں سکھا سکتا۔ دیکھو اسی جلسہ پر خدا تعالیٰ کے فضل سے اتنے لوگ آئے ہیں کہ ان سب تک مشکل سے میری آواز پہنچ سکتی ہے مگر جب لاکھوں اور کروڑوں انسان آئے تو انہیں کون ایک شخص سنا سکے گا۔ لیکن بتلاؤ اگر ایک ہی سنانے والا ہوا تو یہ کیسا دردناک نظارہ ہوگا کہ کچھ لوگ تو سن رہے ہوں گے اور کچھ لوگ پکوڑے کھا رہے ہوں گے۔ وہ سنیں گے کیا اور یہاں سے لے کر

جائیں گے کیا۔ وہ اس اطاعت سے واقف نہ ہوں گے جو انبیاء لوگوں کے دلوں میں پیدا کرتے ہیں۔ وہ یہ نہیں جانتے ہوں گے کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تقریر فرما رہے تھے آپؐ نے لوگوں کو فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ عبداللہ بن مسعودؓ ایک گلی میں چلے آ رہے تھے آپؐ کی آواز اُنہوں نے وہاں ہی سنی اور وہیں بیٹھ گئے۔ کسی نے پوچھا آپ یہاں کیوں بیٹھے ہیں وہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر ہو رہی ہے وہاں کیوں نہیں جاتے؟ اُنہوں نے کہا میرے کان میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز آئی ہے کہ بیٹھ جاؤ پس میں یہیں بیٹھ گیا۔[8]

پھر ان کے سامنے یہ نظارہ نہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تین شخص آئے ایک کو آگے جگہ مل گئی وہ وہاں جا کر بیٹھ گیا۔ دوسرے کو آگے جگہ نہ ملی وہ جہاں کھڑا تھا وہیں بیٹھ گیا۔ تیسرے نے خیال کیا کہ یہاں آواز تو آتی نہیں پھر ٹھہرنے سے کیا فائدہ وہ واپس چلا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے کہ ایک نے تمہاری مجلس میں قُرب حاصل کرنے کے لئے کوشش اور محنت کی اور آگے ہو کر بیٹھ گیا خدا تعالیٰ نے بھی اسے قریب کیا۔ ایک اور آیا اُس نے کہا اب مجلس میں آ گیا ہوں اگر اچھی جگہ نہیں ملی تو نہ سہی وہیں بیٹھ گیا اور اس نے واپس جانا مناسب نہ سمجھا خدا نے بھی اس سے چشم پوشی کی۔ ایک اور آیا اسے جگہ نہ ملی اور وہ واپس پھر گیا خدا تعالیٰ نے بھی اس سے منہ پھیر لیا۔[9]

اس قسم کی باتیں نبیوں کی ہی صحبت میں رہ کر حاصل ہو سکتی ہیں لیکن اُنہوں نے اس قسم کے نظارے نہ دیکھے ہوں گے۔ پھر اُنہوں نے وہ محبت کی گھڑیاں نہ دیکھی ہوں گی جو آپ نے دیکھی ہیں۔ اُنہوں نے اطاعت اور فرمانبرداری کے وہ مزے نہ اُٹھائے ہوں گے جو آپ نے اُٹھائے ہیں۔ انہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے وہ پیار نہ ہوگا جو آپ لوگوں کو ہے۔ اُنہوں نے وہ نشانات نہ دیکھے ہوں گے جو آپ لوگوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ رہ کر دیکھے ہیں۔ انہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وہ پیار اور محبت سے دیکھنا اور باتیں کرنا نصیب نہ ہوگا جو آپ لوگوں کو ہوا ہے۔ ان کے دلوں میں اطاعت اور

فرمانبرداری کا وہ جوش نہ ہوگا جو آپ لوگوں کے دلوں میں ہے۔سوائے ان لوگوں کے جن کے سینے خدا تعالیٰ خاص طور پر خود کھول دے۔ اس میں شک نہیں کہ صحابہ کرامؓ کے بعد بھی ایسے لوگ ہوئے ہیں جنہوں نے پہلوں کی طرح ایمان اور یقین حاصل کر لیا تھا اور ان جیسی ہی صفات بھی پیدا کر لی تھیں۔ مثلاً امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام ابوحنیفہؒ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ،شہاب الدین سہروردیؒ، معین الدین چشتیؒ وغیرھم۔ان لوگوں نے محنتیں اورکوششیں کیں اس لئے ان کے دل پاک ہوگئے۔ مگر جس کثرت سے صحابہؓ میں ایسے لوگ تھے اس کثرت سے بعد میں نہ ہو سکے۔ بلکہ بعد میں کثرت ان لوگوں کی تھی جن میں بہت سے نقص موجود تھے اور قلت ان کی تھی جو صحابہؓ جیسی صفات رکھتے تھے۔لیکن صحابہؓ کے وقت کثرت کامل ایمان والوں کی تھی۔ ہماری جماعت میں اِس وقت خدا کے فضل سے کثرت ان لوگوں کی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت میں رہے اور قلت ان کی ہے جو بعد میں آئے لیکن یہ کثرت ایسی ہے جو دن بدن کم ہوتی جارہی ہے۔ میرا مطلب اِس تقریر سے یہ نہیں کہ نبی کے بعد اعلیٰ درجہ کے لوگ ہوتے ہی نہیں۔نہیں! اعلیٰ درجہ کے لوگ ہوتے ہیں اور ضرور ہوتے ہیں جیسا کہ ابھی میں نے بعض آدمیوں کے نام لئے ہیں جنہوں نے صحابہؓ کے بعد بڑا درجہ حاصل کیا۔اپنی جماعت کے متعلق بھی آج ہی ایک شخص نے مجھ سے سوال کیا تھا کہ کیا بعد میں آنے والے وہ درجہ پا سکتے ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت پانے والوں نے پایا؟ تو میں نے اسے جواب دیا کہ ہاں وہ درجہ پا سکتے ہیں۔ پس اس تقریر کا یہ مطلب نہیں کہ میں بعد میں آنے والے لوگوں کو مایوس کروں بلکہ میرا مطلب تمہیں اور اُن کو ہوشیار کرنا ہے۔تمہیں اس لئے کہ تا تم آنے والوں کی تعلیم کا فکر کرو اور اُنہیں اس لئے تا وہ جان لیں کہ ان کے راستہ میں بہت سی مشکلات ہیں وہ ان پر غالب آنے کی تدبیر کریں۔ ورنہ یہ عقیدہ کہ نبی کی جماعت کے بعد کوئی ان کے درجہ کو پا ہی نہیں سکتا ایک غلط اور باطل عقیدہ ہے جو جھوٹی محبت سے پیدا ہوا ہے۔صحابہؓ کے بعد بڑے بڑے مخدوم، بڑے بڑے بزرگ اور بڑے بڑے اولیاء اللہ گزرے ہیں جن کی نسبت ہم ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ وہ سب کے سب ہر ایک اس شخص سے روحانیت میں ادنیٰ تھے جس نے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت خواہ ایک دن ہی پائی ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ جو صحابہؓ میں اعلیٰ درجہ رکھتا ہے وہ ان بعد میں آنے والوں سے اعلیٰ ہے لیکن وہ جو ان میں ادنیٰ ہے اس سے بعد میں آنے والوں کا اعلیٰ طبقہ اعلیٰ ہے۔ ہاں سب صحابہؓ کو یہ ایک جُزوی فضیلت حاصل ہے کہ اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک دیکھا جس کے لئے اب اگر کوئی ساری دنیا کی سلطنت بھی دینے کو تیار ہو جائے تو حاصل نہیں کر سکتا۔ یہی بات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہؓ کے متعلق ہے۔

غرض وہ وقت آتا ہے کہ ایسے لوگ اس سلسلہ میں شامل ہوں گے جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت نہ پائی ہوگی اور اس کثرت سے ہوں گے کہ ان کو ایک آدمی تقریر نہیں سنا سکے گا اس لئے اُس وقت بہت سے مدرسوں کی ضرورت ہوگی اور پھر اس بات کی بھی ضرورت ہوگی کہ ایک شخص لاہور میں ایک امرتسر میں بیٹھا سنائے اور لوگوں کو دین سے واقف کرے اور احکامِ شرع پر چلائے تاکہ تمام جماعت صحیح عقائد پر قائم رہے اور تفرقہ سے بچے۔

کل میں نے آپ لوگوں کو یہ بتایا تھا کہ علم ایک بہت اچھی چیز ہے اس کو حاصل کرنے کے لئے کوشش کرو لیکن آج بتاتا ہوں کہ علم بغیر خشیت اور تقویٰ کے ایک لعنت ہے اور ایسا علم بہت دفعہ حجابِ اکبر ثابت ہوا ہے۔ دیکھو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ایک عالم آدمی ہیں لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر وہ ایمان نہ لائے بلکہ اُنہوں نے کہہ دیا کہ میں نے ہی مرزا کو بڑھایا تھا اور میں ہی گھٹاؤں گا۔ گویا اُنہوں نے اپنے علم کے گھمنڈ پر سمجھا کہ کسی کو میں ہی بڑھا سکتا ہوں اور میں ہی گھٹا سکتا ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے پہلے ایک شخص شرک کے خلاف تعلیم دیا کرتا تھا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو کسی شخص نے اسے اسلام کی تلقین کی۔ اس نے جواب دیا کہ شرک کے مٹانے میں جو محنت اور کوشش میں نے کی ہے وہ اور کسی نے نہیں کی پس اگر کوئی شخص دنیا میں نبی ہوتا تو وہ میں ہوتا یہ شخص نبی کیونکر بن گیا۔ وہ شخص گو توحید کا علم رکھتا تھا لیکن بوجہ خشیت نہ ہونے کے اسلام لانے سے محروم ہو گیا۔ پس میں آپ لوگوں کو یہی نہیں کہتا کہ علم سیکھو بلکہ یہ بھی کہتا ہوں

کہ تقویٰ اور خشیت اللہ پیدا کرو۔ کیونکہ اگر یہ نہ ہو تو علم ایک عذاب ہے نہ کہ کوئی مفید چیز۔
تم قرآن شریف پڑھو اور خوب پڑھو کیونکہ بے علم انسان نہیں جانتا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے کیا کیا حکم دیئے ہیں لیکن یہ بھی یاد رکھو کہ کئی انسان ایسے ہوتے ہیں جو قرآن شریف جانتے ہیں مگر خود گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو گمراہ کرتے پھرتے ہیں اور اس طرح کے ہو گئے ہیں جس طرح کہ یہود کے عالم تھے جن کا ذکر قرآن شریف میں آتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ قرآن شریف وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا مگر جانتے ہوئے نہیں جانتے۔ وہ مولوی اور مفتی کہلاتے ہیں مگر ان کے اعمال میں اسلام کا کوئی اثر نہیں پایا جاتا۔ قرآن شریف کے معنوں کی ایسی ایسی توجیہیں نکالتے اور ایسی ایسی شرارتیں کرتے ہیں کہ ان کے دل بھی انہیں شرمندہ کرتے ہیں۔ عالم کہلاتے ہیں مگر عمل نہیں کرتے۔ اس لئے گو اُنہوں نے علم پڑھا مگر ان کا علم ان کے کسی کام نہ آیا اور وہ گمراہ کے گمراہ ہی رہے۔
پس خشیت اللہ کی بہت ضرورت ہے۔ اس کے پیدا کرنے کے طریق نبیوں کے زمانہ میں بہت سے ہوتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ انسان کو سانچے میں ڈھال دیتے ہیں اور خود نمونہ بن کر لوگوں کو سکھلاتے ہیں۔ یہ ایک ثابت شُدہ بات ہے کہ ہر ایک کام جس طرح کسی استاد کے بتانے اور تجربہ کر کے دکھانے سے آتا ہے اس طرح خود بخود کتابوں میں سے پڑھ لینے سے نہیں آیا کرتا۔ مثلاً اگر کوئی شخص ڈاکٹری کی کتابیں پڑھ لے لیکن اسے تجربہ نہ ہو تو وہ لوگوں کا علاج کرنے کی بجائے ان کو مارے گا۔ کیونکہ علاج وہی کر سکتا ہے جس کو تجربہ بھی ہو اور جسے اس نے کسی استاد سے سیکھا ہو۔ مگر جس نے کسی استاد کو دیکھا ہی نہ ہو اس کے علاج سے بہت مرتے اور کم جیتے ہیں اور جو جیتے ہیں وہ بھی اس لئے نہیں کہ اس کی دوائی اور علاج سے بلکہ اپنی طاقت اور قوت سے۔ پس خشیت اللہ نبی کی صحبت سے جس طرح حاصل ہوتی ہے اس طرح کسی اور طریق سے نہیں حاصل ہو سکتی۔ پس تم میں سے تو بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت سے اس کو سیکھا ہے۔ اس لئے تم اس زمانہ کے لئے ہوشیار ہو جاؤ جب کہ فتوحات پر فتوحات ہوں گی۔ عنقریب ایک زمانہ آتا

ہے جبکہ تمہارے نام کے ساتھ لوگ رضی اللہ عنہ لگائیں گے۔ آج اگر تمہاری قدر نہیں تو نہ سہی لیکن ایک وقت آتا ہے جب کہ اس شخص کی پگڑی، کرتہ اور جوتی تک کو لوگ متبرک سمجھیں گے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ رہا ہے۔ بیشک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ہی خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے'' لیکن یاد رکھو صادقوں کے ساتھ رہنے والوں کے کپڑوں کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے الوصیت میں لکھا ہے کہ:۔

''ہمارا خدا وعدوں کا سچا اور وفادار اور صادق خدا ہے وہ سب کچھ تمہیں دکھلائے گا جس کا اُس نے وعدہ فرمایا ہے اگرچہ یہ دن دنیا کے آخری دن ہیں اور بہت بلائیں ہیں جن کے نزول کا وقت ہے پر ضرور ہے کہ یہ دنیا قائم رہے جب تک وہ تمام باتیں پوری نہ ہو جائیں جن کی خدا نے خبر دی۔ میں خدا کی طرف سے ایک قدرت کے رنگ میں ظاہر ہوا اور میں خدا کی ایک مجسم قدرت ہوں اور میرے بعد بعض اور وجود ہونگے جو دوسری قدرت کا مظہر ہونگے''۔[10]

پس وہ وقت جلد آنے والا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آج تم لوگوں کی نظروں میں جاہل ہو۔ پر وہ دن جلدی ہی آنے والے ہیں جب کہ دنیا کہے گی کہ تمہارے زمانہ میں تم سے زیادہ مہذب کوئی نہیں گزرا۔ تم نے خدا تعالیٰ کا حکم مانا ہے، اس کے رسول کا حکم مانا ہے اور اس کے مسیح کو قبول کیا ہے۔ پس تم ہی دنیا میں ایک برگزیدہ قوم ہو۔ تمہارے کپڑوں سے لوگ برکت ڈھونڈیں گے اور تمہارے ناموں کی عزت کریں گے کیونکہ تمہارے نام عزت کے ساتھ آسمان پر لکھے گئے ہیں۔ پس کون ہے جو انہیں دنیا سے مٹا سکے۔ لیکن یہ بات بھی یاد رکھو کہ جس طرح تم پر اس قدر انعام ہوئے ہیں اسی طرح تمہارے فرض بھی بہت بڑھ گئے ہیں۔ بیشک بعد میں آنے والے تحریریں پڑھ سکتے ہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں کو پڑھ سکتے ہیں مگر اس طرح وہ اعمال نہیں سیکھ سکتے اور نہ دوسرے لوگ انہیں سکھا سکتے ہیں جس طرح تم نے سیکھے ہیں۔ مگر وہی سکھا سکتے ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت میں پاک دل ہوئے۔ صرف علم نہ پہلوں کے کام آیا اور نہ پچھلوں کے کام آ سکتا ہے۔ مگر تمہیں

خود علم کی ضرورت ہے قرآن شریف عربی زبان میں ہے اس لئے جب تک عربی نہ آتی ہو اس کے پڑھنے میں لذت نہیں آسکتی اور نہ اس کے احکام سے انسان واقف ہوسکتا ہے۔ پس تم عربی سیکھو تا کہ قرآن شریف کو سمجھ سکو۔ ابھی میر حامد شاہ صاحب نے ایک نظم پڑھی ہے۔ عجیب بات ہے کہ اس میں اُنہوں نے ایک شعر ایسا بھی کہا ہے کہ اسی کے مضمون کے متعلق میں اس وقت تقریر کرنے کے لئے کھڑا ہوا ہوں اور وہ یہ ہے کہ تم بار بار قادیان آؤ اور آکر قرآن سیکھو تا بعد میں آنے والوں کو سکھا سکو۔ اگر تم اس کے لئے تیار نہ ہوئے تو یاد رکھو کہ ایک عرصہ تک تو بیشک تمہیں عزت حاصل ہوگی لیکن ایسا زمانہ آئے گا جب کہ تم خاک میں ملائے جاؤ گے اور تم سے آنے والے لوگ جن میں خشیت اللہ نہ ہوگی وہی سلوک کریں گے جو صحابہؓ کے ساتھ ان لوگوں نے کیا جو بعد میں آئے تھے کہ انہیں قتل کرا کر ان کی لاشوں پر تھوکا اور دفن نہ ہونے دیا۔

دیکھو میں آدمی ہوں اور جو میرے بعد ہوگا وہ بھی آدمی ہی ہوگا جس کے زمانہ میں فتوحات ہوں گی وہ اکیلا سب کو نہیں سکھا سکے گا تم ہی لوگ ان کے معلّم بنو گے۔ پس اِس وقت تم خود سیکھو تا ان کو سکھا سکو۔ خدا تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ دنیا کے لئے پروفیسر بنا دیئے جاؤ۔ اس لئے تمہارے لئے ضروری ہے اور بہت ضروری ہے کہ تم خود پڑھو تا آنے والوں کے لئے استاد بن سکو۔ اگر تم نے خود نہ پڑھا تو ان کو کیا پڑھاؤ گے۔ ایک نادان اور جاہل استاد کسی شاگرد کو کیا پڑھا سکتا ہے۔

کہتے ہیں ایک استاد تھا اس نے چند خطوط پڑھے ہوئے تھے جو کوئی خط لا کر دیتا اسے انہیں خطوں میں سے کوئی ایک سنا دیتا۔ ایک دن ایک شخص خط لایا اُس وقت اُس کے پاس اپنے پہلے خط موجود نہ تھے اس لئے نہ پڑھ سکا اور کہنے لگا کہ میں طاق والے خط پڑھ سکتا ہوں۔ پس تم بھی اس خط کے پڑھنے والے کی طرح نہ بنو۔ آپ لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ اپنے اندر اخلاص اور خشیت پیدا کرو اور علمِ دین سیکھو اور اپنے دلوں کو صیقل کرو تا کہ جو لوگ تم میں آئیں ان کو تعلیم دے سکو اور ان میں خشیت اللہ پیدا کر سکو۔ صحابہؓ کے وقت جو فتنہ ہوا تھا وہ اسی بات کا نتیجہ تھا کہ وہ لوگ مدینہ میں نہ آتے تھے اور اُنہوں نے قرآن شریف نہ

پڑھا اور نہ سمجھا تھا اس لئے ان میں خشیت اللہ پیدا نہ ہوئی جس کا انجام یہ ہوا کہ اُنہوں نے صحابہؓ کو قتل کر کے اپنے پاؤں تلے روندا، اُن کی لاشوں کی بے عزتی کی اور انہیں مکانوں میں بند کر دیا۔ اگر وہ مدینہ آتے اور اہل مدینہ سے تعلق رکھتے تو کبھی یہ فتنہ نہ ہوتا اور اگر ہوتا تو ایسی خطرناک صورت نہ اختیار کرتا۔ اس فتنہ میں سارے مدینہ سے صرف تین آدمی ایسے نکلے جن کو مُفسد اور شریر لوگ اپنے ساتھ ملا سکے اور ان کو بھی دھوکا اور فریب سے۔ وہ ایک عمارؓ بن یاسر تھے، دوسرے محمد بن ابی بکرؓ، اور تیسرے ایک انصاری تھے۔ چونکہ تم لوگ بھی صحابہؓ کے مشابہ ہو اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تاریخ سے بیان کروں کہ کس طرح مسلمان تباہ ہوئے اور کون سے اسباب ان کی ہلاکت کا باعث بنے۔ پس تم ہوشیار ہو جاؤ اور جو لوگ تم میں نئے آئیں ان کے لئے تعلیم کا بندوبست کرو۔

حضرت عثمانؓ کے وقت جو فتنہ اُٹھا تھا وہ صحابہؓ سے نہیں اُٹھا تھا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ صحابہؓ نے اُٹھایا تھا ان کو دھوکا لگا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت علیؓ کے مقابلہ میں بہت سے صحابہؓ تھے اور معاویہ کے مقابلہ میں بھی لیکن میں کہتا ہوں کہ اس فتنہ کے بانی صحابہؓ نہیں تھے بلکہ وہی لوگ تھے جو بعد میں آئے اور جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب نہ ہوئی اور آپؐ کے پاس نہ بیٹھے۔ پس میں آپ لوگوں کو اس طرف متوجہ کرتا ہوں اور فتنہ سے بچنے کا یہ طریق بتاتا ہوں کہ کثرت سے قادیان آؤ اور بار بار آؤ تا کہ تمہارے ایمان تازہ رہیں اور تمہاری خشیت اللہ بڑھتی رہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے تھے میں زمانہ طالبعلمی میں ایک شخص کے پاس ملنے کے لئے جایا کرتا تھا۔ کچھ عرصہ نہ گیا پھر جو گیا تو کہنے لگے کیا تم کبھی قصائی کی دکان پر نہیں گئے؟ میں نے کہا قصائی کی دکان تو میرے راستہ میں پڑتی ہے ہر روز میں اس کے سامنے سے گزرتا ہوں۔ اُنہوں نے کہا کیا تم نے کبھی قصائی کو نہیں دیکھا کہ وہ کچھ دیر گوشت کاٹ کر ایک چھری کو دوسری چھری پر پھیر لیتا ہے وہ ایسا اس لئے کرتا ہے کہ تا دونوں چھریاں تیز ہو جائیں۔ اسی طرح جب ایک نیک آدمی دوسرے نیک آدمی سے ملتا ہے تو ان پر جو کوئی بد اثر ہوتا ہے وہ دور ہو جاتا ہے۔ پس تم لوگ بھی کثرت سے یہاں آؤ تا کہ نیک انسانوں سے ملو اور صاف و شفاف ہو جاؤ۔ خدا تعالیٰ نے

قادیان کو مرکز بنایا ہے اس لئے خدا تعالیٰ کے جو برکات اور فیوض یہاں نازل ہوتے ہیں اور کسی جگہ نہیں ہیں۔ پھر جس کثرت سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ یہاں موجود ہیں اور کسی جگہ نہیں ہیں۔ اس لئے یہاں کے لوگوں کے ساتھ ملنے سے انسان کا دل جس طرح صیقل ہوتا ہے اور جس طرح اُسے تزکیہ نفس حاصل ہوتا ہے اس طرح کسی جگہ کے لوگوں کے ساتھ ملنے سے نہیں ہوتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو لوگ قادیان نہیں آتے مجھے ان کے ایمان کا خطرہ ہی رہتا ہے۔ اب ہی دیکھ لو ان لوگوں کو چھوڑ کر جو یہاں متکبرانہ آتے اور اسی نشہ میں چلے جاتے تھے باہر کے ایسے ہی لوگ غیر مبائعین ہیں جو یہاں نہیں آتے تھے۔ پس اسی وجہ سے ان کے دل زنگ آلود ہوتے گئے جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ وہ مُردہ دل ہو گئے۔ اُنہوں نے اپنے دل میں ایمان کا پودا تو لگایا تھا مگر اسے پانی نہ دیا اس لئے وہ سُوکھ گیا۔ اُنہوں نے اپنے دل میں خشیت اللہ کا بیج تو بویا تھا مگر اس کی آبپاشی نہ کی اس لئے وہ خشک ہو گیا۔ تم ان لوگوں کے نمونہ سے عبرت پکڑو اور بار بار یہاں آؤ تا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صُحبت یافتہ جماعت کے پاس بیٹھو، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نشانات کو دیکھو اور اپنے دلوں کو صیقل کرو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ لوگوں نے اِس وقت تک کچھ نہیں سیکھا یا کچھ نہیں حاصل کیا۔ آپ نے بہت کچھ سیکھا اور بہت کچھ حاصل کیا ہے مگر اس کو قائم اور تازہ رکھنے کے لئے یہاں آؤ اور بار بار آؤ۔ بہت لوگ ایسے ہیں جو صرف جلسہ پر آتے ہیں اور پھر نہیں آتے۔ میں کہتا ہوں انہیں اس طرح آنے سے کیا فائدہ ہوا۔ یہ فائدہ تو ہوا کہ اُنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا حکم مانا اور اس حکم کی قدر کی مگر ایسے موقع پر انہیں کچھ سکھانے اور پڑھانے کا کہاں موقع مل سکتا ہے۔ بہت لوگ ایسے ہوتے ہیں جو جلسہ پر آتے اور پھر چلے جاتے ہیں ان کی بعض حرکات خلافِ شرع ہوتی ہیں لیکن ایسے وقت میں نہ کچھ بتایا جا سکتا ہے اور نہ بتانے کا کوئی موقع ملتا ہے۔ اور پھر وہ جو یہاں نہیں آتے ان کے لئے بار بار دعا بھی نہیں ہو سکتی اور کس طرح ہو۔ میں تو دیکھتا ہوں ماں بھی اپنے اُس بچہ کو جو ہر وقت اُس سے دور رہے بھُول جاتی ہے اور جو نزدیک رہے اسے یاد رکھتی ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ بھی ان لوگوں کو بھلا دیتا ہے جو اس کو یاد نہیں رکھتے۔

قرآن شریف میں خدا تعالیٰ کافروں کو کہتا ہے کہ تم میرے ملنے سے ناامید ہو گئے پس میں نے بھی تم کو ترک کر دیا۔ تو وہ شخص جو بار بار مجھے ملتا اور اپنے آپ کو شناخت کراتا ہے وہ اپنے لئے دعا کے لئے بھی یاد دلاتا ہے۔ بیشک میں تمام جماعت کے لئے ہمیشہ دعا کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا اور مجھے اپنی دعاؤں کے نیک نتائج نکلنے کی امید ہے۔ ناامیدی میری فطرت میں ہی نہیں ہے کیونکہ میری طبیعت خدا تعالیٰ نے ایسی بنائی ہے جو ناامیدی کے الفاظ کو سننا بھی گوارا نہیں کرتی۔ مجھے اُس شخص پر بہت غصہ آتا ہے جو خدا تعالیٰ کی نسبت کسی ناامیدی کا اظہار کرے اُس وقت میرے تمام بدن کو آگ لگ جاتی ہے۔ نیز میں یہ بات بھی کبھی نہیں سن سکتا کہ فلاں بات ہو نہیں سکتی۔ مجھے ایسے لوگوں سے ہمیشہ نفرت رہی ہے اور ہے جو اِس قسم کے ہوتے ہیں۔ خیر یہ ایک ضمنی بات تھی جو میں نے بیان کر دی ہے۔ ہاں آپ لوگوں کو میں نے بتایا ہے کہ خدا سے دور رہنے والے لوگوں کا خدا سے قُرب نہیں ہوتا۔ اسی طرح اس کے بندوں سے دور رہنے والا بھی ان کا مقرب نہیں بن سکتا۔ وہ دعائیں جو میں کرتا ہوں مجملاً ہوتی ہیں اس لئے ان کا اثر اجمالی طور پر سب کو ہو گا مگر فرداً فرداً اسی کیلئے دعا کی تحریک پیدا ہوتی ہے جو بار بار سامنے نظر آئے۔ پس اس بات کو مدنظر رکھ کر بھی یہاں آؤ۔

پھر قادیان میں نہ صرف قرآن شریف علمی طور پر حاصل ہوتا ہے بلکہ عملی طور پر بھی ملتا ہے۔ یہاں خدا کے فضل سے پڑھانے والے ایسے موجود ہیں جو پڑھنے والے کے دل میں داخل کر دیں اور یہ بات کسی اور جگہ حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ **تفقُّہ فِی الدِّیْن** اور چیز ہے اور علم اور چیز۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کے لئے یہی دعا فرمائی کہ خدا تعالیٰ تمہیں دین کے باریک رازوں سے واقف کرے **تفقُّہ فِی الدِّیْن** حاصل ہو۔[۱۱] پس ہر ایک وہ شخص جو قرآن شریف پڑھ سکتا ہے وہ عالم ہو سکتا ہے مگر فقیہہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ قرآن کریم کے باریک رازوں سے بھی واقف نہ ہو۔ ایسے انسان خدا کے فضل سے یہاں موجود ہیں ان سے آپ یہ بات حاصل کریں اور وہ اس طرح کہ بار بار یہاں آئیں کیونکہ وہ وقت عنقریب آنے والا ہے جب کہ آپ دنیا کے پڑھانے والے بنیں گے۔ پس جلدی تعلیم حاصل کرو تا کہ دوسروں کو پڑھا سکو۔ خدا تعالیٰ کا جن مرکزوں کے ساتھ تعلق ہوتا

ہے ان کے رہنے والوں کے ساتھ بھی وہ اپنے خاص فضل کا سلوک کرتا ہے تو یہاں نہ صرف یہ کہ خود بہت سے لوگ خدا کے فضل سے تفقُّہ فِی الدِّیْن رکھتے ہیں بلکہ ہر ایک بات میں دوسروں کو بھی تسلی اور تشفّی کرا سکتے ہیں خدا کے فضل سے، پھر یہاں کی ایک ایک اینٹ ایک ایک مکان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کی دلیل ہے کیونکہ یہ وہ شہر ہے جس کا نام بھی کوئی نہ جانتا تھا مگر اس میں پیدا ہونے والے ایک شخص نے کہا کہ خدا نے مجھے کہا ہے کہ تمہیں تمام جہان میں مشہور کر دوں گا اور یہاں دُور دُور سے لوگ آئیں گے۔ چنانچہ وہ مشہور ہو گیا اور دور دراز مُلکوں سے لوگ آئے جو آپ کی صداقت کا ایک کھلا کھلا ثبوت ہے۔

ایک دفعہ ایک انگریز حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو امریکہ سے ملنے کے لئے آیا۔ اس نے آپ سے پوچھا کہ کیا آپ نبی ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں میں نبی ہوں۔ اس نے کہا اگر آپ نبی ہیں تو کوئی نشان دکھلائیے۔ آپ نے فرمایا آپ ہی میرے نشان ہیں۔ اس نے کہا میں کس طرح ہوں؟ فرمایا ایک وقت تھا کہ یہاں مجھے کوئی نہ جانتا تھا اور میں ایک گمنامی کی حالت میں رہتا تھا لیکن آج آپ مجھے امریکہ سے ملنے کے لئے آئے ہیں کیا یہ میری صداقت کا نشان نہیں ہے؟ غرض آپ میں سے ایک ایک شخص اور اس مسجد اور دوسرے مکانوں کی ایک ایک اینٹ آنے والوں کے لئے نشان ہے کیونکہ اگر حضرت صاحب کے ذریعہ یہاں لوگ جمع نہ ہوتے تو کون یہ مسجدیں اور یہ سکول اور یہ بورڈنگ بناتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایسے وقت میں اس کی خبر دی تھی جب کہ کسی کے خیال میں بھی یہ بات نہ آ سکتی تھی۔ پھر آپ نے یہ بھی فرمایا ہوا ہے کہ قادیان اُس دریا تک جو یہاں سے سات آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے پھیل جائے گا۔ چنانچہ ایک میل تک تو اس تھوڑے سے عرصہ میں ہی پھیل گیا ہے۔ قاعدہ ہے کہ ابتدا میں ہر ایک چیز آہستہ آہستہ ترقی کرتی ہے اور کچھ عرصے کے بعد یک لخت بہت بڑھ جاتی ہے۔ مثلاً بچہ پہلے تھوڑا تھوڑا بڑھتا ہے لیکن ایک وقت میں یک لخت بڑھ جاتا ہے تو یہ قادیان کی ابتدائی ترقی ہے اس سے اس کی انتہائی ترقی کا اندازہ کرلو۔ غرض قادیان کی ہر ایک چیز، ہر ایک درخت، ہر ایک اینٹ، ہر ایک مکان نشان ہے۔ بہشتی مقبرہ، حضرت صاحب کا باغ، بورڈنگ، سکول، مسجدیں وغیرہ سب

حضرت صاحب کا معجزہ ہیں اور یہاں کی گلیاں بھی بہت بابرکت ہیں کیونکہ ان میں خدا کا مسیح چلا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ مکہ اور مدینہ کیوں اب بھی بابرکت ہیں۔ ان میں کیا ایسی چیز ہے جو کسی اور جگہ نہیں ہے؟ وہ یہ کہ مکہ کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے برگزیدہ انسان نے رکھی اور مدینہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز رہے۔ لیکن اب کیا وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں؟ پھر کیوں اس کی عزت اور توقیر کی جاتی ہے؟ اور رسول اللہ نے یہ کیوں فرمایا ہے کہ میری مسجد میں نماز پڑھنے والے کو بہ نسبت کسی اور مسجد میں پڑھنے والے کے زیادہ ثواب ہوگا حالانکہ وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپؐ کے صحابہؓ بھی نہیں ہیں اور اب تو وہاں ایسے علماء رہتے ہیں جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بھی کُفر کا فتویٰ لگا دیا مگر چونکہ وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پڑے تھے اس لئے وہ اب بھی مقدس اور مطہر ہی ہے۔ پھر مکہ کو دیکھو وہاں نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور نہ حضرت اسماعیلؑ اور نہ ہی ان کے صحابہ موجود ہیں مگر چونکہ ان متبرک انسانوں نے اس کی بنیاد رکھی تھی اس لئے باوجود اِس وقت ان کے وہاں موجود نہ ہونے کے مکہ ویسا ہی متبرک ہے۔ تو جن مقاموں کے ساتھ خدا تعالیٰ کا تعلق ہوتا ہے وہ ہمیشہ کے لئے متبرک بنا دیئے جاتے ہیں۔ قادیان بھی ایک ایسی ہی جگہ ہے۔ یہاں خدا تعالیٰ کا ایک برگزیدہ مبعوث ہوا اور اس نے یہاں ہی اپنی ساری عمر گزاری اور اس جگہ سے وہ بہت محبت رکھتا تھا۔ چنانچہ اس موقع پر جب کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام لاہور گئے ہیں اور آپ کا وصال ہو گیا ہے ایک دن مجھے آپ نے ایک مکان میں بُلا کر فرمایا۔ محمود! دیکھو یہ دھوپ کیسی زرد سی معلوم ہوتی ہے چونکہ مجھے ویسی ہی معلوم ہوتی تھی جیسی کہ ہر روز دیکھتا تھا میں نے کہا نہیں اسی طرح کی ہے جس طرح کی ہر روز ہوا کرتی ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں یہاں کی دھوپ کچھ زرد اور مدہم سی ہے۔ قادیان کی دھوپ بہت صاف اور عمدہ ہوتی ہے۔ چونکہ آپ نے قادیان میں ہی دفن ہونا تھا اِس لئے آپ نے یہ ایک ایسی بات فرمائی جس سے قادیان سے آپ کی محبت اور اُلفت کا پتہ لگتا تھا۔ کیونکہ جب کہیں سے جدائی ہونے لگتی ہے تو وہاں کی ذرا ذرا چیز سے بھی محبت اور اُلفت کا خیال آتا ہے تو اس جگہ کی چھوٹی سے چھوٹی چیز سے بھی خدا کے مسیح کو وہ

اُلفت تھی جس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے۔ پھر خدا تعالیٰ نے تمہیں ایک سِلک میں منسلک کر دیا ہے اور تم ایک لڑی میں پروئے گئے ہو۔ خدا تعالیٰ نے تمہیں اتفاق واتحاد کی مضبوط چٹان پر کھڑا کر دیا ہے اس لئے یہاں صرف مقام ہی کی برکتیں نہیں بلکہ اتحاد کی برکتیں بھی ہیں۔لیکن میں کہتا ہوں اگر خدانخواستہ اتحاد نہ بھی ہوتو بھی یہاں آنا بہت ضروری ہے۔ ورنہ وہ شخص جو یہاں نہیں آتا یادر کھے کہ اس کا ایمان خطرہ میں ہے۔ پس وہ لوگ جو پُرانے ہیں اور وہ بھی جو نئے ہیں یہاں بار بار آئیں۔ میں بڑے زور سے کہتا ہوں کہ ان کے یہاں آنے جانے کے روپے ضائع نہیں جائیں گے بلکہ خدا تعالیٰ انہیں واپس کر دے گا اور بڑے نفع کے ساتھ واپس کرے گا کیونکہ خدا تعالیٰ کسی کا حق نہیں مارتا۔ اسے بڑی غیرت ہے اور اس معاملہ میں وہ بڑا غیور ہے۔ دیکھو اس میں اتنی غیرت ہے کہ جب مؤذن کھڑا ہو کر اذان میں کہتا ہے **حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ** کہ اے لوگو! نماز کا وقت ہو گیا ہے نماز کے لئے آؤ۔ تو خدا تعالیٰ اتنا برداشت نہیں کرسکتا کہ اس آواز سے لوگ یہ خیال کر کے آئیں کہ چلو خدا کا حکم ہے مسجد میں چلیں اور اس طرح ایک طرح کا احسان جتائیں۔ اس لئے ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ **حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ** کسی کا نماز پڑھنے کے لئے آنا مجھ پر کوئی احسان نہیں ہے اگر کوئی نماز پڑھے گا تو خود ہی فلاح حاصل کرے گا۔ تو جو لوگ خدا تعالیٰ کے لئے اپنا مال خرچ کریں گے، اس کی رضامندی کے لئے اپنا وطن چھوڑیں گے، اس کی رضا کے لئے سفر کی تکلیفیں برداشت کریں گے ان کی یہ باتیں ضائع نہیں جائیں گی بلکہ وہ اس درجہ کو پائیں گے کہ خدا ان کا ہاتھ، خدا ان کی زبان، خدا ان کے کان، اور خدا ان کے پاؤں ہو جائے گا۔ اور جو کچھ وہ اس راستہ میں ڈالیں گے وہ بیج ہوگا جو انہیں کئی گنا ہو کر واپس ملے گا۔ پس کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ قادیان آنا خرچ کرنا ہے یہ خرچ کرنا نہیں بلکہ برکتیں حاصل کرنا ہے۔ دیکھو کھیتی میں بیج ڈالنے والا بھی بیج کو خرچ کرتا ہے لیکن اس سے گھبراتا نہیں بلکہ امید رکھتا ہے کہ کل مجھے بہت زیادہ ملے گا۔ پس تم بھی یہاں آنے جانے کے اخراجات سے نہ گھبراؤ۔ خدا تعالیٰ تمہیں اس کے مقابلہ میں بہت بڑھ کر دے گا۔ پس تمہارے یہاں آنے میں کوئی چیز روک نہ ہو اور کوئی بات مانع نہ ہو تا کہ تم اپنے دین اور ایمان کو مضبوط کرلو

اور اپنے میں آنے والوں سے پہلے ان کے لینے کے لئے تیار ہو جاؤ اور اگر آنے والے ہزاروں ہوں تو تم بھی ہزاروں ہی ان کے لینے کے لئے موجود رہو۔

اس بات کو خوب ذہن نشین کر کے اس پر عمل کرو۔ صحابہؓ کا بڑا تلخ تجربہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ کیسی دردناک مصیبت ان پر آئی تھی اور کس قدر مصائب اور آلام کا وہ نشانہ بنے تھے۔ یہ فساد جیسا کہ میں نے پہلے بتایا ہے صحابہؓ سے پیدا نہیں ہوا تھا بلکہ اُن لوگوں نے کیا تھا جو مدینہ میں نہیں آتے تھے اور صحابہؓ میں شامل نہ تھے۔ چنانچہ اِس فساد کا بانی مبانی ایک شخص عبداللہ بن سبا تھا۔ اس کی ابتدائی زندگی کا حال تو معلوم نہیں ہوتا کہ سیاست کے ساتھ اُس کو کیا تعلق تھا لیکن تاریخ میں اس کا ذکر حکیم بن جبلہ کے ساتھ آتا ہے۔ حکیم بن جبلہ ایک چور تھا جب فارس پر چڑھائی ہوئی تو یہ بھی صحابہؓ کے لشکر میں شامل تھا۔ لشکر کی واپسی پر یہ راستہ میں غائب ہو گیا اور غیر مسلموں پر حملہ کر کے ان کے اموال لُوٹ لیا کرتا تھا اور بھیس بدل کر رہتا تھا۔ جب غیر مُسلم آبادی اور مُسلم آبادی نے اس کی شرارتوں کا حال حضرت عثمانؓ کو لکھا تو آپ نے اس کے نظر بند کرنے کا حکم دیا اور بصرہ سے باہر جانے کی اسے ممانعت کر دی گئی۔ اس پر اس نے خفیہ شرارتیں اور منصوبے شروع کئے۔ چنانچہ ۳۲ھ میں اس کے گھر پر عبداللہ بن سبا مہمان کے طور پر آ کر اُترا اور لوگوں کو بُلا کر ان کو ایک خفیہ جماعت کی شکل میں بنانا شروع کیا اور آپس میں ایک انتظام قائم کیا۔ جب اس کی خبر والی کو ملی تو اس نے اس سے دریافت کیا کہ تُو کون ہے؟ تو اس نے کہلا بھیجا کہ میں ایک یہودی ہوں اسلام سے مجھے رغبت ہے اور تیری پناہ میں آ کر رہا ہوں۔ چونکہ اس کی شرارتوں کا علم گورنر کو ہو چکا تھا اُنہوں نے اسے مُلک بدر کر دیا۔ یہ پہلا واقعہ ہے جو تاریخ عبداللہ بن سبا کی سیاسی شرارتوں کے متعلق ہمیں بتاتی ہے اور اس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حکیم بن جبلہ بھی سچے دل سے مسلمان نہ تھا اور اس کا ذمیوں پر حملہ کرنا اس لئے نہ تھا کہ غیر مسلموں سے اسے دشمنی تھی بلکہ غیر مسلموں کو اسلامی حکومت کے خلاف بھڑکانے کے لئے وہ ڈاکہ مارتا تھا جیسا کہ آجکل بنگالہ کے چند شریر ہندوستانی آبادی پر ڈاکہ مارتے ہیں۔ اور ان کی غرض صرف اس قدر ہوتی ہے کہ عام آبادی انگریزی حکومت

کو نا قابل سمجھ کر اس سے بگڑ جائے اور یہ نتیجہ اس بات سے نکلتا ہے کہ عبداللہ بن سبا ایک یہودی جو دل سے اسلام کا دشمن تھا اسی کے پاس آ کر ٹھہرا ہے۔ اگر حکیم سچا مسلمان ہوتا اور غیر مسلموں کا دشمن تو کبھی عبداللہ بن سبا جو دل سے اسلام کا دشمن تھا سب بصرہ میں سے اس کو نہ چنتا بلکہ اسے اپنا دشمن خیال کرتا۔

جب عبداللہ بن سبا بصرہ سے نکالا گیا تو کوفہ کو چلا گیا اور وہاں ایک جماعت اپنے ہم خیالوں کی پیدا کر کے شام کو گیا لیکن وہاں اس کی بات کسی نے نہ سنی اس لئے وہ وہاں سے مصر کو چلا گیا۔ مصری لوگ تازہ مسلمان تھے ان میں ایمان اس قدر داخل نہ ہوا تھا جیسا کہ دیگر بلاد کے باشندوں میں۔ پھر مدینہ سے زیادہ دور تھے اور مرکز سے تعلق کم تھا اس لئے بہت کثرت سے اس کے فریب میں آ گئے۔ اور عبداللہ بن سبا نے دیکھ لیا کہ مصر ہی میرے قیام کے لئے مناسب ہوسکتا ہے چنانچہ اس نے مصر میں ہی رہائش اختیار کی اور لوگوں کو اُکسانا شروع کیا۔

اِدھر تو یہ فتنہ شروع تھا اُدھر چند اور فتنے بھی پیدا ہو رہے تھے اور ان کے بانی بھی وہی لوگ تھے جو بعد میں مسلمان ہوئے تھے اور مدینہ سے اُن کا تعلق بالکل نہ تھا اس لئے ان کی تربیت نہ ہوسکتی تھی۔ چنانچہ جس طرح بصرہ میں حکیم بن جبلہ، عبداللہ بن سبا کے ساتھ مل کر یہ شرارتیں کر رہا تھا کوفہ میں بھی ایک جماعت اسی کام میں لگی ہوئی تھی۔ سعید بن العاص گورنر کوفہ تھے اور ان کی صحبت اکثر ذِی علم لوگوں کے ساتھ رہتی تھی مگر کبھی کبھی تمام لوگوں کو وہ اپنے پاس آنے کی اجازت دیتے تھے تا کُل حالات سے باخبر رہیں۔ ایک دن ایسا ہی موقع تھا باتیں ہو رہی تھیں کسی نے کہا فلاں شخص بڑا سخی ہے سعید بن العاص نے کہا کہ میرے پاس دولت ہوتی تو میں بھی تم لوگوں کو دیتا۔ ایک بیچ میں بول پڑا کہ کاش! آلِ کسریٰ کے اموال تمہارے قبضہ میں ہوتے۔ اس پر چند نومسلم عرب اُس سے لڑ پڑے اور کہا کہ یہ ہمارے اموال کی نسبت خواہش کرتا ہے کہ اس کو مل جائیں۔ سعید بن العاص نے سمجھایا تو اس نے کہا کہ تم نے اس کو سکھایا ہے کہ ایسی بات کہے اور اُٹھ کر اس شخص کو مارنے لگے۔ اس کی مدد کے لئے اس کا باپ اُٹھا تو اُسے بھی مارا حتّٰی کہ دونوں بیہوش ہو گئے۔ جب لوگوں کو علم ہوا

کہ اس قسم کا فساد ہو گیا ہے تو وہ قلعہ کے اِردگرد جمع ہو گئے مگر سعید بن العاص نے ان کو سمجھا کر ہٹا دیا کہ کچھ نہیں سب خیر ہے اور جن لوگوں کو مار پڑی تھی انہیں بھی منع کر دیا کہ تم اس بات کو مشہور مت کرنا خواہ مخواہ فساد پڑے گا اور آئندہ سے اس فسادی جماعت کو اپنے پاس آنے سے روک دیا۔ جب اُنہوں نے دیکھا کہ ہمیں والی اپنے پاس نہیں آنے دیتا تو اُنہوں نے لوگوں میں طرح طرح کے جھوٹ مشہور کرنے شروع کر دیئے اور دین اسلام پر طعن کرنے لگے اور مختلف تدابیر سے لوگوں کو دین سے بدظن کرنے کی کوشش شروع کی۔ اس پر لوگوں نے حضرت عثمانؓ سے شکایت کی اور آپ نے حکم دیا کہ ان کو کوفہ سے جلاوطن کر کے شام بھیج دیا جائے اور حضرت معاویہ کو لکھ دیا کہ اِن کی خبر رکھنا۔ حضرت معاویہؓ نے نہایت محبت سے ان کو رکھا اور ایک دن موقع پا کر ان کو سمجھایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے عرب کی کیا حالت تھی اسے یاد کرو اور غور کرو کہ خدا تعالیٰ نے قریش کے ذریعہ سے تم کو عزت دی ہے پھر قریش سے تمہیں کیوں دشمنی ہے (وہ لوگ اس بات پر بھی طعن کرتے تھے کہ خلیفہ قریش میں سے کیوں ہوتے ہیں قریشیوں نے خلافت کو اپنا حق بنا چھوڑا ہے یہ ناجائز ہے) اگر تم حکام کی عزت نہ کرو گے تو یاد رکھو جلد وہ دن آتا ہے کہ خدا تعالیٰ تم پر ایسے لوگوں کو مقرر کرے گا جو تم کو خوب تکلیف دیں گے۔ امام ایک ڈھال ہے جو تم کو تکلیف سے بچاتا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ قریش کا کیا احسان ہے کیا وہ کوئی بڑی جماعت تھی جن کے ذریعہ سے اسلام کامیاب ہو گیا اور باقی رہا کہ امام ڈھال ہے اور ہمیں تکلیف سے بچا رہا ہے سو یہ خیال مت کرو جب وہ ڈھال ٹوٹ جائے گی تو پھر ہمارے ہاتھ میں دے دی جائے گی۔ یعنی خلافت اگر قریش کے ہاتھ سے نکل جائے گی تو پھر ہم ہی ہم اس کے وارث ہیں اس لئے ہمیں اس کا فکر نہیں کہ خلافت قریش کے ہاتھ سے نکل گئی تو پھر کیا ہو گا۔ اس پر حضرت معاویہ نے اُن کو سمجھایا کہ ایامِ جاہلیت کی سی باتیں نہ کرو اسلام میں کسی قوم کا زیادہ یا کم ہونا موجب شرف نہیں رکھا گیا بلکہ دیندار و خدا رسیدہ ہونا اصل سمجھا گیا ہے۔ پس جب کہ قریش کو خدا تعالیٰ نے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں ممتاز کیا اور ان کو دین کی اشاعت و حفاظت کا کام سپرد کیا ہے تو تم کو اس پر کیا حسد ہے اور تم

لوگ اپنی پہلی حالت کو دیکھو اور سوچو کہ اسلام نے تم لوگوں پر کس قدر احسانات کئے ہیں۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ تم اہل فارس کے کارندہ تھے اور بالکل ذلیل تھے اسلام کے ذریعہ سے ہی تم کو سب عزت ملی لیکن تم نے بجائے شکریہ ادا کرنے کے ایسی باتیں شروع کر دی ہیں جو اسلام کے لئے ہلاکت کا باعث ہیں۔تم شیطان کا ہتھیار بن گئے ہو وہ جس طرح چاہتا ہے تمہارے ذریعہ سے مسلمانوں میں پھوٹ ڈلوا رہا ہے۔مگر یاد رکھو کہ اس بات کا انجام نیک نہ ہوگا اور تم دُکھ پاؤ گے۔بہتر ہے کہ جماعتِ اسلام میں شامل ہو جاؤ۔ میں خوب جانتا ہوں کہ تمہارے دل میں کچھ اور ہے جسے تم ظاہر نہیں کرتے لیکن اللہ تعالیٰ اُسے ظاہر کر کے چھوڑے گا (یعنی تم اصل میں حکومت کے طالب ہو اور چاہتے ہو کہ ہم بادشاہ ہو جائیں اور دین سے متنفر ہو لیکن بظاہر اپنے آپ کو مسلم کہتے ہو) اس کے بعد حضرت معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کو ان کی حالت سے اطلاع دی اور لکھا کہ وہ لوگ اسلام و عدل سے بیزار ہیں اور ان کی غرض فتنہ کرنا اور مال کمانا ہے پس آپ ان کے متعلق گورنروں کو حکم دے دیجئے کہ ان کو عزت نہ دیں یہ ذلیل لوگ ہیں۔ پھر ان لوگوں کو شام سے نکالا گیا اور وہ جزیرہ کی طرف چلے گئے وہاں عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید حاکم تھے اُنہوں نے ان کو نظر بند کر دیا اور کہا کہ اگر اس مُلک میں بھی لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے اور فتنہ ڈالنے کی کوشش کی تو یاد رکھو میں ایسی خبر لوں گا کہ سب شیخی کرکری ہو جائے گی۔ چنانچہ اُنہوں نے انہیں سخت پہرہ میں رکھا حتّٰی کہ ان لوگوں نے آخر میں توبہ کی کہ اب ہم جھوٹی افواہیں نہ پھیلائیں گے اور اسلام میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش نہ کریں گے۔اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید نے ان کو اجازت دے دی کہ جہاں چاہو چلے جاؤ اور اشتر کو حضرت عثمانؓ کی خدمت میں بھیجا کہ اب یہ معافی کے طالب ہیں۔آپ نے انہیں معاف کیا اور اختیار دیا کہ جہاں چاہیں رہیں۔اشتر نے کہا کہ ہم عبدالرحمٰن بن خالد کے پاس ہی رہنا چاہتے ہیں چنانچہ وہیں اُن کو واپس کیا گیا۔

اس گروہ کے علاوہ ایک تیسرا گروہ تھا جو تفرقہ کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔اس کا سرگروہ ایک شخص حمران بن ابان تھا اس نے ایک عورت سے عدت کے اندر شادی کر لی تھی جس پر اُسے

مارا گیا اور بصرہ کی طرف جلا وطن کر دیا گیا۔ وہاں اس نے فساد ڈلوانا شروع کیا اور تفرقہ اور فساد ڈالنے کے لئے یہ صورت اختیار کی کہ شرفاء کے خلاف موقع پا کر جھوٹ منسوب کر دیتا اور اس طرح تفرقہ ڈلواتا۔

غرض یہ تین گروہ اسلام کی تباہی میں کوشاں تھے اور تینوں گروہ ایسے تھے جو دین اسلام سے بے خبر اور اپنی وجاہت کے دِلدادہ تھے۔ اسلام کی ناواقفی کی وجہ سے اپنی عقل سے مسائل ایجاد کر کے مسلمانوں کے اعتقاد بگاڑتے تھے اور چونکہ حکومتِ اسلامیہ ان کے اس فعل میں روک تھی اور وہ کُھلے بندوں اسلام کو بازیچہ اطفال نہیں بنا سکتے تھے اس لئے حکومت کے مٹانے کے درپے ہو گئے تھے۔

چنانچہ سب سے پہلے عبداللہ بن سبا نے مصر میں بیٹھ کر باقاعدہ سازش شروع کر دی اور تمام اسلامی علاقوں میں اپنے ہم خیال پیدا کر کے ان کے ساتھ خط و کتابت شروع کی اور لوگوں کو بھڑکانے کے لئے یہ راہ نکالی کہ حضرت عثمانؓ کے عُمّال کے خلاف لوگوں کو بھڑکانا شروع کیا اور چونکہ لوگ اپنی آنکھوں دیکھی بات کے متعلق دھوکا نہیں کھا سکتے اس لئے یہ تجویز کی کہ ہر ایک جگہ کے لوگ اپنے علاقہ میں اپنے گورنر کے عیب نہ مشہور کریں بلکہ دوسرے علاقہ کے لوگوں کو اس کے مظالم لکھ کر بھیجیں۔ وہاں کے فتنہ پرداز ان کو اپنے گورنر کے عیب لکھ کر بھیجیں اس طرح لوگوں پر ان کا فریب نہ کھلے گا۔ چنانچہ بصرہ کے لوگ مصر والوں کی طرف لکھ کر بھیجتے کہ یہاں کا گورنر بڑا ظالم ہے اور اس اس طرح مسلمانوں پر ظلم کرتا ہے اور مصر کے لوگ یہ خطوط لوگوں کو پڑھ کر سناتے اور کہتے کہ دیکھو تمہارے بصرہ کے بھائی اس دکھ میں ہیں اور ان کی فریاد کوئی نہیں سنتا۔ اسی طرح مصر کے مُتفنی کسی اور صوبہ کے دوستوں کو مصر کے گورنر کے ظلم لکھ کر بھیجتے اور وہ لوگوں کو سنا کر خلیفہ کے خلاف اُکساتے کہ اس نے ایسے ظالم گورنر مقرر کر رکھے ہیں جن کو رعایا کی کوئی پرواہ نہیں۔ علاوہ ازیں لوگوں کو بھڑکانے کے لئے چونکہ اس بات کی بھی ضرورت تھی کہ ان کے دل ان کی طرف جُھک جائیں اس کے لئے عبداللہ بن سبا نے یہ تجویز کی کہ عام طور پر وعظ و لیکچر دیتے پھرو تا کہ لوگ تمہاری طرف مائل ہو جائیں اور بڑا خادمِ اسلام سمجھیں۔ چنانچہ اس

کے اصل الفاظ یہ ہیں جو طبری نے لکھے ہیں وَاَظْهِرُوا الْاَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْىَ عَنِ الْمُنْكَرِ تَسْتَمِيْلُوا النَّاسَ وَادْعُوْهُمْ اِلٰى هٰذَا الْاَمْرِ فَبَثَّ دُعَاتَهٗ [۱۲] یعنی اس نے نصیحت کی کہ ظاہر میں تو تمہارا کام لوگوں کو نیک باتوں کا وعظ کرنا اور بُری باتوں سے روکنا ہو تا کہ اس ذریعہ سے لوگوں کے دل تمہاری طرف مائل ہو جائیں کہ کیا عمدہ کام کرتے ہیں لیکن اصل میں تمہاری غرض ان وعظوں سے یہ ہو کہ اس طرح لوگوں کے دل جب مائل ہو جائیں تو انہیں اپنا ہم خیال بناؤ۔ یہ نصیحت کر کے اس نے اپنے واعظ چاروں طرف پھیلا دیئے۔ غرض ان لوگوں نے ایسا طریق اختیار کیا کہ سادہ لوح لوگوں کے لئے بات کا سمجھنا بالکل مشکل ہو گیا اور فتنہ بڑے زور سے ترقی کرنے لگا اور عام طور پر مسلمان خلافتِ عثمانؓ سے بدظن ہو گئے اور ہر جگہ یہی ذکر لوگوں کی زبانوں پر رہنے لگا کہ ہم تو بڑے مزے میں ہیں باقی علاقوں کے لوگ بڑے بڑے دکھوں میں ہیں۔ بصرہ کے لوگ خیال کرتے کہ کوفہ اور مصر کے لوگ سخت تکلیف میں ہیں اور کوفہ کے لوگ سمجھتے کہ بصرہ اور مصر کے لوگ سخت دُکھ میں ہیں حالانکہ اگر وہ لوگ آپس میں ملتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ یہ شریروں کی شرارت ہے ورنہ ہر جگہ امن وامان ہے۔ ہر جماعت دوسری جماعت کو مظلوم قرار دیتی تھی حالانکہ مظلوم کوئی بھی نہ تھا اور ان سازشیوں نے ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ اپنے ہم خیالوں کو ایک دوسرے سے ملنے نہ دیتے تھے تا راز ظاہر نہ ہو جائے۔

آخر یہ فساد بڑھتے بڑھتے خیالات سے عمل کی طرف لَوٹا اور لوگوں نے یہ تجویز کی کہ ان گورنروں کو موقوف کروایا جائے جن کو حضرت عثمانؓ نے مقرر کیا ہے چنانچہ سب سے پہلے حضرت عثمانؓ کے خلاف کوفہ کے لوگوں کو اُکسایا گیا اور وہاں فساد ہو گیا۔ لیکن بعض بڑے آدمیوں کے سمجھانے سے فساد تو دَب گیا مگر فساد کے بانی مبانی نے فوراً ایک آدمی کو خط دے کر حمص روانہ کیا کہ وہاں جو جلاوطن تھے ان کو بُلا لائے اور لکھا کہ جس حالت میں ہو فوراً چلے آؤ کہ مصری ہم سے مل گئے ہیں۔ وہ خط جب ان کو ملا تو باقیوں نے اُسے ردّ کر دیا لیکن مالک بن اشتر بگڑ کر فوراً کوفہ کی طرف روانہ ہو گیا اور تمام راستہ میں لوگوں کو حضرت عثمانؓ اور سعیدؓ بن العاص کے خلاف اُکساتا گیا اور ان کو سناتا کہ میں مدینہ سے آ رہا ہوں۔ راستہ

میں سعیدؓ بن العاص سے ملا تھا وہ تمہاری عورتوں کی عصمت دری کرنا چاہتا ہے اور فخر کرتا ہے کہ مجھے اس کام سے کون روک سکتا ہے۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ کی عیب جوئی کرتا۔ جو لوگ حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابہؓ کے واقف نہ تھے اور مدینہ آنا جانا اُن کا کم تھا وہ دھوکے میں آتے جاتے تھے اور تمام مُلک میں آگ بھڑکتی جاتی تھی عقلمند اور واقف لوگ سمجھاتے لیکن جوش میں کون کسی کی سنتا ہے۔

اِس زمانہ میں بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف لوگ قسم قسم کے جھوٹ مشہور کرتے تھے اور ایسے احمدی بھی جو قادیان کم آتے تھے ان کے دھوکے میں آ جاتے تھے۔ اب بھی ہمارے مخالف میری نسبت اور قادیان کے دوسرے دوستوں کی نسبت جھوٹی باتیں مشہور کرتے ہیں کہ سب اموال پر انہوں نے تصرف کر لیا ہے اور حضرت صاحب کو حقیقی نبی (جس کے معنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تشریعی نبی کئے ہیں) مانتے ہیں اور **نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ** رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کرتے ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ جو لوگ قادیان نہیں آتے ان میں سے بعض ان کے فریب میں آ جاتے ہیں۔ ایک رئیس نے مسجد کوفہ میں لوگوں کو اکٹھا کر کے ایک تقریر کی اور سمجھایا لیکن دوسرے لوگوں نے اُنہیں کہا کہ اب فتنہ حد سے بڑھ گیا ہے اب اس کا علاج سوائے تلوار کے کچھ نہیں۔ اس ناشکری کی سزا اب ان کو یہی ملے گی کہ یہ زمانہ بدل جائے گا اور بعد میں یہ لوگ خلافت کے لوٹنے کی تمنا کریں گے لیکن ان کی آرزو پوری نہ ہوگی۔ پھر سعیدؓ بن العاص اُن کو سمجھانے گئے اُنہوں نے جواب دیا کہ ہم تجھ سے راضی نہیں تیری جگہ پر اور گورنر طلب کریں گے۔ اُنہوں نے کہا کہ اس چھوٹی سی بات کے لئے اس قدر شور کیوں ہے ایک آدمی کو خلیفہ کی خدمت میں بھیج دو کہ ہمیں یہ گورنر منظور نہیں وہ اور بھیج دیں گے۔ اس بات کیلئے اس قدر اجتماع کیوں ہے؟ یہ بات کہہ کر سعید نے اپنا اونٹ دوڑایا اور مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور حضرت عثمانؓ کو سب حالات سے آگاہ کیا۔ آپ نے فرمایا کسے گورنر بنانا چاہتے ہیں؟ اُنہوں نے کہا ابوموسیٰ اشعریؓ کو۔ فرمایا ہم نے ان کو گورنر مقرر کیا اور ہم ان لوگوں کے پاس کوئی معقول عذر نہ رہنے دیں گے۔ جب حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو یہ اطلاع ملی تو آپ نے سب لوگوں

کو جمع کر کے اس خبر سے آگاہ کیا۔ اُنہوں نے کہا تو آپ ہمیں نماز پڑھائیں مگر اُنہوں نے انکار کیا اور کہا کہ جب تک کہ تم آئندہ کے لئے توبہ نہ کرو اور حضرت عثمانؓ کی اطاعت کا وعدہ نہ کرو میں تمہاری امامت نہ کروں گا اور تم کو نماز نہ پڑھاؤں گا۔ اُنہوں نے وعدہ کیا تب آپ نے انہیں نماز پڑھائی لیکن فتنہ اس پر بھی ختم نہ ہوا کیونکہ ان لوگوں کی اصل غرض تو خلافت کا اُڑانا تھا۔ عمال و حکام کی تبدیلی تو صرف ایک بہانہ اور حضرت عثمانؓ کے مظالم (نعوذُباللّٰہ) کا اظہار ایک ذریعہ تھے جس سے وہ لوگ جو مدینہ آتے جاتے نہ تھے اور اس برگزیدہ اور پاک انسان کے حالات سے آگاہ نہ تھے وہ دھوکے میں آجاتے تھے اور اگر وہ خود آکر حضرت عثمانؓ کو دیکھتے تو کبھی ان شریروں کے دھوکے میں نہ آتے اور اس فساد میں نہ پڑتے۔

غرض یہ فتنہ دن بدن بڑھتا ہی گیا اور آخر حضرت عثمانؓ نے صحابہؓ کو جمع کیا اور دریافت کیا کہ اس فتنہ کے دور کرنے کے لئے کیا تدبیر کرنی چاہیے۔ اس پر مشورہ ہوا اور یہ تجویز ہوئی کہ پہلے یہ دیکھا جائے کہ حکام کی شکایت درست بھی ہے یا نہیں اور اس بات کے معلوم کرنے کے لئے تمام صوبوں میں کچھ ایسے آدمی بھیجے جائیں جو یہ معلوم کریں کہ آیا گورنر ظالم ہیں یا یونہی ان کے متعلق غلط خبریں پھیلائی جارہی ہیں۔ اس کام کے لئے جو آدمی بھیجے گئے ان سب نے لکھ دیا کہ ہر ایک صوبہ میں اچھی طرح امن اور امان قائم ہے۔ گورنروں کے متعلق کوئی شکایت نہیں ہے لیکن عمارؓ بن یاسر جو مصر میں بھیجے گئے تھے ان کو عبداللہ بن سبا کے ساتھی پہلے ہی مل گئے اور اپنے پاس ہی ان کو رکھا اور لوگوں سے نہ ملنے دیا بلکہ ایسے ہی لوگوں سے ملایا جو اپنے ڈھب کے اور ہم خیال تھے اور انہیں سارے جھوٹے قصے سنائے اس لئے وہ ان کے دھوکے میں آ گئے۔ یہ واقعہ اسی طرح ہوا جس طرح کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ابوجہل کرتا تھا کہ جب لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملنے کے لئے آتے تو وہ ان کو روکتا کہ اوّل تو اس کے پاس ہی نہ جاؤ اور اگر جاتے ہو تو اپنے کانوں میں روئی ٹھونس کر جاؤ تا کہ اس کی آواز تمہارے کانوں تک نہ پہنچے۔ اسی طرح عمار بن یاسر کو گورنر اور دوسرے امرائے مصر سے ملنے ہی نہ دیا گیا۔

ان لوگوں کے واپس آنے کے بعد جو تحقیقات کے لئے مختلف بلاد کی طرف بھیجے گئے تھے حضرت عثمانؓ نے مزید احتیاط کے طور پر ایک خط تمام ممالک کے مسلمانوں کی طرف لکھا اور اس میں تحریر فرمایا کہ مجھے ہمیشہ سے مسلمانوں کی خیر خواہی مدنظر رہی ہے مگر میں شکایتیں سنتا ہوں کہ بعض مسلمانوں کو بِلا وجہ مارا جاتا ہے اور بعض کو بِلا وجہ گالیاں دی جاتی ہیں اس لئے میں اعلان کرتا ہوں کہ لوگ جن کو شکایت ہو اس سال حج کے لئے جمع ہوں اور جو شکایات انہیں ہیں وہ پیش کریں خواہ میرے حکام کے خلاف ہوں خواہ میرے خلاف۔ میری جان حاضر ہے اگر مجھ پر کوئی شکایت ثابت ہو تو مجھ سے بدلہ لے لیں۔ جب یہ خط تمام ممالک کی مساجد میں سنایا گیا تو شریروں پر تو کیا اثر ہونا تھا مگر عام مسلمان اس خط کو سن کر بے تاب ہو گئے اور جب یہ خط سنایا گیا تو مساجد میں ایک کہرام مچ گیا اور روتے روتے مسلمانوں کی داڑھیاں تَر ہو گئیں اور اُنہوں نے افسوس کیا کہ چند بدمعاشوں کی وجہ سے امیرالمؤمنین کو اس قدر صدمہ ہوا ہے اور سب جگہ پر حضرت عثمانؓ کے لئے دعا کی گئی۔ موسمِ حج کے قریب حضرت عثمانؓ نے تمام گورنروں کے نام خطوط لکھے کہ حج میں حاضر ہوں۔ چنانچہ سب گورنر حاضر ہوئے اور آپ نے ان سے دریافت کیا کہ یہ شور کیسا ہے؟ اُنہوں نے کہا کہ شور تو کوئی نہیں بعض شریروں کی شرارت ہے اور آپ نے اکابر صحابہؓ کو بھیج کر خود دریافت کر لیا ہے کہ اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں بلکہ تمام الزامات جھوٹے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اچھا آئندہ کے لئے کیا مشورہ دیتے ہو؟ سعیدؓ بن العاص نے کہا کہ یہ ایک خفیہ منصوبہ ہے جو الگ تیار کیا جاتا ہے اور پھر ایسے لوگوں کے کان بھر دیئے جاتے ہیں جو حالات سے ناواقف ہیں اور اس طرح ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے تک بات پہنچتی جاتی ہے۔ پس علاج یہی ہے کہ اصل شریروں کو تلاش کر کے انہیں سزا دی جائے اور قتل کر دیا جائے۔ عبداللہ بن سعدؓ نے مشورہ دیا کہ آپ نرمی کرتے ہیں جب آپ لوگوں کو ان کے حقوق دیتے ہیں تو لوگوں سے ان حقوق کا مطالبہ بھی کریں جو ان کے ذمہ واجب ہیں۔ حضرت معاویہؓ نے عرض کیا کہ یہ دونوں بزرگ اپنے اپنے علاقہ کے واقف ہوں گے میرے علاقہ میں تو کوئی شور ہی نہیں۔ وہاں سے آپ نے کبھی کوئی فساد کی خبر نہ سنی ہوگی اور

جہاں شورش ہے وہاں کے متعلق میرا مشورہ یہی ہے کہ وہاں کے حکام انتظام کی مضبوطی پر زور دیں۔ حضرت عمرو بن العاص نے فرمایا کہ آپ بہت نرمی کرتے ہیں اور آپ نے لوگوں کو ایسے حقوق دے دیئے ہیں جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نہ دیتے تھے۔ پس آپ اب لوگوں سے ویسا ہی سلوک کریں جیسا کہ یہ دونوں کرتے تھے اور جس طرح نرمی سے کام لیتے ہیں سختی کے موقع پر سختی سے بھی کام لیں۔ ان سب مشوروں کو سن کر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ یہ فتنہ مقدر ہے اور مجھے اس کا سب حال معلوم ہے کوئی سختی اس فتنہ کو روک نہیں سکتی۔ اگر روکے گی تو نرمی۔ پس تم لوگ مسلمانوں کے حقوق پوری طرح ادا کرو اور جہاں تک ہو سکے ان کے قصور معاف کرو۔ خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ میں نے لوگوں کو نفع پہنچانے میں کوئی کمی نہیں کی۔ پس میرے لئے بشارت ہے اگر میں اسی طرح مَر جاؤں اور فتنہ کا باعث نہ بنوں۔ لیکن تم لوگ یہ بات یاد رکھو کہ دین کے معاملہ میں نرمی نہ کرنا بلکہ شریعت کے قیام کی طرف پورے زور سے متوجہ رہنا۔ یہ کہہ کر سب حکام کو واپس روانہ کر دیا۔

حضرت معاویہؓ جب روانہ ہونے لگے تو عرض کیا اے امیر المؤمنین! آپ میرے ساتھ شام کو چلے چلیں سب فتنوں سے محفوظ ہو جائیں گے۔ آپ نے جواب دیا کہ معاویہ! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسائیگی کو کسی چیز کی خاطر بھی نہیں چھوڑ سکتا خواہ میرے چمڑے کی رسیاں ہی کیوں نہ بنا دی جائیں۔ اس پر حضرت معاویہؓ نے عرض کیا کہ آپ یہ بات نہیں مانتے تو میں ایک لشکر سپاہیوں کا بھیج دیتا ہوں جو آپ کی اور مدینہ کی حفاظت کریں گے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اپنی جان کی حفاظت کے لئے ایک لشکر رکھ کر مسلمانوں کے رزق میں کمی نہیں کرنا چاہتا۔ حضرت معاویہؓ نے عرض کیا کہ امیر المؤمنین! خدا کی قسم! آپ کو شریر لوگ دھوکا سے قتل کر دیں گے یا آپ کے خلاف جنگ کریں گے آپ ایسا ضرور کریں۔ لیکن آپ نے یہی جواب دیا کہ میں ایسا نہیں کر سکتا خدا میرے لئے کافی ہے[۱۳]۔ پھر حضرت معاویہؓ نے عرض کیا کہ اگر آپ ایسا نہیں کرتے تو پھر یہ کریں کہ شرارتی لوگوں کو بڑا گھمنڈ بعض اکابر صحابہؓ پر ہے اور وہ خیال کرتے ہیں کہ آپ کے بعد وہ کام سنبھال لیں گے اور ان کا نام لے لے کر لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں آپ ان سب کو مدینہ سے رُخصت کر دیں اور

دُور دراز مُلکوں میں پھیلا دیں شریروں کی کمریں ٹوٹ جائیں گی۔آپ نے فرمایا کہ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع کیا تھا میں تو انہیں جلا وطن نہیں کرسکتا۔اس پر حضرت معاویہؓ رو پڑے اور فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے اس فتنہ کے لئے منشائے الٰہی ہو چکا ہے اور اے امیرالمؤمنین! شاید یہ میری آپ سے آخری ملاقات ہے اس لئے ایک عرض میں آخر میں اور کرتا ہوں کہ اگر آپ اور کچھ بھی نہیں کرتے تو اتنا کریں کہ اعلان کردیں کہ میرے خون کا بدلہ معاویہ لے گا۔(یعنی بہ صورت آپ کے شہید ہونے کے) آپ نے فرمایا کہ معاویہ! تمہاری طبیعت تیز ہے میں ڈرتا ہوں کہ تم مسلمانوں پر سختی کرو گے اس لئے یہ اعلان بھی نہیں کرسکتا۔اس پر روتے روتے حضرت معاویہؓ آپ سے جُدا ہوئے اور مکان سے نکلتے ہوئے یہ کہتے گئے کہ لوگو! ہوشیار رہنا۔اگر اس بوڑھے (یعنی حضرت عثمانؓ) کا خون ہوا تو تم لوگ بھی اپنی سزا سے نہیں بچو گے۔

اس واقعہ پر ذرا غور کرو اور دیکھو اس انسان کے جس کی نسبت اس قدر بدیاں مشہور کی جاتی تھیں کیا خیالات تھے اور وہ مسلمانوں کا کتنا خیر خواہ تھا اور ان کی بہتری کے لئے کس قدر متفکر رہتا تھا اور کیوں نہ ہوتا۔آپ وہ تھے کہ جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یکے بعد دیگرے اپنی دو بیٹیاں بیاہ دی تھیں اور جب دونوں فوت ہوگئیں تو فرمایا تھا کہ اگر میری کوئی تیسری بیٹی ہوتی تو اس کو بھی میں ان سے بیاہ دیتا [۱۴]۔افسوس لوگوں نے اسے خود آکر نہ دیکھا اور اس کے خلاف شور کر کے دین و دنیا سے کھوئے گئے۔

جب مفسدوں نے دیکھا کہ اب حضرت عثمانؓ نے تحقیقات شروع کر دی ہیں اور اس طرح ہمارے منصوبوں کے خراب ہو جانے کا خطرہ ہے تو اُنہوں نے فوراً اِدھر اُدھر خطوط دَوڑا کر اپنے ہم خیالوں کو جمع کیا کہ مدینہ چل کر حضرت عثمانؓ سے روبرو بات کریں۔چنانچہ ایک جماعت جمع ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئی۔حضرت عثمانؓ کو ان کے ارادہ کی پہلے سے ہی اطلاع ہو چکی تھی۔آپ نے دو معتبر آدمیوں کو روانہ کیا کہ ان سے مل کر دریافت کریں کہ ان کا منشا کیا ہے؟ دونوں نے مدینہ سے باہر جا کر ان سے ملاقات کی اور ان کا عندیہ دریافت کیا۔اُنہوں نے اپنا منشا ان کے آگے بیان کیا پھر اُنہوں نے پوچھا کہ کیا مدینہ

والوں میں سے بھی کوئی تمہارے ساتھ ہے؟ تو اُنہوں نے کہا کہ صرف تین آدمی مدینہ والوں سے ہمارے ساتھ ہیں۔ ان دونوں نے کہا کہ کیا صرف تین آدمی تمہارے ساتھ ہیں؟ اُنہوں نے کہا ہاں صرف تین ہمارے ساتھ ہیں (اب بھی موجودہ فتنہ میں قادیان کے صرف تین چار آدمی ہی پیغام والوں کے ساتھ ملے ہیں یا دو تین ایسے آدمی جو مؤلفۃ القلوب میں داخل تھے اور جو بعد میں پیغام والوں سے بھی جُدا ہو گئے) اُنہوں نے دریافت کیا کہ پھر تم کیا کرو گے؟ ان مفسدوں نے جواب دیا کہ ہمارا ارادہ ہے کہ ہم حضرت عثمانؓ سے وہ باتیں دریافت کریں گے جو پہلے ہم نے ان کے خلاف لوگوں کے دلوں میں بٹھائی ہوئی ہیں۔ پھر ہم واپس جا کر تمام مُلکوں میں مشہور کریں گے کہ ان باتوں کے متعلق ہم نے (حضرت) عثمان سے ذکر کیا لیکن اس نے ان کو چھوڑنے سے انکار کر دیا اور توبہ نہیں کی۔ اس طرح لوگوں کے دل ان کی طرف سے بالکل پھیر کر ہم حج کے بہانہ سے پھر لوٹیں گے اور آکر محاصرہ کریں گے اور عثمانؓ سے خلافت چھوڑ دینے کا مطالبہ کریں گے اگر اس نے انکار کر دیا تو اسے قتل کر دیں گے۔ ان دونوں مخبروں نے ان سب باتوں کی اطلاع آکر حضرت عثمانؓ کو دی تو آپ ہنسے اور دعا کی کہ یا اللہ! ان لوگوں پر رحم کر۔ اگر تو ان پر رحم نہ کرے تو یہ بدبخت ہو جائیں گے۔ پھر آپ نے کوفیوں اور بصریوں کو بُلوایا اور مسجد میں نماز کے وقت جمع کیا اور آپ منبر پر چڑھ گئے اور آپ کے اردگرد وہ مفسد بیٹھ گئے۔ جب صحابہؓ کو علم ہوا تو سب مسجد میں آکر جمع ہو گئے اور ان مفسدوں کے گِرد حلقہ کر لیا۔ پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور ان لوگوں کا حال سنایا اور ان دونوں آدمیوں نے جو حال دریافت کرنے گئے تھے سب واقعہ کا ذکر کیا۔ اس پر صحابہؓ نے بِالاتفاق بآواز بلند پکار کر کہا کہ ان کو قتل کر دو کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی اپنی یا کسی اور کی خلافت کے لئے لوگوں کو بُلائے اور اُس وقت لوگوں میں ایک امام موجود ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو گی اور تم ایسے شخص کو قتل کر دو اور حضرت عمرؓ کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ انہیں ہم معاف کریں گے اور اس طرح ان کی آنکھیں کھولنے کی کوشش کریں گے۔ پھر فرمایا کہ یہ لوگ بعض باتیں بیان کرتے ہیں وہ ایسی باتیں ہیں کہ تم

بھی جانتے ہو لیکن فرق یہ ہے کہ یہ ان کے ذریعہ سے لوگوں کو میرے خلاف بھڑکانا چاہتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ اس نے سفر میں نماز قصر نہیں کی حالانکہ پہلے ایسا نہ ہوتا تھا۔ سنو میں نے نماز ایسے شہر میں پوری پڑھی ہے جس میں کہ میری بیوی تھی کیا اسی طرح نہیں ہوا؟ سب صحابہؓ نے کہا کہ ہاں یہی بات ہے۔ پھر فرمایا یہ لوگ یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ اس نے رکھ بنائی ہے حالانکہ اس سے پہلے رکھ نہ بنائی جاتی تھی مگر یہ بات بھی غلط ہے حضرت عمرؓ کے وقت سے رکھ کا انتظام ہے۔ ہاں جب صدقات کے اونٹ زیادہ ہوگئے تو میں نے رکھ کو اور بڑھا دیا اور یہ دستور بھی حضرت عمرؓ کے وقت سے چلا آیا ہے۔ باقی میرے اپنے پاس تو صرف دو اونٹ ہیں اور بھیڑ اور بکری بالکل نہیں۔ حالانکہ جب میں خلیفہ ہوا تھا تو میں تمام عرب میں سب سے زیادہ اونٹوں اور بکریوں والا تھا لیکن آج میرے پاس نہ بکری ہے نہ اونٹ سوائے ان دو اونٹوں کہ یہ بھی صرف حج کے لئے رکھے ہوئے ہیں۔ کیا یہ بات درست نہیں؟ سب صحابہؓ نے عرض کیا کہ بالکل درست ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ لوگ یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ قرآن کئی صورتوں میں تھا میں نے اسے ایک صورت پر لکھوا دیا ہے۔ سنو! قرآن ایک ہے اور ایک خدا کی طرف سے آیا ہے اور اس بات میں میں سب صحابہؓ کی رائے کا تابع ہوں۔ میں نے کوئی بات نہیں کی کیا یہ بات درست نہیں؟ سب صحابہؓ نے عرض کیا کہ بالکل درست ہے اور یہ لوگ واجب القتل ہیں ان کو قتل کیا جائے۔ غرض اسی طرح حضرت عثمانؓ نے ان کے سب اعتراضوں کا جواب دیا اور صحابہؓ نے ان کی تصدیق کی۔ اس کے بعد بہت بحث ہوئی۔ صحابہؓ اصرار کرتے تھے کہ ان شریروں کو قتل کیا جائے لیکن حضرت عثمانؓ نے اس مشورہ کو قبول نہ کیا اور ان کو معاف کر دیا اور وہ لوگ واپس چلے گئے۔

مدینہ سے واپسی پر ان مُفسدوں نے سوچا کہ اب دیر کرنی مناسب نہیں۔ بات بہت بڑھ چکی ہے اور لوگ جُوں جُوں اصل واقعات سے آگاہ ہوں گے ہماری جماعت کمزور ہوتی جائے گی۔ چنانچہ اُنہوں نے فوراً خطوط لکھنے شروع کر دیئے کہ اب کے حج کے موسم میں ہمارے سب ہم خیال مل کر مدینہ کی طرف چلیں لیکن ظاہر یہ کریں کہ ہم حج کیلئے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک جماعت مصر سے، ایک کوفہ سے، ایک بصرہ سے ارادۂ حج ظاہر کرتی ہوئی

مدینہ کی طرف سے ہوتی مکہ کی طرف روانہ ہوئی اور تمام لوگ بالکل بے فکر تھے اور کسی کو وہم وگمان بھی نہ تھا کہ کیا منصوبہ سوچا گیا ہے۔ بلکہ راستہ میں لوگ ان کو حاجی خیال کر کے خوب خاطر ومدارات بھی کرتے لیکن بعض لوگوں کے منہ سے بعض باتیں نکل جاتی ہیں چنانچہ کسی نہ کسی طرح سے ان لوگوں کی نیت ظاہر ہوگئی اور اہلِ مدینہ کو ان کی آمد کا اور نیت کا علم ہوگیا اور چاروں طرف قاصد دَوڑائے گئے کہ اس نیت سے ایک جماعت مدینہ کی طرف بڑھی چلی آرہی ہے چنانچہ آس پاس جہاں جہاں صحابہؓ مقیم تھے وہاں سے تیزی کے ساتھ مدینہ میں آ گئے اور دیگر قابلِ شمولیتِ جنگ مسلمان بھی مدینہ میں اکٹھے ہوگئے اور ان مفسدوں کے مدینہ پہنچنے سے پہلے ایک لشکر جرار مدینہ میں جمع ہوگیا جب یہ لوگ مدینہ کے قریب پہنچے اور انہیں اس بات کی خبر ہوگئی کہ مسلمان بالکل تیار ہیں اور ان کی شرارت کامیاب نہیں ہوسکتی تو اُنہوں نے چند آدمی پہلے مدینہ بھیجے کہ اُمہات المؤمنینؓ اور صحابہؓ سے مل کر ان کی ہمدردی حاصل کریں۔ چنانچہ مدینہ میں آ کر ان لوگوں نے فرداً فرداً اُمہات المؤمنینؓ سے ملاقات کی لیکن سب نے ان سے بیزاری ظاہر کی۔ پھر یہ لوگ تمام صحابہؓ سے ملے لیکن کسی نے ان کی بات کی طرف توجہ نہ کی اور صاف کہہ دیا کہ تم لوگ شرارتی ہو ہم تمہارے ساتھ نہیں مل سکتے اور نہ تم کو مدینہ میں داخل ہونے کی اجازت دے سکتے ہیں۔ اس کے بعد مصری حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں آپ ہماری بیعت قبول کریں۔ اس پر حضرت علیؓ نے ان کو دھتکار دیا اور کہا کہ نیک لوگ جانتے ہیں کہ مروہ اور ذِی خشب کے لشکر پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے (یہ وہ مقامات ہیں جہاں مدینہ کے باہر باغیوں کا لشکر اُترا تھا) اسی طرح بصرہ کے لوگ طلحہؓ کے پاس گئے اور ان سے ان کا سردار بننے کے لئے کہا لیکن اُنہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ مروہ اور ذی خشب کے لشکروں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے میں تمہارے ساتھ شامل نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح کوفہ کے لوگ حضرت زبیرؓ کے پاس گئے اور ان سے یہی درخواست کی لیکن اُنہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ میرے پاس سے دور ہو جاؤ میں تمہارے ساتھ شامل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ سب مسلمان جانتے ہیں کہ رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے مروہ، ذی خشب اور اعوص کے لشکروں پر لعنت کی ہے [۱۵] جب باغی سب طرف سے مایوس ہو گئے تو اُنہوں نے یہ ظاہر کرنا شروع کیا کہ ان کی اصل غرض تو بعض عاملوں کا تبدیل کروانا ہے ان کو تبدیل کر دیا جائے تو ان کو پھر کوئی شکایت نہ رہے گی۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے ان کو اپنی شکایات پیش کرنے کی اجازت دی اور اُنہوں نے بعض گورنروں کے بدلنے کی درخواست کی۔ حضرت عثمانؓ نے ان کی درخواست قبول کی اور ان کے کہنے کے مطابق محمد بن ابی بکرؓ کو مصر کا گورنر مقرر کر دیا اور حکم جاری کر دیا کہ مصر کا گورنر اپنا کام محمد بن ابی بکرؓ کے سپرد کر دے۔ اسی طرح بعض اور مطالبات اُنہوں نے کئے جن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ بیت المال میں سے سوائے صحابہؓ کے دوسرے اہلِ مدینہ کو ہرگز کوئی روپیہ نہ دیا جایا کرے۔ یہ خالی بیٹھے کیوں فائدہ اُٹھاتے ہیں (جس طرح آجکل بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ بعض لوگ قادیان میں یونہی بیٹھے رہتے ہیں اور لنگر سے کھانا کھاتے ہیں ان کے کھانے بند کرنے چاہئیں مگر جس طرح پہلوں نے اصل حکمت کو نہیں سمجھا ان معترضوں نے بھی نہیں سمجھا) غرض اُنہوں نے بعض مطالبات کئے جو حضرت عثمانؓ نے قبول کئے۔ اور وہ لوگ یہ منصوبہ کر کے کہ اس وقت تو مدینہ کے لوگ چوکس نکلے اور مدینہ لشکر سے بھرا ہوا ہے اس لئے واپس جانا ہی ٹھیک ہے لیکن فلاں دن اور فلاں وقت تم لوگ اچانک مدینہ کی طرف واپس لَوٹو اور اپنے مدعا کو پورا کر دو۔ جب یہ لوگ واپس چلے گئے تو جس قدر لوگ مدینہ میں جمع ہو گئے تھے سب اپنے اپنے کاموں کے لئے متفرق ہو گئے۔ اور ایک دن اچانک ان باغیوں کا لشکر مدینہ میں داخل ہو گیا اور تمام گلیوں میں اعلان کر دیا کہ جو شخص خاموش رہے گا اسے امن دیا جائیگا۔ چنانچہ لوگ اپنے گھروں میں بیٹھ رہے اور اس اچانک حملہ کا مقابلہ نہ کر سکے کیونکہ اگر کوئی شخص کوشش کرتا بھی تو اکیلا کیا کر سکتا تھا اور مسلمانوں کو آپس میں ملنے کی اجازت نہ دیتے تھے سوائے اوقاتِ نماز کے کہ اُس وقت بھی عین نماز کے وقت جمع ہونے دیتے اور پھر پراگندہ کر دیتے۔ اس شرارت کو دیکھ کر بعض صحابہؓ ان لوگوں کے پاس گئے اور کہا کہ تم نے یہ کیا حرکت کی ہے؟ اُنہوں نے کہا کہ ہم تو یہاں سے چلے گئے تھے لیکن راستہ میں ایک غلام حضرت عثمانؓ کا ملا اُس کی طرف سے ہمیں شک ہوا ہم نے اس

کی تلاشی لی تو اس کے پاس ایک خط نکلا جو گورنر مصر کے نام تھا اور جس میں ہم سب کے قتل کا فتویٰ تھا اس لئے ہم واپس آ گئے ہیں کہ یہ دھوکا ہم سے کیوں کیا گیا ہے۔ان صحابہؓ نے ان سے کہا کہ تم یہ تو ہمیں بتاؤ کہ خط تو مصریوں کو ملا تھا اور تم تینوں جماعتوں (یعنی کوفیوں، بصریوں اور مصریوں) کے راستے الگ الگ تھے اور تم کئی منزلیں ایک دوسرے سے دُور تھے پھر ایک ہی وقت میں اِس قدر جلد تینوں جماعتیں واپس مدینہ میں کیونکر آ گئیں اور باقی جماعتوں کو کیونکر معلوم ہوا کہ مصریوں کو اس مضمون کا کوئی خط ملا ہے یہ تو صریح فریب ہے جو تم لوگوں نے بنایا ہے۔اُنہوں نے کہا کہ فریب سمجھو یا درست سمجھو ہمیں عثمانؓ کی خلافت منظور نہیں وہ خلافت سے الگ ہو جائیں۔اس کے بعد مصری حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اب تو اس شخص کا قتل جائز ہو گیا ہے آپ ہمارے ساتھ چلیں اور عثمانؓ کا مقابلہ کریں۔حضرت علیؓ نے بھی ان کو یہی جواب دیا کہ تم جو واقعہ سناتے ہو وہ بالکل بناوٹی ہے کیونکہ اگر تمہارے ساتھ ایسا واقعہ گزرا تھا تو بصری اور کوفی کس طرح تمہارے ساتھ ہی مدینہ میں آ گئے۔ان کو اس واقعہ کا کس طرح علم ہوا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے پہلے سے ہی منصوبہ بنا رکھا تھا چلے جاؤ خدا تعالیٰ تمہارا بُرا کرے میں تمہارے ساتھ نہیں مل سکتا۔(مصری لوگ خط ملنے کا جو وقت بتاتے تھے اس میں اور ان کے مدینہ میں واپس آنے کے درمیان اس قدر قلیل وقت تھا کہ اس عرصہ میں بصریوں اور کوفیوں کو خبر مل کر وہ واپس مدینہ میں نہیں آ سکتے تھے پس صحابہؓ نے سمجھ لیا کہ یہ لوگ مدینہ سے جاتے وقت پہلے سے ہی منصوبہ کر گئے تھے کہ فلاں دن مدینہ پہنچ جاؤ اور خط کا واقعہ صرف ایک فریب تھا) جب حضرت علیؓ کا یہ جواب ان باغیوں نے سنا تو ان میں سے بعض بول اُٹھے کہ اگر یہ بات ہے تو آپ ہمیں پہلے خفیہ خط کیوں لکھا کرتے تھے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں نے کبھی کوئی خط تم لوگوں کو نہیں لکھا۔ آپ کا یہ جواب سن کر وہ آپس میں کہنے لگے کہ کیا اس شخص کی خاطر تم لوگ لڑتے پھرتے ہو (یعنی پہلے تو اس نے ہمیں خط لکھ کر اُکسایا اور اب اپنی جان بچاتا ہے)۔

اِس گفتگو سے یہ بات صاف معلوم ہو جاتی ہے کہ یہ باغی جھوٹے خط بنانے کے پکے مشّاق تھے اور لوگوں کو حضرت علیؓ کی طرف سے خط بنا کر سناتے رہتے تھے کہ ہماری مدد کے

لئے آؤ۔ لیکن جب حضرت علیؓ کے سامنے بعض ان لوگوں نے جو اس فریب میں شامل نہ تھے خطوں کا ذکر کر دیا اور آپ نے انکار کیا تو پھر ان شریروں نے جو اِس فریب کے مرتکب تھے یہ بہانہ بنایا کہ گویا حضرت علیؓ نَعُوذُبِاللّٰہ پہلے خط لکھ کر اب خوف کے مارے ان سے انکار کرتے ہیں حالانکہ تمام واقعات ان کے اس دعویٰ کی صریح تردید کرتے ہیں اور حضرت علیؓ کا رویہ شروع سے بالکل پاک نظر آتا ہے لیکن یہ سب فساد اسی بات کا نتیجہ تھا کہ اُن مفسدوں کے پھندے میں آئے ہوئے لوگ حضرت علیؓ سے بھی واقف نہ تھے۔

الغرض حضرت علیؓ کے پاس سے ناامید ہو کر یہ لوگ حضرت عثمانؓ کے پاس گئے اور کہا کہ آپ نے یہ خط لکھا۔ آپ نے فرمایا کہ شریعت اسلام کے مطابق دو طریق ہیں یا تو یہ کہ دو گواہ تم پیش کرو کہ یہ کام میرا ہے۔ یا یہ کہ میں خدا تعالیٰ کی قسم کھاتا ہوں کہ یہ تحریر ہرگز میری نہیں اور نہ میں نے کسی سے لکھوائی اور نہ مجھے اس کا علم ہے اور تم جانتے ہو کہ لوگ جھوٹے خط لکھ لیتے ہیں اور مُہروں کی بھی نقلیں بنا لیتے ہیں مگر اس بات پر بھی ان لوگوں نے شرارت نہ چھوڑی اور اپنی ضد پر قائم رہے۔

اِس واقعہ سے بھی ہمیں یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ مدینہ کے لوگ ان کے ساتھ شامل نہ تھے کیونکہ اگر مدینہ میں سے بعض لوگ ان کی شرارت میں حصہ دار ہوتے تو ان کے لئے دو جھوٹے گواہ بنا لینے کچھ مشکل نہ تھے لیکن ان کا اس بات سے عاجز آ جانا بتاتا ہے کہ مدینہ میں سے دو آدمی بھی ان کے ساتھ نہ تھے (سوائے ان تین آدمیوں کے جن کا ذکر پہلے کر چکا ہوں مگر ان میں سے محمد بن ابی بکرؓ تو ان لوگوں کے ساتھ تھے۔ مدینہ میں نہ تھے اور صرف عمار اور محمد بن ابی حذیفہ مدینہ میں تھے لیکن یہ دونوں بھی نیک آدمی تھے اور صرف ان کی فریب دینے والی باتوں کے دھوکے میں آئے ہوئے تھے) اور یہ لوگ اپنے میں سے گواہ نہیں بنا سکتے تھے کیونکہ یہ لوگ مدینہ میں موجود نہ تھے ان کی گواہی قابلِ قبول نہ تھی۔

گو ہر طرح ان لوگوں کو ذلّت پہنچی لیکن اُنہوں نے اپنی کارروائی کو ترک نہ کیا اور برابر مدینہ کا محاصرہ کئے پڑے رہے۔ شروع شروع میں تو حضرت عثمانؓ کو بھی اور باقی اہلِ مدینہ کو بھی مسجد میں نماز کے لئے آنے کی اجازت اُنہوں نے دے دی تھی اور حضرت عثمانؓ بڑی

دلیری سے ان لوگوں میں آ کر نماز پڑھاتے۔ لیکن باقی اوقات میں ان لوگوں کی جماعتیں مدینہ کی گلیوں میں پھرتی رہتیں اور اہلِ مدینہ کو آپس میں کہیں جمع ہونے نہ دیتیں تا کہ وہ ان پر حملہ آور نہ ہوں۔ جب جمعہ کا دن آیا تو حضرت عثمانؓ جمعہ کی نماز کے لئے مسجد نبوی میں تشریف لائے اور منبر پر چڑھ کر فرمایا کہ اے دشمنانِ اسلام! مدینہ کے لوگ خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہاری نسبت پیشگوئی کی ہے اور تم پر لعنت کی ہے پس تم نیکیاں کر کے اپنی بدیوں کو مٹاؤ۔ کیونکہ بدیوں کو سوائے نیکیوں کے اور کوئی چیز نہیں مٹاتی۔ اس پر محمد بن سلمہؓ کھڑے ہوئے اور فرمایا میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں لیکن حکیم بن جبلہ (وہی چور جس کا پہلے ذکر آ چکا ہے) نے ان کو بٹھا دیا۔ پھر زید بن ثابتؓ کھڑے ہوئے اور اُنہوں نے کہا مجھے قرآن کریم دو (ان کا منشاء بھی ان لوگوں کے خلاف گواہی دینے کا تھا) مگر باغیوں میں سے ایک شخص نے اُن کو بھی بٹھا دیا اور پھر اس خیال سے کہ ایسا نہ ہو صحابہؓ اسی طرح گواہی دے دے کر ہمارا ملعون اور خلافِ قرآن امور پر عامل ہونا ظاہر کر دیں پتھر مار مار کر صحابہؓ کو مسجد سے باہر نکال دیا اور اس کے بعد حضرت عثمانؓ پر پتھر پھینکنے شروع کئے جن کے صدمہ سے وہ بیہوش ہو کر زمین پر جا پڑے۔ جس پر بعض لوگوں نے آپ کو اُٹھا کر آپ کے گھر پہنچا دیا۔ جب صحابہؓ کو حضرت عثمانؓ کا یہ حال معلوم ہوا تو باوجود اس بےبسی کی حالت کے ان میں سے ایک جماعت لڑنے کے لئے تیار ہوگئی۔ جن میں ابو ہریرہؓ، زید بن ثابتؓ کاتب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت امام حسنؓ بھی تھے۔ جب حضرت عثمانؓ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے اُن کو قسم دے کر کہلا بھیجا کہ جانے دو اور ان لوگوں سے جنگ نہ کرو۔ چنانچہ بادلِ نخواستہ یہ لوگ اپنے گھروں کو چلے گئے اور حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے آپ کے گھر پر جا کر اِس واقعہ کا بہت افسوس کیا۔ اس واقعہ کے بعد بھی حضرت عثمانؓ نماز پڑھاتے رہے لیکن محاصرہ کے تیسویں دن مُفسدوں نے آپ کو نماز کے لئے نکلنے سے بھی روک دیا اور اہلِ مدینہ کو بھی دِق کرنا شروع کیا اور جو شخص ان کی خواہشات کے پورا کرنے میں مانع ہوتا اُسے قتل کر دیتے اور مدینہ کے لوگوں میں کوئی شخص بغیر تلوار لگائے کے باہر نہ نکل سکتا کہ کہیں اس کو یہ لوگ ایذاء نہ پہنچائیں۔ انہی

دنوں میں کہ حضرت عثمانؓ خود نماز پڑھاتے تھے آخری جمعہ میں آپ نماز پڑھانے لگے تو ایک خبیث نے آپ کو گالی دے کر کہا کہ اُتر منبر سے ! اور آپ کے ہاتھ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عصا تھا وہ چھین لیا اور اسے اپنے گھٹنے پر رکھ کر توڑ دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ سزا دی کہ اس کے گھٹنے میں کیڑے پڑ گئے ۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ صرف ایک یا دو دفعہ نکلے ۔ پھر نکلنے کی ان باغیوں نے اجازت نہ دی ۔ ان محاصرہ کے دنوں میں حضرت عثمانؓ نے ایک شخص کو بُلوایا اور پوچھا کہ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ اس نے کہا کہ دو باتوں میں سے ایک چاہتے ہیں یا تو یہ کہ آپ خلافت ترک کر دیں اور یا یہ کہ آپ پر جو الزام لگائے جاتے ہیں ان کے بدلہ میں آپ سے قصاص لیا جائے ۔ اگر ان دونوں باتوں میں سے آپ ایک بھی نہ مانیں گے تو یہ لوگ آپ کو قتل کر دیں گے ۔ آپ نے پوچھا کہ کیا کوئی اور تجویز نہیں ہوسکتی؟ اس نے کہا نہیں اور کوئی صورت نہیں ہوسکتی ۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ خلافت تو میں چھوڑ نہیں سکتا یہ قمیض خدا تعالیٰ نے مجھے پہنائی ہے اسے تو میں ہرگز نہیں اُتاروں گا ۔ مجھے اپنا قتل ہونا اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی پہنائی ہوئی قمیض کو اُتار دوں اور مسلمانوں کو آپس میں لڑنے مرنے دوں ۔ باقی رہا قصاص کا معاملہ سو مجھ سے پہلے دونوں خلیفوں سے کبھی ان کے کاموں کے بدلہ میں قصاص نہیں لیا گیا ۔ باقی رہا یہ کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے سو یاد رکھو کہ اگر وہ مجھے قتل کر دیں گے تو اس دن کے بعد سب مسلمان کبھی ایک مسجد میں نماز نہیں ادا کریں گے اور کبھی سب مسلمان مل کر ایک دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے اور نہ مسلمانوں کا اتحاد قائم رہے گا[۱۶](چنانچہ تیرہ سَو سال کے واقعات اس قول کی صداقت پر شہادت دے رہے ہیں)۔

اس کے بعد مفسدوں نے حکم دے دیا کہ کوئی شخص نہ حضرت عثمانؓ کے پاس جا سکے نہ اپنے مکان سے باہر نکل سکے ۔ چنانچہ جب یہ حکم دیا تو اُس وقت ابن عباسؓ اندر تھے جب اُنہوں نے نکلنا چاہا تو لوگوں نے ان کو باہر نکلنے کی اجازت نہ دی ۔ لیکن اتنے عرصہ میں محمد بن ابی بکر آ گئے اور اُنہوں نے ان لوگوں سے کہا کہ ان کو جانے دو ۔ جس پر اُنہوں نے انہیں نکلنے کی اجازت دے دی ۔ اس کے بعد محاصرہ سخت ہو گیا اور کسی شخص کو اندر جانے کی

اجازت نہ دی جاتی حتّٰی کہ حضرت عثمانؓ اور آپ کے گھر والوں کے لئے پانی تک لے جانے کی اجازت نہ تھی اور پیاس کی شدت سے وہ سخت تکلیف اُٹھاتے تھے۔ جب نوبت یہاں تک پہنچ گئی تو حضرت عثمانؓ نے اپنی دیوار پر چڑھ کر اپنے ایک ہمسایہ کے لڑکے کو حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اور اُمہات المؤمنینؓ کے پاس بھیجا کہ ہمارے لئے پانی کا کوئی بندوبست کرو۔ اس پر حضرت علیؓ فوراً پانی کی ایک مَشک لے کر گئے لیکن ہر چند اُنہوں نے کوشش کی مُفسدوں نے اِن کو پانی پہنچانے یا اندر جانے کی اجازت نہ دی۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ کیا طریق ہے نہ مسلمانوں کا طریق ہے نہ کفار کا۔ رُومی اور ایرانی بھی اپنے دشمن کا کھانا اور پینا بند نہیں کرتے۔ تم لوگوں کو خوفِ خدا بھی اس حرکت سے نہیں روکتا! اُنہوں نے کہا کہ خواہ کچھ ہو اس کے پاس ایک قطرہ پانی نہیں پہنچنے دیں گے جس پر حضرت علیؓ نے اپنی پگڑی حضرت عثمانؓ کے گھر میں پھینک دی تا اُن کو معلوم ہو جائے کہ آپ نے تو بہت کوشش کی لیکن لوگوں نے آپ تک ان کو پہنچنے نہ دیا۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت اُمِّ حبیبہؓ کو جب علم ہوا تو آپ بھی خلیفہ کی مدد کے لئے گھر سے تشریف لائیں لیکن ان بدبختوں نے آپ سے وہ سلوک کیا کہ جو ہمیشہ کیلئے ان کے لئے باعثِ لعنت رہے گا۔ اوّل تو اُنہوں نے اس خچر کو بِدکا دیا جس پر آپ سوار تھیں اور جب آپ نے کہا کہ حضرت عثمانؓ کے پاس بنواُمیہ کے یتامیٰ اور بیواؤں کے اموال کے کاغذات ہیں ان کی وفات کے ساتھ ہی یتامیٰ اور بیواؤں کے مال ضائع ہو جائیں گے اس کے لئے تو مجھے جانے دو کہ کوئی انتظام کروں تو اُنہوں نے کہا تُو جھوٹ بولتی ہے (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ) اور پھر تلوار مار کر آپ کی خچر کا تنگ توڑ دیا اور قریب تھا کہ وہ اس انبوہ میں گر کر شہید ہو جاتیں اور بے پردہ ہوتیں کہ بعض سچے مسلمانوں نے آگے بڑھ کر آپ کو سنبھالا اور حفاظت سے آپ کے گھر پہنچا دیا۔ اِس خبر کے پہنچتے ہی حضرت عائشہؓ حج کے لئے چل پڑیں۔ اور جب بعض لوگوں نے آپ کو روکا کہ آپ کے یہاں رہنے سے شاید فساد میں کچھ کمی ہو تو اُنہوں نے کہا کہ اگر میرے بس میں ہوتا تو میں ہر طرح اس فساد کو روکتی۔ لیکن کیا تم چاہتے ہو کہ میرے ساتھ بھی وہی سلوک ہو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بیوی اُم حبیبہؓ کے ساتھ ہوا ہے

اوراس وقت میرے بچانے والا بھی کوئی نہ ہو۔ خدا کی قسم! میں اپنے آپ کو ایسے خطرہ میں نہ ڈالوں گی کہ میرے ننگ وناموس پر حرف آئے۔

ان باغیوں نے جب دیکھا کہ ان کی طرف سے فساد کی کوئی راہ نہیں نکلتی تو آپ کے گھر پر پتھر مارنے شروع کئے تا کوئی ناراض ہوکر ان پر بھی حملہ کردے تو ان کو عذر مل جائے کہ ہم پر حملہ کیا گیا تھا اس لئے ہم نے بھی حملہ کیا۔ پتھروں کے پڑنے پر حضرت عثمانؓ نے آواز دی کہ اے لوگو! خدا سے ڈرو دشمن تو تم میرے ہو اور اس گھر میں تو میرے سوا اور لوگ بھی ہیں ان کو کیوں تکلیف دیتے ہو۔ ان بدبختوں نے جواب دیا کہ ہم پتھر نہیں مارتے یہ پتھر خدا تعالیٰ کی طرف سے تمہارے اعمال کے بدلے میں پڑ رہے ہیں۔ آپ نے کہا کہ یہ جھوٹ ہے تمہارے پتھر تو کبھی ہمیں لگتے ہیں اور کبھی نہیں لگتے اور خدا تعالیٰ کے پتھر تو خالی نہیں جایا کرتے وہ تو نشانہ پر ٹھیک بیٹھتے ہیں۔ فساد کو اس قدر بڑھتا ہوا دیکھ کر حضرت عثمانؓ نے چاہا کہ مدینہ کے لوگوں کو بیچ میں سے ہٹاؤں تاکہ میرے ساتھ یہ بھی تکلیف میں نہ پڑیں چنانچہ آپ نے حکم دیا کہ اے اہلِ مدینہ! میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ اپنے گھروں میں بیٹھ رہو اور میرے مکان کے پاس نہ آیا کرو اور میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ میری اِس بات کو مان لو۔ اس پر وہ لوگ بادلِ نخواستہ اپنے گھروں کی طرف چلے گئے لیکن اس کے بعد چند نوجوانوں کو پہرہ کے لئے اُنہوں نے مقرر کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے جب صحابہؓ کی اس محبت کو دیکھا اور سمجھ لیا کہ اگر کوئی فساد ہوا تو صحابہ اورؓ اہلِ مدینہ اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈال دیں گے لیکن خاموش نہ رہیں گے تو اُنہوں نے اعلان کیا کہ حج کا موسم ہے لوگوں کو حسبِ معمول حج کے لئے جانا چاہیے اور عبداللہ بن عباسؓ کو جو ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے آپ کا دروازہ نہیں چھوڑا تھا فرمایا کہ تم کو میں حج کا امیر مقرر کرتا ہوں۔ اُنہوں نے کہا اے امیرالمؤمنین! خدا کی قسم! یہ جہاد مجھے حج سے بہت زیادہ پیارا ہے مگر آپ نے ان کو مجبور کیا کہ فوراً چلے جائیں اور حج کا انتظام کریں۔ اس کے بعد اپنی وصیت لکھ کر حضرت زبیرؓ کے پاس بھجوا دی اور ان کو بھی رخصت کیا۔ چونکہ حضرت ابوبکرؓ کے چھوٹے لڑکے محمد ان باغیوں کے فریب میں آئے ہوئے تھے اُن کو ایک عورت نے کہلا بھیجا کہ شمع سے نصیحت حاصل کرو وہ خود جلتی ہے

اور دوسروں کو روشنی دیتی ہے پس ایسا نہ کرو کہ خود گنہگار ہو کر ان لوگوں کے لئے خلافت کی مسند خالی کرو جو گنہگار نہیں۔ خوب یاد رکھو کہ جس کام کے لئے تم کوشش کر رہے ہو وہ کل دوسروں کے ہاتھ میں جائے گا اور اُس وقت آج کا عمل تمہارے لئے باعثِ حسرت ہوگا۔ لیکن ان کو اس جوش کے وقت اس نصیحت کی قدر معلوم نہ ہوئی۔

غرض اِدھر تو حضرت عثمانؓ اہل مدینہ کی حفاظت کے لئے ان کو ان باغیوں کا مقابلہ کرنے سے روک رہے تھے اور اُدھر آپ کے بعض خطوط سے مختلف علاقوں کے گورنروں کو مدینہ کے حالات کا علم ہو گیا تھا اور وہ چاروں طرف سے لشکر جمع کر کے مدینہ کی طرف بڑھے چلے آ رہے تھے۔ اسی طرح حج کے لئے جو لوگ جمع ہوئے تھے ان کو جب معلوم ہوا تو اُنہوں نے بھی یہ فیصلہ کیا کہ حج کے بعد مدینہ کی طرف سب لوگ جائیں اور ان باغیوں کی سرکوبی کریں۔ جب ان حالات کا علم باغیوں کو ہوا تو اُنہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور فیصلہ کیا کہ یہ غلطی جو ہم سے ہوئی ہے کہ ہم نے اس طرح خلیفہ کا مقابلہ کیا ہے اس سے پیچھے ہٹنے کا اب کوئی راستہ نہیں۔ پس اب یہی صورت نجات کی ہے کہ عثمانؓ کو قتل کر دو۔

جب اُنہوں نے یہ ارادہ کر کے حضرت عثمانؓ کے مکان پر حملہ کیا تو صحابہؓ تلواریں کھینچ کر حضرت عثمانؓ کے دروازہ پر جمع ہو گئے۔ مگر حضرت عثمانؓ نے ان کو منع کیا اور کہا کہ تم کو میں اپنی مدد کے عہد سے آزاد کرتا ہوں تم اپنے گھروں کو لَوٹ جاؤ لیکن اس خطرناک حالت میں حضرت عثمانؓ کو تنہا چھوڑ دینا اُنہوں نے گوارا نہ کیا اور واپس لَوٹنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس پر وہ ۸۰ سالہ بوڑھا جو ہمت میں بہادر جوانوں سے زیادہ تھا ہاتھ میں تلوار لے کر اور ڈھال پکڑ کر اپنے گھر کا دروازہ کھول کر مردانہ وار صحابہؓ کو روکنے کے لئے اپنے خون کے پیاسے دشمنوں میں نکل آیا اور آپ کے اس طرح باہر نکل آنے کا یہ اثر ہوا کہ مصری جو اُس وقت حملہ کر رہے تھے اُلٹے پاؤں لَوٹ گئے اور آپ کے سامنے کوئی نہ ٹھہرا۔ آپ نے صحابہؓ کو بہت روکا لیکن اُنہوں نے کہا کہ اس معاملہ میں ہم آپ کی بات نہ مانیں گے کیونکہ آپ کی حفاظت ہمارا فرض ہے۔ آخر حضرت عثمانؓ ان کو اپنے گھر میں لے آئے اور پھر دروازہ بند کر لیا۔ اُس وقت صحابہؓ نے اُن سے کہا کہ اے امیر المؤمنین! اگر آج آپ کے

کہنے پر ہم لوگ گھروں کو چلے جائیں تو خدا تعالیٰ کے سامنے کیا جواب دیں گے کہ تم میں حفاظت کی طاقت تھی پھر تم نے حفاظت کیوں نہ کی اور ہم میں اتنی تو طاقت ہے کہ اس وقت تک کہ ہم سب مر جائیں ان کو آپ تک نہ پہنچنے دیں (ان صحابہؓ میں حضرت امام حسنؓ بھی شامل تھے) جب مفسدوں نے دیکھا کہ اِدھر تو صحابہؓ کسی طرح ان کو حضرت عثمانؓ کے گھر میں داخل ہونے نہیں دیتے اور اُدھر مکہ کے حاجیوں کی واپسی شروع ہوگئی ہے بلکہ بعض بہادر اپنی سواریوں کو دَوڑا کر مدینہ میں پہنچ بھی گئے ہیں اور شام و بصرہ کی فوجیں بھی مدینہ کے بالکل قریب پہنچ گئی ہیں بلکہ ایک دن کے فاصلہ پر رہ گئی ہیں تو وہ سخت گھبرائے اور کہا کہ یا آج ان کا کسی طرح فیصلہ کردو ورنہ ہلاکت کے لئے تیار ہو جاؤ۔ چنانچہ چند آدمیوں نے یہ کام اپنے ذمہ لیا اور بے خبری میں ایک طرف سے کُود کر آپ کے قتل کے لئے گھر میں داخل ہوئے۔ ان میں محمد بن ابی بکر بھی تھے جنہوں نے سب سے آگے بڑھ کر آپ کی داڑھی پکڑی۔ اِس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ اگر تیرا باپ ہوتا تو ایسا نہ کرتا اور کچھ ایسی پُر رُعب نگاہوں سے دیکھا کہ ان کا تمام بدن کانپنے لگ گیا اور وہ اُسی وقت واپس لوٹ گئے۔ باقی آدمیوں نے آپ کو پہلے مارنا شروع کیا اس کے بعد تلوار مار کر آپ کو قتل کر دیا۔ آپ کی بیوی نے آپ کو بچانا چاہا لیکن ان کا ہاتھ کٹ گیا جس وقت آپ کو قتل کیا گیا اُس وقت آپ قرآن پڑھ رہے تھے اور آپ نے ان قاتلوں کو دیکھ کر قرآن کی تلاوت نہیں چھوڑی بلکہ اسی میں مشغول رہے چنانچہ ایک خبیث نے پیر مار کر آپ کے آگے سے قرآن کریم کو پَرے پھینک دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شقی دین سے کیا تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے قتل کرنے کے بعد ایک شور پڑ گیا اور باغیوں نے اعلان کر دیا کہ آپ کے گھر میں جو کچھ ہو لُوٹ لو۔ چنانچہ آپ کا سب مال و اسباب لُوٹ لیا گیا لیکن اسی پر بس نہیں کی گئی بلکہ آپ کے گھر کے لُوٹنے کے بعد وہ لوگ بیت المال کی طرف گئے اور خزانہ میں جس قدر روپیہ تھا سب لُوٹ لیا جس سے ان لوگوں کی اصل نیت معلوم ہوتی ہے یا تو یہ لوگ حضرت عثمانؓ پر الزام لگاتے تھے اور ان کے معزول کرنے کی یہی وجہ بتاتے تھے کہ وہ خزانہ کے روپیہ کو بُری طرح استعمال کرتے ہیں اور اپنے رشتہ داروں کو دے دیتے ہیں یا خود سرکاری خزانہ کے

قفل توڑ کر سب روپیہ لوٹ لیا اس سے معلوم ہوگیا کہ ان کی اصل غرض دنیا تھی اور حضرت عثمانؓ کا مقابلہ محض اپنے آپ کو آزاد کرنے کے لئے تھا تاکہ جو چاہیں کریں اور کوئی شخص روک نہ ہو۔ جب حضرت عثمانؓ شہید ہوئے تو اسلامی لشکر جو شام و بصرہ اور کوفہ سے آتے تھے ایک دن کے فاصلہ پر تھے اُن کو جب یہ خبر ملی تو وہ وہیں سے واپس لوٹ گئے تا ان کے جانے کی وجہ سے مدینہ میں کشت وخون نہ ہو اور خلافت کا معاملہ اُنہوں نے خدا تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔ ان باغیوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے اور ان کا مال لُوٹنے پر بس نہیں کی بلکہ ان کی لاش کو بھی پاؤں میں رَوندا اور دفن نہ کرنے دیا۔ آخر جب خطرہ ہوا کہ زیادہ پڑے رہنے سے جسم میں تغیر نہ پیدا ہو جائے تو بعض صحابہؓ نے رات کے وقت پوشیدہ آپ کو دفن کر دیا۔

ایک دو دن تو خوب لُوٹ مار کا بازار گرم رہا لیکن جب جوش ٹھنڈا ہوا تو ان باغیوں کو پھر اپنے انجام کا فکر ہوا اور ڈرے کہ اب کیا ہوگا۔ چنانچہ بعض نے تو یہ سمجھ کر کہ حضرت معاویہؓ ایک زبردست آدمی ہیں اور ضرور اِس قتل کا بدلہ لیں گے شام کا رُخ کیا اور وہاں جا کر خود ہی واویلا کرنا شروع کر دیا کہ حضرت عثمانؓ شہید ہوگئے اور کوئی ان کا قصاص نہیں لیتا۔ کچھ بھاگ کر مکہ کے راستے میں حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ سے جا ملے اور کہا کہ کس قدر ظلم ہے کہ خلیفۂ اسلام شہید کیا جائے اور مسلمان خاموش رہیں۔ کچھ بھاگ کر حضرت علیؓ کے پاس پہنچے اور کہا کہ اِس وقت مصیبت کا وقت ہے اسلامی حکومت کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہے آپ بیعت لیں تا لوگوں کا خوف دور ہو اور اُمن وامان قائم ہو۔ جو صحابہؓ مدینہ میں موجود تھے اُنہوں نے بھی بِالاتفاق یہی مشورہ دیا کہ اِس وقت یہی مناسب ہے کہ آپ اس بوجھ کو اپنے سر پر رکھیں کہ آپ کا یہ کام موجبِ ثواب و رضائے الٰہی ہوگا۔ جب چاروں طرف سے آپ کو مجبور کیا گیا تو کئی دفعہ انکار کرنے کے بعد آپ نے مجبوراً اِس کام کو اپنے ذمہ لیا اور بیعت لی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت علیؓ کا یہ فعل بڑی حکمت پر مشتمل تھا۔ اگر آپ اُس وقت بیعت نہ لیتے تو اسلام کو اس سے بھی زیادہ نقصان پہنچتا جو آپ کی اور حضرت معاویہؓ کی جنگ سے پہنچا۔ کیونکہ اس صورت میں تمام اسلامی صوبوں کے آزاد ہو کر الگ الگ

بادشاہتوں کے قیام کا اندیشہ تھا اور جو بات چار سَو سال بعد ہوئی وہ اُسی وقت ہو جانی ممکن ہی نہیں بلکہ یقینی تھی۔ پس گو حضرت علیؓ کا اُس وقت بیعت لینا بعض مصالح کے ماتحت مناسب نہ تھا اور اسی کی وجہ سے آپ پر بعض لوگوں نے شرات سے اور بعض نے غلط فہمی سے یہ الزام لگایا کہ آپ نَعُوْذُ بِاللّٰہ حضرت عثمانؓ کے قتل میں شریک تھے اور یہ خطرہ آپ کے سامنے بیعت لینے سے پہلے حضرت ابن عباسؓ نے بیان بھی کر دیا تھا اور آپ اسے خوب سمجھتے بھی تھے لیکن آپ نے اسلام کی خاطر اپنی شہرت وعزت کی کوئی پرواہ نہیں کی اور ایک بے نظیر قربانی کر کے اپنے آپ کو ہدفِ ملامت بنایا لیکن اسلام کو نقصان پہنچنے سے بچالیا۔ فَجَزَاہُ اللّٰہُ عَنَّا وَعَنْ جَمِیْعِ الْمُسْلِمِیْنَ۔

جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں قاتلوں کے گروہ مختلف جہات میں پھیل گئے تھے اور اپنے آپ کو الزام سے بچانے کے لئے دوسروں پر الزام لگاتے تھے جب ان کو معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ نے مسلمانوں سے بیعت لے لی ہے تو ان کو آپ پر الزام لگانے کا عمدہ موقع مل گیا اور یہ بات درست بھی تھی کہ آپ کے اِردگرد حضرت عثمانؓ کے قاتلوں میں سے کچھ لوگ جمع بھی ہو گئے تھے اس لئے ان کو الزام لگانے کا عمدہ موقع حاصل تھا۔ چنانچہ ان میں سے جو جماعت مکہ کی طرف گئی تھی اس نے حضرت عائشہؓ کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے کے لئے جہاد کا اعلان کریں چنانچہ اُنہوں نے اس بات کا اعلان کیا اور صحابہؓ کو اپنی مدد کے لئے طلب کیا۔ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ نے حضرت علیؓ کی بیعت اس شرط پر کر لی تھی کہ وہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے جلد سے جلد بدلہ لیں گے اُنہوں نے جلدی کے جو معنی سمجھے تھے وہ حضرت علیؓ کے نزدیک خلافِ مصلحت تھے ان کا خیال تھا کہ پہلے تمام صوبوں کا انتظام ہو جائے پھر قاتلوں کو سزا دینے کی طرف توجہ کی جائے۔ کیونکہ اوّل مقدم اسلام کی حفاظت ہے قاتلوں کے معاملہ میں دیر ہونے سے کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح قاتلوں کی تعیین میں بھی اختلاف تھا جو لوگ نہایت افسردہ شکلیں بنا کر سب سے پہلے حضرت علیؓ کے پاس پہنچ گئے تھے اور اسلام میں تفرقہ ہو جانے کا اندیشہ ظاہر کرتے تھے ان کی نسبت حضرت علیؓ کو بِالطبع شبہ نہ ہوتا تھا کہ یہ لوگ فساد کے بانی ہیں دوسرے لوگ ان پر شبہ

کرتے تھے اس اختلاف کی وجہ سے طلحہؓ اور زبیرؓ نے یہ سمجھا کہ حضرت علیؓ اپنے عہد سے پھرتے ہیں۔ چونکہ اُنہوں نے ایک شرط پر بیعت کی تھی اور وہ شرط ان کے خیال میں حضرت علیؓ نے پوری نہ کی تھی اس لئے وہ شرعاً اپنے آپ کو بیعت سے آزاد خیال کرتے تھے۔ جب حضرت عائشہؓ کا اعلان ان کو پہنچا تو وہ بھی ان کے ساتھ جا ملے اور سب مل کر بصرہ کی طرف چلے گئے۔ بصرہ میں گورنر نے لوگوں کو آپ کے ساتھ ملنے سے باز رکھا لیکن جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ طلحہؓ اور زبیرؓ نے صرف اکراہ سے اور ایک شرط سے مقیّد کر کے حضرت علیؓ کی بیعت کی ہے تو اکثر لوگ آپ کے ساتھ شامل ہو گئے۔ جب حضرت علیؓ کو اس لشکر کا علم ہوا تو آپ نے بھی ایک لشکر تیار کیا اور بصرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ بصرہ پہنچ کر آپ نے ایک آدمی کو حضرت عائشہؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ کی طرف بھیجا۔ وہ آدمی پہلے حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ آپ کا ارادہ کیا ہے؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ ہمارا ارادہ صرف اصلاح ہے۔ اس کے بعد اس شخص نے طلحہؓ اور زبیرؓ کو بھی بلوایا اور اُن سے پوچھا کہ آپ بھی اسی لئے جنگ پر آمادہ ہوئے ہیں؟ اُنہوں نے کہا کہ ہاں۔ اس شخص نے جواب دیا کہ اگر آپ کا منشاء اصلاح ہے تو اس کا یہ طریق نہیں جو آپ نے اختیار کیا ہے اس کا نتیجہ تو فساد ہے اِس وقت مُلک کی ایسی حالت ہے کہ اگر ایک شخص کو آپ قتل کریں گے تو ہزار اُس کی تائید میں کھڑے ہو جائیں گے اور ان کا مقابلہ کریں گے تو اور بھی زیادہ لوگ ان کی مدد کے لئے کھڑے ہو جائیں گے۔ پس اصلاح یہ ہے کہ پہلے مُلک کو اتحاد کی رسّی میں باندھا جائے پھر شریروں کو سزا دی جائے ورنہ اِس بدامنی میں کسی کو سزا دینا مُلک میں اور فتنہ ڈلوانا ہے۔ حکومت پہلے قائم ہو جائے تو وہ سزا دے گی۔ یہ بات سن کر اُنہوں نے کہا کہ اگر حضرت علیؓ کا یہی عندیہ ہے تو وہ آ جائیں ہم ان کے ساتھ ملنے کو تیار ہیں۔ اس پر اس شخص نے حضرت علیؓ کو اطلاع دی اور طرفین کے قائم مقام ایک دوسرے کو ملے اور فیصلہ ہو گیا کہ جنگ کرنا درست نہیں صلح ہونی چاہیے۔

جب یہ خبر سبائیوں (یعنی جو عبداللہ بن سبا کی جماعت کے لوگ اور قاتلین حضرت عثمانؓ تھے) کو پہنچی تو ان کو سخت گھبراہٹ ہوئی اور خفیہ خفیہ ان کی ایک جماعت مشورہ کے لئے اکٹھی

ہوئی۔ اُنہوں نے مشورہ کے بعد فیصلہ کیا کہ مسلمانوں میں صلح ہو جانی ہمارے لئے سخت مُضر ہوگی کیونکہ اُسی وقت تک ہم حضرت عثمانؓ کے قتل کی سزا سے بچ سکتے ہیں جب تک کہ مسلمان آپس میں لڑتے رہیں گے۔ اگر صلح ہوگئی اور امن ہو گیا تو ہمارا ٹھکانہ کہیں نہیں اس لئے جس طرح سے ہو صلح نہ ہونے دو۔ اتنے میں حضرت علیؓ بھی پہنچ گئے اور آپ کے پہنچنے کے دوسرے دن آپ کی اور حضرت زبیرؓ کی ملاقات ہوئی۔ وقتِ ملاقات حضرت علیؓ نے فرمایا کہ آپ نے میرے لڑنے کے لئے تو لشکر تیار کیا ہے مگر کیا خدا کے حضور میں پیش کرنے کے لئے کوئی عذر بھی تیار کیا ہے؟ آپ لوگ کیوں اپنے ہاتھوں سے اس اسلام کے تباہ کرنے کے درپے ہوئے ہیں جس کی خدمت سخت جانکاہیوں سے کی تھی۔ کیا میں آپ لوگوں کا بھائی نہیں؟ پھر کیا وجہ ہے کہ پہلے تو ایک دوسرے کا خون حرام سمجھا جاتا تھا لیکن اب حلال ہو گیا۔ اگر کوئی نئی بات پیدا ہوئی ہوتی تو بھی بات تھی جب کوئی نئی بات پیدا نہیں ہوئی تو پھر یہ مقابلہ کیوں ہے؟ اس پر حضرت طلحہؓ نے کہا وہ بھی حضرت زبیر کے ساتھ تھے کہ آپ نے حضرت عثمانؓ کے قتل پر لوگوں کو اُکسایا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں حضرت عثمانؓ کے قتل میں شریک ہونے والوں پر لعنت کرتا ہوں۔ پھر حضرت علیؓ نے حضرت زبیرؓ سے کہا کہ کیا تم کو یاد نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ خدا کی قسم! تُو علی سے جنگ کرے گا اور تو ظالم ہوگا۔ یہ سن کر حضرت زبیرؓ اپنے لشکر کی طرف واپس لَوٹے اور قسم کھائی کہ وہ حضرت علیؓ سے ہرگز جنگ نہیں کریں گے اور اقرار کیا کہ اُنہوں نے اجتہاد میں غلطی کی۔ جب یہ خبر لشکر میں پھیلی تو سب کو اطمینان ہو گیا کہ اب جنگ نہ ہوگی بلکہ صلح ہو جائے گی لیکن مُفسدوں کو سخت گھبراہٹ ہونے لگی اور جب رات ہوئی تو اُنہوں نے صلح کو روکنے کے لئے یہ تدبیر کی کہ ان میں سے جو حضرت علیؓ کے ساتھ تھے اُنہوں نے حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے لشکر پر رات کے وقت شب خون مار دیا۔ اور جو اُن کے لشکر میں تھے اُنہوں نے حضرت علیؓ کے لشکر پر شب خون مار دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک شور پڑ گیا اور ہر فریق نے خیال کیا کہ دوسرے فریق نے اس سے دھوکا کیا حالانکہ اصل میں یہ صرف سبائیوں کا ایک منصوبہ تھا۔ جب جنگ شروع ہوگئی تو حضرت علیؓ نے آواز دی کہ کوئی شخص حضرت عائشہؓ کو

اطلاع دے شاید ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اس فتنہ کو دور کر دے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ کا اونٹ آگے کیا گیا لیکن نتیجہ اور بھی خطرناک نکلا۔ مفسدوں نے یہ دیکھ کر کہ ہماری تدبیر پھر اُلٹی پڑنے لگی حضرت عائشہؓ کے اونٹ پر تیر مارنے شروع کئے۔ حضرت عائشہؓ نے زور زور سے پکارنا شروع کیا کہ اے لوگو! جنگ کو ترک کرو اور خدا اور یومِ حساب کو یاد کرو لیکن مُفسد باز نہ آئے اور برابر آپ کے اونٹ پر تیر مارتے چلے گئے چونکہ اہل بصرہ اس لشکر کے ساتھ تھے جو حضرت عائشہؓ کے اِردگرد جمع ہوا تھا اُن کو یہ بات دیکھ کر سخت طیش آیا اور اُمّ المؤمنین کی یہ گستاخی دیکھ کر ان کے غصہ کی کوئی حد نہ رہی اور تلواریں کھینچ کر لشکر مخالف پر حملہ آور ہو گئے۔ اور اب یہ حال ہو گیا کہ حضرت عائشہؓ کا اونٹ جنگ کا مرکز بن گیا۔ صحابہ اور بڑے بڑے بہادر اس کے اِردگرد جمع ہو گئے اور ایک کے بعد ایک قتل ہونا شروع ہوا لیکن اونٹ کی باگ اُنہوں نے نہ چھوڑی۔ حضرت زبیرؓ تو جنگ میں شامل ہی نہ ہوئے اور ایک طرف نکل گئے مگر ایک شقی نے ان کے پیچھے سے جا کر اِس حالت میں کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے اُن کو شہید کر دیا۔ حضرت طلحہؓ عین میدانِ جنگ میں اُن مفسدوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ جب جنگ تیز ہوگئی تو یہ دیکھ کر کہ اُس وقت تک جنگ ختم نہ ہوگی جب تک حضرت عائشہؓ کو درمیان سے ہٹایا نہ جائے بعض لوگوں نے آپ کے اونٹ کے پاؤں کاٹ دیئے اور ہودج اُتار کر زمین پر رکھ دیا۔ تب کہیں جا کر جنگ ختم ہوئی۔ اس واقعہ کو دیکھ کر حضرت علیؓ کا چہرہ مارے رنج کے سُرخ ہو گیا لیکن یہ جو کچھ ہوا اس سے چارہ بھی نہ تھا جنگ کے ختم ہونے پر جب مقتولین میں حضرت طلحہؓ کی نعش ملی تو حضرت علیؓ نے سخت افسوس کیا۔

ان تمام واقعات سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس لڑائی میں صحابہؓ کا ہرگز کوئی دخل نہ تھا بلکہ یہ شرارت بھی قاتلانِ عثمانؓ کی ہی تھی۔ اور یہ کہ طلحہؓ اور زبیرؓ حضرت علیؓ کی بیعت ہی میں فوت ہوئے کیونکہ اُنہوں نے اپنے ارادہ سے رجوع کر لیا تھا اور حضرت علیؓ کا ساتھ دینے کا اقرار کر لیا تھا لیکن بعض شریروں کے ہاتھوں سے مارے گئے چنانچہ حضرت علیؓ نے ان کے قاتلوں پر لعنت بھی کی۔

اِدھر تو یہ جنگ ہو رہی تھی اُدھر عثمانؓ کے قاتلوں کا گروہ جو معاویہؓ کے پاس چلا گیا تھا اس نے وہاں ایک کُہرام مچا دیا اور وہ حضرت عثمانؓ کا بدلہ لینے پر آمادہ ہو گئے۔ جب حضرت علیؓ کے لشکر سے ان کا لشکر ملا اور درمیان میں صلح کی بھی ایک راہ پیدا ہونے لگی تو ایک

جماعت فتنہ پردازوں کی حضرت علیؓ کا ساتھ چھوڑ کر الگ ہوگئی اور اس نے یہ شور شروع کر دیا کہ خلیفہ کا وجود ہی خلافِ شریعت ہے احکام تو خدا تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہی ہیں باقی رہا انتظامِ مملکت سو یہ ایک انجمن کے سپرد ہونا چاہیے کسی ایک شخص کے ہاتھ میں نہیں ہونا چاہیے اور یہ لوگ خوارج کہلائے۔ اب بھی جو لوگ ہمارے مخالف ہیں ان کا یہی دعویٰ ہے اور ان کے وہی الفاظ ہیں جو خوارج کے تھے اور یہ بھی ہماری صداقت کا ایک ثبوت ہے کہ ان لوگوں کو اس جماعت سے مشابہت حاصل ہے جسے کُل مسلمان بِالاتفاق کراہت کی نگاہ سے دیکھتے چلے آئے ہیں اور ان کی غلطی کے معترف ہیں۔

ابھی معاملات پوری طرح سُلجھے نہ تھے کہ خوارج کے گروہ نے یہ مشورہ کیا کہ اس فتنہ کو اس طرح دور کرو کہ جس قدر بڑے آدمی ہیں اُن کو قتل کر دو۔ چنانچہ ان کے دلیر یہ اقرار کر کے نکلے کہ ان میں سے ایک حضرت علیؓ کو، ایک حضرت معاویہؓ کو اور ایک عمر بن العاصؓ کو ایک ہی دن اور ایک ہی وقت میں قتل کر دے گا۔ جو حضرت معاویہؓ کی طرف گیا تھا اُس نے تو حضرت معاویہؓ پر حملہ کیا لیکن اس کی تلوار ٹھیک نہیں لگی اور حضرت معاویہؓ صرف معمولی زخمی ہوئے۔ وہ شخص پکڑا گیا اور بعد ازاں قتل کیا گیا۔ جو عمرو بن العاصؓ کو مارنے گیا تھا وہ بھی ناکام رہا کیونکہ وہ بوجہ بیماری نماز کے لئے نہ آئے جو شخص ان کو نماز پڑھانے کے لئے آیا تھا اُس نے اُس کو مار دیا اور خود پکڑا گیا اور بعد ازاں مارا گیا۔ جو شخص حضرت علیؓ کو مارنے کیلئے نکلا تھا اُس نے جب کہ آپ صبح کی نماز کے لئے کھڑے ہونے لگے آپ پر حملہ کیا اور آپ خطرناک طور پر زخمی ہوئے آپ پر حملہ کرتے وقت اُس شخص نے یہ الفاظ کہے کہ اے علی! تیرا حق نہیں کہ تیری ہر بات مانی جایا کرے بلکہ یہ حق صرف اللہ کو ہے (اب بھی غیر مبائعین ہم پر شرک کا الزام لگاتے ہیں)

ان سب واقعات کو معلوم کر کے آپ لوگوں نے معلوم کر لیا ہوگا کہ یہ سب فتنہ انہی لوگوں کا اُٹھایا ہوا تھا جو مدینہ میں نہیں آئے تھے اور حضرت عثمانؓ سے واقفیت نہ رکھتے تھے آپ کے حالات نہ جانتے تھے، آپ کے اخلاص، آپ کے تقویٰ اور آپ کی طہارت سے ناواقف تھے، آپ کی دیانت اور امانت سے بے خبر تھے چونکہ ان کو شریروں کی طرف سے یہ بتایا گیا کہ خلیفہ خائن ہے، بددیانت ہے، فضول خرچ ہے، وغیرہ وغیرہ اس لئے وہ گھر بیٹھے ہی ان باتوں کو درست مان گئے اور فتنہ کے پھیلانے کا موجب ہوئے۔ لیکن اگر وہ مدینہ میں

آتے، حضرت عثمانؓ کی خدمت میں بیٹھتے، آپ کے حالات اور خیالات سے واقف ہوتے تو کبھی ایسا نہ ہوتا جیسا کہ ہوا۔ میں نے ان حالات کو بہت مختصر کر دیا ہے ورنہ یہ اتنے لمبے اور ایسے دردناک ہیں کہ سننے والے کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

پس یاد رکھو کہ یہ وہ فتنہ تھا جس نے مسلمانوں کے ۲۷ فرقے نہیں بلکہ ۲۷ ہزار فرقے بنا دیئے۔ مگر اس کی وجہ وہی ہے جو میں نے کئی دفعہ بتائی ہے کہ وہ لوگ مدینہ میں نہ آتے تھے۔ ان باتوں کو خوب ذہن نشین کر لو کیونکہ تمہاری جماعت میں بھی ایسے فتنے ہوں گے جن کا علاج یہی ہے کہ تم بار بار قادیان آؤ اور صحیح صحیح حالات سے واقفیت پیدا کرو۔ میں نہیں جانتا کہ یہ فتنے کس زمانہ میں ہوں گے لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ ہوں گے ضرور لیکن اگر تم قادیان آؤ گے اور بار بار آؤ گے تو ان فتنوں کے دور کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔

پس تم اس بات کو خوب یاد رکھو اور اپنی نسلوں در نسلوں کو یاد کراؤ تا کہ اس زمانہ میں کامیاب ہو جاؤ۔ صحابہؓ کی دردناک تاریخ سے فائدہ اُٹھاؤ اور وہ باتیں جو ان کے لئے مشکلات کا موجب ہوئی ہیں ان کے انسداد کی کوشش کرو۔ فتنہ اور فساد پھیلانے والوں پر کبھی حُسنِ ظنی نہ کرنا اور ان کی کسی بات پر تحقیق کئے بغیر اعتبار نہ کر لینا۔ کیا اِس وقت تم نے ایسے لوگوں سے نقصان نہیں اُٹھایا؟ ضرور اُٹھایا ہے پس اب ہوشیار ہو جاؤ اور جہاں کوئی فتنہ دیکھو فوراً اس کا علاج کرو۔ توبہ اور استغفار پر بہت زور دینا۔ دیکھو اِس وقت بھی کس طرح دھوکے دیئے جاتے ہیں۔ ہمارے مخالفین میں سے ایک سر کردہ کا خط میر حامد شاہ صاحب کے پاس موجود ہے جس میں وہ انہیں لکھتے ہیں کہ نور دین اسلام کا خطرناک دشمن ہے اور انجمن پر حکومت کرنا چاہتا ہے۔ شاہ صاحب تو چونکہ قادیان آنے جانے والے تھے اس لئے ان پر اس خط کا کچھ اثر نہ ہوا لیکن اگر کوئی اور ہوتا جو قادیان نہ آیا کرتا تو وہ ضرور حضرت مولوی صاحب کے متعلق بدظنی کرتا اور کہتا کہ قادیان میں واقعی اندھیر پڑا ہوا ہے۔ اسی طرح اور بہت سی باتیں ان لوگوں نے پھیلائی ہیں لیکن اِس وقت تک خدا کے فضل سے انہیں کچھ کامیابی نہیں ہوئی۔ لیکن تم اس بات کے ذمہ دار ہو کہ شریر اور فتنہ انگیز لوگوں کو کُرید کُرید کر نکالو اور ان کی شرارتوں کے روکنے کا انتظام کرو۔

میں نے تمہیں خدا تعالیٰ سے علم پا کر بتا دیا ہے اور میں ہی وہ پہلا شخص ہوں جس نے اس طرح تمام صحیح واقعات کو یکجا جمع کر کے تمہارے سامنے رکھ دیا ہے جن سے معلوم ہو جائے کہ پہلے خلیفوں کی خلافتیں اس طرح تباہ ہوئی تھیں۔ پس تم میری نصیحتوں کو یاد رکھو۔ تم پر خدا کے بڑے فضل ہیں اور تم اس کی برگزیدہ جماعت ہو اس لئے تمہارے لئے ضروری ہے کہ اپنے پیشرووں سے نصیحت پکڑو۔ خدا تعالیٰ قرآن شریف میں لوگوں پر افسوس کا اظہار کرتا ہے کہ پہلی جماعتیں جو ہلاک ہوئی ہیں تم ان سے کیوں سبق نہیں لیتے۔ تم بھی گزشتہ واقعات سے سبق لو۔ میں نے جو واقعات بتائے ہیں وہ بڑی زبردست اور معتبر تاریخوں کے واقعات ہیں جو بڑی تلاش اور کوشش سے جمع کئے گئے ہیں اور ان کا تلاش کرنا میرا فرض تھا کیونکہ خدا تعالیٰ نے جب کہ مجھے خلافت کے منصب پر کھڑا کیا ہے تو مجھ پر واجب تھا کہ دیکھوں پہلے خلیفوں کے وقت کیا ہوا تھا اس کے لئے میں نے نہایت کوشش کے ساتھ حالات کو جمع کیا ہے۔ اس سے پہلے کسی نے اِن واقعات کو اس طرح ترتیب نہیں دیا۔

پس آپ لوگ ان باتوں کو سمجھ کر ہوشیار ہو جائیں اور تیار رہیں۔ فتنے ہوں گے اور بڑے سخت ہوں گے ان کو دور کرنا تمہارا کام ہے۔ خدا تعالیٰ تمہاری مدد کرے اور تمہارے ساتھ ہو اور میری بھی مدد کرے اور مجھ سے بعد آنے والے خلیفوں کی بھی کرے اور خاص طور پر کرے کیونکہ اُن کی مشکلات مجھ سے بہت بڑھ کر اور بہت زیادہ ہوں گی۔ دوست کم ہوں گے اور دشمن زیادہ۔ اُس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہؓ بہت کم ہوں گے۔ مجھے حضرت علیؓ کی یہ بات یاد کر کے بہت ہی درد پیدا ہوتا ہے۔ اُن کو کسی نے کہا کہ حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کے عہد میں تو ایسے فتنے اور فساد نہ ہوتے تھے جیسے آپ کے وقت میں ہو رہے ہیں۔ آپ نے اسے جواب دیا کہ او کم بخت! حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کے ماتحت میرے جیسے شخص تھے اور میرے ماتحت تیرے جیسے لوگ ہیں۔ غرض جوں جوں دن گزرتے جائیں گے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صُحبت یافتہ لوگ کم رہ جائیں گے اور آپ کے تیار کردہ انسان قلیل ہو جائیں گے۔ پس قابلِ رحم حالت ہوگی اُس خلیفہ کی کہ جس کے ماتحت ایسے لوگ ہوں گے۔ خدا تعالیٰ کا رحم اور فضل اُس کے شامل ہو اور اُس کی برکات اور اُس کی نصرت اُس کے لئے

نازل ہوں جسے ایسے مخالف حالات میں اسلام کی خدمت کرنی پڑے گی۔ اِس وقت تو خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بہت سے صحابہ موجود ہیں جن کے دل خشیتِ الٰہی اپنے اندر رکھتے ہیں لیکن یہ ہمیشہ نہیں رہیں گے اور بعد میں آنے والے لوگ خلیفوں کے لئے مشکلات پیدا کریں گے۔ میں خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ خدا آنے والے زمانہ میں اپنے فضل اور تائید سے ہماری جماعت کو کامیاب کرے اور مجھے بھی ایسے فتنوں سے بچائے اور مجھ سے بعد میں آنے والوں کو بھی بچائے۔ آمین'' (انوار العلوم جلد ۳ صفحہ ۱۵۵ تا ۲۰۴)

---

۱ النصر: ۲ تا ۴　۲ اٰل عمران: ۳۲　۳ الاحزاب: ۲۲　۴ المؤمن: ۵۶

۵ محمد: ۲۰　۶ الفتح: ۲،۳　۷ البقرۃ: ۱۳۰

۸ ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب الامام یکلم الرجل فی خطبتہٖ صفحہ ۱۶۵ حدیث نمبر ۱۰۹۱ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعۃ الاولیٰ

۹ بخاری کتاب العلم باب من قعد حیث ینتھی بہ المجلس صفحہ ۱۶ حدیث نمبر ۶۶ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعۃ الثانیۃ

۱۰ الوصیت، روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۰۶ ایڈیشن ۲۰۰۸ء

۱۱ بخاری کتاب الوضوء باب وضع الماء عند الخلاء صفحہ ۳۰ حدیث نمبر ۱۴۳ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعۃ الثانیۃ

۱۲ طبری جلد ۵ صفحہ ۳۴۸ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۷ء

۱۳ طبری جلد ۵ صفحہ ۳۵۳ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۷ء

۱۴ اسد الغابۃ جلد ۳ صفحہ ۳۱۸ زیرعنوان ''عثمان بن عفان'' مطبوعہ بیروت لبنان ۲۰۰۶ء

۱۵ طبری جلد ۵ صفحہ ۳۵۸، ۳۵۹ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۷ء

۱۶ طبری جلد ۵ صفحہ ۳۸۴ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۷ء

جماعت احمدیہ قادیان کونصائح

(تقریرفرمودہ ۲۹ ؍اگست ۱۹۱۷ء قادیان)

۲۹ ؍اگست ۱۹۱۷ء کو بعد نماز مغرب تبدیلی آب و ہوا کیلئے شملہ روانگی سے قبل حضرت مصلح موعود نے احباب جماعت قادیان کو نصائح فرمائیں جو ۸ ستمبر ۱۹۱۷ء کے الفضل میں شائع ہوئیں۔ اولاً حضور نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کی وجہ سے شریعت کے قیام پھر قرآنی احکامات کی اطاعت کے بارہ میں تفصیلاً ذکر فرمایا اور پھر فرمایا کہ سنتِ نبوی کے مطابق دو امیر مقرر کر رہا ہوں۔ ازاں بعد خلافت اور امامت میں فرق اور آپس میں پیار اور محبت سے رہنے کی نصائح فرمائیں۔ نیز قادیان دارالامان کے مقام اور مرتبہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

''اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کو اصلاحوں کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ آپ جس مقام پر رہتے ہیں اسے مقدس فرمایا۔ اسے اسلام کی ان آئندہ ترقیات جو مقدر ہیں کا مرکز بنایا اس لئے آپ کی ہر حرکت، ہر فعل، ہر قول نمونہ ہونا چاہئے۔ آپ کی ذمہ داریاں بڑی ہیں۔ آپ کوشش کریں کہ آپ میں کبھی لڑائی جھگڑا نہ ہو۔ خصوصاً اِن دنوں میں کہ یہ آخری دن ہیں۔ پھر میری غیر حاضری میں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے کہ کوئی روکنے والا نہیں۔ میں صرف لڑائی جھگڑے سے بچنے کے واسطے نہیں کہتا بلکہ تمام قسم کے عیوب اور لغو و بیہودہ باتوں سے بچو اور پھر آپس میں تمہارے تعلقات اخوت و محبت کے اعلیٰ مقام پر ہوں۔ ایک دوسرے کی غمگساری کرو۔

خلفائے قدیم وحال کے کاموں میں فرق

اور یہ نہ کہو کہ یہ تو خلیفہ کا کام ہے۔ حضرت عمرؓ راتوں کو

پھر پھر کر خبر گیری کیا کرتے تھے۔ حضرت صاحب پر بھی بعض نادانوں نے ایسا ہی اعتراض کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو بعض اوقات روٹی نہیں کھاتے تھے کھجوریں کھا کر گزارہ کر لیتے تھے، زمین پر سوتے اور ادھر مرزا صاحب اچھے کپڑے پہنتے ہیں، اچھا کھانا کھاتے ہیں۔ ان نادانوں کو کیا معلوم کہ

ہر سخن وقتے وہر نکتہ مقامے وارد

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تصنیف کا نہ تھا۔ تبلیغ ہوتی تو زبانی۔ ان کے اوقات اور قسم کے تھے اور مسیح موعود کے اور قسم کے۔ (گو مقصد ایک ہی تھا) تصنیف والے کے دماغ پر کچھ ایسا اثر ہوتا ہے کہ اگر اس کے کھانے کے متعلق خاص احتیاط نہ کی جائے، اس کے بیٹھنے اور سونے کیلئے نرم بستر نہ ہو، نرم لباس نہ ہو تو اس کے اعصاب پر صدمہ ہو اور وہ پاگل ہو جائے۔ پس دماغی کام کرنے والوں کا قیاس ان لوگوں پر نہیں کرنا چاہئے جو اور قسم کے کام کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کتابیں نہیں لکھا کرتے تھے اور نہ ان کے نام باہر سے اتنے لمبے لمبے سَو سَوا سَو خطوط روزانہ آیا کرتے تھے جن کے جواب بھی ان کو لکھنے یا لکھانے پڑتے ہوں۔ اُس وقت خلیفہ کے مشاغل زیادہ تر مقامی حیثیت میں رہتے تھے اور باہر سے کبھی مہینے دوسرے مہینے ڈاک آتی اور اُس کا بھی اکثر حصہ زبانی طے ہو جاتا۔ مخالفین کے حملے بھی جنگ کی صورت میں ہوتے جن کا دفعیہ فوجوں کے ذریعہ ہو جاتا تھا۔ اب تو سب کام دماغ سے ہی کرنے پڑتے ہیں۔

مصالح سفرِ شملہ

پچھلے دنوں میں ترجمہ کا کام کرتا رہا ہوں جس سے میرے دماغ پر اتنا بوجھ پڑا کہ ایسی حالت ہوگئی جو میں ایک سطر بھی لکھنے سے رہ گیا اور بخار ہو گیا اس لئے اب میرا ارادہ باہر جانے کا ہے۔ اصل منشاء تو یہی ہے کہ ذرا سا آرام ہو سکے مگر پھر بھی میں اپنے فرائض اور اس کام سے جو خدا نے میرے سپرد کیا ہے غافل نہیں ہوں۔ بعض رؤیا میں نے دیکھی ہیں جن کی بناء پر میں کہہ سکتا ہوں کہ کچھ اور مصالح بھی میرے سفر میں ہیں مجھے اس کی تفصیل نہیں معلوم ہوسکی کہ امر خیر ہے یا شر مگر ہے کچھ ضرور جو پیش آنے والا ہے۔

خلیفۂ وقت کے مشاغل

اس کے علاوہ میرے ذہن میں جماعت کی ترقی کی سکیمیں ہیں۔ازاں جملہ ایک یہ کہ وہ کیا تدابیر ہیں جن پر چلنے سے جماعت میں آئندہ خلافت کے متعلق کوئی فتنہ نہ ہو۔(ب) عورتوں کی تعلیم کے متعلق نصاب (ج) سیاسی امور سے ہمارے تعلقات کس طرح ہوں۔ان سب پر میں کچھ لکھنے والا ہوں۔اور یہ سب کام میرے ہی ذمہ ہیں جو میں کروں گا اور کر رہا ہوں۔اگر مقامی احباب کی خبر گیری اور شہر میں پھر پھر کر ان کے گھروں میں جا جا کر فرداً فرداً حال پوچھنا مجھ ہی پر ڈالتے ہو اور آپ لوگ خود یہ نہیں کریں گے کہ وہ اپنے اپنے محلّہ کی بیواؤں، یتیموں، بے کسوں، ضرورت مندوں کی خبر رکھو تو یہ کام مَیں بڑی خوشی سے باآسانی کر سکتا ہوں مگر پھر جماعت کی بیرونی ترقی کے تعلقات کم ہو جائیں گے۔ میں بتا چکا ہوں کہ اب زمانہ اور طرز پر آ گیا ہے اب خلیفہ کیلئے صرف سلسلہ کے مرکز کا مقام ہی نہیں بلکہ باہر کی تمام جماعتوں کی باگ بھی براہِ راست اپنے ہاتھ میں رکھنی پڑتی ہے اور مخالفین سے بھی زیادہ تر خود ہی نپٹنا پڑتا ہے اور یہ کام ہے بھی سارا دماغ کے متعلق۔ میں جب باہر نہیں آتا یا کوچہ بکوچہ پھر کر خبر گیری نہیں کرتا تو کئی لوگ سمجھتے ہوں گے کہ مزے سے اندر بیٹھا ہے۔ انہیں کیا معلوم کہ میں تو سارا دن ترجمہ وغیرہ لکھنے یا جماعت کی ترقی کی تجاویز سوچنے، ڈاک کا جواب دینے دلانے میں خرچ کر کے ان گرمی کے دنوں میں بھی رات کے ایک بجے تک اس کام کیلئے جاگتا رہا ہوں۔

پھر تمہارے لئے دعائیں کرنا بھی میرا فرض ہے۔کبھی کبھی مجھے خیال آیا کرتا ہے کہ میں ہفتہ بھر کسی کو اپنے ساتھ رکھوں تا معلوم ہو کہ میں فارغ نہیں بیٹھا اور نہ آرام طلب۔غرض اب خلیفہ کے کام کی نوعیت بدل گئی ہے اور ان حالات کی موجودگی میں حضرت عمرؓ کی تقلید مجھ پر ضروری نہیں اور نہ یہ سب کام ایک انسان کر سکتا ہے اور جب وہ نبی جسے خاص قویٰ دیئے جاتے ہیں جس کا میں خلیفہ ہوں نہیں کر سکا تو پھر مجھ پر کیا الزام آ سکتا ہے۔

ہر جماعت کے مقامی فرائض

پس زمانہ کے تغیر کے ساتھ تم بھی اپنی ذمہ داریوں کو بدلو اور یہ کام خود کرو کہ اپنے اپنے مقامی

بھائی بہنوں کی خبر گیری کرو۔ اگر کوئی بیمار ہے تو اُس کی دوائی لادو۔ اگر کوئی مبلغ باہر گیا ہے تو اُس کے گھر والوں کو سَودا وغیرہ لادو۔ کسی بھائی یا بہن کو اور تکلیف ہے تو اس کو رفع کرو۔ کم از کم مجھے اطلاع تو دو تا کہ میں خود انتظام کروں۔ ابھی کچھ دن ہوئے صوفی تصور حسین صاحب کی اہلیہ بیمار ہوئیں ان کے بچے چھوٹے تھے مجھے معلوم ہوا کہ دو دن سے ان کی کسی نے ایسی خبر گیری نہیں کی جیسی کہ چاہئے تھی۔ فوراً میں نے اس کا مناسب انتظام کیا لیکن افسوس ہے آپ لوگوں نے کیوں شکایت کا موقع پیدا ہونے دیا اور خود یہ کام سرانجام نہ دیا۔ کم فرصتی کا عذر فضول ہے کہ کاموں کی کثرت اور چیز ہے اور کاموں کا اہم ہونا اور بات ہے۔ دیکھو ایک شخص سے کہا جائے کہ فلاں مکان میں چار پائیاں بچھا دینا، یہ سَودا بازار سے لانا، کپڑے دھوپ میں رکھنا وغیرہ۔ اور دوسرے سے کہا جائے کہ جنگل سے شیر مار لانا تو پہلا شخص نہیں کہہ سکتا کہ مجھے اتنے کام ہیں اور دوسرے کا صرف ایک کام۔ کیونکہ آخری کام کے مقابلہ میں وہ پہلے بہت سے کام کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتے۔

حقیقت حال سے بے خبر اعتراض کرتے ہیں

پھر کاموں کی نوعیت میں بھی فرق ہوتا ہے۔ جنگ کا تعلق اس زمانہ میں جسمانی حالت سے تھا اس لئے اُس کے واسطے جفا کشی، محنت اور خشن پوشی کی ضرورت تھی اور چاہئے تھا کہ غذا بھی سادہ ہو بلکہ اکثر بھوکے رہنے کی عادت ہو۔ مگر تصنیف کا تعلق دماغ سے ہے۔ اس کیلئے نرم لباس، نرم غذا چاہئے اور اپنے آپ کو حتی الوسع تنہائی میں رکھنا کیونکہ تصنیف کا اثر اعصاب پر پڑتا ہے۔ اس نکتہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اعتراض کیا کہ وہ روزے کم رکھتا ہے اور ''کھاؤ پیؤ'' ہے۔ نادان یہ نہیں سمجھتے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ نہ تھا۔ وہ تو ایک علمی زمانہ تھا۔ ان کو مخالفین کے مقابل پر تقریریں کرنی پڑتی تھیں اور یہود کی کتب کا مطالعہ۔ موقع موقع کی بات ہوتی ہے روزے رکھنا بڑے ثواب کا کام ہے مگر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا کہ آج روزہ نہ رکھنے والے روزہ رکھنے والوں سے اجر میں بڑھ گئے[۲] کیونکہ بے روزوں نے خیمے وغیرہ لگائے، کھانے کا بندوبست کیا اسباب رکھوایا اور روزہ دار بے چارے

بے دم ہو کر سفر سے آتے ہی لیٹ گئے۔ غرض حالات کے بدلنے کے ساتھ تم اپنی حالتوں کو بدلو، اپنے فرض کو پہچانو۔ یہ کوئی بڑی بات نہیں کہ جب نماز پڑھنے کیلئے نکلے تو محلّہ والے قرب وجوار کے حاجت مند احمدی گھروں کی خبر خیریت دریافت کرتے گئے۔ سودے کے ساتھ ان کی خبر بھی لیتے گئے۔''

(انوارالعلوم جلد۴ صفحہ ۲۴ تا ۲۷)

---

[۱] **مسلم کتاب الصیام باب اجر المفطر فی السفر** صفحہ ۴۵۷ حدیث نمبر ۲۶۲۲ مطبوعہ ریاض ۲۰۰۰ء **الطبعة الثانية**

اسلام میں اختلافات کا آغاز

اسلامی تاریخ سے واقفیت کی ضرورت

(تقریر حضرت فضل عمر خلیفۃ المسیح الثانی جو آپ نے ۲۶ فروری ۱۹۱۹ء کو مارٹن ہسٹاریکل سوسائٹی اسلامیہ کالج لاہور کے ایک اجلاس میں فرمائی)

''کچھ عرصہ ہوا میں نے یہ بات نہایت خوشی کے ساتھ سنی تھی کہ اسلامیہ کالج لاہور میں ایک ایسی سوسائٹی قائم ہوئی ہے جس میں تاریخی امور سے واقف کار اپنی اپنی تحقیقات بیان کیا کریں گے۔ مجھے اِس سے بہت خوشی ہوئی کیونکہ اقوام کی ترقی میں تاریخ سے آگاہ ہونا ایک بہت بڑا محرک ہوتا ہے اور کوئی ایسی قوم جو اپنی گزشتہ تاریخی روایات سے واقف نہ ہو کبھی ترقی کی طرف قدم نہیں مارسکتی۔ اپنے آباواجداد کے حالات کی واقفیت بہت سے اعلیٰ مقاصد کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ پس جب اس سوسائٹی کے قائم ہونے کا مجھے علم ہوا تو اس خیال سے کہ اس میں جہاں اور تاریخی مضامین پر لیکچر ہوں گے وہاں اسلامی تاریخ پر ایسے لیکچر ہوا کریں گے جن سے کالجوں کے طالب علم اندازہ کرسکیں گے کہ ان کے آباواجداد کے ذمہ کیسے کیسے مشکل کام پڑتے رہے ہیں اور وہ کس خوش اسلوبی اور کیسے استقلال کے ساتھ ان کو کرتے رہے ہیں۔ اور ان کو معلوم ہوگا کہ ہم کیسے آباء کی اولاد ہیں اور ان کی ذُریّت اور قائمقام ہونے کی حیثیت سے ہم پر کیا فرائض عائد ہیں۔ اور ان کو اپنے آباء کے شاندار اعمال اور ان کی اعلیٰ شان کو دیکھ کر انہی جیسا بننے کا خیال پیدا ہوگا۔ پس مجھے اس سوسائٹی کے قائم ہونے پر بہت خوشی ہوئی اور اب جب کہ مجھ سے اس سوسائٹی میں اسلامی تاریخ کے کسی حصہ پر لیکچر دینے کے لئے کہا گیا تو میں نے نہایت خوشی سے اپنی

روانگی ملتوی کر کے اس موقع پر آپ لوگوں کے سامنے بعض تاریخی مضامین پر اپنی تحقیقات کا بیان کرنا منظور کرلیا۔

مضمون کی اہمیت

مجھ سے کہا گیا تھا کہ میں بعض اسلامی تاریخی مسائل پر کچھ بیان کروں اور گو اسلامی تاریخ میں سب سے اہم وہ زمانہ ہے جس میں رسول کریم ﷺ نے خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت دنیا میں اسلام کا اعلان کیا اور تئیس سالہ محنت شاقہ سے لاکھوں آدمیوں کے دلوں میں اس کا نقش ثبت کیا اور ہزاروں آدمیوں کی ایک ایسی جماعت پیدا کر دی جس کا فکر، قول اور فعل اسلام ہی ہو گیا۔ مگر چونکہ اسلام میں تفرقہ کی بنیاد رسول کریم ﷺ کی وفات کے پندرہ سال بعد پڑی ہے اور اس وقت کے بعد مسلمانوں میں شِقاق کا شگاف وسیع ہی ہوتا چلا گیا ہے اور اسی زمانہ کی تاریخ نہایت تاریک پردوں میں چُھپی ہوئی ہے اور اسلام کے دشمنوں کے نزدیک اسلام پر ایک بدنما دھبہ ہے اور اس کے دوستوں کے لئے بھی ایک سر چکرا دینے والا سوال ہے اور بہت کم ہیں جنہوں نے اس زمانہ کی تاریخ کی دلدل سے صحیح وسلامت پار نکلنا چاہا ہو اور وہ اپنے مدعا میں کامیاب ہو سکے ہوں اس لئے میں نے یہی پسند کیا کہ آج آپ لوگوں کے سامنے اسی کے متعلق کچھ بیان کروں۔

اسلام کا شاندار ماضی

آپ لوگ جانتے ہوں گے کہ جو کام اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد کیا ہوا ہے (یعنی جماعت احمدیہ کی تربیت اور اس کی ضروریات کا اِنصرام اور اس کی ترقی کی فکر) وہ اپنی نوعیت میں بہت سی شقوں پر حاوی ہے۔ پس اس کے انصرام کے لئے ان خاص تاریخی مضامین کا جو زمانۂ خلافت سے متعلق ہیں علم رکھنا میرے لئے ایک نہایت ضروری امر ہے اور اس لئے باوجود کم فُرصتی کے مجھے اس زمانہ کی تاریخ کو زیر مطالعہ رکھنا پڑتا ہے اور گو ہمارا اصل کام مذہب کی تحقیق و تدقیق ہے مگر اس مطالعہ کے باعث ابتدائے اسلام کی تاریخ کے بعض ایسے پوشیدہ امر مجھ پر خدا تعالیٰ کے فضل سے ظاہر ہوئے ہیں جن سے اس زمانہ کے اکثر لوگ ناواقف ہیں۔ اور اس ناواقفیت کے باعث بعض مسلمان تو اپنے مذہب سے بیزار ہو رہے ہیں اور ان کو اپنا ماضی ایسا بھیانک

نظر آ رہا ہے کہ اس کی موجودگی میں وہ کسی شاندار مستقبل کی امید نہیں رکھ سکتے۔ مگر ان کی یہ مایوسی غلط اور ان کے ایسے خیالات نادرست ہیں اور صرف اس امر کا نتیجہ ہیں کہ ان کو صحیح اسلامی تاریخ کا علم نہیں ورنہ اسلام کا ماضی ایسا شاندار اور بے عیب ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صُحبت یافتہ سب کے سب ایسے اعلیٰ درجہ کے بااخلاق لوگ ہیں کہ ان کی نظیر دنیا کی کسی قوم میں نہیں ملتی خواہ وہ کسی نبی کے صحبت یافتہ کیوں نہ ہوں۔ اور صرف رسول کریم ﷺ کے صُحبت یافتہ لوگ ہی ہیں جن کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے استاد اور آقا کے نقش قدم پر چل کر ایسی روحانیت پیدا کر لی تھی کہ سیاسیات کی خطرناک اُلجھن میں پڑ کر بھی انہوں نے تقویٰ اور دیانت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور سلطنت کے بار کے نیچے بھی ان کی کمر ایسی ہی ایستادہ رہی جیسی کہ اُس وقت جب ''قوت لایموت'' کے وہ محتاج تھے اور ان کا فرش مسجد نبوی کی بے فرش زمین تھی اور ان کا تکیہ ان کا اپنا ہاتھ، اُن کا شغل رسول کریم ﷺ کا کلامِ مبارک سننا تھا اور ان کی تفریح خدائے واحد کی عبادت تھی۔

اسلام کے اوّلین فدائی حضرت عثمان وحضرت علی رضی اللہ عنہما

غالباً آپ لوگ سمجھ گئے ہوں گے کہ میرا ارادہ اِس وقت حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی خلافت کے متعلق کچھ بیان کرنے کا ہے۔ یہ دونوں بزرگ اسلام کے اوّلین فدائیوں میں سے ہیں اور ان کے ساتھی بھی اسلام کے بہترین ثمرات میں سے ہیں۔ ان کی دیانت اور ان کے تقویٰ پر الزام کا آنا درحقیقت اسلام کی طرف عار کا منسوب ہونا ہے۔ اور جو مسلمان بھی سچے دل سے اس حقیقت پر غور کرے گا اُس کو اس نتیجہ پر پہنچنا پڑے گا کہ ان لوگوں کا وجود درحقیقت تمام قسم کی دھڑا بندیوں سے ارفع اور بالا ہے اور یہ بات بے دلیل نہیں بلکہ تاریخ کے اوراق اُس شخص کے لئے جو آنکھ کھول کر ان پر نظر ڈالتا ہے اس امر پر شاہد ہیں۔

غیر مُسلم مؤرخین کی غلط بیانیاں

جہاں تک میری تحقیق ہے ان بزرگوں اور ان کے دوستوں کے متعلق جو کچھ بیان کیا جاتا ہے وہ اسلام کے دشمنوں کی کارروائی ہے اور گو صحابہؓ کے بعد بعض مسلمان کہلانے والوں نے بھی

اپنی نفسانیت کے ماتحت ان بزرگوں میں سے ایک یا دوسرے پر اتہام لگائے ہیں لیکن باوجود اس کے صداقت ہمیشہ بلند و بالا رہی ہے اور حقیقت کبھی پردۂ خفاء کے نیچے نہیں چھپی ۔ ہاں اِس زمانہ میں جب کہ مسلمان اپنی تاریخ سے ناواقف ہو گئے اور خود اپنے مذہب پر ان کو آگاہی نہیں رہی اسلام کے دشمنوں نے یا تو بعض دشمنوں کی روایات کو تاریخ اسلام سے چُن کر یا صحیح واقعات سے غلط نتائج اخذ کر کے ایسی تاریخیں بنادیں کہ جن سے صحابہؓ اور ان کے ذریعہ سے اسلام پر حرف آوے۔ چونکہ اِس وقت مسلمانوں کی عینک جس سے وہ ہر ایک چیز کو دیکھتے ہیں یہی غیر مُسلم مؤرخ ہو رہے ہیں اس لئے جو کچھ انہوں نے بتایا انہوں نے قبول کرلیا۔ جن لوگوں کو خود عربی تاریخیں پڑھنے کا موقع ملا بھی انہوں نے بھی یورپ کی ہائر کریٹیسزم (HIGHER CRITICISM) (اعلیٰ طریق تنقید) سے ڈر کر ان بے سروپا اور جعلی روایات کو جن پر یورپین مصنفوں نے اپنی تحقیق کی بناء رکھی تھی صحیح اور مقدم سمجھا اور دوسری روایات کو غلط قرار دیا۔ اور اس طرح یہ زمانہ ان لوگوں سے تقریباً خالی ہو گیا جنہوں نے واقعات کو ان کی اصل شکل میں دیکھنے کی کوشش کی ۔

اسلام میں فتنوں کے اصلی موجب صحابہؓ نہ تھے

اِس بات کو خوب یاد رکھو کہ یہ خیال کہ اسلام میں فتنوں کے موجب بعض بڑے بڑے صحابہؓ ہی تھے بالکل غلط ہے۔ ان لوگوں کے حالات پر مجموعی نظر ڈالتے ہوئے یہ خیال بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اپنے ذاتی اغراض یا مفاد کی خاطر انہوں نے اسلام کو تباہ و برباد کرنے کی کوشش کی۔ جن لوگوں نے صحابہؓ کی جماعت میں مسلمانوں میں اختلاف و شقاق نمودار ہونے کی وجوہ تلاش کرنے کی کوشش کی ہے انہوں نے سخت غلطی کھائی ہے۔ فتنہ کی وجوہ اور جگہ پیدا ہوئی ہیں اور وہیں ان کی تلاش کرنے پر کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنے کی امید کی جاسکتی ہے۔ جو غلط روایات کہ اس زمانہ کے متعلق مشہور کی گئی ہیں اگر ان کو صحیح تسلیم کرلیا جاوے تو ایک صحابیؓ بھی نہیں بچتا جو اس فتنہ میں حصہ لینے سے محفوظ رہا ہو۔ اور ایک بھی ایسا نظر نہیں آتا جو تقویٰ اور دیانت پر مضبوطی سے قائم رہا ہو اور یہ اسلام کی صداقت پر ایک ایسا حملہ ہے کہ بیخ و بنیاد اس سے اُکھڑ جاتی ہے۔ حضرت مسیحؑ

فرماتے ہیں کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ اوران روایات کے بموجب اسلام کے درخت کے پھل ایسے کڑوے ثابت ہوتے ہیں کہ کچھ خرچ کرنا تو الگ رہا مفت بھی اس کے لینے کے لئے کوئی تیار نہ ہوگا۔ مگر کیا کوئی شخص جس نے رسول کریم ﷺ کی قوتِ قدسیہ کا ذرا بھی مطالعہ کیا ہو اس امر کے تسلیم کرنے کیلئے تیار ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ خیال کرنا بھی بعید از عقل ہے کہ جن لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی صُحبت پائی آپؐ کے جلیل القدر اور جاں نثار صحابہؓ تھے اور آپؐ سے نہایت قریبی رشتے اور تعلق رکھتے تھے وہ بھی اوران کے علاوہ تمام دیگر صحابہؓ بھی بلا استثناء چند ہی سال میں ایسے بگڑ گئے کہ صرف ذاتی اغراض کے لئے نہ کہ کسی مذہبی اختلاف کی بناء پر ایسے اختلافات میں پڑ گئے کہ اس کے صدمہ سے اسلام کی جڑ ہل گئی۔ مگر افسوس کہ گو مسلمان لفظاً تو نہیں کہتے کہ صحابہؓ نے اسلام کو تباہ و برباد کرنے کے لئے فتنے کھڑے کئے لیکن انہوں نے ایسے لوگوں کی روایتوں کو سچا سمجھ کر جنہوں نے اسلام اچھی طرح قبول نہیں کیا تھا اور صرف زبانی اقرارِ اسلام کیا تھا اور پھر ایسے لوگوں کی تحقیقات پر اعتبار کر کے جو اسلام کے سخت دشمن اور اس کے مٹانے کے درپے ہیں ایسی باتوں کو تسلیم کر رکھا ہے جن کے تسلیم کرنے سے لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ صحابہؓ کی جماعت **نَعُوْذُبِاللّٰہِ** تقویٰ اور دیانت سے بالکل خالی تھی۔☆

میں اپنے بیان میں اس امر کا لحاظ رکھوں گا کہ تاریخیں وغیرہ نہ آویں تاکہ سمجھنے میں دِقّت نہ ہو اور مضمون پیچ دار نہ ہو جائے۔ کیونکہ میرے اس لیکچر کی اصل غرض ابتدائے اسلام کے بعض اہم واقعات سے کالجوں کے طلباء کو واقف کرنا ہے۔ اور اسی وجہ سے ہی عربی عبارات کے بیان کرنے سے بھی حتی الوسع اجتناب کروں گا اور واقعات کو حکایت کے طور پر بیان کروں گا۔

☆ اس مضمون پر برائے اشاعت نظر ثانی کرتے وقت میں نے حاشیہ پر بعض ضروری تاریخی حوالجات دے دیئے ہیں اور مطالعہ کنندہ کتاب کو زیادہ مشقت سے بچانے کے لئے صرف تاریخ طبری کے حوالوں پر اکتفاء کی ہے۔ **اِلَّامَاشَاءَ اللّٰہُ** ۔مِنْہُ

اختلافات کا ظہور خلیفہ ثالث کے زمانہ میں کیوں ہوا؟

یہ بات تمام تعلیم یافتہ مسلمانوں پر روشن ہوگی کہ مسلمانوں میں اختلاف کے آثار نمایاں طور پر خلیفہ ثالث کے عہد میں ظاہر ہوئے تھے۔ ان سے پہلے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عہد میں اختلاف نے کبھی سنجیدہ صورت اختیار نہیں کی۔ اور مسلمانوں کا کلمہ ایسا متحد تھا کہ دوست و دشمن سب اس کے افتراق کو ایک غیر ممکن امر خیال کرتے تھے اور اسی وجہ سے عموماً لوگ اس اختلاف کو خلیفہ ثالث کی کمزوری کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ جیسا میں آگے چل کر بتاؤں گا واقعہ یوں نہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ابتدائی حالات

حضرت عمرؓ کے بعد تمام صحابہؓ کی نظر مسندِ خلافت پر بیٹھنے کے لئے حضرت عثمانؓ پر پڑی اور آپ اکابر صحابہؓ کے مشورہ سے اس کام کے لئے منتخب کئے گئے۔ آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے اور یکے بعد دیگرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیاں آپ سے بیاہی گئیں۔ اور جب دوسری لڑکی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فوت ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر میری کوئی اور بیٹی ہوتی تو میں اسے بھی حضرت عثمانؓ سے بیاہ دیتا [1]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کی نظر میں آپ کو خاص قدر و منزلت حاصل تھی۔ آپ اہل مکہ کی نظر میں نہایت ممتاز حیثیت رکھتے اور اُس وقت مُلکِ عرب کے حالات کے مطابق مالدار آدمی تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اسلام اختیار کرنے کے بعد جن خاص خاص لوگوں کو تبلیغِ اسلام کے لئے منتخب کیا ان میں ایک حضرت عثمانؓ بھی تھے۔ اور آپ پر حضرت ابوبکرؓ کا گمان غلط نہیں گیا بلکہ تھوڑے دنوں کی تبلیغ سے ہی آپ نے اسلام قبول کر لیا اور اس طرح اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ میں یعنی اسلام میں داخل ہونے والے اس پیشرو گروہ میں شامل ہوئے جن کی قرآن کریم نہایت قابلِ رشک الفاظ میں تعریف فرماتا ہے۔ عرب میں انہیں جس قدر عزت اور توقیر حاصل تھی اس کا کسی قدر پتہ اس واقعہ سے لگ سکتا ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک رؤیا کی بناء پر مکہ تشریف لائے اور اہلِ مکہ نے بغض و کینہ سے اندھے ہو کر آپؐ کو عمرہ کرنے کی اجازت نہ دی

تو آنحضرت ﷺ نے تجویز فرمایا کہ کسی خاص معتبر شخص کو اہلِ مکہ کے پاس اس امر پر گفتگو کرنے کے لئے بھیجا جاوے اور حضرت عمرؓ کو اس کے لئے انتخاب کیا۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میں تو جانے کو تیار ہوں مگر مکہ میں اگر کوئی شخص ان سے گفتگو کرسکتا ہے تو وہ حضرت عثمانؓ ہے کیونکہ وہ ان لوگوں کی نظر میں خاص عزت رکھتا ہے پس اگر کوئی دوسرا شخص گیا تو اس پر کامیابی کی اتنی امید نہیں ہوسکتی جتنی کہ حضرت عثمانؓ پر ہے اور آپ کی اس بات کو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی درست تصور کیا اور انہی کو اس کام کے لئے بھیجا۔[۲] اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کفار میں بھی خاص عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔

حضرت عثمانؓ کا مرتبہ رسول کریم ﷺ کی نظر میں

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا بہت احترام فرماتے تھے ایک دفعہ آپ لیٹے ہوئے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے اور آپؐ اسی طرح لیٹے رہے۔ پھر حضرت عمرؓ تشریف لائے تب بھی آپؐ اسی طرح لیٹے رہے۔ پھر حضرت عثمانؓ تشریف لائے تو آپؐ نے جھٹ اپنے کپڑے سمیٹ کر درست کر لئے اور فرمایا کہ حضرت عثمانؓ کی طبیعت میں حیا بہت ہے اس لئے میں اس کے احساسات کا خیال کر کے ایسا کرتا ہوں[۳] آپ ان شاذ آدمیوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے اسلام کے قبول کرنے سے پہلے بھی کبھی شراب کو منہ نہیں لگایا اور زنا کے نزدیک نہیں گئے اور یہ ایسی خوبیاں ہیں جو عرب کے ملک میں جہاں شراب کا پینا فخر اور زنا ایک روزمرہ کا شغل سمجھا جاتا تھا اسلام سے پہلے چند گنتی کے آدمیوں سے زیادہ لوگوں میں نہیں پائی جاتی تھیں۔ غرض آپ کوئی معمولی آدمی نہ تھے۔ نہایت اعلیٰ درجہ کے اخلاق آپ میں پائے جاتے تھے۔ دنیاوی وجاہت کے لحاظ سے آپ نہایت ممتاز تھے۔ اسلام میں سبقت رکھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر نہایت خوش تھے۔ اور حضرت عمرؓ نے آپ کو ان چھ آدمیوں میں سے ایک قرار دیا ہے جو حضرت رسول کریم ﷺ کی وفات کے وقت تک آپؐ کی اعلیٰ درجہ کی خوشنودی کو حاصل کئے رہے۔ اور پھر آپ عشرہ مبشرہ سے ایک فرد ہیں یعنی ان دس آدمیوں میں سے ایک ہیں جن

کی نسبت رسول کریم ﷺ نے جنت کی بشارت دی تھی[۴]۔ ☆

آپ کے مسندِ خلافت پر متمکن ہونے سے چھ سال تک حکومت میں کسی قسم کا کوئی فتنہ نہیں اُٹھا بلکہ لوگ آپ سے بِالعموم بہت خوش تھے۔ اس کے بعد یکدم ایک ایسا فتنہ پیدا ہوا جو بڑھتے بڑھتے اس قدر ترقی کر گیا کہ کسی کے روکے نہ رُک سکا اور انجام کار اسلام کیلئے سخت مُضِر ثابت ہوا۔ تیرہ سَو برس گزر چکے ہیں مگر اب تک اس کا اثر اُمتِ اسلامیہ میں سے زائل نہیں ہوا۔

فتنہ کہاں سے پیدا ہوا؟

اب سوال یہ ہے کہ یہ فتنہ کہاں سے پیدا ہوا؟ اس کا باعث بعض لوگوں نے حضرت عثمانؓ کو قرار دیا ہے اور بعض نے حضرت علیؓ کو۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے بعض بدعتیں شروع کر دی تھیں جن سے مسلمانوں میں جوش پیدا ہو گیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے خلافت کیلئے خفیہ کوشش شروع کر دی تھی اور حضرت عثمانؓ کے خلاف مخالفت پیدا کر کے انہیں قتل کرا دیا تا کہ خود خلیفہ بن جائیں لیکن یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ نہ حضرت عثمانؓ نے کوئی بدعت جاری کی اور نہ حضرت علیؓ نے خود خلیفہ بننے کیلئے انہیں قتل کرایا یا ان کے قتل کے منصوبہ میں شریک ہوئے بلکہ اس فتنہ کی اور ہی وجوہات تھیں۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا دامن اس قسم کے الزامات سے بالکل پاک ہے وہ نہایت مقدس انسان تھے۔ حضرت عثمانؓ تو وہ انسان تھے جن کے متعلق حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ انہوں نے اسلام کی اتنی خدمات کی ہیں کہ وہ اب جو چاہیں کریں خدا ان کو نہیں پوچھے گا[۵]۔ اس کا یہ مطلب نہ تھا کہ خواہ وہ اسلام سے ہی برگشتہ ہو جائیں تو بھی مؤاخذہ نہیں ہوگا بلکہ یہ تھا کہ ان میں اتنی خوبیاں پیدا ہو گئی تھیں اور وہ نیکی میں اس قدر ترقی کر گئے تھے کہ یہ ممکن ہی نہ رہا تھا کہ ان کا کوئی فعل اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف ہو۔ پس حضرت عثمانؓ ایسے انسان نہ تھے کہ وہ کوئی خلافِ شریعت بات

☆ درحقیقت عشرہ مبشرہ ایک محاورہ ہو گیا ہے ورنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بہت زیادہ صحابہؓ کی نسبت جنت کی بشارت دی ہے۔ عشرہ مبشرہ سے دراصل وہ دس مہاجر مراد ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس شوریٰ کے رُکن تھے اور جن پر آپ کو خاص اعتماد تھا۔

جاری کرتے اور نہ حضرت علیؓ ایسے انسان تھے کہ خلافت کیلئے خفیہ منصوبے کرتے۔ جہاں تک میں نے غور کیا اور مطالعہ کیا ہے اس فتنۂ ہائلہ کی چار وجوہ ہیں۔

فتنے کی چار وجوہ

اوّل: عموماً انسان کی طبیعت حصولِ جاہ و مال کی طرف مائل رہتی ہے سوائے اُن لوگوں کے جن کے دلوں کو خدائے تعالیٰ نے خاص طور پر صاف کیا ہو۔ صحابہؓ کی عزت، ان کے مرتبہ اور ان کی ترقی اور حکومت کو دیکھ کر نومسلموں میں سے بعض لوگ جو کامل الایمان نہ تھے حسد کرنے لگے اور جیسا کہ قدیم سے سنت چلی آئی ہے اس بات کی امید کرنے لگے کہ یہ لوگ حکومت کے کاموں سے دستبردار ہوکر سب کام ہمارے ہاتھوں میں دے دیں اور کچھ اور لوگوں کو بھی اپنا جوہر دکھانے کا موقع دیں۔ ان لوگوں کو یہ بھی بُرا معلوم ہوتا تھا کہ علاوہ اس کے کہ حکومت صحابہؓ کے قبضہ میں تھی اموال میں بھی ان کو خاص طور پر حصہ ملتا تھا۔ پس یہ لوگ اندر ہی اندر جلتے رہتے تھے اور کسی ایسے تغیر کے منتظر تھے جس سے یہ انتظام درہم برہم ہوکر حکومت ان کے ہاتھوں میں آ جائے اور یہ بھی اپنے جوہرِ لیاقت دکھاویں اور دنیاوی وجاہت اور اموال حاصل کریں۔ دنیاوی حکومتوں میں ایسے خیالات ایک حد تک قابلِ معافی ہوسکتے ہیں بلکہ بعض اوقات معقول بھی کہلا سکتے ہیں کیونکہ اوّل دنیاوی حکومتوں کی بنیاد کلی طور پر ظاہری اسباب پر ہوتی ہے اور ظاہری اسبابِ ترقی میں سے ایک بہت بڑا سبب نئے خیالات اور نئی روح کا قالب حکومت میں داخل کرنا بھی ہے۔ جو اسی صورت میں ممکن ہے کہ پہلے کام کرنے والے خود بخود کام سے علیحدگی اختیار کرکے دوسروں کیلئے جگہ چھوڑ دیں۔

دوم: حکومت دنیاوی کو چونکہ نیابت عامہ کے طور پر اختیارات ملتے ہیں اس لئے عوام کی رائے کا احترام اس کیلئے ضروری ہے اور لازم ہے کہ وہ لوگ اس کے کاموں کے انصرام میں خاص دخل رکھتے ہوں جو عوام کے خیالات کے ترجمان ہوں۔ مگر دینی سلسلہ میں معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے وہاں ایک مقررہ قانون کی پابندی سب اصول سے مقدم اصل ہوتا ہے اور اپنے خیالات کا دخل سوائے ایسی فروعات کے جن سے شریعت نے خود خاموشی اختیار کی ہو قطعاً ممنوع ہے۔ دوم دینی سلسلوں کو اختیارات خدا تعالیٰ کی طرف سے

ملتے ہیں اور اس کی زمامِ انتظام جن لوگوں کے ہاتھوں میں ہوتی ہے ان کا فرض ہوتا ہے کہ امورِ دینیہ میں وہ لوگوں کو راستہ سے اِدھر اُدھر نہ ہونے دیں۔ اور بجائے اس کے کہ وہ لوگوں کے خیالات کی ترجمانی کریں ان پر واجب ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کے خیالات کو اس سانچہ میں ڈھالیں جو کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس زمانہ کی ضروریات کے مطابق تیار رہوا ہے۔

خلافت اسلامیہ ایک مذہبی انتظام تھا

غرض اسلام کی حقیقت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ اعتراضات ان لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتے تھے۔ وہ نہ سوچتے تھے کہ خلافتِ اسلامیہ کوئی دنیاوی حکومت نہ تھی نہ صحابہؓ عام امرائے دولت۔ بلکہ خلافتِ اسلامیہ ایک مذہبی انتظام تھا اور قرآن کریم کے خاص احکام مندرجہ سورۃ نور کے مطابق قائم کیا گیا تھا۔ اور صحابہؓ وہ ارکانِ دین تھے کہ جن کی اتباع روحانی مدارج کے حصول کیلئے خدا تعالیٰ نے فرض کی تھی۔ صحابہؓ نے اپنے کاروبار کو ترک کر کے، ہر قسم کی مسکنت اور غربت کو اختیار کر کے، اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال کر، اپنے عزیز و اقرباء کی صحبت و محبت کو چھوڑ کر، اپنے وطنوں کو خیر باد کہہ کر، اپنے خیالات و جذبات کو قربان کر کے آنحضرت ﷺ کی صحبت و محبت کو اختیار کیا تھا اور بعض نے قریباً ایک چوتھائی صدی آپؐ کی شاگردی اختیار کر کے اسلام کو سبقاً سبقاً پڑھا تھا اور اس پر عمل کر کے اس کا عملی پہلو مضبوط کیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اسلام سے کیا مطلب ہے، اس کی کیا غرض ہے، اس کی کیا حقیقت ہے، اس کی تعلیم پر کس طرح عمل کرنا چاہئے اور اس پر عمل کر کے کیا فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ پس وہ کسی دنیاوی حکومت کے بادشاہ اور اس کے ارکان نہ تھے۔ وہ سب سے آخری دین اور خاتم النبیّینؐ کی لائی ہوئی شریعت کے معلم تھے اور ان پر فرض کیا گیا تھا کہ اپنے عمل سے، اپنے قول سے، اپنی حرکات سے، اپنی سکنات سے اسلام کی ترجمانی کریں اور اس کی تعلیم لوگوں کے دلوں میں نقش کریں اور ان کے جوارح پر اس کو جاری کریں۔ وہ استبداد کے حامی نہ تھے بلکہ شریعتِ غراء کے حامی تھے۔ وہ دنیا سے متنفر تھے اور اگر ان کا بس ہوتا تو دنیا کو ترک کر کے گوشہ ہائے تنہائی میں جا بیٹھتے اور ذکرِ خدا سے اپنے دلوں کو راحت پہنچاتے۔ مگر وہ اس ذمہ داری سے مجبور تھے جس کا بوجھ خدا اور اس

کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کندھوں پر رکھا تھا۔ ☆

پس وہ جو کچھ کرتے تھے اپنی خواہش سے نہیں کرتے تھے بلکہ خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت اور اس کے رسول کی ہدایات کے مطابق کرتے تھے۔ اور ان پر حسد کرنا یا بدگمانی کرنا ایک خطرناک غلطی تھی۔ باقی رہا یہ اعتراض کہ صحابہؓ کو خاص طور پر اموال کیوں دیئے جاتے تھے یہ بھی ایک وسوسہ تھا کیونکہ صحابہؓ کو جو کچھ ملتا تھا ان کے حقوق کے مطابق ملتا تھا۔ وہ دوسرے لوگوں کے حقوق دبا کر نہیں لیتے تھے بلکہ ہر ایک شخص خواہ وہ کل کا مسلمان ہو اپنا حق اسی طرح پاتا تھا جس طرح ایک سابق بالایمان۔ ہاں صحابہؓ کا کام اور ان کی محنت اور قربانی دوسرے لوگوں سے بڑھی ہوئی تھی اور ان کی پرانی خدمات اس پر مستزاد تھیں۔ پس وہ ظلماً نہیں بلکہ انصافاً دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ حق دار تھے اس لئے دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ بدلہ پاتے تھے۔ انہوں نے اپنے حصے خود نہ مقرر کئے تھے بلکہ خدا اور اس کے رسول نے ان کے حصے مقرر کئے تھے۔ اگر ان لوگوں کے ساتھ خاص معاملہ نہ کیا جاتا تو وہ پیشگوئیاں کیونکر پوری ہوتیں جو قرآن کریم اور احادیث رسول کریم ﷺ میں ان لوگوں کی ترقی اور ان کے اقبال اور ان کی رفاہت اور ان کے غناء کی نسبت کی گئی تھیں۔ اگر حضرت عمرؓ کسریٰ کی حکومت کے زوال اور اس کے خزانوں کی فتح پر کسریٰ کے کڑے سراقہؓ بن مالک کو نہ دیتے اور نہ پہناتے تو رسول کریم ﷺ کی وہ بات کیونکر پوری ہوتی کہ میں سراقہؓ کے ہاتھ میں کسریٰ کے کڑے دیکھتا ہوں۔ مگر میں یہ بھی کہوں گا کہ صحابہؓ کو جو کچھ ملتا تھا دوسروں کا حق مار کر نہ ملتا تھا بلکہ ہر ایک شخص جو ذرا بھی حکومت کا کام کرتا تھا اُس کو اُس کا حق دیا جاتا تھا اور خلفاءؓ اس بارے میں نہایت محتاط تھے۔ صحابہؓ کو صرف ان کا حق دیا جاتا تھا اور وہ ان کے کام اور ان کی سابقہ خدمات کے لحاظ سے بے شک دوسروں سے زیادہ ہوتا تھا۔ اور پھر

☆ اسلامی تاریخ کے بعد کے واقعات سے یہ بات خوب اچھی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ صحابہؓ کا دخل کیسا مفید و بابرکت تھا کیونکہ کچھ عرصہ کے لئے صحابہؓ کے دخل کو ہٹا کر خدا تعالیٰ نے بتا دیا کہ ان کے علیحدہ ہونے سے کیسے بُرے نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔ اسلام کی تضحیک خود مسلمان کہلانے والوں کے ہاتھوں اس عرصہ میں اس طرح ہوئی کہ دل ان حالات کو پڑھ کر خوف کھاتے ہیں اور جسموں میں لرزہ آتا ہے۔ (مرزا محمود احمد)

ان میں سے ایک حصہ موجودہ جنگوں میں بھی حصہ لیتا تھا اور اس خدمت کے صلہ میں بھی وہ ویسے ہی بدلہ کا مستحق ہوتا جیسے کہ اور لوگ۔ مگر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہؓ ان اموال کو جمع کرنے یا ان کو اپنے نفسوں پر خرچ کرنے کے عادی نہ تھے بلکہ وہ اپنا حصہ صرف خدا اور رسول کے کلام کو سچا کرنے کیلئے لیتے تھے ورنہ ان میں سے ہر ایک اپنی سخاوت اور اپنی عطا میں اپنی نظیر آپ تھا اور ان کے اموال صرف غرباء کی کفالت اور ان کی خبر گیری میں صَرف ہوتے تھے۔

صحابہؓ کی نسبت بدگمانی بلا وجہ ہے

غرض صحابہؓ کی نسبت جو بعض لوگوں کو حسد اور بدگمانی پیدا ہوگئی تھی بلا وجہ اور بلا سبب تھی۔ مگر بلا وجہ ہو یا باوجہ اس کا بیج بویا گیا تھا اور دین کی حقیقت سے ناواقف لوگوں میں سے ایک طبقہ ان کو غاصب کی حیثیت میں دیکھنے لگا تھا اور اس بات کا منتظر تھا کہ کب کوئی موقع ملے اور ان لوگوں کو ایک طرف کر کے ہم حکومت و اموالِ حکومت پر تصرف کریں۔

دوسری وجہ اس فساد کی یہ تھی کہ اسلام نے حریت فکر اور آزادیٔ عمل اور مساواتِ افراد کے ایسے سامان پیدا کر دیئے تھے جو اس سے پہلے بڑے سے بڑے فلسفیانہ خیالات کے لوگوں کو بھی میسر نہ تھے۔ اور جیسا کہ قاعدہ ہے کہ کچھ لوگ جو اپنے اندر مخفی طور پر بیماریوں کا مادہ رکھتے ہیں وہ اعلیٰ سے اعلیٰ غذا سے بھی بجائے فائدہ کے نقصان اُٹھاتے ہیں اس حریتِ فکر اور آزادیٔ عمل کے اصول سے کچھ لوگوں نے بجائے فائدہ کے نقصان اُٹھایا اور اس کی حدود کو قائم نہ رکھ سکے۔ اس مرض کی ابتداء تو رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں ہی ہوئی جب کہ ایک ناپاک روح نام کے مُسلم نے رسول کریم ﷺ کے منہ پر آپؐ کی نسبت یہ الفاظ کہے کہ **یَارَسُوْلَ اللّٰہِ** ! تقویٰ اللہ سے کام لیں کیونکہ آپؐ نے تقسیم مال میں انصاف سے کام نہیں لیا۔ جس پر رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ **اِنَّہٗ یَخْرُجُ مِنْ ضِئْضِئِ ھٰذَا قَوْمٌ یَتْلُوْنَ کِتَابَ اللّٰہِ رَطْبًا لَایُجَاوِزُ حَنَاجِرَھُمْ یَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّیْنِ کَمَا یَمْرُقُ السَّھْمُ مِنَ الرَّمِیَّۃِ**[6]۔ یعنی اس شخص کی نسل سے ایک قوم نکلے گی جو قرآن کریم بہت پڑھیں گے لیکن وہ ان کے گلے سے نہیں اُترے گا اور وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جس طرح تیر اپنے نشانہ سے نکل جاتا ہے۔

دوسری دفعہ ان خیالات کی دبی ہوئی آگ نے ایک شعلہ حضرت عمرؓ کے وقت میں مارا جب کہ ایک شخص نے برسرِ مجلس کھڑے ہو کر حضرت عمرؓ جیسے بے نفس انسان اور اُمتِ محمدیہ کے اموال کے محافظ خلیفہ پر اعتراض کیا کہ یہ کُرتا آپ نے کہاں سے بنوایا ہے۔ مگر ان دونوں وقتوں میں اس فتنہ نے کوئی خوفناک صورت اختیار نہیں کی کیونکہ اس وقت تک اس کے نشوونما پانے کیلئے کوئی تیار شدہ زمین نہ تھی اور نہ موسم ہی موافق تھا۔ ہاں حضرت عثمانؓ کے وقت میں یہ دونوں باتیں میسر آگئیں اور یہ پودا جسے میں اختلال کا پودا کہوں گا ایک نہایت مضبوط تنے پر کھڑا ہو گیا اور حضرت علیؓ کے وقت میں تو اس نے ایسی نشوونما پائی کہ قریب تھا کہ تمام اقطارِ عالَم میں اس کی شاخیں اپنا سایہ ڈالنے لگیں۔ مگر حضرت علیؓ نے وقت پر اِس کی مضرت کو پہچانا اور ایک کاری ہاتھ کے ساتھ اِسے کاٹ کر گرا دیا اور اگر وہ بالکل اسے مٹا نہ سکے تو کم از کم اس کے دائرہ اثر کو انہوں نے بہت محدود کر دیا۔

تیسرا سبب میرے نزدیک یہ ہے کہ اسلام کی نورانی شعاعوں کے اثر سے بہت سے لوگوں نے اپنی زندگیوں میں ایک تغیر عظیم پیدا کر دیا تھا مگر اس اثر سے وہ کمی کسی طرح پوری نہیں ہو سکتی تھی جو ہمیشہ دینی و دنیاوی تعلیم کے حصول کے لئے کسی معلّم کا انسان کو محتاج بناتی ہے۔ رسول کریم ﷺ کے وقت میں جب فوج در فوج آدمی داخلِ اسلام ہوئے تب بھی یہی خطرہ دامن گیر تھا۔ مگر آپؐ سے خدا تعالیٰ کا خاص وعدہ تھا کہ اس ترقی کے زمانہ میں اسلام لانے والے لوگوں کو بد اثر سے بچایا جائیگا۔ چنانچہ آپؐ کی وفات کے بعد گو ایک سخت لہر ارتداد کی پیدا ہوئی مگر فوراً دب گئی اور لوگوں کو حقیقت اسلام معلوم ہو گئی۔ مگر آپؐ کے بعد ایران و شام اور مصر کی فتوحات کے بعد اسلام اور دیگر مذاہب کے میل و ملاپ سے جو فتوحاتِ روحانی اسلام کو حاصل ہوئیں وہی اس کے انتظامِ سیاسی کے اختلال کا باعث ہو گئیں۔ کروڑوں کروڑ آدمی اسلام کے اندر داخل ہوئے اور اس کی شاندار تعلیم کو دیکھ کر ایسے فدائی ہوئے کہ اس کے لئے جانیں دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ مگر اس قدر تعداد نَومُسلموں کی بڑھ گئی کہ ان کی تعلیم کا کوئی ایسا انتظام نہ ہو سکا جو طمانیت بخش ہوتا۔ جیسا کہ قاعدہ ہے اور انسانی دماغ کے باریک مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی جوش کے ماتحت

ان لوگوں کی تربیت اور تعلیم کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ جو کچھ یہ مسلمانوں کو کرتے دیکھتے تھے کرتے تھے اور ہر ایک حکم کو بخوشی بجا لاتے تھے۔ مگر جوں جوں ابتدائی جوش کم ہوتا گیا جن لوگوں کو تربیت روحانی حاصل کرنے کا موقع نہ ملا تھا ان کو احکامِ اسلام کی بجا آوری بار معلوم ہونے لگی اور نئے جوش کے ٹھنڈا ہوتے ہی پرانی عادات نے پھر زور کرنا شروع کیا۔ غلطیاں ہر ایک انسان سے ہو جاتی ہیں اور سیکھتے سیکھتے انسان سیکھتا ہے۔ اگر ان لوگوں کو کچھ حاصل کرنے کا خیال ہوتا تو کچھ عرصہ تک ٹھوکریں کھاتے ہوئے آخر سیکھ جاتے۔ مگر یا تو رسول کریم ﷺ کے وقت یہ حال تھا کہ ایک شخص سے جب ایک جُرم ہو گیا تو باوجود رسول کریم ﷺ کے اشارہ فرمانے کے کہ جب خدا تعالیٰ ستاری کرے تو کوئی خود کیوں اپنی فضیحت کرے اس نے اپنے قصور کا خود اقرار کیا اور سنگسار ہونے سے نہ ڈرا[ہے]، یا اب حدودِ شریعت کو قائم رکھنے کے لئے اگر چھوٹی سے چھوٹی سزا بھی دی جاتی تو ان لوگوں کو ناپسند ہوتی۔ پس بوجہ اسلام کے دل میں نہ داخل ہونے کے شریعت کو توڑنے سے کچھ لوگ باز نہ رہتے اور جب حدودِ شریعت کو قائم کیا جاتا تو ناراض ہوتے اور خلیفہ اور اس کے عمال پر اعتراض کرتے اور ان کے خلاف اپنے دل میں کینہ رکھتے اور اس انتظام کو سِرے سے ہی اُکھاڑ پھینک دینے کے منصوبے کرتے۔

چوتھا سبب میرے نزدیک اس فتنہ کا یہ تھا کہ اسلام کی ترقی ایسے غیر معمولی طور پر ہوئی ہے کہ اس کے دشمن اس کا اندازہ شروع میں کر ہی نہ سکے۔ مکہ والے بھی اپنی طاقت کے گھمنڈ میں اور رسول کریم ﷺ کے ضُعف کے خیال میں ہی بیٹھے تھے کہ مکہ فتح ہو گیا اور اسلام جزیرۂ عرب میں پھیل گیا۔ اسلام کی اس بڑھنے والی طاقت کو قیصر روم اور کسریٰ ایران ایسی حقارت آمیز اور تماش بین نگاہوں سے دیکھ رہے تھے جیسے کہ ایک جابر پہلوان ایک گھٹنوں کے بل رینگنے والے بچہ کی کھڑے ہونے کے لئے پہلی کوشش کو دیکھتا ہے۔

سلطنت ایران اور دولتِ یونان ضربتِ محمدیؐ کے ایک ہی صدمہ سے پاش پاش ہو گئیں۔ جب تک مسلمان ان جابر حکومتوں کا مقابلہ کر رہے تھے جنہوں نے سینکڑوں ہزاروں سال سے بنی نوع انسان کو غلام بنا رکھا تھا اور اس کی قلیل التعداد بے سامان فوج

دشمن کی کثیر التعداد باسامان فوج کے ساتھ برسر پیکار تھی اُس وقت تک تو دشمنانِ اسلام یہ خیال کرتے رہے کہ مسلمانوں کی کامیابیاں عارضی ہیں اور عنقریب یہ لہر نیا رُخ پھیرے گی اور یہ آندھی کی طرح اٹھنے والی قوم بگولے کی طرح اُڑ جائے گی۔ مگران کی حیرت کی کچھ حد نہ رہی جب چند سال کے عرصہ میں مطلع صاف ہو گیا اور دنیا کے چاروں کونوں پر اسلامی پرچم لہرانے لگا۔ یہ ایسی کامیابی تھی جس نے دشمن کی عقل ماردی اور وہ حیرت واستعجاب کے سمندر میں ڈوب گیا اور صحابہؓ اور ان کے صُحبت یافتہ لوگ دشمنوں کی نظر میں انسانوں سے بالا ہستی نظر آنے لگے اور وہ تمام امیدیں اپنے دل سے نکال بیٹھے۔ مگر جب کچھ عرصہ فتوحات پر گزر گیا اور وہ حیرت واستعجاب جو ان کے دلوں میں پیدا ہو گیا تھا کم ہوا اور صحابہؓ کے ساتھ میل جول سے وہ پہلا خوف وخطر جاتا رہا تو پھر اسلام کا مقابلہ کرنے اور مذاہب باطلہ کو قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اسلام کی پاک تعلیم کا مقابلہ دلائل سے تو وہ نہ کر سکتے تھے، حکومتیں مٹ چکی تھیں اور وہ ایک ہی حربہ جو حق کے مقابلہ میں چلایا جاتا تھا یعنی جبر اور تعدی ٹوٹ چکا تھا۔ اب ایک ہی صورت باقی تھی یعنی دوست بن کر دشمن کا کام کیا جائے اور اتفاق پیدا کر کے اختلاف کی صورت کی جائے۔ پس بعض شقی القلب لوگوں نے جو اسلام کے نور کو دیکھ کر اندھے ہو رہے تھے اسلام کو ظاہر میں قبول کیا اور مسلمان ہو کر اسلام کو تباہ کرنے کی نیت کی۔ چونکہ اسلام کی ترقی خلافت سے وابستہ تھی اور گلہ بان کی موجودگی میں بھیڑیا حملہ نہ کر سکا اس لئے یہ تجویز کی گئی کہ خلافت کو مٹا دیا جاوے اور اس سِلکِ اتحاد کو توڑ دیا جاوے جس میں تمام عالَم کے مسلمان پروئے ہوئے ہیں تا کہ اتحاد کی برکتوں سے مسلمان محروم ہو جائیں اور نگران کی عدم موجودگی سے فائدہ اُٹھا کر مذاہبِ باطلہ پھر اپنی ترقی کے لئے کوئی راستہ نکال سکیں اور دجل وفریب کے ظاہر ہونے کا کوئی خطرہ نہ رہے۔

یہ وہ چار بواعث ہیں جو میرے نزدیک اس فتنہ عظیم کے برپا کرنے کا موجب ہوئے۔ جس نے حضرت عثمانؓ کے وقت میں ملت اسلام کی بنیادوں کو ہلا دیا اور بعض وقت اس پر ایسے آئے کہ دشمن اس بات پر اپنے دل میں خوش ہونے لگا کہ یہ قصر عالی شان اب اپنی چھتوں اور دیواروں سمیت زمین کے ساتھ آ لگے گا اور ہمیشہ کیلئے اس دین کا خاتمہ ہو جائے گا جس

نے اپنے لئے یہ شاندار مستقبل مقرر کیا ہے کہ هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ[8] یعنی وہ خدا ہی ہے کہ جس نے اپنا رسول سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ اس دین کو باوجود اس کے منکروں کی ناپسندیدگی کے تمام ادیانِ باطلہ پر غالب کرے۔

فتنہ حضرت عثمانؓ کے وقت میں کیوں اُٹھا؟

میں نے ان تاریخی واقعات سے جو حضرت عثمانؓ کے آخری ایامِ خلافت میں ہوئے نتیجہ نکال کر اصل بواعثِ فتنہ بیان کر دیئے ہیں۔ وہ درست ہیں یا غلط اس کا اندازہ آپ لوگوں کو ان واقعات کے معلوم کرنے پر جن سے میں نے یہ نتیجہ نکالا ہے خود ہو جائے گا۔ مگر پیشتر اس کے کہ میں وہ واقعات بیان کروں اس سوال کے متعلق بھی کچھ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ یہ فتنہ حضرت عثمانؓ کے وقت میں کیوں اُٹھا؟ بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگ کثرت سے اسلام میں داخل ہوئے۔ ان نَومُسلموں میں اکثر حصہ وہی تھا جو عربی زبان سے ناواقف تھا اور اس وجہ سے دین اسلام کا سیکھنا اس کے لئے ویسا آسان نہ تھا جیسا کہ عربوں کے لئے اور جو لوگ عربی جانتے بھی تھے وہ ایرانیوں اور شامیوں سے میل ملاپ کی وجہ سے صدیوں سے ان گندے خیالات کا شکار رہے تھے جو اُس وقت کے تمدن کا لازمی نتیجہ تھے۔ علاوہ ازیں ایرانیوں اور مسیحیوں سے جنگوں کی وجہ سے اکثر صحابہؓ اور ان کے شاگردوں کی تمام طاقتیں دشمن کے حملوں کے ردّ کرنے میں صرف ہو رہی تھیں۔ پس ایک طرف توجہ کا بیرونی دشمنوں کی طرف مشغول ہونا دوسری طرف اکثر نومُسلموں کا عربی سے ناواقف ہونا یا عجمی خیالات سے متأثر ہونا دو عظیم الشان سبب تھے اس امر کے کہ اُس وقت کے اکثر نومسلم دین سے کماحقہٗ واقف نہ ہو سکے۔ حضرت عمرؓ کے وقت میں چونکہ جنگوں کا سلسلہ بہت بڑے پیمانے پر جاری تھا اور ہر وقت دشمن کا خطرہ لگا رہتا تھا لوگوں کو دوسری باتوں کے سوچنے کا موقع ہی نہ ملتا تھا۔ اور پھر دشمن کے بِالمقابل پڑے ہوئے ہونے کا باعث طبعاً مذہبی جوش بار بار رونما ہوتا تھا جو مذہبی تعلیم کی کمزوری پر پردہ ڈالے رکھتا تھا۔ حضرت عثمانؓ کے ابتدائی عہد میں بھی یہی حال رہا۔ کچھ جنگیں بھی ہوتی رہیں

اور کچھ پچھلا اثر لوگوں کے دلوں میں باقی رہا۔ جب کسی قدر امن ہوا اور پچھلے جوش کا اثر بھی کم ہوا تب اس مذہبی کمزوری نے اپنا رنگ دکھایا اور دشمنانِ اسلام نے بھی اس موقع کو غنیمت سمجھا اور شرارت پر آمادہ ہو گئے۔ غرض یہ فتنہ حضرت عثمانؓ کے کسی عمل کا نتیجہ نہ تھا بلکہ یہ حالات کسی خلیفہ کے وقت میں بھی پیدا ہو جاتے فتنہ نمودار ہو جاتا اور حضرت عثمانؓ کا صرف اِس قدر قصور ہے کہ وہ ایسے زمانہ میں مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے جب ان فسادات کے پیدا کرنے میں ان کا اس سے زیادہ دخل نہ تھا جتنا کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ یہ فسادات دونوں بزرگوں کی کسی کمزوری کا نتیجہ تھا۔ میں حیران ہوں کہ کس طرح بعض لوگ ان فسادات کو حضرت عثمانؓ کی کسی کمزوری کا نتیجہ قرار دیتے ہیں حالانکہ حضرت عمرؓ جن کو حضرت عثمانؓ کی خلافت کا خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا انہوں نے اپنے زمانۂ خلافت میں اس فساد کے بیج کو معلوم کر لیا تھا اور قریش کو اس سے بڑے زوردار الفاظ میں متنبہ کیا تھا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ صحابۂ کِبار کو باہر نہیں جانے دیا کرتے تھے اور جب کوئی آپ سے اجازت لیتا تو آپ فرماتے کہ کیا رسول کریم ﷺ کے ساتھ مل کر جو آپ لوگوں نے جہاد کیا ہے وہ کافی نہیں ہے۔☆ آخر ایک دفعہ صحابہؓ نے شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اسلام کو اس طرح چرایا ہے جس طرح اونٹ چَرایا جاتا ہے پہلے اونٹ پیدا ہوتا ہے پھر پٹھا بنتا ہے۔ پھر دو دانت کا ہوتا ہے۔ پھر چار دانت کا ہوتا ہے۔ پھر چھ دانت کا ہوتا ہے۔ پھر اس کی کچلیاں نکل آتی ہیں۔ اب بتاؤ کہ جس کی کچلیاں نکل آویں اس کے لئے سوائے ضُعف کے اور کس امر کا انتظار کیا جا سکتا ہے۔ سنو! اسلام اب اپنے کمال کی حد کو پہنچ گیا ہے۔ قریش چاہتے ہیں کہ سب مال یہی لے جاویں اور دوسرے لوگ

☆ اس سے آپ کی دوغرضیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ مدینہ میں معلمین کی ایک جماعت موجود رہتی تھی اور دوسرے آپ کا خیال تھا کہ صحابہؓ کو چونکہ ان کے سابق بالایمان ہونے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی خدمات کی وجہ سے بیت المال سے خاص حصے ملتے ہیں اگر یہ لوگ جنگوں میں شامل ہوئے تو ان کو اور حصے ملیں گے اور دوسرے لوگوں کو ناگوار ہوگا کہ سب مال انہی کو مل جاتا ہے۔

محروم رہ جاویں☆ ۔سنو! جب تک عمر بن خطاب زندہ ہے وہ قریش کا گلا پکڑے رکھے گا تا کہ وہ فتنہ کی آگ میں نہ گر جاویں۔[9]

حضرت عمرؓ کے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ میں ہی لوگوں میں صحابہؓ کے خلاف یہ خیالات موجزن دیکھتے تھے کہ ان کو حصہ زیادہ ملتا ہے اس لئے وہ سوائے چند ایسے صحابہؓ کے جن کے بغیر لشکروں کا کام نہیں چل سکتا تھا باقی صحابہؓ کو جہاد کیلئے نکلنے ہی نہیں دیتے تھے تا کہ دوہرے حصے ملنے سے لوگوں کو ابتلاء نہ آوے اور وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ اسلام ترقی کے اعلیٰ نقطہ پر پہنچ گیا ہے اور اب اسکے بعد زوال کا ہی خطرہ ہوسکتا ہے نہ ترقی کی امید۔

اس قدر بیان کر چکنے کے بعد اب میں واقعات کا وہ سلسلہ بیان کرتا ہوں جس سے حضرت عثمانؓ کے وقت میں جو کچھ اختلافات ہوئے ان کی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے۔

میں نے بیان کیا تھا کہ حضرت عثمانؓ کی شروع خلافت میں چھ سال تک ہمیں کوئی فساد نظر نہیں آتا بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگ عام طور پر آپ سے خوش تھے بلکہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عرصہ میں وہ حضرت عمرؓ سے بھی زیادہ لوگوں کو محبوب تھے۔ صرف محبوب ہی نہ تھے بلکہ لوگوں کے دلوں میں آپ کا رُعب بھی تھا۔ جیسا کہ اُس وقت کا شاعر اس امر کی شعروں میں شہادت دیتا ہے☆☆ اور کہتا ہے کہ اے فاسقو! عثمان کی حکومت میں لوگوں کا مال لُوٹ کر نہ کھاؤ کیونکہ ابن عفان وہ ہے جس کا تجربہ تم لوگ کر چکے ہو۔ وہ لٹیروں کو قرآن کے احکام کے ماتحت قتل کرتا ہے اور ہمیشہ سے اس قرآن کریم کے احکام کی حفاظت کرنے والا اور لوگوں کے اعضاء و جوارح پر اس کے احکام جاری کرنے والا ہے[10]۔ لیکن چھ سال کے بعد ساتویں سال ہمیں ایک تحریک نظر آتی ہے اور وہ تحریک حضرت عثمانؓ کے خلاف نہیں بلکہ

☆ یعنی بحیثیت سابق ہونے کے بھی حصہ لیں اور اب بھی جہاد کر کے حصہ لیں تو دوسرے لوگ محروم رہ جائیں گے۔

☆☆ لَا تَاْكُلُوْا اَبَدًا اَجِيْرَانَكُمْ سَرَفاً ... اَهْلُ الدَّعَارَةِ فِيْ مُلْكِ ابْنِ عَفَّانَ

اِنَّ ابْنَ عَفَّانَ الَّذِيْ جَرَّبْتُمْ ... فَطِمُ اللُّصُوْصِ بِحُكْمِ الْفُرْقَانِ

مَازَالَ يَعْمَلُ بِالْكِتٰبِ مُهَيْمِناً ... فِيْ كُلِّ عُنُقٍ مِنْهُمْ وَ بَنَانِ

یا تو صحابہؓ کے خلاف ہے یا بعض گورنروں کے خلاف۔ چنانچہ طبری بیان کرتا ہے کہ لوگوں کے حقوق کا حضرت عثمانؓ پورا خیال رکھتے تھے مگر وہ لوگ جن کو اسلام میں سبقت اور قدامت حاصل نہ تھی وہ سابقین اور قدیم مسلمانوں کے برابر نہ تو مجالس میں عزت پاتے اور نہ حکومت میں اُن کو اُن کے برابر حصہ ملتا اور نہ مال میں ان کے برابر ان کا حق ہوتا تھا۔ اس پر کچھ مدت کے بعد بعض لوگ اس تفضیل پر گرفت کرنے لگے اور اسے ظلم قرار دینے لگے۔ مگر یہ لوگ عامة المسلمین سے ڈرتے بھی تھے اور اس خوف سے کہ لوگ ان کی مخالفت کریں گے اپنے خیالات کو ظاہر نہ کرتے تھے۔ بلکہ انہوں نے یہ طریق اختیار کیا ہوا تھا کہ خفیہ خفیہ صحابہؓ کے خلاف لوگوں میں جوش پھیلاتے تھے اور جب کوئی ناواقف مسلمان یا کوئی بدوی غلام آزاد شدہ مل جاتا تو اس کے سامنے اپنی شکایات کا دفتر کھول بیٹھتے تھے اور اپنی ناواقفیت کی وجہ سے یا خود اپنے لئے حصولِ جاہ کی غرض سے کچھ لوگ ان کے ساتھ مل جاتے۔ ہوتے ہوتے یہ گروہ تعداد میں زیادہ ہونے لگا اور اس کی ایک بڑی تعداد ہوگئی [۱۱]۔

جب کوئی فتنہ پیدا ہونا ہوتا ہے تو اس کے اسباب بھی غیر معمولی طور پر جمع ہونے لگتے ہیں۔ اِدھر تو بعض حاسد طبائع میں صحابہؓ کے خلاف جوش پیدا ہونا شروع ہوا اُدھر وہ اسلامی جوش جو ابتداءً ہر ایک مذہب تبدیل کرنے والے کے دل میں ہوتا ہے ان نومُسلموں کے دلوں سے کم ہونے لگا جن کو نہ رسول کریم ﷺ کی صحبت ملی تھی اور نہ آپؐ کے صحبت یافتہ لوگوں کے پاس زیادہ بیٹھنے کا موقع ملا تھا بلکہ اسلام کے قبول کرتے ہی انہوں نے خیال کر لیا تھا کہ وہ سب کچھ سیکھ گئے ہیں۔ جوشِ اسلام کے کم ہوتے ہی وہ تصرف جو ان کے دلوں پر اسلام کو تھا کم ہوگیا اور وہ پھر اُن معاصی میں خوشی محسوس کرنے لگے جس میں وہ اسلام لانے سے پہلے مبتلاء تھے۔ ان کے جرائم پر ان کو سزا ملی تو بجائے اصلاح کے سزا دینے والوں کی تخریب کرنے کے درپے ہوئے اور آخر اتحادِ اسلامی میں ایک بہت بڑا رخنہ پیدا کرنے کا موجب ثابت ہوئے۔ ان لوگوں کا مرکز تو کوفہ میں تھا مگر سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ خود مدینہ منورہ میں ایک ایسا واقعہ ہوا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بعض لوگ اسلام سے ایسے ہی ناواقف تھے جیسے کہ آجکل بعض نہایت تاریک گوشوں میں رہنے والے

جاہل لوگ۔

حمران ابن ابان ایک شخص تھا جس نے ایک عورت سے اس کی عدت کے دوران میں ہی نکاح کرلیا۔ جب حضرت عثمانؓ کو اس کا علم ہوا تو آپؓ اس پر ناراض ہوئے اور اس عورت کو اس سے جُدا کر دیا اور اس کے علاوہ اس کو مدینہ سے جلاوطن کر کے بصرہ بھیج دیا [۱۲]۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح بعض لوگ صرف اسلام کو قبول کر کے اپنے آپ کو عالمِ اسلام خیال کرنے لگے تھے اور زیادہ تحقیق کی ضرورت نہ سمجھتے تھے۔ یا یہ کہ مختلف اباحتی خیالات کے ماتحت شریعت پر عمل کرنا ایک فعلِ عبث خیال کرتے تھے۔ یہ ایک منفرد واقعہ ہے اور غالباً اس شخص کے سوا مدینہ میں جو مرکزِ اسلام تھا کوئی ایسا ناواقف آدمی نہ تھا۔ مگر دوسرے شہروں میں بعض لوگ معاصی میں ترقی کر رہے تھے۔ چنانچہ کوفہ کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں نوجوانوں کی ایک جماعت ڈاکہ زنی کے لئے بن گئی تھی۔ لکھا ہے کہ ان لوگوں نے ایک دفعہ علی بن حیسمان الخزاعی نامی ایک شخص کے گھر پر ڈاکہ مارنے کی تجویز کی اور رات کے وقت اُس کے گھر میں نقب لگائی۔ اُس کو علم ہوگیا اور وہ تلوار لے کر نکل پڑا۔ مگر جب بہت سی جماعت دیکھی تو اس نے شور مچایا۔ اس پر ان لوگوں نے اس کو کہا کہ چُپ کر ہم ایک ضرب مار کر تیرا سارا ڈر نکال دیں گے اور اس کو قتل کر دیا۔ اتنے میں ہمسائے ہوشیار ہوگئے اور اِردگرد جمع ہو گئے اور اُن ڈاکوؤں کو پکڑ لیا۔ حضرت ابوشریحؓ نے جو صحابی تھے اور اس شخص کے ہمسایہ تھے اور انہوں نے سب حال اپنی دیوار پر سے دیکھا تھا انہوں نے شہادت دی کہ واقعہ میں انہی لوگوں نے علی کو قتل کیا ہے اور اسی طرح ان کے بیٹے نے شہادت دی اور معاملہ حضرت عثمانؓ کی طرف لکھ کر بھیج دیا۔ انہوں نے ان سب کو قتل کرنے کا فتویٰ دیا اور ولید بن عتبہ نے جو اُن دنوں حضرت عثمانؓ کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے ان سب ڈاکوؤں کو دروازۂ شہر کے باہر میدان میں قتل کروا دیا [۱۳]۔

بظاہر یہ ایک معمولی واقعہ معلوم ہوتا ہے لیکن اُس زمانے کے حالات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ معمولی واقعہ نہ تھا۔ اسلام کی ترقی کے ساتھ ساتھ جرائم کا سلسلہ بالکل مٹ گیا تھا اور لوگ ایسے امن میں تھے کہ کُھلے دروازوں سوتے ہوئے بھی خوف نہ کھاتے تھے۔ حتّٰی کہ

حضرت عمرؓ نے عمال کی ڈیوڑھیاں بنانے سے بھی منع کر دیا تھا۔ گو اس سے حضرت عمرؓ کی غرض تو یہ تھی کہ لوگ آسانی سے اپنی شکایات گورنروں کے پاس پہنچا سکیں۔ لیکن یہ حکم اُس وقت تک ہی دیا جاسکتا تھا جب تک امن انتہا تک نہ پہنچا ہوا ہوتا۔ پھر اس واقعہ میں خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس ڈاکہ میں بعض ذی مقدرت اور صاحبِ ثروت لوگوں کی اولاد بھی شامل تھی جو اپنے اپنے حلقے میں بارسوخ تھے۔ پس یہ واردات معمولی واردات نہ تھی بلکہ کسی عظیم الشان انقلاب کی طرف اشارہ کرتی تھی جو اس کے سوا کیا ہوسکتا تھا کہ دین اسلام سے ناواقف لوگوں کے دلوں پر جو تصرفِ اسلام تھا اب اس کی گرفت کم ہو رہی تھی۔ اور اب وہ پھر اپنی عادات کی طرف لَوٹ رہے تھے اور غریب ہی نہیں بلکہ امراء بھی اپنی پُرانی عظمت کو قتل و غارت سے واپس لینے پر آمادہ ہو رہے تھے۔ حضرت ابوشریحؓ صحابی نے اس امر کو خوب سمجھا اور اُسی وقت اپنی سب جائداد وغیرہ بیچ کر اپنے اہل وعیال سمیت مدینہ کو واپس تشریف لے گئے اور کوفہ کی رہائش ترک کر دی۔ ان کا اس واقعہ پر کوفہ کو ترک کر دینا اس امر کی کافی شہادت ہے کہ یہ منفرد مثال آئندہ کے خطرناک واقعات کی طرف اشارہ تھی۔ اُنہی دنوں ایک اور فتنہ نے سر نکالنا شروع کیا۔

عبداللہ بن سبا ایک یہودی تھا جو اپنی ماں کی وجہ سے ابن السوداء کہلاتا تھا۔ یمن کا رہنے والا اور نہایت بد باطن انسان تھا۔ اسلام کی بڑھتی ہوئی ترقی کو دیکھ کر اس غرض سے مسلمان ہوا کہ کسی طرح مسلمانوں میں فتنہ ڈلوائے۔ میرے نزدیک اُس زمانہ کے فتنے اِسی مُفسد انسان کے اِردگرد گھومتے ہیں اور یہ ان کی روحِ رواں ہے۔ شرارت کی طرف مائل ہو جانا اِس کی جبلّت میں داخل معلوم ہوتا ہے۔ خفیہ منصوبہ کرنا اس کی عادت تھی اور اپنے مطلب کے آدمیوں کو تاڑ لینے میں اس کو خاص مہارت تھی۔ ہر شخص سے اس کے مذاق کے مطابق بات کرتا تھا اور نیکی کے پردے میں بدی کی تحریک کرتا تھا اور اسی وجہ سے اچھے اچھے سنجیدہ آدمی اس کے دھوکے میں آجاتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے پہلے نصف میں مسلمان ہوا اور تمام بلادِ اسلامیہ کا دَورہ اِس غرض سے کیا کہ ہر ایک جگہ کے حالات سے خود واقفیت پیدا کرے۔ مدینہ منورہ میں تو اِس کی دال نہ گل سکتی تھی مکہ مکرمہ اُس وقت سیاسیات

سے بالکل علیحدہ تھا۔ سیاسی مرکز اس وقت دارالخلافہ کے سِوا بصرہ، کوفہ، دمشق اور فسطاط تھے۔ پہلے ان مقامات کا اِس نے دورہ کیا اور یہ رویہ اختیار کیا کہ ایسے لوگوں کی تلاش کر کے جو سزا یافتہ تھے اور اِس وجہ سے حکومت سے ناخوش تھے اُن سے ملتا اور اُنہی کے ہاں ٹھہرتا۔ چنانچہ سب سے پہلے بصرہ گیا اور حکیم بن جبلہ ایک نظر بند ڈاکو کے پاس ٹھہرا اور اپنے ہم مذاق لوگوں کو جمع کرنا شروع کیا اور ان کی ایک مجلس بنائی۔ چونکہ کام کی ابتدا تھی اور یہ آدمی ہوشیار تھا صاف صاف بات نہ کرتا بلکہ اشارہ کنایہ سے اُن کو فتنہ کی طرف بُلاتا تھا اور جیسا کہ اس نے ہمیشہ اپنا وطیرہ رکھا ہے وعظ و پند کا سلسلہ بھی ساتھ جاری رکھتا تھا جس سے ان لوگوں کے دلوں میں اس کی عظمت پیدا ہوگئی اور وہ اس کی باتیں قبول کرنے لگے۔ عبداللہ بن عامر کو جو بصرہ کے والی تھے جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے اس سے اس کا حال پوچھا اور اس کے آنے کی وجہ دریافت کی۔ اِس نے جواب میں کہلا بھیجا کہ میں اہلِ کتاب میں سے ایک شخص ہوں جسے اسلام کا اُنس ہوگیا ہے اور آپ کی حفاظت میں رہنا چاہتا ہوں۔عبداللہ بن عامر کو چونکہ اصل حالات پر آگاہی حاصل ہوچکی تھی اُنہوں نے اِس کے عذر کو قبول نہ کیا اور کہا کہ مجھے تمہارے متعلق جو حالات معلوم ہیں وہ ان کے خلاف ہیں اس لئے تم میرے علاقہ سے نکل جاؤ۔ وہ بصرہ سے نکل کر کوفہ کی طرف چلا گیا [۱۴] مگر فسادِ بغاوت اور اسلام سے بیگانگی کا بیج ڈال گیا جو بعد میں بڑھ کر ایک بہت بڑا درخت ہوگیا۔

میرے نزدیک یہ سب سے پہلی سیاسی غلطی ہوئی ہے اگر والیٔ بصرہ بجائے اس کو جلا وطن کرنے کے قید کر دیتا اور اس پر الزام قائم کرتا تو شاید یہ فتنہ وہیں دبا رہتا۔ابن سوداء تو اپنے گھر سے نکلا ہی اِس ارادے سے تھا کہ تمام عالَمِ اسلام میں پھر کر فتنہ فساد کی آگ بھڑکائے۔ اِس کا بصرہ سے نکلنا تو اس کے مدّعا کے عین مطابق تھا۔کوفہ میں پہنچ کر اس شخص نے پھر وہی بصرہ والی کارروائی شروع کی اور بالآخر وہاں سے بھی نکالا گیا لیکن یہاں بھی اپنی شرارت کا بیج بوتا گیا جو بعد میں بہت بڑا درخت بن گیا اور اس دفعہ اس کے نکالنے پر اُس پہلی سیاسی غلطی کا ارتکاب کیا گیا۔کوفہ سے نکل کر یہ شخص شام کو گیا مگر وہاں اس کو اپنے قدم جمانے کا کوئی موقع نہ ملا۔حضرت معاویہؓ نے وہاں اس عمدگی سے حکومت کا کام چلایا ہوا تھا کہ نہ تو اسے

ایسے لوگ ملے جن میں یہ ٹھہر سکے اور نہ ایسے لوگ میسر آئے جن کو اپنا قائم مقام بنایا جاوے پس شام سے اس کو با حسرت و یاس آگے سفر کرنا پڑا اور اس نے مصر کا رُخ کیا مگر شام چھوڑنے سے پہلے اس نے ایک اور فتنہ کھڑا کر دیا۔

ابو ذر غفاریؓ رسول کریم ﷺ کے ابتدائی صحابہؓ میں سے ایک نہایت نیک اور متقی صحابی تھے۔ جب سے ایمان لائے رسول کریم ﷺ کی محبت میں آگے ہی قدم بڑھاتے گئے اور ایک لمبا عرصہ صُحبت میں رہے۔ جیسا کہ ہر ایک شخص کا مذاق جُدا گانہ ہوتا ہے رسول کریم ﷺ کی ان نصائح کو سن کر کہ دنیا سے مومن کو علیحدہ رہنا چاہئے یہ اپنے مذاق کے مطابق مال جمع کرنے کو ناجائز سمجھتے تھے اور دولت سے نفرت کرتے تھے اور دوسرے لوگوں کو بھی سمجھاتے تھے کہ مال نہیں جمع کرنا چاہئے۔ جو کچھ کسی کے پاس ہو اُسے غرباء میں بانٹ دینا چاہئے مگر یہ عادت ان کی ہمیشہ سے تھی اور حضرت ابو بکرؓ کے زمانے سے بھی جب کہ مسلمانوں میں دولت آئی وہ ایسا ہی کرتے تھے۔ ابن سوداء جب شام سے گزر رہا تھا اس نے ان کی طبیعت میں دولت کے خلاف خاص جوش دیکھ کر یہ معلوم کر کے کہ یہ چاہتے ہیں کہ غرباء و امراء اپنے مال تقسیم کر دیں شام میں سے گزرتے ہوئے جہاں کہ اُس وقت حضرت ابو ذرؓ مقیم تھے ان سے ملاقات کی اور ان سے کہا کہ دیکھئے کیا غضب ہو رہا ہے معاویہ بیت المال کے اموال کو اللہ کا مال کہتا تھا حالانکہ بیت المال کے اموال کی کیا شرط ہے ہر ایک چیز اللہ تعالیٰ کی ہے۔ پھر وہ خاص طور پر اس مال کو مال اللہ کیوں کہتا ہے صرف اس لئے کہ مسلمانوں کا حق جو اس مال میں ہے اس کو ضائع کر دے اور ان کا نام بیچ میں سے اُڑا کر آپ وہ مال کھا جاوے۔ حضرت ابو ذرؓ تو آگے ہی اس تلقین میں لگے رہتے تھے کہ امراء کو چاہئے کہ سب مال غرباء میں تقسیم کر دیں کیونکہ مومن کے لئے آرام کی جگہ اگلا جہان ہی ہے اور اس شخص کی شرارت اور نیت سے آپ کو بالکل واقفیت نہ تھی پس آپ اس کے دھوکے میں آ گئے اور خیال کیا کہ واقعہ میں بیتُ المال کے اموال کو مال اللہ کہنا درست نہیں اس میں اموال کے غصب ہو جانے کا خطرہ ہے۔ ابن سوداء نے اس طرح حضرت معاویہؓ سے اس امر کا بدلہ لیا کہ کیوں انہوں نے اس کے ٹکنے کے لئے شام میں کوئی ٹھکانا نہیں بننے دیا۔

حضرت ابوذرؓ معاویہ کے پاس پہنچے اور اُن کو سمجھایا کہ آپ مسلمانوں کے مال کو مال اللہ کہتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ اے ابوذر! اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے کیا ہم سب اللہ کے بندے نہیں؟ یہ مال اللہ کا مال نہیں؟ اور سب مخلوق اللہ تعالیٰ کی مخلوق نہیں؟ اور حُکم خدا کے ہاتھ میں نہیں؟ یعنی جب کہ بندے بھی خدا کے ہیں اور حکم بھی اسی کا جاری ہے تو پھر ان اموال کو اموال اللہ کہنے سے لوگوں کے حق کیونکر ضائع ہو جائیں گے۔ جو خدا تعالیٰ نے حقوق مقرر کئے ہیں وہ اس کے فرمان کے مطابق اس کی مخلوق کو ملیں گے یہ جواب ایسا لطیف تھا کہ حضرت ابوذرؓ اس کا جواب تو بالکل نہ دے سکے مگر چونکہ اس معاملہ میں ان کو خاص جوش تھا اور ابن سوداء ایک شک آپ کے دل میں ڈال گیا تھا اس لئے آپ نے احتیاطاً حضرت معاویہؓ کو یہی مشورہ دیا کہ آپ اس لفظ کو ترک کر دیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں یہ تو ہرگز نہیں کہنے کا کہ یہ اموالُ اللہ نہیں ہاں آئندہ اس کو اموال المسلمین کہا کروں گا۔ ابن سوداء نے جب یہ حربہ کسی قدر کارگر دیکھا تو اور صحابہؓ کے پاس پہنچا اور ان کو اُکسانا چاہا مگر وہ حضرت ابوذرؓ کی طرح گوشہ گزیں نہ تھے اس شخص کی شرارتوں سے واقف تھے۔ ابودرداءؓ نے اس کی بات سنتے ہی کہا تُو کون ہے جو ایسی فتنہ انگیز بات کہتا ہے۔ خدا کی قسم! تُو یہودی ہے۔ ان سے مایوس ہو کر وہ انصار کے سردار رسول کریم ﷺ کے خاص مقرب عبادہؓ بن صامت کے پاس پہنچا اور ان سے کچھ فتنہ انگیز باتیں کہیں۔ انہوں نے اس کو پکڑ لیا اور حضرت معاویہؓ کے پاس لے گئے اور کہا کہ یہ شخص ہے جس نے ابوذر غفاریؓ کو آپ کے پاس بھیجا تھا۔ شام میں اپنا کام نہ بنتا دیکھ کر ابن سوداء تو مصر کی طرف چلا گیا اور ادھر حضرت ابوذرؓ کے دل میں اس کی باتوں سے ایک نیا جوش پیدا ہو گیا اور آپ نے آگے سے بھی زیادہ زور کے ساتھ مسلمانوں کو نصیحت کر دی کہ سب اپنے اپنے اموال لوگوں میں تقسیم کر دیں۔ حضرت ابوذرؓ کا یہ کہنا درست نہ تھا کہ کسی کو مال جمع نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ صحابہؓ مال جمع نہیں کیا کرتے تھے بلکہ ہمیشہ اپنے اموال خدا کی راہ میں تقسیم کرتے تھے۔ ہاں بے شک مالدار تھے اور اس کو مال جمع کرنا نہیں کہتے۔ مال جمع کرنا اس کا نام ہے کہ اس مال سے غرباء کی پرورش نہ کرے اور صدقہ وخیرات نہ کرے۔ خود رسول کریم ﷺ کے وقت میں بھی

آپؐ کے صحابہؓ میں سے بعض مالدار تھے۔ اگر مالدار نہ ہوتے تو غزوہ تبوک کے وقت دس ہزار سپاہیوں کا سامانِ سفر حضرت عثمانؓ کس طرح ادا کرتے۔ مگر رسول کریم ﷺ ان لوگوں کو کچھ نہ کہتے تھے۔ بلکہ ان میں سے بعض آدمی آپؐ کے مقرب بھی تھے۔ غرض مالدار ہونا کوئی جُرم نہ تھا بلکہ قرآن کی پیشگوئیوں کے عین مطابق تھا اور حضرت ابوذرؓ کو اس مسئلہ میں غلطی لگی ہوئی تھی۔ مگر جو کچھ بھی تھا حضرت ابوذرؓ اپنے خیال پر پختہ تھے مگر ساتھ ہی یہ بات بھی تھی کہ وہ اپنے خیال کے مطابق نصیحت تو کر دیتے مگر قانون کو کبھی اپنے ہاتھ میں نہ لیتے اور آنحضرت ﷺ کے احکام آپ کے زیرِ نظر رہتے۔ لیکن جن لوگوں میں بیٹھ کر وہ یہ باتیں کرتے تھے وہ ان کے تقویٰ اور طہارت سے ناآشنا تھے اور ان کی باتوں کا اور مطلب سمجھتے تھے۔ چنانچہ ان باتوں کا آخر یہ نتیجہ نکلا کہ بعض غرباء نے امراء پر دست تعدی دراز کرنا شروع کیا اور ان سے جبراً اپنے حقوق وصول کرنے چاہے۔ انہوں نے حضرت معاویہؓ سے شکایت کی جنہوں نے آگے حضرت عثمانؓ کے پاس معاملہ پیش کیا۔ آپ نے حکم بھیجا کہ ابوذر کو اِکرام واحترام کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ کر دیا جاوے۔ اِس حکم کے ماتحت حضرت ابوذرؓ مدینہ تشریف لائے۔ حضرت عثمانؓ نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا سبب ہے کہ اہلِ شام آپ کے خلاف شکایت کرتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ میرا اُن سے یہ اختلاف ہے کہ ایک تو مال اللہ نہ کہا جائے دوسرے یہ کہ امراء مال نہ جمع کریں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ ابوذر! جو ذمہ داری خدا تعالیٰ نے مجھ پر ڈالی ہے اس کا ادا کرنا میرا ہی کام ہے اور یہ میرا فرض ہے کہ جو حقوق رعیت پر ہیں اُن سے وصول کروں اور یہ کہ ان کو خدمتِ دین اور میانہ روی کی تعلیم دوں مگر یہ میرا کام نہیں کہ ان کو ترکِ دنیا پر مجبور کروں۔ حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا کہ پھر آپ مجھے اجازت دیں کہ میں کہیں چلا جاؤں کیونکہ مدینہ اب میرے مناسبِ حال نہیں۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ کیا آپ اس گھر کو چھوڑ کر اس گھر سے بدتر گھر کو اختیار کرلیں گے؟ انہوں نے کہا کہ مجھے رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ جب مدینہ کی آبادی سلع تک پھیل جاوے تو تم مدینہ میں نہ رہنا۔ حضرت عثمانؓ نے اِس پر فرمایا کہ آپ رسول خدا ﷺ کا حُکم بجا لاویں اور کچھ اونٹ اور دو غلام دے کر مدینہ سے رُخصت کیا اور تاکید کی کہ

مدینہ سے کُلّی طور پر قطع تعلق نہ کریں بلکہ وہاں آتے جاتے رہیں جس ہدایت پر ابوذرؓ ہمیشہ عمل کرتے رہے۔[۱۵] یہ چوتھا فتنہ تھا جو پیدا ہوا اور گو اس میں حضرت ابوذرؓ کو ہتھیار بنایا گیا تھا مگر درحقیقت نہ حضرت ابوذرؓ کے خیالات وہ تھے جو مفسدوں نے اختیار کیے اور نہ ان کو ان لوگوں کی شرارتوں کا علم تھا۔ حضرت ابوذرؓ تو باوجود اختلاف کے کبھی قانون کو ہاتھ میں لینے پر آمادہ نہ ہوئے اور حکومت کی اطاعت اس طور پر کرتے رہے کہ باوجود اس کے کہ ان کے خاص حالات کو مدّنظر رکھتے ہوئے ان کو فتنہ اور تکلیف سے بچانے کے لئے رسول کریم ﷺ نے ان کو ایک خاص وقت پر مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا تھا انہوں نے بغیر حضرت عثمانؓ کی اجازت کے اِس حکم پر عمل کرنا مناسب نہیں سمجھا اور پھر جب وہ مدینہ سے نکل کر ربذہ میں جا کر مقیم ہوئے اور وہاں کے محصل نے ان کو نماز کا امام بننے کے لئے کہا تو انہوں نے اس سے اِس بناء پر انکار کیا کہ تم یہاں کے حاکم ہو اِس لئے تم ہی کو امام بننا سزاوار ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اطاعت حُکام سے اُن کو کوئی انحراف نہ تھا اور نہ انارکی کو وہ جائز سمجھتے تھے۔

حضرت ابوذرؓ کی سادگی کا اِس امر سے خوب پتہ چلتا ہے کہ جب ابن السوداء کے دھوکا دینے سے وہ معاویہؓ سے جھگڑتے تھے کہ بیت المال کے اموال کو مال اللہ نہیں کہنا چاہئے اور حضرت عثمانؓ کے پاس بھی شکایت لائے تھے وہ اپنی بول چال میں اس لفظ کو برابر استعمال کرتے تھے چنانچہ اس فساد کے بعد جب کہ وہ ربذہ میں تھے ایک دفعہ ایک قافلہ وہاں اُترا۔ اس قافلہ کے لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کے ساتھیوں کو ہم نے دیکھا ہے وہ بڑے بڑے مالدار ہیں مگر آپ اس غربت کی حالت میں ہیں۔ انہوں نے ان کو یہ جواب دیا کہ **اِنَّھُمْ لَیْسَ لَھُمْ فِیْ مَالِ اللّٰہِ حَقٌّ اِلَّاوَلِیْ مِثْلُہٗ**[۱۶]۔ یعنی ان کا مال اللہ (یعنی بیتُ المال کے اموال) میں کوئی ایسا حق نہیں جو مجھے حاصل نہ ہو۔ اسی طرح انہوں نے وہاں کے حبشی حاکم کو بھی **رَقِیْقٌ مِّنْ مَّالِ اللّٰہ**[۱۷] (مال اللہ کا غلام) کے نام سے یاد کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی یہ لفظ استعمال کرتے تھے اور باوجود اس لفظ کی مخالفت کرنے کے بے تحاشا اس لفظ کا آپ کی زبان پر جاری ہو جانا اس امر کی شہادت ہے کہ یہ صحابہؓ کا ایک عام محاورہ تھا مگر ابن سوداء کے دھوکا دینے سے آپ کے ذہن سے یہ

بات نکل گئی۔ یہ فتنہ جسے بولشوزم کا فتنہ کہنا چاہیے حضرت معاویہؓ کی حسن تدبیر سے شام میں تو چمکنے نہ پایا مگر مختلف صورتوں میں یہ خیال اور جگہوں پر اشاعت پا کر ابن سوداء کے کام میں مُمِد ہو گیا۔

ابن سوداء شام سے نکل کر مصر پہنچا اور یہی مقام تھا جسے اس نے اپنے کام کا مرکز بنانے کے لئے چنا تھا۔ کیونکہ یہ مقام دارالخلافہ سے بہت دُور تھا اور دوسرے اس جگہ صحابہؓ کی آمد و رفت اِس کثرت سے نہ تھی جتنی کہ دوسرے مقامات پر۔ جس کی وجہ سے یہاں کے لوگ دین سے نسبتاً کم تعلق رکھتے تھے اور فتنہ میں حصہ لینے کیلئے زیادہ تیار تھے چنانچہ ابن سوداء کا ایک نائب جو کوفہ کا باشندہ تھا اور جس کا ذکر آگے آوے گا ان واقعات کے تھوڑے ہی عرصہ بعد جلاوطن کیا گیا تو حضرت معاویہؓ کے اس سوال پر کہ نئی پارٹی کے مختلف ممالک کے ممبروں کا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا کہ انہوں نے مجھ سے خط و کتابت کی ہے اور میں نے ان کو سمجھایا ہے اور انہوں نے مجھے نہیں سمجھایا۔ مدینہ☆ کے لوگ تو سب سے زیادہ فساد کے شائق ہیں اور سب سے کم اس کی قابلیت رکھتے ہیں اور کوفہ کے لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں پر نکتہ چینی کرتے ہیں لیکن بڑے بڑے گناہوں کے ارتکاب سے خوف نہیں کھاتے اور بصرہ کے لوگ اکٹھے حملہ کرتے ہیں مگر پراگندہ ہو کر بھاگتے ہیں۔ ہاں مصر کے لوگ ہیں جو شرارت کے اہل سب سے زیادہ ہیں مگر ان میں یہ نقص ہے کہ پیچھے نادم بھی جلدی ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد شام کا حال اُس نے بیان کیا کہ وہ اپنے سرداروں کے سب سے زیادہ مطیع ہیں اور اپنے گمراہ کرنے والوں کے سب سے زیادہ نافرمان ہیں۔

یہ رائے ابن الکواء کی ہے جو ابن سوداء کی پارٹی کے رُکنوں میں سے تھا اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر ہی سب سے عمدہ مقام تھا جہاں ابن سوداء ڈیرہ لگا سکتا تھا۔ اور اس کی شرارت کی باریک بین نظر نے اس امر کو معلوم کر کے اس مقام کو اپنے قیام کے لئے چُنا اور اسے فساد کا مرکز بنا دیا اور بہت جلد ایک جماعت اس کے اِردگرد جمع ہو گئی۔

اب سب بِلاد میں شرارت کے مرکز قائم ہو گئے اور ابن سوداء نے ان تمام لوگوں کو جو سزا یافتہ تھے یا ان کے رشتہ دار تھے یا اور کسی سبب سے اپنی حالت پر قانع نہ تھے نہایت

☆ جیسا کہ آگے ثابت کیا جاوے گا یہ اس کا جھوٹ تھا کہ مدینہ کے لوگ اس فتنہ سے محفوظ تھے۔ بوقت نظر ثانی۔

ہوشیاری اور دانائی سے اپنا ہاتھ ملانا شروع کیا اور ہر ایک کے مذاق کے مطابق اپنی غرض کو بیان کرتا تا کہ اُس کی ہمدردی حاصل ہو جاوے۔ مدینہ شرارت سے محفوظ تھا اور شام بالکل پاک تھا۔ تین مرکز تھے جہاں اس فتنہ کا مواد تیار ہو رہا تھا بصرہ، کوفہ اور مصر۔ مصر مرکز تھا مگر اس زمانہ کے تجربہ کار اور فلسفی دماغ انارکسٹوں کی طرح ابنِ سوداء نے اپنے آپ کو خَلْفَ الْاَسْتَار رکھا ہوا تھا۔ سب کام کی روح وہی تھا مگر آگے دوسرے لوگوں کو کیا ہوا تھا۔ بوجہ قریب ہونے کے اور بوجہ سیاسی فوقیت کے جو اُس وقت بصرہ اور کوفہ کو حاصل تھی یہ دونوں شہر اِن تغیرات میں زیادہ حصہ لیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لیکن ذرا باریک نگاہ سے دیکھا جاوے تو تاریخ کے صفحات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان تمام کارروائیوں کی باگ مصر میں بیٹھے ہوئے ابن السوداء کے ہاتھ میں تھی۔

میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ کوفہ میں ایک جماعت نے ایک شخص علی بن حیسمان الخزاعی کے گھر پر ڈاکہ مار کر اُس کو قتل کر دیا تھا اور قاتلوں کو دروازۂ شہر پر قتل کر دیا گیا تھا۔ ان نوجوانوں کے باپوں کو اِس کا بہت صدمہ تھا اور وہ اس جگہ کے والی ولید بن عتبہ سے اس کا بدلہ لینا چاہتے تھے اور منتظر رہتے تھے کہ کوئی موقع ملے اور ہم انتقام لیں۔ یہ لوگ اس فتنہ انگیز جماعت کے ہاتھ میں ایک عمدہ ہتھیار بن گئے جن سے انہوں نے خوب کام لیا۔ ولید سے بدلہ لینے کے لئے انہوں نے کچھ جاسوس مقرر کیے تا کہ کوئی عیب ولید کا پکڑ کر ان کو اطلاع دیں۔ جاسوسوں نے کوئی کارروائی تو اپنی دکھانی ہی تھی۔ ایک دن آ کر ان کو خبر دی کہ ولید اپنے ایک دوست ابوزبیر کیساتھ مل کر جو عیسائی سے مسلمان ہوا تھا شراب پیتے ہیں۔ ان مفسدوں نے اُٹھ کر تمام شہر میں اعلان کر دیا کہ لو یہ تمہارا والی ہے۔ اندر اندر چھپ چھپ کر اپنے دوستوں کے ساتھ شراب پیتا ہے۔ عامۃ الناس کا تو جوش بے قابو ہوتا ہی ہے اِس بات کو سن کر ایک بڑی جماعت ان کے ساتھ ہوگئی اور ولید کے گھر کا سب نے جا کر محاصرہ کر لیا۔ دروازہ تو کوئی تھا ہی نہیں۔ سب بے تحاشا مسجد میں سے ہو کر اندر گھس گئے (ان کے مکان کا دروازہ مسجد میں کھلتا تھا) اور ولید کو اُس وقت معلوم ہوا جب وہ ان کے سر پر جا کھڑے ہوئے۔ انہوں نے ان کو دیکھا تو گھبرا گئے اور جلدی سے کوئی چیز چارپائی کے

نیچے کھسکا دی۔ انہوں نے خیال کیا کہ اب بھید کھل گیا ہے اور چور پکڑا گیا۔ جھٹ ایک شخص نے بلا بولے چالے ہاتھ اندر کیا اور وہ چیز نکال لی۔ دیکھا تو ایک طبق تھا اور اس کے اندر والی کوفہ کا کھانا اور انگوروں کا ایک خوشہ پڑا تھا جسے اس نے صرف اس شرم سے چھپا دیا کہ ایسے بڑے مالدار صوبہ کے گورنر کے سامنے صرف یہی کھانا رکھا گیا تھا۔ اس امر کو دیکھ کر لوگوں کے ہوش اُڑ گئے سب شرمندہ ہوکر اُلٹے پاؤں لوٹے اور ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ بعض شریروں کے دھوکا میں آ کر انہوں نے ایسا خطرناک جُرم کیا اور شریعت کے احکام کو پس پشت ڈال دیا۔ مگر ولید نے شرم سے اس بات کو دبا دیا اور حضرت عثمانؓ کو اس امر کی خبر نہ کی۔ لیکن یہ ان کا رحم جو ایک غیر مستحق قوم کے ساتھ کیا گیا تھا آخر ان کے لئے اور ان کے بعد ان کے قائمقام کے لئے نہایت مُضِرّ ثابت ہوا۔ مفسدوں نے بجائے اس کے کہ اس رحم سے متأثر ہوتے اپنی ذلّت کو اور بھی محسوس کیا اور پہلے سے بھی زیادہ جوش سے ولید کی تباہی کی تدابیر کرنی شروع کیں اور حضرت عثمانؓ کے پاس وفد بن کر گئے کہ ولید کو موقوف کیا جائے۔ لیکن انہوں نے بلا کسی جُرم کے والی کو موقوف کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ لوگ واپس آئے تو اور دوسرے تمام ایسے لوگوں کو جمع کرنا شروع کیا جو سزا یافتہ تھے اور مل کر مشورہ کیا کہ جس طرح ہو جھوٹ سچ ولید کو ذلیل کیا جاوے۔ ابوزینب اور ابومورع دو شخصوں نے اس بات کا ذمہ لیا کہ وہ کوئی تجویز کریں گے اور ولید کی مجلس میں جانا شروع کیا۔ ایک دن موقع پا کر جب کہ کوئی نہ تھا اور ولید اپنے مردانہ میں جس کو زنانہ حصہ سے صرف ایک پردہ ڈال کر جدا کیا گیا تھا سو گئے۔ ان دونوں نے اُن کی انگشتری آہستہ سے اُتار لی اور خود مدینہ کی طرف بھاگ نکلے کہ ہم نے ولید کو شراب میں مخمور دیکھا ہے اور اس کا ثبوت یہ انگوٹھی ہے جو ان کے ہاتھ سے حالت نشہ میں ہم نے اُتاری اور ان کو خبر نہ ہوئی۔ حضرت عثمانؓ نے ان سے دریافت کیا کہ کیا تم لوگوں کے سامنے انہوں نے شراب پی تھی؟ انہوں نے اس بات کے اقرار کی تو جرأت نہ کی کیونکہ سامنے شراب پینے سے ثابت ہوتا کہ وہ بھی ولید کے ساتھ شریک تھے اور یہ کہا کہ نہیں ہم نے ان کو شراب کی قے کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ انگوٹھی اس کا ثبوت موجود تھی اور دو گواہ حاضر تھے اور کچھ اور شریر بھی ان کی

شہادت کو زیادہ وقیع بنانے کیلئے ساتھ گئے تھے وہ بھی اس واقعہ کی تصدیق بِالقرائن کرتے تھے۔صحابہ سے مشورہ لیا گیا اور ولید کو حدِّ شراب لگانے کا فیصلہ ہوا۔کوفہ سے ان کو بلوایا گیا اور مدینہ میں شراب پینے کی سزا میں کوڑے لگوائے گئے۔ ولید نے گو عذر کیا اور ان کی شرارت پر حضرت عثمانؓ کو آگاہ کیا مگر انہوں نے کہا کہ بحکمِ شریعت گواہوں کے بیان کے مطابق سزا تو ملے گی۔ ہاں جھوٹی گواہی دینے والا خدا تعالیٰ کی طرف سے سزا پائے گا۔

ولید معزول کئے گئے اور ناحق ان پر الزام لگایا گیا مگر صحابہؓ کے مشورہ کے ماتحت حضرت عثمانؓ نے اُن کو حد لگائی اور چونکہ گواہ اور قرائن ان کے خلاف موجود تھے شریعت کے حکم کے ماتحت ان کو حد لگانا ضروری تھا۔سعید بن العاصؓ ان کی جگہ والی کوفہ بنا کر بھیج دیئے گئے۔ انہوں نے کوفہ میں جا کر وہاں کی حالت دیکھی تو حیران ہوگئے۔تمام اوباش اور دین سے ناواقف لوگ قبضہ جمائے ہوئے تھے اور شرفاء محکوم و مغلوب تھے۔انہوں نے اِس واقعہ کی حضرت عثمانؓ کو خبر دی جنہوں نے اُن کو نصیحت کی کہ جو لوگ بڑی بڑی قربانیاں کر کے دشمنوں کے مقابلہ کیلئے پہلے پہلے آتے تھے ان کا اعزاز و احترام قائم کریں ہاں اگر وہ لوگ دین سے بے توجہی برتیں تب بے شک دوسرے ایسے لوگوں کو ان کی جگہ دیں جو زیادہ دین دار ہوں۔

جس وقت کوفہ میں شرارت جاری تھی بصرہ بھی خاموش تھا وہاں بھی حکیم بن جبلہ ابن السوداء کے ایجنٹ اور اس کے ساتھیوں کے ذریعہ حضرت عثمانؓ کے نائبوں کے خلاف لوگوں میں جھوٹی تہمتیں مشہور کی جا رہی تھیں۔

مصر جو اصل مرکز تھا وہاں تو اور بھی زیادہ فساد برپا تھا عبداللہ بن سبا نے وہاں صرف سیاسی شورش ہی برپا نہ کر رکھی تھی بلکہ لوگوں کا مذہب بھی خراب کر رہا تھا۔مگر اس طرح کہ دین سے ناواقف مسلمان اسے بڑا مخلص سمجھیں۔ چنانچہ وہ تعلیم دیتا تھا کہ تعجب ہے کہ بعض مسلمان یہ تو عقیدہ رکھتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے مگر یہ نہیں مانتے کہ رسول کریم ﷺ دوبارہ مبعوث ہوں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ [۱۸] یعنی وہ

خدا جس نے قرآن کریم تجھ پر فرض کیا ہے تجھے ضرور لوٹنے کی جگہ کی طرف واپس لاوے گا ☆ اس کی اس تعلیم کو اس کے بہت سے ماننے والوں نے قبول کیا اور آنحضرت ﷺ کے دوبارہ دنیا میں تشریف لانے کے قائل ہوگئے حالانکہ قرآن کریم ان لوگوں کے دوبارہ دنیا میں تشریف لانے سے جو فوت ہو چکے ہیں بڑے زور سے انکار کرتا ہے۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے نام کو روشن کرنے کے لئے کسی شخص کو انہی کے اخلاق اور صفات دے کر کھڑا کر دے مگر یہ امر تناسخ یا کسی شخص کے دوبارہ واپس آنے کے عقیدہ سے بالکل الگ ہے اور ایک بدیہی اور مشہور امر ہے۔ علاوہ اس رجعت کے عقیدہ کے عبداللہ بن سبا نے یہ بھی مشہور کرنا شروع کیا کہ ہزار نبی گزرے ہیں اور ہر ایک نبی کا ایک وصی تھا اور رسول کریم ﷺ کے وصی حضرت علیؓ ہیں۔ رسول کریم ﷺ خاتم الانبیاء تھے تو حضرت علی خاتم الاوصیاء ہیں۔ پھر کہتا اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوسکتا ہے جو رسول کریم ﷺ کے وصی پر حملہ کر کے اس کا حق چھین لے۔[19]

غرض علاوہ سیاسی تدابیر کے جو اسلام میں تفرقہ ڈالنے کے لئے اس شخص نے اختیار کر رکھی تھیں مذہبی فتنہ بھی برپا کر رکھا تھا اور مسلمانوں کے عقائد خراب کرنے کی بھی فکر کر رہا تھا مگر یہ احتیاط ضرور برتتا تھا کہ لوگ اس کو مسلمان ہی سمجھیں۔

ایسی حالت میں تین سال گزر گئے اور یہ مُفسد گروہ برابر خفیہ کارروائیاں کرتا رہا اور اپنی جماعت بڑھاتا گیا۔ لیکن اس تین سال کے عرصہ میں کوئی خاص واقعہ سوائے اس کے نہیں ہوا کہ محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ دو شخص مدینہ منورہ کے باشندے بھی اس فتنہ میں کسی قدر حصہ لینے لگے۔ محمد بن ابی بکر تو حضرت ابوبکرؓ کا چھوٹا لڑکا تھا جسے سوائے اس خصوصیت کے کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کا لڑکا تھا دینی طور پر کوئی فضیلت حاصل نہ تھی اور محمد بن ابی حذیفہ ایک یتیم تھا جسے حضرت عثمانؓ نے پالا تھا مگر بڑا ہو کر اس نے خاص طور پر

☆ یہ پیشگوئی فتح مکہ کی ہے جسے بگاڑ کر اس شخص نے رجعت کا عقیدہ بنا لیا۔ چونکہ مکہ کی طرف لوگ بہ نیت حج اور حصولِ ثواب بار بار جاتے ہیں اس لئے اس کا نام بھی معاد ہے یعنی وہ جگہ جس کی طرف لوگ بار بار لوٹتے ہیں۔

آپ کی مخالفت میں حصہ لیا جس کی وجوہ میں ابھی بیان کروں گا۔ چوتھے سال میں اس فتنہ نے کسی قدر ہیبت ناک صورت اختیار کر لی اور اس کے بانیوں نے مناسب سمجھا کہ اب عَلَی الْاِعْلَان اپنے خیالات کا اظہار کیا جاوے اور حکومت کے رُعب کو مٹایا جاوے چنانچہ اس امر میں بھی کوفہ ہی نے ابتدا کی۔

جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں ولید بن عتبہ کے بعد سعید بن العاص والی کوفہ مقرر ہوئے تھے۔ انہوں نے شروع سے یہ طریق اختیار کر رکھا تھا کہ صرف شرفائے شہر کو اپنے پاس آنے دیتے تھے مگر کبھی کبھی وہ ایسا بھی کرتے کہ عام مجلس کرتے اور ہر طبقہ کے آدمیوں کو اس وقت پاس آنے کی اجازت ہوتی۔ ایک دن اسی قسم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت طلحہؓ کی سخاوت کا ذکر آیا اور کسی نے کہا کہ وہ بہت ہی سخاوت سے کام لیتے ہیں۔ اس پر سعید کے منہ سے یہ فقرہ نکل گیا کہ ان کے پاس مال بہت ہے وہ سخاوت کرتے ہیں ہمارے پاس بھی مال ہوتا تو ہم بھی ویسی ہی داد و دہش[20] کرتے۔ ایک نوجوان نادانی سے بول پڑا کہ کاش فلاں جاگیر جو اموالِ شاہی میں سے تھی اور عام مسلمانوں کے فائدہ کے لئے رکھی گئی تھی آپ کے قبضہ میں ہوتی۔ اس پر فتنہ انگیز جماعت کے بعض آدمی جو اِس انتظار میں تھے کہ کوئی موقع نکلے تو ہم اپنے خیالات کا اظہار کریں غصہ کا اظہار کرنے لگے اور ظاہر کرنے لگے کہ یہ بات اس شخص نے سعید والی کوفہ کے اشارہ سے کہی ہے اور اس لئے کہی ہے تا کہ ان اموال کو ہضم کرنے کیلئے راستہ تیار کیا جاوے اور اُٹھ کر اُس شخص کو سعید کے سامنے ہی مارنا شروع کر دیا۔ اُس کا باپ مدد کے لئے اُٹھا تو اُسے بھی خوب پیٹا سعید اُن کو روکتے رہے مگر انہوں نے ان کی بھی نہ سنی اور مار مار کر دونوں کو بے ہوش کر دیا۔ یہ خبر جب لوگوں کو معلوم ہوئی کہ سعید کے سامنے بعض لوگوں نے ایسی شرارت کی ہے تو لوگ ہتھیار بند ہو کر مکان پر جمع ہو گئے مگر ان لوگوں نے سعید کی منت وسماجت کی اور ان سے معافی مانگی اور پناہ کے طلب گار ہوئے۔ ایک عرب کی فیاضی اور پھر وہ بھی قریش کی ایسے موقع پر کب برداشت کر سکتی تھی کہ دشمن پناہ مانگے اور وہ اس سے انکار کر دے۔ سعید نے باہر نکل کر لوگوں سے کہہ دیا کہ کچھ لوگ آپس میں لڑ پڑے تھے معاملہ کچھ نہیں اب سب خیر ہے۔ لوگ تو اپنے

گھروں میں لوٹ گئے اور ان لوگوں نے پھر وہی بے تکلفی شروع کی۔ مگر جب سعید کو یقین ہوگیا کہ اب ان لوگوں کے لئے کوئی خطرہ کی بات نہیں ان کو رخصت کر دیا اور جن لوگوں کو پیٹا گیا تھا ان سے کہہ دیا کہ چونکہ میں ان لوگوں کو پناہ دے چکا ہوں ان کے قصور کا اعلان نہ کرو اِس میں میری سبکی ہوگی۔ ہاں یہ تسلی رکھو کہ آئندہ یہ لوگ میری مجلس میں نہ آسکیں گے۔

ان مفسدوں کی اصل غرض تو پوری ہوچکی تھی یعنی نظمِ اسلامی میں فساد پیدا کرنا۔ اب انہوں نے گھروں میں بیٹھ کر **عَلَی الْاِعْلَان** حضرت عثمانؓ اور سعید کی بُرائیاں بیان کرنی شروع کر دیں۔ لوگوں کو ان کا یہ رویہ بہت بُرا معلوم ہوا اور انہوں نے سعید سے شکایت کی کہ یہ اس طرح شرارت کرتے ہیں اور حضرت عثمانؓ کی اور آپ کی بُرائیاں بیان کرتے ہیں اور اُمت اسلامیہ کے اتحاد کو توڑنا چاہتے ہیں۔ ہم یہ بات برداشت نہیں کر سکتے آپ اس کا انتظام کریں۔ انہوں نے کہا کہ آپ لوگ خود تمام واقعات سے حضرت عثمانؓ کو اطلاع دیں۔ آپ کے حکم کے ماتحت انتظام کیا جاوے گا۔ تمام شرفاء نے حضرت عثمانؓ کو واقعات سے اطلاع دی اور آپ نے سعید کو حکم دیا کہ اگر رؤسائے کوفہ اس امر پر متفق ہوں تو ان لوگوں کو شام کی طرف جلاوطن کر دو اور امیر معاویہؓ کے پاس بھیج دو۔ اِدھر امیر معاویہؓ کو لکھا کہ کچھ لوگ جو کھلے طور پر فساد پر آمادہ ہیں وہ آپ کے پاس کوفہ سے آویں گے ان کے گزارہ کا انتظام کر دیں اور ان کی اصلاح کی تجویز کریں۔ اگر درست ہوجاویں اور اصلاح کرلیں تو ان کے ساتھ نرمی کرو اور ان کے پچھلے قصوروں سے درگزر کرو اور اگر شرارت پر مُصِر رہیں تو پھر ان کو شرارت کی سزا دو۔

حضرت عثمانؓ کا یہ حُکم نہایت دانائی پر مبنی تھا کیونکہ ان لوگوں کا کوفہ میں رہنا ایک طرف تو ان لوگوں کے جوشوں کو بھڑکانے والا تھا جو ان کی شرارتوں پر پوری طرح آگاہ تھے اور خطرہ تھا کہ وہ جوش میں آکر ان کو تکلیف نہ پہنچا بیٹھیں اور دوسری طرف اس لحاظ سے بھی مُضِر تھا کہ وہ لوگ وہاں کے باشندے اور ایک حد تک صاحبِ رسوخ تھے اگر وہاں رہتے تو اور بہت سے لوگوں کو خراب کرنے کا موجب ہوتے ☆ مگر یہ حکم اُس وقت جاری ہوا جب

☆ جہاں جلاوطن کر کے یہ لوگ بھیجے گئے تھے وہاں کے لوگوں کو خراب کرنے کا ان کو موقع نہ تھا کیونکہ وہاں خاص نگرانی اور نظر بندی کی حالت میں ان کو رکھا جاتا تھا۔

اس کا چنداں فائدہ نہ ہوسکتا تھا۔ اگر ابن عامر والی بصرہ ابن السوداء کے متعلق بھی حضرت عثمانؓ سے مشورہ طلب کرتا اور اس کے لئے بھی اِسی قسم کا حُکم جاری کیا جاتا تو شاید آئندہ حالات ان حالات سے بالکل مختلف ہوتے۔ مگر مسلمانوں کی حالت اُس وقت اِس بات کی مقتضی تھی کہ ایسی ہی قضاء وقدر جاری ہوا اور وہی ہوا۔

یہ لوگ جو جلاوطن کئے گئے اور جن کو ابن سبا کی مجلس کا رُکن کہنا چاہئے تعداد میں دس کے قریب تھے (گوان کی صحیح تعداد میں اختلاف ہے) حضرت معاویہؓ نے ان کی اصلاح کے لئے پہلے تو یہ تدبیر کی کہ ان سے بہت اعزاز واحترام سے پیش آئے۔ خود ان کے ساتھ کھانا کھاتے اور اکثر فرصت کے وقت ان کے پاس جا کر بیٹھتے۔ چند دن کے بعد انہوں نے ان کو نصیحت کی اور کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تم لوگوں کو قریش☆ سے نفرت ہے ایسا نہیں چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے عرب کو قریش کے ذریعہ سے ہی عزت دی ہے۔ تمہارے حکام تمہارے لئے ایک ڈھال کے طور پر ہیں۔ پس ڈھالوں سے جُدا نہ ہو وہ تمہارے لئے تکالیف برداشت کرتے اور تمہاری فکر رکھتے ہیں۔ اگر اس امر کی قدر نہ کرو گے تو خدا تعالیٰ تم پر ایسے حکام مقرر کر دے گا جو تم پر خوب ظلم کریں گے اور تمہارے صبر کی قدر نہ کریں گے اور تم اس دنیا میں عذاب میں مبتلاء ہو گے اور اگلے جہاں میں بھی ان ظالم بادشاہوں کے ظلم کی سزا میں شریک ہو گے کیونکہ تم ہی ان کے قیام کے باعث بنو گے۔ حضرت معاویہؓ کی اِس نصیحت کو سن کر ان میں سے ایک نے جواب دیا کہ قریش کا ذکر چھوڑو، نہ وہ پہلے تعداد میں ہم سے زیادہ تھے نہ اب ہیں اور جس ڈھال کا تم نے ذکر کیا ہے وہ چھنی تو ہم کو ہی ملے گی۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ معلوم ہوا تم لوگ بے وقوف بھی ہو۔ میں تم کو اسلام کی باتیں سناتا ہوں تم جاہلیت کا زمانہ یاد دلاتے ہو۔ سوال قریش کی قلت و کثرت کا نہیں بلکہ اُس

☆ حضرت معاویہؓ کے کلام اور ان لوگوں کے جواب سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ یا ان کے مقرر کردہ حکام سے ان لوگوں کو مخالفت نہ تھی بلکہ قریش سے ہی یا دوسرے لفظوں میں ایمان میں سابق لوگوں سے ہی ان کو حسد تھا۔ اگر حضرت عثمانؓ کی جگہ کوئی اور صحابیؓ خلیفہ ہوتا اور انکے مقرر کردہ والیوں کی جگہ کوئی اور والی ہوتے تو ان سے بھی یہ لوگ اسی طرح حسد کرتے کیونکہ ان کا مدعا صرف حصولِ جاہ تھا۔

ذمہ داری کا ہے جو اسلام نے ان پر ڈالی ہے۔ قریش بے شک تھوڑے ہیں مگر جب خدا تعالیٰ نے دین کے ساتھ ان کو عزت دی ہے اور ہمیشہ سے مکہ مکرمہ کے تعلق کے باعث ان کی حفاظت کرتا چلا آیا ہے تو خدا کے فضل کا کون مقابلہ کرسکتا ہے۔ جب وہ کافر تھے تو اِس ادنیٰ تعلق کے باعث اُس نے ان کی حفاظت کی۔ اب وہ مسلمان ہو کر اس کے دین کے قائم کرنے والے ہو گئے ہیں تو کیا خدا تعالیٰ ان کو ضائع کر دیگا؟ یاد رکھو تم لوگ اسلام کے غلبہ کو دیکھ کر ایک رَو میں مسلمان ہو گئے تھے اب شیطان تم کو اپنا ہتھیار بنا کر اسلام کو تباہ کرنے کیلئے تم سے کام لے رہا ہے اور دین میں رخنہ ڈالنا چاہتا ہے مگر تم لوگ جو فتنہ کھڑا کرو گے اس سے بڑے فتنہ میں اللہ تعالیٰ تم کو ڈالے گا۔ میرے نزدیک تم ہرگز قابلِ التفات لوگ نہیں ہو جن لوگوں نے خلیفہ کو تمہاری نسبت لکھا انہوں نے غلطی کی۔ نہ تم سے کسی نفع کی امید کی جاسکتی ہے نہ نقصان کی۔ ان لوگوں نے حضرت معاویہؓ کی تمام نصائح سن کر کہا کہ ہم تم کو حکم دیتے ہیں کہ تم اپنے عُہدہ سے علیحدہ ہو جاؤ۔ حضرت معاویہؓ نے جواب دیا کہ اگر خلیفہ اور ائمۃ المسلمین کہیں تو میں آج الگ ہو جاتا ہوں تم لوگ اِن معاملات میں دخل دینے والے کون ہو۔ میں تم لوگوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ اس طریق کو چھوڑ دو اور نیکی اختیار کرو اللہ تعالیٰ اپنے کام آپ کرتا ہے۔ اگر تمہاری رائے پر کام چلتے تو اسلام کا کام تباہ ہو جاتا۔ تم لوگ دراصل دین اسلام سے بیزار ہو۔ تمہارے دلوں میں اور ہے اور زبانوں پر اور۔ مگر اللہ تعالیٰ تمہارے ارادوں اور مخفی منصوبوں کو ایک دن ظاہر کر کے چھوڑے گا۔ غرض دیر تک حضرت معاویہؓ ان کو سمجھاتے رہے اور یہ لوگ اپنی بیہودگی میں بڑھتے گئے۔ حتّٰی کہ آخر لاجواب ہو کر حضرت معاویہؓ پر حملہ کر دیا اور اُن کو مارنا چاہا۔ حضرت معاویہؓ نے اُن کو ڈانٹا اور کہا کہ یہ کوفہ نہیں شام ہے۔ اگر شام کے لوگوں کو معلوم ہوا تو جس طرح سعید کے کہنے سے کوفہ کے لوگ چپ کر رہے تھے یہ خاموش نہ رہیں گے بلکہ عوام الناس جوش میں میرے قول کی بھی پرواہ نہیں کریں گے اور تمہاری تِکہ بوٹی کر دیں گے۔ یہ کہہ کر حضرت معاویہؓ مجلس سے اُٹھ گئے اور ان لوگوں کو شام سے واپس کوفہ بھیج دیا۔ اور حضرت عثمانؓ کو لکھ دیا کہ یہ لوگ بوجہ اپنی حماقت اور جہالت کے قابل التفات ہی نہیں ہیں ان کی طرف توجہ ہی نہیں کرنی

چاہیے اور سعید والی کوفہ کو بھی لکھ دیا جاوے کہ ان کی طرف توجہ نہ کرے۔ یہ بے دین لوگ ہیں، اسلام سے متنفر ہیں اہل ذمہ کا مال لُوٹنا چاہتے ہیں اور فتنہ ان کی عادت ہے ان لوگوں میں اتنی طاقت نہیں کہ بلا کسی دوسرے کی مدد کے خود کوئی نقصان پہنچا سکیں۔

حضرت معاویہؓ کی یہ رائے بالکل درست تھی مگر وہ نہیں جانتے تھے کہ ان کے علاقہ سے باہر مصر میں چھپی ہوئی ایک روح ہے جو اِن سب لوگوں سے کام لے رہی ہے اور ان کا جاہل ہونا اور اُجڈ ہونا ہی اس کے کام کے لئے مُمِدّ ہے۔

وہ لوگ جب دمشق سے نکلے تو انہوں نے کوفہ کا ارادہ ترک کر دیا کیونکہ وہاں کے لوگ ان کی شرارتوں سے واقف تھے اور ان کو خوف تھا کہ وہاں ان کو نقصان پہنچے گا اور جزیرہ کی طرف چلے گئے۔ وہاں کے گورنر عبدالرحمٰن تھے جو اس مشہور سپہ سالار کے خلف الرشید تھے جو جرأت اور دلیری میں تمام دنیا کے لئے ایک روشن مثال قائم کر گیا ہے یعنی خالد بن ولید۔ جس وقت اُن کو اِن لوگوں کی آمد کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے فوراً ان کو بُلوایا اور کہا میں نے تمہارے حالات سُنے ہیں۔ خدا مجھے نامراد کرے اگر میں تم کو درست نہ کر دوں۔ تم جانتے ہو کہ میں اُس شخص کا بیٹا ہوں جس نے فتنۂ ارتداد کو دور کر دیا تھا اور بڑی بڑی مشکلات سے کامیاب نکلا تھا۔ میں دیکھوں گا کہ تم جس طرح معاویہ اور سعید سے باتیں کیا کرتے تھے مجھ سے بھی کر سکتے ہو۔ سنو! اگر کسی شخص کے سامنے تم نے یہاں کوئی فتنہ کی بات کی تو پھر ایسی سزا دوں گا کہ تم یاد ہی رکھو گے یہ کہہ کر ان کو نظر بند کر دیا اور ہمیشہ اپنے ساتھ رہنے کا حکم دیا۔ جب سفر پر جاتے تو ان کو اپنے ساتھ پاپیادہ لے جاتے اور ان سے دریافت کرتے کہ اب تمہارا کیا حال ہے؟ جس کو نیکی درست نہیں کرتی اُس کا علاج سزا ہوتی ہے۔ تم لوگ اب کیوں نہیں بولتے؟ وہ لوگ ندامت کا اظہار کرتے اور اپنی شرارت پر توبہ کرتے۔ اسی طرح کچھ مدت گزرنے پر عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید نے خیال کیا کہ ان لوگوں کی اصلاح ہوگئی ہے اور ان میں سے ایک شخص مالک نامی کو حضرت عثمانؓ کی خدمت میں بھیجا کہ وہاں جا کر معافی مانگو۔ وہ حضرت عثمانؓ کے پاس آیا اور توبہ کی اور اظہارِ ندامت کیا اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لئے معافی مانگی۔ انہوں نے ان کو معاف کر دیا اور ان سے

دریافت کیا کہ وہ کہاں رہنا چاہتے ہیں؟ مالک نے کہا کہ اب ہم عبدالرحمٰن بن خالد کے پاس رہنا چاہتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے اجازت دی اور وہ شخص واپس عبدالرحمٰن بن خالد کے پاس چلا گیا۔

اس شخص کے عبدالرحمٰن بن خالد کے پاس ہی رہنے کی خواہش سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اس کا دل ضرور صاف ہو چکا تھا۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ ایسے آدمی کے پاس جو شرارت کو ایک منٹ کے لئے روا نہ رکھتا تھا واپس جانے کی خواہش نہ کرتا۔ مگر بعد کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی توبہ بالکل عارضی تھی اور حضرت معاویہؓ کا یہ خیال درست تھا کہ یہ بے وقوف لوگ ہیں اور صرف ہتھیار بن کر کام کر سکتے ہیں۔

عبداللہ بن سبا اس عرصہ میں خاموش نہ بیٹھا ہوا تھا بلکہ اس نے کچھ مدت سے یہ رویہ اختیار کیا تھا کہ اپنے ایجنٹوں کو تمام علاقوں میں بھیجتا اور اپنے خیالات پھیلاتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شخص غیر معمولی عقل و دانش کا آدمی تھا۔ وہ احکام جو اس نے اپنے ایجنٹوں کو دیئے اس کے دماغ کی بناوٹ پر خوب روشنی ڈالتے ہیں۔ جب یہ اپنے نائب روانہ کرتا تو ان کو ہدایت دیتا کہ اپنے خیالات فوراً لوگوں کے سامنے نہ پیش کر دیا کرو بلکہ پہلے وعظ و نصیحت سے کام لیا کرو اور شریعت کے احکام لوگوں کو سنایا کرو اور اچھی باتوں کا حکم دیا کرو اور بُری باتوں سے روکا کرو۔ جب لوگ تمہارا یہ طریق دیکھیں گے تو ان کے دل تمہاری طرف مائل ہو جائیں گے اور تمہاری باتوں کو شوق سے سنا کریں گے اور تم پر اعتبار پیدا ہو جائیگا۔ تب عمدگی سے ان کے سامنے اپنے خاص خیالات پیش کرو وہ بہت جلد قبول کر لیں گے۔ اور یہ بھی احتیاط رکھو کہ پہلے حضرت عثمانؓ کے خلاف باتیں نہ کرنا بلکہ ان کے نائبوں کے خلاف لوگوں کے جوش کو بھڑکانا۔ اس سے اس کی غرض یہ تھی کہ حضرت عثمانؓ سے خاص مذہبی تعلق ہونے کی وجہ سے لوگ ان کے خلاف باتیں سن کر بھڑک اُٹھیں گے لیکن امراء کے خلاف باتیں سننے سے ان کے مذہبی احساسات کو تحریک نہ ہوگی اس لئے ان کو قبول کر لیں گے۔ جب اس طرح ان کے دل سیاہ ہو جائیں گے اور ایک خاص پارٹی میں شمولیت کر لینے سے جو ضد پیدا ہو جاتی ہے وہ پیدا ہو جاوے گی تو پھر حضرت عثمانؓ کے خلاف ان کو بھڑکانا بھی

آسان ہوگا۔

اس شخص نے جب یہ دیکھا کہ والیانِ صوبہ جات کی بُرائیاں جب کبھی بیان کی جاتی ہیں توسمجھ دارلوگ ان کوقبول کرنے سے انکارکرتے ہیں کیونکہ وہ لوگ اپنے مشاہدہ کی بناء پران شکایات کوجھوٹا اور بے حقیقت جانتے ہیں اور ملک میں عام جوش نہیں پھیلتا تو اس نے ایک اورخطرناک تدبیراختیارکی اور وہ یہ کہ اپنے نائبوں کوحکم دیا کہ بجائے اس کے کہ ہرجگہ کے گورنروں کواُنہی کے علاقوں میں بدنام کرنے کی کوشش کریں اُن کی بُرائیاں لکھ کردوسرے علاقوں میں بھیجیں۔کیونکہ دوسرے علاقوں کے لوگ اس جگہ کے حالات سے ناواقفیت کی وجہ سے ان کی باتوں کوآسانی سے قبول کرلیں گے۔ چنانچہ اس مشورہ کے ماتحت ہرجگہ کے مُفسد اپنے علاقوں کے حکام کی جھوٹی شکایات اور بناوٹی مظالم لکھ کر دوسرے علاقوں کے ہمدردوں کوبھیجتے اور وہ ان خطوں کو پڑھ کرلوگوں کو سناتے اور بوجہ غیرممالک کے حالات سے ناواقفیت کے بہت سے لوگ ان باتوں کوسچ یقین کرلیتے اورافسوس کرتے کہ فلاں فلاں ملک کے ہمارے بھائی سخت مصیبتوں میں مبتلاء ہیں اورساتھ شکربھی کرتے کہ خدا کے فضل سے ہماراوالی اچھاہے ہمیں کوئی تکلیف نہیں۔اور یہ نہ جانتے کہ دوسرے ممالک کے لوگ اپنے آپ کوآرام میں اوران کودکھ میں سمجھتے اوراپنی حالت پرشکراوران کی حالت پرافسوس کرتے ہیں۔ مدینہ کےلوگوں کو چونکہ چاروں اطراف سے خطوط آتے تھے ان میں سے جو لوگ ان خطوط کوصحیح تسلیم کرلیتے وہ یہ خیال کرلیتے کہ شاید سب ممالک میں ظلم ہی ہورہاہے اورمسلمانوں پرسخت مصائب ٹوٹ رہے ہیں۔غرض عبداللہ بن سبا کا یہ فریب بہت کچھ کارگرثابت ہوا اوراسے اس ذریعہ سے ہزاروں ایسے ہمدردمل گئے جوبغیراس تدبیر کے ملنے مشکل تھے۔

جب یہ شورش حد سے بڑھنے لگی اورصحابہ کرام کوبھی ایسے خطوط ملنے لگے جن میں گورنروں کی شکایات درج ہوتی تھیں توانہوں نے مل کرحضرت عثمانؓ سے عرض کیا کہ کیا آپ کومعلوم نہیں کہ باہر کیا ہورہاہے؟ انہوں نے فرمایا کہ جورپورٹیں مجھے آتی ہیں وہ توخیروعافیت ہی ظاہرکرتی ہیں۔صحابہؓ نے جواب دیا کہ ہمارے پاس اِس اِس مضمون کے

خطوط باہر سے آتے ہیں اس کی تحقیق ہونی چاہیے۔ حضرت عثمانؓ نے اس پر ان سے مشورہ طلب کیا کہ تحقیق کس طرح کی جاوے اور ان کے مشورہ کے عین مطابق اسامہ بن زید کو بصرہ کی طرف محمد بن مُسلم کو کوفہ کی طرف عبداللہ بن عمر کو شام کی طرف عمار بن یاسر کو مصر کی طرف بھیجا کہ وہاں کے حالات کی تحقیق کر کے رپورٹ کریں کہ آیا واقعہ میں امراء رعیت پر ظلم کرتے ہیں اور تعدّی سے کام لیتے ہیں اور لوگوں کے حقوق مار لیتے ہیں؟ اور ان چاروں کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی متفرق بلاد کی طرف بھیجے تاکہ وہاں کے حالات سے اطلاع دیں [۲۱]۔

یہ لوگ گئے اور تحقیق کے بعد واپس آ کر ان سب نے رپورٹ کی کہ سب جگہ امن ہے اور مسلمان بالکل آزادی سے زندگی بسر کر رہے ہیں اور ان کے حقوق کو کوئی تلف نہیں کرتا اور حکام عدل وانصاف سے کام لے رہے ہیں۔ مگر عمار بن یاسر نے دیر کی اور ان کی کوئی خبر نہ آئی۔ عمار بن یاسر نے کیوں دیر کی اِس کا ذکر تو پھر کروں گا پہلے میں اس تحقیقی وفد اور اس کی تحقیق کی اہمیت کے متعلق کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ اس وفد کے حالات کو اچھی طرح سمجھ لینے سے اس فتنہ کی اصل حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

سب سے پہلی بات جو قابل غور ہے یہ ہے کہ اس وفد کے تینوں سرکردہ جو لوٹ کر آئے اور جنہوں نے آ کر رپورٹ دی وہ کس پایہ کے آدمی تھے۔ کیونکہ تحقیق کرنے والے آدمیوں کی حیثیت سے اس تحقیق کی حیثیت معلوم ہوتی ہے۔ اگر اس وفد میں ایسے لوگ بھیجے جاتے جو حضرت عثمانؓ یا آپ کے نُوّاب سے کوئی غرض رکھتے یا جن کی دینی و دنیاوی حیثیت اس قدر اعلیٰ اور ارفع نہ ہوتی کہ وہ حکام سے خوف کھاویں یا کوئی طمع رکھیں تو کہا جا سکتا تھا کہ یہ لوگ کسی لالچ یا خوف کے باعث حقیقت کے بیان کرنے سے اعراض کر گئے۔ مگر ان لوگوں پر اس قسم کا اعتراض ہرگز نہیں پڑ سکتا اور ان لوگوں کو اس کام کے لئے منتخب کر کے حضرت عثمانؓ نے اپنی نیک نیتی کا ایک بیّن ثبوت دے دیا ہے۔ اسامہؓ جن کو بصرہ کی طرف بھیجا گیا تھا وہ شخص ہے کہ جو نہ صرف یہ کہ اوّل المؤمنین حضرت زیدؓ کے لڑکے ہیں بلکہ رسول کریم ﷺ کے بڑے مقربین اور پیاروں میں سے ہیں اور آپ ہی وہ شخص ہیں جن کو رسول کریم ﷺ نے اس لشکرِ عظیم کی سپہ سالاری عطا کی جسے آپؐ اپنی مرضِ موت میں تیار

کرا رہے تھے اوراس میں حضرت عمرؓ جیسے بڑے بڑے صحابیوں کو آپ کے ماتحت کیا اور آنحضرت ﷺ کا یہ انتخاب صرف دلداری کے طور پر ہی نہ تھا بلکہ بعد کے واقعات نے ثابت کردیا کہ وہ بڑے بڑے کاموں کے اہل تھے۔ رسول کریم ﷺ اِن سے اِس قدر محبت کرتے کہ دیکھنے والے فرق نہ کرسکتے تھے کہ آپ ان کو زیادہ چاہتے ہیں یا حضرت امام حسن کو۔

محمد بن مسلم بھی جن کو کوفہ بھیجا گیا جلیل القدر صحابہؓ میں سے تھے اور صحابہؓ میں خاص عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور نہایت صاحبِ رسوخ تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ جن کو شام کی طرف روانہ کیا گیا ایسے لوگوں میں سے ہیں جن کے تعارف کی ضرورت ہی نہیں۔ آپ سابق بِالعہد مسلمانوں میں سے تھے اور زُہد وتقوی اللہ میں آپ کی وہ شان تھی کہ اکابر صحابہؓ بھی آپ کی ان خصوصیات کی وجہ سے آپ کا خاص ادب کرتے تھے۔ حضرت علیؓ کے بعد اگر کسی صحابی پر صحابہؓ اور دوسرے بزرگوں کی نظر خلافت کے لئے پڑی تو آپ پر پڑی۔ مگر آپ نے دنیا سے علیحدگی کو اپنا شعار بنا رکھا تھا۔ شعائر دینیہ کے لئے آپ کو اِس قدر غیرت تھی کہ بعض دفعہ آپ نے خود عمر بن الخطابؓ سے بڑی سختی سے بحث کی۔ غرض حق گوئی میں آپ ایک کھنچی ہوئی تلوار تھے۔ آپ کا انتخاب شام کے لئے نہایت ہی اعلیٰ انتخاب تھا کیونکہ بوجہ اس کے کہ حضرت معاویہ دیر سے شام کے حاکم تھے اور وہاں کے لوگوں پر ان کا بہت رُعب تھا اور بوجہ ان کی ذکاوت کے ان کے انتظام کی تحقیق کرنا کسی معمولی آدمی کا کام نہ تھا۔ اس جگہ کسی دوسرے آدمی کا بھیجا جانا فضول تھا اور لوگوں کو اس کی تحقیق پر تسلی بھی نہ ہوتی مگر آپ کی سبقتِ ایمانی اور غیرتِ اسلامی اور حریت اور تقویٰ وزُہد ایسے کمالات تھے کہ ان کے سامنے معاویہؓ دم نہ مار سکتے تھے اور نہ ایسے شخص کی موجودگی میں حضرت معاویہؓ کا رُعب کسی شخص پر پڑ سکتا تھا۔

غرض جو لوگ تحقیق کے لئے بھیجے گئے تھے وہ نہایت عظیم الشان اور بے تعلق لوگ تھے اور ان کی تحقیق پر کسی شخص کو اعتراض کی گنجائش حاصل نہیں پس ان تینوں صحابہؓ کا مع اُن دیگر آدمیوں کے جو دوسرے بِلاد میں بھیجے گئے تھے متفقہ طور پر فیصلہ دینا کہ ملک میں بالکل امن وامان ہے، ظلم وتعدّی کا نام ونشان نہیں، حکام عدل وانصاف سے کام لے رہے ہیں

اور اگر ان پر کوئی الزام ہے تو یہ کہ لوگوں کو حدود کے اندر رہنے پر مجبور کرتے ہیں ایک ایسا فیصلہ ہے جس کے بعد کسی شک کی کوئی گنجائش نہیں رہتی اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب فساد چند شریر النفس آدمیوں کی شرارت و عبداللہ بن سبا کی انگیخت کا نتیجہ تھا ورنہ حضرت عثمانؓ اور ان کے نوّاب ہر قسم کے اعتراضات سے پاک تھے۔

حق یہی ہے کہ یہ سب شورش ایک خفیہ منصوبہ کا نتیجہ تھی جس کے اصل بانی یہودی تھے۔ جن کے ساتھ طمع دنیاوی میں مبتلاء بعض مسلمان جو دین سے نکل چکے تھے شامل ہو گئے تھے ورنہ امرائے بِلاد کا نہ کوئی قصور تھا نہ وہ اِس فتنہ کے باعث تھے۔ ان کا صرف اِسی قدر قصور تھا کہ ان کو حضرت عثمانؓ نے اس کام کے لئے مقرر کیا تھا اور حضرت عثمانؓ کا یہ قصور تھا کہ باوجود پیرانہ سالی اور نقاہت بدنی کے اتحادِ اسلام کی رسّی کو اپنے ہاتھوں میں پکڑے بیٹھے تھے اور اُمتِ اسلامیہ کا بوجھ اپنی گردن پر اُٹھائے ہوئے تھے اور شریعت اسلام کے قیام کی فکر رکھتے تھے اور متمرِ دین اور ظالموں کو اپنی حسب خواہش کمزوروں اور بے وارثوں پر ظلم و تعدی کرنے نہ دیتے تھے۔ چنانچہ اس امر کی تصدیق اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ کوفہ میں اِنہی فساد چاہنے والوں کی ایک مجلس بیٹھی اور اس میں ''افساد امر المسلمین'' پر گفتگو ہوئی تو سب لوگوں نے بالاتفاق یہی رائے دی لَا وَاللّٰهِ لَایَرْفَعُ رَأْسٌ مَادَامَ عُثْمَانُ عَلَى النَّاسِ [۲۲] یعنی کوئی شخص اُس وقت تک سر نہیں اُٹھا سکتا جب تک کہ عثمانؓ کی حکومت ہے۔ عثمانؓ ہی کا ایک وجود تھا جو سرکشی سے باز رکھے ہوئے تھا۔ اس کا درمیان سے ہٹانا آزادی سے اپنی مرادیں پوری کرنے کے لئے ضروری تھا۔

میں نے بتایا تھا کہ عمار بن یاسر جن کو مصر کی طرف روانہ کیا گیا تھا وہ واپس نہیں آئے۔ ان کی طرف سے خبر آنے میں اس قدر دیر ہوئی کہ اہل مدینہ نے خیال کیا کہ کہیں مارے گئے ہیں مگر اصل بات یہ تھی کہ وہ اپنی سادگی اور سیاست سے ناواقفیت کی وجہ سے ان مفسدوں کے پنجہ میں پھنس گئے تھے جو عبداللہ بن سبا کے شاگرد تھے۔ مصر میں چونکہ خود عبداللہ بن سبا موجود تھا اور وہ اس بات سے غافل نہ تھا کہ اگر اس تحقیقاتی وفد نے تمام ملک میں امن و امان کا فیصلہ دیا تو تمام لوگ ہمارے مخالف ہو جائیں گے اس وفد کے بھیجے جانے کا فیصلہ ایسا

اچانک ہوا تھا کہ دوسرے علاقوں میں وہ کوئی انتظام نہیں کرسکا تھا۔ مگر مصر کا انتظام اس کے لئے آسان تھا جونہی عمار بن یاسر مصر میں داخل ہوئے اس نے ان کا استقبال کیا اور والی مصر کی بُرائیاں اور مظالم بیان کرنے شروع کئے۔ وہ اس کے لسانی سحر کے اثر سے محفوظ نہ رہ سکے اور بجائے اس کے کہ ایک عام بے لوث تحقیق کرتے والی مصر کے پاس گئے ہی نہیں اور نہ عام تحقیق کی بلکہ اِسی مُفسد گروہ کے ساتھ چلے گئے اور اِنہی کے ساتھ مل کر اعتراض کرنے شروع کر دیئے۔

صحابہؓ میں سے اگر کوئی شخص اس مُفسد گروہ کے پھندے میں پھنسا ہوا یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے تو وہ صرف عمار بن یاسر ہیں۔ اِن کے سوا کوئی معروف صحابیؓ اس حرکت میں شامل نہیں ہوا۔ اور اگر کسی کی شمولیت بیان کی گئی ہے تو دوسری روایات سے اس کا ردّ بھی ہو گیا ہے۔ عمار بن یاسر کا ان لوگوں کے دھوکے میں آجانا ایک خاص وجہ سے تھا اور وہ یہ کہ جب وہ مصر پہنچے تو وہاں پہنچتے ہی بظاہر ثقہ نظر آنے والے اور نہایت طرار ولسّان لوگوں کی ایک جماعت ان کو ملی جس نے نہایت عمدگی سے ان کے پاس والی مصر کی شکایات بیان کرنی شروع کیں۔ اتفاقاً والی مصر ایک ایسا شخص تھا جو کبھی رسول کریم ﷺ کا سخت مخالف رہ چکا تھا اور اس کی نسبت آپؐ نے فتح مکہ کے وقت حکم دیا تھا کہ خواہ خانہ کعبہ ہی میں کیوں نہ ملے اسے قتل کر دیا جائے اور گو بعد میں آپ نے اسے معاف کر دیا مگر اس کی پہلی مخالفت کا بعض صحابہ کے دل پر جن میں عمار بھی شامل تھے اثر باقی تھا پس ایسے شخص کے خلاف باتیں سن کر عمار بہت جلد متأثر ہو گئے اور ان الزامات کو جو اس پر لگائے جاتے تھے صحیح تسلیم کر لیا اور احساسِ طبعی سے فائدہ اُٹھا کر سبائی یعنی عبداللہ بن سبا کے ساتھی اس کے خلاف اس بات پر خاص زور دیتے تھے۔ پس حضرت عثمانؓ کی نیک نیتی اور اخلاص کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ باوجود اس کے کہ سوائے ایک شخص کے سب وفدوں نے حکام کی بریت کا فیصلہ دیا تھا حضرت عثمانؓ نے اس ایک مخالف رائے کی قدر کر کے ایک خط تمام علاقوں کے لوگوں کی طرف بھیجا جس کا مضمون یہ تھا کہ میں جب سے خلیفہ ہوا ہوں **اَمر بِالْمَعْرُوْف** اور **نَھی عَنِ الْمُنْکَرِ** پر میرا عمل ہے اور میرے رشتہ داروں کا عام مسلمانوں سے زیادہ کوئی حق نہیں۔ مگر مجھے

مدینے کے رہنے والے بعض لوگوں سے معلوم ہوا ہے کہ حکام لوگوں کو مارتے اور گالیاں دیتے ہیں اِس لئے میں اِس خط کے ذریعے سے عام اعلان کرتا ہوں کہ جس کسی کو خفیہ طور پر گالی دی گئی ہو یا پیٹا گیا ہو وہ حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں مجھ سے ملے اور جو کچھ اُس پر ظلم ہوا ہو خواہ میرے ہاتھوں سے خواہ میرے عاملوں کے ذریعے سے اُس کا بدلہ وہ مجھ سے اور میرے نائبوں سے لے لے یا معاف کر دے۔ اللہ تعالیٰ صدقہ دینے والوں کو اپنے پاس سے جزا دیتا ہے۔ یہ مختصر لیکن دردناک خط جس وقت تمام ممالک میں منبروں پر پڑھا گیا تو عالمِ اسلام ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہل گیا اور سامعین بے اختیار رو پڑے اور سب نے حضرت عثمانؓ کے لئے دعائیں کیں اور ان فتنہ پردازوں پر جو اس ملتِ اسلام کے درد رکھنے والے اور اس کا بوجھ اُٹھانے والے انسان پر حملہ کر رہے تھے اور اُس کو دکھ دے رہے تھے اظہارِ افسوس کیا گیا[۲۳]۔

حضرت عثمانؓ نے اسی پر بس نہیں کی بلکہ اپنے عُمّال کو ان الزامات کے جواب دینے کے لئے جو ان پر لگائے جاتے تھے خاص طور پر طلب کیا۔ جب سب والی جمع ہو گئے تو آپ نے ان سے کہا کہ یہ کیا بات ہے کہ آپ لوگوں کے خلاف الزام لگائے جاتے ہیں مجھے خوف آتا ہے کہ کہیں یہ باتیں درست ہی نہ ہوں۔ اس پر ان سب نے جواب میں عرض کیا کہ آپ نے معتبر آدمیوں کو بھیج کر دریافت کرا لیا ہے کہ کوئی ظلم نہیں ہوتا نہ خلافِ شریعت کوئی کام ہوتا ہے اور آپ کے بھیجے ہوئے معتبروں نے سب لوگوں سے حالات دریافت کئے۔ ایک شخص بھی ان کے سامنے آ کر ان شکایات کی صحت کا جو بیان کی جاتی ہیں مدعی نہیں ہوا پھر شک کی کیا گنجائش ہے۔ خدا کی قسم ہے کہ ان لوگوں نے سچ سے کام نہیں لیا اور نہ تقویٰ اللہ سے کام لیا ہے اور ان کے الزامات کی کوئی حقیقت نہیں ایسی بے بنیاد باتوں پر گرفت جائز نہیں ہو سکتی نہ ان پر اعتبار کیا جا سکتا ہے۔

حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ پھر مجھے مشورہ دو کہ کیا کیا جاوے؟ اس پر مختلف مشورے آپ کو دیئے گئے جن سب کا ماحصل یہی تھا کہ آپ سختی کے موقع پر سختی سے کام لیں اور ان فسادیوں کو اِس قدر ڈھیل نہ دیں اس سے ان میں دلیری پیدا ہوتی ہے۔ شریر صرف سزا سے

ہی درست ہوسکتا ہے نرمی اسی سے کرنی چاہئے جو نرمی سے فائدہ اُٹھائے۔ حضرت عثمانؓ نے سب کا مشورہ سن کر فرمایا۔ جن فتنوں کی خبر رسول کریم ﷺ دے چکے ہیں وہ تو ہوکر رہیں گے ہاں نرمی سے اور محبت سے ان کو ایک وقت تک روکا جا سکتا ہے۔ پس میں سوائے حدود اللہ کے ان لوگوں سے نرمی ہی سے معاملہ کروں گا تا کہ کسی شخص کی میرے خلاف حجت حقہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں نے لوگوں سے بھلائی میں کوئی کمی نہیں کی۔ مبارک ہو عثمان کے لئے اگر وہ فوت ہو جاوے اور فتنوں کا سیلاب جو اسلام پر آنے والا ہے وہ ابھی شروع نہ ہوا ہو۔ پس جاؤ اور لوگوں سے نرمی سے معاملہ کرو اور ان کے حقوق ان کو دو اور ان کی غلطیوں سے درگزر کرو۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ کے احکام کو کوئی توڑے تو ایسے شخصوں سے نرمی اور عفو کا معاملہ نہ کرو۔

حج سے واپسی پر حضرت معاویہؓ بھی حضرت عثمانؓ کے ساتھ مدینہ آئے کچھ دن ٹھہر کر آپ واپس جانے لگے تو آپ نے حضرت عثمانؓ سے علیحدہ مل کر درخواست کی کہ فتنہ بڑھتا معلوم ہوتا ہے اگر اجازت ہو تو میں اس کے متعلق کچھ عرض کروں۔ آپ نے فرمایا کہو۔ اس پر انہوں نے کہا کہ اوّل میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ میرے ساتھ شام چلے چلیں کیونکہ شام میں ہر طرح سے امن ہے اور کسی قسم کا فساد نہیں ایسا نہ ہو کہ یکدم کسی قسم کا فساد اٹھے اور اُس وقت کوئی انتظام نہ ہو سکے۔ حضرت عثمانؓ نے اُن کو جواب دیا کہ میں رسول کریم ﷺ کی ہمسائیگی کو کسی صورت میں نہیں چھوڑ سکتا خواہ جسم کی دھجیاں اُڑا دی جائیں۔ حضرت معاویہؓ نے کہا کہ پھر دوسرا مشورہ یہ ہے کہ آپ مجھے اجازت دیں کہ میں ایک دستہ شامی فوج کا آپ کی حفاظت کے لئے بھیج دوں ان لوگوں کی موجودگی میں کوئی شخص شرارت نہیں کر سکے گا۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ نہ میں عثمان کی حفاظت کے لئے اِس قدر بوجھ بیت المال پر ڈال سکتا ہوں اور نہ یہ پسند کر سکتا ہوں کہ مدینہ کے لوگوں کو فوج رکھ کر تنگی میں ڈالوں۔ اس پر حضرت معاویہؓ نے عرض کی کہ پھر تیسری تجویز یہ ہے کہ صحابہؓ کی موجودگی میں لوگوں کو جرأت ہے کہ اگر عثمان نہ رہے تو ان میں سے کسی کو آگے کھڑا کر دیں گے ان لوگوں کو مختلف مُلکوں میں پھیلا دیں۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ جن لوگوں کو

رسول کریم ﷺ نے جمع کیا ہے میں اُن کو پراگندہ کردوں۔ اِس پر معاویہ رو پڑے اور عرض کی کہ اگر ان تدابیر میں سے جو آپ کی حفاظت کے لئے میں نے پیش کی ہیں آپ کوئی بھی قبول نہیں کرتے تو اتنا تو کیجئے کہ لوگوں میں اعلان کردیجئے کہ اگر میری جان کو کوئی نقصان پہنچے تو معاویہ کو میرے قِصاص کا حق ہوگا شاید لوگ اس سے خوف کھا کر شرارت سے باز رہیں۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ معاویہ جو ہونا ہے ہوکر رہے گا میں ایسا نہیں کرسکتا کیونکہ آپ کی طبیعت سخت ہے ایسا نہ ہو آپ مسلمانوں پر سختی کریں۔ اس پر حضرت معاویہؓ روتے ہوئے آپ کے پاس سے اُٹھے اور کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ شاید یہ آخری ملاقات ہو اور باہر نکل کر صحابہؓ سے کہا کہ اسلام کا دارومدار آپ لوگوں پر ہے حضرت عثمانؓ اب بالکل ضعیف ہوگئے ہیں اور فتنہ بڑھ رہا ہے آپ لوگ ان کی نگہداشت رکھیں۔ یہ کہہ کر معاویہؓ شام کی طرف روانہ ہوگئے۔

صوبہ جات کے عمال کا اپنے اپنے علاقوں سے غائب رہنا ایسا موقع نہ تھا جسے عبداللہ بن سبا یونہی جانے دیتا۔ اُس نے فوراً چاروں طرف ڈاک دَوڑادی کہ یہ موقع ہے اس وقت ہمیں کچھ کرنا چاہئے ایک دن مقرر کرکے یکدم اپنے اپنے علاقہ کے امراء پر حملہ کردیا جائے مگر ابھی مشورے ہی ہورہے تھے کہ امراء واپس آگئے۔ دوسری جگہوں کے سبائی تو مایوس ہوگئے مگر کوفہ کے سبائی (یعنی عبداللہ بن سبا کے ساتھی) جو پہلے بھی عملی فساد میں سب سے آگے قدم رکھنے کے عادی تھے انہوں نے اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ یزید بن قیس نامی ایک شخص نے مسجدِ کوفہ میں جلسہ کیا اور اعلان کیا کہ اب حضرت عثمانؓ کو خلافت سے علیحدہ کردینا چاہئے۔ قعقاع بن عمروؓ جو اس جگہ کی چھاؤنی کے افسر تھے انہوں نے سنا تو آکر اُسے گرفتار کرنا چاہا۔ وہ ان کے سامنے عُذر کرنے لگا کہ میں تو اطاعت سے باہر نہیں ہوں۔ ہم لوگ تو اس لئے جمع ہوئے تھے کہ سعید بن العاص کے متعلق جلسہ کرکے درخواست کریں کہ اس کو یہاں سے بُلوایا جائے اور کوئی اور افسر مقرر کیا جاوے۔ اُنہوں نے کہا کہ اس کے لئے جلسوں کی ضرورت نہیں اپنی شکایات لکھ کر حضرت عثمانؓ کی طرف بھیج دو۔ وہ کسی اور شخص کو والی مقرر کرکے بھیج دیں گے اس میں مشکل کون سی ہے۔ یہ بات

انہوں نے اس لئے کہی کہ زمانۂ خلفاءؓ میں لوگوں کے آرام کے خیال سے جب والیوں کے خلاف کوئی تکلیف ہوتی تھی تو اکثر اُن کو بدل دیا جاتا تھا۔ قعقاع کا یہ جواب سن کر یہ لوگ بظاہر منتشر ہو گئے مگر خفیہ طور پر منصوبہ کرتے رہے۔ آخر یزید بن قیس نے جو اُس وقت کوفہ میں سبائیوں کا رئیس تھا ایک آدمی کو خط دے کر حمص کی طرف روانہ کیا اور کہا کہ ان لوگوں کو جو کوفہ سے جلا وطن کئے گئے تھے اور جن کا واقعہ پہلے بیان ہو چکا ہے وہ بُلا لائے۔ وہ خط لے کر ان لوگوں کے پاس گیا۔ اس خط کا مضمون یہ تھا کہ اہلِ مصر ہمارے ساتھ مل گئے ہیں اور موقع بہت اچھا ہے یہ خط پہنچتے ہی ایک منٹ کی دیر نہ کرو اور واپس آجاؤ۔

کس قدر تعجب کی بات ہے کہ خلیفۂ وقت سابق بِالایمان رسول کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کے داماد کے خلاف جوش ظاہر کرنے والے اور اس پر عیب لگانے والے وہ لوگ ہیں جو خود نمازوں کے تارک ہیں۔ کیا ہوسکتا ہے کہ اسلام کے لئے غیرت صرف بے دینوں میں پیدا ہو؟ اگر واقعہ میں حضرت عثمانؓ یا ان کے والیوں میں کوئی نقص ہوتا، کوئی بات خلافِ شریعت ہوتی، کوئی کمزوری ہوتی تو اس کے خلاف جوش کا اظہار کرنے والے علی، طلحہ، زبیر، سعد بن الوقاص، عبداللہ بن عمر، اسامہ بن زید، عبداللہ بن عباس، ابوموسیٰ اشعری، حذیفہ بن الیمان، ابوہریرہ، عبداللہ بن سلام، عبادہ بن صامت اور محمد بن مسلمہ رضوان اللہ علیہم ہوتے نہ کہ یزید بن قیس اور اشتر۔

یہ خط لے کر نامہ بَر جزیرہ پہنچا اور جلاوطنانِ اہلِ کوفہ کے سپرد کر دیا۔ جب انہوں نے اس خط کو پڑھا تو سوائے اشتر کے سب نے ناپسند کیا۔ کیونکہ وہ عبدالرحمٰن بن خالد کے ہاتھ دیکھ چکے تھے۔ مگر اشتر جو مدینہ میں جا کر حضرت عثمانؓ سے معافی مانگ کر آیا تھا اس کی توبہ قائم نہ رہی اور اُسی وقت کوفہ کی طرف چل پڑا۔ جب اس کے ساتھیوں نے دیکھا کہ اشتر واپس چلا گیا تو وہ ڈرے کہ عبدالرحمٰن ہماری بات پر یقین نہ کریں گے اور سمجھیں گے کہ یہ سب کام ہمارے مشورہ سے ہوا ہے۔ اس خوف سے وہ بھی نکل بھاگے جب عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کو معلوم ہوا تو انہوں نے پیچھے آدمی بھیجے مگر ان کے آدمی ان کو پکڑ نہ سکے۔ مالک الاشتر منزلوں پر منزلیں مارتا ہوا کوفہ پہنچا۔ خالی ہاتھ شہر میں گھسنا اُس نے اپنی عزت کے خلاف

سمجھا۔ یہ جزیرہ سے آنے واالاشخص جواپنے ساتھیوں سے ملنے کے لئے دودومنزلوں کی ایک منزل کرتا چلا آیا تھا اپنے مدینہ سے آنے کا اعلان کرنے لگا اورلوگوں کو جوش دلانے کے لئے کہنے لگا کہ میں ابھی سعید بن العاص سے جُدا ہوا ہوں، ان کے ساتھ ایک منزل ہم سفر رہا ہوں۔وہ عَلَی الْاِعَلَان کہتا ہے کہ میں کوفہ کی عورتوں کی عصمتوں کوخراب کروں گا اور کہتا ہے کہ کوفہ کی جائدادیں قریش کا مال ہیں۔اور یہ شعرفخریہ پڑھتا ہے۔

وَیْلٌ لِاَشْرَافِ النِّسَاءِ مِنِّیْ

صَمَحْمَحٌ کَاَنَّنِیْ مِنْ جِنٍّ [۲۴]

شریف عورتیں میرے سبب سے مصیبت میں مبتلاء ہوں گی۔ میں ایک ایسا مضبوط آدمی ہوں گویا جنات میں سے ہوں اس کی ان باتوں سے عامہ الناس کی عقل ماری گئی اورانہوں نے اس کی باتوں پر یقین کرلیا اورآناًفاناً ایک جوش پھیل گیا۔عقل مندوں اورداناؤں نے بہت سمجھایا کہ یہ ایک فریب ہے اس فریب میں تم نہ آؤ مگرعوام کے جوش کوکون روکے ان کی بات ہی کوئی نہ سنتا تھا۔ایک آدمی نے کھڑے ہوکر اعلان کیا کہ جو چاہتا ہے کہ سعید بن العاص والی کوفہ کی واپسی اورکسی اوروالی کے تقرر کا مطالبہ کرے اسے چاہیے کہ فوراًیزید بن قیس کے ہمراہ ہوجائے اس اعلان پر لوگ دوڑ پڑے اورمسجد میں سوائے داناؤں، شریف آدمیوں اور رؤساء کے اورکوئی نہ رہا۔عمر بن الجرید،سعید کی غیر حاضری میں ان کے قائمقام تھے۔انہوں نے جولوگ باقی رہ گئے تھے ان میں وعظ کہنا شروع کیا کہ اے لوگو! خداتعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو کہ ہم دشمن تھے۔اس نے تمہارے دلوں میں اتحاد پیدا کیا اورتم بھائی بھائی ہو گئے۔تم ایک ہلاکت کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے خداتعالیٰ نے تم کو اس سے بچایا پس اس مصیبت میں اپنے آپ کو نہ ڈالو جس سے خداتعالیٰ نے تم کو بچایا تھا۔ کیا اسلام اور ہدایت الٰہی اورسنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعدتم لوگ حق کونہیں پہچانتے اورحق کے دروازہ کی طرف نہیں آتے؟اس پر قعقاع بن عمروؓ نے ان سے کہا کہ آپ وعظ سے اس فتنہ کوروکنا چاہتے ہیں یہ امید نہ رکھیں۔ان شورشوں کوتلوار کے سوا کوئی چیز نہیں روک سکتی اوروہ زمانہ بعید نہیں کہ تلوار بھی کھینچی جائے گی۔اس وقت یہ لوگ بکری کے

بچوں کی طرح چیخیں گے اور خواہش کریں گے کہ یہ زمانہ پھر لوٹ آوے مگر پھر خدا تعالیٰ قیامت تک یہ نعمت ان کی طرف نہ لوٹائے گا۔عوام الناس شہر کے باہر جمع ہوئے اور مدینہ کا رُخ کیا اور سعید بن العاص کا انتظار کرنے لگے۔ جب وہ سامنے آئے تو ان سے کہا کہ آپ واپس چلے جاویں ہمیں آپ کی ضرورت نہیں۔سعید نے کہا کہ یہ بھی کوئی دانائی ہے کہ اس قدر آدمی جمع ہو کر اس کام کے لئے باہر نکلے ہو۔ایک آدمی کے روکنے کے لئے ہزار آدمی کی کیا ضرورت تھی یہی کافی تھا کہ تم ایک آدمی خلیفہ کی طرف بھیج دیتے اور ایک آدمی میری طرف روانہ کر دیتے۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنی سواری کو ایڑی لگائی اور مدینہ کی طرف واپس لوٹ گئے تا کہ حضرت عثمانؓ کو خبردار کر دیں۔اور یہ لوگ حیران رہ گئے اتنے میں ان کا ایک غلام نظر آیا اُس کو اِن لوگوں نے قتل کر دیا۔

سعید بن العاص نے مدینہ پہنچ کر حضرت عثمانؓ کو اس تمام فتنہ سے اطلاع دی۔آپ نے فرمایا کہ کیا وہ لوگ میرے خلاف اُٹھے ہیں؟ سعید نے کہا کہ وہ ظاہر تو یہ کرتے ہیں کہ والی بدلا یا جاوے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ وہ کسے چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا ابوموسیٰ اشعریؓ کو پسند کرتے ہیں۔

ابوموسیٰ اشعریؓ کا والی کوفہ مقرر ہونا

حضرت عثمانؓ نے فرمایا ہم نے ابوموسیٰ اشعری کو کوفہ کا والی مقرر کر دیا اور خدا کی قسم ہے ان لوگوں کو عُذر کا کوئی موقع نہ دوں گا اور کوئی دلیل ان کے ہاتھوں میں نہیں آنے دوں گا اور ان کی باتوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم کے ماتحت صبر کروں گا یہاں تک کہ وہ وقت آجاوے جس کا یہ ارادہ کرتے ہیں یعنی عثمان کے علیحدہ کرنے کا۔اس فتنہ نے ظاہر کر دیا کہ یہ لوگ جھوٹ اور فریب سے کسی قسم کا پرہیز نہیں رکھتے تھے۔

مفسدوں کی سازشوں کا انکشاف

مالک الاشتر کا جزیرہ سے بھاگ کر چلے آنا اور مدینہ سے آنے کا اظہار کرنا، سعید بن العاص پر جھوٹا الزام لگانا اور شرمناک باتیں اپنے پاس سے بنا کر ان کی طرف منسوب کرنا ایسے امور نہیں ہیں جو ان مُفسدوں کے اصل ارادوں اور مخفی خواہشوں کو چھپا

رہنے دیں۔ بلکہ اب باتوں سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ اسلام سے بالکل کورے تھے۔ اسلام جھوٹ کو جائز نہیں قرار دیتا اور فریب کا روادار نہیں۔ اتہام لگانا اسلام میں ایک سخت جُرم ہے۔ مگر یہ اسلام کی محبت ظاہر کرنے والے اور اس کے لئے غیرت کا اظہار کرنے والے جھوٹ بولتے ہیں۔ اتہام لگاتے ہیں اور ان کاموں سے ان کو کائی عار نہیں معلوم ہوتی۔ پس ایسے لوگوں کا حضرت عثمانؓ کے خلاف شور مچانا ہی اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ کسی حقیقی نقص کی وجہ سے یہ شورش نہیں تھی بلکہ اسلام سے دُوری اور بے دینی کا نتیجہ ہے۔

دوسرا استنباط اس واقعہ سے یہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے پاس حضرت عثمانؓ اور ان کے عُمال کے برخلاف ایک بھی واجبی شکایت نہ تھی کیونکہ اگر واقعہ میں کوئی شکایت ہوتی تو ان کو جھوٹ بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ جھوٹی شکایات کا بنانا ہی اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ ان لوگوں کو حقیقی شکایات نہ تھیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اشتر کے آنے سے پہلے جب یزید نے جلسہ کیا ہے تو اُس وقت صرف چند سپاہی لوگ ہی اس جلسہ میں شریک ہوئے تھے اور قعقاع کے روکنے پر یہ لوگ ڈر گئے اور جلسہ کرنا انہوں نے موقوف کر دیا تھا۔ مگر اسی مہینہ کے اندر اندر ہم دیکھتے ہیں کہ اشتر کے جھوٹ سے متأثر ہو کر کوفہ کے عامۃ الناس کا ایک کثیر گروہ ان لوگوں کے ساتھ مل کر سعید کو روکنے اور دوسرے والی کے طلب کرنے کے لئے کوفہ سے نکل پڑا۔ یہ امر اس بات کی شہادت ہے کہ پہلے لوگ ان کی باتوں میں نہ آئے تھے کیونکہ ان کے پاس ان کو جوش دلانے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اشتر نے جب ایسا ذریعہ ایجاد کیا جو لوگوں کی غیرت کو بھڑکانے والا تھا تو عامۃ الناس کا ایک حصہ فریب میں آ گیا اور ان کے ساتھ مل گیا۔

اس فتنہ کے اظہار سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ان لوگوں کی اصل مخالفت حضرت عثمانؓ سے تھی نہ کہ ان کے عُمّال سے۔ کیونکہ ابتداءً یہ لوگ آپ کے ہی خلاف جوش بھڑکانا چاہتے تھے مگر جب دیکھا کہ لوگ اس بات میں ان کے شریک نہیں ہو سکتے بلکہ ان کی مخالفت پر آمادہ ہو جاتے ہیں تب امراء کے خلاف جوش بھڑکانا شروع کر دیا۔ ایک جماعت کثیر کے ساتھ مدینہ کی طرف رُخ کرنا بھی ثابت کرتا ہے کہ ان کی نیت حضرت عثمانؓ

کے متعلق اچھی نہ تھی۔ سعید بن العاصؓ کے آزاد کردہ غلام کو بلا وجہ قتل کردینے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اپنے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے ان لوگوں کو کسی جُرم کے ارتکاب سے اجتناب نہ تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ اب یہ لوگ اس بات کو محسوس کرنے لگ گئے تھے کہ اگر چندے اور دیر ہوئی تو اُمت اسلامیہ پوری طرح ہمارے فتنہ کی اہمیت سے آگاہ ہوجائے گی اس لئے وہ جس طرح بھی ہو اپنے مدعا کو جلد سے جلد پورا کرنے کی فکر میں تھے۔ مگر حضرت عثمانؓ نے اپنی دانائی سے ایک دفعہ پھران کے عذرات کو توڑ دیا اور ابوموسیٰ اشعریؓ کو والی مقرر کرکے فوراً ان لوگوں کو اطلاع دی۔ سعید بن العاصؓ کے واپس چلے جانے اوران کے ارادوں سے اہلِ مدینہ کو اطلاع دے دینے سے ان کی امیدوں پر پہلے ہی پانی پھر چکا تھا اور یک دم مدینہ پر قبضہ کرلینے کے منصوبے جو سوچ رہے تھے باطل ہوچکے تھے اور یہ لوگ واپس ہونے پر مجبور ہوچکے تھے۔ اب ابوموسیٰ اشعریؓ کے والی مقرر ہونے پر ان کے عذرات بالکل ہی ٹوٹ گئے کیونکہ یہ لوگ ایک مدت سے ان کی ولایت کے طالب تھے۔

ابوموسیٰ اشعریؓ کو جب معلوم ہوا کہ ان کو کوفہ کا والی مقرر کیا گیا ہے تو انہوں نے سب لوگوں کو جمع کیا اور کہا کہ اے لوگو! ایسے کاموں کیلئے پھر کبھی نہ نکلنا اور جماعت اور اطاعت کو اختیار کرو اور صبر سے کام لو اور جلد بازی سے بچو کیونکہ اب تم میں ایک امیر موجود ہے یعنی میں امیر مقرر ہوا ہوں۔ اس پر ان لوگوں نے درخواست کی کہ آپ ہمیں نماز پڑھائیں تو انہوں نے اس سے انکار کردیا اور فرمایا کہ نہیں یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔

حاکم وقت کی اطاعت ضروری ہے

جب تک تم لوگ حضرت عثمانؓ کی کامل اطاعت اور ان کے احکام کے قبول کرنے کا اقرار نہ کروگے میں تمہارا امام جماعت نہیں بنوں گا۔ اِس پر ان لوگوں نے اس امر کا وعدہ کیا کہ وہ آئندہ پوری طرح اطاعت کریں گے اور ان کے احکام کو قبول کریں گے تب حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اُن کو نماز پڑھائی۔ اسی طرح حضرت ابوموسیٰؓ نے ان کو کہا کہ سنو! میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا ہے کہ جو کوئی ایسے وقت میں کہ

لوگ ایک امام کے ماتحت ہوں ان میں تفرقہ ڈالنے کے لئے اوران کی جماعت کو پراگندہ کرنے کے لئے کھڑا ہوجاوے اُسے قتل کردوخواہ وہ کوئی ہی کیوں نہ ہو[۲۵]۔ اوررسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کے ساتھ اس کے عادل ہونے کی شرط نہیں لگائی یعنی تم لوگ یہ نہیں کہہ سکتے کہ حضرت عثمانؓ عادل نہیں کیونکہ اگر یہ مان لیا جاوے تو تمہارا یہ فعل جائز نہیں۔ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عادل کی شرط نہیں لگائی بلکہ صرف یہ فرمایا ہے کہ لوگوں پر کوئی حاکم ہو۔

یہ خیالات ہیں ان لوگوں کے جنہوں نے اپنی عمریں خدمت اسلام کیلئے خرچ کردی تھیں اورجنہوں نے اسلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے سنا تھا اورآپ کے سامنے ان پر عمل کر کے سندِ قبولیت حاصل کی تھی۔ وہ لوگ ان مفسدوں کے پیچھے نماز پڑھنا تو الگ رہا ان کا امام بننا بھی پسند نہیں کرتے تھے اوران کو واجبُ القتل جانتے تھے۔ کیا ان لوگوں کی نسبت کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ لوگ فتنہ عثمانؓ میں شامل تھے یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ اوران کے عُمّال حقوقِ رعایا کوتلف کرتے تھے یا ان واقعات کی موجودگی میں قبول کیا جا سکتا ہے کہ ان لوگوں کی خاطر یہ مفسد فساد برپا کررہے تھے؟ نہیں بلکہ یہ فسادی جماعت صحابہؓ پر حسد کرکے فساد پر آمادہ تھے اوراپنے دلی خیالات کو چھپاتے تھے حکومت اسلام کی بربادی ان کا اصل مقصد تھا۔ اور یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا تھا جب تک حضرت عثمانؓ کو درمیان سے نہ ہٹایا جائے۔ بعض جاہل یا بے دین مسلمان بھی ان کے اس فریب کو نہ سمجھ کر خودغرضی یا سادگی کے باعث ان کے ساتھ مل گئے تھے۔

مفسدوں کی ایک اورسازش

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے والی مقرر ہوجانے پران لوگوں کے فتنہ برپا کرنے کی کوئی وجہ باقی نہ رہی تھی لیکن اس فتنہ کے اصل محرک اس امرکو پسند نہ کرسکتے تھے کہ ان کی تمام کوششیں اس طرح برباد ہوجاویں۔ چنانچہ خط وکتابت شروع ہوئی اورفیصلہ کیا گیا کہ سب مُلکوں کی طرف سے کچھ لوگ وفد کے طور پر مدینہ منورہ کو چلیں۔ وہاں آپس میں آئندہ طریقِ عمل کے متعلق مشورہ بھی کیا جاوے اورحضرت عثمانؓ سے بعض سوال کئے جاویں تاکہ وہ باتیں تمام

اقطارِ عالم میں پھیل جاویں اور لوگوں کو یقین ہو جاوے کہ حضرت عثمانؓ پر جو الزامات لگائے جاتے تھے وہ پایۂ ثبوت کو پہنچا دیئے گئے ہیں۔ یہ مشورہ کرکے یہ لوگ گھروں سے نکلے اور مدینے کی طرف سب نے رُخ کیا۔ جب مدینہ کے قریب پہنچے تو حضرت عثمانؓ کو ان کی آمد کا علم ہوا۔ آپ نے دو آدمیوں کو بھیجا کہ وہ ان کا بھید لیں اور ان کی آمد کی اصل غرض دریافت کرکے اطلاع دیں۔ یہ دونوں گئے اور مدینہ سے باہر اس قافلہ سے جا ملے۔ ان لوگوں نے ان دونوں مخبروں سے باتوں باتوں میں اپنے حالات بیان کر دیئے انہوں نے ان سے دریافت کیا کہ کیا اہل مدینہ میں سے بھی کوئی شخص ان کے ساتھ ہے؟ جس پر مفسدوں نے کہا کہ وہاں تین شخص ہیں ان کے سوا کوئی چوتھا شخص ان کا ہمدرد نہیں۔ ان دونوں نے دریافت کیا کہ پھر تمہارا کیا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ ارادہ یہ ہے کہ ہم مدینہ جاکر حضرت عثمانؓ سے بعض ایسے امور کے متعلق گفتگو کریں گے جو پہلے سے ہم نے لوگوں کے دلوں میں بٹھا چھوڑے ہیں۔ پھر ہم اپنے مُلکوں کو واپس جاویں گے اور لوگوں سے کہیں گے کہ ہم نے حضرت عثمانؓ پر بہت الزام لگائے اور ان کی سچائی ثابت کر دی مگر انہوں نے ان باتوں کے چھوڑنے سے انکار کر دیا اور توبہ نہیں کی۔ پھر ہم حج کے بہانہ سے نکلیں گے اور مدینہ پہنچ کر آپ کا احاطہ کرلیں گے۔ اگر آپ نے خلافت سے علیحدگی اختیار کرلی تب تو خیر ورنہ آپ کو قتل کر دیں گے۔

سازش کا انکشاف

یہ دونوں مخبر پوری طرح ان کا حال لیکر واپس گئے اور حضرت عثمانؓ کو سب حال سے اطلاع دی۔ آپ ان لوگوں کا حال سن کر ہنس پڑے اور خدا تعالیٰ سے دعا کی کہ الٰہی! ان لوگوں کو گمراہی سے بچالے۔ اگر تُو نہ بچاوے گا تو یہ لوگ برباد ہو جاویں گے۔ پھر ان تینوں شخصوں کی نسبت جو مدینہ والوں میں سے ان لوگوں کے ساتھ تھے فرمایا کہ عمار کو تو یہ غصہ ہے کہ اس نے عباس بن عتبہ بن ابی لہب پر حملہ کیا تھا اور اس کو زجر کی تھی اور محمد بن ابی بکر متکبر ہو گیا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اب اس پر کوئی قانون نہیں چلتا اور محمد بن ابی حذیفہ خواہ مخواہ اپنے آپ کو مصیبت میں ڈال رہا ہے۔ پھر آپ نے ان مفسدوں کو بھی بُلوایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو بھی جمع کیا۔

حضرت عثمان کا مُفسدوں کو بلوانا

جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے ان لوگوں کو سب حال سنایا اور وہ دونوں مخبر بھی بطور گواہ کھڑے ہوئے اور گواہی دی۔ اس پر صحابہؓ نے فتویٰ دیا کہ ان لوگوں کو قتل کر دیجئے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص ایسے وقت میں کہ ایک امام موجود ہو اپنی اطاعت یا کسی اور اطاعت کے لئے لوگوں کو بلاوے اس پر خدا کی لعنت ہو۔ تم ایسے شخص کو قتل کر دو خواہ کوئی ہو[۲۶] اور حضرت عمرؓ کا قول یاد دلایا کہ میں تمہارے لئے کسی ایسے شخص کا قتل جائز نہیں سمجھتا جس میں مَیں شریک نہ ہوں یعنی سوائے حکومت کے اشارہ کے کسی شخص کا قتل جائز نہیں۔ حضرت عثمانؓ نے صحابہؓ کا یہ فتویٰ سن کر فرمایا کہ نہیں ہم ان کو معاف کریں گے اور ان کے عذروں کو قبول کریں گے اور اپنی ساری کوشش سے ان کو سمجھاویں گے اور کسی شخص کی مخالفت نہیں کریں گے۔ جب تک وہ کسی حدِّ شرعی کو نہ توڑے یا اظہارِ کفر نہ کرے۔

حضرت عثمانؓ کا اتہامات سے بریت ثابت کرنا

پھر فرمایا کہ ان لوگوں نے کچھ باتیں بیان کی ہیں جو تم کو بھی معلوم ہیں مگر ان کا خیال ہے کہ وہ ان باتوں کے متعلق مجھ سے بحث کریں تا کہ واپس جا کر کہہ سکیں کہ ہم نے ان امور کے متعلق عثمانؓ سے بحث کی اور وہ ہار گئے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے سفر میں پوری نماز ادا کی حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں نماز قصر کیا کرتے تھے[۲۷]۔ مگر میں نے صرف منیٰ میں پوری پڑھی ہے اور وہ بھی دو وجہ سے۔ ایک تو یہ کہ میری وہاں جائداد تھی اور میں نے وہاں شادی کی ہوئی تھی۔ دوسرے یہ کہ مجھے معلوم ہوا تھا کہ چاروں طرف سے لوگ ان دنوں حج کے لئے آئے ہیں ان میں سے ناواقف لوگ کہنے لگیں گے کہ خلیفہ تو دو ہی رکعت پڑھتا ہے دو ہی رکعت ہوں گی۔ کیا یہ بات درست نہیں؟ صحابہؓ نے جواب دیا کہ ہاں درست ہے۔ آپ نے فرمایا دوسرا الزام یہ لگاتے ہیں کہ میں نے رکھ مقرر کرنے کی بدعت جاری کی ہے حالانکہ یہ الزام غلط ہے۔ رکھ مجھ سے پہلے مقرر کی گئی تھی حضرت عمرؓ نے اس کی ابتداء کی تھی اور میں نے صرف

صدقہ کے اونٹوں کی زیادتی پر اس کو وسیع کیا ہے اور پھر رکھ میں جو زمین لگائی گئی ہے وہ کسی کا مال نہیں ہے اور میرا اس میں کوئی فائدہ نہیں میرے تو صرف دو اونٹ ہیں حالانکہ جب میں خلیفہ ہوا تھا اُس وقت میں سب عرب سے زیادہ مال دار تھا اب صرف دو اونٹ ہیں جو حج کے لئے رکھے ہوئے ہیں۔کیا یہ درست نہیں؟ صحابہؓ کرام نے فرمایا ہاں درست ہے۔ پھر فرمایا یہ کہتے ہیں کہ نوجوانوں کو حاکم بناتا ہے حالانکہ میں ایسے ہی لوگوں کو حاکم بناتا ہوں جو نیک صفات نیک اطوار ہوتے ہیں اور مجھ سے پہلے بزرگوں نے میرے مقرر کردہ والیوں سے زیادہ نوعمر لوگوں کو حاکم مقرر کیا تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اسامہ بن زیدؓ کے سردارِ لشکر مقرر کرنے پر اس سے زیادہ اعتراض کئے گئے تھے جو اب مجھ پر کئے جاتے ہیں۔ کیا یہ درست نہیں؟ صحابہؓ نے جواب دیا کہ ہاں درست ہے۔ یہ لوگوں کے سامنے عیب تو بیان کرتے ہیں مگر اصل واقعات نہیں بیان کرتے۔غرض اسی طرح حضرت عثمانؓ نے تمام اعتراضات ایک ایک کر کے بیان کئے اور ان کے جواب بیان کئے۔صحابہؓ برابر زور دیتے کہ ان کو قتل کر دیا جائے مگر حضرت عثمانؓ نے ان کی یہ بات نہ مانی اور ان کو چھوڑ دیا۔طبری کہتا ہے کہ اَبَى الْمُسْلِمُوْنَ اِلَّا قَتْلَهُمْ وَاَبٰى اِلَّا تَرْكَهُمْ [۲۸]۔یعنی باقی سب مسلمان تو ان لوگوں کے قتل کے سوا کسی بات پر راضی نہ ہوتے تھے مگر حضرت عثمانؓ سزا دینے پر کسی طرح راضی نہ ہوتے تھے۔

حضرت عثمانؓ کا مفسدوں پر رحم کرنا

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مفسد لوگ کس کس قسم کے فریب اور دھو کے سے کام کرتے تھے اور اُس زمانہ میں جب کہ پریس اور سامانِ سفر کا وہ انتظام نہ تھا جو آجکل ہے کیسا آسان تھا کہ یہ لوگ ناواقف لوگوں کو گمراہ کر دیں۔مگر اصل میں ان لوگوں کے پاس کوئی معقول وجہ فساد کی نہ تھی۔ نہ حق ان کے ساتھ نہ یہ حق کے ساتھ تھے۔ ان کی تمام کارروائیوں کا دارومدار جھوٹ اور باطل پر تھا اور صرف حضرت عثمانؓ کا رحم ان کو بچائے ہوئے تھا ورنہ مسلمان ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔ وہ کبھی برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ وہ امن وامان جو انہوں نے اپنی جانیں قربان کر کے حاصل کیا تھا چند شریروں کی شرارتوں سے

اس طرح جاتا رہے اور وہ دیکھتے تھے کہ ایسے لوگوں کو اگر جلد سزا نہ دی گئی تو اسلامی حکومت تہ و بالا ہو جائے گی۔ مگر حضرت عثمانؓ رحمِ مجسم تھے وہ چاہتے تھے کہ جس طرح ہو ان لوگوں کو ہدایت مل جائے اور یہ کفر پر نہ مریں۔ پس آپ ڈھیل دیتے تھے اور ان کے صریح بغاوت کے اعمال کو محض ارادۂ بغاوت سے تعبیر کر کے سزا کو پیچھے ڈالتے چلے جاتے تھے۔ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ ان لوگوں سے بالکل متنفر تھے کیونکہ اوّل تو خود وہ بیان کرتے ہیں کہ صرف تین اہلِ مدینہ ہمارے ساتھ ہیں اس سے زیادہ نہیں اگر اور صحابہؓ بھی ان کے ساتھ ہوتے تو وہ ان کا نام لیتے۔ دوسرے صحابہؓ نے اپنے عمل سے یہ بھی ثابت کر دیا کہ وہ ان لوگوں کے افعال سے متنفر تھے اور ان کے اعمال کو ایسا خلافِ شریعت سمجھتے تھے کہ سزا قتل سے کم ان کے نزدیک جائز ہی نہ تھی۔ اگر صحابہؓ ان کے ساتھ ہوتے یا اہلِ مدینہ ان کے ہم خیال ہوتے تو کسی مزید حیلہ و بہانہ کی ان لوگوں کو کچھ ضرورت ہی نہیں تھی۔ اُسی وقت حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیتے اور ان کی جگہ کسی اور شخص کو خلافت کے لئے منتخب کر لیتے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ بجائے اس کے کہ یہ لوگ حضرت عثمانؓ کے قتل میں کامیاب ہوتے خود ان کی جانیں صحابہؓ کی شمشیر ہائے برہنہ سے خطرہ میں پڑ گئی تھیں۔ اور صرف اسی رحیم وکریم وجود کی عنایت و مہربانی سے یہ لوگ بچ کر واپس جا سکے جس کے قتل کا ارادہ ظاہر کرتے تھے اور جس کے خلاف اس قدر فساد برپا کر رہے تھے۔ ان مفسدوں کی کینہ وری اور تقویٰ سے بُعد پر تعجب آتا ہے کہ اس واقعہ سے انہوں نے کچھ بھی فائدہ نہیں اُٹھایا۔ ان کے ایک ایک اعتراض کا خوب جواب دیا گیا اور سب الزام غلط اور بے بنیاد ثابت کر دیئے گئے۔ حضرت عثمانؓ کا رحم وکرم انہوں نے دیکھا اور ہر ایک شخص کی جان اس پر گواہی دے رہی تھی کہ اس شخص کا مثیل اِس وقت دنیا کے پردہ پر نہیں مل سکتا۔ مگر بجائے اس کے کہ اپنے گناہوں سے توبہ کرتے، جفاؤں پر پشیمان ہوتے، اپنی غلطیوں پر نادم ہوتے، اپنی شرارتوں سے رجوع کرتے، یہ لوگ غیظ وغضب کی آگ میں اور بھی زیادہ جلنے لگے اور اپنے لاجواب ہونے کو اپنی ذلّت اور حضرت عثمانؓ کے عفو کو اپنی حسنِ تدبیر کا نتیجہ سمجھتے ہوئے آئندہ کے لئے اپنی بقیہ تجویز کے پورا کرنے کی تدابیر سوچتے ہوئے واپس لوٹ گئے۔

مفسدوں کی ایک اور گہری سازش

واپس جا کر ان لوگوں نے پھر خط وکتابت شروع کی اور آخر فیصلہ کیا کہ شوال میں اپنی پہلی تجویز کے مطابق حج کے ارادہ سے قافلہ بن کر نکلیں اور مدینہ میں جا کر یکدم تمام انتظام کو درہم برہم کر دیں اور اپنی مرضی کے مطابق نظامِ حکومت کو بدل دیں۔ اس تجویز کے مطابق شوال یعنی چاند کے دسویں مہینے حضرت عثمانؓ کی خلافت کے بارھویں سال، چھتیسویں سال ہجری میں یہ لوگ تین قافلے بن کر اپنے گھروں سے نکلے۔ ایک قافلہ بصرہ سے، ایک کوفہ سے اور ایک مصر سے۔ پچھلی دفعہ کی ناکامی کا خیال کر کے اور اس بات کو مدّنظر رکھ کر کہ یہ کوشش آخری کوشش ہے عبداللہ بن سبا خود بھی مصر کے قافلہ کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس رئیس المفسدین کا خود باہر نکلنا اس امر کی علامت تھا کہ یہ لوگ اب ہر ایک ممکن تدبیر سے اپنے مدعا کے حصول کی کوشش کریں گے۔ چونکہ ہر ایک گروہ نے اپنے علاقہ میں حج پر جانے کے ارادہ کا اظہار کیا تھا کچھ اور لوگ بھی ان کے ساتھ بہ ارادہ حج شامل ہو گئے اور اس طرح اصل ارادے ان لوگوں کے عامۃ المسلمین سے مخفی رہے۔ مگر چونکہ حُکّام کو ان کی اندرونی سازش کا علم تھا عبداللہ بن ابی سرح والی مصر نے ایک خاص آدمی بھیج کر حضرت عثمانؓ کو اِس قافلہ اور اس کے مخفی ارادہ کی اطلاع قبل از وقت دے دی جس سے اہلِ مدینہ پہلے ہوشیار ہو گئے۔

اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب تک اہل مدینہ اور خصوصاً صحابہؓ ان لوگوں کے تین دفعہ آنے پر ان کو قتل کرنا چاہتے تھے اور ان کو یہ معلوم تھا کہ ان کا حج کے بہانہ سے آکر فساد کرنے کا ارادہ حضرت عثمانؓ پر ظاہر ہے تو پھر کیوں انہوں نے کوئی اور تدبیر اختیار نہ کی اور اسی پہلی تدبیر کے مطابق جن کا علم حضرت عثمانؓ کو ہو چکا تھا سفر کیا۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ درحقیقت اہل مدینہ ان لوگوں کے ساتھ تھے اسی وجہ سے یہ لوگ ڈرے نہ تھے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ بے شک ان کی یہ دلیری ظاہر کرتی ہے کہ ان لوگوں کو اپنی کامیابی کا پورا یقین تھا مگر اس کی یہ وجہ نہیں کہ صحابہؓ یا اہلِ مدینہ ان کے ساتھ تھے یا ان سے ہمدردی کا اظہار کرتے تھے بلکہ جیسا کہ خود ان کے بیان سے ثابت ہے کہ صرف تین شخص

مدینہ کے ان کے ساتھ تھے۔ اور جیسا کہ واقعات سے ثابت ہے صحابہؓ اور دیگر اہل مدینہ ان لوگوں سے سخت بیزار تھے۔ پس ان کی دلیری کا یہ باعث تو نہیں ہوسکتا کہ وہ لوگ ان سے کسی قسم کی ہمدردی کا اظہار کرتے تھے ان کی دلیری کا اصل باعث اوّل تو حضرت عثمانؓ کا رحم تھا۔ یہ لوگ سمجھتے تھے کہ اگر ہم کامیاب ہوگئے توفَهُوَ الْمُرَادُ۔ اور اگر ناکام رہے تو حضرت عثمانؓ سے درخواست رحم کرکے سزا سے بچ جائیں گے۔ دوسرے گو صحابہؓ اہل مدینہ کا طریق عمل یہ پچھلی دفعہ دیکھ چکے تھے اور ان کو معلوم تھا کہ حضرت عثمانؓ کو ہماری آمد کا علم ہے مگر یہ لوگ خیال کرتے تھے کہ حضرت عثمانؓ اپنے حلم کے باعث ان کے خلاف لڑنے کے لئے کوئی لشکر نہیں جمع کریں گے اور صحابہؓ ہمارا مقابلہ نہیں کریں گے۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے نفس پر قیاس کرکے سمجھتے تھے کہ صحابہؓ ظاہر میں حضرت عثمانؓ سے اخلاص کا اظہار کرتے ہیں ورنہ اصل میں ان کی ہلاکت کو پسند کرتے ہیں۔ اور اس خیال کی یہ وجہ تھی کہ یہ لوگ یہی ظاہر کیا کرتے تھے کہ صحابہؓ کے حقوق کی حفاظت کیلئے ہی ہم سب کچھ کر رہے ہیں۔ پس ان کو خیال تھا کہ صحابہؓ ہمارے اس فریب سے متأثر ہیں اور دل میں ہمیں سے ہمدردی رکھتے ہیں۔

مفسدوں کا مدینہ میں پہنچنا

جونہی اس لشکر کے مدینہ کے قریب پہنچنے کی اطلاع ملی صحابہؓ اور اہل مدینہ جو اِرد گرد میں جائدادوں پر انتظام کے لئے گئے ہوئے تھے مدینہ میں جمع ہوگئے اور لشکر کے دو حصے کئے گئے۔ ایک حصہ تو مدینہ کے باہر ان لوگوں کے مقابلہ کرنے کے لئے گیا اور دوسرا حصہ حضرت عثمانؓ کی حفاظت کیلئے شہر میں رہا۔ جب تینوں قافلے مدینے کے پاس پہنچے تو اہل بصرہ نے ذوخشب مقام پر ڈیرہ لگایا، اہل کوفہ نے اعوص پر اور اہل مصر نے ذوالمروہ پر۔ اور مشورہ کیا گیا کہ اب ان کو کیا کرنا چاہیے۔ گو اس لشکر کی تعداد کا اندازہ اٹھارہ سَو آدمی سے لے کر تین ہزار تک کیا جاتا ہے۔ (دوسرے حجاج جو ان کو قافلۂ حج خیال کرکے ان کے ساتھ ہوگئے تھے وہ علیحدہ تھے) مگر پھر بھی یہ لوگ سمجھتے تھے کہ دلاورانِ اسلام کا مقابلہ اگر وہ مقابلہ پر آمادہ ہوئے ان کے لئے آسان نہ ہوگا۔ اس لئے مدینہ میں داخل ہوتے ہی پہلے اہل مدینہ کی رائے معلوم کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ چنانچہ دو شخص زیاد بن النضر اور عبداللہ بن الاصم نے

اہل کوفہ اور اہل بصرہ کو مشورہ دیا کہ جلدی اچھی نہیں وہ اگر جلدی کریں گے تو اہل مصر کو بھی جلدی کرنی پڑے گی اور کام خراب ہو جائیگا۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اہل مدینہ نے ہمارے مقابلہ کے لئے لشکر تیار کیا ہے اور جب ہمارے پورے حالات معلوم نہ ہونے کے باوجود انہوں نے اس قدر تیاری کی ہے تو ہمارا پورا حال معلوم ہونے پر تو وہ اور بھی زیادہ ہوشیاری سے کام لیں گے اور ہماری کامیابی خواب وخیال ہو جائے گی۔ پس بہتر ہے کہ ہم پہلے جا کر وہاں کا حال معلوم کریں اور اہل مدینہ سے بات چیت کریں۔ اگر ان لوگوں نے ہم سے جنگ جائز نہ سمجھی اور جو خبریں ان کی نسبت ہمیں معلوم ہوئی ہیں وہ غلط ثابت ہوئیں تو پھر ہم واپس آ کر سب حالات سے تم کو اطلاع دیں گے اور مناسب کارروائی عمل میں لائی جائے گی۔ سب نے اس مشورہ کو پسند کیا اور یہ دونوں شخص مدینہ گئے اور پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات سے ملے اور ان سے مدینہ میں داخل ہونے کی اجازت مانگی اور کہا کہ ہم لوگ صرف اس لئے آئے ہیں کہ حضرت عثمانؓ سے بعض والیوں کے بدل دینے کی درخواست کریں اور اس کے سوا ہمارا اور کوئی کام نہیں۔ سب ازواجِ مطہرات نے ان کی بات قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ اس بات کا نتیجہ اچھا نہیں۔ پھر وہ باری باری حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ کے پاس گئے اور ان سے یہی وجہ اپنے آنے کی بیان کر کے اور اپنی نیک نیتی کا اظہار کر کے مدینہ میں آنے کی اجازت چاہی۔ مگر ان تینوں اصحاب نے بھی ان کے فریب میں آنے سے انکار کیا اور صاف جواب دیا کہ ان کی اس کارروائی میں خیر نہیں [۲۹]۔

یہ دونوں آدمی مدینہ کے حالات معلوم کر کے اور اپنے مقصد میں ناکام ہو کر جب واپس گئے اور سب حال سے اپنے ہمراہیوں کو آگاہ کیا تو کوفہ، بصرہ اور مصر تینوں علاقوں کے چند سربرآوردہ آدمی آخری کوشش کرنے کے لئے مدینہ آئے۔ اہل مصر عبداللہ بن سبا کی تعلیم کے ماتحت حضرت علیؓ کو وصی رسول اللہ خیال کرتے تھے اور ان کے سوا کسی اور کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار نہ تھے مگر اہل کوفہ اور اہل بصرہ گو فساد میں تو ان کے شریک تھے مگر مذہباً ان کے ہم خیال نہ تھے۔ اور اہل کوفہ زبیرؓ بن عوام اور اہل بصرہ طلحہؓ کی بیعت کو اپنی

اغراض کیلئے مفید سمجھتے تھے۔اس اختلاف کے باعث ہر ایک قافلہ کے قائم مقاموں نے الگ الگ ان اشخاص کا رُخ کیا جن کو وہ حضرت عثمانؓ کے بعد مسندِ خلافت پر بٹھانا چاہتے تھے۔

اہل مصر کا حضرت علیؓ کے پاس جانا

اہل مصر حضرت علیؓ کے پاس گئے وہ اُس وقت مدینہ سے باہر ایک حصہ لشکر کی کمان کر رہے تھے اور ان کا سر کچلنے پر آمادہ کھڑے تھے ان لوگوں نے آپ کے پاس پہنچ کر عرض کیا کہ حضرت عثمانؓ بدانتظامی کے باعث اب خلافت کے قابل نہیں ہم ان کو علیحدہ کرنے کے لئے آئے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آپ ان کے بعد اس عُہدہ کو قبول کریں گے۔انہوں نے ان کی بات سن کر اس غیرتِ دینی سے کام لے کر جو آپ کے رُتبہ کے آدمی کا حق تھا ان لوگوں کو دھتکار دیا اور بہت سختی سے پیش آئے اور فرمایا کہ سب نیک لوگ جانتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی کے طور پر ذوالمروہ اور ذوخشب (جہاں ان لوگوں کا ڈیرہ تھا) پر ڈیرہ لگانے والے لشکروں کا ذکر فرما کر ان پر لعنت فرمائی تھی [۳۰] پس خدا تمہارا بُرا کرے تم واپس چلے جاؤ۔اس پر ان لوگوں نے کہا کہ بہت اچھا ہم واپس چلے جائیں گے اور یہ کہہ کر واپس چلے گئے۔

اہل کوفہ کا حضرت زبیرؓ کے پاس جانا

اہل کوفہ حضرت زبیرؓ کے پاس گئے اور ان سے عرض کیا کہ آپ عہدۂ خلافت کے خالی ہونے پر اِس عہدہ کو قبول کریں۔انہوں نے بھی ان سے حضرت علیؓ کا سا سلوک کیا اور بہت سختی سے پیش آئے اور اپنے پاس سے دھتکار دیا اور کہا کہ سب مومن جانتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ذوالمروہ اور ذوالخشب اور اعوص پر ڈیرہ لگانے والے لشکر لعنتی ہوں گے۔

اہل بصرہ کا حضرت طلحہؓ کے پاس جانا

اسی طرح اہل بصرہ حضرت طلحہؓ کے پاس آئے اور انہوں نے بھی ان کو ردّ کر دیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی اور آپؐ کے ان پر لعنت کرنے سے ان کو آگاہ کیا [۳۱]۔

محمد بن ابی بکر کا والیٔ مصر مقرر ہونا

جب یہ حال ان لوگوں نے دیکھا اور اس طرف سے بالکل مایوس ہو گئے تو آخر یہ تدبیر کی کہ اپنے فعل پر ندامت کا اظہار کیا اور صرف یہ درخواست کی کہ بعض والی بدل دیئے جائیں۔ جب حضرت عثمانؓ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے کمال شفقت اور مہربانی سے اُن کی اِس درخواست کو قبول کر لیا اور ان لوگوں کی درخواست کے مطابق مصر کے والی عبداللہ بن ابی سرح کو بدل دیا اور ان کی جگہ محمد بن ابی بکر کو والیٔ مصر مقرر کر دیا۔ اس پر یہ لوگ بظاہر خوش ہو کر واپس چلے گئے اور اہل مدینہ خوش ہو گئے کہ خدا تعالیٰ نے اسلام کو ایک فسادِ عظیم سے بچا لیا۔ مگر جو کچھ انہوں نے سمجھا درست نہ تھا کیونکہ ان لوگوں کے ارادے اور ہی تھے اور ان کا کوئی کام شرارت اور فساد سے خالی نہ تھا۔

اختلافِ روایات کی حقیقت

یاد رکھنا چاہئے کہ یہی وقت ہے جب سے روایات میں نہایت اختلاف شروع ہو جاتا ہے اور جو واقعات مَیں نے بیان کئے ہیں اِن کو مختلف راویوں نے مختلف پیرایوں میں بیان کیا ہے حتّٰی کہ حق بالکل چُھپ گیا ہے اور بہت سے لوگوں کو دھوکا لگ گیا ہے اور وہ اس تمام کارروائی میں یا صحابہؓ کو شریک سمجھنے لگے ہیں یا کم سے کم ان کو مفسدوں سے دلی ہمدردی رکھنے والا خیال کرتے ہیں مگر یہ بات درست نہیں۔ اُس زمانہ کی تاریخ کے متعلق بہت احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ اس زمانہ کے بعد کوئی زمانہ ایسا نہیں آیا جو ایک یا دوسرے فریق سے ہمدردی رکھنے والوں سے خالی ہو اور یہ بات تاریخ کے لئے نہایت مضر ہوتی ہے۔ کیونکہ جب سخت عداوت یا ناواجب محبت کا دخل ہو روایت کبھی بعینہٖ نہیں پہنچ سکتی۔ اگر راوی جھوٹ سے کام نہ بھی لیں تب بھی ان کے خیالات کا رنگ ضرور چڑھ جاتا ہے اور پھر تاریخ کے راویوں کے حالات ایسے ثابت شدہ نہیں ہیں جیسے کہ احادیث کے رُواۃ کے۔ اور گو مؤرخین نے بہت احتیاط سے کام لیا ہے پھر بھی حدیث کی طرح اپنی روایت کو روزِ روشن کی طرح ثابت نہیں کر سکتے۔ پس بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

تاریخ کی تصحیح کا زرّیں اصل

لیکن صحیح حالات معلوم کرنا ناممکن بھی نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ نے ایسے راستے کھلے رکھے ہیں جن سے صحیح واقعات کو خوب عمدگی سے معلوم کیا جا سکتا ہے اور ایسے راوی بھی موجود ہیں جو بالکل بے تعلق ہونے کی وجہ سے واقعات کو کما حقہٗ بیان کرتے ہیں اور تاریخ کی تصحیح کا یہ زرّیں اصل ہے کہ واقعاتِ عالم ایک زنجیر کی طرح ہیں۔ کسی منفرد واقعہ کی صحت معلوم کرنے کے لئے اسے زنجیر میں پرو کر دیکھنا چاہیے کہ وہ کڑی ٹھیک اپنی جگہ پر پروئی بھی جاتی ہے کہ نہیں۔ غلط اور صحیح واقعات میں تمیز کرنے کے لئے یہ ایک نہایت ہی کارآمد مددگار رہے۔

غرض اُس زمانہ کے صحیح واقعات معلوم کرنے کے لئے احتیاط کی ضرورت ہے اور جرح و تعدیل کی حاجت ہے۔ سلسلۂ واقعات کو مدنظر رکھنے کے بغیر کسی زمانہ کی تاریخ بھی صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکتی مگر اُس زمانہ کی تاریخ تو خصوصاً معلوم نہیں ہو سکتی اور یورپین مصنّفین نے اِسی اختلاف سے فائدہ اُٹھا کر اُس زمانہ کی تاریخ کو ایسا بگاڑا ہے کہ ایک مسلمان کا دل اگر وہ غیرت رکھتا ہو ان واقعات کو پڑھ کر جلتا ہے اور بہت سے کمزور ایمان کے آدمی تو اسلام سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ خود بعض مسلمان مؤرخین نے بھی بے احتیاطی سے اس مقام پر ٹھوکر کھائی ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنے کا باعث بن گئے ہیں۔

حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابہؓ کی بریت

میں اِس مختصر وقت میں پوری طرح ان غلطیوں پر تو بحث نہیں کر سکتا جن میں یہ لوگ پڑے ہوئے ہیں لیکن میں اختصار کے ساتھ وہ صحیح حالات آپ لوگوں کے سامنے بیان کر دوں گا جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابہؓ ہر ایک فتنہ سے یا عیب سے پاک تھے بلکہ ان کا رویہ نہایت اعلیٰ اخلاق کا مظہر تھا اور ان کا قدم نیکی کے اعلیٰ مقام پر قائم تھا۔

باغیوں کا دوبارہ مدینہ میں داخل ہونا

میں بتا چکا ہوں کہ مفسد لوگ بظاہر رضا مندی کا اظہار کر کے اپنے گھروں کی طرف واپس چلے گئے۔ کوفہ کے لوگ کوفہ کی طرف، بصرہ کے لوگ بصرہ کی طرف

اور مصر کے لوگ مصر کی طرف۔ اور اہل مدینہ امن و امان کی صورت دیکھ کر اور اُن کے لوٹنے پر مطمئن ہو کر اپنے اپنے کاموں پر چلے گئے لیکن ابھی زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ ایسے وقت میں جب کہ اہل مدینہ یا تو اپنے کاموں میں مشغول تھے یا اپنے گھروں میں یا مساجد میں بیٹھے تھے اور ان کو کسی قسم کا خیال بھی نہ تھا کہ کوئی دشمن مدینہ پر چڑھائی کرنے والا ہے اچانک ان باغیوں کا لشکر مدینہ میں داخل ہوا اور مسجد اور حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور تمام مدینہ کی گلیوں میں مُنادی کرادی گئی کہ جس کسی کو اپنی جان کی ضرورت ہو اپنے گھر میں آرام سے بیٹھا رہے اور ہم سے برسرِ پیکار نہ ہو ورنہ خیر نہ ہوگی۔ ان لوگوں کی آمد ایسی اچانک تھی کہ اہل مدینہ مقابلہ کے لئے کوشش نہ کر سکے۔ حضرت امام حسنؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک شور ہوا اور مدینہ کی گلیوں میں تکبیر کی آواز بلند ہونے لگی (یہ مسلمانوں کا نعرۂ جنگ تھا) ہم سب حیران ہوئے اور دیکھنا شروع کیا کہ اِس کا باعث کیا ہے۔ میں اپنے گھٹنوں کے بل کھڑا ہو گیا اور دیکھنے لگا۔ اتنے میں اچانک یہ لوگ مسجد میں گھس آئے اور مسجد پر بھی اور آس پاس کی گلیوں پر بھی قبضہ کر لیا۔

ان کے اچانک حملہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ صحابہؓ اور اہل مدینہ کی طاقت منتشر ہو گئی اور وہ ان سے لڑ نہ سکے اور ان کا مقابلہ نہ کر سکے۔ کیونکہ شہر کے تمام ناکوں اور مسجد پر انہوں نے قبضہ کر لیا تھا اب دو ہی راستے کھلے تھے۔ ایک تو یہ کہ باہر سے مدد آوے اور دوسرا یہ کہ اہل مدینہ کسی جگہ پر جمع ہوں اور پھر کسی انتظام کے تحت ان سے مقابلہ کریں۔

امر اوّل کے متعلق ان کو اطمینان تھا کہ حضرت عثمانؓ ایسا نہیں کریں گے کیونکہ ان کا رحم اور ان کی حُسنِ ظنی بہت بڑھی ہوئی تھی اور وہ ان لوگوں کی شرارت کی ہمیشہ تأویل کر لیتے تھے اور امر دوم کے متعلق انہوں نے یہ انتظام کر لیا کہ مدینہ کی گلیوں میں اور اس کے دروازوں پر پہرہ لگا دیا اور حکم دے دیا کہ کسی جگہ اجتماع نہ ہونے پائے۔ جہاں کچھ لوگ جمع ہوتے یہ اُن کو منتشر کر دیتے۔ ہاں یوں آپس میں بولنے چالنے یا اِکے دُکے کو میل ملاقات سے نہ روکتے تھے۔

اہل مدینہ کا باغیوں کو سمجھانا

جب اہل مدینہ کی حیرت ذرا کم ہوئی تو ان میں سے بعض نے مسجد کے پاس آکر جہاں ان کا مرکز تھا اُن کو سمجھانا شروع کیا اور ان کی اس حرکت پر اظہارِ ناراضگی کیا مگر ان لوگوں نے بجائے ان کی نصیحت سے فائدہ اُٹھانے کے اِن کو ڈرایا اور دھمکایا اور صاف کہہ دیا کہ اگر وہ خاموش نہ رہیں گے تو ان کیلئے اچھا نہیں ہوگا اور یہ لوگ ان سے بُری طرح پیش آویں گے۔

باغیوں کا مدینہ پر تسلط قائم کرنا

اب گویا مدینہ دارالخلافت نہیں رہا تھا خلیفۂ وقت کی حکومت کو موقوف کر دیا گیا تھا اور چند مُفسد اپنی مرضی کے مطابق جو چاہتے تھے کرتے تھے۔ اصحابِؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیا اور دیگر اہل مدینہ کیا سب کو اپنی عزتوں کا بچانا مشکل ہو گیا تھا اور بعض لوگوں نے تو اِس فتنہ کو دیکھ کر اپنے گھروں سے نکلنا بند کر دیا تھا۔ رات دن گھروں میں بیٹھے رہتے تھے اور اس پر انگشت بدنداں تھے[۳۲]۔

اکابر صحابہؓ کا باغیوں سے واپسی کی وجہ دریافت کرنا

چونکہ یہ لوگ پچھلی دفعہ اپنی تسلی کا اظہار کر کے گئے تھے اور آئندہ کے لئے ان کو کوئی شکایت باقی نہ تھی صحابہؓ حیرت میں تھے کہ آخر ان کے لوٹنے کا باعث کیا ہے۔ دوسرے لوگوں کو تو ان کے سامنے بولنے کی جرأت نہ تھی چند اکابر صحابہؓ جن کے نام کی یہ لوگ پناہ لیتے تھے اور جن سے محبت کا دعویٰ کرتے تھے انہوں نے ان سے دریافت کیا کہ آخر تمہارے اس لَوٹنے کی وجہ کیا ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ نے ان لوگوں سے ان کے واپس آنے کی وجہ دریافت کی۔ سب نے بِالاتفاق یہی جواب دیا کہ ہم تسلی اور تشفی سے اپنے گھروں کو واپس جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک شخص کو دیکھا کہ صدقہ کے ایک اونٹ پر سوار ہے اور کبھی ہمارے سامنے آتا ہے اور کبھی پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ ہمارے بعض آدمیوں نے جب اسے دیکھا تو انہیں شک ہوا اور انہوں نے اس کو جا پکڑا۔ جب اس سے دریافت کیا گیا کہ کیا تیرے پاس کوئی خط ہے؟ تو اس نے انکار کیا۔ اور جب اس سے دریافت کیا گیا کہ تُو کس کام کو جاتا ہے تو اس نے کہا مجھے علم نہیں۔ اس پر ان لوگوں کو

اور زیادہ شک ہوا۔ آخر اس کی تلاشی لی گئی اور اس کے پاس سے ایک خط نکلا جو حضرت عثمانؓ کا لکھا ہوا تھا اور اس میں والئ مصر کو ہدایت کی گئی تھی کہ جس وقت مفسد مصر واپس لَوٹیں ان میں سے فلاں فلاں کو قتل کر دینا اور فلاں فلاں کو کوڑے، اور ان کے سر اور داڑھیاں منڈوا دینا اور جو خط ان کی معرفت تمہارے معزول کئے جانے کے متعلق لکھا ہے اس کو باطل سمجھنا۔ یہ خط جب ہم نے دیکھا تو ہمیں سخت حیرت ہوئی اور ہم لوگ فوراً واپس لَوٹے۔ حضرت علیؓ نے یہ بات سن کر فوراً ان سے کہا کہ یہ بات تو مدینہ میں بنائی گئی ہے کیونکہ اے اہل کوفہ اور اے اہل بصرہ! تم لوگوں کو کیونکر معلوم ہوا کہ اہل مصر نے کوئی ایسا خط پکڑا ہے حالانکہ تم ایک دوسرے سے کئی منزلوں کے فاصلے پر تھے اور پھر یہ کیونکر ہوا کہ تم لوگ اس قدر جلد واپس بھی آگئے۔ اس اعتراض کا جواب نہ وہ لوگ دے سکتے تھے اور نہ اس کا کوئی جواب تھا پس انہوں نے یہی جواب دیا کہ جو مرضی آئے کہو اور جو چاہو ہماری نسبت خیال کرو ہم اس آدمی کی خلافت کو پسند نہیں کرتے اپنے عہدے سے دست بردار ہو جائے۔ محمد بن مسلمہؓ جو اکابر صحابہؓ میں سے تھے اور جماعت انصار میں سے تھے کعب بن اشرف جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اور اسلام کا سخت دشمن تھا اور یہود میں ایک بادشاہ کی حیثیت رکھتا تھا جب اس کی شرارتیں حد سے بڑھ گئیں اور مسلمانوں کی تکلیف کی کوئی حد نہ رہی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے ماتحت انہوں نے اس کو قتل کر کے اسلام کی ایک بہت بڑی خدمت کی تھی انہوں نے جب یہ واقعہ سنا تو یہی جرح کی اور صاف کہہ دیا کہ یہ صرف ایک فریب ہے جو تم نے کیا ہے۔

حضرت عثمانؓ کا باغیوں کیلئے الزام سے بریت ثابت کرنا

گو صحابہؓ نے ان کی اس بات کو عقلاً ردّ کر دیا مگر ان لوگوں کی دلیری اب حد سے بڑھ گئی تھی۔ باوجود اس ذلّت کے جو ان کو پہنچی تھی انہوں نے حضرت عثمانؓ کے سامنے اس معاملہ کو پیش کیا اور آپ سے اس کا جواب مانگا۔ اُس وقت بہت سے اکابر صحابہؓ بھی آپ کی مجلس میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ نے ان کو جواب دیا کہ شریعت اسلامیہ کے مطابق کسی امر کے فیصلہ کے دو ہی طریق ہیں۔ یا تو یہ کہ

مدعی اپنے دعویٰ کی تائید میں دو گواہ پیش کرے یا یہ کہ مدعا علیہ کو قسم دی جائے۔ پس تم پر فرض ہے کہ تم دو گواہ اپنے دعویٰ کی تائید میں پیش کرو ورنہ میں اُس خدا کی قسم کھاتا ہوں جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں کہ نہ میں نے یہ خط لکھا ہے نہ میرے مشورہ سے یہ خط لکھا گیا اور نہ ہی لکھوایا ہے نہ مجھے علم ہے کہ یہ خط کس نے لکھا ہے۔ پھر فرمایا کہ تم لوگ جانتے ہو کہ کبھی خط جھوٹے بھی بنالئے جاتے ہیں اور انگوٹھیوں جیسی اَور انگوٹھیاں بنائی جاسکتی ہیں۔ جب صحابہؓ نے آپ کا یہ جواب سنا تو انہوں نے حضرت عثمانؓ کی تصدیق کی اور آپ کو اس الزام سے بری قرار دیا۔ مگر ان لوگوں پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا اور ہوتا بھی کیونکر۔ انہوں نے تو خود وہ خط بنایا تھا۔ سوتے ہوئے آدمی کو تو آدمی جگا سکتا ہے جو جاگتا ہو اور ظاہر کرے کہ سو رہا ہے اُسے کون جگائے۔ ان لوگوں کے سردار تو خوب سمجھتے تھے کہ یہ ہمارا اپنا فریب ہے۔ وہ ان جوابات کی صحت یا معقولیت پر کب غور کرسکتے تھے اور ان کے اتباع ان کے غلام بن چکے تھے جو کچھ وہ کہتے وہ سنتے تھے اور جو کچھ بتاتے تھے اسے تسلیم کرتے تھے۔

باغیوں کے منصوبے کی اصلیت

ان لوگوں پر نہ تو اثر ہوسکتا تھا نہ ہوا مگر آنکھوں والوں کے لئے حضرت عثمانؓ کا جواب شرم وحیا کی صفاتِ حسنہ سے ایسا متصف ہے کہ اس سے ان مفسدوں کی بے حیائی اور وقاحت اور بھی زیادہ نمایاں ہوجاتی ہے جب کہ وہ مفسد ایک جھوٹا خط بنا کر حضرت عثمانؓ پر فریب اور دھوکے کا الزام لگاتے ہیں۔ اور جب کہ حضرت علیؓ اور محمد بن مسلمہؓ واقعات سے نتیجہ نکال کر ان لوگوں پر صاف صاف دھوکے کا الزام لگاتے ہیں خود حضرت عثمانؓ جن پر الزام لگایا گیا ہے اور جن کے خلاف یہ منصوبہ کھڑا کیا گیا ہے اپنے آپ سے تو الزام کو دفع کرتے ہیں مگر یہ نہیں فرماتے کہ تم نے یہ خط بنایا ہے بلکہ ان کی غلطی پر بھی پردہ ڈالتے ہیں اور صرف اِسی قدر فرماتے ہیں کہ تم جانتے ہو کہ خط خط سے مل جاتا ہے اور انگوٹھی کی نقل بنائی جاسکتی ہے اور اونٹ بھی چُرایا جاسکتا ہے۔

بعض لوگ جو حضرت عثمانؓ کو بھی اِس الزام سے بری سمجھتے ہیں اور ان لوگوں کی نسبت بھی حُسنِ ظنی سے کام لینا چاہتے ہیں خیال کرتے ہیں کہ یہ خط مروان نے لکھ کر بطور خود بھیج دیا

ہوگا مگر میرے نزدیک یہ خیال بالکل غلط ہے واقعات صاف بتاتے ہیں کہ یہ خط انہی مُفسدوں نے بنایا ہے نہ کہ مروان یا کسی اور شخص نے ۔ اور یہ خیال کہ اگر انہوں نے بنایا ہوا تھا تو حضرت عثمانؓ کا غلام اور صدقہ کا اونٹ ان کے ہاتھ کہاں سے آیا اور حضرت عثمانؓ کے کاتب کا خط انہوں نے کس طرح بنالیا اور حضرت عثمانؓ کی انگوٹھی کی مہر اس پر کیونکر لگا دی ایک غلط خیال ہے ۔ کیونکہ ہمارے پاس اس کی کافی وجوہ موجود ہیں کہ یہ خط انہیں لوگوں نے بنایا تھا ۔ گو واقعات سے ایسا معلوم ہوتا ہے اور یہی قرین قیاس ہے کہ یہ فریب صرف چند اکابر کا کام تھا اور کوئی تعجب نہیں کہ صرف عبداللہ بن سبا اور اس کے چند خاص شاگردوں کا کام ہو اور دوسرے لوگوں کو خواہ وہ سردارِ لشکر ہی کیوں نہ ہوں اس کا علم نہ ہو ۔

خط والے منصوبے کے ثبوت میں سات دلائل

اس امر کا ثبوت کہ یہ کارروائی انہی لوگوں میں سے بعض لوگوں کی تھی یہ ہے :۔

اوّل ان لوگوں کی نسبت اس سے پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ اپنے مدعا کے حصول کے لئے یہ لوگ جھوٹ سے پرہیز نہیں کرتے تھے جیسا کہ ولید بن عتبہ اور سعید بن العاص کے مقابلہ میں انہوں نے جھوٹ سے کام لیا ۔ اسی طرح مختلف ولایات کے متعلق جھوٹی شکایات مشہور کیں جن کی تحقیق اکابر صحابہؓ نے کی اور ان کو غلط پایا ۔ پس جب کہ ان لوگوں کی نسبت ثابت ہو چکا ہے کہ جھوٹ سے ان کو پرہیز نہ تھا تو کوئی وجہ نہیں کہ اس امر میں ان کو ملزم نہ قرار دیا جاوے اور ایسے لوگوں پر الزام لگایا جاوے جن کا جھوٹ ثابت نہیں ۔

دوم جیسا کہ حضرت علیؓ اور محمد بن مسلمہؓ نے اعتراض کیا ہے ان لوگوں کا ایسی جلدی واپس آجانا اور ایک وقت میں مدینہ میں داخل ہونا اس بات کی شہادت ہے کہ یہ ایک سازش تھی ۔ کیونکہ جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے اہل مصر بیان کرتے تھے کہ انہوں نے بویب مقام پر اس قاصد کو جو ان کے بیان کے مطابق حضرت عثمانؓ کا خط والی مصر کی طرف لے جارہا تھا پکڑا تھا ۔ بویب مدینہ سے کم سے کم چھ منازل پر واقع ہے اور اس جگہ واقع ہے جہاں سے مصر کا راستہ شروع ہوتا ہے ۔ جب اہل مصر اس جگہ تک پہنچ گئے تھے تو اہل کوفہ

اوراہل بصرہ بھی قریباً بِالمقابل جہات پر چھ چھ منازل طے کر چکے ہوں گے اوراس طرح اہل مصر سے جو کچھ واقع ہوا اُس کی اطلاع دونوں قافلوں کو کم سے کم بارہ تیرہ دن میں مل سکتی تھی اوران کے آنے جانے کے دن شامل کر کے قریباً چوبیس دن میں یہ لوگ مدینہ پہنچ سکتے تھے۔ مگر یہ لوگ اس عرصہ سے بہت کم عرصہ میں واپس آ گئے تھے۔ پس صاف ثابت ہوتا ہے کہ مدینہ سے رخصت ہونے سے پہلے ہی ان لوگوں نے آپس میں منصوبہ بنا لیا تھا کہ فلاں تاریخ کوسب قافلے واپس مدینہ لَوٹیں اورایک دم مدینہ پر قبضہ کرلیں۔ اور چونکہ مصری قافلہ کے ساتھ عبداللہ بن سبا تھا اور وہ نہایت ہوشیار آدمی تھا اُس نے ایک طرف تو یہ دیکھا کہ لوگ اُن سے سوال کریں گے کہ تم بِلا وجہ لَوٹے کیوں ہواور دوسری طرف اس کو یہ بھی خیال تھا کہ خود اس کے ساتھیوں کے دل میں بھی یہ بات کھٹکے گی کہ فیصلہ کے بعد نقض عہد کیوں کیا گیا ہے اس لئے اس نے جعلی خط بنایا اورخود اپنے ساتھیوں کی عقلوں پر پردہ ڈال دیا اورغیظ وغضب کی آگ کوان کے دلوں میں اَور بھی بھڑکایا اورصدقہ کے اونٹ کا چرا لینا اورکسی غلام کو رشوت دے کرساتھ ملا لینا کوئی مشکل بات نہیں۔

سوئم اس خط کے پکڑنے کا واقعہ جس طرح بیان کیا جاتا ہے وہ خود غیر طبعی ہے کیونکہ اگر حضرت عثمانؓ نے یا مروان نے کوئی ایسا خط بھیجا ہوتا تو یہ کیونکر ہوسکتا تھا کہ وہ غلام کبھی ان کے سامنے آتا اور کبھی چھپ جاتا۔ یہ حرکت تو وہی شخص کرسکتا ہے جوخود اپنے آپ کو پکڑوانا چاہے۔ اس غلام کو تو بقول ان لوگوں کے حکم دیا گیا تھا کہ اس قافلہ سے پہلے مصر پہنچ جائے۔ پھر بویب مقام پر جو مصر کا دروازہ ہے اس شخص کا ان کے ساتھ ساتھ جانا کیونکر خیال میں آسکتا ہے قافلہ اورایک آدمی کے سفر میں بہت فرق ہوتا ہے۔ ایک آدمی جس سُرعت سے سفر کرسکتا ہے قافلہ نہیں کرسکتا کیونکہ قافلہ کی حوائج بہت زیادہ ہوتی ہیں اورسب قافلہ کی سواریاں ایک جیسی تیز نہیں ہوتیں۔ پس کیونکر ممکن تھا کہ بویب تک قافلہ پہنچ جاتا اور وہ پیغامبر ابھی قافلہ کے ساتھ ہی ہوتا اُس وقت تو اسے اپنی منزلِ مقصود کے قریب ہونا چاہیے تھا۔ جو حالت وہ اس پیغامبر کی بیان کرتے ہیں وہ ایک جاسوس کی نسبت تو منسوب کی جاسکتی ہے پیغامبر کی نسبت منسوب نہیں کی جاسکتی۔ اسی طرح جب اس پیغامبر کو پکڑا گیا تو جو

سوال و جواب اُس سے ہوئے وہ بالکل غیر طبعی ہیں ۔ کیونکہ وہ بیان کرتا ہے کہ وہ پیغامبر ہے لیکن نہ اسے کوئی خط دیا گیا ہے اور نہ اسے کوئی زبانی پیغام دیا گیا ہے ۔ یہ جواب سوائے اس شخص کے کون دے سکتا ہے جو یا تو پاگل ہو یا خود اپنے آپ کو شک میں ڈالنا چاہتا ہو ۔ اگر واقعہ میں وہ شخص پیغامبر ہوتا تو اسے کیا ضرورت تھی کہ وہ کہتا کہ میں حضرت عثمانؓ یا کسی اور کا بھیجا ہوا ہوں ۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہ سچ کا بڑا پابند تھا کیونکہ کہا جاتا ہے کہ اس کے پاس خط تھا مگر اس نے کہا کہ میرے پاس کوئی خط نہیں ۔ پس ان لوگوں کی روایت کے مطابق اس پیغامبر نے جھوٹ تو ضرور بولا ۔ پس سوال یہ ہے کہ اس نے وہ جھوٹ کیوں بولا جس سے وہ صاف طور پر پکڑا جاتا تھا وہ جھوٹ کیوں نہ بولا جو ایسے موقع پر اس کو گرفتاری سے بچا سکتا تھا ۔ غرض یہ تمام واقعات بتاتے ہیں کہ خط اور خط لے جانے والے کا واقعہ شروع سے آخر تک فریب تھا ۔ اِنہی مفسدوں میں سے کسی نے (زیادہ تر گمان یہ ہے کہ عبداللہ بن سبا نے) ایک جعلی خط بنا کر ایک شخص کو دیا ہے کہ وہ اسے لے کر قافلہ کے پاس سے گزرے لیکن چونکہ ایک آباد راستہ پر ایک سوار کو جاتے ہوئے دیکھ کر پکڑ لینا قرین قیاس نہ تھا اور اس خط کو بنانے والا چاہتا تھا کہ جہاں تک ہو سکے اس واقعہ کو دوسرے کے ہاتھ سے پورا کروائے اس لئے اس نے اس قاصد کو ہدایت کی کہ وہ اس طرح قافلہ کے ساتھ چلے کہ لوگوں کے دلوں میں شک پیدا ہو اور جب وہ اس شک کو دور کرنے کے لئے سوال کریں تو ایسے جواب دے کہ شک اور زیادہ ہو ۔ تاکہ عامۃ الناس خود اس کی تلاشی لیں اور خط اس کے پاس دیکھ کر ان کو یقین ہو جاوے کہ حضرت عثمانؓ نے ان سے فریب کیا ہے ۔

چہارم اس خط کا مضمون بھی بتاتا ہے کہ وہ خط جعلی ہے اور کسی واقف کار مسلمان کا بنایا ہوا نہیں ۔ کیونکہ بعض روایات میں اس کا یہ مضمون بتایا گیا ہے کہ فلاں فلاں کی ڈاڑھی منڈوائی جاوے حالانکہ ڈاڑھی منڈوانا اسلام کی رو سے منع ہے اور اسلامی حکومتوں میں سزا صرف وہی دی جا سکتی تھی جو مطابق اسلام ہو ۔ یہ ہرگز جائز نہ تھا کہ کسی شخص کو سزا کے طور پر سؤر کھلایا جاوے یا شراب پلائی جاوے یا ڈاڑھی منڈوائی جاوے ۔ کیونکہ یہ ممنوع امر ہے سزا صرف قتل یا ضرب یا جُرمانہ یا نفی عن الارض کی اسلام سے ثابت ہے خواہ نفی بصورت

جلا وطنی ہو یا بصورت قید۔ اس کے سوا کوئی سزا اسلام سے ثابت نہیں اور نہ اَئمہ اسلام نے کبھی ایسی سزا دی۔ نہ خود حضرت عثمانؓ یا ان کے عُمال نے کبھی کوئی ایسی سزا دی۔ پس ایسی سزا کا اس خط میں تحریر ہونا اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ یہ خط کسی ایسے شخص نے بنایا تھا جو مغزِ اسلام سے واقف نہ تھا۔

پنجم اس خط سے پہلے کے واقعات بھی اس امر کی تردید کرتے ہیں کہ یہ خط حضرت عثمانؓ یا ان کے سیکر یٹری کی طرف سے ہو کیونکہ تمام روایات اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں کو سزا دینے میں بہت ڈھیل سے کام لیا ہے۔ اگر آپ چاہتے تو جس وقت یہ لوگ پہلی دفعہ آئے تھے اُسی وقت اُن کو قتل کر دیتے۔ اگر اس دفعہ انہوں نے چھوڑ دیا تھا تو دوسری دفعہ آنے پر تو ضرور ہی ان سرغنوں کو گرفتار کیا جا سکتا تھا کیونکہ وہ کھلی کھلی سرکشی کر چکے تھے اور صحابہؓ اُن سے لڑنے پر آمادہ تھے۔ مگر اُس وقت ان سے نرمی کر کے مصر کے والی کو خط لکھنا کہ ان کو سزا دے ایک بعید از عقل خیال ہے۔ اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت عثمانؓ کی نرمی کو دیکھ کر مروان نے ایسا خط لکھ دیا ہو کیونکہ مروان یہ خوب جانتا تھا کہ حضرت عثمانؓ حدود کے قیام میں بہت سخت ہیں۔ وہ ایسا خط لکھ کر سزا سے محفوظ رہنے کا خیال ایک منٹ کے لئے بھی اپنے دل میں نہیں لا سکتا تھا۔ پھر اگر وہ ایسا خط لکھتا بھی تو کیوں صرف مصر کے والی کے نام لکھتا، کیوں نہ بصرہ اور کوفہ کے والیوں کے نام بھی وہ ایسے خطوط لکھ دیتا جس سے سب دشمنوں کا ایک دفعہ ہی فیصلہ ہو جاتا۔ صرف مصر کے والی کے نام ہی خط لکھا جانا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ کوفہ اور بصرہ کے قافلوں میں کوئی عبداللہ بن سبا جیسا چال باز آدمی نہ تھا۔

اگر یہ کہا جائے کہ شاید ان دونوں علاقوں کے والیوں کے نام بھی ایسے احکام جاری کئے گئے ہوں گے مگر ان کے جانے والے پکڑے نہیں گئے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی تھی کیونکہ اگر عبداللہ بن عامر پر یہ الزام لگا دیا جاوے کہ وہ حضرت عثمانؓ کا رشتہ دار ہونے کے سبب خاموش رہا تو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ جو اکابر صحابہؓ میں سے تھے اور جن کے کامل الایمان ہونے کا ذکر خود قرآن شریف میں آتا ہے اور جو اُس وقت کوفہ کے والی تھے وہ کبھی خاموش نہ رہتے اور ضرور بات کو کھول دیتے۔ پس

حق یہی ہے کہ یہ خط جعلی تھا اور مصری قافلہ میں سے کسی نے بنایا تھا اور چونکہ مصری قافلہ کے سوا دوسرے قافلوں میں کوئی شخص نہ اس قسم کی کارروائی کرنے کا اہل تھا اور نہ اس قدر عرصہ میں متعدد اونٹ بیت المال کے چُرائے جاسکتے تھے اور نہ اس قدر غلام قابو کئے جاسکتے تھے اس لئے دوسرے علاقوں کے والیوں کے نام کے خطوط نہ بنائے گئے۔

ششم سب سے زیادہ اس خط پر روشنی وہ غلام ڈال سکتا تھا جس کی نسبت ظاہر کیا جاتا ہے کہ وہ خط لے گیا تھا مگر تعجب ہے کہ باوجود اس کے کہ حضرت عثمانؓ نے گواہوں کا مطالبہ کیا ہے اس غلام کو پیش نہیں کیا گیا اور نہ بعد کے واقعات میں اس کا کوئی ذکر آتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا پیش کیا جانا ان لوگوں کے مفاد کے خلاف تھا۔ شاید ڈرتے ہوں کہ وہ صحابہؓ کے سامنے آکر اصل واقعات کو ظاہر کردے گا۔ پس اُس کو چھپا دینا بھی اِس امر کا ثبوت ہے کہ خط کے بنانے والا یہ مفسد گروہ ہی تھا۔

ہفتم ایک نہایت زبردست ثبوت اس بات کا کہ ان لوگوں نے ہی یہ خط بنایا تھا یہ ہے کہ یہ پہلا خط نہیں جو انہوں نے بنایا ہے بلکہ اس کے سوا اِسی فساد کی آگ بھڑکانے کے لئے اور کئی خطوط انہوں نے بنائے ہیں۔ پس اس خط کا بنانا بھی نہ ان کے لئے مشکل تھا اور نہ اس واقعہ کی موجودگی میں کسی اور شخص کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے۔ وہ خط جو یہ پہلے بناتے رہے ہیں حضرت علیؓ کے بدنام کرنے کے لئے تھے اور ان میں اس قسم کا مضمون ہوتا تھا کہ تم لوگ حضرت عثمانؓ کے خلاف جوش بھڑکاؤ۔ ان خطوط کے ذریعے عوام الناس کا جوش بھڑکایا جاتا تھا اور وہ حضرت علیؓ کی تصدیق دیکھ کر عبداللہ بن سبا کی باتوں میں پھنس جاتے تھے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان خطوط کا مضمون بہت مخفی رکھنے کا حکم تھا تا کہ حضرت علیؓ کو معلوم نہ ہو جائے اور وہ ان کی تردید نہ کردیں۔ اور مخفی رکھنے کی تاکید کی وجہ بھی بانیانِ فساد کے پاس معقول تھی۔ یعنی اگر یہ خط ظاہر ہوں گے تو حضرت علیؓ مشکلات میں پڑ جاویں گے۔ اس طرح لوگ حضرت علیؓ کی خاطر ان خطوط کے مضمون کو کسی پر ظاہر نہ کرتے تھے اور بات کے مخفی رہنے کی وجہ سے بانیانِ فساد کا جھوٹ کھلتا بھی نہ تھا۔ لیکن جھوٹ آخر زیادہ دیر تک چھپا نہیں رہتا خصوصاً جب سینکڑوں کو اس سے واقف کیا جاوے۔ حضرت عثمانؓ کے نام پر لکھا ہوا

خط پکڑا گیا اور عام اہل کوفہ نہایت غصہ سے واپس ہوئے تو ان میں سے ایک جماعت حضرت علیؓ کے پاس گئی اور ان سے مدد کی درخواست کی۔ حضرت علیؓ تو تمام واقعہ کو سن کر ہی اس کے جھوٹا ہونے پر آگاہ ہو چکے تھے اور اپنی خداداد فراست سے اہل مصر کا فریب ان پر کھل چکا تھا۔ آپ نے صاف انکار کر دیا کہ میں ایسے کام میں تمہارے ساتھ شریک نہیں ہوسکتا اُس وقت جوش کی حالت میں ان میں سے بعض سے احتیاط نہ ہوسکی اور بے اختیار بول اُٹھے کہ پھر ہم سے خط وکتابت کیوں کرتے تھے۔ حضرت علیؓ کے لئے یہ ایک نہایت حیرت انگیز بات تھی۔ آپ نے اس سے صاف انکار کیا اور لاعلمی ظاہر کی اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی قسم ہے میں نے کبھی کوئی خط آپ لوگوں کی طرف نہیں لکھا[۳۳]۔ اس پر ان لوگوں کو بھی سخت حیرت ہوئی کیونکہ درحقیقت خود ان کو بھی دھوکا دیا گیا تھا اور انہوں نے ایک دوسرے کی طرف حیرت سے دیکھا اور دریافت کیا کہ کیا اس شخص کے لئے تم غضب ظاہر کرتے ہو اور لڑتے ہو یعنی یہ شخص تو ایسا بزدل ہے کہ سب کچھ کر کرا کر موقع پر اپنے آپ کو بالکل بری ظاہر کرتا ہے (**نَعُوْذُبِاللهِ مِنْ ذٰلِکَ**)

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں میں بعض ایسے آدمی موجود تھے جو جعلی خطوط بنانے میں مہارت رکھتے تھے اور یہ بھی کہ ایسے آدمی مصریوں میں موجود تھے۔ کیونکہ حضرت علیؓ کے نام پر خطوط صرف مصریوں کی طرف لکھے جا سکتے تھے جو حضرت علیؓ کی محبت کے دعویدار تھے۔ پس اس خط کا جو حضرت عثمانؓ کی طرف منسوب کیا جاتا تھا مصری قافلہ میں پکڑا جانا اِس بات کا روشن ثبوت ہے کہ اس کا لکھنے والا مدینہ کا کوئی شخص نہ تھا بلکہ مصری قافلہ کا ہی ایک فرد تھا۔

خط کا واقعہ چونکہ حضرت عثمانؓ کے خلاف الزام لگانے والوں کے نزدیک سب سے اہم واقعہ ہے اس لئے میں نے اِس پر تفصیلاً اپنی تحقیق بیان کر دی ہے اور گو اس واقعہ پر اَور بسط سے بھی بیان کیا جا سکتا ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ جو کچھ بیان کیا جا چکا ہے اس امر کے ثابت کرنے کیلئے کہ یہ خط ایک جعلی اور بناوٹی خط تھا اور یہ کہ اس خط کے بنانے والے عبداللہ بن سبا اور اس کے ساتھی تھے نہ کہ مروان یا کوئی اور شخص (حضرت عثمانؓ کی ذات تو اس سے بہت

ارفع ہے) کافی ہے۔

مفسدوں کی اہل مدینہ پر زیادتیاں

اب میں پھر سلسلۂ واقعات کی طرف لوٹتا ہوں۔ اس جعلی خط کے زور پر اور اچانک مدینہ پر قبضہ کر لینے کے گھمنڈ پر ان مفسدوں نے خوب زیادتیاں شروع کیں۔ ایک طرف تو حضرت عثمانؓ پر زور دیا جاتا کہ وہ خلافت سے دست بردار ہو جائیں دوسری طرف اہل مدینہ کو تنگ کیا جاتا کہ وہ حضرت عثمانؓ کی مدد کے لئے کوشش نہ کریں۔ اہل مدینہ بالکل بے بس تھے دو تین ہزار مسلح فوجی جو شہر کے راستوں اور چوکوں اور دروازوں کی ناکہ بندی کئے ہوئے تھے اس کا مقابلہ یوں بھی آسان نہ تھا مگر اس صورت میں کہ وہ چند آدمیوں کو بھی اکٹھا ہونے نہ دیتے تھے اور دو دو چار چار آدمیوں سے زیادہ آدمیوں کا ایک جگہ جمع ہونا ناممکن تھا، باغی فوج کے مقابلہ کا خیال بھی دل میں لانا محال تھا۔ اور اگر بعض منچلے جنگ پر آمادہ بھی ہوتے تو سوائے ہلاکت کے اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلتا۔ مسجد ایک ایسی جگہ تھی جہاں لوگ جمع ہو سکتے تھے مگر ان لوگوں نے نہایت ہوشیاری سے اس کا بھی انتظام کر لیا تھا اور وہ یہ کہ نماز سے پہلے تمام مسجد میں پھیل جاتے اور اہل مدینہ کو اس طرح ایک دوسرے سے جدا جدا رکھتے کہ وہ کچھ نہ کر سکتے۔

حضرت عثمانؓ کا مفسدوں کو نصیحت کرنا

باوجود اس شور وفساد کے حضرت عثمانؓ نماز پڑھانے کے لئے باقاعدہ مسجد میں تشریف لاتے اور یہ لوگ بھی آپ سے اس معاملہ میں تعرّض نہ کرتے اور امامت نماز سے نہ روکتے حتّٰی کہ ان لوگوں کے مدینہ پر قبضہ کر لینے کے بعد سب سے پہلا جمعہ آیا۔ حضرت عثمانؓ نے جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر ان لوگوں کو نصیحت فرمائی اور فرمایا کہ اے دشمنانِ اسلام! خدا تعالیٰ کا خوف کرو۔ تمام اہل مدینہ اس بات کو جانتے ہیں کہ تم لوگوں پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔ پس توبہ کرو اور اپنے گناہوں کو نیکیوں کے ذریعے سے مٹاؤ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ گناہوں کو نیکیوں کے سوا کسی اور چیز سے نہیں مٹاتا۔ اس پر محمد بن مسلمہؓ انصاری کھڑے ہوئے اور کہا کہ میں اس امر کی تصدیق کرتا

ہوں۔ ان لوگوں نے سمجھا کہ حضرت عثمانؓ پر تو ہمارے ساتھی بدظن ہیں لیکن صحابہؓ نے اگر آپ کی تصدیق کرنی شروع کی اور ہماری جماعت کو معلوم ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری نسبت خاص طور پر پیشگوئی فرمائی تھی تو عوام شاید ہمارا ساتھ چھوڑ دیں اس لئے انہوں نے اس سلسلہ کو روکنا شروع کیا اور محمد بن مسلمہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرب صحابی کو جو تائید خلافت کے لئے نہ کسی فتنہ کے برپا کرنے کے لئے کھڑے ہوئے تھے حکیم بن جبلہ ڈاکو نے جس کا ذکر میں شروع میں کر چکا ہوں جبراً پکڑ کر بٹھا دیا۔ اس پر زید بن ثابتؓ جن کو قرآن کریم کے جمع کرنے کی عظیم الشان خدمت سپرد ہوئی تھی تصدیق کے لئے کھڑے ہوئے مگر ان کو بھی ایک اور شخص نے بٹھا دیا۔

مفسدوں کا عصائے نبوی کو توڑنا

اس کے بعد اس محبت اسلام کا دعویٰ کرنے والی جماعت کے ایک فرد نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے وہ عصا جس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے اور آپ کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ایسا ہی کرتے رہے چھین لیا اور اس پر اکتفا نہ کی بلکہ رسول کریم ﷺ کی اس یادگار کو جو اُمت اسلام کیلئے ہزاروں برکتوں کا موجب تھی اپنے گھٹنوں پر رکھ کر توڑ دیا۔ حضرت عثمانؓ سے ان کو نفرت سہی، خلافت سے ان کو عداوت سہی مگر رسول کریم ﷺ سے تو ان کو محبت کا دعویٰ تھا پھر رسول کریم ﷺ کی اس یادگار کو اس بے ادبی کے ساتھ توڑ دینے کی ان کو کیونکر جرأت ہوئی۔ یورپ آج دہریت کی انتہائی حد کو پہنچا ہوا ہے مگر یہ احساس اس میں بھی باقی ہے کہ اپنے بزرگوں کی یادگاروں کی قدر کرے۔ مگر ان لوگوں نے باوجود دعوائے اسلام کے رسول کریم ﷺ کے عصائے مبارک کو توڑ کر پھینک دیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی نصرت کا جوش صرف دکھاوے کا تھا ورنہ اس گروہ کے سردار اسلام سے ایسے ہی دُور تھے جیسے کہ آج اسلام کے سب سے بڑے دشمن۔

مفسدوں کا مسجد نبوی میں کنکر برسانا اور حضرت عثمانؓ کو زخمی کرنا

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عصا توڑ کر بھی ان لوگوں کے دلوں کو ٹھنڈک نہ حاصل ہوئی اور انہوں نے اس مسجد

میں جس کی بنیاد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی تھی اور جس کی تعمیر نہایت مقدس ہاتھوں سے ہوئی تھی کنکروں کا مینہ برسانا شروع کیا اور کنکر مار مار کر صحابہؓ کرام اور اہل مدینہ کو مسجد نبوی سے باہر نکال دیا اور حضرت عثمانؓ پر اِس قدر کنکر برسائے گئے کہ آپ بے ہوش ہو کر منبر پر سے گر گئے اور چند آدمی آپ کو اُٹھا کر گھر چھوڑ آئے۔

یہ اس محبت کا نمونہ تھا جو ان لوگوں کو اسلام اور حاملانِ شریعت اسلام سے تھی۔ اور یہ وہ اخلاقِ فاضلہ تھے جن کو یہ لوگ حضرت عثمانؓ کو خلافت سے علیحدہ کر کے عالمِ اسلام میں جاری کرنا چاہتے تھے۔ اس واقعہ کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے مقابلہ میں کھڑی ہونے والی جماعت صحابہؓ سے کوئی تعلق رکھتی تھی یا یہ کہ فی الواقعہ حضرت عثمانؓ کی بعض کارروائیوں سے وہ شورش کرنے پر مجبور ہوئے تھے یا یہ کہ حمیت اسلامیہ ان کے غیظ و غضب کا باعث تھی۔ ان کی بدعملیاں اس بات کا کافی ثبوت ہیں کہ نہ اسلام سے ان کو کوئی تعلق تھا، نہ دین سے ان کو کوئی محبت تھی، نہ صحابہؓ سے ان کو کوئی اُنس تھا۔ وہ اپنی مخفی اغراض کے پورا کرنے کے لئے ملک کے امن و امان کو تباہ کرنے پر آمادہ ہو رہے تھے اور اسلام کے قلعہ میں نقب زنی کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

صحابہؓ کی مفسدوں کے خلاف جنگ پر آمادگی

اِس واقعہ ہائلہ کے بعد صحابہؓ اور اہل مدینہ نے سمجھ لیا کہ ان لوگوں کے دلوں میں اِس سے بھی زیادہ بغض بھرا ہوا ہے جس قدر کہ یہ ظاہر کرتے ہیں۔ گو وہ کچھ کر نہیں سکتے تھے مگر بعض صحابہؓ جو اس حالت سے موت کو بہتر سمجھتے تھے اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو جاوے ہم ان سے جنگ کریں گے۔ اِس دو تین ہزار کے لشکر کے مقابلہ میں چار پانچ آدمیوں کا لڑنا دنیا داری کی نظروں میں شاید جنون معلوم ہو لیکن جن لوگوں نے اسلام کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا ہوا تھا انہیں اس کی حمایت میں لڑنا کچھ بھی دوبھر نہیں معلوم ہوتا تھا۔ ان لڑائی پر آمادہ ہو جانے والوں میں مفصّلہ ذیل صحابہؓ بھی شامل تھے۔ سعد بن مالکؓ، حضرت ابوہریرہؓ، زید بن صامتؓ اور حضرت امام حسنؓ۔ جب حضرت عثمانؓ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فوراً اِن کو کہلا بھیجا کہ ہرگز ان

لوگوں سے نہ لڑیں اور اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں۔
حضرت عثمانؓ کی محبت جو آپ کو صحابہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت سے تھی اس نے بے شک اس لڑائی کو جو چند جان فروش صحابہؓ اور اس دو تین ہزار کے باغی لشکر کے درمیان ہونے والی تھی روک دیا۔ مگر اس واقعہ سے یہ بات ہمیں خوب اچھی طرح سے معلوم ہو جاتی ہے کہ صحابہؓ میں ان لوگوں کی شرارتوں پر کس قدر جوش پیدا ہو رہا تھا۔ کیونکہ چند آدمیوں کا ایک لشکرِ جرار کے مقابلہ پر آمادہ ہو جانا ایسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ لوگ اس لشکر کی اطاعت کو موت سے بدتر خیال کریں۔ اس جماعت میں ابو ہریرہؓ اور امام حسنؓ کی شرکت خاص طور پر قابل غور ہے کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ فوجی آدمی نہ تھے اور اس سے پیشتر کوئی خاص فوجی خدمت ان سے نہیں ہوئی۔ اسی طرح حضرت امام حسنؓ گو ایک جری باپ کے بیٹے اور خود جری اور بہادر تھے مگر آپ صلح اور امن کو بہت پسند فرماتے تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی کے مطابق صلح کے شہزادے تھے [۳۴]۔ ان دو شخصوں کا اس موقع پر تلوار ہاتھ میں لے کر کھڑے ہو جانا دلالت کرتا ہے کہ صحابہؓ اور دیگر اہل مدینہ ان مُفسدوں کی شرارت پر سخت ناراض تھے۔

مدینہ میں مفسدوں کے تین بڑے ساتھی

صرف تین شخص مدینہ کے باشندے ان لوگوں کے ساتھی تھے ایک تو محمد بن ابی بکر جو حضرت ابوبکرؓ کے لڑکے تھے اور مؤرخین کا خیال ہے کہ بوجہ اس کے کہ لوگ ان کے باپ کے سبب ان کا ادب کرتے تھے ان کو خیال پیدا ہو گیا تھا کہ میں بھی کوئی حیثیت رکھتا ہوں ورنہ نہ ان کو دنیا میں کوئی سبقت حاصل تھی نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل تھی نہ بعد میں ہی خاص طور پر دینی تعلیم حاصل کی۔ حجۃ الوداع کے ایام میں پیدا ہوئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ابھی دودھ پیتے بچے تھے۔ چوتھے سال ہی میں تھے کہ حضرت ابوبکرؓ فوت ہو گئے اور اس بے نظیر انسان کی تربیت سے بھی فائدہ اُٹھانے کا موقع نہیں ملا [۳۵]۔

دوسرا شخص محمد بن ابی حذیفہ تھا یہ بھی صحابہ میں سے نہ تھا اس کے والد یمامہ کی لڑائی میں

شہید ہوگئے تھے اور حضرت عثمانؓ نے اس کی تربیت اپنی ذمہ لے لی تھی اور بچپن سے آپ نے اسے پالا تھا۔ جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو اس نے آپ سے کوئی عہدہ طلب کیا آپ نے انکار کیا۔ اس پر اس نے اجازت چاہی کہ میں کہیں باہر جا کر کوئی کام کروں۔ آپ نے اجازت دے دی اور یہ مصر چلا گیا۔ وہاں جا کر عبداللہ بن سبا کے ساتھیوں سے مل کر حضرت عثمانؓ کے خلاف لوگوں کو بھڑکانا شروع کیا۔ جب اہل مصر مدینہ پر حملہ آور ہوئے تو یہ ان کے ساتھ ہی آیا مگر کچھ دور تک آ کر واپس چلا گیا اور اس فتنہ کے وقت مدینہ میں نہیں تھا۔[۳۶]

تیسرے شخص عمار بن یاسر تھے یہ صحابہؓ میں سے تھے اور ان کے دھوکا کھانے کی وجہ یہ تھی کہ یہ سیاست سے باخبر نہ تھے۔ جب حضرت عثمانؓ نے ان کو مصر بھیجا کہ وہاں کے والی کے انتظام کے متعلق رپورٹ کریں تو عبداللہ بن سبا نے ان کا استقبال کر کے ان کے خیالات کو مصر کے گورنر کے خلاف کر دیا۔ اور چونکہ وہ گورنر ایسے لوگوں میں سے تھا جنہوں نے ایامِ کفر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت مخالفت کی تھی اور فتح مکہ کے بعد اسلام لایا تھا اس لئے آپ بہت جلد ان لوگوں کے قبضہ میں آ گئے۔ والی کے خلاف بدظنی پیدا کرنے کے بعد آہستہ آہستہ حضرت عثمانؓ پر بھی انہوں نے ان کو بدظن کر دیا۔ مگر انہوں نے عملاً فساد میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ کیونکہ باوجود اس کے کہ مدینہ پر حملہ کے وقت یہ مدینہ میں موجود تھے سوائے اِس کے کہ اپنے گھر میں خاموش بیٹھے رہے ہوں اور ان مفسدوں کا مقابلہ کرنے میں انہوں نے کوئی حصہ نہ لیا ہو عملی طور پر انہوں نے فساد میں کوئی حصہ نہیں لیا اور ان مفسدوں کی بداعمالیوں سے ان کا دامن بالکل پاک ہے۔

حضرت عثمانؓ کو خلافت سے دست برداری کیلئے مجبور کیا جانا

ان تین کے سوا باقی کوئی شخص اہل مدینہ میں سے صحابی ہو یا غیر صحابی ان مفسدوں کا ہمدرد نہ تھا اور ہر ایک شخص ان پر لعنت ملامت کرتا تھا۔ مگر ان کے ہاتھ میں اُس وقت سب انتظام تھا یہ کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ بیس دن تک یہ لوگ صرف زبانی طور پر کوشش کرتے رہے کہ کسی طرح

حضرت عثمانؓ خلافت سے دست بردار ہو جائیں مگر حضرت عثمانؓ نے اس امر سے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ جو قمیض مجھے خدا تعالیٰ نے پہنائی ہے میں اسے اُتار نہیں سکتا اور نہ اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بے پناہ چھوڑ سکتا ہوں کہ جس کا جی چاہے دوسرے پر ظلم کرے۔ [۳۷] اور ان لوگوں کو بھی سمجھاتے رہے کہ اس فساد سے باز آجاویں اور فرماتے رہے کہ آج یہ لوگ فساد کرتے ہیں اور میری زندگی سے بیزار ہیں مگر جب میں نہ رہوں گا تو خواہش کریں گے کہ کاش! عثمان کی عمر کا ایک ایک دن ایک ایک سال سے بدل جاتا اور وہ ہم سے جلدی رُخصت نہ ہوتا۔ کیونکہ میرے بعد سخت خون ریزی ہوگی اور حقوق کا اِتلاف ہوگا اور انتظام کچھ کا کچھ بدل جائے گا۔ (چنانچہ بنواُمیہ کے زمانہ میں خلافت حکومت سے بدل گئی اور ان مفسدوں کو ایسی سزائیں ملیں کہ سب شرارتیں ان کو بھول گئیں)

حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ

بیس دن گزرنے کے بعد ان لوگوں کو خیال ہوا کہ اب جلدی ہی کوئی فیصلہ کرنا چاہیے تا ایسا نہ ہو کہ صوبہ جات سے فوجیں آجاویں اور ہمیں اپنی اعمال کی سزا بھگتنی پڑے اس لئے انہوں نے حضرت عثمانؓ کا گھر سے نکلنا بند کر دیا اور کھانے پینے کی چیزوں کا اندر جانا بھی روک دیا اور سمجھے کہ شاید اس طرح مجبور ہو کر حضرت عثمانؓ ہمارے مطالبات کو قبول کر لیں گے۔

مدینہ کا انتظام اب ان لوگوں کے ہاتھ میں تھا اور تینوں فوجوں نے مل کر مصر کی فوجوں کے سردار غافقی کو اپنا سردار تسلیم کر لیا تھا۔ اس طرح مدینہ کا حاکم گویا اُس وقت غافقی تھا اور کوفہ کی فوج کا سردار اشتر اور بصرہ کی فوج کا سردار حکیم بن جبلہ (وہی ڈاکو جسے اہل ذمہ کے مال لوٹنے پر حضرت عثمانؓ نے بصرہ میں نظر بند کر دینے کا حکم دیا تھا) دونوں غافقی کے ماتحت کام کرتے تھے اور اس سے ایک دفعہ پھر یہ بات ثابت ہوگئی کہ اس فتنہ کی اصل جڑ مصری تھے جہاں عبداللہ بن سبا کام کر رہا تھا۔ مسجد نبوی میں غافقی نماز پڑھاتا تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ اپنے گھروں میں مقیّد رہتے یا اس کے پیچھے نماز ادا کرنے پر مجبور تھے۔

جب تک ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کرنیکا فیصلہ نہیں کیا تھا تب تک تو لوگوں سے زیادہ تعرض نہیں کرتے تھے مگر محاصرہ کرنے کے ساتھ ہی دوسرے لوگوں پر بھی سختیاں شروع کر دیں۔ اب مدینہ دارالامن کی بجائے دارالحرب ہو گیا۔ اہل مدینہ کی عزت اور ننگ و ناموس خطرہ میں تھی اور کوئی شخص اسلحہ کے بغیر گھر سے نہیں نکلتا تھا اور جو شخص ان کا مقابلہ کرتا اسے قتل کر دیتے تھے۔

حضرت علیؓ کا محاصرہ کرنے والوں کو نصیحت کرنا

جب ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ کا محاصرہ کر لیا اور پانی تک اندر جانے سے روک دیا تو حضرت عثمانؓ نے اپنے ایک ہمسایہ کے لڑکے کو حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اور اُمہاتُ المؤمنین کی طرف بھیجا کہ ان لوگوں نے ہمارا پانی بھی بند کر دیا ہے آپ لوگوں سے اگر کچھ ہو سکے تو کوشش کریں اور ہمیں پانی پہنچائیں۔ مردوں میں سب سے پہلے حضرت علیؓ آئے اور آپ نے ان لوگوں کو سمجھایا کہ تم لوگوں نے کیا رویہ اختیار کیا ہے۔ تمہارا عمل تو نہ مومنوں سے ملتا ہے نہ کافروں سے۔ حضرت عثمانؓ کے گھر میں کھانے پینے کی چیزیں مت روکو۔ روم اور فارس کے لوگ بھی قید کرتے ہیں تو کھانا کھلاتے ہیں اور پانی پلاتے ہیں اور اسلامی طریق کے موافق تو تمہارا یہ فعل کسی طرح جائز نہیں کیونکہ حضرت عثمانؓ نے تمہارا کیا بگاڑا ہے کہ تم ان کو قید کر دینے اور قتل کر دینے کو جائز سمجھنے لگے ہو۔ حضرت علیؓ کی اِس نصیحت کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا اور انہوں نے صاف کہہ دیا کہ خواہ کچھ ہو جائے ہم اس شخص تک دانہ پانی نہ پہنچنے دیں گے۔ یہ وہ جواب تھا جو انہوں نے اُس شخص کو دیا جسے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصی اور آپؐ کا حقیقی جانشین قرار دیتے تھے۔ اور کیا اس جواب کے بعد کسی اور شہادت کی بھی اِس امر کے ثابت کرنے کے لئے ضرورت باقی رہ جاتی ہے کہ یہ حضرت علیؓ کا وصی قرار دینے والا گروہ حق کی حمایت اور اہل بیت کی محبت کی خاطر اپنے گھروں سے نہیں نکلا تھا بلکہ اپنی نفسانی اغراض کو پورا کرنے کے لئے۔

حضرت اُمِ حبیبہؓ سے مفسدوں کا سلوک

اُمہاتُ المومنین میں سے سب سے پہلے حضرت اُمِ حبیبہؓ آپ کی مدد کے لئے آئیں۔ایک خچر پر سوار تھیں۔آپ اپنے ساتھ ایک مشکیزہ پانی کا بھی لائیں۔لیکن اصل غرض آپ کی یہ تھی کہ بنوامیہ کے یتامیٰ اور بیواؤں کی وصیتیں حضرت عثمانؓ کے پاس تھیں اور آپ نے جب دیکھا کہ حضرت عثمانؓ کا پانی باغیوں نے بند کر دیا ہے تو آپؓ کو خوف ہوا کہ وہ وصایا بھی کہیں تلف نہ ہو جائیں اور آپ نے چاہا کہ کسی طرح وہ وصایا محفوظ کر لی جائیں ورنہ پانی آپ کسی اور ذریعہ سے بھی پہنچا سکتی تھیں۔جب آپ حضرت عثمانؓ کے دروازے تک پہنچیں تو باغیوں نے آپ کو روکنا چاہا تو لوگوں نے بتایا کہ یہ اُمّ المؤمنین اُمِ حبیبہؓ ہیں مگر اس پر بھی وہ لوگ باز نہ آئے اور آپ کی خچر کو مارنا شروع کیا۔اُمّ المؤمنین اُمِ حبیبہؓ نے فرمایا کہ میں ڈرتی ہوں کہ بنوامیہ کے یتامیٰ اور بیوگان کی وصایا ضائع نہ ہو جائیں اس لئے اندر جانا چاہتی ہوں تا کہ ان کی حفاظت کا سامان کر دوں۔مگر ان بدبختوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ کو جواب دیا کہ تم جھوٹ بولتی ہو اور آپ کی خچر پر حملہ کر کے اس کے پالان کے رسّے کاٹ دیئے اور زین اُلٹ گئی۔اور قریب تھا کہ حضرت اُمّ حبیبہؓ گر کر ان مفسدوں کے پیروں کے نیچے روندی جا کر شہید ہو جاتیں کہ بعض اہل مدینہ نے جو قریب تھے جھپٹ کر آپ کو سنبھالا اور گھر پہنچا دیا۔[۳۸]

حضرت اُمِ حبیبہؓ کی دینی غیرت کا نمونہ

یہ وہ سلوک تھا جو ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ سے کیا۔حضرت اُمِ حبیبہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا اخلاص اور عشق رکھتی تھیں کہ جب پندرہ سولہ سال کی جدائی کے بعد آپ کا باپ جو عرب کا سردار تھا اور مکہ میں ایک بادشاہ کی حیثیت رکھتا تھا ایک خاص سیاسی مشن پر مدینہ آیا اور آپ کے ملنے کے لئے گیا تو آپ نے اس کے نیچے سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر کھینچ لیا۔اس لئے کہ خدا کے رسول کے پاک کپڑے سے ایک مشرک کے نجس جسم کو چھوتے ہوئے دیکھنا آپ کی طاقت برداشت سے باہر تھا۔تعجب ہے کہ حضرت اُمِ حبیبہؓ نے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبت میں

آپؐ کے کپڑے تک کی حُرمت کا خیال رکھا مگر ان مفسدوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبت میں آپ کے حرمِ محترم کی حُرمت کا بھی خیال نہ کیا۔ نادانوں نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی جھوٹی ہیں حالانکہ جو کچھ انہوں نے فرمایا تھا وہ درست تھا۔ حضرت عثمانؓ بنوامیہ کے یتامیٰ کے ولی تھے اور ان لوگوں کی بڑھتی ہوئی عداوت کو دیکھ کر آپ کا خوف درست تھا کہ یتامیٰ اور بیواؤں کے اموال ضائع نہ ہو جائیں۔ جھوٹے وہ تھے جنہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ کرتے ہوئے ان کے دین کی تباہی کا بیڑا اُٹھایا تھا نہ اُم المؤمنین امِ حبیبہؓ۔[۳۹]

حضرت عائشہؓ کی حج کے لئے تیاری

حضرت اُمِ حبیبہؓ کے ساتھ جو کچھ سلوک کیا گیا تھا جب اس کی خبر مدینہ میں پھیلی تو صحابہؓ اور اہل مدینہ حیران رہ گئے اور سمجھ لیا کہ اب ان لوگوں سے کسی قسم کی خیر کی امید رکھنی فضول ہے۔ حضرت عائشہؓ نے اُسی وقت حج کا ارادہ کرلیا اور سفر کی تیاری شروع کر دی۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ آپ مدینہ سے جانے والی ہیں تو بعض نے آپ سے درخواست کی کہ اگر آپ یہیں ٹھہریں تو شاید فتنہ کے روکنے میں کوئی مدد ملے اور باغیوں پر کچھ اثر ہو۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ مجھ سے بھی وہی سلوک ہو جو اُم حبیبہؓ سے ہوا ہے۔ خدا کی قسم! میں اپنی عزت کو خطرہ میں نہیں ڈال سکتی (کیونکہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت تھی) اگر کسی قسم کا معاملہ مجھ سے کیا گیا تو میری حفاظت کا کیا سامان ہوگا خدا ہی جانتا ہے کہ یہ لوگ اپنی شرارتوں میں کہاں تک ترقی کریں گے اور ان کا کیا انجام ہوگا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے چلتے چلتے ایک ایسی تدبیر کی جو اگر کارگر ہو جاتی تو شاید فساد میں کچھ کمی ہو جاتی۔ اور وہ یہ کہ اپنے بھائی محمد بن ابی بکر کو کہلا بھیجا کہ تم بھی میرے ساتھ حج کو چلو مگر اس نے انکار کر دیا۔ اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کیا کروں بے بس ہوں اگر میری طاقت ہوتی تو ان لوگوں کو اپنے ارادوں میں کبھی کامیاب نہ ہونے دیتی۔

حضرت عثمانؓ کا والیان صوبہ جات کو مراسلہ

حضرت عائشہؓ توحج کو تشریف لے گئیں اور بعض صحابہؓ بھی جن سے ممکن ہو سکا اور مدینہ سے نکل سکے مدینہ سے تشریف لے گئے اور باقی لوگ سوائے چند اکابر صحابہؓ کے اپنے گھروں میں بیٹھ رہے اور آخر حضرت عثمانؓ کو بھی یہ محسوس ہو گیا کہ یہ لوگ نرمی سے مان نہیں سکتے اور آپ نے ایک خط تمام والیانِ صوبہ جات کے نام روانہ کیا جس کا خلاصہ یہ تھا۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بعد بلا کسی خواہش یا درخواست کے مجھے ان لوگوں میں شامل کیا گیا تھا جنہیں خلافت کے متعلق مشورہ کرنے کا کام سپرد کیا گیا تھا۔ پھر بلا میری خواہش یا سوال کے مجھے خلافت کے لئے چنا گیا اور میں برابر وہ کام کرتا رہا جو مجھ سے پہلے خلفاء کرتے رہے اور میں نے اپنے پاس سے کوئی بدعت نہیں نکالی۔ لیکن چند لوگوں کے دلوں میں بدی کا بیج بویا گیا اور شرارت جاگزیں ہوئی اور انہوں نے میرے خلاف منصوبے کرنے شروع کر دیئے۔ اور لوگوں کے سامنے کچھ ظاہر کیا اور دل میں کچھ اور رکھا اور مجھ پر وہ الزام لگانے شروع کیے جو مجھ سے پہلے خلفاء پر بھی لگتے تھے۔ لیکن میں معلوم ہوتے ہوئے بھی خاموش رہا اور یہ لوگ میرے رحم سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر شرارت میں اور بھی بڑھ گئے اور آخر کفار کی طرح مدینہ پر حملہ کر دیا۔ پس آپ لوگ اگر کچھ کر سکیں تو مدد کا انتظام کریں۔

اسی طرح ایک خط جس کا خلاصہ مطلب ذیل میں درج ہے حج پر آنے والوں کے نام لکھ کر کچھ دن بعد روانہ کیا۔

حضرت عثمانؓ کا حاجیوں کے نام خط

میں آپ لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف توجہ دلاتا ہوں اور اس کے انعامات یاد دلاتا ہوں۔ اِس وقت کچھ لوگ فتنہ پردازی کر رہے ہیں اور اسلام میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش میں مشغول ہیں۔ مگر ان لوگوں نے یہ بھی نہیں سوچا کہ خلیفہ خدا بناتا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ[۱۴۰] اور اتفاق کی قدر نہیں کی۔ حالانکہ خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ

جَمِیْعًا [41] اور مجھ پر الزام لگانے والوں کی باتوں کو قبول کیا اور قرآن کریم کے اس حکم کی پرواہ نہ کی کہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا [42] اور میری بیعت کا ادب نہیں کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرماتا ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ [43] اور میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہوں۔کوئی اُمت بغیر سردار کے ترقی نہیں کرسکتی اور اگر کوئی امام نہ ہوتو جماعت کا تمام کام خراب و برباد ہو جائے گا۔ یہ لوگ اُمت اسلامیہ کو تباہ و برباد کرنا چاہتے ہیں اور اِس کے سوا ان کی کوئی غرض نہیں۔ کیونکہ میں نے ان کی بات کو قبول کرلیا تھا اور والیوں کے بدلنے کا وعدہ کرلیا تھا مگر انہوں نے اِس پر بھی شرارت نہ چھوڑی۔ اب یہ تین باتوں میں سے ایک کا مطالبہ کرتے ہیں۔

اوّل یہ کہ جن لوگوں کو میرے عہد میں سزا ملی ہے اُن سب کا قصاص مجھ سے لیا جاوے۔

اگر یہ مجھے منظور نہ ہوتو پھر خلافت کو چھوڑ دوں اور یہ لوگ میری جگہ کسی اور کو مقرر کردیں۔

یہ بھی نہ مانوں تو پھر یہ لوگ دھمکی دیتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے تمام ہم خیال لوگوں کو پیغام بھیجیں گے کہ وہ میری اطاعت سے باہر ہو جائیں۔

پہلی بات کا تو یہ جواب ہے کہ مجھ سے پہلے خلفاءؓ بھی کبھی فیصلوں میں غلطی کرتے تھے مگر اُن کو کبھی سزا نہ دی گئی اور اِس قدر سزائیں مجھ پر جاری کرنے کا مطلب سوائے مجھے مارنے کے اور کیا ہوسکتا ہے۔

خلافت سے معزول ہونے کا جواب میری طرف سے یہ ہے کہ اگر یہ لوگ موچنوں سے میری بوٹیاں کردیں تو یہ مجھے منظور ہے مگر خلافت سے میں جدا نہیں ہوسکتا۔

باقی رہی تیسری بات کہ پھر یہ لوگ اپنے آدمی چاروں طرف بھیجیں گے کہ کوئی میری بات نہ مانے۔سو میں خدا کی طرف سے ذمہ دار نہیں ہوں اگر یہ لوگ ایک امر خلاف شریعت کرنا چاہتے ہیں تو کریں۔ پہلے بھی جب انہوں نے میری بیعت کی تھی تو میں نے ان پر جبر نہیں کیا تھا۔ جو شخص عہد

توڑنا چاہتا ہے میں اس کے اس فعل پر راضی نہیں نہ خدا تعالیٰ راضی ہے۔ ہاں وہ اپنی طرف سے جو چاہے کرے۔

چونکہ حج کے دن قریب آ رہے تھے اور چاروں طرف سے لوگ مکہ مکرمہ میں جمع ہو رہے تھے حضرت عثمانؓ نے اس خیال سے کہ کہیں وہاں بھی کوئی فساد کھڑا نہ کریں اور اِس خیال سے بھی کہ حج کے لئے جمع ہونے والے مسلمانوں میں اہل مدینہ کی مدد کی تحریک کریں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو حج کا امیر بنا کر روانہ کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بھی عرض کی کہ ان لوگوں سے جہاد کرنا مجھے زیادہ پسند ہے مگر حضرت عثمانؓ نے اُن کو مجبور کیا کہ وہ حج کے لئے جاویں اور حج کے ایام میں امیر حج کا کام کریں تا کہ مفسد وہاں اپنی شرارت نہ پھیلا سکیں اور وہاں جمع ہونے والے لوگوں میں بھی مدینہ کے لوگوں کی مدد کی تحریک کی جاوے اور مذکورہ بالا خط آپ ہی کے ہاتھ روانہ کیا۔ جب ان خطوں کا ان مفسدوں کو علم ہوا تو انہوں نے اور بھی سختی کرنا شروع کر دی اور اس بات کا موقع تلاش کرنے لگے کہ کسی طرح لڑائی کا کوئی بہانہ مل جاوے تو حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیں مگر ان کی تمام کوششیں فضول جاتی تھیں اور حضرت عثمانؓ ان کو کوئی موقع شرارت کا ملنے نہ دیتے تھے۔

مفسدوں کا حضرت عثمانؓ کے گھر میں پتھر پھینکنا

آخر تنگ آ کر یہ تدبیر سُوجھی کہ جب رات پڑتی اور لوگ سو جاتے حضرت عثمانؓ کے گھر میں پتھر پھینکتے اور اس طرح اہل خانہ کو اشتعال دلاتے تا کہ جوش میں آ کر وہ بھی پتھر پھینکیں تو لوگوں کو کہہ سکیں کہ انہوں نے ہم پر پہلے حملہ کیا ہے اس لئے ہم جواب دینے پر مجبور ہیں۔ مگر حضرت عثمانؓ نے اپنے تمام اہل خانہ کو جواب دینے سے روک دیا۔ ایک دن موقع پا کر دیوار کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ اے لوگو! میں تو تمہارے نزدیک تمہارا گناہ گار ہوں مگر دوسرے لوگوں نے کیا قصور کیا ہے۔ تم پتھر پھینکتے ہو تو دوسروں کو بھی چوٹ لگنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ انہوں نے صاف انکار کر دیا کہ ہم نے پتھر نہیں پھینکے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ اگر تم نہیں پھینکتے تو اور کون پھینکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ خدا تعالیٰ پھینکتا ہوگا۔ (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ) حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ تم لوگ جھوٹ

بولتے ہو۔ اگر خدا تعالیٰ ہم پر پتھر پھینکتا تو اس کا کوئی پتھر خطا نہ جاتا لیکن تمہارے پھینکے ہوئے پتھر تو اِدھر اُدھر بھی جا پڑتے ہیں۔ یہ فرما کر آپ ان کے سامنے سے ہٹ گئے۔

فتنہ فرو کرنے میں صحابہؓ کی مساعی جمیلہ

گو صحابہؓ کو اب حضرت عثمانؓ کے پاس جمع ہونے کا موقع نہ دیا جاتا تھا مگر پھر بھی وہ اپنے فرض سے غافل نہ تھے۔ مصلحت وقت کے ماتحت انہوں نے دو حصوں میں اپنا کام تقسیم کیا ہوا تھا۔ جو سن رسیدہ اور جن کا اخلاقی اثر عوام پر زیادہ تھا وہ تو اپنے اوقات کو لوگوں کے سمجھانے پر صَرف کرتے اور جو لوگ ایسا کوئی اثر نہ رکھتے تھے یا نوجوان تھے وہ حضرت عثمانؓ کی حفاظت کی کوشش میں لگے رہتے۔

اوّل الذکر جماعت میں سے حضرت علیؓ اور حضرت سعد بن وقاصؓ فاتح فارس فتنہ کے کم کرنے میں سب سے زیادہ کوشاں تھے۔ خصوصاً حضرت علیؓ تو اس فتنہ کے ایام میں اپنے تمام کام چھوڑ کر اس کام میں لگ گئے تھے چنانچہ ان واقعات کی رؤیت کے گواہوں میں سے ایک شخص عبدالرحمٰن نامی بیان کرتا ہے کہ ان ایامِ فتنہ میں مَیں نے دیکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے تمام کام چھوڑ دیئے تھے اور حضرت عثمانؓ کے دشمنوں کا غضب ٹھنڈا کرنے اور آپ کی تکالیف دور کرنے کی فکر میں ہی رات دن لگے رہتے تھے۔ ایک دفعہ آپ تک پانی پہنچنے میں کچھ دیر ہوئی تو حضرت طلحہؓ پر جن کے سپرد یہ کام تھا آپ سخت ناراض ہوئے اور اُس وقت تک آرام نہ کیا جب تک پانی حضرت عثمانؓ کے گھر میں پہنچ نہ گیا۔

دوسرا گروہ ایک ایک دو دو کر کے جس جس وقت موقع ملتا تھا تلاش کر کے حضرت عثمانؓ یا آپ کے ہمسایہ گھروں میں جمع ہونا شروع ہوا۔ اور اس نے اس امر کا پختہ ارادہ کر لیا کہ ہم اپنی جانیں دے دیں گے مگر حضرت عثمانؓ کی جان پر آنچ نہ آنے دیں گے۔ اس گروہ میں حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی اولاد کے سوائے خود صحابہؓ میں سے بھی ایک جماعت شامل تھی۔ یہ لوگ رات اور دن حضرت عثمانؓ کے مکان کی حفاظت کرتے تھے اور آپ تک کسی دشمن کو پہنچنے نہ دیتے تھے۔ اور گو یہ قلیل تعداد اس قدر کثیر لشکر کا مقابلہ تو نہ کر سکتی تھی مگر چونکہ باغی چاہتے تھے کوئی بہانہ رکھ کر حضرت عثمانؓ کو قتل کریں وہ بھی اس قدر

زورنہ دیتے تھے۔ اُس وقت کے حالات سے حضرت عثمانؓ کی اسلامی خیرخواہی پر جو روشنی پڑتی ہے اس سے عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ تین ہزار کے قریب لشکر آپ کے دروازہ کے سامنے پڑا ہے اور کوئی تدبیر اس سے بچنے کی نہیں مگر جو لوگ آپ کو بچانے کی کوشش کرنا چاہتے ہیں اُن کو بھی آپ روکتے ہیں کہ جاؤ اپنی جانوں کو خطرہ میں نہ ڈالو۔ ان لوگوں کو صرف مجھ سے عداوت ہے تم سے کوئی تعرض نہیں۔ آپ کی آنکھ اُس وقت کو دیکھ رہی تھی جب کہ اسلام ان مفسدوں کے ہاتھوں سے ایک بہت بڑے خطرہ میں ہوگا اور صرف ظاہری اتحاد ہی نہیں بلکہ روحانی انتظام بھی پراگندہ ہونے کے قریب ہو جاوے گا۔ اور آپ جانتے تھے کہ اُس وقت اسلام کی حفاظت اور اس کے قیام کے لئے ایک ایک صحابیؓ کی ضرورت ہوگی۔ پس آپ نہیں چاہتے تھے کہ آپ کی جان بچانے کی بے فائدہ کوشش میں صحابہؓ کی جانیں جاویں اور سب کو یہی نصیحت کرتے تھے کہ ان لوگوں سے تعرض نہ کرو اور چاہتے تھے کہ جہاں تک ہو سکے آئندہ فتنوں کو دور کرنے کے لئے وہ جماعت محفوظ رہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی ہے۔ مگر باوجود آپ کے سمجھانے کے جن صحابہؓ کو آپ کے گھر تک پہنچنے کا موقع مل جاتا وہ اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرتے اور آئندہ کے خطرات پر موجودہ خطرہ کو مقدم رکھتے۔ اور اگر ان کی جانیں اس عرصہ میں محفوظ تھیں تو صرف اس لئے کہ ان لوگوں کو جلدی کی کوئی ضرورت نہ معلوم ہوتی تھی اور بہانہ کی تلاش تھی۔ لیکن وہ وقت بھی آخر آ گیا جب کہ زیادہ انتظار کرنا ناممکن ہو گیا۔ کیونکہ حضرت عثمانؓ کا دل کو ہلا دینے والا پیغام جو آپ نے حج پر جمع ہونے والے مسلمانوں کو بھیجا تھا حجاج کے مجمع میں سنایا گیا تھا اور وادئ مکہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک اِس کی آواز سے گونج رہی تھی اور حج پر جمع ہونے والے مسلمانوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ حج کے بعد جہاد کے ثواب سے بھی محروم نہ رہیں گے اور مصری مفسدوں اور ان کے ساتھیوں کا قلع قمع کر کے چھوڑیں گے۔ مفسدوں کے جاسوسوں نے انہیں اس ارادہ کی اطلاع دے دی تھی اور اب ان کے کیمپ میں سخت گھبراہٹ کے آثار تھے۔ حتّٰی کہ ان میں چہ میگوئیاں ہونے لگی تھیں کہ اب اس شخص کے قتل کے سوا کوئی چارہ نہیں اور اگر اسے ہم نے قتل نہ کیا تو مسلمانوں کے ہاتھوں سے

ہمارے قتل میں کوئی شبہ نہیں۔

اِس گھبراہٹ کو اس خبر نے اور بھی دوبالا کر دیا کہ شام اور کوفہ اور بصرہ میں بھی حضرت عثمانؓ کے خطوط پہنچ گئے ہیں اور وہاں کے لوگ جو پہلے سے ہی حضرت عثمانؓ کے احکام کے منتظر تھے ان خطوط کے پہنچنے پر اور بھی جوش سے بھر گئے ہیں اور صحابہؓ نے اپنی ذمہ داری کو محسوس کر کے مسجدوں اور مجلسوں میں تمام مسلمانوں کو ان کے فرائض کی طرف توجہ دلا کر ان مفسدوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دے دیا ہے اور وہ کہتے ہیں جس نے آج جہاد نہ کیا اُس نے گویا کچھ بھی نہ کیا۔ کوفہ میں عقبہ بن عمرو، عبداللہ بن ابی اوفی اور حنظلہ بن ربیع التمیمی اور دیگر صحابہؓ کرام نے لوگوں کو اہل مدینہ کی مدد کے لیے اُبھارا ہے تو بصرہ میں عمران بن حصین، انس بن مالک، ہشام بن عامر اور دیگر صحابہ نے۔ شام میں اگر عبادہ بن صامت، ابوامامہ☆ اور دیگر صحابہؓ نے حضرت عثمانؓ کی آواز پر لبیک کہنے پر لوگوں کو اُکسایا ہے تو مصر میں خارجہ و دیگر لوگوں نے۔ اور سب ملکوں سے فوجیں اکٹھی ہو کر مدینہ کی طرف بڑھی چلی آتی ہیں۔[۴۴]

حضرت عثمانؓ کے گھر پر مفسدوں کا حملہ

غرض اِن خبروں سے باغیوں کی گھبراہٹ اور بھی بڑھ گئی آخر حضرت عثمانؓ کے گھر پر حملہ کر کے بزور اندر داخل ہونا چاہا صحابہؓ نے مقابلہ کیا اور آپس میں سخت جنگ ہوئی گو صحابہؓ کم تھے مگر ان کی ایمانی غیرت ان کی کمی کی تعداد کو پورا کر رہی تھی۔ جس جگہ لڑائی ہوئی یعنی حضرت عثمانؓ کے گھر کے سامنے وہاں جگہ بھی تنگ تھی اس لئے مفسد اپنی کثرت سے زیادہ فائدہ نہ اُٹھا سکے۔ حضرت عثمانؓ کو جب اِس لڑائی کا علم ہوا تو آپ نے صحابہؓ کو لڑنے سے منع کیا مگر وہ اُس وقت حضرت عثمانؓ کو اکیلا چھوڑ دینا

☆ طبری کی روایت کے مطابق شام میں حضرت عثمانؓ کی مدد کے لئے لوگوں میں جوش دلانے والے صحابہؓ میں حضرت ابو درداءؓ انصاری بھی شامل تھے۔ مگر دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے پہلے فوت ہو چکے تھے جیسا کہ استیعاب اور اصابہ سے ثابت ہے اور یہی درست ہے جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے یہ بھی اپنے ایامِ زندگی میں اس فتنہ کے مٹانے میں کوشاں رہے ہیں۔

ایمانداری کے خلاف اور اطاعت کے حکم کے متضاد خیال کرتے تھے اور باوجود حضرت عثمانؓ کو اللہ کی قسم دینے کے انہوں نے لَوٹنے سے انکار کر دیا۔

حضرت عثمانؓ کا صحابہؓ کو وصیت کرنا

آخر حضرت عثمانؓ نے ڈھال ہاتھ میں پکڑی اور باہر تشریف لے آئے اور صحابہؓ کو اپنے مکان کے اندر لے گئے اور دروازے بند کرا دیئے اور آپ نے سب صحابہؓ اور ان کے مددگاروں کو وصیت کی کہ خدا تعالیٰ نے آپ لوگوں کو دنیا اس لئے نہیں دی کہ تم اس کی طرف جھک جاؤ بلکہ اس لئے دی ہے کہ تم اس کے ذریعہ سے آخرت کے سامان جمع کرو۔ یہ دنیا تو فنا ہو جاوے گی اور آخرت ہی باقی رہے گی۔ پس چاہیے کہ فانی چیز تم کو غافل نہ کرے۔ باقی رہنے والی چیز کو فانی ہو جانے والی چیز پر مقدم کرو اور خدا تعالیٰ کی ملاقات کو یاد رکھو اور جماعت کو پراگندہ نہ ہونے دو۔ اور اس نعمت الٰہی کو مت بھولو کہ تم ہلاکت کے گڑھے میں گرنے والے تھے اور خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے تم کو نجات دے کر بھائی بھائی بنا دیا۔ اس کے بعد آپ نے سب کو رُخصت کیا اور کہا کہ خدا تعالیٰ تمہارا حافظ و ناصر ہو۔ تم سب اب گھر سے باہر جاؤ اور ان صحابہؓ کو بھی بلواؤ جن کو مجھ تک آنے نہیں دیا تھا۔ خصوصاً حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ کو۔

یہ لوگ باہر آ گئے اور دوسرے صحابہؓ کو بھی بلوایا گیا۔ اُس وقت کچھ ایسی کیفیت پیدا ہو رہی تھی اور ایسی افسردگی چھا رہی تھی کہ باغی بھی اِس سے متأثر ہوئے بغیر نہ رہے اور کیوں نہ ہوتا سب دیکھ رہے تھے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلائی ہوئی ایک شمع اب اِس دنیا کی عمر کو پوری کر کے اس دنیا کے لوگوں کی نظر سے اوجھل ہونے والی ہے۔ غرض باغیوں نے زیادہ تعرض نہ کیا اور سب صحابہؓ جمع ہوئے۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو آپ گھر کی دیوار پر چڑھے اور فرمایا میرے قریب ہو جاؤ۔ جب سب قریب ہو گئے تو فرمایا کہ اے لوگو! بیٹھ جاؤ۔ اِس پر صحابہؓ بھی اور مجلس کی ہیبت سے متأثر ہو کر باغی بھی بیٹھ گئے۔ جب سب بیٹھ گئے تو آپ نے فرمایا کہ اہل مدینہ! میں تم کو خدا تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں اور اُس سے دعا کرتا ہوں کہ وہ میرے بعد تمہارے لئے خلافت کا کوئی بہتر انتظام فرما دے۔ آج کے بعد اُس

وقت تک کہ خدا تعالیٰ میرے متعلق کوئی فیصلہ فرما دے میں باہر نہیں نکلوں گا اور میں کسی کو کوئی ایسا اختیار نہیں دے جاؤں گا کہ جس کے ذریعہ سے دین یا دنیا میں وہ تم پر حکومت کرے۔ اور اس امر کو خدا تعالیٰ پر چھوڑ دوں گا کہ وہ جسے چاہے اپنے کام کے لئے پسند کرے۔ اس کے بعد صحابہ و دیگر اہل مدینہ کو قسم دی کہ وہ آپ کی حفاظت کر کے اپنی جانوں کو خطرۂ عظیم میں نہ ڈالیں اور اپنے گھروں کو چلے جاویں۔

آپ کے اس حکم نے صحابہؓ میں ایک بہت بڑا اختلاف پیدا کر دیا۔ ایسا اختلاف کہ جس کی نظیر پہلے نہیں ملتی۔ صحابہؓ حکم ماننے کے سوا اور کچھ جانتے ہی نہ تھے۔ مگر آج اس حکم کے ماننے میں ان میں سے بعض کو اطاعت نہیں غداری کی بُو نظر آتی تھی۔ بعض صحابہؓ نے تو اطاعت کے پہلو کو مقدم سمجھ کر بادلِ ناخواستہ آئندہ کے لئے دشمنوں کا مقابلہ کرنے کا ارادہ چھوڑ دیا اور غالباً انہوں نے سمجھا کہ ہمارا کام صرف اطاعت ہے یہ ہمارا کام نہیں ہے کہ ہم دیکھیں کہ اس حکم پر عمل کرنے کے کیا نتائج ہوں گے۔ مگر بعض صحابہؓ نے اس حکم کو ماننے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ بے شک خلیفہ کی اطاعت فرض ہے مگر جب خلیفہ یہ حکم دے کہ تم مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ تو اس کے یہ معنے ہیں کہ خلافت سے وابستگی چھوڑ دو۔ پس یہ اطاعت درحقیقت بغاوت پیدا کرتی ہے۔ اور وہ یہ بھی دیکھتے تھے کہ حضرت عثمانؓ کا ان کو گھروں کو واپس کرنا ان کی جانوں کی حفاظت کیلئے تھا تو پھر کیا وہ ایسے محبت کرنے والے وجود کو خطرہ میں چھوڑ کر اپنے گھروں میں جا سکتے تھے!! اس مؤخر الذکر گروہ میں سب اکابر صحابہؓ شامل تھے۔ چنانچہ باوجود اس حکم کے حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ کے لڑکوں نے اپنے اپنے والد کے حکم کے ماتحت حضرت عثمانؓ کی ڈیوڑھی پر ہی ڈیرہ جمائے رکھا اور اپنی تلواروں کو میانوں میں نہ داخل کیا۔

حاجیوں کی واپسی پر باغیوں کی گھبراہٹ

باغیوں کی گھبراہٹ اور جوش کی کوئی حد باقی نہ رہی جب کہ حج سے فارغ ہو کر آنے والے لوگوں میں اِکے دُکے مدینہ میں داخل ہونے لگے اور ان کو معلوم ہو گیا کہ اب ہماری قسمت کے فیصلہ کا وقت بہت نزدیک ہے۔ چنانچہ مغیرہ بن الاخنس سب

سے پہلے شخص تھے جو حج کے بعد ثوابِ جہاد کے لئے مدینہ میں داخل ہوئے اور ان کے ساتھ ہی یہ خبر باغیوں کو ملی کہ اہل بصرہ کا لشکر جو مسلمانوں کی امداد کے لئے آ رہا ہے صرار مقام پر جو مدینہ سے صرف ایک دن کے راستہ پر ہے آ پہنچا ہے۔ ان خبروں سے متأثر ہو کر اُنہوں نے فیصلہ کیا کہ جس طرح ہو اپنے مدعا کو جلد پورا کیا جائے اور چونکہ وہ صحابہؓ اور ان کے ساتھی جنہوں نے باوجود حضرت عثمانؓ کے منع کرنے کے حضرت عثمانؓ کی حفاظت نہ چھوڑی تھی اور صاف کہہ دیا تھا کہ اگر ہم آپ کو باوجود ہاتھوں میں طاقتِ مقابلہ ہونے کے چھوڑ دیں تو خدا تعالیٰ کو کیا منہ دکھائیں گے، بوجہ اپنی قلت تعداد اب مکان کے اندر کی طرف سے حفاظت کرتے تھے اور دروازہ تک پہنچنا باغیوں کے لئے مشکل نہ تھا۔ انہوں نے دروازہ کے سامنے لکڑیوں کے انبار جمع کر کے آگ لگا دی تا کہ دروازہ جل جاوے اور اندر پہنچنے کا راستہ مل جاوے۔ صحابہؓ نے اس بات کو دیکھا تو اندر بیٹھنا مناسب نہ سمجھا۔ تلواریں پکڑ کر باہر نکلنا چاہا مگر حضرت عثمانؓ نے اس بات سے روکا اور فرمایا کہ گھر کو آگ لگانے کے بعد اور کون سی بات رہ گئی ہے اب جو ہونا تھا ہو چکا تم لوگ اپنی جانوں کو خطرہ میں نہ ڈالو اور اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔ ان لوگوں کو صرف میری ذات سے عداوت ہے مگر جلد یہ لوگ اپنے کئے پر پشیمان ہوں گے۔ میں ہر ایک شخص کو جس پر میری اطاعت فرض ہے اس کے فرض سے سبکدوش کرتا ہوں اور اپنا حق معاف کرتا ہوں [۴۵] مگر صحابہؓ اور دیگر لوگوں نے اس بات کو تسلیم نہ کیا اور تلواریں پکڑ کر باہر نکلے۔ ان کے باہر نکلتے وقت حضرت ابوہریرہؓ بھی آ گئے اور باوجود اس کے کہ وہ فوجی آدمی نہ تھے وہ بھی ان کے ساتھ مل گئے اور فرمایا کہ آج کے دن کی لڑائی سے بہتر اور کون سی لڑائی ہو سکتی ہے اور پھر باغیوں کی طرف دیکھ کر فرمایا وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِؕ ﴿۴۲﴾ [۴۶] یعنی اے میری قوم! کیا بات ہے کہ میں تم کو نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم لوگ مجھ کو آگ کی طرف بلاتے ہو۔

صحابہؓ کی مفسدوں سے لڑائی

یہ لڑائی ایک خاص لڑائی تھی اور مٹھی بھر صحابہؓ جو اُس وقت جمع ہو سکے انہوں نے اس لشکرِ عظیم

کا مقابلہ جان توڑ کر کیا۔ حضرت امام حسنؓ جو نہایت صلح جو بلکہ صلح کے شہزادے تھے انہوں نے بھی اُس دن رجز پڑھ پڑھ کر دشمن پر حملہ کیا۔ ان کا اور محمد بن طلحہ کا اُس دن کا رجز خاص طور پر قابل ذکر ہے کیونکہ ان سے ان کے دلی خیالات کا خوب اندازہ ہو جاتا ہے۔

لَا دِیُــنُهُــمُ دِیُــنِــیُ وَلَا اَنَــا مِــنُهُــمُ

حَتّٰــی اَسِیُــرَ اِلَــی طَــمَــارِ شَــمَــامِ [۴۷]

یعنی ان لوگوں کا دین میرا دین نہیں اور نہ ان لوگوں سے میرا کوئی تعلق ہے اور میں ان سے اُس وقت تک لڑوں گا کہ شمام پہاڑ کی چوٹی تک پہنچ جاؤں۔ شمام عرب کا ایک پہاڑ ہے جس کو بلندی پر پہنچنے اور مقصد کے حصول سے مشابہت دیتے ہیں۔ اور حضرت امام حسنؓ کا یہ مطلب ہے کہ جب تک میں اپنے مدعا کو نہ پہنچ جاؤں اُس وقت تک میں برابر ان سے لڑتا رہوں گا اور ان سے صلح نہ کروں گا۔ کیونکہ ہم میں کوئی معمولی اختلاف نہیں کہ بغیر ان پر فتح پانے کے ہم ان سے تعلق قائم کرلیں۔ یہ تو وہ خیالات ہیں جو اس شہزادۂ صلح کے دل میں موجزن تھے۔ اب طلحہؓ کے لڑکے محمد کا رجز لیتے ہیں وہ کہتے ہیں:

اَنَــا ابُــنُ مَــنُ حَــامٰــی عَــلَیُــهِ بِــاُحُــدٍ

وَرَدَّ اَحُــزَابًــا عَــلٰــی رَغُــمِ مَــعَــدِّ [۴۸]

یعنی میں اُس کا بیٹا ہوں جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اُحد کے دن کی تھی اور جس نے باوجود اس کے کہ عربوں نے سارا زور لگایا تھا اُن کو شکست دے دی تھی۔ یعنی آج بھی اُحد کی طرح کا ایک واقعہ ہے اور جس طرح میرے والد نے اپنے ہاتھ کو تیروں سے چھلنی کروالیا تھا مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آنچ نہ آنے دی تھی میں بھی ایسا ہی کروں گا۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ بھی اس لڑائی میں شریک ہوئے اور بُری طرح زخمی ہوئے مروان بھی سخت زخمی ہوا اور موت تک پہنچ کر لوٹا۔ مغیرہ بن الاخنس مارے گئے۔ جس شخص نے ان کو مارا تھا اُس نے دیکھ کر کہ آپ زخمی ہی نہیں ہوئے بلکہ مارے گئے ہیں زور سے کہا کہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ [۴۹] سردارِ لشکر نے اُسے ڈانٹا کہ اِس خوشی کے موقع پر

افسوس کا اظہار کرتے ہو! اُس نے کہا کہ آج رات میں نے رؤیا میں دیکھا تھا کہ ایک شخص کہتا ہے مغیرہ کے قاتل کو دوزخ کی خبر دو۔ پس یہ معلوم کر کے کہ میں ہی اس کا قاتل ہوں مجھے اِس کا صدمہ ہونا لازمی تھا۔

مذکورہ بالا لوگوں کے سوا اور لوگ بھی زخمی ہوئے اور مارے گئے اور حضرت عثمانؓ کی حفاظت کرنے والی جماعت اور بھی کم ہوگئی۔لیکن اگر باغیوں نے باوجود آسمانی اِنذار کے اپنی ضد نہ چھوڑی اور خدا تعالیٰ کی محبوب جماعت کا مقابلہ جاری رکھا تو دوسری طرف مخلصین نے بھی اپنے ایمان کا اعلیٰ نمونہ دکھانے میں کمی نہ کی ۔ باوجود اس کے کہ اکثر محافظ مارے گئے یا زخمی ہو گئے پھر بھی ایک قلیل گروہ برابر دروازہ کی حفاظت کرتا رہا۔

چونکہ باغیوں کو بظاہر غلبہ حاصل ہو چکا تھا انہوں نے آخری حیلہ کے طور پر پھر ایک شخص کو حضرت عثمانؓ کی طرف بھیجا کہ وہ خلافت سے دستبردار ہو جائیں کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر وہ خود دستبردار ہو جاویں گے تو مسلمانوں کو انہیں سزا دینے کا کوئی حق اور موقع نہ رہے گا۔ حضرت عثمانؓ کے پاس جب پیغامبر پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تو جاہلیت میں بھی بدیوں سے پرہیز کیا ہے اور اسلام میں بھی اس کے احکام کو نہیں توڑا۔ میں کیوں اور کس جرم میں اس عہدہ کو چھوڑوں جو خدا تعالیٰ نے مجھے دیا ہے۔ میں تو اِس قمیض کو کبھی نہیں اُتاروں گا جو خدا تعالیٰ نے مجھے پہنائی ہے۔ وہ شخص یہ جواب سن کر واپس آ گیا اور اپنے ساتھیوں سے اِن الفاظ میں آ کر مخاطب ہوا۔ خدا کی قسم! ہم سخت مصیبت میں پھنس گئے ہیں۔ خدا کی قسم! مسلمانوں کی گرفت سے عثمانؓ کو قتل کرنے کے سوائے ہم بچ نہیں سکتے (کیونکہ اس صورت میں حکومت تہ و بالا ہو جائے گی اور انتظام بگڑ جاوے گا اور کوئی پوچھنے والا نہ ہوگا) اور اس کا قتل کرنا کسی طرح جائز نہیں۔

اس شخص کے یہ فقرات نہ صرف ان لوگوں کی گھبراہٹ پر دلالت کرتے ہیں بلکہ اس امر پر بھی دلالت کرتے ہیں کہ اُس وقت بھی حضرت عثمانؓ نے کوئی ایسی بات پیدا نہ ہونے دی تھی جسے یہ لوگ بطور بہانہ استعمال کرسکیں اور ان کے دل محسوس کرتے تھے کہ حضرت عثمانؓ کا قتل کسی صورت میں جائز نہیں۔

عبداللہؓ بن سلام کا مفسدوں کو نصیحت کرنا

جب یہ لوگ حضرت عثمانؓ کے قتل کا منصوبہ کر رہے تھے

حضرت عبداللہؓ بن سلام جو حالت کفر میں بھی اپنی قوم میں نہایت معزز تھے اور جن کو یہود اپنا سردار مانتے تھے اور عالم بے بدل جانتے تھے تشریف لائے اور دروازہ پر کھڑے ہو کر ان لوگوں کو نصیحت کرنی شروع کی اور حضرت عثمانؓ کے قتل سے ان کو منع فرمایا کہ اے قوم! خدا کی تلوار کو اپنے اوپر نہ کھینچو۔ خدا کی قسم! اگر تم لوگوں نے تلوار کھینچی تو پھر اسے میان میں کرنے کا موقع نہ ملے گا ہمیشہ مسلمانوں میں لڑائی جھگڑا ہی جاری رہے گا۔ عقل کرو آج تم پر حکومت صرف کوڑے کے ساتھ کی جاتی ہے۔ (عموماً حدودِ شرعیہ میں کوڑے کی سزا دی جاتی ہے) اور اگر تم نے اِس شخص کو قتل کر دیا تو حکومت کا کام بغیر تلوار کے نہ چلے گا۔ (یعنی چھوٹے چھوٹے جرموں پر لوگوں کو قتل کیا جاوے گا) یاد رکھو کہ اِس وقت مدینہ کے محافظ ملائکہ ہیں۔ اگر تم اس کو قتل کر دو گے تو ملائکہ مدینہ کو چھوڑ جائیں گے۔

اس نصیحت سے ان لوگوں نے یہ فائدہ اُٹھایا کہ عبداللہؓ بن سلام صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دھتکار دیا اور ان کے پہلے دین کا طعنہ دے کر کہا کہ اے یہودن کے بیٹے! تجھے ان کاموں سے کیا تعلق۔ افسوس کہ ان لوگوں کو یہ تو یاد رہا کہ عبداللہؓ بن سلام یہودن کے بیٹے تھے لیکن یہ بھول گیا کہ آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ایمان لائے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے ایمان لانے پر نہایت خوشی کا اظہار کیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر ایک مصیبت اور دکھ میں آپ شریک ہوئے۔ اور اسی طرح یہ بھی بھول گیا کہ ان کا لیڈر اور ان کو ورغلانے والا حضرت علیؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصی قرار دے کر حضرت عثمانؓ کے مقابلہ پر کھڑا کرنے والا عبداللہ بن سبا بھی یہودن کا بیٹا تھا بلکہ خود یہودی تھا اور صرف ظاہر میں اسلام کا اظہار کر رہا تھا۔

مفسدوں کا حضرت عثمانؓ کو قتل کرنا

حضرت عبداللہ بن سلامؓ تو ان لوگوں سے مایوس ہو کر چلے گئے اور اُدھر ان لوگوں نے یہ دیکھ کر کہ دروازہ کی طرف سے جا کر حضرت عثمانؓ کو قتل کرنا مشکل ہے

کیونکہ اس طرف تھوڑے بہت جو لوگ بھی روکنے والے موجود ہیں وہ مرنے مارنے پر تُلے ہوئے ہیں یہ فیصلہ کیا کہ کسی ہمسایہ کے گھر کی دیوار پھاند کر حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا جائے چنانچہ اِس ارادے سے چند لوگ ایک ہمسایہ کی دیوار پھاند کر آپ کے کمرہ میں گھس گئے۔ جب اندر گھسے تو حضرت عثمانؓ قرآن کریم پڑھ رہے تھے۔ اور جب سے کہ محاصرہ ہوا تھا رات دن آپ کا یہی شغل تھا کہ نماز پڑھتے یا قرآن کریم کی تلاوت کرتے اور اس کے سوا اور کسی کام کی طرف توجہ نہ کرتے اور ان دنوں میں صرف آپ نے ایک کام کیا اور وہ یہ کہ ان لوگوں کے گھروں میں داخل ہونے سے پہلے آپ نے دو آدمیوں کو خزانہ کی حفاظت کے لئے مقرر کیا۔ کیونکہ جیسا کہ ثابت ہے اُس دن رات کو رؤیا میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو نظر آئے اور فرمایا کہ عثمان! آج شام کو روزہ ہمارے ساتھ کھولنا۔ اِس رؤیا سے آپ کو یقین ہو گیا تھا کہ آج میں شہید ہو جاؤں گا پس آپ نے اپنی ذمہ داری کا خیال کر کے دو آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ خزانہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر پہرہ دیں تا کہ شور وشر میں کوئی شخص خزانہ لوٹنے کی کوشش نہ کرے۔

واقعاتِ شہادت حضرت عثمانؓ

غرض جب یہ لوگ اندر پہنچے تو حضرت عثمانؓ کو قرآن کریم پڑھتے پایا۔ ان پر حملہ آوروں میں محمد بن ابی بکر بھی تھے اور بوجہ اپنے اقتدار کے جوان لوگوں پر ان کو حاصل تھا اپنا فرض سمجھتے تھے کہ ہر ایک کام میں آگے ہوں۔ چنانچہ اُنہوں نے بڑھ کر حضرت عثمانؓ کی ڈاڑھی پکڑ لی اور زور سے جھٹکا دیا۔ حضرت عثمانؓ نے ان کے اِس فعل پر صرف اس قدر فرمایا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے! اگر تیرا باپ (حضرت ابوبکرؓ) اِس وقت ہوتا تو کبھی ایسا نہ کرتا۔ تجھے کیا ہوا تو خدا کے لئے مجھ پر ناراض ہے۔ کیا اس کے سوا تجھے مجھ پر کوئی غصہ ہے کہ تجھ سے میں نے خدا کے حقوق ادا کروائے ہیں؟ اِس پر محمد بن ابی بکر شرمندہ ہو کر واپس لوٹ گئے۔ لیکن دوسرے شخص وہیں رہے اور چونکہ اس رات بصرہ کے لشکر کی مدینہ میں داخل ہو جانے کی یقینی خبر آ چکی تھی اور یہ موقع ان لوگوں کے لئے آخری موقع تھا ان لوگوں نے فیصلہ کر لیا کہ بغیر اپنا کام کئے واپس نہ لوٹیں گے اور ان میں سے ایک شخص آگے بڑھا اور

ایک لوہے کی سیخ حضرت عثمانؓ کے سر پر ماری اور پھر حضرت عثمانؓ کے سامنے جو قرآن دھرا ہوا تھا اُس کو لات مار کر پھینک دیا۔ قرآن کریم لڑھک کر حضرت عثمانؓ کے پاس آ گیا اور آپ کے سر پر سے خون کے قطرات گر کر اُس پر آ پڑے قرآن کریم کی بے ادبی تو کسی نے کیا کرنی ہے مگر ان لوگوں کے تقویٰ اور دیانت کا پردہ اس واقعہ سے اچھی طرح فاش ہو گیا۔

جس آیت پر آپ کا خون گرا وہ ایک زبردست پیشگوئی تھی جو اپنے وقت میں جا کر اس شان سے پوری ہوئی کہ سخت دل سے سخت دل آدمی نے اِس کے خونی حروف کی جھلک کو دیکھ کر خوف سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ وہ آیت یہ تھی فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ [50] اللہ تعالیٰ ضرور تیرا ان سے بدلہ لے گا اور وہ بہت سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اس کے بعد ایک اور شخص سودان نامی آگے بڑھا اور اس نے تلوار سے آپ پر حملہ کرنا چاہا۔ پہلا وار کیا تو آپ نے اپنے ہاتھ سے اُس کو روکا اور آپ کا ہاتھ کٹ گیا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی قسم! یہ وہ ہاتھ ہے جس نے سب سے پہلے قرآن کریم لکھا تھا۔ اس کے بعد پھر اس نے دوسرا وار کر کے آپ کو قتل کرنا چاہا تو آپ کی بیوی نائلہ وہاں آ گئیں اور اپنے آپ کو بیچ میں کھڑا کر دیا مگر اس شقی نے ایک عورت پر وار کرنے سے بھی دریغ نہ کیا اور وار کر دیا جس سے آپ کی بیوی کی اُنگلیاں کٹ گئیں اور وہ علیحدہ ہو گئیں۔ پھر اُس نے ایک وار حضرت عثمانؓ پر کیا اور آپ کو سخت زخمی کر دیا۔ اس کے بعد اس شقی نے یہ خیال کر کے کہ ابھی جان نہیں نکلی شائد بچ جاویں اُسی وقت جب کہ زخموں کے صدموں سے آپ بے ہوش ہو چکے تھے اور شدتِ درد سے تڑپ رہے تھے آپ کا گلا پکڑ کر گھونٹنا شروع کر دیا اور اُس وقت تک آپ کا گلا نہیں چھوڑا جب تک آپ کی روح جسم خاکی سے پرواز کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو لبیک کہتی ہوئی عالمِ بالا کو پرواز نہیں کر گئی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔

پہلے حضرت عثمانؓ کی بیوی اِس نظارہ کی ہیبت سے متأثر ہو کر بول نہ سکیں۔ لیکن آخر انہوں نے آواز دی اور وہ لوگ جو دروازہ پر بیٹھے ہوئے تھے اندر کی طرف دوڑے۔ مگر

اب مدد فضول تھی جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ حضرت عثمانؓ کے ایک آزاد کردہ غلام سے سودان کے ہاتھ میں وہ خون آلودہ تلوار دیکھ کر جس نے حضرت عثمانؓ کو شہید کیا تھا نہ رہا گیا اور اس نے آگے بڑھ کر اُس شخص کا تلوار سے سر کاٹ دیا۔ اِس پر اُس کے ساتھیوں میں سے ایک شخص نے اُس کو قتل کر دیا۔ اب اسلامی حکومت کا تخت خلیفہ سے خالی ہو گیا۔ اہل مدینہ نے مزید کوشش فضول سمجھی اور ہر ایک اپنے اپنے گھر جا کر بیٹھ گیا۔ ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ کو مار کر گھر پر دست تعدّی دراز کرنا شروع کیا۔ حضرت عثمانؓ کی بیوی نے چاہا کہ اس جگہ سے ہٹ جاویں تو اس کے لوٹتے وقت ان میں سے ایک کم بخت نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ دیکھو! اس کے سرین کیسے موٹے ہیں۔

بے شک ایک حیادار آدمی کے لئے خواہ وہ کسی مذہب کا پیرو کیوں نہ ہو اِس بات کو باور کرنا بھی مشکل ہے کہ ایسے وقت میں جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت سابق (قدیم) صحابیؓ آپ کے داماد، تمام اسلامی ممالک کے بادشاہ اور پھر خلیفۂ وقت کو یہ لوگ ابھی ابھی مار کر فارغ ہوئے تھے ایسے گندے خیالات کا ان لوگوں نے اظہار کیا ہو۔ لیکن ان لوگوں کی بے حیائی ایسی بڑھی ہوئی تھی کہ کسی قسم کی بداعمالی بھی ان سے بعید نہ تھی یہ لوگ کسی نیک مدعا کو لے کر کھڑے نہیں ہوئے تھے نہ ان کی جماعت نیک آدمیوں کی جماعت تھی۔ ان میں سے بعض عبداللہ بن سبا یہودی کے فریب خوردہ اور اس کی عجیب وغریب مخالف اسلام تعلیموں کے دلدادہ تھے۔ کچھ حد سے بڑھی ہوئی سوشلزم بلکہ بالشوزم کے فریفتہ تھے۔ کچھ سزا یافتہ مجرم تھے جو اپنا دیرینہ بغض نکالنا چاہتے تھے۔ کچھ لٹیرے اور ڈاکو تھے جو اس فتنہ پر اپنی ترقیات کی راہ دیکھتے تھے۔ پس ان کی بے حیائی قابل تعجب نہیں بلکہ یہ لوگ اگر ایسی حرکات نہ کرتے تب تعجب کا مقام تھا۔

جب یہ لوگ لوٹ مار کر رہے تھے ایک اور آزاد کردہ غلام سے حضرت عثمانؓ کے گھر والوں کی چیخ و پکار سن کر رہا نہ گیا اور اُس نے حملہ کر کے اُس شخص کو قتل کر دیا جس نے پہلے غلام کو مارا تھا۔ اِس پر اِن لوگوں نے اُسے بھی قتل کر دیا اور عورتوں کے جسم پر سے بھی زیور اُتار لئے اور ہنسی ٹھٹھا کرتے ہوئے گھر سے نکل گئے۔

باغیوں کا بیت المال کولُوٹنا

اس کے بعد ان لوگوں نے اپنے ساتھیوں میں عام منادی کرادی کہ بیت المال کی طرف چلو اور اس میں جو کچھ ہو لوٹ لو۔ چونکہ بیت المال میں سوائے روپیہ کی دو تھیلیوں کے اور کچھ نہ تھا محافظوں نے یہ دیکھ کر کہ خلیفۂ وقت شہید ہو چکا ہے اور ان لوگوں کا مقابلہ کرنا فضول ہے آپس میں یہ فیصلہ کیا کہ یہ جو کچھ کرتے ہیں اِن کو کرنے دو اور بیت المال کی کنجیاں پھینک کر چلے گئے۔ چنانچہ انہوں نے بیت المال کو جا کر کھولا اور اس میں جو کچھ تھا لوٹ لیا اور اس طرح ہمیشہ کے لئے اس امر کی صداقت پر مہر لگادی کہ یہ لوگ ڈاکو اور لٹیرے تھے اور ان کو اسلام اور مسلمانوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اور کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ وہ لوگ جو حضرت عثمانؓ پر یہ اعتراض دھرتے تھے کہ آپ غیر مستحقین کو روپیہ دے دیتے ہیں حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد سب سے پہلا کام یہ کرتے ہیں کہ پہلے آپ کا گھر لوٹتے ہیں اور پھر بیت المال۔ مگر خدا تعالیٰ نے ان کی آرزوؤں کو اس معاملہ میں بھی پورا نہ ہونے دیا کیونکہ بیت المال میں اُس وقت سوائے چند روپوں کے جو ان کی حرص کو پورا نہیں کر سکتے تھے اور کچھ نہ تھا۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت پر صحابہؓ کا جوش

حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر جب صحابہؓ کو پہنچی تو ان کو سخت صدمہ ہوا۔ حضرت زبیرؓ نے جب یہ خبر سنی تو فرمایا کہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۔ اے خدا! عثمانؓ پر رحم کر اور اس کا بدلہ لے۔ اور جب ان سے کہا گیا کہ اب وہ لوگ شرمندہ ہیں اور اپنے کئے پر پشیمان ہو رہے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ منصوبہ بازی تھی اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی وَحِیْلَ بَیْنَہُمْ وَبَیْنَ مَا یَشْتَہُوْنَ [۵۱] خدا تعالیٰ نے ان کی آرزوؤں کے پورا ہونے میں روکیں ڈال دی تھیں یعنی جو کچھ یہ لوگ چاہتے تھے چونکہ اب پورا ہوتا نظر نہیں آتا کُل عالمِ اسلامی کو اپنے خلاف جوش میں دیکھ رہے ہیں اِس لئے اظہارِ ندامت کرتے ہیں۔ جب حضرت طلحہؓ کو خبر ملی تو آپ نے بھی یہی فرمایا کہ خدا تعالیٰ عثمانؓ پر رحم فرماوے اور اس کا اور اسلام کا بدلہ ان لوگوں سے لے۔ جب ان سے کہا گیا کہ اب تو وہ لوگ نادم ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ان پر ہلاکت ہو اور یہ آیت کریمہ پڑھی

فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ تَوْصِیَۃً وَّلَآ اِلٰٓی اَھْلِھِمْ یَرْجِعُوْنَ [۵۲] ان کو وصیت کرنے کی بھی توفیق نہ ملے گی اور وہ اپنے اہل وعیال کی طرف واپس نہ لَوٹ سکیں گے۔

اسی طرح جب حضرت علیؓ کو اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عثمانؓ پر رحم فرماوے اور ان کے بعد ہمارے لئے کوئی بہتر جانشین مقرر فرماوے۔ اور جب ان سے بھی کہا گیا کہ اب تو وہ لوگ شرمندہ ہیں تو آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی کَمَثَلِ الشَّیْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اکْفُرْ ۚ فَلَمَّا کَفَرَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْکَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ [۵۳] یعنی ان کی مثال اس شیطان کی ہے جو لوگوں کو کہتا ہے کہ کفر کرو جب وہ کفر اختیار کر لیتے ہیں تو پھر کہتا ہے کہ میں تجھ سے بیزار ہوں میں تو خدا سے ڈرتا ہوں۔ جب اِن لشکروں کو جو حضرت عثمانؓ کی مدد کے لئے آ رہے تھے معلوم ہوا کہ آپ شہید ہو گئے ہیں تو وہ مدینہ سے چند میل کے فاصلہ پر سے ہی لوٹ گئے اور مدینہ کے اندر داخل ہونا انہوں نے پسند نہ کیا کیونکہ ان کے جانے سے حضرت عثمانؓ کی تو کوئی مدد نہ ہوسکتی تھی اور خطرہ تھا کہ فساد زیادہ نہ بڑھ جاوے اور مسلمان عام طور پر بلا امام کے لڑنا بھی پسند نہ کرتے تھے۔

اب مدینہ انہیں لوگوں کے قبضہ میں رہ گیا اور ان ایام میں ان لوگوں نے جو حرکات کیں وہ نہایت حیرت انگیز ہیں۔ حضرت عثمانؓ کو شہید تو کر چکے تھے ان کی نعش کے دفن کرنے پر بھی ان کو اعتراض ہوا اور تین دن تک آپ کو دفن نہ کیا جا سکا۔ آخر صحابہؓ کی ایک جماعت نے ہمت کر کے رات کے وقت آپ کو دفن کیا ان لوگوں کے راستہ میں بھی انہوں نے روکیں ڈالیں لیکن بعض لوگوں نے سختی سے ان کا مقابلہ کرنے کی دھمکی دی تو دب گئے۔ حضرت عثمانؓ کے دونوں غلاموں کی لاشوں کو باہر جنگل میں نکال کر ڈال دیا اور کتوں کو کھلا دیا۔[۵۴] نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ۔

واقعات متذکرہ کا خلاصہ اور نتائج

یہ وہ صحیح واقعات ہیں جو حضرت عثمانؓ کے آخری ایامِ خلافت میں ہوئے ان کو معلوم کرنے کے بعد کوئی شخص یہ گمان بھی نہیں کر سکتا کہ حضرت عثمانؓ یا صحابہؓ کا ان فسادات

میں کچھ بھی دخل تھا۔حضرت عثمانؓ نے جس محبت اور جس اخلاص اور جس بردباری سے اپنی خلافت کے آخری چھ سال میں کام لیا ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔ خدائے پاک کے بندوں کے سوا اور کسی جماعت میں ایسی مثال نہیں مل سکتی۔ وہ بے لوث مسند خلافت پر بیٹھے اور بے لوث ہی اپنے محبوبِ حقیقی سے جا ملے۔ ایسے خطرناک اوقات میں جب کہ بڑے بڑے صابروں کا خون بھی جوش میں آجاتا ہے آپ نے ایسا رویہ اختیار کیا کہ آپ کے خون کے پیاسے آپ کے قتل کیلئے کوئی کمزور سے کمزور بہانہ بھی تلاش نہ کر سکے اور آخر اپنے ظالم ہونے اور حضرت عثمانؓ کے بری ہونے کا اقرار کرتے ہوئے انہیں آپ پر تلوار اُٹھانی پڑی۔

اِسی طرح ان واقعات سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ صحابہؓ کو حضرت عثمانؓ کی خلافت پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ وہ آخر دم تک وفاداری سے کام لیتے رہے اور جب کہ کسی قسم کی مدد کرنی بھی ان کے لئے ناممکن تھی تب بھی اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر آپ کی حفاظت کرتے رہے۔ یہ بھی ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ ان فسادات میں حضرت عثمانؓ کے انتخابِ والیان کا بھی کچھ دخل نہ تھا اور نہ والیوں کے مظالم اس کا باعث تھے کیونکہ ان کا کوئی ظلم ثابت نہیں ہوتا۔ حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ پر خفیہ ریشہ دوانیوں کا بھی الزام بالکل غلط ہے۔ ان تینوں اصحاب نے وفاداری اور اس ہمدردی سے اس فتنہ کے دور کرنے میں سعی کی ہے کہ سگے بھائی بھی اس سے زیادہ تو کیا اس کے برابر بھی نہیں کر سکتے۔ انصار پر جو الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ سے ناراض تھے وہ غلط ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ انصار کے سب سردار اس فتنہ کے دور کرنے میں کوشاں رہے ہیں۔

فساد کا اصل باعث یہی تھا کہ دشمنانِ اسلام نے ظاہری تدابیر سے اسلام کو تباہ نہ ہوتے دیکھ کر خفیہ ریشہ دوانیوں کی طرف توجہ کی اور بعض اکابر صحابہؓ کی آڑ لے کر خفیہ خفیہ مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنا چاہا۔ جن ذرائع سے انہوں نے کام لیا وہ اب لوگوں پر روشن ہو چکے ہیں۔ سزا یافتہ مجرموں کو اپنے ساتھ ملایا اور لٹیروں کو تحریص دلائی۔ جھوٹی مساوات کے خیالات پیدا کر کے انتظامِ حکومت کو کھوکھلا کیا۔ مذہب کے پردہ میں لوگوں کے ایمان کو کمزور کیا اور ہزاروں حیلوں اور تدبیروں سے ایک جماعت تیار کی۔ پھر جھوٹ سے،

جعل سازی سے اور فریب سے کام لے کر ایسے حالات پیدا کر دیئے جن کا مقابلہ کرنا حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابہؓ کے لئے مشکل ہو گیا۔ ہم نہیں جانتے کہ انجام کیا ہوتا مگر ہم واقعات سے یہ جانتے ہیں کہ اگر اُس وقت حضرت عمرؓ کی خلافت بھی ہوتی تب بھی یہ فتنہ ضرور کھڑا ہو جاتا اور وہی الزام جو حضرت عثمانؓ پر لگائے گئے حضرت عمرؓ پر بھی لگائے جاتے کیونکہ حضرت عثمانؓ نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جو حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ نے نہیں کیا تھا۔

حضرت علیؓ کی خلافت کے واقعات چونکہ بوجہ قلت وقت چند منٹ میں بیان کئے گئے تھے اور بہت مختصر تھے اس لئے نظر ثانی کے وقت میں نے اس حصہ کو کاٹ دیا۔''

(انوار العلوم جلد۴ صفحہ ۲۴۵ تا ۳۳۴)

---

۱ اسد الغابة جلد۳ صفحہ ۳۱۸ زیر عنوان ''عثمان بن عفان'' مطبوعہ بیروت لبنان ۲۰۰۶ء

۲ السیرة النبویة لابن هشام الجزء الثانی صفحہ ۱۱۰۵ مطبوعہ دمشق ۲۰۰۵ء

۳ مسلم کتاب فضائل الصحابة باب من فضائل عثمان بن عفانؓ صفحہ ۱۰۵۶ حدیث نمبر ۶۲۰۹ مطبوعہ ریاض ۲۰۰۰ء الطبعة الثانية

۴ ترمذی ابواب المناقب باب مناقب عبدالرحمٰن بن عوف صفحہ ۸۵۲ حدیث نمبر ۳۷۴۸ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الاولیٰ

۵ ترمذی ابواب المناقب باب مناقب عثمان بن عفانؓ صفحہ ۸۴۲ حدیث نمبر ۳۷۰۰ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الاولیٰ

۶ بخاری کتاب المغازی باب بعث علی ابن ابی طالب و خالد ابن الولید الی الیمن قبل حجة الوداع صفحہ ۷۳۷ حدیث نمبر ۴۳۵۱ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانية

۷ سنن ابی داؤد کتاب الحدود باب رجم ماعز بن مالک صفحہ ۶۲۲ حدیث نمبر ۴۴۱۹ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الاولیٰ

۸ الصّف: ۱۰

۹ تاریخ الطبری المجلد الثانی، ذکر بعض سیر عثمان بن عفانؓ صفحہ ۶۷۹ مطبوعہ بیروت ۲۰۱۲ء

۱۰ تاریخ الطبری المجلد الثانی، ذکر السبب عزل عثمان بن الولید عن الکوفة صفحہ ۶۰۹

مطبوعہ بیروت ۲۰۱۲ء

۱۱۔ تاریخ الطبری المجلد الثانی، ذکر ما کان فیہا من الاحداث المذکورۃ صفحہ ۶۴۱، ۶۴۲ مطبوعہ بیروت ۲۰۱۲ء

۱۲۔ تاریخ الطبری المجلد الثانی، ذکر الخبر عن تسییر عثمان صفحہ ۶۳۹ مطبوعہ بیروت ۲۰۱۲ء

۱۳۔ تاریخ الطبری المجلد الثانی، ذکر السبب فی عزل عثمان بن الولید عن الکوفۃ صفحہ ۶۰۸، ۶۰۹ مطبوعہ بیروت ۲۰۱۲ء

۱۴۔ تاریخ الطبری المجلد الثانی، ذکر مسیر من سار الی ذی خشب صفحہ ۶۴۷ مطبوعہ بیروت ۲۰۱۲ء

۱۵ تا ۱۷۔ تاریخ الطبری المجلد الثانی، ذکر اخبار ابی ذر رحمہ اللہ تعالیٰ صفحہ ۶۱۵، ۶۱۶ مطبوعہ بیروت ۲۰۱۲ء

۱۸۔ القصص: ۸۶

۱۹۔ تاریخ الطبری المجلد الثانی، ذکر مسیر من سار الی ذی خشب صفحہ ۶۴۷ مطبوعہ بیروت ۲۰۱۲ء

۲۰۔ دادودھش: بخشش۔عطا، بخشش (فیروز اللغات اردو جامع صفحہ ۶۰۶ مطبوعہ فیروز سنز لاہور ۲۰۱۰ء)

۲۱۔ تاریخ الطبری المجلد الثانی، ذکر مسیر من سار الی ذی خشب صفحہ ۶۴۷، ۶۴۸ مطبوعہ بیروت ۲۰۱۲ء

۲۲۔ تاریخ الطبری المجلد الثانی، ذکر بعض سیر عثمان بن عفانؓ صفحہ ۶۸۲ مطبوعہ بیروت ۲۰۱۲ء

۲۳۔ تاریخ الطبری المجلد الثانی، ذکر مسیر من سار الی ذی خشب صفحہ ۶۴۷، ۶۴۸ مطبوعہ بیروت ۲۰۱۲ء

۲۴۔ تاریخ الطبری المجلد الثانی، ذکر الخبر عن صفۃ اجتماعھم لذالک صفحہ ۶۴۱، ۶۴۲ مطبوعہ بیروت ۲۰۱۲ء

۲۵، ۲۶۔ مسلم کتاب الامارۃ باب حکم من فرق امر المسلمین وھم مجتمع صفحہ ۸۳۲ حدیث نمبر ۴۷۹۶ مطبوعہ ریاض ۲۰۰۰ء الطبعۃ الثانیۃ

۲۷۔ ترمذی ابواب السفر باب التقصیر فی السفر صفحہ ۱۴۲ حدیث نمبر ۵۴۴ مطبوعہ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعۃ الاولیٰ

۲۸۔ تاریخ الطبری المجلد الثانی، رجع الحدیث الی حدیث سیف صفحہ ۶۵۲ مطبوعہ بیروت ۲۰۱۲ء

۲۹۔ تاریخ الطبری المجلد الثانی، رجع الحدیث الی حدیث سیف صفحہ ۶۵۲، ۶۵۳ مطبوعہ بیروت ۲۰۱۲ء

۳۰۔ البدایۃ والنھایۃ جزء ۷ صفحہ ۱۷۴ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۶ء

۳۱،۳۲؎ تاریخ الطبری المجلد الثانی، رجع الحدیث الی حدیث سیف صفحہ۶۵۳ مطبوعہ بیروت ۲۰۱۲ء
۳۳؎ تاریخ الطبری المجلد الثانی، رجع الحدیث الی حدیث سیف صفحہ ۶۵۵، ۶۵۶ مطبوعہ بیروت ۲۰۱۲ء
۳۴؎ مستدرک الحاکم الجزء الثالث کتاب معرفة الصحابة باب من فضائل الحسن بن علی صفحہ۱۹۱، حدیث نمبر ۴۸۰۹ مطبوعہ بیروت ۱۹۹۰ء
۳۵؎ تهذيب التهذيب جلد۹ صفحہ۷۰ مطبوعہ لاہور
۳۶؎ تاریخ الطبری المجلد الثانی، ذکر بعض سیر عثمان بن عفانؓ صفحہ۶۸۰ مطبوعہ بیروت ۲۰۱۲ء
۳۷؎ تاریخ الطبری المجلد الثانی، ذکر الخبر عن قتله و کیف قتل صفحہ۶۶۷ مطبوعہ بیروت ۲۰۱۲ء
۳۸،۳۹؎ تاریخ الطبری المجلد الثانی، ذکر الخبر عن قتله و کیف قتل صفحہ۶۷۲، ۶۷۳ مطبوعہ بیروت ۲۰۱۲ء
۴۰؎ النور: ۵۶ ۴۱؎ ال عمران: ۱۰۴ ۴۲؎ الحجرات: ۷ ۴۳؎ الفتح: ۱۱
۴۴؎ تاریخ الطبری المجلد الثانی، رجع الحدیث الی حدیث سیف صفحہ۶۵۴ مطبوعہ بیروت ۲۰۱۲ء
۴۵؎ تاریخ الطبری المجلد الثانی، ذکر الخبر عن قتل عثمان رضی اللہ عنہ صفحہ۶۷۴ مطبوعہ بیروت ۲۰۱۲ء
۴۶؎ المؤمن: ۴۲
۴۷، ۴۸؎ تاریخ الطبری المجلد الثانی، ذکر الخبر عن قتل عثمان رضی اللہ عنہ صفحہ۶۷۴ مطبوعہ بیروت ۲۰۱۲ءء
۴۹؎ تاریخ الطبری المجلد الثانی، ذکر الخبر عن قتل عثمان رضی اللہ عنہ صفحہ۶۷۵ مطبوعہ بیروت ۲۰۱۲ء
۵۰؎ البقرة: ۱۳۸ ۵۱؎ سبا: ۵۵ ۵۲؎ یٰس: ۵۱
۵۳؎ الحشر: ۱۷
۵۴؎ تاریخ الطبری المجلد الثانی، ذکر الخبر عن الموضع الذی دفن فیه صفحہ۶۸۸، ۶۸۹ مطبوعہ بیروت ۲۰۱۲ء

خطاب جلسہ سالانہ ۱۷ مارچ ۱۹۱۹ء

۱۷؍ مارچ ۱۹۱۹ء کے جلسہ سالانہ کی تقریر میں حضور نے بعض متفرق مگر ضروری اور اہم امور پر روشنی ڈالی۔ جماعتی انتظام کو بہتر رنگ میں چلانے کیلئے حضور نے صیغہ جات (بیت المال۔تالیف واشاعت وغیرہ) کا ذکر فرمایا۔

جماعتی اختلاف اور اس سلسلہ میں بعض اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے لاہوری جماعت کے ممبران جنہوں نے الگ مرکز لاہور بنا لیا تھا اور اب صلح کا پیغام بھجوایا تھا اس کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا:-

غیر مبائعین کے متعلق

''میں اپنے دوستوں کو ایک خاص امر کے متعلق کچھ سنانا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اِن دنوں ان لوگوں کی طرف سے جنہوں نے مرکز سلسلہ سے علیحدہ ہو کر لاہور کو اپنا مرکز بنا لیا ہے ہمیں صلح کا پیغام دیا گیا ہے اور بظاہر اس سے بڑھ کر اور کیا چیز خوشی کا موجب ہوسکتی ہے کہ آپس میں صلح ہو جائے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جاوے تو یہ صلح کا پیغام اپنے اندر ہزاروں فسادوں کے بیج رکھتا ہے اور یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ بہت دفعہ بعض ظاہر میں اچھی نظر آنے والی چیزیں باطن میں مضر ہوتی ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت معاویہؓ کی صبح کی نماز رہ گئی۔ اس پر وہ اُٹھ کر اتنا روئے کہ شام تک روتے رہے اور اسی حالت میں رات کو سو گئے۔ صبح ابھی اذان بھی نہ ہوئی تھی کہ انہوں نے رؤیا میں دیکھا ایک آدمی کہہ رہا ہے اُٹھ نماز پڑھ۔ انہوں نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا میں ابلیس ہوں۔ انہوں نے کہا تو کیوں جگانے آیا ہے؟ اس نے کہا کل مجھ سے غلطی ہوگئی کہ تمہیں سلائے رکھا۔ جس پر تم اتنا روئے کہ خدا نے کہا اِسے ستر نمازوں کا ثواب دو۔ آج میں اس لئے جگانے آیا ہوں کہ تمہیں ایک ہی نماز کا

ثواب ملے ستر کا نہ ملے۔ تو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو چیز اچھی نظر آتی ہے وہ درحقیقت اپنے اندر بُرائی کا بیج رکھتی ہے۔ چنانچہ ان لوگوں کی طرف سے جو شرائط پیش کی گئی ہیں وہ ایسی ہی ہیں کہ بظاہر اچھی معلوم ہوتی ہیں مگر باطن میں زہر ہیں۔ ظاہر میں تو یہ شرائط ایسی ہی اعلیٰ معلوم ہوتی ہیں جیسی عیسائیوں کی یہ تعلیم ہے کہ اگر کوئی ایک گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا بھی اُس کی طرف پھیر دو[1] مگر جب ان کی حقیقت کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سخت نقصان رساں ہیں۔ ایک شرط یہ ہے کہ ایک دوسرے کے متعلق سخت کلامی نہ ہو۔ اس کے متعلق یہ دیکھنا چاہیئے کہ آپس کی سخت کلامی کب سے شروع ہوئی۔ کہتے ہیں الفضل میں فلاں سخت مضمون چھپا۔ ہم پوچھتے ہیں کیوں چھپا؟ اور اس کی کیا وجہ تھی؟ یہی معلوم ہوگا کہ پیغام نے فلاں مضمون لکھا تھا اس کا جواب دیا گیا۔ اسی طرح اگر اس کو چلاتے جاؤ تو معلوم ہو جائے گا کہ سب سے پہلے کس نے سخت لکھا اور وہ پیغام ہی ہوگا۔ اس کے مقابلہ میں ہمارے اخباروں نے بہت کم لکھا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ میں نے انہیں روکے رکھا ہے اور جس طرح اگر گھوڑے کو زور سے روکیں تو اس کے منہ سے خون نکل آتا ہے اسی طرح ہمارے بعض اخباروں کے ایڈیٹروں کا حال ہوا کہ وہ ان لوگوں کی سخت کلامی کو اور اپنی مجبوری کو دیکھ کر خون کے آنسو روتے رہے ہیں اور جوش میں ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ ایک دفعہ ایک شخص حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق بعض لوگوں کی بدکلامی سن کر ان سے لڑ پڑا۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم ہوا تو آپ نے اُسے نصیحت کی کہ ایسے موقع پر صبر سے کام لینا چاہیئے۔ وہ شخص سخت جوش سے بھرا ہوا تھا بے اختیار کہہ اُٹھا کہ ہم سے ایسا نہیں ہوسکتا۔ آپ کے پیر (محمد ﷺ) کو جب کوئی گالی دے تو آپ اس کے ساتھ مباہلہ کرنے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں لیکن ہمیں یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اپنے پیر (حضرت مسیح موعود) کے متعلق گالیاں سن کر صبر کریں۔ اُس کی یہ بات سن کر اور اُس کے غضب کو دیکھ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام اُس وقت مسکرا کر خاموش ہو رہے۔ تو جوش ایک طبعی تقاضا ہے جو ایک حد تک جائز ہوتا ہے۔ لیکن میں نے اخباروں کو روکے رکھا اس وجہ سے غیر مبائعین کی درشت کلامی بڑھتی گئی اور اب انہیں ڈر پیدا ہوا ہے کہ اگر اِدھر سے بھی جواب دیا گیا تو مشکل پڑ جائے گی۔

اس وجہ سے انہیں سختی کو ترک کرنے کا خیال پیدا ہوا ہے۔ مگر یہ ایسا ہی خیال ہے جیسا کہ کسی کو تھپڑ مار کر کہا جائے کہ اب صلح کرلو۔ اس طرح صلح نہیں ہوسکتی۔ صلح اُسی وقت ہوسکتی ہے جب کہ یا تو جو لینا ہو لے لیا جائے اور جو دینا ہو دے دیا جائے۔ کیونکہ یہ مخالف کی مخالف سے صلح ہوتی ہے بھائی بھائی کی صلح نہیں۔ اور یا پھر وہ زہر جو پھیلایا گیا ہو اُس کا ازالہ کر دیا جاوے۔ لیکن خیر ہم اس شرط کو مان لیتے ہیں کہ ایک دوسرے کے متعلق سخت الفاظ استعمال نہ کئے جائیں۔

مگر اس کے ساتھ دوسری بات وہ یہ پیش کرتے ہیں کہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھ لی جایا کرے۔ لیکن اس شرط کے مان لینے کے یہ معنی ہیں کہ گویا ہم اپنے ہاتھ آپ کاٹ دیں۔ ہمارا اختلاف کسی جدّی وراثت کے متعلق نہیں ہے کہ فلاں نے زیادہ مال لے لیا اور فلاں نے کم بلکہ ہمارا اختلاف دین کے متعلق ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ [۲] ہم تو قرآن کریم کے اس ارشاد کے ماتحت اختلاف کرتے ہیں کہ جو ایسے خلیفہ کو نہیں مانتا وہ فاسق ہے۔ اب ایک طرف تو ہم کہیں کہ جو خلیفہ کو نہیں مانتا وہ فاسق ہے اور دوسری طرف اعلان کریں اور حکم دیں کہ اُن لوگوں کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو یہ نہیں ہوسکتا۔ غیر مبائعین کی اِس بات کو تسلیم کر لینے کے تو یہ معنی ہوئے کہ ہماری خلافت اس آیت کے ماتحت نہیں۔ کیونکہ اگر اس کے ماتحت ہو تو پھر اس کے منکروں کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم دینے کے کیا معنی۔ ایسی صلح ہم کبھی نہیں کر سکتے۔ ہم نے مذہب کے معاملہ میں ساری دنیا کی پرواہ نہیں کی تو ان چند لوگوں کی کیا پرواہ ہوسکتی ہے۔ انہوں نے آج تک ہمارا کیا بگاڑا ہے کہ آئندہ بگاڑ لیں گے۔ ہم نے مجبوری کے وقت مثلاً ان کی مسجد میں کوئی شخص بیٹھا ہو اور نماز کھڑی ہو جاوے تو ان کے پیچھے نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے مگر اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم ان کے پیچھے نماز پڑھنے کو حرام نہیں کہتے۔ لیکن ان

کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم دینا بالکل مختلف ہے مجبوری سے کسی کام کا کرنا اور معنی رکھتا ہے اور بلا مجبوری اس کا کرنا اور معنی رکھتا ہے۔

تیسری بات وہ یہ پیش کرتے ہیں کہ ایک فریق کے آدمی دوسرے فریق کو چندہ دیں۔ کہتے ہیں کسی عورت سے جو غریب تھی پوچھا گیا کہ فلاں شادی پر تو نے کیا نیوتا دیا؟ اس نے ایک روپیہ دیا تھا اور اس کی بھاوجہ جو امیر تھی اس نے بیس روپے۔ وہ کہنے لگی میں اور میری بھاوجہ نے اکیس روپے دیئے ہیں۔ اب غیر مبائعین ایسا ہی کرنا چاہتے ہیں۔ خدا کے فضل سے ہماری جماعت تو کئی لاکھ کی ہے اور وہ چندسَو سے زیادہ نہیں اس لینے دینے کا یہ مطلب ہوا کہ وہ کئی ہزار روپیہ ہمارے آدمیوں سے لے جائیں اور سَو ڈیڑھ سَو روپیہ ہم ان سے لے لیں۔ کون عقل مند ہے جو ایسی شرط منظور کر سکتا ہے۔

چوتھی بات وہ یہ کہتے ہیں کہ ایک دوسرے کے جلسوں میں شامل ہوا کریں یہ بھی ایسی ہی بات ہے جس میں انہیں فائدہ ہے۔ مثلاً امرتسر میں ہمارا جلسہ ہو وہاں ان کے چار پانچ آدمی ہیں وہ آجائیں گے۔ لیکن اگر ہم نے حکم دیا تو ان کے جلسہ پر سَو سے بھی زیادہ ہمارے آدمی چلے جائیں گے اور اس طرح انہیں یہ کہنے کا موقع مل جائے گا کہ ہمارا جلسہ بڑا کامیاب ہوا۔ پس گو ہم نے کسی کو اس سے منع نہیں کیا کہ وہ ان کے جلسوں پر جاوے سوائے اس کے کہ اس کا جانا اُس کیلئے یا دوسروں کیلئے فتنہ کا موجب ہو۔ مگر ہم اس طرح کا حکم کس طرح دے سکتے ہیں اس میں تو صریح اُنہی کا فائدہ ہے نہ ہمارا۔

پانچویں بات وہ یہ کہتے ہیں کہ اختلافی مسائل پر صرف میں اور مولوی محمد علی صاحب لکھیں اور کوئی نہ لکھے۔ اس میں انہیں یہ بات مدنظر ہے کہ مولوی محمد علی صاحب تو ہوئے ایک انجمن کے پریذیڈنٹ۔ جس کا سب انتظامی کام دوسرے لوگوں کے سپرد ہے۔ پھر ان کے کام ہی کون سے ہیں۔ چندسَو آدمیوں سے تعلقات ہیں۔ لیکن ہماری لاکھوں کی جماعت ہے۔ بعض دن تو میرے کئی کئی گھنٹے خطوط پڑھنے اور ان کے جواب لکھانے میں صرف ہو جاتے ہیں۔ پھر مجھے خود نماز پڑھانی ہوتی ہے لیکن مولوی محمد علی صاحب تو گھر پر ہی نماز پڑھ لینے میں کچھ حرج نہیں محسوس کرتے۔ پھر یہاں کے بہت سے کام میرے مشورہ سے ہوتے

ہیں اسی طرح جماعت کی ترقی کے لئے غور کرنے اور اس کیلئے دعا کرنے پر بہت سا وقت صرف ہوتا ہے۔ اس لئے مجھے وقت ہی نہیں مل سکتا کہ ان کی ہر ایک بات کا خود جواب لکھتا رہوں۔ اس لئے اس شرط کا یہ مطلب ہوا کہ وہ لکھتے رہیں اور ہماری طرف سے کوئی جواب نہ شائع ہو۔ غرض یہ شرطیں عجیب رنگ رکھتی ہیں۔ مگر جیسا کہ کسی نے کہا ہے

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش
من انداز قدت را مے شناسم

ہم اُن کی باتوں میں آنے والے نہیں ہیں۔ ہمارا اور اُن کا اختلاف کوئی معمولی اختلاف نہیں بلکہ بہت بڑا اختلاف ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور معاویہؓ کے اختلاف سے سینکڑوں گنے زیادہ ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب معاویہؓ نے خط لکھا کہ میں آپ کی زیارت کیلئے آنا چاہتا ہوں تو اُنہوں نے جواب دیا کہ زیارت اسی طرح ہوسکتی ہے کہ یا میں تمہارے پاس آؤں یا تم میرے پاس آؤ۔ اگر میں آیا تو لشکر سمیت آؤں گا اور اگر تم آئے تو تلوار تمہارا مقابلہ کرے گی۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس اختلاف کو مذہبی اختلاف سمجھتے تھے اور معاویہؓ کو اس کا بانی اور ان کے ساتھ صلح کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ پس ہم کو تو ان سے زیادہ اختلاف ہے اور معاویہؓ سے زیادہ انہوں نے اُمت اسلامیہ میں شقاق پیدا کیا ہے۔ پس جب تک اس شقاق کو یہ لوگ دور نہ کریں ان سے صلح ہم کس طرح کر سکتے ہیں۔ یہ ایک مسلّمہ قاعدہ ہے کہ غیروں کے ساتھ صلح ہوسکتی ہے لیکن اُن اپنوں سے جو معاند ہوں اور مفسد ہوں اس وقت تک صلح نہیں ہوسکتی جب تک وہ فساد ترک نہ کر دیں۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ مل کر اپنے جوش نکالیں اور منصوبے پکائیں۔ لیکن چونکہ اس قسم کے تجربے ہم سے پہلے لوگ کر کے نقصان اُٹھا چکے ہیں اس لئے ہم تجربہ کرنا نہیں چاہتے۔ بے شک ہمیں یہ منظور ہے کہ سخت کلامی نہ ہو کیونکہ سخت کلامی شرفاء کا کام نہیں اور اگر وہ اِس سے باز آ جائیں تو گو ہم نے پہلے ہی روکا ہوا ہے اب اور بھی تاکید کر دیں گے۔ لیکن اس کے سوا ان کی شرائط میں اور کوئی بات نہیں جو قابل قبول ہو۔

میں آپ لوگوں کو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس دفعہ میں نے بعض مصالح کے لحاظ سے

گو شرح صدر نہ تھا انہیں اپنے جلسہ میں بولنے کا موقع دیا ہے۔ اگرچہ ہمارے جلسے تعلیمی ہوتے ہیں اور پھر یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مقدس سٹیج ہے اس پر باغیوں کو بولنے کا موقع دینا مناسب نہ تھا مگر اس خیال سے کہ وہ کہتے رہتے ہیں کہ ہماری باتیں سننے کا موقع نہیں دیا جاتا میں نے کہا آج وہ اس خواہش کو بھی پورا کرلیں تا کہ اُنہیں معلوم ہو جائے کہ ان کے حملے ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور پوری طرح ہماری جماعت سے ناامید ہو جاویں۔ چنانچہ انہوں نے اس کو دیکھ لیا ہے۔

عقائد کس نے بدلے

میں نے بہت دفعہ بڑا غور اور فکر کیا ہے۔ لیکن میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ ان کا جھگڑا ہی ہم سے کیوں ہے۔ میں نے ایک بات ان میں سے کئی آدمیوں سے پوچھی ہے جس کا مجھے کسی نے جواب نہیں دیا۔ اور وہ یہ ہے کہ تم بتاؤ مولوی محمد علی صاحب کے مضامین میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نبی لکھا جاتا رہا یا نہیں؟ وہ کہتے ہیں ہاں لکھا جاتا رہا ہے مگر اس سے مراد مجدّد، محدث اور غیر نبی تھی۔ ہم کہتے ہیں اچھا یہی سہی۔ اس کے متعلق بعض دوست اس طرف گئے ہیں کہ اُن کی مراد یہ نہیں ہوسکتی اور یہ بات ان کے مضامین سے ثابت ہے کہ یقیناً ان کی مراد ایسا ہی نبی اور رسول تھی جیسا ہم مانتے ہیں تاہم ہم کہتے ہیں اچھا وہی مراد سہی جو تم لوگ کہتے ہو مگر یہ تو بتلاؤ کہ اب کیوں اسی مراد کو مدّ نظر رکھ کر وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نبی نہیں لکھتے۔ یہ بڑی آسان راہ فیصلہ کی ہے۔ اگر اُس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نبی لکھنے میں کوئی حرج نہ تھا۔ اب بھی لکھتے رہو اور اس سے مراد مجدد لو پھر جھگڑا ہی کیا ہے اور اختلاف ہی کیسا۔ لیکن چونکہ اب اس لفظ کا لکھنا تم لوگوں نے چھوڑ دیا ہے اس لئے معلوم ہوا اسے جن معنوں میں تم پہلے استعمال کرتے تھے ان ہی کو چھوڑ دیا ہے۔ یہ ایک موٹی بات ہے۔ تمہارا اب مسیح موعود علیہ السلام کو نبی نہ لکھنا بتاتا ہے کہ پہلے اس لفظ سے جو تمہاری مراد ہوتی تھی اس کو تم نے بدل دیا ہے۔ لیکن ہم جیسے پہلے لکھتے تھے اب بھی اُسی طرح لکھتے ہیں۔ دیکھو تشحیذ الاذہان رسالہ جب جاری ہوا تو میں نے اس کے ایڈیٹر کی حیثیت سے انٹروڈکشن لکھا۔ جس میں پہلے انبیاءؑ اور ان کے مخالفین کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ اب دیکھنا چاہئے کہ

اس زمانہ میں کسی نبی کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اور پھر زمانہ کی موجودہ خطرناک حالت ثابت کر کے بتایا کہ اِس وقت پہلے کی نسبت زیادہ ضرورت ہے اور حضرت مرزا صاحب اس زمانہ میں خدا کی طرف سے مخلوق کی ہدایت کیلئے مبعوث ہوئے ہیں۔ یہ مضمون ۱۹۰۶ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں شائع ہوا اور حضرت مولوی صاحب خلیفہ اوّل نے اسے پڑھ کر بہت خوشی کا اظہار کیا اور خواجہ صاحب اور محمد علی صاحب کو کہا کہ اس مضمون کو ضرور پڑھو۔ پھر مولوی محمد علی صاحب نے رسالہ تشحیذ الاذہان کا ریویو کرتے ہوئے اسی مضمون کے متعلق لکھا۔

''اس رسالہ کے ایڈیٹر مرزا بشیر الدین محمود احمد حضرت اقدس کے صاحبزادہ ہیں اور پہلے نمبر میں چودہ صفحوں کا ایک انٹروڈکشن ان کی قلم سے لکھا ہوا ہے۔ جماعت تو اس مضمون کو پڑھے گی مگر میں اس مضمون کو مخالفین سلسلہ کے سامنے بطور ایک بیّن دلیل کے پیش کرتا ہوں جو اس سلسلہ کی صداقت پر گواہ ہے۔ خلاصہ مضمون یہ ہے کہ جب دنیا میں فساد پیدا ہو جاتا ہے اور لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ کو چھوڑ کر معاصی میں بکثرت مبتلاء ہو جاتے ہیں اور مردار دنیا پر گدوں کی طرح گر جاتے ہیں اور آخرت سے بالکل غافل ہو جاتے ہیں تو ایسے وقت میں ہمیشہ سے خدا تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ وہ اُن ہی لوگوں میں سے ایک نبی کو مامور کرتا ہے کہ وہ دنیا میں سچی تعلیم پھیلائے اور لوگوں کو خدا کی حقیقی راہ دکھائے۔ پر لوگ جو معاصی میں بالکل اندھے ہوئے ہوتے ہیں وہ دنیا کے نشہ میں مخمور ہونے کی وجہ سے یا تو نبی کی باتوں پر ہنسی کرتے ہیں اور یا اُسے دکھ دیتے ہیں اور اس کے ساتھیوں کو ایذائیں پہنچاتے ہیں اور اس سلسلہ کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔ مگر چونکہ وہ سلسلہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے اس لئے انسانی کوششوں سے ہلاک نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ نبی اس حالت میں اپنے مخالفین کو پیش از وقت اطلاع دے دیتا ہے کہ آخر کار وہی مغلوب ہوں گے اور بعض کو ہلاک کر کے خدا دوسروں کو راہِ راست پر لے آوے گا۔ سو ایسا ہی ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے جو ہمیشہ سے چلی آتی ہے۔

ایسا ہی اِس وقت میں ہوا''۔

اس کے بعد مضمون میں سے کچھ عبارت نقل کر کے لکھا ہے کہ:۔

''میں نے اس مضمون کو اس سلسلہ کی صداقت پر گواہ خصوصاً اس وجہ سے نہیں ٹھہرایا کہ ان دلائل کو کوئی مخالف توڑ نہیں کرسکتا۔ یہ دلائل پہلے بھی کئی دفعہ پیش ہو چکے ہیں مگر اس دلیل میں سے جو دلیل میں سلسلہ کی صداقت پر گواہ کے طور پر اِس وقت کُل مخالفین کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں وہ اس مضمون کا آخری حصہ ہے جس کو میں نے صاحبزادہ کے اپنے الفاظ میں نقل کیا ہے۔ اس وقت صاحبزادہ کی عمر اٹھارہ انیس سال کی ہے اور تمام دنیا جانتی ہے کہ اس عمر میں بچوں کا شوق اور اُمنگیں کیا ہوتی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ کالجوں میں پڑھتے ہیں تو اعلیٰ تعلیم کا شوق اور آزادی کا خیال ان کے دلوں میں ہوگا۔ مگر دین کی یہ ہمدردی اور اسلام کی حمایت کا یہ جوش جو اوپر کے بے تکلف الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے ایک خارق عادت بات ہے۔ صرف اس موقع پر نہیں بلکہ میں نے دیکھا ہے کہ ہر موقع پر یہ دلی جوش ان کا ظاہر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ابھی میر محمد اسحٰق کے نکاح کی تقریب پر چند اشعار انہوں نے لکھے تو ان میں یہی دعا ہے کہ اے خدا تو ان دونوں اور ان کی اولاد کو خادمِ دین بنا۔ برخوردار عبدالحی کی آمین کی تقریب پر اشعار لکھے تو ان میں یہی دعا بار بار کی ہے کہ اُسے قرآن کا سچا خادم بنا۔ ایک اٹھارہ برس کے نوجوان کے دل میں اس جوش اور ان اُمنگوں کا بھر جانا معمولی امر نہیں کیونکہ یہ زمانہ سب سے بڑھ کر کھیل کود کا زمانہ ہے۔ اب وہ سیاہ دل لوگ جو حضرت مرزا صاحبؑ کو مفتری کہتے ہیں؟ اس بات کا جواب دیں کہ اگر یہ افترا ہے تو یہ سچا جوش اس بچہ کے دل میں کہاں سے آیا؟ جھوٹ تو ایک گند ہے پس اس کا اثر تو چاہیے تھا کہ گندا ہوتا نہ یہ کہ ایسا پاک اور نورانی جس کی کوئی نظیر ہی نہیں ملتی''۔[۳]

یہ ریویو مولوی محمد علی صاحب نے اپنے قلم سے لکھا۔ عجیب بات ہے کہ جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابلہ میں مولوی محمد حسین صاحب نے ریویو لکھ کر

اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے اسی طرح میرے مقابلہ میں مولوی محمد علی صاحب نے میرے اس مضمون پر ریویو لکھ کر جس میں مسیح موعود علیہ السلام کو نبی لکھا گیا تھا اپنے ہاتھ کاٹ لئے ہیں۔

پھر جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد میں نے ''صادقوں کی روشنی کو کون دُور کرسکتا ہے'' کے نام سے ایک کتاب لکھی تو حضرت خلیفہ اوّل نے مولوی محمد علی صاحب کو کہا کہ مولوی صاحب! مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر مخالفین نے جو اعتراض کئے ہیں ان کے جواب میں تم نے بھی لکھا ہے اور میں نے بھی مگر میاں ہم دونوں سے بڑھ گیا ہے۔ پھر یہی کتاب حضرت مولوی صاحب نے بذریعہ رجسٹری مولوی محمد حسین بٹالوی کو بھیجی۔ وہ کیوں؟ محمد حسین صاحب نے کہا کہ مرزا صاحب کی اولاد اچھی نہیں ہے اس لئے یہ کتاب بھیج کر حضرت مولوی صاحب نے ان کو لکھوایا کہ حضرت مرزا صاحب کی اولاد میں سے ایک نے یہ کتاب لکھی ہے جو میں تمہاری طرف بھیجتا ہوں۔ تمہاری اولاد میں سے کسی نے کوئی کتاب لکھی ہو تو مجھے بھیج دو۔

اس کتاب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نبی لکھا گیا ہے۔ تو ہم پہلے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نبی لکھتے تھے اور اب بھی لکھتے ہیں۔ مگر وہ لوگ پہلے نبی لکھتے تھے اور اب نہیں لکھتے۔ جس سے ظاہر ہے کہ ہم نے کوئی تبدیلی نہیں کی لیکن ان لوگوں نے اپنے طریق عمل میں تبدیلی کر لی ہے۔

خدا تعالیٰ کی تائید کس کے ساتھ ہے

اس کے سوا ہم کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو سلسلے ہوتے ہیں ان کیلئے کچھ ایسے امور بھی ہوتے ہیں جن سے وہ قائم رہتے ہیں اور دن بدن ترقی کرتے ہیں۔ اب اگر غیر مبائعین حضرت مرزا صاحب کے سچے قائم مقام ہیں تو اللہ تعالیٰ کی وہ تائید جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو میسر تھی ان کے ساتھ ہونی چاہیئے اور اگر ہم ہیں تو ہمارے ساتھ ہونی چاہیئے۔ ان کی طرف سے اپنی کامیابی بتانے کیلئے اگر کچھ کہا جاتا ہے تو وہ یہ کہ فلاں غیر احمدی نے ہمیں اتنا روپیہ دیا۔ ہم کہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کیوں غیر احمدی روپے دیا کرتا تھا۔ کیا خدا تعالیٰ نے آپ کی کبھی تائید کی یا نہیں؟ اگر کی تو کیا اس

طرح کہ نواب حیدر آباد نے یا بیگم بھوپال نے آپ کا ماہانہ مقرر کر دیا یا کسی سرحدی نواب نے آپ کو کوئی رقم دے دی۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ ایسا ہوا تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ خدا تعالیٰ کی تائید تھی اس طرح ہمارے ساتھ ہے۔لیکن اگر اس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تائید نہیں ہوئی تو اب تمہیں بھی اسے اپنی تائید میں پیش کرنے کو کوئی حق نہیں ہے۔اب کوئی نیا امام نہیں آیا، کوئی نئی جماعت قائم نہیں ہوئی اس لئے اسی طرح جماعت کی تائید ہونی چاہئے جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی اور وہ یہی تھی کہ آپ ایک تھے مگر خدا تعالیٰ نے آپ کے ساتھ ہزاروں لاکھوں انسان کر دیئے۔اب دیکھئے کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسے خدا تعالیٰ کی تائید کہتے ہیں یا نہیں؟ اور پھر قرآن کریم میں یہ لکھا ہے یا نہیں کہ جن کی مخالفت ہو اور عالمگیر مخالفت ہو ان کا ترقی کرنا اور اپنے دشمنوں پر غالب آنا ان کے حق پر ہونے کی دلیل ہے اور کیا اس دلیل کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی صداقت میں پیش کیا ہے یا نہیں؟ اگر کیا ہے اور ضرور کیا ہے تو اس سے اب بھی ہماری صداقت معلوم ہو سکتی ہے۔

ہمارے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جس طرح بابیوں کی ترقی ہوئی اسی طرح ہماری ہو رہی ہے۔ کیونکہ ان کی کوئی مخالفت نہیں کرتا مگر ہماری مخالفت ہر طرف پھیلی ہوئی ہے۔مگر باوجود اس کے ہماری جماعت دن بدن بڑھ رہی ہے اور ان کی نسبت جو ہمارے مقابلہ میں اپنے آپ کو حق پر اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اصلی تعلیم پر سمجھتے ہیں ہماری ترقی بہت زیادہ ہو رہی ہے اور ایسی صورت میں ہو رہی ہے کہ وہ تو غیروں کو مسلمان کہتے ہیں اور ہم کافر قرار دیتے ہیں۔ وہ ہمیں جاہل ، اُجڈ ، بے دین ، خدائی سلسلہ کو تباہ کرنے والے ، خدا اور رسول کے دشمن بلکہ اپنی جانوں کے دشمن ، عقل سے کورے ، اسلام میں سب سے بڑا تفرقہ ڈالنے والے قرار دیتے ہیں۔مگر باوجود اس کے کہ ساری دنیا ہماری مخالف ہے اور باوجود اس کے کہ وہ جو اپنے آپ کو ستون سمجھتے تھے نکل گئے ہیں اور ان کے خیال میں باقی چھڑیاں رہ گئی ہیں یہی چھڑیاں سارا بوجھ اُٹھائے ہوئے ہیں یا نہیں؟ یہ خدا تعالیٰ کی تائید

ہے یا کہ کسی نواب یا راجہ سے چندسَو روپیہ مل جانا خدائی تائید ہے؟

خدا سے فیصلہ کرالیں

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس طرح تائید کرتا تھا کہ آپ پر نئے نئے علوم اور معارف کھلتے تھے اور آپ کے بعد حضرت خلیفہ اوّل کو بھی خدا تعالیٰ کی یہ تائید حاصل تھی۔ اب میں فخر کے طور پر نہیں بلکہ اس عہدہ اور منصب کے احترام کیلئے جس پر خدا تعالیٰ نے مجھے کھڑا کیا ہے کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی یہ تائید میرے ساتھ ہے۔ اسی وجہ سے میں نے مولوی محمد علی صاحب کو چیلنج دے دیا تھا کہ آئیں بالمقابل بیٹھ کر قرآن کریم کی کسی آیت یا رکوع کی تفسیر لکھیں اور دیکھیں کہ وہ کون ہے جس کیلئے خدا تعالیٰ معارف اور حقائق کے دریا بہاتا ہے اور کون ہے جس کو خدا تعالیٰ علوم کا سمندر عطا کرتا ہے۔ میں تو ان کے نزدیک جاہل ہوں، کم علم ہوں، بچہ ہوں۔ خوشامدیوں میں گھرا ہوا ہوں، ناتجربہ کار ہوں۔ پھر مجھ سے ان کا مقابلہ کرنا کونسا مشکل کام ہے۔ وہ کیوں مردِ میدان بن کر خدا تعالیٰ کی کتاب کے ذریعہ فیصلہ نہیں کر لیتے اور کیوں گیدڑوں اور لومڑیوں کی طرح چھپ چھپ کر حملے کرتے ہیں۔ پھر کیوں خدا پر فیصلہ نہیں چھوڑتے اور خدا سے یہ دعا کرنے کیلئے تیار ہوتے کہ جو جھوٹا ہے اسے تباہ کر۔ انسانی فیصلوں اور آراء کو جانے دو اور خدا کے سامنے آؤ تا کہ اُس سے دعا کی جائے کہ جو جھوٹا ہے وہ ہلاک ہو جائے اور جو سچا ہے وہ بچ جائے۔ کیا خدا تعالیٰ کا فیصلہ جھوٹا ہوسکتا ہے؟ اگر نہیں تو پھر کیوں خدا سے فیصلہ نہیں کرالیا جاتا اور کیوں اس طرح تفرقہ نہیں مٹا دیا جاتا۔

تفرقہ کے مٹانے کے طریق

یہ طریق ہیں جن سے تفرقہ مٹ سکتا ہے۔ اوّل خدا تعالیٰ کی تائید دیکھو کس کے ساتھ ہے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ ان کی طرف سے اسی جگہ کہا گیا تھا کہ ہم تو جاتے ہیں لیکن چند ہی دنوں تک اس مدرسہ میں عیسائیوں کے بچے پھرتے نظر آئیں گے۔ اب جب کہ پانچ سال گزر گئے ہیں بتاؤ اس مقام پر مسلمانوں کا قبضہ ہے یا عیسائیوں کا؟ اور بتاؤ اس مسجد کے صحن میں حضرت خلیفہ اوّل کے زمانہ میں کتنے لوگ بیٹھتے تھے اور آج کتنے بیٹھے ہیں۔ کیا یہ تائید الٰہی ہے

یانہیں؟ ہم ان کے جاہل، کم عقل وغیرہ کہنے سے چڑتے نہیں بلکہ یہ کہتے ہیں کہ یہی تو معجزہ ہے اور یہی ہماری صداقت کی دلیل ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کومخالف کہتے ہیں کہ جاہل ہیں، کچھ جانتے نہیں۔ آپ فرماتے یہی تو معجزہ ہے کہ میں اس حالت میں ایسی عربی لکھتا ہوں کہ کوئی دنیا کا بڑے سے بڑا عالم اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ تو اِن لوگوں کے مجھے بچہ کہنے پر تم چڑو نہیں بلکہ کہو کہ یہی تو معجزہ ہے۔ اگر وہ میرے متعلق یہ کہتے کہ بڑا تجربہ کار ہے، فریبی ہے، مکار ہے، تو ہوسکتا تھا کہ کہہ دیتے کہ اسی وجہ سے لوگوں کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ لیکن اب تو وہ یہ کہہ کر کہ ناتجربہ کار، کم عقل اور بچہ ہے اپنے ہاتھ آپ کاٹ چکے ہیں۔ جو ہمیں کامیابی ہورہی ہے وہ کسی ہماری کوشش اور ہمت کا نتیجہ نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی مدد اور نصرت سے ہورہی ہے اور وہ بتارہا ہے کہ جن کو تم کچھ نہیں سمجھتے ان سے خدا اس طرح کام لیا کرتا ہے۔ تو ان لوگوں نے مجھے بچہ اور جاہل قرار دے کر اپنی ناکامی اور نامرادی پر خود دستخط کردیئے کیونکہ یہ کہہ کر انہوں نے تسلیم کرلیا کہ اس کے ذریعہ جو ترقی ہورہی ہے وہ اس کوشش سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہے پس جب ہماری ترقی خدا کی طرف سے ہے تو کون ہے جو اسے روک سکے۔

انتقام لینے کا زمانہ

اب زمانہ بدل گیا ہے۔ دیکھو پہلے جو مسیح آیا تھا اسے دشمنوں نے صلیب پر چڑھایا۔ مگر اب مسیح اس لئے آیا کہ اپنے مخالفین کو موت کے گھاٹ اُتارے۔ اس طرح پہلے جو آدم آیا وہ جنت سے نکلا تھا مگر اب جو آدم آیا وہ اس لئے آیا کہ لوگوں کو جنت میں داخل کرے۔ اسی طرح پہلے یوسف کو قید میں ڈالا گیا تھا مگر دوسرا یوسف قید سے نکالنے کیلئے آیا ہے۔ پہلے خلفاءؓ میں سے بعض جیسے عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دُکھ دیا گیا مگر میں امید کرتا ہوں کہ مسیح موعود کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ اس کا ازالہ کرے گا اور ان کے خلفاء کے دشمن ناکام رہیں گے۔ کیونکہ یہ وقت بدلہ لینے کا ہے اور خدا چاہتا ہے کہ اس کے پہلے بندے جن کو نقصان پہنچایا گیا ان کے بدلے لئے جائیں۔ میں ماموریت یا مجددیت کا مدعی نہیں ہوں اور نہ خاص الہام پا کر کھڑا ہوا ہوں میں تو اس خلافت کا مدعی ہوں جس کا ذکر اس آیت میں ہے کہ **وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ**

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ پس میں اپنے الہام پر کھڑا ہونے کا دعویدار نہیں بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے الہام پر کھڑا ہونے کا مدعی ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مجھے یوسف قرار دیا ہے۔ میں کہتا ہوں مجھے یہ نام دینے کی کیا ضرورت تھی۔ یہی کہ پہلے یوسف کی جو ہتک کی گئی ہے اس کا میرے ذریعہ ازالہ کرایا جاوے۔ پس وہ تو ایسا یوسف تھا جسے بھائیوں نے گھر سے نکالا تھا مگر یہ ایسا یوسف ہے جو اپنے دشمن بھائیوں کو گھر سے نکال دے گا۔ اُس یوسف کو تو بھائیوں نے کنعان سے نکالا تھا مگر اِس یوسف نے اپنے دشمن بھائیوں کو قادیان سے نکال دیا۔ ہم نے اُس یوسف کا بدلہ لے لیا ہے اور اُس یوسف کی ہتک کا ازالہ کر دیا ہے۔ پس میرا مقابلہ آسان نہیں۔ نہ اس لئے کہ میں کسی بات کا دعویدار ہوں۔ میں تو جانتا ہوں کہ میں جاہل ہوں۔ کوئی ڈگری حاصل نہیں کی اور نہ کوئی سند لی۔ نہ انگریزی مدارس کا ڈگری یافتہ ہوں اور نہ عربی مدارس کا سند یافتہ ہوں۔ قرآن اور بخاری اور چند کتب خلیفہ اوّل نے پڑھائی تھیں اور دروس النحو یہ کے حصے مولوی سید سرور شاہ صاحب سے پڑھے تھے اس کے سوا اور کسی جگہ عربی نہیں پڑھی۔ مگر کسی علم کے جاننے والے سے جب کوئی دینی گفتگو ہوئی ہے تو خدا نے مجھے کامیاب کیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میں کچھ نہیں جانتا مگر جس مقام پر خدا تعالیٰ نے مجھے کھڑا کیا ہے خدا تعالیٰ کو اُس کی عزت منظور ہے اور چونکہ میں اُسی کو منواتا ہوں اس لئے وہ میری تائید کرتا ہے۔ اب اگر مجھے اس منصب اور مقام کی عزت کا خیال نہ ہوتا تو اپنی ہتک اسی طرح برداشت کر لیتا جس طرح اس منصب پر کھڑا ہونے سے پہلے کر لیا کرتا تھا۔ اُس وقت میری ذات پر اعتراض کئے جاتے، میرے خلاف کوششیں کی جاتیں لیکن میں نے کبھی ان کے ازالہ کی کوشش نہ کی۔ کلامِ محمود میں کئی شعر واقعات کے متعلق ہیں۔ چنانچہ جب ایک دفعہ حضرت خلیفہ اوّل کو بڑے منصوبے بنا کر ان لوگوں نے مجھ سے ناراض کرانا چاہا تو اس سے مجھے بہت صدمہ ہوا۔ اور رات کو کچھ شعر کہے۔ جن میں سے دو تین یہ ہیں۔

میرے دل پر رنج وغم کا بار ہے
ہاں خبر لیجئے کہ حالت زار ہے
میرے دشمن کیوں ہوئے جاتے ہیں لوگ

مجھ سے پہنچا ان کو کیا آزار ہے
میری غمخواری سے ہیں سب بے خبر
جو ہے میرے درپئے آزار ہے
فکر دیں میں گھل گیا ہے میرا جسم
دل میرا اِک کوہ آتش بار ہے
کیا ڈراتے ہیں مجھے خنجر سے وہ
جن کے سر پر کھنچ رہی تلوار ہے

تو اُس وقت مجھ سے جو کچھ کہا جاتا تھا اس کو میں مخفی رکھتا تھا۔ نہ کبھی میں نے اس سے اپنے کسی بھائی کو اور نہ کسی اور کو آگاہ کیا۔ لیکن اب ایسا نہیں ہوسکتا اب بات میری ذات تک محدود نہیں بلکہ اس کا اثر اس منصب تک پہنچتا ہے جس پر خدا نے مجھے کھڑا کیا ہے اس لئے میں خاموش نہیں رہ سکتا اور علی الاعلان اپنے مقابلہ پر بُلاتا ہوں۔ میرے متعلق کہا جاتا ہے کہ میں نے خلافت دھوکا اور فریب سے لے لی حالانکہ خدا تعالیٰ شاہد ہے مجھے اس منصب کے پانے کا خیال بھی نہ تھا۔ حضرت خلیفہ اوّل کی بیماری کے ایام میں جب میں نے دیکھا کہ آپ کی حالت نازک ہے اور میری نسبت بعض لوگوں کا خیال ہے کہ خلافت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ تو میں نے انہیں کہا کہ تم جس کو خلیفہ منتخب کرو میں اس کی بیعت کرلوں گا اور جو میرے ساتھ ہیں وہ بھی اس کی بیعت کرلیں گے لیکن کسی قسم کا اختلاف نہیں ہونا چاہئے۔ پھر جب حضرت مولوی صاحب کے فوت ہو جانے پر نواب صاحب کی کوٹھی میں مشورہ کے لئے جمع ہوئے تو اس وقت بھی میں نے یہی کہا لیکن اُس وقت بھی انہوں نے نہ مانا۔ پھر میں تو اُن دنوں یہاں سے کہیں باہر چلا جانا چاہتا تھا اور میں نے پختہ ارادہ کرلیا تھا کہ میں چلا جاؤں لیکن دوسرے دن حضرت مولوی صاحب کی وفات ہوگئی اس لئے نہ جاسکا۔ وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ میں نے خلافت کیلئے کوئی منصوبہ کیا، غلط کہتے ہیں۔ میں تو ہرچند اس بوجھ کو ہٹانا چاہتا تھا مگر خدا تعالیٰ کی مصلحت تھی کہ چونکہ خدا تعالیٰ شرک کو مٹانا چاہتا تھا اس لئے اس نے سب سے کمزور انسان کو اس کام کیلئے چنا۔ پس اس نے مجھے اس منصب پر اس لئے کھڑا

نہیں کیا کہ میں سب سے نیک، بڑا عارف اور خدا کا زیادہ مقرب تھا بلکہ اس لئے چنا کہ دنیا مجھے حقیر، جاہل، عقل سے کورا، فسادی، فریبی سمجھتی تھی۔ خدا نے چاہا کہ وہ لوگ جو مجھے ایسا سمجھتے ہیں ان کو بتائے کہ یہ سلسلہ ان لوگوں پر نہیں کھڑا ہوا جو اپنے آپ کو بڑے بڑے ستون سمجھتے ہیں بلکہ میرے ذریعہ کھڑا ہے اور میں اسے اس پر کھڑا کرسکتا ہوں جس کو تم تا گا سمجھتے ہو۔ پس چونکہ خدا تعالیٰ نے مجھے توحید کے دکھلانے اور شرک کے مٹانے کے لئے کھڑا کیا ہے اس لئے یہاں میرے علم، میری قابلیت کا سوال نہیں بلکہ خدا کے فضل کا سوال ہے کہ وہ کس کے ساتھ ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کی طرف سے جو علم دیا گیا اس کا جب مخالفین مقابلہ نہ کرسکے تو انہوں نے کہہ دیا کہ مرزا صاحب نے عرب چھپا کے رکھا ہوا ہے اس سے عربی لکھواتے ہیں۔ پھر کہتے کہ مولوی نورالدین صاحب عربی لکھ کر دیتے ہیں حالانکہ حضرت مولوی صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو عربی کیا لکھ کر دینی تھی جب آپ فوت ہوگئے تو اس کے بعد مولوی صاحب نے اُردو میں بھی کوئی کتاب نہ لکھی۔

پھر کچھ ایسے لوگ تھے جو کہتے تھے کہ یہ سلسلہ مرزا صاحب پر چل رہا ہے کیونکہ یہ بڑے ساحر اور ہوشیار ہیں۔ لیکن جب آپ کو خدا نے وفات دی اُس سال سالانہ جلسہ پر سات سَو آدمی آئے تھے اور بڑی خوشی کا اظہار کیا گیا تھا۔ مگر آپ کی وفات کے بعد ترقی کی طرف جماعت کا قدم بڑھتا ہی گیا اور چھ سال کے بعد جو جلسہ ہوا اس میں ۲۳ سَو کے قریب آدمی آئے۔

پھر اس وقت یہ کہا گیا کہ اصل بات مولوی نورالدین صاحب ہی کی تھی یہ مشہور طبیب ہے اور بڑا عالم اس لئے لوگ اس کے پاس آتے ہیں اس کی وفات کے بعد یہ سلسلہ مٹ جاوے گا۔ یہ تو مولوی وغیرہ کہتے اور جو نئے تعلیم یافتہ تھے وہ یہ خیال کرتے کہ کچھ انگریزی خواں ہیں ان پر یہ سلسلہ چل رہا ہے۔ جب لوگوں میں اس قسم کے خیالات پیدا ہونے شروع ہوئے تو خدا نے نہ چاہا کہ اس کے سلسلہ کے قیام میں کسی انسان کا کام شامل ہو اس لئے اِدھر تو اس نے حضرت مولوی نورالدین جیسے جلیل القدر انسان کو وفات دے کر جدا کرایا اُدھر وہ لوگ

جو اس سلسلہ کے رُکن سمجھے جاتے تھے ان کو توڑ کر الگ کر دیا اور اس کے بعد جو جلسہ ہوا اُس پر خدا نے دکھایا کہ اس کی ترقی میں کسی انسان کا ہاتھ نہیں ۔ چنانچہ اس سال تین ہزار کے قریب لوگ آئے اور کئی سَو نے بیعت کی ۔ تو ان سب کو الگ کر کے خدا تعالیٰ نے مجھ جیسے کمزور کے ذریعہ اپنے سلسلہ کو ترقی دے کر بتایا کہ اس میں کسی انسان کا دخل نہیں ہے بلکہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ خدا ہی کے فضل سے ہو رہا ہے ۔ ہاں ہر ایک کے ایمان کے مطابق اس سے سلوک کیا ۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفہ اوّل سے ان کے ایمان کے مطابق سلوک کیا اور ان کے مدارج کو بلند کیا ۔ اور اِن لوگوں سے اِن کے ایمان کے مطابق سلوک کیا اور جماعت سے علیحدہ کر دیا ۔ ہم خدا کے ہاتھ میں ہتھیار کی طرح ہیں اور تلوار خواہ اچھی ہو یا بُری جب اچھے چلانے والے کے ہاتھ میں آجائے تو اچھا ہی کام کرتی ہے ۔ وہ لوگ جنہوں نے صرف مجھے دیکھا انہوں نے غلطی کی ۔ انہیں چاہئے تھا کہ یہ دیکھتے کہ میں کس ہاتھ میں ہوں ۔ غرض ان لوگوں سے فیصلہ مشکل نہیں ۔ وہ آئیں اور انہیں معیاروں سے فیصلہ کر لیں جن سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مخالفین سے فیصلہ کرنا چاہا ۔ یہی ہماری اور ان کی صلح ہے اور اسی طرح امن قائم ہو سکتا ہے'' ۔

(انوار العلوم جلد ۴ صفحہ ۴۰۶ تا ۴۱۹)

۱؎ متی باب ۵ آیت ۳۹ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لندن ۱۸۸۷ء

۲؎ النور: ۵۶

۳؎ ریویو آف ریلیجنز مارچ ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۱۷ تا ۱۱۹

جماعت احمدیہ کے اندرونی مخالفین

۱۹۱۹ء کے سالانہ جلسہ میں حضور نے جو خطاب فرمائے ان میں ۲۷؍ دسمبر کو حضور کا خطاب انتظامی اور بعض دوسرے اہم امور کے متعلق تھا۔ جماعت احمدیہ کے اندرونی مخالفین کے بارہ میں حضور نے فرمایا۔

''اس کے بعد میں اپنے دوستوں کی توجہ جماعت کے اختلاف کی طرف پھیرتا ہوں۔ یہ نہایت افسوس کی بات ہے اور آپ لوگوں میں سے ہر اک کو افسوس ہوگا کہ ہم سے کچھ لوگ نکل کر دوسری طرف چلے گئے ہیں اور ہر سال ان کی طرف سے ہم پر نئے نئے حملے ہوتے ہیں۔ بڑی بڑی گالیاں ہمیں دی جاتی ہیں۔ ہماری نیتوں اور ہماری دیانتوں اور ہمارے عقیدوں پر حملے کئے جاتے ہیں اور ہر رنگ میں ہمیں نقصان پہنچانے کیلئے کوششیں کی جاتی ہیں۔ ہمارے دشمنوں کو ہمارے خلاف بھڑکایا جاتا ہے۔ ہمارے عقائد بُرے سے بُرے طریق سے پیش کئے جاتے ہیں۔ ہماری طرف سے ان کو جواب دیا جاتا ہے مگر ہمارے لوگ متانت اور سنجیدگی کو مدنظر رکھتے ہیں اور کوئی سختی کرتا ہے تو میں اُسے سمجھا دیتا ہوں مگر ان کی طرف سے ہمارے ساتھ بہت سختی کی جاتی ہے۔ لیکن اب خدا تعالیٰ کی طرف سے کچھ ایسے نشان ظاہر ہو رہے ہیں جن سے خدا دکھا رہا ہے کہ نیت کس کی خراب ہے۔ میرے متعلق کہا جاتا ہے کہ میں سازش کر کے خلیفہ بن گیا ہوں مگر کئی لاکھ کی جماعت میں سے کوئی ہے جو یہ کہہ سکے کہ میں نے کبھی خلافت کی خواہش کی اور اس کیلئے کوشش کی؟ اگر کوئی ہے تو خدا کیلئے بتائے۔ مگر اس کے مقابلہ میں ایسے لوگ نہیں بلکہ ایسی جماعتیں مل سکتی ہیں جن کی طرف سے مجھے کہا گیا کہ ہم ان لوگوں سے نہیں مل سکتے۔ اگر کوئی ایسا وقت آئے جب کہ ہمیں ان میں سے کسی کو خلیفہ ماننا پڑے تو ہم کسی اور کو مان لیں گے مگر ان کو نہیں مانیں گے۔ مگر میں نے ان

کو یہی کہا کہ خواہ کچھ ہو میں اس جماعت میں اختلاف پسند نہیں کرتا۔ میں ان میں سے جو خلیفہ ہوگا اُس کی بیعت کرلوں گا۔ مگر خدا کچھ اور چاہتا تھا اور جو کچھ وہ چاہتا تھا وہی ہوا۔

تو ان لوگوں کا ہماری نیتوں پر حملہ کرنا دراصل خدا تعالیٰ پر حملہ کرنا ہے کیونکہ یہ دل کی حالت کو نہیں جانتے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں هَلْ شَقَقْتَ قَلْبَهٗ۔[1] کیا تم جس انسان کی نیت پر حملہ کرتے ہو اُس کا دل پھاڑ کر تم نے دیکھ لیا ہے؟

ہماری نیتوں پر غیر مبائعین کے حملے

ان لوگوں نے ہماری نیتوں پر بے جا حملے کئے مگر اب خدا تعالیٰ نے ان کی نیتوں کو کھول کر رکھ دیا ہے۔

ان کی طرف سے اعلان ہوا تھا کہ مسیح موعود علیہ السلام کے بعد کسی کو ہم خلیفہ نہیں مان سکتے کہ خلیفہ کا خلیفہ نہیں ہوسکتا۔ پھر انہوں نے کہا کہ واجب الاطاعت خلافت کوئی شرعی مسئلہ نہیں ہے خلیفہ یا تو بادشاہ ہوسکتا ہے یا ماموراور جو ایسا نہ ہو وہ اسلامی طور پر خلیفہ نہیں کہلا سکتا۔ پھر مولوی محمد علی صاحب نے اپنے ایک ٹریکٹ میں لکھا کہ ہم مولوی صاحب کے الفاظ کا احترام کرنے کیلئے کہتے ہیں انجمن کا پریذیڈنٹ بنالیا جائے اور وہ امیر ہو۔ بس اسے امارت کا حق ہو اور کچھ نہ ہو۔ ہم ان کی نیتوں پر حملہ نہیں کرتے کہ ان کی مرضی خود یہ حق حاصل کرنے کی تھی لیکن جب وہ خود اپنی مرضی کا اظہار کردیں تو ہمارا اس میں کیا دخل ہے۔

مسئلہ خلافت اور غیر مبائعین

پچھلے ہی دنوں میرا ایک حدیث کا درس غلط طور پر رسالہ تشحیذ میں چھپ گیا۔ جس میں اس بات کا ذکر تھا کہ اگر ایک خلیفہ کی موجودگی میں کوئی دوسرا شخص خلافت کا دعویٰ کرے تو وہ واجب القتل ہوتا ہے۔ اس پر ان لوگوں نے جھٹ شور مچادیا کہ مولوی محمد علی صاحب کے قتل کا فتویٰ دے دیا گیا۔ اب یہ امر دو حالتوں سے خالی نہیں۔ اوّل اگر مولوی محمد علی صاحب خلیفہ ہیں تو پہلے انہوں نے جھوٹ کہا تھا کہ خلیفہ کا خلیفہ نہیں ہوسکتا اور اگر وہ خلافت کے مدعی نہیں تو اب جو شور مچایا جاتا ہے یہ بالکل جھوٹا شور ہے۔ مگر اس پر ان لوگوں نے بڑا شور مچایا حالانکہ بات بالکل صاف تھی۔ لیکن باوجود اس کے کہ وہ کہہ سکتے تھے کہ میں نے مولوی محمد علی صاحب کو

خلیفہ قرار دے کر ان کے قتل کا فتویٰ دے دیا ہے۔ چنانچہ ان کی طرف سے یہ بھی کہا گیا۔ مگر یہ بھی بالکل غلط ہے۔ کیونکہ میں اپنے مضامین میں لکھ چکا ہوں کہ وہ خلافت کے مدعی نہیں ہیں۔ مگر ہم اسے بھی چھوڑتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ان کو اس سے بھی زیادہ شرمندہ کرایا ہے اور ان کی نیتوں کو ظاہر کر دیا ہے اور اس طرح کہ تھوڑا ہی عرصہ ہوا پنجاب کے مسلمانوں کی طرف سے موجودہ لاٹ صاحب پنجاب کو ایک ایڈریس پیش کیا گیا تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ ہم سب مسلمانوں کی طرف سے درخواست کرتے ہیں کہ سلطان ترکی جو ہمارا خلیفہ ہے اس کے حقوق کی حفاظت کی جائے۔ اس درخواست کرنے والوں میں غیر مبائعین کی انجمن کے سیکرٹری صاحب بھی شامل تھے۔ پھر ان سے بھی بڑھ کر یہ کہ ووکنگ مشن کی طرف سے ایک جلسہ کی دعوت مولوی صدرالدین کی طرف سے دی گئی اور دعوتی رُقعہ میں لکھا گیا کہ یورپ ہمارے خلیفہ سلطان ترکی کے حقوق چھیننے کی تیاریاں کر رہا ہے ان کی حفاظت کیلئے جلسہ کیا جائے گا۔

بہرحال یہ لوگ خلافت کے قائل تو ہو گئے مگر کون سی خلافت کے؟ اس کے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پیروؤں میں سے تو کسی کو حاصل نہیں ہوسکتی ہاں آپ کے منکروں میں سے خلیفہ ہوسکتا ہے۔ بہت اچھا ایسا ہی سہی مگر اس پر بھی بس نہیں کی۔ خدا تعالیٰ نے انہیں اور طرح بھی پکڑا ہے۔ ابھی تازہ خبر آئی ہے کہ لندن میں مسلمانوں کا ایک بڑا جلسہ ہوا جس میں یہ تجویز پیش کی گئی کہ خلافت مسلمانوں کا مذہبی مسئلہ ہے گورنمنٹ کو اس میں دخل نہیں دینا چاہئے۔ اس جلسہ کے پریذیڈنٹ ایک انگریز ڈاکٹر لیون تھے۔ وہ کسی وجہ سے جلسہ میں نہ آسکے اور مولوی صدرالدین صاحب اس جلسہ کے پریذیڈنٹ ہوئے۔ چودھری فتح محمد صاحب کو بھی اس میں مدعو کیا گیا تھا۔ سوال و جواب کے وقت چودھری صاحب نے ڈاکٹر عبدالمجید صاحب سے جنہوں نے تقریر کی تھی پوچھا۔ کیا مسئلہ خلافت ایک مذہبی سوال ہے؟ ڈاکٹر عبدالمجید صاحب نے جواب دیا ہاں۔ مذہبی سوال ہے اور خلافت اسلام کا ایک اہم اور ضروری جزو ہے۔ چودھری صاحب نے اس پر بس نہیں کیا اور پوچھا کیا خلیفہ کی اطاعت لازم اور ضروری ہے؟ ڈاکٹر عبدالمجید صاحب نے مولوی صدرالدین صاحب سے جواب کی

اجازت لے کر کہا ہاں ضروری ہے۔ اس سوال و جواب سے دونوں باتیں حل ہوگئیں کہ مسلمانوں میں خلیفہ ہو اور ہو بھی واجب الاطاعت۔ کہتے ہیں کوئی شخص ساری رات زلیخا کا قصہ پڑھتا رہا جب صبح ہوئی تو اس نے پوچھا زلیخا عورت تھی یا مرد؟ ہم کہتے ہیں یہی بات ان لوگوں نے کی ہے۔ اِس وقت تک ہم سے اتنا جھگڑا کرتے رہے اور سمجھا ہی نہیں کہ ہم کیا کہتے رہے ہیں۔ ہم بھی تو یہی کہتے تھے کہ خلافت اسلام کا اک اہم اور ضروری جزو ہے اور خلیفہ کی اطاعت لازم ہے۔ مگر ہمارے کہنے سے تو ان لوگوں نے نہیں سمجھا اور اب انہیں مجبور کر کے خدا انہی کے مونہوں سے یہ بات کہلوا رہا ہے۔

ہماری مخالفت میں خواجہ صاحب کی سرگرمی

دوسری ایک اور بات ہے اور وہ یہ ہے کہ پچھلے کچھ دنوں سے خواجہ کمال الدین صاحب نے آکر غیر مبائعین کے مشن میں خاص حصہ لینا شروع کر دیا ہے اور مولوی محمد علی صاحب کے بازو بنے ہوئے ہیں اور انہوں نے اپنا وہی پُرانا وعظ شروع کیا ہوا ہے جو اظہارِ حق خفیہ ٹریکٹ میں کسی نے حضرت خلیفہ اوّل کو بہت سی گالیاں دے کر درج کیا تھا اور وہ یہ کہ خلیفہ کی بیعت کرنا انسان پرستی ہے۔ اُس وقت تو خواجہ صاحب کے ساتھیوں نے اعلان کر دیا تھا کہ یہ ہمارا مذہب نہیں ہے۔ مگر اب خواجہ صاحب وہی بات کہہ رہے تھے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ جتنے نبی دنیا میں آئے وہ انسان پرستی کو مٹانے کے لئے آئے۔ پھر کہتے ہیں یہ جو دنیا میں انسان پرستی پائی جاتی ہے اس میں سب سے زیادہ حصہ انبیاء اور اولیاء کی اولاد کا ہوتا ہے اس لئے میں جماعت احمدیہ کو متنبہ کرتا ہوں کہ اس میں داخل ہونے والے لوگ کیوں احمق ہو گئے ہیں کہ انہوں نے انسان پرستی شروع کر دی ہے۔ ایک خلیفہ کی بیعت کرنا جماعت احمدیہ کی حماقت ہے یا خواجہ صاحب کی؟ یہ لمبا سوال ہے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ ہماری جماعت میں سینکڑوں آدمی ایسے ہیں جو باوجود اس کے کہ ایک لفظ بھی نہیں پڑھے ہوئے تاہم خواجہ صاحب کا ناطقہ بند کر سکتے ہیں۔ پھر جو شخص خدا تعالیٰ کے کلام کا اتنا بھی حق نہیں سمجھتا کہ اسے دنیا میں شائع کیا جاوے اور آج بھی اس کی اشاعت کو

روکتا ہے وہ کیا حق رکھتا ہے کہ جماعت احمدیہ کو بے وقوف اور احمق کہے۔

غیر مبائعین کو جماعت احمدیہ سے کیا نسبت؟

میں یہ مانتا ہوں کہ ہماری جماعت کے سارے لوگ ایم اے اور بی اے نہیں۔لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور دوسرے صحابیؓ بھی ایم اے اور بی اے نہ تھے۔گو اگر اسی بات میں وہ ہماری جماعت سے اپنے ساتھیوں کا مقابلہ کرے تو اسے معلوم ہو جائے کہ خدا کے فضل سے ہم میں ان سے بہت زیادہ ایم اے اور بی اے ہیں۔پھر اگر سیانے اور عقلمند کے معنی ان کے نزدیک مال دار کے ہیں تو ان کے ساتھیوں سے بہت زیادہ مالدار ہم اپنی جماعت میں دکھا سکتے ہیں۔بڑے سے بڑا چندہ ایک دفعہ ان میں سے ایک آدمی نے ہزار روپیہ دیا تھا اور اسی پر بڑی خوشی کا اظہار کیا گیا تھا۔مگر ہمیں ایک ہی آدمی نے سترہ ہزار روپیہ چندہ یک مشت دیا۔

خواجہ صاحب اور عربی دانی

پھر عقل اور علم کا معیار علمِ عربی جاننا ہے۔مگر میں جانتا ہوں خواجہ صاحب یہ معیار کبھی قائم نہیں کریں گے کیونکہ علم عربی سے جہالت خواجہ صاحب سے زیادہ کسی اور میں کم ہی پائی جائے گی۔انہوں نے ایک پشاوری مولوی سے مدد لے کر اور حضرت صاحب کی ایک کتاب چرا کر ایک کتاب لکھ دی ہے اور سمجھ لیا ہے کہ میں بڑا عربی دان ہوں۔مگر اس کا فیصلہ نہایت آسانی کے ساتھ اس طرح ہو سکتا ہے کہ مولوی صاحب بنائے جائیں جج اور قرآن کریم کا کوئی ایک رکوع خواجہ صاحب کے سامنے پیش کر دیا جاوے اور وہ اس کا لفظی ترجمہ کر دیں اور فیصلہ مولوی محمد علی صاحب قسم کھا کر دیں اور لکھ دیں کہ خواجہ صاحب کا کیا ہوا ترجمہ صحیح ہے۔یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے صرف لفظی ترجمہ ہے۔مگر میں جانتا ہوں خواجہ صاحب اس سوال کو کبھی اُٹھنے نہیں دیں گے کیونکہ عربی دانی ان کے نزدیک جہالت ہے اور وہ علماء کو ''قل اعوذئیے'' کہا کرتے ہیں۔

غیر مبائعین ہر طرح مقابلہ کر لیں

خیر خواجہ صاحب یہ بات تو نہیں ماننے کے مگر اپنے ساتھیوں میں سے مولوی ہی پیش

کر دیں۔ان کے مقابلہ میں ہم دوگنے تگنے بلکہ کئی گنا زیادہ دکھا دیں گے۔ پھر اگر علم کا معیار قانون دان ہونا ہے تو یہی سہی۔اگر ڈاکٹر ہونا ہے تو یہی سہی۔غرض کوئی معیار وہ مقرر کر دیں اسی پر مقابلہ کر کے ان کو دکھا دیا جائے گا کہ ہمارے مقابلہ میں ان کی کیا نسبت ہے۔مگر باوجود اس کے وہ ہماری جماعت کو کہتے آئے ہیں اور اب بھی کہتے ہیں کہ یہ جاہلوں کی جماعت ہے اور ان میں اہل الرائے نہیں ہیں۔حالانکہ وہ نہیں جانتے کہ حضرت صاحب نے اپنی کتاب نورالحق میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اہل الرائے لوگوں کو میری جماعت میں داخل کر دیا ہے۔حیرت ہے کہ حضرت صاحب کے نزدیک تو جو آپ کی طرف آتا ہے وہ اہل الرائے ہے مگر خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ یہ جاہلوں اور اجڈوں کی جماعت ہے۔

خواجہ صاحب کی طرف سے انسان پرستی کا الزام

پھر وہ ہماری جماعت کو انسان پرست کہتے ہیں۔میں جانتا ہوں کہ انسان پرستی بہت بری بات ہے اور یہ شرک ہے۔مگر میں پوچھتا ہوں کہ کیا خدا تعالیٰ نے صرف انسان پرستی سے ہی منع کیا ہے اور زر پرستی، کثرت پرستی،سوسائٹی پرستی سے منع نہیں کیا؟ حیرت ہے کہ وہی خواجہ صاحب جو ہم پر انسان پرستی کا الزام لگاتے ہیں خود زر پرستی کے پیچھے دوسرے لوگوں سے چندہ حاصل کرنے کی غرض سے اور غیر لوگوں سے علیحدہ ہونے کے خوف سے جماعت احمدیہ کو چھوڑتے ہیں۔کیا یہ باتیں بُری نہیں ہیں؟ یہ تو بے شک بُری بات ہے کہ کسی شخص کو اس لئے مانا جائے کہ وہ کسی بڑے انسان کی اولاد ہے۔مگر کیا بڑے بزرگ اور خدا رسیدہ انسان کی اولاد ہونا کوئی لعنت ہے؟ اگر ان لوگوں کے نزدیک حضرت صاحبؑ کی اولاد میں سے کسی کو خلیفہ ماننا جہالت ہے تو گویا کسی برگزیدہ خدا کی اولاد ہونا ان کے نزدیک لعنت ہے۔مگر سوال یہ ہے کہ بڑے بڑے بدکار لوگ جو گزرے ہیں وہ کن کی اولاد میں سے تھے؟ فرعون، نمرود، اور شداد کس نبی کے بیٹے، پوتے یا پڑپوتے تھے۔اور ابوجہل، عتبہ، شیبہ کون سے نبی کے پوتے پڑپوتے تھے؟ کوئی ایک بھی انبیاء اور بزرگوں کا ایسا دشمن جو دنیا کے ہلاک کرنے والا اور اہل دنیا کیلئے مہلک اور مغوی ہو دکھایا نہیں جا سکتا جو کسی نبی کی قریب اولاد میں سے ہوا ہو۔خود گمراہ اور بے دین ہونا اور

بات ہے۔ حضرت نوحؑ کے لڑکے کا خدا تعالیٰ نے ذکر کیا ہے۔ اس کے متعلق اوّل تو یہی جھگڑا ہے کہ وہ ان کا بیٹا تھا کہ نہیں۔ مگر پھر بھی دوسروں کے لئے مہلک اور مغوی نہیں تھا خود گمراہ تھا۔ تو ہم کہتے ہیں کہ کسی کو اس لئے ماننا کہ وہ بڑے آدمی کی اولاد ہے کم عقلی ہے۔ مگر جس کو خدا تعالیٰ بزرگی دے دے اس کو اس لئے نہ ماننا کہ وہ کسی بڑے انسان کی اولاد ہے یہ بھی کم عقلی ہے۔ بہرحال دونوں طرح بات برابر ہے اب ان کی جو مرضی ہو کہیں مگر ان کا فلسفہ درست نہیں ہے اور اس کا نتیجہ وہ دیکھ رہے ہیں اور آئندہ دیکھیں گے۔ ان کے گھروں میں اولاد موجود ہے مگر خدا تعالیٰ نے ان کی اولادوں کو اِس وقت تک دین کے حاصل کرنے کی توفیق نہیں دی اور اس کی وجہ صاف ہے کہ چونکہ انہوں نے ہم سے اس لئے دشمنی کی ہے کہ ہم اس بڑے انسان کی اولاد ہیں جس کو خدا تعالیٰ نے بڑا بنایا اس کے بدلہ میں خدا تعالیٰ نے ان کے گھروں میں یہ بات پیدا کر دی''۔

(انوار العلوم جلد ۴ صفحہ ۴۸۷ تا ۴۹۳)

ا مسلم کتاب الایمان باب تحریم قتل الکافر بعد ان قال لا الٰہ الا اللّٰہ صفحہ ۵۶ حدیث نمبر ۲۷۷ مطبوعہ ریاض الطبعۃ الثانیۃ میں الفاظ اِس طرح ہیں ''اَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِہٖ''۔

واقعات خلافت علوی

مؤرخہ ۲۶ رفروری ۱۹۱۹ء کو مارٹن ہسٹاریکل سوسائٹی اسلامیہ کالج لاہور میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ''اسلام میں اختلافات کا آغاز'' پر ایک معرکۃ الآراء لیکچر دیا جس میں حضور نے صحابہ کرامؓ پر ہونے والے متعدد اعتراضات کو حل کرتے ہوئے حضرت عثمانؓ کی افسوسناک شہادت کی وجوہ بیان فرمائیں۔ اس خطاب میں آپ حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت کے واقعات بھی بیان کرنا چاہتے تھے مگر وقت کی تنگی کی وجہ سے ایسا ممکن نہ ہوسکا۔ چنانچہ حضور نے ۱۷ رفروری ۱۹۲۰ء کو واقعات خلافت علوی پر اسلامیہ کالج لاہور کی مارٹن ہسٹاریکل سوسائٹی کے زیر اہتمام اس انتہائی اہم اور ضروری موضوع پر لیکچر دیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح کی تقریر

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے کلمات تشہد اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کرکے جو عظیم الشان اور نہایت مؤثر لیکچر دیا اس کا کسی قدر خلاصہ درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

حضور نے گزشتہ سال کے لیکچر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اُس وقت تنگی وقت کی وجہ سے حضرت علیؓ کے زمانہ کے واقعات کو نہایت مختصر طور پر بیان کرنا پڑا تھا۔ آج میں ان کو کسی قدر تفصیل سے بیان کروں گا۔ اس کے بعد حضور نے مسلمانوں کے اختلاف کی وجوہات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک وجہ تو یہ تھی کہ مسلمانوں کو روحانی اور جسمانی فتوحات جلد جلد اور اس کثرت سے حاصل ہوئیں کہ وہ دونوں پہلوؤں سے ان کا پورا پورا انتظام نہ کرسکے۔ صحابہؓ کی تعداد يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا [1] کے مقابلہ میں بہت کم تھی اس وجہ سے مسلمانوں کے ایک حصہ میں کمزوری رہ گئی۔ دوسرے یہ کہ پہلے تو اسلام کے دشمنوں کا خیال تھا کہ مسلمان جلدی مٹ جائیں گے لیکن جب انہوں نے مسلمانوں کی ظاہری فتوحات

کو دیکھا اور ان کی قوت اور شوکت کا ظاہری طور پر مقابلہ کرنے کے اپنے آپ کو ناقابل پایا تو انہوں نے مسلمانوں کے اندر داخل ہو کر دغا اور فریب سے ان کو مٹانے کی کوشش شروع کر دی۔ ایسے ہی لوگوں نے اسلام میں فتنہ کی بنیاد رکھی اور ان لوگوں کو اوّل اوّل اپنے ساتھ ملایا جن کی تربیت پورے طور پر اسلام میں نہ ہوئی تھی۔

اس کے بعد حضور نے فرمایا:۔

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جو فتنہ اُٹھا اس میں اور حضرت علیؓ کے زمانہ کے فتنہ میں ایک بہت بڑا فرق ہے اور وہ یہ کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف جو لوگ کھڑے ہوئے وہ اسلام میں کوئی درجہ نہ رکھتے تھے بلکہ فاسق و فاجر تھے لیکن ان کے بعد جو جھگڑا ہوا اس میں دونوں طرف بڑے بڑے جلیل القدر انسان نظر آتے ہیں۔ یہ بہت بھیانک نظارہ ہے۔ اس کیلئے تمہید کے طور پر یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ ضروری نہیں کہ اختلاف خواہ کسی دینی امر میں ہو یا دُنیوی میں ہمیشہ اس کی وجہ سے کوئی اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ ایک اختلاف کو تو خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رحمت قرار دیا ہے۔ مگر ایک اختلاف رحمت تو نہیں ہوتا لیکن اس کے کرنے والے کو فاسق اور فاجر بھی نہیں کہا جا سکتا اور وہ ایسا اختلاف ہے کہ اختلاف کرنے والے کے پاس اس کی تائید میں کافی وجوہ ہوں اور وہ نیک نیتی سے ان کو پیش کرتا ہو۔ ہاں ایسے مسئلہ میں اختلاف نہ ہو جس کے نہ ماننے سے انسان اسلام سے خارج ہو جاتا ہو۔ ایسے شخص کو خاطی کہا جائے گا نہ کہ اسلام سے خارج قرار دیا جائے گا۔

اس تمہید کے بعد حضور نے حضرت علیؓ کے زمانہ کے فتنہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

جب حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا تو مفسدوں نے بیت المال کو لوٹا اور اعلان کر دیا کہ جو مقابلہ کرے گا قتل کر دیا جائیگا۔ لوگوں کو جمع نہیں ہونے دیا جاتا تھا اور مدینہ کا انہوں نے سخت محاصرہ کر رکھا تھا اور کسی کو باہر نہیں نکلنے دیا جاتا تھا حتیٰ کہ حضرت علیؓ جن کی محبت کا وہ لوگ دعویٰ کرتے تھے ان کو بھی روک دیا گیا اور مدینہ میں خوب لوٹ مچائی۔ اِدھر تو یہ حالت تھی اور اُدھر انہوں نے اپنے قساوتِ قلبی کا یہاں تک ثبوت دیا کہ حضرت عثمانؓ جیسے مقدس انسان کو جن کی رسول کریم ﷺ نے بڑی تعریف کی ہے قتل کرنے کے بعد بھی نہ چھوڑا اور

لاش کو تین چار دن تک دفن نہ کرنے دیا۔ آخر چند صحابہؓ نے مل کر رات کو پوشیدہ طور پر دفن کیا۔ حضرت عثمانؓ کے ساتھ ہی کچھ غلام بھی شہید ہوئے تھے ان کی لاشوں کو دفن کرنے سے روک دیا اور کتوں کے آگے ڈال دیا۔ حضرت عثمانؓ اور غلاموں کے ساتھ یہ سلوک کرنے کے بعد مفسدوں نے مدینہ کے لوگوں کو جن کے ساتھ ان کی کوئی مخالفت نہ تھی چھٹی دے دی اور صحابہؓ نے وہاں سے بھاگنا شروع کر دیا۔ پانچ دن اسی طرح گزرے کہ مدینہ کا کوئی حاکم نہ تھا۔ مفسد اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ کسی کو خود خلیفہ بنائیں اور جس طرح چاہیں اس سے کرائیں۔ لیکن صحابہؓ میں سے کسی نے یہ برداشت نہ کیا کہ وہ لوگ جنہوں نے حضرت عثمانؓ کو قتل کیا ہے ان کا خلیفہ بنے۔ مفسد حضرت علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ کے پاس باری باری گئے اور انہیں خلیفہ بننے کیلئے کہا مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ جب انہوں نے انکار کر دیا اور مسلمان ان کی موجودگی میں اور کسی کو خلیفہ نہیں مان سکتے تھے تو مفسدوں نے اس کے متعلق بھی جبر سے کام لینا شروع کر دیا کیونکہ انہوں نے خیال کیا کہ اگر کوئی خلیفہ نہ بنا تو تمام عالمِ اسلامی میں ہمارے خلاف ایک طوفان برپا ہو جائے گا۔ انہوں نے اعلان کر دیا کہ اگر دو دن کے اندر اندر کوئی خلیفہ بنا لیا جاوے تو بہتر ورنہ ہم علیؓ طلحہؓ اور زبیرؓ اور سب بڑے بڑے لوگوں کو قتل کر دیں گے۔ اس پر مدینہ والوں کو خطرہ پیدا ہوا کہ وہ لوگ جنہوں نے حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا وہ ہم سے اور ہمارے بچوں اور عورتوں سے کیا کچھ نہ کریں گے۔ وہ حضرت علیؓ کے پاس گئے اور انہیں خلیفہ بننے کیلئے کہا مگر انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ اگر میں خلیفہ ہو، تو تمام لوگ یہی کہیں گے کہ میں نے عثمانؓ کو قتل کرایا ہے اور یہ بوجھ مجھ سے نہیں اُٹھ سکتا۔ یہی بات حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے بھی کہی۔ اَور صحابہؓ نے بھی جن کو خلیفہ بننے کیلئے کہا گیا انکار کر دیا۔ آخر سب لوگ پھر حضرت علیؓ کے پاس گئے اور کہا جس طرح بھی ہو آپ یہ بوجھ اٹھائیں۔ آخر کار انہوں نے کہا میں اس شرط پر یہ بوجھ اُٹھاتا ہوں کہ سب لوگ مسجد میں جمع ہوں اور مجھے قبول کریں۔ چنانچہ لوگ جمع ہوئے اور انہوں نے قبول کیا مگر بعض نے اِس بناء پر انکار کر دیا کہ جب تک حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو سزا نہ دی جائے اُس وقت تک ہم کسی کو خلیفہ نہیں مانیں گے اور بعض نے کہا کہ جب تک باہر کے لوگوں کی رائے نہ معلوم

ہو جائے کوئی خلیفہ نہیں ہونا چاہئے۔مگر ایسے لوگوں کی تعداد بہت قلیل تھی۔اس طرح حضرت علیؓ نے خلیفہ بننا منظور کر لیا مگر وہی نتیجہ ہوا جس کا انہیں خطرہ تھا۔تمام عالم اسلامی نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کو قتل کرایا ہے۔حضرت علیؓ کی اگر اور تمام خوبیوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو میرے نزدیک ایسی خطرناک حالت میں ان کا خلافت کو منظور کر لینا ایسی جرأت اور دلیری کی بات تھی جو نہایت ہی قابل تعریف تھی کہ انہوں نے اپنی عزت اور اپنی ذات کی اسلام کے مقابلہ میں کوئی پرواہ نہ کی اور اتنا بڑا بوجھ اُٹھا لیا۔

حضرت علیؓ جب خلیفہ ہو گئے اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے اس شرط پر بیعت کی کہ قرآن کے احکام کی اتباع کی جائے گی اور شریعت کے احکام کو مدّنظر رکھا جائے گا۔جس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو سزا دی جائے۔مگر اُس وقت حالت یہ تھی کہ باوجود اس کے کہ حضرت علیؓ خلیفہ تھے مدینہ باغیوں کی چھاؤنی بنا ہوا تھا۔ چند دن کے بعد حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ حضرت علیؓ کے پاس گئے اور جا کر کہا کہ باغیوں سے بدلا لیجئے۔انہوں نے پوچھا مدینہ کا حاکم میں ہوں یا باغی؟ انہوں نے کہا کہ ابھی تو باغی ہی ہیں۔حضرت علیؓ نے کہا پھر میں ان سے کس طرح بدلا لے سکتا ہوں۔ جب تک عام جوش ٹھنڈا نہ ہو، باہر سے مدد نہ آئے، انتظام نہ ہو اُس وقت تک کیا ہو سکتا ہے اس بات کو انہوں نے مان لیا۔

اُس وقت مدینہ میں تین قسم کے مفسد لوگ تھے ایک باغی، دوسرے بدوی جو لوٹ مار کے لئے آ گئے تھے تیسرے غلام جو سب کے سب بے دین تھے۔حضرت علیؓ نے تجویز کی کہ آہستہ آہستہ ان کو مدینہ سے نکالیں۔ چنانچہ انہوں نے مسجد میں اعلان کیا کہ ہر ایک غلام اپنے آقا کے ہاں چلا جائے ورنہ میں اس کی طرف سے خدا کے سامنے بری ہوں۔ باغی جو بہت چالاک اور ہوشیار تھے انہوں نے خیال کیا کہ اس طرح ہم کو کمزور کرنے کی تجویز کی گئی ہے۔اس پر انہوں نے کہہ دیا کہ کوئی باہر نہیں جائے گا اور کوئی اِس حکم کو نہ مانے۔پھر حضرت علیؓ نے بدوؤں کے متعلق اعلان کیا کہ گھروں کو چلے جائیں اِس پر بھی انکار کر دیا گیا۔ اِدھر تو یہ حالت تھی اور اُدھر بعض صحابہؓ اِس بات پر زور دے رہے تھے کہ قاتلوں کو سزا دی جائے اور ہمیں قرآن کے حکم پر عمل کرنا چاہیے خواہ ہماری جان بھی چلی جائے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ قرآن کا حکم قاتل کو قتل کرنا ہے لیکن یہ نہیں ہے کہ فوراً قتل کر دیا جائے۔ اس لئے فی الحال اِس بات کو نہیں اُٹھانا چاہیے۔ اس طرح فتنہ اور زیادہ بڑھ جائے گا۔ اس پر ان کے متعلق کہا گیا کہ باغیوں کی طرف داری کرتے ہیں اور صحابہؓ مدینہ چھوڑ کر باہر جانے لگے۔ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ مدینہ چھوڑ کر مکہ پہنچے۔ حضرت عائشہؓ پہلے سے وہاں گئی ہوئی تھیں۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ قاتلوں کو سزا نہیں دیتے تو انہوں نے ارادہ کرلیا کہ ابھی ان کو سزا دینی چاہیے۔

میرے خیال میں حضرت علیؓ کی رائے موقع اور محل کے لحاظ سے احتیاط اور بچاؤ کا پہلو لئے ہوئے ہونے کی وجہ سے اعلیٰ تھی۔ مگر شریعت کی پیروی کے لحاظ سے حضرت عائشہؓ اور دوسرے صحابیوں کی اعلیٰ تھی۔

حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ نے مکہ پہنچ کر حضرت عثمانؓ کا انتقام لینے کے لیے لوگوں کو جوش دلایا اور حضرت عائشہؓ اور ان کی یہی رائے ہوئی کہ خواہ کچھ ہو ابھی قاتلوں کو سزا دینی چاہیے۔ اس پر اعلان کر دیا گیا کہ ہم قاتلوں کو قتل کرنے کے لیے جاتے ہیں۔ اَور لوگ بھی ان کے ساتھ ہوگئے اور کوئی سات آٹھ سَو کے قریب تعداد ہوگئی اور اُنہوں نے قاتلوں کے ساتھ لڑنا دین کی بہت اعلیٰ خدمت سمجھی۔ اُس وقت سوال پیدا ہوا کہ ہماری تعداد تھوڑی ہے اگر ہم جائیں گے تو کوئی نتیجہ نہ ہوگا وہ غالب آ جائیں گے اس لیے چاہیے کہ بصرہ چلیں جو فوج کی چھاؤنی تھی۔ یہ گروہ جب بصرہ کی طرف چلا اور حضرت علیؓ کو خبر ہوئی تو وہ بھی بصرہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ جب بصرہ کے پاس پہنچے اور ایک صحابی قعقاع کو حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجا کہ جا کر دریافت کرو کس غرض کے لیے آئے ہیں۔ اُنہوں نے کہا اصلاح کے لیے۔ کہا گیا پھر لڑائی کیوں کریں خود مل کر فیصلہ کر لیتے ہیں۔ اس پر طرفین راضی ہوگئے اور حضرت علیؓ نے اعلان کر دیا کہ حضرت عثمانؓ کے قتل میں جو لوگ شریک تھے وہ میرے لشکر میں نہ رہیں۔ اس پر امید ہوگئی کہ صلح ہو جائے گی مگر مفسد کہاں یہ پسند کر سکتے تھے کہ صلح ہو۔ انہیں ڈر تھا کہ اگر صلح ہوگئی تو ہم مارے جائیں گے۔ انہوں نے رات کو آپس میں مشورہ کیا اور آخر یہ تجویز قرار پائی کہ رات کو شب خون ماریں اور خود ہی چھاپہ ڈالیں۔ انہوں نے ایسا

ہی کیا۔ طرفین کے لوگ بڑے اطمینان سے رات کو سوئے ہوئے تھے کہ صبح صلح ہو جائے گی لیکن رات کو جب شور و شر سے اُٹھے تو دیکھا کہ تلوار چل رہی ہے۔ اِدھر مفسدوں نے یہ چالا کی کی کہ اگر ہماری اس سازش کا پتہ لگ گیا تو ہم قتل کئے جائیں گے اس کے لیے اُنہوں نے یہ کیا کہ ایک آدمی حضرت علیؓ کے پاس کھڑا کر دیا اور اُسے کہہ دیا جس وقت تم شور کی آواز سنو اُسی وقت انہیں کہہ دو کہ ہم پر حملہ کیا گیا۔ اُدھر انہوں نے حملہ کیا اور اِدھر اس نے حضرت علیؓ کو یہ اطلاع دی اور ان کی طرف سے کچھ آدمی ان پر جا پڑے۔ دونوں طرفوں کو اس بات کا ایک دوسرے پر افسوس تھا کہ جب صلح کی تجویز کی گئی تھی تو پھر دھوکا سے کیوں حملہ کیا گیا۔ حالانکہ یہ دراصل مفسدوں کی شرارت تھی۔ ایسی صورت میں بھی حضرت علیؓ نے احتیاط سے کام لیا اور اعلان کر دیا کہ ہمارا کوئی آدمی مت لڑے خواہ وہ ہمارے ساتھ لڑتے رہیں۔ مگر مفسدوں نے نہ مانا۔ اُدھر بصرہ والوں کو بھی غصہ آ گیا اور وہ بھی لڑنے لگ گئے۔ یہ ایک عجیب لڑائی تھی کہ فریقین نہ چاہتے تھے کہ لڑیں لیکن لڑ رہے تھے۔ اُس وقت حضرت علیؓ نے لڑائی کو روکنے کے لیے ایک اور تجویز کی کہ ایک آدمی کو قرآن دے کر بھیجا کہ اس کے ساتھ فیصلہ کرلو۔ اس پر بصرہ والوں نے خیال کیا کہ رات تو خفیہ حملہ کر دیا گیا ہے اور اب کہا جاتا ہے قرآن سے فیصلہ کرلو یہ نہیں ہوسکتا۔ حضرت علیؓ نے تو نیک نیتی سے ایسا کیا تھا لیکن حالات ہی ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ اس بات کو سمجھا نہیں جا سکتا تھا۔ اُس وقت اُس آدمی کو جو قرآن لے کر گیا تھا قتل کر دیا گیا۔ اِس پر حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں کو اور بھی غصہ آیا کہ قرآن کی طرف بُلایا جاتا ہے اس کی طرف بھی نہیں آتے اب کیا کیا جاوے۔ یہی صورت ہے کہ حملہ ہو۔ اِدھر سے بھی حملہ ہوا اور لڑائی بہت زور سے شروع ہوگئی۔ آخر جب اس کے ختم ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو ایک صحابی جن کا نام کعب تھا حضرت عائشہؓ کے پاس گئے اور جا کر کہا کہ مسلمان ایک دوسرے کو مار رہے ہیں اِس وقت آپ کے ذریعہ ان کی جان بچ سکتی ہے آپ میدان میں چلیں۔ حضرت عائشہؓ اونٹ پر سوار ہو کر گئیں اور انہوں نے کعب کو قرآن دے کر کھڑا کیا کہ اس سے فیصلہ کرلو۔ حضرت علیؓ نے جب ان کا اونٹ دیکھا تو فوراً حکم دیا کہ لڑائی بند کر دو۔ مگر مفسدوں نے بے تحاشا تیر مارنے شروع کر دیئے

اورکعب چھدکرگر پڑے اور جب حضرت عائشہؓ پر تیر پڑنے لگے تو صحابہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس پر حملہ ہوتا دیکھ کر کٹنا اور مرنا شروع کر دیا اور مسلمانوں میں کوئی لڑائی ایسی خونریز نہیں ہوئی جیسی یہ ہوئی۔ حضرت عائشہؓ کے سامنے ایک ایک کر کے آتے اور مارے جاتے۔ اُس وقت بڑے بڑے جرنیل اور بہادر مارے گئے۔ آخر جب دیکھا گیا کہ لڑائی بند ہونے کی کوئی صورت نہیں اور قریب ہے کہ تمام مسلمان کٹ کر مر جائیں یہ کیا گیا کہ حضرت عائشہؓ کے اونٹ کے پاؤں کاٹ دیئے گئے اور جوں ہی اونٹ گرا بصرہ والے بھاگ گئے اور حضرت علیؓ کا لشکر غالب آ گیا۔ یہ جنگِ جمل کا حال ہے۔ اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ دراصل انہی لوگوں نے لڑائی کرائی جو شریر اور مفسد تھے اور اسلام میں فتنہ ڈالنا اُن کی غرض تھی۔

لڑائی کے بعد حضرت عائشہؓ مدینہ کی طرف جانا چاہتی تھی۔ انہیں اِدھر روانہ کر دیا گیا اور حضرت علیؓ اور دوسرے صحابی الوداع کرنے کے لیے ساتھ آئے۔ روانہ ہوتے وقت حضرت عائشہؓ نے کہا کہ ہم میں کوئی عداوت نہیں اتنا ہی اختلاف تھا جتنا رشتہ داروں کا آپس میں ہو جایا کرتا ہے۔ یہی بات حضرت علیؓ نے کہی[۲]۔ اس طرح ان کی بالکل صلح وصفائی ہوگئی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے جنگ جمل کو بیان کرنے کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی لڑائی کے حالات بیان کئے اور مفسدوں کی شرارتوں اور فتنہ پردازیوں کا ذکر کرتے ہوئے ثابت کیا کہ تمام اختلاف اور انشقاق کے بانی یہی لوگ تھے جن کی وجہ سے ایسے حالات پیدا ہوگئے تھے کہ واقعات کا صحیح طور پر سمجھنا سخت مشکل ہوگیا تھا۔ آخر انہی لوگوں نے حضرت علیؓ کے قتل کی سازش کی اور قتل کرا دیا۔ ان کے بعد حضرت حسنؓ کو خلیفہ منتخب کیا گیا لیکن انہوں نے معاویہؓ کے حق میں دست بردار ہوکر صلح کر لی۔''

(انوارالعلوم جلد۴ صفحہ ۶۳۴ تا ۶۴۰)

---

[۱] النصر: ۳

[۲] الکامل فی التاریخ لابن الاثیر جلد۳ صفحہ ۲۵۸ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء

خلیفہ یا امیر کی اطاعت کیوں ضروری ہے

۲۶ فروری ۱۹۲۰ء کو جماعت احمدیہ لاہور سے خطاب کرتے ہوئے حضور نے فرمایا:۔

''یہ جو امارت اور خلافت کی اطاعت کرنے پر اِس قدر زور دیا گیا ہے اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ امیر یا خلیفہ کا ہر ایک معاملہ میں فیصلہ صحیح ہوتا ہے۔ کئی دفعہ کسی معاملہ میں وہ غلطی کر جاتے ہیں مگر باوجود اس کے ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کا اسی لئے حکم دیا گیا ہے کہ اس کے بغیر انتظام قائم نہیں رہ سکتا۔ تو جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں بھی غلطی کر سکتا ہوں تو پھر خلیفہ یا امیر کی کیا طاقت ہے کہ کہے میں کبھی کسی امر میں غلطی نہیں کر سکتا۔ خلیفہ بھی غلطی کر سکتا ہے لیکن باوجود اِس کے اُس کی اطاعت کرنی لازمی ہے ورنہ سخت فتنہ پیدا ہو سکتا ہے۔ مثلاً ایک جگہ وفد بھیجنا ہے خلیفہ کہتا ہے کہ بھیجنا ضروری ہے لیکن ایک شخص کے نزدیک ضروری نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ فی الواقع ضروری نہ ہو لیکن اگر اُس کو اجازت ہو کہ وہ خلیفہ کی رائے نہ مانے تو اِس طرح انتظام ٹوٹ جائے گا جس کا نتیجہ بہت بڑا فتنہ ہوگا۔ تو انتظام کے قیام اور درستی کے لئے بھی ضروری ہے کہ اپنی رائے پر زور نہ دیا جائے۔ جہاں کی جماعت کا کوئی امیر مقرر ہو وہ اگر دوسروں کی رائے کو مفید نہیں سمجھتا تو انہیں چاہئے کہ اپنی رائے کو چھوڑ دیں۔ اسی طرح جہاں انجمن ہو وہاں کے لوگوں کو سیکرٹری کی رائے کے مقابلہ میں اپنی رائے پر ہی اصرار نہیں کرنا چاہئے۔ جہاں تک ہو سکے سیکرٹری یا امیر کو اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کرنی چاہئے اور اسے سمجھانا چاہئے لیکن اگر وہ اپنی رائے پر قائم رہے تو دوسروں کو اپنی رائے چھوڑ دینی چاہئے۔ کیونکہ رائے کا چھوڑ دینا فتنہ پیدا کرنے کے مقابلہ میں بہت ضروری ہے''۔

(انوار العلوم جلد ۵ صفحہ ۸۹)

خلیفہ کے ساتھ تعلق

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۲۸، ۲۹ دسمبر ۱۹۲۰ء کے جلسہ سالانہ پر ایک معرکۃ الآرا تقریر فرمائی جو ملائکہ اللہ کے موضوع پر تھی۔ ملائکہ پر ایمان لانا، دیگر مذاہب میں ملائکہ کا تصور، ملائکہ کے کام بڑی تفصیل سے بیان فرمائے اور پھر ملائکہ سے تعلق کس طرح جوڑا جا سکتا ہے اس کے ۸ ذرائع بیان فرمائے۔ خلیفہ کے ساتھ تعلق کے ضمن میں آپ فرماتے ہیں:۔

''یہ ٹھیک ہے کہ خلفاء اور مجددین بھی اچھی باتیں بتاتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ، نبیوں، ملائکہ اور کتب کی باتوں اور ان کی باتوں میں ایک فرق ہے اور وہ یہ کہ ایمانیات میں وہ داخل ہیں جن کی کسی چھوٹی سے چھوٹی بات سے اختلاف کرنے والا بھی کافر ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی یہی کہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کرتے وقت پاؤں دھونے کا جو حکم دیا ہے وہ ٹھیک نہیں ہے تو وہ کافر ہو جائے گا مگر خلیفہ سے تفصیلات میں اختلاف ہوسکتا ہے۔ مثلاً خلیفہ ایک آیت کے جو معنی سمجھتا ہے وہ دوسرے شخص کی سمجھ میں نہ آئیں اور وہ اُن کو نہ مانے تو اُس کیلئے جائز ہے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو کہے کہ فلاں آیت کے آپ نے جو معنی کئے ہیں میں ان کو نہیں مانتا تو کافر ہو جائے گا کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ میں سے ایک شوشہ بھی ردّ کرنا کسی کیلئے جائز نہیں ہے۔ گو خلفاء کے احکام ماننا ضروری ہوتے ہیں لیکن ان کی آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ خلیفہ کسی امر کے متعلق جو رائے دے اس سے کسی کو اتفاق نہ ہو۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے ان لوگوں کے متعلق جنہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا یہ کہا تھا کہ ان کو غلام بنالینا جائز ہے کیونکہ وہ مرتد اور کافر ہیں۔ مگر اس کے متعلق حضرت عمرؓ آخیر تک کہتے رہے کہ مجھے اِس سے اتفاق نہیں۔ لیکن اگر رسول کریم ﷺ یہ فرماتے تو اس سے اختلاف کرنا ان کیلئے جائز نہ تھا۔ انبیاء سے چونکہ اصول کا تعلق ہوتا ہے اس

لئے ان سے اختلاف کرنا ہرگز جائز نہیں ہوتا۔ ہاں تفصیلات میں خلفاء سے اختلاف ہوسکتا ہے۔ چنانچہ اب بھی کسی علمی مسئلہ میں اختلاف ہو جاتا ہے اور پہلے بھی ہم دیکھتے ہیں کہ بعض دفعہ خلفاء کو دوسروں کی بات ماننی پڑی ہے اور بعض دفعہ خلفاء کی بات دوسروں کو ماننی پڑی ہے چنانچہ حضرت عمرؓ اور صحابہؓ میں یہ مسئلہ اختلافی رہا کہ جنبی خروجِ ماء سے ہوتا ہے یا محض صحبت سے۔ غرض خلفاء سے اس قسم کی باتوں میں اختلاف ہوسکتا ہے لیکن انبیاء سے نہیں کیا جاسکتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اگر کوئی التحیات میں اُنگلی اُٹھانے کے متعلق اختلاف کرے گا تو بھی کافر ہو جائے گا لیکن مجدّدین اور خلفاء ایسے نہیں ہوتے کہ مسائل میں بھی اگر ان سے اختلاف ہو جائے تو انسان کافر ہو جائے مگر انبیاء کی چھوٹی سے چھوٹی بات سے اختلاف کرنے والا بھی کافر ہو جاتا ہے ان کی کوئی بات سمجھ میں آئے یا نہ آئے یہی کہنا فرض ہے کہ جو نبی کہتا ہے وہی سچ ہے''۔ (انوار العلوم جلد ۵ صفحہ ۵۲۲، ۵۲۳)

پھر ملائکہ سے فیض حاصل کرنے کے ذرائع بیان کرتے ہوئے آٹھواں طریق آپ یہ بیان فرماتے ہیں:۔

''آٹھواں طریق ملائکہ سے فیض حاصل کرنے کا یہ ہے کہ خلیفہ کے ساتھ تعلق ہو۔ یہ بھی قرآن سے ثابت ہے۔ جیسا کہ آتا ہے **وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ**[1] کہ ایک زمانہ میں ایک نبی سے لوگوں نے کہا کہ ہمارے لئے اپنا ایسا جانشین مقرر کر دیجئے جس سے ہم دنیاوی معاملات میں مدد حاصل کریں۔ لیکن جب ان کے لئے ایک شخص کو جانشین مقرر کیا گیا تو انہوں نے کہہ دیا اس میں وہ کون سی بات ہے جو ہمارے اندر نہیں ہے۔ جیسا کہ اب پیغامی کہتے ہیں۔ نبی نے کہا آؤ بتائیں اس میں کون سی بات ہے جو تم میں نہیں اور وہ یہ ہے کہ جو لوگ اس سے تعلق رکھیں گے ان کو فرشتے تسکین دیں گے۔ اس سے ظاہر ہے کہ خلافت کے ساتھ وابستگی بھی ملائکہ سے تعلق پیدا کراتی ہے کیونکہ بتایا گیا ہے کہ ان کے دل فرشتے اُٹھائے ہوئے ہوں گے۔ تابوت کے معنی دل اور سینہ کے ہیں۔ فرمایا خلافت سے تعلق رکھنے والوں کی یہ علامت ہوگی کہ اُن کو تسلی حاصل

ہوگی اور پہلے صلحاء اور انبیاء کے علم ان پر ملائکہ نازل کریں گے۔ پس ملائکہ کا نزول خلافت سے وابستگی پر بھی ہوتا ہے''۔ (انوار العلوم جلد ۵ صفحہ ۵۶۱)

---

۱ البقرۃ: ۲۴۹

خلافت وحدتِ قومی کی جان ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے درسِ قرآن میں جس کا دَور۱۹۱۴ء میں شروع ہوا یکم مارچ ۱۹۲۱ء کو جب آیت استخلاف آئی تو حضور نے نہایت تفصیل کے ساتھ مسئلہ خلافت پر روشنی ڈالی اور اُس فتنہ کے واقعات بیان کر کے جو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی وفات پر پیدا ہوا یہ ثابت کیا کہ خلیفہ خدا ہی بناتا ہے کسی انسانی منصوبہ کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس تقریر کا ایک حصہ جس میں مسئلہ خلافت کی اہمیت بیان کی گئی ہے درج ذیل ہے۔

"وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ [1] یہ آیت اس زمانہ میں بہت ہی زیر بحث ہے۔ اس میں خلافت کا مضمون بیان کیا گیا ہے۔ میں خلافت کے مسئلہ کے متعلق کم بولتا ہوں کیونکہ طبعاً میری طبیعت میں یہ بات داخل ہے کہ جس مسئلہ کا اثر میری ذات پر پڑتا ہو اُسے میں بہت کم بیان کیا کرتا ہوں۔ ہاں جب کوئی اعتراض کرے تو جواب دینے کے لئے بولنا پڑتا ہے۔ حضرت خلیفہ اوّل خلافت کے مسئلہ کے متعلق بہت زور دیا کرتے تھے کیونکہ اُنہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ علم دیا گیا تھا کہ اس کے متعلق فتنہ ہوگا۔ اس وجہ سے لیکچروں، درسوں اور دعاؤں میں بہت زور دیا کرتے تھے۔

میرے نزدیک یہ مسئلہ اسلام کے ایک حصہ کی جان ہے۔ مختلف حصوں میں مذاہب کا عملی کام منقسم ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ جس حصۂ مذہب سے تعلق رکھتا ہے وہ وحدتِ قومی ہے۔ کوئی جماعت، کوئی قوم اُس وقت تک ترقی نہیں کرسکتی جب تک ایک رنگ کی اس میں وحدت نہ

پائی جائے۔مسلمانوں نے قومی لحاظ سے تنزّل ہی اُس وقت کیا ہے جب ان میں خلافت نہ رہی۔ جب خلافت نہ رہی تو وحدت نہ رہی اور جب وحدت نہ رہی تو ترقی رُک گئی اور تنزّل شروع ہوگیا۔کیونکہ خلافت کے بغیر وحدت نہیں ہوسکتی اور وحدت کے بغیر ترقی نہیں ہوسکتی۔ترقی وحدت کے ذریعہ ہی ہوسکتی ہے۔ جب ایک ایسی رسّی ہوتی ہے جو کسی قوم کو باندھے ہوئے ہوتی ہے تو اُس قوم کے کمزور بھی طاقتوروں کے ساتھ آگے بڑھتے جاتے ہیں۔ دیکھو! اگر شاہ سوار کے پیچھے ایک چھوٹا لڑکا بٹھا کر باندھ دیا جائے تو لڑکا بھی اُسی جگہ پہنچ جائے گا جہاں شاہ سوار کو پہنچنا ہوگا یہی حال قوم کا ہوتا ہے۔اگر وہ ایک رسّی میں بندھی ہو تو اس کے کمزور افراد بھی ساتھ دوڑے جاتے ہیں۔لیکن جب رسّی کھل جائے تو گو کچھ دیر تک طاقتور دوڑتے رہتے ہیں لیکن کمزور پیچھے رہ جاتے ہیں اور آخر کار نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کئی طاقتور بھی پیچھے رہنے لگ جاتے ہیں۔ کیونکہ کئی ایسے ہوتے ہیں جو کہتے ہیں فلاں جو پیچھے رہ گئے ہیں ہم بھی رہ جائیں۔ پھر ان لوگوں میں جو آگے بڑھنے کی طاقت رکھتے اور آگے بڑھتے ہیں چلنے کی قابلیت نہیں رہتی۔مگر قومی اتحاد ایسا ہوتا ہے کہ ساری قوم کی قوم چٹان کی طرح مضبوط ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے کمزور بھی آگے بڑھتے جاتے ہیں۔

جیسا کہ میں نے بتایا تھا سورۃ نور میں اسلام کی اور انسان کی روحانی ترقیات کے ذرائع کا ذکر ہے۔ان ذرائع میں سے بعض کا تو پہلے ذکر آچکا ہے اور ایک ذریعہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے **وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ** وعدہ فرمایا ہے اللہ نے اُن لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور عمل صالح کئے (اور یہ وعدہ معمولی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ اپنی ذات کی قسم کھا کر فرماتا ہے) کہ ان کو ضرور ضرور خلیفہ بنائے گا اس زمین میں جیسا کہ اس نے خلیفہ بنایا تم سے پہلوں کو۔

اس میں یہ بتایا ہے کہ خدا نے مومنوں سے یہ وعدہ کیا ہے۔ آگے اس وعدہ کی خصوصیات بیان فرماتا ہے۔ **وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ** ۔وہ ضرور قائم کردے گا، ثابت کردے گا ان کے لئے ان کے دین کو جو ان کے لئے پسند کیا گیا۔ یہ ایک سلوک

ہے۔ دوسرا سلوک ان سے یہ کرے گا کہ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا اور خوف کے بعد امن سے ان کی حالت بدل دے گا۔اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ فرماتا ہے کہ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا ۔ وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔

آگے فرماتا ہے یہ تمہارے لئے اتنا بڑا انعام ہے کہ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ جو اِس کی قدر نہ کرے گا وہ ہمارے دفتر سے کاٹ دیا جائے گا۔ یہ اِس قدر سخت وعید ہے کہ پچھلے کسی وعدہ کی ناقدری کے متعلق ایسی وعید نہیں رکھی گئی۔

اِس زمانہ میں بدقسمتی سے بعض لوگوں نے خلافت سے اختلاف کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ خلافت کا سلسلہ حکومت سے تعلق رکھتا ہے۔ حالانکہ یہاں اللہ تعالیٰ نے جتنا زور دیا ہے مذہب پر ہی دیا ہے۔وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ایک بات۔ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ دوسری بات۔ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ تیسری بات۔يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا چوتھی بات۔ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ پانچویں بات۔ یہ پانچوں باتیں تو صاف طور پر دین سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور تمکین دین کے ساتھ امن کا آنا ظاہر کرتا ہے کہ اس سے بھی دینی امن ہی مراد ہے۔ اس طرح اس آیت میں تمام کا تمام دین کا ذکر ہے۔ اوراس کے آگے بھی خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ [۲] یہ بھی دین کے احکام ہیں۔ پس یہاں دین ہی دین کا ذکر ہے ورنہ اگر یہاں یہ سمجھا جائے کہ سلطنت کا ذکر ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ روحانی ترقیات کے ذرائع بتانے کے سلسلہ میں سلطنت کا ذکر کیا تعلق رکھتا ہے۔سلطنت تو کافر اور بدکار لوگ بھی قائم کر لیتے ہیں۔

اصل اور سچی بات یہی ہے کہ خلافت جو روحانی ترقیات کا ایک عظیم الشان ذریعہ ہے اسی کا یہاں ذکر ہے سلطنت کا نہیں ہے۔ اس خلافت سے مراد خواہ خلافت مأموریت لے لو یا خلافت نیابت مامورین لے لو بہرحال روحانی خلافت کا ہی یہاں ذکر ہے۔ یہ دونوں قسم کی خلافت روحانیت کی ترقی کا ذریعہ ہے، خلافت مأموریت تو اس طرح کہ اس کے

ذریعہ ایک انسان خدا سے نور پا کر دوسروں کو منور کرتا ہے۔ اور خلافت نیابت مامورین اس طرح کہ اس انتظام اور نگرانی سے کمزوروں کی بھی حفاظت ہوتی جاتی ہے۔ پس اِن دونوں قسم کی خلافتوں میں برکات ہیں اور دونوں روحانی ترقیات کا باعث ہیں اور دونوں کے بغیر روحانیت مفقود ہو جاتی ہے۔ چنانچہ دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب خلافت کا سلسلہ ٹوٹا تو پھر اسلام کو کوئی نمایاں ترقی نہیں ہوئی لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو خلافتیں تھیں ان میں عظیم الشان تغیر ہوئے۔ قوموں کی قومیں اسلام میں داخل ہو گئیں اور اسلام بڑی سرعت کے ساتھ پھیل گیا۔ لیکن جب روحانی خلافت کا سلسلہ نہ رہا تو اسلام کی ترقی بھی رُک گئی یا پھر ان لوگوں کے ذریعہ کسی قدر ترقی ہوئی جو خدا سے الہام اور وحی پا کر اسلام کی خدمت کے لئے کھڑے ہوئے۔ تو روحانی خلافت کے بغیر اسلام کو کوئی ترقی نہ ہوئی بلکہ تنزّل ہوتا رہا۔

آج بھی لوگ خلافت کا شور ڈال رہے ہیں اور خدا کی قدرت ہے چند ہی سال پہلے جو لوگ ہم پر اِس وجہ سے شرک کا الزام لگاتے تھے کہ ہم خلافت کے قائل ہیں اور کہتے تھے کہ خلافت کے مٹانے کا وقت آ گیا ہے چنانچہ وہی ٹریکٹ جو ''اظہار الحق'' کے نام سے شائع کیا گیا اس کے مضمون کی بنیاد ہی اسی امر پر رکھی گئی تھی کہ ہر ایک مامور کسی خاص کام کے لئے آتا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اِس زمانہ میں اسی لئے آئے کہ ہر قسم کی شخصی حکومت مٹا کر جمہوری حکومت قائم کریں۔ یہ ٹریکٹ لاہور کے جن لوگوں کی مرضی اور منشاء کے ماتحت شائع ہوا تھا آج وہی کہہ رہے ہیں کہ خلافت ٹرکی ضرور قائم رہنی چاہئے اور یہ مسلمانوں کا مذہبی مسئلہ ہے۔ کوئی ایسی بات نہیں ہونی چاہیے جس سے اس میں دست اندازی سمجھی جائے۔

اس سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کو مجبور کر کے ان کے مونہوں سے وہی باتیں نکلوائی ہیں جن کی بناء پر ہم سے اختلاف کر کے علیحدہ ہوئے تھے تا کہ معلوم ہو جائے کہ ان کے علیحدہ ہونے کی وجہ دنیاوی اغراض ہی تھیں دینی نہ تھیں۔ کیونکہ اُس وقت جب انہوں نے خلافت کے مسئلہ کو اپنی اغراض کے خلاف دیکھا تو اس کے مٹانے کے درپے

ہوگئے۔ اوراب عام مسلمانوں کو جب خلافت پر زور دیتے دیکھا تو ان کی ہمدردی حاصل کرنے اوراُن سے فائدہ اُٹھانے کی غرض سے خلافت کو دینی مسئلہ بنالیا۔ان کے مقابلہ میں ہمیں دیکھا جائے تو صاف ظاہر ہوگا کہ جو کچھ ہم نے پہلے خلافت کے متعلق کہا تھا اب بھی اُسی پر قائم ہیں اور ایک انچ اُس سے آگے پیچھے نہیں ہوئے۔

خلافت اسلام کے اہم مسائل میں سے ایک مسئلہ ہے اور اسلام کبھی ترقی نہیں کرسکتا جب تک خلافت نہ ہو۔ ہمیشہ خلفاء کے ذریعہ اسلام نے ترقی کی ہے اور آئندہ بھی اِسی ذریعہ سے ترقی کرے گا اور ہمیشہ خدا تعالیٰ خلفاء مقرر کرتا رہا ہے اور آئندہ بھی خدا تعالیٰ ہی خلفاء مقرر کرے گا۔ یہی ہماری جماعت میں جو خلافت کے متعلق جھگڑا ہوا وہ لوگ جنہوں نے اُس وقت کے حالات دیکھے وہ جانتے ہیں کہ کتنا بڑا فتنہ بپا ہوا تھا۔ اب تو کہا جاتا ہے کہ منصوبہ کیا ہوا تھا اس لئے کامیابی ہوگئی مگر اُس وقت کے حالات کو جاننے والے جانتے ہیں۔ **وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ** کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ہم خلیفہ بناتے ہیں جو کچھ ہوا اِسی کے ماتحت ہوا''۔

(الفضل ۱۴ مارچ ۱۹۳۱ء)

۱؎ النور: ۵۶ ۲؎ النور: ۵۷

اختلافاتِ سلسلہ کی سچی تاریخ کے صحیح حالات

مولوی محمد علی صاحب کی طرف سے ایک کتاب THE SPLIT نامی لکھی گئی جس میں جماعت احمدیہ میں اختلافات کا ذکر کیا گیا حالانکہ جو غرض مولوی محمد علی صاحب نے بیان کی وہ اشاعت کی غرض نہ تھی بلکہ مولوی محمد علی صاحب اپنے کینہ وبغض کی وجہ سے وہ کامیابی جو خلیفۃ المسیح الثانی کو ملی وہ دیکھ نہیں سکتے تھے اور یہ اس کا نتیجہ تھا کہ یہ کتاب لکھی۔ اس کا جواب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے دسمبر ۱۹۲۱ء میں ''آئینہ صداقت'' کے نام سے تحریر فرمایا جس کے باب دوم میں ''اختلافاتِ سلسلہ کی سچی تاریخ کے صحیح حالات'' لکھے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

''مولوی محمد علی صاحب نے اختلافاتِ سلسلہ کے بیان کرنے میں جن غلط بیانیوں سے کام لیا ہے اُن کی تردید کے بعد اب میں اختلافات کے صحیح حالات تحریر کرتا ہوں تاکہ ہمارے وہ احباب جو اِس وقت تک اس اختلاف کی حقیقت سے واقف نہیں اِس سے آگاہ ہو جاویں اور وہ لوگ بھی جو سلسلہ میں تو داخل نہیں لیکن اس سے دلچسپی رکھتے ہیں اور اختلاف کو دیکھ کر شش و پنج میں ہیں اصل حالات کا علم حاصل کر کے کسی نتیجہ پر پہنچنے کے قابل ہوسکیں۔

روحانی سلسلوں میں کمزور ایمان والے

ہر ایک روحانی سلسلہ میں کچھ لوگ ایسے بھی داخل ہو جاتے ہیں جو گو اس کو سچا سمجھ کر ہی اس میں داخل ہوتے ہیں لیکن ان کا فیصلہ سطحی ہوتا ہے اور حق ان کے دل میں داخل نہیں ہوا ہوتا۔ ان کا ابتدائی جوش بعض دفعہ اصل مخلصوں سے بھی ان کو بڑھا کر دکھاتا ہے مگر ایمان کی جڑیں مضبوط نہ ہونے کی وجہ سے ہر وقت خطرہ ہوتا ہے کہ وہ مرکز سے ہٹ جائیں اور حق کو پھینک دیں۔ ایسے ہی چند لوگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے سلسلہ میں بھی داخل ہوئے اور ان کی وجہ سے اور بہت سے لوگوں کو بھی ابتلاء آیا۔

خواجہ کمال الدین صاحب کا احمدیت میں داخلہ

خواجہ کمال الدین صاحب جو ووکنگ مشن کی وجہ سے خوب مشہور ہو چکے ہیں میرے نزدیک اس سب اختلاف کے بانی ہیں اور مولوی محمد علی صاحب ان کے شاگرد ہیں جو بہت بعد ان کے ساتھ شامل ہوئے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ ہماری طرف سے متعدد دفعہ یہ بات شائع ہو چکی ہے کہ اصل میں خواجہ صاحب کے دل میں حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق کئی قسم کے شکوک پیدا ہو گئے تھے اور انہوں نے مولوی محمد علی صاحب سے بیان کئے جس سے ان کے خیالات بھی خراب ہو گئے۔ اسی وجہ سے اس قصہ کے مشابہ قصہ تیار کرنے کیلئے ان کو ظہیر الدین کا قصہ تیار کرنا پڑا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ خواجہ کمال الدین صاحب جب اس سلسلہ میں داخل ہوئے ہیں تو اِس کو حق سمجھ کر ہی داخل ہوئے تھے لیکن ان کے داخل ہونے کا یہ باعث نہ تھا کہ سلسلہ کی صداقت ان کے دل میں گھر کر گئی تھی بلکہ اصل باعث یہ تھا کہ وہ اسلام سے بیزار ہو کر مسیحیت کی طرف متوجہ ہو رہے تھے اور چونکہ اہل وعیال اور عزیز وا قارب کو چھوڑنا کوئی آسان کام نہیں ان کا دل اُس وقت سخت کشمکش میں تھا۔ پس جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات کے سامنے انہوں نے مسیحی پادریوں کو بھاگتے دیکھا تو ان کو اس کشمکش سے نجات ہوئی اور ان کو اسلام میں بھی ایک ایسا مقام نظر آنے لگا جہاں انسان اپنا قدم جما کر مغربی علوم کے حملوں کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ چونکہ یہ فائدہ ان کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ سے حاصل ہوا تھا وہ آپ کی جماعت میں شامل ہو گئے اور اِس وقت خیال کر کے یہی کہنا چاہئے کہ سچے دل سے داخل ہوئے اور واقعہ میں جس شخص کے ذریعہ سے انسان ایسے خطرناک ابتلاء سے بچے وہ اسے ہر ایک درجہ دینے کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔ پس مسیح موعود علیہ السلام کو خواجہ صاحب نے مانا تو سہی لیکن آپ کے دعویٰ کی صداقت کا امتحان کر کے نہیں بلکہ اس کے احسان سے متأثر ہو کر جو اسے مسیحیت سے بچانے اور اپنے رشتہ داروں کی جدائی سے محفوظ کر دینے کی صورت میں اس نے کیا۔ یہ بات ظاہر ہے کہ ایسا تعلق دیرپا نہیں ہوتا۔

جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اور خواجہ صاحب کی نظر سے وہ زمانہ اوجھل ہوتا گیا جب وہ مسیحیت اور اسلام کے درمیان کھڑے تھے اور ایک طرف تو مسیحیت کی دلفریب تعلیم انہیں لبھا رہی تھی اور دوسری طرف اپنے عزیز واقرباء کی جدائی ان کو خوف دلا رہی تھی ان کا ایمان اور تعلق بھی کمزور ہوتا گیا حتیٰ کہ ڈپٹی آتھم کی پیشگوئی کے وقت وہ مُرتد ہوتے ہوتے بچے۔

مسیح موعود علیہ السلام کا مضمون برائے جلسہ اعظم اور خواجہ صاحب

۱۸۹۷ء میں جب لاہور میں جلسہ اعظم کی بنیاد پڑی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی اس میں مضمون لکھنے کیلئے کہا گیا تو خواجہ صاحب ہی پیغام لے کر آئے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اُن دنوں میں اسہال کی تکلیف تھی باوجود اِس تکلیف کے آپ نے مضمون کا لکھنا شروع کیا اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ختم کیا۔ مضمون جب خواجہ صاحب کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دیا تو انہوں نے اس پر بہت کچھ ناامیدی کا اظہار کیا اور خیال ظاہر کیا کہ یہ مضمون قدر کی نگاہوں سے نہ دیکھا جاوے گا اور خواہ مخواہ ہنسی کا موجب ہوگا۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے بتایا کہ مضمون بالا رہا[1] چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قبل از وقت اِس الہام کے متعلق اشتہار لکھ کر لاہور میں شائع کرنا مناسب سمجھا اور اشتہار لکھ کر خواجہ صاحب کو دیا کہ اسے تمام لاہور میں شائع اور چسپاں کیا جائے اور خواجہ صاحب کو بہت کچھ تسلی اور تشفی بھی دلائی۔ مگر خواجہ صاحب چونکہ فیصلہ کئے بیٹھے تھے کہ مضمون **نَعُوْذُ بِاللّٰہِ** لغو اور بیہودہ ہے اُنہوں نے نہ خود اشتہار شائع کیا نہ لوگوں کو شائع کرنے دیا۔ آخر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا حکم بتا کر جب بعض لوگوں نے خاص زور دیا تو رات کے وقت لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو کر چند اشتہار دیواروں پر اونچے کر کے لگا دیئے گئے تا کہ لوگ اُن کو پڑھ نہ سکیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی کہا جا سکے کہ ان کے حکم کی تعمیل کر دی گئی ہے۔ کیوں کہ خواجہ صاحب کے خیال میں وہ مضمون جس کی نسبت خدا تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ''بالا رہا'' اس قابل نہ تھا کہ اسے ایسے بڑے بڑے محققین کی مجلس میں پیش کیا جاوے۔ آخر وہ دن آیا جس دن اِس مضمون کو سنایا جانا تھا۔ مضمون جب سنایا جانا شروع ہوا تو ابھی

چند منٹ نہ گزرے تھے کہ لوگ بت بن گئے اور ایسا ہوا کہ گویا اُن پر سحر کیا ہوا ہے۔ وقت مقررہ گزر گیا مگر لوگوں کی دلچسپی میں کچھ کمی نہ آئی اور وقت بڑھایا گیا مگر وہ بھی کافی نہ ہوا۔ آخر کار لوگوں کے اصرار سے جلسہ کا ایک دن اور بڑھایا گیا اور اُس دن بقیہ لیکچر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ختم کیا گیا۔ مخالف اور موافق سب نے بِالا تفاق کہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا لیکچر سب سے بالا رہا اور خدا تعالیٰ کی بتائی ہوئی بات پوری ہوئی۔ مگر اس زبردست پیشگوئی کو خواجہ صاحب کی کمزوری ایمان نے پوشیدہ کر دیا۔ اب ہم ان واقعات کو سناتے ہیں مگر کجا ہمارے سنانے کا اثر اور کجا وہ اثر جو اس اشتہار کے قبل از وقت شائع کر دینے سے ہوتا اس صورت میں اس پیشگوئی کو جو اہمیت حاصل ہوتی ہر ایک شخص بخوبی ذہن میں لا سکتا ہے۔

خواجہ صاحب کی احمدیت کے مغز سے ناواقفیت

اِسی قسم کے اور بہت سے واقعات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب نے احمدیت کے مغز کو نہیں پایا تھا اور ان کا احمدیت میں داخل ہونا درحقیقت اس احسان کا نتیجہ تھا جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان پر کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر دشمنوں کی طرف سے بعض مقدمات ہوئے ان میں خواجہ صاحب پیروکار ہوتے تھے۔ اس دوران میں بھی خواجہ صاحب نے بعض کمزوریاں دکھائیں جن کے بیان کرنے کا یہاں موقع نہیں۔

۱۹۰۵ء میں ''وطن'' اخبار کی ایک تحریک پر کہ ریویو آف ریلیجنز میں سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر نکال دیا جاوے اور عام اسلامی باتیں ہوں تو غیر احمدی بھی اس میں مدد کریں گے خواجہ صاحب تیار ہو گئے کہ ایسا ہی کر لیا جاوے اور یہ فیصلہ بھی کر لیا کہ ایک ضمیمہ ریویو کے ساتھ ہو جس میں کہ سلسلہ کے متعلق ذکر ہو اصل رسالہ میں عام باتیں ہوں۔ اِس فیصلہ پر اِس قدر شور ہوا کہ آخر کار ان کو دبنا پڑا اور یہ تجویز خواجہ صاحب کے دل ہی دل میں رہ گئی۔ مگر خواجہ صاحب اور مولوی محمد علی صاحب کی اس تحریک سے ایک شخص ڈاکٹر عبدالحکیم مُرتد کو جو مدت سے گندے عقائد میں مبتلا تھا جرأت ہوگئی اور اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اس بارہ میں خط وکتابت شروع کر دی اور گو محرّک اس خط وکتابت کا

خواجہ صاحب کا سمجھوتہ تھا جو ایڈیٹر وطن سے ریویو کے متعلق کیا گیا تھا مگر دراصل اس خط وکتابت میں بعض ایسے عقائد کی بنیاد پڑ گئی جو آئندہ کیلئے غیر مبائعین کے عقائد کا مرکزی نقطہ قرار پائے۔

عبدالحکیم نے ابتداءً ۱۹۰۶ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سب سے پہلا خط لکھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ:

۱۔ سوائے ان کے جو ہمیں کافر کہتے ہیں باقی کے پیچھے نماز جائز ہونی چاہئے۔

۲۔ ریویو آف ریلیجنز کے متعلق جو تجویز خواجہ صاحب اور مولوی محمد علی صاحب نے کی تھی اسے مان لیا جاوے اور اس پر عمل کیا جاوے۔

۳۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وجود خادمِ اسلام ہے نہ اصل اسلام پس آپ کے وجود کو پیش کرنے کی خاطر اسلام کی اشاعت میں روک نہ ڈالی جاوے۔

۴۔ عام قاعدہ حکمت کے ماتحت پہلے شرک، بدعت وغیرہ بڑے مسائل لوگوں کے سامنے پیش کئے جاویں پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات کو پیش کیا جاوے۔

۵۔ صرف وفاتِ مسیح پر اِس قدر زور نہ دیا جاوے دوسرے مسائل اسلام کی طرف بھی توجہ کی جاوے۔

۶۔ احمدیوں کی اخلاقی حالت بہت گری ہوئی ہے ان کی عملی حالت کی درستی کی طرف خاص توجہ کی جاوے۔

۷۔ ہماری جماعت کا مشنری کام بہت سست ہے اس کی طرف خاص توجہ کی جائے۔ ہم غیر احمدی مسلمانوں سے سلام تک ترک کر بیٹھے ہیں حالانکہ عدمِ تبلیغ کے مجرم ہم ہیں۔

۸۔ اسلام کی طرف سچی رہبر فطرتِ صحیحہ اور سچی تعلیم ہے نہ کہ محض پیشگوئیاں۔ پس قرآنی تعلیم کو مردہ قرار دینا حد درجہ کی بیباکی ہے (یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے جو وطن کی تحریک کے متعلق کہی گئی تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر درمیان سے ہٹا کر کیا مردہ اسلام پیش کیا جاوے۔ مرزا محمود احمد)۔ اگر احمد اور محمدؐ جدا نہیں تو جس رنگ میں محمدی تعلیم تیرہ سَو سال سے ہوتی چلی آئی ہے اسے اب مردہ کیوں قرار دیا جاوے۔

اسلام کی ہتک اس سے زیادہ نہیں ہوسکتی کہ اس کی زندگی کا دارومدار ایک تیرہ سَو سال بعد آنے والے شخص پر رکھا جاوے۔

۹۔ یہ علمی زمانہ ہے قرآن کریم کے علمی مضامین کی اشاعت سے بہت فائدہ کی امید تھی۔ ضمیمہ الگ شائع ہوتا مرید اسے لیتے اور ریویو کی اشاعت بڑھ جاتی مگر افسوس کہ احمدی جماعت نے تنگ ظرفی کا نمونہ دکھایا اور جب کہ غیر احمدی تنگ ظرفی کی دیوار کو توڑنے لگے تھے اُنہوں نے اُسے کھڑا کر دیا۔

پھر دوسرے خط میں لکھا ہے:۔

''کیا آپ کے نزدیک تیرہ کروڑ مسلمانوں میں کوئی بھی سچا خدا پرست راستباز نہیں؟ کیا محمدی اثر اس تمام جماعت پر سے اُٹھ گیا ہے؟ کیا اسلام بالکل مردہ ہوگیا؟ کیا قرآن مجید بالکل بے اثر ہوگیا؟ کیا ربُّ العالمین، محمدؐ، قرآن، فطرت اللہ اور عقل انسان بالکل معطل اور بیکار ہوگئے کہ آپ کی جماعت کے سوا نہ باقی مسلمانوں میں راست باز ہیں نہ باقی دنیا میں، بلکہ تمام کے تمام سیاہ باطن سیاہ کار اور جہنمی ہیں''۔

مجھے اس جگہ اس امر پر بحث نہیں کہ اس کے ان خطوط کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا جواب دیا کیونکہ ان مسائل کے متعلق آگے بحث ہوگی۔ اِس وقت اِسی قدر کہہ دینا کافی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کے ان خطوط کے جواب میں لکھ دیا کہ:۔

''اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ ہزارہا آدمی جو میری جماعت میں شامل نہیں کیا راستبازوں سے خالی ہیں تو ایسا ہی آپ کو یہ خیال بھی کر لینا چاہئے کہ وہ ہزارہا یہود اور نصاریٰ جو اسلام نہیں لائے کیا وہ راست بازوں سے خالی تھے؟ بہرحال جب کہ خدا تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اُس نے مجھے قبول نہیں کیا ہے وہ مسلمان نہیں ہے اور خدا کے نزدیک قابل مؤاخذہ ہے تو یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ اب میں ایک شخص کے کہنے سے جس کا دل ہزاروں تاریکیوں میں مبتلاء ہے خدا کے حکم کو چھوڑ دوں۔ اِس سے سہل تر یہ بات

ہے کہ ایسے شخص کو اپنی جماعت سے خارج کر دیا جاوے اِس لئے میں آج کی تاریخ سے آپ کو اپنی جماعت سے خارج کرتا ہوں‘‘۔

گو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس فوری اور سخت تنبیہہ کا یہ نتیجہ نکلا کہ جماعت میں سے کسی اور شخص کو اُس وقت عبدالحکیم کے خیالات کی تائید اور تصدیق کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اندر ہی اندر بعض لوگوں کے دل میں یہ خیالات گھر کر چکے تھے اور ان لوگوں کے سردار خواجہ صاحب تھے۔ واقعات بتاتے ہیں کہ خواجہ صاحب کا ایمان اندر سے کھوکھلا ہو چکا تھا۔ بعد کی ان کی تحریرات سے ظاہر ہے کہ وہ ان خیالات کا شکار ہو گئے تھے اور اب سب دنیا دیکھ رہی ہے کہ وہ یہی عقائد پھیلا رہے ہیں۔

خواجہ صاحب کا مولوی محمد علی صاحب کو اپنا ہم خیال بنانا

جہاں تک میرا خیال ہے مولوی محمد علی صاحب شروع میں ان عقائد کی تائید میں نہ تھے مگر خواجہ صاحب نے ان کو ایک کارآمد ہتھیار دیکھ کر برابر اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کی اور آہستہ آہستہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر زبانِ طعن کھولنے کی جرأت دلادی۔ گو میرے نزدیک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات تک ان کے ایمان میں زیادہ تزلزل واقع نہیں ہوا تھا مگر آپ کی وفات کے ساتھ ہی معلوم ہوتا ہے بہت بڑا تزلزل مولوی صاحب کے خیالات میں آنا شروع ہوا۔ اور اس کا باعث بعض بہت ہی چھوٹی چھوٹی باتیں ہوئیں۔ مولوی محمد علی صاحب کی طبیعت شروع سے ہی نہایت غصہ والی رہی ہے اور وہ کبھی اپنے خصم کی بات سن کر برداشت کرنے کے قابل ثابت نہیں ہوئے اور ایک دفعہ جب ان کے دل میں غصہ پیدا ہو جائے تو اُس کا نکالنا بہت مشکل ہو جاتا ہے اور وہ اپنے مخالف کو ہرطرح نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل سے انجمن کے بعض کاموں میں مولوی محمد علی صاحب کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں رنجش پیدا ہو جاتی تھی۔

خلافت اولیٰ میں مولوی محمد علی صاحب کے خیالات اور کوششیں

جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر آپ کو خلیفہ تجویز کیا گیا تو مولوی صاحب کو بہت بُرا معلوم ہوا اور آپ نے

انکار بھی کیا اور پیش کیا کہ خلافت کا ثبوت کہاں سے ملتا ہے۔مگر جماعت کی عام رائے کو دیکھ کر اور اُس وقت کی بے سروسامانی کو دیکھ کر دَب گئے اور بیعت کر لی۔ بلکہ اُس اعلان پر بھی دستخط کر دیئے جس میں جماعت کو اطلاع دی گئی تھی کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب الوصیت کے مطابق خلیفہ مقرر ہوئے ہیں ۔مگر ظاہری بیعت کے باوجود دل نے بیعت کا اقرار نہیں کیا اور اپنے ہم خیالوں اور دوستوں کی مجلس میں اس قسم کے تذکرے شروع کر دیئے گئے جن میں خلافت کا انکار ہوتا تھا اور اس طرح ایک جماعت اپنے ہم خیالوں کی بنالی۔خواجہ کمال الدین سب سے بہتر شکار تھا جو مولوی محمد علی صاحب کو ملا (کیونکہ وہ خود اس فکر میں تھے کہ مولوی محمد علی صاحب کو اپنا ہم خیال بنائیں اور اس کی سب سے بہتر صورت یہی تھی کہ وہ خود مولوی محمد علی صاحب کے خاص خیالات میں ان کے شریک ہوجاویں) چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کو ابھی پندرہ دن بھی نہ گزرے تھے کہ خواجہ صاحب نے مولوی محمد علی صاحب کی موجودگی میں مجھ سے سوال کیا کہ میاں صاحب! آپ کا خلیفہ کے اختیارات کے متعلق کیا خیال ہے؟ میں نے کہا اختیارات کے فیصلہ کا وہ وقت تھا جب کہ ابھی بیعت نہ ہوئی تھی جبکہ حضرت خلیفہ اوّل نے صاف صاف کہہ دیا کہ بیعت کے بعد تم کو میری پوری پوری اطاعت کرنی ہوگی اور اس تقریر کو سن کر ہم نے بیعت کی تو اب آقا کے اختیار مقرر کرنے کا حق غلاموں کو کب حاصل ہے۔ میرے اس جواب کو سن کر خواجہ صاحب بات کا رخ بدل گئے اور گفتگو اسی پر ختم ہوگئی۔

ان ہی ایام میں مولوی محمد علی صاحب کو بعض باتوں پر والدہ صاحبہ (حضرت اماں جان) سے بعض شکایات پیدا ہوئیں وہ سچی تھیں یا جھوٹی مگر مولوی صاحب کے دل میں گھر کر گئیں اور آپ نے ان شکایتوں کا اشارۃً رسالہ ریویو آف ریلیجنز میں بھی ذکر کر دیا۔ چونکہ خلافت کا مجھے مؤیّد دیکھا گیا اس لئے اس ذاتی بُغض کی وجہ سے یہ خیال کر لیا گیا کہ یہ خلافت کا اس لئے قائل ہے کہ خود خلیفہ بننا چاہتا ہے۔ پس خلافت کی مخالفت کے ساتھ ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان خصوصاً میری مخالفت کو بھی ایک مدعائے خاص قرار دیا گیا اور ہمیشہ اس کیلئے ایسی تدبیریں ہوتی رہیں جن کے ذکر کرنے کی نہ یہاں گنجائش ہے

نہ فائدہ۔

اسی عرصہ میں جلسہ سالانہ کے دن آ گئے جس کیلئے مولوی محمد علی صاحب کے احباب نے خاص طور پر مضامین تیار کئے اور یکے بعد دیگرے انہوں نے جماعت کو یہ سبق پڑھانا شروع کیا کہ خدا کے مامور کی مقرر کردہ جانشین اور خلیفہ صدر انجمن احمدیہ ہے جس کے یہ لوگ ٹرسٹی ہیں اور اس کی اطاعت تمام جماعت کیلئے ضروری ہے۔ مگر اس سبق کو اس قدر لوگوں کے مونہوں سے اور اِس قدر متعدد مرتبہ دُہرایا گیا کہ بعض لوگ اصل منشاء کو پا گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اصل غرض حضرت خلیفہ اوّل کو خلافت سے جواب دینا ہے اور اپنی خلافت کا قائم کرنا۔ صدر انجمن احمدیہ کے چودہ ممبروں میں سے قریباً آٹھ مولوی محمد علی صاحب کے خاص دوست تھے اور بعض اندھا دُھند، بعض حسن ظنی سے ان کی ہر ایک بات پر اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا کہنے کے عادی تھے۔ صدر انجمن احمدیہ کی خلافت سے مراد درحقیقت مولوی محمد علی صاحب کی خلافت تھی جو اُس وقت بوجہ ایک منصوبہ کے اس کے نظم ونسق کے واحد مختار تھے بعض ضروری کاموں کی وجہ سے مجھے اس سال جلسہ سالانہ کے تمام لیکچروں میں شامل ہونے کا موقع نہ ملا اور جن میں شامل ہونے کا موقع ملا بھی اُن کے سنتے وقت میری توجہ اِس بات کی طرف نہیں پھری۔ مگر جیسا کہ بعد کے واقعات سے ثابت ہوتا ہے بعض لوگوں نے ان کی تدبیر کو معلوم کر لیا تھا اور اب ان کے دوستوں کے حلقوں میں اس امر پر گفتگو شروع ہوگئی تھی کہ خلیفہ کا کیا کام ہے؟ اصل حاکم جماعت کا کون ہے؟ صدر انجمن احمدیہ یا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل؟ مگر خدا تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ مجھے اب بھی اس کا کچھ علم نہ تھا۔ اب جماعت میں دو کیمپ ہو گئے تھے۔ ایک اس کوشش میں تھا کہ لوگوں کو یقین دلایا جاوے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مقرر کردہ جانشین انجمن ہے اور دوسرا اِس پر معترض تھا اور بیعت کے اقرار پر قائم تھا۔ مگر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کو ان بحثوں کا کچھ علم نہ تھا اور میں بھی ان سے بالکل بے خبر تھا حتّٰی کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے پاس میر محمد اسحٰق صاحب نے کچھ سوالات لکھ کر پیش کئے جن میں خلافت کے متعلق روشنی ڈالنے کی درخواست کی گئی تھی۔ ان سوالات کو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے مولوی محمد علی صاحب کے پاس بھیج دیا کہ وہ ان کا جواب دیں۔ مولوی محمد علی

صاحب نے جو کچھ جواب دیا وہ حضرت خلیفہ اوّل کو حیرت میں ڈالنے والا تھا۔ کیونکہ اس میں خلیفہ کی حیثیت کو ایسا گرا کر دکھایا گیا تھا کہ سوائے بیعت لینے کے اس کا کوئی تعلق جماعت سے باقی نہ رہتا تھا۔ حضرت خلیفہ اوّل نے اِس پر حکم دیا کہ ان سوالوں کی بہت سی نقلیں کر کے جماعت میں تقسیم کی جاویں اور لوگوں سے ان کے جواب طلب کئے جاویں اور ایک خاص تاریخ (۳۱ رجنوری ۱۹۰۹ء) مقرر کی کہ اُس دن مختلف جماعتوں کے قائم مقام جمع ہو جاویں تا کہ سب سے مشورہ لیا جاوے۔ اُس وقت تک بھی مجھے اس فتنہ کا علم نہ تھا۔ حتّٰی کہ مجھے ایک رؤیا ہوئی جس کا مضمون حسب ذیل ہے۔

فتنہ کی اطلاع بذریعہ رؤیا

میں نے دیکھا کہ ایک مکان ہے اس کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ تو مکمل ہے اور دوسرا نامکمل۔ نامکمل حصہ پر چھت پڑ رہی ہے، کڑیاں رکھی جا چکی ہیں مگر اوپر تختیاں نہیں رکھی گئیں اور نہ مٹی ڈالی گئی ہے۔ ان کڑیوں پر کچھ بھوسا پڑا ہے اور اس کے پاس میر محمد اسحٰق صاحب، میرے چھوٹے بھائی مرزا بشیر احمد صاحب اور ایک اور لڑکا جو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کا رشتہ دار تھا اور جس کا نام نثار احمد تھا اور جو اَب فوت ہو چکا ہے (اللہ تعالیٰ اسے غریق رحمت کرے) کھڑے ہیں۔ میر محمد اسحٰق صاحب کے ہاتھ میں دیا سلائی کی ایک ڈبیہ ہے اور وہ اس میں سے دیا سلائی نکال کر اس بھوسے کو جلانا چاہتے ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ آخر یہ بھوسا جلایا تو جائے گا ہی مگر ابھی وقت نہیں ابھی نہ جلائیں ایسا نہ ہو کہ بعض کڑیاں بھی ساتھ ہی جل جاویں۔ اس پر وہ اس ارادہ سے باز رہے اور میں اُس جگہ سے دوسری طرف چل پڑا۔ تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ مجھے کچھ شور معلوم ہوا۔ مڑ کر کیا دیکھتا ہوں کہ میر صاحب بے تحاشا دیا سلائیاں نکال کر جلاتے ہیں اور اس بھوسے کو جلانا چاہتے ہیں مگر اس خیال سے کہ کہیں میں واپس نہ آ جاؤں جلدی کرتے ہیں اور جلدی کی وجہ سے دیا سلائی بجھ جاتی ہے۔ میں اس بات کو دیکھ کر واپس دَوڑا کہ ان کو روکوں مگر پیشتر اس کے کہ وہاں تک پہنچتا ایک دیا سلائی جل گئی اور اس سے انہوں نے بھوسے کو آگ لگا دی۔ میں دوڑ کر آگ میں کود پڑا اور آگ کو بجھا دیا مگر اس عرصہ میں کہ اس کے بجھانے میں کامیاب ہوتا چند کڑیوں کے

سرے جل گئے۔

میں نے یہ رؤیا مکرمی مولوی سیّد سرور شاہ صاحب سے بیان کی تو انہوں نے مسکرا کر کہا کہ مبارک ہو کہ یہ خواب پوری ہوگئی ہے۔ کچھ واقعہ انہوں نے بتایا مگر یا تو پوری طرح ان کو معلوم نہ تھا یا وہ اُس وقت بتا نہ سکے۔ میں نے پھر یہ رؤیا لکھ کر حضرت خلیفة المسیح کی خدمت میں پیش کی۔ آپ نے اسے پڑھ کر ایک رُقعہ پر لکھ کر مجھے جواب دیا کہ خواب پوری ہوگئی۔ میر محمد اسحٰق صاحب نے چند سوال لکھ کر دیئے ہیں جن سے خطرہ ہے کہ شور نہ پڑے اور بعض لوگ فتنہ میں پڑ جائیں۔ یہ پہلا موقع ہے کہ مجھے اس فتنہ کا علم ہوا اور وہ بھی ایک خواب کے ذریعہ۔ اس کے بعد وہ سوالات جو حضرت خلیفة المسیح نے جواب کیلئے لوگوں کو بھیجنے کا حکم دیا تھا مجھے بھی ملے اور میں نے ان کے متعلق خاص طور پر دعا کرنی شروع کی اور اللہ تعالیٰ سے ان کے جواب کے متعلق ہدایت چاہی۔ اس میں شک نہیں کہ میں حضرت خلیفہ اوّل کی بیعت کر چکا تھا اور اس میں بھی شک نہیں کہ میں خلافت کی ضرورت کا عقلاً قائل تھا مگر باوجود اس کے میں نے اس امر میں بالکل مخلّی بالطبع ہو کر غور شروع کیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا میں لگ گیا کہ وہ مجھے حق کی ہدایت دے۔ اس عرصہ میں وہ تاریخ نزدیک آگئی جس دن کہ جوابات حضرت خلیفة المسیح کو دینے تھے۔ میں نے جو کچھ میری سمجھ میں آیا لکھا اور حضرت خلیفة المسیح کو دے دیا۔ مگر میری طبیعت سخت بے قرار تھی کہ خدا تعالیٰ خود کوئی ہدایت کرے۔ یہ دن اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ میرے لئے سخت ابتلاء کے دن تھے۔ دن اور رات غم اور رنج میں گزرتے تھے کہ کہیں میں غلطی کر کے اپنے مولیٰ کو ناراض نہ کرلوں۔ مگر باوجود سخت کرب اور تڑپ کے مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ نہ معلوم ہوا۔

۳۱/جنوری ۱۹۰۹ کا معرکۃ الآرا دن

حتّٰی کہ وہ رات آگئی جس کی صبح کو جلسہ تھا۔ لوگ چاروں طرف سے جمع ہونا شروع ہوئے مگر ہر ایک شخص کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ آنے والے دن کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھ رہا ہے۔ بیرونجات سے آنے والے لوگوں سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کو یہ امر سمجھانے کی پوری طرح کوشش کی گئی ہے کہ اصل جانشین حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی

انجمن ہی ہے اور خلیفہ صرف بیعت لینے کیلئے ہے اور تمام راستہ بھر خاص طور پر یہ بات ہر ایک شخص کے ذہن نشین کی گئی ہے کہ جماعت اِس وقت سخت خطرہ میں ہے چند شریر اپنی ذاتی اغراض کو مدِّ نظر رکھ کر یہ سوال اُٹھا رہے ہیں اور جماعت کے اموال پر تصرف کر کے من مانی کارروائیاں کرنی چاہتے ہیں۔ لاہور میں جماعت احمدیہ کا ایک خاص جلسہ خواجہ کمال الدین صاحب نے اپنے مکان پر کیا اور لوگوں کو سمجھایا گیا کہ سلسلہ کی تباہی کا خطرہ ہے۔ اصل جانشین حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی انجمن ہی ہے اور اگر یہ بات نہ رہی تو جماعت خطرہ میں پڑ جاوے گی اور سلسلہ تباہ ہو جاوے گا اور سب لوگوں سے دستخط لئے گئے کہ حسبِ فرمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام جانشین حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی انجمن ہی ہے۔ صرف دو شخص یعنی حکیم محمد حسین صاحب قریشی سیکرٹری انجمن احمدیہ لاہور اور بابو غلام محمد صاحب فورمین ریلوے دفتر لاہور نے دستخط کرنے سے انکار کیا اور جواب دیا کہ ہم تو ایک شخص کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں وہ ہم سے زیادہ عالم اور زیادہ خشیۃ اللہ رکھتا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ادب ہم سے زیادہ اس کے دل میں ہے جو کچھ وہ کہے گا ہم اس کے مطابق عمل کریں گے۔ غرض محضر نامہ تیار ہوئے، لوگوں کو سمجھایا گیا اور خوب تیاری کر کے خواجہ صاحب قادیان پہنچے۔ چونکہ دین کا معاملہ تھا اور لوگوں کو یقین دلایا گیا تھا کہ اِس وقت اگر تم لوگوں کا قدم پھسلا تو بس ہمیشہ کیلئے جماعت تباہ ہوئی لوگوں میں سخت جوش تھا اور بہت سے لوگ اس کام کیلئے اپنی جان دینے کیلئے بھی تیار تھے اور بعض لوگ صاف کہتے تھے کہ اگر مولوی صاحب (حضرت خلیفہ اوّل) نے خلاف فیصلہ کیا تو ان کو اسی وقت خلافت سے علیحدہ کر دیا جاوے گا۔ بعض خاموشی سے خدا تعالیٰ کے فیصلہ کے منتظر تھے۔ بعض بِالمقابل خلافت کی تائید میں جوش دکھا رہے تھے اور خلافت کے قیام کیلئے ہر ایک قربانی پر آمادہ تھے۔ عام طور پر کہا جا سکتا ہے کہ باہر سے آنے والے خواجہ صاحب اور ان کے ساتھیوں کی تلقین کے باعث قریباً سب کے سب اور قادیان کے رہنے والوں میں سے ایک حصہ اس امر کی طرف جھک رہا تھا کہ انجمن ہی جانشین ہے۔ گو قادیان کے لوگوں کی کثرت خلافت سے وابستگی ظاہر کرتی تھی۔

نہایت خطرناک حالت

ایسے وہ برادران جو بعد میں سلسلہ احمدیہ میں شامل ہوئے ہوں اور جنہوں نے وہ درد اور تکلیف نہیں دیکھی جو اس سلسلہ کے قیام کے لئے مسیح موعود علیہ السلام نے برداشت کی اور ان حالات کا مطالعہ نہیں کیا جن میں سے گزر کر سلسلہ اس حد تک پہنچا ہے آپ لوگ اس کیفیت کا اندازہ نہیں کر سکتے جو اُس وقت احمدیوں پر طاری تھی۔ سوائے چند خود غرض لوگوں کے باقی سب کے سب خواہ کسی خیال یا عقیدہ کے ہوں مردہ کی طرح ہو رہے تھے اور ہم میں سے ہر ایک شخص اس امر کو بہت زیادہ پسند کرتا تھا کہ وہ اور اس کے اہل وعیال کولہو میں پیس دیئے جاویں بہ نسبت اِس کے کہ وہ اختلاف کا باعث بنیں۔ اُس دن دنیا باوجود فراخی کے ہمارے لئے تنگ تھی اور زندگی باوجود آسائش کے ہمارے لئے موت سے بدتر ہو رہی تھی۔ میں اپنا حال بیان کرتا ہوں کہ جوں جوں رات گزرتی جاتی تھی اور صبح قریب ہوتی جاتی تھی کرب بڑھتا جاتا تھا اور میں خدا تعالیٰ کے سامنے گڑ گڑا کر دعا کرتا تھا کہ خدایا! میں نے گو ایک رائے کو دوسری پر ترجیح دی ہے مگر الٰہی! میں بے ایمان بننا نہیں چاہتا تُو اپنا فضل کر اور مجھے حق کی طرف ہدایت دے۔ مجھے اپنی رائے کی پچ نہیں مجھے حق کی جستجو ہے۔ راستی کی تلاش ہے۔ دُعا کے دوران میں میں نے یہ بھی فیصلہ کر لیا کہ اگر خدا تعالیٰ نے مجھے کچھ نہ بتایا تو میں جلسہ میں شامل ہی نہ ہوں گا تا کہ فتنہ کا باعث نہ بنوں۔ میرا کرب اس حد تک پہنچا تو خدا کی رحمت کے دروازے کھلے اور اُس نے اپنی رحمت کے دامن کے نیچے مجھے چھپا لیا اور میری زبان پر یہ لفظ جاری ہوئے کہ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ یعنی ان لوگوں سے کہہ دے کہ تمہارا ربّ تمہاری پرواہ کیا کرتا ہے اگر تم اس کے حضور گر نہ جاؤ۔ جب یہ الفاظ میری زبان پر جاری ہوئے تو میرا سینہ کھل گیا اور میں نے جان لیا کہ میرا خیال درست ہے۔ کیونکہ اِس آیت کریمہ میں قُلْ یعنی کہہ کا لفظ بتاتا ہے کہ میں یہ بات دوسروں کو کہہ دوں۔ پس معلوم ہوا کہ جو لوگ میرے خیال کے خلاف خیال رکھتے ہیں ان سے خدا تعالیٰ ناراض ہے نہ مجھ سے۔ تب میں اُٹھا اور میں نے خدا تعالیٰ کا شکر کیا اور میرا دل مطمئن ہو گیا اور میں صبح کا انتظار کرنے لگا۔

یوں تو احمدی عموماً تہجد پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں اور پڑھتے ہیں مگر یہ رات عجیب رات تھی کہ بہتوں نے قریباً جاگتے ہوئے یہ رات کاٹی اور قریباً سب کے سب تہجد کے وقت مسجد مبارک میں جمع ہو گئے تا کہ دعا کریں اور اللہ تعالیٰ سے مدد چاہیں اور اُس دن اِس قدر دردمندانہ دعائیں کی گئیں کہ میں یقین کرتا ہوں کہ عرشِ عظیم ان سے ہل گیا ہوگا۔ سوائے گریہ وبُکا کے اور کچھ سنائی نہ دیتا تھا اور اپنے ربّ کے سوا کسی کی نظر اور کسی طرف نہ جاتی تھی اور خدا کے سوا کوئی ناخدا نظر نہ آتا تھا۔ آخر صبح ہوئی اور نماز کی تیاری شروع ہوئی۔ چونکہ حضرت خلیفہ اوّل کو آنے میں کچھ دیر ہوگئی خواجہ صاحب کے رفقاء نے اس موقع کو غنیمت جان کر لوگوں کو پھر سبق پڑھانا شروع کیا۔ میں نماز کے انتظار میں گھر ٹہل رہا تھا۔ ہمارا گھر بالکل مسجد کے متصل ہے۔ اُس وقت میرے کان میں شیخ رحمت اللہ صاحب کی آواز آئی کہ غضب خدا کا ایک بچہ کو خلیفہ بنا کر چند شریر لوگ جماعت کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ میں چونکہ بالکل خالی الذہن تھا مجھے بالکل خیال نہ گزرا کہ اس بچہ سے مراد میں ہوں۔ لیکن میں حیرت سے ان کے فقرہ پر سوچتا رہا۔ گو کچھ بھی میری سمجھ میں نہ آیا۔ واقعات نے ثابت کر دیا کہ ان کا خوف بے جا تھا۔ کسی نے تو کسی کو خلیفہ کیا بنانا ہے خدا بیشک ارادہ کر چکا تھا کہ اسی بچہ کو جسے انہوں نے حقیر خیال کیا خلیفہ بنا دے اور اس کے ذریعہ سے دنیا کے چاروں گوشوں میں مسیح موعود علیہ السلام کی تبلیغ کو پہنچا دے اور ثابت کر دے کہ وہ قادر خدا ہے جو کسی کی مدد کا محتاج نہیں اور ان لوگوں کی فطرتیں پہلے ہی سے اس امر کو محسوس کر رہی تھیں جو خدا تعالیٰ کے حضور میں مقدر تھا۔ غرض حضرت خلیفۃ المسیح کی آمد تک مسجد میں خوب خوب باتیں ہوتی رہیں اور لوگوں کو اونچ نیچ سمجھائی گئی۔ آخر حضرت خلیفۃ المسیح تشریف لائے اور نماز شروع ہوئی۔ نماز میں آپ نے سورۃ بروج کی تلاوت فرمائی اور جس وقت اس آیت پر پہنچے کہ اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ [2] یعنی وہ لوگ جو مومن مرد اور مومن عورتوں کو فتنہ میں ڈالتے ہیں اور پھر اس کام سے توبہ نہیں کرتے ان کیلئے اس فعل کے نتیجہ میں عذابِ جہنم ہوگا اور جلا دینے والے عذاب میں وہ مبتلاء ہوں گے۔ اُس وقت تمام جماعت کا عجیب حال ہو گیا۔ یوں معلوم ہوتا

تھا گویا یہ آیت اُسی وقت نازل ہوئی ہے اور ہر ایک شخص کا دل خشیۃ اللہ سے بھر گیا اور اُس وقت مسجد یوں معلوم ہوتی تھی جیسے ماتم کدہ ہے۔ باوجود سخت ضبط کے بعض لوگوں کی چیخیں اِس زور سے نکل جاتی تھیں کہ شاید کسی ماں نے اپنے اکلوتے بیٹے کی وفات پر بھی اس طرح کرب کا اظہار نہ کیا ہوگا اور رونے سے تو کوئی شخص بھی خالی نہیں تھا۔ خود حضرت خلیفۃ المسیح کی آواز بھی شدت گریہ سے رُک گئی اور کچھ اِس قسم کا جوش پیدا ہوا کہ آپ نے پھر ایک دفعہ اِس آیت کو دُہرایا اور تمام جماعت نیم بسمل ہوگئی اور شاید ان لوگوں کے سوا جن کیلئے ازل سے شقاوت کا فیصلہ ہو گیا تھا سب کے دل دہل گئے اور ایمان دلوں میں گڑ گیا اور نفسانیت بالکل نکل گئی۔ وہ ایک آسمانی نشان تھا جو ہم نے دیکھا اور تائید غیبی تھی جو مشاہدہ کی۔ نماز ختم ہونے پر حضرت خلیفۃ المسیح گھر کو تشریف لے گئے اور ان لوگوں نے پھر لوگوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک تحریر دکھا کر سمجھانا چاہا کہ انجمن ہی آپ کے بعد جانشین ہے۔ لوگوں کے دل چونکہ خشیۃ اللہ سے معمور ہو رہے تھے اور وہ اِس تحریر کی حقیقت سے ناواقف تھے وہ اس امر کو دیکھ کر کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فیصلہ کر دیا ہے کہ میرے بعد انجمن جانشین ہوگی اور بھی زیادہ جوش سے بھر گئے مگر کوئی نہیں جانتا تھا کہ خشیۃ اللہ کا نزول دلوں پر کیوں ہو رہا ہے اور غیب سے کیا ظاہر ہونے والا ہے۔ آخر جلسہ کا وقت قریب آیا اور لوگوں کو مسجد مبارک (یعنی وہ مسجد جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے گھر کے ساتھ ہے اور جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام پنج وقتہ نمازیں ادا فرماتے تھے) کی چھت پر جمع ہونے کا حکم دیا گیا۔ اُس وقت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب میرے پاس آئے اور مجھے کہا کہ آپ مولوی صاحب (حضرت خلیفہ اوّل) سے جا کر کہیں کہ اب فتنہ کا کوئی خطرہ نہیں رہا کیونکہ سب لوگوں کو بتا دیا گیا ہے کہ انجمن ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جانشین ہے۔ میں نے تو ان کے اس کلام کی وقعت کو سمجھ کر خاموشی ہی مناسب سمجھی مگر وہ خود حضرت خلیفہ اوّل کی خدمت میں چلے گئے۔ میں بھی وہاں پہنچ چکا تھا۔ جاتے ہی ڈاکٹر صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح سے عرض کی کہ مبارک ہو سب لوگوں کو سمجھا دیا گیا ہے کہ انجمن ہی جانشین ہے۔ اِس بات کو سن کر آپ نے فرمایا کون سی انجمن؟ جس انجمن کو تم جانشین قرار دیتے ہو وہ تو خود بموجب

قواعد کوئی حیثیت نہیں رکھتی ۔اس فقرہ کو سن کر شاید پہلی دفعہ خواجہ صاحب کی جماعت کو معلوم ہوا کہ معاملہ ویسا آسان نہیں جیسا ہم سمجھے تھے کیونکہ گو ہر ایک خطرہ کو سوچ کر پہلے سے ہی لوگوں کو اس امر کیلئے تیار کر لیا گیا تھا کہ اگر حضرت خلیفہ اوّل بھی ان کی رائے کو تسلیم نہ کریں تو ان کا مقابلہ کیا جائے ۔عموماً یہ لوگ یہی خیال کرتے تھے کہ حضرت خلیفۃ المسیح ان کے خیالات کی تائید کریں گے اور انہی کی رائے کے مطابق فیصلہ دیں گے ۔ چنانچہ ان میں سے بعض جو حضرت خلیفۃ المسیح کی نیکی کے قائل تھے عام طور پر کہتے تھے کہ خدا کا شکر ہے کہ ایسے بےنفس آدمی کے وقت میں یہ سوال پیدا ہوا ہے ورنہ اگر ان کے بعد ہوتا تو نہ معلوم کیا فساد کھڑا ہو جاتا۔

نہایت اہم اور قابل یادگار مجمع

جب لوگ جمع ہو گئے تو حضرت خلیفۃ المسیح مسجد کی طرف تشریف لے گئے قریباً دو اڑھائی سَو آدمی کا مجمع تھا جس میں اکثر احمدیہ جماعتوں کے قائم مقام تھے ۔ بیشک ایک ناواقف کی نظر میں وہ دو اڑھائی سَو آدمی کا مجمع جو بلا فرش زمین پر بیٹھا تھا ایک معمولی بلکہ شاید حقیر نظارہ ہومگر ان لوگوں کے دل ایمان سے پُر تھے اور خدا کے وعدہ پر ان کو یقین تھا۔ وہ اس مجلس کو احمدیت کی ترقی کا فیصلہ کرنے والی مجلس خیال کرتے تھے اور اس وجہ سے دنیا کی ترقی اور اس کے امن کا فیصلہ اس کے فیصلہ پر منحصر خیال کرتے تھے ۔ ظاہر بین نگاہیں اِن دنوں پیرس میں بیٹھنے والی پیس کانفرنس کی اہمیت اور شان سے حیرت میں ہیں مگر درحقیقت اپنی شان میں بہت بڑھی ہوئی وہ مجلس تھی کہ جس کے فیصلہ پر دنیا کے امن کی بناء پڑنی تھی ۔اُس دن یہ فیصلہ ہونا تھا کہ احمدیت کیا رنگ اختیار کرے گی ۔ دنیا کی عام سوسائٹیوں کا رنگ یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کا رنگ ۔اُس دن اہل دنیا کی زندگی یا موت کے سوال کا فیصلہ ہونا تھا۔ بے شک آج لوگ اس امر کو نہ سمجھیں لیکن ابھی زیادہ عرصہ نہ گزرے گا کہ لوگوں کو معلوم ہو جاوے گا کہ یہ مخفی مذہبی لہر ہیبت ناک سیاسی لہروں سے زیادہ پاک اثر کرنے والی اور دنیا میں نیک اور پُر امن تغیر پیدا کرنے والی ہے ۔غرض لوگ جمع ہوئے اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل بھی تشریف لائے ۔آپ کیلئے درمیان مسجد میں ایک جگہ تیار کی گئی تھی مگر

آپ نے وہاں کھڑے ہونے سے انکار کر دیا اور ایک طرف جانب شمال اس حصہ مسجد میں کھڑے ہو گئے جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود تعمیر کروایا تھا۔☆

حضرت خلیفہ اوّل کی تقریر

پھر آپ نے کھڑے ہو کر تقریر شروع کی اور بتایا کہ خلافت ایک شرعی مسئلہ ہے۔ خلافت کے بغیر جماعت ترقی نہیں کرسکتی اور بتایا کہ مجھے خدا تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اگر ان لوگوں میں سے کوئی شخص مُرتد ہو جاوے گا تو میں اس کی جگہ ایک جماعت تجھے دوں گا۔ پس مجھے تمہاری پرواہ نہیں۔ خدا کے فضل سے میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ میری مدد کرے گا۔ پھر خواجہ صاحب اور مولوی محمد علی صاحب کے جوابوں کا ذکر کر کے کہا کہ مجھے کہا جاتا ہے کہ خلیفہ کا کام نماز پڑھا دینا یا جنازہ یا نکاح پڑھا دینا یا بیعت لے لینا ہے۔ یہ جواب دینے والے کی نادانی ہے اور اس نے گستاخی سے کام لیا ہے اس کو توبہ کرنی چاہئے ورنہ نقصان اُٹھائیں گے۔ دورانِ تقریر میں آپ نے فرمایا کہ تم نے اپنے عمل سے مجھے بہت دکھ دیا ہے اور منصب خلافت کی ہتک کی ہے اسی لئے میں آج اس حصہ مسجد میں کھڑا نہیں ہوا جو تم لوگوں کا بنایا ہوا ہے بلکہ اس حصہ مسجد میں کھڑا ہوا ہوں جو مسیح موعود علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے۔

تقریر کا اثر

جوں جوں آپ تقریر کرتے جاتے تھے سوائے چند سرغنوں کے باقیوں کے سینے کھلتے جاتے تھے اور تھوڑی ہی دیر میں جو لوگ نورالدین کو اس کے منصب سے علیحدہ کرنا چاہتے تھے وہ اپنی غلطی تسلیم کرنے لگے۔ اور یا خلافت کے مخالف تھے یا اس کے دامن سے وابستہ ہو گئے۔ آپ نے دورانِ لیکچر ان لوگوں پر بھی اظہارِ ناراضگی فرمایا جو خلافت کے قیام کی تائید میں جلسہ کرتے رہے تھے اور فرمایا کہ جب ہم نے لوگوں کو جمع کیا تھا تو ان کا کیا حق تھا کہ وہ الگ جلسہ کرتے۔ ان کو اس کام پر ہم نے کب مامور کیا تھا۔ آخر تقریر کے خاتمہ پر بعض اشخاص نے اپنے خیالات کے اظہار کیلئے کہا۔ خیالات کا

☆ اس بات کو یاد رکھنا چاہیے کہ مسجد مبارک ابتداءً بہت چھوٹی تھی۔ دعویٰ سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صرف علیحدہ بیٹھ کر عبادت کرنے کی نیت سے اپنے گھر سے ملحق ایک گلی پر چھت ڈال کر اسے تعمیر کیا تھا۔ کوئی تیس آدمی اس میں نماز پڑھ سکتے تھے۔ جب دعویٰ کے بعد لوگ ہجرت کر کے یہاں

اظہار کسی نے کیا کرنا تھا تمام مجلس سوائے چند لوگوں کے حق کو قبول کر چکی تھی۔ مجھ سے اور نواب محمد علی خان سے جو میرے بہنوئی ہیں رائے دریافت کی۔ ہم نے بتایا کہ ہم تو پہلے ہی ان خیالات کے مؤید ہیں۔ خواجہ صاحب کو کھڑا کیا۔ انہوں نے بھی مصلحت وقت کے ماتحت گول مول الفاظ کہہ کر وقت کو گزارنا ہی مناسب سمجھا اور پھر فرمایا کہ آپ لوگ دوبارہ بیعت کریں اور خواجہ صاحب اور مولوی محمد علی صاحب سے کہا کہ الگ ہو کر آپ مشورہ کر لیں اور اگر تیار ہوں تب بیعت کریں۔ اس کے بعد شیخ یعقوب علی صاحب ایڈیٹر الحکم سے جو اس جلسہ کے بانی تھے جس میں خلافت کی تائید دستخط لئے گئے تھے کہا کہ ان سے بھی غلطی ہوئی ہے وہ بھی بیعت کریں۔

نمائشی بیعت

غرض ان تینوں کی بیعت دوبارہ لی اور جلسہ برخواست ہوا۔ اُس وقت ہر ایک شخص مطمئن تھا اور محسوس کرتا تھا کہ خدا تعالیٰ نے جماعت کو بڑے ابتلاء سے بچایا لیکن مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ صاحب جو ابھی بیعت کر چکے تھے اپنے دل میں سخت ناراض تھے اور ان کی وہ بیعت جیسا کہ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا دکھاوے کی بیعت تھی۔ انہوں نے ہرگز خلیفہ کو واجب الاطاعت تسلیم نہ کیا تھا اور جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے (ماسٹر عبدالرحیم صاحب نیر جو اُس وقت ان لوگوں سے خاص تعلق رکھتے تھے کا بیان ہے) مسجد کی چھت سے نیچے اُترتے ہی مولوی محمد علی صاحب نے خواجہ صاحب کو کہا کہ آج ہماری سخت ہتک کی گئی ہے میں اس کو برداشت نہیں کر سکتا۔ ہمیں مجلس میں جوتیاں ماری گئی ہیں۔ یہ ہے صدق اُس شخص کا جو آج جماعت کی اصلاح کا مدعی ہے۔

ماسٹر عبدالرحیم صاحب نیر کی اگر اکیلی روایت ہوتی تو میں اس کو اس جگہ درج نہ کرتا کیونکہ وہ خواہ کتنے ہی معتبر راوی ہوں پھر بھی ایک ہی شاہد ہیں اور میں اس کتاب میں

بقیہ حاشیہ از گذشتہ صفحہ: آنے لگے اور جماعت میں ترقی ہوئی تو جماعت کے چندہ سے اس مسجد کو بڑھایا گیا اور پُرانے حصہ مسجد کا نقشہ حسبِ ذیل ہے۔

جنوب
مغرب ‏ [ ] ‏ مشرق
برآمدہ
شمال
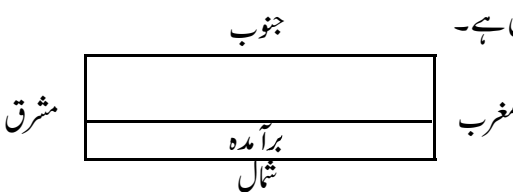
صرف وہ واقعات درج کرنا چاہتا ہوں جو یقینی طور پر ثابت ہوں۔مگر بعد کے واقعات نے چونکہ اِس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ ان کی بیعت محض خوف کی بیعت تھی اور مصلحت وقت کی بیعت تھی اس لئے ان کے بیان سے انکار کرنے کی ہمارے پاس کوئی وجہ نہیں اور علاوہ ازیں ابھی چند دن نہ گزرے تھے کہ میری موجودگی میں مولوی محمد علی صاحب کا ایک پیغام حضرت خلیفۃ المسیح کے پاس آیا تھا کہ وہ قادیان سے جانے کا ارادہ کر چکے ہیں کیونکہ ان کی بہت ہتک ہوئی ہے جس سے اِس روایت کی صحت ثابت ہوتی ہے۔

واقعات بیان کردہ کے شاہد

یہ وہ واقعات ہیں جن کے دیکھنے والے سینکڑوں لوگ زندہ موجود ہیں اور وہ لوگ جو اُس وقت اس مجلس میں موجود تھے ان میں کچھ تو ایسے لوگ ہیں جو اس وقت ان کے ساتھ ہیں اور کچھ ایسے جو میری بیعت میں ہیں۔مگر میں سمجھتا ہوں کہ اگر غلیظ قسموں سے دریافت کیا جاوے تو دونوں فریق کے آدمی ان واقعات کی صداقت کی شہادت دیں گے کیونکہ اتنی بڑی مجلس میں ہونے والا ایسا مہتم بِالشان واقعہ چھپایا نہیں جا سکتا۔

خواجہ صاحب اور ان کے ساتھیوں کی ایمانی حالت

پیشتر اس کے کہ میں واقعات کے سلسلہ کو آگے چلاؤں میں ان لوگوں کی ایمانی حالت کا ایک نقشہ پیش کرتا ہوں جس سے ہر ایک شخص سمجھ لے گا کہ یہ لوگ کہاں تک ایمانداری سے کام لے رہے ہیں۔پچھلی دفعہ جب خواجہ کمال الدین صاحب ولایت سے آئے تو جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے انہوں نے اختلافاتِ سلسلہ کے متعلق ایک لیکچر دیا تھا اس میں وہ اس واقعہ بیعت کو اس رنگ میں پیش کرتے ہیں کہ گویا حضرت خلیفہ اوّل نے ان کی روحانی صفائی کو دیکھ کر خاص طور پر اُن سے بیعت لی تھی۔ مندرجہ بالا واقعات کو پڑھ کر ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ جو شخص ان حالات کے مطابق کی جانے والی بیعت کو بیعت ارشاد اور ایک انعام اور عزت افزائی اور علامت تقرب قرار دیتا ہے اور دیکھنے والوں کی آنکھوں میں خاک ڈالنی چاہتا ہے کیا اس کی کسی بات کا بھی اعتبار ہوسکتا ہے۔خواجہ صاحب کے اصل الفاظ اس بارہ میں یہ ہیں :۔

''کہا جاتا ہے کہ انہوں نے (مراد حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل ہیں) مجھ سے بیعت دوبارہ لی ۔ یہ بالکل سچ ہے ۔ بیعت کس امر کی؟ بیعت ارشاد! کیا تم ایمان سے کہہ سکتے ہو کہ انہوں نے مجھ سے تجدید بیعت کرائی ۔ وہ بیعت ارشاد تھی نہ بیعت توبہ کی تجدید۔ اس کے بعد ایک اور بیعت رہ جاتی ہے وہ ہے بیعت دم ۔ اب جاؤ صوفیائے کرام کے حالات پڑھو اور دیکھو کہ بیعت ارشاد وہ کس مرید سے لیتے ہیں ۔ وہ سلسلہ میں داخل کرنے کے وقت مرید سے بیعت توبہ لیتے ہیں اور جب اس میں اطاعت کی استعداد دیکھتے ہیں تو اس سے بیعت ارشاد لیتے ہیں ۔ اور پھر جب اس پر اعتماد کُلّی ہوتا ہے تو بیعت دم ۔'' [۳۳]

خفیہ مخالفت

اب میں پھر اس مضمون کی طرف آتا ہوں ۔ حضرت خلیفۃ المسیح ان لوگوں کی ان حرکات سے ناراض ہوئے اور سخت ناراض ہوئے ۔ ان کو دوبارہ بیعت کرنی پڑی ۔ لیکن جہاں دوسرے لوگوں کے دل صاف ہوئے ان کے دلوں میں کینہ کی آگ اور بھی بھڑک اُٹھی ۔ صرف فرق یہ تھا کہ پہلے تو اس آگ کے شعلے کبھی اوپر بھی آجاتے تھے اب ان کو خاص طور پر سینہ میں ہی چھپایا جانے لگا تا کہ وقت پر ظاہر ہوں اور سلسلہ احمدیہ کی عمارت کو جلا کر راکھ کر دیں ۔ مولوی محمد علی صاحب اس واقعہ کے بعد کُلّی طور پر ان لوگوں کے ہاتھ میں پڑ گئے جو عقیدۃً سلسلہ سے علیحدہ تھے اور ان فتنوں نے ان کو ان لوگوں کے ایسا قریب کر دیا کہ آہستہ آہستہ دو تین سال کے عرصہ میں نامعلوم طور پر ان کے ساتھ متحد فی العقیدۃ ہو گئے ۔ خواجہ صاحب موقع شناس آدمی ہیں ۔ انہوں نے تو یہ رنگ اختیار کیا کہ خلافت کے متعلق عام مجالس میں تذکرہ ہی چھوڑ دیا اور چاہا کہ اب یہ معاملہ دبا ہی رہے تا کہ جماعت احمدیہ کے افراد آئندہ ریشہ دوانیوں کا اثر قبول کرنے کے قابل رہیں ۔

خلیفہ کی بجائے ''پریذیڈنٹ'' کا لفظ استعمال کرنا

انہوں نے سمجھ لیا کہ اگر آج اس مسئلہ پر پوری روشنی پڑی تو آئندہ پھر اس میں تاویلات کی گنجائش نہ رہے گی ۔ چنانچہ اس بات کو مدنظر رکھ کر ظاہر میں انہوں نے خلافت کی اطاعت شروع کر دی اور یہ تدبیر اختیار کی گئی کہ

صدر انجمن احمدیہ کے معاملات میں جہاں کہیں بھی حضرت خلیفۃ المسیح کے کسی حکم کی تعمیل کرنی پڑتی وہاں کبھی حضرت خلیفۃ المسیح نہ لکھا جاتا بلکہ یہ لکھا جاتا کہ پریذیڈنٹ صاحب نے اس معاملہ میں یوں سفارش کی ہے اس لئے ایسا کیا جاتا ہے۔ جس سے ان کی غرض یہ تھی کہ صدر انجمن احمدیہ کے ریکارڈ سے یہ ثابت نہ ہو کہ خلیفہ کبھی انجمن کا حاکم رہا ہے۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات کے بعد انہوں نے اس طرح جماعت کو دھوکا دینا بھی چاہا مگر واقعات کچھ ایسے جمع ہو گئے تھے کہ مجبوراً ان کو اس پہلو کو ترک کرنا پڑا اور اب یہ لوگ خلافت کی بحث میں پڑتے ہی نہیں تا کہ لوگوں کو ان پُرانے واقعات کی یاد تازہ نہ ہو جاوے اور ان کی ناجائز تدابیر آنکھوں کے سامنے آ کر ان سے بدظن نہ کر دیں۔

غرض انہوں نے یہ کام شروع کیا کہ حضرت خلیفۃ المسیح کی باتیں تو مانتے مگر خلیفہ کا لفظ نہ آنے دیتے بلکہ پریذیڈنٹ کا لفظ استعمال کرتے۔ مگر خدا تعالیٰ چاہتا تھا کہ ان کی پردہ دری کرے۔

ایک مکان کی فروختگی کا معاملہ

حکیم فضل الدین صاحب ایک بہت مخلص احمدی تھے اور ابتدائی لوگوں میں سے تھے۔ انہوں نے اپنی جائیداد کی وصیت بحق اشاعت اسلام کی تھی۔ اس جائیداد میں ایک مکان بھی تھا۔ انجمن نے اس مکان کو فروخت کرنا چاہا۔ یہ مکان حکیم صاحب نے جس شخص سے خریدا تھا اُس نے حضرت خلیفۃ المسیح سے درخواست کی کہ ہمارے پاس اسے کسی قدر رعایت سے فروخت کر دیا جائے کیونکہ ہم ہی سے خریدا گیا تھا اور بعض مشکلات کی وجہ سے بہت سستا ہم نے دے دیا تھا۔ پس اب کچھ رعایت سے یہ مکان ہم ہی کو دے دیا جاوے۔ حضرت خلیفۃ المسیح نے اس بات کو مان لیا اور انجمن کو لکھا کہ اس مکان کو رعایت سے اس کے پاس فروخت کر دو۔ ان لوگوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا۔ خیال کیا کہ جماعت کو جب معلوم ہوگا کہ جماعت کی ایک مملوکہ شئے کو حضرت خلیفۃ المسیح سستے داموں دلواتے ہیں تو سب لوگ ہم سے مل جاویں گے اور اس امر سے انکار کر دیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح سے بہت کچھ گفتگو اور بحث کی اور کہا کہ یہ لوگ بھی نیلام میں خرید لیں انجمن کیوں نقصان اُٹھائے۔ حضرت خلیفۃ المسیح نے بہتیرا اِن کو سمجھایا کہ ان لوگوں نے مشکلات کے وقت بہت ہی سستے داموں پر یہ مکان

دے دیا تھا پس ان کا حق ہے کہ ان سے کچھ رعایت کی جاوے مگر انہوں نے تسلیم نہ کیا۔ آخر آپ نے ناراض ہو کر لکھ دیا کہ میری طرف سے اجازت ہے آپ جس طرح چاہیں کریں میں دخل نہیں دیتا۔ جب انجمن کا اجلاس ہوا میں بھی موجود تھا۔ ڈاکٹر محمد حسین صاحب حال سیکرٹری انجمن اشاعت اسلام لاہور نے میرے سامنے اِس معاملہ کو اس طرح پیش کیا کہ ہم لوگ خدا تعالیٰ کے حضور جواب دہ ہیں اور ٹرسٹی ہیں اس معاملہ میں کیا کرنا چاہئے۔ میں نے کہا جب حضرت خلیفۃ المسیح فرماتے ہیں کہ اس شخص سے کچھ رعایت کی جائے تو ہمیں چاہئے کہ کچھ رعایت کریں۔ ڈاکٹر صاحب نے اس پر کہا کہ حضرت نے اجازت دے دی ہے۔ جب خط سنایا گیا تو مجھے اس سے صاف ناراضگی کے آثار معلوم ہوئے اور میں نے کہا یہ خط تو ناراضگی پر دلالت کرتا ہے نہ کہ اجازت پر اس لئے میری رائے تو وہی ہے۔ اس پر ڈاکٹر صاحب موصوف نے ایک لمبی تقریر کی جس میں خشیۃ اللہ اور تقویٰ اللہ کی مجھے تاکید کرتے رہے۔ میں نے ان کو بار بار یہی جواب دیا کہ آپ جو چاہیں کریں میرے نزدیک یہی رائے درست ہے چونکہ ان لوگوں کی کثرت رائے تھی بلکہ اُسوقت میں اکیلا تھا انہوں نے اپنے منشاء کے مطابق ریزولیوشن پاس کر دیا حضرت خلیفۃ المسیح کو اطلاع ہوئی۔ آپ نے ان کو بلایا اور دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ سب کے مشورے سے یہ کام ہوا ہے اور میرا نام لیا کہ وہ بھی وہاں موجود تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے مجھے طلب فرمایا۔ میں گیا تو یہ سب لوگ بیٹھے ہوئے تھے میرے پہنچتے ہی آپ نے فرمایا کہ کیوں میاں! ہمارے صریح حکموں کی اس طرح خلاف ورزی کی جاتی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے تو کوئی خلاف ورزی نہیں کی۔ آپ نے فرمایا کہ فلاں معاملہ میں میں نے یوں حکم دیا تھا پھر اس کے خلاف آپ نے کیوں کیا؟ میں نے بتایا کہ یہ لوگ سامنے بیٹھے ہیں میں نے ان کو صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ اس امر میں حضرت خلیفۃ المسیح کی مرضی نہیں اس لئے اس طرح نہیں کرنا چاہئے اور آپ کی تحریر سے اجازت نہیں بلکہ ناراضگی ظاہر ہوتی ہے۔ آپ نے اس پر ان لوگوں سے کہا کہ دیکھو! تم اس کو بچہ کہا کرتے ہو یہ بچہ میرے خط کو سمجھ گیا اور تم لوگ اس کو نہ سمجھ سکے اور بہت کچھ تنبیہ کی کہ اطاعت میں ہی برکت ہے اپنے رویہ کو بدلو ورنہ خدا تعالیٰ کے فضلوں

سے محروم ہو جاؤ گے۔

دوبارہ معافی

اُس وقت یہ لوگ افسوس کا اظہار کرتے رہے مگر اُسی دن سے برابر کوشش شروع ہوگئی کہ لوگوں کو حضرت خلیفۃ المسیح پر بدظن کیا جاوے۔ کبھی کوئی الزام دیا جاتا کبھی کوئی۔ اور علَی الْاِعْلَان لاہور میں یہ ذکراذکار رہتے کہ اب جس طرح ہو اِن کو خلافت سے علیحدہ کر دیا جاوے۔ اِن واقعات کی اطلاع حضرت خلیفۃ المسیح کو ہوئی۔ عید قریب تھی آپ نے عید پر ان لوگوں کو لاہور سے بُلوایا (خواجہ صاحب اِس واقعہ میں شامل نہ تھے وہ اُس وقت کشمیر میں تھے اور جیسا کہ میں بتا چکا ہوں وہ اب خفیہ تدبیروں کو پسند کرتے تھے) اور ارادہ کیا کہ عید کے خطبہ میں ان لوگوں کو جماعت سے نکالنے کا اعلان کر دیا جاوے۔ چونکہ ان کو معلوم ہو گیا تھا کہ ہماری کوششیں بے سُود ہیں اور لوگ ہماری باتوں کو نہیں سنتے آخر دوبارہ معافی مانگی اور ان میں سے بعض سے دوبارہ بیعت لی گئی اور اس طرح یہ نیا فتنہ ٹلا۔ مگر اس واقعہ سے بھی ان کی اصلاح نہ ہوئی یہ لوگ اپنی کوششوں میں زیادہ ہوشیار ہو گئے۔

خواجہ صاحب کا شہرت حاصل کرنا

اب خواجہ صاحب نے پبلک لیکچروں کا سلسلہ شروع کیا کہ اس ذریعہ سے رسوخ پیدا کیا جاوے۔ خود لیکچر دیتے، خود ہی اپنے ہاتھ سے اپنے لیکچر کی تعریف لکھ کر سلسلہ کے اخبارات کو بھیج دیتے اور نیچے یکے از حاضرین لکھ دیتے اور اس طرح شہرت پیدا کرتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو خزانہ ہمیں دیا ہے وہ ایسا نہیں کہ لوگ اس کا ایک نقطہ بھی سنیں اور بے تاب نہ ہو جاویں۔ کچھ لسانی بھی خواجہ صاحب میں تھی۔ اِدھر اپنے ہی ہاتھ سے لکھ کر یا بعض دفعہ کسی دوست سے لکھوا کر اپنی تعریفوں کے شائع کرنے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خواجہ صاحب کی مانگ شروع ہوئی اور لیکچروں کا سلسلہ وسیع ہوا۔ جہاں جہاں جاتے جماعت کو اشارتاً کنایتاً موقع ہو تو وضاحتاً خلافت اور انجمن کے معاملہ کے متعلق بھی تلقین کرتے اور بوجہ اس شہرت کے جو بحیثیت لیکچرار کے ان کو حاصل ہوگئی تھی کچھ اثر بھی ہو جاتا۔

خواجہ صاحب کا غیر احمدیوں کے قریب ہونا

یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ جب انسان ایک غلط قدم اُٹھاتا ہے تو دوسرا خود بخود اُٹھتا ہے۔ لیکچروں کے سلسلہ کی وسعت کے ساتھ خواجہ صاحب کے تعلقات غیر احمدیوں سے بھی زیادہ ہونے لگے۔ وہ پہلے ہی سے سلسلہ کی حقیقت سے ناواقف تھے اب جو یہ مشکلات پیش آنے لگیں کہ بعض دفعہ جلسہ کے معاً بعد یا پہلے نماز کا وقت آجاتا اور غیر احمدی الگ نماز پڑھتے اور احمدی الگ اور لوگ پوچھتے کہ یہ تفریق کیوں ہے؟ تو خواجہ صاحب کو ایک طرف اپنی ہر دلعزیزی کے جانے کا خوف ہوتا دوسری طرف احمدیوں کی مخالفت کا ڈر۔ اس کشمکش میں وہ کئی طریق اختیار کرتے۔ کبھی کہتے کہ یہ نماز کی مخالفت تو عام احمدیوں کیلئے ہے کہ دوسروں سے مل کر متأثر نہ ہوں میرے جیسے پختہ ایمان آدمی کیلئے نہیں میں تو آپ لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنے کیلئے تیار ہوں۔ کہیں جواب دیتے کہ ہم تو ایک امام کے تابع ہیں آپ لوگ ان سے دریافت کریں۔ کہیں کہہ دیتے اگر آپ لوگ کفر کا فتویٰ واپس لے لیں تو ہم نماز پیچھے پڑھنے کے لئے تیار ہیں۔ غرض اِسی قسم کے کئی عذرات کرتے۔ درحقیقت عبدالحکیم کے ارتداد کے وقت سے ہی ان کے خیالات خراب ہو چکے تھے مگر اب ان کے نشوونما پانے کا وقت آ گیا تھا۔ خواجہ صاحب شہرت وعزت کے طالب تھے اور یہ روکیں ان کی شہرت وعزت کے راستہ میں حائل تھیں اور جو کچھ بھی ہو اِن روکوں کے دور کرنے کا خواجہ صاحب نے تہیہ کر لیا تھا۔ سب سے پہلے یہ تدبیر اختیار کی گئی کہ پیسہ اخبار اور وطن اخبار میں مرزا یعقوب بیگ سے ایک مضمون دِلوایا گیا کہ غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھنے کی ممانعت ایک عارضی حکم ہے اور اس طرح اس امر کی بنیاد رکھنے کی کوشش کی گئی کہ کچھ مدت کے بعد ان لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنی شروع کر دی جاوے۔ اِس تحریر پر جماعت کے بعض لوگوں میں یہ احساس پیدا ہوا کہ اب بات حد سے آگے نکل رہی ہے ابھی وہ اِسی فکر میں تھے کہ احمدیوں کی ان حرکات سے دلیر ہو کر غیر احمدیوں نے بھی حملے کرنے شروع کر دیئے اور احمدیوں کو تنگ ظرف اور وُسعت حوصلہ سے کام نہ لینے والا قرار دینے لگے۔

ان ہی ایام میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل سے سوال کیا گیا کہ کیا احمدیوں اور غیر احمدیوں میں اصولی فرق ہے یا فروعی؟ اِس پر آپ نے جواب دیا کہ اصولی فرق ہے۔ اِس پر تو اندھیر پڑ گیا نہایت سختی سے غیر احمدی اخبارات نے حضرت خلیفہ المسیح پر حملے شروع کر دیئے کہ ایک معمولی سی بات پر انہوں نے مسلمانوں میں اختلاف ڈلوا دیا ہے۔

تبلیغ احمدیت کا سوال

اِس بحث کے ساتھ ساتھ جو احمدیوں اور غیر احمدیوں میں تھی ایک سوال خود جماعت میں بھی چھڑا ہوا تھا اور وہ سوال تبلیغ احمدیت کا تھا۔ خواجہ صاحب نے جب سے لیکچر دینے شروع کئے سوائے پہلے لیکچر کے آپ نے یہ بات خاص طور پر مدّ نظر رکھی تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر نہ آوے۔ حالانکہ اِس وقت سب امراض کا علاج اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود علیہ السلام کی غلامی کو قرار دیا ہے۔ بلکہ وہ کوشش کرتے تھے کہ اگر کسی موقع پر سلسلہ مضمون میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر ضروری ہو جاوے تو وہ اسے بھی ٹلا جاویں۔ وہ یہ بات سمجھ چکے تھے کہ غیر احمدیوں میں اس قسم کے لیکچروں کے بغیر قبولیت نہیں ہوسکتی۔ چونکہ غیر احمدیوں کو اگر عداوت ہے تو صرف مَأْمُوْر مِنَ اللّٰہ سے وہ بھی ایسے لیکچروں میں خوب آتے اور بہت شوق سے آتے اور ہزاروں کا مجمع ہو جاتا۔ جیسا کی میں پہلے بیان کر آیا ہوں خواجہ صاحب ان لیکچروں کو مقبول بنانے کیلئے خاص تدابیر بھی اختیار کرتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خواجہ صاحب کے لیکچر خوب مقبول ہونے لگے اور غیر احمدیوں نے بھی تعریفیں شروع کیں اور خواجہ صاحب کی چاروں طرف سے مانگ ہونے لگی۔ احمدیوں نے جو یہ شوق لوگوں کا دیکھا تو اصل بات کو تو سمجھے نہیں خواجہ صاحب کی اس کامیابی کو سلسلہ کی کامیابی سمجھا اور خاص طور پر جلسہ کر کے مختلف جگہ کی جماعتوں نے بطور خود یا خواجہ صاحب کی تحریک پر خاص جلسے کرنے شروع کئے اور خیال کرنے لگے کہ اس طرح غیر احمدیوں کو سلسلہ سے اُنس ہوتے ہوتے لوگ داخل سلسلہ ہونے لگیں گے۔ یہ وباء کچھ ایسی پھیلی کہ ہمارے سلسلہ کے دوسرے لیکچراروں نے بھی یہی طریق اختیار کرنا شروع کر دیا اور قریب ہوگیا کہ وہ قرنا جو خدا تعالیٰ نے مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ سے پھونکی تھی اُس کی آواز ہمیشہ کیلئے بند ہو جائے۔ یہ وقت احمدیت

کیلئے نہایت خطرناک تھا۔ بعض احمدی لیکچرار مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر کھلے طور پر کرنے سے ہچکچانے لگے اور جب کوئی سوال بھی کرتا تو ایسے رنگ میں جواب دیا جاتا کہ جس سے مضمون کی پوری طرح تشریح نہ ہوتی تھی۔ یہ بات مداہنت کے طور پر نہ تھی نہ منافقت کے باعث بلکہ یہ لوگ خواجہ صاحب کی اِتباع میں یہ خیال کرتے تھے کہ اس طرح سلسلہ کی اشاعت میں زیادہ آسانیاں پیدا ہوں گی۔ جو واعظ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر کرتے بھی تھے تو وہ بھی ایسے پیرایہ میں کہ جو مضامین غیر احمدیوں کو اشتعال دلانے والے ہیں ان کا ذکر بیچ میں نہ آوے مگر سب کی سب جماعت اس خیال کی نہ تھی۔ ایک حصہ ایسا بھی تھا جو خواجہ صاحب کے طریق عمل کو خوب سمجھتا تھا اور اس کی طرف سے خواجہ صاحب پر سوال ہونا شروع ہوا کہ وہ کیوں اپنے لیکچروں میں کبھی بھی سلسلہ کا ذکر نہیں کرتے۔ اس کا جوب خواجہ صاحب ہمیشہ عبدالحکیم مرتد کے ہم نوا ہو کر یہی دیا کرتے تھے کہ پہلے بڑے بڑے مسائل طے ہو جاویں پھر یہ مسائل آپ حل ہو جاویں گے۔ جب یہ لوگ ہمیں خدمت اسلام کرتے دیکھیں گے کیا ان کے دلوں میں یہ خیال پیدا نہ ہوگا کہ یہی لوگ حق پر ہیں؟ میں تو سڑک صاف کر رہا ہوں۔ جنگل کے درخت کاٹ رہا ہوں ٹیلوں کو برابر کر رہا ہوں۔ جب سڑک تیار ہو جاوے گی۔ جنگل کٹ جاوے گا۔ زمین صاف ہو جاوے گی پھر وقت آوے گا کہ ریل چلائی جاوے۔ کھیتی کی جاوے۔ باغ لگایا جاوے۔ مگر جب سوال کیا جاتا ہے کہ اگر پہلے جنگل کے کاٹنے کی ضرورت تھی اور سڑکوں کی تیاری کا وقت تھا تو خدا تعالیٰ نے کیوں اِس وقت مسیح موعود علیہ السلام کو بھیج کر دنیا کو فتنہ میں ڈال دیا؟ ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ ہر ایک لیکچر میں صرف یہی ذکر کریں لیکن بحصۂ رسدی اس ضروری صداقت کا بھی تو اظہار ہونا چاہئے۔ اس کا جواب نہ خواجہ صاحب دے سکتے تھے نہ دیتے تھے۔ وہ اس پر یہی کہہ دیا کرتے کہ میں کسی کو کب منع کرتا ہوں میں راستہ صاف کرتا ہوں کوئی اور شخص ان امور پر لیکچر دیتا پھرے۔

۲۷ مارچ ۱۹۱۰ء کا لیکچر

چنانچہ اِن واقعات کو دیکھ کر مجھے ۲۷ مارچ ۱۹۱۰ء کو ایک لیکچر دینا پڑا۔ جس میں میں نے اس طریق کی غلطی سے جماعت کو آگاہ کیا۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت کے ایک حصہ میں

ہوشیاری پیدا ہوگئی اور وہ اپنی غلطی کو سمجھ گیا مگر پھر بھی میرا وہ لیکچر اس رَو کو نہ دَبا سکا جو زور سے بہ رہی تھی اور مسئلہ کفر واسلام غیر احمدیان کے ساتھ مل کر وہ برابر ترقی کرتی چلی گئی۔

غیراحمدیوں کی تکفیر کا مضمون

جب حالات یہاں تک پہنچ گئے اور ایک طرف اپنی جماعت کا ایک حصہ غلط طریق پر چل پڑا اور دوسری طرف غیر احمدیوں نے بعض احمدیوں کے رویہ سے شہ پکڑ کر ہم پر حملہ شروع کر دیا تو میں نے غیر احمدیوں کی تکفیر پر مبسوط مضمون لکھا جو حضرت خلیفۃ المسیح کی اصلاح کے بعد تشحیذ الاذہان کے اپریل ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۲۳ تا صفحہ ۱۵۸ کے پرچہ میں شائع کیا گیا۔ یہ مضمون اُس وقت کے حالات کے ماتحت جماعت کو ایک کونے سے دوسرے کونے تک ہلا دینے والا ثابت ہوا اور خدا تعالیٰ کے فضل سے سوائے ایک قلیل گروہ کے باقی سب جماعت نے اس بات کو دل سے قبول کر لیا کہ واقعہ میں اگر وہ اس سحر کے اثر کے نیچے رہتے جو اُن پر کیا گیا تھا تو وہ ضرور کسی وقت صداقت کو بھول جاتے اور بہتوں نے اس پر شکر و اطمینان کا اظہار کیا اور جماعت میں ایک نئی روح اور تازہ جوش پیدا ہوگیا۔ اور ہر ایک احمدی سوائے ایک قلیل تعداد کے اپنے فرض کی ادائیگی کے لئے آمادہ ہوگیا۔

خواجہ صاحب کا مضمون

چونکہ یہ سب کوشش خواجہ صاحب اور ان کے رفقاء کی تحریک پر ہو رہی تھی جب میرا یہ مضمون شائع ہوا تو خواجہ صاحب کو فکر ہوئی اور انہوں نے ایک مضمون لکھا جس میں میرے مضمون کے معنی بگاڑ کر اس طرح کئے گئے جو بالکل اصل مضمون کے اُلٹ تھے اور جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے خود میرے سامنے بیان فرمایا کہ آپ سے یہ کہہ کر دستخط کروائے گئے کہ خواجہ صاحب کا وہی عقیدہ ہے جو میرا ہے۔ صرف خواجہ صاحب نے ایسے الفاظ میں میرے مضمون کی تشریح کی ہے جو لوگوں کیلئے اشتعال دلانے کا باعث نہ ہو۔

مولوی محمد علی صاحب کے خیالات کی قلبِ ماہیت کا وقت

جہاں تک میرا خیال ہے یہی وہ وقت ہے جب کہ مولوی محمد علی صاحب کے خیالات کی قلب ماہیت ہوئی۔ کیونکہ ان کے پہلے

مضامین سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نبی سمجھتے تھے۔ اُس وقت حالات ہی ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ اگر کفر و اسلام غیر احمدیان کی بحث میں خواجہ صاحب ناکامیاب ہوتے تو مولوی صاحب کی امیدوں کو سخت صدمہ پہنچتا تھا۔ کیونکہ بوجہ اُس قبولیت کے جو لیکچروں کی وجہ سے خواجہ صاحب کو حاصل ہو چکی تھی مولوی محمد علی صاحب اب صفِ اوّل سے صفِ ثانی کی طرف منتقل ہو چکے تھے اور صفِ اوّل پر خواجہ صاحب کھڑے تھے۔ جماعت پر ان کا خاص اثر تھا اور لوگ ان کی باتیں سنتے اور قبول کرنے کیلئے تیار تھے اور مولوی صاحب اور ان کے رفقاء اسی رسوخ سے کام لیکر اپنے ارادوں کے پورا کرنے کی امید میں تھے۔ پس اسی مجبوری نے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کے خیالات پر اثر کیا اور آپ اُنہی دنوں میں کھلے طور پر خواجہ صاحب کے ہم خیال ہو گئے اور اب گویا یہ جماعت عقیدتاً اور سیاستاً ایک ہو گئی ہے ورنہ اس سے پہلے خود مولوی محمد علی صاحب خواجہ صاحب کی طرزِ تبلیغ کے مخالف تھے اور مارچ ۱۹۱۰ء یا دسمبر ۱۹۱۰ء کی کانفرنس احمدیہ کے موقع پر انہوں نے ایک بحث کے دَوران جو احمدیہ جماعت کے جلسوں کی ضرورت یا عدمِ ضرورت پر تھی بڑی سختی سے خواجہ صاحب پر حملہ کیا تھا۔ پس یہی معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۱۰ء یا گیارہ عیسوی میں مذکورہ حالات کے اثر کے نیچے مولوی محمد علی صاحب کے خیالات میں تغیر پیدا ہوا ہے۔

مولوی محمد علی صاحب کو خاص وقعت دینے کی کوشش

جبکہ خواجہ صاحب کی خاص کوششیں سلسلہ احمدیہ کے اصول کو بدلنے کے متعلق جاری تھیں اور وہ اپنے اغراض کو پورا کرنے کیلئے ہر طرح سعی کر رہے تھے اور جماعت کو اس کے مرکز سے ہٹا دینے اور غیر احمدیوں میں ملا دینے سے بھی وہ نہ ڈرتے تھے، جماعت کے سیاسی انتظام کے بدلنے کی فکر بھی ان لوگوں کے ذہن سے نکل نہیں گئی تھی۔ اس امر کے لئے دو طرح کوشش کی جاتی تھی ایک تو اس طرح کہ حضرت خلیفۃ المسیح کے تمام احکام کو ہدایاتِ پریذیڈنٹ کے رنگ میں ظاہر کیا جاتا تھا جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ اور دوسرے اس طرح کہ مولوی محمد علی صاحب کو خلیفہ کی حیثیت دی جائے تاکہ

جماعت پر ان کا خاص اثر ہو جاوے اور دوسرے لوگوں کی نظریں بھی اُن کی طرف اُٹھنے لگیں۔ چنانچہ انجمن کے اجلاسات میں صاف طور پر کہا جاتا تھا کہ جو کچھ مولوی صاحب حکم دیں گے وہی ہم کریں گے اور ایک دفعہ شیخ رحمت اللہ صاحب نے صاف طور پر یہ الفاظ کہے کہ ہمارے تو یہ امیر ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ۱۹۱۱ء میں مذہبی کانفرنس کے موقع پر جب مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ صاحب اپنے مضامین سنانے کے لئے گئے تو لوگوں کے دریافت کرنے پر خواجہ صاحب نے مولوی محمد علی صاحب کو اپنا پیر یا لیڈر بیان کیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی زندگی میں ہی یہ بات عام طور پر بیان ہوتی چلی آئی ہے مگر خواجہ صاحب نے کبھی اس کی تردید نہیں کی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ درست ہی ہے۔ اسی طرح اور سب معاملات میں مولوی محمد علی صاحب کو اس طرح آگے کرنے کی کوشش کی جاتی تھی کہ لوگوں کی نظریں حضرت خلیفۃ المسیح کی طرف سے ہٹ کر انہی کی طرف متوجہ ہو جاویں۔

بے جا کوششوں کا اکارت جانا

مگر یہ دونوں کوششیں ان کی بیکار گئیں۔ پہلی کوشش تو اس طرح کہ ۱۹۱۰ء میں حضرت خلیفۃ المسیح نے صدر انجمن احمدیہ کو لکھ دیا کہ میں چونکہ خلیفہ ہوں ممبر انجمن اور صدر انجمن نہیں رہ سکتا میری جگہ مرزا محمود احمد کو پریذیڈنٹ مقرر کیا جاوے۔ اس طرح اس تدبیر کا تو خاتمہ ہوا۔ حضرت خلیفۃ المسیح انجمن سے علیحدہ ہو گئے اور آپ کی جگہ میں صدر ہو گیا اور اب یہ ظاہر کرنے کا موقع نہ رہا کہ خلیفہ کی اطاعت بوجہ خلافت نہیں کی جاتی بلکہ بوجہ پریذیڈنٹ انجمن ہونے کے اُس کی رائے کا احترام کیا جاتا ہے۔ دوسری تدبیر خود اپنے ہی ہاتھوں سے اکارت چلی گئی۔ جونہی خواجہ صاحب کو کچھ شہرت حاصل ہوئی وہ اپنے وجود کو آگے لانے لگے اور لوگوں کی توجہ بھی اُن کی طرف ہی پھر گئی اور مولوی صاحب خود ہی پیچھے ہٹ گئے اور ان کی رائے کا وہ اثر نہ رہا جو پہلے تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح کا ۱۹۱۰ء میں بیمار ہونا

۱۹۱۰ء کے آخری مہینوں میں حضرت خلیفۃ المسیح گھوڑے سے

گر گئے اور کچھ دن آپ کی حالت بہت نازک ہوگئی۔ حتیّٰ کہ آپ نے مرزا یعقوب بیگ صاحب جو اُس وقت آپ کے معالج تھے دریافت کیا کہ میں موت سے نہیں گھبراتا آپ بے دھڑک طبی طور پر بتا دیں کہ اگر میری حالت نازک ہے تو میں کچھ ہدایات وغیرہ لکھوا دوں۔ مگر چونکہ یہ لوگ حضرت مولوی صاحب کا ہدایات لکھوانا اپنے لئے مضر سمجھتے تھے آپ کو کہا گیا کہ حالت خراب نہیں ہے اور اگر ایسا وقت ہوا تو وہ خود بتا دیں گے مگر وہاں سے نکلتے ہی ایک مشورہ کیا گیا اور دوپہر کے وقت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب میرے پاس آئے کہ ایک مشورہ کرنا ہے آپ ذرا مولوی محمد علی صاحب کے مکان پر تشریف لے چلیں۔ میرے نانا صاحب جناب میر ناصر نواب صاحب کو بھی وہاں بُلوایا گیا تھا۔ جب میں وہاں پہنچا تو مولوی محمد علی صاحب، خواجہ صاحب، مولوی صدرالدین صاحب اور ایک یا دو آدمی وہاں پہلے سے موجود تھے۔ خواجہ صاحب نے ذکر شروع کیا کہ آپ کو اِس لئے بُلوایا ہے کہ حضرت مولوی صاحب کی طبیعت بہت بیمار اور کمزور ہے۔ ہم لوگ یہاں ٹھہر تو سکتے نہیں لاہور واپس جانا ہمارے لئے ضروری ہے پس اِس وقت دوپہر کو جو آپ کو تکلیف دی ہے تو اِس سے ہماری غرض یہ ہے کہ کوئی ایسی بات طے ہو جاوے کہ فتنہ نہ ہو اور ہم لوگ آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم میں سے کسی کو خلافت کی خواہش نہیں ہے کم سے کم میں اپنی ذات کی نسبت تو کہہ سکتا ہوں کہ مجھے خلافت کی خواہش نہیں ہے اور مولوی محمد علی صاحب بھی آپ کو یہی یقین دلاتے ہیں۔ اِس پر مولوی محمد علی صاحب بولے کہ مجھے بھی ہرگز خواہش نہیں۔ اس کے بعد خواجہ صاحب نے کہا کہ ہم بھی آپ کے سوا خلافت کے قابل کسی کو نہیں دیکھتے اور ہم نے اس امر کا فیصلہ کر لیا ہے لیکن آپ ایک بات کریں کہ خلافت کا فیصلہ اُس وقت تک نہ ہونے دیں جب تک ہم لاہور سے نہ آجاویں۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص جلد بازی کرے اور پیچھے فساد ہو ہمارا انتظار ضرور کر لیا جائے۔ میر صاحب نے تو ان کو یہ جواب دیا کہ ہاں جماعت میں فساد کے مٹانے کے لئے کوئی تجویز ضرور کرنی چاہئے۔ مگر میں نے اُس وقت کی ذمہ داری کو محسوس کر لیا اور صحابہؓ کا طریق میری نظروں کے سامنے آگیا کہ ایک خلیفہ کی موجودگی میں دوسرے کے متعلق تجویز خواہ وہ اُس کی وفات کے بعد کے لئے ہی کیوں نہ ہو ناجائز ہے۔ پس میں

نے ان کو یہ جواب دیا کہ ایک خلیفہ کی زندگی میں اس کے جانشین کے متعلق تعیین کر دینی اور فیصلہ کر دینا کہ اس کے بعد فلاں شخص خلیفہ ہو گناہ ہے۔ میں تو اِس امر میں کلام کرنے کو ہی گناہ سمجھتا ہوں۔

جیسا کہ ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے خواجہ صاحب کی اس تقریر کی بعض باتیں خاص توجہ کے قابل تھیں۔ اوّل تو یہ کہ اس سے ایک گھنٹہ پہلے تو انہی لوگوں نے حضرت خلیفۃ المسیح سے کہا تھا کہ کوئی خطرہ کی بات نہیں، وصیت کی ضرورت نہیں اور وہاں سے اُٹھتے ہی آئندہ کا انتظام سوچنا شروع کر دیا۔ دوسری بات یہ کہ ان کی تقریر سے صاف طور پر اس طرف اشارہ نکلتا تھا کہ ان کو تو خلافت کی خواہش نہیں لیکن مجھے ہے۔ مگر میں نے اُس وقت ان بحثوں میں پڑنے کی ضرورت نہ سمجھی کیونکہ ایک دینی سوال درپیش تھا اور اس کی نگہداشت سب سے زیادہ ضروری تھی۔

مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ صاحب کی خلیفہ ہونے کی خواہش

جیسا کہ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا ہے مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ صاحب کی یہ بات کہ ہم خلافت کے خواہشمند نہیں ہیں اِس کا صرف یہ مطلب تھا کہ لفظ خلافت کے خواہشمند نہیں کیونکہ ان لوگوں نے خلافت کی جگہ ایک نئی قسم کا عہدہ پریذیڈنٹ یا امیر جماعت کا وضع کر لیا ہے جو عملاً خلیفہ کا مترادف سمجھا جاتا ہے اور جس کے مدعی اس وقت محمد علی صاحب ہیں اور خواجہ صاحب تو اب اپنے آپ کو خلیفۃ المسیح لکھتے ہیں۔ گو ان کو خلافت کی کوئی بات بھی میسر نہیں اور شاید یہ خطاب جو ان کے دوستوں نے ان کو دیا ہے اور انہوں نے بھی اپنے لئے پسند کر لیا ہے یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے سزا کے طور پر ہے تا کہ دنیا دیکھ لے کہ وہ خلافت کے اِس قدر شائق تھے کہ خلیفۃ المسیح ہونا تو الگ رہا اگر خلافت نہ ملے تو خالی نام ہی سے وہ اپنا دل خوش کرتے ہیں۔

فریب دہی

اِس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ بعد کے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ تجویز جو خواجہ صاحب اور ان کے رفقاء نے میرے سامنے پیش کی درحقیقت ایک فریب تھا اور گو اُس وقت اِس امر کا خیال نہیں ہو سکتا مگر اب معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے

اپنے خیال میں مجھے خلافت کا شائق سمجھ کر یہ چال چلی تھی کہ اس طرح مطمئن کر دیں اور خود موقع پر پہنچ کر اپنے منشاء کے مطابق کوئی تجویز کریں ورنہ اگر وہ میری خلافت پر متفق تھے تو اِس بات کے کیا معنی ہوئے کہ ان کا انتظار کیا جاوے ورنہ فتنہ ہوگا۔ جب ان کے نزدیک بھی مجھے ہی خلیفہ ہو جانا چاہئے تھا تو ان کی عدم موجودگی میں بھی اگر یہ کام ہو جاتا تو فتنہ کا باعث کیوں ہوتا۔

انصاراللہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ روحانی مریض کے مرضِ روحانی میں بڑھنے کیلئے بھی سامان پیدا ہوتے رہتے ہیں اسی طرح ان لوگوں کے ساتھ ہوا۔ فروری ۱۹۱۱ء میں مَیں نے ایک رؤیا دیکھی کہ:۔

''ایک بڑا محل ہے اور اس کا ایک حصہ گرا رہے ہیں اور اس محل کے پاس ایک میدان ہے اور اس میں ہزاروں آدمی پتھیروں کا کام کر رہے ہیں اور بڑی سرعت سے اینٹیں پاتھتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیسا مکان ہے اور یہ کون لوگ ہیں اور اس مکان کو کیوں گرا رہے ہیں؟ تو ایک شخص نے جواب دیا کہ یہ جماعت احمدیہ ہے اور اس کا ایک حصہ اس لئے گرا رہے ہیں تا پُرانی اینٹیں خارج کی جائیں (اللہ رحم کرے) اور بعض کچی اینٹیں پکی کی جائیں اور یہ لوگ اینٹیں اس لئے پاتھتے ہیں تا اس مکان کو بڑھایا جائے اور وسیع کیا جائے۔ یہ ایک عجیب بات تھی کہ سب پتھیروں کا منہ مشرق کی طرف تھا۔ اُس وقت دل میں خیال گزرا کہ یہ پتھیرے فرشتے ہیں اور معلوم ہوا کہ جماعت کی ترقی کی فکر ہم کو بہت کم ہے بلکہ فرشتے ہی اللہ تعالیٰ سے اِذن پا کر کام کر رہے ہیں''۔

اس رؤیا سے تحریک پا کر میں نے حضرت خلیفۃ المسیح کی اِجازت سے ایک انجمن بنائی جس کے فرائض تبلیغِ سلسلہ احمدیہ، حضرت خلیفۃ المسیح کی فرمانبرداری، تسبیح، تحمید و درود کی کثرت، قرآن کریم اور احادیث کا پڑھنا اور پڑھانا، آپس میں محبت بڑھانا، بدظنی اور تفرقہ سے بچنا، نماز باجماعت کی پابندی رکھنا تھے۔ ممبر ہونے کیلئے یہ شرط رکھی گئی کہ سات دن متواتر استخارہ کے بعد کوئی شخص اس انجمن میں داخل ہو سکتا ہے اس کے بغیر نہیں۔ اس

انجمن کا اعلان ہونا تھا کہ اعتراضات کی بوچھاڑ ہونی شروع ہوگئی اور صاف طور پر ظاہر کیا جانے لگا کہ اس انجمن کا قیام بغرضِ حصول خلافت ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اِس انجمن کے ممبروں میں سے ایک خاصی تعداد اِس وقت ان لوگوں کے ساتھ ہے اور وہ لوگ گواہی دے سکتے ہیں کہ اس انجمن کا کوئی تعلق تغیراتِ خلافت کے متعلق نہ تھا۔ بلکہ یہ انجمن صرف تبلیغ کا کام کرتی تھی اور ان میں سے بعض نے یعنی ان کے واعظ محمد حسین عُرف مرہمِ عیسیٰ اور ماسٹر فقیر اللہ سپرنٹنڈنٹ دفتر سیکرٹری اشاعت اسلام لاہور نے یہ شہادت بھی دی ہے۔ اس انجمن کے قریباً پونے دوسَو ممبر ہوگئے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت میں تبلیغ کے متعلق جو سستی ہوگئی تھی اس کے ذریعہ سے وہ دور ہوگئی اور سلسلہ حقّہ کی خالص تبلیغ کا جوش نہ صرف اس کے ممبران میں ہی بلکہ دوسرے لوگوں میں بھی پیدا ہوگیا اور ایسے لوگ جو سست ہوگئے تھے چست ہوگئے اور جو پہلے سے ہی چست تھے وہ تو چست ہی تھے خواجہ صاحب نے بھی اس خیال سے کہ دیکھوں اس انجمن میں کیا بھید ہے اس میں داخل ہونا چاہا، لیکن سات دن کا استخارہ غالباً ان کے راستہ میں روک ہوا یا کوئی اور باعث ہوا جو اِس وقت میرے ذہن میں نہیں ہے۔

طریق تبلیغ کے متعلق الٰہی اشارہ

چونکہ انجمن انصاراللہ کا قیام تبلیغ سلسلہ احمدیہ کے لئے تھا اس لئے میں اس جگہ ضمناً یہ بھی ذکر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جس طرح خلافت کے مسئلہ کے متعلق میں نے اُس وقت تک آگے آنے کی جرأت نہیں کی جب تک کہ مجھے رؤیا میں اس کے متعلق بتایا نہیں گیا اِسی طرح تبلیغ کے طریق کے متعلق بھی بغیر استخارہ اور دعا اور الٰہی اشارہ کے میں نے کچھ نہیں کیا۔ چنانچہ خواجہ صاحب کے طرزِ تبلیغ کو دیکھ کر جب جماعت میں اعتراضات ہونے شروع ہوئے تو میں نے اُس وقت تک کوئی طریق اختیار نہیں کیا جب تک کہ دعا و استخارہ نہیں کر لیا۔ اِس استخارہ کے بعد مجھے رؤیا میں خواجہ صاحب کے متعلق دکھایا گیا کہ وہ خشک روٹی کو کیک سمجھے ہوئے ہیں اور اسی کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اس پر میں نے ان کے اس رویہ کی تردید شروع کی ورنہ پہلے میں بالکل خاموش تھا۔

خلیفہ اوّل کی پردہ پوشی

جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں اُس وقت عام طور پر جماعت معاملات کو سمجھ گئی تھی اور احمدیوں نے سمجھ لیا تھا کہ خواجہ صاحب ہمیں کدھر کو لئے جا رہے ہیں اور اکثر حصہ جماعت کا اِس بات پر تیار ہو گیا تھا کہ وہ اندرونی یا بیرونی دشمنوں کی کوششوں کا جو ان کو مرکز احمدیت سے ہٹانے کیلئے کی جا رہی ہیں مقابلہ کرے۔ مگر چونکہ خواجہ صاحب اور ان کے رفقاء نے خلافت کے متعلق یہ رویہ اختیار کر لیا تھا کہ بظاہر اس مسئلہ کی تائید کی جائے۔ اس طرح حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں اکثر حاضر ہو کر ان سے اظہارِ عقیدت کی جاوے اس لئے جماعت کو ان کے حالات سے پوری طرح آگاہی نہ حاصل ہو سکی۔ ورنہ جس قدر آجکل ان کا اثر ہے وہ بھی نہ رہتا۔ حضرت خلیفۃ المسیح کو ان لوگوں نے یقین دلایا تھا کہ لوگ خلافت کے قائل ہیں اور اسی طرح دوسرے مسائل میں بھی جیسا رنگ حضرت خلیفۃ المسیح کا دیکھتے اُسی طرح ہاں میں ہاں ملا دیتے۔ جس سے اکثر آپ یہی خیال فرماتے کہ یہ لوگ نہایت خیر خواہ اور راسخ العقیدہ ہیں اور ان کی پچھلی حرکات پر پردہ ڈالتے اور اگر لوگ ان کی کارروائیاں یاد دلاتے تو آپ بعض دفعہ ناراض بھی ہوتے اور فرماتے کہ غلطیاں سب انسانوں سے ہوتی ہیں اگر ان سے ہو گئیں تو ان کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو اب یہ بالکل درست ہیں۔ مگر حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات کے ساتھ ہی یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت خلیفۃ المسیح کو یہ لوگ دھوکا دیتے تھے اور حضرت خلیفۃ المسیح نے اگر ان کی کوئی تعریف کی ہے تو یہ اس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ کیونکہ اس سے ان کی تعریف ثابت نہیں ہوتی بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ لوگ آپ کے وقت میں منافقت سے کام کرتے تھے کیونکہ جن باتوں کی نسبت حضرت خلیفہ اوّل فرماتے تھے کہ یہ مانتے ہیں ان پر یہ الزام مت لگاؤ کہ یہ ان کو نہیں مانتے آپ کی وفات کے بعد انہوں نے اس سے انکار کر دیا۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ بناوٹ بناوٹ ہی ہوتی ہے درمیان میں کبھی کبھی ان لوگوں کی حرکات سے حضرت خلیفۃ المسیح سمجھ بھی جاتے تھے کہ یہ لوگ دھوکا دے رہے ہیں اور اس کا اظہار بھی فرماتے تھے مگر پھر ان لوگوں کے معافی مانگ لینے پر خیال فرماتے تھے کہ شاید غلطی

ہوگئی ہو اور دل سے ان لوگوں نے یہ حرکت نہ کی ہو۔ کیونکہ حسن ظنی آپ کی طبیعت میں بہت بڑھی ہوئی تھی اور رحم فطرت میں ودیعت تھا۔

غرض ایک عجیب سی حالت پیدا ہو گئی تھی ۔ ایک طرف تو عام طور پر اپنے زہریلے خیالات پھیلانے کے باعث یہ لوگ جماعت کی نظروں سے گرتے جاتے تھے دوسری طرف حضرت خلیفۃ المسیح سے خوف کر کے کہ آپ ان کے اخراج کا اعلان نہ کر دیں یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح آپ کی زندگی میں جماعت میں ہی ملے رہیں اس لئے آپ کے سامنے اپنے آپ کو نہایت مطیع ظاہر کرتے تھے۔مگر کبھی کبھی اپنی اصلیت کی طرف بھی لوٹتے تھے اور ایسی حرکات کر دیتے جس سے آپ کو آگاہی ہو جاتی ۔مگر پھر فوراً معافی مانگ کر اپنے آپ کو سزا سے بچا بھی لیتے۔

خواجہ صاحب کے طرزِ عمل کا جماعت پر اثر

اُس وقت جماعت میں تبلیغ احمدیت کے متعلق جو کمزوری پیدا ہوگئی تھی اس کا اندازہ اس سے لگ سکتا ہے کہ یا تو مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت میں یہ حال تھا کہ عبدالحکیم مرتد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو لکھتا ہے کہ احمدی سوائے آپ کے ذکر کے کچھ سننا ہی پسند نہیں کرتے ، ہر وعظ میں آپ کا ہی ذکر ہوتا ہے اور یا یہ حال ہو گیا تھا کہ اپریل ۱۹۱۲ء میں جبکہ میں ایک وفد کے ساتھ مختلف مدارسِ عربیہ کو دیکھنے کیلئے اِس نیت سے گیا کہ مدرسہ احمدیہ کے لئے کوئی مناسب سکیم تیار کی جاوے تو لکھنؤ ، بنارس ، کانپور میں مجھے تقریریں کرنے کا بھی اتفاق ہوا اور سب جگہ میں نے دیکھا کہ وہاں کی جماعتوں کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ سلسلہ کا کوئی ذکر نہ ہو کیونکہ پھر لوگ سنیں گے نہیں یا سن کر مخالفت کریں گے۔ مگر میں نے ان کو جواب دیا کہ میں اپنے لیکچروں کی تعریف کا خواہشمند نہیں ۔حق سنانے کا خواہشمند ہوں ۔ اگر لوگ نہ سنیں گے یا سن کر مخالفت کریں گے تو یہ ان کی مرضی ہے میں تو خدا تعالیٰ کے حضور بری الذّمہ ہو جاؤں گا۔لکھنؤ سے تو ایک صاحب نے جواَب میری بیعت میں شامل ہیں حضرت خلیفۃ المسیح کو لکھا کہ کاش ! آپ اِس وفد کے ساتھ کوئی تجربہ کار آدمی بھی بھیج دیتے ۔ یہ لوگ اس رنگ میں تبلیغ کرتے ہیں کہ فساد کا خطرہ

ہے ۔میاں صاحب نوجوان ہیں جوش میں وقت کونہیں دیکھتے ایسا نہ ہوکہ کوئی خون ہوجائے اور ہم لوگ بدنام ہوں ۔اب بھی آپ فوراً ایک ایسے بزرگ کو جوضرورتِ زمانہ کوسمجھے بھیج دیجئے ۔ جب میں واپس آیا تو حضرت خلیفۃ المسیح نے مجھے اس خط کے مضمون پر آگاہ کیا اور اس خط پر سخت نفرت کا اظہار فرمایا۔لکھنؤ میں دولیکچروں کی تجویز تھی ایک لیکچر کے بعد گو مخالفین کی طرف سے بھی کچھ روک ہوئی مگر اپنی جماعت نے بھی اس روک کوایک عذر بنا کر مزید کوشش سے احتراز کیا اور دوسرا لیکچر رہ گیا مگر ہم نے ملاقاتوں میں خوب کھول کھول کر تبلیغ کی ۔ بنارس میں بھی اسی طرح ہوا۔ یہاں کی جماعت اُس وقت اپنے آپ کومیری ہم خیال ظاہر کرتی تھی مگراس کا بھی یہی اصرار تھا کہ لیکچر عام ہواوراس کی وجہ وہ یہ بتاتے تھے کہ خواجہ صاحب کے لیکچر کامیاب ہوچکے ہیں ایسا نہ ہو یہ لیکچر کامیاب نہ ہوں تو اس کے مقابلہ میں سبکی ہو۔مگر میں نے نہ مانا اور سلسلہ کے متعلق لیکچر دیئے ۔لوگ کم آتے مگر میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔تعجب ہے کہ جبکہ لکھنؤ کی جماعت جو اُس وقت میرے خیالات سے غیر متفق تھی حضرت خلیفہ اوّل کی وفات پر بیعت میں داخل ہوئی ۔ جماعت بنارس بیعت سے باہر رہی ۔شاید یہ سزا تھی اُس دنیاداری کے خیالات کی جوان کے اندر پائے جاتے تھےاورجن کا ذکراوپر کیا جاچکا ہے ۔

غرض جماعت کی حالت اُس وقت عجیب ہورہی تھی ۔ایک طرف تواس کے دل محسوس کر رہے تھے کہ اگرحضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر اس طرح ترک کردیا گیا تو آہستہ آہستہ سلسلہ مفقود ہو جائے گا ۔ دوسری طرف خواجہ صاحب کے طریق تبلیغ کے بعدان کو یہ خوف تھا کہ لوگ سلسلہ کا ذکر سننے کے لئے شاید آویں گے ہی نہیں ۔ اور اگرآویں گے تو اتنے کم کہ خواجہ صاحب اوران کے رفقاء کو یہ کہنے کا موقع مل جاوے گا کہ ہمارا طرزِ تبلیغ درست ہے کہ جس کے باعث لوگ شوق سے سننے کیلئے آجاتے ہیں آخر ہوتے ہوتے تعلق کی زیادتی پر احمدی بھی ہوجاویں گے ۔پس وہ شش وپنج کی حالت میں تھے اوراس طریق کو ناپسند کرتے ہوئے اس طریق کی نقل کواپنے کام کیلئے ضروری سمجھتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ اگرلوگوں پر یہ ثابت ہو جاوے کہ احمدیوں میں خواجہ صاحب سے زیادہ واقف اور

لوگ بھی موجود ہیں تو خود بخود وہ ادھر متوجہ ہو جاویں گے اور اُس وقت ان کو اصل حال سے آگاہ کیا جا سکتا ہے۔

خواجہ صاحب کے طرزِ عمل کی غلطی

پہلے خواجہ صاحب کی حقیقت کھولنے کیلئے ضروری ہے کہ ان ہی کے ایجاد کردہ طریق سے ان کا مقابلہ کیا جاوے۔ مگر یہ ان کا خیال غلط تھا۔ اگر وہ اس رستہ پر پڑ جاتے تو ضرور کچھ مدت کے بعد اسی رنگ میں رنگین ہو جاتے جس میں خواجہ صاحب رنگین ہو چکے تھے اور آخر احمدیت سے دور جا پڑتے۔ ان کی نجات اسی میں تھی کہ پہلے کی طرح ہر موقع مناسب پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعاوی کو پیش کرتے اور لوگوں کے آنے یا نہ آنے کی پرواہ نہ کرتے۔ اور یہ بھی ایک وہم تھا کہ لوگ سنیں گے نہیں لوگ عموماً شخصیت کی وجہ سے آتے ہیں نہ مضمونِ لیکچر کے سبب سے۔ ایک مشہور شخص ایک معمولی سے معمولی امر کے متعلق لیکچر دینے کے لئے کھڑا ہو جاوے لوگ اُسی پر اکٹھے ہو جاویں گے یہ اور بات ہے کہ پیچھے اس پر جرح وقدح کریں۔

کانپور میں لیکچر

مثلاً اِسی سفر میں میرا لیکچر کانپور میں ہوا۔ چونکہ اشتہار میں کھول کر بتایا گیا تھا کہ لیکچر سلسلہ احمدیہ کے امتیازات پر ہوگا۔ خیال تھا کہ لوگ شاید سننے نہ آویں گے مگر لوگ بہت کثرت سے آئے اور جو جگہ تیار کی گئی تھی وہ بالکل بھر گئی اور بہت سے لوگ کھڑے رہے ڈیڑھ ہزار یا اس سے بھی زیادہ کا مجمع ہوا۔ اور عموماً تعلیم یافتہ لوگ اور حکام اور تاجر اس میں شامل ہوئے اور اڑھائی گھنٹہ تک نہایت شوق سے سب نے لیکچر سنا اور جب میں بیٹھ گیا تو تب بھی لوگ نہ اُٹھے اور انہوں نے خیال کیا کہ شاید یہ سانس لینے کے لئے بیٹھے ہیں آخر اعلان کیا گیا کہ لیکچر ختم ہو چکا ہے اب سب صاحبان تشریف لے جاویں تب لوگوں نے شور مچایا کہ ان کو کھڑا کیا جاوے کہ بہت سے لوگ مصافحہ کرنا چاہتے ہیں اور میں نے دیکھا کہ وہ لوگ جو دن کے وقت ہمارے منہ پر ہمیں کافر کہہ کر گئے تھے بڑھ بڑھ کر علاوہ مصافحہ کرنے کے میرے ہاتھ بھی چومتے تھے۔ لکھنؤ اور بنارس میں لوگوں کے کم آنے کی اور کانپور میں زیادہ آنے کی وجہ میں سمجھتا ہوں یہی تھی کہ لکھنؤ اور بنارس

کے لوگ مجھ سے ناواقف تھے اور کانپور میں بوجہ پنجابی سوداگروں کی کثرت کے ہماری خاندانی وجاہت سے ایک طبقہ آبادی کا واقف تھا۔اس واقفیت کی وجہ سے وہ آ گئے اور لیکچر سن کرحق نے ان کے دل پر اثر کیا اور پہلا لگاؤ اور بھی بڑھ گیا۔

خواجہ صاحب کا سفرِ ولایت

غرض جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا ہے جماعت اُس وقت عجیب قسم کے اضداد خیالات میں سے گزر رہی تھی اور یہ حالت برابر ایک دو سال تک اِسی طرح رہی یہاں تک کہ ۱۹۱۲ء آ گیا۔اس سال کو سلسلہ کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے کیونکہ اس میں بعض ایسے تغیرات نمودار ہوئے کہ جنہوں نے آئندہ تاریخ سلسلہ پر ایک بہت بڑا اثر ڈالا ہے اور جو میرے نزدیک اختلافاتِ سلسلہ کی بنیاد رکھنے والا سال ثابت ہوا ہے۔وہ واقعات یہ ہیں کہ اس سال خواجہ صاحب کی بیوی فوت ہوگئی۔خواجہ صاحب کو چونکہ اس سے بہت تعلق اور اُنس تھا اِس غم کو غلط کرنے کے لئے انہوں نے ہندوستان کا ایک لمبا دورہ کرنے کی تجویز کی اور اس دورہ کی نسبت ظاہر کیا گیا کہ جماعت کے کاموں کے لئے چندہ جمع کرنے کے لئے ہے۔یہ وفد مختلف علاقہ جات میں گیا اور آخر کئی شہروں کا دورہ کرتے ہوئے بمبئی پہنچا۔بمبئی میں ایک احمدی رئیس کے گھر پر یہ وفد ٹھہرا۔ان صاحب کو اُن دنوں کوئی کام ولایت میں درپیش تھا جس کے لئے وہ کسی معتبر آدمی کی تلاش میں تھے۔انہوں نے خواجہ صاحب کو ایک بھاری رقم کے علاوہ کرایہ وغیرہ بھی دینے کا وعدہ کیا کہ وہ ولایت جا کر ان کے کام کیلئے سعی کریں۔سفر ولایت جو دل بستگی ہندوستانیوں کے لئے رکھتا ہے اس نے خواجہ صاحب کو اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے کی ترغیب دی اور انہوں نے اس تجویز کو غنیمت جانا اور فوراً ولایت جانے کی تجویز کر دی۔چنانچہ بدر اِسی امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے ۵ دسمبر ۱۹۱۲ء کے پرچہ میں لکھتا ہے:۔

''اس سفر میں خواجہ صاحب کیلئے خدا تعالیٰ نے کچھ ایسے اسباب مہیا کر دیئے ہیں کہ وہ انگلینڈ تشریف لے جاتے ہیں''۔[۴]

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے جو نصائح خواجہ صاحب کو چلتے ہوئے کیں ان میں بھی

اس امر کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔آپ فرماتے ہیں:۔

(۵)''بقدرِ طاقت اپنی کے دین کی خدمت وہاں ضرور کرو۔''[۵]

خواجہ صاحب چونکہ شہرت کے خواہش مند ہمیشہ سے چلے آئے ہیں انہوں نے اِس موقع کو غنیمت جان کر اصل معاملہ کو پوشیدہ رکھ کر یہ مشہور کرنا شروع کیا کہ انہوں نے اس سفر ولایت میں تبلیغ کی خاص ضرورت محسوس کی ہے اور اس کے لئے وہ اپنی چلتی ہوئی پریکٹس چھوڑ کر محض اِعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ولایت جاتے ہیں۔اصل واقعات کا تو بہت کم لوگوں کو علم تھا اس خبر کا مشہور ہونا تھا کہ چاروں طرف سے خواجہ صاحب کی اس قربانی پر صدائے تحسین وآفرین بلند ہونی شروع ہوگئی اور اپنی زندگی میں ہی ایک مذہبی شہید کی صورت میں وہ دیکھے جانے لگے۔مگر صرف زبانی روایات پر ہی اکتفا نہ کر کے خواجہ صاحب نے اخبار''زمیندار'' میں ایک اعلان کرایا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ مجھے کوئی سیٹھ یا انجمن یا کوئی غیر احمدی رئیس ولایت بھیج رہا ہے یہ بات بالکل غلط ہے۔میں تو اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے اپنا کام چھوڑ کر جا رہا ہوں۔اِس اعلان کے الفاظ میں یہ احتیاط کر لی گئی تھی کہ رئیس کے لفظ کے ساتھ غیر احمدی کا لفظ بڑھا دیا گیا تھا اور اب بظاہر اعتراض سے بچنے کی گنجائش رکھ لی گئی تھی۔کیونکہ ان کو بھیجنے والا نہ سیٹھ تھا نہ انجمن نہ غیر احمدی رئیس بلکہ ایک احمدی رئیس نے ان کو بھجوایا تھا۔مگر خواجہ صاحب کا یہ منشاء نہ تھا کہ لوگوں کا ذہن ایک احمدی رئیس کی طرف پھرے بلکہ یہ تھا کہ لوگ یہ سمجھیں کہ وہ کسی مالدار شخص سے فیس لے کر کسی دنیاوی کام پر ولایت نہیں جا رہے بلکہ اپنی پریکٹس کو چھوڑ کر خدا کا نام پھیلانے کیلئے اور شرک کو مٹانے کیلئے اپنے خرچ پر ولایت جا رہے ہیں۔

ترسم کہ نمے رسی بکعبہ اے اعرابی

ایں راہ کہ تو میروی بترکستان است

کہا جاتا ہے کہ بھیجنے والے صاحب یہ نہیں چاہتے تھے کہ کسی کو معلوم ہو کہ وہ خواجہ صاحب کو بھیج رہے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ کیا وہ یہ چاہتے تھے کہ جھوٹ طور پر یہ بھی مشہور کیا جاوے کہ خواجہ صاحب اپنی پریکٹس کو چھوڑ کر اپنے خرچ پر صرف تبلیغ کیلئے ولایت

جا رہے ہیں۔ اگر خواجہ صاحب بغیر کسی ایسے اعلان کے ولایت چلے جاتے تو کیا لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ خواجہ صاحب فلاں شخص کے بھیجے ہوئے جا رہے ہیں۔ غیر احمدی سب کے سب اور احمدی اکثر اس واقعہ سے ناواقف تھے اور جو واقف تھے وہ اس اعلان سے دھوکا کھا نہیں سکتے تھے۔ پھر اس اعلان کے سوائے جھوٹے فخر کے اور کیا مدنظر تھا۔ يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا [6]

غرض خواجہ صاحب ولایت روانہ ہو گئے اور پیچھے ان کے دوستوں نے بڑے زور سے اس امر کی اشاعت شروع کی کہ خواجہ صاحب اپنا کام تباہ کر کے صرف تبلیغ دین کیلئے ولایت چلے گئے ہیں ان کی مدد مسلمانوں پر فرض ہے۔ دو سال کا خرچ تو خواجہ صاحب کے پاس تھا ہی اس عرصہ کے بعد اگر وہاں زیادہ ٹھہرنے کا منشاء ہو تو اس کے لئے ابھی سے کوشش کر دی گئی۔

خواجہ صاحب کے ولایت جانے کا اثر

خواجہ صاحب کے اس طرح ولایت جانے پر وہ جوش جو خواجہ صاحب کے خلاف جماعت میں پھیل رہا تھا کہ وہ سلسلہ کی تبلیغ نہیں کرتے اور ایسے طریق کو اختیار کر رہے ہیں جس سے سلسلہ کی خصوصیات کے مٹ جانے کا اندیشہ ہے دَب گیا اور خواجہ صاحب کی اِس قربانی پر ایک دفعہ پھر جماعت خواجہ صاحب کے گرد جمع ہو گئی مگر بہت کم تھے جو حقیقت حال سے واقف تھے۔

سفرِ مصر اور خاص دعائیں

اُن ہی دنوں میں مجھے مصر کے راستہ سے حج کے لئے جانے کا موقع ملا۔ گو میرا ارادہ ایک دو سال مصر میں ٹھہرنے کا تھا مگر حج کے بعد مصر جانے میں کچھ ایسی روکیں پیدا ہوئیں کہ میں نے واپس آ جانا مناسب سمجھا۔ اس سفر میں دعاؤں کے ایسے بیش بہا مواقع نصیب ہوئے کہ میں سمجھتا ہوں کہ جماعت احمدیہ کو قدمِ ثبات حاصل ہونے میں ایک حصہ ان دعاؤں کا بھی ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک کشف کو خواجہ صاحب کا اپنے اوپر چسپاں کرنا

خواجہ صاحب کو ولایت گئے ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ان کو ایک ہندوستانی مسلمان کی یورپین بیوی سے جس کا ایک مسلمان سے بیاہ اُسے اسلام کے قریب کر ہی چکا تھا ملاقات کا موقع ملا۔ خواجہ صاحب کے مزید سمجھانے پر اس نے اسلام کا اعلان کر دیا۔ خواجہ صاحب نے اس کا خوب اعلان کیا اور لوگوں کو عام طور پر توجہ ہوگئی کہ خواجہ صاحب ایک عمدہ کام کر رہے ہیں۔ احمدیوں کی توجہ حاصل کرنے کیلئے خواجہ صاحب نے یہ لکھنا شروع کیا کہ یہ عورت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک کشف کے ماتحت مسلمان ہوئی ہے۔ اس کشف کا مضمون یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ولایت گئے ہیں اور وہاں سفید رنگ کے کچھ پرندے پکڑے ہیں۔ چنانچہ اصل الفاظ یہ ہیں:۔

''میں نے دیکھا کہ میں شہر لنڈن میں ایک منبر پر کھڑا ہوں اور انگریزی زبان میں ایک نہایت مدلّل بیان سے اسلام کی صداقت ظاہر کر رہا ہوں۔ بعد اس کے میں نے بہت سے پرندے پکڑے جو چھوٹے چھوٹے درختوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے رنگ سفید تھے اور شاید تیتر کے جسم کے موافق اُن کا جسم ہوگا۔ سو میں نے اس کی یہ تعبیر کی کہ اگرچہ میں نہیں مگر میری تحریریں ان لوگوں میں پھیلیں گی اور بہت سے راستباز انگریز صداقت کا شکار ہو جائیں گے۔''[۷]

اِس کشف کا مضمون ہی بتاتا ہے کہ یہ کشف خواجہ صاحب کے ہاتھ پر پورا نہیں ہوا کیونکہ کشف تو بتاتا ہے کہ پرندے مسیح موعود علیہ السلام نے پکڑے ہیں حالانکہ خواجہ صاحب نے جن لوگوں کو مسلمان بنایا اُن کا تعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہرگز نہیں کرایا۔ وہ اسلام جس کی تلقین خواجہ صاحب کرتے رہے ہیں اس میں تو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری بھی شامل ہیں۔ غرض گو اس کشف کا تعلق خواجہ صاحب سے کچھ بھی نہ تھا جیسا کہ بعد کے تجربہ سے ثابت ہوا وہ احمدیوں میں اپنی مقبولیت بڑھانے کے لئے اس کشف کی اشاعت کرتے رہے۔ (شروع میں ایک عرصہ تک

خواجہ صاحب نے بالکل پتہ نہیں چلنے دیا کہ وہاں کس قسم کی تبلیغ کر رہے ہیں) مگر یہ سب اعلانات احمدیوں میں ہی تھے۔ غیر احمدیوں کو یہی بتایا جاتا تھا کہ تبلیغ عام اسلامی اصول کے مطابق ہو رہی ہے اس لئے سب کو چندہ دینا چاہئے اور اس کارِ خیر میں حصہ لینا چاہئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک پیشگوئی کے پورا ہونے پر خواجہ صاحب کا اس کا ذکر نہ کرنا

جب خواجہ صاحب ولایت پہنچے ہیں تو اُس وقت بلقان وار (جنگ بلقان) شروع تھی۔ خواجہ صاحب نے اس کے متعلق ایک ٹریکٹ لکھا اور اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ [8] لکھ کر ترکوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کی خبر دی۔ ہم لوگ تو اس خبر کو سن کر بہت خوش ہوئے کہ خواجہ صاحب آخر اصل راستہ کی طرف آ گئے ہیں لیکن کچھ ہی دن کے بعد جب ایک دو انگریزوں کے مسلمان ہونے پر غیر احمدیوں نے خواجہ صاحب کی مدد شروع کی اور ان کو یہ بھی بتایا گیا کہ سلسلہ کا ذکر کرنے سے ان کی مدد رُک جاوے گی تو وہی خواجہ صاحب جنہوں نے پیشگوئی کے پورا ہونے سے پہلے اس کا اعلان بلادِ ترکیہ میں کیا تھا اس کے پورا ہونے پر ایسے خاموش ہوئے کہ پھر اس پیشگوئی کا نام تک نہ لیا۔

احمدیہ پریس کے مضبوط کرنے کا خیال

۱۹۱۳ء میں دو اور اہم واقعات ہوئے۔ حج سے واپسی کے وقت مجھے قادیان کے پریس کی مضبوطی کا خاص طور پر خیال پیدا ہوا جس کا اصل محرک مولوی ابوالکلام صاحب آزاد کا اخبار ''الہلال'' تھا جسے احمدی جماعت بھی کثرت سے خریدتی تھی اور خطرہ تھا کہ بعض لوگ اس کے زہریلے اثر سے متأثر ہو جاویں۔ چنانچہ میں نے اس کے لئے خاص کوشش شروع کی اور حضرت خلیفۃ المسیح سے اس امر کی اجازت حاصل کی کہ قادیان سے ایک نیا اخبار نکالا جائے جس میں علاوہ مذہبی امور کے دنیاوی معاملات پر بھی مضامین لکھے جاویں تا کہ ہماری جماعت کے لوگ سلسلہ کے اخبارات سے ہی اپنی سب علمی ضروریات کو پورا کر سکیں۔ جب میں حضرت خلیفۃ المسیح سے اجازت حاصل کر چکا تو مجھے

معلوم ہوا کہ لاہور سے ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب، ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اور شیخ رحمت اللہ صاحب بھی ایک اخبار نکالنے کی تجویز کر رہے ہیں۔ چنانچہ اس بات کا علم ہوتے ہی میں نے حضرت خلیفۃ المسیح کو ایک رُقعہ لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ لاہور سے مجھے اطلاع ملی ہے کہ فلاں فلاں احباب مل کر ایک اخبار نکالنے لگے ہیں چونکہ میری غرض تو اس طرح بھی پوری ہو جاتی ہے حضور اجازت فرماویں تو پھر اس اخبار کی تجویز رہنے دی جاوے۔ اس کے جواب میں جو کچھ حضرت خلیفۃ المسیح نے تحریر فرمایا اس کا مطلب یہ تھا کہ اِس اخبار اور اُس اخبار کی اغراض میں فرق ہے آپ اِس کے متعلق اپنی کوشش جاری رکھیں۔ اس ارشاد کے ماتحت میں بھی کوشش میں لگا رہا۔

پیغامِ صلح اور الفضل کا اجراء

جون ۱۹۱۳ء کے ابتداء میں پیغامِ صلح لاہور میں شائع ہوا اور وسط میں ''الفضل'' قادیان سے نکلا۔ بظاہر تو سینکڑوں اور اخبارات ہیں جو پہلے سے ہندوستان میں نکل رہے تھے دو اور اخبارات کا اضافہ معلوم ہوتا تھا مگر درحقیقت احمدی جماعت کی تاریخ میں ان اخبارات کے نکلنے نے ایک اہم بات کا اضافہ کر دیا۔

پیغامِ صلح کی روش

پیغامِ صلح کے نکلنے سے وہ مواد جو خفیہ خفیہ جماعت میں پیدا ہو رہا تھا پھوٹ پڑا اور کھلے بندوں سلسلہ کی خصوصیات کو مٹانے کی کوشش کی جانے لگی۔ قادیان کی جماعت خاص طور پر سامنے رکھ لی گئی اور سلسلہ کے دشمنوں سے صلح کی داغ بیل پڑنے لگی۔ اصل غرض تو شاید اس رسالہ سے خواجہ صاحب کے مشن کی تقویت تھی مگر طبعاً ان مسائل کو بھی چھیڑنا پڑ گیا جو مَابِہِ النّزَاع تھے۔ غیر احمدیوں میں اس اخبار کی اشاعت کی غرض سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مرزا صاحب علیہ الرحمۃ لکھا جانے لگا اور دشمنانِ سلسلہ کی تعریف کے گیت گائے جانے لگے۔ ترکوں کے بادشاہ کو خلیفۃ المسلمین☆ کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔ غرض پوری کوشش کی گئی کہ احمدیت کا نام

☆ ترلا کی شہوار یعنی وہ اشعار آبدار جو مولوی ظفر علی خان صاحب ایڈیٹر زمیندار نے ۲۴ رجب کو بارگاہِ سلطان المعظم میں پڑھ کر سنائے۔

درمیان سے اُٹھ جائے اور احمدی اور غیر احمدی ایک ہو جاویں۔

مسجد کانپور کا واقعہ

ان اخبارات کے شائع ہوئے ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ کانپور کی ایک مسجد کے غسل خانہ کے گرائے جانے پر مسلمانانِ ہند میں شور برپا ہوا۔ جن لوگوں نے اس مسجد کے گرانے پر بلوہ کیا تھا اور مارے گئے اُن کو شہید کا خطاب دیا گیا اور گورنمنٹ کے خلاف بڑے زور سے مضامین لکھے گئے۔ پیغامِ صلح نے بھی ان اخبارات کا ساتھ دیا جو اُس وقت گورنمنٹ کے خلاف لکھ رہے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح سے خاص آدمی بھیج کر رائے طلب کی گئی اور مولوی محمد علی صاحب سے مضمون لکھوائے گئے۔ مولوی محمد علی صاحب کے مضامین تو صریح فسادیوں کی حمایت میں تھے مگر خلیفۃ المسیح کی صائب رائے کو اس طرح بگاڑ کر شائع کیا گیا کہ اس کا مطلب اور کا اور بن گیا اور اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ گورنمنٹ نے اس موقع پر نہایت ناواجب سختی سے کام لیا ہے اور مسجد کا گرانا درست نہ تھا حالانکہ آپ نے مجھے یہ لکھوایا تھا کہ غسل خانہ مسجد میں نہیں اور شور و فساد میں لوگوں کو حصہ نہیں لینا چاہئے۔ جب پیغامِ صلح کے یہ مضامین حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کو دکھائے گئے تو آپ نے ان کو نہایت ناپسند کیا اور خود دو مضامین مجھ سے

بقیہ حاشیہ از صفحہ گزشتہ

خلافت مدعا جوید کہ ما از آں سلطانیم
اخوت برملا گوید کہ اُو از آں ما باشد
حذر اے دشمنانِ ملت بیضا ازاں ساعت
کہ در دست امیر مالوائے مصطفیٰ باشد

(پیغام جلد نمبر ۱ نمبر ۸)

مولوی ظفر علی خان صاحب ایڈیٹر زمیندار کی مراجعت لاہور

''جیسا کہ ہم ۳ / اگست کی اشاعت میں مختصر اطلاع شائع کر چکے ہیں اس اتوار کی صبح کو قریباً ساڑھے نو بجے مولوی ظفر علی صاحب بمبئی میل سے مَعَ الْخَیْر لاہور پہنچے............احمدیہ بلڈنگس کے پاس پہنچ کر حلقۂ احباب نے بڑے جوش کے ساتھ مکرمی خواجہ کمال الدین صاحب کے لیے دعائیہ نعرے مارے''۔

(پیغام جلد نمبر ۱ نمبر ۱۲ صفحہ ۲)

لکھوائے جن کے نوٹ اب تک میرے پاس موجود ہیں۔ ان میں خاص طور پر زور دیا گیا تھا کہ غسل خانے مسجد کا جزو نہیں ہیں اور یہ کہ جو لوگ اس موقع پر شورش کر رہے ہیں وہ غلطی پر ہیں اور منافقانہ کارروائی کر رہے ہیں لیکن منع فرمایا کہ میں ان مضامین میں آپ کی طرف اشارہ کروں اپنی طرف سے شائع کر دوں۔ جب یہ مضامین شائع ہوئے تو لوگوں میں عام طور پر یہ پھیلایا گیا کہ میں نے ان مضامین میں مولوی محمد علی صاحب کو جن کے مضامین پیغامِ صلح میں شائع ہوئے ہیں گالیاں دی ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد شریف صاحب بٹالوی حال سِول سرجن ہوشیار پور جو اُس وقت غالباً سرگودھا میں تھے قادیان تشریف لائے تو انہوں نے مجھ سے اس امر کے متعلق ذکر کیا۔ میں نے اُن کو جواب دیا کہ یہ مضامین میرے نہیں بلکہ حضرت خلیفۃ المسیح کے لکھوائے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح جو مولوی محمد علی صاحب کا اِس قدر ادب کرتے ہیں ایسے الفاظ آپ کی نسبت لکھوائیں۔ میں نے اُسی وقت وہ اخبار کا پرچہ منگوا کر جس پر ان کو اعتراض تھا اس کے حاشیہ پر یہ لکھ دیا کہ یہ مضمون حضرت خلیفۃ المسیح کا لکھوایا ہوا ہے اور جس قدر سخت الفاظ ہیں وہ آپ کے ہی ہیں میں نے اپنی طرف سے نہیں لکھے اور وہ پرچہ ان کو دے دیا کہ آپ اس پرچہ کو حضرت خلیفۃ المسیح کے پاس لے جاویں اور ان کے سامنے رکھ دیں۔ پھر آپ کو معلوم ہو جاوے گا کہ آیا ان کا لکھایا ہوا ہے یا میرا لکھا ہوا ہے۔ وہ اس پرچہ کو آپ کے پاس لے گئے اور چونکہ اُسی وقت انہوں نے واپس جانا تھا پھر مجھے تو نہیں ملے مگر اس پرچہ کو اپنے ایک رشتہ دار کے ہاتھ مجھے بھجوایا اور کہلا بھیجا کہ آپ کی بات درست ہے۔ یہ صاحب ایک معزز عہدے دار ہیں اور ہیں بھی مولوی محمد علی صاحب کے ہم خیالوں میں۔ میری بیعت میں شامل نہیں۔ان سے قسم دے کر مولوی محمد علی صاحب دریافت کر سکتے ہیں کہ یہ واقعہ درست ہے یا نہیں۔

غرض کانپور کی مسجد کا واقعہ جماعت میں ایک مزید تفرقہ کا باعث بن گیا کیونکہ اس کے ذریعہ سے ایک جماعت تو سیاست کے انتہا پسند گروہ کی طرف چلی گئی اور دوسری اس تعلیم پر قائم رہی جو اُسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دی تھی اور خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ مؤخر الذکر جماعت تعداد میں بہت زیادہ تھی۔

لارڈ ہیڈلے کے مسلمان ہونے کا اعلان

ان ہی ایام میں خواجہ صاحب کو ایک پُرانے مسلمان لارڈ ہیڈلے مل گئے۔ وہ قریباً چالیس سال سے مسلمان تھے مگر بوجہ مسلمانوں کی مجلس نہ ملنے کے اظہارِ اسلام کے طریق سے ناواقف تھے۔ خواجہ صاحب کے ملنے پر انہوں نے اسلام کا اظہار کیا☆ اور بتایا کہ وہ چالیس سال سے مسلمان ہیں۔ خواجہ صاحب نے فوراً تمام دنیا میں شور مچا دیا کہ ان کی کوششوں سے ایک لارڈ مسلمان ہو گیا ہے۔ اس خبر کا شائع ہونا تھا کہ خواجہ صاحب ایک بت بن گئے اور چاروں طرف سے ان کی خدمات کا اعتراف ہونے لگا۔ مگر وہ لوگ جن کو معلوم تھا کہ لارڈ ہیڈلے چالیس سال سے مسلمان ہے اس خبر پر نہایت حیران تھے کہ خواجہ صاحب صداقت کو اس حد تک کیوں چھوڑ بیٹھے ہیں؟ مگر خواجہ صاحب کے مدّنظر صرف اپنے مشن کی کامیابی تھی۔ جائز یا ناجائز ذرائع سے وہ اپنے مشن کو کامیاب بنانے کی فکر میں تھے۔ میرے نزدیک لارڈ ہیڈلے کے اسلام کا اظہار ان احمدیوں میں سے بیسیوں کی ٹھوکر کا موجب ہوا ہے جو اِس وقت اِن لوگوں کے ساتھ ہیں۔ کیونکہ بعض لوگ ان کی ان خیالی کامیابیوں کو دیکھ کر یہ یقین کرنے لگے تھے کہ یہ الٰہی تائید بتا رہی ہے کہ خواجہ صاحب حق پر ہیں۔ حالانکہ یہ تائید الٰہی نہ تھی بلکہ خواجہ صاحب کی اخلاقی موت تھی اور جب تک سلسلہ احمدیہ باقی رہے گا اور اِنْشَاءَ اللّٰہ قیامت تک باقی رہے گا خواجہ صاحب کی یہ خلاف بیانی اور چالاکی بھی دنیا کو یاد رہے گی اور وہ اسے دیکھ دیکھ کر انگشت بدندان ہوتے رہیں گے۔

☆لارڈ ہیڈلے صاحب خود اپنے اسلام لانے کی نسبت لکھتے ہیں۔

''میرے موجودہ اعتقادات میری کئی سالوں کی تحقیقات اور تفتیش کا نتیجہ ہیں۔ تعلیم یافتہ مسلمانوں کے ساتھ مذہب کے بارے میں میری اصلی خط وکتابت چند ہفتے قبل شروع ہوئی اور یہ بات میری دلی خوشی اور مسرت کا باعث ہوئی کہ میرے تمام خیالات اسلام کے عین مطابق نکلے۔ میرے دوست خواجہ کمال الدین صاحب نے ذرّہ بھر کوشش مجھے اپنے زیر اثر لانے کے لئے نہیں کی''۔ (پرچہ پیغام ۱۶؍دسمبر ۱۹۱۳ء نمبر ۶۷ صفحہ ۳)

خواجہ صاحب کی اِس کامیابی کو دیکھ کر جو بعد میں محض خیالی ثابت ہوئی جماعت کے ایک حصہ کے قدم پھر لڑکھڑا گئے اور جیسا کہ میں نے لکھا ہے وہ اسے آسمانی مدد سمجھ کر اپنی عقل کو غلطی خوردہ خیال کر کے خواجہ صاحب کی ہم خیالی میں ہی اپنی فلاح سمجھنے لگے اور پیغام صلح کے مضامین ان کے لئے اور بھی باعث ٹھوکر ہوگئے۔ لیکن اس کشمکش کا یہ فائدہ بھی ہوگیا کہ جو کوششیں خفیہ کی جاتی تھیں اُن کا اظہار ہوگیا اور جماعت ہوشیار ہوگئی۔ کچھ حصہ جماعت کا بیشک ہلاک ہوگیا مگر ان کی ہلاکت دوسروں کے بچانے کا ذریعہ بن گئی۔

پیغام میں جماعت قادیان پر حملے

جب اختلاف کا اظہار ہوگیا تو اب زیادہ پوشیدگی کی ضرورت نہ رہی۔ پیغام صلح میں خوب کھلم کھلا طور پر قادیان کی جماعت پر اعتراضات ہونے لگے اور ان کے جوابات الفضل میں حضرت خلیفۃ المسیح کے مشورہ سے شائع ہوتے رہے۔ گو یہ لوگ جونہی حضرت خلیفۃ المسیح کی ناراضگی کا علم پاتے تھے فوراً آ کر آپ سے معافی مانگ لیتے مگر پھر جا کر وہی کام شروع ہو جاتا۔ یہ زمانہ جماعت کے لئے بہت نازک تھا کیونکہ دشمن بھی اس اختلاف سے آگاہ ہوگئے جو اندر ہی اندر کئی سال سے نمودار ہو رہا تھا اور انہوں اس علم سے فائدہ اُٹھا کر ان لوگوں کو فساد پر اور بھی آمادہ کرنا شروع کیا اور کئی قسم کے سبز باغ دکھانے شروع کئے۔ حتیّٰ کہ حضرت خلیفۃ المسیح کو پیغامِ صلح کا نام پیغامِ جنگ رکھنا پڑا۔

خفیہ ٹریکٹ

گو اخبار کے ذریعہ سے بہت کچھ زہر یہ لوگ ہمارے خلاف اُگلتے تھے مگر پھر بھی حضرت خلیفۃ المسیح کا خوف ساتھ لگا رہتا تھا۔ پس ان کے دل کا حوصلہ پوری طرح نہ نکلتا تھا اور خود حضرت خلیفۃ المسیح کے خلاف تو کھلم کھلا کچھ لکھ ہی نہ سکتے تھے۔ اس لئے بنگال کے انارکسٹوں کے شاگرد بن کر مولوی محمد علی صاحب کے ہم خیال لوگوں کی ایک جماعت نے ایسے ٹریکٹوں کا ایک سلسلہ شروع کیا جن کے نیچے نہ پریس کا نام ہوتا تھا اور نہ لکھنے والے کا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ان لوگوں نے دو ٹریکٹ شائع کئے جن کا نام اظہار الحق نمبر ۱۔ اور اظہار الحق نمبر ۲ رکھا گیا۔

یہ دونوں ٹریکٹ وسط نومبر ۱۹۱۳ء میں ایک دو دن کے وقفہ سے ایک دوسرے کے بعد

شائع ہوئے۔ پہلا ٹریکٹ چار صفحہ کا تھا اور دوسرا آٹھ صفحہ کا۔ دونوں کے آخر میں لکھنے والے کے نام کی بجائے داعی اِلَی الوصیت لکھا ہوا تھا یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وصیت کی طرف جماعت کو بلانے والا۔

پہلے ٹریکٹ کا خلاصہ ٹریکٹ اوّل کا خلاصہ یہ تھا کہ اس زمانہ میں جمہوریت کی اشاعت اس بات کی طرف اشارہ کرتی تھی کہ اس زمانہ کا مامور بھی جمہوریت کا حامی ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سوائے ان امور کے جن میں وحی ہوتی احباب سے مشورہ کرلیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہمیں خدا تعالیٰ نے اس لئے مأمور کیا ہے کہ انسانوں کی شانیں جو حد سے زیادہ بڑھا دی گئی ہیں ان کو دُور کریں اور جب آپؑ کو اپنی وفات کے قُرب کی خبر خدا تعالیٰ نے دی تو آپؑ نے اپنی وصیت لکھی اور اس میں اپنے بعد جانشین کا مسئلہ اس طرح حل کیا کہ آپؑ کے بعد جمہوریت ہوگی اور ایک انجمن کے سپرد کام ہوگا۔ مگر افسوس کہ آپؑ کی وفات پر جماعت نے آپؑ کے فرمودہ کو پس پشت ڈال کر پیر پرستی شروع کردی اور جمہوریت کے رنگ کو نَسْیًا مَّنْسِیًّا کردیا۔ اِس وقت جماعت میں بہت سے لوگ ایسے موجود ہیں جنہوں نے بیعت مجبوری سے کی ہے ورنہ ان کے خیال میں اِس بیعت لینے والے کی نسبت (حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفہ اوّل) بہتر لوگ جماعت میں موجود ہیں اور اس امر کا اصل وبال کارکنان صدرانجمن احمدیہ پر ہے جنہوں نے بانی سلسلہ کی وفات پر جماعت کو پیر پرستی کے گڑھے میں دھکیل دیا۔ اب یہ حال ہے کہ حصولِ گدی کیلئے طرح طرح کے منصوبے کئے جاتے ہیں۔ اور ایک خاص گروہ انصاراللہ اس لئے بنایا گیا ہے کہ تا قوم کے جملہ بزرگواروں کو نیچا دکھایا جاوے۔ انصاراللہ کا کام ظاہر میں تو تبلیغ ہے لیکن اصل میں بزرگانِ دین کو منافق مشہور کرنا ہے۔ مولوی غلام حسین صاحب پشاوری، میر حامد شاہ صاحب سیالکوٹی، مولوی محمد علی صاحب، خواجہ کمال الدین صاحب، شیخ رحمت اللہ صاحب، ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب۔ ان لوگوں کو قابل دار بتایا جاتا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صاف طور پر انجمن کو اپنا جانشین قرار دیا ہے نہ کسی واحد شخص کو۔ حضرت مسیح موعود

علیہ السلام نے صاف لکھ دیا ہے کہ آپؑ کے بعد صدر انجمن کا فیصلہ ناطق ہوگا۔ اب جماعت کی حالت کو دیکھو کہ غیر مامور کی ہر ایک بات کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ پیغامِ صلح کو بند کر کے خلیفہ نے جماعت کو اس سے بدظن کر دیا۔ (پیغامِ صلح کی منافقانہ کارروائیوں سے تنگ آکر حضرت خلیفۃ المسیح نے اعلان فرما دیا تھا کہ اسے میرے نام نہ بھیجا کرو اور پھر جب یہ لوگ بھیجتے رہے تو آپ نے ڈاک سے وصول کرنے سے انکار کر دیا۔ مرزا محمود احمد) جب ایک معزز طبقہ کی بے عزتی بلا وجہ وہ شخص جو جماعت میں عالمِ قرآن سمجھا جاتا ہے (یعنی خلیفہ اوّل) محض خلافت کی رعونت میں کر دیتا ہے تو بے سمجھ نوجوان طبقہ سے بزرگانِ جماعت کیا امید رکھ سکتے ہیں۔ بزرگانِ قوم ان کارروائیوں کو کب تک دیکھیں گے اور خاموش رہیں گے۔ احمدیو! دوسرے پیرزادوں کو چھوڑو اور اپنے پیرزادوں کی حالت کو دیکھو۔

دوسرے ٹریکٹ کا خلاصہ

دوسرے ٹریکٹ کا خلاصہ یہ تھا۔ جماعت احمدیہ میں کوئی عیار نہیں۔ غیر مامور کی شخصی غلامی (یعنی حضرت خلیفہ اوّل کی بیعت) نے ہماری حالت خراب کر دی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت میں جماعت بہت آزادی سے گفتگو کر لیتی تھی۔ اب سخت تقیّد کیا جاتا ہے اور خلیفہ کے کان بھر کر بھائیوں کو تکلیف دی جاتی ہے۔ اگر چندے یہی حالت رہی تو احمدی پیر پرستوں اور غیر احمدی پیر پرستوں میں کوئی فرق نہ رہے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک سَو سال بعد ہی کوئی مصلح آ سکتا ہے اس سے پہلے نہیں۔ جن کا اس کے خلاف خیال ہے وہ اپنے ذاتی فوائد کو مدّنظر رکھتے ہوئے ایسا خیال پھیلاتے ہیں۔ جماعت کی بہتری اِسی میں ہے کہ جمہوریت کے ماتحت کام کرے۔

اس کے بعد جماعت میں فتنہ کی تاریخ اس طرح لکھتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کی گھبراہٹ میں جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے احکام کو پس پشت ڈال کر جماعت نے مولوی نورالدین صاحب کو خلیفہ مان لیا تو اُس وقت سب لوگوں کی زبانوں پر یہ کلام جاری تھا کہ مولوی محمد علی صاحب ہی آپ کے بعد خلیفہ ہوں گے۔ حاسدوں نے اس امر کو دیکھ کر بیوی صاحبہ (حضرت اماں جان) کی معرفت کارروائی شروع کی اور ان کی

معرفت خلیفہ کو کہلوایا کہ آپ کی بیعت تو ہم نے کر لی ہم کسی آرائیں وغیرہ کی بیعت نہیں کریں گے۔ جس پر مولوی صاحب نے ان کی حسبِ مرضی جواب دے کر ٹال دیا۔ اس کے بعد انجمن کے معاملات میں دخل دینے اور مولوی محمد علی صاحب کو تنگ کرنے کیلئے ہر جائز و ناجائز کوشش شروع ہوگئی۔ پھر میر محمد اسحٰق صاحب کے ذریعہ ایک فساد کھڑا کر دیا گیا (ان سوالات کی طرف اشارہ ہے جن کا ذکر میں پہلے تاریخ سلسلہ کے بیان میں کر چکا ہوں) اور کارکنانِ انجمن کے خلاف شور ڈال دیا گیا۔ اور مرزا محمود صاحب کو مدعی خلافت کے طور پر پیش کیا جانے لگا اور مشہور کیا گیا کہ انجمن کے کارکن اہل بیت کے دشمن ہیں۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ اہل بیت قوم کا روپیہ کھا رہے ہیں اور انجمن اور اس کے اراکین پر ذاتی حملے کر رہے ہیں۔ مولوی محمد علی صاحب پر الزام لگائے جاتے ہیں۔ پیغام صلح کی اشاعت کا سوال پیدا ہوا تو جھٹ الفضل کی اجازت خلیفہ سے مانگی گئی جنہوں نے ڈر کر اجازت دے دی۔

ہمارے مضامین میں منتظمین پیغام کا کچھ دخل نہیں نہ ان کو خبر ہے۔ کانپور کا واقعہ جب ہوا تو منتظمانِ پیغام نے خلیفہ رجب الدین کو ٹریبیون [9] دے کر قادیان بھیجا اور مولوی صاحب کا خط منگوایا۔ اگر اس کے چھاپنے میں کوئی خلاف بات کی گئی تھی تو مولوی صاحب کو چاہئے تھا کہ اس کی تردید پیغام میں کرتے نہ کہ منتظمانِ پیغام پر ناراض ہوتے۔ مولوی صاحب نے اخبار پیغامِ صلح کو کانپور کے جھگڑے کے باعث نہیں بلکہ ایک معمولی بات پر ناراض ہوکر بند کر دیا تھا۔

بھائیو! تعجب ہے ایک عالمِ قرآن (حضرت خلیفہ اوّل) اس طرح بِلا وجہ ایڈیٹر پیغام اور دوسرے متعلقین کو زبانی اور بذریعہ الفضل ذلیل وخوار کرنا شروع کر دیتا ہے۔ کیا یہی انصاف اسلام سکھاتا ہے؟

پیغام کے خلاف الحق دہلی نے جو زہر اُگلا ہے اس کا جواب چونکہ قادیان والوں نے نہیں دیا اس لئے وہی اس کے محرک ہیں۔ اس کے آگے ذاتی عیوب کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے جس کا سمجھنا بغیر تفصیل کے بیرونجات کے لوگوں کے لئے مشکل ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل بیت لوگوں کو ورغلا رہے ہیں اور بزرگانِ سلسلہ کو بدنام کر رہے ہیں اور جماعت کو

اُکسایا ہے کہ احمدی جماعت کو اِس مصیبت سے بچانے کی کوشش کریں اور راقم ٹریکٹ سے اس امر میں خط وکتابت کریں۔

ٹریکٹ لکھنے والا کون تھا؟

اس ٹریکٹ کے آخر میں گو نام نہ تھا مگر چند باتیں اس کی اس قسم کی تھیں جو صاف طور پر بتلاتی ہیں کہ ان ٹریکٹوں کے لکھنے والے کون تھے۔

اوّل۔ یہ تمام کے تمام ٹریکٹ لاہور سے شائع ہوتے تھے جو اُس وقت مولوی محمد علی صاحب کے ہم خیالوں کا مرکز تھا۔ مرکز کے لفظ سے یہ مراد نہیں کہ اُس وقت بھی قادیان کے مقابلہ پر لاہور کو مرکز ظاہر کیا جاتا تھا بلکہ بوجہ اس کے کہ مولوی محمد علی صاحب کی پارٹی کے اکثر آدمی وہاں ہی رہتے تھے اور اخبار پیغام صلح ان کا آرگن بھی وہیں سے شائع ہوتا تھا لاہور اُس وقت بھی مرکز کہلانے کا مستحق تھا گو کھلم کھلا طور پر حضرت خلیفہ اوّل کی وفات پر اسے مرکز قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ اکثر جگہ پر یہ ٹریکٹ پیغام صلح کی مطبوعہ چٹوں میں بند شدہ پہنچا تھا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دفتر پیغامِ صلح سے یہ بھیجا گیا تھا۔ یا یہ کہ پیغامِ صلح کے متعلقین اس کی اشاعت میں دخل رکھتے تھے۔

۳۔ اس ٹریکٹ کا لکھنے والا لوگوں سے چاہتا ہے کہ وہ اس سے اس کے مضمون کے متعلق خط وکتابت کریں لیکن اپنا پتہ نہیں دیتا جس سے طبعاً یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ پتہ نہیں دیتا تو لوگ اس سے خط وکتابت کیونکر کریں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اس نے پہلے پتہ لکھا ہے پھر مصلحتاً اسے کاٹ دیا ہے لیکن چونکہ اصل مضمون میں سے یہ عبارت کہ لوگ اس سے خط وکتابت کریں نہیں کٹی ہوئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مضمون چھپنا شروع ہوگیا ہے تب پتہ کاٹنے کا خیال ہوا اور چونکہ اصل مضمون کا کوئی حصہ کاٹنے میں دیر لگتی تھی اور عبارت خراب ہونے کا خطرہ تھا اس لئے اسے اسی طرح رہنے دیا ہے۔ اب ہم بعض ٹریکٹوں کو دیکھتے ہیں تو ان پر سے اُنگلی سے رگڑ کر مضمون کے خاتمہ پر کچھ عبارت کٹی ہوئی ہے اور بعض ٹریکٹ ہمیں ایسے بھی ملتے ہیں جن پر ''معرفت اخبار'' کا لفظ کٹنے سے رہ گیا ہے اور

باقی کٹا ہوا ہے۔ یہ الفاظ ’’معرفت اخبار‘‘ کے صاف طور پر بتلاتے ہیں کہ پہلے خط وکتابت کے لئے کسی اخبار کا پتہ دیا گیا تھا اور گو یہ اخبار پیغام نہ ہو اور جہاں تک ہمیں معلوم ہے نہیں تھا مگر اس سے یہ پتہ ضرور چلتا ہے کہ اس ٹریکٹ کے لکھنے والے کا تعلق اخبارات سے ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ معاصرانہ تعلقات کی بناء پر ایک اخبار دوسرے اخبار کے عملہ کی خدمت بِالعموم کر دیا کرتے ہیں۔

۴۔اس ٹریکٹ میں انہی خیالات کی اشاعت تھی جو مولوی محمد علی صاحب اور ان کے رفقاء کے تھے سوائے اس کے کہ حضرت خلیفہ اوّل کی نسبت کسی قدر زیادہ سخت الفاظ استعمال کئے گئے تھے مگر بیسیوں ایسے گواہ ہمارے پاس موجود ہیں جو شہادت دیتے ہیں کہ اپنی علیحدہ مجلسوں میں مولوی محمد علی صاحب کے ہم خیالوں میں سے بعض بڑے آدمی نہایت سخت الفاظ حضرت خلیفہ اوّل کی نسبت استعمال کیا کرتے تھے اور حضرت مولوی صاحب کی تعریف کی پالیسی آپ کی وفات کے بعد شروع ہوئی ہے بلکہ خفیہ طور پر خطوں میں بھی ایسے الفاظ استعمال کر لیتے تھے۔ چنانچہ ان کے دو بڑے رُکنوں کے ان خطوط میں سے جو انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح کی زندگی میں سید حامد شاہ صاحب مرحوم کو لکھے ہم بعض حصہ اس جگہ نقل کرتے ہیں۔ پہلا خط سید محمد حسین صاحب ان کی صدر انجمن کے محاسب کا ہے۔ وہ سید حامد شاہ صاحب کو لکھتے ہیں:۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

۱/۱۰/۱۹۰۹

اخی مکرمی جناب شاہ صاحب سَلَّمَہُ اللّٰہ تعالیٰ

اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ وَرَحۡمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

جناب کا نوازش نامہ پہنچا حال معلوم ہوا۔

قادیان کی نسبت دل کو بٹھا دینے والے واقعات جناب کو شیخ صاحب نے لکھے ہوں گے۔ وہ باغ جو حضرت اقدسؑ نے اپنے خون کا پانی دے دے کر کھڑا کیا تھا ابھی سنبھلنے ہی نہ پایا تھا کہ بادِ خزاں اس کو گرایا چاہتی ہے۔ حضرت مولوی صاحب (خلیفہ اوّل) کی طبیعت

میں ضد اِس حد تک بڑھ گئی ہے کہ دوسرے کی سن ہی نہیں سکتے۔ وصیت کو پس پشت ڈال کر خدا کے فرستادہ کے کلام کی بے پروائی کرتے ہوئے شخصی وجاہت اور حکومت ہی پیش نظر ہے۔ سلسلہ تباہ ہوتو ہومگر اپنے منہ سے نکلی ہوئی بات نہ ٹلے پر نہ ٹلے۔ وہ سلسلہ جو کہ حضرت اقدسؑ کے ذریعہ بنایا تھا اور جو کہ بڑھے گا اور ضرور بڑھے گا وہ چند ایک اشخاص کی ذاتی رائے کی وجہ سے اب ایسا گرنے کو ہے کہ پھر ایک وقت کے بعد ہی سنبھلے تو سنبھلے۔ سب اہل الرائے اصحاب اپنے اپنے کاروبار میں مصروف ہیں اور حضرت مرزا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مرتے ہی سب نے آپ کے احسانات کو بھلا، آپ کے رُتبہ کو بھلا، آپ کی وصیت کو بھلا دیا اور پیر پرستی جس کی بنیاد کو اُکھاڑنے کے لئے یہ سلسلہ اللہ نے مقرر کیا تھا قائم ہو رہی ہے اور عین یہ شعر مصداق اس کے حال کا ہے۔

بیکسے شد دین احمد ہیچ خویش ویار نیست
ہر کسے درکار خود بادین احمد کار نیست

کوئی بھی نہیں پوچھتا کہ بھائی یہ وصیت بھی کوئی چیز ہے یا نہیں؟ یہ تو اللہ کی وحی کے ماتحت لکھی گئی تھی کیا یہ پھینک دینے کے لئے تھی؟ اگر پوچھا جاتا ہے تو ارتداد کی دھمکی ملتی ہے۔ اللہ رحم کرے۔ دل سخت بے کلی کی حالت میں ہے۔ حالات آمدہ از قادیان سے معلوم ہوا کہ مولوی صاحب فرماتا ہے کہ بمب کا گولہ دس دن تک چھوٹنے کو ہے جو کہ سلسلہ کو تباہ و چکنا چور کردے گا۔ اللہ رحم کرے۔ تکبر اور نخوت کی کوئی حد ہوتی ہے۔ نیک ظنی، نیک ظنی کی تعلیم دیتے دیتے بدظنی کی کوئی انتہا نظر نہیں آتی۔ ایک شیعہ کی وجہ سے سلسلہ کی تباہی۔ اللہ رحم کرے۔ یا الٰہی! ہم گنہگار ہیں تو اپنے فضل وکرم سے ہی ہمیں بچا سکتا ہے۔ اپنی خاص رحمت میں لے لے اور ہم کو ان ابتلاؤں سے بچالے آمین۔ اور کیا لکھوں۔ بس حد ہو رہی ہے وقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی خاص تائید الٰہی ہو تا کہ یہ اُس کا سلسلہ اِس صدمہ سے بچ جاوے۔ آمین۔

سب برادران کی خدمت میں اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اور دعا کی درخواست۔

خاکسار سید محمد حسین

دوسرا خط مرزا یعقوب بیگ صاحب ان کی صدر انجمن کے جنرل سیکرٹری [10] کا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس خط کا مضمون شیخ رحمت اللہ صاحب اور سید محمد حسین شاہ صاحب کے علم سے اور ان کی پسندیدگی کے بعد بھیجا گیا ہے۔ کیونکہ وہ لکھتے ہیں کہ شیخ صاحب اور شاہ صاحب کی طرف سے بھی مضمون واحد ہے۔

حضرت اخی المکرّم۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ

سرِ دست تو قادیان کی مشکلات کا سخت فکر ہے۔ خلیفہ صاحب کا تلوّنِ طبع بہت بڑھ گیا ہے اور عنقریب ایک نوٹس شائع کرنے والے ہیں جس سے اندیشہ بہت بڑے ابتلاء کا ہے۔ اگر اس میں ذرّہ بھی تخالف خلیفہ صاحب کی رائے سے ہو تو برافروختہ ہو جاتے ہیں۔ سب حالات عرض کئے گئے مگر ان کا جوش فرو نہ ہوا اور اشتہار جاری کرنے کا مصمم ارادہ رکھتے ہیں۔ آپ فرماویں ہم اب کیا کر سکتے ہیں؟ ان کا منشاء یہ ہے کہ انجمن کالعدم ہو جائے اور ان کی رائے سے ادنیٰ تخالف نہ ہو۔ مگر یہ وصیت کا منشاء نہیں۔ اس میں یہی حکم ہے کہ تم سب میرے بعد مل جل کر کام کرو۔ شیخ صاحب اور شاہ صاحب بعد سلامِ مسنون مضمون واحد ہے۔ خاکسار مرزا یعقوب بیگ ۲۹/۹/۱۹۰۹ء [11]

۵۔ نہایت واضح اور صاف بات اس امر کی تائید میں کہ یہی لوگ ان ٹریکٹوں کے شائع کرنے والے ہیں یہ ہے کہ ان ٹریکٹوں کے شائع ہوتے ہی مینیجر پیغامِ صلح سید انعام اللہ شاہ اور پیغامِ صلح کے انتظامی کاموں کی روحِ رواں بابو منظور الٰہی دونوں کے دستخط سے ایک تحریر پیغامِ صلح کے ۱۶ نومبر کے پرچہ میں شائع ہوئی۔ جس میں اس الزام کو ردّ کرتے ہوئے کہ انصار اللہ ہم دونوں کو ٹریکٹوں کا شائع کرنے والا قرار دیتے ہیں لکھا ہے۔ جو ٹریکٹ ہم نے دیکھے ہیں ان میں ذرا شک نہیں کہ اکثر باتیں ان کی سچی ہیں۔ جہاں تک کہ ان کے متعلق ہمارا علم ہے اور بعض باتیں ہمارے علم اور ہمارے مشاہدہ سے بالاتر ہیں اس لئے ان کی نسبت ہم کچھ نہیں کہہ سکتے ...... جب ہمارا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ہر بات کے ساتھ پورا پورا ایمان ہے تو دیگر فروعی باتوں کے اختلاف یا ٹریکٹ ہائے کی بیان کردہ باتوں کے ساتھ اتفاقِ رائے رکھنے کے جرم میں اگر ہماری نسبت غلط فہمی پھیلائی جانی لاہوری

انصاراللہ نے مناسب سمجھی ہے اور ہمارے خلاف کچھ لکھنے کا ارادہ کیا ہے تو ہماری طرف سے کچھ کمی بیشی کا کلمہ لکھا گیا تو اس کی ذمہ داری بھی ان پر ہوگی۔

ٹریکٹوں کی اشاعت سے دو باتوں کا ظاہر ہونا

یہ پانچ ثبوت ہیں اِس امر کے کہ ان ٹریکٹوں کے شائع کرنے والے مولوی محمد علی صاحب کے رفقاء اور ہم خیال تھے۔ ان ٹریکٹوں کی اشاعت ہم پر دو امر خوب اچھی طرح ظاہر کر دیتی ہے ایک تو یہ کہ مقابلہ کے وقت اس جماعت سے کسی قانونِ حکومت یا قانونِ اخلاق یا قانونِ شریعت کی پابندی کی امید نہیں رکھی جاسکتی کیونکہ اس ٹریکٹ کی اشاعت میں قانونِ حکومت کو بھی توڑا گیا ہے کیونکہ مطبع کا نام نہیں دیا گیا۔ حالانکہ یہ قانون کے خلاف ہے۔ قانونِ اخلاق کی بھی خلاف ورزی کی گئی ہے کیونکہ حضرت خلیفۃ المسیح اور مجھ پر اور میرے دیگر رشتہ داروں پر ناپاک سے ناپاک حملے کئے گئے اور الزامات لگانے والا اپنا نام نہیں بتاتا۔ تاکہ اس کے الزامات کی تحقیق کی جاسکے کیونکہ مدعی جب تک ثبوت نہ دے اُس کا جواب کیا دیا جاسکتا ہے۔ قانونِ شریعت کو بھی توڑا گیا ہے کیونکہ لکھنے والا اس شخص کی مخالفت کرتا اور اسے مشرک اور بداخلاق قرار دیتا ہے جس کے ہاتھ پر وہ بیعت کر چکا ہے اور پھر ایسے ناپاک افتراء بغیر ثبوت ودلیل کے شائع کرتا ہے جن کا بغیر ثبوت کے منہ پر لانا بھی شریعت حرام قرار دیتی ہے۔ دوسرا امر یہ کہ یہ لوگ اس بات کا قطعی طور پر فیصلہ کر چکے تھے کہ خواہ کچھ ہو جاوے اپنے مدعا کے حصول کے لئے جماعت کے تفرقہ کی بھی پرواہ نہیں کریں گے اور جماعت کے توڑنے کیلئے حضرت خلیفۃ المسیح کی زندگی کے زمانہ میں ہی تدابیر شروع کر دی تھیں۔

ٹریکٹوں کے لکھنے والے کئی ایک تھے

ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ ٹریکٹ خود مولوی محمد علی صاحب نے لکھا مگر بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا لکھنے والا ان کے دوستوں اور ہم خیالوں میں سے ضرور تھا اور ایک نہ تھا کئی تھے بلکہ کوئی جماعت تھی کیونکہ ایک سلسلہ ٹریکٹ کی اشاعت اور وہ بھی کثرت سے ایک شخص کا کام نہیں۔ اس کے انتظام، اس کے خرچ اور اس کے ڈسپیچ کیلئے

مددگاروں کی ضرورت ہے اور بغیر مددگاروں کے یہ کام ہو نہیں سکتا۔ پس ضرور ہے کہ ان کے ہم خیالوں کی ایک خفیہ سوسائٹی بنائی گئی تھی جس نے یہ کام کیا۔

ٹریکٹوں کا اثر اور ان کا جواب

جب یہ ٹریکٹ شائع ہوئے تو ان کا اثر ایک بمب سے زیادہ تھا وہ جماعت جو مسیح موعود علیہ السلام کی قائم کردہ تھی اس نے اس ٹریکٹ کی اشاعت پر اپنی ذمہ داری کو پھر بڑے زور سے محسوس کیا اور چاہا کہ اس کا جواب دیا جاوے۔ جماعت کی ناراضگی اور حضرت خلیفۃ المسیح کے غضب سے ڈر کر پیغام صلح میں جو تائیدی ریمارکس شائع ہوئے تھے اس کی تردید میں ایک مختصر سا نوٹ متعلقین پیغامِ صلح نے آخر میں شائع کیا، لیکن اس کے الفاظ ایسے پیچ دار تھے کہ ان میں ان ٹریکٹوں کے مضمون کی اگر تردید نکلتی تھی تو تائید کا پہلو بھی ساتھ ہی تھا مگر اصل جواب ایک اور جماعت کے لئے مقدر تھا اور وہ انصار اللہ کی جماعت تھی چونکہ راقم ٹریکٹ نے ان ٹریکٹوں میں انجمن انصار اللہ کے خلاف خاص طور پر زہر اُگلا تھا اور اخبار پیغام صلح میں بھی انہی کو مخاطب کیا گیا تھا اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح نے خاص طور پر اس ٹریکٹ کا جواب اس جماعت کے سپرد فرمایا جو آپ کے ارشاد کے ماتحت دو ٹریکٹوں کی صورت میں شائع کیا گیا۔ پہلے ٹریکٹ میں اظہار الحق نمبر اوّل کا جواب لکھا گیا اور اس کا نام خلافت احمدیہ رکھا گیا۔ دوسرے میں نمبر دوم کا جواب لکھا گیا اور اس کا نام اظہار الحقیقۃ رکھا گیا۔ یہ ٹریکٹ خود حضرت خلیفۃ المسیح نے دیکھے اور ان میں اصلاح فرمائی اور یہ فقرہ بھی ایک جگہ زائد فرمادیا ''ہزار ملامت پیغام پر جس نے اپنی چٹھی شائع کر کے ہمیں پیغامِ جنگ دیا اور نفاق کا بھانڈا پھوڑ دیا'' [۱۲]

ان ٹریکٹوں کی اشاعت پر ہم نے چاہا کہ ان لوگوں سے بھی جن کی تائید میں یہ ٹریکٹ گمنام آدمی نے لکھے ہیں اِس کی تردید میں کچھ لکھ دیا جائے۔ لیکن چونکہ ان لوگوں کے دل میں منافقت تھی اور یہ دل سے اس کی تائید میں تھے اس لئے انہوں نے بیسیوں عذروں اور بہانوں سے اس کام سے انکار کیا۔ سوائے میر حامد شاہ صاحب مرحوم کے کہ جنہوں نے ان سوالات کے جواب لکھ دیئے جو ان کو لکھے گئے تھے اور یہی صاحب ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے

آخر بیعت میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔

گمنام ٹریکٹ شائع کرنے والے نے جس مقصد سے یہ ٹریکٹ شائع کئے تھے وہ مقصد اس کا پورا ہوا یا نہیں اس کو وہی خوب جانتا ہوگا۔ ہمیں ان ٹریکٹوں کی اشاعت سے یہ فائدہ ضرور ہوگیا کہ وہ باتیں جو مولوی صاحب اور ان کے ساتھی خفیہ خفیہ پھیلایا کرتے تھے ان کا عَلَی الْاِعْلَان جواب دینے کا ہمیں موقع مل گیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے نفاق کا بھانڈا پھوٹ گیا۔ اس ٹریکٹ کے بعد چند ماہ کے لئے امن ہوگیا۔ مینیجر پیغام اور بابو منظور الٰہی کو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل سے معافی مانگنی پڑی اور بظاہر معاملہ دب گیا لیکن یہ لوگ اپنے کام سے غافل نہ تھے۔

خواجہ صاحب کا غیراحمدیوں کے پیچھے نماز پڑھنے کی اجازت مانگنا اور نماز پڑھنا

خواجہ کمال الدین صاحب نے ولایت کے حالات سے فائدہ اُٹھا کر غیراحمدیوں کے پیچھے نماز پڑھنے کی اجازت طلب کرنی شروع کی۔ کیونکہ بقول ان کے وہاں کے لوگ احمدیت سے واقف نہیں اور مسلمانوں میں فرقہ بندی کا علم ان کو دینا مناسب نہ تھا۔ خواجہ صاحب کی کمزوری کو دیکھ کر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے اُن کو اجازت دے دی لیکن خواجہ صاحب نے سب سے پہلے ظفر علی خان ایڈیٹر زمیندار کے پیچھے نماز ادا کی جو سخت معاندِ سلسلہ اور بدگو آدمی ہے اور اس طرح انگلستان کو بھی وہی پوزیشن دے دی جو ہندوؤں کے اعتقاد میں گنگا کو ہے کہ جو وہاں گیا پاک ہوگیا۔ ہندوستان میں ظفر علی خان کے پیچھے نماز پڑھنا حرام لیکن انگلستان میں قدم رکھتے ہی وہ پاک ہو جاتا ہے اور اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہو جاتا ہے۔

حضرت خلیفہ اوّل کے متعلق پیغامِ صلح کی غلط بیانی

میں پہلے لکھ آیا ہوں کہ خفیہ طور پر شائع ہونے والے ٹریکٹوں کے جوابات کے بعد ظاہر طور پر امن ہوگیا تھا لیکن درحقیقت کینہ وبغض کی آگ ان لوگوں کے دلوں میں جل رہی تھی۔ چنانچہ ۱۹۱۳ء کے دسمبر کے جلسہ پر اس کا اظہار ہوگیا اور وہ اس طرح کہ سالانہ جلسہ کی تقریر میں حضرت خلیفۃ المسیح نے ان گمنام طور پر شائع کردہ ٹریکٹوں کا ذکر اپنی تقریر میں کیا اور اس پر اظہارِ نفرت کیا۔ اس

پر آپ کے مطلب کو بگاڑ کر پیغام صلح نے جھٹ پٹ شائع کر دیا ☆ کہ حضرت خلیفۃ المسیح نے انصار اللہ کے جواب میں شائع ہونے والے ٹریکٹوں پر اظہارِ نفرت کیا ہے اور اس سے یہ غرض تھی کہ تا ان گمنام ٹریکٹوں کا اثر پھر قائم کیا جاوے اور ان کے جوابات کا اثر زائل کیا جاوے۔ حالانکہ انصار اللہ کے جوابی ٹریکٹ حضرت خلیفۃ المسیح کے حکم کے ماتحت آپ کو دکھانے کے بعد بلکہ آپ کی اصلاح کے بعد شائع ہوئے تھے۔ چنانچہ جب سب سے آخری مرتبہ آپ کے سامنے ان کا مسودہ پیش کیا گیا اور اس کی طبع کے متعلق اجازت طلب کی گئی تو آپ نے اس پر یہ تحریر فرمایا۔

''اخلاص سے شائع کرو خاکسار بھی دعا کرے گا۔ اور خود بھی دعا کرتے رہو کہ شریر سمجھے یا کیفر کردار کو پہنچے۔ نورالدین۔''

یہ تحریر اب تک ہمارے پاس موجود ہے۔ پھر کیسے تعجب کی بات ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح تو ان ٹریکٹوں کے بااثر ہونے کے لئے دعا کا وعدہ فرماتے ہیں اور اگر اظہار الحق کا مصنف باز نہ آئے تو اس کے لئے بددعا کرتے ہیں مگر پیغامِ صلح حق کی مخالفت کی وجہ سے ایسا اندھا ہو جاتا ہے کہ انصار اللہ کے ٹریکٹوں پر حضرت خلیفۃ المسیح کو ناراض لکھتا ہے۔ اصل سبب یہی تھا کہ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح اظہار الحق کے مضمون کی طرف لوگوں کی توجہ ہو اور اس کے جواب پر لوگ بدگمان ہو جائیں۔ لیکن اس کا یہ حربہ بھی کارگر نہیں ہوا کیونکہ حضرت خلیفۃ المسیح نے ۱۵؍جنوری ۱۹۱۴ء کو ایک تحریر کے ذریعہ شائع فرمایا کہ:۔

''پچھلے سال بہت سے نادانوں نے قوم میں فتنہ ڈلوانا چاہا اور اظہارِ حق نامی اشتہار عام طور پر جماعت میں تقسیم کیا گیا۔ جس میں مجھ پر بھی اعتراضات کئے گئے۔ مصنف ٹریکٹ کا تو یہ منشاء ہوگا کہ اس سے جماعت میں تفرقہ ڈال دے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی بندہ نوازی سے مجھے اور جماعت کو اس فتنہ سے بچا لیا۔''

☆ پیغام نے حضرت خلیفہ اوّل کے لیکچر کا خلاصہ لکھتے ہوئے لکھا:۔

''جس شخص نے اظہار الحق لکھا اور جنہوں نے کھلی چٹھی شائع کی اور جنہوں نے خلافت پر بحث کی اور ٹریکٹ شائع کئے اُن کا حق کیا تھا''۔ (پیغامِ صلح پرچہ ۶ جنوری ۱۹۱۴ء صفحہ ۲)

خلافت کے متعلق حضرت خلیفہ اوّل کا خیال

جلسہ سالانہ کے چند ہی دن کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح بیمار ہو گئے اور آپ کی علالت روز بروز بڑھنے لگی۔ مگر ان بیماری کے دنوں میں بھی آپ تعلیم کا کام کرتے رہے۔ مولوی محمد علی صاحب قرآن شریف کے بعض مقامات کے متعلق آپ سے سوال کرتے اور آپ جواب لکھواتے کچھ اور لوگوں کو بھی پڑھاتے۔ ایک دن اسی طرح پڑھا رہے تھے مسند احمد کا سبق تھا۔ آپ نے پڑھاتے پڑھاتے فرمایا کہ مسند احمد حدیث کی نہایت معتبر کتاب ہے بخاری کا درجہ رکھتی ہے مگر افسوس ہے کہ اس میں بعض غیر معتبر روایات امام احمد بن حنبل صاحب کے ایک شاگرد اور ان کے بیٹے کی طرف سے شامل ہوگئی ہیں جو اس پایہ کی نہیں ہیں۔ میرا دل چاہتا تھا کہ اصل کتاب کو علیحدہ کر لیا جاتا مگر افسوس کہ یہ کام میرے وقت میں نہیں ہو سکا اب شاید میاں کے وقت میں ہو جاوے اتنے میں مولوی سید سرور شاہ صاحب آ گئے اور آپ نے ان کے سامنے یہ بات پھر دُہرائی اور کہا کہ ہمارے وقت میں تو یہ کام نہیں ہو سکا آپ میاں کے وقت میں اس کام کو پورا کریں۔ یہ بات آپ نے وفات سے دو ماہ پہلے فرمائی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم حضرت خلیفۃ المسیح کا منشاء یہی تھا کہ آپ کے بعد خلفاء کا سلسلہ چلے گا اور یہ بھی کہ خدا تعالیٰ اس مقام پر آپ کے بعد مجھے کھڑا کرے گا۔

مسئلہ کفر و اسلام کے متعلق خلیفۃ المسیح کا مولوی محمد علی کو ارشاد

چونکہ مسئلہ کفر و اسلام کا تذکرہ جماعت میں ہمیشہ زیر بحث رہتا تھا اور مولوی محمد علی صاحب نے کبھی ان مسائل پر قلم نہیں اُٹھایا تھا اور ان مسائل کے متعلق ان کو بے تعلق حیثیت حاصل تھی مولوی محمد علی صاحب کو قرآن کریم کے بعض مقامات پر نوٹ کرانے کے دوران حضرت خلیفۃ المسیح نے مختلف آیات کے متعلق ایک دن فرمایا کہ یہ آیات کفر و اسلام کے مسئلہ پر روشنی ڈالتی ہیں اور لوگ بظاہر ان میں اختلاف سمجھتے ہیں مثلاً:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ هَادُوْا وَ النَّصٰرٰی وَالصَّابِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَاخَوْفٌ عَلَیْهِمْ

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۱۳

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝۱۵۱ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۱۴

اس طرح بعض لوگ میری نسبت بھی کہتے ہیں کہ یہ کبھی غیر احمدیوں کو مسلمان کہتا ہے اور کبھی کافر۔ میرا ارادہ تھا کہ کبھی اس پر ایک مضمون لکھوں کہ ان آیات کا کیا مطلب ہے۔ اور میرے اقوال میں جو اختلاف نظر آتا ہے اس کا کیا باعث ہے۔ آپ آجکل قرآن کریم کے نوٹ لکھ رہے ہیں آپ اس پر مضمون لکھیں اور مجھے دکھا لیں۔ اس میں ان آیات میں مطابقت کر کے دکھائی جاوے۔ یہ گفتگو میرے سامنے ہوئی۔ اسی طرح کچھ دن بعد جب کہ میں بھی بیٹھا ہوا تھا حضرت خلیفہ اوّل نے پھر یہی ذکر شروع کیا اور اپنی نسبت فرمایا کہ میری نسبت لوگ کہتے ہیں کہ یہ کبھی غیر احمدیوں کو مسلمان کہہ دیتا ہے کبھی کافر حالانکہ لوگ میری بات کو نہیں سمجھے۔ یہ ایک مشکل بات ہے حتّٰی کہ ہمارے میاں بھی نہیں سمجھے۔

مولوی محمد علی صاحب کا کفر واسلام کے متعلق مضمون

مولوی صاحب کو گو حضرت خلیفۃ المسیح نے ایک بے تعلق آدمی خیال کیا تھا مگر مولوی صاحب دل میں تعصب و بغض سے بھرے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور حضرت خلیفۃ المسیح نے کہا کچھ تھا انہوں نے لکھنا کچھ اور شروع کر دیا۔ بجائے اس کے کہ ان آیات میں تطبیق پر مضمون لکھتے جو بعض لوگوں کے نزدیک ایک دوسری کے مخالف ہیں ''کفر واسلام غیر احمدیاں'' پر ایک مضمون لکھ دیا۔ ادھر پیغام صلح میں یہ شائع کرا دیا گیا کہ حضرت خلیفۃ المسیح نے فرمایا ہے کہ میاں کفر واسلام کا مسئلہ نہیں سمجھا ☆ حالانکہ یہ بات بالکل جھوٹ تھی جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔

☆ پیغام ۳ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۴ ''میاں نے بھی اِس کو نہیں سمجھا'' رسالہ کفر واسلام صفحہ ۱۲ سطر نمبر ۱۱، ۱۲ ''میاں نے بھی اِس مسئلہ کو نہیں سمجھا''۔

مولوی محمد علی صاحب کا حضرت خلیفہ اوّل کو مضمون سنانے کی حقیقت

جب مولوی صاحب نے مضمون لکھ لیا تو نہ معلوم کس خوف سے اس بات کی بے حد کوشش کی کہ علیحدہ وقت میں سنایا جاوے۔ چنانچہ ایک دن رات کے وقت پہرہ کر کے مضمون سنانا چاہا مگر عین وقت پر ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب پہنچ گئے اور بات رہ گئی۔ دوسری دفعہ جمعہ کی نماز کا ناغہ کر کے مضمون سنایا۔ حضرت خلیفہ اوّل کے بڑے بیٹے میاں عبدالحیٔ مرحوم کا بیان ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح نے فرمایا کہ ابھی اسے شائع نہ کریں اور اس قسم کی بات بھی کہی کہ میرا مطلب کچھ اور تھا مگر چونکہ مرحوم کی عمر اُس وقت چھوٹی تھی ہم ان کی شہادت پر اپنے دعویٰ کی بناء نہیں رکھتے۔ ہمارے پاس ایسی زبردست اندرونی شہادت موجود ہے جو اِس بات کو ثابت کرتی ہے کہ یا تو مضمون کو حضرت خلیفۃ المسیح نے ناپسند کیا اور یا پھر ان کے دکھانے کے بعد اسے بدل دیا گیا اور یا اسے ایسے وقت میں سنایا گیا کہ جس وقت آپ کی توجہ کسی اور کام کی طرف تھی اور آپ نے اس کو سنا ہی نہیں اور وہ شہادت خود مولوی محمد علی صاحب کا مضمون ہے۔ اس مضمون میں کئی ایسی باتیں لکھی گئی ہیں جو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل جیسے عالم و فاضل کی طرف تو کجا ایک معمولی سمجھ کے آدمی کی طرف بھی منسوب نہیں ہوسکتیں۔ مثال کے طور پر ہم چند باتیں ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

پہلی شہادت

اس میں اسلام کی تعریف قرآن کریم و احادیث سے یہ ثابت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لے آنا کافی ہے اور کسی امر کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ مولوی محمد علی صاحب اس رسالہ میں لکھتے ہیں:۔

"بلکہ خود قرآن کریم نے اس مضمون کو ایک ہی آیت میں بالکل صاف کر دیا ہے جہاں فرمایا وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ[15] جس میں سمجھایا ہے کہ اکثر لوگوں کا تو یہی حال ہے کہ اللہ پر ایمان لانے کے باوجود دل کے کسی نہ کسی کونہ میں شرک باقی رہتا ہے۔ پس باوجود مشرک ہونے کے بھی مومن کا لفظ ان پر بولا جاتا ہے۔"[16]

یہ آیت جو مولوی محمد علی صاحب نے لکھی ہے کفارِ مکہ کے حق میں ہے اور سورۃ یوسف کے آخری رکوع میں وارد ہے۔ اس آیت سے استدلال کر کے مولوی محمد علی صاحب نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اسلام کی تعریف ایسی وسیع ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے والے بھی مومن ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ایک جزوی امر ہے جس کے فقدان پر انسان کافر نہیں ہو جاتا۔ اِسی طرح اسی صفحہ پر وہ لکھتے ہیں:۔

''جو شخص لَااِلٰـہَ اِلَّاالـلّٰـہُ کا انکار کر دے تو وہ اس دائرہ سے ہی خارج ہو گیا لیکن جو شخص لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ کا اقرار کر کے کسی اور حصہ کو چھوڑتا ہے تو وہ دائرہ کے اندر تو ہے مگر اس خاص حصہ کا کافر ہے۔''[۱۷]

اس حوالہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ ان کے نزدیک جو شخص لَااِلٰـہَ اِلَّاالـلّٰـہُ مان لے وہ مسلمان ہو جاتا ہے کسی اور بات کے انکار سے جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی انکار شامل ہے اس کے مسلم ہونے میں کچھ شبہ نہیں پڑتا۔ صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے ایک حصہ کا کافر ہے دائرہ اسلام سے وہ خارج نہیں۔ اور اس سے وہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا انکار بھی ایک جزو کا انکار ہے نہ کہ دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ یہ عقیدہ ایک ایسا خطرناک عقیدہ ہے کہ اس سے اسلام کی ہی بیخ کنی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ قرآن کریم اسلام کے لئے اللہ، ملائکہ، کتب سماویہ، رُسل اور یوم آخر پر ایمان لانا ضروری قرار دیتا ہے۔ پس یہ بات جو مولوی محمد علی صاحب نے لکھی ہے ہرگز حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی لکھائی ہوئی یا پسند کی ہوئی نہیں ہو سکتی کیونکہ آپ کا مذہب بدر ۹ مارچ ۱۹۱۱ء کے پرچہ میں اس طرح درج ہے۔

''لَا اِلٰـــہَ اِلَّااللّٰـہُ کے ماننے کے نیچے خدا کے سارے مأموروں کے ماننے کا حکم آجاتا ہے حضرت آدمؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت مسیحؑ ان سب کا ماننا اسی لَااِلٰہَ اِلَّاالـلّٰـہُ کے ماتحت ہے حالانکہ ان کا ذکر اس کلمہ میں نہیں۔ قرآن مجید کا ماننا، سیدنا حضرت محمد خاتم النّبین صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا، قیامت کا ماننا، سب مسلمان جانتے ہیں کہ اس کلمہ کے مفہوم میں داخل ہے۔''

پس حضرت خلیفة المسیح الاوّل کے اس فتویٰ کی موجودگی میں اور خود اس فتویٰ کے صریح باطل ہونے کے باوجود کون شخص خیال کر سکتا ہے کہ مولوی محمد علی صاحب نے یہ مضمون حضرت خلیفة المسیح کے لکھوائے ہوئے نوٹوں کے مطابق لکھا ہے اور آپ کی پسندیدگی کے بعد شائع کیا ہے۔

دوسری شہادت

دوسری اندرونی شہادت یہ ہے کہ مولوی محمد علی صاحب نے اپنے اس رسالہ میں قرآن کریم کی ایک آیت کے ایسے غلط معنی کئے ہیں کہ وہ عربی زبان کے قواعد کے بالکل خلاف ہیں اور حضرت خلیفة المسیح کے کئے ہوئے معنوں کے بھی خلاف ہیں بلکہ ایک رنگ میں ان کی تردید حضرت خلیفة المسیح نے کی ہے۔ مولوی محمد علی صاحب لکھتے ہیں۔

" قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ [18] یعنی اللہ منوا کر ان کو چھوڑ دو۔"[19]

یعنی آیت قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ کے یہ معنی ہیں کہ لوگوں سے خدا منوالو اور پھر ان کو چھوڑ دو۔ اِسی قدر ان کے اسلام کیلئے کافی ہے۔ لیکن جب ہم آیت کریمہ کو دیکھتے ہیں تو وہ اس طرح ہے۔ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّ هُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ [20] یعنی ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات کا اندازہ پورے طور پر نہیں لگایا جبکہ انہوں نے یہ بات کہی کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بندے پر کچھ نہیں اُتارا۔ کہہ کون ہے جس نے وہ کتاب اُتاری تھی جو موسیٰ لائے تھے جو نور تھی اور لوگوں کے لئے ہدایت تھی۔ جس کتاب کو تم ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہو اس میں سے بعض کو ظاہر کرتے ہو اور بہت حصے کو چھپاتے ہو اور تم وہ بات سکھائے گئے ہو جو نہ تم جانتے ہو اور نہ تمہارے باپ دادے جانتے تھے (یعنی قرآن کریم میں تو ایسے علوم ہیں جو توریت میں نہ تھے پھر وہ خدا کی کتاب ہوگئی اور یہ نہ ہوئی) کہہ یعنی تُو ان کو اپنی طرف سے کہہ دے کہ خدا تعالیٰ نے موسیٰؑ کی کتاب اُتاری تھی اور یہ جواب مُسکت ان کو دے کر ان کو چھوڑ

دے کہ یہ اپنی شرارتوں میں کھیلتے رہیں۔

اِس آیت میں کہیں بھی یہ ذکر نہیں کہ خدا کو منوا کر چھوڑ دو۔ اس میں تو یہ بتایا گیا ہے کہ یہود کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے بندہ پر کبھی الہام نازل نہیں کیا۔ اس کے جواب میں تو ان سے پوچھ کہ موسیٰؑ کی کتاب کس نے نازل کی تھی؟ اور پھر اپنی طرف سے کہہ دے کہ وہ خدا تعالیٰ نے نازل کی تھی اور چونکہ یہ جواب ان کے عقیدہ کے مطابق ہے اور یہ اس کا جواب کچھ نہیں دے سکتے اس لئے اس جواب کے بعد اِس مسئلہ پر زیادہ گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں پھر ان کو چھوڑ دو کہ دین پر ہنسی کرتے ہیں۔

عربی زبان کے مطابق مولوی محمد علی صاحب کے کئے ہوئے معنی کسی طرح جائز نہیں۔ خود ان کے شائع کردہ ترجمہ قرآن میں بھی یہ معنی نہیں کئے گئے بلکہ وہی معنی کئے گئے ہیں جو میں نے لکھے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

And they do not assign to Allah the attributes due to Him, when they say:Allah has not revealed any thing to a mortal. say: who revealed the Book which moses brought a light, and a guidance to men, which you make into scattered writing, which you show, while you conceal much? And you were taught what you did not know, (neither) you nor your fathers. say: Allah then leave them sporting in their vain discourses. p 30

اگر وہ معنی درست ہوتے جو مولوی صاحب نے اس رسالہ میں لکھے ہیں تو کیوں وہ قرآن کریم میں وہ ترجمہ نہ لکھتے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو وہ پہلے سے جانتے تھے کہ یہ ترجمہ غلط ہے اور محض دھوکا دینے کیلئے انہوں نے اس رسالہ میں غلط معنی کر دیئے ہیں اور یا یہ کہ اعتراضوں سے گھبرا کر انہوں نے اپنے ترجمہ میں چھپنے سے پہلے تبدیلی کر دی۔ ان کا خود ان معنوں کو غلط تسلیم کر لینا اس امر سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس کے بعد کفر و اسلام کے متعلق انہوں نے متعدد تحریروں میں بحث کی ہے مگر کبھی اس آیت سے پھر استدلال نہیں کیا۔ غرض ایسے غلط معنی حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی طرف کبھی منسوب نہیں کئے جا سکتے اور نہ یہ

خیال کیا جا سکتا ہے کہ آپ نے ان معنوں کو پسند کیا ہوگا۔

اس امر کی تائید میں کہ حضرت خلیفۃ المسیح نے ہرگز ان معنوں کو پسند نہیں کیا یہ ثبوت بھی ہے کہ آپ کے درس قرآن کریم کے نوٹوں میں آپ نے وہی معنے کئے ہیں جو ہم نے پہلے لکھے ہیں آپ فرماتے ہیں:۔

فرمایا: ''قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ کے یہ معنی نہیں کہ اللہ اللہ کرتے رہو۔ کیونکہ محض اللہ اللہ ذکر ہماری شریعت اسلامی میں ثابت نہیں بلکہ یہ تو جواب ہے مَنْ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ کا۔ یہ کتاب کس نے اُتاری؟ تو کہہ اللہ نے''۔[21]

پس آپ کے مطبوعہ معنوں کے خلاف ایک اور معنی جو عربی زبان کے خلاف ہیں آپ کی طرف منسوب کرنا کس قدر ظلم اور دیدہ دلیری ہے۔ اور جس رسالہ میں قرآن کریم کی آیت کے ایسے غلط معنی کر کے مسئلہ کفر و اسلام کو ثابت کیا گیا ہو کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ وہ حضرت خلیفۃ المسیح کی پسند کردہ ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح نہ تو صرف یہ کہ ان معنوں کے خلاف ایک اور معنی کرتے ہیں بلکہ یہ فرما کر کہ ''قُلِ اللّٰہُ جواب ہے مَنْ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ کا'' مولوی محمد علی صاحب کے معنوں کو بالکل ردّ کر دیتے ہیں۔

تیسری شہادت

تیسری شہادت اس بات کے رَدّ میں یہ ہے کہ مولوی محمد علی صاحب نے اپنے اس رسالہ میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ ''امام ابوحنیفہؒ کا یہ مذہب ہے کہ اگر کوئی شخص ایک دفعہ دل سے اَشْھَدُ اَنْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ دے تو وہ مومن ہو جاتا ہے۔ چاہے پھر اس سے شرک، کفر یا ظلم سرزد ہو''۔[22]

یہ قول ایسا بے معنی اور بیہودہ ہے کہ عقل اس کے سننے سے انکار کرتی ہے۔ مگر مولوی محمد علی صاحب نہ صرف یہ کہ اس کو حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کرتے ہیں بلکہ اسے ان کا مذہب قرار دیتے ہیں مگر باوجود بار بار کے مطالبہ کے کہ امام ابوحنیفہؒ کی کون سی مخفی کتاب آپ کے ہاتھ آگئی ہے جس میں یہ مذہب ان کا بیان ہے یا ان کے کسی شاگرد نے ان سے یہ مذہب نقل کیا ہے وہ بالکل ساکت و خاموش ہیں اور کوئی جواب نہیں دیتے اور صرف کہہ دیتے ہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح نے ان کو ایسا ہی لکھوایا تھا حالانکہ

حضرت خلیفۃ المسیح خود تو امام ابو حنیفہؒ کے وقت میں تھے نہیں، آپ نے جو کچھ فرمایا ہوگا حنفیوں کی کتابوں سے ہی فرمایا ہوگا۔مگر جس قدر کتب امام ابو حنیفہؒ کے اقوال کے بیان میں ہیں ان میں سے ایک میں بھی یہ قول درج نہیں پس ایسے بیہودہ قول کو ایسے امام کی طرف منسوب کرنا حضرت خلیفۃ المسیح کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ضرور ہے کہ یہ مولوی محمد علی صاحب کے دماغ کی اختراع ہو یا حضرت خلیفۃ المسیح کی کسی بات کو نہ سمجھ کر انہوں نے اس طرح لکھ دیا ہو۔ان دونوں صورتوں میں یہ رسالہ حضرت خلیفۃ المسیح کا پسندیدہ اوران کے منشاء کے مطابق نہیں ہوسکتا۔ یہ تین شاہد اندرونی ہمارے پاس موجود ہیں جو شہادت دیتے ہیں کہ یہ رسالہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کا پسندیدہ نہیں۔لیکن ہم ان شواہد کے علاوہ یہ امر بھی دیکھتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ قریباً ایک ماہ حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات سے پہلے یہ رسالہ حضرت خلیفۃ المسیح کو سنایا گیا ہے اسے شائع آپ کی وفات کے بعد کیا گیا حالانکہ اس کے بعد کا لکھا ہوا ایک مضمون جو اس سے بڑا ہے اس سے پہلے چھاپ کر شائع کیا گیا۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی خاص حکمت کے ماتحت اس کی اشاعت روکی گئی تھی اور وہ حکمت اس کے سِوا اور کیا تھی کہ حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات کا انتظار کیا جاتا تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح کی وصیت

حضرت خلیفۃ المسیح کی بیماری چونکہ زیادہ ہوگئی۔ فروری ۱۹۱۴ء میں ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ آپ قصبہ سے باہر کسی جگہ رہیں تا کہ کھلی ہوا کے مفید اثر سے فائدہ اُٹھاسکیں۔خان محمد علی خان صاحب رئیس مالیر کوٹلہ نے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے رشتہ دامادی رکھتے ہیں اپنی کوٹھی کے ایک حصہ کے خالی کر دینے کا انتظام کر دیا اور آپ وہاں تشریف لے گئے۔ چونکہ آپ کی طبیعت زیادہ کمزور ہوتی جارہی تھی مَیں بھی وہیں جارہا۔چار مارچ کو عصر کے قریب آپ نے کاغذ وقلم ودوات منگوایا اور لیٹے لیٹے ایک وصیت لکھی۔جس کا مضمون یہ ہے:۔

''خاکسار بقائمی ہوش وحواس لکھتا ہے لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ میرے بچے چھوٹے ہیں۔ہمارے گھر میں مال نہیں۔ان کا اللہ حافظ ہے۔ان کی پرورش یتامی ومساکین سے نہیں کچھ قرض حسنہ جمع کیا جائے لائق لڑکے ادا کریں۔

یا کتب جائداد وقف علی الاولاد ہو۔ میرا جانشین متقی ہو۔ ہر دلعزیز عالم باعمل۔ حضرت صاحبؑ کے پُرانے اور نئے احباب سے سلوک چشم پوشی دَرگزر کو کام میں لاوے۔میں سب کا خیر خواہ تھا وہ بھی خیر خواہ رہے۔قرآن وحدیث کا درس جاری رہے۔والسلام

نورالدین ۴؍مارچ ۱۹۱۴ء[۲۳]

وصیت کا مولوی محمد علی صاحب سے پڑھوانا

جب آپ نے وصیت لکھی مولوی محمد علی صاحب پاس بیٹھے ہوئے تھے لکھ کر ان کو دی اور کہا کہ اسے پڑھ کر لوگوں کو سنا دیں پھر دوبارہ اور سہ بارہ پڑھوائی اور پھر دریافت فرمایا کہ کیا کوئی بات رہ تو نہیں گئی؟ مولوی محمد علی صاحب جو اپنے دل میں خلافت کے مٹانے کی فکر میں تھے اور تدابیر سوچ رہے تھے اِس وصیت کو پڑھ کر حیران رہ گئے اور اُس وقت ہر ایک شخص ان کے چہرہ پر ایک عجیب قسم کی مُردنی اور غصہ دیکھ رہا تھا جو حضرت خلیفۃ المسیح کے وصیت لکھوانے کے باعث نہ تھا بلکہ اپنی سب کوششوں پر پانی پھرتا ہوا دیکھنے کا نتیجہ تھا۔مگر حضرت خلیفہ اوّل کا رُعب ان کو کچھ بولنے نہ دیتا تھا۔باوجود مخالفت خیالات کے انہوں نے اُس وقت یہی لفظ کہے کہ بالکل درست ہے۔مگر آئندہ واقعات بتائیں گے کہ کسی مرید نے، کسی خادم نے، کسی اظہارِ عقیدت کرنے والے نے اپنے پیر اور اپنے آقا اور اپنے شیخ سے عین اُس وقت جبکہ وہ بستر مرگ پر لیٹا ہوا تھا اس سے بڑھ کر دھوکا اور فریب نہیں کیا جو مولوی محمد علی صاحب نے کیا۔

خلیفۃ المسیح کی بیماری میں اختلافی مسائل کا چرچا

حضرت خلیفۃ المسیح کی بیماری کی وجہ سے چونکہ نگرانی اُٹھ گئی تھی اور کوئی پوچھنے والا نہ تھا اختلافی مسائل پر گفتگو بہت بڑھ گئی اور جس جگہ دیکھو یہی چرچا رہنے لگا۔اِس حالت کو دیکھ کر میں نے ایک اشتہار لکھا جس کا یہ مضمون تھا کہ جس وقت کہ حضرت خلیفۃ المسیح تندرست تھے اختلافی مسائل پر آپس میں ہماری بحثوں کا کچھ حرج نہ تھا۔کیونکہ اگر بات حد سے بڑھے یا فتنہ کا اندیشہ ہوتو روکنے والا موجود تھا لیکن

اب جبکہ حضرت خلیفۃ المسیح بیمار ہیں اور سخت بیمار ہیں مناسب نہیں کہ ہم اس طرح بحثیں کریں اس کا انجام فتنہ ہوگا۔ اس لئے اختلافی مسائل پر اُس وقت تک کہ اللہ تعالیٰ حضرت خلیفۃ المسیح کو شفاء عطا فرمادے اور آپ خود اِن بحثوں کی نگرانی کر سکیں نہ کوئی تحریر لکھی جائے اور نہ زبانی گفتگو کی جاوے تاکہ جماعت میں فتنہ نہ ہو۔

یہ اشتہار لکھ کر میں نے مولوی محمد علی صاحب کے پاس بھی بھیجا کہ آپ بھی اِس پر دستخط کر دیں تاکہ ہر قسم کے خیالات کے لوگوں پر اس کا اثر ہو اور فتنہ سے جماعت محفوظ ہو جاوے۔ مولوی محمد علی صاحب نے اس کا یہ جواب دیا کہ چونکہ جماعت میں جو کچھ اختلاف ہے اس سے عام طور پر لوگ واقف نہیں ایسا اشتہار ٹھیک نہیں اس سے دشمنوں کو واقفیت حاصل ہوگی اور ہنسی کا موقع ملے گا۔ بہتر ہے کہ قادیان کے لوگوں کو جمع کیا جاوے اور اس میں آپ بھی اور میں بھی تقریریں کریں اور لوگوں کو سمجھائیں کہ اختلافی مسائل پر گفتگو ترک کر دیں۔ گو میں حیران تھا کہ اظہار الحق نامی ٹریکٹوں کی اشاعت کے بعد لوگوں کا جماعت کے اختلاف سے ناواقف ہونا کیا معنی رکھتا ہے مگر میں نے مولوی صاحب کی اس بات کو قبول کر لیا۔ میں اُس وقت تک نہیں جانتا تھا کہ یہ بھی ایک دھوکا ہے جو مجھ سے کیا گیا ہے لیکن بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ مولوی محمد علی صاحب نے اپنے مدعا کے پورا کرنے کیلئے کسی فریب اور دھوکے سے بھی پرہیز نہیں کیا اور اس اشتہار پر دستخط کرنے سے انکار کی وجہ یہ نہ تھی کہ عام طور پر معلوم ہو جاوے گا کہ جماعت میں کچھ اختلاف ہے بلکہ ان کی غرض کچھ اور تھی۔

خلیفۃ المسیح کے ایامِ بیماری میں ایک خاص اجتماع

قادیان کے لوگ مسجد نور میں جو سکول کی مسجد ہے اور خان محمد علی خان صاحب رئیس مالیر کوٹلہ کی کوٹھی کے قریب ہے جہاں کہ اُن دنوں حضرت خلیفۃ المسیح بیمار تھے جمع ہوئے اور میں اور مولوی محمد علی صاحب تقریر کرنے کے لئے وہاں گئے۔ مولوی محمد علی صاحب نے پہلے خواہش ظاہر کی کہ پہلے میں تقریر کروں اور میں بغیر کسی خیال کے تقریر کے لئے کھڑا ہو گیا اور اس میں میں نے وہی اشتہار کا مضمون دوسرے الفاظ میں لوگوں کو سنا دیا اور اتفاق پر زور دیا۔ جب مولوی محمد علی صاحب کھڑے ہوئے تو انہوں

نے بجائے اتفاق پر زور دینے کے پچھلے قصوں کو دُہرانا شروع کیا اور لوگوں کو ڈانٹنا شروع کیا کہ وہ خواجہ صاحب پر یا ان کے دوسرے ہم خیالوں پر کیوں حملہ کرتے ہیں اور خوب زجروتوبیخ کی۔ لوگ میرے لحاظ سے بیٹھے رہے ورنہ ممکن تھا کہ بجائے فساد کے رفع ہونے کے ایک نیا فساد کھڑا ہوجاتا اور اسی مجلس میں ایک نئی بحث چھڑ جاتی۔ آخر میں کچھ کلمات اتفاق کے متعلق بھی انہوں نے کہے مگر وہ بھی سخت لہجہ میں جس سے لوگوں میں زیادہ نفرت پیدا ہوئی اور افتراق میں ترقی ہوئی۔

جماعت کے اتحاد کی کوششیں

چونکہ حضرت خلیفۃ المسیح کی طبیعت کچھ دنوں سے زیادہ علیل تھی اور لوگ نہایت افسوس کے ساتھ آنے والے خطرہ کو دیکھ رہے تھے طبعاً ہر ایک شخص کے دل میں یہ خیال پیدا ہو رہا تھا کہ اب کیا ہوگا؟ میں تو برابر دعاؤں میں مشغول تھا اور دوسرے دوستوں کو بھی دعاؤں کے لئے تاکید کرتا تھا۔ اُس وقت اختلافی مسائل میرے سامنے نہ تھے بلکہ جماعت کا اتحاد مدنظر تھا اور اس کے زائل ہوجانے کا خوف میرے دل کو کھا رہا تھا۔ چنانچہ اس امر کے متعلق مختلف ذِی اثر احمدیوں سے میں نے گفتگوئیں کیں۔ عام طور پر ان لوگوں کا جو خلافت کے مُقِر تھے اور نبوت مسیح موعود علیہ السلام کے قائل تھے یہی خیال تھا کہ ایسے شخص کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی جاسکتی جس کے عقائد ان عقائد کے خلاف ہوں کیونکہ اس سے احمدیت کے مٹنے کا اندیشہ ہے۔ مگر میں اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ اتحاد سب سے ضروری ہے۔ شخصیتوں کے خیال سے اتحاد کو قربان نہیں کرنا چاہئے۔ چنانچہ میں نے اپنے دوستوں کو خاص طور پر سمجھانا شروع کیا کہ خدانخواستہ حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات پر اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو ہمیں خواہ وہ لوگ تھوڑے ہی ہیں ان میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لینی چاہئے کیونکہ میں نے ان سے کہا کہ اگر کوئی ہمارا ہم عقیدہ شخص خلیفہ ہوا تو وہ لوگ اس کی بیعت نہیں کریں گے اور جماعت میں اختلاف پڑ جائے گا اور جب میں ان میں سے کسی کی بیعت کرلوں گا تو امید ہے کہ میرے اکثر احباب اس کی بیعت اختیار کرلیں گے اور فساد سے جماعت محفوظ رہے گی۔ چنانچہ ایک دن عصر کے بعد جب کہ مولوی سید محمد سرور صاحب جو ہماری جماعت کے سب سے بڑے علماء میں سے ایک ہیں

میرے ساتھ سیر کو گئے تو تمام سیر میں دو گھنٹہ کے قریب ان سے اسی امر پر بحث ہوتی رہی اور آخر میں نے ان کو منوا لیا کہ ہمیں اس بات کیلئے پورے طور پر تیار رہنا چاہئے کہ اگر اس بات پر اختلاف ہو کہ خلیفہ کس جماعت میں سے ہو تو ہم ان میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔

حضرت خلیفہ اوّل کی وفات

آخر وہ دن آ گیا جس سے ہم ڈرتے تھے۔ ۱۳؍ مارچ کو جمعہ کے دن صبح کے وقت حضرت خلیفۃ المسیح کو بہت ضعف معلوم ہونے لگا اور ڈاکٹروں نے لوگوں کا اندر جانا منع کر دیا۔ مگر پھر بھی عام طور پر لوگوں کا یہ خیال نہ تھا کہ وہ آنے والی مصیبت ایسی قریب ہے۔ آپ کی بیماری کی وجہ سے آپ کی جگہ جمعہ بھی اور دیگر نمازیں بھی آپ کے حکم کے ماتحت میں پڑھایا کرتا تھا چنانچہ جمعہ کی نماز پڑھانے کے لئے میں مسجد جامع گیا۔ نماز پڑھا کر تھوڑی دیر کے لئے میں گھر گیا۔ اتنے میں ایک شخص خان محمد علی خان صاحب کا ملازم میرے پاس اُن کا پیغام لے کر آیا کہ وہ میرے انتظار میں ہے اور ان کی گاڑی کھڑی ہے چنانچہ میں ان کے ہمراہ گاڑی میں سوار ہو کر ان کے مکان کی طرف روانہ ہوا۔ ابھی ہم راستہ میں تھے تو ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور اُس نے ہمیں اطلاع دی کہ حضرت خلیفۃ المسیح فوت ہو گئے ہیں اور اِس طرح میری ایک پُرانی رؤیا پوری ہوئی کہ میں گاڑی میں بیٹھا ہوا کہیں سے آ رہا ہوں کہ راستہ میں مجھے حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات کی خبر ملی ہے۔ یہ خبر اُس وقت کے حالات کے ماتحت ایک نہایت ہی متوحش خبر تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات کا تو ہمیں صدمہ تھا ہی مگر اس سے بڑھ کر جماعت میں تفرقہ پڑ جانے کا خوف تھا۔

حضرت خلیفہ اوّل کی وفات پر پہلی تقریر

اُسی وقت تمام جماعت کو اطلاع کیلئے تاریں روانہ کر دی گئیں۔ خدا تعالیٰ کے حضور دعا میں اکثر حصہ جماعت لگ گیا۔ عصر کے وقت مسجد نور میں جبکہ جماعت کا اکثر حصہ وہاں جمع تھا میں نے ایک تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات کے ساتھ ہم پر ایک ذمہ داری رکھی گئی ہے جس کے پورا کرنے کے لئے سب جماعت کو تیار ہو جانا چاہئے۔ کوئی کام کتنا ہی اعلیٰ ہو اگر ارادہ بد ہو تو وہ

خراب ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کے پڑھنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اَعُوْذُ پڑھنے کا حکم دیا ہے اور ہر سورۃ سے پہلے بِسْمِ اللّٰہِ نازل کی ہے۔ اَعُوْذُ میں انسان بدنیتی سے پناہ مانگتا ہے اور بِسْمِ اللّٰہِ کے ذریعہ عمل نیک کی توفیق چاہتا ہے۔ پس جبکہ قرآن کریم کی تلاوت جو خدا تعالیٰ کا کلام ہے اور جس کا پڑھنا خدا تعالیٰ نے فرض کیا ہے اس کیلئے اس قدر احتیاط سے کام لیا گیا ہے تو دوسرے کاموں کے لئے خواہ کتنے ہی نیک ہوں کس قدر احتیاط کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں نماز کے متعلق فرماتا ہے

فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِھِمْ سَاھُوْنَ [۲۴]

یعنی عذاب ہے ان نمازیوں کے لئے جو غرض نماز سے ناواقف ہوتے ہیں اور لوگوں کے دکھانے کے لئے نماز پڑھتے ہیں۔ وہ نماز جو خدا تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے اسی کو اس آیت میں نیت کے فرق کے ساتھ موجب عذاب قرار دیا ہے۔ پس جو امانت اب ہمارے سپرد کی گئی ہے اس کے پورا کرنے کے لئے ہمیں خاص دعاؤں میں لگ جانا چاہئے اور اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ [۲۵] بہت پڑھنا چاہئے تا کہ خدا تعالیٰ کا خاص فضل ہم پر نازل ہو اور اس کی رضا ہم پر ظاہر ہو۔ اگر خدا تعالیٰ نے مدد نہ کی تو خطرہ ہے کہ ہم ہلاکت میں نہ پڑ جاویں۔ پس آج سے ہر ایک شخص چلتے پھرتے نمازوں میں اور نمازوں سے باہر دعا میں لگ جاوے تا خدا ہماری حفاظت کرے اور سیدھے راستہ سے نہ ہٹنے دے اور رات کو اُٹھ کر بھی دعا کرو اور جن کو طاقت ہو روزہ رکھیں۔ اس کے بعد سب لوگوں کے ساتھ مل کر میں نے دعا کی اور سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس گئے۔ [۲۶]

مولوی محمد علی صاحب سے گفتگو

میں مسجد سے نکل کر مکرمی خان صاحب محمد علی خان صاحب کے مکان کی طرف آ رہا تھا کہ مولوی محمد علی صاحب مجھ کو ملے اور کہا کہ میں آپ سے کچھ باتیں کرنی چاہتا ہوں۔ میں ان کے ساتھ ہو گیا اور ہم دونوں جنگل کی طرف نکل گئے۔ مولوی محمد علی صاحب نے مجھ سے ذکر کیا کہ چونکہ ہر ایک کام بعد مشورہ ہی اچھا ہوتا ہے اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی وفات کے بعد جلدی سے کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ پورے مشورہ کے بعد کوئی کام ہونا چاہئے۔

میں نے ان سے کہا کہ جلدی کا کام بیشک بُرا ہوتا ہے اور مشورہ کے بعد ہی کام ہونا چاہیے۔ لوگ بہت سے آرہے ہے اور کل تک امید ہے کہ ایک بڑا گروہ جمع ہو جاوے گا۔ پس کل جس وقت لوگ جمع ہو جاویں مشورہ ہو جاوے۔ جو لوگ جماعت میں کچھ اثر رکھتے ہیں وہ قریب قریب کے ہی رہنے والے ہیں اور کل تک امید ہے کہ پہنچ جاویں گے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ نہیں اس قدر جلدی ٹھیک نہیں۔ چونکہ اختلاف ہے اس لئے پورے طور پر بحث ہو کر ایک بات پر متفق ہو کر کام کرنا چاہئے۔ چار پانچ ماہ اِس پر تمام جماعت غور کرے۔ تبادلۂ خیالات کے بعد پھر جو فیصلہ ہو اُس پر عمل کیا جاوے۔ میں نے دریافت کیا کہ اوّل تو سوال یہ ہے کہ اختلاف کیا ہے؟ پھر یہ سوال ہے کہ اِس قدر عرصہ میں اگر بغیر کسی راہنما کے جماعت میں فساد پڑا تو اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے موقع پر بھی اسی طرح ہوا تھا کہ جو لوگ جمع ہو گئے تھے انہوں نے مشورہ کر لیا تھا اور یہی طریق پہلے زمانہ میں بھی تھا۔ چھ چھ ماہ کا انتظار نہ پہلے کبھی ہوا نہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد۔ مولوی محمد علی صاحب نے جواب دیا کہ اب اختلاف ہے پہلے نہ تھا۔ دوسرے اس انتظار میں حرج کیا ہے؟ اگر خلیفہ نہ ہو تو اس میں نقصان کیا ہوگا؟ وہ کون سا کام ہے جو کل ہی خلیفہ نے کرنا ہے؟ میں نے ان کو جواب دیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر جماعت اس بات کا فیصلہ کر چکی ہے کہ اس جماعت میں سلسلہ خلفاء چلے گا اس پر دوبارہ مشورہ کی ضرورت نہیں اور یہ سوال اب نہیں اُٹھایا جا سکتا۔ اگر مشورہ کا سوال ہے تو صرف تعیین خلیفہ کے متعلق اور یہ جو آپ نے کہا کہ خلیفہ کا کام کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ خلیفہ کا کام علاوہ روحانی نگہداشت کے جماعت کو متحد رکھنا اور فساد سے بچانا ہے اور یہ کام نظر نہیں آیا کرتا کہ میں آپ کو معین کر کے وہ کام بتا دوں۔ خلیفہ کا کام روحانی تربیت اور انتظام کا قیام ہے نہ روحانی تربیت مادی چیز ہے کہ میں بتا دوں کہ وہ یہ یہ کام کریگا۔ اور نہ فساد کا کوئی وقت معین ہے کہ فلاں وقت تک اس کی ضرورت پیش نہ آوے گی۔ ممکن ہے کل ہی کوئی امر ایسا پیش آجاوے جس کے لئے کسی نگران ہاتھ کی ضرورت ہو۔ پس آپ اِس سوال کو جانے دیں کہ خلیفہ ہو یا نہ ہو۔ مشورہ اس امر کے متعلق ہونا چاہئے کہ خلیفہ کون ہو؟

اس پر مولوی صاحب نے کہا کہ اِس میں دقت ہے۔ چونکہ عقائد کا اختلاف ہے اسلئے تعیین میں اختلاف ہوگا ہم لوگ کسی ایسے شخص کے ہاتھ پر کیوں کر بیعت کر سکتے ہیں جس کے ساتھ ہمیں اختلاف ہو میں نے جواب دیا کہ اوّل تو ان امور اختلافیہ میں کوئی ایسی بات نہیں جس کا اختلاف ہمیں ایک دوسرے کی بیعت سے روکے۔ (اُس وقت تک اختلافِ عقائد نے اِس طرح سختی کا رنگ نہ پکڑا تھا) لیکن بہرحال ہم اِس امر کے لئے تیار ہیں کہ آپ میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔ اس پر مولوی صاحب نے کہا کہ یہ مشکل ہے آپ سوچ لیں اور مشورہ کر لیں اور کل پھر گفتگو ہو جاوے۔ میں نے بھی ان سے درخواست کی کہ آپ بھی میرے خیالات کے متعلق اپنے دوستوں سے مشورہ کر لیں اور پھر مجھے بتائیں تا کہ دوبارہ گفتگو ہو جاوے۔ پس ہم دونوں جدا ہو گئے۔

خلافت سے انکار نہیں ہوسکتا

رات کے وقت میں نے اپنے دوستوں کو جمع کیا اور ان کو سب گفتگو سنائی۔ سب نے اس امر کا مشورہ دیا کہ خلافت سے انکار تو چونکہ مذہباً جائز نہیں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو خلفاء کا انکار کرتا ہے وہ فاسق ہے اور خلافت کو اپنی نعمت قرار دیتا ہے اس نعمت کو چھوڑنا تو جائز نہیں۔ میں نے ان کو بتایا کہ مولوی صاحب کی باتوں سے میں سمجھتا ہوں کہ وہ اس امر پر زور دیں گے۔ مگر یہی رائے قرار پائی کہ یہ ایک مذہبی بات ہے جس کو دوسروں کے لئے قربان نہیں کیا جا سکتا۔ وہ لوگ ایک خلیفہ کی بیعت کر چکے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بیعت جائز ہے حرام نہیں اور ہمارے نزدیک بیعت نہ کرنا اور خود خلافت کو چھوڑ دینا حرام ہے۔ پس جب وہ اس امر کے انکار میں جسے وہ جائز سمجھتے ہیں اس قدر مُصر ہیں تو ہم اس بات کو جسے ہم فرض سمجھتے ہیں کیونکر ترک کر سکتے ہیں۔ اس پر مجلس برخواست ہوگئی۔

حضرت خلیفہ اوّل کی وفات پر مولوی محمد علی صاحب کا ٹریکٹ

جیسا کہ میں نے پہلے دن تاکید کی تھی بہت سے لوگوں نے روزہ رکھنے کی تیاری کی ہوئی تھی۔ جن لوگوں کو تہجد کے لئے اُٹھنے کا موقع نہیں ملا کرتا تھا انہوں نے بھی نماز تہجد ادا کرنے کا تہیہ کیا ہوا تھا۔ دو بجے کے قریب میں اُٹھا

اور نماز تہجد ادا کرنے کی تیاری کی۔ ابھی میں وضو کر رہا تھا کہ ایک شخص نے میرے ہاتھ میں ایک ٹریکٹ دیا اور کہا کہ یہ ٹریکٹ تمام راستہ میں بیرونجات سے آنے والے احمدیوں میں تقسیم کیا گیا ہے جب میں نے اُس ٹریکٹ کو دیکھا تو وہ مولوی محمد علی صاحب کا لکھا ہوا تھا اور اس میں جماعت کو اُکسایا گیا تھا کہ آئندہ خلافت کا سلسلہ نہ چلے اور یہ کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی بیعت بھی انہوں نے بطور خلیفہ کے نہ کی تھی بلکہ بطور ایک پیر اور صوفی کے۔ اور یہ کہ مولوی محمد علی صاحب کو معلوم نہیں کہ کون خلیفہ ہوگا بلکہ صرف بطور خیر خواہی کے وہ کہتے ہیں کہ آئندہ خلیفہ نہ مقرر ہو اور یہ کہ میاں صاحب (یعنی مصنف رسالہ) غیر احمدیوں کو کافر کہتا ہے اور یہ درست نہیں اور تقویٰ کے خلاف ہے اور یہ کہ اگر کوئی شخص جماعت کا سربرآوردہ بنایا جاوے تو وہ ایسا شخص ہونا چاہئے جو غیر احمدیوں کو کافر نہ کہتا ہو۔ کیونکہ حضرت خلیفۃ المسیح کا جانشین متقی ہونا چاہئے اور غیر احمدیوں کو کافر کہنے والا متقی نہیں۔ اور میں اہل بیت اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دیگر صحابہ کا خیر خواہ اور ان کا احترام کرنے والا ہوں۔ یہ مضمون جو کچھ ظاہر کرتا ہے اس پر اس جگہ کچھ لکھنے کی مجھے ضرورت نہیں۔ ہر ایک شخص ادنیٰ تامّل سے اس مضمون کا بین السطور مدعا خود سمجھ سکتا ہے۔

مولوی محمد علی صاحب کی مغالطہ دہی کا انکشاف

جس وقت یہ ٹریکٹ میں نے دیکھا میں حیران ہو گیا اور میری حیرت کی کوئی حد نہ رہی کیونکہ ابھی دو دن نہ گزرے تھے کہ میرے اس ارادہ پر کہ جماعت میں اعلان کیا جاوے کہ اختلافی مسائل میں اُس وقت تک بحث نہ کریں جب تک کوئی سردار ہم میں ایسا نہ ہو جو نگرانی کر سکے اور افراط اور تفریط کو روک سکے۔ مولوی محمد علی صاحب نے یہ مشورہ دیا تھا کہ چونکہ بیرونجات کے لوگ ان جھگڑوں سے ہی ناواقف ہیں اس لئے ان کو اس اشتہار سے ابتلاء آئے گا اور آج اس ٹریکٹ سے معلوم ہوا کہ نہ صرف اشتہار بلکہ ایک ٹریکٹ لکھ کر مولوی محمد علی صاحب پہلے سے لاہور چھپنے کے لئے بھیج چکے تھے اور نہ صرف اسے خود شائع کرانے کا ارادہ تھا بلکہ اس کے اوپر تمام احمدیوں کو ہدایت لکھی گئی تھی کہ وہ اس ٹریکٹ کو ''دوسروں تک پہنچا دیں''۔ یہ بات میری سمجھ سے بالا تھی اور میں حیران تھا کہ میں مولوی

محمد علی صاحب کی نسبت کیا سمجھوں جو شخص دو دن پہلے مجھے اس امر کے اعلان سے کہ اختلافی مسائل پر آپس میں اُس وقت تک بحث نہ کرو کہ کوئی نگران تم میں موجود ہو اس لئے روکتا تھا کہ اس سے لوگوں کو ابتلاء آجائے گا اور وہ خیال کریں گے کہ ہمارا آپس میں اختلاف ہے وہ اس سے ایک ہفتہ پہلے خود ایک ٹریکٹ اختلافی مسائل پر لکھ کر اور چھپنے اور شائع کئے جانے کیلئے لاہور بھیج چکا تھا۔ کیا یہ فعل تقویٰ کا فعل تھا؟ کیا اس جواب میں صداقت کا کوئی پہلو تھا؟ کیا یہ صریح مغالطہ دہی نہ تھی؟ کیا یہ ایک پالیسی نہ تھی؟ کیا مولوی محمد علی صاحب کے اس فعل میں خدا تعالیٰ کے خوف کو پسِ پشت نہ ڈال دیا گیا تھا؟ ہاں کیا ان کا یہ طریق عمل اسی تعلیم کے ماتحت تھا جو خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ جس کا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ جس کی طرف مسیح موعود علیہ السلام نے رہنمائی کی ہے۔ جس پر عمل درآمد کرنے کے لئے انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے ہاتھ پر دوبارہ عہد کیا تھا۔

مولوی محمد علی صاحب کی غرض صرف وقت گزارنے کی تھی۔ ان کی غرض مجھے روکنے سے جماعت کو ابتلاء سے بچانا نہیں اس کو ابتلاء میں ڈالنا تھی۔ کیونکہ کیا وہ اس سے پہلے اختلافی مسائل پر ایک ٹریکٹ لکھ کر اسے خفیہ خفیہ طبع ہونے کے لئے لاہور نہیں بھیج چکے تھے؟ کیا جماعت کو اختلافی بحثوں میں پڑنے سے روکنے پر تو اس کو علم ہو جاتا تھا کہ ہم میں آپس میں اختلاف ہے اور اس کے ابتلاء میں پڑ جانے کا ڈر تھا لیکن خود اختلافی مسائل پر ٹریکٹ لکھنے جماعت کے ایک حصہ کو غیر متقی قرار دینے پر سازشوں کا الزام لگانے سے کسی فتنہ اور ابتلاء کا ڈر نہ تھا اور نہ کسی کو اس ٹریکٹ کے پڑھنے سے اندرونی اختلاف کا علم ہو سکتا تھا؟ مولوی صاحب جانتے تھے کہ اگر انہوں نے اس ٹریکٹ پر دستخط کر دیئے تو دنیا ان سے دریافت کرے گی کہ خود انہوں نے کیوں ایسا ٹریکٹ لکھ کر شائع کیا تھا اور ان سے کہے گی کہ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ [۲۷] لیکن دوسری طرف وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اس اشتہار کے مضمون میں جو میں شائع کرنا چاہتا تھا کوئی ایسی بات نہ تھی جس پر وہ گرفت کر سکیں۔ پس انہوں نے اُس وقت اِس بہانہ سے اپنی جان بچانی چاہی۔ اگر وہ دیانتداری سے کام لیتے تو اگر وہ اشتہار کے مضمون سے متفق تھے جیسا کہ اس وقت

انہوں نے ظاہر کیا تھا تو اپنے پہلے ٹریکٹ کو واپس منگوا لیتے اور اس کو شائع نہ کرتے اور اگر اس سے اختلاف رکھتے تھے تو مجھے یہ جواب دیتے کہ اختلاف سے جماعت کو واقف کرنا نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ میں خود ایک ٹریکٹ لکھ کر چھپنے اور شائع کرنے کیلئے لاہور بھیج چکا ہوں اس لئے میں اس اشتہار پر دستخط نہیں کرسکتا۔مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔انہوں نے اس اشتہار پر پسندیدگی کا اظہار کیا لیکن مجھے اس کی اشاعت سے رُکنے کا مشورہ اِس بناء پر دیا کہ لوگوں کو اختلاف کا علم ہوگا اور خود ایک ٹریکٹ لکھا جس میں یہاں تک لکھ دیا کہ ہمارا اختلاف اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ ایک فریق دوسرے کی نسبت کہتا ہے کہ وہ کافر ہے اور واجب القتل ہے۔حالانکہ اختلاف کو آج پانچ سال گزر چکے ہیں اور پہلے کی نسبت اختلاف بہت زیادہ ہے مگر اب تک بھی کسی نے ان کو کافر اور واجب القتل قرار نہیں دیا۔گو ان کو شوق ضرور ہے کہ اپنی نسبت ایسا فتویٰ حاصل کریں جیسا کہ پچھلے دنوں تشحیذ الاذہان کے ایک مضمون سے جس میں غلطی سے ڈائری نویس نے ان کی طرف اشارہ کردیا تھا باوجود اس کی تردید ہوجانے کے انہوں نے اس کو تشہیر دے کر اپنی مظلومیت کا اظہار شروع کر رکھا ہے۔

خدا تعالیٰ سے طلب امداد

غرض جس وقت یہ ٹریکٹ میں نے پڑھا میں حیران ہوگیا اور میں نے فتنہ کو آتا ہوا دیکھ لیا اور سمجھ لیا کہ مولوی محمد علی صاحب بغیر تفریق کے راضی نہ ہوں گے۔ایسے وقت میں ایک مومن سوائے اس کے اور کیا کرسکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے حضور گر جائے اور اس سے مدد طلب کرے۔ میں نے بھی ایسا ہی کیا اور خود بھی دعا میں لگ گیا اور دوسرے لوگ جو اس کمرہ میں میرے ساتھ تھے اُن کو جگایا اور اُن کو اِس ٹریکٹ سے آگاہی دی اور ان کو بھی دعا کے لئے تاکید کی۔ ہم سب نے دعائیں کیں اور روزے رکھے اور قادیان کے اکثر احمدی جو میرے ہم خیال تھے اس دن روزہ دار تھے۔

حضرت خلیفہ اوّل سے آخری وقت میں مولوی محمد علی صاحب کا نہایت سنگدلانہ سلوک

مولوی محمد علی صاحب کا یہ ٹریکٹ ان کے باطنی خیالات پر بہت کچھ

روشنی ڈالتا ہے۔ میں نے بتایا ہے کہ کس طرح اس ٹریکٹ کی خاطر انہوں نے مجھ سے دھوکا کیا مگر میں اب اس سلوک کی طرف توجہ دلاتا ہوں جو اس ٹریکٹ کی اشاعت سے انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل سے کیا۔ سنگدل سے سنگدل آدمی بھی جب اپنے کسی عزیز کو بستر مرگ پر دیکھتا ہے تو اس سے دھوکا کرنا پسند نہیں کرتا۔ لیکن مولوی محمد علی صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل سے کیا سلوک کیا؟ آپ نے اپنی وصیت لکھ کر مولوی محمد علی صاحب کو دی اور ان سے تین بار پڑھوائی اور پھر دریافت کیا کہ کیا کوئی بات رہ تو نہیں گئی؟ اور انہوں نے اقرار کیا کہ نہیں بالکل درست ہے۔

یہ وصیت صحت میں نہیں لکھی گئی بلکہ بیماری میں اور عین اُس وقت جبکہ دنیاوی سامانوں کے لحاظ سے زندگی کی امید بالکل منقطع ہو چکی تھی۔ یہ وصیت اُس وقت لکھی گئی جبکہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل اپنی موت کو قریب دیکھ رہے تھے اور اس دنیا کو چھوڑ کر اپنے آقا و مولیٰ سے ملنے کی امید میں تھے۔ یہ وصیت اُس وقت لکھی گئی تھی جبکہ اس جماعت کو جسے چھ سال سخت تکلیف کے ساتھ خطرناک سے خطرناک ابتلاؤں کی آندھیوں اور طوفانوں سے بچا کر آپ کامیابی کے راستہ پر لے جا رہے تھے آپ چھوڑنے والے تھے اور اس کی آئندہ بہتری کا خیال سب باتوں سے زیادہ آپ کے پیش نظر تھا۔ یہ وصیت اُس وقت لکھی گئی تھی جبکہ آپ اپنے آقا مسیح موعود علیہ السلام کے پاس جا کر اسے اپنے کام کو امانت سے ختم کرنے کی خبر دینے والے تھے۔ یہ وصیت اُس وقت لکھی گئی تھی جس وقت آپ اپنی عمر کا آخری باب ختم کر رہے تھے۔ یہ وصیت اُس وقت لکھی گئی تھی کہ جس کے بعد آپ جماعت کی اور کوئی خدمت کرنے کی امید نہ رکھتے تھے۔ یہ وصیت اُس وقت لکھی گئی تھی جس وقت ضعف و نقاہت سے آپ بیٹھ بھی نہیں سکتے تھے اور یہ وصیت بھی نہایت تکلیف سے آپ نے لیٹے لیٹے ہی لکھی تھی۔ غرض یہ وصیت اُس وقت لکھی گئی تھی جبکہ ایک عظیم الشان انسان اپنی مقدس زندگی کی آخری گھڑیاں گزار رہا تھا۔ جس وقت ایک طرف تو اپنے پیدا کرنے والے اپنے محبوبِ حقیقی کی ملاقات کا شوق اس کے دل کو گدگدا رہا تھا اور دوسری طرف اپنی وفات کے ساتھ ہی اپنی آخری عمر کی محنت و کوشش کے اکارت جانے کا خوف اس کے دل کو ستا رہا تھا۔ غرض وہ

اس کی گھڑیاں خوف ورجا کی نازک گھڑیاں تھیں۔

یہ وصیت اُس نے لکھی تھی جس کے ہاتھ پر تمام جماعت احمدیہ سوائے معدودے چند آدمیوں کے بیعت کر چکی تھی۔ یہ وصیت اُس نے تحریر کی تھی جو علاوہ خلیفۃ المسیح ہونے کے یوں بھی تقویٰ اور دیانت میں تمام جماعت پر فضیلت رکھتا تھا۔ یہ وصیت اُس نے لکھی تھی جس کے احسانات دینی و دنیاوی جماعت کے کثیر حصہ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایام زندگی سے ہی ہوتے چلے آئے تھے۔ یہ وصیت اُس نے لکھی تھی جو قرآن وحدیث کا کامل ماہر اور ان کا عاشق تھا۔ یہ وصیت اُس نے لکھی تھی جس کے ہر ایک حکم کی اطاعت کا اقرار مولوی محمد علی صاحب کر چکے تھے۔ یہ وصیت اُس نے لکھی تھی جس کی شاگردی کا جوا مولوی محمد علی صاحب کی گردن پر رکھا ہوا تھا۔ یہ وصیت اُس نے لکھی تھی جس نے باوجود سخت نقاہت اور ضعف کے اپنی بیماری کے آخری ایام میں مولوی محمد علی صاحب کو قرآن پڑھایا۔ غرض یہ وصیت اُس نے لکھی ہوئی تھی جس کی اطاعت خدا تعالیٰ کی طرف سے مولوی محمد علی صاحب پر فرض ہو چکی تھی اور جس کے احسانات کے نیچے ان کی گردن جھکی جاتی تھی۔ یہ وصیت مولوی محمد علی صاحب کو پڑھوائی گئی تھی اور ایک دفعہ نہیں بلکہ تین بار۔ یہ وصیت جب لکھی جا چکی اور مولوی محمد علی صاحب اس کو پڑھ چکے تو ان سے دریافت کیا گیا تھا کہ کیا اس میں کوئی بات رہ تو نہیں گئی؟ ہاں جب یہ وصیت لکھی جا چکی اور مولوی محمد علی صاحب سے دریافت کیا گیا کہ اس میں کوئی بات رہ تو نہیں گئی؟ تو انہوں نے تسلیم کیا تھا کہ یہ بالکل درست ہے۔غرض یہ وصیت ایک زبردست وصیت تھی۔ اس کا کوئی پہلو نامکمل نہ تھا۔ اس کے لکھنے والا کامل، اس کے لکھنے کا وقت خاص الخاص، اس کا علم مولوی محمد علی صاحب کو پوری طرح دیا گیا اور ان سے اِس کے درست ہونے کا اقرار لیا گیا۔ پس اس کی تعمیل ان پر واجب اور فرض تھی مگر انہوں نے کیا کیا؟ مولوی صاحب نے اس امانت سے وہ سلوک کیا جو کسی نے کبھی نہ کیا تھا۔

جس وقت وہ حضرت خلیفۃ المسیح کی وصیت پڑھ رہے تھے اُس وقت اُن کے دل میں یہ خیالات جوش زن تھے کہ میں ایسا کبھی نہیں کرنے دوں گا۔ وہ اپنے پیر کو اس کے بستر مرگ پر

دھوکا دے رہے تھے۔ ان کا جسم اس کے پاس تھا مگر ان کی روح اس سے بہت دور اپنے خیالات کی اُدھیڑ بن میں تھی۔ اور انہوں نے وہاں سے اُٹھ کر غالباً سب سے پہلی تحریر جو لکھی وہ وہی تھی جس میں اِس وصیت کے خلاف جماعت کو اُکسایا گیا تھا اور گو مخاطب اس میں مجھے یا اور بعض گمنام شخصوں کو کیا گیا تھا مگر درحقیقت اس وصیت کی دھجیاں اُڑائی گئی تھیں جس کی تصدیق چند ساعت پہلے وہ اپنے مُرشد و ہادی کے بستر مرگ کے پاس نہایت سنجیدگی کے ساتھ کر چکے تھے۔

مولوی محمد علی صاحب یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کی وہ تحریر اس وصیت سے پہلے کی تھی۔ کیا اگر وہ پہلے کی تھی تو کیا وہ اس کو واپس نہیں منگوا سکتے تھے؟ کیا وصیت کے بعد کافی عرصہ اس کے واپس منگوانے کا ان کو نہیں ملا؟

وہ یہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ ان کے ٹریکٹ میں یہ لکھا ہوا موجود ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح نے فرما دیا ہے کہ ان کا ایک جانشین ہو۔

مولوی محمد علی صاحب صرف ایک بہانہ بناتے ہیں اور وہ یہ کہ حضرت خلیفۃ المسیح کا جانشین سے یہ مطلب تھا کہ ایک ایسا شخص جماعت میں سے چنا جاوے جس کے حکموں کی قدر کی جاوے۔ لیکن ان کی یہ تشریح جھوٹی تشریح ہے۔ وہ قسم کھا کر بتاویں کہ کیا حضرت خلیفۃ المسیح کا یہ مذہب نہ تھا کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلیفہ ہیں اور آپ کی بیعت بطور خلیفہ کے کی گئی ہے نہ کہ بطور بڑے صوفی اور بزرگ ہونے کے اور یہ کہ ان کے بعد بھی اسی قسم کے خلفاء ہوں گے۔ مگر وہ ایسا کبھی نہیں کر سکتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ انہوں نے غلط بیانی سے کام لیا ہے اور وہ جانتے ہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی شائع شدہ تقریریں کثرت سے اس امر پر شاہد ہیں۔

مولوی محمد علی صاحب کا یہ فعل واقعہ میں حیرت میں ڈال دینے والا ہے لیکن جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وصیت کو بھی پس پشت ڈال دیا ہے تو ان کے اس فعل پر زیادہ حیرت نہیں رہتی۔ کیونکہ باوجود اس کے کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر حضرت مولوی نورالدین کو ’’مطابق فرمان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

مندرجہ رسالہ الوصیت'' جماعت کا خلیفہ تسلیم کر کے اس بارے میں اعلان کر چکے ہیں (دیکھو اخبار بدر پرچہ ۲/ جون ۱۹۰۸ جلد ۷ نمبر ۲۲ صفحہ ۶) کہ سب احمدی ان کی بیعت کریں۔ آج لکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وصیت میں کہیں خلافت کا ذکر ہی نہیں اور آپ نے خلفاء کے لئے احمدی جماعت سے بیعت لینے کی اجازت ہی نہیں دی۔

جماعت کا رُجحان معلوم کرنے کیلئے دستخط

غرض جبکہ بعض لوگوں نے دیکھا کہ مولوی محمد علی صاحب نے نہ صرف یہ کہ ہم سے دھوکا کیا ہے بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت خلیفۃ المسیح کی وصایا کی بھی بے قدری کی ہے اور جماعت میں اختلاف ڈلوانا چاہا ہے اور لوگوں سے اپنی تحریر پر رائیں بھی طلب کی ہیں تو انہوں نے بھی ایک تحریر لکھ کر تمام آنے والے احباب میں اس غرض سے پھرائی کہ جماعت کا عندیہ معلوم ہو جاوے اور جو لوگ ان کے خیالات سے متفق تھے ان سے دستخط چاہے تا معلوم ہو کہ جماعت کا رُجحان کدھر ہے۔ چنانچہ ان دستخطوں سے معلوم ہوا کہ موجودہ جماعت کا نوے فیصدی سے بھی زیادہ حصہ اس بات پر متفق تھا کہ خلیفہ ہونا چاہئے اور وہ بھی اسی رنگ میں جس رنگ میں کہ حضرت خلیفہ اوّل تھے۔ مولوی محمد علی صاحب اور ان کے رفقاء اسے سازش قرار دیتے ہیں لیکن کیا لوگوں کی رائے دریافت کرنی سازش ہے؟ کیا وہ اپنے ٹریکٹ میں اس سے پہلے جماعت سے رائے طلب نہیں کر چکے تھے؟ کیا خود انہوں نے ہی یہ دروازہ نہیں کھولا تھا؟ پس جس دروازہ کو وہ کھول چکے تھے اس میں سے مجبوراً آ کر دوسروں کو گزرنا پڑا تو اس پر کیا اعتراض ہے بلکہ مولوی صاحب کے طریق عمل اور دوسرے فریق کے طریق عمل میں یہ فرق ہے کہ اُنہوں نے اس دروازہ کے کھولنے میں دھوکے سے کام لیا اور اس نے عَلَی الْاِعْلَان حق کی راہ پر چل کر اس کا رُخ کیا انہوں نے بھی لوگوں سے اپنے خیال پر رائے مانگی دوسرے فریق نے بھی اپنی رائے کی تصدیق چاہی۔

مہمانوں کی آمد کا انتظار

ہفتہ کے دن برابر مہمانوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہا اور اس بات کا انتظار کیا گیا کہ کافی آدمی پہنچ جاویں

تا پورے طور پر مشورہ ہو سکے۔ظہر تک قریباً ہزار آدمی سے زیادہ مختلف جماعتوں سے پہنچ گیا اور ایک بڑا مجمع ہو گیا۔

اپنے رشتہ داروں سے مشورہ

☆ ظہر کے بعد میں نے اپنے تمام رشتہ داروں کو جمع کیا اور ان سے اس اختلاف کے متعلق مشورہ طلب کیا۔بعض نے رائے دی کہ جن عقائد کو ہم حق سمجھتے ہیں ان کی اشاعت کے لئے ہمیں پوری طرح کوشش کرنی چاہئے اور ضرور ہے ایسا آدمی خلیفہ ہو جس سے ہمارے عقائد متفق ہوں۔مگر میں نے سب کو سمجھایا کہ اصل بات جس کا اِس وقت ہمیں خیال رکھنا چاہئے وہ اتفاق ہے خلیفہ کا ہونا ہمارے نزدیک مذہباً ضروری ہے۔پس اگر وہ لوگ اس امر کو تسلیم کرلیں تو پھر مناسب یہ ہے کہ اوّل تو عام رائے لی جاوے اگر اس سے وہ اختلاف کریں تو کسی ایسے آدمی پر اتفاق کر لیا جاوے جو دونوں فریق کے نزدیک بے تعلق ہو۔اور اگر یہ بھی وہ قبول نہ کریں تو ان لوگوں میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لی جاوے اور میرے اصرار پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تمام اہل بیت نے اس بات کو تسلیم کر لیا۔یہ فیصلہ کر کے میں اپنے ذہن میں خوش تھا کہ اب اختلاف سے جماعت محفوظ رہے گی مگر خدا تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

مولوی محمد علی صاحب اور ان کے ساتھیوں سے گفتگو

میں باہر آیا تو مولوی محمد علی صاحب کا رُقعہ مجھے ملا کہ کل والی گفتگو کے متعلق ہم پھر کچھ گفتگو کرنی چاہتے ہیں۔میں نے اُن کو بلوا لیا اُس وقت میرے پاس مولوی سید محمد احسن صاحب، صاحب خان محمد علی خان صاحب اور ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب موجود تھے۔مولوی صاحب بھی اپنے بعض احباب سمیت وہاں آ گئے اور پھر کل کی بات شروع ہوئی۔میں نے پھر اس امر پر زور دیا کہ خلافت کے متعلق آپ لوگ بحث نہ کریں صرف اس امر پر گفتگو ہو کہ خلیفہ کون ہو اور وہ اس بات پر مصر تھے کہ نہیں ابھی کچھ بھی

☆ مجھے ایسا ہی یاد ہے کہ یہ گفتگو ہفتہ کو ہوئی لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جمعہ کو ہی یہ مشورہ بھی ہوا تھا۔

نہ ہو۔ کچھ عرصہ تک انتظار کیا جاوے۔ سب جماعت غور کرے کہ کیا کرنا چاہئے پھر جو متفقہ فیصلہ ہو اُس پر عمل کیا جاوے۔ میرا جواب وہی کل والا تھا اور پھر میں نے اُنکو یہ بھی کہا کہ اگر پھر بھی اختلاف ہی رہے تو کیا ہوگا؟ اگر کثرتِ رائے سے فیصلہ ہونا ہے تو ابھی کیوں کثرتِ رائے پر فیصلہ نہ ہو۔ درمیان میں کچھ عقائد پر بھی گفتگو چھڑ گئی جس میں مولوی سید محمد احسن صاحب نے نبوتِ مسیح موعود علیہ السلام پر خوب زور دیا اور مولوی محمد علی صاحب سے بحث کی اور میں امید کرتا ہوں کہ اگر مولوی محمد علی صاحب کو حلف دی جاوے تو وہ کبھی اس سے انکار نہ کریں گے۔ مگر میں نے اس بحث سے روک دیا کہ یہ وقت اس بحث کا نہیں۔ اِس وقت جماعت کو تفرقہ سے بچانے کی فکر ہونی چاہئے۔ جب سلسلہ گفتگو کسی طرح ختم ہوتا نظر نہ آیا اور باہر بہت شور ہونے لگا اور جماعت کے حاضر الوقت اصحاب اس قدر جوش میں آ گئے کہ دروازہ توڑے جانے کا خطرہ ہو گیا اور لوگوں نے زور دیا کہ اب ہم زیادہ صبر نہیں کر سکتے آپ لوگ کسی امر کو طے نہیں کرتے اور جماعت اِس وقت تک بغیر کسی رئیس کے ہے تو میں نے مولوی محمد علی صاحب سے کہا کہ بہتر ہے کہ باہر چل کر جو لوگ موجود ہوں اُن سے مشورہ لے لیا جاوے۔ اس پر مولوی محمد علی صاحب کے منہ سے بے اختیار نکل گیا کہ آپ یہ بات اس لئے کہتے ہیں کہ آپ جانتے ہیں کہ وہ لوگ کسے منتخب کریں گے۔ اِس پر میں نے ان سے کہا کہ نہیں میں تو فیصلہ کر چکا ہوں کہ آپ لوگوں میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لوں۔ مگر اس پر بھی انہوں نے یہی جواب دیا کہ نہیں آپ جانتے ہیں کہ ان لوگوں کی کیا رائے ہے یعنی وہ آپ کو خلیفہ مقرر کریں گے۔ اس پر میں اتفاق سے مایوس ہو گیا اور میں نے سمجھ لیا کہ خدا تعالیٰ کا منشاء کچھ اور ہے کیونکہ باوجود اس فیصلہ کے جو میں اپنے دل میں کر چکا تھا میں نے دیکھا کہ یہ لوگ صلح کی طرف نہیں آتے اور مولوی صاحب کے اس فقرہ سے میں یہ بھی سمجھ گیا کہ مولوی محمد علی صاحب کی مخالفت خلافت سے بوجہ خلافت کے نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ ان کے خیال میں جماعت کے لوگ کسی اور کو خلیفہ بنانے پر آمادہ تھے اور یہی بات درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس سے چھ سال پہلے وہ اعلان کر چکے تھے کہ:۔

''مطابق فرمان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مندرجہ رسالہ الوصیت ہم

احمدیان جن کے دستخط ذیل میں ثبت ہیں اِس امر پر صدقِ دل سے متفق ہیں کہ اوّل المہا جرین حضرت حاجی مولوی حکیم نورالدین صاحب جو ہم سب میں سے اَعلَمُ اور اَتقٰی ہیں اور حضرت امامؑ کے سب سے زیادہ مخلص اور قدیمی دوست ہیں اور جن کے وجود کو حضرت امام علیہ السلام اُسوۂ حسنہ قرار فرما چکے ہیں جیسا کہ آپ کے شعر

چہ خوش بودے اگر ہر یک زاُمت نوردیں بودے
ہمیں بودے اگر ہر دل پُراز نورِ یقیں بودے

سے ظاہر ہے کے ہاتھ پر احمدؑ کے نام پر تمام احمدی جماعت موجودہ اور آئندہ نئے ممبر بیعت کریں اور حضرت مولوی صاحب موصوف کا فرمان ہمارے واسطے آئندہ ایسا ہی ہو جیسا کہ حضرت اقدس مسیح موعود مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا''۔

(یہ اعلان جماعت کے بہت سے سربرآوردہ لوگوں کی طرف سے فرداً فرداً ہر ایک کے دستخط کے ساتھ ہوا تھا جن میں سے مولوی محمد علی صاحب بھی تھے۔) یہ تحریر جو ۲؍جون ۱۹۰۸ء کے بدر میں بغرضِ اعلان شائع کی گئی تھی ۲۷؍مئی ۱۹۰۸ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی خدمت میں بطور درخواست پیش کی گئی تھی اور پھر حضرت ممدوح کی بیعت خلافت ہو چکنے کے بعد اخبار بدر کے پرچہ مذکورہ بالا میں ہی جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے بحیثیت سیکرٹری صدر انجمن احمدیہ اس بارہ میں حسب ذیل اعلان شائع کیا تھا۔

''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جنازہ قادیان میں پڑھا جانے سے پہلے آپ کے وصایا مندرجہ رسالہ الوصیت کے مطابق ...... جناب حکیم نورالدین صاحب سلّمہٗ کو آپ کا جانشین اور خلیفہ قبول کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ خط بطور اطلاع کُل سلسلہ کے ممبران کو لکھا جاتا ہے کہ وہ اس خط کے پڑھنے کے بعد فی الفور حضرت حکیم الامۃ خلیفۃ المسیح والمہدی کی خدمت بابرکت میں بذاتِ خود یا بذریعہ تحریر حاضر ہو کر بیعت کریں۔''

اب کوئی نئی وصیت تو ان کے ہاتھ میں آئی نہ تھی کہ جس کی بناء پر وہ خلافت کو ناجائز سمجھنے لگے تھے۔ پس حق یہی ہے کہ ان کو خیال تھا کہ خلافت کے لئے جماعت کی نظر کسی اور شخص پر پڑ رہی ہے۔

جب فیصلہ سے مایوسی ہوئی تو میں نے مولوی محمد علی صاحب سے کہا کہ چونکہ ہمارے نزدیک خلیفہ ہونا ضروری ہے اورآپ کے نزدیک خلیفہ کی ضرورت نہیں اور یہ ایک مذہبی امر ہے اِس لئے آپ کی جو مرضی ہو کریں ہم لوگ جو خلافت کے قائل ہیں اپنے طور پر اکٹھے ہوکر اس امر کے متعلق مشورہ کر کے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے ہیں۔ یہ کہہ کر میں اُٹھ کھڑا ہوا اور مجلس برخواست ہوئی۔

خلیفہ کا انتخاب

عصر کی نماز کا وقت تھا۔عصر کی نماز پڑھ کر ڈیڑھ ہزار سے دو ہزار تک آدمیوں کے مجمع میں مکرمی خان محمد علی خان صاحب جاگیردار مالیرکوٹلہ نے بحیثیت حضرت خلیفہ اوّل کے وصی ہونے کے مجلس میں آپ کی وصیت پڑھ کر سنائی اور لوگوں سے درخواست کی کہ وہ آپ کی وصیت کے مطابق کسی شخص کو آپ کا جانشین تجویز کریں۔اس پر لوگوں نے میرا نام لیا۔جس کے بعد مولوی محمد احسن صاحب نے کھڑے ہو کر ایک تقریر کی اور کہا کہ میرے نزدیک بھی یہی خلیفہ ہونے چاہئیں۔اس پر لوگوں نے شور کیا کہ بیعت لی جاوے۔ میں نے اس امر میں پس وپیش کیا اور باوجود لوگوں کے اصرار کے انکار کیا۔مگر لوگوں کا جوش اسی طرح زور پر تھا جس طرح حضرت ابو بکرؓ کے وقت میں۔ اور وہ ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑتے تھے اور بعض لوگوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچا کہ آپ بیعت لیں۔ میں نے پھر بھی پس وپیش کیا تو بعض لوگوں نے جو قریب بیٹھے تھے اصرار کیا کہ جماعت کی حفاظت اور بچاؤ کے لئے آپ ضرور بیعت لیں۔ اور میں نے دیکھا کہ لوگ بیعت کے جوش سے اس قدر بھرے ہوئے تھے اور آگے کی طرف بڑھ رہے تھے کہ میں بِالکل آدمیوں میں چھپ گیا اور بعض لوگ ہمت کر کے میری پیٹھ کے پیچھے حلقہ نہ بنا لیتے تو قریب تھا کہ میں کچلا جاتا۔ مجھے بیعت کے الفاظ یاد نہ تھے اور میں نے اِسی بات کو عذر بنانا چاہا اور کہا کہ مجھے بیعت کے الفاظ یاد نہیں ہیں۔ اِس پر مولوی سید سرور شاہ صاحب نے کہا کہ میں الفاظِ بیعت دُہراتا جاؤں گا آپ بیعت لیں۔تب میں نے سمجھا کہ خدا تعالیٰ کا یہی منشاء ہے اوراس کے منشاء کو قبول کیا اور لوگوں سے بیعت لی اور جو ازل سے مقدر تھا باوجود میرے پہلو تہی کرنے کے ظہور میں آیا۔

ان دو ہزار کے قریب آدمیوں میں سے جو اُس وقت وہاں موجود تھے صرف پچاس کے قریب آدمی ہوں گے جو بیعت سے باز رہے۔ باقی سب لوگ بیعت میں داخل ہوئے اس کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کا جنازہ پڑھایا گیا۔

بیعت ہوگئی اور اس سے زیادہ لوگوں نے بیعت کی جنہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی بیعت کی تھی اور اس سے زیادہ مجمع نے بیعت پر اتفاق کیا جتنے مجمع نے کہ حضرت خلیفہ اوّل کی بیعت پر اتفاق کیا تھا مگر باوجود اِس کے مولوی صاحب اور آپ کے رفقاء کی تسلی نہ ہوئی اور انہوں نے اس سب کارروائی کو منصوبہ قرار دیا۔ اور تمام جماعت کو اطلاع دی گئی کہ خلافت کا فیصلہ کوئی نہیں ہوا۔ قادیان میں جو کارروائی ہوئی سب دھوکا اور سازش کا نتیجہ تھی۔

پیغام کی غلط بیانیاں

مخالفت کا جوش اِس قدر بڑھ گیا کہ جھوٹ کا پرہیز بالکل جاتا رہا خود پیغام لکھتا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح کا جنازہ اڑھائی ہزار آدمیوں نے پڑھا۔ [۲۸]

اور پھر یہی پیغام لکھتا ہے کہ:۔

''وہ لوگ جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح کی آنکھیں دیکھی ہوئی تھیں انہوں نے اِس قسم کی بیعت سے احتراز کیا اور حاضر الوقت جماعت میں سے نصف کے قریب لوگوں نے بیعت نہ کی''۔ [۲۹]

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح کے صحبت یافتہ لوگوں میں سے کسی نے بیعت نہ کی۔ اور جو لوگ قادیان میں موجود تھے ان میں سے نصف نے انکار کر دیا۔ مگر حق یہ ہے کہ پچاس سے زائد آدمی نہ تھے جنہوں نے بیعت سے اجتناب کیا اور اس دو یا بقول پیغام اڑھائی ہزار آدمیوں میں سے نصف سے زیادہ وہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلیفۃ المسیح الاوّل کی صحبت حاصل کی ہوئی تھی۔ قادیان کے مہاجرین میں سے جن کی تعداد تین چار سَو سے کم نہ تھی کل چار پانچ آدمی بیعت سے باہر رہے اور یہ لوگ پیغام کی نظر میں گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح کے صحبت یافتہ ہی نہ تھے مرزا یعقوب بیگ صاحب سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

لاہور نے تو اس سے بھی بڑھ کر کمال کیا اور اخبار عام لاہور میں لکھ دیا کہ کثیر التعداد حاضرین کو اس بات کا پتہ بھی نہیں کہ کون خلیفہ مقرر ہوئے ہیں۔ جب اس صریح جھوٹ پر نوٹس لیا گیا تو ڈاکٹر صاحب اوّل الذکر مضمون کے راقم نے ۲/اپریل کے پیغام میں شائع کیا کہ میری مراد اِس فقرہ سے یہ تھی کہ سمجھدار لوگوں میں سے زیادہ حصہ نے بیعت نہ کی اور یہ سمجھداری کا فقرہ ایسا گول مول ہے کہ اس کی تشریح در بطن شاعر ہی رہ سکتی ہے دوسرے لوگ اس کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ کیونکہ ہر ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ جو لوگ میرے ہم خیال ہیں وہ سمجھدار ہیں اور دوسرے لوگ ناسمجھ۔ لیکن اگر سمجھ کا کوئی معیار ہے تو ہر ایک معیار کے مطابق ہم بتا سکتے ہیں کہ نہ صرف زیادہ لوگوں نے بلکہ بہت زیادہ لوگوں نے بیعت اختیار کی۔ راقم مضمون نے اور اس کے مضمون کو شائع کر کے پیغام نے ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب کے اس جھوٹ کی خود ہی تردید کی کیونکہ اس نے لکھا کہ مجمع حاضر الوقت یا انصار اللہ تھے یا جٹ جو بیعت کے لئے تڑپ رہے تھے اور جنہوں نے فوراً بیعت کر لی۔ وہ لوگ انصار اللہ تھے یا کون اس کا سوال نہیں۔ جو لوگ بھی تھے خود پیغام کی روایت کے مطابق نہ صرف انہوں نے بیعت کی بلکہ وہ بیعت کے لئے تڑپ رہے تھے اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ نے صریح اور بالکل صریح جھوٹ لکھا تھا کہ کثیر التعداد حاضرین کو اس امر کا علم بھی نہ تھا کہ خلیفہ کون ہوا ہے۔

پیغام کے مضمون نگار کا یہ جھوٹ کہ کثیر التعداد بیعت کنندگان میں سے انصار اللہ تھے صرف اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ انصار اللہ کی کل تعداد پونے دوسَو سے کم تھی لیکن سب انصار اللہ اُس وقت قادیان میں موجود نہ تھے حالانکہ خود انہی کے بیان کے مطابق اُس وقت اڑھائی ہزار کے قریب لوگ قادیان میں موجود تھے۔

انصار اللہ پر سازش کا جھوٹا الزام

دوسرا طریق لوگوں کو بہکانے کا یہ اختیار کیا گیا کہ انصار اللہ کی نسبت مشہور کیا جانے لگا کہ انہوں نے سازش کر کے یہ کام کرایا ہے۔ حالانکہ انصار اللہ کی کل جماعت سارے ہندوستان میں پونے دوسَو سے کم تھی۔ پس اگر یہ مان بھی لیا جاوے کہ انصار اللہ کی سازش تھی تو سَو ڈیڑھ سَو آدمی اپنی رائے کا کیا بوجھ ڈال سکتا تھا۔ اڑھائی ہزار لوگوں کی

رائے کے مقابلہ میں سَو ڈیڑھ سو آدمی کی رائے کیا حیثیت رکھتی ہے۔ انصاراللہ نے خلافت کے متعلق کیا سازش کی اِس کے متعلق مولوی محمد علی صاحب کے داہنے بازو حکیم محمد حسین صاحب عرف مرہمِ عیسیٰ مبلغ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی شہادت کا درج کر دینا کافی ہے جو اُس نے الزام کے وقت لکھ کر دی۔

''میں سچے دل سے اس امر کی شہادت دیتا ہوں کہ میں انصاراللہ کا ممبر ایک مدت تک تھا اور اب بھی اگر میاں صاحب نے مجھے انصاراللہ میں سے نہ نکالا تو میں انصاراللہ کا ممبر اپنے آپ کو سمجھتا ہوں۔ جس قدر کمیٹیاں انصاراللہ کی لاہور میں ہوئیں اور جن میں میں شامل ہوا میں نے کبھی کسی کو حضرت صاحبزادہ صاحب بزرگوار کے لئے خلیفہ بنانے کی سازش کرتے ہوئے یا اس قسم کی گفتگو کرتے ہوئے نہیں پایا **وَاللّٰہُ عَلٰی مَانَقُوْلُ شَہِیْدٌ** اور نہ ہی حضرت صاحبزادہ صاحب بزرگوار کی طرف سے مجھے کبھی کوئی تحریر اس قسم کی آئی کہ جس سے خلیفہ بنانے کی سازش کا کوئی شائبہ پایا گیا ہو اور حضرت صاحبزادہ صاحب کی کوئی اس قسم کی سازش کی گفتگو میرے ساتھ نہیں ہوئی۔''

محمد حسین بقلم خود

اس کے علاوہ ماسٹر فقیر اللہ صاحب سپرنٹنڈنٹ دفتر سیکرٹری انجمن احمدیہ اشاعت اسلام بھی انجمن انصاراللہ کے ممبر تھے۔ اور انہوں نے بھی شہادت لکھ کر دی ہے کہ میں اس انجمن کا ممبر تھا۔ اس میں اس قسم کی سازش پر کبھی کوئی گفتگو میرے سامنے نہیں ہوئی۔ علاوہ ازیں یہ بات اس الزام کو پورے طور پر رد کر دیتی ہے کہ انجمن انصاراللہ کے ممبروں میں سے ایک معقول تعداد مولوی محمد علی صاحب کے ساتھ ہے۔ اگر یہ انجمن میری خلافت کی سازش کے لئے بنائی گئی تھی تو کیونکر ہو سکتا ہے کی عین اُس وقت جبکہ میں خلیفہ ہو گیا وہ لوگ اُدھر جا ملتے۔ اور پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ جو لوگ ان سے جا ملے تھے وہ باوجود اس سازش سے آگاہ ہونے کے پھر اسے مخفی رکھتے۔ انجمن انصاراللہ میں سے کم سے کم دس آدمی اِس وقت ان کے ساتھ ہیں۔ ان کا وجود ہی اس بات کی کافی شہادت ہے کہ انجمن انصاراللہ پر خلافت کے متعلق سازش کرنے کا الزام ایک جھوٹ ہے جو محض نفسانیت کے شر سے فریب دہی کے لئے

بنایا گیا ہے۔

انصار اللہ کے متعلق یہ بھی الزام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات کے قریب ایک کارڈ باہر بھیجا تھا کہ حضرت کی طبیعت بہت کمزور ہے اور زندگی کا عرصہ کم معلوم ہوتا ہے جو لوگ زیارت کے لئے آنا چاہیں آ جائیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انصار اللہ کی سازش تھی۔ بے شک انجمن انصار اللہ کے سیکرٹری نے ایسا کارڈ لکھا کیونکہ انجمن انصار اللہ کے فرائض میں سے خدمت احباب بھی ایک فرض تھا مگر سوال یہ ہے کہ یہ کارڈ انہوں نے کس کو لکھا۔ اگر صرف انصار اللہ کو لکھا جاتا تب بھی کوئی قابل اعتراض بات نہ تھی۔ مگر دشمن اپنے عناد سے کہہ سکتا تھا کہ اس کے لکھنے کی اصل غرض یہ تھی کہ اپنے ہم خیال لوگوں کو بلوا لیا جاوے مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ یہ کارڈ تمام انجمن ہائے احمدیہ کے سیکرٹریوں کو لکھا گیا اور صرف انصار اللہ کے نام نہیں گیا۔ پس اس کارڈ سے اگر خلافت کے متعلق ہی نتیجہ نکالا جاوے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انجمن انصار اللہ چاہتی تھی کہ جہاں تک ہو سکے اِس موقع پر تمام جماعت کے نمائندہ موجود ہوں تا کہ کافی مشورہ ہو سکے۔ یہ اس کا فعل قابل تحسین ہے یا قابل ملامت؟ اور کیا یہ کارڈ ہی انجمن انصار اللہ کی بریت نہیں کرتا؟ اگر انجمن انصار اللہ کی کوئی سازش ہوتی تو ان کی تمام تر کوشش لوگوں کو یہاں آنے سے روکنے میں صرف ہوتی اور وہ ایسی اطلاع صرف انجمن انصار اللہ کے ممبروں کو دیتے تا کہ من مانی کارروائی کر سکیں۔ مگر انجمن انصار اللہ نے وقت پر سب جماعتہائے احمدیہ کو نہ کہ اپنے خاص معتبروں کو اطلاع کر دی اور اِسی کا نتیجہ تھا کہ قریباً دو ہزار آدمی اس موقع پر جمع ہو گیا۔ اور پھر کیا یہ درست نہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح کی بیماری کے ایام میں دو دفعہ اِسی قسم کی اطلاعیں مولوی صدرالدین صاحب کی طرف سے شائع کی گئی تھیں اگر کارڈ سازش تھا تو کیا ان کی تحریر سازش نہ تھی؟

ایک اور غلط الزام

ہمارے بدنام کرنے کے لئے ایک اور ترکیب یہ کی گئی کہ مشہور کیا گیا کہ جو لوگ مجمع میں جمع ہوئے تھے وہ پہلے سے سکھائے ہوئے تھے کہ وقت پر میرا نام خلافت کے لئے لے دیں اور اس کا ثبوت یہ دیا جاتا ہے کہ

مولوی محمد اسماعیل صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح کی حیات میں بعض لوگوں سے کہا کہ چالیس آدمی ایسے تیار ہو جاویں جو اس وقت میرے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔ مجھے اس موقع پر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض پیش آمدہ واقعات سے مجبور ہو کر مولوی صاحب موصوف سے ایک قسم کی غلطی ضرور ہوئی اور جس قدر بات حق ہے اُنہوں نے نہایت صفائی سے مجھ سے بیان کر دی ہے۔ مولوی صاحب کا بیان ہے کہ مجھ سے ایک دوست نے بیان کیا کہ ہم نے سنا ہے کہ مولوی محمد علی صاحب کو ڈاکٹر مرزا یعقوب صاحب نے کہا کہ آپ خلافت کے لئے تیار ہیں۔ لیکن انہوں نے جواب دیا کہ میں اس بوجھ کو نہیں اُٹھا سکتا۔ اس پر انہوں نے جواب میں کہا کہ آپ گھبرائیں نہیں ہم سب بندوبست کر لیں گے (یہ روایت قادیان میں اُن دنوں مشہور تھی اور اس کے ساتھ یہ فقرہ بھی زائد کیا جاتا تھا کہ آخر میں ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اگر آپ اِس بوجھ کو اُٹھانے کیلئے تیار نہیں تو مجھے کھڑا کر دیں اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ یہ روایت کہاں تک درست ہے چونکہ اس کا ثبوت اِس وقت تک میرے پاس کوئی نہیں اس لئے میں اس کے باور کرنے سے معذور ہوں۔ خاکسار مرزا محمود احمد)

ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ وقت پر کوئی چالاکی کریں اور چند آدمیوں کو ملا کر خلافت کا دعویٰ کریں اس کے لئے ہمیں بھی تیار رہنا چاہئے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس پر میں نے بعض دوستوں سے ذکر کیا کہ ایسا خطرہ ہے ایک جماعت ہم میں سے بھی تیار رہنی چاہئے۔ بعض لوگ جن سے ذکر کیا تھا انہوں نے اسے پسند کیا لیکن بعض نے مخالفت کی۔ چنانچہ مخالفت کرنے والوں میں سے وہ میاں معراج الدین صاحب کا نام لیتے ہیں انہوں نے بڑا زور دیا کہ یہ کام خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے ایسی کارروائی ہرگز مناسب نہیں۔ اسی طرح میر محمد اسحٰق صاحب کی نسبت بیان کرتے ہیں کہ گو ان سے ذکر نہ کیا تھا مگر ایک جگہ پر ایک شخص سے میں گفتگو کر رہا تھا کہ انہوں نے کچھ بات سن لی اور کہا کہ آپ لوگ اس خیال کو جانے دیں ہوگا وہی جو خدا چاہتا ہے۔ آپ لوگوں کو آخر شرمندہ ہونا پڑے گا۔ ان کا بیان ہے کہ آٹھ دس آدمیوں سے زیادہ سے ایسا ذکر نہیں ہوا اور ان میں سے بہت سے ایسے لوگ تھے جو انجمن انصار اللہ کے ممبر نہ تھے۔ لیکن کسی قدر بعض دوستوں کے اس خیال پر کہ یہ کام

خدا تعالیٰ کا ہے اس پر چھوڑ دو۔ اور زیادہ تر یہ بات معلوم ہونے پر کہ میں نے فیصلہ کر دیا ہے کہ خواہ ان لوگوں کے ہاتھ پر بیعت کر لینی پڑے جماعت کو فتنہ سے بچانا چاہئے اس امر کو ترک کر دیا گیا۔ یہ اصل واقعہ ہے اور گو مولوی محمد اسماعیل صاحب کی اس میں ضرور غلطی ہے لیکن قابل غور یہ امور ہیں کہ اس میں نہ میرا نہ انجمن انصاراللہ کا کوئی دخل تھا۔ یہ کام انہوں نے اپنے خیال میں خود حفاظتی کے طور پر ایک مشہور روایت کی بناء پر کرنا چاہا تھا۔ آٹھ دس آدمیوں سے زیادہ سے یہ ذکر نہیں کیا گیا۔ فوراً ہی اس کارروائی کو چھوڑ دیا گیا۔ خود بعض انصاراللہ کی انجمن کے ممبروں نے اور میرے خاندان کے ایک آدمی نے ان کو سختی سے اس بات سے روکا اور میرے قطعی فیصلہ کے معلوم ہونے پر وہ اس امر سے بالکل باز آ گئے۔ پس یہ واقعہ ہرگز کسی سازش پر دلالت نہیں کرتا۔

مولوی محمد علی صاحب کے ساتھیوں کی سازش

ہاں اس کے مقابلہ میں ایک اور واقعہ ہے جس کے راوی ماسٹر عبدالحق صاحب مرحوم مشہور مضمون نگار ہیں۔ انہوں نے شروع میں میری بیعت نہ کی تھی۔ انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ مولوی صدرالدین صاحب ووکنگ مشنری اور ہیڈ ماسٹر مسلم ہائی سکول لاہور اور ٹرسٹی احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات کے بعد اس خیال سے کہ لوگ خلافت کو کسی طرح چھوڑ نہیں سکتے یہ تجویز کی تھی کہ کوئی خلیفہ بنایا جاوے۔ مولوی محمد علی صاحب اپنے ٹریکٹ کی اشاعت کی وجہ سے اپنے ہاتھ کاٹ چکے تھے۔ اس لئے سید حامد علی شاہ صاحب کی نسبت تجویز کی گئی کہ ان کی خلافت کیلئے چالیس آدمی تیار کئے جاویں اور وہ بیان کرتے ہیں کہ رات کے وقت مولوی صدرالدین صاحب ہاتھ میں لالٹین لے کر دو ہزار احمدیوں کے ڈیروں پر ماسٹر عبدالحق صاحب اور ایک اور صاحب سمیت چکر لگاتے رہے کہ چالیس آدمی ہی اس خیال سے مل جاویں۔ مگر اتنے آدمی بھی (اس دو ہزار کے مجمع میں سے جس میں بقول ان کے اکثر مجھ سے نفرت کرتے تھے) ایسے نہ ملے جو ان کا ساتھ دیتے۔ ماسٹر صاحب تو فوت ہو گئے ہیں مولوی صدرالدین صاحب ہی قسم کھا کر بیان کر دیں کہ کیا یہ واقعہ درست نہیں اور کیا اس واقعہ کی موجودگی میں ان کا مولوی

محمد اسماعیل صاحب کے واقعہ کو پیش کرنا جسے خود اپنے ہی احباب کے سمجھانے پر چھوڑ دیا گیا تھا درست ہوسکتا تھا۔ علاوہ اس واقعہ کے ان لوگوں کے متعلق ایک اور شہادت بھی ملتی ہے اور وہ ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:۔

''مجھے یاد ہے کہ ابھی حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الاوّل ایسے سخت بیمار نہ تھے مگر حالت ان کی دن بدن نازک ہوتی چلی جاتی تھی۔ ایک روز جس کی تاریخ مجھے ٹھیک یاد نہیں ہے اکبر شاہ خان صاحب سے میں نے پہلے ذکر کیا کہ حضرت صاحب کی حالت دن بدن نازک ہوتی جاتی ہے اللہ تعالیٰ خیر کرے۔ اسی اثناء میں خلافت کا ذکر بھی آ گیا اس پر خان صاحب نے کہا کہ فساد کا تو ڈر ہے کیونکہ میاں صاحب کی خلافت لاہوری صاحبان نہیں مانیں گے۔ اگر خواجہ صاحب کی طرف توجہ کی تو دوسرے لوگ نہیں مانیں گے ہاں ایک صورت ہے جس سے فساد بھی نہیں ہوتا اور خلافت بھی قائم ہوسکتی ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ وہ کونسی؟ اس وقت خان صاحب نے کہا کہ اگر میاں صاحب اپنا حوصلہ وسیع کریں تو بات بن جاتی ہے اور وہ مولوی محمد علی صاحب ہیں اگر ان کی بیعت کر لی جائے تو لاہوری بھی مان جاویں گے اور دوسرے بھی مان جاویں گے۔ یہ آپس میں گفتگو تھی۔ مگر حضرت کی زندگی میں۔ بہت دن پہلے۔
(الٰہی بخش بقلم خود ۲۹ /اپریل ۱۹۱۴ء)

اس شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس قسم کا الزام یہ لوگ ہم پر لگاتے ہیں وہ خود ان پر لگتا ہے اور جو الزام ہم پر لگایا جاتا ہے اس کی نسبت میں ثابت کر چکا ہوں کہ وہ ایک دو آدمیوں کی غلطی سے ہوا اور خود ہماری طرف سے ہی پیشتر اس کے کہ کوئی نتیجہ نکلتا اس کا تدارک کر دیا گیا۔

کتنی جماعت بیعت میں داخل ہے

اس طرح اور کئی باتیں ہمارے بدنام کرنے کیلئے مشہور کی گئیں مگر خدا تعالیٰ نے سلسلہ کو مضبوط کیا۔ اور باوجود اس کے کہ خود انہی کی تحریروں کے مطابق ننانوے فیصدی جماعت ابتدا میں ان کے ساتھ تھی مگر تھوڑے ہی عرصہ میں خدا تعالیٰ نے سب کو کھینچ کر میرے پاس لا ڈالا اور اب قریباً ننانوے فیصدی جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے میرے ساتھ ہے۔

لاہور میں جماعت سے مشورہ کی تجویز

ان لوگوں نے شور مچایا کہ جو لوگ قادیان میں اس وقت جمع تھے ان کی رائے نہ تھی ان کا مشورہ جماعت کا مشورہ نہ تھا اس لئے اخباروں اور خطوط کے ذریعہ سے تمام جماعت احمدیہ کو دعوت دی گئی کہ وہ ۲۲ مارچ کو لاہور میں جمع ہوں تا کہ پورے طور پر مشورہ کیا جاوے۔ اس تحریک عام پر پیغامِ صلح کے اپنے بیان کے مطابق لاہور کی جماعت کو ملا کر کل ایک سَو دس آدمی جمع ہوئے جن میں قریباً بیالیس آدمی لاہور سے باہر کے تھے۔ جن میں سے چار پانچ آدمیوں کے سوا باقی کسی جماعت کے نمائندہ نہیں کہلا سکتے۔ بلکہ باقی لوگ اپنے اپنے طور پر ذاتی دلچسپی سے اس جلسہ میں شامل ہوئے تھے۔ مولوی محمد علی صاحب کے لاہور کے ہم خیالوں نے ان بیالیس آدمیوں کے مشورہ سے جن میں صرف چار پانچ آدمی کسی جماعت کی نیابت کا حق رکھتے تھے جو کچھ فیصلہ کیا اسے کل جماعت احمدیہ کا مشورہ اور فیصلہ قرار دیا گیا اور اعلان کیا گیا کہ میری خلافت جائز و درست نہیں۔ مگر ان ایک سَو دس آدمیوں سے بھی دس آدمی بعد میں میری بیعت میں شامل ہو گئے جن میں سے ایک سید میر حامد شاہ صاحب مرحوم تھے جن کو انہوں نے خلیفۃ المسیح بھی منتخب کیا تھا اور کل سَو آدمی رہ گئے مگر باوجود اس کے اس جلسہ میں جو فیصلہ ہوا وہ جماعت کا فیصلہ تھا اور جو کل جماعت کا فیصلہ تھا وہ سازش کا نتیجہ اور انصاراللہ کی فریب بازی تھی۔

ان لوگوں کا قادیان کو چھوڑنا

قادیان کی جماعت میں سے سب کے سب سوائے چار پانچ آدمیوں کے میری بیعت میں شامل تھے اور اب قادیان میں کسی کامیابی کی امید یہ لوگ دل سے نکال بیٹھے تھے اس لئے انہوں نے فیصلہ کیا کہ لاہور کو مرکز بنایا جاوے۔ مولوی محمد علی صاحب کے قادیان سے جانے کے لئے عذر تلاش کئے جانے لگے اور آخر ایک دن مجھے اطلاع دی گئی کہ مولوی صاحب جمعہ کی نماز پڑھ کر باہر نکل رہے تھے کہ تین چار بچوں نے (جو پانچ سات سال تک کی عمر کے تھے) ان پر کنکر پھینکنے کے ارادہ کا اظہار کیا۔ میں نے اس پر درس کے وقت سب جماعت کو سمجھایا کہ گو بچوں نے ایسا ارادہ ظاہر کیا ہے مگر پھر ایسی بات سنی گئی تو میں ان کے والدین کو ذمہ دار

قرار دوں گا اور سختی سے سزا دوں گا۔

مولوی محمد علی صاحب کو قادیان سے جانے سے باز رکھنے کی کوشش

بعد میں مَیں نے سنا کہ مولوی محمد علی صاحب کو یہاں خوف ہے اس لئے وہ قادیان سے جانا چاہتے ہیں۔ میں نے ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کو ایک خط لکھ کر دیا کہ آپ مولوی محمد علی صاحب کے پاس جاویں اور ان کو تسلی دیں کہ آپ کسی قسم کی فکر نہ کریں میں آپ کی حفاظت کا ذمہ دار ہوں اور آپ قادیان نہ چھوڑیں۔ خط میں بھی اسی قسم کا مضمون تھا۔ خط کا جواب مولوی محمد علی صاحب نے یہ دیا کہ یہ کب ہوسکتا ہے کہ میں قادیان چھوڑ دوں۔ میں تو صرف گرمی کے سبب پہاڑ پر ترجمہ قرآن کا کام کرنے کیلئے جاتا ہوں اور اس کیلئے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی زندگی میں ہی میں نے انجمن سے رخصت لے رکھی تھی اور میرا شکریہ بھی ادا کیا کہ مَیں نے ان کی ہمدردی کی۔ مَیں نے صرف اسی قدر کافی نہ سمجھا بلکہ اس کے بعد ان سے اسی مضمون کے متعلق زبانی گفتگو کرنے کے لئے خود ان کے گھر پر گیا۔ میرے ہمراہ خان محمد علی خان صاحب اور ڈاکٹر رشید الدین صاحب تھے۔ جب ہم وہاں پہنچے تو ابتداءً کچھ ذکر ترجمہ قرآن کے متعلق ہوا۔ اس کے بعد میں نے اس امر کے متعلق کلام کا رُخ پھیرا جس کے لئے مَیں آیا تھا کہ فوراً مولوی محمد علی صاحب نے ایک شخص المعروف میاں بگا کو جو کسی قدر موٹی عقل کا آدمی تھا آواز دی کہ اِدھر آؤ اور اس سے اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں۔ جب مَیں نے دیکھا کہ مولوی محمد علی صاحب میاں بگا سے کلام ختم ہی نہیں کرتے تو لاچار اُٹھ کر چلا آیا۔ اس کے بعد مولوی صاحب قادیان سے چلے گئے اور قریباً تین ہزار روپیہ کا سامانِ کتب وٹائپ رائٹر وغیرہ کی صورت میں ترجمہ قرآن کے نام سے اپنے ساتھ لے گئے۔ اس وقت بعض احباب نے مجھ سے کہا کہ ان سے یہ اسباب لے لیا جاوے کیونکہ یہ پھر واپس نہ آویں گے اور محض دھوکا دے کر یہ اسباب لئے جا رہے ہیں اور بعض نے تو یہاں تک کہا کہ یہ خدا تعالیٰ کی امانت ہے آپ اس کی حفاظت میں کوتاہی نہ کریں مگر مَیں نے ان سب احباب کو یہی جواب دیا کہ جب وہ کہتے ہیں کہ مَیں قرآن کریم کے ترجمہ کیلئے ان کتب

کو اور اسباب کو لئے جا رہا ہوں اور صرف چند ماہ کے لئے اپنی سابقہ رخصت کے مطابق جا رہا ہوں تو ہمارا حق نہیں کہ ان کی نیت پر حملہ کریں اور مَیں نے ان کو کچھ نہ کہا۔

مولوی محمد علی صاحب کا سرقہ کرنا

جیسا کہ بعد کے واقعات نے ثابت کیا ان احباب کی رائے درست تھی۔ مولوی صاحب قادیان سے گئے اور ہمیشہ کے لئے گئے اور جو کچھ انہوں نے مجھے لکھا وہ سب ایک بہانہ تھا جس کے نیچے کوئی حقیقت پوشیدہ نہ تھی۔ وہ کتب و اسباب جو وہ لے گئے تھے بعد میں اس کے دینے سے انہوں نے باوجود تقاضا کے انکار کر دیا اور جب تک دنیا کے پردہ پر مولوی محمد علی صاحب کا نام باقی رہے گا اُس وقت تک ان کے نام کے ساتھ یہ سرقہ کا بدنما عمل بھی یادگار رہے گا۔ جو شخص اس طرح عاریتاً کتب و اسباب لیکر چند ماہ کے بہانہ سے جاتا اور پھر اس کی واپسی سے انکار کر دیتا ہے وہ ہرگز کسی جماعت کا لیڈر ہونے کا مستحق نہیں۔ خصوصاً مسلمانوں کی سرداری کا عہدہ اس سے بہت ہی بالا ہے۔

لاہور کو مدینۃ المسیح بنانا

مولوی صاحب کا قادیان سے جانا تھا کہ لاہور مدینۃ المسیح بن گیا حتّٰی کہ لوگوں کے دلوں میں طبعًا یہ سوال پیدا ہونے لگا کہ کیا مولوی محمد علی صاحب مسیح موعود ہیں کہ جب تک وہ قادیان میں تھے قادیان مدینۃ المسیح تھا اور جب وہ لاہور چلے گئے تو لاہور مدینۃ المسیح ہو گیا۔ خیر اسی طرح لاہور کو بھی کچھ خصوصیت مل گئی اور منتظمانِ پیغامِ صلح کی وہ خواہش بر آئی جو ۱۰؍ مارچ کے پرچہ میں بے اختیار ان کی قلم سے نکل گئی تھی اور جس کے یہ الفاظ ہیں:۔

''آخر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے یہاں وفات پانے سے کچھ خصوصیت تو اسے (لاہور کو) بھی ملنی چاہئے''۔

اس فقرہ میں جس جاہ طلبی، جس حصولِ مرتبت، جس لجاجت، جس امید، جس خواہش کو مختصر الفاظ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے اس کا لطف وہی لوگ حاصل کر سکتے ہیں جو سخن فہمی سے کوئی حصہ رکھتے ہیں۔

رائی کا پہاڑ بنانا

مولوی محمد علی صاحب کا لاہور جانا تھا کہ مخالفت کا دریا اور بھی تیزی سے اُمڈنے لگا۔ وہ بچوں کے کنکر پھینکنے کا ارادہ ظاہر کرنے کا واقعہ تھوڑے دنوں میں تبدیل ہو کر یوں بن گیا کہ بعض لڑکوں نے مولوی صاحب پر کنکر پھینکے مگر شکر ہے لگے نہیں۔ پھر ترقی کر کے اس نے یہ صورت اختیار کی کہ بعض لڑکوں نے آپ پر کنکر پھینکے مگر شکر ہے کہ آپ کی آنکھ بچ گئی اور پھر اس سے بھی ترقی کر کے اس نے یہ ہیئت اختیار کی کہ قادیان کے لوگوں نے کنکر پھینکے اور اس کے بعد یہ کہ قادیان کے لوگوں سے آپ کی جان محفوظ نہ تھی۔ چنانچہ ابتدا اس طرح شروع بھی ہوگئی تھی کہ قادیان کے لوگوں نے آپ پر پتھر پھینکے اور یہ آخری روایت مولوی محمد علی صاحب نے امرتسر میں متعدد آدمیوں کے سامنے بیان کی۔

مولوی محمد علی صاحب کے چلے جانے کے بعد قادیان

مولوی محمد علی صاحب قادیان سے چلے گئے اور خیال کیا گیا کہ قادیان کا سورج غروب ہو گیا مسیح موعود علیہ السلام کا بنایا ہوا مرکز ٹوٹ گیا۔ مولوی صاحب قادیان سے چلے گئے اور سمجھ لیا گیا کہ اب اسلام کا یہاں نام باقی نہ رہے گا۔ مرزا یعقوب بیگ صاحب نے تعلیم الاسلام ہائی سکول کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ہم جاتے ہیں ابھی دس سال نہ گزریں گے کہ یہ جگہ عیسائیوں کے قبضہ میں ہوگی۔ مولوی محمد علی صاحب قادیان سے چلے گئے اور گویا قادیان کی روح فاعلی نکل گئی عام طور پر کہا جانے لگا کہ اب وہاں کوئی آدمی کام کے قابل نہیں۔ زیادہ دن نہ گزریں گے کہ قادیان کا کام بند ہو جائے گا۔

مولوی محمد علی صاحب قادیان سے چلے گئے اور گویا قادیان کی برکت سب جاتی رہی عَلَی الْاِعْلَان اس امر کا اظہار ہونے لگا کہ چندہ بند ہو جاوے گا اور یہ لوگ بھوکے مرنے لگیں گے تو خود ہوش آ جاوے گا۔

مولوی محمد علی صاحب قادیان سے چلے گئے اور قادیان کی دیانت بھی گویا ساتھ ہی چلی گئی کیونکہ اس بات کا خطرہ ظاہر کیا جانے لگا کہ سب روپیہ خلیفہ خود لے لے گا اور جماعت کا روپیہ برباد ہو جاوے گا۔

مولوی محمد علی صاحب چلے گئے اور گویا اسلام پر قادیان میں موت آ گئی کیونکہ سمجھ لیا گیا کہ اب اسلام کے احکام کی عَلَی الْاِعْلَان ہتک ہوگی اور سلسلہ احمدیہ کو برباد کیا جاوے گا اور کوئی ہوش مند روکنے والا نہ ہوگا۔

مولوی محمد علی صاحب چلے گئے اور قادیان کے مہاجرین کفار مکہ کے ہمرنگ بن گئے کیونکہ وعدہ دیا جانے لگا کہ دس سال کے عرصہ میں مولوی صاحب اپنے احباب سمیت قریہ قادیان کو فتح کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مثیل بن کر عزت و احترام کے ساتھ قادیان میں داخل ہوں گے۔ مگر حق یہ ہے کہ مولوی محمد علی صاحب قادیان سے چلے گئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وہ الہامی پیشگوئی پوری ہوئی کہ:۔

''کئی چھوٹے ہیں جو بڑے کئے جائیں گے اور کئی بڑے ہیں جو چھوٹے کئے جائیں گے پس مقام خوف ہے۔'' [۳۰]

مولوی محمد علی صاحب اور ان کے رفقاء قادیان سے چلے گئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وہ الہام پھر دوسری دفعہ پورا ہوا کہ ''اُخْرِجَ مِنْهُ الْیَزِیْدِیُّوْنَ'' [۳۱] قادیان سے یزیدی لوگ نکالے جاویں گے۔ ایک دفعہ تو اس طرح کہ قادیان کے اصل باشندوں نے مسیح موعود علیہ السلام کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور دوسری دفعہ اس طرح کہ وہ لوگ جو اہل بیت مسیح موعود علیہ السلام سے بغض و تعصب رکھ کر یزیدی صفت بن چکے تھے وہ قادیان سے حکمت الٰہی کے ماتحت نکالے گئے۔

مولوی محمد علی صاحب قادیان سے چلے گئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام اِنِّیْ مَعَکَ وَمَعَ اَھْلِکَ [۳۲] پورا ہوا اور باوجود ان کے رسوخ اور جماعت کے کاموں پر تسلط کے خدا تعالیٰ نے میرے جیسے ناتواں وضعیف انسان کے مقابلہ پر ان کو نیچا دکھایا۔

مولوی محمد علی صاحب قادیان سے چلے گئے اور خدا تعالیٰ نے اپنے زبردست نشانوں سے ثابت کر دیا کہ میرا سلسلہ شخصیت پر نہیں بلکہ اس کا متکفل میں خود ہوں چاہوں تو اس سے جو ذلیل سمجھا گیا اور بچہ قرار دیا گیا کام لے لوں۔

خدا تعالیٰ کی قدرت کا زبردست ثبوت

الغرض مولوی محمد علی صاحب قادیان سے چلے گئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور اپنے جلال کا ایک زبردست ثبوت دیا اور اس نے اپنی ذات کو تازہ نشانوں سے پھر ظاہر کیا اور وہ اپنی تمام شوکت سے پھر جلوہ گر ہوا اور اس نے عَلٰی رُؤُوْسِ الْاَشْھَادُ پکار دیا کہ احمدیت اس کا قائم کیا ہوا پودا ہے اس کو کوئی نہیں اکھاڑ سکتا۔ خلافت اس کا لگایا ہوا درخت ہے اس کو کوئی نہیں کاٹ سکتا۔ اس عاجز اور ناتواں وجود کو اسی نے اپنے فضل اور احسان سے اس مقام پر کھڑا کیا ہے۔ اس کے کام میں کوئی نہیں روک ہوسکتا۔ قادیان اس کی پیاری بستی ہے اسے کوئی نہیں اُجاڑ سکتا۔ وہ مکہ ہے مگر بروزِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ۔ وہ غریبوں کا شہر ہے مگر خدائے ذوالجلال کی حفاظت کے نیچے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

میرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح

از قادیان دارالامان‘‘

(انوار العلوم جلد ۶ صفحہ ۱۸۰ تا ۲۶۲)

۱؎ تذکرہ صفحہ ۲۴۱۔ ایڈیشن چہارم ۲۰۰۴ء

۲؎ البروج: ۱۱

۳؎ اندرونی اختلافات سلسلہ کے اسباب صفحہ ۵۵ مطبوعہ لاہور ۱۹۱۴ء

۴؎ بدر ۵ دسمبر ۱۹۱۲ء

۵؎ پیغام صلح ۱۰ جولائی ۱۹۱۳ء صفحہ ۳

۶؎ آل عمران: ۱۸۹

۷؎ تذکرہ صفحہ ۱۴۷، ۱۴۸۔ ایڈیشن چہارم ۲۰۰۴ء

۸؎ تذکرہ صفحہ ۴۱۷۔ ایڈیشن چہارم ۲۰۰۴ء

۹؎ ٹریبیون: اخبار کا نام

۱۰؎ تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۲۸۸

۱۱ تاریخ احمدیت جلد۴ صفحہ ۲۸۸

۱۲ تاریخ احمدیت جلد۴ صفحہ ۵۱۳

۱۳ البقرة: ۶۳ ۱۴ النساء: ۱۵۲،۱۵۱ ۱۵ یوسف: ۱۰۷

۱۶، ۱۷ مسئلہ کفر واسلام مصنفہ مولوی محمد علی صاحب صفحہ ۴ مطبوعہ ۱۳ مارچ ۱۹۱۴ء

۱۸ الانعام: ۹۲

۱۹ مسئلہ کفر واسلام مصنفہ مولوی محمد علی صاحب صفحہ ۱ مطبوعہ ۱۳ مارچ ۱۹۱۴ء

۲۰ الانعام: ۹۲

۲۱ بدر ۲، ۹ ستمبر ۱۹۱۰ء جلد ۴۵، ۴۶

۲۲ مسئلہ کفر واسلام مصنفہ مولوی محمد علی صاحب صفحہ ۲ مطبوعہ ۱۳ مارچ ۱۹۱۴ء

۲۳ الحکم ۷ مارچ ۱۹۱۴ء جلد ۱۸ نمبر ۲ صفحہ ۵

۲۴ الماعون: ۵ تا ۷ ۲۵ الفاتحہ: ۶

۲۶ الحکم ۱۴ مارچ ۱۹۱۴ء جلد ۱۸ نمبر ۳۔۴ صفحہ ۹

۲۷ البقرہ: ۴۵

۲۸ پیغام صلح ۱۷؍ مارچ ۱۹۱۴ء

۲۹ پیغام صلح ۲۲ مارچ ۱۹۱۴ء

۳۰ تذکرہ صفحہ ۴۵۳۔ ایڈیشن چہارم ۲۰۰۴ء

۳۱ تذکرہ صفحہ ۱۴۱۔ ایڈیشن چہارم ۲۰۰۴ء

۳۲ تذکرہ صفحہ ۳۵۷۔ ایڈیشن چہارم ۲۰۰۴ء

خلافت

خلافة علیٰ منهاج النبوة

افاضات

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ

جلد دوم

خلافت علیٰ منہاج النبوۃ

(جلد دوم)

Khilafat Ala Minhajin Nubuwwat – Volume 2 (Urdu)

A collection of excerpts from the sermons, writings, and speeches of Hazrat Mirza Bashir-ud-Din Mahmud Ahmad Khalifatul-Masih II[ra] (1889-1965) on the subject of Khilafat.

First Published in UK in 2023

Published by:
Islam International Publications Ltd
Unit 3, Bourne Mill Business Park,
Guildford Road, Farnham, Surrey GU9 9PS, UK

Printed at:

For more information please visit
www.alislam.org

ISBN: 978-1-84880-228-5

(Khilafat Ala Minhajin Nubuwwat 3 Volume Set)

سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد المصلح الموعود
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

پیشگوئی مصلح موعود

اُس کے ساتھ فضل ہے جو اُس کے آنے کے ساتھ آئے گا۔ وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا، وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت وغیوری نے اُسے کلمہء تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا اور دل کا حلیم اور علومِ ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا (اس کے معنے سمجھ میں نہیں آئے) دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند۔ مَظْھَرُالْاَوَّلِ وَالْاٰخِرِ، مَظْھَرُالْحَقِّ وَالْعَلَاءِ کَاَنَّ اللّٰہَ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ۔ جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا۔ وَ کَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا۔

(اشتہار 20 فروری 1886ء)

عرض ناشر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اپنی اُمّت میں خلافت علیٰ منہاج نبوّت کے قیام کا بڑی صراحت کے ساتھ یوں ذکر فرمایا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تم میں نبوّت قائم رہے گی جب تک اللہ چاہے گا۔ پھر وہ اس کو اٹھا لے گا۔ پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہو گی۔اور وہ اس وقت تک رہے گی جب تک اللہ چاہے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ جب چاہے گا اس (نعمت) کو بھی اٹھا لے گا۔ پھر ایذا رساں بادشاہت (کاٹ کھانے والی حکومت) قائم ہو گی اور وہ اس وقت تک رہے گی جب تک اللہ چاہے گا۔ پھر جب وہ چاہے گا اسے (بھی) اٹھا لے گا۔ پھر جابر بادشاہت (ظالم حکومت) قائم ہو گی۔ اور وہ اس وقت تک رہے گی جب تک اللہ چاہے گا۔ پھر جب وہ چاہے گا اسے (بھی) اٹھا لے گا۔ اس کے بعد پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہو گی۔ پھر (یہ فرمانے کے بعد) آپؐ خاموش ہو گئے“۔

(مسند احمد بن حنبلؒ۔ مسند الکوفیین۔ حدیث 18596)

اس حدیث نبوی میں اُمّت محمدیہ میں خلافت علیٰ منہاجِ نبوّت کے دو ادوار کا ذکر کیا گیا ہے۔ پہلا دَور خلافت علیٰ منہاجِ نبوت کا وہ دَور ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے معاً بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت سے شروع ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ تک قائم رہا۔ اس کے بعد جیسا کہ حدیث مذکورہ بالا میں بیان ہے ایذا رساں بادشاہت اور جابر حکومتوں کے ادوار آئے۔ اور پھر پیشگوئیوں کے مطابق اللہ تعالیٰ کا رحم جوش میں آیا اور اس نے زمانہ کی اصلاح و تکمیلِ اشاعتِ ہدایت کی غرض سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع و غلام حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کو ظلی طور پر اُمّتی نبوّت کے مقام پر فائز فرماتے ہوئے مسیح موعود اور مہدی معہود بنا کر بھیجا۔ اور آپ کی وفات (26 مئی 1908ء) کے بعد 27 مئی 1908ء سے حضرت الحاج حکیم مولانا نورالدین رضی اللہ عنہ کے منصب خلافت پر فائز ہونے کے ساتھ خلافت علیٰ منہاجِ نبوّت کے دوسرے مبشر دَور کا آغاز ہوا جو انشاء اللہ حسبِ بشارات نبوی دائمی ہے۔ کیونکہ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور دَور کے آنے کا ذکر نہیں فرمایا۔

گزشتہ سو سال سے زائد عرصہ سے جماعت احمدیہ مُسلمہ اس موعود خلافت علیٰ منہاج نبوّت کی آسمانی قیادت سے فیضیاب ہے اور اِس وقت ہم حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی خلافت کے پانچویں مظہر کے مبارک دَور سے گزر رہے ہیں۔

1914ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی وفات کے بعد حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ، المصلح الموعود خلافت کے منصب پر فائز ہوئے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے معاً بعد سے ہی خلافت کے قیام و استحکام کے سلسلہ میں آپ نے غیر معمولی خدمات انجام دیں۔ بالخصوص آپ نے اپنی وفات (1965ء) تک اپنی خلافت کے ساڑھے اکاون برس سے زائد عرصہ میں نظام خلافت کے استحکام کے سلسلہ میں بہت سے عملی اقدامات فرمائے۔ آپ نے اپنے خطبات، خطابات، کلمات طیّبات، نہایت مدلّل اور پُراثر تحریرات کے ذریعہ خلافت کی عظمت و اہمیت، اس کی غرض و غایت اور اس کی عظیم الشان برکات کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا۔

صد سالہ خلافت جوبلی (2008ء) کے تاریخی موقع کی مناسبت سے ادارہ فضل عمر فاؤنڈیشن نے حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی جملہ تصانیف، خطبات جمعہ، خطابات، مجالس عرفان، مجالس شوریٰ، تفاسیر اور غیر مطبوعہ تحریرات سے خلافت کے موضوع پر بیان فرمودہ مواد کو اکٹھا کر کے تین جلدوں میں مرتب کرنے کی سعادت و توفیق پائی۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس کاوش کو بہت پسند فرمایا اور اس کتاب کے لیے ’خلافت علیٰ منہاج النبوۃ‘ کا نام منظور فرمایا۔ حضور انور ایدہ اللہ کے ارشاد پر تین جلدوں پر مشتمل یہ کتاب یُوکے سے شائع کی جارہی ہے۔

اس کتاب کے لئے مواد کی تلاش و تحقیق اور اس کی کمپوزنگ ، ترتیب، پروف ریڈنگ وغیرہ متفرق امور کی انجام دہی اور اسے موجودہ فائنل صورت تک پہنچانے کے لیے ادارہ فضل عمر فاؤنڈیشن کے تحت بہت سے احباب نے بہت محنت اور جانفشانی سے مختلف خدمات کو انجام دیا۔ ایسے تمام احباب شکریہ اور دعاؤں کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ادارہ فضل عمر فاؤنڈیشن اور اس کے جملہ رفقائے کار کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور اپنی جناب سے انہیں بہترین جزا سے نوازے۔ آمین۔

امید ہے کہ احباب جماعت خصوصیت کے ساتھ خلافت کے موضوع پر اس علمی و روحانی بیش قیمت جواہر سے معمور خزانے سے کماحقّہ فیضیاب ہوتے ہوئے خلافت حقّہ اسلامیہ احمدیہ سے اپنے تعلقِ اخلاص و وفا اور محبت و فدائیت و اطاعت میں مزید آگے قدم بڑھائیں گے اور برکات خلافت سے وافر حصہ پانے کے لیے اعمال صالحہ کی مزید توفیق پاتے چلے جائیں گے۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔

خاکسار

نصیر احمد قمر

ایڈیشنل وکیل الاشاعت (طباعت)۔ لندن

فہرست عناوین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ   نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

خلافت رحمت خداوندی

(تحریر فرمودہ ۲۳؍جنوری ۱۹۲۲ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے نائیجیریا جانے والے دوسرے احمدی مبلغ حضرت حکیم فضل الرحمٰن صاحب کو ۲۳ جنوری ۱۹۲۲ء بعد از نماز فجر مسجد مبارک میں چند ہدایات لکھ کر دیں ان میں سے ایک حصہ یہ تھا کہ خلافت رحمت خداوندی ہے حضرت مصلح موعود تحریر فرماتے ہیں۔

''خلافت کا سلسلہ ایک رحمت ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی رحمت کی ناشکری کرنی دُکھ میں ڈالتی ہے۔ انسان خواہ کس قدر بھی ترقی کر جائے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔ پس خلافت سے مسلمان کسی وقت بھی مستغنی نہیں ہو سکتے نہ اب نہ آئندہ کسی زمانہ میں۔ اللہ تعالیٰ کی بہت سی برکات اس سے متعلق اور وابستہ ہیں اور اس سے جو خلافت سے دور ہو جاتا ہے، دور ہو جاتا ہے اللہ اس سے۔ جو اس سے تعلق کرتا ہے، اپنا تعلق مضبوط کرتا ہے۔''

حضور نے مزید تحریر فرمایا:۔

''اطاعت ایک اعلیٰ جوہر ہے اسے پیدا کرنے کی کوشش کرو اور جو آپ کا افسر ہو اس کی اطاعت کرو اور اپنے نفس کو اپنے پر غالب مت آنے دو۔ اگر کسی بات پر اعتراض ہو تو اس سے خلیفہ وقت کو اطلاع دو۔ خود ہی اس پر فیصلہ نہ دو کیونکہ تفرقہ طاقت کو توڑ دیتا ہے اور یہی کھڑکی ہے جس میں سے آدم کا دشمن اس کے گھر میں داخل ہوا کرتا ہے اور اس کو اس کے عزیزوں سمیت جنت میں سے خارج کر دیا کرتا ہے۔

ہمیشہ خلیفۂ وقت سے تعلق کو مضبوط کرنے کی کوشش کرتے رہو اور خط و کتابت میں کبھی سستی نہ کرو۔ وہ لوگ جن کو آپ کے ذریعہ سے ہدایت ہو ان کو بھی ان سب نصائح پر عمل کرنے کی تحریک کرو جو اوپر بیان ہوئیں یا بعد میں آپ تک پہنچتی رہیں۔

دینی لٹریچر سے آگاہ رہنے کی ہمیشہ کوشش کرو قرآن کریم کے متعلق تو مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں وہ تو مومن کی جان ہے۔ مگر حدیث اور کتب مسیح موعود کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ ان سے غافل نہ ہو۔ کوئی نہ کوئی اخبار قادیان کا جس میں مرکز اور سلسلہ کے حالات ہوں ضرور زیر مطالعہ رہنا چاہیے کہ یہ ایمان کو تازہ کرتا ہے اور اس کی تاکید وہاں کے لوگوں کو بھی کریں جنہیں آپ تبلیغ کر رہے ہوں اور پھر خلفاء کے اعلانات اور ان کی کتب کا مطالعہ بھی ضروری ہے کیونکہ خدا تعالیٰ ان کے ذریعہ اپنی مرضی کو ظاہر کرتا ہے اور انسان کے لئے ان کا کلام بھی بمنزلہ دودھ کے ہوتا ہے''۔

(الفضل ۳۰ رجنوری ۱۹۲۲ء)

امریکہ جانے والے مبلغ
حضرت ماسٹر محمد دین صاحب بی اے کو ہدایات

''زندگی کا اعتبار نہیں اس امر کو خوب یاد رکھیں کہ ہم آدمیوں کے پرستار نہیں خدا کے بندے ہیں۔ جو شخص بھی اور جب بھی مسند خلافت پر بیٹھے اُس کی فرمانبرداری کو اپنا شعار بنائیں اور یہی روح اپنے زیر اثر لوگوں میں پیدا کریں۔ اسلام تفرقوں سے تباہ ہوا اور اب بھی سب سے بڑا دشمن یہی ہے۔ کاش! انسان اس دل کو نکال کر پھینک دیتا جو اسے نفسانیت کی وجہ سے سلسلہ کے مفاد کو قربان کرنے کی تحریک کرتا ہے گو بعض دفعہ نیکی کے رنگ میں بھی یہ تحریک ہوتی ہے کہ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ فَلَيْسَ مِنَّا۔'' [1]

(الفضل ۲۵ جنوری ۱۹۲۳ء)

---

[1] مسلم کتاب الامارة باب وجوب ملازمة المسلمين صفحہ ۸۳۱ حدیث نمبر ۴۷۹۰ مطبوعہ ریاض ۲۰۰۰ء میں ''من فارق الجماعة شبراً فمات، فميتة جاهلية'' کے الفاظ ہیں۔

روحانی خلافت سیاست سے بالاتر ہوگی

۱۹۲۴ء میں لندن میں ویمبلے نمائش منعقد ہوئی جس کے پروگرام میں ایک مذہبی کانفرنس کا انعقاد بھی شامل تھا۔ دنیا کے چوٹی کے علماء کو دعوت دی گئی کہ وہ اپنے مذاہب کی خوبیاں بیان کریں۔ حضرت مصلح موعود کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی۔ آپ نے ۲۴ر مئی تا ۶ر جون ۱۹۲۴ء دو ہفتے کے دَوران ایک ضخیم کتاب ''احمدیت یعنی حقیقی اسلام'' تصنیف فرمائی۔ اس کتاب میں تمدن کی دوسری قسم یعنی حکومت اور رعایا، امیر اور غریب کے متعلق احکام بیان فرماتے ہوئے خلافت کے بارے میں فرمایا:۔

''چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا تعالیٰ نے صرف روحانی خلافت دے کر بھیجا تھا اس لئے آئندہ جہاں تک ہو سکے آپ کی خلافت اُس وقت بھی جب کہ بادشاہتیں اس مذہب میں داخل ہوں گی سیاسیات سے بالا رہنا چاہتی ہے۔ وہ لیگ آف نیشنز کا اصلی کام سرانجام دے گی اور مختلف ممالک کے نمائندوں سے مل کر ملکی تعلقات کو درست رکھنے کی کوشش کرے گی اور خود مذہبی، اخلاقی، تمدنی اور علمی ترقی اور اصلاح کی طرف متوجہ رہے گی تاکہ پچھلے زمانہ کی طرح اس کی توجہ کو سیاست ہی اپنی طرف کھینچ نہ لے اور دین و اخلاق کے اہم امور بالکل نظر انداز نہ ہو جائیں۔

جب میں نے کہا جہاں تک ہو سکے تو میرا یہ مطلب ہے کہ اگر عارضی طور پر کسی مُلک کے لوگ کسی مشکل کے رفع کرنے کے لیے استمداد کریں تو ان کے مُلک کا انتظام نیابتاً خلافت روحانی کرا سکتی ہے مگر ایسے انتظام کو کم سے کم عرصہ تک محدود رکھا جانا ضروری ہوگا''۔

(انوار العلوم جلد ۸ صفحہ ۲۹۵)

خلیفہ کا مرکز میں رہنا ضروری ہے

۱۹۲۴ء میں انگلستان میں ویمبلے کے مقام پر منعقد ہونے والی مذہبی کانفرنس کے منتظمین نے حضرت مصلح موعود کو بھی شرکت کی دعوت دی۔ آپ نے بعد از مشورہ یہ دعوت قبول فرمائی۔ انگلستان جانے سے پہلے ''امام جماعت احمدیہ کا عزمِ یورپ'' کے عنوان سے حضور کی ایک تحریر جون ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی جس میں آپ نے اس بات کی وضاحت فرمائی کہ خلیفہ کا مرکز میں رہنا ضروری ہے۔ فرمایا:۔

''اس کے بعد میں احباب کو اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ بعض احباب نے اپنے مشورہ کی بناء اس امر پر رکھی ہے کہ مذہبی کانفرنس نے چونکہ بلایا ہے اس لئے وہاں ضرور جانا چاہئے اور یہ خیال کیا ہے کہ گویا اس سفر کے ساتھ ہی یورپ فتح ہو جائے گا اور ہزاروں لاکھوں آدمی اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ میرے نزدیک اس امر پر اور اس امید پر مشورہ دینا درست نہ تھا۔ میں نے پہلے بھی بارہا بیان کیا ہے کہ خلیفہ دورہ کرنے والا واعظ نہیں کہ وہ جس جگہ لیکچر دینے کی ضرورت ہو وہاں جائے۔ وہ ایک سپاہی نہیں کہ لڑنے کے لئے جائے بلکہ ایک کمانڈر ہے جس نے سپاہیوں کو لڑوانا ہے۔ کسی مذہبی کانفرنس کی درخواست پر اس کا باہر جانا یا محض لیکچر دینے کے لئے اس کا مرکز سے نکلنا درست نہیں۔ یہی طریق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا تھا اور یہی آپ سے پہلے اُمت محمدیہ کے خلفاء کا رہا ہے۔ پس میں طبعاً اس خیال کے مخالف ہوں کہ کسی مذہبی کانفرنس کے بلاوے پر مرکز کو چھوڑوں۔ ایک دوست نے خوب لکھا ہے کہ اگر اگلے سال اس سے بڑی مذہبی کانفرنس ہوگئی تو پھر کیا ہم اپنے خلیفہ سے درخواست کریں گے کہ وہ اب وہاں جائے۔ یہ بات بالکل درست ہے مذہبی کانفرنسیں تو ہر سال ہو سکتی ہیں اور لوگوں کی توجہ اگر مذہب کی طرف پھر

جائے تو بہت بڑے بڑے پیمانوں پر ہوسکتی ہیں مگر ان کی وجہ سے خلیفۂ وقت اپنے مرکز کو نہیں چھوڑ سکتا ورنہ اس کے لئے مرکز میں رہنا مشکل ہو جائے گا۔ ایک مشہور جرمن مدبر فلاسفر کا یہ قول مجھے نہایت پسند ہے اور بہت ہی سچا معلوم ہوتا ہے کہ ہر کام کے افسروں کو بالکل کام سے الگ اور فارغ رہنا چاہیے تاکہ وہ یہ دیکھتے رہیں کہ کام کرنے والے فارغ نہیں ہیں۔ اگر وہ خود کام میں لگ جائیں گے تو دوسرے کام کرنے والوں کی نگرانی نہیں کرسکیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مرکزی کارکنوں کو صرف نگرانی کا کام کرنا چاہیے جزئی کاموں میں حصہ نہیں لینا چاہئے۔ یہ بات اَور محکموں کے متعلق بھی درست ہوتی ہے مگر خلافت کے متعلق تو بہت ہی درست ہے۔ میں اپنے تجربہ کی بناء پر جانتا ہوں کہ خلافت ایک مردم کش عہدہ ہے۔ اس کا کام اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کا فضل اس کے ساتھ نہ ہو تو یقیناً ایک قلیل عرصہ میں اس عہدہ پر متمکن انسان ہلاک ہو جائے مگر چونکہ خدا تعالیٰ اس عہدہ کا نگران ہے وہ اپنے فضل سے کام چلا دیتا ہے۔

غرضیکہ وعظوں اور لیکچروں کے لئے باہر جانا خواہ وہ کسی عظیم الشان مذہبی کانفرنس کی دعوت ہی پر کیوں نہ ہو خلفاء کے کام کے خلاف بلکہ مشکلات پیدا کرنے کا موجب ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ آئندہ امریکہ جاپان وغیرہ ممالک میں مذہبی کانفرنسیں ہوں اور وہاں کے لوگ دعوت دیں۔ اگر وہاں بھی جاویں تو ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور اگر نہ جاویں تو قومی تعصب کی وجہ سے ان مُلکوں کے لوگ اس کو اپنی ہتک خیال کریں گے اور تبلیغ سلسلہ میں رُکاوٹ پیدا ہوگی۔ مغربی ممالک کے لوگ قومی عزت کا اس قدر احساس رکھتے ہیں کہ جن امور کو ہم لوگ بالکل معمولی خیال کرتے ہیں وہ اسے اپنی زندگی اور موت کا سوال سمجھ بیٹھتے ہیں۔ پس میں مذہبی کانفرنس کی دعوت کے جواب میں جانے کے مخالف ہوں اور اس امر میں جو لوگ نہ جانے کا مشورہ دیتے ہیں اُن سے متفق ہوں''۔

(انوار العلوم جلد ۸ صفحہ ۳۸۱، ۳۸۲)

مسلمان صرف روحانی خلیفہ کے ہاتھ پر جمع ہو سکتے ہیں

حضرت مصلح موعود نے سفر انگلستان ۱۹۲۴ء کے دوران ۱۵/ اگست کو جہاز سے احبابِ جماعت کے نام تیسرا خط تحریر فرمایا اس میں مصر، فلسطین اور شام کے جو حالات حضور کو ملاحظہ کرنے کا موقع ملا بیان کر کے ان کا حیرت انگیز تجزیہ کیا۔ جامعہ ازہر کی خلافت کمیٹی سے ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

’’آج اگر ایک ہاتھ پر مسلمان جمع ہو سکتے ہیں تو صرف روحانی خلیفہ کے ہاتھ پر کیونکہ اس کے ہاتھ پر جمع ہونے سے کوئی حکومت مانع نہیں ہوگی یا کم ازکم اس کو منع کرنے کا حق نہ ہوگا اور اگر منع کرے گی تو سب دنیا میں ظالم کہلائے گی۔ سیاسی معاملات کا حال بالکل الگ ہے۔کوئی حکومت اس بات کی اجازت نہیں دے سکتی اور ہر حکومت حق بجانب ہوگی اگر وہ اجازت نہ دے کہ اس کی رعایا کسی دوسرے شخص کی سیاسی امور میں فرمانبرداری کرنے کا عہد کرے درآنحالیکہ وہ شخص جس کے ہاتھ پر اس کی رعایا مجتمع ہو اس کے قبضہ سے باہر اور اس کے تصرف سے الگ ہو‘‘۔ (انوار العلوم جلد ۸ صفحہ ۴۴۳)

کیا خلیفہ سے اختلاف ہوسکتا ہے؟

حضرت مصلح موعود نے ۱۹۲۵ء کو قادیان کے جلسہ سالانہ کے موقع پر اپنی تقریر میں چند متفرق امور جو جماعت کی اصلاح اور ترقی کے لئے ضروری تھے بیان فرمائے۔ یہ تقریر منہاج الطالبین کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ اس میں حضور ''خلیفہ کے ساتھ اختلاف ہوسکتا ہے یا نہیں'' کے مضمون کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''ایک اور خیال مجھے بتایا گیا ہے اور وہ یہ کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ خلیفہ سے چونکہ اختلاف جائز ہے اس لئے ہمیں ان سے فلاں فلاں بات میں اختلاف ہے۔ میں نے ہی پہلے اس بات کو پیش کیا تھا اور میں اب بھی پیش کرتا ہوں کہ خلیفہ سے اختلاف جائز ہے مگر ہر بات کا ایک مفہوم ہوتا ہے۔ اس سے بڑھنا دانائی اور عقلمندی کی علامت نہیں ہے۔ دیکھو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ڈاکٹر کی ہر رائے درست ہوتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ ڈاکٹر بیسیوں دفعہ غلطی کرتے ہیں مگر باوجود اس کے کوئی یہ نہیں کہتا کہ چونکہ ڈاکٹر کی رائے بھی غلط ہوتی ہے اس لئے ہم اپنا نسخہ آپ تجویز کریں گے، کیوں؟ اس لئے کہ ڈاکٹر نے ڈاکٹری کا کام باقاعدہ طور پر سیکھا ہے اور اس کی رائے ہم سے اعلیٰ ہے۔ اسی طرح وکیل بیسیوں دفعہ غلطی کر جاتے ہیں مگر مقدمات میں انہی کی رائے کو وقعت دی جاتی ہے اور جو شخص کوئی کام زیادہ جانتا ہے اس میں اس کی رائے کا احترام کیا جاتا ہے۔ پس اختلاف کی بھی کوئی حد بندی ہونی چاہئے۔ ایک شخص جو خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے اُسے سمجھنا چاہئے کہ خلفاء خدا مقرر کرتا ہے اور خلیفہ کا کام دن رات لوگوں کی راہنمائی اور دینی مسائل میں غور و فکر ہوتا ہے۔ اس کی رائے کا دینی مسائل میں احترام ضروری ہے اور اس کی رائے سے اختلاف اُسی وقت جائز ہوسکتا ہے جب اختلاف کرنے والے کو ایک اور ایک دو کی طرح یقین ہو جائے کہ جو بات

وہ کہتا ہے وہی درست ہے۔ پھر یہ بھی شرط ہے کہ پہلے وہ اس اختلاف کوخلیفہ کے سامنے پیش کرے اور بتائے کہ فلاں بات کے متعلق مجھے یہ شبہ ہے اور خلیفہ سے وہ شبہ دور کرائے۔ جس طرح ڈاکٹر کوبھی مریض کہہ دیا کرتا ہے کہ مجھے یہ تکلیف ہے آپ بیماری کے متعلق مزید غور کریں۔ پس اختلاف کرنے والے کا فرض ہے کہ جس بات میں اُسے اختلاف ہو اُسے خلیفہ کے سامنے پیش کرے نہ کہ خود ہی اس کی اشاعت شروع کر دے۔ ورنہ اگر یہ بات جائز قرار دے دی جائے کہ جو بات کسی کے دل میں آئے وہی بیان کرنی شروع کر دے تو پھراسلام کا کچھ بھی باقی نہ رہے۔ کیونکہ ہر شخص میں صحیح فیصلہ کی طاقت نہیں ہوتی۔ ورنہ قرآن شریف میں یہ نہ آتا کہ جب امن یا خوف کی کوئی بات سنوتو **اُولِی الْاَمْرِ** کے پاس لے جاؤ۔کیا **اُولِی الْاَمْرِ** غلطی نہیں کرتے؟ کرتے ہیں مگران کی رائے کواحترام بخشا گیا ہے اور جب ان کی رائے کا احترام کیا گیا ہے تو خلفاء کی رائے کا احترام کیوں نہ ہو۔ ہر شخص اس قابل نہیں ہوتا کہ ہر بات کے متعلق صحیح نتیجہ پر پہنچ سکے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔ اگر کوئی شخص تقویٰ کے لئے سَو بیویاں بھی کرے تو اس کے لئے جائز ہیں۔ ایک شخص نے یہ بات سن کر دوسرے لوگوں میں آکر بیان کیا کہ اب چار بیویاں کرنے کی حد نہ رہی سَو تک انسان کرسکتا ہے اور یہ بات حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمادی ہے۔ آپ سے جب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا میری تو اِس سے یہ مراد تھی کہ اگر کسی کی بیویاں مرتی جائیں تو خواہ اُس کی عمر کوئی ہو تقویٰ کے لئے شادیاں کرسکتا ہے۔

پس ہر شخص ہر بات کوصحیح طور پرنہیں سمجھ سکتا اور جماعت کے اتحاد کے لئے ضروری ہے کہ اگر کسی کو کسی بات میں اختلاف ہو تو اُسے خلیفہ کے سامنے پیش کرے۔ اگر کوئی شخص اس طرح نہیں کرتا اور اختلاف کو اپنے دل میں جگہ دے کر عام لوگوں میں پھیلاتا ہے تو وہ بغاوت کرتا ہے اسے اپنی اصلاح کرنی چاہئے''۔

(انوار العلوم جلد ۹ صفحہ ۱۶۲، ۱۶۳)

خلیفہ کا ادب اور مقام

جلسہ سالانہ ۱۹۲۶ء کے دوسرے دن ۲۷ ؍دسمبر کی تقریر میں دیگر متفرق امور کے علاوہ احبابِ جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے خلیفہ کے ساتھ ادب اور تقویٰ سے معاملات کرنے کے بارہ میں حضرت مصلح موعود نے فرمایا:۔

''اسی طرح یہاں جب ہمارے عقیدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ خلیفہ قائم کرتا ہے وہ اگر اموال تلف کرتا ہے یا تلف کرنے دیتا ہے تو وہ خود خدا کے حضور جوابدہ ہے تم اس پر اعتراض نہیں کر سکتے لیکن اگر بہترین نتائج پیدا کرنے کے لئے خرچ کرتا ہے تو پھر معترض شخص خطرہ میں ہے۔

تقویٰ اور ادب سیکھو

آپ لوگوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ تم نے اقرار کیا ہے کہ تم ہر چیز کو میرے حکم پر قربان کر دو گے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ اس اقرار کا پورے طور پر خیال نہیں رکھا جاتا۔ اقرار تو یہ تھا کہ جو کچھ میں کہوں وہ تم کرو گے لیکن عمل یہ ہے کہ چند پیسوں پر ابتلاء آ جاتا ہے۔ یہ تمام وسوسے تقویٰ کی کمی سے پیدا ہوتے ہیں اس لئے میں تقویٰ کے حصول کے لئے اور اس میں ترقی کے لئے دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں۔ خواہ آپ میں سے بعض مجھ سے عمر میں بڑے ہوں لیکن ایک بات آپ میں سے کسی میں نہیں۔ وہ یہ کہ میں خدا کا قائم کردہ خلیفہ ہوں۔ میری تمام زندگی میں لوگ میری بیعت کریں گے۔ میں کسی کی خدا کے قانون کے مطابق بیعت نہیں کر سکتا اور یہ عہدہ میری موجودگی میں تم میں سے کسی کو نہیں مل سکتا۔ نبوت کے بعد سب سے بڑا عہدہ یہ ہے۔ ایک شخص نے مجھے کہا کہ ہم کوشش کرتے ہیں تا گورنمنٹ آپ کو کوئی خطاب دے۔ میں نے کہا یہ خطاب تو ایک معمولی بات ہے۔ میں شہنشاہِ عالَم کے عہدہ

کو بھی خلافت کے مقابلہ میں ادنیٰ سمجھتا ہوں۔ پس میں آپ لوگوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے معاملات میں ایسا رنگ اختیار کریں جس میں تقویٰ اور ادب ہو۔ اور میں کبھی یہ بھی نہیں پسند کر سکتا کہ وہ ہمارے دوست جن کو اعتراض پیدا ہوتے ہیں ضائع ہوں کیونکہ خلافت کے عہدہ کے لحاظ سے بڑی عمر کے لوگ بھی میرے لئے بچہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور کوئی باپ نہیں چاہتا کہ اس کا ایک بیٹا بھی ضائع ہو۔ میں تو ہمیشہ یہی خواہش رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر ابتلاء سے ہمیشہ دوستوں کو محفوظ رکھے''۔

(انوار العلوم جلد ۹ صفحہ ۴۲۵، ۴۲۶)

خلافت اور مرکز سے مضبوط تعلق رکھیں

۲۰ رمئی ۱۹۲۸ءکو امریکہ اور ماریشس کے مبلغین کے اعزاز میں ایک دعوت کا اہتمام کیا گیا۔اس موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے خلافت اور مرکز سے تعلق پیدا کرنے کے بارہ میں فرمایا:۔

''روحانی امور میں ایک نظام پر سارا کام چلتا ہے جسمانیات میں نیچے سے اوپر کی طرف ترقی ہوتی ہے لیکن روحانیات میں اوپر سے نیچے کی طرف فیض پہنچتا ہے۔اس لئے روحانیت میں نظام بہت بڑا تعلق رکھتا ہے۔ پس کوشش کرنی چاہیے کہ لوگوں کا مرکز اور خلافت سے تعلق مضبوط ہو۔ان کو یاد دلاتے رہنا چاہیے کہ مرکز میں خط لکھیں سلسلہ کی طرف سے جو تحریکیں ہوں، وہ سنائی جائیں، خطبات پڑھائے جائیں، مذہبی طور پر خلافت کے نظام کی اہمیت بتائی جائے اور بتایا جائے کہ خلافت مذہبی نظام کا جز ہے''۔

(الفضل ۲۹ مئی ۱۹۲۸ء)

خلیفہ سے تعلق ارادت

۱۱؍ستمبر ۱۹۲۸ء تعلیم الاسلام ہائی سکول اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کی طرف سے حضرت نواب محمد علی خان صاحب کے باغ میں ملک غلام فرید صاحب ایم اے کے اعزاز میں ایک پارٹی دی گئی اور ایڈریس پیش کیا گیا اس موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے جو تقریر فرمائی اس میں خلیفہ کے ساتھ تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

''سو کبھی اخلاق کی درستی، کارکنوں میں توازن قائم رکھنے اور دیگر کئی ایک وجوہ کے باعث کام لینے والے کو جذبات کو دبانا پڑتا ہے لیکن یہ دبانے سے اور بھی تیز ہوتے ہیں۔ ہر وہ شخص جو دین کا کوئی بھی کام کرتا ہے گو وہ اپنا فرض ہی ادا کرتا ہے لیکن خلیفہ پر احسان بھی کرتا ہے کہ اس کی ذمہ داری خلیفہ پر ہے اور میں اس احسان کو اچھی طرح محسوس کرتا ہوں۔

ایک اور بات بھی ہے خلیفہ کے تعلقات جماعت سے باپ بیٹے کے ہوتے ہیں۔ اس لئے جہاں اسے مختلف موقعوں پر جذبات کو دبانا پڑتا ہے وہاں دوسروں کا فرض ہے کہ انہیں ظاہر کریں۔ خلیفہ نے چونکہ بہتوں سے کام لینا ہوتا ہے اس لئے اسے جذبات تو دبانے پڑتے ہیں لیکن دوسروں کو ضرور ظاہر کرنے چاہئیں کیونکہ جذبات کے اظہار سے ظاہر کرنے والوں کی حقیقت اور میلانِ طبعی کا پتہ چلتا ہے اور اگر ہر کوئی اپنے جذبات کو دبائے ہی رکھے تو پھر کام لینا مشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن ظاہر کرنے کے بعد کام لینے والے کے دل میں جو بھی خدا تعالیٰ ڈالے وہ اس کے مطابق کام لے سکتا ہے۔ پس دوسروں کو اپنے جذبات دبانے نہیں چاہئیں کیونکہ جذبات کا دبانا بعض اوقات ٹھوکر کا موجب بھی ہو جاتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک مخلص خادم تھے۔ وہ حضور کی مجالس میں نہیں آتے تھے اور ظاہر یہ کرتے تھے کہ حضور کے رُعب کے باعث جانے کی جرأت نہیں

ہوتی۔ آپ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا یہ بھی شیطانی وسوسہ ہے۔ حضرت ابوبکر اور دیگر اکابر صحابہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجالس میں آتے تھے۔ ہماری مجلس میں کسی کا نہ آنا سخت غلطی ہے اس کے بھی یہی معنی ہیں کہ جذبات کو دبانا نہیں چاہیے۔

پیر مرید کا تعلق دراصل جذبات کا ہی تعلق ہوتا ہے۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ [1]۔ یہ بھی دراصل جذبات کا ہی اظہار ہے۔ یہاں اتباع فرمایا۔ جس کے معنی ہیں پیچھے چلنا۔ یہاں حکم ماننا یا اطاعت کرنا نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا کہ جیسے بچہ اپنی ماں کے ساتھ ساتھ چلتا ہے اسی طرح تم رسول کے پیچھے پیچھے اگر چلو گے تو خدا تعالیٰ تم سے اس کے نتیجہ میں محبت کرے گا اور پیچھے چلنا محض جذبات کا تعلق ہے اور خلیفہ بھی رسول کا ظل ہوتا ہے اس لئے وہ بھی جذبات سے ہی تعلق رکھنے والی چیز ہے۔

ایڈریس کے متعلق جو اس وقت پیش کیا گیا ہے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ اس لحاظ سے قابل قدر ہے کہ اس میں عام ایڈریسوں سے جو ایسے موقعوں پر پیش کئے جاتے ہیں ایک قدم آگے اُٹھایا گیا ہے۔ یعنی اس میں محبت آمیز جرح بھی تھی۔ میرے نزدیک اپنے خیالات کو اس حد تک بیان کرنا کہ محبت اور ادب و احترام کا پہلو مدنظر رہے ایک خوشنما پہلو ہے۔ صرف یہ کہہ دینا کہ آپ آئے اور بہت خوشی ہوئی اس میں کوئی زیادہ لذت نہیں ہوتی بلکہ اس میں تکلّف پایا جاتا ہے پس ایڈریس کے طریق بیان پر بھی میں اظہارِ خوشنودی کرتا ہوں''۔　　(الفضل ۵۔اکتوبر ۱۹۲۸ء)

---

[1] آل عمران: ۳۲

امارت کا خلافت کے ماتحت نظام اور خلافت سے وابستگی

۱۹۳۰ء میں جماعت احمدیہ صوبہ بنگال کے عہدیداروں میں اختلاف کی وجہ سے جماعتی کام میں نقص پیدا ہونے لگا۔ اس پر حضور نے صوبہ کے آئندہ نظام کے بارہ میں احباب جماعت بنگال سے مشورہ طلب کیا۔ حصولِ مشورہ کے بعد آپ نے ایک مضمون تحریر فرمایا کہ امارت کا نظامِ خلافت کے ماتحت بہترین نظام ہے جسے اگر صحیح چلایا جائے تو تمام ضرورتیں پوری ہو جاتی ہیں۔ ابتداءً یہ مضمون حضور نے ۱۳؍ دسمبر ۱۹۳۰ء کو تحریر فرمایا جو ''امیر جماعت اور منصب امارت کی حقیقت'' کے نام سے شائع ہوا اس میں خلافت سے وابستگی کی ضرورت بیان کرتے ہوئے حضور فرماتے ہیں:۔

''دوسری طرف آپ کی تحریرات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس جماعت کی ترقی خلافت سے وابستگی کے ساتھ مشروط رکھتے ہیں۔ خلیفہ کو واجب الاطاعت قرار دیتے ہیں اور اس کے وجود کو خدا تعالیٰ کے فضل کا نشان اور ذریعہ فرماتے ہیں جس کے فقدان کے ساتھ سلسلہ کی برکات بھی ختم ہو جائیں گی اور اس سے بغاوت کو شقاوت اور طغیانی قرار دیتے ہیں۔

خلافت کے لئے مشورہ کی ضرورت

تیسری طرف اسلام سے یہ امر باوضاحت ثابت ہے کہ کوئی خلافت بغیر مشورہ کے نہیں چل سکتی اور یہ کہ جہاں تک ہو خلیفہ کو کثرتِ رائے کا احترام کرنا چاہیے اور اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ سوائے اس صورت کے کہ وہ خدا اور اس کے رسول کی خلاف ورزی کثرتِ رائے میں پائے یا اسلام کو کوئی واضح نقصان پہنچتا دیکھے یا مشورہ کو جماعت کی کثرتِ رائے کا آئینہ نہ سمجھے وغیرہ وغیرہ۔

مجلس عاملہ کی حیثیت

ان تینوں امور کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک خلیفہ کو سب کام اپنے ہاتھ سے نہیں کرنے چاہئیں بلکہ ایک مجلس عاملہ کے ذریعہ سے کرنے چاہئیں تا کہ اس کی رائے میں کوئی خاص تعصب نہ پیدا ہو جائے۔ وہ مجلس عاملہ اپنے دائرہ عمل میں سب دنیا کی جماعتوں کیلئے واجب الاطاعت ہونی چاہیے۔ خلیفہ کو جماعت سے مشورہ لے کر اپنی پالیسی کو طے کرنا چاہیے اور اس مشورہ کا انتہائی حد تک لحاظ کرنا چاہیے اور اس سے یہ امر خود بخود نکل آیا کہ جب جماعت کے مشورہ سے کوئی امور طے ہوں تو مجلس عاملہ اس کی پابند ہو۔

بہترین نظام

جب قادیان کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مجلس عاملہ کا مرکز قرار دیا تو بدرجہ اَولیٰ خلیفہ اور مجلس شوریٰ کیلئے اس مرکز کی پابندی ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے بہتر نظام کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔ اس نظام میں بغیر کسی حصۂ ملک کو تکلیف میں ڈالنے کے ترقی کی بے انتہاء گنجائش ہے اور باوجود مختلف صوبہ جات کی مخصوص ضرورتوں کو پورا کرنے کے قومیت کے تنگ بندھنوں سے نکالنے کی بھی پوری صورت موجود ہے۔

خلیفہ کے لئے کوئی شرط نہیں کہ وہ کس مُلک کا باشندہ ہو۔ انجمن عاملہ کے لئے کوئی شرط نہیں کہ وہ کس مُلک کے باشندوں سے چنی جائے۔ مجلس شوریٰ اپنی بناوٹ کے لحاظ سے لازماً سب دنیا کی طرف سے چنی جانی چاہیے اور چونکہ بیشتر حصہ اصولی تجاویز کا ایسی مجلس کے ہاتھوں سے گزرنا ہے اس وجہ سے ہر مُلک اور قوم کے افراد کو سلسلہ کے کام میں اپنی رائے دینے کا موقع ہوگا اور یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ مسیحی پاپائیت کی طرح کسی خاص قوم کے ہاتھ میں سلسلہ کا کام چلا جائے گا۔ کیونکہ رومن کیتھولک نظام میں مجلس شوریٰ پوپ کے مقرر کردہ نمائندوں پر مشتمل ہوتی ہے لیکن اسلامی مجلس شوریٰ میں سب مسلمانوں کو نمائندگی کا کافی موقع ملتا ہے۔ پس اس نظام کے ذریعہ سے ہر مُلک کو یکساں نمائندگی سلسلہ کے کام میں حاصل ہونے کے لئے راستہ کھلا ہے اور اس کے ماتحت سب دنیا کو ایک نقطہ پر جمع کیا جانا ممکن ہے اور یہی مقصد اسلام کا ہے جو قومیت کے تنگ دائرہ سے دنیا کو نکالنا چاہتا ہے''۔

(انوار العلوم جلد ۱۱ صفحہ ۲۳۷ تا ۲۳۹)

خلفاء کی اقسام

حضور نے ۲۷ر دسمبر ۱۹۳۰ء کے جلسہ سالانہ کے موقع پر خواتین سے خطاب میں خلفاء کی اقسام بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

''دنیا میں خلیفہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جنہیں انسان بناتا ہے دوسرے جنہیں خدا الہام کے ذریعہ بناتا ہے۔ الہام کی بناء پر ہونے والے خلیفہ کو نبی کہتے ہیں جو ملہم خلیفے ہوتے ہیں ان کے آنے پر دنیا میں فساد برپا ہو جاتا ہے اس لئے نہیں کہ وہ خود فسادی ہوتے ہیں بلکہ وجہ یہ ہوتی ہے کہ طبائع ناموافق ہوتی ہیں۔ اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پیدائش کے واقعہ کے متعلق فرمایا کہ اُس وقت فرشتوں نے بھی یہی کہا کہ آپ دنیا میں ایسے شخص کو پیدا کرنا چاہتے ہیں جو زمین میں فساد کرے۔ یعنی فرشتوں نے سوال کیا کہ آپ کی غرض تو اصلاح معلوم ہوتی ہے مگر درحقیقت یہ فساد کا موجب ہے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ میں خلیفہ اس لئے بناتا ہوں کہ تا اچھے اور خراب علیحدہ کئے جائیں''۔　　(انوار العلوم جلد ۱۱ صفحہ ۵۱۷)

انتخابِ خلافت کی مشکل گھڑی

۱۹۳۰ء میں جب حضور کی وفات کی خبر مشہور ہوئی تو حضور نے جلسہ سالانہ کے موقع پر ۲۷ر دسمبر ۱۹۳۰ء کو تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

''بہت سے خطوط مجھے ایسے آئے جن میں جماعت کے معزز افراد نے لکھا ہے کہ اس خبر کے سنتے ہی اُنہوں نے ارادہ کر لیا کہ ''ملازمتیں چھوڑ کر بقیہ عمر دین کی خدمت میں صرف کریں گے اور اسلام کی اشاعت میں لگ جائیں گے''۔

''جہاں خدا تعالیٰ نے جماعت کو اخلاص کے اظہار کا موقع دیا وہاں یہ بھی بتا دیا کہ انسان آخر انسان ہی ہے خواہ وہ کوئی ہو جب ایسا وقت آئے تو انتخاب خلافت کس طرح کرنا ہے''۔

انتخاب خلافت کے متعلق جماعت کو ہدایت

''اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ جہاں خدا تعالیٰ نے اس طرح جماعت کو اخلاص کے اظہار کا موقع دیا، مخلصین کے اخلاص کو انتہا تک پہنچا دیا اور کثیر حصہ کو دشمنوں کی شرارت سے محفوظ رکھا وہاں یہ بھی بتا دیا کہ انسان آخر انسان ہی ہے خواہ وہ کوئی ہو آخر ایک نہ ایک دن اسے اپنے مخلصین سے جدا ہونا ہے اس بات کا احساس خدا تعالیٰ نے جماعت کو کرا دیا۔ جماعت کے لحاظ سے اس سے ایک بہت بڑا سبق ملتا ہے اور وہ یہ کہ انسان مرتے ہیں، رسول اور خلفاء فوت ہوتے ہیں، تمام انبیاء کے سردار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی فوت ہو گئے، آپ کے خلفاء بھی فوت ہو گئے، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی انتقال ہو گیا۔ ایک وقت تک لوگوں کو ایک ہی کی امید تھی اور وہ سمجھتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کی بھی موت ثابت کر دی۔ غرض موت ہر ایک کے لئے مقدر ہے۔ مگر یاد رکھو دشمن اب بھی

زندہ ہے وہ مرا نہیں صرف ڈرا ہے۔ اس صورت میں تمہیں یاد رکھنا چاہئے کہ خلیفہ سے جماعت کو جو تعلق ہے وہ جماعت ہی کی بہتری اور بھلائی کا موجب ہے اور جو بھی خلیفہ ہو اس سے تعلق ضروری ہے۔ پس اسلام اور احمدیت کی امانت کی حفاظت سب سے مقدم ہے اور جماعت کو تیار رہنا چاہیے کہ جب کبھی بھی خلفاء کی وفات ہو اُس وقت جو اسلام کی بہترین خدمت وہ کرسکتی ہے وہ یہی ہے کہ صحیح ترین انسان کو اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرنے اور اُس سے الہام پانے کے بعد جماعت کی راہنمائی کے لئے منتخب کیا جائے اور ساری جماعت اِس پر متفق ہو جائے۔ انتخابِ خلافت سے بڑی آزمائش مسلمانوں کے لئے اور کوئی نہیں ہوسکتی۔ یہ ایسی ہی ہے جیسے باریک دھار پر چلنا جس سے ذرا قدم لڑکھڑانے سے انسان دوزخ میں جا گرتا ہے۔ اور ذرا سی احتیاط سے جنت میں پہنچ جاتا ہے۔ پھر یہ ذمہ داری اس لئے بھی نہایت نازک ہے کہ اس کے متعلق خدا تعالیٰ کا الہام قلوب میں نازل ہوتا ہے۔ الفاظ میں نازل نہیں ہوتا۔ الفاظ میں جو الہام ہو اُسے آسانی کے ساتھ سمجھا جا سکتا ہے لیکن قلوب میں نازل ہونے والے الہام کے متعلق ہوسکتا ہے کہ جو کچھ خیال کیا جائے وہ اصل الہام نہ ہو۔

خلافت خدا تعالیٰ کا ایک بہت بڑا انعام ہے۔ جب تک لوگ اس کے پانے کے قابل رہتے ہیں یہ انہیں حاصل رہتا ہے لیکن جب وہ اپنے آپ کو اس کے قابل نہیں رکھتے تو چھین لیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ [1] کہ یہ مومنوں اور عمل صالح کرنے والوں کے لئے انعام ہے۔ اگر لوگ مومن ہونگے اور عمل صالح کریں گے تو یہ انعام ملے گا ورنہ چھن جائے گا۔ پس ہوسکتا ہے کہ ایک شخص جسے خلافت کے لئے منتخب کیا جائے اُس کا انتخاب صحیح الہام کے ماتحت نہ ہو بلکہ اپنی نفسی حالت کے ماتحت ہوا ور وہ جماعت کو غلط راستہ پر لے جائے۔

پس یاد رکھو کہ انتخابِ خلافت سے بڑھ کر مشکل اور کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ باقی جس قدر ذمہ داریاں ہیں ان کے متعلق ضروری ہدایات الفاظ میں موجود ہیں لیکن اس کے لئے

الفاظ میں کوئی ہدایت نہیں ہے۔اس کی مثال وائرلیس کے آلہ کی سی ہے اگراس کی تاریں ٹھیک ہوں تو صحیح پیغام سنا جا سکتا ہے ورنہ نہیں۔

پس جماعت کواس کے متعلق اپنی ذمہ داری پہچاننی چاہیےاور نَسْلاً بَعْدَ نَسْلٍ یہ روایت چھوڑ جانی چاہیے کہ ایک موقع جماعت پرایسا آتا ہے جب کہ اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے بہترین انسان پر متفق ہوجانا چاہیے''۔(غیرمطبوعہ مواد)

غیر مبائعین کی کذب بیانی

اس کے بعد حضور نے غیر مبائعین کے فتنہ کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ یہ لوگ جھوٹ اور غلط بیانی میں کس طرح حد سے گزر چکے ہیں اوراس بات پر اظہارِ تعجب وافسوس فرمایا کہ ایسے ایسے جھوٹ دیکھ کر ان لوگوں کے دل میں کیوں درد نہیں پیدا ہوتا جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ تعلیم دی کہ کسی حالت میں خفیف سے خفیف جھوٹ بھی نہیں بولنا چاہیے۔حضور نے ان لوگوں کے حد سے بڑھے ہوئے جھوٹ کی مثال میں ۳۰ رستمبر کے ''پیغام'' کا ایک مضمون پڑھ کر سنایا جس میں لکھا ہے کہ خلیفہ قادیان کواپنے بعد کی خلافت کی فکرابھی سے دامن گیر ہےاوراس منصب جلیلہ کے لئے اپنے لختِ جگرمیاں ناصراحمد کے نام قرعہ فال نکالا ہے۔اس انتخاب کے بعد ولی عہد خلافت پرنس آف ویلز کی طرح دورہ پر نکلے۔تمام قادیانی جماعتوں کواپنے دیدار فیض آثار سے آنکھوں کا نوراور دل کا سرورعطا فرمایا۔ ہدیے، نذرانے اور تحائف وصول کر کے کامیابی سے قادیان واپس تشریف فرما ہوئے۔اس کامیاب دورہ کا اندازہ لگانے کے بعد کہ مریدوں نے میاں ناصر کوسرآنکھوں پرقبول کیا۔اخباروں، پوسٹروں،اشتہاروں اورخطوط وغیرہ کی پیشانیوں کو هُوَالنَّاصِرُ کے فقرہ سے مزین کیا جانے لگا اور یوں ایک رنگ میں اعلان کیا گیا کہ ہونے والا خلیفہ ناصر میاں ہے۔تمام حاضرین نے لَعْنَتَ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ کہتے ہوئے شہادت دی کہ میاں ناصراحمد صاحب نے کوئی دورہ نہیں کیا۔حضور نے وضاحت کے ساتھ پیغام کے اس مضمون کی تردید کی اور بتایا کہ میاں ناصراحمد کوخلافت کے لئے دورہ کرانے کا الزام لگانے والے دیکھیں میں تو وہ ہوں جس نے ۱۹۲۴ء کی مجلس مشاورت میں یہ بات پیش کی تھی کہ کوئی خلیفہ

اپنے کسی رشتہ دار کو اپنا جانشین نہیں مقرر کر سکتا چنانچہ میں نے پیش کیا تھا کہ :۔

''کوئی خلیفہ اپنے بعد اپنے کسی قریبی رشتہ دار کو یعنی اپنے باپ یا بیٹے یا بھائی یا بہنوئی یا داماد کو یا اپنے باپ یا بیٹوں یا بیٹیوں یا بھائیوں کے اوپر یا نیچے کی طرف کے رشتہ داروں کو اپنا جانشین مقرر نہیں کر سکتا۔ نہ کسی خلیفہ کی زندگی میں مجلس شوریٰ اس کے کسی مذکورہ بالا رشتہ دار کو اس کا جانشین مقرر کر سکتی ہے۔ نہ کسی خلیفہ کے لئے جائز ہوگا کہ وہ وضاحتاً یا اشارتاً اپنے کسی ایسے مذکورہ بالا رشتہ دار کی نسبت تحریک کرے کہ اس کو جانشین مقرر کیا جائے۔ اگر کوئی خلیفہ مذکورہ بالا اصول کے خلاف جانشین مقرر کرے تو وہ جائز نہ سمجھا جائے گا اور مجلس شوریٰ کا فرض ہوگا کہ خلیفہ کی وفات پر آزادانہ طور سے خلیفہ حسب قواعد تجویز کرے اور پہلا انتخاب یا نامزدگی چونکہ ناجائز تھی وہ مسترد سمجھی جائے گی''۔

اب دیکھو غیر مبائعین کی طرف سے یہ الزام اس شخص پر لگایا جاتا ہے جس نے خلافت کے متعلق پیش بندیاں پہلے سے ہی کر دی ہیں تا کہ کوئی ایسی کارروائی نہ کر سکے اور اگر کرے تو اسے مسترد کر دیا جائے''۔ (انوار العلوم جلد ۱۱ صفحہ ۵۳۶، ۵۳۷)

---

[۱] النور: ۵۶

خلیفہ کا احترام اور مقام

۱۹۳۲ء کے جلسہ سالانہ کے دوسرے دن ۲۷ ر دسمبر کو حضور نے حسب معمول متفرق امور کے بارہ میں تقریر فرمائی۔ ابتداءً حضور نے فرمایا کہ عورتوں کی جلسہ گاہ نا کافی ہونے کی وجہ سے بہت دِقت پیش آئی ہے اس لئے منتظمین کو توجہ کرنی چاہیے۔ اسی طرح کی توجہ طلب مزید کچھ باتوں کی طرف توجہ دلائی اور مقامِ خلافت بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

''ایک اور بات ہے اور وہ یہ کہ ایک طبقہ ایسا ہے جو سفارش میں خلافت کو بھی کھینچ کر لانا چاہتا ہے۔ یہ بہت گری ہوئی اور نہایت قابلِ نفرت بات ہے۔ خلافت نبوت کی نیابت ہے اور نبوت خدا کی نیابت ہے پس خلیفہ کو ایسی جگہ کھڑا کرنا جہاں اس کی گردن نیچی ہو، بہت بڑی ہتک ہے۔ ہم دُنیوی لحاظ سے بادشاہ کی اطاعت کرتے ہیں مگر یہ بھی سمجھتے ہیں کہ خلیفہ کا درجہ تمام دنیا کے بادشاہوں سے بڑا ہے۔ اگر کوئی یہ نہیں یقین رکھتا تو وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مسیحیت سے واقف نہیں۔ خلیفہ کے پاس اس لئے آنا کہ ڈپٹی کمشنر یا کسی مجسٹریٹ کو سفارش کرائی جائے اس کا مطلب یہ ہے کہ خلیفہ کی ان حکّام کے سامنے نظر نیچی کرائی جائے اور اگر اس حد تک خلیفہ کی سفارش لے جائیں تو پھر خدا تعالیٰ پر توکّل کہاں رہا۔ جو شخص کسی مجسٹریٹ کے لئے سفارش چاہتا ہے اسے تو میں مجرم سمجھتا ہوں۔ میں نے جب یہ رکھا ہے کہ اپنی جماعت کے کسی قاضی کے متعلق اگر مجھے یہ معلوم ہوا کہ اس نے کسی معاملہ میں کسی کی سفارش قبول کی ہے تو میں اسے نکال دوں گا تو یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ کسی مجسٹریٹ سے خود سفارش کروں۔ بعض دفعہ کر دیتا ہوں مگر وہ اور رنگ کی سفارش ہوتی ہے۔ مثلاً یہ کہ مقدمہ کا جلدی تصفیہ کر دیا جائے اس قسم کی سفارش میں نقص نہیں مگر یہ کہ فلاں کے حق میں فیصلہ کیا جائے یہ نہیں ہوسکتا۔ ایک شخص نے تو یہاں تک کہہ دیا

کہ میرا کیس اتنا اہم ہے کہ خلیفہ کو خود گورنر کے پاس جا کر کہنا چاہیے کہ فیصلہ میرے حق میں ہو۔ایک شخص نے کہا ہمارے علاقہ میں تبلیغ کا بڑا موقع نکلا ہے اور وہ یہ کہ مجھے نمبردار بنوا دیا جائے۔ میں متنبہ کرتا ہوں کہ اس قسم کی سفارشات چاہنا خلافت کی ہتک ہے اور اسے جاری نہیں رہنا چاہیے۔ اِس قسم کے کاموں کے لئے مجھے مت کہا کرو بلکہ آپس میں بھی ایک دوسرے کو نہ کہا کرو اور خدا تعالیٰ پر توکّل کرو۔ جب ہمارے آپس کے ایسے تعلقات نہ تھے اُس وقت کون حفاظت کرتا تھا۔ خدا پر ہی توکّل کرو تا کہ کسی مشکل اور مصیبت کے وقت خود خدا تمہاری سفارش کرنے والا ہو''۔ (انوارالعلوم جلد۱۲ صفحہ۴۰۶)

خلیفہ کی ذات پر حملہ لعنت الٰہی کا مستحق بناتا ہے

مورخہ ۲۶ / جون ۱۹۳۷ء کو بمقام بیت اقصیٰ قادیان سیدنا المصلح الموعود نے خطاب فرمایا جس میں میاں فخرالدین صاحب ملتانی کی فتنہ پردازیوں اور جماعت کے خلاف بغض وکینہ کی تفصیلات سے احباب جماعت کو آگاہ فرمایا اور اسے اخراج اور مقاطعہ کی سزا سنائی۔حضور نے خلافت کی حفاظت اور اس کی عزت اور وقار کی اہمیت بیان کرتے ہوئے جماعت کونصیحت فرمائی کہ:۔

''قرآن کریم کا یہ حکم ہے کہ جب رسول یا اس کا خلیفہ فیصلہ کرے تو اسے ٹھیک مان لیا جائے۔ ہوسکتا ہے کہ خلیفہ غلط فیصلہ کر دے مگر پھر بھی اسے رغبتِ دل کے ساتھ تسلیم کرنا ضروری ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو سزا دینا چاہے اور اس لئے وہ سچا ہونے کے باوجود مقدمہ میں جھوٹا ثابت ہو جائے۔ممکن ہے کوئی کہے کہ یہ آیت صرف آنحضرت ﷺ کیلئے ہے کیونکہ وہ نبی تھے۔مگر اس معاملہ میں نبی اور خلیفہ میں کوئی فرق نہیں کیونکہ نبی اور خلیفہ میں اس جگہ فرق ہوتا ہے جہاں نبوت کا مخصوص سوال ہو۔اور مقدمات میں نبوت کے مقام کو کوئی دخل نہیں کیونکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں مقدمات کے فیصلہ کرنے میں غلطی کرسکتا ہوں۔اگر نبی کے فیصلے منصبِ نبوت کے ماتحت ہوتے تو وہ ان میں کبھی غلطی نہ کرسکتا۔

حدیثوں میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ایک مقدمہ کا فیصلہ ایک شخص کے حق میں کر دیا تو دوسرے نے کہا کہ میں اس فیصلے کو تو مانتا ہوں مگر یہ ہے غلط۔ اس پر آپؐ نے فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ کوئی لسّان شخص مجھے دھوکا دیکر مجھ سے اپنے حق میں فیصلہ کروالے مگر میرا فیصلہ اسے خدا تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچا سکے گا[1] گویا آپ تسلیم کرتے

ہیں کہ قضاء کے بارہ میں مَیں بھی غلطی کرسکتا ہوں مگر باوجود اس کے قرآن کریم کہتا ہے کہ اگر یہ لوگ شرح صدر سے تیرے فیصلے کونہیں مانیں گے تو یہ ایمان والے نہیں ہیں۔ پس اس معاملہ میں نبی اور خلیفہ کی پوزیشن ایک ہی ہے۔ نظام کے قیام کیلئے یہ بات ضروری ہے کہ ایک انسان کو ایسا حَکم مان لیا جائے کہ جس کے فیصلہ کے آگے کوئی چون و چرا نہ کرے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ کیا خلیفہ بے گناہ ہوتا ہے؟ کیا وہ غلط فیصلہ نہیں کرسکتا؟ مگر میں کہتا ہوں کہ اے بیوقوفو! کیا مجسٹریٹ بے گناہ ہوتے ہیں؟ کیا وہ غلطی نہیں کرسکتے؟ پھر یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ وہ رشوت بھی لیتے ہیں، جھوٹے بھی ہوتے ہیں، متعصّب بھی ہوتے ہیں، پکڑے جاتے اور سزا بھی پاتے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ حکومتوں نے ان کے فیصلہ پر سخت جرح کرنے کو ہتکِ عدالت قرار دیا ہے اور ایسا کرنے والے کو سزا دی جاتی ہے۔ تم اگر کسی مجسٹریٹ کے فیصلہ کے خلاف اِس قسم کی بات کہو کہ اُس نے رعایت سے کام لیا ہے تو فوراً جیل خانہ میں بھیج دیئے جاؤ۔ مگر کیا خدائی گورنمنٹ کی تمہارے نزدیک کوئی وقعت ہی نہیں کہ جو کچھ منہ میں آئے کہہ دیتے ہو۔ کیا تم میں سے کوئی عَلَی الْاِعْلَان کہہ سکتا ہے کہ مجسٹریٹ نے دیانت داری کے خلاف فیصلہ کیا ہے۔ مگر یہ کہنے میں تمہیں کوئی باک نہیں کہ خلیفہ نے دیانت داری کے خلاف فیصلہ کیا ہے اور اس کا نام حُریّت و آزادی رکھتے ہو۔ لیکن سرکاری مجسٹریٹ کے فیصلہ کے متعلق یہ بات کہتے وقت حُریّت و آزادی کہاں جاتی ہے۔ اس کے متعلق صرف اس وجہ سے نہیں کہتے کہ گورنمنٹ کی جوتی سر پر ہوتی ہے۔ تم میں بعض لوگ بیٹھے ہیں جو کہتے ہیں کہ کیا چھوٹی سی بات پر جماعت سے نکال دیا مگر سوچو! کیا یہ بات چھوٹی ہے؟ قرآن کریم نے کہا ہے کہ جو کہتا ہے کہ نبی یا اس کے جانشینوں کا فیصلہ غلط ہے وہ مومن ہی نہیں۔ صحابہؓ نے تو اس بات کو اِس قدر اہم قرار دیا ہے کہ ایک دفعہ دو شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ ہمارا فیصلہ کر دیں۔ ان میں سے ایک منافق تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی بات سن ہی رہے تھے کہ اُس نے خیال کیا، شاید فیصلہ میرے خلاف ہی نہ کر دیں اس لئے اُس نے کہا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! آپ کو تکلیف دینے کی کیا ضرورت ہے، ہم اپنا یہ مقدمہ حضرت عمرؓ کے پاس لے جاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا لے

جاؤ۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے پاس گئے اور دورانِ گفتگو میں حضرت عمرؓ کو اِس بات کا علم ہوا کہ پہلے یہ آنحضرت ﷺ کے پاس گئے تھے مگر وہاں منافق یہ کہہ کر آیا ہے کہ حضرت عمرؓ سے ہم فیصلہ کرالیں گے۔اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ ذرا ٹھہرو، میں ابھی آتا ہوں گھر گئے اور تلوار لاکر اُس شخص کی گردن اُڑادی[۲] اُس کے رشتہ دار رسول کریم ﷺ کے پاس شکایت لیکر گئے۔آپؐ نے فرمایا میں یہ ماننے کو تیار نہیں کہ عمر مومنوں کی گردنیں کاٹتا پھرتا ہے۔مگر آپؐ نے حضرت عمرؓ کو بُلا کر دریافت فرمایا۔تو انہوں نے کہا کہ یہ بات درست ہے۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ یہ شخص اس طرح آپ کو کہہ کر گیا ہے اس لئے میں نے مار دیا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عمر پر زیادہ اعتبار کرتا ہے اُس کی سزا یہی ہے۔ بیشک حضرت عمرؓ کا یہ فعل درست نہ تھا، ہماری شریعت اِس کی اجازت نہیں دیتی لیکن جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بِحُکْمِ اللّٰہ اُن کے اِس فعل کو ناپسند فرمایا، وہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر کے اصل کو تسلیم کیا کہ ایسا کہنے والا مومن نہیں کہلا سکتا اور فرمایا۔ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ[۳] ہم اپنی ذات کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ گو قتل کا فعل درست نہیں مگر یہ بھی درست نہیں کہ وہ شخص مومن تھا اور عمرؓ نے مومن کو قتل کیا۔ جو شخص تیرے فیصلہ کو نہیں مانتا وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک ہرگز مومن نہیں۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایک فاسق کو مارا تھا۔ پس جب آنحضرت ﷺ خود فرماتے ہیں کہ میں غلطی کرسکتا ہوں تو پھر خلیفہ سے غلطی کس طرح ناممکن ہے۔مگر پھر بھی اس کے فیصلہ کو شرح صدر کے ساتھ ماننا ضروری ہے۔ اس اصل کو بُھلا دو تو تمہارے اندر بھی تفرقہ اور تنفر پیدا ہو جائے گا۔ اِسے مٹا دو اور لوگوں کو کہنے دو کہ خلیفہ بھی غلطی کرسکتا ہے تو تم بھی پراگندہ بھیڑوں کی طرح ہو جاؤ گے جن کو بھیڑیئے اُٹھا کر لے جائیں گے اور دنیا کی لعنتیں تم پر پڑیں گی۔ جسے خدا نے عزت دی ہے، تمہارے لئے اس کی عیب جوئی جائز نہیں۔ اگر وہ غلطی بھی کرتا ہے اور اُس کی غلطی سے تمہیں نقصان پہنچتا ہے تو تم صبر کرو۔ خدا دوسرے ذریعہ سے تمہیں اس کا اجر دے گا اور اگر وہ گندہ ہو گیا ہے تو جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح فرماتے ہیں، تم خدا کے آگے اس کا معاملہ پیش کرو۔ وہ اگر تم کو حق پر دیکھے گا اُسے خود موت

دے دیگا اور تمہاری تکلیف دور کر دے گا۔مگر تمہارا اپنے ہاتھ میں قانون لینا اور ظاہر یا خفیہ خلیفہ کی ذات یا عزت پر حملہ کرنا تم کو خدا تعالیٰ کی لعنت کا مستحق بناتا ہے۔اگر تم خدا تعالیٰ کے قائم کردہ کی عزت پر ہاتھ ڈالو گے تو یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ تمہاری عزت کی چادر کو چاک چاک کر دے گا اور تم تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔تمہاری عزت اسی میں ہے کہ خلافت کی عزت کرو اور جو شخص اس کی بے عزتی کیلئے کھڑا ہو،تم اُس سے تعلق نہ رکھو۔بے شک اسلام میں قانون کا اپنے ہاتھ میں لینا جائز نہیں ہے لیکن ایسے شخص سے بیزاری اور قطع تعلق کا اظہار کر کے تم اپنے فرض کو ادا کر سکتے ہو اور اعلان کر سکتے ہو کہ اب یہ شخص ہم میں سے نہیں ہے۔اب یہ بات تمہارے اپنے اختیار میں ہے۔چاہے تو خدا تعالیٰ کے قائم کردہ خلیفہ کی عزت کو قائم کر کے خود بھی عزت پاؤ اور چاہے تو اس کی عزت پر ہاتھ ڈالو اور خدائی تلوار تمہیں اور تمہاری اولادوں کو تباہ و برباد کر دے''۔

(انوار العلوم جلد ۱۴ صفحہ ۴۷۶ تا ۴۷۸)

---

۱ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۲۴۰، ۲۴۱ حدیث نمبر ۲۶۶۲۶ مطبوعہ قاہرہ ۲۰۰۱ء

۲ الصَّارِمُ الْمَسْلُول عَلٰی شَاتِمِ الرَّسُوْلِ لابن تیمیه صفحہ ۳۹، ۴۰ الطبعة الاولیٰ حیدرآباد دکن

۳ النساء: ٦٦

خلیفہ کی کامل اطاعت

۱۹۳۴ء کے فتنہ میں احراریوں کی زبردست شکست کے بعد مخالفین نے جماعت کے خلاف کئی نئے محاذ کھول لئے۔ ایک فتنہ مرتدین کا تھا۔ حضور نے خلیفہ کی کامل اطاعت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اگست ۱۹۳۷ء میں **اَلْاِمَامُ جُنَّۃٌ یُقَاتَلُ مِنْ وَّرَائِہٖ** حدیث کی تشریح میں فرمایا:۔

''دوسری بات جس کی طرف مَیں جماعت کو توجہ دلانا چاہتا ہوں یہ ہے کہ موجودہ فتنہ خلافت کے خلاف ہے۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ خلافت اسلام کا ایک اہم جزو ہے اور جو اس سے بغاوت کرتا ہے وہ اسلام سے بغاوت کرتا ہے۔ اگر ہمارا یہ خیال درست ہے تو جو لوگ اس عقیدہ کو تسلیم کرتے ہیں، ان کیلئے **اَلْاِمَامُ جُنَّۃٌ یُقَاتَلُ مِنْ وَّرَائِہٖ**[1] کا حکم بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ خلافت کی غرض تو یہ ہے کہ مسلمانوں میں اتحادِ عمل اور اتحادِ خیال پیدا کیا جائے اور اتحادِ عمل اور اتحادِ خیال خلافت کے ذریعہ سے تبھی پیدا کیا جا سکتا ہے اگر خلیفہ کی ہدایات پر پورے طور پر عمل کیا جائے۔ اور جس طرح نماز میں امام کے رکوع کے ساتھ رکوع اور قیام کے ساتھ قیام اور سجدہ کے ساتھ سجدہ کیا جاتا ہے اسی طرح خلیفۂ وقت کے اشارہ کے ماتحت ساری جماعت چلے اور اس کے حکم سے آگے نکلنے کی کوشش نہ کرے۔ نماز کا امام جو صرف چند مقتدیوں کا امام ہوتا ہے جب اس کے بارہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو اس کے رکوع اور سجدہ میں جانے سے پہلے رکوع یا سجدہ میں جاتا ہے یا اس سے پہلے سر اُٹھاتا ہے، وہ گنہگار ہے[2] تو جو شخص ساری قوم کا امام ہو اور اُس کے ہاتھ پر سب نے بیعت کی ہو اُس کی اطاعت کتنی ضروری سمجھی جائے گی۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ اِسی اہمیت کو واضح کرنے کیلئے فرماتے ہیں کہ **اَلْاِمَامُ جُنَّۃٌ یُقَاتَلُ مِنْ وَّرَائِہٖ** تم اپنی انفرادی

عبادتوں میں شریعتِ اسلامیہ کے مطابق جس طرح چاہو عمل کرو لیکن اپنی قوم کے مخالفوں کے مقابلہ کا جب وقت آئے، اُس وقت تمہاری سب آزادی سلب ہو جاتی ہے اور تم کو حق نہیں پہنچتا کہ امام کی موجودگی اور آزادی کے وقت میں تم اس بارہ میں کوئی آزاد فیصلہ کرو بلکہ چاہئے کہ امام تمہارے لئے بطور ڈھال کے ہو۔ جس طرح سپاہی ڈھال کے پیچھے چلتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں ڈھال سے اِدھر اُدھر ہؤا اور مرا۔ اسی طرح تم سب امام کے اشارہ پر چلو اور اس کی ہدایات سے ذرہ بھر بھی اِدھر اُدھر نہ ہو۔ جب وہ حُکم دے بڑھو اور جب وہ حُکم دے ٹھہر جاؤ۔ اور جدھر بڑھنے کا وہ حُکم دے اُدھر بڑھو اور جدھر سے ہٹنے کا حُکم دے اُدھر سے ہٹ آؤ۔

اِس حُکم کی جب تک فرمانبرداری نہ کی جائے، خلافت ایک بے معنی شَے رہ جاتی ہے اور وہ اتحاد جس کے پیدا کرنے کیلئے اسلام نے یہ سب سامان پیدا کیا ہے کسی طرح بھی پیدا نہیں ہوسکتا اور اسلام کی وہ ترقی جو اِس اتحاد سے مقصود ہے حاصل نہیں ہوسکتی۔ ادھوری اتباع صرف طاقت کو ضائع کرنے والی ہوتی ہے۔ اس سے صرف لوگوں کی آزادی چھنتی ہے اور وہ شیریں پھل نہیں پیدا ہوتے جن پھلوں کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا منشا ہے اور جن پھلوں کو کھا کر مومن اِسی دنیا میں جنت کے مزے لُوٹ سکتا ہے''۔

(انوار العلوم جلد ۱۴ صفحہ ۵۱۵، ۵۱۶)

---

۱ بخاری کتاب الجهاد باب يقاتل من وراء الامام صفحہ ۴۸۹ حدیث نمبر ۲۹۵۷ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانية

۲ بخاری کتاب الاذان باب اثم من رفع رأسه قبل الامام صفحہ ۱۱۳ حدیث نمبر ۶۹۱ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانية

جلسہ خلافت جوبلی ۱۹۳۹ء

تقریر بجواب ایڈریس ہائے جماعتہائے احمدیہ

(تقریر فرمودہ ۲۸ ؍دسمبر ۱۹۳۹ء)

تشہّد ،تعوّ ذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

مَیں جب سے تقریر کے میدان میں آیا ہوں اور جب سے مجھے تقریر کرنے یا بولنے کا موقع ملا ہے مَیں نے شروع دن سے یہ بات محسوس کی ہے کہ ذاتی بناوٹ کے لحاظ سے تقریر کرنا میرے لئے بڑا ہی مشکل ہوتا ہے اور میری کیفیت ایسی ہو جاتی ہے جسے اُردو میں ''گھبرا جانا'' کہتے ہیں اور انگریزی میں NERVOUS ہو جانا کہتے ہیں۔مَیں نے ہمیشہ یہ محسوس کیا ہے کہ اپنی دماغی کیفیت کے لحاظ سے مَیں ہمیشہ نروس ہو جاتا ہوں یا گھبرا جاتا ہوں۔ مجھے یاد ہے جب مَیں نے پہلی تقریر کی اور اس کے لئے کھڑا ہؤا تو آنکھوں کے آگے اندھیرا آ گیا اور کچھ دیر تک تو حاضرین مجھے نظر نہ آتے تھے اور یہ کیفیت تو پھر کبھی پیدا نہیں ہوئی لیکن یہ ضرور ہوتا ہے کہ ایک خاص وقت میں جس کی تفصیل مَیں آگے چل کر بیان کروں گا میرے دل میں ایک اضطراب سا پیدا ہو جاتا ہے لیکن وہ حالت اُس وقت تک ہوتی ہے جب تک کہ بجلی کا وہ کنکشن قائم نہیں ہوتا جو شروع دن سے کسی بالا طاقت کے ساتھ میرے دماغ کا ہو جایا کرتا ہے اور جب یہ دَور آ جاتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے تمام بڑے بڑے مقرر اور لسّان جو اپنی اپنی زبانوں کے ماہر ہیں میرے سامنے بالکل ہیچ ہیں اور میرے ہاتھوں میں کھلونے کی طرح ہیں۔ جب مَیں پہلے پہل تقریر کے لئے کھڑا ہوا اور قرآن کریم

سے آیات پڑھنے لگا تو مجھے الفاظ نظر نہ آتے تھے اور چونکہ وہ آیات مجھے یاد تھیں مَیں نے پڑھ دیں لیکن قرآن گو میرے سامنے تھا مگر اِس کے الفاظ مجھے نظر نہ آتے تھے اور جب مَیں نے آہستہ آہستہ تقریر شروع کی تو لوگ میری نظروں کے سامنے سے بالکل غائب تھے۔ اس کے بعد یکدم یوں معلوم ہوا کہ کسی بالا طاقت کے ساتھ میرے دماغ کا اتّصال ہو گیا ہے۔ یہاں تک کہ جب مَیں نے تقریر ختم کی تو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ یہ تقریر سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی اور انہوں نے قرآن کریم کے جو معارف بیان کئے ہیں باوجود اس کے کہ میں نے بڑی بڑی تفاسیر پڑھی ہیں اور میری لائبریری میں بعض نایاب تفاسیر موجود ہیں مگر یہ معارف نہ مجھے پہلے معلوم تھے اور نہ میں نے کہیں پڑھے ہیں۔ سو جب دَورانِ تقریر میں وہ کیفیت مجھ پر طاری ہوتی ہے تو مَیں محسوس کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے وہ کُل دبائی گئی ہے اور اب اللہ تعالیٰ میرے دماغ میں ایسے معارف نازل کرے گا کہ جو میرے علم میں نہیں ہیں اور بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ قرآن شریف پڑھتے ہوئے بھی وہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ آج بھی وہ کیفیت شروع ہوئی تھی مگر اِس وقت جو ایڈریس پڑھے گئے ہیں اِن کو سن کر وہ دُور ہو گئی۔

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ گھر سے باہر تشریف لائے تو دو شخص آپس میں لڑ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر کے متعلق بتایا تھا کہ وہ کونسی رات ہے مگر ان کی لڑائی کو دیکھ کر وہ مجھے بھول گئی۔[1] اِسی طرح مجھ پر بھی وہ کیفیت طاری ہوئی تھی مگر اسکے بعد ایڈریس شروع ہوئے۔ ان میں سے بعض ایسی زبانوں میں تھے کہ نہ میں کچھ سمجھ سکا اور نہ آپ لوگ۔ اور میں نے محسوس کیا کہ یہ بناوٹ ہے اور منتظمین دنیا کو دکھانا چاہتے ہیں کہ ہم میں ایسی ایسی زبانیں جاننے والے لوگ موجود ہیں اور اس ظاہر داری کو دیکھ کر میری طبیعت پر ایسا بُرا اثر ہؤا کہ وہ کیفیت جاتی رہی۔ ہم لوگ تو اپنے جذبات کو دبانے کے عادی ہیں اور جن لوگوں نے بڑے کام کرنے ہوتے ہیں اُن کو یہ مشق کرنی پڑتی ہے۔ سرکاری افسروں کو دیکھ لو مثلاً تحصیلدار اور تھانیدار وغیرہ ہیں سب قِسم کے لوگ ان کے پاس آتے اور باتیں کرتے ہیں اور وہ سب کی باتیں سُنتے جاتے ہیں لیکن اس مجلس میں ایسے لوگ بھی

تھے جو جذبات کو دبانے کے عادی نہیں اِس لئے اِن میں ایک بے چینی سی تھی اور وہ بھاگ رہے تھے اور یہ نظارہ میرے لئے تکلیف دِہ تھا اور اِس وجہ سے وہ کیفیت دُور ہوگئی۔ گو اَب میں اگر اِسی مضمون کو بیان کرنا شروع کر دوں تو وہ بٹن پھر دَب جائے گا مگر پہلے جو کچھ میرے ذہن میں تھا وہ اب یاد نہیں آ سکتا۔ بہرحال مجھے کچھ کہنا چاہئے اور اس کارروائی کے متعلق جہاں تک دُنیوی عقل کا تعلق ہے میں اَب بھی بیان کرسکتا ہوں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ ہر ایک نمائندہ نے وعدہ کیا تھا کہ تین منٹ کے اندر اندر اپنا ایڈریس ختم کر دے گا لیکن سوائے اس ایڈریس کے جو ہندوستان کی جماعتوں کی طرف سے پیش کیا گیا اور کسی نے یہ وعدہ پورا نہیں کیا۔

پھر وہ جس طرح پیش کیا گیا ہے اِس میں حقیقی اِسلامی سادگی کا نمونہ نظر آتا ہے اور اِس لئے میں انہیں مبارکباد دیتا ہوں۔ محض چھاپ لینے کو مَیں سادگی کے خلاف نہیں سمجھتا۔ باقی جو ایڈریس پیش کئے گئے ہیں اِن میں سادگی کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ حقیقی سادگی وہ ہوتی ہے جسے انسان ہر جگہ اور ہمیشہ نباہ سکے اور اِس کی قدردانی کے طور پر مَیں اِن سے وعدہ کرتا ہوں کہ اِن کا سارا ایڈریس پڑھوں گا۔

جب سے یہ خلافت جوبلی کی تحریک شروع ہوئی ہے میری طبیعت میں ہمیشہ ایک پہلو سے انقباض سا رہتا آیا ہے اور میں سوچتا رہا ہوں کہ جب ہم خود یہ تقریب منائیں تو پھر جو لوگ ''برتھ ڈے'' یا ایسی دیگر تقاریب مناتے ہیں اُنہیں کس طرح روک سکیں گے۔ اَب تک اِس کے لئے کوئی دلیل میری سمجھ میں نہیں آ سکی اور مَیں ڈرتا ہوں کہ اِس کے نتیجہ میں ایسی رسوم جماعت میں پیدا نہ ہو جائیں جن کو مٹانے کے لئے احمدیت آئی ہے۔ ہماری کامیابی اور فتح یہی ہے کہ ہم دین کو اُسی طرح دوبارہ قائم کر دیں جس طرح رسول کریم ﷺ اِسے لائے تھے اور ایسے رنگ میں قائم کر دیں کہ شیطان اس پر حملہ نہ کر سکے اور کوئی کھڑکی، کوئی روشن دان اور کوئی دَر اِس کے لئے کُھلا نہ رہنے دیں۔ اور جب سے یہ تقریب منانے کی تحریک شروع ہوئی ہے میں یہی سوچتا رہا ہوں کہ ایسا کرتے ہوئے ہم کوئی ایسا روشن دان تو نہیں کھول رہے کہ جس سے شیطان کو حملہ کا موقع مل سکے اور اس لحاظ سے مجھے شروع سے ہی

ایک قسم کا انقباض سا رہا ہے کہ مَیں نے اس کی اجازت کیوں دی اور اس کے متعلق سب سے پہلے انشراحِ صدر مجھے مولوی جلال الدین صاحب شمس کا ایک مضمون الفضل میں پڑھ کر ہؤا جس میں لکھا تھا کہ اِسوقت گویا ایک اور تقریب بھی ہے اور وہ یہ کہ سلسلہ کی عمر پچاس سال پوری ہوتی ہے۔ تب میں نے سمجھا کہ یہ تقریب کسی انسان کے بجائے سلسلہ سے منسوب ہو سکتی ہے اور اِس وجہ سے مجھے خود بھی اِس خوشی میں شریک ہونا چاہئے۔ دوسرا انشراح مجھے اِس وقت پیدا ہوا جب دُرِّثمین سے وہ نظم پڑھی گئی جو آمین کہلاتی ہے۔ اِس کو سُن کر مجھے خیال آیا کہ یہ تقریب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک پیشگوئی کو بھی پورا کرنے کا ذریعہ ہے جو اِس میں بیان کی گئی ہے اور اِس کا منانا اِس لحاظ سے نہیں کہ یہ میری پچیس سالہ خلافت کے شکریہ کا اظہار ہے بلکہ اِس لئے کہ خدا تعالیٰ کی بات کے پورا ہونے کا ذریعہ ہے نامناسب نہیں اور اِس خوشی میں مَیں بھی شریک ہوسکتا ہوں اور مَیں نے سمجھا کہ گو اپنی ذات کے لئے اِس کے منائے جانے کے متعلق مجھے انشراح نہ تھا مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے پورا ہونے کے لحاظ سے انشراح ہوگیا۔ یہ ایسی ہی بات ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ایک مرتبہ ایک صحابی کے متعلق فرمایا تھا کہ مَیں نے دیکھا ہے اِس کے ہاتھوں میں کسریٰ کے کڑے ہیں۔ چنانچہ جب ایران فتح ہؤا اور وہ کڑے جو کسریٰ دربار کے موقع پر پہنا کرتا تھا غنیمت میں آئے تو حضرت عمرؓ نے اِس صحابی کو بُلایا اور باوجودیکہ اِسلام میں مردوں کیلئے سونا پہننا ممنوع ہے آپ نے اِسے فرمایا کہ یہ کڑے پہنو۔ حالانکہ خلفاء کا کام قیامِ شریعت ہوتا ہے نہ کہ اِسے مٹانا مگر جب اِس صحابی نے یہ کہا کہ سونا پہننا مردوں کے لئے جائز نہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ پہنو۔ ورنہ میں کوڑے لگاؤں گا۔[2] اِسی طرح میں نے یہ خیال کیا کہ گو یہ کڑے مجھے ہی پہنائے گئے ہیں مگر چونکہ اِس سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی پوری ہوتی ہے اِس لئے اِس کے منانے میں کوئی حرج نہیں اور اِس لئے میرے دل میں جو انقباض تھا وہ دُور ہوگیا اور میری نظریں اِس مجلس سے اُٹھ کر خدا تعالیٰ کی طرف چلی گئیں اور مَیں نے کہا ہمارا خدا بھی کیسا سچا خدا ہے۔

مجھے یاد آیا کہ جب یہ پیشگوئی کی گئی اُس وقت میری ہستی ہی کیا تھی پھر وہ نظارہ میری

آنکھوں کے سامنے پھر گیا جب ہمارے نانا جان نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس شکایت کی کہ آپ کو پتہ ہی نہیں یہ لڑکا کیسا نالائق ہے پڑھتا لکھتا کچھ نہیں اس کا خط کیسا خراب ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مجھے بلایا۔ مَیں ڈرتا اور کانپتا ہؤا گیا کہ پتہ نہیں یہ کیا فرمائیں گے۔ آپ نے مجھے ایک خط دیا کہ اِسے نقل کرو۔ مَیں نے وہ نقل کر کے دیا تو آپ نے حضرت خلیفہ اوّل کو جج کے طور پر بلایا اور فرمایا۔ میر صاحب نے شکایت کی ہے کہ یہ پڑھتا لکھتا نہیں اور کہ اِس کا خط بہت خراب ہے۔ مَیں نے اِس کا امتحان لیا ہے آپ بتائیں کیا رائے ہے؟ لیکن جیسا امتحان لینے والا نرم دل تھا ویسا ہی پاس کرنے والا بھی تھا۔ حضرت خلیفہ اوّل نے عرض کیا کہ حضور! میرے خیال میں تو اچھا لکھا ہے۔ حضور نے فرمایا۔ کہ ہاں اس کا خط کچھ میرے خط سے مِلتا جُلتا ہی ہے اور بس ہم پاس ہو گئے۔ ماسٹر فقیر اللہ صاحب جو اَب پیغامیوں میں شامل ہیں ہمارے اُستاد تھے اور حساب پڑھایا کرتے تھے جس سے مجھے نفرت تھی۔ میری دماغی کیفیت کچھ ایسی تھی جو غالباً میری صحت کی خرابی کا نتیجہ تھا کہ مجھے حساب نہیں آتا تھا ورنہ اَب تو اچھا آتا ہے۔ ماسٹر صاحب ایک دن بہت ناراض ہوئے اور کہا کہ میں تمہاری شکایت کروں گا کہ تم حساب نہیں پڑھتے اور جا کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کہہ بھی دیا۔ میں بھی چُپ کر کے کمرہ میں کھڑا رہا۔ حضور نے ماسٹر صاحب کی شکایت سُن کر فرمایا کہ اس نے دین کا کام ہی کرنا ہے اِس نے کونسی کسی دفتر میں نوکری کرنی ہے۔ مسلمانوں کے لئے جمع تفریق کا جاننا ہی کافی ہے وہ اِسے آتا ہے یا نہیں؟ ماسٹر صاحب نے کہا وہ تو آتا ہے۔ اس سے پہلے تو مَیں حساب کی گھنٹیوں میں بیٹھتا اور سمجھنے کی کوشش کرتا تھا مگر اس کے بعد مَیں نے وہ بھی چھوڑ دیا اور خیال کر لیا کہ حساب جتنا آنا چاہئے تھا مجھے آ گیا تو یہ میری حالت تھی جب یہ آمین لکھی گئی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے دعائیں کیں کہ اِسے دین کی خدمت کی توفیق عطا کر۔

دُنیا میں یہ قاعدہ ہے کہ سب بی۔اے اور ایم۔اے لائق نہیں ہوتے۔ لیکن جو لوگ لائق ہوتے ہیں وہ انہی میں سے ہوتے ہیں۔ سارے وکیل لائق نہیں ہوتے مگر جو ہوتے ہیں وہ انہی میں سے ہوتے ہیں۔ سب ڈاکٹر خدا تعالیٰ کی صفتِ شافی کے مظہر نہیں ہوتے مگر

بہترین ڈاکٹر انہی میں سے ہوتے ہیں جنہوں نے ڈاکٹری کے امتحان پاس کئے ہوں۔ ہر زمیندار مٹی سے سونا نہیں بنا سکتا مگر جو بناتے ہیں انہی میں سے ہی ہوتے ہیں ترکھانوں میں سے نہیں۔ ہر ترکھان اچھی عمارت نہیں بنا سکتا مگر جو بناتے ہیں وہ ترکھانوں میں سے ہی ہوتے ہیں لوہاروں میں سے نہیں۔ پھر ہر انجینئر ماہرِ فن نہیں مگر جو ہوتا ہے وہ انہی میں سے ہوتا ہے۔ ہر معمار دہلی اور لاہور کی شاہی مساجد اور تاج محل نہیں بنا سکتا مگر اِن کے بنانے والے بھی معماروں میں سے ہی ہوتے ہیں کپڑا بُننے والوں میں سے نہیں ہوتے۔ پس ہر فن کا جاننے والا ماہر نہیں ہوتا مگر جو ماہر نکلتے ہیں وہ اِنہی میں سے ہوتے ہیں۔مگر جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ دعا کی اُس وقت مَیں ظاہری حالات کے لحاظ سے اپنے اندر کوئی بھی اہلیت نہ رکھتا تھا لیکن اِس وقت اِس آمین کو سُن کر مَیں نے کہا کہ خدا تعالیٰ نے آپؑ کی دعائیں سن لیں۔ جب یہ دعائیں کی گئیں مَیں معمولی رِیڈریں بھی نہیں پڑھ سکتا تھا مگر اَب خدا تعالیٰ کا ایسا فضل ہے کہ مَیں کسی علم کی کیوں نہ ہو انگریزی کی مشکل سے مشکل کتاب پڑھ سکتا ہوں اور سمجھ سکتا ہوں اور گو مَیں انگریزی لکھ نہیں سکتا مگر بی۔اے اور ایم۔اے پاس شُدہ لوگوں کی غلطیاں خوب نکال لیتا ہوں۔ دینی علوم میں مَیں نے قرآن کریم کا ترجمہ حضرت خلیفہ اوّل سے پڑھا ہے اور اِس طرح پڑھا ہے کہ اَور کوئی اِس طرح پڑھے تو کچھ بھی نہ سیکھ سکے۔ پہلے تو ایک ماہ میں آپ نے مجھے دو تین سیپارے آہستہ آہستہ پڑھائے اور پھر فرمایا میاں! آپ بیمار رہتے ہیں میری اپنی صحت کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔ آؤ کیوں نہ ختم کر دیں اور مہینہ بھر میں سارا قرآن کریم مجھے ختم کرا دیا اور اللہ تعالیٰ کا فضل تھا پھر کچھ اُن کی نیت اور کچھ میری نیت ایسی مبارک گھڑی میں ملیں کہ وہ تعلیم ایک ایسا بیج ثابت ہوئا جو برابر بڑھتا جا رہا ہے۔ اِس طرح بخاری آپ نے مجھے تین ماہ میں پڑھائی اور ایسی جلدی جلدی پڑھاتے کہ باہر کے بعض دوست کہتے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ میں اگر کوئی سوال کرتا تو آپ فرماتے پڑھتے جاؤ اللہ تعالیٰ خود سب کچھ سمجھا دے گا۔ حافظ روشن علی مرحوم کو کُرید نے کی بہت عادت تھی اور اُن کا دماغ بھی منطقی تھا۔ وہ درس میں شامل تو نہیں تھے مگر جب مجھے پڑھتے دیکھا تو آ کر بیٹھنے لگے اور سوالات دریافت کرتے۔ اُن کو دیکھ کر مجھے بھی جوش آیا اور مَیں

نے اُسی طرح سوالات پوچھنے شروع کر دیئے۔ایک دو دن تو آپ نے جواب دیا اور پھر فرمایا تم بھی حافظ صاحب کی نقل کرنے لگے ہو مجھے جو کچھ آتا ہے وہ خود بتا دوں گا بُخل نہیں کروں گا اور باقی اللہ تعالیٰ خود سمجھا دے گا۔ اور میں سمجھتا ہوں سب سے زیادہ فائدہ مجھے اِسی نصیحت نے دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود سمجھا دے گا۔ یہ ایک کبھی نہ ختم ہونے والا خزانہ میرے ہاتھ آ گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ایسا سمجھایا ہے کہ میں غرور تو نہیں کرتا مگر خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ حالت ہے کہ میں کوئی کتاب یا کوئی تفسیر پڑھ کر مرعوب نہیں ہوتا کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جو کچھ مجھے ملا ہے اُن کو نہیں ملا۔ بیس بیس جلدوں کی تفسیریں ہیں مگر مَیں نے کبھی اِن کو بِالاستیعاب دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور اِن کے مطالعہ میں مجھے کبھی لذت محسوس نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ مجھے قرآن کریم کے چھوٹے سے لفظ میں ایسے مطالب سکھا دیتا ہے کہ میں سمجھتا ہوں مَیں اِن کتابوں کے مطالعہ میں کیوں وقت ضائع کروں اور کبھی کوئی مسئلہ وغیرہ دیکھنے کے لئے کبھی ان کو دیکھتا ہوں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اِس مقام سے بہت دُور کھڑے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کیا ہے اور یہ سب اس کا فضل ہے ورنہ بظاہر میں نے دنیا میں کوئی علم حاصل نہیں کیا حتّٰی کہ اپنی زبان تک بھی صحیح نہیں سیکھی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا احسان اور فضل ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعاؤں کو قبول کر کے اُس نے مجھے ایک ایسا گُر بتا دیا کہ جس سے مجھے ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت حاصل ہو جاتی ہے۔مَیں ہمیشہ یہی کہا کرتا ہوں کہ مَیں تو خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک ہتھیار کی مانند ہوں اور مَیں نے کبھی محسوس نہیں کیا کہ کوئی چیز چاہئے اور اُس نے مجھے نہ دی ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دُعا کی تھی کہ اِس سے ہر اندھیرا دُور ہو۔ دشمنوں کی طرف سے مجھ پر کئی حملے کئے گئے، اعتراضات کئے گئے اور کہا کہ ہم خلافت کو مٹا دیں گے اور یہی وہ اندھیرا تھا جسے اللہ تعالیٰ نے دُور کر دیا اور خلافت جوبلی کی تقریب منانے کے متعلق میرے دل میں جو انقباض تھا وہ اِس وقت یہ نظم سُن کر دُور ہو گیا اور میں نے سمجھا کہ آج حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے پورا ہونے کا اظہار ہو رہا ہے۔ دشمنوں نے کہا کہ ہم جماعت کو پھرا لیں گے مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم اور بھی زیادہ لوگوں کو لائیں گے اور جب

ہم روشن کرنا چاہیں تو کوئی اندھیرا رہ نہیں سکتا اور اِس طرح اِس تقریب کے متعلق میرے دل میں جو انقباض تھا وہ یہ نظارہ دیکھ کر دُور ہو گیا ورنہ مجھے تو شرم آتی ہے کہ میری طرف یہ تقریب منسوب ہو مگر ہمارے سب کام اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اِس کے ذریعہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی باتیں پوری ہوتی ہیں اِس لئے اِس کے منانے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ سب کام اللہ تعالیٰ کے ہیں اگر وہ نہ کرتا تو نہ مجھ میں طاقت تھی اور نہ آپ میں، نہ میرے علم نے کوئی کام کیا اور نہ آپ کی قربانی نے۔ جو کچھ ہؤا خدا تعالیٰ کے فضل سے ہؤا اور ہم خوش ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور نشان دکھایا۔ دنیا نے چاہا کہ ہمیں مٹا دیں مگر خدا تعالیٰ نے نہ مٹایا اور یہ نظارہ دیکھ کر میرے دل میں جو انقباض تھا وہ سب دُور ہو گیا۔ اس لئے جن دوستوں نے اِس تقریب پر اپنی انجمنوں کی طرف سے ایڈریس پڑھے ہیں مثلاً چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب، پروفیسر عطاء الرحمٰن صاحب، حکیم خلیل احمد صاحب، چوہدری ابوالہاشم خان صاحب، حاجی جنود اللہ صاحب اِسی طرح دمشق، جاوا، سماٹرا اور علی گڑھ اور بعض دوسری جگہوں کے دوستوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے پھر بعض ہندو صاحبان نے بھی اس موقع پر خوشی کا اظہار کیا ہے میں اِن سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اِن سب کو **جَزَاکُمُ اللّٰہُ اَحۡسَنَ الۡجَزَاءِ** کہتا ہوں اور یہ ایسی دُعا ہے کہ جس میں سارے ہی شکریے آ جاتے ہیں۔ پس میں اِن دوستوں کا اور اِن کے ذریعہ اِن کی تمام جماعتوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور **جَزَاکُمُ اللّٰہُ اَحۡسَنَ الۡجَزَاءِ** کہتا ہوں اور دُعا کرتا ہوں کہ میرے زندگی کے اور جو دن باقی ہیں اللہ تعالیٰ انہیں دین کی خدمت، اسلام کی تائید اور اِس کے غلبہ اور مضبوطی کے لئے صرف کرنے کی توفیق عطا فرمائے تا جب اُس کے حضور پیش ہونے کا موقع ملے تو شرمندہ نہ ہوں اور کہہ سکوں کہ تو نے جو خدمت میرے سپرد کی تھی تیری ہی توفیق سے مَیں نے اِسے ادا کر دیا۔ پھر میں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب پر اپنے فضل نازل کرے اور نیک اعمال کی توفیق عطاء فرمائے اور ہم میں سے جس کے دل میں بھی کوئی کمزوری ہو اُسے دُور کرے، اخلاص میں مضبوط کرے اور ہماری زندگیوں کو اپنے لئے وقف کر دے۔ ہماری زندگیوں کو بھی خوشگوار بنائے اور ہماری موتوں کو بھی تا جب جنتی سُنیں تو خوش ہوں کہ اور پاکیزہ روحیں

ہمارے ساتھ شامل ہونے کے لئے آ رہی ہیں''۔

اِس کے بعد حضرت میر محمد اسحاق صاحب سٹیج پر تشریف لائے اور کہا کہ پروگرام میں اِس وقت میری کوئی تقریر نہیں لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نظم آمین کے جو ابھی پڑھی گئی ہے ایک شعر کے متعلق مَیں مختصراً کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اِس وقت جماعت کی طرف سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں ایک حقیر سی رقم پیش کی جانے والی ہے جس سے حضور کی وہ دُعا کہ'' دے اِس کو عمر و دولت'' کی قبولیت بھی ظاہر ہوگی۔ آج ہم حضور کی خلافت پر پچیس سال گزرنے پر حضور کی خدمت میں حقیر سی رقم پیش کرتے ہیں اور مَیں آنریبل چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ وہ تشریف لاکر یہ رقم حضور کی خدمت میں پیش کریں۔

اِس کے بعد جناب چوہدری صاحب نے چیک کی صورت میں یہ رقم پیش کی اور کہا حضور اِسے قبول فرمائیں اور جس رنگ میں پسند فرمائیں اِسے استعمال کریں اور حضور مجھے اجازت دیں کہ مَیں دوستوں کے نام پڑھ کر سُنا دوں جنہوں نے اِس فنڈ میں نمایاں حصہ لیا ہے تا حضور خصوصیت سے اِن کے لئے دُعا فرمائیں۔ اور حضور کی اجازت سے جناب چوہدری صاحب نے وہ نام پڑھ کر سُنائے۔

اِس کے بعد حضور نے فرمایا:۔

''مَیں نے جو کہا تھا کہ جس وقت آمین پڑھی جا رہی تھی میرے دل میں ایک تحریک ہوئی تھی وہ دراصل یہ مصرع تھا جس کا ذکر میر صاحب نے کیا ہے مگر چونکہ ابھی تک وہ رقم مجھے نہ دی گئی تھی اِس لئے مَیں نے مناسب نہ سمجھا کہ پہلے ہی اِس کا ذکر کروں۔ اِس کے لئے میں سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہماری حقیقی دولت تو دین ہی ہے دین کے بغیر دولت کوئی چیز نہیں اور اگر دین ہو اور دولت نہ ہو تو بھی ہم خوش نصیب ہیں۔ مجھے یہ علم پہلے سے تھا کہ یہ رقم مجھے اِس موقع پر پیش کی جائے گی اور اِس دَوران میں مَیں یہ غور بھی کرتا رہا ہوں کہ اِسے خرچ کِس طرح کیا جائے لیکن بعض دوست بہت جلد باز ہوتے ہیں اور وہ اس عرصہ میں مجھے کئی مشورے دیتے رہے کہ اِسے یوں خرچ کیا جائے اور فلاں کام پر صَرف

کیا جائے یہ بات مجھے بہت بُری لگتی تھی کیونکہ میں دیکھتا تھا کہ ایک طرف تو اِس کا نام تحفہ رکھا جاتا ہے اور دوسری طرف اِس کے خرچ کرنے کے متعلق مجھے مشورے دیئے جارہے ہیں اگر یہ تحفہ ہے تو اِس سے مجھے اتنی تو خوشی حاصل ہونی چاہئے کہ مَیں نے اِسے اپنی مرضی سے خرچ کیا ہے۔ بہرحال میں اِس امر پر غور کرتا رہا ہوں کہ اِسے کس طرح خرچ کیا جائے اور اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ اِس سے برکاتِ خلافت کے اظہار کا کام لیا جائے۔ یہ امر ثابت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء اِس کام کے کرنے والے تھے جو آپ کے اپنے کام تھے یعنی يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ [۳] قرآن کریم میں رسول کریم ﷺ کے چار کام بیان کئے گئے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نشان بیان کرتا ہے، اِن کا تزکیہ کرتا، اِن کو کتاب پڑھاتا اور حکمت سکھاتا ہے۔ کتاب کے معنے کتاب اور تحریر کے بھی ہیں اور حکمت کے معنی سائنس کے بھی اور قرآن کریم کے حقائق و معارف اور مسائلِ فقہ کے بھی ہیں۔ پھر مَیں نے خیال کیا کہ خلیفہ کا کام استحکامِ جماعت بھی ہے اِس لئے اِس روپیہ سے یہ کام بھی کرنا چاہئے۔ بے شک بعض کام جماعت کر بھی رہی ہے مگر یہ چونکہ نئی چیز ہے اِس سے نئے کام ہونے چاہئیں اور اِس پر غور کرنے کے بعد مَیں نے سوچا کہ ابھی کچھ کام اِس سلسلہ میں ایسے ہیں کہ جو نہیں ہو رہے۔ مثلاً یہ نہیں ہو رہا کہ غیر مُسلموں کے آگے اسلام کو ایسے رنگ میں پیش کیا جائے کہ وہ اِس طرف متوجہ ہوں چنانچہ مَیں نے اِرادہ کیا کہ یہ سلسلہ پہلے ہندوستان میں اور پھر بیرونِ ممالک میں شروع کیا جائے اور اِس غرض سے ایک، چار یا آٹھ صفحہ کا ٹریکٹ لکھا جائے جسے لاکھوں کی تعداد میں ہندوستان کی مختلف زبانوں میں چھپوا کر شائع کیا جائے۔ اِس وقت تک اِن زبانوں میں ہمارا تبلیغی لٹریچر کافی تعداد میں شائع نہیں ہوا۔ اُردو کے بعد میرا خیال ہے سب سے زیادہ اِس ٹریکٹ کی اشاعت ہندی میں ہونی چاہئے۔ ابھی تک یہ سکیم مَیں نے مکمل نہیں کی۔ فوری طور پر اِس کا خاکہ ہی میرے ذہن میں آیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ کم سے کم ایک لاکھ اشتہار یا ہینڈ بل وغیرہ اذان اور نماز کی حقیقت اور فضیلت پر شائع کئے جائیں تا ہندوؤں کو سمجھایا جا سکے کہ جس وقت آپ لوگ

مساجد کے سامنے سے باجہ بجاتے ہوئے گزرتے ہیں تو مسلمان یہ کررہے ہوتے ہیں۔ یہ بات معقول رنگ میں ان کے سامنے پیش کی جائے کہ مسلمان تو یہ کہہ رہے ہوتے ہیں کہ اللہ سب سے بڑا ہے اور آپ اُس وقت ڈھول کے ساتھ ڈَم ڈَم کا شور کرتے ہیں۔ آپ سوچیں کہ کیا یہ وقت اِس طرح شور کرنے کیلئے مناسب ہوتا ہے؟ جب یہ آواز بلند ہو رہی ہو کہ خدا تعالیٰ سب سے بڑا ہے تو اُس وقت چُپ ہو جانا چاہئے یا ڈھول اور باجہ کے ساتھ شور مچانا چاہئے؟ تو اِن کو ضرور سمجھ آ جائے گی کہ اِن کی ضد بے جا ہے اور اِس طرح اِس سے ہندو مسلمانوں میں صلح واتحاد کا دروازہ بھی کُھل جائے گا۔ تعلیم یافتہ غیر مُسلم اب بھی اِن باتوں کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔

اِسی طرح میں نے جلسہ ہائے سیرت کی جو تحریک شروع کی ہوئی ہے اِسے بھی وسعت دینی چاہئے یہ بھی بہت مفید تحریک ہے اور سیاسی لیڈر بھی اِسے تسلیم کرتے ہیں۔ بابو بپن چندر پال کانگرس کے بہت بڑے لیڈروں میں سے ہیں انہوں نے اِن جلسوں کے متعلق کہا تھا کہ یہ ہندو مُسلم اتحاد کے لئے بہترین تجویز ہے اور مَیں اِن جلسوں کو سیاسی جلسے کہتا ہوں اِس لئے کہ اِن کے نتیجہ میں ہندو مسلم ایک ہو جائیں گے اور اِس طرح دونوں قوموں میں اتحاد کا دروازہ کُھل جائے گا۔ میرا ارادہ ہے کہ ایسے اشتہار ایک لاکھ ہندی میں، ایک لاکھ گورمکھی میں، پچاس ہزار تامل میں اور اِسی طرح مختلف زبانوں میں بکثرت شائع کئے جائیں اور ملک کے ایک سِرے سے دوسرے سِرے تک اسلام کے موٹے موٹے مسائل غیر مُسلموں تک پہنچا دیئے جائیں۔ اشتہار ایک صفحہ، دوصفحہ یا زیادہ سے زیادہ چار صفحہ کا ہو اور کوشش کی جائے کہ ہر شخص تک اِسے پہنچا دیا جائے اور زیادہ نہیں تو ہندوستان کے ۳۳ کروڑ باشندوں میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک اشتہار پہنچ جائے یہ اسلام کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔ اِسی طرح میرا اِرادہ ہے کہ ایک چھوٹا سا مضمون چار یا آٹھ صفحات کا مسلمانوں کیلئے لکھ کر ایک لاکھ شائع کیا جائے جس میں مسلمانوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد اور آپ کے دعاوی سے آگاہ کیا جائے اور بتایا جائے کہ آپ نے آ کر کیا پیش کیا ہے تا لوگ غور کر سکیں۔ پہلے یہ کام چھوٹے پیمانہ پر ہوں مگر کوشش کی جائے کہ آہستہ آہستہ

اِن کو وسیع کیا جائے۔

مَیں چاہتا ہوں کہ اِس رقم کو ایسے طور پر خرچ کیا جائے کہ اِس کی آمد میں سے خرچ ہوتا رہے اور سرمایہ محفوظ رہے۔ جیسے تحریک جدید کے فنڈ کے متعلق میں کوشش کر رہا ہوں تا کسی سے پھر چندہ مانگنے کی ضرورت نہ پیش آئے۔ اِس میں دینی تعلیم جو خلفاء کا کام ہے وہ بھی آ جائے گی پھر آرٹ اور سائنس کی تعلیم نیز غرباء کی تعلیم و ترقی بھی خلفاء کا اہم کام ہے۔ ہماری جماعت کے غرباء کی اعلیٰ تعلیم کے لئے فی الحال انتظامات نہیں ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کُند ذہن لڑکے جن کے ماں باپ استطاعت رکھتے ہیں تو پڑھ جاتے ہیں مگر ذہین بوجہ غربت کے رہ جاتے ہیں۔ اِس کا نتیجہ ایک یہ بھی ہے کہ ملک کو شدید نقصان پہنچ رہا ہے اِس لئے مَیں چاہتا ہوں کہ اِس رقم سے اِس کا بھی انتظام کیا جائے اور مَیں نے تجویز کی ہے کہ اِس کی آمد سے شروع میں فی الحال ہر سال ایک ایک وظیفہ مستحق طلباء کو دیا جائے۔ پہلے سال مڈل سے شروع کیا جائے۔ مقابلہ کا امتحان ہو اور جو لڑکا اوّل رہے اور کم سے کم ستّر فی صدی نمبر حاصل کرے اسے انٹرنس تک بارہ روپیہ ماہوار وظیفہ دیا جائے اور پھر انٹرنس میں اوّل، دوم اور سوم رہنے والوں کو تیس روپیہ ماہوار، جو ایف۔اے میں یہ امتیاز حاصل کریں انہیں ۴۵ روپے ماہوار اور پھر جو بی۔اے میں اوّل آئے اِسے ۶۰ روپے ماہوار دیا جائے اور تین سال کے بعد جب اِس فنڈ سے آمد شروع ہو جائے تو احمدی نوجوانوں کا مقابلہ کا امتحان ہو اور پھر جو لڑکا اوّل آئے اُسے انگلستان یا امریکہ میں جا کر تعلیم حاصل کرنے کے لئے اڑھائی سَو روپیہ ماہوار تین سال کے لئے امداد دی جائے۔ اِس طرح غرباء کی تعلیم کا انتظام ہو جائے گا اور جوں جوں آمد بڑھتی جائے گی اِن وظائف کو ہم بڑھاتے رہیں گے۔ کئی غرباء اس لئے محنت نہیں کرتے کہ وہ سمجھتے ہیں ہم آگے تو پڑھ نہیں سکتے خواہ مخواہ کیوں مشقت اُٹھائیں لیکن اِس طرح جب اِن کے لئے ترقی کا امکان ہوگا تو وہ محنت سے تعلیم حاصل کریں گے۔ مڈل میں اوّل رہنے والوں کیلئے جو وظیفہ مقرر ہے وہ صرف تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کے طلباء کے لئے ہی مخصوص ہوگا کیونکہ سب جگہ مڈل میں پڑھنے والے احمدی طلباء میں مقابلہ کے امتحان کا انتظام ہم نہیں کر سکتے۔ یونیورسٹی کے امتحان میں امتیاز

حاصل کرنے والا خواہ کسی یونیورسٹی کا ہو وظیفہ حاصل کر سکے گا۔ ہم صرف زیادہ نمبر دیکھیں گے کسی یونیورسٹی کا فرسٹ، سیکنڈ اور تھرڈ رہنے والا طالب علم بھی اِسے حاصل کر سکے گا اور اگر کسی بھی یونیورسٹی کا کوئی احمدی طالب علم یہ امتیاز حاصل نہ کر سکے تو جس کے بھی سب سے زیادہ نمبر ہوں اُسے یہ وظیفہ دے دیا جائے گا۔ انگلستان یا امریکہ میں حصولِ تعلیم کے لئے جو وظیفہ مقرر ہے اِس کے لئے ہم سارے ملک میں اعلان کر کے جو بھی مقابلہ میں شامل ہونا چاہیں ان کا امتحان لیں گے اور جو بھی فرسٹ رہے گا اُسے یہ وظیفہ دیا جائے گا۔

یُزَکِّیْھِمْ کے ایک معنی ادنیٰ حالت سے اعلیٰ کی طرف لے جانے کے بھی ہیں اور اِس طرح اِس میں اقتصادی ترقی بھی شامل ہے اس کی فی الحال کوئی سکیم میرے ذہن میں نہیں مگر میرا ارادہ ہے کہ انڈسٹریل تعلیم کا کوئی معقول انتظام بھی کیا جائے تا پیشہ وروں کی حالت بھی بہتر ہو سکے۔ اِسی طرح ایگریکلچرل تعلیم کا بھی ہو، تا زمینداروں کی حالت بھی درست ہو سکے۔

خلفاء کا ایک کام مَیں سمجھتا ہوں اِس عہدہ کا استحکام بھی ہے۔ میری خلافت پر شروع سے ہی پیغامیوں کا حملہ چلا آتا ہے مگر ہم نے اِس کے مقابلہ کے لئے کماحقہٗ توجہ نہیں کی۔ شروع میں اِس کے متعلق کچھ لٹریچر پیدا کیا تھا مگر اَب وہ ختم ہو چکا ہے۔ پس اِس فنڈ سے اِس قوم کی ہدایت کے لئے بھی جدوجہد کی جانی چاہئے اور اِس کے لئے بھی کوئی سکیم مَیں تجویز کروں گا۔ ہماری جماعت میں بعض لوگ اچھا لکھتے ہیں مَیں نے الفضل میں اِن کے مضامین پڑھے ہیں اِن سے فائدہ اُٹھانے کی کوئی صورت کی جائے گی۔

پس یہ خلفاء کے چار کام ہیں اور انہی پر یہ روپیہ خرچ کیا جائے گا۔ پہلے اِسے کسی نفع مند کام میں لگا کر ہم اِس سے آمد کی صورت پیدا کریں گے اور پھر اِس آمد سے یہ کام شروع کریں گے۔ ایک تو ایسا اُصولی لٹریچر شائع کریں گے کہ جس سے ہندو، سکھ اسلامی اُصول سے آگاہی حاصل کر سکیں۔ اب تک ہم نے اِن کی طرف پوری طرح توجہ نہیں کی حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض الہامات سے پتہ لگتا ہے کہ اِن لوگوں کے لئے بھی ہدایت مقدر ہے۔ مثلاً آپ کا ایک الہام ہے کہ ''آریوں کا بادشاہ'' [۴]۔ ایک ہے

''جے سنگھ بہادر''۔ ''ہے کرشن رودّر گوپال تیری مہما گیتا میں لکھی گئی ہے''[۵] مگر ہم نے ابھی تک اِن کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ پس اَب اِن کے لئے لٹریچر شائع کرنا چاہئے۔ مَیں چاہتا ہوں کہ یہ اتنا مختصر ہو کہ اِسے لاکھوں کی تعداد میں شائع کرسکیں۔ پھر ایک حصہ مسلمانوں میں تبلیغ پر خرچ کیا جائے۔ ایک آرٹ، سائنس، انڈسٹری اور زراعت وغیرہ کی تعلیم پر اور ایک حصہ نظامِ سلسلہ پر دشمنوں کے حملہ کے مقابلہ کے لئے۔ آہستہ آہستہ کوشش کی جائے کہ اِس کی آمد میں اضافہ ہوتا رہے اور پھر اِس آمد سے یہ کام چلائے جائیں۔ اِس روپیہ کو خرچ کرنے کے لئے یہ تجویزیں ہیں۔ اِس کے بعد میں جھنڈے کے نصب کرنے کا اعلان کرتا ہوں منتظمین اِس کے لئے سامان لے آئیں۔

جھنڈا نصب کرنے کے متعلق بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ کانگرس کی رسم ہے لیکن اِس طرح تو بہت سی رسمیں کانگرس کی نقل قرار دینی پڑیں گی۔ کانگرسی جلسے بھی کرتے ہیں اس لئے یہ جلسہ بھی کانگرس کی نقل ہوگی۔ گاندھی جی دودھ پیتے ہیں دودھ پینا بھی اِن کی نقل ہوگی اور اِس اصل کو پھیلاتے پھیلاتے یہاں تک پھیلانا پڑے گا کہ مسلمان بہت سی اچھی باتوں سے محروم رہ جائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کانگرس کی نقل نہیں۔ رسول کریم ﷺ نے خود جھنڈا باندھا اور فرمایا کہ یہ مَیں اُسے دوں گا جو اِس کا حق ادا کرے گا۔[۶] پس یہ کہنا کہ یہ بدعت ہے تاریخ اسلام سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ جھنڈا لہرانا ناجائز نہیں ہاں البتہ اِس ساری تقریب میں مَیں ایک بات کو برداشت نہیں کرسکا اور وہ ایڈریسوں کا چاندی کے خولوں وغیرہ میں پیش کرنا ہے اور چاہے آپ لوگوں کو تکلیف ہو مَیں حُکم دیتا ہوں کہ اِن سب کو بیچ کر قیمت جوبلی فنڈ میں دے دی جائے۔ پس جھنڈا رسول کریم ﷺ سے ثابت ہے اور لڑائی وغیرہ کے مواقع پر اِس کی ضرورت ہوتی ہے۔ کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے تو جہاد سے ہی منع کر دیا ہے پھر جھنڈے کی کیا ضرورت ہے؟ مگر مَیں کہوں گا کہ اگر لوہے کی تلوار کے ساتھ جہاد کرنے والوں کے لئے جھنڈا ضروری ہے تو قرآن کی تلوار سے لڑنے والوں کے لئے کیوں نہیں۔ اگر اَب ہم لوگ کوئی جھنڈا معیّن نہ کریں گے تو بعد میں آنے والے ناراض ہوں گے اور کہیں گے کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے

صحابہ ہی جھنڈا بنا جاتے تو کیا اچھا ہوتا۔مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منہ سے ایک مجلس میں یہ سُنا ہے کہ ہمارا ایک جھنڈا ہونا چاہئے ۔جھنڈا لوگوں کے جمع ہونے کی ظاہری علامت ہے اور اِس سے نوجوانوں کے دلوں میں ایک ولولہ پیدا ہوتا ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ ''لوائے ما پنہ ہر سعید خواہد بود۔'' یعنی میرے جھنڈے کی پناہ ہر سعید کو حاصل ہوگی اور اِس لحاظ سے بھی ضروری ہے کہ ہم اپنا جھنڈا نصب کریں تا سعید روحیں اس کے نیچے آ کر پناہ لیں ۔ یہ ظاہری نشان بھی بہت اہم چیزیں ہوتی ہیں ۔

جنگِ جمل میں حضرت عائشہؓ ایک اُونٹ پر سوار تھیں دشمن نے فیصلہ کیا کہ اُونٹ کی ٹانگیں کاٹ دی جائیں تو آپ نیچے گِر جائیں اور آپ کے ساتھی لڑائی بند کر دیں لیکن جب آپ کے ساتھ والے صحابہ نے دیکھا کہ اس طرح آپ گِر جائیں گی تو گو آپ دین کا ستون نہ تھیں مگر بہرحال رسول کریم ﷺ کی محبت کی مظہر تھیں اس لئے صحابہ نے اپنی جانوں سے ان کے اونٹ کی حفاظت کی اور تین گھنٹہ کے اندر اندر ستّر جلیل القدر صحابی کٹ کر گِر گئے ۔[۲] قربانی کی ایسی مثالیں دِلوں میں جوش پیدا کرتی ہیں ۔پس جھنڈا نہایت ضروری ہے اور بجائے اس کے کہ بعد میں آ کر کوئی بادشاہ اِسے بنائے یہ زیادہ مناسب ہے کہ یہ صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھوں اور موعودہ خلافت کے زمانہ میں بن جائے ۔ اگر اب کوئی جھنڈا نہ بنے تو بعد میں کوئی جھنڈا کسی کیلئے سند نہیں ہوسکتا۔چینی کہیں گے ہم اپنا جھنڈا بناتے ہیں اور جاپانی کہیں گے اپنا اور اس طرح ہر قوم اپنا اپنا جھنڈا ہی آگے کرے گی ۔ آج یہاں عرب، سماٹری، انگریز سب قوموں کے نمائندے موجود ہیں ایک انگریز نومُسلمہ آئی ہوئی ہیں اور انہوں نے ایڈریس بھی پیش کیا ہے ۔ جاوا، سماٹرا کے نمائندے بھی ہیں، افریقہ کے بھی ہیں انگریز گویا یورپ اور ایشیا کے نمائندے ہیں ۔افریقہ کا نمائندہ بھی ہے امریکہ والوں کی طرف سے بھی تار آ گیا ہے اور اِس لئے جو جھنڈا آج نصب ہوگا اِس میں سب قومیں شامل سمجھی جائیں گی اور وہ جماعت کی شوکت کا نشان ہوگا اور یہی مناسب تھا کہ جھنڈا ابھی بن جاتا تا بعد میں اِس کے متعلق کوئی اختلافات پیدا نہ ہوں ۔ پھر یہ رسول کریم ﷺ کی سنت بھی ہے ۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک شعر کو بھی پورا کرتا

ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ مسیح دمشق کے منارۂ شرقی پر اُترے گا [8] اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہزاروں روپیہ خرچ کر کے وہ مینارہ بنوایا تا رسول کریم ﷺ کی بات ظاہری رنگ میں بھی پوری ہو اور خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے ہمیں یہ جھنڈا بنانے کی توفیق دی کہ جس سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک شعر ظاہری رنگ میں بھی پورا ہوتا ہے اور اِس وجہ سے کہ ہم لوگوں کو باطن کا بھی خیال رہے اور یہ محض ظاہری رسم ہی نہ رہے مَیں نے ایک اقرار نامہ تجویز کیا ہے پہلے مَیں اِسے پڑھ کر سنا دیتا ہوں اِس کے بعد میں کہتا جاؤں گا اور دوست اِسے دُہراتے جائیں۔ اقرار نامہ یہ ہے:۔

''میں اقرار کرتا ہوں کہ جہاں تک میری طاقت اور سمجھ ہے اسلام اور احمدیت کے قیام، اس کی مضبوطی اور اس کی اشاعت کیلئے آخر دم تک کوشش کرتا رہوں گا اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے اِس امر کے لئے ہر ممکن قربانی پیش کروں گا کہ احمدیت یعنی حقیقی اسلام دوسرے سب دینوں اور سلسلوں پر غالب رہے اور اِس کا جھنڈا کبھی سَر نِگوں نہ ہو بلکہ دوسرے سب جھنڈوں سے اُونچا اُڑتا رہے۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْنَ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْنَ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْنَ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ''

(انوار العلوم جلد ۱۵ صفحہ ۴۲۷ تا ۴۴۰)

---

۱ بخاری کتاب فضل لیلة القدر باب رفع معرفة لیلة القدر صفحہ ۳۲۴ حدیث نمبر ۲۰۲۳ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانیة

۲ اسد الغابة الجزء الثانی صفحہ ۲۳۷ زیر عنوان ''سراقہ بن مالک'' مطبوعہ بیروت ۲۰۰۶ء (مفہوماً)

۳ الجمعة: ۳

۴ تذکرہ صفحہ ۳۱۳ ایڈیشن چہارم ۲۰۰۴ء

۵ تذکرہ صفحہ ۳۱۲، ۵۶۸ ایڈیشن چہارم ۲۰۰۴ء

۶ بخاری کتاب الجھاد و السیر باب ما قیل فی لواء النبی ﷺ صفحہ ۴۹۲ حدیث نمبر ۲۹۷۵ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانیة

۷ تاریخ طبری جلد ۵ صفحہ ۵۷۵ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۷ء

۸ مسلم کتاب الفتن باب ذکر الدجال صفحہ ۱۲۷۱ حدیث نمبر ۷۳۷۳ مطبوعہ ریاض ۲۰۰۰ء الطبعة الثانیة

خلافت راشدہ

(تقریر فرمودہ ۲۸، ۲۹ دسمبر ۱۹۳۹ء بر موقع [خلافت جوبلی] جلسہ سالانہ قادیان)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

خلافت کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی ضرورت

''میرا طریق ہے کہ ہر جلسہ سالانہ پر میں ایک علمی تقریر کیا کرتا ہوں اِسی کے مطابق مَیں آج ایک اہم موضوع کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہتا ہوں اور چونکہ یہ جلسہ اس بات میں خصوصیت رکھتا ہے کہ اس کا تعلق ''خلافت جوبلی'' کے ساتھ ہے اور اس کے مضامین کا تعلق بھی مسئلہ خلافت سے ہی ہے اس لئے مَیں سمجھتا ہوں میری تقریر میں بھی زیادہ تر خلافت کے مختلف پہلوؤں پر ہی بحث ہونی چاہئے۔ ممکن ہے بعض لوگوں کیلئے یہ امر ملالِ طبع کا موجب ہو کہ جو شخص بھی تقریر کیلئے اُٹھتا ہے وہ خلافت کے موضوع پر تقریر کرنا شروع کر دیتا ہے مگر اس موضوع کی اہمیت اور موجودہ جلسہ سالانہ کا اقتضاء یہی ہے کہ اِس مسئلہ کے متعلق عمدگی کے ساتھ تمام قسم کی تفصیلات بیان کر دی جائیں کیونکہ جس طرح انسانی فطرت میں یہ امر داخل ہے کہ اگر اسے کھانے کیلئے مختلف قسم کی چیزیں دی جائیں تو اُسے فائدہ ہوتا ہے اِسی طرح بعض دفعہ ایک ہی چیز بار بار بھی کھانی پڑتی ہے جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدین کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ ہمارے کھانے پینے کے دن ہیں[1] اور عید الاضحیہ کے ایام میں تو خصوصیت کے ساتھ گوشت کے سوا اور کوئی غذا ہی نہیں ہوتی۔ چنانچہ حج کے دنوں میں بڑی کثرت سے بکرے وغیرہ ذبح ہوتے ہیں اور اُن کا گوشت جتنا کھایا جا سکتا ہے کھا لیا جاتا ہے اور باقی پھینک دیا جاتا ہے۔ اسی طرح بعض دفعہ ایک ہی عنوان پر مختلف رنگوں میں روشنی ڈالنا بھی ضروری ہوتا ہے۔

مخالفینِ سلسلہ کی طرف سے خلافت کی تنقیص کی کوشش

اِس وقت ہمارے سلسلہ کے خلاف دشمنوں کی طرف سے جو منصوبے کئے جا رہے ہیں اور جن جن تدابیر سے وہ احمدیت کے وقار کو ضعف پہنچانا چاہتے ہیں اُن میں سے ایک منصوبہ اور تدبیر یہ ہے کہ ان کی طرف سے متواتر خلافت کی تنقیص کی کوشش کی جاتی ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ اگر کسی کے دل میں شیطان کو زندہ کیا جا سکے تو اس کے دل میں شیطان کو زندہ کر دیں۔ اسی وجہ سے مَیں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اَب کی دفعہ مَیں خلافت کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کروں تا کہ جو لوگ فائدہ اُٹھانا چاہیں اس سے فائدہ اُٹھا سکیں اور دین سے محبت رکھنے والوں کیلئے یہ تعلیم برکت اور راہنمائی کا موجب ہو جائے۔

خلافت کا مسئلہ اسلام کے اہم ترین مسائل میں سے ہے

خلافت کا مسئلہ میرے نزدیک اسلام کے اہم ترین مسائل میں سے ہے بلکہ مَیں سمجھتا ہوں اگر کلمۂ شریفہ کی تفسیر کی جائے تو اس تفسیر میں اس مسئلہ کا مقام سب سے بلند درجہ پر ہوگا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کلمہ طیبہ اسلام کی اساس ہے مگر یہ کلمہ اپنے اندر جو تفصیلات رکھتا ہے اور جن امور کی طرف یہ اشارہ کرتا ہے اُن میں سے سب سے بڑا امر مسئلہ خلافت ہی ہے۔ پس مَیں نے چاہا کہ اس مسئلہ کے متعلق اپنے خیالات جماعت کے سامنے واضح طور پر پیش کر دوں تا کہ مخالفین پر حجت تمام ہو اور لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّ يَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ [۲] کا نظارہ نظر آ جائے۔ یعنی جو شخص دلیل سے گھائل ہونے والا ہو اس کے سامنے دلیل کو کھول کر بیان کر دیا جائے اور جس کا ایمان بصیرت پر مبنی ہو اس کے ہاتھ میں ایسی بیّن دلیل آ جائے جس سے اس کا ایمان تازہ ہو جائے۔

اُمّتِ مُسلمہ کا نظام کسی مذہبی مسئلہ کے ساتھ وابستہ کرنیکی ضرورت

سب سے پہلے میں اس سوال کو لیتا ہوں جو مغربی تعلیم کے اثر کے نیچے اُٹھایا جاتا ہے اور وہی ایک اصولی سوال ہے جس پر اس مسئلہ کا انحصار ہے اور وہ یہ ہے کہ نظام بہر حال ایک دُنیوی چیز ہے اور جب کہ نظام ایک

دُنیوی چیز ہے دینی چیز نہیں تو اُمّتِ مسلمہ کے نظام کو کسی مذہبی مسئلہ کے ساتھ وابستہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ ایک سیاسی مسئلہ ہے اور مذہب کا اس سے کوئی تعلق نہیں پھر اس پر مذہبی نقطۂ نگاہ سے غور کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا دین اُتارا اور ہم نے اسے مان لیا اب اسے اس امر میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں کہ ہم اپنے لئے کونسا نظام تجویز کرتے ہیں یہ ہر زمانہ میں مسلمانوں کی مرضی پر منحصر ہے وہ جس طرح چاہیں اس کا فیصلہ کرلیں۔ اگر مناسب سمجھیں تو ایک خود مختار بادشاہ پر متفق ہو جائیں، چاہیں تو جمہوریت کو پسند کرلیں، چاہیں تو بولشویک اصول کو قبول کرلیں اور چاہیں تو آئینی بادشاہت کے طریق کو اختیار کرلیں کسی ایک اصل کو مذہب کے نام پر رائج کرنے کی نہ ضرورت ہے نہ مفید ہوسکتا ہے اصل غرض تو دین کو پھیلانا ہے۔ بھلا اس میں پڑنے کی ضرورت کیا ہے کہ وہ نظام کیسا ہو جس کے ماتحت کام کیا جائے۔ موجودہ زمانہ میں نَوتعلیم یافتہ مغرب زدہ نوجوانوں نے اس بحث کو اُٹھایا ہے اور درحقیقت اس کے پیچھے وہ غلط حریّت کی روح کام کر رہی ہے جو مختلف خیالاتِ فلاسفہ سے متأثر ہو کر مسلمانوں میں موجودہ زمانہ میں پیدا ہوئی ہے۔ وہ اس سوال کو بار بار اُٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس رنگ میں مذہب بدنام ہوتا اور نَو تعلیم یافتہ طبقہ مذہب سے بدظن ہوتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ مذہب کو اپنی جگہ پر رہنے دو اور سیاست کو اپنی جگہ۔

مغربی اثر کے ماتحت خیالات کی یہ رَو مدت سے چل رہی تھی مگر مسلمانوں میں سے کسی کو جرأت نہیں ہوتی تھی کہ عَلَی الْاِعْلَانْ اس کا اظہار کرے۔ جب تُرکی خلافت تباہ ہوئی اور کمال اتاترک نے خلافت کو منسوخ کر دیا تو عالمِ اسلامی میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا اور پُرانے خیالات کے جو لوگ تھے انہوں نے خلافت کمیٹیاں بنائیں۔ ہندوستان میں بھی کئی خلافت کمیٹیاں بنیں اور لوگوں نے کہا کہ ہم اس رَو کا مقابلہ کریں گے مگر وہ لوگ جن کے دلوں میں یہ شبہات پیدا ہو چکے تھے کہ یہ ایک سیاسی مسئلہ ہے انہوں نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کا ایک فاتح بادشاہ جس کی لوگوں کے دلوں میں بہت بڑی عزت ہے اُس نے اپنے عمل سے اُن کے خیالات کی تائید کر دی ہے تو وہ اور زیادہ دلیر ہو گئے اور اُن میں سے بعض نے اس کے متعلق رسائل لکھے۔ اس قسم کے رسائل مسلمانوں نے بھی لکھے ہیں، یورپین لوگوں

نے بھی لکھے ہیں اور بعض روسیوں نے بھی لکھے ہیں مگر اس خیال کو ایک مدلّل صورت میں ایک مصری عالم علی بن عبدالرزاق نے جو جامعہ ازہر کے علماء میں سے ہیں اور محاکمِ شرعیہ کے قاضی ہیں اپنی کتاب ''اَلْاِسْلَامُ وَ اُصُوْلُ الْحِکَم'' میں پیش کیا ہے اور اس کا محرّک جیسا کہ مَیں بتا چکا ہوں وہ شدید اضطراب ہؤا جو ترکی خلافت کی منسوخی سے عالَمِ اسلامی میں عموماً اور عربی ممالک میں خصوصاً پیدا ہؤا تھا۔

ایک سوال کا جواب

شاید کہا جائے کہ اس بحث کا اس خلافتِ احمدیہ سے کیا تعلق ہے جو اصل مبحث میرے مضمون کا ہوسکتا ہے کیونکہ وہ خلافت جو اس کتاب میں زیر بحث ہے خلافتِ سلطنت ہے اور احمدیہ جماعت کو جس خلافت سے تعلق ہے وہ مذہبی خلافت ہے تُرک بادشاہ ہیں اور احمدی بادشاہ نہیں۔ پس تُرکوں کی خلافت کی تائید میں جو دلائل ہونگے وہ اور رنگ کے ہونگے اور ان کی خلافت کی تردید میں جو دلائل ہونگے وہ بھی اور رنگ کے ہونگے۔ بھلا اس خلافت کا خلافتِ احمدیہ سے کیا تعلق ہے جسے کسی قسم کی بادشاہت حاصل نہیں اور جس کی خلافت محض مذہبی رنگ رکھتی ہے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جس مسئلہ پر بحث کی جاتی ہے ضروری نہیں ہوتا کہ اُس کے صرف اُس پہلو پر روشنی ڈالی جائے جس کے متعلق کوئی سوال کرے بلکہ بسا اوقات اس کے تمام پہلوؤں پر بحث کی جاتی ہے اور یہ کوئی قابلِ اعتراض امر نہیں ہوتا۔ مثلاً ہم سے کوئی پوچھے کہ وضو میں ہاتھ کس طرح دھوئے جاتے ہیں تو اس کے جواب میں اگر ہم وضو کی تمام تفصیل اس کو بتا دیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا بلکہ اس کے لئے مفید ہوگا کیونکہ وہ باقی باتیں بھی سمجھ جائے گا۔ اسی طرح گو احمدیہ جماعت کو جس خلافت سے تعلق ہے وہ مذہبی خلافت ہے لیکن اگر خلافت سلطنت کے متعلق بھی بحث کر دی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا بلکہ اس مضمون کی تکمیل کیلئے ایسا کرنا ضروری ہوگا۔

سیاست صرف حکومت کے ساتھ وابستہ نہیں ہوتی

دوسرا جواب یہ ہے کہ درحقیقت سیاست نظام کا دوسرا نام ہے اور یہ سیاست حکومت کے ساتھ بھی تعلق رکھتی ہے اور حکومت کے بغیر بھی سیاست ہوتی ہے۔ یہ لوگوں

کی غلطی ہے کہ انہوں نے سمجھ لیا ہے کہ سیاست صرف حکومت کے ساتھ ہی وابستہ ہوتی ہے حالانکہ بغیر حکومت کے بھی سیاست ہوتی ہے اور بغیر حکومت کے بھی نظام کا قیام عمل میں لایا جاتا ہے۔ مثلاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تین شخص اکٹھے کہیں سفر پر جانے لگیں تو وہ اپنے میں سے ایک شخص کو امیر بنالیں[۳] تا کہ نماز کے وقت اُسے امام بنایا جاسکے اور سفر میں جو جو ضرورتیں پیش آئیں اُن کے بارہ میں اُس سے مشورہ لیا جاسکے۔ اب یہ ایک نظام ہے مگر اس کا تعلق حکومت سے نہیں۔ نظام درحقیقت ایک مستقل چیز ہے اگر حکومت شامل ہو تو اس پر بھی حاوی ہوتا ہے اور اگر نہ ہو تو باقی لوگوں کے لئے اُس کی پابندی ضروری ہوتی ہے۔ پس مسئلہ خلافت ایک اسلامی نظام سے تعلق رکھتا ہے خواہ وہ سلطنت پر مشتمل ہو یا نہ ہو۔

مذہبی خلافت پر اعتراض

تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی ثابت کر دے کہ اسلام نے کوئی خاص نظام پیش نہیں کیا تو اس کی زد خلافت سلطنت پر ہی نہیں پڑے گی بلکہ اُس خلافت پر بھی پڑے گی جو ہم پیش کرتے ہیں گویا خلافت سلطنت اور خالص مذہبی نظام دونوں یکساں اس کی زد میں آئیں گے۔ پس گو وہ دلائل ترکی خلافت کے خلاف پیش کئے گئے ہیں لیکن چونکہ وہ احمدیہ خلافت پر بھی اسی طرح اثر انداز ہوتے ہیں جس طرح خلافت سلطنت پر، اس لئے ضروری ہے کہ ہم ان دلائل کا جائزہ لیں۔ اور اس کی وجہ یہی ہے کہ اگر اسلام نے کوئی معیّن نظام پیش نہیں کیا تو جس طرح نظامِ سلطنت میں مسلمان آزاد ہونگے اسی طرح خالص نظامِ مذہبی میں بھی وہ آزاد سمجھے جائیں گے اور انہیں اختیار ہوگا کہ ہر زمانہ اور ہر ملک میں وہ جس طرح چاہیں اور جس شکل میں چاہیں ایک نظام اپنے لئے تجویز کرلیں۔

ابتدائے اسلام میں نظامِ مملکت اور نظامِ دینی کا اجتماع

اس سوال کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں نظامِ مملکت اور نظامِ دینی اکٹھے تھے۔ یعنی مذہب کا نظام تو تھا ہی مگر اس کے ساتھ ہی وہ فوجیں بھی رکھتے تھے، اُن میں قاضی بھی موجود تھے، وہ حدود

بھی جاری کرتے تھے، وہ قصاص بھی لیتے تھے، وہ لوگوں کو عہدوں پر بھی مقرر کرتے تھے، وہ وظائف بھی تقسیم کرتے تھے، اِسی طرح نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی ادائیگی بھی ان میں جاری تھی گویا ابتدائے اسلام میں دونوں قسم کے نظام جمع ہو گئے تھے۔ پس اگر کوئی نظام اسلام سے ثابت نہیں تو خلافتِ مذہبی کی ابتداء بھی صرف اُس وقت کے مسلمانوں کا ایک وقتی فیصلہ قرار دیا جائے گا اور اس سے آئندہ کیلئے کوئی استدلال کرنا اور سند پکڑنا درست نہ ہوگا۔ اور جب خلافت کا وجود ابتدائے اسلام میں ہی ثابت نہ ہوگا تو بعد میں کسی وقت اس کے وجود کو قائم کرنا کوئی مذہبی مسئلہ نہیں کہلا سکتا۔ پس اگر خلافت کے مسئلہ پر کوئی زد آئے گی تو یہ تو نہیں ہوگا کہ لوگ کہیں گے کہ صرف ترکوں کی خلافت ناجائز ہے بلکہ وہ سرے سے خلافت کا ہی انکار کر دیں گے اور اس طرح ہم پر بھی جو مسئلۂ خلافت کے قائل ہیں اس کا اثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جیسے اگر ہندوؤں اور عیسائیوں پر کوئی ایسا اعتراض کیا جائے جو اسلام پر بھی وارد ہوتا ہو تو یہ نہیں کہا جا سکے گا کہ اس سے ہندوؤں اور عیسائیوں کو ہی نقصان پہنچتا ہے اسلام کو اس سے کیا ڈر ہے کیونکہ اگر وہی بات اسلام میں بھی پائی جاتی ہے تو ہمارا فرض ہوگا کہ ہم اس اعتراض کا ازالہ کریں کیونکہ اگر لوگ اس کی وجہ سے مذہب سے بدظن ہونگے تو صرف ہندوؤں اور عیسائیوں سے ہی نہیں ہونگے بلکہ مسلمانوں سے بھی ہونگے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ ہم خلافتِ احمدیہ کے ثبوت کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفائے راشدین کی مثال لوگوں کے سامنے پیش کیا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ ہوئے اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد بھی خلافت کا وجود ضروری ہے۔ اگر وہی خلافت اُڑ جائے تو لازماً خلافتِ احمدیہ بھی باطل ہو جائے گی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نظام کے قیام سے تعلق رکھنے والا حصہ مذہبی حیثیت رکھتا ہے یا غیر مذہبی؟

اس کے ساتھ ایک اور بات بھی یاد رکھنی چاہئے اور وہ یہ ہے کہ اگر اس عقیدہ کو درست تسلیم کر لیا جائے جو علی بن عبدالرزاق نے لوگوں

کے سامنے پیش کیا ہے اور جسے غیر مبائعین بھی پیش کرتے ہیں تو اس سے ایک اور اہم سوال بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ آیا رسولِ کریم ﷺ کے اعمال کا وہ حصہ جو نظام کے قیام سے تعلق رکھتا ہے مذہبی حیثیت رکھتا ہے یا غیر مذہبی۔ کیونکہ جب ہم یہ فیصلہ کر دیں کہ اسلام کوئی معیّن نظام پیش نہیں کرتا بلکہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، اور حضرت علیؓ کی خلافت مسلمانوں کا ایک وقتی فیصلہ تھا اور وہ نظامِ مملکت کے استحکام کیلئے جو کام کرتے تھے وہ محض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں کرتے تھے تو طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اعمال جو حکومت اور نظام کے قیام سے تعلق رکھتے تھے وہ محض ضرورتِ زمانہ کے ماتحت آپ سے صادر ہوتے تھے یا اسے کوئی مذہبی تائید بھی حاصل تھی۔ اگر وہ وقتی ضرورت کے ماتحت تھے تو حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے آپ کے تتبُّع میں جو کچھ بھی کیا ہوگا وقتی ضرورت کے ماتحت کیا ہوگا اور وہ ہمارے لئے حُجّت شرعی نہیں ہوگا اور اگر رسول کریم ﷺ کے وہ اعمال جو حکومت اور نظام کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں مذہبی حیثیت رکھتے تھے تو لازماً ہمیں ان سے سند لینی پڑے گی۔ پس یہ سوال صرف خلفاء تک محدود نہیں رہتا بلکہ رسول کریم ﷺ تک بھی جا پہنچتا ہے کہ اگر نظامِ خلافت کا اصول مذہبی نہیں تو چونکہ یہ نقل ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کی اس لئے ان کے وہ اعمال بھی مذہبی نہیں ہوں گے جو نظام کے قیام سے تعلق رکھتے ہیں اور ہمارے لئے ان کی اتباع ضروری نہیں ہوگی جیسے کپڑوں اور کھانے پینے کی چیزوں کے متعلق کوئی نہیں کہتا کہ رسول کریم ﷺ نے فلاں قسم کے کپڑے پہنے یا فلاں کھانا کھایا اس لئے لازماً وہی کپڑا پہننا اور وہی کھانا کھانا چاہئے۔ مثلاً کوئی نہیں کہتا کہ رسول کریم ﷺ چونکہ تہ بند باندھا کرتے تھے اس لئے تم بھی تہ بند باندھو یا رسول کریم ﷺ چونکہ کھجوریں کھایا کرتے تھے اس لئے تم بھی کھجوریں کھاؤ بلکہ اس سے اصولی رنگ میں ایک نتیجہ اُخذ کر لیا جاتا ہے اور وہ یہ کہ انسان کو سادہ زندگی بسر کرنی چاہئے۔ اسی طرح اگر رسول کریم ﷺ کے ان اعمال کو جو نظام کے قیام کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں شرعی نہیں سمجھا جائے گا بلکہ ضرورتِ زمانہ کے ماتحت قرار دیا جائے گا تو وہ ہمارے لئے حُجّت نہیں ہوں گے اور ہم زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکیں گے کہ

عرب میں دشمنوں کی حکومت چونکہ ٹوٹ گئی تھی اور وہ سب آپ کے تابع ہو گئے تھے اس لئے آپ مجبور تھے کہ کوئی نہ کوئی نظام قائم کریں اور چونکہ نظام کے قیام کیلئے کچھ قوانین کی بھی ضرورت تھی اس لئے آپ نے بعض قوانین بھی بنا دیئے اور اس سے آپ کی غرض محض ان لوگوں کی اصلاح تھی۔ یہ غرض نہیں تھی کہ کوئی ایسا نظام قائم کریں جسے ہمیشہ کیلئے مذہبی تائید حاصل ہو جائے۔ غرض اس عقیدہ کو تسلیم کرنے سے یہ امر لازماً تسلیم کرنا پڑے گا کہ خود رسول کریم ﷺ کے اعمال کا وہ حصہ جو نظام کے قیام سے تعلق رکھتا ہے مذہبی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ وہ کام محض ضرورتِ زمانہ کے ماتحت آپ کرتے تھے اسے کوئی مذہبی تائید حاصل نہ تھی اگر مذہبی تائید حاصل ہوتی تو وہ بعد کے لوگوں کیلئے بھی سُنت اور قابلِ عمل قرار پاتے۔ یہ ایک طبعی نتیجہ ہے جو اس عقیدہ سے پیدا ہوتا ہے مگر منکرین خلافت اس طبعی نتیجہ کو ہمیشہ لوگوں کی نگاہوں سے مخفی رکھنے کی کوشش کرتے چلے آئے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے یہ کہہ دیا کہ رسول کریم ﷺ کی زندگی کا وہ حصہ جو سلطنت کے اُمور کے انصرام کے متعلق تھا محض ایک دُنیوی کام تھا اور وقتی ضرورتوں کے ماتحت تھا تو مسلمان اسے برداشت نہیں کریں گے اور وہ کہیں گے کہ تم رسول کریم ﷺ کی ہتک کرتے ہو اسی لئے خلافت کے منکر اس بارہ میں ہمیشہ غیر منطقی طریقہ اختیار کرتے رہے ہیں مگر علی بن عبدالرزاق جو جامعہ از ہر کے شیوخ میں سے ہے اس نے آزادی اور دلیری سے اس موضوع پر بحث کی ہے اور اس وجہ سے قدرتی طور پر وہ اسی نتیجہ پر پہنچا ہے جس کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ چنانچہ یہ عجیب توارد ہوا کہ ادھر جب اس مضمون پر میں نے نوٹ لکھنے شروع کئے تو لکھتے لکھتے میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ اگر اس دلیل کو اسی طرح اوپر کی طرف چلایا جائے تو اس کی زد رسول کریم ﷺ پر بھی پڑتی ہے اور تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ آپ کی زندگی کا یہ حصہ محض ایک دُنیوی کام تھا جسے آپ نے وقتی ضروریات کے ماتحت اختیار کیا۔ غرض پہلے میں اس نتیجہ پر پہنچا بعد میں جب میں نے اس کی کتاب کو پڑھا تو میں نے دیکھا کہ بعینہٖ اس نے یہی استنباط کیا ہؤا ہے اور گو مسلمانوں کے خوف سے اُس نے اس کو کھول کر بیان نہیں کیا بلکہ شکر کی گولی میں زہر دینے کی کوشش کی ہے لیکن پھر بھی اس کا مطلب خوب واضح ہے کہ قضاء وغیرہ کا انتظام اس وقت ثابت نہیں اور نہ دوسری

ضروریات کا جو حکومت کیلئے ضروری ہیں مثلاً میزانیہ وغیرہ۔ پس معلوم ہوا کہ اُس وقت جو کچھ کیا جاتا تھا صرف وقتی مصالح کے ماتحت کیا جاتا تھا۔

خلافت کے انکار کا ایک خطرناک نتیجہ

حقیقت یہ ہے کہ خلافت کے انکار کرنے کے ساتھ یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی حکومت مذہبی نہیں تھی اور خواہ اس خیال کو مسلمانوں کی مخالفت کے ڈر سے کیسے ہی نرم الفاظ میں بیان کیا جائے صرف خلفاء کے نظامِ سلطنت کو ہی مذہبی حیثیت سے نہیں گرانا پڑتا بلکہ رسول کریم ﷺ کی زندگی کے اس حصہ کے متعلق بھی جو امورِ سلطنت کے انصرام کے ساتھ تعلق رکھتا تھا کہنا پڑتا ہے کہ وہ محض ایک دُنیوی کام تھا جسے وقتی ضرورتوں کے ماتحت آپ نے اختیار کیا ورنہ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کو مستثنیٰ کرتے ہوئے نظامی حصہ آپ نے لوگوں کی مرضی پر چھوڑ دیا ہے اور آپ کی طرف سے اس بات کی کُھلی اجازت ہے کہ اپنی سہولت کے لئے جیسا نظام کوئی چاہے پسند کرے۔ علی بن عبدالرزاق نے اس بات پر بھی بحث کی ہے چنانچہ وہ کہتا ہے کہ اگر رسول کریم ﷺ کو صحیح معنوں میں حکومت حاصل ہوتی تو آپ ہر جگہ جج مقرر کرتے مگر آپ نے ہر جگہ جج مقرر نہیں کئے اسی طرح باقاعدہ میزانیہ وغیرہ بنائے جاتے مگر یہ چیزیں بھی آپ کے عہد میں ثابت نہیں۔ اسی طرح اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر امورِ سلطنت کے انصرام میں کوئی حصہ لیا ہے تو وہ وقتی ضرورتوں کے ماتحت لیا ہے جیسے گھر میں کرسی نہیں ہوتی تو انسان فرش پر ہی بیٹھ جاتا ہے اسی طرح اُس وقت چونکہ کوئی حکومت نہیں تھی آپ نے عارضی انتظام قائم کرنے کیلئے بعض قوانین صادر کر دیئے۔ پس آپ کا یہ کام ایک دُنیوی کام تھا اس سے مذہبی رنگ میں کوئی سند نہیں لی جا سکتی۔

غرض اس اصل کو تسلیم کر کے خلفاء کے نظامِ حکومت کو ہی مذہبی حیثیت سے نہیں گرانا پڑتا بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کاموں کو بھی جو نظامِ سلطنت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں دُنیوی کام قرار دینا پڑتا ہے اور تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ بعد کے لوگوں کیلئے سنت اور قابلِ عمل نہیں ہے۔

اس تمہید کے بعد اب میں اصولی طور پر خلافت و نظامِ اسلامی کے مسئلہ کو لیتا ہوں۔

مذہب کی دو قسمیں

میرے نزدیک اس مسئلہ کو سمجھنے سے پہلے یہ امر سمجھ لینا ضروری ہے کہ دنیا کے مذاہب دو قسم کے ہیں (۱) اوّل وہ مذاہب جو مذہب کا دائرہ عمل چند عبادات اور اذکار تک محدود رکھتے ہیں اور امورِ اعمالِ دُنیوی کو ایک علیحدہ امر قرار دیتے ہیں اور ان میں کوئی دخل نہیں دیتے۔ وہ کہیں گے نماز یوں پڑھو، روزے یوں رکھو، صدقہ وخیرات یوں کرو، لوگوں کے حقوق یوں بجالاؤ، غرض عبادات اور اذکار کے متعلق وہ احکام بیان کریں گے مگر کوئی ایسا حکم نہیں دیں گے جس کا نظام کے ساتھ تعلق ہو یا اقتصادیات کے ساتھ تعلق ہو یا بَیْنَ الاقوامی حالات کے ساتھ تعلق ہو یا لین دین کے معاملات کے ساتھ تعلق ہو یا ورثہ کے ساتھ تعلق ہو۔ وہ ان امور کے متعلق قطعاً کوئی تعلیم نہیں دیں گے۔

مسیحی مذہب میں شریعت کو لعنت قرار دینے کا اصل باعث

اِس قسم کے مذاہب میں سے ایک مسیحی مذہب ہے اور اس مذہب میں جو شریعت کو لعنت قرار دینے پر زور دیا گیا ہے اس کی وجہ بھی زیادہ تر یہی ہے کہ وہ افراد کے اعمال کو مذہب کی پابندیوں سے الگ رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں مذہب کا کام صرف یہ ہے کہ وہ کہے تم نمازیں پڑھو، تم روزہ رکھو، تم حج کرو، تم زکوٰۃ دو، تم عیسیٰ کو خدا سمجھو۔ اسے اس بات سے کیا واسطہ ہے کہ قتل، فساد، چوریوں اور ڈاکوں کے متعلق کیا احکام ہیں یا یہ کہ قومیں آپس میں کس طرح معاہدات کریں، یا اقتصاد کو کس طرح کنٹرول میں رکھا جا سکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں شریعت کا اِن امور سے کوئی واسطہ نہیں۔ اگر لڑکوں اور لڑکیوں کو ورثہ میں سے حصہ دینے کا سوال ہو تو وہ کہہ دیں گے کہ اس میں شریعت کا کیا دخل ہے یہ ہمارے ملک کی پارلیمنٹ کا کام ہے کہ وہ جس امر میں قوم کا فائدہ دیکھے اسے بطور قانون نافذ کر دے۔ اسی طرح وہ کہتے ہیں اگر ہم فیصلہ کر لیں کہ ہم سود لیں گے چاہے روپیہ کی صورت میں لیں اور چاہے جنس کی صورت میں، تو مذہب کو کیا حق ہے کہ وہ یہ کہے کہ روپیہ کے بدلہ میں سودی روپیہ لینا ناجائز ہے۔ غرض وہ مذہب کے اُن احکام سے جو نظام کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں شدید نفرت کرتے ہیں اسی لئے انہوں نے شریعت کو لعنت قرار

دے لیا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ روزہ رکھنا لعنت ہے۔ اگر روزہ رکھنا لعنت کا موجب ہوتا تو انجیل کے پُرانے ایڈیشنوں میں یہ کس طرح لکھا ہوتا کہ:-

''اس طرح کے دیو بغیر دعا اور روزہ کے نہیں نکالے جاتے'' [۴۱]

اور کیا ممکن ہے کہ ایک طرف تو انجیلوں میں اس قسم کے الفاظ آتے اور دوسری طرف یہ کہا جاتا کہ شریعت لعنت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب عیسائیوں نے یہ کہا کہ شریعت لعنت ہے تو اس کے معنی یہی تھے کہ شریعت کا نظامِ قومی کو معیّن کر دینا لعنت ہے اور مذہب کو امورِ دُنیوی کے متعلق کوئی حکم دینے کا اختیار نہیں بلکہ ان امور کے متعلق ضرورت کے مطابق ہر قوم خود اپنے لئے قوانین تجویز کرسکتی ہے۔ اس طرح انہوں نے موسوی شریعت کی ان پابندیوں سے اپنے آپ کو آزاد کرلیا جو امورِ سلطنت میں اس نے لگائی تھیں۔ بیشک حضرت مسیح علیہ السلام نے جب یہ فقرہ کہا (بشرطیکہ ان کی طرف اسے منسوب کیا جا سکے) تو ان کا مطلب یہ نہیں تھا بلکہ ان کا مطلب صرف یہ تھا کہ یہود نے جو شریعت کے ظاہری احکام کو اس قدر اہمیت دے دی ہے کہ باطن اور روحانیت کو انہوں نے بالکل بُھلا دیا ہے یہ امر ان کے لئے ایک لعنت بن گیا ہے اور اس نے انہیں حقیقت سے کوسوں دور پھینک دیا ہے۔ لیکن جب مسیحیت روما میں پھیلی تو چونکہ وہ لوگ اپنے قومی دستور کو ترک کرنے کیلئے تیار نہیں تھے اور سمجھتے تھے کہ رومن لاء سے بہتر اور کوئی لاء (Law) نہیں بلکہ آج تک رومن لاء سے ہی یورپین حکومتیں فائدہ اُٹھاتی چلی آئی ہیں اس لئے وہاں کے لوگ جو بڑے متمدّن اور قانون دان تھے انہوں نے خیال کیا کہ دُنیا میں ہم سے بہتر کوئی قانون نہیں بنا سکتا ادھر انہوں نے دیکھا کہ عیسائی مذہب کی تعلیم بڑی اچھی ہے خدا تعالیٰ کی محبت کے متعلق، معجزات اور نشانات کے متعلق، دعاؤں کے متعلق، مسیح کی قربانیوں کے متعلق۔ جب انہوں نے عیسائیت کی تعلیمات کو دیکھا تو ان کے دل عیسائی مذہب کی طرف مائل ہو گئے اور انہوں نے اقرار کیا کہ یہ مذہب واقع میں اس قابل ہے کہ اسے قبول کرلیا جائے۔ مگر دوسری طرف وہ یہ امر بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ یہودی شریعت کو جس کو وہ رومن لاء کے مقابلہ میں بہت ادنیٰ سمجھتے تھے اپنے اندر جاری کریں۔ پس وہ ایک عجیب مخمصے میں مبتلاء ہو گئے۔ ایک طرف

عیسائیت کی دلکش تعلیم انہیں اپنی طرف کھینچتی تھی اور دوسری طرف رومن لاء کی برتری اور فوقیت کا احساس انہیں یہودی شریعت کے آگے اپنا سر جُھکانے نہیں دیتا تھا۔ وہ اسی شش و پنج میں تھے کہ ان کی نگاہ عہدِ جدید کے اِن فقرات پر پڑی کہ:-

''جتنے شریعت کے اعمال پر تکیہ کرتے ہیں وہ سب لعنت کے ماتحت ہیں۔'' [۵]

اور یہ کہ:-

''مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا۔'' [٦]

یہ حضرت مسیح کے الفاظ نہیں بلکہ پولوس کے الفاظ ہیں۔ مگر انہیں ایک بہانہ ہاتھ آ گیا اور انہوں نے اِن فقرات کے معنی وسیع کر کے یہ فیصلہ کر لیا کہ مذہب کو امورِ دُنیوی کے متعلق کچھ حکم دینے کا اختیار نہیں بلکہ اِن امور کے متعلق ضرورت کے مطابق ہر قوم اپنے لئے خود قوانین تجویز کر سکتی ہے۔ حضرت مسیح کا (اگر بِالفرض انہوں نے کبھی یہ فقرہ کہا ہو) یا آپ کے حواریوں کا تو صرف یہ مطلب تھا کہ یہود صرف ظاہری احکام پر زور دیتے ہیں روحانیت کو انہوں نے بالکل بُھلا رکھا ہے اور یہ امر اُن کے لئے لعنت کا موجب ہے۔ وہ بے شک ظاہری طور پر نماز پڑھ لیتے ہیں مگر ان کے دل میں کوئی خشیت، کوئی محبت اور خدا تعالیٰ کی طرف کوئی توجہ پیدا نہیں ہوتی اور یہ نماز ان کیلئے لعنت ہے۔ وہ ظاہری طور پر صدقہ و خیرات کرتے وقت بکرے بھی ذبح کرتے ہیں مگر کبھی انہوں نے اپنے نفس کے بکرے کو ذبح نہیں کیا اور اس طرح صدقہ و خیرات بھی ان کے لئے لعنت ہے، وہ عبادت میں خدا تعالیٰ کے سامنے ظاہری رنگ میں اپنا سر تو بے شک جُھکاتے ہیں مگر ان کے دل کبھی خدا کے آگے نہیں جھکتے اس وجہ سے ان کی عبادت بھی ان کے لئے لعنت ہے، وہ بیشک زکوٰۃ دیتے ہیں اور اس طرح اپنے مال کی خدا تعالیٰ کے لئے قربانی کرتے ہیں مگر کبھی اپنے باطل افکار کی قربانی اپنے لئے گوارا نہیں کرتے اور اس وجہ سے زکوٰۃ بھی ان کے لئے لعنت کا موجب ہے۔ غرض یہود نے چونکہ ظاہر پر زور دے رکھا تھا اور باطنی اصلاح کو انہوں نے بالکل فراموش کر دیا تھا اس لئے حضرت مسیح یا ان کے حواریوں کو یہ کہنا پڑا کہ صرف ظاہر شریعت پر عمل کرنا اور باطن کی

اصلاح کی طرف متوجہ نہ ہونا ایک لعنت ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں تھے کہ شریعت لعنت ہے بلکہ یہ معنی تھے کہ ظاہر شریعت پر عمل کرنا اور باطنی اصلاح کی طرف تمہارا توجہ نہ کرنا تمہارے لئے لعنت کا باعث ہے۔ مگر رومیوں کو ایک بہانہ مل گیا اور انہوں نے کہا اس فقرہ کے یہ معنی ہیں کہ نماز روزہ وغیرہ احکام میں تو مذہب کی اطاعت کی جائے مگر امورِ دُنیوی میں اس کی اطاعت نہ کی جائے اور نہ اسے اِن امور کے متعلق احکام دینے کا کوئی اختیار رہے۔ یہ ہماری اپنی مرضی پر منحصر ہے کہ ہم اپنے لئے جو قانون چاہیں تجویز کر لیں اسی لئے جو رومی عیسائی مذہب اور شریعت کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ وہ لعنت ہے وہ خود ایک قانون بنا کر لوگوں کو اس کے ماتحت چلنے پر مجبور کرتے ہیں اگر محض کسی قانون کا ہونا لعنت ہوتا تو وہ خود بھی کوئی قانون نافذ نہ کرتے۔ مگر ان کا ایک طرف مذہب کو لعنت کہنا اور دوسری طرف خود اپنے لئے مختلف قسم کے قوانین تجویز کرنا بتاتا ہے کہ وہ اس فقرہ کے یہی معنی سمجھتے تھے کہ صرف لوگوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے لئے جو قانون چاہیں بنا لیں مذہب کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دُنیوی امور کے متعلق لوگوں کے سامنے کوئی احکام پیش کرے۔ اس طرح انہوں نے موسوی شریعت کی اُن پابندیوں سے اپنے آپ کو آزاد کر لیا جو امورِ سلطنت میں اس نے لوگوں پر عائد کی ہوئی تھیں۔

یہودی مذہب کا نظامِ حکومت میں دخل

اس کے بالمقابل بعض دوسرے مذاہب ہیں جنہوں نے مذہب کے دائرہ کو وسیع کیا ہے اور انسانی اعمال اور باہمی تعلقات اور نظامِ حکومت وغیرہ کے متعلق بھی قواعد بنائے ہیں اور جو لوگ ایسے مذاہب کو مانتے ہیں لازماً انہیں یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ حکومت کے معاملات میں بھی مذہب کو دخل اندازی کا حق حاصل ہے اور نیز یہ کہ ان احکام کی پابندی افراد اور جماعتوں پر اسی طرح واجب ہے جس طرح عقائد اور انفرادی احکام مثلاً نماز اور روزہ وغیرہ میں واجب ہے۔ اس کی مثال میں یہودی مذہب کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص موسوی شریعت کو پڑھے تو اسے جا بجا یہ لکھا ہؤا نظر آئے گا کہ اگر کوئی قتل کرے تو اسے یہ سزا دی جائے، چوری کرے تو یہ سزا دی جائے، جنگ ہو تو اِن قواعد کو ملحوظ

رکھا جائے ،قربانی کرنی ہوتو اِن اصول کے ماتحت کی جائے ،اسی طرح لین دین اور تجارت وغیرہ معاملات کے متعلق وہ ہدایات دیتا ہے۔غرض وہ معاملات جو حکومت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں یہودی مذہب ان میں بھی دخل دیتا ہے۔ چنانچہ جب بھی کوئی شخص موسوی شریعت پر غور کرے گا وہ اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ مذہب کو جس طرح افراد کے معاملات میں دخل دینے کا حق حاصل ہے اسی طرح اسے قومی اور ملکی معاملات میں بھی دخل دینے کا حق حاصل ہے۔

اسلام کن مذاہب سے مشابہت رکھتا ہے

اب ہمیں دیکھنا چاہئے کہ اسلام کونسی قسم کے مذاہب سے مشابہت رکھتا ہے۔آیا اوّل الذکر قسم سے یا دوسری قسم کے مذاہب سے۔اور آیا اسلام نے قومی معاملات میں دخل دیا ہے یا نہیں؟ اگر محمد ﷺ نے قومی معاملات میں دخل دیا ہے چاہے اپنی مرضی سے اور چاہے اس وجہ سے کہ ملک کو اس کی بے حد ضرورت تھی تو ماننا پڑے گا کہ جیسے جنگل میں اگر کسی کو کوئی آوارہ بچہ مل جائے تو وہ رحم کر کے اسے اپنے گھر میں لے جاتا ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ اسے اس کی ولایت کا حق حاصل ہو گیا ہے اسی طرح محمد رسول اللہ ﷺ نے رحم کر کے عرب کے یتیموں کو اپنی گود میں لے لیا مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ آپؐ کو ان کی ولایت کا حق حاصل ہو گیا تھا بلکہ جب وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل ہو گئے تو انہیں اس بات کا اختیار تھا کہ وہ اپنے لئے جو قانون چاہتے تجویز کر لیتے لیکن اگر شریعت اسلام میں ایسے احکام موجود ہوں تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ رسول کریم ﷺ نے اپنے طور پر ان امور میں دخل نہیں دیا بلکہ آپ نے اُسی وقت ان امور کو اپنے ہاتھ میں لیا جب خدا نے آپؐ کو اس کا حکم دیا اور جب خدا کا حکم دینا ثابت ہو جائے تو ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ آپؐ کی زندگی کا وہ حصہ جو امورِ سلطنت کے انصرام میں گزرا وہ مذہبی حیثیت رکھتا ہے اور مسلمان جس طرح خالص مذہبی نظام میں اسلامی ہدایات کے پابند ہیں اسی طرح نظامِ سلطنت میں بھی وہ آزاد نہیں بلکہ شریعتِ اسلامیہ کے قائم کردہ نظامِ سلطنت کے پابند ہیں۔اس غرض کے لئے جب قرآن کریم اور احادیث نبویہ کو دیکھا جاتا ہے تو ان پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے ہی یہ امر ثابت ہو جاتا ہے کہ اسلام پہلی قسم کے مذاہب میں شامل نہیں

بلکہ دوسری قسم کے مذاہب میں شامل ہے۔ اس نے صرف بعض عقائد اور انفرادی اعمال کے بتانے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس نے ان احکام کو بھی لیا ہے جو حکومت اور قانون سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ وہ صرف یہی نہیں کہتا کہ نمازیں پڑھو، روزے رکھو، حج کرو، زکوٰۃ دو بلکہ وہ ایسے احکام بھی بتاتا ہے جن کا حکومت اور قانون سے تعلق ہوتا ہے۔ مثلاً وہ میاں بیوی کے تعلقات پر بحث کرتا ہے وہ بتاتا ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان اگر جھگڑا ہو جائے تو کیا کِیا جائے اور ان کی باہمی مصالحت کیلئے کیا کیا تدابیر عمل میں لائی جائیں اور اگر کبھی مرد کو اِس بات کی ضرورت پیش آئے کہ وہ عورت کو بدنی سزا دے تو وہ سزا کتنی اور کیسی ہو، اسی طرح وہ لین دین کے قواعد پر بھی بحث کرتا ہے وہ بتاتا ہے کہ قرض کے متعلق کتنے گواہ تسلیم کئے جاسکتے ہیں، قرضہ کی کونسی صورتیں جائز ہیں اور کونسی ناجائز، وہ تجارت اور فنانس کے اصول بھی بیان کرتا ہے، وہ شہادت کے قوانین بھی بیان کرتا ہے جن پر قضاء کی بنیاد ہے۔ چنانچہ وہ بتاتا ہے کہ کیسے گواہ ہونے چاہئیں، کتنے ہونے چاہئیں، ان کی گواہی میں کِن کِن امور کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ اسی طرح وہ قضاء کے متعلق کئی قسم کے احکام دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ قاضیوں کو کس طرح فیصلہ کرنا چاہئے۔ پھر ان مختلف انسانی افعال کی وہ جسمانی سزائیں بھی تجویز کرتا ہے جو عام طور پر قوم کے سپرد ہوتی ہیں۔ مثلاً قتل کی کیا سزا ہے یا چوری کی کیا سزا ہے؟ اسی طرح وہ وراثت کے قوانین بھی بیان کرتا ہے اور حکومت کو ٹیکس کا جو حق حاصل ہے اس پر بھی پابندیاں لگاتا ہے اور ٹیکسوں کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ حکومت کو اِن ٹیکسوں کے خرچ کرنے کے متعلق جو اختیارات حاصل ہیں ان کو بھی بیان کرتا ہے، فوجوں کے متعلق قواعد بھی بیان کرتا ہے، معاہدات کے متعلق قواعد بیان کرتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ دو قومیں جب آپس میں کوئی معاہدہ کرنا چاہیں تو کن اصول پر کریں۔ اسی طرح بَیْنَ الاقوامی تعلقات کے متعلق قواعد بیان کرتا ہے، مزدور اور ملازم رکھنے والوں کے متعلق قواعد بیان کرتا ہے، سڑکوں وغیرہ کے متعلق قواعد بیان کرتا ہے۔ غرض وہ تمام امور جو حکومت سے تعلق رکھتے ہیں ان سب کو اسلام بیان کرتا ہے۔ پس اسلام کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے حکومت کو آزاد چھوڑ دیا ہے بلکہ جیسا کہ ثابت ہے اس نے حکومت کے ہر شعبے پر سیر کن بحث

کی ہے۔ پس جو شخص اسلام کو مانتا ہے اور اس میں حکومت کے متعلق تمام احکام کو تفصیل سے بیان کیا ہؤا دیکھتا ہے وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ مذہب کو ان امور سے کیا واسطہ بلکہ اسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ رسول کریم ﷺ کے وہ افعال جو حکومت سے تعلق رکھتے ہیں وہ بھی ویسے ہی قابلِ تقلید ہیں جیسے نماز اور روزہ وغیرہ کے متعلق احکام۔ کیونکہ جس خدا نے یہ کہا ہے کہ نماز پڑھو، جس خدا نے یہ کہا ہے کہ روزے رکھو، جس خدا نے یہ کہا ہے کہ حج کرو، جس خدا نے یہ کہا ہے کہ زکوٰۃ دو اُسی خدا نے امورِ سیاست اور تنظیم ملکی کے متعلق بھی احکام بیان کئے ہیں۔ پس یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہر قوم اور ہر ملک آزاد ہے کہ اپنے لئے ایک مناسب طریق ایجاد کر لے اور جس طرح چاہے رہے بلکہ اسے اپنی زندگی کے سب شعبوں میں اسلامی احکام کی پابندی کرنی پڑے گی کیونکہ اگر رسول کریم ﷺ نے یہ اپنی طرف سے کیا ہوتا تو ہم کہہ سکتے تھے کہ لوگ اس بارہ میں آزاد ہیں مگر جب ہم کہتے ہیں کہ یہ احکام قرآن مجید میں آئے ہیں اور خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بیان کیا تو معلوم ہؤا کہ یہ رسول کریم ﷺ کا ذاتی فعل نہیں تھا۔ اور جبکہ قرآن نے ان تمام امور کو بیان کر دیا ہے جو حکومت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں تو عقل یہ تسلیم نہیں کر سکتی کہ اس نے حکومت سے تعلق رکھنے والی تو ساری باتیں بیان کر دی ہوں مگر یہ نہ بتایا ہو کہ حکومت کو چلایا کس طرح جائے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے کہ کوئی شخص مکان بنانے کیلئے لکڑیاں جمع کرے، کھڑکیاں اور دروازے بنوائے، اینٹوں اور چونے وغیرہ کا ڈھیر لگا دے مگر جب کوئی پوچھے کہ عمارت کب بنے گی اور اس کا کیا نقشہ ہوگا؟ تو وہ کہے کہ مجھے اس کا کوئی علم نہیں۔ صاف بات ہے کہ جب اس نے اینٹیں اکٹھی کیں، جب اس نے دروازے کھڑکیاں اور روشندان بنوائے، جب اس نے چونے اور گارے کا انتظام کیا تو آخر اسی لئے کیا کہ وہ مکان بنائے اس لئے تو نہیں کیا کہ وہ چیزیں بے فائدہ پڑی رہیں اور ضائع ہو جائیں۔ اسی طرح جب قرآن نے وہ تمام باتیں بیان کر دی ہیں جن کا حکومت کے ساتھ تعلق ہؤا کرتا ہے تو عقلِ انسانی یہ بات تسلیم نہیں کر سکتی کہ اس نے نظامِ حکومت چلانے کا حکم نہ دیا ہو اور نہ یہ بتایا ہو کہ اس نظام کو کس رنگ میں چلایا جائے اور اگر وہ یہ نہیں بتاتا تو تم کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ قرآن **نَعُوْذُ بِاللّٰہِ** ناقص ہے۔

حکومت کے تمام شعبوں کے متعلق اسلام کی جامع ہدایات

غرض جبکہ اسلام نے حکومت کے تمام شعبوں کے متعلق تفصیلی ہدایات دے دی ہیں تو کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ مذہب کو ان امور سے کیا واسطہ۔ ہر قوم اور ہر ملک اپنے لئے کوئی مناسب طریق تجویز کرنے میں آزاد ہے۔ ہاں وہ یہ بحث ضرور کرسکتا ہے کہ کسی خاص امر میں شریعت اسلامیہ نے اسے آزاد چھوڑ دیا ہے مگر یہ بات بالکل خلافِ عقل ہوگی کہ اسلام نے چھوٹے چھوٹے حقوق تو بیان کئے لیکن سب سے بڑا حق کہ فرد کو حکومت کے مقابل پر کیا حقوق حاصل ہیں اور حکومت کو کس شکل اور کس صورت سے افراد میں احکامِ الٰہیہ کو جاری کرنا چاہیئے اس اہم ترین سوال کو اس نے بالکل نظر انداز کر دیا۔ اگر ہم یہ کہیں تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ وہ مذہب ناقص ہے۔ جو مذہب شریعت کو لعنت قرار دیتا ہے وہ تو کہہ سکتا ہے کہ یہ باتیں میرے دائرہ سے باہر ہیں اور اس مذہب کو ناقص بھی ہم اسی لئے کہتے ہیں کہ اس نے انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کے متعلق روشن ہدایات نہیں دیں۔ مثلاً ایسا مذہب اگر خدا اور بندے کے تعلق پر بحث نہیں کرتا یا یہ نہیں بتاتا کہ بندوں کا بندوں سے کیسا تعلق ہونا چاہیئے یا امورِ مملکت اور سیاست کے متعلق کوئی ہدایت نہیں دیتا تو وہ آسانی سے چُھٹکارا پا جاتا ہے کیونکہ وہ شریعت کو لعنت قرار دیتا ہے لیکن جو مذہب ان امور میں دخل دیتا ہے اور اس امر کو مانتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ان امور میں دخل دے اس کا ایسے اہم مسئلہ کو چھوڑ دینا اور لاکھوں کروڑوں آدمیوں کی جانوں کو خطرہ میں ڈال دینا یقیناً ایک بُھول اور نقص کہلائے گا۔

نفاذِ قانون کے متعلق تفصیلی ہدایات

اس تمہید کے بعد میں اب اصل سوال کی طرف آتا ہوں۔ رسول کریم ﷺ عرب میں مبعوث ہوئے اور عرب کا کوئی تحریر شُدہ قانون نہ تھا۔ قبائلی رواج ہی ان میں قانون کا مرتبہ رکھتا تھا۔ چنانچہ کسی قبیلہ میں کوئی قانون تھا اور کسی قبیلہ میں کوئی۔ وہ انہی قبائلی رواج کے مطابق آپس کے جھگڑوں کا فیصلہ کر لیتے یا جب انہوں نے کوئی معاہدہ کرنا ہوتا تو معاہدہ کر لیتے مگر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو آپ نے ان کے

سامنے آسمانی شریعت پیش کی اور کہا کہ میرے خدا نے تمہارے لئے یہ تعلیم مقرر کی ہے تم اس پر عمل کرو اور پھر اس پر ان سے عمل کرایا بھی۔ اگر تو قرآن جو آسمانی صحیفہ ہے صرف نماز روزہ کے احکام پر اور بعض عقائد کے بیان پر اکتفاء کرتا اور احکام سیاست و تدبیر مُلکی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرتے تو خواہ وہ زور سے ان کی پابندی کراتے کوئی کہہ سکتا تھا کہ عربوں نے مسلمانوں پر ظالمانہ حملہ کر کے اپنی حکومت تباہ کر لی اور ملک بغیر نظام اور قانون کے رہ گیا۔ اس مشکل کی وجہ سے وقت کی ضرورت سے مجبور ہو کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک کو ابتری سے بچانے کیلئے کچھ قانون تجویز کر دیئے اور ان پر لوگوں سے عمل کرایا اور یہ حصہ آپ کے عمل کا مذہب نہ تھا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ان امور کے متعلق بھی تفصیلی احکام قرآن کریم میں موجود ہیں اور نہ صرف احکام موجود ہیں بلکہ ان کے نفاذ کے متعلق بھی احکام ہیں۔ مثلاً (۱) اللہ تعالیٰ سورہ حشر میں فرماتا ہے۔ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا [7]

یعنی اے مسلمانو! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ تمہیں دیں وہ لے لو اور جس بات سے وہ تمہیں روکیں اُس سے رُک جاؤ۔ گویا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مسلمانوں کیلئے ہر حالت میں ماننا ضروری ہے۔

(۲) دوسری جگہ فرماتا ہے۔

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا [8]

یعنی تیرے ربّ کی قسم! جب تک وہ ہر اُس بات میں جس کے متعلق ان میں جھگڑا ہو جائے تجھے حَکَم نہ بنائیں اور پھر جو فیصلہ تو کرے اس سے وہ اپنے نفوس میں کسی قسم کی تنگی نہ پائیں اور پورے طور پر فرمانبردار نہ ہو جائیں اُس وقت تک وہ ہرگز ایماندار نہیں ہو سکتے۔

بعض لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض کیا کرتے تھے بلکہ اس زمانہ میں بھی ایسے معترض موجود ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نَعُوْذُ بِاللّٰهِ یہ حق حاصل نہیں تھا کہ وہ باہمی جھگڑوں کے نپٹانے اور نظام کو قائم رکھنے کے متعلق کوئی ہدایات دے

سکیں۔مگر فرمایا۔ہم ان کی اس بات کو غلط قرار دیتے ہیں اور عَلَی الْاِعْلان کہتے ہیں کہ فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ یہ کبھی مومن نہیں کہلا سکتے جب تک وہ اپنے جھگڑوں میں اے محمد رسول اللہ ﷺ! تجھے حَکَم تسلیم نہ کریں اور پھر تیری قضاء پر وہ دل و جان سے راضی نہ ہوں۔اس آیت کریمہ میں دو نہایت اہم باتیں بیان کی گئی ہیں۔

اوّل یہ کہ خدا تعالیٰ اس آیت میں رسول کریم ﷺ کو آخری قاضی قرار دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ کا جو فیصلہ بھی ہوگا وہ آخری ہوگا اور اس پر کسی اور کے پاس کسی کو اپیل کا حق حاصل نہیں ہوگا اور آخری فیصلہ کا حق رسول کریم ﷺ کو دینا بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو حکومت کے اختیارات حاصل تھے۔

دوسری بات جو اس سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اِن فیصلوں کے تسلیم کرنے کو ایمان کا جزو قرار دیتا ہے۔چنانچہ فرماتا ہے۔ فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ تیرے ربّ کی قسم! وہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک وہ تیرے فیصلوں کو تسلیم نہ کریں۔گویا یہ بھی دین کا ایک حصہ ہے اور ویسا ہی حصہ ہے جیسے نماز دین کا حصہ ہے، جیسے روزہ دین کا حصہ ہے، جیسے حج اور زکوٰۃ دین کا حصہ ہے۔فرض کرو زید اور بکر کا آپس میں جھگڑا ہو جاتا ہے ایک کہتا ہے میں نے دوسرے سے دس روپے لینے ہیں اور دوسرا کہتا ہے میں نے کوئی روپیہ نہیں دینا۔دونوں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچتے ہیں اور اپنے جھگڑے کو آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک کے حق میں فیصلہ کر دیتے ہیں تو دوسرا اس فیصلے کو اگر نہیں مانتا تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے وہ مومن نہیں رہا۔پس باوجودیکہ وہ نماز پڑھتا ہوگا، وہ روزے رکھتا ہوگا، وہ حج کرتا ہوگا، اگر وہ اس حصہ میں آ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فیصلہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا فتویٰ اس کے متعلق یہی ہے کہ اس انکار کے بعد وہ مومن نہیں رہا۔پس لَا یُؤْمِنُوْنَ کے الفاظ نے بتا دیا کہ خدا تعالیٰ نے اس حصہ کو بھی دین کا ایک جزو قرار دیا ہے علیحدہ نہیں رکھا۔

(۳) تیسری جگہ فرماتا ہے اِنَّمَا کَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰهِ

وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ [9] یعنی مومنوں کو جب خدا اور اُس کا رسول بُلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آؤ ہم تمہارے جھگڑے کا فیصلہ کر دیں تو وہ یہی کہتے ہیں کہ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۔ حضور کا حکم ہم نے سن لیا اور ہم ہمیشہ حضور کی اطاعت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ یہی وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہوں گے اور ہمیشہ مظفر و منصور رہیں گے۔ اب ایک طرف رسول کریم ﷺ کے فیصلوں کوتسلیم کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ایمان کو وابستہ قرار دینا اور دوسری طرف انہی لوگوں کو کامیاب قرار دینا جو سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہیں اور آپ کے کسی فیصلہ کے خلاف نہ چلیں، بتاتا ہے کہ ان احکام کے ساتھ خدائی تصرف شامل ہے۔ اگر کوئی شخص ان احکام کو نہ مانے تو خدائی عذاب اس پر اُترتا اور اُسے ناکام و نامراد کر دیتا ہے لیکن دُنیوی امور میں ایسا نہیں ہوتا۔ وہاں صرف طبعی نتائج پیدا ہوا کرتے ہیں۔

(۴) پھر فرماتا ہے اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

یعنی وہ لوگ جو اس کی اتباع کرتے ہیں جو خدا کا رسول ہے اور جو نبی اور اُمّی ہے اور جس کے متعلق تورات اور انجیل میں وہ کئی پیشگوئیاں لکھی ہوئی پاتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ رسول انہیں ہمیشہ نیک کاموں کا حکم دیتا اور بُری باتوں سے روکتا ہے۔ گویا وہ لوگوں میں ایک قانون نافذ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ کرو اور وہ نہ کرو۔ اسی طرح وہ ان کے لئے طیبات کو حلال ٹھہراتا اور ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے۔ گویا وہ انسانی اعمال اور اقوال اور کھانے پینے کے متعلق بھی مناسب ہدایات دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے فلاں چیز کھاؤ اور فلاں نہ کھاؤ۔ فلاں بات کرو اور فلاں نہ کرو۔ اسی طرح وہ ان کے وہ بوجھ اُتارتا ہے جو ان کے لئے ناقابلِ برداشت ہو رہے ہیں اور ان کے اُن طوقوں کو دُور کرتا ہے جنہوں نے ان کو ترقی کی طرف بڑھنے سے روکا ہوا تھا۔ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ

وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ پس وہ لوگ جو اس رسول پر ایمان لاتے اور اس کے احکام کی عزت کرتے اور اس کی نصرت اور تائید کرتے اور اس نور کی اتباع کرتے ہیں جو اس کے ذریعہ نازل کیا گیا ہے وہی لوگ دنیا و آخرت میں کامیاب ہوں گے۔

اب دیکھو گورنمنٹیں بھی ہمیشہ اسی قسم کے قوانین بناتی ہیں اور کہتی ہیں کہ یہ کرو اور وہ نہ کرو اور قرآن کہتا ہے کہ ہم نے یہ اختیار جو حکومت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے محمد رسول اللہ ﷺ کو دے دیا ہے جو لوگ اس کی اتباع کریں گے وہ کامیاب ہوں گے اور جو اطاعت سے انحراف کریں گے وہ ناکام ہوں گے۔

(۵) اسی طرح فرماتا ہے۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۙ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہ بتاتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت ہوگی کس طرح؟ آیا دُنیوی بادشاہوں کی طرح یا کسی اور رنگ میں؟ فرماتا ہے خدا کا رسول تم میں موجود ہے اگر وہ تمہارے اکثر مشوروں کو قبول کرے تو تم یقیناً مصیبت میں پڑ جاؤ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں ایمان پیدا کر دیا ہے اور تم اُس کی قدر و قیمت کو اچھی طرح سمجھتے ہو اور جانتے ہو کہ ایمان کا تمہارے پاس رہنا تمہارے لئے کس قدر مفید اور بابرکت ہے اور ایمان کا ضیاع تمہارے لئے کس قدر مُہلک ہے وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ اور پھر اس ایمان کو اس نے تمہارے دلوں میں نہایت خوبصورت شکل میں قائم کر دیا ہے اور کُفر، فسق، عِصیان اور خروج عن الاطاعت کو اس نے تمہاری آنکھوں میں مکروہ بنا دیا ہے اس لئے تمہیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ ہمارے رسول کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ وہ اگر چاہے تو تمہارے مشوروں کو قبول کرے اور اگر چاہے تو ردّ کر دے۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ اور یہی وہ لوگ ہیں جو ہدایت پانے والے ہیں۔

رسول کریم ﷺ کا طریق حکومت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق حکومت کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ آپ کا طریق حکومت یہ نہیں تھا کہ آپ ہر بات میں لوگوں کا مشورہ قبول کرتے۔ اور اس کا ذکر اس لئے ضروری تھا کہ کوئی کہہ سکتا تھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم درحقیقت وہی فیصلہ کیا کرتے تھے جو قوم کا فیصلہ ہؤا کرتا تھا جیسے پارلیمنٹیں مُلک کے نمائندوں کی آواز کے مطابق فیصلے کرتی ہیں۔ اسی طرح کوئی کہہ سکتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ملک کا فیصلہ ہی لوگوں سے منواتے تھے اپنا قانون ان میں نافذ نہیں کرتے تھے۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس شبہ کا ازالہ کر دیا اور خود مُلک والوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ دیا کہ اگر ہمارا رسول تمہاری کثرتِ رائے کے ماتحت دیئے ہوئے اکثر مشوروں کو قبول کر لے تو تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔ گویا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت کا یہ طریق نہیں تھا کہ آپ کثرتِ رائے کے مطابق فیصلہ کرتے بلکہ جب کثرتِ رائے کو مفید سمجھتے تو کثرتِ رائے کے حق میں اپنا فیصلہ دے دیتے اور جب کثرتِ رائے کو مُضر سمجھتے تو اس کے خلاف فیصلہ کرتے۔ کَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ کے الفاظ بتاتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر بات قبول کر لیتے بلکہ آپ کو اختیار تھا کہ جب آپ لوگوں کی رائے میں کسی قسم کا نقص دیکھیں تو اسے ردّ کر دیں اور خود اپنی طرف سے کوئی فیصلہ فرما دیں۔

(۶) پھر فرماتا ہے۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَ صَلِّ عَلَيْهِمْ [۱۲] کہ اے محمد ﷺ ان کے اموال سے صدقہ لو اور اس کے ذریعہ ان کے دلوں کو پاک کرو۔ ان کی اقتصادی حالت کو درست کرو۔ وَ صَلِّ عَلَيْهِمْ اور پھر ہمیشہ ان سے نرمی کا معاملہ کرتے رہو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین احکام دیئے ہیں۔

اوّل یہ کہ لوگوں سے زکوٰۃ لو کیونکہ اس کے ذریعہ ان کے دلوں میں غریبوں سے پیار اور حسنِ سلوک کا مادہ پیدا ہوگا۔

دوسرا حکم یہ دیا کہ زکوٰۃ کے روپیہ کو ایسے طور پر خرچ کیا جائے کہ اس سے غرباء کی حالت درست ہو اور وہ بھی دنیا میں ترقی کی طرف اپنا قدم بڑھا سکیں۔

تیسرا حکم صَلِّ عَلَيْهِمْ کے الفاظ میں یہ دیا کہ زکوٰۃ کے لینے میں سختی نہ کی جائے بلکہ ہمیشہ حکم کا نرم پہلو اختیار کیا جائے۔ اسی وجہ سے رسول کریم ﷺ جب محصّلین کو زکوٰۃ کی وصولی کے لئے بھیجتے تو آپ ہمیشہ یہ تاکید فرمایا کرتے کہ موٹا دُنبہ اور اونٹ چُن کر نہ لینا بلکہ اپنی خوشی سے وہ جن جانوروں کو بطور زکوٰۃ دے دیں اُنہی کو لے لینا اور یہ خواہش نہ کرنا کہ وہ زیادہ اعلیٰ اور عمدہ جانور پیش کریں۔ گویا شرعاً اور قانوناً جس قدر نرمی جائز ہوسکتی ہے اُسی قدر نرمی کرنے کا آپ لوگوں کو حکم دیتے۔

(۷) ساتویں آیت جس میں حکومت سے تعلق رکھنے والے امور کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ [۱۳]

یعنی وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کے غضب کے ماتحت اس امر کی توفیق نہ پا سکے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کے لئے نکلیں اور جنگ میں شامل ہوں، وہ اپنے پیچھے رہنے پر بہت ہی خوش ہوئے اور انہوں نے اس بات کو بُرا سمجھا کہ وہ اپنی جانوں اور اپنے مالوں کو خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان کریں۔ اور انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ سخت گرمی کا موسم ہے ایسے موسم میں جہاد کیلئے نکلنا تو اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ اب گرمی کا بہانہ بنا کر تو تم پیچھے رہ گئے ہو مگر یاد رکھو جہنم کی آگ کی تپش بہت زیادہ ہوگی۔ کاش وہ اس امر کو جانتے اور سمجھتے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے صریح لفظوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ سپاہی بنو اور دشمنوں سے لڑو اور یہ بھی فرمادیا ہے کہ جو لوگ تیرے حکم کے ماتحت لڑنے کے لئے نہیں نکلیں گے وہ خدا تعالیٰ کے حضور مجرم قرار پائیں گے۔

(۸) پھر فرماتا ہے۔ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ

وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۚ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۱۴؎

کہ وہ لوگ جو اللہ اور رسول سے لڑتے اور زمین میں فساد پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی جزاء یہ ہے کہ انہیں قتل کیا جائے یا انہیں صلیب دیا جائے یا ان کے ہاتھوں اور پاؤں کو مقابل پر کاٹ دیا جائے یا انہیں ملک بدر کر دیا جائے۔ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ اور یہ امران کے لئے دنیا میں رُسوائی کا موجب ہوگا اور آخرت میں عذابِ عظیم کا موجب۔

عرب سے کُفّار کے نکالے جانے کا حکم

(۹) اِسی طرح سورۃ توبہ کی پہلی آیات میں عرب سے کُفّار کے نکالے جانے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ اعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ۬ وَ رَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ؕ وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّ لَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَ خُذُوْهُمْ وَ احْصُرُوْهُمْ وَ اقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۱۵؎

یعنی اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان لوگوں میں اعلان کر دو کہ خدا اور رسول نے تمہاری ذلّت کے متعلق جو پیشگوئیاں کی تھیں وہ پوری ہوگئیں۔ اب خدا اور رسول پر تمہارا

کوئی الزام نہیں لگ سکتا۔ پس اِن کو کہو کہ اب جاؤ اور سارے عرب میں چار ماہ پھر کر دیکھ لو کہ کہیں بھی تمہاری حکومت رہ گئی ہے؟ یقیناً تمہیں معلوم ہوگا کہ تم اللہ تعالیٰ کو شکست نہیں دے سکے۔ اور خدا ہی ہے جس نے تمہیں رُسوا کیا۔ اسی طرح حج اکبر کے دن لوگوں میں اعلان کر دو کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکوں کے تمام اعتراضات سے بَری ہو چکا ہے اور تمہارے جس قدر اعتراضات تھے وہ دُور ہو گئے۔ اگر وہ توبہ کر لیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہوگا اور اگر وہ پھر بھی نہ مانیں تو جان لو کہ اَب بقیہ عرب میں ان کی تھوڑی بہت اگر کچھ حکومت باقی ہے تو وہ بھی تباہ ہو جائے گی۔ سوائے ان کے جو اُن مشرکوں میں سے تمہارے ساتھ معاہدہ کر لیں۔ مگر اس شرط کے ساتھ کہ انہوں نے معاہدہ کو کسی صورت میں نہ توڑا ہو اور نہ انہوں نے تمہارے خلاف دشمنوں کی کسی قسم کی مدد کی ہو۔ ایسے لوگوں کے ساتھ تم معاہدہ کو نبھاؤ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ متقیوں سے محبت رکھتا ہے۔ لیکن ان کے علاوہ اور جس قدر مشرک ہیں ان میں ایک اعلان کر دو اور وہ یہ کہ آج سے چار ماہ کے بعد وہ عرب میں سے نکل جائیں اگر وہ نہ نکلیں اور عرب میں ہی ٹھہرے رہیں تو چونکہ انہوں نے گورنمنٹ کا آرڈر نہیں مانا ہوگا اس لئے ہم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ اس کے بعد تم مشرکوں کو جہاں بھی پاؤ قتل کر دو اور جہاں پاؤ ان کو پکڑ لو اور پکڑ کر قید میں ڈال دو اور ان کی گھات میں تم ہر جگہ بیٹھو۔ ہاں اگر وہ مسلمان ہو جائیں اور نمازیں پڑھیں اور زکوٰتیں دیں تو بے شک انہیں چھوڑ دو کیونکہ خدا غفور اور رحیم ہے۔

اَب دیکھو حکومت کس چیز کا نام ہوتا ہے۔ حکومت اس بات کا نام نہیں کہ میاں، بیوی سے اپنی باتیں منوائے اور بیوی، میاں سے۔ بلکہ حکومت کا ایک خاص دائرہ ہوتا ہے یہ نہیں کہ جو بھی کسی کو حکم دے اسے بادشاہ کہہ دیا جائے۔ انگریزی میں لطیفہ مشہور ہے کہ ایک بچے نے اپنے باپ سے پوچھا کہ ابا جان! بادشاہ کس کو کہتے ہیں؟ باپ کہنے لگا بادشاہ وہ ہوتا ہے جس کی بات کو کوئی ردّ نہ کر سکے۔ بچہ یہ سن کر کہنے لگا کہ ابا جان پھر تو ہماری اماں جان بادشاہ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے وہ باپ ''زَن مرید'' ہوگا۔ تبھی اس کے بچہ نے کہا کہ اگر بادشاہ کی یہی تعریف ہے تو یہ تعریف تو میری والدہ پر صادق آتی ہے۔

حکومت کیلئے ضروری شرائط

غرض حکومت کا ایک خاص دائرہ ہوتا ہے اور جب ہم تسلیم کریں گے کہ فلاں حکومت ہے تو اس میں چند شرائط کا پایا جانا بھی ضروری ہوگا جن میں سے بعض یہ ہیں :۔

(۱) حکومت کیلئے مُلکی حدود کا ہونا ضروری ہے۔ یعنی جو نظام بھی رائج ہو اُس کی ایک حد بندی ہوگی اور کہا جا سکے گا کہ فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک اس کا اثر ہے۔ گویا مُلکی حدود حکومت کا ایک جُزوِ لَایَنْفَکّ ہے۔

(۲) حکومت کو افراد کی مالی جانی اور رہائشی آزادی پر پابندیاں لگانے کا اختیار رہوتا ہے۔ مثلاً حکومت کو اختیار ہے کہ وہ کسی کو قید کر دے، کسی کو اپنے ملک سے باہر نکال دے یا کسی سے جبراً روپیہ وصول کر لے۔ اسی طرح جانی آزادی پر بھی وہ پابندی عائد کر سکتی ہے۔ مثلاً وہ حکم دے سکتی ہے کہ ہر نوجوان فوج میں بھرتی ہو جائے۔ یا اگر کہیں والنٹیئروں کی ضرورت ہو تو وہ ہر ایک کو بُلا سکتی ہے۔

(۳) تیسرے، لوگوں پر ٹیکس لگانے اور ٹیکسوں کے وصول کرنے کا بھی اسے اختیار رہوتا ہے۔

اسی طرح ایسے ہی اختیارات رکھنے والے ممالک سے اسے معاہدات کرنے کا اختیار ہوتا ہے، اسے باہر سے آنے والوں اور باہر جانے والوں پر پابندیاں لگانے کا اختیار رہوتا ہے، اسے تجارت اور لین دین کے متعلق قوانین بنانے کا اختیار رہوتا ہے، اسے قضاء کا اختیار ہوتا ہے، غرض یہ تمام کام حکومت کے سپرد ہوتے ہیں اور اسے اختیار رہوتا ہے کہ وہ جس طرح چاہے ان امور کو سرانجام دے۔ بالخصوص ملکی حدود کا ہونا حکومت کے لئے نہایت ہی ضروری ہے کیونکہ اِسی کے ماتحت وہ فیصلہ کرتی ہے کہ فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک رہنے والوں پر ہمارے احکام حاوی ہوں گے اور ان کا فرض ہوگا کہ وہ ان کی اطاعت کریں اس مُلکی حد میں چاہے کسی وقت غیر آ جائیں ان کے لئے بھی حکومت کے احکام کی اطاعت ضروری ہوگی اور جو اس حد میں سے نکل جائے وہ ایک حد تک ان قوانین کی اطاعت سے بھی باہر ہو جاتا ہے۔ غرض حکومت کا کام بعض باتوں کا حکم دینا بعض باتوں سے روکنا، افراد کی مالی، جانی اور رہائشی آزادی پر ضرورت کے وقت پابندیاں عائد کرنا، ٹیکس وصول کرنا، لوگوں کو فوج

میں بھرتی کرنا، معاہدات کرنا اور قضاء کے کام کو سرانجام دینا ہوتا ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سب اختیارات دیئے گئے ہیں یا نہیں۔

پہلا امر مُلکی حد بندی تھی۔ سو اس اختیار کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملنا ایک واضح امر ہے کیونکہ آپ نے اعلان کر دیا کہ اتنے حصہ میں مسلمانوں کے سوا اور کوئی نہیں رہ سکتا اور اگر کوئی آیا تو اسے نکال دیا جائے گا۔ دوسری طرف فرما دیا کہ جو لوگ اس حد کے اندر رہتے ہیں ان کے لئے یہ یہ شرائط ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو دوسروں سے معاہدات کرنے کا بھی اختیار دیا اور پھر شرائط کے ماتحت اس بات کا بھی اختیار دیا کہ آپ اگر مناسب سمجھیں تو معاہدہ کو منسوخ کر دیں۔ اسی طرح آپ کو ٹیکس وصول کرنے کا بھی اختیار دیا گیا۔ آپ کو ضرورت پر لوگوں کی مالی، جانی اور رہائشی آزادی پر پابندیاں عائد کرنے کا بھی اختیار دیا گیا۔ غرض حکومت کے جس قدر اختیارات ہوتے ہیں وہ تمام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے دے دیئے۔ حکومت کا کام بعض باتوں کا حکم دینا ہوتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ یہ حق دیتا ہے۔ حکومت کا کام بعض باتوں سے روکنا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حق بھی دیتا ہے۔ پھر افراد کی مالی، جانی اور رہائشی آزادی کو حکومت ہی خاص حالات میں سَلب کر سکتی ہے۔ چنانچہ اس کا حق بھی اللہ تعالیٰ آپ کو دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ تم ان کے مال لے سکتے ہو، ٹیکس وصول کر سکتے ہو، جانیں ان سے طلب کر سکتے ہو اور جنگ پر لے جا سکتے ہو۔ اسی طرح ملک سے لوگوں کو نکالنے کا اختیار بھی آپ کو دیا گیا۔ پھر قضاء حکومت کا کام ہوتا ہے سو یہ حق بھی اسلام آپ کو دیتا ہے اور آپ کے فیصلہ کو آخری فیصلہ قرار دیتا ہے۔ پھر حکومت کی قسم بھی بتادی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے پابند نہیں کہ تمہاری سب باتیں مانیں بلکہ تم اس بات کے پابند ہو کہ ان کی سب باتیں مانو کیونکہ اگر یہ تمہاری سب باتیں مانے تو اس کے خطرناک نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔

پس ان آیات سے ثابت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق امورِ حکومت کے انصرام سے وقتی ضرورت کے ماتحت نہ تھا بلکہ شریعت کا حصہ تھا اور جس طرح نماز روزہ

وغیرہ احکام مذہب کا جُزو ہیں اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نظامِ ملکی کا کام اور طریق بھی مذہب اور دین کا حصہ ہے اور دُنیوی یا وقتی ہرگز نہیں کہلا سکتا۔

کیا نظام سے تعلق رکھنے والے احکام صرف رسول کریم ﷺ کی ذات سے مخصوص تھے؟

منکرینِ خلافت کی اس دلیل پر کہ اسلام نے کوئی معیّن نظام پیش نہیں کیا جو

یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس طرح رسول کریم ﷺ کے اعمال کا وہ حصہ جو نظام کے قیام سے تعلق رکھتا ہے مذہبی حیثیت نہیں رکھے گا بلکہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ کام محض ضرورتِ زمانہ کے ماتحت آپ کرتے تھے اسے علی بن عبدالرزاق نے بھی محسوس کیا ہے اور چونکہ وہ آدمی ذہین ہے اس لئے اس نے اس مشکل کو بھانپا ہے اور یہ سمجھ کر کہ لوگ اس پر یہ اعتراض کریں گے کہ جب قرآن کریم میں ایسے احکام موجود ہیں جن کا تعلق حکومت کے ساتھ ہے تو تم کس طرح کہتے ہو کہ رسول کریم ﷺ نے اِن کاموں کو وقتی ضرورت کے ماتحت کیا اور اسلام نے کوئی مخصوص نظامِ حکومت پیش نہیں کیا اسے اس رنگ میں حل کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ کہتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کی حکومت حکومتِ رسالت و محبت تھی نہ کہ حکومتِ ملوکیت۔ وہ کہتا ہے بیشک رسول کریم ﷺ نے کئی قسم کے احکام دیئے مگر وہ احکام بحیثیتِ رسول ہونے کے تھے بحیثیت نظام کے سردار ہونے کے نہیں تھے۔ اور اس سے اس کی غرض یہ ہے کہ چونکہ وہ احکام نظام کا سردار ہونے کے لحاظ سے نہیں دیئے گئے اس لئے وہ دوسروں کی طرف منتقل نہیں ہو سکتے اور چونکہ وہ تمام احکام بحیثیت رسول تھے اس لئے آپ کی وفات کے ساتھ ہی وہ احکام بھی ختم ہو گئے۔ پھر وہ ان تمام اختیارات کو رسول کریم ﷺ کے ساتھ مخصوص ثابت کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ رسول کے ساتھ لوگوں کو غیر معمولی محبت ہوتی ہے اور اس محبت کی وجہ سے ہر شخص اُن کی بات کو تسلیم کر لیتا ہے یہی کیفیت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تھی۔ صحابہؓ کو آپ کے ساتھ عشق تھا اور وہ آپ کے ہر حکم پر اپنی جانیں فدا کرنے کیلئے تیار رہتے تھے۔ پس آپ نے جو حکم بھی دیا وہ انہوں نے مان لیا اور وہ ماننے پر مجبور تھے کیونکہ وہ اگر عاشق تھے تو آپ معشوق، اور عاشق اپنے معشوق کی باتوں کو مانا ہی کرتا ہے۔ مگر اس کے

یہ معنی نہیں کہ وہ احکام ہمیشہ کیلئے واجب العمل بن گئے بلکہ وہ صرف آپ کے ساتھ مخصوص تھے اور جب آپ وفات پا گئے تو ان احکام کا دائرہ عمل بھی ختم ہو گیا۔

نبی کے ساتھ اُس کے متّبعین کی غیر معمولی محبت

علی بن عبدالرزاق کی یہ دلیل اِس لحاظ سے تو درست ہے کہ واقع میں نبی کے ساتھ اُس کے ماننے والوں کو غیر معمولی محبت ہوتی ہے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ہماری جماعت کے ہزاروں لوگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو کچھ کرتے دیکھتے تھے وہی خود بھی کرنے لگ جاتے۔ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے کسی نے بطور اعتراض کہا کہ آپ کی جماعت کے بعض لوگ ڈاڑھی منڈواتے ہیں اور یہ کوئی پسندیدہ طریق نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جب اِن کے دلوں میں محبتِ کامل پیدا ہو جائے گی اور وہ دیکھیں گے کہ مَیں نے ڈاڑھی رکھی ہوئی ہے تو وہ خود بھی ڈاڑھی رکھنے لگ جائیں گے اور کسی وعظ و نصیحت کی اِنہیں ضرورت نہیں رہے گی۔

پس اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نبی اور اس کے ماننے والوں کے درمیان محبت کا ایک ایسا رشتہ ہوتا ہے جس کی نظیر اور کسی دُنیوی رشتہ میں نظر نہیں آ سکتی بلکہ بعض دفعہ محبت کے جوش میں انسان بظاہر معقولیت کو بھی چھوڑ دیتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی عادت تھی کہ جب وہ حج کیلئے جاتے تو ایک مقام پر پیشاب کرنے کیلئے بیٹھ جاتے اور چونکہ وہ بار بار اُسی مقام پر بیٹھتے اس لئے ایک دفعہ کسی نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ کو اِسی مقام پر پیشاب آتا ہے اِدھر اُدھر کسی اور جگہ نہیں آتا۔ انہوں نے کہا اصل بات یہ ہے کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں پیشاب کرنے کیلئے بیٹھے تھے اس وجہ سے جب بھی میں یہاں سے گزرتا ہوں مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یاد آ جاتے ہیں اور میں اِس جگہ تھوڑی دیر کیلئے ضرور بیٹھ جاتا ہوں۔ [۱۶]

تو محبت کی وجہ سے انسان بعض دفعہ ایسی نقلیں بھی کر لیتا ہے جو بظاہر غیر معقول نظر آتی ہیں۔ پس یہ جو اُس نے کہا کہ چونکہ صحابہؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی اس لئے

وہ آپ کی اطاعت کرتے تھے اِسے ہم بھی تسلیم کرتے ہیں مگر یہاں یہ سوال نہیں کہ وہ لوگ آپ کی محبت سے اطاعت کرتے تھے یا دباؤ سے بلکہ سوال یہ ہے کہ آیا اسلام نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی اقتدار مُلک اور جان پر دیا تھا یا نہیں؟ اِسی طرح نہ ماننے والوں پر آپ کو کوئی اختیار دیا تھا یا نہیں؟ اگر قرآن میں صرف احکام بیان ہوتے اور نہ ماننے والوں کے متعلق کسی قسم کی سزا کا ذکر نہ ہوتا تو کہا جا سکتا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام دیئے اور صحابہؓ نے اُس عشق کی وجہ سے جو انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے تھا ان احکام کو قبول کر لیا۔ مگر ہم تو دیکھتے ہیں کہ قرآن میں سزائیں بھی مقرر کی گئی ہیں اور کہا گیا ہے کہ اگر فلاں جُرم کرو گے تو تمہیں یہ سزا ملے گی اور فلاں جُرم کرو گے تو یہ سزا ملے گی اور جب کہ قرآن نے سزائیں بھی مقرر کی ہیں تو معلوم ہؤا کہ محبت کا اصول کُلّیۃً درست نہیں کیونکہ جہاں احکام کی اطاعت محض محبت سے وابستہ ہو وہاں سزائیں مقرر نہیں کی جاتیں۔ پھر اسلام نے صرف چند احکام نہیں دیئے بلکہ نظامِ حکومت کی تفصیل بھی بیان کی ہے۔ گو بعض جگہ اس نے تفصیلات کو بیان نہیں بھی کیا اور اس میں لوگوں کیلئے اُس نے اجتہاد کے دروازہ کو کھلا رکھا ہے تا کہ اُن کی عقلی اور فکری استعدادوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ چنانچہ بعض امور میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اجتہاد کر کے اصل اسلامی مسئلہ لوگوں کے سامنے پیش کیا اور بعض امور میں حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، اور حضرت علی رضی اللہ عنہم نے حالاتِ پیش آمدہ کے مطابق لوگوں کی رہبری کی بلکہ بعض امور ایسے ہیں جن کے متعلق آج تک غور و فکر سے کام لیا جا رہا ہے۔

خیارِ بلوغ کا مسئلہ

مثلاً باپ اگر بیٹی کا بلوغت سے پہلے نکاح کر دے تو بالغ ہونے پر اسے فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہے یا نہیں؟ یہ ایک سوال ہے جو عام طور پر پیدا ہوتا رہتا ہے۔ فقہ کی پُرانی کتابوں میں یہی ذکر ہے کہ باپ اگر بیٹی کا نکاح کر دے تو اُسے خیارِ بلوغ حاصل نہیں ہوتا مگر مَیں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ لڑکی کو خیارِ بلوغ حاصل ہے اور اسے اس بات کا حق ہے کہ اگر وہ بالغ ہونے پر اس رشتہ کو پسند نہ کرے تو اسے ردّ کر دے۔ اسی طرح اور بہت سے فقہی مسائل ہیں جو اسلامی تعلیم کے ماتحت آہستہ آہستہ

نکلتے آتے ہیں اور بہت سے آئندہ زمانوں میں نکلیں گے۔ پس ہمیں تفصیلات سے غرض نہیں اور نہ اِس وقت یہ سوال پیش ہے کہ اسلام نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی خاص رنگ کی حکومت دی تھی یا نہیں کیونکہ نظامِ حکومت علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ انگلستان کا امریکہ سے امریکہ کا روس سے اور روس کا جرمنی سے نظامِ حکومت مختلف ہے مگر اس اختلاف کی وجہ سے یہ تو نہیں کہ ایک کو ہم حکومت کہیں اور دوسرے کو ہم حکومت نہ کہیں۔ حکومت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی خاص نظام مقرر کیا جائے اور لوگوں کی باگ ڈور ایک آدمی یا ایک جماعت کے سپرد کر کے مُلکی حدود کے اندر اس کو قائم کیا جائے۔ پس دیکھنا یہ ہے کہ کسی نظام کا خواہ وہ دوسرے نظاموں سے کیسا ہی مخالف کیوں نہ ہو اسلام حکم دیتا ہے یا نہیں اور اُس نظام کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چلاتے تھے یا نہیں۔

اسلام مُلکی اور قانونی نظام کا قائل ہے

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام ملوکیت کا قائل نہیں کیونکہ ملوکیت ایک خاص معنی رکھتی ہے اور اُن معنوں کی حکومت کا اسلام مخالف ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعلق بھی فرمایا کہ مَیں بادشاہ نہیں اور خلفاء کے متعلق بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملوک کا لفظ استعمال نہیں فرمایا مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ اسلام مذہبی طور پر کسی بھی ملکی نظام کا قائل نہیں۔ اگر کوئی نظام قرآن اور اسلام سے ثابت ہو تو ہم کہیں گے کہ اسلام ملوکیت کا بے شک مخالف ہے مگر ایک خاص قسم کے نظام کو اس کی جگہ قائم کرتا ہے اور وہ اسلام کا مذہبی حصہ ہے اور چونکہ وہ مذہبی حصہ ہے اس کا قیام مسلمانوں کیلئے ضروری ہے جہاں تک اُن کی طاقت ہو۔ حکومت درحقیقت نام ہے ملکی حدود اور اس میں خاص اختیارات کے اجراء کا۔ کسی خاص طرز کا نام نہیں۔ اور ملکی حدود اور خاص اختیارات کا نفاذ قرآن کریم سے ثابت ہے۔ جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے جن کو مَیں ابھی پیش کر چکا ہوں۔ پس جب کہ ایک ملکی حد اور اس حد میں ایک خاص قانون اور ایک اصلی باشندے ملک کے اور ایک معاہد اور ایک غیر ملکی کا وجود پایا جاتا ہے تو ایک خاص نظامِ حکومت بھی ثابت ہے اس کا نام ہم بھی ملوکیت نہیں رکھتے کیونکہ ملوکیّت ایسے معنوں کی حامل ہے جن کی اسلام اجازت نہیں

دیتا لیکن بہر حال ایک ملکی اور قانونی نظام ثابت ہے اور اسی کے وجود کو ہم ثابت کرنا چاہتے ہیں اور اسی نظام کے قیام کیلئے ہم خلافت کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ پس خلافت ایک اسلامی نظام ہے نہ کہ وقتی مصلحت کا نتیجہ۔

مَیں اِس امر کو مانتا ہوں کہ خلافت کے انکار سے منطقی نظریہ وہی قائم ہوتا ہے جو علی بن عبدالرزاق نے قائم کیا ہے اور خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نظام کو بھی کسی نہ کسی رنگ میں ردّ کرنا پڑتا ہے اور جو لوگ اِس نظریہ کو تسلیم کئے بغیر خلافت کا انکار کرتے ہیں وہ یا تو بیوقوف ہیں یا لوگوں کی آنکھوں میں خاک جھونکنا چاہتے ہیں۔ اب جب کہ قرآن کریم سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ اسلام امورِ ملکی اور نظامِ قومی کو مذہب کا حصہ قرار دیتا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِن امور میں حصہ لینا اسے مذہب کا جزو قرار دیتا ہے تو اِن امور میں آپ کی ہدایت اور راہنمائی اُسی طرح سنت اور قابلِ نمونہ ہوئی جس طرح کہ نماز روزہ وغیرہ احکام میں۔ اور اِن امور میں کسی آزادی کا مطالبہ اُسی وقت تسلیم ہو سکتا ہے جب کہ انسان اسلام سے بھی آزادی کا مطالبہ کرے۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا تو ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہو گیا کہ جس طرح نماز روزہ کے احکام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک ختم نہیں ہو گئے اسی طرح نظامِ قومی یا نظامِ ملکی کے احکام بھی آپ کی وفات کے ساتھ ختم نہیں ہو گئے کیونکہ جس طرح فرد کی باطنی ترقی کیلئے نماز روزہ کی ضرورت باقی ہے اِسی طرح قوم کی ترقی کیلئے ان دوسری قسم کے احکام کے نفاذ اور انتظام کی بھی ضرورت ہے۔ اور جس طرح نماز باجماعت جو ایک اجتماعی عبادت ہے آپ کے بعد آپ کے نواب کے ذریعے ادا ہوتی رہنی چاہئے اسی طرح وہ دوسرے احکام بھی آپ کے نواب کے ذریعے سے پورے ہوتے رہنے چاہئیں۔ اور جس طرح نماز روزہ کے متعلق خدا تعالیٰ نے جو احکام دیئے اُن کا یہ مطلب نہیں تھا کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو جائیں تو تم بے شک نہ نمازیں پڑھو اور نہ روزے رکھو اسی طرح نظام کے متعلق اسلام نے جو احکام دیئے اُن سے یہ مقصد نہیں تھا کہ وہ بعد میں قابل عمل نہیں رہیں گے بلکہ جس طرح نماز میں ایک کے بعد دوسرا امام مقرر ہوتا چلا جاتا ہے اِسی طرح نظام سے تعلق رکھنے والے احکام پر بھی آپ کے نائبین کے

ذریعہ ہمیشہ عمل ہوتے رہنا چاہئے۔

قبائل عرب کی بغاوت کی وجہ

مَیں سمجھتا ہوں اِسی دھوکا کی وجہ سے کہ نظام سے تعلق رکھنے والے احکام رسول کریم ﷺ کی ذات سے مختص تھے آپ کی وفات کے بعد عرب کے قبائل نے بغاوت کر دی اور انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ وہ بھی یہی دلیل دیتے تھے کہ خدا تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سِوا کسی اور کو زکوٰۃ لینے کا اختیار ہی نہیں دیا۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِھِمْ صَدَقَۃً اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تو ان کے اموال کا کچھ حصہ بطور زکوٰۃ لے۔ یہ کہیں ذکر نہیں کہ کسی اور کو بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زکوٰۃ لینے کا اختیار ہے۔ مگر مسلمانوں نے ان کی اس دلیل کو تسلیم نہ کیا حالانکہ وہاں خصوصیت کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی مخاطب کیا گیا ہے۔ بہرحال جو لوگ اُس وقت مرتد ہوئے اُن کی بڑی دلیل یہی تھی کہ زکوٰۃ لینے کا صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار حاصل تھا کسی اور کو نہیں۔ اور اس کی وجہ یہی دھوکا تھا کہ نظام سے تعلق رکھنے والے احکام ہمیشہ کے لئے قابلِ عمل نہیں بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ احکام مخصوص تھے۔ مگر جیسا کہ مَیں ثابت کر چکا ہوں یہ خیال بالکل غلط ہے اور اصل حقیقت یہی ہے کہ جس طرح نماز روزہ کے احکام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک ختم نہیں ہو گئے اسی طرح قومی یا ملکی نظام سے تعلق رکھنے والے احکام بھی آپ کی وفات کے ساتھ ختم نہیں ہو گئے اور نماز باجماعت کی طرح جو ایک اجتماعی عبادت ہے اِن احکام کے متعلق بھی ضروری ہے کہ ہمیشہ مسلمانوں میں آپ کے نائبین کے ذریعہ اِن پر عمل ہوتا رہے۔

مسئلہ خلافت کی تفصیلات

اس اصولی بحث کے بعد مَیں خلافت کے مسئلہ کی تفصیلات کی طرف آتا ہوں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ نبی کو خدا تعالیٰ سے شدید اتصال ہوتا ہے ایسا شدید اتصال کہ بعض لوگ اسی وجہ سے دھوکا کھا کر یہ خیال کر لیتے ہیں کہ شاید وہ خدا ہی ہے جیسا کہ عیسائیوں کو اِسی قسم کی ٹھوکر لگی۔ لیکن جنہیں یہ ٹھوکر نہیں لگتی اور وہ نبی کو بشر ہی سمجھتے ہیں وہ بھی اس شدید اتصال کی وجہ سے جو نبی کو

خدا تعالیٰ سے ہوتا ہے اور اس وجہ سے کہ اُس کے وجود میں اس کے اَتباع خدائی نشانات دیکھتے رہتے ہیں اُس کے زمانہ میں یہ خیال تک نہیں کرتے کہ وہ فوت ہو جائے گا۔ یہ نہیں کہ وہ نبی کو بشر نہیں سمجھتے بلکہ شدتِ محبت کی وجہ سے وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم پہلے فوت ہونگے اور نبی کو اللہ تعالیٰ ابھی بہت زیادہ عمر دے گا۔ چنانچہ آج تک کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس کے متعلق اس کی زندگی میں اس کے متّبعین نے یہ سمجھا ہو کہ وہ فوت ہو جائے گا اور ہم زندہ رہیں گے بلکہ ہر شخص (سِوائے حدیث العہد اور قلیل الایمان لوگوں کے) یہ خیال کرتا ہے کہ نبی تو زندہ رہے گا اور وہ فوت ہو جائیں گے اور اس وجہ سے وہ ان اُمور پر کبھی بحث ہی نہیں کرتے جو اس کے بعد اُمت کو پیش آنے والے ہوتے ہیں۔ اور زمانوں میں تو لوگ یہ خیال کر لیتے ہیں کہ اگر فلاں فوت ہو گیا تو کیا بنے گا مگر نبی کے زمانہ میں انہیں اس قسم کا خیال تک نہیں آتا۔ اور اس کی وجہ جیسا کہ مَیں بیان کر چکا ہوں شدتِ محبت ہوتی ہے چنانچہ اس کا ہمیں ذاتی تجربہ بھی ہے۔

ایک ذاتی تجربہ

ہم میں سے کوئی احمدی سوائے اس کے کہ جس کے دل میں خرابی پیدا ہو چکی ہو یا جس کے ایمان میں کوئی نقص واقع ہو چکا ہو ایسا نہیں تھا جس کے دل میں کبھی بھی یہ خیال آیا ہو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو فوت ہو جائیں گے اور ہم آپ کے پیچھے زندہ رہ جائیں گے۔ چھوٹے کیا اور بڑے کیا، بچے کیا اور بوڑھے کیا، مرد کیا اور عورتیں کیا سب یہی سمجھتے تھے کہ ہم پہلے فوت ہونگے اور حضرت صاحب زندہ رہیں گے۔ غرض کچھ شدتِ محبت کی وجہ سے اور کچھ اس تعلق کی عظمت کی وجہ سے جو نبی کو خدا تعالیٰ سے ہوتا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ معلوم نہیں اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو کتنی لمبی عمر دے گا۔ چاہے کوئی شخص یہ خیال نہ کرتا ہو کہ یہ نبی ہمیشہ زندہ رہے گا مگر یہ خیال ضرور آتا ہے کہ ہم پہلے فوت ہونگے اور خدا تعالیٰ کا نبی دنیا میں زندہ رہے گا۔ چنانچہ بسا اوقات اٹھارہ اٹھارہ بیس بیس سال کے نوجوان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوتے اور نہایت لجاجت سے عرض کرتے کہ حضور! ہمارا جنازہ خود پڑھائیں۔ اور ہمیں تعجب آتا کہ یہ تو ابھی نوجوان ہیں اور حضرت صاحب ستّر برس سے اوپر کی عمر کو پہنچ چکے ہیں اس کے

علاوہ آپ بیمار بھی رہتے ہیں مگر یہ کہتے ہیں کہ ہمارا جنازہ آپ پڑھائیں۔ گویا انہیں یقین ہے کہ حضرت صاحب زندہ رہیں گے اور وہ آپ کے سامنے فوت ہونگے۔ اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب وفات پا گئے تو دس پندرہ دن تک سینکڑوں آدمیوں کے دلوں میں کئی دفعہ یہ خیال آتا کہ آپ ابھی فوت نہیں ہوئے۔ میرا اپنا یہ حال تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے تیسرے دن مَیں ایک دوست کے ساتھ باہر سیر کیلئے گیا اور دارالانوار کی طرف نکل گیا۔ اُن دنوں ایک اعتراض کے متعلق بڑا چرچا تھا اور سمجھا جاتا تھا کہ وہ بہت ہی اہم ہے۔ راستہ میں مَیں نے اس اعتراض پر غور کرنا شروع کر دیا اور خاموشی سے سوچتا چلا گیا۔ مجھے یکدم اس اعتراض کا ایک نہایت ہی لطیف جواب سُوجھ گیا اور مَیں نے زور سے کہا کہ مجھے اس اعتراض کا جواب مل گیا ہے اب میں گھر چل کر حضرت صاحب سے اس کا ذکر کروں گا اور آپ کو بتاؤں گا کہ آپ کی وفات پر جو فلاں اعتراض دشمنوں نے کیا ہے اس کا یہ جواب ہے حالانکہ اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وفات پائے تین دن گزر چکے تھے۔ تو وہ لوگ جنہوں نے اس عشق کا مزا چکھا ہوا ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں وہ کیا خیال کرتے تھے اور آپ کی وفات پر اُن کی کیا قلبی کیفیات تھیں۔ یہی حال صحابہؓ کا تھا۔ انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عشق تھا اُس کی مثال تاریخ کے صفحات میں اور کہیں نظر نہیں آتی۔ اس عشق کی وجہ سے صحابہؓ کیلئے یہ تسلیم کرنا سخت مشکل تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو جائیں گے اور وہ زندہ رہیں گے۔ یہ نہیں کہ وہ آپ کو خدا سمجھتے تھے، وہ سمجھتے تو آپ کو انسان ہی تھے مگر شدتِ محبت کی وجہ سے خیال کرتے تھے کہ ہماری زندگی میں ایسا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ آپ کی وفات پر جو واقعہ ہوا وہ اس حقیقت کی ایک نہایت واضح دلیل ہے۔

رسول کریم ﷺ کی وفات پر صحابہؓ کی کیفیت

حدیثوں اور تاریخوں میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر جب لوگوں میں مشہور ہوئی تو حضرت عمرؓ تلوار لے کر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ یہ افواہ محض منافقوں کی شرارت ہے ورنہ رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور وہ فوت نہیں ہوئے۔ آپ آسمان پر خدا سے کوئی حکم لینے کیلئے گئے ہیں اور تھوڑی دیر میں واپس آ جائیں گے اور منافقوں کو سزا دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے اِس بات پر اتنا اصرار کیا کہ انہوں نے کہا اگر کسی نے میرے سامنے یہ کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں تو مَیں اُس کی گردن اُڑا دوں گا اور یہ کہہ کر ایک جوش اور غضب کی حالت میں تلوار ہاتھ میں لٹکائے مسجد میں ٹہلنے لگ گئے۔ [۱۷] لوگوں کو ان کی یہ بات اتنی بھلی معلوم ہوئی کہ ان میں سے کسی نے اس بات کے انکار کی ضرورت نہ سمجھی حالانکہ قرآن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ صاف طور پر لکھا ہؤا تھا کہ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ [۱۸] اگر محمد رسول اللہ ﷺ فوت ہو جائیں یا خدا تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بَل پھر جاؤ گے؟ مگر باوجود اس کے کہ قرآن کریم میں ایسی نصِّ صریح موجود تھی جس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وفات پانا ثابت ہو سکتا تھا پھر بھی انہیں ایسی ٹھوکر لگی کہ ان میں سے بعض نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر یہ خیال کر لیا کہ آپ فوت نہیں ہوئے یہ منافقوں نے جھوٹی افواہ اُڑا دی ہے اور اس کی وجہ یہی تھی کہ محبت کی شدّت سے وہ خیال بھی نہیں کر سکتے تھے کہ کبھی ایسا ممکن ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو جائیں اور وہ زندہ رہیں۔ بعض صحابہؓ جو طبیعت کے ٹھنڈے تھے انہوں نے جب یہ حال دیکھا تو انہیں خیال آیا کہ ایسا نہ ہو لوگوں کو کوئی ابتلاء آ جائے چنانچہ وہ جلدی جلدی سے گئے اور حضرت ابوبکرؓ کو بُلا لائے۔ جب وہ مسجد میں پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ہر شخص جوش اور خوشی کی حالت میں نعرے لگا رہا ہے اور کہہ رہا ہے منافق جھوٹ بولتے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے بلکہ زندہ ہیں۔ گویا ایک قسم کے جنون کی حالت تھی جو ان پر طاری تھی۔ جیسے میں نے کہہ دیا تھا کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو بتاؤں گا کہ آپ کی وفات پر دشمنوں نے جو فلاں اعتراض کیا ہے اُس کا یہ جواب ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جب یہ حالت دیکھی تو آپ اُس کمرہ میں تشریف لے گئے جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک پڑا ہؤا تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول کریم ﷺ کا کیا

حال ہے؟ انہوں نے بتایا کہ آپؐ فوت ہو چکے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ سنتے ہی کپڑا اُٹھایا اور آپ کی پیشانی پر انہوں نے بوسہ دیتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا۔ یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک تو آپ وفات پا جائیں اور دوسری طرف قوم پر موت وارد ہو جائے اور وہ صحیح اعتقادات سے منحرف ہو جائے۔ پھر آپ باہر تشریف لائے اور منبر پر کھڑے ہو کر آپ نے ایک وعظ کیا جس میں بتایا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے ہیں۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی کہ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ [19] اس کے بعد آپ نے بڑے زور سے کہا کہ اے لوگو! محمد رسول اللہ ﷺ بیشک اللہ کے رسول تھے مگر اب وہ فوت ہو چکے ہیں۔ اگر تم میں سے کوئی شخص محمد رسول اللہ ﷺ کی عبادت کیا کرتا تھا تو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ آپؐ وفات پا چکے ہیں لیکن اگر تم خدا کی عبادت کیا کرتے تھے تو تم سمجھ لو کہ تمہارا خدا زندہ ہے اور اُس پر کبھی موت وارد نہیں ہوسکتی۔ حضرت عمرؓ جو اُس وقت تلوار کی ٹیک کے ساتھ کھڑے تھے اور اِس انتظار میں تھے کہ ابھی یہ منبر سے اُتریں تو مَیں تلوار سے اُن کی گردن اُڑا دوں۔ انہوں نے جس وقت یہ آیت سُنی مَعًا ان کی آنکھوں کے سامنے سے ایک پردہ اُٹھ گیا۔ ان کے گھٹنے کانپنے لگ گئے۔ ان کے ہاتھ لرزنے لگ گئے اور ان کے جسم پر ایک کپکپی طاری ہوگئی اور وہ ضُعف سے نڈھال ہو کر زمین پر گر گئے۔ باقی صحابہؓ بھی کہتے ہیں کہ ہماری آنکھوں پر پہلے پردے پڑے ہوئے تھے مگر جب ہم نے حضرت ابوبکرؓ سے یہ آیت سنی تو وہ تمام پردے اُٹھ گئے۔ دنیا ان کی آنکھوں میں اندھیر ہوگئی اور مدینہ کی تمام گلیوں میں صحابہؓ روتے پھرتے تھے اور ہر ایک کی زبان پر یہ آیت تھی کہ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ [20]

حضرت حسانؓ کا یہ شعر بھی اسی کیفیت پر دلالت کرتا ہے کہ

كُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِيْ فَعَمِيَ عَلَيَّ النَّاظِرُ

مَنْ شَاءَ بَعْدَكَ فَلْيَمُتْ فَعَلَيْكَ كُنْتُ اُحَاذِرُ [21]

کہ اے خدا کے رسول! تُو تو میری آنکھ کی پتلی تھا اب تیرے وفات پا جانے کی وجہ

سے میری آنکھ اندھی ہوگئی ہے۔ صرف تُو ہی ایک ایسا وجود تھا جس کے متعلق مجھے موت کا خوف تھا۔ اب تیری وفات کے بعد خواہ کوئی مرے مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوسکتی۔

نبی کی زندگی میں اس کی جانشینی کے مسئلہ کی طرف توجہ ہی نہیں ہوسکتی

پس جب نبی کی زندگی میں قوم کے دل اور دماغ کی یہ کیفیت ہوتی ہے تو سمجھا جاسکتا ہے کہ خدا بھی اور نبی بھی ان کو اس ایذاء سے بچاتے ہیں اور اس نازک مضمون کو کہ نبی کی وفات کے بعد کیا ہوگا لطیف پیرایہ میں بیان کرتے ہیں اور قوم بھی اس مضمون کی طرف زیادہ توجہ نہیں دیتی اور نہ اِن امور میں زیادہ دخل دیتی ہے کہ نبی کے بعد کیا ہوگا۔ چنانچہ یہ کہیں سے ثابت نہیں کہ کسی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ہو کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! آپ جب فوت ہوجائیں گے تو کیا ہوگا؟ آیا آپ کے بعد خلافت کا سلسلہ جاری ہوگا یا کوئی پارلیمنٹ اور مجلس بنے گی جو مسلمانوں سے تعلق رکھنے والے امور کا فیصلہ کرے گی کیونکہ ایسے امور پر وہی بحث کرسکتا ہے جو سنگدل ہو اور جو نبی کی محبت اور اس کی عظمت سے بالکل بیگانہ ہو۔ باقی کئی مسائل کے متعلق تو ہمیں احادیث میں نظر آتا ہے کہ صحابہؓ ان کے بارہ میں آپ سے دریافت کرتے رہتے تھے اور کُرید کُرید کر وہ آپ سے معلومات حاصل کرتے تھے مگر جانشینی کا مسئلہ ایسا تھا جو صحابہؓ آپ سے دریافت نہیں کرسکتے تھے اور نہ اس کو دریافت کرنے کا خیال تک ان کے دل میں آسکتا تھا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ آپ زندہ رہیں گے اور ہم وفات پا جائیں گے۔ پس یہ مسئلہ ایک رنگ میں اور ایک حد تک پردۂ اخفاء میں رہتا ہے اور اس کے کُھلنے کا اصل وقت وہی ہوتا ہے جبکہ نبی فوت ہوجاتا ہے۔

یہی حالات تھے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے آپؐ کی وفات صحابہؓ کے لئے ایک زلزلہ عظیمہ تھی۔ چنانچہ آپ کی وفات پر پہلی دفعہ انہیں یہ خیال پیدا ہؤا کہ نبی بھی ہم سے جدا ہوسکتا ہے اور پہلی دفعہ یہ بات ان کے دماغ پر اپنی حقیقی اہمیت کے ساتھ نازل ہوئی کہ اس کے بعد انہیں کسی نظام کی ضرورت ہے جو نبی کی سنت اور خواہشات کے مطابق ہو اور اس کی جُزئیات پر انہوں نے غور کرنا شروع کیا۔ بیشک اس نظام کی تفصیلات قرآن کریم میں

موجود تھیں مگر چونکہ وہ پہلے چُھپی ہوئی تھیں اوران کو کبھی کُریدا نہیں گیا تھا اس لئے لوگ ان آیات کو پڑھتے اوران کے کوئی اور معنے کر لیتے۔ وہ خاص معنے نہیں کرتے تھے جن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ نبی کی وفات کے بعد اس کے متّبعین کو کیا کرنا چاہئے۔

ہر نبی کی دو زندگیاں ہوتی ہیں ایک شخصی اور ایک قومی

درحقیقت اس جذبۂ محبت کی تہہ میں بھی ایک الٰہی حکمت کام کر رہی ہوتی ہے اور وہ یہ کہ نبی کی دو زندگیاں ہوتی ہیں۔ ایک شخصی اور ایک قومی اور اللہ تعالیٰ اِن دونوں زندگیوں کو الہام سے شروع کرتا ہے۔ نبی کی شخصی زندگی تو الہام سے اس طرح شروع ہوتی ہے کہ جب وہ تیس یا چالیس سال کا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے الہامات اس پر نازل ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور اسے کہا جاتا ہے کہ تو مأمور ہے اور تجھے لوگوں کی اصلاح اوران کی ہدایت کیلئے کھڑا کیا جاتا ہے۔ ان الہامات کے نتیجہ میں وہ اپنے اوپر خدا تعالیٰ کے غیر معمولی فضل نازل ہوتے دیکھتا ہے اور وہ اپنے اندر نئی قوت، نئی زندگی اور نئی بزرگی محسوس کرتا ہے۔ اور نبی کی قومی زندگی الہام سے اس طرح شروع ہوتی ہے کہ جب وہ وفات پاتا ہے تو کسی بنی بنائی سکیم کے ماتحت اس کے بعد نظام قائم نہیں ہوتا بلکہ یکدم ایک تغیر پیدا ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کا مخفی الہام قوم کے دلوں کو اس نظام کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔

قدرتِ اُولیٰ نبی کی شخصی زندگی ہوتی ہے اور قدرتِ ثانیہ قومی زندگی

غرض جس طرح نبی کی شخصی زندگی کو اللہ تعالیٰ الہام سے شروع کرتا ہے اسی طرح وہ اس کی قومی زندگی کو جو اس کی وفات کے بعد شروع ہوتی ہے الہام سے شروع کرنا چاہتا ہے تا کہ دونوں میں مشابہت قائم رہے اسی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا نام قدرتِ ثانیہ رکھا ہے۔ گویا قدرتِ اُولیٰ تو نبی کی شخصی زندگی ہے اور قدرتِ ثانیہ نبی کی قومی زندگی ہے۔ پس چونکہ اللہ تعالیٰ اس قومی زندگی کو ایک الہام سے اور اپنی قدرت سے شروع کرنا چاہتا ہے اس لئے اس کی جُزئیات کو نبی کے زمانہ میں قوم کی نظروں سے پوشیدہ رکھتا ہے۔ پھر جب نبی فوت ہو جاتا ہے تو خدا تعالیٰ کا مخفی الہام قوم کے دلوں کو اس زندگی کی تفصیلات کی طرف متوجہ کرتا

ہے۔انجیل میں بھی اسی قسم کی مثال پائی جاتی ہے جہاں ذکر آتا ہے کہ حضرت مسیح ناصری کی وفات کے بعد حواری ایک جگہ جمع ہوئے تو ان پر روح القدس نازل ہؤا اور وہ کئی قسم کی بولیاں بولنے لگ گئے اور گو انجیل نویسوں نے اس واقعہ کو نہایت مضحکہ خیز صورت میں لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے مگر اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کی وفات کے بعد حواریوں میں یکدم کوئی ایسا تغیر پیدا ہوا جس کی طرف پہلے ان کی توجہ نہیں تھی اور وہ اس بات پر مجبور ہو گئے کہ اس تغیر کو روح القدس کی طرف منسوب کریں۔غرض اللہ تعالیٰ نبی کی اس نئی زندگی کو بھی اس کی شخصی زندگی کی طرح اپنے الہام اور قدرت نمائی سے شروع کرتا ہے اور اسی وجہ سے نبی کے زمانہ میں اس کی جزئیات قوم کی نظروں سے پوشیدہ رکھی جاتی ہیں۔

قضیۂ قرطاس پر ایک نظر

یہاں مَیں ایک بات بطور لطیفہ بیان کر دیتا ہوں اور وہ یہ کہ شیعوں اور سُنیوں میں بہت مدت سے ایک نزاع چلا آتا ہے جسے قضیۂ قرطاس کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔اس قضیۂ قرطاس کی تفصیل یہ ہے کہ احادیث میں آتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض الموت میں جب تکلیف بہت بڑھ گئی تو آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ کاغذ اور قلم دوات لاؤ تا کہ میں تمہارے لئے کوئی ایسی بات لکھوا دوں جس کے نتیجہ میں تم کبھی گمراہ نہ ہو۔اس پر شیعہ کہتے ہیں کہ دراصل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ لکھوانا چاہتے تھے کہ میرے بعد علیؓ خلیفہ ہوں اور انہیں کو امام تسلیم کیا جائے لیکن حضرت عمرؓ نے آپؐ کو کچھ لکھوانے نہ دیا اور لوگوں سے کہہ دیا کہ جانے دو، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تکلیف زیادہ ہے اور یہ مناسب نہیں کہ آپ کی تکلیف کو اور زیادہ بڑھایا جائے ہمارے لئے ہدایت کے لئے قرآن کافی ہے اس سے بڑھ کر کسی چیز کی ضرورت نہیں۔شیعہ کہتے ہیں کہ یہ ساری چالاکی عمرؓ کی تھی کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی وصیت کر جائیں تا کہ بعد میں حضرت علیؓ کو محروم کر کے وہ خود حکومت کو سنبھال لیں۔ اگر وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وصیت لکھوانے دیتے تو آپ ضرور حضرت علیؓ کے حق میں وصیت کر جاتے۔اس اعتراض کے کئی جواب ہیں مگر میں اس وقت صرف دو جواب دینا چاہتا ہوں۔

اوّل یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگر حضرت علیؓ کے حق میں ہی خلافت کی وصیت کرنا چاہتے تھے تو حضرت عمرؓ کے انکار پر آپ نے دوبارہ یہ کیوں نہ فرمایا کہ قلم دوات ضرور لاؤ۔ میں تمہیں ایک اہم وصیت لکھوانا چاہتا ہوں۔ آخر آپ کو پتہ ہونا چاہئے تھا کہ عمرؓ (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) علیؓ کا دشمن ہے اور اس وجہ سے عمرؓ کی کوشش یہی ہے کہ کسی طرح علیؓ کو کوئی فائدہ نہ پہنچ جائے۔ ایسی صورت میں یقیناً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرؓ سے فرماتے کہ تم کیا کہہ رہے ہو مجھے بے شک تکلیف ہے مگر میں اس تکلیف کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ تم جلدی قلم دوات لاؤ تا کہ میں تمہیں کچھ لکھوا دوں۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ قلم دوات لانے کی ہدایت نہیں دی بلکہ حضرت عمرؓ نے جب کہا کہ ہماری ہدایت کے لئے خدا کی کتاب کافی ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔[۲۲] جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم درحقیقت وہی کچھ لکھوانا چاہتے تھے جس کی طرف حضرت عمرؓ نے اشارہ کیا تھا اور چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے انہوں نے ایک رنگ میں خدا کی کتاب پر ہمیشہ عمل کرنے کا عہد کر لیا اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی ضرورت نہ سمجھی کہ آپ کوئی علیحدہ وصیت لکھوانے پر اصرار کریں۔ پس اس واقعہ سے حضرت عمرؓ پر نہ صرف کوئی الزام عائد نہیں ہوتا بلکہ آپ کے خیال اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال کا توارد ظاہر ہوتا ہے۔

دوسرا جواب جو درحقیت شیعوں کے اس قسم کے بے بنیاد خیالات کو ردّ کرنے کے لئے ایک زبردست تاریخی ثبوت ہے وہ یہ ہے کہ ایسے موقعوں پر وصیت وہی شخص لکھوا سکتا ہے جسے یہ یقین ہو کہ اَب موت سر پر کھڑی ہے اور اگر اس وقت وصیت نہ لکھوائی گئی تو پھر وصیت لکھوانے کا کوئی موقع نہیں رہے گا لیکن جسے یہ خیال ہو کہ مریض کو اللہ تعالیٰ صحت عطا کر دے گا اور جس مرض میں وہ مبتلاء ہے وہ مرض الموت نہیں بلکہ ایک معمولی مرض ہے تو وہ وصیت کو کوئی اہمیت نہیں دیتا اور سمجھتا ہے کہ اس غرض کے لئے اسے تکلیف دینا بالکل بے فائدہ ہے۔ اب اس اصل کے ماتحت جب ہم ان واقعات کو دیکھتے ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر صحابہؓ کو پیش آئے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو حکومت سنبھالنے کا خیال تو

الگ رہا یہ بھی خیال نہیں تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہونے والے ہیں۔ چنانچہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو اس اچانک صدمہ نے جوان کی توقع اور امید کے بالکل خلاف تھا حضرت عمرؓ کو دیوانہ سا بنا دیا اور انہیں کسی طرح یہ یقین بھی نہیں آتا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں۔ وہ جنہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی یہ یقین نہیں آتا تھا کہ آپ وفات پا گئے ہیں اور جن کے دل میں آپ کی محبت کا احساس اس قدر شدت سے تھا کہ وہ تلوار ہاتھ میں لے کر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے اعلان کر دیا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں میں اس کی گردن اُڑا دوں گا ان کے متعلق یہ کس طرح خیال کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے یہ سمجھ کر کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اَب فوت ہونے والے ہیں آپؐ حضرت علیؓ کے حق میں کوئی بات نہ لکھوا دیں آپؐ کو کچھ لکھنے سے روک دیا ہو۔ بلکہ اگر ہم غور کریں تو شیعوں کی اِن روایات سے حضرت علیؓ پر اعتراض آتا ہے کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی توقع کر رہے تھے جبکہ حضرت عمرؓ شدتِ محبت کی وجہ سے یہ سمجھ رہے تھے کہ معمولی بیماری کی تکلیف ہے آپ اچھے ہو جائیں گے اور ابھی وفات نہیں پا سکتے۔ پس اس سے حضرت علیؓ پر تو اعتراض وارد ہوتا ہے مگر حضرت عمرؓ پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا بلکہ یہ امر ان کی نیکی، تقویٰ اور فضیلت کو ثابت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نبی کی قومی زندگی کی بھی الہام سے ابتدا کرتا ہے

غرض میں یہ مضمون بیان کر رہا تھا کہ نبی کی وفات کے بعد اللہ تعالیٰ الہام کے ذریعہ نبی کی قومی زندگی کی ابتدا کرتا ہے اسی لئے نبی کی وفات کے بعد قائم ہونے والی خلافت اور اس کی تفصیلات کو اللہ تعالیٰ نبی کی زندگی میں پردۂ اخفاء میں رکھتا ہے ایسے ہی حالات میں رسول کریم ﷺ فوت ہوئے۔ جب آپ وفات پا گئے تو پہلے تو بعض صحابہؓ نے سمجھا کہ آپ فوت نہیں ہوئے مگر جب انہیں پتہ لگا کہ آپ واقعہ میں فوت ہو چکے ہیں تو وہ حیران ہوئے کہ اب وہ کیا کریں اور وہ کون سا طریق عمل میں لائیں جو رسول کریم ﷺ کے لائے ہوئے مشن کی تکمیل کے لئے ضروری

ہو۔ اسی پریشانی اور اضطراب کی حالت میں وہ اِدھر اُدھر پھرنے لگے۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ تھوڑی ہی دیر کے اندر اُن میں دو گروہ ہو گئے جو بعد میں تین گروہوں کی صورت میں منتقل ہو گئے۔

رسول کریم ﷺ کی وفات پر صحابہؓ کے تین گروہ

ایک گروہ نے یہ خیال کیا کہ رسول کریم ﷺ کے بعد ایک ایسا شخص ضرور ہونا چاہئے جو نظامِ اسلامی کو قائم کرے مگر چونکہ نبی کے منشا کو اس کے اہل و عیال ہی بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں اس لئے نبی کریم ﷺ کے اہل میں سے ہی کوئی شخص مقرر ہونا چاہئے کسی اَور خاندان میں سے کوئی شخص نہیں ہونا چاہئے۔ اس گروہ کے ذہن میں یہ بات تھی کہ اگر کسی اور خاندان میں سے کوئی شخص خلیفہ مقرر ہو گیا تو لوگ اس کی باتیں مانیں گے نہیں اور اس طرح نظام میں خلل واقع ہو گا لیکن اگر آپ کے خاندان میں سے ہی کوئی خلیفہ مقرر ہو گیا تو چونکہ لوگوں کو اس خاندان کی اطاعت کی عادت ہے اس لئے وہ خوشی سے اس کی اطاعت کو قبول کر لیں گے۔ جیسے ایک بادشاہ جس کی بات ماننے کے لوگ عادی ہو چکے ہوتے ہیں جب وفات پا جاتا ہے اور اُس کا بیٹا اُس کا جانشین بنتا ہے تو وہ اُس کی اطاعت بھی شوق سے کرنے لگ جاتے ہیں۔ مگر دوسرے فریق نے سوچا کہ اس کے لئے رسول کریم ﷺ کے اہل میں سے ہونے کی شرط ضروری نہیں مقصد تو یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کا ایک جانشین ہو پس جو بھی سب سے زیادہ اس کا اہل ہو اس کے سپرد یہ کام ہونا چاہئے۔

اس دوسرے گروہ کے پھر آگے دو حصے ہو گئے اور گو وہ دونوں اس بات میں متحد تھے کہ رسول کریم ﷺ کا کوئی جانشین ہونا چاہئے مگر ان میں اس بات پر اختلاف ہو گیا کہ رسول کریم ﷺ کا یہ جانشین کِن لوگوں میں سے ہو۔ ایک گروہ کا خیال تھا کہ جو لوگ سب سے زیادہ عرصہ تک آپ کے زیرِ تعلیم رہے ہیں وہ اس کے مستحق ہیں یعنی مہاجر اور ان میں سے بھی قریش جن کی بات ماننے کیلئے عرب تیار ہو سکتے ہیں اور بعض نے یہ خیال کیا کہ چونکہ رسول کریم ﷺ کی وفات مدینہ میں ہوئی ہے اور مدینہ میں انصار کا زور ہے اس لئے وہی اس کام کو اچھی طرح سے چلا سکتے ہیں۔

انصار اور مہاجرین میں اختلاف

غرض اب انصار اور مہاجرین میں اختلاف ہو گیا۔ انصار کا یہ خیال تھا کہ چونکہ رسول کریم ﷺ نے اصل زندگی جو نظام کے ساتھ تعلق رکھتی ہے ہمارے اندر گزاری ہے اور مکہ میں کوئی نظام نہیں تھا اس لئے نظامِ حکومت ہم ہی بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں اور خلافت کے متعلق ہمارا ہی حق ہے کسی اور کا حق نہیں۔ دوسری دلیل وہ یہ بھی دیتے کہ یہ علاقہ ہمارا ہے اور طبعاً ہماری بات کا ہی لوگوں پر زیادہ اثر ہوسکتا ہے، مہاجرین کا اثر نہیں ہوسکتا پس رسول کریم ﷺ کا جانشین ہم میں سے ہونا چاہئے مہاجرین میں سے نہیں۔ اس کے مقابلہ میں مہاجرین یہ کہتے کہ رسول کریم ﷺ کی جتنی لمبی صحبت ہم نے اُٹھائی ہے اتنی لمبی صحبت انصار نے نہیں اُٹھائی اس لئے دین کو سمجھنے کی جو قابلیت ہمارے اندر ہے وہ انصار کے اندر نہیں۔ اس اختلاف پر ابھی دوسرے لوگ غور ہی کر رہے تھے اور وہ کسی نتیجہ پر نہیں پہنچے تھے کہ اِس آخری گروہ نے جو انصار کے حق میں تھا بنی ساعدہ کے ایک برآمدہ میں جمع ہو کر اس بارہ میں مشورہ شروع کر دیا اور سعد بن عبادہ جو خزرج کے سردار تھے اور نقباء میں سے تھے ان کے بارہ میں طبائع کا اِس طرف رُجحان ہو گیا کہ انہیں خلیفہ مقرر کیا جائے۔ چنانچہ انصار نے آپس میں یہ گفتگو کرتے ہوئے کہ ملک ہمارا ہے، زمینیں ہماری ہیں، جائدادیں ہماری ہیں اور اسلام کا فائدہ اسی میں ہے کہ ہم میں سے کوئی خلیفہ مقرر ہو، فیصلہ کیا کہ اس منصب کیلئے سعد بن عبادہ سے بہتر اور کوئی شخص نہیں۔ یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ بعض نے کہا اگر مہاجرین اس کا انکار کریں گے تو کیا ہوگا؟ اس پر کسی نے کہا کہ پھر ہم کہیں گے مِنَّا اَمِیْرٌ وَمِنْکُمْ اَمِیْرٌ [۲۳] یعنی ایک امیر تم میں سے ہو جائے اور ایک ہم میں سے۔ سعد جو بہت دانا آدمی تھے انہوں نے کہا کہ یہ تو پہلی کمزوری ہے۔ یعنی یا تو ہم میں سے خلیفہ ہونا چاہئے یا ان میں سے۔ مِنَّا اَمِیْرٌ وَمِنْکُمْ اَمِیْرٌ کہنا تو گویا خلافت کے مفہوم کو نہ سمجھنا اور اسلام میں رخنہ ڈالنا ہے۔ اس مشورہ کی جب مہاجرین کو اطلاع ہوئی تو وہ بھی جلدی سے وہیں آ گئے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر مہاجرین میں سے کوئی خلیفہ نہ ہوا تو عرب اس کی اطاعت نہیں کریں گے۔ مدینہ میں بیشک انصار کا زور تھا مگر باقی تمام عرب مکہ والوں کی عظمت اور ان کے شرف کا قائل تھا۔

پس مہاجرین نے سمجھا کہ اگر اس وقت انصار میں سے کوئی خلیفہ مقرر ہو گیا تو اہل عرب کے لئے سخت مشکل پیش آئے گی اور ممکن ہے کہ ان میں سے اکثر اس ابتلاء میں پورے نہ اُتریں چنانچہ سب مہاجرین وہیں آ گئے۔ ان میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ بھی شامل تھے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے اس موقع پر بیان کرنے کے لئے ایک بہت بڑا مضمون سوچا ہؤا تھا اور میرا ارادہ تھا کہ میں جاتے ہی ایک ایسی تقریر کروں گا جس سے تمام انصار میرے دلائل کے قائل ہو جائیں گے اور وہ اس بات پر مجبور ہو جائیں گے کہ انصار کی بجائے مہاجرین میں سے کسی کو خلیفہ منتخب کریں مگر جب ہم وہاں پہنچے تو حضرت ابوبکرؓ تقریر کرنے کیلئے کھڑے ہو گئے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ انہوں نے بھلا کیا بیان کرنا ہے؟ مگر خدا کی قسم! جتنی باتیں میں نے سوچی ہوئی تھیں وہ سب انہوں نے بیان کر دیں بلکہ اس کے علاوہ انہوں نے اپنے پاس سے بھی بہت سے دلائل دیئے۔ تب میں سمجھا کہ میں ابوبکرؓ کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔[۲۴]

غرض مہاجرین نے انہیں بتایا کہ اِس وقت قریش میں سے ہی امیر ہونا ضروری ہے اور رسول کریم ﷺ کی یہ حدیث بھی پیش کی کہ اَلْاَئِمَّةُ مِنَ الْقُرَيْشِ [۲۵] اور ان کی سبقتِ دین اور ان قربانیوں کا ذکر کیا جو وہ دین کیلئے کرتے چلے آئے تھے۔ اس پر حباب بن المنذر خزرجی نے مخالفت کی اور کہا کہ ہم اس بات کو نہیں مان سکتے کہ مہاجرین میں سے خلیفہ ہونا چاہئے ہاں اگر آپ لوگ کسی طرح نہیں مانتے اور آپ کو اس پر بہت ہی اصرار ہے تو پھر مِنَّا اَمِيْرٌ وَ مِنْكُمْ اَمِيْرٌ پر عمل کیا جائے یعنی ایک خلیفہ ہم میں سے ہو اور ایک آپ لوگوں میں سے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میاں سوچ سمجھ کر بات کرو کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک وقت میں دو امیروں کا ہونا جائز نہیں [۲۶] (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیثیں تو ایسی موجود تھیں جن میں رسول کریم ﷺ نے نظامِ خلافت کی تشریح کی ہوئی تھی مگر آپ کی زندگی میں صحابہؓ کا ذہن اِدھر منتقل نہیں ہؤا اور اس کی وجہ وہی خدائی حکمت تھی جس کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں)

پس تمہارا یہ مطالبہ کہ ایک امیر تم میں سے ہو اور ایک ہم میں سے، عقلاً اور شرعاً کسی

طرح جائز نہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب

آخر کچھ بحث مباحثہ کے بعد حضرت ابوعبیدہؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے انصار کو توجہ دلائی کہ تم پہلی قوم ہو جو مکہ کے باہر ایمان لائی اب رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد تم پہلی قوم نہ بنو جنہوں نے دین کے منشاء کو بدل دیا۔ اس کا طبائع پر ایسا اثر ہؤا کہ بشیر بن سعد خزرجی کھڑے ہوئے اور انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ یہ لوگ سچ کہتے ہیں ہم نے محمد رسول اللہ ﷺ کی جو خدمت کی اور آپ کی نصرت و تائید کی وہ دُنیوی اغراض سے نہیں کی تھی اور نہ اس لئے کی تھی کہ ہمیں آپ کے بعد حکومت ملے بلکہ ہم نے خدا کیلئے کی تھی پس حق کا سوال نہیں بلکہ سوال اسلام کی ضرورت کا ہے اور اس لحاظ سے مہاجرین میں سے ہی امیر مقرر ہونا چاہئے کیونکہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کی لمبی صحبت پائی ہے۔ اس پر کچھ دیر تک اور بحث ہوتی رہی مگر آخر آدھ یا پون گھنٹہ کے بعد لوگوں کی رائے اسی طرح ہوتی چلی گئی کہ مہاجرین میں سے کسی کو خلیفہ مقرر کرنا چاہئے چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ کو اس منصب کے لئے پیش کیا اور کہا کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کی بیعت کر لو مگر دونوں نے انکار کیا اور کہا کہ جسے رسول کریم ﷺ نے نماز کا امام بنایا اور جو سب مہاجرین میں سے بہتر ہے ہم اس کی بیعت کریں گے۔ مطلب یہ تھا کہ اس منصب کیلئے حضرت ابوبکرؓ سے بڑھ کر اور کوئی شخص نہیں۔ چنانچہ اس پر حضرت ابوبکرؓ کی بیعت شروع ہوگئی۔ پہلے حضرت عمرؓ نے بیعت کی، پھر حضرت ابوعبیدہ نے بیعت کی، پھر بشیرؓ بن سعد خزرجی نے بیعت کی اور پھر اوس نے اور پھر خزرج کے دوسرے لوگوں نے اور اسقدر جوش پیدا ہؤا کہ سعد جو بیمار تھے اور اُٹھ نہ سکتے تھے ان کی قوم ان کو روندتی ہوئی آگے بڑھ کر بیعت کرتی تھی۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں سعدؓ اور حضرت علیؓ کے سِوا سب نے بیعت کر لی۔ حتّٰی کہ سعدؓ کے اپنے بیٹے نے بھی بیعت کر لی۔ حضرت علیؓ نے کچھ دنوں بعد بیعت کی۔ چنانچہ بعض روایات میں تین دن آتے ہیں اور بعض روایات میں یہ ذکر آتا ہے کہ آپ نے چھ ماہ بعد بیعت کی۔ چھ ماہ والی روایات میں یہ عُذر بھی بیان ہؤا ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی تیمارداری میں مصروفیت کی وجہ سے

آپ حضرت ابوبکرؓ کی بیعت نہ کر سکے اور جب آپ بیعت کرنے کے لئے آئے تو آپ نے یہ معذرت کی کہ چونکہ فاطمہؓ بیمار تھیں اس لئے بیعت میں دیر ہوگئی۔ [۲۷]

حضرت عمرؓ کا انتخاب

حضرت ابوبکرؓ کی وفات جب قریب آئی تو آپ نے صحابہؓ سے مشورہ لیا کہ میں کس کو خلیفہ مقرر کروں۔ اکثر صحابہؓ نے اپنی رائے حضرت عمرؓ کی امارت کے متعلق ظاہر کی اور بعض نے صرف یہ اعتراض کیا کہ حضرت عمرؓ کی طبیعت میں سختی زیادہ ہے ایسا نہ ہو کہ لوگوں پر تشدّد کریں۔ آپ نے فرمایا یہ سختی اُسی وقت تھی جب تک ان پر کوئی ذمہ واری نہیں پڑی تھی اب جبکہ ایک ذمہ واری اِن پر پڑ جائے گی ان کی سختی کا مادہ بھی اعتدال کے اندر آ جائے گا۔ چنانچہ تمام صحابہؓ حضرت عمرؓ کی خلافت پر راضی ہو گئے۔ آپ کی صحت چونکہ بہت خراب ہو چکی تھی اس لئے آپ نے اپنی بیوی اسماءؓ کا سہارا لیا اور ایسی حالت میں جبکہ آپ کے پاؤں لڑکھڑا رہے تھے اور ہاتھ کانپ رہے تھے آپ مسجد میں آئے اور تمام مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میں نے بہت دنوں تک متواتر اس امر پر غور کیا ہے کہ اگر میں وفات پا جاؤں تو تمہارا کون خلیفہ ہو۔ آخر بہت کچھ غور کرنے اور دعاؤں سے کام لینے کے بعد میں نے یہی مناسب سمجھا ہے کہ عمرؓ کو خلیفہ نامزد کر دوں۔ سو میری وفات کے بعد عمرؓ تمہارے خلیفہ ہوں گے۔ [۲۸] سب صحابہؓ اور دوسرے لوگوں نے اس امارت کو تسلیم کیا اور حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ کی بیعت ہوگئی۔

حضرت عثمانؓ کا انتخاب

حضرت عمرؓ جب زخمی ہوئے اور آپ نے محسوس کیا کہ اب آپ کا آخری وقت قریب ہے تو آپ نے چھ آدمیوں کے متعلق وصیت کی کہ وہ اپنے میں سے ایک کو خلیفہ مقرر کر لیں۔ وہ چھ آدمی یہ تھے۔ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن الوقاصؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ۔ [۲۹] اس کے ساتھ ہی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو بھی آپ نے اس مشورہ میں شریک کرنے کیلئے مقرر فرمایا مگر خلافت کا حقدار قرار نہ دیا اور وصیت کی کہ یہ سب لوگ تین دن میں فیصلہ کریں اور تین دن کیلئے صہیبؓ کو امام الصلوٰۃ مقرر کیا اور مشورہ کی نگرانی

مقداد بن الاسودؓ کے سپرد کی اور انہیں ہدایت کی کہ وہ سب کو ایک جگہ جمع کر کے فیصلہ کرنے پر مجبور کریں اور خود تلوار لے کر دروازہ پر پہرہ دیتے رہیں۔ اور فرمایا کہ جس پر کثرتِ رائے سے اتفاق ہو سب لوگ اس کی بیعت کریں اور اگر کوئی انکار کرے تو اسے قتل کر دو۔ لیکن اگر دونوں طرف تین تین ہو جائیں تو عبداللہ بن عمرؓ اِن میں سے جس کو تجویز کریں وہ خلیفہ ہو۔ اگر اس فیصلہ پر وہ راضی نہ ہوں تو جس طرف عبدالرحمٰن بن عوفؓ ہوں وہ خلیفہ ہو۔

آخر پانچوں اصحاب نے مشورہ کیا (کیونکہ طلحہؓ اُس وقت مدینہ میں نہ تھے) مگر کوئی نتیجہ برآمد نہ ہؤا۔ بہت لمبی بحث کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا کہ اچھا جو شخص اپنا نام واپس لینا چاہتا ہے وہ بولے۔ جب سب خاموش رہے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا کہ سب سے پہلے میں اپنا نام واپس لیتا ہوں۔ پھر حضرت عثمانؓ نے کہا پھر باقی دو نے۔ حضرت علیؓ خاموش رہے۔ آخر انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے عہد لیا کہ وہ فیصلہ کرنے میں کوئی رعایت نہیں کریں گے۔ انہوں نے عہد کیا اور سب کام ان کے سپرد ہو گیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف تین دن مدینہ کے ہر گھر گئے اور مردوں اور عورتوں سے پوچھا کہ ان کی رائے کس شخص کی خلافت کے حق میں ہے۔ سب نے یہی کہا کہ انہیں حضرت عثمانؓ کی خلافت منظور ہے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کے حق میں اپنا فیصلہ دے دیا اور وہ خلیفہ ہو گئے۔

حضرت علیؓ کا انتخاب

اس کے بعد حضرت عثمانؓ کا واقعۂ شہادت ہؤا اور وہ صحابہؓ جو مدینہ میں موجود تھے انہوں نے یہ دیکھ کر کہ مسلمانوں میں فتنہ بڑھتا جا رہا ہے حضرت علیؓ پر زور دیا کہ آپ لوگوں کی بیعت لیں۔ دوسری طرف کچھ مفسدین بھاگ کر حضرت علیؓ کے پاس پہنچے اور کہا کہ اِس وقت اسلامی حکومت کے ٹوٹ جانے کا سخت اندیشہ ہے آپ لوگوں سے بیعت لیں تا کہ ان کا خوف دور ہو اور امن وامان قائم ہو۔ غرض جب آپ کو بیعت لینے پر مجبور کیا گیا تو کئی دفعہ کے انکار کے بعد آپ نے اس ذمہ واری کو اُٹھایا اور لوگوں سے بیعت لینی شروع کر دی بعض اکابر صحابہؓ اس وقت مدینہ سے باہر تھے اور بعض سے تو جبراً بیعت لی گئی۔ چنانچہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے

متعلق آتا ہے کہ ان کی طرف حکیم بن جبلہ اور مالک اشتر کو چند آدمیوں کے ساتھ روانہ کیا گیا اور اُنہوں نے تلواروں کا نشانہ کر کے انہیں بیعت پر آمادہ کیا۔ یعنی وہ تلواریں سونت کر ان کے سامنے کھڑے ہو گئے اور کہا کہ حضرت علیؓ کی بیعت کرنی ہے تو کرو ورنہ ہم ابھی تم کو مار ڈالیں گے۔ حتیٰ کہ بعض روایات میں یہ ذکر بھی آتا ہے کہ وہ ان کو نہایت سختی کے ساتھ زمین پر گھسیٹتے ہوئے لائے۔ ظاہر ہے کہ ایسی بیعت کوئی بیعت نہیں کہلا سکتی۔ پھر جب انہوں نے بیعت کی تو یہ بھی کہہ دیا کہ ہم اس شرط پر آپ کی بیعت کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے آپ قصاص لیں گے مگر بعد میں جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت علیؓ قاتلوں سے قصاص لینے میں جلدی نہیں کر رہے تو وہ بیعت سے الگ ہو گئے اور مدینہ سے مکہ چلے گئے۔

حضرت عائشہؓ کا اعلانِ جہاد

انہی لوگوں کی ایک جماعت نے جو حضرت عثمانؓ کے قتل میں شریک تھی حضرت عائشہؓ کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ آپ حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے کیلئے جہاد کا اعلان کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے اِس بات کا اعلان کیا اور صحابہؓ کو اپنی مدد کیلئے بُلایا۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے اور اس کے نتیجہ میں حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے لشکر میں جنگ ہوئی جسے جنگ جمل کہا جاتا ہے۔ اس جنگ کے شروع میں ہی حضرت زبیرؓ، حضرت علیؓ کی زبان سے رسول کریم ﷺ کی ایک پیشگوئی سن کر علیحدہ ہو گئے اور انہوں نے قسم کھائی کہ وہ حضرت علیؓ سے جنگ نہیں کریں گے اور اس بات کا اقرار کیا کہ اپنے اجتہاد میں انہوں نے غلطی کی ہے۔ دوسری طرف حضرت طلحہؓ نے بھی اپنی وفات سے پہلے حضرت علیؓ کی بیعت کا اقرار کر لیا۔ کیونکہ روایات میں آتا ہے کہ وہ زخموں کی شدت سے تڑپ رہے تھے کہ ایک شخص ان کے پاس سے گزرا انہوں نے پوچھا تم کس گروہ میں سے ہو؟ اس نے کہا حضرت علیؓ کے گروہ میں سے۔ اس پر انہوں نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیکر کہا کہ تیرا ہاتھ علیؓ کا ہاتھ ہے اور میں تیرے ہاتھ پر حضرت علیؓ کی دوبارہ بیعت کرتا ہوں[۳۰]۔ غرض باقی صحابہؓ کے اختلاف کا تو جنگ جمل کے وقت ہی فیصلہ ہو گیا مگر حضرت معاویہؓ کا اختلاف باقی رہا یہاں تک کہ جنگ صفّین ہوئی۔

جنگ صفّین کے واقعات

اِس جنگ میں حضرت معاویہؓ کے ساتھیوں نے یہ ہوشیاری کی کہ نیزوں پر قرآن اُٹھا دیئے اور کہا کہ جو کچھ قرآن فیصلہ کرے وہ ہمیں منظور ہے اور اس غرض کیلئے حَکَم مقرر ہونے چاہئیں۔ اِس پر وہی مُفسد جو حضرت عثمانؓ کے قتل کی سازش میں شامل تھے اور جو آپ کی شہادت کے معاً بعد اپنے بچاؤ کیلئے حضرت علیؓ کے ساتھ شامل ہو گئے تھے اُنہوں نے حضرت علیؓ پر یہ زور دینا شروع کر دیا کہ یہ بالکل درست کہتے ہیں آپ فیصلہ کیلئے حَکَم مقرر کر دیں۔ حضرت علیؓ نے بہتیرا انکار کیا مگر انہوں نے، اور کچھ ان کمزور طبع لوگوں نے جو ان کے اس دھوکا میں آ گئے تھے حضرت علیؓ کو اس بات پر مجبور کیا کہ آپ حَکَم مقرر کریں۔ چنانچہ معاویہ کی طرف سے حضرت عمرو بن العاص اور حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعری حَکَم مقرر کئے گئے۔ یہ تحکیم دراصل قتلِ عثمانؓ کے واقعہ میں تھی اور شرط یہ تھی کہ قرآن کریم کے مطابق فیصلہ ہوگا مگر عمروؓ بن العاص اور ابوموسیٰ اشعریؓ دونوں نے مشورہ کر کے یہ فیصلہ کیا کہ بہتر ہوگا کہ پہلے ہم دونوں یعنی حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کو اُن کی امارت سے معزول کر دیں کیونکہ تمام مسلمان انہی دونوں کی وجہ سے مصیبت میں مبتلاء ہو رہے ہیں اور پھر آزادانہ رنگ میں مسلمانوں کو کوئی فیصلہ کرنے دیں تاکہ وہ جسے چاہیں خلیفہ بنالیں حالانکہ وہ اس کام کیلئے مقرر ہی نہیں ہوئے تھے مگر بہرحال ان دونوں نے اس فیصلہ کا اعلان کرنے کیلئے ایک جلسہ عام منعقد کیا اور حضرت عمرو بن العاص نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے کہا کہ پہلے آپ اپنے فیصلہ کا اعلان کر دیں بعد میں مَیں اعلان کر دوں گا چنانچہ حضرت ابوموسیٰؓ نے اعلان کر دیا کہ وہ حضرت علیؓ کو خلافت سے معزول کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ ابوموسیٰؓ نے حضرت علیؓ کو معزول کر دیا ہے اور میں بھی ان کی اس بات سے متفق ہوں اور حضرت علیؓ کو خلافت سے معزول کرتا ہوں لیکن معاویہؓ کو میں معزول نہیں کرتا بلکہ ان کے عہدہ امارت پر انہیں بحال رکھتا ہوں (حضرت عمروؓ بن العاص خود بہت نیک آدمی تھے لیکن اِس وقت میں اِس بحث میں نہیں پڑتا کہ انہوں نے یہ فیصلہ کیوں کیا تھا) اِس فیصلہ پر حضرت معاویہؓ کے ساتھیوں نے تو یہ کہنا شروع کر دیا کہ جو لوگ

حَکَم مقرر ہوئے تھے انہوں نے علیؓ کی بجائے معاویہؓ کے حق میں فیصلہ دے دیا ہے اور یہ درست ہے۔ مگر حضرت علیؓ نے اس فیصلہ کو ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ نہ حَکَم اس غرض کیلئے مقرر تھے اور نہ ان کا یہ فیصلہ کسی قرآنی حُکم پر ہے۔ اس پر حضرت علیؓ کے وہی منافق طبع ساتھی جنہوں نے حَکَم مقرر کرنے پر زور دیا تھا یہ شور مچانے لگ گئے کہ حَکَم مقرر ہی کیوں کئے گئے تھے جبکہ دینی معاملات میں کوئی حَکَم ہو ہی نہیں سکتا۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ اوّل تو یہ بات معاہدہ میں شامل تھی کہ ان کا فیصلہ قرآن کے مطابق ہوگا جس کی انہوں نے تعمیل نہیں کی۔ دوسرے حَکَم تو خود تمہارے اصرار کی وجہ سے مقرر کیا گیا تھا اور اب تم ہی کہتے ہو کہ میں نے حکم کیوں مقرر کیا۔ انہوں نے کہا ہم نے جھک مارا اور ہم نے آپ سے جو کچھ کہا تھا وہ ہماری غلطی تھی مگر سوال یہ ہے کہ آپ نے یہ بات کیوں مانی۔ اس کے تو یہ معنی ہیں کہ ہم بھی گنہگار ہو گئے اور آپ بھی۔ ہم نے بھی غلطی کا ارتکاب کیا اور آپ نے بھی۔ اَب ہم نے تو اپنی غلطی سے توبہ کر لی ہے مناسب یہ ہے کہ آپ بھی توبہ کریں اور اس امر کا اقرار کریں کہ آپ نے جو کچھ کیا ہے ناجائز کیا ہے۔ اس سے ان کی غرض یہ تھی کہ اگر حضرت علیؓ نے انکار کیا تو وہ یہ کہہ کر آپ کی بیعت سے الگ ہو جائیں گے کہ انہوں نے چونکہ ایک خلافِ اسلام فعل کیا ہے اس لئے ہم آپ کی بیعت میں نہیں رہ سکتے اور اگر انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا اور کہا کہ میں توبہ کرتا ہوں تو بھی ان کی خلافت باطل ہو جائے گی کیونکہ جو شخص اتنے بڑے گناہ کا ارتکاب کرے وہ خلیفہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ حضرت علیؓ نے جب یہ باتیں سنیں تو کہا کہ میں نے کوئی غلطی نہیں کی جس امر کے متعلق میں نے حَکَم مقرر کیا تھا اس میں کسی کو حَکَم مقرر کرنا شریعت اسلامیہ کی رُو سے جائز ہے۔ باقی میں نے حَکَم مقرر کرتے وقت صاف طور پر یہ شرط رکھی تھی کہ وہ جو کچھ فیصلہ کریں گے اگر قرآن اور حدیث کے مطابق ہوگا تب میں اسے منظور کروں گا ورنہ میں اسے کسی صورت میں بھی منظور نہیں کروں گا۔ انہوں نے چونکہ اس شرط کو ملحوظ نہیں رکھا اور نہ جس غرض کیلئے انہیں مقرر کیا گیا تھا اس کے متعلق اِنہوں نے کوئی فیصلہ کیا ہے اس لئے میرے لئے ان کا فیصلہ کوئی حُجّت نہیں۔ مگر انہوں نے حضرت علیؓ کے اِس عذر کو تسلیم نہ کیا اور بیعت سے علیحدہ ہو گئے اور خوارج کہلائے اور انہوں نے یہ مذہب نکالا کہ

واجبُ الِاطَاعت خلیفہ کوئی نہیں۔ کثرتِ مسلمین کے فیصلہ کے مطابق عمل ہوا کرے گا کیونکہ کسی ایک شخص کو امیر واجب الاطاعت ماننا لَاحُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ [۳۱] کے خلاف ہے۔

حضرت علیؓ کی خلافتِ بلافصل کا نظریہ

یہ خلافت کے بارہ میں پہلا اختلاف تھا جو واقع ہؤا۔ اس موقع پر جو لوگ حضرت علیؓ کی تائید میں تھے انہوں نے ان امور کا جواب دینا شروع کیا اور جواب میں یہ امر بھی زیر بحث آیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض پیشگوئیاں حضرت علیؓ کے متعلق ہیں۔ یہ پیشگوئیاں جب تفصیل کے ساتھ بیان ہونی شروع ہوئیں تو ان پر غور کرتے ہوئے بعض غالیوں نے یہ سوچا کہ خلافت پر کیا بحث کرنی ہے۔ ہم کہتے ہیں حضرت علیؓ کی خلافت کسی انتخاب پر مبنی نہیں بلکہ صرف ان پیشگوئیوں کی وجہ سے ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق کی تھیں اس لئے آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ خلیفہ بلافصل ہیں۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے میرے متعلق جب مصلح موعود کے موضوع پر بحث کی جائے تو کوئی شخص کہہ دے کہ ان کو تو ہم اس لئے خلیفہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیاں ہیں نہ اس لئے کہ ان کی خلافت جماعت کی اکثریت کے انتخاب سے عمل میں آئی۔ جس دن کوئی شخص ایسا خیال کرے گا اُسی دن اس کا قدم ہلاکت کی طرف اُٹھنا شروع ہو جائے گا کیونکہ اس طرح آہستہ آہستہ صرف ایک شخص کی امامت کا خیال دلوں میں راسخ ہو جاتا ہے اور نظامِ خلافت کی اہمیت کا احساس ان کے دلوں سے جاتا رہتا ہے۔ غرض حضرت علیؓ کے متعلق بعض غالیوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں سے یہ نتیجہ نکالا کہ آپ کی خلافت صرف ان پیشگوئیوں کی وجہ سے ہے جو آپؐ نے ان کے متعلق کیں کسی انتخاب پر مبنی نہیں ہے۔ پھر رفتہ رفتہ وہ اس طرف مائل ہو گئے کہ حضرت علیؓ درحقیقت امام بمعنی مامور تھے اور یہ کہ خلافت ان معنوں میں کوئی شَے نہیں جو مسلمان اس وقت تک سمجھتے رہے ہیں بلکہ ضرورت پر خدا تعالیٰ کے خاص حُکم سے امام مقرر ہوتا ہے اور وہ لوگوں کی ہدایت وراہنمائی کا موجب ہوتا ہے۔

خلافت کے بارہ میں مسلمانوں میں تین گروہ

ان مختلف قسم کے خیالات کے نتیجہ میں مسلمانوں میں خلافت کے بارہ میں تین گروہ ہو گئے۔

(۱) خلافت بمعنی نیابت ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کا کوئی نائب ہونا چاہئے۔مگر اس کا طریق یہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت کے فیصلہ کے مطابق یا خلیفہ کے تقرر کے مطابق جسے اُمت تسلیم کرے وہ شخص خلیفہ مقرر ہوتا ہے اور وہ واجبُ الاطاعت ہوتا ہے۔ یہ سُنّی کہلاتے ہیں۔

(۲) حُکم خدا کا ہے۔ کسی شخص کو واجب الاطاعت ماننا شرک ہے۔ کثرتِ رائے کے مطابق فیصلہ ہونا چاہئے اور مسلمان آزاد ہیں وہ جو کچھ چاہیں اپنے لئے مقرر کریں۔ یہ خوارج کہلاتے ہیں۔

(۳) انسان امیر مقرر نہیں کرتے بلکہ امیر مقرر کرنا خدا کا کام ہے اسی نے حضرت علیؓ کو امام مقرر کیا اور آپ کے بعد گیارہ اور امام مقرر کئے۔ آخری امام اب تک زندہ موجود ہے مگر مخفی۔ یہ شیعہ کہلاتے ہیں۔ان میں سے ایک فریق ایسا نکلا کہ اس نے کہا۔ دنیا میں ہر وقت زندہ امام کا ہونا ضروری ہے جو ظاہر بھی ہو اور یہ اسماعیلیہ شیعہ کہلاتے ہیں۔

خلافتِ احمدیہ کا ذکر

یہ تو اُس خلافت کی تاریخ ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاً بعد ہوئی۔ اب میں اُس خلافت کا ذکر کرتا ہوں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد ہوئی۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وقت بھی جماعت کی ذہنی کیفیت وہی تھی جو آنحضرت ﷺ کے وقت میں صحابہؓ کی تھی۔ چنانچہ ہم سب یہی سمجھتے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ابھی وفات نہیں پا سکتے اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کبھی ایک منٹ کیلئے بھی ہمارے دل میں یہ خیال نہیں آیا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب فوت ہو جائیں گے تو کیا ہوگا۔ میں اُس وقت بچہ نہیں تھا بلکہ جوانی کی عمر کو پہنچا ہؤا تھا، میں مضامین لکھا کرتا تھا، میں ایک رسالے کا ایڈیٹر بھی تھا، مگر میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کبھی ایک منٹ بلکہ ایک سیکنڈ کیلئے بھی میرے دل میں یہ خیال نہیں آیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام

وفات پا جائیں گے حالانکہ آخری سالوں میں متواتر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسے الہامات ہوئے جن میں آپ کی وفات کی خبر ہوتی تھی اور آخری ایام میں تو ان کی کثرت اور بھی بڑھ گئی مگر باوجود اس کے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ایسے الہامات ہوتے رہے اور باوجود اس کے کہ بعض الہامات وکشوف میں آپ کی وفات کے سال اور تاریخ وغیرہ کی بھی تعیین تھی اور باوجود اس کے کہ ہم ''الوصیت'' پڑھتے تھے ہم یہی سمجھتے تھے کہ یہ باتیں شاید آج سے دوصدیاں بعد پوری ہوں گی اِس لئے اِس بات کا خیال بھی دل میں نہیں گزرتا تھا کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام وفات پا جائیں گے تو کیا ہوگا۔ اور چونکہ ہماری حالت ایسی تھی کہ ہم سمجھتے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے سامنے فوت ہی نہیں ہو سکتے اس لئے جب واقعہ میں آپ کی وفات ہوگئی تو ہمارے لئے یہ باور کرنا مشکل تھا کہ آپ فوت ہو چکے ہیں۔ چنانچہ مجھے خوب یاد ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد جب آپ کو غسل دیکر کفن پہنایا گیا تو چونکہ ایسے موقع پر بعض دفعہ ہَوا کے جھونکے سے کپڑا ہِل جاتا ہے یا بعض دفعہ مونچھیں ہِل جاتی ہیں اس لئے بعض دوست دوڑتے ہوئے آتے اور کہتے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو زندہ ہیں۔ ہم نے آپ کا کپڑا ہلتے دیکھا ہے یا مونچھوں کے بالوں کو ہلتے دیکھا ہے اور بعض کہتے کہ ہم نے کفن کو ہلتے دیکھا ہے۔ اس کے بعد جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعش کو قادیان لایا گیا تو اسے باغ میں ایک مکان کے اندر رکھ دیا گیا۔ کوئی آٹھ نو بجے کا وقت ہوگا کہ خواجہ کمال الدین صاحب باغ میں پہنچے اور مجھے علیحدہ لے جا کر کہنے لگے کہ میاں! کچھ سوچا بھی ہے کہ اب حضرت صاحب کی وفات کے بعد کیا ہوگا۔ میں نے کہا کچھ ہونا تو چاہئے مگر یہ کہ کیا ہو اِس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ وہ کہنے لگے میرے نزدیک ہم سب کو حضرت مولوی صاحب کی بیعت کر لینی چاہئے۔ اُس وقت کچھ عمر کے لحاظ سے اور کچھ اس وجہ سے بھی کہ میرا مطالعہ کم تھا میں نے کہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو یہ کہیں نہیں لکھا کہ ہم آپ کے بعد کسی اور کی بیعت کر لیں اِس لئے حضرت مولوی صاحب کی ہم کیوں بیعت کریں۔ (گو ''الوصیّۃ'' میں اس کا ذکر تھا مگر اُس وقت میرا ذہن اس طرف گیا نہیں) اُنہوں نے اِس پر میرے ساتھ بحث

شروع کر دی اور کہا کہ اگر اِس وقت ایک شخص کے ہاتھ پر بیعت نہ کی گئی تو ہماری جماعت تباہ ہو جائے گی پھر انہوں نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی تو یہی ہؤا تھا کہ قوم نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر لی تھی اس لئے اب بھی ہمیں ایک شخص کے ہاتھ پر بیعت کر لینی چاہئے اور اِس منصب کیلئے حضرت مولوی صاحب سے بڑھ کر ہماری جماعت میں اور کوئی شخص نہیں۔ مولوی محمد علی صاحب کی بھی یہی رائے ہے اور وہ کہتے ہیں کہ تمام جماعت کو مولوی صاحب کی بیعت کرنی چاہئے۔ آخر جماعت نے متفقہ طور پر حضرت خلیفہ اوّل کی خدمت میں درخواست کی کہ آپ لوگوں سے بیعت لیں۔ اس پر باغ میں تمام لوگوں کا اجتماع ہؤا اور اس میں حضرت خلیفہ اوّل نے ایک تقریر کی اور فرمایا کہ مجھے امامت کی کوئی خواہش نہیں مَیں چاہتا ہوں کہ کسی اور کی بیعت کر لی جائے۔ چنانچہ آپ نے اس سلسلہ میں پہلے میرا نام لیا پھر ہمارے نانا جان میر ناصر نواب صاحب کا نام لیا۔ پھر ہمارے بہنوئی نواب محمد علی خان صاحب کا نام لیا اسی طرح بعض اور دوستوں کے نام لئے لیکن ہم سب لوگوں نے متفقہ طور پر یہی عرض کیا کہ اس منصبِ خلافت کے اہل آپ ہی ہیں چنانچہ سب لوگوں نے آپ کی بیعت کر لی۔

خلیفۂ وقت کے اختیارات

ابھی آپ کی بیعت پر پندرہ بیس دن ہی گزر رہے تھے کہ ایک دن مولوی محمد علی صاحب مجھے ملے اور کہنے لگے کہ میاں صاحب! کبھی آپ نے اس بات پر غور بھی کیا ہے کہ ہمارے سلسلہ کا نظام کیسے چلے گا؟ میں نے کہا اِس پر اب اور غور کرنے کی کیا ضرورت ہے ہم نے حضرت مولوی صاحب کی بیعت جو کر لی ہے۔ وہ کہنے لگے وہ تو ہوئی پیری مُریدی۔ سوال یہ ہے کہ سلسلہ کا نظام کس طرح چلے گا؟ میں نے کہا میرے نزدیک تو اب یہ بات غور کرنے کے قابل ہی نہیں کیونکہ جب ہم نے ایک شخص کی بیعت کر لی ہے تو وہ اس امر کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ کس طرح سلسلہ کا نظام قائم کرنا چاہئے ہمیں اس میں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے۔ اس پر وہ خاموش تو ہو گئے مگر کہنے لگے یہ بات غور کے قابل ہے۔

حضرت خلیفہ اوّل کی خدمت میں میر محمد اسحاق صاحب کے چند سوالات

کچھ دنوں بعد جب جماعت کے دوستوں میں اس قسم کے سوالات کا چرچا ہونے لگا کہ خلیفہ کے کیا اختیارات ہیں اور آیا وہ حاکم ہے یا صدر انجمن احمدیہ حاکم ہے تو میر محمد اسحاق صاحب نے حضرت خلیفہ اوّل کی خدمت میں بعض سوالات لکھ کر پیش کئے جن میں اس مسئلہ کی وضاحت کی درخواست کی گئی تھی۔ حضرت خلیفہ اوّل نے وہ سوالات باہر جماعتوں میں بھجوا دیئے اور ایک خاص تاریخ مقرر کی کہ اس دن مختلف جماعتوں کے نمائندے جمع ہو جائیں تاکہ سب سے مشورہ لینے کے بعد فیصلہ کیا جا سکے مگر مجھے ابھی تک ان باتوں کا کوئی علم نہیں تھا۔ یہاں تک کہ مجھے ایک رؤیا ہوا۔

ایک رؤیا

میں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا امکان ہے جس کا ایک حصہ مکمل ہے اور دوسرا نامکمل۔ نامکمل حصے پر اگرچہ بالے رکھے ہوئے ہیں مگر ابھی اینٹیں وغیرہ رکھ کر مٹی ڈالنی باقی ہے۔ اس حصہ عمارت پر ہم چار پانچ آدمی کھڑے ہیں جن میں سے ایک میر محمد اسحاق صاحب بھی ہیں۔ اچانک وہاں کڑیوں پر ہمیں کچھ بھوسا دکھائی دیا۔ میر محمد اسحاق صاحب نے جلدی سے ایک دِیا سلائی کی ڈبیہ میں سے ایک دِیا سلائی نکال کر کہا میرا جی چاہتا ہے کہ اس بُھوسے کو آگ لگا دوں۔ میں انہیں منع کرتا ہوں مگر وہ نہیں رُکتے۔ آخر میں انہیں سختی سے کہتا ہوں کہ اس بھوسے کو ایک دن آگ تو لگائی ہی جائے گی مگر ابھی وقت نہیں آیا اور یہ کہہ کر میں دوسری طرف متوجہ ہو گیا لیکن تھوڑی دیر کے بعد مجھے کچھ شور سا سنائی دیا۔ میں نے منہ پھیرا تو دیکھا۔ میر محمد اسحاق صاحب دِیا سلائی کی تیلیاں نکال کر اس کی ڈبیہ سے جلدی جلدی رگڑتے ہیں مگر وہ جلتی نہیں ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری دِیا سلائی نکال کر وہ اس طرح رگڑتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ بھوسے کو آگ لگا دیں۔ میں یہ دیکھتے ہی ان کی طرف دَوڑ پڑا مگر میرے پہنچنے سے پہلے پہلے ایک دِیا سلائی جَل گئی جس سے انہوں نے بھوسے کو آگ لگا دی۔ میں یہ دیکھ کر آگ میں کُود پڑا اور اسے جلدی سے بُجھا دیا مگر اس دوران میں چند کڑیوں کے سِرے جل گئے۔ میں نے یہ خواب لکھ کر

حضرت خلیفہ اوّل کے سامنے پیش کی تو آپ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ خواب تو پوری ہوگئی۔ میں نے عرض کیا کہ کس طرح؟ آپ نے فرمایا۔ میر محمد اسحاق نے کچھ سوالات لکھ کر دیئے ہیں۔ وہ سوال میں نے باہر جماعتوں کو بھجوا دیئے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں اس سے بہت بڑا فتنہ پیدا ہوگا۔ مجھے اس پر بھی کچھ معلوم نہ ہؤا کہ میر محمد اسحاق صاحب نے کیا سوالات کئے ہیں لیکن بعد میں مَیں نے بعض دوستوں سے پوچھا تو انہوں نے ان سوالات کا مفہوم بتایا اور مجھے معلوم ہؤا کہ وہ سوالات خلافت کے متعلق ہیں۔ میر صاحب کے ان سوالات کی وجہ سے جماعت میں ایک شور برپا ہوگیا اور چاروں طرف سے ان کے جوابات آنے شروع ہو گئے۔ اس وقت ان لوگوں نے جس طرح جماعت کو دھوکا میں مبتلاء کرنا چاہا وہ اس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے متواتر جماعت کو یہ کہا کہ جن خیالات کا وہ اظہار کر رہے ہیں وہی خیالات حضرت خلیفہ اوّل کے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے خدا کا شکر ہے کہ ایسے بےنفس آدمی کے زمانہ میں یہ سوال اُٹھا اگر بعد میں اُٹھتا تو نہ معلوم کیا فساد کھڑا ہوتا۔ بعض کہتے کہ بہت اچھا ہؤا آج جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اکثر صحابہؓ زندہ ہیں اس امر کا فیصلہ ہونے لگا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اصل جانشین انجمن ہی ہے۔ غرض جماعت پر یہ پوری طرح اثر ڈالنے کی کوشش کی گئی کہ (**نَعُوْذُ بِاللّٰہِ**) حضرت خلیفہ اوّل ان کے خیالات سے متفق ہیں۔ مگر بہرحال اس وقت جماعت میں ایک غیر معمولی جوش پایا جاتا تھا اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ خلیفۂ وقت کے خلاف خطرناک بغاوت ہو جائے گی۔

بیرونی جماعتوں کے نمائندوں کا قادیان میں اجتماع

آخر وہ دن آ گیا جو حضرت خلیفہ اوّل نے اس غرض کیلئے مقرر کیا تھا اور جس میں بیرونی جماعتوں کے نمائندگان کو قادیان میں جمع ہونے کیلئے کہا گیا تھا۔ میں اس روز صبح کی نماز کے انتظار میں اپنے دالان میں ٹہل رہا تھا اور حضرت خلیفہ اوّل کی آمد کا انتظار کیا جا رہا تھا کہ میرے کانوں میں شیخ رحمت اللہ صاحب کی آواز آئی۔ وہ بڑے جوش سے مسجد میں کہہ رہے تھے کہ غضب خدا کا ایک لڑکے کی خاطر جماعت کو تباہ کیا جا رہا ہے۔ پہلے تو میں سمجھا کہ اس سے مراد شاید میر محمد اسحاق صاحب ہیں مگر پھر شیخ رحمت اللہ صاحب کی

آواز آئی کہ جماعت ایک لڑکے کی غلامی کس طرح کر سکتی ہے۔ اس پر میں اور زیادہ حیران ہوا اور میں سوچنے لگا کہ میر محمد اسحاق صاحب نے تو صرف چند سوالات دریافت کئے ہیں ان کے ساتھ جماعت کی غلامی یا عدمِ غلامی کا کیا تعلق ہے مگر باوجود سوچنے اور غور کرنے کے میری سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ اس بچے سے کون مراد ہے۔ آخر صبح کی نماز کے بعد میں نے حضرت خلیفہ اوّل سے اس واقعہ کا ذکر کیا اور میں نے کہا کہ نہ معلوم آج مسجد میں کیا جھگڑا تھا کہ شیخ رحمت اللہ صاحب بلند آواز سے کہہ رہے تھے کہ ہم ایک بچہ کی بیعت کس طرح کر لیں اسی کی خاطر یہ تمام فساد ڈلوایا جا رہا ہے۔ میں تو نہیں سمجھ سکا کہ یہ بچہ کون ہے۔ حضرت خلیفہ اوّل میری طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا۔ تمہیں نہیں پتہ؟ اس سے مراد تم ہی تو ہو۔ غالباً شیخ صاحب کے ذہن میں یہ بات تھی کہ یہ تمام سوالات میں نے ہی لکھوائے ہیں اور میری وجہ سے ہی جماعت میں یہ شور اُٹھا ہے۔

مسئلہ خلافت کے متعلق حضرت خلیفہ اوّل کی تقریر

اس کے بعد حضرت خلیفہ اوّل تقریر کرنے کیلئے تشریف لائے۔ اس تقریر کے متعلق بھی پہلے سے میں نے ایک رؤیا دیکھا ہؤا تھا میں نے دیکھا کہ کوئی جلسہ ہے جس میں حضرت خلیفہؑ اوّل کھڑے تقریر کر رہے ہیں اور تقریر مسئلہ خلافت پر ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ کوئی لشکر ہے جو آپ پر حملہ آور ہؤا ہے۔ اس وقت میں بھی جلسہ میں آیا اور آپ کے دائیں طرف کھڑے ہو کر میں نے کہا کہ حضور! کوئی فکر نہ کریں ہم آپ کے خادم ہیں اور آپ کی حفاظت کیلئے اپنی جانیں تک دینے کیلئے تیار ہیں۔ ہم مارے جائیں گے تو پھر کوئی شخص حضور تک پہنچ سکے گا۔ ہماری موجودگی میں آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا۔ خواب مَیں نے حضرت خلیفہؑ اوّل کو سنائی ہوئی تھی۔ چنانچہ اِس جلسہ میں شامل ہونے کیلئے جب مَیں آیا تو مجھے اُس وقت وہ خواب یاد نہ رہی اور میں حضرت خلیفہؑ اوّل کے بائیں طرف بیٹھ گیا۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ میاں! یہاں سے اُٹھ کر دائیں طرف آ جاؤ اور پھر خود ہی فرمایا۔ تمہیں معلوم ہے میں نے تمہیں دائیں طرف کیوں بٹھایا ہے؟ میں نے عرض کیا مجھے تو معلوم نہیں۔ اس پر آپ نے میری اُسی خواب کا ذکر کیا اور فرمایا کہ اس خواب کی وجہ سے میں نے تمہیں اپنے دائیں طرف بٹھایا ہے۔

جب آپ تقریر کیلئے کھڑے ہوئے تو بجائے اس کے کہ اُس جگہ کھڑے ہوتے جو آپ کیلئے تجویز کی گئی تھی آپ اس حصۂ مسجد میں کھڑے ہوگئے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنوایا تھا اور لوگوں پر اظہارِ ناراضگی کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے اپنے عمل سے مجھے اتنا دکھ دیا ہے کہ میں اس حصۂ مسجد میں بھی کھڑا نہیں ہؤا جو تم لوگوں کا بنایا ہوا ہے بلکہ اپنے پِیر کی بنائی ہوئی مسجد میں کھڑا ہوا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے مسئلہ خلافت پر قرآن وحدیث سے روشنی ڈالی اور فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں خلیفہ کا کام صرف نمازیں پڑھا دینا، جنازے پڑھا دینا اور لوگوں کے نکاح پڑھا دینا ہے اُسے نظام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ یہ کہنے والوں کی سخت گُستاخانہ حرکت ہے۔ یہ کام تو ایک مُلّاں بھی کرسکتا ہے اس کیلئے کسی خلیفہ کی کیا ضرورت ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے یہ تقریر سنی ہوئی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ تقریر اتنی دردانگیز اور اِس قدر جوش سے لبریز تھی کہ لوگوں کی روتے روتے گھِگھی بندھ گئی۔

خواجہ کمال الدین صاحب اور مولوی محمد علی صاحب سے دوبارہ بیعت

تقریر کے بعد آپ نے خواجہ کمال الدین صاحب، مولوی محمد علی صاحب اور شیخ یعقوب علی صاحب سے کہا کہ دوبارہ بیعت کرو۔ چنانچہ انہوں نے دوبارہ بیعت کی۔ میرا ذہن اُس وقت اِدھر منتقل نہیں ہؤا کہ ان سے بیعت ان کے جُرم کی وجہ سے لی جارہی ہے چنانچہ میں نے بھی بیعت کیلئے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا مگر حضرت خلیفۂ اوّل نے میرے ہاتھ کو پیچھے ہٹا دیا اور فرمایا تمہارا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ انہوں نے تو ایک جُرم کیا ہے جس کی وجہ سے دوبارہ ان سے بیعت لی جارہی ہے مگر تم نے کونسا جُرم کیا ہے۔

شیخ یعقوب علی صاحب سے اس موقع پر جو بیعت لی گئی وہ اس لئے لی گئی تھی کہ شیخ صاحب نے ایک جلسہ کیا تھا جس میں اُن لوگوں کے خلاف تقریریں کی گئی تھیں جنہوں نے نظامِ خلافت کی تحقیر کی تھی اور گو یہ اچھا کام تھا مگر حضرت خلیفۂ اوّل نے فرمایا جب ہم نے ان کو اس کام پر مقرر نہیں کیا تھا تو ان کا کیا حق تھا کہ وہ خودبخود الگ جلسہ کرتے۔ غرض ان تینوں سے دوبارہ بیعت لی گئی اور انہوں نے سب کے سامنے توبہ کی مگر جب جلسہ ختم ہوگیا

اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تو ان لوگوں نے حضرت خلیفہ اوّل کے خلاف اور زیادہ منصوبے کرنے شروع کر دیئے اور مولوی محمد علی صاحب نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ میری اس قدر ہتک کی گئی ہے کہ اب میں قادیان میں نہیں رہ سکتا۔ ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب مرحوم ان دنوں مولوی محمد علی صاحب سے بہت تعلق رکھا کرتے تھے۔ ایک دن وہ سخت گھبراہٹ کی حالت میں حضرت خلیفہ اوّل کے پاس پہنچے۔ مَیں بھی اتفاقاً وہیں موجود تھا اور آتے ہی کہا کہ حضور! غضب ہوگیا آپ جلدی کوئی انتظام کریں۔ حضرت خلیفہ اوّل نے فرمایا کیا ہوا؟ انہوں نے کہا مولوی محمد علی صاحب کہہ رہے ہیں کہ میری یہاں سخت ہتک ہوئی ہے اور مَیں اب قادیان میں کسی صورت میں نہیں رہ سکتا۔ آپ جلدی کریں اور کسی طرح مولوی محمد علی صاحب کو منانے کی کوشش کریں، ایسا نہ ہو کہ وہ چلے جائیں۔ حضرت خلیفہ اوّل نے فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب! مولوی صاحب سے جا کر کہہ دیجئے کہ کل کے آنے میں تو ابھی دیر ہے آپ جانا چاہتے ہیں تو آج ہی قادیان سے چلے جائیں۔ ڈاکٹر صاحب جو یہ خیال کر رہے تھے کہ اگر مولوی محمد علی صاحب قادیان سے چلے گئے تو نہ معلوم کیا زلزلہ آجائے گا اُن کے تو یہ جواب سن کر ہوش اُڑ گئے اور انہوں نے کہا حضور! پھر تو بڑا فساد ہوگا۔ حضرت خلیفہ اوّل نے فرمایا۔ مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ میں خدا کا قائم کردہ خلیفہ ہوں مَیں ان دھمکیوں سے مرعوب ہونے والا نہیں۔ اِس جواب کو سن کر مولوی محمد علی صاحب بھی خاموش ہو گئے اور پھر انہوں نے حضرت خلیفہ اوّل کی زندگی میں قادیان سے جانے کے ارادے کا اظہار نہیں کیا۔ البتہ اندر ہی اندر کھچڑی پکتی رہی اور کئی طرح کے منصوبوں سے اُنہوں نے جماعت میں فتنہ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ یہ بہت لمبے واقعات ہیں جن کو تفصیلاً بیان کرنے کا یہ موقع نہیں۔

حضرت خلیفۂ اوّل کی بیماری میں ایک اشتہار شائع کرنے کی تجویز

حضرت خلیفۂ اوّل جب مرض الموت سے بیمار ہوئے تو طبعاً ہم سب کے قلوب میں ایک بے چینی تھی اور ہم نہایت ہی افسوس کے ساتھ آنے والی گھڑی کو دیکھ رہے تھے اور چونکہ آپ کی بیماری کی وجہ سے لوگوں کی عام نگرانی

نہیں رہی تھی اور اختلافی مسائل پر گفتگو بڑھتی چلی جارہی تھی، اس لئے میں نے ایک اشتہار لکھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اب جب کہ حضرت خلیفۃ المسیح سخت بیمار ہیں یہ مناسب نہیں کہ ہم اختلافی مسائل پر آپس میں اس طرح بحثیں کریں مناسب یہی ہے کہ ہم ان بحثوں کو بند کر دیں اور اس وقت کا انتظار کریں جب کہ اللہ تعالیٰ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کو صحت دے دے اور آپ خود اِن بحثوں کی نگرانی فرماسکیں۔ میں نے یہ اشتہار لکھ کر مرزا خدا بخش صاحب کو دیا اور میں نے کہا کہ آپ اسے مولوی محمد علی صاحب کے پاس لے جائیں تاکہ وہ بھی اس پر دستخط کر دیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ میرے ہم خیال اور ان کے ہم خیال دونوں اس قسم کی بحثوں سے اجتناب کریں گے اور جماعت میں کوئی فتنہ پیدا نہیں ہوگا۔ یہ حضرت خلیفہ اوّل کی وفات سے صرف دو یا ایک دن پہلے کی بات ہے مگر بجائے اس کے کہ مولوی محمد علی صاحب اس اشتہار پر دستخط کر دیتے انہوں نے جواب دیا کہ جماعت کے دوستوں میں جو کچھ اختلاف ہے چونکہ اس سے عام لوگ واقف نہیں اس لئے ایسا اشتہار شائع کرنا مناسب نہیں اس طرح دشمنوں کو خواہ مخواہ ہنسی کا موقع ملے گا۔ میرے خیال میں اشتہار شائع کرنے کی بجائے یہ بہتر ہے کہ ایک جلسہ کا انتظام کیا جائے جس میں آپ بھی تقریر کریں اور مَیں بھی تقریر کروں اور ہم دونوں لوگوں کو سمجھا دیں کہ اس طرح گفتگو نہ کیا کریں۔ چنانچہ مسجد نور میں ایک جلسے کا انتظام کیا گیا۔ مولوی محمد علی صاحب نے مجھ سے خواہش کی کہ پہلے میں تقریر کروں۔ چنانچہ میں نے جو کچھ اشتہار میں لکھا تھا وہی تقریر میں بیان کر دیا اور اتفاق پر زور دیا۔ میری تقریر کے بعد مولوی محمد علی صاحب کھڑے ہوئے مگر بجائے اس کے کہ وہ لوگوں کو کوئی نصیحت کرتے اُلٹا انہوں نے لوگوں کو ڈانٹنا شروع کر دیا کہ تم بڑے نالائق ہو مجھ پر اور خواجہ صاحب پر خواہ مخواہ اعتراض کرتے ہو تمہاری یہ حرکت پسندیدہ نہیں اس سے باز آ جاؤ۔ غرض انہوں نے خوب زجر وتوبیخ سے کام لیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہؤا کہ بجائے اتفاق پیدا ہونے کے افتراق اور بھی زیادہ ترقی کر گیا اور لوگوں کے دلوں میں اُن کے متعلق نفرت پیدا ہوگئی۔

جماعت کو اختلاف سے محفوظ رکھنے کی کوشش

چونکہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی طبیعت اب زیادہ کمزور ہوتی جارہی تھی اس لئے ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ آپ کے بعد کیا ہوگا۔ میرے سامنے صرف جماعت کے اتحاد کا سوال تھا۔ یہ سوال نہیں تھا کہ ہم میں سے خلیفہ ہو یا اُن میں سے۔ چنانچہ گو عام طور پر وہ لوگ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت پر ایمان رکھتے تھے اُن کا یہی خیال تھا کہ ہم کسی ایسے شخص کے ہاتھ پر بیعت نہیں کر سکتے جس کے عقائد اُن کے عقائد سے مختلف ہوں کیونکہ اس طرح احمدیت کے مِٹ جانے کا اندیشہ ہے مگر میں نے دوستوں کو خاص طور پر سمجھانا شروع کیا کہ اگر حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات پر ہمیں کسی فتنے کا اندیشہ ہو تو ہمیں انہیں لوگوں میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لینی چاہئے اور جماعت کو اختلاف سے محفوظ رکھنا چاہئے۔ چنانچہ مَیں نے اکثر دوستوں کو اس بات پر آمادہ کرلیا کہ اگر جھگڑا محض اِس بات پر ہو کہ خلیفہ کس جماعت میں سے ہو ہم میں سے یا اُن میں سے تو ہمیں اُن میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کرنے کیلئے تیار رہنا چاہئے۔

حضرت خلیفۂ اوّل کی وفات

۱۳؍ مارچ ۱۹۱۴ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل وفات پا گئے۔ میں جمعہ پڑھا کر نواب محمد علی خان صاحب کی گاڑی میں آرہا تھا کہ راستہ میں مجھے آپ کی وفات کی اطلاع ملی اور اس طرح میرا ایک اور خواب پورا ہو گیا جو مَیں نے اس طرح دیکھا تھا کہ میں گاڑی میں سوار ہوں اور گاڑی ہمارے گھر کی طرف جارہی ہے کہ راستہ میں مجھے کسی نے حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات کی خبر دی۔ میں اس رؤیا کے مطابق سمجھتا تھا کہ غالباً میں اس وقت سفر پر ہونگا جب حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی وفات ہوگی مگر خدا تعالیٰ نے اسے اس رنگ میں پورا کر دیا کہ جب جمعہ پڑھا کر مَیں گھر واپس آیا تو نواب محمد علی خان صاحب کا ملازم ان کا یہ پیغام لے کر میرے پاس آیا کہ وہ میرے انتظار میں ہیں اور ان کی گاڑی کھڑی ہے۔ چنانچہ میں اُن کے ہمراہ گاڑی میں سوار ہو کر چل پڑا اور راستہ میں مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی وفات کی اطلاع مل گئی۔

دعاؤں کی تحریک

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی وفات پر تمام جماعتوں کو تاریں بھجوا دی گئیں اور مَیں نے دوستوں کو تحریک کی کہ ہر شخص اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے دعاؤں میں لگ جائے۔ راتوں کو تہجد پڑھے اور جسے توفیق ہو وہ کل روزہ بھی رکھے تاکہ اللہ تعالیٰ اس مشکل کے وقت جماعت کی صحیح راہنمائی کرے اور ہمارا قدم کسی غلط راستہ پر نہ جا پڑے۔

خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا متفقہ فیصلہ

اُسی دن مَیں نے اپنے رشتہ داروں کو جمع کیا اور اُن سے اس اختلاف کے متعلق مشورہ طلب کیا۔ انہوں نے اس بات پر اصرار کیا کہ خلیفہ ایسا شخص ہی مقرر ہونا چاہئے جس کے عقائد ہمارے عقائد کے ساتھ متفق ہوں مگر میں نے ان کو سمجھایا کہ اصل چیز جس کی اِس وقت ہمیں ضرورت ہے اتفاق ہے۔ خلیفہ کا ہونا بے شک ہمارے نزدیک مذہباً ضروری ہے لیکن چونکہ جماعت میں اختلاف پیدا ہونا بھی مناسب نہیں اس لئے اگر وہ بھی کسی کو خلیفہ بنانے میں ہمارے ساتھ متحد ہوں تو مناسب یہ ہے کہ عام رائے لے لی جائے اور اگر انہیں اس سے اختلاف ہو تو کسی ایسے آدمی کی خلافت پر اتفاق کیا جائے جو دونوں فریق کے نزدیک بے تعلق ہو۔ اور اگر وہ یہ بھی قبول نہ کریں تو پھر انہیں میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لی جائے چاہے وہ مولوی محمد علی صاحب ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ بات منوانی اگرچہ سخت مشکل تھی مگر میرے اصرار پر ہمارے تمام خاندان نے اس بات کو تسلیم کر لیا۔

مولوی محمد علی صاحب سے ملاقات

اس کے بعد میں مولوی محمد علی صاحب سے ملا اور میں نے اُن سے کہا کہ مَیں آپ سے کچھ باتیں کرنی چاہتا ہوں۔ چنانچہ ہم دونوں جنگل کی طرف نکل گئے۔ مولوی محمد علی صاحب نے کہا کہ حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات کے بعد جلد ہی کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ اس وجہ سے کہ جماعت میں اختلاف ہے اور فتنے کا ڈر ہے پورے طور پر بحث کر کے ایک بات پر متفق

ہو کر کام کرنا چاہئے۔ میں نے کہا کل تک امید ہے کافی لوگ جمع ہو جائیں گے اس لئے میرے نزدیک کل جب تمام لوگ جمع ہو جائیں تو مشورہ کر لیا جائے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ نہیں اتنی جلدی کی کیا ضرورت ہے چار پانچ ماہ جماعت غور کر لے پھر اس کے بعد جو فیصلہ ہو اُس پر عمل کر لیا جائے۔ میں نے کہا کہ اس عرصہ میں اگر جماعت کے اندر کوئی فساد ہو گیا تو اس کا ذمہ دار کون ہوگا۔ جماعت بغیر لیڈر اور راہنما کے ہوگی اور جب جماعت کا کوئی امام نہیں ہوگا تو کون اس کے جھگڑوں کو حل کرے گا اور جماعت کے لوگ کس کے پاس اپنی فریاد لے کر جائیں گے۔ فساد کا کوئی وقت مقرر نہیں ممکن ہے آج شام کو ہی ہو جائے پس یہ سوال رہنے دیں کہ آج اس امر کا فیصلہ نہ ہو کہ کون خلیفہ بنے بلکہ آج سے پانچ ماہ کے بعد فیصلہ ہو۔ ہاں اس امر پر ہمیں ضرور بحث کرنی چاہئے کہ کون خلیفہ ہو اور میں نے مولوی محمد علی صاحب سے کہا کہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اور میرے ہم خیال اس بات پر تیار ہیں کہ آپ لوگوں میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔ مولوی صاحب نے کہا یہ بڑی مشکل بات ہے آپ سوچ لیں اور کل اس پر پھر گفتگو ہو جائے چنانچہ ہم دونوں الگ ہو گئے۔

مولوی محمد علی صاحب کا ایک ٹریکٹ

رات کو جب مَیں تہجد کیلئے اُٹھا تو بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی نے مجھے ایک ٹریکٹ دیا اور کہا کہ یہ ٹریکٹ تمام راستہ میں بیرونجات سے آنے والے احمدیوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ میں نے اسے دیکھا تو وہ مولوی محمد علی صاحب کا لکھا ہوا تھا اور اس میں جماعت پر زور دیا گیا تھا کہ آئندہ خلافت کا سلسلہ نہیں چلنا چاہئے اور یہ کہ حضرت خلیفہ اوّل کی بیعت بھی انہوں نے بطور ایک پیر کے کی تھی نہ کہ بطور خلیفہ کے۔ ساتھ ہی یہ بھی لکھا تھا کہ جماعت کا ایک امیر ہو سکتا ہے مگر وہ بھی ایسا ہونا چاہئے جو واجبُ الِاطاعت نہ ہو، جو غیر احمدیوں کو کافر نہ کہتا ہو اور جس کی چالیس سال سے زیادہ عمر ہو۔ مقصد یہ تھا کہ اگر خلیفہ بنایا جائے تو مولوی محمد علی صاحب کو کیونکہ اُن کی عمر اُس وقت چالیس سال سے زائد تھی اور وہ غیر احمدیوں کو کافر بھی نہیں کہتے تھے۔

انتخاب خلافت پر جماعت کے نوے فیصد دوستوں کا اتفاق

میں نے جب یہ ٹریکٹ پڑھا تو آنے والے فتنہ کا تصور کر کے خود بھی دعا میں لگ گیا اور دوسرے لوگ جو اس کمرہ میں تھے اُن کو بھی میں نے جگایا اور اس ٹریکٹ سے باخبر کرتے ہوئے انہیں دعاؤں کی تاکید کی۔ چنانچہ ہم سب نے دعائیں کیں، روزے رکھے اور قادیان کے اکثر احمدیوں نے بھی دعاؤں اور روزہ میں حصہ لیا۔ صبح کے وقت بعض دوستوں نے یہ محسوس کر کے کہ مولوی محمد علی صاحب نے نہ صرف ہم سے دھوکا کیا ہے بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی وصیتوں کی بھی تحقیر کی ہے۔ ایک تحریر لکھ کر تمام آنے والے احباب میں اس غرض سے پھرائی تا معلوم ہو کہ جماعت کا رُجحان کِدھر ہے۔ اس میں جماعت کے دوستوں سے دریافت کیا گیا تھا کہ آپ بتائیں حضرت خلیفۂ اوّل کے بعد کیا ویسا ہی کوئی خلیفہ ہونا چاہئے یا نہیں جیسا کہ حضرت خلیفۂ اوّل تھے اور یہ کہ انہوں نے حضرت خلیفۂ اوّل کی بیعت آپ کو خلیفہ سمجھ کر کی تھی یا ایک پِیر اور صوفی سمجھ کر۔ اس ذریعہ سے جماعت کے دوستوں کے خیالات معلوم کرنے کا یہ فائدہ ہوا کہ ہمیں لوگوں کے دستخطوں سے یہ معلوم ہو گیا کہ جماعت کا نوے فیصدی سے بھی زیادہ حصہ اس امر پر متفق ہے کہ خلیفہ ہونا چاہئے اور اِسی رنگ میں ہونا چاہئے جس رنگ میں حضرت خلیفہ اوّل تھے۔

مولوی محمد علی صاحب سے دوبارہ گفتگو

دس بجے کے قریب مجھے مولوی محمد علی صاحب کا پیغام آیا کہ کل والی بات کے متعلق مَیں پھر کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ میں نے اُن کو بلوا لیا اور باتیں شروع ہو گئیں۔ میں نے اِس امر پر زور دیا کہ خلافت کے متعلق آپ بحث نہ کریں کیونکہ آپ ایک خلیفہ کی بیعت کر کے اس اصول کو تسلیم کر چکے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد جماعت میں خلفاء کا سلسلہ جاری رہے گا صرف اِس امر پر بحث کریں کہ خلیفہ کون ہو۔ وہ بار بار کہتے تھے کہ اس بارہ میں جلدی کی ضرورت نہیں جماعت کو چار پانچ ماہ غور کر لینے دیا

جائے۔ اور میرا جواب وہی تھا جو میں ان کو پہلے دے چکا تھا بلکہ مَیں نے اُن کو یہ بھی کہا کہ اگر چار پانچ ماہ کے بعد بھی اختلاف ہی رہا تو کیا ہوگا۔ اگر آپ کثرتِ رائے پر فیصلہ کریں گے تو کیوں نہ ابھی جماعت کی کثرتِ رائے سے یہ فیصلہ کرلیا جائے کہ کون خلیفہ ہو۔ جب سلسلۂ گفتگو کسی طرح ختم ہوتا نظر نہ آیا تو مَیں نے مولوی محمد علی صاحب سے کہا کہ باہر جو لوگ موجود ہیں اُن سے مشورہ لے لیا جائے۔ اس پر مولوی صاحب کے منہ سے بے اختیار یہ فقرہ نکل گیا کہ میاں صاحب! آپ کو پتہ ہے کہ وہ لوگ کس کو خلیفہ بنائیں گے؟ میں نے کہا لوگوں کا سوال نہیں مَیں خود یہ فیصلہ کر چکا ہوں کہ آپ لوگوں میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کرلوں اور میرے ساتھی بھی اس غرض کیلئے تیار ہیں مگر انہوں نے پھر بھی یہی جواب دیا کہ آپ جانتے ہیں وہ کس کو منتخب کریں گے۔ اس پر مَیں مایوس ہوکر اُٹھ بیٹھا کیونکہ باہر جماعت کے دوست اس قدر جوش میں بھرے ہوئے تھے کہ وہ ہمارے دروازے توڑ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ ہم زیادہ صبر نہیں کرسکتے۔ جماعت اس وقت تک بغیر کسی رئیس کے ہے اور آپ کی طرف سے کوئی امر طے ہونے میں ہی نہیں آتا۔ آخر مَیں نے مولوی صاحب سے کہا چونکہ ہمارے نزدیک خلیفہ ہونا ضروری ہے اس لئے آپ کی جو مرضی ہو وہ کریں۔ ہم اپنے طور پر لوگوں سے مشورہ کرکے کسی کے ہاتھ پر بیعت کرلیتے ہیں۔ چنانچہ یہ کہتے ہوئے مَیں وہاں سے اُٹھ کھڑا ہوا اور مجلس برخواست ہوگئی۔

خلافتِ ثانیہ کا قیام

عصر کی نماز کے بعد جب نواب محمد علی خان صاحب نے حضرت خلیفہ اوّل کی وصیت سنانے کے بعد لوگوں سے درخواست کی کہ وہ کسی کو آپ کا جانشین تجویز کریں تو سب نے بِالاتفاق میرا نام لیا اور اس طرح خلافتِ ثانیہ کا قیام عمل میں آیا۔

مَیں نے سنا ہے کہ اُس وقت مولوی محمد علی صاحب بھی کچھ کہنے کیلئے کھڑے ہوئے تھے مگر کسی نے اُن کے کوٹ کو جھٹک کر کہا کہ آپ بیٹھ جائیں۔ بہرحال جو کچھ ہوا اللہ تعالیٰ کی مشیّت کے ماتحت ہوا اور وہ جس کو خلیفہ بنانا چاہتا تھا اُس کو اُس نے خلیفہ بنا دیا۔

حضرت خلیفۂ اوّل کے بعض ارشادات کی اصل حقیقت

یہ لوگ حضرت خلیفۂ اوّل کو اپنے متعلق ہمیشہ غلط فہمی میں مبتلاء کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے اسی لئے حضرت خلیفۂ اوّل کے لیکچروں میں بعض جگہ اس قسم کے الفاظ نظر آ جاتے ہیں کہ لاہوری دوستوں پر بدظنی نہیں کرنی چاہئے۔ یہ خیال کرنا کہ وہ خلافت کے مخالف ہیں جھوٹ ہے۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ یہ خود حضرت خلیفۂ اوّل سے بار بار کہتے کہ ہمارے متعلق جو کچھ کہا جاتا ہے جھوٹ ہے، ہم تو خلافت کے صدقِ دل سے مؤیّد ہیں۔ مگر اب دیکھ لو اِن کا جھوٹ کس طرح ظاہر ہو گیا اور جن باتوں کا وہ قسمیں کھا کھا کر اقرار کیا کرتے تھے اب کس طرح شدت سے اُن کا انکار کرتے رہتے ہیں۔

غرض حضرت خلیفۂ اوّل کی خلافت کو تسلیم کر لینے کے بعد ان لوگوں نے بھی خوارج کی طرح اَلْحُکْمُ لِلّٰہِ وَالْاَمْرُ شُوْرٰی بَیْنَنَا [۳۲] کا راگ الاپنا شروع کر دیا مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں ناکام رکھا اور جماعت میرے ہاتھ پر جمع ہوئی۔ اِن کے بعد بھی بعض لوگ بعض اغراض کے ماتحت بیعت سے علیحدہ ہوئے اور انہوں نے بھی ہمیشہ وہی شور مچایا جو خوارج مچایا کرتے تھے مگر خدا تعالیٰ نے آج تک اُن کو ناکام و نامراد رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آئندہ بھی جماعت کو ان کے فتنوں سے محفوظ رکھے۔

خلافت کے بارہ میں قرآنی احکام

یہ تو تاریخ خلافت ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن و احادیث میں اس بارہ میں کیا روشنی ملتی ہے اور کیا کوئی نظام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلام نے تجویز کیا ہے یا نہیں اور اگر کیا ہے تو وہ کیا ہے۔

اس بارہ میں جب ہم غور کرتے ہیں تو ہمیں پہلا اصولی حکم قرآن کریم میں یہ ملتا ہے کہ:۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَیَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا ھٰٓؤُلَآءِ اَھْدٰی مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ... مِّنَ الْمُلْکِ فَاِذًا لَّا یُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِیْرًا اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی

مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ـ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ـ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ـ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۫ وَّ نُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ـ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا [۳۳]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اہل کتاب جھوٹ اور فریب اور شرک کی باتوں پر عمل کرتے ہوئے سچائی کو چھوڑ رہے ہیں اور جب بھی مومنوں اور غیر مومنوں کا مقابلہ ہوتا ہے تو مومنوں کے متعلق تو وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ بہت ہی بُرے ہیں اور کافروں کے متعلق اُن کی یہ رائے ہوتی ہے کہ وہ مومنوں سے بہتر ہیں۔ جیسے غیر مبائعین ہماری دشمنی کی وجہ سے عام مسلمانوں کو ہم سے بہتر سمجھتے اور اُن کے پیچھے نمازیں بھی پڑھ لیتے ہیں۔ چنانچہ جب بھی کوئی بات ہو وہ کہتے ہیں هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا یہ مسلمان احمدیوں سے زیادہ اچھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ تم چونکہ مومنوں کو دور کرتے ہو اور غیر مومنوں کو اپنے قریب کرتے ہو اس لئے آج ہم تم سے بھی یہی کہتے ہیں کہ تم ہمارے قرب سے دور ہو جاؤ۔ وَ مَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا اور لوگ تو لعنت صرف زبان سے کرتے ہیں اور جب کسی پر لعنت ڈالنی ہو تو کہتے ہیں جا تجھ پر لعنت مگر جس پر ہماری لعنت پڑتی ہے اس کا کوئی مددگار نہیں رہتا۔ یہود کو دیکھ لو اللہ تعالیٰ

نے اُن پر لعنت ڈالی تو اُن کا کیسا بُرا حال ہؤا۔ باوجود اس کے کہ مال و دولت اُن کے پاس بہت ہے مختلف قوموں مختلف وقتوں میں اُٹھتی اور انہیں ذلیل و رُسوا کرتی رہتی ہیں۔ یہی حال غیر مبائعین کا ہے۔ جب میری بیعت ہوئی تو اُس وقت قادیان میں دو ہزار کے قریب آدمی جمع تھے اور سِوائے پچاس ساٹھ کے باقی سب نے میری بیعت کر لی۔مگر ''پیغامِ صلح'' نے لکھا کہ:-

''حاضر الوقت جماعت میں سے نصف کے قریب لوگوں نے بیعت نہ کی اور افسوس کرتے ہوئے مسجد سے چلے آئے''۔[۳۴]

پھر اُسی پیغامِ صلح میں انہوں نے میرے متعلق اعلان کیا کہ:-

''ابھی بمشکل قوم کے بیسویں حصہ نے خلیفہ تسلیم کیا ہے''[۳۵]

گویا پانچ فیصدی آدمی ہمارے ساتھ تھے اور پچانوے فیصدی اُن کے ساتھ۔مگر اب کیا حال ہے۔اب وہ بار بار لکھتے ہیں کہ جماعت کی اکثریت خلافت سے وابستہ ہے۔ بلکہ اب تو ان کے دلائل کا رُخ ہی بدل گیا ہے۔ پہلے وہ اپنی سچائی کی یہ دلیل دیا کرتے تھے کہ جماعت کی اکثریت اُن کے ساتھ ہے مگر جب اکثریت خدا تعالیٰ نے ہمارے ساتھ کر دی تو وہ یہ کہنے لگ گئے کہ جماعت کی اکثریت کا کسی بات کا قائل ہونا اُس کی سچائی کی دلیل نہیں ہوتا۔قرآن میں صاف آتا ہے کہ اَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ [۳۶] گویا جب تک وہ زیادہ رہے اُن کی یہ دلیل رہی کہ نبی کو ماننے والوں کی اکثریت گمراہ نہیں ہوسکتی اور جب ہم زیادہ ہو گئے تو اَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ کا مصداق ہمیں قرار دے دیا گیا۔ بہر حال انہوں نے اتنا تو ضرور اقرار کر لیا کہ اُن کے نصیر جاتے رہے ہیں۔اور یہی اس قرآنی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ پھر فرماتا ہے۔ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ان لوگوں کو تو یہ حَسد کھائے چلا جاتا ہے کہ انہیں حکومت اور طاقت کیوں نہ مل گئی۔ حالانکہ اگر دنیا کی حکومت ان کے قبضہ میں ہوتی تو یہ بال برابر بھی لوگوں کو کوئی چیز نہ دیتے۔ نقیر کھجور کی گٹھلی کے نشان کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی طبیعت میں سخت بخل ہے۔ جیسے پیغامیوں کو یہی بخل کھا گیا کہ ایک لڑکے کو خلافت کیوں مل گئی۔فرماتا

ہے۔ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا۔
تم جو بُخل کرتے ہو اور کہتے ہو کہ انہیں حکومت اور خلافت کیوں مل گئی تو اتنا تو سوچو کہ یہ حکومت اور سلطنت کس کو ملی ہے؟ کیا جسے حکومت ملی ہے وہ آل ابراہیمؑ میں شامل نہیں۔ اگر ہے تو پھر تمہارے حسد سے کیا بنتا ہے۔ خدا نے پہلے بھی آل ابراہیمؑ کو حکومت اور سلطنت دی اور اب بھی وہ آل ابراہیم کو حکومت اور سلطنت دے گا۔
فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا۔ ہم اس سے پہلے بھی آل ابراہیمؑ کو حکومت دے چکے ہیں۔ جن لوگوں نے اُن کی حکومت کو تسلیم کر لیا تھا وہ عزت پا گئے اور جنہوں نے انکار کیا اُن کو سزا مل گئی۔ فرماتا ہے یہ حکومت جو آل ابراہیمؑ کو دی جائے گی یہ لوگوں کیلئے بڑی رحمت اور برکت کا موجب ہوگی۔ جب تک وہ اس رحمت کے نیچے رہیں گے اور اس حکومت سے بھاگنے کی کوشش نہیں کریں گے وہ بڑے آرام اور سُکھ میں رہیں گے مگر جب انہوں نے انکار کر دیا تو پھر اللہ تعالیٰ انہیں ایسے عذاب میں مبتلاء کرے گا جس سے رہائی کی کوئی صورت ہی نہیں ہوگی اور وہ ہمیشہ دُکھوں میں مبتلاء رہیں گے۔

كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا۔ انسان کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ جب وہ ایک عذاب کا عادی ہو جاتا ہے تو اُس کی تکلیف اسے پہلے جیسی محسوس نہیں ہوتی۔ ایک بادشاہ خواہ کتنا ہی ظالم ہو جب اُس کی حکومت پر کچھ عرصہ گزر جاتا ہے تو اُس کا ظلم لوگوں کو پہلے جیسا محسوس نہیں ہوتا اور وہ خود بھی نرمی کا پہلو اختیار کرنے لگ جاتا ہے لیکن اگر وہ بدل جائے اور اُس کی جگہ کوئی اور ظالم بادشاہ آ جائے تو اُس کا ظلم بہت زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔ پس فرماتا ہے اگر تم نے اس انعام کو ردّ کر دیا تو پھر ظالم بادشاہ تم پر حکومتیں کریں گے اور وہ حکومتیں جلد جلد بدلیں گی تا کہ تمہیں اپنے کئے کی سزا ملے۔

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ؗ

وَّ نُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ۔مگر جو لوگ ایمان لانے والے ہونگے اور اعمالِ صالحہ بجالائیں گے، اُن کو ہم اعلیٰ درجہ کی حکومتیں بخشیں گے اور ان جنات میں اُن کے ساتھ اُن کی بیویاں بھی ہونگی اور اُن سب کو آرام اور سُکھ کا بہت لمبا زمانہ بخشا جائے گا۔ اِن آیات میں دراصل اسلامی حکومت کے قیام کی پیشگوئی کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہود جو اس کی مخالفت کرتے ہیں وہ سخت نقصان اٹھائیں گے اور ہمیشہ عذاب میں مبتلاء رہیں گے لیکن مومن جو اس فضل کو تسلیم کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں جنتی زندگی دے گا اور اُن کی بیویاں بھی اُن کے ساتھ ہونگی۔

اَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ کے الفاظ پر دشمنانِ اسلام کا ایک ناواجب اعتراض

اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ کے الفاظ پر کئی نادان دشمنانِ اسلام اعتراض کرتے رہتے ہیں کہ اسلام جنت کو ایک چکلہ بناتا ہے کیونکہ عورتوں کا بھی ساتھ ہی ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے جنت میں جہاں مرد ہونگے وہاں عورتیں بھی ہونگی حالانکہ وہ نادان نہیں جانتے کہ چکلہ تو وہ خود اپنے خُبثِ نفس کی وجہ سے بناتے ہیں۔ ورنہ اسلام تو یہ بتاتا ہے کہ جس طرح مرد جنت کے حقدار ہیں عورتیں بھی حقدار ہیں اور یہ کہ جنت مرد اور عورت کے تعاون سے بنتی ہے، اکیلا مرد جنت نہیں بنا سکتا۔ چنانچہ دیکھ لو اس رکوع میں دُنیوی حکومتوں کا ذکر ہے اور ان حکومتوں کا ذکر کرتے کرتے اللہ تعالیٰ یہ بتاتا ہے کہ اس جنّت میں عورتوں کا شریک ہونا بھی ضروری ہے اور اگر وہ شریک نہ ہوں تو یہ جنّت مکمل نہیں کہلا سکتی۔ پس جنّت مرد اور عورت دونوں مل کر بناتے ہیں اور اگر وہ دونوں متحدہ طور پر کوشش نہ کریں تو کبھی یہ جنّت نہیں بن سکتی نہ دنیا کی جنّت اور نہ اُخروی جنّت۔ بلکہ دنیا کی جنّت کی تعمیر میں بھی مرد اور عورت کو مل کر کام کرنا پڑتا ہے اور اُخروی جنّت کی تعمیر میں بھی مرد کے ساتھ عورت کی شراکت ضروری ہے۔ اگر وہ دونوں مل کر اس جنّت کی تعمیر نہیں کریں گے تو کبھی خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ والی نعمت کو وہ حاصل نہیں کرسکیں گے۔

عورت اور مرد کے تعاون کے بغیر نہ دُنیوی جنت حاصل ہو سکتی ہے اور نہ اُخروی

اگر لوگ اس نکتہ کو سمجھتے اور قومی زندگی میں عورت کو شریک رکھتے اور اس کی اہمیت اور قدر و قیمت کو پہچانتے تو آج اسلام کی وہ حالت نہ ہوتی جو نظر آ رہی ہے اور نہ دنیا کی وہ حالت ہوتی جو دکھائی دے رہی ہے بلکہ یہ دنیا انسانوں کیلئے جنت ہو جاتی اور وہ یہیں جنت کو پا لیتے۔ مگر جو لوگ عورت کے بغیر جنّت حاصل کرتے ہیں اُن کی جنّت حقیقی جنّت نہیں ہوتی کیونکہ جنّت کی خصوصیت یہ ہے کہ جنّتِ عدن ہو۔ اور عورت کے بغیر جنّتِ عدن نصیب نہیں ہوتی بلکہ اِدھر مرد جنّت تیار کرتا ہے اور اُدھر عورت اُس کی اولاد کو جنّت سے باہر نکال دیتی ہے کیونکہ اولاد کی صحیح تربیت کے بغیر قوم کو دائمی جنّت حاصل نہیں ہو سکتی اور اولاد کی تربیت کا اکثر حصہ چونکہ عورت کے ہاتھ میں ہوتا ہے، اس لئے اس جنّت کی تکمیل کیلئے عورت کے تعاون اور اس کو اپنے ساتھ شریک کرنے کی انسان کو ہمیشہ ضرورت رہے گی۔ جب عورت کو تعلیم حاصل ہوگی، جب عورت کے اندر تقویٰ ہوگا، جب عورت کے اندر دین کی محبت ہوگی، جب عورت کے دل میں خدا اور اُس کے رسول کے احکام پر چلنے کی ایک والہانہ تڑپ ہوگی تو ناممکن ہے کہ وہ یہی جذبات اپنی اولاد کے اندر بھی پیدا کرنے کی کوشش نہ کرے۔ پس مردوں کا یہ کام ہے کہ وہ آج کی جنت تیار کریں اور عورتوں کا یہ کام ہے کہ وہ کَل کی جنّت تیار کریں۔ مردوں کا یہ کام ہے کہ وہ جنّت بنائیں اور عورتوں کا یہ کام ہے کہ وہ اس جنّت کیلئے نئے مالی پیدا کریں۔ اگر ایک طرف مرد اُس جنّت کی تعمیر میں لگا ہؤا ہو اور دوسری طرف عورت اس کی تعمیر میں لگی ہوتی ہے۔ اگر ایک طرف مرد اس کی حفاظت کرتا ہو اور دوسری طرف عورت اس کی حفاظت کیلئے نئے سے نئے مالی پیدا کرتی چلی جاتی ہو تو پھر کون ہے جو اُس جنّت کو برباد کر سکے۔ کون ہے جو قومی وحدت، قومی عظمت اور قومی شان کو نقصان پہنچا سکے۔ مگر جس دن عورت کو اس جنت کی تعمیر میں شریک ہونے سے روک دیا جائے گا اُسی دن اگلے مالی پیدا ہونے بند ہو جائیں گے اُسی دن پہلوں کی ٹریننگ ختم ہو جائے گی اور جب پہلوں کی ٹریننگ ختم ہوگئی اور اگلوں کا سلسلہ بھی بند ہو گیا تو وہ جنت کبھی قائم نہیں رہ سکتی بلکہ ضرور ہے کہ

شیطان اُسے اُجاڑ کر رکھ دے۔

ایک عظیم الشان نکتہ

پس یہ ایک عظیم الشان نکتہ ہے جو قرآن کریم نے ہمیں بتایا کہ حیاتِ ملّی کے قیام کیلئے مَردوں اور عورتوں دونوں کو مِل کر کوشش کرنی چاہئے۔ جب تک عورتوں کو اپنے ساتھ شریک نہیں کرو گے اُس وقت تک تم یقین رکھو کہ تم جنت نہیں بنا سکو گے۔ اگر تم اپنی کوشش سے ساری دنیا کو بھی ایک دفعہ نمازی بنا لو تو اس کا کیا فائدہ جب کہ اُن نمازیوں کی اولادوں کو انہی کی مائیں بے نماز بنانے میں مصروف ہوں۔ اس طرح تو یہی ہوگا کہ تم جنّت بناؤ گے اور عورتیں اُس جنت کو برباد کرتی چلی جائیں گی۔

ہمارا ایک رشتہ دار ہوا کرتا تھا جو دین کا سخت مخالف اور خدا اور رسول کے احکام پر ہمیشہ ہنسی اور تمسخر اُڑایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ وہ بیمار ہوا اور علاج کیلئے حضرت خلیفۂ اوّل کے پاس آیا۔ حضرت خلیفۂ اوّل نے باتوں باتوں میں اس سے کہا کہ مرزا صاحب! آپ کے پہلو میں پانچ وقت لوگ مسجد میں آ کر نمازیں پڑھتے ہیں کیا آپ کو کبھی اس پر رَشک نہیں آیا؟ اور کیا آپ کے دل میں کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ آپ کو بھی نمازیں پڑھنی چاہئیں؟ اس نے یہ سن کر بڑے زور سے قہقہہ لگایا اور کہا مولوی صاحب مَیں تو بچپن سے ہی سلیم الفطرت واقع ہوا ہوں۔ چنانچہ ان دنوں میں بھی جب میں لوگوں کو دیکھتا کہ انہوں نے سر نیچے اور سرین اونچے کئے ہوئے ہیں تو میں ہنسا کرتا تھا کہ یہ کیسے احمق لوگ ہیں۔

اب بتاؤ جب مائیں ایسے ''سلیم الفطرت بچے'' پیدا کرنے شروع کر دیں تو واعظوں کے وعظ سے جو جنت تیار ہوا ہوگی وہ ایک دن بھی قائم رہ سکتی ہے۔ اسی طرح کوئی مسئلہ لے لو علمی ہو یا مذہبی، سیاسی ہو یا اقتصادی، اگر عورت کو اپنے ساتھ شریک نہیں کیا جائے گا تو ان مسائل کے بارہ میں وہ تمہاری اولاد کو بالکل ناواقف رکھے گی اور تمہارا علم تمہارے ساتھ ہی ختم ہو جائے گا۔ غرض ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ دائمی جنّت مرد کو عورت کے بغیر نہیں مل سکتی اور یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے۔ پس وہ جنہوں نے اسلامی جنت کو چکلہ قرار دیا ہے انہوں نے اپنے خُبثِ نفس کا اظہار کرنے کے سوا اور

کچھ نہیں کیا۔ اسی جنّت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتٰنِ [۳۷] کہ وہ لوگ جو اپنے دلوں میں خدا کا خوف رکھتے ہیں اُن کیلئے دو جنتیں ہیں۔ دوسری جگہ فرماتا ہے۔ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ [۳۸] کہ دو جنتیں دنیا میں ہونگی اور دو ہی اگلے جہاں میں۔ کیونکہ ایک باغ مرد نے لگایا ہوگا اور ایک عورت نے۔ اسی کو جَنَّتٰنِ کہا گیا ہے اور اسی کو جنّت قرار دیا گیا ہے۔ گویا اس باغ کی دو حیثیتیں بھی ہیں اور ایک بھی۔ دو اس لحاظ سے کہ ایک مرد کی کوششوں کا نتیجہ ہوگا اور دوسرا عورت کی کوششوں کا نتیجہ اور ایک اس لحاظ سے کہ مرد و عورت دونوں کی یہ مشترکہ جنت ہوگی۔

پھر فرماتا ہے کہ صرف اگلے جہان میں ہی یہ دو جنّت نہیں ہونگے بلکہ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ اس دنیا میں بھی دو جنّت ہیں جن میں سے ایک کی تعمیر مرد کے سپرد ہے اور ایک کی تعمیر عورت کے سپرد۔ پس مومنوں کو دو جنتیں تو اس دنیا میں ملتی ہیں اور دو اگلے جہان میں یعنی اسے جسمانی اور روحانی دونوں رنگ کی کامیابیاں حاصل ہوتی ہیں۔ جو اپنا دائمی اثر چھوڑ جاتی ہیں۔ چنانچہ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا [۳۹] یعنی جو لوگ مال و اسباب سے دُنیوی فوائد حاصل کرنا چاہتے ہیں انہیں ایک وقتی فائدہ تو مل جاتا ہے لیکن جو لوگ ایسے اعمال کرتے ہیں جو خدا تعالیٰ کی رضا کیلئے ہوں اُن کے عمل ابدیّت کا مقام پالیتے ہیں اور نہ صرف انہیں حاضر ثواب ملتا ہے بلکہ اُن کی وجہ سے ثواب کا ایک دائمی سلسلہ جاری ہوتا ہے۔

اس حدیث کی تشریح کہ جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے

یہ حدیث کہ جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے یہ بھی اسی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اگر ماں اچھی تربیت کرے تو اچھی نسل پیدا ہوگی اور جو انعامات باپ حاصل کرے گا وہ دائمی ہو جائیں گے لیکن اگر ماں اچھی تربیت نہیں کرے گی تو باپ کے کمالات باپ تک ختم ہو جائیں گے اور دنیا کو جنّاتِ عدن حاصل نہیں

ہونگی ۔ یہی مفہوم اس حدیث سے بھی ظاہر ہوتا ہے جو معاویہ بن جاہمہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں فلاں جہاد میں شامل ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تیری ماں زندہ ہے۔ اس نے کہا ہاں حضور زندہ ہے۔ آپ نے فرمایا۔ فَالْزِمْھَا فَاِنَّ الْجَنَّۃَ تَحْتَ رِجْلَیْھَا ۔[۴۰] جا اور اسی کے پاس رہ کیونکہ اُس کے قدموں میں جنت ہے۔ معلوم ہوتا ہے اس میں بعض ایسے نقائص تھے جن کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے تھے کہ اگر وہ ماں کی صحبت میں رہا تو اس کی عمدہ تربیت سے وہ دُور ہو جائیں گے۔ ممکن ہے اس میں تیزی اور جوش کا مادہ زیادہ ہو اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سمجھا ہو کہ اگر یہ جہاد پر چلا گیا تو اس کی طبیعت میں جو جوش کا مادہ ہے وہ اور بھی بڑھ جائے گا لیکن اگر اپنی والدہ کے پاس رہا اور اس کی اطاعت کرتے ہوئے اسے اپنے جوشوں کو دبانا پڑا تو اس کی اصلاح ہو جائے گی ۔ بہرحال کوئی ایسی ہی کمزوری تھی جس کی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کیلئے ماں کی تربیت جہاد کے میدان سے زیادہ بہتر سمجھی اور اُسے اپنی والدہ کی خدمت میں رہنے کا ارشاد فرمایا۔ یہ حدیث بھی ظاہر کرتی ہے کہ جنت عورت کے تعاون کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی ۔ غرض عورت کا جنت میں ہونا ضروری ہے نہ صرف اگلی جنت میں بلکہ دُنیوی جنت میں بھی کیونکہ اس کے بغیر کوئی قوم کامیاب نہیں ہوسکتی ۔

امانات کو اُن کے اہل کے سپرد کرنے کا حکم

پھر فرماتا ہے کہ یہ فضل اور رحمت جو تم کو حاصل ہوگی اُس کے قیام کے لئے ایک نظام کی ضرورت ہے، خودسری اور پراگندگی سے قوم اس انعام کو حاصل نہیں کرسکتی ۔ پس اس جنت کے قیام کیلئے جو طریق تم کو اختیار کرنا چاہیئے وہ ہم تمہیں بتاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا دُنیوی حکومتیں اور مال و املاک پر قبضے یہ سب تمہارے پاس خدا تعالیٰ کی امانتیں ہیں۔ پس ہم تم کو حکم دیتے ہیں کہ (۱) تم امانتوں کو اُن کے اہل کے سپرد کرو۔ یعنی اپنے لئے ایسے سردار چنو جو اس امانت کو اٹھانے کے اہل ہوں۔ (۲) وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ پھر ہم ان کو جن کے سپرد یہ

امانت کی جائے حکم دیتے ہیں کہ وہ انصاف اور عدل سے کام کریں گویا دونوں کو حکم دے دیا۔ ایک طرف لوگوں سے کہا کہ اے لوگو! ہم تم کو حکم دیتے ہیں کہ تم حکومت کے اختیارات ہمیشہ ایسے لوگوں کے سپرد کیا کرو جو ان اختیارات کو سنبھالنے اور حکومت کے کام کو چلانے کے سب سے زیادہ اہل ہوں اور پھر اے اہل حکومت! ہم تم کو بھی حکم دیتے ہیں کہ تم رعایا کے ساتھ عدل وانصاف کا معاملہ رکھو اور کبھی بے انصافی کو اپنے قریب نہ آنے دو۔

اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیْعًا بَصِیْرًا - اللہ تعالیٰ کا یہ حکم بہت بڑی حکمتوں پر مشتمل ہے اور وہ ہمیشہ تم کو اچھی باتوں کا حکم دیتا ہے اور وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

اس طرح جب ایک نظام قائم ہو جائے تو فرماتا ہے کہ اب جو غرض نظام کی تھی یعنی دین کی تمکین تم اس کی طرف توجہ کرو اور قومی عبادات اور قومی کاموں کے متعلق جو احکام ہیں ان کی بجا آوری کی طرف توجہ کرو۔ عبادات اور فرائض شخصی بھی ہوتے ہیں اور قومی بھی۔ جو شخصی عبادات اور فرائض ہیں اُن کیلئے کسی نظام کی ضرورت نہیں اور انہیں انتخابِ امراء کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ پس انتخاب امراء کے بعد جو اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ بیان فرمایا اس کے یہی معنی ہیں کہ نظام کی غرض یہ تھی کہ قومی عبادات اور فرائض صحیح طور پر ادا ہوسکیں۔ پس تم کو چاہئے کہ جب نظام قائم ہو جائے تو اس کی غرض کو پورا کرنے کی کوشش کرو۔ یہ نہیں کہ نظام بنا کر اپنے گھروں میں بیٹھ جاؤ اور سارا کام امراء پر ڈال دو۔ امراء کا قیام کام کرنے کیلئے نہیں ہوتا بلکہ کام لینے کیلئے ہوتا ہے۔ پس چاہئے کہ جب امراء قائم ہو جائیں تو تم قومی ذمہ واریوں کو ادا کرنے میں لگ جاؤ۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ۔ یعنی جب تم نے امراء کا انتخاب کر لیا تو اَب سن لو کہ تم پر تین حکومتیں ہوں گی۔ اوّل اللہ کی حکومت۔ دوم رسول کی حکومت۔ سوم اُولِی الْاَمْر کی حکومت ہاں فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ۔ چونکہ امراء ان ذمہ واریوں کی ادائیگی کے متعلق مختلف سکیمیں تجویز کریں گے تمہیں چاہئے کہ تم ان سکیموں میں ان کی اطاعت کرو لیکن اگر کبھی تمہارا ان سے

اختلاف ہو جائے تو ان اختلافات کو اللہ اور رسول کی طرف لے جاؤ۔ یعنی ان اصول کے مطابق طے کرو جو اللہ اور اس کے رسول نے مقرر کئے ہیں اور اپنی ذاتی خواہشات کی پیروی نہ کرو ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۔ یہ تمہارے لئے بہت بہتر اور انجام کے لحاظ سے بہت بابرکت ہوگا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر یہ امر بیان کر دیا ہے کہ جب حکومت کے اختیارات تم قابل ترین لوگوں کے سپرد کر دو تو پھر اللہ اور رسول کے احکام کے ساتھ ان حکام کے احکام کی بھی تمہیں اطاعت کرنی ہوگی اور یہ اس لئے فرمایا کہ پہلے اس نے حکومت کا مقام بتا دیا ہے کہ وہ کیسا ہونا چاہئے۔ وہ کہتا ہے کہ تمہاری ترقی کیلئے یہ امر ضروری ہے کہ تم اپنی باگ ڈور ایک ہاتھ میں دے دو مگر یاد رکھو انتخاب کرتے وقت اہلیت کو مدّنظر رکھو ایسا نہ ہو کہ تم یہ سمجھ کر کہ کسی نے تم پر احسان کیا ہؤا ہے یا کوئی تمہارا قریبی عزیز اور رشتہ دار ہے یا کسی سے تمہارے دوستانہ تعلقات ہیں اسے ووٹ دے دو۔ دنیا میں عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے اور ووٹ دیتے وقت یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہمیں کس سے زیادہ تعلق ہے یا کون ہمارا عزیز اور دوست ہے۔ یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کون اس کام کے زیادہ اہل ہے مگر فرمایا اسلامی انتخاب میں ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہئے کہ تم کسی کو محض اس لئے منتخب کر دو کہ وہ تمہارا باپ ہے یا تمہارا بیٹا ہے یا تمہارا بھائی ہے بلکہ اس کام کا جو شخص بھی اہل ہو اُس کے سپرد کر دو خواہ اس کے ساتھ تمہارے تعلقات ہوں یا نہ ہوں۔ اس کے بعد فرماتا ہے کہ جب تم امراء کا انتخاب کر لو گے تو لازماً وہ اسلام کی ترقی کیلئے بعض سکیمیں تجویز کریں گے اس لئے ہم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ جو احکام بھی ان کی طرف سے نافذ ہوں وہ خواہ تمہاری سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں ان کی اطاعت کرو۔ ہاں اگر کسی مقام پر تمہارا اُن سے اختلاف ہو جائے تو فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اسے خدا اور رسول کے احکام کی طرف پھرا دو۔ یہاں آ کر خلافت کے منکرین خوشی سے پھولے نہیں سماتے اور کہتے ہیں بس بات حل ہوگئی اور معلوم ہو گیا کہ خلفاء کی باتیں ماننا کوئی ایسا ضروری نہیں۔ اگر وہ شریعت کے مطابق ہوں تو انہیں مان لینا چاہئے اور اگر شریعت کے مطابق نہ ہوں تو انہیں ردّ کر دینا چاہئے۔ اس اعتراض کو میں انشاء اللہ بعد میں حل کروں گا۔

نظامِ اسلامی کے متعلق قرآنی اصول

سرِ دست میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ نظامِ اسلامی کے متعلق قرآن کریم نے عام احکام بیان کئے ہیں اوران میں مندرجہ ذیل اصول بیان ہوئے ہیں:۔

(۱) قومی نظام ایک امانت ہوتا ہے کیونکہ اس کا اثر صرف ایک شخص پر نہیں پڑتا بلکہ ساری قوم پر پڑتا ہے۔ پس اس کے بارہ میں فیصلہ کرتے وقت اپنی اغراض کو نہیں دیکھنا چاہئے بلکہ قوم کی ضرورتوں اورفوائد کودیکھنا چاہئے۔

(۲) اس امانت کی ادائیگی کیلئے ایک نظام کی ضرورت ہے جس کے بغیر یہ امانت ادانہیں ہو سکتی۔ یعنی افرادفرداً فرداً اس امانت کو پورا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے بلکہ ضرور ہے کہ اس کی ادائیگی کیلئے کوئی منصرم ہوں۔

(۳) ان منصرموں کوقوم منتخب کرے۔

(۴) انتخاب میں یہ مدنظر رکھنا چاہئے کہ جنہیں منتخب کیا جائے وہ ان امانتوں کو پورا کرنے کے اہل ہوں۔ اس کے سِوا اور کوئی امر انتخاب میں مدنظر نہیں ہونا چاہئے۔

(۵) جن کے سپرد یہ کام کیا جائے گا وہ امر قومی کے مالک نہ ہوں گے بلکہ صرف منصرم ہوں گے۔ کیونکہ فرمایا اِلٰٓی اَھْلِھَا یعنی ان کے سپرد اس لئے یہ کام نہ ہوگا کہ وہ باپ دادا سے اس کے وارث اور مالک ہوں گے بلکہ اس لئے کہ وہ اس خدمت کے اہل ہوں گے۔

یہ احکام کسی خاص مذہبی نظام کے متعلق نہیں بلکہ جیسا کہ الفاظ سے ظاہر ہے عام ہیں خواہ مذہبی نظام ہواورخواہ دُنیوی ہواوران سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ملوکیت کو اپنے نظام کا حصہ تسلیم نہیں کرتا بلکہ اسلام صرف انتخابی نظام کوتسلیم کرتا ہے اور پھر اس نظام کے بارہ میں فرماتا ہے کہ جن کے سپرد یہ کام ہوافراد کو چاہئے کہ ان کی اطاعت کریں۔

کیا اسلام کسی خالص دُنیوی حکومت کوتسلیم کرتا ہے

اگر کہا جائے کہ کیا اسلام کسی خالص دُنیوی حکومت کو بھی تسلیم کرتا ہے یا نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام سب صحیح سامانوں کی موجودگی میں جبکہ سارے سامان اسلام کی تائید میں ہوں اورجبکہ اسلام آزاد ہو

خالص دُنیوی نظام کو تسلیم نہیں کرتا۔ مگر وہ حالات کے اختلاف کو بھی نظر انداز نہیں کرتا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ کسی وقت وہ اعلیٰ نظام جو اسلام کے مدنظر ہو نافذ نہ کیا جا سکے اس صورت میں دُنیوی نظاموں کی بھی ضرورت ہوسکتی ہے۔ مثلاً کسی وقت اگر مسلمانوں کا معتدبہ حصہ کُفّار حکومتوں کے ماتحت ہو جائے، ان کی حُرّیت سَلب ہو جائے، ان کی آزادی جاتی رہے اور ان کی اجتماعی قوت قائم نہ رہے تو جن ملکوں میں اسلام کا زور ہو وہ مذہبی اور دُنیوی نظام اکٹھا قائم نہیں کر سکتے۔ کیونکہ مسلمانوں کی اکثریت اس کی اتباع نہیں کرسکتی۔ پس اس مجبوری کی وجہ سے ان ملکوں میں خالص دُنیوی نظام کی اجازت ہوگی جو انہی اصول پر قائم ہوگا جو اسلام نے تجویز کئے ہیں اور جن کا قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے۔

خالص دُنیوی نظام کا مفہوم

خالص دُنیوی نظام سے یہ مراد نہیں کہ وہ نظام اسلامی احکام کو جو حکومت سے تعلق رکھتے ہیں نافذ نہیں کرے گا بلکہ مراد یہ ہے کہ مذہبی طور پر اس کے احکام سب عالمِ اسلامی پر واجب نہ ہوں گے کیونکہ مسلمانوں کی اکثریت سیاسی حالات کی وجہ سے ان کی پابندی نہ کر سکے گی اور نہ اس نظام کے قیام میں مسلمانوں کی اکثریت کا ہاتھ ہوگا۔

پس ایسے وقت میں جائز ہوگا کہ ایک خالص مذہبی نظام الگ قائم کیا جائے بلکہ جائز ہی نہیں ضروری ہوگا کہ ایک خالص مذہبی نظام علیحدہ قائم کرلیا جائے جس کا تعلق اس اسلامی نظام سے ہو جس کا تعلق کسی حکومت سے نہ ہو بلکہ اسلام کی روحانی تنظیم سے ہو تا کہ غیر حکومتیں دخل اندازی نہ کریں اور چونکہ وہ صرف روحانی نظام ہوگا اور حکومت کے کاروبار میں وہ دخل نہ دے گا اس لئے ایسا نظام غیر حکومتوں میں بسنے والے مسلمانوں کو اکٹھا کر سکے گا اور اسلام پراگندگی سے بچ جائے گا۔

اگر مسلمان اس آیت کے مفہوم پر عمل کرتے تو یقیناً جو تـــنـــزّل مسلمانوں کو آخری زمانہ میں دیکھنا نصیب ہؤا اس کا دیکھنا انہیں نصیب نہ ہوتا۔

مسلمانوں کی ایک افسوسناک غلطی

مسلمانوں سے تنزل کے وقت میں یہ غلطی ہوئی کہ انہوں نے سمجھا کہ اگر وہ ساری دنیا میں ایک ایسا نظام قائم نہیں کر سکے جو دینی اور دُنیوی امور پر مشتمل ہو تو اُن کیلئے

خالص دینی نظام کی بھی کوئی صورت نہیں اور انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ دونوں نظام کسی صورت میں بھی الگ نہیں ہو سکتے اور جب ایک نظام ان کیلئے ناممکن ہو گیا تو انہوں نے دوسرے نظام کو بھی ترک کر دیا حالانکہ مسلمانوں کا فرض تھا کہ جب ان میں سے خلافت جاتی رہی تھی تو وہ کہتے کہ آؤ جو قومی مسائل ہیں ان کیلئے ہم ایک مرکز بنا لیں اور اس کے ماتحت ساری دنیا میں اسلام کو پھیلائیں۔ چنانچہ وہ اس مرکز کے ماتحت دنیا بھر میں تبلیغی مشن قائم کرتے، لوگوں کے اخلاق کی درستی کی کوشش کرتے، لوگوں کو قرآن پڑھاتے، غیر مسلموں کو اسلام میں داخل کرتے اور جو مشترکہ قومی مسائل ہیں ان میں مشترکہ جدوجہد اور کوشش سے کام لیتے مگر انہوں نے سمجھا کہ اب ان کیلئے کسی خالص دینی نظام کے قیام کی کوئی صورت ہی باقی نہیں رہ گئی۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ وہ روز بروز تنزّل میں گرتے چلے گئے۔ اگر وہ دینی اور دُنیوی امور پر مشتمل نظام کے قیام میں ناکام رہنے کے بعد خالص دینی نظام قائم کر لیتے تو وہ بہت بڑی تباہی سے بچ جاتے اور اس کی وجہ سے آج شاید تمام دنیا میں اسلام اتنا غالب ہوتا کہ عیسائیوں کا نام ونشان تک نہ ہوتا مگر چونکہ انہیں یہ غلطی لگ گئی کہ اگر وہ ساری دنیا میں ایک ایسا نظام قائم نہیں کر سکے جو دینی اور دُنیوی دونوں امور پر مشتمل ہو تو اب ان کیلئے کسی خالص دینی نظام کے قیام کی کوئی صورت ہی نہیں اس لئے جب ایک نظام ان کے ہاتھ سے جاتا رہا تو دوسرے نظام کو بھی انہوں نے ترک کر دیا۔

دوسری غلطی

دوسری غلطی ان سے یہ ہوئی کہ انہوں نے یہ سمجھا انتخاب صرف اس نظام کیلئے ہے جو سب مسلمانوں کے دینی اور دُنیوی امور پر حاوی ہو حالانکہ ان آیات میں خداتعالیٰ نے واضح طور پر بتلا دیا تھا کہ انتخاب خالص دُنیوی نظام میں بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح دینی و دُنیوی مشترکہ نظام میں۔ اگر اور نہیں تو وہ اتنا ہی کر لیتے کہ جب بھی کسی کو بادشاہ بناتے تو انتخاب کے بعد بناتے۔ تب بھی وہ بہت سی تباہی سے بچ سکتے تھے مگر انہوں نے انتخاب کے طریق کو بھی ترک کر دیا حالانکہ اگر وہ اس نکتہ کو سمجھتے تو وہ ملوکیت کا غلبہ جو اسلام میں ہؤا اور جس نے اسلامی حکومت کو تباہ کر دیا کبھی نہ ہوتا اور مسلمانوں کی کوششیں اسلامی طریقِ حکومت کے قیام کیلئے جاری رہتیں۔ اور مسلمان ڈیما کریسی

(DEMOCRACY) کی صحیح ترقی کے پہلے اور سب سے بہتر علمبر دار ہوتے۔

اختلاف کی صورت میں ایک خالص مذہبی نظام قائم کرنے کا ثبوت

یہ جو مَیں نے کہا ہے کہ ایسے حالات میں کہ اختلاف پیدا ہو چکا ہے ایک خالص مذہبی نظام قائم کرنے کا اس آیت سے ثبوت ملتا ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ اس آیت میں سب مسلمان مخاطب ہیں اور انہیں ہر وقت اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ کی اطاعت کا حکم ہے اس میں کسی زمانہ کی تخصیص نہیں کہ فلاں زمانہ میں اُولِي الْاَمْرِ کی اطاعت کرو اور فلاں زمانہ میں نہ کرو بلکہ ہر حالت اور ہر زمانہ میں ان کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ اُولِي الْاَمْرِ کی اطاعت کا حکم محض وقتی ہے تو ساتھ ہی اسے یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم بھی محض وقتی ہے کیونکہ خدا نے اس سے پہلے اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کا حکم دیا ہے۔ لیکن اگر خدا اور رسول کے احکام کی اطاعت ہر وقت اور ہر زمانہ میں ضروری ہے تو معلوم ہؤا کہ اُولِي الْاَمْرِ کی اطاعت کا حکم بھی ہر حالت اور ہر زمانہ کیلئے ہے اور دراصل اس آیت کے ذریعہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اس امر کی طرف توجہ دلائی تھی کہ کسی نہ کسی نظام کی پابندی ان کیلئے ہر وقت لازمی ہوگی۔ پس جس طرح دوسرے احکام میں اگر ایک حصہ پر عمل نہ ہو سکے تو دوسرے حصے معاف نہیں ہو سکتے، جو جہاد نہ کر سکے اس کیلئے نماز معاف نہیں ہو سکتی، جو وضو نہ کر سکے اس کیلئے رکوع اور سجدہ معاف نہیں ہوسکتا، جو کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے اس کیلئے بیٹھ کر یا لیٹ کر یا اشاروں سے نماز پڑھنا معاف نہیں ہوسکتا، اسی طرح اگر سارے عالمِ اسلامی کا ایک سیاسی نظام نہ ہو سکے تو مسلمان اُولِي الْاَمْرِ کی اطاعت کے ان حصوں سے آزاد نہیں ہو سکتے جن پر وہ عمل کر سکتے تھے۔ جیسے اگر کوئی حج کیلئے جائے اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی نہ کر سکے تو سعی اس کیلئے معاف نہیں ہو جائے گی بلکہ اس کیلئے ضروری ہوگا کہ کسی دوسرے کی پیٹھ پر سوار ہو کر اس فرض کو ادا کرے۔ پس مسلمانوں سے یہ ایک شدید غلطی ہوئی کہ انہوں نے سمجھ لیا کہ چونکہ ایک نظام ان کیلئے ناممکن ہو گیا ہے اس لئے دوسرا نظام انہیں معاف ہو گیا ہے۔ حالانکہ خالص مذہبی نظام مختلف حکومتوں میں بَٹ

جانے کی صورت میں بھی ناممکن نہیں ہو جاتا جیسا کہ آج حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظہور سے اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دیا ہے اگر لوگ ہم سے کہتے ہیں کہ تم چور کا ہاتھ کیوں نہیں کاٹتے ؟ تو ہم کہتے ہیں کہ یہ ہمارے بس کی بات نہیں لیکن جن امور میں ہمیں آزادی حاصل ہے ان امور میں ہم اپنی جماعت کے اندر اسلامی نظام کے قیام کی کوشش کرنا اپنا پہلا اور اہم فرض سمجھتے ہیں۔ پس اگر مسلمان بھی سمجھتے کہ ہر وقت اور ہر زمانہ میں **اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ** کی اطاعت ان پر واجب ہے اور جن حصوں میں **اُولِی الْاَمْرِ** کی اطاعت ان کیلئے ناممکن تھی ان کو چھوڑ کر دوسرے حصوں کیلئے وہ نظام قائم رکھتے تو وہ اس حکم کو پورا کرنے والے بھی رہتے اور اسلام کبھی اس حالت کو نہ پہنچتا جس کو وہ اب پہنچا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا شاید یہ منشا تھا کہ اسلامی حکم کا یہ حصہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت کے ذریعہ سے عمل میں آئے اور یہ فضیلت اس **اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ** [۴۱] کی جماعت کو حاصل ہو کیونکہ آخر ہمارے لئے بھی کوئی نہ کوئی فضیلت کی بات رہنی چاہئے۔ صحابہؓ نے تو یہ فضیلت حاصل کر لی کہ انہوں نے ایک دینی و دُنیوی مشترکہ نظام اسلامی اصول پر قائم کیا مگر جو خالص مذہبی نظام تھا اس کے قیام کی طرف اس نے ہمیں توجہ دلا دی۔ گویا اس آیت کے ایک حصے پر صحابہؓ نے عمل کیا اور دوسرے حصے پر ہم نے عمل کر لیا۔ پس ہم بھی صحابہؓ میں جا ملے۔ خلاصہ یہ کہ اس آیت میں اسلامی نظام کے قیام کے اصول بیان کئے گئے ہیں اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ (۱) اسلامی نظام انتخاب پر ہو۔ (۲) یہ کہ مسلمان ہر زمانہ میں **اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ** کے تابع رہیں مگر افسوس کہ مسلمانوں نے اپنے تنزّل کے زمانہ میں دونوں اصولوں کو بُھلا دیا۔ جہاں ان کا بس تھا انہوں نے انتخاب کو قائم نہ رکھا اور جو امور ان کے اختیار سے نکل گئے تھے ان کو چھوڑ کر جو امور ان کے اختیار میں تھے ان میں بھی انہوں نے **اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ** کا نظام قائم کر کے ان کی اطاعت سے وحدتِ اسلامی کو قائم نہ رکھا اور ان لغو بحثوں میں پڑ گئے کہ انہیں صرف **اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ** کی اطاعت کرنی چاہئے۔ اور اس طرح جو اصل غرض اس حکم کی تھی وہ نظر انداز ہو گئی حالانکہ جو امر ان کے اختیار میں نہ تھا اس میں ان پر کوئی گرفت نہ تھی اگر وہ اس حصہ کو پورا کرتے جو ان کے اختیار میں تھا۔

اُولِی الاَمرِ مِنکُم کے متعلق ایک اعتراض کا جواب

اس جگہ شاید کوئی اعتراض کرے کہ احمدیہ جماعت کی تعلیم تو یہ ہے کہ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ میں غیر مذاہب کے اُولِی الْاَمْرِ بھی شامل ہیں اوراس آیت کے ماتحت غیر مسلم حکام کی اطاعت بھی فرض ہے۔ مگراب جو معنی کئے گئے ہیں اس کے ماتحت غیر مسلم آ ہی نہیں سکتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ درست ہے لیکن یہ معنی صرف اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ کے ٹکڑے سے نکلتے ہیں۔ یعنی جب ہم کہتے ہیں کہ غیر مسلم اُولِی الْاَمْرِ بھی اس میں شامل ہیں تو اس وقت ہم سارے رکوع کو مدنظر نہیں رکھتے بلکہ آیت کے صرف ایک ٹکڑہ سے اپنے دعوے کا استنباط کرتے ہیں لیکن یہ ٹکڑہ ساری آیتوں سے مل کر جو معنی دیتا ہے انہیں باطل نہیں کیا جا سکتا۔ بیشک دُنیوی امور میں ہر اُولِی الْاَمْرِ کی اطاعت واجب ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ حکم بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا کہ ہر زمانہ میں اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ کی اطاعت جو مسلمانوں میں سے ان کیلئے منتخب ہوں ان پر واجب ہے۔

اُولِی الاَمرِ سے اختلاف کی صورت میں رُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ کے کیا معنی ہیں؟

اب میں اس مضمون کو لیتا ہوں جس کے بیان کرنے کا میں پیچھے وعدہ کرآیا ہوں کہ بعض لوگ اس مقام پر یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اُولِی الاَمرِ سے اختلاف کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے رُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ فرمایا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اطاعت واجب نہیں بلکہ اختلاف کی صورت میں ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ خدا اور رسول کا کیا حکم ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ معنی کئے جائیں تو آیت بالکل بے معنی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ہر شخص اپنے خیال کو درست سمجھا کرتا ہے۔ پس اگر اس آیت کا یہی مفہوم لیا جائے تو اطاعت کبھی ہو ہی نہیں سکتی۔ آخر وہ کونسا امر ایسا نکلے گا جسے تمام لوگ متفقہ طور پر خدا اور رسول کا حکم سمجھیں گے۔ یقیناً کچھ لوگوں کو اختلاف بھی ہؤا کرتا ہے۔ پس ایسی صورت میں اگر ہر شخص کو یہ اختیار ہو کہ وہ حکم سنتے ہی کہہ دے کہ یہ خدا اور رسول کی تعلیم کے خلاف ہے تو اس صورت

میں خلیفہ صرف اپنے آپ پر ہی حکومت کرنے کیلئے رہ جائے ، کسی اور پر اس نے کیا حکومت کرنی ہے۔ بِالخصوص موجودہ زمانہ میں تو ایسا ہے کہ آجکل ماننے والے کم ہیں اور مجتہد زیادہ۔ ہر شخص اپنے آپ کو اہل الرائے خیال کرتا ہے۔ اس صورت میں خلیفہ تو اپنا بوریا بچھا کر الگ شور مچاتا رہے گا کہ یوں کرو اور لوگ یہ شور مچاتے رہیں گے کہ پہلے ان حکموں کو قرآن اور حدیث کے مطابق ثابت کرو، تب مانیں گے ورنہ نہیں اور یہ تو ظاہر ہے کہ دنیا میں کوئی دینی امر ایسا نہیں جسے ساری دنیا یکساں طور پر مانتی ہو بلکہ ہر بات میں کچھ نہ کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔

لطیفہ مشہور ہے کہ ایک جاہل شخص تھا جسے مولویوں کی مجلس میں بیٹھنے کا بڑا شوق تھا مگر چونکہ اسے دین سے کوئی واقفیت نہ تھی اس لئے جہاں جاتا لوگ دھکّے دے کر نکال دیتے۔ ایک دفعہ اس نے کسی دوست سے ذکر کیا کہ مجھے علماء کی مجلس میں بیٹھنے کا بڑا شوق ہے مگر لوگ مجھے بیٹھنے نہیں دیتے میں کیا کروں؟ اس نے کہا ایک بڑا سا جُبّہ اور پگڑی پہن لو۔ لوگ تمہاری صورت کو دیکھ کر خیال کریں گے کہ کوئی بہت بڑا عالم ہے اور تمہیں علماء کی مجلس میں بیٹھنے سے نہیں روکیں گے۔ جب اندر جا کر بیٹھ جاؤ اور تم سے کوئی بات پوچھی جائے تو کہہ دینا کہ اختلافی مسئلہ ہے بعض نے یوں لکھا ہے اور بعض نے اس کے خلاف لکھا ہے اور چونکہ مسائل میں کثرت سے اختلاف پایا جاتا ہے اس لئے تمہاری اس بات سے کسی کا ذہن اِدھر منتقل نہیں ہوگا کہ تم کچھ جانتے نہیں۔ چنانچہ اس نے ایک بڑا سا جُبّہ پہنا، پورے تھان کی پگڑی سر پر رکھی اور ہاتھ میں عصا لے کر اس نے علماء کی مجالس میں آنا جانا شروع کر دیا۔ جب کسی مجلس میں بیٹھتا تو سر جُھکا کر بیٹھا رہتا۔ لوگ کہتے کہ جناب آپ بھی تو کچھ فرمائیں۔ اِس پر وہ گردن ہِلا کر کہہ دیتا اس بارہ میں بحث کرنا لغو ہے۔ علمائے اسلام کا اس کے متعلق بہت کچھ اختلاف ہے کچھ علماء نے تو اس طرح لکھا ہے جس طرح یہ مولانا فرماتے ہیں اور کچھ علماء نے اُس طرح لکھا ہے جس طرح وہ مولانا فرماتے ہیں۔ لوگ سمجھتے کہ اس شخص کا مطالعہ بڑا وسیع ہے۔ چنانچہ کہتے بات تو ٹھیک ہے جھگڑا چھوڑو اور کوئی اور بات کرو۔ کچھ مدت تو اسی طرح ہوتا رہا اور علماء کی مجالس میں اس کی بڑی عزت وتکریم رہی۔ مگر ایک دن مجلس میں یہ ذکر چل

پڑا کہ زمانہ ایسا خراب آ گیا ہے کہ تعلیم یافتہ طبقہ خدا کا انکار کرتا چلا جاتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اگر خدا ہے تو کوئی دلیل دو۔ اس پر لوگوں نے حسبِ دستور ان سے بھی کہا کہ سنائیے مولانا آپ کا کیا خیال ہے؟ وہ کہنے لگا بحث فضول ہے کچھ علماء نے لکھا ہے کہ خدا ہے اور کچھ علماء نے لکھا ہے کہ خدا نہیں۔ یہ سنتے ہی لوگوں میں اس کا بھانڈا پھوٹ گیا اور اُنہوں نے دھکّے دے کر اسے مجلس سے باہر نکال دیا۔ تو دنیا میں اس کثرت سے اختلاف پایا جاتا ہے کہ اگر فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ کے یہ معنی کئے جائیں کہ جب بھی خلیفہ کے کسی حکم سے کسی کو اختلاف ہو اس کا فرض ہے کہ وہ خلیفہ کو دھکّا دے کر کہے کہ تیرا حکم خدا اور رسول کے احکام کے خلاف ہے تو اس کو اتنے دھکّے ملیں کہ ایک دن بھی خلافت کرنی اس کیلئے مشکل ہو جائے۔ پس یہ معنی عقل کے بالکل خلاف ہیں۔ ہماری جماعت میں سے بھی بعض لوگوں کو اس آیت کا صحیح مفہوم نہ سمجھنے کی وجہ سے ٹھوکر لگی ہے اگر وہ صحیح معنی سمجھ لیتے تو ان کو کبھی ٹھوکر نہ لگتی۔

اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ والی آیت دُنیوی حکام اور خلفائے راشدین دونوں پر حاوی ہے

وہ صحیح معنی کیا ہیں؟ ان کو معلوم کرنے کیلئے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ آیت عام ہے اس میں خالص دُنیوی حکام بھی شامل ہیں اور خلفائے راشدین بھی شامل ہیں پس یہ آیت خالص اسلامی خلفاء کے متعلق نہیں بلکہ دُنیوی حکام کے متعلق بھی ہے۔

اب اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ یہ آیت اپنے مطالب کے لحاظ سے عام ہے اور اس میں خالص دُنیوی حکام اور خلفائے راشدین دونوں شامل ہیں یہ سمجھ لو کہ اِن دونوں کے بارہ میں قرآن کریم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام الگ الگ ہیں۔ جو خالص دُنیوی حکام ہیں ان کیلئے شریعتِ اسلامی کے الگ احکام ہیں۔ اور جو خلفائے راشدین ہیں ان کیلئے الگ احکام ہیں۔ پس جب خدا نے یہ کہا کہ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ تو اس کے یہ معنی نہیں کہ جب تمہارا اُولِی الْاَمْرِ سے جھگڑا ہو تو تم یہ دیکھنے لگ جاؤ کہ خدا اور رسول کا حکم تم کیا سمجھتے ہو بلکہ

اس کے یہ معنی ہیں کہ چونکہ اس عام حکم میں خلفائے راشدین بھی شامل ہیں اور دُنیوی حکام بھی اس لئے جب اختلاف ہو تو دیکھو کہ وہ حکام کس قسم کے ہیں۔ اگر تو وہ خلفائے راشدین ہیں تو تم ان کے متعلق وہ عمل اختیار کرو جو اللہ تعالیٰ نے خلفائے راشدین کے بارہ میں بیان فرمایا ہے اور اگر وہ حکام دُنیوی ہیں تو ان کے بارہ میں تم ان احکام پر عمل کرو جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ان کے متعلق بیان کئے ہیں۔

دونوں کے متعلق الگ الگ احکام

اَب ہم دیکھتے ہیں کہ کیا اِن دونوں قسم کے اُولِی الْاَمْرِ کے متعلق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے الگ الگ قسم کے احکام بیان کئے ہیں یا نہیں۔ اگر کئے ہیں تو وہ کیا ہیں۔ سو ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن دونوں قسم کے اُولِی الْاَمْرِ کی نسبت دو مختلف احکام بیان کئے ہیں جو یہ ہیں:۔

(۱) عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے بَایَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی السَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ فِی الْعُسْرِ وَالْیُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَ الْمَکْرَہِ وَ عَلٰی اَثَرَۃٍ عَلَیْنَا وَ عَلٰی اَنْ لَّاُنَازِعَ الْاَمْرَ اَھْلَہٗ وَ عَلٰی اَنْ نَّقُوْلَ بِالْحَقِّ فَاَیْنَمَا کُنَّا لَانخَافُ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ وَ فِیْ رِوَایَۃٍ اَنْ لَّاُنَازِعَ الْاَمْرَ اَھْلَہٗ اِلَّآ اَنْ تَرَوْا کُفْراً بَوَاحًا عِنْدَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ فِیْہِ بُرْھَانٌ مَتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔ [۴۲]

یعنی ہم نے رسول کریم ﷺ کی اِن شرائط پر بیعت کی کہ جو ہمارے حاکم مقرر ہوں گے ان کے احکام کی ہم ہمیشہ اطاعت کریں گے خواہ ہمیں آسانی ہو یا تنگی اور چاہے ہمارا دل ان احکام کے ماننے کو چاہے یا نہ چاہے بلکہ خواہ ہمارے حق وہ کسی اور کو دلا دیں پھر بھی ہم ان کی اطاعت کریں گے۔ اسی طرح ہماری بیعت میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ جب ہم کسی کو اہل سمجھ کر اس کے سپرد حکومت کا کام کر دیں گے تو اس سے جھگڑا نہیں کریں گے اور نہ اس سے بحث شروع کر دیں گے کہ تم نے یہ حکم کیوں دیا وہ دینا چاہئے تھا۔ ہاں چونکہ ممکن ہے کہ وہ حکام کبھی کوئی بات دین کے خلاف بھی کہہ دیں اس لئے اگر ایسی صورت ہو تو ہمیں ہدایت تھی کہ ہم سچائی سے کام لیتے ہوئے انہیں اصل حقیقت سے آگاہ کر دیں اور خدا کے دین کے

متعلق کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں۔ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ ہدایت تھی کہ جو لوگ حکومت کے اہل ہوں اور ان کے سپرد یہ کام تمہاری طرف سے ہو چکا ہو اُن سے تم کسی قسم کا جھگڑا نہ کرو۔مگر یہ کہ تم ان سے کھلا کھلا کفر صادر ہوتے ہوئے دیکھ لو۔ایسی حالت میں جبکہ وہ کسی کُھلے کفر کا ارتکاب کریں اور قرآن کریم کی نص صریح تمہاری تائید کر رہی ہوں تو تمہارا فرض ہے کہ تم اس خلافِ مذہب بات میں ان کی اطاعت کرنے سے انکار کر دو اور وہی کرو جس کے کرنے کا تمہیں خدا نے حکم دیا ہے۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں آتا ہے **عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِکِ الْاَشْجَعِیِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ خِیَارُاَئِمَّتِکُمُ الَّذِیْنَ تُحِبُّوْنَھُمْ وَیُحِبُّوْنَکُمْ وَتُصَلُّوْنَ عَلَیْھِمْ وَیُصَلُّوْنَ عَلَیْکُمْ وَشِرَارُاَئِمَّتِکُمُ الَّذِیْنَ تَبْغَضُوْنَھُمْ وَ یَبْغَضُوْنَکُمْ وَتَلْعَنُوْنَھُمْ وَیَلْعَنُوْنَکُمْ قَالَ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَفَلا نُنَابِذُھُمْ عِنْدَ ذٰلِکَ قَالَ لَا مَا اَقَامُوْا فِیْکُمُ الصَّلٰوۃَ قَالَ لَا مَا اَقَامُوا فِیْکُمُ الصَّلٰوۃَ اِلَّا مَنْ وُلِیَ عَلَیْہِ وَالٍ فَرَاٰہُ یَاْتِیْ شَیْئًا مِنْ مَّعْصِیَۃِ اللّٰہِ فَلْیَکْرَہْ مَا یَاْتِیْ مِن مَّعْصِیَۃِ اللّٰہِ وَلَا یَنْزِعَنَّ یَدًا مِنْ طَاعَۃٍ** [۴۳]

حضرت عوف بن مالک اشجعی سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔تمہارے بہترین حکام وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں۔تم ان پر درود بھیجو اور ان کی ترقیات کیلئے دعائیں کرو اور وہ تم پر درود بھیجیں اور تمہاری ترقیات کیلئے دعائیں کریں۔اور بدترین حُکّام وہ ہیں جن سے تم بغض رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں۔تم ان پر لعنت ڈالو اور وہ تم پر لعنت ڈالیں۔راوی کہتا ہے کہ ہم نے کہا۔ **یَارَسُوْلَ اللّٰہِ**! جب ایسے حکمران ہمارے سروں پر مسلّط ہو جائیں تو کیوں نہ ہم ان کا مقابلہ کر کے انہیں حکومت سے الگ کر دیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **لَامَا اَقَامُوا فِیْکُمُ الصَّلٰوۃَ قَالَ لَامَا اَقَامُوْا فِیْکُمُ الصَّلٰوۃ**۔ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں جب تک وہ نماز اور روزہ کے متعلق تم پر کوئی پابندی عائد نہ کریں اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت سے نہ روکیں تم ان کی اطاعت سے ہرگز منہ نہ موڑو۔ **اِلَّا مَنْ وُلِیَ عَلَیْہِ وَالٍ فَرَاٰہُ یَاْتِیْ شَیْئًا مِنْ مَّعْصِیَۃِ فَلْیَکْرَہْ مَایَاْتِیْ مِنْ مَّعْصِیَۃِ اللّٰہِ وَلَا**

یَنْزِعَنَّ یَدًا مِنْ طَاعَتِہٖ ۔ سنو! جب تم پر کسی کو حاکم بنایا جائے اور تم دیکھو کہ وہ بعض امور میں اللہ تعالیٰ کی معصیت کا ارتکاب کر رہا ہے تو تم اپنے دل میں اس کے ان افعال سے سخت نفرت رکھو مگر بغاوت نہ کرو۔

دوسری حدیث میں اس سے یہ زائد حکم ملتا ہے کہ اگر کفر بواح اس سے ظاہر ہو تو اِس حالت میں اس کے خلاف بغاوت بھی کی جاسکتی ہے۔

خلفائے راشدین کی سنت پر ہمیشہ قائم رہنے کا حکم

اس کے مقابلہ میں احادیث میں عرباض بن ساریہؓ سے ہمیں ایک اور روایت بھی ملتی ہے۔ وہ کہتے ہیں صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الصُّبْحَ ذَاتَ یَوْمٍ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَیْنَا فَوَعَظَنَا مَوْعِظَۃً بَلِیْغَۃً ذَرَفَتْ مِنْھَا الْعُیُوْنُ وَوَجِلَتْ مِنْھَا الْقُلُوْبُ فَقَالَ قَائِلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! کَاَنَّ ھٰذِہٖ مَوْعِظَۃُ مُوَدِّعٍ فَمَاذَا تُعَھِّدُ اِلَیْنَا ۔ فَقَالَ اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰہِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ وَاِنْ کَانَ عَبْداً حَبْشِیًّا فَاِنَّہٗ مَنْ یَّعِشْ مِنْکُمْ بَعْدِیْ فَسَیَرٰی اِخْتِلَافًا کَثِیْرًا فَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْنَ فَتَمَسَّکُوْا بِھَا وَعَضُّوْا عَلَیْھَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِیَّاکُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ کُلَّ مُحْدَثَۃٍ بِدْعَۃٌ وَکُلَّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ۔[۴۴]

عرباض بن ساریہؓ کہتے ہیں۔ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی اور جب نماز سے فارغ ہو چکے تو آپؐ نے ہمیں ایک وعظ کیا۔ وہ وعظ ایسا اعلیٰ درجہ کا تھا کہ اس سے ہمارے آنسو بہنے لگ گئے اور دل کانپنے لگے۔ اِس پر ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہنے لگا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! معلوم ہوتا ہے یہ الوداعی وعظ ہے۔ آپ ہمیں کوئی وصیت کر دیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰہِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ وَاِنْ کَانَ عَبْداً حَبْشِیًّا میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور اطاعت اور فرمانبرداری کو اپنا شیوہ بناؤ خواہ کوئی حبشی غلام ہی تم پر حکمران کیوں نہ ہو۔ جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے وہ لوگوں میں بہت بڑا اختلاف دیکھیں گے پس ایسے وقت میں میری وصیت تمہیں یہی ہے کہ عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْنَ تم میری سنت اور میرے بعد

میں آنے والے خلفاء الراشدین کی سنت کو اختیار کرنا۔ تَمَسَّکُوْابِهَا تم اس سنت کو مضبوطی سے پکڑ لینا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ اور جس طرح کسی چیز کو دانتوں سے پکڑ لیا جاتا ہے اسی طرح اس سنت سے چمٹے رہنا اور کبھی اس راستے کو نہ چھوڑنا جو میرا ہے یا میرے خلفائے راشدین کا ہوگا۔ وَاِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ اور تم نئی نئی باتوں سے بچتے رہنا فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ کیونکہ ہر وہ نئی بات جو میری اور خلفاء راشدین کی سنت کے خلاف ہوگی وہ بدعت ہوگی اور بدعت ضلالت ہؤا کرتی ہے۔

ان دونوں قسم کے حوالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُولِی الْاَمْرِ دو قسم کے تسلیم کئے ہیں۔ ایک دُنیوی اور ایک دینی اور اسلامی۔ دُنیوی امراء کے متعلق اطاعت کا حکم ہے مگر ساتھ ہی کُفر بواح کا جواز بھی رکھا ہے اور اس صورت میں بشرطیکہ برہان ہو قیاس نہ ہو ان کُفریہ اُمور میں ان کی اطاعت سے باہر جانے کی نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ حکم دیا ہے۔ گو بعض اسلامی علماء نے جیسے حضرت محی الدین ابن عربی ہیں اس بارہ میں بھی اتنی احتیاط کی ہے کہ وہ کہتے ہیں ایسی صورت میں بھی صرف علیحدگی کا اعلان کرنا جائز ہے بغاوت کرنا پھر بھی جائز نہیں۔ مگر ایک دینی اور اسلامی اُولِی الْاَمْرِ بتائے ہیں جن کے بارہ میں ہمیں حَکَم نہیں بنایا بلکہ انہیں اُمت پر حَکَم بنایا ہے اور فرمایا ہے جو کچھ وہ کریں وہ تم پر حجت ہے اور ان کے طریق کی اتباع اسی طرح ضروری ہے جس طرح میرے حکم کی۔

پس حاکم دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو دُنیوی ہیں اور جن کے متعلق اس بات کا امکان ہے کہ وہ کُفر کا ارتکاب کر سکتے ہیں۔ ان کے متعلق تو یہ حکم دیا کہ تم ان کی اطاعت کرتے چلے جاؤ، ہاں جب ان سے کُفر بواح صادر ہو تو الگ ہو جاؤ۔ مگر دوسرے حکام وہ ہیں جو غلطی کر ہی نہیں سکتے ان کے متعلق یہ ہدایت کی گئی ہے کہ ہمیشہ ان کی سنّت اور طریق کو اختیار کرنا چاہئے اور کبھی ان کے راستہ سے علیحدہ نہیں ہونا چاہئے بلکہ اگر کبھی تمہیں یہ شبہ پڑ جائے کہ تمہارے عقائد درست ہیں یا نہیں تو تم اپنے عقائد کو خلفائے راشدین کے عقائد کے ساتھ ملاؤ۔ اگر مل جائیں تو سمجھ لو کہ تمہارا قدم صحیح راستہ پر ہے اور اگر نہ ملے تو سمجھ لو کہ تم غلط راستے پر جارہے ہو۔

خلفائے راشدین اُمت کیلئے ایک میزان ہیں

گویا خلفائے راشدین ایک میزان ہیں جن سے دوسرے لوگ یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان کا قدم صحیح راستہ پر ہے یا اس سے منحرف ہو چکا ہے۔ جیسے دو سیر کا بٹہ ایک طرف ہو اور مولیاں گاجریں دوسری طرف تو ہر شخص ان مولیوں، گاجروں کو ہی دو سیر کے بٹہ کے مطابق وزن کرے گا یہ نہیں ہوگا کہ اگر پانچ سات مولیاں کم ہوں تو بٹے کو اُٹھا کر پھینک دے اور کہہ دے کہ وہ صحیح نہیں۔ اسی طرح رسول کریم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم خلفائے راشدین کے اعمال کا جائزہ لو اور دیکھو کہ وہ تمہاری عقل کے اندر آتے ہیں یا نہیں اور وہ تمہاری سمجھ کے مطابق خدا اور رسول کے احکام کے مطابق ہیں یا نہیں بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اگر تمہیں اپنے متعلق کبھی یہ شبہ پیدا ہو جائے کہ تمہارے اعمال خدا اور اس کے رسول کی رضا کے مطابق ہیں یا نہیں تو تم دیکھو کہ ان اعمال کے بارہ میں خلفائے راشدین نے کیا کہا ہے۔ اگر وہ خلفائے راشدین کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق ہوں گے تو درست ہوں گے اور اگر وہ ان کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق نہ ہوں گے تو غلط ہوں گے۔

پس خدا اور رسول کا وہ حکم جس کی طرف بات کو لوٹانے کا ارشاد ہے یہی احکام ہیں جن کو میں نے بیان کیا ہے۔ یعنی تم یہ دیکھو کہ جن حکام سے تمہیں اختلاف ہے وہ کس قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔ آیا وہ دُنیوی حُکّام میں سے ہیں یا خلفائے راشدین میں سے۔ اگر وہ دُنیوی حُکّام ہیں تو حتّی الوسع ان کی اطاعت کرو۔ ہاں اگر وہ کسی نص صریح کے خلاف عمل کرنے کا حکم دیں تو تمہارا حق ہے کہ ان کی غلطی پر انہیں متنبہ کرو، انہیں راہِ راست پر لانے کی کوشش کرو اور انہیں بتاؤ کہ تم غلط راستے پر جا رہے ہو اور اگر نہ مانیں اور کفرِ بوّاح کا ارتکاب کریں مثلاً نماز پڑھنے سے روک دیں یا روزے نہ رکھنے دیں تو تمہیں اس بات کا اختیار ہے کہ ان کے اس قسم کے احکام ماننے سے انکار کر دو اور کہو کہ ہم نمازیں پڑھیں گے، ہم روزے رکھیں گے، تم جو جی میں آئے کر لو لیکن اگر وہ **اُولِي الْاَمْرِ** خلفائے راشدین ہوں تو پھر سمجھ لو کہ وہ غلطی نہیں کر سکتے۔ وہ جو کچھ کریں گے اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق ہوگا اور اللہ تعالیٰ انہیں اُسی راہ پر چلائے گا جو اس کے نزدیک درست ہوگا۔ پس ان پر حکم

بننے کی بجائے اُن کو اپنے اوپر حَکَم بناؤ اور ان سے اختلاف کر کے اللہ تعالیٰ سے اختلاف کرنے والے مت بنو۔

آیتِ استخلاف پر بحث

اس عام حکم کے بعد اَب میں ان احکام کو لیتا ہوں جو خالص دینی اسلامی نظام کے متعلق ہیں۔ اللہ تعالیٰ سورۂ نور میں فرماتا ہے قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔـا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۔ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ [۴۵]

ان آیات میں پہلے اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اور پھر مسلمانوں سے وعدہ کیا گیا ہے کہ اگر وہ اطاعت میں کامل ہوئے تو اللہ تعالیٰ انہیں مطاع بنا دے گا اور پہلی قوموں کی طرح ان کو بھی زمین میں خلیفہ بنائے گا اور اُس وقت ان کا فرض ہو گا کہ وہ نمازیں قائم کریں اور زکوتیں دیں اور اس طرح اللہ کے رسول کی اطاعت کریں۔ یعنی خلفاء کے ساتھ دین کی تمکین کر کے وہ اطاعتِ رسول کرنے والے ہی ہوں گے گویا مَنْ يُّطِعِ الْاَمِيْرَ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَمَنْ يَّعْصِ الْاَمِيْرَ فَقَدْ عَصَانِیْ کا نکتہ بیان کیا کہ اس وقت رسول کی اطاعت اسی رنگ میں ہوگی کہ اشاعت وتمکینِ دین میں خلفاء کی اطاعت کی جائے۔

اقامتِ صلوٰۃ صحیح معنوں میں خلافت کے بغیر نہیں ہوسکتی

پس اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے پہلے خلافت کا وعدہ کیا ہے اور پھر فرمایا ہے کہ ان کا فرض ہو گا کہ وہ نمازیں قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ **اقامتِ صلوٰۃ** اپنے

صحیح معنوں میں خلافت کے بغیر نہیں ہوسکتی اور زکوٰۃ کی ادائیگی بھی خلافت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ دیکھ لو، رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں زکوٰۃ کی وصولی کا باقاعدہ انتظام تھا۔ پھر جب آپؐ کی وفات ہوگئی اور حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے تو اہلِ عرب کے کثیر حصہ نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ حکم صرف رسول کریم ﷺ کیلئے مخصوص تھا بعد کے خلفاء کیلئے نہیں مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے اس مطالبہ کو تسلیم نہ کیا اور فرمایا کہ اگر یہ اونٹ کے گھٹنے کو باندھنے والی ایک رسی بھی زکوٰۃ میں دینے سے انکار کریں گے تو میں ان سے جنگ جاری رکھوں گا اور اس وقت تک بس نہیں کروں گا جب تک ان سے اسی رنگ میں زکوٰۃ وصول نہ کرلوں جس رنگ میں وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ادا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ اس مہم میں کامیاب ہوئے اور زکوٰۃ کا نظام پھر جاری ہو گیا جو بعد کے خلفاء کے زمانہ میں بھی جاری رہا۔ مگر جب سے خلافت جاتی رہی مسلمانوں میں زکوٰۃ کی وصولی کا بھی کوئی نظام نہ رہا اور یہی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا تھا کہ اگر خلافت کا نظام نہ ہو تو مسلمان زکوٰۃ کے حکم پر عمل ہی نہیں کر سکتے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ جیسا کہ اسلامی تعلیم کا منشا ہے امراء سے لی جاتی اور ایک نظام کے ماتحت غرباء کی ضروریات پر خرچ کی جاتی ہے۔ اب ایسا وہیں ہوسکتا ہے جہاں ایک باقاعدہ نظام ہو۔ اکیلا آدمی اگر چند غرباء میں زکوٰۃ کا روپیہ تقسیم بھی کر دے تو اس کے وہ شاندار نتائج کہاں نکل سکتے جو اس صورت میں نکل سکتے ہیں جب زکوٰۃ کے تمام روپیہ کو جماعتی رنگ میں غرباء کی بہبودی اور ان کی ترقی کے کاموں پر خرچ کیا جائے۔ پس زکوٰۃ کا نظام بِالطبع خلافت کا مقتضی ہے۔ اسی طرح اقامتِ صلوٰۃ بھی بغیر اس کے نہیں ہوسکتی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ صلوٰۃ کا بہترین حصہ جمعہ ہے جس میں خطبہ پڑھا جاتا ہے اور قومی ضرورتوں کو لوگوں کے سامنے رکھا جاتا ہے۔ اب اگر خلافت کا نظام نہ ہو تو بھلا چھوٹے چھوٹے دیہات کی جماعتوں کو کیا علم ہوسکتا ہے کہ چین اور جاپان میں کیا ہو رہا ہے اور اسلام ان سے کن قربانیوں کا مطالبہ کر رہا ہے۔ اگر ایک مرکز ہوگا اور ایک خلیفہ ہوگا جو تمام مسلمانوں کے نزدیک واجب الاطاعت ہوگا تو اسے تمام اکنافِ عالم سے رپورٹیں پہنچتی رہیں گی کہ یہاں یہ ہو رہا ہے اور وہاں وہ ہو رہا ہے اور اس

طرح وہ لوگوں کو بتا سکے گا کہ آج فلاں قسم کی قربانیوں کی ضرورت ہے اور آج فلاں قسم کی خدمات کیلئے اپنے آپ کو پیش کرنے کی حاجت ہے اسی لئے حنفیوں کا یہ فتویٰ ہے کہ جب تک مسلمانوں میں کوئی سلطان نہ ہو جمعہ پڑھنا جائز نہیں اور اس کی تہہ میں یہی حکمت ہے جو میں نے بیان کی ہے۔ اسی طرح عیدین کی نمازیں ہیں۔ رسول کریم ﷺ کی سنت سے یہ امر ثابت ہے کہ آپ ہمیشہ قومی ضرورتوں کے مطابق خطبات پڑھا کرتے تھے۔ مگر جب خلافت کا نظام نہ رہے تو انفرادی رنگ میں کسی کو قومی ضرورتوں کا کیا علم ہو سکتا ہے اور وہ ان کو کس طرح اپنے خطبات میں بیان کر سکتا ہے بلکہ بالکل ممکن ہے حالات سے ناواقفیت کی وجہ سے وہ خود بھی دھوکا میں مبتلاء رہے اور دوسروں کو بھی دھوکا میں مبتلاء رکھے۔

میں نے ایک دفعہ کہیں پڑھا کہ آج سے چالیس پچاس سال پیشتر ایک شخص بیکانیر کے علاقہ کی طرف سیر کرنے کیلئے نکل گیا، جمعہ کا دن تھا وہ ایک مسجد میں نماز پڑھنے کیلئے گیا تو اس نے دیکھا کہ امام نے پہلے فارسی زبان میں مروّجہ خطبات میں سے کوئی ایک خطبہ پڑھا اور پھر ان لوگوں سے جو مسجد میں موجود تھے کہا کہ آؤ اب ہاتھ اُٹھا کر دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ امیرالمؤمنین جہانگیر بادشاہ کو سلامت رکھے۔ اب اس بیچارے کو اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ جہانگیر بادشاہ کو فوت ہوئے مدتیں گزر چکی ہیں اور اب جہانگیر نہیں بلکہ انگریز حکمران ہیں۔

غرض جمعہ جو نماز کا بہترین حصہ ہے اسی صورت میں احسن طریق پر ادا ہو سکتا ہے جب مسلمانوں میں خلافت کا نظام موجود ہو۔ چنانچہ دیکھ لو ہمارے اندر چونکہ ایک نظام ہے اس لئے میرے خطبات ہمیشہ اہم وقتی ضروریات کے متعلق ہوتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ بعض غیر احمدی بھی ان سے اِتنے متأثر ہوتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں ہمیں تو آپ کے خطبات الہامی معلوم ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کا ایک مشہور لیڈر باقاعدہ میرے خطبات پڑھا کرتا ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ اس نے کہا کہ اِن خطبات سے مسلمانوں کی صرف مذہبی ہی نہیں بلکہ سیاسی راہنمائی بھی ہوتی ہے۔

درحقیقت لیڈر کا کام لوگوں کی راہنمائی کرنا ہوتا ہے مگر یہ راہنمائی وہی شخص کر سکتا ہے جس کے پاس دنیا کے اکثر حصوں سے خبریں آتی ہوں اور وہ سمجھتا ہو کہ حالات کیا صورت

اختیار کر رہے ہیں۔ صرف اخبارات سے اس قسم کے حالات کا علم نہیں ہو سکتا کیونکہ اخبارات میں جھوٹی خبریں بھی درج ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ ان میں واقعات کو پورے طور پر بیان کرنے کا التزام بھی نہیں ہوتا لیکن ہمارے مبلّغ چونکہ دنیا کے اکثر حصوں میں موجود ہیں، اس کے علاوہ جماعت کے افراد بھی دنیا کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں اس لئے ان کے ذریعہ مجھے ہمیشہ سچی خبریں ملتی رہتی ہیں اور میں ان سے فائدہ اُٹھا کر جماعت کی صحیح راہنمائی کرسکتا ہوں۔

اطاعتِ رسول بھی صحیح معنوں میں خلافت کے بغیر نہیں ہوسکتی

پس درحقیقت اقامتِ صلوٰۃ بھی بغیر خلیفہ کے نہیں ہوسکتی اسی طرح اطاعتِ رسول بھی جس کا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کے الفاظ میں ذکر ہے خلیفہ کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ رسول کی اطاعت کی اصل غرض یہ ہوتی ہے کہ سب کو وحدت کے ایک رشتہ میں پرو دیا جائے۔ یوں تو صحابہؓ بھی نمازیں پڑھتے تھے اور آج کل کے مسلمان بھی نمازیں پڑھتے ہیں، صحابہؓ بھی روزے رکھتے تھے اور آجکل کے مسلمان بھی روزے رکھتے ہیں، صحابہؓ بھی حج کرتے تھے اور آجکل کے مسلمان بھی حج کرتے ہیں پھر صحابہؓ اور آجکل کے مسلمانوں میں کیا فرق ہے؟ یہی فرق ہے کہ وہ اس وقت نمازیں پڑھتے تھے جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے تھے کہ اب نماز کا وقت آ گیا ہے، وہ اس وقت روزے رکھتے تھے جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے تھے کہ اب روزوں کا وقت آ گیا ہے اور وہ اُس وقت حج کرتے تھے جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے تھے کہ اب حج کا وقت آ گیا ہے اور گو وہ نماز اور روزہ اور حج وغیرہ عبادات میں حصہ لیکر اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے تھے مگر ان کے ہر عمل میں رسول کریم ﷺ کی اطاعت کی روح بھی جھلکتی تھی جس کا یہ فائدہ تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں جب بھی کوئی حکم دیتے، صحابہؓ اُسی وقت اس پر عمل کرنے کیلئے کھڑے ہو جاتے تھے لیکن یہ اطاعت کی روح آجکل کے مسلمانوں میں نہیں۔ مسلمان نمازیں بھی پڑھیں گے، مسلمان روزے بھی رکھیں گے، مسلمان حج بھی کریں گے مگر ان کے اندر اطاعت کا مادہ نہیں ہوگا کیونکہ اطاعت کا مادہ نظامِ خلافت کے بغیر پیدا نہیں ہوسکتا۔ پس جب بھی خلافت ہوگی

اطاعت رسول بھی ہوگی کیونکہ اطاعت رسول یہ نہیں کہ نمازیں پڑھو یا روزے رکھو یا حج کرو یہ تو خدا کے حکم کی اطاعت ہے۔ اطاعت رسول یہ ہے کہ جب وہ کہے کہ اب نمازوں پر زور دینے کا وقت ہے تو سب لوگ نمازوں پر زور دینا شروع کر دیں اور جب وہ کہے کہ اب زکوٰۃ اور چندوں کی ضرورت ہے تو وہ زکوٰۃ اور چندوں پر زور دینا شروع کر دیں اور جب وہ کہے کہ اب جانی قربانی کی ضرورت ہے یا وطن کو قربان کرنے کی ضرورت ہے تو وہ جانیں اور اپنے وطن قربان کرنے کیلئے کھڑے ہو جائیں۔ غرض یہ تینوں باتیں ایسی ہیں جو خلافت کے ساتھ لازم وملزوم ہیں اگر خلافت نہ ہوگی تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہاری نمازیں بھی جاتی رہیں گی، تمہاری زکوٰتیں بھی جاتی رہیں گی، اور تمہارے دل سے اطاعت رسول کا مادہ بھی جاتا رہے گا۔ ہماری جماعت کو چونکہ ایک نظام کے ماتحت رہنے کی عادت ہے اور اس کے افراد اطاعت کا مادہ اپنے اندر رکھتے ہیں اس لئے اگر ہماری جماعت کے افراد کو آج اُٹھا کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں رکھ دیا جائے تو وہ اسی طرح اطاعت کرنے لگ جائیں جس طرح صحابہؓ اطاعت کیا کرتے تھے لیکن اگر کسی غیر احمدی کو اپنی بصیرت کی آنکھ سے تم اس زمانہ میں لے جاؤ تو تمہیں قدم قدم پر وہ ٹھوکریں کھاتا دکھائی دے گا اور وہ کہے گا کہ ذرا ٹھہر جائیں مجھے فلاں حکم کی سمجھ نہیں آئی بلکہ جس طرح ایک پٹھان کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے کہہ دیا تھا ''خو محمدؐ صاحب کا نماز ٹوٹ گیا۔ قدوری میں لکھا ہے کہ حرکتِ صغیرہ سے نماز ٹوٹ جاتا ہے۔'' اسی طرح وہ بعض باتوں کا انکار کرنے لگ جائے گا۔ لیکن اگر ایک احمدی کو لے جاؤ تو اس کو پتہ بھی نہیں لگے گا کہ وہ کسی غیر مانوس جگہ میں آ گیا ہے بلکہ جس طرح مشین کا پُرزہ فوراً اپنی جگہ پر فِٹ آ جاتا ہے اسی طرح وہ وہاں پر فِٹ آ جائے گا اور جاتے ہی محمد رسول اللہ ﷺ کا صحابی بن جائے گا۔

آیتِ استخلاف کے مضامین کا خلاصہ

غرض یہ آیت جو آیتِ استخلاف کہلاتی ہے اس کے مفہوم کا خلاصہ یہ ہے کہ:-

(۱) جس بات کا ذکر کیا گیا ہے، وہ ایک وعدہ ہے۔

(۲) وعدہ اُمت سے ہے جب تک وہ ایمان وعمل صالح پر کار بند رہے۔

غیر مبائع ہمیشہ اِس بات پر زور دیا کرتے ہیں کہ اِن آیات میں خلافت کا جو وعدہ کیا گیا ہے وہ افراد سے نہیں بلکہ اُمت سے ہے اور میں نے ان کی یہ بات مان لی ہے۔ میں بھی یہی کہتا ہوں کہ یہ وعدہ اُمت سے ہے اور اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ جب تک وہ ایمان اور عملِ صالح پر کاربند رہے گی اس کا یہ وعدہ پورا ہوتا رہے گا۔

(۳) اس وعدہ کی غرض یہ ہے کہ

(الف) مسلمان بھی وہی انعام پائیں جو پہلی قوموں نے پائے کیونکہ فرماتا ہے

كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

(ب) اس وعدہ کی دوسری غرض تمکینِ دین ہے۔

(ج) اس کی تیسری غرض مسلمانوں کے خوف کو امن سے بدل دینا ہے۔

(د) اس کی چوتھی غرض شرک کا دور کرنا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کا قیام ہے۔

اس آیت کے آخر میں وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ کہہ کر اس کے وعدہ ہونے پر پھر زور دیا اور وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ [۴۶] کے وعید کی طرف توجہ دلائی کہ ہم جو انعامات تم پر نازل کرنے لگے ہیں اگر تم ان کی ناقدری کرو گے تو ہم تمہیں سخت سزا دیں گے۔ خلافت بھی چونکہ ہمارا ایک انعام ہے اس لئے یاد رکھو جو لوگ اِس نعمت کی ناشکری کریں گے وہ فاسق ہو جائیں گے۔

یہ آیت ایک زبردست شہادت خلافتِ راشدہ پر ہے اور اس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور احسان مسلمانوں میں خلافت کا طریق قائم کیا جائے گا جو مُؤَيَّد مِنَ اللّٰه ہوگا۔(جیسا کہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ اور وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ سے ظاہر ہے) اور مسلمانوں کو پہلی قوموں کے انعامات میں سے وافر حصہ دلانے والا ہوگا۔

سچے خلفاء کی علامات

اس آیت میں خلفاء کی علامات بھی بتائی گئی ہیں جن سے سچے اور جھوٹے میں فرق کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ ہیں:-

(۱) خلیفہ خدا بناتا ہے یعنی اس کے بنانے میں انسانی ہاتھ نہیں ہوتا، نہ وہ خود خواہش

کرتا ہے اور نہ کسی منصوبہ کے ذریعہ وہ خلیفہ ہوتا ہے بلکہ بعض دفعہ تو ایسے حالات میں ہوتا ہے جب کہ اُس کا خلیفہ ہونا بظاہر ناممکن سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ الفاظ کہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ خود ظاہر کرتے ہیں کہ خلیفہ خدا ہی بناتا ہے کیونکہ جو وعدہ کرتا ہے وہی دیتا ہے۔ بعض لوگ غلطی سے یہ کہتے ہیں کہ اس وعدے کا یہ مطلب ہے کہ لوگ جس کو چاہیں خلیفہ بنالیں، خدا اُس کو اپنا انتخاب قرار دے دے گا۔ مگر یہ ایسی ہی بات ہے جیسے ہمارے ایک استاد کا یہ طریق ہوا کرتا تھا کہ جب وہ مدرسہ میں آتا اور کسی لڑکے سے خوش ہوتا تو کہتا کہ اچھا تمہاری جیب میں جو پیسہ ہے وہ مَیں نے تمہیں انعام میں دے دیا۔ یہ بھی ویسا ہی وعدہ بن جاتا ہے کہ اچھا تم کسی کو خود ہی خلیفہ بنالو اور پھر یہ سمجھ لو کہ اُسے مَیں نے بنایا ہے۔ اور اگر یہی بات ہو تو پھر انعام کیا ہوا اور ایمان اور عملِ صالح پر قائم رہنے والی جماعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے محبت کا امتیازی سلوک کونسا ہوا؟ وعدہ تو جو کرتا ہے وہی اسے پورا بھی کیا کرتا ہے نہ یہ کہ وعدہ تو وہ کرے اور اسے پورا کوئی اور کرے۔ پس اس آیت میں پہلی بات یہ بتائی گئی ہے کہ خلفاء کی آمد خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوگی۔ ظاہری لحاظ سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کیونکہ کوئی شخص خلافت کی خواہش کر کے خلیفہ نہیں بن سکتا اسی طرح کسی منصوبہ کے ماتحت بھی کوئی خلیفہ نہیں بن سکتا۔ خلیفہ وہی ہوگا جسے خدا بنانا چاہے گا بلکہ بسا اوقات وہ ایسے حالات میں خلیفہ ہوگا جب کہ دنیا اس کے خلیفہ ہونے کو ناممکن خیال کرتی ہوگی۔

(۲) دوسری علامت اللہ تعالیٰ نے سچے خلیفہ کی یہ بتائی ہے کہ وہ اس کی مدد انبیاء کے مشابہ کرتا ہے۔ کیونکہ فرمایا كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کہ یہ خلفاء ہماری نصرت کے ویسے ہی مستحق ہونگے جیسے پہلے خلفاء۔ اور جب پہلی خلافتوں کو دیکھا جاتا ہے تو وہ دو قسم کی نظر آتی ہیں۔ اوّل خلافتِ نبوت۔ جیسے آدم علیہ السلام کی خلافت تھی جس کے بارہ میں فرمایا کہ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً [۴۷] مَیں زمین میں اپنا ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ اَب آدم علیہ السلام کا انتخاب نہیں کیا گیا تھا اور نہ وہ دُنیوی بادشاہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے ایک وعدہ کیا اور انہیں اپنی طرف سے زمین میں آپ کھڑا کیا اور جنہوں نے انکار

کیا انہیں سزا دی۔

جیسے داؤد علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ [۴۸] اے داؤد! ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا (حضرت داؤد علیہ السلام چونکہ اللہ تعالیٰ کے نبی تھے اس لئے معلوم ہؤا کہ یہاں خلافت سے مراد خلافتِ نبوت ہی ہے) پس تو لوگوں کے درمیان عدل و انصاف سے فیصلہ کر اور لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کر ایسا نہ ہو کہ وہ تجھے سیدھے راستہ سے منحرف کر دیں۔ یقیناً وہ لوگ جو گمراہ ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت عذاب ہوگا اس لئے ایسے لوگوں کے مشوروں کو قبول نہ کیا کر بلکہ وہی کر جس کی طرف خدا تیری راہنمائی کرے۔ان آیات میں دراصل وہی مضمون بیان ہوا ہے جو دوسری جگہ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ [۴۹] کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

بعض لوگوں نے غلطی سے لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کے یہ معنی کئے ہیں کہ اے داؤد! لوگوں کی ہوا و ہوس کے پیچھے نہ چلنا حالانکہ اس آیت کے یہ معنی ہی نہیں بلکہ اس میں اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ بعض دفعہ لوگوں کی اکثریت تجھے ایک بات کا مشورہ دے گی اور کہے گی کہ یوں کرنا چاہئے مگر فرمایا تمہارا کام یہ ہے کہ تم محض اکثریت کو نہ دیکھو بلکہ یہ دیکھو کہ جو بات تمہارے سامنے پیش کی جا رہی ہے وہ مفید ہے یا نہیں۔ اگر مفید ہو تو مان لو اور اگر مفید نہ ہو تو اُسے ردّ کر دو۔ چاہے اُسے پیش کرنے والی اکثریت ہی کیوں نہ ہو بالخصوص ایسی حالت میں جب کہ وہ گناہ والی بات ہو۔

پہلی خلافتیں یا تو خلافتِ نبوت تھیں یا خلافتِ ملوکیت

پس پہلی خلافتیں یا تو خلافت نبوت تھیں جیسے حضرت آدم اور حضرت داؤد عَلَيْهِمَا السَّلَامُ کی خلافت تھی اور یا پھر خلافتِ حکومت تھیں جیسا کہ فرمایا۔ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاۗءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ [۵۰] یعنی اُس وقت کو یاد

کرو جب کہ قومِ نوح کے بعد خدا نے تمہیں خلیفہ بنایا اور اُس نے تم کو بناوٹ میں بھی فراخی بخشی یعنی تمہیں کثرت سے اولاد دی پس تم اللہ تعالیٰ کی اُس نعمت کو یاد کرو تا کہ تمہیں کامیابی حاصل ہو۔

اِس آیت میں خلفاء کا جو لفظ آیا ہے اِس سے مراد صرف دُنیوی بادشاہ ہیں اور نعمت سے مراد بھی نعمتِ حکومت ہی ہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں نصیحت کی ہے کہ تم زمین میں عدل و انصاف کو مدنظر رکھ کر تمام کام کرو ورنہ ہم تمہیں تباہ کر دیں گے۔ چنانچہ یہود کی نسبت اس انعام کا ذکر ان الفاظ میں فرماتا ہے۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ [۵۱] یعنی اس قوم کو ہم نے دو طرح خلیفہ بنایا اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ کے ماتحت انہیں خلافتِ نبوت دی اور جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا کے ماتحت انہیں خلافتِ ملوکیت دی۔

غرض پہلی خلافتیں دو قسم کی تھیں۔ یا تو وہ خلافتِ نبوت تھیں اور یا پھر خلافتِ ملوکیت۔ پس جب خدا نے یہ فرمایا لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ تو اس سے یہ استنباط ہؤا کہ پہلی خلافتوں والی برکات اِن کو بھی ملیں گی اور انبیائے سابقین سے اللہ تعالیٰ نے جو کچھ سلوک کیا وہی سلوک وہ اُمتِ محمدیہ کے خلفاء کے ساتھ بھی کرے گا۔

خلافتِ ملوکیت کو چھوڑ کر صرف خلافتِ نبوت کے ساتھ مشابہت کو کیوں مخصوص کیا گیا ہے

اگر کوئی کہے کہ پہلے تو خلافتِ ملوکیت کا بھی ذکر ہے پھر خلافت ملوکیت کا ذکر چھوڑ کر صرف خلافتِ نبوت کے ساتھ اُس کی مشابہت کو کیوں مخصوص کیا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کے الفاظ بتاتے ہیں کہ گو مسلمانوں سے دوسری آیات میں بادشاہتوں کا بھی وعدہ ہے مگر اس جگہ بادشاہت کا ذکر نہیں ہے بلکہ صرف مذہبی نعمتوں کا ذکر ہے۔ چنانچہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ کہ خدا اپنے قائم کردہ خلفاء کے دین کو دنیا میں قائم کر کے رہتا ہے۔ اب یہ اصول دنیا کے بادشاہوں کے متعلق نہیں اور نہ اُن کے دین کو خدا تعالیٰ نے کبھی دنیا میں قائم کیا بلکہ یہ اصول روحانی خلفاء کے متعلق ہی ہے۔ پس یہ آیت ظاہر کر رہی ہے

کہ اس جگہ جس خلافت سے مشابہت دی گئی ہے وہ خلافتِ نبوت ہی ہے نہ کہ خلافتِ ملوکیت۔ اسی طرح فرماتا ہے۔ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۔ کہ خدا اُن کے خوف کو امن سے بدل دیا کرتا ہے۔ یہ علامت بھی دُنیوی بادشاہوں پر کسی صورت میں چسپاں نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ دُنیوی بادشاہ اگر آج تاج وتخت کے مالک ہوتے ہیں تو کل تخت سے علیحدہ ہوکر بھیک مانگتے دیکھے جاتے ہیں۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کی طرف سے اُن کے خوف کو امن سے بدل دینے کا کوئی وعدہ نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات جب کوئی سخت خطرہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اس کے مقابلہ کی ہمت تک کھو بیٹھتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا کہ وہ خلفاء میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ گویا وہ خالص موحّد اور شرک کے شدید ترین دشمن ہونگے۔ مگر دنیا کے بادشاہ تو شرک بھی کر لیتے ہیں حتّٰی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یہ بھی ممکن ہے کہ اُن سے کبھی کفر بواح صادر ہو جائے۔ پس وہ اس آیت کے مصداق کس طرح ہو سکتے ہیں۔

چوتھی دلیل جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان خلفاء سے مراد دُنیوی بادشاہ ہرگز نہیں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ یعنی جو لوگ اِن خلفاء کا انکار کریں گے وہ فاسق ہو جائیں گے۔ اب بتاؤ کہ جو شخص کفر بواح کا بھی مرتکب ہوسکتا ہو آیا اس کی اطاعت سے خروجِ فسق ہوسکتا ہے؟ یقیناً ایسے بادشاہوں کی اطاعت سے انکار کرنا انسان کو فاسق نہیں بنا سکتا۔ فسق کا فتویٰ انسان پر اُسی صورت میں لگ سکتا ہے جب وہ روحانی خلفاء کی اطاعت سے انکار کرے۔

غرض یہ چاروں دلائل جن کا اس آیت میں ذکر ہے اس امر کا ثبوت ہیں کہ اس آیت میں جس خلافت کا ذکر کیا گیا ہے وہ خلافتِ ملوکیت نہیں۔ پس جب خدا نے یہ فرمایا لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کہ ہم اُن خلیفوں پر ویسے ہی انعامات نازل کریں گے جیسے ہم نے پہلے خلفاء پر انعامات نازل کئے تو اس سے مراد یہی ہے کہ جیسے پہلے انبیاء کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ہوتی رہی ہے اسی طرح ان کی مدد

ہوگی۔ پس اس آیت میں خلافتِ نبوت سے مشابہت مراد ہے نہ کہ خلافتِ ملوکیت سے۔

خلافت کا وعدہ ایمان اور عملِ صالح کے ساتھ مشروط ہے

(۳) تیسری بات اِس آیت سے یہ نکلتی ہے کہ یہ وعدہ اُمت سے اُس وقت تک کیلئے ہے جب تک کہ اُمت مومن اور عمل صالح کرنے والی ہو۔ جب وہ مومن اور عملِ صالح کرنے والی نہیں رہے گی تو اللہ تعالیٰ اپنے اس وعدہ کو واپس لے لے گا۔ گویا نبوت اور خلافت میں یہ عظیم الشان فرق بتایا کہ نبوت تو اُس وقت آتی ہے جب دنیا خرابی اور فساد سے بھر جاتی ہے۔ جیسے فرمایا۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ [۵۲] کہ جب بر اور بحر میں فساد واقعہ ہو جاتا ہے، لوگ خدا تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں، الٰہی احکام سے اپنا منہ موڑ لیتے ہیں، ضلالت اور گمراہی میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور تاریکی زمین کے چپہ چپہ کا احاطہ کر لیتی ہے، تو اُس وقت لوگوں کی اصلاح کے لئے خدا تعالیٰ کسی نبی کو بھیجتا ہے جو پھر آسمان سے نورِ ایمان کو واپس لاتا اور اُن کو سچے دین پر قائم کرتا ہے لیکن خلافت اُس وقت آتی ہے جب قوم میں اکثریت مومنوں اور عمل صالح کرنے والوں کی ہوتی ہے۔ گویا نبوت تو ایمان اور عمل صالح کے مٹ جانے پر آتی ہے اور خلافت اُس وقت آتی ہے جب قریباً تمام کے تمام لوگ ایمان اور عملِ صالح پر قائم ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خلافت اُسی وقت شروع ہوتی ہے جب نبوت ختم ہوتی ہے کیونکہ نبوت کے ذریعہ ایمان اور عملِ صالح قائم ہو چکا ہوتا ہے اور چونکہ اکثریت ابھی ان لوگوں کی ہوتی ہے جو ایمان اور عملِ صالح پر قائم ہوتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ انہیں خلافت کی نعمت دے دیتا ہے۔

اور درمیانی زمانہ جب کہ نہ تو دنیا نیکوکاروں سے خالی ہو اور نہ بدی سے پُر ہو دونوں سے محروم رہتا ہے کیونکہ نہ تو بیماری شدید ہوتی ہے کہ نبی آئے اور نہ تندرستی کامل ہوتی ہے کہ اُن سے کام لینے والا خلیفہ آئے۔

خلافت کا فُقدان کسی خلیفہ کے نقص کی وجہ سے نہیں بلکہ جماعت کے نقص کی وجہ سے ہوتا ہے

پس اس حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت کا فُقدان کسی خلیفہ کے

نقص کی وجہ سے نہیں بلکہ جماعت کے نقص کی وجہ سے ہوتا ہے اور خلافت کا مٹنا خلیفہ کے گنہگار ہونے کی دلیل نہیں بلکہ اُمت کے گنہگار ہونے کی دلیل ہوتا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا یہ صریح وعدہ ہے کہ وہ اُس وقت تک خلیفہ بناتا چلا جائے گا جب تک جماعت میں کثرت مومنوں اور عملِ صالح کرنے والوں کی رہے گی۔ جب اس میں فرق پڑ جائے گا اور کثرت مومنوں اور عملِ صالح کرنے والوں کی نہیں رہے گی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا اب چونکہ تم بدعمل ہو گئے ہو اس لئے مَیں بھی اپنی نعمت تم سے واپس لیتا ہوں۔ (گو خدا چاہے تو بطور احسان ایک عرصہ تک پھر بھی جماعت میں خلفاء بھجواتا رہے) پس وہ شخص جو یہ کہتا ہے کہ خلیفہ خراب ہو گیا ہے وہ بالفاظِ دیگر اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ جماعت کی اکثریت ایمان اور عملِ صالح سے محروم ہو چکی ہے کیونکہ خدا کا یہ وعدہ ہے کہ جب تک اُمت ایمان اور عملِ صالح پر قائم رہے گی اُس میں خلفاء آتے رہیں گے اور جب وہ اس سے محروم ہو جائے گی تو خلفاء کا آنا بھی بند ہو جائے گا۔ پس خلیفہ کے بگڑنے کا کوئی امکان نہیں ہاں اِس بات کا ہر وقت امکان ہے کہ جماعت کی اکثریت ایمان اور عملِ صالح سے محروم نہ ہو جائے۔ اور چونکہ خلیفہ نہیں بگڑ سکتا بلکہ جماعت ہی بگڑ سکتی ہے اس لئے جب کوئی شخص دنیا کے سامنے یہ دعویٰ پیش کرتا ہے کہ جماعت احمدیہ کا خلیفہ بگڑ گیا تو اسے یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ابھی جب کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کثیر صحابہؓ ہم میں موجود ہیں، جب کہ زمانہ ابھی دجّالی فِتن سے پُر ہے، جب کہ اس درخت کی ابھی کونپل ہی نکلی ہے جس نے تمام دنیا میں پھیلنا ہے تو شیطان اس جماعت پر حملہ آور ہؤا۔ اُس نے اُس کے ایمان کی دولت کو لوٹ لیا، اعمالِ صالحہ کی قوت کو سلب کر لیا اور اس درخت کی کونپل کو اپنے پاؤں کے نیچے مسل ڈالا جس کے متعلق یہ کہا جاتا تھا کہ وہ ایک بارآور درخت کی صورت میں تمام دنیا کو اپنے سایہ سے فائدہ پہنچائیگا کیونکہ بقول اُس کے خلیفہ خراب ہو گیا اور قرآن یہ بتاتا ہے کہ سچے خلفاء اُس وقت تک آتے رہیں گے جب تک جماعت کی اکثریت ایمان اور عملِ صالح پر قائم رہے۔ پس خلافت کا انکار محض خلافت کا انکار نہیں بلکہ اِس امر کا اظہار ہے کہ جماعت ایمان اور عملِ صالح سے محروم ہو چکی ہے۔

تمکینِ دین کا نشان

چوتھی علامت خلفاء کی اللہ تعالیٰ نے یہ بتائی ہے کہ اُن کے دینی احکام اور خیالات کو اللہ تعالیٰ دنیا میں پھیلائے گا۔ چنانچہ فرماتا ہے وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ کہ اللہ تعالیٰ اُن کے دین کو تمکین دے گا اور باوجود مخالف حالات کے اُسے دنیا میں قائم کر دے گا۔ یہ ایک زبردست ثبوت خلافتِ حقہ کی تائید میں ہے اور جب اس پر غور کیا جاتا ہے تو خلفائے راشدین کی صداقت پر خدا تعالیٰ کا یہ ایک بہت بڑا نشان نظر آتا ہے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ایسے خاندانوں میں سے تھے جو عرب میں کوئی جتھا نہیں رکھتے تھے۔ لیکن حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما ایسے خاندانوں میں سے تھے جو عرب میں جتھے رکھتے تھے۔ چنانچہ بنواُمیّہ حضرت عثمانؓ کے حق میں تھے اور بنوعباسؓ حضرت علیؓ کے حق میں اور ان دونوں کو عرب میں بڑی قوت حاصل تھی۔ جب خلافت میں تنزّل واقع ہؤا اور مسلمانوں کی اکثریت میں سے ایمان اور عملِ صالح جاتا رہا تو حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد بنواُمیّہ نے مسلمانوں پر تسلط جمالیا اور یہ وہ لوگ تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے تعلق رکھتے تھے۔ چنانچہ ان کی حکومت کے دوران میں حضرت علیؓ کی تو مذمّت کی جاتی رہی مگر حضرت عثمانؓ کی خوبیاں بیان ہوتی رہیں۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے مداح اور ان کی خوبیوں کا ذکر کرنے والے اس دَور میں بہت ہی کم تھے۔ اس کے بعد حالات میں پھر تغیر پیدا ہؤا اور بنواُمیّہ کی جگہ بنوعباس نے قبضہ کر لیا اور یہ وہ لوگ تھے جو اہلِ بیت سے تعلق رکھتے تھے چنانچہ ان کا تمام زور حضرت علیؓ کی تعریف اور آپ کی خوبیاں بیان کرنے پر صرف ہونے لگ گیا اور کہا جانے لگا کہ عثمانؓ بہت بُرا تھا۔ غرض بنواُمیّہ تو یہ کہتے رہے کہ علیؓ بہت بُرا تھا اور بنوعباس یہ کہتے رہے کہ عثمانؓ بہت بُرا تھا اور اس طرح کئی سَو سال تک مسلمانوں کا ایک حصہ حضرت عثمانؓ کے اوصاف شمار کرتا رہا اور ایک حصہ حضرت علیؓ کے اوصاف شمار کرتا رہا مگر باوجود اس کے کہ خلفائے اربعہ کے بعد اسلامی حکومتوں کے یہ دو دَور آئے اور دونوں ایسے تھے کہ ان میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے تعلق رکھنے والے لوگ کوئی نہ تھے پھر بھی دنیا میں جو عزت اور جو رُتبہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے فتووں اور

ارشادات کو حاصل ہے وہ ان دونوں کو حاصل نہیں۔ گو اِن سے اُتر کر انہیں بھی حاصل ہے اور یہ ثبوت ہے وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ کا کہ خدا نے ان کے دین کو قائم کیا اور اُن کی عزت کو لوگوں کے قلوب میں جاگزیں کیا۔ چنانچہ آج کسی مسلمان سے پوچھ لو کہ اُس کے دل میں خلفاء میں سے سب سے زیادہ کس کی عزت ہے تو وہ پہلے حضرت ابوبکرؓ کا نام لے گا پھر حضرت عمرؓ کا نام لے گا پھر حضرت عثمانؓ اور پھر حضرت علیؓ کا نام لے گا حالانکہ کئی صدیاں ایسی گزری ہیں جن میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا نام لینے والا کوئی نہیں تھا اور اتنے لمبے وقفہ میں بڑے بڑے لوگوں کے نام دنیا سے مٹ جایا کرتے ہیں لیکن خدا نے اُن کے نام کو قائم رکھا اور اُن کے فتووں اور ارشادات کو وہ مقام دیا جو حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے فتووں اور ارشادات کو بھی حاصل نہیں۔ پھر بنو اُمیّہ کے زمانہ میں حضرت علیؓ کو بدنام کرنے کی بڑی کوششیں کی گئیں اور بنو عباس کے زمانہ میں حضرت عثمانؓ پر بڑا لعن طعن کیا گیا مگر باوجود اس کے کہ یہ کوششیں حکومتوں کی طرف سے صادر ہوئیں اور انہوں نے اپنے اپنے زمانوں میں اُن کو بدنام کرنے اور اُن کے ناموں کو مٹانے کی بڑی کوشش کی پھر بھی یہ دونوں خلفاء دُھلے دُھلائے نکل آئے اور خدا نے تمام عالمِ اسلامی میں ان کی عزت وتوقیر کو قائم کر دیا۔

خوف کو امن سے بدلنے کی پیشگوئی

(۵) پانچویں علامت اللہ تعالیٰ نے یہ بتائی ہے کہ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا کہ وہ اُن کے خوف کے بعد اُن کے خوف کی حالت کو اَمن سے بدل دیتا ہے۔ بعض لوگ اِس کے یہ معنی کرتے ہیں کہ وہ ہر تخویف سے محفوظ رہتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو چونکہ خلافت کے بعد خوف پیش آیا اور دشمنوں نے انہیں شہید کر دیا اس لئے حضرت ابوبکرؓ کے سوا اور کسی کو خلیفۂ راشد تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری نے بھی اس بات پر بڑا زور دیا ہے اور لکھا ہے کہ اصل خلیفہ صرف حضرت ابوبکرؓ تھے۔ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی خلافت آیت استخلاف کے ماتحت نہیں آتی۔

سو یاد رکھنا چاہئے کہ یہ غلطی لوگوں کو صرف اس لئے لگی ہے کہ وہ قرآنی الفاظ پر غور نہیں کرتے۔ بیشک خوف کا امن سے بدل جانا بھی بڑی نعمت ہے لیکن اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ الْخَوْفِ اَمْنًا کہ جو بھی خوف پیدا ہوگا اُسے امن سے بدل دیا جائے گا بلکہ فرمایا وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا کہ جو خوف اُن کے دل میں پیدا ہوگا اور جس چیز سے وہ ڈریں گے اللہ تعالیٰ اُسے دُور کر دے گا اور اُس کی جگہ امن پیدا کر دے گا۔ پس وعدہ یہ نہیں کہ زید اور بکر کے نزدیک جو بھی ڈرنے والی بات ہو وہ خلفاء کو پیش نہیں آئے گی بلکہ وعدہ یہ ہے کہ جس چیز سے وہ ڈریں گے اللہ تعالیٰ اُسے ضرور دُور کر دے گا اور اُن کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔ مثال کے طور پر یوں سمجھ لو کہ سانپ بظاہر ایک بڑی خوفناک چیز ہے مگر کئی لوگ ہیں جو سانپ اپنے ہاتھ میں پکڑ لیتے ہیں ایسے لوگوں کیلئے سانپ کا خوف کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اسی طرح فقر ایک بڑی خوف والی چیز ہے مگر رسول کریم ﷺ کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اَب اگر کسی کے ذہن میں یہ بات ہو کہ کھانے کیلئے اگر ایک وقت کی روٹی بھی نہ ملے تو یہ بڑی ذلّت کی بات ہوتی ہے تو کیا اُس کے اِس خیال کی وجہ سے ہم یہ مان لیں گے کہ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ رسول کریم ﷺ کی بھی ذلت ہوئی۔ جو شخص فقر کو اپنی عزت کا موجب سمجھتا ہے، جو شخص چیتھڑوں کو قیمتی لباس سے زیادہ بہتر سمجھتا ہے اور جو شخص دُنیوی مال و متاع کو نجاست کی مانند حقیر سمجھتا ہے اُس کیلئے فقر کا خوف بالکل بے معنی ہے۔ پس خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ الْخَوْفِ اَمْنًا بلکہ فرمایا ہے وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا کہ کوئی ایسی خوف والی بات پیدا نہیں ہوگی جس سے وہ ڈرتے ہونگے۔ اس فرق کو مدنظر رکھ کر دیکھو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ خلفاء پر کوئی ایسی مصیبت نہیں آئی جس سے انہوں نے خوف کھایا ہو اور اگر آئی تو اللہ تعالیٰ نے اُسے امن سے بدل دیا۔

حضرت عمرؓ کو اپنی شہادت سے کوئی خوف نہیں تھا

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ مگر جب واقعات کو دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس

شہادت سے کوئی خوف نہیں تھا بلکہ وہ متواتر دعائیں کیا کرتے تھے کہ یا اللہ! مجھے شہادت نصیب کر اور شہید بھی مجھے مدینہ میں کر۔ پس وہ شخص جس نے اپنی ساری عمر یہ دعائیں کرتے ہوئے گزاردی ہو کہ یا اللہ! مجھے مدینہ میں شہادت دے، وہ اگر شہید ہو جائے تو ہم یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ اُس پر ایک خوفناک وقت آیا مگر وہ امن سے نہ بدلا گیا۔ بیشک اگر حضرت عمرؓ شہادت سے ڈرتے اور پھر وہ شہید ہو جاتے تو کہا جا سکتا تھا کہ اُن کے خوف کو خدا تعالیٰ نے امن سے نہ بدلا مگر وہ تو دعائیں کرتے تھے کہ یا اللہ! مجھے مدینہ میں شہادت دے۔ پس اُن کی شہادت سے یہ کیونکر ثابت ہو گیا کہ وہ شہادت سے ڈرتے بھی تھے۔ اور جب وہ شہادت سے نہیں ڈرتے تھے بلکہ اس کے لئے دعائیں کیا کرتے تھے جن کو خدا تعالیٰ نے قبول کر لیا تو معلوم ہؤا کہ اس آیت کے ماتحت اُن پر کوئی ایسا خوف نہیں آیا جو اُن کے دل نے محسوس کیا ہو۔ اور اس آیت میں جیسا کہ مَیں بیان کر چکا ہوں یہی ذکر ہے کہ خلفاء جس بات سے ڈرتے ہوں گے وہ کبھی وقوع پذیر نہیں ہو سکتی اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اُن کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔ مگر جب وہ ایک بات سے ڈرتے ہی نہ ہوں بلکہ اُسے اپنی عزت اور بلندی درجات کا موجب سمجھتے ہوں تو اُسے خوف کہنا اور پھر یہ کہنا کہ اسے امن سے کیوں نہ بدل دیا گیا بے معنی بات ہے۔ مَیں نے تو جب حضرت عمرؓ کی اِس دعا کو پڑھا تو مَیں نے اپنے دل میں کہا کہ اس کا بظاہر یہ مطلب تھا کہ دشمن مدینہ پر حملہ کرے اور اُس کا حملہ اتنی شدت سے ہو کہ تمام مسلمان تباہ ہو جائیں پھر وہ خلیفۂ وقت تک پہنچے اور اُسے بھی شہید کر دے مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کی دعا کو قبول کرتے ہوئے ایسے سامان کر دیئے کہ بجائے اس کے کہ مدینہ پر کوئی بیرونی لشکر حملہ آور ہوتا اندر سے ہی ایک خبیث اُٹھا اور اس نے خنجر سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا۔

حضرت عثمانؓ نے بھی کوئی خوف محسوس نہیں کیا

پھر حضرت عثمانؓ کے ساتھ جو واقعات پیش آئے اُن سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اِن باتوں سے کبھی خائف نہیں ہوئے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ جب باغیوں نے مدینہ پر قبضہ کر لیا تو وہ نماز سے پہلے تمام مسجد میں پھیل جاتے اور اہلِ مدینہ

کو ایک دوسرے سے جُدا جُدا رکھتے تا کہ وہ اکٹھے ہو کر ان کا مقابلہ نہ کر سکیں مگر باوجود اس شورش اور فتنہ انگیزی اور فساد کے حضرت عثمانؓ نماز پڑھانے کیلئے اکیلے مسجد میں تشریف لاتے اور ذرا بھی خوف محسوس نہ کرتے اور اُس وقت تک برابر آتے رہے جب تک لوگوں نے آپ کو منع نہ کر دیا۔ جب فتنہ بہت بڑھ گیا اور حضرت عثمانؓ کے گھر پر مفسدوں نے حملہ کر دیا تو بجائے اس کے کہ آپ صحابہؓ کا اپنے مکان کے اِردگرد پہرہ لگواتے آپ نے انہیں قسم دے کر کہا کہ وہ آپ کی حفاظت کر کے اپنی جانوں کو خطرہ میں نہ ڈالیں اور اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ کیا شہادت سے ڈرنے والا آدمی بھی ایسا ہی کیا کرتا ہے اور وہ لوگوں سے کہا کرتا ہے کہ میرا فکر نہ کرو بلکہ اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔

پھر اس بات کا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان واقعات سے کچھ بھی خائف نہیں تھے ایک اور زبردست ثبوت یہ ہے کہ اس فتنہ کے دوران میں ایک دفعہ حضرت معاویہؓ حج کیلئے آئے جب وہ شام کو واپس جانے لگے تو مدینہ میں وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملے اور عرض کیا کہ آپ میرے ساتھ شام میں چلیں وہاں آپ تمام فتنوں سے محفوظ رہیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ معاویہؓ! میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسائیگی پر کسی چیز کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ انہوں نے عرض کیا کہ اگر آپ کو یہ بات منظور نہیں تو میں شامی سپاہیوں کا ایک لشکر آپ کی حفاظت کے لئے بھیج دیتا ہوں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا مَیں اپنی حفاظت کیلئے ایک لشکر رکھ کر مسلمانوں کے رزق میں کمی کرنا نہیں چاہتا۔ حضرت معاویہؓ نے عرض کیا کہ امیر المؤمنین! لوگ آپ کو دھوکا سے قتل کر دیں گے یا ممکن ہے آپ کے خلاف وہ برسرِ جنگ ہو جائیں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا مجھے اِس کی پرواہ نہیں میرے لئے میرا خدا کافی ہے۔ آخر انہوں نے کہا اگر آپ اور کچھ منظور نہیں کرتے تو اتنا ہی کریں کہ شرارتی لوگوں کو بعض اکابر صحابہؓ کے متعلق گھمنڈ ہے اور وہ خیال کرتے ہیں کہ آپ کے بعد وہ کام سنبھال لیں گے۔ چنانچہ وہ اُن کا نام لے لے کر لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں آپ ان سب کو مدینہ سے رخصت کر دیں اور بیرونی ملکوں میں پھیلا دیں اس سے شریروں کے ارادے پست ہو جائیں گے اور وہ خیال کریں گے کہ آپ سے تعرض کر کے انہوں نے کیا لینا ہے جب کہ مدینہ میں

کوئی اور کام کو سنبھالنے والا ہی نہیں۔ مگر حضرت عثمانؓ نے یہ بات بھی نہ مانی اور کہا یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ جن لوگوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع کیا ہے مَیں انہیں جلا وطن کر دوں۔ حضرت معاویہؓ یہ سن کر رو پڑے اور انہوں نے عرض کیا اگر آپ اور کچھ نہیں کرتے تو اتنا ہی اعلان کر دیں کہ میرے خون کا بدلہ معاویہؓ لے گا۔ آپ نے فرمایا معاویہؓ! تمہاری طبیعت تیز ہے میں ڈرتا ہوں کہ مسلمانوں پر تم کہیں سختی نہ کرو اس لئے مَیں یہ اعلان بھی نہیں کرسکتا۔ اب کہنے کو تو یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ دل کے کمزور تھے مگر تم خود ہی بتاؤ کہ اس قسم کی جرأت کتنے لوگ دکھا سکتے ہیں اور کیا ان واقعات کے ہوتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ اُن کے دل میں کچھ بھی خوف تھا۔ اگر خوف ہوتا تو وہ کہتے کہ تم اپنی فوج کا ایک دستہ میری حفاظت کیلئے بھجوا دو، انہیں تنخواہیں میں دلا دوں گا اور اگر خوف ہوتا تو آپ اعلان کر دیتے کہ اگر مجھ پر کسی نے ہاتھ اٹھایا تو وہ سن لے کہ میرا بدلہ معاویہؓ لے گا۔ مگر آپ نے سوائے اِس کے کوئی جواب نہ دیا کہ معاویہؓ! تمہاری طبیعت تیز ہے میں ڈرتا ہوں کہ اگر مَیں نے تم کو یہ اختیار دے دیا تو تم مسلمانوں پر سختی کرو گے۔

پھر جب آخر میں دشمنوں نے دیوار پھاند کر آپ پر حملہ کیا تو بغیر کسی ڈر اور خوف کے اظہار کے آپ قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ کا ایک بیٹا (اللہ تعالیٰ اُس پر رحم کرے) آگے بڑھا اور اُس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ڈاڑھی پکڑ کر اُسے زور سے جھٹکا دیا۔ حضرت عثمانؓ نے اُس کی طرف آنکھ اُٹھائی اور فرمایا۔ میرے بھائی کے بیٹے! اگر تیرا باپ اِس وقت ہوتا تو تو کبھی ایسا نہ کرتا۔ یہ سنتے ہی اُس کا سر سے لیکر پَیر تک جسم کانپ گیا اور وہ شرمندہ ہو کر واپس لوٹ گیا۔ اس کے بعد ایک اور شخص آگے بڑھا اور اس نے ایک لوہے کی سیخ حضرت عثمانؓ کے سر پر ماری اور پھر آپ کے سامنے جو قرآن پڑا ہؤا تھا اُسے اپنے پاؤں کی ٹھوکر سے الگ پھینک دیا۔ وہ ہٹا تو ایک اور شخص آگے آ گیا اور اس نے تلوار سے آپ کو شہید کر دیا۔ ان واقعات کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان واقعات سے خائف تھے اور جب وہ ان واقعات سے خائف ہی نہ تھے تو مِّنۢ بَعۡدِ خَوۡفِهِمۡ اَمۡنًا کے خلاف یہ واقعات کیونکر ہو گئے۔ یہ لوگ تو اگر کسی امر

سے خائف تھے تو اس سے کہ اسلام کی روشنی میں فرق نہ آئے۔ سو باوجود ان واقعات کے وہی بات آخر قائم ہوئی جسے یہ لوگ قائم کرنا چاہتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے خوف کو امن سے بدل دیا۔

حضرت علیؓ کی شہادت

یہی حال حضرت علیؓ کا ہے۔ اُن کے دل کا خوف بھی صرف صداقت اور روحانیت کی اشاعت کے بارہ میں تھا۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس خوف کو امن سے بدل دیا۔ یہ ڈر نہیں تھا کہ لوگ میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ چنانچہ باوجود اس کے کہ حضرت معاویہؓ کا لشکر بعض دفعہ حضرت علیؓ کے لشکر سے کئی کئی گنے زیادہ ہوتا تھا آپ اس کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے تھے اور یہی فرماتے تھے کہ جو کچھ قرآن کہتا ہے وہی مانوں گا اس کے خلاف میں کوئی بات تسلیم نہیں کرسکتا۔

اگر محض لوگوں کی مخالفت کو ہی خوفناک امر قرار دے دیا جائے تب تو ماننا پڑے گا کہ انبیاء (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) ہمیشہ لوگوں سے ڈرتے رہے کیونکہ جتنی مخالفت لوگ ان کی کرتے ہیں اتنی مخالفت اور کسی کی نہیں کرتے۔ بہر حال دنیا کی مخالفت کوئی حقیقت نہیں رکھتی اور نہ خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْخَوْفِ اَمْنًا بلکہ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا فرمایا ہے یعنی جس چیز سے وہ ڈرتے ہوں گے اسے اللہ تعالیٰ دور کر دے گا اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا اور جیسا کہ میں بتا چکا ہوں وہ صرف اس بات سے ڈرتے تھے کہ اُمت محمدیہ میں گمراہی اور ضلالت نہ آجائے۔ سو اُمتِ محمدیہ کو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس توجہ اور دعا کی برکت سے بحیثیت مجموعی ضلالت سے محفوظ رکھا اور اہل السنّت والجماعت کا مذہب ہی دنیا کے کثیر حصہ پر ہمیشہ غالب رہا۔

اللہ تعالیٰ اپنے خلفاء کو عام خوف سے بھی محفوظ رکھتا ہے

میں نے اس آیت کے جو معنی کئے ہیں کہ اس جگہ خوف سے مراد عام خوف نہیں بلکہ وہ خوف ہے جسے خلفاء کا دل محسوس کرتا ہو اس کا یہ مطلب نہیں کہ انہیں عام خوف ضرور ہوتا ہے بلکہ عام خوف بھی اللہ تعالیٰ اُن سے دور ہی رکھتا ہے سوائے اس کے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی مصلحت ہو۔ جیسے حضرت علیؓ کے زمانہ میں جب

خوف پیدا ہوا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ عام مسلمانوں کی حالت ایسی ہو چکی تھی کہ اب وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خلافت کے انعام کے مستحق نہیں رہے تھے۔ پس میرا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو عام خوفوں سے محفوظ نہیں رکھتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اصل وعدہ اس آیت میں اسی خوف کے متعلق ہے جس کو وہ خوف قرار دیں۔ اور وہ بجائے کسی اور بات کے ہمیشہ اس ایک بات سے ہی ڈرتے تھے کہ اُمتِ محمدیہؐ میں گمراہی اور ضلالت نہ آ جائے۔ سو خدا کے فضل سے اُمتِ محمدیہ ایسی ضلالت سے محفوظ رہی اور باوجود بڑے بڑے فتنوں کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی وفات کے بعد اس کی ہدایت کے سامان ہوتے رہے۔ اور اصل معجزہ یہی ہوتا ہے کہ کسی کی وفات کے بعد بھی اس کی خواہشات پوری ہوتی رہیں۔ زندگی میں اگر کسی کی خواہشیں پوری ہوں تو کہا جا سکتا ہے کہ اس نے تدبیروں سے کام لے لیا تھا مگر جس کی زندگی ختم ہو جائے اور پھر بھی اس کی خواہشیں پوری ہوتی رہیں اس کے متعلق نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے کسی ظاہری تدبیر سے کام لے لیا ہوگا بلکہ یہ امر اس بات کا ثبوت ہوگا کہ وہ شخص خدا تعالیٰ کا محبوب اور پیارا تھا اور اللہ تعالیٰ کا اس سے گہرا تعلق تھا۔

رسول کریم ﷺ کا ایک کشف جو آپؐ کی وفات کے بعد پورا ہوا

اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کشفی حالت میں ایک شخص کے ہاتھوں میں شہنشاہِ ایران کے سونے کے کڑے دیکھے۔ اَب رسول کریم ﷺ کا معجزہ یہ نہیں کہ آپؐ نے اس کے ہاتھ میں سونے کے کڑے دیکھے بلکہ معجزہ یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ رسول کریم ﷺ فوت ہو گئے ایک لمبا عرصہ گزرنے کے بعد مالِ غنیمت میں سونے کے کڑے آئے اور باوجود اس کے کہ شریعت میں مَردوں کو سونے کے کڑے پہننے ممنوع ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کے دل میں یہ جذبہ پیدا کر دیا کہ وہ رسول کریم ﷺ کے اس کشف کو پورا کرنے کیلئے اسے سونے کے کڑے پہنائیں چنانچہ آپ نے اسے پہنا دیئے۔ پس اس واقعہ میں معجزہ یہ ہے کہ باوجودیکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے تھے، اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کے دل میں رسول کریم ﷺ کی ایک پیشگوئی کو پورا کرنے کا جذبہ پیدا کر دیا۔ پھر یہ بھی معجزہ ہے کہ

رسول کریم ﷺ کی یہ بات حضرت عمرؓ نے سن لی اور آپ کو اسے پورا کرنے کا موقع مل گیا۔ آخر حضرت عمرؓ رسول کریم ﷺ کی ہر بات تو نہیں سنا کرتے تھے ممکن ہے یہ بات کسی اور کے کان میں پڑتی اور وہ آگے کسی اور کو بتانا بُھول جاتا مگر اس معجزے کا ایک یہ بھی حصہ ہے کہ جس شخص کے پاس سونے کے کڑے پہنچنے تھے اُسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کشف پہنچ چکا تھا۔ پھر اُسی معجزہ کا یہ بھی حصہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ تحریک پیدا کر دی کہ وہ اس صحابیؓ کو سونے کے کڑے پہنائیں حالانکہ شریعت کے لحاظ سے مردوں کیلئے سونا پہننا ممنوع ہے مگر چونکہ اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کو پورا کرنا چاہتا تھا اس لئے آپ کے دل کو اس نے اس طرف مائل کر دیا کہ مردوں کے سونا نہ پہننے میں جو حکمتیں ہیں وہ بھی بے شک اچھی ہیں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کو پورا کرنے کیلئے کسی کو تھوڑی دیر کیلئے سونے کے کڑے پہنا دینا بھی کوئی بُری بات نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ انہوں نے اس صحابیؓ کو اپنے سامنے سونے کے کڑے پہنائے۔[۵۳]

خلفائے راشدین کی وفات کے بعد بھی اُن کا خوف امن سے بدلتا رہا

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ خلفائے راشدین فوت ہوگئے تو اُن کی وفات کے سالہا سال بعد خدا تعالیٰ نے اُن کے خوف کو امن سے بدلا۔ کبھی سَو سال کے بعد، کبھی دوسَو سال کے بعد، کبھی تین سَو سال کے بعد، کبھی چار سَو سال کے بعد اور کبھی پانچ سَو سال کے بعد اور اس طرح ظاہر کر دیا کہ خدا اُن سے محبت رکھتا ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ اُن کے ارادے رائیگاں جائیں۔ اگر اس ساری آیت کو قوم کی طرف منسوب کر دیا جائے تب بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ اس صورت میں بھی وہی معنی لئے جائیں گے جن کو مَیں نے بیان کیا ہے۔ یعنی اس صورت میں بھی ساری قوم کو اگر کوئی خوف ہوسکتا تھا تو وہ کُفّار کے اسلام پر غلبہ کا ہوسکتا تھا۔ فردی طور پر تو کسی کو خوف ہوسکتا ہے کہ میرا بیٹا نہ مر جائے یا کسی کو خوف ہوسکتا ہے کہ مجھے تجارت میں نقصان نہ پہنچ جائے مگر قوم کا خوف تو قومی ہی ہوسکتا ہے اور وہ خوف بھی پھر یہی بن جاتا ہے کہ ایسا نہ ہو اسلام پر کُفّار غالب آ جائیں سو قوم کا یہ خوف بھی اسلام کے ذریعہ ہی دور ہوُا اور اسلام کو ایسا زبردست غلبہ

حاصل ہؤا جس کی اور کہیں مثال نہیں ملتی۔

خلفائے راشدین کا غیر مسلم بادشاہوں پر رُعب

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب مسلمانوں کے اندرونی جھگڑے اور مناقشات بہت بڑھ گئے تو ایک دفعہ روم کے بادشاہ کو خیال آیا کہ یہ وقت مسلمانوں پر حملہ کرنے کیلئے بہت اچھا ہے وہ آپس میں لڑ رہے ہیں اور اُن کی طاقت اندرونی خانہ جنگی کی وجہ سے کمزور ہو چکی ہے اس لئے مسلمانوں پر اگر حملہ کیا گیا تو وہ بہت جلد شکست کھا جائیں گے۔ جب یہ افواہ اُڑتے اُڑتے حضرت معاویہؓ تک پہنچی تو انہوں نے اس بادشاہ کو کہلا بھیجا کہ یاد رکھو اگر تم نے مسلمانوں پر حملہ کیا تو علیؓ کی طرف سے پہلا جرنیل جو تمہارے خلاف لڑنے کیلئے نکلے گا وہ مَیں ہونگا۔ جب یہ پیغام اسے پہنچا تو اس نے لڑائی کا ارادہ فوراً ترک کر دیا۔ یہ واقعہ بھی بتاتا ہے کہ خلفاء کا بہت بڑا رُعب تھا کیونکہ جب اسے معلوم ہؤا کہ معاویہؓ بھی علیؓ کے ماتحت ہو کر مجھ سے لڑنے کیلئے آ جائے گا تو وہ دم بخود رہ گیا اور اس نے سمجھ لیا کہ لڑائی کرنا میرے لئے مفید نہیں ہوگا۔

سچے خلفاء توحیدِ حقیقی کے علمبردار ہوتے ہیں

(٦) خلفاء کی چھٹی علامت اللہ تعالیٰ نے یہ بتائی ہے کہ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وہ خلفاء میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے یعنی اُن کے دلوں میں خدا تعالیٰ غیر معمولی جرأت اور دلیری پیدا کر دے گا اور اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کسی اَور کا خوف اُن کے دل میں پیدا نہیں ہوگا۔ وہ لوگوں کے ڈر سے کوئی کام نہیں کریں گے بلکہ اللہ تعالیٰ پر توکّل رکھیں گے اور اُسی کی خوشنودی اور رضا کیلئے تمام کام کریں گے۔ یہ معنی نہیں کہ وہ بُت پرستی نہیں کریں گے۔ بُت پرستی تو عام مسلمان بھی نہیں کرتے کُجا یہ کہ خلفاء کے متعلق یہ کہا جائے کہ وہ بُت پرستی نہیں کریں گے۔ پس یہاں بُت پرستی کا ذکر نہیں بلکہ اس امر کا ذکر ہے کہ وہ بندوں سے ڈر کر کسی مقام سے اپنا قدم پیچھے نہیں ہٹائیں گے بلکہ جو کچھ کریں گے خدا کے منشا اور اُس کی رضاء کو پورا کرنے کیلئے کریں گے اور اِس امر کی ذرا بھی پرواہ نہیں کریں گے کہ اس راہ میں اُنہیں کن بلاؤں اور

آفات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دنیا میں بڑے سے بڑا دلیر آدمی بھی بعض دفعہ لوگوں کے ڈر سے ایسا پہلو اختیار کر لیتا ہے جس سے گو یہ مقصود نہیں ہوتا کہ وہ سچائی کو چھوڑ دے مگر دل میں یہ خواہش ضرور ہوتی ہے کہ مَیں ایسے رنگ میں کام کروں کہ کسی کو شکوہ پیدا نہ ہو۔

مولوی غلام علی صاحب ایک کٹر وہابی ہؤا کرتے تھے۔ وہابیوں کا یہ فتویٰ ہے کہ ہندوستان میں جمعہ کی نماز ہو سکتی ہے لیکن حنفیوں کے نزدیک ہندوستان میں جمعہ کی نماز جائز نہیں کیونکہ وہ کہتے ہیں جمعہ پڑھنا تب جائز ہو سکتا ہے جب مسلمان سلطان ہو۔ جمعہ پڑھانے والا مسلمان قاضی ہو اور جہاں جمعہ پڑھا جائے وہ شہر ہو۔ ہندوستان میں انگریزی حکومت کی وجہ سے چونکہ نہ مسلمان سلطان رہا تھا نہ قاضی اس لئے وہ ہندوستان میں جمعہ کی نماز پڑھنا جائز نہیں سمجھتے تھے۔ اِدھر چونکہ قرآن کریم میں وہ یہ لکھا ہؤا دیکھتے تھے کہ جب تمہیں جمعہ کیلئے بلایا جائے تو فوراً تمام کام چھوڑتے ہوئے جمعہ کی نماز کیلئے چل پڑو اس لئے اُن کے دلوں کو اطمینان نہ تھا۔ ایک طرف ان کا جی چاہتا تھا کہ وہ جمعہ پڑھیں اور دوسری طرف وہ ڈرتے تھے کہ کہیں کوئی حنفی مولوی ہمارے خلاف فتویٰ نہ دے دے۔ اس مشکل کی وجہ سے ان کا یہ دستور تھا کہ جمعہ کے روز گاؤں میں پہلے جمعہ پڑھتے اور پھر ظہر کی نماز ادا کر لیتے اور یہ خیال کرتے کہ اگر جمعہ والا مسئلہ درست ہے تب بھی ہم بچ گئے اور اگر ظہر پڑھنے والا مسئلہ صحیح ہے تب بھی بچ گئے اسی لئے وہ ظہر کا نام ظہر کی بجائے ''احتیاطی'' رکھا کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اگر خدا نے ہمارے جمعہ کی نماز کو الگ پھینک دیا تو ہم ظہر کو اٹھا کر اس کے سامنے رکھ دیں گے اور اگر اُس نے ظہر کو ردّ کر دیا تو ہم جمعہ اُس کے سامنے پیش کر دیں گے۔ اگر کوئی ''احتیاطی'' نہ پڑھتا تو سمجھا جاتا کہ وہ وہابی ہے۔

مولوی غلام علی صاحب کا ایک واقعہ

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ ہم مولوی غلام علی صاحب کے ساتھ گورداسپور گئے راستہ میں جمعہ کا وقت آ گیا ہم نماز پڑھنے کیلئے ایک مسجد میں چلے گئے۔ آپ کا عام طریق وہابیوں سے ملتا جُلتا تھا کیونکہ وہابی حدیثوں کے مطابق عمل کرنا اپنے لئے ضروری جانتے ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

سنتوں پر عمل کرنا ہر انسان کی نجات کیلئے ضروری ہے۔ غرض آپ بھی مولوی غلام علی صاحب کے ساتھ گئے اور جمعہ کی نماز پڑھی۔ جب مولوی غلام علی صاحب جمعہ کی نماز سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے چار رکعت ظہر کی نماز پڑھ لی۔ آپ فرماتے تھے کہ مَیں نے اُن سے کہا مولوی صاحب! یہ جمعہ کی نماز کے بعد چار رکعتیں کیسی ہیں۔ وہ کہنے لگے یہ ''احتیاطی'' ہے۔ مَیں نے کہا مولوی صاحب آپ تو وہابی ہیں اور عقیدۃً اس کے مخالف ہیں پھر ''احتیاطی'' کے کیا معنی ہوئے؟ وہ کہنے لگے یہ ''احتیاطی'' ان معنوں میں نہیں کہ خدا کے سامنے ہمارا جمعہ قبول ہوتا ہے یا ظہر بلکہ اِن معنوں میں ہے کہ لوگ مخالفت نہ کریں۔ تو کئی لوگ اِس طرح بھی کام کر لیتے ہیں جیسے مولوی غلام علی صاحب نے کیا کہ اپنے دل میں تو وہ اس بات پر خوش رہے کہ انہوں نے جمعہ پڑھا ہے اور اُدھر لوگوں کو خوش کرنے کیلئے چار رکعت ظہر کی نماز بھی پڑھ لی۔

ایک سُنّی بزرگ کا لطیفہ

اِسی طرح ایک لطیفہ مشہور ہے۔ کہتے ہیں کوئی سُنّی بزرگ تھے جو شیعوں کے علاقہ میں رہتے تھے۔ ایک دفعہ غربت کی وجہ سے وہ بہت پریشان ہو گئے اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ بادشاہ کے پاس پہنچ کر مدد کی درخواست کرنی چاہئے۔ چنانچہ وہ اُس کے پاس گئے اور مدد کی درخواست کی۔ وزیر نے اُن کی شکل کو دیکھ کر بادشاہ سے کہا کہ یہ شخص سُنّی معلوم ہوتا ہے۔ بادشاہ نے کہا تمہیں کس طرح معلوم ہؤا؟ وہ کہنے لگا بس شکل سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ بادشاہ کہنے لگا یہ کوئی دلیل نہیں، تم میرے سامنے اس کا امتحان لو۔ چنانچہ وزیر نے اُن کے سامنے حضرت علیؓ کی بڑے زور سے تعریف شروع کر دی وہ بزرگ بھی حضرت علیؓ کی تعریف کرنے لگ گئے۔ بادشاہ نے دیکھ کر کہا کہ دیکھا! تم جو کچھ کہتے تھے وہ غلط ثابت ہؤا یا نہیں۔ اگر یہ شیعہ نہ ہوتا تو کیا حضرت علیؓ کی ایسی ہی تعریف کرتا۔ وزیر کہنے لگا۔ بادشاہ سلامت! آپ خواہ کچھ کہیں مجھے یہ سُنّی ہی معلوم ہوتا ہے۔ بادشاہ نے کہا اچھا امتحان کیلئے پھر کوئی اور بات کرو۔ چنانچہ وزیر کہنے لگا کہو ''بر ہر سہ لعنت'' یعنی ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ پر (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) لعنت۔ وہ بھی کہنے لگ گیا۔ ''بر ہر سہ لعنت''۔ بادشاہ نے کہا اَب تو یہ یقینی طور پر شیعہ ثابت ہو گیا ہے۔ وہ کہنے لگے

بظاہر تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے مگر میرا دل مطمئن نہیں۔ آخر وزیر انہیں الگ لے گیا اور کہا سچ سچ بتاؤ تمہارا مذہب کیا ہے؟ انہوں نے کہا میں ہوں تو سُنّی ہی۔ وہ کہنے لگا پھر تم نے ''بر ہر سہ لعنت'' کیوں کہا؟ وہ بزرگ کہنے لگے تمہاری اِن الفاظ سے تو یہ مراد تھی کہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ پر لعنت ہو مگر میری مراد یہ تھی کہ آپ دونوں اور مجھ پر لعنت ہو۔ آپ لوگوں پر اِس لئے کہ آپ بزرگوں پر لعنت کرتے ہیں اور مجھ پر اس لئے کہ مجھے اپنی بدبختی کی وجہ سے تم جیسے لوگوں کے پاس آنا پڑا۔ غرض انسان کئی طریق سے وقت گزار لیتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ اس طرح اُس نے کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا۔ مگر فرمایا یَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا خلفاء انتہائی طور پر دلیر ہونگے اور خوف و ہراس اُن کے قریب بھی نہیں پھٹکے گا۔ وہ جو کچھ کریں گے خدا کی رضا کیلئے کریں گے، کسی انسان سے ڈر کر اُن سے کوئی فعل صادر نہیں ہوگا۔

فتنۂ ارتداد کے مقابلہ میں حضرت ابوبکرؓ کی استقامت

یہ علامت بھی خلفائے راشدین میں بتمام وکمال پائی جاتی ہے۔ چنانچہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو اُس وقت سارا عرب مرتد ہو گیا۔ صرف دو جگہ نماز باجماعت ہوتی تھی باقی تمام مقامات میں فتنہ اُٹھ کھڑا ہؤا اور سوائے مکہ اور مدینہ اور ایک چھوٹے سے قصبہ کے تمام لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا تھا کہ خُذْمِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تو اِن کے مالوں سے صدقہ لے، کسی اَور کو یہ اختیار نہیں کہ ہم سے زکوٰۃ وصول کرے۔ غرض سارا عرب مرتد ہو گیا اور وہ لڑائی کیلئے چل پڑا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں گو اسلام کمزور تھا مگر قبائلِ عرب متفرق طور پر حملہ کرتے تھے۔ کبھی ایک گروہ نے حملہ کر دیا اور کبھی دوسرے نے۔ جب غزوۂ احزاب کے موقع پر کُفّار کے لشکر نے اجتماعی رنگ میں مسلمانوں پر حملہ کیا تو اُس وقت تک اسلام بہت کچھ طاقت پکڑ چکا تھا گو ابھی اِتنی زیادہ طاقت حاصل نہیں ہوئی تھی کہ انہیں آئندہ کیلئے کسی حملے کا ڈر ہی نہ رہتا۔ اس کے بعد جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ

فتح کرنے کیلئے گئے تو اُس وقت عرب کے بعض قبائل بھی آپ کی مدد کیلئے کھڑے ہو گئے تھے۔ اِس طرح خدا نے تدریجی طور پر دشمنوں میں جوش پیدا کیا تا کہ وہ اتنا زور نہ پکڑ لیں کہ سب مُلک پر چھا جائیں۔ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یکدم تمام عرب مرتد ہوگیا صرف مکہ اور مدینہ اور ایک چھوٹا سا قصبہ رہ گئے باقی تمام مقامات کے لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور وہ لشکر لے کر مقابلہ کیلئے نکل کھڑے ہوئے۔ بعض جگہ تو اُن کے پاس ایک ایک لاکھ کا بھی لشکر تھا۔ مگر اِدھر صرف دس ہزار کا ایک لشکر تھا اور وہ بھی شام کو جا رہا تھا اور یہ وہ لشکر تھا جسے اپنی وفات کے قریب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رومی علاقہ پر حملہ کرنے کیلئے تیار کیا تھا اور اسامہؓ کو اس کا افسر مقرر کیا تھا باقی لوگ جو رہ گئے تھے وہ یا تو کمزور اور بڈّھے تھے اور یا پھر گنتی کے چند نوجوان تھے۔ یہ حالات دیکھ کر صحابہؓ نے سوچا کہ اگر ایسی بغاوت کے وقت اسامہؓ کا لشکر بھی روانہ ہوگیا تو مدینہ کی حفاظت کا کوئی سامان نہیں ہو سکے گا۔ چنانچہ اکابر صحابہؓ کا ایک وفد جس میں حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ بھی شامل تھے اور جو اپنی شجاعت اور دلیری کے لحاظ سے مشہور تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہؤا اور عرض کیا کہ کچھ عرصہ کیلئے اس لشکر کو روک لیا جائے۔ جب بغاوت فرو ہو جائے تو پھر بیشک اُسے بھیج دیا جائے مگر اب اس کا بھیجنا خطرہ سے خالی نہیں، مدینہ کی حفاظت کا کوئی سامان نہیں اور دشمن کا لشکر ہماری طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نہایت غصہ کی حالت میں فرمایا کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ابوقحافہ کا بیٹا سب سے پہلا کام یہ کرے کہ جس لشکر کو روانہ کرنے کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا اُسے روک لے۔ مَیں اِس لشکر کو کسی صورت میں روک نہیں سکتا۔ اگر تمام عرب باغی ہو گیا ہے تو بے شک ہو جائے اور اگر مدِینہ کی حفاظت کا کوئی سامان نہیں تو بے شک نہ رہے، خدا کی قسم! اگر دشمن کی فوج مدینہ میں گُھس آئے اور ہمارے سامنے مسلمان عورتوں کی لاشیں کتے گھسیٹتے پھریں تب بھی مَیں اس لشکر کو ضرور روانہ کروں گا جس کو روانہ کرنے کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ [۵۴] اگر تم دشمن کی فوجوں سے ڈرتے ہو تو بے شک میرا ساتھ چھوڑ دو مَیں اکیلا تمام دشمنوں کا مقابلہ

کرونگا۔ یہ یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا کی صداقت کا کتنا بڑا ثبوت ہے۔

دوسرا سوال زکوٰۃ کا تھا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اگر آپ لشکر نہیں روک سکتے تو صرف اتنا کر لیجئے کہ اِن لوگوں سے عارضی صلح کر لیں اور انہیں کہہ دیں کہ ہم اس سال تم سے زکوٰۃ نہیں لیں گے۔ اس دوران میں ان کا جوش ٹھنڈا ہو جائے گا اور تفرقہ کے مٹنے کی کوئی صورت پیدا ہو جائیگی۔ موجودہ صورت میں جب کہ وہ جوش سے بھرے ہوئے ہیں اور لڑنے مرنے کیلئے تیار ہیں ان سے زکوٰۃ وصول کرنا مناسب نہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ لوگ اونٹ کے گھٹنے کو باندھنے والی ایک رسی بھی زکوٰۃ میں دیا کرتے تھے اور اب نہیں دیں گے تو مَیں اُس وقت تک ان سے جنگ جاری رکھوں گا جب تک وہ رسی بھی اُن سے وصول نہ کرلوں۔ اس پر صحابہؓ نے کہا کہ اگر جَیشِ اسامہؓ بھی چلا گیا اور ان لوگوں سے عارضی صلح بھی نہ کی گئی تو پھر دشمن کا کون مقابلہ کرے گا۔ مدینہ میں تو یہ بُڈّھے اور کمزور لوگ ہیں اور یا صرف چند نوجوان ہیں وہ بھلا لاکھوں کا کیا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ اے دوستو! اگر تم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو ابوبکرؓ اکیلا ان کا مقابلہ کرنے کے لئے نکل کھڑا ہوگا۔ [۵۵] یہ دعویٰ اُس شخص کا ہے جسے فنونِ جنگ سے کچھ زیادہ واقفیت نہ تھی اور جس کے متعلق عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ دل کا کمزور ہے۔ پھر یہ جرأت، یہ دلیری، یہ یقین اور یہ وثوق اُس میں کہاں سے پیدا ہؤا۔ اسی بات سے یہ یقین پیدا ہؤا کہ حضرت ابوبکرؓ نے سمجھ لیا تھا کہ مَیں خلافت کے مقام پر خدا تعالیٰ کی طرف سے کھڑا ہؤا ہوں اور مجھ پر ہی تمام کام کی ذمہ داری ہے۔ پس میرا فرض ہے کہ مَیں مقابلہ کیلئے نکل کھڑا ہوں کامیابی دینا یا نہ دینا خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے اگر وہ کامیابی دینا چاہے گا تو آپ دے دے گا اور اگر نہیں دینا چاہے گا تو سارے لشکر مل کر بھی کامیاب نہیں کر سکتے۔

حضرت عمرؓ کے بہادرانہ کارنامے

اِس کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے تو وہی عمرؓ جو ابوبکرؓ کو یہ مشورہ دیتے تھے کہ اتنے بڑے لشکر کا ہم کہاں مقابلہ کر سکتے ہیں وہ بہت ہیں اور ہم تھوڑے جَیشِ اسامہؓ

کو روک لیا جائے تا کہ وہ ہماری مدد کر سکے، اُن میں بھی وہی توکّل آ جاتا ہے اور وہ ایک وقت میں ساری دنیا سے جنگ کرتے ہیں اور ذرا نہیں گھبراتے چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں رومی حکومت سے لڑائی ہوئی۔ وہ حکومت بڑی زبردست تھی اور اُس سے مسلمانوں کا مقابلہ کرنا ایسا ہی تھا جیسے افغانستان انگریزی حکومت سے لڑائی شروع کر دے مگر باوجود اتنی زبردست حکومت کے ساتھ جنگ جاری ہونے کے جب حضرت عمرؓ کے سامنے یہ سوال پیش ہؤا کہ کسریٰ کی فوجوں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں سرگرمی دکھانی شروع کر دی ہے اور اُن کے بہت سے علاقے جو مسلمانوں کے قبضہ میں تھے اُن میں بغاوت اور سرکشی کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں تو وہی عمرؓ جو ابوبکرؓ کو یہ مشورہ دیتے تھے کہ اگر ہم ایک ہی وقت میں ایک طرف جَیشِ اسامہؓ کو رومیوں کے مقابلہ میں بھیج دیں گے اور دوسری طرف اندرونی باغیوں کا مقابلہ کریں گے تو یہ سخت غلطی ہوگی حکم دیتے ہیں کہ فوراً ایران پر حملہ کر دو۔ صحابہؓ کہتے ہیں کہ ایک وقت میں دو زبردست حکومتوں سے کس طرح مقابلہ ہوگا مگر آپ فرماتے ہیں کچھ پرواہ نہیں جاؤ اور مقابلہ کرو۔ مسلمان چونکہ اُس وقت رومی حکومت سے جنگ کرنے میں مشغول تھے اِس لئے ایران پر مسلمانوں کا حملہ اِس قدر دُور اَز قیاس تھا کہ ایران کے بادشاہ کو جب یہ خبریں پہنچیں کہ مسلمان فوجیں بڑھتی چلی آ رہی ہیں تو اُس نے اِن خبروں کو کوئی اہمیت نہ دی اور کہا کہ لوگ خواہ مخواہ جھوٹی افواہیں اُڑا رہے ہیں مسلمان بھلا ایسی حالت میں جب کہ وہ پہلے ہی ایک خطرناک جنگ میں مبتلاء ہیں ایران پر حملہ کرنے کا خیال بھی کر سکتے ہیں۔ چنانچہ کچھ عرصہ تک تو ایرانیوں کی شکست کی بڑی وجہ یہی رہی کہ دارالخلافہ سے مسلمانوں کے مقابلہ میں کوئی فوج نہیں آتی تھی اور بادشاہ خیال کرتا تھا کہ لوگ جھوٹی خبریں اُڑا رہے ہیں مگر جب کثرت اور تواتر کے ساتھ اُسے اس قسم کی خبریں پہنچیں تو اُس نے اپنا ایک جرنیل بھیجا اور اُسے حکم دیا کہ میرے پاس صحیح حالات کی رپورٹ کرو۔ چنانچہ اس نے جب رپورٹ کی کہ مسلمان واقع میں حملہ کر رہے ہیں اور وہ بہت سے حصوں پر قابض بھی ہو چکے ہیں تب اُس نے اُن کے مقابلہ کیلئے فوج بھیجی۔ اس سے تم اندازہ لگا لو کہ مسلمانوں کا اس لڑائی میں کُودنا بظاہر کتنا خطرناک تھا جب کہ اس کے ساتھ ہی وہ رومی لشکروں کا بھی مقابلہ

کر رہے تھے مگر حضرت عمرؓ کو خدا تعالیٰ نے مقامِ خلافت پر کھڑا کرنے کے بعد جو قوت بخشی اُس کے آگے اِن چیزوں کی کوئی حقیقت نہ تھی۔

حضرت ابوہریرہؓ کا کسریٰ کے رومال میں تھوکنا

یہی وہ جنگ ہے جس میں مسلمانوں کو جب فتح حاصل ہوئی تو مالِ غنیمت میں کِسریٰ کا ایک رومال بھی آیا جو حضرت ابوہریرہؓ کو ملا۔ ایک دن انہیں کھانسی اُٹھی تو انہوں نے کسریٰ شاہِ ایران کا رومال نکال کر اس میں تھوک دیا اور پھر کہا بَخ بَخ ابوھریرہ۔ کہ واہ، واہ ابوہریرہ تیری بھی کیا شان ہے کہ تُو آج کسریٰ شاہِ ایران کے رومال میں تُھوک رہا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض دفعہ مجھے اتنے فاقے ہوتے تھے کہ میں بھوک سے بیتاب ہو کر بیہوش ہو جاتا تھا اور لوگ یہ سمجھ کر کہ مجھے مرگی کا دَورہ ہو گیا ہے میرے سر پر جُوتیاں مارنی شروع کر دیتے تھے مگر آج یہ حالت ہے کہ میں شاہی رومال میں تُھوک رہا ہوں۔[56] تو یَعۡبُدُوۡنَنِیۡ لَا یُشۡرِکُوۡنَ بِیۡ شَیۡـًٔا کی علامت خدا تعالیٰ نے خلفائے راشدین کے ذریعہ نہایت واضح رنگ میں پوری فرمائی اور انہوں نے خدا تعالیٰ کے سِوا کبھی کسی کا خوف اپنے دل میں نہیں آنے دیا۔

حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا دلیرانہ مقابلہ

اِسی طرح حضرت عثمانؓ جیسے با حیا اور رقیق القلب انسان نے اندرونی مخالفت کا مقابلہ جس یقین سے کیا وہ انسانی عقل کو دنگ کر دیتا ہے۔ حالانکہ وہ عام طور پر کمزور سمجھے جاتے ہیں مگر جب ان کا اپنا زمانہ آیا تو انہوں نے ایسی بہادری اور جرأت سے کام لیا کہ انسان ان واقعات کو پڑھ کر حیران رہ جاتا ہے۔

یہی حال حضرت علیؓ کا ہے کسی مخالفت یا خطرے کی انہوں نے پرواہ نہیں کی حالانکہ اندرونی خطرے بھی تھے اور بیرونی بھی۔ مگر ان کے مدنظر صرف یہی امر رہا کہ خدا تعالیٰ کی مرضی پوری ہو اور ذرا بھی کسی سے خوف کھا کر اس منشاءِ الٰہی میں جو انہوں نے سمجھا تھا فرق نہیں آنے دیا۔

غرض تمام خلفاء کے حالات میں ہمیں یَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا کا نہایت اعلیٰ درجہ کا نظارہ نظر آتا ہے جو اِس بات کا یقینی اور قطعی ثبوت ہے کہ خدا تعالیٰ نے انہیں خود مقامِ خلافت پر کھڑا کیا تھا اور وہ آپ ان کی تائید اور نصرت کا ذمہ دار رہا۔

آیت استخلاف پر اعتراضات

اَب میں اُن اعتراضات کو لیتا ہوں جو عام طور پر اِس آیت پر کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض اس آیت پر یہ کیا جاتا ہے کہ اس آیت میں اُمتِ مُسلمہ سے وعدہ ہے نہ کہ بعض افراد سے اور اُمت کو خلیفہ بنانے کا وعدہ ہے نہ کہ بعض افراد کو۔ پس اس سے مراد مسلمانوں کو غلبہ اور حکومت کا مل جانا ہے۔

دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس آیت میں كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کہا ہے اور پہلی قوموں کو خلافت نبوت یا ملوکیت کے ذریعہ سے ملی تھی۔ پس اسی حد تک تشبیہ تسلیم کی جاسکتی ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ مسلمانوں میں نبی ہوں گے اور پھر یہ کہ ملوک ہوں گے مگر جس قسم کی خلافت تم کہتے ہو وہ نہ تو نبوت کے تحت آتی ہے اور نہ ملوکیت کے تحت آتی ہے۔ پھر اس کا وجود کہاں سے ثابت ہؤا۔

تیسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اگر اس خلافت کو تسلیم بھی کر لیا جائے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوئی تو چونکہ اس خلافت کے ساتھ حکومت بھی شامل تھی اس لئے وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا کے ماتحت وہ آسکتی تھی لیکن اس خلافت کا ثبوت کہاں سے ملا جو جماعت احمدیہ میں قائم ہے۔ یہ خلافت نہ تو خلافتِ نبوت ہے اور نہ خلافتِ ملوکیّت۔

چوتھا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس آیت سے اگر افراد مراد لئے جائیں جماعت نہ لی جائے تو پھر خلافتِ نبوت اور خلافتِ ملوکیّت کا پتہ چلتا ہے اور معنی یہ بنتے ہیں کہ اس اُمت میں سے بعض افراد نبی ہوں گے اور بعض افراد ملوک ہوں گے۔ مگر جو خلافتِ نبوت پہلے جاری تھی اسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ختم کر دیا اور تم خود بھی تسلیم کرتے ہو کہ جس قسم کے نبی پہلے آیا کرتے تھے اب اس قسم کے نبی نہیں آسکتے اور ملوکیّت کے متعلق بھی تم خود قائل ہو کہ خلفاء ملوک میں شامل نہ تھے۔ جیسا کہ احادیث میں آتا ہے عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَكُوْنُ النُّبُوَّةُ فِيْكُمْ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ تَعَالٰى ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةٌ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ تَعَالٰى ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا عَاضًا فَتَكُوْنُ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ۔ [۵۷]

یعنی رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔تم میں نبوت رہے گی جب تک خدا چاہے گا پھر خدا اس نعمت کو اُٹھا لے گا اور تمہیں خلافت علی منہاجِ النبوۃ کی نعمت دے گا اور یہ خلافت تم میں اس وقت تک رہے گی جب تک خدا چاہے گا۔ پھر خدا اس نعمت کو بھی اُٹھا لے گا اور جب تک چاہے گا تم میں ملوکیّت کو قائم رکھے گا۔ پس جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفاء کے بادشاہ ہونے سے بھی انکار کیا ہے جیسا کہ فرمایا کہ پہلے خلافت ہوگی اور پھر ملوکیت تو معلوم ہوا کہ خلافتِ نبوت اور خلافتِ ملوکیت دونوں اُمت محمدیہ کے افراد کو نہیں مل سکتیں اور جب صورت یہ ہے تو اس آیت سے کسی فردی خلافت کا ثبوت نہ ملا بلکہ صرف قومی خلافت ہی مراد لی جاسکتی ہے اور اس سے کسی کو انکار نہیں۔

اِس سوال کا جواب کہ اس آیت میں اُمتِ مُسلمہ سے وعدہ ہے، نہ کہ بعض افراد سے

اَب مَیں اِن تمام سوالات کے جواب دیتا ہوں۔ پہلا سوال کہ اس آیت میں اُمتِ مُسلمہ سے وعدہ ہے نہ کہ بعض افراد سے اس کے یہ جوابات ہیں۔

(۱) بے شک وعدہ قوم سے ہے مگر قوم سے وعدہ کے یہ معنی نہیں کہ افراد کے ذریعہ سے وہ وعدہ پورا نہ ہو۔ بعض وعدے قوم سے ہوتے ہیں لیکن افراد کے ذریعہ سے پورے کئے جاتے ہیں اور کہا یہی جاتا ہے کہ قوم سے جو وعدہ کیا گیا تھا وہ پورا ہو گیا۔ اس کی مثالیں دنیا کی ہر زبان میں ملتی ہیں۔ مثلاً ہماری زبان میں کہا جاتا ہے کہ انگریز بادشاہ ہیں۔ اب کیا اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ ہر انگریز بادشاہ ہے۔ ہر انگریز تو نہ بادشاہ ہے اور نہ بادشاہ بن سکتا ہے مگر کہا یہی جاتا ہے کہ انگریز بادشاہ ہیں۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ فلاں قوم حاکم ہے حالانکہ ساری قوم کہاں حاکم ہوتی ہے چند افراد کے سپرد حکومت کا نظم ونسق ہوتا ہے اور باقی سب اس کے تابع ہوتے ہیں۔ اسی طرح کہا جاتا ہے فلاں قوم بڑی دولت مند ہے مگر اس

کے یہ معنی تو نہیں ہوتے کہ اس قوم کا ہر فرد دولتمند ہے۔ انگریزوں کے متعلق عام طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ بڑے دولتمند ہیں حالانکہ ان میں بڑے بڑے غریب بھی ہوتے ہیں۔ ہمارے بڑے بھائی مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم ومغفور نے ایک دفعہ سنایا کہ جب وہ لنڈن میں تھے تو ایک دن جس مکان میں وہ رہتے تھے اس کا کوڑا کرکٹ اٹھا کر خادمہ نے جب باہر پھینکا تو ایک انگریز لڑکا دَوڑ کر آیا اور اُس نے کوڑا کرکٹ کے ڈھیر میں سے ڈبل روٹی کا ایک ٹکڑا نکال کر کھا لیا۔

اسی طرح برنڈزی [58] میں مَیں نے دیکھا کہ عورتیں اپنے سروں پر برتن رکھ کر پانی لینے جاتی تھیں اور ان کے بچوں نے جو پتلونیں پہنی ہوئی ہوتی تھیں ان کا کچھ حصہ کسی کپڑے کا ہوتا تھا اور کچھ حصہ کسی کپڑے کا مگر کہا یہی جاتا ہے کہ انگریز بڑے دولتمند ہیں۔

غرض قوم سے وعدہ کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ افراد کے ذریعہ وہ وعدہ پورا نہ ہو۔ کئی وعدے قوم سے ہی ہوتے ہیں لیکن پورے وہ افرد کے ذریعہ کئے جاتے ہیں۔ اس کی مثال ہمیں قرآن کریم سے بھی ملتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ یٰقَوْمِ اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْکُمْ اَنْۢبِیَآءَ وَجَعَلَکُمْ مُّلُوْکًا یعنی موسٰیؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ اس نے تم میں اپنے انبیاء مبعوث کئے وَجَعَلَکُمْ مُّلُوْکًا اور اس نے تم کو بادشادہ بنایا۔ اب کیا کوئی ثابت کرسکتا ہے کہ سب بنی اسرائیل بادشاہ بن گئے تھے۔ یقیناً بنی اسرائیل میں بڑے بڑے غریب بھی ہوں گے مگر موسیٰؑ ان سے یہی فرماتے ہیں کہ وَجَعَلَکُمْ مُّلُوْکًا اس نے تم سب کو بادشاہ بنایا۔ مراد یہی ہے کہ جب کسی قوم میں سے بادشاہ ہو تو چونکہ وہ قوم اُن انعامات اور فوائد سے حصہ پاتی ہے جو بادشاہت سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے بالفاظ دیگر ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ بادشاہ ہوگئی (غرض جب جَعَلَکُمْ مُّلُوْکًا کی موجودگی کے باوجود اس آیت کے یہ معنی نہیں کئے جاتے کہ ہر یہودی بادشاہ بنا تو وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ سے یہ کیونکر نتیجہ نکال لیا جاتا

ہے کہ یہ وعدہ بعض افراد کے ذریعہ پورا نہیں ہونا چاہئے بلکہ اُمت کے ہر فرد کو خلافت کا انعام ملنا چاہئے۔ کیا یہ عجیب بات نہیں کہ یہود کے متعلق جب اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا تو مفسرین نہایت ٹھنڈے دل کے ساتھ یہ کہہ دیتے ہیں کہ گو بادشاہت چند افراد کو ہی ملی مگر چونکہ اُن کے ذریعہ قوم کا عام معیار بلند ہو گیا اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان سب کو بادشاہت ملی۔ مگر جب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ تو کہنے لگ جاتے ہیں کہ یہ وعدہ سب قوم سے ہے ہم یہ تسلیم نہیں کر سکتے کہ بعض افراد کے ذریعہ یہ وعدہ پورا ہؤا حالانکہ اگر اس سے قومی غلبہ ہی مراد لے لیا جائے تو بھی ہر مومن کو یہ غلبہ کہاں حاصل ہوتا ہے۔ پھر بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ بعض کو غلبہ ملتا ہے اور بعض کو نہیں ملتا۔ صحابہؓ میں سے بھی کئی ایسے تھے جو قومی غلبہ کے زمانہ میں بھی غریب ہی رہے اور ان کی مالی حالت کچھ زیادہ اچھی نہ ہوئی) حضرت ابو ہریرہؓ کا ہی لطیفہ ہے۔ جب حضرت علیؓ اور معاویہؓ کی آپس میں جنگ ہوئی اور صفّین کے مقام پر دونوں لشکروں نے ڈیرے ڈال دیئے تو باوجود اس کے کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے کیمپوں میں ایک ایک میل کا فاصلہ تھا جب نماز کا وقت آتا تو حضرت ابو ہریرہؓ حضرت علیؓ کے کیمپ میں آ جاتے اور جب کھانے کا وقت آتا تو حضرت معاویہؓ کے کیمپ میں چلے جاتے۔ کسی نے اُن سے کہا کہ آپ بھی عجیب آدمی ہیں اُدھر حضرت علیؓ کی مجلس میں چلے جاتے ہیں اور اِدھر معاویہؓ کی مجلس میں شریک ہو جاتے ہیں۔ یہ کیا بات ہے؟ وہ کہنے لگے۔ نماز علیؓ کے ہاں اچھی ہوتی ہے اور کھانا معاویہؓ کے ہاں اچھا ملتا ہے اس لئے جب نماز کا وقت ہوتا ہے مَیں اُدھر چلا جاتا ہوں اور جب روٹی کا وقت آتا ہے تو اِدھر آ جاتا ہوں۔ معاویہؓ کے ہاں سے انہیں چونکہ کھانے کیلئے پلاؤ اور مُتنجن وغیرہ ملتا تھا اس لئے وہ اُس وقت اُدھر چلے جاتے مگر نماز چونکہ حضرت علیؓ کی رقّت اور سوز والی ہوتی تھی اس لئے نماز کے وقت وہ آپ کے ساتھ شریک ہو جاتے۔

ایک غیر مبائع دوست کا لطیفہ

ہمارے بعض غیر مبائع دوستوں کا بھی ایسا ہی حال ہے بلکہ اُن کا لطیفہ تو ابو ہریرہؓ کے لطیفے

سے بھی بڑھ کر ہے۔ مَیں ایک دفعہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے ہاں بیٹھا ہؤا تھا کہ کسی دوست نے ایک غیر مبائع کے متعلق بتایا کہ وہ کہتے ہیں عقائد تو ہمارے ہی درست ہیں مگر دعائیں میاں صاحب کی زیادہ قبول ہوتی ہیں۔ گویا جیسے ابو ہریرہؓ نے کہا تھا کہ روٹی معاویہؓ کے ہاں سے اچھی ملتی ہے اور نماز علیؓ کے ہاں اچھی ہوتی ہے۔ اسی طرح اُس نے کہا عقائد تو ہمارے ٹھیک ہیں مگر دعائیں اِن کی قبول ہوتی ہیں۔

غرض قوم میں بادشاہت کے آجانے کے باوجود پھر بھی کئی لوگ غریب ہی رہتے ہیں مگر کہا یہی جاتا ہے کہ وہ قوم بادشاہ ہے حالانکہ بادشاہ ایک ہی ہوتا ہے باقی سب بادشاہ نہیں ہوتے۔ اِسی طرح یہود کے متعلق یہ کہا گیا کہ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۔ اگر یہی ضروری ہے کہ جب خدا یہ کہے کہ مَیں نے تم کو بادشاہ بنایا تو قوم کا ہر فرد بادشاہ بنے تو ثابت کرنا چاہئے کہ ہر یہودی کو خدا نے بادشاہ بنایا۔ مگر ایسا کوئی ثابت نہیں کرسکتا بلکہ یہی کہا جاتا ہے کہ جب کسی قوم میں سے بادشاہ ہو تو چونکہ وہ تمام قوم بادشاہت کے فوائد سے حصہ پاتی ہے اس لئے ہم دوسرے الفاظ میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ قوم بادشاہ ہوگئی۔ اِسی طرح جب کسی قوم میں سے بعض افراد کو خلافت مل جائے تو یہی کہا جائے گا کہ اُس قوم کو وہ انعام ملا۔ یہ ضروری نہیں ہوگا کہ ہر فرد کو یہ انعام ملے۔

دوسری مثال اس کی یہ آیت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَ يَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ [59] کہ جب یہود سے یہ کہا جاتا ہے کہ قرآن میں جو کچھ اُترا ہے اُس پر ایمان لاؤ تو وہ کہتے ہیں نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا ہم تو اس پر ایمان لائیں گے جو ہم پر نازل ہؤا ہے۔ اب یہ امر صاف ظاہر ہے کہ وحی اُن پر نہیں اُتری تھی بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اُتری تھی۔ مگر وہ کہتے ہیں ''ہم پر اُتری'' گویا وہ حضرت موسیٰ یا دیگر انبیاء علیہم السلام کے کلام کے متعلق اُنْزِلَ عَلَيْنَا کہتے ہیں حالانکہ وہ کلام اُن پر نہیں بلکہ اُن کے انبیاء پر اُترا تھا۔ پس بعض افراد پر جو ایسا انعام نازل ہو جس سے ساری قوم کو فائدہ پہنچتا ہو تو یہی کہا جاتا ہے کہ وہ ساری قوم کو ملا۔ مثلاً زید کے پاس روپیہ ہو تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ سارا شہر دولتمند ہے لیکن

اگر شہر میں ایک عالم بھی ایسا ہو جو درس و تدریس کے ذریعہ لوگوں کی علمی خدمت کر رہا ہو تو اس شہر کو عالموں کا شہر کہہ دیا جاتا ہے۔ اس کی موٹی مثال یہ ہے کہ قادیان میں ہر قسم کے لوگ موجود ہیں۔ عالم بھی ہیں جاہل بھی ہیں، دُکاندار بھی ہیں، مزدور بھی ہیں، پڑھے لکھے بھی ہیں اور اَنْ پڑھ بھی ہیں، مگر اِرد گرد کے دیہات میں قادیان کے جب بھی دو چار آدمی چلے جائیں تو وہ کہنے لگ جاتے ہیں کہ ''قادیان کے مولوی'' آگئے چاہے وہ اینٹیں ڈھونے والے مزدور ہی کیوں نہ ہوں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ قادیان میں ہر وقت علم کا چرچا رہتا ہے اور اس علمی چرچے کی وجہ سے قادیان کے ہر آدمی کو مولوی کہہ دیا جاتا ہے۔ جیسے باپ حکیم ہوتا ہے تو بیٹا خواہ طِبّ کا ایک حرف بھی نہ جانتا ہو اُسے لوگ حکیم کہنے لگ جاتے ہیں۔ تو جہاں شدید نسبت ہوتی ہے وہاں اس نسبت کو ملحوظ رکھا جاتا ہے اور اُس کی وجہ سے افراد بھی اس میں شریک سمجھے جاتے ہیں۔ جب کسی نبی پر خدا کا کلام نازل ہو تو وہ نبی جس قوم میں سے ہو اس کے متعلق بھی کہا جاتا ہے کہ اس پر خدا کا کلام نازل ہؤا حالانکہ کلام نبی پر نازل ہوتا ہے۔ اسی طرح قوم میں سے کوئی بادشاہ ہو تو ساری قوم کو بادشاہ سمجھا جانے لگتا ہے۔ انگلستان میں کئی ایسے غریب لوگ ہیں جو دوسروں سے بھیک مانگتے ہیں لیکن ہندوستان میں اگر وہاں کا ایک چوہڑا بھی آ جائے تو اسے لوگ دور سے سلام کرنے لگ جاتے ہیں۔ پولیس والے بھی خیال رکھتے ہیں کہ ''صاحب بہادر'' کی کوئی ہتک نہ کر دے حالانکہ اپنے ملک میں اُسے کوئی اعزاز حاصل نہیں ہوتا مگر چونکہ قوم کے بعض افراد کو بادشاہت مل گئی اس لئے قوم کا ہر فرد معزز سمجھا جانے لگا۔

کچھ عرصہ ہؤا ہندوستان کے ایک راجہ صاحب ولایت گئے۔ جب وہاں سے واپس آئے اور بمبئی میں پہنچے تو انہیں کوئی ضروری کام تھا اس لئے انہوں نے چاہا کہ بندرگاہ سے جلدی نکلنے کی اجازت مل جائے۔ پاسپورٹ دیکھنے پر ایک انگریز مقرر تھا۔ وہ جلدی سے پاسپورٹ لے کر آگے بڑھے اور کہا کہ میرا پاسپورٹ دیکھ لیجئے مجھے ایک ضروری کام ہے اور مَیں نے جلدی جانا ہے مگر اس نے کہا ٹھہرو مَیں باری باری دیکھوں گا۔ چنانچہ اس نے راجہ کی کوئی پرواہ نہ کی اور سب کے بعد اسے گزرنے کی اجازت دی۔ اس پر اخبارات میں

بڑا شور اُٹھا کہ راجہ صاحب کی ہتک ہوئی ہے مگر کسی نے اس انگریز کو پوچھا تک نہیں کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔

تو جس قوم کو غلبہ حاصل ہو اس کے غرباء کو بھی ایک رنگ کی عزت حاصل ہو جاتی ہے۔ امریکہ میں جب شراب کی بندش ہوئی تو اُس وقت بعض غیر ممالک کے جہاز چوری چوری وہاں شراب پہنچاتے تھے۔ایک دفعہ ایک انگریزی جہاز وہاں شراب لے گیا۔اتفاقاً امریکہ والوں کو علم ہو گیا اور اُن کے جہازوں نے اُس جہاز کا تعاقب کیا مگر اِس دوران میں وہ ساحلِ امریکہ سے تین میل دور نکل آیا اگر اُس حد کے اندر جہاز گرفتار ہو جاتا تو اور بات تھی مگر اب چونکہ یہ جہاز امریکہ کی مقررہ حد سے باہر نکل آیا اس لئے بے فکر ہو کر چلنے لگ گیا۔ اس پر امریکہ کے جہازوں نے سگنل کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ ٹھہر جاؤ اور اگر نہ ٹھہرے تو تم پر بمباری کی جائے گی اِس پر انگریزی جہاز نے اپنا جھنڈا اُونچا کر کے اُس پر بجلی کی روشنی ڈال دی۔ مطلب یہ تھا کہ پہلے یہ دیکھ لو کہ یہ جہاز کس قوم کا ہے اگر اس کے بعد بھی تم میں بمباری کی ہمت ہوئی تو بیشک کر لینا۔امریکہ والوں نے جب دیکھا کہ اس جہاز پر انگریزی جھنڈا لہرا رہا ہے تو وہ اُسی وقت واپس چلے گئے اور انہوں نے سمجھا کہ اگر ہم نے اس کا مقابلہ کیا تو امریکہ اور انگلستان کے درمیان جنگ چھڑ جائے گی۔

تو کوئی قوم جب غلبہ پا لیتی ہے تو بعض باتوں میں اس کے ادنیٰ افراد کو بھی عزت مل جاتی ہے۔ یہاں کے کئی ہندو دوستوں نے مجھے سنایا کہ جب وہ باہر جاتے ہیں اور ذکر کرتے ہیں کہ وہ قادیان سے آئے ہیں تو لوگ اُن کی بڑی خاطر تواضع کرتے ہیں، محض اس لئے کہ اُن کا قادیان سے تعلق ہوتا ہے۔عرب سے جب کوئی آدمی ہندوستان میں آئے تو ہمارے ہندوستانیوں کی عرب صاحب، عرب صاحب کہتے زبانیں خشک ہو جاتی ہیں حالانکہ اپنے ملک میں اُسے کوئی پوچھتا بھی نہیں۔

اپنی جماعت کو ہی دیکھ لو۔ ہماری جماعت میں چونکہ اللہ تعالیٰ نے خلافت کی نعمت رکھی ہوئی ہے اس لئے بہت سے فوائد قوم کو پہنچ رہے ہیں۔ کہیں کسی احمدی کو ذرا بھی تکلیف ہو تو ساری دنیا میں شور مچ جاتا ہے۔اسی طرح اگر لوگوں کو کسی امداد کی ضرورت ہو تو وہ قادیان

میں پہنچ جاتے ہیں اور یہاں سے اُن کی اکثر ضرورتیں پوری ہو جاتی ہیں۔ اگر خدانخواستہ ہمارے اندر بھی ویسا ہی تفرقہ ہوتا جیسا مسلمانوں کے اندر ہے تو نہ ہماری آواز میں کوئی طاقت ہوتی اور نہ مجموعی رنگ میں افرادِ جماعت کو وہ فوائد پہنچتے جو اَب پہنچ رہے ہیں۔

افغانستان کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنیکا اثر

افغانستان میں جب ہماری جماعت کے بعض آدمی شہید ہوئے تو ہم نے صدائے احتجاج بلند کی اور وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے اتنی مؤثر ہوئی کہ چھ مہینے تک لنڈن کے گلی کوچوں میں اِس کا چرچا رہا اور افغانی سفیر کیلئے شرم کے مارے باہر نکلنا مشکل ہو گیا۔ جب بھی وہ نکلتا لوگ اُسے طعنے دیتے اور کہتے کہ کیا تمہارے ملک میں یہ آزادی ہے حالانکہ افغانستان میں روزانہ کئی پٹھان مارے جاتے ہیں اور کوئی ان کا ذکر تک نہیں کرتا۔ تو جماعتی نظام کی وجہ سے چونکہ افرادِ جماعت کو بہت کچھ فوائد حاصل ہوتے ہیں اس لئے جب قوم کے بعض افراد کو کوئی ایسا انعام ملتا ہے تو یہی کہا جاتا ہے کہ وہ انعام اس قوم کو ملا کیونکہ قوم اُن انعامات اور فوائد سے حصہ پاتی ہے جو خلافت یا بادشاہت سے تعلق رکھتے ہیں۔ غرض چونکہ ملوکیّت کے ذریعہ سے ساری قوم کی عزت ہوتی ہے اس وجہ سے جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا فرمایا۔ اور چونکہ خلافت سے سب قوم نے نفع اُٹھانا تھا اور اُٹھایا اس لئے خلافت کے بارہ میں بھی یہی کہا کہ تم کو خلیفہ بنایا جائے گا۔

خلافت ایک انتخابی چیز ہے جس میں سب قوم کا دخل ہوتا ہے

دوسرا جواب یہ ہے کہ خلافت چونکہ انتخابی امر ہے اور انتخابی امر میں سب قوم کا دخل ہوتا ہے اس لئے انتخاب پر زور دینے کیلئے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ کہا گیا کہ چونکہ یہ وعدہ قوم سے ہے اس لئے ورثہ کے طور پر یہ عہدہ نہیں مل سکتا بلکہ وہی خلیفہ ہوگا جس پر قوم جمع ہو۔ اس طرح انتخاب کے مسئلہ پر خاص طور پر زور دیا ہے اور بتا دیا ہے کہ وہی شخص خلیفہ ہو سکتا ہے جس کی خلافت میں مومنوں کا ہاتھ ہو۔ بیشک یہ ایک الٰہی انعام ہے مگر یہ انعام ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ پہلے اپنے مومن بندوں کو دیتا ہے اور پھر ان کو نصیحت کرتا ہے کہ اپنے میں سے قابل ترین انسان کو منتخب

کر کے اسے دے دو۔ پس وہ مومنوں کے ذریعہ سے خلافت کا انتخاب کراتا ہے تا کہ خلافت ورثہ کے طور پر نہ چل پڑے۔ اور ہمیشہ اس غرض کے لئے قوم بہترین لوگوں کو منتخب کیا کرے۔ پس اللہ تعالیٰ نے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ میں اُمت مُسلمہ سے اس لئے وعدہ کیا ہے تا یہ امر ان کے ذہن نشین ہو جائے کہ خلافت کا وعدہ قومی ہے اور قوم کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا خلیفہ بنا دے گا۔

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو نامزد کیوں کیا تھا؟

اگر کہا جائے کہ جب قوم کے انتخاب سے ہی کوئی خلیفہ ہوسکتا ہے تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو نامزد کیوں کیا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے یونہی نامزد نہیں کر دیا بلکہ پہلے صحابہؓ سے آپ کا مشورہ لینا ثابت ہے۔ فرق ہے تو صرف اتنا کہ اور خلفاء کو خلیفہ کی وفات کے بعد منتخب کیا گیا اور حضرت عمرؓ کو حضرت ابوبکرؓ کی موجودگی میں ہی منتخب کر لیا گیا۔ پھر آپ نے اسی پر بس نہیں کیا کہ چند صحابہؓ سے مشورہ لینے کے بعد آپ نے حضرت عمرؓ کی خلافت کا اعلان کر دیا ہو بلکہ باوجود سخت نقاہت اور کمزوری کے آپ اپنی بیوی کا سہارا لے کر مسجد میں پہنچے اور لوگوں سے کہا کہ اے لوگو! میں نے صحابہؓ سے مشورہ لینے کے بعد اپنے بعد خلافت کے لئے عمرؓ کو پسند کیا ہے کیا تمہیں بھی ان کی خلافت منظور ہے؟ اس پر تمام لوگوں نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ پس یہ بھی ایک رنگ میں انتخاب ہی تھا۔

کیا حضرت معاویہؓ کا یزید کو خلیفہ مقرر کرنا بھی انتخاب کہلا سکتا ہے؟

اگر کہا جائے کہ پھر معاویہؓ کا یزید کو مقرر کرنا بھی انتخاب کہلائے گا کیونکہ انہوں نے بھی لوگوں کے سامنے اس معاملہ کو پیش کیا تھا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ خود معاویہؓ کا انتخاب نہیں ہوا اور جب ان کی اپنی خلافت ہی ثابت نہیں تو ان کے بیٹے کی خلافت کس طرح ثابت ہوسکتی ہے۔ ہم یزید کو معاویہ کا جانشین ماننے کیلئے تیار ہیں مگر ہم اسے خلیفہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ خلافت خود معاویہؓ کی بھی ثابت نہیں پھر ان کے بیٹے کی کس طرح ثابت ہو جائے۔ معاویہؓ ایک دُنیوی بادشاہ تھے اس

لئے یزید کو بھی ہم ایک دُنیوی بادشاہ مان سکتے ہیں مگر خلیفہ تو نہ معاویہؓ تھے اور نہ یزید۔

پھر معاویہؓ نے جب یزید کے متعلق لوگوں سے مشورہ لیا تو اُس وقت وہ لوگوں کے حاکم تھے۔ ایسی صورت میں جو انہوں نے مشورہ لیا وہ کوئی مشورہ نہیں کہلا سکتا کیونکہ مشورہ میں آزادی ضروری ہے لیکن جہاں آزادی نہ ہو اور جہاں بادشاہ اپنی رعایا سے کہہ رہا ہو کہ میرے بیٹے کی بیعت کرلو وہاں رعایا مشورہ دینے میں کہاں آزاد ہوسکتی ہے اور کب وہ اس کی بات کا انکار کرسکتی ہے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے افغانستان کا بادشاہ اپنی رعایا سے کہہ دے کہ اے لوگو! مجھے خلیفہ مان لو اور جب وہ مان لیں تو کہہ دے لوگوں نے مجھے حکومت کے لئے منتخب کیا ہے۔ یہ ہرگز انتخاب نہیں کہلا سکتا اور نہ اس قسم کا مشورہ مشورہ کہلا سکتا ہے۔ مشورہ اسی صورت میں ہوتا ہے جب لوگ آزاد ہوں اور ہر ایک کو اجازت ہو کہ وہ مخلّی بالطبع ہو کر جس کا نام چاہے پیش کرے۔ پس اوّل تو معاویہؓ خود خلیفہ نہ تھے بلکہ بادشاہ تھے۔ دوسرے انہوں نے بادشاہ ہونے کی حالت میں اپنے بیٹے کی خلافت کا لوگوں کے سامنے معاملہ پیش کیا اور یہ ہرگز کوئی مشورہ یا انتخاب نہیں کہلا سکتا۔

باپ کا اپنے بیٹے کو خلافت کیلئے تجویز کرنا سنتِ صحابہؓ کے خلاف ہے

پھر باپ کا بیٹے کو خلافت کیلئے پیش کرنا بھی ظاہر کرتا ہے کہ یہ حقیقی انتخاب نہیں تھا کیونکہ باپ کا اپنے بیٹے کو خلافت کیلئے پیش کرنا سنتِ صحابہؓ کے خلاف ہے۔ حضرت عمرؓ کی وفات کے قریب آپ کے پاس لوگوں کے کئی وفود گئے اور سب نے متفقہ طور پر کہا کہ آپ کے بعد خلافت کا سب سے زیادہ اہل آپ کا بیٹا عبداللہ ہے آپ اسے خلیفہ مقرر کر جائیں۔ مگر آپ نے فرمایا مسلمانوں کی گردنیں ایک لمبے عرصہ تک ہمارے خاندان کے آگے جُھکی رہی ہیں۔ اَب میں چاہتا ہوں کہ یہ نعمت کسی اور کو ملے۔[۶۰] اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد لوگ آپ کے بیٹے عبداللہ کو خلافت کیلئے منتخب کرتے تو یہ اور بات ہوتی مگر یہ جائز نہیں تھا کہ حضرت عمرؓ اپنے بیٹے کو خلافت کیلئے خود نامزد کر جاتے۔ اسی طرح اگر معاویہؓ اپنی موجودگی میں یزید کا معاملہ لوگوں کے سامنے پیش نہ کرتے اور بعد میں قوم اسے منتخب کرتی تو

ہم اسے انتخابی بادشاہ کہہ سکتے تھے مگر اب تو نہ ہم اسے خلیفہ کہہ سکتے ہیں اور نہ انتخابی بادشاہ۔ ہم معاویہؓ کو گنہگار نہیں کہتے انہوں نے اُس وقت کے حالات سے مجبور ہو کر ایسا کیا مگر یزید کو بھی بلکہ خود معاویہؓ کو بھی خلیفہ نہیں کہہ سکتے، ایک بادشاہ کہہ سکتے ہیں۔ یزید کا معاملہ تو جب معاویہؓ نے لوگوں کے سامنے پیش کیا اُس وقت تمام صحابہؓ اسے ایک تمسخر سمجھتے تھے اور ان کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ چنانچہ تاریخ میں آتا ہے کہ معاویہؓ نے جب لوگوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اے مسلمانو! تم جانتے ہو ہمارا خاندان عرب کے رؤساء میں سے ہے۔ پس آج مجھ سے زیادہ حکومت کا کون مستحق ہوسکتا ہے اور میرے بعد میرے بیٹے سے زیادہ کون مستحق ہے تو اُس وقت حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی ایک کونہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ کہتے ہیں جب میں نے معاویہؓ کو یہ بات کہتے سنا تو وہ چادر جو میں نے اپنے پاؤں کے گرد لپیٹ رکھی تھی اُس کے بند کھولے اور میں نے ارادہ کیا کہ کھڑے ہو کر معاویہؓ سے یہ کہوں کہ اے معاویہؓ! اِس مقام کا تجھ سے زیادہ حقدار وہ ہے جس کا باپ تیرے باپ کے مقابلہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے کھڑے ہو کر لڑتا رہا اور جو خود اسلامی لشکروں میں تیرے اور تیرے باپ کے مقابلہ میں جنگوں میں شامل رہا ہے۔ مگر پھر مجھے خیال آیا کہ یہ دنیا کی چیزیں میں نے کیا کرنی ہیں اس سے فتنہ اُٹھے گا اور مسلمانوں کی طاقت اور زیادہ کمزور ہو جائے گی۔ چنانچہ میں پھر بیٹھ گیا اور میں نے معاویہؓ کے خلاف کوئی آواز نہ اُٹھائی۔ تو صحابہؓ معاویہؓ کی اس حرکت کو بالکل لغو سمجھتے تھے اور ان کے نزدیک اس کی کوئی قیمت نہیں تھی۔

یزید کے ایک بیٹے کی تختِ حکومت سے دستبرداری

پھر یزید کی خلافت پر دوسرے لوگوں کی رضا تو الگ رہی خود اس کا اپنا بیٹا متفق نہ تھا بلکہ اس نے تخت نشین ہوتے ہی بادشاہت سے انکار کر کے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ یہ ایک مشہور تاریخی واقعہ ہے مگر میں نہیں جانتا مسلمان مؤرخین نے کیوں اس واقعہ کو زیادہ استعمال نہیں کیا۔ حالانکہ انہیں چاہئے تھا کہ اس واقعہ کو بار بار دُہراتے کیونکہ یہ یزید کے مظالم کا ایک عبرتناک ثبوت ہے۔

تاریخ میں لکھا ہے کہ یزید کے مرنے کے بعد جب اس کا بیٹا تخت نشین ہؤا جس کا نام بھی اپنے دادا کے نام پر معاویہ ہی تھا تو لوگوں سے بیعت لینے کے بعد وہ اپنے گھر چلا گیا اور چالیس دن تک باہر نہیں نکلا۔ پھر ایک دن وہ باہر آیا اور منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں سے کہنے لگا کہ میں نے تم سے اپنے ہاتھوں پر بیعت لی ہے مگر اس لئے نہیں کہ میں اپنے آپ کو تم سے بیعت لینے کا اہل سمجھتا ہوں بلکہ اس لئے کہ میں چاہتا تھا کہ تم میں تفرقہ پیدا نہ ہو اور اُس وقت سے لیکر اب تک میں گھر میں یہی سوچتا رہا کہ اگر تم میں کوئی شخص لوگوں سے بیعت لینے کا اہل ہو تو میں یہ امارت اُس کے سپرد کر دوں اور خود بری الذمہ ہو جاؤں مگر باوجود بہت غور کرنے کے مجھے تم میں کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آیا اس لئے اے لوگو! یہ اچھی طرح سن لو کہ میں اِس مَنصب کے اہل نہیں ہوں اور میں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میرا باپ اور میرا دادا بھی اِس منصب کے اہل نہیں تھے۔ میرا باپ حسینؓ سے درجہ میں بہت کم تھا اور اس کا باپ حسنؓ حسینؓ کے باپ سے کم درجہ رکھتا تھا۔ علیؓ اپنے وقت میں خلافت کا حقدار تھا اور اس کے بعد بہ نسبت میرے دادا اور باپ کے حسنؓ اور حسینؓ خلافت کے زیادہ حقدار تھے اس لئے میں اس امارت سے سبکدوش ہوتا ہوں۔[۶۱] اب یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے کہ جس کی چاہو بیعت کر لو۔ اس کی ماں اُس وقت پردہ کے پیچھے اُس کی تقریر سن رہی تھی جب اُس نے اپنے بیٹے کے یہ الفاظ سنے تو بڑے غصہ سے کہنے لگی کہ کمبخت! تو نے اپنے خاندان کی ناک کاٹ دی ہے اور اس کی تمام عزت خاک میں ملا دی ہے۔ وہ کہنے لگا جو سچی بات تھی وہ میں نے کہہ دی ہے اب آپ کی جو مرضی ہو مجھے کہیں۔ چنانچہ اس کے بعد وہ اپنے گھر میں بیٹھ گیا اور تھوڑے ہی دن گزرنے کے بعد وفات پا گیا۔

یہ کتنی زبردست شہادت اس بات کی ہے کہ یزید کی خلافت پر دوسرے لوگوں کی رضا تو الگ رہی خود اس کا اپنا بیٹا بھی متفق نہ تھا۔ یہ نہیں کہ بیٹے نے کسی لالچ کی وجہ سے ایسا کیا ہو۔ یہ بھی نہیں کہ اس نے کسی مخالفت کے ڈر سے ایسا کیا ہو بلکہ اس نے اپنے دل میں سنجیدگی کے ساتھ غور اور فکر کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ میرے دادا سے علیؓ کا حق زیادہ تھا اور میرے باپ سے حسنؓ حسینؓ کا۔ اور میں اس بوجھ کو اُٹھانے کیلئے تیار نہیں ہوں۔ پس معاویہؓ کا یزید کو مقرر کرنا کوئی

انتخاب نہیں کہلا سکتا۔

آیتِ استخلاف کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیان فرمودہ تشریح

تیسرا جواب احمدیوں کیلئے ہے اور وہ یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس آیت کے معنی کرتے ہوئے ''سِرّ الخلافہ'' میں تحریر فرمایا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ وَعَدَ فِیْ ھٰذِہِ الْاٰیَاتِ لِلْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ اَنَّہٗ سَیَسْتَخْلِفَنَّ بَعْضَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْھُمْ فَضْلًا وَّ رَحْمَةً ۶۲ اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں اور عورتوں سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ ان میں سے بعض کو اپنے فضل اور رحم کے ساتھ خلیفہ بنائے گا۔ پس جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ فرماتے ہیں کہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ میں ساری قوم مراد نہیں بلکہ بعض افرادِ اُمت مراد ہیں تو کم از کم کوئی احمدی یہ معنی نہیں کر سکتا کہ یہاں ساری قوم مراد ہے۔

خلافتِ محمدیہ کا اِستنباط

چوتھا جواب بھی احمدیوں کیلئے ہے اور وہ یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارہا اس آیت سے اپنی خلافتِ محمدیہ کا استنباط کیا ہے اور اس وعدہ میں خلافتِ نبوت بھی شامل کی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ خلافتِ نبوت سے ساری قوم مراد نہیں ہو سکتی بلکہ بعض افراد ہی ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے جہاں بادشاہت کا ذکر کیا ہے وہاں تو یہ فرمایا ہے کہ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا اس نے تم کو بادشاہ بنایا مگر جب نبوت کا ذکر کیا تو جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَاءَ فرمایا۔ یعنی اس نے تم میں انبیاء مبعوث فرمائے اور اس فرق کی وجہ یہی ہے کہ یہ تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ خدا نے فلاں قوم کو بادشاہ بنایا مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں قوم کو نبی بنایا۔ پس اگر نبوت کا وعدہ ساری قوم کو مخاطب کرنے کے باوجود بعض اشخاص کے ذریعہ پورا ہو سکتا ہے تو خلافت کا وعدہ بھی ساری قوم کو مخاطب کرنے کے باوجود بعض اشخاص کے ذریعہ پورا ہو سکتا ہے۔ اور جس طرح وعدے کے ایک حصے کا ایفاء ہؤا اسی طرح وعدہ کے دوسرے حصے کا ایفاء ممکن ہے۔

خدا تعالیٰ کی فعلی شہادت

پانچواں جواب اس کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے فعل نے اس پر شہادت دے دی ہے کہ اس کی اس آیت سے کیا مراد ہے۔

خدا نے یہ کہا تھا کہ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ کہ وہ ایمان اور عملِ صالح پر قائم رہنے والوں کو زمین میں اسی طرح خلیفہ بنائے گا جس طرح اس نے پہلوں کو خلیفہ بنایا۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کی اس سے یہ مراد تھی کہ ہم جمہوریت قائم کر دیں گے تو ہمیں دیکھنا چاہئے کہ آیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جمہوریت قائم ہوئی یا نہیں۔ اور اگر خدا تعالیٰ کا یہ منشا تھا کہ بعض افرادِ اُمت کو خلافت ملے گی اور ان کی وجہ سے تمام قوم برکاتِ خلافت کی مستحق قرار پا جائے گی تو ہمیں دیکھنا چاہئے کہ آیا اس رنگ میں مسلمانوں میں خلافت قائم ہوئی یا نہیں۔ بہرحال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس طرح اس نے یہ وعدہ پورا کیا وہی اس آیت سے مراد ہوسکتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ عمدگی کے ساتھ اور کوئی پورا نہیں کرسکتا۔ اس نقطہ نگاہ کے ماتحت جب ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کے حالات کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بعض افرادِ امت کو ہی خلافت ملی سب کو خلافت نہیں ملی۔ پس یا تو یہ مانو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد لوگ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے مصداق نہیں رہے تھے اور جس طرح شیعہ کہتے ہیں کہ اُمت میں صرف اڑھائی مومن تھے اسی طرح یہ تسلیم کرلو کہ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ سب منافق ہی منافق رہ گئے تھے، اس لئے خلافتِ قومی کا وعدہ ان سے پورا نہ ہؤا اور اگر وہ ایمان اور عمل صالح پر قائم تھے تو پھر اگر ان سے ہی صحیح رنگ میں یہ وعدہ پورا نہیں ہؤا تو اور کس سے ہوسکتا ہے۔ بہرحال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں میں جس رنگ میں خلافت قائم کی وہ خدا تعالیٰ کی فعلی شہادت ہے اور خدا تعالیٰ کی یہ فعلی شہادت بتا رہی ہے کہ قوم سے اس وعدہ کو بعض افراد کے ذریعہ سے ہی پورا کیا جائے گا۔

خلفائے اربعہ کی پہلے خلفاء سے ہر رنگ میں مشابہت ضروری نہیں

دوسرا اعتراض اس آیت پر یہ کیا جاتا ہے کہ بہت اچھا ہم نے مان لیا کہ اس آیت میں افراد کی خلافت کا ذکر ہے مگر تم خود تسلیم کرتے ہو کہ پہلوں میں خلافت، یا نبوت کے ذریعہ سے ہوئی یا ملوک کے ذریعہ۔ مگر خلفائے اربعہ کو تم نہ نبی مانتے ہو نہ ملوک۔ پھر یہ وعدہ کس طرح پورا ہوا اور وہ اس آیت کے کس طرح مصداق ہوئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں پہلوں کو خلافت یا تو نبوت کی شکل میں ملی یا ملوکیت کی صورت میں۔ مگر مشابہت کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ ہر رنگ میں مشابہت ہو بلکہ صرف اصولی رنگ میں مشابہت دیکھی جاتی ہے۔ مثلاً کسی لمبے آدمی کا ہم ذکر کریں اور پھر کسی دوسرے کے متعلق کہیں کہ وہ بھی ویسا ہی لمبا ہے تو اب کوئی شخص ایسا نہیں ہوگا جو یہ کہے کہ تم نے دونوں کو لمبا قرار دیا ہے تو یہ مشابہت کس طرح درست ہوئی جبکہ ان میں سے ایک چور ہے اور دوسرا نمازی یا ایک عالم ہے اور دوسرا جاہل بلکہ صرف لمبائی میں مشابہت دیکھی جائے گی۔ ہر بات اور ہر حالت میں مشابہت نہیں دیکھی جائے گی۔ اس کی مثال قرآن کریم سے بھی ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا [۶۳] کہ ہم نے تمہاری طرف اپنا ایک رسول بھیجا ہے جو تم پر نگران ہے اور وہ ویسا ہی رسول ہے جیسے ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔ اب دیکھو اللہ تعالیٰ نے یہاں رسول کریم ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آپس میں مشابہت بیان کی ہے حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی طرف بھیجے گئے تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایک بادشاہ کی طرف مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے مگر رسول کریم ﷺ ساری دنیا کی ہدایت کیلئے بھیجے گئے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا زمانہ صرف چند سَو سال تک ممتد تھا اور آخر وہ ختم ہو گیا مگر رسول کریم ﷺ کی رسالت کا زمانہ قیامت تک کیلئے ہے۔ یہ حضرت موسیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں اہم فرق ہیں مگر باوجود ان اختلافات کے مسلمان یہی کہتے ہیں بلکہ قرآن کہتا ہے

کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مثیل ہیں حالانکہ نہ تو رسول کریم ﷺ فرعون کی طرح کے کسی ایک بادشاہ کی طرف مبعوث ہوئے ، نہ آپ کسی ایک قوم کی طرف تھے بلکہ سب دنیا کی طرف تھے اور نہ آپ کی رسالت کسی زمانہ میں موسیٰؑ کی رسالت کی طرح ختم ہونے والی تھی ۔ پس باوجود ان اہم اختلافات کے اگر آپ کی مشابہت میں فرق نہیں آتا تو اگر پہلوں کی خلافت سے جزوی امور میں خلفائے اسلام مختلف ہوں تو اس میں کیا حرج ہے ۔ درحقیقت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشابہت صرف ان معنوں میں ہے کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو ایک شریعت کی کتاب ملی جو اپنے زمانہ کی ضروریات کے لحاظ سے تمام مضامین پر حاوی اور کامل تھی اسی طرح رسول کریم ﷺ کو ایک شریعت کی کتاب ملی جو قیامت تک کی ضروریات کیلئے تمام مضامین پر حاوی اور کامل ہے گو تورات سے وہ بہرحال کئی درجے افضل اور اعلیٰ ہے ۔ پھر جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سلسلہ کو اللہ تعالیٰ ان کی وفات کے بعد اپنے انبیاء کے ذریعہ چلاتا رہا اسی طرح اُمت محمدیہ میں جب بھی کوئی خرابی پیدا ہوگی اللہ تعالیٰ ایسے لوگ کھڑا کرتا رہے گا جو اِن خرابیوں کی اصلاح کریں گے ۔ اسی طرح اس مشابہت کے ذریعے اس امر کی طرف بھی اشارہ کیا گیا تھا کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تیرہ سَو سال بعد ایک مسیح آیا اسی طرح اُمتِ محمدیہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تیرہ سَو سال بعد مسیح موعود آئے گا ۔ یہ مقصد نہیں تھا کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک خاص زمانہ اور ایک خاص قوم کیلئے تھے اسی طرح رسول کریم ﷺ کی رسالت بھی کسی خاص زمانہ یا خاص قوم کیلئے مخصوص ہوگی ۔ پس اگر پہلوں کی خلافت سے خلفائے راشدین کی بعض باتوں میں مشابہت ہو تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کی مشابہت ثابت ہوگئی ۔ یہ ضروری نہیں ہوگا کہ ہر بات میں پہلوں سے ان کی مشابہت دیکھی جائے ۔ اصل امر تو یہ ہے کہ جس طرح ان کی قوم کو ان کی وفات کے بعد سنبھالنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے بعض وجود کھڑے کئے اسی طرح بتایا گیا تھا کہ رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد بھی اللہ تعالیٰ ایسے وجود کھڑے کرے گا جو آپ کی اُمت کو سنبھال لیں گے اور یہ مقصد بہ نسبت پہلے خلفاء کے رسول کریم ﷺ کے خلفاء نے

زیادہ پورا کیا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قائم مقام نبی تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قائم مقام نبی تھے، اسی طرح اور انبیاء جب وفات پا جاتے تو ان کے کام کو جاری رکھنے کیلئے انبیاء ہی ان کے جانشین مقرر کئے جاتے مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ پہلے انبیاء کے ذریعہ جو تمکینِ دین ہوئی وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کے ذریعہ نہیں ہوئی۔ اگر بصیرت اور شعور کے ساتھ حالات کا جائزہ لیا جائے تو اقرار کرنا پڑے گا کہ تمکینِ دین کے سلسلہ میں یوشعؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ وہ کام نہیں کر سکے جو ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ اور علیؓ نے کیا۔ نادان انسان کہے گا کہ تم نے نبیوں کی ہتک کی مگر اس میں ہتک کی کوئی بات نہیں۔ جب نبوت کا سوال آئے گا تو ہم کہیں گے کہ ابوبکرؓ نبی نہیں، عمرؓ نبی نہیں، عثمانؓ نبی نہیں، علیؓ نبی نہیں مگر جب تمکینِ دین کا سوال آئے گا تو ہم کہیں گے کہ اس حصہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع خلفاء یقیناً پہلے انبیاء سے بڑھ کر ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے انبیاء چونکہ کامل شریعت لے کر نہ آئے تھے اِس لئے اُن کے بعد یا نبی مبعوث ہوئے یا ملوک پیدا ہوئے۔ چنانچہ جب اصلاحِ خلق کیلئے الہام کی ضرورت ہوتی تو نبی کھڑا کر دیا جاتا مگر اُسے نبوت کا مقام براہِ راست حاصل ہوتا اور جب نظام میں خلل واقع ہوتا تو کسی کو بادشاہ بنا دیا جاتا اور چونکہ لوگوں کو ابھی اس قدر ذہنی ارتقاء حاصل نہیں ہوا تھا کہ وہ اپنی اصلاح کے لئے آپ جدوجہد کر سکتے اس لئے نہ صرف انبیاء کو اللہ تعالیٰ براہِ راست مقامِ نبوت عطا فرماتا بلکہ ملوک بھی خدا کی طرف سے ہی مقرر کئے جاتے تھے۔ جیسے قرآن کریم میں آتا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا [۶۴] طالوت کو تمہارے لئے خدا نے بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔ گویا ابھی لوگ اِس قابل نہیں ہوئے تھے کہ خود اپنے بادشاہ کا بھی انتخاب کر سکیں اور نہ شریعت اتنی کامل تھی کہ اُس کے فیضان کی وجہ سے کسی کو مقامِ نبوت حاصل ہو سکتا مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ایک کامل تعلیم لے کر آئے تھے اس لئے دونوں قسم کے خلفاء میں فرق ہو گیا۔ پہلے انبیاء کے خلیفے تو نبی ہی ہوتے تھے گو انہیں نبوت مستقل اور براہِ راست حاصل ہوتی تھی اور اگر انتظامی امور چلانے کیلئے ملوک مقرر ہوتے تو وہ انتخابی

نہ ہوتے بلکہ یا تو ورثہ کے طور پر ملوکیت کو حاصل کرتے یا نبی اُنہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت بطور بادشاہ مقرر کر دیتے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم چونکہ زیادہ اعلیٰ درجہ کی تھی اس لئے آپ کے بعد خلفائے انبیاء کی ضرورت نہ رہی اس کے ساتھ ہی ملوکیت کی ادنیٰ صورت کو اُڑا دیا گیا اور اُس کی ایک کامل صورت آپ کو دی گئی اور یہ ظاہر ہے کہ اسلامی خلافت کے ذریعہ سے جس طرح قوم کے ساتھ وعدہ پورا ہوتا ہے کہ اُس میں انتخاب کا عنصر رکھا گیا ہے اور قومی حقوق کو محفوظ کیا گیا ہے وہ پہلے بادشاہوں کی صورت میں نہ تھا اور زیادہ کامل صورت کا پیدا ہو جانا وعدہ کے خلاف نہیں ہوتا۔ جیسے اگر کسی کے ساتھ پانچ روپے کا وعدہ کیا جائے اور اُسے دس روپے دے دیئے جائیں تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ وعدہ کی خلاف ورزی ہوئی۔ پس اس کے صرف یہ معنی ہیں کہ جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلوں سے افضل تھے آپ کی خلافت بھی پہلے انبیاء کی خلافت سے افضل تھی۔

عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ سے مُراد روحانی خلفاء ہی ہیں

دوسرا جواب یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ [۶۵] یعنی میری اُمت کے علماء انبیاء بنی اسرائیل کی طرح ہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ اُمتِ محمدیہ کا جو بھی عالم ہے وہ انبیائے بنی اسرائیل کی طرح ہے کیونکہ علماء کہلانے والے ایسے ایسے لوگ بھی ہیں جن کی دینی اور اخلاقی حالت کو دیکھ کر رونا آتا ہے۔ میری عمر کوئی دس گیارہ برس کی ہوگی کہ نانا جان مرحوم کے ساتھ بعض چیزیں خریدنے کیلئے میں امرتسر گیا۔ رام باغ میں مَیں نے دیکھا کہ ایک مولوی صاحب ہاتھ میں عصا اور تسبیح لئے اور ایک لمبا سا جبہ پہنے جا رہے ہیں اور اُن کے پیچھے پیچھے ایک غریب شخص اُن کی منتیں کرتا جاتا ہے اور کہتا جاتا ہے کہ مولوی صاحب مجھے خدا کیلئے روپے دے دیں، مولوی صاحب مجھے خدا کیلئے روپے دے دیں۔ مولوی صاحب تھوڑی دیر چلنے کے بعد اس کی طرف مڑ کر دیکھتے اور کہتے جا خبیث دُور ہو۔ آخر وہ بیچارہ تھک کر الگ ہو گیا۔ مَیں نے اس شخص سے پوچھا کہ کیا بات تھی؟ وہ کہنے لگا مَیں نے اپنی شادی کیلئے بڑی مشکلوں سے سَو دوسَو روپیہ جمع کیا تھا اور اس شخص کو مولوی اور

دیندار سمجھ کر اس کے پاس امانتاً رکھ دیا تھا مگر اب مَیں روپیہ مانگتا ہوں تو یہ دیتا نہیں اور کہتا ہے کہ مَیں تجھے جانتا ہی نہیں کہ تُو کون ہے اور تو نے کب میرے پاس روپیہ رکھا تھا۔ اب بتاؤ ایسے علماء کَأَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ ہو سکتے ہیں؟ اور کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ان ننگِ اسلام علماء کے متعلق ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اِن علماء سے مراد دراصل خلفاء ہیں جو علماءِ رُوحانی ہوتے ہیں اور اِس ارشادِ نبوی سے اِس طرح اشارہ کیا گیا ہے کہ پہلے نبیوں کے بعد جو کام بعض دوسرے انبیاء سے لیا گیا تھا وہی کام میری اُمت میں اللہ تعالیٰ بعض علماءِ ربّانی یعنی خلفائے راشدین سے لے گا۔ چنانچہ موسیٰؑ کے بعد جو کام یوشعؑ سے لیا گیا وہ اللہ تعالیٰ ابوبکرؓ سے لے گا اور جو کام داؤدؑ سے لیا گیا وہ اللہ تعالیٰ عمرؓ سے لے گا اور جو کام بعض اور انبیاء مثلاً سلیمانؑ وغیرہ سے لیا گیا وہ اللہ تعالیٰ عثمانؓ اور علیؓ سے لے گا۔ غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے وہ مقام بخشا ہے کہ میری اُمت کے خلفاء وہی کام کریں گے جو انبیاء سابقین نے کیا۔ پس اس جگہ علماء سے مراد رشوتیں کھانے والے علماء نہیں بلکہ ابوبکرؓ عالم، عمرؓ عالم، عثمانؓ عالم اور علیؓ عالم مراد ہیں۔ چنانچہ جب ادنیٰ ضرورت تھی اللہ تعالیٰ نے اِن لوگوں کو پیدا کر دیا اور پھر زیادہ روشن صورت میں جب زمانہ کو ایک نبی کی ضرورت تھی اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے پورا کر دیا۔ گو فرق یہ ہے کہ پہلے انبیاء براہ راست مقام نبوت حاصل کرتے تھے مگر آپ کو نبوت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کی وجہ سے ملی۔

خلافتِ احمدیہ

تیسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس آیت میں **كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ** آیا ہے۔ چلو ہم مان لیتے ہیں کہ پہلے خلفاء اِس آیت کے ماتحت تھے کیونکہ اُن کے پاس نظامِ ملکی تھا لیکن اس آیت سے وہ خلافت جو احمدیہ جماعت میں ہے کیونکر ثابت ہوگئی کیونکہ ان کے پاس تو کوئی نظامِ مُلکی نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ یہ کیا ہے کہ وہ اٰمَنُوْا اور وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی مصداق جماعت کو خلیفہ بنائے گا اور خلیفہ کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے سے پہلے کا نائب ہوتا ہے۔ پس وعدہ کی ادنیٰ حدّ یہ ہے کہ ہر نبی کے بعد اُس کے نائب ہوں اور یہ ظاہر ہے کہ جس رنگ کا نبی ہو اگر اسی رنگ میں اس کا نائب بھی ہو جائے تو وعدہ کی ادنیٰ حدّ پوری ہو جاتی ہے اور چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سپرد مُلکی نظام نہ تھا اس لئے آپ کی امرِ نبوت میں جو شخص نیابت کرے وہ اس وعدہ کو پورا کر دیتا ہے۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مُلکی نظام عطا ہوتا تب تو اعتراض ہوسکتا تھا کہ آپ کے بعد کے خلفاء نے نیابت کس طرح کی مگر نظامِ مُلکی عطا نہ ہونے کی صورت میں یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کیونکہ جس نبی کا کوئی خلیفہ ہو اُسے وہی چیز ملے گی جو نبی کے پاس ہوگی اور جو اُس کے پاس ہی نہیں ہوگی وہ اُس کے خلیفہ کو کس طرح مل جائے گی۔

حضرت خلیفہ اوّل کے متعلق یہ بات بہت مشہور تھی اور آپ خود بھی فرمایا کرتے تھے کہ مجھے جب بھی روپیہ کی ضرورت ہو اللہ تعالیٰ کہیں نہ کہیں سے روپیہ بھجوا دیتا ہے۔ ایک دفعہ کسی نے آپ کے پاس بتّیس روپے بطور امانت رکھے جو کسی ضرورت پر آپ نے خرچ کر لئے چند دنوں کے بعد وہ شخص آیا اور کہنے لگا کہ میری امانت مجھے دے دیجئے۔ اُس وقت آپ کے پاس کوئی روپیہ نہیں تھا مگر آپ نے اُسے فرمایا ذرا ٹھہر جائیں ابھی دیتا ہوں۔ دس پندرہ منٹ ہی گزرے ہونگے کہ باہر سے ایک مریض آیا اور اس نے فیس کے طور پر آپ کے سامنے کچھ روپے رکھ دیئے۔ حافظ روشن علی صاحب پاس بیٹھے ہوئے تھے انہیں حضرت خلیفہ اوّل فرمانے لگے کہ یہ روپے گِن کر اس شخص کو دے دیں۔ انہوں نے روپے گِن کر دے دیئے اور رسید لے کر پھاڑ دی۔ بعد میں ہم نے حافظ روشن علی صاحب سے پوچھا کہ کتنے روپے تھے انہوں نے بتایا کہ جتنے روپے وہ مانگتا تھا بس اتنے ہی روپے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ عجیب در عجیب رنگ میں آپ کی مدد فرمایا کرتا تھا اور بسا اوقات نشان کے طور پر آپ پر مال و دولت کے عطایا ہو جایا کرتے تھے۔ ہم تو سمجھتے تھے کہ یہ سب دُعا کی برکات ہیں مگر بعض لوگ غلطی سے یہ سمجھتے تھے کہ آپ کو کیمیا کا نسخہ آتا ہے۔ چنانچہ حضرت خلیفہ اوّل جب وفات

پا گئے تو دہلی کے ایک حکیم صاحب میرے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ مَیں آپ سے الگ ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ مَیں نے انہیں موقع دے دیا۔ وہ پہلے تو مذہبی رنگ میں باتیں کرنے لگے اور کہنے لگے آپ کے والد صاحب کو خدا تعالیٰ نے بڑا درجہ بخشا ہے وہ خدا تعالیٰ کے مامور تھے اور جسے خدا تعالیٰ نے مامور بنا دیا ہو اس کا بیٹا بھلا کہاں بخیل ہوسکتا ہے مجھے آپ سے ایک کام ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ اس معاملہ میں میری مدد کریں اور بُخل سے کام نہ لیں۔ میں نے کہا فرمائیے کیا کام ہے۔ وہ کہنے لگے مجھے کیمیا گری کا بڑا شوق ہے اور مَیں نے اپنی تمام عمر اس میں برباد کر دی ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضرت مولوی صاحب کو کیمیا کا نسخہ آتا تھا اب چونکہ آپ اُن کی جگہ خلیفہ مقرر ہوئے ہیں اس لئے وہ آپ کو ضرور کیمیا کا نسخہ بتا گئے ہونگے۔ پس مہربانی کر کے وہ نسخہ مجھے بتا دیجئے۔ مَیں نے کہا مجھے تو کیمیا کا کوئی نسخہ نہیں بتا گئے۔ وہ کہنے لگے یہ ہو کس طرح سکتا ہے کہ آپ اُن کی جگہ خلیفہ ہوں اور وہ آپ کو کیمیا کا نسخہ بھی نہ بتا گئے ہوں۔ غرض میں انہیں جتنا یقین دلاؤں کہ مجھے کیمیا کا کوئی نسخہ نہیں ملا اتنا ہی ان کے دل میں میرے بخل کے متعلق یقین بڑھتا چلا جائے میں انہیں بار بار کہوں کہ مجھے ایسے کسی نسخہ کا علم نہیں اور وہ پھر میری خوشامد کرنے لگ جائیں اور نہایت لجاجت سے کہیں کہ میری ساری عمر اس نسخہ کی تلاش میں گزر گئی ہے آپ تو بخل سے کام نہ لیں اور یہ نسخہ مجھے بتا دیں۔ آخر جب میں اُن کے اصرار سے بہت ہی تنگ آ گیا تو میرے دل میں خدا تعالیٰ نے ایک نکتہ ڈال دیا اور مَیں نے اُن سے کہا کہ گو مَیں مولوی صاحب کی جگہ خلیفہ بنا ہوں مگر آپ جانتے ہیں کہ حضرت مولوی صاحب کے مکان مجھے نہیں ملے۔ وہ کہنے لگے مکان کس کو ملے ہیں۔ مَیں نے کہا اُن کے بیٹوں کو۔ پھر مَیں نے کہا اُن کا ایک بڑا بھاری کتب خانہ تھا مگر وہ بھی مجھے نہیں ملا۔ پس جب کہ مجھے نہ اُن کے مکان ملے اور نہ اُن کا کتب خانہ ملا ہے تو وہ مجھے کیمیا کا نسخہ کس طرح بتا سکتے تھے۔ اگر انہوں نے یہ نسخہ کسی کو بتایا ہوگا تو اپنے بیٹوں کو بتایا ہوگا۔ آپ اُن کے پاس جائیں اور کہیں کہ وہ نسخہ آپ کو بتا دیں۔ چنانچہ وہ میرے پاس سے اُٹھ کر چلے گئے۔ عبدالحی مرحوم ان دنوں زندہ تھے وہ جاتے ہی اُن سے کہنے لگے کہ لائیے نسخہ۔ انہوں نے کہا نسخہ کیسا۔ کہنے لگے وہی

کیمیا کانسخہ جو آپ کے والد صاحب جانتے تھے۔اب وہ حیران کہ میں اسے کیا کہوں۔آخر انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ مجھے کسی نسخے کا علم نہیں۔اس پر وہ ناکام ہوکر میرے پاس آئے اور کہنے لگے باپ والا بخل بیٹے میں بھی موجود ہے۔مَیں نے کہا۔یہ آپ جانیں کہ وہ بخیل ہیں یا نہیں مگر مَیں اُن کے جس حصے کا خلیفہ ہوں وہی مجھے ملا ہے اور کچھ نہیں ملا۔

غرض جس رنگ کا کوئی شخص ہو اُسی رنگ کا اُس کا جانشین ہوتا ہے۔ چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سپرد مُلکی نظام نہیں تھا اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ کے خلفاء کے پاس کوئی نظامِ مُلکی کیوں نہیں؟

آیتِ استخلاف میں حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی نبوت اور خلافت دونوں شامل ہیں

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں خلافتِ نظامی ہی کے بارہ میں یہ نہیں آیا کہ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ بلکہ اس آیت میں جس قدر وعدے ہیں سب کے ساتھ ہی یہ الفاظ لگتے ہیں۔مگر غیر مبائعین میں سے بھی جو لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نبی مانتے ہیں جیسے شیخ مصری وغیرہ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ آپ کی نبوت کلی طور پر پہلے نبیوں کی قسم کی نبوت نہیں بلکہ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود لکھا ہے یہ نبوت پہلی نبوتوں سے ایک بڑا اختلاف رکھتی ہے اور وہ یہ کہ پہلے نبی مستقل نبی تھے اور آپ اُمتی نبی ہیں۔پس جس طرح آپ کی نبوت کے پہلے نبیوں کی نبوت سے مختلف ہونے کے باوجود اس وعدہ کے پورا ہونے میں کوئی فرق نہیں آیا کہ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اسی طرح خلافت کے مختلف ہونے کی وجہ سے بھی اس وعدہ کے پورا ہونے میں کوئی فرق نہیں آ سکتا۔اور اگر بعض باتوں میں پہلی خلافتوں سے اختلاف رکھنے کی وجہ سے یہ خلافت اس آیت سے باہر نکل جاتی ہے تو ماننا پڑیگا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت بھی اس آیت کے ماتحت نہیں آتی کیونکہ اگر ہماری خلافت ابوبکرؓ اور عمرؓ کی خلافت سے کچھ اختلاف رکھتی ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت بھی پہلے نبیوں سے کچھ اختلاف رکھتی ہے۔پس اگر ہماری خلافت اس آیت کے ماتحت نہیں آتی تو ماننا پڑے گا کہ

نَعُوْذُ بِاللّٰہِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت بھی اس آیت کے ماتحت نہیں آتی حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس نبوت کو باوجود مختلف ہونے کے اسی آیت کے ماتحت قرار دیتے ہیں۔ پس جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت پہلی نبوتوں سے اختلاف رکھنے کے باوجود اس آیت کے وعدہ میں شامل ہے اِسی طرح یہ خلافت باوجود پہلی خلافتوں سے ایک اختلاف رکھنے کے اِس آیت کے وعدہ میں شامل ہے۔

حضرت مسیح ناصریؑ کے خلفاء بھی نظامِ مُلکی سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے

تیسرا جواب یہ ہے کہ مسیح ناصریؑ کے بعد کے خلفاء بھی نظامِ ملکی سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے۔ اگر کوئی کہے کہ آپ کے بعد کوئی خلیفہ ہؤا ہی نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خود فرماتے ہیں۔ مَاكَانَتْ نُبُوَّةٌ قَطُّ اِلَّا تَبِعَتْهَا خِلَافَةٌ [66]۔ کہ دنیا میں کوئی بھی ایسی نبوت نہیں گزری جس کے پیچھے اُسی قسم کی خلافت قائم نہ ہوئی ہو۔ پس اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملی تھی تو آپ کے بعد ویسی ہی خلافت کے قیام کو ماننا ہمارے لئے ضروری ہے بصورت دیگر معترضین کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی نہیں تھے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کو نبوت کے بعد لازمی قرار دیا ہے۔

دوسرے مسیحی لوگ پطرس کو خلیفہ مانتے چلے آئے ہیں۔ پس جب کہ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ آپ کے بعد ضرور خلافت ہوئی اور مسیحی خود اقرار کرتے ہیں کہ پطرس حضرت مسیح ناصریؑ کا خلیفہ تھا تو پھر یہ تیسرا گروہ کہاں سے پیدا ہوگیا جو کہتا ہے کہ آپ کے بعد کوئی خلیفہ ہی نہیں ہؤا جنہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے علم دیا گیا تھا یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب انہوں نے بھی فرما دیا کہ ہر نبی کے بعد خلافت قائم ہوئی ہے اور جب عیسائی جن کے گھر کا یہ معاملہ ہے وہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کے بعد خلافت قائم ہوئی اور جب کہ تاریخ سے بھی یہی ثابت ہے تو پھر اس سے انکار کرنا محض ضد ہے۔ اگر کہا جائے کہ بعض مسیحی انہیں خلیفہ تسلیم نہیں کرتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعض مسلمان بھی خلفاء اربعہ کو خلیفہ تسلیم نہیں کرتے، بعض کے ردّ کر دینے سے مسئلہ تو ردّ نہیں ہو جاتا۔

تیسرے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ''الوصیت'' میں مسیحیوں کے بارہ میں ایسا انتظام تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

''جب نبی کی وفات کے بعد مشکلات کا سامنا پیدا ہو جاتا ہے اور دشمن زور میں آ جاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اب کام بگڑ گیا اور یقین کر لیتے ہیں کہ اب یہ جماعت نابود ہو جائے گی اور خود جماعت کے لوگ بھی تردّد میں پڑ جاتے ہیں اور ان کی کمریں ٹوٹ جاتی ہیں اور کئی بدقسمت مرتد ہونے کی راہیں اختیار کر لیتے ہیں۔ تب خدا تعالیٰ دوسری مرتبہ اپنی زبردست قدرت ظاہر کرتا ہے اور گرتی ہوئی جماعت کو سنبھال لیتا ہے۔ پس وہ جو اخیر تک صبر کرتا ہے خدا تعالیٰ کے اس معجزہ کو دیکھتا ہے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے وقت میں ہؤا جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت ایک بے وقت موت سمجھی گئی اور بہت سے بادیہ نشین نادان مرتد ہو گئے اور صحابہؓ بھی مارے غم کے دیوانہ کی طرح ہو گئے تب خدا تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو کھڑا کر کے دوبارہ اپنی قدرت کا نمونہ دکھایا...... ایسا ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ہؤا...... ایسا ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ معاملہ ہؤا''۔ [67]

گویا جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے اِسی طرح حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے بعد بھی خلافت قائم ہوئی۔ پس وہ شخص جو یہ کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد خلافت قائم نہیں ہوئی وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس صریح ارشاد کے خلاف قدم اٹھاتا ہے اور ایک ایسی بات پیش کرتا ہے جس کی نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے تائید ہوتی ہے نہ تاریخ سے تائید ہوتی ہے اور نہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کی تائید کرتے ہیں۔

مخالفین کا ایک اور اعتراض اور اس کا جواب

چوتھا اعتراض یہ ہے کہ اگر اس آیت سے افراد مراد لئے جائیں تو یہ اعتراض ہوتا ہے کہ وعدہ دو قسم کے وجودوں کے متعلق ہے۔ ایک نبیوں کے متعلق

اور ایک بادشاہوں کے متعلق۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جس قسم کے نبی آیا کرتے تھے اُن کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ختم کر دیا اور بادشاہت کو آپ نے پسند نہیں فرمایا بلکہ صاف فرما دیا کہ میرے بعد کے خلفاء بادشاہ نہ ہونگے تو پھر کیوں نہ تسلیم کیا جائے کہ اس آیت میں وعدہ قوم سے ہی ہے افراد سے نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلی قسم کی نبوت بھی ختم ہوگئی اور پہلی قسم کی ملوکیت بھی ختم ہوگئی لیکن کسی خاص قسم کے ختم ہو جانے سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ اس کا قائم مقام جو اس سے اعلیٰ ہو وہ نہیں آ سکتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ سب انبیاء سے نرالے تھے اس لئے ضروری تھا کہ آپ کے بعد کا نظام بھی سب نظاموں سے نرالا ہو۔ اس کا نرالا ہونا اُسے مشابہت سے نکال نہیں دیتا بلکہ اس کے حسن اور خوبصورتی کو اَور زیادہ بڑھا دیتا ہے۔ چنانچہ آپ چونکہ کامل نبی تھے اور دنیا میں کامل شریعت لائے تھے اس لئے ضروری تھا کہ آپ کے بعد ایسے نبی ہوتے جو آپ سے فیضان حاصل کر کے مقامِ نبوت حاصل کرتے اسی طرح آپ کا نظام چونکہ تمام نظاموں سے زیادہ کامل تھا اس لئے ضروری تھا کہ آپ کے بعد ایسے خلفاء ہوتے جو پبلک طور پر منتخب ہوتے۔ غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبوت بھی اور ملوکیت بھی ایک نئے رنگ میں ڈھال دی اور پہلی قسم کی نبوت اور پہلی قسم کی ملوکیت کو ختم کر دیا۔

پہلے انبیاء کی خلافت خواہ خلافتِ نبوت ہو یا خلافتِ ملوکیت۔ ناقص تھی

یاد رکھنا چاہئے کہ خلافتِ نبوت پہلے نبی کی تائید کے لیے آتی ہے اور خلافتِ ملوکیت مومنین کے حقوق کی حفاظت اور اُن کی قوتوں کے نشو ونما کیلئے آتی ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے انبیاء کو جو خلفاء انبیاء ملے تو اُن کی خلافت ناقص تھی کیونکہ گو وہ ان کے کام کو چلاتے تھے مگر نبوت براہِ راست پاتے تھے۔ پس اُن کی خلافت کامل خلافت نہ ہوتی تھی اور اگر ان کی اقوام کو خلفاءِ ملوکی ملے تو اُن کی خلافت بھی ناقص خلافت ہوتی تھی کیونکہ وہ اختیارات براہِ راست ورثہ سے پاتے تھے۔ اور اس کے نتیجہ میں اُن کی قوم کے قویٰ پورے

طور پر نشو ونما نہ پاتے تھے کیونکہ اُن کے مقرر کرنے میں اُمت کا دخل نہ ہوتا تھا اُسی طرح جس طرح نبیوں کا اپنے تابع نبیوں کی نبوت میں دخل نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ جہاں بھی باپ کے بعد بیٹا اور بیٹے کے بعد پوتا ورثہ کے طور پر تختِ حکومت سنبھالتے چلے جاتے ہیں وہاں اس بات کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی کہ پبلک کے علمی معیار کو بلند کیا جائے اور اُس کے ذہنی قویٰ کو ایسا نشو ونما دیا جائے کہ وہ صحیح رنگ میں حکام کا انتخاب کر سکے لیکن جہاں حکام کا انتخاب پبلک کے ہاتھ میں ہو وہاں حکومت اس بات پر مجبور ہوتی ہے کہ ہر فرد کو عالم بنائے، ہر فرد کو سیاست دان بنائے اور ہر فرد کو ملکی حالات سے باخبر رکھے تا کہ انتخاب کے وقت اُن سے کوئی بیوقوفی سرزد نہ ہو جائے۔ پس اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے لوگوں کے علمی نشو ونما کو مدنظر رکھتے ہوئے حُکّام کے انتخاب کا حکم دیا۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے انبیاء کی خلافت خواہ وہ خلافتِ نبوت ہو یا خلافتِ ملوکیت ناقص تھی لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ صحیح معنوں میں کامل نبی تھے اس لئے آپ کے بعد جو نبی آیا یا آئیں گے وہ آپ کے تابع ہی نہ ہونگے بلکہ آپ کے فیض سے نبوت پانے والے ہونگے۔ اِسی طرح چونکہ آپ کی قوم صحیح معنوں میں کامل اُمت تھی جیسا کہ فرمایا۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ [۶۸] اس لئے ضروری تھا کہ اُن کے کام کو چلانے والے بھی اُسی رنگ میں آئیں جس طرح اس اُمت میں نبی آنے تھے یعنی اُن کے انتخاب میں قوم کو دخل ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا کہ وہ ملوکی خلیفہ نہ ہوں جن کے انتخاب میں قوم کو دخل نہ ہوتا تھا بلکہ انتخابی خلیفہ ہوں تا کہ اُمتِ محمدیہ کی پوری ترجمانی کرنے والے ہوں اور اُمت کی قوت کا صحیح نشو ونما ہو۔ چنانچہ اس حکم کی وجہ سے ہر خلیفہ اس بات پر مجبور ہے کہ وہ لوگوں میں زیادہ سے زیادہ علم اور سمجھ کا مادہ پیدا کرے تا کہ وہ اگلے انتخاب میں کوئی غلطی نہ کر جائیں۔ پس یہ فرق اس وجہ سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سید الانبیاء ہیں اور آپ کی اُمت خَيْرُ الْاُمَم ہے۔ جس طرح سید الانبیاء کے تابع نبی آپ کے فیضان سے نبوت پاتے ہیں اسی طرح خَيْرُ الْاُمَم کے خلفاء قوم کی آواز سے خلیفہ مقرر ہوتے ہیں۔ پس یہ نظامِ اسلام کی برتری اور نبیٔ اسلام اور اُمّتِ اسلامیہ کے عُلّوِ مرتبت کی وجہ سے ہے اور اس سے خلافتِ فردی کو مٹایا نہیں گیا بلکہ

خلافتِ شخصی کو زیادہ بہتر اور مکمل صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ان اصولی سوالوں کے بعد میں ایک دو ضمنی اعتراضوں کو لے لیتا ہوں۔

کیا خلافتِ موعودہ محض اُس خلیفہ کے متعلق ہے جو نبی کے معاً بعد آتا ہے؟

(۱) ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ خلافتِ موعودہ جس کا اس آیت میں ذکر ہے محض اُس خلیفہ کے متعلق ہے جو نبی کے معاً بعد آتا ہے نہ کہ خلفاء کے ایک لمبے سلسلہ کے متعلق۔اس کا جواب یہ ہے۔

(۱) رسول کریم ﷺ نے خود چاروں خلافتوں کو خلافتِ راشدہ قرار دیا ہے۔آپؐ فرماتے ہیں۔ عَنْ سَفِيْنَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْخِلَافَةُ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكاً۔[۶۹] یعنی حضرت سفینہؓ کہتے ہیں مَیں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ میرے بعد خلافت صرف تیس سال ہوگی اس کے بعد ملوکیت قائم ہو جائے گی۔اور چاروں خلفاء کی مدت صرف تیس سال ہی بنتی ہے۔پس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلافت کو چاروں خلفاء تک لمبا کرتے ہیں تو کسی دوسرے کا کیا حق ہے کہ اسے پہلے خلیفہ تک محدود کر دے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس خیال کو''سِرُّالخلافہ'' میں بیان فرمایا ہے مگر یہ درست نہیں۔آپ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ شیعوں کے ردّ میں ہے۔وہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل جانشین حضرت علیؓ تھے آپ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ خلافت کا وعدہ قرآن کریم کی آیت وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ میں ہے اور اس میں جو شرائط پائی جاتی ہیں وہ بدرجۂ کمال حضرت ابوبکرؓ میں پائی جاتی ہیں۔[۷۰]

پس آپ کا مطلب تو یہ ہے کہ قرآن کریم سے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت حضرت علیؓ کی خلافت سے زیادہ ثابت ہے نہ یہ کہ حضرت علیؓ خلیفہ نہ تھے۔آپ نے اپنی کتب میں چار خلفاء کے الفاظ بھی استعمال کئے ہیں [۷۱] اور حضرت علیؓ کی خلافت کا بھی ذکر فرمایا ہے [۷۲] اس کا مزید ثبوت یہ ہے کہ مولوی عبدالکریم صاحب مرحومؓ نے شیعوں کے ردّ میں ایک لیکچر دیا

تھا جس میں انہوں نے اسی آیت سے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کو خلیفہ ثابت کیا ہے اور حضرت علیؓ کی خلافت کو بھی مختلف مقامات میں تسلیم کیا ہے۔آپ نے بعد میں اس لیکچر کو بعض زوائد کے ساتھ کتابی صورت میں ''خلافتِ راشدہ'' کے نام سے چھپوا دیا تھا۔اس کتاب میں وہ لکھتے ہیں کہ میرا یہ مضمون حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سنا اور بار بار پڑھوایا اور اس کے کچھ حصہ کا ترجمہ اپنی کتاب حجۃ اللہ میں بھی کر دیا اور مختلف مقامات پر میرا یہ مضمون دوستوں کو اپنی طرف سے بطور تحفہ بھجوایا۔

پس معلوم ہؤا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس عقیدہ میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سے متفق تھے جس کا انہوں نے ''خلافتِ راشدہ'' میں اظہار کیا ہے [۳]۔

دوسرا جواب اس کا یہ ہے کہ پہلے خلیفہ کی خلافت ثابت ہو جائے تو دوسروں کی خود بخود ثابت ہو جاتی ہے۔ جیسے حضرت ابوبکرؓ پہلے خلیفہ ہوئے اور پھر حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کا انتخاب کیا اور مسلمانوں سے مشورہ کر کے انہیں خلیفہ مقرر کیا۔اسی طرح اس زمانہ میں حضرت خلیفہ اوّل نے ایک دفعہ تو میرا نام لے کر وصیت کی اور دوسری دفعہ بغیر نام کے وصیت کی مگر بہرحال خلافت کے وجود کو آپ نے قائم کیا۔آپ کی وصیت کے الفاظ یہ ہیں:۔

''خاکسار بقائمی حواس لکھتا ہے لَاۤ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰـهِ ....میرا جانشین متقی ہو، ہر دلعزیز عالم باعمل۔حضرت صاحب کے پرانے اور نئے احباب سے سلوک چشم پوشی و درگزر کو کام میں لاوے۔میں سب کا خیر خواہ تھا وہ بھی خیر خواہ رہے قرآن و حدیث کا درس جاری رہے۔

والسلام

نورالدین

۴؍مارچ [۴]

اسی طرح آپ ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ مجھے بھی خدا تعالیٰ نے خلیفہ مقرر کیا ہے اور میرے بعد جو ہوگا اسے بھی خدا ہی خلیفہ مقرر کرے گا۔چنانچہ آپ نے فرمایا:۔

’’خلافت کیسری کی دُکان کا سوڈا واٹر نہیں ۔تم اس بکھیڑے سے کچھ فائدہ نہیں اُٹھا سکتے ۔ نہ تم کوکسی نے خلیفہ بنانا ہےاور نہ میری زندگی میں کوئی اور بن سکتا ہے ۔ میں جب مر جاؤں گا تو پھر وہی کھڑا ہوگا جس کوخدا چاہے گا اور خدا اس کوآپ کھڑا کردے گا ۔‘‘۵ے

پس اگر پہلے خلفاء اس آیت کے ماتحت خلیفہ تھے تو ان کے فیصلے اسی کی تائید میں ہیں کہ ان کے بعد بھی خلافت رہے گی اور اسی رنگ میں ہوگی جس رنگ میں ان کی اپنی خلافت تھی اور ان کے فیصلے اس بارہ میں حُجّت ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ ۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ جب موجبات موجود ہوں تو پھران کا طبعی نتیجہ کیوں نہ ہوگا یا تو یہ مانا جائے گا کہ ضرورتِ خلافت بعد میں نہ رہی اور اُمت بھی مومنوں اور عملِ صالح کرنے والوں کی نہ رہی اور یا پھر خلافت کے وجود کو تسلیم کرنا ہوگا ۔

کیا خلیفہ کا عزل جائز ہے؟

ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ جب خلیفہ انتخاب سے ہوتا ہے تو پھر امت کیلئے اس کا عزل بھی جائز ہوا اس کا جواب یہ ہے کہ گوخلیفہ کا تقرر انتخاب کے ذریعہ سے ہوتا ہے لیکن آیت کی نص صریح اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ امت کو اپنے فیصلہ کا اس امر میں ذریعہ بناتا ہے اور اس کے دماغ کو خاص طور پر روشنی بخشتا ہے لیکن مقرر اصل میں اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے ۔ چنانچہ فرماتا ہے لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ کہ وہ خود ان کو خلیفہ بنائے گا ۔ پس گو خلفاء کا انتخاب مومنوں کے ذریعہ سے ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا الہام لوگوں کے دلوں کو اصل حقدار کی طرف متوجہ کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بتاتا ہے کہ ایسے خلفاء میں مَیں فلاں فلاں خاصیتیں پیدا کر دیتا ہوں اور یہ خلفاء ایک انعامِ الٰہی ہوتے ہیں ۔ پس اس صورت میں اس اعتراض کی تفصیل یہ ہوئی کہ کیا اُمت کو حق نہیں کہ وہ اس شخص کو جو کامل موحّد ہے جس کے دین کو اللہ تعالیٰ نے قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے جس کیلئے خدا نے تمام خطرات کو دور کرنے کا وعدہ کیا ہے اور جس کے ذریعہ سے وہ شرک کو مٹانا چاہتا ہے اور جس کے ذریعہ سے وہ اسلام کو محفوظ کرنا چاہتا ہے

معزول کر دے۔ ظاہر ہے کہ ایسے شخص کو امّتِ اسلامیہ معزول نہیں کر سکتی۔ ایسے شخص کو تو شیطان کے چیلے ہی معزول کریں گے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس جگہ وعدہ کا لفظ ہے اور وعدہ احسان پر دلالت کرتا ہے۔ پس اس اعتراض کے معنی یہ ہوں گے کہ چونکہ انعام کا انتخاب اللہ تعالیٰ نے اُمت کے ہاتھ میں رکھا ہے اسے کیوں حق نہیں کہ وہ اس انعام کو ردّ کر دے۔ ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ یہ استنباط بدترین استنباط ہے۔ جو انعام منہ مانگے ملے اس کا ردّ کرنا تو انسان کو اور بھی مجرم بنا دیتا ہے اور اس پر شدید حجت قائم کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرمائے گا کہ اے لوگو! میں نے تمہاری مرضی پر چھوڑا اور کہا کہ میرے انعام کو کس صورت میں لینا چاہتے ہو؟ تم نے کہا ہم اس انعام کو فلاں شخص کی صورت میں لینا چاہتے ہیں اور میں نے اپنے فضل اس شخص کے ساتھ وابستہ کر دیئے۔ جب میں نے تمہاری بات مان لی تو اب تم کہتے ہو کہ ہم اس انعام پر راضی نہیں۔ اب اس نعمت کے اوپر میں اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ لَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِيْدٌ اسی کی طرف اشارہ کرنے کیلئے فرمایا کہ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ یعنی انتخاب کے وقت تو ہم نے اُمت کو اختیار دیا ہے مگر چونکہ اس انتخاب میں ہم اُمت کی راہبری کرتے ہیں اور چونکہ ہم اس شخص کو اپنا بنا لیتے ہیں اس کے بعد اُمت کا اختیار نہیں ہوتا اور جو شخص پھر بھی اختیار چلانا چاہے تو یاد رکھے وہ خلیفہ کا مقابلہ نہیں کرتا بلکہ ہمارے انعام کی بے قدری کرتا ہے۔ پس مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ اگر انتخاب کے وقت وہ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ میں شامل تھا تو اب اس اقدام کی وجہ سے ہماری درگاہ میں اس کا نام وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی فہرست سے کاٹ کر فاسقوں کی فہرست میں لکھا جائے گا۔

ایک لطیف نکتہ

اب ایک لطیف نکتہ بھی سن لو۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیا عجیب بات بیان کی ہے۔ خلافت کے انعام کا وارث اس قوم کو بتایا ہے جو (۱) ایمان رکھتی ہو یعنی اس کے ارادے نیک ہوں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ [٦] کہ مومن کے عمل محدود ہوتے ہیں مگر اس کے ارادے بہت وسیع ہوتے ہیں۔ اور وہ کہتا ہے

کہ میں یوں کروں گا اور ووں کروں گا۔ گویا مومن کے ارادے بہت نیک ہوتے ہیں۔
(۲) دوسری بات یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے مصداق ہوتے ہیں۔ یعنی صالح ہوتے ہیں مگر فرماتا ہے جب وہ خلافت کا انکار کرتے ہیں تو فاسق ہو جاتے ہیں۔ فاسق کے معنی ہیں جو حلقہ اطاعت سے نکل جائے اور نبی کی معیت سے محروم ہو جائے۔ پس آیت کا مفہوم یہ ہؤا کہ نیک ارادے رکھنے والوں اور صالح لوگوں میں خلافت آتی ہے۔ مگر جو اس سے منکر ہو جائیں تو باوجود نیک ارادے رکھنے اور صالح ہونے کے وہ اس فعل کی وجہ سے نبی کی معیت سے محروم کر دیئے جاتے ہیں۔
اب آیت کے اِن الفاظ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس رؤیا کے مقابل پر رکھو جو آپ نے مولوی محمد علی صاحب کے متعلق دیکھا اور جس میں آپ ان سے فرماتے ہیں:۔

"آپ بھی صالح تھے اور نیک ارادہ رکھتے تھے۔ آؤ ہمارے ساتھ بیٹھ جاؤ۔"[۷۷]

تو معلوم ہوا کہ یہ بعینہ وہی بات ہے جو اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ کے الفاظ میں بیان کی گئی ہے کہ ایمان رکھنے اور عمل صالح کرنے والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ وہ ان میں خلافت قائم کرے گا۔ مگر جو شخص اس نعمت کا انکار کر دے گا وہ نبی کی معیت سے محروم کر دیا جائے گا۔ اس رؤیا میں یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ شخص حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس بیٹھا یا نہیں بیٹھا۔ مگر قرآنی الفاظ بتاتے ہیں کہ ایسے شخص کو پاس بیٹھنے کی توفیق نہیں ملی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ[۷۸]

خلافتِ راشدہ کی تائید میں دوسری آیت

دوسری آیت جو خلافت کے ثبوت میں قرآن کریم میں بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ

عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ۹؎

یعنی اُس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم کو اس کے ربّ نے بعض باتوں کے ذریعہ سے آزمایا اور اس نے ان سب کو پورا کر کے دکھا دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابراہیمؑ! میں تجھے لوگوں کا امام مقرر کرنے والا ہوں۔ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا کہ اے خدا! میری اولاد میں سے بھی امام بنائیو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ بہت اچھا مگر اِن میں سے جو لوگ ظالم ہو جائیں گے ان کو امام نہیں بنایا جائے گا۔

اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے انہیں امام بنانے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام فوراً اور جائز طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ جو کام میرے سپرد ہونے والا ہے وہ ایک نسل میں پورا نہیں ہو سکتا اور ضرورت ہے کہ میرے بعد بھی کچھ اور وجود ہوں جو اس کام کو چلائیں اور اللہ تعالیٰ سے اپنی ذریت کے امام بنانے کی درخواست کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہاں اِن سے بھی میں وعدہ کرتا ہوں مگر ظالموں کو میرا عہد نہیں پہنچے گا۔

اس آیت میں بھی وعدہ اولاد سے ہے گو ظالم اولاد سے نہیں لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں یا تو امام تھے یا ظالم تھے اِن دونوں کے سوا بھی اور اولاد تھی۔ پھر ان سے امامت کا وعدہ کس طرح پورا ہؤا؟ اسی طرح کہ بعض کو امامت ملی اور بعض کو ان کے ذریعہ سے امامت سے فائدہ پہنچا۔ یہ بھی آیتِ استخلاف کے اس اعتراض کا جواب ہے کہ وعدہ تو سب سے تھا پھر خلافت شخصی کس طرح ہو سکتی ہے۔

مگر میں اِس وقت آیت کے ایک دوسرے پہلو کی طرف اشارہ کر رہا ہوں اور وہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اولاد کے متعلق امامت کا وعدہ تھا وہ وعدہ کس طرح پورا ہوا؟ آپ کے بعد آپ کی اولاد میں سے چار نبی ہوئے (۱) حضرت اسماعیلؑ (۲) حضرت اسحاقؑ (۳) حضرت یعقوبؑ (۴) حضرت یوسفؑ۔ اور ان چاروں انبیاء خلفاء نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مشن کو تکمیل تک پہنچایا۔

قرآن کریم میں دوسری جگہ ان چاروں کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔ فرماتا ہے۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ قَالَ اَوَ لَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ

بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۸۰

یعنی اس واقعہ کو بھی یاد کرو جب ابراہیمؑ نے کہا تھا کہ اے میرے رب! مجھے بتا کہ تُو مردے کس طرح زندہ کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تو ایمان نہیں لا چکا؟ حضرت ابراہیمؑ نے کہا۔ کیوں نہیں ایمان تو مجھے حاصل ہو چکا ہے لیکن صرف اطمینانِ قلب کی خاطر میں نے یہ سوال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو چار پرندے لے اور ان کو اپنے ساتھ سدھا لے پھر ہر ایک پہاڑ پر اُن میں سے ایک ایک حصہ رکھ دے، پھر اُنہیں بلا۔ وہ تیری طرف تیزی کے ساتھ چلے آئیں گے اور جان لے کہ اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور حکمت والا ہے۔

یہ واقعہ اگر ظاہری ہوتا تو اس پر بہت سے اعتراض پڑتے ہیں۔ اوّل یہ کہ احیائے موتی کے ساتھ پرندوں کے سِدھانے کا کیا تعلق؟ (۲) چار پرندے لینے کے کیا معنی؟ کیا ایک سے یہ غرض پوری نہ ہوتی تھی؟ (۳) پہاڑوں پر رکھنے کا کیا فائدہ؟ کیا کسی اور جگہ رکھنے سے کام نہ چلتا تھا؟

پس حقیقت یہ ہے کہ یہ ظاہری کلام نہیں بلکہ باطن رکھنے والا کلام ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی کہ الٰہی! جو احیائے موتی کا کام تو نے میرے سپرد کیا ہے اسے پورا کر کے دکھا اور مجھے بتا کہ یہ قومی زندگی کس طرح پیدا ہوگی جبکہ میں بڈھا ہوں اور کام بہت اہم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب ہم نے وعدہ کیا ہے تو یہ ہو کر رہے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہو کر تو ضرور رہے گا مگر میں اپنے اطمینان کیلئے پوچھتا ہوں کہ یہ مخالف حالات کیونکر بدلیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے چار پرندے لے کر سِدھا اور ہر ایک کو پہاڑ پر رکھ دے۔ پھر بلاؤ اور دیکھو کہ وہ کس طرح تیری طرف دوڑتے آتے ہیں۔ یعنی اپنی اولاد میں سے چار کی تربیت کرو۔ وہ تمہاری آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس احیاء کے کام کی تکمیل کریں گے۔ یہ چار جیسا کہ میں بتا چکا ہوں حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ ہیں۔ اِن میں سے دو کی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے براہِ راست تربیت

کی اور دو کی بِالواسطہ۔ پہاڑ پر رکھنے کے معنی بھی یہی ہیں کہ ان کی اعلیٰ تربیت کر کیونکہ وہ بہت بڑے درجہ کے ہوں گے گویا پہاڑ پر رکھنے کے معنی ان کے رفیع الدرجات ہونے کی طرف اشارہ ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ بلندیوں کی چوٹیوں تک جا پہنچیں گے۔

غرض اس طرح احیائے قومی کا وہ نقشہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قریب زمانہ میں ظاہر ہونا تھا انہیں بتا دیا گیا۔ اب دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھی مثیل ہیں جیسا کہ درود پڑھنے والے مسلمان جانتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا سکھائی ہے کہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ لیکن جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہیں تو یقیناً کسی خاص خصوصیت کی طرف ہی اِس درود میں اشارہ ہوسکتا ہے اور وہ خصوصیت ان کی اولاد میں امامت و نبوت کی ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ جَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ [81] یعنی ہم نے اس کی ذرّیت کے ساتھ نبوت اور کتاب کو مخصوص کر دیا اور ہم نے اس کو اس دنیا میں بھی اجر بخشا اور آخرت میں بھی وہ نیک بندوں میں شامل کیا جائے گا۔ پس وہ فضیلت جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملی وہ نبوت ہی تھی جس کے بعد متواتر ان کی اولاد کو نبوتِ خلافت حاصل ہوئی جس نے ان کے گھر کو شرف سے بھر دیا۔ چنانچہ ایک دفعہ کسی نے رسول کریم ﷺ سے پوچھا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ! سب سے زیادہ معزز کون ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا جو شخص سب سے زیادہ تقویٰ رکھتا ہے۔ اس نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ! میرا یہ سوال نہیں۔ آپؐ نے فرمایا تو پھر یوسفؑ بڑا معزز ہے جو خود بھی نبی تھا اور نبی کا بیٹا بھی تھا۔ پھر اُس کا دادا بھی نبی تھا اور اُس کا پڑدادا ابراہیمؑ بھی نبی تھا [82]۔ پس جب ہم کَمَا صَلَّیْتَ یا کَمَا بَارَکْتَ کہتے ہیں تو ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہی فضیلت دے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حاصل تھی۔ ذاتی طور پر بھی اور اولاد کی طرف سے بھی۔ یعنی

آپ ابوالانبیاء ہو جائیں اور آپ کی اولا د روحانی میں بھی نبوت مخصوص ہو جائے۔ سو اللہ تعالیٰ نے اِس دعا کو سنا اور جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معاً بعد چار رسول ہوئے تھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاً بعد چار خلیفے ہوئے جنہوں نے آپ کے دین کی تمکین کی اور جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں دُور زمانہ میں پھر نبی پیدا ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعید زمانہ بعد بھی انبیاء کی بعثت کی خبر دی گئی مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر میں بھی فضیلت دی گئی ہے۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو دو خلفاء کی تربیت بِلا واسطہ کی تھی اور دو کی بِالواسطہ۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاروں اماموں کی تربیت خود فرمائی اگر یہ مشابہت نہ ہوتی تو پھر کَمَا صَلَّیْتَ اور کَمَا بَارَکْتَ کے معنی ہی کیا ہوتے۔ پھر تو یہ تسلیم کرنا پڑتا کہ شاید حضرت ابراہیم علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ پس ابراہیمی وعدہ اور درود مل کر صاف بتاتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ایسا ہی ہونے والا تھا اور آپ کے بعد بھی آپ کے دین کی تمکین کیلئے خلفاء آنے والے تھے۔

اگر کہو کہ وہ خلفاء تو نبی تھے یہ تو نبی نہ تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اولاد کے امام ہونے کے درحقیقت دو وعدے تھے ایک تو قریب عہد میں اور ایک بعید عہد میں جس میں موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعودؑ شامل تھے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت نے تقاضا کیا کہ قریب عہد کے امام خلیفہ امام ہوں اور بعید کا خلیفہ نبی خلیفہ ہو۔ چنانچہ خلفائے راشدین عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ کے ماتحت انبیاء سے شدید مشابہت رکھتے تھے مگر نبی نہ تھے اور آخری خلیفہ ایک پہلو سے اُمّتی اور ایک پہلو سے نبی ہوا تاکہ مشابہت میں نقص نہ رہ جائے۔

اب دیکھو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت میں ان خلفاء نے ان چار انبیاء سے زیادہ تمکین دین کی ہے اور یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ کا ایک زبردست ثبوت ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک تحریر بھی اس اُلجھن کو دور کر دیتی ہے۔

آپ ’’الوصیت‘‘ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

’’تب خدا تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کھڑا کر کے دوبارہ اپنی قدرت کا نمونہ دکھایا اور اسلام کو نابود ہوتے ہوتے تھام لیا اور اس وعدہ کو پورا کیا جوفرمایا تھا وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ...... ایسا ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ہؤا‘‘۔[۸۳]

اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس آیت میں حضرت موسیٰؑ کے نبی جانشین سے حضرت ابوبکرؓ کی مشابہت کو تسلیم کیا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بھی اس پر روشنی ڈالتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔لَوْ كَانَ نَبِيٌّ بَعْدِيْ لَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابُ[۸۴]۔ یعنی اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ بن الخطاب ہوتا۔ اس کے یہی معنی ہیں کہ عمرؓ میرے بعد امام ہونے والے ہیں۔ اگر میرے معاً بعد نبوت کا اجراء اللہ تعالیٰ نے کرنا ہوتا تو عمرؓ بھی نبی ہوتے مگر اب وہ امام تو ہونگے مگر نبی نہ ہونگے۔

ایک دوسری حدیث بھی اس پر روشنی ڈالتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ جنگ پر گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے قائم مقام بنا گئے۔ پیچھے صرف منافق ہی منافق رہ گئے تھے۔ اس وجہ سے وہ گھبرا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ مجھے بھی لے چلیں۔ آپ نے تسلی دی اور فرمایا۔ اَلَا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى اِلَّا اَنَّهٗ لَيْسَ نَبِيٌّ بَعْدِيْ[۸۵] یعنی (۱) اے علیؓ! تمہیں مجھ سے ہارونؑ اور موسیٰؑ کی نسبت حاصل ہے۔ ایک دن ہارونؑ کی طرح تم بھی میرے خلیفہ ہوگے (۲) لیکن باوجود اس نسبت کے تم نبی نہ ہوگے۔

اس میں ایک ہی وقت میں نبی سے مشابہت بھی دے دی اور نبوت سے خالی بھی بتا دیا۔ پس جس طرح علیؓ ہارونؑ کے مشابہ ہو سکتے ہیں چاروں خلفاء چار دوسرے نبیوں کے بھی مشابہ ہو سکتے ہیں۔

اس حدیث سے علاوہ اس کے کہ یہ ثبوت ملتا ہے کہ خلفاء نبیوں کے مشابہ قرار دیئے جا

سکتے ہیں حضرت علیؓ کے زمانہ کے فتنہ پر بھی روشنی پڑتی ہے اور اس میں یہ پیشگوئی نظر آتی ہے کہ جس طرح حضرت ہارونؑ کے زمانہ میں فساد ہوا حضرت علیؓ کے زمانہ میں بھی فساد ہوگا اور لوگ حضرت علیؓ پر الزام لگائیں گے لیکن وہ الزام اُسی طرح غلط ہونگے جس طرح ہارونؑ پر یہ اعتراض غلط ہے کہ انہوں نے شرک کیا۔ بہر حال حضرت علیؓ کا طریق حضرت ہارونؑ کے مشابہ ہوگا کہ تفرقہ کے ڈر سے کسی قدر نرمی کریں گے (جیسا کہ صفّین کے موقع پر تحکیم کو تسلیم کر کے انہوں نے کیا)

خلافت کے بارہ میں رسول کریم ﷺ کا ایک ارشاد

اس کے بعد مَیں حدیثوں میں سے صرف ایک حدیث بطور مثال خلافت کے بارہ میں پیش کر دیتا ہوں کیونکہ اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مَا مِنْ نَّبِیٍّ اِلَّا تَبِعَتْهُ خِلَافَةٌ [۸۶] یعنی کوئی نبی نہیں کہ اس کے بعد خلافت نہ ہوئی ہو۔ اس عام فیصلہ کے بعد خلافت کا انکار درحقیقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت کا انکار ہے کیونکہ یہ ایک قاعدہ کلّیہ ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا۔

خلفاء کے حقوق کے بارہ میں ایک بہت بڑا اعتراض

اب مَیں ایک اعتراض جو بہت مشہور اور جو خلفاء کے حقوق کے بارہ میں ہے اس کا جواب دیتا ہوں۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ جیسا کہ آیت استخلاف سے ثابت ہے اور جیسا کہ آیت وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ سے ثابت ہے اور جیسا کہ آیت وَ شَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ سے ثابت ہے خلفاء پر گو اہم امور میں مشورہ لینے کی پابندی ہے لیکن اُس پر عمل کرنے کی پابندی نہیں۔ اس پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔ سب سے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکرؓ خود فرماتے ہیں کہ اِنْ زِغْتُ فَقَوِّمُوْنِیْ [۸۷] اگر مَیں کجی دکھاؤں تو مجھے سیدھا کر دینا۔ معلوم ہؤا کہ وہ پبلک کو خلیفہ کو روکنے کا اختیار دیتے ہیں۔ غیر مبائعین ہمیشہ یہ اعتراض کیا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکرؓ نے یہ کہہ دیا تھا کہ اگر مَیں ٹیڑھا ہو جاؤں تو مجھے سیدھا

کر دینا تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ خلیفہ غلطی کر سکتا ہے اور پبلک کو حق ہے کہ جب بھی وہ اسے سیدھے راستہ سے منحرف ہوتا دیکھے اُسے پکڑ کر سیدھا کر دے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا عمل اس بات پر شاہد ہے کہ آپ نے اپنے اس قول کے کبھی بھی وہ معنی نہیں سمجھے جو معترضین لیتے ہیں۔ اور نہ مسلمان آپ کے اس قول کا کبھی یہ مفہوم لیتے تھے کہ جب وہ حضرت ابوبکرؓ کی رائے کو اپنی رائے کے خلاف دیکھیں تو سختی سے آپ کو سیدھا کر دیں۔ جَیشِ اسامہؓ کو رُکوانے کے متعلق جب بڑے بڑے صحابہؓ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے تو انہوں نے یہ تو نہیں کہا کہ ہماری یہ بات ماننی ہے تو مانو ورنہ ہم تمہیں ابھی سیدھا کر دیں گے بلکہ آپ نے جب ان تمام لوگوں کے مشورہ کو ردّ کر دیا اور فرمایا کہ مَیں جَیشِ اسامہؓ کو نہیں روک سکتا تو انہوں نے اپنی رائے واپس لے لی۔ اسی طرح جب باغیوں سے جنگ کے بارہ میں صحابہؓ نے کسی قدر نرمی کی درخواست کی تو آپ نے ان کی اس درخواست کو بھی ردّ کر دیا اور فرمایا کہ مَیں تو ان کے ساتھ وہی سلوک کروں گا جو مُرتدین کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس موقع پر بھی صحابہؓ نے یہ نہیں کہا کہ اگر آپ ہماری بات نہیں مانتے تو ہم آپ کو سیدھا کر کے چھوڑیں گے بلکہ انہوں نے اپنی غلطی کا اقرار کیا اور حضرت ابوبکرؓ کے فیصلہ کے سامنے انہوں نے اپنی گردنیں جُھکا دیں۔ اسی طرح جہاں بھی آپ کا لوگوں سے مقابلہ ہؤا آپ نے یہی کہا کہ میری بات صحیح ہے اور تمہاری غلط۔ یہ کہیں نظر نہیں آتا کہ کبھی لوگوں نے آپ کو سیدھا کیا ہو۔ یا آپ نے ہی لوگوں سے کہا ہو کہ اے مسلمانو! مَیں کچھ ٹیڑھا سا ہو گیا ہوں مجھے سیدھا کر دینا۔ پس آپ کے قول کے وہی معنی لئے جا سکتے ہیں جو خدا اور رسول کے احکام کے مطابق ہوں اور خود آپ کے فعل کے مطابق ہوں نہ کہ مخالف۔

کجی سے مراد صرف کُفر بواح ہے

سو یاد رکھنا چاہئے کہ آپ کی ٹیڑھا ہونے سے مراد وہی کفرِ بواح ہے جس کا ذکر احادیث آتا ہے اور آپ فرماتے ہیں کہ جب تک مَیں اسلام پر چلتا ہوں تم پر میری اطاعت فرض ہے اور اگر مَیں اسلام کو ترک کر دوں یا مجھ سے کفرِ بوّاح صادر ہو تو پھر تم پر یہ فرض ہے کہ میرا مقابلہ کرو ورنہ یہ مُراد نہیں کہ میرے روزمرہ کے فیصلوں پر تنقید کر کے جو تمہاری مرضی کے

مطابق ہوں اُن پر عمل کرو اور دوسروں کو چھوڑ دو۔

کیا حضرت ابوبکرؓ کُفر بواح کر سکتے تھے؟

اگر کوئی کہے کہ کیا حضرت ابوبکرؓ کفر بواح کر سکتے تھے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کیا حضرت ابوبکرؓ اس قدر ٹیڑھا ہو سکتے تھے کہ انہیں سیدھا کرنے کی مسلمانوں کو ضرورت پیش آئے! ایسی صورت تو اُسی وقت پیش آ سکتی تھی جب صحابہؓ کہیں کہ قرآن اور حدیث سے فلاں امر ثابت ہے اور حضرت ابوبکرؓ کہیں کہ مَیں قرآن اور حدیث کی بات نہیں مانتا۔ پس کیا یہ ممکن تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کبھی قرآن اور حدیث کے خلاف ایسا قدم اُٹھا سکیں؟ اور مسلمانوں کو انہیں لٹھ لیکر سیدھا کرنے کی ضرورت پیش آئے۔ اگر اس قدر کجی بھی آپ سے ممکن نہ تھی مگر آپ نے یہ فقرہ کہا تو کفرِ بواح بھی گو آپ سے ممکن نہ تھا مگر آپ نے یہ ظاہر کرنے کیلئے کہ صداقتِ ازلی سب چیزوں سے بڑی ہے یہ فقرہ کہہ دیا اس سے آپ کا یہ منشا نہیں تھا کہ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ آپ سے کفر بواح صادر ہوسکتا ہے بلکہ یہ منشا تھا کہ میری حیثیت محض ایک خلیفہ کی ہے اور میرا کام اپنے رسول اور مطاع کی تعلیم کو صحیح رنگ میں دنیا میں قائم کرنا ہے۔ پس تم اس صداقتِ ازلی کو ہر چیز پر مقدم رکھو اور خواہ مَیں بھی اُس کے خلاف کہوں تم اصل تعلیم کو کبھی ترک نہ کرو۔

قرآن کریم سے بعض مثالیں

اَب مَیں بتاتا ہوں کہ اس قسم کے الفاظ قرآن کریم میں بھی موجود ہیں۔ حضرت شعیبؑ فرماتے ہیں۔ مَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ۔[۸۸] جب کُفّار نے حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا کہ آؤ اور ہم میں مل جاؤ تو حضرت شعیب علیہ السلام نے یہ جواب دیا کہ ہمارے لئے یہ بالکل ناممکن ہے کہ تمہارے مذہب میں شامل ہوں ہاں اگر خدا چاہے تو ہوسکتا ہے۔ اب کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضرت شعیبؑ کو کافر کر دینا اللہ تعالیٰ کیلئے ممکن تھا یا شعیبؑ کا کافر ہو جانا ممکن تھا۔ یقیناً اُن کا کافر ہونا ناممکن تھا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی تھے۔ مگر انہوں نے یہ کہا اور اس لئے کہا تا اللہ تعالیٰ کا مقام اور اُس کی عظمت لوگوں پر ظاہر ہو کہ گو میرا کافر ہونا ناممکن ہے مگر اس میں میرے نفس کی کوئی بڑائی نہیں

بلکہ یہ مقام محض اللہ تعالیٰ کی مدد سے حاصل ہؤا ہے اگر وہ نہ ہو تو پھر یہ عصمت بھی نہ رہے۔
اِسی طرح رسول کریم ﷺ کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی کلمات نکلوائے ہیں چنانچہ قرآن کریم میں آتا ہے قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ۸۹ یعنی اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! تو لوگوں سے کہہ دے کہ اگر خدا کا بیٹا ہوتو مَیں سب سے پہلے اُس کی پرستش اور عبادت کرنے کیلئے تیار ہوں۔ اب اس آیت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ خدا تعالیٰ کے لئے بیٹے کا امکان موجود ہے بلکہ اس کے صرف یہ معنی ہیں کہ خدا کا بیٹا تو یقیناً کوئی نہیں لیکن اگر ہوتا تو میرے جیسا مطیع وفرمانبردار بندہ اُس کی ضرور عبادت کرتا۔
اِسی طرح حضرت ابوبکرؓ سے گو کُفر بواح کا صدور بالکل ناممکن تھا مگر آپ نے صداقت ازلی کی اہمیت لوگوں کو ذہن نشین کرانے کیلئے فرمادیا کہ اگر مَیں بھی اس کے مقابلہ میں آ جاؤں تو میری پرواہ نہ کرنا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک واقعہ

ایسا ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بھی ایک واقعہ ہے۔
آپ کے زمانہ میں ایک شخص میاں نظام الدین نامی تھے جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٰ کیا کہ مسیح ناصری فوت ہو چکے ہیں تو تمام ہندوستان میں ایک شور مچ گیا، اُن دنوں حضرت خلیفہ اوّل جموں سے چند دنوں کی رخصت لیکر لاہور آئے ہوئے تھے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی بھی وہیں جا پہنچے اور انہوں نے آپ کو مباحثہ کا چیلنج دے دیا اور کہا کہ صرف حدیثوں سے اس مسئلہ پر بحث ہونی چاہئے۔ حضرت خلیفہ اوّل فرماتے کہ حدیث حاکم نہیں بلکہ قرآن حاکم ہے۔ پس ہمیں اس معاملہ کا قرآن کریم کی آیات سے فیصلہ کرنا چاہئے۔ اس پر کئی دن بحث ہوتی رہی اور ایک دوسرے کی طرف سے اشتہارات بھی نکلتے رہے۔ میاں نظام الدین چونکہ مولوی محمد حسین بٹالوی کے بھی دوست تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بھی گہرا تعلق رکھتے تھے اس لئے انہوں نے فیصلہ کیا کہ اس جھگڑے کو نپٹانا چاہئے۔ انہوں نے اپنے دل میں سمجھا کہ مرزا صاحب نیک آدمی ہیں وہ قرآن کریم کے خلاف تو کوئی بات نہیں کہہ سکتے۔ ضرور انہوں نے کوئی ایسی بات کہی ہوگی جسے مولوی محمد حسین

بٹالوی سمجھے نہیں اور جوش میں آ کر مخالفت پر آمادہ ہو گئے ہیں ورنہ یہ ہو کس طرح سکتا ہے کہ قرآن سے حیاتِ مسیح ثابت ہو اور مرزا صاحب جیسا نیک اور متقی آدمی قرآن کے خلاف یہ دعویٰ کر دے کہ حضرت مسیحؑ فوت ہو چکے ہیں۔ چنانچہ وہ بڑے جوش سے قادیان آئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کہنے لگے کہ میں نے سنا ہے آپ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں میرا یہی دعویٰ ہے۔ وہ کہنے لگے کہ اگر قرآن سے یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں تو کیا آپ اپنا یہ عقیدہ ترک کر دیں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کیوں نہیں۔ اگر قرآن سے حیات مسیحؑ ثابت ہو جائے تو مَیں انہیں زندہ ماننے لگ جاؤں گا۔ اس پر وہ بڑے خوش ہوئے اور کہنے لگے مَیں پہلے ہی کہتا تھا کہ مرزا صاحب بڑے نیک آدمی ہیں وہ قرآن کے خلاف عمداً کوئی بات نہیں کہہ سکتے۔ انہیں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے اور اگر اُسے رفع کر دیا جائے تو اُن سے حیاتِ مسیح کا منوا لینا کوئی بڑی بات نہیں۔ چنانچہ کہنے لگے اچھا اگر مَیں ایسی سَو آیتیں نکال کر لے آؤں جن سے حیاتِ مسیح ثابت ہوتی ہو تو کیا آپ مان لیں گے؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمانے لگے سَو چھوڑ آپ ایک آیت ہی ایسی لے آئیں تو میرے لئے وہی کافی ہے۔ کہنے لگے اچھا سَو نہ سہی پچاس تو ضرور لے آؤں گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا مَیں تو کہہ چکا ہوں کہ میرے لئے ایک آیت بھی کافی ہے سَو یا پچاس کا سوال ہی نہیں۔ وہ کہنے لگے اچھا یہ بات ہے تو دس آیتیں تو میں ایسی ضرور نکال کر لے آؤں گا جن سے مسیحؑ کی حیات ثابت ہوتی ہو۔ چنانچہ وہ سیدھے لاہور پہنچے اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے جا کر ملے۔ اِس دوران میں چونکہ حضرت خلیفہ اوّل اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی بحث نے بہت طول پکڑ لیا تھا اس لئے تنگ آ کر حضرت خلیفہ اوّل نے اتنا مان لیا کہ قرآن کے علاوہ بخاری سے بھی تائیدی رنگ میں حدیثیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اپنی اس فتح پر بڑے خوش تھے اور وہ مسجد میں بیٹھے بڑے زور شور سے لافیں مار رہے تھے کہ مَیں نے نورالدین کو ایسا رگیدا اور ایسی پٹخیاں دیں کہ آخر اُسے ماننا پڑا کہ قرآن کے علاوہ حدیثیں بھی پیش کی جا سکتی ہیں۔ اتفاق ایسا ہؤا کہ اِدھر وہ ڈینگیں مار رہے

تھے اور اُدھر میاں نظام الدین صاحب اُن کے سر پر جا پہنچے اور کہنے لگے بس اس بحث مباحثہ کو ایک طرف رکھیں مَیں قادیان گیا تھا اور مَیں حضرت مرزا صاحب کو منوا آیا ہوں کہ اگر مَیں قرآن سے دس آیتیں ایسی نکال کر لے آؤں جن سے حیاتِ مسیحؑ ثابت ہوتی ہو تو وہ اپنے عقیدہ کو ترک کر دیں گے اس لئے آپ جلدی کریں اور مجھے قرآن سے ایسی دس آیات نکال کر دے دیں مَیں ابھی اس جھگڑے کا فیصلہ کئے دیتا ہوں اور خود مرزا صاحب کی زبان سے یہ اقرار کروالیتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی جو بڑے فخر سے کہہ رہے تھے کہ مَیں نے نورالدین کو ایسا رگیدا کہ وہ میرے مقابلہ میں شکست کھانے پر مجبور ہو گیا انہوں نے جب میاں نظام الدین صاحب کی یہ بات سنی تو اُن کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور وہ بڑے غصّہ سے کہنے لگے تجھے کس جاہل نے کہا تھا کہ تو مرزا صاحب کے پاس جائے۔ مَیں دو مہینے جھگڑ جھگڑ کر نورالدین کو حدیث کی طرف لایا تھا تو پھر بحث کو قرآن کی طرف لے گیا۔ وہ آدمی تھے نیک، انہوں نے جب یہ سنا تو وہ حیرت و اِستعجاب سے تھوڑی دیر تو بالکل خاموش کھڑے رہے اور پھر مولوی صاحب سے مخاطب ہو کر کہنے لگے اچھا مولوی صاحب! اگر قرآن میں حیاتِ مسیحؑ کا کوئی ثبوت نہیں تو پھر جدھر قرآن ہے اُدھر ہی مَیں ہوں اور یہ کہہ کر وہاں سے چلے آئے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت میں شامل ہو گئے۔

اب دیکھ لو باوجود اس بات کے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اس حقیقت کو کھولا تھا کہ حضرت مسیح ناصریؑ فوت ہو چکے ہیں اور باوجود اس کے کہ آپ نے قرآن و احادیث سے اس مسئلے کو مدلّل طور پر ثابت کر دیا تھا آپ نے فرمایا کہ اگر ایک آیت بھی اس کے خلاف لے آؤ تو مَیں اپنا عقیدہ ترک کرنے کیلئے تیار ہوں۔ اب کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو **نَعُوْذُ بِاللّٰہِ** اس کے متعلق کامل یقین حاصل نہیں تھا اور آپ کا خیال تھا کہ شاید اس کے خلاف بھی کوئی آیت ہو۔ اگر کوئی ایسا کہے تو وہ اوّل درجے کا جاہل ہوگا کیونکہ آپ نے جب یہ کہا کہ اگر ایک آیت بھی میرے پاس ایسی نکال کر لے آئیں جس سے حیاتِ مسیحؑ ثابت ہوتی ہو تو مَیں اپنے

عقیدہ کو ترک کر دوں گا تو یہ قرآن مجید کی عظمت اور اُس کی بزرگی کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا اور آپ کا مقصد یہ تھا کہ قرآن کے ایک لفظ کے خلاف بھی اگر میرا عقیدہ ہو تو مَیں ترک کرنے کیلئے تیار ہوں۔ یہ مقصد نہیں تھا کہ واقع میں آپ کا کوئی عقیدہ خلافِ قرآن ہے۔ اِسی طرح حضرت ابوبکرؓ کے اس قول کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آپ سے کُفر بواح صادر ہو سکتا تھا بلکہ یہ معنی ہیں کہ صداقت ہر حالت میں قابلِ اتباع ہوتی ہے اور اُس کیلئے زید یا بکر کا کوئی سوال نہیں ہوتا اگر مَیں بھی کسی ایسے امر کا ارتکاب کروں تو تم میری اطاعت سے انکار کر دو۔ یہ مطلب نہیں تھا کہ آپ کبھی خدا اور رسول کے حکم کے خلاف بھی کسی فعل کا ارتکاب کر سکتے تھے اور نہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ اور آیت استخلاف کی موجودگی میں یہ معنی ہو سکتے ہیں۔

آیتِ استخلاف اور خلافتِ ثانیہ

اَب مَیں مختصراً آیت استخلاف کے ماتحت احمدیہ خلافت کے ذکر کو چھوڑ کر صرف اپنی خلافت کو لیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ میں یہ بتایا ہے کہ جب تک قوم کی اکثریت میں ایمان اور عملِ صالح رہتا ہے اُن میں خلافت کا نظام بھی موجود رہتا ہے۔ پس دیکھنا یہ چاہئے کہ (۱) کیا جماعت اب تک ایمان اور عملِ صالح رکھتی ہے یعنی کیا ہماری جماعت کی شہرت نیک ہے اور کیا ہماری جماعت کے افراد کی اکثریت عملِ صالح رکھتی ہے؟ اس کیلئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ یہ بات ہر شخص پر ظاہر ہے کہ جماعت کی شہرت نیک ہے اور جماعت کی اکثریت عمل صالح پر قائم ہے۔ پس جب ایمان اور عملِ صالح کی یہ حالت ہے تو خلافت کا وعدہ ضرور پورا ہونا چاہئے کیونکہ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے اِس بات کا وعدہ کیا ہے اور وعدہ ضرور پورا ہؤا کرتا ہے۔

(۲) دوسری بات اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ

كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ یعنی جس طرح پہلے خلفاء ہوئے اسی طرح اُمتِ محمدیہ میں خلفاء ہونگے۔ مطلب یہ کہ جس طرح پہلے خلفاء الٰہی طاقت سے بنے اور کوئی اُن کی خلافت کا مقابلہ نہ کر سکا اِسی طرح اب ہوگا۔ سو میری خلافت کے ذریعہ یہ علامت بھی پوری ہوئی۔ حضرت خلیفہ اوّل کی خلافت کے وقت صرف بیرونی اعداء کا خوف تھا مگر میری خلافت کے وقت اندرونی اعداء کا خوف بھی اس کے ساتھ شامل ہو گیا۔ پھر حضرت خلیفہ اوّل کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ہی حکیم الامت اور اَور بہت سے القاب سے ملقّب کیا جاتا تھا مگر میرے متعلق سالہا سال سے جماعت میں یہ پروپیگنڈا کیا جارہا تھا کہ اگر اِس بچہ کے ہاتھ میں جماعت کی باگ ڈور آ گئی تو جماعت تباہ ہو جائے گی۔ پھر میں نہ عربی کا عالم تھا، نہ انگریزی کا عالم تھا، نہ ایسا فن جانتا تھا جو لوگوں کی توجہ اپنی طرف پھرا سکے، نہ جماعت میں مجھے کوئی عہدہ اور رسوخ حاصل تھا تمام اختیارات مولوی محمد علی صاحب کو حاصل تھے اور وہ جس طرح چاہتے تھے کرتے تھے۔ ایسے حالات میں ایک ایسا شخص جس کو عمر کے لحاظ سے بچہ کہا جاتا تھا، جس کو علم کے لحاظ سے جاہل کہا جاتا تھا، جسے انجمن میں کوئی اختیار حاصل نہیں تھا، جس کے ہاتھ میں کوئی روپیہ نہیں تھا، اُس کی مخالفت میں وہ لوگ کھڑے ہوئے جن کے پاس بڑی بڑی ڈگریاں تھیں، وہ لوگ کھڑے ہوئے جن کے ہاتھوں میں قوم کا تمام روپیہ تھا، وہ لوگ کھڑے ہوئے جو ایک عرصہ دراز سے بہت بڑی عزتوں کے مالک سمجھے جاتے تھے اور انہوں نے دعویٰ کیا کہ ہم اس بچہ کو خلیفہ نہیں بننے دیں گے مگر خدا نے اُن کو ناکام و نامراد کیا اور وہی جسے جاہل کہا جاتا تھا، جسے کودن [۹۰] قرار دیا جاتا تھا اور جس کے متعلق یہ عَلَى الْإِعْلَان کہا جاتا تھا کہ وہ جماعت کو تباہ کر دے گا، خدا تعالیٰ نے اُسی کو خلافت کے مقام کیلئے منتخب کیا۔ یہ لوگ اپنی امیدوں پر پانی پھرتا دیکھ کر یہاں سے الگ ہو گئے اور انہوں نے کہا جماعت نے بے وقوفی کی جو اُس نے ایک نادان اور احمق بچہ کو خلیفہ بنا لیا تھوڑے دنوں میں ہی اُسے اپنی حماقت کا خمیازہ نظر آ جائے گا، جماعت تباہ ہو جائے گی، روپیہ آنا بند ہو جائے گا، تمام عزت اور نیک نامی خاک میں مل جائے گی اور وہ عروج جو سلسلہ کو اب تک حاصل ہؤا ہے اس نادان بچے کی وجہ سے ضائع ہو جائیگا مگر

ہوتا کیا ہے؟ وہی بچہ جب خدا کی طرف سے خلافت کے تخت پر بیٹھتا ہے تو جس طرح شیر بکریوں پر حملہ کرتا ہے اُسی طرح خدا کا یہ شیر دنیا پر حملہ آور ہوُا اور اس نے ایک یہاں سے اور ایک وہاں سے، ایک مشرق سے اور ایک مغرب سے، ایک شمال سے اور ایک جنوب سے بھیڑیں اور بکریاں پکڑ پکڑ کر خدا کے مسیحؑ کی قربان گاہ پر چڑھا دیں یہاں تک کہ آج اس سٹیج پر اس وقت سے زیادہ لوگ موجود ہیں جتنے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے آخری سال جلسہ سالانہ پر آئے تھے۔ جس کی آنکھیں دیکھتی ہوں وہ دیکھے اور جس کے کان سنتے ہوں وہ سنے کہ کیا خدا کے فضل نے ان تمام اعتراضات کو باطل نہیں کر دیا جو مجھ پر کئے جاتے تھے۔ اور کیا اُس نے اُسی پچیس سالہ نوجوان کو جس کے متعلق لوگ کہتے تھے کہ وہ جماعت کو تباہ کر دے گا خلیفہ بنا کر اور اُس کے ذریعہ سے جماعت کو حیرت انگیز ترقی دے کر یہ ظاہر نہیں کر دیا کہ یہ کسی انسان کا بنایا ہوُا خلیفہ نہیں بلکہ میرا بنایا ہوُا خلیفہ ہے اور کوئی نہیں جو اس کا مقابلہ کر سکے۔

(۳) تیسری علامت اللہ تعالیٰ نے یہ بتائی ہے کہ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ یعنی جو علومِ دینیہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اُن پر ظاہر ہونگے انہیں خدا دنیا میں قائم کرے گا اور کوئی اُن کو مٹانے پر قادر نہ ہو سکے گا۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کی وجہ سے صحابہؓ کو ایک خاص مقام حاصل ہے اور اس میں بھی کوئی شُبہ نہیں کہ صحابہؓ نے جو حدیثیں جمع کیں وہ بجائے خود اتنا بڑا کارنامہ ہے جو اُن کے درجہ کو عام لوگوں کے وہم و گمان سے بھی بلند تر کر دیتا ہے۔ پھر اس میں بھی کوئی شُبہ نہیں کہ حضرت خلیفہ اوّل قرآن کریم کے کامل ماہر اور اُس کے عاشق تھے اور آپ کے احسانات جماعت احمدیہ پر بہت بڑے ہیں لیکن یہ سب وہ تھے جن میں سے کسی ایک پر بھی جاہل ہونے کا اعتراض نہیں کیا گیا اس لئے خدا تعالیٰ کی صفتِ علیم جس شان اور جس جاہ وجلال کے ساتھ میرے ذریعہ جلوہ گر ہوئی اُس کی مثال مجھے خلفاء کے زُمرہ میں اور کہیں نظر نہیں آتی۔ مَیں وہ تھا جسے کَل کا بچہ کہا جاتا تھا، مَیں وہ تھا جسے احمق اور نادان قرار دیا جاتا تھا مگر عہدۂ خلافت کو سنبھالنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھ پر قرآنی علوم اتنی کثرت کے ساتھ کھولے کہ اب

قیامت تک اُمتِ مُسلمہ اِس بات پر مجبور ہے کہ میری کتابوں کو پڑھے اور اُن سے فائدہ اٹھائے۔ وہ کونسا اسلامی مسئلہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ اپنی تمام تفاصیل کے ساتھ نہیں کھولا۔ مسئلہ نبوت، مسئلہ کفر، مسئلہ خلافت، مسئلہ تقدیر، قرآنی ضروری امور کا انکشاف، اسلامی اقتصادیات، اسلامی سیاسیات اور اسلامی معاشرت وغیرہ پر تیرہ سَو سال سے کوئی وسیع مضمون موجود نہیں تھا مجھے خدا نے اِس خدمتِ دین کی توفیق دی اور اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ سے ہی ان مضامین کے متعلق قرآن کے معارف کھولے جن کو آج دوست دشمن سب نقل کر رہے ہیں۔ مجھے کوئی لاکھ گالیاں دے، مجھے لاکھ بُرا بھلا کہے جو شخص اسلام کی تعلیم کو دنیا میں پھیلانے لگے گا اُسے میرا خوشہ چیں ہونا پڑے گا اور وہ میرے احسان سے کبھی باہر نہیں جا سکے گا چاہے پیغامی ہوں یا مصری۔ ان کی اولادیں جب بھی دین کی خدمت کا ارادہ کریں گی وہ اس بات پر مجبور ہونگی کہ میری کتابوں کو پڑھیں اور اُن سے فائدہ اُٹھائیں بلکہ میں بغیر فخر کے کہہ سکتا ہوں کہ اس بارہ میں سب خلفاء سے زیادہ مواد میرے ذریعہ سے جمع ہؤا ہے اور ہو رہا ہے۔ پس مجھے یہ لوگ خواہ کچھ کہیں خواہ کتنی بھی گالیاں دیں ان کے دامن میں اگر قرآن کے علوم پڑیں گے تو میرے ذریعہ ہی اور دنیا ان کو یہ کہنے پر مجبور ہو گی کہ اے نادانو! تمہاری جھولی میں تو جو کچھ بھرا ہؤا ہے وہ تم نے اسی سے لیا ہے پھر اس کی مخالفت تم کس منہ سے کر رہے ہو۔

(۴) چوتھی علامت یہ بتائی تھی کہ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۔ خدا اُن کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔ یہ علامت میرے زمانہ میں خدا نے نہایت صفائی کے ساتھ پوری کی۔ چنانچہ حضرت خلیفہ اوّل جب خلیفہ ہوئے ہیں تو اُس وقت صرف یہ خوف تھا کہ باہر کے دشمن ہنسی مذاق اُڑائیں گے اور وہ جماعت کے اتحاد کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ مگر میری خلافت کے آغاز میں نہ صرف بیرونی دشمنوں کا خوف تھا بلکہ جماعت کے اندر بھی بگاڑ پیدا ہو چکا تھا اور خطرہ تھا کہ اَور لوگ بھی اس بگاڑ سے متأثر نہ ہو جائیں ایسے حالات میں خدا نے میرے ذریعہ ہی اس خوف کو امن سے بدلا اور یہ خطرہ کہ جماعت کہیں صحیح عقائد سے منحرف نہ ہو جائے بالکل دُور کر دیا۔ چنانچہ دیکھ لو آج مصری صاحب

بھی باوجود میری مخالفت کے نبوتِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قائل ہیں اور اگر وہ دیانتداری اور سچائی سے کام لیں تو اس بات کا اعتراف کر سکتے ہیں کہ اس مسئلہ پر جماعت کو ثبات میری وجہ سے ہی حاصل ہؤا اور مَیں نے ہی اس مسئلہ کو حل کیا۔ پھر کیا یہ مسئلہ خدا نے اِسی سے حل کرانا تھا جو بقول مصری صاحب معزول ہونے کے قابل تھا؟ اِسی طرح جماعت پر بڑے بڑے خطرات کے اوقات آئے مگر خدا تعالیٰ نے ہر خطرہ کی حالت میں میری مدد کی اور میری وجہ سے اس خوف کو امن سے بدل دیا گیا۔

احرار کا جن دنوں زور تھا لوگ یہ سمجھتے تھے کہ اب جماعت تباہ ہو جائے گی مگر میں نے کہا میں احرار کے پاؤں تلے سے زمین نکلتی دیکھتا ہوں اور اس کے تھوڑے دنوں بعد ہی احرار کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی اور وہ دنیا میں ذلیل اور رُسوا ہو گئے۔ تھوڑا ہی عرصہ ہؤا ایک سکھ نے ایک رسالہ لکھا [91] جس میں وہ میرا ذکر کرتے ہوئے لوگوں کو مخاطب کر کے لکھتا ہے کہ تم انہیں خواہ کتنا ہی جھوٹا کہو، ایک بات ایسی ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا اور وہ یہ کہ جن دنوں احرار اپنے زور پر تھے اور یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ جماعت احمدیہ کو مٹا کر رکھ دیں گے اُن دنوں امام جماعت احمدیہ نے کہا کہ میں احرار کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکلتی دیکھ رہا ہوں اور سچی بات تو یہ ہے کہ ان کی یہ بات بڑی شان سے پوری ہوئی۔ پہلے احرار جس تحریک کو بھی اپنے ہاتھ میں لیتے تھے کامیاب ہوتے تھے مگر اب ان کی یہ حالت ہے کہ وہ جس تحریک کو بھی اُٹھاتے ہیں اس میں ناکام ہوتے ہیں۔ اسی طرح ارتدادِ ملکانا کا فتنہ لے لو، رنگیلا رسول کے وقت کی ایجی ٹیشن کو لے لو یا ان بہت سی سیاسی اُلجھنوں کو لے لو جو اِس دوران میں پیدا ہوئیں تمہیں نظر آئے گا کہ ہر مصیبت کے وقت خدا نے میری مدد کی، ہر مشکل کے وقت اس نے میرا ساتھ دیا اور ہر خوف کو اس نے میرے لئے امن سے بدل دیا۔ میں کبھی بھی نہیں سمجھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے ایسا عظیم الشان کام لے گا مگر میں اس حقیقت کو چھپا نہیں سکتا کہ خدا نے میرے وہم اور گمان سے بڑھ کر مجھ پر احسانات کئے۔ جب میری خلافت کا آغاز ہؤا تو اُس وقت میں نہیں سمجھتا تھا کہ میں کوئی دین کی خدمت کر سکوں گا۔ ظاہری حالات میرے خلاف تھے، کام کی قابلیت میرے اندر نہیں تھی، پھر میں نہ عالم تھا نہ

فاضل، نہ دولت میرے پاس تھی نہ جتھا، چنانچہ خدا گواہ ہے جب خلافت میرے سپرد ہوئی تو اس وقت میں یہی سمجھتا تھا کہ خدا کے عرفان کی نہر کا ایک بند چونکہ ٹوٹ گیا ہے اور خطرہ ہے کہ پانی اِدھر اُدھر بہہ کر ضائع نہ ہو جائے، اس لئے مجھے کھڑا کیا گیا ہے تاکہ میں اپنا مردہ دھڑ اس جگہ ڈال دوں جہاں سے پانی نکل کر بہہ رہا ہے اور وہ ضائع ہونے سے محفوظ ہو جائے چنانچہ میں نے دین کی حفاظت کیلئے اپنا دھڑ وہاں ڈال دیا اور میں نے سمجھا کہ میرا کام ختم ہو گیا مگر میری خلافت پر ابھی تین دن بھی نہیں گزرے تھے کہ خدا تعالیٰ کے نشانات بارش کی طرح برسنے شروع ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ کا ایک عجیب نشان

چنانچہ علی گڑھ کا ایک نوجوان جس کی حالت یہ تھی کہ وہ حضرت خلیفہ اوّل کے عہد میں ہی میرے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئیاں جمع کرنے لگ گیا تھا اور اس کا دعویٰ تھا کہ یہ پیشگوئیاں اتنی زبردست ہیں کہ ان کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ وہ حضرت خلیفہ اوّل کی وفات سے بارہ تیرہ دن پہلے قادیان آیا اور یہ دیکھ کر کہ آپؓ کی حالت نازک ہے مجھے کہنے لگا کہ میں آپ کی بیعت کرنے کیلئے تیار ہوں۔ میں نے کہا تم کیسی گناہ والی بات کر رہے ہو ایک خلیفہ کی موجودگی میں دوسرے خلیفہ کے متعلق گفتگو کرنا شرعاً بالکل ناجائز اور حرام ہے تم ایسی بات مجھ سے مت کرو۔ چنانچہ وہ علی گڑھ واپس چلا گیا اور بارہ تیرہ دن کے بعد حضرت خلیفہ اوّل کی وفات ہو گئی۔ وہ چونکہ حضرت خلیفہ اوّل سے اچھے تعلقات رکھتا تھا اس لئے جب آپ کی وفات پر اختلاف ہؤا تو بعض پیغامیوں نے اُسے لکھا کہ تم اس فتنہ کو کسی طرح دور کرو۔ اس پر اُس نے علی گڑھ سے مجھے تار دیا کہ فوراً ان لوگوں سے صلح کر لو ورنہ انجام اچھا نہیں ہوگا۔ میں نے اُسے جواب لکھا کہ تمہارا خط پہنچا تم تو مجھے یہ نصیحت کرتے ہو کہ میں ان لوگوں سے صلح کر لوں مگر میرے خدا نے مجھ پر یہ الہام نازل کیا ہے کہ:-

''کون ہے جو خدا کے کاموں کو روک سکے''

پس میں ان سے صلح نہیں کر سکتا۔ رہا تمہارا مجھے یہ تحریک کرنا سو یاد رکھو تم خدا تعالیٰ کی ایک بہت بڑی حُجت کے نیچے ہو۔ تم نے حضرت خلیفہ اوّل کی زبان سے میرے متعلق بارہا ایسا ذکر

سنا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ ان کے بعد خدا تعالیٰ مجھے خلافت کے مقام پر کھڑا کرے گا پھر تم خود میرے متعلق ایک کتاب لکھ رہے تھے جس میں ان پیشگوئیوں کا ذکر تھا جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میرے متعلق کیں پس تم پر حجت تمام ہو چکی ہے اور تم میرا انکار کر کے اب دہریت سے ورے نہیں رہو گے۔

یہ خط میں نے اُسے لکھا اور ابھی اس پر ایک مہینہ بھی نہیں گزرا تھا کہ وہ دہریہ ہو گیا۔ چنانچہ وہ آج تک دہریہ ہے اور عَلَی الْاِعْلَانْ خدا تعالیٰ کی ہستی کا منکر ہے حالانکہ وہ حضرت خلیفہ اوّل کی وفات سے بارہ تیرہ دن پہلے میری بیعت کیلئے تیار تھا اور پھر میرے متعلق ایک کتاب بھی لکھ رہا تھا جس میں اس کا ارادہ تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اُن تمام پیشگوئیوں کو جمع کر دے جو میرے متعلق ہیں مگر چونکہ اس نے ایک کھلی سچائی کا انکار کیا اس لئے میں نے اُسے لکھا کہ اب میرا انکار تمہیں دہریت کی حد تک پہنچا کر رہے گا چنانچہ ایسا ہی ہؤا اور وہ ایک مہینہ کے اندر اندر دہریہ ہو گیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ایک دفعہ وہ میرے پاس آیا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئیوں پر بحث کرنے لگا۔ میں نے اُسے کہا کہ مرزا صاحب کی پیشگوئیوں کو جانے دو تم یہ بتاؤ کہ میں نے تمہارے متعلق جو پیشگوئی کی تھی وہ پوری ہوئی یا نہیں؟ اس پر وہ بالکل خاموش ہو گیا۔

غیر مبائعین کے متعلق الہام لَیُمَزِّقَنَّهُمْ پورا ہو گیا

غیر مبائعین کے پاس دوسری بڑی چیز جتھا تھی۔ انہیں اس بات پر بڑا گھمنڈ تھا کہ جماعت کا پچانوے فیصدی حصہ ان کے ساتھ ہے مگر اللہ تعالیٰ نے انہی دنوں مجھ پر الہام نازل کیا کہ ''لَیُمَزِّقَنَّهُمْ'' اللہ تعالیٰ ان کو ضرور ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔

چنانچہ خدا کی قدرت وہی خواجہ کمال الدین صاحب جن کے مولوی محمد علی صاحب کے ساتھ ایسے گہرے تعلقات تھے کہ خواجہ صاحب اگر رات کو دن کہتے تو وہ بھی دن کہنے لگ جاتے اور وہ اگر دن کو رات کہتے تو یہ بھی رات کہنے لگ جاتے ان کی خواجہ صاحب کی وفات سے دو سال پہلے آپس میں وہ لڑائی ہوئی اور ایک دوسرے پر ایسے ایسے اتہامات لگائے

گئے کہ حد ہوگئی۔ پھر ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب اور ان کی انجمن کے دوسرے ممبروں میں احمد یہ بلڈنگس میں عَلَی الْاِعْلَانْ لڑائی ہوئی۔ یہاں تک کہ بعضوں نے کہہ دیا ہم عورتوں کو پکڑ کر یہاں سے نکال دیں گے۔کل بھی انہی میں سے ایک آدمی میرے پاس آیا ہؤا تھا اور کہتا تھا کہ میری جائیداد فلاں شخص لوٹ کر کھا گیا ہے آپ میری کہیں سفارش کرادیں۔ غرض جس طرح الہام میں بتایا گیا تھا اسی طرح واقعہ ہؤا اور ان کی طاقت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ اس کے مقابلہ میں وہ پچیس سالہ نوجوان جسے یہ تحقیر سے بچہ کہا کرتے تھے اسے خدا تعالیٰ نے ایسی طاقت دی کہ جب بھی کوئی فتنہ اُٹھتا ہے اُس وقت وہ اسے اس طرح کچل کر رکھ دیتا ہے جس طرح مکھی اور مچھر کو مسل دیا جاتا ہے اور کسی کی طاقت نہیں ہوتی کہ وہ مقابلہ میں دیر تک ٹھہر سکے۔

اللہ تعالیٰ پر کامل یقین

پانچویں علامت اللہ تعالیٰ نے سچے خلفاء کی یہ بتائی ہے کہ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔اس علامت کے مطابق بھی میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے کبھی کسی سے نہیں ڈرا۔احتیاط میرے اندر حد درجہ کی ہے اور میں اسے عیب نہیں بلکہ خوبی سمجھتا ہوں لیکن جب مجھے یقین ہو جاتا ہے کہ فلاں بات یوں ہے تو پھر میں نے مشکلات کی کبھی پرواہ نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود شدید ترین خطرات کے خدا تعالیٰ نے ہمیشہ مجھے مداہنت سے بچایا ہے اور کبھی بھی میں جھوٹی صلح کی طرف مائل نہیں ہؤا۔

مستریوں کے فتنہ کے بارہ میں ایک رؤیا

میں نے ایک دفعہ رؤیا میں دیکھا کہ میں بہشتی مقبرہ کی طرف سے آرہا ہوں اور میرے ساتھ میر محمد اسحاق صاحب ہیں راستہ میں ایک بڑا سمندر ہے جس میں ایک کشتی بھی موجود ہے۔ میں اور میر محمد اسحاق صاحب دونوں اس کشتی میں بیٹھ گئے اور چل پڑے۔ جب وہ کشتی اس مقام پر پہنچی جہاں مستریوں کا مکان ہؤا کرتا تھا تو وہ بھنور میں پھنس گئی اور چکر کھانے لگی۔اتنے میں اس سمندر میں سے ایک سر نمودار ہؤا اور اس نے کہا کہ یہاں ایک پیر صاحب کی قبر ہے تم ان کے نام ایک رقعہ لکھ کر ڈال دو تا کہ یہ کشتی بھنور سے نکل جائے اور

تم سلامتی کے ساتھ منزلِ مقصود پر پہنچ جاؤ۔ میں نے کہا ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا یہ سخت مشرکانہ فعل ہے۔اس کے بعد چکر اور بھی بڑھ گئے اور یہ خطرہ محسوس کیا جانے لگا کہ کہیں کشتی ڈوب ہی نہ جائے۔اس پر میر محمد اسحاق صاحب مجھ سے کہتے ہیں کہ اس میں حرج ہی کیا ہے بہتر یہ ہے کہ اس وقت ہم رُقعہ لکھ کر ڈال دیں جب بچ جائیں گے تو پھر توبہ کرلیں گے۔ میں نے کہا ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔اس پر انہوں نے مجھ سے چُھپ کر رُقعہ لکھا اور اُس کی مروڑی سی بنا کر چاہا کہ وہ رُقعہ سمندر میں ڈال دیں۔ اتفاقاً میں نے دیکھ لیا اور میں نے کہا میر صاحب! چاہے ہم ڈوب جائیں ایسی مشرکانہ بات کا ارتکاب مَیں نہیں ہونے دوں گا۔ چنانچہ میں نے وہ رُقعہ ان سے چھین کر پھاڑ ڈالا اور اس کے بعد میں نے دیکھا کہ کشتی خود بخود بھنور میں سے نکل گئی۔

اِس رؤیا کے سالہا سال بعد اسی مقام پر جہاں خواب میں ہماری کشتی بھنور میں پھنسی تھی مستریوں کا فتنہ اٹھا اور انہوں نے کئی قسم کے الزامات لگائے۔ پھر اس خواب کے عین مطابق ایک دن میر محمد اسحاق صاحب سخت گھبرا کر میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اس میں کیا حرج ہے کہ ہم اِن لوگوں کو کچھ روپیہ دے دیں اور اس طرح ان کو خاموش کرادیں؟ میں نے کہا میر صاحب! اگر وہ باتیں ٹھیک ہیں جن کو یہ پیش کرتے ہیں تو پھر اِن کو خاموش کرانے کے کوئی معنی نہیں اور اگر وہ باتیں غلط ہیں تو خدا ان کو خود تباہ کرے گا ہمیں اس بات کی کیا ضرورت ہے کہ ہم ان کو روپیہ دیں۔

پس جہاں تک خلافت کا تعلق میرے ساتھ ہے اور جہاں تک اس خلافت کا ان خلفاء کے ساتھ تعلق ہے جو فوت ہو چکے ہیں ان دونوں میں ایک امتیاز اور فرق ہے۔ ان کے ساتھ تو خلافت کی بحث کا علمی تعلق ہے اور میرے ساتھ نشاناتِ خلافت کا معجزاتی تعلق ہے۔ پس میرے لئے اِس بحث کی کوئی حقیقت نہیں کہ کوئی آیت میری خلافت پر چسپاں ہوتی ہے یا نہیں۔ میرے لئے خدا کے تازہ بتازہ نشانات اور اس کے زندہ معجزات اس بات کا کافی ثبوت ہیں کہ مجھے خدا نے خلیفہ بنایا ہے اور کوئی شخص نہیں جو میرا مقابلہ کرسکے۔ اگر تم میں کوئی ماں کا بیٹا ایسا موجود ہے جو میرا مقابلہ کرنے کا شوق اپنے دل میں رکھتا ہو تو وہ اب میرے

مقابلہ میں اٹھ کر دیکھ لے۔ خدا اُس کو ذلیل اور رُسوا کرے گا بلکہ اُسے ہی نہیں اگر دنیا جہان کی تمام طاقتیں مل کر بھی میری خلافت کو نابود کرنا چاہیں گی تو خدا اُن کو مچھر کی طرح مسل دے گا اور ہر ایک جو میرے مقابلہ میں اُٹھے گا گرایا جائے گا، جو میرے خلاف بولے گا وہ خاموش کرایا جائے گا اور جو مجھے ذلیل کرنے کی کوشش کرے گا وہ خود ذلیل اور رُسوا ہوگا۔

پس اے مومنوں کی جماعت اور اے عملِ صالح کرنے والو! میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ خلافت خدا تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے اِس کی قدر کرو جب تک تم لوگوں کی اکثریت ایمان اور عملِ صالح پر قائم رہے گی خدا اس نعمت کو نازل کرتا چلا جائے گا لیکن اگر تمہاری اکثریت ایمان اور عملِ صالح سے محروم ہوگئی تو پھر یہ امر اس کی مرضی پر موقوف ہے کہ وہ چاہے تو اس انعام کو جاری رکھے اور چاہے تو بند کر دے۔ پس خلیفہ کے بگڑنے کا کوئی سوال نہیں خلافت اس وقت چھینی جائے گی جب تم بگڑ جاؤ گے۔ پس اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی ناشکری مت کرو اور خدا تعالیٰ کے الہامات کو تحقیر کی نگاہ سے مت دیکھو بلکہ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے تم دعاؤں میں لگے رہو تا قدرتِ ثانیہ کا پے در پے تم میں ظہور ہوتا رہے۔ تم ان ناکاموں اور نامرادوں اور بے علموں کی طرح مت بنو جنہوں نے خلافت کو ردّ کر دیا بلکہ تم ہر وقت ان دعاؤں میں مشغول رہو کہ خدا قدرتِ ثانیہ کے مظاہر تم میں ہمیشہ کھڑے کرتا رہے تا کہ اس کا دین مضبوط بنیادوں پر قائم ہو جائے اور شیطان اس میں رخنہ اندازی کرنے سے ہمیشہ کیلئے مایوس ہو جائے۔

قدرتِ ثانیہ کے نزول کیلئے ہمیشہ دعاؤں میں مشغول رہو

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قدرتِ ثانیہ کے نزول کیلئے دعاؤں کی جو شرط لگائی ہے وہ کسی ایک زمانہ کیلئے نہیں بلکہ ہمیشہ کیلئے ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں اس ارشاد کا یہ مطلب تھا کہ میرے زمانہ میں تم یہ دعا کرو کہ تمہیں پہلی خلافت نصیب ہو اور پہلی خلافت کے زمانہ میں اس دعا کا یہ مطلب تھا کہ الٰہی! اس کے بعد ہمیں دوسری خلافت ملے اور دوسری خلافت میں اِس دعا کے یہ معنی ہیں کہ تمہیں تیسری خلافت ملے اور تیسری خلافت میں

اِس دعا کے یہ معنی ہیں کہ تمہیں چوتھی خلافت ملے ایسا نہ ہو کہ تمہاری شامتِ اعمال سے اس نعمت کا دروازہ تم پر بند ہو جائے۔

پس ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حضور دعاؤں میں مشغول رہو اور اس امر کو اچھی طرح یاد رکھو کہ جب تک تم میں خلافت رہے گی دنیا کی کوئی قوم تم پر غالب نہیں آ سکے گی اور ہر میدان میں تم مظفر و منصور رہو گے کیونکہ خدا کا وعدہ ہے جو اُس نے ان الفاظ میں کیا کہ

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ مگر اس بات کو بھی یاد رکھو کہ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ خدا تمہارے ساتھ ہو اور اَبَدُ الآباد تک تم اس کی برگزیدہ جماعت رہو۔

اختتامی الفاظ:- ۲۹ ر دسمبر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے دو بجے جب تقریر ختم فرمائی تو جلسہ پر تشریف لانے والے اصحاب کو جانے کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا:-

''اب جلسہ ختم ہوتا ہے اور احباب اپنے گھروں کو جائیں گے۔ انہیں احمدیت کی ترقی کیلئے ہر وقت کوشاں رہنا چاہئے۔ اولاد پیدا ہونے کے ذریعہ بھی ترقی ہوتی ہے مگر وہ ایسی نہیں جو تبلیغ کے ذریعہ ہوتی ہے۔ یہ ترقی اولاد کے ذریعہ ہونے والی ترقی سے بڑھ کر بابرکت ہوتی ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے ایک شخص کا ہدایت پا جانا اِس سے زیادہ بہتر ہوتا ہے کہ کسی کے پاس اِس قدر سرخ اونٹ ہوں کہ ان سے دو وادیاں بھر جائیں۔ ۹۲

پس تبلیغ کرو اور احمدیت کی اشاعت میں منہمک رہو تا کہ تمہاری زندگی میں اسلام اور احمدیت کی شوکت کا زمانہ آ جائے جبکہ سب لوگ احمدی ہو جائیں گے تو پھر رعایا بھی احمدی ہوگی اور بادشاہ بھی احمدی۔

میں نے بچپن میں ایک رؤیا دیکھا تھا ۱۲۔۱۳ سال کی عمر تھی کہ کبڈی ہو رہی ہے۔ ایک طرف احمدی ہیں اور دوسری طرف مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور ان کے ساتھی جو شخص کبڈی کہتا ہؤا مولوی محمد حسین صاحب کی طرف سے آتا ہے اسے ہم مار لیتے ہیں۔ اور اس میں قاعدہ یہ ہے کہ جو مر جائے وہ دوسری پارٹی کا ہو جائے۔ اس قاعدہ کی رُو سے مولوی صاحب کا جو ساتھی مارا جاتا وہ ہمارا ہو جاتا۔ مولوی صاحب کے سب ساتھی اس طرح

ہماری طرف آ گئے تو وہ اکیلے رہ گئے۔ اس پر انہوں نے پاس کی دیوار کی طرف منہ کر کے آہستہ آہستہ لکیر کی طرف بڑھنا شروع کیا اور لکیر کے پاس پہنچ کر کہا میں بھی اس طرف آ جاتا ہوں اور وہ بھی آ گئے۔

مولوی محمد حسین صاحب سے مراد اَئمۂ کُفر ہیں اور اس طرح بتایا گیا کہ جب عام لوگ احمدی ہو جائیں گے تو وہ بھی ہو جائیں گے اور جب رعایا احمدی ہو جائے گی تو بادشاہ بھی ہو جائیں گے پس تبلیغ کرو، احمدیت کو پھیلاؤ اور دعاؤں میں لگے رہو۔ دل میں درد پیدا کرو، عاجزی، فروتنی اور دیانت داری اختیار کرو اور ہر طرح خدا کے مخلص بندے بننے کی کوشش کرو۔ اگر کبھی کوئی غلطی ہو جائے تو اس پر اصرار مت کرو کیونکہ جو اپنی غلطی پر اصرار کرتا ہے اس کے اندر سے نور جاتا رہتا ہے۔ نہ اُس کی نمازوں میں لذت رہتی ہے اور نہ دعاؤں میں برکت۔ اپنی غلطی پر نادم ہونا اور خدا تعالیٰ کے حضور گریہ وزاری کرنا ترقی کا بڑا بھاری گُر ہے۔

پس اگر غلطی کرو تو بھی اور نہ کرو تو بھی خدا تعالیٰ کے حضور جھکو اور اس سے عفو طلب کرو۔ اس طرح مستقل ایمان حاصل ہو جاتا ہے اور اسے توبہ ٹوٹنے نہیں دیتی۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے جب کوئی مومن چوری کرتا ہے یا زنا کرتا ہے تو اس کا ایمان اس کے سر پر معلّق ہو جاتا ہے اور جب وہ ایسا فعل کر چکتا ہے تو پھر اس میں داخل ہو جاتا ہے[۹۳]۔ اس سے بتایا کہ توبہ کرنے والے کا ایمانِ کُلّی طور پر اسے نہیں چھوڑتا، اس کی غلطی کی وجہ سے نکل جاتا ہے مگر پھر توبہ کرنے سے لوٹ آتا ہے۔ پس دعائیں کرتے رہو میرے لئے بھی، تمام مبلغین کے لئے بھی اور سب احمدیوں کیلئے بھی۔ بے شک خدا تعالیٰ کے میرے ساتھ وعدے ہیں لیکن میری طاقت تمہارے ذریعہ ہے۔ پس اپنے لئے دعائیں کرو اور میرے لئے بھی۔ اب کے تو خلافت جوبلی کی وجہ سے اتنے لوگ جمع ہوئے ہیں کوشش کرو کہ جماعت اتنی بڑھ جائے کہ اگلے سال یوں بھی اتنے لوگ جمع ہو سکیں۔

پھر غیروں کیلئے بھی دعائیں کرو۔ ان کے متعلق اپنے دلوں میں غصہ نہیں بلکہ رحم پیدا کرو۔ خدا تعالیٰ کو بھی اس شخص پر رحم آتا ہے جو اپنے دشمن پر رحم کرتا ہے۔ پس تم اپنے دلوں

میں ہر ایک کے متعلق خیر خواہی اور ہمدردی کا جذبہ پیدا کرو۔

انہی دنوں ایک وزیری پٹھان آئے اور کہنے لگے دعا کریں انگریز دفع ہو جائیں۔ میں نے کہا۔ ہم بددعا نہیں کرتے۔ یہ دعا کرتے ہیں کہ ہمارے ہو جائیں۔ پس کسی کیلئے بددعا نہ کرو۔ کسی کے متعلق دل میں غصہ نہ رکھو بلکہ دعائیں کرو اور کوشش کرو کہ اسلام کی شان وشوکت بڑھے اور ساری دنیا میں احمدیت پھیل جائے۔

اس موقع پر مَیں ان لوگوں کیلئے بھی دعا کرتا ہوں جنہوں نے تاروں کے ذریعہ دعاؤں کیلئے لکھا۔ ان کے نام نہیں پڑھ سکتا کیونکہ وقت تنگ ہو رہا ہے۔ آپ لوگ ان کیلئے اور دوسروں کیلئے اور اسلام واحمدیت کیلئے دعا کریں۔‘‘

(انوار العلوم جلد نمبر ۱۵ صفحہ ۵۹۳ تا ۵۹۵)

۱؎ **بخاری کتاب الاضاحی باب ما یؤکل من لحوم الاضاحی** صفحہ ۹۹۰ حدیث ۵۵۷۱ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء **الطبعة الثانية** (مفہوماً)

۲؎ **الانفال:** ۴۳

۳؎ **ابوداؤد کتاب الجهاد باب فی النوم یسامرون** صفحہ ۳۷۷ حدیث نمبر ۲۶۰۸ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء **الطبعة الاولیٰ**

۴؎ متی باب ۱۷ آیت ۲۱، نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی مرزا پور ۱۸۷۰ء

۵؎ گلتیوں باب ۳ آیت ۱۰۔ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۲۲ء

۶؎ گلتیوں باب ۳ آیت ۱۳۔ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۲۲ء

۷؎ **الحشر:** ۸ ۸؎ **النساء:** ٦٦ ۹؎ **النّور:** ۵۲

۱۰؎ **الاعراف:** ۱۵۸ ۱۱؎ **الحجرٰت:** ۸ ۱۲؎ **التوبة:** ۱۰۳

۱۳؎ **التوبة:** ۸۱ ۱۴؎ **المائدة:** ۳۴ ۱۵؎ **التوبة:** ۱ تا ۵

۱٦؎ **اسد الغابة** جلد ۳ صفحہ ۱۳۲ مطبوعہ بیروت ۲۰۰٦ء **الطبعة الاولیٰ**

۱۷؎ **السیرة الحلبية** جلد ۳ صفحہ ٦۱۵ **باب ما یذکر فی مدة مرضه** مطبوعہ بیروت لبنان ۲۰۱۲ء

۱۸؎،۱۹؎ اٰل عمران: ۱۴۵

۲۰؎ السیرة النبویة لابن هشام الجزء الثانی صفحہ۱۴۶۰ موقف ابی بکر بعد وفاة الرسول مطبوعہ دمشق ۲۰۰۵ء

۲۱؎ شرح دیوان حسان بن ثابت صفحہ۲۲۱ آرام باغ کراچی

۲۲؎ مسلم کتاب الوصیة باب ترک الوصیة لمن لیس له شیئٌ الخ صفحہ۷۱۸ حدیث نمبر ۴۲۳۴ مطبوعہ ریاض ۲۰۰۰ء الطبعة الثانیة

۲۳؎ تاریخ ابن اثیر جلد۲ صفحہ۳۲۵ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء

۲۴؎ تاریخ ابن اثیر جلد۲ صفحہ۳۲۷ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء

۲۵؎،۲۶؎ تاریخ ابن اثیر جلد۲ صفحہ ۳۲۸، ۳۲۹ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء

۲۷؎ تاریخ ابن اثیر جلد۲ صفحہ۳۳۱ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء

۲۸؎ تاریخ ابن اثیر جلد۲ صفحہ۴۲۵ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء

۲۹؎ تاریخ ابن اثیر جلد۳ صفحہ۲۴۳ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء

۳۰؎ تاریخ ابن اثیر جلد۳ صفحہ۲۴۳ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء

۳۱؎ تاریخ ابن اثیر جلد۳ صفحہ۳۳۴، ۳۳۵ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء

۳۲؎ تاریخ ابن اثیر جلد۳ صفحہ۳۲۶، ۳۳۴ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء (مفہوماً)

۳۳؎ النساء: ۵۲تا۶۰

۳۴؎ پیغام صلح ۲۲ / مارچ ۱۹۱۴ء

۳۵؎ پیغام صلح ۵ / مئی ۱۹۱۴ء

۳۶؎ التوبة: ۸ ۳۷؎ الرّحمٰن: ۴۷ ۳۸؎ الرّحمٰن: ۶۳

۳۹؎ الکهف: ۴۷

۴۰؎ نسائی کتاب الجهاد باب الرخصة فی التخلف لمن له والدة صفحہ۴۲۶ حدیث نمبر ۳۱۰۶ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الاولیٰ

۴۱؎ الجمعة: ۴

۴۲؎ مسلم کتاب الامارة باب وجوب طاعة الامراء فی غیر معصیة صفحہ۸۲۰تا۸۲۷ حدیث نمبر۴۷۶۸تا۴۷۷۱مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ءالطبعة الاولیٰ

۴۳؎ مسلم کتاب الامارة باب خیار الأئمة و شرارهم صفحہ ۸۳۳حدیث نمبر۴۸۰۵ مطبوعہ ریاض ۲۰۰۰ءالطبعة الاولیٰ

۴۴؎ مسند احمد بن حنبل جلد۴صفحہ۱۲۷۔المکتب الاسلامی بیروت ،ترمذی ابواب العلم صفحہ۶۰۷ حدیث نمبر۲۶۷۶ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الاولیٰ

۴۵؎ النور: ۵۵تا۵۷ ۴۶؎ ابراهیم: ۸ ۴۷؎ البقرة: ۳۱

۴۸؎ ص: ۲۷ ۴۹؎ اٰل عمران: ۱۶۰ ۵۰؎ الاعراف: ۷۰

۵۱؎ المائدة: ۲۱ ۵۲؎ الرّوم: ۴۲

۵۳؎ اسد الغابة جلد۲صفحہ۲۳۷زیرعنوان ''سراقة بن مالک''مطبوعہ بیروت لبنان ۲۰۰۶ء

۵۴؎ تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ۶۰۔الناشر مکتبة نزار مصطفیٰ الباز ۲۰۰۴ء

۵۵؎ تاریخ الخمیس جلد۲صفحہ۲۰۱مطبوعہ بیروت

۵۶؎ بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب و السنة باب ماذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ۱۲۶۱ حدیث نمبر۷۳۲۴مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانیة

۵۷؎ مسند احمد بن حنبل جلد۳۰صفحہ۳۵۵ حدیث نمبر۱۸۴۰۶الناشر مؤسسة الرسالة ۲۰۰۱ء

۵۸؎ برنڈزی(BRINDISI) جنوبی اٹلی کا شہر۔رومی دَور کا اہم بحری اڈہ (اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد۱صفحہ۲۴۳مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء)

۵۹؎ البقرة: ۹۲

۶۰؎ تاریخ ابن اثیر جلد۴صفحہ۶۵ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء

۶۱؎ تاریخ ابن اثیر جلد۴صفحہ۱۳۰مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء

۶۲؎ سِرُّا الخلافة صفحہ۲۰ روحانی خزائن جلد۸صفحہ۳۳۴ ایڈیشن ۲۰۰۸ء

۶۳؎ المزّمل: ۱۶ ۶۴؎ البقرة: ۲۴۸

۶۵؎ موضوعات مُلّا علی قاری صفحہ ۴۸ مطبوعہ دہلی ۱۳۴۶ھ

۶۶؎ کنز العمال جلد ۱۱ صفحہ ۲۵۹ حدیث نمبر ۳۱۴۴۷ مطبوعہ دمشق ۲۰۱۲ء الطبعة الاولیٰ

۶۷؎ الوصیت روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۰۴، ۳۰۵ ایڈیشن ۲۰۰۸ء

۶۸؎ آل عمران: ۱۱۱

۶۹؎ مشکاة المصابیح جلد ۳ صفحہ ۱۴۸۴ کتاب الفتن الفصل الثانی حدیث نمبر ۵۳۹۵ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۵ء

۷۰؎ سرّالخلافة صفحہ ۱۹، ۲۰ روحانی خزائن جلد ۸ صفحہ ۳۳۳، ۳۳۴ ایڈیشن ۲۰۰۸ء

۷۱؎ سرّالخلافة صفحہ ۱۲ روحانی خزائن جلد ۸ صفحہ ۳۲۶ ایڈیشن ۲۰۰۸ء

۷۲؎ سرّالخلافة صفحہ ۴۴ روحانی خزائن جلد ۸ صفحہ ۳۵۸، ۳۵۹ ایڈیشن ۲۰۰۸ء

۷۳؎ خلافت راشدہ حصہ اوّل صفحہ ۱۱۰ مصنفہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مطبوعہ امرتسر ۱۹۲۲ء

۷۴؎ الفضل ۱۱ / مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۱

۷۵؎ بدر ۱۱ / جولائی ۱۹۱۲ء صفحہ ۴

۷۶؎ المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۶ صفحہ ۲۲۸ مطبوعہ عراق ۱۹۷۹ء کے مطابق یہ حدیث ہے۔

۷۷؎ تذکرہ صفحہ ۵۱۸۔ ایڈیشن چہارم ۲۰۰۴ء

۷۸؎ البقرة: ۱۵۷

۷۹؎ البقرة: ۱۲۵ ۸۰؎ البقرة: ۲۶۱ ۸۱؎ العنکبوت: ۲۸

۸۲؎ بخاری کتاب الانبیاء باب قول اللّٰہ تعالیٰ لقد کان فی یوسف و اخوته الخ صفحہ ۵۶۶ حدیث نمبر ۳۳۸۳ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانیة

۸۳؎ الوصیت صفحہ ۶، ۷ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۰۵ ایڈیشن ۲۰۰۸ء

۸۴؎ ترمذی ابواب المناقب باب لو کان نبیٌّ بعدی الخ ۸۳۸ حدیث نمبر ۳۶۸۶ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانیة

۸۵؎ بخاری کتاب المغازی باب غزوة تبوک صفحہ ۷۴۹ حدیث نمبر ۴۴۱۶ مطبوعہ ریاض

۱۹۹۹ء الطبعة الثانية

۸۶؎ **الخصائص الکبریٰ الجزء الثانی** صفحہ۱۹۷ **ذکر المعجزات** مطبوعہ بیروت میں ’’**ما کانت نبوة قط الا تبعتها خلافة**‘‘ کے الفاظ ملتے ہیں۔

۸۷؎ تاریخ ابن اثیر جلد۲ صفحہ۳۳۲ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء میں ’’زِغْتُ‘‘ کی بجائے ’’اَسَأْتُ‘‘ ہے۔

۸۸؎ **الاعراف: ۹۰** ۸۹؎ **الزخرف: ۸۲**

۹۰؎ کودن: نادان، احمق (فیروز اللغات اردو جامع صفحہ۱۰۴۱ مطبوعہ لاہور ۲۰۱۰ء)

۹۱؎ اِس رسالہ کا نام ’’خلیفۂ قادیان‘‘ ہے اور اس کے مصنّف سردار اَرجن سنگھ صاحب امرتسری ہیں۔

۹۲؎ **مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل علی ابن ابی طالب رضی اللّٰہ عنہ۔** صفحہ۱۰۶۰ حدیث نمبر۶۲۲۳ مطبوعہ **ریاض الطبعة الثانية**

۹۳؎ **ترمذی ابواب الایمان باب ماجاء لایزنی الزانی وھومؤمن۔** صفحہ۵۹۶ حدیث نمبر ۲۶۲۵ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء **الطبعة الاولیٰ**

کارکنانِ جلسہ خلافت جوبلی ۱۹۳۹ء سے خطاب

(فرمودہ ۶؍جنوری ۱۹۴۰ء) [1]

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

''میں اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں جس نے باوجود ہر قسم کے موانع اور ہر قسم کی کمیوں کے گزشتہ سالوں سے زیادہ اِس بات کی توفیق بخشی کہ اس کے قائم کردہ سلسلہ اور دین کیلئے جمع ہونے والے مہمانوں کی خدمت کیلئے ہم میں سے ہر ایک کو اپنے حوصلہ، اپنے اخلاص اور اپنی طاقت وہمت کے مطابق موقع ملا۔ ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کے ترقی یافتہ ممالک کے اندر بھی ایسا اجتماع کہیں نہیں ہوتا جس میں اتنی مقدار میں مہمانوں کو کھانا کھلایا جاتا ہو۔ انگلستان، امریکہ، جرمنی، فرانس اور روس یہ اس وقت ترقی یافتہ اور بڑے بڑے ممالک خیال کئے جاتے ہیں مگر ان میں تیس چالیس ہزار آدمیوں کے اجتماع ایسے نہیں ہوتے جن کو کھانا کھلایا جاتا ہو۔ ہندوستان میں کانگرس کے اجتماع بے شک بڑے ہوتے ہیں۔ گزشتہ سال مَیں نے نمائندے تحریک جدید سے وہاں بھجوائے تو انہوں نے بتایا کہ ان کو کھانا مفت ملنا تو الگ مول لینے میں بھی دقتیں پیش آئیں۔ غرض یہ ہمارے جلسہ کی خاص خصوصیت ہے اور یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ جن کو دوسرے اجتماع دیکھنے کا موقع ملا ہے جب وہ یہاں آتے ہیں تو ہمارے انتظام کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔ اسی سال یو۔ پی کے ایک اخبار کے نمائندے جو بعض انگریزی اخبارات کے بھی نمائندے رہ چکے ہیں اور کانگرس سے تعلق رکھتے ہیں یہاں آئے تو انہوں نے ملاقات کے وقت کہا کہ کانگرس کے اجلاس سے اُتر کر ہندوستان میں اتنا بڑا اجتماع مَیں نے کہیں نہیں دیکھا۔ میں نے کہا سنا ہے کانگرس کے اجلاس

میں لاکھ لاکھ دو دو لاکھ آدمی شریک ہوتے ہیں۔ کہنے لگے لاکھ دو لاکھ تو ہرگز نہیں چالیس پچاس ہزار کے قریب ہوتے ہیں اور مرد عورتیں اکٹھے ہوتے ہیں۔ میں نے کہا ہمارے ہاں مستورات کے لئے الگ جلسہ گاہ ہے تو وہ کہنے لگے پھر آپ کے جلسہ کے مردوں کی اِس تعداد کے ساتھ مستورات کی تعداد بھی شامل کر لی جائے تو کانگرس کے اجتماع میں بھی شاید اتنے ہی مرد عورتیں ہوتی ہوں۔

غرض قادیان کا جلسہ سالانہ اب کم از کم ہندوستان میں دوسرے نمبر پر ہے اور اپنے انتظام کے لحاظ سے تو دنیا بھر کے اجتماعوں سے اوّل نمبر پر ہے۔ کیونکہ ایسا انتظام کھانا کھلانے کا قادیان کے سوا اور کسی اتنے بڑے اجتماع میں نہیں ہوتا۔ ہاں میلے بے شک ہوتے ہیں۔ جن میں بڑے بڑے اجتماع ہوتے ہیں مگر ان میں نہ تو رہائش کا انتظام ہوتا ہے نہ کھانے کا اور نہ روشنی کا۔ پس قادیان کا یہ جلسہ ایک لحاظ سے اوّل نمبر پر اور تعداد کے لحاظ سے دوسرے نمبر پر۔ اور جس رنگ میں خدا تعالیٰ کے فضل سے سلسلہ کی ترقی ہو رہی ہے اس کے لحاظ سے ہمارا جلسہ سالانہ اِنْشَاءَ اللّٰہ کسی وقت کانگرس سے بھی ہر لحاظ سے اوّل نمبر پر ہوگا۔

(اس کے بعد حضور نے انتظامی امور کے متعلق متعلقہ صیغوں کو ہدایات دیں اور آخر میں فرمایا۔)

میں ان سب دوستوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس خدمتِ دین میں حصہ لیا اور محنت و مشقت سے جی نہ چُرایا۔ دیکھو خدا تعالیٰ نے اس خدمت میں تم لوگوں کو منفرد کیا ہے اور منفرد ہونا کوئی معمولی بات نہیں۔ بعض لوگ تو منفرد ہونے کے لئے بعض پاجی[2] کام بھی کر لیتے ہیں جیسا کہ چاہِ زمزم میں پیشاب کرنے والے کے متعلق مشہور ہے۔ اِس وقت خدا کے فضل سے آپ لوگوں کو قومی طور پر یہ فخر حاصل ہے کہ آپ لوگوں کے ذمہ خدا تعالیٰ کے مہمانوں کی میزبانی کا کام سپرد کیا گیا ہے یہ میزبانی اور اتنی بڑی جماعت کی اس رنگ میں میزبانی کسی اور کے سپرد نہیں کی گئی۔ آپ لوگوں کے ہی مکان ایسے ہیں جو خدا کے دین کیلئے آنے والے مہمانوں کیلئے وقف ہوتے ہیں۔ مکہ میں بھی بے شک مہمانوں کیلئے مکانات دیئے

جاتے ہیں مگر وہ کرایہ لیتے ہیں۔ یہ صرف قادیان ہی کے مکانات ہیں جن کی نسبت مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ [۳] کے مطابق خرچ کرنے کا آپ لوگوں کو موقع ملتا ہے۔ پھر آپ لوگ ہی ایک ایسی جماعت ہیں جسے وہ شرف حاصل ہے جس کا حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے یوں ذکر کیا تھا کہ خدا کی قسم! خدا تعالیٰ آپ کو ضائع نہیں کرے گا کیونکہ آپ مہمان نواز ہیں۔[۴] پس یہ کوئی معمولی چیز نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے خاص انعامات سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ قیامت کے دن پانچ شخص ایسے ہوں گے جن پر خدا تعالیٰ اپنا سایہ کرے گا۔ ان میں سے آپ نے ایک مہمان نواز قرار دیا ہے۔

بے شک ایک دوست دوست کی میزبانی کرتا ہے مگر وہ ایک رنگ کا سَودا ہوتا ہے۔ ایک رشتہ دار اپنے رشتہ دار کی میزبانی کرتا ہے اور وہ بھی ایک سَودا ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے تعلق کی وجہ سے مہمان نوازی کرتا ہے۔ مگر آپ لوگ جن لوگوں کی میزبانی کرتے ہیں ان سے کوئی دُنیوی تعلق نہیں ہوتا اور یہی دراصل مہمانی ہے جو خدا تعالیٰ کی رحمت کے سایہ کے نیچے آپ لوگوں کو لے جانے والی ہے اور یہی وہ مہمانی ہے جو شاذونادر ہی کسی کو نصیب ہوتی ہے مگر خدا تعالیٰ نے قادیان والوں کو عطا کر رکھی ہے۔ یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ اگر اخلاص سے آپ لوگ کام لیتے ہوں تو نہ معلوم کتنے اُحد پہاڑوں کے برابر آپ کو ثواب حاصل ہوتا ہوگا۔

ممکن ہے کہ جب ہماری جماعت بڑھ جائے اور یہاں قادیان میں ایسے جلسے کرنا مشکل ہو جائیں تو پھر ہم اجازت دے دیں کہ ہر ملک میں الگ سالانہ جلسے ہوا کریں اُس وقت ان ممالک میں کام کرنے والے بھی ثواب کے مستحق ہوا کریں گے مگر وہ وقت تو آئے گا جب آئے گا اِس وقت تو آپ لوگوں کے سِوا ایسی خوش قسمت جماعت اور کوئی نہیں۔

اب میں دعا کرتا ہوں آپ لوگ بھی دعا کریں کہ خدا تعالیٰ ہماری اس حقیر خدمت کو قبول فرمائے اور ہماری غلطیوں، سُستیوں اور کمزوریوں سے درگزر کرے تا ایسا نہ ہو کہ غلطیاں ہماری نیکیوں کو کھا جانے والی ہوں۔ اور ہم آئندہ سال اس سے بھی بڑھ کر

خدمت خلق کر کے اپنے خدا کو راضی کر سکیں۔‘‘

(انوار العلوم جلد نمبر ۱۵ صفحہ ۶۰۱ تا ۶۰۳)

۱؎ قادیان ۶ جنوری جلسہ خلافت جوبلی ۱۹۳۹ء کے انتظامات بخیر و خوبی ختم ہونے پر مدرسہ احمدیہ کے صحن میں صبح سَوا نو بجے کے قریب کارکنانِ جلسہ کا اجتماع ہوا۔ جہاں سٹیج پر لاؤڈ سپیکر کا بھی انتظام کیا گیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے تشریف لانے پر جلسہ سالانہ کے انتظامات کرنے والی پانچ نظامتوں کی طرف سے رپورٹیں سنائی گئیں۔ پھر حضرت صاحب نے سَوا دس بجے سے سَوا بارہ بجے تک تقریر فرمائی جس میں حضور انور نے اہم امور کی اصلاح کے متعلق ہدایات دیں۔

۲؎ پاجی: ذلیل، کمینہ (فیروز اللغات اردو جامع صفحہ ۲۶۱ مطبوعہ لاہور ۲۰۱۰ء)

۳؎ البقرۃ: ۴

۴؎ بخاری کتاب بدء الوحی باب کیف کان بدء الوحی صفحہ ا حدیث نمبر ۳ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانية

خلافت نبوت کو زندہ رکھتی ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مؤرخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۴۰ء کو جلسہ سالانہ قادیان کے موقع پر سیر روحانی کے عنوان سے کی جانے والی تقاریر کے تسلسل میں یہ تقریر فرمائی۔ اِس تقریر میں آپ نے خصوصیت سے مساجد اور قلعوں کی بابت تفصیل سے روشنی ڈالی۔

مساجد کے تعلق میں مساجد کی دس خصوصیات بیان فرمائیں اور صحابہ اور مساجد میں مماثلت بیان کرتے ہوئے امامت کے قیام کا ذکر کیا اور فرمایا:۔

''درحقیقت جس طرح مسجد، خانہ کعبہ کی یاد کو تازہ رکھتی ہے اس طرح امام نبوت کی یاد تازہ رکھتا ہے اب دیکھو اس امر کو بھی مسلمانوں نے تازہ کیا اور مقام ابراہیم کو مصلّٰی بنایا یعنی امامت کا وجود ظاہر کیا۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر صحابہؓ نے خلافت کو قائم کیا اور امامت کو زندہ رکھا۔

پہلے حضرت ابوبکرؓ، پھر حضرت عمرؓ پھر حضرت عثمان، پھر حضرت علیؓ مقامِ ابراہیم پر کھڑے رہے، گویا بالکل مسجد کا نمونہ تھے۔ جس طرح مسجد میں لوگ ایک شخص کو امام بنا لیتے ہیں اس طرح صحابہؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فوت ہوتے ہی ایک شخص کو اپنا امام بنا لیا۔ اس پر مجھے ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ گجرات کے ایک دوست نے سنایا جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کی خبر پھیلی تو ایک مولوی کہنے لگا کہ جماعت احمدیہ انگریزی خوانوں کی جماعت ہے اسے دین کا کچھ پتہ نہیں اب فیصلہ ہو جائے گا کہ مرزا صاحب نبی تھے یا نہیں؟ کیونکہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے ہر نبوت کے بعد خلافت ہوتی ہے[1] اور تم میں چونکہ انگریزی خوانوں کا غلبہ ہے وہ ضرور انجمن کے ہاتھ میں کام دیدیں گے اور اس طرح ثابت ہو جائے گا کہ مرزا صاحب نبی نہیں تھے۔ دوسرے ہی دن یہاں سے تار چلا گیا کہ حضرت مولوی نور الدین صاحب خلیفہ ہو گئے ہیں یہ خبر جماعت کے دوستوں نے اُس مولوی کو بھی جا کر سنا

دی۔ وہ کہنے لگا مولوی نورالدین دین سے واقف تھا وہ چالاکی کر گیا ہے اس کے مرنے پر دیکھنا کہ کیا بنتا ہے۔ جب حضرت خلیفہ اوّل فوت ہوئے تو اُس وقت وہ ابھی زندہ تھا اور اُس وقت چونکہ یہ شور پیدا ہو چکا تھا کہ بعض لوگ کہتے ہیں اصل جانشین انجمن ہے اور بعض خلافت کے قائل ہیں اِس لئے اس نے سمجھا کہ اب تو جماعت ضرور ٹھوکر کھا جائے گی چنانچہ اس نے کہنا شروع کر دیا کہ میری بات یاد رکھنا اب ضرور تم نے انجمن کو اپنا مطاع تسلیم کر لینا ہے مگر معاً یہاں سے میری خلافت کی اطلاع چلی گئی۔ یہ خبر سن کر وہ مولوی کہنے لگا کہ تم لوگ بڑے چالاک ہو۔

خلافت، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد کو قائم رکھتی ہے

غرض رسول کریم ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ ہر نبوت کے بعد خلافت ہوتی ہے تو اس لیے کہ مسجد سے اس کی مشابہت ثابت ہو۔ جس طرح مسجد بنائی ہی اس لئے جاتی ہے تا کہ عبادت میں اتحاد قائم رہے اسی طرح نبیوں کی جماعت قائم ہی اِس لئے کی جاتی ہے تا کہ عبودیت میں اتحاد قائم رہے۔ پس جس طرح مسجد خانہ کعبہ کی یاد کو قائم رکھتی ہے اسی طرح خلافت محمد ﷺ کی یاد کو قائم رکھتی ہے یہی وہ حکم ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دیا تھا کہ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھٖمَ مُصَلًّی [2] ایک خانہ خدا قائم کر دیا گیا ہے اب تم بھی ابراہیمی طریق پر زندگی بسر کرو اور اس کی روح کو زندہ رکھو۔

مقام ابراہیمی کو مصلّٰی بنانے کا مفہوم

مقامِ ابراہیم کو مصلّٰی بنانے کے یہ معنی نہیں کہ ہر شخص ان کے مصلّٰی پر جا کر کھڑا ہو یہ تو قطعی طور پر ناممکن ہے اگر اس سے یہی مراد ہوتی کہ مقامِ ابراہیم پر نماز پڑھو تو اوّل تو یہی جھگڑا رہتا کہ حضرت ابراہیمؑ نے یہاں نماز پڑھی تھی یا وہاں؟ اور اگر بالفرض یہ پتہ یقینی طور پر بھی لگ جاتا کہ انہوں نے کہاں نماز پڑھی تھی تو بھی ساری دنیا کے مسلمان وہاں نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔ صرف حج میں ایک لاکھ کے قریب حاجی شامل ہوتے ہیں، اگر حنفیوں کی طرح نماز میں مرغ کی طرح ٹھونگیں ماری جائیں تب بھی ایک شخص کی نماز پر دو منٹ صرف ہونگے اس کے معنے یہ ہوئے کہ ایک گھنٹہ میں تین اور چوبیس گھنٹے میں سات سَو بیس آدمی وہاں نماز پڑھ سکتے ہیں اب بتاؤ کہ باقی جو ۹۹ ہزار ۲۸۰ رہ جائیں گے وہ کیا

کریں گے؟ اور باقی مسلم دنیا کے لئے تو کوئی صورت ہی ناممکن ہوگی۔ پس اگر اس حکم کو ظاہر پر محمول کیا جائے تو اس پر عمل ہو ہی نہیں سکتا۔ پھر ایسی صورت میں فسادات کا بھی احتمال رہتا ہے بلکہ ایک دفعہ تو محض اس جھگڑے کی وجہ سے مکہ میں ایک قتل بھی ہوگیا تھا پس اس آیت کے یہ معنی نہیں بلکہ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں اس میں اللہ تعالیٰ نے امامت کی طرف اشارہ کیا ہے اور ہدایت دی ہے کہ تمہارا ایک امام ہو تا کہ اس طرح سنت ابراہیمی پوری ہوتی رہے۔ درحقیقت آیت اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى [۳] میں دو اماموں کا ذکر کیا گیا ہے پہلے فرمایا کہ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا میں تجھے امام یعنی نبی بنانے والا ہوں۔ اس پر حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ میری ذریت کو بھی نبی بنا، کیونکہ اگر میں مرگیا تو کام کس طرح چلے گا؟ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ بات غلط ہے، تمہاری اولاد میں سے تو بعض زمانوں میں ظالم ہی ظالم ہونے والے ہیں، یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ ان ظالموں کے سپرد یہ کام کیا جائے۔ ہاں ہم تمہاری اولاد کو یہ حکم دیتے ہیں کہ سنت ابراہیمی کو قائم رکھیں جو لوگ ایسا کریں گے ہم ان میں سے امام بناتے جائیں گے۔ اس طرح ابراہیم ان میں زندہ رہے گا اور وہ خدا تعالیٰ کے تازہ بتازہ انعامات سے حصہ لیتے چلے جائیں گے۔ پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو اماموں کا ذکر کیا ہے ایک امامت نبوت جو خدا تعالیٰ کی طرف سے براہِ راست ملتی ہے اور دوسری امامت خلافت جس میں بندوں کا بھی دخل ہوتا ہے اور جس کی طرف وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى میں اشارہ کیا گیا ہے یعنی اس میں کسب کا دخل ہے پس تم اس کیلئے کوشش کرتے رہو۔ غرض اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو یہ ہدایت کی ہے کہ جب امامت نبوت نہ ہو تو امامت خلافت کو قائم کرلیا کرو، ورنہ اگر ظاہری معنی لئے جائیں تو اس حکم پر کوئی عمل نہیں کرسکتا''۔

(انوار العلوم جلد ۱۶ سیر روحانی (۲) صفحہ ۷۹، ۸۰)

---

[۱] الخصائص الکبریٰ الجزء الثانی صفحہ ۱۹۷ ذکر المعجزات مطبوعہ بیروت

[۲] البقرۃ: ۱۲۶ [۳] البقرۃ: ۱۲۵، ۱۲۶

خلافت کو بادشاہت کا رنگ نہیں دینا چاہیے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۲۶ دسمبر ۱۹۴۲ء کو جلسہ سالانہ کے موقع پر بعض اہم اور ضروری امور پر تقریر فرمائی ۔اس موقع پر ایک پرائیویٹ بات کا ذکر فرمایا جو ملاقات کے بارہ میں تھی ۔آپ نے فرمایا:۔

''میں ایک واقعہ کا بھی ذکر کرنا چاہتا ہوں جو اگرچہ پرائیویٹ ہے مگر اس لئے بیان کرتا ہوں کہ دوسروں کو بھی فائدہ ہو سکے ۔آج ملاقات کے بعد مجھے پرائیویٹ سیکرٹری نے بتایا کہ ایک عزیز مجھ سے ملنے کیلئے آئے تھے اور انہوں نے دروازہ میں داخل ہونا چاہا مگر پہرہ دار نے روکا ۔انہوں نے کہا کہ میں ملاقات کرنا چاہتا ہوں مگر پہرہ دار نے کہا کہ میں نہیں جانتا آپ کون ہیں ۔اُس عزیز نے کہا میں اسی جماعت کے ساتھ تعلق رکھتا ہوں جس کی ملاقات ہو رہی ہے ۔اس پر پہرہ دار نے کہا کہ آپ وقت پر کیوں نہیں آئے بعد از وقت میں اجازت نہیں دے سکتا ۔اُس پر بھی اس عزیز نے ملاقات پر اصرار کیا ۔پہرہ دار نے اجازت نہ دی تو اُس نے اُسے مُکّا مارا جس سے پہرہ دار کے جسم سے خون بہہ نکلا ۔اس واقعہ میں دونوں کی غلطی ہے ۔اس نوجوان کے متعلق میں جانتا ہوں کہ وہ مخلص ہے اور اس نے ایسے وقت میں اپنے اخلاص کو قائم رکھا جبکہ اُس کے بزرگ اس سے محروم ہو گئے تھے وہ ملاقات کرنا چاہتے تھے تو اس طرح ان کو روکنا مناسب نہ تھا ۔چاہیے یہ تھا کہ پہرہ دار اُنہیں کہتے کہ تشریف لائیے آپ کا کس جماعت کے ساتھ تعلق ہے اور پھر اس جماعت کے سیکرٹری صاحب کے پاس لے جاتے کہ یہ آپ کی جماعت کے فرد ہیں اور اس طرح ان کیلئے میرے ساتھ ملاقات کا انتظام کرتے ۔پہرہ والوں کو سوچنا چاہیے کہ ان کے روکنے کے بعد میرے ساتھ ملاقات کا ان کے پاس کیا ذریعہ تھا ۔اس بات کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ یہ

بادشاہت نہیں بلکہ خلافت ہے خلافت کو بادشاہت کا رنگ ہرگز نہیں دینا چاہئے۔روکنے والے کو خود غور کرنا چاہئے تھا کہ اگر وہ خود باہر کا رہنے والا ہوتا، سال کے بعد یہاں آتا اور پھر اسے خلیفہ کے ساتھ ملاقات سے روکا جاتا تو اُسے کتنا دکھ ہوتا اور اس دکھ کا احساس کرتے ہوئے اسے اس طرح روکنا نہ چاہئے تھا۔ملاقات کا موجودہ انتظام تو اس لئے ہے کہ جماعتیں اکٹھی ملیں تا واقفیت ہو سکے مگر بعض دفعہ ایک جماعت کے ساتھ دوسری جماعت کا کوئی دوست بھی آ جاتا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں اگر اسے آنے بھی دیا جاتا تو کیا اس نے آتے ہی گولی چلا دینی تھی؟ یہ انتظام تو صرف سہولت کیلئے ہے ورنہ لوگوں نے بہرحال ملنا ہے۔پس جہاں تک ملاقات سے روکنے کا تعلق ہے روکنے والے کی غلطی ہے باقی رہا مُکّا مارنے کا معاملہ سو مارنے والا سپاہی ہے اور فوجی افسر ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ ان کو مُکّا بازی آ گئی مگر اتنا کہتا ہوں یہ شرعاً ناجائز ہے۔اگر ان پر ظلم ہوا تو چاہئے تھا کہ وہ اسے برداشت کرتے تاہم جسے مارا گیا ہے میں اسے کہتا ہوں کہ وہ معاف کر دے کیونکہ اس نے اس جذبہ کے زیر اثر مارا ہے کہ اسے خلیفہ سے ملنے سے روکا گیا''۔

(انوار العلوم جلد ۱۶ صفحہ ۴۶۸، ۴۶۹)

خلافت احمدیہ کا قیام اور اس کی برکات

دعویٰ مصلح موعود کے سلسلہ میں دوسرا عظیم الشان جلسہ مؤرخہ ۱۲؍ مارچ ۱۹۴۴ء کو لاہور میں منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں مختلف مذاہب کے لوگ کثرت سے شامل ہوئے۔ اس موقع پر جو تقریر آپ نے فرمائی اس کا عنوان تھا ''میں ہی مصلح موعود کی پیشگوئی کا مصداق ہوں'' اس تقریر میں خلافت احمدیہ کے قیام اور اس کی برکات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

''جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام فوت ہوئے اور لوگ یہ سمجھنے لگے کہ اَب مرزا صاحب تو فوت ہو گئے ہیں اِس سلسلہ کا اَب خاتمہ سمجھو۔ تب اللہ تعالیٰ نے جماعت کے لوگوں کے دلوں میں ڈالا کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک خلیفہ مقرر کریں۔ چنانچہ سب جماعت نے حضرت مولوی نورالدین صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور وہ خلیفہ اوّل مقرر ہوئے۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ جماعت کا شیرازہ بکھرا نہیں بلکہ پہلے سے بھی زیادہ مضبوط ہو گیا ہے تو انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ سب ترقی حضرت مولوی نورالدین صاحب کی وجہ سے اِس سلسلہ کو حاصل ہو رہی تھی۔ وہ پیچھے بیٹھ کر کتابیں لکھتے اور مرزا صاحب اپنے نام سے شائع کر دیتے تھے۔ بس اِس کی زندگی تک اِس سلسلہ نے ترقی کرنی ہے، مولوی نورالدین صاحب کے مرتے ہی یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ مگر خدا کی قدرت ہے کہ اپنے تمام زمانہ خلافت میں حضرت خلیفہ اوّل نے ایک کتاب بھی نہ لکھی اور اِس طرح وہ اعتراض باطل ہو گیا جو مخالف کرتے رہتے تھے کہ کتابیں مولوی نورالدین صاحب لکھتے ہیں اور نام مرزا صاحب کا ہوتا ہے بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ حضرت خلیفہ اوّل کا طرزِ تحریر ہی بالکل اور رنگ کا تھا۔ مگر بہرحال لوگوں نے یہ سمجھا کہ حضرت مولوی صاحب تک ہی اِس سلسلہ کی زندگی ہے اِس کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا مگر وہ خدائے واحد و قہار جس نے بانی سلسلہ احمدیہ کو خبر دی تھی کہ تیرا

ایک بیٹا ہوگا جو تیرا نام دنیا کے کناروں تک پہنچائے گا اور دین اسلام کی شوکت قائم کرنے کا موجب ہوگا اُس نے مخالفوں کی اِس امید کو بھی خاک میں ملا دیا۔ آخر وہ وقت آ گیا جب حضرت خلیفہ اوّل کی وفات ہوئی۔ اُس وقت جماعت میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ جماعت کے ایک برسر اقتدار حصہ نے جس کے قبضہ میں صدر انجمن احمدیہ تھی، جس کے قبضہ میں خزانہ تھا اور جس کے زیر اثر جماعت کے تمام بڑے بڑے لوگ تھے کہنا شروع کر دیا کہ خلافت کی ضرورت نہیں۔ خواجہ کمال الدین صاحب جیسے سحر البیان لیکچرار، مولوی محمد علی صاحب جیسے مشہور مصنف، شیخ رحمت اللہ صاحب جیسے مشہور تاجر، مولوی غلام حسین صاحب جیسے مشہور عالم جن کے سرحدی علاقہ میں اکثر شاگرد ہیں، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب جیسے بارسوخ اور صاحب جائداد ڈاکٹر یہ سب ایک طرف ہو گئے اور اِن لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ایک بچہ کو بعض لوگ خلیفہ بنا کر جماعت کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔

وہ بچہ جس کی طرف ان کا اشارہ تھا مَیں تھا۔ اُس وقت میری عمر بیس سال کی تھی اور اللہ بہتر جانتا ہے مجھے قطعاً علم نہیں تھا کہ میرے متعلق یہ سوال پیدا ہو رہا ہے کہ میں جماعت کا خلیفہ بنوں۔ اللہ تعالیٰ گواہ ہے نہ میں اِن باتوں میں شامل تھا اور نہ مجھے کسی بات کا علم تھا۔ سب سے پہلے میرے کانوں میں یہ آواز شیخ رحمت اللہ صاحب مالک انگلش ویئر ہاؤس کی طرف سے آئی۔ میں نے سنا کہ وہ مسجد میں بڑے جوش سے کہہ رہے تھے کہ ایک بچہ کی خاطر سلسلہ کو تباہ کیا جا رہا ہے۔ مجھے اُس وقت اُن کی یہ بات اتنی عجیب معلوم ہوئی کہ باہر نکل کر میں نے دوستوں سے پوچھا کہ وہ بچہ ہے کون جس کا آج شیخ رحمت اللہ صاحب ذکر کر رہے تھے۔ وہ میری اِس بات کو سُن کر ہنس پڑے اور کہنے لگے وہ بچہ تم ہی تو ہو۔ غرض میں اِن باتوں سے اتنا بے بہرہ تھا کہ مجھے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ مَیں زیر بحث ہوں اور میرے متعلق یہ کہا جا رہا ہے کہ اِس کی وجہ سے جماعت تباہ ہو رہی ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کی مشیّت یہی تھی کہ وہ مجھے دنیا کی مخالفانہ کوششوں کے باوجود آگے کرے اور میرے سپرد جماعت کی نگرانی کا کام کرے۔ میں نے امن قائم رکھنے اور جماعت کو تفرقہ سے بچانے کی بڑی کوشش کی مگر خدا تعالیٰ کے ارادہ کو کون روک سکتا ہے۔ آخر وہی ہوا جو اُس کا منشا تھا۔ جوں جوں

حضرت خلیفہ اوّل کی وفات نزدیک آتی گئی اِن لوگوں نے جماعت میں کثرت کے ساتھ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ آئندہ خلافت کا سلسلہ جاری نہیں ہونا چاہئے۔ جس دن حضرت خلیفہ اوّل فوت ہوئے دنیا نے کہا اَب یہ سلسلہ ختم ہو گیا کیونکہ جس شخص پر اِس سلسلہ کا تمام انحصار تھا وہ اُٹھ گیا۔ اُس دن جب مخالفوں کی زبان پر یہ تھا کہ یہ سلسلہ ختم ہو گیا میں نے جماعت کو تفرقہ سے بچانے کے لئے مولوی محمد علی صاحب سے گفتگو کی اور میں نے اُن سے کہا کہ آپ کسی شخص کو خلیفہ مقرر کریں میں اُس کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ مَیں نے اُن سے یہ بھی کہا کہ جب میں بیعت کرلوں گا تو وہ لوگ جو میرے ساتھی ہیں وہ بھی میرے ساتھ ہی خود بخود بیعت کرلیں گے اور اِس طرح تفرقہ پیدا نہیں ہوگا۔ مگر باوجود میری تمام کوششوں کے آخری جواب مولوی محمد علی صاحب نے یہ دیا کہ آپ جانتے ہیں جماعت والے کس کو خلیفہ مقرر کریں گے اور یہ کہہ کر وہاں سے چلے آئے۔ حالانکہ میری نیک نیتی اِس سے ظاہر ہے کہ جس دن عصر کی نماز کے وقت لوگوں نے میری بیعت کی اُسی دن صبح کے وقت میں نے اپنے تمام رشتہ داروں کو جمع کیا اور اُن سے کہا کہ ہمیں ضد نہیں کرنی چاہئے اگر وہ خلافت کو تسلیم کرلیں تو کسی ایسے آدمی پر اتفاق کرلیا جائے جو دونوں فریق کے نزدیک بے تعلق ہو اور اگر وہ یہ بھی قبول نہ کریں تو پھر اِن لوگوں میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کرلی جائے اور میرے اصرار پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تمام اہلِ بیت نے اِس امر کو تسلیم کرلیا۔ پھر میری یہ حالت تھی کہ حضرت خلیفہ اوّل کی وفات سے چند دن پہلے میں اُس مقام پر گیا جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام دعا کیا کرتے تھے اور میں نے وضو کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ میری عمر اُس وقت اتنی چھوٹی نہ تھی مگر بڑی بھی نہ تھی۔ ۲۵ سال میری عمر تھی، میری والدہ موجود تھیں، میری بیوی موجود تھیں اور میرے بچے بھی تھے مگر مَیں نے اُس وقت نیت کرلی کہ چونکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ میری وجہ سے جماعت میں تفرقہ پیدا ہو رہا ہے اِس لئے میں خاموشی سے کہیں باہر نکل جاؤں گا تاکہ میں تفرقہ کا باعث نہ بنوں۔ چنانچہ میں نے دعا کی کہ خدایا! مَیں اِس جماعت میں فتنہ پیدا کرنے والا نہ بنوں تُو میرے دل کو تقویت عطا فرما تاکہ مَیں پنجاب یا ہندوستان کے کسی علاقہ میں اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر نکل

جاؤں اور میری وجہ سے کوئی فتنہ پیدا نہ ہو۔ اِس کے بعد میں نے پختہ ارادہ کرلیا کہ کہیں نکل کر چلا جاؤں گا مگر خدا کی قدرت ہے دوسرے تیسرے دن ہی اچانک حضرت خلیفہ اوّل کی وفات ہوگئی اور میں اِس جھگڑے میں پھنس گیا۔ تب جماعت کے غریب طبقہ نے میرے ہاتھ پر بیعت کر لی اور وہ جو بڑے بڑے لوگ کہلاتے تھے جماعت سے الگ ہو گئے ۔ اِن میں سے ایک ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب تھے۔ انہوں نے وہاں سے روانہ ہوتے وقت ہماری عمارتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم تو جاتے ہیں کیونکہ جماعت نے ہم سے اچھا سلوک نہیں کیا لیکن تم دیکھ لوگے کہ دس سال کے عرصہ میں اِن جگہوں پر عیسائیوں کا قبضہ ہو جائے گا اور احمدیوں کے ہاتھ سے یہ تمام جائدادیں نکل جائیں گی۔ اُس وقت میرے ہاتھ پر دو ہزار کے قریب آدمیوں نے بیعت کی ، باہر کی اکثر جماعتیں ابھی بیعت میں داخل نہیں ہوئی تھیں ۔ یہاں تک کہ ''پیغام صلح'' میں لکھا گیا کہ پچانوے فیصدی جماعت ہمارے ساتھ ہے اور صرف پانچ فیصدی جماعت مرزا محمود احمد کے ساتھ ہے۔ مگر ابھی دو مہینے نہیں گزرے تھے بلکہ ابھی صرف ایک مہینہ ہی ہوا تھا کہ ساری کی ساری جماعت میری بیعت میں شامل ہوگئی اور پیغام صلح نے یہ لکھنا شروع کر دیا کہ ۹۵ فیصدی جماعت مرزا محمود احمد کے ساتھ ہے اور صرف پانچ فیصدی ہمارے ساتھ ۔ پھر میری مخالفت بھی تھوڑی نہیں ہوئی میرے قتل کی کئی بار کوششیں کی گئیں ۔

احرار کی شورش کے ایام میں ہی ایک دفعہ قادیان میں سرحد کی طرف سے ایک پٹھان آیا اور میرے مکان کے دروازے پر کھڑے ہو کر اُس نے لڑکا اندر بھیجا کہ وہ مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ مَیں تو اِن باتوں کی پرواہ نہیں کیا کرتا مَیں آنے ہی لگا تھا کہ مجھے باہر کچھ شور کی آواز سنائی دی۔ معلوم ہوا کہ ہماری جماعت کے ایک مخلص دوست جو پٹھان ہیں اُنہوں نے اُسے پکڑ لیا اور اُس کے نیفے میں سے چھرا نکال لیا۔ بعد میں اُس نے تسلیم کیا کہ میں واقعہ میں قتل کرنے کی نیت سے ہی آیا تھا۔

اِسی طرح یہاں لاہور میں ایک دفعہ ایک دیسی عیسائی کو پھانسی ہوئی ۔ جے میتھوز اُس کا نام تھا۔ اُس نے اپنی بیوی کو قتل کر دیا تھا جس کی پاداش میں سیشن جج نے اُسے پھانسی کی سزا

دی ۔ اُس نے اپنے بیانات میں اِس اَمر کا اظہار کیا کہ میں ایک دفعہ پستول لے کر مرزا محمود احمد کو مارنے کے لئے قادیان گیا تھا مگر ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ میں اُن سے مل نہ سکا اور وہ دریا پر چلے گئے ۔ پھر میں پستول لیکر اُن کے پیچھے پیچھے دریا پر گیا۔ وہاں ایک دن میں نے اُن کے ایک ساتھی کو بندوق صاف کرتے دیکھا جس سے میں ڈر گیا کہ بندوق تو دُور تک وار کر جاتی ہے، ایسا نہ ہو میں خود ہی مارا جاؤں چنانچہ میں واپس آ گیا اور اپنی بیوی سے کسی بات پر لڑ کر میں نے اُسے قتل کر دیا۔ یہ ایک عدالتی بیان ہے جو سیشن جج کی عدالت میں اُس نے لاہور میں دیا۔ اُس نے یہ بھی ذکر کیا کہ لوگوں کی جوش دلانے والی باتیں سن کر مَیں نے اِن کے قتل کا ارادہ کیا تھا۔

پھر اِسی قسم کا ایک اور کیس ہوا۔ ایک شخص ہماری دیوار پھاندتے ہوئے پکڑا گیا۔ بعد میں پولیس نے اُسے پاگل قرار دیکر چھوڑ دیا حالانکہ وہ دیوار پھاندتے ہوئے پکڑا گیا تھا اور جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا وہ قتل کرنے کی نیت سے ہی آیا تھا۔

چوتھا واقعہ یہ ہے کہ میں ایک دفعہ اپنے سالانہ جلسہ میں تقریر کر رہا تھا کہ پیچھے سے کسی شخص نے ملائی دی کہ جلدی سے حضرت صاحب تک پہنچا دی جائے آپ تقریر کرتے کرتے تھک گئے ہیں ۔ چنانچہ گھبراہٹ میں لوگوں نے جلدی جلدی ملائی آگے پہنچانی شروع کر دی یہاں تک کہ وہ سٹیج پر پہنچ گئی ۔ سٹیج پر کسی شخص کو ہوش آیا اور اُس نے ذرا سی ملائی اپنی زبان پر لگائی تو لگاتے ہی اُس کی زبان کٹ گئی ۔ تب اِدھر اُدھر تلاش کیا گیا کہ ملائی دینے والا کون تھا مگر وہ نہ ملا۔ غرض ہر رنگ میں دشمنوں نے مجھے مٹانے اور گرانے کی کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اُن کو ناکام و نامراد رکھا۔

گزشتہ سالوں میں ہی لاہور میں سر سکندر حیات خاں نے اپنی کوٹھی پر مجھے اِس غرض کے لئے بُلا بھیجا کہ اگر کشمیر کمیٹی اور احرار میں کوئی سمجھوتہ ہو جائے تو حکومت کسی نہ کسی رنگ میں فیصلہ کر دے گی ۔ اُنہوں نے مجھ سے پوچھا کہ آیا آپ کو ایسی میٹنگ میں شامل ہونے پر کوئی اعتراض تو نہیں؟ میں نے کہا مجھے کوئی اعتراض نہیں اور نہ مجھے سیاسیات سے کوئی دلچسپی ہے میں تو ایک مذہبی آدمی ہوں اور چاہتا ہوں کہ اِس قسم کے جھگڑے جلد دُور ہو جائیں۔

وہاں احرار کی طرف سے چوہدری افضل حق صاحب شامل ہوئے اور انہوں نے بڑے غصہ سے کہا کہ میں اِن سے ہرگز صلح نہیں کر سکتا کیونکہ میں جب الیکشن کے لئے کھڑا ہوا تھا تو اِنہوں نے میری دو دفعہ مخالفت کی تھی۔ میں نے اُن سے کہا کہ مخالفت کرنا ہر شخص کا حق ہے مگر یہ درست نہیں کہ مَیں نے آپ کی دو دفعہ مخالفت کی ہے۔ ایک دفعہ مخالفت کی ہے اور ایک دفعہ تائید کی ہے۔ سر سکندر حیات خاں بھی اِن سے کہنے لگے کہ آپ بھولتے ہیں آپ نے خود مجھے کہا تھا کہ امام جماعت احمدیہ سے چونکہ میرے دوستانہ تعلقات ہیں اِس لئے میں آپ کے متعلق اِن کے پاس سفارش کر دوں اور میں نے آپ کے کہنے پر سفارش کی اور انہوں نے آپ کی مدد کی۔ پس یہ درست نہیں کہ انہوں نے دو دفعہ مخالفت کی ہے ایک دفعہ انہوں نے مخالفت کی ہے اور ایک دفعہ تائید کی ہے۔ اِس پر چوہدری افضل حق صاحب کہنے لگے خواہ کچھ ہو مَیں نے تو فیصلہ کر لیا ہے کہ میں جماعت احمدیہ کو کُچل کر رکھ دوں گا۔ اسی طرح وہ غصہ میں اور بھی بہت کچھ کہتے چلے گئے مَیں مسکراتا رہا اور خاموش رہا۔ جب وہ اپنا غصہ نکال چکے تو میں نے کہا چوہدری صاحب! ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ ہمارا سلسلہ اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے اگر ہمارا یہ دعویٰ جھوٹا ہے تو آپ کی کسی کوشش کی ضرورت نہیں خدا خود ہمارے سلسلہ کو کچل دے گا لیکن اگر یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے قائم کردہ سلسلہ ہے تو پھر آپ کی کیا حیثیت ہے دنیا کے سارے بادشاہ مل کر بھی ہمارے سلسلہ کو کچلنا چاہیں تو وہ خود کُچلے جائیں گے مگر ہمارے سلسلہ کو کچل نہیں سکتے۔ اُس وقت مجلس میں نواب مظفر خان صاحب موجود تھے، شیخ محمد صادق صاحب موجود تھے، نواب احمد یار خاں صاحب دولتانہ موجود تھے، جب مجلس ختم ہوئی تو شیخ محمد صادق صاحب چوہدری افضل حق صاحب کے ساتھ اُن کے گھر تک گئے اور انہیں کہا کہ چوہدری صاحب! آپ نے اچھا نہیں کیا۔ گھر پر بُلا کر امام جماعت احمدیہ کی آج شدید ہتک کی گئی ہے چنانچہ بعد میں واپس آ کر اُنہوں نے خود ہی ذکر کیا کہ میں چوہدری افضل حق صاحب کے ساتھ اُن کے دروازہ تک گیا تھا اور اُن سے کہا تھا کہ آپ نے آج جو کچھ کیا ہے اچھا نہیں کیا اور چوہدری افضل حق صاحب کہتے تھے کہ اب میں بھی محسوس کرتا ہوں کہ مجھے یہ الفاظ نہیں کہنے چاہئیں تھے اصل بات یہ ہے غصہ میں میری زبان

قابو میں نہیں رہی تھی۔تو لوگوں نے ہر طرح زور لگایا کہ ہمارے سلسلہ کو مٹا دیں۔

یہاں تک کہ ۱۹۳۴ء میں انگریزی گورنمنٹ بھی ہماری جماعت کی مخالف ہوگئی۔ سرایمرسن جو گورنر پنجاب رہ چکے ہیں گورنری سے پہلے میرے بڑے دوست تھے یہاں تک کہ لندن سے انہوں نے مجھے چٹھی لکھی کہ میں اب گورنر بن کر آ رہا ہوں اور امید کرتے ہیں کہ آپ میرے ساتھ تعاون کریں گے مگر یہاں آتے ہی ہماری جماعت کے شدید مخالف ہوگئے یہاں تک کہ سر فضل حسین صاحب نے ایک ملاقات کے دَوران میں مجھ سے کہا کہ نہ معلوم سرایمرسن کو کیا ہوگیا ہے وہ تو آپ کے سلسلہ کو بہت کچھ بُرا بھلا کہتے رہتے ہیں۔ پھر انہوں نے کریمنل لاء ایمنڈمنٹ (CRIMINAL LAW AMENDMENT) ایکٹ مجھ پر لگانا چاہا اور قادیان میں احرار کا جلسہ کرایا جس میں ہمارے سلسلہ کی شدید ہتک کی گئی۔ غرض ہر رنگ میں ہماری مخالفت ہوئی اور ہر طبقہ نے مخالفت کی۔افغانستان میں میرے زمانہ میں جماعت احمدیہ کے چار آدمی یکے بعد دیگرے شہید کئے گئے حالانکہ افغانستان کے وزیر خارجہ نے خود ہمیں چٹھی لکھی تھی کہ افغانستان میں آپ کو تبلیغ کی اجازت ہے بے شک اپنے مبلّغ بھجوائیں۔مگر جب ہم نے اپنے مبلّغ بھجوائے تو حکومت نے اُن کو سنگسار کر دیا۔ غرض جتنا زور دُنیا لگا سکتی تھی اُس نے لگا کر دیکھ لیا مگر باوجود اِس کے خدا نے ہمیں بڑھایا اور ایسی ترقی دی جو ہمارے وہم اور خیال میں بھی نہیں تھی۔

جب میں خلیفہ ہوا اُس وقت ہمارے خزانہ میں صرف چودہ آنے کے پیسے تھے اور ۱۸ ہزار کا قرض تھا یہاں تک کہ میں نے اپنے زمانۂ خلافت میں جو پہلا اشتہار لکھا اور جس کا عنوان تھا۔ ''کون ہے جو خدا کے کام کو روک سکے'' اُس کو چھپوانے کے لئے بھی میرے پاس کوئی روپیہ نہ تھا۔اُس وقت ہمارے نانا جان کے پاس کچھ چندہ تھا جو اُنہوں نے مسجد کے لئے لوگوں سے جمع کیا تھا اُنہوں نے اُس چندہ میں سے دوسَو روپیہ اِس اشتہار کے چھپوانے کے لئے دیا اور کہا کہ جب خزانہ میں روپیہ آنا شروع ہوجائے گا تو یہ دوسَو روپیہ ادا ہوجائے گا۔غرض وہ روپیہ اُن سے قرض لے کر یہ اشتہار شائع کیا گیا۔مگر اُس وقت جب جماعت کے سرکردہ لوگ میرے مخالف تھے، جب جماعت کے لیڈر میرے مخالف تھے، جب خزانہ خالی

تھا، جب صرف چودہ آنے کے پیسے اس میں موجود تھے، جب اٹھارہ ہزار کا انجمن پر قرض تھا، جب انجمن کی اکثریت میری مخالف تھی، جب انجمن کا سیکرٹری میرا مخالف تھا، جب مدرسہ کا ہیڈ ماسٹر میرا مخالف تھا میرے یہ الفاظ ہیں جو میں نے خدا کے منشا کے ماتحت اُس اشتہار میں شائع کئے کہ:

''خدا چاہتا ہے کہ جماعت کا اتحاد میرے ہی ہاتھ پر ہو اور خدا کے اِس ارادہ کو اَب کوئی نہیں روک سکتا۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ان کے لئے صرف دو ہی راہ کھلے ہیں یا تو وہ میری بیعت کر کے جماعت میں تفرقہ کرنے سے باز رہیں یا اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ کر اُس پاک باغ کو جسے پاک لوگوں نے خون کے آنسوؤں سے سینچا تھا اُکھاڑ کر پھینک دیں۔ جو کچھ ہو چکا ہو چکا مگر اب اِس میں کوئی شک نہیں کہ جماعت کا اتحاد ایک ہی طریق سے ہوسکتا ہے کہ جسے خدا نے خلیفہ بنایا ہے اُس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے ورنہ ہر ایک شخص جو اُس کے خلاف چلے گا تفرقہ کا باعث ہوگا''۔

پھر میں نے لکھا:۔

''اگر سب دنیا مجھے مان لے تو میری خلافت بڑی نہیں ہوسکتی اور سب کے سب خدانخواستہ مجھے ترک کر دیں تو بھی خلافت میں فرق نہیں آ سکتا۔ جیسے نبی اکیلا ہی نبی ہوتا ہے اِسی طرح خلیفہ اکیلا بھی خلیفہ ہوتا ہے۔ پس مبارک ہے وہ جو خدا کے فیصلہ کو قبول کرے۔ خدا تعالیٰ نے جو بوجھ مجھ پر رکھا ہے وہ بہت بڑا ہے اور اگر اُس کی مدد میرے شاملِ حال نہ ہو تو میں کچھ نہیں کرسکتا۔ لیکن مجھے اُس پاک ذات پر یقین ہے کہ وہ ضرور میری مدد کرے گی۔''

غرض طرح طرح کی مخالفتیں ہوئیں سیاسی بھی اور مذہبی بھی، اندرونی بھی اور بیرونی بھی مگر خدا تعالیٰ نے مجھے توفیق دی کہ میں جماعت کو اَور زیادہ ترقی کی طرف لے جاؤں۔ چنانچہ یہ جماعت بڑھنی شروع ہوئی یہاں تک کہ آج دنیا کے کونے کونے میں یہ جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے پھیل چکی ہے۔ اِسی شہر لاہور میں پہلے جماعت احمدیہ کے صرف چند افراد ہوا کرتے تھے مگر آج ہزاروں کی تعداد میں یہاں جماعت موجود ہے اِسی

طرح دنیا کے ہر گوشہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام اور اسلام کا پیغام میرے ذریعہ سے پہنچ چکا ہے اور وہ پیشگوئی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے متعلق فرمائی تھی وہ میرے وجود میں بڑی شان سے پوری ہو چکی ہے۔ اِس پیشگوئی میں اُنسٹھ باتیں بتائی گئی ہیں مگر ان تمام باتوں کے متعلق اِس وقت تفصیل سے روشنی نہیں ڈالی جاسکتی۔ صرف ایک دو باتیں میں بیان کر دیتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ پیشگوئی فرمائی تھی کہ جس طرح میرا نام دنیا کے کناروں تک پہنچے گا اسی طرح میرا بیٹا دنیا کے کناروں تک شہرت پائے گا۔ دنیا کے کناروں کے لحاظ سے امریکہ ایک طرف ہے اور جاپان دوسری طرف۔ درمیان میں یورپ اور افریقہ کا علاقہ ہے۔ ہماری جماعت ایک غریب جماعت ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اِس پیشگوئی کے مطابق مجھے توفیق عطا فرمائی کہ میں دنیا کے مختلف ممالک میں احمدیہ مشن قائم کروں۔ چنانچہ اِس وقت امریکہ میں احمدیہ مشن قائم ہے، انگلستان میں احمدیہ مشن قائم ہے، شمالی اور جنوبی افریقہ میں احمدیہ مشن قائم ہے، چین اور جاپان میں بھی احمدیہ مشن قائم کئے گئے تھے مگر جنگ کی وجہ سے کچھ عرصہ کیلئے بند کر دیئے ہیں، سماٹرا اور جاوا میں احمدیہ مشن قائم ہیں، اسی طرح جرمنی میں اور ہنگری میں، ارجنٹائن میں، یوگوسلاویہ میں، البانیہ میں، پولینڈ میں، زیکوسلواکیہ میں، سیرالیون میں، گولڈکوسٹ میں، نائیجیریا میں، مصر میں، فلسطین میں، ماریشس میں، شام میں، روس میں، سٹریٹ سیٹلمنٹس[1] میں، ایران میں، کابل میں، ملایا میں اور دوسرے کئی ممالک میں اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ سے احمدیت کا پیغام پہنچایا اور وہ پیشگوئی پوری ہوئی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بیٹے کے متعلق فرمائی تھی کہ دنیا کے کناروں تک وہ اسلام اور احمدیت کا نام پہنچائے گا''۔ (انوار العلوم جلد ۷ اصفحہ ۲۱۳ تا ۲۲۱)

---

[1] سٹریٹ سیٹلمنٹس: (Straits Settlements) ملایا میں برطانیہ کی سابق شاہی نو آبادی ۱۸۲۶ء سے ۱۸۵۸ء تک برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی نے پیانگ، ملکا اور سنگاپور کو ایک انتظامی جزو کی حیثیت سے سنبھالے رکھا۔ بعدازاں قلیل مدت کے لیے انڈیا آفس نے انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ۱۸۶۷ء میں یہ نو آبادی قائم کی گئی اور ۱۹۴۶ء میں ختم کر دی گئی۔ اب سنگاپور ایک الگ کالونی ہے مگر باقی حصے ملایا کے اتحاد میں شامل ہو گئے۔　　(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ۱ صفحہ ۷۴۱ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء)

خلافت کے ذریعہ خدا تعالیٰ سے وابستہ رہو

(تقریر فرمودہ ۲۵ رجون ۱۹۴۴ء بمقام قادیان)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

''انسانی زندگی بھی اللہ تعالیٰ نے عجیب بنائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سِوا ساری ہی چیزیں اپنی جگہ پر ضروری بھی ہیں اور غیر ضروری بھی۔ جو خالصتہً ضروری چیز ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ہی ذات ہے۔ ہر چیز اپنے وقت میں اور اپنے ماحول میں ضروری نظر آتی ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ ایک مرکز ہے دنیا کا جس کے گرد ساری دنیا چکر لگا رہی ہے مگر باوجود اِس کے پھر ایک وقت پر وہ چیز جاتی رہتی ہے ایک اثر اور ایک نشان تو وہ ایک عرصہ کے لئے چھوڑ جاتی ہے لیکن دنیا پھر بھی جاری ہی رہتی ہے۔ پھر نئے وجود دنیا میں پیدا ہو جاتے ہیں جن کے متعلق لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ شاید اِن کے بغیر اَب دنیا نہیں چل سکتی۔ پھر وہ مٹ جاتے ہیں اور کچھ دیر کے لئے وہ اپنا اثر اور نشان چھوڑ جاتے ہیں مگر پھر خدا کی طرف سے اُس وقت کے ماحول کے ساتھ لوگوں کو ایک مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور اِس کے بعد وہ خیال کرتے ہیں کہ اَب یہ نئے وجود نہایت ضروری ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں پیدا کیا اُس وقت ابھی دنیا کی ابتداء تھی۔ ابھی لوگوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کیسی کیسی مخلوق دنیا میں بھجوانے والا ہے۔ خدا کا تازہ کلام اور ان معنوں میں تازہ کلام کہ اِس شکل میں اِس سے پہلے نازل نہیں ہوا تھا آدم پر اُترا اور لوگوں کے لئے ابھی ایمانیات سے باہر اور کوئی دلیل ایسی نہ تھی جس کی بناء پر وہ سمجھتے کہ یہ کلام پھر بھی دنیا میں اُترے گا اور انسان اپنے تجربہ کا غلام ہوتا ہے۔ جس وقت

آدم کے ساتھی یہ خیال کرتے ہوں گے کہ آدم بھی ایک دن اِس دنیا سے گزر جائے گا وہ وقت اُن کے لئے کیسا تکلیف دِہ ہوتا ہوگا۔ اُن کے لئے کوئی مثال موجود نہ تھی کہ آدم کا قائم مقام کوئی اور آدمی بھی ہوسکتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کے سارے فضلوں کو آدمؑ میں ہی مرکوز دیکھتے تھے اور آدم سے بڑھ کر کسی اور وجود میں اِن فضلوں کا مشاہدہ کرنا اُن کے نزدیک خام خیالی تھی کیونکہ اور کوئی انسان انہوں نے نہیں دیکھا تھا جو آدمؑ سے بڑھ کر ہوتا۔ غرض آدمؑ جس کی تعلیم کا نشان سوائے قرآن کے اور کہیں نہیں ملتا، آدم جس کی تربیت کا نشان دنیا کی کسی تاریخ سے مہیا نہیں ہوتا وہ اُن لوگوں کیلئے اپنے زمانہ کے لحاظ سے ایسا ہی ضروری تھا جیسے حیات کے قیام کے لئے ہوا اور پانی ضروری ہوتا ہے۔ وہ آدم کو اپنی روحانی حیات کے قیام کا ذریعہ سمجھتے تھے اور روحانی حیات کو آدم کا نتیجہ قرار دیتے تھے مگر ایک دن آیا جب خدا کی قدرت نے آدم کو اُٹھا لیا۔ آدم کے مومنوں پر وہ کیسا تکلیف کا دن ہوگا وہ کس طرح تاریکی اور خلا اپنے اندر محسوس کرتے ہوں گے مگر وہ نسل گزری اور اُس نسل کی نسل گزری اور اِسی طرح کئی نسلیں گزرتی چلی گئیں اور آدم کی قیمت اُن کے دلوں سے کم ہوگئی یہاں تک کہ وہ اُس وجود کو بھی بھول گئے جس کی وجہ سے آدم کی قدر و قیمت تھی یعنی انہوں نے خدا تعالیٰ کو بھی بھلا دیا، اُس سے قطع تعلق کر لیا اور اُن کی ساری کوششیں دنیا میں ہی محدود ہوگئیں۔

تب خدا نے نوحؑ کو دنیا میں بھیجا۔ یا کم سے کم ہمارے لئے جس شخص کے ذکر کی ضرورت سمجھی گئی ہے وہ نوحؑ ہی ہے۔ درمیان میں بعض اور وجود بھی آئے ہوں گے مگر وہ اہم وجود جس کا قرآن نے ذکر کیا نوحؑ ہی ہے۔ نوحؑ کے زمانہ میں جو لوگ اُس پر ایمان لائے کس طرح اُنہیں محسوس ہوتا ہوگا کہ وہ تاریکی سے نکل کر نور کی طرف آ گئے ہیں۔ وہ تنہائی کی زندگی کو چھوڑ کر ایک نبی کی صحبت سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا تازہ کلام اور اُس کی پُرمعرفت باتیں سن کر ان کے اندر کیسی زندگی پیدا ہوتی ہوگی، کیسا یقین پیدا ہوتا ہوگا، کتنی خوشی ہوتی ہوگی کہ کس طرح انہوں نے یہ غلط خیال کر لیا تھا کہ خدا تعالیٰ کا کلام اور اُس کا نور اَب دنیا میں نہیں آئے گا۔ وہ سوچتے ہوں گے کہ ہم کس طرح دنیا میں مشغول

تھے کہ خدا کا ہاتھ پھر ہماری طرف لمبا ہوا اور اُس نے ہمیں تاریک گڑھوں سے نکال کر معرفت کی روشنی میں کھڑا کر دیا۔لیکن اُس زمانہ کے لوگ بھی یہ خیال کرتے ہوں گے کہ نوحؑ جیسی نعمت کے بعد اور کیا نعمت ہوگی، کون سی برکت ہوگی جو اُس کے بعد بھی آئے گی۔ وہ خیال کرتے ہوں گے کہ خدا تعالیٰ کی آخری نعمت ہم کو حاصل ہوگئی اَب ہماری زندگیاں خوشی کی زندگیاں ہیں اب ہم علیحدگی اور تنہائی کی بدمزگیوں سے بچ گئے۔اَب خدا ہمارے ساتھ ہے اور ہم خدا کے ساتھ ہیں لیکن پھر ایک زمانہ آیا جب خدا کی حکمتِ کاملہ نے نوحؑ کو اُٹھا لیا۔ اُس وقت نوحؑ کے ماننے والوں کی جو کیفیت ہوگی اُسے ہم تو سمجھ سکتے ہیں جنہیں ایک نبی کی جماعت میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا مگر دوسرے لوگ اِس کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔کس طرح چمکتا ہوا سورج اُن کے لئے تاریک ہوگیا ہوگا، کس طرح نور والا چاند اُن کے لئے اندھیرا ہوگیا ہوگا، کس طرح اللہ تعالیٰ کا روشن چہرہ جو ہر وقت اُن کی آنکھوں کے سامنے رہتا تھا اُنہیں دُھندلکے میں چھپا ہوا دکھائی دینے لگا ہوگا اور کس طرح وہ یہ خیال کرتے ہوں گے کہ دنیا اب ہلاکت کے گڑھے میں گر گئی۔لیکن ابھی نوحؑ کا پیدا کردہ ایمان لوگوں کے دلوں میں موجود تھا اُس ایمان کی وجہ سے وہ خیال کرتے ہوں گے کہ جس طرح آدمؑ کے بعد اللہ تعالیٰ نے نوحؑ کو کھڑا کر دیا اِسی طرح شاید نوحؑ کے بعد کسی اور کو کھڑا کر دے۔ پس وہ ایک ہلکی سی امید اپنے دل میں رکھتے ہوں گے گو یہ امید اپنے ساتھ ایسا زخم رکھتی ہوگی، ایسا درد اور اضطراب رکھتی ہوگی جس کی مثال انبیاء کی جماعتوں کے باہر اور کہیں نہیں مل سکتی۔

پھر خدا تعالیٰ کے فضل نے نہ معلوم کتنے عرصے کے بعد، کتنے تغیرات کے بعد، کتنی چھوٹی چھوٹی روشنیوں کے بعد ابراہیمؑ کو پیدا کیا اور پھر وہی کیفیت جو نوحؑ کے زمانہ میں لوگوں پر گزری تھی ابراہیمؑ کے زمانہ میں دکھائی دینے لگی۔اب لوگوں کی دماغی ترقی کو دیکھ کر خدا نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ پے در پے اپنے انبیاء لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجے چنانچہ ابراہیمؑ کے بعد اسحاقؑ کو ایک مُلک میں اور اسماعیلؑ کو دوسرے مُلک میں کھڑا کیا گیا۔ پھر یعقوبؑ آئے پھر یوسفؑ آئے اور یہ سلسلہ چلتا چلا گیا اور لوگ نورِ ہدایت سے منور ہوتے رہے۔مگر پھر

ایک ایسا وقت آیا جب دنیا تاریکی کے گڑھوں میں گر گئی، گمراہی میں مبتلا ہوگئی، خدا تعالیٰ کے تازہ نشانوں سے محروم ہوگئی اور یہ دَورِ ضلالت جاری رہا یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ آیا اور اُنہوں نے بندوں کا خدا سے پھر تازہ عہد باندھا۔ اِس کے بعد پے در پے انبیاء لوگوں کی ہدایت کے لئے آتے رہے۔ داؤدؑ آئے، سلیمانؑ آئے، الیاسؑ آئے، یحییٰؑ آئے، عیسیٰؑ آئے اور آخر میں ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لائے۔ جس طرح آدمؑ کے زمانہ میں لوگوں کو یہ احساس تھا کہ خدا نے ایک نیا نور پیدا کیا ہے، ایک نئی چیز دنیا میں ظاہر کی ہے اور وہ خیال کرتے تھے کہ ایسی چیز پھر دنیا میں کب آ سکتی ہے وہ اپنے تجربہ کے مطابق آدمؑ کو ہی اوّل الانبیاء اور آدمؑ کو ہی آخر الانبیاء سمجھتے تھے۔ اِسی طرح کا احساس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کے دلوں میں پیدا ہونا شروع ہوگیا۔ بات یہ ہے کہ سارے ہی نبی اتنے پیارے ہوتے ہیں کہ ہر نبی کی اُمت یہی سمجھ لیتی ہے کہ یہ نبی آخری نبی ہے۔ قرآن کریم میں ذکر آتا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام فوت ہوگئے تو اُن کی قوم نے کہا اب یوسفؑ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا۔[1] حقیقت یہ ہے کہ انبیاء خدا تعالیٰ کی مہربانی اور اُس کی شفقت اور اُس کی عنایت اور اُس کی رأفت کا ایسا دلکش نمونہ ہوتے ہیں کہ اُن کو دیکھنے کے بعد لوگ یہ خیال بھی نہیں کر سکتے کہ ایسے وجود دُنیا پھر بھی پیدا کر سکتی ہے۔

لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وجود تو ایسا تھا جس کے متعلق یہ دعویٰ بھی موجود تھا کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور آپؐ کی شریعت آخری شریعت ہے۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک تو اِس کے یہ معنی تھے کہ آپؐ آخری شرعی رسول ہیں اور یہ کہ اب دنیا میں جو بھی رسول اور مصلح آئے گا وہ آپؐ سے روحانی فیوض حاصل کر کے اور آپؐ کا غلام اور شاگرد بن کر آئے گا۔ مگر جو دیکھنے والے تھے جن کو ابھی آئندہ کا تجربہ نہیں تھا اُن میں سے بعض شاید یہی سمجھتے ہوں کہ آپ دنیا کے لئے آخری روشنی ہیں اور وہ یہی خیال کرتے ہوں کہ اِس روشنی کو خدا اب واپس نہیں لے گا اِسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا خیال بھی اُن کے لئے ایک ایسا صدمہ تھا جن کو برداشت کرنا اُن کی طاقت سے بالکل باہر تھا

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے تو یہ بات صحابہ کے لئے اِس قدر صدمہ کا موجب ہوئی کہ وہ لمبی تعلیم جو متواتر تیئیس سال تک خدا کا رسول اُن کو دیتا رہا اُس کو بھی وہ بھول گئے۔ جس رسول نے بڑے زور سے اُن پر یہ واضح کیا تھا کہ مرنے کے بعد انسان اِس دنیا میں واپس نہیں آتا، جس رسول نے بڑے زور سے واضح کیا تھا کہ ہر انسان جو اِس دنیا میں آیا وہ ایک دن مرے گا اور جس رسول کے کلام میں یہ بات موجود تھی کہ ایک دن وہ خود بھی مرنے والا ہے اُس کی اُمت کے ایک جلیل القدر فرزند نے کہنا شروع کر دیا کہ جو شخص کہے گا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے اُس کی تلوار سے گردن اُڑا دی جائے گی۔[۲] ہماری جماعت کے وہ لوگ جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کا زمانہ نہیں دیکھا شاید اِس پر تعجب کرتے ہوں گے اور یہ واقعہ پڑھ کر اُن کو خیال آتا ہو گا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر صحابہ کو یہ خیال کیونکر پیدا ہو گیا کہ آپ فوت نہیں ہو سکتے۔ مگر جب وہ اِس نقطۂ نگاہ سے دیکھیں گے تو اِس بات کا سمجھنا ان کے لئے کوئی مشکل نہیں رہے گا کہ جن وجودوں سے شدید محبت ہوتی ہے اُن کی جدائی کا اِمکان بھی دل پر گراں گزرتا ہے اور جب وہ وقت آ جاتا ہے جس کا تصور بھی انسان کو بے چین کر دیتا ہے تو عارضی طور پر انسان پر ایک سکتہ کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ کیا ہی سچے جذبات کا آئینہ ہے حسانؓ کا وہ شعر جو اُنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر کہا جب آپ کی وفات اُن پر ثابت ہو گئی تو انہوں نے کہا ع

كُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِیْ. فَعَمِیَ عَلَیَّ النَّاظِرُ

مَنْ شَاءَ بَعْدَكَ فَلْيَمُتْ. فَعَلَيْكَ كُنْتُ اُحَاذِرُ[۳]

یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ تو میری آنکھ کی پتلی تھے آج آپ فوت ہوئے تو میری آنکھ بھی جاتی رہی۔

یاد رکھنا چاہئے کہ اِس شعر کی عظمت اور اِس کی خوبی کا اِس امر سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شعر کہنے والا آخری عمر میں نابینا ہو گیا تھا اور اندھے کی نظر پہلے ہی جا چکی ہوتی ہے۔ پس اُس کے یہ کہنے کا کہ آپ میری آنکھ کی پتلی تھے آپ کی وفات سے مَیں اندھا ہو گیا مطلب یہ تھا

کہ باوجود اِس کے کہ مَیں اندھا تھا آپ کی موجودگی میں مجھے اپنا اندھا پن بُرا معلوم نہیں ہوتا تھا، بے شک میں نے اپنی جسمانی آنکھیں کھودی تھیں مگر مَیں خوش تھا، مَیں شاداں تھا، مَیں فرحاں تھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ میری روحانی آنکھیں موجود ہیں، مجھے وہ پتلی حاصل ہے جس کے ساتھ میں اپنے خدا کو دیکھ سکتا ہوں۔ اگر میری جسمانی آنکھیں نہیں ہیں، اگر میں لوٹے اور گلاس کو نہیں دیکھ سکتا تو کیا ہوا مجھے وہ پتلی تو ملی ہوئی ہے جس سے مَیں اپنے پیدا کرنے والے خدا کو دیکھ سکتا ہوں۔ بھلا لوٹے اور گلاس اور رنگ کو دیکھنے میں کیا مزا ہے۔ مزا تو یہ ہے کہ انسان اپنے خدا کو دیکھ سکے لیکن آج جب وہ پتلی مجھ سے لے لی گئی ہے، جب وہ عینک مجھ سے چھین لی گئی ہے تو **فَعَمِیَ عَلَیَّ النَّاظِرُ** اے لوگو! تم مجھے پہلے اندھا کہا کرتے تھے لیکن حقیقتاً میں اندھا آج ہوا ہوں۔ **مَنْ شَاءَ بَعْدَکَ فَلْیَمُتْ** میری بیوی بھی ہے، میرے بچے بھی ہیں اور عزیز اور رشتہ دار بھی ہیں مگر اب مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ ان میں سے کون مرجاتا ہے جو بھی مرتا ہے مرجائے اُس کی موت میرے لئے اس نقصان کا موجب نہیں ہوسکتی جس نقصان کا موجب میرے لئے یہ موت ہوئی ہے۔ **فَعَلَیْکَ کُنْتُ اُحَاذِرُ۔ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ!** میں تو اِسی دن سے ڈرتا تھا کہ میری یہ بینائی کہیں چھین نہ لی جائے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قسم کی تاریکیوں سے لوگوں کو نکالا، جس قسم کی تباہیوں سے عربوں کو بچایا، جس قسم کی ذلّت سے اور رُسوائی سے نکال کر ان کو ترقی کے بلند مقام تک پہنچایا اُس کو دیکھتے ہوئے آپ کے احسانوں کی جو قدر و قیمت صحابہؓ کے دل میں ہوسکتی تھی وہ بعد میں آنے والے لوگوں کے دلوں میں نہیں ہوسکتی۔ مگر پھر بھی دنیا چلی اور چلتی چلی گئی یہاں تک کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت صرف زبانوں پر رہ گئی دلوں میں سے مٹ گئی۔ خدا تعالیٰ کا نور کتابوں میں تو رہ گیا مگر دماغوں میں سے جاتا رہا۔ دنیا خدا کو بھول گئی اور اُس کی لذتیں دنیا سے ہی وابستہ ہوگئیں۔ جس طرح کسی درخت کو ایک زمین سے اُکھیڑ کر دوسری جگہ لگا دیا جاتا ہے اِسی طرح خدا کی زمین میں سے لوگوں کی جڑیں اُکھڑ گئیں اور شیطان کی زمین میں جالگیں، ان کا ماحول شیطانی ہوگیا اور اُن کی تمام لذت اور اُن کا تمام سرور شیطانی کاموں سے وابستہ ہوگیا۔

تب خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث کیا۔ دنیا اِن کی بعثت پر حیران رہ گئی کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعداب خدا تعالیٰ کے انعامات کو اِس رنگ میں پانے والا کہ وہ قطعی اور یقینی طور پر خدا اور بندے کو آمنے سامنے کر دے کوئی نہیں آ سکتا۔ جن لوگوں کی آنکھیں کھلی تھیں انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا آپ پر ایمان لائے اور انہوں نے یوں محسوس کیا جیسے ایک کھویا ہوا بچہ اپنی ماں کی گود میں بیٹھ جاتا ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ لوگ جو صدیوں سے خدا سے دُور جا چکے تھے اِس شخص کے ذریعہ خدا کی گود میں جا بیٹھے ہیں۔ اُن کی خوشیوں کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا، اُن کی فرحت کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا۔ وہ لوگ جو سمجھتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خدا تعالیٰ کے کسی نبی کا مبعوث ہونا ناممکن ہے جہاں اُن کے غصہ کی کوئی حد نہ تھی وہاں مومنوں کی خوشی اور اُن کی مسرت کی بھی کوئی حد نہ تھی اور اُنہوں نے یہ خیال کرنا شروع کر لیا کہ اتنے صدموں کے بعد اب کوئی اور صدمہ انہیں پیش نہیں آئے گا۔ چنانچہ ہر شخص جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لاتا تھا اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰهُ جس کا ایمان ابھی اپنے کمال کو نہیں پہنچا تھا یہ تو نہیں سمجھتا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فوت نہیں ہوں گے مگر ہر شخص یہ ضرور سمجھتا تھا کہ کم سے کم میری موت کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات ہوگی۔

مگر ایک دن آیا کہ ہر شخص جو یہ سمجھ رہا تھا کہ میری موت کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام فوت ہوں گے اُس نے دیکھا کہ وہ تو زندہ تھا مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے اُٹھا لیا۔ وہ وقت پھر اُن لوگوں کے لئے جو سچے مومن تھے نہایت مصیبت کا وقت تھا اور یہ صدمہ ایسا شدید تھا کہ جس کی چوٹ کو برداشت کرنا بظاہر وہ ناممکن خیال کرتے تھے لیکن خدا تعالیٰ کی طرف سے جو چیز آتی ہے اُسے بہر حال لینا پڑتا ہے اور انسان کو نئی حالت کے تابع ہونا پڑتا ہے اِسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا کہ:

''اے عزیزو! جب کہ قدیم سے سنت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دو قدرتیں دکھلاتا ہے تا مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھلا وے سو اَب ممکن نہیں

ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی قدیم سنت کو ترک کر دیوے۔ اِس لئے تم میری اِس بات سے جو میں نے تمہارے پاس بیان کی غمگین مت ہو اور تمہارے دل پریشان نہ ہو جائیں کیونکہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے اور اُس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا۔ اور وہ دوسری قدرت نہیں آ سکتی جب تک مَیں نہ جاؤں لیکن مَیں جب جاؤں گا تو پھر خدا اُس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی''۔[۲۹]

اللہ بہتر جانتا ہے کہ جماعت کی یہ حالت کب تک رہے گی، کب تک خدا کا نور ہمارے درمیان موجود رہے گا، کب تک ہم اپنے آپ کو اِس نور سے وابستہ رکھیں گے، مگر بہرحال یہ لمبا سلسلہ بتاتا ہے کہ کس طرح ایک کے بعد ایک چیز آئی۔ لوگ جب پہلی چیز کو بھول جاتے ہیں تو خدا دوسری چیز کو بھیج دیتا ہے اور دنیا کی خوشی اور اُس کی شادمانی کا سامان مہیا کر دیتا ہے لیکن ایک چیز ہے جو شروع سے آخر تک ہمیں تمام سلسلہ میں نظر آتی ہے۔ آدمؑ آیا اور آدمؑ کے ساتھ خدا آیا۔ آدمؑ چلا گیا لیکن ہمارا زندہ خدا اِس دنیا میں موجود رہا، نوحؑ آیا اور نوحؑ کے ساتھ خدا آیا۔ نوحؑ چلا گیا لیکن ہمارا زندہ خدا اِس دنیا میں موجود رہا، ابراہیمؑ آیا اور ابراہیمؑ کے ساتھ خدا آیا ابراہیمؑ فوت ہو گیا لیکن ہمارا زندہ خدا اِس دنیا میں موجود رہا۔ اِسی طرح اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، یوسفؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہر ایک کے ساتھ خدا آیا۔ اِن میں سے ہر شخص فوت ہو گیا لیکن ہمارا خدا زندہ رہا، زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔ ہر شخص جو اُس سے تعلق پیدا کر لیتا ہے وہ ہمیشہ اپنی جڑیں اِس زمین میں پائے گا جو خدا کی رحمت کے پانی سے سیراب ہوتی ہے۔ اُس پودے کی طرح اپنے آپ کو نہیں پائے گا جس کی جڑیں اچھی زمین میں سے اُکھیڑ کر ایک خراب اور ناقص زمین میں لگا دی جاتی ہیں۔

پس یاد رکھو! جسمانی تناسل انسان کو موت اور فنا کی طرف لے جاتا ہے گو وہ انسان کے لئے خوشی کا بھی موجب ہوتا ہے، راحت کا بھی موجب ہوتا ہے مگر روحانی تناسل جس

کے ذریعہ ایک پاک انسان دوسرے پاک انسان کو پیدا کرنے کا موجب بنتا ہے دنیا سے رنج اور غم کو بالکل مٹا دیتا ہے کیونکہ اِس تعلق کیلئے موت نہیں، اِس تعلق کیلئے فنا نہیں اور اگر بنی نوع انسان چاہیں تو وہ اپنی زندگی کو دائمی زندگی بنا سکتے ہیں۔ جس کا طریق یہی ہے کہ ہر نسل قدرتِ ثانیہ کے مظاہر کے ذریعہ اِس طرح خدا تعالیٰ سے وابستہ رہے جس طرح پہلی نسل اُس سے وابستہ رہی ہو بلکہ اِس سے بھی بڑھ کر۔ کیونکہ روحانی تناسل کا انقطاع ایک موت ہے لیکن جسمانی تناسل کا انقطاع صرف ایک عارضی صدمہ۔

تم عیسائیوں کو دیکھ لو انہیں تم کچھ کہہ لو۔ چاہے اُن کو خدا کا منکر کہو، چاہے اُن کو صلیب پرست کہو، چاہے اُن کو مشرک کہو اور چاہے اُن کو ضالّین کہہ لو مگر ایک مثال اُن کے اندر ایسی پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں کی آنکھ اُن کے سامنے جھک جانے پر مجبور ہو جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے سورہ نور کی آیت استخلاف میں وعدہ کیا تھا کہ تمہارے اندر خلافت قائم کی جائے گی اور اِس وعدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اندر خلافت قائم بھی کی لیکن مسلمانوں نے خدا تعالیٰ کی قائم کردہ خلافت کو اپنی نادانی سے اُڑا دیا اور عیسائیوں نے خود خلافت قائم کی جو اُنیس سَو سال کا لمبا عرصہ گزارنے کے باوجود آج تک اُن کے اندر قائم ہے۔ عیسائیوں کے پوپ کو دیکھ لو اُس کو وہ خلیفہ کے برابر ہی سمجھتے ہیں اور باوجودیکہ مذہب نے اُن کو کوئی ہدایت نہیں دی تھی انہوں نے خدا تعالیٰ کی گزشتہ سنت کو دیکھتے ہوئے اِسی میں اپنی بہتری سمجھی اور کہا آؤ ہم اس خدائی سنت سے فائدہ اُٹھائیں اور اپنے اندر خلافت قائم کریں۔ وہ قوم دینی لحاظ سے بالکل تباہ ہوگئی، وہ قوم اچھے اعمال کو کھو بیٹھی، اس قوم نے اپنے آپ کو کُلّی طور پر دُنیوی رنگ میں رنگین کر لیا، اس قوم نے خدا تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کی لیکن اُنہوں نے آج تک اِس چیز کو مضبوطی کے ساتھ پکڑا ہوا ہے کہ آج بھی ان کا پوپ یورپ کے بڑے سے بڑے تاجدار اور شہنشاہ کی برابری کرتا ہے اور بعض تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ بادشاہت ہمیں پوپ سے ہی پہنچی ہے۔ یہ وہ چیز تھی جو اُن کی کامیابی کا موجب ہوئی۔ اگر مسلمان بھی اِس کو قائم رکھتے تو آج اِن کو یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ اِنہوں نے خلافت کو اُڑا دیا اور پھر اپنے دلوں کو

تسکین دینے کے لئے ہر بادشاہ کو خلیفہ کہنا شروع کر دیا مگر کُجا لکڑی کی بنی ہوئی بھینس اور کُجا اصل بھینس۔ لکڑی کی بنی ہوئی بھینس کو دیکھ کر کوئی شخص خوش نہیں ہوسکتا لیکن وہ اپنی اصل بھینس کو دیکھ کر ضرور خوش ہوتا ہے چاہے وہ کتنی ہی لاغر اور دُبلی پتلی کیوں نہ ہو اور چاہے وہ دودھ دے یا نہ دے۔

مسلمانوں نے چونکہ خدا تعالیٰ کی قائم کردہ خلافت کی ناقدری کی اور اُسے اُڑا دیا اور پھر اِس کی برکات کو سمجھنے کی کوشش نہ کرتے ہوئے دُنیوی بادشاہوں کو خلیفہ کہنا شروع کر دیا اس لئے وہ خلافت کی برکات سے محروم ہوگئے۔ اب یہ ہماری جماعت کا کام ہے کہ وہ اِس غفلت اور کوتاہی کا ازالہ کرے اور خلافت احمدیہ کو ایسی مضبوطی سے قائم رکھے کہ قیامت تک کوئی دشمن اِس میں رخنہ اندازی کرنے کی جرأت نہ کر سکے اور جماعت اپنی روحانیت اور اتحاد اور تنظیم کی برکت سے ساری دنیا کو اِسلام کی آغوش میں لے آئے۔

بے شک جیسا کہ میں نے بتایا ہے یہ دنیا چلتی چلی جاتی ہے اور ایسے رنگ میں جاری ہے کہ ہر زمانہ کے لوگ اپنے آپ کو پہلوں سے ترقی یافتہ سمجھتے ہیں۔ مرنے والے مرجاتے ہیں تو لوگ کہتے ہیں اب کیا ہوگا؟ لیکن ابھی ایک صدی بھی نہیں گزرتی کہ لوگ کہنا شروع کر دیتے ہیں اَب ہم زیادہ عقلمند ہیں پہلے لوگ جاہل اور علومِ صیحہ سے بے بہرہ تھے۔ گویا وہی جن کے متعلق ایک زمانہ میں کہا جاتا ہے کہ اُن کے بغیر کوئی کام نہیں ہوسکتا انہیں آئندہ آنے والے احمق اور جاہل قرار دیتے ہیں لیکن روحانی تعلق ایسا نہیں ہوتا کہ اِس میں ایک دوسرے کو جاہل کہا جاسکے نہ یہ تعلق اِس قسم کی مایوسی پیدا کرتا ہے جس قسم کی مایوسی جسمانی تعلق کا انقطاع پیدا کرتا ہے۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو شخص خدا سے تعلق پیدا کر لیتا ہے اُسے بھی غم ہوسکتا ہے لیکن مایوسی اُس کے دل میں پیدا نہیں ہوسکتی۔ غم ایک ایسی چیز ہے جسے خدا نے روحانی ترقی کیلئے اِس دنیا میں ضروری قرار دیا ہے۔ دو وفائیں ہیں جو خدا نے ضروری قرار دی ہیں ایک اپنے ساتھ اور ایک اپنے بندوں کے ساتھ۔ اگر غم نہ ہو تو یہ بندوں کے ساتھ وفا نہیں سمجھی جائے گی اور اگر مایوسی ہو تو یہ خدا کے متعلق بے وفائی ہوگی اِسی

لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا کہ آنکھ آنسو بہاتی ہے، دل غمگین ہے مگر ہم کہتے وہی ہیں جس کا ہمیں خدا نے حکم دیا۔[۵] تو جہاں انسان کو دنیا میں کئی قسم کی خوشیاں حاصل ہوتی ہیں وہاں اُسے یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ یہ سب خوشیاں عارضی ہیں۔ اُسے وہ حقیقی تعلق استوار کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جو موت کو مٹا دے۔ موت اُسی صورت میں موت ہے جب انسان یہ سمجھتا ہو کہ میں ایک ایسی چیز سے محروم کیا گیا ہوں جس کا کوئی قائم مقام نہیں۔ روحانیت میں چونکہ انسان کا اصل تعلق خدا سے ہوتا ہے اور اِس تعلق میں انقطاع واقع نہیں ہوسکتا جب تک کوئی شیطان سے تعلق پیدا نہ کرلے۔ اِس لئے کسی کی موت اُسے اپنے محبوب سے جدا نہیں کرسکتی۔ اس طرح اگر جسمانی طور پر اُس کے عزیزوں اور رشتہ داروں میں سے بعض لوگ مرجاتے ہیں تو مایوسی اُس پر طاری نہیں ہوتی کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ جدائی عارضی ہے اور ایک دن آنے والا ہے جب ہم پھر ایک دوسرے سے مل جائیں گے لیکن جب انسان کا خدا سے تعلق نہیں ہوتا تو ہر موت، ہر جدائی اور ہر تفرقہ اُسے دائمی معلوم ہوتا ہے اور وہ اُس کے دل کو ہمیشہ کیلئے مایوسی اور تاریکی میں مبتلا کردیتا ہے''۔ (انوار العلوم جلد ۷ صفحہ ۳۵۷ تا ۳۶۷)

---

۱ المؤمن: ۳۵

۲ السیرة الحلبیة الجزء الثالث صفحہ ۶۱۵ باب ما یذکر فی مدة مرضه مطبوعہ بیروت لبنان ۲۰۱۲ء

۳ شرح دیوان حسان بن ثابت صفحہ ۲۲۱ مطبوعہ آرام باغ کراچی

۴ الوصیت روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۰۵ ایڈیشن ۲۰۰۸ء

۵ بخاری کتاب الجنائز باب قول النبی ﷺ انابک لمحزونون صفحہ ۲۰۸، ۲۰۹ حدیث نمبر ۱۳۰۳ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانیة

خلیفہ کی زندگی میں کسی اور کے خلیفہ ہونے کا ذکر کرنا گناہ ہے

حضور انور نے ۲۷؍ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو نماز عصر کے بعد نو تعمیر شدہ فضل عمر ہوسٹل واقع دارالعلوم کا افتتاح کرتے ہوئے تقریر فرمائی۔ اس میں جماعت کے ۱۹۱۴ء کے حالات کا ذکر کیا اور احبابِ جماعت کو ابتدائی صحابہ اور مبائعین جیسا ایمان پیدا کرنے کی ضرورت کی طرف توجہ بھی دلائی اور یہ نکتہ بھی بیان فرمایا کہ خلیفہ کی زندگی میں دوسرے خلیفہ کا ذکر کرنا گناہ ہے فرمایا:۔

''سب سے عجیب واقعہ میں آپ لوگوں کو سناؤں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی وفات سے چند دن پہلے ایک پروفیسر تھا جو ایم۔ اے تھا۔ میرا گہرا دوست اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کا مقبول شاگرد۔ اُس کے والد سے جو جموں میں جج تھا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی ذاتی دوستی تھی۔ وہ خود بھی احمدیت میں اخلاص رکھتا تھا اور میرا دوست ہونے کی وجہ سے میرا ہم سبق بھی بن جایا کرتا تھا اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی صحبت میں بیٹھا کرتا تھا۔ جب اسے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی بیماری کی اطلاع پہنچی تو وہ یہاں آیا اور تین چار روز یہاں رہا۔ مسجد مبارک میں آنے کے لئے ہمارے گھر کا ایک دروازہ ہوتا تھا جو سیڑھیوں کے اندر کھلتا تھا ایک دن اُس پر آ کر اُس نے دستک دی اور میں باہر نکلا۔ اُس نے میرا ہاتھ نہایت گرم جوشی سے پکڑ لیا اور رقت سے اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اُس نے کہا مجھے اور چھٹی نہیں مل سکتی اس لئے میں واپس علی گڑھ جا رہا ہوں آپ اس مصافحہ کو میری بیعت سمجھیں۔ میں نے کہا (اس کا نام تیمور تھا۔ اور اب ایک کالج کا وائس پرنسپل ہے) تیمور!

تمہارا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل سے کتنا گہرا تعلق ہے اور تم ان سے سنتے رہے ہو کہ خلیفہ کی زندگی میں کسی اور کے خلیفہ ہونے کا ذکر کرنا گناہ ہے تم بجائے اِس کے کہ اچھا نمونہ دکھاتے بہت بُرا نمونہ پیش کر رہے ہو۔ میرے یہ کہنے پر اُسے اور بھی رقت آ گئی اور وہ بے ساختہ رونے لگ گیا اور کہا میں جانتا ہوں مگر مجھ سے رہا نہیں گیا کیونکہ میں فتنہ کے آثار دیکھ رہا ہوں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی حالت نازک ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی آنکھیں بند ہوتے ہی قابو یافتہ لوگ نظامِ سلسلہ کو بدلنے کی کوشش کریں گے اِس وجہ سے میں نے بیعت کے لئے کہا ہے۔ یہ سات آٹھ دن حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی وفات سے پہلے کا واقعہ ہے۔ وہ میرا گہرا دوست تھا اور چند ہی گہرے دوستوں میں سے تھا۔ اس نے اس جوش سے مصافحہ کیا اور یہ جانتے ہوئے کہ خلیفہ کی زندگی میں کسی اور کے خلیفہ ہونے کا ذکر کرنا جائز نہیں بے تاب ہو کر کیا اور روتے ہوئے کہا کہ اسے میری بیعت سمجھیں مگر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی وفات کے بعد جماعت نے جب یہ فیصلہ کیا کہ خلافت کو قائم رکھیں گے اور خدا تعالیٰ نے مجھے توفیق دی کہ اس فیصلہ کے مطابق جو قرآن اور اسلام کے رو سے درست ثابت ہے میں جماعت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لوں تو تیسرے ہی دن اس کی طرف سے تار پہنچا کہ فوراً مولوی محمد علی وغیرہ سے صلح کر لو ورنہ انجام اچھا نہ ہوگا۔ اِس سے قیاس کر لو کہ وہ کیسے ہیجان کا زمانہ تھا جو شخص آٹھ ہی دن پہلے میرا ہاتھ پکڑ کر کہتا ہے کہ اِسے میری بیعت سمجھو اور میں اسے ملامت کرتا ہوں کہ تمہیں ایسا نہیں کہنا چاہیے وہی آٹھ دن بعد مجھے کہتا ہے کہ تم نے غلطی کی ہے فوراً مولوی محمد علی صاحب سے صلح کر لو ورنہ تمہارا انجام اچھا نہ ہوگا۔ اِس سے پتہ لگتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ ایک شخص رات کو مومن سوئے گا اور صبح کو کافر اُٹھے گا اور ایک شخص رات کو کافر سوئے گا اور صبح کو مومن اُٹھے گا[1] وہ بات پیدا ہوگئی تھی۔ تو آج آپ لوگ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ وہ دن کیسے خطرناک تھے اور خدا تعالیٰ نے کس قسم کے فتنوں میں سے جماعت کو گزارا۔ اُس حالت کا آج کی حالت سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر وہی جوش اور وہی اخلاص جو اُس وقت جماعت میں تھا آج بھی آپ لوگوں میں ہو تو یقیناً تم پہاڑوں کو ہِلا سکتے ہو۔ اُس وقت جماعت کے لوگ بہت تھوڑے تھے مگر خدا تعالیٰ

نے ان کو ایسا ایمان اور ایسا جوش بخشا کہ کوئی بڑی سے بڑی روک بھی انہیں کچھ نہ نظر آئی تھی۔ آج کے نوجوان اور آج کی جماعت اگر ویسا ہی ایمان پیدا کر لے تو دنیا میں عظیم الشان تغیر پیدا کر سکتی ہے۔ جو کام ایک پونڈ بارود کر سکتا ہے ایک ٹن بارود اس سے بہت زیادہ کام کر سکتا ہے۔ اگر اُس وقت جماعت کی حیثیت پونڈ کی تھی تو آج خدا کے فضل سے ٹن کی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اُس وقت جماعت کے لوگ بارود تھے کیا آج بھی وہ بارود ہیں یا ریت کا ڈھیر؟ اگر بارود ہیں تو یقیناً آج اُس وقت کی نسبت بہت زیادہ کام کر سکتے ہیں لیکن اگر ریت ہیں تو اُس وقت کے کام کا سواں حصہ بھی نہیں کر سکتے۔ پس میں نوجوانوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ اپنے اندر اخلاص پیدا کریں۔

مجھے اُس وقت کے ایک طالب علم کا واقعہ یاد آ گیا۔ اب وہ دارجلینگ میں تاجر ہے۔ اُس وقت یہاں سوال پیدا ہوا کہ جماعت کیا چاہتی ہے؟ آیا خلافت قائم رہے یا نہ؟ اس کے لئے لوگوں کی رائے نوٹ کرنے کا بعض اصحاب نے انتظام کیا۔ بعض سکول کے لڑکوں نے بھی کہا کہ رائے نوٹ کرنے والے کاغذ ہمیں بھی دو ہم بھی دستخط کرائیں گے۔ ان سے کہا گیا کہ تمہارے ہیڈ ماسٹر صاحب خلاف ہیں تمہیں تکلیف نہ پہنچے۔ اُس وقت مولوی صدر دین صاحب ہیڈ ماسٹر تھے مگر لڑکوں نے کہا ہمیں نقصان کی پرواہ نہیں۔ اس طرح اس لڑکے نے بھی کاغذ لے لیا اور جو مہمان آتے ان کے سامنے پیش کرتا کہ اپنی رائے لکھ دیجئے۔ اسے دیکھ کر ہیڈ ماسٹر آیا اور اس نے اس کے ہاتھ سے زبردستی کاغذ چھین کر پھاڑ دیا اور کہا جاؤ ایسا نہ کرو یہ میرا حکم ہے مگر اس نے پھر کاغذ لیا اور پنسل سے وہی عبارت اس پر لکھ کر جو پہلے کاغذ پر لکھی تھی لوگوں کے سامنے پیش کرنے لگ گیا۔ پھر ہیڈ ماسٹر آیا اور اس نے کاغذ چھین کر پھاڑ ڈالا اور دستخط کرانے سے منع کیا۔ اس پر اس نے کہا میں آپ کے ادب کی وجہ سے اور تو کچھ نہیں کہتا مگر یہ دینی کام ہے میں اسے چھوڑ نہیں سکتا۔ اس کا والد بھی مخالف تھا اس نے اسے خرچ دینا بھی بند کر دیا مگر اس نے کوئی پرواہ نہ کی اور آج اچھا تاجر ہے۔'' (الفضل یکم نومبر ۱۹۴۵ء)

ل مسلم کتاب الایمان باب الحث علی المبادرة بالاعمال صفحہ ۶۳ حدیث نمبر ۳۱۳ مطبوعہ ریاض ۲۰۰۰ء الطبعة الثانية

نبوت اور خلافت اپنے وقت پر ظہور پذیر ہو جاتی ہیں

(تقریر ۲۷؍ دسمبر ۱۹۴۵ء برموقع جلسہ سالانہ)

تشہّد ، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

انسانی زندگی ایک دَور بلکہ چند ادوار کا نام ہے ایک دَور چل کر ختم ہوتا ہے تو ایک اور دَور چل پڑتا ہے وہ ختم ہوتا ہے تو پھر ایک اور دَور ویسا ہی چل پڑتا ہے۔ جیسے رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات آتی ہے اسی طرح ایک دَور کے بعد دوسرا چلتا چلا جاتا ہے اور الٰہی منشا اسی قسم کا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارے دَور ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوں اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا ان اَدوار کے لوگ ایک دوسرے کی نقلیں کر رہے ہیں۔ مومنوں کی باتیں ویسی ہی معلوم ہوتی ہیں جیسے پہلے مومنوں کی اور کافروں کی باتیں ویسی ہی معلوم ہوتی ہیں جیسی پہلے کافروں کی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ حیرت کا اظہار فرماتا ہے کہ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ [1] ان کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہی باتیں کہتے ہیں جو پہلے نبیوں کو ان کے نہ ماننے والوں نے کہیں اور کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں جو نئی ہو اور پہلے انبیاء کو ان کے مخالفوں نے نہ کہی ہو۔ عیسائی اور یہودی مصنفین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ہمیں کیا علم ہے کہ پہلے انبیاء کے دشمنوں نے وہی اعتراض اپنے وقت کے نبیوں پر کئے تھے یا نہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کئے گئے۔ اور ہمارے پاس کیا ثبوت ہے اس بات کا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہی کہ مجھے یہ الہام ہوا ہے کہ آدمؑ کے دشمنوں نے بھی یہی اعتراض کئے تھے، نوحؑ کے دشمنوں نے بھی یہی اعتراض کئے تھے، ابراہیمؑ کے دشمنوں نے بھی یہی اعتراض کئے تھے۔ یہ کہنا کہ یہ خبریں آپ کو اللہ تعالیٰ کی

طرف سے الہام کی گئی ہیں محض باتیں ہی باتیں ہیں ان میں حقیقت کچھ بھی نہیں بلکہ یہ قصّے آدمؑ اور نوحؑ اور ابراہیمؑ کے منہ سے کہلوا دیئے گئے ہیں۔ اگر ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ نہ ملا ہوتا اور کوئی اس بات کا ثبوت ہم سے مانگتا تو ہمیں مشکل پیش آتی لیکن اس علم کے زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق بعینہٖ وہی باتیں کہی گئیں جو جہالت کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں نے کہی تھیں اور وہی اعتراض آپؐ پر کئے گئے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دشمنوں نے آپ پر کئے تھے۔ اس سے ہم نے یقین کرلیا اور ہمارے لئے شک کی کوئی گنجائش نہ رہی کہ واقعی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دشمن وہی باتیں کہتے ہونگے جو حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے دشمن کہتے تھے کیونکہ آج ۱۳۰۰ سال کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمن آپ پر وہی اعتراض کرتے ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر آپؐ کے دشمنوں نے کئے اور ان میں اتنی مطابقت اور مشابہت ہوتی ہے کہ حیرت آتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمن جب آپ پر اعتراض کرتے تو آپ فرماتے یہی اعتراض آج سے ۱۳۰۰ سال پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر آپؐ کے مخالفین نے کئے تھے جب وہ باتیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قابل اعتراض نہ تھیں بلکہ آپؐ کی صداقت کی دلیل تھیں تو وہ میرے لئے کیوں قابلِ اعتراض بن گئی ہیں۔ پس جو جواب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا دیا وہی جواب مَیں تمہیں دیتا ہوں۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جواب میں یہ طریق اختیار فرماتے اور لوگوں پر اس طریق سے حجت قائم کرتے تو مخالفین شور مچاتے کہ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی برابری کرتا ہے حالانکہ یہ صاف بات ہے کہ جو اعتراض ابوجہل کرتا تھا جو شخص اُن اعتراضوں کو دُہراتا ہے وہ مثیلِ ابوجہل ہے اور جس شخص پر وہ اعتراض کئے جاتے ہیں وہ مثیلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ پس ہر زمانہ میں مومنوں اور کافروں کی پہلے مومنوں اور کافروں سے مشابہت ہوتی چلی آئی ہے لیکن دنیا ہمیشہ اس بات کو بھول جاتی ہے اور جب کبھی نیا دور آتا ہے تو نئے سرے سے لوگوں کو یہ سبق دینا پڑتا ہے

اوراس اصول کو دنیا کے سامنے دُہرانا پڑتا ہے اور خدا کی طرف سے آنے والا لوگوں کے اس اصول کو بھول جانے کی وجہ سے لوگوں سے گالیاں سنتا ہے اور ذلّتیں برداشت کرتا ہے۔ اس کے اپنے اور بیگانے، دوست اور دشمن سب مخالف ہو جاتے ہیں اور قریبی رشتہ دار سب سے بڑے دشمن بن جاتے ہیں۔

حدیثوں میں آتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار پاس کے مکانوں میں نئے آنے والوں کو روکنے کے لئے بیٹھے رہتے تھے اور جب کوئی شخص مسلمانوں کے پاس آتا تو وہ رستہ میں اسے روک لیتے اور سمجھاتے کہ یہ شخص ہمارے رشتہ داروں میں سے ہے ہم اس کے قریبی رشتہ دار ہونے کے باوجود اس کو نہیں مانتے کیونکہ ہم لوگ جانتے ہیں کہ سوائے جھوٹ کے اور کوئی بات نہیں۔ ہم آپ لوگوں سے اس کو زیادہ جانتے ہیں ہم سے زیادہ آپ کو واقفیت نہیں ہوسکتی ہم اس کے ہر ایک راز سے واقف ہیں بہتر ہے کہ آپ یہیں سے واپس چلے جائیں اسی میں آپ کا فائدہ ہے۔ یہی حال ہم نے ان کا دیکھا جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رشتہ دار تھے۔ ان کی باتوں کو سن کر جو وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف کیا کرتے اور ان کی حرکات کو دیکھ کر جو وہ باہر سے آنے والوں کو روکنے کے لئے کرتے انسان حیرت زدہ ہو جاتا ہے کہ ان کی باتوں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کی باتوں میں کس قدر مشابہت ہے۔

مرزا امام الدین سارا دن اپنے مکان کے سامنے بیٹھے رہتے۔ دن رات بھنگ گھٹا کرتی اور کچھ وظائف بھی ہوتے رہتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھ کر اُنہوں نے پیری مریدی کا سلسلہ شروع کرلیا تھا۔ جب کوئی نیا احمدی باہر سے آتا یا کوئی ایسا آدمی جو احمدی تو نہ ہوتا لیکن تحقیق کے لئے قادیان آتا تو اُس کو بُلا کر اپنے پاس بیٹھا لیتے اور اُسے سمجھانا شروع کر دیتے۔ میاں تم کہاں اس کے دھوکا میں آ گئے یہ تو محض فریب اور دھوکا ہے اگر حق ہوتا تو ہم لوگ جو کہ بہت قریبی رشتہ دار ہیں کیوں پیچھے رہتے۔ ہمارا اور مرزا صاحب کا خون ایک ہے تم خود سوچو بھلا خون بھی کبھی دشمن ہوسکتا ہے۔ اگر ہم لوگ انکار کرتے ہیں تو اس کی وجہ سوائے اِس کے اور کوئی نہیں کہ ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ شخص صحیح

راستے سے لوگوں کو پھیرنے والا ہے اور اس نے لوگوں سے پیسے بٹورنے کے لئے یہ دکان کھول رکھی ہے۔اب حیرت آتی ہے کہ کونسا ابوجہل آیا جس نے مرزا امام الدین کو یہ باتیں سکھائیں کہ تم باہر سے آنے والوں کو اس طریق سے روکا کرو یہ نسخہ میرا آزمایا ہوا ہے یا پھر یہ ماننا پڑتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہی باتیں مسمریزم کے ذریعہ مرزا امام الدین سے کہلوالیں۔ دونوں میں سے ایک بات ضرور صحیح ہوگی۔

لدھیانہ کے ایک دوست نور محمد نامی نَومسلم تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بہت محبت و اخلاص رکھتے اُنہوں نے مصلح موعود ہونے کا دعویٰ بھی کیا تھا وہ کہا کرتے تھے کہ بیٹا جب باپ کے پاس جائے تو اسے کچھ نہ کچھ نذر ضرور پیش کرنی چاہیے۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ میں مصلح موعود ہونے کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بیٹا ہوں اور چونکہ وہ اپنے آپ کو خاص بیٹا سمجھتے تھے اُنہوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ کم سے کم ایک لاکھ روپیہ تو انہیں ضرور پیش کرنا چاہیے۔ کہتے ہیں ابھی اُنہوں نے چالیس پچاس ہزار روپیہ ہی جمع کیا تھا کہ وہ فوت ہوگئے اور نہ معلوم روپیہ کون کھا گیا۔ اُنہوں نے بہت سے چوہڑے مسلمان کئے اور ان سے کہا کرتے تھے کہ کچھ روپیہ جمع کرو پھر تمہیں دادا پیر کے پاس ملاقات کے لئے لے چلوں گا کچھ عرصہ کے بعد ان نَومسلموں نے کہا کہ پتہ نہیں کہ آپ کب جائیں گے آپ ہمیں اجازت دیں کہ ہم قادیان ہو آئیں۔ اس پر اُنہوں نے ان نَومسلموں کو قادیان آنے کی اجازت دے دی۔ وہ قادیان آئے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب سیر کے لئے نکلے تو وہ باہر کھڑے ہوئے تھے غالباً وہ ۹ آدمی تھے۔ ان میں سے ہر ایک نے ایک ایک اشرفی پیش کی کیونکہ ان کے پیر نے کہا تھا کہ تم دادا پیر کے پاس جا رہے ہو میں تمہیں اس شرط پر جانے کی اجازت دیتا ہوں کہ تم دادا پیر کے سامنے سونا پیش کرو۔ چنانچہ اُنہوں نے ذکر کیا کہ ہمارے پیر نے ہمیں اس شرط پر آنے کی اجازت دی ہے کہ ہم میں سے ہر ایک آدمی آپ کی خدمت میں سونا پیش کرے۔ اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ وہ سیر کو چلے گئے جب سیر سے واپس آئے تو چونکہ اُن کو حقہ پینے کی عادت تھی اس لئے وہ حقہ پینے کے لئے مرزا امام الدین کے پاس چلے

گئے ۔ وہ حقہ پینے کے لئے بیٹھے ہی تھے کہ مرزا امام الدین نے کہنا شروع کیا انسان کو کام وہ کرنا چاہیے جس سے اُسے کوئی فائدہ ہو۔ تم جو اتنی دور سے پیدل سفر کر کے آئے ہو (کیونکہ ان کے پیر کا حکم تھا کہ تم چونکہ دادا پیر کے پاس جا رہے ہو اس لئے پیدل جانا ہوگا) بتاؤ تمہیں یہاں آنے سے کیا فائدہ ہوا؟ ایمان انسان کو عقل بھی دے دیتا ہے بلکہ عقل کو تیز کر دیتا ہے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد ان میں سے ایک نَو مسلم کہنے لگا کہ ہم پڑھے لکھے تو ہیں نہیں اور نہ ہی کوئی علمی جواب جانتے ہیں اصل بات یہ ہے کہ آپ کو بھلے مانس مرید ملے نہیں اس لئے آپ چوہڑوں کے پیر بن گئے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ ہمیں کیا ملا؟ آپ مرزا صاحب کی مخالفت کر کے مرزا سے چوہڑے بن گئے اور ہم مرزا صاحب کو مان کر چوہڑوں سے مرزا ہو گئے ۔ لوگ ہمیں مرزائی مرزائی کہتے ہیں یہ کتنا بڑا فائدہ ہے جو ہمیں حاصل ہوا۔ اب دیکھو یہ کیسی مشابہت ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ داروں کی باتوں میں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رشتہ داروں کی باتوں میں ۔

مرزا علی شیر صاحب جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سالے اور مرزا فضل احمد صاحب کے خسر تھے انہیں لوگوں کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جانے سے روکنے کا بڑا شوق تھا۔ راستہ میں ایک بڑی لمبی تسبیح لے کر بیٹھ جاتے، تسبیح کے دانے پھیرتے رہتے اور منہ سے گالیاں دیتے چلے جاتے بڑا لٹیرا ہے، لوگوں کو لُوٹنے کے لئے دُکان کھول رکھی ہے۔ بہشتی مقبرہ کی سڑک پر دارالضعفاء کے پاس بیٹھے رہتے ۔ اُس وقت یہ تمام زمین زیرِ کاشت ہوتی تھی ۔ عمارت کوئی نہ تھی ۔ بڑی لمبی سفید داڑھی تھی سفید رنگ تھا۔ تسبیح ہاتھ میں لئے بڑے شاندار آدمی معلوم ہوتے تھے اور مغلیہ خاندان کی پوری یادگار تھے۔ تسبیح لئے بیٹھے رہتے جو کوئی نیا آدمی آتا اُسے اپنے پاس بُلا کر بٹھا لیتے اور سمجھانا شروع کر دیتے کہ مرزا صاحب سے میری قریبی رشتہ داری ہے آخر میں نے کیوں نہ اُسے مان لیا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ میں اُس کے حالات سے اچھی طرح واقف ہوں ۔ میں جانتا ہوں کہ یہ ایک دُکان ہے جو لوگوں کو لُوٹنے کے لئے کھولی گئی ہے ۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ باہر سے پانچ بھائی آئے غالباً وہ چک سکندر ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ اب تو لوگ

جلسہ کے دوران میں بھی باہر پھرتے رہتے ہیں لیکن ان پہلے لوگوں میں اخلاص نہایت اعلیٰ درجہ کا تھا اور قادیان میں دیکھنے کی کوئی خاص چیز نہ تھی نہ منارۃ المسیح تھا نہ دفاتر تھے، نہ مسجد مبارک کی ترقیاں ایمان پرور تھیں، نہ مسجد اقصیٰ کی وسعت اس قدر جاذب تھی، نہ محلوں میں یہ رونق تھی، نہ کالج تھا، نہ سکول تھے۔ اُن دنوں لوگ اپنے اخلاص سے خود ہی قابلِ زیارت جگہ بنا لیا کرتے تھے۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد صاحب کا باغ ہے اسے دیکھو اور یہ حضرت صاحب کے لنگر کا باورچی ہے اس سے ملو اور اس سے باتیں پوچھو۔ ان کا ایمان اسی سے بڑھ جاتا تھا۔ اُن دنوں ابھی بہشتی مقبرہ بھی نہ بنا تھا صرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد کا لگایا ہوا باغ تھا۔ لوگ وہاں برکت حاصل کرنے کیلئے جاتے اور علی شیر صاحب رستہ میں بیٹھے ہوئے ہوتے۔ وہ پانچوں بھائی بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا باغ دیکھنے کے لئے گئے تو اُن میں سے ایک جو زیادہ جوشیلا تھا وہ کوئی دوسَو گز آگے تھا اور باقی آہستہ آہستہ پیچھے آ رہے تھے۔ علی شیر نے اُسے دیکھ کر کہ یہ باہر سے آیا ہے اپنے پاس بُلا لیا اور پوچھا کہ مرزا کو ملنے آئے ہو؟ اُس نے کہا ہاں مرزا صاحب کو ہی ملنے آیا ہوں۔ علی شیر نے اُس سے کہا ذرا بیٹھ جاؤ اور پھر اُسے سمجھانا شروع کیا کہ میں مرزا کے قریبی رشتہ داروں میں سے ہوں میں اِس کے حالات سے خوب واقف ہوں، اصل میں آمدنی کم تھی بھائی نے جائداد سے بھی محروم کر دیا اس لئے یہ دُکان کھول لی ہے۔ آپ لوگوں کے پاس کتابیں اور اشتہار پہنچ جاتے ہیں آپ سمجھتے ہیں کہ پتہ نہیں کتنا بڑا بزرگ ہوگا پتہ تو ہم کو ہے جو دن رات اس کے پاس رہتے ہیں۔ یہ باتیں میں نے آپ کی خیر خواہی کے لئے آپ کو بتائی ہیں۔ چک سکندر سے آنے والے دوست نے بڑے جوش کے ساتھ مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ علی شیر صاحب سمجھے کہ شکار میرے ہاتھ آ گیا ہے۔ اُس دوست نے علی شیر صاحب کا ہاتھ پکڑ لیا اور پکڑ کر بیٹھ گیا۔ گویا اِسے اُن سے بڑی عقیدت ہوگئی ہے۔ علی شیر صاحب دل میں سمجھے کہ ایک تو میرے قابو میں آ گیا ہے۔ اِس دوست نے اپنے باقی بھائیوں کو آواز دی کہ جلدی آؤ جلدی آؤ۔ اب تو مرزا علی شیر پھولے نہ سمائے کہ اِس کے کچھ اور ساتھی بھی ہیں وہ بھی میرا شکار ہو جائیں گے اور مَیں ان کو

بھی اپنا گرویدہ بنالوں گا۔اس دوست کے باقی ساتھی دَوڑ کر آ گئے تو اس نے کہا۔مَیں نے تمہیں اِس لئے جلدی بلایا ہے کہ ہم قرآن کریم اور حدیث میں شیطان کے متعلق پڑھا کرتے تھے مگر شکل نہیں دیکھی تھی آج اللہ تعالیٰ نے اُس کی شکل بھی دکھا دی ہے تم بھی غور سے دیکھ لو یہ شیطان بیٹھا ہے۔مرزا علی شیر غصہ سے ہاتھ واپس کھینچتے لیکن وہ نہ چھوڑتا تھا اور اپنے بھائیوں سے کہتا جاتا تھا دیکھ لو اچھی طرح دیکھ لو، شاید پھر دیکھنا نہ ملے یہ شیطان ہے۔ پھر اس نے اپنے بھائیوں کو سارا قصہ سنایا۔

اب دیکھو کس طرح ایک قوم دوسری قوم کے قدم بقدم چلتی ہے۔ہم نے خود دیکھ لیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمن تیرہ سَو سال کے بعد وہی اعتراض کرتے ہیں جو رسول کریم ﷺ پر کئے گئے بلکہ وہی اعتراض کئے جاتے ہیں جو حضرت نوحؑ پر آپ کے دشمنوں نے کئے یا جو اعتراض حضرت ابراہیمؑ پر آپ کے دشمنوں نے کئے، یا جو اعتراض حضرت موسیٰؑ کے دشمنوں نے آپ پر کئے، یا جو اعتراض حضرت عیسیٰؑ پر آپ کے دشمنوں نے کئے۔پس حقیقت یہ ہے کہ سچ کا مقابلہ سوائے جھوٹ اور فریب کے کیا ہی نہیں جا سکتا۔ سچ ہر زمانہ میں سچ ہے اور جھوٹ ہر زمانہ میں جھوٹ ہے۔سچ کے مقابلہ میں سوائے جھوٹ اور فریب کے آ ہی کیا سکتا ہے۔اگر کوئی چیز دشمنوں کے پاس سوائے جھوٹ کے ہو تو نکلے۔

ہمارے ہاں مثل مشہور ہے کہ کسی میراثی کے گھر میں رات کے وقت چور آیا یہ سمجھ کر کہ آخر دس بیس پچاس روپے تو اس کے ہاں ضرور ہونگے اور نہیں تو کوئی کپڑا ہی سہی۔ چور کونسا لاکھ پتی ہوتا ہے کہ ضرور لاکھوں والی جگہ ہی چوری کرے اگر اُسے ایک روپیہ بھی مل جائے تو وہ اُسے ہی غنیمت سمجھتا ہے۔وہ بھی یہی سمجھا کہ آخر کوئی نہ کوئی ہدیہ ہی میراثی کو ججمانوں[2] کے ہاں سے ملا ہوگا وہی سہی۔پُرانے زمانے میں یہ دستور تھا کہ جس کے پاس کوئی نقدی یا زیور ہوتا وہ اُسے کسی برتن میں ڈال کر زمین میں دفن کر دیتا تھا اور چوروں نے اُسے نکالنے کا یہ طریق نکالا تھا کہ وہ لاٹھی لے کر گھر کی زمین کو ٹھکور ٹھکور کر دیکھتے جہاں انہیں نرم نرم زمین معلوم ہوتی وہاں سے کھود کر نقدی یا زیور نکال لیتے تھے۔یہی طریق اُس چور نے اختیار کیا اور لاٹھی لے کر گھر کی زمین کو ٹھکور ٹھکور کر دیکھنے لگا۔اِسی اثناء میں میراثی کی آنکھ کھل گئی اور اُسے

چور کی یہ حرکت دیکھ کر ہنسی آنے لگی کہ ہمیں تو کھانے کو نہیں ملتا اور یہ سوٹیاں مار مار کر خزانہ تلاش کر رہا ہے۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اُس نے ہنس کر چور سے کہا۔ ''ججمان! سانوں ایتھے دن نوں کچھ نہیں لبھدا۔ تہانوں راتیں کی لبھنا ہے''۔ یعنی ہمیں یہاں دن کو کوئی چیز نہیں ملتی آپ کو رات کے وقت یہاں کیا ملے گا۔ یہی حالت مخالفین کی ہے سچ کے مقابلہ میں سوائے جھوٹ کے کوئی اور چیز ہو تو وہ پیش کریں اور سچ کے مقابلہ میں سچ کہاں سے لائیں۔

مقابلہ کے دو ہی طریق ہیں ایک تو یہ کہ خدا تعالیٰ کا بندہ جب کہتا ہے کہ میں نشان دکھاتا ہوں تو دشمن بھی کہیں کہ ہم بھی ویسا ہی نشان دکھاتے ہیں لیکن چونکہ وہ اس بات پر قادر نہیں ہوتے اس لئے نشان کے مقابل پر نشان دکھانے کے لئے سامنے نہیں آتے۔ ہاں دوسرا طریق یہ ہے کہ آئیں بائیں شائیں کرتے اور خوب شور و شغب پیدا کر کے سمجھتے ہیں کہ ہم خوب مقابلہ کر رہے ہیں اور یہی طریق ہمیشہ انبیاء اور خدا تعالیٰ کے دوسرے خادموں کے دشمن اختیار کیا کرتے ہیں۔

جب سے میں نے مصلح موعود ہونے کا اعلان کیا ہے مولوی محمد علی صاحب نے ویسے ہی اعتراض کرنے شروع کر دیئے ہیں جیسے مولوی ثناء اللہ صاحب کیا کرتے تھے۔ میں خواب یا الہام سناتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے اعلام کی بناء پر اعلان کرتا ہوں لیکن مولوی محمد علی صاحب نہ تو مقابل پر کوئی خواب یا الہام پیش کرتے ہیں اور نہ ہی وہ پیش کر سکتے ہیں کیونکہ وہ سارا زور لگا کر تیس سالہ پُرانا ایک الہام پیش کر سکے ہیں مگر وہ بھی واقعات کے رو سے غلط نکلا ہے۔ پس جب الہام ہوا ہی نہیں تو وہ الہام پیش کیسے کریں۔ اب سوائے اعتراضوں کے ان کے پاس کوئی چیز نہیں اگر وہ اعتراض بھی نہ کریں تو مقابلہ کس طرح کریں۔ حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ ، حضرت عیسیٰؑ کے دشمن اِس بات کا تو انکار نہیں کر سکتے تھے کہ الہام ہوتا ہی نہیں کیونکہ ان سے پہلے انبیاء کو الہام ہوتا تھا اور وہ اس بات کے قائل تھے اِس لئے ان انبیاء کا انکار کرنے والے اس بات کا انکار نہ کر سکتے تھے کہ الہام کوئی چیز نہیں۔ اپنی بات کو درست ثابت کرنے کیلئے اور ان انبیاء کا مقابلہ کرنے کیلئے یہ کہتے تھے کہ ان کے الہام خود ساختہ ہیں۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں نے بھی یہی کہا کہ ان کے

الہام خود ساختہ ہیں۔ اگر عیسائیوں اور یہودیوں کا یہ قول درست تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وحی نَعُوْذُ بِاللّٰہِ خود ساختہ تھی تو اللہ تعالیٰ کی غیرت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ ان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقابل پر الہام کر دیتا تا مفتریوں کی قلعی کھل جاتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا ان کو الہام سے محروم رکھنا بتاتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی حق پر تھے اور آپؐ کے دشمن یہودی اور عیسائی ناحق پر تھے۔ اسی طرح آج مولوی محمد علی صاحب یہ کہتے ہیں کہ میرے الہام جھوٹے ہیں لیکن کیوں اللہ تعالیٰ ان کو میرے مقابل پر سچے الہام نہیں کر دیتا، تا دنیا پر واضح ہو جائے کہ مولوی صاحب حق پر ہیں اور مَیں ناحق پر ہوں۔

حیرت کی بات ہے کہ ایک شخص دن رات اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو گمراہ کرے اور دن رات اُس کے بندوں کو فریب اور دغا بازی سے غلط راستہ کی طرف لے جائے لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کو غیرت نہ آئے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو غیرت نہیں آتی تو اِس کی وجہ سوائے اِس کے یقیناً اور کوئی نہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ جانتا ہے کہ مولوی صاحب اِس کے قرب سے بہت دُور ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُن کو الہام نہیں کیا۔ پس سچائی کے مقابلے میں ابتداء سے انکار ہوتا رہا ہے یہ سلسلہ ابتداء سے چلتا آیا ہے اور چلتا چلا جائے گا۔

یہ ایک بالکل واضح بات ہے کہ نبوت کے بعد خلافت ہوتی ہے لیکن لوگ پھر بھی اس طریق کو بھول جاتے ہیں۔ وقت سے پہلے وہ ان باتوں کو اپنی مجالس میں دُہراتے اور ان کا اقرار کرتے ہیں لیکن عین موقع پر اِن کا صاف انکار کر دیتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب فوت ہوئے تو حضرت خلیفہ اوّل کو اِس قدر صدمہ ہوا کہ شدتِ غم کی وجہ سے آپ کے منہ سے بات تک نہیں نکلتی تھی اور ضعف اِس قدر تھا کہ کبھی کمر پر ہاتھ رکھتے اور کبھی ماتھے پر ہاتھ رکھتے۔ اِسی حالت میں مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی نے حضرت خلیفہ اوّل کا ہاتھ پکڑ کر کہا اَنْتَ الصِّدِّیْقُ اور بعض اور فقرات بھی کہے جن کا مفہوم یہ تھا کہ خلافت اسلام کی سنت ہے لیکن بعد میں مولوی سید محمد احسن صاحب اِس بات پر قائم نہ رہے اور اُنہوں نے خلافت سے منہ پھیر لیا۔ مولوی محمد علی صاحب یا ان کے رفقاء نے ان کے بچوں کو آٹے کی مشین لگوا دینے کا وعدہ کیا تھا۔ پس اِس بات پر لڑ کے اور بیوی بیغا میوں کا

ساتھ دیتے رہے اور مولوی صاحب کو بھی مجبور کرتے رہے کہ وہ لاہوریوں کا ساتھ دیں۔ جب وہ ابتلاء کے کچھ عرصہ بعد قادیان میں مجھ سے ملنے کے لئے آئے تو صاف کہا کہ میں مجبور ہوں فالج نے قویٰ مار دیئے ہیں میں طہارت تک خود نہیں کر سکتا ان لوگوں کو وعدہ دے کر لاہوریوں نے بگاڑ رکھا ہے اور میں ان کے ساتھ رہنے پر مجبور ہوں۔ انہوں نے یہاں تک کہا کہ اگر یعقوب اور اُس کی والدہ کو سنبھال لیا جائے تو میں بھی رہ سکوں گا مگر چونکہ میں اِس قسم کی رشوت دینے کا عادی نہیں مَیں نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ مجھے اکثر ایسے لوگوں کی حالت پر حیرت آتی ہے کہ ذرا ان کو سلسلہ سے کوئی شکایت پیدا ہو تو اُنہیں خلافت کے مسئلہ میں بھی شک پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

گجرات کے دوستوں نے سنایا کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فوت ہوئے تو ایک اہل حدیث مولوی نے ہمیں کہا اب تم لوگ قابو آئے ہو کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر نبوت کے بعد خلافت ہے[۳] اور تم میں خلافت نہیں ہوگی تم لوگ انگریزی دان ہو اِس لئے خلافت کی طرف تم نہیں جاؤ گے۔ وہ دوست بتاتے ہیں کہ دوسرے دن تار موصول ہوئی کہ جماعت نے حضرت مولوی نورالدین صاحب کی بیعت کر لی ہے اور ان کو اپنا خلیفہ بنا لیا ہے۔ جب احمدیوں نے اُس مولوی کو بتایا تو کہنے لگا نورالدین بڑا پڑھا لکھا آدمی تھا اِس لئے اُس نے جماعت میں خلافت قائم کر دی اگر اس کے بعد خلافت رہی تو پھر دیکھیں گے۔ جب حضرت خلیفہ اوّل فوت ہوئے تو کہنے لگا اُس وقت اور بات تھی اب کوئی خلیفہ بنے گا تو دیکھیں گے۔ دوست بتاتے ہیں کہ اگلے دن تار پہنچ گئی کہ جماعت نے میرے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔ اِس پر کہنے لگا یار تم بڑے عجیب ہو، تمہارا کوئی پتہ نہیں لگتا۔'' (انوار العلوم جلد ۱۸ صفحہ ۲۳۳ تا ۲۵۲)

---

۱ الذّٰریٰت: ۵۷

۲ جَجمان: برہمنوں یا نائیوں کی آسامی جس کا وہ پشتوں سے کام کرتے آ رہے ہوں۔ مخدوم، آقا، مربی (فیروز اللغات اردو جامع صفحہ ۴۵۴ مطبوعہ فیروز سنز لاہور ۲۰۱۰ء)

۳ کنز العمال جلد ۱۱ صفحہ ۱۱۵ مطبوعہ بیروت ۱۹۹۸ء

قادیان سے پاکستانی احمدیوں کے نام ایک دردانگیز پیغام

۲۲ راگست ۱۹۴۷ء کو جب کہ ہندو پاکستان میں فتنہ وفساد کے شعلے بلند ہو رہے تھے، حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے احمدیت کے بنیادی مرکز قادیان سے پاکستانی احمدیوں کے نام ایک دردانگیز پیغام تحریر فرمایا جس کا آخری حصہ درج ذیل ہے۔

''میں جماعت کو محبت بھرا پیغام بھجواتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے ساتھ ہو۔ اگر ابھی میرے ساتھ مل کر کام کرنے کا وقت ہو تو آپ کو وفاداری اور دیانتداری سے کام کرنے کی توفیق ملے اور اگر ہمارے تعاون کا وقت ختم ہو چکا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہو اور آپ کے قدموں کو ڈگمگانے سے محفوظ رکھے۔ سلسلہ کا جھنڈا نیچا نہ ہو۔ اسلام کی آواز پست نہ ہو۔ خدا تعالیٰ کا نام ماند نہ پڑے۔ قرآن سیکھو اور حدیث سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ اور خود عمل کرو اور دوسروں سے عمل کراؤ۔ زندگیاں وقف کرنے والے ہمیشہ تم میں سے ہوتے رہیں اور ہر ایک اپنی جائیداد کے وقف کا عہد کرنے والا ہو۔ خلافت زندہ رہے اور اس کے گرد جان دینے کے لیے مومن آمادہ کھڑا ہو۔ صداقت تمہارا زیور، امانت تمہارا حسن، تقویٰ تمہارا لباس ہو۔ خدا تعالیٰ تمہارا ہو اور تم اس کے ہو۔ آمین

میرا یہ پیغام باہر کی جماعتوں کو بھی پہنچا دو اور انہیں اطلاع دو کہ تمہاری محبت میرے دل میں ہندوستان کے احمدیوں سے کم نہیں۔ تم میری آنکھ کا تارا ہو۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ جلد سے جلد اپنے مُلکوں میں احمدیت کا جھنڈا گاڑ کر آپ لوگ دوسرے ملکوں کی طرف توجہ دیں گے اور ہمیشہ خلیفہ وقت کے جو ایک وقت میں ایک ہی ہو سکتا ہے، فرمانبردار رہیں گے اور اس کے حکموں کے مطابق اسلام کی خدمت کریں گے''۔ والسلام

خاکسار

مرزا محمود احمد (خلیفۃ المسیح)''

(رسالہ خالد ستمبر ۱۹۵۶ء)

دستورِ اسلامی یا اسلامی آئین اساسی

قیام پاکستان کے شروع میں یہ سوال زور پکڑ رہا تھا کہ پاکستان کا دستور اسلامی ہو یا قومی۔ حضرت مصلح موعود نے بھی اس سلسلہ میں رتن باغ لاہور میں کچھ لیکچر دیے جن کے نوٹس کو ''اسلام کا آئین اساسی کے نام'' سے شائع کیا گیا اس ضمن میں حضور فرماتے ہیں:۔

''اسلامی اصول پر مبنی گورنمنٹ کے لئے چونکہ انتخاب کی شرط ہے اس لئے اگر اسلامی آئین پر گورنمنٹ کی بنیاد رکھی جائے گی تو مندرجہ ذیل شرائط کو مدنظر رکھنا ہوگا۔

اوّل: حکومت کا ہیڈ منتخب کیا جائے گا۔ انتخاب کا زمانہ مقرر کیا جا سکتا ہے کیونکہ پاکستان کا ہیڈ خلیفہ نہیں ہوگا خلیفہ کو سارے مسلمانوں پر حکومت حاصل ہوتی ہے اور وہ صرف حکومت کا ہیڈ نہیں ہوتا بلکہ مذہب کا بھی ہیڈ ہوتا ہے۔ پاکستان کے ہیڈ کو نہ دوسرے مُلکوں کے مسلمان تسلیم کریں گے اور نہ علماء مذہب کے مسائل میں اُس کو اپنا ہیڈ ماننے کے لئے تیار ہوں گے اس لئے خلافت کے اصول پر اس کے اصول تو مقرر کئے جا سکتے ہیں مگر نہ وہ خلیفہ ہوسکتا ہے نہ خلافت کے سارے قانون اُس پر چسپاں ہو سکتے ہیں۔ خلافت کے اصول یہ ہیں۔

(۱) اُس کا تقرر انتخابی ہو (اس انتخاب کے کئی طریق ہیں لیکن اس تفصیل میں جانے کی اِس وقت گنجائش نہیں۔)

(۲) وہ مملکت کے کام مشورہ سے چلائے (مشورہ کے لئے اسلام کے تین اصول ہیں (i) عام مسلمانوں سے مشورہ لینا یعنی ریفرنڈم۔ (ii) چند تجربہ کار لوگوں سے مشورہ لینا یعنی ایگزیکٹو باڈی سسٹم۔ (iii) قوموں کے منتخب نمائندوں سے مشورہ لینا جیسے آجکل کی پارلیمنٹس ہوتی ہیں۔ یہ تین طریقے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے

ثابت ہیں) لیکن جہاں تک خلافت کا سوال ہے خلیفہ مشورہ لینے کا پابند ہے مشورے پر عمل کرنے کا پابند نہیں۔

پس اگر سو فیصدی خلافت کے اصول پر پاکستان کا آئین بنایا جائے تو حکومت کا ہیڈ ایگزیکٹو کا ہیڈ ہوگا۔ ایگزیکٹو کا انتخاب اس کے اپنے اختیار میں ہوگا وہ تمام ضروری امور میں پبلک کے نمائندوں سے مشورہ لے گا لیکن اُن مشوروں پر کاربند ہونے کا پابند نہیں ہوگا۔ لیکن میں پہلے بتا چکا ہوں کہ پاکستان کا ہیڈ خلیفہ نہیں ہوگا کیونکہ نہ ساری اسلامی حکومتیں اس کو ہیڈ تسلیم کریں گی نہ علماء اس کو مذہبی ہیڈ تسلیم کریں گے اس لئے ہم خلافت کے پس پردہ جو اصول کارفرما ہیں ان سے روشنی تو حاصل کر سکتے ہیں ان کی پوری نقل نہیں کر سکتے۔ اور چونکہ خلافت اُس وقت تک قائم نہیں ہوسکتی جب تک دنیا کی سب مسلمان حکومتیں اور افراد اس انتخاب پر متفق نہ ہو جائیں یا اکثریت متفق نہ ہو جائے اور یہ ناممکن ہے اس لئے یہ کہنا کہ پاکستان کا آئین اساسی اسلام پر مبنی ہو درست نہیں۔ جس طرح انگریزی حکومت کے ماتحت ہمیں شریعت کے وہ احکام نافذ کرنے کا اختیار نہ تھا جو حکومت کے متعلق تھے اور ہم اس کی وجہ سے گنہگار نہیں تھے اسی طرح اسلامی آئین حکومت چونکہ خلافت سے تعلق رکھتا ہے اور خلافت کا قیام مسلمان افراد اور حکومتوں کی اکثریت کے اتفاق کے بغیر ناممکن ہے اس لئے اگر ہم اس نظام کو قائم نہیں کرتے تو ہم ہرگز خدا تعالیٰ کے سامنے مجرم نہیں کیونکہ اس نظام کے قائم کرنے کے لئے جو شرطیں اسلام نے مقرر کی ہیں وہ شرطیں اِس وقت پوری نہیں ہوتیں''۔

(اسلام کا آئین اساسی صفحہ ۳،۴)

خلافت وعدۂ الٰہی، اس کی شرائط اور برکات

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے سورۃ نور کی جو تفسیر، تفسیر کبیر جلد پنجم حصہ اوّل میں بیان فرمائی اس میں مسلمانوں سے خلافت کا وعدۂ الٰہی، اس کی شرائط اور اس کی برکات بیان فرمائیں۔ آپ فرماتے ہیں:۔

''کل ہی میں ایک کتاب پڑھ رہا تھا اس میں لکھا تھا کہ فرانس کے ایک جرنیل کو ایک آرڈر آیا جو ظالمانہ تھا۔ یہ دیکھ کر کہ وہ آرڈر نہایت ظالمانہ ہے دوستوں نے اُسے مشورہ دیا کہ تم اِسے ردّ کر دو۔ یہ جرنیل وہی تھا جس نے سسلی کو فتح کیا تھا اور اسے مسلمان جرنیل موسیٰ کی طرح سسلی فتح کر لینے کے بعد سزا ملی۔ اس نے کہا تم مجھے غلط مشورہ دیتے ہو گورنمنٹیں آتی ہیں اور جاتی ہیں لیکن فرانس زندہ رہے گا۔ میں فرانس کا خادم ہوں اور اس سے غداری نہیں کر سکتا۔ موسیٰ نے بھی دوستوں کے اس مشورہ پر کہ تم سرنڈر (Surrender) نہ کرو یہی جواب دیا تھا کہ ولید کا حکم نہیں بلکہ خلیفہ کا حکم ہے اس حکم کی تعمیل کر کے میں مارا ضرور جاؤں گا لیکن میں نہیں چاہتا کہ کوئی یہ کہے کہ خلیفہ کے حکم کی تعمیل نہیں کی گئی۔ خواہ اس حکم کا نفاذ میرے گرنے یا مرنے سے ہی ہو میں اسے ردّ نہیں کرونگا۔ اسی طرح اس جرنیل نے کہا کہ قومیں آئیں گی اور بدل جائیں گی لیکن فرانس زندہ رہے گا اور یاد رکھا جائے گا۔ میں موت قبول کر لوں گا لیکن یہ بات سننے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ دنیا میں یہ کہا جائے کہ فرانس کے کسی جرنیل نے حکم ردّ کر دیا تھا۔ انہی چیزوں کے ساتھ افراد کی عزت ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کی محبت چیزوں سے ہوتی ہے اور بعض کی محبت اصول سے ہوتی ہے جو لوگ اصول کے ساتھ محبت رکھتے ہیں وہی جیتتے ہیں جو قومیں اصول کی قدر کرتی ہیں گو ان کا ایک واجب الاطاعت امام ہوتا ہے لیکن حقیقتاً وہ خود لیڈر ہوتی ہیں۔ جب ایک لیڈر مر جاتا ہے تو وہ دوسرا لیڈر پیدا

کر لیتی ہیں۔ان کی مثال کیلے کے درخت کی سی ہوتی ہے اگر کیلے میں پھل لگ جائے تو لوگ اسے کاٹ دیتے ہیں ورنہ اسے پھل نہیں لگتا۔ یہی حال زندہ قوموں کا ہوتا ہے زندہ قوموں کے افراد اپنی شخصیت کو کچل دیتے اور قومیت کو زندہ کر دیتے ہیں اور مذہبی نقطۂ نگاہ سے وہ اپنی جسمانیت کو مارکر روحانیت کو زندہ کر لیتے ہیں۔

نادان کہتا ہے کہ خلیفہ خدا نہیں بناتا بلکہ اسے لوگ چنتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ خداتعالیٰ نے آیت استخلاف میں کتنا بڑا فلسفہ بیان کیا ہے۔ساری تاریخ دیکھ لو۔تمہیں یہی نمونہ ملے گا کہ وہی قومیں زندہ رہتی ہیں جو لیڈر پیدا کرتی ہیں۔تمہیں ایک تیمور مل جائے گا، تمہیں ایک نپولین مل جائے گا، تمہیں ایک ہٹلر مل جائے گا لیکن تیموروں، ہٹلروں اور نپولینوں کا سلسلہ اسی جگہ ملے گا جہاں قوم میں زندگی پائی جاتی ہو۔انگلینڈ کے مدبر کہاں سے گرتے ہیں؟ امریکہ کا پریذیڈنٹ سائنس کے کون سے عمل خانہ میں بنایا جاتا ہے؟ وہ معمولی آدمیوں میں سے ہی ایک آدمی ہوتا ہے لیکن وہ جانتا ہے کہ اس کے پیچھے قوم کی روح کھڑی ہے۔قوم پریذیڈنٹ کا آئینہ بن جاتی ہے اور پریذیڈنٹ قوم کا آئینہ بن جاتا ہے۔ قرآن کریم نے اس گُر کو بیان کیا ہے کہ خلیفہ تم چنو لیکن وہ ہمارا نمائندہ ہوگا۔

(الفضل ۲۴مئی ۱۹۶۲ء)

خلافت راشدہ کے سات امتیازات

(تحریر فرمودہ مئی ۱۹۵۲ء)

۱۹۵۲ء میں الفرقان کے خلافت نمبر کی اشاعت کے لئے مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری نے حضور سے استفسار کیا کہ ''اسلامی خلافت راشدہ کی وہ کونسی علامتیں ہیں جن سے وہ ممتاز ہوتی ہے اور اس میں اور باقی تمام اقسام اقتدار، ملوکیت وغیرہ میں کھلے طور پر فرق کیا جاسکتا ہے؟'' اس کے جواب میں حضور نے تحریر فرمایا:۔

''اسلام میں خلافت راشدہ کے مجموعی امتیازات سات ہیں۔

اوّل: انتخاب۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا[1] یہاں امانت کا لفظ ہے لیکن ذکر چونکہ حکومت کا ہے اس لئے امانت سے مراد امانت حکومت ہے آگے طریق انتخاب مسلمانوں پر چھوڑ دیا۔ چونکہ خلافت اُس وقت سیاسی تھی مگر اس کے ساتھ مذہبی بھی۔ اس لئے دین کے قائم ہونے تک اُس وقت کے لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ انتخاب صحابہ کریں کہ وہ دین اور دیندار کو بہتر سمجھتے تھے ورنہ ہر زمانہ کے لئے طریقِ انتخاب الگ ہوسکتا ہے۔ اگر خلافت صحابہؓ کے بعد چلتی تو اِس پر بھی غور ہو جاتا کہ صحابہؓ کے بعد انتخاب کس طرح ہوا کرے۔ بہرحال خلافت انتخابی ہے اور انتخاب کے طریق کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر چھوڑ دیا ہے۔

دوم: شریعت۔ خلیفہ پر اوپر سے شریعت کا دباؤ ہے وہ مشورہ کو ردّ کرسکتا ہے مگر شریعت کو ردّ نہیں کرسکتا گویا وہ کانسٹی ٹیوشنل ہیڈ ہے، آزاد نہیں۔

سوم: شوریٰ۔ اوپر کے دباؤ کے علاوہ نیچے کا دباؤ بھی اُس پر ہے یعنی اسے تمام اہم امور

میں مشورہ لینا اور جہاں تک ہو سکے اس کے ماتحت چلنا ضروری ہے۔

چہارم: **اندرونی دباؤ یعنی اخلاقی**۔ علاوہ شریعت اور شوریٰ کے اس پر نگران اس کا وجود بھی ہے کیونکہ وہ مذہبی رہنما بھی ہے اور نمازوں کا امام بھی۔ اس وجہ سے اس کا دماغی اور شعوری دباؤ اور نگرانی بھی اسے راہِ راست پر چلانے والا ہے جو خالص سیاسی، منتخب یا غیر منتخب حاکم پر نہیں ہوتا۔

پنجم: **مساوات**۔ خلیفہ اسلامی انسانی حقوق میں مساوی ہے جو دنیا میں اور کسی حاکم کو حاصل نہیں وہ اپنے حقوق عدالت کے ذریعہ سے لے سکتا ہے اور اس سے بھی حقوق عدالت کے ذریعہ سے لئے جا سکتے ہیں۔

ششم: **عصمت صغریٰ**۔ عصمت صغریٰ اسے حاصل ہے یعنی اسے مذہبی مشین کا پُرزہ قرار دیا گیا ہے اور وعدہ کیا گیا ہے کہ ایسی غلطیوں سے اُسے بچایا جائے گا جو تباہ کُن ہوں اور خاص خطرات میں اس کی پالیسی کی اللہ تعالیٰ تائید کرے گا اور اسے دشمنوں پر فتح دے گا گویا وہ مؤیّد مِنَ اللہ ہے اور دوسرا کسی قسم کا حاکم اِس میں اس کا شریک نہیں۔

ہفتم: وہ سیاسیات سے بالا ہوتا ہے اس لئے اس کا کسی پارٹی سے تعلق نہیں ہوسکتا۔ وہ ایک باپ کی حیثیت رکھتا ہے اس کے لئے کسی پارٹی میں شامل ہونا یا اس کی طرف مائل ہونا جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ**[۲] یعنی جب ایسے شخص کا انتخاب ہو تو اس کا فرض ہے کہ وہ کامل انصاف سے فیصلہ کرے۔ کسی ایک طرف خواہ شخصی ہو یا قومی ہو نہ جھکے"۔

(الفرقان مئی ۱۹۶۷ء صفحہ ۶، ۷)

ا،[۲] النساء: ۵۹

مسئلہ خلافت

(۲۵ر اکتوبر ۱۹۵۳ء کو خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع منعقدہ ربوہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مسئلہ خلافت کے موضوع پر تقریر فرمائی)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:۔

''میں کل تھوڑی دیر ہی بولا تھا لیکن گھر جاتے ہی میری طبیعت خراب ہوگئی اور سارا دن پسینے آتے رہے آج بھی گلے میں تکلیف ہے کھانسی آ رہی ہے بخار ہے اور جسم ٹوٹ رہا ہے جس کی وجہ سے میں شاید کل جتنا بھی نہ بول سکوں لیکن چونکہ خدام الاحمدیہ کے اجتماع کا یہ آخری اجلاس ہے اِس لئے چند منٹ کے لئے یہاں آ گیا ہوں۔ چند منٹ بات کر کے میں چلا جاؤں گا اور اس کے بعد باقی پروگرام جاری رہے گا۔ انسان دنیا میں پیدا بھی ہوتے ہیں اور مرتے بھی ہیں کوئی انسان ایسا نہیں ہوا جو ہمیشہ زندہ رہا ہو لیکن قومیں اگر چاہیں تو وہ ہمیشہ زندہ رہ سکتی ہیں یہی امید دلانے کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ:۔

''میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے'' [۱]

اس میں حضرت مسیح علیہ السلام نے لوگوں کو اسی نکتہ کی طرف توجہ دلائی تھی کہ چونکہ ہر انسان کے لئے موت مقدر ہے اس لئے میں بھی تم سے ایک دن جدا ہو جاؤں گا لیکن اگر تم چاہو تو تم اَبد تک زندہ رہ سکتے ہو۔ انسان اگر چاہے بھی تو وہ زندہ نہیں رہ سکتا لیکن قومیں اگر چاہیں تو وہ زندہ رہ سکتی ہیں اور اگر وہ زندہ نہ رہنا چاہیں تو مَر جاتی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی یہی فرمایا کہ:۔

''تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے اور اس کا آنا

تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا اور وہ دوسری قدرت نہیں آ سکتی جب تک میں نہ جاؤں لیکن میں جب جاؤں گا تو پھر خدا اس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی''۔[۲]

اس جگہ ہمیشہ کے یہی معنی ہیں کہ جب تک تم چاہو گے تم زندہ رہ سکو گے لیکن اگر تم سارے مل کر بھی چاہتے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ رہتے تو وہ زندہ نہیں رہ سکتے تھے ہاں اگر تم یہ چاہو کہ قدرتِ ثانیہ تم میں زندہ رہے تو وہ زندہ رہ سکتی ہے۔

قدرت ثانیہ کے دو مظاہر ہیں۔اوّل تائید الٰہی۔دوم خلافت

اگر قوم چاہے اور اپنے آپ کو مستحق بنائے تو تائید الٰہی بھی اس کے شامل حال رہ سکتی ہے اور خلافت بھی اس میں زندہ رہ سکتی ہے۔خرابیاں ہمیشہ ذہنیت کے خراب ہونے سے پیدا ہوتی ہیں۔ذہنیت درست رہے تو کوئی وجہ نہیں کہ خدا تعالیٰ کسی قوم کو چھوڑ دے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ یہی فرماتا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ [۳] یعنی اللہ تعالیٰ کبھی کسی قوم کے ساتھ اپنے سلوک میں تبدیلی نہیں کرتا جب تک کہ وہ خود اپنے دلوں میں خرابی پیدا نہ کر لے یہ چیز ایسی ہے جسے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں اس بات کو نہیں سمجھ سکتا۔کوئی جاہل سے جاہل انسان بھی ایسا نہیں ہوگا جسے میں یہ بات بتاؤں اور وہ کہے کہ میں اسے نہیں سمجھ سکا یا اگر ایک دفعہ سمجھانے پر نہ سمجھ سکے تو دوبارہ سمجھانے پر بھی وہ کہے کہ میں نہیں سمجھا۔لیکن اتنی سادہ سی بات بھی قومیں فراموش کر دیتی ہیں۔انسان کا مرنا تو ضروری ہے اگر وہ مر جائے تو اس پر کوئی الزام نہیں آتا لیکن قوم کیلئے مرنا ضروری نہیں۔قومیں اگر چاہیں تو وہ زندہ رہ سکتی ہیں لیکن وہ اپنی ہلاکت کے سامان خود پیدا کر لیتی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ صحابہ کو ایک ایسی تعلیم دی تھی جس پر اگر ان کی آئندہ نسلیں عمل کرتیں تو ہمیشہ زندہ رہتیں لیکن قوم نے عمل چھوڑ دیا اور وہ مر گئی۔دنیا یہ سوال کرتی ہے اور میرے سامنے بھی یہ سوال کئی دفعہ آیا ہے کہ باوجود اس کے کہ خدا تعالیٰ نے صحابہ کو ایسی اعلیٰ درجہ کی تعلیم دی تھی جس

میں ہر قسم کی سوشل تکالیف اور مشکلات کا علاج تھا اور پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کر کے بھی دکھا دیا تھا پھر وہ تعلیم گئی کہاں اور ۳۳ سال ہی میں وہ کیوں ختم ہو گئی۔ عیسائیوں کے پاس مسلمانوں سے کم درجہ کی خلافت تھی لیکن ان میں اب تک پوپ چلا آ رہا ہے۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عیسائیوں میں پوپ کے باغی بھی ہیں لیکن اس کے باوجود ان کی اکثریت ایسی ہے جو پوپ کو مانتی ہے اور انہوں نے اس نظام سے فائدے بھی اُٹھائے ہیں لیکن مسلمانوں میں ۳۳ سال تک خلافت رہی اور پھر ختم ہو گئی۔اسلام کا سوشل نظام ۳۳ سال تک قائم رہا اور پھر ختم ہو گیا۔نہ جمہوریت باقی رہی، نہ غربا پروری رہی، نہ لوگوں کی تعلیم اور غذا اور لباس اور مکان کی ضروریات کا کوئی احساس رہا۔اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ساری باتیں کیوں ختم ہو گئیں؟ اس کی یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں کی ذہنیت خراب ہو گئی تھی۔ اگر ان کی ذہنیت درست رہتی تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ یہ نعمت اُن کے ہاتھ سے چلی جاتی۔

پس تم خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرو اور ہمیشہ اپنے آپ کو خلافت سے وابستہ رکھو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو خلافت تم میں ہمیشہ رہے گی۔خلافت تمہارے ہاتھ میں خدا تعالیٰ نے دی ہی اس لئے ہے تا وہ کہہ سکے کہ میں نے اسے تمہارے ہاتھ میں دیا تھا۔اگر تم چاہتے تو یہ چیز ہمیشہ تم میں قائم رہتی۔اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اسے الہامی طور پر بھی قائم کر سکتا تھا مگر اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس نے یہ کہا کہ اگر تم لوگ خلافت کو قائم رکھنا چاہو گے تو میں بھی اسے قائم رکھوں گا گویا اس نے تمہارے منہ سے کہلوانا ہے کہ تم خلافت چاہتے ہو یا نہیں چاہتے؟ اب اگر تم اپنا منہ بند کر لو یا خلافت کے انتخاب میں اہلیت مدنظر نہ رکھو۔مثلاً تم ایسے شخص کو خلافت کے لئے منتخب کر لو جو خلافت کے قابل نہیں تو تم یقیناً اس نعمت کو کھو بیٹھو گے۔

مجھے اس طرف زیادہ تحریک اس وجہ سے ہوئی کہ آج رات دو بجے کے قریب میں نے ایک رؤیا میں دیکھا کہ پنسل کے لکھے ہوئے کچھ نوٹ ہیں جو کسی مصنف یا مؤرخ کے ہیں اور انگریزی میں لکھے ہوئے ہیں پنسل بھی Copying یا Blue رنگ کی ہے۔نوٹ صاف طور پر نہیں پڑھے جاتے اور جو کچھ پڑھا جاتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان نوٹوں میں یہ بحث کی گئی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمان اتنی جلدی کیوں خراب ہو گئے۔

باوجود اس کے کہ خدا تعالیٰ کے عظیم الشان احسانات اِن پر تھے اعلیٰ تمدن اور بہترین اقتصادی تعلیم انہیں دی گئی تھی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کر کے بھی دکھا دیا تھا پھر بھی وہ گر گئے اور ان کی حالت خراب ہوگئی۔ یہ نوٹ انگریزی میں لکھے ہوئے ہیں لیکن عجیب بات یہ ہے کہ جو انگریزی لکھی ہوئی تھی وہ بائیں طرف سے دائیں طرف کو نہیں لکھی ہوئی تھی بلکہ دائیں طرف سے بائیں طرف کو لکھی ہوئی تھی لیکن پھر بھی میں اسے پڑھ رہا تھا۔ گو وہ خراب سی لکھی ہوئی تھی اور الفاظ واضح نہیں تھے بہر حال کچھ نہ کچھ پڑھ لیتا تھا اس میں ایک فقرہ کے الفاظ قریباً یہ تھے کہ

There were two reasons for it. There temperment becoming

(1) Morbid and (2) Anorchical

یہ فقرہ بتا رہا ہے کہ مسلمانوں پر کیوں تباہی آئی۔ اس فقرہ کے یہ معنی ہیں کہ وہ خرابی جو مسلمانوں میں پیدا ہوئی اُس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کی طبائع میں دو قسم کی خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں ایک یہ کہ وہ ماربڈ (Morbid) ہوگئے تھے یعنی اَن نیچرل (Unnatural) ناخوشگوار ہوگئے تھے اور دوسرے ان کی ٹنڈنسیز (Tendancies) انارکیکل (Anarchical) ہوگئی تھیں۔ میں نے سوچا کہ واقعہ میں یہ دونوں باتیں صحیح ہیں۔ مسلمانوں نے یہ تباہی خود اپنے ہاتھوں مول لی تھی۔ ماربڈ (Morbid) کے لحاظ سے یہ تباہی اس لئے واقع ہوئی کہ جو ترقیات اُنہیں ملیں وہ اسلام کی خاطر ملی تھیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ملی تھیں ان کی ذاتی کمائی نہیں تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں پیدا ہوئے اور مکہ والوں کی ایسی حالت تھی کہ لوگوں میں اُنہیں کوئی عزت حاصل نہیں تھی لوگ صرف مجاور سمجھ کر ادب کیا کرتے تھے اور جب وہ غیر قوموں میں جاتے تھے تو وہ بھی ان کی مجاور یا زیادہ سے زیادہ تاجر سمجھ کر عزت کرتی تھیں وہ انہیں کوئی حکومت قرار نہیں دیتی تھیں۔ اور پھر ان کی حیثیت اتنی کم سمجھی جاتی تھی کہ دوسری حکومتیں ان سے جبراً ٹیکس وصول کرنا جائز سمجھتی تھیں۔ جیسے یمن کے بادشاہ نے مکہ پر حملہ کیا جس کا قرآن کریم نے اصحاب الفیل کے نام سے ذکر کیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو تیرہ سال تک آپ مکہ میں رہے۔ اس عرصہ میں

چند سَو آدمی آپ پر ایمان لائے ۔۱۳ سال کے بعد آپ نے ہجرت کی اور ہجرت کے آٹھویں سال سارا عرب ایک نظام کے ماتحت آ گیا اور اس کے بعد اُسے ایک ایسی طاقت اور قوت حاصل ہوگئی کہ اس سے بڑی بڑی حکومتیں ڈرنے لگیں۔

اُس وقت دنیا حکومت کے لحاظ سے دو بڑے حصوں میں منقسم تھی۔

اوّل رومی سلطنت ۔ دوم ایرانی سلطنت ۔ رومی سلطنت کے ماتحت مشرقی یورپ، ٹرکی ایشیا سینیا ، یونان مصر، شام اور اناطولیہ تھا اور ایرانی سلطنت کے ماتحت عراق، ایران، رشین ٹری ٹوری کے بہت سے علاقے، افغانستان ، ہندوستان کے بعض علاقے اور چین کے بعض علاقے تھے ۔ اُس وقت یہی دو بڑی حکومتیں تھیں ۔ ان کے سامنے عرب کی کوئی حیثیت ہی نہیں تھی لیکن ہجرت کے آٹھویں سال بعد سارا عرب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہو گیا ۔اس کے بعد جب سرحدوں پر عیسائی قبائل نے شرارت کی تو پہلے آپؐ خود وہاں تشریف لے گئے ۔ اس کی وجہ سے کچھ دیر کے لئے فتنہ ٹل گیا لیکن تھوڑے عرصہ بعد قبائل نے پھر شرارت شروع کی تو آپؐ نے ان کی سرکوبی کے لئے لشکر بھجوایا۔ اس لشکر نے بہت سے قبائل کو سرزنش کی اور بہتوں کو معاہدہ سے تابع کیا۔ پھر آپؐ کی وفات کے بعد اڑھائی سال کے عرصہ میں سارا عرب اسلامی حکومت کے ماتحت آ گیا بلکہ یہ حکومت عرب سے نکل کر دوسرے علاقوں میں بھی پھیلنی شروع ہوئی ۔ فتح مکہ کے پانچ سال کے بعد ایرانی حکومت پر حملہ ہوگیا تھا اور اس کے بعض علاقوں پر قبضہ بھی کر لیا گیا تھا اور چند سالوں میں رومی سلطنت اور دوسری سب حکومتیں تباہ ہوگئی تھیں ۔ اتنی بڑی فتح اور اتنے عظیم الشان تغیر کی مثال تاریخ میں اور کہیں نہیں ملتی ۔ تاریخ میں صرف نپولین کی ایک مثال ملتی ہے لیکن اس کے مقابلہ میں کوئی ایسی طاقت نہیں تھی جو تعداد اور قوت میں اس سے زیادہ ہو۔ جرمن کا مُلک تھا مگر وہ اُس وقت ۱۴ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم تھا۔ اس طرح اس کی تمام طاقت منتشر تھی۔ ایک مشہور امریکن پریذیڈنٹ سے کسی نے پوچھا کہ جرمن کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ تو اس نے کہا ایک شیر ہے دو تین لومڑ ہیں اور کچھ چوہے ہیں ۔ شیر سے مراد رشیا تھا، لومڑ سے مراد دوسری حکومتیں اور چوہوں سے مراد جرمن تھے گویا جرمن اُس وقت ٹکڑے ٹکڑے تھا۔

روس ایک بڑی طاقت تھی مگر وہ روس کے ساتھ ٹکرایا اور وہاں سے ناکام واپس لوٹا۔ اس طرح انگلستان کو بھی فتح نہ کر سکا اور انجام اس کا یہ ہوا کہ وہ قید ہو گیا۔

پھر دوسرا بڑا شخص ہٹلر آیا بلکہ دو بڑے آدمی دو مُلکوں میں ہوئے۔ ہٹلر اور مسولینی دونوں نے بے شک ترقیات حاصل کیں لیکن دونوں کا انجام شکست ہوا۔ مسلمانوں میں سے جس نے یکدم بڑی حکومت حاصل کی وہ تیمور تھا۔ اس کی بھی یہی حالت تھی وہ بے شک دنیا کے کناروں تک گیا لیکن وہ اپنے اس مقصد کو کہ ساری دنیا فتح کر لے پورا نہ کر سکا۔ مثلاً وہ چین کو تابع کرنا چاہتا تھا لیکن تابع نہ کر سکا اور جب وہ مرنے لگا تو اُس نے کہا میرے سامنے انسانوں کی ہڈیوں کے ڈھیر ہیں جو مجھے ملامت کر رہے ہیں۔

پس صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی آدم سے لے کر اب تک ایسے گزرے ہیں جنہوں نے فردِ واحد سے ترقی کی۔ تھوڑے سے عرصہ میں ہی سارے عرب کو تابع فرمان کر لیا اور آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ کے ایک خلیفہ نے ایک بہت بڑی حکومت کو توڑ دیا اور باقی علاقے آپؐ کے دوسرے خلیفہ نے فتح کر لئے۔ یہ تغیر جو واقع ہوا خدائی تھا کسی انسان کا کام نہیں تھا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو آپ کے بعد حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر مکہ میں پہنچی تو ایک مجلس میں حضرت ابوبکرؓ کے والد ابوقحافہ بھی بیٹھے تھے۔ جب پیغامبر نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں تو سب لوگوں پر غم کی کیفیت طاری ہو گئی اور سب نے یہی سمجھا کہ اب مُلکی حالات کے ماتحت اسلام پراگندہ ہو جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ اب کیا ہوگا۔ پیغامبر نے کہا آپؐ کی وفات کے بعد حکومت قائم ہو گئی ہے اور ایک شخص کو خلیفہ بنا لیا گیا ہے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ کون خلیفہ مقرر ہوا ہے؟ پیغامبر نے کہا۔ ابوبکرؓ۔ ابوقحافہ نے حیران ہو کر پوچھا کہ کون ابوبکر؟ کیونکہ وہ اپنے خاندان کی حیثیت کو سمجھتے تھے اور اس حیثیت کے لحاظ سے وہ خیال بھی نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے بیٹے کو سارا عرب بادشاہ تسلیم کر لے گا۔ پیغامبر نے کہا ابوبکر جو فلاں قبیلہ سے ہے۔ ابوقحافہ نے کہا وہ کس خاندان سے ہے؟ پیغامبر نے کہا فلاں خاندان

سے۔ اِس پر ابوقحافہ نے دوبارہ دریافت کیا وہ کس کا بیٹا ہے؟ پیغامبر نے کہا۔ ابوقحافہ کا بیٹا۔ اس پر ابوقحافہ نے دوبارہ کلمہ پڑھا اور کہا آج مجھے یقین ہوگیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی تھے۔ ابوقحافہ پہلے صرف نام کے طور پر مسلمان تھے لیکن اِس واقعہ کے بعد انہوں نے سچے دل سے سمجھ لیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعویٰ میں راستباز تھے کیونکہ حضرت ابوبکرؓ کی خاندانی حیثیت ایسی نہ تھی کہ سارے عرب آپ کو مان لیتے یہ الٰہی دین تھی۔ مگر بعد میں مسلمانوں کی ذہنیت ایسی بگڑی کہ انہوں نے یہ سمجھنا شروع کیا کہ یہ فتوحات ہم نے اپنی طاقت سے حاصل کی ہیں۔ کسی نے کہنا شروع کیا کہ عرب کی اصل طاقت بنواُمیہ ہیں اس لئے خلافت کا حق ان کا ہے۔ کسی نے کہا بنو ہاشم عرب کی اصل طاقت ہیں، کسی نے کہا بنومطلب عرب کی اصل طاقت ہیں۔ کسی نے کہا خلافت کے زیادہ حقدار انصار ہیں جنہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھروں میں جگہ دی۔ گویا تھوڑے ہی سالوں میں مسلمان ماربڈ (Morbid) ہوگئے اوران کے دماغ بگڑ گئے۔ ان میں سے ہر قبیلہ نے یہ کوشش کی کہ وہ خلافت کو بزور حاصل کرلے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت ختم ہوگئی۔

پھر مسلمانوں کے بگڑنے کا دوسرا سبب انارکی تھی۔ اسلام نے سب میں مساوات کی روح پیدا کی تھی۔ لیکن مسلمانوں نے یہ نہ سمجھا کہ مساوات پیدا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ایک آرگنائزیشن ہو اس کے بغیر مساوات قائم نہیں ہوسکتی۔ اسلام آیا ہی اس لئے تھا کہ وہ ایک آرگنائزیشن اور ڈسپلن قائم کرے مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی تھی کہ یہ ڈسپلن ظالمانہ نہ ہو اور افراد اپنے نفسوں کو دبا کر رکھیں تا کہ قوم جیتے۔ لیکن چند ہی سال میں مسلمانوں میں یہ سوال پیدا ہونا شروع ہوگیا کہ خزانے ہمارے ہیں اور اگر حکّام نے ان کے راستہ میں کوئی روک ڈالی تو اُنہوں نے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ یہ وہ روح تھی جس نے مسلمانوں کو خراب کیا۔ انہیں یہ سمجھنا چاہیے تھا کہ یہ حکومت الٰہیہ ہے اور اسے خدا تعالیٰ نے قائم کیا ہے اس لئے اسے خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہی رہنے دیا جائے تو بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ سورہ نور میں فرماتا ہے کہ خلیفے ہم بنائیں گے لیکن مسلمانوں نے یہ سمجھ لیا کہ خلیفے ہم نے بنائے ہیں اور جب

انہوں نے یہ سمجھا کہ خلیفے ہم نے بنائے ہیں تو خدا تعالیٰ نے کہا اچھا اگر خلیفے تم نے بنائے ہیں تو اب تم ہی بناؤ۔ چنانچہ ایک وقت تک تو وہ پہلوں کا مارا ہوا شکار یعنی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا مارا ہوا شکار کھاتے رہے لیکن مرا ہوا شکار ہمیشہ قائم نہیں رہتا زندہ بکرا زندہ بکری زندہ مرغا اور زندہ مرغیاں تو ہمیں ہمیشہ گوشت اور انڈے کھلائیں گے لیکن ذبح کی ہوئی بکری یا مرغی زیادہ دیر تک نہیں جا سکتی کچھ وقت کے بعد وہ خراب ہو جائے گی۔ حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ کے زمانہ میں مسلمان تازہ گوشت کھاتے تھے لیکن بے وقوفی سے اُنہوں نے سمجھ لیا کہ یہ چیز ہماری ہے اس طرح انہوں نے اپنی زندگی کی روح کو ختم کر دیا اور مرغیاں اور بکریاں مُردہ ہو گئیں۔ آخر تم ایک ذبح کی ہوئی بکری کو کتنے دن کھا لو گے۔ ایک بکری میں دس بارہ سیر یا پچیس تیس سیر گوشت ہوگا اور آخر وہ ختم ہو جائے گا۔ پس وہ بکریاں مُردہ ہو گئیں اور مسلمانوں نے کھا پی کر انہیں ختم کر دیا۔ پھر وہی حال ہوا کہ ''ہتھ پرانے کھونسڑے بسنتے ہوری آئے'' وہ ہر جگہ ذلیل ہونے شروع ہوئے، انہیں ماریں پڑیں اور خدا تعالیٰ کا غضب ان پر نازل ہوا۔ عیسائیوں نے تو اپنی مُردہ خلافت کو آج تک سنبھالا ہوا ہے لیکن ان بدبختوں نے زندہ خلافت کو اپنے ہاتھوں گاڑ دیا اور یہ محض عارضی خواہشات، دُنیوی ترقیات کی تمنا اور وقتی جوشوں کا نتیجہ تھا۔ خدا تعالیٰ نے جو وعدے پہلے مسلمانوں سے کئے تھے وہ وعدے اب بھی ہیں۔ اُس نے جب وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ [۴] فرمایا تو الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ سے نہیں فرمایا۔ حضرت عمرؓ سے نہیں فرمایا۔ حضرت عثمانؓ سے نہیں فرمایا۔ حضرت علیؓ سے نہیں فرمایا۔ پھر اس کا کہیں ذکر نہیں کہ خدا تعالیٰ نے یہ وعدہ صرف پہلے مسلمانوں سے کیا تھا یا پہلی صدی کے مسلمانوں سے کیا تھا یا دوسری صدی کے مسلمانوں سے کیا تھا بلکہ یہ وعدہ سارے مسلمانوں سے ہے چاہے وہ آج سے پہلے ہوئے ہوں یا ۲۰۰ یا ۴۰۰ سال کے بعد آئیں وہ جب بھی اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے مصداق ہو جائیں گے، وہ اپنی نفسانی خواہشات کو مار دیں گے، وہ اسلام کی ترقی کو اپنا اصل مقصد بنا لیں گے، شخصیات،

جماعتوں، پارٹیوں، جتھوں، شہروں اور ملکوں کو بھول جائیں گے تو ان کے لئے خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ قائم رہے گا کہ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں سے چاہے وہ عرب کے ہوں، عراق کے ہوں، شام کے ہوں، مصر کے ہوں، یورپ کے ہوں، ایشیا کے ہوں، امریکہ کے ہوں، جزائر کے ہوں، افریقہ کے ہوں کیا ہے کہ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ وہ انہیں اس دنیا میں اپنا نائب اور قائمقام مقرر کرے گا۔ اب اس دنیا میں شام، عرب اور نائیجیریا، کینیا، ہندوستان، چین اور انڈونیشیا ہی شامل نہیں بلکہ اور ممالک بھی ہیں پس اس سے مراد دنیا کے سب ممالک ہیں گویا وہ موعود خلافت ساری دنیا کے لئے ہے۔ فرماتا ہے وہ تمہیں ساری دنیا میں خلیفہ مقرر کرے گا كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ اسی طرح جس طرح اس نے پہلے لوگوں کو خلیفہ مقرر کیا۔ اس آیت میں پہلے لوگوں کی مشابہت ارض میں نہیں بلکہ استخلاف میں ہے گویا فرمایا ہم انہیں اسی طرح خلیفہ مقرر کریں گے جس طرح ہم نے پہلوں کو خلیفہ مقرر کیا اور پھر اس قسم کے خلیفے مقرر کریں گے جن کا اثر تمام دنیا پر ہوگا۔

پس اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کو یاد رکھو اور خلافت کے استحکام اور قیام کے لئے ہمیشہ کوشش کرتے رہو۔ تم نوجوان ہو، تمہارے حوصلے بلند ہونے چاہئیں اور تمہاری عقلیں تیز ہونی چاہئیں تا کہ تم اس کشتی کو ڈوبنے اور غرق نہ ہونے دو۔ تم وہ چٹان نہ بنو جو دریا کے رُخ کو پھیر دیتی ہے بلکہ تمہارا یہ کام ہے کہ تم وہ چینل (Channel) بن جاؤ جو پانی کو آسانی سے گزارتی ہے۔ تم ایک ٹنل ہو جس کا یہ کام ہے کہ وہ فیضان الٰہی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ حاصل ہوا ہے تم اسے آگے چلاتے چلے جاؤ۔ اگر تم ایسا کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے تو تم ایک ایسی قوم بن جاؤ گے جو کبھی نہیں مرے گی۔ اور اگر تم اس فیضانِ الٰہی کے رستہ میں روک بن گئے، اس کے رستے میں پتھر بن کر کھڑے ہو گئے اور تم نے اپنی ذاتی خواہشات کے ماتحت اسے اپنے دوستوں، رشتہ داروں اور قریبیوں کے لئے مخصوص کرنا چاہا تو یاد رکھو وہ تمہاری قوم کی تباہی کا وقت ہوگا پھر تمہاری عمر کبھی لمبی نہیں ہوگی اور تم اس طرح مَر جاؤ گے جس طرح پہلی قومیں مریں۔ لیکن قرآن کریم یہ بتاتا ہے کہ قوم کی ترقی کا رستہ بند

نہیں۔ انسان بے شک دنیا میں ہمیشہ زندہ نہیں رہتا لیکن قومیں زندہ رہ سکتی ہیں۔ پس جو آگے بڑھے گا وہ انعام لے جائے گا اور جو آگے نہیں بڑھتا وہ اپنی موت آپ مَرتا ہے اور جوشخص خودکشی کرتا ہے اسے کوئی دوسرا بچانہیں سکتا۔‘‘ (الفضل ۲۳مئی ۱۹۶۱ء)

---

۱ یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۶۔۱۷، بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور ۱۹۹۴ء

۲ الوصیت صفحہ ۷، روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۰۵ ایڈیشن ۲۰۰۸ء

۳ الرعد: ۱۲　　۴ النور: ۵۶

نوجوانانِ جماعت سے خطاب

خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع منعقدہ ۲۰ نومبر ۱۹۵۵ء کو نوجوانانِ جماعت سے خطاب کرتے ہوئے حضرت مصلح موعود نے فرمایا:۔

''پھر میں ایک اور بات کہنی چاہتا ہوں۔کل میں نے تم کو بھی دیکھا اور انصار کو بھی دیکھا۔شاید کچھ اس بات کا بھی اثر ہوگا کہ فالج کی وجہ سے میری نظر کمزور ہوگئی ہے اور میں پوری طرح نہیں دیکھ سکا ہوں گا لیکن بہرحال مجھے نظر یہ آیا کہ جیسے چہرے افسردہ ہیں اور جھلسے جھلسے سے ہیں۔ میں نے سمجھا شاید میری بیماری کے خیال سے ایسا ہے چنانچہ میں نے بعض دوستوں سے ذکر کیا تو اُنہوں نے کہا طوفان کی وجہ سے لوگوں کی مالی حالت خراب ہوگئی ہے اس وجہ سے ان کے چہرے افسردہ ہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ اگر میری بیماری اس کی وجہ ہو تو میں تو ایک انسان ہوں۔ آخر انسان کب تک تمہارے اندر رہے گا۔ اس کے بعد آخر خدا ہی سے واسطہ پڑنا ہے...... کیوں نہ خدا ہی سے شروع سے واسطہ رکھو۔حضرت ابوبکرؓ نے کیا سچائی بیان کی تھی کہ **مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْمَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَايَمُوْتُ**[1] اگر خدا پر توکل کرو گے تو معلوم نہیں تمہارا اس دنیا کے ساتھ ہزار سال واسطہ پڑنا ہے یا دو ہزار سال پڑنا ہے بہرحال ہزار دو ہزار کا عرصہ خدا کے لئے تو کچھ بھی نہیں مگر اس توکّل کے نتیجہ میں وہ ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے گا۔ اس بیماری میں مجھے خیال آیا کرتا ہے کہ کچھ خیر خواہ دوستوں کی بیوقوفیوں کی بھی سزا مجھے ملی ہے۔ وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ ''خدا آپ کو عمرِ نوح دے''۔ عمرِ نوح تو ہزار سال کہتے ہیں میں تو ستاسٹھ سال میں اپنے جسم کو ایسا کمزور محسوس کر رہا ہوں کہ مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے میری روح گویا قید کی ہوئی ہے۔ اگر بجائے عمرِ نوح کی

دعا کرنے کے، وہ یہ دعا کرتے کہ اللہ تو ہمارے خلیفہ کو اِتنی عمر دے جس میں وہ بشاشت کے ساتھ کام کر سکے اور تیری مدد اس کے ساتھ ہو تو مجھے کتنا فائدہ ہوتا۔ اگر وہ مجھے عمر نوح ہی دے تو ہزار سال کی تو قوم نہیں ہوا کرتی۔قومیں تو دو ہزار سال چلتی ہیں۔ پھر بھی تو ہزار سال کے بعد میں تم سے جدا ہو جاتا۔تو ایسی غلط دعا مانگنے سے کیا فائدہ تھا۔

دعا یہ مانگنی تھی کہ یا اللہ تو ان کو ایسی عمر دے جس میں اس کا جسم اس کام کا بوجھ اُٹھا سکے اور بشاشت سے تیرے دین کی خدمت کر سکیں اور ہمارے اندر وہ طاقت پیدا کر کہ جو کام تو ان سے لے رہا ہے وہ ہم سے بھی لیتا چلا جا۔ یہ دعا میرے لئے بھی ہوتی اور تمہارے لئے بھی ہوتی اور اسلام کے لئے بھی ہوتی۔ (الفضل ۴ مارچ ۱۹۵۶ء)

لے بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم باب قول النبیﷺ کُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلاً صفحہ ۶۱۵، ۶۱۶ حدیث نمبر ۳۶۶۸ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانية

خدام الاحمدیہ کراچی کے لئے روح پرور پیغام

(خیبر لاج مری ۲۴ جولائی ۱۹۵۶ء)

''خدام الاحمدیہ کراچی

عزیزان ! اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ

آپ کے افسران نے مجھ سے خدام الاحمدیہ کراچی کے جلسہ کے لئے پیغام مانگا ہے۔ میں اس کے سِوا پیغام کیا دے سکتا ہوں کہ ۱۹۱۴ء میں جب میں خلیفہ ہوا اور جب میری صرف ۲۶ سال عمر تھی خدام الاحمدیہ کی بنیاد ابھی نہیں پڑی تھی مگر ہر احمدی نوجوان اپنے آپ کو خادمِ احمدیت سمجھتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ جس دن انتخابِ خلافت ہونا تھا مولوی محمد علی صاحب کی طرف سے ایک ٹریکٹ شائع ہوا کہ خلیفہ نہیں ہونا چاہیے صدر انجمن احمدیہ ہی حاکم ہونی چاہیے۔ اُس وقت چند نوجوانوں نے مل کر ایک مضمون لکھا اور اُس کی دستی کاپیاں کیں۔ اُس کا مضمون یہ تھا کہ ہم سب احمدی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے وقت فیصلہ کر چکے ہیں کہ جماعت کا ایک خلیفہ ہونا چاہئے اس فیصلہ پر ہم قائم ہیں اور تازندگی قائم رہیں گے اور خلیفہ کا انتخاب ضرور کرا کے چھوڑیں گے۔ سکول کے درجنوں طالب علم پیدل اور سائیکلوں پر چڑھ کے بٹالہ کی سڑک پر چلے گئے اور ہر نو وارد مہمان کو دکھا کر اُس سے درخواست کی کہ اگر آپ اس سے متفق ہیں تو اس پر دستخط کر دیں۔ جماعت احمدیہ میں خلافت کی بنیاد کا وہ پہلا دن تھا اور اس بنیاد کی اینٹیں رکھنے والے سکول کے لڑکے تھے۔ مولوی صدر الدین صاحب اُس وقت ہیڈ ماسٹر تھے۔ اُن کو پتہ لگا تو وہ بھی بٹالہ کی سڑک پر چلے گئے وہاں اُنہوں نے دیکھا کہ سکول کا ایک لڑکا نو وارد مہمانوں کو وہ مضمون پڑھوا کر دستخط کروا رہا ہے۔ انہوں نے وہ کاغذ اُس سے چھین کر پھاڑ دیا اور کہا چلے جاؤ۔ وہ لڑکا

مومن تھا اس نے کہا مولوی صاحب! آپ ہیڈ ماسٹر ہیں اور مجھے مار بھی سکتے ہیں مگر یہ مذہبی سوال ہے میں اپنے عقیدہ کو آپ کی خاطر نہیں چھوڑ سکتا۔ فوراً جھک کر وہ کاغذ اُٹھایا اور اُسی وقت پنسل سے اس کی نقل کرنی شروع کر دی اور مولوی صاحب کے سامنے ہی دوسرے مہمانوں سے اُس پر دستخط کروانے شروع کر دیئے۔ اس پر ۴۲ سال گزر گئے ہیں میں اُس وقت جوان تھا اور اَب ۶۸ سال کی عمر کا ہوں اور فالج کی بیماری کا شکار ہوں۔ اُس وقت آپ لوگوں کی گردنیں پیغامیوں کے ہاتھ میں تھیں اور خزانہ میں صرف ۱۸ آنے کے پیسے تھے میں نے خالی خزانہ کو لے کر احمدیت کی خاطر ان لوگوں سے لڑائی کی جو کہ اُس وقت جماعت کے حاکم تھے اور جن کے پاس روپیہ تھا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے میری مدد کی اور جماعت کے نوجوانوں کو خدمت کرنے کی توفیق دی۔ ہم کمزور جیت گئے اور طاقتور دشمن ہار گیا۔ آج ہم ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور جن لوگوں کو ایک تفسیر پر ناز تھا ان کے مقابلہ میں اتنی بڑی تفسیر ہمارے پاس ہے کہ ان کی تفسیر اس کا تیسرا حصہ بھی نہیں۔ جو ایک انگریزی ترجمہ پیش کرتے تھے اس کے مقابلہ میں ہم چھ زبانوں کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں لیکن ناشکری کا بُرا حال ہو کہ وہی شخص جس کو پیغامی ستر ابہتر اقرار دے کر معزول کرنے کا فتویٰ دیتے تھے اور جس کے آگے اور دائیں اور بائیں لڑ کر میں نے اُس کی خلافت کو مضبوط کیا اُس سے تعلق رکھنے والے چند بے دین نوجوان جماعتوں میں آدمی بھجوا رہے ہیں کہ خلیفہ بڈھا ہو گیا ہے اسے معزول کرنا چاہیے۔ اگر واقع میں میں کام کے قابل نہیں ہوں تو آپ لوگ آسانی کے ساتھ ایک دوسرے قابل آدمی کو خلیفہ مقرر کر سکتے ہیں اور اُس سے تفسیر قرآن لکھوا سکتے ہیں۔ میری تقریریں مجھے واپس کر دیجئے اور اپنے روپے لے لیجئے اور مولوی محمد علی صاحب کی تفسیر یا اور جس تفسیر کو آپ پسند کریں اسے پڑھا کریں اور جو نئی تفسیر میری چھپ رہی ہے اُس کو بھی نہ چھوئیں۔ یہ اوّل درجہ کی بے حیائی ہے کہ ایک شخص کی تفسیروں اور قرآن کو دنیا کے سامنے پیش کر کے تعریفیں اور شہرت حاصل کرنی اور اُسی کو نکما اور ناکارہ قرار دینا۔ مجھے آج ہی اللہ تعالیٰ نے الہام سے سمجھایا کہ ''آؤ ہم مدینہ والا معاہدہ کریں'' یعنی جماعت سے پھر کہو کہ یا تم مجھے چھوڑ دو اور میری تصنیفات سے فائدہ نہ اُٹھاؤ۔ نہیں تو میرے ساتھ وفاداری کا ویسا ہی معاہدہ کرو جیسا کہ مدینہ کے لوگوں نے مکہ کی عقبہ جگہ پر رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم سے معاہدہ کیا تھا اور پھر بدر کی جنگ میں کہا تھا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ! یہ نہ سمجھیں کہ خطرہ کے وقت میں ہم موسیٰ کی قوم کی طرح آپؐ سے کہیں گے کہ جا تو اور تیرا خدا لڑتے پھرو ہم یہیں بیٹھے ہیں یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ! ہم آپؐ کے دائیں بھی لڑیں گے بائیں بھی لڑیں گے اور آگے بھی لڑیں گے پیچھے بھی لڑیں گے اور دشمن اُس وقت تک آپؐ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک ہماری لاشوں کو روندتا ہوا آگے نہ آئے [1] سو گو میرا حافظ خدا ہے اور اُس کے دیئے ہوئے علم سے آج بھی میں ساری دنیا پر غالب ہوں لیکن چونکہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اپنی جماعت کا امتحان لے اور اس سے کہہ دے کہ ''آؤ ہم مدینہ والا معاہدہ کریں'' سو تم میں سے جو شخص خدا تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر قسم کھا کر معاہدہ کرتا ہے کہ وہ اپنے آخری سانس تک وفاداری دکھائے گا وہ آگے بڑھے وہ میرے ساتھ ہے اور میں اور میرا خدا اس کے ساتھ ہے لیکن جو شخص دُنیوی خیالات کی وجہ سے اور منافقوں کے پروپیگنڈا کی وجہ سے بُزدلی دکھانا چاہتا ہے اُس کو میرا آخری سلام۔ میں کمزور اور بوڑھا ہوں لیکن میرا خدا کمزور اور بوڑھا نہیں۔ وہ اپنی قہری تلوار سے ان لوگوں کو تباہ کر دے گا جو کہ اس منافقانہ پروپیگنڈا کا شکار ہوں گے۔ اس پروپیگنڈا کا کچھ ذکر الفضل میں چھاپ دیا گیا ہے چاہیے کہ قائد خدام اُس مضمون کو بھی پڑھ کر سنا دیں۔ اللہ تعالیٰ جماعت کا حافظ و ناصر ہو۔ پہلے بھی اس کی مدد مجھے حاصل تھی اب بھی اس کی مدد مجھے حاصل رہے گی۔ میں یہ پیغام صرف اس لئے آپ کو بھجوا رہا ہوں تا کہ آپ لوگ تباہی سے بچ جائیں ورنہ حقیقتاً میں آپ کی مدد کا محتاج نہیں۔ ایک ایک مرتد کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ ہزاروں آدمی مجھے دے گا اور مجھے توفیق بخشے گا کہ میرے ذریعہ سے پھر سے جماعت جواں سال ہو جائے۔ آپ میں سے ہر مخلص کے لئے دعا اور کمزور کے لئے رُخصتی سلام۔

خاکسار

مرزا محمود احمد

خلیفۃ المسیح الثانی''

(الفضل ۴ / اگست ۱۹۵۶ء)

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب قصة غزوة بدر صفحہ ۶۶۸ حدیث نمبر ۳۹۵۲ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الاولیٰ

خلیفہ خدا تعالیٰ بنایا کرتا ہے

ذیل میں ایک اور شہادت ظہور القمر صاحب ولد ہری داس کی جو ہندوؤں سے مسلمان ہوئے ہیں شائع کی جاتی ہے جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ منافق پارٹی پیغامیوں کی ایجنٹ ہے۔ظہور القمر صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

''میں مسمی ظہور القمر ولد ہری داس متعلم جامعۃ المبشرین ربوہ حال مسجد احمدیہ گلڈنہ مری حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ تقریباً دس روز ہوئے ایک شخص جس نے اپنا نام اللہ رکھا سابق درویش قادیان بتایا مسجد احمدیہ گلڈنہ میں آیا اور کہا کہ میں مولوی محمد صدیق مربی راولپنڈی کو ملنے آیا ہوں۔ میرا سامان راولپنڈی میں اُن کے مکان پر ہے اور میں نے اُن سے مکان کی چابی لینی ہے۔ اس کے بعد وہ مولوی محمد صدیق صاحب کو ملا اور اُنہوں نے اسے مسجد احمدیہ گلڈنہ میں ٹھہرایا اور بستر وغیرہ بھی دیا اور اس کے پاس کھانے کے لئے کچھ نہیں تھا۔ مولوی محمد صدیق صاحب اسے اپنے ساتھ کھانا بھی کھلاتے رہے (مولوی محمد صدیق صاحب نے اپنے بیان میں بتایا ہے کہ چونکہ اُس شخص نے اُن سے کہا تھا کہ بڑے بڑے احمدی مجھ سے بڑی محبت کرتے ہیں اور میاں عبدالوہاب صاحب کا خط دکھایا تھا کہ آپ ہمیں بھائیوں کی طرح عزیز ہیں اور یہ بھی کہا تھا کہ میاں بشیر احمد صاحب کا خط بھی میرے پاس ہے۔ گو اُنہوں نے امرائے جماعت کو لکھا ہے کہ اس شخص کو معافی مل چکی ہے اب جماعت اس کے ساتھ تعاون کرے اور اس کی مدد کرے مگر یہ بھی کہا تھا کہ وہ خط اِس وقت میرے ساتھ نہیں ہے۔ پس میں نے اس شخص پر حُسنِ ظنی کی اور اُس کو مخلص احمدی سمجھا اور یقین کیا کہ اس کو معافی مل چکی ہے) پھر ظہور القمر صاحب لکھتے ہیں کہ میں عیدالاضحیٰ سے ایک روز قبل خیبر لاج میں آیا اور منشی فتح دین صاحب سے دریافت کیا کہ عید کی نماز کب ہوگی اور کون پڑھائے گا؟ منشی

صاحب نے بتایا کہ ساڑھے آٹھ بجے ہوگی اور صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پڑھائیں گے۔ باہر صحن میں درخت کے ساتھ اعلان بھی لگا ہوا ہے۔ لہٰذا میں نے واپس جا کر سب دوستوں کو جو مسجد میں تھے نماز کے وقت کی اطلاع دی۔ اِس ضمن میں اللہ رکھا مذکور کو بھی بتایا کہ کل نماز ساڑھے آٹھ بجے ہوگی اور صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نماز پڑھائیں گے تو اس نے جواب دیا کہ ''میں ایسوں کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا'' دوسرے روز مولوی محمد صدیق صاحب اسے زبردستی خیبر لاج لائے اور اسے اپنے ہمراہ نماز کی ادائیگی کے لئے کہا۔ اللہ رکھا کہتا تھا کہ میں پیغامیوں کی مسجد میں نماز پڑھوں گا۔ نیز وہ جتنے روز یہاں رہا پیغامیوں کا لٹریچر تقسیم کرتا رہا۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ اس کی خط و کتابت مولوی صدرالدین صاحب سے ہے اور ہر روز وہ کہا کرتا تھا کہ میں نے انہیں آج خط لکھا ہے۔

اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ ابتدائی دنوں میں پیغامیوں کی مسجد میں رہتا رہا ہے اور میاں محمد صاحب لائلپوری جو کچھ عرصہ پیغامیوں کے امیر رہے ہیں اور گزشتہ دنوں مری میں تھے ان کے گھر جا کر کھانا کھاتا رہا ہے اور اس نے مجھے کہا کہ انہوں نے مجھے اجازت دے رکھی ہے کہ جب چاہو میرے گھر آجایا کرو۔ میں رات کے گیارہ بجے تک مکان کا دروازہ کھلا رکھا کروں گا۔ جس روز محمد شریف صاحب اشرف سے اللہ رکھا کا جھگڑا ہوا تھا اُس دن رات کو جب وہ مسجد میں آیا تو اس نے کہا یہ میری پیشگوئی ہے کہ جس طرح پہلے خلافت کا جھگڑا ہوا تھا اب پھر ہونے والا ہے آپ ایک ڈیڑھ سال میں دیکھ لیں گے''۔

(دستخط ظہور القمر ۲۵ر جولائی ۱۹۵۶ء)

اس شہادت کو پڑھ کر دوستوں کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ سب سازش پیغامیوں کی ہے اور اللہ رکھا انہی کا آدمی ہے وہ مولوی صدرالدین غیر مبائع منکر نبوتِ مسیح موعود کے پیچھے نماز جائز سمجھتا ہے لیکن مرزا ناصر احمد جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پوتا ہے اور ان کی نبوت کا قائل ہے اس کے پیچھے نماز جائز نہیں سمجھتا اور پیشگوئی کرتا ہے کہ ایک دو سال میں پھر خلافت کا جھگڑا شروع ہو جائے گا۔

موت تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے مگر یہ فقرہ بتاتا ہے کہ یہ جماعت ایک دو سال میں

مجھے قتل کرنے کا ارادہ رکھتی ہے تبھی اسے یقین ہے کہ ایک دو سال میں تیسری خلافت کا سوال پیدا ہو جائے گا اور ہم لوگ خلافت کے مٹانے کو کھڑے ہو جائیں گے اور جماعت کو خلافت قائم کرنے سے روک دیں گے۔ خلافت نہ خلیفہ اوّل کی تھی نہ پیغامیوں کی۔ نہ وہ پہلی دفعہ خلافت کے مٹانے میں کامیاب ہوسکے نہ اب کامیاب ہوں گے۔ اُس وقت بھی حضرت خلیفہ اوّل کے خاندان کے چند افراد پیغامیوں کے ساتھ مل کر خلافت کے مٹانے کے لئے کوشاں تھے۔ مجھے خود ایک دفعہ میاں عبدالوہاب کی والدہ نے کہا تھا ہمیں قادیان میں رہنے سے کیا فائدہ۔ میرے پاس لاہور سے وفد آیا تھا اور وہ کہتے تھے کہ اگر حضرت خلیفہ اوّل کے بیٹے عبدالحی کو خلیفہ بنا دیا جاتا تو ہم اِس کی بیعت کر لیتے مگر یہ مرزا محمود احمد کہاں سے آ گیا ہم اس کی بیعت نہیں کر سکتے۔ وہی جوش پھر پیدا ہوا عبدالحی تو فوت ہو چکا اب شاید کوئی اور لڑکا ذہن میں ہوگا جس کو خلیفہ بنانے کی تجویز ہوگی۔ خلیفہ خدا تعالیٰ بنایا کرتا ہے اگر ساری دنیا مل کر خلافت کو توڑنا چاہے اور کسی ایسے شخص کو خلیفہ بنانا چاہے جس پر خدا راضی نہیں تو وہ ہزار خلیفہ اوّل کی اولاد ہو اُس سے نوحؑ کے بیٹوں کا سا سلوک ہوگا اور اللہ تعالیٰ اُس کو اور اُس کے سارے خاندان کو اِس طرح پیس ڈالے گا جس طرح چکی میں دانے پیس ڈالے جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے نوحؑ جیسے نبی کی اولاد کی پرواہ نہیں کی۔ نہ معلوم یہ لوگ خلیفہ اوّل کو کیا سمجھے بیٹھے ہیں۔ آخر وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے غلام تھے اور ان کے طفیل خلیفہ اوّل بنے تھے ان کی عزت قیامت تک محض مسیح موعود علیہ السلام کی غلامی میں ہے بے شک وہ بہت بڑے آدمی تھے مگر مسیح موعود علیہ السلام کے غلام ہو کر نہ کہ ان کے مقابل میں کھڑے ہو کر۔ قیامت تک اگر ان کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا غلام قرار دیا جائے گا تو ان کا نام روشن رہے گا لیکن اگر اس کے خلاف کسی نے کرنے کی جرأت کی تو وہ دیکھے گا کہ خدا تعالیٰ کا غضب اس پر بھڑکے گا اور اس کو ملیا میٹ کر دیا جائے گا۔ یہ خدا کی بات ہے جو پوری ہو کر رہے گی۔ یہ لوگ تو سال ڈیڑھ سال میں مجھے مارنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن آسمانوں کا خدا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ فرماتا ہے۔

''سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا جس کا نزول بہت

مبارک اور جلالِ الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔نور آتا ہے نور جس کو خدا نے اپنی رضا مندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ہم اس میں اپنی روح (یعنی کلام) ڈالیں گے''۔

(میرے الہاموں کا زبردست طور پر پورا ہونا جماعت پچاس سال سے دیکھ رہی ہے۔ اور جس کو شبہ ہو اب بھی اس کے سامنے مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں اخباروں میں چھپی ہوئی کشوف اور رؤیا کے ذریعہ سے بھی اور چوہدری ظفر اللہ خان جیسے آدمیوں کی شہادت سے بھی)

پھر خدا نے آپ سے فرمایا:۔

''وہ زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا (یہ شہرت کس نے پائی؟) اور قومیں اس سے برکت پائیں گی'' (قوموں نے برکت کس سے پائی؟) پھر فرمایا:''تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اُٹھایا جائے گا وَکَانَ اَمْراً مَّقْضِیًّا۔

پس میری موت کو خدا نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور فرماتا ہے کہ جب وہ اپنا کام کر لے گا اور اسلام کو دنیا کے کناروں تک پہنچا لے گا تب میں اس کو موت دوں گا۔ پس اس قسم کے چوہے محض لاف زنی کر رہے ہیں۔

ایک شخص نے مجھ پر چاقو سے حملہ کیا تھا مگر اُس وقت بھی خدا نے مجھے بچایا۔ پھر جماعت کی خدمت کرتے کرتے مجھ پر فالج کا حملہ ہوا اور یورپ کے سب ڈاکٹروں نے یک زبان کہا کہ آپ کا اس طرح جلدی سے اچھا ہو جانا معجزہ تھا۔ پھر فرمایا ''تیری نسل بہت ہوگی'' (جس پیشگوئی کے مطابق ناصر احمد پیدا ہوا) پھر فرمایا ''اور میں تیری ذُرِّیّت کو بہت بڑھاؤں گا اور برکت دوں گا''۔مگر عبدالوہاب کے اس پیارے بھائی کے نزدیک اس پیشگوئی کے مصداق ناصر احمد کے پیچھے نماز پڑھنی ناجائز ہے مگر مولوی صدر دین کے پیچھے پڑھنی جائز ہے۔ پس خود ہی سمجھ لو کہ اِس فتنہ کے پیچھے کون لوگ ہیں؟ اور آیا یہ فتنہ میرے خلاف ہے یا مسیح موعودؑ کے خلاف۔ مسیح موعودؑ فوت ہو چکے ہیں جب وہ زندہ تھے تب بھی ان کو تم پر کوئی اختیار نہیں تھا۔قرآن مجید میں خدا تعالیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی فرماتا ہے کہ تُو داروغہ نہیں۔ اب بھی تم آزاد ہو چاہو تو لاکھوں کی تعداد میں مرتد ہو

جاؤ۔ خدا تعالیٰ مٹی کے نیچے دبے ہوئے مسیح موعودؑ کی پھر بھی مدد کرے گا اور ان لوگوں کو جو آپ کے خادموں کی طرف منسوب ہو کر آپ کے مشن کو تباہ کرنا چاہتے ہیں ذلیل و خوار کرے گا۔ تمہارا اختیار ہے خواہ مسیح موعود علیہ السلام اور ان کی وحی کو قبول کرو یا مرتدوں اور منافقوں کو قبول کرو۔ میں اس اختیار کو تم سے نہیں چھین سکتا مگر خدا کی تلوار کو بھی اُس کے ہاتھ سے نہیں چھین سکتا۔

والسلام

خاکسار

مرزا محمود احمد

خلیفۃ المسیح الثانی

۲۵۔۷۔۱۹۵۶ء''

(الفضل ۲۸ جولائی ۱۹۵۶ء)

ایمان شیشہ سے بھی زیادہ نازک چیز ہے اور اس کی حفاظت کیلئے ایمانی غیرت کی ضرورت ہے

مجلس خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع منعقدہ ۱۹ تا ۲۱ /اکتوبر ۱۹۵۶ء میں ۱۹ /اکتوبر کوحضور نے خطاب کے شروع میں مندرجہ ذیل آیت قرآنیہ کی تلاوت فرمائی ۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۚ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ [1]

اس کے بعد فرمایا:۔

’’قرآن کریم کی یہ آیت جو میں نے تلاوت کی ہے اِس میں اِس دَور کے متعلق جو آجکل ہم پر گزر رہا ہے اللہ تعالیٰ نے ایک ہی تعلیم دی ہے جو ہماری جماعت کو ہر وقت مدنظر رکھنی چاہیے۔ بے شک ہماری جماعت کے دوستوں نے موجودہ فتنہ کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے عہدِ وفاداری کو تازہ کیا ہے اور ہر جگہ کی جماعت نے وفاداری کا عہد مجھے بھجوایا ہے مگر قرآن کریم میں اس آیت میں وفاداری کے عہد کے علاوہ کچھ اور باتیں بھی بیان کی گئی ہیں یا یوں کہو کہ وفاداری کی صحیح تعریف بیان کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ خالی منہ سے کہہ دینا کہ میں وفادار ہوں، کافی نہیں بلکہ اس مثبت کے مقابلہ میں ایک منفی کی بھی ضرورت ہے اور وہ یہ ہے کہ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ اے مومنو! اگر تمہاری وفاداری کا عہد سچا ہے تو تمہیں جس طرح وفاداری کرنی ہوگی اسی طرح ایک بات نہیں بھی کرنی ہوگی۔ جب تک یہ کرنا اور

نہ کرنا دونوں جمع نہ ہو جائیں، تم مومن نہیں ہو سکتے۔ کرنا تو یہ ہے کہ تم نے وفادار رہنا ہے لیکن اس کی علامت ایک نہ کرنے والا کام ہے۔ خالی منہ سے کہہ دینا کہ میں وفادار ہوں کوئی چیز نہیں۔ اگر تم واقعہ میں وفادار ہو تو تمہیں ایک اور کام بھی کرنا ہوگا یا یوں کہو کہ تمہیں ایک کام سے بچنا پڑے گا اور وہ یہ ہے کہ جو لوگ تمہارے ہم خیال نہیں، وہ تم سے الگ ہیں، ان سے مخفی تعلق اور دوستی ترک کرنی پڑے گی۔ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا اگر تم ہماری یہ بات نہیں مانو گے تو وہ تمہارے اندر فتنہ اور فساد پیدا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کریں گے اور تمہارے وفاداری کے عہد خاک میں مل جائیں گے۔ تمہارا عزم اور تمہارا دعویٰ مٹی میں مل جائے گا اور وہ کچھ بھی نہیں رہے گا جب تک کہ تم ہماری اس ہدایت کو نہیں مانو گے یعنی وہ لوگ جو تم سے الگ ہیں اور تمہارے اندر فساد اور تفرقہ پیدا کرتے ہیں، تم ان سے قطعی طور پر کسی قسم کی دوستی اور تعلق نہ رکھو۔

ایک شخص جو میرا نام نہاد رشتہ دار کہلاتا ہے وہ یہاں آیا اور ایک منافق کو ملنے گیا۔ جب اُس کو ایک افسر سلسلہ نے توجہ دلائی کہ وہ ایک منافق سے ملنے گیا تھا تو اُس نے کہا کہ صدر انجمن احمدیہ نے کب حکم دیا تھا کہ اس شخص سے نہ ملا جائے۔ اس افسر نے کہا کہ تم یہ بتاؤ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کس نے حکم دیا تھا کہ پنڈت لیکھرام کے سلام کا جواب نہ دیا جائے۔ اگر تمہارے لئے کسی حکم کی ضرورت تھی تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پنڈت لیکھرام کے سلام کا جواب نہ دینے اور اپنا منہ پرے کر لینے کا کس نے حکم دیا تھا۔ جو محرک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دماغ میں پیدا ہوا تھا وہ تمہارے اندر کیوں نہ پیدا ہوا۔ چنانچہ اس شخص کے اندر منافقت گھسی ہوئی تھی اس لئے اس نے جواب میں کہا کہ یہ کس نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ شخص لیکھرام کے مقام تک پہنچ گیا ہے حالانکہ قرآن کریم نے صرف اتنا کہا ہے کہ لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ یہ نہیں کہا کہ لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ لیکھرام و مثلہ کہ تم لیکھرام اور اس جیسے لوگوں سے نہ ملو بلکہ فرمایا ہے کہ جو لوگ اپنے عمل سے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ وہ تمہارے ساتھ نہیں چاہے وہ لیکھرام کے مقام تک پہنچے ہوں یا نہ پہنچے ہوں تم ان سے بِطَانَہ یعنی دوستی اور مخفی تعلق نہ رکھو۔

وہ یہ تو کہہ سکتا ہے کہ میں نے تو اس شخص کے ساتھ دوستی نہیں کی مگر بِطَانَہ کے معنی صرف دوستی کے نہیں بلکہ مخفی تعلق کے بھی ہیں اور وہ شخص اس منافق سے چوری چھپے ملا تھا۔ اب اس کے قول کے مطابق اس کی اس منافق سے دوستی ہو یا نہ ہو، یہ بات تو ظاہر ہوگئی کہ اس نے اس سے مخفی تعلق رکھا۔ پھر جب اُسے سمجھایا گیا تو اس نے بہانہ بنایا اور کہا کہ اس منافق کو لیکھرام کا درجہ کس نے دیا ہے۔ اسے یہ خیال نہ آیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پنڈت لیکھرام کو سلام کا جواب نہ دیتے وقت جس آیت پر عمل کیا تھا وہ یہی آیت تھی جو میں نے تلاوت کی ہے۔ اس میں لیکھرام یا اس جیسے لوگوں کا ذکر نہیں بلکہ صرف یہ ذکر ہے کہ ایسے لوگ جو تمہارے اندر اختلافات پیدا کرنا چاہتے ہیں، تم ان سے کوئی تعلق نہ رکھو۔

پس یا تو اسے یہ ثابت کرنا چاہیے کہ جس شخص سے وہ ملا تھا وہ جماعت کے اندر اختلاف اور فساد پیدا کرنے والا نہیں اور اگر اس شخص نے واقعہ میں جماعت کے اندر اختلاف اور فساد پیدا کیا ہے تو اس کا یہ کہنا کہ اُسے لیکھرام کا درجہ کس نے دیا ہے، اس بات کی دلیل ہے کہ وہ خود احمدیت پر ایسا ایمان نہیں رکھتا۔ بہرحال قرآن کریم میں خدا تعالیٰ نے وفاداری کے عہد کی ایک علامت بتائی اور اس علامت کو پورا کئے بغیر وفاداری کے عہد کی کوئی قیمت نہیں۔ تم ان جماعتوں سے آئے ہو جنہوں نے وفاداری کے عہد بھجوائے ہیں لیکن اگر تم اِس عہد کے باوجود کسی منافق سے تعلق رکھتے ہو اور اس سے علیحدگی میں ملتے ہو تو وہ بِطَانَۃ کے نیچے میں آجاتا ہے۔ کیونکہ وہ منافق اور اس کی پارٹی کے لوگ جماعت میں فتنہ اور فساد پیدا کرتے ہیں۔ اگر تم ان سے مخفی طور پر تعلق رکھتے ہو تو تمہارا عہدِ وفاداری اتنی حیثیت بھی نہیں رکھتا جتنی حیثیت گدھے کا پاخانہ رکھتا ہے۔ گدھے کے پاخانہ کی تو کوئی قیمت ہوسکتی ہے کیونکہ وہ رُوڑی کے طور پر کام آسکتا ہے لیکن تمہارا عہد وفاداری خدا تعالیٰ کے نزدیک رُوڑی کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتا اور وہ اسے قبول نہیں کرے گا۔

پس یاد رکھو کہ ایمان شیشہ سے بھی زیادہ نازک چیز ہے اور اس کی حفاظت کے لئے غیرت کی ضرورت ہے۔ جس شخص کے اندر ایمانی غیرت نہیں وہ منہ سے بے شک کہتا رہے کہ میں وفادار ہوں لیکن اس کے اس عہدِ وفاداری کی کوئی قیمت نہیں۔ مثلاً اِس وقت

تمہارے اندر ایک شخص بیٹھا ہوا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ ہمیں اس کی منافقت کا پتہ نہیں ۔ وہ ہمیشہ مجھے لکھا کرتا ہے کہ آپ مجھ سے کیوں خفا ہیں؟ میں نے تو کوئی قابلِ اعتراض فعل نہیں کیا حالانکہ ہم نے اس کا ایک خط پکڑا ہے جس میں اس نے لکھا ہے کہ خلیفہ جماعت کا لاکھوں روپیہ کھا گیا ہے اور لاکھوں روپیہ اس نے اپنے بھائیوں اور رشتہ داروں کو کھلایا ہے۔ اس نے سمجھا کہ میرے خط کو کون پہچانے گا۔ اسے یہ پتہ نہیں تھا کہ آجکل ایسی ایجادیں نکل آئی ہیں کہ بغیر نام کے خطوط بھی پہچانے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ ایک ماہر جو یورپ سے تحریر پہچاننے کی بڑی اعلیٰ درجہ کی تعلیم حاصل کر کے آیا ہے ہم نے وہ خط اسے بھیج دیا اور چونکہ ہمیں شُبہ تھا کہ اس تحریر کا لکھنے والا وہی شخص ہے اس لئے ایک تحریر اسے بغیر بتائے اس سے لکھوالی اور وہ بھی اس خط کے ساتھ بھیج دی۔ اس نے علومِ جدیدہ کے مطابق خط پہچاننے کی پینتیس جگہ بتائی ہیں جو ماہرین نے بڑا غور کرنے کے بعد نکالی ہیں اور انہوں نے بتایا ہے کہ لکھنے والا خواہ وہ کتنی کوشش کرے کہ اس کا خط بدل جائے، یہ پینتیس جگہیں نہیں بدلتیں چنانچہ اس نے دونوں تحریروں کو ملا کر دیکھا اور کہا کہ لکھنے والے کی تحریر میں پینتیس کی پینتیس دلیلیں موجود ہیں اس لئے یہ دونوں تحریریں سَو فیصدی ایک ہی شخص کی لکھی ہوئی ہیں اور وہ شخص بار بار مجھے لکھتا ہے کہ آپ خواہ مخواہ مجھ سے ناراض ہیں۔ میں نے کیا قصور کیا ہے؟ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ اس بیوقوف کو کیا پتہ ہے کہ اس کی دونوں تحریریں ہم نے ایک ماہرفن کو دکھائی ہیں اور ماہرفن نے بڑے غور کے بعد جن پینتیس جگہوں کے متعلق لکھا ہے کہ وہ کبھی نہیں بدلتیں، وہ اس کی تحریر میں نہیں بدلیں۔ وہ شخص غالباً اب بھی یہاں بیٹھا ہوگا اور غالباً کل یا پرسوں مجھے پھر لکھے گا کہ میں تو بڑا وفادار ہوں آپ خواہ مخواہ مجھ پر بدظنی کر رہے ہیں میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا حالانکہ اس نے ایک بے نام خط لکھا اور وہ خط جب ماہرفن کو دکھایا گیا اور اس کی ایک اور تحریر اسے ساتھ بھیجی گئی جو اس سے لکھوائی گئی تھی تو اس ماہرفن نے کہا کہ یہ دونوں تحریریں اسی شخص کی ہیں۔ پس خالی عہد کوئی حقیقت نہیں رکھتا جب تک کہ اس کے ساتھ انسان ان باتوں کو بھی مدنظر نہ رکھے جن کے متعلق خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ وہ نہ کی جائیں۔

عبدالمنان کو ہی دیکھ لو۔ جب وہ امریکہ سے واپس آیا تو میں نے مری میں خطبہ پڑھا اور اس میں میں نے وضاحت کردی کہ اتنے امور ہیں، وہ ان کی صفائی کردے تو ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ وہ یہاں تین ہفتے بیٹھا رہا لیکن اُس کو اپنی صفائی پیش کرنے کی توفیق نہ ملی صرف اتنا لکھ دیا کہ میں تو آپ کا وفادار ہوں۔ ہم نے کہا ہم نے تجھ سے وفاداری کا عہد کرنے کا مطالبہ نہیں کیا۔ ہمیں معلوم ہے کہ پیغامی تمہارے باپ کو غاصب کا خطاب دیتے تھے۔ وہ انہیں جماعت کا مال کھانے والا اور حرام خور قرار دیتے تھے تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ میں ان پیغامیوں کو جانتا ہوں، یہ میرے باپ کو گالیاں دیتے تھے یہ آپ کو غاصب اور منافق کہتے تھے میں ان کو قطعی اور یقینی طور پر باطل پر سمجھتا ہوں مگر اس بات کا اعلان کرنے کی اسے توفیق نہ ملی۔ پھر اس نے لکھا کہ میں تو خلافت حقہ کا قائل ہوں۔ اسے یہ جواب دیا گیا کہ اس کے تو پیغامی بھی قائل ہیں۔ وہ بھی کہتے ہیں کہ ہم خلافت حقہ کے قائل ہیں لیکن ان کے نزدیک خلافت حقہ اُس نبی کے بعد ہوتی ہے جو بادشاہ بھی ہو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ بادشاہ بھی تھے اس لئے ان کے نزدیک آپ کے بعد خلافت حقہ جاری ہوئی اور حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے لیکن مرزا صاحب چونکہ بادشاہ نہیں تھے اس لئے آپ کے بعد وہ خلافت تسلیم نہیں کرتے۔ پس یہ بات تو پیغامی بھی کہتے ہیں کہ وہ خلافت حقہ کے قائل ہیں۔ تم اگر واقعی جماعت احمدیہ میں خلافت حقہ کے قائل ہو تو پھر یہ کیوں نہیں لکھتے کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد خلافت کو تسلیم کرتا ہوں اور جو آپ کے بعد خلافت کے قائل نہیں، انہیں لعنتی سمجھتا ہوں۔ پھر تم یہ کیوں نہیں لکھتے کہ خلافت حقہ صرف اسی نبی کے بعد نہیں جسے نبوت کے ساتھ بادشاہت بھی مل جائے بلکہ اگر کوئی نبی غیر بادشاہ ہو تب بھی اس کے بعد خلافت حقہ قائم ہوتی ہے۔ تمہارا صرف یہ لکھنا کہ میں خلافت حقہ کا قائل ہوں، ہمارے مطالبہ کو پورا نہیں کرتا۔ ممکن ہے تمہاری مراد خلافت حقہ سے یہ ہو کہ جب میں خلیفہ بنوں گا تو میری خلافت، خلافت حقہ ہوگی یا خلافت حقہ سے تمہاری یہ مراد ہو کہ میں تو اپنے باپ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی خلافت کا قائل ہوں یا تمہاری یہ مراد ہو کہ میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی

خلافت کا قائل ہوں۔ بہرحال عبدالمنان کو امریکہ سے واپس آنے کے بعد تین ہفتہ تک ان امور کی صفائی پیش کرنے کی توفیق نہ ملی۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ اگر وہ لکھ دیتا کہ پیغامی لوگ میرے باپ کو غاصب، منافق اور جماعت کا مال کھانے والے کہتے رہے ہیں، میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں تو پیغامی اس سے ناراض ہو جاتے اور اُس نے یہ امیدیں لگائی ہوئی تھیں کہ وہ ان کی مدد سے خلیفہ بن جائے گا۔ اور اگر وہ لکھ دیتا کہ جن لوگوں نے خلافت ثانیہ کا انکار کیا ہے، میں انہیں لعنتی سمجھتا ہوں تو اس کے وہ دوست جو اس کی خلافت کا پروپیگنڈا کرتے رہے ہیں اس سے قطع تعلق کر جاتے اور وہ ان سے قطع تعلقی پسند نہیں کرتا تھا اس لئے اس نے ایسا جواب دیا ہے جسے پیغامِ صلح نے بڑے شوق سے شائع کر دیا۔ اگر وہ بیان خلافت ثانیہ کی تائید میں ہوتا تو پیغامِ صلح اسے کیوں شائع کرتا۔ اس نے بھلا گزشتہ بیالیس سال میں کبھی میری تائید کی ہے؟ انہوں نے سمجھا کہ اس نے جو مضمون لکھا ہے وہ ہمارے ہی خیالات کا آئینہ دار ہے اس لئے اسے شائع کرنے میں کیا حرج ہے چنانچہ جماعت کے بڑے لوگ جو سمجھدار ہیں وہ تو الگ رہے، مجھے کالج کے ایک سٹوڈنٹ نے لکھا کہ پہلے تو ہم سمجھتے تھے کہ شاید کوئی غلط فہمی ہوگئی ہے لیکن ایک دن میں بیت الذکر میں بیٹھا ہوا تھا کہ مجھے پتہ لگا کہ پیغامِ صلح میں میاں عبدالمنان کا کوئی پیغام چھپا ہے تو میں نے ایک دوست سے کہا، میاں! ذرا ایک پرچہ لانا چنانچہ وہ ایک پرچہ لے آیا۔ میں نے وہ بیان پڑھا اور اسے پڑھتے ہی کہا کہ کوئی پیغامی ایسا نہیں جو یہ بات نہ کہہ دے۔ یہ تردید تو نہیں اور نہ ہی میاں عبدالمنان نے یہ بیان شائع کر کے اپنی بریت کی ہے۔ اس پر ہر ایک پیغامی دستخط کر سکتا ہے کیونکہ اس کا ہر فقرہ پیچ دار طور پر لکھا ہوا ہے اور اسے پڑھ کر ہر پیغامی اور خلافت کا مخالف یہ کہے گا کہ میرا بھی یہی خیال ہے۔ غرض قرآن کریم نے واضح کر دیا ہے کہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَۃً مِّنْ دُوْنِکُمْ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا اے مومنو! جو لوگ تمہارے اندر اختلاف پیدا کرنا چاہتے ہیں، تم ان سے خفیہ میل جول نہ رکھو۔ اب دیکھو یہاں دوستی کا ذکر نہیں بلکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے، تم ان سے بِطَانَہ نہ رکھو اور بِطَانَہ کے معنی محض تعلق ہوتے ہیں۔

اب اگر کوئی ان لوگوں کو گھر میں چھپ کر مل لے اور بعد میں کہہ دے کہ آپ نے یا صدر انجمن احمدیہ نے کب کہا تھا کہ انہیں نہیں ملنا تو یہ درست نہیں ہوگا۔ ہم کہیں گے کہ خدا تعالیٰ نے تمہارے اندر بھی تو غیرت رکھی ہے پھر ہمارے منع کرنے کی کیا ضرورت ہے تمہیں خود اپنی غیرت کا اظہار کرنا چاہیے۔ اگر تم ہمارے منع کرنے کا انتظار کرتے ہو تو اس کے یہ معنی ہیں کہ تمہیں خود قرآن کریم پر عمل کرنے کا احساس نہیں۔ دیکھ لو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جب لیکھرام نے سلام کیا تو آپ نے یہ نہیں کہا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب دینے سے کب منع فرمایا ہے بلکہ آپ نے سمجھا کہ بے شک اس آیت میں لیکھرام کا ذکر نہیں لیکن خدا تعالیٰ نے لَا يَأْلُوْنَكُمْ خَبَالًا تو فرما دیا ہے کہ تم ایسے لوگوں سے تعلق نہ رکھو جو تمہارے اندر فساد اور تفرقہ پیدا کرنا چاہتے ہیں پس گو اس آیت میں لیکھرام کا ذکر نہیں لیکن اس کی صفات تو بیان کر دی گئی ہیں۔ انہی صفات سے میں نے اسے پہچان لیا ہے جیسے کسی شاعر نے کہا ہے:۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش
من اندازِ قدت را مے شناسم

کہ اے شخص تو چاہے کس رنگ کا کپڑا پہن کر آ جائے میں کسی دھوکا میں نہیں آ ؤں گا کیونکہ میں تیرا قد پہچانتا ہوں۔

حضرت مرزا صاحب نے بھی یہی فرمایا کہ اے لیکھرام! تو چاہے کوئی شکل بنا کر آ جائے قرآن کریم نے تیری صفت بیان کر دی ہے اس لئے میں تجھے تیری صفت سے پہچانتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر فرما دیا ہے کہ لَا يَأْلُوْنَكُمْ خَبَالًا کہ تمہارے دشمن وہ ہیں جو قوم میں فتنہ پیدا کرنا چاہتے ہیں اس لئے قرآن کریم کی ہدایت کے مطابق میں نے تم سے کوئی تعلق نہیں رکھا۔

میں بھی تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم نوجوان ہو اور آئندہ سلسلہ کا بوجھ تم پر پڑنے والا ہے۔ تمہیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہر چیز کی بعض علامتیں ہوتی ہیں اس لئے خالی منہ سے ایک لفظ دُہرا دینا کافی نہیں بلکہ ان علامات کو دیکھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ دیکھو رسول کریم صلی اللہ

علیہ وسلم نے کیا ہی عجیب نکتہ بیان فرما دیا ہے۔آپؐ فرماتے ہیں کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک شخص ساری رات اپنی بیوی سے محبت کا اظہار کرتا ہے مگر دن چڑھے تو اُس سے لڑنے لگ جاتا ہے[۲] اس حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی بیان فرمایا ہے کہ اگر میاں کو اپنی بیوی سے واقعی محبت ہے تو وہ دن کے وقت اُس سے کیوں محبت نہیں کرتا۔اسی طرح جو شخص کسی جلسہ میں وفاداری کا اعلان کر دیتا ہے اور مخفی طور پر ان لوگوں سے ملتا ہے جو جماعت میں تفرقہ اور فساد پیدا کرنے چاہتے ہیں تو یہ کوئی وفاداری نہیں کیونکہ قرآن کریم نے یہ نہیں کہا کہ جو لوگ تمہارے ہم مذہب نہیں، ان سے کوئی تعلق نہ رکھو۔ غیر مذہب والوں سے تعلق رکھنا منع نہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کے متعلق آتا ہے کہ آپ جب بازار سے گزرتے تو یہودیوں کو بھی سلام کرتے اس لئے یہاں مِنْ دُوْنِكُمْ کی تشریح کی گئی ہے کہ تم ان لوگوں سے الگ رہو جو لَا يَأْلُوْنَكُمْ خَبَالًا کے مصداق ہیں یعنی وہ تمہارے اندر فساد اور تفرقہ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔اگر کوئی غیر مذہب والا تمہارے اندر فتنہ اور فساد پیدا نہیں کرنا چاہتا تو وہ شخص مِنْ دُوْنِكُمْ میں شامل نہیں۔ اگر تم اس سے مل لیتے ہو یا دوستانہ تعلق رکھتے ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن ایسا شخص جو تمہاری جماعت میں فتنہ اور فساد پیدا کرنا چاہتا ہے، اس سے تعلق رکھنا خدا تعالیٰ نے ممنوع قرار دے دیا ہے۔ پھر آگے فرماتا ہے تم کہہ سکتے ہو کہ اس کی کیا دلیل ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ کچھ باتیں ان کے منہ سے نکل چکی ہیں وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ان پر قیاس کر کے دیکھ لو کہ جو کچھ ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے وہ کیا ہے۔ کہتے ہیں ایک چاول دیکھ کر ساری دیگ پہچانی جاسکتی ہے اسی طرح یہاں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً ایک منافق نے بقول اپنے بھائی کے کہا کہ خلیفہ اب بڈھا اور پاگل ہو گیا ہے اب انہیں دو تین معاون دے دینے چاہئیں۔ اور ہمیں جو شہادت ملی ہے اس کے مطابق اس نے کہا کہ اب خلیفہ کو معزول کر دینا چاہئے۔ اِس فقرہ سے ہر عقل مند سمجھ سکتا ہے کہ اس کے پیچھے بغض کا ایک سمندر موجزن تھا۔ جس شخص کا اپنا باپ، جب اس نے بیعت لی تھی اس عمر سے زیادہ تھا جس عمر کو میں

بیالیس سال کی خدمت کے بعد پہنچا ہوں، وہ اگر کہتا ہے کہ خلیفہ بڑھا ہو گیا ہے اسے اب معزول کر دینا چاہئے تو یہ شدید بُغض کی وجہ سے ہی ہوسکتا ہے ورنہ اس کے منہ سے یہ فقرہ نہ نکلتا۔ شدید بُغض انسان کی عقل پر پردہ ڈال دیتا ہے۔ اگر اس میں ذرا بھی عقل ہوتی تو وہ سمجھ سکتا تھا کہ میں یہ فقرہ منہ سے نکال کر اپنے باپ کو گالی دے رہا ہوں۔ جیسے انسان بعض اوقات غصہ میں آ کر یا پاگل پن کی وجہ سے اپنے بیٹے کو حرامزادہ کہہ دیتا ہے اور وہ یہ نہیں سمجھتا کہ وہ یہ لفظ کہہ کر اپنی بیوی کو اور اپنے آپ کو گالی دے رہا ہے اسی طرح اس نوجوان کی عقل ماری گئی اور اس نے وہ بات کہی جس کی وجہ سے اس کے باپ پر حملہ ہوتا تھا۔ دنیا میں کوئی شخص جان بوجھ کر اپنے باپ کو گالی نہیں دیتا۔ ہاں بُغض اور غصہ کی وجہ سے ایسا کر لیتا ہے اور یہ خیال نہیں کرتا کہ وہ اپنے باپ کو گالی دے رہا ہے۔ اس نوجوان کی مجھ سے کوئی لڑائی نہیں تھی اور نہ ہی میں اس کے سامنے موجود تھا کہ وہ غصہ میں آ کر یہ بات کہہ دیتا۔ ہاں اس کے دل میں بغض اتنا بڑھ گیا تھا کہ اس کی وجہ سے اس نے وہ بات کہی جس کی وجہ سے اس کے باپ پر بھی حملہ ہوتا تھا۔ قرآن بھی یہی کہتا ہے کہ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ کہ ان کے منہ سے بغض کی بعض باتیں نکلی ہیں ان سے تم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ جو کچھ ان کے سینوں میں ہے وہ اس سے بہت بڑا ہے کیونکہ ہر انسان کوشش کرتا ہے کہ اس کے دل کے بغض کا علم کسی اور کو نہ ہو اس لئے جو کچھ اس کے دل میں ہے وہ اس سے بہت بڑا ہے جو ظاہر ہو چکا ہے۔

غرض خدا تعالیٰ نے اس آیت میں جماعتی نظام کی مضبوطی کے لئے ایک اہم نصیحت بیان فرمائی ہے۔ تمہیں یہ نصیحت ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے اور اس کے مطابق اپنے طریق کو بدلنا چاہیے ورنہ احمدیت آئندہ تمہارے ہاتھوں میں محفوظ نہیں ہوسکتی۔ تم ایک بہادر سپاہی کی طرح بنو۔ ایسا سپاہی جو اپنی جان، اپنا مال، اپنی عزت اور اپنے خون کا ہر قطرہ احمدیت اور خلافت کی خاطر قربان کر دے اور کبھی بھی خلافت احمدیہ ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں نہ جانے دے جو پیغامیوں یا احراریوں وغیرہ کے زیر اثر ہوں۔ جس طرح خدا تعالیٰ نے بائبل میں کہا تھا کہ سانپ کا سر ہمیشہ کچلا جائے گا اس طرح تمہیں بھی اپنی ساری عمر فتنہ و فساد کے سانپ

کے سرپرایڑی رکھنی ہوگی اور دنیا کے کسی گوشہ میں بھی اسے پنپنے کی اجازت نہیں دینی ہوگی۔ اگرتم ایسا کرو گے تو قرآن کریم کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا اور خدا تعالیٰ سے زیادہ سچا اور کوئی نہیں۔

دیکھو اس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد جماعت کو کس قدر مدد دی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں جو آخری جلسہ سالانہ ہوا اس میں چھ سات سَو آدمی آئے تھے اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے عہدِ خلافت کے آخری جلسہ سالانہ پر گیارہ بارہ سَو احمدی آئے تھے لیکن اب ہمارے معمولی جلسوں پر بھی دو اڑھائی ہزار احمدی آجاتے ہیں اور جلسہ سالانہ پر تو ساٹھ ستر ہزار لوگ آتے ہیں اس سے تم اندازہ کرلو کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کتنی طاقت دی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں لنگر خانہ پر پندرہ سَو روپیہ ماہوار خرچ آجاتا تو آپ کو فکر پڑ جاتی اور فرماتے لنگر خانہ کا خرچ اِس قدر بڑھ گیا ہے، اب اتنا روپیہ کہاں سے آئے گا۔ گویا جس شخص نے جماعت کی بنیاد رکھی تھی وہ کسی زمانہ میں پندرہ سَو ماہوار کے اخراجات پر گھبراتا تھا لیکن اب تمہارا صدر انجمن احمدیہ کا بجٹ بارہ تیرہ لاکھ کا ہوتا ہے اور صرف ضیافت پر پینتیس چھتیس ہزار روپیہ سالانہ خرچ ہو جاتا ہے۔ پندرہ سَو روپیہ ماہوار خرچ کے معنی یہ ہیں کہ سال میں صرف اٹھارہ ہزار روپیہ خرچ ہوتا تھا لیکن اب صرف جامعۃ المبشرین اور طلباء کے وظائف وغیرہ کے سالانہ اخراجات چھیاسٹھ ہزار روپے ہوتے ہیں گویا ساڑھے پانچ ہزار روپیہ ماہوار۔ ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابلہ میں حیثیت ہی کیا رکھتے ہیں۔ وہ مامور مِنَ اللہ تھے اور اس لئے آئے تھے کہ دنیا کو ہدایت کی طرف لائیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت دنیا کے کونہ کونہ میں قائم کریں اور مسلمانوں کی غفلتوں اور سستیوں کو دور کر کے انہیں اسلامی رنگ میں رنگین کریں لیکن ان کی زندگی میں جماعتی اخراجات پندرہ سَو روپیہ پر پہنچتے ہیں تو گھبرا جاتے ہیں اور خیال فرماتے ہیں کہ یہ اخراجات کہاں سے مہیا ہوں گے لیکن اِس وقت ہم جو آپ کی جوتیاں جھاڑنے میں بھی فخر محسوس کرتے ہیں صرف ایک درس گاہ یعنی جامعۃ المبشرین پر ساڑھے پانچ ہزار روپیہ ماہوار خرچ

کررہے ہیں۔ اسی طرح مرکزی دفاتر اور بیرونی مشنوں کو ملا لیا جائے تو ماہوار خرچ ستر اسّی ہزار روپیہ بن جاتا ہے گویا آپ کے زمانہ میں جو خرچ پانچ سات سال میں ہوتا تھا وہ ہم ایک سال میں کرتے ہیں اور پھر بڑی آسانی سے کرتے ہیں۔ اس طرح یہ خلافت کی ہی برکت ہے کہ تبلیغ اسلام کا وہ کام جو اِس وقت دنیا میں اور کوئی جماعت نہیں کر رہی صرف جماعت احمدیہ کر رہی ہے۔ مصر کا ایک اخبار الفتح ہے وہ ہماری جماعت کا سخت مخالف ہے مگر اس نے ایک دفعہ لکھا کہ جماعت احمدیہ کو بے شک ہم اسلام کا دشمن خیال کرتے ہیں لیکن اِس وقت وہ تبلیغ اسلام کا جو کام کر رہی ہے گزشتہ تیرہ سَو سال میں وہ کام بڑے بڑے اسلامی بادشاہوں کو بھی کرنے کی توفیق نہیں ملی ۔ جماعت کا یہ کارنامہ محض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل اور تمہارے ایمانوں کی وجہ سے ہے۔ آپ کی پیشگوئیاں تھیں اور تمہارا ایمان تھا۔ جب یہ دونوں مل گئے تو خدا تعالیٰ کی برکتیں نازل ہونی شروع ہوئیں اور جماعت نے وہ کام کیا جس کی توفیق مخالف ترین اخبار الفتح کے قول کے مطابق کسی بڑے سے بڑے اسلامی بادشاہ کو بھی آج تک نہیں مل سکی۔ اب تم روزانہ پڑھتے ہو کہ جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے روز بروز بڑھ رہی ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تم اور بھی ترقی کرو گے اور اُس وقت تمہارا چندہ بیس، پچیس لاکھ سالانہ نہیں ہوگا بلکہ کروڑ، دو کروڑ، دس کروڑ، بیس کروڑ، پچاس کروڑ، ارب، کھرب، پدم بلکہ اس سے بھی بڑھ جائے گا اور پھر تم دنیا کے چپہ چپہ میں اپنے مبلغ رکھ سکو گے۔ انفرادی لحاظ سے تم اُس وقت بھی غریب ہو گے لیکن اپنے فرض کے ادا کرنے کی وجہ سے، ایک قوم ہونے کے لحاظ سے تم امریکہ سے بھی زیادہ مالدار ہو گے۔ دنیا میں ہر جگہ تمہارے مبلّغ ہوں گے اور جتنے تمہارے مبلّغ ہوں گے، اتنے افسر دنیا کی کسی بڑی سے بڑی قوم کے بھی نہیں ہوں گے۔ امریکہ کی فوج کے بھی اتنے افسر نہیں ہوں گے جتنے تمہارے مبلّغ ہونگے اور یہ محض تمہارے ایمان اور اخلاص کی وجہ سے ہوگا۔ اگر تم اپنے ایمان کو قائم رکھو گے تو تم اُس دن کو دیکھ لو گے۔ تمہارے باپ دادوں نے وہ دن دیکھا جب ۱۹۱۴ء میں پیغامیوں نے ہماری مخالفت کی جب میں خلیفہ ہوا تو خزانہ میں صرف سترہ روپے تھے۔ انہوں نے خیال کیا کہ اب قادیان تباہ ہو جائے گا لیکن اس کے بعد اللہ تعالیٰ

نے ایسی برکت دی کہ اب ہم اپنے کسی طالب علم کو ستر ہ روپے ماہوار وظیفہ بھی دیتے ہیں تو یہ وظیفہ کم ہونے کی شکایت کرتا ہے۔

پیغامیوں کے خلاف پہلا اشتہار شائع کرنے کے لئے میرے پاس روپیہ نہیں تھا۔ میر ناصر نواب صاحب جو ہمارے نانا تھے، اُنہیں پتہ لگا وہ دارالضعفاء کے لئے چندہ جمع کیا کرتے تھے۔ان کے پاس اُس چندہ کا کچھ روپیہ تھا وہ دواڑھائی سَو روپیہ میرے پاس لے آئے اور کہنے لگے اِس سے اشتہار چھاپ لیں پھر خدا دے گا تو یہ رقم واپس کر دیں۔ پھر خدا تعالیٰ نے فضل کیا اور آمد آنی شروع ہوئی اور اب یہ حالت ہے کہ پچھلے بیس سال کی تحریک جدید میں تین لاکھ ستر ہزار روپیہ چندہ میں نے دیا ہے۔ کجا یہ کہ ایک اشتہار شائع کرنے کے لئے میرے پاس دواڑھائی سَو روپیہ بھی نہیں تھا اور کجا یہ کہ خدا تعالیٰ نے میری اس قسم کی امداد کی اور زمیندارہ میں اِس قدر برکت دی کہ میں نے لاکھوں روپیہ بطور چندہ جماعت کو دیا۔

پھر مجھے یاد ہے کہ جب ہم نے پہلا پارہ شائع کرنا چاہا تو میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ہمارے خاندان کے افراد اپنے روپیہ سے اسے شائع کر دیں لیکن روپیہ پاس نہیں تھا۔ اُس وقت تک ہماری زمینداری کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ میں نے اپنے مختار کو بُلایا اور کہا ہم قرآن کریم چھپوانا چاہتے ہیں لیکن روپیہ پاس نہیں۔ وہ کہنے لگا آپ کو کس قدر روپے کی ضرورت ہے؟ میں نے کہا کہتے ہیں کہ پہلی جلد تین ہزار روپے میں چھپے گی۔اس نے کہا میں روپیہ لا دیتا ہوں۔آپ صرف اس قدر اجازت دے دیں کہ میں کچھ زمین مکانوں کے لئے فروخت کر دوں۔ میں نے کہا اجازت ہے۔ظہر کی نماز کے بعد میں نے اُس سے بات کی اور عصر کی اذان ہوئی تو اُس نے ایک پوٹلی میرے سامنے لا کر رکھ دی اور کہا یہ لیں روپیہ۔ میں نے کہا ہیں! قادیان والوں کے ہاں اتنا روپیہ ہے؟ وہ کہنے لگا اگر آپ تیس ہزار روپیہ بھی چاہیں تو میں آپ کو لا دیتا ہوں۔لوگ مکانات بنانا چاہتے ہیں لیکن ان کے پاس زمین نہیں۔ اگر انہیں زمین دے دی جائے تو روپیہ حاصل کرنا مشکل نہیں۔ میں نے کہا خیر اِس وقت ہمیں اِسی قدر روپیہ کی ضرورت ہے چنانچہ اُس وقت ہم نے قرآن کریم کا پہلا پارہ

شائع کر دیا۔

پھر میں نے الفضل جاری کیا تو اُس وقت بھی میرے پاس روپیہ نہیں تھا۔ حکیم محمد عمر صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے میں آپ کو کچھ خریدار بنا کر لا دیتا ہوں اور تھوڑی دیر میں وہ ایک پوٹلی روپوں کی میرے پاس لے آئے۔ غرض ہم نے پیسوں سے کام شروع کیا اور آج ہمارا لاکھوں کا بجٹ ہے اور ہماری انجمن کی جائیداد کروڑوں کی ہے اور جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ میں خود گزشتہ بیس سال کی تحریک جدید میں تین لاکھ ستر ہزار روپیہ چندہ دے چکا ہوں۔ اسی طرح ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ میں نے صدر انجمن احمدیہ کو دیا ہے اور اتنی ہی جائیداد اسے دی ہے گویا تین لاکھ صدر انجمن احمدیہ کو دیا ہے اور تین لاکھ ستر ہزار روپیہ تحریک جدید کو دیا ہے اس لئے جب کوئی شخص اعتراض کرتا ہے کہ میں نے جماعت کا روپیہ کھا لیا ہے تو مجھے غصہ نہیں آتا کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ حسابی بات ہے۔ جب انجمن کے رجسٹر سامنے آ جائیں گے تو یہ شخص آپ ہی ذلیل ہو جائے گا۔

بہرحال اِس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے میں آپ سب کو اپنی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ ان کو یاد رکھو اور اپنی جگہوں پر واپس جا کر اپنے بھائیوں اور دوستوں کو بھی سمجھاؤ کہ زبانی طور پر وفاداری کا عہد کرنے کے کوئی معنی نہیں۔ اگر تم واقعی وفادار ہو تو تمہیں منافقوں کا مقابلہ کرنا چاہئے اور ان کے ساتھ کسی قسم کا تعلق نہیں رکھنا چاہئے کیونکہ اُنہوں نے لَا يَأْلُوْنَكُمْ خَبَالًا والی بات پوری کر دی ہے اور وہ جماعت میں فتنہ اور تفرقہ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ قرآن کریم کی ہدایت یہی ہے کہ ان سے مخفی طور پر اور الگ ہو کر بات نہ کی جائے اور اس پر تمہیں عمل کرنا چاہیے تا کہ تم شیطانی حملوں سے محفوظ ہو جاؤ ورنہ تم جانتے ہو کہ شیطان حضرت حوا کی معرفت جنت میں گھس گیا تھا اور جو شیطان حضرت حوا کی معرفت جنت میں گھس گیا تھا وہ جماعت احمدیہ میں کیوں نہیں گھس سکتا۔ ہاں اگر تم کو حضرت آدم والا قصہ یاد رہے تو تم اس سے بچ سکتے ہو۔ بائبل کھول کر پڑھو تمہیں معلوم ہو گا کہ شیطان نے دوست اور خیر خواہ بن کر ہی حضرت آدمؑ اور حوا کو ورغلایا تھا اسی طرح یہ لوگ بھی دوست اور ظاہر میں خیر خواہ بن کر تمہیں خراب کر سکتے ہیں لیکن اگر تم قرآنی ہدایت

پر عمل کرو تو محفوظ ہو جاؤ گے اور شیطان خواہ کسی بھیس میں بھی آئے تم اس کے قبضہ میں نہیں آؤ گے۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تم کو ہمیشہ خلافت کا خدمت گزار رکھے اور تمہارے ذریعہ احمدیہ خلافت قیامت تک محفوظ چلی جائے اور قیامت تک سلسلہ احمدیہ کے ذریعہ اسلام اور احمدیت کی اشاعت ہوتی رہے اور تم اور تمہاری نسلیں قیامت تک اس کا جھنڈا اونچا رکھیں اور کبھی بھی وہ وقت نہ آئے کہ اسلام اور احمدیت کی اشاعت میں تمہارا یا تمہاری نسلوں کا حصہ نہ ہو بلکہ ہمیشہ ہمیش کے لئے تمہارا اور تمہاری نسلوں کا اس میں حصہ ہو اور جس طرح پہلے زمانہ میں خلافت کے دشمن ناکام ہوتے چلے آئے ہیں تم بھی جلد ہی سالوں میں نہیں بلکہ مہینوں میں ان کو ناکام ہوتا دیکھ لو'۔

(اس کے بعد حضور نے عہد دُہرایا اور دعا کروائی۔ دعا سے فارغ ہونے کے بعد حضور نے ارشاد فرمایا کہ:۔)

''واپس جانے سے پہلے میں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اِس وقت موجودہ زمانہ کے حالات کے لحاظ سے میں نے جماعت کے فتنہ پردازوں کا ذکر کیا ہے لیکن اس موقع کے زیادہ مناسب حال آج کا خطبہ جمعہ تھا جس میں میں نے خدمت خلق پر زور دیا ہے۔ خدام الاحمدیہ نے پچھلے دنوں ایسا شاندار کام کیا تھا کہ بڑے بڑے مخالفوں نے یہ تسلیم کیا کہ ان کی یہ خدمت بے نظیر ہے۔ تم اِس خدمت کو جاری رکھو اور اپنی نیک شہرت کو مدھم نہ ہونے دو۔ جب بھی ملک اور قوم پر کوئی مصیبت آئے سب سے آگے خدمت کرنے والے خدام الاحمدیہ کو ہونا چاہیے یہاں تک کہ سلسلہ کے شدید سے شدید دشمن بھی یہ مان لیں کہ درحقیقت یہی لوگ ملک کے سچے خادم ہیں۔ یہی لوگ غریبوں کے ہمدرد ہیں۔ یہی لوگ مسکینوں اور بیواؤں کے کام آنے والے ہیں۔ یہی لوگ مصیبت زدوں کی مصیبت کو دور کرنے والے ہیں۔ تم اتنی خدمت کرو کہ شدید سے شدید دشمن بھی تمہارا گہرا دوست بن جائے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم ایسا سلوک کرو کہ تمہارا دشمن بھی دوست بن جائے۔ یہی خدام الاحمدیہ کو کرنا چاہیے۔ اگر تمہارے کاموں کی وجہ سے تمہارے علاقہ کے لوگ تمہارے بھی اور تمہارے

احمدی بھائیوں کے بھی دوست بن گئے ہیں، تمہارے کاموں کی قدر کرنے لگ گئے ہیں اور تم کو بھی اپنا سچا خادم سمجھتے ہیں اور اپنا مددگار سمجھتے ہیں تو تم سچے خادم ہو۔ اور اگر تم یہ روح پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے تو تمہیں ہمیشہ استغفار کرنا چاہئے کہ تمہارے کاموں میں کوئی کمی رہ گئی ہے جس کی وجہ سے تم لوگوں کے دلوں میں اثر پیدا نہیں کر سکے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور آپ کی مدد کرے''۔ (الفضل ۲۴ ؍اپریل ۱۹۵۷ء)

۱؎ اٰل عمران: ۱۱۹

۲؎ سنن ابن ماجه كتاب النكاح باب ضرب النساء صفحہ ۲۸۳ حدیث نمبر ۱۹۸۳ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الاولیٰ

خدا تعالیٰ نے ہر میدان میں جماعت احمدیہ کو خلافت کی برکات سے نوازا ہے

(خطاب فرمودہ ۲۱ اکتوبر ۱۹۵۶ء بر موقع سالانہ اجتماع خدام الاحمدیہ مرکزیہ بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

''اس دفعہ مختلف وجوہات کی بناء پر جماعت احمدیہ کی مختلف مرکزی انجمنوں نے قریب قریب عرصہ میں اپنے سالانہ اجتماع منعقد کئے ہیں جس کی وجہ سے مجھ پر زیادہ بوجھ پڑ گیا ہے۔ میں نے پہلے بھی کئی دفعہ بتایا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات سے تین چار سال پہلے جلسہ سالانہ پر میں آپ کی تقاریر سنتا رہا ہوں آپ کی وفات کے وقت میری عمر ۱۹ سال کی تھی۔ اور اس سے چار پانچ سال قبل میری عمر قریباً ۱۴ سال کی تھی اس لئے میں آپ کی مجالس میں جاتا اور تقاریر سنتا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقریر عام طور پر پچاس منٹ یا ایک گھنٹہ کی ہوتی تھی اور وفات سے پانچ سال پہلے آپ کی عمر قریباً اتنی ہی تھی جتنی اِس وقت میری ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی کسی مشیت کے ماتحت مجھ پر ایک خطرناک بیماری کا حملہ ہوا جس کی وجہ سے میں اب لمبی تقاریر نہیں کر سکتا۔ پہلے میں جلسہ سالانہ کے موقع پر پانچ پانچ چھ چھ گھنٹہ کی تقاریر کر لیتا تھا مگر اس بیماری کے اثر کی وجہ سے مجھے جلدی ضعف محسوس ہونے لگتا ہے۔ آج لجنہ اماء اللہ کا اجتماع بھی تھا وہاں بھی میں نے تقریر کی۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ کئی سال سے آپ کی عورتوں میں کوئی تقریر نہیں ہوئی اس لئے آپ اس موقع پر عورتوں میں بھی تقریر کریں۔ چنانچہ میں نے تقریر کرنی منظور کر لی اور صبح وہاں

میری تقریر تھی اِس وقت تمہاری باری آ گئی ہے۔ چار پانچ دن کے بعد انصار اللہ کی باری آ جائے گی پھر جلسہ سالانہ آ جائے گا اُس موقع پر بھی مجھے تقاریر کرنی ہونگی۔ پھر ان کاموں کے علاوہ تفسیر کا اہم کام بھی ہے جو میں کر رہا ہوں۔ اس کی وجہ سے نہ صرف مجھے کوفت محسوس ہو رہی ہے بلکہ طبیعت پر بڑا بوجھ محسوس ہو رہا ہے اس لئے اگرچہ میری خواہش تھی کہ اس موقع پر میں لمبی تقریر کروں مگر میں زیادہ لمبی تقریر نہیں کرسکتا۔ اب پیشتر اس کے کہ میں اپنی تقریر شروع کروں آپ سب کھڑے ہو جائیں تا کہ عہد دُہرایا جائے''۔

(حضور کے اِس ارشاد پر تمام خدام کھڑے ہو گئے اور حضور نے عہد دُہرایا۔ عہد دُہرانے کے بعد حضور نے فرمایا:۔)

''آج میں قرآن کریم کی ایک آیت کے متعلق کچھ زیادہ تفصیل سے بیان کرنا چاہتا تھا مگر اِس وقت میں محسوس کرتا ہوں کہ میں اس تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کرسکتا کیونکہ کل میں نے خطبہ جمعہ بھی پڑھا اور پھر آپ کے اجتماع میں بھی تقریر کی۔ اسی طرح آج صبح لجنہ اماء اللہ کے اجتماع میں مجھے تقریر کرنی پڑی جس کی وجہ سے مجھے اِس وقت کوفت محسوس ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ:۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۚ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ۚ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ [1]

یعنی ہم تم میں سے مومن اور ایمان بالخلافت رکھنے والوں اور اس کے مطابق عمل کرنے والوں سے وعدہ کرتے ہیں کہ ان کو ہم ضرور اس طرح خلیفہ بنائیں گے جس طرح کہ پہلی قوموں یعنی یہود اور نصارٰی میں سے بنائے ہیں۔ اس آیت سے پتہ لگتا ہے کہ خلافت ایک عہد ہے پیشگوئی نہیں۔ اور عہد مشروط ہوتا ہے لیکن پیشگوئی کے لئے ضروری نہیں کہ وہ مشروط ہو۔ پیشگوئی مشروط ہو تو وہ مشروط رہتی ہے اور اگر مشروط نہ ہو لیکن اس میں کسی انعام کا وعدہ ہو تو وہ ضرور پوری ہو جاتی ہے۔ یہاں وعدہ کا لفظ بھی موجود ہے اور اس کے ساتھ شرط بھی

مذکور ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن کریم نے خود اِس وعدہ کی تشریح کر دی ہے کہ ہمارا یہ وعدہ کہ ہم تم میں سے مومنوں اور اعمال صالحہ بجا لانے والوں کو اسی طرح خلیفہ بنائیں گے جیسے ہم نے ان سے پہلے یہود و نصاریٰ میں خلیفہ بنائے، ضروری نہیں کہ پورا ہو۔ ہاں اگر تم بعض باتوں پر عمل کرو گے تو ہمارا یہ وعدہ ضرور پورا ہوگا۔ پہلی شرط اس کی یہ بیان فرماتا ہے کہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ تمہیں خلافت پر ایمان رکھنا ہوگا۔ چونکہ آگے خلافت کا ذکر آتا ہے اس لئے یہاں ایمان کا تعلق اس سے سمجھا جائے گا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ پھر تمہیں نیک اعمال بجالانے ہوں گے۔ اب کسی چیز پر ایمان لانے کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ اسے پورا کرنے کی کوشش کی جائے مثلاً کسی شخص کو اس بات پر ایمان ہو کہ میں بادشاہ بننے والا ہوں یا اسے ایمان ہو کہ میں کسی بڑے عہدہ پر پہنچنے والا ہوں تو وہ اس کے لئے مناسب کوشش بھی کرتا ہے۔ اگر ایک طالب علم یہ سمجھے کہ وہ ایم۔ اے کا امتحان پاس کرے تو اس کیلئے موقع ہے کہ وہ سی۔ پی۔ ایس پاس کرے۔ یا پراونشل سروس میں ای۔ اے۔ سی بن جائے یا اسسٹنٹ کمشنر بن جائے تو پھر وہ اس کے مطابق محنت بھی کرتا ہے۔ لیکن اگر اسے یہ یقین ہوتا ہے کہ وہ ان عُہدوں کے حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا تو وہ ان کے لئے کوشش اور محنت بھی نہیں کرتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ لوگ جن کو اس بات پر یقین ہو کہ وہ خلافت کے ذریعہ ہی ترقی کر سکتے ہیں اور پھر وہ اس کی شان کے مطابق کام بھی کریں تو ہمارا وعدہ ہے کہ ہم انہیں خلیفہ بنائیں گے لیکن اگر انہیں یقین نہ ہو کہ ان کی ترقی خلافت کے ساتھ وابستہ ہے اور وہ اس کے مطابق عمل بھی نہ کرتے ہوں تو ہمارا ان سے کوئی وعدہ نہیں۔ چنانچہ دیکھ لو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت ہوئی اور پھر کیسی شاندار ہوئی۔ آپؐ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے۔ اُس وقت انصار نے چاہا کہ ایک خلیفہ ہم میں سے ہو اور ایک خلیفہ مہاجرین میں سے ہو۔ یہ سنتے ہی حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور بعض اور صحابہؓ فوراً اس جگہ تشریف لے گئے جہاں انصار جمع تھے اور آپ نے انہیں بتایا کہ دیکھو دو خلیفوں والی بات غلط ہے تفرقہ سے اسلام ترقی نہیں کرے گا خلیفہ بہرحال ایک ہی ہوگا اگر تم تفرقہ کرو گے تو تمہارا شیرازہ بکھر جائے گا۔ تمہاری

عزتیں ختم ہو جائیں گی اور عرب تمہاری تکّا بوٹی کر ڈالیں گے تم یہ بات نہ کرو۔ بعض انصار نے آپ کے مقابل پر دلائل پیش کرنے شروع کئے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں میں نے خیال کیا کہ حضرت ابوبکرؓ کو تو بولنا نہیں آتا میں انصار کے سامنے تقریر کروں گا لیکن جب حضرت ابوبکرؓ نے تقریر کی تو آپ نے وہ سارے دلائل بیان کر دیئے جو میرے ذہن میں تھے اور پھر اس سے بھی زیادہ دلائل بیان کئے۔ میں نے یہ دیکھ کر اپنے دل میں کہا کہ آج یہ بڈھا مجھ سے بڑھ گیا ہے آخر اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل ہوا کہ خود انصار میں سے بعض لوگ کھڑے ہو گئے اور اُنہوں نے کہا حضرت ابوبکرؓ جو کچھ فرما رہے ہیں وہ ٹھیک ہے مکہ والوں کے سوا عرب کسی اور کی اطاعت نہیں کریں گے۔ پھر ایک انصاری نے جذباتی طور پر کہا۔ اے میری قوم! اللہ تعالیٰ نے اِس مُلک میں اپنا ایک رسول مبعوث فرمایا۔ اس کے اپنے رشتہ داروں نے اُسے شہر سے نکال دیا تو ہم نے اسے اپنے گھروں میں جگہ دی اور خدا تعالیٰ نے اس کے طفیل ہمیں عزت دی۔ ہم مدینہ والے گمنام تھے، ذلیل تھے مگر اس رسول کی وجہ سے ہم معزز اور مشہور ہو گئے اب تم اس چیز کو جس نے ہمیں معزز بنایا کافی سمجھو اور زیادہ لالچ نہ کرو ایسا نہ ہو کہ ہمیں اس کی وجہ سے کوئی نقصان پہنچے۔ اُس وقت حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ دیکھو خلافت کو قائم کرنا ضروری ہے باقی تم جس کو چاہو خلیفہ بنا لو مجھے خلیفہ بننے کی کوئی خواہش نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ یہ ابوعبیدہؓ ہیں ان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امین الامت کا خطاب عطا فرمایا ہے تم ان کی بیعت کر لو۔ پھر عمرؓ ہیں یہ اسلام کے لئے ایک ننگی تلوار ہیں تم ان کی بیعت کر لو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ابوبکر! اب باتیں ختم کیجئے ہاتھ بڑھایئے اور ہماری بیعت لیجئے۔ حضرت ابوبکرؓ کے دل میں بھی اللہ تعالیٰ نے جرأت پیدا کر دی اور آپ نے بیعت لے لی۔ بعینہٖ یہی واقعہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی وفات کے بعد میرے ساتھ پیش آیا۔ جب میں نے کہا میں اِس قابل نہیں کہ خلیفہ بنوں نہ میری تعلیم ایسی ہے اور نہ تجربہ۔ تو اُس وقت بارہ چودہ سَو احمدی جو جمع تھے اُنہوں نے شور مچا دیا کہ ہم آپ کے سوا اور کسی کی بیعت کرنا نہیں چاہتے مجھے اُس وقت بیعت کے الفاظ بھی یاد نہیں تھے۔ میں نے کہا مجھے تو بیعت کے الفاظ بھی یاد نہیں میں بیعت کیسے لوں۔ اِس پر ایک دوست کھڑے ہو گئے اور

انہوں نے کہا کہ مجھے بیعت کے الفاظ یاد ہیں میں بیعت کے الفاظ بولتا جاتا ہوں اور آپ دُہراتے جائیں چنانچہ وہ دوست بیعت کے الفاظ بولتے گئے اور میں انہیں دُہراتا گیا اور اس طرح میں نے بیعت لی۔ گویا پہلے دن کی بیعت دراصل کسی اور کی تھی میں تو صرف بیعت کے الفاظ دُہراتا جاتا تھا۔ بعد میں میں نے بیعت کے الفاظ یاد کئے۔ غرض اُس وقت وہی حال ہوا جو اُس وقت ہوا تھا جب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ منتخب ہوئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ لوگ بیعت کرنے کے لئے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ مولوی محمد علی صاحب ایک طرف بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے کہا دوستو غور کرلو اور میری ایک بات سن لو۔ مجھے معلوم نہ ہوا کہ لوگوں نے انہیں کیا جواب دیا کیونکہ اُس وقت بہت شور تھا بعد میں پتہ لگا کہ لوگوں نے انہیں کہا ہم آپ کی بات نہیں سنتے۔ چنانچہ وہ مجلس سے اُٹھ کر باہر چلے گئے اس کے بعد لوگ ہجوم کر کے بیعت کے لئے بڑھے اور ایک گھنٹہ کے اندر اندر جماعت کا شیرازہ قائم ہوگیا۔ اُس وقت جس طرح میرے ذہن میں خلافت کا کوئی خیال نہیں تھا اِسی طرح یہ بھی خیال نہیں تھا کہ خلافت کے ساتھ ساتھ کونسی مشکلات مجھ پر ٹوٹ پڑیں گی۔ بعد میں پتہ لگا کہ پانچ چھ سَو روپے ماہوار تو سکول کے اساتذہ کی تنخواہ ہے اور پھر کئی سَو کا قرضہ ہے لیکن خزانہ میں صرف ۱۷ روپے ہیں گویا اُس مجلس سے نکلنے کے بعد محسوس ہوا کہ ایک بڑی مشکل ہمارے سامنے ہے۔ جماعت کے سارے مالدار تو دوسری پارٹی کے ساتھ چلے گئے ہیں اور جماعت کی کوئی آمدنی نہیں پھر یہ کام کیسے چلیں گے۔ لیکن بعد میں خدا تعالیٰ کے فضلوں کی جو بارش ہوئی تو بگڑی سنور گئی۔ ۱۹۱۴ء میں تو میرا یہ خیال تھا کہ خزانہ میں صرف ۱۷ روپے ہیں اور اساتذہ کی تنخواہوں کے علاوہ کئی سَو روپیہ کا قرضہ ہے جو دینا ہے لیکن ۱۹۲۰ء میں جماعت کی یہ حالت تھی کہ جب میں نے اعلان کیا کہ ہم برلن میں مسجد بنائیں گے اس کے لئے ایک لاکھ روپیہ کی ضرورت ہے تو جماعتوں کی عورتوں نے ایک ماہ کے اندر اندر یہ روپیہ اکٹھا کر دیا۔ انہوں نے اپنے زیور اُتار کر دے دیئے کہ انہیں بیچ کر روپیہ اکٹھا کرلیا جائے۔ آج میں نے عورتوں کے اجتماع میں اِس واقعہ کا ذکر کیا تو میری ایک بیوی نے بتایا کہ مجھے تو اُس وقت پورا ہوش نہیں تھا میں ابھی بچی تھی اور مجھے سلسلہ کی ضرورتوں کا

احساس نہیں تھا لیکن میری اماں کہا کرتی ہیں کہ جب حضور نے چندہ کی تحریک کی تو میری ساس نے (جو سید ولی اللہ شاہ صاحب کی والدہ تھیں اور میری بھی ساس تھیں) اپنی تمام بیٹیوں اور بہوؤں کو اکٹھا کیا اور کہا تم سب اپنے زیور اس جگہ رکھ دو۔ پھر انہوں نے ان زیورات کو بیچ کر مسجد برلن کے لئے چندہ دے دیا۔ اِس قسم کا جماعت میں ایک ہی واقعہ نہیں بلکہ سینکڑوں گھروں میں ایسا ہوا کہ عورتوں نے اپنی بیٹیوں اور بہوؤں کے زیورات اُتروالئے اور انہیں فروخت کر کے مسجد برلن کے لئے دے دیا۔ غرض ایک ماہ کے اندر اندر ایک لاکھ روپیہ جمع ہوگیا۔ اب دو سال ہوئے میں نے ہالینڈ میں مسجد بنانے کی تحریک کی لیکن اب تک اس فنڈ میں صرف ۸۰ ہزار روپے جمع ہوئے ہیں حالانکہ اِس وقت جماعت کی عورتوں کی تعداد اُس وقت کی عورتوں سے بیسیوں گنا زیادہ ہے۔ اُس وقت عورتوں میں اتنا جوش تھا کہ انہوں نے ایک ماہ کے اندر اندر ایک لاکھ روپیہ جمع کر دیا۔ تو درحقیقت یہ جماعت کا ایمان ہی تھا جس کا اللہ تعالیٰ نے نمونہ دکھایا اور اس نے بتایا کہ میں سلسلہ کو مدد دینے والا ہوں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے ایک دفعہ الہاماً فرمایا تھا کہ اگر ساری دنیا بھی تجھ سے منہ موڑ لے تو میں آسمان سے اُتار سکتا ہوں اور زمین سے نکال سکتا ہوں۔ تو حقیقت یہ ہے کہ ہم نے خلافت حقہ کی برکات اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کی ہیں۔ ہم ایک پیسہ کے بھی مالک نہیں تھے پھر اللہ تعالیٰ نے جماعت دی۔ جس نے چندے دیئے اور سلسلہ کے کام اب تک چلتے گئے اور چل رہے ہیں اور اب تو جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے پہلے سے کئی گنا زیادہ ہے۔

مجھے یاد ہے ایک دفعہ میں نے دینی ضرورتوں کے لئے خدا تعالیٰ سے کہا کہ اے اللہ! تو مجھے ایک لاکھ روپیہ دے دے تو سلسلہ کے کاموں کو چلاؤں لیکن اب کل ہی میں حساب کر رہا تھا کہ میں نے خود چھ لاکھ ستّر ہزار روپیہ سلسلہ کو بطور چندہ دیا ہے میں خیال کرتا ہوں کہ میں کتنا بیوقوف تھا کہ خدا تعالیٰ سے سلسلہ کی ضرورتوں کے لئے صرف ایک لاکھ روپیہ مانگا۔ مجھے تو اس سے ایک ارب روپیہ مانگنا چاہیے تھا۔ مانگنے والا خدا تعالیٰ کا خلیفہ ہو اور جس سے

مانگا جائے وہ خود خدا کی ذات ہو تو پھر ایک لاکھ روپیہ مانگنے کے کیا معنی ہیں۔ مجھے تو یہ دعا کرنی چاہیے تھی کہ اے خدا! تو مجھے ایک ارب روپیہ دے، ایک کھرب روپیہ دے یا ایک پدم روپیہ دے۔ میں نے بتایا ہے کہ اگرچہ میں نے خدا تعالیٰ سے صرف ایک لاکھ روپیہ مانگا تھا لیکن خدا تعالیٰ نے اتنا فضل کیا کہ صرف میں نے پچھلے سالوں میں چھ لاکھ ستر ہزار روپیہ سلسلہ کو چندہ کے طور پر دیا ہے۔ بے شک وہ روپیہ سارا نقدی کی صورت میں نہ تھا۔ کچھ زمین تھی جو میں نے سلسلہ کو دی مگر وہ زمین بھی خدا تعالیٰ نے ہی دی تھی۔ میرے پاس تو زمین نہیں تھی۔ ہم تو اپنی ساری زمین قادیان چھوڑ آئے تھے۔ اپنے باغات اور مکانات بھی قادیان چھوڑ آئے تھے۔ قادیان میں میری جائداد کافی تھی مگر اس کے باوجود میں نے سلسلہ کو اتنا روپیہ نہیں دیا تھا جتنا قادیان سے نکلنے کے بعد دیا۔

۱۹۴۷ء میں ہم قادیان سے آئے ہیں اور تحریک جدید ۱۹۳۴ء میں شروع ہوئی تھی۔ گویا اُس وقت تحریک جدید کو جاری ہوئے بارہ سال کا عرصہ گزر چکا تھا اور اس بارہ سال کے عرصہ میں میرا تحریک جدید کا چندہ قریباً چھ ہزار روپیہ تھا لیکن بعد کے دس سال ملا کر میرا چندہ تحریک جدید دو لاکھ بیس ہزار روپیہ بن جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ڈیڑھ لاکھ روپیہ کی زمین میں نے تحریک جدید کو دی ہے یہ زمین مجھے چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے بطور نذرانہ دی تھی۔ میں نے خیال کیا کہ اتنا بڑا نذرانہ اپنے پاس رکھنا درست نہیں چنانچہ میں نے وہ ساری زمین سلسلہ کو دے دی۔ اس طرح تین لاکھ ستر ہزار روپیہ میں نے صرف تحریک جدید کو ادا کیا۔ اسی طرح خلافت جوبلی کے موقع پر چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی تحریک پر جب جماعت نے مجھے روپیہ پیش کیا تو میر محمد اسحٰق صاحب کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰة والسلام نے اپنی اولاد کے متعلق جو دعائیں کی ہیں ان میں یہ دعا بھی ہے کہ

دے اس کو عمر و دولت کر دُور ہر اندھیرا

پس اس روپیہ کے ذریعہ آپ کی یہ دعا پوری ہوگی۔ اس طرح یہ پیشگوئی بھی پوری ہوگی کہ:۔

’’وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا‘‘۔ اس پر میں نے کہا کہ میں یہ روپیہ تو لے لیتا ہوں لیکن اس شرط پر کہ میں یہ روپیہ سلسلہ کے کاموں پر ہی صرف کروں گا۔ چنانچہ میں نے وہ روپیہ تو لے لیا لیکن میں نے اسے اپنی ذات پر نہیں بلکہ سلسلہ کے کاموں پر خرچ کیا اور صدر انجمن احمدیہ کو دے دیا۔ اب میں نے ہیمبرگ کی مسجد کے لئے تحریک کی ہے کہ جماعت کے دوست اس کے لئے ڈیڑھ ڈیڑھ سَو روپیہ دیں لیکن اگر اللہ تعالیٰ ہمیں مال دے تو ہمارے سلسلہ میں تو یہ ہونا چاہیے کہ ہمارا ایک ایک آدمی ایک ایک مسجد بنا دے۔ خود مجھے خیال آتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ مجھے کشائش عطا فرمائے تو میں بھی اپنی طرف سے ایک مسجد بنا دوں اور کوئی تعجب نہیں کہ خدا تعالیٰ مجھے اپنی زندگی میں ہی اس بات کی توفیق دے دے اور میں کسی نہ کسی یورپین مُلک میں اپنی طرف سے ایک مسجد بنا دوں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے دینے پر منحصر ہے۔ انسان کی اپنی کوشش سے کچھ نہیں ہوسکتا۔ ہم لوگ زمیندار ہیں اور ہمارے مُلک میں زمیندارہ کی بہت ناقدری ہے یعنی یہاں لائلپور اور سرگودھا کے اضلاع کی زمینوں میں بڑی سے بڑی آمدن ایک سَو روپیہ فی ایکڑ ہے حالانکہ یورپین ممالک میں فی ایکڑ آمد اس سے کئی گنا زیادہ ہے۔ میں جب یورپ گیا تو میں نے وہاں زمینوں کی آمدنیں پوچھنی شروع کیں مجھے معلوم ہوا کہ اٹلی میں فی ایکڑ آمد چار سَو روپیہ ہے اور ہالینڈ میں فی ایکڑ آمد تین ہزار روپیہ ہے۔ پھر میں نے میاں محمد ممتاز صاحب دولتانہ کا بیان پڑھا وہ جاپان گئے تھے اور وہاں اُنہوں نے زمین کی آمدنوں کا جائزہ لیا تھا۔ انہوں نے بیان کیا تھا کہ جاپان میں فی ایکڑ آمد چھ ہزار روپے ہے۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ اگر میری ایک سَو ایکڑ زمین بھی ہو حالانکہ وہ اس سے بہت زیادہ ہے اور اس سے ہالینڈ والی آمد ہو تو تین لاکھ روپیہ سالانہ کی آمد ہو جاتی ہے اور اگر جاپان والی آمد ہو تو بڑی آسانی کے ساتھ ایک نہیں کئی مساجد میں اکیلا تعمیر کرا سکتا ہوں۔ میرا یہ طریق ہے کہ میں اپنی ذات پر زیادہ روپیہ خرچ نہیں کرتا اور نہ اپنے خاندان پر خرچ کرتا ہوں بلکہ جو کچھ میرے پاس آتا ہے اس میں سے کچھ رقم اپنے معمولی اخراجات کے لئے رکھنے کے بعد سلسلہ کے لئے دے دیتا ہوں۔ خرچ کرنے کو تو لوگ دس دس کروڑ روپیہ بھی کر لیتے ہیں لیکن مجھے جب بھی خدا تعالیٰ

نے دیا ہے میں نے وہ خدا تعالیٰ کے راستے میں ہی دے دیا ہے۔ بیشک میرے بیوی بچے مانگتے رہیں میں انہیں نہیں دیتا میں انہیں کہتا ہوں کہ تمہیں وہی گزارے دوں گا جن سے تمہارے معمولی اخراجات چل سکیں۔

زمانہ کے حالات کے مطابق میں بعض اوقات انہیں زیادہ بھی دے دیتا ہوں۔ مثلاً اگر وہ ثابت کر دیں کہ اِس وقت گھی مہنگا ہوگیا ہے، ایندھن کی قیمت چڑھ گئی ہے یا دھوبی وغیرہ کا خرچ بڑھ گیا ہے تو میں اس کے لحاظ سے زیادہ بھی دے دیتا ہوں لیکن اس طرح نہیں کہ ساری کی ساری آمدن ان کے حوالہ کر دوں کہ جہاں جی چاہیں خرچ کر لیں۔ غرض میں گھر کے معمولی گزارہ کے لئے اخراجات رکھنے کے بعد جو کچھ بچتا ہے وہ سلسلہ کو دے دیتا ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ فضل کرے اور کسی وقت وہ ہمارے مُلک والوں کو عقل اور سمجھ دے دے اور ہماری آمدنیں بڑھ جائیں تو سال میں ایک مسجد چھوڑ دو دو مساجد بھی ہم بنوا سکتے ہیں اور یہ سب خلافت ہی کی برکت ہے۔ میں جب نیا نیا خلیفہ ہوا تو مجھے الہام ہوا کہ ''مبارک ہو قادیان کی غریب جماعت۔ تم پر خلافت کی رحمتیں یا برکتیں نازل ہوتی ہیں''۔ اس دفعہ میں نے یہ الہام لکھ کر قادیان والوں کو بھجوا دیا اور ان کو توجہ دلائی کہ تم اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرو اور دعائیں کرو کہ خدا تعالیٰ وہ برکتیں تم پر ہمیشہ نازل کرتا رہے۔ اب خلافت کی برکات سے اس علاقہ والوں کو بھی حصہ ملنا شروع ہوگیا ہے۔ چنانچہ اس علاقہ میں کسی زمانہ میں صرف چند احمدی تھے مگر اب ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی ہے اور ہمیں امید ہے کہ اگر خدا تعالیٰ چاہے تو وہ ایک دو سال میں پندرہ بیس ہزار ہو جائیں گے۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے ایک دفعہ میں نے خدا تعالیٰ سے ایک لاکھ روپیہ مانگا تھا لیکن اب میں خدا تعالیٰ سے اربوں مانگا کرتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں نے اُس وقت ایک لاکھ روپیہ مانگ کر غلطی کی۔ اِس وقت یورپین اور دوسرے اہم ممالک کا شمار کیا جائے اور ان مقامات کا جائزہ لیا جائے جہاں مسجدوں کی ضرورت ہے تو ان کی تعداد ڈیڑھ سَو کے قریب بن جاتی ہے۔ اور اگر ان ڈیڑھ سَو مقامات پر ایک ایک مسجد بھی بنائی جائے اور ہر ایک مسجد پر ایک ایک لاکھ روپیہ خرچ کیا جائے تو ان پر ڈیڑھ کروڑ روپیہ خرچ ہو جائے گا اور پھر بھی صرف

مشہور ممالک میں ایک ایک مسجد بنے گی۔ پھر ایک ایک لاکھ روپیہ سے ہمارا کیا بنتا ہے۔ ہمارا صرف مبلّغوں کا سالانہ خرچ سوا لاکھ روپیہ کے قریب بنتا ہے اور اگر اس خرچ کو بھی شامل کیا جائے جو بیرونی جماعتیں کرتی ہیں تو یہ خرچ ڈیڑھ دو لاکھ روپیہ سالانہ بن جاتا ہے۔غرض میں نے اُس سے صرف ایک لاکھ روپیہ مانگا تھا مگر اُس نے مجھے اس سے بہت زیادہ دیا۔ اب ہماری صدر انجمن احمدیہ کا سالانہ بجٹ تیرہ لاکھ روپیہ کا ہے اور اگر تحریک جدید کا سالانہ بجٹ بھی ملا لیا جائے تو ہمارا سارا بجٹ ۲۲، ۲۳ لاکھ روپیہ سالانہ بن جاتا ہے پس اگر خدا تعالیٰ میری اس بیوقوفی کی دعا کو قبول کر لیتا تو ہمارا سارا کام ختم ہو جاتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے کہا ہم تیری اس دعا کو قبول نہیں کرتے جس میں تو نے ایک لاکھ روپیہ مانگا ہے ہم تجھے اس سے بہت زیادہ دیں گے تاکہ سلسلہ کے کام چل سکیں۔ اب اللہ تعالیٰ کے اس انعام کو دیکھ کر کہ میں نے ایک لاکھ مانگا تھا مگر اُس نے ۲۲ لاکھ سالانہ دیا میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں ایک کروڑ مانگتا تو ۲۲ کروڑ سالانہ ملتا۔ ایک ارب مانگتا تو ۲۲ ارب سالانہ ملتا۔ ایک کھرب مانگتا تو ۲۲ کھرب سالانہ ملتا اور اگر ایک پدم مانگتا تو ۲۲ پدم سالانہ ملتا اور اس طرح ہماری جماعت کی آمد امریکہ اور انگلینڈ دونوں کی مجموعی آمد سے بھی بڑھ جاتی۔

پس خلافت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بہت سی برکات وابستہ کی ہوئی ہیں تم ابھی بچے ہو تم اپنے باپ دادوں سے پوچھو کہ قادیان کی حیثیت جو شروع زمانہ خلافت میں تھی وہ کیا تھی اور پھر قادیان کو اللہ تعالیٰ نے کس قدر ترقی بخشی تھی۔ جب میں خلیفہ ہوا تو پیغامیوں نے اس خیال سے کہ جماعت کے لوگ خلافت کو کسی طرح چھوڑ نہیں سکتے یہ تجویز کی کہ کوئی اور خلیفہ بنا لیا جائے۔ اُن دنوں ضلع سیالکوٹ کے ایک دوست میر عابد علی صاحب تھے۔ وہ صوفی منش آدمی تھے لیکن بعد میں پاگل ہو گئے تھے ایک دفعہ انہیں خیال آیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو خدا تعالیٰ نے وعدے کئے تھے وہ میرے ساتھ بھی ہیں اور چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا کہ قادیان میں طاعون نہیں آئے گی اس لئے میں جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے برابر ہوں تو خدا تعالیٰ کا یہی وعدہ میرے ساتھ بھی ہے میرے گاؤں میں بھی طاعون نہیں آئے گی۔ چنانچہ جب طاعون کی وبا

پھوٹی تو انہوں نے اپنے اس خیال کے مطابق اپنے مریدوں سے جو تعداد میں پانچ سات سے زیادہ نہیں تھے کہا کہ وہ اپنے گھر چھوڑ کر ان کے پاس آ جائیں۔ چنانچہ وہ ان کے پاس آ گئے لیکن بعد میں انہیں خود طاعون ہوگئی۔ ان کے مریدوں نے کہا کہ چلو اب جنگل میں چلیں لیکن انہوں نے کہا جنگل میں جانے کی ضرورت نہیں طاعون مجھ پر اثر نہیں کرے گی آخر جب مریدوں نے دیکھا کہ وہ پاگل ہو گئے ہیں تو وہ انہیں ہسپتال میں لے گئے اور وہ اسی جگہ طاعون سے فوت ہو گئے۔ بہرحال جب بیعت خلافت ہوئی تو پیغامیوں نے سمجھا میر عابد علی صاحب چونکہ صوفی منش آدمی ہیں اور عبادت گزار ہیں اس لئے الوصیت کے مطابق چالیس آدمیوں کا ان کی بیعت میں آ جانا کوئی مشکل امر نہیں چنانچہ مولوی صدر دین صاحب اور بعض دوسرے لوگ رات کو ان کے پاس گئے اور کہا آپ اس بات کے لئے تیار ہو جائیں۔ چنانچہ وہ اِس بات پر آمادہ ہو گئے۔ اُس وقت مولوی محمد علی صاحب نے دیانتداری سے کام لیا وہ جب اس مجلس سے واپس آ گئے جس میں جماعت نے مجھے خلیفہ منتخب کیا تھا تو ان لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ نے بڑی بیوقوفی کی۔ آپ اگر مجلس میں اعلان کر دیتے کہ میری بیعت کر لو تو چونکہ مرزا محمود احمد صاحب یہ کہہ چکے تھے کہ میں خلیفہ بننا نہیں چاہتا لوگوں نے آپ کی بیعت کر لینی تھی اور ان کی وجہ سے دوسرے لوگ بھی آپ کی بیعت کر لیتے انہوں نے کہا میں یہ کام کیسے کر سکتا تھا میں تو پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ خلافت کی کوئی ضرورت نہیں۔ بہرحال جب ان لوگوں نے دیکھا کہ مولوی محمد علی صاحب خلیفہ بننے کے لئے تیار نہیں تو انہوں نے جیسا کہ میں نے بتایا ہے میر عابد علی صاحب کو بیعت لینے کے لئے آمادہ کیا اور اس کے بعد وہ ہری کین لے کر ساری رات قادیان میں دو ہزار احمدیوں کے ڈیروں پر پھرتے رہے لیکن انہیں چالیس آدمی بھی سید عابد علی شاہ صاحب کی بیعت کرنے والے نہ ملے۔ اُس وقت کے احمدیوں کا ایمان اس قدر پختہ تھا کہ غریب سے غریب احمدی بھی کروڑوں روپیہ پر تھوکنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ جماعت میں فتنہ اور تفرقہ پھیلے۔ جب انہیں میر عابد علی صاحب کی بیعت کے لئے چالیس آدمی بھی نہ ملے تو وہ مایوس ہو کر واپس چلے گئے۔

غرض اللہ تعالیٰ نے ہمیں خلافت حقہ کی وجہ سے کئی معجزات دکھائے ہیں۔ تم دیکھ لو ۱۹۳۴ء میں مجلس احرار نے جماعت پر کس طرح حملہ کیا تھا لیکن وہ اس حملہ میں کس طرح ناکام ہوئے۔ انہوں نے منہ کی کھائی۔ پھر ۱۹۴۷ء میں قادیان میں کیسا خطرناک وقت آیا لیکن ہم نہ صرف احمدیوں کو بحفاظت نکال لائے بلکہ انہیں لاریوں میں سوار کر کے پاکستان لے آئے۔ دوسرے لوگ جو پیدل آئے تھے ان میں سے اکثر مارے گئے لیکن قادیان کے رہنے والوں کا بال تک بیکا نہیں ہوا۔ اب بھی کچھ دن ہوئے مجھے ایک آدمی ملا اس نے مجھے بتایا کہ آپ نے ہمیں حکم دیا تھا کہ میری اجازت کے بغیر کوئی شخص قادیان سے نہ نکلے۔ چنانچہ ہم نے تو آپ کے حکم کی تعمیل کی اور وہاں ٹھہرے رہے لیکن میرے ایک رشتہ دار گھبرا کر ایک قافلہ کے ساتھ پیدل آ گئے اور راستہ میں ہی مارے گئے۔ ہم جو وہاں بیٹھے رہے لاریوں میں سوار ہو کر حفاظت سے پاکستان آ گئے۔ اُس وقت اکثر ایسا ہوا کہ پیدل قافلے پاکستان کی طرف آئے اور جب وہ بارڈر کراس کرنے لگے تو سکھوں نے انہیں آ لیا اور وہ مارے گئے۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ پیدل قافلہ قادیان سے نکلتے ہی سکھوں کے ہاتھوں مارا گیا اور اگر وہاں سے محفوظ نکل آیا تو بٹالہ آ کر یا فتح گڑھ چوڑیاں کے پاس مارا گیا لیکن وہ میری ہدایت کے مطابق قادیان میں بیٹھے رہے اور میری اجازت کا انتظار کرتے رہے۔ وہ سلامتی کے ساتھ لاریوں میں سوار ہو کر لاہور آئے۔ غرض ہر میدان میں خدا تعالیٰ نے جماعت کو خلافت کی برکات سے نوازا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ جماعت انہیں یاد رکھے۔ مگر بڑی مصیبت یہ ہے کہ لوگ انہیں یاد نہیں رکھتے۔

پچھلے مہینہ میں ہی میں نے ایک رؤیا دیکھا تھا کہ کوئی غیر مرئی وجود مجھے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو وقفہ وقفہ کے بعد جماعت میں فتنہ پیدا ہونے دیتا ہے تو اس سے اس کی غرض یہ ہے کہ وہ ظاہر کرے کہ جماعت کس طرح آپ کے پیچھے پیچھے چلتی ہے یا جب آپ کسی خاص طرف مڑیں تو کس سرعت کے ساتھ آپ کے ساتھ مُڑتی ہے یا جب آپ اپنی منزل مقصود کی طرف جائیں تو وہ کس طرح اسی منزلِ مقصود کو اختیار کر لیتی ہے۔

اب دیکھو یہ فتنہ بھی جماعت کے لئے ایک آزمائش تھی لیکن بعض لوگ یہ دیکھ کر ڈر گئے

کہ اس میں حصہ لینے والے حضرت خلیفہ اوّل کے لڑکے ہیں۔ انہوں نے اس بات پر غور نہ کیا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے نے بھی آپ کا انکار کیا تھا اور اس انکار کی وجہ سے وہ عذابِ الٰہی سے بچ نہیں سکا۔ پھر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی اولاد کے اس فتنہ میں ملوث ہونے کی وجہ سے ہمیں کس بات کا خوف ہے اگر وہ فتنہ میں ملوث ہیں تو خدا تعالیٰ ان کی کوئی پرواہ نہیں کرے گا۔ شروع شروع میں جب فتنہ اُٹھا تو چند دنوں تک بعض دوستوں کے گھبراہٹ کے خطوط آئے اور انہوں نے لکھا کہ ایک چھوٹی سی بات کو بڑا بنا دیا گیا ہے۔ اللہ رکھا کی بھلا حیثیت ہی کیا ہے لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد ساری جماعت اپنے ایمان اور اخلاص کی وجہ سے ان لوگوں سے نفرت کرنے لگ گئی اور مجھے خطوط آنے شروع ہوئے کہ آپ کے اور بھی بہت سے کارنامے ہیں مگر اس بڑھاپے کی عمر میں اور ضعف کی حالت میں جو یہ کارنامہ آپ نے سرانجام دیا ہے یہ اپنی شان میں دوسرے کارناموں سے بڑھ گیا ہے۔ آپ نے بڑی جرأت اور ہمت کے ساتھ ان لوگوں کو ننگا کر دیا ہے جو بڑے بڑے خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے اور سلسلہ کو نقصان پہنچانے کے درپے تھے۔ اس طرح آپ نے جماعت کو تباہی کے گڑھے میں گرنے سے بچا لیا ہے۔

مری میں مجھے ایک غیر احمدی کرنل ملے انہوں نے کہا کہ جو واقعات ۱۹۵۳ء میں احمدیوں پر گزرے تھے وہ اب پھر ان پر گزرنے والے ہیں اس لئے آپ ابھی سے تیاری کرلیں اور میں آپ کو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ ۱۹۵۳ء میں تو پولیس اور ملٹری نے آپ کی حفاظت کی تھی لیکن اب وہ آپ کی حفاظت نہیں کرے گی کیونکہ اُس وقت جو واقعات پیش آئے تھے ان کی وجہ سے وہ ڈر گئی ہے۔ جب وہ خاموش ہوئے تو میں نے کہا کرنل صاحب! پچھلی دفعہ میں نے کون سا تیر مارا تھا جو اب ماروں گا۔ پچھلی دفعہ بھی خدا تعالیٰ نے ہی جماعت کی حفاظت کے سامان کئے تھے اور اب بھی وہی اس کی حفاظت کرے گا جب میرا خدا زندہ ہے تو مجھے فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میری اس بات کا کرنل صاحب پر گہرا اثر ہوا چنانچہ جب میں ان کے پاس سے اُٹھا اور دہلیز سے باہر نکلنے لگا تو وہ کہنے لگے فیتھ از بلائنڈ (Faith is Blind) یعنی یقین اور ایمان اندھا ہوتا ہے وہ خطرات کی پرواہ نہیں کرتا جب

کسی شخص میں ایمان پایا جاتا ہو تو اسے آنے والے مصائب کا کوئی فکر نہیں ہوتا۔

جب منافقین کا فتنہ اُٹھا تو انہی کرنل صاحب نے ایک احمدی افسر کو جو ان کے قریب ہی رہتے تھے بُلایا اور کہا کہ میری طرف سے مرزا صاحب کو کہہ دینا کہ آپ نے یہ کیا کیا ہے؟ اللہ رکھا کی بھلا حیثیت ہی کیا تھی۔ اس مضمون سے اُسے بلاضرورت شہرت مل جائے گی۔ میں نے اس احمدی دوست کو لکھا کہ میری طرف سے کرنل صاحب کو کہہ دینا کہ آپ نے خود ہی تو کہا تھا کہ جماعت پر ۱۹۵۳ء والے واقعات دوبارہ آنے والے ہیں آپ ابھی سے تیاری کرلیں۔ اب جب کہ میں نے اس بارہ میں کارروائی کی ہے تو آپ نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ آپ خواہ مخواہ فتنہ کو ہوا دے رہے ہیں۔ جب میں دوبارہ مری گیا تو میں نے اس احمدی دوست سے پوچھا کہ کیا میرا خط آپ کو مل گیا تھا اور آپ نے کرنل صاحب کو میرا پیغام پہنچا دیا تھا انہوں نے کہا ہاں میں نے پیغام دے دیا تھا اور انہوں نے بتایا تھا کہ اب میری تسلی ہوگئی ہے شروع میں میں یہی سمجھتا تھا کہ یہ معمولی بات ہے لیکن اب جب کہ پیغامی اور غیر احمدی دونوں فتنہ پردازوں کے ساتھ مل گئے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ اس سے زیادہ عقلمندی اور کوئی نہیں تھی کہ آپ نے وقت پر اس فتنہ کو بھانپ لیا اور شرارت کو بے نقاب کر دیا۔

غرض خدا تعالیٰ ہر فتنہ اور مصیبت کے وقت جماعت کی خود حفاظت فرماتا ہے چنانچہ فتنہ تو اب کھڑا کیا گیا ہے لیکن خدا تعالیٰ نے ۱۹۵۰ء میں ہی کوئٹہ کے مقام پر مجھے بتا دیا تھا کہ بعض ایسے لوگوں کی طرف سے فتنہ اُٹھایا جانے والا ہے جن کی رشتہ داری میری بیویوں کی طرف سے ہے۔ چنانچہ دیکھ لو عبدالوہاب میری ایک بیوی کی طرف سے رشتہ دار ہے۔ میری اس سے جدی رشتہ داری نہیں۔

پھر میری ایک خواب جنوری ۱۹۳۵ء میں الفضل میں شائع ہو چکی ہے اس میں بتایا گیا تھا کہ میں کسی پہاڑ پر ہوں کہ خلافت کے خلاف جماعت میں ایک فتنہ پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ جب موجودہ فتنہ ظاہر ہوا اُس وقت میں مری میں ہی تھا۔ پھر اس خواب میں میں نے سیالکوٹ کے لوگوں کو دیکھا جو موقع کی نزاکت سمجھ کر جمع ہو گئے تھے اور ان کے ساتھ کچھ ان

لوگوں کو بھی دیکھا جو باغی تھے۔ یہ خواب بھی بڑے شاندار طور پر پوری ہوئی۔ چنانچہ اللہ رکھا سیالکوٹ کا ہی رہنے والا ہے جب میں نے اس کے متعلق الفضل میں مضمون لکھا تو خود اس کے حقیقی بھائیوں نے مجھے لکھا کہ پہلے تو ہمارا یہ خیال تھا کہ شاید اِس پر ظلم ہو رہا ہے لیکن اب ہمیں پتہ لگ گیا ہے کہ وہ پیغامی ہے۔ اس نے ہمیں جو خطوط لکھے ہیں وہ پیغامیوں کے پتہ سے لکھے ہیں پس ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم خلافت سے وفاداری کا عہد کرتے ہیں۔

اب دیکھ لو ۱۹۳۴ء میں مجھے اس فتنہ کا خیال کیسے آ سکتا تھا۔ پھر ۱۹۵۰ء والی خواب بھی مجھے یاد نہیں تھی۔ ۱۹۵۰ء میں میں جب سندھ سے کوئٹہ گیا تو اپنی ایک لڑکی کو جو بیمار تھی ساتھ لے گیا۔ اس نے اب مجھے یاد کرایا کہ ۱۹۵۰ء میں آپ نے ایک خواب دیکھی تھی جس میں یہ ذکر تھا کہ آپ کے رشتہ داروں میں سے کسی نے خلافت کے خلاف فتنہ اُٹھایا ہے میں نے مولوی محمد یعقوب صاحب کو وہ خواب تلاش کرنے پر مقرر کیا چنانچہ وہ الفضل سے خواب تلاش کر کے لے آئے۔ اب دیکھو خدا تعالیٰ نے کتنی دیر پہلے مجھے اس فتنہ سے آگاہ کر دیا تھا اور پھر کس طرح یہ خواب حیرت انگیز رنگ میں پورا ہوا۔

ہماری جماعت کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ منافقت کی جڑ کو کاٹنا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ اگر اس کی جڑ کو نہ کاٹا جائے تو وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جماعت سے جو وعدہ فرمایا ہے اس کے پورا ہونے میں شیطان کئی قسم کی رُکاوٹیں حائل کر سکتا ہے۔ دیکھو خدا تعالیٰ کا یہ کتنا شاندار وعدہ تھا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پورا ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت صرف اڑھائی سال کی تھی لیکن اس عرصہ میں خدا تعالیٰ نے جو تائید ونصرت کے نظارے دکھائے وہ کتنے ایمان افزا تھے۔ حضرت ابوبکرؓ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ادنیٰ غلام تھے لیکن انہوں نے اپنے زمانۂ خلافت میں رومی فوجوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ آخر اڑھائی سال کے عرصہ میں لاکھوں مسلمان تو نہیں ہو گئے تھے۔ اُس وقت قریباً قریباً وہی مسلمان تھے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دشمنوں کا مقابلہ کرتے رہے تھے لیکن خلافت کی برکات

کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں میں وہ شان اور اُمنگ اور جرأت پیدا کی کہ انہوں نے اپنے مقابل پر بعض اوقات دو دو ہزار گنا زیادہ تعداد کے لشکر کو بُری طرح شکست کھانے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا تو آپ نے ایک طرف رومی سلطنت کو شکست دی تو دوسری طرف ایران کی طاقت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر کے رکھ دیا۔ پھر حضرت عثمانؓ کی خلافت کا دَور آیا اِس دور میں اسلامی فوج نے آذربائیجان تک کا علاقہ فتح کر لیا اور پھر بعض مسلمان افغانستان اور ہندوستان آئے اور بعض افریقہ چلے گئے اور ان ممالک میں انہوں نے اسلام کی اشاعت کی، یہ سب خلافت کی ہی برکات تھیں۔ یہ برکات کیسے ختم ہوئیں؟ یہ اسی لئے ختم ہوئیں کہ حضرت عثمانؓ کے آخری زمانہ خلافت میں مسلمانوں کا ایمانِ بالخلافت کمزور ہو گیا اور اُنہوں نے خلافت کو قائم رکھنے کے لئے صحیح کوشش اور جدوجہد کو ترک کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کا وعدہ واپس لے لیا لیکن عیسائیوں میں دیکھ لو ۱۹۰۰ سال سے برابر خلافت چلی آ رہی ہے اور آئندہ بھی اِس کے ختم ہونے کے کوئی آثار نہیں پائے جاتے۔ آخر یہ تفاوت کیوں ہے اور کیوں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت ۳۰ سال کے عرصہ میں ختم ہو گئی؟ اس کی وجہ یہی تھی کہ مسلمانوں نے خلافت کی قدر نہ کی اور اس کی خاطر قربانی کرنے سے انہوں نے دریغ کیا۔ جب باغیوں نے حضرت عثمانؓ پر حملہ کیا تو آپ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا کہ اے لوگو! میں وہی کرتا ہوں جو مجھ سے پہلے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کیا کرتے تھے میں نے کوئی نئی بات نہیں کی۔ لیکن تم فتنہ پرداز لوگوں کو اپنے گھروں میں آنے دیتے ہو اور ان سے باتیں کرتے ہو اس سے یہ لوگ دلیر ہو گئے ہیں لیکن تمہاری اس غفلت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خلافت کی برکات ختم ہو جائیں گی اور مسلمانوں کا شیرازہ بکھر کر رہ جائے گا۔ اب دیکھ لو وہی ہوا جو حضرت عثمانؓ نے فرمایا تھا۔ حضرت عثمانؓ کا شہید ہونا تھا کہ مسلمان بکھر گئے اور آج تک وہ جمع نہیں ہوئے۔

ایک زمانہ وہ تھا کہ جب روم کے بادشاہ نے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ میں اختلاف دیکھا تو اُس نے چاہا کہ وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے ایک لشکر بھیجے۔ اُس

وقت رومی سلطنت کی ایسی ہی طاقت تھی جیسی اِس وقت امریکہ کی ہے۔ اُس کی لشکرکشی کا ارادہ دیکھ کر ایک پادری نے جو بڑا ہوشیار تھا کہا بادشاہ سلامت! آپ میری بات سن لیں اور لشکرکشی کرنے سے اجتناب کریں یہ لوگ اگرچہ آپس میں اختلاف رکھتے ہیں لیکن آپ کے مقابلہ میں متحد ہو جائیں گے اور باہمی اختلافات کو بھول جائیں گے۔ پھر اس نے کہا آپ دو کتے منگوائیں اور انہیں ایک عرصہ تک بھوکا رکھیں پھر ان کے آگے گوشت ڈال دیں۔ وہ آپس میں لڑنے لگ جائیں گے۔ اگر آپ انہی کتوں پر شیر چھوڑ دیں تو وہ دونوں اپنے اختلافات کو بھول کر شیر پر جھپٹ پڑیں گے۔ اِس مثال سے اس نے یہ بتایا کہ تو چاہتا ہے کہ اِس وقت حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے اختلاف سے فائدہ اُٹھالے لیکن میں یہ بتا دیتا ہوں کہ جب بھی کسی بیرونی دشمن سے لڑنے کا سوال پیدا ہوگا یہ دونوں اپنے باہمی اختلافات کو بھول جائیں گے اور دشمن کے مقابلہ میں متحد ہو جائیں گے اور ہوا بھی یہی۔ جب حضرت معاویہؓ کو روم کے بادشاہ کے ارادہ کا علم ہوا تو آپ نے اُسے پیغام بھیجا کہ تو چاہتا ہے کہ ہمارے اختلاف سے فائدہ اُٹھا کر مسلمانوں پر حملہ کرے لیکن میں تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ میری حضرت علیؓ کے ساتھ بے شک لڑائی ہے لیکن اگر تمہارا لشکر حملہ آور ہوا تو حضرت علیؓ کی طرف سے اس لشکر کا مقابلہ کرنے کے لئے جو سب سے پہلا جرنیل نکلے گا وہ میں ہونگا۔ اب دیکھو حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ سے اختلاف رکھتے تھے لیکن اس اختلاف کے باوجود انہوں نے رومی بادشاہ کو ایسا جواب دیا جو اس کی امیدوں پر پانی پھیرنے والا تھا لیکن حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی اولاد کا یہ حال ہے کہ انہیں اتنی بھی توفیق نہ ملی کہ پیغامیوں سے کہتے کہ تم تو ساری عمر ہمارے باپ کو گالیاں دیتے رہے ہو پھر ہمارا تم سے کیا تعلق ہے۔ انہیں وہ گالیاں بھول گئیں جو ان کے باپ کو دی گئی تھیں اور چپ کر کے بیٹھے رہے۔ انہوں نے ان کی تردید نہ کی اور تردید بھی انہوں نے اِس لئے نہ کی کہ اگر ہم نے ایسا کیا تو شاید پیغامی ہماری تائید نہ کریں حالانکہ اگر ان کے اندر ایمان ہوتا تو یہ لوگ کہتے ہمارا ان لوگوں سے کیا تعلق ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی وہ تقاریر موجود ہیں جن میں آپ نے بیان فرمایا ہے کہ یہ لوگ مجھے خلافت سے دستبردار کرنا چاہتے ہیں لیکن یہ کون ہیں مجھے

دستبردار کرنے والے مجھے خداتعالیٰ نے خلیفہ بنایا ہے اس لئے وہی خلافت کی حفاظت کرے گا۔ اگر یہ لوگ میری بات نہیں سنتے تو اپنے باپ کی بات تو سن لیتے۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے خداتعالیٰ نے خلیفہ بنایا ہے اب کسی شخص یا جماعت کی طاقت نہیں کہ وہ مجھے معزول کر سکے۔ اسی طرح میں بھی کہتا ہوں کہ مجھے خداتعالیٰ نے خلیفہ بنایا ہے پھر یہ لوگ مجھے معزول کیسے کر سکتے ہیں۔ خداتعالیٰ نے اپنے فضل سے ایک جماعت کو پکڑ کر میرے ہاتھ پر جمع کر دیا تھا اور اُس وقت جمع کر دیا تھا جب تمام بڑے بڑے احمدی میرے مخالف ہوگئے تھے اور کہتے تھے کہ اب خلافت ایک بچے کے ہاتھ میں آ گئی ہے اس لئے جماعت آج نہیں تو کل تباہ ہو جائے گی لیکن اس بچہ نے ۴۲ سال تک پیغامیوں کا مقابلہ کر کے جماعت کو جس مقام تک پہنچایا وہ تمہارے سامنے ہے۔ شروع میں ان لوگوں نے کہا تھا کہ ۹۸ فیصدی احمدی ہمارے ساتھ ہیں لیکن اب وہ دکھائیں کہ جماعت کا ۹۸ فیصدی جو اُن کے ساتھ تھا کہاں ہے۔ کیا وہ ۹۸ فیصدی احمدی ملتان میں ہیں، لاہور میں ہیں، پشاور میں ہیں، کراچی میں ہیں؟ آخر وہ کہاں ہیں؟ کہیں بھی دیکھ لیا جائے ان کے ساتھ جماعت کے دو فیصدی بھی نہیں نکلیں گے۔ مولوی نورالحق صاحب انور مبلّغ امریکہ کی الفضل میں چٹھی چھپی ہے کہ عبدالمنان نے ان سے ذکر کیا کہ پشاور سے بہت سے پیغامی انہیں لینے کے لئے آئے ہیں اور وہ ان کا بہت ادب اور احترام کرتے ہیں لیکن کچھ دن ہوئے امیر جماعت احمدیہ پشاور یہاں آئے میں نے انہیں کہا کہ میاں محمد صاحب کی کھلی چٹھی کا جواب چھپا ہے آپ وہ کیوں نہیں خریدتے تو انہوں نے کہا پشاور میں دو سے زیادہ پیغامی نہیں ہیں لیکن ان کے مقابل پر وہاں ہماری دو مساجد بن چکی ہیں اور خداتعالیٰ کے فضل سے جماعت وہاں کثرت سے پھیل رہی ہے پیغامیوں کا وہاں یہ حال ہے کہ شروع شروع میں وہاں احمدیت کے لیڈر پیغامی ہی تھے لیکن اب بقول امیر صاحب جماعت احمدیہ پشاور وہاں دو پیغامی ہیں۔

پس میری سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی اولاد کس لالچ میں آ گئی ہے۔ کیا صرف ایک مضمون کا پیغامِ صلح میں چھپ جانا ان کیلئے لالچ کا موجب ہوگیا؟ اگر یہی ہوا ہے تو یہ کتنی ذلیل بات ہے۔ اگر پاکستان کی حکومت یہ کہہ دیتی کہ ہم حضرت خلیفہ اوّل کی

اولاد کو مشرقی پاکستان کا صوبہ دے دیتے ہیں یا وہ کہتے کہ انہیں مغربی پاکستان دے دیتے ہیں تب تو ہم سمجھ لیتے کہ انہوں نے اس لالچ کی وجہ سے جماعت میں تفرقہ اور فساد پیدا کرنا منظور کر لیا ہے لیکن یہاں تو یہ لالچ بھی نہیں۔

حضرت خلیفہ اوّل ایک مولوی کا قصہ سنایا کرتے تھے کہ اس نے ایک شادی شدہ لڑکی کا نکاح کسی دوسرے مرد سے پڑھ دیا۔ لوگ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے پاس آئے اور کہنے لگے فلاں مولوی جو آپ سے ملنے آیا کرتا ہے اس نے فلاں شادی شدہ لڑکی کا نکاح فلاں مرد سے پڑھ دیا ہے۔ مجھے اس سے بڑی حیرت ہوئی اور میں نے کہا کہ اگر وہ مولوی صاحب مجھے ملنے آئے تو میں ان سے ضرور دریافت کروں گا کہ کیا بات ہے؟ چنانچہ جب وہ مولوی صاحب مجھے ملنے کے لئے آئے تو میں نے ان سے ذکر کیا کہ آپ کے متعلق میں نے فلاں بات سنی ہے میرا دل تو نہیں مانتا لیکن چونکہ یہ بات ایک معتبر شخص نے بیان کی ہے اس لئے میں اس کا ذکر آپ سے کر رہا ہوں کیا یہ بات درست ہے کہ آپ نے ایک شادی شدہ عورت کا ایک اور مرد سے نکاح کر دیا ہے؟ وہ کہنے لگا مولوی صاحب تحقیقات سے پہلے بات کرنی درست نہیں ہوتی۔ آپ پہلے مجھ سے پوچھ تو لیں کہ کیا بات ہوئی؟ میں نے کہا اسی لئے تو میں نے اس بات کا آپ سے ذکر کیا ہے۔ اس پر وہ کہنے گا بے شک یہ درست ہے کہ میں نے ایک شادی شدہ عورت کا دوسری جگہ نکاح پڑھ دیا ہے لیکن مولوی صاحب! جب اُنہوں نے میرے ہاتھ پر چڑیا جتنا روپیہ رکھ دیا تو پھر میں کیا کرتا۔ پس اگر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی اولاد کو حکومت پاکستان یہ لالچ دے دیتی کہ مشرقی پاکستان یا مغربی پاکستان تمہیں دے دیا جائے گا تو ہم سمجھ لیتے کہ یہ مثال ان پر صادق آجاتی ہے جس طرح اُس مولوی نے روپیہ دیکھ کر خلاف شریعت نکاح پر نکاح پڑھ دیا تھا انہوں نے بھی لالچ کی وجہ سے جماعت میں فتنہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے مگر یہاں تو چڑیا چھوڑ اِنہیں کسی نے مردہ مچھر بھی نہیں دیا۔ حالانکہ یہ اولاد اس عظیم الشان باپ کی ہے جو اِس قدر حوصلہ کا مالک تھا کہ ایک دفعہ جب آپ قادیان آئے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا مجھے آپ کے متعلق الہام ہوا ہے کہ اگر آپ اپنے وطن گئے تو اپنی عزت کھو بیٹھیں گے۔ اس پر آپ نے وطن واپس جانے کا

نام تک نہ لیا۔ اُس وقت آپ اپنے وطن بھیرہ میں ایک شاندار مکان بنا رہے تھے جب میں بھیرہ گیا تو میں نے بھی یہ مکان دیکھا تھا۔ اُس میں آپ ایک شاندار ہال بنوا رہے تھے تا کہ اس میں بیٹھ کر درس دیں اور مطب بھی کیا کریں۔ موجودہ زمانہ کے لحاظ سے تو وہ مکان زیادہ حیثیت کا نہ تھا لیکن جس زمانہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے یہ قربانی کی تھی اُس وقت جماعت کے پاس زیادہ مال نہیں تھا۔ اُس وقت اِس جیسا مکان بنانا بھی ہر شخص کا کام نہیں تھا لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے بعد آپ نے واپس جا کر اس مکان کو دیکھا تک نہیں۔ بعض دوستوں نے کہا بھی کہ آپ ایک دفعہ جا کر مکان تو دیکھ آئیں لیکن آپ نے فرمایا کہ میں نے اسے خدا تعالیٰ کے لئے چھوڑ دیا ہے اب اسے دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ایسے عظیم الشان باپ کی اولاد ایک مردہ مچھر سے بھی حقیر چیز پر آ گری۔

پھر دیکھو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل تو اس شان کے انسان تھے کہ وہ اپنا عظیم الشان مکان چھوڑ کر قادیان آ گئے لیکن آپ کے پوتے کہتے ہیں کہ قادیان میں ہمارے دادا کی بڑی جائداد تھی جو ساری کی ساری مرزا صاحب کی اولاد نے سنبھال لی ہے۔ حالانکہ جماعت کے لاکھوں آدمی قادیان میں جاتے رہے ہیں اور ہزاروں وہاں رہے ہیں اب بھی کئی لوگ قادیان گئے ہیں انہیں پتہ ہے کہ وہاں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کا صرف ایک کچا مکان تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی بڑی جائداد تھی مگر وہ جائداد مادی نہیں بلکہ روحانی تھی جو دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہے اور ہر احمدی کے دل میں آپ کا ادب واحترام پایا جاتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر آپ کی اولاد خلافت کے مقابلہ میں کھڑی ہوگی تو ہر مخلص احمدی انہیں نفرت سے پرے پھینک دے گا اور ان کی ذرّہ بھر بھی پرواہ نہیں کرے گا۔

آخر میں خدام کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ خلافت کی برکات کو یاد رکھیں۔ اور کسی چیز کو یاد رکھنے کے لئے پُرانی قوموں کا یہ دستور ہے کہ وہ سال میں اس کے لئے خاص طور پر ایک دن مناتی ہیں۔ مثلاً شیعوں کو دیکھ لو وہ سال میں ایک دفعہ تعزیہ نکالتے ہیں تا قوم کو

شہادت حسینؓ کا واقعہ یاد رہے۔ اسی طرح میں بھی خدام کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ سال میں ایک دن **خلافت ڈے** کے طور پر منایا کریں۔ اس میں وہ خلافت کے قیام پر خدا تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا کریں اور اپنی پُرانی تاریخ کو دُہرایا کریں۔ پُرانے اخبارات کا ملنا تو مشکل ہے لیکن الفضل نے پچھلے دنوں ساری تاریخ کو از سرنو بیان کر دیا ہے۔ اِس میں وہ گالیاں بھی آ گئی ہیں جو پیغامی لوگ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کو دیا کرتے تھے اور خلافت کی تائید میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے جو دعوے کئے ہیں وہ بھی نقل کر دیئے گئے ہیں تم اِس موقع پر اخبارات سے یہ حوالے پڑھ کر سناؤ۔ اگر سال میں ایک دفعہ **خلافت ڈے** منا لیا جایا کرے تو ہر سال چھوٹی عمر کے بچوں کو پُرانے واقعات یاد ہو جایا کریں گے۔ پھر تم یہ جلسے قیامت تک کرتے چلے جاؤ تا جماعت میں خلافت کا ادب اور اس کی اہمیت قائم رہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی خلافت ۱۹۰۰ سال سے برابر قائم ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جو درجہ میں ان سے بڑے ہیں خدا کرے ان کی خلافت دس ہزار سال تک قائم رہے مگر یہ اسی طرح ہوسکتا ہے کہ تم سال میں ایک دن اس غرض کے لئے خاص طور پر منانے کی کوشش کرو۔ میں مرکز کو بھی ہدایت کرتا ہوں کہ وہ بھی ہر سال سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسوں کی طرح خلافت ڈے منایا کرے اور ہر سال یہ بتایا کرے کہ جلسہ میں ان مضامین پر تقاریر کی جائیں۔ الفضل سے مضامین پڑھ کر نوجوانوں کو بتایا جائے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے خلافتِ احمدیہ کی تائید میں کیا کچھ فرمایا ہے اور پیغامیوں نے اس کے ردّ میں کیا کچھ لکھا ہے۔ اسی طرح وہ رؤیا وکشوف بیان کئے جایا کریں جو وقت سے پہلے خدا تعالیٰ نے مجھے دکھائے اور جن کو پورا کر کے خدا تعالیٰ نے ثابت کر دیا کہ اس کی برکات اب بھی خلافت سے وابستہ ہیں۔'' (الفضل ۲۸ اپریل اور یکم مئی ۱۹۵۷ء)

۱؎ النور: ۵۶

صحابہ کرام کی فدائیت اور اُن کا اخلاص وایثار

۲۶ راکتوبر ۱۹۵۶ء کو مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے دوسرے سالانہ اجتماع منعقدہ ربوہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے حسب ذیل افتتاحی تقریر فرمائی۔

تشہّد ،تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے مندرجہ ذیل آیت قرآنیہ کی تلاوت فرمائی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ [1]

اس کے بعد فرمایا:۔

’’آپ لوگوں کا نام انصار اللہ رکھا گیا ہے یہ نام قرآنی تاریخ میں بھی دو دفعہ آیا ہے اور احمدیت کی تاریخ میں بھی دو دفعہ آیا ہے۔قرآنی تاریخ میں ایک دفعہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے متعلق یہ الفاظ آتے ہیں چنانچہ جب آپ نے فرمایا مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ تو آپ کے حواریوں نے کہا نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے انصار ہیں۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے متعلق فرماتا ہے کہ ان میں سے ایک گروہ مہاجرین کا تھا اور ایک گروہ انصار کا تھا[2] گویا یہ نام قرآنی تاریخ میں دو دفعہ آیا ہے۔ایک جگہ پر حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں کے متعلق آیا ہے اور ایک جگہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے ایک حصہ کو انصار کہا گیا ہے۔

جماعت احمدیہ کی تاریخ میں بھی انصار اللہ کا دو جگہ ذکر آتا ہے۔ایک دفعہ جب حضرت خلیفہ اوّل کی پیغامیوں نے مخالفت کی تو میں نے انصار اللہ کی ایک جماعت قائم کی۔اور دوسری دفعہ جب جماعت کے بچوں، نوجوانوں، بوڑھوں اور عورتوں کی تنظیم کی گئی تو

چالیس سال سے اوپر کے مردوں کی جماعت کا نام انصار اللہ رکھا گیا گویا جس طرح قرآن کریم میں دو گروہوں کا نام انصار اللہ رکھا گیا ہے اسی طرح جماعت احمدیہ میں بھی دو زمانوں میں دو جماعتوں کا نام انصار اللہ رکھا گیا۔ پہلے جن لوگوں کا نام انصار اللہ رکھا گیا ان میں سے اکثر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ تھے۔ کیونکہ یہ جماعت ۱۴۔۱۹۱۳ء میں بنائی گئی تھی اور اُس وقت اکثر صحابہ زندہ تھے اور اس جماعت میں بھی اکثر وہی شامل تھے۔ اسی طرح قرآن کریم میں بھی جن انصار کا ذکر آتا ہے ان میں زیادہ تر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ شامل تھے۔ دوسری دفعہ جماعت احمدیہ میں آپ لوگوں کا نام اسی طرح انصار اللہ رکھا گیا ہے جس طرح قرآن کریم میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ادنیٰ نبی حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے ساتھیوں کو انصار اللہ کہا گیا ہے۔ آپ لوگوں میں بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ کم ہیں اور زیادہ حصہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے میری بیعت کی ہے اس طرح حضرت مسیح علیہ السلام والی بات بھی پوری ہوگئی یعنی جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھیوں کو انصار اللہ کہا گیا تھا اسی طرح مثیلِ مسیح موعود کے ساتھیوں کو بھی انصار اللہ کہا گیا ہے گویا قرآنی تاریخ میں بھی دو زمانوں میں دو گروہوں کا نام انصار اللہ رکھا گیا اور جماعت احمدیہ کی تاریخ میں بھی دو گروہوں کا نام انصار اللہ رکھا گیا۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہؓ اب بھی زندہ ہیں مگر اب ان کی تعداد بہت تھوڑی رہ گئی ہے۔

صحابی اُس شخص کو بھی کہتے ہیں جو نبی کی زندگی میں اس کے سامنے آ گیا ہو۔ گویا زیادہ تر یہ لفظ انہی لوگوں پر اطلاق پاتا ہے جنہوں نے نبی کی صحبت سے فائدہ اُٹھایا ہو اور اُس کی باتیں سُنی ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۱۹۰۸ء میں فوت ہوئے ہیں اس لئے وہ شخص بھی آپ کا صحابی کہلا سکتا ہے جس نے خواہ آپ کی صحبت سے فائدہ نہ اُٹھایا ہو لیکن آپ کے زمانہ میں پیدا ہوا ہو اور اُس کا باپ اُسے اُٹھا کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام کے سامنے لے گیا ہو لیکن یہ ادنیٰ درجہ کا صحابی ہوگا۔ اعلیٰ درجہ کا صحابی وہی ہے جس نے آپ کی صحبت سے فائدہ اُٹھایا اور آپ کی باتیں سنیں۔ اور جن لوگوں نے آپ کی صحبت سے فائدہ

اُٹھایا اور آپ کی باتیں سنیں ان کی تعداد اب بہت کم رہ گئی ہے اب صرف تین چار آدمی ہی ایسے رہ گئے ہیں جن کے متعلق مجھے ذاتی طور پر علم ہے کہ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت سے فائدہ اُٹھایا اور آپ کی باتیں سنی ہیں۔ممکن ہے اگر زیادہ تلاش کیا جائے تو ان کی تعداد تیس چالیس تک پہنچ جائے۔اب ہماری جماعت لاکھوں کی ہے اور لاکھوں کی جماعت میں اگر ایسے تیس چالیس صحابہ بھی ہوں تب بھی یہ تعداد بہت کم ہے اِس وقت جماعت میں زیادہ تر وہی لوگ ہیں جنہوں نے ایسے شخص کی بیعت کی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا متبع تھا اور ان کا نام اسی طرح انصار اللہ رکھا گیا جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں کا نام انصار اللہ رکھا گیا تھا۔حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لَوْ کَانَ مُوْسٰی وَ عِیْسٰی حَیَّیْنِ لَمَا وَسِعَهُمَا اِلَّا اتِّبَاعِیْ ۔[۳] کہ اگر موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام میرے زمانہ میں زندہ ہوتے تو وہ میرے متبع ہوتے۔غرض اِس وقت جماعت کے انصار اللہ میں دو باتیں پائی جاتی ہیں ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک متبع اور مثیل کے ذریعہ اسلام کی خدمت کا موقع ملا اور وہ آپ لوگ ہیں۔گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آپ لوگوں میں پائی جاتی ہے۔جس طرح ان کے حواریوں کو انصار اللہ کہا گیا تھا اسی طرح مثیلِ مسیح موعود کے ساتھیوں کو انصار اللہ کہا گیا ہے۔پھر آپ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے انصار کی بات بھی پائی جاتی ہے۔یعنی جس طرح انصار اللہ میں وہی لوگ شامل تھے جو آپ کے صحابہؓ تھے اسی طرح آپ میں بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ شامل ہیں۔گویا آپ لوگوں میں دونوں مثالیں پائی جاتی ہیں۔آپ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام کے صحابہ بھی ہیں جنہیں انصار اللہ کہا جاتا ہے جیسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو انصار کہا گیا۔پھر جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا متبع قرار دیا ہے اور ان کے صحابہ کو بھی انصار اللہ کہا گیا ہے اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک متبع کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کو بھی انصار اللہ کہا گیا ہے۔شاید بعض لوگ یہ سمجھیں کہ یہ درجہ کم ہے لیکن چالیس سال اور گزر گئے

تو اس زمانہ کے لوگ تمہارے زمانہ کے لوگوں کو بھی تلاش کریں گے۔ اور اگر چالیس سال اورگزر گئے تو اس زمانہ کے لوگ تمہارے ملنے والوں کو تلاش کریں گے اسلامی تاریخ میں صحابہؓ کے ملنے والوں کو تابعی کہا گیا ہے۔ کیونکہ وہ صحابہؓ کے ذریعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قریب ہوگئے تھے۔ اور ایک تبع تابعی کا درجہ ہے۔ یعنی وہ لوگ جو تابعین کے ذریعہ صحابہؓ کے قریب ہوئے اور آگے صحابہؓ کے ذریعہ محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے قریب ہوئے۔ اس طرح تین درجے بن گئے۔ ایک صحابی دوسرے تابعی اور تیسرے تبع تابعی۔ صحابی وہ جنہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فائدہ اُٹھایا اور آپؐ کی باتیں سنیں۔ تابعی وہ جنہوں نے آپ سے باتیں سننے والوں کو دیکھا اور تبع تابعی وہ جنہوں نے آپ سے باتیں سننے والوں کے دیکھنے والوں کو دیکھا۔ دُنیوی عاشق تو بہت کم حوصلہ ہوتے ہیں۔ کسی شاعر نے کہا ہے۔

تمہیں چاہوں تمہارے چاہنے والوں کو بھی چاہوں
مرا دل پھیردو مجھ سے یہ جھگڑا ہو نہیں سکتا

مگر مسلمانوں کی محبت رسولؐ دیکھو جب محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے صحابہ فوت ہوئے تو انہوں نے آپؐ سے قریب ہونے کے لئے تابعی کا درجہ نکال لیا۔ اور جب تابعی ختم ہوگئے تو انہوں نے تبع تابعین کا درجہ نکال لیا۔ اس شاعر نے تو کہا تھا

تمہیں چاہوں تمہارے چاہنے والوں کو بھی چاہوں
مرا دل پھیردو مجھ سے یہ جھگڑا ہو نہیں سکتا

مگر یہاں یہ صورت ہوگئی کہ تمہیں چاہوں تمہارے چاہنے والوں کو بھی چاہوں اور پھر ان کے چاہنے والوں کو بھی چاہوں۔ اور پھر تیرہ سَو سال تک برابر چاہتا چلا جاؤں۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ

مرا دل پھیر دو مجھ سے یہ جھگڑا ہو نہیں سکتا

بلکہ انہوں نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! ہم آپ کے چاہنے والوں کو چاہتے ہیں چاہے وہ صحابی ہوں، تابعی ہوں، تبع تابعی ہوں یا تبع تبع تابعی ہوں اور ان کے بعد یہ سلسلہ خواہ کہاں

تک چلا جائے ہم کو وہ سب لوگ پیارے لگتے ہیں کیونکہ ان کے ذریعہ ہم کسی نہ کسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہو جاتے ہیں۔

محدثین کو اس بات پر بڑا فخر ہوتا تھا کہ وہ تھوڑی سی سندات سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئے ہیں۔ حضرت خلیفة المسیح الاوّل فرمایا کرتے تھے کہ میں گیارہ بارہ راویوں کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچتا ہوں۔ آپ کو بعض ایسے اساتذہ مل گئے تھے جو آپ کو گیارہ بارہ راویوں کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیتے تھے۔ اور آپ اس بات پر بڑا فخر کیا کرتے تھے۔ اب دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع نے آپ کی صحابیت کو بارہ تیرہ درجوں تک پہنچا دیا ہے اور اس پر فخر کیا ہے تو آپ لوگ یا صحابی ہیں یا تابعی ہیں ابھی تبع تابعین کا وقت نہیں آیا۔ ان دونوں درجوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزت بخشی ہے۔ اس عزت میں کچھ اور لوگ بھی شریک ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انصار کا ذکر فرمایا ہے اور پھر ان کی قربانیاں بھی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند تھیں۔ چنانچہ جب ہم انصار کی تاریخ کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے ایسی قربانیاں کی ہیں کہ اگر آپ لوگ جو انصار اللہ ہیں ان کے نقشِ قدم پر چلیں تو یقیناً اسلام اور احمدیت دور دور تک پھیل جائے۔ اور اتنی طاقت پکڑ لے کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کے مقابل پر نہ ٹھہر سکے۔

تاریخ میں لکھا ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو شہر کی تمام عورتیں اور بچے باہر نکل آئے۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کیلئے جاتے ہوئے خوشی سے گاتے چلے جاتے تھے کہ

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّةِ الْوِدَاعِ [۴]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس جہت سے مدینہ میں داخل ہوئے وہی جہت تھی جہاں سے قافلے اپنے رشتہ داروں سے رخصت ہوا کرتے تھے اسی لئے انہوں نے اس موڑ کا نام ثنیۃ الوداع رکھا ہوا تھا یعنی وہ موڑ جہاں سے قافلے رخصت ہوتے ہیں۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس موڑ سے مدینہ میں داخل ہوئے تو مدینہ کی عورتوں اور بچوں نے یہ گاتے

ہوئے آپؐ کا استقبال کیا

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّةِ الْوِدَاعِ

یعنی ہم لوگ کتنے خوش قسمت ہیں کہ جس موڑ سے مدینہ کے رہنے والے اپنے رشتہ داروں کو رخصت کیا کرتے تھے اس موڑ سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے بدر یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہر کر دیا ہے پس ہمیں دوسرے لوگوں پر فضیلت حاصل ہے اس لئے کہ وہ تو اس جگہ جا کر اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کو رخصت کرتے ہیں لیکن ہم نے وہاں جا کر سب سے زیادہ محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وصول کیا ہے۔

پھر ان لوگوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ اور ان میں سے ہر شخص کی خواہش تھی کہ آپؐ اس کے گھر میں ٹھہریں۔ جس جس گلی میں سے آپؐ کی اونٹنی گزرتی تھی اس گلی کے مختلف خاندان اپنے گھروں کے آگے کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کرتے تھے اور کہتے تھے یَا رَسُوْلَ اللہ! یہ ہمارا گھر ہے جو آپؐ کی خدمت کیلئے حاضر ہے۔ یَا رَسُوْلَ! آپ ہمارے پاس ہی ٹھہریں۔ بعض لوگ جوش میں آگے بڑھتے اور آپؐ کی اونٹنی کی باگ پکڑ لیتے تا کہ آپؐ کو اپنے گھر میں اُتروالیں۔ مگر آپؐ ہر شخص کو یہی جواب دیتے تھے کہ میری اونٹنی کو چھوڑ دو یہ آج خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے یہ وہیں کھڑی ہوگی جہاں خدا تعالیٰ کا منشا ہوگا۔ آخر وہ ایک جگہ پر کھڑی ہوگئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے قریب گھر کس کا ہے؟ حضرت ابوایوب انصاریؓ نے فرمایا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! میرا گھر سب سے قریب ہے اور آپ کی خدمت کیلئے حاضر ہے۔ حضرت ابوایوبؓ کا مکان دو منزلہ تھا انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اوپر کی منزل تجویز کی مگر آپؐ نے اس خیال سے کہ ملنے والوں کو تکلیف ہوگی نچلی منزل کو پسند فرمایا۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اِصرار پر مان تو گئے کہ آپؐ نچلی منزل میں ٹھہریں لیکن ساری رات میاں بیوی اِس خیال سے جاگتے رہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے نیچے سو رہے ہیں پھر وہ کس طرح اس بے ادبی کے مرتکب ہو سکتے ہیں کہ وہ چھت کے اوپر سوئیں۔ اتفاقاً اُسی رات ان سے پانی کا ایک برتن گر گیا۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ نے دَوڑ کر اپنا لحاف اُس پانی پر ڈال کر پانی کی رطوبت کو خشک کیا تاکہ چھت کے نیچے پانی نہ ٹپک پڑے۔صبح کے وقت وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارے حالات عرض کئے جس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اوپر کی منزل پر رہنے پر راضی ہوگئے۔اب دیکھو یہ اُس عشق کی ایک ادنیٰ سی مثال ہے جو صحابہؓ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا۔

پھر یہ واقعہ کتنا شاندار ہے کہ جب جنگ اُحد ختم ہوئی اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہؓ کو اس بات پر مامور فرمایا کہ وہ میدانِ جنگ میں جائیں اور زخمیوں کی خبر لیں۔ایک صحابیؓ میدان میں تلاش کرتے کرتے ایک زخمی انصاری کے پاس پہنچے۔دیکھا کہ اُن کی حالت نازک ہے اور وہ جان توڑ رہے ہیں۔اِس نے زخمی انصاریؓ سے ہمدردی کا اظہار کرنا شروع کیا۔انہوں نے اپنا کانپتا ہوا ہاتھ مصافحہ کیلئے آگے بڑھایا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا میں انتظار کر رہا تھا کہ کوئی بھائی مجھے مل جائے۔انہوں نے اس صحابیؓ سے پوچھا کہ آپ کی حالت خطرناک معلوم ہوتی ہے اور بچنے کی امید نہیں کیا کوئی پیغام ہے جو آپ اپنے رشتہ داروں کو دینا چاہتے ہوں؟ اس مرنے والے صحابیؓ نے کہا ہاں ہاں میری طرف سے میرے رشتہ داروں کو سلام کہنا اور انہیں کہنا کہ میں تو مر رہا ہوں مگر میں اپنے پیچھے خدا تعالیٰ کی ایک مقدس امانت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑے جا رہا ہوں میں جب تک زندہ رہا اِس نعمت کی اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر بھی حفاظت کرتا رہا لیکن اب اے میرے بھائیو اور رشتہ دارو! میں اب مر رہا ہوں اور خدا تعالیٰ کی یہ مقدس امانت تم میں چھوڑ رہا ہوں میں آپ سب کو اس کی حفاظت کی نصیحت کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اگر آپ سب کو اس کی حفاظت کے سلسلہ میں اپنی جانیں بھی دینی پڑیں تو آپ اس سے دریغ نہیں کریں گے اور میری اس آخری وصیت کو یاد رکھیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے آپ کے اندر ایمان موجود ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ سب کو محبت ہے اس لئے تم ضرور آپؐ کے وجود کی حفاظت کیلئے ہر ممکن قربانی کرو گے اور اس کیلئے اپنی جانوں کی بھی پرواہ نہیں کرو گے۔[۵]

اب دیکھو ایک شخص مر رہا ہے اسے اپنی زندگی کے متعلق یقین نہیں وہ مرتے وقت اپنے بیوی بچوں کو سلام نہیں بھیجتا، انہیں کوئی نصیحت نہیں کرتا بلکہ وہ اگر کوئی پیغام بھیجتا ہے تو یہی کہ اے میری قوم کے لوگو! تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں کوتاہی نہ کرنا۔ ہم جب تک زندہ رہے اس فرض کو نبھاتے رہے اب آپؐ کی حفاظت آپ لوگوں کے ذمہ ہے آپ کو اس کے رستہ میں اپنی جانوں کی قربانی بھی پیش کرنی پڑے تو اس سے دریغ نہ کریں۔ میری تم سے یہی آخری خواہش ہے اور مرتے وقت میں تمہیں اِس کی نصیحت کرتا ہوں۔ یہ تھا وہ عشق و محبت جو صحابہؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا۔

پھر جب آپؐ بدر کی جنگ کیلئے مدینہ سے صحابہؓ سمیت باہر نکلے تو آپؐ نے نہ چاہا کہ کسی شخص کو اس کی مرضی کے خلاف جنگ پر مجبور کیا جائے چنانچہ آپؐ نے اپنے ساتھیوں کے سامنے یہ سوال پیش کیا کہ وہ اس بارہ میں آپؐ کو مشورہ دیں کہ فوج کا مقابلہ کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ ایک کے بعد دوسرا مہاجر کھڑا ہوا اور اس نے کہا **یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ!** اگر دشمن ہمارے گھروں پر چڑھ آیا ہے تو ہم اس سے ڈرتے نہیں ہم اس کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہیں۔ آپؐ ہر ایک کا جواب سن کر یہی فرماتے چلے جاتے کہ مجھے اور مشورہ دو مجھے اور مشورہ دو۔ مدینہ کے لوگ اُس وقت تک خاموش تھے اس لئے کہ حملہ آور فوج مہاجرین کی رشتہ دار تھی وہ ڈرتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ ان کی بات سے مہاجرین کا دل دُکھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار فرمایا کہ مجھے مشورہ دو تو ایک انصاریؓ سردار کھڑے ہوئے اور عرض کیا **یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ!** مشورہ تو آپؐ کو مل رہا ہے مگر پھر بھی جو آپؐ بار بار مشورہ طلب فرما رہے ہیں تو شاید آپؐ کی مراد ہم انصار سے ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ اس سردار نے جواب میں کہا۔ **یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ!** شاید آپ اس لئے ہمارا مشورہ طلب فرما رہے ہیں کہ آپؐ کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے ہمارے اور آپؐ کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا اور وہ یہ تھا کہ اگر مدینہ میں آپؐ پر اور مہاجرین پر کسی نے حملہ کیا تو ہم آپؐ کی حفاظت کریں گے مدینہ سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ لیکن اِس وقت آپؐ مدینہ سے باہر تشریف لے آئے ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ہاں یہ درست ہے۔ اس نے کہا **یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ!** جس وقت وہ

معاہدہ ہوا تھا اُس وقت تک ہم پر آپؐ کی حقیقت پورے طور پر روشن نہیں ہوئی تھی لیکن اب ہم پر آپ کا مرتبہ اور آپؐ کی شان پورے طور پر ظاہر ہو چکی ہے۔ اس لئے **یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ!** اب اس معاہدہ کا کوئی سوال ہی نہیں۔ ہم موسیٰؑ کے ساتھیوں کی طرح آپؐ کو یہ نہیں کہیں گے کہ **فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ** [۶] کہ تو اور تیرا رب جاؤ اور دشمن سے جنگ کرتے پھرو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں بلکہ ہم آپؐ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے اور آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے۔ اور **یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ!** دشمن جو آپؐ کو نقصان پہنچانے کیلئے آیا ہے وہ آپ تک نہیں پہنچ سکتا۔ جب تک وہ ہماری لاشوں کو روندتا ہوا نہ گذرے۔ [۷] پھر اس نے کہا **یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ!** جنگ تو ایک معمولی بات ہے یہاں سے تھوڑے فاصلہ پر سمندر ہے (بدر سے چند منزلوں کے فاصلہ پر سمندر تھا اور عرب تیرنا نہیں جانتے تھے اس لئے پانی سے بہت ڈرتے تھے) آپؐ ہمیں سمندر میں اپنے گھوڑے ڈال دینے کا حکم دیجئے ہم بلا چون و چرا اس میں اپنے گھوڑے ڈال دیں گے [۸] یہ وہ فدائیت اور اخلاص کا نمونہ تھا جس کی مثال کسی سابق نبی کے ماننے والوں میں نہیں ملتی۔ اس مشورہ کے بعد آپؐ نے دشمن سے لڑائی کرنے کا حکم دیا اور اللہ تعالیٰ نے اس میں آپؐ کو نمایاں فتح عطا فرمائی۔ حضرت مسیح ناصریؑ کے انصار کی وہ شان نہیں تھی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار کی تھی لیکن پھر بھی وہ اِس وقت تک آپ کی خلافت کو قائم رکھے ہوئے ہیں اور یہ ان کی ایک بہت بڑی خوبی ہے مگر تم میں سے بعض لوگ پیغامیوں کی مدد کے لالچ میں آ گئے اور انہوں نے خلافت کو مٹانے کی کوششیں شروع کر دیں اور زیادہ تر افسوس یہ ہے کہ ان لوگوں میں اس عظیم الشان باپ کی اولاد بھی شامل ہے جس کو ہم بڑی قدر اور عظمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی وفات پر ۴۲ سال کا عرصہ گزر چکا ہے مگر میں ہر قربانی کے موقع پر آپ کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔ تحریک جدید ۱۹۳۴ء سے شروع ہے اور اب ۱۹۵۶ء ہے گویا اس پر ۲۲ سال کا عرصہ گزر گیا ہے۔ شاید حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی اولاد خود بھی اس میں حصہ نہ لیتی ہو لیکن میں ہر سال آپ کی طرف سے اس میں چندہ دیتا ہوں تا کہ آپ کی روح کو بھی اس کا ثواب پہنچے۔

پھر جب میں حج پر گیا تو اُس وقت بھی میں نے آپ کی طرف سے قربانی کی تھی اور اب تک ہر عید کے موقع پر آپ کی طرف سے قربانی کرتا چلا آیا ہوں۔غرض ہمارے دل میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی بڑی قدر اور عظمت ہے لیکن آپ کی اولاد نے جو نمونہ دکھایا وہ تمہارے سامنے ہے۔اس کے مقابلہ میں تم حضرت مسیح علیہ السلام کے ماننے والوں کو دیکھو کہ وہ آج تک آپ کی خلافت کو سنبھالے چلے آتے ہیں ہم تو اس مسیح کے صحابہ اور انصار ہیں جس کو مسیح ناصریؑ پر فضیلت دی گئی ہے مگر ہم جو افضل باپ کے روحانی بیٹے ہیں ہم میں سے بعض لوگ چند روپوں کی لالچ میں آ گئے ۔شاید اس طرح حضرت مسیح علیہ السلام سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ مماثلت بھی پوری ہونی تھی کہ جیسے آپ کے ایک حواری یہودا اسکریوطی نے رومیوں سے تیس روپے لے کر آپ کو بیچ دیا تھا اور اس طرح اِس مسیحؑ کی جماعت میں بھی بعض ایسے لوگ پیدا ہونے تھے جنہوں نے پیغامیوں سے مدد لے کر جماعت میں فتنہ کھڑا کرنا تھا۔لیکن ہمیں عیسائیوں کے صرف عیب ہی نہیں دیکھنے چاہئیں بلکہ ان کی خوبیاں بھی دیکھنی چاہئیں ۔ جہاں ان میں ہمیں یہ عیب نظر آتا ہے کہ ان میں سے ایک نے تیس روپے لے کر حضرت مسیح علیہ السلام کو بیچ دیا وہاں ان میں یہ خوبی بھی پائی جاتی ہے کہ آج تک جبکہ حضرت مسیح علیہ السلام پر دو ہزار سال کے قریب عرصہ گزر چکا ہے وہ آپ کی خلافت کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ آج جب میں نے اس بات پر غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ اس چیز کا وعدہ بھی حواریوں نے کیا تھا۔ چنانچہ حضرت مسیح علیہ السلام نے جب کہا۔ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ کہ خدا تعالیٰ کے رستہ میں میری کون مدد کرے گا۔تو حواریوں نے کہا۔ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۔ہم خدا تعالیٰ کے رستہ میں آپ کی مدد کریں گے۔انہوں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔پس اس کے معنی ہیں کہ ہم وہ انصار ہیں جن کو خدا تعالیٰ کی طرف نسبت دی گئی ہے اس لئے جب تک خدا تعالیٰ زندہ ہے اُس وقت تک ہم بھی اس کی مدد کرتے رہیں گے۔ چنانچہ دیکھ لو حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات پر تقریباً دو ہزار سال کا عرصہ گزر چکا ہے لیکن عیسائی لوگ برابر عیسائیت کی تبلیغ کرتے چلے جا رہے ہیں اور اب تک ان میں خلافت قائم چلی آتی ہے۔

اب بھی ہماری زیادہ ترٹکر عیسائیوں سے ہی ہو رہی ہے جو مسیح علیہ السلام کے متبع اور ان کے ماننے والے ہیں اور جن کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال رکھتے ہوئے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے سارے نبی اس فتنہ کی خبر دیتے چلے آئے ہیں۔غرض وہ مسیح ناصری جن کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے ان پر فضیلت عطا فرمائی ہے ان کے انصار نے اتنا جذبۂ اخلاص دکھایا کہ انہوں نے دو ہزار سال تک آپ کی خلافت کو مٹنے نہیں دیا کیونکہ انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اگر مسیح علیہ السلام کی خلافت مٹی تو مسیح علیہ السلام کا خود اپنا نام بھی دنیا سے مٹ جائے گا۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شروع عیسائیت میں حضرت مسیح علیہ السلام کے ایک حواری نے آپ کو تیں روپے کے بدلہ میں دشمنوں کے ہاتھ بیچ دیا تھا لیکن اب عیسائیت میں وہ لوگ پائے جاتے ہیں جو مسیحیت کی اشاعت اور حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا منوانے کے لئے کروڑوں کروڑ روپیہ دیتے ہیں۔اسی طرح اس بات میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ نے اپنے زمانہ میں بڑی قربانی کی ہے لیکن آپ کی وفات پر ابھی صرف ۴۸ سال ہی ہوئے ہیں کہ جماعت میں سے بعض ڈانواڈول ہونے لگے ہیں اور پیغامیوں سے چند روپے لے کر ایمان کو بیچنے لگے ہیں۔حالانکہ ان میں سے بعض پر سلسلہ نے ہزار ہا روپے خرچ کئے ہیں۔میں پچھلے حسابات نکلوا رہا ہوں اور میں نے دفتر والوں سے کہا ہے کہ وہ بتائیں کہ صدر انجمن احمدیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کی کتنی خدمت کی ہے اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے خاندان کی کتنی خدمت کی ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو فوت ہوئے ۴۸ سال ہو چکے ہیں اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی وفات پر ۴۲ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔گویا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فاصلہ زیادہ ہے اور پھر آپ کی اولاد بھی زیادہ ہے۔لیکن اس کے باوجود میں نے حسابات نکلوائے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صدر انجمن احمدیہ نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے خاندان کی نسبت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان پر کم خرچ کیا ہے لیکن پھر بھی حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی اولاد میں یہ لالچ پیدا ہوئی کہ خلافت بھی سنبھالو یہ ہمارے باپ کا حق تھا جو ہمیں ملنا چاہیے

تھا۔ چنانچہ سندھ سے ایک آدمی نے مجھے لکھا کہ یہاں میاں عبدالمنان کے بھانجے مولوی محمد اسماعیل صاحب غزنوی کا ایک پروردہ شخص بشیر احمد آیا اور اس نے کہا کہ خلافت تو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کا مال تھا اور ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد کو ملنا چاہیے تھا لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام کی اولاد نے اسے غصب کر لیا۔ اب ہم سب نے مل کر یہ کوشش کرنی ہے کہ اس حق کو دوبارہ حاصل کریں۔

پھر میں نے میاں عبدالسلام صاحب کی پہلی بیوی کے سوتیلے بھائی کا ایک خط پڑھا جس میں اس نے اپنے سوتیلے ماموں کو لکھا کہ مجھے افسوس ہے کہ مشرقی بنگال کی جماعت نے ایک ریزولیشن پاس کر کے اس فتنہ سے نفرت کا اظہار کیا ہے۔ ہمیں تو اس سے فائدہ اُٹھانا چاہیے تھا ہمارے لئے تو موقع تھا کہ ہم کوشش کر کے اپنے خاندان کی وجاہت کو دوبارہ قائم کرتے۔ یہ ویسی ہی نامعقول حرکت ہے جیسی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات پر لاہور کے بعض مخالفین نے کی تھی۔ انہوں نے آپ کے نقلی جنازے نکالے اور آپ کی وفات پر خوشی کے شادیانے بجائے۔ وہ تو دشمن تھے لیکن یہ لوگ احمدی کہلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور اپنے خاندان کی وجاہت کو قائم کرنا چاہیے حالانکہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کو جو عزت اور درجہ ملا ہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل ملا ہے جو چیز آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل ملی تھی وہ ان لوگوں کے نزدیک ان کے خاندان کی جائداد بن گئی۔ یہ وہی فقرہ ہے جو پرانے زمانہ میں ان لڑکوں کی والدہ نے مجھے کہا کہ پیغامی میرے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خلافت تو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی تھی۔ اگر آپ کی وفات کے بعد آپ کے کسی بیٹے کو خلیفہ بنا لیا جاتا تو ہم اس کی بیعت کر لیتے مگر مرزا صاحب کا خلافت سے کیا تعلق تھا کہ آپکے بیٹے کو خلیفہ بنا لیا گیا۔ اُس وقت میری بھی جوانی تھی میں نے انہیں کہا کہ آپ کیلئے رستہ کھلا ہے تانگے چلتے ہیں (اُن دنوں قادیان میں ریل نہیں آئی تھی) آپ چاہیں تو لاہور چلی جائیں۔ میں آپ کو نہیں روکتا۔ وہاں جا کر آپ کو پتہ لگ جائیگا کہ وہ آپ کی کیا امداد کرتے ہیں وہاں تو مولوی محمد علی صاحب کو بھی خلافت نہیں ملی انہیں صرف امارت ملی تھی اور امارت بھی ایسی کہ

اپنی زندگی کے آخری ایام میں انہیں وصیت کرنی پڑی کہ فلاں فلاں شخص ان کے جنازے پر نہ آئے۔ان کی اپنی تحریر موجود ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ مولوی صدرالدین صاحب، شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری اور ڈاکٹر غلام محمد صاحب میرے خلاف پروپیگنڈا میں اپنی پوری قوت خرچ کر رہے ہیں۔اور انہوں نے تنکے کو پہاڑ بنا کر جماعت میں فتنہ پیدا کرنا شروع کیا ہوا ہے اور ان لوگوں نے مولوی محمد علی صاحب پر طرح طرح کے الزامات لگائے یہاں تک کیا کہ آپ نے احمدیت سے انکار کر دیا ہے اور انجمن کا مال غصب کرلیا ہے۔اب بتاؤ جب وہ شخص جو اِس جماعت کا بانی تھا اسے یہ کہنا پڑا کہ جماعت کے بڑے بڑے آدمی مجھ پر الزام لگاتے ہیں اور مجھے مرتد اور جماعت کا مال غصب کرنے والا قرار دیتے ہیں تو اگر وہاں دودھ پینے والے چھوکرے چلے جاتے تو انہیں کیا ملتا۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوسکتا تھا کہ انہیں پانچ پانچ روپے کے وظیفے دے کر کسی سکول میں داخل کر دیا جاتا مگر ہم نے تو ان کی تعلیم پر بڑا روپیہ خرچ کیا اور اس قابل بنایا کہ یہ بڑے آدمی کہلا سکیں لیکن انہوں نے یہ کیا کہ جس جماعت نے انہیں پڑھایا تھا اُسی کو تباہ کرنے کیلئے حملہ کر دیا۔ اِس سے بڑھ کر اور کیا قساوتِ قلبی ہوگی کہ جن غریبوں نے انہیں پیسے دے کر اِس مقام پر پہنچایا یہ لوگ اُنہی کو تباہ کرنیکی کوشش میں لگ جائیں۔

جماعت میں ایسے ایسے غریب ہیں کہ جن کی غربت کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا مگر وہ لوگ چندہ دیتے ہیں۔ایک دفعہ قادیان میں ایک غریب احمدی میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ امراء کے ہاں دعوتیں کھاتے ہیں ایک دفعہ آپ میرے گھر بھی تشریف لائیں اور میری دعوت کو قبول فرمائیں۔ میں نے کہا تم بہت غریب ہو میں نہیں چاہتا کہ دعوت کی وجہ سے تم پر کوئی بوجھ پڑے۔اس نے کہا میں غریب ہوں تو کیا ہوا آپ میری دعوت ضرور قبول کریں۔ میں نے پھر بھی انکار کیا مگر وہ میرے پیچھے پڑ گیا۔ چنانچہ ایک دن میں اس کے گھر گیا تا کہ اُس کی دلجوئی ہو جائے۔ مجھے یاد نہیں اس نے چائے کی دعوت کی تھی یا کھانا کھلایا تھا مگر جب میں اس کے گھر سے نکلا تو گلی میں ایک احمدی دوست عبدالعزیز صاحب کھڑے تھے وہ پسرور ضلع سیالکوٹ کے رہنے والے تھے اور مخلص احمدی تھے لیکن انہیں

اعتراض کرنیکی عادت تھی۔ میں نے انہیں دیکھا تو میرا دل بیٹھ گیا اور میں نے خیال کیا کہ اب یہ دوست مجھ پر ضرور اعتراض کریں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب میں ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا حضور! آپ ایسے غریبوں کی دعوت بھی قبول کر لیتے ہیں؟ میں نے کہا عبدالعزیز صاحب میرے لئے دونوں طرح مصیبت ہے اگر میں انکار کروں تو غریب کہتا ہے میں غریب ہوں اسلئے میری دعوت نہیں کھاتے اور اگر میں اس کی دعوت منظور کر لوں تو آپ لوگ کہتے ہیں کہ غریب کی دعوت کیوں مان لی۔ اب دیکھو اس شخص نے مجھے خود دعوت پر بلایا تھا میں نے بار ہا انکار کیا لیکن وہ میرے پیچھے اس طرح پڑا کہ میں مجبور ہو گیا کہ اس کی دعوت مان لوں لیکن دوسرے دوست کو اس پر اعتراض پیدا ہوا۔ غرض جماعت میں ایسے ایسے غریب بھی ہیں کہ ان کے ہاں کھانا کھانے پر بھی دوسروں کو اعتراض پیدا ہوتا ہے۔ ایسی غریب جماعت نے ان لڑکوں کی خدمت کرنے اور انہیں پڑھانے پر ایک لاکھ روپیہ سے زیادہ خرچ کیا۔ میاں عبدالسلام کو وکیل بنایا۔ عبدالمنان کو ایم اے کروایا۔ عبدالوہاب کو بھی تعلیم دلائی اسے وظیفہ دیا۔ لاہور بھیجا اور ہوسٹل میں داخل کروایا مگر اسے خود تعلیم کا شوق نہیں تھا اس لئے وہ زیادہ تعلیم حاصل نہ کر سکا۔ لیکن پھر بھی جماعت نے اسے پڑھانے میں کوئی کوتاہی نہ کی۔ بعد میں میں نے معقول گزارہ دے کر اسے دہلی بھجوایا اور کہا کہ تمہارے باپ کا پیشہ طب تھا تم بھی طب پڑھ لو۔ چنانچہ اسے حکیم اجمل خان صاحب کے کالج میں طب پڑھائی گئی گو اس نے وہاں بھی وہی حرکت کی کہ پڑھائی کی طرف توجہ نہ کی اور فیل ہوا لیکن اس نے اتنی عقلمندی کی کہ اپنی بیوی کو بھی ساتھ لے گیا۔ چنانچہ بیوی پاس ہو گئی اور امتحان میں اوّل آئی۔ اب سلسلہ کے اس روپیہ کی وجہ سے جو اِس پر خرچ کیا گیا وہ اپنا گزارہ کر رہا ہے اور اس نے اپنے دواخانہ کا نام دواخانہ نورالدین رکھا ہوا ہے۔ حالانکہ دراصل وہ دواخانہ سلسلہ احمدیہ ہے کیونکہ سلسلہ احمدیہ کے روپیہ سے ہی وہ اِس حد تک پہنچا ہے کہ دواخانہ کو جاری رکھ سکے۔ اب وہ لکھتا ہے کہ میری بیوی جو گولڈ میڈلسٹ ہے وہ علاج کرتی ہے۔ وہ یہ کیوں نہیں لکھتا کہ میری بیوی جس کو سلسلہ احمدیہ نے خرچ دے کر پڑھایا ہے علاج کرتی ہے۔ غرض چاہے تعلیم کو لیا جائے، طب کو لیا جائے یا کسی اور پیشہ کو لیا

جائے یہ لوگ سلسلہ کی مدد کے بغیر اپنے پاؤں پر کھڑے ہی نہیں ہو سکتے تھے مگر اس ساری کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب یہ لوگ سلسہ احمدیہ کو ہی تباہ کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ مگر سلسلہ احمدیہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا ہے جسے کوئی تباہ نہیں کرسکتا۔ یہ سلسلہ ایک چٹان ہے جو اس پر گرے گا وہ پاش پاش ہو جائے گا۔ اور جو اس کو مٹانا چاہے گا وہ خود مٹ جائے گا اور کوئی شخص بھی خواہ اُس کی پشت پناہ احراری ہوں یا پیغامی ہوں اِس کو نقصان پہنچانے میں کامیاب نہیں ہوگا۔ اس کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کرنے والے ذلیل اور خوار ہوں گے اور قیامت تک ذلت و رسوائی میں مبتلا رہیں گے۔ اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام کو عزت اور رفعت دیتا چلا جائے گا اور تمام دنیا میں آپ کا نام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ پھیلتا چلا جائیگا۔ اور جب آپ کے ذریعہ ہی اسلام بڑھے گا تو لازمی طور پر جو لوگ آپ کے ذریعہ اسلام قبول کریں گے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے وہ آپ پر بھی ایمان لائیں گے لیکن اس سلسلہ کی تباہی کا ارادہ کرنے والے ابھی زندہ ہی ہونگے کہ اِن کی عزتیں ان کی آنکھوں کے سامنے خاک میں مل جائیں گی۔ اور پیغامیوں نے جوان سے مدد کا وعدہ کیا ہے وہ وعدہ بھی خاک میں مل جائے گا۔ مولوی محمد علی صاحب سے ان لوگوں نے جو وعدہ کیا تھا کیا وہ پورا ہوا؟ ان کا انجام آپ لوگوں کے سامنے ہے۔ اب ان لوگوں کا انجام مولوی محمد علی صاحب سے بھی بدتر ہوگا۔ اس لئے کہ جب انہوں نے سلسلہ سے علیحدگی اختیار کی تھی اور انجمن اشاعت اسلام کی بنیاد رکھی تھی تو انہوں نے سلسلہ احمدیہ کی ایک عرصہ کی خدمت کے بعد ایسا کیا تھا۔ انہیں دنیا کی خدمت کا موقع ملا تھا رسالہ ریویو آف ریلیجنز دنیا میں بہت مقبول ہوا اور وہ اس کے ایڈیٹر تھے۔ پھر انہوں نے اپنے خرچ سے پڑھائی کی تھی لیکن اِن لوگوں نے اپنے یا اپنے باپ کے پیسے سے پڑھائی نہیں کی بلکہ غریب لوگوں کے پیسے سے کی جو بعض دفعہ رات کو فاقہ سے سوتے ہیں اور اس سارے احسان کے بعد انہوں نے یہ کیا کہ وہ سلسلہ احمدیہ کو تباہ کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔''

’’یاد رکھوتمہارا نام انصاراللہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے مددگار گویا تمہیں اللہ تعالیٰ کے نام کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ ازلی اور ابدی ہے اس لئے تم کو بھی کوشش کرنی چاہیے کہ ابدیت کے مظہر ہو جاؤ۔تم اپنے انصار ہونے کی علامت لئے خلافت کو ہمیشہ ہمیش کیلئے قائم رکھتے چلے جاؤ اور کوشش کرو کہ یہ کام **نسلاًبَعْدَ نسلٍ** چلتا چلا جاوے اور اس کے دو ذریعے ہو سکتے ہیں ایک ذریعہ تو یہ ہے کہ اپنی اولاد کی صحیح تربیت کی جائے اور اس میں خلافت کی محبت قائم کی جائے اس لئے میں نے اطفال الاحمدیہ کی تنظیم قائم کی تھی اور خدام الاحمدیہ کا قیام عمل میں لایا گیا تھا یہ اطفال اور خدام آپ لوگوں کے ہی بچے ہیں ۔اگر اطفال الاحمدیہ کی تربیت صحیح ہوگی تو خدام الاحمدیہ کی تربیت صحیح ہوگی اور اگر خدام الاحمدیہ کی تربیت صحیح ہوگی تو اگلی نسل انصاراللہ کی اعلیٰ ہوگی ۔ میں نے سیڑھیاں بنادی ہیں آگے کام کرنا تمہارا کام ہے ۔پہلی سیڑھی اطفال الاحمدیہ ہے دوسری سیڑھی خدام الاحمدیہ ہے تیسری سیڑھی انصاراللہ ہے اور چوتھی سیڑھی خدا تعالیٰ ہے ۔تم اپنی اولاد کی صحیح تربیت کرو اور دوسری طرف خدا تعالیٰ سے دعائیں مانگو تو یہ چاروں سیڑھیاں مکمل ہو جائیں گی ۔ اگر تمہارے اطفال اور خدام ٹھیک ہو جائیں اور پھر تم بھی دعائیں کرو اور خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرلو تو پھر تمہارے لئے عرش سے نیچے کوئی جگہ نہیں ۔ اور جو عرش پر چلا جائے وہ بالکل محفوظ ہو جاتا ہے ۔دنیا حملہ کرنے کی کوشش کرے تو وہ زیادہ سے زیادہ سَو دوسَو فٹ پر حملہ کرسکتی ہے وہ عرش پر حملہ نہیں کرسکتی ۔ پس اگر تم اپنی اصلاح کرلو گے اور خدا تعالیٰ سے دعائیں کرو گے تو تمہارا اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم ہو جائے گا۔اور اگر تم حقیقی انصاراللہ بن جاؤ اور خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرلو تو تمہارے اندر خلافت بھی دائمی طور پر رہے گی اور وہ عیسائیت کی خلافت سے بھی لمبی چلے گی ۔عیسائیوں کی تعداد تو تمام کوششوں کے بعد مسلمانوں سے قریباً دُگنی ہوئی ہے مگر تمہارے متعلق تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ پیشگوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری تعداد کو اتنا بڑھا دے گا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ دوسرے تمام مذاہب ہندوازم، بدھ مت، عیسائیت اور شنٹوازم وغیرہ کے پیرو تمہارے مقابلہ میں بالکل ادنیٰ اقوام کی طرح رہ جائیں گے ۔یعنی ان کی تعداد تمہارے مقابلہ میں ویسی ہی بے حقیقت

ہوگی جیسے آجکل ادنیٰ اقوام کی دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں ہے۔ وہ دن جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے یقیناً آئے گا لیکن جب آئے گا تو اس ذریعہ سے آئے گا کہ خلافت کو قائم رکھا جائے، تبلیغِ اسلام کو قائم رکھا جائے، تحریک جدید کو مضبوط کیا جائے، اشاعت اسلام کیلئے جماعت میں شغف زیادہ ہو اور دنیا کے کسی کونہ کو بھی بغیر مبلغ کے نہ چھوڑا جائے۔ مجھے بیرونی ممالک سے کثرت سے چٹھیاں آرہی ہیں کہ مبلغ بھیجے جائیں اس لئے ہمیں تبلیغ کے کام کو بہرحال وسیع کرنا پڑے گا اور اتنا وسیع کرنا پڑے گا کہ موجودہ کام اس کے مقابلہ میں لاکھواں حصہ بھی نہ رہے۔

میں نے بتایا کہ خلافت کی وجہ سے رومن کیتھولک اس قدر مضبوط ہو گئے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے پڑھا کہ ان کے ۵۴ لاکھ مبلغ ہیں۔ ان سے اپنا مقابلہ کرو اور خیال کرو کہ تم سَو ڈیڑھ سَو مبلغوں کے اخراجات پر ہی گھبرانے لگ جاتے ہو اگر تم ان سے تین چار گنے زیادہ طاقت ور بننا چاہتے ہو تو ضروری ہے کہ تمہارا دو کروڑ مبلغ ہو۔ لیکن اب یہ حالت ہے کہ ہمارے سب مبلّغ ملا لئے جائیں تو ان کی تعداد دوسَو کے قریب بنتی ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ عیسائیوں کو مسلمان کر لیں، بدھوں کو مسلمان کر لیں، شنٹو ازم والوں کو مسلمان کر لیں، کنفیوشس ازم کے پیروؤں کو مسلمان کر لیں تو اس کیلئے دو کروڑ مبلغوں کی ضرورت ہے اور ان مبلغوں کو پیدا کرنا اور پھر ان سے کام لینا بغیر خلافت کے نہیں ہوسکتا۔

ہمارے ملک میں ایک کہانی مشہور ہے کہ ایک بادشاہ جب مرنے لگا تو اس نے اپنے تمام بیٹوں کو بلایا اور انہیں کہا ایک جھاڑو لاؤ وہ ایک جھاڑو لے آئے۔ اس نے اس کا ایک ایک تنکا انہیں دیا اور کہا اسے توڑو اور انہوں نے اسے فوراً توڑ دیا۔ پھر اس نے سارا جھاڑو انہیں دیا کہ اب اسے توڑو۔ انہوں نے باری باری پورا زور لگایا مگر وہ جھاڑو ان سے نہ ٹوٹا۔ اس پر اس نے کہا میرے بیٹو! دیکھو میں نے تمہیں ایک ایک تنکا دیا تو تم نے اسے بڑی آسانی سے توڑ دیا۔ لیکن جب سارا جھاڑو تمہیں دیا تو باوجود اس کے کہ تم نے پورا زور لگایا وہ تم سے نہ ٹوٹا۔ اسی طرح اگر تم میرے مرنے کے بعد بکھر گئے تو ہر شخص تمہیں تباہ کر سکے گا لیکن اگر تم متحد رہے تو تم ایک مضبوط سوٹے کی طرح بن جاؤ گے جسے دنیا کی کوئی طاقت توڑ

نہیں سکے گی اسی طرح اگر تم نے خلافت کے نظام کو توڑ دیا تو تمہاری کوئی حیثیت باقی نہیں رہے گی اور تمہیں دشمن کھا جائے گا لیکن اگر تم نے خلافت کو قائم رکھا تو دنیا کی کوئی طاقت تمہیں تباہ نہیں کر سکے گی۔تم دیکھ لو ہماری جماعت کتنی غریب ہے لیکن خلافت کی وجہ سے اسے بڑی حیثیت حاصل ہے اور اس نے وہ کام کیا ہے جو دنیا کے دوسرے مسلمان نہیں کر سکے۔مصر کا ایک اخبار الفتح ہے جو سلسلہ کا شدید مخالف ہے اس میں ایک دفعہ کسی نے مضمون لکھا کہ گزشتہ ۱۳۰۰ سال میں مسلمانوں میں بڑے بڑے بادشاہ گزرے ہیں مگر انہوں نے اسلام کی وہ خدمت نہیں کی جو اس غریب جماعت نے کی ہے اور یہ چیز ہر جگہ نظر آتی ہے۔

یورپ والے بھی اسے مانتے ہیں اور ہمارے مبلغوں کا بڑا اعزاز کرتے ہیں اور انہیں اپنی دعوتوں اور دوسری تقریبوں میں بلاتے ہیں۔اسرائیلیوں کو ہم سے شدید مخالفت ہے مگر پچھلے دنوں جب ہمارا مبلغ واپس آیا تو اسے وہاں کے صدر کی چٹھی ملی کہ جب آپ واپس جائیں تو مجھے مل کر جائیں۔اور جب وہ اسے ملنے کیلئے گئے تو ان کا بڑا اعزاز کیا گیا اور اس موقع پر ان کے فوٹو لئے گئے اور پھر ان فوٹوؤں کو حکومت اسرائیل نے تمام مسلمان ممالک میں چھپوایا۔ انہوں نے ان فوٹوؤں کو مصر میں بھی چھپوایا، عرب ممالک میں بھی چھپوایا، افریقہ میں بھی چھپوایا اور ہندوستان میں بھی ان کی اشاعت کی۔ جب چوہدری ظفر اللہ خان صاحب شام گئے تو وہاں کے صدر نے انہیں کہا کہ کیا آپ کی اسرائیل سے صلح ہوگئی ہے؟ انہوں نے اسے بتایا کہ ہماری اسرائیل سے کوئی صلح نہیں ہوئی بلکہ ہم اس کے شدید مخالف ہیں۔غرض وہ اسرائیل جو عرب ممالک سے صلح نہیں کرتا اُس نے دیکھا کہ احمدیوں کی طاقت ہے اس لئے ان سے صلح رکھنی ہمارے لئے مفید ہوگی۔وہ سمجھتا ہے کہ ان لوگوں سے خواہ مخواہ ٹکر نہیں لینی چاہیے گو اس کی یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہوگی کیونکہ احمدی اسرائیل کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ میں خنجر سمجھتے ہیں کیونکہ اسرائیل مدینہ کے بہت قریب ہے۔وہ اگر ہمارے مبلغ کو اپنے ملک کا بادشاہ بھی بنالیں تب بھی ہماری دلی خواہش یہی ہوگی کہ ہمارا بس چلے تو اسرائیل کو سمندر میں ڈبو دیں اور فلسطین کو ان سے پاک کر کے مسلمانوں کے حوالہ کر دیں۔بہر حال ان کی یہ خواہش تو کبھی پوری نہیں ہوگی لیکن وہ سمجھتے ہیں

کہ یہ جماعت اگرچہ چھوٹی ہے لیکن متحد ہونے کی وجہ سے اسے ایک طاقت حاصل ہے۔ اس طاقت سے ہمیں خواہ مخواہ ٹکر نہیں لینی چاہیے۔ چنانچہ وہ ہم سے ڈرتے ہیں۔ پاکستان میں ہمارے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں کی کوئی طاقت نہیں انہیں اقلیت قرار دے دینا چاہیے۔ حالانکہ یہاں ہماری تعداد لاکھوں کی ہے۔ لیکن اسرائیل میں ہماری تعداد چندسَو کی ہے پھر بھی وہ چاہتے ہیں کہ ہماری دِلجوئی کی جائے اور یہ محض خلافت کی ہی برکت ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ چاہے ہمارے ملک میں چندسَو احمدی ہیں مگر وہ ایک ہاتھ پر جمع ہیں اگر انہوں نے آواز اُٹھائی تو ان کی آواز صرف فلسطین میں ہی نہیں رہے گی بلکہ ان کی آواز شام میں بھی اُٹھے گی، عراق میں بھی اُٹھے گی، مصر میں بھی اُٹھے گی، ہالینڈ میں بھی اُٹھے گی، فرانس میں بھی اُٹھے گی، سپین میں بھی اُٹھے گی، انگلستان میں بھی اُٹھے گی، سکنڈے نیویا میں بھی اُٹھے گی، سوئٹزرلینڈ میں بھی اُٹھے گی، امریکہ میں بھی اُٹھے گی، انڈونیشیا میں بھی اُٹھے گی۔ یہ لوگ تمام ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں اگر ان سے بُرا سلوک کیا گیا تو تمام ممالک میں اسرائیل بدنام ہو جائے گا اس لئے ان سے بگاڑ مفید نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے جس کی وجہ سے وہ ہمارے مبلغ کا اعزاز کرتے ہیں۔

اسی طرح جب تقسیم ملک ہوئی تو ہمارے مبلغوں نے تمام ممالک میں ہندوستان کے خلاف پروپیگنڈا کیا۔ اُس وقت لنڈن میں چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ امام تھے اُنہیں پنڈت نہرو نے لکھا کہ آپ لوگوں نے تمام دنیا میں ہمیں اِس قدر بدنام کر دیا ہے کہ ہم کسی ملک کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔ اب دیکھ لو پنڈت نہرو باقی تمام مسلمانوں سے نہیں ڈرے۔ انہیں ڈر محسوس ہوا تو صرف احمدیوں سے۔ اور اس کی وجہ محض ایک مقصد پر جمع ہونا تھی اور یہ طاقت اور قوت جماعت کو کس طرح نصیب ہوئی؟ یہ صرف خلافت ہی کی برکت تھی جس نے احمدیوں کو ایک نظام میں پرو دیا اور اس کے نتیجہ میں انہیں طاقت حاصل ہوگئی۔ میرے سامنے اِس وقت چوہدری غلام حسین صاحب بیٹھے ہیں جو مخلص احمدی ہیں اور صحابی ہیں اور یہ اپنی آواز کو امریکہ کس طرح پہنچا سکتے ہیں؟ یہ اپنی آواز کو انگلینڈ کیسے پہنچا سکتے ہیں؟ یہ اپنی آواز کو فرانس، جرمنی اور سپین کیسے پہنچا سکتے ہیں؟ یہ بے شک جوشیلے احمدی ہیں مگر یہ

اپنی آواز دوسرے ممالک میں اپنے دوسرے احمدی بھائیوں کے ساتھ مل کر پہنچا سکتے ہیں ورنہ نہیں۔ اسی مل کر کام کرنے سے اسرائیل کو ڈر پیدا ہوا اور اسی مل کر کام کرنے سے ہی پاکستان کے مولوی ڈرے اور انہوں نے ملک کے ہر کونہ میں یہ جھوٹا پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ احمدیوں نے ملک کے سب کلیدی عُہدے سنبھال لئے ہیں۔ انہیں اقلیت قرار دیا جائے اور ان عُہدوں سے انہیں ہٹا دیا جائے۔ حالانکہ کلیدی عُہدے انہی کے پاس ہیں ہمارے پاس نہیں۔ یہ سب طاقت خلافت کی وجہ سے ہے خلافت کی وجہ سے ہم اکٹھے رہے ہیں اور ایک دوسرے کی مدد کی ہے۔

اب اس فتنہ کو دیکھو جو ۱۹۵۳ء کے بعد جماعت میں اُٹھا۔ اس میں سارے احراری فتنہ پردازوں کے ساتھ ہیں۔ تمہیں یاد ہے کہ ۱۹۳۴ء میں بھی احراری اپنا سارا زور لگا چکے ہیں اور بُری طرح ناکام ہوئے ہیں اور اس دفعہ بھی وہ ضرور ناکام ہوں گے۔ اس دفعہ اگر انہوں نے یہ خیال کیا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی اولاد ان کے ساتھ ہے اس لئے وہ جیت جائیں گے تو انہیں جان لینا چاہئے کہ جماعت کے اندر اتنا ایمان ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشن کے مقابلہ میں خواہ کوئی اُٹھے جماعت احمدیہ اس کا کبھی ساتھ نہیں دے گی۔ کیونکہ انہوں نے دلائل اور معجزات کو دیکھ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مانا ہے۔ ان میں سے ہر شخص نے اپنے اپنے طور پر تحقیقات کی ہے۔ کوئی گوجرانوالہ میں تھا، کوئی گجرات میں تھا، کوئی شیخوپورہ میں تھا وہاں جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابیں پہنچیں اور آپؑ کے دلائل نقل کر کے بھجوائے گئے تو وہ لوگ ایمان لے آئے۔ پھر ایک دھاگہ میں پروئے جانے کی وجہ سے انہیں طاقت حاصل ہوگئی۔ اب دیکھ لو یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہی طاقت تھی کہ آپ نے اعلان فرما دیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ پس حضرت مسیح علیہ السلام کی موت سے ساری عیسائیت مرگئی۔ اب یہ کتنا صاف مسئلہ تھا مگر کسی اور مولوی کو نظر نہ آیا۔ سارے علماء کتابیں پڑھتے رہے لیکن ان میں سے کسی کو یہ مسئلہ نہ سُوجھا اور وہ حیران تھے کہ عیسائیت کا مقابلہ کیسے کریں۔ حضرت مرزا صاحب نے آکر عیسائیت کے زور کو توڑ دیا اور وفاتِ مسیح کا ایسا مسئلہ

بیان کیا کہ ایک طرف مولویوں کا زور ٹوٹ گیا تو دوسری طرف عیسائی ختم ہو گئے۔

بھیرہ میں ایک غیر احمدی حکیم اللہ دین صاحب ہوتے تھے وہ اپنے آپ کو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل سے بھی بڑا حکیم سمجھتے تھے۔ایک دن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک صحابی حکیم فضل دین صاحب اُنہیں ملنے کیلئے گئے اور انہوں نے چاہا کہ وہ انہیں احمدیت کی تبلیغ کریں۔حکیم اللہ دین صاحب بڑے رُعب والے شخص تھے وہ جوش میں آ گئے اور کہنے لگے۔تو کل کا بچہ ہے اور مجھے تبلیغ کرنے آیا ہے تو احمدیت کو کیا سمجھتا ہے میں اسے خوب سمجھتا ہوں۔حضرت مرزا صاحب نے اپنی مشہور کتاب براہین احمدیہ لکھی جس سے اسلام تمام مذاہب پر غالب ثابت ہوتا تھا مگر مولویوں نے آپ پر کفر کا فتویٰ لگا دیا۔حضرت مرزا صاحب کو غصہ آیا اور انہوں نے کہا اچھا! تم بڑے عالم بنے پھرتے ہو میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قرآن کریم سے فوت شُدہ ثابت کر دیتا ہوں تم اسے زندہ ثابت کر کے دکھاؤ۔ گویا آپ نے یہ مسئلہ اِن مولویوں کو ذلیل کرنے کیلئے بیان کیا تھا ورنہ درحقیقت آپ کا یہی عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر موجود ہیں۔ پھر حکیم صاحب نے ایک گندی گالی دے کر کہا کہ مولوی لوگ پورا زور لگا چکے ہیں مگر حضرت مرزا صاحب کے مقابلہ میں ناکام رہے ہیں اس کا اب ایک ہی علاج ہے اور وہ یہ ہے کہ سب مل کر حضرت مرزا صاحب کے پاس جائیں اور کہیں ہم آپ کو سب سے بڑا عالم تسلیم کرتے ہیں ہم ہارے اور آپ جیتے اور اپنی پگڑیاں انکے پاؤں پر رکھ دیں اور درخواست کریں کہ اب آپ ہی قرآن کریم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی ثابت کر دیں ہم تو پھنس گئے ہیں اب معافی چاہتے ہیں اور آپ کو اپنا استاد تسلیم کرتے ہیں۔اگر مولوی لوگ ایسا کریں تو دیکھ لینا حضرت مرزا صاحب نے قرآن کریم میں سے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ ثابت کر دینا ہے۔تو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وہ عظمت دی ہے کہ آپؑ کے مقابلہ میں اور کوئی نہیں ٹھہر سکتا چاہے وہ کتنا ہی بڑا ہو کیونکہ اگر وہ جماعت میں بڑا ہے تو آپ کی غلامی کی وجہ سے بڑا ہے آپ کی غلامی سے باہر نکل کر اس کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔

مجھے یاد ہے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب چشمہ معرفت لکھی تو کسی

مسئلہ کے متعلق آپ کو خیال پیدا ہوا کہ آپ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی بھی کوئی کتاب پڑھ لیں اور دیکھیں کہ انہوں نے اس کے متعلق کیا لکھا ہے۔ آپ نے مجھے بلایا اور فرمایا۔ محمود! ذرا مولوی صاحب کی کتاب تصدیق براہین احمدیہ لاؤ اور مجھے سناؤ۔ چنانچہ میں وہ کتاب لایا اور آپ نے نصف گھنٹہ تک کتاب سنی۔ اس کے بعد فرمایا اس کو واپس رکھ آؤ اس کی ضرورت نہیں۔

اب تم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتاب چشمہ معرفت کو بھی پڑھو اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی کتاب تصدیق براہین احمدیہ کو بھی دیکھو اور پھر سوچو کہ کیا ان دونوں میں کوئی بھی نسبت ہے اور کیا آپ نے کوئی نکتہ بھی اس کتاب سے اخذ کیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام نے اپنی اس کتاب میں پیدائش عالم اور حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق ایسے مسائل بیان فرمائے ہیں کہ ساری دنیا سر دھنتی ہے اور تسلیم کرتی ہے کہ یہ لَایَنْحَلُ عُقدے تھے۔ جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حل کر دیا ہے۔ یہ سب برکت جو ہمیں ملی ہے محض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل ملی ہے۔ اب آپ لوگوں کا کام ہے کہ اپنی ساری زندگی آپ کے لائے ہوئے پیغام کی خدمت میں لگا دیں اور کوشش کریں کہ آپ کے بعد آپ کی اولاد اور پھر اس کی اولاد، اور پھر اس کی اولاد بلکہ آپ کی آئندہ ہزاروں سال تک کی نسلیں اس کی خدمت میں لگی رہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام کی خلافت کو قائم رکھیں۔

مجھ پر یہ بہتان لگایا گیا ہے کہ گویا میں اپنے بعد اپنے کسی بیٹے کو خلیفہ بنانا چاہتا ہوں۔ یہ بالکل غلط ہے اگر میرا کوئی بیٹا ایسا خیال بھی دل میں لائے گا تو وہ اُسی وقت احمدیت سے نکل جائے گا بلکہ میں جماعت سے کہتا ہوں کہ وہ دعائیں کرے کہ خدا تعالیٰ میری اولاد کو اِس قسم کے وسوسوں سے پاک رکھے۔ ایسا نہ ہو کہ اس پراپیگنڈا کی وجہ سے میرے کسی کمزور بچے کے دل میں خلافت کا خیال پیدا ہو جائے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جو آقا تھے اگر ان کی اولاد میں بھی کسی وقت یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ خلافت کو حاصل کریں تو وہ

بھی تباہ ہو جائے گی کیونکہ یہ چیز خدا تعالیٰ نے اپنے قبضے میں رکھی ہوئی ہے اور جو خدا تعالیٰ کے مال کو اپنے قبضہ میں لینا چاہتا ہے وہ چاہے کسی نبی کی اولاد ہو یا کسی خلیفہ کی وہ تباہ و برباد ہو جائے گا کیونکہ خدا تعالیٰ کے گھر میں چوری نہیں ہوسکتی چوری ادنیٰ لوگوں کے گھروں میں ہوتی ہے اور قرآن کریم کہتا ہے۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ [9] کہ مومنوں سے خدا تعالیٰ نے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں اسی طرح خلیفہ بنائے گا جیسے اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا۔ گویا خلافت خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے اور اس نے خود دینی ہے۔ جو اسے لینا چاہتا ہے چاہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بیٹا ہو یا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کا وہ یقیناً سزا پائے گا۔ پس یہ مت سمجھو کہ یہ فتنہ جماعت کو کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے لیکن پھر بھی تمہارا یہ فرض ہے کہ تم اس کا مقابلہ کرو اور اس سلسلہ احمدیہ کو اس سے بچاؤ۔

دیکھو اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ سے وعدہ کیا تھا کہ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ [10] وہ آپ کو لوگوں کے حملوں سے بچائے گا اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ سے زیادہ سچا اور کس کا وعدہ ہو سکتا ہے مگر کیا صحابہؓ نے کبھی آپؐ کی حفاظت کا خیال چھوڑا؟ بلکہ صحابہؓ نے ہر موقع پر آپؐ کی حفاظت کی۔ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر سے باہر ہتھیاروں کی آواز سنی تو آپؐ باہر نکلے اور دریافت کیا کہ یہ کیسی آواز ہے؟ صحابہ نے عرض کیا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! ہم انصار ہیں۔ چونکہ اردگرد دشمن جمع ہے اس لئے ہم ہتھیار لگا کر آپؐ کا پہرہ دینے آئے ہیں۔ اسی طرح جنگ احزاب میں جب دشمن حملہ کرتا تھا تو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کی طرف جاتا تھا۔ آپؐ کے ساتھ اُس وقت صرف سات سَو صحابہ تھے کیونکہ پانچ سَو صحابہؓ کو آپؐ نے عورتوں کی حفاظت کے لئے مقرر کر دیا تھا اور دشمن کی تعداد اُس وقت سولہ ہزار سے زیادہ تھی۔ لیکن اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح ہوئی اور دشمن ناکام و نامراد رہا۔ میور جیسا دشمن اسلام لکھتا ہے کہ اِس جنگ میں مسلمانوں کو فتح اور کفار کے شکست کھانے کی یہ وجہ تھی کہ کفار نے مسلمانوں کی اس محبت کا جو اُنہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے

تھی غلط اندازہ لگایا تھا وہ خندق سے گزر کر سیدھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے کا رُخ کرتے تھے جس کی وجہ سے مسلمان مرد عورتیں اور بچے سب ملکر ان پر حملہ کرتے اور ایسا دیوانہ وار مقابلہ کرتے کہ کفار کو بھاگ جانے پر مجبور کر دیتے ۔ وہ کہتا ہے کہ اگر کفار یہ غلطی نہ کرتے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے کی بجائے کسی اور جہت میں حملہ کرتے تو وہ کامیاب ہوتے ۔ لیکن وہ سیدھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے کا رُخ کرتے تھے اور مسلمانوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت محبت تھی وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ دشمن آپؐ کی ذات پر حملہ آور ہو اس لئے وہ بے جگری سے حملہ کرتے اور کفار کا منہ توڑ دیتے ۔ ان کے اندر شیر کی سی طاقت پیدا ہو جاتی تھی اور وہ اپنی جان کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے ۔ یہ وہ سچی محبت تھی جو صحابہؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی ۔ آپ لوگ بھی ان جیسی محبت اپنے اندر پیدا کریں ۔ جب آپ نے انصار کا نام قبول کیا ہے تو ان جیسی محبت بھی پیدا کریں ۔ آپ کے نام کی نسبت خدا تعالیٰ سے ہے اور خدا تعالیٰ ہمیشہ رہنے والا ہے اس لئے تمہیں بھی چاہیے کہ خلافت کے ساتھ ساتھ انصار کے نام کو ہمیشہ کیلئے قائم رکھو اور ہمیشہ دین کی خدمت میں لگے رہو کیونکہ اگر خلافت قائم رہے گی تو اس کو انصار کی بھی ضرورت ہوگی ۔ خدام کی بھی ضرورت ہوگی اور اطفال کی بھی ضرورت ہوگی ورنہ اکیلا آدمی کوئی کام نہیں کر سکتا ۔ اکیلا نبی بھی کوئی کام نہیں کر سکتا ۔

دیکھو حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حواری دئے ہوئے تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کی جماعت دی ۔ اسی طرح اگر خلافت قائم رہے گی تو ضروری ہے کہ اطفال الاحمدیہ، خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ بھی قائم رہیں ۔ اور جب یہ ساری تنظیمیں قائم رہیں گی تو خلافت بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے قائم رہے گی کیونکہ جب دنیا دیکھے گی کہ جماعت کے لاکھوں لاکھ آدمی خلافت کیلئے جان دینے پر تیار رہیں تو جیسا کہ میور کے قول کے مطابق جنگ احزاب کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ پر حملہ کرنے کی وجہ سے حملہ آور بھاگ جانے پر مجبور ہو جاتے تھے اِسی طرح دشمن ادھر رُخ کرنے کی جرأت نہیں کریگا ۔ وہ سمجھے گا کہ اس کیلئے لاکھوں اطفال ، خدام اور انصار جانیں

دینے کیلئے تیار ہیں اس لئے اگر اس نے حملہ کیا تو وہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔ غرض دشمن کسی رنگ میں بھی آئے جماعت اس سے دھوکا نہیں کھائے گی کسی شاعر نے کہا ہے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش
من انداز قدت را مے شناسم

کہ تو کسی رنگ کا کپڑا پہن کر آ جائے، تو کوئی بھیس بدل لے، میں تیرے دھوکا میں نہیں آ سکتا کیونکہ میں تیرا قد پہچانتا ہوں۔ اسی طرح چاہے خلافت کا دشمن حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی اولاد کی شکل میں آئے اور چاہے وہ کسی بڑے اور مقرب صحابی کی اولاد کی شکل میں آئے ایک مخلص اسے دیکھ کر یہی کہے گا کہ

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش
من انداز قدت را مے شناسم

یعنی تو کسی رنگ میں بھی آ اور کسی بھیس میں بھی آ۔ میں تیرے دھوکا میں نہیں آ سکتا کیونکہ میں تیری چال اور قد کو پہچانتا ہوں۔ تو چاہے مولوی محمد علی صاحب کا جُبّہ پہن لے، چاہے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا جُبّہ پہن لے یا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی اولاد کا جُبّہ پہن لے میں تمہیں پہچان لوں گا اور تیرے دھوکا میں نہیں آؤں گا۔

مجھے راولپنڈی کے ایک خادم نے ایک دفعہ لکھا تھا کہ شروع شروع میں اللہ رکھا میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مری کے امیر کے نام مجھے ایک تعارفی خط لکھ دو۔ میں نے کہا میں کیوں لکھوں۔ مری جا کر پوچھ لو کہ وہاں کی جماعت کا کون امیر ہے۔ مجھے اُس وقت فوراً خیال آیا کہ یہ کوئی منافق ہے چنانچہ میں نے **لَاحَوْلَ** پڑھنا شروع کر دیا اور آدھ گھنٹے تک پڑھتا رہا اور سمجھا کہ شاید مجھ میں بھی کوئی نقص ہے جس کی وجہ سے یہ منافق میرے پاس آیا ہے۔ تو احمدی عقلمند ہوتے ہیں وہ منافقوں کے فریب میں نہیں آتے کوئی کمزور احمدی ان کے فریب میں آ جائے تو اور بات ہے ورنہ اکثر احمدی انہیں خوب جانتے ہیں۔

اب انہوں نے لاہور میں اشتہارات چھاپنے شروع کئے ہیں۔ جب مجھے بعض لوگوں نے یہ اطلاع دی تو میں نے کہا گھبراؤ نہیں، پیسے ختم ہو جائیں گے تو خود بخود اشتہارات بند

ہو جائیں گے۔ مجھے لاہور سے ایک دوست نے لکھا کہ ان لوگوں نے یہ سکیم بنائی ہے کہ وہ اخباروں میں شور مچائیں اور اشتہارات شائع کریں وہ دوست نہایت مخلص ہیں اور منافقین کا بڑے جوش سے مقابلہ کر رہے ہیں۔ مگر منافق اسے کذاب کا خطاب دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شخص یوں ہی ہمارے متعلق خبریں اُڑاتا رہتا ہے لیکن ہم اسے جھوٹا کیونکر کہیں۔ اِدھر ہمارے پاس یہ خبر پہنچی کہ ان لوگوں نے یہ سکیم بنائی ہے کہ اشتہارات شائع کئے جائیں اور اُدھر لاہور کی جماعت نے ہمیں ایک اشتہار بھیج دیا جو ان منافقین نے شائع کیا تھا اور جب بات پوری ہوگئی تو ہم نے سمجھ لیا کہ اس دوست نے جو خبر بھیجی تھی وہ سچی ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو حقیقی انصار بنائے چونکہ تمہاری نسبت اس کے نام سے ہے اس لئے جس طرح وہ ہمیشہ زندہ رہے گا اسی طرح وہ آپ لوگوں کی تنظیم کو بھی تا قیامت زندہ رکھے اور جماعت میں خلافت بھی قائم رہے اور خلافت کی سپاہ بھی قائم رہے لیکن ہماری فوج تلواروں والی نہیں۔ اِن انصار میں سے تو بعض ایسے ضعیف ہیں کہ ان سے ایک ڈنڈا بھی نہیں اُٹھایا جا سکتا لیکن پھر بھی یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی فوج ہیں اور ان کی وجہ سے احمدیت پھیلی ہے اور امید ہے کہ آئندہ خدا تعالیٰ کے فضل سے وہ اور زیادہ پھیلے گی اور اگر جماعت زیادہ مضبوط ہو جائے تو اس کا بوجھ بھی اِنْشَاءَ اللّٰہ ہلکا ہو جائے گا ورنہ انفرادی طور پر کچھ دیر کے بعد آدمی تھک جاتا ہے پس تم اپنے دوستوں اور رشتہ داروں میں احمدیت کی اشاعت کی کوشش کرو اور انہیں تبلیغ کرو تا کہ اگلے سال ہماری جماعت موجودہ تعداد سے دُگنی ہو جائے اور تحریک جدید میں حصہ لینے والے دُگنا چندہ دیں اور پھر اپنی دعاؤں اور نیکی اور تقویٰ کے ساتھ نوجوانوں پر اثر ڈالو تا کہ وہ بھی دعائیں کرنے لگ جائیں اور صاحبِ کشوف و رؤیا ہو جائیں جس جماعت میں صاحبِ کشوف و رؤیا زیادہ ہو جاتے ہیں وہ جماعت مضبوط ہو جاتی ہے۔ کیونکہ انسان کی دلیل سے اتنی تسلی نہیں ہوتی جتنی تسلی کشف اور رؤیا سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے ساتھ ہو''۔

(الفضل ۲۱، ۲۴ مارچ ۱۹۵۷ء)

۱؎ الصف: ۱۵

۲؎ التوبة: ۱۱۷

التوبة: ۱۰۰

۳؎ اليواقيت والجواهر الجزء الثانی صفحہ۳۴۲ مطبوعہ بیروت ۱۹۹۷ء

۴؎ السيرة الحلبية الجزء الثانی باب الهجرة الى المدينة صفحہ۲۲۹ مطبوعہ بیروت لبنان ۲۰۱۲ء

۵؎ السيرة النبوية لابن هشام الجزء الثانی صفحہ۵۷۸ مطبوعہ دمشق ۲۰۰۵ء

۶؎ المائدة: ۲۵

۷، ۸؎ السيرة النبوية لابن هشام الجزء الثانی صفحہ۶۷۴، ۶۷۵ مطبوعہ دمشق ۲۰۰۵ء

۹؎ النور: ۵۶ ۱۰؎ المائدة: ۶۸

اپنی اولاد در اولاد کو خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتے چلے جائیں

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے دوسرے سالانہ اجتماع بمقام ربوہ مؤرخہ ۲۷/اکتوبر ۱۹۵۶ء کو درج ذیل خطاب فرمایا اور اسلام اور احمدیت کی اشاعت اور نظامِ خلافت کیلئے انصار کو اپنا عہد ہمیشہ یاد رکھنے سے متعلق نصائح فرمائیں۔

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

''میں تقریر شروع کرنے سے پہلے انصار اللہ کا عہد دُہراتا ہوں۔ سب دوست کھڑے ہو جائیں اور میرے ساتھ ساتھ عہد دُہراتے جائیں۔

(حضور کے اس ارشاد پر سب دوست کھڑے ہوگئے۔ اور آپ نے مندرجہ ذیل عہد دُہرایا۔)

''اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْکَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ اسلام اور احمدیت کی مضبوطی اور اشاعت اور نظامِ خلافت کی حفاظت کیلئے اِنْشَاءَ اللّٰهُ آخر دم تک جدوجہد کرتا رہوں گا اور اس کیلئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کیلئے ہمیشہ تیار رہوں گا نیز میں اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتا رہوں گا''۔

(اس کے بعد حضور نے فرمایا۔)

کل کی تقریر کے بعد کھانے میں کچھ بد پرہیزی ہوگئی جس کی وجہ سے اسہال آنے شروع ہوگئے اور پھر رات بھر اسہال آتے رہے جس کی وجہ سے میں اِس وقت بہت زیادہ

کمزوری محسوس کر رہا ہوں۔لیکن چونکہ احباب باہر سے تشریف لائے ہوئے ہیں اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ یہاں آ کر جو کچھ بھی کہہ سکوں بیان کر دوں۔

میں نے کل اپنی تقریر میں کہا تھا کہ آپ کا نام انصار اللہ ہے یعنی نہ صرف آپ انصار ہیں بلکہ آپ انصار اللہ ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے مددگار۔اللہ تعالیٰ کو تو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں لیکن اس کی نسبت کی وضاحت سے یہ بتایا گیا ہے کہ آپ ہمیشہ اِس عہد پر قائم رہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ قائم رہنے والا ہے اس پر موت نہیں آتی اس لئے آپ کے عہد پر کبھی موت نہیں آنی چاہیے۔چونکہ موت سے کوئی انسان بچ نہیں سکتا اس لئے انصار اللہ کے معنی یہ ہوں گے کہ جب تک آپ زندہ رہیں گے اس عہد پر قائم رہیں گے اور اگر آپ مر گئے تو آپ کی اولاد اس عہد کو قائم رکھے گی۔یہی وجہ ہے کہ اس عہد میں یہ بات رکھی گئی ہے کہ ''میں اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتا رہوں گا'' اور اگر اللہ تعالیٰ ہماری نسلوں کو اس بات کی توفیق دے دے تو پھر کوئی بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں یہ توفیق مل جائے کہ ہم عیسائیوں سے بھی زیادہ عرصہ تک خلافت کو قائم رکھ سکیں۔خلافت کو زیادہ عرصہ تک قائم رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ تنظیم سلسلہ ایسی مضبوط رہے کہ تبلیغ احمدیت اور تبلیغ اسلام دنیا کے گوشہ گوشہ میں ہوتی رہے جو بغیر خلافت کے نہیں ہوسکتی کیونکہ کوئی ایک آدمی اس بات کی توفیق نہیں رکھتا کہ وہ ہالینڈ، انگلینڈ، جرمنی، سپین، فرانس، سکنڈے نیویا، سوئٹزرلینڈ اور دوسرے ممالک میں مشنری بھیج سکے۔یہ کام تبھی ہوسکتا ہے جب ایک تنظیم ہو اور کوئی ایسا شخص ہو جس کے ہاتھ پر ساری جماعت جمع ہو اور وہ آنہ آنہ، دودو آنہ، چار آنہ، روپیہ دو روپیہ جماعت کے ہر فرد سے وصول کرتا رہے اور اس دو دو آنہ، چار چار آنہ اور روپیہ دو روپیہ سے اتنی رقم جمع ہو جائے کہ ساری دنیا میں تبلیغ ہو سکے۔

دیکھو عیسائیوں کی تعداد ہم سے زیادہ ہے۔وہ اِس وقت ۶۰ کروڑ کے قریب ہیں۔پوپ جو عیسائی خلیفہ ہے اُس نے اِس وقت یہ انتظام کیا ہوا ہے کہ ہر عیسائی سال میں ایک ایک آنہ بطور چندہ دیتا ہے اور اس کو عیسائی پوپ کا آنہ (Pope's Penny) کہتے ہیں

اوراس طرح وہ پونے چار کروڑ روپیہ جمع کر لیتے ہیں۔لیکن آپ لوگ باوجود اس کے کہ اتنا بوجھ اُٹھاتے ہیں کہ کوئی اپنی ماہوار تنخواہ کا ۶ فیصدی چندہ دیتا ہے اور کوئی دس فیصد چندہ دیتا ہے اور پھر بارہ ماہ متواتر دیتا ہے آپ کا چندہ پندرہ بیس لاکھ بنتا ہے۔اس کی وجہ یہی ہے کہ ہماری تعداد عیسائیوں سے بہت تھوڑی ہے۔اگر ہمارے پاس پونے چار کروڑ روپیہ ہو جائے تو شائد ہم دو سال میں عیسائیت کی دھجیاں بکھیر دیں۔اس تھوڑے سے چندہ سے بھی ہم وہ کام کرتے ہیں کہ دنیا دنگ رہ گئی ہے۔چنانچہ عیسائیوں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے جن کے اقتباسات الفضل میں بھی چھپتے رہے ہیں کہ احمدیوں نے ہمارا ناطقہ بند کر دیا ہے جہاں بھی ہم جاتے ہیں احمدیت کی تعلیم کی وجہ سے لوگ ہماری طرف توجہ نہیں کرتے اور نہ صرف نئے لوگ عیسائیت میں داخل نہیں ہوتے بلکہ ہم سے نکل نکل کر لوگ مسلمان ہو رہے ہیں۔ نائیجیریا اور گولڈکوسٹ کے متعلق تو یہ رپورٹ آئی ہے کہ وہاں جو لوگ احمدی ہوئے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر تعداد عیسائیوں سے آئی ہے سیرالیون اور لائبیریا سے بھی رپورٹ آئی ہے کہ عیسائی لوگ کثرت سے احمدیت کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں اور سلسلہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ پاکستان اور ہندوستان میں لوگ زیادہ تر مسلمانوں سے آئے ہیں کیونکہ یہاں مسلمان زیادہ ہیں اور عیسائی کم ہیں لیکن وہاں چونکہ عیسائی زیادہ ہیں اس لئے زیادہ تر احمدی عیسائیوں سے ہی ہوئے ہیں۔ چنانچہ مغربی افریقہ میں احمدیت کی ترقی کے متعلق گولڈکوسٹ یونیورسٹی کالج کے پروفیسر جے سی ولیم سن نے اپنی ایک کتاب ''مسیحؑ یا محمدؐ'' میں لکھا ہے کہ ''اشانٹی گولڈکوسٹ کے جنوبی حصوں میں عیسائیت آجکل ترقی کر رہی ہے لیکن جنوب کے بعض حصوں میں خصوصاً ساحل کے ساتھ ساتھ احمدیہ جماعت کو عظیم فتوحات حاصل ہو رہی ہیں یہ خوشکن توقع کہ گولڈکوسٹ جلد ہی عیسائی بن جائیگا اب معرضِ خطر میں ہے اور یہ خطرہ ہمارے خیال کی وسعتوں سے کہیں زیادہ عظیم ہے کیونکہ تعلیم یافتہ نوجوانوں کی خاصی تعداد احمدیت کی طرف کھنچی چلی جارہی ہے اور یقیناً (یہ صورت) عیسائیت کیلئے ایک کھلا چیلنج ہے۔''

''پھر جو لوگ احمدیت میں داخل ہوئے ہیں ان کے اخلاص کی یہ حالت ہے کہ

سیرالیون کے مشن نے لکھا کہ یہاں ایک عیسائی سردار تھا جس کو یہاں چیف کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ درحقیقت ان کی حیثیت ہمارے ملک کے ذیلداروں کی سی ہوتی ہے مگر وہاں کی گورنمنٹ نے ان چیفس کو بہت زیادہ اختیارات دے رکھے ہیں۔ان کے پاس مقدمات جاتے ہیں اور گورنمنٹ نے ایک خاص حد تک ان کو سزا دینے کا بھی اختیار دیا ہوا ہے۔ وہاں مُلک کے رواج کے مطابق چیف کو خدا تعالیٰ کا قائم مقام سمجھا جاتا ہے اس لئے ان کے ہاں ہماری طرح خدا تعالیٰ کی قسم کھانے کا رواج نہیں بلکہ وہاں یہ رواج ہے کہ جب کسی سے قسم لینی ہو تو چیف کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنا سٹول جس پر وہ بیٹھتا ہے سامنے رکھ دیتا ہے اور مدعی یا اس کا نمائندہ اُس پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے چیف کے اِس سٹول کی قسم کہ میں نے فلاں کی بات کی ہے یا نہیں کی اور اسکی بات مان لی جاتی ہے۔ ہمارے احمدیوں نے چیف کے سٹول پر ہاتھ رکھ کر اس کی قسم کھانے سے انکار کرنا شروع کر دیا اور کہا یہ شرک ہے ہم تو خدا تعالیٰ کی قسم کھائیں گے لیکن چیف نے کہا میں تو خدا تعالیٰ کی قسم نہیں مانتا ہمارے باپ دادا سے یہ رواج چلا آ رہا ہے کہ اِس سٹول کی قسم کھائی جاتی ہے اس لئے میں اس سٹول کی قسم لوں گا لیکن احمدیوں نے ایسی قسم کھانے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ وہاں ایک کے بعد دوسرے احمدی کو سزا ملنی شروع ہوئی لیکن احمدی سٹول کی قسم کھانے سے برابر انکار کرتے گئے۔آخر گورنمنٹ ڈر گئی اور اُس نے کہا آخر تم کتنے احمدیوں کو جیل بند کرو گے احمدیت تو اس علاقہ میں پھیل رہی ہے اور اس کے ماننے والوں کی تعداد روز بروز زیادہ ہو رہی ہے۔ چنانچہ تنگ آ کر گورنمنٹ نے چیفس کو حکم دے دیا کہ اگر کسی مقدمہ میں کسی احمدی سے قسم لینے کی ضرورت پڑے تو اُسے چیف کے سٹول کی قسم نہ دی جائے بلکہ اسے خدا تعالیٰ کی قسم دی جائے کیونکہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم نہیں کھا سکتے تو دیکھو وہاں احمدیت نے کایا پلٹ دی ہے۔

سیرالیون میں ہمارا ایک اخبار چھپتا ہے۔اس کے متعلق ہمارے مبلغ نے لکھا کہ چونکہ ہمارے پاس کوئی پریس نہیں تھا اس لئے عیسائیوں کے پریس سے وہ اخبار چھپنا شروع ہوا۔دو چار پرچوں تک تو وہ برداشت کرتے چلے گئے لیکن جب یہ سلسلہ آگے بڑھا تو

پادریوں کا ایک وفد اُس پریس کے مالک کے پاس گیا اور انہوں نے کہا تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم اپنے پریس میں ایک احمدی اخبار شائع کر رہے ہو جس نے عیسائیوں کی جڑوں پر تبر رکھا ہوا ہے۔ چنانچہ اسے غیرت آئی اور اُس نے کہہ دیا کہ آئندہ میں تمہارا اخبار اپنے پریس پر نہیں چھاپوں گا کیونکہ پادری بُرا مناتے ہیں۔ چنانچہ اخبار چھپنا بند ہو گیا تو عیسائیوں کو اس سے بڑی خوشی ہوئی اور انہوں نے ہمیں جواب دینے کے علاوہ اپنے اخبار میں بھی ایک نوٹ لکھا کہ ہم نے تو احمدیوں کا اخبار چھاپنا بند کر دیا ہے اب ہم دیکھیں گے کہ اسلام کا خدا ان کے لئے کیا سامان پیدا کرتا ہے۔ یعنی پہلے ان کا اخبار ہمارے پریس میں چھپ جایا کرتا تھا اب چونکہ ہم نے انکار کر دیا ہے اور ان کے پاس اپنا کوئی پریس نہیں اس لئے اب ہم دیکھیں گے کہ یہ جو مسیح کے مقابلہ میں اپنا خدا پیش کیا کرتے ہیں اس کی کیا طاقت ہے اگر اس میں کوئی قدرت ہے تو وہ ان کیلئے خود سامان پیدا کرے۔ وہ مبلغ لکھتے ہیں کہ جب میں نے یہ پڑھا تو میرے دل کو سخت تکلیف محسوس ہوئی۔ میں نے اپنی جماعت کو تحریک کی کہ وہ چندہ کر کے اتنی رقم جمع کر دیں کہ ہم اپنا پریس خرید سکیں۔ اس سلسلہ میں میں نے لاری کا ٹکٹ لیا اور پونے تین سَو میل پر ایک احمدی کے پاس گیا تا کہ اُسے تحریک کروں کہ وہ اِس کام میں حصہ لے۔ میں اُس کی طرف جا رہا تھا کہ خدا تعالیٰ نے ایسا فضل کیا کہ ابھی اس کا گاؤں آٹھ میل پرے تھا کہ وہ مجھے ایک دوسری لاری میں بیٹھا ہوا نظر آ گیا اور اس نے بھی مجھے دیکھ لیا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی لاری سے اُتر پڑا اور کہنے لگا آپ کس طرح تشریف لائے ہیں؟ میں نے کہا اِس اِس طرح ایک عیسائی اخبار نے لکھا ہے کہ ہم نے تو ان کا اخبار چھاپنا بند کر دیا ہے اگر مسیح کے مقابلہ میں ان کے خدا میں بھی کوئی طاقت ہے تو وہ کوئی معجزہ دکھا دے۔ وہ کہنے لگا آپ یہیں بیٹھیں میں ابھی گاؤں سے ہو کر آتا ہوں۔ چنانچہ وہ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد ہی اُس نے پانچ سَو پونڈ لا کر مجھے دے دیئے۔ پانچ سَو پونڈ وہ اس سے پہلے دے چکا تھا گویا تیرہ ہزار روپیہ کے قریب اس نے رقم دے دی اور کہا میری خواہش ہے کہ آپ پریس کا جلدی انتظام کریں تا کہ ہم عیسائیوں کو جواب دے سکیں کہ اگر تم نے ہمارا اخبار چھاپنے سے انکار کر دیا تھا تو اب ہمارے خدا نے بھی ہمیں اپنا پریس دے دیا ہے۔

جماعت کے دوسرے دوستوں نے بھی اِس تحریک میں حصہ لیا ہے اور اِس وقت تک ۱۸۰۰ پونڈ سے زیادہ رقم جمع ہو چکی ہے اور انگلینڈ میں ایک احمدی دوست کے ذریعہ پریس کیلئے آرڈر دے دیا گیا ہے۔

یہ شخص جس کے پاس ہمارا مبلغ گیا کسی زمانہ میں احمدیت کا شدید مخالف ہوا کرتا تھا۔ اتنا سخت مخالف کہ ایک دفعہ کوئی احمدی اس کے ساتھ دریا کے کنارے جارہا تھا کہ اُس احمدی نے اُسے تبلیغ شروع کر دی۔ وہ دریا کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا کہ دیکھو! یہ دریا اِدھر سے اُدھر بہہ رہا ہے اگر یہ دریا یک دَم اپنا رُخ بدل لے اور نیچے سے اوپر کی طرف اُلٹا بہنا شروع کر دے تو یہ ممکن ہے لیکن میرا احمدی ہونا ناممکن ہے۔ مگر کچھ دنوں کے بعد ایسا اتفاق ہوا کہ کوئی بڑا عالم فاضل نہیں بلکہ ایک لوکل افریقین احمدی اُس سے ملا اور چند دن اُس سے باتیں کیں تو وہ احمدی ہوگیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بھی اُس کی مدد کی اور اُس کی مالی حالت پہلے سے بہت اچھی ہوگئی۔ اب دیکھ لو اِن لوگوں کے اندر جو اسلام اور احمدیت کیلئے غیرت پیدا ہوئی ہے وہ محض احمدیت کی برکت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔

دنیا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر الزام لگاتی تھی کہ آپ عیسائیت کے ایجنٹ ہیں مگر خدا تعالیٰ نے ثابت کر دیا کہ آپ عیسائیت کے ایجنٹ نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے ایجنٹ ہیں۔ اگر آپ مخالفوں کے قول کے مطابق عیسائیت کے ایجنٹ تھے تو عیسائیوں کو مسلمان بنانے کے کیا معنی۔ اگر آپ عیسائیوں کے ایجنٹ ہوتے تو آپ مسلمانوں کو عیسائی بناتے نہ کہ عیسائیوں کو مسلمان۔ کیونکہ کوئی شخص اپنے دشمن کی تائید کیلئے تیار نہیں ہوتا۔ جو شخص عیسائیت کی جڑوں پر تبر رکھتا ہے عیسائی لوگ اس کی مدد کیوں کریں گے۔

حضرت مسیح ناصریؑ سے بھی بالکل اس طرح کا واقعہ ہوا تھا آپ پر یہودیوں نے الزام لگایا کہ انہیں بعل بُت سکھاتا ہے۔ اس پر حضرت مسیح علیہ السلام نے انہیں جواب دیا کہ میں بعل بُت کے خلاف تعلیم دیتا ہوں اور کہتا ہوں کہ ایک خدا کی پرستش کرو۔ پھر تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ بعل مجھے سکھاتا ہے اور میری تائید کرتا ہے۔ اب دیکھو یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کتنا بڑا نشان ہے کہ آپؑ کی زندگی میں تو مخالف کہتے رہے کہ آپؑ عیسائیت کے ایجنٹ ہیں

لیکن آپ کی وفات کے بعد آپ کے ماننے والی غریب جماعت کو اس نے یہ توفیق دی کہ وہ عیسائیت کو شکست دے۔ اس نے چندے دیئے اور تبلیغ کا جال پھیلا دیا۔ اگر وہ چندے نہ دیتے اور ہمارے مبلغ دنیا کے مختلف ممالک میں نہ جاتے تو یہ لوگ جو احمدیت میں داخل ہیں کہاں سے آتے اور عیسائیت کا کام کیسے بند ہوتا۔ جیسا کہ میں نے پہلے بتایا ہے کہ انہی چندوں کی وجہ سے یہ حالت ہوگئی کہ عیسائیوں کو ایک ملک کے متعلق یہ کہنا پڑا کہ یہ خوشکن امید کہ یہ ملک عیسائی ہو جائے گا پوری نہیں ہوسکتی۔ اب غالباً اسلام عیسائیت کی جگہ اس ملک میں ترقی کر رہا ہے۔ احمدی جماعت کی طرف سے سکول جاری ہو رہے ہیں۔ کالج قائم کئے جا رہے ہیں۔ مساجد تعمیر ہو رہی ہیں چنانچہ گولڈ کوسٹ کے علاقہ میں کماسی مقام پر ہمارا سیکنڈری سکول قائم ہے۔ کہتے تو اسے کالج ہیں وہاں صرف ایف اے تک تعلیم دی جاتی ہے۔ کئی کئی میل سے لوگ اپنے بچے یہاں بھیجتے ہیں۔ ان لوگوں کو دین پڑھنے کا شوق ہے۔ پچھلے سال ایک لڑکا یہاں تعلیم حاصل کرنے کیلئے آیا۔ اس کے متعلق وہاں کے مبلغ نے لکھا کہ اس کی والدہ میرے پاس آئی اور کہا میرے اس بچے کو ربوہ میں رکھنے کا انتظام کریں تا کہ یہ وہاں تعلیم حاصل کر سکے۔ مبلغ نے کہا بی بی! تو بیوہ عورت ہے اتنا بوجھ کیوں اُٹھاتی ہے یہ رقم تیرے کام آئے گی۔ شاید تو خیال کرتی ہو کہ ربوہ میں تیرا لڑکا بی اے یا ایم اے ہو جائے گا وہاں تو وہ لوگ دینیات پڑھاتے ہیں۔ اس پر وہ عورت کہنے لگی میں تو اپنے لڑکے کو ربوہ بھیجتی ہی اس لئے ہوں کہ وہ وہاں جا کر دین کی تعلیم حاصل کرے آپ اسے وہاں بھیجئے خرچ میں دوں گی۔ چنانچہ وہ لڑکا یہاں تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد واپس اپنے ملک جائیگا تو وہاں کا مبلغ بن جائے گا۔ اسی طرح ایسٹ افریقہ سے امری عبیدی آئے تھے۔ وہ عیسائیوں میں سے احمدی ہوئے ہیں۔ حبشیوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ کم عقل ہوتے ہیں لیکن وہ شخص اتنا ذہین ہے کہ اس نے اس بات کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ کراچی میں پچھلے دنوں نوجوانوں کی ایک انجمن کی کانفرنس ہوئی تھی۔ اس میں انہوں نے ہمیں نہیں بلایا تھا لیکن ہم نے خود بعض لڑکے وہاں بھیج دیئے تھے ان میں سے ایک امری عبیدی بھی تھے بعد میں وہاں سے رپورٹ آئی کہ وہ ہر بات میں امری عبیدی سے

مشورہ لیتے تھے اور اس کو آگے کرتے تھے گویا وہ تو ہمیں بلاتے بھی نہیں تھے لیکن جب ہمارے نوجوان وہاں گئے تو وہ ہر بات میں ہمارے اس نوجوان سے مشورہ کرتے تھے اور اسے آگے کرتے تھے اب وہ واپس پہنچ گئے ہیں اور ان کی طرف سے چٹھی آئی ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے انہوں نے تبلیغ کا کام شروع کر دیا ہے۔ خدا تعالیٰ وہ دن جلد لائے کہ جب یہ ساری قوم احمدیت کو قبول کر لے۔ تو یہ جو کچھ ہو رہا ہے محض نظام کی برکت کی وجہ سے ہو رہا ہے اور اس نظام کا ہی دوسرا نام خلافت ہے۔ خلافت کوئی علیحدہ چیز نہیں بلکہ خلافت نام ہے نظام کا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی کتاب الوصیت میں فرماتے ہیں کہ:۔

''اے عزیزو جب کہ قدیم سے سنت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دو قدرتیں دکھلاتا ہے تا مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھلا دے۔ سو اب ممکن نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی قدیم سنت کو ترک کر دیوے اس لئے تم میری اس بات سے جو میں نے تمہارے پاس بیان کی غمگین مت ہو اور تمہارے دل پریشان نہ ہو جائیں۔ کیونکہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا اور وہ دوسری قدرت نہیں آ سکتی جب تک میں نہ جاؤں۔ لیکن میں جب جاؤں گا تو پھر خدا اس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا'' [1]

اب دیکھو قدرتِ ثانیہ کسی انجمن کا نام نہیں قدرتِ ثانیہ خلافت اور نظام کا نام ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام فرماتے ہیں کہ میں تو کچھ مدت تک تمہارے اندر رہ سکتا ہوں مگر یہ قدرتِ ثانیہ دائمی ہوگی اور اس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا اور قیامت تک نہ کوئی نبی رہ سکتا ہے اور نہ کوئی خلیفہ رہ سکتا ہے ہاں خلافت قیامت تک رہ سکتی ہے، نظام قیامت تک رہ سکتا ہے۔ پس یہاں قدرتِ ثانیہ سے خلافت ہی مراد ہے کیونکہ خلیفہ تو فوت ہو جاتا ہے لیکن خلافت قیامت تک جا سکتی ہے۔ اگر جماعت ایک خلیفہ کے بعد دوسرا خلیفہ مانتی چلی جائے اور قیامت تک مانتی چلی جائے تو ایک عیسائیت کیا ہزاروں عیسائیتیں

بھی احمدیوں کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتیں کیونکہ ہمارے پاس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دیا ہوا دلائل و براہین کا وہ ذخیرہ ہے جو کسی اور قوم کے پاس نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سپرد یہ کام کیا ہے کہ آپ اسلام کو ساری دنیا پر غالب کر دیں۔ اب وہ زمانہ جب اسلام تمام دنیا پر غالب ہوگا کسی ایک آدمی کی کوشش سے نہیں آ سکتا بلکہ اس کے لئے ایک لمبے زمانہ تک لاکھوں آدمیوں کی جدوجہد کی ضرورت ہے پس یہ کام صرف خلافت کے ذریعہ ہی پورا ہوسکتا ہے لیکن اس کا سارا کریڈٹ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملے گا جن کے دیئے ہوئے ہتھیار ہم استعمال کرتے ہیں۔ باقی باتیں محض خوشہ چینی ہیں۔ جیسے کوئی شخص کسی باغ میں چلا جائے اور اس کے پھل کھالے تو وہ پھلوں کا مزہ تو اُٹھالے گا لیکن اصل مزہ اُٹھانا اُس کا ہے جس نے وہ باغ لگایا۔ لطیفہ مشہور ہے کہ کوئی شخص سل کے عارضہ سے بیمار ہوگیا اُس نے بہتیرا علاج کرایا مگر اسے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ جب ڈاکٹروں نے اسے لاعِلاج قرار دے دیا تو وہ اپنے وطن واپس آ گیا۔ وہ شخص وزیرآباد کے قریب سڑک پر جا رہا تھا کہ اسے ایک پہلوان ملا جو کہ متکبرانہ طور پر سڑک پر چل رہا تھا اُس نے اُس عام دستور کے مطابق کہ پہلوان اپنا سر منڈ والیتے ہیں تا کہ کشتی میں ان کا مدِ مقابل ان کے بال نہ پکڑے اپنے بال منڈائے ہوتے تھے۔ اس بیمار شخص کی حالت بہت کمزور تھی لیکن اُس پہلوان کو دیکھ کر اسے شرارت سوجھی اور اس نے آہستہ سے جا کر اس کے سر پر ٹھینگا مارا۔ اِس پر اُس پہلوان کو غصہ آ گیا اور اُس نے سمجھا کہ اس شخص نے میری ہتک کی ہے۔ چنانچہ اس نے اُسے ٹھڈوں سے خوب مارا۔ جب وہ اسے ٹھڈے مار رہا تھا تو وہ کہتا جاتا تھا کہ تو جتنے ٹھڈے چاہے مار لے جتنا مزہ مجھے اس ٹھینگا مارنے میں آیا ہے تجھے ٹھڈوں سے نہیں آ سکتا۔ اسی طرح جو مزہ ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دلائل میں آیا ہے وہ عیسائیت کو اپنی طاقت کے زمانہ میں بھی نہیں آیا۔

دیکھ لو عیسائی ہم پر حاکم تھے اور ہم کمزور اور ماتحت رعایا تھے۔ ہمارے پاس نہ تلوار تھی اور نہ کوئی مادی طاقت لیکن خدا تعالیٰ کا ایک پہلوان آیا اور اُس نے ہمیں وہ دلائل دیئے کہ جن سے اب ہم امریکہ انگلینڈ اور دوسرے سب ممالک کو شکست دے رہے ہیں یہ

جوٹھینگے کا مزہ ہے وہ ان کے ٹھڈوں میں نہیں تو یہ برکت جو خدا تعالیٰ نے ہمیں دی ہے محض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل دی ہے اور جوں جوں ہمارے مبلغ کام کریں گے اور احمدیت ترقی کرے گی ہمیں اور زیادہ برکت ملے گی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں تیرے ذریعہ اسلام کو دنیا پر غالب کروں گا اب جو شخص بھی اسلام کی تبلیغ کیلئے باہر نکلتا ہے اور جو شخص بھی تبلیغ کیلئے ایک پیسہ بھی دیتا ہے درحقیقت اپنے دائرہ میں وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہے۔ اور جو وعدے خدا تعالیٰ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تھے وہ اپنے درجہ اور مقام کے لحاظ سے اس کے ساتھ بھی ہونگے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو فوت ہو گئے اور قرآن کریم ایک کتاب ہے جو بولتی نہیں اب جو مبلغ ہیں وہی بولیں گے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ایک رنگ میں آپ کے نائب ہونگے پس جوں جوں وہ امریکہ، انگلستان اور دوسرے ممالک میں تبلیغ کریں گے اور اسلام بڑھے گا خلافت محمدیہ ظلی طور پر خدا تعالیٰ اِنہیں دیتا چلا جائے گا لیکن ان کی وہاں خلافت قائم رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ یہاں مرکز میں بھی خلافت قائم ہو جو تمام احمدیوں کو اکٹھا رکھے اور اِنہیں خرچ بھجوائے تا کہ وہ اپنی اپنی جگہ کام کر سکیں۔ پھر جوں جوں چندے بڑھتے جائیں تبلیغ کے نظام کو وسیع کرتے چلے جائیں۔

میں نے کل بتایا تھا عیسائی خلافت نے ۵۲ لاکھ مبلغ تبلیغ کیلئے تیار کیا ہوا ہے اور اس کے مقابلہ میں ہماری طرف سے صرف سَو ڈیڑھ سَو مبلغ ہے۔ جس دن مسیح محمدی کو ۵۲ لاکھ مبلغ مل گئے اُس دن بھاگتے ہوئے عیسائیت کو رستہ نہیں ملے گا۔''

(الفضل ۲۶، ۲۷ مارچ ۱۹۵۷ء)

---

۱ الوصیت روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۰۵ ایڈیشن ۲۰۰۸ء

نظامِ آسمانی کی مخالفت اور اس کا پس منظر

(تقریر فرمودہ ۲۷ردسمبر ۱۹۵۶ء برموقع جلسہ سالانہ ربوہ)

تشہّد ،تعوّ ذ اورسورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

’’آج کی تقریر عام طور پر عام مسائل پر ہوا کرتی تھی لیکن اِس دفعہ فتنہ کی وجہ سے مجھے اس تقریر کیلئے بھی ایک ایسا موضوع چننا پڑا جو اِس زمانہ میں جماعت احمدیہ کیلئے اس وجہ سے کہ اس کا تعلق خلافت احمدیہ سے ہے اور جماعت احمدیہ میں جو لوگ شامل نہیں ان کے لئے اس لئے کہ اس میں ایک اسلامی موضوع بیان ہوا ہے نہایت اہمیت رکھنے والا ہے۔ اور دوسرے اس لئے بھی میں نے اسے چنا ہے کہ اگر وہ ہمارے اندر فتنہ پیدا ہونے سے خوش ہوتے ہیں تو اور بھی خوش ہو جائیں اور ساری تفصیل ان کو معلوم ہو جائے۔ لیکن اس کی تفصیلات اتنی ہوگئی ہیں کہ میں حیران ہوں کہ اس مضمون کو کس طرح بیان کروں۔ بعض دوستوں نے مشورہ دیا ہے کہ اس کے بعض حصوں میں مَیں صرف نوٹ پڑھ کر سنا دوں۔ پہلے میری عادت تھی کہ باریک نوٹ چھوٹے کاغذ پر آٹھ یا بارہ صفحے کے لکھے ہوئے ہوتے تھے ،حد سے حد سولہ صفحے کے۔ بعض بہت لمبی لمبی پانچ پانچ چھ چھ گھنٹہ کی تقریریں ہوئیں تو ان میں چوبیں صفحہ کے بھی نوٹ ہوتے تھے لیکن وہ ایسے صفحے ہوتے ہیں کہ ایک فل سکیپ سائز کے کاغذ کے آٹھ صفحے بنتے ہیں مگر اِس دفعہ یہ نوٹ بہت لمبے ہوگئے ہیں۔ دوستوں نے مشورہ دیا ہے کہ میں وہ نوٹ ہی پڑھ کر سنا دوں۔ گو بعض دوسروں نے کہا ہے کہ آپ پڑھ کر سنا ہی نہیں سکتے جب پڑھ کے سنانے لگیں گے تو کچھ نہ کچھ اپنی باتیں شروع کر دیں گے اس طرح تقریر لمبی ہو جائے گی۔ گو یہ ہوسکتا ہے کہ بعض حصے جو رہ جائیں اُن کو بعد میں شائع

کر دیا جائے مگر مناسب یہی ہے کہ احباب جو جمع ہوئے ہیں اُن تک مضمون میری زبان سے پہنچ جائے اس لئے جہاں بھی ایسا موقع آیا کہ مجھے معلوم ہوا کہ مضمون لمبا ہو رہا ہے تو میں صرف نوٹ پڑھ کے سنا دوں گا تا کہ اِس جلسہ میں یہ تقریر ختم ہو جائے۔

نظامِ آسمانی کی مخالفت اور اس کا پس منظر

سورۃ اعلیٰ کے آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى [1] یعنی جو شخص پاک ہوتا ہے وہ کامیاب ہو جاتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہے اور نمازیں پڑھتا ہے وہ بھی کامیاب ہو جاتا ہے لیکن اے قرآن کریم کے مخاطب! تم لوگ دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دیتے ہو یعنی دنیا کو دین پر مقدم کرتے ہو حالانکہ دین دُنیا پر مقدم ہے اور قائم رہنے والا ہے۔ یہی بات پہلی کتابوں میں بھی لکھی ہوئی ہے۔ ابراہیمؑ کی کتاب میں بھی لکھی ہے اور موسیٰؑ کی کتاب میں بھی یہی بات لکھی ہے۔

ان آیات سے جو میں نے پڑھی ہیں ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو وحی نازل ہوئی تھی ان دونوں میں یہ کہا گیا تھا کہ اے لوگو! آخرت یعنی دین کو دنیا پر مقدم کرو۔ دنیا کو دین یعنی آخرت پر مقدم نہ کرو ورنہ تمہارا الٰہی نظام سے ٹکراؤ ہو جائیگا اور تم حق کو نہیں پا سکو گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام کو بھی یہی پُرانی تعلیم سکھائی گئی اور آپ نے اپنی بیعت میں یہ الفاظ رکھے کہ:

''میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا''

درحقیقت یہی تعلیم ہے جس کے نہ ماننے کی وجہ سے نظامِ آسمانی کی مخالفت کی جاتی ہے یعنی رقابت یا لالچ یا بغض کی وجہ سے۔

آدم کے زمانہ میں شیطان کی مخالفت

چنانچہ آدم کو دیکھ لو شیطان نے اس کے لائے ہوئے نظام کی مخالفت کی۔

اس مخالفت کی وجہ کیا تھی؟ قرآن کریم اسے یوں بیان فرماتا ہے۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۳﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۶﴾ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَيْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۸﴾ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۹﴾ [۲]

یعنی اے شیطان! جب میں نے کہا تھا کہ اس آدم کی خاطر اس کی پیدائش کی خوشی میں میرے آگے سجدہ کرو تو تم نے کیوں سجدہ نہیں کیا؟ یا میں نے کہا تھا کہ آدم کی فرمانبرداری کرو تو تم نے کیوں فرمانبرداری نہیں کی؟ تو اُس نے جواب دیا میں نے اس لئے ایسا نہیں کیا کہ میں اِس سے اچھا ہوں (قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ) یعنی میری نافرمانی کی وجہ رقابت تھی مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا اور اسے گیلی مٹی سے پید کیا ہے (خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کو آدم سے یہی بغض تھا کہ میں تو اِس سے اعلیٰ ہوں پھر اِس کو مجھ پر فضیلت کیوں دی گئی۔ یہی بغض ابلیس کے ساتھیوں کو آدم کے ساتھیوں سے تھا یعنی دُنیا کو دین پر مقدم کرنا ساری مخالفت کا باعث تھا۔ وہ یہ نہیں دیکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو بڑھایا ہے بلکہ وہ یہ دیکھتے تھے کہ ہم پر اس کو فضیلت دے دی گئی ہے۔ چنانچہ اس کے آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے شیطان! میرے نظام سے باہر نکل جا (قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا) کیونکہ تیرا کوئی حق نہیں تھا کہ میری جماعت میں شامل ہوتے ہوئے تکبر کرتا اور میرے مقرر کردہ خلیفہ سے اپنے آپ کو بڑا سمجھتا (فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا) پس نکل جا کیونکہ ذلّت تیرے نصیب میں ہے (فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ) اُس نے کہا! الٰہی! جب تک یہ قوم ترقی کرے اور دنیا پر غالب آجائے مجھے ڈھیل دے اور موقع دے کہ میں ان کو خراب کروں (قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ) اللہ تعالیٰ نے فرمایا

ہاں ان کی ترقی کے زمانہ تک میں تجھے ڈھیل دوں گا (قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ) اس پر شیطان نے کہا کہ مجھے بھی تیری ہی ذات کی قسم! کہ چونکہ تو نے اپنے نظام کو تباہی سے بچانے کیلئے مجھے ہلاکت میں ڈالا ہے اِس لئے میں بھی تیرے نظام پر چلنے والوں کی تباہی کیلئے تیرے سیدھے راستہ پر ڈاکوؤں کی طرح بیٹھوں گا (قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ) پھر میں اُن کے پاس کبھی تو اُن کے لیڈروں کے ذریعہ سے آؤں گا (ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ) اور کبھی اُن کے چھوٹے لوگوں کے ذریعہ سے آؤں گا (وَمِنْ خَلْفِهِمْ) اور کبھی دینی دلیلیں دے دے کر ورغلاؤں گا (وَ عَنْ اَيْمَانِهِمْ) اور کبھی دُنیوی طور پر اُن کو ورغلاؤں گا کہ اگر تم نے ان تعلیموں پر عمل کیا تو حکومت مخالف ہو جائے گی۔ (وَ عَنْ شَمَآئِلِهِمْ) اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائیگا (وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ) یعنی تو دیکھ لے گا کہ ان میں سے اکثر تیری نعمتِ خلافت پر شکر گزار نہیں ہیں بلکہ اکثر ان میں سے شبہات میں پڑ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تیری ان لافوں کی پرواہ نہیں کرتا تو میرے نظامِ جماعت سے نکل جا تجھے ہمیشہ گنہگار قرار دیا جائے گا اور تجھے حقیر سمجھا جائے گا اور تجھے جماعت حقہ اسلامیہ سے دھتکارا جائے گا۔ (قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا) اور جو اِن لوگوں میں سے تیری اِتباع کریں گے ان سب کو میں جہنم میں جھونک دوں گا یعنی ناکام اور حسرتوں کا شکار بنا دوں گا (لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ)

اِس ارشاد پر صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے پورا عمل کیا جو ہمیشہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ کہتے آئے ہیں۔ باقی جماعتوں میں سے کچھ لوگوں نے اس پر عمل تو کیا ہے لیکن اس کو اہم اصل قرار دے کر اسے یاد نہیں رکھا۔ ان آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ مخالفین نظامِ الٰہی کو اپنے آپ سے جدا کر دینا خدائی حکم ہے اور یہ خدا کا وعدہ ہے کہ وہ ناکام و نامراد رہیں گے چنانچہ جس وقت یہ فتنہ☆ شروع ہوا ہے بہت سے جماعت کے مخلصین نے مجھے لکھا کہ آپ خواہ مخواہ ان کو موقع کیوں دیتے ہیں کیوں نہیں انہیں

☆یعنی تازہ فتنہ منافقین

جماعت سے خارج کر دیتے۔ بعض کمزور ایسے بھی تھے جنہوں نے یہ لکھنا شروع کیا کہ آخر حضرت خلیفہ اوّل کی اولاد ہے۔ اس پر مجھے مولوی رحیم بخش صاحب کا واقعہ یاد آ گیا۔ ۱۹۱۴ء میں جب مولوی محمد احسن صاحب نے لاہوریوں کے لالچ دلانے پر اشتہار شائع کیا کہ میں نے ہی میاں محمود کو خلیفہ بنایا تھا اور میں ہی ان کو خلافت سے اُتارتا ہوں تو جماعت نے اُس وقت یہ ریزولیوشن پیش کیا کہ ان کو جماعت سے نکالا جائے۔ مولوی رحیم بخش صاحب سیالکوٹ کے ایک بڈھے صحابی تھے وہ کھڑے ہو گئے اور بڑے زور سے کہنے لگے کہ ایسا ریزولیوشن پاس نہ کرو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کو فرشتہ قرار دیا ہے۔ میں نے کھڑے ہو کر کہا کہ مولوی صاحب! آپ کا کیا منشا ہے کہ جو کہتا ہے کہ خلافت توڑ دو اُس کو جماعت سے نہ نکالیں؟ تو کہنے لگے اگر ایسا ہے تو پھر اس کو جماعت سے نکال دو۔

تو وہ لوگ جو آج بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ حضرت خلیفہ اوّل کی اولاد ہے ان سے میں کہتا ہوں کہ یہ تو حضرت خلیفہ اوّل کی اولاد ہے اور مولوی محمد احسن کے متعلق حضرت صاحب نے کسی خط میں لکھا ہے کہ یہ جو حدیث میں آیا تھا کہ مسیح موعودؑ دو فرشتوں پر اُترے گا ان میں سے ایک مولوی محمد احسن بھی ہیں۔ اُس وقت تو جماعت نے اتنی ہمت کی کہ مولوی محمد احسن کو جن کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرشتہ قرار دیا تھا انہوں نے کہا کہ خلیفہ کے سامنے اگر فرشتہ بھی کھڑا ہوتا ہے تو نکالو اُسے۔ حضرت خلیفہ اوّل بھی یہی کہا کرتے تھے کہ اگر تم فرشتے بھی بن جاؤ تو خلیفہ پر اعتراض کرنے پر تم پکڑے جاؤ گے لیکن آج بعض کمزور دل کہتے ہیں کہ یہ حضرت خلیفہ اوّل کی اولاد ہیں ان کو کچھ نہ کہو۔ جماعت کو تباہ ہونے دو۔ مرزا صاحب کے سلسلہ کو تباہ ہونے دو۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے مشن کو نقصان پہنچنے دو۔ قرآن کریم کی تعلیم کو غلط ہونے دو۔ اسلام کو کمزور ہونے دو، پر حضرت خلیفہ اوّل کی اولاد کو کچھ نہ کہو۔ گویا حضرت خلیفہ اوّل کی اولاد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی زیادہ معزز ہے، وہ قرآن سے بھی زیادہ معزز ہے، وہ اسلام سے بھی زیادہ معزز ہے، وہ مسیح موعودؑ سے بھی زیادہ معزز ہے، وہ مسیح موعودؑ کے خاندان سے بھی زیادہ معزز ہے، وہ مسیح موعودؑ کے الہامات سے بھی زیادہ معزز ہے ان کو کچھ نہ کہو سلسلہ کو تباہ ہونے دو۔ قرآن کریم کی تعلیم کو غلط ہونے دو،

خلافت کو مٹنے دو، خدا کے کلام کو غلط ثابت ہونے دو مگر یہ کام نہ کرو۔ تو کچھ لوگوں نے تو یہ کہا چنانچہ مری میں جب ایک صاحب کو پتہ لگا کہ میں ایک اشتہار لکھ رہا ہوں تو کہنے لگے نہ۔نہ۔نہ۔نہ آپ نے ۲۵ سال ان کو معاف کیا ہے اب بھی معاف کر دیجئے۔ میں نے کہا مجھے ۲۵ سال معاف کرنے کی سزا ہی تو مل رہی ہے اگر میں اِن کو ۲۵ سال معاف نہ کرتا اور ۱۹۲۶ء میں ہی ان کو کیڑے کی طرح باہر نکال کے پھینک دیتا تو آج ان کو یہ کہاں ہمت ہوتی۔ یہ ''مولانا'' بنے ہمارے وظیفے کھا کھا کے۔ یہ طبیب بنے سلسلہ سے وظیفے لے لے کر۔ اور اب اِن کو یہ جرأت پیدا ہوگئی کہ کہہ دیا کہ ''حضرت مولانا'' نے مسند احمد بن حنبلؒ کی تبویب کی ہے۔ حالانکہ مسند احمد بن حنبلؒ کی تبویب کا کچھ حصہ حضرت خلیفہ اوّل نے کیا ہوا تھا وہ فہرست لائبریری سے مولوی عبدالمنان نے عاریۃً لی اور واپس نہ کی اور اس کے اوپر کتاب لکھی اور وہ بھی جامعہ احمدیہ کے پروفیسروں اور طالبعلموں کی مدد سے اور پھر اس کے بعد کہہ دیا کہ یہ عظیم الشان کام میں نے کیا ہے۔ جب یہ ہوا تو ہمارے مولویوں کو غیرت پیدا ہوئی اور انہوں نے مجھے کہا کہ اس کتاب کو چھوڑیں ہم لکھ دیں گے۔ میں نے کہا بشرطیکہ جلسہ سے پہلے لکھ دو۔ چنانچہ بارہ دن ہوئے وہ مجھے اطلاع دے چکے ہیں کہ مسند احمد بن حنبلؒ کی تبویب اس سے زیادہ مکمل جس کا دعویٰ مولوی عبدالمنان کرتے ہیں ہم تیار کر چکے ہیں اور اس لئے گو اس کی چھپوائی پر بڑی رقم خرچ ہوگی مگر میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کو جزو جزو کر کے شائع کر دیا جائے تاکہ پہلے اجزاء کی قیمت سے اس کے آخری اجزاء چھاپے جاسکیں اور حضرت خلیفہ اوّل کی خواہش پوری ہو جائے۔ خود میں نے بھی اس کے متعلق ۱۹۴۴ء میں ایک تقریر کی ہوئی ہے اور تبویب کے متعلق بعض باتیں بیان کی ہوئی ہیں میں نے کہہ دیا ہے کہ ان کو بھی تبویب میں مدنظر رکھا جائے تاکہ وہ بہت زیادہ مفید ہو سکے۔ اس بیماری کے بعد کئی باتیں مجھے اب تک پرانے زمانہ کی بھی یاد ہیں مگر کئی باتیں قریب کی بھولی ہوئی ہیں مجھے بالکل یاد نہیں تھا کہ ۱۹۴۴ء میں مَیں نے مسند احمد بن حنبلؒ پڑھ کر اس کے متعلق تقریر کی ہوئی ہے کہ اس میں اِن اِن اصلاحوں کی ضرورت ہے۔ اب ایک مبلغ آیا اور کہنے لگا کہ آپ کی تو اس پر بڑی اعلیٰ درجہ کی ایک تقریر ہے جو ''الفضل'' میں چھپ چکی ہے۔ چنانچہ

اس نے وہ تقریر سنائی پھر مجھے یاد آیا کہ میں نے اس کتاب کو خوب اچھی طرح غور سے پڑھا ہوا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں شیطان کا حملہ

حضرت آدمؑ کے بعد پھر نئے دورِ روحانی کے آدم حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے جن سے آگے اسحاق اور اسماعیلی دَور چلنا تھا۔ اسحاقؑ کی نسل سے موسوی سلسلہ کی بنیاد پڑنی تھی اور اسماعیلؑ کی نسل سے محمدی سلسلہ کی بنیاد پڑنی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں بھی پھر وہی آدمؑ والی حکایت دُہرائی گئی چنانچہ شیطان نے پھر ایک نئے حملہ کی تجویز کی۔ یہودی کتب میں لکھا ہے اور اشارۃً قرآن کریم میں بھی اس کا ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد فوت ہو گئے اور ان کے چچا جو ایک بت خانہ کے مجاور تھے ان کے متولی بنے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے بچپن سے ہی توحید پر قائم کر دیا تھا جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن سے ہی توحید پر قائم کر دیا تھا۔ جب انہوں نے بتوں کی مخالفت شروع کی تو چچا کے بیٹوں نے اپنے باپ کے پاس ان کی شکایت کر دی اور لوگوں کو بھی یہ بتایا کہ یہ لڑکا بتوں کی حقارت کرتا ہے۔ چنانچہ لوگ جوق در جوق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بحث کے لئے آنے شروع ہوئے اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو شرمندہ کرنے کیلئے ان کے بعض بتوں کو توڑ دیا تو انہوں نے اس حسد کی بناء پر جس کی وجہ سے ابلیس نے آدمؑ کا مقابلہ کیا تھا پبلک میں شور مچا دیا کہ ابراہیمؑ کو لاؤ اور اس کو آگ میں جلا دو۔ جس کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا ملک چھوڑنا پڑا۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا تھے یہ ہجرت ان کو مہنگی نہیں پڑی بلکہ مفید پڑی۔ جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت اُن کو مہنگی نہیں پڑی بلکہ مفید پڑی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہجرت کے بعد کنعان اور حجاز کا ملک بخشا گیا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے نکالے جانے کے بعد پہلے مدینہ اور پھر ساری دُنیا ملی۔ پس ان دونوں بزرگوں یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کیوجہ بھی وہی رقابت کی

روح تھی جو کہ آدمؑ کی مخالفت کی وجہ تھی اور جو رقابت کہ خلافت احمدیہ کی مخالفت کی وجہ بنی۔ بظاہر اسے دینی سوال بنا دیا گیا ہے لیکن اس کا باعث درحقیقت رقابت اور بغض تھا۔ اور یہ واقعہ اسی طرح کا ہے جس طرح ابلیس نے حوا سے کہا تھا کہ اگر تم شجرہ ممنوعہ کو چکھو گے تو تمہارے تقویٰ کی روح بڑی بلند ہو جائے گی اور ''تم خدا کی مانند نیک و بد کے جاننے والے بن جاؤ گے''۔[۳] لیکن حقیقتاً اس کی غرض یہ تھی کہ آدم اور حوا کو جنت سے نکالا جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت میں اس رقابت نے دوسری دفعہ جو صورت اختیار کی وہ مندرجہ ذیل ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آخری عمر میں جب ان کا پلوٹھا بیٹا اسماعیل ہاجرہ کے بطن سے پیدا ہوا اور اس کے بعد ان کی پہلی بیوی سارہ کے بطن سے اسحاق پیدا ہوا تو سارہ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ماموں کی بیٹی تھیں انکو خیال تھا کہ میں خاندانی ہوں اور ہاجرہ باہر کی ہے اس لئے وہ اپنا درجہ بڑا سمجھتی تھیں۔ اتفاقاً حضرت اسماعیلؑ جو بچے تھے حضرت اسحاقؑ کی کسی حرکت یا کسی اور وجہ سے قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔ سارہ نے سمجھا کہ اس نے میری اور میرے بچہ کی حقارت کی ہے اور قہقہہ مارا ہے۔ شاید یہ بھی خیال کیا کہ یہ اس بات پر خوش ہے کہ یہ بڑا بیٹا ہے اور یہ وارث ہوگا اور اسحاق وارث نہیں ہوگا۔ تب انہوں نے غصہ میں آکر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ یہ لڑکا مجھ پر قہقہے مارتا ہے اس کو اور اس کی ماں کو گھر سے نکال دو کیونکہ میں برداشت نہیں کرسکتی کہ میرے بیٹے کے ساتھ یہ تیرا وارث ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے تو اس بات کو بُرا منایا اور اس کام سے رُکے مگر خدا تعالیٰ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے ظاہر کرنا چاہتا تھا اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وحی کی کہ جو کچھ تیری بیوی سارہ کہتی ہے وہی کر[۴] چنانچہ خدا کے حکم کے ماتحت حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور اسماعیلؑ کو وادی حرم میں چھوڑ گئے اور سارہ اور اسحاقؑ کے سپرد کنعان کا علاقہ کر دیا گیا اور اسماعیلؑ کی نسل نے مکہ میں بڑھنا شروع کیا اور وہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے گھرانے میں پیدا ہو گئے مگر یہ رقابت یہیں ختم نہیں ہوگئی بلکہ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش پر ان کی ماں سے

کہا تھا اسی طرح ہوا کہ:۔

''اس کا ہاتھ سب کے اور سب کے ہاتھ اس کے برخلاف ہونگے''[۵] یعنی ایک زمانہ تک اسماعیلی نسل تھوڑی ہوگی اور اسحاق کی نسل زیادہ ہوگی اور وہ سب کے سب مل کر اسماعیلی سلسلہ کی مخالفت کرینگے اور کوشش کریں گے کہ وہ کامیاب نہ ہوں۔قرآن کریم میں اس کا ذکر یوں آتا ہے۔ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۖۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ[۶] یعنی اہل کتاب میں سے بہت سے لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اسماعیلی نسل یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی اسے چھوڑ کر پھر کافر ہو جائیں اور یہ محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے کسی قصور کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے اپنے دلوں سے پیدا شدہ بغض کی وجہ سے ہے اور رقابت کی وجہ سے ہے وہ سارہ اور ہاجرہ کی لڑائی کو دو ہزار سال تک لمبا لے جانا چاہتے ہیں۔

پھر علاوہ اِس آیت کے بعض اور آیتیں بھی ہیں جو اس مضمون پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً سورۃ آل عمران رکوع ۸ آیت ۷۳، ۷۴ میں فرماتا ہے۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَاۗجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝[۷] یعنی اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کہا کہ جو لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں یعنی مسلمان ہوئے ہیں ان پر جو کچھ نازل ہوا ہے اے یہودیو! اُس پر صبح کے وقت ایمان لے آیا کرو اور شام کے وقت پھر مرتد ہو جایا کرو۔تاکہ تم کو دیکھ کر اور لوگ بھی مرتد ہو جائیں (جیسے آجکل پیغام صلح شائع کر رہا ہے کہ دیکھو! منان وہاب باہر آگئے ہیں۔اے ربوہ سے آزاد ہونے والو! بڑھو۔بڑھو ہمارا نظام تمہارے ساتھ ہے یہی یہودی کہا کرتے تھے کہ) تم حقیقی طور پر امن اس کو دو جو تمہارے دین کا پیرو ہو۔تو کہہ کہ حقیقی ہدایت تو وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے اور وہ یہ ہے کہ کسی کو وہی

کچھ دیا جائے جیسا کہ اے بنی اسرائیل تم کو دیا گیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تم سے تمہارے ربّ کے حضور میں بحث کریں گے۔ پھر تو اُن سے کہہ دے کہ فضل کامل تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اُس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا فضل کامل دے دیا اُس کو مل گیا۔ جب تمہارے نبیوں کو دے رہا تھا تو اُن کو مل گیا۔ وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اللہ تعالیٰ بہت وسعت والا اور بہت جاننے والا ہے۔

اسی طرح سورۃ نساء رکوع ۸ آیت ۵۵ میں آتا ہے۔

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا [8] یعنی کیا یہ یہودی اس بات پر حسد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو اپنے فضل سے کچھ حصہ دے دیا ہے اگر ایسا ہو گیا ہے تو بگڑا کیا۔ پھر بھی تو آل ابراہیم کو یعنی اسماعیل کی اولاد ہی کو کتاب اور حکمت بخشی گئی اور ان کو بہت بڑا مُلک عطا فرمایا گیا یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آل ابراہیم میں سے ہیں اور موسوی سلسلہ بھی آلِ ابراہیم میں سے ہے پس موسوی سلسلہ کو جو کتاب ملی وہ بھی آلِ ابراہیم کو ملی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کتاب اور حکمت ملی وہ بھی آلِ ابراہیم کو ملی اور جو مُلک موسیٰ کی قوم کو ملا وہ بھی آلِ ابراہیم کو ملا اور جو مُلک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے گا وہ بھی آلِ ابراہیم کو ملے گا۔

ان دونوں آیتوں سے ظاہر ہے کہ شیطان نے جو نظامِ الٰہی کے خلاف رقابت کا مادہ بنو اسحاق کے دل میں پیدا کیا تھا وہ حضرت اسماعیلؑ کی زندگی تک ختم نہیں ہوا بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک لمبا ہوتا گیا اور جس طرح پہلے اس نے حضرت اسماعیل کو ان کی وراثت سے محروم کرنا چاہا تھا اسی طرح دو ہزار سال بعد اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی وراثت سے محروم کرنا چاہا لیکن ایک بات یاد رکھنی چاہیے اور وہ یہ ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ قریب آیا اور شیطان نے دیکھا کہ اب پُرانا حسد ختم ہو جائے گا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو اسماعیل کے دشمنوں کو کچل ڈالیں گے اور ان پر غالب آ جائیں گے تو اُس نے ایک نئے بغض کی بنیاد ڈالی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے بعد بھی فتنہ پیدا کرتا چلا جائے۔ چنانچہ اس کی تفصیل یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑدادا عبد مناف کے ایک بیٹے عبد الشمّس تھے عبد مناف کے ایک اور چھوٹے بیٹے ہاشم تھے اور عبد الشمّس کا بیٹا امیہ تھا۔ عبد مناف کے مرنے کے بعد قرعہ ڈالا گیا اور باوجود چھوٹا ہونے کے ہاشم کو وارث قرار دیا گیا اور مسافروں کو چاہِ زمزم سے پانی پلانا اور حاجیوں کی خدمت کرنا جو سب سے بڑا عہدہ سمجھا جاتا تھا وہ اسے دیا گیا۔ اسی طرح غیر حکومتوں کے پاس وفد بھجوانے کا جو کام تھا اور ان کی سرداری کرنے کا عہدہ بھی ان کے سپرد ہوا۔ عبد الشمّس کے بیٹے اُمیہ کو یہ بات بُری لگی۔ شیطان نے اس کے دل میں ڈالا کہ یہ عہدہ ہاشم کے پاس کیوں جائے اور اس نے قوم میں مقبولیت حاصل کرنے کیلئے ہاشم کے کاموں کی نقل شروع کر دی۔ یعنی مسافروں کو زَم زَم سے پانی بھی پلاتا تھا اور بہت کچھ داد و دہش بھی کرتا تھا تا کہ عوام میں مقبول ہو جائے۔ قریش نے جب یہ بات دیکھی تو انہوں نے سمجھا کہ یہ خاندان آپس کے مقابلہ میں تباہ ہو جائیگا اور یہ دیکھتے ہوئے کہ اُمیہ ضدی ہے انہوں نے ہاشم سے اصرار کیا کہ کوئی ثالث مقرر کر کے فیصلہ کروا لو۔ مگر اوّل تو ہاشم چونکہ اُمیہ سے عمر میں بڑے تھے اور ریاست کا حق ان کو مل چکا تھا انہوں نے انکار کر دیا کہ میں فیصلہ ثالثی نہیں کراتا مگر آخر ساری قوم نے خاندان کو تباہی سے بچانے کیلئے اُمیہ اور ہاشم پر ثالثی کیلئے زور دیا۔ آخر ہاشم بھی مان گئے اور اُمیہ بھی مان گئے اور اُمیہ نے خزاعہ قبیلہ کے ایک کاہن کو ثالث تجویز کیا۔ ہاشم نے بھی اسے مان لیا۔ اس کاہن کے پاس جب فیصلہ گیا تو اس نے ہاشم کے حق میں فیصلہ کیا اور فیصلہ کے مطابق اُمیہ کو مکہ سے دس سال کی جلاوطنی قبول کرنی پڑی اور وہ شام چلے گئے۔ اس تاریخ سے بنو ہاشم اور بنو اُمیہ میں حاسدانہ لڑائی شروع ہوگئی[9] محاضرات میں شیخ محمد خضریؒ بھی اس رقابت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

ہاشم اور اس کے بھتیجے اُمیہ کے درمیان مفاخرت اور مقابلہ شروع ہو گیا کیونکہ ہاشم مال کی وجہ سے اور قومی ضروریات کو پورا کرنے کی وجہ سے قوم کا سردار تھا اور اُمیہ مال اور اولاد والا تھا چنانچہ وہ اپنے چچا سے مفاخرت اور مقابلہ کرتا تھا اور اس وجہ سے دونوں خاندانوں اور ان کی اولادوں میں رقابت رہی یہاں تک کہ اسلام ظاہر ہو گیا۔[10]

دائرۃ المعارف یعنی عربی انسائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے کہ بنواُمیہ اور بنو قریش پہلے ایک ہی قبیلہ کے افراد تھے اور سب اپنے آپ کو عبد مناف کی طرف منسوب کرتے تھے لیکن بنواُمیہ کا خاندان بڑا تھا اور ان کے پاس مال زیادہ تھا اس لئے باوجود اس کے کہ بنو ہاشم کے پاس سرداری تھی وہ ان سے ہر بات میں بڑھنے کی کوشش کرتا اور مقابلہ کرتا رہتا تھا۔ اسی طرح اُن کی اولاد میں بھی رقابت چلتی گئی۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لڑائیوں میں بھی اس لئے کہ آپ ہاشم کی اولاد تھے عام طور پر ابوسفیان جو عبدالشمس کی اولاد میں سے تھا سردار ہو کر آیا کرتا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو بنوامیہ شکست کھا گئے لیکن آپ کی وفات کے بعد اس فتنہ نے سر اُٹھانا شروع کیا اور شیطان نے اپنا ہتھیار اَور لوگوں کو چن لیا چنانچہ جب حضرت علی خلیفہ ہوئے تو معاویہ بن ابوسفیان نے جو بنواُمیہ میں سے تھے آپ کے مقابلہ کے لئے لشکر جمع کیا۔[۱۱]

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شیطان کا حربہ

غرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں بھی اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں بھی شیطان نے وہی حربہ نظامِ حقہ کے خلاف استعمال کیا جو اوّل دن سے وہ نظامِ حقہ کے خلاف استعمال کرتا رہا ہے یعنی حسد اور بغض اور لالچ کا۔ درمیان میں رسول کریم صل اللہ علیہ وسلم کے قرب کی وجہ سے یہ حربہ زیادہ کامیاب نہ ہوا مگر حضرت علیؓ کے زمانہ میں یہ حربہ پھر زور پکڑ گیا اور آج تک شیعہ سنی کی شکل میں یہ جھگڑا چل رہا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں شیطانی حربہ کی صورت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں پھر شیطان نے ایک اور رنگ میں اس کی بنیاد رکھی۔ آپ کی خلافت میں پہلا جھگڑا جو زیادہ شدت سے ظاہر نہیں ہوا حضرت خلیفہ اوّل کے خلیفہ بننے کے وقت ہوا۔ یہ جھگڑا بھی درحقیقت وہی ابلیس والے جھگڑے کی طرز پر تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک انجمن مقبرہ بہشتی کی بنائی تھی اور اس میں حضرت خلیفہ اوّل کو صدر بنایا تھا اور مولوی

محمد علی صاحب اس کے سیکرٹری تھے دوسرے ممبروں میں سے خواجہ کمال الدین صاحب، ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب اور شیخ رحمت اللہ صاحب مولوی محمد علی صاحب کے ساتھ تھے۔ چھوٹے چھوٹے معاملات میں اختلاف ہوتا تو حضرت خلیفہ اوّل کی رائے ایک طرف ہوتی اور مولوی محمد علی صاحب کی پارٹی کی رائے دوسری طرف ہوتی اس لئے مولوی محمد علی صاحب کی پارٹی میں حضرت خلیفہ اوّل کے خلاف بغض پیدا ہو جاتا۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام فوت ہوئے تو اس وقت کے حالات کی وجہ سے خواجہ کمال الدین صاحب بہت ڈر گئے اور لاہور میں جہاں وفات ہوئی تھی مولوی محمد احسن صاحب امروہی نے حضرت خلیفہ اوّل کی خلافت کا اعلان کر دیا اور خواجہ صاحب نے ڈر کر مان لیا۔ جب قادیان پہنچے تو خواجہ صاحب نے سوچا کہ حضرت خلیفہ اوّل ضرور خلیفہ بنیں گے اور اپنی ہوشیاری کی وجہ سے خیال کیا کہ اگر ان کی خلافت کا مسئلہ ہماری طرف سے پیش ہو تو اِن پر ہمارا اثر رہے گا اور وہ ہماری بات مانتے رہیں گے چنانچہ انہوں نے آپ کی خلافت کے متعلق ایک اعلان شائع کیا اور اس میں لکھا کہ الوصیۃ کے مطابق ایک خلیفہ ہونا چاہیے اور ہمارے نزدیک سب سے زیادہ مستحق اس کے حضرت مولوی نورالدین صاحب ہیں اس اعلان کے الفاظ یہ ہیں۔

''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جنازہ قادیان میں پڑھا جانے سے پہلے آپ کے وصایا مندرجہ رسالہ الوصیۃ کے مطابق حسب مشورہ معتمدین صدر انجمن احمدیہ موجودہ قادیان واقرباء حضرت مسیح موعود باجازت حضرت (اماں جان) کل قوم نے جو قادیان میں موجود تھی اور جس کی تعداد اس وقت بارہ سَو تھی والا مناقب حضرت حاجی الحرمین شریفین جناب حکیم نورالدین صاحب سلمہٗ کو آپ کا جانشین اور خلیفہ قبول کیا''۔ [۱۲]

(میں نے بھی اسی قانون کے مطابق نیا نظام بنایا ہے صرف تحریک کے وکلاء کو زائد کر دیا ہے کیونکہ اب جماعت احمدیہ کے باہر پھیل جانے کی وجہ سے اس کا مرکزی نظام دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے)

اس اشتہار سے پہلے حضرت خلیفہ اوّل کی بیعت کے وقت مولوی محمد علی صاحب نے اختلاف کا اظہار کیا جیسا کہ وہ خود اپنی کتاب ''حقیقت اختلاف'' میں لکھتے ہیں کہ:۔

’’حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نعش مبارک جب قادیان پہنچی تو باغ میں خواجہ کمال الدین صاحب نے مجھ سے ذکر کیا کہ یہ تجویز ہوئی ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے جانشین حضرت مولوی نورالدین صاحب ہوں۔ میں نے کہا بالکل صحیح ہے اور حضرت مولوی صاحب ہی ہر طرح سے اس بات کے اہل ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ یہ بھی تجویز ہوئی ہے کہ سب احمدی ان کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ میں نے کہا اس کی کیا ضرورت ہے جو لوگ نئے سلسلہ میں داخل ہونگے انہیں بیعت کی ضرورت ہے اور یہی الوصیۃ کا منشا ہے۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ چونکہ وقت بڑا نازک ہے ایسا نہ ہو کہ جماعت میں تفرقہ پیدا ہو جائے اور احمدیوں کے حضرت مولوی صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر لینے سے کوئی حرج بھی نہیں۔ تب میں نے بھی اسے تسلیم کرلیا‘‘[۱۳]

غرض خواجہ صاحب کے سمجھانے سے مولوی محمد علی صاحب حضرت خلیفہ اوّل کی بیعت پر راضی ہوگئے اور اس طرح خلافت اولیٰ کا قیام بغیر مخالفت کے ہوگیا۔ گو اس کے بعد اس فتنہ نے کئی اور صورتوں میں سر اُٹھایا مگر خلافت اولیٰ قائم ہوگئی اور ساری جماعت حضرت خلیفہ اوّل کے ہاتھ پر جمع ہوگئی۔ اب شیطان نے دیکھا کہ جو نئے جھگڑے کی بنیاد میں نے ڈالی تھی وہ بھی ختم ہو رہی ہے تو اس نے ایک نئی طرح ڈالی یعنی مولوی محمد علی صاحب کی پارٹی اور حضرت خلیفہ اوّل کے خاندان کے دلوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان سے بغض پیدا کردیا تاکہ یہ سلسلہ ابھی اور لمبا چلتا چلا جائے اور دین کو دُنیا پر مقدم کرنے والا گروہ پھر دُنیا کو دین پر مقدم کرنے والے گروہ کے ظلموں کا شکار ہو جائے۔

یہ بنیاد اِس طرح پڑی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ دیکھ کر کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب کے ہاں پہلی بیوی کے بطن سے کوئی نرینہ اولاد نہیں لدھیانہ کے ایک بزرگ صوفی احمد جان صاحب کی ایک لڑکی سے جوان کی موجودہ زندہ اولاد کی والدہ تھیں نکاح کروایا۔ اس واقعہ کی وجہ سے چاہیے تو یہ تھا کہ یہ دوسری بیوی حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور ان کے خاندان سے زیادہ تعلق رکھتیں جس طرح ان کے بھائی پیر افتخار احمد صاحب

مرحوم اور پیر منظور محمد صاحب مرحوم قاعدہ یسرنا القرآن کے موجد حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور ان کے خاندان سے والہانہ عشق رکھتے تھے مگر ایسا نہیں ہوا۔ اس بغض کی بھی کچھ دُنیوی وجوہات تھیں۔ اوّل یہ کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب کے ہاں اس بیوی سے بھی دیر تک کوئی نرینہ اولاد نہ ہوئی۔ اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جن کو شوق تھا کہ حضرت مولوی صاحب کے ہاں نرینہ اولاد ہو جائے ۱۸۹۶ء میں جب کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب کو آپ نے نواب محمد علی خان صاحب مرحوم کو قرآن پڑھانے کے لئے مالیرکوٹلہ بھجوایا تھا مولوی صاحب کے متعلق نواب صاحب مرحوم کو ایک خط لکھا کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب کی مالیرکوٹلہ کی ایک سید خاندان کی لڑکی سے شادی کا انتظام کریں۔ گو یہ انتظام تو بعد میں رُک گیا مگر ایک خار دل میں بیٹھ گیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کی دوسری بیوی پر ایک اور سوکن لانے کی کوشش کی ہے۔ دوسری وجہ اس بغض کو بڑھانے کی ایک اور پیدا ہوگئی اور وہ یہ تھی کہ میاں عبدالسلام، عبدالوہاب اور عبدالمنان کی والدہ نے اپنے خاندان کی ایک لڑکی فاخرہ نام کی پالی ہوئی تھی ادھر حضرت (اماں جان) نے اپنے وطن سے دُوری کی وجہ سے اپنی خالہ کے ایک بیٹے سید کبیر احمد کو تعلیم کیلئے قادیان بلایا ہوا تھا۔ جب حضرت خلیفہ اوّل مالیرکوٹلہ گئے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فیصلہ کیا کہ اس بچے کو طب کی تعلیم دلوائی جائے اور اس کو بھی ان کے ساتھ ہی تعلیم کے سلسلہ میں مالیرکوٹلہ بھیج دیا گیا۔ کبیر احمد کا بیان تھا کہ حضرت خلیفہ اوّل کی دوسری بیوی نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ فاخرہ کا اس سے بیاہ کر دیں گی لیکن بعض ایسے حالات کی وجہ سے جن کا حقیقی علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے سید کبیر احمد نے جو ہمارے خالہ زاد ماموں تھے زہر کھا کر خودکشی کر لی اور سارے کوٹلہ اور دہلی میں یہ مشہور ہو گیا کہ اس خودکشی کی وجہ حضرت خلیفہ اوّل کی دوسری بیوی تھیں۔ چنانچہ آج تک بھی کچھ لوگ جو نواب لوہارو کے خاندان کے یا ہمارے ننھیال کے زندہ ہیں یہی الزام لگاتے چلے آتے ہیں کہ کبیر احمد کو نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ اپنے خاندان کی بدنامی کے ڈر سے حضرت مولوی نورالدین صاحب نے زہر دے کر مروا دیا تھا۔ حالانکہ واقعہ یہ تھا کہ چونکہ وہ آپ سے طب پڑھتا تھا اور دوائیں اس کے قبضہ میں تھیں

اُس نے خود زہر نکال کر کھا لیا تھا مگر غلط فہمی ان لوگوں کے دماغ میں ایسی جاگزین ہوگئی تھی کہ میرے رشتہ کے ایک ماموں حافظ عبدالمجید صاحب سب انسپکٹر پولیس جن کو محمد امین بھی کہتے تھے ۱۹۳۶ء یا ۱۹۳۷ء میں مجھے ملنے کیلئے قادیان آئے اور باتوں باتوں میں کہنے لگے کہ ہمارے ایک بھائی کو حضرت مولوی نورالدین صاحب نے زہر دے کر مروا دیا تھا۔ میں نے غصہ سے اُن کو کہا کہ میں حضرت خلیفہ اوّل کے متعلق ایسی کوئی بات نہیں سن سکتا۔ اس پر وہ بھی غصہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ میں بھی اپنے بھائی کے واقعہ کو بھول نہیں سکتا اور چلے گئے۔

اس واقعہ کو اور اہمیت اس طرح مل گئی کہ ہمارے ننھیال کا رشتہ نواب صاحب لوہارو سے تھا۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ اُس وقت نواب صاحب مالیر کوٹلہ کم سن تھے اور گورنمنٹ نے اُن کا نگران نواب صاحب لوہارو کو مقرر کر کے بھیجا ہوا تھا جس وقت یہ کبیر کا واقعہ ہوا اُس وقت نواب صاحب لوہارو کوٹلہ میں تھے پہلے تو کسی کو پتہ نہیں تھا کہ یہ بھی ان کے رشتہ دار ہیں جس طرح نواب صاحب لوہارو مسمّی بہ فرخ مرزا میرے ماموں تھے۔ وہ کبیر کے بھی ماموں تھے مگر وہ چونکہ معمولی کمپونڈر اور طالب علم کی حیثیت میں گیا تھا پہلے تو پتہ نہ لگا۔ اس کے مرنے پر جب ان کو پتہ لگا کہ ایک لڑکے نے خودکشی کی ہے اور وہ دلی کا ہے تو انہوں نے کرید کی اور پتہ لگا کہ یہ تو میرا بھانجا ہے وہ چونکہ حاکم تھے انہوں نے فوراً کارروائی کی کہ اس کا پیٹ چاک کیا جائے اور زہر نکالا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ یہ زہر اتفاقی استعمال ہوا ہے یا جان بوجھ کر دیا گیا ہے۔ نواب محمد علی خان صاحب جو نواب مالیر کوٹلہ کے (جو اُس وقت بچہ تھے) ماموں تھے اور بعد میں میرے بہنوئی ہوئے۔ (حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بڑی بیٹی ان سے بیاہی گئیں) ان کو چونکہ قرآن پڑھانے کیلئے حضرت خلیفہ اوّل گئے تھے اور ان کا ریاست میں رسوخ تھا اُنہوں نے فوراً کوشش کر کے راتوں رات کبیر کو دفن کرا دیا اور اس طرح اس فتنہ کو دفع کیا۔ بیٹے کا مر جانا ماں کیلئے بڑے صدمہ کا موجب ہوتا ہے مگر یہ بغض اتنا لمبا ہوگیا کہ حضرت (اماں جان) کی خالہ جو اکثر قادیان آتی رہتی

تھیں اور قادیان میں بڑا لمبا عرصہ والدہ کے پاس رہتی تھیں انہوں نے ہم سے ملنا جلنا چھوڑ دیا۔ چنانچہ ۱۹۰۹ء یا ۱۹۱۱ء میں ہم ایک دفعہ دلی گئے تو حضرت (اماں جان) بھی ساتھ تھیں چونکہ انہیں اپنی خالہ سے بڑی محبت تھی وہ اپنی اماں کی بھاوج کے ہاں ٹھہریں۔ اُن کو سارے ''بھابی جان'' ''بھابی جان'' کہتے تھے۔ اب ان کے بچے کراچی میں ہیں ان کے گھر میں ہی ہم جا کر ٹھہرتے تھے۔ اُس وقت بھی ان کے گھر میں ہی ٹھہرے بلکہ ان کا ایک لطیفہ بھی مشہور ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۱۸۹۱ء میں دلی گئے تو آپ کے خلاف بڑا جلسہ ہوا اور شور پڑا۔ لوگوں نے کہا کہ اس کو قتل کر دو۔ مولویوں نے وعظ کیا کہ جو اس کو قتل کر دے گا وہ جنتی ہوگا۔ ہماری وہ بھابی بڑی مخالف تھیں مگر آخر رشتہ دار تھیں۔ ایک دن ان کی نوکر آئی اور آ کر کہنے لگی کہ بی بی دعا کرو میرا بچہ بچ جائے وہ صبح چھری تیز کر رہا تھا۔ کوئی قادیان سے آیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کرتا ہے۔ اُس کو مارنے گیا ہے وہ کہنے لگیں کمبخت! چپ کر وہ تو میری بھانجی کا خاوند ہے۔ مگر بہرحال ان کے گھر میں خالہ بھی ٹھہری ہوئی تھیں۔ اماں جان نے پُرانی محبت کی وجہ سے ان سے خواہش کی کہ مجھے ملا دو۔ بھابی جان نے انکار کر دیا کہ وہ تو کہتی ہیں میں اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔ پھر ہماری ایک اور بہن تھی انکی بیٹی بعد میں حکیم اجمل خان صاحب مرحوم کے بھائی سے بیاہی گئی تھیں۔ حضرت (اماں جان) نے ان سے کہا کہ وہ چھوٹی بچی تھیں ان کو تو ان باتوں کا پتہ نہیں تھا انہوں نے پردہ اٹھا کے کہا کہ وہ مصلّے پر بیٹھی دعا کر رہی ہیں دیکھ لو۔ اماں جان نے جا کر جھانکا تو اُسی وقت انہوں نے کھڑکی کھولی اور ہمسایہ میں چلی گئیں اور وہاں سے ڈولی منگا کر کسی اور رشتہ دار کے پاس چلی گئیں۔ غرض اتنا ان کے اندر بغض تھا کہ انہوں نے ہم سے ملنا بالکل چھوڑ دیا اُن کے رشتہ دار اب بھی کراچی میں ہیں۔ لاہور میں بھی لوہارو خاندان کے افراد ہیں۔ نوابزادہ اعتزاز الدین جو پاکستان میں انسپکٹر جنرل پولیس تھے وہ بھی نواب لوہارو کے بیٹے تھے اَور بیٹے بھی ہیں بعض ان کی اولاد میں سے فوج میں کرنیل ہیں۔ ان کے ایک بھائی صمصام مرزا لاہور میں ہیں۔ اِن لوگوں سے جب بھی بات کرو وہ ہم پر ہنستے ہیں

کہ تم بیوقوف ہو مولوی صاحب نے اسے مروا دیا تھا تم بے وقوفی میں یونہی اپنے مذہبی عقیدہ کے ماتحت سمجھتے ہو کہ نہیں مروایا تھا آپ مر گیا تھا۔ اس نے خودکشی کوئی نہیں کی اُس کو مروا دیا گیا تھا غرض یہ واقعہ حضرت خلیفہ اوّل کے خاندان کے دلوں میں بغض کو بڑھانے کا ایک دوسرا سبب بن گیا۔

حضرت خلیفہ اوّل کی وفات پر اختلاف کی وجہ

اس کے بعد حضرت خلیفہ اوّل کی وفات پر خلافت ثانیہ کے انتخاب کا وقت آیا تو مولوی محمد علی صاحب کے اختلاف کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اقتدار ان کے ہاتھ سے نکل جاتا تھا دوسری وجہ یہ تھی کہ اُن کی پہلی بیوی مرحومہ جو نہایت ہی نیک عورت تھیں (میرا یہ مطلب نہیں کہ ان کی موجودہ بیوی نیک نہیں ہے مگر وہ پہلی بیوی میری بہن بنی ہوئی تھیں اور اُن کو میں ذاتی طور پر جانتا تھا اس لئے میں نے ان کے متعلق اپنی رائے بیان کر دی ہے وہ مجھ سے بہت ہی محبت کرتی تھیں۔ فاطمہ بیگم ان کا نام تھا۔ مولوی محمد علی صاحب کی جب شادی ہوئی میں بہت چھوٹا سا تھا۔ دس سال کا ہونگا کہ وہ آتے ہی میری بہن بن گئیں ہمیشہ میرا سر دیکھنا جوئیں نکالنی بہت ہی محبت کرتی تھیں اور کہتیں یہ میرا بھائی ہے اور میں انہیں بہن کہا کرتا تھا) وہ نومبر ۱۹۰۸ء میں فوت ہوئیں۔ مجھے اس وقت کسی کام کیلئے حضرت خلیفہ اوّل نے باہر بھیجا ہوا تھا میں جب واپس آیا تو مجھے مرحومہ کی وفات کا علم ہوا میں نے اُسی وقت ایک ہمدردی سے پُر خط مولوی محمد علی صاحب کو لکھا مولوی محمد علی صاحب نے اس کے جواب میں مجھے لکھا کہ آپ کے خط کا تو میں ممنون ہوں مگر مجھے افسوس ہے کہ حضرت (اماں جان) میری بیوی کی لاش دیکھنے نہیں آئیں (حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لاش دیکھنے کیلئے عورتوں کو باہر جانے سے منع کیا ہوا ہے) یہ صدمہ ایسا ہے کہ میں زندگی بھر اسے نہیں بھول سکتا۔ یہ گویا دوسری بنیاد مولوی محمد علی صاحب کے دل میں شیطان نے رکھ دی کہ اب زندگی بھر مخالفت کرتے رہو بلکہ اس واقعہ کا اجمالی ذکر مولوی محمد علی صاحب نے خود ریویو آف ریلیجنز میں بھی کیا ہے اور یہ الفاظ لکھے ہیں کہ:۔

"اگر کسی نے میرا محسن ہونے کے باوجود بجائے اظہارِ غم و ہمدردی کے کسی گزشتہ رنج کا اظہار

اس وفات کے وقت کیا تو یہ شاید میرے لئے سبق تھا کہ دنیا کے کسی گھر کو اپنا گھر سمجھنا غلطی ہے‘‘۔[۱۴]

گویا خود ان کی اپنی تحریر بھی اس بارہ میں موجود ہے۔

غرض مولوی محمد علی صاحب نے اس صدمہ کے نتیجہ میں بغض کو انتہا تک پہنچا دیا اور جیسے انہوں نے کہا تھا کہ میں مرنے تک یہ صدمہ نہیں بھول سکتا مرنے تک اِس واقعہ کو یاد رکھا اور خاندانِ مسیح موعود کا بغض اپنے دل سے نہیں نکالا۔ چنانچہ حضرت خلیفہ اوّل کی وفات پر خلافت ثانیہ کے انتخاب پر بھی انہوں نے بغاوت کی اور اس طرح بغض وحسد کے لمبا کرنے کا سلسلہ انہوں نے جاری کر دیا تا کہ آدمؑ کے زمانہ کا بغض جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ تک آیا تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کا بغض جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک آیا تھا اور آپ کے دادا ہاشم بن عبدمناف کے زمانہ کا بغض جو پہلے ابوسفیان اموی کے زمانہ تک آیا تھا اور پھر یزید بن معاویہ اور امام حسینؓ کے زمانہ تک آیا تھا وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی فرزند حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ تک بھی ممتد ہو جائے۔ غضب یہ ہوا کہ اکبر شاہ خان نجیب آبادی مشہور مؤرخ جو پہلے مبائعین میں تھے اور پھر بھاگ کر لاہور آ گئے تھے انہوں نے مضمون لکھا کہ ارائیں قوم جس میں سے مولوی محمد علی صاحب تھے بنوامیہ میں سے ہے۔[۱۵] گویا انہوں نے کہا کہ وہ بنواُمیہ کا بغض پھر بنومحمدؐ سے جاری ہونا چاہیے چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسیؓ کے خاندان کے متعلق فرمایا ہے کہ ’’سَلْمَانُ مِنَّا اَھْلُ الْبَیْتِ‘‘[۱۶] کہ سلمان فارسیؓ جن کے خاندان سے بلحاظ فارسی الاصل ہونے کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا خاندان ملتا ہے ہمارے خاندان میں سے ہیں گویا مسیح موعودؑ نہ صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ السلام کے روحانی فرزند تھے بلکہ اس حدیث کے ماتحت ایک رنگ میں آپ کے جسمانی فرزند بھی تھے تو پیغامِ صلح میں اکبر شاہ خان نجیب آبادی نے مضمون شائع کیا کہ مولوی محمد علی صاحب بنوامیہ میں سے ہیں گویا بنواُمیہ اور حضرت علیؓ کا جو بغض تھا وہ اور لمبا ہو جائے گا ختم نہیں ہوگا۔

غرض انہوں نے ثابت کر دیا کہ بنوعبدمناف یعنی اولادِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور

بنواُمیہ کی لڑائی کا سلسلہ ابھی جاری ہے اور وہ احمدیوں میں بھی جاری رہے گا۔

اختلاف کو قائم رکھنے کیلئے غیر مبائعین کی ایک تدبیر

غیر مبائعین نے اس لڑائی کو نئی روح بخشنے کیلئے یہ تدبیر کی کہ حضرت خلیفہ اوّل کی بیوی اور ان کے بچوں کو یہ کہنا شروع کیا کہ اگر حضرت خلیفہ اوّل کا بیٹا عبدالحی مرحوم خلیفہ ہو جاتا تو ہم بیعت کر لیتے چنانچہ ہم اس کے ثبوت میں مولوی عبدالوہاب صاحب کا ہی ایک مضمون پیش کرتے ہیں۔ اب وہ جتنا چاہیں جھوٹ بول لیں مگر یہ ان کا مضمون چھپا ہوا ہے۔ انہوں نے ۱۹۳۷ء میں غیر مبائعین کے بعض اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے الفضل میں لکھا کہ:۔

''مولوی عبدالباقی صاحب بہاری ایم اے نے بتایا کہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل کی وفات کے بعد خلافت ثانیہ کے زمانہ میں خلافت کے چند دشمن حضرت مولوی عبدالحی صاحب کے پاس آئے اور کہا کہ اگر آپ خلیفہ بن جاتے تو ہم آپ کی اطاعت کرتے۔ مولوی عبدالحی صاحب نے باوجود بچپن کے اُن کو جو جواب دیا وہ اس قابل ہے کہ سلسلہ کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جائے انہوں نے فرمایا کہ یا تو آپ کو آپ کے نفس دھوکا دے رہے ہیں یا آپ جھوٹ بول رہے ہیں میں سچ کہتا ہوں کہ اگر میں خلیفہ بنتا تب بھی آپ میری اطاعت نہ کرتے اطاعت کرنا آسان کام نہیں میں اب بھی تمہیں حکم دوں تو تم ہرگز نہ مانو۔ اِس پر اُن میں سے ایک نے کہا کہ آپ ہمیں حکم دیں پھر دیکھیں کہ ہم آپ کی فرمانبرداری کرتے ہیں یا نہیں۔ مولوی عبدالحیؑ صاحب نے کہا اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ جاؤ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی بیعت کر لو۔ یہ بات سن کر وہ لوگ بغلیں جھانکنے لگے اور کہنے لگے یہ تو نہیں ہوسکتا''۔ [۱۷]

اس سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ نے عبدالحی مرحوم کو جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی سے پیدا ہوا تھا اس فتنہ سے بچا لیا لیکن ان کی والدہ اور ان کے چھوٹے بھائیوں کے دل میں یہ خار کھٹکتا رہا چنانچہ جب میں نے امۃ الحی مرحومہ سے اس لئے شادی کی کہ حضرت خلیفہ اوّل کی روح خوش ہو جائے کیونکہ ایک دفعہ انہوں نے بڑے صدمہ سے ذکر کیا تھا کہ

میری بڑی خواہش تھی کہ میرا جسمانی رشتہ بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ہو جائے مگر وہ پوری نہیں ہوئی جس پر میں نے آپ کی وفات کے بعد اور خلیفہ بننے کے بعد امۃ الحی مرحومہ سے شادی کی تو پیغامیوں نے والدہ عبدالوہاب اور والدہ عبدالمنان کو یہ کہنا شروع کیا کہ یہ رشتہ مرزا محمود احمد نے اپنی خلافت کو مضبوط کرنے کیلئے کیا تھا حالانکہ اگر میں پہلے کرتا تب تو یہ اعتراض ہوتا کہ خلافت لینے کیلئے کیا ہے لیکن اوّل تو یہ سوال ہے کہ خلافت حضرت مولوی نورالدین صاحب کی تو نہیں تھی خلافت حضرت مسیح موعودؑ کی تھی اگر باپ سے بیٹے کو حق پہنچتا ہے تو میں مسیح موعودؑ کا بیٹا تھا پھر تو مولوی صاحب بھی خلیفہ نہیں رہتے، پھر تو خلیفہ مجھے ہونا چاہیے تھا۔ دوسرے خلیفہ میں پہلے ہو چکا تھا رشتہ بعد میں ہوا۔ بہر حال عبدالحی مرحوم تو اس فتنہ میں نہ آیا جیسا کہ اس کی وفات کے موقع کے حالات سے ظاہر ہے جو میں نے ایک خط میں چوہدری فتح محمد صاحب کو لکھے تھے جو اُس وقت انگلینڈ میں مبلغ تھے اور جو خط انہوں نے مولوی عبدالرحیم صاحب درد کو محفوظ رکھنے کیلئے دے دیا تھا اور ان کے مرنے کے بعد ان کے بیٹے لطف الرحمٰن نے مجھے ان کے کاغذات میں سے نکال کر بھیج دیا۔

وہ خط یہ ہے۔

برادرم مکرم چوہدری صاحب! اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ

پہلے خط کے بعد پھر قریباً تین ہفتہ سے خط نہ لکھ سکا جس کا باعث ترجمۂ قرآن کا کام ہے۔ مولوی شیر علی صاحب کو کہا ہوا ہے کہ ہر ہفتہ خط جانا چاہیے نہ معلوم جاتا ہے یا نہیں۔ پچھلے ہفتہ ایک سخت حادثہ ہو گیا اور وہ بھی خط لکھنے میں روک رہا۔ عزیز میاں عبدالحیٔ کو دو ہفتہ بخار رہا اور گو سخت تھا لیکن حالت مایوسی کی نہ تھی مگر پچھلی جمعرات کو یکلخت حالت بگڑ گئی اور ایک رات اور کچھ حصہ دن کا بے ہوش رہ کر عصر کے قریب اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ (اُس وقت ایک ڈاکٹر ہیرا لال صاحب کو میں نے لاہور سے بلایا تھا اُس کا خیال تھا کہ ان کو ٹائیفائیڈ تھا مگر بیماری کی وقت پر تشخیص نہیں کی گئی اور اب مرض آخری مرحلہ پر پہنچ چکا ہے) قریباً اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچ چکے تھے اور اب کے ففتھ ہائی کا امتحان دینا تھا سال ڈیڑھ سال سے شبانہ روز جسم وعلم میں ترقی تھی اور اب خاصا جوان

آدمی معلوم ہوتے تھے۔ ذہن نہایت تیز اور رسا تھا مگر منشاء الٰہی کے مقابلہ میں انسان کا کچھ بس نہیں چل سکتا اور اُس کے ہر ایک فعل میں حکمت ہوتی ہے اور جیسا کہ مجھے اُن کی وفات کے بعد معلوم ہوا یہ واقعہ بھی اللہ تعالیٰ کی ہی حکمتوں کے ماتحت تھا ورنہ کئی فتنوں کا اندیشہ تھا۔ مرحوم بوجہ کم سن ہونے کے بہت سے فتنہ پردازوں کے دھوکے میں آجاتا تھا۔ میں آخری دنوں میں اپنے گھر میں ہی انہیں لے آیا تھا (ان کی بہن امۃ الحی مرحومہ کی خواہش سے) اور حیران تھا کہ وہ ہر وقت والدہ صاحبہ اور میرے پاس بیٹھے رہنے پر مصر تھا (یہ نظارہ اب تک میری آنکھوں کے سامنے ہے وہ امۃ الحیٔ مرحومہ کے دالان میں ہی رہتے تھے میں آخر کام کرنے والا آدمی تھا ہر وقت قرآنِ کریم کی تفسیر کا کام اور دوسرا کام ہوتا تھا جب میں نیچے جاتا تو آدمی آتا کہ عبدالحیٔ بلاتا ہے اور کہتا آپ بیٹھیں، حضرت (اماں جان) بیٹھیں، میری اماں کو یہاں سے اُٹھا دیں میری جان نہیں نکلے گی۔ میری جان تکلیف سے نکلے گی میری ماں کو یہاں سے ہٹا دیں۔ غرض وہ ہر وقت والدہ صاحبہ اور میرے پاس بیٹھے رہنے پر مصر تھا) اور بار بار کہتا تھا کہ آپ میرے پاس بیٹھے رہیں مجھے اس سے تسلی ہوتی ہے اور اس کے برخلاف اگر اپنی والدہ پاس آتیں تو اُن کو ہٹا دیتا تھا اور اصرار کرتا تھا کہ میرے پاس سے ہٹ جاؤ معلوم ہوتا ہے کہ وفات سے پہلے اس کے دل کے دروازے اللہ تعالیٰ نے کھول دیئے تھے اور ایک پاک دل کے ساتھ وہ اللہ تعالیٰ سے جا ملا۔ مجھے اس سے ایسی محبت تھی جیسے ایک سگے بھائی سے ہونی چاہیے اور اس کا باعث نہ صرف حضرت مولوی صاحب کا اُس سے محبت رکھنا تھا بلکہ یہ بھی وجہ تھی کہ اُسے خود بھی مجھ سے محبت تھی بوجہ ناتجربہ کاری کے بعض منتفنی لوگوں کے فریب میں آجانا بالکل اور بات ہے اللہ تعالیٰ حضرت مولوی صاحب کے باقی بچوں کو نیک اور پاک عمر عطا فرمائے اور جس طرح آپ کا وجود نافع الناس تھا آپ کی اولاد بھی دعائم الملّۃ ہو۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْنَ (لیکن میری اس دعا کو انہوں نے ضائع کر دیا ہے اور خود اپنے لئے تباہی کا بیج بو یا ہے)

خاکسار

مرزا محمود احمد

غرض عبدالحئی مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے اس فتنہ میں مبتلا ہونے سے بچالیا مگر حضرت خلیفہ اوّل کے باقی لڑکوں کے دلوں میں یہ خیال کھٹکتا چلا گیا کہ خلافت ہمارا حق تھا لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک بیٹے نے اس کو چھین لیا ہے اور یہ حق پھر ہم کو واپس لینا چاہیے۔ چنانچہ شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی جو قریباً اتنے ہی پرانے احمدی ہیں جتنے پُرانے حضرت خلیفہ اوّل تھے۔ غالبًا ان کے دو تین سال بعد آئے اور پھر انہوں نے سلسلہ کی خدمت میں بڑا روپیہ خرچ کیا ہے ان کی شہادت ہے کہ:۔

''۱۹۱۴ء میں حضرت خلیفہ اوّل کی وفات کے بعد پیغامیوں نے قادیان میں ریشہ دوانیوں کا مرکز حضرت خلیفہ اوّل کے گھر کو بنایا۔ مختلف اوقات میں لاہور سے جاسوس آتے رہے اور اکابر بھی۔ اور سازش یہ کی گئی کہ اس خاندان میں ایک برائے نام خلیفہ کا انتظام کیا جائے جسے کچھ عرصہ بعد ٹرکی خلافت کی طرح معزول کر دیا جائے کیونکہ ان کا تجربہ بتاتا تھا کہ اس خاندان کے افراد اس قسم کے سنہری خواب دیکھ رہے ہیں''۔

خود مجھے بھی یاد ہے کہ ایک دفعہ اپنے بچوں کو لے کر حضرت خلیفہ اوّل کی بیوی جو میری ساس تھیں میرے پاس آئیں اور بیٹھ کر کہنے لگیں کہ ہماری یہاں کوئی قدر نہیں پیغامی میرے پاس آتے ہیں بڑے روپے دیتے ہیں تحفے لاتے ہیں اور کہتے ہیں لاہور آ جاؤ ہم بڑی قدر کریں گے۔ میں نے کہا بڑی خوشی سے جایئے۔ آپ کو یہ خیال ہوگا کہ شاید آپ کی وجہ سے مجھے خلافت ملی ہے مجھے پرواہ نہیں آپ چلے جایئے اور اپنی بھڑاس نکالیے پھر جا کر آپ کو تھوڑے دنوں میں ہی پتہ لگ جائے گا کہ جو کچھ سلسلہ آپ کی مدد کرتا ہے وہ اس کا دسواں حصہ بھی مدد نہیں کریں گے۔ چنانچہ وہ پھر نہ گئیں گو درمیان میں جماعت کی وفاداری کی وجہ سے ان کا یہ خیال دَبتا رہا مگر پھر بھی یہ چنگاری سُلگتی رہی۔ چنانچہ ۱۹۱۹ء۔۱۹۱۸ء میں دارِ حضرت خلیفہ اوّل میں مجھے زہر دینے کا منصوبہ کیا گیا اس کے متعلق برکت علی صاحب لائق لدھیانوی جو خود ان کے ہم وطن ہیں اور جن کے شاگرد اس وقت پاکستان میں بڑے بڑے عہدوں پر ہیں اور اب بھی مجھے خط لکھتے ہیں کہ ہمارے استاد بڑے نیک تھے ان کا پتہ بتائیں ان کی شہادت ہے کہ ۱۹۱۸ء میں ''لاہور کے بعض معاندین نے حضرت اقدس کو زہر دینے کی

سازش کی اس طریق پر کہ اماں جی مرحومہ کے گھر میں حضور کی دعوت کی جائے اور دعوت کا اہتمام لاہوری معاندین کے ہاتھ میں ہو۔مگر ایک بچے نے جو اُن کی سرگوشیاں سن رہا تھا ساری سکیم فاش کر دی۔''

گواہی فضل محمد خان صاحب شملوی

۱۹۱۹ء۔۱۹۱۸ء میں جیسا کہ میاں فضل محمد خان صاحب شملوی کی گواہی سے ظاہر ہے میاں عبد السلام صاحب مولوی محمد علی صاحب سے شملہ میں ملے اور اُن سے نذرانہ وصول کیا چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

''۱۹۱۵ء کے قریب یا دو تین سال بعد میاں عبدا لسلام صاحب عمر جبکہ وہ صرف ساتویں جماعت میں پڑھتے تھے حضرت مولوی غلام بنی صاحب کے ساتھ جبکہ وہ گرمی کی چھٹیوں میں تفریح کیلئے ٹوٹی کنڈی میں آ کر ٹھہرے۔ اس دوران میں مولوی عبد السلام صاحب غیر مبائعین سے بھی بلا تکلف مل لیتے تھے۔ مجھے یہ بہت بُرا معلوم ہوتا تھا میرے دل میں صاحبزادہ ہونے کے سبب سے جو احترام تھا کم ہوگیا۔ پھر اسی عید کے موقع پر مجھے یاد نہیں کہ بڑی تھی یا چھوٹی میاں عبد السلام صاحب مولوی محمد علی صاحب سے عید کا نذرانہ لے آئے اور ان کی گود میں بیٹھ آئے۔ جب اس روئیداد کا علم ہوا تو خان صاحب برکت علی صاحب نے جو اُس وقت جماعت کے سیکرٹری تھے اُن کو تنبیہہ کی کہ وہ مخالفین کے پاس کیوں گئے ایسا نہ چاہیے تھا تو مولوی عبد السلام صاحب بجائے نصیحت حاصل کرنے کے بہت بگڑے اور کہا کہ آپ کو ہمارے کسی قسم کے تعلقات پر گرفت کرنے کا حق نہیں (یعنی ہم چاہے احراریوں سے ملیں چاہے پیغامیوں سے ملیں تم کون ہوتے ہو جو ہمیں روکو) مولوی عمر الدین صاحب بڑی تجسس کے انسان تھے۔مولوی صاحب مولوی عبد السلام صاحب کی بہت دلجوئی کرتے۔اسی دوران میں مولوی عبد السلام صاحب عمر نے مولوی عمر الدین سے کسی گفتگو کے دوران میں یہ کہا کہ میں نے خلیفۃ المسیح الثانی کے (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) قابلِ اعتراض دستی خطوط اُڑائے ہوئے ہیں جو میرے پاس محفوظ ہیں (اب اگر اس خاندان میں تخم دیانت باقی ہے تو وہ میرے خط شائع کرے ورنہ میں کہتا ہوں کہ اگر اس خاندان کے افراد نے یہ بات کہی ہے

تو لَعۡنَتُ اللّٰہِ عَلَی الۡکَاذِبِیۡنَ) مولوی عمرالدین نے یہ بات ٹوٹی کنڈی کے دوستوں کو بتائی۔ میں اس بناء پر سخت رنجیدہ اور متنفر ہوا۔ عمر بھر اگرچہ مولوی عبدالسلام صاحب بڑے تپاک سے ملتے تھے اور معانقے سے ملتے تھے مگر میرے دل میں بڑی قبض محسوس ہوتی تھی۔ بعد میں یہ بھی افواہاً سنتا رہا کہ لاہوری جماعت حضرت خلیفہ اوّل کے گھر والوں کو اپنے ساتھ ملانے کی جدو جہد کرتی رہتی ہے اور لاہوری لوگ مالی مدد سے تالیف کرتے رہتے ہیں میری ساری ہی عمر ان سے متنفر گزری ہے۔"[۱۸]

۱۹۲۶ء میں میاں عبدالوہاب کی طرف سے مجھ پر عبدالحیٔ مرحوم کو زہر دینے اور عیش پرستی کرنے کا الزام لگایا گیا اس بارہ میں ملک عزیز احمد صاحب رضاعی رشتہ دار حضرت خلیفہ اوّل و اتالیق میاں عبدالوہاب صاحب (جن کو ان کی ماں نے اتالیق مقرر کیا تھا) کی گواہی ہے کہ:۔

۱۹۲۶ء میں میاں عبدالوہاب نے حضور پر مندرجہ ذیل الزام لگائے۔

۱۔ میاں عبدالحیٔ کو زہر دے دی۔

۲۔ آپا امۃ الحیٔ صاحبہ کی شادی سیاسی نوعیت سے کی گئی (یعنی خلیفہ بننے کے لئے۔ گویا خلیفہ پہلے بن گئے شادی بعد میں ہوئی۔)

۳۔ آپ معاذ اللہ عیش پرست ہیں اور کہا آپ قادیان سے باہر رہتے ہیں آپ کو حالات کا کیا پتہ ہو"۔

اس کے علاوہ میری اپنی شہادت ہے کہ ۱۹۲۷ء۔ ۱۹۲۶ء میں مباہلہ والے جب گند اُچھال رہے تھے تو علی محمد اجمیری اور عبدالوہاب مل کر وہاں گئے اور ان کو ایک خط لکھ کر بھجوایا کہ آپ خلیفہ ثانی کے متعلق جو چاہیں لکھیں ہمارے خلاف کچھ نہ لکھیں۔ انہوں نے خط لکھ کر ایک لڑکے کو دے دیا کہ آپ تسلی رکھیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اس لڑکے نے جو مدرسہ احمدیہ میں پڑھتا تھا وہ خط مع جواب لاکر مجھے دے دیا۔ مولوی علی محمد اجمیری نے مجھے لکھا ہے کہ وہ تو بے شک گئے تھے مگر میاں عبدالوہاب اس میں شامل نہ تھے مگر میرا حافظہ اس کی تردید کرتا ہے۔ مدرسہ احمدیہ کے لڑکوں نے جو اس وقت ہوشیاری سے مباہلہ والوں کے مکان کی نگرانی

کرتے تھے مجھے بتایا کہ انہوں نے ان دونوں کو ان کے مکان کے سامنے کھڑا دیکھا تھا اور انہوں نے ایک خط زاہد کی طرف ایک لڑکے کے ہاتھ بھجوایا (زاہد مولوی عبد الکریم مباہلہ والے کا چھوٹا بھائی تھا) اور اس لڑکے نے مجھے لا کر دے دیا اسی طرح اس کی تردید مرزا عبدالحق صاحب امیر جماعت سابق صوبہ پنجاب کے ایک لڑکے مرزا محمد طاہر کے خط سے بھی ہوتی ہے جو زاہد کے بھانجے ہیں اور جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ:

''میاں عبدالوہاب اور زاہد کے آپس میں ''فتنہ مستریاں'' سے پہلے بڑے گہرے تعلقات تھے (میں بھی اس کا ذاتی گواہ ہوں۔ زاہد چونکہ چھوٹا ہوتا تھا ہمارے گھر میں آیا کرتا تھا میری بیویاں اُس سے پردہ نہیں کرتیں تھیں اُس کی بہن بھی ہمارے گھر میں رہتی تھی اس لئے مجھے ذاتی طور پر علم ہے کہ زاہد سے میاں عبدالوہاب کے بڑے گہرے تعلقات تھے اور میاں عبدالوہاب اس سے اکثر ملتا رہتا تھا)

پھر مرزا محمد طاہر لکھتے ہیں کہ:۔

''زاہد سے میاں عبدالوہاب نے حضور کے خلاف باتیں کی تھیں جس پر زاہد بھی حضور کے خلاف ہو گیا۔ زاہد کو اب شکایت یہ تھی کہ جس آدمی نے پہلے حضور کے خلاف باتیں کی تھیں اور فتنہ کی اصل جڑھ تھی وہ تو حضرت خلیفہ اوّل کا لڑکا ہونے کی وجہ سے بچ گیا اور وہ پھنس گیا''۔

اسی طرح ڈاکٹر محمد منیر صاحب سابق امیر جماعت احمدیہ امرتسر کی شہادت سے بھی ظاہر ہے کہ ۱۹۲۸ء۔۱۹۲۷ء میں میاں عبدالمنان اور مولوی علی محمد اجمیری ان سازشوں میں شریک تھے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد منیر صاحب کی شہادت

''غالباً ۱۹۲۷ء یا ۱۹۲۸ء میں جب مباہلہ والوں کا فتنہ زور پر تھا ایک دن اس سلسلہ میں مباہلہ والوں نے ایک اشتہار حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کی ہجو میں بڑی موٹی موٹی سرخیوں کے ساتھ شائع کیا جس میں حضور کے اخلاق پر ذاتی حملے کئے ہوئے تھے۔ اس دن مولوی علی محمد صاحب اجمیری اور میاں عبدالمنان صاحب عمر اور میں (راقم) اکٹھے جا رہے

تھے کہ بازار میں اس قسم کا ایک اشتہار ہمیں بھی ملا۔ میں تو اسے پڑھ کر دم بخود ہو کر رہ گیا۔ میرے ہاتھ سے یہ اشتہار مولوی علی محمد صاحب اجمیری نے لے لیا اور میاں عبدالمنان صاحب اور مولوی علی محمد صاحب اجمیری نے اس کو اکٹھا دیکھنا شروع کیا لیکن جوں جوں وہ اشتہار کو پڑھتے جاتے تھے وہ ساتھ ساتھ عبارت پڑھتے اور ہنستے جاتے تھے مجھے اُن کا یہ فعل طبعاً بُرا معلوم ہوا کیونکہ اپنے کسی بھی عزیز اور قابل عزت اور احترام بزرگ کے متعلق ایسے گندے الفاظ پڑھ کر کوئی بھی شریف آدمی ہنسنے کی بجائے نفرت اور غصہ کے جذبات کا اظہار کرتا۔ مجھ سے ان کی یہ حرکت گوارا نہ ہوئی اور میں نے ان سے یہ اشتہار چھین لیا اور کہا کہ یہ ہنسی کا کونسا موقع ہے۔ اشتہار پڑھ کر ہمارے دل رنجیدہ ہیں اور آپ کو ہنسی آتی ہے جس پر وہ خاموش ہو گئے ممکن ہے ان کی ہنسی اس اشتہار کے لکھنے والے کے متعلق حقارت کی ہنسی ہو لیکن جو اثر اُس وقت مجھ پر ہوا وہ یہی تھا کہ میں نے ان کی ہنسی کو اِس قدر بُرا منایا کہ اس کا اثر اب تک میری طبیعت پر رہا اور محو نہیں ہوا کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا۔ اب جبکہ موجودہ فتنہ منافقین کا اُٹھا ہے تو میرے اس تأثر کی تصدیق ہو گئی ہے کہ اُس وقت کی مولوی علی محمد صاحب اجمیری اور میاں عبدالمنان صاحب کی ہنسی ایک نفرت، بدگمانی اور حقارت کا بیج تھا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق جو آج ایک مکروہ اور بدنما درخت کی شکل بن کر جماعت کے سامنے ظاہر ہو گیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ

خاکسار ڈاکٹر محمد منیر امرتسری

غرض جو بات مجھے یاد تھی اُس کی تصدیق ڈاکٹر محمد منیر صاحب کی شہادت سے بھی ہو گئی اور مرزا محمد طاہر صاحب ابن عبدالحق صاحب کی شہادت سے بھی ہو گئی جو کہ زاہد کا بھانجا ہے۔

۱۹۲۹ء میں مولوی محمد اسماعیل غزنوی نبیرہ[18A] حضرت خلیفہ اوّل اور بھانجا میاں عبدالوہاب وعبدالمنان نے (جس کی خط وکتابت عبدالمنان کے کاغذوں میں جنہیں وہ اورینٹل (ORIENTAL) کمپنی میں جس کا وہ پریذیڈنٹ بنایا گیا تھا چھوڑ کر چلا گیا تھا مل گئی ہے) میاں عبدالسلام وعبدالوہاب سے مل کر ایک میٹنگ کی اور اس میں بقول ایک معتبر شاہد کے خلافت ثانیہ کے خلاف جھوٹے الزام لگانے کی سکیم بنائی۔ مجھے وقت پر یہ خبر مل گئی اور

میں نے شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی اور درد صاحب مرحوم کو مقرر کیا کہ وہ مخبر کے ساتھ مل کر خفیہ طور پر ان کی سکیم سنیں ۔ چنانچہ عرفانی صاحب کی شہادت ہے کہ ان لوگوں نے آپس میں باتیں کیں کہ جتنے مالی الزام خلیفہ ثانی پر لگائے گئے ہیں ان میں سے کوئی بھی کارگر ثابت نہیں ہوا اور نہ ان کا کوئی ثبوت ملتا ہے اس لئے اب ان پر اخلاقی الزام لگانے چاہئیں ۔

مخبر کا بیان ہے کہ اخلاقی الزام کی تشریح بھی انہوں نے کی تھی کہ مولوی عبد السلام صاحب کی ایک بیوی جو حضرت مفتی محمد صادق صاحب کی لڑکی تھیں اور اپنے والد کی طرف سے کئی دفعہ دعا کے خط لے کر میرے پاس آیا کرتی تھیں ان کو بھیجا جائے جب ان کے لئے خلیفہ ثانی دروازہ کھول دیں تو باقی پارٹی کمرہ میں گھس جائے اور شور مچا دے کہ ہم نے ان کو ایک غیر محرم عورت کے ساتھ دیکھا ہے اور تمام لوگوں کو کمرہ میں اکٹھا کرلیں ۔ ہم اس مخبر کی روایت کی قطعی تصدیق نہیں کر سکتے کیونکہ وہ ایک راوی ہے ہاں صرف شیخ یعقوب علی صاحب کی گواہی کی تصدیق کر سکتے ہیں کیونکہ اس کے ایک وہ بھی راوی ہیں اور دوسرا راوی مخبر بھی ہے اس پارٹی کے ممبر جن کی سازش شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے سنی ۔ شیخ صاحب کے بیان کے مطابق میاں عبد السلام صاحب ، میاں عبدالوہاب صاحب اور مولوی محمد اسماعیل صاحب غزنوی تھے ۔

۱۹۳۰ء میں میر محمد اسحٰق صاحب نے مجھ سے ذکر کیا کہ میاں منان کہتے ہیں کہ ہمارے خاندان کو گرانے کی کوشش کی جاتی ہے اور ہماری جائیداد کو نقصان پہنچایا جاتا ہے ۔

ابھی وہ ہزاروں آدمی زندہ ہے جو قادیان میں جانے والا ہے انہوں نے حضرت خلیفہ اوّل کا کچا مکان دیکھا ہوا ہے اس کے مقابلہ میں حضرت صاحب نے ہم کو ورثہ میں پانچ گاؤں اور قادیان کا شہر دیا تھا گویا حضرت خلیفہ اوّل کی جائیداد ہماری جائیداد کا بیس ہزارواں حصہ بھی نہ تھی اب کیا وہ بیس ہزارواں حصہ جائیداد بھی ہم نے کھانی تھی ۔

۱۹۳۰ء میں چوہدری ابوالہاشم صاحب نے مجھے اپنی مرحومہ بیٹی کا جو مولوی عبد السلام صاحب کی بیوی تھیں ایک خط بھجوایا جو بنگالی میں تھا اور اس میں لکھا تھا کہ خاندان حضرت خلیفہ اوّل میں ہر وقت خلافت ثانیہ سے بغاوت کی باتیں ہوتی رہتی ہیں مگر افسوس ہے کہ وہ

خط میرے پاس محفوظ نہیں رہا۔شاید قادیان میں ہی رہ گیا ہے۔

ستمبر ۱۹۳۰ء میں پیغامیوں کی طرف سے یہ الزام لگایا گیا کہ ناصر احمد کو ولی عہد مقرر کرنے کا پروپیگنڈا کیا جارہا ہے۔[19]

۱۹۵۶ء کی مجلس مشاورت کے وقت بھی یہی بات میاں عبدالمنان نے کہی۔ چنانچہ چوہدری انور حسین صاحب ایڈووکیٹ وامیر جماعت احمدیہ شیخوپورہ تحریر کرتے ہیں کہ:۔

''گزشتہ مشاورت کے موقع پر مجھے میاں عبدالرحیم احمد کے مکان پر رہنے کا اتفاق ہوا۔شیخ بشیر احمد صاحب، ڈاکٹر محمد یعقوب خان صاحب بھی وہیں مقیم تھے۔میاں عبدالمنان اکثر اس مکان پر رہتے تھے اور ناشتہ اور کھانے کے وقت بھی وہیں ہوتے تھے۔ میں مشاورت کی مالی سب کمیٹی کا ممبر تھا اور میاں عبدالمنان بھی اس سب کمیٹی کے اجلاس میں شریک ہوتے تھے اس اجلاس میں میں اور مولوی عبدالمنان اکٹھے ہی گئے رستہ میں میاں عبدالمنان نے کہا کہ لاکھوں کا بجٹ مالی سب کمیٹی کے سامنے رکھا ہی نہیں جاتا اس کا حساب کتاب جماعت کے سامنے لایا ہی نہیں جاتا۔میری دریافت پر میاں عبدالمنان نے کہا کہ یہ جماعتی کاروبار یا تجارت کے متعلق ہے میں اس پر چوکس ہوا۔ مالی سب کمیٹی کا اجلاس آدھی رات کے قریب ختم ہوا اور واپس ہوئے غالباً دوسرے دن دوپہر کے وقت میاں عبدالمنان نے پھر ایسی ہی گفتگو شروع کی اور کہا کہ باہر سے آنے والے لوگوں کو کیا معلوم کہ یہاں کیا ہورہا ہے۔ یہاں سخت پارٹی بازی ہے۔پھر مکرم میاں ناصر احمد صاحب کے متعلق ولی عہد کے لفظ کہے اور پھر کہا کہ وہ کوکین [19A] استعمال کرتے ہیں میں نے کہا کہ قطعاً غلط ہے اور وہ بضد رہا۔میری طبیعت پر اس گفتگو کا یہ اثر تھا کہ میں نے محسوس کیا کہ یہاں قیام کرنے میں میں نے غلطی کی ہے اور میرا یہ احساس تھا کہ اگر کوئی دوست مجھے یہاں ملنے کیلئے بھی آئے اور تھوڑا وقت بھی ٹھہرے تو وہ بھی بُرا اثر قبول کریں گے''۔(خاکسار محمد انور حسین ۱۹۵۶ء۔۹۔۱۴)

پھر محمد یوسف صاحب بی ایس سی سابق افسر کویت کی گواہی ہے کہ ۱۹۳۱ء میں مولوی عبدالوہاب عمر خلیفہ ثانی پر گندے الزامات لگاتے رہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

''میں نے ۱۹۲۹ء میں بیعت کی تھی۔ اس کے ایک دو سال بعد یا اسی دوران میں

میرے والد صاحب مجھے مولوی ظفر اقبال صاحب (سابق پرنسپل اورینٹل کالج لاہور) کے پاس لے گئے (جن کے والد احمدی تھے اور جو ڈاکٹر ریاض قدیر صاحب جو لاہور کے مشہور سرجن ہیں ان کے بڑے بھائی ہیں) اور انہیں کہا کہ میرا بیٹا احمدی ہوگیا ہے اسے سمجھایا کریں میں بہرحال والد صاحب کے کہنے پر مولوی ظفر اقبال صاحب سے ملتا رہا۔ انہوں نے سلسلہ کے متعلق کبھی کوئی بات نہیں کی البتہ ایک دفعہ مجھے کہنے لگے کہ بڑے مرزا صاحب تو یقیناً بڑے اچھے آدمی تھے لیکن آپ کے موجودہ امام پر کئی گندے الزامات ہیں اور یہ کہ میں آپ کو اس کے ثبوت میں عینی شاہد دے سکتا ہوں میں نے کہا کہ مولوی صاحب آپ کو وہ بات کہنے کا اسلام مجاز نہیں بناتا جس کے آپ عینی شاہد نہیں۔ جب آپ کی بات ہی اصول کے خلاف ہے تو عینی شاہد مہیا کرنے کیلئے مطالبہ کرنا غلط ہے یہ بات یہیں ختم ہوگئی۔

میرا ہمیشہ سے یہی تأثر رہا ہے کہ وہ عینی شاہد جس کا مولوی صاحب ذکر کرتے تھے میاں عبدالوہاب عمر تھے میں حتمی طور پر یہ بات نہیں کہہ سکتا لیکن کئی باتوں اور حالات کی وجہ سے میرا تأثر یہی رہا ہے۔'' (خاکسار محمد یوسف ۱۹۵۲ء۔۱۱۔۱۱)

اسی کی تصدیق شیخ محمد اقبال صاحب مالک بوٹ ہاؤس کوئٹہ کی شہادت سے بھی ہوتی ہے چنانچہ شیخ صاحب لکھتے ہیں۔

شیخ محمد اقبال صاحب تاجر کوئٹہ کی شہادت

''چوہدری برکت علی مرحوم جو مکتبہ اُردو اور ماہنامہ ''ادب لطیف'' لاہور کے مالک تھے گرمیاں گزارنے اکثر کوئٹہ آتے رہتے تھے ان کے ہمراہ ایک اور غیر احمدی دوست ہوا کرتے تھے جو محکمہ تعلیم پنجاب سے تعلق رکھتے تھے یہ ہر دو احباب میرے ایک غیر احمدی نوجوان کے گھر اکثر آتے رہتے تھے جو محکمہ ریلوے میں آفیسر ہیں۔ وہیں میری ان سے کبھی کبھار ملاقات ہوتی۔ چوہدری صاحب مرحوم سے مذہبی گفتگو کا سلسلہ اکثر چلا کرتا تھا وہ مجلس احرار کے سرگرم رکن تھے اور اُن کی باتوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ احراریوں کی سرگرمیوں میں باقاعدگی سے حصہ لیتے اور انکی بڑی مالی امداد بھی کرتے تھے۔ احمدیت کے خلاف گوناگوں تعصب رکھتے۔ اُن کے لہجہ میں طنز کا پہلو نمایاں ہوتا اور بار

بار کہتے کہ ہمیں کیا بتاتے ہو ہم تو آپ کی جماعت کے اندرون سے اچھی طرح واقف ہیں۔
غالباً ۱۹۴۳ء کی گرمیوں کا ذکر ہے کہ دورانِ گفتگو میں حسب معمول چوہدری برکت علی نے متذکرہ بالا ہر دو غیر احمدی احباب کی موجودگی میں مجھے مخاطب کرتے ہوئے طنزاً کہا کہ تم ابھی بچے ہو تمہیں ابھی اپنی جماعت کے اندرون کا علم نہیں ہوا۔ تمہاری جماعت کے سرکردہ لوگ ہم سے پوشیدہ ملتے رہتے ہیں اور اہل قادیان کے اندرونی حالات ہم کو بتاتے رہتے ہیں جس سے ''مرزائیت کی سچائی'' ہم پر خوب واضح ہو چکی ہے۔ میں نے اُن سے کہا اگر آپ جھوٹ بول کر اپنا ایمان ضائع نہیں کر رہے ہیں تو مجھے ان سرکردہ احمدیوں کے نام بتائیں جو آپ کو پوشیدہ ملتے ہیں اور اگر بہت سی راز کی باتوں سے آپ پر سچائی آشکار ہو چکی ہے تو چند ایک ہمیں بھی بتائیں تا کہ ہم اس سچائی سے محروم نہ رہ جائیں لیکن وہ اس سوال سے کتراتے اور نام نہ بتاتے صرف اتنا کہتے کہ وہ لوگ تمہاری جماعت میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں لیکن ان سے بہت بے انصافی کا برتاؤ ہوا ہے وہ قادیان میں بہت تنگ ہیں۔ ان کے حقوق کو پامال کیا گیا ہے اور اپنی تنگدستی اور پریشانیوں کی ہم سے شکایت کرتے ہیں اور ہم سے مالی امداد بھی طلب کرتے رہتے ہیں پھر کچھ توقف کے بعد کہنے لگے کہ وہی لوگ ہمیں بتاتے ہیں کہ قادیان بھر میں دو شخص بھی ایسے نہیں ملیں گے جو دل سے موجودہ خلیفہ سے خوش ہوں۔ ڈر کے مارے گو ظاہر طور پر اب تک مخالفت نہیں ہوئی لیکن جہاں بھی موقع ملتا ہے لوگ خفیہ مجالس کر کے موجودہ خلیفہ کے خلاف غم وغصہ کا اظہار کرتے رہتے ہیں''۔
(آجکل بھی وہ ''نوائے پاکستان'' میں اعلان کر رہے ہیں کہ جماعت کا اکثر حصہ خلیفہ ثانی سے بیزاری کا اظہار کر رہا ہے۔ وہ کذاب اور جھوٹا یہاں آکر دیکھے اور جتنے لوگ یہاں بیٹھے ہیں ان کا دسواں حصہ ہی اپنی طرف دکھا دے۔ دسواں نہیں ہزارواں حصہ ہی دکھا دے۔ ہمارے اندازہ کے مطابق اِس وقت جلسہ میں عورتوں اور مردوں کی تعداد ساٹھ ہزار ہے وہ ساٹھ آدمی ہی مبائعین میں سے اپنے ساتھ دکھا دے)
پھر کہا ''اب تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ حال میں قادیان میں ایک جلسہ عام

ہوا ہے جس میں اہل قادیان نے متفقہ طور پر خلیفہ صاحب کی اقتداء کے خلاف نکتہ چینی کی ہے اور صدائے احتجاج بلند کی ہے (لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ)

میں خاموشی سے سنتا رہا اس کے بعد چوہدری صاحب کہنے لگے کہ تمہاری جماعت کے بزرگوں کے ذاتی کیریکٹر کے متعلق بھی ہمیں اطلاعات ملتی رہتی ہیں اور کچھ بزرگوں کے خلاف الزام بھی لگائے۔ اس پر میری غیرت نے اور کچھ سننا گوارا نہیں کیا اور میں نے نہایت جوش میں دوسرے ہر دو غیر احمدی احباب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ دوستو! ہمارا اپنا مکان قادیان میں ہے اور میں اور میرا خاندان ایک لمبے عرصہ تک وہاں مقیم رہے ہیں ہم بھی وہاں کے تمام حالات سے واقف ہیں لیکن میں عینی شاہد ہونے کی حیثیت سے چوہدری صاحب کے تمام الزامات اور غلط واقعات کی تردید کرتا ہوں اور اس کے جواب میں یہی کہتا ہوں کہ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ۔ اور اب میں یہ کہتا ہوں کہ اگر چوہدری صاحب ان نام نہاد سرکردہ احمدیوں کے نام نہیں بتائیں گے جو نہ صرف منافق ہیں اور خفیہ طور پر احرار سے ملتے ہیں بلکہ اپنے کذب اور جھوٹ کو ''راز کی باتیں'' بتا کر ان کے عوض جماعت کے شدید دشمنوں کے سامنے کاسۂ گدائی لئے پھرتے ہیں تو میں یہ کہنے پر مجبور ہونگا کہ یہ سب کذب اور افتراء چوہدری صاحب جیسے اور ان جیسے دیگر دشمنانِ احمدیت کے اپنے گھڑے ہوئے ہیں اور خواہ مخواہ احمدیوں کو بدنام کرتے پھرتے ہیں۔ اس پر یکلخت چوہدری برکت علی صاحب نے کہا کہ ''وہ آپ کے خلیفہ اوّل کے لڑکے مولوی عبدالوہاب ہیں''۔

حضور مجھے اُس وقت ہرگز یقین نہیں آیا تھا کہ مولوی عبدالوہاب صاحب کے متعلق جو باتیں چوہدری برکت علی نے کی ہیں وہ سچ ہیں بلکہ یہی سمجھتا رہا کہ ان پر افتراء کیا جا رہا ہے اور چونکہ تحقیق کے بغیر کسی پر عائد شدہ الزام کو پھیلانا اسلام میں ممنوع ہے میں آج تک خاموش رہا ہوں آج تیرہ سال کے بعد اس واقعہ کو حلفیہ طور پر بیان کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہوتا ہوں''۔ [20]

ہمیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ۱۹۳۲ء۔۱۹۳۱ء میں احمدیہ ہوسٹل کی رہائش کے زمانہ میں میاں عبدالوہاب احمدیہ بلڈنگس میں جاتے اور مولوی محمد علی صاحب سے ملا کرتے تھے اور

ان سے امداد بھی لیتے تھے جیسا کہ ملک عبد الرحمٰن صاحب خادم کی گواہی سے ظاہر ہے جو ہمارے پاس محفوظ ہے اور جسمیں انہوں نے لکھا ہے کہ:۔

''اگر چہ ۱۹۲۶ء سے لے کر آج تک مولوی عبد الوہاب صاحب کو ایک مرتبہ بھی منافقانہ خیالات کے میرے سامنے اظہار کی جرأت نہیں ہوئی لیکن میں اچھی طرح سے جانتا ہوں کہ ان کی یہ بیماری نئی نہیں بلکہ جس زمانہ میں ہم کالج میں پڑھتے اور احمدیہ ہوسٹل لاہور میں رہتے تھے تو وہ اُن دنوں بھی احمدیہ بلڈنگ میں جاتے اور مولوی محمد علی صاحب سے ملا کرتے تھے اور ان سے مالی امداد بھی لیا کرتے تھے حالانکہ صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے ان کو بہت کافی مالی امداد باقاعدہ ملتی تھی یہ ۱۹۳۲ء۔۱۹۳۱ء کی بات ہے''۔

اسی کی تائید شیخ محمد اقبال صاحب تاجر کوئٹہ کے بیان سے بھی ہوتی ہے جس کو ابھی بیان کیا گیا ہے اور جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ مکتبہ اُردو اور ماہنامہ ''ادبِ لطیف'' لاہور کے مالک چوہدری برکت علی مرحوم نے اُن سے کہا کہ تمہاری جماعت کے سرکردہ لوگ ہم سے پوشیدہ ملتے رہتے ہیں اور اہل قادیان کے اندرونی حالات ہم کو بتاتے رہتے ہیں۔ جب میں نے اصرار کیا کہ بتائیں وہ کون لوگ ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ وہ تمہاری جماعت میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے جاتے ہیں مگر وہ قادیان میں بہت تنگ ہیں، ان کے حقوق کو پامال کیا گیا ہے اور اپنی تنگدستی اور پریشانیوں کی ہم سے شکایت کرتے ہیں اور ہم سے مالی امداد بھی طلب کرتے رہتے ہیں''۔ اور آخر میں مولوی عبد الوہاب کا نام لیا۔[۲۱]

ان گواہیوں سے ظاہر ہے کہ مولوی عبد الوہاب صاحب اپنی تنگدستی اور پریشانیوں کی غیروں سے شکایت کرتے رہے اور یہ پروپیگنڈا کرتے رہے کہ ان کی کوئی مالی امداد نہیں کی جاتی حالانکہ یہ بالکل جھوٹ تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام ۱۹۰۸ء میں فوت ہوئے تھے اور حضرت خلیفہ اوّل ۱۹۱۴ء میں فوت ہوئے گویا حضرت خلیفہ اوّل کی وفات پر بیالیس سال اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر اڑتالیس سال گزر چکے ہیں جو حضرت خلیفہ اوّل کی وفات کے عرصہ سے یقیناً زیادہ ہے۔ اس عرصہ میں سلسلہ کی طرف سے جو دونوں خاندانوں کو امداد

دی گئی ہے اس کا میں نے حساب نکلوایا ہے جو پچیس سال گزشتہ کا مل چکا ہے کیونکہ کچھ ریکارڈ قادیان رہ گیا ہے۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام کے خاندان کو ۲۵ سال کے عرصہ میں نوے ہزار ایک سَو بیس روپیہ دیا گیا اور حضرت خلیفہ اوّل کے خاندان کو جو بہرحال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خادم تھے اس عرصہ میں نوے ہزار دوسَو نوے روپیہ ملا ہے یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان سے جن کے افراد زیادہ تھے حضرت خلیفہ اوّل کے خاندان کو ایک سَو ستر روپیہ زیادہ ملا اور ابھی وہ رقمیں الگ ہیں جو میں دیتا رہا۔ مگر باوجود اس کے یہ پروپیگنڈا کیا جاتا رہا ہے کہ حضرت خلیفہ اوّل کے خاندان کو گرایا جا رہا ہے اور ان کی مدد نہیں کی جا رہی۔ جب اس کے ساتھ یہ بات بھی ملائی جائے کہ اس پچیس سال میں میں نے چندے کے طور پر ۴۵ ہزار کی رقم دی ہے اور پچھلے سال قریباً ڈیڑھ لاکھ کی زمین انجمن کو دی ہے تو اس کے معنی یہ بنتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان کو ایک کوڑی بھی نہیں ملی بلکہ انہوں نے بغیر کوئی پیسہ لئے صدر انجمن احمدیہ کی خدمت کی ہے اور اس کو ایک بڑی بھاری رقم دی ہے اور اس کے علاوہ تحریک جدید کو میں نے تین لاکھ روپیہ دیا ہے۔

۱۹۳۶ء میں کیپٹن نواب دین صاحب دارالفضل ربوہ کی گواہی کے مطابق شیخ محمد سعید صاحب نے جو آجکل صوبیدار میجر کے عہدہ سے ریٹائرڈ ہو کر لاہور میں مقیم ہیں ان کے پاس بیان کیا کہ ڈلہوزی میں میاں عبدالوہاب، شیخ مولا بخش صاحب لائکپوری اور ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کی اُن مجالس میں موجود ہوتے تھے جن میں وہ خلیفہ ثانی پر گندے الزامات لگاتے تھے اور اُن لوگوں کی ہاں میں ہاں ملایا کرتے تھے۔

۱۹۴۰ء میں شیخ عبدالرحیم صاحب پراچہ کی گواہی کے مطابق مولوی حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے والد مولوی محمد زکریا صاحب نے یہ انکشاف کیا کہ مولوی عبدالوہاب صاحب ان کے ایجنٹ اور مخبر ہیں چنانچہ پراچہ صاحب لکھتے ہیں :۔

مکرم شیخ عبدالرحیم صاحب پراچہ کی شہادت

''بہت عرصہ ہوا احمدیہ ہوسٹل لاہور مزنگ کے علاقہ میں

نواب صاحب بہاولپور کی کوٹھی میں جس کا نام مجھے یقینی طور پر یاد نہیں رہا (غالباً الفیض تھا) میرے بڑے بھائی میاں فضل کریم صاحب پراچہ بی اے ایل ایل بی سپرنٹنڈنٹ ہوسٹل تھے حضور لاہور تشریف لائے تو ہوسٹل میں ہی قیام فرمایا۔ میں بھی لاہور میں تھا ایک دن حضور باہر تشریف لے گئے اور حضور کے کمرہ میں کوئی نہ تھا تو مولوی عبدالوہاب اُس کمرہ میں گئے اور حضور کے کاغذات دیکھنے لگ گئے۔ بھائی فضل کریم صاحب نے دیکھ لیا اور انہوں نے اُن سے بہت سختی کی اور حضور کی خدمت میں بھی بعد میں عرض کر دیا۔ اَب مجھے یاد نہیں اُس وقت میں ہوسٹل میں تھا یا بعد میں بھائی صاحب نے بتایا وہ بہت غصے میں تھے اور کہتے تھے ان کا پیغامیوں سے تعلق ہے اور اس ضمن میں تلاشی لے رہے تھے۔ انہوں نے مولوی عبدالوہاب کی سخت بے عزتی کی جو مجھے ناگوار گزری کیونکہ بھائی صاحب نے حضور سے عرض کر دیا تھا اور حضور نے ستاری سے کام لیا۔ مجھے محض حضرت خلیفہ اوّل کے مقام اور بھیروی اور ہمارے بزرگوں کے محسن ہونے اور اکثر بھیرہ کے لوگوں کے ان کے ذریعہ جماعت میں داخل ہونے کی وجہ سے بھائی صاحب پر افسوس ہوا کہ حضور نے تو ستاری کی اور وہ ان کو ننگا کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ جنگ سے پہلے اور جنگ شروع ہونے کے زمانہ میں جو اغلباً ۱۹۳۷ء۔ ۱۹۳۸ء اور ۱۹۳۹ء تھا میں کاروبار کے سلسلہ میں شملہ جاتا رہا۔ پہلی دفعہ وہاں میں مسلم یا دہلی مسلم ہوٹل میں (صحیح نام یاد نہیں) ٹھہرا اور پھر دوسری مختلف جگہوں پر ٹھہرا۔ میرا قالین کا کاروبار تھا اور قالین کے ایرانی بیوپاری مال لے کر اس ہوٹل میں ٹھہرتے تھے جس کی وجہ سے اکثر اس ہوٹل میں جانا پڑتا تھا۔ ہوٹل کے مالک دہلی میں ریلوے اسٹیشن پر مسلم ریفریشمنٹ روم کے کنٹریکٹر بھی تھے اور ان کا مینیجر منظور حسین یا احمد ہوتا تھا مجھے سنہ صحیح یاد نہیں مگر مندرجہ بالا اوقات کے دوران میں ایک دن اس ہوٹل کے کھانے کے کمرے میں چائے یا کھانا کھا رہا تھا تو وہاں ایک سفید ریش معمر مولوی صاحب بھی بیٹھے ہوئے تھے اب یاد نہیں کہ مولوی عبدالوہاب صاحب وہاں مجھ سے پہلے بیٹھے ہوئے تھے یا بعد میں آئے اُن سے وہاں ملاقات ہوئی۔ میں اپنے ساتھی کے ساتھ مصروف رہا مولوی عبدالوہاب صاحب فارغ ہو کر چلے گئے اور میں وہاں بیٹھا رہا۔ مینیجر ہوٹل منظور صاحب جن

سے میری بے تکلفی تھی آ کر پاس ہی بیٹھ گئے اُن سفید ریش مولوی صاحب نے جو نہیں جانتے تھے کہ میں احمدی ہوں۔ (مگر منظور صاحب کو میرا اچھی طرح علم تھا) مولوی عبدالوہاب صاحب کا ان کے چلے جانے کے بعد ذکر شروع کر دیا کہ یہ فلاں آدمی ہیں اور یہ ہمیں خبریں دیتے ہیں اور ہمیں انہی لوگوں سے مرزائیوں کے راز معلوم ہوتے ہیں اور کہا کہ (مجھے صحیح یاد نہیں آج یا کل) یہ چوہدری افضل حق کے پاس بھی آئے تھے۔ (اُن دنوں چوہدری افضل حق صاحب شملہ میں تھے) اور بھی گفتگو ہوئی۔ مگر اب اتنا عرصہ گزرنے کے بعد یاد نہیں مگر وہ الفاظ یا مفہوم جن سے مولوی صاحب کا احراریوں سے تعلق ظاہر ہوتا تھا اور پھر خلیفہ اوّل کی اولاد کس طرح بھول سکتے ہیں سخت صدمہ ہوا۔ میں نے کسی رنگ میں بعد میں مولوی صاحب سے خود چوہدری افضل حق صاحب سے ملاقات کی تصدیق بھی کروالی۔ پیغامیوں سے ان کے تعلقات کا کئی دفعہ سن چکا تھا مگر یہ الفاظ رنج دہ تھے۔ منظور صاحب نے میرے ساتھ تعلقات کی وجہ سے ان سفید ریش مولوی صاحب کو یہ نہ بتایا کہ یہ احمدی ہیں بلکہ مسکراتے رہے اور انہیں نہ ٹوکا۔ جب وہ مولوی صاحب چلے گئے تو مجھے بتایا کہ یہ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی احراری لیڈر کے والد ہیں۔ بعد میں دوسروں سے بھی تصدیق ہوگئی کہ یہ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب کے والد ہیں کیونکہ پھر کئی دفعہ ملنے کا موقع ملا۔

میں ان الفاظ پر جو مولوی حبیب الرحمٰن صاحب کے والد نے کہے تھے حرف بحرف حلف نہیں اُٹھا سکتا مگر میں اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب کے والد صاحب نے جن کا نام مجھے یاد نہیں اس مفہوم کے الفاظ کہے تھے کہ مولوی عبدالوہاب صاحب احراریوں کے مخبر ہیں اور آج یا کل بھی (شملہ میں) چوہدری افضل حق صاحب کے پاس آئے تھے۔[۲۲]

پراچہ صاحب نے جلسہ سالانہ پر شہادت دیتے ہوئے بتایا کہ جب الفضل میں میرا یہ خط شائع ہوا تو اُس وقت مجھے اُن سفید ریش معمر مولوی صاحب کا جو وہاں بیٹھے ہوئے تھے نام یاد نہیں تھا اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ ان کا نام مولوی محمد ذکریا تھا اور میں خود بھی قسم کھا کے

کہتا ہوں کہ مجھے یاد آ گیا اور میرے حافظہ نے کام دیا کہ اُن کا نام مولوی محمد ذکریا تھا اور مجھے بتایا گیا تھا کہ یہ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب احراری لیڈر کے والد ہیں۔

۱۹۴۶ء میں محمد عبد اللہ صاحب ظفر وال ضلع سیالکوٹ کی گواہی کے مطابق میاں عبدالمنان صاحب نے مجھ پر اپنی جائیداد غصب کرنے کا الزام لگایا چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

''ہمارے ایک معزز غیر احمدی دوست نے (جو علاقہ مجسٹریٹ کے ریڈر ہیں) مجھے بتایا کہ مولوی منان میرے واقف ہیں۔ پارٹیشن سے پہلے جب کبھی میں ان کے ہاں جایا کرتا وہ حضور کے خلاف سخت غیظ و غضب کا اظہار کرتے ہوئے کہتے کہ دیکھو جی! کمائی ہمارے باپ کی اور کھا یہ رہے ہیں (گویا مسیح موعود کی کمائی ہی نہیں۔کمائی حضرت خلیفہ اوّل کی تھی۔ اگر جسمانی لو تب بھی حضرت خلیفہ اوّل کی کمائی ہم سے ہزارواں حصہ بھی نہیں تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ورثہ میں پانچ گاؤں اور ایک شہر قادیان کا ملا تھا اور خلیفہ اوّل کو ان کے باپ کی طرف سے ایک کچا کوٹھا بھی نہیں ملا تھا) ہمیں کوئی پوچھتا بھی نہیں اور ان کے محل بن رہے ہیں۔''

۱۹۵۰ء میں میاں عبد السلام نے یہ کہا کہ عبدالباسط انکے بڑے بیٹے کو زہر دیا گیا ہے وہ لائلپور میں پڑھتا تھا اور میں نے جماعت لائل پور سے گواہی منگوائی ہے وہ کہتے ہیں کہ میونسپل کمیٹی میں ان کا ریکارڈ موجود ہے اور میونسپل کمیٹی کی سند موجود ہے کہ اس نے خودکشی کی تھی بلکہ وہ کہتے ہیں کہ بعد میں جب ہم نے جنازہ نہ پڑھا کیونکہ خودکشی کرنے والے کا جنازہ جائز نہیں ہوتا تو میاں عبدالمنان نے آ کر کہا کہ عبدالباسط نے خودکشی نہیں کی بلکہ کسی نے اس کو زہر دے دیا ہے اور اس کی موت میں مختلف لوگوں کا ہاتھ ہے اور اس کے بعد میاں عبدالسلام اور عبدالمنان دونوں نے پوری کوشش کی کہ کسی طرح یہ بات ثابت ہو جائے کہ اس نے خودکشی نہیں کی بلکہ اُسے زہر دیا گیا ہے۔ چنانچہ چوہدری رشید احمد صاحب بٹ جو سکھر میں ہیں اور مولوی عبدالسلام صاحب کی زمینوں کے قریب رہتے ہیں اُن کی بھی یہی گواہی ہے وہ لکھتے ہیں:۔

''میری مولوی عبدالسلام مرحوم سے پہلی ملاقات جنوری ۱۹۵۰ء میں بمقام کنڈیارو

ہوئی جبکہ ہمارا تعارف چوہدری ہدایت اللہ صاحب پریذیڈنٹ جماعت کنڈیارو نے کرایا۔ اس سے پہلے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے لڑکوں کے نام تو جانتا تھا مگر ان میں سے میرا کوئی واقف نہ تھا۔ اس دوران میں مولوی صاحب موصوف اس قسم کی باتیں کرتے رہے جس سے یہ محسوس ہوتا تھا کہ ان کو سلسلہ عالیہ احمدیہ کے موجودہ نظام سے دلچسپی نہیں ہے (یہ تو ظاہر ہی ہے۔ مگر میاں بشیر احمد صاحب کو مولوی عبدالسلام صاحب کا بیٹا خود کہہ گیا ہے کہ میں خلافت سے بدظن ہوں اور کہہ گیا ہے کہ آپ تو بڈھے ہو گئے ہیں آپ کے ساتھ تو مستقبل کوئی نہیں میں جوان آدمی ہوں میرے سامنے بڑا مستقبل ہے میں نے اس کی فکر کرنی ہے گویا وہ بھی خلافت کا خواب دیکھ رہا ہے۔)

سیّدی!...... غالباً سب سے پہلے ایسی بات جو مولوی صاحب موصوف نے مجھ سے کی وہ یہ تھی کہ میرا بڑا لڑکا جو زہر دے کر ہلاک کیا گیا تھا وہ دراصل مرزا خلیل احمد کی وجہ سے ہوا تھا کیونکہ وہ دونوں کمیونسٹ ہو چکے تھے۔ حضرت صاحب نے اپنے لڑکے کو بچا لیا اور مجھے یہ کہہ کر کہ اب اگر تم کیس کرو گے تو مسیح موعودؑ کے خاندان کی بے عزتی ہوگی حالانکہ میر محمد اسماعیل صاحب مرحوم نے مجھے بہت کہا تھا کہ کیس کرو مگر میں نے اس واسطے نہیں کیا کہ مجھے حضرت صاحب نے بُلا کر منع کیا تھا (جھوٹ ہے لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ) بہرحال میرا لڑکا (یعنی عبدالسلام کا حضرت خلیفہ اوّل کا پوتا) مسیح موعودؑ کے پوتے کیلئے قربان ہو گیا۔ اس دوران میں مولوی صاحب نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ جس وقت یہ کیس ہوا اُس وقت خلیل کی الماری اشترا کی لٹریچر سے بھری ہوئی تھی جس کو خود حضرت صاحب نے جلایا (یہ بھی جھوٹ ہے البتہ یہ ٹھیک ہے کہ بعض کمیونسٹ جو ہمارے دشمن تھے انہوں نے خلیل کے نام کمیونسٹ لٹریچر بھیجنا شروع کر دیا تھا۔)

میں نے مولوی صاحب سے جواباً کہا ''مجھے یہ علم نہیں نہ حضور کے علم میں یہ باتیں ہیں''۔

عبدالباسط نے درحقیقت خودکشی کی تھی جس کی تائید میں جماعت احمدیہ لائلپور نے مولوی عبیداللہ صاحب قریشی، شیخ محمد یوسف صاحب، ڈاکٹر محمد طفیل صاحب، شیخ نذر محمد صاحب، میاں محمد شفیع صاحب، کمانڈر عبداللطیف صاحب، چوہدری عبدالرحمٰن

صاحب، ڈاکٹر چوہدری عبدالاحد صاحب اور شیخ عبدالقادر صاحب مربی لاہور کی گواہیاں میرے پاس بھجوا دی ہیں جن میں انہوں نے کہا ہے کہ تحقیقات ہوئی اور پولیس بھی آئی اور پھر سارا واقعہ لکھا کہ اس طرح وہ کمیونسٹ دوستوں کے پاس سے آیا اور کہنے لگا میں ذرا غسل خانہ میں جانا چاہتا ہوں وہاں گیا تو تھوڑی دیر کے بعد ہم کو آواز آئی ہم نے جب جھانکا تو دیکھا کہ زمین پر گرا پڑا تھا اور قے کی ہوئی تھی۔ پھر ہم نے اس کی جیب میں ہاتھ ڈالا تو اس میں سے رُقعہ نکلا کہ میں نے خود زہر کھایا ہے کسی پر الزام نہ لگایا جائے۔ چنانچہ وہ رُقعہ پولیس میں دیا گیا۔ اس نے تحقیقات کی اور میونسپل کمیٹی نے سرٹیفکیٹ دے دیا کہ ''سُوسائڈ (SUICIDE) ہے دفن کر دیا جائے'' اس وجہ سے پولیس نے کوئی مزید کارروائی نہ کی۔

خلیل کا واقعہ ستمبر ۱۹۴۱ء کا ہے۔ ۱۹۴۱ء میں بعض احراریوں نے کمیونسٹوں سے مل کر خلیل احمد کو کمیونسٹ لٹریچر بھیجنا شروع کیا اور دوسری طرف گورنمنٹ کو اطلاع دی کہ اس کے پاس کمیونسٹ لٹریچر آتا ہے اور یہ کمیونسٹ ہے۔ مجھے اس سازش کا پتہ لگ گیا اور میں نے فوراً ڈاکخانہ کو لکھ دیا کہ خلیل کی ڈاک مجھے دی جایا کرے خلیل کو نہ دی جایا کرے۔ میری غرض یہ تھی کہ یہ الزام نہ لگائیں کہ ڈاک کے ذریعہ اس کے پاس لٹریچر آتا ہے جب وہ لٹریچر میرے پاس آئے گا تو میں اسے تلف کر دوں گا اور گورنمنٹ کو کوئی بہانہ نہیں ملے گا۔ پولیس نے پھر بھی شرارت کی اور اس کے بعد جب میں ڈلہوزی گیا تو وہاں ڈاکیہ کو ساتھ ملا کر ایک بیرنگ پیکٹ خلیل کو دلوا دیا چونکہ میں نے اُسے منع کیا تھا وہ فوراً میرے پاس لے آیا اور میں نے وہ درد صاحب کے سپرد کیا اور درد صاحب کے ہاتھ سے پولیس سب انسپکٹر چھین کر لے گیا۔ میں نے فوراً گورنر کو تار دلا دیا کہ اس طرح پولیس آئی ہے اور درد صاحب کے ہاتھ سے ایک پیکٹ چھین کر لے گئی ہے ہمیں نہیں پتہ اس میں کیا ہے مگر اس کا منشا یہ ہے کہ خلیل کو زیرِ الزام لائے کیونکہ وہ خلیل کے نام آیا تھا۔ اس پر گورنمنٹ نے تحقیقات کی اور پولیس کی شرارت اس پر ظاہر ہو گئی اور وہ ہیڈ کانسٹیبل جو اُس وقت بطور سب انسپکٹر کام کر رہا تھا اُس کو ڈی گریڈ کیا گیا اور ڈلہوزی سے بدل کر شکر گڑھ کے ایک چھوٹے سے تھانہ میں بھیج دیا

گیا۔ اُس وقت نہ ہمیں معلوم تھا کہ عبدالباسط بھی کمیونسٹ اثر کے نیچے ہے اور نہ ہم اس کے لئے کوئی کوشش کر سکتے تھے کیونکہ وہ لائلپور میں پڑھتا تھا اور لائلپور کالج کے کمیونسٹ لڑکوں سے مِلا کرتا تھا اور ہماری حفاظت سے باہر تھا۔

پھر یہ مخالفت اتنی لمبی کی گئی کہ ۱۹۵۰ء۔ ۱۹۵۱ء کی گواہیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ میاں عبدالمنان کی خلافت کا پروپیگنڈا شروع کر دیا گیا۔ چنانچہ عزیزہ بیگم صاحبہ اہلیہ مولوی محمد صادق صاحب مبلغ سیرالیون جو محبوب علی صاحب مرحوم آف مالیر کوٹلہ کی دختر ہیں لکھتی ہیں کہ:۔

''۱۹۵۰ء یا ۱۹۵۱ء کا واقعہ ہے کہ میرا خالہ زاد بھائی منور شاہ ولد فضل شاہ (ساکن نواں پنڈ احمد آباد مضافات قادیان کا ہے اور اس وقت گوٹھ لالہ چرنجی لال نمبر ۳۸۵ تحصیل میر پور خاص تھر پارکر سندھ میں رہائش رکھتا ہے) اُنہی دنوں میں یعنی ۱۹۵۰ء۔۱۹۵۱ء میں جب کہ مرزا شریف احمد صاحب کی دکان بندوقوں والی میں ملازم تھا ربوہ میں میرے پاس ملنے کو آیا۔ اتفاقاً ایک دن باتوں باتوں میں یہ ذکر کیا کہ ایک گروہ نوجوانوں کا ایسا ہے جو کہتا ہے کہ موجودہ خلیفہ کے بعد اگر خلافت پر مرزا ناصر احمد صاحب کو جماعت نے بٹھایا تو ہماری پارٹی میں سے کوئی بھی اُسے نہیں مانے گا۔ ہم تو میاں عبدالمنان صاحب عمر کو خلیفہ مانیں گے۔ میں نے اِسے بُرا منایا اور جھڑک کر کہا کہ وہ خبیث کون کون ہیں۔ اس پر غصے میں آ کر کہنے لگا کہ دیکھنا اُس وقت تم لوگوں کا ایمان بھی قائم نہیں رہے گا۔ یہ کہہ کر اُسی وقت وہ میرے گھر سے باہر چلا گیا میں اس کی وجہ سے دل میں کڑھتی رہی مگر سمجھ نہیں آتی تھی کہ اس کا ذکر حضور سے کیونکر کروں۔ اب حضور کا ارشاد پڑھ کر میں نے یہ بیان مولوی عبداللطیف صاحب بہاولپوری کو لکھوا دیا میں خدا کو حاضر ناظر جان کر حلفیہ کہتی ہوں کہ یہ بیان صحیح ہے الفاظ میں کمی بیشی ہو تو الگ امر ہے مگر مفہوم یہی تھا۔''[۲۳]

اسی طرح چوہدری بشارت احمد صاحب لاہور کی گواہی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ غلام رسول ۳۵ نے بھی یہی کہا کہ ہم تو میاں عبدالمنان صاحب عمر کی بیعت کریں گے۔[۲۴]
اور مولوی محمد صدیق صاحب شاہد مربی سلسلہ راولپنڈی کی بھی یہی گواہی ہے کہ اللہ رکھا نے

کہا کہ اب تو لاہوریوں کی نظر حضرت خلیفہ اوّل کی اولاد پر زیادہ پڑتی ہے اور وہ میاں عبدالمنان صاحب کی زیادہ تعریف کررہے ہیں اوران کے نزدیک وہ زیادہ قابل ہیں۔[۲۵]

چنانچہ ''پیغام صلح'' کی تائید سے بھی ظاہر ہوگیا ہے کہ بات سچ ہے اسی طرح عنایت اللہ صاحب انسپکٹر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ لکھتے ہیں

''ڈاکٹر محمد شفیع صاحب نثار پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ طالب آباد نے بتایا کہ آج سے دوسال قبل گوٹھ رحمت علی تھل برانچ پر مولوی محمد اسماعیل صاحب غزنوی (یہ حضرت خلیفہ اوّل کے نواسے اور عبدالوہاب اور عبدالمنان کے بھانجے ہیں) کے ایک پروردہ شخص بشیر احمد نے کہا کہ جماعت احمدیہ کی خلافت کا حق مولوی نورالدین صاحب کے بعد ان کی اولاد کا تھا لیکن میاں محمود احمد صاحب نے (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) ظلم سے ان کا حق غصب کرکے خلافت پر قبضہ کرلیا ہے۔اب ہم لوگ (یعنی خاندان حضرت خلیفہ اوّل اوران کے غیر احمدی رشتہ دار) اس کوشش میں ہیں کہ خلافت کی گدی مولوی صاحب کی اولاد کو ملے اوراب ''حق بحقدار رسید'' کے مطابق جلد ہی یہ معاملہ طے ہوکر رہے گا۔''[۲۶]

یعنی حق حضرت خلیفہ اوّل کا تھا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اولاد نے خواہ مخواہ بیچ میں دخل دے دیا۔ چنانچہ ہمارے پاس بعض ٹریکٹ ایسے پہنچے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خلیفہ اوّل کے غیر احمدی رشتہ داروں نے مختلف کارٹونوں کے ذریعہ سے اس کے لئے پروپیگنڈا ابھی شروع کردیا ہے اور یہ اشتہارات کثرت کے ساتھ جماعت میں شائع کئے جائیں گے۔ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اِس وقت ایک ٹریکٹ چالیس ہزار چھپا ہے اور کثرت سے ایسے ٹریکٹ جماعت میں شائع کئے جائیں گے''۔

مہاشہ محمد عمر صاحب کی شہادت

مہاشہ محمد عمر صاحب کی رپورٹ بھی اسی کی تائید کررہی ہے کہ اب تک مخالفت بڑھائی جارہی ہے وہ کہتے ہیں۔

''میں بتاریخ ۲۴۔۱۲۔۱۹۵۶ء کو جلسہ سالانہ کے لئے ڈھاکہ سے ربوہ آرہا تھا جب میں امرتسر ریلوے اسٹیشن پر گاڑی سے اُترا تو ایک نوجوان مجھے ملا۔ اُس نے کہا کیا آپ

ربوہ جارہے ہیں؟ میں نے کہا کہ ہاں ۔اس پر اس نے کہا کہ اگر آپ کو ہماری خدمات کی ضرورت ہو تو ہم حاضر ہیں کیونکہ ہماری ڈیوٹی لگی ہے کہ جلسہ پر آنے والے احمدیوں کو سہولت کے ساتھ پہنچا دیں ۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور بازار چلا گیا۔ جب ہم بس میں سوار ہوئے تو وہ بھی ہمارے پاس آ کر لاہور کیلئے اس بس میں بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ آپ لوگوں کے لئے کھانے وغیرہ کا انتظام حضرت مولوی عبدالمنان صاحب نے رتن باغ میں کیا ہے اور وہ بڑے متقی ہیں آپ وہاں تشریف لے چلیں ۔

میں نے پوچھا آپ کا نام کیا ہے؟ اس نے کہا کہ میرا نام ارشد ہے (ممکن ہے اس نے اپنا نام غلط بتایا ہو ہمارے علم میں اس کا نام خالد ہے) اور میں حضرت مولوی عبدالمنان صاحب کا بھانجا ہوں اور مولوی محمد اسماعیل صاحب غزنوی کا لڑکا ہوں ۔ میں خدا کی قسم کھا کر بیان کرتا ہوں کہ یہ میں درست کہہ رہا ہوں ۔'' (مہاشہ محمد عمر)

گویا جیسے شیطان نے کہا تھا کہ اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ کہ میں آدم سے بہتر ہوں اسی طرح اسماعیل غزنوی کے بیٹے نے ہمارے بنگالی مہمانوں کو ورغلانے کیلئے کہا کہ منان صاحب کی دعوت کھاؤ جو جماعت میں تقویٰ میں سب سے افضل ہے ۔

پھر ۱۹۵۳ء میں مولوی عبدالمنان صاحب نے سلسلہ کے مخالف وہابیوں سے ایک خفیہ سازباز کی ۔ چنانچہ ہمیں ایک فائل اورینٹل کمپنی کے دفتر سے ملا ہے جس کے چیئرمین مولوی عبدالمنان صاحب تھے خدا تعالیٰ نے ان کی عقل ایسی ماری کہ وہ اپنے کئی خطوط وہاں چھوڑ کر بھاگ گئے چنانچہ ایک خط اُن میں مولوی محمد اسماعیل صاحب غزنوی کا ملا ہے جو ان کے سوتیلے بھانجے ہیں اور غزنوی خاندان میں سے ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا شدید دشمن رہا ہے اور جس کی مخالفت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کئی کتابیں لکھی ہیں اس میں وہ لکھتے ہیں :۔

''جو امانت آپ کے پاس پڑی ہے ضرورت ہے کہ وہ محفوظ ترین طریق سے میرے پاس پہنچ جائے یا تو ان سَو جیپوں میں سے کسی ایک پر جو لاہور آرہی ہوں اشیاء بھجوا دیں (معلوم ہوتا ہے سازشی طور پر یہاں سے لاہور تک ایک جال تنا ہوا تھا) یا کسی معتبر آدمی کے

ہاتھ جسے میں کرایہ بھی ادا کر دوں گا یا اگر آپ صالحہ بیگم زوجہ میر محمد اسحاق صاحب مرحوم کی خبر لینے کے لئے آئیں (وہ ۱۹۵۲ء میں لاہور علاج کیلئے گئی تھیں) تو آپ اپنے ساتھ لیتے آئیں مگر کسی کے ہاتھ بھجوائیں تو بے خطا بھجوائیں ضائع نہ ہو''۔

اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۵۳ء سے مولوی عبدالمنان اور سلسلہ کے مخالف وہابیوں میں خفیہ سازباز جاری تھی۔ ایک خط اس فائل میں اللہ رکھا کا مولوی عبدالمنان کے نام ملا ہے اس میں اس نے خواہش کی ہے کہ آپ اپنے لنگرخانہ میں مجھے ملازمت دِلوا دیں۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:۔

''آپ اپنے لنگرخانہ میں مجھے ملازمت دلوا دیں (گویا سلسلہ کا لنگرخانہ جلسہ کے کام پر مقرر کرنے کی وجہ سے اب میاں عبدالمنان کا ہو گیا) مگر جلسہ سالانہ سے پہلے کسی اچھی جگہ پر لگا دیں''۔

اب اللہ رکھا کا تازہ خط پکڑے جانے پر اس خاندان نے شور مچایا ہے کہ اللہ رکھا کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں وہ خط تو اماں جی کی وفات پر محض ہمدردی کے خط کے جواب میں تھا حالانکہ یہ خط بتاتا ہے کہ اللہ رکھا سے پرانے تعلقات چل رہے تھے بلکہ قادیان سے ایک درویش نے جو کہ لنگرخانہ کا افسر تھا لکھا ہے کہ میں لنگرخانہ کے سٹور میں سویا ہوا تھا کہ رات کو میں نے دیکھا کہ اللہ رکھا آیا اس کی آنکھیں کمزور ہیں اور اُسے اندھراتا کی شکایت ہے جس کی وجہ سے اسے رات کو ٹھیک طور پر نظر نہیں آتا اس نے آکر اِدھر اُدھر دیکھا مگر اندھیرے کی وجہ سے مجھے دیکھ نہ سکا۔ اس کے بعد وہ وہاں سے سامان اُٹھا کر بازار میں بیچنے کیلئے لے گیا۔ میں نے اُس کو راستہ میں پکڑ لیا پھر اور لوگ بھی جمع ہو گئے اور اس کو ملامت کی جب تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ وہ سامان بیچ کر میاں عبدالوہاب کی ایجنٹی کرتا ہے اور ان کو روپیہ لا کر دیتا ہے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

چونکہ راوی ایک ہی ہے اس لئے ہم اس کی شہادت کی قطعی طور پر تصدیق نہیں کر سکتے جب تک کہ کئی راوی نہ مل جائیں۔

اِسی طرح اللہ رکھا کا ایک خط مولوی عبدالمنان صاحب کے نام ملا ہے اس میں

لکھا ہے۔

''جناب مولوی اسماعیل کے ساتھ جس آدمی کے متعلق آپ کے سامنے ذکر فرمایا تھا (اپنے آپ کو فرمایا لکھتا ہے) اس کو جناب مولوی صاحب سے ملا دیا۔ بعد میں کوشش کی کہ آپ کی بھی ملاقات ہووے مگر آپ کو موقع نہ ملا اگر موقع ملتا تو آپ ضرور اس کے خیال کا پتہ کرتے اور جو مال اس کے پاس تھا دیکھتے اگر اس قابل ہوتا کہ موجودہ وقت کے مطابق شائع کرنا مناسب حال ہوتا تو آپ بات کر لیتے''۔

گویا اُس وقت بھی بقول اللہ رکھا ہمارے خلاف ٹریکٹ لکھوائے جا رہے تھے اور مولوی عبدالمنان مولوی اسماعیل صاحب غزنوی سے مل کر مشورے کرتا تھا۔ اس خط سے بالکل واضح ہو گیا ہے کہ اللہ رکھا مولوی اسماعیل غزنوی اور مولوی عبدالمنان میں سالہا سال سے ایک سازش جاری تھی اور یہ محض غلط بیانی ہے کہ اماں جی کی وفات پر کسی ہمدردی کے خط پر اس سے تعلق پیدا ہوا۔ یہ سازش عام نہیں تھی بلکہ سلسلہ کے خلاف لٹریچر شائع کرنے کی سازش تھی جس میں غیر احمدی بھی شامل تھے۔

ہماری جماعت کے لوگ چونکہ عموماً باہر کے لوگوں سے واقف نہیں ہوتے اس لئے وہ سمجھتے نہیں کہ مولوی محمد اسماعیل صاحب غزنوی کون ہیں؟ مولوی محمد اسماعیل صاحب غزنوی حضرت خلیفہ اوّل کی پہلی بیٹی کے بیٹے ہیں۔ جب آپ وہابی تھے تو آپ نے وہابی تعلق کی وجہ سے مولوی عبداللہ صاحب غزنویؒ جو نہایت بزرگ اور ولی اللہ تھے اور افغانستان سے ہجرت کر کے آئے تھے ان کے بیٹے مولوی عبدالواحد سے اپنی لڑکی امامہ کا بیاہ کر دیا۔ امامہ کے بطن سے تین بچے پیدا ہوئے۔ ایک آمنہ بڑی لڑکی پیدا ہوئی اور دوسرے محمد ابراہیم بیٹا پیدا ہوا اور تیسرے محمد اسماعیل پیدا ہوا جو اَب مولوی اسماعیل غزنوی کہلاتا ہے۔ ابراہیم غزنوی بچپن میں میرے ساتھ کھیلا ہوا ہے۔ حضرت خلیفہ اوّل کے پاس جو اس کے نانا تھے آیا کرتا تھا بہت نیک اور شریف لڑکا تھا یعنی وہ اپنے چھوٹے بھائی کی بالکل ضد تھا۔ گو میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ بڑا ہوتا تو احمدی ہوتا یا باپ کے اثر کے نیچے نہ ہوتا۔ مگر بہر حال وہ ایک نیک لڑکا تھا۔ اس خاندان کی سلسلہ سے عداوت بہت پُرانی ہے مولوی عبداللہ صاحب غزنوی جو

ملہم تھے انہوں نے ایک خواب دیکھی تھی جو حافظ محمد یوسف صاحب نے جو امرتسر کے ایک عالم تھے اور مولوی عبداللہ صاحب غزنوی کے مریدوں میں سے تھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو پہنچا دی۔ وہ خواب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں میں چھپی ہوئی ہے وہ خواب یہ تھی کہ قادیان میں خدا تعالیٰ کا نور اُترا مگر میری اولاد اس سے محروم رہی [۲۷] جب یہ خواب شائع ہوئی تو مولوی عبداللہ صاحب غزنوی کی اولاد کو غصہ لگا اور انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف بڑے بڑے فتوے دیئے۔

اِس وقت اِس خاندان کے لیڈر مولوی داؤد غزنوی ہیں جو ۱۹۵۳ء کے ایجی ٹیشن میں جس میں سینکڑوں احمدی مارے گئے تھے، لیڈر تھے۔ یہ مولوی داؤد غزنوی مولوی عبدالجبار کے بیٹے ہیں جو مولوی عبدالواحد کے بڑے بھائی تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مولوی عبدالجبار کے ایک بھائی احمد بن عبداللہ غزنوی کا فتویٰ اپنے متعلق کتابوں میں نقل کیا ہے کہ وہ کیسا بدگو آدمی تھا۔ اُس نے جو فتویٰ دیا تھا وہ کتاب البریہ صفحہ ۱۳۰ پر درج ہے اس میں لکھا ہے کہ ''قادیانی کے حق میں میرا وہ قول ہے جو ابن تیمیہ کا قول ہے جیسے تمام لوگوں سے بہتر انبیاء علیہم السلام ہیں ویسے ہی تمام لوگوں سے بدتر وہ لوگ ہیں جو نبی نہ ہوں اور نبیوں سے مشابہ بن کر نبی ہونے کا دعویٰ کریں...... یہ (یعنی مسیح موعود) بدترین خلائق ہے (یعنی چوہڑوں چماروں سے بھی بدتر ہے) تمام لوگوں سے ذلیل تر۔ آگ میں جھونکا جائے گا (یعنی جہنم میں پڑے گا)'' [۲۸]

یہ تو ایک بھائی کا فتویٰ تھا اب مولوی اسماعیل غزنوی کے باپ (مولوی عبدالواحد غزنوی) کا فتویٰ سن لو جس کے ساتھ مل کر منان کوششیں کر رہا ہے اور جس کا بیٹا بنگال کے وفد کو لینے کیلئے بارڈر پر گیا تھا۔

مولوی عبدالواحد بن عبداللہ غزنوی کا فتویٰ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اشاعۃ السنۃ جلد ۱۳ میں صفحہ ۲۰۲ پر شائع کیا ہے یہ دو بھائیوں نے مل کر فتویٰ دیا تھا ایک مولوی عبدالواحد نے جو مولوی اسماعیل غزنوی کے باپ ہیں اور ایک ان کے دوسرے بھائی مولوی عبدالحق نے اس میں لکھا ہے کہ:۔

''یہ مسئول عنہ شخص (یعنی حضرت مسیح موعود) اپنی ابتدائی حالت میں اچھا معلوم ہوتا تھا دین کی نصرت میں ساعی تھا اللہ تعالیٰ اس کا مددگار تھا دن بدن **فَيُوْضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِي الْاَرْضِ** کا مصداق بنتا جاتا تھا لیکن اس سے اس نعمت کی قدردانی نہ ہوئی۔ نفس پروری و زمانہ سازی شروع کی۔ زمانہ کے رنگ کو دیکھ کر اس کے موافق کتاب وسنت میں تحریف والحاد و یہودیت اختیار کی۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کو ذلیل کیا **فَيُوْضَعُ لَهُ الْبُغْضَاءُ فِي الْاَرْضِ** کا مصداق بن گیا''۔[۲۹] یعنی اب دنیا میں لوگ اس سے بغض کریں گے اب تم دیکھ لو کہ مولوی عبدالواحد کا قول سچا نکلا کہ لوگ اس سے بغض کر رہے ہیں یا لوگ بیٹھے ہوئے اس پر درود سلام بھیج رہے اور اس کیلئے دعائیں کر رہے ہیں۔

پھر اس کا ایک اور بھائی مولوی عبدالحق غزنوی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق لکھتا ہے:۔

''دجال، ملحد، کاذب، روسیاہ، بدکار، شیطان، لعنتی، بے ایمان، ذلیل، خوار، خستہ خراب، کافر، شقی سرمدی ہے (یعنی قیامت تک شقی ہے) لعنت کا طوق اس کے گلے کا ہار ہے لعن طعن کا جوت اس کے سر پر پڑا۔ بے جا تاویل کرنے والا ...... مارے شرمندگی کے زہر کھا کر مرجاوے گا ...... بکواس کرتا ہے ...... رُسوا، ذلیل، شرمندہ ہوا، اللہ کی لعنت ہو۔ جھوٹے اشتہارات شائع کرنے والا، اس کی سب باتیں بکواس ہیں''۔[۳۰] اور اس کا ہیڈنگ بھی کیسا پاکیزہ رکھا ہے اشتہار کا نام ہے ''**ضَرْبُ النِّعَالِ عَلٰى وَجْهِ الدَّجَّالِ**'' یعنی حضرت مسیح موعود دجال ہیں اور میں ان کے منہ پر جوتیاں مارتا ہوں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام نے حجۃ اللہ کتاب کے صفحہ ۷ پر اس کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ عبدالحق غزنوی نے مجھے ایک خط میں گالیاں دیتے ہوئے لکھا ہے:۔

''دس ہزار تیرے پر لعنت'' پھر لعنت لعنت کئی دفعہ لکھا ہے اور آخر میں لکھا ہے ''**عشرة الف مائة**'' یعنی دس لاکھ دفعہ لعنت اس پر نازل ہو۔

پھر یہی مولوی عبدالحق غزنوی (مولوی اسماعیل غزنوی کا چچا) حضرت صاحب کے متعلق لکھتا ہے:۔

''کافر اَکفر ہے مرزا، دجال ہے مرزا، شیطان ہے مرزا، فرعون ہے مرزا، قارون ہے مرزا، ہامان ہے مرزا، ارڑ پوپو ہے مرزا، وادی کا وحشی ہے مرزا، کتا ہے جو ہانپ رہا ہے، یہ جنگلی کتا ہے''۔[۳۱]

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تصنیف ''کتاب البریہ'' میں اس کے خاندان کی گالیاں لکھی ہیں اور لکھا ہے کہ انہوں نے میری نسبت لکھا ہے کہ:۔

''ان امور کا مدعی رسولِ خدا کا مخالف ہے......ان لوگوں میں سے ہے جن کے حق میں رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ آخر زمانہ میں دجال کذاب پیدا ہونگے ......ان سے اپنے آپ کو بچاؤ تم کو گمراہ نہ کردیں اور بہکا نہ دیں۔ اس (قادیانی) کے چوزے (یعنی آپ لوگ بشمولیت حضرت مولوی نورالدین صاحب جو منان کے باپ اور مولوی اسماعیل غزنوی کے نانا اور اس گالیاں دینے والے کے بھائی کے خسر تھے) ہنود اور نصاریٰ کے مخنث ہیں''۔[۳۲]

گویا جب مولوی عبدالواحد غزنوی کا پوتا بارڈر پر آپ لوگوں کو یہ کہنے گیا تھا کہ منان تقویٰ میں سب سے زیادہ ہے تو اس کے معنے یہ تھے کہ ہندو اور نصاریٰ کا مخنث سب سے زیادہ ہے کیونکہ جب احمدی ہنود اور نصاریٰ کے مخنث ہیں تو اگر منان احمدی ہے اور وہ احمدیوں میں سب سے بڑا ہے تو پھر وہ ہندوؤں اور عیسائیوں کا سب سے بڑا مخنث ہے۔

چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کہتے ہیں کہ مولوی عبدالواحد کا ایک الگ فتویٰ بھی ہے جو اُس نے عدالت میں لکھوایا تھا کہ مرزا قادیانی کافر ہے اور اس کے مرید سب کافر ہیں اور جو کوئی ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے اب مولوی محمد اسماعیل صاحب غزنوی اور مولوی داؤد صاحب غزنوی اور خالد صاحب (ابن مولوی محمد اسماعیل صاحب) جنہوں نے بارڈر پر جا کر بنگالی وفد کے سامنے کہا تھا کہ مولوی منان سب سے بڑے متقی ہیں بتائیں کہ آیا وہ کافر ہیں یا نہیں اور آیا ان کے کفر میں شک کرنے والا بھی کافر ہے یا نہیں۔ جیسا کہ ان کے دادا نے کہا تھا؟

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام نے یہاں تک لکھا ہے کہ مولوی اسماعیل غزنوی کی ماں یعنی حضرت خلیفہ اوّل کی بڑی بیٹی کی وفات بھی میرے مباہلہ کے نتیجہ میں ہوئی مولوی

عبدالحق غزنوی نے جو مولوی عبدالواحد غزنوی کا چھوٹا بھائی تھا پیشگوئی کی تھی کہ میرے گھر بیٹا پیدا ہوگا اور مرزا صاحب ابتر مریں گے۔ حضرت صاحب کہتے ہیں تم نے تو کہا تھا کہ تمہارے گھر بیٹے پیدا ہوں گے اور ہمارے ہاں کوئی نہیں ہوگا لیکن خدا نے میرے گھر میں دو اور بیٹے دے دیئے۔

''اور وہ دونوں پیشگوئیاں جو صدہا انسانوں کو سنائی گئی تھیں پوری ہوگئیں اب بتلاؤ کہ تمہاری پیشگوئیاں کہاں گئیں۔ ذرا جواب دو کہ اس فضول گوئی کے بعد کس قدر لڑکے پیدا ہوئے۔ ذرا انصاف سے کہو کہ جب کہ تم منہ سے دعویٰ کر کے اور اشتہار کے ذریعہ لڑکے کی شہرت دے کر پھر صاف نامراد اور خائب وخاسر رہے کیا یہ ذلت تھی یا عزت تھی؟ اور اسمیں کچھ شک نہیں کہ مباہلہ کے بعد جو کچھ قبولیت مجھ کو عطا ہوئی وہ سب تمہاری ذلت کا موجب تھی۔''[۳۳]

پھر فرماتے ہیں:۔

اس نے میرے خلاف دعائیں کیں اُس کی دعاؤں کا کیا انجام ہوا اور میری دعاؤں کا کیا انجام ہوا:۔

''اب وہ کس حالت میں ہے اور ہم کس حالت میں ہیں۔ دیکھو اس مباہلہ کے بعد ہر ایک بات میں خدا نے ہماری ترقی کی اور بڑے بڑے نشان ظاہر کئے آسمان سے بھی اور زمین سے بھی اور ایک دنیا کو میری طرف رجوع دے دیا۔ اور جب مباہلہ ہوا تو شاید چالیس آدمی میرے دوست تھے اور آج ستر ہزار کے قریب ان کی تعداد ہے (اور اب خدا کے فضل سے وہ دس لاکھ کے قریب ہے اور تھوڑے ہی دنوں میں دس کروڑ سے بھی زیادہ ہو جائے گی۔ اِنْشَاءَ اللّٰہُ'')[۳۴]

پھر فرماتے ہیں:۔

''لطف تب ہو کہ اول قادیان میں آؤ اور دیکھو کہ ارادتمندوں کا لشکر کس قدر اس جگہ خیمہ زن ہے اور پھر امرتسر میں عبدالحق غزنوی کو کسی دکان پر یا بازار میں چلتا ہوا دیکھو کہ کس حالت میں چل رہا ہے۔''[۳۵]

پھر فرماتے ہیں کہ:۔

''تمہارے مباہلے کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمہارے بھائی کا بھی خانہ ویران ہوگیا''۔ ۳۶

تمہارے بھائی مولوی عبدالواحد کا بھی خانہ برباد ہوگیا یعنی مولوی اسماعیل غزنوی کے باپ کا جس کی بیوی حضرت خلیفہ اوّل کی بڑی بیٹی تھی اور فرماتے ہیں یہ میرے مباہلہ کا نتیجہ تھا۔

غرض یہ خاندان سلسلہ کا پرانا دشمن ہے ان کے دادا نے پیشگوئی کی ہوئی ہے کہ ان کو نورِقادیان یعنی صداقت احمدیت نصیب نہیں ہوگی اور ہمیشہ اس کے دشمن رہیں گے مگر معلوم ہوتا ہے کہ اب منان اور عبدالوہاب سے انہوں نے اس فتنہ کے موقع پر خاص یارانہ گانٹھا ہے جس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ مولوی عبداللہ صاحب غزنویؒ مرحوم کی پیشگوئی کے مطابق مولوی عبدالمنان اور مولوی عبدالوہاب بھی احمدی نہیں رہے۔ کیونکہ اگر ان میں احمدیت رہتی تو مولوی عبداللہ صاحب غزنویؒ کی پیشگوئی کے مطابق ان کے پوتے اور ان کے پڑپوتے ان کی دوستی اور ان کی حمایت نہ کرتے مگر چونکہ وہ ان کی حمایت میں ہیں معلوم ہوا کہ ان لوگوں میں بھی احمدیت باقی نہیں رہی اگر باقی ہے تو پھر مولوی عبداللہ صاحب غزنویؒ کی پیشگوئی جھوٹی جاتی ہے حالانکہ وہ ایک راست باز انسان تھے۔

دسمبر ۱۹۵۴ء میں مولوی عبدالوہاب صاحب نے لاہور میں کہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام نے اپنی اولاد کیلئے صرف دُنیوی ترقیات کیلئے دعا فرمائی ہے مگر حضرت خلیفہ اوّل نے اپنی اولاد کو خدا کے سپرد کر دیا چنانچہ ڈاکٹر عبدالقدوس صاحب نواب شاہ سندھ کی شہادت ہے کہ:۔

''عاجز دسمبر ۱۹۵۴ء کے قافلہ کے ساتھ جو کہ جلسہ سالانہ پر قادیان جانے والا تھا لاہور جودھامل بلڈنگ گیا رات جودہامل بلڈنگ میں گزاری۔ صبح نماز فجر باجماعت پڑھنے کے بعد بیٹھے تھے کہ مولوی عبدالوہاب صاحب آگئے اور پوچھا کہ جماعت ہوگئی ہے؟ بتانے پر کہ جماعت ہوچکی ہے انہوں نے خود اکیلے ہی نماز پڑھ لی۔ مولوی عبدالوہاب صاحب کہنے لگے (جیسے کہ درس دیا جاتا ہے) کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لئے دنیاوی ترقیات کے لئے دعا فرمائی ہے جیسے ''دے ان کو عمر و دولت'' پھر کہا کہ آپ دیکھیں حضور کی اولاد دنیا کے پیچھے لگ کر پریشانیوں اور تکلیفوں میں مبتلا ہے کیونکہ دنیا کے پیچھے لگ

کر انسان سکونِ قلب حاصل نہیں کر سکتا۔‘‘

ان کا یہ درس یا تقریر بتاتی ہے کہ ان کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر کوئی ایمان نہیں رہا ورنہ وہ حضرت خلیفہ اوّل کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ترجیح نہ دیتے پھر ان کی بات بھی غلط ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی اولاد کیلئے دنیا نہیں مانگی بلکہ دین مانگا ہے۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ:۔

کر ان کو نیک قسمت دے ان کو دین و دولت
کر ان کی خود حفاظت ہو ان پہ تیری رحمت
دے رشد اور ہدایت اور عمر اور عزت
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

شیطان سے دُور رکھیو! اپنے حضور رکھیو
جان پُر زنور رکھیو! دل پُر سرور رکھیو
ان پر میں تیرے قربان رحمت ضرور رکھیو
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

یہ تینوں تیرے بندے رکھیو نہ ان کو گندے
کر دُور اِن سے یاربّ دنیا کے سارے پھندے
چنگے رہیں ہمیشہ کریو نہ ان کو مندے
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

اے میری جاں کے جانی! اے شاہِ دوجہانی
کر ایسی مہربانی ان کا نہ ہووے ثانی
دے بخت جاودانی اور فیض آسمانی
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

اے واحد یگانہ اے خالق زمانہ
میری دعائیں سن لے اور عرضِ چاکرانہ

تیرے سپرد تینوں! دیں کے قمر بنانا

یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

مولوی عبدالوہاب کے خیال میں رُشد اور ہدایت اور دین اور فیض آسمانی اور دین کا قمر ہونا یہ سب دنیا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تو دنیا سُوجھی مگر حضرت خلیفہ اوّل کو جو ان کے غلام تھے دین سوجھا۔ پھر مولوی عبدالوہاب کا یہ کہنا کہ:۔

''حضور کی اولاد دنیا کے پیچھے لگ کر پریشانیوں اور تکلیفوں میں مبتلا ہے کیونکہ دنیا کے پیچھے لگ کر انسان سکونِ قلب حاصل نہیں کر سکتا''۔

یہ بھی ان کے خاندان کے نظریہ کی رُو سے غلط ہے کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ مولوی عبدالمنان آخری وقت میں جاتے ہوئے اِدھر سلسلہ کا روپیہ ناجائز طور پر استعمال کر رہے تھے اور اُدھر دوسرے احمدیوں سے روپیہ منگوا رہے تھے چنانچہ تحریک جدید اور اورینٹل کارپوریشن کے روپیہ میں انہوں نے جو ناجائز تصرف کیا اس کے متعلق چوہدری احمد جان وکیل المال تحریک جدید کی شہادت ہے کہ:۔

''میاں عبدالمنان صاحب عمر جو تحریک جدید میں نائب وکیل التصنیف اور اورینٹل کارپوریشن کے چیئرمین تھے گزشتہ سال مجلس تحریک جدید نے سات رہائشی کوارٹروں اور مسجد کی تعمیر کا کام ان کے سپرد کیا اور ان تعمیرات کے لئے ستائیس ہزار روپے کا بجٹ منظور کیا۔ جس میں سے میاں عبدالمنان صاحب نے ۲۶۹۹۸ روپے خزانہ تحریک جدید سے برآمد کرائے۔ اس میں سے ۲۳۸۴۳ روپے کوارٹروں کی تعمیر پر خرچ ہوئے باقی رقم انہوں نے نہ تحریک جدید کو واپس کی نہ مسجد بنوائی بلکہ کم و بیش ۳۷۰۰ روپے بصورت سامان تعمیر وغیرہ اورینٹل کمپنی کی طرف منتقل کئے اور وہاں سے اپنی ذاتی دُکانوں کی تعمیر پر خرچ کر لئے۔ اورینٹل کارپوریشن کے بورڈ آف ڈائریکٹرز نے کمپنی کی دُکانوں اور پریس کی عمارت بنانے کیلئے ساڑھے بارہ ہزار روپے تک خرچ کرنے کی میاں عبدالمنان کو منظوری دی انہوں نے کمپنی کی عمارت کے ساتھ ہی اپنی سات عدد دُکانات بھی تعمیر کیں اور بورڈ کی اجازت کے بغیر اپنی ذاتی اور کمپنی کی تعمیرات کا نہ صرف حساب اکٹھا رکھا بلکہ ۶۲۲۳ روپے کی

قلیل رقم کے سوا اپنی دُکانوں کا سارا خرچ کمپنی کے فنڈز میں سے کیا۔ جس کے نتیجہ میں ان تعمیرات پر اٹھارہ ہزار روپے کے قریب مجموعی خرچ ہوا جس میں تحریک جدید کی منتقل شدہ رقم بھی شامل ہے۔ اس میں سے ان کی اپنی دُکانوں کا خرچ ساڑے دس ہزار روپے اور باقی قریباً ساڑھے سات ہزار روپے کمپنی کی عمارت کا خرچ ہے۔ اس طرح (اگر وکیل المال صاحب کی رپورٹ صحیح ہے تو) میاں عبدالمنان صاحب تحریک جدید اور کمپنی کا دس ہزار روپیہ ناجائز طور پر اپنے تصرف میں لائے جو بعد میں ۱۴/ اکتوبر کو ان سے وصول کرلیا گیا''۔

مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ کی شہادت

اسی طرح چوہدری ظہور احمد صاحب آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ کی شہادت ہے کہ:۔

''میں نے صدر انجمن احمدیہ کے آڈیٹر کی حیثیت سے جب جلسہ سالانہ ۱۹۵۳ء کے حسابات کی پڑتال کی تو مجھے معلوم ہوا کہ صدر انجمن احمدیہ کے منظور شدہ قواعد کے ماتحت جو رقم یا تو محکمہ کے سیف (SAFE) میں نقد موجود ہونی چاہیے تھی یا صدر انجمن احمدیہ کے صیغہ امانت میں جلسہ سالانہ کی امانت میں جمع موجود ہونی ضروری تھی اس میں سے مبلغ ۱۸۹۹ روپے ۱ آنہ ۳ پائی کم تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مولوی عبدالمنان صاحب افسر جلسہ سالانہ تھے۔ جب مولوی عبدالمنان صاحب جلسہ سالانہ کے کام سے تبدیل کئے گئے تو یہ تمام کی تمام رقم کلرک غلام احمد صاحب کے نام پیشگی ظاہر کی گئی جو اُس وقت محرر جلسہ سالانہ تھے۔

میں نے اس معاملہ میں مزید چھان بین کی اور متعلقہ کارکنانِ دفتر کے بیانات لئے اور پُرانا ریکارڈ دیکھا تو معلوم ہوا کہ ۱۹۴۹ء میں ۵۰۰ روپے کی رقم مولوی عبدالمنان صاحب نے لی تھی اس رقم میں سے مختلف وقتوں میں انہوں نے کچھ رقم واپس کی اور ابھی تک ۱۷۹ روپے ۱۲ آنے ۶ پائی اس پانسو کی رقم میں سے ان کے تصرف میں ہیں اور باوجود بار بار کے مطالبات کے یہ رقم بھی واپس نہیں ہوئی۔ اسی طرح اسی زمانہ میں ۵۰ روپے دفتر جلسہ سالانہ کی نقدی میں سے پیشگی کا نام دے کر غلام رسول چک ۳۵ کو دلائے گئے یہ رقم بھی

باوجود مطالبات کے واپس نہیں ملی۔اس کے علاوہ ۸۷ روپے ۸ آنے مولوی علی محمد اجمیری کو دلائے گئے یہ رقم بھی واپس نہیں ہوئی۔

اس تحقیقات سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس ۱۸۹۹ روپے ۱ آنہ ۳ پائی کی رقم کا بیشتر حصہ مولوی عبدالمنان صاحب یا ان کے احباب نے لیا ہوا تھا لیکن تمام رقم ایک ماتحت کارکن کے نام پیشگی دکھائی ہوئی تھی۔ خاکسار ظہور احمد آڈیٹر صدر انجمن

پھر علاوہ ان بدعنوانیوں کے جو کہ مالی معاملات کے متعلق اورینٹل کمپنی میں مولوی عبدالمنان صاحب نے کی ہیں یا سلسلہ کے روپیہ سے جلسہ سالانہ کے کام میں کی ہیں انہوں نے یہ بھی کوشش شروع کردی تھی کہ کچھ روپیہ جمع کرلیں تاکہ وقت ضرورت کام آئے جس سے ان کی نیتوں کا پتہ لگتا ہے۔ چنانچہ ان کا ایک خط پکڑا گیا ہے جس کا فوٹو ہمارے پاس موجود ہے۔انہوں نے افریقہ میں ایک احمدی دوست کو لکھا کہ میں تمہارے لڑکے کی شادی کرانے لگا ہوں تم پانچ سَو پونڈ (جو آجکل کے لحاظ سے سات ہزار روپیہ بنتا ہے) بھیج دو۔ یہ خط اس دوست نے اپنے ایک دوست کو جو پاکستان میں ہیں بھیج دیا اور اس نے فوٹو لیکر ہمیں بھجوادیا وہ خط یہ ہے۔

مکرم ومحترم چوہدری صاحب

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

آپ کا خط موصول ہوا۔اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ۔ چوہدری منصور احمد اور ان کی والدہ بفضلہٖ تعالیٰ بخیریت ہیں۔ پرسوں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب سے منصور احمد صاحب کی ملاقات ہوئی تھی آج ابھی حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کی ملاقات کے بعد واپس آئے ہیں۔حضور منصور احمد سے آپ کے اور آپ کے کاروبار کے متعلق دریافت فرماتے رہے۔عزیز کی شادی کے سلسلہ میں ایک جگہ تجویز کی گئی ہے لڑکی بی اے پاس ہے اور اِس وقت بی ٹی میں لاہور کالج میں پڑھ رہی ہے۔لڑکے کے دادا نہایت مخلص اور سلسلہ کے فدائی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے۔ والد آجکل قادیان میں مقیم ہیں۔لڑکی تعلیم یافتہ اور مخلص ہے۔حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کو یہ رشتہ پسند ہے لڑکی کے ایک چچا یہاں سلسلہ

کے مبلغ ہیں۔ دوسرے چچا مولوی صالح محمد صاحب پیچھے سلسلہ کی طرف سے انگلستان بھجوائے گئے تھے آجکل مغربی افریقہ گولڈ کوسٹ ان کا تبادلہ ہو گیا ہے۔

دادا کا نام فضل احمد صاحب ہے اور والد کا عبدالرحیم۔ لڑکی کا ایک بھائی یہاں رہتا ہے۔ کالج میں زیرِ تعلیم ہے اور تبلیغ کی ٹریننگ لے رہا ہے ان کی ذات راجکمار یا راجپوت ہے میرے خیال میں رشتہ موزوں ہے۔ منصور احمد اور عزیزہ نسیم کو پسند ہے۔ شادی کے اخراجات کے سلسلہ میں میرا ذاتی نکتہ نگاہ یہ ہے کہ معمولی سے اخراجات کافی ہوتے ہیں۔ اسلام میں تکلّفات نہیں اور یہاں بھی عام حالات میں زیادہ اخراجات کی ضرورت نہ تھی لیکن اِس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ لڑکی نے اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر ہزاروں میل دُور جانا ہے پھر وہاں کے حالات بھی لڑکی والوں کے سامنے نہیں ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ابھی باقی عزیزوں کے رشتے بھی کرنے ہیں اور ضرورت ہے کہ پہلی شادی کے بعد راستے کھل جائیں اور کئی لوگوں کی نظریں اس پہلی شادی پر ہیں اور وہ دیکھ رہے ہیں کہ یہاں کیا خرچ ہوتا ہے اس سے وہ مالی اور دوسرے حالات کا اندازہ کریں گے اور میرے سامنے یہ حقیقت بھی ہے کہ سونا اور کپڑا افریقہ میں یہاں پاکستان کے مقابلہ میں سستا ہے۔

ان تمام حالات کو دیکھ کر میری رائے یہ ہے کہ شادی کے تمام اخراجات کیلئے پانچ صد پونڈ (یعنی آجکل کے لحاظ سے سات ہزار روپیہ) کافی ہونگے علاوہ حق مہر کے۔ یہ روپیہ بذریعہ ڈرافٹ بھجوانے کی ضرورت نہیں آپ یہ روپیہ وہاں کی جماعت میں میرے نام پر جمع کرادیں اور رسید مجھے بھجوادیں میں یہ روپیہ یہاں منصور احمد کی والدہ کو ادا کردوں گا تا وہ اپنی نگرانی میں زیور کپڑا وغیرہ پر صرف کریں۔ پس آپ ڈرافٹ بینک نہ بھجوائیں بلکہ وہاں میرے نام پر رقم جمع کروادیں میں یہاں سے اس کے مطابق رقم ادا کردوں گا۔

مہر اندازاً لڑکے کی ایک سال کی آمد کے برابر ہونی چاہیے جو میرے خیال میں آٹھ ہزار روپیہ ہوگی۔ خاکسار عبدالمنان عمر (دستخط)

غرض انہوں نے اِدھر سلسلہ کا کچھ مال اِدھر اُدھر استعمال کیا اور کچھ لوگوں سے منگواتے رہے۔

یہ جو عبدالقدوس صاحب نواب شاہ کی گواہی ہے کہ میاں عبدالوہاب صاحب نے کہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام نے اپنی اولاد کے لئے دُنیا مانگی اور ہمارے باپ نے ہمارے لئے دین مانگا۔ اس کی مزید شہادت لاہور کی مجلس خدام الاحمدیہ نے بھجوائی ہے کہ ایک احمدی سے ایک پیغامی نے آ کر کہا کہ میاں منان کہتے ہیں کہ ہم تو چپ کر کے بیٹھے ہیں کیونکہ ہمارے باپ نے ہمیں خدا کے سپرد کیا تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی اولاد کو دنیا کے سپرد کیا تھا۔ یہ جوش نکال لیں سال دو سال پانچ سال خوب جوش نکالیں پھر ٹھنڈے ہو جائیں گے۔ یہ شہادت بھی ہمارے پاس محفوظ ہے۔ اب تم جو مبائعین کی جماعت ہو اور جنہوں نے لکھا تھا کہ قیامت تک ہم خلافت احمدیہ کو قائم رکھیں گے تم بتاؤ کہ کیا مولوی عبدالمنان کے قول کے مطابق دو تین سال میں ٹھنڈے پڑ جاؤ گے یا قیامت تک تمہاری اولادیں خلافت احمدیہ کا جھنڈا کھڑا رکھیں گی؟ (اس پر چاروں طرف سے آوازیں آئیں کہ ہم قیامت تک خلافت احمدیہ کا جھنڈا کھڑا رکھیں گے)

اکتوبر ۱۹۵۵ء میں جب صوفی مطیع الرحمٰن صاحب شدید ذیابیطس سے فوت ہوئے تو رشید احمد صاحب بٹ ضلع نواب شاہ سندھ کی گواہی کے مطابق میاں عبدالسلام نے کہا کہ صوفی مطیع الرحمٰن صاحب کا علاج نہیں کروایا گیا اس لئے مر گئے۔ حالانکہ ان کو ہسپتال میں داخل کیا گیا تھا اور سینکڑوں روپیہ سلسلہ نے ان پر خرچ کیا تھا۔ میاں محمد عبداللہ صاحب سابق انجینئر ایران حال نواب شاہ لکھتے ہیں کہ میاں وہاب نے ایک دفعہ کہا کہ حضرت صاحب کی مجلس عرفان میں رکھا ہی کیا ہے۔

پھر ۱۹۵۵ء کے شروع کے متعلق ملک صاحب خان صاحب نون ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر بیان کرتے ہیں کہ جب میاں عبدالمنان صاحب کا مکان دوسری جگہ بننے لگا تو میں نے بھیرہ کے تعلقات کی وجہ سے ان سے کہا کہ میاں صاحب! میں نے تو آپ کی صحبت حاصل کرنے کیلئے آپ کے قریب مکان بنایا تھا مگر آپ اب کہیں اور چلے ہیں تو اس پر میاں عبدالمنان صاحب آگے بڑھے اور میرے سینہ کی طرف ہاتھ بڑھا کر ہلایا اور کہا ملک صاحب! آپ گھبرائیں نہیں ہم جہاں بھی جائیں گے آپ کو ساتھ لے کر جائیں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ اُس

وقت تو میں اس کا مطلب نہ سمجھا لیکن گھبرا گیا اور بعد میں جب یہ فتنہ پیدا ہوا تو میں باقاعدہ اخبار میں دیکھتا تھا کہ اس میں میاں عبدالمنان کا نام بھی آتا ہے یا نہیں۔ جب میں نے ان کا نام پڑھا تو استغفار پڑھا کہ ان کی یہی غرض تھی کہ مجھے بھی اس فتنہ میں ملوث کریں۔

ملک صاحب سرگودہا کے مشہور خاندان ٹوانہ اور نون میں سے ہیں اور ڈپٹی کمشنر رہ چکے ہیں گوجرانوالہ سے ریٹائرڈ ہوئے۔ ملک فیروز خان صاحب نون جو اسوقت وزیر خارجہ ہیں ان کے بھتیجے ہیں چنانچہ ملک صاحب کا اصل خط اس شہادت کے سلسلہ میں ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ ملک صاحب لکھتے ہیں:۔

مکرم ملک صاحب خان صاحب نون کی شہادت

میرے آقا! سلمہ اللہ تعالیٰ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ اور عمر خضر عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

چونکہ حضور پُر نور امام الوقت اور خلیفہ وقت ہیں اللہ تعالیٰ کی نصرت حضور کی تائید میں ہے اور اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی ہمیشہ رہے گی اور دشمنان خائب وخاسر اور منہ کی کھائیں گے اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی ضرور ضرور۔

میں ایک واقعہ حضور کی خدمت بابرکت میں گوش گزار کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ اس میں ذرہ بھر بھی شک وشبہ نہیں بلکہ عین اصل واقعہ ہے۔ جب میں نے ربوہ والے مکان کی جگہ کے متعلق حضور پُر نور کے پاس شکایت کی اور حضور نے اپنے ساتھ کچے مکانوں میں مجھے اور ناظر متعلقہ (جو اُس وقت غالباً عبدالرشید صاحب تھے) کو بلایا میں نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے شکایت نہیں ہے جس کی وجہ یہ تھی کہ ایک تو حضرت میاں بشیر احمد صاحب نے بہت زور دیا کہ یہی جگہ لے لوں اور دوسرے یہ کہ پسران حضرت خلیفہ اوّل میرے ہمسایہ تھے یہ بات میرے واسطے بہت ہی خوشی وتسلی کی ہوئی گو میں بذاتِ خود اس جگہ کو پسند نہیں کرتا تھا خیر مکان بنایا بن گیا جب ناظر صاحبان کے مکان مکمل ہوئے تو میاں عبدالمنان صاحب اس نئے مکان میں چلے گئے اور جب میں ربوہ گیا تو مجھے معلوم ہوا۔ اتفاق سے منان صاحب مجھے ملے۔ میں نے کہا واہ مولوی صاحب! آپ مجھے چھوڑ کر چلے گئے تو اس

نے ذرا آگے آکر ذرا آہستہ آواز میں دایاں ہاتھ اُٹھا کر میرے سینہ کے برابر کر کے کہا ’’تسلی رکھو جدے جاواں گے تہانوں نالے لے جاواں گے‘‘۔ اُس وقت میں نے بہتیرا زور لگایا مگر مجھے اِس مہمل بات کی سمجھ نہ آئی جو متواتر میرے دل میں چبھتی رہی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی شان میں وجہ نہیں بتلا سکتا کہ کیوں میرا اُنس وکشش ومحبت ان سے دن بدن کم ہوتی گئی حتّٰی کہ جب اماں جی کی وفات ہوئی ڈاک خانہ کے پاس کھڑے کھڑے ہی میں نے منان سے اظہارِ افسوس کیا اور ان کے مکان تک بھی نہ گیا۔ ’’نوبت بایں جارسید‘‘ والا معاملہ ہوا کہ جب دو دفعہ منان صاحب میرے سامنے آئے تو میں نے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ بھی ان سے نہیں کی۔ میں نہیں بتلا سکتا کہ کون سی غیبی طاقت اندر ہی اندر کام کر رہی تھی جب میں نے یہ فتنہ پڑھا تو ہر پرچۂ الفضل کو اوّل سے آخر تک پڑھتا رہا اور خاص توجہ اس طرف تھی کہ منان صاحب کا بھی کہیں ذکر ہے حتّٰی کہ ان کے خیالات کے متعلق اطلاع آمدہ امریکہ سے میرا وہ پرانا معمہ حل ہوا کہ ’’جدے جاواں گے تہانوں نال لے جاواں گے‘‘ کا کیا مدعا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو حاضر وناظر جان کر تحریر کرتا ہوں کہ اس میں ذرہ بھر بھی جھوٹ نہیں۔

نوٹ میں نے اس کا ذکر بہت دن ہوئے محترم جناب مرزا عبدالحق صاحب سے کیا تھا۔

والسلام

خاکسار

حضور کا ادنیٰ خادم

صاحب خان نون

مولوی محمد احمد صاحب کی شہادت

اسی طرح مولوی محمد احمد صاحب جلیل کی شہادت ہے کہ:۔

۱۔ چند سال قبل جب میاں عبدالمنان صاحب جامعہ احمدیہ میں پڑھایا کرتے تھے میں کسی کام کی غرض سے انہیں ملنے کیلئے اُن کے مکان پر گیا دورانِ گفتگو میں انہوں نے اپنے جامعہ میں تقرر پر عدمِ اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اس Regime میں ہمارے لئے (یا یہ کہا کہ میرے لئے) کوئی جگہ نہیں یہ پہلا موقع تھا کہ میری طبیعت پر ان کے متعلق یہ اثر

پیدا ہوا کہ وہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کے قائم کردہ نظام سے شاکی اور سخت غیر مطمئن ہیں۔

۲۔تحریک جدید کے ایک کوارٹر کی تعمیر میں قواعد میونسپل کمیٹی کی خلاف ورزی پر سیکرٹری کمیٹی صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب کی شکایت پر حضرت خلیفہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے مجلس تحریک جدید کو جرمانہ کیا تھا۔اس کے متعلق مجھ سے بات کرتے ہوئے میاں عبدالمنان صاحب نے کہا کہ نہ کمیٹی کا کوئی ایسا قاعدہ ہے جس کی خلاف ورزی ہوئی ہے اور نہ قواعد کی رو سے یہ جرمانہ ہوسکتا ہے یہ سب طاقت اور اقتدار کا نتیجہ ہے۔

۳۔ایک دفعہ میرا ایک معاملہ جس کا حضرت میاں شریف احمد صاحب اور صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب سے تعلق تھا اس کے متعلق بات کرتے ہوئے ان دونوں حضرات کے متعلق یہ لفظ میاں عبدالمنان صاحب نے کہے کہ دیکھو کس طرح ان لوگوں کا خون سفید ہوگیا ہے۔

۴۔میاں عبدالمنان صاحب جب امریکہ گئے تو امریکہ جانے کی حضرت خلیفہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملنے کے متعلق میری بیوی سے ذکر کرتے ہوئے امۃ الرحمٰن صاحبہ اہلیہ میاں عبدالمنان صاحب نے حضور کے متعلق یہ کہا کہ انہوں نے اجازت تو دے دی ہے مگر اس بابل دا کی اعتبار ہے کہ ڈولے پاکے بھی کڈھ لے۔

خاکسار محمد احمد جلیل

اس فتنہ کو مزید ہوا شیطان نے اس طرح دی کہ خدام الاحمدیہ میں جب ناصر احمد افسر تھا تو اس نے حمید ڈاڈھا کو سگریٹ پیتے ہوئے دیکھا اور اس نے اس کو سزا دینی چاہی اس پر وہ اس کے مخالف ہوگیا چنانچہ حافظ عبداللطیف صاحب اور اخوند فیاض احمد صاحب کی شہادتیں اس بارہ میں ہمارے پاس محفوظ ہیں جنہوں نے لکھا ہے کہ یہ اُسی وقت سے مرزا ناصر احمد صاحب کے خلاف بغض وعناد کا اظہار کرتا رہتا تھا۔

پھر چونکہ جلسہ سالانہ کا کام کئی سال تک میاں عبدالمنان کے سپرد ہوتا رہا ہے اس لئے وہ سلسلہ کے روپیہ میں سے اپنے ان ایجنٹوں کو پیشگیاں بھی دیتے رہے چنانچہ ریکارڈ سے

مولوی علی محمد اجمیری کے نام ۸۷ روپے ۸ آنے، حمید ڈاڈھا کے نام ۳۵ روپے اور غلام رسول چک ۳۵ کے نام ۵۰ روپے پیشگی دیئے جانے ثابت ہیں۔ اس طرح نفرت اور لالچ دونوں جذبات اکٹھے ہو گئے اور ان لوگوں نے میاں عبدالمنان کی تائید میں پروپیگنڈا شروع کر دیا جس طرح بعض منافقوں نے حضرت عمرؓ کی زندگی میں پروپیگنڈا شروع کیا تھا کہ جب حضرت عمرؓ فوت ہوں گے تو ہم فلاں کی بیعت کریں گے۔ لیکن وہ بھی خائب و خاسر رہے اور یہ بھی خائب و خاسر رہیں گے اور اللہ تعالیٰ خلافت احمدیہ کی خود حفاظت کرے گا اور جماعت کی خود راہنمائی کرے گا اور وہ کبھی ان منافقوں یا پیغامیوں کے چیلوں یا احراریوں کے چیلوں کو قریب بھی نہیں آنے دے گا۔

جب ۱۹۵۵ء میں مجھ پر فالج کا حملہ ہوا تو یہ بغض اور زیادہ زور سے ظاہر ہونے لگا جیسا کہ شیخ نصیرالحق صاحب کی گواہی سے ظاہر ہے جو ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

مکرم شیخ نصیرالحق صاحب کی گواہی

شیخ صاحب لکھتے ہیں:۔

''سیدنا و امامنا حضرت ...... المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز!

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ

جب حضور لاہور سے کراچی تشریف لے گئے دوسرے دن شام کو آپ کی خیریت سے کراچی پہنچنے کی اطلاع حاصل کرنے کیلئے سمن آباد سے رتن باغ پہنچا میرے ساتھ میری چھوٹی بیوی بھی تھی انہیں رتن باغ ٹھہرا کر چونکہ یہاں اطلاع کوئی نہیں ملی تھی میں جودھامل بلڈنگ میں گیا۔ لوگ مغرب کی نماز ادا کر چکے تھے اور حضور کی خیریت سے کراچی پہنچنے کے متعلق گفتگو کر رہے تھے میں مزید حالات معلوم کرنے کے لئے سید بہاول شاہ صاحب کی طرف متوجہ ہوا۔ انہوں نے تار کا ذکر کیا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حضور بخیریت تمام کراچی پہنچ گئے ہیں۔ جب میں واپس رتن باغ کو لوٹنے لگا تا اپنی بیوی کو ساتھ لے کر گھر سمن آباد چلا جاؤں مولوی عبدالوہاب صاحب نے مجھے آواز دی کہ حاجی صاحب ٹھہر جائیں میں بھی چلتا ہوں۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ حاجی صاحب آپ نے دیکھا کہ قوم کا کتنا روپیہ خرچ ہو رہا

ہے۔ میں نے عرض کیا مولوی صاحب حضرت صاحب تو فرما چکے ہیں کہ میں اپنا خرچ خود برداشت کروں گا پھر اعتراض کیسا؟ فرمانے لگے آگے تو سنو! میں نے کہا فرمایئے۔ کہنے لگے کہ دیکھو اب خلیفہ تو (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ) اپنا دماغ کھو چکا ہے وہ اس قابل نہیں کہ خلیفہ رکھا جاسکے میں بجبر خاموش رہا تا سارا ماجرا سن سکوں اور جو گفتگو یہ کرنا چاہتے ہیں وہ رہ نہ جائے۔ میں نے کہا مولوی صاحب بھلا یہ تو بتایئے کہ اب اور کون خلیفہ ہوسکتا ہے؟ کہنے لگے کہ میاں بشیر احمد صاحب اور چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کیا کم ہیں۔ اب میں نہیں رہ سکا تو میں نے کہا مولوی صاحب! آپ تو ایک بہت بزرگ ہستی کے فرزند ہیں آپ کو اتنا بھی علم نہیں کہ ایک خلیفہ کی موجودگی میں دوسرا خلیفہ نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ حضور کو جلد صحت عطا فرمائے۔ مولوی صاحب فرمانے لگے کہ بھئی اب تو یہ ممکن ہی نہیں۔ میں نے یہ بھی کہا کہ ایک خلیفہ کی موجودگی میں دوسرا خلیفہ بنانا تو کجا خیال کرنا بھی گناہ ہے چہ جائیکہ آپ ایسی باتیں کر رہے ہیں اور میرے لئے یہ امر نہایت تکلیف دہ ہو گیا ہے...... پھر فرمانے لگے سنو! سنو! میں نے عرض کیا کہ چونکہ میں نے سمن آباد جانا ہے اور نیلا گنبد سے بس لینی ہے اس لئے کچھ اور کہنا ہے تو چلتے چلتے بات کیجئے۔ کہنے لگے کہ دیکھو یہ جو مضامین آجکل چھپ رہے ہیں انہیں میاں بشیر احمد صاحب درست کر کے پریس کو بھیجتے ہیں وہ خود تو لکھ ہی نہیں سکتے پھر یہ عجیب بات ہے کہ انہی میاں صاحب کو حضرت صاحب اپنے کمرہ میں سلاتے ہیں۔ میں اِس معمہ کو نہیں سمجھ سکا۔ اس کے علاوہ بھی اور کئی ایسی باتیں کہیں جو میں بھول گیا۔ میں نے اگلے دن سارا واقعہ چوہدری اسد اللہ خان صاحب کو ہائیکورٹ میں جا کر سنایا۔ انہوں نے فرمایا لکھ دو۔ میں نے وہیں بیٹھ کر لکھ دیا جو مجھے اُس وقت یاد تھا۔ چوہدری صاحب نے فرمایا کہ آپ مولوی صاحب کے سامنے بھی یہی بیان دیں گے۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے آپ کو لکھ دیا ہے۔ آپ میرے ساتھ جودھامل بلڈنگ چلیں اور انہیں میری موجودگی میں پڑھا دیں چنانچہ ہم دونوں گئے۔ مولوی صاحب اپنی دکان میں موجود نہ تھے ہم انتظار کرتے رہے کچھ دیر کے بعد مولوی صاحب تشریف لے آئے۔ میرا خط چوہدری صاحب نے مولوی صاحب کو پڑھایا۔ مولوی صاحب کا رنگ زرد ہوگیا کچھ سکتے

کے بعد فرمانے لگے نہیں میں نے نہیں کہا۔ چوہدری صاحب نے فرمایا لکھ دیجئے کہنے لگے اچھا لکھ دیتا ہوں۔ چنانچہ ان کے دفتر کا کاغذ لے کر مولوی صاحب نے لکھا کہ میں نے ہرگز کوئی ایسی بات نہیں کی جس کے متعلق حاجی صاحب نے لکھا ہے۔ چوہدری صاحب فرمانے لگے کیا آپ اب بھی مصر ہیں؟ میں نے کہا ہاں اور مجھے یہ کاغذات دیجئے میں اس پر مزید لکھتا ہوں۔ چنانچہ میں نے یہ الفاظ لکھے کہ مجھے سخت صدمہ ہوا کہ مولوی صاحب ایک ایسی بزرگ ہستی کی اولاد ہیں جو ہمارے خلیفہ اوّل رہ چکے ہیں انہوں نے صریح جھوٹ بول کر مجھے ہی نہیں بلکہ حضرت خلیفہ اوّل کی روح کو بھی تکلیف پہنچائی ہے مجھے ان سے یہ توقع نہ تھی کہ انکار کریں گے۔ مجھے معاً خیال ہوا کہ اگر احمدیت کا یہی نمونہ ہے تو غیر از جماعت لوگوں پر اس کا کیا اثر ہوگا۔ چنانچہ یہ دونوں تحریریں جناب چوہدری اسد اللہ خان صاحب اپنے ساتھ لے گئے''۔ (خط مؤرخہ ۱۹۵۶ء۔ ۷۔ ۲۹)

مکرم میاں غلام غوث صاحب ہیڈ کلرک میونسپل کمیٹی ربوہ کی شہادت

اسی طرح میاں غلام غوث صاحب ہیڈ کلرک میونسپل کمیٹی ربوہ کی گواہی قابل ذکر ہے وہ لکھتے ہیں:۔

تقریباً تین چار ماہ کا عرصہ گزرا ہے تاریخ یاد نہیں حضرت ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب آنریری سیکرٹری میونسپل کمیٹی ربوہ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں مکرم مولوی عبدالمنان صاحب انچارج صیغہ تالیف وتصنیف تحریک جدید ربوہ کی خدمت میں حاضر ہوکر حضرت میاں منور احمد صاحب کے دستخطوں کی شناخت کروں جو انہوں نے کسی غلط تعمیر کے سلسلہ میں کمیٹی کے قواعد کے تحت مولوی عبدالمنان صاحب کو دیئے تھے چنانچہ فدوی وہاں گیا اور مولوی عبدالمنان صاحب نے فرمایا کہ دیکھو یہ دونوں نوٹس موجود ہیں اور دستخط میاں منور احمد صاحب کے ہیں ان دونوں میں کتنا تفاوت ہے ان میں سے کون سا صحیح ہے اور کون سا غلط؟ (اُس وقت میرے ساتھ والی کرسی پر چوہدری شبیر احمد صاحب نائب وکیل المال تحریک جدید بھی تشریف فرما تھے اور ہم دونوں مولوی عبدالمنان صاحب کے سامنے بیٹھے تھے) بندہ نے عرض کیا کہ چونکہ میں شروع سے کمیٹی میں حضرت میاں منور احمد صاحب کے ماتحت کام کر

رہا ہوں مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ دونوں دستخط حضرت میاں منور احمد صاحب کے ہیں گو ایک چھوٹا ہے اور ایک بڑا لیکن دستخط انہی کے ہیں چونکہ اس کا مضمون ذرا مطابق قواعد مقرر الفاظ میں تھا اور زیادہ تر بحث مولوی عبدالمنان صاحب کے مضمون پر تھی غصہ سے بھرے ہوئے الفاظ میں آپ تقریر فرماتے رہے آخر میں ان کے منہ سے حسب ذیل الفاظ ظاہر ہوئے :۔

''میاں منور احمد وغیرہ اس لئے سختی کرتے ہیں اور ناجائز کرتے ہیں کہ وہ حضرت صاحب کے لڑکے ہیں یعنی خلیفہ صاحب کے ۔جس وقت ڈنڈا میرے ہاتھ میں آیا میں سب کو سیدھا کر دوں گا یا دیکھوں گا''

اُس وقت بندہ خاموش ہو کر واپس چلا آیا کیونکہ میاں صاحب بہت غصے میں تھے بندہ نے اسے Serious نہیں لیا البتہ جب دفتر کمیٹی میں پہنچا تو وہاں چوہدری عبداللطیف صاحب اوورسیئر اور چوہدری عنایت احمد صاحب اکاؤنٹینٹ و محمد الیاس چپڑاسی موجود تھے میں نے ہنسی کے طور پر چوہدری عبداللطیف صاحب اوورسیئر سے کہا کہ آپ نے میاں عبدالمنان صاحب سے ٹکر لی ہے اب خبردار ہو جاؤ وہ آپ سب کو سیدھا کر دیں گے کیونکہ وہ خلافت کے خواب دیکھ رہے ہیں (میں نے ان کے الفاظ سے یہی مفہوم سمجھا تھا کہ وہ خلافت کے خواب دیکھ رہے ہیں) چنانچہ اُس وقت یہ بات ہنسی مذاق میں آئی گئی ہوگئی اب ہنگامی واقعات کی رونمائی پر چوہدری عنایت احمد اور چوہدری عبداللطیف صاحب نے مجھ سے کہا لو بھائی تمہارا بیان کس قدر حقیقت کا انکشاف کر رہا تھا اب ہم تمہارے بیان کو جو آج سے چار ماہ قبل تم نے ظاہر کیا تھا حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت اقدس میں پیش کرنے لگے ہیں ۔ میں نے کہا بے شک کوئی بات نہیں میں نے سچی بات کہی تھی جو سنی تھی مجھے الہام تو ہوا نہیں تھا کہ چار ماہ بعد کیا واقعہ پیش آنے والا ہے ۔''

خاکسار

غلام غوث ۱۹۵۶ء۔۸۔۹

چوہدری عبداللطیف صاحب اوورسیئر کی شہادت

چوہدری عبداللطیف صاحب اوورسیئر بھی گواہی

دیتے ہیں کہ:۔

’’عرصہ قریباً اڑھائی تین ماہ کا ہوا ہے کہ ایک دن خاکسار ملک حفیظ الرحمٰن صاحب واقف زندگی نقشہ نویس (جو حضرت خلیفہ اوّل کے رضاعی رشتہ دار ہیں اس لئے ان کے بھی رشتہ دار ہیں) کے کوارٹر پر ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا میڈیم کوارٹر تحریک جدید جو میاں عبدالمنان صاحب کی زیر نگرانی تعمیر ہو رہا تھا کے خلافِ نقشہ تعمیر ہونے پر بات ہوئی۔ حفیظ صاحب نے بتایا کہ میاں صاحب موصوف ان کے پاس جی ٹی پی بائی لاز پر مشورہ کرنے آئے تھے اسی طرح تعمیر کی اور باتیں بھی ہوئیں پھر حفیظ صاحب نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ چند روز ہوئے میاں عبدالرحیم احمد صاحب کی کوٹھی پر ایک دعوت تھی اس میں ہمارے خاندان کے حضرت خلیفہ اوّل کے خاندان سے تعلقات کی بناء پر میں بھی مدعو تھا۔ ڈاکٹر عبدالحق صاحب اور میاں نعیم احمد صاحب بھی شامل تھے میاں عبدالمنان صاحب مجھے مخاطب کر کے باتیں کرتے جاتے تھے اور ساتھ ساتھ کہتے ’’کیا حفیظ صاحب ایسا نہیں، کیا حفیظ صاحب ایسا نہیں؟‘‘ (یعنی خلاف باتیں کرتے تھے)

میاں عبدالرحیم احمد صاحب کبھی آتے اور کبھی جاتے تھے جب آتے تو میاں عبدالمنان صاحب کو مخاطب کر کے کہتے ’’میاں صاحب اس شریف آدمی کا ایمان کیوں خراب کرتے ہیں‘‘ یہ باتیں حفیظ صاحب نے بیان کرنے کے بعد خاکسار کو کہا ’’چوہدری صاحب آپ اپنی نمازوں میں سلسلہ کی ترقی کے لئے خاص طور پر دعائیں کیا کریں آئندہ آنے والے ایام مجھے بہت خطرناک نظر آ رہے ہیں۔ میرے پوچھنے پر کہ میاں عبدالمنان صاحب کیا باتیں کرتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ وہ باتیں بتانے والی نہیں بہت خطرناک ہیں‘‘۔

اس کے بعد چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی سفارش سے میاں عبدالمنان صاحب کو امریکہ جانے کا موقع ملا اور اس پر وپیگنڈا نے اور شدت پکڑ لی اور یہ کہا جانے لگا کہ ساری جماعت میں میاں عبدالمنان جیسا کوئی لائق آدمی نہیں انہوں نے مسند احمد کی تبویب جیسا عظیم الشان کام کیا ہے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ تبویب کا ایک حصہ خود حضرت خلیفہ اوّل نے کیا ہوا تھا اور اُن کا قلمی نسخہ لائبریری میں موجود تھا۔ ۵ جون ۱۹۵۰ء کو مولوی عبدالمنان صاحب

نے یہ فہرست لائبریری سے مستعار لی اور کچھ لوگوں کی مدد سے اس میں کچھ زیادتی کر کے اسے اپنی طرف منسوب کر لیا۔ پس کچھ حصہ اس کام کا خود حضرت خلیفہ اوّل کر چکے تھے باقی حصہ مولوی عبدالمنان صاحب نے کیا لیکن وہ حصہ بھی خود نہیں کیا بلکہ جب وہ جامعہ احمدیہ میں پروفیسر تھے تو دوسرے استادوں اور لڑکوں کی مدد سے کیا تھا بلکہ شاہد کلاس کے ایک طالب علم محمود احمد مختار نے مجھے لکھا ہے کہ اس کا دیباچہ انہوں نے اُردو میں لکھا تھا۔ پھر مولوی محمد احمد صاحب ثاقب کے ذریعہ سے مجھے دیا کہ میں اس کا عربی میں ترجمہ کروں۔ پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ علامہ احمد محمد شاکر مصری جو اخوانُ المسلمین ۳۶۸ کے بانی بنار خاندان میں سے ہیں انہوں نے اس کتاب کا انڈیکس تیار کیا ہوا ہے اور اس کی چودہ جلدیں چھپ چکی ہیں جو میری لائبریری میں موجود ہیں۔ اسی طرح احمد عبدالرحمٰن کی تبویب ''الفتح الربانی'' کی پانچ مجلدات بھی چھپی ہوئی ہیں۔

ہمارے پاس منڈی بہاؤالدین سے مولوی محمد ارشاد صاحب بشیر کی شہادت آئی ہے کہ وہاں پیغامی یہ پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ مولوی منان صاحب نے ساری حدیثیں جمع کی ہیں یعنی وہ جو تبویب تھی اس کا نام ساری حدیثیں جمع کرنا رکھا ہے اس لئے یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اس کام کی کیا حقیقت ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ حدیثوں کی کتابیں کئی قسم کی ہیں ایک مسند کہلاتی ہیں جن میں راوی کے نام کے لحاظ سے حدیثیں جمع کی جاتی ہیں خواہ وہ کسی مضمون کی ہوں مثلاً حضرت ابوبکرؓ کی حدیثیں ایک جگہ، حضرت عمرؓ کی ایک جگہ، وَھَلُمَّ جَرًّا مسند احمد حنبل بھی اسی بناء پر مسند کہلاتی ہے۔ اور بخاری وغیرہ چونکہ مضمونوں کی بنا پر لکھتے ہیں اس لئے ان کو جامع کہتے ہیں جیسے جامع بخاری، جامع مسلم، جامع ابی داؤد اور جامع ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ بھی اس کا نام مشہور ہے اسی طرح جامع ترمذی۔ اگر وہ بہت اعلیٰ کتابیں ہوں تو انہیں صحیح کہہ دیتے ہیں جیسے صحیح بخاری۔ ایک تیسری قسم کی حدیثوں کی کتابیں وہ ہیں جن میں براہِ راست حدیثیں درج نہیں کی گئیں بلکہ حدیث کی پہلی کتب میں سے ضروری حدیثیں اکٹھی کر لی گئی ہیں ان میں ابن تیمیہ کی مُنتقٰی ہے، سیوطی کی جامع الصغیر ہے، ہمارے ملک میں عام طور پر مشکوٰۃ

اور بلوغ المرام مشہور ہیں۔ مسند احمد حنبل پہلی قسم کی کتابوں میں سے ہے جہاں سے انہوں نے حدیثیں نقل کی ہیں مگر انہوں نے یہ حدیثیں راویوں کے نیچے دی ہیں مضمون وار نہیں۔ حضرت خلیفہ اوّل کی خواہش تھی کہ مضمون وار بھی ان کو جمع کیا جائے تا کہ مضمون نکالنا آسان ہو۔ پس یہ تو جھوٹ ہے کہ میاں منان نے حدیثیں جمع کی ہیں مگر یہ صحیح ہے کہ جامعہ احمدیہ کے استادوں اور طالب علموں کی مدد سے اور کچھ حضرت خلیفہ اوّل کے کام کی مدد سے بخاری کے باب لیکر ان کے ماتحت مسند احمد بن حنبل کی حدیثیں انہوں نے مضمون وار جمع کر دی ہیں یہ کام ایسا ہی ہے جس طرح کہ ڈکشنری میں سے لفظ نکالنے۔ ہر ایک محنتی طالب علم یہ کام کر سکتا ہے اور جیسا کہ میں نے بتایا ہے حضرت خلیفہ اوّل کی خواہش کے مطابق میں نے علماء کو مقرر کر دیا ہے اور وہ کتاب مکمل ہو چکی ہے اب وہ جامع کی شکل میں زیادہ مکمل صورت میں موجود ہے حضرت خلیفہ اوّل کی خواہش بعض اور اصلاحات کی بھی تھی جن کو میں نے ۱۹۴۴ء کی مجلس عرفان میں بیان کیا تھا اس کے متعلق بھی میں نے ہدایت دے دی ہے کہ ان کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔ وہ احمدی جن سے روپیہ جمع کرنے کی کوشش کی گئی تھی تا کہ جماعت کے فتنے پر اُسے خرچ کیا جائے وہ مولوی ابراہیم صاحب بقاپوری کے لڑکے ہیں اور اسی طرح افریقہ کا ایک دوست ہے جو بچ گیا۔ اس کے بیٹے نے کہہ دیا کہ میں ایسا خرچ کرنا نہیں چاہتا۔ ان سے میں کہتا ہوں کہ تمہاری تو وہی مثل ہے کہ ''تیری جوتی تیرے ہی سر'' تم سے ہی روپیہ لے کے تمہارے ہی خلاف استعمال کیا جانے والا تھا لیکن خدا نے تمہیں بچالیا۔ یہ فتنہ اب بیٹوں سے نکل کر پوتوں تک بھی جا پہنچا ہے۔ چنانچہ میاں سلطان علی صاحب ولد فتح محمد صاحب سندھ سے لکھتے ہیں کہ:۔

''میں خدا کو حاضر ناظر جان کر ایمان سے کہتا ہوں کہ گزشتہ سال شروع سردی میں میرے ساتھ عبدالواسع عمر پسر مولوی عبدالسلام عمر اور دوسرے دو آدمی مولوی عبدالسلام عمر کی بستی نور آباد سے گوٹھ سلطان علی کو شام کے وقت آرہے تھے باتوں باتوں میں میاں عبدالواسع نے کہا کہ اگر انسان نیک ہو تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نہ بھی مانا جائے تو کوئی حرج نہیں جس پر میں نے جواب دیا کہ اس طرح تو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو

بھی نہ مانا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ پھر دو تین باتیں تبلیغی طور پر میں نے اور دوسرے ساتھیوں نے کیں پھر میاں صاحب چپ ہو گئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان پر کچھ اثر ہوا ہے پھر کچھ دنوں کے بعد میں نے مولوی عبدالسلام صاحب عمر سے عبدالواسع کے متعلق کہا کہ میں نے ایسی بات سنی ہے اور مجھے افسوس ہوا ہے تو مولوی صاحب نے کہا کہ نئی روشنی کا اثر نوجوانوں میں ہو گیا ہے''۔ ☆

ایک اور احمدی دوست عبدالرحیم صاحب کی شہادت ہے کہ مولوی عبدالسلام صاحب نے جواب میں کہا کہ وہ ابھی بچہ ہے حالانکہ اُس وقت وہ ایم اے کر چکا تھا۔

اسی طرح امۃ الرحمٰن بنت مولوی شیر علی صاحب زوجہ میاں عبدالمنان صاحب عمر کا خط کسی نے بھیجا ہے جو مولوی عبدالسلام کے لڑکے واسع کے نام ہے اس خط کو کسی نے پکڑ کر بھیج دیا وہ ہمارے پاس موجود ہے اس میں اس نے لکھا ہے کہ ''میری رائے میں تو آپ لوگوں کا جلد ہی آ جانا بہتر تھا لیکن دیکھئے آپ کے چچا کی کیا رائے ہے۔'' یعنی میری رائے تو یہ ہے کہ جلدی سے ربوہ آ جاؤ مگر منان ابھی امریکہ میں ہے وہ آ جائے تو پتہ لگے گا کہ اس کی کیا رائے ہے پھر لکھا ہے۔

''لوگ یکے بعد دیگرے آپ لوگوں کے ماحول میں آویں گے۔'' یعنی ربوہ آ جائیں ساری جماعت ٹوٹ کر آپ کے گرد جمع ہو جائے گی۔ پھر لکھا ہے۔

''کہا کچھ جاتا ہے بتایا کچھ جاتا ہے خطبوں کو اگر حسب سابق منشی ہی دیا کریں تو زیادہ بہتر ہے کشتی نوح سے زیادہ اہم ان کے خطبے ہیں''۔

اسی طرح امۃ الرحمٰن زوجہ میاں عبدالمنان صاحب عمر نے ستمبر ۱۹۵۶ء میں اپنے جیٹھ

☆ کوئی شخص یہ شبہ نہ کرے کہ اماں جی اور مولوی عبدالسلام صاحب تو وفات پا کر مقبرہ بہشتی میں دفن ہو چکے ہیں پھر ان کی مغفرت کس طرح ہو گئی۔ بخشش خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور وہ جس کو چاہے معاف کر سکتا ہے معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو بعض اور نیکیوں کی وجہ سے ان کے بعض مخالفانہ افعال سے توبہ کرنے کی توفیق بخش کر مقبرہ بہشتی میں دفن ہونے کا موقع عطا فرما دیا اور اس طرح اپنے فضل سے اس نے انہیں اپنی مغفرت کے دامن میں لے لیا۔

کے بچوں کو لکھا کہ:۔

''ہمارے بزرگ دادا کو یہاں تک کہا جارہا ہے کہ انہوں نے تو کبھی بھی اپنی اولاد کو خدا کے سپرد نہ کیا تھا۔'' (اس خط کا عکس ہمارے پاس محفوظ ہے اور اُن کے بھائی دیکھ سکتے ہیں) حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ بات عبدالوہاب اور عبدالمنان نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق کہی تھی۔ مولوی شیر علی صاحب جیسے مخلص کی اس ناخلف بیٹی کو وہاب اور منان کی تو وہ بات بُری نہ لگی جو انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف کہی تھی لیکن وہ بات بُری لگی جو جواب کے طور پر مبائعین نے حضرت خلیفہ اوّل کی اولاد کے متعلق کہی تھی۔

اب اخبار ''پیغام'' کے ۵ دسمبر کے پرچہ میں سید تصدق حسین صاحب بغداد کا ایک خط چھپا ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ ''پیغام صلح'' میں ''مولوی عبدالمنان صاحب عمر کا مکتوب فتنہ قادیان اور منافقین کو سمجھنے کیلئے اخوان ربوہ کو بصیرت کا کام دے گا۔'' ہم نے ''پیغام صلح'' کے سب پرچے دیکھ مارے ہیں ان میں وہ مضمون نہیں مگر ہم کو ایک ٹریکٹ ملا ہے جس کے نیچے ''حقیقت پسند پارٹی'' لکھا ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا جتھہ پیغامیوں کے ساتھ ہے اور پیغامی ان ٹریکٹوں کو جو ''حقیقت پسند پارٹی'' چھاپ رہی ہے اپنے آدمیوں کو دنیا میں چاروں طرف یہ کہہ کر بھجوا رہی ہے کہ میاں عبدالمنان نے لکھے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ یہ ان کے یارِ غار ہیں ان کو پتہ ہوگا کہ میاں عبدالمنان نے یہ ٹریکٹ لکھے ہیں ورنہ وہ شخص جو ان کی جماعت کا بغداد میں لیڈر رہے یہ کیوں لکھتا کہ میاں عبدالمنان کا ٹریکٹ مل گیا ہے۔

غرض آدم کے زمانہ سے لے کر اِس وقت تک دین کو دُنیا پر مقدم نہ کرنے کی وجہ سے نظامِ الٰہی کے خلاف بغاوتیں ہوتی چلی آئی ہیں اور آج کا پیغامی جھگڑا یا حضرت خلیفہ اوّل کے خاندان کا فتنہ بھی اسی وجہ سے ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا خدا تعالیٰ کے حکم سے اپنی جماعت سے یہ عہد لینا کہ ''میں دین کو دُنیا پر مقدم رکھوں گا'' اسی وجہ سے تھا مگر افسوس کہ باوجود حضرت خلیفہ اوّل کے ہوشیار کر دینے کے ان کی اولاد اس فتنہ میں پھنس گئی۔ حالانکہ حضرت خلیفہ اوّل کی شہادت کو خود عبدالمنان نے ۱۹۴۵ء کے رسالہ فرقان میں شائع

کیا تھا اور پھر یہ شہادت الفضل ۱۱؍ دسمبر ۱۹۵۶ء میں بھی چھپ چکی ہے اور اس کے متعلق جلسہ سالانہ پر ایک ٹریکٹ بھی شائع ہوا ہے۔ دوست اسے دیکھ چکے ہوں گے اس میں انہوں نے حضرت خلیفہ اوّل کا ایک نوٹ شائع کیا ہے جو دسمبر ۱۹۱۲ء کا لکھا ہوا ہے کہ مصلح موعود ۳۰ تیس سال کے بعد ظاہر ہوگا۔ چنانچہ ۱۹۴۴ء میں خدا تعالیٰ نے مجھے رؤیا دکھائی کہ تم مصلح موعود ہو۔ اس مضمون میں انہوں نے لکھا ہے کہ:۔

''فرقان کے پچھلے شمارہ میں میں نے بڑے دردمند دل کے ساتھ ابتدائی چند صفحات قلمبند کئے تھے اور میں حد درجہ اس کا آرزومند تھا کہ کسی طرح ہمارے یہ بچھڑے ہوئے بھائی پھر ہم میں آملیں اور اپنی طاقتوں کو باہمی آویزش میں ضائع نہ کریں بلکہ آپس میں مل کر متحدہ رنگ میں اکنافِ عالم میں اسلام کو پھیلانے اور پاک محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو بلند کرنے کیلئے خرچ کرسکیں کہ یہی اس دَور میں ہمارا اوّلین فرض اور ہماری زندگیوں کا بہترین مقصد ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ اسی دردمندانہ جذبہ کی وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس احسان سے نوازا کہ میں آج اپنے بچھڑے ہوئے بھائیوں کے سامنے اس آواز کی تائید میں جو گزشتہ پرچہ میں حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ الودود کے دامن سے اپنے دامن کو وابستہ کرلینے کے متعلق بلند کی گئی تھی۔ حضرت علامہ حاجی الحرمین سیدنا نورالدین صدیق ثانی کی ایک زبردست شہادت کو پیش کرسکوں۔''

''وہ پیغامیوں کو تو ۱۹۴۵ء میں کہتا ہے کہ بچھڑے ہوئے بھائیو مل جاؤ اور اپنے آپ کو کہتا ہے کہ بھاگ جاؤ مبائعین کے پاس سے، چلے جاؤ ابلیس کی گود میں اور جماعت احمدیہ کے اتحاد کو چاک چاک کردو، پھر آگے لکھتا ہے۔

''اے مُقلِّبُ القلوب خدا! تو اس برادرانہ جنگ کو ختم فرما اور اپنے پیارے مسیح کے ان خادموں کو جو تیرے اس رسول کی تخت گاہ سے کٹ گئے ہیں انہیں اس پر مخلصانہ غور کرنے کی توفیق عطا فرما۔ ان کے دلوں کو کھول دے اور اس طرح پھر سے انہیں لے آ کہ ہم سب مصلح موعود کی زیر ہدایت پہلو بہ پہلو کندھے سے کندھا جوڑے اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ [۳۷] کا مصداق بنیں''۔

سو تم تو منان کی تحریک کے مطابق بن گئے مگر وہ خود اس نعمت سے محروم ہو گیا وہی شخص جو حضرت خلیفہ اوّل کی پیشگوئی ظاہر کر رہا تھا کہ انہوں نے پیشگوئی کی تھی کہ تیس سال کے بعد مصلح موعود ظاہر ہو گا سو وہ ظاہر ہو گیا ہے وہی آج اپنے باپ کو جھوٹا کہہ رہا ہے اور اس کے دوست پیغامی کہتے ہیں کہ حضرت خلیفہ اوّل کی ہتک ہم کر رہے ہیں۔ ہتک ہم کرتے ہیں جو آپ کے بیان کی تائید کرتے ہیں یا ہتک ان کا بیٹا کرتا ہے اور پیغامی کرتے ہیں جو اپنے باپ کو اور اپنے پہلے خلیفہ کو جس کی انہوں نے بیعت کی تھی جھوٹا کہتے ہیں۔ اگر وہ توبہ نہ کریں گے تو خدا تعالیٰ کے غضب کو بھڑکائیں گے اور نہ اجمیری اور نہ پیغامی، نہ محمد حسن چیمہ، نہ غلام رسول ۳۵ ان کی مدد کر سکیں گے کیونکہ خدا کی گرفت آدمیوں کے ذریعہ سے ظاہر نہیں ہوتی بلکہ قانونِ قدرت کے ذریعہ سے ظاہر ہوتی ہے اور قانونِ قدرت حکومتوں کے ماتحت بھی نہیں وہ محض خدا تعالیٰ کے ماتحت ہے اور خدا تعالیٰ نے مجھے پہلے سے خبر دی ہوئی ہے اور وہ چھپ بھی چکی ہے [۳۸] کہ اب تو پیغامی اور ان کے ساتھی کہہ رہے ہیں کہ ہم تمہاری مدد کریں گے لیکن فرشتوں نے آسمان پر چکر کھاتے ہوئے قرآن کی وہ آیتیں پڑھیں جو منافق یہودیوں کو کہا کرتے تھے کہ اگر تم سے لڑائی کی گئی تو ہم تمہارے ساتھ مل کر لڑیں گے اور اگر تم کو نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے خدا تعالیٰ کہتا ہے نہ یہ لڑیں گے نہ نکلیں گے جھوٹے ہیں۔

اسی طرح خدا تعالیٰ نے مجھے فرشتوں کے ذریعہ سے بتایا کہ یہی حال ان کا ہوگا پہلے پیغامی اور احراری کہیں گے کہ ہم تمہاری مدد کریں گے لیکن بعد میں نہ وہ مدد کریں گے نہ ساتھ دیں گے بلکہ سب بھاگ جائیں گے کیونکہ خدا کے غضب کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔

چنانچہ جلسہ سالانہ کے بعد ''نوائے پاکستان'' ۱۷ جنوری ۱۹۵۷ء میں ان کے ایک ہمدرد نے ایک مضمون شائع کیا ہے جس سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو مجھے خبر دی تھی وہ بڑی شان سے پوری ہو گئی ہے۔ اس مضمون میں جو ''حقیقت پسند پارٹی سے چند گزارشات'' کے زیرِ عنوان شائع ہوا ہے لکھا ہے:۔

(الف) ''حزبِ مخالف نے اگرچہ حقیقت پسند پارٹی کے نام سے اپنی جماعت الگ

بنانے کا اعلان کر دیا ہے مگر ہیں وہ بڑے پریشان کیونکہ قادیانی خلافت نے تو منافق، غدار، ملحد اور دونوں جہان میں خائب و خاسر کا الزام دے کر اپنے سے ان کو عضو فاسد کی طرح کاٹ دیا ہے''۔

(ب) ''لاہوری حضرات ان کو دوسرے قادیانیوں کی طرح ہی سمجھتے ہیں ان میں باہمی عقیدہ و خیال کا کوئی فرق نہیں ہے صرف تھوڑا سا خلافتی اختلاف ہے اس بناء پر وہ ان کو اپنے قریب تک نہیں پھٹکنے دیتے۔''

(ج) مرزائیت کی حالت میں مسلمانوں کا اُن سے ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ یہ اسلام کے ایک بنیادی و اساسی عقیدہ کے منکر ہیں مسلمان کافر کی ذمی ہونے کی حیثیت سے حفاظت و صیانت تو کر سکتا ہے مگر مرتد کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے بلکہ مرتد کی سزا اسلام میں نہایت سنگین ہے اس اعتبار سے یہ معاشرہ سے بالکل کٹ چکے ہیں۔''

(د) ''ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ[۳۹] کا سا ان کا حال ہے سرزمین پاکستان باوجود اپنی وسعت و فراخی کے ان پر تنگ ہوگئی ہے کیا وہ ملک بدر ہو جائیں؟ آخر جائیں تو کہاں جائیں۔ فرض کر لیجئے کہ ان میں سے ایک آدمی کسی مکان پر صرف اکیلا ہی رہتا ہے زندگی میں ہزاروں حادثات رونما ہوتے رہتے ہیں اگر وہ بھی کسی حادثہ کا شکار ہو جائے تو ان سے کون اُنس و مروت کرے گا کیا وہ سسک سسک کر نہیں مر جائے گا۔ بِالفرض وہ فوت بھی ہو جاتا ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی تجہیز و تکفین کون کرے گا، اس کا جنازہ کون پڑھائے گا اور کس کے قبرستان میں وہ دفن کیا جائے گا یا اس کی لاش کو چیلوں اور درندوں کے سپرد کر دیا جائے گا حقیقت پسند پارٹی کو ان بھیانک اور خوفناک نتائج پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے''۔[۴۰]

غرض یہ پس منظر ہے آسمانی نظام کا۔ تم آسمانی نظام کے سپاہی ہو اور شیطان اب نئی شکل میں، نئے جبہ میں آ کر احراریوں کی اور غیر مبائعین کی مدد سے منان اور وہاب کا نام لے کر اور عبدالسلام کے بیٹوں کا نام لے کر تمہارے اندر داخل ہونا چاہتا ہے اور تم کو جنت سے نکالنا چاہتا ہے مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ پہلا آدمؑ آیا تھا اور شیطان نے

اس کو جنت سے نکال دیا تھا اب میں دوسرا آدمؑ بن کے آیا ہوں تا کہ لوگوں کو پھر جنت میں داخل کروں۔[۱۲]

پس تم دوسرے آدم کی اولاد ہو۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے مطابق جنت خلافت سے دشمن تم کو نہیں نکال سکے گا۔ شیطان ناکام رہے گا اور منہ کی کھائے گا اور سانپ کی طرح زمین چاٹتا رہے گا لیکن خدا کی جنت میں تم جاؤ گے جو اس کے سچے پیرو ہو کیونکہ تم نے آدمِ ثانی کو قبول کیا ہے اور آدمِ ثانی کو خدا نے اس لئے بھیجا ہے کہ پھر آدمِؑ اوّل کے وقت کے نکلے ہوئے لوگوں کو دوبارہ جنت میں داخل کرے۔

میری اس تقریر سے یہ بات روزِ روشن کی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ جو فتنہ شیطان نے آدم کے وقت اُٹھایا تھا اور جس آگ کو وہ پہلے ابراہیمؑ کے وقت تک جلاتا چلا گیا تھا اور پھر بنو اسماعیلؑ اور بنو اسحٰقؑ کی لڑائی کی شکل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب زمانہ تک بھڑکاتا چلا گیا تھا اور پھر امیہ اور ہاشم کی لڑائی کی شکل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک بھڑکاتا چلا گیا تھا اور پھر حضرت امام حسینؓ اور یزید کی لڑائی کی صورت میں وہ آپؐ کے بعد بھی بھڑکاتا چلا گیا تھا اور پھر آخری زمانہ یعنی دورِ حاضر میں مسیح محمدی اور ابنائے مولوی عبداللہ صاحب غزنویؒ مرحوم کی لڑائی کی صورت میں اس نے بھڑکانا شروع کر دیا تھا اور اب پیغامیوں اور مبائعین اور ابنائے مسیح موعود اور ابنائے مولوی عبداللہؒ صاحب غزنوی کی لڑائی کی شکل میں اس کو جاری رکھے ہوئے ہے وہ بات حرف بہ حرف صحیح ہے اور اس تمام جنگ کی بنیاد لالچ یا بغض پر ہے کوئی دینی روح اس کے پیچھے نہیں ہے۔‘‘

(انوار العلوم جلد ۲۶ صفحہ ۲۱، ۲۲، ۳۵ تا ۱۳۰)

۱؎ اعلیٰ: ۱۵ تا ۲۰ ۲؎ الاعراف: ۱۳ تا ۱۹

۳؎ پیدائش باب ۳ آیت ۵ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لندن ۱۸۸۷ء مفہوماً

۴؎ پیدائش باب ۲۱ آیت ۱۲ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لندن ۱۸۸۷ء مفہوماً

۵؎ پیدائش باب ۱۶ آیت ۱۲ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لندن ۱۸۸۷ء مفہوماً

۶؎ البقرۃ: ۱۱۰ ۷؎ اٰل عمران: ۷۳، ۷۴ ۸؎ النساء: ۵۵

۹ـ تاریخ الکامل جلد۲ صفحہ ۱۶، ۱۷ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء

۱۰ـ محاضرات جلد اوّل مصنفہ شیخ محمد خضری صفحہ ۳۶، ۳۷ مطبوعہ مصر ۱۳۸۲ ھجری

۱۱ـ دائرۃ المعارف جلد اوّل صفحہ ۶۲۲

۱۲ـ بدر ۲ / جون ۱۹۰۸ء

۱۳ـ حقیقت اختلاف حصہ اول صفحہ ۱۳۱ ایڈیشن دوم۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

۱۴ـ ریویو آف ریلیجنز دسمبر ۱۹۰۸ء صفحہ ۴۸۰

۱۵ـ پیغام صلح ۱۷ / دسمبر ۱۹۱۴ء صفحہ ۲

۱۶ـ تاریخ طبری جلد۲ صفحہ ۹۱، ۹۲ مطبوعہ بیروت ۲۰۱۲ء

۱۷ـ الفضل ۴ / اگست ۱۹۳۷ء صفحہ ۴

۱۸ـ الفضل ۱۶ / دسمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۴

۱۸A نبیرہ: بیٹے یا بیٹی کا بیٹا۔ پوتا۔ نواسہ (اردو لغت تاریخی اصول پر جلد ۱۹ صفحہ ۴۵۷ مطبوعہ کراچی ۲۰۰۳ء)

۱۹ـ پیغام صلح ۳۰ / ستمبر ۱۹۳۰ء

۱۹A کوکین: ایک نشہ آور اور بے حس کر دینے والی دوا (فیروز اللغات اردو جامع صفحہ ۱۰۴۵ مطبوعہ فیروز سنز لاہور ۲۰۱۰ء)

۲۰ـ الفضل ۱۷ / اکتوبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۶

۲۱ـ الفضل ۱۷ / اکتوبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۶

۲۲ـ الفضل ۲ / اکتوبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۸

۲۳ـ الفضل ۲۲ / اگست ۱۹۵۶ء صفحہ ۳

۲۴ـ الفضل ۳۰ / جولائی ۱۹۵۶ء صفحہ ۳

۲۵ـ الفضل ۲۹ / جولائی ۱۹۵۶ء صفحہ ۱

۲۶ـ الفضل ۴ / اکتوبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۴

۲۷ـ اشتہار معیار الاخیار مؤرخہ ۱۶ جون ۱۸۹۹ء مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ ۳۹۵

۲۸ـ کتاب البریہ صفحہ ۱۳۰ روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۱۴۸ ایڈیشن ۲۰۰۸ء

۲۹ـ اشاعۃ السنۃ جلد ۱۳ نمبر ۷ صفحہ ۲۰۲

۳۰؎ کتاب البریہ صفحہ۱۲۳روحانی خزائن جلد۱۳صفحہ۱۴۹ ایڈیشن ۲۰۰۸ء

۳۱؎ حجۃ اللہ صفحہ۱۷۔روحانی خزائن جلد۱۲صفحہ۱۵۵مفہوماً ایڈیشن ۲۰۰۸ء

۳۲؎ کتاب البریہ صفحہ۱۳۰روحانی خزائن جلد۱۳صفحہ۱۴۸ ایڈیشن ۲۰۰۸ء

۳۳؎ تحفہ غزنویہ صفحہ۱۹۔روحانی خزائن جلد۱۵صفحہ۵۴۹ ایڈیشن ۲۰۰۸ء

۳۴؎ نزول المسیح صفحہ۳۴روحانی خزائن جلد۱۸صفحہ۴۱۰ ایڈیشن ۲۰۰۸ء

۳۵؎ نزول المسیح صفحہ۳۲،۳۳روحانی خزائن جلد۱۸صفحہ۴۱۰ ایڈیشن ۲۰۰۸ء

۳۶؎ تحفہ غزنویہ صفحہ۱۹روحانی خزائن جلد۱۵صفحہ۵۴۹کے الفاظ ’’تمہارا مباہلہ تو تمہاری جماعت کے مولوی عبدالواحد کو بھی لے ڈوبا اور اُس کی بھی بیوی فوت ہونے سے خانہ بربادی ہوئی‘‘۔

(الفضل ۷رستمبر ۱۹۵۶ء)

۳۶A؎ اخوان المسلمین: مصر کی سیاسی و دینی جماعت جس کی بنیاد حسن البنا نے رکھی۔
(اُردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد اصفحہ ۹۷ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء)

۳۷؎ الفتح: ۳۰

۳۸؎ الفضل ۷ستمبر ۱۹۵۶ء

۳۹؎ التوبة: ۱۱۸

۴۰؎ نوائے پاکستان ۱۷رجنوری ۱۹۵۷ء

۴۱؎ خطبہ الہامیہ حاشیہ متعلقہ خطبہ الہامیہ **ماالفرق فی اٰدم والمسیح الموعود** روحانی خزائن جلد۱۶صفحہ۳۰۷،۳۰۸کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن ۲۰۰۸ء

خلافتِ حقّہ اسلامیہ

(تقریر جلسہ سالانہ ۲۷؍دسمبر ۱۹۵۶ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

’’قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ [1]

اس آیت کے متعلق تمام پچھلے مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آیت خلافتِ اسلامیہ کے متعلق ہے۔ اِسی طرح صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) اورکئی خلفائے راشدین بھی اس کے متعلق گواہی دیتے ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اپنی کتابوں میں اس آیت کو پیش کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ آیت خلافتِ اسلامیہ کے متعلق ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اے خلافتِ حقّہ اسلامیہ پر ایمان رکھنے والے مومنو! (چونکہ یہاں خلافت کا ذکر ہے اس لئے اٰمَنُوْا میں ایمان لانے سے مراد ایمان بِالخلافت ہی ہوسکتا ہے۔ پس یہ آیت مبائعین کے متعلق ہے غیر مبائعین کے متعلق نہیں کیونکہ وہ خلافت پر ایمان نہیں رکھتے) اے خلافتِ حقّہ اسلامیہ کو قائم رکھنے اور اس کے حصول کے لئے کوشش کرنے والو! تم سے اللہ ایک وعدہ کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم تم میں سے زمین میں اسی طرح خلفاء بناتے رہیں گے جس طرح تم سے پہلے لوگوں کو خلفاء بنایا اور ہم اُن کے لئے اِسی دین کو

جاری کریں گے جو ہم نے اُن کے لئے پسند کیا ہے یعنی جو ایمان اور عقیدہ ان کا ہے وہی خدا کو پسندیدہ ہے اور اللہ تعالیٰ وعدہ کرتا ہے کہ وہ اسی عقیدہ اور طریق کو دنیا میں جاری رکھے گا اور اگر اُن پر کوئی خوف آیا تو ہم اس کو تبدیل کر کے امن کی حالت لے آئیں گے۔ لیکن ہم بھی اُن سے امید کرتے ہیں کہ وہ ہمیشہ توحید کو دنیا میں قائم کریں گے اور شرک نہیں کریں گے۔ یعنی مشرک مذاہب کی تردید کرتے رہیں گے اور اسلام کی، توحید حقّہ کی اشاعت کرتے رہیں گے۔

خلافت کے قائم ہونے کے بعد خلافت پر ایمان لانے والے لوگوں نے خلافت کو ضائع کر دیا تو فرماتا ہے مجھ پر الزام نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ میں نے ایک وعدہ کیا ہے اور شرطیہ وعدہ کیا ہے۔ اس خلافت کے ضائع ہونے پر الزام تم پر ہوگا۔ میں اگر پیشگوئی کرتا تو مجھ پر الزام ہوتا کہ میری پیشگوئی جھوٹی نکلی مگر میں نے پیشگوئی نہیں کی بلکہ میں نے تم سے وعدہ کیا ہے اور شرطیہ وعدہ کیا ہے کہ اگر تم مومن بالخلافۃ ہوگے اور اس کے مطابق عمل کرو گے تو پھر میں خلافت کو تم میں قائم رکھوں گا۔ پس اگر خلافت تمہارے ہاتھوں سے نکل گئی تو یاد رکھو کہ تم مومن بالخلافۃ نہیں رہو گے کافر بالخلافۃ ہو جاؤ گے اور نہ صرف خلفاء کی اطاعت سے نکل جاؤ گے بلکہ میری اطاعت سے بھی نکل جاؤ گے اور میرے بھی باغی بن جاؤ گے۔

خلافت حقّہ اسلامیہ کے عنوان کی وجہ میں نے اس مضمون کا ہیڈنگ خلافتِ حقّہ اسلامیہ اس لئے رکھا ہے کہ جس طرح موسوی زمانہ میں خلافتِ موسویہ یہودیہ دو حصوں میں تقسیم تھی، ایک دَور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تھا اور ایک دَور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر آج تک چلا آ رہا ہے۔ اِسی طرح اسلام میں بھی خلافت کے دو دَور ہیں، ایک دَور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شروع ہوا اور اُس کی ظاہری شکل حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ختم ہوگئی اور دوسرا دَور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت خلیفہ اوّل سے شروع ہوا اور اگر آپ لوگوں میں ایمان اور عمل صالح قائم رہا اور خلافت سے وابستگی پختہ رہی تو اِنْشَاءَ اللّٰہُ یہ دَور قیامت تک قائم رہے گا۔

جیسا کہ مذکورہ بالا آیت کی تشریح میں میں ثابت کر چکا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ایمان بِالخلافۃ قائم رہا اور خلافت کے قیام کے لئے تمہاری کوشش جاری رہی تو میرا وعدہ ہے کہ تم میں سے (یعنی مومنوں میں سے اور تمہاری جماعت میں سے) میں خلیفہ بناتا رہوں گا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کے متعلق احادیث میں تصریح فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

مَا كَانَتْ نُبُوَّةٌ قَطُّ اِلَّا تَبِعَتْهَا خِلَافَةٌ[۲] کہ ہر نبوت کے بعد خلافت ہوتی ہے اور میرے بعد بھی خلافت ہوگی اس کے بعد ظالم حکومت ہوگی پھر جابر حکومت ہوگی یعنی غیر قومیں آ کر مسلمانوں پر حکومت کریں گی جو زبردستی مسلمانوں سے حکومت چھین لیں گی۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ پھر خلافت عَلٰی مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ ہوگی یعنی جیسے نبیوں کے بعد خلافت ہوتی ہے ویسی ہی خلافت پھر جاری کر دی جائے گی۔[۳]

نبیوں کے بعد خلافت کا ذکر قرآن کریم میں دو جگہ آتا ہے۔ ایک تو یہ ذکر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو خلافت اس طرح دی کہ کچھ ان میں سے موسیٰ علیہ السلام کے تابع نبی بنائے اور کچھ اُن میں سے بادشاہ بنائے۔ اب نبی اور بادشاہ بنانا تو خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے ہمارے اختیار میں نہیں لیکن جو تیسرا امر خلافت کا ہے اور اس حیثیت سے کہ خدا تعالیٰ بندوں سے کام لیتا ہے ہمارے اختیار میں ہے چنانچہ عیسائی اس کے لئے انتخاب کرتے ہیں اور اپنے میں سے ایک شخص کو بڑا مذہبی لیڈر بنا لیتے ہیں جس کا نام وہ پوپ رکھتے ہیں۔ گو پوپ اور پوپ کے متبعین اب خراب ہو گئے ہیں مگر اس سے یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ پھر اُن سے مشابہت کیوں دی؟ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں صاف طور پر فرماتا ہے کہ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ جس طرح پہلے لوگوں کو میں نے خلیفہ بنایا تھا اسی طرح میں تمہیں خلیفہ بناؤں گا یعنی جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے سلسلہ میں خلافت قائم کی گئی تھی۔ اُسی طرح تمہارے اندر بھی اس حصہ میں جو موسوی سلسلہ کے مشابہ ہوگا میں خلافت قائم کروں گا یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت براہِ راست چلے گی پھر جب مسیح موعود آ جائے گا تو جس طرح مسیح ناصری کے سلسلہ میں

خلافت چلائی گئی تھی اُسی طرح تمہارے اندر بھی چلاؤں گا۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ موسیٰ کے سلسلہ میں مسیح آیا اور محمدی سلسلہ میں بھی مسیح آیا مگر محمدی سلسلہ کا مسیح پہلے مسیح سے افضل ہے۔ اس لئے وہ غلطیاں جو انہوں نے کیں وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسیح محمدی کی جماعت نہیں کرے گی۔ انہوں نے خدا کو بھلا دیا اور خدا تعالیٰ کو بھلا کر ایک کمزور انسان کو خدا کا بیٹا بنا کر اُسے پوجنے لگ گئے۔ مگر محمدی مسیح نے اپنی جماعت کو شرک کے خلاف بڑی شدت سے تعلیم دی بلکہ خود قرآن کریم نے کہہ دیا کہ اگر تم خلافت حاصل کرنا چاہتے ہو تو پھر شرک کبھی نہ کرنا اور میری خالص عبادت کو ہمیشہ قائم رکھنا جیسا کہ یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِكُوْنَ بِیْ شَیْئًا میں اشارہ کیا گیا ہے۔ پس اگر جماعت اس کو قائم رکھے گی تبھی وہ انعام پائے گی اور اس کی صورت یہ بن گئی ہے کہ قرآنِ کریم نے بھی شرک کے خلاف اتنی تعلیم دی کہ جس کا ہزارواں حصہ بھی انجیل میں نہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی شرک کے خلاف اتنی تعلیم دی ہے جو حضرت مسیح ناصریؑ کی موجود تعلیم میں نہیں پائی جاتی۔ پھر آپ کے الہاموں میں بھی یہ تعلیم پائی جاتی ہے۔ چنانچہ آپ کا الہام ہے۔ خُذُوا التَّوْحِيْدَ اَلتَّوْحِيْدَ يَا اَبْنَاءَ الْفَارِسِ [۴] اے مسیح موعود اور اُس کی ذریّت! توحید کو ہمیشہ قائم رکھو سو اِس سلسلہ میں خدا تعالیٰ نے توحید پر اتنا زور دیا ہے کہ اس کو دیکھتے ہوئے اور قرآنی تعلیم پر غور کرتے ہوئے یہ یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے توحید کامل احمدیوں میں قائم رکھے گا اور اس کے نتیجہ میں خلافت بھی ان کے اندر قائم رہے گی اور وہ خلافت بھی اسلام کی خدمت گزار ہوگی۔ حضرت مسیح ناصریؑ کی خلافت کی طرح وہ خود اس کے اپنے مذہب کو توڑنے والی نہیں ہوگی۔

جماعت احمدیہ میں خلافت قائم رہنے کی بشارت

میں نے بتایا ہے کہ جس طرح قرآن کریم نے کہا ہے کہ خلیفے ہونگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ میرے بعد خلیفے ہوں گے۔ پھر مُلْكًا عَاضًّا ہوگا۔ پھر ملک جبریہ ہوگا اور اس کے بعد خِلَافَةٌ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ ہوگی۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی قرآن کریم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کی سنّت میں **الوصیّة** میں تحریر فرمایا ہے کہ

''سو اے عزیزو! جب کہ قدیم سے سُنّت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دوؔ قدرتیں دکھلاتا ہے تا مخالفوں کی دوؔ جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھلا دے سو اب ممکن نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی قدیم سنّت کو ترک کر دیوے۔ اس لئے تم میری اس بات سے جو میں نے تمہارے پاس بیان کی غمگین مت ہو اور تمہارے دل پریشان نہ ہو جائیں کیونکہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے اور اُس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا''۔[۵]

یعنی اگر تم سیدھے رستہ پر چلتے رہو گے تو خدا کا مجھ سے وعدہ ہے کہ جو دوسری قدرت یعنی خلافت تمہارے اندر آوے گی وہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگی۔ عیسائیوں کو دیکھو گو جھوٹی خلافت ہی سہی انیس سَو سال سے وہ اس کو لئے چلے آ رہے ہیں۔ مگر مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خلافت کو ابھی اڑتالیس سال ہوئے تو کئی بلیاں چھیچھڑوں کی خوابیں دیکھنے لگیں اور خلافت کو توڑنے کی فکر میں لگ گئیں۔

پھر فرماتے ہیں کہ

''تم خدا کی قدرتِ ثانی کے انتظار میں اکٹھے ہو کر دعا کرتے رہو''۔[۶]

سو تم کو بھی چاہیے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے ماتحت دعائیں کرتے رہو کہ اے اللہ! ہم کو مؤمن بالخلافت رکھیو اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق دیجیو اور ہمیں ہمیشہ اس بات کا مستحق رکھیو کہ ہم میں سے خلیفے بنتے رہیں اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے تا کہ ہم ایک جھنڈے کے نیچے کھڑے ہو کر اور ایک صف میں کھڑے ہو کر اسلام کی جنگیں ساری دنیا سے لڑتے رہیں اور پھر ساری دنیا کو فتح کر کے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں گرا دیں کیونکہ یہی ہمارے قیام اور مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کی غرض ہے۔

قدرتِ ثانیہ سے مراد خلافت ہے

یہ جو میں نے قدرت ثانیہ کے معنی خلافت کے کئے ہیں یہ ہمارے ہی نہیں بلکہ غیر مبائعین نے بھی اس کو تسلیم کیا ہوا ہے چنانچہ خواجہ کمال الدین صاحب لکھتے ہیں:۔

''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جنازہ قادیان میں پڑھا جانے سے پہلے آپ کے وصایا مندرجہ رسالہ الوصیۃ کے مطابق حسب مشورہ معتمدین صدر انجمن احمدیہ موجود قادیان واقرباء حضرت مسیح موعودؑ بہ اجازت حضرت (اماں جان) کُل قوم نے جو قادیان میں موجود تھی اور جس کی تعداد اس وقت بارہ سَو تھی والا مناقب حضرت حاجی الحرمین شریفین جناب حکیم نورالدین صاحب سلّمہٗ کو آپ کا جانشین اور خلیفہ قبول کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ...... یہ خطوط بطور اطلاع کل سلسلہ کے ممبران کو لکھا جاتا ہے''۔ ؎

یہ خط ہے جو انہوں نے شائع کیا۔ اس میں مولوی محمد علی صاحب، شیخ رحمت اللہ صاحب اور ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب وغیرہ کا بھی انہوں نے ذکر کیا ہے کہ معتمدین میں سے وہ اس موقع پر موجود تھے اور انہوں نے حضرت خلیفہ اوّل کی بیعت کی۔ سو ان لوگوں نے اس زمانہ میں یہ تسلیم کرلیا کہ یہ جو قدرتِ ثانیہ کی پیش گوئی تھی یہ خلافت کے متعلق تھی کیونکہ الوصیۃ میں سوائے اس کے اور کوئی ذکر نہیں کہ تم قدرتِ ثانیہ کے لئے دعائیں کرتے رہو اور خواجہ صاحب لکھتے ہیں کہ مطابق حُکم الوصیۃ ہم نے بیعت کی۔ پس خواجہ صاحب کا اپنا اقرار موجود ہے کہ الوصیۃ میں جو پیشگوئی کی گئی تھی وہ خلافت کے متعلق تھی اور ''قدرتِ ثانیہ'' سے مراد ''خلافت'' ہی ہے۔ پس حضرت خلیفہ اوّل کے ہاتھ پر خواجہ کمال الدین صاحب، مولوی محمد علی صاحب اور ان کے ساتھیوں کا بیعت کرنا اور اسی طرح میرا اور تمام خاندانِ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بیعت کرنا اِس بات کا ثبوت ہے کہ تمام جماعت احمدیہ نے بالاتفاق خلافتِ احمدیہ کا اقرار کرلیا۔ پھر حضرت خلیفہ اوّل کی وفات کے بعد حضرت خلیفہ اوّل کے تمام خاندان اور جماعت احمدیہ کے ننانوے فیصدی افراد کا میرے ہاتھ پر بیعت کر لینا اس بات کا مزید ثبوت ہوا کہ جماعت احمدیہ اس بات پر متفق ہے کہ

''خلافت احمدیہ'' کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

آئندہ انتخابِ خلافت کے متعلق طریق کار

چونکہ اس وقت حضرت خلیفہ اوّل کے خاندان میں سے بعض نے اور اُن کے دوستوں نے خلافتِ احمدیہ کا سوال پھر اُٹھایا ہے اس لئے میں نے ضروری سمجھا کہ اس مضمون کے متعلق پھر کچھ روشنی ڈالوں اور جماعت کے سامنے ایسی تجاویز پیش کروں جن سے خلافتِ احمدیہ شرارتوں سے محفوظ ہو جائے۔

میں نے اس سے پہلے جماعت کے دوستوں کے مشورہ کے بعد یہ فیصلہ کیا تھا کہ خلیفۂ وقت کی وفات کے بعد جماعت احمدیہ کی مجلس شوریٰ دوسرا خلیفہ چنے۔ مگر موجودہ فتنہ نے بتا دیا ہے کہ یہ طریق درست نہیں کیونکہ بعض لوگوں نے یہ کہا کہ ہم خلیفۂ ثانی کے مرنے کے بعد بیعت میاں عبدالمنان کی کریں گے اور کسی کی نہیں کریں گے۔ اس سے پتہ لگا کہ ان لوگوں نے یہ سمجھا کہ صرف دو تین آدمی ہی اگر کسی کی بیعت کر لیں تو وہ خلیفہ ہو جاتا ہے اور پھر اس سے یہ بھی پتہ لگا کہ جماعت میں خلفشار پیدا ہو سکتا ہے۔ چاہے وہ خلفشار پیدا کرنے والا غلام رسول نمبر ۳۵ جیسا آدمی ہی ہو اور خواہ وہ ڈاہڈا جیسا گمنام آدمی ہی ہو۔ وہ دعویٰ تو یہی کریں گے کہ خلیفہ چنا گیا ہے۔ سو جماعت احمدیہ میں پریشانی پیدا ہوگی۔ اس لئے وہ پُرانا طریق جو طولِ عمل والا ہے میں اس کو منسوخ کرتا ہوں اور اس کی بجائے میں اس سے زیادہ قریبی طریقہ پیش کرتا ہوں۔

بیشک ہمارا دعویٰ ہے کہ خلیفہ خدا بناتا ہے مگر اس کے باوجود تاریخ کی اس شہادت کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خلیفے شہید بھی ہو سکتے ہیں۔ جس طرح حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ شہید ہوئے اور خلافت ختم بھی کی جا سکتی ہے۔ جس طرح حضرت حسنؓ کے بعد خلافت ختم ہوگئی۔ جو آیت میں نے اِس وقت پڑھی ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں خلافت قائم رکھنے کا اللہ تعالیٰ کا وعدہ مشروط ہے کیونکہ مندرجہ بالا آیت میں یہی بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ خلافت پر ایمان لانے والوں اور اس کے قیام کیلئے مناسب حال عمل کرنے والے لوگوں سے وعدہ کرتا ہے کہ وہ ان میں خلافت کو قائم رکھے گا۔ پس خلافت

کا ہونا ایک انعام ہے پیشگوئی نہیں اگر پیشگوئی ہوتا تو حضرت امام حسنؓ کے بعد خلافت کا ختم ہونا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ قرآن کریم کو جھوٹا قرار دیتا لیکن چونکہ قرآن کریم نے اس کو ایک مشروط انعام قرار دیا ہے۔ اس لئے اب ہم یہ کہتے ہیں کہ چونکہ حضرت امام حسنؓ کے زمانہ میں عام مسلمان کامل مومن نہیں رہے تھے اور خلافت کے قائم رکھنے کے لئے صحیح کوشش انہوں نے چھوڑ دی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس انعام کو واپس لے لیا اور باوجود خلافت کے ختم ہو جانے کے قرآن سچا رہا جھوٹا نہیں ہوا۔ وہی صورت اب بھی ہوگی اگر جماعت احمدیہ خلافت کے ایمان پر قائم رہی اور اس کے قیام کے لئے صحیح جدوجہد کرتی رہی تو اس میں بھی قیامت تک خلافت قائم رہے گی۔ جس طرح عیسائیوں میں پوپ کی شکل میں اب تک قائم ہے گو وہ بگڑ گئی ہے۔ میں نے بتا دیا ہے کہ اس کے بگڑنے کا احمدیت پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ مگر بہرحال اس فساد سے اتنا پتہ لگ جاتا ہے کہ شیطان ابھی مایوس نہیں ہوا۔ پہلے تو شیطان نے پیغامیوں کی جماعت بنائی لیکن بیالیس سال کے انتظار کے بعد اس باسی کڑھی میں پھر اُبال آیا اور وہ بھی لگے مولوی عبدالمنان اور عبدالوہاب کی تائید میں مضمون لکھنے اور ان میں سے ایک شخص محمد حسن چیمہ نے بھی ایک مضمون شائع کیا ہے کہ ہمارا نظام اور ہمارا سٹیج اور ہماری جماعت تمہاری مدد کے لئے تیار ہے شاباش ہمت کر کے کھڑے رہو۔ مرزا محمود سے دبنا نہیں۔ اس کی خلافت کے پردے چاک کر کے رکھ دو ہماری مدد تمہارے ساتھ ہے۔ کوئی اس سے پوچھے کہ تم نے مولوی محمد علی صاحب کو کیا مدد دے لی تھی۔ آخر مولوی محمد علی صاحب بھی تو تمہارے لیڈر تھے خواجہ کمال الدین صاحب بھی لیڈر تھے اُن کی تم نے کیا مدد کر لی تھی جو آج عبدالمنان اور عبدالوہاب کی کرلو گے۔ پس یہ باتیں محض ڈھکوسلے ہیں ان سے صرف ہم کو ہوشیار کیا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے بتایا ہے کہ مطمئن نہ ہو جانا اور یہ نہ سمجھنا کہ خدا تعالیٰ چونکہ خلافت قائم کیا کرتا ہے اس لئے کوئی ڈر کی بات نہیں ہے تمہارے زمانہ میں بھی فتنے کھڑے ہو رہے ہیں اور اسلام کے ابتدائی زمانہ میں بھی فتنے کھڑے ہوئے تھے۔ اس لئے خلافت کو ایسی طرز پر چلاؤ جو زیادہ آسان ہو اور کوئی ایک دو لفنگے اُٹھ کر اور کسی کے ہاتھ پر بیعت کر کے یہ نہ کہہ دیں کہ چلو خلیفہ مقرر ہو گیا ہے۔ پس اسلامی طریق پر جو کہ میں آگے

بیان کروں گا آئندہ خلافت کے لئے میں یہ قاعدہ منسوخ کرتا ہوں کہ شوریٰ انتخاب کرے بلکہ میں یہ قاعدہ مقرر کرتا ہوں کہ آئندہ جب کبھی خلافت کے انتخاب کا وقت آئے تو صدر انجمن احمدیہ کے ناظراور ممبراور تحریک جدید کے وکلاء اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کے زندہ افراد اور اب نظر ثانی کرتے وقت میں یہ بات بھی بعض دوستوں کے مشورہ سے زائد کرتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ بھی جن کو فوراً بعد تحقیقات صدر انجمن احمدیہ کو چاہیے کہ صحابیت کا سڑٹیفکیٹ دے دے اور جامعۃ المبشرین کے پرنسپل اور جامعہ احمدیہ کا پرنسپل اور مفتی سلسلہ احمدیہ اور تمام جماعتہائے پنجاب اور سندھ کے ضلعوں کے امیر اور مغربی پاکستان اور کراچی کا امیر اور مشرقی پاکستان کا امیر مل کر اس کا انتخاب کریں۔

اسی طرح نظر ثانی کرتے وقت میں یہ امر بھی بڑھاتا ہوں کہ ایسے سابق امراء جو دو دفعہ کسی ضلع کے امیر رہے ہوں گو انتخاب کے وقت بوجہ معذوری کے امیر نہ رہے ہوں وہ بھی اس لسٹ میں شامل کئے جائیں۔ اِسی طرح ایسے تمام مبلّغ جو ایک سال تک غیر مُلک میں کام کر آئے ہیں اور بعد میں سلسلہ کی طرف سے اُن پر کوئی الزام نہ آیا ہو۔ ایسے مبلّغوں کی لسٹ شائع کرنا مجلس تحریک کا کام ہوگا۔ اِسی طرح ایسے مبلّغ جنہوں نے پاکستان کے کسی ضلع یا صوبہ میں رئیس التبلیغ کے طور پر کم سے کم ایک سال کام کیا ہو۔ ان کی فہرست بنانا صدر انجمن احمدیہ کے ذمہ ہوگا۔

مگر شرط یہ ہوگی کہ اگر وہ موقع پر پہنچ جائیں۔ سیکرٹری شوریٰ تمام مُلک میں اطلاع دے دے کہ فوراً پہنچ جاؤ۔ اس کے بعد جو نہ پہنچے اس کا اپنا قصور ہوگا اور اس کی غیر حاضری خلافت کے انتخاب پر اثر انداز نہیں ہوگی۔ نہ یہ عذر سنا جائے گا کہ وقت پر اطلاع شائع نہیں ہوئی۔ یہ ان کا اپنا کام ہے کہ وہ پہنچیں۔ سیکرٹری شوریٰ کا کام اُن کو لانا نہیں ہے اس کا کام صرف یہ ہوگا کہ وہ ایک اعلان کر دے اور اگر سیکرٹری شوریٰ کہے کہ میں نے اعلان کر دیا تھا تو وہ انتخاب جائز سمجھا جائے گا۔ ان لوگوں کا یہ کہہ دینا یا ان میں سے کسی کا یہ کہہ دینا کہ مجھے اطلاع نہیں پہنچ سکی اِس کی کوئی وقعت نہیں ہوگی نہ قانوناً نہ شرعاً۔ یہ سب لوگ مل کر جو فیصلہ

کریں گے وہ تمام جماعت کے لئے قابل قبول ہوگا اور جماعت میں سے جو شخص اس کی مخالفت کرے گا وہ باغی ہوگا اور جب بھی انتخابِ خلافت کا وقت آئے اور مقررہ طریق کے مطابق جو بھی خلیفہ چنا جائے میں اُس کو ابھی سے بشارت دیتا ہوں کہ اگر اس قانون کے ماتحت وہ چنا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہوگا اور جو بھی اس کے مقابل میں کھڑا ہوگا وہ بڑا ہو یا چھوٹا ہو ذلیل کیا جائے گا اور تباہ کیا جائے گا کیونکہ ایسا خلیفہ صرف اس لئے کھڑا ہوگا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کو پورا کرے کہ خلافت اسلامیہ ہمیشہ قائم رہے۔ پس چونکہ وہ قرآن اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی باتوں کو پورا کرنے کے لئے کھڑا ہوگا اس لئے اُسے ڈرنا نہیں چاہیے۔

جب مجھے خلیفہ چنا گیا تھا تو سلسلہ کے بڑے بڑے لیڈر سارے مخالف ہو گئے تھے اور خزانہ میں کُل اٹھارہ آنے تھے اب تم بتاؤ اٹھارہ آنے میں ہم تم کو ایک ناشتہ بھی دے سکتے ہیں؟ پھر خدا تعالیٰ تم کو کھینچ کر لے آیا۔ اور یا تو یہ حالت تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات پر صرف بارہ سَو آدمی جمع ہوئے تھے اور یا آج کی رپورٹ یہ ہے کہ ربوہ کے آدمیوں کو ملا کر اس وقت جلسہ مردانہ اور زنانہ میں پچپن ہزار تعداد ہے۔ آج رات کو ۴۳ ہزار مہمانوں کو کھانا کِھلایا گیا ہے۔ بارہ ہزار ربوہ والے ملا لئے جائیں تو پچپن ہزار ہو جاتا ہے۔ پس عورتوں اور مَردوں کو ملا کر اِس وقت ہماری تعداد ۵۵ ہزار ہے۔ اُس وقت بارہ سَو تھی یہ پچپن ہزار کہاں سے آئے؟ خدا ہی لایا۔ پس میں ایسے شخص کو جس کو خدا تعالیٰ خلیفۂ ثالث بنائے ابھی سے بشارت دیتا ہوں کہ اگر وہ خدا تعالیٰ پر ایمان لا کر کھڑا ہو جائے گا تو منان، وہاب اور پیغامی کیا چیز ہیں اگر دنیا کی حکومتیں بھی اُس سے ٹکر لیں گی تو وہ ریزہ ریزہ ہو جائیں گی (نعرہائے تکبیر) جماعت احمدیہ کو حضرت خلیفہ اوّل کی اولاد سے ہرگز کوئی تعلق نہیں۔ جماعت احمدیہ کو خدا کی خلافت سے تعلق ہے اور وہ خدا کی خلافت کے آگے اور پیچھے لڑے گی اور دنیا میں کسی شریر کو جو کہ خلافت کے خلاف ہے خلافت کے قریب بھی نہیں آنے دے گی۔

اب یہ دیکھ لو ابھی تم نے گواہیاں سن لی ہیں کہ عبدالوہاب احراریوں کو مل کر قادیان کی خبریں سنایا کرتا تھا اور پھر تم نے یہ بھی سن لیا ہے کہ کس طرح پیغامیوں کے ساتھ ان لوگوں کے تعلقات ہیں۔ سو اگر خدانخواستہ ان لوگوں کی تدبیر کامیاب ہو جائے تو اس کے معنی یہ تھے کہ بیالیس سال کی لڑائی کے بعد تم لوگ احراریوں اور پیغامیوں کے نیچے آ جاتے۔ تم بظاہر اس کو چھوٹی بات سمجھتے ہو لیکن یہ چھوٹی بات نہیں یہ ایک بہت بڑی بات ہے اگر خدانخواستہ ان کی سکیم کامیاب ہو جاتی تو جماعت احمدیہ مبائعین ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی اور اس کے لیڈر رہوتے مولوی صدرالدین اور عبدالرحمٰن مصری اور ان کے لیڈر رہوتے مولوی داؤد غزنوی اور عطاء اللہ شاہ بخاری۔ اب تم بتاؤ کہ مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری اور داؤد غزنوی اگر تمہارے لیڈر ہو جائیں تو تمہارا دنیا میں کوئی ٹھکانہ رہ جائے؟ تمہارا ٹھکانہ تو تبھی رہتا ہے جب مبائعین میں سے خلیفہ ہو اور قرآن مجید نے شرط لگائی ہے مِنْكُمْ کی یعنی وہ مبائعین میں سے ہونا چاہیے۔ اس پر کسی غیر مبائع یا احراری کا اثر نہیں ہونا چاہیے۔ اگر غیر مبائع کا اور احراری کا اثر ہو تو پھر وہ نہ مِنْكُمْ ہو سکتا ہے نہ خلیفہ ہو سکتا ہے۔

پس ایک تو میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ جب بھی وہ وقت آئے آخر انسان کے لئے کوئی دن آنا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ابھی میں نے حوالہ سنایا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اپنی موت کی خبر دی اور فرمایا پریشان نہ ہو کیونکہ خدا تعالیٰ دوسری قدرت ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ سو دوسری قدرت کا اگر تیسرا مظہر وہ ظاہر کرنا چاہے تو اس کو کون روک سکتا ہے۔ ہر انسان نے آخر مرنا ہے مگر میں نے بتایا ہے کہ شیطان نے بتا دیا ہے کہ ابھی اس کا سَر نہیں کچلا گیا۔ وہ ابھی تمہارے اندر داخل ہونے کی امید رکھتا ہے۔ ''پیغام صلح'' کی تائید اور محمد حسین چیمہ کا مضمون بتاتا ہے کہ ابھی مارے ہوئے سانپ کی دُم ہِل رہی ہے۔ پس اُس کو مایوس کرنے کے لئے ضروری ہے کہ آئندہ یہ نہ رکھا جائے کہ ملتان اور کراچی اور حیدرآباد اور کوئٹہ اور پشاور سب جگہ کے نمائندے جو پانچ سَو کی تعداد سے زیادہ ہوتے ہیں وہ آئیں تو انتخاب ہو بلکہ صرف ناظروں اور وکیلوں اور مقررہ اشخاص کے مشورہ کے ساتھ اگر وہ حاضر ہوں خلیفہ کا انتخاب ہوگا جس کے بعد جماعت میں اعلان کر دیا

جائے گا اور جماعت اُس شخص کی بیعت کرے گی۔ اس طرح وہ حکم بھی پورا ہو جائے گا کہ خلیفہ خدا بناتا ہے اور وہ حکم بھی پورا ہو جائے گا کہ وہ ایسا مومنوں کے ہاتھ سے کرتا ہے۔ درحقیقت خلافت کوئی ڈنڈے کے ساتھ تو ہوتی نہیں، مرضی سے ہوتی ہے اگر تم لوگ ایک شخص کو دیکھو کہ وہ خلافِ قانون خلیفہ بن گیا ہے اور اس کے ساتھ نہ ہو تو آپ ہی اس کو نہ آمدن ہوگی نہ کام کر سکے گا ختم ہو جائے گا۔ اسی لئے یہ کہا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے یہ چیز اپنے اختیار میں رکھی ہے لیکن بندوں کے توسط سے رکھی ہے اگر صحیح انتخاب نہیں ہوگا تو تم لوگ کہو گے کہ ہم تو نہیں مانتے۔ جو انتخاب کا طریق مقرر ہوا تھا اس پر عمل نہیں ہوا تو پھر وہ آپ ہی ہٹ جائے گا اور اگر خدا نے اُسے خلیفہ بنایا تو تم فوراً اپنی رائے بدلنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔ جس طرح ۱۹۱۴ء میں رائے بدلنے پر مجبور ہو گئے تھے اور جوق در جوق دوڑتے ہوئے اس کے پاس آؤ گے اور اس کی بیعتیں کرو گے۔ مجھے صرف اتنا خیال ہے کہ شیطان کے لئے دروازہ نہ کھلا رہے۔ اِس وقت شیطان نے حضرت خلیفہ اوّل کے بیٹوں کو چنا ہے، جس طرح آدم کے وقت میں اُس نے درختِ حیات کو چنا تھا۔ اُس وقت بھی شیطان نے کہا تھا کہ آدم! میں تمہاری بھلائی کرنا چاہتا ہوں میں تم کو اس درخت سے کھانے کو کہتا ہوں کہ جس کے بعد تم کو وہ بادشاہت ملے گی جو کبھی خراب نہیں ہوگی اور ایسی زندگی ملے گی جو کبھی ختم نہیں ہوگی۔ سو اب بھی لوگوں کو شیطان نے اسی طرح دھوکا دیا ہے کہ لو جی! حضرت خلیفہ اوّل کے بیٹوں کو ہم پیش کرتے ہیں گو آدم کو دھوکا لگنے کی وجہ موجود تھی تمہارے پاس کوئی وجہ نہیں کیونکہ حضرت خلیفہ اوّل کے بیٹے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیٹوں کو تباہ کرنے کے لئے کھڑے ہوئے ہیں کیونکہ ان کا دعویٰ یہی ہے کہ یہ اپنے خاندان میں خلافت رکھنا چاہتے ہیں۔ خلافت تو خدا اور جماعت احمدیہ کے ہاتھ میں ہے اگر خدا اور جماعت احمدیہ خاندانِ بنو فارس میں خلافت رکھنے کا فیصلہ کریں تو یہ حضرت خلیفہ اوّل کے بیٹے کون ہیں جو اِس میں دخل دیں۔ خلافت تو بہرحال خدا تعالیٰ اور جماعت احمدیہ کے اختیار میں ہے اور خدا اگر ساری جماعت کو اس طرف لے آئے گا تو پھر کسی کی طاقت نہیں کہ کھڑا ہو سکے۔ پس میں نے یہ رستہ بتا دیا ہے لیکن میں نے ایک کمیٹی بھی بنائی ہے جو عیسائی طریقۂ انتخاب پر غور

کرے گی کیونکہ قرآن شریف نے فرمایا ہے کہ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ جس طرح اس نے پہلوں کو خلیفہ بنایا تھا اسی طرح تم کو بنائے گا سو میں نے کہا عیسائی جس طرح انتخاب کرتے ہیں اس کو بھی معلوم کرو ہم نے اس کو دیکھا ہے گو پوری طرح تحقیق نہیں ہوئی وہ بہت سادہ طریق ہے۔ اس میں جو بڑے بڑے علماء ہیں ان کی ایک چھوٹی سی تعداد پوپ کا انتخاب کرتی ہے اور باقی عیسائی دنیا اُسے قبول کر لیتی ہے لیکن اس کمیٹی کی رپورٹ سے پہلے ہی میں نے چند قواعد تجویز کر دیئے ہیں جو اِس سال کی مجلس شوریٰ کے سامنے پیش کر دیئے جائیں گے تا کہ کسی شرارتی کے لئے شرارت کا موقع نہ رہے۔ یہ قواعد چونکہ ایک ریزولیوشن کی صورت میں مجلس شوریٰ کے سامنے علیحدہ پیش ہونگے اس لئے اس ریزولیوشن کے شائع کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے پُرانے علماء کی کتابیں پڑھیں تو اُن میں بھی یہی لکھا ہوا پایا ہے کہ تمام صحابہؓ اور خلفاءؒ اور بڑے بڑے ممتاز فقیہہ اس بات پر متفق ہیں کہ یہ خلافت ہوتی تو اِجماع کے ساتھ ہے لیکن یہ وہ اجماع ہوتا ہے کہ یَتَیَسَّرَ اِجْتِمَاعُھُمْ [۸] جن ارباب حل وعقد کا جمع ہونا آسان ہو۔ یہ مراد نہیں کہ اِتنا بڑا اجتماع ہو جائے کہ جمع ہی نہ ہو سکے اور خلافت ہی ختم ہو جائے بلکہ ایسے لوگوں کا اجتماع ہوگا جن کا جمع ہونا آسان ہو۔ سو میں نے ایسا ہی اجماع بنا دیا ہے جن کا جمع ہونا آسان ہے اور اگر ان میں سے کوئی نہ پہنچے تو میں نے کہا ہے کہ اس کی غلطی سمجھی جائے گی۔ انتخاب بہر حال تسلیم کیا جائے گا اور ہماری جماعت اس انتخاب کے پیچھے چلے گی۔ مگر جماعت کو میں یہ حکم نہیں دیتا بلکہ اسلام کا بتایا ہوا طریقہ بیان کر دیتا ہوں تا کہ وہ گمراہی سے بچ جائیں۔

ہاں جہاں میں نے خلیفہ کی تجویز بتائی ہے وہاں یہ بھی شریعت کا حکم ہے کہ جس شخص کے متعلق کوئی پروپیگنڈا کیا جائے وہ خلیفہ نہیں ہوسکتا یا جن لوگوں کے متعلق پروپیگنڈا کیا جائے وہ خلیفہ نہیں ہو سکتے۔ یا جس کو خود تمنا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کو وہ مقام نہ دیا جائے۔ تو حضرت خلیفہ اوّل کی موجودہ اولاد بلکہ بعض پوتوں تک نے چونکہ پروپیگنڈا میں حصہ لیا ہے اس لئے حضرت خلیفہ اوّل کے بیٹوں یا اُن کے پوتوں کا نام ایسے

انتخاب میں ہرگز نہیں آ سکے گا۔ایک تو اس لئے کہ انہوں نے پروپیگنڈا کیا ہے اور دوسرے اس لئے کہ اس بنا پر اُن کو جماعت سے خارج کیا گیا ہے۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک خواب بھی بتاتی ہے کہ اس خاندان میں صرف ایک ہی پھانک خلافت کی جاتی ہے اور ''پیغام صلح'' نے بھی تسلیم کرلیا ہے کہ اس سے مراد خلافت کی پھانک ہے۔پس میں نفی کرتا ہوں حضرت خلیفہ اوّل کی اولاد کی اور ان کے پوتوں تک کی یا تمام ایسے لوگوں کی جن کی تائید میں پیغامی یا احراری ہوں یا جن کو جماعت مبائعین سے خارج کیا گیا ہو۔اور اِثبات کرتا ہوں مِنْكُمْ کے تحت آنے والوں کا یعنی جو خلافت کے قائل ہوں چاہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جسمانی ذرّیت ہوں یا روحانی ذرّیت ہوں۔تمام علمائے سلسلہ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی روحانی ذرّیت ہیں اور جسمانی ذرّیت تو ظاہر ہی ہوتی ہے ان کا نام خاص طور پر لینے کی ضرورت نہیں۔یہ لوگ کہتے ہیں کہ اپنے بیٹوں کو خلیفہ بنانا چاہتا ہے۔اب روحانی ذرّیت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دس لاکھ ہے اور جسمانی ذرّیت میں سے اِس وقت صرف تین فرد زندہ ہیں ایک داماد کو شامل کیا جائے تو چار بن جاتے ہیں۔اتنی بڑی جماعت کے لئے میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اِن میں سے کوئی خلیفہ ہو۔اس کا نام اگر یہ رکھا جائے کہ میں اپنے فلاں بیٹے کو کرنا چاہتا ہوں تو ایسے قائل سے بڑا گدھا اور کون ہوسکتا ہے۔میں تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذرّیت جسمانی کے چار افراد اور دس لاکھ اِس وقت تک کی روحانی ذرّیت کو خلافت کا مستحق قرار دیتا ہوں (جو ممکن ہے میرے مرنے تک دس کروڑ ہو جائے) سو جو شخص کہتا ہے کہ اِس دس کروڑ میں سے جو خلافت پر ایمان رکھتے ہوں کسی کو خلیفہ چن لو اُس کے متعلق یہ کہنا کہ وہ اپنے کسی بیٹے کو خلیفہ بنانا چاہتا ہے نہایت احمقانہ دعویٰ ہے۔میں صرف یہ شرط کرتا ہوں کہ مِنْكُمْ کے الفاظ کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی خلیفہ چنا جائے اور چونکہ حضرت خلیفہ اوّل کی نسل نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ پیغامیوں کے ساتھ ہیں اور پیغامی ان کے ساتھ ہیں اور احراری بھی ان کے ساتھ ہیں اور غزنوی خاندان جو کہ سلسلہ کے ابتدائی دشمنوں میں سے ہے اُن کے ساتھ ہے اس لئے وہ مِنْكُمْ نہیں رہے اِن میں

سے کسی کا خلیفہ بننے کے لئے نام نہیں لیا جائے گا۔ اور یہ کہہ دینا کہ ان میں سے خلیفہ نہیں ہو سکتا یہ اس بات کے خلاف نہیں کہ خلیفہ خدا بناتا ہے سوال یہ ہے کہ جب خلیفہ خدا بناتا ہے تو اِن کے منہ سے وہ باتیں جو خلافت کے خلاف ہیں کہلوائیں کس نے؟ اگر خدا چاہتا کہ وہ خلیفہ بنیں تو ان کے منہ سے یہ باتیں کیوں کہلواتا؟ اگر خدا چاہتا کہ وہ خلیفہ بنیں تو اُن کی یہ باتیں مجھ تک کیوں پہنچا دیتا، جماعت تک کیوں پہنچا دیتا؟ یہ باتیں خدا کے اختیار میں ہیں اس لئے ان کے نہ ہونے سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ خدا ہی بناتا ہے اور جماعت احمدیہ مبائعین میں سے کسی کا خلیفہ ہونا بھی بتاتا ہے کہ خدا خلیفہ بناتا ہے۔ دونوں باتیں یہی ثابت کرتی ہیں کہ خدا ہی خلیفہ بناتا ہے۔ بہرحال جو بھی خلیفہ ہوگا وہ مِنْکُمْ ہوگا۔ یعنی وہ خلافت احمدیہ کا قائل ہوگا اور جماعت مبائعین میں سے نکالا ہوا نہیں ہوگا۔ اور میں یہ بھی شرط کرتا ہوں کہ جو بھی خلیفہ چنا جائے وہ کھڑے ہو کر یہ قسم کھائے کہ میں خلافتِ احمدیہ پر ایمان رکھتا ہوں اور میں خلافتِ احمدیہ کو قیامت تک جاری رکھنے کے لئے پوری کوشش کروں گا اور اسلام کی تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچانے کے لئے انتہائی کوشش کرتا رہوں گا اور میں ہر غریب اور امیر احمدی کے حقوق کا خیال رکھوں گا اور اگر میں بدنیتی سے کہہ رہا ہوں یا اگر میں دانستہ ایسا کرنے میں کوتاہی کروں تو خدا کی مجھ پر لعنت ہو۔ جب وہ یہ قسم کھالے گا تو پھر اس کی بیعت کی جائے گی اِس سے پہلے نہیں کی جائے گی۔ اِسی طرح منتخب کرنے والی جماعت میں سے ہر شخص حلفیہ اعلان کرے کہ میں خلافتِ احمدیہ کا قائل ہوں اور کسی ایسے شخص کو ووٹ نہیں دونگا جو جماعت مبائعین میں سے خارج ہو یا اس کا تعلق غیر مبائعین یا غیر احمدیوں سے ثابت ہو۔ غرض پہلے مقررہ اشخاص اس کا انتخاب کریں گے اِس کے بعد وہ یہ قسم کھائے گا کہ میں خلافت احمدیہ حقہ پر ایمان رکھتا ہوں اور میں ان کو جو خلافت احمدیہ کے خلاف ہیں جیسے پیغامی یا احراری وغیرہ باطل پر سمجھتا ہوں۔

اَب اِن لوگوں کو دیکھ لو۔ اِن کے لئے کس طرح موقع تھا میں نے مری میں خطبہ پڑھا اور اس میں کہا کہ صراطِ مستقیم پر چلنے سے سب باتیں حل ہو جاتی ہیں۔ یہ لوگ بھی صراطِ مستقیم پر چلیں اور اس کا طریق یہ ہے کہ پیغامی میرے متعلق کہتے ہیں کہ یہ حضرت خلیفہ اوّل کی ہتک

کر رہا ہے۔ یہ اعلان کر دیں کہ پیغامی جھوٹے ہیں۔ ہمارا پچھلا بیس سالہ تجربہ ہے کہ پیغامی ہتک کرتے چلے آئے ہیں اور مبائعین نہیں کرتے رہے۔ مبائعین صرف دفاع کرتے رہے ہیں مگر باوجود اس کے ان کو توفیق نہیں ملی اور یوں معافی نامے چھاپ رہے ہیں۔ ڈرتے ہیں کہ اگر ہم نے یہ اعلان کیا تو ہمارا اڈہ جو غیر مبائعین کا ہے اور ہمارا اڈہ جو احراریوں کا ہے وہ ٹوٹ جائے گا۔ سو اگر اڈہ بنانے کی فکر نہ ہوتی تو کیوں نہ یہ اعلان کرتے مگر یہ اعلان کبھی نہیں کیا۔ چوہدری ظفراللہ خان صاحب نے مجھے سنایا کہ عبدالمنان نے اُن سے کہا ہم اس لئے لکھ کر نہیں بھیجتے کہ پھر جرح ہوگی کہ یہ لفظ کیوں نہیں لکھا وہ لفظ کیوں نہیں لکھا حالانکہ اگر دیانتداری ہے تو بیشک جرح ہو حرج کیا ہے۔ جو شخص حق کے اظہار میں جرح سے ڈرتا ہے تو اس کے صاف معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ حق کو چھپانا چاہتا ہے اور حق کے قائم ہونے کے مخالف ہے۔ غرض جب تک شوریٰ میں معاملہ پیش ہونے کے بعد میں اور فیصلہ نہ کروں اوپر کا فیصلہ جاری رہے گا۔

تمہیں خوشی ہو کہ جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت چلی تھی واقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ تمہارے اندر بھی اُسی طرح چلے گی۔ مثلاً حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے۔ میرا نام عمرؓ نہیں بلکہ محمود ہے مگر خدا کے الہام میں میرا نام فضل عمر رکھا گیا اور اُس نے مجھے دوسرا خلیفہ بنا دیا۔ جس کے معنی یہ تھے کہ یہ خدائی فعل تھا۔ خدا چاہتا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خلافت بالکل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کی خلافت کی طرح ہو۔ میں جب خلیفہ ہوا ہوں تو ہزارہ سے ایک شخص آیا اُس نے کہا کہ میں نے خواب دیکھی تھی کہ میں حضرت عمرؓ کی بیعت کر رہا ہوں تو جب میں آیا تو آپ کی شکل مجھے نظر آئی اور دوسرے میں نے حضرت عمرؓ کو خواب میں دیکھا کہ اُن کے بائیں طرف سر پر ایک داغ تھا۔ میں جب انتظار کرتا ہوا کھڑا رہا۔ آپ نے سر کھجلایا اور پگڑی اُٹھائی تو دیکھا کہ وہ داغ موجود تھا اِس لئے میں آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ پھر ہم نے تاریخیں نکالیں تو تاریخوں میں بھی مل گیا کہ حضرت عمرؓ کو بائیں طرف خارش ہوئی تھی اور سر میں داغ پڑ گیا تھا سو نام کی تشبیہ بھی ہوگئی اور شکل کی تشبیہ بھی ہوگئی۔ مگر ایک تشبیہ نئی نکلی ہے وہ میں تمہیں بتاتا

ہوں اس سے تم خوش ہو جاؤ گے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب اپنی عمر کا آخری حج کیا تو اُس وقت آپ کو یہ اطلاع ملی کہ کسی نے کہا ہے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت تو اچانک ہوگئی تھی یعنی حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدؓ نے آپ کی بیعت کر لی تھی۔ پس صرف ایک یا دو بیعت کر لیں تو کافی ہو جاتا ہے اور وہ شخص خلیفہ ہو جاتا ہے اور ہمیں خدا کی قسم اگر حضرت عمرؓ فوت ہوگئے تو ہم صرف فلاں شخص کی بیعت کریں گے اور کسی کی نہیں کریں گے۔[9] جس طرح غلام رسول نمبر ۳۵ اور اس کے ساتھیوں نے کہا کہ خلیفۂ ثانی فوت ہوگئے تو ہم صرف عبدالمنان کی بیعت کریں گے۔ دیکھ لو یہ بھی حضرت عمرؓ سے مشابہت ہوگئی۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی ایک شخص نے قسم کھائی تھی کہ ہم اور کسی کی بیعت نہیں کریں گے فلاں شخص کی کریں گے۔ اِس وقت بھی غلام رسول ۳۵ اور اس کے بعض ساتھیوں نے یہی کہا ہے۔ جب حضرت عمرؓ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے یہ نہیں کیا جیسے مولوی علی محمد اجمیری نے شائع کیا تھا کہ آپ پانچ وکیلوں کا ایک کمیشن مقرر کریں جو تحقیقات کرے کہ بات کونسی سچی ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک وکیل کا بھی کمیشن مقرر نہیں کیا اور کہا میں کھڑے ہوکر اس کی تردید کروں گا۔ بڑے بڑے صحابہؓ اُن کے پاس پہنچے اور انہوں نے کہا۔ حضور! یہ حج کا وقت ہے اور چاروں طرف سے لوگ آئے ہوئے ہیں ان میں بہت سے جاہل بھی ہیں ان کے سامنے اگر آپ بیان کریں گے تو نہ معلوم کیا کیا باتیں باہر مشہور کریں گے جب مدینہ میں جائیں تو پھر بیان کریں۔ چنانچہ جب حضرت عمرؓ حج سے واپس آئے تو مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر کھڑے ہوگئے اور کھڑے ہوکر کہا کہ اے لوگو! مجھے خبر ملی ہے کہ تم میں سے کسی نے کہا ہے کہ ابوبکرؓ کی بیعت تو ایک اچانک واقعہ تھا اب اگر عمرؓ مر جائے تو ہم سوائے فلاں شخص کے کسی کی بیعت نہیں کریں گے پس کان کھول کر سن لو کہ جس نے یہ کہا تھا کہ ابوبکرؓ کی بیعت اچانک ہوگئی تھی اُس نے ٹھیک کہا ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس جلد بازی کے فعل کے نتیجہ سے بچا لیا اور یہ بھی یاد رکھو کہ تم میں سے کوئی شخص ابوبکرؓ کی مانند نہیں جس کی طرف لوگ دُور دُور سے دین اور روحانیت سیکھنے کے لئے آتے تھے۔ پس اِس وہم میں نہ پڑو کہ ایک دو آدمیوں کی بیعت سے بیعت ہو جاتی ہے اور آدمی خلیفہ بن جاتا ہے کیونکہ اگر جمہور

مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر کسی شخص نے کسی کی بیعت کی تو نہ بیعت کرنے والے کی بیعت ہوگی اور نہ وہ شخص جس کی بیعت کی گئی ہے وہ خلیفہ ہو جائے گا بلکہ دونوں اِس بات کا خطرہ محسوس کریں گے کہ سب مسلمان مل کر ان کا مقابلہ کریں اور انکا کیا کرایا اکارت ہو جائے گا۔ حالانکہ ابوبکرؓ کی بیعت صرف اس خطرہ سے کی گئی تھی کہ مہاجرین اور انصار میں فتنہ پیدا نہ ہو جائے مگر اس کو خدا تعالیٰ نے قائم کر دیا۔ پس وہ خدا کا فعل تھا نہ کہ اس سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ کوئی ایک دو شخص مل کر کسی کو خلیفہ بنا سکتے ہیں۔

پھر علامہ رشید رضا نے احادیث اور اقوال فقہاء سے اپنی کتاب ''الخلافۃ'' میں لکھا ہے کہ خلیفہ وہی ہوتا ہے جس کو مسلمان مشورہ سے اور کثرتِ رائے سے مقرر کریں۔ مگر آگے چل کر وہ علامہ سعد الدین تفتازانی مصنف شرح المقاصد اور علامہ نووی وغیرہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی اکثریت کا جمع ہونا وقت پر مشکل ہوتا ہے۔ پس اگر جماعت کے چند بڑے آدمی جن کا جماعت میں رسوخ ہو کسی آدمی کی خلافت کا فیصلہ کریں اور لوگ اس کے پیچھے چل پڑیں تو ایسے لوگوں کا اجتماع سمجھا جائے گا اور سب مسلمانوں کا اجتماع سمجھا جائے گا اور یہ ضروری نہیں ہوگا کہ دنیا کے سب مسلمان اکٹھے ہوں اور پھر فیصلہ کریں۔ اسی بناء پر میں نے خلافت کے متعلق مذکورہ بالا قاعدہ بنایا ہے جس پر پچھلے علماء بھی متفق ہیں۔ محدثین بھی اور خلفاء بھی متفق ہیں۔ پس وہ فیصلہ میرا نہیں بلکہ خلفائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور صحابہ کرامؓ کا ہے اور تمام علمائے اُمت کا ہے جن میں حنفی شافعی وہابی سب شامل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ بڑے آدمی سے مراد یہ ہے کہ جو بڑے بڑے کاموں پر مقرر ہوں جیسے ہمارے ناظر ہیں اور وکیل ہیں۔ اور قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی مومنوں کی جماعت کو مخاطب کیا گیا ہے وہاں مراد ایسے ہی لوگوں کی جماعت ہے نہ کہ ہر فردِ بشر۔ یہ علامہ رشید کا قول ہے کہ وہاں بھی یہ مراد نہیں کہ ہر فردِ بشر بلکہ مراد یہ ہے کہ ان کے بڑے بڑے آدمی۔ [۱۰] پس صحابہؓ، احادیثِ رسول اور فقہائے اُمت اس بات پر متفق ہیں کہ خلافت مسلمانوں کے اتفاق سے ہوتی ہے مگر یہ نہیں کہ ہر مسلمان کے اتفاق سے بلکہ ان مسلمانوں کے اتفاق سے جو مسلمانوں میں بڑا عہدہ رکھتے ہوں یا رسوخ رکھتے ہوں اور اگر ان لوگوں کے سوا چند

او باش مل کر کسی کی بیعت کر لیں تو نہ وہ لوگ مبائع کہلائیں گے اور نہ جس کی بیعت کی گئی ہے وہ خلیفہ کہلائے گا۔[11]

اَب خلافتِ حقّہ اسلامیہ کے متعلق میں قرآنی اور احادیثی تعلیم بھی بتا چکا ہوں اور وہ قواعد بھی بیان کر چکا ہوں جو آئندہ سلسلہ میں خلافت کے انتخاب کے لئے جاری ہونگے۔ چونکہ انسانی زندگی کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا نہ معلوم میں اُس وقت تک رہوں یا نہ رہوں اِس لئے میں نے اوپر کا قاعدہ تجویز کر دیا ہے تا کہ جماعت فتنوں سے محفوظ رہے۔''

(انوار العلوم جلد ۲۶ صفحہ ۲۲ تا ۳۹)

---

۱ النور: ۵۶

۲ کنز العمال جلد ۱۱ صفحہ ۲۵۹ حدیث نمبر ۳۱۴۴۷ مطبوعہ دمشق ۲۰۱۲ء

۳ مسند احمد بن حنبل حدیث نعمان بن بشیر صفحہ ۱۳۲۳ حدیث نمبر ۱۸۵۹۶ مطبوعہ لبنان ۲۰۰۴ء

۴ تذکرہ صفحہ ۲۳۲ (طبع اوّل)

۵ الوصیت صفحہ ۷۔ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۰۵

۶ الوصیت صفحہ ۸۔ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۰۶

۷ بدر ۲ جون ۱۹۰۸ء

۸ رسالۃ الخلافۃ مصنفہ شیخ محمد رشید رضا مصری صفحہ ۱۹ مطبوعہ قاہرہ مصر

۹ تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ ۴۹، ۵۰ فصل فی مبایعتہٖ مطبع لکھنو ۱۹۲۵ء

۱۰ رسالۃ الخلافۃ مصنفہ شیخ محمد رشید رضا مصری صفحہ ۱۴، ۱۹ مطبوعہ قاہرہ مصر

۱۱ رسالۃ الخلافۃ مصنفہ شیخ محمد رشید رضا مصری صفحہ ۹ تا ۱۹ مطبوعہ قاہرہ

تم نَسْلاً بَعْدَ نَسْلٍ اپنے آپ کو نظامِ خلافت سے وابستہ رکھو

مجلس خدام الاحمدیہ کے اٹھارویں سالانہ اجتماع کے موقع پر ۲۳؍اکتوبر ۱۹۵۹ء کو افتتاحی اجلاس میں محترم صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب نائب صدر خدام الاحمدیہ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا جونہایت ایمان افروز اور رُوح پرور پیغام پڑھ کر سنایا اور ۲۴؍اکتوبر کو خود حضور نے بھی پڑھ کر سنایا وہ درج ذیل ہے۔

''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ　　نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ۔هُوَ النَّاصِرُ

خدام الاحمدیہ کے نوجوانوں کو میں اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ انسان دنیا میں پیدا بھی ہوتے ہیں اور مرتے بھی ہیں لیکن قومیں اگر چاہیں تو وہ ہمیشہ کیلئے زندہ رہ سکتی ہیں پس تمہیں اپنی قومی حیات کے قیام اور استحکام کے لئے ہمیشہ کوشش کرنی چاہیے اور نَسْلاً بَعْدَ نَسْلٍ اسلام اور احمدیت کو پھیلانے کی جدوجہد کرتے چلے جانا چاہیے۔ اگر مسیح موسویؑ کے پیرو آج ساری دنیا پر پھیل گئے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ مسیح محمدیؐ جو اپنی تمام شان میں مسیح موسویؑ سے افضل ہے اس کی جماعت ساری دنیا میں نہ پھیل جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو اس مقصد کیلئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا بھی کی ہے اور فرمایا

ہے کہ:۔

پھیر دے میری طرف اے سارباں جگ کی مہار[1]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس دعا اور خواہش کو پورا کرنے کیلئے جدو جہد کرنا آپ لوگوں میں سے ہر ایک پر فرض ہے اور آپ لوگوں کو یہ جدو جہد ہمیشہ جاری رکھنی چاہیے یہاں تک کہ قیامت آ جائے۔

یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ قیامت تک جدو جہد کرنا صرف ایک خیالی بات ہے بلکہ حقیقتاً یہ آپ لوگوں کا فرض ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر عائد کیا گیا ہے کہ قیامت تک آپ لوگ اسلام اور احمدیت کا جھنڈا بلند رکھیں۔ یہاں تک کہ دنیا میں اسلام اور احمدیت عیسائیت سے بہت زیادہ پھیل جائے اور تمام دنیا کی بادشاہتیں اسلام اور احمدیت کے تابع ہو جائیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے کہ مجھے ایک دفعہ عالم کشف میں وہ بادشاہ دکھائے بھی گئے جو گھوڑوں پر سوار تھے اور جن میں سے بعض ہندوستان کے تھے، بعض عرب کے، بعض فارس کے، بعض شام کے، بعض روم کے اور بعض دوسرے ممالک کے اور مجھے بتایا گیا کہ یہ لوگ تیری تصدیق کریں گے اور تجھ پر ایمان لائیں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے اور ان پیشگوئیوں کے مطابق روس، جرمنی، امریکہ اور انگلستان کے بادشاہ یا پریذیڈنٹ احمدی ہو جائیں تو خدا تعالیٰ کے فضل سے ساری دنیا میں احمدیت پھیل جائے گی اور اسلام کے مقابلہ میں باقی تمام مذاہب بے حقیقت ہو کر رہ جائیں گے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آجکل دنیا کے اکثر ممالک میں بادشاہتیں ختم ہو چکی ہیں مگر پریذیڈنٹ بھی بادشاہوں کے ہی قائمقام ہیں پس اگر مختلف ملکوں کے پریذیڈنٹ ہماری جماعت میں داخل ہو جائیں تو یہ پیشگوئی پوری ہو جاتی ہے مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ متواتر اور مسلسل جدو جہد کی جائے اور تبلیغِ اسلام کا کام ہمیشہ جاری رکھا جائے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوح بھی قرار دیا گیا ہے اور حضرت نوحؑ کی عمر جیسا کہ قرآن کریم نے بتایا ہے ساڑھے نو سَو سال تھی جو درحقیقت ان کے سلسلہ کی عمر تھی مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بروز تھے

جو تمام نبیوں سے افضل تھے اور حضرت نوحؑ بھی ان میں شامل تھے پس اگر نوحؑ کو ساڑھے نوسَو سال عمر ملی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بروز اور آپ کے غلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تو ساڑھے نو ہزار سال عمر ملنی چاہیے اور اس عرصہ تک ہماری جماعت کو اپنی تبلیغی کوششیں وسیع سے وسیع تر کرتے چلے جانا چاہیے۔

میں اس موقع پر وکالت تبشیر کو بھی توجہ دلاتا ہوں کہ وہ بیرونی مشنوں کی رپورٹیں باقاعدگی کے ساتھ شائع کیا کریں تا کہ جماعت کو یہ پتہ لگتا رہے کہ یورپ اور امریکہ میں اسلام کی اشاعت کے لئے کیا کیا کوششیں ہو رہی ہیں اور نوجوانوں کے دلوں میں اسلام کیلئے زندگیاں وقف کرنے کا شوق پیدا ہو۔ مگر جہاں یورپ اور امریکہ میں تبلیغ اسلام ضروری ہے وہاں پاکستان اور ہندوستان میں اصلاح و ارشاد کے کام کو وسیع کرنا بھی ہمارے لئے ضروری ہے جس سے ہمیں کبھی غفلت اختیار نہیں کرنی چاہیے۔

دنیا میں کوئی درخت سرسبز نہیں ہوسکتا جس کی جڑیں مضبوط نہ ہوں پس ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم پاکستان اور ہندوستان میں بھی جماعت کو مضبوط کرنے کی کوششیں کریں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کی مثال ایک ایسے درخت سے دی ہے جس کا تنا مضبوط ہو اور اس کے نتیجے میں اس کی شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی ہوں یعنی ایک طرف تو سچے مذہب کے پیرو اپنی کثرتِ تعداد کے لحاظ سے ساری دنیا میں پھیل جائیں اور دوسری طرف خدا تعالیٰ اس کے ماننے والوں کو اتنی برکت دے کہ آسمان تک ان کی شاخیں پہنچ جائیں یعنی ان کی دعائیں کثرت کے ساتھ قبول ہونے لگیں اور ان پر آسمانی انوار اور برکات کا نزول ہو۔ یہی **فَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ** [۲] کے معنی ہیں۔ کیونکہ جو شخص آسمان پر جائے گا وہ خدا تعالیٰ کے قریب ہو جائے گا اور چونکہ خدا تعالیٰ کا کوئی جسمانی وجود نہیں اس لئے اس کے قریب ہونے کے یہی معنی ہو سکتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اس کی دعائیں سنے گا۔ حدیثوں میں بھی آتا ہے کہ مومن جب رات کو تہجد کے وقت دعائیں کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان دعاؤں کی قبولیت کیلئے آسمان سے اُتر آتا ہے۔ [۳]

پس ضروری ہے کہ تمام جماعت کے اندر ایسا اخلاص پیدا ہو کہ اس کی دعائیں

خدا تعالیٰ سننے لگ جائے اور پاتال تک اس کی جڑیں چلی جائیں اور دنیا کا کوئی حصہ ایسا نہ رہے جس میں احمدی جماعت مضبوط نہ ہو اور احمدی جماعت کا کوئی حصہ ایسا نہ ہو جس کی دعائیں خدا تعالیٰ کثرت کے ساتھ قبول نہ کرے۔ پس تبلیغ بھی کرو اور دعائیں بھی کرو تا کہ خدا تعالیٰ احمدیت کو غیر معمولی ترقی عطا فرمائے۔ سکھوں کو دیکھو ان کا بانی نبی نہیں تھا مگر پھر بھی وہ بڑے پھیل گئے اور اب بھی ان میں اتنا جوش ہے کہ وہ ذرا ذرا سی بات پر لڑنے مرنے کیلئے تیار رہتے ہیں۔ تمہارا بانی تو نبی تھا اور اپنی تمام شان میں مسیح موسوئ سے بڑھ کر تھا پھر اگر مسیح موسوئ کی امت ساری دنیا میں پھیل گئی ہے تو مسیح محمدیؐ جو ان سے بڑے تھے ان کی جماعت کیوں ساری دنیا میں نہیں پھیل سکتی۔

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے متعلق یہ بھی فرمایا کہ:۔

اک شجر ہوں جس کو داؤدی صفت کے پھل لگے

میں ہوا داؤد اور جالوت ہے میرا شکار[۴]

اور جالوت اُس شخص کو کہتے ہیں جو فسادی ہو اور امن عامہ کو برباد کرنے والا ہو۔ پس اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعے اللہ تعالیٰ دنیا میں امن قائم فرمائے گا اور ہر قسم کے فتنہ وفساد اور شرارت کا سد باب کر دے گا۔

پس تبلیغ اسلام کو ہمیشہ جاری رکھو اور نظامِ خلافت سے اپنے آپ کو پورے اخلاص کے ساتھ وابستہ رکھو۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے الوصیت میں تحریر فرمایا ہے کہ:۔

''میں خدا کی ایک مجسم قدرت ہوں اور میرے بعد بعض اور وجود ہوں گے جو دوسری قدرت کا مظہر ہوں گے''۔[۵]

اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام نے یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

''تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا''۔[۶]

سو تم قیامت تک خلافت کے ساتھ وابستہ رہو تا کہ قیامت تک خدا تعالیٰ کے تم پر بڑے

بڑے فضل نازل ہوتے رہیں۔

حضرت مسیح ناصریؑ سے آپ کا مسیح بہت بڑا تھا مگر عیسائیوں میں اب تک پوپ جو پطرس کا خلیفہ کہلاتا ہے چلا آرہا ہے اور یورپ کی حکومتیں بھی اس سے ڈرتی ہیں۔ نپولین جیسا بادشاہ ایک دفعہ پوپ کے سامنے گیا اور وہ گاڑی میں بیٹھنے لگا تو اُس وقت قاعدہ کے مطابق پوپ کو مقدم رکھنا ضروری تھا مگر نپولین نے یہ ہوشیاری کی کہ وہ دوسری طرف سے اُسی وقت اندر جا کر بیٹھ گیا جس وقت پوپ بیٹھا تھا اور اِس طرح اُس نے چاہا کہ وہ پوپ کے برابر ہو جائے۔ اگر عیسائیوں نے اپنی مردہ خلافت کو اب تک جاری رکھا ہوا ہے تو آپ لوگ اپنی زندہ خلافت کو کیوں قیامت تک جاری نہیں رکھ سکتے۔

بے شک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ **لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا عَلٰی شِرَارِ النَّاسِ**[۷] یعنی قیامت ایسے لوگوں پر ہی آئے گی جو اشرار ہوں گے اخیار نہیں ہوں گے۔ مگر آپ لوگوں کی ترقی چونکہ خدائی پیشگوئیوں کے ماتحت ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو خدا تعالیٰ نے **خَیْرُ الْاُمَمِ** قرار دیا ہے اس لئے اگر آپ قیامت تک بھی چلے جائیں گے تو خدا تعالیٰ آپ کو نیک ہی رکھے گا اور اخیار میں ہی شامل فرمائے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی فرماتے ہیں کہ

ہم ہوئے خیر اُمم تجھ سے ہی اے خیر رُسل
تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے[۸]

مگر ضروری ہے کہ اس کیلئے دعائیں کی جائیں کہ خدا تعالیٰ ہماری جماعت میں ہمیشہ صالح لوگ پیدا کرتا رہے اور کبھی وہ زمانہ نہ آئے کہ ہماری جماعت صالحین سے خالی ہو یا صالحین کی ہماری جماعت میں قلت ہو بلکہ ہمیشہ ہماری جماعت میں صالحین کی اکثریت ہو جن کی دعائیں کثرت کے ساتھ قبول ہوتی ہوں اور جن کے ذریعہ خدا تعالیٰ کا وجود اس دنیا میں بھی ظاہر ہو۔ میں اِس وقت تمام خدام سے تبلیغ اسلام کے متعلق ایک عہد لینا چاہتا ہوں تمام خدام کھڑے ہو جائیں اور اِس عہد کو دُہرائیں۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْکَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

ہم اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر اِس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہم اسلام اور احمدیت کی اشاعت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دنیا کے کناروں تک پہنچانے کیلئے اپنی زندگیوں کے آخری لمحات تک کوشش کرتے چلے جائیں گے اور اس مقدس فرض کی تکمیل کیلئے ہمیشہ اپنی زندگیاں خدا اور اس کے رسولؐ کے لئے وقف رکھیں گے اور ہر بڑی سے بڑی قربانی پیش کر کے قیامت تک اسلام کے جھنڈے کو دنیا کے ہر ملک میں اونچا رکھیں گے۔

ہم اس بات کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ ہم نظامِ خلافت کی حفاظت اور اس کے استحکام کیلئے آخر دم تک جدوجہد کرتے رہیں گے اور اپنی اولاد در اولاد کو ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے اور اس کی برکات سے مستفیض ہونے کی تلقین کرتے رہیں گے تا کہ قیامت تک خلافت احمدیہ محفوظ چلی جائے اور قیامت تک سلسلہ احمدیہ کے ذریعہ اسلام کی اشاعت ہوتی رہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا دنیا کے تمام جھنڈوں سے اونچا لہرانے لگے۔ اے خدا تو ہمیں اس عہد کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرما۔ **اَللّٰھُمَّ اٰمِیْنَ۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْنَ۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْنَ**

یہ عہد جو اِس وقت آپ لوگوں نے کیا ہے متواتر چار صدیوں بلکہ چار ہزار سال تک جماعت کے نوجوانوں سے لیتے چلے جائیں اور جب تمہاری نئی نسل تیار ہو جائے تو پھر اسے کہیں کہ وہ اس عہد کو اپنے سامنے رکھے اور ہمیشہ اسے دُہراتی چلی جائے اور پھر وہ نسل یہ عہد اپنی تیسری نسل کے سپرد کر دے اور اس طرح ہر نسل اپنی اگلی نسل کو اس کی تاکید کرتی چلی جائے۔ اسی طرح بیرونی جماعتوں میں جو جلسے ہوا کریں ان میں بھی مقامی جماعتیں خواہ خدام کی ہوں یا انصار کی یہی عہد دُہرایا کریں یہاں تک کہ دنیا میں احمدیت کا غلبہ ہو جائے اور اسلام اتنا ترقی کرے کہ دنیا کے چپہ چپہ پر پھیل جائے۔

مجھے بھی ایک دفعہ خدا تعالیٰ کی طرف سے رؤیا میں دکھایا گیا تھا کہ خدا تعالیٰ کا نور ایک سفید پانی کی شکل میں دنیا میں پھیلنا شروع ہوا ہے یہاں تک کہ پھیلتے پھیلتے وہ دنیا کے گوشے گوشے اور اس کے کونے کونے تک پہنچ گیا۔ اُس وقت میں نے بڑے زور سے کہا کہ احمدیوں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ کا فضل نازل ہوتے ہوئے ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ انسان

یہ نہیں کہے گا کہ اے میرے ربّ! اے میرے ربّ! تو نے مجھے کیوں پیاسا چھوڑ دیا بلکہ وہ یہ کہے گا کہ اے میرے ربّ! اے میرے ربّ! تو نے مجھے سیراب کر دیا یہاں تک کہ تیرے فیضان کا پانی میرے دل کے کناروں سے اُچھل کر بہنے لگا۔

پس اللہ تعالیٰ پر توکل رکھو اور ہمیشہ دین کے پھیلانے کے لئے قربانیاں کرتے چلے جاؤ۔ مگر یاد رکھو کہ قومی ترقی میں سب سے بڑی روک یہ ہوتی ہے کہ بعض دفعہ افراد کے دلوں میں روپیہ کا لالچ پیدا ہو جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ طوعی قربانیوں سے محروم ہو جاتے ہیں تمہارا فرض ہے کہ تم ہمیشہ اللہ تعالیٰ پر توکل رکھو۔ وہ تمہاری غیب سے مدد کرے گا اور تمہاری مشکلات کو دور کر دے گا بلکہ تمہارے لئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ سامان بھی کیا ہوا ہے کہ اُس نے ایک انجمن بنا دی ہے جو تمام مبلغین کو باقاعدہ خرچ دیتی ہے مگر گزشتہ زمانوں میں جو مبلغین ہوا کرتے تھے اُن کو کوئی تنخواہ نہیں دیتا تھا بعض دفعہ ہندوستان میں ایران سے دو دوسَو مبلغ آیا ہے مگر وہ سارے کے سارے اپنے اخراجات خود برداشت کرتے تھے اور کسی دوسرے سے ایک پیسہ بھی نہیں لیتے تھے۔

پس اخلاص کے ساتھ دین کی خدمت بجالاؤ اور لالچ اور حرص کے جذبات سے بالا رہتے ہوئے ساری دنیا میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا بلند کرنے کی کوشش کرو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے الوصیت میں تحریر فرمایا ہے کہ:۔

> ''مجھے اس بات کا غم نہیں کہ یہ اموال جمع کیونکر ہوں گے اور ایسی جماعت کیونکر پیدا ہوگی جو ایمانداری کے جوش سے یہ مردانہ کام دکھلائے۔ بلکہ مجھے یہ فکر ہے کہ ہمارے زمانہ کے بعد وہ لوگ جن کے سپرد ایسے مال کئے جائیں وہ کثرتِ مال کو دیکھ کر ٹھوکر نہ کھاویں اور دنیا سے پیار نہ کریں۔ سو میں دعا کرتا ہوں کہ ایسے امین ہمیشہ اِس سلسلہ کو ہاتھ آتے رہیں جو خدا کے لئے کام کریں''۔[9]

پس لالچ اور حرص کو کبھی اپنے قریب بھی مت آنے دو اور ہمیشہ احمدیت کو پھیلانے کی جدوجہد کرتے رہو۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مصلح موعود کے متعلق الٰہی بشارات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:۔

بشارت دی کہ اک بیٹا ہے تیرا
جو ہوگا ایک دن محبوب میرا
کروں گا دُور اس مَہ سے اندھیرا
دکھاؤں گا کہ اک عالم کوپھیرا
بشارت کیا ہے اک دل کی غذا دی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الاَعَادِیْ ۰[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں غیر معمولی تغیرات پیدا فرمائے گا جن کے نتیجہ میں ہماری جماعت اتنی ترقی کرے گی کہ ساری دنیا کے لوگ اس میں داخل ہونے شروع ہو جائیں گے۔

اسی طرح اس شہادت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دشمنوں کو رُسوا اور ناکام کرے گا اور ہمیں کامیابی اور غلبہ عطا فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے ساتھ ہو اور وہ ہمیشہ اسلام کے غلبہ اور احمدیت کی ترقی کیلئے آپ کو رات دن کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے یہاں تک کہ ساری دنیا میں احمدیت پھیل جائے اور کیا عیسائی اور کیا یہودی اور کیا دوسرے مذاہب کے پیرو سب کے سب احمدی ہو جائیں۔ لیکن جب تک وہ وقت نہیں آتا تمہیں کم از کم پاکستان اور ہندوستان میں تو اپنے آپ کو پھیلانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کرشن کا اوتار بھی قرار دیا گیا ہے اور آپ کا الہام ہے کہ:۔

''ہے کرشن رودر گوپال تیری مہما گیتا میں لکھی گئی ہے''[11]

پس اگر دنیا نہیں تو کم سے کم ہندوستان کے ہندوؤں کو تو اسلام اور احمدیت میں داخل کرلو تا کہ **اَصْلُهَا ثَابِتٌ** کی مثال تم ہر صادق آجائے اور **فَرْعُهَا فِی السَّمَاءِ** بھی اس کے نتیجے میں پیدا ہو جائے۔ آجکل ہندوستان میں خدا تعالیٰ کے فضل سے لوگوں کو احمدیت کی

طرف بڑی رغبت پیدا ہو رہی ہے اور بڑے بڑے مخالف بھی احمدیت کے لٹریچر سے متاثر ہو رہے ہیں اور زیادہ اثر ان پر ہماری تفسیر کی وجہ سے ہوا ہے اگر اللہ تعالیٰ اس اثر کو بڑھا دے تو لاکھوں لوگ ہماری جماعت میں داخل ہو سکتے ہیں۔ بے شک ہم میں کوئی طاقت نہیں لیکن ہمارے خدا میں بہت بڑی طاقت ہے پس اُسی سے دعائیں کرو اور ہمیشہ اسلام کے جھنڈے کو دنیا کے تمام مذاہب کے جھنڈوں سے بلند رکھنے کی کوشش کرو۔''

(الفضل ۲۸ راکتوبر ۱۹۵۹ء)

---

۱ براہین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۱۲۹ ایڈیشن ۲۰۰۸ء

۲ ابراهيم: ۲۵

۳ **بخاری کتاب التهجد باب الدعاء والصلوٰة من اٰخر الليل** صفحہ ۱۸۳ حدیث نمبر ۱۱۴۵ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء **الطبعة الثانية**

۴ براہین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۱۳۳ ایڈیشن ۲۰۰۸ء

۵ الوصیت صفحہ ۸ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۰۶ ایڈیشن ۲۰۰۸ء

۶ الوصیت صفحہ ۷ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۰۵ ایڈیشن ۲۰۰۸ء

۷ **مسلم کتاب الفتن باب قرب الساعة** صفحہ ۱۲۷۹ حدیث نمبر ۷۴۰۲ مطبوعہ ریاض ۲۰۰۰ء **الطبعة الثانية**

۸ آئینہ کمالاتِ اسلام روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۲۲۶۔ ایڈیشن ۲۰۰۸ء

۹ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۱۹ ایڈیشن ۲۰۰۸ء

۱۰ درثمین اردو صفحہ ۴۵

۱۱ تذکرہ صفحہ ۳۱۲۔ ایڈیشن چہارم ۲۰۰۴ء

احباب جماعت کے نام ضروری پیغام

(فرمودہ ۱۷مئی ۱۹۵۹ء)

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ
اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

ہم دوسرے انسانوں سے الگ قسم کے انسان نہیں تھے مگر اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے خبر دی کہ مسیح موعود شاہی خاندان میں پیدا ہوگا اور اس کے ذریعہ سے پھر اسلامی بادشاہت قائم ہوگی اس کی وجہ سے باوجود نہایت نالائق ہونے کے ہم نے ایک لمبی سُکھ کی زندگی بسر کی اور اللہ تعالیٰ کی بشارتوں کے مطابق شاہی خاندان میں پیدا ہوئے۔ ہماری اس میں کوئی خوبی نہیں تھی ہم ذلیل تھے اس نے ہمیں دین کا بادشاہ بنا دیا ہم کمزور تھے ہمیں اس نے طاقتور کر دیا اور اسلام کی آئندہ ترقیوں کو ہم سے وابستہ کر دیا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیوں کے طفیل ہمیں اس قابل بنایا کہ ہم خدا تعالیٰ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو دنیا کے کناروں تک پھیلائیں۔ یہ وہ مشکل کام تھا جس کو بڑے بڑے بادشاہ نہ کر سکے لیکن خدا تعالیٰ نے ہم غریبوں اور بے بسوں کے ذریعہ سے یہ کام کروا دیا اور اس بات کو سچا کر دکھایا کہ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ (یعنی پاک ہے وہ خدا جس نے اسلام کے دشمنوں کو ذلیل کر دیا) مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت تک اسلام کو برتری بخشتا رہے گا اور مجھے امید ہے کہ میری اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ہمیشہ اسلام کے جھنڈے کو اونچا کرتی رہے گی اور اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی قربانی کے ذریعے سے اسلام کے جھنڈے کو ہمیشہ اونچا رکھے گی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے نام کو دنیا کے کناروں تک پہنچائے گی۔ میں اس دعا میں ہر احمدی کو شامل کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کا حافظ و ناصر ہو اور ان کو اس مشن کے پورا کرنے کی توفیق دے وہ کمزور ہیں لیکن ان کا خدا ان کے ساتھ ہے اور جس کے ساتھ خدا ہو اسے انسانوں کی طاقت کا کوئی ڈر نہیں ہوتا۔ دنیا کی بادشاہتیں ان کے ہاتھ چومیں گی اور دنیا کی حکومتیں ان کے آگے گریں گی۔ بشرطیکہ نبیوں کے سردار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق یہ لوگ نہ بھولیں اور اسلام کے جھنڈے کو اونچا رکھنے کی کوشش کرتے رہیں۔ خدا تعالیٰ ان کے ساتھ ہو ہمیشہ ان کی مدد کرتا رہے اور ہمیشہ ان کو سچا راستہ دکھاتا رہے۔ بے شک وہ کمزور ہیں تعداد کے لحاظ سے بھی اور روپے کے لحاظ سے بھی اور علم کے لحاظ سے بھی لیکن اگر وہ خدائے جبار کا دامن مضبوطی سے پکڑیں گے تو خدا تعالیٰ کی پیشگوئیاں ان کے حق میں پوری ہونگی اور دین اسلام کے غلبہ کے ساتھ ان کو بھی غلبہ ملے گا۔ اس دنیا میں بھی اور اگلی دنیا میں بھی۔ خدا تعالیٰ ایسا ہی کرے اور قیامت کے دن نہ وہ شرمندہ ہوں نہ اُن کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شرمندہ ہوں۔ نہ خدا تعالیٰ شرمندہ ہو کہ اس نے ایسی نالائق جماعت کو کیوں چنا یہ خدا تعالیٰ کا لگایا ہوا آخری پودا ہے جو اس پودے کی آبیاری کرے گا خدا تعالیٰ قیامت تک اس کے بیج بڑھاتا جائیگا اور وہ دونوں جہاں میں عزت پائے گا۔ **اِنْشَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی**۔

اے عزیزو! ۱۹۱۴ء میں خدا تعالیٰ نے اپنے دین کی خدمت کا بوجھ مجھ پر رکھا تھا اور میری پیدائش سے بھی پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ میری خبر دی تھی میں تو ایک حقیر اور ذلیل کیڑا ہوں۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ اس نے مجھے نوازا اور میرے ذریعہ سے اسلام کو دنیا میں قائم کیا جس خدا نے میرے جیسے حقیر انسان کے ذریعہ سے دنیا میں اسلام کو قائم کیا میں اسی خدائے قدوس کا دامن پکڑ کر اس سے التجا کرتا ہوں کہ وہ اسلام کو برتری بخشے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اگلے جہان میں ساری دنیا کے سردار ہیں اس جہان میں بھی ساری دنیا کا سردار بنائے بلکہ ان کے خدام کو بھی ساری دنیا کا بادشاہ بنائے مگر نیکی اور تقویٰ کے ساتھ نہ کہ ظلم کے ساتھ، توحید دنیا سے غائب ہے خدا کرے کہ پھر

توحید کا پرچم اونچا ہو جائے اور جس طرح خدا غالب ہے اسی طرح اس کا جھنڈا بھی دنیا میں غالب رہے اور اسلام اور احمدیت دنیا میں توحید اور تقویٰ اور اسلام کی عظمت پھر دنیا میں قائم کر دیں اور قیامت تک قائم رکھتے چلے جائیں یہاں تک کہ وہ وقت آجائے کہ خدا کے فرشتے آسمان سے نازل ہو کر خدا کے بندوں کی روحوں کو بلند کر کے آسمان پر لے جائیں اور ان میں ایک ایسا مضبوط رشتہ قائم کر دیں جو ابد تک نہ ٹوٹے۔ آمین ثم آمین

بادشاہت سب خدا کا حق ہے مگر افسوس ہے کہ انسان نے اپنی جھوٹی طاقت کے گھمنڈ میں اس بادشاہت کو اپنے قبضہ میں کر رکھا ہے اور خدا کے مسکین بندوں کو اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ خدا تعالیٰ اس غلامی کی زنجیروں کو توڑ دے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور مسیح موعود علیہ السلام کی اولاد کو نیکی پر ہمیشہ قائم رکھے اور اعتدال کے راستہ سے پھرنے نہ دے۔ اس سے یہ بات بعید نہیں گو انسان کی نظر میں یہ بات بڑی مشکل معلوم ہوتی ہے۔ میں اس کے بندوں کی باگ اسی کے ہاتھ میں دیتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ وہ مجھ سے زیادہ ان کا خیر خواہ ثابت ہوگا اور قریب کی قیامت بلکہ دور کی قیامتوں کے موقع پر سچے مسلمانوں کی سرخروئی اور اعزاز کا موجب ہوگا۔ میں اپنے لڑکوں، لڑکیوں اور بیویوں کو بھی اس کے سپرد کرتا ہوں میری نرینہ اولاد موجود ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے سوا انسان کچھ نہیں کر سکتا اس لئے میں اولاد در اولاد اور بیویوں اور ان کے وارثوں کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتا ہوں جس کی حوالگی سے زیادہ مضبوط حوالگی کوئی نہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام تھا

سپردم بتو مایہ خویش را　　　　تو دانی حساب کم و بیش را

ہم نے اس الہام کی سچائی کو ۵۱ سال تک آزمایا ہے اور خدا تعالیٰ سے یقین رکھتے ہیں کہ وہ دنیا کے آخر تک اس الہام کی سچائی کو ظاہر کرتا رہے گا۔ اس کا کلام ہمیشہ سچا ہی ثابت ہوتا رہے گا۔ اصل عزت وہی ہے جو مرنے کے بعد انسان کو ملے گی لیکن پھر بھی اس دنیا میں نیکی کا بیج قائم رکھنے سے انسان دعاؤں کا مستحق بن جاتا ہے اور اپنے پرائے اس کی بلندی کیلئے دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ یہ خوبی کا مقام بھلایا نہیں جا سکتا اور میں اپنے خاندان کے

مردوں عورتوں کیلئے خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو یہ مقام ہمیشہ عطا رکھے اور اسی طرح میرے بھائیوں اور بہنوں کی اولاد کو بھی۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی پیدا نہیں ہوا نہ آگے پیدا ہوگا آپؐ کو خدا تعالیٰ نے اس دنیا میں اور اگلے جہان میں بھی سردار مقرر کیا ہے خدا کرے آپ کی یہ سرداری تا اَبد قائم رہے اور ہم قیامت کے دن درود پڑھتے ہوئے آپؐ کے نشان والا جھنڈا لے کر آپؐ کے سامنے حاضر ہوں اور اپنے خدا سے بھی کہیں کہ اے خدا تو نے جس انسان کی عزت کو اپنی عزت قرار دیا تھا ہم اس کی عزت قائم کر کے آئے ہیں ہم پر بھی رحم کر اور اپنے فضلوں کا وارث بنا۔ آمین ثم آمین

میری اولاد کے نام

میری نعش میری اماں جان کی نعش اور میری بیویوں کی نعشوں کو قادیان پہنچانا تمہارا فرض ہے میں نے ہمیشہ تمہاری خیر خواہی کی تم بھی میری خواہش پوری کرنا اللہ تعالیٰ تمہارا حافظ و ناصر ہو اور تمہیں عزت بخشے۔

میں ساری جماعت احمدیہ کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنی زندگیوں کو خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے وقف کریں اور قیامت تک اسلام کے جھنڈے کو دنیا کے ہر ملک میں اونچا رکھیں۔ خدا تعالیٰ ان کے ساتھ ہو، ان کی مدد کرے اور اپنی بشارتوں سے ان کو نوازے۔ میں امید کرتا ہوں کہ یورپ کے نئے احمدی اپنی جان اور مال سے ایشیا کے پرانے احمدیوں کی مدد کریں گے اور تبلیغ کے فریضہ کو ادا کرتے رہیں گے یہاں تک کہ اسلام ساری دنیا پر غالب آ جائے۔ اگر لینن کے متبعین نے چند سال میں ساری دنیا پر اپنا سکہ جما لیا تھا تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین یہ کام کیوں نہیں کر سکتے۔ صرف عزم اور ارادہ کی پختگی کی ضرورت ہے۔ خدا تعالیٰ انکا حامی و ناصر ہو وہ کبھی ظلم نہ کریں اور ہمیشہ خدا تعالیٰ کے بندوں کے سامنے عجز و انکسار کے ساتھ سر جھکائیں تا کہ خدا تعالیٰ اور اس کے بندوں کی مدد ان کو ملتی رہے اور اسلام کا سر ہمیشہ اونچا رہے اور قیامت کے دن خدا کا

آخری نبی بلکہ خدائے واحد خود نہایت شوق سے اپنے ہاتھ پھیلا کر ان کی ملاقات کیلئے آگے بڑھے اور وہ ہمیشہ ہمیش کیلئے خدا تعالیٰ کی برکات کے وارث ہوں میں احمدیت اور اس کے آثار کو بھی خدا کے سپرد کرتا ہوں وہی ان کا بھی محافظ ہو اور ان کی عزت کو قیامت تک قائم رکھے۔آمین ثم آمین

اے دوستو! میری آخری نصیحت یہ ہے کہ سب برکتیں خلافت میں ہیں نبوت ایک بیج ہوتی ہے جس کے بعد خلافت اس کی تاثیر کو دنیا میں پھیلا دیتی ہے تم خلافت حقہ کو مضبوطی سے پکڑو اور اس کی برکات سے دنیا کو متمتع کرو تا خدا تعالیٰ تم پر رحم کرے اور تم کو اِس دنیا میں بھی اونچا کرے اور اُس جہان میں بھی اونچا کرے تا مرگ اپنے وعدوں کو پورا کرتے رہو اور میری اولاد اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اولاد کو بھی ان کے خاندان کے عہد یاد دلاتے رہو۔ احمدیت کے مبلغ اسلام کے سچے سپاہی ثابت ہوں اور اس دنیا میں خدائے قدوس کے کارندے بنیں۔

کیا ہمارا خدا اتنی طاقت بھی نہیں رکھتا جتنی کہ حضرت مسیح ناصریؑ رکھتے تھے۔مسیح ناصریؑ تو ایک نبی تھے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں کے سردار تھے خدا تعالیٰ ان کی سرداری کو دونوں جہان میں قائم رکھے اور ان کے ماننے والوں کا جھنڈا کبھی نیچا نہ ہو اور وہ اور ان کے دوست ہمیشہ سربلند رہیں۔آمین ثم آمین

میں یہی نصیحتیں پاکستان سے باہر کے احمدیوں کو بھی کرتا ہوں وہ بھی خدا تعالیٰ کے ایسے ہی محبوب ہیں جیسے پاکستان میں رہنے والے احمدی اور جب تک وہ اسلام کو اپنا مطمع نظر قرار دیں گے خدا تعالیٰ ان کو بھی اور اسلام کو بھی دنیا میں بلند کرتا چلا جائے گا اِنْشَاءَ اللّٰہ ۔خدا کرے احمدیوں کے ذریعہ سے کبھی دنیا میں ظلم کی بنیاد قائم نہ ہو بلکہ عدل، انصاف اور رحم کی بنیاد قائم ہوتی چلی جائے اور ہمیشہ خدا تعالیٰ کے فرشتے ان کے دائیں بھی کھڑے ہوں اور بائیں بھی کھڑے ہوں اور کوئی شخص ان کی طرف نیزہ نہ پھینکے جسے خدا تعالیٰ کے فرشتے آگے بڑھ کر اپنی چھاتی پر نہ لے لیں۔آمین ثم آمین

آدم اوّل کی اولاد کے ذریعہ سے بالآخر دنیا میں بڑا ظلم قائم ہوا اب خدا کرے۔آدم ثانی

یعنی مسیح موعود علیہ السلام کی اولاد کے ذریعہ سے یہ ظلم ہمیشہ کیلئے مٹا دیا جائے اور سانپ یعنی ابلیس کا سر کچل دیا جائے اور خدا تعالیٰ کی بادشاہت اسی طرح دنیا میں بھی قائم ہو جائے جس طرح آسمان پر ہے اور کوئی انسان دوسرے انسان کو نہ کھائے اور کوئی طاقتور انسان کمزور انسان پر ظلم اور تعدی نہ کرے۔ آمین ثم آمین۔ مرزا محمود احمد ۱۷ مئی ۱۹۵۹ء''

(الفضل ۲۰ مئی ۱۹۵۹)

خلافت

خلافة علیٰ منهاج النبوة

افاضات

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ

جلد سوم

خلافت علیٰ منہاج النبوۃ

(جلد سوم)

Khilafat Ala Minhajin Nubuwwat – Volume 3 (Urdu)

A collection of excerpts from the sermons, writings, and speeches of Hazrat Mirza Bashir-ud-Din Mahmud Ahmad Khalifatul-Masih II[ra] (1889-1965) on the subject of Khilafat.

First Published in UK in 2023

Published by:
Islam International Publications Ltd
Unit 3, Bourne Mill Business Park,
Guildford Road, Farnham, Surrey GU9 9PS, UK

Printed at:

For more information please visit
www.alislam.org

ISBN: 978-1-84880-228-5

(Khilafat Ala Minhajin Nubuwwat 3 Volume Set)

سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد المصلح الموعود
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ　　　　　نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِيْم

پیشگوئی مصلح موعود

اُس کے ساتھ فضل ہے جو اُس کے آنے کے ساتھ آئے گا۔ وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا، وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت وغیوری نے اُسے کلمہء تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا اور دل کا حلیم اور علومِ ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا (اس کے معنے سمجھ میں نہیں آئے) دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند۔ مَظْهَرُ الْاَوَّلِ وَالْاٰخِرِ، مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعَلَاءِ كَاَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ۔ جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا۔ وَ كَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا۔

(اشتہار 20 فروری 1886ء)

عرض ناشر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اپنی اُمّت میں خلافت علیٰ منہاج نبوّت کے قیام کا بڑی صراحت کے ساتھ یوں ذکر فرمایا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم میں نبوّت قائم رہے گی جب تک اللہ چاہے گا۔ پھر وہ اس کو اٹھا لے گا۔ پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہو گی۔ اور وہ اس وقت تک رہے گی جب تک اللہ چاہے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ جب چاہے گا اس (نعمت) کو بھی اٹھالے گا۔ پھر ایذا رساں بادشاہت (کاٹ کھانے والی حکومت) قائم ہو گی اور وہ اس وقت تک رہے گی جب تک اللہ چاہے گا۔ پھر جب وہ چاہے گا اسے (بھی) اٹھالے گا۔ پھر جابر بادشاہت (ظالم حکومت) قائم ہو گی۔ اور وہ اس وقت تک رہے گی جب تک اللہ چاہے گا۔ پھر جب وہ چاہے گا اسے (بھی) اٹھا لے گا۔ اس کے بعد پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہو گی۔ پھر (یہ فرمانے کے بعد) آپؐ خاموش ہو گئے"۔

(مسند احمد بن حنبلؒ۔ مسند الکوفیین۔ حدیث 18596)

اس حدیث نبوی میں اُمّت محمدیہ میں خلافت علیٰ منہاجِ نبوّت کے دو ادوار کا ذکر کیا گیا ہے۔ پہلا دَور خلافت علیٰ منہاجِ نبوت کا وہ دَور ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے معاً بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت سے شروع ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ تک قائم رہا۔ اس کے بعد جیسا کہ حدیث مذکورہ بالا میں بیان ہے ایذا رساں بادشاہت اور جابر حکومتوں کے ادوار آئے۔ اور پھر پیشگوئیوں کے مطابق اللہ تعالیٰ کا رحم جوش میں آیا اور اس نے زمانہ کی اصلاح و تکمیلِ اشاعتِ ہدایت کی غرض سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع و غلام حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کو ظلی طور پر امّتی نبوّت کے مقام پر فائز فرماتے ہوئے مسیح موعود اور مہدی معہود بنا کر بھیجا۔ اور آپ کی وفات (26 مئی 1908ء) کے بعد 27 مئی 1908ء سے حضرت الحاج حکیم مولانا نورالدین رضی اللہ عنہ کے منصب خلافت پر فائز ہونے کے ساتھ خلافت علیٰ منہاجِ نبوّت کے دوسرے مبشر دَور کا آغاز ہوا جو انشاء اللہ حسبِ بشارات نبوی دائمی ہے۔ کیونکہ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور دَور کے آنے کا ذکر نہیں فرمایا۔

گزشتہ سو سال سے زائد عرصہ سے جماعت احمدیہ مُسلمہ اس موعود خلافت علیٰ منہاج نبوّت کی آسمانی قیادت سے فیضیاب ہے اور اِس وقت ہم حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی خلافت کے پانچویں مظہر کے مبارک دَور سے گزر رہے ہیں۔

1914ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی وفات کے بعد حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ، المصلح الموعود خلافت کے منصب پر فائز ہوئے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے معاً بعد سے ہی خلافت کے قیام و استحکام کے سلسلہ میں آپ نے غیر معمولی خدمات انجام دیں۔ بالخصوص آپ نے اپنی وفات (1965ء) تک اپنی خلافت کے ساڑھے اکاون برس سے زائد عرصہ میں نظام خلافت کے استحکام کے سلسلہ میں بہت سے عملی اقدامات فرمائے۔ آپ نے اپنے خطبات، خطابات، کلمات طیّبات، نہایت مدلّل اور پُر اثر تحریرات کے ذریعہ خلافت کی عظمت و اہمیت، اس کی غرض و غایت اور اس کی عظیم الشان برکات کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا۔

صد سالہ خلافت جوبلی (2008ء) کے تاریخی موقع کی مناسبت سے ادارہ فضل عمر فاؤنڈیشن نے حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی جملہ تصانیف، خطبات جمعہ، خطابات، مجالس عرفان، مجالس شوریٰ، تفاسیر اور غیر مطبوعہ تحریرات سے خلافت کے موضوع پر بیان فرمودہ مواد کو اکٹھا کر کے تین جلدوں میں مرتب کرنے کی سعادت و توفیق پائی۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس کاوش کو بہت پسند فرمایا اور اس کتاب کے لیے 'خلافت علیٰ منہاج النبوۃ' کا نام منظور فرمایا۔ حضور انور ایدّہ اللہ کے ارشاد پر تین جلدوں پر مشتمل یہ کتاب یُوکے سے شائع کی جا رہی ہے۔

اس کتاب کے لئے مواد کی تلاش و تحقیق اور اس کی کمپوزنگ ، ترتیب، پروف ریڈنگ وغیرہ متفرق امور کی انجام دہی اور اسے موجودہ فائنل صورت تک پہنچانے کے لیے ادارہ فضل عمر فاؤنڈیشن کے تحت بہت سے احباب نے بہت محنت اور جانفشانی سے مختلف خدمات کو انجام دیا۔ ایسے تمام احباب شکریہ اور دعاؤں کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ادارہ فضل عمر فاؤنڈیشن اور اس کے جملہ رفقائے کار کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور اپنی جناب سے انہیں بہترین جزا سے نوازے۔ آمین۔

امید ہے کہ احباب جماعت خصوصیت کے ساتھ خلافت کے موضوع پر اس علمی و روحانی بیش قیمت جواہر سے معمور خزانے سے کما حقّہ فیضیاب ہوتے ہوئے خلافت حقّہ اسلامیہ احمدیہ سے اپنے تعلقِ اخلاص و وفا اور محبت و فدائیت و اطاعت میں مزید آگے قدم بڑھائیں گے اور برکات خلافت سے وافر حصہ پانے کے لیے اعمال صالحہ کی مزید توفیق پاتے چلے جائیں گے۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔

خاکسار

نصیر احمد قمر

ایڈیشنل وکیل الاشاعت (طباعت)۔ لندن

فہرست عناوین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ　　　نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

ملتان میں خطبہ جمعہ

۱۹۱۳ء کو ملتان کی جماعت نے ایک جلسہ منعقد کیا اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی خدمت میں اجازت کے لئے لکھا۔ ۲۹، ۳۰ نومبر ۱۹۱۳ء کو جلسہ منعقد ہوا۔ حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ اور رفقاء بھی تھے۔ ۲۹ نومبر کو آپ نے نماز جمعہ پڑھائی۔

''حضرت صاحبزادہ نے خطبہ میں خلافت کی برکات اور رحمت کا بیان کیا۔ اور اس کی مخالفت کا خلافِ قرآن و حدیث و تعامل صحابہ ہونا ثابت کیا۔ اور جماعت کو تاکید فرمائی کہ اختلافات میں نہ پڑیں۔ کوئی امر شراُن کے علم میں آوے تو اپنی مجلسوں میں اس پر مباحثات نہ کریں بلکہ ایسے معاملات حضرت خلیفۃ المسیح تک پہنچا دیویں اور پھر وہاں سے جو حکم آوے اُس پر عمل درآمد کریں اور جو لوگ خلافت کے خلاف کوئی بکواس کریں اُن کی مجلسوں میں بیٹھنا اور ان سے تعلق رکھنا غیرت کے خلاف سمجھیں''۔

(اخبار البدر دسمبر ۱۹۱۳ء)

خلافت سے وابستہ ہونے میں بڑی برکات ہیں

(فرمودہ ۱۳؍اگست ۱۹۱۵ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی:۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝۲ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝۳ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝۴ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ۝۵ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝۶ [1]

پھر فرمایا:۔

''آج اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمیں دو عیدیں نصیب ہوئی ہیں۔ایک عید الفطر اور دوسری جمعہ کی عید۔ دونوں نمازوں کے ساتھ خطبے بھی ہیں۔عید کے بعد خطبہ ہے اور جمعہ سے پہلے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طرزِ عمل تھا۔میری عادت ہے کہ میں تقریر کرنے آتا ہوں تو کوئی مضمون سوچ کر نہیں آتا بلکہ اس وقت جو خدا تعالیٰ دل میں ڈال دیتا ہے وہی سنا دیتا ہوں۔ابھی ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ کچھ غیر مبائعین عید و جمعہ کے لئے آئے ہوئے ہیں اس لئے میں ان کے متعلق کچھ کہہ دوں۔

میں تو صرف بڑے آدمیوں ہی کو نہیں بلکہ ایک ضعیف' غریب اور نا کارہ سے نا کارہ انسان کو بھی جو نہایت ہی بدترین مخلوق سمجھا جاتا ہو سمجھانے کے لئے تیار ہوں بلکہ وہ غریب ایک منکر بادشاہ سے بہتر ہے کیونکہ وہ خدا کی باتوں پر زیادہ غور و فکر کرتا ہے۔ بہرحال میں اللہ تعالیٰ کے لئے سناتا ہوں اگر غیر مبائعین فائدہ نہ اُٹھائیں تو ممکن ہے کوئی اور ہی فائدہ اُٹھائے اور ہدایت پائے۔حقیقت میں ہدایت دینا تو خدا ہی کا کام ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی خدا تعالیٰ فرماتا ہے لَسْتَ عَلَیْهِمْ بِمُصَیْطِرٍ [2]

کہ تو اُن پر داروغہ نہیں تیرا کام تو سنا دینا ہے منوانا نہ منوانا خدا کا کام ہے۔اس طرح خلافت کے متعلق مجھے تعجب آتا ہے کہ خلافت کے لئے کس بات کا جھگڑا ہے۔کیا یہ کوئی سیاست کا نزاع ہے، کوئی ایسی چیز میری تو سمجھ میں نہیں آتی۔ جھگڑے یا تو عقائد پر ہوتے ہیں یا شریعت پر کہ خدا کا فلاں حکم یوں ہے اور یوں کرنا چاہیے۔پھر جھگڑے مُلکوں پر ہوتے ہیں، مال و دولت پر ہوتے، مکانات پر اور مختلف اشیاء پر جھگڑے ہوتے ہیں۔ دیکھو جیسے فرانس، جرمنی، بیلجیئم، آسٹریا، یہ سب ملکوں کے لئے لڑتے جھگڑتے ہیں لیکن خلافت کسی ملک کا نام نہیں ۔خلافت کوئی مال کی تھیلی نہیں، خلافت کوئی کھانے پینے کی چیز نہیں۔خلافت کی دو ہی اغراض ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ جماعت پراگندہ نہ ہو، جماعت کو تفرقہ سے بچایا جائے اور ان کو ایک مرکز پر جمع کیا جائے۔ یہی تفرقہ کو مٹانے، پراگندگی کو دور کرنے کے لئے ایک خلیفہ کی ضرورت ہوتی ہے نیز اس سے یہ غرض ہوتی ہے کہ جماعت کی طاقت متفرق طور پر رائیگاں نہ جائے بلکہ ان کو ایک مرکز پر جمع کر کے ان کی قوت کو ایک جگہ جمع کیا جائے۔

اب ایک فریق کہتا ہے کہ آیت استخلاف کے ماتحت خلافت ضروری ہے اور ایک کہتا ہے کہ خلافت ضروری نہیں۔ فیصلہ کے لئے ایک آسان راہ یہ ہوسکتی ہے کہ ہر شخص یہی سوچ لے کہ جو کام میں کرتا ہوں جماعت کے لئے کس قدر مفید ہے اور کس قدر مضر۔اگر اس کام کے کرنے سے جماعت کو فائدہ پہنچتا ہے تو کرے ورنہ اسے چھوڑ دے۔

اب دیکھو کہ جماعت کا کثیر حصہ خلافت کے وجود کو جماعت کے لئے رفع تفرقہ کے لئے ضروری سمجھتا ہے اور دوسرا فریق اسے غیر ضروری خیال کرتا ہے۔بحثوں کا فیصلہ تو کبھی ہو نہیں سکتا۔دیکھو خدا کی ہستی ہے اس میں اختلاف ہے پھر اس کی صفات میں اختلاف ہے۔ ملائکہ کا وجود ہے اختلاف اس میں بھی موجود ہے۔اختلاف تو رہے گا۔اب دونوں فریق میں سے کس کا فرض ہے کہ اپنی ضد اور ہٹ کو چھوڑ دے۔اگر فریق مخالف یہ کہے کہ خلافت ثابت نہیں تو ہم یہ کہتے ہیں کہ اس کے خلاف بھی تو ثابت نہیں۔خلافت کو ماننے والے اگر خلافت کو چھوڑ دیں تو خدا کے نزدیک مجرم ہیں کیونکہ وہ آیت استخلاف کے ماتحت خلافت کو مانتے ہیں مگر خلافت کا ہونا نہ ہونا یکساں سمجھنے والے اگر اتفاق کے لئے خلافت کو مان لیں تو

جماعت سے وہ تفرقہ مٹ سکتا ہے جس کی وجہ سے اتنا فتور پڑ رہا ہے۔ حضرت مولوی صاحب کی وفات کے روز مولوی محمد علی صاحب نے مجھ سے کہا کہ میاں صاحب! آپ ایثار کریں۔ میں نے کہا کہ کیا خلافت کا ہونا گناہ ہے؟ تو وہ کہنے لگے نہیں جائز ہے۔ میں نے کہا کہ میرے نزدیک ضروری اور واجب ہے۔ اب جب وہ دونوں گروہ ایک بات پر قائم ہیں ایک کے نزدیک فعل اور عدمِ فعل برابر ہے اور دوسرے کے نزدیک واجب، تو اس فریق کو جو جواز کا قائل ہے چاہیے کہ وہ اپنی ضد کو چھوڑ دے۔ خدا تعالیٰ ضرور اس سے پوچھے گا کہ جب ایک فعل کا کرنا اور نہ کرنا تمہارے نزدیک برابر تھا تو تم نے کیوں اپنی ضد کو نہ چھوڑا۔ پس اس فریق کو خدا کے حضور جواب دینا پڑے گا۔

پھر میں بتاتا ہوں کہ اسلام نے جتنی اس زمانہ میں ترقی کی ہے جب کہ اس کے ماننے والے ایک خلیفہ کے ماتحت تھے اتنی پھر کسی زمانے میں نہیں کی۔ حضرت عثمانؓ و علیؓ کے زمانے کے بعد کوئی بتا سکتا ہے کہ پھر بنی عباس کے زمانہ میں بھی ترقی ہوئی۔ جس وقت خلافتیں پراگندہ ہوگئیں اُسی وقت سے ترقی رُک گئی جو لوگ خلیفہ کے متعلق مامور غیر مامور کی بحث شروع کر دیتے ہیں اپنے گھر ہی میں غور کریں کہ کیا ایک شخص کے بغیر گھر کا انتظام قائم رہ سکتا ہے؟

یورپ کے کسی مصنّف نے ایک ناول لکھا ہے جس میں اس نے ان لوگوں کا خوب خاکہ اُڑایا ہے اس کا مَاحصل یہ ہے کہ دو لڑکیوں نے اپنے باپ کے اس اصول کو حجت قرار دے کر کہ مرد و عورتوں کے حقوق و فرائض یکساں ہیں اور گھر کا ایک واجب الاطاعت سربراہ ہونے کی ضرورت نہیں اپنے اپنے دل پسند مشاغل میں مصروف رہ کر اور انتظام خانہ داری میں اپنی خودسری سے ابتری ڈال کر باپ کو ایسا تنگ کیا کہ اُسی کو معافی مانگنی پڑی۔ الغرض ایک مرکز اور ایک امام کے بغیر کبھی کام نہیں ہو سکتا۔ جنگ میں بھی ایک آفیسر کے ماتحت فرمانبرداری کرنی پڑتی ہے اور اگر کوئی ذرا نافرمانی کرے تو فوراً گولی سے اُڑا دیا جاتا ہے۔ بعض وقت آفیسر غلطی سے حکم دے دیتے ہیں تو بھی فوجی کو ماننا پڑتا ہے۔

اسلامی شریعت نے مسلمانوں کو بتایا کہ اگر امام بھول جائے اور بجائے دو رکعت کے

چار پڑھ لے تو تم بھی اس کے ساتھ چار ہی رکعت ادا کرو۔ اگر وہ چار کی بجائے پانچ پڑھ لے تو تم بھی اس کی اتباع کرو حالانکہ وہ کوئی نیا حکم نہیں لاتا۔ پھر امام کا اتنا ادب ملحوظ رکھا کہ اس کو غلطی پر ٹوکنے کی بجائے سُبْحَانَ اللّٰہ کا کلمہ سکھایا جس کے معنے یہ کہ سہو وخطا سے پاک تو اللہ تعالیٰ کی ہی ذات ہوسکتی ہے۔ پھر یہ بات کہ غیر مامور خلیفہ غلطی کرسکتا ہے لہٰذا اس کی یا اس کا حکم ماننے کی ضرورت ہی نہیں کیسا خطرناک خیال ہے۔ درحقیقت غلطی کرنے سے پاک کوئی انسان نہیں ہوسکتا۔ دیکھو! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی کہتے ہیں کہ تم میں سے دو آدمی میرے پاس ایک فیصلہ لاتے ہیں لیکن ایک انسان زبان کی چالاکی سے اپنے حق میں فیصلہ کرا لیتا ہے حالانکہ وہ حقدار نہیں ہوتا۔ پس اس طرح پرایا حق لینے والا آگ کا ٹکڑا لیتا ہے۔[۳] جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں بھی غلطی کرسکتا ہوں تو دوسرا کون ہے جو یہ کہے کہ میں غلطی سے پاک ہوں۔ اگر ایک شخص علیحدہ نماز پڑھے اور یہ کہے کہ میں امام کے پیچھے اس لئے نماز نہیں پڑھتا کہ وہ غلطی کرتا ہے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ اکیلا نماز پڑھے تو کیا وہ غلطی نہیں کرسکتا؟ جس طرح امام بتقاضائے بشریت غلطی کرسکتا ہے اسی طرح پر وہ شخص بھی جو اکیلا نماز پڑھتا ہے غلطی سے نہیں بچ سکتا۔

پس جماعت جماعت ہے اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے والا اور اکیلا نماز پڑھنے والا دونوں کبھی برابر نہیں ہوسکتے۔ جو خلیفہ کی مخالفت کرتے ہیں ان کو واضح رہے کہ حضرت عثمانؓ کے وقت میں جب لوگ مخالفت کے لئے اُٹھے تو آپ نے فرمایا تم خوب یاد رکھو تم یہ فتنہ مت پھیلاؤ اس فتنہ سے تم میں کبھی صلح نہیں ہوگی، تم میں کبھی اتفاق نہیں ہوگا۔ چنانچہ آج تک مسلمانوں میں صلح نہیں ہوئی۔ عبداللہ بن سلام کا یہ قول سن کر کہ آخری وقت میں فتنہ ہوگا ابن عباس نے کہا کہ تم جماعت کو اختیار کرنا۔ لوگوں نے کہا اگرچہ قاتل ہی ہو۔ انہوں نے کہا ہاں اگرچہ قاتل ہی ہو؟ (ایسے ہی تین بار کہا) لوگ موازنہ کرکے دیکھ لیں کہ کس طرف زیادہ فوائد ہیں۔ تم کہتے ہو بیعت ضروری نہیں لیکن ہم کہتے ہیں اتفاق تو ضروری ہے پس کیوں اس طریق کو اختیار کرتے ہو جو اتفاق سے دور کرنے والا ہے۔ میں کل ہی ذکر کر رہا تھا لَوْکَانَ الْاِیْمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَ یَّالَنَا لَہٗ رِجَالٌ مِّنْ اَبْنَاءِ فَارِسَ[۴]۔ اس میں رِجَال کا

لفظ آیا ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک پیشگوئی ہے کہ اگر ایمان **معلق بِالثُّرَیَّا** ہوگا تو ابناءِ فارس میں سے **بعض رِجَال** ایمان کو لائیں گے۔تو اَب ضروری ہے کہ ابناءِ فارس یعنی حضرت کے خاندان سے ہوں اور اگر کسی دوسرے خاندان سے ہوں تو وہ ابناءِ فارس سے نہیں کہلا سکتے۔اور پھر یہ پیشگوئی غلط ہو جاتی ہے۔**رَجُلٌ مِنْ فَارِسَ** نے بتایا اصل بانی سلسلہ ایک ہی ہے مگر **رِجَال** نے بتا دیا کہ اس کے مُمِدّ و معاون اور بھی ابناءِ فارس سے ہوں گے۔ غرض میرا کام فساد کو بڑھانا نہیں۔کسی انسان کے بنانے سے کچھ نہیں بن سکتا۔چونکہ اِس وقت دنیا میں شرک حد سے بڑھ چکا ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے ایک کمزور انسان کو کھڑا کر کے بتا دیا کہ کسی کام کا کرنا میرے ہاتھ میں ہے۔

جب خدا نے مجھے پکڑ کر کھڑا کر دیا تو میرا اس میں کیا دخل ہے۔میرے مخالفوں کو علم میں، تجربہ میں، جذبات میں مجھ سے بڑے ہونے کا دعویٰ ہے مگر خدا نے سب سے کمزور سے کام لیا۔میں تو اپنی حیثیت کو کچھ نہیں سمجھتا۔خدا یہ بتانا چاہتا ہے کہ میں کمزور سے کمزور کو بڑی طاقت دے سکتا ہوں۔

خلافت سے پہلے میں نے رؤیا میں دیکھا کہ میرا ایک ہم جماعت ہے وہ مجھ سے کہتا ہے کہ میں تمہارے لیکچر کے خلاف لیکچر دوں گا تو میں نے اس سے کہا کہ اگر تم میرے خلاف لیکچر دوگے اور مجھ پر سچا الزام بھی لگاؤ گے تو تم ہلاک ہو جاؤ گے۔پس یاد رکھو خدا کے کاموں کو کوئی روک نہیں سکتا۔خدا تمہیں ان باتوں کی سمجھ دے۔آمین۔

(خطبات محمود جلد۴ صفحہ ۴۲۰ تا ۴۲۴)

ا **الفلق: ۲ تا آخر** ۲ **الغاشية: ۲۳**

۳ **بخاری کتاب الاحکام باب موعظة الامام للخصوم** صفحہ ۱۲۳۴ حدیث نمبر ۷۱۶۹ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء **الطبعة الثانية**

۴ **المعجم الكبير للحافظ ابی القاسم سلمان بن احمدالطبرانی** جلد ۱۸ صفحہ ۳۵۵ مکتبہ ابن تیمیہ قاہرہ ۱۳۹۷ھ

خلفاء کی سچے دل سے اطاعت کرو

(فرمودہ ۲۹ جون ۱۹۱۷ء)

تشہّد وتعوّذ کے بعد مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۰۵ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۱۰۶

فرمایا:۔

''بہت سے لوگ اس قسم کے ہوتے ہیں کہ وہ اپنے کلام اور اپنی تحریر پر قابو نہیں رکھتے۔ حضرت صاحب نے لکھا ہے کہ صوفیاء کا قول ہے۔''اَلطَّرِيْقَةُ كُلُّهَا اَدَبٌ '' تو جب تک انسان اپنے قول اور تحریر پر قابو نہیں رکھتا اور نہیں جانتا کہ اس کی زبان اور قلم سے کیا نکل رہا ہے وہ انسان کہلانے کا مستحق نہیں وہ تو حیوان سے بھی بدتر ہے کیونکہ جانور بھی خطرہ کی جگہوں سے بچتا ہے۔لیکن انسان مآل اندیشی سے ہرگز کام نہیں لیتا۔ جانور کو کسی خطرہ کی جگہ مثلاً غار کی طرف کھینچیں تو وہ ہرگز ادھر نہیں جائیگا۔مولوی رومی صاحب نے اپنی مثنوی میں ایک مثال لکھی ہے۔کہ ایک چوہا ایک اونٹ کو جس طرف وہ اونٹ جا رہا تھا ادھر ہی اس کی نکیل پکڑ کر لے چلا لیکن جب راستہ میں ندی آئی تو اونٹ نے اپنا رُخ پھیر لیا اور چوہا ادھر گھسٹتا ہوا چلنے لگا جدھر اونٹ جا رہا تھا تو ایک چوہا بھی ایک اونٹ کو جہاں خطرہ نہ ہو لے جا سکتا ہے مگر جہاں خطرہ ہو وہاں چوہا تو کیا ایک طاقتور آدمی بھی اونٹ کو نہیں لے جا سکتا۔

یا شکرے اور باز جس وقت آتے ہیں تو جانور درختوں میں اس طرح دَبک کر بیٹھتے ہیں گویا وہاں کوئی جانور رہے ہی نہیں مگر انسانوں میں ایک ایسی جماعت ہے جو بات کہتی ہے اور نہیں سمجھتی کہ اس کا کیا مطلب ہے حالانکہ اکثر اوقات ذراسی غلطی خطرناک نتائج پیدا کر دیا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے مؤمنو! دو معنی والے لفظ رسول کے مقابلہ میں استعمال نہ کرو۔ ورنہ تمہارا ایمان ضائع ہو جائے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ مومن تھے اس لئے فرمایا کہ تمہارا ایمان ضائع ہو جائے گا۔ فرمایا کہ تم اگرچہ اس وقت مومن ہو لیکن اگر تم نے اپنی زبانوں پر قابو نہ رکھا تو یاد رکھو کہ ہم تمہیں کافر بنا کے دُکھ کے عذاب میں مبتلا کر کے ماریں گے مومن سے شروع کیا لیکن اس غلطی کے باعث کفر پر انجام ہوا۔ پس انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے قول کا نگران ہو۔ ورنہ ایمان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔

میں دیکھتا ہوں کہ بعض لوگ زبان سے تو اقرار کرتے ہیں اور تحریر و تقریر میں خلیفۃ المسیح خلیفۃ المسیح کہتے ہیں مگر جو حق اطاعت ہے اس سے بہت دور ہیں زبانی خلیفۃ المسیح کہنا یا لکھنا کیا کچھ حقیقت رکھتا ہے؟ شیعوں نے لفظ خلیفہ کے استخفاف اور ہنسی کے لئے نائیوں اور درزیوں تک کو خلیفہ کہنا شروع کر دیا۔ لیکن کیا خلفاء ان لوگوں کی ہنسی سے ذلیل ہو گئے ہرگز نہیں۔ لوگوں نے اس لفظ خلیفہ کو معمولی سمجھا ہے۔ مگر خدا کے نزدیک معمولی نہیں۔ خدا نے ان کو بزرگی دی ہے اور کہا ہے کہ میں خلیفہ بناتا ہوں اور پھر فرمایا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ [۲] ان خلفاء کے انکار کا نام فسق ہے جو ان کا انکار کرے گا وہ میری اطاعت سے باہر ہو گیا۔

پس لفظ خلیفہ کچھ نہیں لوگ نائی کو بھی خلیفہ کہتے ہیں۔ مگر وہ خلفاء جو خدا کے مامورین کے جانشین ہوتے ہیں ان کا انکار اور ان پر ہنسی کوئی معمولی بات نہیں وہ مومن کو بھی فاسق بنا دیتی ہے۔ پس یہ مت سمجھو کہ تمہارا اپنی زبانوں اور تحریروں کو قابو میں نہ رکھنا اچھے نتائج پیدا کرے گا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ایسے لوگوں کو اپنی جماعت سے علیحدہ کر دوں گا۔ فاسق کے معنی ہیں کہ خدا سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کو خوب یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو انتظام ہو جو شخص اس کی قدر نہیں کرے گا اور اس انتظام پر خواہ مخواہ اعتراضات کرے گا خواہ وہ

مومن بھی ہو۔ اور جو اس کے متعلق بولتے وقت اپنے الفاظ کو نہیں دیکھے گا تو یاد رکھو کہ وہ کافر ہو کر مرے گا۔

اس آیت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا مگر جس کیلئے ادب کا حکم ہوتا ہے وہ بھی اس آیت میں داخل ہوتا ہے۔ خدا نے حضرت ابوبکرؓ کو اُس مقام پر کھڑا کیا تھا جو ادب کی جگہ تھی۔ جس وقت اختلاف شروع ہوا آپ نے کہا کہ میں اُس وقت تک تم لوگوں سے لڑوں گا خواہ تمام جہان میرے برخلاف ہو جائے جب تک یہ لوگ اگر ایک رسّی بھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے نہیں دیں گے۔[۳]

پس یہ مت سمجھو کہ حفظِ مراتب نہ کرنا کوئی معمولی بات ہے اور کسی خاص شخص سے تعلق رکھتا ہے۔ بلکہ خواہ دینی ہو یا دنیاوی خلافت جب ان کے لئے ادب کا حکم ہے سب کے لئے ضروری ہے کہ اس کا ادب کیا جائے۔ کوئی شخص اگر بادشاہ کا ادب نہیں کرے گا تو جانتے ہو وہ سزا سے بچ جائے گا؟

میں نے کئی دفعہ سنا یا ہے کہ انشاء اللہ خان بڑا شاعر تھا اور ہمیشہ اس امر کی کوشش کیا کرتا تھا کہ بادشاہ کی تعریف میں دوسروں سے بڑھ کر بات کہے۔ دربار میں بادشاہ کی تعریف ہونے لگی کسی نے کہا ہمارے بادشاہ کیسے نجیب ہیں۔ انشاء اللہ خان نے فوراً کہا نجیب کیا حضور تو انجب ہیں۔ اب انجب کے معنی زیادہ شریف کے ہیں اور ساتھ ہی لونڈی زادہ کے بھی۔ اتفاق یہ ہوا کہ بادشاہ تھا بھی لونڈی زادہ۔ تمام دربار میں سناٹا چھا گیا اور سب کی توجہ لونڈی زادہ کی طرف ہی پھر گئی۔ بادشاہ کے دل میں بھی یہ بات بیٹھ گئی اور انشاء اللہ خان کو قید کر دیا جہاں وہ پاگل ہو کر مر گیا۔

پس زبان سے محض خلیفۃ المسیح خلیفۃ المسیح کہنا کچھ نہیں۔ مجھے آج ہی ایک خط آیا ہے جس میں اس خط کا لکھنے والا لکھتا ہے کہ آپ نے جو فیصلہ کیا ہے، وہ غریب سمجھ کر ہمارے خلاف کیا ہے۔ اب اگر فی الواقع ایسی ہی بات ہو کہ کوئی شخص فیصلوں میں درجوں کا خیال رکھے تو وہ تو اوّل درجہ کا شیطان اور خبیث ہے چہ جائیکہ کہ اس کو خلیفہ کہا جائے۔ دیکھو میں نے ان

لوگوں کی بھی کچھ پرواہ نہیں کی جو میرے خیال میں سلسلہ کے دشمن تھے۔ پس میں کسی انسان کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتا خواہ سب کے سب مجھ سے علیحدہ ہو جائیں کیونکہ مجھ کو کسی انسان نے خلیفہ نہیں بنایا بلکہ خدا نے ہی خلیفہ بنایا ہے۔ اگر کوئی انسان کی ہی حفاظت میں آئے تو انسان اس کی کچھ حفاظت نہیں کرسکتا۔ خدا ایسے شخص کو ایسے امراض میں مبتلا کرسکتا ہے جن میں پڑکر بُری طرح جان دے۔

میں اِس خلافت کو جو کسی انسان کی طرف سے ہو لعنت سمجھتا ہوں۔ نہ مجھے اس کی پرواہ ہے کہ مجھے کوئی خلیفۃ المسیح کہے۔ میں تو اُس خلافت کا قائل ہوں جو خدا کی طرف سے ملے بندوں کی دی ہوئی خلافت میرے نزدیک ایک ذرّہ کے بھی برابر قدر نہیں رکھتی۔ مجھے کہا گیا ہے کہ میں انصاف نہیں کرتا غریبوں کی خبر گیری نہیں کرتا۔ پس اگر میں عادل نہیں ہوں تو میرے ساتھ کیوں تعلق رکھتا ہے۔ جو عدل نہیں کرتا وہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا ایسے لوگوں کا مجھے کوئی نقصان نہیں مجھے تو اس سے بھی زیادہ لکھا گیا ہے۔ قاتل مجھ کو کہا گیا۔ سلسلہ کو مٹانے والا غاصب اور اسی قسم کے اور بُرے الفاظ سے مجھ کو مخاطب کیا گیا ہے۔ پس اس کے مقابلہ میں تو یہ کچھ بھی نہیں۔

ہر ایک وہ شخص جو مقدمہ کرتا ہے وہ اپنے تئیں ہی حق پر سمجھتا ہے لیکن عدالت جو فیصلہ کرتی ہے وہ اس کو قبول کرنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ [۴]

جب تک یہ لوگ کامل طور پر تیرے فیصلوں کو نہ مان لیں یہ مومن ہو ہی نہیں سکتے۔ جب لوگوں کو عدالتوں کے فیصلوں کو ماننا پڑتا ہے تو خدا کی طرف سے مقرر شدہ خلفاء کے فیصلوں کا انکار کیوں۔ اگر دنیاوی عدالتیں سزا دے سکتی ہیں تو کیا خدا نہیں دے سکتا۔ خدا کی طرف سے فیصلہ کرنے والے کے ہاتھ میں تلوار ہے مگر وہ نظر نہیں آتی اس کی کاٹ ایسی ہے کہ دور تک صفایا کر دیتی ہے۔ دنیاوی حکومتوں کا تعلق صرف یہاں تک ہے مگر خدا وہ ہے جس کا آخرت میں بھی تعلق ہے۔ خدا کی سزا گو نظر نہ آوے مگر حقیقت میں بہت سخت ہے۔ اپنی تحریروں اور تقریروں کو قابو میں لاؤ اگر تم خدا کی قائم کی ہوئی خلافت پر اعتراض کرنے سے

باز نہیں آؤ گے تو خدا تمہیں بغیر سزا کے نہیں چھوڑے گا جہاں تمہاری نظر بھی نہیں جا سکتی وہاں خدا کا ہاتھ پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں فہم دے اپنے آپ کو اور اس شخص کے درجہ کو جو تمہارے لئے کھڑا کیا گیا ہے پہچانو۔ کسی شخص کی عزت اس شخص کے لحاظ سے نہیں ہوا کرتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اس لئے نہیں کہ آپؐ عرب کے باشندہ تھے اور عبداللہ کے بیٹے تھے بلکہ اس درجہ کے لحاظ سے ہے جو خدا نے آپ کو دیا تھا۔

اسی طرح میں ایک انسان ہوں اور کوئی چیز نہیں۔ مگر خدا نے جس مقام پر مجھ کو کھڑا کیا ہے اگر تم ایسی باتوں سے نہیں رکو گے تو خدا کی گرفت سے نہیں بچ سکتے۔ بعض باتیں معمولی ہوتی ہیں مگر خدا کے نزدیک بڑی ہوتی ہیں۔ خدا تم کو سمجھ دے۔ آمین۔

(خطبات محمود جلد نمبر ۵ صفحہ ۴۹۸ تا ۵۰۲)

---

۱ البقرة: ۱۰۵، ۱۰۶ ۲ النور: ۵۶

۳ تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ ۱۶۰ الناشر مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز ۲۰۰۴ء

۴ النسآء: ۶۶

خلافت ترکی اور مسلمانانِ ہند

(فرمودہ ۱۴ مارچ ۱۹۲۴ء)

تشہّد ،تعوّ ذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔
’’عام قدرتی قواعد کے ماتحت یہ بات بُری سمجھی جاتی ہے کہ کوئی شخص کسی موقع پر اپنے بھائی کو یہ کہے کہ تم نے میری فلاں بات نہ مانی تو یہ نقصان ہوا۔قرآن کریم نے ایک لڑائی کے موقع کا ذکر کر کے بعض لوگوں کے متعلق کہا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم نے جو مشورہ دیا تھا اس کے خلاف جن کی رائے تھی ان کی رائے پر عمل کیا گیا اس لئے نقصان ہوا[1]۔اس بات کو اللہ تعالیٰ نے ناپسند فرمایا ہے اور کہا کہ یہ منافقت ہے۔اگر تمہارے منشاء کے خلاف تھا اور اس سے نقصان بھی ہوا تو بھی نہیں کہنا چاہیئے تھا۔کیونکہ یہ ضروری نہیں تھا کہ تم نے جو مشورہ دیا تھا وہ ضرور مانا جاتا۔تو یہ ایک تمدنی غلطی ہے جو قوموں میں رائج ہے۔اور اس کی قرآن کریم نے تصدیق فرمائی ہے۔اور ایسا کہنے کو منافقت ٹھہرایا ہے۔لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے خلاف چلنے والوں کو بھی بات کہی ہے جو عام تمدنی حالات میں درست نہ تھی کہ تم نے اس کی رائے کے خلاف کیا اس لئے نقصان ہوا۔یہ کیوں کہا گیا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ بھائی بھائی کو یا دوست دوست کو یا چھوٹا بڑے کو یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ تم نے میری رائے کے خلاف کیا اس لئے نقصان اُٹھایا۔مگر جو بڑا ہے اور جس کو یہ حق ہے کہ دوسروں کی راہنمائی کرے اور جس کا کام سمجھانا ہو اور لوگوں کی نگرانی کرنا ہو وہ کہہ سکتا ہے۔
بچہ کو حق نہیں کہ ماں باپ کو کہے تم نے میری فلاں بات نہ مانی اس لئے نتیجہ اچھا نہ نکلا مگر

ماں باپ کو حق ہے کہ وہ ایسا کہیں ۔ ماں باپ کے ایسا کہنے پر کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ بچہ ایسی جگہ کھیلتا ہو جہاں اسے نہیں کھیلنا چاہئے اور جہاں سے ماں باپ نے اسے روکا ہو پھر اگر اسے تکلیف پہنچے تو ماں باپ کہتے ہیں ہم نے تمہیں پہلے نہیں کہا تھا کہ وہاں نہ کھیلو۔ یہ ایک اخلاق کی بات ہے اور درست ہے ماں باپ کو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ان کو یہ نہیں کہنا چاہئے۔ لیکن اگر برابر کا یا چھوٹا بڑے کو یہی بات کہے تو اس کو متکبر اور بے ادب کہا جائے گا۔ کیونکہ اس کو شرعاً، عرفاً، اخلاقاً، قانوناً حق نہیں کہ ایسا کہے جس کو حق حاصل ہوتا ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے تمہیں پہلے نہیں کہہ دیا تھا کہ تمہیں ایسا کرنے میں نقصان ہوگا۔

اس تمہید کے بعد میں ایک ایسے واقعہ کی طرف توجہ دلاتا ہوں جو واقعہ مسلمانوں کے لئے نہایت اہم ہے اور وہ خلافت کا سوال ہے۔ جب ترکوں کی انگریزوں سے لڑائی شروع ہوئی تو مسلمانوں نے انگریزوں کی مدد کی۔ مولویوں نے فتوے دیئے کہ انگریزوں کی مدد کرنا فرض ہے اس لئے کہ وہ ہمارے حلیف ہیں اور حلیف کی مدد کرنا ضروری ہے۔ اس قسم کے فتوے تنخواہوں کے خیال سے یا مربعوں کی امید پر یا عہدوں اور خطابوں کے لالچ میں یا حکام کی نظر میں پسندیدہ ہونے کے لیے دیئے گئے اور انگریزی فوج کے لیے رکروٹ (RECRUIT)[2] بھرتی کروائے گئے ۔ اُس وقت بھی مسلمان ترکوں کے سلطان کو خلیفۃ المسلمین کہتے تھے۔ مگر خلیفۃ المسلمین کی فوجوں کے مقابلہ میں بندوقیں کندھوں پر رکھ کر گئے اور ان ہی مقاماتِ مقدسہ کو جن کے لئے برسرِ جدال ہوئے خلیفۃ المسلمین سے گولیوں اور تلواروں کے زور سے چھین لیا۔ اُس وقت کسی نے اس کے خلاف آواز نہ اُٹھائی۔ کیا اُس وقت قرآن کریم کا حکم یاد نہ رہا تھا؟ اگرچہ وہ عقیدہ جو یہ لوگ اب ظاہر کرتے ہیں اسلامی نہیں ۔ مگر میں پوچھتا ہوں اس وقت اس عقیدے کے لحاظ سے ان کا کیا فرض تھا اور انہوں نے کیا کیا۔

ہم نے بھی انگریزوں کی مدد کی مگر ہم اپنے مذہبی عقیدے کی رو سے فرض سمجھتے تھے کہ ہم جس حکومت کے ماتحت رہیں اس کی مدد اور اس کی ہمدردی کریں۔ ہم انگریزوں کے ساتھ ہو کر ترکوں سے لڑنے کیلئے گئے۔ مگر خلیفۃ المسلمین سے لڑنے نہ گئے تھے۔ کیونکہ ہم

سلطانِ ترکی کو خلیفۃ المسلمین نہیں مانتے۔ ہم اس لئے لڑنے کے لئے گئے کہ ترک ہمارے بادشاہ کے مخالف تھے اور ہم اپنے بادشاہ کے مخالف سے لڑنے گئے تھے۔ پس ہمارا فعل جائز اور شریعت کے مطابق تھا۔

مگر جب جنگ کا نتیجہ نکلنے لگا اور صلح ہونے لگی تو وہ لوگ جو نہ صرف ترکوں سے لڑنے کو تیار تھے بلکہ لڑے تھے اور جنہوں نے اپنے خلیفہ کے قائم مقاموں کے سینوں پر گولیاں چلا کر اور ان سے ملک چھین کر انگریزوں کے قبضہ میں دیا تھا بگڑ گئے اور کہنے لگے یہ کیوں کرتے ہو اگر ایسا کرو گے تو یہ ہمارے مذہب میں دست اندازی ہوگی اور اس بات کے لئے انہوں نے انگریزوں کے ملک میں وہ طوفان بے تمیزی برپا کیا کہ اس کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔

اس بارے میں ہمیں بھی ترکوں سے ہمدردی تھی۔ اس لئے کہ ہمارے نزدیک ترکوں سے وہ سلوک نہیں کیا گیا تھا جو دوسرے مفتوحین سے کیا گیا۔ ہمارے نزدیک دوسرے مفتوحوں کے مقابلہ میں ترکوں سے زیادہ سختی کی گئی تھی اور وہ محض اس لئے تھی کہ ترک مسلمان تھے گو آسٹریا سے بھی سختی کی گئی تھی مگر وہ سختی جو ترکوں سے کی گئی تھی زیادہ تھی کیونکہ آسٹریا کے علاقے آزاد تھے اور آزاد ہونا چاہتے تھے مگر ترکوں کے ماتحت جو علاقے تھے ان سے نہیں پوچھا گیا تھا کہ تم ترکوں کے ماتحت رہنا چاہتے ہو یا نہیں؟ انہیں انگریزوں اور امریکنوں اور فرانسیسیوں نے جبراً ترکوں سے علیحدہ کر لیا۔ اگر ان علاقوں سے پوچھا جاتا تو ان میں کتنے ہی ترکوں کے ماتحت رہنے کو پسند کرتے۔ جن علاقوں نے اپنی رائے کا اظہار کیا اُن کی سنی نہ گئی۔ پھر آسٹریا کا جو کچھ باقی رکھا گیا وہ آزاد تھا۔ لیکن ترکوں کو جو آزادی دی گئی وہ برائے نام تھی اور چار پانچ طاقتوں کا ان پر تسلّط تھا۔ پس ترکوں کے متعلق اس فیصلہ سے مذہبی تعصب کی بو آتی تھی۔ ہم نے فاتحین کے اس فیصلہ کے متعلق اس طریق پر کام کیا اور توجہ دلائی جو رعایا کے لئے ضروری ہے اور جس طرح توجہ دلانا ہمارا حق تھا کہ ترکوں کے ساتھ وہ کیا جائے جو سیاسی طور پر ضروری ہے نہ یہ کہ انکے ساتھ فیصلہ میں مذہبی تعصب کو دخل دیا جائے۔ بعد میں اس کے مطابق فیصلہ ہوا اور یہ مان لیا گیا کہ پہلے صلح نامے میں سختی تھی اور ضروری تھا کہ اس میں تبدیلی کی جائے۔

لیکن باوجود اس کے وہ لوگ ہمیں بزدل اور خوشامدی کہنے لگے جو باوجود ترک سلطان کو اپنا خلیفہ سمجھنے کے اس کے خلاف لڑنے کے لئے گئے تھے۔ اگر ہم ترکوں کے سلطان کو اپنا خلیفہ مان کر اس سے لڑنے جاتے تو یہ ہماری بے غیرتی انگریزوں کی خوشامد اور انگریزوں کے مقابلہ میں بزدلی ہوتی۔ مگر جب یہ بات نہ تھی تو خوشامد اور بزدلی کیسی؟ ہم تو ترکوں کے ساتھ لڑنے کے لئے اس لئے نکلے کہ وہ ہمارے خلیفہ نہ تھے اور ان سے لڑنے میں ہمارے لئے کوئی مذہبی روک نہ تھی۔ مگر غصہ میں انسان سوچتا نہیں۔ اور وہ لوگ جن پر الزام آتا تھا غصہ میں آکر ہمیں الزام دینے لگے۔ اسی غصہ کی حالت میں ایک غلط راستہ اختیار کر لیا گیا۔ ابتدا میں ترکوں کے خلاف فیصلہ کے متعلق سوچنے کے لئے دو جلسے کئے گئے۔ اور ان دونوں جلسوں میں مجھے بلایا گیا۔ میں جانتا تھا کہ ذاتی طور پر ان جلسوں میں میرا شامل ہونا غیر ضروری ہے۔ کیونکہ جس امر کے متعلق پہلے سے فیصلہ کر لیا جائے اس میں لوگوں کو بلا کر مشورہ کرنے کے معنی بجز اس کے کچھ نہیں کہ لوگوں کو اپنے پیچھے گھسیٹتے پھریں۔ تاہم میں نے حجت قائم کرنے کے لئے ان جلسوں میں دو ٹریکٹ لکھ کر بھیج دیئے جن میں میں نے بتایا کہ جو رویہ تم اختیار کر رہے ہو اور جس پر اپنے مطالبات کی بنیاد رکھ رہے ہو یہ ترکوں کے لئے مفید نہیں ہو سکتا بلکہ خطرناک ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ ترکوں کے بادشاہ کو سب مسلمان خلیفہ مانتے ہیں اس لئے ہم ان کی امداد کے لئے کھڑے ہوئے ہیں یہ اصولاً اور واقعتہً غلط تھا۔ شیعہ ترک سلطان کو خلیفہ نہیں مانتے۔ سات سو سال سے ایرانی حکومت عرب حکومت کے خلاف نبرد آزما رہی ہے اور پانچ چھ سو سال سے کرد اور ترک عرب کو زیر کرنے کی کوشش میں مصروف رہے ہیں اگر ایرانی خلیفہ سمجھتے تو ایسا کیوں کرتے۔ علاوہ ازیں اگر خلافت کا حق مقدم سمجھا جائے تو ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ زیادہ مستحق ہیں کہ ان کو خلیفہ مانا جائے لیکن شیعہ جو ان کو خلیفہ نہیں مانتے وہ سلطان ترکی کو کس طرح خلیفہ مان سکتے ہیں۔

پھر ہم لوگ ہیں ہم کسی بھی صورت میں ترک سلطان کو خلیفہ نہیں مان سکتے۔ ہمارے نزدیک خلیفہ وہ ہو سکتا ہے جو اِس زمانہ کے مامور حضرت مسیح موعودؑ کا متبع ہو اور اس کے سوا کوئی خلیفہ نہیں ہو سکتا۔

اہلحدیث کا یہ مذہب ہے کہ خلیفہ قریش میں سے ہونا چاہیے۔ ان میں سے جن لوگوں نے شورو ہنگامہ میں خلافت ٹرکی کی تائید میں آواز اُٹھائی اور خلافت کو جائز سمجھا وہ ان کے مذہبی عقیدے کے مطابق رائے نہ تھی بلکہ بزدلی اور خودغرضی کے ماتحت رائے تھی۔ علاوہ اس کے سنیوں میں سے بھی اس خیال کے لوگ پائے جاتے ہیں جو ترک سلطان کو خلیفہ تسلیم نہیں کرتے۔ اس لئے میں نے کہا تھا کہ ترکوں کی ہمدردی کی تحریک کی بنیاد ایک ایسی بات پر رکھنا غلطی ہے جس پر سب مسلمان متفق نہیں ہوسکتے۔ بلکہ اس کی بجائے اس تحریک کو سیاسی طور پر چلایا جائے اور مخالف رائے کو موافق بنایا جائے اور ترکی حکومت کو بحیثیت ایک اسلامی سلطنت کے پیش کیا جائے۔ میری اس بات کو حقارت سے دیکھا گیا یا ظاہر کیا گیا کیونکہ بعض ذی اثر اصحاب نے اپنی پرائیویٹ ملاقاتوں میں میری تجویز کی تعریف کی اور کہا کہ ہونا تو ایسا ہی چاہئے مگر اب حالات ایسے ہیں کہ ہم عوام کی مخالفت نہیں کرسکتے۔

لیکن جو ہجرت کی تحریک کا نتیجہ ہوا اور بائیکاٹ کی تحریک کا ہوا وہی آخر کار خلافت کا نتیجہ ہوا۔ خلافت کی تحریک کے جوش کے زمانہ میں کہا جاتا تھا کہ نماز کا چھوڑنا زکوٰۃ نہ دینا کوئی بات نہیں مگر جو خلافت کا منکر ہے وہ کافر ہے۔ اور وہ شخص جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ خلافت کا مـنـجـی ہے اور خلافت کو قائم کرنے والا ہے وہ آج خلافت کے متعلق ایسا فعل کرتا ہے جو نہایت شرمناک ہے۔ وہ خلافت کو مٹا کر ہی دم نہیں لیتا بلکہ ایک ایسے ظالمانہ فعل کا مرتکب ہوتا ہے جو بہت ہی شرمناک اور ظالمانہ ہے۔

وہ نہ صرف خلیفہ کو معزول کرتا ہے بلکہ اس کے خاندان کے بیوی بچوں اور کل افراد کو ملک سے نکال دیتا ہے اور ملک کا داخلہ ان پر بند کر کے ان لوگوں کو ان کے آبائی وطن میں آنے سے محروم کر دیتا ہے۔ یہ وہ سزا ہے جو چوروں اور ڈاکوؤں کو بھی نہیں دی جاتی۔ چور قید کیا جاتا ہے مگر اس کی نسل کو قید نہیں کیا جاتا۔ اس کی بیوی اور اس کے بچوں کو جلاوطن نہیں کیا جاتا کیونکہ ان کا قصور نہیں ہوتا۔ مگر ترک خلیفہ کے ساتھ یہ سب کچھ کیا جاتا ہے۔ اگر خلیفہ ترکی خلافت کے اہل نہ تھا اگر وہ اپنے افعال کی بنا پر قابل سزا تھا تو یہ کون سا اخلاق کا قانون ہے کہ اس کے اہل کو بھی جلاوطن کر دیا جائے اور ان کی جائدادیں زیرِ نگرانی کر لی

جائیں۔ یہ وہ فعل ہے جو کسی ظالم ترین بادشاہ سے کیا جاتا ہے۔ پھر اس شرمناک طریق پر اس کو معزول کیا گیا ہے کہ جس سے افسوس ہوتا ہے۔ یہ نہیں کیا گیا کہ معمولی طور پر خط لکھ دیا ہو کہ آپ چلے جائیں آپ معزول کر دیئے گئے ہیں بلکہ جب وہ تخت پر بیٹھا ہوتا ہے تب اُس کو کہا جاتا ہے کہ ملک کی طرف سے حکم ہے کہ تخت سے اُتر آؤ یہ کیسی ذلت کا نظارہ ہوگا جو وہاں پیش آیا۔ ایک وقت تھا جب دنیا کو اس کی مدد کے لئے اُبھارا جاتا تھا۔ اس بات کا خیال کر کے اس وقت خلیفہ کے دل میں مسلمانوں کی بیس کروڑ تعداد کی وفاداری کا کیا احساس ہوگا جب اسے کہا گیا ہوگا کہ تم تخت سے اُتر آؤ اور دو گھنٹے کے اندر اندر ملک سے باہر نکل جاؤ۔ تم اور تمہاری اولاد بیوی اور خاندان کے دوسرے لوگوں کو اس ملک میں گھسنے کا حکم نہیں ہے۔ اگر کوئی سلطنت ہوتی تو مجھے امید ہے کہ وہ ایسا بزدلانہ سلوک نہ کرتی۔ مگر یہ کیوں ہوا؟ یہ اس لئے ہوا کہ ترکوں کا خیال ہوا کہ خلافت کا مسئلہ سخت پیچیدہ ہو گیا ہے اور یہ کہ اس سے جمہوریت کے خلاف طوفان اٹھایا جا سکتا ہے۔ میرے نزدیک ترکوں کی یہ کارروائی مسلمانوں کے اس جوش کا نتیجہ ہے جو انہوں نے خلافت ٹرکی کے متعلق دکھایا۔ ترکوں کو یہ خیال ہوا کہ اگر خلیفہ اور جمہوریت کا سوال اٹھا تو خلیفہ کے ساتھ لوگوں کی ہمدردی ہوگی اور ہماری حکومت ٹوٹ جائیگی۔ سیاسی طور پر ان کا یہ خیال درست تھا اور ان کو اس خطرہ سے بچنے کے لئے خلافت کا نام ونشان مٹانا ضروری تھا۔ مگر جو غیر شریفانہ سلوک خلیفہ کے ساتھ اُنہوں نے کیا ہے وہ نہایت ہی قابل افسوس اور قابل نفرت ہے۔ امید ہے کہ مسلمانوں کی سمجھ میں اب وہ باتیں آجائیں گی جن کو وہ پہلے نہیں سمجھتے تھے۔

میں افسوس سے کہتا ہوں اور اس لئے کہتا ہوں کہ جس مقام پر خدا نے مجھے کھڑا کیا ہے اس کے لحاظ سے مجھے کہنے کا حق ہے کہ دیکھو میں نے کہا تھا کہ تم سلطنت ٹرکی کے متعلق ایسا نہ کرو مگر تم نے وہی کیا۔ اب اس کی خوفناک غلطی تم پر ظاہر ہوگئی۔ میں یہ بات کہہ سکتا ہوں اور دوسرا نہیں کہہ سکتا اب بھی وہ راستہ کھلا ہے جو خدا نے کھولا تھا اس آواز کو سنیں جو خدا کے مامور نے بلند کی۔ اس آواز کے مقابلہ میں کوئی آواز نہیں ٹھہر سکتی۔

اب کوئی خلیفہ نہیں ہوسکتا جس کی گردن میں مسیح موعودؑ کی اتباع کا جوا نہ ہو۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات حضرت مسیح موعودؑ کو ملے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں جذب ہو کر ملے ہیں اور اب اُسی کو خلافت مل سکتی ہے جو مسیح موعودؑ میں ہو کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہو۔

جس وقت حسین کامی قادیان میں آیا تھا اُس وقت حضرت صاحب نے فرمایا تھا کہ میں کشفی نظر سے دیکھتا ہوں کہ سلطان کے دربار میں کچھ کچے دھاگے ہیں جو نازک وقت پر ٹوٹ جائیں گے[۳]۔ چنانچہ وہ ٹوٹ گئے اور سلطان کو بھی لے کر غرق ہو گئے۔ یہ کیسی عظیم الشان خبر تھی جو پوری ہوئی اور پندرہ سال کے عرصہ میں متعدد بار پوری ہو چکی ہے۔ پہلے سلطان عبدالحمید خان کے وقت میں پوری ہوئی پھر موجودہ خلیفہ سے پہلے کے وقت میں پوری ہوئی اور اب پھر پوری ہوئی جبکہ خلافت ٹوٹ گئی اور خدا کی بات پوری ہو گئی۔

ہمارے متعلق کہا جاتا ہے کہ ایک ایسے گاؤں میں رہنے والے جو سٹیشن سے بھی ۱۱ میل دور ہے سیاست کو کیا سمجھ سکتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں دیکھو سٹیشن سے ۱۱ میل پرے رہنے والے کی بات پوری ہوئی اس لئے کہ اس میں صداقت بھری ہوئی تھی۔ سیاستدان بے خبر رہے مگر وہ جسے سیاست سے بے خبر کہا جاتا تھا اس کی بات سچی نکلی۔ اگر اس کی بات مانی جاتی تو آج سیاست دان منہ کے بل نہ گرتے۔

اب بھی مسلمانوں کے لئے موقع ہے کہ سمجھ سے کام لیں اور ٹوٹنے والے تاگوں کی نظیر سے فائدہ اُٹھائیں جیسا کہ مولوی رومیؒ نے کہا ہے۔

ہر بلا کیں قومِ را حق دادہ اند
زیرِ آں گنج کرم بنہادہ اند

اِس وقت تمام جہان کی نگاہ ہندوستان پر پڑ رہی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آئندہ ترقی کا سامان ہندوستان کی طرف سے ہوگا۔ اس بات کو کوئی مانے یا نہ مانے ہندوستان کی طرف توجہ کا ہونا اِس بات کو ظاہر کر رہا ہے کہ ہندوستان کو خاص درجہ حاصل ہو رہا ہے۔ دیکھو وہ شخص جو کل تک خلیفہ تھا آج مظلوم ہے اور جس کو سلطان المعظم کہا جاتا تھا وہ کہتا ہے کہ ہم ہندوستان کی آواز کے منتظر ہیں۔ پھر مسٹر گاندھی نے مسٹر محمد علی کو خلافت کے ٹوٹنے پر

جو تار دیا ہے اس میں لکھا ہے کہ اسلام کا مستقبل مسلمانانِ ہند کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ ہندوستان کی طرف نگاہیں پڑ رہی ہیں۔ یہ دراصل خدا کی مخفی اُنگلی کام کر رہی ہے اور دنیا کو ہندوستان کی طرف متوجہ کر رہی ہے اس لئے نہیں کہ ہندوستان میں گاندھی اور محمد علی ہیں ان کی طرف دنیا کو لائے بلکہ اس لئے کہ غلام احمد ہندوستان میں پیدا ہوا ہے اور خدا چاہتا ہے کہ اس کی طرف دنیا کو لائے اور یہ ظاہر کرے کہ دنیا کی آئندہ نجات کس سے وابستہ ہے۔

یہ قدرت کی آواز امریکہ اور انگلستان کی طرف متوجہ نہیں کرتی جہاں ڈوئی اور پگٹ ہوئے۔ یہ ایران اور شام کی طرف متوجہ نہیں کرتی جہاں باب اور بہاء اللہ ہوئے۔ یہ افریقہ کی طرف نہیں لے جاتی کہ وہاں چارہ کار تلاش کیا جائے بلکہ ہندوستان کی طرف متوجہ کرتی ہے اس لئے کہ وہ راستباز ہندوستان میں آیا جس سے دنیا کی آئندہ ترقی وابستہ ہے۔

یہ جمعہ کا خطبہ ہے میں اس کو لمبا نہیں کرنا چاہتا مگر میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کا قانون ہے کہ جب وہ کسی طرف دنیا کی توجہ پھیرنی چاہتا ہے تو اس کے لئے غیر معمولی اور غیر متعلق سامان پیدا کر دیتا ہے۔ اب جہاں سیاسی امور کی وجہ سے ہندوستان پر نظر پڑ رہی ہے اسی طرح ہندوستان کو لوگوں کی نظروں میں لانے کے لئے اور سامان بھی کر دیئے گئے ہیں کیونکہ دنیا میں بیشمار لوگ ایسے ہیں جو مذہب پر براہ راست متوجہ ہونے کے لئے تیار نہیں ہوتے اس لئے خدا تعالیٰ نے ہندوستان میں ٹیگور کو پیدا کیا کہ لٹریچر سے مذاق رکھنے والے ہندوستان کی طرف متوجہ ہوں اور اس طرح ٹیگور مسیح موعود کی طرف لوگوں کو لانے کا ایک ذریعہ ہو گیا۔ پھر خدا کے نبی سائنس کے مسائل حل کرنے کے لئے نہیں آتے مگر اِس زمانہ میں چونکہ سائنس کی طرف دنیا متوجہ ہے اس لئے خدا نے ہندوستان میں بوس[۴] کو پیدا کیا۔ جس نے اپنے اکتشافات سے ہندوستان کو دنیا کی نظر میں ممتاز کر دیا اور یہ اس لئے ہوا کہ وہ لوگ جن کو سائنس سے لگاؤ ہے وہ اسی ذریعہ سے ہندوستان کی طرف متوجہ ہوں۔ اور اس طرح یہ ذرائع اختیار کر کے خدا تعالیٰ نے دنیا کو مسیح موعودؑ کے پاس لا کھڑا کیا ہے۔ اور یہ سامان اس لئے ہو رہے ہیں کہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ دنیا کی آئندہ مصلح قوم ہندوستان

میں ہی ہوگی اور دنیا کا ہادی ہندوستان میں آیا ہے اور وہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔
اب بھی مجھے امید ہے کہ ہمارے بھائی اگر غور کریں تو ٹھوکر سے بچ سکتے ہیں اور اس بات پر غور کر کے اسلام کو ہلاکت سے بچائیں کیونکہ حق کے قبول کرنے میں شرم نہیں ہوتی نہ بزدلی ہوتی ہے۔ بزدل وہ شخص ہوتا ہے جو حق کو پا کر قبول نہ کرے اگر وہ ۲۰۔۳۰ سال تک مخالفت کرتے رہے ہیں اور اب ان کی سمجھ میں حق آ گیا ہے تو اسے تسلیم کرنے میں کوئی عیب نہیں۔اب بھی سستی سے کام نہ لیں۔ میں اپنے بھائی مسلمانوں اور دیگر اہل وطن کو کہتا ہوں کہ وہ خدا کی آواز کو سنیں۔خدا نے جو ہاتھ بڑھایا ہے اس کو پکڑ لیں۔خدا کے پیغام کو معمولی نہ سمجھیں اور خدا کے ہو کر اور خدا میں ہو کر زندگی بسر کریں۔''

(خطبات محمود جلد ۸ صفحہ ۳۲۴ تا ۳۳۱)

---

۱ ال عمران: ۱۵۵

۲ **RECRUIT**: رنگروٹ۔ نیا سپاہی، نیا بھرتی کیا ہوا، نو آموز (فیروز اللغات اردو جامع صفحہ ۷۲۲ مطبوعہ فیروزسنز لاہور ۲۰۱۰ء)

۳ تذکرہ صفحہ ۲۵۰ ایڈیشن چہارم ۲۰۰۴ء میں ''مَیں کشفی طریق سے اس کے ارکان کی حالت اچھی نہیں دیکھتا اور میرے نزدیک ان حالتوں کے ساتھ انجام اچھا نہیں'' کے الفاظ ہیں۔

۴ بوس: سرجگدیش چندر (۱۸۵۸ء۔ ۱۹۳۷ء) پیدائش راری خان ضلع ڈھاکہ۔ متحدہ بنگال کے مشہور ماہر طبیعات نباتی زندگی پر وسیع تحقیق سے انہیں عالمگیر شہرت حاصل ہوئی۔ لندن یونیورسٹی سے بی ایس سی کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد کلکتے کے پریذیڈنسی کالج میں طبیعات کے پروفیسر مقرر ہوگئے بعد میں انہیں کئی ڈگریاں اور اعزاز ملے۔ انہوں نے ایک آلہ ''کریسکوگراف'' ایجاد کیا جس سے پودوں کے نشوونما کو ناپا جا سکتا تھا۔ نباتی زندگی کے متعلق ان کی بعض دریافتیں حیرت انگیز ثابت ہوئیں۔ کالج سے سبکدوش ہونے کے بعد انہوں نے نباتات کے بارے میں تحقیق کے

لیے ایک الگ ادارہ قائم کیا۔

(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ا صفحہ ۲۶۹، ۲۷۰ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء)

سفر یورپ کے متعلق انتظام

(فرمودہ ۱۱ جولائی ۱۹۲۴ء)

۱۹۲۴ء میں حضرت مصلح موعود یورپ تشریف لے گئے ۱۱ جولائی ۱۹۲۴ء کو قادیان میں سفر یورپ کے متعلق خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ:۔

''سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو آدمی ہوں تو ان میں ایک امیر ہونا چاہیے[1] مجھے ہندوستان میں جب کبھی سفر کا موقع پیش آیا ہے اس وقت اس بات کی ضرورت ہوتی تھی کہ قادیان کی جماعت کے لئے امیر مقرر کیا جائے۔لیکن یہ سفر چونکہ ہندوستان سے باہر کا ہے اس لئے اس وقت یہی ضرورت نہیں کہ قادیان کے لئے کوئی امیر مقرر کیا جائے بلکہ یہ ضرورت ہے کہ ایسا نائب مقرر کیا جائے جو سارے ہندوستان کی جماعتوں کے معاملات سے تعلق رکھتا ہو اور میں نے اس غرض کے لئے مولوی شیر علی صاحب کو تجویز کیا ہے۔ وہ ایسے معاملات کے متعلق جو فوری اور ضروری ہوں اور جن کے متعلق مجھ سے مشورہ بذریعہ خط یا بذریعہ تار نہ لیا جا سکتا ہو فیصلہ کریں گے اور چونکہ یہ کام نہایت اہم ہے اور چونکہ خلیفہ اور نائب میں فرق ہے۔ کیونکہ خلیفوں کے لئے تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ ان کی حفاظت کرتا ہے اور ایسے امور کی طرف ان کی راہنمائی کی جاتی ہے جن میں جماعت کی بہتری ہوتی ہے اور فرماتا ہے ان کا انتخاب خود خدا کرتا ہے گو بندوں کے ذریعہ ہی انتخاب ہوتا ہے مگر ان کی زبانوں پر خدا بول رہا ہوتا ہے۔لیکن نائبوں کے لئے یہ نہیں''۔

(خطبات محمود جلد ۸ صفحہ ۴۶۱)

''خلیفہ کا کام مرض کی تشخیص کرنا اور علاج تجویز کرنا ہے۔اس کے بعد دوسرے لوگ

جو خلیفہ سے کم حیثیت رکھتے ہیں وہ نسخے دیں گے۔ پس یہ سفر اس لئے نہیں کہ ہم جا کر اہل یورپ کو کلمہ پڑھا آئیں۔ گو یہ بھی نہیں کہ اگر کوئی پڑھنا چاہے تو بھی نہیں پڑھائیں گے۔ مگر اس سفر کی غرض یہ نہیں۔ اگر اس سفر میں بھی خدا تعالیٰ بعض روحوں کو ہدایت دے دے تو یہ اُس کا احسان اور فضل ہوگا مگر ہماری یہ غرض نہیں کہ چند لوگوں کو مسلمان بنا آئیں بلکہ یہ ہے کہ کون سا طریق ہے کہ جس سے ساری دنیا کو مسلمان بنائیں۔ اتنی بڑی غرض بغیر قربانیوں کے حاصل نہیں ہوسکتی۔''

(خطبات محمود جلد ۸ صفحہ ۴۷۰)

۱؎ ابو داؤد کتاب الجهاد باب فی الْقَوْمِ يُسَافِرُوْنَ صفحہ ۳۷۷ حدیث نمبر ۲۶۰۸ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الاولیٰ میں تین افراد کا ذکر ہے۔

وصیت کی اصل غرض اور ضرورت

(فرمودہ ۱۴ رمئی ۱۹۲۶ء)

حضور فرماتے ہیں:۔

''سب سے بڑا فتنہ ایک اور پیدا ہوا جو خیال میں بھی نہیں آ سکتا۔ اور وہ خلافت کے متعلق فتنہ تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خیال بھی نہ ہوگا جب آپ نے وصیت لکھی کہ ایسی جماعت بھی پیدا ہوگی جو اس کے ماتحت کہے گی کہ خلیفہ نہیں ہونا چاہئے مگر اس طرح بھی وصیت ٹھوکر کا باعث ہوئی اور ایسا فتنہ پیدا ہوا جس نے جماعت کو تہ و بالا کر دیا۔ اور ایک وقت تو ایسا آیا کہ سوائے معدودے چند لوگوں کے سب اس طرف ہوگئے کہ خلیفہ کو منتخب کرنا غلط تھا۔ مگر حضرت خلیفہ اوّل کی تقریر نے بتا دیا کہ یہ خیال غلط تھا اور خلیفہ کا انتخاب بالکل درست تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد جماعت پر روحانیت اور برکات کے نزول کا خاص وقت تھا اور یہ ممکن ہی نہیں کہ نبی کے فوت ہونے کے معاً بعد جماعت گمراہی اور ضلالت پر جمع ہو۔ کیا یہ ممکن ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے نبی کو اُٹھالیا اور جماعت سب سے زیادہ رحم کی مستحق ہوگئی اُس وقت خدا تعالیٰ جماعت کو گمراہ ہونے دے پس درحقیقت سچا فیصلہ وہی تھا جو جماعت نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد خلیفہ کے انتخاب کے متعلق کیا۔ لیکن پھر بھی کچھ ایسے لوگ تھے اور اب تو ان میں اور بھی اضافہ ہوگیا جن کا خیال ہے کہ خلیفہ نہیں ہونا چاہئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جماعت کے دو ٹکڑے ہوگئے اور ایک ٹکڑہ پراگندہ ہوکر جماعت سے باہر چلا گیا۔ پراگندہ میں اس لئے کہتا ہوں کہ اس میں کوئی اتحاد نہیں مگر ان میں ایسے لوگ شامل ہیں جو کسی وقت جماعت میں اہمیت رکھتے تھے۔'' (خطبات محمود جلد ۱۰ صفحہ ۱۷۴)

ایک دوسرے کے خلاف پروپیگنڈا نہ کرنے کی ہدایت

۲۱رفروری ۱۹۳۰ءکوخطبہ جمعہ ارشادفرمایا جس میں ایک دوسرے کے خلاف پروپیگنڈا نہ کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے فرمایا:۔

''صحابہ کو دیکھو۔ خلیفہ کے انتخاب کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سات آدمیوں کی ایک کمیٹی بنا دی تھی۔ لیکن انہوں نے بھی آپس میں پروپیگنڈا نہیں کیا۔ اِس وقت میں اس بحث میں نہیں پڑتا کہ انہوں نے آپس میں کس طرح رائے کو پختہ کرلیا۔ باوجودیکہ پروپیگنڈا بھی نہ کیا۔ مگر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس طرح پروپیگنڈا جائز نہیں۔ اس لئے اگر کسی خاص شخص کی تائید میں کوئی شخص پروپیگنڈا کر رہا ہو تو میں یہ کہوں گا کہ اس کی مخالفت کی جائے۔ لیکن یہ بات صرف جماعت کے لئے ہے۔ جب جماعت کسی فیصلہ پر پہنچ جائے تو پھر دوسروں میں اس کے متعلق پروپیگنڈا ضرور ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس کا اثر جماعت کی رائے پر نہیں بلکہ دوسروں کی رائے پر ہوگا لیکن اگر ثابت ہوجائے کہ جماعت میں کسی شخص کا دوست دشمن نہیں۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کوئی دشمن کسی کو نقصان پہنچانے کے لئے اس کے حق میں پروپیگنڈا کر کے میرے ان الفاظ سے بھی فائدہ اُٹھانا چاہے۔ اس لئے دشمن نہیں بلکہ اگر کسی دوست کی طرف سے پروپیگنڈا ہو رہا ہو تو اس کی مخالفت کی جائے۔ اس کے متعلق ایک ہدایت میں اور بھی دینا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ سال ٹاؤن کمیٹی کا کام ابھی نیا نیا ہے اور نئے کاموں کو جاری رکھنے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ کام کرنے والوں کو کافی وقت دیا جائے۔ اس لئے اگر کسی ممبر پر کوئی خاص اعتراض نہ ہو تو میں یہی مشورہ دوں گا کہ موجودہ ممبران کو برقرار رکھا جائے تا انہیں کام کرنے کے لئے چھ سال کا موقع مل سکے۔ چھ سال کے بعد اگر بہتر آدمی ملے تو ضرور اسے منتخب کرلیا جائے۔ لیکن اب کے چاہے بہتر آدمی ملے پھر بھی اگر کسی ممبر کی ذات

میں کوئی خاص نقص نہ ہو جس کا اثر جماعت کے فوائد پر پڑتا ہو تو اسے ہی رہنے دینا چاہیے۔ تا انہیں کام کرنے کا موقع اور مل سکے۔ ابھی کام ابتدائی حالت میں تھا اور کمیٹی نے ٹیکس بھی وصول کرنے تھے۔ اور یہ قدرتی بات ہے کہ ایسی حالت میں کام کرنے والوں سے منافرت سی پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن وہ جو کچھ کرتے رہے ہیں اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ جماعت کے فائدہ کے لئے کرتے رہے ہیں۔ کیونکہ جب تک کسی قوم کو تمدنی حقوق نہ ملیں اور اس میں انہیں استعمال کرنے کی عادت نہ ہو جائے خاطر خواہ ترقی نہیں ہوسکتی۔ ٹیکس وغیرہ کا لگانا اور وصول کرنا جن لوگوں کے ذمہ ہوتا ہے وہ ہمیشہ نکو بن جایا کرتے ہیں۔ اور ہمیشہ یہی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے سختی کی۔ حالانکہ وہ جو کچھ کرتے ہیں شہر کے فائدہ اور آئندہ ممبروں کی سہولت کے لئے کرتے ہیں۔

اس ڈیوٹی کے لحاظ سے ان کے خلاف بعض باتیں ایسی ہوسکتی ہیں جن کی بنا پر ان کی مخالفت کا خیال پیدا ہو۔ لیکن ان کا خیال نہیں کرنا چاہئے۔ اگر موجودہ ممبروں میں سے کسی کا وجود سلسلہ کے مفاد کے لحاظ سے نقصان رساں ہو تو اسے ضرور بدل دینا چاہئے۔ لیکن اگر ضرر کا سوال نہ ہو تو خواہ ان سے بہتر آدمی بھی مل سکیں تو بھی انکو ابھی نہیں ہٹانا چاہئے بلکہ کام کرنے کے لئے انہیں مزید موقع دینا چاہئے تا کہ وہ مفید عام کام کر کے دکھا سکیں۔''

(الفضل ۱۸ مارچ ۱۹۳۰ء)

حقیقی اطاعت

۲۹ مارچ ۱۹۳۱ء کو ایک نکاح کا اعلان کرتے ہوئے یہ مضمون بیان فرمایا کہ اگر میاں بیوی محض اللہ کی رضا کے لئے ایک دوسرے سے معاملہ کریں تو ان کے لئے رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور پھر ابراہیمؑ کی اطاعت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

''حقیقی اطاعت عبودیت تامہ کسی ایسی ذات کی نہیں ہوسکتی جو صحیح احکام نہ دے سکے۔ سو حقیقی اطاعت اسی کیلئے ہے جس کیلئے حقیقی حمد ہے اور وہ خدا تعالیٰ ہی ہے۔ پھر ظل کے طور پر جو اس کے مظہر ہوتے ہیں جیسے انبیاء اور خلفاء وغیرہ ان کی اطاعت کرنا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا [1] جو خدا اور رسول کی اطاعت کرے گا وہ کامیاب ہو جائے گا۔ تو حمد کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے عبودیت کو رکھا اور اطاعت کے جواب میں فوز فرمایا۔ جس کا مطلب یہی ہے کہ اطاعت سے فوز اور حمد سے اطاعت پیدا ہوتی ہے۔ کامل حمد سے کامل اطاعت پیدا ہوگی اور کامل اطاعت کے بدلے فیضانِ الٰہی نازل ہوں گے۔ اس پر انسان اور حمد کرے گا اور خدا کے فضل زیادہ سے زیادہ نازل ہوتے رہیں گے۔''

(الفضل ۷ پریل ۱۹۳۱ء)

---

[1] الاحزاب: ۷۲

خلیفۂ وقت کی مجلس میں بیٹھنے والوں کیلئے چند ضروری آداب

(فرمودہ ۲۱ ؍اپریل ۱۹۳۳ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

''چونکہ ہماری جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے روز بروز بڑھ رہی ہے اور نئے اور پرانے ہر قسم کے دوست قادیان میں آتے رہتے ہیں، یہاں کے باشندوں کی تعداد بھی اب اتنی ہو چکی ہے کہ وہ اس بات کے محتاج ہیں کہ وقتاً فوقتاً ان کی تربیت کا خیال رکھا جائے ۔ کیونکہ انہیں دینی کتب کے پڑھنے ،دینی باتیں سننے اور دینی تربیت حاصل کرنے کا بوجہ کثرتِ آبادی اتنا موقع نہیں ملتا جتنا پہلے ملا کرتا تھا، اس لئے آج کا خطبہ میں اس امر کے متعلق پڑھنا چاہتا ہوں کہ جو دوست اِس مجلس میں شامل ہوتے ہیں جس میں میں موجود ہوتا ہوں ، ان کو کیا طریق عمل اختیار کرنا چاہیے۔

پہلی بات جو ہمارے دوستوں کو مدنظر رکھنی چاہئے یہ ہے کہ مجھ سے ملنے والے نہ صرف احمدی ہوتے ہیں بلکہ غیر احمدی، ہندو، سکھ اور عیسائی ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ پھر احمدیوں میں سے نئے بھی ہوتے ہیں اور پرانے بھی۔ سمجھدار طبقہ کے بھی ہوتے ہیں اور کم سمجھ کے بھی۔ واقف بھی ہوتے ہیں اور ناواقف بھی۔ ایسے لوگوں کی گفتگوئیں کبھی علمی رنگ کی ہوتی ہیں اور کبھی کج بحثی والی۔ کبھی ان میں تحقیق حق مدنظر ہوتی ہے اور کبھی محض چھیڑ خانی مقصد ہوتا ہے۔ مگر خواہ کوئی بھی مقصد و مدعا ہو، دو باتیں ہیں جو ہماری جماعت کے ان لوگوں کو

جو اس مجلس میں موجود ہوں مدنظر رکھنی چاہئیں اور جو مجھے افسوس ہے کہ بعض اوقات دوستوں کے مدنظر نہیں رہتیں ۔

اوّل تو یہ کہ جب کوئی کلام امام کی موجودگی میں کرتا ہے اور امام کو مخاطب کر کے کرتا ہے تو دوسروں کا حق نہیں ہوتا کہ وہ خود اس میں دخل دیں اور مخاطب کو خود اپنی طرف مخاطب کر کے اُس سے گفتگو شروع کر دیں ۔ علاوہ اس کے کہ یہ عام آداب کے خلاف ہے، دشمن کو یہ کہنے کا موقع ملتا ہے کہ امام خود جواب نہیں دے سکتا اور اس کے معتقدین کو ضرورت پیش آتی ہے کہ اس کے حملہ کو اپنے اوپر لے لیں ۔ چنانچہ ایک دوست کی ایسی ہی سادگی کی وجہ سے ایک دفعہ مجھے یہ بات بھی سننی پڑی ۔ کوئی صاحب اعتراض کر رہے تھے کہ ایک جوشیلے احمدی بول اُٹھے یہ بات تو بالکل صاف ہے، اس کا تو یہ مطلب ہے ۔ آخر سوال کرنے والے نے چڑ کر کہا میں تو آپ کے امام سے مخاطب ہوں اگر وہ جواب نہیں دے سکتے تو میں آپ سے گفتگو شروع کر دیتا ہوں ۔ یہ فقرہ اُس دوست نے اپنی سادگی یا بیوقوفی کی وجہ سے کہلوایا کیونکہ عام آداب کے یہ خلاف ہے کہ کسی کی گفتگو میں دخل دیا جائے ۔ یہ محض اعصابی کمزوری کی علامت ہوتی ہے اور اس کے اتنے ہی معنی ہوتے ہیں کہ ایسا شخص اپنے جذبات کو دَبا نہیں سکتا ہے ۔ ایسی دخل اندازی اس کے علم پر دلالت نہیں کرتی بلکہ اس کی کمزوری اور کم فہمی پر دلالت کرتی ہے ۔ پس ہمیشہ اس امر کو مدنظر رکھنا چاہئے کہ جب امام کی مجلس میں امام سے گفتگو ہو رہی ہو تو سب کو خاموش ہو کر سامع کی حیثیت اختیار کرنی چاہئے اور کبھی اس میں دخل اندازی کر کے خود حصہ نہیں لینا چاہئے سوائے اس صورت کے کہ خود امام کی طرف سے کسی کو کلام کرنے کی ہدایت کی جائے ۔ مثلاً بعض دفعہ کوئی ضروری کام آپڑتا ہے، اس کے لئے مخاطب کرنا پڑتا ہے یا بعض دفعہ قرآن کی کسی آیت کی تلاش کیلئے اگر کوئی حافظِ قرآن ہوں تو اُن سے آیت کا حوالہ پوچھنا پڑتا ہے یا ہوسکتا ہے کہ کسی کو عیسائیت کی کتب کے حوالہ جات بہت سے یاد ہوں اور ضرورت پر اس سے کلام کرنی پڑے ۔ ایسی حالتوں میں سامعین میں سے بھی بعض شخص بول سکتے ہیں مگر عام حالات میں دخل اندازی بالکل ناواجب ہوتی ہے ۔ ہماری شریعت نے ان تمام باتوں کا لحاظ رکھا ہے ۔ چنانچہ خطبوں

کے متعلق بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے کہ اس دوران کلام نہیں کرنی چاہئے[1]۔ غرض جب امام سے گفتگو ہو رہی ہو تو اس میں دخل نہیں دینا چاہئے۔ کیونکہ اس طرح یا تو بات ناقص اور ادھوری رہ جائے گی اور یا دشمن پر یہ اثر پڑے گا کہ شاید امام اس کا جواب نہیں دے سکتا اور معتقدین نے گھبرا کر اس حملہ کو اپنی طرف منتقل کر لیا ہے پس ایک تو اس امر کا لحاظ رکھنا چاہئے۔

دوسرے اس امر کو مدنظر رکھنا چاہئے کہ مُخَاطِبْ اور مُخَاطَبْ کا ایک تعلق ہوتا ہے۔ وہ آپس میں بعض دفعہ بعض مجبوریوں کی وجہ سے ایک رنگ کی شدت کا پہلو بھی اختیار کر لیتے ہیں یا اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ ایسے موقع پر سامعین کو اپنے جذبات پر قابو رکھنا چاہئے اور دوسرے کی گفتگو پر ہنسنا نہیں چاہئے۔ کیونکہ گفتگو کا اصل مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ اُس شخص کو ہدایت حاصل ہو لیکن اگر گفتگو کے ضمن میں ایسا رنگ پیدا ہو جائے جس سے اس کے دل میں تعصب پیدا ہو جانے کا خطرہ ہو تو وہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ میں نے دیکھا ہے نوجوان اور خصوصاً طالب علم، اگر بعض دفعہ کوئی ایسا جواب دیا جا رہا ہو جو دوسرے کے کسی نقص کو نمایاں کرنے والا ہو تو ہنس پڑتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سائل سمجھتا ہے مجھے لوگوں کی نگاہ میں بیوقوف بنایا گیا اور ان کے ہنس پڑنے سے وہ خیال کرتا ہے کہ اس گفتگو کا مقصد مجھ پر ہنسی اُڑانا ہے بات سمجھانا مدنظر نہیں۔ اس وجہ سے اس کے اندر نفسانیت کا جذبہ پیدا ہو جاتا اور حق کے قبول کرنے سے وہ محروم رہ جاتا ہے۔ پس جو لوگ ایسے موقع پر جبکہ امام کسی کو ہدایت دینے کی فکر میں ہوتا ہے ہنس پڑتے ہیں وہ دراصل اس شخص کو ہدایت سے محروم کرنے کی فکر میں ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک ہنسی ایک معمولی چیز ہوتی ہے مگر جس پر ہنسی اُڑائی جاتی ہے اس کے نزدیک خطرناک حملہ ہوتا ہے۔ پس دوستوں کو چاہئے کہ اگر دورانِ گفتگو میں کوئی ایسا جواب دیا جائے جس سے ہنسی آ سکتی ہو یا دوسرے کی کسی کمی کو نمایاں کر کے دکھایا جائے تو وہ اپنے جذبات کو دبائے رکھیں۔ جواب دینے والا تو مجبور ہے کہ وہ ایسے نمایاں طور پر کسی کا نقص بیان کرے کہ اُسے اپنی غلطی کا احساس ہو جائے مگر ہنسنے والا اس مقصد پر پردہ ڈال دیتا اور سائل یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ان کا مقصد مجھے

غلطی بتانا نہیں بلکہ بیوقوف بنانا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کے صحابہ کے متعلق ایک حدیث آتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھتے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں[۲]۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ سوالات نہیں کرتے تھے ان سے زیادہ سوال کرنے والا ہمیں کوئی نظر نہیں آتا۔ حدیثیں ان کے سوالات سے بھری پڑی ہیں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کلام کررہے ہوتے تو وہ ہمہ تن گوش ہوجاتے اور یوں معلوم ہوتا کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں اگر انہوں نے ذرا حرکت کی تو پرندے اُڑ جائیں گے۔

تیسری چیز جس کو مدنظر رکھنا ضروری ہے یہ ہے کہ جو لوگ چند دنوں کیلئے عارضی طور پر باہر سے یہاں آتے ہیں ان کو آگے بیٹھنے کا زیادہ موقع دینا چاہئے۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو یہ سمجھتے ہیں کہ قادیان کے لوگ آگے نہ بیٹھا کریں بلکہ ان کے ایک حصہ کا آگے بیٹھنا ضروری ہوتا ہے اور دوسرے حصہ میں سے اگر کوئی شخص کوشش کرکے آگے بیٹھتا اور اس طرح اپنے حق کو مقدم کرلیتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اسے اس حق سے محروم کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں اگر کسی کو متواتر آگے بیٹھنے کا موقع ملتا رہے تو آخر میں وہ سست ہوجاتا ہے لیکن اگر کوئی شخص متواتر آگے بیٹھنے کے باوجود سُست نہیں ہوتا اور وہ ہمیشہ کوشش کرکے آگے جگہ حاصل کرتا ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ محض اِس وجہ سے کہ وہ ہمیشہ آگے بیٹھا کرتا ہے اُس کی محبت کو مسل دیا جائے اور اس کے جذبۂ اخلاق کی قدر نہ کی جائے۔ پس ہم ایسے لوگوں کی محبت کی قدر کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا واقعہ ہے غرباء آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یارسول اللہ! ہمیں ایک بڑی مشکل نظر آتی ہے۔ جب ہم جہاد کیلئے جاتے ہیں تو امراء بھی جہاد کے لئے چل پڑتے ہیں۔ جب روزوں کا وقت آتا ہے تو ہمارے ساتھ یہ بھی روزوں میں شریک ہوجاتے ہیں۔ جب نمازیں پڑھتے ہیں تو یہ بھی اخلاص سے نمازیں پڑھتے ہیں۔ مگر یَا رَسُولَ اللہ! جب چندہ دینے کا وقت آتا ہے تو ہم کچھ نہیں دے سکتے اور یہ ہم سے آگے نکل جاتے ہیں۔ اس وجہ سے ہمیں بڑی تکلیف ہے اور ہماری سمجھ میں نہیں

آ تا کہ مال کی وجہ سے انہیں جو فوقیت حاصل ہے اس کا ہم کیا جواب دیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر نماز کے بعد تینتیس تینتیس دفعہ سُبۡحَانَ اللّٰہِ، اَلۡحَمۡدُلِلّٰہِ اور چونتیس دفعہ اَللّٰہُ اَکۡبَرُ پڑھ لیا کرو۔ یہ سَو دفعہ ذکر الٰہی ہو جائے گا اور بڑے ثواب کا موجب ہوگا۔ انہوں نے بڑے شوق سے اس پر عمل شروع کر دیا۔ مگر چونکہ صحابہ میں سے ہر شخص نیکی کے حصول کے لئے کوشاں رہتا تھا امراء کا کوئی ایجنٹ بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے انہیں جا کر بتا دیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ذکر بتایا ہے اور انہوں نے بھی پڑھنا شروع کر دیا۔ کچھ دنوں بعد پھر غرباء رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو امراء نے بھی پڑھنا شروع کر دیا۔ آپ نے فرمایا جب خدا کسی پر اپنا فضل نازل کرنا شروع کر دے تو میں اسے کس طرح روک دوں [۳]۔ باوجود اس کے کہ دولت انسان کو اعمال میں سست کر دیتی ہے اگر وہ سست نہیں ہوتے بلکہ تقویٰ اور اخلاص میں بڑھ رہے ہیں تو میں انہیں نیکی سے کس طرح محروم کر سکتا ہوں۔ اسی طرح باوجود اس کے کہ متواتر صحبت انسان کو سست کر دیتی ہے اگر کوئی شخص اپنے اخلاص میں ترقی ہی کرتا چلا جاتا ہے تو کون ایسے شخص کو محروم کر سکتا ہے۔

پس میرا یہ منشاء نہیں کہ قادیان کے وہ مخلصین جو اپنے اوقات اور کاموں کا حرج کر کے اِس مسجد میں نماز پڑھنے آتے ہیں جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے برکات کے وعدے کئے ہیں اور پھر اپنے امام کی مجلس میں حاضر ہوتے ہیں انہیں محروم کر دیا جائے۔ بلکہ میرا منشاء صرف یہ ہے کہ باہر سے آنے والوں کے حق کو نظر انداز نہ کیا جائے۔ اور اگر کبھی قادیان کے مخلصین باری باری اپنا حق بھی چھوڑ کر باہر کے لوگوں کو آگے بیٹھنے کا موقع دے دیا کریں تو میرے نزدیک یہ ان کے لئے ثواب کا موجب ہوگا۔ پھر ایک اور چیز بھی جس سے یہ موقع نکالا جا سکتا ہے بچوں کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہے کہ وہ پیچھے رہیں [۴]۔ اس لحاظ سے سکولوں کے طالبعلم جو چھوٹی عمر کے ہوں اگر بعض دفعہ باہر سے آنے والے دوستوں کے لئے ان کو پیچھے بٹھا کر موقع نکالا جائے تو یہ بھی ایک طریق ہے جس سے فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔ مگر بچوں کے پیچھے بٹھانے کا بھی مَیں یہ مطلب نہیں سمجھتا کہ ان کے اندر

اخلاص کا جو جذبہ پیدا ہو رہا ہے اسے کچل دیا جائے۔

پچھلے دنوں یہ طریق نکالا گیا تھا کہ میرے آنے پر چونکہ ہجوم زیادہ ہو جاتا ہے اس لئے قطار باندھ کر مصافحہ کیا جائے اور کسی کو آگے بڑھنے نہ دیا جائے۔ میں نے مستقل طور پر اسے کبھی پسند نہیں کیا کیونکہ جب جذبات کو دَبا دیا جائے تو آہستہ آہستہ مُردنی پیدا ہو جاتی ہے۔ بچوں میں بھی اگر خلوص کے جذبات پیدا ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم انہیں دَبا دیں۔ مگر یہ ایک ذریعہ ہے جس سے ہم دوسروں کے لئے موقع پیدا کر سکتے ہیں بچے اور رنگ میں بھی فائدہ حاصل کر سکتے ہیں اور بوجہ قادیان میں مستقل رہنے کے ان کے لئے اور مواقع پیدا ہو سکتے ہیں۔ پس اگر باہر سے آنے والے لوگوں کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد کے ماتحت بچوں کو پیچھے رکھا جائے جبکہ اور موقعوں پر بھی وہ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں تو اس سے ان کے جذبات کو ٹھیس لگنے کا احتمال نہیں ہوسکتا۔

پھر ایک اور ہدایت اس موقع کے متعلق میں یہ دینا چاہتا ہوں کہ اسلام نے اجتماع کے موقعوں پر حفظانِ صحت کا خصوصیت سے خیال رکھا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ ابھی تک ہماری جماعت نے اس طرف پوری توجہ نہیں کی۔ حفظانِ صحت کا خیال نہ صرف اپنی ذات کے لئے مفید ہوتا ہے بلکہ دوسروں پر بھی اس کا اچھا اثر پڑتا ہے۔ بعض لوگ مضبوط ہوتے ہیں اور کئی قسم کی بدعنوانیاں کرنے کے باوجود ان کی صحت میں نمایاں خرابی پیدا نہیں ہوتی۔ جس سے وہ خیال کرتے ہیں کہ چونکہ ان پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑا اس لئے دوسروں پر بھی کوئی خراب اثر ان کی وجہ سے پیدا نہیں ہوسکتا۔ حالانکہ دنیا میں سینکڑوں نہیں ہزاروں آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے اندر بیماریوں کے اثرات موجود ہوتے ہیں اور اپنی قوت کی وجہ سے وہ ان کا اثر محسوس نہیں کرتے مگر ان سے ملنے والے ان کے اثرات سے متأثر ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ اور عیدین کے موقع پر فرمایا کہ نہا کر آؤ، اچھے کپڑے پہن کر آؤ، خوشبو استعمال کرو اور ان امور کی تاکید کی [۵]۔ آپ خود ہمیشہ غسل کرتے اور دوسروں کو غسل کرنے کی تاکید فرماتے۔ خوشبو استعمال کرتے اور دوسروں کو خوشبو لگانے کی تاکید کرتے۔ حالانکہ جمعہ یا عیدین کے ساتھ غسل کی کوئی خصوصیت نہیں۔ ہر وقت انسان

غسل کر سکتا ہے اور ہر وقت خوشبو استعمال کر سکتا ہے۔ جمعہ اور عیدین کے ساتھ غسل جو رکھا گیا ہے وہ محض اس لیے کہ ان موقعوں پر جبکہ اژدہام ہوتا ہے کئی لوگوں کو جلدی بیماریاں ہوتی ہیں، بعضوں کو کھجلی ہوتی ہے، بعضوں کو بغل گند کی شکایت ہوتی ہے، بعضوں کے ہاتھ یا منہ وغیرہ میں بیماری ہوتی ہے مگر تازہ بتازہ غسل کے ساتھ کچھ عرصہ کے لئے اس قسم کی بیماریاں دَب جاتی ہیں اور پاس بیٹھنے والے اتنی تکلیف محسوس نہیں کرتے جتنی دوسری صورت میں کر سکتے ہیں۔ یا مثلاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسجد میں گندنا،[6] پیاز اور لہسن وغیرہ ایسی چیزیں کھا کر مت آیا کرو۔ یہ چیزیں اپنی ذات میں مضر نہیں لیکن اِن کی بو سے دوسروں کو تکلیف ہوتی ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کے کھانے سے فرشتے نہیں آتے۔[7] جس کے معنی یہ ہیں کہ جب کوئی شخص اپنے بھائی کو تکلیف دیتا ہے تو خدا تعالیٰ کے ملائکہ اس سے الگ ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک مثال ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔ ورنہ اگر کسی کو کوئی ایسی بیماری ہے جس سے بُو پیدا ہوتی ہے اور وہ اس کا وقتی علاج کر کے بھی مجلس میں نہیں آتا تو وہ بھی فرشتوں کی معیت سے محروم رہتا ہے۔ عام طور پر میں دیکھتا ہوں ہمارے ملک میں پچانوے فیصدی لوگوں کے منہ سے بدبُو آتی ہے یہ بدبُو کسی بیماری کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ محض اس بے احتیاطی کی وجہ سے ہوتی ہے کہ وہ کھانے کے بعد کُلّی نہیں کرتے یا درمیانی وقفوں میں اگر مٹھائی یا کوئی میوہ وغیرہ کھاتے ہیں تو اس کے بعد منہ کی صفائی نہیں کرتے یا لمبے عرصہ تک خاموش رہنے اور منہ بند رکھنے کے بعد بھی منہ میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگ بھی صفائی کی طرف توجہ نہیں کرتے اور جب مجلس میں ایسے لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے تو ہر ایک کی تھوڑی تھوڑی بُو مِل کر ایسی تکلیف دہ چیز بن جاتی ہے کہ بیسیوں کمزور صحت والوں کو سر درد، نزلہ اور کھانسی وغیرہ کی شکایت ہو جاتی ہے۔

اسلام نے ہمارے لئے ہر بات کے متعلق احکام رکھے ہیں۔ یہ احکام بیکار اور فضول نہیں بلکہ نہایت ضروری ہیں اور انہی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے مجموعہ کا نام اسلامی تمدن ہے۔ اسلامی تمدن نماز کا نام نہیں، روزے کا نام نہیں، زکوٰۃ کا نام نہیں بلکہ ان چھوٹے چھوٹے احکام کے مجموعہ کا نام ہے جو ایسا تغیر پیدا کر دیتے ہیں کہ اس کی وجہ سے وہ سوسائٹی دوسری

سوسائٹیوں سے نمایاں اور ممتاز نظر آتی ہے۔ یورپین لوگ یوں تو صفائی کے بڑے پابند ہیں مگر کھانا کھانے کے بعد منہ کی صفائی کرنے کے وہ بھی عادی نہیں اور اس وجہ سے اگر ان کے اُن پوڈروں اور یوڈی کلون وغیرہ خوشبوؤں کو نکال دیا جائے جو وہ اپنے چہروں پر ملتے ہیں تو صاف طور پر ان کے منہ سے بدبو محسوس ہوتی ہے۔ اب چونکہ انہیں ہندوستانیوں سے ملنے کا موقع ملا ہے اس لئے آہستہ آہستہ ان میں یہ احساس پیدا ہو رہا ہے اور مجھے بھی بعض انگریزوں سے ملنے کا موقع ملا ہے میں نے دیکھا ہے کہ اب مسلمانوں سے مل کر وہ صفائی کے اس پہلو کو بھی سیکھ رہے ہیں۔ غرض مجلس میں آنے والوں کو یہ امور مدنظر رکھنے چاہئیں۔ اگر کسی شخص کو بغل گند ہو یا اُس کے ہاتھوں کی انگلیاں خراب ہوں اور ان میں ایسی بُو ہو جو دوسروں کو ناگوار گزرے تو اسے چاہیے کہ وہ ایسی صفائی کے بعد مجلس میں آئے جس سے اس کے اثر کو کم سے کم مضر بنایا جاسکے۔ یوں تو اللہ تعالیٰ نے ہر مرض کا علاج پیدا کیا ہے لیکن اگر کسی کو علاج میسر نہیں آتا تو وہ عارضی صفائی کے بعد مجلس میں آیا کرے۔

پھر مجلس میں ان چیزوں کے بعد ایک اور چیز کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ جب لوگ بیٹھتے ہیں تو ایسا تنگ حلقہ بناتے ہیں کہ اس میں سانس لینا مشکل ہو جاتا ہے۔ کئی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ مجلس میں زیادہ دیر بیٹھنے کو میرا جی چاہا مگر تنگ حلقہ کی وجہ سے تھوڑی ہی دیر میں مجھے سر درد ہو گیا اور میں اُٹھنے پر مجبور ہو گیا اور بسا اوقات میں صحت کے ساتھ مجلس میں بیٹھتا ہوں اور بیمار ہو کر اُٹھتا ہوں۔ ہر شخص اپنے اخلاص میں یہ خیال کرتا ہے کہ اگر میں ایک انچ آگے بڑھ گیا تو کیا نقصان ہے اور اس طرح ہر شخص کے ایک ایک انچ بڑھنے سے وہی مثال ہو جاتی ہے جیسے کہتے ہیں کہ ایک شخص کو وہم کی بیماری تھی۔ وہ جب باجماعت نماز میں کھڑا ہوتا تو کہتا ''چار رکعت نماز فرض پیچھے اس امام کے'' اور پھر خیال کرتا کہ امام اور میرے درمیان تو کئی صفیں ہیں نیت ٹھیک نہیں ہوئی۔ یہ خیال کر کے وہ بڑھتے بڑھتے پہلی صف میں آجاتا اور امام کی طرف اشارہ کر کے کہتا پیچھے اِس امام کے۔ آخر اس طرح بھی اس کی تسلی نہ ہوتی تو وہ امام کو ہاتھ لگا کر کہتا پیچھے اِس امام کے۔ پھر بڑھتے بڑھتے اس کے وہم کی یہاں تک کیفیت ہو جاتی کہ وہ امام کو دھکے دینے لگ جاتا اور کہتا پیچھے اِس

امام کے۔ ہر شخص مجلس میں آگے آنا چاہتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ میرے ذرا سا آگے بڑھنے سے کیا نقصان ہو جائیگا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حلقہ نہایت ہی تنگ ہو جاتا ہے اور صحت پر اس کا بُرا اثر پڑتا ہے۔ مگر علاوہ اس کے کہ صحت کے لئے یہ مفید بات نہیں اس کا نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ زیادہ آدمی اس حلقہ سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ مجھے ایسے حلقہ میں سخت تکلیف ہوتی ہے کیونکہ مجھے گلے اور آنکھوں کی ہمیشہ تکلیف رہتی ہے۔ پھر یہ حلقہ تو بڑی بات ہے میری تو یہ حالت ہے کہ اگر لیمپ کی بتی خفیف سی بھی اونچی رہے اور اس سے ایسا دھواں نکلے جو نظر بھی نہ آ سکتا ہو تو مجھے شدید کھانسی اور نزلہ ہو جاتا ہے۔ ناک کی حس اللہ تعالیٰ نے میری ایسی تیز بنائی ہے کہ میں دوسرے لوگوں کی نسبت کئی گُنے زیادہ بُو یا خوشبو محسوس کر لیتا ہوں۔ یہاں تک کہ جانوروں کے دودھ سے پہچان لیتا ہوں کہ انہوں نے کیا چارہ کھایا ہے۔ جس شخص کے ناک کی حِس اتنی شدید واقع ہو وہ اس قسم کی باتوں سے بہت زیادہ تکلیف محسوس کرتا ہے۔

ایک اور ادب مجلس کا یہ مدّنظر رکھنا چاہئے کہ جہاں تک ہو سکے مجلس کو مفید بنانا چاہیے۔ اور خصوصاً جو باہر سے دوست آئیں انہیں چاہیے کہ اپنی مشکلات پیش کر کے میرے خیالات معلوم کرنے کی کوشش کیا کریں۔ بہت لوگ خیال کرتے ہیں کہ شاید یہ بے ادبی ہے مگر میں انہیں بتانا چاہتا ہوں کہ یہ بے ادبی نہیں بلکہ مجلس کو مفید بنانا ہے۔ میں نے دیکھا ہے بسا اوقات مجلس میں دوست خاموش بیٹھے رہتے ہیں اور میں بھی خاموش بیٹھا رہتا ہوں۔ میری اپنی طبیعت ایسی ہے کہ میں گفتگو شروع نہیں کر سکتا۔ اس مقام کے لحاظ سے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے میں کوشش کرتا ہوں کہ بولوں مگر طبیعت کی اُفتاد ایسی ہے کہ کوشش کے باوجود میں کلام شروع نہیں کر سکتا اور جب کوئی شخص سوال کرے تبھی میرے لئے گفتگو کا راستہ کھلتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں جو دوست باہر سے آیا کرتے تھے وہ مشکل مسائل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کرتے اور اس طرح گفتگو کا موقع ملتا رہتا تھا اور بعض دوست تو عادتاً بھی کر لیا کرتے اور جب بھی وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں بیٹھتے کوئی نہ کوئی سوال پیش کر دیا کرتے۔ مجھے ان میں سے دو شخص جو اس کام کو خصوصیت سے کیا کرتے تھے اچھی طرح یاد ہیں۔ ایک

میاں معراج دین صاحب عمر جو آجکل قادیان میں ہی رہتے ہیں اور دوسرے میاں رجب الدین صاحب جو خواجہ کمال الدین صاحب کے خسر تھے۔ مجھے یاد ہے مجلس میں بیٹھتے ہی یہ سوال کر دیا کرتے کہ حضور فلاں مسئلہ کس طرح ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس مسئلہ پر تقریر شروع فرما دیتے تو جو دوست باہر سے آتے ہیں انہیں چاہیے کہ وہ اپنے مطالب پیش کرنے کے علاوہ مشکل مسائل دریافت کیا کریں تا کہ مجلس زیادہ سے زیادہ مفید ہو اور ان کے علاوہ دوسروں کو بھی فائدہ پہنچے۔ میں نے بتایا ہے کہ اوّل تو میری عادت ہے کہ میں گفتگو شروع نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر میں کبھی نفس پر زور دے کر گفتگو شروع بھی کر دوں تو بھی مجھے کیا معلوم ہو سکتا ہے کہ کسی کو کیا مشکلات درپیش ہیں۔ گو ایسا بھی ہوتا ہے کہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ القاء اور الہام کے ذریعہ زبان پر ایسی گفتگو جاری کر دیتا ہے کہ جو اُس وقت کی مجلس کے مطابق ہو۔ مگر پھر بھی کئی خیالات ایسے ہو سکتے ہیں جن کے متعلق کوئی شخص چاہتا ہو کہ وہ مجھ سے ہدایت لے لیکن سوال نہ کرنے کی وجہ سے وہ اس سے محروم رہے۔ پس باہر سے آنے والوں کو چاہئے کہ وہ اس تبلیغی زمانہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایسے سوالات پوچھا کریں جن کے جوابات سے عام لوگوں کو فائدہ پہنچے۔ مگر ایک چیز ہے جس کا خیال رکھنا چاہیے اور وہ یہ کہ بعض لوگ سوال تو کرتے ہیں مگر ان کی غرض یہ نہیں ہوتی کہ مجھ سے کچھ سنیں بلکہ یہ ہوتی ہے کہ اپنی سنائیں۔ بعض مبلّغین میں بھی یہ عادت پائی جاتی ہے۔ جب وہ میرے پاس آتے ہیں تو وہ شروع سے آخر تک مباحثہ کی روئیداد سنانا شروع کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں اس نے یہ اعتراض کیا میں نے یہ جواب دیا۔ اس نے فلاں اعتراض کیا میں نے فلاں جواب دیا۔ اور اس ذریعہ سے وہ اپنی گفتگو کو اتنا لمبا لے جاتے ہیں کہ وہ ملال پیدا کرنے والا طُول بن جاتا ہے اور پھر لوگوں کو بھی غصہ آتا ہے کہ یہ اپنی بات کیوں ختم نہیں کرتے۔ جو لوگ میرے پاس آتے ہیں ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ مجھ سے کچھ سنیں یہ نہیں ہوتی کہ دوسروں کی سنیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کی طرف سے خلافِ آداب حرکات سرزد ہو جاتی ہیں۔ مثلاً یہی کہ کہتے ہیں جَزَاکَ اللّٰہُ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بس کریں اب ہم سے زیادہ باتیں نہیں سنی جاتیں۔ مگر وہ بھی اپنی طبیعت کے ایسے پختہ ہوتے

ہیں کہ جَزَاکَ اللّٰہ پرخوش ہوکراورزیادہ باتیں سنانے میں مشغول ہو جاتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ یہ جَزَاکَ اللّٰہ تعریف کے لئے نہیں بلکہ گفتگو بند کرانے کے لئے کہا گیا ہے۔

پس یہ ایک مرض پیدا ہو رہا ہے جس کی طرف میں توجہ دلاتا ہوں لوگ میری وجہ سے یہ تو دوسرے کو نہیں کہہ سکتے کہ چُپ کرو اور میں بھی حیا کی وجہ سے کچھ نہیں کہہ سکتا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے اشاروں میں انہیں بات کہی جاتی ہے جو گرے ہوئے اخلاق پر دلالت کرتے ہیں۔ انہیں چاہئے کہ وہ بجائے اس کے کہ اپنی گفتگو سنائیں جو وہ پوچھنا چاہتے ہوں پوچھیں۔ پچھلے ایام میں مَیں ایک جگہ گیا وہاں بہت سے دوست میرے ملنے کے لئے جمع ہو گئے۔ مگر دو گھنٹہ تک ایک شخص مجھے اپنا مباحثہ ہی سناتا رہا اور آخر رات کے ساڑھے گیارہ بجے کے قریب اُس کی گفتگو ختم ہوئی۔ مگر اُس وقت اتنا وقت گزر چکا تھا کہ میں بھی اُٹھ کھڑا ہوا اور دوست بھی جو میری باتیں سننے کے لئے آئے تھے چلے گئے۔ وہ اس سارے عرصہ میں یہی سناتے رہے کہ اس نے یوں کہا میں نے یوں جواب دیا پھر اس نے یہ کہا میں نے یہ کہا۔ حالانکہ مباحثات کی تفصیل کی مجھے ضرورت ہی نہیں ہوتی اور گو دوسروں کو ضرورت ہو بھی مگر وہ محبت اور اخلاص کی وجہ سے میری باتیں سننے کے مشتاق ہوتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ دوسروں سے باتیں سننے کے لئے کافی اوقات ہیں۔ پس گفتگو ایسے رنگ میں ہونی چاہئے کہ دوستوں کا اصل مقصد یعنی یہ کہ وہ میری باتیں سننے کے لئے آتے ہیں کسی طرح فوت نہ ہو جائے اور وقت ضائع نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت کو ایسا بنایا ہے کہ لمبی چوڑی فلسفیانہ تقریریں اُس پر وہ اثر پیدا نہیں کرتیں جو اخلاص سے کہی ہوئی ایک چھوٹی سی بات کر جاتی ہے۔ گھروں میں روزانہ دیکھا جاتا ہے بعض اوقات بچہ ضدّ میں آکر ایک بات نہیں مانتا، ہزاروں دلائل دو وہ کچھ نہیں سنتا لیکن جب ماں کہے بیٹا یوں کرنا اچھا نہیں ہوتا تو وہ فوراً سمجھ جاتا ہے۔ اس پر غیر کی زبردست دلیلیں اثر نہیں کرتیں مگر ماں کا یہ فقرہ کہ ایسا کرنا اچھا نہیں ہوتا فوراً اثر کر جاتا ہے۔ اسی طرح لوگوں کے سامنے اخلاص ہوتا ہے وہ دوسروں کی فلسفیانہ تقریریں سننا پسند نہیں کرتے بلکہ اپنے امام کے منہ سے چند سادہ کلمات سننا چاہتے ہیں اور یہ محبت کے کرشمے ہیں۔ جب تک اور جس سے اخلاص اور محبت ہوگی اُس

کی سادہ بات بہ نسبت دوسروں کی لمبی فلسفیانہ تقریر کے بڑا اثر کرے گی۔ پس مجلس کو زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کی کوشش کرنی چاہیے اور وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ پھر یہ بات بھی مدنظر رکھنی چاہئے کہ میری مجلس میں جیسا کہ میں بتا چکا ہوں ہر قسم کے لوگ آتے ہیں عالم بھی آتے ہیں اور جاہل بھی اور بعض دفعہ پاگل بھی آتے ہیں۔ چنانچہ کئی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ ایک پاگل شخص آیا ہے اور اُس نے مجھے اپنی باتیں سنانی شروع کر دیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایسے لوگوں کا ایک ہی جواب ہوتا ہے اور وہ یہ کہ خاموشی سے وقت گزار دیا جائے۔ مگر دوسرے لوگ چونکہ اس امر کو نہیں سمجھتے اس لئے بعض دفعہ وہ بیچ میں آکودتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہماری مدد کی ضرورت ہے۔ یہ دماغی خلل والے کئی لوگ میرے پاس آتے ہیں اور اِس قسم کے سوال کرتے ہیں جن کے متعلق وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ معقول ہیں مگر میں اُن کی دماغی حالت کو جانتا ہوں۔ پس میں مختصر جواب دے دیتا ہوں یا خاموش رہتا ہوں اور جب وہ تکرار کرتے ہیں تو میں کہتا ہوں میں نے سن لیا اس پر غور کروں گا۔ مگر ناواقف آدمی دخل دے دیتا ہے اور اس طرح بات کو خراب کر دیتا ہے۔

اسی طرح میں سمجھتا ہوں ایک مصافحوں والا معاملہ بھی ہے۔ باہر سے آنے والے دوست جن کو یہاں آنے کا بار بار موقع نہیں ملتا یا جمعہ کے موقع پر جبکہ مقامی لوگوں میں سے ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں ہفتہ بھر ملنے کا اور کوئی موقع نہیں ملا ہوتا مجھ سے مصافحہ کرتے ہیں اور ان کے لئے مصافحہ کی معقولیت میری سمجھ میں آسکتی ہے۔ کیونکہ مصافحہ قلوب میں وابستگی اور پیوستگی پیدا کرتا ہے اور یہ معمولی چیز نہیں۔ بلکہ احادیث سے ثابت ہے کہ عیدین وغیرہ مواقع پر صحابہؓ خصوصیت سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مصافحہ کیا کرتے۔ مگر مجھے شبہ ہے کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہر نماز کے وقت مصافحہ کرنا دینی ضرورتوں میں سے کوئی ضرورت ہے۔ بعض لوگ محبت میں گداز ہوتے ہیں میں اُن کو الگ کرتا ہوں کیونکہ ان پر کوئی قانون جاری نہیں ہوسکتا۔ میں نے دیکھا ہے بعض لوگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں سارا سارا دن اُس کھڑکی کے سامنے بیٹھے رہتے جس سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام باہر آیا کرتے تھے۔ اور جب باہر آتے تو وہ آپ سے مصافحہ کرتے

یا آپ کے کپڑوں کو ہی چھو لیتے۔ ایسے لوگ محبت کی وجہ سے مجبور ہوتے ہیں۔ مگر مجھے شبہ ہے کہ بعض لوگ دوسروں کو دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ ہر وقت مصافحہ کرنا ضروری ہے۔ مصافحہ کا اصل وقت تو وہ ہوتا ہے جب کوئی شخص باہر جا رہا ہو یا باہر سے آیا ہو۔ یا ساتویں آٹھویں دن اس لئے مصافحہ کرے کہ تا دعاؤں میں اسے یاد رکھا جائے اور اس کا تعارف قائم رہے یا کسی بیمار نے بیماری سے شفا پائی ہو تو وہ یہ بتانے کیلئے مصافحہ کرے کہ اب وہ اچھا ہو گیا ہے یہ اور چیز ہے مگر بِالالتزام بغیر اس کے کہ نفس اس مقام پر پہنچا ہوا ہو کہ انسان مصافحہ کرنے پر مجبور ہو جائے دوسروں کو دیکھ کر یہ کام کرنا کوئی پسندیدہ امر نہیں۔

مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں قاضی سید امیر حسین صاحب مرحوم کو جو میرے استاد بھی تھے بوجہ اس کے کہ وہ اہلحدیث میں سے آئے تھے بعض مسائل میں اختلاف تھا۔ ایک دفعہ یہ سوال زیر بحث تھا کہ مجلس میں کسی بڑے آدمی کے آنے پر کھڑا ہونا جائز ہے یا نہیں قاضی سید امیر حسین صاحب فرمایا کرتے تھے کہ یہ شرک ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ آخر یہ جھگڑا اتنا طول پکڑ گیا کہ اسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے پیش کیا گیا۔ اُس وقت یہ سوال ایک رُقعہ پر لکھا گیا اور میں رُقعہ لے کر اندر گیا۔ اُس وقت اگرچہ میں طالب علم تھا مگر چونکہ مذہبی باتوں سے مجھے بچپن ہی سے دلچسپی رہی ہے اس لئے میں ہی وہ رُقعہ اندر لے گیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس کے جواب میں زبانی کہا یا تحریر کیا مجھے اچھی طرح یاد نہیں خیال یہی آتا ہے کہ آپ نے تحریر فرمایا کہ دیکھو وفات کے موقع پر کوئی ایسی حرکت کرنا جیسے دو ہتڑ مارنا شریعت نے سخت ناجائز قرار دیا ہے لیکن جہاں تک مجھے خیال ہے روایت تو صحیح یاد نہیں آپ نے غالباً حضرت عائشہؓ کا ذکر کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر انہوں نے بے اختیار اپنے سینہ پر ہاتھ مارا[۸] یہ روایت لکھ کر آپ نے تحریر فرمایا کہ ایک چیز ہوتی ہے تکلف اور بناوٹ اور ایک چیز ہوتی ہے جذبۂ بے اختیاری۔ جو امر جذبۂ بے اختیاری کے ماتحت ہو اور ایسا نہ ہو جو نصِ صریح سے ممنوع ہو بعض حالتوں میں وہ جائز ہوتا ہے اور وہاں یہ دیکھا جائے گا کہ یہ فعل کرنے والے نے کس رنگ میں کیا۔ سجدہ

تو بہر حال منع ہے خواہ کسی جذبہ کے ماتحت ہو مگر بعض افعال ایسے ہوتے ہیں کہ وہ بعض صورتوں میں تکلف اور بعض صورتوں میں جذبہ بے اختیاری کے ماتحت صادر ہوتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے تحریر فرمایا کہ اگر کوئی شخص اس لئے کھڑا ہوتا ہے کہ ایک بڑے آدمی کے آنے پر چونکہ باقی لوگ کھڑے ہیں اس لئے میں بھی کھڑا ہو جاؤں تو وہ گنہگار ہوگا۔ مگر وہ جو بے قرار ہو کر کھڑا ہو جاتا ہے جیسے معشوق جب عاشق کے سامنے آئے تو وہ اس کے لئے کھڑا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، اس پر گرفت نہیں۔ قاضی سید امیر حسین صاحب مرحوم نہایت ہی مخلص احمدی تھے۔ میں نے ان سے بہت عرصہ پڑھا ہے وہ احمدیت کے متعلق اپنے اندر عشق کا جذبہ رکھتے تھے۔ مجھے یاد ہے میری خلافت کے ایام میں ایک دفعہ جب میں مسجد میں آیا تو قاضی صاحب بھی بیٹھے ہوئے تھے مجھے دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے میں نے کہا قاضی صاحب! آپ تو کسی کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا شرک قرار دیا کرتے تھے کہنے لگے۔ ''کی کراں میں سمجھدا تے ایہی ہاں پر دیکھدے ہی کچھ ہو جاندا اے رہیا جاندا ہی نہیں''۔ یعنی کیا کروں میں سمجھتا تو یہی ہوں لیکن آپ کو دیکھ کر ایسا جذبہ طاری ہوتا ہے کہ میں بیٹھا نہیں رہ سکتا۔ تو حالات کے مختلف ہونے اور جذبات کی بے اختیاری کی وجہ سے حکم بدلتے رہتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں مصافحہ بھی اسی رنگ کی چیز ہے۔ جب مصافحہ رسم ورواج کے ماتحت ہو یا دکھاوے کے طور پر یا اس لئے ہو کہ شاید یہ شرعی احکام میں سے ہے یا اخلاص کے اظہار کا یہ بھی کوئی ذریعہ ہے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ لیکن جب کوئی دیر سے ملتا ہے اور چاہتا ہے کہ بتلائے کہ میں آ گیا ہوں یا بیمار چاہتا ہے کہ میں بتاؤں مجھے صحت ہوگئی ہے یا کوئی اِس لئے مصافحہ کرتا ہے کہ تا دعاؤں میں وہ یاد رہ سکے تو ایسے موقعوں پر مصافحہ ایک نہایت ہی مفید مقصد کو پورا کر رہا ہوتا ہے۔ مگر دوسرے اوقات میں وہ بعض دفعہ وقت کو ضائع کرنے والا بھی ہو جاتا ہے۔

یہ چند باتیں ہیں جو میں نے کہی ہیں اور کچھ باتیں اس وقت بھول بھی گئی ہیں اور بعض ممکن ہے ابھی اور بھی بیان کرنے والی ہوں، انہیں پھر بیان کر دوں گا۔ لیکن یہ تمام باتیں اپنی اپنی جگہ بہت سے مفید مقاصد رکھتی ہیں جماعت کو چاہئے کہ انہیں مدنظر رکھے۔ مجالس کو کھلا رکھنا چاہیے، قرآن کریم سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ضروری ادب ہے اور اس کے بہت سے فائدے

ہیں۔ یہی فائدہ نہیں کہ دوسروں کو جگہ مل جائے گی اور صحت پر اس کا خوشگوار اثر پڑے گا بلکہ اور بھی باریک روحانی مطالب پر مشتمل فوائد ہیں اور یہ مختصر خطبہ ان کا حامل نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح کھڑکیوں کو کھلا رکھنا چاہئے۔ جسم اور گھروں کی صفائی کا خیال رکھنا چاہئے۔ اور مجلس میں خوشبو لگا کر آنا چاہئے۔ بدبودار چیزیں کھا کر اجتماع کے موقعوں پر نہیں آنا چاہئے۔ اور بدبودار چیزیں ہی نہیں اگر کسی کو کوئی بغل گند وغیرہ کی بیماری ہو تو اچھی طرح صفائی کر کے آئے۔ مجلس کو مفید بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ مشکل مسائل در پیش ہوں تو ان کے متعلق سوال کرنا چاہئے۔ جب گفتگو ہو رہی ہو تو اُس وقت دخل نہیں دینا چاہئے اور کسی کی غلطی معلوم کر کے اس پر ہنسنا نہیں چاہیے۔ ان باتوں پر عمل کرنے سے مجلس میں برکت ہوتی، تعلقات مضبوط ہوتے اور فائدہ زیادہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر یہ باتیں نہ ہوں تو صحت کے خراب ہونے کے خیال سے یا وقت کے ضائع ہونے کے خطرہ سے طبیعت میں اس امر پر بشاشت پیدا نہیں ہوتی کہ مجلس میں بیٹھا جائے۔ میں امید کرتا ہوں کہ ہمارے دوست آئندہ مجالس میں ان امور کو مدنظر رکھیں گے۔'' (خطبات محمود جلد ۱۴ صفحہ ۹۴ تا ۱۰۹)

ا بخاری کتاب الجمعة باب الانصات یوم الجمعة صفحہ ۱۵۰ حدیث نمبر ۹۳۴ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانية

۲ بخاری کتاب الجهاد باب فضل النفقة فی سبیل اللّٰہ صفحہ ۴۷۰، ۴۷۱ حدیث نمبر ۲۸۴۲ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانية

۳ مسلم کتاب المساجد باب استحباب الذکر بعد الصلوٰة و بیان صفتہٖ صفحہ ۲۴۱ حدیث نمبر ۱۳۴۷ مطبوعہ ریاض ۲۰۰۰ء الطبعة الثانية

۴ ابوداؤد کتاب الصلوٰة باب مقام الصبیان من الصف صفحہ ۱۰۷ حدیث نمبر ۶۷۷ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الاولیٰ

۵ بخاری کتاب الجمعة باب الدهن للجمعة صفحہ ۱۴۲ حدیث نمبر ۸۸۳ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانية

۶ گندنا: ایک ترکاری کا نام جو لہسن سے مشابہ ہوتی ہے۔ (علمی اُردو لغت صفحہ ۱۲۴۳ مطبوعہ لاہور ۱۹۹۶ء

۷ مسلم کتاب المساجد و مواضع الصلوٰة باب فھی من اکل ثوماً اوبصلاً صفحہ ۲۲۸ حدیث نمبر ۱۲۵۲ مطبوعہ ریاض ۲۰۰۰ء الطبعة الثانية

۸ طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۲۶۲ دار صادر بیروت

نظامِ سلسلہ کی پابندی کے بغیر ترقی محال ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۲ جون ۱۹۳۳ء کو خطبہ ارشاد فرمایا جس میں نظامِ سلسلہ کی پابندی کے بغیر ترقی محال ہے کا ذکر کرتے ہوئے خلیفہ وقت کی اطاعت کے بارہ میں فرمایا۔

''خلیفۂ وقت کے ایک حکم کا انکار بھی انسان کو جماعت سے خارج کر دیتا ہے مگر یہاں یہ حالت ہے کہ خلیفہ تین مرتبہ ایک بات کو دُہراتا ہے کہ ایسا نہیں ہونا چاہئے، میں اس کی اجازت نہیں دیتا مگر وہی بات کر لی جاتی ہے۔ پھر یہ بیوقوف کہتے ہیں ناظر امور عامہ ظالم ہے کہ اُس نے سزا دی حالانکہ اگر ان کے اندر غیرت ہوتی اور واقعہ میں ان کے دلوں میں ایمان ہوتا تو بجائے اس کے کہ امور عامہ یہ سزا دیتا، انہیں خود ایسے لوگوں کو سزا دینی چاہیے تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ ایک دفعہ کسی منافق کا ایک یہودی سے جھگڑا ہو گیا۔ وہ دونوں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فیصلہ فرمایا یا جو فرمانے لگے اُس منافق نے سمجھا کہ یہ میرے خلاف ہو گا تب اس نے یہودی سے کہا بہتر ہے کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلیں اور وہاں سے فیصلہ کرائیں۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر پہنچے اور کہا ہمارا فیصلہ کر دیجئے۔ گفتگو کے دوران میں یہودی نے یہ بھی کہہ دیا کہ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوا۔ آپ نے کہا اچھا یہ بات ہے۔ میں ابھی آتا ہوں یہ کہہ کر گھر میں گئے تلوار لی اور باہر آ کر اُس منافق کی گردن اُڑا دی اور کہا جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ منظور نہیں اُس کا فیصلہ یہ ہے[1]۔ تو بجائے اسکے کہ امور عامہ سزا تجویز کرتا، اگر ان لوگوں کے دلوں میں ایمان ہوتا تو چاہئے تھا کہ خود سزا دیتے۔ یہ نہیں کہ ان لوگوں کو اس سے انکار ہو کہ میں نے انہیں منع نہیں کیا۔ انہوں نے خود اپنے بیان میں اس امر کو تسلیم کیا ہے

کہ ہم نے تین دفعہ پوچھا مگر تینوں دفعہ ہمیں روکا گیا لیکن باوجود اس کے نکاح کر دیا گیا۔ اس پر جب سزا دی گئی تو میں نے پانچ پانچ صفحوں کے بعض لوگوں کے خطوط پڑھے جن میں ایسی ایسی دلاّلیاں کی گئی ہیں کہ دلاّلہ جو عرب میں مشہور ہے اُس نے بھی نہیں کی ہوں گی۔ ایک شور مچا رکھا ہے کہ ظلم ہو گیا، اندھیر نگری اور چوپٹ راجہ والی مثال بن گئی۔ قادیان کے مخلصین، مجاہدین اور مہاجرین جو سلسلہ کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی مانند ہیں اور اپنے اخلاص اور تقویٰ میں بے نظیر ہیں ان کی کوئی بات سنی نہیں جاتی۔ بغیر سوچے سمجھے دباؤ ڈالا جاتا اور ہر طرح اپنی حکومت جتائی جاتی ہے۔ میں ایسے لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ فرمانبرداری کس جانور کا نام ہے۔ تین دفعہ فیصلہ دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ نکاح نہ ہو مگر دو چار بے وقوف اور دو چار لونڈے سمال ٹاؤن کمیٹی کے دفتر میں نکاح پڑھ دیتے ہیں۔ کیا قادیان کے نکاح اسی طرح ہوا کرتے ہیں؟ میں ان جو فروش گندم نما احمدی کہلانے والوں سے پوچھتا ہوں کہ وہ جو سزا دیئے جانے پر پانچ پانچ صفحے کے مجھے خط لکھتے ہیں کہ کتنا ظلم اور اندھیر ہو گیا کیا وہ خط ان کی فرمانبرداری اور اطاعت کی روح پر دلالت کرتے ہیں یا اس بات پر کہ ان کے اندر اطاعت کی روح ہی نہیں؟ وہ لوگ جنہوں نے براہِ راست نافرمانی کی انہوں نے تو ممکن ہے کسی معذوری کے ماتحت ایسا کیا ہو۔ ممکن ہے جس کے پاس لڑکی رہتی ہو اس نے چاہا ہو کہ میں جلدی اس کے بوجھ سے فارغ ہو جاؤں۔ اور ممکن ہے لڑکے نے یہ خیال کیا ہو کہ مجھے اور رشتہ تو ملتا نہیں چلو اسی سے نکاح کر لوں بعد میں معافی مانگ لوں گا۔ مگر یہ خط لکھنے والے وہ ہیں جن کا اِس نکاح سے کوئی بھی واسطہ اور تعلق نہیں اور محض پرائے شگون میں ناک کٹا کر اپنے آپ کو جہنم میں گرا رہے ہیں۔ بظاہر وہ خطوط میں اپنا اتقاء بھی ظاہر کرتے ہیں مگر ان کا اتقاء ایسا ہی ہے جیسے عبداللہ بن ابی بن سلول بنوقینقاع اور بنونضیر کے معاملہ میں ظاہر کرتا تھا۔ وہ بھی یہی کہتا تھا کہ رحم رحم مگر کیا قرآن نے اسے رحیم قرار دیا۔ قرآن مجید اسے رحیم نہیں بلکہ منافق قرار دیتا ہے۔ اگر نظامِ سلسلہ کو اس رنگ میں چلایا جائے اور اس قسم کے احمقوں کی بات کو مان لیا جائے تو وہی بے لگامی احمدیت میں آجائے جو اِس وقت دوسروں میں ہے۔

پس گو میں کئی دفعہ جماعت کے لوگوں کو توجہ دلا چکا ہوں کہ اگر انہوں نے بیعت کی ہے تو اس کے کوئی معنی ہونے چاہئیں، کوئی قیمت ہونی چاہئے، چاہے دھیلہ اور دمڑی ہی کیوں نہ ہو۔ مگر اِس قسم کی بیعت کی کہ منہ سے بیعت کا اقرار کیا جائے اور اطاعت کے معاملہ میں خلیفۂ وقت کی صریح نافرمانی کی جائے ایک دَمڑی بھی قیمت نہیں ۔ مگر اب میں پھر توجہ دلاتا ہوں کہ کمزور سے کمزور ایمان والوں کی بیعت کی بھی کچھ نہ کچھ قیمت ہوتی ہے۔ چاہے وہ کوڑی ہی ہو لیکن اس قسم کی نامعقول حرکت کے بعد تو بیعت کی کوڑی بھر بھی قیمت نہیں رہتی اور یہ اطاعت کا اقرار نہیں بلکہ دھوکا بازی اور فریب ہے جسے کوئی بھی دنیا میں وقعت دینے کے لئے تیار نہیں ہوسکتا۔ انسانوں کے سامنے ایسا آدمی ممکن ہے متقی بن جائے اور حقیقت سے ناواقف انسان اسے دیکھ کر کہے کہ کیا ہی متقی شخص ہے مگر خدا کے حضور وہ متقیوں کی فہرست میں نہیں ہوسکتا۔ اور ایسا شخص جو اِن حالات میں دوسرے پر رحم کرنے کی تلقین کرتا ہے اور اگر خود اسے کسی دفتر کا چپڑاسی بھی بنا دیا جائے تو وہ ساری دنیا کی گردنیں کاٹنے لگ جائے اور کہے کہ چپڑاسی کی یہ لوگ کیوں بات نہیں مانتے۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس قسم کے خطوط لکھنے والے اگر مدرّس ہیں تو چھوٹے چھوٹے طالب علموں کے متعلق ایسے ایسے بغض نکالتے ہیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ دکاندار ہیں تو وہ اپنے معاملات میں اتنے بغیض ہوتے ہیں کہ گویا خدا کی خدائی بھی انکی حکومت کے آگے ہیچ ہے۔ مگر کوئی سلسلہ کے نظام کے خلاف بغاوت کرے تو اُس وقت یہ لوگ کود کر سب سے آگے آجائیں گے اور کہیں گے رحم کریں، رحم کریں۔ میں سمجھتا ہوں کبھی کوئی جماعت منافقوں سے خالی نہیں ہوئی۔ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت منافق موجود تھے تو اب بھی ہونے چاہئیں۔ مگر عموماً اس قسم کے لوگوں کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ ہاں مومنوں کو بیدار کرنے کے لئے کبھی کبھی یہ باتیں بتائی جاتی ہیں۔ چونکہ ان کی باتیں سننے والا یہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ جسے سزا دی گئی وہ ہمارا ایک بھائی ہے، اس لئے وہ کہہ دیتا ہے کہ کتنا ظلم ہوگیا۔ حالانکہ منافق جب لوگوں سے باتیں کرتے ہیں تو انہیں یہ نہیں بتاتے کہ خلیفۂ وقت سے تین دفعہ پوچھا گیا اور تینوں دفعہ انکار کے باوجود چند لفنگوں اور بدمعاشوں کو اکٹھا کر کے نکاح پڑھوا دیا گیا۔ بلکہ وہ کہتے ہیں تو یہ کہ ہمیں یہ پتہ

نہیں تھا کہ مسجد مبارک میں نکاح ہونا ضروری ہے اور اگر کسی اور جگہ نکاح پڑھوائیں گے تو ہمارا بائیکاٹ کر دیا جائے گا۔ وہ تین دفعہ کے انکار کا ذکر نہیں کرتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ سزا صرف اس لئے دی گئی ہے کہ کیوں یہ نکاح مسجد مبارک میں نہیں ہوا؟ یہ سننے والا جھٹ کہہ اُٹھتا ہے کتنا بڑا ظلم ہے۔ شریعت میں یہ کہاں لکھا ہے کہ ہر نکاح مسجد مبارک میں ہی ہو یا کیا جماعت کے ذمہ دار افسروں کی طرف سے اعلان ہوا ہے کہ نکاح ہمیشہ مسجد مبارک میں ہی پڑھے جایا کریں؟ تب سننے والا کہتا ہے یہاں کے لوگ کتنے ظالم اور سیاہ دل ہو گئے کہ مسجد مبارک میں نکاح نہیں ہوا تو محض اس بناء پر بائیکاٹ کر دیا گیا۔ منافق کھا جائیں گے اِس بات کو کہ مجلس شوریٰ میں یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ قادیان کے نکاح اور باہر کے بھی ایک مقررشدہ فارم کی خانہ پری اور اس کی تصدیق کے بعد پڑھے جائیں مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ وہ اس بات کو بھی کھا جائیں گے کہ تین دفعہ خلیفۂ وقت سے پوچھا گیا مگر اس کے انکار کے باوجود چند لونڈے جن میں سے چند اوباش اور چند بدمعاش تھے انہیں اکٹھا کر کے سمال ٹاؤن کمیٹی کے دفتر میں نکاح پڑھ دیا گیا۔ سمال ٹاؤن کمیٹی کے دفتر میں آخر کیا برکت ہوسکتی تھی سوائے اس کے کہ اس نکاح کی پوشیدگی مدنظر تھی ۔ وہ ان تمام باتوں کو کھا جائیں گے اور صرف یہ کہہ کر پروپیگنڈا کریں گے کہ دیکھئے کتنا ظلم ہو گیا ہے ۔ صرف اتنے قصور پر کہ کیوں یہ نکاح مسجد مبارک میں نہیں ہوا ہمارا بائیکاٹ کیا جاتا ہے ۔ اور اس طرح ناواقفوں کو دھوکا دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بالکل ممکن تھا میرے حکم کو سننے میں انہیں کوئی غلط فہمی ہوگئی ہو۔ گو میں نہیں سمجھ سکتا کہ تین دفعہ کے واضح انکار کے باوجود کس طرح کوئی غلط فہمی ہوسکتی ہے ۔ خصوصاً جبکہ ان کا اقرار ہے کہ انہیں کہا گیا کہ اس نکاح کی اجازت نہیں لیکن انہوں نے اس کے باوجود نکاح کر دیا۔ تاہم مان لیا جا سکتا تھا کہ انہیں غلط فہمی ہوئی مگر وہ جو کہا جاتا ہے کہ ''خدا مجھے نادان دوستوں سے بچائے'' ان کے منافق دوست ہیں جو اِس معاملہ کو بھیانک شکل دیتے چلے جارہے ہیں۔

پس اس لئے اب انہیں جتنی بھی شدید سزا ملے اس کی ذمہ داری ان منافق پروپیگنڈا کرنے والوں پر ہے جو ان کی تائید میں لکھتے ہیں اور محض جھوٹ اور فریب سے کام لے کر

لکھتے ہیں۔ اگر اس موقع پر رحم کیا جائے تو خدا تعالیٰ کی طرف سے جو ذمہ داری مجھ پر عائد ہے اس سے میں عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔ خلیفۂ وقت کا کام ہے کہ وہ ایک مضبوط چٹان کی طرح ہو۔ ایسی چٹان کہ دنیا بھر کے سمندر بھی مل کر اسے ہلا نہ سکیں۔ اگر چند منافقوں سے میں ڈر جاؤں اور ایسے موقع پر رحم کرنے پر آمادہ ہو جاؤں جبکہ رحم مناسب نہیں تو میں اپنی خلافت کی ذمہ داریوں میں کوتاہی کرنے والا ہوں گا۔ مجھے یہ چند منافق کیا اگر دنیا کی حکومتیں بھی مل کر ایک مقصد سے ہٹانا چاہیں تو نہیں ہٹا سکتیں اور اگر میں یا کوئی اور خلیفہ اِس لئے نرمی کرے کہ لوگ اسے مجبور کرتے ہیں تو یقیناً وہ خدا کا قائم کردہ خلیفہ نہیں ہوسکتا۔ رحم ہمارا کام ہے لیکن دباؤ سے ماننا ہمارا کام نہیں، بلکہ دباؤ کو کچلنا ہمارا کام ہے۔ یہ لوگ کیا ہیں؟ شیطان کا ایک آلہ ہیں۔ مگر خدا کے خلفاء شیطان پر غالب آیا کرتے ہیں مغلوب نہیں ہوتے۔ اور ایک دن آتا ہے کہ شیطانی ہتھیاروں کو وہ توڑ کر رکھ دیتے ہیں۔''

(خطبات محمود جلد ۱۴ صفحہ ۱۴۴ تا ۱۴۸)

۱؎ الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول صفحہ ۳۹، ۴۰۔ ابن تیمیہ طبقہ اولیٰ حیدرآباد دکن

نئے سال کے لئے جماعت احمدیہ کا پروگرام

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۴ رجنوری ۱۹۳۵ء کو نئے سال کے لئے جماعت احمدیہ کا پروگرام بیان فرمایا جس میں مختلف سکیموں کا ذکر کیا۔ عملی حصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

''مجھے قتل کی دھمکیوں کے کئی خطوط ملے ہیں لیکن میں پھر بھی یہی کہوں گا کہ اَلْاِمَامُ جُنَّةٌ یُقَاتَلُ مِنْ وَّرَائِهٖ[1]۔ ہماری جماعت کے دوستوں کو چاہئے کہ اپنے جوشوں کو اپنے قابو میں رکھیں۔ میں جانتا ہوں کہ وہ دُہرے طور پر جکڑے ہوئے ہیں۔ ان پر ایک قانون کی گرفت ہے اور ایک ہماری، اور ہماری گرفت قانون کی گرفت سے بہت زیادہ سخت ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس ناراضگی کے بعد جو ہمارے دلوں میں پیدا کی جارہی ہے قانون کی گرفت کسی احمدی کے دل پر رہ سکتی ہے کیونکہ اشتعال اِس قدر سخت ہے کہ صبر ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہے۔ اگر احمدیت ہمیں نہ روکتی تو جس طرح سلسلہ کی بے حرمتی کی جارہی ہے میں نہیں سمجھتا ایک منٹ کے لئے بھی قانون ہم میں سے کسی کو روک سکتا لیکن بہر حال قانون چلتا ہے اور ہمارا مذہب ہمیں اس کی پابندی کرنے کا حکم دیتا ہے۔ پس ایک طرف تو اس کی رُکاوٹ ہے دوسری طرف سے ہماری گرفت جماعت کے دوستوں پر ہے کہ وہ حتّی الوسع اپنے جذبات کو دبائے رکھیں اور ہماری گرفت ایسی سخت ہے کہ اس کے مقابل میں قانون کی گرفت کوئی چیز نہیں۔ اور ان حالات میں میں دیکھ رہا ہوں کہ ان کے دل خون ہو رہے ہیں، طبیعتیں بے چین ہیں، صحتوں پر بہت بُرا اثر پڑ رہا ہے اور انہیں موت سے زیادہ تلخ پیالہ پینا پڑ رہا ہے مگر میں پھر بھی یہی کہتا ہوں کہ میں ان کی تکالیف سے ناواقف نہیں ہوں۔ جس وقت تک کہ میں دیکھوں گا کہ ہم دونوں پہلو نبھاہ سکتے ہیں میں ان کو صبر کی تلقین کرتا رہوں گا مگر جب میں دیکھوں گا کہ ہمارے صبر کی کوئی قیمت نہیں، حاکم اسے کوئی وقعت نہیں دیتے بلکہ وہ اسے

ہماری بزدلی پر محمول کرتے ہیں تو اس دن میں دوستوں سے کہہ دوں گا کہ میں ہر کوشش کر چکا لیکن تمہاری تکلیف کا علاج نہیں کر سکا اب تم جانو اور قانون۔ کیونکہ قانون صرف اپنی پابندی کا مجھ سے مطالبہ کرتا ہے یہ مطالبہ نہیں کرتا کہ میں اس کے حکم سے بھی زیادہ لوگوں کو روکے رکھوں۔ جیسا کہ میں اب کر رہا ہوں کہ جہاں قانون اجازت دیتا ہے وہاں بھی تمہارے ہاتھ باندھے رکھتا ہوں۔ قانون یہ تو حکم دے سکتا ہے کہ یہ کرو اور وہ نہ کرو مگر اپنے مذہب کو اس کی تائید میں استعمال کرنے کا مجھے پابند نہیں کر سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اِس وقت تک جو احمدی جوش میں آتے ہیں وہ قانون کے منشاء سے بھی بڑھ کر اپنے نفس پر قابو رکھتے ہیں اور اس کا باعث میری وہ تعلیم ہے جو میں اسلام کے منشاء کے مطابق انہیں دیتا ہوں۔ جب میری آواز اُنہیں آتی ہے کہ رُک جاؤ تو وہ رُک جاتے ہیں۔ جیسا کہ احرار کے جلسہ پر ہوا کہ میں نے انہیں کہا کہ خواہ کوئی مارے تم آگے سے جواب نہ دو حالانکہ قانون خود حفاظتی کی اجازت دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے گھروں میں احرار گھس گئے۔ خود میری کوٹھی میں وہ لوگ آتے رہے اور بعض دوستوں نے ان کی تصاویر بھی لیں لیکن کسی نے انہیں کچھ نہ کہا حالانکہ گھر میں گُھسنے والوں پر وہ قانوناً گرفت کر سکتے تھے لیکن آئندہ کے لئے میں یہ سوچ رہا ہوں کہ حالات ایسی صورت اختیار کر رہے ہیں کہ ممکن ہے کسی وقت مجھے یہ بھی کہنا پڑے کہ میں اب تمہیں اپنے قانونی حق کے استعمال سے نہیں روکتا۔ تم اپنے حالات کو خود سوچ لو، میری طرف سے تم پر کوئی گرفت نہ ہوگی لیکن اُس وقت تک کہ میں کوئی ایسا اعلان کروں مجھے امید ہے کہ ہماری جماعت کے دوست اپنے جوشوں کو اسی طرح دبائے رکھیں گے جس طرح کہ اِس وقت تک دباتے چلے آئے ہیں۔ اور اگرچہ حکومت کے متعلق ان کے دل کتنے ہی رنجیدہ کیوں نہ ہوں اور انہیں بہت بُری طرح مجروح کیا جا چکا ہو مگر پھر بھی وہ میری اطاعت سے باہر نہیں جا سکتے اور انہیں صبر سے کام لینا چاہئے۔ میں جانتا ہوں کہ اس قسم کے مواقع پر کسی قسم کا ڈر یا خوف یا تعزیر کا خیال انسان کو نہیں روک سکتا۔ میں نے مولوی رحمت علی صاحب کا واقعہ کئی بار سنایا ہے۔ جس وقت ان کے کان میں یہ آواز پڑی کہ نیّر صاحب مارے گئے ہیں اور بعض احمدی زخمی ہو گئے ہیں تو وہ پاگل ہو کر اس مکان کی طرف جا رہے

تھے وہ جانتے تھے کہ ممکن ہے وہاں لڑائی ہو اور میں مارا جاؤں یا زخمی ہو جاؤں ۔ یا ممکن ہے مقدمہ چلے اور باوجود دفاعی پہلو اختیار کرنے کے میری براءت ثابت نہ ہو اور میں قید یا پھانسی کی سزا پاؤں مگر پھر بھی وہ تھر تھر کانپ رہے تھے کہ کیوں ہمیں روکا جا رہا ہے اور کوئی خیال انہیں آگے بڑھنے سے نہیں روک سکتا تھا۔ اُس وقت میری آواز تھی کہ اگر ایک قدم بھی آگے بڑھے تو جماعت سے نکال دوں گا ۔ یہ لفظ تھے جنہوں نے اُن کو آگے بڑھنے سے روکا ورنہ کوئی قانون اُس وقت تک نہ انہیں روکتا تھا اور نہ روک سکتا تھا۔ مگر کون سا قانون ہے جو مجھ سے یہ امید کرتا ہے کہ جب کسی کے بھائی بندوں پر یا اس پر دشمن حملہ آور ہو اور قانون اُسے خود حفاظتی کی اجازت دیتا ہو میں اسے اس حق کے استعمال سے روکوں ۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے ایسا کوئی قانون نہیں اور میں صرف سلسلہ کی نیک نامی اور حکومت کی خیر خواہی کے لئے یہ کام کر رہا ہوں مگر حکومت کا بھی تو فرض ہے کہ وہ اس قربانی کی قدر کرے وگرنہ ہمارے دل اس قدر زخمی ہیں کہ اگر دشمنوں کے حملوں کا جواب ہم سختی سے دیں تو کوئی قانون ایک لمحہ کے لئے بھی ہمیں گرفت نہیں کر سکتا کیونکہ مجرم وہ ہے جو پہلے گالی دیتا ہے۔ اس وقت تک میں یہی سمجھتا ہوں کہ انسانی فطرت ایسی سیاہ نہیں ہوگئی کہ ملک کے لوگ زیادہ دیر تک اس گند کی اجازت دیں اور نہ حکومت کی ساری کی ساری مشینری خراب ہو چکی ہے بلکہ اس کا بیشتر حصہ ابھی اچھا ہے چند مقامی افسر اسے دھوکا دے رہے ہیں اور ان کی نیت یہ ہے کہ احمدیوں کو گورنمنٹ سے لڑا کر وہ کام کریں جو کانگرس نہیں کر سکی مگر میں ان لوگوں کو ناکام کرنے کے لئے انتہائی کوشش کروں گا اور جماعت کا قدم وفاداری کی راہ سے ہٹنے نہ دوں گا۔ پس جب تک میں یہ نہیں کہہ دیتا کہ میری سب تدابیر ختم ہو چکی ہیں اُس وقت تک ہماری جماعت کے احباب کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے نفوس کی قربانی کر کے اور دلوں کا خون کر کے بھی جوشوں کو دبائیں اور ایسی باتوں سے مجتنب رہیں جن سے میری گرفت ان پر ہو اور میں یہ کہہ سکوں کہ تم نے ایسا فعل کیا ہے جس کی سزا گو قانون نہ دیتا ہو مگر میں خود دینی چاہتا ہوں ۔

یاد رکھو کہ ہمارا سلسلہ کوئی ایک دو دن کا نہیں بلکہ یہ ایک لمبی چیز ہے۔ ساری دنیا کی

باگیں ایک دن ہمارے ہاتھ میں آنی ہیں اس لئے ہمارے مدّ نظر ہر وقت یہ بات ہونی چاہئے کہ ہمارا مقصود ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ ہمیں آدمیوں کا خیال نہیں کرنا چاہئے کہ ان میں سے کوئی زندہ رہتا ہے یا مرتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق قتل کے منصوبے کئے گئے، حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے زمانہ میں پیغامی آپ کو اِس قدر بدنام کرتے رہتے تھے کہ جس کے نتیجہ میں دلوں کے اندر اِس قدر شکوک پیدا ہو چکے تھے کہ آپ سے محبت رکھنے والے بعض لوگ یہ بھی پسند نہ کرتے تھے کہ ان میں سے کسی کی دی ہوئی دوائی آپ استعمال کریں۔ اگرچہ میں آج بھی اِس قدر مخالفت کے باوجود اس بات کو غلط سمجھتا ہوں اور میں یہ امید بھی نہیں کرسکتا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لانے والے اِس قدر گندے ہو سکتے تھے مگر میں دیکھتا تھا کہ ایسے لوگ موجود تھے جن کے دلوں میں یہ شکوک پائے جاتے تھے۔ اب یہ زمانہ ہے اور مجھے صراحتاً ہر سال کئی کئی بار قتل کی دھمکیاں دی جاتی ہیں اور زمیندار کے مضمون کی اشاعت کے بعد متواتر تین چٹھیاں ایسی موصول ہوئیں۔ ایک ابھی ۳۱؍دسمبر کو ملی تھی کہ یکم جنوری کے روز تم کو قتل کر دیا جائے گا۔ میں ان کے بیشتر حصہ کو دھمکی سمجھتا ہوں مگر ایک حصہ ایسا بھی ہوسکتا ہے جو سنجیدگی سے میرے متعلق ایسا ہی ارادہ رکھتا ہو لیکن جیسا کہ میں نے کہا ہے ہمارا سلسلہ انسانوں کا نہیں کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ کسی شخص کی وفات کے بعد یہ ختم ہو جائے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں مخالف خیال کیا کرتے تھے کہ آپ کی زندگی کے ساتھ ہی یہ سلسلہ بھی ختم ہو جائے گا۔ لیکن پھر حضرت خلیفہ اوّل کے زمانہ میں یہ کہا جانے لگا کہ مرزا صاحب تو جاہل تھے سارا کام مولوی صاحب ہی کرتے تھے ان کی آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے تو بس یہ سلسلہ ختم۔ پھر ان کی آنکھیں بند ہوئیں اور لوگوں نے خیال کیا کہ اصل کام انگریزی خوان لوگ کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی نکال کر باہر کیا اور جماعت کی باگ ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں دے دی جس کے متعلق پیغامی کہتے تھے کہ ہم خلافت کے دشمن نہیں ہیں بلکہ ہماری مخالفت کی بناء یہ ہے کہ اگر جماعت کی باگ ایک بچے کے ہاتھ میں آ گئی تو سلسلہ تباہ ہو جائے گا۔ مگر دیکھو کہ اس بچے کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ نے جماعت کی گاڑی ایسی چلائی کہ وہ ترقی کر کے کہیں سے کہیں جا پہنچی اور اب اللہ تعالیٰ کا

ایسا فضل ہے کہ ان لوگوں کے وقت میں جتنے لوگ جلسہ سالانہ پر شامل ہوتے تھے اُس سے بہت زیادہ آج میرے جمعہ میں ہیں۔سوائے افغانستان کے باقی تمام بیرونی ممالک کی جماعتیں میرے ہی زمانہ میں قائم ہوئی ہیں اور یہ ساری باتیں بتاتی ہیں کہ یہ سلسلہ خدا کے ہاتھوں میں ہے اس لئے دشمن کی باتوں سے نہ گھبراؤ۔وہ کسی کو مار بھی دیں تو بھی یہ سلسلہ ترقی کرے گا۔تمہیں چاہئے کہ تم اپنے اصول کو قائم رکھو،حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اپنے ایمان کو قائم رکھو اور آپ کی آمد کے مقصد کو یاد رکھو،خلافت کی اہمیت کو نہ بھولو اور اسے پکڑے رہو پھر تمہیں کوئی نہیں مٹا سکتا۔ڈر کی بات صرف یہ ہے کہ تم میں سے کچھ لوگ اپنے اصول کو نہ بھول جائیں اور سلسلہ کی وجہ سے جو فوائد حاصل ہو رہے ہیں انہیں اپنی طرف منسوب نہ کرلیں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام آئے اور آپ کی نبوت اور مأموریت سے آپ کی جماعت نے فائدہ اُٹھایا مگر بعض انگریزی دانوں نے سمجھا کہ ترقی ہم سے ہو رہی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو الگ کر دیا اور پھر بھی سلسلہ کو ترقی دے کر بتا دیا کہ اس سلسلہ کی ترقی کسی انسان سے وابستہ نہیں۔

پس مجھے یہ ڈر نہیں کہ میرے بعد کیا ہوگا بلکہ ڈر یہ ہے کہ خلافت سے علیحدہ ہو کر تم لوگ نقصان نہ اٹھاؤ۔کسی خلیفہ کی وفات سلسلہ کے لئے نقصان کا موجب نہیں ہو سکتی لیکن خلافت سے علیحدگی یقیناً نقصان کا باعث ہے۔یہ بات میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ میں نے ایک رؤیا دیکھا ہے جس کے دونوں پہلو ہو سکتے ہیں،منذر بھی اور مبشر بھی۔لیکن چونکہ باہر سے بھی قریباً ایک درجن خطوط آئے ہیں جن میں دوستوں نے لکھا ہے کہ ہم نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ کو قتل کر دیا گیا ہے اور اسی طرح دشمنوں کے ارادوں کے متعلق بھی دوست اطلاع دیتے رہتے ہیں اس لئے میں نے ضروری سمجھا کہ دوستوں کو ہوشیار کر دوں کہ اصل چیز اصول ہیں۔اگر تم ان کو یاد رکھو گے تو کوئی تمہیں نہیں مٹا سکتا لیکن اگر اصول کو بھول جاؤ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام،حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل اور میں مل کر بھی تم کو نہیں بچا سکتے۔

بعض دوستوں نے لکھا ہے کہ ہم نے دعائیں کیں تو معلوم ہوا کہ آپ کی عمر بیس سال بڑھ گئی ہے مگر اصل بات اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔اگرچہ دعا سے مبرم تقدیریں بھی بدل جاتی

ہیں مگر وثوق سے قبل از وقت کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ بہرحال اِس جلسہ پر بھی شبہ کیا جاتا تھا کہ دشمن شرارت کریں گے اور اس کے آثار بھی موجود تھے اس لئے ہمارے دوستوں نے کئی قِسم کی تدابیر اختیار کیں لیکن چوبیس یا پچیس دسمبر کی شب کو میں نے ایک رؤیا دیکھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ جلسہ کے ایام میں مجھ پر حملہ کیا جائے گا اور بعض کہتے ہیں کہ موت اِنہی دنوں میں ہے۔ میں نے دیکھا کہ ایک فرشتہ ہے جس سے میں یہ بات پوچھتا ہوں اُس نے کہا کہ میں نے تمہاری عمر کے متعلق لوحِ محفوظ دیکھی ہے آگے مجھے اچھی طرح یاد نہیں رہا کہ اس نے کہا میں بتانا نہیں چاہتا یا بھول گیا ہوں۔ زیادہ تر یہی خیال ہے کہ اُس نے کہا میں بتانا نہیں چاہتا۔ لیکن جلسہ کی اور بعد کی دو ایک تاریخیں ملا کر اس نے کہا کہ ان دنوں میں یہ بات یقیناً نہیں ہوگی۔ اُس دن سے میں نے تو بے پرواہی شروع کر دی اور اگرچہ دوست کئی ہدایتیں دیتے رہے کہ یوں کرنا چاہئے مگر میں نے کہا کوئی حرج نہیں۔

چند دن ہوئے میں نے ایک اور رؤیا دیکھا ہے جس کا مجھ پر اثر ہے اور اس سے مجھے خیال آیا کہ جماعت کے دوستوں کو توجہ دلاؤں کہ وہ ہمیشہ اصل مقصود کو مدّنظر رکھیں۔ میں نے دیکھا کہ ایک پہاڑی کی چوٹی ہے جس پر جماعت کے کچھ لوگ ہیں میری ایک بیوی اور بعض بچے بھی ہیں۔ وہاں جماعت کے سرکردہ لوگوں کی ایک جماعت ہے جو آپس میں کبڈی کھیلنے لگے ہیں جب وہ کھیلنے لگے تو کسی نے مجھے کہا یا یونہی علم ہوا کہ انہوں نے شرط یہ باندھی ہے کہ جو جیت جائے گا، خلافت کے متعلق اس کا خیال قائم کیا جائے گا۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس فقرہ کا مطلب یہ تھا کہ جیتنے والے جسے پیش کریں گے وہ خلیفہ ہوگا یا یہ کہ اگر وہ کہیں گے کہ کوئی خلیفہ نہ ہو تو کوئی بھی نہ ہوگا۔ بہرحال جب میں نے یہ بات سنی تو میں ان لوگوں کی طرف گیا اور میں نے ان نشانوں کو جو کبڈی کھیلنے کے لئے بنائے جاتے ہیں مٹا دیا اور کہا کہ میری اجازت کے بغیر کون یہ طریق اختیار کر سکتا ہے یہ بالکل ناجائز ہے اور میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اس پر کچھ لوگ مجھ سے بحث کرنے لگے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ اکثریت پہلے صرف ایک تلعّب کے طور پر یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ کون جیتتا ہے اور خلیفہ کا تعیّن کرتا ہے اور کم لوگ تھے جو خلافت کے ہی مخالف تھے مگر میرے دخل دینے پر جو لوگ

پہلے خلافت کے مؤیّد تھے وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے گویا میرے روکنے کو اُنہوں نے اپنی ہتک سمجھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میرے ساتھ صرف تین چار آدمی رہ گئے اور دوسری طرف ڈیڑھ دوسَو۔ اُس وقت میں یہ سمجھتا ہوں کہ گویا احمدیوں کی حکومت ہے اور میں اپنے ساتھیوں سے کہتا ہوں کہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے خون ریزی کے ڈر سے بھی میں پیچھے قدم نہیں ہٹا سکتا اس لئے آؤ ہم اُن پر حملہ کرتے ہیں۔ وہ مخلصین میرے ساتھ شامل ہوئے مجھے یاد نہیں کہ ہمارے پاس کوئی ہتھیار تھے یا نہیں مگر بہر حال ہم نے ان پر حملہ کیا اور فریق مخالف کے کئی آدمی زخمی ہو گئے اور باقی بھاگ کر تہہ خانوں میں چھپ گئے۔ اب مجھے ڈر پیدا ہوا کہ یہ لوگ تو تہہ خانوں میں چُھپ گئے ہیں ہم ان کا تعاقب بھی نہیں کر سکتے۔ اور اگر یہاں کھڑے رہے تو یہ لوگ کسی وقت موقع پا کر ہم پر حملہ کر دیں گے اور چونکہ ہم تعداد میں بالکل تھوڑے ہیں ہمیں نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے اور اگر ہم یہاں سے جائیں تو یہ لوگ پُشت پر سے آ کر حملہ کر دیں گے۔ پس میں حیران ہوں کہ اب ہم کیا کریں؟ میری ایک بیوی بھی ساتھ ہیں اگرچہ یہ یاد نہیں کہ کونسی اور ایک چھوٹا لڑکا انور احمد بھی یاد ہے کہ ساتھ ہے۔ میرے ساتھی ایک زخمی کو پکڑ کر لائے ہیں جسے میں پہچانتا ہوں اور جو اِس وقت وفات یافتہ ہے اور بااثر لوگوں میں سے تھا۔ میں اُسے کہتا ہوں کہ تم نے کیا یہ غلط طریق اختیار کیا اور اپنی عاقبت خراب کر لی مگر وہ ایسا زخمی ہے کہ مر رہا ہے۔ مجھے یہ درد اور گھبراہٹ ہے کہ اس نے یہ طریق کیوں اختیار کیا مگر جواب میں اُس کی زبان لڑکھڑائی اور وہ گر گیا۔ اتنے میں پہاڑی کے نیچے سے ایک شور کی آواز پیدا ہوئی اور ایسا معلوم ہوا کہ تکبیر کے نعرے بلند کئے جا رہے ہیں۔ میں نے کسی سے پوچھا کہ یہ کیا شور ہے؟ تو اُس نے بتایا کہ یہ جماعت کے غرباء ہیں ان کو جب خبر ہوئی کہ آپ سے لڑائی ہو رہی ہے تو وہ آپ کی مدد کے لئے آئے ہیں۔ میں خیال کرتا ہوں کہ جماعت تو ہمیشہ غرباء سے ہی ترقی کیا کرتی ہے۔ یہ خدا کا فضل ہے کہ غرباء میرے ساتھ ہیں مگر تھوڑی دیر بعد وہ تکبیر کے نعرے خاموش ہو گئے اور مجھے بتایا گیا کہ آنے والوں سے فریب کیا گیا ہے۔ انہیں کسی نے ایسا اشارہ کر دیا ہے کہ گویا اب خطرہ نہیں اور وہ چلے گئے ہیں۔ کوئی مجھے مشورہ دیتا ہے کہ ہمارے ساتھ بچے ہیں اس لئے ہم تیز نہیں چل سکیں

گے آپ نیچے جائیں آپ کو دیکھ کر لوگ اکٹھے ہو جائیں گے اور آپ اِس قابل ہو نگے کہ ہماری مدد کرسکیں ۔ چنانچہ میں نیچے اُترتا ہوں اور غرباء میں سے مخلصین کی ایک جماعت کو دیکھتا ہوں اور ان سے کہتا ہوں کہ میں یہاں اس لئے آیا ہوں کہ تا مخلصین اکٹھے ہو جائیں ۔تم اوپر جاؤ اور عورتوں اور بچوں کو باحفاظت لے آؤ۔اس پر وہ جاتے ہیں اتنے میں مَیں دیکھتا ہوں کہ پہلے مرد اُترتے ہیں اور پھر عورتیں لیکن میرا لڑکا انور احمد نہیں آیا۔ پھر ایک شخص آیا اور میں نے اُس کو کہا کہ انور احمد کہاں ہے؟ اس نے کہا وہ بھی آ گیا ہے۔ پھر جماعت میں ایک بیداری اور جوش پیدا ہوتا ہے۔ چاروں طرف سے لوگ آتے ہیں ۔ان جمع ہونے والے لوگوں میں سے میں نے شہر سیالکوٹ کے کچھ لوگوں کو پہچانا ہے۔ان لوگوں کے ساتھ کچھ وہ لوگ بھی آ جاتے ہیں جو باغی تھے اور میں انہیں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اتحاد کے ذریعہ طاقت دی تھی اگر تم ایسے فتنوں میں پڑے تو کمزور ہو کر ذلیل ہو جاؤ گے ۔ کچھ لوگ مجھ سے بحث کرتے ہیں میں انہیں دلائل کی طرف لاتا ہوں اور یہ بھی کہتا ہوں کہ اس سے جماعت کا تو کچھ نہیں بگڑے گا البتہ اس کے وقار کو جو صدمہ پہنچے گا اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور تم ذمہ دار ہو گے ۔ اِس پر بعض لوگ کچھ نرم ہوتے ہیں لیکن دوسرے انہیں پھر ورغلا دیتے ہیں اور اسی بحث مباحثہ میں میری آنکھ کھل جاتی ہے۔

اِس رؤیا کے کئی حصوں سے معلوم ہوتا ہے یہ واقعات میری وفات کے بعد کے ہیں **وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ بِالصَّوَابِ** اور اس موقع پر اس رؤیا کا آنا شاید اس امر پر دلالت کرتا ہو کہ مجھے جماعت کو آئندہ کے لئے ہوشیار کر چھوڑنا چاہیئے کیونکہ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔اس رؤیا سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ میرے ساتھ تعلق رکھنے والے خواہ تھوڑے ہوں اپنے دشمنوں پر غالب آئیں گے ۔اِنْشَاءَ اللّٰہُ۔

جب میں ابھی بچہ تھا اور خلافت کا کوئی وہم وگمان نہ تھا۔یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں اُس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے مجھے خبر دی تھی **اِنَّ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡکَ فَوۡقَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیَامَۃِ**۔یعنی تیرے ماننے والے اپنے مخالفوں پر قیامت تک غالب رہیں گے ۔اُس وقت میں یہی سمجھتا تھا کہ یہ الہام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق ہے کیونکہ

میرے اتباع کا تو خیال بھی میرے ذہن میں نہ آ سکتا تھا کہ کبھی ہوں گے۔ یہ عبارت قرآن کریم کی ایک آیت سے لی گئی ہے جو حضرت مسیح ناصریؑ کے متعلق ہے مگر آیت میں **وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ** [۲] ہے اور میری زبان پر اِنَّ الَّذِيْنَ کے لفظ جاری کئے گئے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے اس قدر عرصہ پہلے سے یہ خبر دے رکھی تھی اور کہا تھا کہ مجھے اپنی ذات کی قسم ہے کہ تیرے متبع تیرے منکروں پر قیامت تک غالب رہیں گے۔ اب اس کی ایک مثال تو موجود ہے۔ کتنے شاندار وہ لوگ تھے جنہوں نے جماعت سے علیحدگی اختیار کی مگر دیکھو اللہ تعالیٰ نے ان کو کس طرح مغلوب کیا ہے۔ بعد کا میرا ایک اور رؤیا بھی ہے جو اس کی تائید کرتا ہے۔

میں نے ایک دفعہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نور کے ستون کے طور پر زمین کے نیچے سے نکلا۔ یعنی پاتال سے آیا اور اوپر آسمانوں کو پھاڑ کر نکل گیا۔ اگرچہ مثال بُری ہے لیکن ہندوؤں میں یہ عقیدہ ہے کہ شِو جی زمین کے نیچے سے آیا اور آسمانوں سے گزرتا ہوا اوپر چلا گیا۔ یہ مثال اچھی نہیں مگر اس میں اسی قِسم کا نظارہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پاتال سے نکل کر افلاک سے بھی اوپر نکل گیا۔ میں نے بھی دیکھا کہ ایک نور کا ستون پاتال سے آیا اور افلاک کو چیرتا ہوا چلا گیا۔ میں کشف کی حالت میں سمجھتا ہوں کہ یہ خدا کا نور ہے۔ پھر اس نور میں سے ایک ہاتھ نکلا لیکن مجھے ایسا شبہ پڑتا ہے کہ اس کے رنگ میں ایسی مشابہت تھی کہ گویا وہ گوشت کا ہے۔ اس میں ایک پیالہ تھا جس میں دودھ تھا جو مجھے دیا گیا اور میں نے اسے پیا اور پیالے کو منہ سے ہٹاتے ہی پہلا فقرہ جو میرے منہ سے نکلا وہ یہ تھا کہ اب میری اُمت کبھی گمراہ نہ ہوگی۔ معراج کی حدیثوں میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تین پیالے پیش کئے گئے۔ پانی، شراب اور دودھ کا اور آپؐ نے دودھ کا پیالہ پیا تو جبرائیل نے کہا کہ آپ کی اُمت کبھی گمراہ نہ ہوگی۔ ہاں اگر آپؐ شراب کا پیالہ پیتے تو یہ اُمت کی گمراہی پر دلالت کرتا[۳]۔

پس ان رؤیاؤں سے معلوم ہوتا ہے کہ ممکن ہے دشمن باہر سے مایوس ہو کر ہم میں سے بعض کو ورغلانا چاہے لیکن بہرحال فتح اُن کی ہے جو میرے ساتھ ہیں۔ میں یقینی طور پر نہیں کہہ سکتا کہ یہ واقعات میری زندگی میں ہوں گے یا میرے بعد کیونکہ بعض اوقات زندگی کے

بعد کے واقعات بھی رؤیا میں دکھا دیئے جاتے ہیں۔اور بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ بعد کے واقعات ہیں مگر میں جماعت کو ہوشیار کرتا ہوں کہ یہ قیمتی اصول ہیں جن پر انہیں مضبوطی سے قائم رہنا چاہئے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مأموریت اور آپ کے اُمتی ہونے کو کبھی نہ بھولو۔آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے سب سے بڑی لذّت اِس میں ملتی ہے کہ میں اُمتی نبی ہوں۔ پس جس خوبصورتی پر آپ کو ناز تھا اسے کبھی نہ چھوڑو۔ پھر آپ کی تعلیم اور الہامات کو سامنے رکھو۔اس کے بعد خلافت ہے جس کے ساتھ جماعت کی ترقی وابستہ ہے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی تھی کہ جس دن مسلمانوں نے اِس چادر کو پھاڑ دیا اُس کے بعد ان میں اتحاد نہیں ہوگا۔حضرت عبداللہ بن سلام نے جو یہود سے مسلمان ہوئے تھے حضرت عثمان کی شہادت کے وقت کہا کہ اب مسلمانوں میں قیامت تک اتحاد نہیں ہوسکتا[۴] پس خلافت بہت قیمتی چیز ہے۔بے شک خلیفہ کا وجود قیمتی ہوتا ہے مگر اس سے بہت زیادہ قیمتی چیز خلافت ہے۔جس طرح نبی کا وجود قیمتی ہوتا ہے مگر اس سے زیادہ قیمتی چیز نبوت ہوتی ہے۔پس یہ اصول ہیں ان کو مضبوطی سے پکڑو۔پھر یہ خیال نہ کرو کہ تم تھوڑے ہو یا بہت کیونکہ ان اصولوں کے پیچھے خدا ہے اور جو تم پر ہاتھ ڈالے گا وہ گویا خدا پر ہاتھ ڈالنے والا ہوگا۔جس طرح بجلی کی تار پر غلط طریق پر ہاتھ ڈالنے والا ہلاک ہو جاتا ہے لیکن صحیح طور پر ہاتھ ڈالنے والا اس سے انجن چلاتا ہے اور بڑے بڑے فوائد حاصل کر لیتا ہے اسی طرح ان اصول کے اگر تم پابند رہو، اللہ تعالیٰ پر توکّل رکھو اور ہر قربانی کے لئے تیار رہو تو تم پر حملہ آور ہونیوالا ہلاکت سے نہیں بچ سکے گا۔'' (خطباتِ محمود جلد ۱۶ صفحہ ۱۱ تا ۱۹)

---

۱ بخاری کتاب الجهادوالسیر باب یُقَاتَلُ مِنْ وَّرَاءِ الْاِمَامِ صفحہ ۴۸۹ حدیث نمبر ۲۹۵۷ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانية

۲ اٰل عمران: ۵۶

۳ بخاری کتاب مناقب الانصار باب المعراج صفحہ ۶۵۳ حدیث نمبر ۳۸۸۷ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانية

۴ تاریخ ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۷۷، ۱۷۸ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء

ہر حال میں خلیفہ کی اطاعت فرض ہے

(فرمودہ ۸ر فروری ۱۹۳۵ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

''میں نے گزشتہ خطبہ جمعہ میں ایک انصاری صحابی کا ذکر کیا تھا کہ رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد بعض انصار کی تحریک تھی کہ انصار میں سے خلیفہ مقرر کیا جائے لیکن جب مہاجرین نے خصوصاً حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کو بتایا کہ اس قسم کا انتخاب کبھی بھی ملتِ اسلامیہ کے لئے مفید نہیں ہوسکتا اور یہ کہ مسلمان کبھی اس انتخاب پر راضی نہیں ہونگے تو پھر انصار اور مہاجر اس بات پر جمع ہوئے کہ وہ کسی مہاجر کے ہاتھ پر بیعت کرلیں اور آخر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ذات پر ان سب کا اتفاق ہوا۔ میں نے بتایا تھا کہ اُس وقت جب سعد نے بیعت سے تخلف کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا **اُقْتُلُوْا سَعْدًا** یعنی سعد کو قتل کردو۔ مگر نہ تو انہوں نے سعد کو قتل کیا اور نہ کسی اور صحابی نے بلکہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت تک زندہ رہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں شام میں فوت ہوئے جس سے ائمہ سلف نے یہ استدلال کیا ہے کہ قتل کے معنی یہاں جسمانی قتل نہیں بلکہ قطع تعلق کے ہیں اور عربی زبان میں قتل کے کئی معنی ہوتے ہیں جیسا کہ میں پچھلے خطبہ میں بیان کر چکا ہوں۔ اُردو میں بے شک قتل کے معنی جسمانی قتل کے ہی ہوتے ہیں لیکن عربی زبان میں جب قتل کا لفظ استعمال کیا جائے تو وہ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے جن میں سے ایک معنی قطع تعلق کے ہیں اور لغت والوں نے استدلال کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد قتل سے قتل نہیں بلکہ قطع تعلق تھا۔ ورنہ اگر قتل سے مراد ظاہری طور پر قتل کر دینا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے جو بہت جوشیلے تھے اُنہیں خود کیوں نہ قتل کر دیا۔ یا صحابہ میں سے کسی نے کیوں انہیں قتل نہ کیا مگر جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہ صرف انہیں اُس وقت قتل نہ کیا بلکہ اپنی خلافت کے زمانہ میں بھی قتل نہ کیا۔ اور بعض کے نزدیک تو وہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے بعد بھی زندہ رہے اور کسی صحابی نے ان پر ہاتھ نہ اُٹھایا۔ تو بہر حال اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قتل سے مراد قطع تعلق ہی تھا ظاہری طور پر قتل کرنا نہیں تھا۔ اور گو وہ صحابی عام صحابہ سے الگ رہے لیکن کسی نے ان پر ہاتھ نہ اُٹھایا۔ پس میں نے مثال دی تھی کہ رؤیا میں بھی اگر کسی کے متعلق قتل ہونا دیکھا جائے تو اس کی تعبیر قطع تعلق اور بائیکاٹ بھی ہوسکتی ہے کیونکہ رؤیا بھی بسا اوقات الفاظ کے ظاہری معنی پر مبنی ہوتی ہے۔

مجھ سے ایک دوست نے بیان کیا ہے کہ انہی تین افراد میں سے جن کا میں نے ایک گزشتہ خطبہ میں ذکر کیا تھا ایک نے خطبہ کے بعد کہا کہ سعد نے گو بیعت نہیں کی تھی لیکن مشوروں میں انہیں ضرور شامل کیا جاتا تھا۔ اس کے دو ہی معنی ہو سکتے ہیں یا تو میرے مفہوم کی تردید یا یہ کہ خلافت کی بیعت نہ کرنا کوئی اتنا بڑا جرم نہیں کیونکہ سعد نے گو بیعت نہیں کی تھی مگر مشوروں میں شامل ہوا کرتے تھے کسی شاعر نے کہا ہے

تا مرد سخن نگفتہ باشد عیب و ہنرش نہفتہ باشد

انسان کے عیب و ہنر اُس کے بات کرنے تک پوشیدہ ہوتے ہیں جب انسان بات کر دیتا ہے تو کئی دفعہ اپنے عیوب ظاہر کر دیتا ہے۔ اس شخص کا بات کرنا بھی یہ معنی رکھتا ہے کہ یا تو وہ خلافت کی بیعت کی تخفیف کرنا چاہتا ہے یا اپنے علم کا اظہار کرنا چاہتا ہے لیکن یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ علم کے اظہار کا کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ بات اتنی غلط ہے کہ ہر عقلمند اس کو سن کر سوائے مسکرا دینے کے اور کچھ نہیں کرسکتا۔

صحابہ کے حالات کے متعلق اسلامی تاریخ میں تین کتابیں بہت مشہور ہیں اور تمام تاریخ جو صحابہ سے متعلق ہے انہی کتابوں پر چکر کھاتی ہے۔ وہ کتابیں یہ ہیں تہذیب التہذیب، اصابہ اور اسد الغابہ۔ ان تینوں میں سے ہر ایک میں یہی لکھا ہے کہ سعد باقی صحابہ سے الگ ہو کر شام میں چلے گئے اور وہیں فوت ہوئے[1] اور بعض لغت کی کتابوں نے بھی قتل کے لفظ پر

بحث کرتے ہوئے اِس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ بات یہ ہے کہ صحابہ میں سے ساٹھ ستّر کے نام سعد ہیں۔ انہی میں سے ایک سعد بن ابی وقاص بھی ہیں جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ حضرت عمرؓ کی طرف سے کمانڈر اِنچیف مقرر تھے اور تمام مشوروں میں شامل ہوا کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص نے کمئ علم سے سعد کا لفظ سن کر یہ نہ سمجھا کہ یہ سعد اور ہے اور وہ سعد اور۔ جَھٹ میرے خطبہ پر تبصرہ کر دیا۔ یہ میں نے سعد بن ابی وقاص کا ذکر نہ کیا تھا جو مہاجر تھے بلکہ میں نے جس کا ذکر کیا وہ انصاری تھے۔ ان دو کے علاوہ اور بھی بہت سے سعد ہیں بلکہ ساٹھ ستّر کے قریب سعد ہیں جس سعد کے متعلق میں نے ذکر کیا ان کا نام سعد بن عبادہ تھا۔

عرب کے لوگوں میں نام دراصل بہت کم ہوتے تھے اور عام طور پر ایک ایک گاؤں میں ایک نام کے کئی کئی آدمی ہوا کرتے تھے جب کسی کا ذکر کرنا ہوتا تو اس کے باپ کے نام سے اس کا ذکر کرتے مثلاً صرف سعد یا سعید نہ کہتے بلکہ سعد بن عبادہ یا سعد بن ابی وقاص کہتے۔ پھر جہاں باپ کے نام سے شناخت نہ ہوسکتی وہاں اس کے مقام کا ذکر کرتے اور جہاں مقام کے ذکر سے بھی شناخت نہ ہوسکتی وہاں اس کے قبیلہ کا ذکر کرتے۔ چنانچہ ایک سعد کے متعلق تاریخوں میں بڑی بحث آئی ہے چونکہ نام ان کا دوسروں سے ملتا جلتا تھا اس لئے مؤرخین ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مثلاً ہماری مراد اَوسی سعد سے ہے یا مثلاً خزرجی سعد سے ہے۔ ان صاحب نے معلوم ہوتا ہے ناموں کے اختلاف کو نہیں سمجھا اور یونہی اعتراض کر دیا مگر ایسی باتیں انسانی علم کو بڑھانے والی نہیں ہوتیں بلکہ جہالت کا پردہ فاش کرنے والی ہوتی ہیں۔ خلافت ایک ایسی چیز ہے جس سے جُدائی کسی عزت کا مستحق انسان کو نہیں بنا سکتی۔ اسی مسجد میں میں نے حضرت خلیفہ اوّل سے سنا آپ فرماتے تم کو معلوم ہے پہلے خلیفہ کا دشمن کون تھا؟ پھر خود ہی اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ قرآن پڑھو تمہیں معلوم ہوگا کہ اس کا دشمن ابلیس تھا اس کے بعد آپ نے فرمایا مَیں بھی خلیفہ ہوں اور جو میرا دشمن ہے وہ بھی ابلیس ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خلیفہ مأمور نہیں ہوتا گو یہ ضروری بھی نہیں کہ وہ مأمور نہ ہو۔ حضرت آدم مأمور بھی تھے اور خلیفہ بھی تھے۔ حضرت داؤد مأمور بھی تھے اور خلیفہ بھی تھے اسی

طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام مأمور بھی تھے اور خلیفہ بھی تھے پھر تمام انبیاء مأمور بھی ہوتے ہیں اور خدا کے قائم کردہ خلیفہ بھی۔ جس طرح ہر انسان ایک طور پر خلیفہ ہے اسی طرح انبیاء بھی خلیفہ ہوتے ہیں مگر ایک وہ خلفاء ہوتے ہیں جو کبھی مأمور نہیں ہوتے۔ گو اطاعت کے لحاظ سے ان میں اور انبیاء میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اطاعت جس طرح نبی کی ضروری ہوتی ہے ویسے ہی خلفاء کی ضروری ہوتی ہے ہاں ان دونوں اطاعتوں میں ایک امتیاز اور فرق ہوتا ہے اور وہ یہ کہ نبی کی اطاعت اور فرمانبرداری اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ وہ وحی الٰہی اور پاکیزگی کا مرکز ہوتا ہے مگر خلیفہ کی اطاعت اس لئے نہیں کی جاتی کہ وہ وحی الٰہی اور تمام پاکیزگی کا مرکز ہے بلکہ اس لئے کی جاتی ہے کہ وہ تنفیذ وحی الٰہی اور تمام نظام کا مرکز ہے۔ اسی لئے واقف اور اہلِ علم لوگ کہا کرتے ہیں کہ انبیاء کو عصمتِ کبریٰ حاصل ہوتی ہے اور خلفاء کو عصمتِ صغریٰ۔ اِسی مسجد میں اسی منبر پر جمعہ کے ہی دن حضرت خلیفہ اوّل سے میں نے سنا آپ فرماتے تھے کہ تم میرے کسی ذاتی فعل میں عیب نکال کر اِس اطاعت سے باہر نہیں ہو سکتے جو خدا نے تم پر عائد کی ہے کیونکہ جس کام کے لئے میں کھڑا ہوا ہوں وہ اور ہے اور وہ نظام کا اتحاد ہے اس لئے میری فرمانبرداری ضروری اور لازمی ہے۔ تو انبیاء کے متعلق جہاں الٰہی سنت یہ ہے کہ سوائے بشری کمزوریوں کے جس میں توحید اور رسالت میں فرق ظاہر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ دخل نہیں دیتا اور اس لئے بھی کہ وہ اُمت کی تربیت کیلئے ضروری ہوتی ہیں (جیسے سجدہ سہو کہ وہ بھول کے نتیجہ میں ہوتا ہے مگر اس کی ایک غرض اُمت کو سہو کے احکام کی عملی تعلیم دینا تھی) ان کے تمام اعمال خدا تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتے ہیں وہاں خلفاء کے متعلق خدا تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ انکے وہ تمام اعمال خدا تعالیٰ کی حفاظت میں ہونگے جو نظامِ سلسلہ کی ترقی کے لئے اُن سے سرزد ہونگے اور کبھی بھی وہ کوئی ایسی غلطی نہیں کریں گے اور اگر کریں تو اس پر قائم نہیں رہیں گے جو جماعت میں خرابی پیدا کرنے والی اور اسلام کی فتح کو اس کی شکست سے بدل دینے والی ہو۔ وہ جو کام بھی نظام کی مضبوطی اور اسلام کے کمال کے لئے کریں گے خدا تعالیٰ کی حفاظت اس کے ساتھ ہوگی اور اگر وہ کبھی غلطی بھی کریں تو خدا اس کی اصلاح کا خود ذمہ دار ہوگا۔ گویا نظام کے متعلق خلفاء کے اعمال

کے ذمہ دار خلفاء نہیں بلکہ خدا ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خلفاء خود قائم کیا کرتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ غلطی نہیں کر سکتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ یا تو ان ہی کی زبان سے یا عمل سے خدا تعالیٰ اس غلطی کی اصلاح کرا دے گا یا اگر ان کی زبان یا عمل سے غلطی کی اصلاح نہ کرائے تو اس غلطی کے بدنتائج کو بدل ڈالے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت چاہے کہ خلفاء کبھی کوئی ایسی بات کر بیٹھیں جس کے نتائج بظاہر مسلمانوں کیلئے مُضِرّ ہوں اور جسکی وجہ سے بظاہر جماعت کے متعلق خطرہ ہو کہ وہ بجائے ترقی کرنے کے تنزّل کی طرف جائے گی تو اللہ تعالیٰ نہایت مخفی سامانوں سے اس غلطی کے نتائج کو بدل دے گا اور جماعت بجائے تنزّل کے ترقی کی طرف قدم بڑھائے گی اور وہ مخفی حکمت بھی پوری ہو جائے گی جس کے لئے خلیفہ کے دل میں ذہول پیدا کیا گیا تھا۔ مگر انبیاء کو یہ دونوں باتیں حاصل ہوتی ہیں۔ یعنی عصمتِ کبریٰ بھی اور عصمتِ صغریٰ بھی۔ وہ تنفیذ و نظام کا بھی مرکز ہوتے ہیں اور روحی و پاکیزگی اعمال کا مرکز بھی ہوتے ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر خلیفہ کے متعلق ضروری ہے کہ وہ پاکیزگیٔ اعمال کا مرکز نہ ہو۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ پاکیزگیٔ اعمال سے تعلق رکھنے والے بعض افعال میں وہ دوسرے اولیاء سے کم ہو۔

پس جہاں ایسے خلفاء ہو سکتے ہیں جو پاکیزگی اعمال کا مرکز ہوں اور نظامِ سلسلہ کا مرکز بھی، وہاں ایسے خلفاء بھی ہو سکتے ہیں جو پاکیزگی اور ولایت میں دوسروں سے کم ہوں لیکن نظامی قابلیتوں کے لحاظ سے دوسروں سے بڑھے ہوئے ہوں۔ مگر ہر حال میں ہر شخص کے لئے ان کی اطاعت فرض ہوگی چونکہ نظام کا ایک حد تک جماعتی سیاست کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اس لئے خلفاء کے متعلق غالب پہلو یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ نظامی پہلو کو برتر رکھنے والے ہوں۔ گو ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ دین کے استحکام اور اس کے صحیح مفہوم کے قیام کو بھی وہ مدنظر رکھیں اس لئے خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں خلافت کا ذکر کیا وہاں بتایا ہے کہ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ [۲] خدا ان کے دین کو مضبوط کرے گا اور اسے دنیا پر غالب کریگا۔ پس جو دین خلفاء پیش کریں وہ خدا تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتا ہے مگر یہ حفاظتِ صغریٰ ہوتی ہے۔ جزئیات میں وہ غلطی کر سکتے ہیں اور خلفاء کا آپس میں اختلاف بھی

ہوسکتا ہے مگر وہ نہایت ادنیٰ چیزیں ہوتی ہیں۔ جیسے بعض مسائل کے متعلق حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں اختلاف رہا بلکہ آج تک بھی اُمتِ محمدیہ ان مسائل کے بارے میں ایک عقیدہ اختیار نہیں کرسکی مگر یہ اختلاف صرف جزئیات میں ہی ہوگا اصولی امور میں ان میں کبھی اختلاف نہیں ہوگا بلکہ اس کے برعکس ان میں ایسا اتحاد ہوگا کہ وہ دنیا کے ہادی وراہنما اور اسے روشنی پہنچانے والے ہوں گے۔

پس یہ کہہ دینا کہ کوئی شخص باوجود بیعت نہ کرنے کے اسی مقام پر رہ سکتا ہے جس مقام پر بیعت کرنے والا ہو در حقیقت یہ ظاہر کرتا ہے کہ ایسا شخص سمجھتا ہی نہیں کہ بیعت اور نظام کیا چیز ہے۔ مشورہ کے متعلق بھی یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ایک ایکسپرٹ اور ماہرِ فن خواہ وہ غیر مذہب کا ہو اس سے مشورہ لے لیا جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک مقدمہ میں ایک انگریز وکیل کیا مگر اس کا یہ مطلب نہ تھا کہ آپ نے اُمورِ نبوت میں اُس سے مشورہ لیا۔ جنگ احزاب ہوئی تو اُس وقت رسول کریم ﷺ نے سلمان فارسیؓ سے مشورہ لیا اور فرمایا کہ تمہارے ملک میں جنگ کے موقع پر کیا کیا جاتا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ہمارے ملک میں تو خندق کھود لی جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا یہ بہت اچھی تجویز ہے چنانچہ خندق کھودی گئی[۳] اور اسی لئے اسے غزوہ خندق بھی کہا جاتا ہے۔ مگر باوجود اس کے ہم نہیں کہہ سکتے کہ سلمان فارسیؓ فنونِ جنگ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ماہر تھے۔ انہیں فنونِ جنگ میں مہارت کا وہ مقام کہاں حاصل تھا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا۔ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کام کئے وہ کب حضرت سلمانؓ نے کئے بلکہ خلفاء کے زمانہ میں بھی انہیں کسی فوج کا کمانڈر انچیف نہیں بنایا گیا حالانکہ انہوں نے لمبی عمر پائی۔ تو ایک ایکسپرٹ خواہ وہ غیر مذہب کا ہو اس سے بھی مشورہ لیا جاسکتا ہے۔ میں جب بیمار ہوتا ہوں تو انگریز ڈاکٹروں سے بعض دفعہ مشورہ لے لیتا ہوں مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ خلافت میں مَیں نے ان سے مشورہ لیا۔ یا یہ کہ میں انہیں اسی مقام پر سمجھتا ہوں جس مقام پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ کو سمجھتا ہوں بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ میں نے طب میں مشورہ لیا۔ پس فرض کرو سعد بن عبادہ سے کسی دُنیوی امر میں جس میں وہ ماہرِ فن ہوں مشورہ لینا ثابت ہوتب

بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ مشوروں میں شامل ہوتے تھے مگر ان کے متعلق تو کوئی صحیح روایت ایسی نہیں جس میں ذکر آتا ہو کہ وہ مشوروں میں شامل ہوتے تھے بلکہ مجموعی طور پر روایات یہی بیان کرتی ہیں کہ وہ مدینہ چھوڑ کر شام کی طرف چلے گئے تھے اور صحابہ پر یہ اثر تھا کہ وہ اسلامی مرکز سے منقطع ہو چکے ہیں اِسی لئے ان کی وفات پر صحابہ کے متعلق آتا ہے کہ انہوں نے کہا فرشتوں یا جنوں نے انہیں مار دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کے نزدیک ان کی موت کو بھی اچھے رنگ میں نہیں سمجھا گیا کیونکہ یوں تو ہر ایک کو فرشتہ ہی مارا کرتا ہے۔ ان کی وفات پر خاص طور پر کہنا کہ انہیں فرشتوں نے یا جنوں نے مار دیا بتاتا ہے کہ ان کے نزدیک وفات ایسے رنگ میں ہوئی کہ گویا خدا تعالیٰ نے انہیں اپنے خاص فعل سے اُٹھا لیا کہ وہ شِقاق کا موجب نہ ہوں۔ یہ تمام روایات بتلاتی ہیں کہ ان کی وہ عزت صحابہ کے دلوں میں نہیں رہی تھی جو ان کے اس مقام کے لحاظ سے ہونی چاہئے تھی جو کبھی انہیں حاصل تھا اور یہ کہ صحابہ ان سے خوش نہیں تھے ورنہ وہ کیونکر کہہ سکتے تھے کہ فرشتوں یا جنوں نے انہیں مار دیا بلکہ ان الفاظ سے بھی زیادہ سخت الفاظ ان کی وفات پر کہے گئے ہیں جنہیں میں اپنے منہ سے کہنا نہیں چاہتا۔ پس یہ خیال کہ خلافت کی بیعت کے بغیر بھی انسان اسلامی نظام میں اپنے مقام کو قائم رکھ سکتا ہے واقعات اور اسلامی تعلیم کے بالکل خلاف ہے اور جو شخص اس قسم کے خیالات اپنے دل میں رکھتا ہے میں نہیں سمجھ سکتا کہ وہ بیعت کا مفہوم ذرّہ بھر بھی سمجھتا ہو۔''

(خطبات محمود جلد ۱۶ صفحہ ۹۰ تا ۱۰۱)

---

۱ اسد الغابة الجزء الثانی صفحہ ۲۵۸ زیرعنوان ''سعد بن عبادۃ'' مطبوعہ بیروت ۲۰۰۶ء

۲ النور: ۵۶

۳ تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۶۵۔ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۷ء

خلیفۂ وقت کی اطاعت

خطبہ جمعہ ۲۴ ؍جنوری ۱۹۳۶ء میں قرآن کریم کے ذوالبطون ہونے کا ذکر کرنے کے بعد خلیفۂ وقت کی اطاعت کا مضمون سمجھاتے ہوئے فرمایا:۔

''ضرورت اِس بات کی ہے کہ جماعت محسوس کرے کہ خلیفۂ وقت جو کچھ کہتا ہے اُس پرعمل کرنا ضروری ہے۔ اگر تو وہ سمجھتی ہے کہ خلیفہ نے جو کچھ کہا وہ غلط کہا اور اس کا نتیجہ اچھا نہیں نکل سکتا تو جولوگ یہ سمجھتے ہوں ان کا فرض ہے کہ وہ خلیفہ کو سمجھائیں اور اُس سے ادب کے ساتھ تبادلۂ خیالات کریں لیکن اگر یہ نہیں کرسکتے تو پھر ان کا فرض ہے کہ وہ اُسی طرح کام کریں جس طرح ہاتھ دماغ کی متابعت میں کام کرتا ہے۔ ہاتھ کبھی دماغ کو سمجھاتا بھی ہے کہ ایسا نہ کرو۔ مثلاً دماغ کہتا ہے فلاں جگہ مُکّا مارو۔ ہاتھ مُکّا مارتا ہے تو آگے وہ زِرہ کی سختی محسوس کرتا ہے اور ہاتھ کو درد ہوتا ہے۔ اِس پر ہاتھ دماغ سے کہتا ہے کہ اس جگہ مُکّا نہ مروائیں یہاں تکلیف ہوتی ہے اور دماغ اس کی بات مان لیتا ہے۔ اِسی طرح جماعت میں سے ہر شخص کا حق ہے کہ اگر وہ خلیفۂ وقت سے کسی بات میں اختلاف رکھتا ہے تو وہ اُسے سمجھائے اور اگر اِس کے بعد بھی خلیفہ اپنے حکم یا اپنی تجویز کو واپس نہیں لیتا تو اس کا کام ہے کہ وہ فرمانبرداری کرے۔ اور یہ تو دینی معاملہ ہے دُنیوی معاملات میں بھی افسروں کی فرمانبرداری کے تاریخ میں ایسے ایسے واقعات آتے ہیں کہ انہیں پڑھ کر طبیعت سرور سے بھر جاتی ہے۔

بیلاکلاوا کی جنگ ایک نہایت مشہور جنگ ہے۔ اس میں انگریزوں کو روسی فوج کا مقابلہ کرنا پڑا۔ ایک دن جنگ کی حالت میں اطلاع ملی کہ روسی فوج کا ایک دستہ حملہ کیلئے آرہا ہے اور اُس میں آٹھ نوسَو کے قریب آدمی ہیں۔ اِس اطلاع کے آنے پر انگریز کمانڈر نے ماتحت افسر کو حکم دیا کہ تم اپنی فوج کا ایک دستہ لے کر مقابلے کیلئے جاؤ۔ اس افسر کو اطلاع

مل چکی تھی کہ روسی دستہ آنے کی اطلاع غلط ہے اصل میں روسی فوج آ رہی ہے جو ایک لاکھ کے قریب ہے۔ جب انگریز کمانڈر نے حکم دیا کہ ایک دستہ لے کر مقابلے کیلئے جاؤ تو اُس افسر نے کہا یہ خبر صحیح نہیں ایک لاکھ فوج آ رہی ہے اور اُس کا مقابلہ ایک دستہ نہیں کر سکتا۔ انگریز کمانڈر نے کہا مجھے صحیح اطلاع ملی ہے تمہارا کام یہ ہے کہ اطاعت کرو۔ وہ سات آٹھ سَو کا دستہ لے کر مقابلہ کیلئے چل پڑا لیکن جب قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ حقیقت میں ایک لاکھ کے قریب دشمن کی فوج ہے۔ بعض ماتحتوں نے کہا کہ اِس موقع پر جنگ کرنا درست نہیں ہمیں واپس چلے جانا چاہئے مگر اُس افسر نے گھوڑے کو ایڑ لگا کر آگے بڑھایا اور کہا ماتحت کا کام اطاعت کرنا ہے اعتراض کرنا نہیں۔ باقیوں نے بھی گھوڑے بڑھا دیئے اور سب ایک ایک کر کے اس جنگ میں مارے گئے۔ قوم آج تک اِس واقعہ پر فخر کرتی ہے اور کہتی ہے کہ اس کی قوم کے لوگوں نے اطاعت کا کیسا اعلیٰ نمونہ دکھایا اور گو یہ انگریز قوم کا واقعہ ہے مگر کون ہے جو اِس واقعہ کو سن کر خوشی محسوس نہیں کرتا۔ ایک جرمن بھی جب اِس واقعہ کو پڑھتا ہے تو وہ فخر محسوس کرتا اور کہتا ہے کاش! یہ نمونہ ہماری قوم دکھاتی، ایک فرانسیسی بھی جب یہ واقعہ پڑھتا ہے تو فخر محسوس کرتا اور کہتا ہے کاش! یہ نمونہ ہماری قوم دکھاتی، ایک روسی بھی جب یہ واقعہ پڑھتا ہے تو فخر محسوس کرتا اور کہتا ہے کاش! یہ نمونہ ہماری قوم دکھاتی۔ پس اطاعت اور افسر کی فرمانبرداری ایسی اعلیٰ چیز ہے کہ دشمن بھی اِس سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا مگر بغیر مصائب میں پڑے اور تکلیفوں کو برداشت کرنے کے یہ مقام حاصل نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح ایک اور موقع پر ایک تُرک جرنیل نے روسیوں سے لڑائی کی۔ تُرک جرنیل کو مشورہ دیا گیا کہ اپنے ہتھیار ڈال دو کیونکہ دشمن بہت زیادہ طاقتور ہے لیکن وہ اِس پر تیار نہ ہوا۔ آخر وہ قلعہ میں بند ہو گیا روسیوں نے مہینوں اُس کا محاصرہ رکھا اور کوئی کھانے پینے کی چیز باہر سے اندر نہ جانے دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب غذا کا ذخیرہ ختم ہو گیا تو اُس نے سواری کے گھوڑے ذبح کر کے کھانے شروع کر دیئے مگر ہتھیار نہ ڈالے لیکن آخر وہ بھی ختم ہو گئے تو اُس نے بوٹوں کے چمڑے اور دوسری ایسی چیزیں اُبال اُبال کر سپاہیوں کو پلانی شروع کر دیں مگر ہتھیار نہ ڈالے۔ آخر سب سامان ختم ہو گئے اور روسی فوج نے قلعہ کی دیواروں کو بھی توڑ دیا تو

یہ بہادر سپاہی اطاعت قبول کرنے پر مجبور ہوئے۔ چونکہ یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ مفتوح فاتح کے سامنے اپنی تلوار پیش کرتا ہے اسی قاعدہ کے مطابق جب اُس ترکی جرنیل نے روسی کمانڈر کے سامنے اپنی تلوار پیش کی تو روسی کمانڈر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ کہنے لگا مَیں ایسے بہادر جرنیل کی تلوار نہیں لے سکتا۔ تو اطاعت اور قربانی اور ایثار ایسی اعلیٰ چیزیں ہیں کہ دشمن کے دل میں بھی درد پیدا کر دیتی اور اُس کی آنکھوں کو نیچا کر دیتی ہیں۔

انگریزی قوم سے جہاں اچھے واقعات ہوئے ہیں وہاں اس سے ایک بُرا واقعہ بھی ہوا مگر اس کے اندر بھی یہ سبق ہے کہ قربانی اور ایثار نہایت اعلیٰ چیز ہے۔ جب نپولین کو انگریزوں کے مقابلہ میں شکست ہوئی اور اُس کے اپنے ملک میں بغاوت ہوگئی تو اس نے کہا میں اپنے آپ کو اب خود انگریزوں کے سپرد کر دیتا ہوں۔ انگریزوں سے ہی اس کی لڑائی تھی چنانچہ وہ اُسے پکڑ کر انگلستان لے گئے۔ جب پارلیمنٹ کے سامنے معاملہ پیش ہوا تو اُس نے کہا نپولین سے تلوار کیوں نہیں لی گئی؟ یہ تلوار لینے کا وہی طریق تھا جس کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ مفتوح جرنیل سے فاتح جرنیل تلوار لے لیا کرتا تھا۔ جب پارلیمنٹ نے یہ سوال اُٹھایا تو ایک انگریز لارڈ کو اِس غرض کیلئے مقرر کیا گیا کہ وہ جا کر نپولین سے تلوار لے آئے۔ جب اُس کے سپرد یہ کام کیا گیا تو وہ پارلیمنٹ میں کھڑا ہو گیا اور اُس نے کہا ایسے بہادر دشمن سے جس نے اپنے آپ کو خود ہمارے حوالے کر دیا ہے تلوار لینا ہماری ذلّت ہے۔ مگر چونکہ اُس وقت انگریزوں میں بہت جوش تھا اور اُنہیں نپولین کے خلاف سخت غصہ تھا اِس لئے بہادری کے خیالات ان کے دلوں میں دبے ہوئے تھے انہوں نے کہا یہ نہیں ہوسکتا نپولین سے تلوار ضرور لی جائے گی۔ پھر انہوں نے اُس لارڈ کے ساتھ ایک ایسے شخص کو کر دیا جو ایسے اعلیٰ اخلاق کا مالک نہیں تھا جن اعلیٰ اخلاق کا وہ لارڈ مالک تھا اور کہا کہ نپولین سے ضرور تلوار لی جائے۔ جب وہ نپولین کے پاس پہنچے تو وہ لارڈ نہایت رقّت کے ساتھ نپولین سے کہنے لگا میری زبان نہیں چلتی اور مجھے شرم آتی ہے کہ میں آپ کو وہ پیغام پہنچاؤں مگر چونکہ مجھے حکم ہے اِس لئے میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ اپنی تلوار ہمارے حوالے کر دیں۔ نپولین نے یہ سن کر کہا کیا انگریز قوم جس کو میں اتنا بہادر سمجھتا تھا اپنے مفتوح دشمن سے اتنی معمولی رعایت بھی نہیں کر سکتی! یہ سن کر اُس لارڈ کی چیخ نکل گئی اور

وہ پیچھے ہٹ گیا مگر اس کے نائب نے آگے بڑھ کر اُس کی تلوار لے لی۔ تو بہادری اور جرأت کے واقعات غیر کے دل پر بھی اثر کر جاتے ہیں۔

اگر ہمارے کارکن بھی وہ اطاعت، قربانی اور ایثار پیدا کریں جن کا حقیقی جرأت تقاضا کرتی ہے تو دیکھنے والوں کے دل پر جماعت احمدیہ کا بہت بڑا رُعب پڑے گا اور ہر شخص یہی سمجھے گا کہ یہ جماعت دنیا کو کھا جائے گی۔ اور اگر یہ نہ ہو بلکہ میں خطبے کہتا چلا جاؤں لوگ کچھ اَور ہی کرتے جائیں، مبلّغین کسی اور رستے پر چلتے رہیں، ناظر اپنے خیالوں اور اپنی تجویزوں کو عملی جامہ پہنانے کی فکر میں رہیں، اسی طرح کارکن، سیکرٹری، پریذیڈنٹ، اُستاد، ہیڈ ماسٹر سب اپنے اپنے راگ الاپتے رہیں اور بندھے ہوئے جانور کی طرح اپنے کیلے کے گرد بار بار پھرتے رہیں تو بتاؤ کیا اس طرح ترقی ہوسکتی ہے؟

خلافت کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ جس وقت خلیفہ کے منہ سے کوئی لفظ نکلے اُس وقت سب سکیموں، سب تجویزوں اور سب تدبیروں کو پھینک کر رکھ دیا جائے اور سمجھ لیا جائے کہ اب وہی سکیم، وہی تجویز اور وہی تدبیر مفید ہے جس کا خلیفۂ وقت کی طرف سے حکم ملا ہے۔ جب تک یہ روح جماعت میں پیدا نہ ہو اُس وقت تک سب خطبات رائیگاں، تمام سکیمیں باطل اور تمام تدبیریں ناکام ہیں۔ میں آج تک جس قدر خطبات دے چکا ہوں اُنہیں نکال کر ناظر دیکھ لیں کہ آیا وہ ان پر عمل نہ کرنے کے لحاظ سے مجرم ہیں یا نہیں؟ اِسی طرح محلوں کے پریذیڈنٹ ان خطبات کو سامنے رکھ کر دیکھیں کہ آیا وہ مجرم ہیں یا نہیں؟ ۱۴ ماہ اِس تحریک کو ہوگئے مگر کیا ناظروں، محلّہ کے پریذیڈنٹوں اور دوسرے کارکنوں نے ذرا بھی اُس روح سے کام لیا جو میں ان کے اندر پیدا کرنا چاہتا تھا۔ اگر وہ میرے ساتھ تعاون کرتے تو پچھلے سال ہی اتنا عظیم الشان تغیر ہو جاتا کہ جماعت کی حالت بدل جاتی اور دشمن مرعوب ہو جاتا مگر چونکہ وہ اس رنگ میں رنگین نہیں ہوئے جس رنگ میں مَیں اُنہیں رنگین کرنا چاہتا تھا اس لئے عملی طور پر انہوں نے وہ نمونہ نہیں دکھایا جو انہیں دکھانا چاہئے تھا۔ ان کی مثال بدر کے ان گھوڑوں کی سی نہیں جن کے متعلق ایک کافر نے کہا تھا کہ ان گھوڑوں پر آدمی نہیں موتیں سوار ہیں[1]۔ بلکہ ان کی مثال حنین کے ان گھوڑوں کی سی ہے جنہیں سوار میدانِ جنگ کی طرف موڑتے مگر وہ مکہ کی طرف بھاگتے تھے[2]

پس میں بیکاری کو دور کرنے کی طرف پھر جماعت کو توجہ دلاتا ہوں اور تمام کارکنوں کو خواہ وہ ناظر ہوں یا افسر، کلرک ہوں یا چپڑاسی، پریذیڈنٹ ہوں یا سیکرٹری توجہ دلاتا ہوں کہ اِس روح کو اپنے اندر پیدا کرو۔ کیا فائدہ اِس بات کا کہ تم نے چارسَو یا تین سَو یا دوسَو یا ایک سَو، یا ساٹھ یا پچاس روپیہ چندہ میں دے دیا، اگر تمہارے اندر وہ روح پیدا نہیں ہوئی جو ترقی کرنے والی قوموں کیلئے ضروری ہوتی ہے۔ ہم اگر پچاس روپے کا بیج خریدتے ہیں جسے گُھن لگا ہوا ہے تو وہ سب ضائع ہے لیکن اگر ہم ایک روپیہ کا بیج خریدتے ہیں اور وہ تازہ اور عمدہ ہے تو وہ پچاس روپوں کے بیج سے اچھا ہے۔ اسی طرح صرف روپیہ کوئی فائدہ نہیں دے سکتا جب تک وہ ایثار، وہ قربانی، وہ تعاون اور وہ محبت واخوت کی روح پیدا نہیں ہوتی جو جماعت کو ''یکجان و دو قالب'' بنادیتی ہے۔

اگر خلافت کے کوئی معنی ہیں تو پھر خلیفہ ہی ایک ایسا وجود ہے جو ساری جماعت میں ہونا چاہئے اور اُس کے منہ سے جو لفظ نکلے وہی ساری جماعت کے خیالات اور اَفکار پر حاوی ہونا چاہئے، وہی اوڑھنا، وہی بچھونا ہونا چاہئے، وہی تمہارا ناک، کان، آنکھ اور زبان ہونا چاہئے۔ ہاں تمہیں حق ہے کہ اگر کسی بات میں تم خلیفۂ وقت سے اختلاف رکھتے ہو تو اسے پیش کرو۔ پھر اگر خلیفہ تمہاری بات مان لے تو وہ اپنی تجویز واپس لے لے گا اور اگر نہ مانے تو پھر تمہارا فرض ہے کہ اُس کی کامل اطاعت کرو ویسی ہی اطاعت جیسے دماغ کی اطاعت اُنگلیاں کرتی ہیں۔ دماغ کہتا ہے فلاں چیز کو پکڑو اور اُنگلیاں جھٹ اُسے پکڑ لیتی ہیں۔ لیکن اگر دماغ کہے اور اُنگلیاں نہ پکڑیں تو پھر ماننا پڑے گا کہ ہاتھ مفلوج اور اُنگلیاں رعشہ زدہ ہیں کیونکہ رعشہ کے مریض کی یہ حالت ہوا کرتی ہے کہ وہ چاہتا ہے ایک چیز کو پکڑے مگر اس کی اُنگلیاں اسے نہیں پکڑ سکتیں۔ پس خلیفہ ایک حکم دیتا ہے مگر لوگ اُس کی تعمیل نہیں کرتے تو اِس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ رعشہ زدہ وجود ہیں۔ لیکن کیا رعشہ والے وجود بھی دنیا میں کوئی کام کیا کرتے ہیں؟'' (خطبات محمود جلد ۷ اصفحہ ۱۷تا ۷۶)

---

۱ السیرة النبویة لابن هشام الجزء الاول صفحہ ۶۸۲ زیرعنوان ''تشاور قریش فی الرجوع عن القتال'' مطبوعہ دمشق ۲۰۰۵ء

۲ السیرة النبویة لابن هشام الجزء الاول صفحہ ۱۲۴۰ زیرعنوان ''رجوع الناس بنداء العباس'' مطبوعہ دمشق ۲۰۰۵ء

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی تفسیر

۱۹/ جون ۱۹۳۶ء کو خطبہ جمعہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

''میں نے متواتر بتایا ہے کہ ہر چیز اپنے ماحول کے ساتھ ہی ترقی کر سکتی ہے بغیر اس کے نہیں ۔تم اچھے سے اچھا گیہوں کا بیج اگر جیٹھ یا ہاڑ میں بودو تو اس سے کھیتی پیدا نہیں ہوگی ، تم عمدہ سے عمدہ کپاس کا بیج اگر اگست اور ستمبر میں بودو تو اس بیج سے کپاس کی فصل نہیں ہوگی ، یا بہتر سے بہتر گنّا اگر تم اپریل یا مئی میں بودو تو اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا کیونکہ ہر چیز کیلئے خدا تعالیٰ نے کچھ قانون مقرر فرمائے ہیں اور ان کے ماتحت ہی نتیجہ نکلا کرتا ہے ۔ میں نے ہمیشہ بتایا ہے اور اب دو سال سے تو متواتر بتاتا چلا آ رہا ہوں کہ خلافت کی غرض و غایت کچھ نہ کچھ ضرور ہونی چاہئے اور جب کوئی شخص خلیفہ کی بیعت کرتا ہے تو اس کی بیعت کے بھی کوئی معنے ہونے چاہئیں ۔ اگر تم بیعت کے بعد اور میرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دینے کے بعد میری سنتے ہی نہیں اور اپنی ہی کہے چلے جاتے ہو تو ایسی بیعت کا فائدہ ہی کیا؟ اس صورت میں تو ایسی بیعت کو تہہ کر کے الگ پھینک دینا زیادہ فائدہ مند ہے بہ نسبت اس کے کہ انسان دنیا میں بھی ذلیل ہو اور خدا تعالیٰ کی نظر میں بھی لعنتی بنے ۔

میں نے متواتر آپ لوگوں کو بتایا ہے کہ ہر کام جو آپ لوگ کریں عقل کے ماتحت کریں اور ان ہدایات کے ماتحت کریں جو میں آپ لوگوں کو دیتا آ رہا ہوں ۔آپ لوگ اس بات کو سمجھیں یا نہ سمجھیں ، اسی طرح دنیا اس بات کو سمجھے یا نہ سمجھے مگر امرِ واقعہ یہ ہے کہ اِس وقت اسلام کی ترقی خدا تعالیٰ نے میرے ساتھ وابستہ کر دی ہے جیسا کہ ہمیشہ وہ اپنے دین کی ترقی خلفاء کے ساتھ وابستہ کیا کرتا ہے ۔ پس جو میری سُنے گا وہ جیتے گا اور جو میری نہیں سُنے گا وہ

ہارے گا، جو میرے پیچھے چلے گا خدا تعالیٰ کی رحمت کے دروازے اُس پر کھولے جائیں گے اور جو میرے راستہ سے الگ ہو جائے گا خدا تعالیٰ کی رحمت کے دروازے اُس پر بند کر دیئے جائیں گے۔ ایسا انسان جس کی آنکھوں کے سامنے نمونہ نہ ہو وہ معذور ہوتا ہے مگر جس شخص کے سامنے نمونہ ہو اُس کا باوجود نمونہ سامنے ہونے کے صداقت پر مضبوطی سے قائم نہ رہنا بہت بڑا جرم ہوتا ہے۔

خدا تعالیٰ نے خلافت کی باگ میرے ہاتھ میں اُس وقت دی جب ہمارے خزانے میں صرف چند آنے کے پیسے تھے غالباً اٹھارہ آنے تھے جو اُس وقت خزانہ میں موجود تھے۔ پھر پندرہ بیس ہزار روپیہ قرض تھا اور جماعت کا اٹھانوے فیصدی حصہ دشمنوں کے ساتھ ملا ہوا تھا تب اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ اور میرے ہاتھوں سے تمام جماعت کو اکٹھا کیا، اس کی مالی پریشانیوں کو دور کیا اور جماعت آگے سے بھی زیادہ مضبوطی کے ساتھ چلنے لگی۔ پھر مسائل کی بحث شروع ہوئی اگر اہل پیغام اِس جنگ میں جیتتے تو کیا نتیجہ نکلتا۔ احمدیت بالکل مٹ جاتی اور روحانی دنیا پر ایک موت آجاتی مگر کیا اس جنگ کے ہر حصہ میں اللہ تعالیٰ نے مجھے فتح نہیں دی؟ کیا لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ [1] کا نظارہ اس نے نہیں دکھایا؟ پھر تبلیغ دین اور اشاعتِ احمدیت کی جنگ میں اس نے میری پالیسی کو کامیاب نہیں کیا؟ سلسلہ کے نظام کے بارہ میں میری سکیم کو غیر معمولی برکت نہیں بخشی؟ حتّٰی کہ دشمن بھی اس پر رشک کرتے ہیں اور اس کی نقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر نیم سیاسی امور میں ہماری شرکت کے سوال کو لو کیا اس میدان میں اس نے میری باتوں کو درست ثابت نہیں کیا؟ جب جنگ عظیم کے بعد ادھر خلافت کی شورش پیدا ہوئی ادھر کانگرس کی شورش نے ملک میں ایک آگ لگا دی تو یہ ایک بہت بڑا ابتلاء تھا اور ہندوستان کے عقلمند سے عقلمند انسان بھی اس شورش میں بہ گئے تھے اُس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے جو راستہ مجھے بتایا وہی ٹھیک اور درست نکلا اور آخر لوگ پچھتا کر اسی جگہ پر واپس آگئے جس جگہ میں لانا چاہتا تھا۔ پھر ملکانوں میں تبلیغ کا زمانہ آیا خلافت کے فساد کے بعد نئے رنگ میں خلافت کے مٹنے کا جوش پیدا ہوا، عرب میں اختلافات کا سلسلہ شروع ہوا، ان میں سے ہر معاملہ میں خدا تعالیٰ نے میری رائے کو صحیح ثابت کیا اور دوسروں

کی رائے غلط ثابت ہوئی۔ ایک وہ وقت تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے زمانہ میں پیغامیوں کے اس کہنے پر کہ ایک بچہ کے ذریعہ جماعت کو تباہ کیا جارہا ہے، مسجد میں بیٹھے ہوئے احمدی گریہ وبُکا کررہے تھے اور رورہے تھے کہ واقعہ میں جماعت کو ایک بچہ کے ذریعہ تباہ کیا جارہا ہے مگر آج وہی بچہ ہے جس کے سامنے وہی لوگ اس کی بیعت میں داخل ہوکر بیٹھے ہوئے ہیں کیا یہ سب کچھ نشان اور معجزہ نہیں؟

پس اگر خلافت کے کوئی معنی ہیں تو آپ لوگوں کو وہی طریق اختیار کرنا چاہئے جو میں بتاتا ہوں ورنہ بیعت چھوڑ دینا بیعت میں رہ کر اطاعت نہ کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ وہ طریق جو میں نے متواتر بتایا ہے یہ ہے کہ ہمارے سامنے نہایت ہی اہم معاملات ہیں۔ آج تک ہمارے سامنے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عزت پر ایک عدالت نے جو حملہ کیا تھا وہ بغیر بدلہ لئے قائم ہے۔ میں ہر اُس احمدی سے جو سمجھتا ہے کہ وہ غیرت مند ہے کہتا ہوں اگر اس کی غیرت کسی اور جگہ ظاہر ہوتی ہے تو وہ سخت بے غیرت ہے۔ اگر وہ واقعہ میں غیرت مند ہے تو کیوں اس کی غیرت اس جگہ ظاہر نہیں ہوتی جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عزت پر حملہ کیا جاتا ہے۔ ابھی تک نہ اس فیصلہ کی تردید ہندوستان میں پھیلائی گئی ہے نہ ہائی کورٹ کا فیصلہ ہی کثرت سے لوگوں میں پھیلایا گیا ہے اور نہ اس کے ازالہ کیلئے گورنمنٹ کو مجبور کیا گیا ہے۔ آجکل تو میں نے طریق ہی یہ اختیار کیا ہوا ہے کہ جب کوئی احمدی مجھے اِس قسم کا خط لکھتا ہے کہ فلاں احمدی نے میرے ساتھ یہ معاملہ کیا تھا جس پر مجھے بڑا جوش آیا مگر میں نے پہلے آپ کو خبر دینا مناسب سمجھا تو میں اُسے لکھا کرتا ہوں میں یہ ماننے کیلئے ہرگز تیار نہیں کہ تم باغیرت ہو۔ تم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عزت کی حفاظت کیلئے غیرت نہیں دکھائی تو میں یہ کس طرح مان سکتا ہوں کہ تم میں اِس وقت غیرت پیدا ہوسکتی ہے جب تمہاری ذات پر کوئی حملہ کرے۔"

(خطبات محمود جلد ۱۷ صفحہ ۳۹۶ تا ۳۹۸)

۱؎ النور: ۵۶

سلسلہ احمدیہ میں نظامِ خلافت خدا تعالیٰ کا قائم کردہ ہے

۲۳ سالہ واقعات کی شہادت

(فرمودہ ۲۶ مارچ ۱۹۳۷ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

''آج سے ۲۳ سال قبل اِس مقام پر اِسی مسجد میں ہمارے سامنے ایک ایسا سوال پیش ہوا تھا جو ہماری جماعت کیلئے زندگی اور موت کا سوال تھا۔ تاریخ آج کی نہ تھی لیکن مہینہ یہی تھا جبکہ جماعت کے مختلف نمائندوں اور احباب کے سامنے یہ سوال اُٹھایا گیا تھا کہ آیا ہماری جماعت کا نظام اسلامی طریق کے مطابق خلافت کے ماتحت ہوگا یا مغربی طریق پر ایک انجمن کے ماتحت۔

میری عمر اُس وقت پچیس سال دو ماہ تھی۔ دُنیوی تجربہ کے لحاظ سے میں کوئی کام ایسا پیش نہیں کرسکتا تھا اور نہیں کرسکتا کہ جس کی بناء پر یہ کہا جاسکے کہ مجھے دنیا کے کاموں کا کوئی تجربہ حاصل تھا۔ سلسلہ کے تمام کام ایک ایسی جماعت کے سپرد تھے جو اُس وقت نظامِ خلافت کی شدید مخالف تھی اور اس کا دعویٰ تھا کہ نظامِ جماعت ایک انجمن کے ماتحت چاہئے جس کے پریذیڈنٹ کو کسی قدر اختیارات تو دے دیئے جائیں لیکن وہ کثرتِ رائے کا پابند ہو اور خلافت کا نظام چونکہ اس زمانہ کے طریق اور اس زمانہ کی رَو کے خلاف ہے اور اس نظام میں بہت سے نقائص ہیں اس لئے اسے اختیار نہیں کرنا چاہئے۔ حضرت خلیفہ اوّل کی بیعت ایک پریشانی، گھبراہٹ اور صدمہ کے ماتحت ہوئی تھی اور ضروری نہیں کہ جماعت پھر اسی غلطی کا اعادہ کرے۔ اس کے برخلاف میں اور بعض میرے احباب اس بات پر قائم تھے کہ خلافت شریعتِ اسلامیہ کا ایک اہم مسئلہ ہے اور یہ کہ بغیر خلافت کے صحیح طریق کے اختیار کرنے کے

جماعت اور سلسلہ کو کوئی ترقی حاصل نہیں ہوسکتی۔ ہمارے متعلق کہا جاتا تھا کہ ہم لوگ صرف خلافت کے حصول کیلئے اس مسئلہ کو پیش کر رہے تھے اور اپنی حکومت اور طاقت کے بڑھانے کا ذریعہ اسے بنا رہے تھے۔ جب میں نے دیکھا کہ اس تائید کو ایک غلط رنگ دیا جاتا ہے اور غلط پیرایہ میں اسے پیش کیا جاتا ہے تو میں نے سمجھا کہ خدا تعالیٰ کے فیصلہ کو کسی ایسے امر سے نقصان نہیں پہنچنا چاہیئے جس کا ازالہ ہمارے امکان میں ہو اور اس لئے میں نے مولوی محمد علی صاحب کو جو اُس وقت اِس تحریک کے لیڈر تھے اِس غرض سے بلوایا تا ان کے ساتھ کوئی مناسب گفتگو کی جاسکے۔ اِس مسجد کے دائیں جانب نواب محمد علی خان صاحب کا مکان ہے جہاں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے وفات پائی تھی اس کے ایک کمرہ میں مَیں نے مولوی محمد علی صاحب کو بلوا کر کہا کہ خلافت کے متعلق کوئی جھگڑا پیش نہ کریں اور اپنے خیالات کو صرف اِس حد تک محدود رکھیں کہ ایسا خلیفہ منتخب ہو جس کے ہاتھ میں جماعت کے مفاد محفوظ ہوں اور جو اسلام کی ترقی کی کوشش کر سکے۔ چونکہ صلح ایسے ہی امور میں ممکن ہوتی ہے جن میں قربانی ممکن ہو میں نے مولوی صاحب سے کہا جہاں تک ذاتیات کا سوال ہے میں اپنے جذبات کو آپ کی خاطر قربان کرسکتا ہوں لیکن اگر اصول کا سوال آیا تو مجبوری ہوگی کیونکہ اصول کا ترک کرنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔ ہمارے اور آپ کے درمیان یہی فرق ہے کہ ہم خلافت کو ایک مذہبی مسئلہ سمجھتے ہیں اور خلافت کے وجود کو ضروری قرار دیتے ہیں مگر آپ خلافت کے وجود کو ناجائز قرار نہیں دے سکتے کیونکہ ابھی ابھی ایک خلیفہ کی بیعت سے آپ کو آزادی ملی ہے اور چھ سال تک آپ نے بیعت کئے رکھی ہے اور جو چیز چھ سال تک جائز تھی وہ آئندہ بھی حرام نہیں ہوسکتی۔ آپ کی اور ہماری پوزیشن میں یہ ایک فرق ہے کہ آپ اگر اپنی بات کو چھوڑ دیں تو آپ کو وہی چیز اختیار کرنی پڑے گی جسے آپ نے آج تک اختیار کئے رکھا۔ لیکن ہم اگر اپنی بات چھوڑیں تو وہ چیز چھوڑنی پڑتی ہے جسے چھوڑنا ہمارے عقیدہ اور مذہب کے خلاف ہے اور جس کے خلاف ہم نے کبھی عمل نہیں کیا۔ پس انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ آپ وہ راہ اختیار کرلیں جو آپ نے آج تک اختیار کر رکھی تھی اور ہمیں ہمارے مذہب اور اصول کے خلاف مجبور نہ کریں۔ باقی رہا یہ سوال کہ جماعت کی ترقی اور اسلام کے قیام کیلئے کون مفید ہوسکتا ہے

سو جس شخص پر آپ متفق ہوں گے اُسے ہی ہم خلیفہ مان لیں گے۔

کسی غیر جانبدار شخص کے سامنے اگر یہ باتیں پیش کر دی جائیں تو وہ تسلیم کرے گا کہ میرا نقطہ نگاہ صحیح تھا مگر مولوی صاحب یہی کہتے رہے کہ ہم کسی واجب الاطاعت خلیفہ کو ماننا ناجائز سمجھتے ہیں اور جب میں نے کہا کہ آپ لوگ حضرت خلیفہ اوّل کو چھ سال تک مانتے آئے ہیں تو کہا کہ ایک بزرگ سمجھ کر ہم نے ان کی بیعت کر لی تھی۔ اس پر میں نے کہا کہ اب بھی کسی بزرگ کو خلیفہ مان لیں میں تیار ہوں کہ اُس کی بیعت کرلوں۔ مگر وہ کسی بات پر رضامند نہ ہوئے اور جب بحث لمبی ہوگئی تو طبائع میں سخت اشتعال پیدا ہوگیا کہ جماعت کسی فیصلہ پر کیوں نہیں پہنچتی۔ لوگوں نے کمرہ کا احاطہ کرلیا اور بعض نے دروازے کھٹکھٹانے شروع کر دیئے اوراس میں اِتنی شدت پیدا ہوئی کہ بعض شیشے ٹوٹ گئے۔ جماعت کے افراد کہہ رہے تھے کہ باہر آ کر فیصلہ کریں یا ہم خود فیصلہ کرلیں گے۔ اُس وقت میں نے پھر مولوی صاحب سے کہا کہ دیکھئے! یہ بہت نازک وقت ہے اور شدید تفرقہ کا خطرہ ہے میں آپ سے اسی چیز کا مطالبہ کرتا ہوں جو آپ آج تک خود کرتے آئے ہیں اور آپ اس چیز کا مطالبہ کرتے ہیں جو ہمارے نزدیک جائز ہی نہیں۔ آپ کے خدشات کا میں نے ازالہ کر دیا ہے اس لئے آپ کے سامنے اب یہ سوال ہونا چاہئے کہ خلیفہ کون ہو؟ یہ نہیں کہ خلیفہ ہونا نہیں چاہئے۔ لیکن اس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ کیوں اِس قدر زور دے رہے ہیں اور میں جانتا ہوں کہ لوگ کسے خلیفہ منتخب کریں گے۔ میں نے کہا مجھے تو معلوم نہیں کہ کسے منتخب کریں گے لیکن میں خود اُس کی بیعت کرلوں گا جسے آپ چنیں گے۔ اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ لوگ ہم میں سے کسی کو منتخب کریں گے تو جب میں آپ کے تجویز کردہ کی بیعت کرلوں گا تو پھر چونکہ خلافت کے مؤیّد میری بات مانتے ہیں مخالفت کا خدشہ ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ لیکن انہوں نے پھر یہی کہا کہ میں جانتا ہوں کہ آپ کیوں زور دے رہے ہیں۔ میں نے اُن سے کہا کہ میں اپنا دل چیر کر آپ کو کس طرح دکھاؤں۔ میں تو جو قربانی میرے امکان میں ہے کرنے کیلئے تیار ہوں لیکن پھر بھی اگر آپ نہیں مانتے تو اختلاف کی ذمہ داری آپ پر ہوگی نہ کہ مجھ پر۔ یہ کہہ کر ہم وہاں سے اُٹھے اور اُسی مسجد نور میں آ گئے جہاں لوگ جمع تھے۔

بعض لوگوں کی رائے تھی کہ مولوی محمد احسن صاحب امروہوی کا نام تجویز کریں اور اس کیلئے وہ تیار تھے۔ مگر ابھی وہ لوگ اُٹھ ہی رہے تھے کہ مولوی محمد احسن صاحب نے خود کھڑے ہوکر میرا نام تجویز کر دیا۔ اُس وقت جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا کیونکہ بہت گھبراہٹ اور شور تھا اور سارا مجمع مجھے نظر بھی نہ آتا تھا مولوی محمد علی صاحب نے کچھ کہنا چاہا مگر لوگوں نے اُن کو روک دیا۔ میں نے بعد میں سنا کہ انہوں نے یہی کہنے کی کوشش کی تھی کہ ہم نہیں چاہتے کہ کوئی خلیفہ ہو مگر ان لوگوں نے جو اُن کے قریب بیٹھے تھے اُن سے کہہ دیا کہ ہم آپ کی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس پر مولوی صاحب مجمع سے اُٹھ کر اپنی کوٹھی میں جہاں اب جامعہ احمدیہ ہے چلے گئے اور ان کے جانے کے بعد تمام جماعت کا رُجحان میری طرف ہوگیا۔ حالانکہ جیسا مجھے بعض دوستوں نے بعد میں بتایا اُس وقت تک وہ اس کیلئے تیار تھے کہ مولوی صاحب کی بیعت کرلیں۔ خدا کی قدرت ہے مجھے بیعت کے الفاظ بھی یاد نہ تھے اور جب لوگوں نے کہا کہ ہم آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں تو چونکہ میں چاہتا تھا کہ ابھی ٹھہر جائیں شاید صلح کی کوئی صورت نکل آئے۔ میں نے کہا کہ مجھے تو بیعت کے الفاظ بھی یاد نہیں ہیں لیکن مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب بھی وہاں موجود تھے وہ اُٹھ کر میرے قریب آ گئے اور کہا کہ مجھے بیعت کے الفاظ یاد ہیں میں کہتا جاتا ہوں آپ دُہراتے جائیں۔ میں نے اِس پر بھی کچھ ہچکچاہٹ ظاہر کی لیکن لوگوں نے شور مچا دیا کہ فوراً بیعت لی جائے۔ چونکہ میرا عقیدہ ہے کہ خلیفہ خدا بناتا ہے میں نے سمجھ لیا کہ اب یہ خدائی فیصلہ ہے اور میں نے بیعت لینی شروع کر دی اور اُس وقت بیعت لی جبکہ جماعت پراگندگی کی حالت میں تھی، جبکہ تمام لیڈر مخالف تھے اور جب کہ وہ دھمکیاں دے رہے تھے کہ اگر یہ طریق اختیار کیا گیا تو ہم اُسے کچلنے کیلئے تمام ذرائع اختیار کریں گے۔

ماسٹر عبدالحق صاحب مرحوم جنہوں نے قرآن کریم کے پہلے پارہ کا ترجمہ انگریزی میں کیا تھا وہ پہلے ان لوگوں کے ساتھ تھے مگر بعد میں بیعت میں شامل ہوگئے۔ انہوں نے مجھ سے ذکر کیا کہ یہاں سے جا کر مولوی صدر دین صاحب نے کہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جس پر چالیس مومن اتفاق کریں وہ بیعت لے سکتا

ہے۔(حالانکہ اس سے مراد جماعت میں شامل کرنے کی بیعت ہے اطاعت کی نہیں) ہم یہ کیوں نہ کریں کہ چالیس لوگوں کو جمع کر کے سید عابد علی شاہ صاحب کو خلیفہ بنا دیں تا لوگوں کی توجہ اِدھر سے ہٹ جائے۔ عابد علی شاہ صاحب کو الہامِ الٰہی کا دعویٰ تھا۔اُن کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں کوئی عُہدہ ملنے والا ہے چنانچہ انہوں نے عابد علی شاہ صاحب کو منوا بھی لیا لیکن لالٹین لے کر وہ ساری رات دربدر پھرتے رہے مگر انہیں چالیس آدمی بھی میسر نہ آئے۔ حالانکہ آبادی بہت کافی تھی اور ہزاروں اشخاص باہر سے بھی آئے ہوئے تھے۔ خدا کی قدرت ہے اگر ان کو چالیس آدمی مل جاتے تو ممکن ہے اُسی وقت خلافت کا ڈھونگ رچا تے۔لیکن اتنے آدمی بھی نہ ملے اور ادھر عابد علی شاہ صاحب کو دوسرے دن رؤیا ہوا اور انہوں نے آکر میری بیعت کر لی وَاللّٰہُ اَعْلَمُ یہ ان کی کوئی خیالی بات تھی یا اللہ تعالیٰ کا انہیں ہدایت دینے کا منشاء تھا۔ انہوں نے دوسرے روز آکر بیعت کر لی۔لیکن پہلے چونکہ انہوں نے خلیفہ بننے کیلئے رضامندی کا اظہار کر دیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کی انہیں بڑی سخت سزا دی۔ بیعت کے کچھ عرصہ بعد وہ کہنے لگے کہ دراصل اللہ تعالیٰ نے مجھے خلیفہ منتخب کیا ہے۔ میں نے کہا کہ آپ کا خدا بھی عجیب ہے کبھی تو آپ کو خلیفہ مقرر کرتا ہے اور کبھی بیعت کرنے کا حکم دیتا ہے۔مگر وہ آہستہ آہستہ اس دعویٰ میں بڑھتے گئے اور آخر جماعت سے الگ ہو کر بیعت لینے لگ گئے۔ چند سالوں کے بعد جب طاعون پھیلی تو انہوں نے کہا کہ مجھے خدا تعالیٰ نے بتایا ہے کہ میرا گھر طاعون سے محفوظ رہے گا۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی یہی الہام تھا مگر دیکھو دونوں میں کتنا فرق ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہام کے شائع ہونے کے بعد پانچ سات سال تک قادیان میں طاعون پھیلتی رہی بلکہ اس محلّہ میں جس میں آپ کا گھر تھا پھیلتی رہی اور ان گھروں میں پھیلتی رہی جو آپ کے مکان کے دائیں بائیں واقع تھے اور پھر معمولی حالت میں نہیں بلکہ ایسی شدید تھی کہ تین تین، چار چار اموات ان گھروں میں ہوئیں مگر آپ کے مکان میں ایک چُوہا تک نہ مرا۔لیکن سید عابد علی صاحب کے الہام کے بعد نہ صرف یہ کہ ان کے گھر میں آنے والے بعض لوگ طاعون سے ہلاک ہوئے بلکہ وہ خود بھی اور اُن کی بیوی بھی اسی سال طاعون سے فوت ہو گئے۔ بیشک وہ

ظاہری نماز روزہ کے پابند اور صوفی منش آدمی تھے مگر بعض لوگوں کے اندر ایک مخفی رنگ کا کبر ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ کو پسند نہیں ہوتا۔ ایسے لوگوں کو شیطان نیکی کی راہیں دکھا کر ہی قابو کرتا ہے اور بعد میں خدا تعالیٰ کا سلوک یہ فیصلہ کر دیتا ہے کہ الہام شیطانی تھا یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو اِن کا تو یہ حال ہوا۔

ادھر وہ لوگ جو اپنے آپ کو جماعت کا لیڈر اور رئیس سمجھتے تھے اور جن میں سے ایک نے اس سکول کی عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہم جاتے ہیں لیکن دس سال نہیں گزریں گے کہ اس پر آریوں اور عیسائیوں کا قبضہ ہوگا مگر آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ دس سال گزرے پھر دس سال گزرے اور پھر تیسرے دس سالوں میں سے بھی تین سال گزر گئے مگر خدا تعالیٰ کے فضل سے اِس عمارت پر کسی عیسائی یا آریہ کا قبضہ نہیں بلکہ عیسائیوں اور آریوں کا مقابلہ کرنے والے احمدیوں کا ہی قبضہ ہے۔ اور جن احمدیوں کا قبضہ ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے روز بروز بڑھتے اور طاقتور ہوتے جا رہے ہیں اور وہ شخص جس نے اِسی مسجد میں کھڑے ہو کر یہ اعلان کرنا چاہا تھا کہ کوئی خلیفہ نہیں ہونا چاہئے اس سال ان کے اخبار میں اعلان کیا جا رہا ہے کہ ہم اُس وقت تک ترقی نہیں کر سکتے جب تک کوئی واجب الاطاعت خلیفہ مقرر نہ کریں اور ہمیں چاہئے کہ ہم مولوی محمد علی صاحب کو ایسا مان لیں۔ جس شخص کو میرے مقابلہ پر کھڑا کرنا چاہتے تھے وہ طاعون کا مارا ہوا اپنے گاؤں میں پڑا ہے اور جو لوگ میرے مقابل پر یہ کہہ رہے تھے کہ خلافت کی ضرورت ہی نہیں وہ آج ناکام ہو کر اس مسئلہ کی طرف آ رہے ہیں اور ۲۳ سال بعد پھر اسی نکتہ کی طرف لَوٹتے ہیں۔ یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ صدر انجمن کا پریذیڈنٹ بھی ایسا ہونا چاہئے جو کم سے کم چالیس سال کی عمر کا ہو کیونکہ اس سے کم عمر میں عقل اور تجربہ پختہ نہیں ہو سکتا۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ ۲۵ سال عمر والے کو تو یہ نکتہ اسی وقت معلوم ہو گیا اور چالیس سال والے کو آج جبکہ وہ پینسٹھ سال کو پہنچ چکا ہے معلوم ہوا۔ مگر کیا وہ سمجھتے ہیں کہ انسانوں کے بنائے ہوئے خلیفے بھی خلیفے ہوتے ہیں۔ ہمارا اور ان کا ایک اختلاف یہ بھی تھا کہ خلیفہ خدا بناتا ہے اور اب شاید اللہ تعالیٰ انہیں یہ دکھانا چاہتا ہے کہ خلیفے وہی بناتا ہے۔ انسانوں کے بنانے سے کوئی

واجب الاطاعت خلیفہ نہیں بن سکتا۔

دیکھو جماعت کتنے خطرات میں سے گزر رہی ہے اور غور کرو ان کو دبانا کس انسان کی طاقت میں تھا۔ کم سے کم وہ انسان تو نہیں دبا سکتا تھا جس کے متعلق دوست دشمن سب کی یہی رائے تھی کہ یہ ناتجربہ کار نوجوان ہے۔ پھر سوچو کہ اس قدر شدید خطرات کے باوجود کون جماعت کو ترقی پر لے گیا؟ کیا وہی خدا نہیں جس نے کہا ہوا ہے کہ خلیفے ہم بناتے ہیں؟ یہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا تقاضا ہے کہ وہ ہمیشہ کام ایسے ہی لوگوں سے لیتا ہے جنہیں دنیا نالائق سمجھتی ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کام کرنے والا کون ہوسکتا ہے نہ آپ سے پہلے کوئی ایسا تھا نہ اب تک ہوا ہے اور نہ آئندہ ایسا ہوگا مگر دنیا نے آپ کی جو قیمت سمجھی تھی وہ پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے ذریعہ بتا دی تھی یعنی وہ پتھر جسے معماروں نے ردّ کر دیا۔ بائبل میں یہ بتا دیا گیا تھا کہ جو لوگ اپنے آپ کو کارخانۂ عالم کے انجینئر سمجھتے ہیں اور دنیا کی عام اصلاح کے مدعی ہیں جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جوہر اُن کے سامنے پیش کیا جائے گا تو وہ یہی کہیں گے کہ یہ ہمارے مطلب کا نہیں، مگر دنیا کے قیام اور زینت کا موجب وہی بنا۔ پھر اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کام لیا۔ آج دشمن کہتے ہیں کہ آپ پاگل تھے مگر خدا کی شان دیکھو کہ اُس نے آپ سے کتنا کام لیا۔ سب نبیوں کو اُن کے مخالف پاگل کہتے آئے ہیں مگر ہم کہتے ہیں کہ بہت اچھا پاگل ہی سہی مگر ہمیں تو اُس شخص کی ضرورت ہے جو ہمیں خدا سے ملا دے اور اسلام کو دنیا میں قائم کر دے۔ اگر پاگل سے یہ امور سرزد ہوں تو ہم نے فلسفیوں کو کیا کرنا ہے بلکہ میں کہوں گا کہ لاکھوں فلسفیوں کو اُس کی جوتی کی نوک پر قربان کیا جا سکتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ کے ابتدائی زمانہ میں لوگ کہتے تھے کہ مرزا صاحب تو نَعُوْذُ بِاللّٰہِ جاہل ہیں۔ سارا کام تو ''نورالدین'' کرتا ہے۔ زمانہ گزرتا گیا گزرتا گیا اور گزرتا گیا۔ پھر کہا گیا کہ نہیں ہماری غلطی تھی نورالدین صرف مضامین بتاتا ہے لکھنا اور بولنا نہیں جانتا۔ مرزا صاحب کی تحریر اور تقریر میں بجلیاں ہیں جس دن آپ فوت ہوئے یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ تب اللہ تعالیٰ نے نورالدین کو خلیفہ مقرر کیا جن

کے متعلق یہ کہا جاتا تھا کہ وہ لکھنا اور بولنا نہیں جانتے۔ اُس وقت تو لوگوں نے بیعت کر لی مگر زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ بعض نے کہا یہ ستّرا بہتّرا ہے، لائی لگ ہے، کمزور طبیعت ہے اور اگر اس مسئلہ کا فیصلہ اس کے زمانہ میں نہ کرایا گیا تو پھر نہ ہو سکے گا کیونکہ یہ تو ڈر جاتا ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے حضرت خلیفہ اوّل نے مسجد مبارک کے اوپر ان کو بلایا۔ مولوی محمد علی صاحب، خواجہ کمال الدین صاحب، ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب، شیخ رحمت اللہ صاحب کے علاوہ جماعت کے دوسرے دوست بھی بکثرت تھے۔ آپ نے فرمایا کہا جاتا ہے کہ تمہارا کام صرف نمازیں پڑھانا، درس دینا اور نکاح پڑھانا ہے مگر میں نے کسی کو نہیں کہا تھا کہ میری بیعت کرو تم خود اس کی ضرورت سمجھ کر میرے پاس آئے۔ مجھے خلافت کی ضرورت نہ تھی لیکن جب دیکھا کہ میرا خدا مجھے بُلا رہا ہے تو میں نے انکار مناسب نہ سمجھا۔ اب تم کہتے ہو کہ میری اطاعت تمہیں منظور نہیں۔ لیکن یاد رکھو اب میں خدا کا بنایا ہوا خلیفہ ہوں اب تمہاری یہ باتیں مجھ پر کوئی اثر نہیں کر سکتیں۔ یاد رکھو خلفاء کے دشمن کا نام قرآن کریم نے ابلیس رکھا ہے۔ اگر تم میرے مقابل پر آؤ گے تو ابلیس بن جاؤ گے آگے تمہاری مرضی ہے چاہے ابلیس بنو اور چاہے مومن۔ اس پر میری آنکھوں نے ان لوگوں کے چہرے زرد دیکھے ہیں۔ جماعت میں اس قدر جوش تھا کہ میں خیال کرتا ہوں کہ اگر حضرت خلیفہ اوّل نہ ہوتے تو لوگ شاید اُن کو جان سے مار ڈالتے۔ پھر میری آنکھوں نے وہ نظارہ بھی دیکھا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے حکم سے مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ صاحب آگے بڑھے اور دوبارہ بیعت کی۔ گویا جسے وہ کہتے تھے کہ کمزور دل ہے خدا تعالیٰ نے طاقتوروں کو اُس کے مقابل پر کھڑا کیا، پھر اُس کمزور دل سے اُن کو شکست دلوائی اور دنیا پر ظاہر کر دیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بھی اور حضرت خلیفہ اوّل کے زمانہ میں بھی وہ خود ہی کام کرنے والا تھا۔

پھر ان لوگوں نے کہا کہ بڈھا تجربہ کار اور خرانٹ تھا۔ تھا تو نرم دل مگر تجربہ کار اور عالم تھا۔ تب اللہ تعالیٰ نے اُس شخص کو چُنا جو پرائمری میں بھی فیل ہوتا رہا تھا۔ جس نے کبھی کسی دینی مدرسہ میں بھی پڑھائی نہ کی تھی۔ صحت کمزور تھی اور عمر صرف ۲۵ سال تھی۔ جسے کبھی

کوئی بڑا کام کرنے کا موقع نہ ملا تھا اور کوئی تجربہ کار نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ تم کہتے تھے نورالدین بڈھا، تجربہ کار اور علم والا تھا آؤ ہم اب اس سے کام لے کر دکھاتے ہیں جو نہ عمر رسیدہ ہے اور نہ عالم۔ میرے خلاف تو سب سے بڑا اعتراض ہی یہ تھا کہ بچہ ہے، نا تجربہ کار ہے۔ پھر اس بچہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو جس طرح شکستیں دی ہیں اور جس طرح ہر میدان میں ذلیل کیا ہے وہ دنیا کے سامنے ہے۔ اور جس رنگ میں اللہ تعالیٰ نے اہم اسلامی مسائل کا فیصلہ میرے ذریعہ سے کرایا ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ وہ کونسا مسئلہ ہے جو پوشیدہ تھا اور خدا نے میرے ذریعہ سے اسے صاف نہیں کرایا۔ کئی معارف چھپے ہوئے موتیوں کی طرح پوشیدہ پڑے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ نکلوایا ہے۔ ایک طرف جماعت کی ترقی اور دوسری طرف اسلام کی ترقی کا کام اللہ تعالیٰ نے اس بچہ سے لیا اور اُن مطالب کا اظہار کیا جن سے دنیا فائدہ اُٹھا رہی ہے اور اُٹھاتی رہے گی۔ مخالفوں نے کہا دراصل پیچھے اور لوگ کام کر رہے ہیں اور بعض نے کہا کہ مولوی محمد احسن کا جماعت میں رسوخ تھا ان کے ساتھ ہونے کی وجہ سے یہ سب کارخانہ چل رہا ہے۔ اس کے بعد مولوی محمد احسن صاحب کو ایسا ابتلا آیا کہ وہ لاہور چلے گئے اور جا کر اعلان کیا کہ میں نے ہی اسے خلیفہ بنایا تھا اور میں ہی اسے معزول کرتا ہوں۔ مگر خدا تعالیٰ نے کہا کہ تم کون ہو خلیفہ بنانے والے؟ اور چونکہ تم نے ایسا دعویٰ کیا ہے اس لئے ہم تمہیں قوتِ عمل سے ہی محروم کرتے ہیں۔ چنانچہ اُن پر فالج گِرا پھر وہ قادیان آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر اور رو رو کر کہا کہ میرے بیوی بچوں نے مجھے گمراہ کیا ورنہ دل سے تو میں آپ پر ایمان رکھتا ہوں۔ سید حامد شاہ صاحب پُرانے آدمیوں میں سے تھے اور بہت کام کرنے والے، خدا تعالیٰ کی حکمت ہے وہ جلد فوت ہو گئے اُن کو بھی پہلے ابتلا آیا تھا مگر جلد ہی اللہ تعالیٰ نے اُن کو ہدایت دے دی اور وہ بیعت میں شامل ہو گئے۔ ان کے علاوہ کچھ اور بھی ہیں جو ابتلا میں ہیں اور بجائے سلسلہ کی ترقی کا موجب ہونے کے وہ نِفاق کی بیماری میں مبتلا ہو گئے ہیں تا خدا تعالیٰ کا جلال دنیا پر ظاہر ہو اور وہ بتا دے کہ وہ خود کام کر رہا ہے۔

میں نے پہلے بھی کئی بار کہا ہے اور اب بھی کہتا ہوں اور یہ ایک سچائی ہے جس کا اظہار

کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے میری زبان یا قلم سے قرآن کریم کے جو معارف بیان کرائے ہیں یا جو اور کوئی کام مجھ سے لیا ہے مجھ سے زیادہ جھوٹا اور کوئی نہ ہوگا اگر میں کہوں کہ یہ میرا کام ہے۔ میں جب بھی بولنے کیلئے کھڑا ہوا ہوں یا قلم پکڑا ہے میرا دماغ بالکل خالی ہوتا ہے۔ شاید سَو میں سے ایک آدھ دفعہ ہی ہو جب کوئی مضمون میرا سوچا ہوا ہوتا ہے ورنہ میرا ذہن بالکل خالی ہوتا ہے اور میں جانتا ہوں کہ سب کچھ اُسی کا ہے جس کا یہ سلسلہ ہے۔ اگر میں اس پر اِتراؤں تو یہ جھوٹی بات ہوگی ہاں جو غلطی ہو وہ بے شک مجھ سے ہے۔ بھلا ایک انسان جو ظاہری علوم سے بالکل ناواقف اور بے بہرہ ہو وہ ان باتوں کو کیسے نکال سکتا ہے جو شاید آئندہ صدیوں تک اسلام کی ترقی کیلئے بطور دلیل کام دیں گی جیسے تعزیراتِ ہند ہندوستان کے لئے کام دیتی ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ غیر احمدی بھی اُن دلائل کو استعمال کررہے ہیں جو میں نے پیش کئے ہیں۔ تمدن کے متعلق اسلامی تعلیم یعنی ترکِ سُود، زکوٰۃ اور وراثت کا قیام یہ تین نکات والی سہ پہلو عمارت کوئی ثابت نہیں کرسکتا کہ پچھلی صدیوں میں کسی نے تیار کی ہو۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل اللہ تعالیٰ نے مجھے ہی توفیق دی ہے اور میں نے اِن مسائل کو بیان کیا۔ پھر اور سینکڑوں مسائل ہیں جو خدا تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے مجھے سکھائے۔

پس یہ سلسلہ خدا کا ہے آدمیوں کا نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی اسے بڑھائے گا۔ انسانوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ صرف ایک بات ہے جسے تمہیں یاد رکھنا چاہئے۔ جب تک تمہارے اندر اطاعت اور فرمانبرداری رہے گی وہ نور تم کو ملتا رہے گا۔ لیکن جب اطاعت سے منہ موڑو گے اللہ تعالیٰ کہے گا کہ جاؤ اب تو جوان ہوگئے ہو اپنی جائیداد سنبھالو۔ تب تم محسوس کرو گے کہ تم سے زیادہ کمزور اور کوئی نہیں۔

حضرت علیؓ کے بعد بھی مسلمانوں نے فتوحات حاصل کیں۔ ملک فتح کئے، علمی تمدن اور سیاسی غلبے پائے مگر جو برکت، جو رُعب، جو دبدبہ اور جو شوکت حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ رِضْوَانُ اللّٰہِ عَلَیْھِمْ کے زمانہ میں تھی وہ تیرہ سَو سال میں پھر حاصل نہیں ہوئی۔ اُس وقت تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ دنیا کے سر پر پاؤں رکھ کر کھڑے ہیں

اور کہہ رہے ہیں کہ کوئی ہے جو ہمارے مقابل پر آئے۔ گویا خدا تعالیٰ کے فرشتے اُن کے گرد کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔ حضرت علیؓ کے وقت میں بعض بدبختوں نے اختلاف کیا جس سے ایسا تفرقہ پیدا ہوا کہ جو تیرہ سَو سال میں بھی نہیں مٹا۔ اب دوبارہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اتحاد کی بنیاد رکھی ہے اور آپ سے خدا تعالیٰ نے دوبارہ وعدہ کیا ہے کہ نُصِرْتَ بِالرُّعْبِ[1] اور یہ رعب چلتا جائے گا۔ جب تک تم اس فیصلہ کا احترام کرو گے جو ۱۴ مارچ ۱۹۱۴ء کو اس مسجد میں تم نے کیا تھا۔ لیکن جب اس میں تزلزل آیا اللہ تعالیٰ بھی اپنی نصرت کو کھینچ لے گا جو اُس نے اس مسجد میں تمہارے فیصلہ کے بعد نازل کی تھی۔ جب تک تم اس فیصلہ میں تبدیلی نہ کرو گے چونکہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ[2] وہ بھی نصرت کو واپس نہیں لے گا۔ اُس وقت تک تمام حکومتیں اور تمام طاقتیں تم سے ڈریں گی اور ہر ترقی پر تمہارا قدم ہوگا۔ دنیا کی تمام اقوام تمہارے پیچھے چلنے میں فخر محسوس کریں گی اور تمہارا سر سب سے اونچا ہوگا۔ ابھی تو یہ ایک بیج ہے، ایک کونپل پھوٹی ہے جو بڑھتے بڑھتے ایک مضبوط درخت بنے گا جس پر دنیا کے بڑے بڑے حاکم آرام کیلئے گھونسلے بنائیں گے۔ لیکن جس دن تم اس فیصلہ کو بُھول جاؤ گے خدا نہ کرے اُس دن کے تصور سے بھی دل کانپ اُٹھتا ہے جب تم کہو گے کہ خدا نے خلیفہ کیا بنانا ہے ہم خود بنائیں گے تب فرشتے تبر لے کر آئیں گے کہ لو ہم اس درخت کو کاٹتے ہیں جسے خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے لگایا تھا مگر تم نے اس کی قدر نہ کی۔ اب تم اپنے باغ لگاؤ اور مزے اُڑاؤ۔ پچھلوں نے اس غلطی کا تجربہ کیا خدا نہ کرے کہ تم بھی کرو۔ لیکن خدانخواستہ اگر کبھی ایسی غلطی کی گئی تو دنیا دیکھ لے گی کہ تم صدیوں میں ایک درخت بھی نہ لگا سکو گے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ پھر کوئی مأمور مبعوث کرے۔''

(خطباتِ محمود جلد ۱۸ صفحہ ۷۱ تا ۸۰)

---

[1] تذکرہ صفحہ ۵۳، ۵۶۶ ایڈیشن چہارم ۲۰۰۴ء

[2] الرعد: ۱۲

اپنی تمام حرکات خلیفۂ وقت کے احکام کے تابع رکھو

(فرمودہ ۷؍مئی ۱۹۳۷ء)

تشہّد ،تعوّ ذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

جو کچھ میں آج جمعہ میں بیان کرنا چاہتا ہوں شاید وہ اس اجتماع کے مناسب حال نہیں اور وہ وقت جو اِس وقت میرے پاس ہے وہ بھی اِس مضمون کیلئے کافی نہیں ہوسکتا کیونکہ ہم میں سے بعضوں نے ریل کے ذریعہ واپس جانا ہے۔مگر چونکہ سفر میں میرے پاس اِتنا وقت نہیں ہے کہ مضمون کے ذریعہ قادیان کی جماعت اور بیرونی جماعتوں کو توجہ دلاؤں اِس لئے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ خطبہ کے ذریعہ بیان کردوں اور زودنویس جہاں تک اِن سے ہوسکے خطبہ لکھ کر الفضل کو بھجوادیں تاکہ قادیان اور بیرونی جماعتوں کو اطلاع ہوجائے۔

جماعت کے دوستوں کو معلوم ہے کہ ایک عرصہ سے کچھ افراد قادیان میں ایسے آبسے ہیں جن کی غرض محض یہ ہے کہ جماعت میں فتنہ پیدا کریں اور انہوں نے قِسم قِسم کی تدابیر سے بعض مقامی ہندوؤں اور سکھوں کو بھی ملالیا ہے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ قادیان کے سارے کے سارے ہندو اور سکھ اِس میں شامل ہیں۔ان میں سے بعض اچھے بھی ہیں اور وہ ہم سے تعلقات بھی رکھتے ہیں اور ان کی ایسی حرکات پر اظہارِ ناپسندیدگی کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ ان کو اس بات سے بھی تقویت پہنچ گئی کہ ضلع کے بعض حکام کے مذہبی تعصب یا سیاسی اختلاف یا کسی ذاتی کمزوری کی وجہ سے جو بعض طبائع میں پائی جاتی ہے اِن کو ایسی فضا میسر آگئی ہے کہ ایسے حکام کو اپنے ساتھ شامل کرکے جماعت کے راستے میں مشکلات پیدا کریں۔دو اڑھائی سال کے اختلاف کے بعد کسی قدر کمی پیدا ہوئی تھی لیکن

مہینہ دو مہینہ سے اِس میں پھر کسی قدر حرکت معلوم ہوتی ہے۔

میں نے بارہا اپنی جماعت کو نصیحت کی ہے کہ جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلْاِ مَامُ جُنَّةٌ يُّقَاتَلُ مِنْ وَّرَائِه[1] امام کے بنانے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ ڈھال کے طور پر ہوتا ہے اور جماعت اس کے پیچھے لڑتی ہے۔ یہ جائز نہیں کہ جماعت کے لوگ خود لڑائی چھیڑ دیں۔ اعلانِ جنگ امام کا کام ہے اور وہ جس امر کے متعلق اعلان کرے جماعت اُس طرف متوجہ ہو۔ مگر کئی دوست نہیں سمجھتے اور جھٹ ہر امر پر اظہارِ خیال کرنے لگ جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بسا اوقات دشمن اس سے چڑ کر شدت سے گالیاں دینے لگ جاتا ہے اور چھوٹی سی بات بہت بڑی بن جاتی ہے اور پھر ساری جماعت اس میں ملوث ہو جاتی ہے۔

ایک عام آدمی جس کو خدا تعالیٰ نے اختیار نہیں دیا ہوتا نہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ سلسلہ کی ضرورتیں کیا ہیں نہ اُس کو کسی سکیم کا پتہ ہوتا ہے، نہ دشمن کی چالوں کو سمجھتا ہے، نہ اسے یہ علم ہوتا ہے کہ طاقت کہاں کہاں خرچ کرنی ہے، نہ جماعت کی ضرورتیں اور ترقی کی سکیمیں اُس کے ذہن میں ہوتی ہیں، نہ اس کے علم میں ہوتا ہے کہ خلیفہ کی اس امر کے متعلق کیا تجویزیں ہیں کیونکہ اس کے پاس کوئی رپورٹیں نہیں پہنچتیں اور نہ حالات کا اُس کو علم ہوتا ہے وہ اپنی حماقت سے ایک چنگاری چھوڑ دیتا یا دشمن کی لگائی ہوئی آگ کو اپنی پھونکوں سے روشن کر دیتا ہے اور پھر ساری جماعت کو اسے بجھانا پڑتا ہے۔ خلیفہ کو اپنی سکیمیں پیچھے ڈالنی پڑتی ہیں اور جماعت کی ساری طاقت اس شخص کی بھڑکائی ہوئی آگ کے بجھانے میں صرف ہو جاتی ہے۔

میں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ ایسے امور میں قطعی طور پر امام کی اتباع کی جائے۔ اب کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ ایک طرف تو لوگ بیعت میں اقرار کریں کہ ہم آپ کی اطاعت کریں گے اور دوسری طرف اپنی جھوٹی عزت کا خیال کرتے ہوئے اور امام کے اعمال کی حکمت کو نہ سمجھتے ہوئے یہ خیال کریں کہ اگر امام گالی کا جواب نہیں دیتا تو اُس کی بے غیرتی ہے۔ حالانکہ امام خوب سمجھتا ہے کہ فلاں جگہ خاموش رہنا مناسب ہے یا جواب دینا اور وہی خوب سمجھتا ہے کہ اس کا کیا جواب دیا جائے۔ ہر گالی جواب کے قابل نہیں ہوتی۔

بچپن میں لوگ ہمیں میاں صاحب اور قادیان کے محاورہ کے مطابق میاں جی بھی کہا کرتے تھے۔ پنجاب کے بعض دوسرے علاقوں میں میاں جی کو ملا بھی کہتے ہیں۔ پنجاب کی اردو ریڈروں میں لکھا ہوا ہے کہ میاں جی گھوڑے پر سوار ہیں۔ اُستاد کو بھی میاں جی کہتے ہیں۔ بعض طالب علموں نے جو استادوں کے خلاف ہوتے ہیں انہوں نے ان کے متعلق بعض فقرے بنائے ہوئے ہوتے ہیں۔ جیسے ''میاں جی سلام تہاڈی گھوڑی نوں لگام'' اِسی طرح مجھے بھی بعض لڑکے چھیڑا کرتے۔ عمر کے لحاظ سے بعض دفعہ مجھے اِس پر غصہ بھی آتا لیکن خاموش رہتا۔ ایک دفعہ میں گزر رہا تھا کہ ایک لڑکے نے مجھے دیکھ کر یہ فقرہ کہا۔ اِس پر مجھے اشتعال آیا لیکن معاً خیال آیا کہ یہ بچے ہیں میرے اشتعال سے اِن کو کیا فائدہ۔ اگر میں نے اشتعال دکھایا تو یہی فقرہ دُہرایا جائے گا اور بچے یاد رکھیں گے اور ایسا کہہ کر بھاگ جایا کریں گے۔ پس میں نے اپنے نفس کو روکا حتّٰی کہ ایک دو دن کے بعد وہ بھول گئے۔ پس ہر گالی قابل جواب نہیں ہوتی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ [۲] کہ ان مشرکوں کی طرف سے گالیاں دی جائیں گی تُو ان کی طرف توجہ نہ کرنا اور تبلیغ کی طرف لگے رہنا تا ایسا نہ ہو کہ اصل مقصود بُھول جائے اور ایسے کام کی طرف لگ جاؤ جس کا کچھ فائدہ نہیں۔ یہ ایک عظیم الشان اور اخلاقی فلسفہ ہے جو قرآن کریم نے پیش کیا کہ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ۔

یاد رکھنا چاہئے کہ مخالف دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو کوئی اہمیتِ ذاتی یا پوزیشن رکھتے ہیں ان کو صداقت کی جاذبیت دیکھ کر غصہ پیدا ہوتا ہے اور وہ سخت کلامی کرتے ہیں۔ اور ایک اوباش ہوتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں سخت الفاظ کہنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ اس کی تو عزت کوئی نہیں، اس کی ایک گالی کے جواب میں اگر تم بھی گالی دو گے تو اِس کے جواب میں وہ پانچ دے گا اور تمہاری دس گالیوں کے مقابلہ میں پچاس دے گا پھر مقابلہ کیا رہا۔ وہ معزز شخص جس کے پیچھے ایک قوم ہوتی ہے اگر اُس کو اُس کی سخت کلامی کا جواب دیا جائے تو مفید ہوسکتا ہے کیونکہ اُس کے ساتھی اُس کو ملزم کریں گے اور اُس کو کہیں گے کہ غلطی تمہاری تھی، کیوں تم نے ابتداء کی اور وہ اپنی پردہ دری کے خوف سے چُپ ہو جائے

گا۔مگراو باش کوکون بتلائے اور اسے کون سمجھائے۔وہ بتلانے والے کوبھی دس بیس سُنا دے گا۔پس اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوفرمایا کہ استہزاء کرنے والوں کو جواب نہ دینا، ہم خود جواب دیں گے کیونکہ ہم تمہاری طرف سے ان لوگوں کے مقابلہ کیلئے کافی ہیں جوحقارت اور تذلیل کے ذریعہ مخالفت کرتے ہیں ایسے لوگوں کے مقابلہ میں تمہیں نہ ہمت ہے نہ طاقت نہ ہی دُنیوی ڈھنگ آتے ہیں۔ان لوگوں کی اپنی کوئی عزت نہیں، وہ اس سے بڑھ کر گالیاں دیں گے اور بجائے اس کے کہ ان کے دل ٹھنڈے ہوں دشمن بدگوئی میں بڑھتا چلا جائے گا۔ایسے انسان کی زبان کولگام نہ عزت دے سکتی ہے نہ رُتبہ نہ شرافت۔کیونکہ یہ باتیں اسے میسر نہیں ہوتیں۔اگر یہ چیزیں اسے حاصل ہوں تو جواب کی اہمیت اُس کی سمجھ میں آجاتی ہے کیونکہ وہ خیال کرتا ہے کہ میری بھی عزت ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسلام کے بعض دشمنوں میں سے ایسے ہی بعض لوگوں کو جواب دیا جو مثلاً پادری تھے اور اپنی قوم میں معزز تھے۔جبکہ وہ اسلام کے متعلق بدگوئی میں انتہا درجہ پر پہنچ گئے تا ان کو احساس ہو اور ان کی پوزیشن ان پر ظاہر ہو جائے۔ چنانچہ ایسے لوگوں کے پاس ایک جماعت متفرق لوگوں کی گئی جنہوں نے ان کو کہا کہ اگر تم ایسی سختی نہ کرتے تو حضرت مسیح موعود عَلَیْہِ السَّلام کے متعلق تم کوایسی باتیں نہ سننی پڑتیں۔جس سے ان کوشرم محسوس ہوئی اور وہ رُک گئے۔حتّٰی کہ بعضوں نے عَلَی الْاِعْلَان کہنا شروع کیا کہ کسی مذہب کے خلاف کچھ نہیں کہنا چاہئے۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آئندہ کیلئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دشمنوں کی بدگوئی بہت حد تک رُک گئی۔لیکن اگر آپ بعض اوباش عیسائیوں کے خلاف لکھتے تو کسی شریف نے اُن کو روکنا نہیں تھا نہ خود اُن کو اپنی عزت کا پاس ہوتا اور اِس طرح وہ گالیوں میں بڑھ جاتے۔ایسے لوگوں کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کبھی مخاطب نہیں کیا بلکہ ان کی نسبت فرمایا کہ ان کی گالیاں سن کر ان کو دعا دو۔

خدا تعالیٰ بھی قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ [3] کہ جوتمسخر کرتے ہیں ان میں علم اور عقل نہیں ہوتی ان کے جواب کی تم میں ہمت نہیں ہم ان کو خود جواب دیں گے۔پس ایسے لوگوں کو مخاطب کرنا بے فائدہ ہے۔

اب قادیان کے ہندو مسلمانوں کی پوزیشن کیا ہے۔ وہ قوم میں معزز نہیں ۔ وہ اگر گالیاں دیں تو وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ کے مطابق ایسے مشرکین سے اعراض کرنا چاہئے۔ ایسے شخصوں کا مقابلہ کرنے والا درحقیقت پاگل ہے اور وہ خود زیادہ گالیاں دلاتا ہے بلکہ سلسلہ کا دشمن ہے کیونکہ آپ گالیاں دلاتا اور قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف عمل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے تم ان کے بڑوں کو گالیاں مت دو کہ پھر یہ بغیر علم کے تمہارے خدا کو گالیاں دینے لگ جائیں گے۔ کیونکہ دشمنی کے ساتھ بعض دفعہ عقل بھی ماری جاتی ہے اور حملہ کرتے وقت صرف یہی احساس دل میں ہوتا ہے کہ دوسرے کے نقصان کی خاطر اگر اپنا نقصان بھی ہو جائے تو کوئی پرواہ نہیں۔ بیسیوں لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ دوسرے کو نقصان پہنچانے کی خاطر اپنے مکان کو آگ لگا دیتے ہیں تا کہ دوسرے کو مقدمہ میں پھنسا دیں۔ کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اپنے بیٹے کو مار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں نے مار دیا۔ پس پاگلوں کو چھیڑنا خود پاگل پن ہے۔ ہماری جماعت کو سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو ایک امام کے تابع کیا ہے اور امام خوب سمجھتا ہے کہ کہاں جواب دینا مناسب ہے اور کہاں نہیں۔ ہر جگہ جواب دینے والے کی مثال کُتّے کی سی ہوتی ہے جو بغیر امتیاز کے بھونکتا ہے۔ ایک شریف انسان کو بھی جواب دیتا ہے لیکن وہ یہ دیکھتا ہے کہ کس کو جواب دیا جائے اور کیا جواب دیا جائے۔

پس یہ امام کا حق ہے کہ وہ فیصلہ کرے کہ کون سے دشمن اسلام ایسے ہیں جن کو جواب دیا جائے اور کون سے دشمن ایسے ہیں جن کے اعتراضات سننے کے باوجود خاموشی اختیار کی جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بھی ایسے گالیاں دینے والے لوگ موجود تھے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن کو کبھی جواب نہیں دیا۔ آخر جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے جواب دیا اور ''قادیان کے آریہ اور ہم'' کتاب لکھی تو دیکھو ان میں سے کون باقی رہا۔ سب طاعون سے فنا ہو گئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے خود جواب دیا۔ اس سے تم لوگ سمجھ سکتے ہو کہ اگر تمہارا جواب خدا کے حکم سے ہو تو اس کے نتیجہ میں بھی وہ بات پیدا ہو جائے۔ لیکن جب پیدا نہیں ہوتی تو معلوم ہوا کہ تمہارا جواب خدا کے حکم کے

خلاف ہے ورنہ چاہئے تھا کہ خدا کے فرشتے تمہاری مدد کرتے اوراس کا جواب دیتے۔ آسمان و زمین میں ایسے سامان پیدا ہوجاتے کہ وہ باتیں پوری ہوجائیں۔ اگرتم ان کو ذلیل و بےشرم کہتے تو خدا کے فرشتے بھی ان الفاظ کو دُہراتے اوران کے دوست بھی انہیں ایسا ہی کہتے۔لیکن جب ایسا نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ تمہارے سخت الفاظ محض الفاظ ہی ہیں ان میں حقائق نہیں۔اس کے مقابلہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حقائق پیش کئے۔ دشمنوں نے آپ کو اَبْتَـرُ کہا۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے دشمنوں کوابترکہا۔ان کی اولادیں موجود تھیں لیکن خدا نے ایسے سامان پیدا کردیئے کہ بعضوں کی اولاد کولڑائیوں میں ختم کردیا اوربعض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد بن گئے اوران لوگوں کی اولاد نہ رہے۔

پنجابی میں اَوتر بھی اَبْتَر کو ہی کہتے ہیں۔پنجابی عورتیں بھی یہ گالیاں دیتی ہیں کہ تم اَوتر ہوجاوَ۔لیکن وہ محض گالی ہوتی ہے۔ان عورتوں کی اس گالی سے کسی کے بچے نہیں مرتے۔لیکن رسول کریم ﷺ نے جن دشمنوں کو اَوتر کہا تو ان کی اولادیں واقعہ میں فنا ہوگئیں۔پس معلوم ہوا کہ رسول کریم ﷺ کا ابتر کہنا گالی نہ تھی بلکہ واقعہ تھا جو پورا ہوا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض سخت اقوال سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے کیونکہ انہوں نے خدا کے حکم سے وہ الفاظ کہے اورزمین وآسمان ان کے ساتھ ہوگئے۔میں دیکھتا ہوں ہماری جماعت کے بعض لوگ جب جواب دینے کیلئے کھڑے ہوتے ہیں اوردشمن اس کے جواب میں اس سے بڑھ کر گالیاں دیتا ہے تو بے غیرت بن کر اپنے گھر میں بیٹھ جاتے ہیں۔حالانکہ ان کو چاہئے تھا کہ یا تو دشمن کا منہ بند کرتے یا گالی کا جواب دینے میں ابتداء نہ کرتے۔پس میں جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ ان کے اخلاق دوسروں سے اعلیٰ ہونے چاہئیں۔پیغامِ حق پہنچانا،اخلاقِ فاضلہ پیدا کرکے دین ودنیا کی بہتری کی تجاویز سوچنا،نیکی اورعلم کووسعت دینااوردنیا کی تکالیف دورکرنا ان کامقصود ہو،تا کہ جو خدا کا مقصد سلسلہ احمدیہ کے قیام سے ہے وہ پورا ہو۔

یہ سنت ہے کہ جب خدا کا کام بندہ اپنے ذمہ لے لیتا ہے تو خدا اسے چھوڑ دیتا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ ایک مجلس میں بیٹھے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس جگہ تشریف رکھتے تھے کہ ایک شخص آپ کو گالیاں دینے لگا۔ آپ خاموش رہے۔ جب اُس نے زیادہ سختی کی تو حضرت ابوبکرؓ نے بھی اُس کو جواب دیا۔ اس پر رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب تک آپ خاموش رہے خدا کے فرشتے اسے جواب دیتے رہے۔ لیکن جب آپ نے خود جواب دینا شروع کیا تو وہ چلے گئے۔[۴] پس جس کام کو خدا نے اپنے ذمہ لیا ہوا ہوتا ہے اگر بندہ اس میں دخل دے تو خدا اسے چھوڑ دیتا ہے۔ لیکن اگر بندہ صبر کرے اور یقین رکھے کہ خدا تعالیٰ جلد یا بدیر اس کا بدلہ لے لے گا تو خدا اس کا بدلہ لے لیتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں ۱۳ سال تک اور پھر مدینہ میں جا کر بھی دشمن نے گالیاں دیں اور تنگ کیا۔ نہ صرف ایک دن نہ صرف ایک ماہ نہ صرف ایک سال بلکہ اِس وقت تک مخالفین آپ کو گالیاں دے رہے ہیں اور تورات کی پیشگوئی کے مطابق کہ حضرت اسماعیل جو رسول کریم ﷺ کے جدِّ امجد تھے ان کے خلاف ان کے بھائیوں کی تلوار ہمیشہ اُٹھی رہے گی۔ آپ کو لوگ ہمیشہ گالیاں دیتے رہتے ہیں لیکن خدا نے اس کا علاج اپنے ذمہ لے رکھا ہے اور اس سے بہتر علاج اس کا کیا ہوسکتا ہے کہ خدا تعالیٰ ان لوگوں کو اسلام میں داخل کر دے لیکن اسلام میں داخل کرنا ہمارے اختیار میں نہیں۔

مجھے ایک دفعہ ایک یہودی نے چٹھی لکھی کہ میں وہ شخص تھا کہ شاید ہی کسی کے دل میں میرے دل سے بڑھ کر محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق دشمنی ہو بلکہ رسول کریم ﷺ کا نام سنتے ہی مجھے اشتعال پیدا ہو جاتا تھا۔ لیکن آپ کے مبلغوں سے اسلام کی خوبیاں سن کر اب میری یہ حالت ہوگئی ہے کہ میں رات کو نہیں سوتا جب تک رسول کریم ﷺ پر درود نہ بھیج لوں۔ بھلا ہماری گالیوں سے سلسلہ کی کیا خدمت ہوسکتی ہے۔ اگر ہم دعا کریں کہ اے خدا! تیرا وعدہ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ سچا ہے تُو آپ اس کا علاج کر اور اس وعدہ پر اعتماد رکھ کر چپ رہیں تو خدا خود ہی انتظام کرے گا۔ اور اگر تم نے خود اِس میں دخل دینا شروع کر دیا تو تم بیعت میں رخنہ ڈالنے والے، دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کے وعدہ کو پس پشت ڈالنے والے اور سلسلہ کو بدنام کرنے والے ہو گے۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ امام کی اطاعت کرو اور امام کے پیچھے ہو کر لڑو۔ پس لڑائی کا اعلان کرنا امام کا کام ہے تمہاری غرض محض اس کی اطاعت ہے۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اس تعلیم کو خود ہی ردّ کرنے والے ٹھہرو گے۔ دنیا میں بعض دفعہ چھوٹی چھوٹی باتوں سے عظیم الشان لڑائیاں ہو جاتی ہیں۔ جیسے آسٹریا کے شہزادہ کے قتل سے عظیم الشان جنگ ہوئی جس میں دو کروڑ سے زیادہ انسان قتل ہوئے۔ پس امام جب چاہے اعلانِ جنگ کرے جب چاہے چُپ رہے۔ لوگوں کو چاہئے کہ اس کے پیچھے رہیں اور خود بخود کوئی حرکت نہ کریں۔

پس میں پھر جماعت کو نصیحت کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ وہ اپنے فرائض کی طرف متوجہ ہوگی۔ میں مصلحت کو سمجھتا ہوں۔ ہر بات کی دلیل بیان کرنا امام کیلئے ضروری نہیں۔ جرنیل اور کمانڈر کے ہاتھ میں سارا راز ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کہاں اور کس طرح حملہ کیا جائے۔ اگر وہ راز کھول دے تو دشمن اس کا توڑ سوچ لے اور ساری سکیم باطل ہو جائے۔ اگر کوئی شخص سچے طور پر بیعت کرتا ہے اور اتباع کا اقرار کرتا ہے تو اس کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے اعتراض نہیں کرنا چاہئے ورنہ بیعت چھوڑ دے کیونکہ وہ منافق ہے۔ پس گالیوں کا جواب نہیں دینا چاہئے ورنہ آہستہ آہستہ بڑی لڑائی شروع ہو جائے گی اور پھر امام بھی مجبور ہوگا کہ اس میں شامل ہو اور اپنی طاقت ایسی جگہ خرچ کرے جہاں وہ مناسب نہیں سمجھتا۔ میں امید کرتا ہوں کہ دوست ان باتوں کی اہمیت کو سمجھیں گے۔

کوئی مومن اِس قدر بیوقوف نہیں ہوتا کہ اس کے غصے سے ساری جماعت کو نقصان پہنچے۔ پس دوستوں کو چاہئے کہ اپنے نفس کو قابو میں رکھیں اور امام کے حکم کے منتظر رہیں۔ قرآن کریم میں جب لڑائی کا حکم آیا تو بعض لوگوں نے لڑنے سے انکار کر دیا اور کہا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰکُمْ[۵] کہ اگر ہم جانتے کہ یہ لڑائی ہے تو ہم ضرور شامل ہوتے۔ مگر یہ تو خودکشی ہے اور یہ وہی لوگ تھے جو لڑائی کیلئے زیادہ شور مچاتے تھے۔ پس زیادہ شور مچانا بسا اوقات نِفاق کی علامت ہوتی ہے۔ ایسے لوگ جماعت کو لڑائی میں ڈال کر آپ پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور بعض بالکل خاموش رہنے والے بعض دفعہ زیادہ مومن اور بہادر ہوتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ خاموش طبیعت تھے لیکن لڑائی میں سب سے زیادہ

خطرناک جگہ پر موجود رہتے تھے یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ کیونکہ لڑائی میں سب سے زیادہ خطرناک جگہ وہی ہوتی تھی جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے تھے۔ کیونکہ دشمن کا سارا زور وہیں ہوتا تھا اور لوگ کہتے تھے کہ یوں تو یہ بڈھا بہت نرم دل ہے لیکن لڑائی میں سب سے آگے رہتا ہے۔ پس خاموشی سے اخلاص میں فرق نہیں پڑتا بلکہ ممکن ہے جو زیادہ خاموش رہنے والا ہے خدا کے نزدیک زیادہ مخلص ہو اور وہ جو زیادہ شور مچانے والا ہے وہ منافق ہو۔ کیونکہ خدا تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے اور وہ خوب سمجھتا ہے کہ مومن کون ہے اور منافق کون ہے''۔

(خطباتِ محمود جلد ۱۸ صفحہ ۱۳۱ تا ۱۳۸)

---

۱ بخاری کتاب الجهاد باب يُقَاتَلُ مِنْ وَّرَاءِ الْاِمَامِ وَيتقٰى به صفحہ ۴۸۹ حدیث نمبر ۲۹۵۷ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانية

۲ الحجر: ۹۵　　۳ الحجر: ۹۶

۴ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۴۳۶ مطبوعہ بیروت ۱۹۷۸ء

۵ آل عمران: ۱۶۸

امام اور ماموم کا مقام اور اس کے تقاضے

(فرمودہ ۲۸ رمئی ۱۹۳۷ء)

تشہّد ،تعوّ ذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

''غالباً دو جمعے گزرے ہیں کہ میں نے ایک خطبہ اپنے سفر کے دوران میں پڑھا تھا اور ہدایت کی تھی کہ اسے فوراً ''الفضل'' میں چھپنے کیلئے بھجوا دیا جائے کیونکہ وہ خطبہ موجودہ فتنوں کے متعلق تھا اور گو وہ پڑھا سفر میں گیا تھا اور جو لوگ اُس وقت سامنے بیٹھے تھے ان میں سے اکثریت ان لوگوں کی تھی جو قادیان میں نہیں رہتے تھے مگر اُس خطبہ کے پہلے مخاطب قادیان میں رہنے والے لوگ ہی تھے اور میں چاہتا تھا کہ جس قدر جلد ہو سکے اسے قادیان میں رہنے والے لوگوں تک پہنچا دیا جائے تا کہ کم سے کم خدا تعالیٰ کے سامنے میں بری الذمہ ہو سکوں اور اُسے کہہ سکوں کہ میں نے ان کے سامنے ہدایت اور راستی پیش کر دی تھی۔ اگر باوجود میرے ہدایت پیش کر دینے کے اُنہوں نے اِس پر عمل نہیں کیا تو اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ان پر ہے۔

میں آج پھر اُسی مضمون کے متعلق آپ لوگوں سے کچھ باتیں کہنا چاہتا ہوں اور نہ صرف آپ لوگوں سے بلکہ باہر کی جماعتوں سے بھی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اِس بات سے بری الذمہ ہوتا ہوں کہ میں نے وہ صداقت آپ لوگوں تک پہنچا دی ہے جو میرے نزدیک اللہ تعالیٰ کا منشاء اور قرآنی تعلیم ہے۔ میں نے اُس خطبہ میں جماعت کو اِس امر کی طرف توجہ دلائی تھی کہ جو جماعتیں منظّم ہوتی ہیں اُن پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور کچھ شرائط کی پابندی کرنی ان کیلئے لازمی ہوتی ہے جن کے بغیر ان کے کام کبھی بھی صحیح طور پر نہیں چل

سکتے۔ اور سلسلہ کے متعلق میں نے کہا تھا کہ ان شرائط اور ذمہ داریوں میں سے ایک اہم شرط اور ذمہ داری یہ ہے کہ جب وہ ایک امام کے ہاتھ پر بیعت کر چکے اور اس کی اطاعت کا اقرار کر چکے تو پھر انہیں امام کے منہ کی طرف دیکھتے رہنا چاہئے کہ وہ کیا کہتا ہے اور اس کے قدم اُٹھانے کے بعد اپنا قدم اُٹھانا چاہئے۔ اور افراد کو کبھی بھی ایسے کاموں میں حصہ نہیں لینا چاہئے جن کے نتائج ساری جماعت پر آ کر پڑتے ہوں کیونکہ پھر امام کی ضرورت اور حاجت ہی نہیں رہتی۔ اگر ایک شخص اپنے طور پر دوسری قوموں سے لڑائی مول لے لیتا ہے اور ایسا فتنہ یا جوش پیدا کر دیتا ہے جس کے نتیجہ میں ساری جماعت مجبور ہو جاتی ہے کہ اس لڑائی میں شامل ہو تو اس کے متعلق یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ اس نے امام اور خلیفہ کے منصب کو چھین لیا اور خود امام اور خلیفہ بن بیٹھا اور وہ فیصلہ جس کا اجراء خلیفہ اور امام کے ہاتھوں میں ہونا چاہئے تھا خود ہی صادر کر دیا۔ اگر ہر شخص کو یہ اجازت ہو تو تم ہی بتاؤ پھر امن کہاں رہ سکتا ہے۔ ایسی صورت میں جماعت کے نظام کی مثال اُس ٹین کی سی ہوگی جو کُتّے کی دُم سے باندھ دیا جاتا ہے اور جدھر جاتا ہے ساتھ ساتھ ٹین بھی حرکت کرتا جاتا ہے۔

امام کا مقام تو یہ ہے کہ وہ حکم دے اور ماموم کا مقام یہ ہے کہ وہ پابندی کرے۔ لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہماری جماعت کے دوستوں نے باوجود بیعت کر لینے کے ابھی تک بیعت کا مفہوم نہیں سمجھا اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کی بہت بڑی ذمہ داری جماعت کے علماء پر ہے۔ وہ خلافت اور اس کی اہمیت پر تقریریں کرنے سے ساکت رہتے ہیں اور ان کے لیکچر ہمیشہ اور اور مضامین پر ہوتے ہیں۔ اس امر کے متعلق بہت ہی کم دلائل قرآن مجید یا احادیث یا عقل سے دیئے جائیں گے کہ خلافت سے وابستگی کتنی اہم چیز ہے۔ وہ سمجھتے ہیں شاید لوگ ان مسائل کو جانتے ہی ہیں اس لئے ان مسائل پر زور دینے کی کیا ضرورت ہے حالانکہ یہی وہ خیال تھا جس نے پہلے مسلمانوں کو تباہ کر دیا۔ گزشتہ علماء نے خیال کر لیا کہ توحید پر زور دینے کی کیا ضرورت ہے۔ بھلا کوئی مسلمان ایسا بھی ہوسکتا ہے جو توحید کو نہ مانے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ توحید اُن کے ہاتھ سے جاتی رہی۔ انہوں نے خیال کر لیا کہ رسالت پر ایمان لانے کی اہمیت واضح کرنے کی کیا حاجت ہے یہ تو ایک صاف اور واضح مسئلہ ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ رسالت پر ایمان بھی جاتا رہا۔ انہوں نے خیال کرلیا کہ نظام کی ضرورت پر زور دینے کی کیا ضرورت ہے سب کو معلوم ہی ہے کہ نظام میں سب برکت ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا نظام بھی ٹوٹ گیا۔ انہوں نے خیال کرلیا کہ نماز اور روزہ کی تاکید کرنے کی بار بار کیا ضرورت ہے سب لوگ نمازیں پڑھتے اور روزے رکھتے ہی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نمازوں میں بھی سستی آ گئی اور روزے بھی ہاتھ سے جاتے رہے۔ اسی طرح انہوں نے خیال کرلیا کہ حج کا مسئلہ بھی کوئی ایسا مسئلہ ہے جس سے کوئی ناواقف ہو اور نتیجہ یہ ہوا کہ حج کے مسائل بھی لوگوں کے ذہن سے اُتر گئے اور استطاعت کے باوجود انہوں نے حج کرنا چھوڑ دیا۔ تو جب کسی قوم کے علماء یہ خیال کر لیتے ہیں کہ فلاں فلاں مسائل لوگ جانتے ہی ہیں اس قوم میں آہستہ آہستہ ان مسائل سے ناواقفیت پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے اور آخر اس نیکی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ پس میں سمجھتا ہوں ایک حد تک اس کی ذمہ داری جماعت کے علماء پر ہے لیکن ایک حد تک اس کی ذمہ داری جماعت کے افراد پر بھی ہے۔ کیونکہ ان کے سامنے یہ مسائل بالکل تازہ ہیں اور وہ خلافت کی اہمیت سے پورے طور پر آگاہ کئے جا چکے ہیں اور گو آج اس پر بحثیں نہیں ہوتیں مگر آج سے بیس سال پہلے اس پر خوب بحثیں ہو چکی ہیں اور خود جماعت کے افراد اس میں حصہ لیتے رہے ہیں۔ پھر آج وہ ان مسائل کو کیوں بھول گئے۔ میں نے اس امر کی طرف توجہ ان واقعات کی وجہ سے دلائی تھی جو قادیان میں حال ہی میں ظاہر ہوئے۔

میں نے دیکھا ہے بعض لوگ فتنہ و فساد کی نیت سے کوئی بات چھیڑ دیتے ہیں اور ہماری جماعت کے دوست فوراً اس کے پیچھے بھاگ پڑتے ہیں اور وہ یہ خیال نہیں کرتے کہ دشمن کی تو غرض ہی یہ تھی کہ وہ کوئی فتنہ و فساد پیدا کرے اور انہیں زیر الزام لائے۔ ان کی مثال بالکل اس شخص کی سی ہے جس کا دشمن اس کیلئے گڑھا کھودتا اور اُس پر گھاس پھونس ڈال دیتا ہے اور وہ اپنی بیوقوفی سے گھاس پر پاؤں رکھتا اور گڑھے میں جا پڑتا ہے۔ بلکہ میں کہتا ہوں خیالی مثال کی کیا ضرورت ہے شیر کے شکاریوں کی مثال لے لو جو پہلے زمانہ میں شیر کا شکار اِس طرح کرتے تھے کہ گھاس کے نیچے بانس کی کھپچیوں کے اوپر خاص طور پر سریش تیار

کر کے چھپا دیتے اور گھاس پر بکرا باندھ دیتے۔ شیر خیال کرتا کہ بکرا میرا شکار ہے اور وہ اُس پر حملہ کر دیتا۔لیکن جب بکرے کے پاس پہنچتا تو کھپچیوں میں لپٹ جاتا۔اسی طرح دشمن بعض دفعہ ایسی حرکات کرتا ہے جن کے ذریعہ وہ اپنے مخالف کو بُلاتا ہے کہ آؤ اور مجھ پر حملہ کرو۔عقلمند آدمی موقع کو خوب سمجھتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ حملے کا کونسا موقع ہے۔لیکن نادان آدمی ان باتوں کو نہیں سمجھتا وہ حملہ کر دیتا ہے اور کھپچیوں میں پھنس جاتا ہے۔پھر شور مچاتا ہے کہ آؤ آؤ اور مجھے اس مصیبت سے بچاؤ۔نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُس کی آواز سن کر دو چار آدمی اور دشمن پر حملہ کر دیتے ہیں اور وہ بھی انہی کھپچیوں میں پھنس جاتے ہیں اور اسی طرح یہ معاملہ بڑھتا جاتا ہے۔

انگریزوں میں ایک کہانی مشہور ہے جو اسی قسم کے فتنوں پر چسپاں ہوتی ہے۔کہتے ہیں کسی کے پاس کوئی بطخ تھی۔ جب وہ کسی شخص پر ناراض ہوتا تو کسی طرح اُس کا ہاتھ بطخ کو لگوا دیتا۔نتیجہ یہ ہوتا کہ اس بطخ سے اُس کا ہاتھ چمٹ جاتا اور وہ چھوٹ نہ سکتا۔یہ دیکھ کر اُس کے دوست اور رشتہ دار اُسے چھڑانے کیلئے آتے اور جو بھی بطخ پر ہاتھ ڈالتا اُس کے ساتھ چمٹا جاتا۔یہی حال ایسی لڑائی کا ہوتا ہے۔جب ایک شخص لڑائی میں شامل ہوتا اور دشمن کی گرفت میں آجاتا ہے تو شکوہ کرتا اور شور مچانے لگ جاتا ہے کہ میں جماعت کا ممبر ہوں، میری مدد کیوں نہیں کی جاتی۔میرے ساتھ ہمدردی اور محبت کا سلوک کیوں نہیں کیا جاتا۔اس شخص کو جواب تو یہ ملنا چاہئے کہ تمہارے ساتھ ہمدردی کیا کی جائے تم نے نظام کو توڑا اور سلسلہ کی ہتک کی۔لڑائی کرنا امام کا کام تھا، تمہارا کام نہیں تھا۔لیکن اُس کی آواز سن کر کئی رحم دل یا یوں کہو کہ کمزور دل کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ آؤ اس کی مدد کریں۔چنانچہ وہ اس کی مدد کیلئے اس کے پیچھے جاتے ہیں اور وہی لڑائی جو پہلے ایک شخص کی تھی اب بیس آدمیوں کی لڑائی بن جاتی ہے اور پھر ایک کی بجائے بیس آوازیں اُٹھنی شروع ہو جاتی ہیں کہ آنا آنا، بچانا بچانا۔اس پر وہ لوگ بھی جو پہلے اس خیال سے خاموش ہوتے ہیں کہ یہ انفرادی فعل ہے اِس میں ہمیں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے جوش سے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں اب ایک کا سوال نہیں بیس کا سوال ہے اور وہ بھی لڑائی میں شامل ہو جاتے ہیں

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اب لڑائی میں چالیس آدمی شامل ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ چالیس اپنے ساتھ اَوروں کو ملاتے اور ساٹھ بن جاتے ہیں۔ ساٹھ ایک سَو بیس کی کشش کا موجب بنتے ہیں اور ایک سَو بیس کے شور مچانے پر دوسَو چالیس کی تعداد ہو جاتی ہے۔ یہ دوسَو چالیس پھر چار سَو اسّی ہو جاتے ہیں جو بڑھ کر نوسَو ساٹھ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ ساری جماعت ایک معمولی وجہ سے ایسی لڑائی میں شامل ہو جاتی ہے جس کا کوئی بھی نتیجہ نہیں ہوتا اور دشمن دل میں ہنستا ہے کہ جو میری غرض تھی وہ پوری ہوگئی۔

ایک مشہور واقعہ پنجاب کے ایک رئیس کا ہے جو اِس مقام پر خوب چسپاں ہوتا ہے۔ پنجاب کے ایک مشہور راجہ گزرے ہیں جن کا نام لینے کی ضرورت نہیں ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی۔ ان کے دربار میں دو پارٹیاں تھیں۔ ایک وزیر اعظم کی اور ایک اور وزیر کی اور یہ دونوں پارٹیاں روزانہ آپس میں لڑتیں اور راجہ کے پاس شکایتیں ہوتیں۔ ایک پارٹی دوسری پارٹی کے خلاف شکایت کرتی اور دوسری پہلی کے خلاف راجہ کے کان بھرتی اور ہر ایک کی یہی کوشش ہوتی کہ راجہ صاحب ہمارے ساتھ مل جائیں اور دوسری پارٹی پر ناراض ہو جائیں۔ اِس لڑائی نے ترقی کرتے کرتے سخت بھیانک شکل اختیار کر لی۔ ایک دن ایک پارٹی نے تجویز کی کہ کوئی ایسا کام کرنا چاہئے جس سے مخالف پارٹی کو بالکل کُچل دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور یہ فیصلہ ہوا کہ ایک رانی کو اپنے ساتھ ملایا جائے اور یہ مشہور کر دیا جائے کہ اُس کے ہاں اولاد ہونے والی ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک رانی کو اپنے ساتھ ملا لیا اور اُسے کہہ دیا کہ عین وقت پر ہم تمہیں ایک بچہ لا کر دے دیں گے اِس سے راجہ کی نگاہ میں تمہاری عزت بھی قائم ہو جائے گی اور اس کے بعد گدی پر بیٹھنے کا بھی وہی حقدار ہوگا۔ جب یہ خبر عام لوگوں میں مشہور ہوگئی تو دوسرے فریق نے راجہ کے کان بھرنے شروع کر دیئے کہ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ مہارانی حاملہ نہیں بلکہ شرارت سے مخالف پارٹی نے اسے حاملہ مشہور کر دیا ہے۔ اب مہاراجہ صاحب نے بیوی کی نگرانی شروع کر دی اور کچھ عرصہ کے بعد انہیں پتہ لگا کہ یہ محض فریب کیا جا رہا ہے، رانی حاملہ نہیں ہے۔ اس پر انہوں نے گورنمنٹ کے پاس اس امر کے متعلق کوشش شروع کر دی کہ جس بچہ کے متعلق مشہور کیا

جا رہا ہے کہ وہ پیدا ہونے والا ہے وہ میرا نہیں ہوگا اور نہ تخت کا وارث ہوگا۔ یہ بات دوسرے فریق پر بھی کھل گئی اور انہوں نے مشورہ کیا کہ اب کوئی ایسی چال چلنی چاہیئے جس کے نتیجہ میں ہماری سکیم فیل نہ ہو۔ چنانچہ انہوں نے مختلف لوگوں سے گورنمنٹ کے پاس چٹھیاں لکھوانی شروع کر دیں کہ مہاراجہ صاحب پاگل ہوگئے ہیں اور وہ گدی کا انتظام نہیں کر سکتے۔ ذرا ذرا سی بات پر لڑتے اور جوش میں آ کر گالیاں دینے لگ جاتے ہیں اور ان کا غصہ حدِ اعتدال سے بالکل باہر نکل گیا ہے۔ مہاراجہ بیچارے کو پتہ بھی نہیں اور گورنمنٹ کے پاس شکایتیں ہو رہی ہیں کہ مہاراجہ صاحب پاگل ہو گئے ہیں۔ پہلے چھوٹوں کی طرف سے گورنمنٹ کو لکھا گیا۔ پھر بڑے بڑے افسروں کی طرف سے اور پھر ان سے بھی بڑے عہدیداروں کی طرف سے۔ جب شکایتوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی اور بڑے بڑے افسروں نے خود مل کر بھی گورنمنٹ کے پاس شکایت کرنی شروع کر دی تو گورنمنٹ کو خیال پیدا ہوا کہ تحقیقات کرنی چاہیئے۔ چنانچہ اس نے مخفی طور پر کمشنر کو بھجوایا کہ وہ مہاراجہ سے باتیں کر کے رپورٹ کرے کہ یہ شکایتیں کس حد تک صحیح ہیں اور یہ بھی کہہ دیا کہ ڈاکٹر کو بھی ساتھ لیتے جاؤ اور باتوں باتوں میں اندازہ کر کے رپورٹ کرو کہ ان شکایتوں میں کس حد تک معقولیت ہے۔ فریق مخالف جس نے شکایت کی تھی وہ چونکہ ہر تدبیر سے اپنی بات کو منوانا چاہتا تھا اس لئے اس نے سرکاری دفاتر میں بھی بعض آدمی خریدے ہوئے تھے۔ جس وقت کمشنر صاحب تحقیقات کیلئے جانے لگے، ان سرکاری آدمیوں نے اطلاع کر دی کہ کمشنر صاحب آ رہے ہیں۔ چنانچہ جونہی انہوں نے سمجھا کہ اب کمشنر صاحب کے آنے کا وقت بالکل قریب آ پہنچا ہے اور ایک آدھ منٹ میں ہی وہ دربار میں داخل ہو جائیں گے انہوں نے ایک چَوری[1] جھلنے والے کو اشارہ کر دیا جسے انہوں نے پہلے سے اپنے ساتھ ملایا ہوا تھا اور اُس نے جُھک کر مہاراجہ کے کان میں دو تین گالیاں ماں اور بہن کی دے دیں۔ اب تم سمجھ سکتے ہو کہ مہاراجہ تخت پر بیٹھا ہوا ہو، دربار لگا ہوا ہو اور چَوری جھلنے والا مہاراجہ کو اُس کے کان میں ماں کی گالیاں دے دے تو اُس کی کیا کیفیت ہوسکتی ہے۔ مہاراجہ جوش سے اُٹھا اور اس نے بے تحاشا اُسے مارنا شروع کر دیا۔ اب غصہ سے اُس کے

منہ سے جھاگ نکل رہی تھی اور وہ اسے ٹھڈے پر ٹھڈے مارتا چلا جارہا تھا کہ اتنے میں کمشنر صاحب اندر داخل ہوگئے اور وہ پارٹی کی پارٹی کھڑی ہوکر کہنے لگی ''حضور! روز ساڈے نال اسے طرح ہوندا ہے''۔ یعنی حضور! ہمارے ساتھ روزانہ یہی سلوک ہوتا ہے۔کمشنر صاحب کی رپورٹ پر گورنمنٹ نے فیصلہ کیا کہ مہاراجہ واقعہ میں حواس باختہ ہے نتیجہ یہ ہوا کہ مہاراجہ صاحب کے اختیارات محدود کر دیئے گئے اور وہ لڑکا جسے رانی نے گود میں ڈال لیا تھا اور جو ایک ملازم سرکار کا لڑکا تھا جسے بعد میں جج بنا دیا گیا جوان ہوکر گدی پر بٹھایا گیا اور خوش قسمتی سے نہایت شریف اور کامیاب راجہ ثابت ہورہا ہے۔

تو بعض دفعہ دشمن اس قسم کی چالاکی بھی کرتا ہے۔ سمجھنے والے تو بچ جاتے ہیں لیکن جو اندھا دھند کام کرنے والے ہوں وہ پھنس جاتے اور مصیبتوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے اسلام نے حکم دیا کہ اَلْاِمَامُ جُنَّۃٌ یُّقَاتَلُ مِنْ وَّرَائِہٖ [۲] کہ امام کو ہم نے تمہارے لئے ڈھال کے طور پر بنایا ہے۔ اگر اس کے پیچھے ہوکر لڑو گے تو زخموں سے بچ جاؤ گے۔ لیکن اگر آگے ہوکر حملہ کرو گے تو مارے جاؤ گے کیونکہ وہ خوب سمجھتا ہے کہ کیا حالات ہیں۔ کس وقت اعلانِ جنگ ہونا چاہئے اور کس وقت دشمن کے فریب سے بچنا چاہئے۔ کئی باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں انسان تفصیل سے بیان نہیں کرسکتا۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بھی بعض دفعہ لوگ آتے اور گھنٹوں آپ سے مخفی باتیں کرتے۔ قرآن کریم میں اِسی امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے هُوَ اُذُنٌ [۳] کہ منافق کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو کان ہی کان ہیں۔ ہر وقت لوگ آتے اور انہیں رپورٹیں پہنچاتے رہتے ہیں۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کئی مخفی باتوں کا علم ہوا کرتا تھا۔ بیسیوں دفعہ ایسا ہوا کہ آپ فرماتے میرے پاس رپورٹ آئی ہے کہ آج فلاں جگہ یہ کام ہورہا ہے۔ تو امام کو وہ معلومات ہوتی ہیں جو اور لوگوں کو نہیں ہوتیں۔ اس لئے وہ جانتا ہے کہ فلاں کام جو ہورہا ہے وہ کیوں ہورہا ہے اور کس طرح ہورہا ہے اور اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ جماعت سے اُسی وقت لڑائی کرائی جائے جب لڑائی کا کوئی فائدہ ہو۔ ورنہ یہ تو نہیں کہ لڑائی کرنے میں تم مجھ سے زیادہ بہادر ہو۔

پچھلے دو سال میں میں نے ایک ہی وقت میں گورنمنٹ سے اور دوسرے مخالف اقوام سے لڑائی لڑی ہے یا نہیں؟ تم میں سے کئی لوگ تھے جو اُس وقت کہتے تھے کہ ہمیں کس مصیبت میں پھنسا دیا۔ مگر میں جانتا تھا کہ وہ وقت لڑنے کا تھا۔ پس ہم لڑے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے ہم نے فتح پائی۔ لیکن اب جماعت کو ایک ایسے فتنہ میں مبتلا کیا جا رہا ہے جس میں مَیں سمجھتا ہوں ہمارا فرض ہے کہ ہم دنیا کو دکھا دیں کہ ہم مظلوم اور ہمارا دشمن ظالم ہے اور شرارت کی تمام تر ذمہ داری ہمارے دشمن پر ہے ہم پر نہیں۔ پس جبکہ ہم کو معلوم ہے کہ اِس لڑائی کی وجہ لڑائی نہیں بلکہ یہ ہے کہ ہم نے پچھلے دنوں جو حکومت پر یہ ثابت کر دیا تھا کہ ہم ظالم نہیں بلکہ مظلوم ہیں اور ہمارا دشمن مظلوم نہیں بلکہ ظالم ہے وہ چاہتے ہیں کہ اس خیال کو مٹایا جائے اور بعض اور ذرائع سے اپنی مظلومیت حکومت پر ظاہر کریں۔ اگر تم ذرا بھی سوچ سمجھ سے کام لو تو یہ موٹی بات تو تمہیں بھی نظر آ سکتی ہے کہ قادیان میں بِلا وجہ فتنے مختلف شکلیں بدلتے رہتے ہیں۔ ایک وقت مسلمانوں کی طرف سے شور مچایا جاتا ہے اور پھر یک دم اس میں تغیر آ جاتا ہے اور پولیس کی طرف سے شور اُٹھنا شروع ہو جاتا ہے۔ پھر یک دم یہ حالت بھی بدل جاتی ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہماری لڑائی نہ مسلمانوں سے ہے نہ پولیس سے بلکہ سکھوں سے ہے۔ پھر سکھوں سے لڑتے لڑتے یک دم تغیر آ جاتا ہے اور سکھ تو بالکل خاموش ہو جاتے ہیں اور ہندو شور مچانا شروع کر دیتے ہیں اور ان لڑائیوں میں سے کسی لڑائی کے پیدا کرنے میں بھی ہمارا دخل نہیں ہوتا۔ جس وقت مسلمان شور مچا رہے ہوتے ہیں اُس وقت کوئی ایسی حرکت ہم نے نہیں کی ہوتی جو پندرہ بیس سال پہلے ہم نے نہ کی ہو۔ گویا کوئی تازہ حرکت ایسی نہیں ہوتی جس کی وجہ سے ہم سمجھیں کہ ان کا شور مچانا حق بجانب ہے۔ اسی طرح جب پولیس کی طرف سے شور مچایا جاتا ہے تو ہماری کوئی ایسی حرکت نہیں ہوتی جس کی وجہ سے وہ اشتعال میں آئے۔ پھر جب سکھ اور ہندو شور مچاتے ہیں اُس وقت بھی کوئی ایسا نیا فعل ہم سے صادر نہیں ہوتا جس کی وجہ سے سمجھا جائے کہ ان کا شور اور فتنہ وفساد کسی بنیاد پر ہے۔ پس کیا اس محاذ کی تبدیلی سے تمہاری سمجھ میں اتنی موٹی بات بھی نہیں آتی کہ یہ کسی سازش اور چالاکی کا نتیجہ ہے۔ اگر تم بات کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتے اور نہ تمہیں وسیع علم ہے اور نہ وسیع معلومات

کے ذرائع تمہیں حاصل ہیں تو کم سے کم اتنی بات تو تمہیں سمجھ لینی چاہئے تھی کہ کیوں بِلا وجہ ایک وقت مسلمانوں کو جوش آتا ہے تو دوسرے وقت پولیس والوں کو کبھی سکھوں کو جوش آجاتا ہے تو کبھی ہندوؤں کو۔ کم سے کم اتنی موٹی بات تمہیں سمجھ لینی چاہئے تھی کہ یہ تغیرات جو پیدا ہوئے ان کا کوئی نہ کوئی سبب ہوگا ورنہ بِلا سبب تو یہ نہیں ہوسکتے اور جب یہ بِلا سبب نہیں ہوسکتے اور تمہیں ان کا سبب معلوم نہیں تو تم کیوں اندھیرے میں چھلانگ لگاتے اور سلسلہ کی بدنامی اور ہتک کا موجب بنتے ہو۔ یہ معاملات اُن لوگوں کے ہاتھ میں چھوڑ دو جو اِن تغیرات کا سبب جانتے اور اس کی وجہ کو خوب پہچانتے ہیں۔ وہ جب دیکھیں گے کہ سلسلہ کی عظمت لڑائی کرنے میں ہے تو اُس وقت وہ بغیر کسی قسم کے خطرہ کے لڑائی کریں گے اور اُس وقت تم میں سے وہ لوگ جو اِس وقت بڑھ بڑھ کر باتیں کرتے اور کہتے ہیں ہم صبر نہیں کرسکتے، ہم دشمن سے لڑیں گے اور مرجائیں گے وہ لڑائی کرنے سے انکار کردیں گے اور کہیں گے کہ ہم ہلاکت کے منہ میں اپنے آپ کو نہیں ڈال سکتے۔ گویا جس وقت ہم کہتے ہیں ہمیں صلح رکھنی چاہئے اور بِلا وجہ دشمن سے لڑائی نہیں لڑنی چاہئے اُس وقت وہ بزدل اور منافق جو اگر لڑائی ہو تو سب سے پہلے میدانِ جنگ سے بھاگ نکلیں گے کہتے ہیں ہم بے غیرت نہیں، ہم دشمن سے ضرور لڑیں گے کیونکہ وہ جانتے ہیں اب کسی نے لڑنا نہیں اور جب لڑائی ضروری ہوجائے تو کہہ دیتے ہیں صلح رکھنی چاہئے، آپس کے تعلقات کو خراب کر لینے سے کیا فائدہ۔

آخر کیا تم خیال کرتے ہو کہ ایک شخص کے ہاتھ پر تم بیعت کرتے ہو اور پھر یہ سمجھتے ہو کہ اس کے دل میں سلسلہ کے متعلق اتنی بھی غیرت نہیں جتنی تمہارے دلوں میں ہے۔ حالانکہ اس نے اپنی غیرت کا عملی ثبوت بھی تمہارے سامنے پیش کیا ہوا ہے۔ میں ہمیشہ اس بات پر حیران ہوتا ہوں کہ جماعت کا بیشتر حصہ سچے مخلصوں اور باتیں بنانے والوں میں فرق کیوں نہیں کرتا۔ گزشتہ دو سال میں تم نے دیکھ لیا کہ وہ لوگ جو بڑھ بڑھ کر باتیں کرنیوالے تھے جب اُن پر مقدمے ہوئے تو انہوں نے کیسی بزدلی اور دوں ہمتی دکھائی۔ جماعت کا ان مقدموں اور سیاسی شرارتوں کے مقابلہ کیلئے تیس چالیس ہزار بلکہ اس سے بھی زیادہ روپیہ خرچ ہو چکا

ہے۔ حالانکہ ان لوگوں کو سوچنا چاہئے تھا کہ ہماری حرکات سے اگر سلسلہ کیلئے مشکلات پیش آئیں گی اور سلسلہ کا روپیہ خرچ ہوگا تو اس کا کون ذمہ وار ہوگا۔ اور پھر جب بعض حالات میں مقدمات چلائے گئے تو کیوں یہ لوگ گھبرا گھبرا کر اچھے سے اچھے وکیلوں اور اچھے سے اچھے سامانوں کے طالب ہوئے۔ جن لوگوں کے افعال کی وجہ سے یہ صورتِ حالات پیدا ہوئی تھی انہیں چاہئے تھا کہ یا وہ خود مقدمہ چلاتے یا کانگرس والوں کی طرح ڈیفنس پیش کرنے سے انکار کر دیتے اور قید ہوجاتے۔ مگر انہیں شرم نہیں آتی کہ کہتے تو وہ یہ تھے کہ ہم سلسلہ کیلئے اپنی جانیں قربان کر دیں گے مگر جماعت کا پندرہ بیس ہزار روپیہ انہوں نے مقدمات پر خرچ کرا دیا اور پھر بھی وہ مخلص کے مخلص بنے ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض کے کھانوں اور سفر خرچ کے بل جا کر دیکھو تو تم کو تعجب ہوگا کہ یہ کیا ہوا ہے۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ دشمن جھوٹ بول رہا تھا اور سلسلہ کو بدنام کرنے کیلئے جھوٹے مقدمات کر رہا تھا۔ ہم اِن کی مدد کیلئے مجبور تھے گو ہم جانتے تھے کہ بعض جگہ دشمن کو موقع دینے والے خود ہمارے اپنے آدمی تھے۔ اگر ہمارے آدمی میری تلقین کے مطابق صبر سے کام لیتے اور گالی کا جواب نہ دیتے تو اتنا فتنہ نہ بڑھتا۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر انہوں نے لڑائی کرنا دین کیلئے ضروری ہی سمجھا تھا تو ان کا فرض تھا کہ یا مقدمہ کے تمام اخراجات خود برداشت کرتے اور کہتے کہ ہماری جماعت کی مالی حالت کمزور ہے، ہم اس پر اپنا بوجھ ڈالنا نہیں چاہتے اور یا جوابِ دعویٰ سے دستبردار ہو کر معاملہ خدا تعالیٰ پر چھوڑ دیتے۔ مگر یہ جماعت کا تیس چالیس ہزار روپیہ خرچ کرا دینے کے باوجود مخلص کے مخلص بنے پھرتے ہیں (میں سب مقدمات کے بارہ میں نہیں کہتا۔ بعض مقدمات سلسلہ کی ضروریات کیلئے خود کئے گئے ہیں اور نہ سب آدمیوں کے متعلق کہتا ہوں جو ان میں مبتلا تھے۔ مگر چونکہ اصل لوگوں کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا میں نے بات کو عام رکھا ہے تا کسی خاص شخص پر الزام نہ آئے اور اس نوٹ کے ذریعہ سے میں نے اس کا بھی ازالہ کر دیا ہے کہ ناکردہ گناہ لوگوں پر کوئی بدظنی کرے)۔

میں پوچھتا ہوں بھلا گالیاں دینے یا بے فائدہ جوش دکھانے میں کونسی خوبی اور کمال ہے۔ کیا موچی دروازہ کے غنڈے گالیاں نہیں دیتے؟ اگر تم بھی دشمن کے جواب میں زبان

سے گالیاں دیتے چلے جاتے ہو تو زیادہ سے زیادہ یہی کہا جائے گا کہ تم نے وہ کام کیا جو حق کے دشمن کر رہے ہیں مگر تمہاری اس حرکت کو قربانی قرار نہیں دیا جائے گا۔ قربانی وہ ہوتی ہے جسے عام آدمی پیش نہ کر سکے۔ مگر تقریر کیلئے کھڑے ہو جانا اور اس میں پندرہ بیس گالیاں دے دینا یہ تو ہر شخص کر سکتا ہے اور کرتا ہے۔ پس صرف اس لئے کہ کوئی شخص بڑھ چڑھ کر باتیں کرتا ہے مخلص اور مومن نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ مخلص وہ ہے جو اس چیز کو پیش کرے جسے عام لوگ پیش کرنے سے ہچکچاتے ہیں۔ تم چلے جاؤ لاہور میں یا اور کسی شہر میں اور چلے جاؤ بداخلاق نمائندگانِ مذاہب کی مجالس میں تمہیں یہی نظر آئے گا کہ جوشیلے اور فسادی لوگ ہمیشہ گالیاں دیتے، پتھر پھینکتے اور تالیاں پیٹتے ہیں۔ مگر مخلص وہ قربانی کرتے ہیں جو دوسرے نہیں کرتے۔ لاہور میں ہی جب کوئی فساد ہو، کمزور اخلاق کے لوگ ہمیشہ بڑھ بڑھ کر لاٹھی چلائیں گے۔ لیکن جب اسلام کیلئے مال کی قربانی کا سوال ہو تو پیچھے ہٹ جائیں گے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں ہمارا کام اتنا ہی ہے کہ ہم گالیاں دیں، لٹھ ماریں اور پھر پلاؤ زردہ کھائیں۔ پس گالیاں دینا تو کمزور طبع لوگوں کا کام ہے کامل مومنوں والا کام نہیں اور اگر واقعہ میں ان میں اخلاص ہوتا تو جن لوگوں پر مقدمہ چلایا گیا تھا وہ کہتے ہم جماعت کا ایک پیسہ بھی اِس پر خرچ نہیں ہونے دیں گے ہم نے اپنی ذمہ داری سے کام کیا ہے اور اب اِس بوجھ کو بھی یا خود برداشت کریں گے یا برداشت نہ کر سکنے کی صورت میں قید ہو جائیں گے۔ جماعت کے پاس آگے ہی روپیہ کونسا زیادہ ہے ہم اس پر مزید اپنے مقدمات کا بوجھ کیوں ڈالیں۔ کیا یہ اتنی موٹی بات نہیں جو تمہاری سمجھ میں آ سکے۔ تو تمہیں چاہئے کہ تم مخلص اور کمزور طبع انسانوں میں فرق کرو۔ میں انہیں منافق نہیں کہتا۔ بعض کمزور طبائع ہوتی ہیں ان کا دل ایسا کمزور ہوتا ہے کہ وہ نتائج کی برداشت نہیں کر سکتے۔ ہوتے مومن ہی ہیں مگر دل کی کمزوری کی وجہ سے نتائج برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے انہوں نے بھی بڑھ بڑھ کر باتیں کیں اور جماعت کو مزید مشکلات میں مبتلا کرا دیا اور جب کبھی ان کی مدافعت کی غلط تدبیروں سے فساد اور بڑھ گیا اور اس کے نتائج کو برداشت کرنے کا وقت آیا تو کمزوری دکھا دی اور مقدمہ لڑ کر اِس امر کی کوشش شروع کر دی کہ ان کی بریت ہو جائے۔ حالانکہ اگر

کوئی سمجھتا ہے کہ جو شخص حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دے گا میں ضرور اسے سزا دوں گا تو اگر اس کا یہ مقولہ صحیح ہے تو سزا دینے کے بعد اسے دلیری سے اپنے جرم کا اقرار کرنا چاہئے اور اسے کہنا چاہئے مجھے جہاں چاہتے ہو لے جاؤ میں نے اس کے منہ سے گالی سنی اور میں اسے برداشت نہیں کر سکا۔ فرض کرو کوئی شخص کہتا ہے کہ جو شخص حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دے گا میں اُسے جُوتی ماروں گا۔ اگر اسے ہماری تعلیم سے اتفاق نہیں تو جائے اور اُسے جوتی مارے اور پھر نتائج بھگتنے کیلئے تیار رہے۔ مگر اِدھر تو وہ ہماری رائے سے اتفاق نہیں کرتا اُدھر جب دوسرے کو مار کر آتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے فعل کے جواب دہ تم ہو۔

یاد رکھو دنیا میں قیامِ امن دو ذرائع سے ہوتا ہے یا اُس وقت جب مار کھانے کی طاقت انسان میں پیدا ہو جائے یا جب دوسرے کو مارنے کی طاقت انسان میں پیدا ہو جائے، درمیانی دوغلہ کوئی چیز نہیں۔ اب جو کچھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم سے میں سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہم میں مار کھانے کی طاقت ہونی چاہئے۔ بالکل ممکن ہے تم میں سے بعضوں کا یہ خیال ہو کہ ہم میں مارنے کی طاقت ہونی چاہئے۔ میں اِسے غیر معقول نہیں کہتا ہاں غلط ضرور کہتا ہوں۔ یہ ضرور کہتا ہوں کہ اُس نے قرآن کریم کو نہیں سمجھا، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کو نہیں سمجھا کیونکہ خدا تعالیٰ نے مارنے کیلئے جو شرائط رکھی ہیں وہ اِس وقت ہمیں میسر نہیں۔ پس کم سے کم میں اسے شرارتی یا پاگل نہیں کہوں گا میں زیادہ سے زیادہ یہی کہوں گا کہ اُس کی ایک رائے ہے جو میری رائے سے مختلف ہے۔ لیکن تمہاری یہ حالت ہے کہ تم میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ دشمن کو سزا دینی چاہئے اور پھر جب وہ ہماری تعلیم کے صریح خلاف کوئی ایسی حرکت کر بیٹھتا ہے تو بھاگ کر ہمارے پاس آتا ہے اور کہتا ہے مجھے بچانا مجھے بچانا۔ آخر جماعت تمہیں کیوں بچائے؟ کیا تم نے جماعت کے نظام کی پابندی کی یا اپنے جذبات پر قابو رکھا؟ اور اگر تم اس خیال کے قائل نہیں تھے تو پھر تمہیں ہمارے پاس بھاگ کر آنے کی کیا ضرورت ہے۔ تمہیں چاہئے کہ تم دلیری دکھاؤ اور اپنے جرم کا اقرار کرو۔ اگر اِن دونوں عقیدوں کے چالیس چالیس آدمی بھی میسر آ جائیں تو ہم دنیا

کوڈرا سکتے ہیں۔ اگر چالیس آدمی ایسے مل جائیں جو مار کھانے کی طاقت اپنے اندر رکھتے ہوں تو وہ دنیا کو ڈرا سکتے ہیں اور اگر چالیس آدمی ایسے میسر آجائیں جو مارنے کی طاقت اپنے اندر رکھتے ہوں تو وہ بھی دنیا کو ڈرا سکتے ہیں۔ مگر تمہاری حالت یہ ہے کہ جب تم میں سے بعض دشمن سے کوئی گالی سنتے ہیں تو ان کے منہ میں جھاگ بھر آتی ہے اور وہ کود کر اُس پر حملہ کر دیتے ہیں۔ لیکن اُسی وقت ان کے پیر پیچھے کی طرف پڑ رہے ہوتے ہیں۔ تم میں سے بعض تقریر کیلئے کھڑے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم مر جائیں گے مگر سلسلہ کی ہتک برداشت نہ کریں گے لیکن جب کوئی ان پر ہاتھ اُٹھاتا ہے تو پھر اِدھر اُدھر دیکھنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بھائیو! کچھ روپے ہیں جن سے مقدمہ لڑا جائے، کوئی وکیل ہے جو وکالت کرے؟ بھلا ایسے خنثوں[۴] نے بھی کسی قوم کو فائدہ پہنچایا ہے؟ بہادر وہ ہے جو اگر مارنے کا فیصلہ کرتا ہے تو مار کر پیچھے ہٹتا ہے اور پکڑا جاتا ہے تو دلیری سے سچ بولتا ہے۔ اور اگر مار کھانے کا فیصلہ کرتا ہے تو پھر جوش میں نہیں آتا اور اپنے نفس کو شدید اشتعال کے وقتوں میں بھی قابو رکھتا ہے۔

پس اگر تم جیتنا چاہتے ہو تو دونوں میں سے ایک اصل اختیار کرو۔ جو کچھ میں سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ بہادر بنو مگر اس طرح کہ مار کھانے کی عادت ڈالو اور امام کے پیچھے ہو کر دشمن سے جنگ کرو۔ ہاں جب وہ کہے کہ اب لڑو اُس وقت بیشک لڑو۔ لیکن جب تک تمہیں امام لڑائی کا حکم نہیں دیتا اُس وقت تک دشمن کو سزا دینے کا تمہیں اختیار نہیں۔ لاٹھی اور سوٹے سے ہی نہیں بلکہ ایک ہلکا سا تھپڑ مارنا بھی تمہارے لئے جائز نہیں۔ بلکہ میں کہتا ہوں تھپڑ تو الگ رہا ایک گلاب کے پھول سے بھی تمہیں دشمن کو اُس وقت تک مارنے کی اجازت نہیں جب تک امام تمہیں لڑائی کی اجازت نہ دے۔ لیکن اگر تمہارا یہ عقیدہ نہیں تب بھی میں شریف انسان تمہیں تب ہی سمجھوں گا کہ اگر تمہارا یہ دعویٰ ہو کہ گالی دینے والے دشمن کو ضرور سزا دینی چاہیئے اور تم اُس گالی دینے والے کے جواب میں سخت کلامی کرتے ہو اور اس سے جوش میں آکر وہ پھر اور بدکلامی کرتا ہے تو پھر تم مٹ جاؤ اور اپنے آپ کو فنا کر دو لیکن اُس منہ کو توڑ دو جس منہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے گالی نکلی تھی۔ اُس کو خاموش کرانا تمہارا ہی فرض ہے کیونکہ تمہارے ہی فعل سے اُس نے مزید گالیاں دی ہیں۔ کیا تمہیں

شرم نہیں آتی کہ تم ایک سخت بدلگام دشمن کا جواب دے کر اس سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دِلواتے ہو اور پھر خاموشی سے گھروں میں بیٹھ رہتے ہو!! اگر تم میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی حیا ہے اور تمہارا سچ مچ یہ عقیدہ ہے کہ دشمن کو سزا دینی چاہئے تو پھر یا تم دنیا سے مٹ جاؤ یا گالیاں دینے والوں کو مٹا ڈالو۔ مگر ایک طرف تم جوش اور بہادری کا دعویٰ کرتے ہو اور دوسری طرف بُزدلی اور دون ہمتی کا مظاہرہ کرتے ہو۔ میں تو ایسے لوگوں کے متعلق بھی یہی کہتا ہوں کہ وہ خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دلواتے ہیں اور وہ آپ سلسلہ کے دشمن اور خطرناک ہیں۔

اگر کسی کو مارنا پیٹنا جائز ہوتا تو میں تو کہتا کہ ایسے لوگوں کو بازار میں کھڑا کر کے انہیں خوب پیٹنا چاہئے کیونکہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آپ گالیاں دلواتے ہیں اور پھر مخلص اور احمدی کہلاتے پھرتے ہیں۔ میں اِس موقع پر ان لوگوں کو بھی جو انہیں اعلیٰ مخلص سمجھتے ہیں کہتا ہوں کہ مومن بیوقوف نہیں ہوتا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ گالیاں دینا کوئی بہادری ہے؟ تم کسی چوہڑے کو دو روپے دے کر دیکھ لو وہ تم سے زیادہ گالیاں دے دے گا۔ پس تم بھی اگر گالیاں دیتے ہو تو زیادہ سے زیادہ چوڑھوں والا کام کرتے ہو۔ یہ کوئی ایسا پیچیدہ مسئلہ نہیں جو تمہیں سمجھ میں نہ آ سکے۔ مگر میں متواتر تین سال سے سمجھا رہا ہوں اور تم ابھی تک سمجھنے میں نہیں آتے۔ میرے سامنے کوئی آٹھ دس برس کا بچہ لے آؤ، میں یہ باتیں اُس کے سامنے دُہرا دیتا ہوں تمہیں خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ وہ بچہ میری بات کو کتنی جلدی سمجھ لیتا ہے مگر کیا میرے تین سالہ خطبات بھی تمہیں میرے منشاء سے آگاہ نہیں کر سکے۔

پس میں پھر ایک دفعہ کھول کھول کر بتا دیتا ہوں کہ شریفانہ اور عقلمندانہ طریق دو ہی ہوتے ہیں۔ یا انسان کو مرنا آتا ہو یا انسان کو مارنا آتا ہو۔ ہمارا طریقہ مرنے کا ہے مارنے کا نہیں۔ ہم کہتے ہیں ہمیں اللہ تعالیٰ نے ابھی اِس مقام پر رکھا ہوا ہے کہ مر جاؤ مگر اپنی زبان نہ کھولو۔ کیا تم نے جہاد پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظم نہیں پڑھی؟ اس میں کس وضاحت سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا ہے کہ اگر جہاد کا موقع ہوتا تو خدا تعالیٰ تمہیں تلوار کیوں نہ دیتا۔ اُس کا تلوار نہ دینا بتاتا ہے کہ یہ تلوار سے جہاد کا موقع

نہیں۔اسی طرح اگر تمہارے لئے مارنے کا مقام ہوتا تو تمہیں اس منہ کے توڑنے کی طاقت اور اس کے سامان بھی ملتے جس منہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دی جاتی ہیں۔مگر تمہیں اِس کی توفیق نہیں دی گئی اور وہ سامان نہیں دیئے گئے۔ پس معلوم ہوا کہ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے یہی مقام مقدر کیا ہے کہ تم گالیاں سنو اور صبر کرو۔اور اگر کوئی انسان سمجھتا ہے کہ اس میں مارنے کی طاقت ہے تو میں اسے کہوں گا اے بے شرم! تُو آگے کیوں نہیں جاتا اور اُس منہ کو کیوں توڑ نہیں دیتا جس منہ سے تو نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دلوائی ہیں۔ گندے سے گندے الفاظ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق کہے جاتے ہیں۔تم خود دشمن سے وہ الفاظ کہلواتے ہو اور پھر تمہاری تگ و دو یہیں تک آ کر ختم ہو جاتی ہے کہ گورنمنٹ سے کہتے ہو کہ وہ تمہاری مدد کرے۔ گورنمنٹ کو کیا ضرورت ہے کہ وہ تمہاری مدد کرے۔کیا اُس کا اور تمہارا مذہب ایک ہے؟ یا اس کی اور تمہاری سیاست ایک ہے؟ یا اس کا نظام تمہارے نظام سے ملتا ہے؟ پھر گورنمنٹ تمہاری کیوں مدد کرے۔ گورنمنٹ اگر ہمدردی کرے گی تو اُن لوگوں سے جو تمہارے دشمن ہیں کیونکہ وہ اکثریت میں ہیں اور تم اقلیت میں اور گورنمنٹوں کو اکثریت کی خوشنودی کی ضرورت ہوتی ہے۔ پس گورنمنٹ کو تم سے کس طرح ہمدردی ہوسکتی ہے۔ اُس کو تو اُسی وقت تک تمہارے ساتھ ہمدردی ہوسکتی ہے جب تک تم خاموش رہو اور دشمن کے مقابلہ میں صبر سے کام لو اور اِس صورت میں بھی صرف شریف حاکم تمہاری مدد کریں گے اور کہیں گے انہوں نے ہمیں فتنہ و فساد سے بچالیا۔مگر یہ خیال کرنا کہ گورنمنٹ اُس وقت مدد کرے جب دشمن تم کو گالیاں دے رہا ہو اور تم جواب میں اُسے گالیاں دے رہے ہو نادانی ہے۔ اُس وقت اُس کی ہمدردی اکثریت کے ساتھ ہوگی کیونکہ وہ جانتی ہے اقلیت کچھ نہیں کرسکتی۔ پس گورنمنٹ سے اسی صورت میں تم امداد کی توقع کر سکتے ہو جب خود قربانی کر کے لڑائی اور جھگڑے سے بچو اور اُس وقت بھی صرف شریف افسر تم سے ہمدردی کریں گے اور کہیں گے کہ انہوں نے ہماری بات مان لی اور خاموش رہ کر اور صبر کر کے فتنہ و فساد کو بڑھنے نہ دیا مگر رذیل حکام پھر بھی تمہارے ساتھ لڑیں گے اور کہیں گے کیا ہوا اگر دشمن کا تھپڑ اُنہوں نے کھالیا۔ وہ زیادہ

تھے اور یہ تھوڑے۔ اگر اکثریت سے ڈر کر تھپڑ کھالیا ہے تو یہ کوئی خوبی نہیں۔ پس وہ تمہارے صبر کو بُزدلی پر محمول کریں گے اور تمہاری خاموشی کو کمزوری کا نتیجہ قرار دیں گے۔ پس تمہارا گورنمنٹ کے پاس شکایت کرنا بالکل بے سُود ہے اور مجھے تمہاری مثال ویسی ہی نظر آتی ہے جیسے پہلے زمانہ میں جب یہ معلوم نہ تھا کہ کشمیری فوج میں بھرتی ہونے کے قابل نہیں۔

ایک دفعہ سرحد پر لڑائی ہوئی اور حکومت انگریزی نے مہاراجہ صاحب جموں سے کہا کہ اپنی فوج میں سے ایک دستہ ہماری فوج کے ساتھ روانہ کر دیں۔ اُنہوں نے ایک کشمیری دستہ کو تیار ہو جانے کا حکم دے دیا جب وہ تیار ہو گئے تو کشمیری افسر ایک وفد کی صورت میں مہاراجہ صاحب کے پاس آئے اور کہنے لگے ہم نے اتنی مدت تک آپ کا نمک کھایا ہے ہمیں لڑائی سے ہرگز انکار نہیں، ہم ہر وقت جانے کیلئے تیار ہیں صرف ایک ہماری عاجزانہ التماس ہے اور وہ یہ کہ سُنا ہے پٹھان سخت وحشی ہوتے ہیں آپ ہمارے ساتھ کچھ سپاہی کر دیں جو ہماری جانوں کی حفاظت کریں۔ تم بھی خدا کے سپاہی کہلاتے ہو مگر انگریزی سپاہیوں کے پہرے میں کام کرنا چاہتے ہو۔ پھر تم سے زیادہ بے غیرت اور کون ہوسکتا ہے۔ اِس وقت تم سب اِس مثال کے سننے پر ہنس پڑے ہو مگر کیا تمہاری بھی یہی حالت نہیں؟ تم کہتے ہو دشمن کا مقابلہ کرنے کیلئے ہر وقت تیار ہیں مگر انگریزی سپاہیوں کی حفاظت میں۔ اگر واقعہ میں تم خدا تعالیٰ کے سپاہی ہو اور اُس کے دشمن کے مقابل پر کھڑے ہو تو پھر تمہیں کسی حفاظت کی ضرورت ہی کیا ہے۔ تم میرے بتائے ہوئے طریق کے ماتحت صبر اور شکر کرو پھر خدا تعالیٰ کے سپاہی آپ تمہاری مدد کیلئے آسمان سے اُتریں گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک دفعہ ایک مقدمہ ہوا۔ جس مجسٹریٹ کے پاس وہ مقدمہ تھا اُس پر لاہور کے بعض آریوں نے سخت زور ڈالا کہ جس طرح بھی ہو سکے تم کسی نہ کسی طرح مرزا صاحب کو سزا دے دو اور اِس قدر اصرار کیا کہ آخر اس نے وعدہ کر لیا کہ میں کچھ نہ کچھ سزا انہیں ضرور دے دوں گا۔ ایک ہندو دوست جو اس مجلس میں موجود تھے انہوں نے یہ تمام حالات ایک احمدی وکیل کے پاس بیان کئے اور کہا کہ میں خود اس مجلس میں موجود تھا آریوں نے بہت اصرار کیا اور آخر مجسٹریٹ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ میں ضرور

حضرت مرزا صاحب کو کچھ نہ کچھ سزا دے دوں گا۔ وہ احمدی وکیل گھبرائے ہوئے گورداسپور آئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اُن دنوں گورداسپور میں ہی تھے میں وہاں موجود نہیں تھا لیکن جو دوست وہاں موجود تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ جب اُس دوست نے آکر ذکر کیا کہ حضور! ہمیں کوئی فکر کرنا چاہئے اس مجسٹریٹ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ آپ کو ضرور سزا دے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی۔ آخر انہوں نے دوبارہ اور سہ بارہ یہی بات دُہرائی اور کچھ اور دوست بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے اور سب نے کہا کہ اب ضرور کوئی فکر کرنا چاہئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اُس وقت لیٹے ہوئے تھے۔ آپ نے جب متواتر یہ بات سنی تو آپ نے چارپائی سے سر اُٹھایا اور لیٹے لیٹے کہنی پر ٹیک دے کر بڑے جلال سے فرمایا وہ مجسٹریٹ ہوتا کیا چیز ہے وہ خدا کے شیر پر ہاتھ ڈال کر تو دیکھے۔

پس کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر خدا تمہارے ساتھ ہو تو یہ مجسٹریٹ اور افسر اور پولیس کے آدمی تمہیں کچھ نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ کبھی نہیں۔ ہاں تمہیں اُس تعلیم پر عمل کرنا چاہئے جو خدا تعالیٰ کے مامور نے تمہیں دی اور جو یہ ہے کہ ؎

گالیاں سن کر دعا دو پا کے دُکھ آرام دو
کبر کی عادت جو دیکھو تم دکھاؤ انکسار

اور جو تعلیم قرآن کریم میں خدا تعالیٰ نے دی ہے کہ جب کسی مجلس میں خدا اور اُس کے رسول کو گالیاں دی جاتی ہوں تو وہاں سے اُٹھ کر چلے آؤ اور بے غیرت مت بنو۔ مگر تمہاری غیرت کا یہ حال ہے کہ اِدھر ہم منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُن کے جلسہ میں کوئی نہ جائے اور اُدھر تم میں سے کوئی کونوں میں چھپ کر ان کی تقریریں سنتا ہے، کوئی کسی ہمسایہ کے مکان پر چڑھ کر وہاں سے تقریریں سنتا ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے دل میں یہ گدگدی اُٹھ رہی ہوتی ہے کہ کسی طرح جائیں اور گالیاں سنیں۔ کیا تم نے کبھی مجھے بھی دیکھا کہ میں ان جلسوں میں گیا ہوں؟ پھر کیا تمہارے سینہ میں ہی دل ہے میرے سینہ میں نہیں۔ پھر تم کو کیوں شوق آتا ہے کہ جاؤ اور گالیاں سنو۔ اِسی وجہ سے کہ تمہارے دلوں میں غیرت نہیں اور

جب میں یہ کہتا ہوں کہ تمہارے دلوں میں غیرت نہیں تو اِس سے مراد وہی خاص لوگ ہیں جو بڑھ بڑھ کر حصہ لیتے ہیں اور پھر قابل شرم بے غیرتی کا نمونہ دکھاتے ہیں۔ پس تمہارا گالیاں سننا بتاتا ہے کہ تمہارے دل مردہ ہو چکے ہیں۔ تم بے ایمانی کے ساتھ ایمان کا جبہ پہن کر نکلے ہو اور تمہاری غرض محض تماش بینی ہے۔ ایسے لوگ اُس وقت بھی تماش بین ہوتے ہیں جب وہ ہماری مجلسوں میں شور مچا رہے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت کی حفاظت ہونی چاہئے۔ اور جب وہ اُس مجلس میں جاتے ہیں جہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دی جاتی ہیں تو وہاں بھی ان کی حیثیت ایک تماش بین کی سی ہوتی ہے اور یقیناً ایسے لوگ اپنی قوم کیلئے عار اور ننگ کا باعث ہوتے ہیں۔

پھر میں تمہیں کہتا ہوں تم اپنے آپ کو باغیرت کہتے ہو اور تم سمجھتے ہو کہ تم سلسلہ کیلئے قربانی دینے والے ہو مگر تمہارے پاس اِس الزام کا کیا جواب ہے کہ جب آریوں کا پروسیشن نکل رہا تھا تو تم میں سے ایک شخص نے مرزا غلام احمد زندہ باد کا نعرہ لگایا۔ اس میں غیرت کا کونسا سوال تھا؟ کیا دوسری قوموں کا حق نہیں کہ وہ بھی اپنے بزرگوں کے حق میں نعرے لگائیں؟ تم کہتے ہو لوگ ہم پر جھوٹا الزام لگاتے ہیں کہ ہم میں سے کسی نے ''لیکھرام مُردہ باد'' کا نعرہ لگایا تھا۔ میں کہتا ہوں یہ درست ہے کہ تم میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا مگر تم انصافاً آپ ہی بتاؤ کہ جس وقت تمہارا پروسیشن نکل رہا ہو اور تم محمد زندہ باد کے نعرے لگا رہے ہو تو اُس وقت اگر کوئی شخص ابوجہل زندہ باد کا نعرہ لگا دے تو تمہارے تن بدن میں آگ لگ جائے گی یا نہیں؟ اگر لگ جائے گی تو تمہیں سمجھنا چاہئے کہ تمہارے دشمن کے سینہ میں بھی دل ہے۔ اور اُس کا دل بھی اُس وقت دُکھتا ہے جب تم اُس کے مظاہرہ کے وقت میں مرزا غلام احمد زندہ باد کا نعرہ لگاتے ہو۔ پس تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے مُردہ باد نہیں کہا تھا زندہ باد کہا تھا۔ سوال یہ نہیں کہ تم نے کیا کہا بلکہ سوال یہ ہے کہ ایسے موقع پر زندہ باد کا نعرہ لگانا بھی دوسرے کو چڑانا اور اسے تکلیف دینا ہوتا ہے۔ جس وقت تم اپنا پروسیشن نکال رہے ہو اور سلسلہ کی تعریف میں نعرے لگا رہے ہو اُس وقت اگر کوئی شخص لیکھرام زندہ باد یا ثناء اللہ زندہ باد کا نعرہ لگا دے تو ایمان سے کہو کہ تمہیں غصہ آئے گا یا نہیں؟ آئے گا اور

ضرور آئے گا۔ پھر کیا تمہارے ہی سینہ میں دل ہیں اور تمہارے دشمن کے سینہ میں دل نہیں کہ تمہیں تو ایسے نعرے بُرے لگ سکتے ہیں مگر انہیں بُرے نہیں لگ سکتے ہیں میں تو حیران ہوتا ہوں جب میں یہ بحث سنتا ہوں کہ ہم نے مرزا غلام احمد زندہ باد کہا تھا لیکھرام مردہ باد تو نہیں کہا تھا حالانکہ سوال زندہ باد کہنے کا نہیں بلکہ سوال یہ ہے کہ وہ زندہ باد کا نعرہ کس موقع پر لگایا تھا۔ کیا وہ تمہارا جلسہ تھا؟ اگر تم اپنے جلسہ میں اس قسم کا نعرہ لگاتے تو یہ ایک معقول بات سمجھی جاسکتی تھی مگر غیر کے جلسہ یا جلوس میں نعرے لگانا صریح اشتعال دلانے والی حرکت تھی۔ پس یہ بحث ہی کیا ہوئی کہ ہم نے لیکھرام مردہ باد نہیں کہا، مرزا غلام احمد زندہ باد کہا۔ اُس وقت مرزا غلام احمد زندہ باد کہنا بھی لیکھرام مردہ باد کہنے کے مترادف تھا۔ یاد رکھو جب کوئی قوم اپنے کسی لیڈر کے اعزاز میں پروسیشن نکال رہی ہو تو اس وقت تمہارا کوئی حق نہیں کہ تم اُس میں دخل دو اور اگر تم اپنے لئے یہ بات جائز سمجھتے ہو تو پھر دشمن کا بھی حق ہوگا کہ وہ تمہارے پروسیشن میں لیکھرام زندہ باد کے نعرے لگائے۔ میں یہ مانتا ہوں کہ جن لوگوں نے یہ کہا کہ لیکھرام مُردہ باد کا نعرہ لگایا گیا تھا انہوں نے جھوٹ بولا۔ کیونکہ اِس وقت تک کوئی گواہی ایسی نہیں ملی جس سے یہ الزام ثابت ہوا ہو۔ علاوہ ازیں جب وہ شخص جس پر یہ الزام لگایا جاتا ہے قسم کھا کر کہہ چکا ہے کہ میں نے اِس قسم کا نعرہ نہیں لگایا تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اُس کی قسم کو تسلیم کریں۔ پس یہ جو کہا گیا کہ احمدیوں کی طرف سے لیکھرام مردہ باد کا نعرہ لگایا گیا یہ جھوٹ کہا گیا اور اس میں کسی قسم کی سچائی نہیں۔ یہ کہنا کہ پولیس کی ڈائری میں یہ لکھا ہوا ہے یہ بھی کوئی معقول ثبوت نہیں۔ پولیس والے بیسیوں جھوٹ بول لیتے ہیں اور جب وہ انہی کے چٹے بٹے ہیں تو ان سے ہم سچائی کی توقع کس طرح رکھ سکتے ہیں۔ پھر جس شخص کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اُس نے لیکھرام مردہ باد کا نعرہ لگایا جب وہ قسم کھا کر کہتا ہے کہ میں نے ایسا نعرہ نہیں لگایا تو اب اِس کے بعد تصفیہ کی صورت یہی رہ جاتی ہے کہ پولیس والے قسم اُٹھالیں کہ واقعہ میں لیکھرام مردہ باد کا نعرہ لگایا گیا تھا پھر خدا خود فیصلہ کر دے گا کہ کس نے سچ بولا اور کس نے جھوٹ۔

پولیس کی ڈائریوں کا تو یہ حال ہے کہ گزشتہ سالوں میں جب یہ الزام لگایا گیا کہ احمدی

لیکچراروں نے ڈپٹی کمشنر کو حرامزادہ کہا ہے تو پولیس کے جس آدمی نے یہ رپورٹ کی تھی اُسے جب کہا گیا کہ ڈپٹی کمشنر چھوڑ کسی کو بھی کسی احمدی لیکچرار نے حرامزادہ نہیں کہا پھر تم نے ایسا کیوں لکھا؟ تو وہ کہنے لگا یہ ایک راز کی بات ہے میں اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ پھر کم سے کم بیس فیصلے ہائی کورٹ کے مَیں ایسے پیش کرسکتا ہوں جن میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ پولیس والوں نے جھوٹ بولا۔ پس ہم کہتے ہیں یہ الزام بالکل جھوٹا ہے۔جس پر یہ الزام لگایا جاتا ہے وہ قسم اور غلیظ قسم کھا کر اپنے کو بری ثابت کر چکا ہے اور اگر یہ جھوٹی قسم ہے تو اس کے مقابلے میں دوسرا شخص جسے یہ یقین ہے کہ واقعہ میں لیکھرام مردہ باد کا نعرہ لگایا گیا کیوں ایسی ہی قسم نہیں کھا لیتا۔ پھر یہ بھی تو غور کرنا چاہئے کہ کیا یہ ممکن نہیں کہ کسی مخالف نے خود اِس قسم کا نعرہ لگا دیا ہو تاکہ فتنہ پیدا ہو جائے۔

پس قسمیہ طور پر اس بات کو بیان کر دینے کے بعد کہ لیکھرام مردہ باد کا نعرہ نہیں لگایا گیا ہم اس امر کو تسلیم نہیں کر سکتے کہ یہ الزام درست ہے۔ ہاں ہم یہ ضرور کہیں گے کہ اس موقع پر مرزا غلام احمد زندہ باد کہنا بھی فتنہ پیدا کرنے کا موجب تھا۔ ہماری جماعت بھی اپنے جلوسوں میں زندہ باد کے نعرے لگایا کرتی ہے۔ ایسے مواقع پر اگر مقابل کا فریق بھی نعرے لگانا شروع کر دے تو فساد ہوگا یا نہیں۔ پس میں تو ہرگز نہیں سمجھتا کہ جس چیز کو ہم اپنے لئے جائز نہیں سمجھتے وہ دوسروں کیلئے جائز سمجھیں۔ بحیثیت انسان ہونے کے ہندو بھی وہی حق رکھتے ہیں جو ہم رکھتے ہیں بلکہ سکھوں اور ہندوؤں کو جانے دو چوڑھوں کا بھی انسان ہونے کے لحاظ سے وہ حق ہے جو ایک مسلمان یا سکھ یا ہندو کا ہے۔ اور ہمیں کوئی اختیار نہیں کہ ہم یہ کہیں کہ ہمیں تو فلاں حق حاصل ہے مگر ہندوؤں یا سکھوں یا چوڑھوں کو حاصل نہیں۔ جو حق ہمیں حاصل ہوگا وہ دوسروں کو بھی حاصل ہوگا اور جو بات ہمیں بُری معلوم ہوتی ہو ہم کو چاہئے کہ دوسرے کے حق میں بھی اِس طرح نہ کریں۔ آج ہی اگر میں ایک میٹنگ کر کے لوگوں کے سامنے یہ بات پیش کروں کہ جب آپ لوگ کہتے ہیں ''محمدؐ زندہ باد'' یا ''غلام احمد کی جے'' تو کیا آپ اُس وقت برداشت کریں گے کہ آپ کے جلوس میں ہی مخالف ابوجہل زندہ باد یا لیکھرام زندہ باد کے نعرے لگائیں تو میں سمجھتا ہوں کہ سَو فیصدی لوگ اشتعال میں آجائیں

گے اور وہ کہیں گے کہ ہم اپنے جلسہ یا جلوس میں اس قسم کے نعرے ہرگز نہیں سُنیں گے۔ پس اگر تم اپنے جلسوں اور جلوسوں میں ان نعروں کو سننے کیلئے تیار نہیں تو کیا تمہارا فرض نہیں کہ دوسروں کے جلسوں اور جلوسوں میں بھی تم اپنی زبانوں کو روکو اور اپنے جذبات پر قابو رکھو۔

پھر ایک اور موٹی بات ہے جس کی طرف ہمیں توجہ کرنی چاہئے اور وہ یہ کہ تم میں سے ایک شخص ایک مجرمانہ فعل کرتا ہے تو تم سب کو کیوں فکر پڑ جاتی ہے حالانکہ تمہارا فرض صرف اتنا ہے کہ تم مجرم کو مجرم قرار دے دو اور اس کے فعل سے اپنی بے تعلقی اور براءت کا اظہار کر دو۔ آج ہندوستان میں جس قدر فسادات ہیں ان کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ایک شخص جُرم کرتا ہے اور اُس کی ساری قوم سمجھ لیتی ہے کہ شاید ہم پر الزام لگا ہے اور زخم کردہ قوم واقعہ میں بھی اس ساری قوم کو مجرم سمجھنے لگتی ہے۔ اگر تم بھی ایسا ہی کرو تو تم میں اور ان میں کیا فرق رہ جائے۔ اگر کسی نے مرزا غلام احمد زندہ باد کا نعرہ لگایا تو بیشک یہ فقرہ بالکل سچ تھا مگر سچے فقرے بھی بعض دفعہ فتنہ وفساد کا موجب ہو جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہی آتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ہمارے رسول! بعض منافق تیرے پاس آتے اور قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ تو اللہ تعالیٰ کا رسول ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تُو اللہ کا رسول ہے مگر اے ہمارے رسول منافق اس وقت جھوٹ بول رہے ہوتے ہیں۔ پس بعض لوگوں کا رسول اللہ ﷺ کو رسول کہنا بھی جھوٹ تھا حالانکہ اس سے بڑھ کر سچی بات اور کیا ہوسکتی ہے۔

اسی طرح حضرت علیؓ کے زمانہ میں کچھ لوگ تھے جنہوں نے ایک دفعہ کہا بادشاہت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے[5] مسلمانوں کے کام باہمی مشورہ سے ہونے چاہئیں۔ حضرت علیؓ سے کسی نے یہ بات کہی تو آپ نے فرمایا **كَلِمَةُ الْحِكْمَةِ اُرِيْدَ بِهَا الْبَاطِلُ**[6] کہ یہ بات تو سچی ہے مگر اس سے فساد پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تو ہر سچی بات موقع ومحل کو مدنظر رکھے بغیر بیان کرنی جائز نہیں ہوتی۔ میاں اور بیوی کے تعلقات سے زیادہ حلال اور کونسا تعلق ہوسکتا ہے مگر کیا جائز ہے کہ انسان مخصوص تعلقات کا ذکر کرے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اُس عورت پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے جو اپنے خاوند کے پاس جاتی اور پھر باہر جا کر اُس کے متعلق باتیں کرتی ہے مگر کیا وہ سچ نہیں ہوتا۔

غرض سچائی کے اظہار کیلئے بھی شرائط ہوتی ہیں اور ان شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ ہر شخص جس بات کو سچائی سمجھتا ہے وہ اس سچائی کے اظہار کا حق تو رکھتا ہے لیکن دشمن کی مجلس میں جب طبائع میں جوش ہوا ُسے اس کے بیان کرنے میں احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ جب لوگ جلوس نکال رہے ہوتے ہیں اُس وقت ان کی ساری عقیدت جو اپنے پیشواؤں کے ساتھ وہ رکھتے ہیں پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہوتی ہے۔ محرم میں جب شیعہ لوگ روتے پیٹتے ہیں، سنّی بھی شیعہ ہو جاتے اور ان میں سے اکثر ان میں شامل ہو جاتے ہیں۔ کسی عقلمند کا مقولہ ہے کہ مسلمان گیارہ مہینے سنّی رہتے ہیں اور بارھویں مہینہ سب شیعہ بن جاتے ہیں۔ درحقیقت یہ بات بالکل درست ہے۔ جس وقت شیعہ لوگ ''یا حسین یا حسین'' کے نعرے لگاتے ہیں تو واقعاتِ کربلا کی یاد سنیوں کی عقلوں پر بھی پردہ ڈال کر انہیں شیعہ بنا دیتی ہے اور اپنی سُنیّت انہیں بھول جاتی اور شیعیت ان پر غالب آ جاتی ہے۔ اسی طرح جس وقت ہندو یا سکھ جلوس نکال رہے ہوتے ہیں ان کی عقیدت کا جوش انتہاء تک پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ اُس وقت اگر کوئی مخالف اپنے عقیدہ کا اظہار کرتا ہے تو گو وہ ایک سچائی ہی ہو مگر چونکہ اس سے دوسرے کی دل آزاری ہوتی ہے اس لئے وہ مجرم ہے اور اس کی جماعت کا کوئی حق نہیں کہ اس سے ہمدردی کرے۔

درحقیقت میں تو اب کچھ مدت سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ گورنمنٹ کو چاہئے کہ وہ تمام جلوسوں کو بند کر دے۔ جلوسوں کی وجہ سے ہندوستان میں بڑے بڑے فساد ہوتے ہیں۔ جب جلوس نکلتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک آفت آ گئی۔ اِدھر جلوس والوں میں جوش ہوتا ہے اُدھر جلوس کو دیکھ کر مخالفوں کے دلوں میں غیظ و غضب بھڑک اُٹھتا ہے اور بسا اوقات فساد اور کشت و خون تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ پس ہندوستان کے امن کی راہ میں جلوس ایک خطرناک روک ہیں اور گورنمنٹ کو چاہئے کہ وہ ان جلوسوں کو بند کر دے۔ اگر گورنمنٹ جلوسوں کے متعلق کوئی ایسا عام فیصلہ صادر کر دے کہ کسی کو بھی جلوس نکالنے کی اجازت نہ ہوگی تو میں اپنی جماعت کی طرف سے حکومت کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم اس کے خلاف نہ صرف کوئی پروٹسٹ نہیں کریں گے بلکہ حتّی الاِمکان اس کی مدد کریں گے۔ کیونکہ اس

زمانہ میں جلوس سخت فسادات کا موجب بنے ہوئے ہیں۔

پس تم میں سے جس شخص نے بھی یہ نعرہ لگایا اُس نے سخت غلطی کی اور ایک مجرمانہ فعل کا ارتکاب کیا۔ میں بتا چکا ہوں کہ یہ کوئی سوال نہیں کہ نعرہ کیا لگایا گیا اور میں تو یہاں کے لوگوں کے خطوں کو پڑھ پڑھ کر سفر میں حیران ہوتا رہا کہ یہ کیا لکھا ہوتا ہے کہ پولیس کا الزام غلط ہے۔ ایک شخص نے مرزا غلام احمد زندہ باد کا نعرہ لگایا تھا، لیکھرام مردہ باد کا نعرہ اس نے نہیں لگایا، مجھے ان دونوں فقرات میں فرق تو نظر آتا ہے مگر مجھے ان میں سے کسی کے جواز کی بھی دلیل نظر نہیں آتی۔ میرے نزدیک تو یہ کہنا کہ لیکھرام مردہ باد ہم نے نہیں کہا مرزا غلام احمد زندہ باد ہم نے کہا۔ ویسی ہی بات ہے جیسے میری ایک بھانجی کو ایک اُستاد پڑھایا کرتا تھا۔ بچی بہت چھوٹی تھی۔ اُسے آداب کا کوئی پتہ نہ تھا۔ ایک دن اس نے کسی لڑکی کے منہ سے گدھی کا لفظ سنا اسے یہ لفظ بہت پسند آیا اور جب اُستاد اُسے پڑھانے آیا اور کسی بات پر ناراض ہوا تو وہ کہنے لگی ''ددھی'' یعنی تو گدھی ہے بوجہ زبان کے صاف نہ ہونے کے گدھی کی جگہ اُس نے ''ددھی'' کہا۔ اُستاد نے اس کے والد کے پاس شکایت کی کہ آپ کی لڑکی نے آج مجھے گدھی کہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اِس نے کہیں سے گدھی کا لفظ سنا ہے اور اب یہ گالی اس کی زبان پر چڑھ گئی ہے۔ باپ نے لڑکی کو بُلایا۔ چونکہ واقعہ تازہ ہی تھا اس لئے وہ سمجھ گئی کہ ضرور اِسی بات کی وجہ سے مجھے بلایا گیا ہے۔ وہ ڈرتی ڈرتی اور کانپتی کانپتی آئی اور کہنے لگی ددھی نہیں ددھا یعنی میں نے گدھی کہنے میں غلطی کی اصل میں مجھے گدھا کہنا چاہئے تھا۔ اُس نے سمجھا شاید غلطی اِس میں ہوئی ہے کہ میں نے مرد کو گدھی کہہ دیا حالانکہ اسے گدھا کہنا چاہئے تھا اور اسے یہ خیال ہی نہ آیا کہ مجھے ان میں سے ایک لفظ بھی نہیں کہنا چاہئے تھا۔ یہی مثال اس شخص پر صادق آتی ہے جس نے یہ حرکت کی ہے۔ اس موقع کے لحاظ سے یہ دونوں فقرے جو زیر بحث ہیں نامناسب تھے اور نہیں کہنے چاہئیں تھے۔ پس تم اپنے جذبات کو روکنے کی عادت ڈالو اور لوگوں کے احساسات کا خیال رکھو۔ اب یہ ہوتا ہے کہ ہم انتہائی کوشش کر کے دشمن کو جب اس مقام پر لے آتے ہیں جہاں وہ مجرم ثابت ہونے والا ہوتا ہے اور اس کی سَو گالیاں پکڑ لیتے ہیں تو جھٹ تم میں سے ایک شخص کوئی سخت لفظ کہہ دیتا ہے اور

خواہ وہ گالی نہ ہو محض ایک سخت لفظ ہو حکومت ان کی سَو گالیوں کو پرے پھینک کر کہہ دیتی ہے کہ آپ کے آدمی نے بھی یہ گالی دی ہے۔ پس تمہارے اس ایک آدمی کی غلطی کی وجہ سے حکام ایک عرصہ تک یہی دُہراتے چلے جاتے ہیں کہ آپ کے آدمی نے بھی یہی بات کہی تھی اوراس طرح ہماری ساری سکیم تم میں سے ایک شخص جوش میں آکر تباہ کر دیتا ہے اور جب بھی کوئی ایسا موقع آتا ہے کہ ہم سمجھتے ہیں اب ضرب لگانے کا وقت ہے، ہماری جماعت کا کوئی شخص اپنی بیوقوفی سے اُس ضرب کو اپنے اوپر لے لیتا اور بنی بنائی سکیم کو بگاڑ دیتا ہے۔

پس میں پھر جماعت کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ میری یہ باتیں سمجھنی مشکل نہیں۔تم میں سے جو شخص یہ سمجھتا ہو کہ یہ باتیں مشکل ہیں اور جلدی سمجھ میں نہیں آسکتیں وہ کوئی آٹھ دس سال کا بچہ میرے سامنے لے آئے، میں اُسے یہ تمام باتیں سمجھا کر بتا دیتا ہوں۔ پھر اتنی وضاحت کے بعد بھی اگر تم لوگ نہ سمجھو تو سوائے اس کے اور کیا معنے ہوں گے کہ تم چاہتے ہی نہیں کہ سمجھو اور میری باتوں پر عمل کرو۔ میں سوئے ہوئے کو تو جگا سکتا ہوں مگر جو جاگ رہا ہو اور یونہی آنکھیں بند کرکے پڑا ہوا ہو اُسے کس طرح جگا سکتا ہوں۔اس کے متعلق تو میرے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ میں خدا سے ہی کہوں کہ خدایا! مجھے اِس نادان دوست سے بچا کہ یہ میرے کام میں روک بنا ہوا ہے۔''

(خطبات محمود جلد ۱۸صفحہ۱۴۳تا۱۶۴ء)

---

۱ چَوری: پرندوں کے پروں کا مخصوص انداز کا بنا ہوا گول پنکھا (اردو لغت تاریخی اصول پر جلد ۷ صفحہ ۶۲۵ مطبوعہ کراچی ۱۹۸۷ء)

۲ بخاری کتاب الجهاد والسير باب يقاتل من وراء الامام ويتقٰى به صفحہ۴۸۹ حدیث نمبر ۲۹۵۷ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانية

۳ التوبة: ۶۱

۴ خنثوں: خنثیٰ: ہیجڑا، نامرد (اردو لغت تاریخی اصول پر جلد ۸ صفحہ ۷۰۷ مطبوعہ کراچی ۱۹۸۷ء)

۵، ۶ تاریخ ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۳۳۴ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء

شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کے خط کا جواب

خطبہ جمعہ ۱۶/ جولائی ۱۹۳۷ء میں شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کے تیسرے خط کے جواب میں حضور فرماتے ہیں:۔

''تیسرے خط میں شیخ صاحب نے لکھا ہے کہ مجھے معلوم ہو چکا ہے اب آپ سے نرمی کرنا سلسلہ کے ساتھ غداری ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ دو سال تک یہ مسئلہ کیوں نہ سُوجھا۔ ۱۳ روز کے اندر اندر ہی یہ رموز اِن پر کھلے، دو سال پہلے کیوں نہ کھلے۔ اِس الزاموں والے خط میں بعض جگہ تو الزام نمایاں ہیں گو مجمل اور تشنۂ تفصیل اور بعض جگہ یہ پتہ ہی نہیں لگتا کہ وہ کہتے کیا ہیں۔ ان دونوں طریقوں سے صاف پتہ لگتا ہے کہ پہلا خط اِس غرض سے تھا کہ دھمکیوں سے ڈر کر میں اِن کی بات مان لوں اور وہ جو چاہیں مجھ سے کرا سکیں۔ جیسے دلی میں بادشاہ گر ہوتے تھے یہ خلیفہ گر بننا چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ظاہر میں تو میں لیکن باطن میں وہ خلیفہ ہوں۔ مگر انہیں کیا معلوم کہ خدا اور انسان کے بنائے ہوئے خلفاء میں کیا فرق ہوتا ہے۔ خدا کا بنایا ہوا خلیفہ کبھی کسی سے نہیں ڈرتا۔ کیا میں اس بات سے ڈر جاؤں گا کہ لوگ مرتد ہو جائیں گے؟ جس کے لئے ارتداد مقدر ہے وہ کل کی بجائے بیشک آج ہی مرتد ہو جائے، مجھے کیا فکر ہے۔ میں جب جانتا ہوں کہ میں خدا کا بنایا ہوا خلیفہ ہوں تو خواہ ایک آدمی بھی میرے ساتھ نہ ہو تو بھی مجھے کیا ڈر ہے۔ جب خدا تعالیٰ خود مجھے تسلیاں دیتا ہے تو میں انسانوں سے کیوں ڈروں۔ ادھر یہ لوگ مجھے ڈراتے اور اُدھر خدا تعالیٰ مجھے تسلیاں دیتا ہے۔ اِن چند روز میں اس کثرت سے مجھے الہام اور رؤیا ہوئے ہیں کہ گزشتہ دو سال میں اتنے نہ ہوئے ہوں گے۔ ابھی چند روز ہوئے کہ مجھے الہام ہوا جو اپنے اندر دعا کا رنگ رکھتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ''اے خدا! میں چاروں طرف سے مشکلات میں گھرا ہوا ہوں تُو میری

مدد فرما''۔اور پھر اس کے تین چار روز بعد الہام ہوا جو گویا اس کا جواب ہے کہ ''میں تیری مشکلات کو دُور کروں گا اور تھوڑے ہی دنوں میں تیرے دشمنوں کو تباہ کر دوں گا''۔آخری الفاظ ''تباہ کر دوں گا'' یا ''برباد کروں گا'' یا ''مٹا دوں گا'' تھے، صحیح طور پر یاد نہیں رہے۔تو جب خدا تعالیٰ خود مجھے تسلیاں دیتا ہے تو میں بندوں سے کیوں ڈروں۔اور کیا ان واقعات کے بعد میں کسی بندے پر اعتماد کر سکتا ہوں؟ شیخ عبدالرحمٰن مصری میرے بچپن کے دوست تھے مگر آج ان کے اقرار کے بموجب وہ دو سال سے میرے خلاف مواد جمع کر رہے تھے مگر ہماری تازہ تحقیق کے مطابق اس سے بھی بہت پہلے سے کینہ دل میں چھپائے بیٹھے تھے۔ پھر میں کسی انسان پر کس طرح بھروسہ کر سکتا ہوں۔''

(خطبات محمود جلد ۱۸ صفحہ ۲۸۴ تا ۲۸۵)

جو شخص خلافت کی مخالفت کرتا ہے
وہ اسلام کی عملی زندگی پر تبر چلاتا ہے

(فرمودہ ۲۳ رجولائی ۱۹۳۷ء)

تشہّد ،تعوّ ذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا :۔

میں آج بہت زیادہ دیر سے آسکا ہوں جس کی وجہ یہ ہے کہ کل مجھے شدید سر درد کا دورہ ہوا اور اس کی وجہ سے میں رات بھر جاگتا رہا۔صبح اُٹھ کر میں نے بروما ئیڈ پیا اور تھوڑی دیر کے لئے سو گیا۔ پھر میں دفتر میں آیا اور کچھ دوست جو مجھ سے ملنے آئے ہوئے تھے اُن سے ملا۔اس کے بعد چونکہ بعض حوالے تاریخی کتب سے میں نے نکالنے تھے اِس لئے وہ حوالہ جات تلاش کرتا رہا اور ان سے ایسے وقت میں فارغ ہوا جبکہ غسل اور کھانے کے بعد نماز کو بہت دیر ہو جاتی تھی ۔ چنانچہ میں نے جلدی جلدی ان دونوں کاموں سے فراغت پائی مگر پھر دیر ہو گئی ۔

اس کے بعد میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں نے پچھلے جمعہ کے خطبہ میں مصری صاحب کے بعض ان اعتراضات کے جوابات دیئے تھے جو انہوں نے اپنے ایک اشتہار میں شائع کئے ہیں اور وہ اعتراض دو تھے ۔ایک تو یہ کہ جماعت نے بغیر تحقیق کئے انہیں گالیاں دی ہیں اور دوسرا یہ کہ جماعت نے ایک ایسے آدمی کو گالیاں دی ہیں جس نے جماعت کے مفاد کیلئے قربانی کی ہے۔ میں نے بتایا تھا کہ ان کی یہ دونوں باتیں غلط ہیں ۔ جماعت نے ان کو کوئی گالیاں نہیں دیں بلکہ انہوں نے جماعت کو گالیاں دیں اور جماعت نے جو کچھ جواباً کہا وہ

اس سے بہت کم ہے جو انہوں نے ہمارے متعلق کہا۔ اسی طرح ان کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ میں نے جماعت کیلئے قربانی کی۔ وہ حالات سے مجبور ہو گئے تھے اس لئے وہ ہم سے علیحدہ ہوئے ورنہ انہوں نے پہلا خط جو مجھے لکھا اس سے ان کا مقصد ہرگز جماعت سے علیحدگی نہیں تھا بلکہ مجھے ڈرانا اور بعض باتیں مجھ سے منوانا تھا۔ لیکن جب ان کی وہ غرض پوری نہ ہوئی اور انہوں نے دیکھا کہ اب میرا اندرونہ بھی ظاہر ہو چکا ہے جس کے بعد میرا اس جماعت میں رہنا ناممکن ہے تو انہوں نے خود ہی اپنے تیسرے خط میں جماعت سے علیحدہ ہونے کا وقت مقرر کر دیا۔

اسی اشتہار میں انہوں نے ایک بات یہ بھی لکھی ہے کہ میرے متعلق کہا یہ جاتا ہے کہ میں جماعت سے الگ ہو گیا ہوں حالانکہ میں جماعت سے الگ نہیں ہوا صرف بیعت سے الگ ہوا ہوں۔ میں نے اس سوال کے اصولی حصہ کا جواب پہلے دے دیا ہے بلکہ ان کے اشتہار کے شائع ہونے سے بھی پہلے میرے ایک خطبہ میں ان کے اس اعتراض کا جواب آ چکا ہے اور وہ خطبہ آج کے الفضل میں چھپ بھی گیا ہے۔ آج میں ان کے بعض اُن دلائل کا جواب دینا چاہتا ہوں جو انہوں نے اس بارہ میں اپنے اشتہار میں دیئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں ''میں اس جگہ بعض دوستوں کے اس خیال کے متعلق بھی کہ خلیفہ سے علیحدگی جماعت سے علیحدگی کے ہی مترادف ہے کچھ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ یہ بات بالکل غلط ہے کہ جو شخص خلیفہ کی بیعت نہیں کرتا یا بیعت سے علیحدگی اختیار کرتا ہے وہ اصل سلسلہ سے بھی الگ ہو جاتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت ابو بکرؓ کی چھ ماہ تک بیعت نہیں کی تھی تو کیا کوئی ان کے متعلق یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ وہ اُس وقت تک اسلام سے خارج تھے؟ حضرت علیؓ کی بیعت مسلمانوں کے ایک بڑے گروہ نے نہیں کی تھی تو کیا وہ سب اسلام سے خارج تھے؟ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی تھی تو کیا انہیں اسلام سے خارج سمجھتے ہو؟ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ جیسے جلیل القدر صحابہ نے حضرت علیؓ کی بیعت کر لینے کے بعد بیعت کو فسخ کر لیا مگر کوئی ہے جو جرأت کر کے انہیں اسلام سے خارج قرار دے۔ دوستو! یہ خیال کسی مصلحت کے ماتحت آج پیدا کیا جا رہا ہے ورنہ قرآن کریم ،

احادیث نبوی، عمل صحابہ کرام میں اِس کا نام ونشان بھی نہیں ملتا‘‘۔

یہ گویا انہوں نے اِس بات کی تائید میں اپنی طرف سے دلائل دیئے ہیں کہ میں خلیفہ کی بیعت سے الگ ہوا ہوں جماعت سے الگ نہیں ہوا۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مصری صاحب نے اس جگہ دیدہ دانستہ غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ مجھے ہرگز یہ امید نہیں تھی کہ باوجود اس تمام مخالفت کے جو انہوں نے اختیار کی ہے، باوجود اس تمام عِناد کے جو انہوں نے ظاہر کیا ہے اور باوجود اس شدید دشمنی کے جس کے وہ مرتکب ہوئے ہیں وہ احمدیت سے اتنے بے بہرہ ہو جائیں گے کہ چند دنوں کے اندر ہی اندر دیدہ دانستہ خلاف بیانی کے مرتکب ہونے لگ جائیں گے۔ چنانچہ میں ابھی ثابت کر دوں گا اور خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے ایسا ثابت کر دوں گا کہ ایک جاہل سے جاہل اور اَن پڑھ سے اَن پڑھ انسان بھی یقینی طور پر سمجھ جائے گا کہ مصری صاحب نے قطعی طور پر جان بوجھ کر غلط بیانی سے کام لیا ہے۔

میرے اعلان کا مضمون یہ تھا کہ مصری صاحب ہماری جماعت سے الگ ہیں میں انہیں اپنی جماعت سے خارج سمجھتا اور ان کے خروج کا اعلان کرتا ہوں۔مصری صاحب اس پر اعتراض یہ کرتے ہیں کہ میں نے جماعت سے نہیں بلکہ بیعت سے الگ ہونے کو کہا تھا۔ پس یہ مجھ پر غلط الزام ہے کہ میں نے جماعت چھوڑ دی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ الگ ہو گئے تھے مگر کوئی ہے جو جرأت کر کے انہیں اسلام سے خارج قرار دے۔ اب اس امر کو دیکھو کہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ وہ جماعت سے الگ ہو گئے اور وہ مثال میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو پیش کرتے ہوئے دریافت یہ کرتے ہیں کہ کیا وہ اسلام سے نکل گئے تھے؟ یہ وہ دیدہ دانستہ دھوکا ہے جو انہوں نے لوگوں کو دیا۔ کیا ہماری جماعت آج قائم ہوئی ہے کہ ابھی تک ہم اپنی اصطلاحات کے مفہوم کو واضح نہیں کر سکے یا کیا مصری صاحب نئے آدمی ہیں کہ انہیں آج تک یہ علم نہیں ہو سکا کہ خلیفۂ وقت کی بیعت سے جب کوئی شخص الگ ہوتا ہے تو وہ احمدیت یا اسلام سے خارج نہیں سمجھا جاتا بلکہ جماعت سے علیحدہ سمجھا جاتا ہے۔ جماعت احمدیہ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد خلافت کے سلسلہ میں منسلک ہوئے قریباً تیس سال گزر چکے ہیں۔مئی ۱۹۰۸ء میں حضرت مسیح موعود

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وفات پائی اور آج جولائی ۱۹۳۷ء ہے گویا ۲۹ سال اور کچھ مہینے سلسلۂ خلافت کو شروع ہوئے ہو چکے ہیں۔ اس تیس سال کے عرصہ میں ان اصطلاحات کے متعلق ہماری جماعت کے خیالات بار بار ظاہر ہو چکے ہیں۔ اگر کوئی نئی بات ہو تو انسان کہہ سکتا ہے کہ مجھے معاف فرمائیے مجھے چونکہ علم نہیں تھا اس لئے دھوکا کھایا۔ مگر جس امر کے متعلق ۳۰ سال تک ہر ادنیٰ اعلیٰ، چھوٹا بڑا، عالم جاہل گفتگو کرتے چلے آئے ہوں اور بار بار اس کے متعلق جماعت کے خیالات ظاہر ہو چکے ہوں، اس کے متعلق ایک عالم کہلانے والا، ایک مولوی کہلانے والا، ایک تبلیغیں کرنے والا، ایک مناظرے کرنے والا، ایک بحثیں کرنے والا اور ایک مدرسہ دینیہ کا لمبے عرصہ تک ہیڈ ماسٹر رہنے والا اگر یہ کہے کہ مجھے اس بات کا علم نہیں تھا، دراصل مجھے دھوکا لگ گیا تھا تو کیا کوئی بھی عقلمند اس کے اس عذر کو تسلیم کرے گا؟ اگر مصری صاحب جب میری بیعت سے الگ ہوئے تھے ہم ان کی نسبت کہتے کہ مصری صاحب غیر احمدی ہو گئے ہیں تب بیشک وہ کہہ سکتے تھے کہ میں نے تو صرف خلیفۂ وقت کی بیعت چھوڑی ہے اور آپ لوگ مجھے احمدیت سے ہی خارج سمجھنے لگ گئے ہیں۔ یا اگر میں نے اپنی کسی تحریر یا تقریر میں ایک جگہ بھی یہ الفاظ استعمال کئے ہوں کہ مصری صاحب غیر احمدی ہو گئے ہیں تب تو بے شک وہ یہ مثال پیش کر سکتے اور کہہ سکتے تھے کہ جب حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے الگ ہوئے تھے تو کیا وہ اسلام سے خارج ہو گئے تھے؟ اگر نہیں تو پھر مجھے کیوں غیر احمدی کہا جاتا ہے۔ لیکن ہم نے ایسا نہیں کہا۔ اگر کوئی شخص میری کسی تحریر یا تقریر سے اشارۃً یا وضاحتاً ظاہراً یا باطناً یہ ثابت کر دے کہ میں نے کہا ہو مصری صاحب احمدیت سے علیحدہ ہو گئے ہیں اور اب وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت پر بھی ایمان نہیں رکھتے تب بیشک یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے بیعت سے علیحدگی اختیار کی ہے، احمدیت سے علیحدگی تو اختیار نہیں کی اور تب بیشک وہ خود بھی سوال کر سکتے تھے کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے بھی حضرت علیؓ کی بیعت کو فسخ کر لیا تھا مگر کیا کوئی ہے جو جرأت کر کے انہیں اسلام سے خارج قرار دے۔ لیکن جب میں نے ایک دفعہ بھی یہ الفاظ استعمال نہیں کئے اور نہ ہماری جماعت نے انہیں غیر احمدی کہا تو ان کا اپنے دعویٰ کے ثبوت

میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو پیش کرنا اور یہ دریافت کرنا کہ کیا وہ بیعت سے علیحدہ ہوکر اسلام سے نکل گئے تھے صریح دھوکا اور فریب نہیں تو اور کیا ہے۔ میں نے جو الفاظ استعمال کئے ہیں وہ یہ ہیں کہ وہ جماعت سے الگ ہو چکے ہیں نہ یہ کہ وہ احمدیت یا اسلام سے علیحدہ ہوگئے ہیں۔

اب دوسری صورت یہ ہوسکتی تھی کہ اگر ہماری جماعت کا یہ محاورہ ہوتا کہ جو شخص بھی ہماری جماعت میں نہیں وہ احمدی نہیں تب بھی وہ کہہ سکتے تھے کہ گو تم نے یہ الفاظ نہ کہے ہوں کہ میں احمدیت سے خارج ہوں مگر چونکہ جماعت میں عام محاورہ یہی ہے کہ جو شخص جماعت سے علیحدہ ہوتا ہے اسے احمدی نہیں سمجھا جاتا اس لئے میں نے دھوکا کھایا اور سمجھا کہ آپ مجھے احمدی نہیں سمجھتے۔ گو ہم پھر بھی مصری صاحب کو غلطی پر سمجھتے۔ کیونکہ جب ہم نے انہیں غیر احمدی نہ کہا ہوتا تو انکا کوئی حق نہ تھا کہ وہ خود بخود یہ قیاس کر لیتے کہ مجھے احمدی نہیں سمجھا جاتا۔ لیکن بہر حال اس صورت میں کسی حد تک ہم سمجھ سکتے تھے کہ انہوں نے دھوکا کھایا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ ہماری جماعت میں نہ صرف یہ کہ یہ محاورہ نہیں بلکہ اس کے بالکل اُلٹ محاورہ رائج ہے۔ آپ لوگوں میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ ۲۳ سال حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کو وفات پائے گزر چکے ہیں۔ اس ۲۳ سال کے عرصہ میں احمدیوں میں سے جن لوگوں نے میری بیعت نہیں کی وہ سینکڑوں کی تعداد میں ہیں اور گو ہم ان کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ وہ ہماری جماعت میں نہیں مگر ہم یہ کبھی نہیں کہتے کہ وہ احمدی نہیں۔ ہم یہ تو کہا کرتے ہیں کہ مولوی محمد علی صاحب ہماری جماعت میں نہیں یا یہ تو ہم کہا کرتے ہیں کہ خواجہ کمال الدین صاحب ہماری جماعت میں نہیں مگر ہم یہ نہیں کہتے کہ مولوی محمد علی صاحب احمدی نہیں یا خواجہ کمال الدین صاحب احمدی نہیں۔ چنانچہ اگر کوئی شخص ہماری جماعت کے کسی آدمی سے کہے کہ مولوی محمد علی صاحب کے پاس میری سفارش کر دیں تو وہ یہی کہے گا کہ مولوی محمد علی صاحب سے ہمارا کیا تعلق، وہ ہماری جماعت میں نہیں۔ لیکن کیا آج تک ہم میں سے کسی شخص نے یہ کہا ہے کہ مولوی محمد علی صاحب غیر احمدی ہیں؟ یقیناً ایک مثال بھی ایسی پیش نہیں کی جاسکتی کہ ہم میں سے کسی عالمِ دین نے اُن کو غیر احمدی کہا ہو۔ پس ۲۳ سال کے عرصہ میں

سینکڑوں ہیں جو ہماری جماعت میں سے نکلے مگر کیا ہم ان کو بیعت نہ کرنے کی وجہ سے یا بعض کو بیعت توڑ دینے کی وجہ سے غیر احمدی کہتے ہیں؟ ہم انہیں احمدی ہی کہتے ہیں۔ گو ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ متفرق گروہ ہے۔ مگر بہر حال کہتے ہم انہیں احمدی ہی ہیں اور آج تک کسی ایک شخص نے بھی میرے منہ سے یہ نہیں سنا ہوگا کہ میں نے کہا ہو مولوی محمد علی صاحب غیر احمدی ہیں، خواجہ کمال الدین صاحب غیر احمدی تھے یا شیخ رحمت اللہ صاحب غیر احمدی تھے۔ پس ہم ۲۳ سال سے برابر یہ اقرار کرتے چلے آئے ہیں کہ گو بعض لوگ ہماری جماعت میں نہیں مگر ہیں وہ احمدی ہی۔ پس یہ کوئی نیا مسئلہ نہیں تھا جو آج پیدا ہوا۔ اگر مصری صاحب پہلے احمدی ہوتے جس نے خلیفہء وقت کی بیعت کو توڑا ہوتا تب تو کہا جا سکتا تھا کہ انہیں دھوکا لگ گیا مگر وہ بیعت توڑنے والوں میں سے پہلے نہیں بیسیوں احمدی ان سے پہلے بیعت توڑ چکے ہیں مگر ان کو اگر وہ اپنے آپ کو احمدی کہتے ہوں ہم نے کبھی نہیں کہا کہ وہ غیر احمدی ہو گئے تو آج مصری صاحب کو یہ شبہ کس طرح پڑ گیا کہ انہیں غیر احمدی کہا جاتا ہے۔ جب وہ ہم میں شامل تھے وہ بھی یہی کہا کرتے تھے کہ مولوی محمد علی صاحب ہماری جماعت میں نہیں، خواجہ کمال الدین صاحب ہماری جماعت میں نہیں مگر ساتھ ہی وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ گو وہ ہماری جماعت میں نہیں مگر ہیں وہ احمدی ہی۔ اسی طرح شیخ رحمت اللہ صاحب اور سید محمد احسن صاحب امروہی کے متعلق بھی باوجود یہ کہنے کے کہ وہ ہماری جماعت میں نہیں وہ یہ نہیں کہا کرتے تھے کہ وہ غیر احمدی ہیں۔ جو شخص ۲۳ سال خود یہ محاورہ استعمال کرتا رہا ہو اُس کا بیعت سے الگ ہوتے ہی یہ کہنا شروع کر دینا کہ مجھے جماعت سے الگ قرار دے کر غیر احمدی سمجھا جاتا ہے سراسر دنیا داری اور چالاکی ہے۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کا سمجھنا کسی کیلئے مشکل ہو۔ تم کسی احمدی بچے کے پاس چلے جاؤ۔ ایک سکول کے احمدی طالب علم سے ہی دریافت کرلو کہ کیا مولوی محمد علی صاحب ہماری جماعت میں ہیں؟ وہ کہے گا نہیں پھر اس سے پوچھو کیا مولوی محمد علی صاحب احمدی ہیں؟ وہ کہے گا ہاں۔ بلکہ وہی طالب علم جنہیں وہ پڑھایا کرتے تھے ان سے سوال کر کے دیکھ لو کہ کیا مولوی محمد علی صاحب ہماری جماعت میں ہیں وہ کہیں گے نہیں پھر ان سے سوال کرو کہ کیا وہ احمدی ہیں؟ وہ کہیں گے ہاں۔

اب دوسری موٹی مثال اس کی میں یہ دیتا ہوں کہ اسی منبر پر کھڑے ہو کر میں نے مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی کی وفات پر اُن کا جنازہ پڑھنے کا علان کیا اور ساری جماعت کے ساتھ ان کا جنازہ پڑھا۔ لیکن اس کے مقابلہ میں کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ ہم نے کسی غیر احمدی کا بھی کبھی جنازہ پڑھا۔ ہم غیر احمدیوں کا جنازہ کبھی نہیں پڑھتے صرف احمدیوں کا جنازہ پڑھتے ہیں۔ پس میرا مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی کا جنازہ پڑھنا بتاتا ہے کہ میں ایسے لوگوں کو جو خلیفۂ وقت کی بیعت سے الگ ہو جائیں یا احمدی کہلا کر بیعت نہ کریں احمدی ہی سمجھتا ہوں۔ اور مصری صاحب تو میرے متعلق یہ اعلان کر رہے ہیں کہ میں انہیں معزول کراؤں گا۔ لیکن مولوی سید محمد احسن صاحب وہ تھے جنہوں نے میرے متعلق یہ اعلان کیا تھا کہ میں نے انہیں خلافت سے معزول کر دیا۔ پس وہ ہماری جماعت سے الگ ہو چکے تھے۔ مگر باوجود اس کے کہ وہ ہماری جماعت سے الگ تھے اور باوجود اس کے کہ انہوں نے میرے متعلق یہ اعلان کیا تھا کہ میں انہیں خلافت سے معزول کرتا ہوں اُن کی وفات پر میں نے اُن کا جنازہ پڑھا اور یہ ہر شخص جانتا ہے کہ اگر ہم انہیں غیر احمدی سمجھتے تو کبھی ان کا جنازہ نہ پڑھتے۔ لیکن جب میں نے مولوی سید محمد احسن صاحب کا جنازہ پڑھا تو اِس کے معنی یہی تھے کہ میں ان کو احمدی سمجھتا ہوں۔ پھر شیخ رحمت اللہ صاحب فوت ہوئے تو میں نے اُن کا جنازہ پڑھا، وہ بھی مبائع نہیں تھے۔ مگر باوجود اس کے کہ وہ ہماری جماعت میں شامل نہ تھے میں نے ان کا جنازہ پڑھا۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ کسی شخص کے جماعت میں نہ ہونے کا ہم یہ مفہوم نہیں لیتے کہ وہ احمدی نہیں۔ بلکہ اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ وہ مبائع احمدی نہیں۔ یعنی خلیفۂ وقت کے ہاتھ پر بیعت کرنے والی جماعت کا وہ حصہ نہیں وہ بیشک پہلے ہمارے ساتھ تھا مگر اب وہ کٹ گیا اور ہماری جماعت سے الگ ہو گیا ہے۔ تو یہ کتنا بڑا دھوکا ہے کہ ایک شخص ۲۳ سال ہمارے اندر رہتا ہے، جماعت کی اصطلاحات اور محاورات سے واقف ہے خود بھی یہ محاورہ استعمال کرتا رہتا ہے مگر جونہی وہ جماعت سے علیحدہ ہوتا ہے لوگوں کو دھوکا دینے کیلئے کہتا ہے مجھ پر اتہام لگایا جاتا ہے کہ میں احمدی نہیں رہا۔ سوال یہ ہے کہ کس نے تمہیں کہا کہ تم احمدی نہیں رہے۔ جب کسی نے بھی ایسا نہیں کہا تو تمہارا جماعت پر یہ الزام

لگانا بتاتا ہے کہ خود تمہارے دل میں کوئی شکوک پیدا ہوئے ہیں جن کو تم دوسروں کی طرف منسوب کرتے ہو۔ ہمارا تو یہ طریق ہی نہیں کہ جب کوئی شخص ہماری جماعت میں سے الگ ہو تو اُس کے متعلق ہم یہ کہنا شروع کر دیں کہ وہ احمدی نہیں رہا۔ خواجہ کمال الدین صاحب کے متعلق بھی ہم یہی کہتے تھے کہ وہ ہماری جماعت میں نہیں۔ مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی کے متعلق بھی یہی کہتے تھے کہ وہ ہماری جماعت میں نہیں۔ مولوی محمد علی صاحب کے متعلق بھی یہی کہتے ہیں کہ وہ ہماری جماعت میں نہیں۔ اسی طرح باقی تمام غیر مبائعین کے متعلق ہم یہی کہتے ہیں کہ وہ ہماری جماعت میں نہیں۔ ہاں ساتھ ہی ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ سب احمدی ہیں اور ہم انہیں احمدی ہی سمجھتے ہیں گو احمدیہ جماعت میں نہیں سمجھتے۔ چنانچہ جب کبھی پیغامیوں اور ہماری جماعت میں مباحثہ ہو تو ہم انہیں یہی کہتے ہیں کہ جماعت تو ہماری ہی ہے جو ایک خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کر چکی ہے تم لوگ پراگندہ اور متفرق ہو۔ تمہارا حق نہیں کہ تم اپنے آپ کو جماعت کہو۔

پھر میرے متعدد فتوے موجود ہیں جن میں دوستوں نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ کیا غیر مبائعین کے پیچھے نماز جائز ہے؟ اور میں نے ہمیشہ انہیں یہی جواب دیا کہ جائز تو ہے مگر مکروہ ہے۔ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم امام اُس شخص کو بناؤ جو تم میں سے اَتْقٰی اور معزز ہو۔ وہ لوگ چونکہ خلیفۂ وقت کا انکار کر کے وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ [1] کے ماتحت آ چکے ہیں اس لئے ان کی اقتدا میں نماز پڑھنا پسندیدہ فعل نہیں سمجھا جا سکتا۔ ہاں اگر کسی موقع پر مجبور ہو جاؤ تو نماز کے ادب کے لحاظ سے یہ جائز ہے کہ تم کسی غیر مبائع کے پیچھے نماز پڑھ لو۔ لیکن کیا یہی فتویٰ ہم نے کبھی غیر احمدیوں کے متعلق بھی دیا ہے کہ اگر مجبور ہو جاؤ تو ان کے پیچھے نماز پڑھ لو؟ جب نہیں تو صاف معلوم ہوا کہ ہمارے نزدیک بیعت سے الگ ہونا اور چیز ہے اور احمدیت سے الگ ہونا اور چیز۔ اب باوجودیکہ پیغامیوں کو ہم اپنی جماعت میں نہیں سمجھتے پھر بھی ہم انہیں احمدی ہی کہتے ہیں۔ کیونکہ جماعت اور چیز ہے اور احمدیت اور چیز۔ جماعت متفرق ہو جاتی ہے مگر مذہب دنیا میں باقی رہتا ہے۔

خلافت راشدہ جب دنیا سے مٹی تو جماعت بھی ساتھ ہی مٹ گئی مگر اس کے ساتھ مذہب نہیں مٹا۔ بلکہ مسلمانوں کی کئی جماعتیں بن کر کوئی افغانستان میں قائم ہوگئی، کوئی ایران میں، کوئی عرب میں قائم ہوگئی اور کوئی سپین میں۔ پس باوجود اس کے کہ مسلمان دنیا میں متفرق ہوگئے مذہب ان کے پاس رہا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خلافت موجود نہ ہو تو بیعت میں نہ شامل ہونے والے کا اور حال ہوتا ہے اور جب موجود ہو تو اَور ہوتا ہے۔ جس طرح پانی کی موجودگی میں تیمّم کرنے والے اور عدم موجودگی میں تیمّم کرنے والے میں فرق ہے۔ لیکن پھر بھی ہم یہ نہیں کہتے کہ جس نے بیعت توڑ دی وہ مسلمان نہیں رہا۔ ہاں اُس شخص کو گنہگار اور روحانیت سے دور ہو جانے والا ضرور قرار دیتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ اگر اس کے نفس میں شرارت ہے تو وہ ایمان سے کسی دن محروم ہو جائے گا۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ مولوی محمد علی صاحب اور ان کے رفقاء ہمارے ساتھ عقائد میں بھی اختلاف رکھتے ہیں۔ مثلاً وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے قائل نہیں۔ وہ آپ کے منکروں کے متعلق یقین رکھتے ہیں کہ ان میں بھی بزرگ اور نیک ہو سکتے ہیں۔ لیکن اِس وقت تک شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری نے کوئی ایسا اعلان نہیں کیا جس سے ظاہر ہو کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے قائل نہیں۔ پھر یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ ہم مولوی محمد علی صاحب کے متعلق تو یہ کہیں کہ وہ احمدی ہیں اور مصری صاحب کے متعلق یہ کہیں کہ وہ احمدی نہیں۔ جنہوں نے عقائد میں ہم سے بہت زیادہ اختلاف کیا جب ہم انہیں بھی آج تک احمدی کہتے رہے اور کہتے ہیں تو مصری صاحب کے متعلق یہ کس طرح کہہ سکتے تھے کہ چونکہ انہوں نے بیعت سے علیحدگی اختیار کر لی ہے اس لئے وہ احمدی نہیں رہے۔ پس یہ کیسی چالبازی ہے کہ کہا جاتا ہے ''حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ جیسے جلیل القدر صحابہ نے حضرت علیؓ کی بیعت کر لینے کے بعد بیعت کو فسخ کر لیا۔ مگر کوئی ہے جو جرأت کر کے انہیں اسلام سے خارج قرار دے''۔ یہ سوال تو تب ہوتا جب ہم کہتے کہ چونکہ مصری صاحب نے بیعت سے علیحدگی اختیار کر لی ہے اس لئے وہ غیر احمدی ہوگئے ہیں۔ لیکن جب ہم نے یہ کہا ہی نہیں تو ایک جھوٹی بنیاد پر لوگوں کو اشتعال دلانا صریح دھوکا دہی ہے جو انہوں

نے اختیار کی۔ غرض یہ بات جو کہی گئی ہے اس میں دیدہ دانستہ اور جانتے بُوجھتے ہوئے انہوں نے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ اگر غیر مبائعین کو ہم غیر احمدی کہا کرتے تب تو انہیں شبہ ہوسکتا تھا اور وہ کہہ سکتے تھے کہ مجھے بھی ان کی طرح غیر احمدی کہا جاتا ہے۔ مگر غیر مبائعین جو نہ صرف خلافت بلکہ نبوت میں بھی ہم سے اختلاف رکھتے ہیں، جب ہم نے انہیں بھی آج تک غیر احمدی نہیں کہا تو ان کو کس طرح احمدیت سے خارج قرار دے سکتے تھے اور جب ہم نے انہیں احمدیت سے خارج قرار نہیں دیا تو ان کا یہ کہنا کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے الگ ہوگئے تھے تو کیا وہ اسلام سے نکل گئے تھے، صریح غلط بیانی ہے جو انہوں نے لوگوں کو جوش دلانے کیلئے کی ہے۔

پس نہ کبھی ہم نے ان کو غیر احمدی کہا اور نہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے متعلق ہم نے کہا کہ وہ اسلام سے نکل گئے تھے بلکہ مصری صاحب سے زیادہ اختلاف رکھنے والوں یعنی غیر مبائعین کے متعلق بھی ہم نے کبھی نہیں کہا کہ وہ غیر احمدی ہوگئے ہیں۔ باوجودیکہ وہ ہم سے خلافت میں اختلاف رکھتے ہیں، امامت میں اختلاف رکھتے ہیں، نبوت میں اختلاف رکھتے ہیں، غیر احمدیوں کے جنازے پڑھنے اور ان سے رشتہ داری تعلقات قائم کرنے میں اختلاف رکھتے ہیں، کفر و اسلام میں اختلاف رکھتے ہیں پھر بھی ہم نے انہیں کبھی نہیں کہا کہ وہ غیر احمدی ہوگئے بلکہ ان کے پیچھے اشد ضرورت کے موقع پر نماز پڑھ لینے کے جواز کے متعلق میرے فتوے شائع شدہ موجود ہیں۔ اور ان میں سے بعض کے جنازے پڑھنا میرے عمل اور طریق سے ثابت ہے۔ تو پھر کس طرح ممکن تھا کہ مصری صاحب کی موجودہ حالت میں ہم انہیں غیر احمدی کہتے۔

اب میں ان روایات کو لیتا ہوں جو انہوں نے بیان کی ہیں۔ پہلی روایت انہوں نے یہ پیش کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت ابوبکرؓ کی چھ ماہ تک بیعت نہیں کی تھی[2] یہ روایت صحیح ہے۔ چنانچہ بعض روایتوں میں اس قسم کا ذکر آتا ہے مگر ساتھ ہی یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ مختلف فیہ روایت ہے یعنی یہ بھی روایت آتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت فوراً کر لی تھی[3] اور یہ بھی روایت آتی ہے کہ انہوں نے

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی چھ ماہ تک بیعت نہیں کی تھی۔ پس ایک روایت کو قائم کرنے اور اسے درست قرار دینے کی کوئی وجہ ہونی چاہئے۔ پھر جن روایات میں یہ آتا ہے کہ انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی اُنہی میں سے بعض میں (میں نے حضرت خلیفۂ اوّل سے سنا ہے) یہ بھی آتا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دستی بیعت میں نے ابتدائی چھ ماہ میں اس لئے نہ کی کہ حضرت فاطمہؓ اتنی شدید بیمار تھیں کہ میں انہیں چھوڑ کر نہیں آسکتا تھا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کا یہی مذہب تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت فوراً ہی کر لی تھی۔

پس یہ دلیل کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت نہیں کی اوّل تو یہ مکمل دلیل نہیں کیونکہ اس کے خلاف بھی روایات پائی جاتی ہیں اور اگر بفرضِ محال دوسری روایت درست ہوتو پھر بھی یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت سے کبھی انکار نہیں کیا۔ صرف حضرت فاطمہؓ کی شدید بیماری کی وجہ سے تیمارداری میں مشغول رہنے کے باعث وہ فوراً دستی بیعت نہیں کر سکے۔ اور یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی شخص باہر ہو اور وہ کسی اشد مجبوری کی وجہ سے نہ آسکے۔ ایسی حالت میں اگر وہ اپنے دل میں خلیفۂ وقت کی بیعت کا اقرار کر چکا ہے تو وہ بیعت میں ہی شامل سمجھا جائے گا۔

دوسری دلیل انہوں نے یہ دی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی تھی۔ مگر حضرت عائشہؓ کے متعلق یہ کہنا کہ انہوں نے حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی تھی اوّل تو تاریخی طور پر ثابت نہیں اور میں نے یہ کہیں نہیں پڑھا کہ حضرت عائشہؓ نے اپنی وفات تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی۔ لیکن اگر بفرضِ محال اس امر کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ وہ ثابت کریں کہ اُس زمانہ میں ہر فردِ واحد خلیفۂ وقت کی اصالتاً دوبارہ بیعت کیا کرتا تھا۔ ہمیں تو تاریخی کتب کے مطالعہ سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اُس زمانہ میں بڑے بڑے آدمی خلیفۂ وقت کی بیعت کر لیا کرتے تھے اور اُن کے بیعت کر لینے کی وجہ سے سارے علاقوں کی بیعت سمجھی جاتی تھی۔ صرف وہ لوگ خارج از بیعت سمجھے جاتے تھے جو خود بیعت کا انکار کریں ورنہ خاموشی اقرارِ بیعت قرار دی جاتی تھی۔ خصوصاً عورتوں کا

خلفاء کی بیعت کرنا یہ تفصیلاً ثابت نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چونکہ مذہب کے بدلنے کا سوال ہوتا تھا اس لئے ہر فردِ واحد آپ کی بیعت کرتا تھا۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جہاں تک تو میں نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہر مرد، ہر عورت اور ہر بچہ نے خلفاء کی دوبارہ بیعت کی ہو بلکہ جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ شہر کے معزز مرد بیعت کرلیا کرتے تھے اور انہی کی بیعت میں عورتوں اور بچوں کی بیعت بھی شامل سمجھی جاتی تھی۔ یا ممکن ہے بعض عورتیں شوقیہ طور پر یا بعض مصالح کے ماتحت بیعت میں شامل ہو جاتی ہوں لیکن ملک کے تمام مردوں، تمام عورتوں اور تمام بچوں کے بیعت کرنے کا ثبوت کم از کم میری نگاہ سے کوئی نہیں گزرا۔ پس حضرت عائشہؓ کا بیعت نہ کرنا کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ عورتوں سے بلکہ دُور دراز کے مردوں سے بھی بیعت کا خاص تعہّد نہ ہوتا تھا۔ جب عام بیعت ہو جاتی تو باقی توابع اور عورتوں کی بیعت بیچ میں ہی شامل سمجھی جاتی تھی۔ ان حالات میں جب تک کوئی یہ ثابت نہ کردے کہ اُس زمانہ میں تمام عورتیں خلفاء کی بیعت کیا کرتی تھیں اور حضرت عائشہؓ نے بیعت نہ کی تھی اُس وقت تک حضرت عائشہؓ عنہا کے بیعت کا ثبوت تاریخ میں نہ ملنا کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ پھر صریح طور پر تاریخوں میں آتا ہے کہ گو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ابتدا میں مقابلہ کرنا چاہا تھا مگر جس وقت حضرت علیؓ کے لشکر اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے لشکر میں لڑائی ہوئی ہے اُس وقت وہ لڑائی کیلئے نہیں بلکہ صلح کیلئے نکلی تھیں۔ چنانچہ جتنے معتبر راوی ہیں وہ تواتر اور تسلسل سے یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ اِسی لئے نکلی تھیں کہ وہ دونوں لشکروں میں صلح کرائیں۔

اصل بات یہ ہے کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ کی اِس شرط پر بیعت کی تھی کہ وہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے جلد سے جلد بدلہ لیں گے۔ یہ شرط ان کے خیال میں چونکہ حضرت علیؓ نے پوری نہ کی اِس لئے شرعاً وہ اپنے آپ کو بیعت سے آزاد خیال کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اِس سے قبل حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے کیلئے جہاد کا اعلان کر چکی تھیں اور صحابہ کو اُنہوں نے اپنی مدد کیلئے طلب کیا تھا۔ اِس پر لوگوں کا ایک

حصہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے ساتھ ہو گیا اور انہوں نے جنگ کیلئے ایک لشکر تیار کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اِس بات کا علم ہوا تو آپ نے بھی ایک لشکر تیار کیا۔ لیکن جب دونوں لشکر اکٹھے ہوئے تو دوسرے صحابہ نے دونوں فریق کو سمجھانا شروع کیا اور آخر صلح کا فیصلہ ہو گیا۔ جب یہ خبر اس فتنہ کے بانیوں کو پہنچی تو اُنہیں سخت گھبراہٹ ہوئی اور انہوں نے مشورہ کیا کہ جس طرح بھی ہو صلح نہ ہونے دو کیونکہ اگر صلح ہوگئی تو ہمارے بھانڈے پھوٹ جائیں گے۔ چنانچہ جب رات ہوئی تو انہوں نے صلح کو روکنے کیلئے یہ تدبیر کی کہ ان میں سے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے انہوں نے حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے لشکر پر اور جو اُن کے لشکر میں تھے انہوں نے حضرت علیؓ کے لشکر پر شبخون ماردیا اور ہر فریق نے یہ خیال کیا کہ دوسرے فریق نے اس سے دھوکا کیا ہے۔ اس پر جنگ شروع ہوگئی اور دونوں فریق کے سرداروں کو میدان میں نکلنا پڑا۔ یہ دیکھ کر بعض صحابہ اور رؤسا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور اُن سے کہا کہ اے عائشہ! آپ کے سوا آج اسلامی لشکر میں کوئی صلح نہیں کرا سکتا۔ آپ تشریف لائیں اور صلح کرائیں۔ چنانچہ وہ صلح کیلئے باہر نکلیں۔ یہ دیکھ کر اُن شریروں اور فتنہ پردازوں نے جو یہ چاہتے تھے کہ صلح نہ ہو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ اور ہودج پر تیر مارنے شروع کر دیئے۔ اس پر وہ لوگ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سرشار تھے، آپے سے باہر ہو گئے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کے اِرد گرد حلقہ باندھ لیا اور ان لوگوں کا مقابلہ کرنا شروع کر دیا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ پر تیر چلا رہے تھے۔ یہ دیکھ کر ایک شخص ان لوگوں میں سے ایک شخص کے پاس گیا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کے اِرد گرد حلقہ باندھے ہوئے تھا اور کہا کہ کیا تُو مسلمانوں کے اوپر تیر چلائے گا؟ وہ کہنے لگا خدا گواہ ہے میں مسلمانوں کے اوپر تیر نہیں چلانا چاہتا مگر میں اپنے آقا کی بیوی کو بھی یونہی نہیں چھوڑ سکتا۔ پس شرارتیوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ پر تیر چلائے اور بعض صحابہ نے دفاع کے طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے دشمنوں کا مقابلہ کیا۔ ورنہ تاریخی طور پر یہ ثابت ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی

کیلئے نہیں نکلی تھیں بلکہ آپس میں صلح کرانے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقابلہ کرنے والے لشکر کو سمجھانے کیلئے نکلی تھیں اور ان کا وہی فعل بیعت تھا۔

باقی رہا یہ کہنا کہ ''حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہؓ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لینے کے بعد بیعت کو فسخ کرلیا۔ مگر کوئی ہے جو جرأت کر کے انہیں اسلام سے خارج قرار دے''۔ میں اس کے متعلق بتا چکا ہوں کہ ہم نہ انہیں غیر مسلم کہتے ہیں اور نہ مصری صاحب کو غیر احمدی کہتے ہیں۔ ہاں اس سے یہ معلوم ضرور ہوتا ہے کہ انہیں غیر احمدی کہلانے کا شوق ہے اور شاید یہ پیش خیمہ ہے ان کے غیر احمدی بننے کا۔ چنانچہ کچھ تعجب نہیں کہ وہ تھوڑے دنوں کے بعد ہی یہ کہنے لگ جائیں کہ چلو جب جماعت مجھے غیر احمدی سمجھتی ہے تو میں غیر احمدی ہی ہو جاتا ہوں۔ ورنہ ہم نے تو آج تک ایک دفعہ بھی انہیں غیر احمدی نہیں کہا۔

یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے متعلق جو یہ کہا گیا ہے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کو توڑا، یہ ایک غلط مثال اور تاریخ سے ان کی ناواقفیت کا ثبوت ہے۔ تاریخیں اِس بات پر متفقہ طور پر شاہد ہیں کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جو بیعت کی تھی وہ بیعت طَوعی نہیں تھی بلکہ جبراً اُن سے بیعت لی گئی تھی۔ چنانچہ محمدؓ اور طلحہؓ دو راویوں سے طبری میں یہ روایت آتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب شہید ہو گئے تو لوگوں نے آپس میں مشورہ کر کے فیصلہ کیا کہ جلد کسی کو خلیفہ مقرر کیا جائے تا امن قائم ہو اور فساد مٹے۔ آخر لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور اُن سے عرض کیا کہ آپ ہماری بیعت لیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا اگر تم نے میری بیعت کرنی ہے تو تمہیں ہمیشہ میری فرمانبرداری کرنی پڑے گی اگر یہ بات تمہیں منظور ہے تو میں تمہاری بیعت لینے کیلئے تیار ہوں ورنہ کسی اور کو اپنا خلیفہ مقرر کرلو میں اُس کا ہمیشہ فرمانبردار رہوں گا اور تم سے زیادہ اُس کی اطاعت کروں گا۔ انہوں نے کہا ہمیں آپ کی اطاعت منظور ہے۔ آپ نے فرمایا پھر سوچ لو اور آپس میں مشورہ کرلو۔ چنانچہ انہوں نے مشورہ سے یہ طے کیا کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت

کرلیں تو سب لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلیں گے ورنہ جب تک وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کریں گے اُس وقت تک پورے طور پر امن قائم نہیں ہوگا۔ اِس پر حکیم بن جبلہ کو چند آدمیوں کے ساتھ حضرت زبیرؓ کی طرف اور مالک اشتر کو چند آدمیوں کے ساتھ حضرت طلحہؓ کی طرف روانہ کیا گیا۔ جنہوں نے تلواروں کا نشانہ کر کے اُنہیں بیعت پر آمادہ کیا یعنی وہ تلواریں سونت کر ان کے سامنے کھڑے ہوگئے اور انہوں نے کہا کہ حضرت علی کی بیعت کرنی ہے تو کرو ورنہ ابھی ہم تم کو مار ڈالیں گے۔ چنانچہ انہوں نے مجبور ہو کر رضامندی کا اظہار کر دیا اور یہ واپس آ گئے[۴] دوسرے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے اور فرمایا اے لوگو! تم نے کل مجھے ایک پیغام دیا تھا اور میں نے کہا تھا کہ تم اس پر غور کرلو۔ کیا تم نے غور کرلیا ہے اور کیا تم میری کل والی بات پر قائم ہو؟ اگر قائم ہو تو یاد رکھو تمہیں میری کامل فرمانبرداری کرنی پڑے گی۔ اِس پر وہ پھر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے پاس گئے اور اُن کو زبردستی کھینچ کر لائے۔ روایت میں صاف لکھا ہے کہ جب وہ حضرت طلحہؓ کے پاس پہنچے اور ان سے بیعت کیلئے کہا تو انہوں نے جواب دیا **اِنِّیْ اِنَّمَا اُبَایِعُ کَرْھًا**[۵] دیکھو میں زبردستی بیعت کر رہا ہوں خوشی سے بیعت نہیں کر رہا۔ اسی طرح حضرت زبیرؓ کے پاس جب وہ لوگ گئے اور بیعت کیلئے کہا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ **اِنِّیْ اِنَّمَا اُبَایِعُ کَرْھًا** تم مجھ کو مجبور کر کے بیعت کروا رہے ہو دل سے میں یہ بیعت نہیں کر رہا۔

اسی طرح عبدالرحمٰن بن جندب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد اشتر، طلحہ کے پاس گئے اور بیعت کے لئے کہا۔ انہوں نے کہا مجھے مُہلت دو میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ لوگ کیا فیصلہ کرتے ہیں مگر انہوں نے نہ چھوڑا اور **جَاءَ بِہٖ یَتُلُّہٗ تَلًّا عَنِیْفًا**[۶] ان کو زمین پر نہایت سختی سے گھسیٹتے ہوئے لے آئے جیسے بکرے کو گھسیٹا جاتا ہے۔

پھر حارث الوالی کی روایت ہے کہ حضرت زبیرؓ کو جبراً حکیم بن جبلہ بیعت کیلئے لایا تھا اور حضرت زبیرؓ یہ کہا کرتے تھے کہ **جَاءَ نِیْ لِصٌّ مِنْ لُصُوْصِ عَبْدِالْقَیْسِ فَبَایَعْتُ وَالُّلجُّ عَلٰی عُنُقِیْ**[۷] یعنی عبدالقیس قبیلہ کے چوروں میں سے ایک چور میرے پاس آیا اور اس کے مجبور کرنے پر اِس حالت میں مَیں نے بیعت کی کہ تلوار میری گردن پر تھی اور مجھے کہا جاتا

تھا کہ بیعت کرو ورنہ تمہاری گردن اُڑا دی جائے گی۔ اِس بیعت کو کون شخص ہے جو بیعت کہہ سکے۔

پھر تاریخوں سے صاف ثابت ہے کہ جب وہ حضرت علیؓ کی بیعت کرنے لگے تو انہوں نے کہا ہماری شرط یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے آپ بدلہ لیں۔ پس چونکہ اُنہوں نے شرط کر کے بیعت کی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی شرط پوری نہ کر سکے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ خیال تھا کہ پہلے تمام صوبوں کا انتظام ہو جائے اور پھر قاتلوں کو سزا دینے کی طرف توجہ کی جائے اور اس سے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے یہ سمجھا کہ حضرت علیؓ اپنے عہد سے پھرتے ہیں اور پھر چونکہ جبراً ان سے بیعت لی گئی تھی اس لئے وہ چوتھے دن ہی چلے گئے اور بیعت سے الگ ہو گئے۔

پس یہ کہنا کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے بیعت کر کے چھوڑ دی ایک مغالطہ ہے وہ بیعت نہیں تھی بلکہ جبری بیعت تھی۔ اور اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے کسی شخص کا ہاتھ زبردستی نیل کے مٹکے میں ڈال دیا جائے اور پھر کہنا شروع کر دیا جائے کہ اس نے اپنے ہاتھ نیلے کر لئے ہیں۔ انہوں نے بھی جبراً بیعت کی تھی۔ وہ خود کہتے ہیں ہم نے ایسی حالت میں بیعت کی وَاللُّجُّ عَلٰی اَعْنَاقِنَا جبکہ تلواریں ہماری گردنوں پر رکھی تھیں۔ پھر انہوں نے بیعت پر زیادہ دیر بھی نہیں لگائی۔ تیسرے یا چوتھے دن وہ مکے چلے جاتے ہیں اور کہتے ہیں چونکہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے بدلہ نہیں لیا جاتا اور اِسی شرط پر ہم نے بیعت کی تھی اِس لئے ہم اپنی بیعت پر قائم نہیں رہتے۔ اب بتاؤ اس میں اور مصری صاحب کی بیعت میں آیا کوئی بھی مناسبت ہے؟ اور کیا مصری صاحب سے جب بیعت لی گئی تھی تو تلوار اُن کی گردن پر رکھی گئی تھی؟ یا کیا انہوں نے کسی شرط پر میری بیعت کی تھی؟ اور کیا وہ ۲۳ سال تک میری اطاعت اور فرمانبرداری کا اقرار نہیں کرتے رہے؟ پھر ان کی اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی نسبت ہی کیا ہے کہ وہ ان کی مثال اپنے لئے پیش کرتے ہیں۔

چنانچہ اس بات کا ایک اور ثبوت کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ سے زبردستی بیعت لی گئی یہ ہے کہ جب جنگ جمل ہوئی انہوں نے حضرت علیؓ کا مقابلہ کیا۔ تو لکھا ہے حضرت علی

رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ سے کہا اَمَا بَا یَعْتَنِیْ؟ تم نے میری بیعت نہیں کی تھی؟ حضرت طلحہؓ نے کہا بَایَعْتُکَ وَ عَلٰی عُنُقِی اللُّجُّ [8] میں نے بیعت تو کی تھی مگر ایسی حالت میں جب تلوار میری گردن پر تھی۔ مگر باوجود اس جبر کے انہوں نے بیعت کے وقت اقامتِ حد کی شرط کر لی۔ گویا حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے جو بیعت کی وہ انہوں نے اپنی خوشی سے نہیں کی بلکہ زبردستی ان سے بیعت کرائی گئی۔ اور اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے جبراً کسی شخص سے کلمہ پڑھایا جائے اور پھر کہہ دیا جائے کہ وہ مسلمان ہو گیا ہے۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو بھی وہ تلواروں سے ڈرا دھمکا کر بلکہ سختی سے گھسیٹ کر لائے اور انہوں نے کہہ بھی دیا کہ گو ہم بیعت کرتے ہیں مگر جبراً کرتے ہیں اور پھر اس شرط پر کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے بدلہ لیا جائے۔ دراصل زبردستی بیعت لوگوں نے انہیں اس لئے کرائی کہ وہ سمجھتے تھے یہ دونوں صحابہ اثر و رسوخ رکھنے والے ہیں اور اگر ان دونوں نے بیعت کر لی تو باقی مسلمان بھی بیعت کر لیں گے اور عالَمِ اِسلامی میں امن قائم ہو جائے گا۔ مگر کیا مصری صاحب اور ان کے رفقاء نے بھی ایسی حالت میں بیعت کی تھی کہ ان کی گردنوں پر تلواریں تھیں؟ اور کیا انہوں نے بھی بیعت کے وقت کوئی شرط کی تھی؟

پھر حدیثوں میں محمد و طلحہ کی روایت سے یہاں تک آتا ہے کہ بیعت کرنے کے معاً بعد حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور بعض دوسرے صحابہ حضرت علیؓ کے گھر گئے اور انہوں نے کہا کہ ہماری بیعت میں شرط تھی کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں پر حد قائم کی جائے گی پس آپ ان کو سزا دیں اور حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے بدلہ لیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عُذر کیا اور کہا اِس وقت فساد کا خطرہ ہے اور سب سے مقدم اسلام کی حفاظت ہے قاتلوں کے معاملہ میں دیر ہو جانے سے کوئی حرج نہیں۔ گویا انہوں نے ایک گھنٹہ بھی انتظار نہیں کیا بلکہ اِدھر بیعت کی اور اُدھر اُن کے گھر چلے گئے کہ ہماری شرط پوری کی جائے ورنہ ہم آپ کی بیعت سے آزاد ہیں۔ اور یہ وہ ہیں کہ ۲۳ سال تک اِن کا منہ میری تعریفیں کر کر کے سُوکھتا رہا مگر آج یہ کہہ رہے ہیں کہ میرا اور طلحہؓ و زبیرؓ کا معاملہ ایک ہی ہے۔

میں ضمناً اِس جگہ یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ اُس زمانہ میں بیعت کا مفہوم کیا سمجھا جایا

کرتا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں سے بیعت لی تو اُس کے الفاظ یہ تھے **علیک عهداللّٰہ و میثاقه بالوفاء لتکونن لسلمنا سلما و لحربنا حربا و لتکفن عنا لسانک ویدک** کہ تم خدا کی قسم کھا کر مجھ سے یہ عہد کرتے ہو کہ تم ہمیشہ میرے مطیع وفرمانبردار رہو گے۔ جس سے میں صلح کروں اُس سے تم بھی صلح کرو گے اور جس سے میں جنگ کروں گا اُس سے تم بھی جنگ کرو گے اور تم نہ اپنی زبان سے مجھ پر کوئی اعتراض کرو گے اور نہ اپنے اعمال سے میرے لئے کسی تکلیف کا باعث بنو گے۔ گویا بیعت کی یہ اہم شرط تھی کہ **و لتکفن عنا لسانک ویدک**۔ اپنی زبانوں اور اپنے ہاتھوں کو روکے رکھنا ہے اور مجھ پر کسی قسم کا اعتراض نہیں کرنا۔ یہ عہد تھا جو صحابہ بیعت کا سمجھتے تھے مگر مصری صاحب کہتے ہیں کہ میں برابر دو سال تک آپ کے خلاف مصالحہ جمع کرتا رہا اور ابھی ان کے نزدیک وہ میری بیعت میں ہی شامل تھے۔ پس جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے کیا قصور کیا، ہم نے صرف اعتراض ہی کیا تھا اور اعتراض کرنے میں آزادی ہونی چاہئے۔ انہیں غور کرنا چاہئے کہ اگر خلفاء پر اعتراضات کرنے میں اسلام آزادی سکھاتا ہے تو **وَ لَتَکُفَنُ عَنَا لَسَانَکَ وَیَدَکَ** کا کیا مفہوم ہے۔ اس میں تو صاف طور پر حضرت علیؓ نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ تم اپنی زبانوں کو روکے رکھنا اور کبھی مجھ پر اعتراض نہ کرنا۔ اسی طرح اپنے ہاتھوں کو ہمیشہ بند رکھنا اور کوئی ایسی حرکت نہ کرنا جو میرے لئے دُکھ اور اذیت کا موجب ہو۔

پھر روایتوں سے یہ بھی ثابت ہے کم سے کم حضرت طلحہؓ کی نسبت کہ انہوں نے وفات سے پہلے دوبارہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی اور حضرت زبیرؓ نے بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی سن کر حضرت علیؓ کا مقابلہ کرنے سے اِعراض کرلیا تھا۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ حضرت زبیرؓ جب جنگ کیلئے حضرت علیؓ کے سامنے نکلے تو اُس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیرؓ سے کہا زبیر! تم کو وہ دن بھی یاد ہے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک دن میں اور تم اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے مجھے اور تمہیں اکٹھے بیٹھے دیکھ کر میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا اے علی! وہ بھی کیا دن ہوگا جب یہ تیرے چچا کا بیٹا

زبیر تجھ سے ایسی حالت میں لڑائی کرے گا جبکہ یہ ظالم ہوگا اور تو مظلوم ہوگا۔ یہ سن کر حضرت زبیرؓ اپنے لشکر کی طرف واپس لَوٹے اور انہوں نے قسم کھائی کہ وہ حضرت علیؓ سے ہرگز جنگ نہیں کریں گے اور اقرار کرلیا کہ انہوں نے اپنے اجتہاد میں غلطی کی[9] لیکن لطیفہ یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زبیرؓ کو حضرت علیؓ کے مقابلہ میں ظالم قرار دیتے ہیں اور مصری صاحب کہتے ہیں اگر میں نے بیعت توڑ دی ہے تو کیا حرج ہوا زبیرؓ نے بھی تو بیعت توڑی تھی اور حضرت علیؓ کا مقابلہ کیا تھا۔ گویا وہ اپنے منہ سے یہ تسلیم کرتے ہیں کہ وہ ظالم ہیں کیونکہ وہ اپنے آپ کو حضرت زبیرؓ سے نسبت دیتے ہیں اور حضرت زبیرؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالم قرار دیا تھا۔ اب کیا ظالم ہونا ان کے خیال میں کوئی گناہ نہیں صرف غیر احمدی ہونا ہی گناہ ہے۔ یہ مانا کہ حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ کی بیعت عملاً توڑ دی تھی مگر ساتھ ہی یہ بھی تو حدیث ہے کہ اے زبیر! تو علی سے ایسی حالت میں مقابلہ کرے گا جبکہ تو ظالم ہوگا۔ پس جب وہ حضرت زبیرؓ سے اپنی نسبت دیتے ہیں تو کیا وہ اس حدیث کے ماتحت ظالم قرار نہیں پاتے؟ اور کیا ظالم ہونا ان کے نزدیک کم گناہ ہے کہ وہ اسے معمولی بات سمجھتے ہیں۔ پس حضرت زبیرؓ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی سن کر جنگ سے الگ ہوگئے اور اچانک حملہ کے وقت چونکہ وہ زخمی ہوگئے تھے بعد میں فوت ہوگئے۔ باقی رہے حضرت طلحہؓ ان کی نسبت روایات میں آتا ہے کہ حضرت طلحہؓ بھی میدانِ جنگ کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ ان کے پیچھے ایک شخص گیا اور ان پر غفلت میں حملہ کر کے انہیں زخمی کر دیا۔ اس کے بعد ان کے پاس سے ایک شخص گزرا اور آپ نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ تیرا ہاتھ علیؓ کا ہاتھ ہے اور میں تیرے ہاتھ پر علیؓ کی دوبارہ بیعت کرتا ہوں۔

اب کجا حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی حالت اور کجا مصری صاحب کی حالت۔ کیا ان دونوں میں کوئی بھی نسبت ہے؟ اور کیا ان کا حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی مثال پیش کرنا کسی لحاظ سے بھی درست ہوسکتا ہے؟ مصری صاحب دریافت کرتے ہیں کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے جب بیعت کو فسخ کرلیا تھا تو کوئی ہے جو جرأت کر کے انہیں اسلام سے خارج قرار دے۔ اور میں انہیں کہتا ہوں کہ ہم اگر انہیں اسلام سے خارج قرار نہیں دیتے

تو آپ کو بھی بیعت سے الگ ہو جانے کی وجہ سے احمدیت سے کب خارج قرار دیتے ہیں۔ اگر آپ ایک بھی میری ایسی تحریر دکھا دیں جس میں مَیں نے آپ کو غیر احمدی قرار دیا ہو تب تو سمجھ لیا جائے گا کہ آپ سچ بولتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی تحریر نہ دکھا سکیں تو کیا اس سے صاف طور پر یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ آپ نے دیدہ دانستہ غلط بیانی کی ہے۔ میری جس قدر تحریریں ہیں وہ چھپ چکی ہیں، میری تقاریر بھی محفوظ ہیں اور شائع ہو چکی ہیں پس اگر ان میں شرافت کا ایک ذرّہ بھی باقی ہے اور اگر ایمان کی کوئی حس اِن میں موجود ہے تو وہ میرا کوئی ایک ہی ایسا حوالہ پیش کریں جس میں مَیں نے یہ کہا ہو کہ وہ میری بیعت سے الگ ہو کر غیر احمدی ہو گئے ہیں۔ اِس وقت ہزاروں وہ لوگ ہیں جنہوں نے میرے خطبات کو سُنا اور ہزاروں وہ لوگ ہیں جنہوں نے ''الفضل'' کے ذریعہ میرے خطبات کو پڑھا پھر کیا ان ہزاروں لوگوں میں سے کوئی ایک بھی بتا سکتا ہے کہ میں نے شیخ صاحب کو غیر احمدی کہا۔ جب ایک بھی ایسی گواہی نہیں مل سکتی تو یقیناً انہوں نے غلط بیانی کی۔ یقیناً انہوں نے ایک جُرمِ عظیم کیا، یقیناً انہوں نے لوگوں کو دھوکا وفریب دیا۔ اور پھر دیدہ دانستہ ان امور کا ارتکاب کیا کیونکہ ہم پہلے بھی کئی لوگوں کو اپنی جماعت سے خارج کر چکے ہیں اور ہم نے ان میں سے آج تک کسی کو محض جماعت سے الگ ہونے کی وجہ سے غیر احمدی نہیں کہا۔

اب ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فیصلہ دیکھتے ہیں کہ وہ کیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت علیؓ کی مخالفت کرنے والوں کا ذکر کرتے ہوئے ''سر الخلافہ'' میں تحریر فرماتے ہیں **والحق ان الحق کان مع المرتضٰی ومن قاتله فی وقتهٖ فبغٰی و طغٰی** [10] یعنی سچی بات یہ ہے کہ سچ اور حق جو تھا وہ حضرت علیؓ کے ساتھ تھا۔ **ومن قاتله فی وقتهٖ فبغٰی و طغٰی** اور حضرت علیؓ کی خلافت کے زمانہ میں جن لوگوں نے آپ کا مقابلہ کیا وہ باغی اور سرکش تھے۔ اب چاہے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ ہی کیوں نہ ہوں جس کسی نے حضرت علیؓ کا مقابلہ ان کی خلافت میں کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس وقت تک وہ حضرت علیؓ کے مقابلہ میں کھڑا رہا اُس وقت تک وہ باغی اور طاغی تھا (مگر میں جیسا کہ بتا چکا ہوں کہ صحابہ مقابلہ سے پہلے ہی پیچھے ہٹ گئے تھے اور فی الحقیقت مقابلہ کرنے والوں میں

سے نہ تھے)۔اب اگر مصری صاحب اس لئے خوش ہیں کہ میں گو غیر احمدی نہیں مگر باغی اور طاغی ہوں تو وہ بے شک خوش ہولیں۔ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ جو شخص مومن ہو وہ خدا تعالیٰ کی ادنیٰ سے ادنیٰ ناراضگی سے بھی ڈرتا اور چھوٹے سے چھوٹے گناہ کے ارتکاب سے بھی خوف کھاتا ہے۔ان کو اگر اس بات کی پرواہ نہیں اور انہیں اس بات پر فخر ہے کہ میں باغی اور طاغی ہوں غیر احمدی نہیں تو بیشک اس پر فخر کرلیں ہم بھی انہیں غیر احمدی نہیں کہتے بلکہ باغی اور طاغی ہی کہتے ہیں۔

پس یاد رکھو حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے گو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی مگر وہ جبری بیعت تھی ،طَوعی بیعت نہیں تھی۔اور پھر بیعت کے وقت انہوں نے شرط بھی کرلی تھی کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے بدلہ لیا جائے گا۔مگر جب ان کی نگاہ میں یہ شرط پوری نہ ہوئی تو انہوں نے بیعت توڑ دی۔لیکن تاریخی طور پر ثابت ہے کہ ان کے بیعت توڑنے کے فعل کو اُن کے ساتھیوں نے بھی ناپسند کیا۔چنانچہ ایک شخص سے جب کسی دوسرے شخص نے کہا کہ تم تو حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کے مخالف تھے پھر آج حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں کیوں شامل ہوگئے؟ تو اُس نے کہا میں اس لئے ان کے ساتھ شامل ہوا ہوں کہ اِنَّهُمْ نَكَثُوا الْبَيْعَةَ۔ طلحہؓ اور زبیرؓ نے بیعت کی اور پھر توڑ دی گویا باوجود یکہ ان کی بیعت جبری بیعت تھی پھر بھی ان کے ساتھیوں نے ان کے فعل کو ناپسند کیا اور کہا کہ جب بیعت کرلی تھی تو خواہ جبری بیعت تھی پھر بھی اس بیعت کو توڑنا نہیں چاہئے تھا۔

غرض ان لوگوں کی مثالوں سے استنباط بالکل غلط ہے۔انہوں نے بیعت یا تو عارضی طور نہ کی اور پھر کرلی یا پھر جنہوں نے بیعت کی کَرْھاً کی اور پھر فوراً الگ ہوگئے، استقرارِ بیعت کبھی نہیں ہوا۔یا پھر انہوں نے بیعت نہ کی مگر خلافت کا مقابلہ بھی نہیں کیا بلکہ صرف یہ کہا کہ اگر فلاں امر ہوجائے مثلاً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے بدلہ لے لیا جائے تو ہم بیعت کرلیں گے۔جیسے حضرت معاویہؓ ہیں کہ انہوں نے گو حضرت علیؓ کی اِسی وجہ سے بیعت نہیں کی مگر انہوں نے آپ کا مقابلہ بھی نہیں کیا۔غرض تمکینِ خلافت کے بعد کسی کی مخالفت یا بیعتِ طَوعی کا توڑنا ہرگز ثابت نہیں اور اگر ہو تو اس کے متعلق حضرت مسیح موعود

علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فیصلہ یہی ہے کہ فَبَغٰی وَ طَغٰی۔
بعض نادان اس موقع پر کہا کرتے ہیں کہ جب بیعت سے الگ ہونے کی وجہ سے کوئی شخص غیر احمدی نہیں ہو جاتا تو پھر بیعت نہ کرنا یا بیعت کا توڑ دینا کوئی بڑا گناہ تو نہ ہوا۔ مگر یاد رکھنا چاہئے کہ یہ ایک خطرناک غلطی ہے۔ ایمان کے معاملہ میں جب انسان جان بوجھ کر کہتا ہے کہ فلاں فعل کا ارتکاب اگرچہ گناہ ہے مگر میں نے اگر کرلیا تو کیا حرج ہوا تو وہ ضرور اپنے ایمان کو تباہ کرلیتا ہے۔ اگر کوئی شخص مجبوراً یا عادتاً یا جہالتاً نادانی سے کوئی گناہ کرتا ہے تو یہ اَور بات ہے۔ لیکن اگر ایک شخص سمجھتا ہے کہ فلاں امر گناہ ہے اور پھر وہ اسے معمولی بات خیال کر کے اس گناہ کا ارتکاب کرلیتا ہے تو اس شخص کو خدا دولتِ ایمان سے محروم کر کے ہی چھوڑتا ہے کیونکہ وہ باغی ہے اور خدا تعالیٰ کی ہتک کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی تباہی میں بھی بہت بڑا دخل اس امر کا بھی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ چھوٹا گناہ ہے اور وہ بڑا۔ حالانکہ مومن کامل وہ ہے جو خدا تعالیٰ کی ادنیٰ ناراضگی سے بھی ڈرے اور اس کے ارتکاب سے بچے۔ یہ نہ کہے کہ میرا احمدی نہ ہونا تو بہت بڑا گناہ ہے لیکن احمدی ہو کر نماز نہ پڑھنا یا روزے نہ رکھنا معمولی باتیں ہیں۔ جو شخص اس طرح اپنی رضامندی اور خوشی سے جانتے بوجھتے ہوئے کوئی گناہ کرتا ہے اور اسے چھوڑتا نہیں وہ خدا تعالیٰ کو چیلنج کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے تیری رضا کی پرواہ نہیں۔ پس مومن تو خدا تعالیٰ کی ادنیٰ ناراضگی سے بھی ڈرتا ہے کُجا یہ کہ اس قدر اہم ناراضگی سے نہ ڈرے جو گو کفر نہیں مگر کفر کے دروازہ تک انسان کو پہنچا دیتی ہے۔ اور وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ کا اسے مورد بنا دیتی ہے۔ دراصل جو شخص نیکیوں کو یہ سمجھ کر چھوڑتا چلا جاتا ہے کہ وہ معمولی ہیں اور گناہوں کا اس لئے ارتکاب کرلیتا ہے کہ اس کے نزدیک ان گناہوں کا ارتکاب کوئی بڑی بات نہیں، اس کی مثال بالکل ایسی ہی ہوتی ہے جیسے کہتے ہیں کسی شخص کو بہادری کا دعویٰ تھا وہ ایک دن کسی گودنے والے کے پاس گیا اور کہا کہ میرے بازو پر شیر گود دو۔ اس نے شیر گودنے کیلئے جب سُوئی ماری تو اُسے درد ہوا اور کہنے لگا بتاؤ کیا کرنے لگے ہو؟ اس نے کہا میں شیر کا کان گودنے لگا ہوں۔ کہنے لگا کون سا کان دایاں یا بایاں؟ اس نے کہا دایاں۔ وہ کہنے لگا اچھا

اگر شیر کا دایاں کان نہ ہوتو آیا شیر رہتا ہے یانہیں؟ وہ کہنے لگا رہتا کیوں نہیں۔ اس نے کہا اچھا تو دایاں کان چھوڑ دواور آگے چلو۔ جب اس نے دوسرا کان بنانے کیلئے سوئی ماری تو پھر اسے درد ہوا اور وہ کہنے لگا اب کیا کرنے لگے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ اب بایاں کان گودنے لگا ہوں۔ وہ کہنے لگا اگر بایاں کان نہ ہوتو شیر رہتا ہے یانہیں؟ اس نے کہا رہتا کیوں نہیں۔ وہ کہنے لگا اسے بھی چھوڑ دواور آگے چلو۔ پھر جب اس نے ٹانگ گودنا شروع کی تو وہ پھر کہنے لگا اگر ٹانگ نہ ہوتو شیر رہتا ہے یانہیں؟ وہ کہنے لگا ٹانگ کے بغیر بھی شیر ہوسکتا ہے۔ کہنے لگا اسے بھی چھوڑ واور آگے چلو۔ اس کے بعد اس نے دوسری ٹانگ گودنی چاہی تو پھر اس نے روک دیا۔ یہ دیکھ کر اُس گودنے والے نے سُوئی ہاتھ سے رکھ دی اور کہنے لگا ایک کان کے بغیر بھی شیر رہ سکتا ہے اور دوسرے کان کے بغیر بھی مگر یہ سب چیزیں چھوڑ دی جائیں تو پھر شیر کا کچھ نہیں رہتا۔ تو جب انسان دلیری سے یہ کہتا ہے کہ اگر فلاں نیکی چھوڑ دوں تب بھی ایمان باقی رہتا ہے اور فلاں گناہ کرلوں تب بھی میرے ایمان میں کوئی خلل واقع نہیں ہوسکتا۔ وہ آہستہ آہستہ تمام نیکیوں کو چھوڑتا ہی چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اُس کے ایمان میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔

پھر یہ بھی یاد رکھو کہ زمانوں کے بدلنے سے سزائیں بھی بدل جاتی ہیں۔ اور گو واقعہ ایک ہی قسم کا ہوتا ہے مگر حالات کے اختلاف کی وجہ سے سزا کی نوعیت تبدیل ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر دیکھ لو تم کسی شہر میں رہتے ہو اور تمہارے پاس کوئی بھوکا شخص آتا ہے اور کہتا ہے مجھے کچھ کھانے کیلئے دو تمہارے پاس کھانا موجود ہے مگر تم اسے نہیں دیتے اور وہ چلا جاتا ہے۔ اب تم ایک گناہ کے مرتکب ہوئے ہو کیونکہ وہ بھوکا تھا مگر تم نے اسے کھانا نہیں دیا۔ لیکن اگر تم ایک ایسے جنگل میں ہو جہاں بیس بیس تیس تیس میل تک آبادی کا نام ونشان نہیں اور کہیں سے کھانا ملنے کی امید نہیں ہوسکتی، لیکن تمہارے پاس وافر کھانا موجود ہے مثلاً ایک گھوڑا روٹیوں اور کھانے پینے کے سامان سے لدا ہوا تمہارے پاس کھڑا ہے ایسی حالت میں اگر ایک بھوکا تمہارے پاس آتا ہے اور کہتا ہے میرا بہت بُرا حال ہے مجھے ایک روٹی دے دو تا اسے کھا کر میرے بدن میں کچھ طاقت آجائے اور میں آبادی کے قریب پہنچ جاؤں تو ایسی

حالت میں اگرتم اسے روٹی نہیں دیتے اور وہ بھوکا چلا جاتا ہے تو اس صورت میں بھی تم ایک گناہ کے مرتکب ہو گے کیونکہ کھانا تمہارے پاس موجود تھا مگر تم نے اسے نہیں دیا۔ لیکن ان دونوں جگہ ایک بین فرق بھی موجود ہے جو تمہارے جرم کو ایک جگہ معمولی اور دوسری جگہ سنگین بنا دیتا ہے ۔ جب تم نے آبادی میں ایک بھوکے اور غریب شخص کو روٹی نہ دی تو اُس وقت امکان تھا کہ اسے کوئی اور شخص روٹی دے دیتا مگر جنگل میں جب تم نے ایک بھوکے کو روٹی نہ دی اور ایسی حالت میں نہ دی جبکہ بیس بیس تیس تیس میل تک اسے کھانا ملنے کی امید نہ ہو سکتی تھی تو تم نے اسے بھوکا ہی نہیں رکھا بلکہ اگر وہ مرجائے گا تو تم اس کے قاتل بھی ٹھہرو گے۔ تو صرف عمل کو دیکھا نہیں جاتا بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ اِرد گرد کے حالات اس عمل کو کیا شکل دے رہے ہیں ۔ بالکل ممکن ہے ایک عمل ظاہری نگاہ میں بالکل چھوٹا ہو مگر حالات کی وجہ سے وہ بہت بڑی اہمیت رکھنے لگے۔ مثلاً دنیا میں ہزاروں لوگ ایسے ہیں جو حافظ قرآن ہیں اگر کوئی شخص کسی حافظ قرآن کو قتل کرتا ہے تو ہم اسے قاتل کہیں گے۔ لیکن فرض کرو اگر کسی وقت دنیا میں صرف ایک ہی حافظِ قرآن ہو تو اگر کوئی شخص اُس کو مارے گا تو نہیں کہا جا سکے گا کہ دونوں کا فعل ایک جیسا ہے کیونکہ گو دونوں جگہ حافظِ قرآن ہی قتل ہوئے ہوں گے مگر ان دونوں قتلوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے ۔ پہلا قاتل صرف ایک عام آدمی کا قاتل ہے مگر دوسرا قاتل صرف ایک آدمی کا قاتل نہیں بلکہ قرآن کا بھی قاتل ہے ۔ کیونکہ اس کے قتل کے بعد دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں رہے گا جس کے سینہ میں قرآن محفوظ ہو۔ تو صرف کسی عمل کی ظاہری شکل نہیں دیکھی جاتی بلکہ اس کے باطنی حالات بھی دیکھے جاتے ہیں ۔

اب دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بہت بڑا فرق ہے۔ اُس وقت حکومت ساتھ تھی ، اسلام مضبوط ہو چکا تھا ، مُلکوں کے ملک اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور اسلامی شریعت پر رات اور دن عمل کروایا جا رہا تھا۔ پس اُس وقت تفرقہ صرف سیاسی کمزوری پیدا کرتا تھا مگر یہ زمانہ اَور ہے، ترقی آہستہ ہے، حکومت غیر ہے، اسلامی تمدن قائم نہیں ہوا۔ پس آج کا تفرقہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کو بالکل رائیگاں کر سکتا ہے۔ اسی لئے آج کا فساد اور اُس وقت کا فساد بالکل مختلف ہے۔ اُس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

زمانہ میں ہی اسلامی حکومت قائم ہو چکی تھی اور اس وجہ سے وہ تمام مسائل جن کا تعلق حکومت کے ساتھ ہے قائم کر دیئے گئے تھے۔ مثلاً زکوٰۃ اور عشر کی تقسیم، لین دین کے مسائل، اقتصادیات کے متعلق احکام، بادشاہوں کا رعایا سے تعلق اور رعایا کا بادشاہ سے تعلق۔ یہ تمام امور ایسے تھے کہ ان کے متعلق شریعتِ اسلامی جن تفاصیل کی حامل ہے وہ مسلمانوں میں قائم کر دی گئی تھی۔

پس حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جو تفرقہ ہوا گو اس سے مسلمانوں کو سیاسی لحاظ سے کمزوری ہوئی مگر بہرحال اس تفرقہ کے نتیجہ میں جو حکومتیں قائم ہوئیں وہ اسلامی حکومتیں ہی تھیں کیونکہ اسلام عملی صورت میں دنیا میں قائم ہو چکا تھا۔ مگر اِس زمانہ میں اسلام کی ترقی آہستہ آہستہ مقدر ہے اور ابھی احمدی حکومتیں دنیا میں قائم نہیں ہوئیں۔ زکوٰۃ اور خراج کے مسائل، لین دین کے معاملات، حکومت اور رعایا یا امیر اور غریب کے متعلق احکام، آقا اور ملازمین کے تعلقات، رعایا کے فرائض، اسلامی حکومت کے حقوق اور فرائض، حکومتوں کے آپس کے تعلقات اور ورثہ اور سُود وغیرہ سینکڑوں مسائل ایسے ہیں جن کے متعلق اسلامی تعلیم دنیا میں قائم نہیں ہوئی۔ پس یہ ساری عملی اسلامی زندگی ابھی پوشیدہ ہے اور اُس وقت کا انتظار کر رہی ہے جب کہ اسلامی بادشاہتیں دنیا میں پھر قائم ہوں اور ان امور کے متعلق اسلامی تعلیم کا احیاء ہو۔

پس چونکہ ابھی تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم دنیا میں صحیح طور پر قائم نہیں ہوئی اور نہ تمدن کے متعلق اسلام کی وہ تعلیم دنیا میں رائج ہوئی ہے جس کو کامل طور پر رائج کرنا خدا تعالیٰ کا منشاء ہے اس لئے آج اگر کوئی شخص تفرقہ کرتا اور جماعت کو پراگندہ کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ صرف معمولی مجرم نہیں بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قاتل ہے۔ کیونکہ ابھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم دنیا میں قائم نہیں ہوئی اور اس کے قائم ہونے میں ایک لمبا عرصہ درکار ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں صاف طور پر اللہ تعالیٰ حضرت مسیح موعودؑ کی جماعت کی نسبت فرماتا ہے كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ [11] یعنی وہ

جماعت اس سبزے کی طرح ہوگی جو زمین میں سے نکلتا ہے اور نہایت ہی کمزور اور ناطاقت ہوتا ہے۔ جدھر سے بھی ہوا چلتی ہے وہ اس کے دباؤ سے جھک جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ آندھیاں اور ہوائیں اُسے جڑ سے نہیں اُکھاڑ سکیں گی بلکہ وہ پودا بڑھے گا اور بڑھتا چلا جائے گا یہاں تک کہ مضبوط ہو جائے گا اور دنیا کے حوادث اور مخالفت کی آندھیاں اسے اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکیں گی۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی خلافت قائم ہوئی اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد بھی خلافت قائم ہوئی مگر اِن دونوں خلافتوں میں ایک فرق بھی ہے اور وہ یہ کہ اُس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی اسلام کے تمام احکام عملی طور پر قائم ہو گئے تھے مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ان احکام کے عملی صورت میں قائم ہونے کیلئے ایک لمبا عرصہ مقدر ہے۔ پس گو پہلے خلفاء کے زمانہ میں بھی اگر کوئی تفرقہ کرتا تو وہ شدید گناہ کا مرتکب ہوتا مگر عملی صورت میں یقیناً اسلامی احکام کو نقصان نہ پہنچ سکتا کیونکہ اسلامی تعلیم قائم ہو چکی تھی اسے جو بھی نقصان اور ضُعف پہنچتا وہ سیاسی ہوتا۔ لیکن آج اگر کوئی شخص تفرقہ پیدا کرتا اور جماعت کے اتحاد کو تباہ کرنے کے درپے ہوتا ہے تو وہ صرف تفرقہ پیدا نہیں کرتا بلکہ اسلام کو ضُعف پہنچاتا اور اس کی ترقی میں زبردست روک بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی سزاؤں میں بھی دونوں جگہ فرق ہے اور خدا تعالیٰ کا یہ فعل بتا رہا ہے کہ اُس زمانہ کے خلفاء اور اِس زمانہ کے خلفاء کے انکار کی سزاؤں میں بہت بڑا فرق ہے۔ اُس وقت جو خلافت کے مخالفین تھے وہ مذہب سے دور نہیں ہوئے مگر آج جو شخص خلافت کی مخالفت کرتا ہے وہ آہستہ آہستہ مذہب کو بھی یا تو بالکل چھوڑ دیتا ہے یا اس کے مذہب میں رخنہ پڑ جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سعد نے بیعت نہ کی۔ آپ نے حکم دیا کہ ان سے قطع تعلق کر لیا جائے۔ چنانچہ کوئی شخص اُن سے نہ بولتا اور نہ لین دین کے تعلقات رکھتا لیکن وہ مسجد میں آتے، نماز پڑھتے اور چلے جاتے۔ پھر سعد جب فوت ہوئے تو تمام مسلمانوں نے اُن کا جنازہ پڑھا اور اس طرح اُنہوں نے اپنے عمل سے بتا دیا کہ وہ انہیں مومن ہی سمجھتے تھے (سعد نے بھی کبھی کوئی اعتراض حضرت ابوبکرؓ پر یا نظامِ سلسلہ

پر نہیں کیا نہ کبھی عملاً اِس کی مخالفت کی)۔

حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت معاویہؓ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی مگر ان کے ایمانوں میں کوئی فرق نہیں آیا۔ یہ ممکن ہے دنیا میں انہیں جسمانی طور پر بعض سزائیں ملی ہوں مگر ان کے ایمان ضائع نہیں ہوئے۔ پھر بعض نے ان میں سے توبہ کر لی اور بعض کے متعلق ہمیں پورے حالات معلوم نہیں۔ بہرحال ان میں سے کسی کے ایمان ضائع ہونے کی خبر ہمیں نہیں ملتی مگر اِس زمانہ میں جس نے بھی خلفاء کی مخالفت کی آہستہ آہستہ اس کے مذہب میں بھی رخنہ پڑ گیا اور وہ اصل اسلام اور احمدیت سے بہت دور ہو گیا۔ چنانچہ سب سے پہلے مولوی محمد علی صاحب اور ان کے رفقاء نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی مخالفت کی اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد سب سے پہلا جو جلسہ سالانہ ہوا اُس میں اپنی تقریروں کے دوران میں انہوں نے آپ پر حملے کرنے شروع کر دیئے اور جماعت کے لوگوں کو اس امر کی طرف مائل کرنا شروع کر دیا کہ خدا تعالیٰ کے مامور کی مقرر کردہ جانشین اور خلیفہ صدر انجمن احمدیہ ہے حضرت خلیفہ اوّل نہیں۔ مگر اس مخالفت کا کیا نتیجہ ہوا؟ سعد کی طرح ان کا حال نہیں ہوا، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت معاویہؓ کی طرح محض حدود کے قیام تک ان کی مخالفت محدود نہیں رہی بلکہ خلافت کا انکار کرنے کے بعد انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت کا بھی انکار کر دیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے درجہ اور مقام کا بھی انکار کر دیا۔ بعض اُن امور کا بھی انکار کر دیا جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے عقائد میں شامل فرمایا ہے اور اس طرح ان کے مذہب میں بہت بڑا رخنہ واقع ہو گیا۔

پھر مستریوں نے جب میری مخالفت کی تو انہوں نے سب سے پہلے جو اعلان کیا وہ مصری صاحب کی طرح ''ایک دردمندانہ اپیل'' ہی تھی اور اس میں لکھا کہ ہم احمدیت سے الگ نہیں ہوئے۔ ہمارا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت پر کامل ایمان ہے ہمارا اختلاف صرف موجودہ خلیفہ سے ہے ورنہ یہ کب ہوسکتا ہے کہ ہم احمدیت چھوڑ دیں۔ مگر پھر وہی عبدالکریم وفاتِ مسیح کے مسئلہ پر احمدیوں سے مناظرے کرتا رہا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے وہ بالکل الگ ہو گئے۔ آخر یہ فرق جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے خلفاء کے منکروں اور

موجودہ خلفاء کے منکروں کی سزا میں ہے، کیوں ہے؟ خدا نے اُس وقت کے خلفاء کے منکرین کے ایمان کیوں ضائع نہ کئے اور آج جو خلفاء کا انکار کرتا ہے اس کا ایمان کیوں ضائع ہو جاتا ہے؟ اسی لئے کہ آج جو شخص خلفاء کا انکار کرتا ہے اور جماعت میں تفرقہ و انشقاق پیدا کرتا ہے وہ نہ صرف خلفاء کا انکار کرتا ہے بلکہ اسلام کی اُس عملی زندگی پر بھی تبر چلاتا ہے جس کو قائم کرنا خدا تعالیٰ کا منشاء ہے۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلام کی عملی زندگی قائم ہو چکی تھی اور خلفاء کا انکار سیاسی نقصان پہنچاتا تھا۔ پس چونکہ آج جو شخص خلفاء کی مخالفت کرتا ہے وہ اسلام کی عملی زندگی اور دنیا کے ایمان پر تبر چلاتا ہے اس لئے خدا تعالیٰ اس جُرم کی سزا میں اس کا ایمان بھی ضائع کر دیتا ہے۔ لیکن پہلے زمانہ میں مخالفت، اسلام کو صرف سیاسی نقصان پہنچاتی تھی اس لئے مخالفت کرنے والوں کو دنیا میں بعض جسمانی سزائیں مل جاتیں روحانی سزا اِس حد تک انہیں نہیں ملتی تھی۔

مصری صاحب بے شک کہہ رہے ہیں کہ گو مجھے خلیفہٗ وقت سے اختلاف ہے مگر میں احمدیت پر قائم رہوں گا۔ پہلوں سے یہ غلطی ہوئی ہے کہ انہوں نے اس اختلاف کو وسیع کر کے احمدیت کے خصائص بھی ترک کر دیئے۔ اب میں بتاؤں گا کہ مخالفت اور اختلاف کے باوجود کس طرح احمدیت پر انسان قائم رہتا ہے۔ مگر جس قسم کے گندے اعتراض وہ کر رہے ہیں اور جس قسم کے ناپاک حملوں کے کرنے کی ان کی طرف سے اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے اطلاعیں آ رہی ہیں اگر وہ ان پر مُصِر رہے اور اگر انہوں نے اور ان کے ساتھیوں نے توبہ نہ کی تو میں کہتا ہوں احمدیت کیا اگر ان کے خاندانوں میں حیا بھی باقی رہی تو وہ مجھے کہیں۔ بلکہ میں اس سے بھی واضح الفاظ میں یہ کہتا ہوں کہ جس قسم کے خلافِ اخلاق اور خلافِ حیا حملے وہ کر رہے ہیں اس کے نتیجہ میں اگر ان کے خاندان فحش کا مرکز بن جائیں تو اسے بعید از عقل نہ سمجھو۔

پس میں پھر جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ انہوں نے اپنے اشتہار میں جس قدر مثالیں پیش کی ہیں وہ بالکل غلط ہیں اور ان میں سے ایک بھی ان کے طریقِ عمل پر چسپاں نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں خدا تعالیٰ کے فعل نے پہلے زمانہ اور اِس زمانہ میں نمایاں امتیاز قائم

کر کے دکھلا دیا ہے۔ پس اب جو شخص خلافت کی مخالفت کرتا ہے وہ پہلوں سے بہت زیادہ سزا کا مستحق ہے اور یقیناً اگر کوئی شخص خلافت کے مقابلہ پر اصرار کرے گا اور اپنے اس فعل سے توبہ نہیں کرے گا تو اُس کا ایمان بالکل ضائع ہو جائے گا اور آج نہیں تو کل وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بھی حملہ کرنے لگے گا۔ اور پھر بالکل ممکن ہے وہ اس سزا کے نتیجہ میں اخلاقِ فاضلہ کو بھی اپنے ہاتھ سے چھوڑ دے اور حیا اور شرم سے اسے دور کی بھی نسبت نہ رہے۔ پس زمانہ کے حالات سزاؤں کو بدل دیتے ہیں۔ اُس زمانہ کے حالات بالکل اور تھے اور اب حالات اور ہیں۔ اب جو لوگ خلافت کا مقابلہ کریں گے اُنہیں یقیناً ایسی سزائیں ملیں گی جو نہایت ہی عبرتناک ہوں گی اور یقیناً اپنی مخالفت اور عِناد کے مطابق ان کے ایمان بھی ضائع ہوتے چلے جائیں گے۔''

(خطبات محمود جلد ۱۸ صفحہ ۲۸۹ تا ۳۱۴)

۱؎ النور: ۵۶

۲؎ تاریخ ابن اثیر جلد۲ صفحہ ۳۳۱ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء

۳؎ تاریخ طبری جلد۴ صفحہ ۲۶۔۲۷ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۷ء

۴؎ تاریخ طبری جلد۵ صفحہ ۴۵۰ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۷ء

۵ تا ۷؎ تاریخ طبری جلد۵ صفحہ ۴۵۷ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۷ء

۸؎ تاریخ طبری جلد۵ صفحہ ۵۴۳ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۷ء

۹؎ تاریخ ابن اثیر جلد۳ صفحہ ۲۴۰ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء

۱۰؎ سر الخلافة صفحہ ۳۸ روحانی خزائن جلد ۸ صفحہ ۳۵۲ شائع کردہ نظارت اشاعت ربوہ

۱۱؎ الفتح: ۳۰

شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کی طرف سے انکسار کا جھوٹا دعویٰ

خطبہ جمعہ ۳۰ جولائی ۱۹۳۷ء میں شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کے متعلق اظہارِ خیال کرتے ہوئے حضور نے فرمایا:۔

''ان لوگوں کی طرف سے ایک دستی اشتہار آج ہی مجھے دفتر نے بھیجا ہے جس میں مصری صاحب کی امارت کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ ہمیں اس سے خوشی ہے کیونکہ جو شخص جماعت میں تفرقہ پیدا کرے اسے خدا تعالیٰ خود سزا دیتا ہے۔ اور یہ اعلان کر کے انہوں نے اپنے آپ کو اس مقام پر کھڑا کر دیا ہے کہ الٰہی سزا کے مستحق ہو گئے ہیں۔ اس اعلانِ امارت کے ساتھ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی سزا کو کھینچا ہے دور نہیں کیا۔

اسی اشتہار میں ان کی پارٹی کی طرف سے اعلان ہوا ہے کہ دیکھو! ہمیں مرتد، منافق، فاسق وغیرہ الفاظ سے پکارا جاتا ہے، ایسا نہ کیا جائے۔ سو اِس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے تو انہیں ان ناموں سے نہیں پکارا بلکہ ہمارے آدمیوں نے تو صرف اُن کی اپنی باتیں دُہرائی ہیں۔ پکارنے والا تو ابتدا کرنے والا ہوتا ہے۔ انہوں نے مجھے مرتد قرار دیا، معزول کرنے کے لائق کہا حالانکہ میں تو خلیفہ ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ جب تک تم اپنے دُنیوی بادشاہ میں کفر بواح نہ دیکھو اُس کی اطاعت کرو۔[1] اللہ تعالیٰ خود اسے سزا دے گا اور اس لحاظ سے مصری صاحب نے گویا یہ کہا ہے کہ مجھ میں کفر بواح یعنی کھلا کھلا پایا جاتا ہے۔ باقی رہا فتنہ پرداز کہنا، سو جیسا کہ میں نے بتایا ہے اپنے پہلے خط میں ہی انہوں نے مجھے فتنہ پرداز کہا ہے اور پھر فَتَبَیَّنُوْا والی آیت مجھ پر چسپاں کر کے مجھے فاسق

قرار دیا ہے۔ پھر مجھے منافق بھی کہا ہے یہ کہہ کر کہ میں جماعت کو دہریت کی طرف لے جا رہا ہوں حالانکہ بظاہر اسلام سے تعلق ظاہر کرتا ہوں۔ پس یہ ثابت ہے کہ پہل اُنہوں نے کی اور اُنہوں نے جو کچھ ہمارے متعلق کہا جماعت نے اُسے دُہرا دیا ہے۔ وہ اپنے الفاظ واپس لے لیں تو میں جماعت کو بھی آئندہ ایسے الفاظ استعمال کرنے سے روک دوں گا مگر پہلے وہ توبہ کریں پھر ان کا حق ہوگا کہ ہم سے ایسا مطالبہ کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ خود کہتے ہیں کہ میں نے بیعت توڑی ہے اور ہر جماعت کی اصطلاح میں ایسے شخص کو مرتد کہتے ہیں۔ بیعت میں یہ اقرار ہوتا ہے کہ مبائع کامل فرمانبرداری اور کُلّی طور پر تعاون کرے گا اور جو شخص اس اقرار کو توڑ دے اُسے اگر مرتد نہیں تو اَور کیا کہا جائے گا۔ مرتد کے معنی ہیں واپس جانے والا۔ پس جو بیعت کو توڑ دے اُسے مرتد ہی کہا جا سکتا ہے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے غیر احمدی کہتے ہیں کہ ہمیں کافر کیوں کہا جاتا ہے۔ حالانکہ کافر کے معنی ہیں نہ ماننے والا۔ اور جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نہیں مانتا اسے ہم مومن کس طرح کہہ دیں۔ اگر ہم ان سے پوچھیں کہ کیا آپ لوگ مرزا صاحب کے دعویٰ مأموریت کو مانتے ہیں؟ تو وہ یہی کہیں گے کہ نہیں۔ پس چونکہ نہ ماننے والے کو عربی میں کافر کہتے ہیں کسی مدعی ماموریت کو جب کوئی نہ مانے تو اُسے کافر کے سِوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اگر بیعت کرنے کے بعد کوئی واپس لَوٹے تو اُسے مرتد کے سِوا اور کیا کہا جائے گا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عرب میں اکثر لوگ نمازیں بھی پڑھتے تھے، روزے بھی رکھتے تھے صرف زکوٰۃ کے متعلق انہیں شبہ تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ یہ صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک ہی کیلئے حکم تھا مگر پھر بھی اُن کو مرتد ہی کہا جاتا تھا۔ پھر یہ لوگ اندر ہی اندر سازش کر رہے تھے۔ میاں عبدالعزیز کا فوراً الگ ہو جانا بتاتا ہے کہ وہ پہلے ہی ان کے ہم خیال ہو چکے تھے۔ اور فخرالدین صاحب کے اخراج پر مصری صاحب کا نوٹس دینا بھی ظاہر کرتا ہے کہ وہ پہلے ہی جتھے بنا رہے تھے اور اندر ہی اندر فتنہ پیدا کر رہے تھے۔ پھر ایسے لوگوں کو اگر فتنہ پرداز نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے۔

پھر آیت استخلاف میں خلافت کی بیعت کے بعد انکار کرنے والوں کو فاسق کہا گیا ہے

اور سب سے بڑھ کر لطیفہ یہ ہے کہ کہتے ہیں ہمیں منافق نہ کہا جائے۔لیکن اسی اشتہار میں جس میں امارت کا اعلان بھی کیا گیا ہے یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص خلیفہ کی بیعت میں رہتے ہوئے بھی ہمارے ساتھ ملنا چاہے اُس کا نام پوشیدہ رکھا جائے گا۔ گویا وہ صرف منافق ہی نہیں بلکہ منافق گر ہیں۔ وہ لوگوں کو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ تم بظاہر خلیفہ کی بیعت میں رہو اور خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر عہد کر لو کہ ہم ہر ایک نیک بات میں آپ کی فرمانبرداری کریں گے۔ سَمْعًا وَّ طَاعَةً کے نعرے بھی لگاؤ، مگر در پردہ ہم سے ملے رہو اور پھر ساتھ ہی کہتے ہیں کہ ہمیں منافق نہ کہو۔ یہ تو صحیح ہے کہ جس جماعت کا کوئی نظام نہ ہو اُس کے افراد خفیہ بیعت کر سکتے ہیں جیسے کہ سید محمد علی شاہ صاحب مرحوم کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خفیہ بیعت کی اجازت دی تھی۔مگر شاہ صاحب کسی اور پیر کے مرید تو نہ تھے وہ ایک آزاد آدمی تھے ان کی خفیہ بیعت کسی عہد کو باطل نہ کرتی تھی۔ ایسے شخص کو اگر کوئی مجبوری ہو تو اختیار ہے کہ چاہے اپنے عقیدہ کو ظاہر کرے اور چاہے چُھپائے۔مگر ظاہر میں کسی اور کے ساتھ بیعت کا رشتہ قائم کر کے در پردہ کسی اور سے تعلق رکھنا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔اگر ایک شخص کا مکان کسی کے پاس رہن نہیں تو اسے اختیار ہے کہ چاہے اپنا مکان خفیہ طور پر اسے رہن کر دے اور چاہے ظاہراً کر دے لیکن جس کا مکان پہلے سے رہن ہے وہ اگر خفیہ طور پر کسی دوسرے کے پاس رہن کر دیتا ہے تو ہر شخص کہے گا کہ یہ پکا بدمعاش ہے۔ پس ایک طرف بیعت کرنے والا دوسری طرف ملے تو یقیناً وہ منافق ہے۔ ہاں جو کسی سلسلہ میں شامل نہیں وہ اگر خفیہ طور پر کسی سے ملتا ہے تو یہ اور بات ہے۔صحابہ اس امر کا اِس قدر لحاظ رکھتے تھے کہ ایک دفعہ قیصر روم کا ایلچی حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور چاہا کہ اسلام قبول کرے۔انہوں نے اس سے صاف انکار کیا اور فرمایا اِس وقت تم قیصر کے ایلچی ہو۔ اِس وقت تمہارا اسلام میں داخل ہونا بددیانتی ہوگا۔واپس جا کر استعفیٰ دے کر آؤ تو پھر تم کو اسلام میں داخل کر لوں گا۔

پھر مصری صاحب کہتے ہیں کہ جماعت ایک آزاد کمیشن مقرر کرے مگر یہ معلوم نہیں اس سے ان کا مطلب کیا ہے۔ میں اِس وقت تک ان کے اس مطالبہ کو لغو سمجھتا ہوں مگر ممکن ہے ان کے ذہن میں کوئی ایسی صورت ہو جو ہمارے ذہن میں نہ ہو اور وہ ہمارے نزدیک بھی معقول

ہو اس لئے میں ان سے ان کے ان الفاظ کے معنے پوچھنا چاہتا ہوں اور اس ضمن میں پہلی بات میں ان سے یہ پوچھتا ہوں کہ:۔

پہلے خلفاء کے خلاف بھی بعض لوگوں نے شکایات کی ہیں اور بعض دفعہ ایسے مقدمات عدالتوں میں بھی سنے گئے ہیں، مصری صاحب بتائیں کہ ان کے فیصلوں کیلئے کس قسم کے کمیشن مقرر ہوئے تھے؟ یا ان خلفاء کے اپنے مقرر کردہ قاضی ہی ان مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ آزاد کمیشن مانگنا مصری صاحب کا ہی حق ہے یا اور کسی کا بھی؟ کیا جب کوئی آکر کہے کہ خلیفہ کے متعلق آزاد کمیشن بٹھایا جائے یہ مطالبہ منظور ہو جانا چاہئے یا صرف اُس وقت جب مصری صاحب اِس کا مطالبہ کریں؟ جس طرح پنجابی میں مثل مشہور ہے کہ ''جتھے میاں نور جمال اوتھے مُردہ کھوتا وی حلال''۔ غرض وہ بتائیں کہ ہر معترض آزاد کمیشن طلب کر سکتا ہے یا صرف وہی ایسا کر سکتے ہیں۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ وہ بتائیں کہ آزاد کمیشن سے ان کی مراد کیا ہے؟ کیا مادر پدر آزاد؟ یعنی دہریوں کا کمیشن وہ مانگتے ہیں یا ان کے نزدیک آزاد کمیشن وہ ہے جسے وہ مقرر کریں خلیفہ نہ مقرر کرے؟ اگر یہ دونوں مراد نہیں تو وہ بتائیں کہ ان کا مطلب کیا ہے۔ آیا وہ چاہتے ہیں کہ ساری جماعت کو دعوت دی جائے اور پھر ووٹ لئے جائیں کہ کون کون جج مقرر ہو؟ اور ہمیشہ کیلئے یہی طریق ہو کہ جب کوئی الزام لگائے جماعت کو یہاں بُلا لیا جائے؟ اور ضمناً اس بات کا بھی وہ جواب دیں کہ ایسا کرنے پر پچاس ساٹھ ہزار بلکہ لاکھ روپیہ کا خرچ ہوگا وہ مصری صاحب دیں گے یا کون دے گا؟ پھر یہ ممکن ہے کہ کل کوئی اور اُٹھے اور کہے کہ مصری صاحب نے جو الزام لگائے تھے وہ غلط تھے اب میں یہ الزام لگاتا ہوں ان کی تحقیقات کی جائے اور اِدھر لوگ مصری صاحب کے کمیشن سے فارغ ہو کر گھر پہنچیں اور اُدھر پھر تاریں چلی جائیں کہ خلیفہ پر ایک اور مقدمہ ہو گیا ہے فوراً چلے آؤ۔ اور پھر اس سے فارغ ہو کر جائیں تو کوئی اور کہہ دے کہ میں خلیفہ پر یہ الزام لگاتا ہوں اور لوگ ابھی بعض رستوں میں ہی ہوں اور بعض ابھی پہنچے ہی ہوں کہ پھر تاریں چلی جائیں کہ فوراً آجاؤ پھر آزاد کمیشن بیٹھنے لگا ہے۔ پھر یہ بھی سوال ہے کہ آیا ہر الزام پر آزاد کمیشن چاہئے یا

آزاد کمیشن والے الزامات کی کوئی خاص نوعیت والے الزام ہی آزاد کمیشن کے حقدار ہوں گے تو اس نوعیت کا فیصلہ قرآن وحدیث کی کس سند کے ذریعہ کیا جائے گا؟ وہ یہ بھی بتائیں کہ آزاد کمیشن کا مطالبہ کرنے کا حق ان کو اگر حاصل ہے تو صرف اس دفعہ ہی یا جب وہ چاہیں جماعت سے اس کا مطالبہ کر لیں۔ اور اگر دوسروں کو بھی اس کا حق حاصل ہے تو انہیں بھی ایک ایک دفعہ عمر بھر میں یا جب اور جس وقت کوئی شخص آزاد کمیشن کا مطالبہ کرے فوراً آزاد کمیشن بیٹھ جانی چاہئے۔ اور یہ آزاد کمیشن جماعت کے اندر رہنے والے لوگ مانگ سکتے ہیں یا جماعت سے باہر کے لوگ بھی اس کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔ مثلاً پیغامی اور غیر احمدی اس بارہ میں مطالبہ کریں تو آیا ان کا یہ مطالبہ جائز سمجھا جائے گا یا ناجائز؟ اگر جماعت سے باہر کے لوگوں کا یہ مطالبہ درست تسلیم نہ کیا جائے تو پھر مصری صاحب جو جماعت سے نکل چکے ہیں ان کو ایسا مطالبہ کرنے کا حق کہاں سے حاصل ہوا ہے۔ اور اگر یہ قانون ہے کہ جو جماعت سے قریب زمانہ میں نکلا ہو وہ آزاد کمیشن کا مطالبہ کر سکتا ہے دوسرا نہیں تو پھر وہ یہ بھی بتائیں کہ کتنی دیر تک کا مرتد اِس قسم کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ پھر وہ یہ بھی بتائیں کہ آزاد کمیشن سے مراد غیر احمدیوں کا کمیشن ہے یا احمدیوں کا یا مشترک؟ اگر مشترک مراد ہے تو کس کس نسبت سے احمدی اور غیر احمدی ممبر مقرر کئے جائیں گے اور انہیں کون مقرر کرے گا۔ اگر خلیفہ مقرر کرے گا تو پھر وہ بقول مصری صاحب آزاد نہ رہے گا اور اگر احمدی مقرر کریں گے تو پھر بھی آزاد کمیشن نہ رہے گا کیونکہ وہ تو پہلے ہی خلیفہ کو حق پر سمجھ رہے ہیں ورنہ مصری صاحب کے ساتھ ہی بیعت توڑ کر الگ ہو جاتے اور اگر وہ کہیں کہ نہیں احمدی بہ حیثیت جج مقرر کرنے والے کے دیانتدار ہیں تو پھر غیر احمدی کمیشن کی کیا ضرورت رہی۔ پھر احمدی جج ہی کمیشن بن سکتے ہیں۔ اسی طرح وہ یہ سوال بھی حل کریں کہ ان ممبرانِ کمیشن کو اگر جماعت احمدیہ نے مقرر کرنا ہے تو کیا ساری جماعت کو اکٹھا ہو کر منتخب کرنا چاہئے یا الگ الگ جماعتیں ایسا انتخاب کریں۔ اور اگر غیر احمدیوں نے بھی کوئی حصہ منتخب کرنا ہے تو ان کے انتخاب کا کیا ذریعہ ہوگا۔ اور اگر آزاد کمیشن سے مراد یہ ہے کہ آدھے جج معترض تجویز کیا کریں اور آدھے خلیفۂ وقت کیا کرے تو پھر سوال یہ ہے کہ اگر غیر احمدی ججوں پر خلیفہ کو اعتبار نہ ہو تو کیا

وہ حصہ بھی معترض ہی مقرر کر دیا کرے گا یا خلیفہ کو مجبور کیا جائے گا کہ ضرور کچھ غیراحمدیوں پر یا غیرمُسلموں پر اعتبار کر کے ان میں سے جج مقرر کرے۔ اور جب احمدیت خدا تعالیٰ کے فضل سے ترقی کر جائے گی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے مطابق دوسری اقوام اس کے ماتحت آ جائیں گی تو اُس وقت غیراحمدی یا غیرمسلم بھی جانبدار نہ رہیں گے۔ اُس وقت آزاد کمیشن کیلئے ممبر کہاں سے لائے جائیں گے۔ آیا یہ کوشش کی جائے گی کہ کچھ حصہ دنیا کا بالکل آزاد رہے اور اسلامی حکومت میں داخل نہ ہو تا مصری صاحب کے ہم خیالوں کیلئے آزاد کمیشن کے ممبر ملتے رہیں اور پھر یہ بھی سوال ہے کہ اگر آزاد کمیشن یہ کہے کہ مصری صاحب جھوٹے ہیں تو ان کو کیا سزا دی جائے گی خلیفہ کیلئے تو یہ سزا ہوئی کہ وہ غیراحمدیوں کے کہنے پر خلافت سے معزول ہو جائے گا مگر اس کے مقابل پر مصری صاحب کیلئے کیا سزا ہوگی۔ آیا ان کیلئے صرف یہ کافی ہوگا کہ ہنس کر کہیں کہ چلو تو بہ کرتے ہیں یا کوئی اَور سزا بھی ہوگی۔ پھر یہ بھی سوال ہے کہ اگر ان کے خلاف کمیشن فیصلہ کرے تو کیا وہ اس کے فیصلہ کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے آپ کو جھوٹا کہیں گے؟ یا یہ کہیں گے کہ خلیفہ ہے تو بدکار ہی مگر کمیشن کی خاطر میں اسے مان لیتا ہوں۔ اگر اپنے آپ کو جھوٹا کہیں گے تو اُس وقت وہ براہین کہاں جائیں گے جن کی وجہ سے خلافت سے روگردانی ان کیلئے جائز ہوگئی ہے۔ اگر پھر بھی وہ اپنے آپ کو حق پر ہی سمجھتے رہیں گے اور باوجود اس کے خلیفہ کی بیعت کر لیں گے تو آج آپ کو بیعت توڑنے کی کیا مجبوری پیش آئی تھی۔ یا آپ کا ارادہ یہ ہے کہ اگر فیصلہ آپ کے حق میں ہوا تو قابلِ قبول ہوگا ورنہ نہیں۔ یہ بہت سے سوال ہیں جن کا جواب دینا آزاد کمیشن کے مطالبہ سے پہلے ضروری ہے۔ اور امید ہے کہ مصری صاحب جلد اِن کا جواب دے کر اپنے نقطۂ نگاہ کو واضح کر دیں گے۔ بہرحال ہمیں یہ علم ہونا چاہئے کہ وہ آزاد کمیشن کسے کہتے ہیں۔ اس کے فیصلہ کی پابندی ان کیلئے ضروری ہوگی یا نہیں۔ اسے کون مقرر کرے، کس طرح کرے اور کس کس کو ایسا کمیشن مقرر کرانے کا حق ہے۔

ایک سوال اَور بھی ہے کہ اگر خلافت کے عزل کا سوال آزاد کمیشن سے طے کرایا جا سکتا ہے تو خلیفہ مقرر بھی کیوں غیراحمدیوں کی ایک کمیٹی سے نہ کروایا جائے۔ آخر میں میں

ایک اَور شبہ کا ازالہ کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اِس فتنہ کو اہمیت کیوں دی جاتی ہے؟ مصری صاحب یا ان کے ساتھیوں کی حیثیت ہی کیا ہے۔ ایسے لوگوں کی واقفیت کیلئے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اسے اہمیت مصری صاحب کی حیثیت کی وجہ سے نہیں دی جاتی بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ احراریوں، مستریوں اور پیغامیوں کے نمائندہ ہیں۔ بلکہ شبہ ہے کہ بعض حکام سے بھی ان کے تعلقات ہیں۔ یا کم سے کم ان کے بعض ساتھی ایسا کہتے ہیں اور چونکہ بعض حکام نیز احرار اور پیغامیوں کی امداد ان کی پشت پر ہے اور وہ مل کر حملہ کر رہے ہیں اس لئے ہمارا فرض ہے کہ جماعتی طور پر اِس فتنہ کا مقابلہ کریں اور اسے کُچل دیں۔ احرار کے فتنہ نے ہمارے ایمانوں کو بیشک خراب نہیں کیا مگر دُنیوی طور پر تو انہوں نے ضرور دِق کیا ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کے متعلق خیال ہے کہ یہ سلسلہ کیلئے مشکلات نہ پیدا کریں۔ پھر اس کے علاوہ ہمارا فرض صرف یہی نہیں کہ احمدیوں کی حفاظت کریں بلکہ جن لوگوں کو ہم نے احمدی بنایا ہے ان کی حفاظت کرنا بھی ہمارا فرض ہے۔ یہ لوگ باہر ہمارے خلاف بہت پروپیگنڈا کر رہے ہیں اور غیر احمدیوں میں اپنا زہر پھیلا رہے ہیں۔ کئی جگہ سے ہمارے دوستوں نے لکھا ہے کہ ہم نے ان کے اشتہار تقسیم کرنیوالوں سے مانگے تو انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ ہمیں ہدایت ہے کہ آپ لوگوں کو نہ دیئے جائیں۔''

(خطبات محمود جلد ۱۸ صفحہ ۳۳۰ تا ۳۳۵)

۱؎ **بخاری کتاب الفتن باب قول النبی ﷺ سَتَرَوْنَ بَعْدِی اُمُوراً تُنْکِرُوْنَھَا صفحہ ۱۲۱۷ حدیث نمبر ۷۰۵۶ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانیة**

خلیفۂ وقت کی اطاعت میں یقینی فتح اور کامیابی ہے

(فرمودہ ۲۷/اگست ۱۹۳۷ء)

تشہد،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

''سب سے پہلے تو میں ایک رپورٹ کے متعلق بعض باتیں کہنا چاہتا ہوں جو ایک دوست نے ایک باہر کے گاؤں سے لکھ کر بھیجی ہے۔ وہ دوست بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی بیماری کے متعلق مشورہ کرنے کے لئے اور بعض انتظامات کی خاطر قادیان آیا تھا۔ ایک مجلس میں مجھے باہر کے ایک مہمان کے ساتھ بیٹھنے کا اتفاق ہوا جس کا نام تو میں نہیں جانتا مگر غالباً وہ ایم۔ اے تھے۔ وہ دوست لکھتے ہیں کہ موجودہ فتنہ کے متعلق ہماری باہمی گفتگو شروع ہو گئی۔ اور میں نے برسبیلِ تذکرہ یہ بات بیان کی کہ ہمارے گاؤں میں بعض نوجوان اُن اِتہامات اور الزامات کی وجہ سے جو آجکل بعض جماعت سے خارجین کی طرف سے لگائے جاتے ہیں بہت اشتعال میں تھے لیکن میں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے خطبات اور نصائح کی طرف ان کو توجہ دلائی اور بتلایا کہ ہمارے جوش اسی راہ پر چلنے چاہئیں جس پر چلنے کی خلیفۂ وقت کی طرف سے ہدایت ہو اور ہماری قربانیاں اسی رنگ میں ہونی چاہئیں جس رنگ میں امام کی طرف سے قربانی کے لئے ہمیں بُلایا جائے۔ اِس پر وہ دوست جو بیرونی مہمان تھے اور جن کا رپورٹ کرنے والے دوست کو نام معلوم نہیں کہنے لگے کہ آپ کو کیا ضرورت پیش آئی تھی کہ خوامخواہ ان کے جوشوں کو ٹھنڈا کرتے۔ چونکہ جس شخص سے ان کی بات ہوئی ہے اس کا نام وہ نہیں جانتے اور جس کا نام معلوم نہیں اسے پرائیویٹ طور پر نصیحت کرنا ناممکن ہے اور پھر چونکہ ناممکن ہے کہ ایسے اور لوگ بھی ہوں میں نے مناسب سمجھا کہ اس رپورٹ کے متعلق

خطبہ میں بعض باتیں بیان کروں۔

میں نے متواتر جماعت کو بتلایا ہے کہ خلافت کی بنیاد محض اور محض اس بات پر ہے کہ **اَلْاِمَـامُ جُـنَّةٌ يُـقَـاتَلُ مِنْ وَّرَائِهٖ**[1] یعنی امام ایک ڈھال ہوتا ہے اور مومن اس ڈھال کے پیچھے سے لڑائی کرتا ہے۔ مومن کی ساری جنگیں امام کے پیچھے کھڑے ہو کر ہوتی ہیں۔ اگر ہم اس مسئلہ کو ذرا بھی بُھلا دیں، اِس کی قیود کو ڈھیلا کر دیں اور اس کی ذمہ داریوں کو نظر انداز کر دیں تو جس غرض کیلئے خلافت قائم ہے وہ مفقود ہو جائے گی۔ میں جانتا ہوں انسانی فطرت کی کمزوریاں کبھی کبھی اسے اپنے جوش اور غصہ میں اپنے فرائض سے غافل کر دیتی ہیں۔ پھر میں یہ بھی جانتا ہوں کہ کبھی انسان ایسے اشتعال میں آجاتا ہے کہ وہ یہ نہیں جانتا کہ میں منہ سے کیا کہہ رہا ہوں مگر بہر حال یہ حالت اس کی کمزوری کی ہوتی ہے نیکی کی نہیں۔ اور مومن کا کام یہ ہے کہ کمزوری کی حالت کو مستقل نہ ہونے دے اور جہاں تک ہو سکے اسے عارضی بنائے بلکہ بالکل دُور کر دے۔ اگر ایک امام اور خلیفہ کی موجودگی میں انسان یہ سمجھے کہ ہمارے لئے کسی آزاد تدبیر اور مظاہرہ کی ضرورت ہے تو پھر خلیفہ کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ امام اور خلیفہ کی ضرورت یہی ہے کہ ہر قدم جو مومن اُٹھاتا ہے اُس کے پیچھے اُٹھاتا ہے اپنی مرضی اور خواہشات کو اس کی مرضی اور خواہشات کے تابع کرتا ہے، اپنی تدبیروں کو اس کی تدبیروں کے تابع کرتا ہے، اپنے ارادوں کو اس کے ارادوں کے تابع کرتا ہے، اپنی آرزوؤں کو اس کی آرزوؤں کے تابع کرتا ہے اور اپنے سامانوں کو اس کے سامانوں کے تابع کرتا ہے۔ اگر اس مقام پر مومن کھڑے ہو جائیں تو ان کیلئے کامیابی اور فتح یقینی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اِسی نکتہ کو واضح کرنے کے لیے فرماتا ہے کہ **وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا**[2] یعنی جو خلفاء اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کئے جاتے ہیں ہمارا وعدہ یہ ہے کہ **وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ** یعنی ان کے طریق کو جو ہم ان کیلئے خود چنیں گے دنیا میں قائم کریں گے۔ دین کے معنی صرف مذہب کے ہی نہیں۔ گو مذہب بھی اس میں شامل ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ مذہب تو انبیاء کے ذریعہ سے قائم ہوتا ہے۔ خلفاء کے ذریعہ سنن اور طریقے قائم کئے جاتے ہیں

ورنہ احکام تو انبیاء پر نازل ہو چکے ہوتے ہیں۔ خلفاء دین کی تشریح اور وضاحت کرتے ہیں اور مُغلَق امور کو کھول کر لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں اور ایسی راہیں بتاتے ہیں جن پر چل کر اسلام کی ترقی ہوتی ہے۔

یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ جو مسلمانوں کا دین ہوگا ہم اسے مضبوط کریں گے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ جو خلیفہ کا دین ہوگا اسے مضبوط کریں گے۔ جس پالیسی کو خلفاء پیش کریں گے ہم اسے ہی کامیاب بنائیں گے اور جو پالیسی ان کے خلاف ہوگی اُسے ناکام کریں گے۔ پس اگر کوئی مبائع اور مومن کوئی اور طریق اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم اسے ناکام کریں گے۔ اب اس پر غور کرو ایک شخص یا دس بیس یا ہزار دو ہزار یا دس بیس ہزار لوگ خلیفہ سے کوئی الگ پالیسی رکھتے ہیں یا اپنی اپنی الگ پالیسیاں رکھتے ہیں تو خدا تعالیٰ نے تو جیسا کہ وہ فرما چکا ہے صرف خلیفہ کی پالیسی کو ہی کامیاب کرنا ہے۔ تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اگر جماعت ایک لاکھ کی ہے تو اس میں سے اتنے ہزار کی کوششیں رائیگاں جائیں گی۔ اگر ایک ہزار کی کوششیں اللہ تعالیٰ ردّ کر رہا ہے تو گویا ننانوے ہزار یا اگر دس ہزار کی ردّ ہو رہی ہیں تو نوے ہزار، اگر بیس ہزار کی ردّ ہو رہی ہیں تو اسی ہزار، اگر پچاس ہزار کی ردّ ہو رہی ہیں تو صرف پچاس ہزار لوگوں کی کوششیں کامیابی کے راستہ پر ہو رہی ہوں گی اور اس طرح جس نسبت کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف سے فتوحات آنی ہیں وہ اسی نسبت سے کم ہوتی جائیں گی۔ ایک لاکھ سپاہیوں کو جو کامیابی ہونی تھی اتنی نہیں ہوگی اور جتنی کوششیں ردّ ہو رہی ہوں گی اتنی کامیاب کوششوں میں کمی ہو جائے گی اور اس طرح ایسے لوگ دین کی مدد کرنے والے نہیں ہوں گے بلکہ اس میں رخنہ ڈالنے والے اور اسے ضعیف اور کمزور کرنے والے ہوں گے۔

یہ تمام نقائص پیدا ہی تب ہوتے ہیں جب خدا تعالیٰ کے کلام پر یقین نہ ہو اور یہ خیال ہو کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مدد نہیں آئے گی بلکہ ہم نے خود کام کرنا ہے۔ یا خدا تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریق پر چلنے سے کامیابی نہیں ہوگی بلکہ کامیابی اس طریق پر چلنے سے ہوگی جو ہم نے سوچا ہے۔ جس شخص نے جماعتوں کو ساتھ لے کر چلنا ہو اُس کیلئے ضروری

ہے کہ سستیوں کو دور کر کے لوگوں کے اندر اخلاص، تقویٰ اور اُمنگ پیدا کرے۔ لیکن اگر کچھ آدمی ایسے ہوں کہ جتنی اُمنگیں اور امیدیں اور جوش خلیفہ پیدا کرے اس کا ایک حصہ وہ ضائع کر دیں تو ایسے لوگ بجائے اسلام کی ترقی کا موجب ہونے کے اس کے تنزّل کا موجب ہوں گے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیکھ لو صلح حدیبیہ کی مثال بالکل واضح ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رؤیا میں دیکھا کہ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں۔ چونکہ وہ حج کا وقت نہیں تھا آپ نے عمرہ کی نیت کی اور صحابہؓ کو بھی اطلاع دی۔ چلتے چلتے آپ کی اونٹنی حدیبیہ کے مقام پر بیٹھ گئی اور زور لگانے کے باوجود نہ اُٹھی۔ آپ نے فرمایا کہ اسے خدا تعالیٰ نے بٹھا دیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس کی مشیت یہی ہے کہ ہم آگے نہ جائیں[۳]۔ مسلمانوں کی آمد دیکھ کر کفار نے بھی اپنا لشکر جمع کرنا شروع کیا کیونکہ وہ یہ گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ مسلمان طواف کریں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے آدمیوں کی انتظار میں تھے کہ آئیں تو شائد کوئی سمجھوتہ ہو جائے۔ ان کی طرف سے مختلف نمائندے آئے اور آخر کار صلح کا فیصلہ ہوا۔ شرائط صلح میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ مسلمان اِس وقت واپس چلے جائیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر اب انہوں نے طواف کر لیا تو ہمارے پرسٹیج (PRESTIGE) میں فرق آئے گا اس لئے انہوں نے یہی شرط پیش کی کہ اب کے واپس چلے جائیں اور اگلے سال آ کر طواف کر لیں۔ دوسری شرط یہ ہوئی کہ اگر کوئی کافر مسلمان ہو کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ جائے تو آپ اسے واپس کر دیں گے لیکن اگر کوئی مسلمان مرتد ہو کر مکہ والوں کے پاس جانا چاہے تو اسے اس کی اجازت ہوگی۔ بظاہر یہ شرطیں بڑی کمزور شرطیں تھیں اور پھر جس وقت آپ نے اس شرط کو منظور کر لیا اُسی وقت ایک مسلمان جس کے ہاتھوں اور پاؤں میں کڑیاں اور بیڑیاں پڑی تھیں، جس کا تمام جسم لہولہان تھا نہایت تکلیف سے لڑھکتا اور گِرتا پڑتا وہاں پہنچا اور عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! میرا حال دیکھئے میں مسلمان ہوں اور میرے رشتہ داروں نے اس طرح مجھے بیڑیاں پہنائی ہوئی ہیں اور مجھے شدید تکالیف پہنچا رہے ہیں۔ آج کفار لڑائی کیلئے تیار ہوئے تو میرا پہرہ ذرا کمزور ہوا اور میں موقع پا کر نکل بھاگا

اوراس حالت میں یہاں پہنچا ہوں۔صحابہؓ کو اُس کی حالت دیکھ کر اتنا جوش تھا کہ وہ آپے سے باہر ہو رہے تھے۔لیکن اہل مکہ کی طرف سے جو شخص سفیر ہو کر آیا ہوا تھا اُس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر کہا کہ ہمیں آپ سے غداری کی امید نہیں۔آپ نے وعدہ کیا ہے کہ ہم میں سے اگر کوئی شخص آپ کے پاس آئے تو اسے واپس کر دیں گے اس لئے یہ شخص واپس کیا جائے۔اُس وقت اُن ہزاروں آدمیوں کے سامنے جو اپنے گھروں سے جانیں دینے کیلئے نکلے تھے،ان کا ایک بھائی تھا جو مہینوں سے قید تھا،جس کے ہاتھوں اور پاؤں سے خون کے فوارے پھوٹ رہے تھے اور جس کا قصور صرف اتنا تھا کہ وہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لایا تھا اسے دیکھ کر صحابہؓ کی تلواریں میانوں سے باہر نکل رہی تھیں اور وہ دلوں میں کہہ رہے تھے کہ ہم سب یہیں ڈھیر ہو جائیں گے مگر اسے واپس نہیں جانے دیں گے۔مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ خدا کے رسول دھوکا نہیں کیا کرتے۔ہم نے وعدہ کیا ہے اور اب خواہ ہمارے دلوں کو کتنی تکلیف ہو، اسے پورا کریں گے اور آپ نے کفار کے نمائندہ سے فرمایا کہ اسے لے جاؤ۔جب اس شخص نے دیکھا کہ مجھے واپس کیا جا رہا ہے تو اس نے پھر نہایت مترحمانہ نگاہوں کے ساتھ صحابہؓ کی طرف دیکھا اور کہا تم جانتے ہو مجھے کس طرف دھکیلتے ہو؟ تم مجھے ظالم لوگوں کے قبضہ میں دے رہے ہو؟ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی کو تاب نہ تھی کہ آنکھ اُٹھا سکے اس لئے خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔[۴] لیکن صحابہ کو اس کا رنج اتنا تھا،اتنا تھا کہ جب صلح نامہ پر دستخط ہو چکے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی تھی کہ اس سال ہمیں عمرہ کا موقع نصیب نہ ہو۔جاؤ اور اپنی قربانیوں کو ذبح کر دو۔آپ نے یہ فرمایا اور وہ صحابہؓ جو آپ کے ایک اشارے پر اُٹھ کھڑے ہوتے اور نہایت بے تابی کے ساتھ فرمانبرداری کا اعلیٰ نمونہ دکھانے کی کوشش کرتے تھے ان میں سے ایک بھی نہ اُٹھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پھر اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے۔آپ کے ساتھ اُمّہات المؤمنین میں سے ایک بی بی تھیں۔آپ نے ان سے کہا کہ آج میں نے وہ نظارہ دیکھا ہے جو نبوت کے ایام میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔میں نے باہر جا کر صحابہؓ سے کہا کہ اپنی قربانیاں ذبح کر دو مگر

ان میں سے ایک بھی نہیں اُٹھا۔ انہوں نے کہا **یَارَسُوْلَ اللّٰہِ!** آپ کسی سے بات ہی نہ کریں۔ آپ سیدھے جا کر اپنی قربانی کے جانور کو ذبح کر دیں۔ یہ زجر زبان کی زجر سے بہت سخت تھی اور یہ مشورہ نہایت ہی اچھا تھا۔ چنانچہ آپ باہر آئے، نیزہ لیا اور بغیر کسی مدد کے اپنے جانور ذبح کرنے شروع کر دیئے۔ جونہی صحابہؓ نے یہ دیکھا معاً انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ دَوڑے، بعض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کیلئے اور بعض اپنی قربانیوں کی طرف۔ اور ان کی بے تابی اِس قدر بڑھ گئی کہ وہ ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کیلئے تلواروں کی نوکوں سے ایک دوسرے کو ہٹاتے تھے۔ [۵] لیکن گو انہوں نے یہ فرمانبرداری دکھائی اور ان کا جوش بھی ٹھنڈا ہوا مگر پوری طرح نہیں ہوا۔ حضرت عمرؓ جیسا مخلص انسان بھی اپنے جوش کو نہ دبا سکا۔ آپ رسول کریم ﷺ کی مجلس میں جا کر بیٹھ گئے اور عرض کیا کہ **یَارَسُوْلَ اللّٰہِ!** کیا آپ خدا کے رسول نہیں ہیں؟ کیا ہم خدا کی سچی جماعت نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا **یَارَسُوْلَ اللّٰہِ!** آپ کو ایک رؤیا ہوئی تھی کہ ہم مکہ میں داخل ہو کر عمرہ کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں یہ صحیح ہے۔ اِس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یہ ناکامی پھر کس بات کا نتیجہ ہے؟ ہم ایمان پر ہوتے ہوئے دب گئے اور کفار کا پہلو بھاری رہا اور ہم نے ایسی ایسی شرطیں منظور کر لیں کہ اپنے ایک بھائی کو سخت مصیبت کی حالت میں دیکھا مگر کچھ نہ کر سکے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک مجھے رؤیا ہوئی تھی مگر کیا میں نے کہا تھا کہ اس سال ہم عمرہ کریں گے؟ میں نے صرف قیاس کیا تھا اور اسی قیاس کی بناء پر آیا اور تم کو معلوم ہے کہ یہ بات شرائط میں ہے کہ ہم اگلے سال عمرہ کریں گے اور خواب پورا ہوگا۔ پھر اس میں ذلّت کی کوئی بات نہیں کہ جو مسلمان ہو اُسے واپس کیا جائے اور جو کافر ہو اسے اپنے ہم مذہبوں کے پاس جانے دیا جائے۔ جس مسلمان کو کفار پکڑ کر رکھیں گے وہ تبلیغ ہی کرے گا اور جو مسلمان مرتد ہو جائے تم بتاؤ ہم نے اُسے رکھ کر کرنا ہی کیا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔ ان کا جوش کم ہوا مگر پوری طرح فرو نہیں ہوا۔ اور پھر وہ اس شخص کے پاس پہنچے جسے اللہ تعالیٰ نے صدیق کہا ہے اور جس کی نبض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبض کے تابع چلتی تھی اور کہا ابوبکر! کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

خدا کے رسول ہیں؟ کیا ہمارا دین سچا ہے؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب نہیں دیکھا تھا کہ ہم عمرہ کر رہے ہیں؟ پھر ہوا کیا؟ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا عمر! کیا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ہم ضرور اِسی سال عمرہ کریں گے؟ خواب صرف یہی ہے کہ ہم عمرہ کریں گے سو ضرور کریں گے۔ تب حضرت عمرؓ کا دل صاف ہوا اور انہوں نے سمجھ لیا کہ صداقت جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکلی اُسی طرح ابوبکرؓ کی زبان سے بھی نکلی۔[٦] تو صلح حدیبیہ بڑا بھاری امتحان تھا، بڑی آزمائش تھی مگر صحابہؓ نے انتہائی اطاعت کا نمونہ دکھایا۔

مؤمن کو بعض دفعہ ایسی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں ہم انتہائی طور پر ذلیل کئے جا رہے ہیں۔ پہلوں سے بھی ایسا ہوا اور ضروری ہے کہ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہو۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ غرضیکہ سب انبیاء کی جماعتوں سے ایسا ہوا۔ حضرت عیسیٰؑ کی صلیب کا واقعہ کچھ کم نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمیشہ یہ وعظ کیا کرتے تھے کہ اپنے کپڑے بیچ کر بھی تلواریں خریدو مگر جب حکومت نے آپ کو پکڑا تو پطرس جوش میں آیا اور اُس نے لڑنا چاہا مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پطرس جوش میں مت آ اور خاموش رہ۔ چنانچہ انجیل میں آتا ہے ''پطرس نے تلوار جو اس کے پاس تھی کھینچی اور سردار کاہن کے نوکر پر چلا کر اُس کا داہنا کان اُڑا دیا۔ یسوع نے پطرس سے کہا تلوار کو میان میں رکھ۔ جو پیالہ باپ نے مجھ کو دیا کیا میں اسے نہ پیئوں''[٧]۔ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں بھی کئی واقعات ایسے ہوئے ہیں کہ ان کی قوم جوش میں لڑنا چاہتی مگر وہ حکم دیتے کہ ٹھہر جاؤ۔

قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء کی جماعتوں کیلئے ضروری ہے کہ اپنے آپ کو کُلّی طور پر خدا کی تدبیر کے ماتحت کر دیں۔ مگر وہ مردہ نہیں ہوتے ان کے اندر جوش اور اخلاص ہوتا ہے۔ وہ قربانی کیلئے تیار رہتے ہیں مگر قربانی کرنے کیلئے خدا تعالیٰ کی طرف دیکھتے ہیں۔ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے اِذن ہو اور جس رنگ میں ہو وہ اُسی وقت اور اُسی رنگ میں قربانی کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کی فوقیت اور عظمت کی بڑی علامت فرمانبرداری اور اطاعت کا ایسا نمونہ ہی ہوتا ہے جو دوسری قوموں میں نظر نہیں آتا۔ جو چیز دوسروں کی نگاہ

میں ذِلّت ہو وہ ان کی نگاہ میں عزت ہوتی ہے۔ جو دوسروں کو عزت نظر آئے وہ اسے ذِلّت سمجھتے ہیں۔ لوگ عزت اس میں سمجھتے ہیں کہ اپنے نفس کا غصہ نکال لیں اور مومن اس میں کہ خدا تعالیٰ کا حکم پورا ہو، نفس کا غصہ بے شک نہ نکلے۔ جب کوئی شخص ایسا ہو جائے تو اس کیلئے اللہ تعالیٰ آسمان سے فرشتے نازل کرتا ہے جو اُس کی مدد کرتے ہیں اور یہی کامیابی کا ذریعہ ہے۔ تم سوچو تو سہی کیا ہماری اتنی طاقت ہے کہ ساری دنیا کو فتح کر سکیں۔ ہمیں تو جو کامیابی ہوگی فرشتوں کے ذریعہ سے ہوگی اور یہ اُسی وقت ہوتا ہے جب مومن اپنے نفسوں پر قابو رکھیں اور دل میں اس کیلئے بالکل تیار رہیں کہ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے آواز آئے گی اپنے نفسوں کو قربان کر دیں گے مگر اپنے ہاتھوں اور زبانوں کو قابو میں رکھیں گے اور کوئی بات ایسی نہ کریں گے جو خلافِ شریعت اور خلافِ آداب ہو۔ شریعت وہ ہے جو قرآن کریم میں بیان ہے اور آداب وہ ہیں جو خلفاء کی زبان سے نکلیں۔ پس ضروری ہے کہ آپ لوگ ایک طرف تو شریعت کا احترام قائم کریں اور دوسری طرف خلفاء کا ادب و احترام قائم کریں اور یہی چیز ہے جو مومنوں کو کامیاب کرتی ہے۔

تمہارے دل پتھر کے ہوں گے اگر وہ ان معجزات سے متأثر نہیں ہوتے جو خدا تعالیٰ نے گزشتہ پچاس سال میں جماعت کیلئے ظاہر کئے ہیں۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ اگر وہ نشانات جمادات پر ظاہر ہوں تو درختوں پر اور پتھروں پر اور لوہے پر اور لکڑی پر بھی ان کا اثر ضرور ہو اور تم تو انسان ہو۔ غور تو کرو تم نے کتنے نشان دیکھے ہیں اور کتنی وحیوں، کشوف اور الہامات کو پورا ہوتے دیکھا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام، آپ کے خلفاء اور پھر اپنے نفسوں کے ذریعہ تم میں سے بہت ہی کم ہوں گے جنہیں خدا تعالیٰ نے کبھی کوئی سچا خواب نہ دکھایا ہو اور پھر وہ پورا نہ ہوا ہو۔ تم تو زمین پر اللہ تعالیٰ کا چلتا پھرتا نشان ہو۔ دنیا کو تم انسان نظر آتے ہو مگر خدا تعالیٰ کی نظر میں تم خدا کا ہاتھ ہو جو دنیا کی طرف بڑھایا گیا۔ تم خدا تعالیٰ کا دنیا کی طرف ایک چیلنج ہو جس طرح پُرانے بادشاہ بکرے چھوڑ دیتے تھے اور وہ علامت ہوتے تھے اِس بات کی کہ جو اُن پر ہاتھ اُٹھائے گا وہ گویا بادشاہ کو چیلنج دے گا اور پھر اس بکرے کیلئے ہزاروں لاکھوں انسان تہِ تیغ ہو جاتے تھے۔ اسی طرح تم خدا کے برّے ہو۔

خدا تعالیٰ نے دنیا میں تم کو چھوڑا اور کہا ہے کہ یہ میری نشانیاں ہیں۔ جو اِن پر ہاتھ اُٹھائے گا وہ مجھ پر ہاتھ اُٹھانے والا سمجھا جائے گا۔ پس تم کو خدا تعالیٰ نے اپنی طاقت کی آزمائش کیلئے بھیجا ہے نہ کہ تمہاری طاقت کے اظہار کیلئے۔ ذرا سوچو کہ بکرے کی کیا طاقت ہوتی ہے۔ اگر وہ خود سینگ مارنے لگے تو لوگ اُس پر ہنسی کریں گے۔ لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ اُس بکرے کے پیچھے بادشاہ کی طاقت ہے اور جس طرح بادشاہ کا بکرا اپنے سینگ مار کر اپنی ہلاکت خریدتا ہے اسی طرح تمہارا حال ہے۔ کیا تم کو خدا تعالیٰ پر یقین نہیں کہ تم اپنی تدبیروں سے کامیابی کی کوشش کرو۔ جو لوگ کامیابی اپنی تدبیروں سے سمجھتے ہیں وہ سوچیں تو سہی کہ ہماری طاقت کیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے ہمارے ذریعہ اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ پس تم اُسی کی طاقت پر بھروسہ رکھو اور اپنی تدبیروں کو دماغ سے نکال دو۔ مومن وہ ہے جو ہر ابتلاء سے بچتا ہے اور جسے دنیا کی کوئی طاقت اپنی طرف نہیں پھیر سکتی۔

موجودہ فتنہ جو ہے اس گند کے دو ہی نتیجے ہو سکتے ہیں۔ جن لوگوں کے دلوں میں ایمان اور تقویٰ ہے اُن پر تو اس کا کچھ اثر ہو نہیں سکتا اور ایسے لوگوں کو کیا صدمہ ہو سکتا ہے اور جن پر اثر ہوتا ہے وہ ازلی راندے ہوئے لوگ ہیں جن کو خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ سلسلہ سے الگ کر دے اور ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کو کون بچا سکتا ہے۔ انہیں تو نہ میں بچا سکتا ہوں اور نہ تم نہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بچا سکتے تھے اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ جس کے دل پر موت وارد کرنے کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کر لے اسے کون بچا سکتا ہے۔ ہدایت دینا اور پھر ابتلاؤں سے بچانا اللہ تعالیٰ کا ہی کام ہے۔ ہمارا کام یہ ہے کہ اپنے ایمانوں کو مضبوط بنا لیں اور ایسے مقام پر کھڑے ہوں کہ اس کے فضل سے ہمارے ایمان پر کوئی چھاپہ نہ مار سکے۔ جب کوئی شخص اپنے ایمان کو حملہ سے بچا لیتا ہے تو پھر فرشتے خود بخود اُس کی حفاظت کرتے ہیں۔

میں نے کئی دفعہ بتایا ہے کہ میں پندرہ سولہ سال کا تھا جب اللہ تعالیٰ نے مجھے الہام کیا کہ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ یعنی میں تیرے متبعین کو تیرے منکروں پر قیامت تک غالب رکھوں گا۔ یہ الہام اُس وقت کا ہے جب مجھے نہ خلافت کا

پتہ تھا اور نہ اس کا کوئی وہم وگمان ہوسکتا تھا۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کا الہام ہے جسے حضور نے خود اپنے ہاتھ سے اپنی کاپی میں درج فرمایا۔ پندرہ سولہ سال کے بچہ کو ان باتوں کا علم ہی کیا ہوسکتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے وقت میری عمر اُنیس سال کی تھی اور یہ دو تین سال پہلے کا الہام ہے جبکہ میری عمر زیادہ سے زیادہ سترہ سال کی ہوگی۔ اُس وقت کون کہہ سکتا تھا کہ کبھی میرے متبع ہوں گے اور پھر میرے منکر بھی ہوں گے۔ پھر اگر متبع ہوں تو منکروں کا ہونا تو ضروری نہیں ہوتا۔ حضرت خلیفہ اوّل کی بیعت سب نے کر لی تھی صرف دو تین آدمی رہ گئے تھے مگر وہ بھی کبھی ظاہر نہیں ہوئے۔ حضور کی وفات کے بعد انہوں نے کہا کہ ہم نے بیعت نہیں کی تھی مگر لوگ یہی سمجھتے تھے کہ یہ بیعت میں شامل ہیں اور ایسا ہی پھر بھی ہوسکتا تھا یعنی اگر میرے متبع ہوتے تو منکر نہ ہوتے۔ پھر میری خلافت کے خلاف تو حضرت خلیفہ اوّل کی زندگی میں ہی ایجی ٹیشن شروع ہوگئی تھی۔ اُس وقت جو لوگ صاحبِ کار اور صاحبِ تدبیر تھے وہ ہمیشہ میرے خلاف جماعت کو اُکساتے رہتے تھے اور پھر دوسری طرف حضرت خلیفہ اوّل کو مجھ سے بدظن کرنے کی کوششیں کرتے رہتے تھے۔ وہ جماعت کو تو کہتے تھے کہ یہ غلو کرتا ہے، کفر و اسلام کا مسئلہ چھیڑ کر جماعت کو تباہ کرنا چاہتا ہے اور حضرت خلیفۂ اوّل کو عجیب تدبیروں سے مجھ سے ناراض کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ یہ دو ہی ذریعے میری خلافت کے ممکن تھے یعنی یا تو جماعت منتخب کرتی اور یا پھر حضرت خلیفہ اول نامزد کرتے۔ اور یہ لوگ دونوں رستے بند کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ حضرت خلیفہ اوّل جب پہلی بار بیمار ہوئے تو آپ نے اپنی وصیت میں تحریر فرما دیا تھا کہ میرے بعد محمود خلیفہ ہو مگر بعد میں مخالفتوں کو دیکھ کر آپ نے وہ وصیت پھاڑ دی۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے یہ خیال کیا کہ اگر میں نے یہ لکھ دیا تو مخالفت کرنیوالے اسے میرا بنایا ہوا خلیفہ کہیں گے اور خلافت کا امر مشتبہ ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ جسے چاہے بنا دے۔

حضرت خلیفہ اوّل کو مجھ سے جس رنگ میں بدظن کرنے کی کوشش کی جاتی تھی میں اس کی ایک مثال سناتا ہوں۔ حضرت خلیفہ اوّل اُس کمرہ میں رہا کرتے تھے جہاں اب

شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ آکر ٹھہرتے ہیں یعنی مسجد مبارک کے ساتھ جو کمرہ ہے۔ ایک روز قریشی امیر احمد صاحب مجھے گھر پر بلانے آئے اور کہا کہ حضرت خلیفۃ المسیح بلاتے ہیں۔ میں گیا تو اُس وقت وہاں شیخ رحمت اللہ صاحب، مرزا یعقوب بیگ صاحب، ڈاکٹر محمد حسین شاہ صاحب، مولوی محمد علی صاحب اور غالباً مولوی صدرالدین صاحب بیٹھے تھے۔ جب میں دروازہ میں پہنچا تو دیکھا ان کے چہروں کے رنگ اُڑے ہوئے ہیں۔ میں گھبرایا کہ خدا خیر کرے۔ میں نے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کہا اور مجھے یاد نہیں حضرت خلیفہ اول نے جواب دیا یا نہیں اور فرمایا میاں! تم بھی اب ہمارے خلاف منصوبوں میں شامل ہوتے ہو؟ میں نے کہا کہ نہیں میں تو کسی ایسے منصوبہ میں شامل نہیں ہوا؟ آپ نے فرمایا یہ لوگ بیٹھے ہیں میں نے ایک مکان کے متعلق کہا تھا کہ وہ فلاں شخص کو دے دیا جائے اور ان لوگوں نے میرے خلاف فیصلہ کیا ہے اور میرے پوچھنے پر کہتے ہیں کہ میاں صاحب نے بھی یہی فیصلہ کیا ہے۔ میں نے کہا یہ بالکل خلافِ واقعہ امر ہے۔ اِن لوگوں نے یہ معاملہ پیش کیا تھا اور کہا تھا کہ یہ شخص کم قیمت دیتا ہے۔ میں نے کہا حضرت خلیفہ اوّل کا منشاء ہے کہ اِسی کو دیا جائے۔ اِس پر ڈاکٹر محمد حسین صاحب نے کہا کہ ہم لوگوں کو تقویٰ سے کام لینا چاہئے۔ ہم لوگ ٹرسٹی ہیں اور جماعت کے اموال کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں اعتمادی بنایا ہے دین کیلئے ہمیں جہاں سے زیادہ رقم ملے لے لینی چاہئے۔ میں نے کہا کہ حضرت خلیفۃ المسیح سے زیادہ تقویٰ کا خیال کون رکھ سکتا ہے۔ اگر ان کے نزدیک کم قیمت پر اس شخص کو دے دینا ضروری ہے تو میرے نزدیک یہی تقویٰ ہے۔ مگر یہ کہنے لگے کہ حضرت خلیفۃ المسیح نے اجازت دے دی ہے۔ میں نے کہا کہ ان کی تحریر دکھائیں۔ اِس پر انہوں نے آپ کی ایک تحریر دکھائی جس میں لکھا تھا کہ میں نے وہ مشورہ دیا تھا جو میرے نزدیک صحیح تھا لیکن اب میں وہ مشورہ واپس لیتا ہوں جس طرح چاہو کرو۔ یہ دیکھ کر میں نے کہا یہ اجازت تو نہیں ناراضگی کی تحریر ہے اس لئے اگر آپ لوگوں کا پہلے ارادہ بھی کسی اور کو دینے کا تھا تو اب رُک جانا چاہئے۔ لیکن اس کے جواب میں انہوں نے پھر کہا کہ تقویٰ سے کام لینا چاہئے اور میں یہ کہہ کر کہ میرے نزدیک تقویٰ وہی ہے جو حضرت خلیفۃ المسیح پسند کرتے ہیں خاموش ہو گیا۔ حضرت خلیفہ اوّل نے ان سے

پوچھا کہ یہ بات ٹھیک ہے؟ انہوں نے کہا ہاں ٹھیک تو ہے مگر انہوں نے منع بھی نہیں کیا۔ اس پر حضرت خلیفہ اوّل جوش میں آ گئے اور فرمایا کہ تم لوگ مجھے اس پر ناراض کرنے کی کوشش کرتے ہو!۔ یہ بڑی عمر کا تھا یا تم! اس نے کہہ دیا کہ اطاعت کرو اور کیا کرتا تم لوگوں کے ہاتھ پکڑ لیتا!! غرض حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کو مجھ سے بدظن کرنے کی جو تدابیر بھی ممکن تھیں یہ لوگ انہیں اختیار کرتے رہتے تھے مگر خدا کی مشیت نے پورا ہو کر رہنا تھا۔ انسانوں نے سارا زور لگایا اور خلافت کے جتنے دروازے ان کے نزدیک تھے وہ مجھ پر بند کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ حالانکہ میرے تو ذہن میں بھی کبھی خلافت کا خیال نہ آیا تھا بلکہ اگر کوئی کبھی مجھ سے اس کے متعلق کوئی ذکر بھی کرتا تو میں اسے روک دیتا اور کہتا کہ یہ جائز نہیں۔

ابھی حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی نے ایک حلفی بیان شائع کرایا ہے جس میں لکھا ہے کہ ''حضرت خلیفہ اوّل بیمار تھے اور مجھے گوجرانوالہ ایک مباحثہ پر جانے کا حکم ہوا۔ مولوی محمد علی صاحب مجھے ملے تو کہنے لگے حافظ صاحب! آپ سفر پر جاتے ہیں اور مولوی صاحب بیمار ہیں۔ خلیفہ بنانے میں جلدی نہ کرنا۔ میں نے یہ بات حضرت مرزا محمود احمد صاحب کے سامنے پیش کی کہ آپ کا کیا خیال ہے؟ تو آپ نے فرمایا حافظ صاحب! اگر مولوی محمد علی صاحب کو اللہ تعالیٰ خلیفہ بنا دے تو میں اپنے تمام متعلقین کے ساتھ ان کی بیعت کرلوں گا''۔

تو میں آگے آنا نہیں چاہتا تھا، میں پیچھے ہٹتا تھا مگر خدا کے ہاتھ نے مجھے پکڑا اور کہا کہ جب ہم کام لینا چاہتے ہیں تو تُو پیچھے رہنے والا کون ہے اور خدا تعالیٰ نے مجھے کھڑا کر دیا۔ اب کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم خوش نہیں ہیں مگر میں کہتا ہوں تمہاری خوشی کا سوال ہی کیا ہے۔ اگر تم خوش نہیں ہو تو جاؤ اُس سے لڑو جس نے مجھے خلیفہ بنایا ہے۔ اگر تم میں کچھ طاقت اور زور ہے تو اُس کے پاس جاؤ اور اس سے اُس تائید اور نصرت کو بند کرا دو جو مجھے مل رہی ہے۔ مگر میں ہر ایسے شخص کو بتا دیتا ہوں کہ اسے سوائے ناکامی و نامرادی کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ یہ سلسلہ خدا کا سلسلہ ہے اور خدا کے سلسلوں پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ آج بے شک تم اتنے لوگ میرے ساتھ ہو مگر اُس وقت کون تھا جب خدا تعالیٰ نے مجھے خلیفہ بنایا۔ بے شک

قادیان کے اکثر لوگوں نے بیعت کر لی تھی لیکن باہر کی بہت سی جماعتیں متردّد تھیں۔ بڑے بڑے کارکن سب مخالف تھے، خزانہ خالی تھا اور مخالفت کا دریا تھا جو اُمڈا ہوا چلا آرہا تھا۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اُس وقت میں اس کی نصرت سے کامیاب ہوا۔ اُس وقت خدا ہی تھا جو میری تائید کیلئے آیا اور اسی نے دوسرے دن مجھ سے وہ ٹریکٹ نکلوایا کہ ''کون ہے جو خدا کے کام کو روک سکے'' اور جہاں جہاں یہ ٹریکٹ پہنچا جس طرح حنین کی لڑائی کے موقع پر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ آواز بلند کرائی گئی کہ اے انصار! خدا کا رسول تم کو بلاتا ہے اور صحابہ بیتاب ہوکر اُس آواز کی طرف بھاگے بلکہ جن کے گھوڑے نہیں مڑتے تھے انہوں نے اُن کی گردنیں کاٹ دیں اور پیدل دَوڑے۔[۸] اسی طرح جب میری آواز باہر پہنچی متردّد جماعتوں کے دل صاف ہوگئے اور تاروں اور خطوں کے ذریعہ بیعت کرنے لگیں۔ وہی خدا جو اُس وقت فوجوں کے ساتھ تائید کرنے آیا آج میری مدد پر ہے اور اگر آج تم خلافت کی اطاعت کے نکتہ کو سمجھ لو تو تمہاری مدد کو بھی آئے گا۔ نصرت ہمیشہ اطاعت سے ملتی ہے۔ جب تک خلافت قائم رہے نظامی اطاعت پر اور جب خلافت مٹ جائے انفرادی اطاعت پر ایمان کی بنیاد ہوتی ہے۔

پس میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ خواہ تم کتنے عقلمند اور مدبر ہو، اپنی تدابیر اور عقلوں پر چل کر دین کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ جب تک تمہاری عقلیں اور تدبیریں خلافت کے ماتحت نہ ہوں اور تم امام کے پیچھے پیچھے نہ چلو ہرگز اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت تم حاصل نہیں کر سکتے۔ پس اگر تم خدا تعالیٰ کی نصرت چاہتے ہو تو یاد رکھو کہ اس کا کوئی ذریعہ نہیں سوائے اس کے کہ تمہارا اٹھنا بیٹھنا، کھڑا ہونا اور چلنا، تمہارا بولنا اور خاموش ہونا میرے ماتحت ہو۔ بیشک میں نبی نہیں ہوں لیکن میں نبوت کے قدموں پر اور اس جگہ پر کھڑا ہوں۔ ہر وہ شخص جو میری اطاعت سے باہر ہوتا ہے وہ یقیناً نبی کی اطاعت سے باہر جاتا ہے۔ جو میرا جوأ اپنی گردن سے اُتارتا ہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جوأ اُتارتا ہے۔ اور جو اِن کا جوأ اُتارتا ہے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جوأ اُتارتا ہے۔ اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جوأ اُتارتا ہے وہ خدا تعالیٰ کا جوأ اُتارتا ہے۔ میں بے شک انسان ہوں خدا نہیں

ہوں مگر میں یہ کہنے سے نہیں رہ سکتا کہ میری اطاعت اور فرمانبرداری میں خدا تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے۔ مجھے جو بات کہنے کا خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے میں اسے چھپا نہیں سکتا۔ مجھے اپنی بڑائی بیان کرنے میں شرم محسوس ہوتی ہے اور میں اِس وقت تک اِس شرم کی وجہ سے رُکا رہا ہوں لیکن آخر خدا تعالیٰ کے حکم کو بیان کرنا ہی پڑتا ہے۔ میں انسانوں سے کام لینے کا عادی نہیں ہوں۔ تم بائیس سال سے مجھے دیکھ رہے ہو اور تم میں سے ہر ایک اِس امر کی گواہی دے گا کہ ذاتی طور پر کسی سے کام لینے کا مَیں عادی نہیں ہوں۔ حالانکہ اگر میں ذاتی طور پر بھی کام لیتا تو میرا حق تھا مگر میں ہمیشہ اس کوشش میں رہتا ہوں کہ خود دوسروں کو فائدہ پہنچاؤں مگر خود کسی کا ممنونِ احسان نہ ہوں۔ خلفاء کا تعلق ماں باپ سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ تم میں سے کوئی ایسا نہیں جس سے اس کے ماں باپ نے خدمات نہ لی ہوں گی۔ مگر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کسی سے ذاتی فائدہ اٹھانے یا خدمات لینے کی میں نے کوشش کی ہو۔ میرے پاس بعض لوگ آتے ہیں کہ ہم تحفہ پیش کرنا چاہتے ہیں، آپ اپنی پسند کی چیز بتا دیں مگر میں خاموش ہو جاتا ہوں۔ آج تک ہزاروں نے مجھ سے یہ سوال کیا ہوگا مگر ایک بھی نہیں کہہ سکتا کہ میں نے اس کا جواب دیا ہو۔ میرا تعلق خدا تعالیٰ سے ایسا ہے کہ وہ خود میری دستگیری کرتا ہے اور میرے تمام کام خود کرتا ہے۔

بندے کا کام خدا تعالیٰ کا امتحان لینا نہیں مگر میں نے کئی دفعہ ابراہیم کی طرح جوشِ محبت میں خدا تعالیٰ سے اُس کی قدرتوں کے دیکھنے کی خواہش کی ہے اور اس نے میری خواہش پوری کی ہے۔ ایک دفعہ میں ایک سفر پر تھا اور ایسے علاقہ سے گزر رہا تھا جہاں کوئی احمدی نہ تھا۔ غالبًا نشانات کا ذکر تھا میں نے اُس وقت اللہ تعالیٰ سے کہا کہ مجھے اپنے نشان کے طور پر ایک روپیہ دلوا دیں۔ اب یہ بات تو بالکل عقل کے خلاف تھی کہ میرے ساتھیوں میں سے کوئی مجھے ایک روپیہ دے دیتا۔ اور اُس وقت یہ ذکر ہو رہا تھا کہ اس علاقہ میں کوئی احمدی نہیں اور لوگ شدید مخالف ہیں۔ مگر اِدھر میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا اور اُدھر سامنے ایک گاؤں کے لوگ کھڑے نظر آئے اور ہمارے کسی ساتھی نے کہا کہ اس گاؤں میں سے نہیں گزرنا چاہئے یہ لوگ سخت مخالف ہیں اور نمبردار کئی دفعہ کہہ چکا ہے کہ یہاں اگر کوئی

احمدی آیا تو اُسے جُوتے مرواؤں گا اس لئے اس گاؤں سے ہٹ کر چلنا چاہئے۔ مگر ہم اِس قدر قریب پہنچ چکے تھے کہ اور کوئی رستہ ہی نہ تھا، اس لئے چلتے گئے۔ ہمیں دیکھ کر وہ نمبردار آگے بڑھا۔ میرے ساتھی میرے اِرد گرد ہو گئے کہ ایسا نہ ہو حملہ کر دے۔ مگر اُس نے بڑھ کر سلام کیا اور ایک روپیہ اپنی ہتھیلی پر رکھ کر بطور نذرانہ پیش کیا۔ میں مسکرا پڑا اور وہ دوست گاؤں سے باہر نکل کر اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تحمید کرنے لگے۔ ایک نے کہا اس کا روپیہ لینا نہیں چاہئے تھا۔ میں نے کہا اِسی کا تو لینا چاہئے تھا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ وہ روپیہ خدا تعالیٰ کا اپنے بندہ کے ناز کو پورا کرنے کی علامت تھا۔ تو اللہ تعالیٰ کا معاملہ مجھ سے ایسا ہے کہ اسے کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ بیسیوں مرتبہ میں نے اپنی آمد اور اخراجات کا حساب کیا ہے تو اخراجات آمد سے ہمیشہ دوگنا ہوئے ہیں اور پھر پتہ نہیں وہ کس طرح پورے ہوتے ہیں۔ پھر حساب کے معاملہ میں مَیں اس قدر محتاط ہوں کہ میں چیلنج کرتا رہتا ہوں کہ جو چاہے میرے حساب کو دیکھ لے۔

پچھلے دنوں ایک شخص کے اعتراضات کے جواب میں مَیں نے جو خطبہ پڑھا تو ایک غیر مبائع کا خط آیا کہ میں نے آپ کا خطبہ پڑھا ہے میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ کے حسابات ہمارے حسابات سے زیادہ صاف ہیں۔ ہم پر اعتراض ہو سکتے ہیں مگر آپ پر نہیں۔ مگر آخر میں یہ بھی لکھ دیا کہ تین سال سے جو فلاں شخص پیدا ہوا ہے شاید اس سے ڈر کر یہ حساب رکھے گئے ہیں۔ میں نے اسے لکھا کہ تین سال سے نہیں بلکہ ۲۲ سال سے ہی ایسے ہیں جب سے میں خلیفہ ہوا ہوں تو اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت کو اپنے ساتھ دیکھ کر میں کسی انسان پر کوئی امید نہیں رکھ سکتا۔

کئی لوگ کہتے ہیں کہ موٹر رکھا ہوا ہے۔ نادان نہیں جانتے کہ موٹر تو جلدی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کا ذریعہ ہے۔ موٹر کی قیمت عرب کے گھوڑے کے برابر ہی ہوتی ہے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کئی کئی گھوڑے رکھتے تھے۔ پھر گاڑی بھی تو سواری کا ذریعہ ہے۔ اگر موٹر سادگی کے خلاف ہے تو پھر گاڑی میں بھی سفر نہیں کرنا چاہئے۔ کامل سادگی اسی میں ہے کہ پیدل چلا جائے۔ میرا موٹر تو بہت سارا دینی کاموں کے کام آتا ہے۔ سلسلہ کے جو مہمان یہاں آتے ہیں ان کے سواری کے کام یہی آتا ہے۔ پھر سلسلہ کے کاموں کیلئے

لاہور وغیرہ جانا پڑے تو اِسی پر چلے جاتے ہیں۔ اگر سلسلہ موٹر خریدتا اور میں اسے استعمال کرتا تب بھی کوئی اعتراض کی بات نہ تھی۔ اگر وائسرائے گاڑی میں سفر کرے یا ہوائی جہاز پر کرے تو کیا حکومت اس کا انتظام کرتی ہے یا نہیں؟ اس کیلئے سواری کا انتظام حکومت کے ہی ذمہ ہوتا ہے کیونکہ اگر وہ پھرے گا نہیں تو کام کیسے کرے گا۔ اس لئے اگر سلسلہ کی طرف سے خرید کردہ موٹر کو مَیں استعمال کرتا تو بھی کوئی اعتراض کی بات نہ تھی۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ یہ میرے روپے سے خریدا گیا اور سلسلہ کے کام آتا ہے یہ ایک قابلِ تعریف بات تھی لیکن نادان اس پر بھی اعتراض کرتے ہیں۔

میں نے کئی دفعہ سنایا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سنایا کرتے تھے کہ سید عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ ایک ایک ہزار دینار کا لباس پہنا کرتے تھے۔ کسی نے اس پر اعتراض کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ نادان نہیں جانتا کہ میں اُس وقت تک کوئی کپڑا پہنتا ہی نہیں ہوں جب تک خدا تعالیٰ مجھے نہیں کہتا کہ اے عبدالقادر! تجھے میری ہی قسم کہ یہ کپڑا پہن۔ اور میں نہیں کھاتا جب تک خدا تعالیٰ مجھے نہیں کہتا کہ عبدالقادر! تجھے میری ہی قسم کھا۔ اور تم کو یاد ہوگا کہ ۱۹۳۳ء کی عیدالفطر کے خطبہ کے موقع پر میں نے اپنا ایک رؤیا سنایا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک بڑا ہجوم ہے میں اس میں بیٹھا ہوں اور ایک دو غیر احمدی بھی میرے پاس بیٹھے ہیں۔ کچھ لوگ مجھے دبا رہے ہیں۔ ان میں سے ایک شخص جو سامنے کی طرف بیٹھا تھا اُس نے آہستہ آہستہ میرا اِزار بند پکڑ کر گرہ کھولنی چاہی۔ میں نے سمجھا اِس کا ہاتھ اتفاقاً لگا ہے اور میں نے اِزار بند پکڑ کر اُس کی جگہ پر اٹکا دیا۔ پھر دوبارہ اُس نے ایسی ہی حرکت کی اور میں نے پھر یہی سمجھا کہ اتفاقیہ اُس سے ایسا ہوا ہے۔ تیسری دفعہ پھر اُس نے ایسا ہی کیا تب مجھے اُس کی بدنیتی کے متعلق شبہ ہوا اور میں نے اسے روکا نہیں جب تک کہ میں نے دیکھ نہ لیا کہ وہ بِالارادہ ایسا کر رہا ہے تا جب میں کھڑا ہوں تو ننگا ہو جاؤں اور لوگوں میں میری سُبکی ہو۔ تب میں نے اُسے ڈانٹا اور کہا تو جانتا نہیں مجھے اللہ تعالیٰ نے عبدالقادر بنایا ہے (یہ خواب جیسا کہ ظاہر ہے موجودہ فتنہ پر بوضاحت دلالت کرتا ہے)۔

پس میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ بالکل سید عبدالقادر جیلانی والا ہے۔ وہ میرے لئے اپنی

قدرتیں دکھاتا ہے مگر نادان نہیں سمجھتا۔ یہ زمانہ چونکہ بہت شُبہات کا ہے اِس لئے میں تو اِس قدر احتیاط کرتا ہوں کہ دوسروں سے زیادہ ہی قربانی کروں۔ پس یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت کو دیکھتے ہوئے میں انسانوں پر انحصار نہیں کر سکتا اور تم بھی یہ نصرت اس طرح حاصل کر سکتے ہو کہ اطاعت کا اعلیٰ نمونہ دکھاؤ۔ اور ایسا کرنے میں صرف خلیفہ کی اطاعت کا ثواب نہیں بلکہ موعود خلیفہ کی اطاعت کا ثواب تمہیں ملے گا۔ اور اگر تم کامل طور پر اطاعت کرو تو مشکلات کے بادل اُڑ جائیں گے، تمہارے دشمن زیر ہو جائیں گے اور فرشتے آسمان سے تمہارے لئے ترقی والی نئی زمین اور تمہاری عظمت و سطوت والا نیا آسمان پیدا کریں گے۔ لیکن شرط یہی ہے کہ کامل فرمانبرداری کرو۔ جب تم سے مشورہ مانگا جائے مشورہ دو ورنہ چپ رہو، ادب کا مقام یہی ہے۔ لیکن اگر تم مشورہ دینے کے لئے بیتاب ہو بغیر پوچھے بھی دے دو مگر عمل وہی کرو جس کی تمہیں ہدایت دی جائے۔ ہاں صحیح اطلاعات دینا ہر مومن کا فرض ہے اور اس کیلئے پوچھنے کا انتظار نہیں کرنا چاہئے۔ باقی رہا عمل اِس کے بارہ میں تمہارا فرض صرف یہی ہے کہ خلیفہ کے ہاتھ اور اُس کے ہتھیار بن جاؤ تب ہی برکت حاصل کر سکو گے اور تب ہی کامیابی نصیب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ تم کو اِس کی توفیق بخشے۔'' (خطباتِ محمود جلد ۱۸ صفحہ ۳۶۶ تا ۳۸۰)

۱؎ بخاری کتاب الجہاد باب يقاتل مِن وَّراء الامام صفحہ ۴۸۹ حدیث نمبر ۲۹۵۷ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانية

۲؎ النور: ۵۶

۳؎ بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجهاد صفحہ ۴۴۷ حدیث نمبر ۲۷۳۱، ۲۷۳۲ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانية

۴؎ السيرة النبوية لابن هشام الجزء الثانی صفحہ ۱۱۱۲، ۱۱۱۳ زیر عنوان ''مجیء ابی بصیر الی المدينة'' مطبوعہ دمشق ۲۰۰۵ء

۵، ۶؎ بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجهاد صفحہ ۴۴۷ تا ۴۵۰ حدیث نمبر ۲۷۳۱، ۲۷۳۲ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانية

۷؎ یوحنا باب ۱۸ آیت ۱۰، ۱۱ نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی مرزا پور ۱۸۷۰ء

۸؎ السيرة النبوية لابن هشام الجزء الثانی صفحہ ۱۲۴۰ زیر عنوان ''رجوع الناس بنداء العباس'' مطبوعہ دمشق ۲۰۰۵ء

دنیا انبیاء اور خلفاء کے ذریعہ ہی خدا تعالیٰ کے نور کا مشاہدہ کرتی ہے

(فرمودہ ۱۷ ستمبر ۱۹۳۷ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

گزشتہ اتوار کی رات میں نے ایک عجیب رؤیا دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک بڑا جلسہ گاہ ہے مگر اس رنگ کا نہیں جیسا کہ ہمارا جلسہ گاہ ہوا کرتا ہے بلکہ جیسا کہ تاریخوں میں ہم پڑھتے ہیں کہ روم میں بڑے بڑے قومی اجتماعوں کیلئے ایمفی تھیٹر (AMPHI THEATRE) بنائے جایا کرتے تھے اسی رنگ کا وہ جلسہ گاہ ہے۔ یعنی جو خطیب ہے اُس کے سامنے مربع یا مستطیل شکل میں جلسہ گاہ نہیں بلکہ ہلالی شکل میں ہے۔ جس طرح گھوڑے کا نعل بیچ میں سے خالی ہوتا اور قریباً نصف دائرہ یا اس سے کچھ زیادہ بنتا ہے اسی طرح ایک وسیع میدان میں جو نصف میل یا میل کے قریب ہے اس طرح بینچ لگے ہوئے ہیں۔ جس طرح پہلے دن کا چاند ہوتا ہے ایک گول دائرہ ہے جو دور فاصلہ سے شروع ہو کر دونوں کناروں سے آگے بڑھنا شروع ہوتا ہے۔ اور جس طرح چاند کی ایک طرف خالی نظر آتی ہے اسی طرح ایک طرف اس دائرہ کی خالی ہے اور وہاں لیکچرار یا خطیب کی جگہ ہے۔ اس وسیع میدان میں کہ لوگوں کی شکلیں بھی اچھی طرح پہچانی نہیں جاسکتیں بہت سے لوگ لیکچر سننے کیلئے بیٹھے ہیں اور جو درمیانی جگہ خطیب کی ہے جہاں چاند کے دونوں کونے ایک دوسرے کے قریب ہو جاتے ہیں وہاں میں کھڑا ہوں اور اس وسیع مجمع کے سامنے ایک تقریر کر رہا ہوں۔ وہ تقریر

الوہیت، نبوت اور خلافت کے متعلق اور ان کے باہمی تعلقات کی نسبت ہے۔ گو یوں بھی میری آواز خدا تعالیٰ کے فضل سے جب صحت ہو تو بہت بلند ہوتی ہے اور دور دور سنائی دیتی ہے لیکن وہ دائرہ اتنا وسیع ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ مجھ سے دُگنی آواز والا شخص بھی اپنی آواز اُن لوگوں تک نہیں پہنچا سکتا۔ مگر رؤیا میں میری آواز اتنی بلند ہو جاتی ہے کہ میں محسوس کرتا ہوں کہ اس وسیع دائرہ کے تمام سروں تک میری آواز پہنچ رہی ہے۔ اسی ضمن میں مَیں مختلف آیاتِ قرآنیہ سے اپنے مضمون کو واضح کرتا ہوں اور بعض دفعہ تقریر کرتے کرتے میری آواز اتنی بلند ہو جاتی ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ دنیا کے سِروں تک پہنچ رہی ہے۔ جب میں اپنی تقریر کے آخری حصہ تک پہنچتا ہوں تو اُس وقت میری حالت اِس قسم کی ہو جاتی ہے جس طرح کوئی شخص جذب کی حالت میں آجاتا ہے۔ میں نے اُس وقت الوہیت، نبوت اور خلافت کے متعلق ایک مثال بیان کر کے اپنے لیکچر کو ختم کیا اور اُس وقت میری آواز میں ایسا جلال پیدا ہو گیا کہ اسی کے اثر سے میری آنکھ کھل گئی۔ مجھے صرف وہ مثال ہی یاد رہ گئی ہے باقی مضمون بھول گیا ہے۔ وہ مثال میں نے رؤیا میں یہ دی تھی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء اور اس کے خلفاء کے تعلق کی مثال چوکھٹے میں لگے ہوئے آئینہ کی ہوتی ہے۔ آئینہ کا کام تو درحقیقت درمیانی شیشہ دیتا ہے مگر اس شیشہ کے ساتھ کچھ اور چیزیں بھی لگی ہوئی ہوتی ہیں جیسے آئینہ کے پیچھے قلعی ہوتی ہے اور اس کے اِردگرد چوکھٹا ہوتا ہے۔ لیکن دراصل جو چیز ہماری شکل ہمیں دکھاتی ہے اور جو چیز ہمارے عیب اور صواب کے متعلق ہماری راہ نمائی کرتی ہے وہ آئینہ ہی ہے۔ نہ وہ قلعی جو اس کے پیچھے لگی ہوئی ہوتی ہے وہ اپنی ذات میں شکل دکھا سکتی ہے اور نہ وہ چوکھٹا جو اس کے اِردگرد لگا ہوتا ہے وہ ہمارے عیب اور صواب کے متعلق ہمیں کوئی ہدایت دے سکتا ہے۔ لیکن آئینہ بھی عیب اور صواب ہمیں تبھی بتاتا ہے جب اُس کے پیچھے قلعی کھڑی ہو۔ اور وہ محفوظ بھی اُسی وقت تک رہتا ہے جب تک وہ چوکھٹے میں لگا رہتا ہے۔ چنانچہ چوکھٹوں میں لگے ہوئے آئینے لوگ اپنے میزوں پر رکھ لیتے ہیں اور اس طرح وہ ٹوٹنے سے محفوظ رہتے ہیں۔ مگر جب ہم اس کے چوکھٹے کو اُتار دیں اور اُس کی قلعی کو کھرچ دیں تو آئینہ بلحاظ روشنی کے تو آئینہ ہی رہتا ہے مگر پھر وہ ہماری شکل ہمیں نہیں دکھاتا۔

اور اگر دکھاتا ہے تو نہایت دُھندلی سی۔ جیسے مثلاً (یہ مثال میں نے رؤیا میں نہیں دی۔صرف سمجھانے کیلئے بیان کر رہا ہوں) دروازوں میں وہی شیشے لگے ہوئے ہوتے ہیں، کھڑکیوں میں بھی وہی شیشے لگے ہوئے ہوتے ہیں جو آئینوں میں ہوتے ہیں مگر ان میں سے شکل نظر نہیں آسکتی کیونکہ ان کے پیچھے قلعی نہیں لگی ہوتی۔اسی طرح جن شیشوں کے چوکھٹے اُتر جاتے ہیں رؤیا میں ہی مَیں کہتا ہوں کہ ان شیشوں کا محفوظ رکھنا مشکل ہوتا ہے اور وہ ٹوٹ جاتے ہیں۔ تو آئینہ اپنے اندرونی جوہر ظاہر کرنے کیلئے ایک ایسی چیز کے آگے کھڑا ہوتا ہے جو اپنی ذات میں تو چہرہ دکھانے والی نہیں مگر جب وہ آئینہ سے مل جاتی ہے تو آئینہ میں شکل نظر آنے لگ جاتی ہے اور وہ قلعی ہے۔اسی طرح اس کا چوکٹھا اسے محفوظ رکھتا ہے۔

تو میں رؤیا میں یہ مثال دے کر کہتا ہوں کہ دیکھو اللہ تعالیٰ کی مثال ایک آئینہ کی سی ہے اور انسان کی پیدائش کا اصل مقصد اسی کو حاصل کرنا ہے۔ وہی ہے جو ہمیں علم دیتا ہے، وہی ہے جو ہمیں عرفان دیتا ہے، وہی ہے جو ہمیں عیب سے آگاہی بخشتا ہے، وہی ہے جو ہمیں ثواب کی باتوں کا علم دیتا ہے لیکن وہ اپنی قدیم سنت کے مطابق اُس وقت تک دنیا کو عیب اور صواب سے آگاہی نہیں بخشتا جب تک اُس کے پیچھے قلعی نہیں کھڑی ہو جاتی جو نبوت کی قلعی ہے۔یعنی وہ ہمیشہ اپنے وجود کو نبیوں کے ہاتھ سے پیش کرواتا ہے۔ جب نبی اپنے ہاتھ میں لے کر خدا تعالیٰ کے وجود کو پیش کرتا ہے تبھی دنیا اُس کو دیکھ سکتی ہے ورنہ نبوت کے بغیر خدا تعالیٰ کی ہستی اتنی مخفی اور اتنی وراء الورا ہوتی ہے کہ انسان صحیح اور یقینی طور پر اس کا اندازہ ہی نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں بھی ہے، اللہ تعالیٰ زمینوں میں بھی ہے، اللہ تعالیٰ دریاؤں میں بھی ہے، اللہ تعالیٰ پہاڑوں میں بھی ہے، اللہ تعالیٰ سمندروں میں بھی ہے، اللہ تعالیٰ خشکیوں میں بھی ہے۔غرض ہر ایک ذرّہ ذرّہ سے اس کا جلال ظاہر ہو رہا ہے مگر باوجود اس کے کہ دنیا کے ذرّہ ذرّہ میں اس کا جلال پایا جاتا ہے بغیر انبیاء کے دنیا نے کب اس کو دیکھا۔ انبیاء ہی ہیں جو خدا تعالیٰ کا وجود دنیا پر ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن انبیاء خدا تعالیٰ کو بناتے تو نہیں، وہ تو ازل سے موجود ہے پھر وجہ کیا ہے کہ انبیاء کے آنے پر دنیا خدا تعالیٰ کو دیکھنے لگ جاتی ہے اور پہلے نہیں۔اس کی وجہ یہی ہے کہ جس طرح آئینہ کے پیچھے

قلعی کا وجود ضروری ہوتا ہے اسی طرح انبیاء کو خدا تعالیٰ نے اپنے ظہور کا ذریعہ بنایا ہوا ہے۔ پھر چوکٹھا جو ہوتا ہے وہ آئینہ کی حفاظت کا ذریعہ ہوتا ہے اور وہ بھی نبوت اور خلافت کا مقام ہے یعنی انبیاء اور ان کے خلفاء اللہ تعالیٰ کے وجود کو دنیا میں قائم رکھتے ہیں۔ خود اپنی ذات میں اللہ تعالیٰ حیی وقیوم ہے لیکن اُس نے اپنی سنت یہی رکھی ہے کہ وہ اپنے وجود کو بعض انسانوں کے ذریعہ قائم رکھے۔ ان وجودوں کو مٹا دو ساتھ ہی خدا تعالیٰ کا ذکر بھی دنیا سے مٹ جائے گا۔ تم ساری دنیا کی تاریخیں پڑھ جاؤ (اب یہ جو اگلا حصہ ہے یہ خواب کا نہیں بلکہ بطور تشریح میں خود بیان کر رہا ہوں) تمہیں کہیں یہ نظر نہیں آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کا وجود بغیر انبیاء کے دنیا میں قائم ہوا ہو۔ حالانکہ انبیاء بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے کلام سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود ہر وقت موجود ہے اور اُس کا نور ہر چیز سے ظاہر ہے۔ مگر باوجود اس کے کہ اُس کا نور دنیا کی ہر چیز سے ظاہر ہو رہا ہے پھر بھی انبیاء ہی ہیں جو اسے ایسی طرز پر ظاہر کرتے ہیں کہ لوگ اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کیا خدا نہیں تھا؟ خدا اُس وقت بھی اسی طرح آسمان سے ظاہر ہو رہا تھا، اسی طرح زمین سے ظاہر ہو رہا تھا، اسی طرح دریاؤں سے ظاہر ہو رہا تھا، اسی طرح فضا سے ظاہر ہو رہا تھا، اسی طرح پاتال سے ظاہر ہو رہا تھا جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ظاہر ہوا۔ پھر پہلے زمانہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فرق کیا تھا؟ فرق یہی تھا کہ اُس وقت اللہ تعالیٰ کے نور کے ظہور کیلئے کوئی ذریعہ موجود نہیں تھا۔ ایک آئینہ تھا مگر اس آئینہ کے ساتھ وہ قلعی نہیں تھی جو اسے روشن کر کے لوگوں کی نظروں کے قابل بنا دیتی۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شیشے کو اپنے ہاتھ میں پکڑا تو جس طرح آئینہ کے پیچھے جب قلعی کھڑی کر دی جاتی ہے تو آئینہ کو ایک خاص شکل مل جاتی ہے اور اس میں دوسروں کی بھی شکلیں نظر آنے لگ جاتی ہیں اسی طرح ساری دنیا کو خدا نظر آنے لگ گیا اور اس کے وجود کا اسے احساس ہو گیا ورنہ شیشہ جتنا زیادہ مصفّٰی ہو اُتنا ہی لوگوں کو کم نظر آیا کرتا ہے۔ کئی دفعہ جب اعلیٰ درجہ کے شیشے

دروازوں سے لگائے جاتے ہیں تو بعض دفعہ لوگ ان دروازوں سے ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ رستہ کھلا ہے حالانکہ وہ آئینہ ہوتا ہے اور رستہ بند ہوتا ہے۔ رات کے وقت جب کمرہ میں روشنی ہو تو اُس وقت انسان کیلئے یہ معلوم کرنا بہت مشکل ہوتا ہے کہ منافذ میں شیشہ موجود ہے یا نہیں۔ بعض دفعہ شیشہ لگا ہوا ہوتا ہے اور انسان اس کے بہت زیادہ مصفّٰی ہونے کی وجہ سے سمجھتا ہے کہ شیشہ کوئی نہیں۔ اور بعض دفعہ شیشہ نہیں ہوتا اور وہ خیال کرتا ہے کہ شیشہ ہے۔ پس شیشہ جتنا زیادہ مصفّٰی ہو اُتنا ہی لوگوں کو کم نظر آتا ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ خدا تعالیٰ کا وجود جو نہایت ہی مخفی اور وراء الورا ہے اسی طرح لوگوں کو نظر آنے لگ جاتا ہے جس طرح شیشہ کے پیچھے جب قلعی کھڑی کر دی جائے تو وہ شکلیں دکھانے کے قابل ہو جاتا ہے۔

یہ مضمون ہے جو رؤیا میں میں نے بیان کیا اور اسی مثال پر میری تقریر ختم ہوگئی۔ میں نے رؤیا میں اِس مضمون کے متعلق کئی آیات بھی بیان کیں مگر جاگنے پر وہ ذہن سے اُتر گئی تھیں۔ اس پر میں نے غور کرنا شروع کیا کہ وہ آیتیں کون سی تھیں جو میں رؤیا میں اس مضمون کو ثابت کرنے کیلئے پڑھ رہا تھا اور جن سے اس مضمون کا میں نے استدلال کیا۔ مگر باوجود اس کے کہ میں نے کافی غور کیا مجھے وہ آیتیں سمجھ میں نہ آئیں کیونکہ وہ بھول چکی تھیں۔ صرف اس تقریر کا آخری حصہ یاد رہا تھا جو یہ تھا کہ انبیاء اور خلفاء کی اللہ تعالیٰ سے وابستگی ایسی ہی ہے جیسے شیشے کے ساتھ چوکٹھا ہوتا ہے اور اس کے پیچھے قلعی لگی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے وجود کو دنیا میں قائم رکھتے ہیں۔ ان کے ذریعہ خدا ظاہر ہوتا ہے اور انہی کے ذریعہ اس کا وجود عالَم میں محفوظ رہتا ہے۔ غرض میں نے جن جن امور کو رؤیا میں بیان کیا تھا اُن پر میں نے پھر غور کیا مگر مجھے وہ باتیں یاد نہ آئیں۔ گو ابھی جبکہ میں یہ خطبہ پڑھ رہا ہوں مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک الہام یاد آ گیا جس میں اِسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے اور جس کی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی یہی تشریح کی ہے۔ گو الفاظ اس کے اور ہیں مگر مفہوم یہی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک الہام ہے جس میں اللہ تعالیٰ آپ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے **یَاقَمَرُ یَا شَمْسُ اَنْتَ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْکَ** [1] یعنی

اے سورج اور اے چاند! تُو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔ اب سورج اور چاند آپس میں ایک خاص نسبت رکھتے ہیں۔ سورج براہِ راست روشنی ڈالتا ہے لیکن چاند براہِ راست روشنی نہیں ڈالتا بلکہ سورج سے روشنی لے کر دنیا کی طرف پہنچاتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لکھتے ہیں یَاقَمَرُ یَا شَمْسُ اَنْتَ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْکَ میں ایک دفعہ خدا نے مجھے سورج قرار دیا ہے اور ایک دفعہ مجھے چاند قرار دیا ہے اور فرماتے ہیں کہ جب خدا تعالیٰ نے مجھے سورج قرار دیا تو اپنے آپ کو چاند قرار دیا ہے اور جب مجھے چاند قرار دیا ہے تو اپنے آپ کو سورج قرار دیا ہے۔ اب یہ جو بات ہے کہ خدا سورج ہے اور بندہ چاند، یہ بالکل واضح ہے اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ بندہ اسی طرح خدا کے نور سے لیتا اور اسے دنیا میں پھیلاتا ہے جس طرح چاند سورج سے نور لیتا اور اسے دنیا میں پھیلاتا ہے۔ مگر یہ جو خدا نے فرمایا کہ تُو سورج ہے اور خدا کی ذات بمنزلہ چاند ہے یہ بات بظاہر حقیقت سے دور معلوم ہوتی ہے۔ بھلا بندے کی کیا حقیقت ہے کہ وہ سورج کہلائے اور خدا اس کے مقابلہ میں چاند کہلائے۔ تو چونکہ یہ بات بظاہر قابلِ اعتراض نظر آتی تھی اِس لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود دنیا سے مخفی ہوتا ہے اور جب وہ ظاہر ہوتا ہے تو انبیاء کے ذریعہ ہی ظاہر ہوتا ہے۔ پس چونکہ خدا تعالیٰ کے نور کا ظہور انبیاء کے ذریعہ ہوتا ہے اس لئے دنیا والوں کی نگاہ میں نبی سورج اور خدا چاند ہوتا ہے۔ کیونکہ جب نبی آتا ہے تب ہی خدا کا چہرہ انہیں نظر آنے لگتا ہے۔ اس سے پہلے وہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ پس گو حقیقتاً خدا ہی سورج ہے اور بندہ چاند ہے مگر دنیا والے جن کی نگاہیں کمزور ہوتی ہیں اور جو نبی کے ذریعہ خدا کے جلال اور اس کے جمال کا مشاہدہ کرتے ہیں ان کے لحاظ سے نبی سورج اور خدا چاند ہوتا ہے۔ جیسے سورج کی روشنی جب چاند پر پڑے تب وہ چمکتا ہے نہ پڑے تو چاند تاریک رہتا ہے اسی طرح جب تک نبی کا وجود خدا تعالیٰ کو ظاہر نہ کرے وہ مخفی رہتا ہے مگر جب نبوت کی روشنی الوہیت پر پڑتی ہے تو خدا کا وجود ہر ایک کو نظر آنے لگ جاتا ہے۔

پس دنیا کے حالات کے مطابق تمثیلی زبان میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ بندہ سورج ہے اور

خدا چاند۔ یہ بھی ویسی ہی مثال ہے جیسی میں نے رؤیا میں دی اور اس سے بھی یہی امر ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی روشنی اور اس کے جلال کو ظاہر کرنے کا ذریعہ انبیاء وخلفاء اور اولیاء وصلحاء ہوتے ہیں۔ زمین و آسمان سے خدا کا وجود حق الیقین کے طور پر ثابت نہیں ہوسکتا۔ جیسے براہین احمدیہ حصہ پنجم میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر مفصّل بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ زمین و آسمان کی پیدائش پر غور کر کے انسان جس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ اس زمین و آسمان کا کوئی خالق ہونا چاہئے۔ مگر یہ کہ وہ ہے اس کا پتہ زمین و آسمان سے نہیں لگتا۔ گویا یہ نتیجہ صرف سکنے سے تعلق رکھتا ہے، ہے سے نہیں۔ یعنی یہ تو ہوسکتا ہے کہ انسان اس عالَم کی صنعتوں پر نظر کر کے صانع کی ضرورت محسوس کرے مگر ضرورت کا محسوس کرنا اور شئے ہے اور اس درجہ عین الیقین تک پہنچنا کہ جس خدا کی ضرورت تسلیم کی گئی ہے وہ درحقیقت موجود بھی ہے یہ اَور بات ہے۔ اسی لئے آپ نے بتایا کہ جتنے فلسفی عقلی ذریعہ سے خدا تعالیٰ کو معلوم کرنا چاہتے ہیں وہ ٹھوکر کھاتے اور بالآخر دہریہ بن جاتے ہیں اور زمین و آسمان کی مصنوعات پر غور کرنا انہیں کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ کیونکہ اس غور وفکر کا نتیجہ صرف اس حد تک نکلتا ہے کہ خدا کا وجود ہونا چاہئے۔ یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ خدا کا وجود ہے۔ آپ فرماتے ہیں جب وہ زمین کو دیکھتے ہیں تو اسے دیکھ کر یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس کا کوئی پیدا کرنے والا ہونا چاہئے۔ جب وہ آسمان کو دیکھتے ہیں تب بھی وہ یہی نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس کا کوئی پیدا کرنے والا ہونا چاہئے۔ مگر یہ وہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ پیدا کرنے والا یقینی طور پر موجود ہے اور اس طرح پھر بھی شبہ رہ جاتا ہے اور انسان خیال کرتا ہے کہ ممکن ہے کوئی مخفی قانون ایسا ہو جس کے ماتحت یہ کارخانۂ عالَم آپ ہی آپ چل رہا ہو۔ جس طرح آجکل کے فلسفی کہتے ہیں کہ اس دنیا کی پیدائش میں خود ہی ایک ایسا قانون مخفی ہے جس کی وجہ سے یہ تمام دنیا چل رہی ہے، کسی خاص وجود کو تسلیم کرنے کی ضرورت نہیں۔ غرض آپ نے اِس بات پر بحث کی اور یہ ثابت فرمایا ہے کہ فلسفہ اور عقلِ انسانی خدا تعالیٰ کے متعلق انسان کو ''ہونا چاہئے'' کی حد تک ہی رکھتے ہیں مگر الہامِ الٰہی نبوت کے ذریعہ ''ہے'' ثابت کرتا ہے۔ ہم جب زمین کو دیکھتے ہیں، ہم جب آسمان کو دیکھتے ہیں تو انہیں دیکھ کر یہ کہتے ہیں

کہ ان کو بنانے والا کوئی ہونا چاہئے اور ہماری دلیل ختم ہو جاتی ہے۔ مگر جب خدا ہمیں مخاطب کرتا اور فرماتا ہے اِنِّیْ اَنَااللّٰہُ یقیناً مَیں ہی خدا ہوں تو یہ اب ''ہے'' بن گیا اور ''ہونا چاہئے'' کی حد سے اس نے ہمیں نکال دیا۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے کسی گھر میں آگ جل رہی ہو، چولہے پر ہنڈیا چڑھی ہوئی ہو، ہنڈیا کے اُبلنے کی آواز آرہی ہو تو ہم باہر سے اس آواز کو سُن کر یہ نتیجہ نکالیں کہ اس گھر کا کوئی مالک ہونا چاہئے کیونکہ ہم غور اور فکر کرنے کے بعد فوراً اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ کوئی شخص ہوگا جو یہ ہنڈیا پکار ہا ہوگا، کوئی شخص ہوگا جس نے آگ جلائی ہوگی اور کوئی شخص ہوگا جو گوشت وغیرہ لایا ہوگا مگر اِس قدر نتائج نکالنے کے بعد بھی ہم اِسی حد تک پہنچیں گے کہ گھر کا کوئی مالک اندر ہونا چاہئے۔ اس نتیجہ پر ہم نہیں پہنچ سکتے کہ وہ شخص اندر ہے بھی۔ ممکن ہے کوئی کہے اس سے زیادہ وضاحت اور کیا ہوسکتی ہے۔ جب آگ جل رہی ہے، ہنڈیا چولہے پر چڑھی ہے، اس کے اُبلنے اور جوش کھانے کی آواز آرہی ہے تو اس سے ہم یہ نتیجہ کیوں نہیں نکال سکتے کہ اندر واقعہ میں کوئی شخص موجود ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان تمام قرائن کے باوجود ہم یقینی طور پر یہ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ اندر کوئی مالک موجود ہے۔ فرض کرو اندر واقعہ میں کوئی شخص ہو اور اس نے ہنڈیا چولہے پر چڑھائی ہو مگر ہنڈیا چولہے پر رکھتے ہی وہ مرگیا ہو اور ہم یہ سمجھتے ہوں کہ اندر وہ موجود ہے حالانکہ وہ مر چکا ہو۔ کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی بیٹھے بیٹھے دل کی حرکت بند ہو جاتی ہے اور وہ اُسی وقت مر جاتے ہیں۔ پس ممکن ہے وہ دل کی حرکت بند ہو جانے کی وجہ سے مرا پڑا ہو۔ یا ممکن ہے اسے کسی سانپ نے کاٹا ہو اور وہ مر چکا ہو۔ یا بعض دفعہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ہنڈیا رکھنے کے بعد اسے کوئی ضروری کام یاد آگیا ہو اور وہ گھر چھوڑ کر اُس وقت باہر گیا ہوا ہو۔ مثلاً فرض کرو اُس نے ہنڈیا چڑھائی ہو اور اس کے معاً بعد ایک شخص اس کے پاس دوڑتا ہوا آیا ہو اور اس نے کہا ہو کہ تمہارا بیٹا ڈوب گیا ہے اور وہ اسی وقت اس کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا ہو اور ہنڈیا اس نے چولہے پر ہی رہنے دی ہو۔ تو چونکہ ایسی کئی صورتیں ممکن ہیں اس لئے باوجود ہنڈیا کی آواز سننے کے اور باوجود آگ کو جلتا دیکھنے کے ہم اگر یہ نتیجہ نکالیں کہ اندر کوئی شخص واقعہ میں موجود ہے تو ہم اس نتیجہ کے نکالنے میں غلطی پر

ہو سکتے ہیں ۔مگر جب حالات یہ نہ ہوں بلکہ جونہی ہم کسی کے دروازہ پر پہنچیں گھر کا مالک اندر سے باہر نکل آئے اور ہمیں کہے کہ آپ مسافر ہیں، تھکے ماندے آئے ہیں، تھوڑی دیر میرے پاس آرام کیجئے تو اس شخص کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ہم ''ہونا چاہئے'' کی حد سے نکل کر ''ہے'' کی حد میں داخل ہو جاتے ہیں ۔تو نبوت اور الہام سے خدا کا وجود ''ہے'' کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے لیکن باقی دلیلوں سے ہم اس کے متعلق صرف ''ہونا چاہئے'' کی حد تک پہنچتے ہیں ۔تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ الہام بھی اسی مضمون کی تائید کرتا ہے مگر یہ خیال بھی مجھے اِسی وقت آیا ہے پہلے نہیں آیا۔

بہر حال رؤیا سے بیداری کے بعد مَیں غور کرتا رہا اور سوچتا رہا کہ اس مضمون پر میں نے اور کیا کیا باتیں بیان کی تھیں مگر مجھے کوئی بات یاد نہ آئی ۔لیکن اس رؤیا کا اثر میری طبیعت پر گہرا رہا اور کئی دفعہ مجھے یہ خیال آیا کہ وہ کون سی آیات تھیں جو رؤیا میں مَیں نے پڑھیں اور جن میں یہ مضمون بیان کیا گیا ہے مگر قرآن کریم کی کوئی آیت میرے ذہن میں نہ آئی ۔اس کے دوسرے یا تیسرے دن یعنی پیر یا منگل کو مجھے اب یہ اچھی طرح یاد نہیں رہا کہ کونسا دن تھا بہر حال ان میں سے کسی دن نماز ظہر یا عصر (یہ بھی مجھے صحیح طور پر یاد نہیں) میں پڑھا رہا تھا اور اُس وقت مجھے خواب کا خیال بھی نہیں تھا۔گویا اُس وقت وہ میرے ذہن سے بالکل اُتری ہوئی تھی کہ جب میں نے رکوع کے بعد قیام کیا اور پھر سجدہ میں جانے کیلئے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہا تو جس وقت اوپر سے نیچے سجدہ کی طرف جانے لگا تو مَعًا القاء کے طور پر میرے دل پر ایک آیت نازل ہوئی اور مجھے بتایا گیا کہ یہ وہ آیت ہے جو اس مضمون کی حامل ہے جو خواب میں بتایا گیا ہے۔اور پھر بجلی کی طرح اس طرح وہ وسیع مضمون میرے سامنے آ گیا کہ اس کی وجہ سے نہ صرف وہ آیت بلکہ سورۃ کی سورۃ ہی حل ہو گئی۔اور اس کی ترتیب جو میں پہلے سمجھتا تھا اس کے علاوہ ایک ایسی ترتیب مجھ پر کھول دی گئی کہ مجھے یوں معلوم ہونے لگا کہ اس سورۃ میں ہر آیت اس طرح پروئی ہوئی ہے جس طرح ہار کے موتی پروئے ہوئے ہوتے ہیں اور کوئی آیت اس سورۃ میں ایسی نہ رہی جس کے متعلق یہ شبہ ہو سکے کہ اس کا پہلی آیتوں یا بعد کی آیتوں سے کیا تعلق ہے۔وہ سورۃ جس کی طرف میرا ذہن منتقل کیا گیا سورۂ نور ہے اور وہ

آیت جس کے متعلق مجھے بتایا گیا کہ اس میں الوہیت، نبوت اور خلافت کے تعلقات پر بحث کی گئی ہے اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے۔

قرآن کریم کی تفہیم کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ میرے ساتھ کئی دفعہ ہوا ہے کہ ایک سیکنڈ میں بعض دفعہ ایک وسیع مضمون القاء کیا جاتا ہے اور الہام کے طور پر وہ میرے دل پر ایک نکتہ کی شکل میں نازل کیا جاتا ہے۔ پھر وہ نکتہ نازل ہوکر یوں پھیل جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے بیسیوں مطالب میرے دل پر حاوی ہوجاتے ہیں اسی طرح اُس دن میرے ساتھ ہوا۔ پہلے بھی اپنی بعض تقریروں میں میں ایسے نکات بیان کر چکا ہوں مثلاً اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ [2] کی تفسیر اور اس کے مطالب ایک سیکنڈ کے اندر میرے دل پر نازل ہوئے تھے اور میں نے کسی جلسہ سالانہ کے موقع پر انہیں بیان کر دیا تھا۔ اسی طرح اور کئی مواقع پر اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا۔ اُس دن بھی نماز میں معاً مجھے القاء کیا گیا کہ وہ آیت اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے اور اس کے ساتھ ایسے عظیم الشان مطالب کھولے گئے جو پہلے میرے وہم اور گمان میں بھی نہیں تھے۔ اگرچہ اس سارے مفہوم کو سمجھنے کیلئے اس ساری سورۃ کو ہی سمجھنا ضروری ہے۔ کیونکہ ساری سورۃ کے مطالب کو آپس میں اس طرح جوڑ دیا گیا ہے کہ ایک بات کی تکمیل دوسری بات کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ مگر چونکہ خطبہ میں اتنی لمبی تشریح نہیں کی جاسکتی اس لئے میں صرف اس آیت کو لے لیتا ہوں اور بتاتا ہوں کہ یہ مضمون کس عمدگی کے ساتھ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۳۶﴾ فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۳۷﴾ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ

وَ الْاَبْصَارُ ﴿۳۸﴾ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ يَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ ۳ یہ آیتیں سورۂ نور کی ہیں اور مجھے بتایا گیا ہے کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے خلافت، نبوت اور اللہ تعالیٰ کا تعلق بیان کیا ہے اور یہ بات میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسے قطعی اور یقینی دلائل سے ثابت کروں گا کہ وہ شخص جو قرآن کریم کو بے ترتیب، بے ربط اور بے جوڑ کتاب نہ کہتا ہو وہ اس بات پر مجبور ہوگا کہ اس مضمون کو مانے جو میں بیان کر رہا ہوں۔ کیونکہ اس مضمون سے ان تمام آیات بلکہ تمام سورۃ کا آپس میں ایسا ربط قائم ہو جاتا ہے کہ اس کے بغیر ان آیات کے کوئی معنے ہی نہیں بنتے۔ مگر جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں کہ اِس مضمون کو خطبہ کی وجہ سے اختصار کے ساتھ بیان کروں گا اور چونکہ اِن دنوں خلافت کا مسئلہ خصوصیت سے زیر بحث ہے اس لئے ان آیات کی تشریح سے خلافت کا مسئلہ بھی آسانی سے سمجھ میں آ جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ آسمان اور زمین کا نور ہے۔ مَثَلُ نُوْرِهٖ اور اس کے نور کی مثال كَمِشْكٰوةٍ ایک طاقچے کی سی ہے۔ مشکوٰہ اُس طاقچے کو کہتے ہیں جو دیوار میں بنا ہوا ہو اور جس کے دوسری طرف سوراخ نہ ہو۔ دیوار میں دو طرح کے طاق بنائے جاتے ہیں۔ ایک کھڑکی کی طرح کا ہوتا ہے یعنی اُس کے آر پار سوراخ ہوتا ہے کیونکہ کھڑکی کی غرض باہر دیکھنا ہوتی ہے۔ یا مثلاً روشندان رکھنے کیلئے طاقچہ کی طرح خلاء رکھا جاتا ہے۔ اس کے بھی آر پار سوراخ ہوتا ہے کیونکہ روشندان سے یہ غرض ہوتی ہے کہ ہوا اور روشنی کی آمد و رفت رہے۔ مگر پُرانی عمارتوں خصوصاً مساجد میں اس قسم کے طاقچے بنائے جایا کرتے تھے جن میں چراغ یا قرآن شریف رکھے جاتے تھے اور جن کے دوسری طرف سوراخ نہیں ہوتا تھا۔ اس مسجد میں بھی بعض طاقچے بنے ہوئے ہیں بعض تو بڑے بڑے ہیں جو قرآن شریف رکھنے کیلئے ہیں اور ایک دو چھوٹے طاقچے ہیں جو لیمپ رکھنے کیلئے بنائے گئے ہیں۔ میں نے شاہی عمارتوں میں بھی دیکھا ہے کہ ان میں چھوٹے چھوٹے طاقچے بنے ہوئے ہیں جو دراصل دیا رکھنے کے لئے بنائے جایا کرتے تھے۔ تو مشکوٰۃ اُس طاقچہ کو کہتے ہیں کہ جس کے دوسری طرف سوراخ نہیں ہوتا اور وہ لیمپ رکھنے کے کام آتا ہے۔ تو فرماتا

ہے اللہ تعالیٰ کے نور کی مثال کیا ہے؟ كَمِشْكٰوةٍ اُس کے نور کی مثال ایک طاقچے کی سی ہے۔ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۔جس میں ایک بتی رکھی ہوئی ہو۔ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ۔اور وہ بتی ایک شیشہ یا چمنی میں ہو۔ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ اور وہ چمنی یا گلوب ایسے اعلیٰ درجہ کے شیشے کا بنا ہوا اور ایسا روشن ہو کہ گویا وہ ایک ستارہ ہے جو چمک رہا ہے۔اس کے بعد يُوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ میں اس کی تفصیل بتائی ہے۔مگر ابھی میں اس کی تفصیل کی طرف نہیں جاتا اور جو مضمون کا اصل حصہ ہے وہ میں بیان کرتا ہوں۔

(اس موقع پر حضور نے دریافت فرمایا کہ کیا کسی دوست کے پاس ٹارچ ہے؟ مگر ٹارچ نہ ملی۔اس کے بعد فرمایا)۔

ان آیات میں درحقیقت اللہ تعالیٰ کے نور کو تین چیزوں میں محصور قرار دیا گیا ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کمالِ نور ہمیشہ تین ذرائع سے ہوتا ہے۔ایک مشکوٰۃ سے، ایک مصباح سے اور ایک زجاجہ سے۔ یہ مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے دی اور بتایا کہ ہمارا نور جو دنیا میں کامل طور پر ظاہر ہوا اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ ایک طاقچہ میں ایک بتی ہو اور بتی پر گلوب یا چمنی ہو اور وہ گلوب اتنا روشن ہو کہ گویا وہ ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے۔ ہمارے ملک میں چونکہ عام طور پر اس قسم کے لیمپوں کا رواج نہیں اس لئے میں نے چاہا تھا کہ ٹارچ کے ذریعہ آپ لوگوں کو یہ مضمون سمجھاؤں کیونکہ ٹارچ میں یہ تینوں چیزیں پائی جاتی ہیں۔اور یہ عجیب بات ہے کہ قرآن مجید باوجودیکہ ایسے زمانہ میں نازل ہوا جبکہ سائنس ابھی کمال کو نہیں پہنچی تھی اور ایسے ملک میں نازل ہوا جہاں کے لوگ بدو سمجھے جاتے تھے اور تہذیب وتمدن سے ناآشنا تھے اور ایسے انسان پر نازل ہوا جو اُمّی تھا پھر بھی روشنی کے کمال کو جس عجیب طرز سے ان آیات میں بیان کیا گیا ہے اس کو دیکھتے ہوئے یوں معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بیسویں صدی کا انجینئر روشنی کی حقیقت بیان کر رہا ہے۔مشکوٰۃ جس طرح اُس طاقچے کو کہتے ہیں جو دیوار میں بنایا جاتا ہے اور جس کے دوسری طرف سوراخ نہیں ہوتا اسی طرح مصباح اُس شعلہ کو کہتے ہیں جو بتی میں سے نکلتا ہے یا بلب کی وہ تاریں سمجھ لو جن سے بجلی کی روشنی پیدا ہوتی ہے بشرطیکہ وہ روشن ہوں۔مصباح کے معنے دراصل ''صبح کردینے کا آلہ'' کے ہیں اور اس لحاظ سے وہ ہر

چیز جس سے روشنی ہوتی ہواُسے مصباح کہا جاتا ہےاور وہ چونکہ بتی کا گل ہی ہوتا ہے یا بجلی کی وہ تاریں ہوتی ہیں جو بلب کے اندر ہوتی ہیں اور چمکتی ہیں اس لئے عربی زبان میں انہیں مصباح کہتے ہیں۔ گویا وہ شعلہ جو آگ لگنے کے بعد بتی میں سے نکلتا ہے یا بجلی کی وہ تار جہاں بجلی پہنچتی ہے تو وہ یکدم روشن ہو جاتا ہے وہ مصباح ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے نور کی مثال ایک طاقچہ کی سی ہے جس میں ایک بتی جل رہی ہو اور پھر وہ بتی ایک زجاجہ میں ہو۔ اب تو قادیان میں بجلی آ گئی ہے اور لوگوں کا ایک حصہ بجلی جلاتا ہے لیکن پھر بھی اکثر گھروں میں ابھی بجلی نہیں لگی اور وہ لیمپ جلاتے ہیں اور جن کے ہاں بجلی لگی ہوئی ہے ان کی بجلی کی رَو بھی جس دن فیل ہو جائے اُس دن اُنہیں لیمپ جلانے پڑتے ہیں۔ یا انہیں قادیان سے جب باہر جانا پڑے تو لیمپ دیکھنے اور جلانے کا انہیں اکثر موقع ملتا رہتا ہے۔ بہرحال یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ ہری کین (HURRICANE LAMP) روشن کرنے کیلئے جب کوئی شخص دیا سلائی جلاتا اور بتی کو لگاتا ہے تو اُس وقت بتی کی روشنی کی کیا حالت ہوتی ہے۔ ایک زرد سا شعلہ بتی میں سے نکل رہا ہوتا ہے اور اُس کا دُھواں اُٹھ اُٹھ کر کمرہ میں پھیل رہا ہوتا ہے۔ نازک مزاج اشخاص کے دماغ میں وہ دُھواں چڑھتا ہے تو انہیں چھینکیں آنے لگ جاتی ہیں، بعض کو نزلہ ہو جاتا ہے۔ لیکن جونہی بتی میں سے دُھواں نکلتا اور کمرے میں پھیلنے لگتا ہے انسان جلدی سے چمنی پر ہاتھ مارتا اور ہری کین کا ہینڈل دبا کر اُسے بتی پر چڑھا دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُسی وقت دُھواں جاتا رہتا ہے اور اس شعلہ کا رنگ ہی بدل جاتا ہے اور اس کی پہلی روشنی سے بعض دفعہ بیس گنے، بعض دفعہ تیس گنے، بعض دفعہ پچاس گنے، بعض دفعہ سَو گنے اور بعض دفعہ دوسَو گنے تیز روشنی پیدا ہو جاتی ہے اور تمام کمرہ روشن ہو جاتا ہے۔ پھر زائد بات اس چمنی یا گلوب سے یہ پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ بتی بجھتی نہیں۔ تیز بارشوں کے ایام میں رات کے وقت لوگ ہری کین لے کر باہر چلے جاتے ہیں۔ آندھی آ رہی ہوتی ہے، طوفان اُٹھ رہا ہوتا ہے، چھتیں ہل رہی ہوتی ہیں، عمارتیں کانپ رہی ہوتی ہیں، پیر لڑکھڑا رہے ہوتے ہیں مگر وہ روشنی جو انسان ہاتھ میں اُٹھائے ہوتا ہے نہیں بجھتی کیونکہ اُس کی چمنی اس کے ماحول کو محفوظ کر دیتی ہے۔ تو چمنی نہ صرف اس کی روشنی کو کئی گنا

زیادہ کر دیتی ہے بلکہ اسے بجھنے سے بھی محفوظ کر دیتی ہے۔ مگر بعض لیمپ ہری کین سے بھی زیادہ طاقتور ہوتے ہیں اور جو بڑے بڑے لیمپ کمروں کو روشن کرنے کیلئے جلائے جاتے ہیں اُن کو دیکھو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ اُن کی روشنی تیز کرنے کیلئے ان کے پیچھے ایک اس قسم کی چیز لگا دی جاتی ہے جو روشنی کو آگے کی طرف پھینکتی ہے۔ پرانے زمانوں میں لوگ اس غرض کیلئے لیمپ کو طاقچہ میں رکھ دیا کرتے تھے اور اِس زمانہ میں اس کی ایک مثال ٹارچ ہے۔ ٹارچ پیچھے سے لمبی چلی آتی ہے اور اس کے آگے اس پر ایک نسبتاً بڑا خول چڑھا دیتے ہیں جو بلب کے تین طرف دائرہ شکل میں پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ جس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ روشنی کو آگے کی طرف پھیلا دے۔ اگر اس خول کو اُتار لیا جائے تو ٹارچ کی روشنی دس پندرہ گز تک رہ جاتی ہے۔ لیکن اس خول کے ساتھ وہی روشنی بعض دفعہ پانچ سَو گز، بعض دفعہ ہزار گز اور بعض دفعہ دو دو ہزار گز تک پھیل جاتی ہے۔ یہ روشنی کو دور پھینکنے والا جو خول ہوتا ہے اِسے انگریزی میں رِی فلیکٹر (REFLECTOR) کہتے ہیں۔ اس رِی فلیکٹر کی وجہ سے ٹارچ کی روشنی بعض دفعہ ہزار گز اور بعض دفعہ دو ہزار گز تک چلی جاتی ہے اور بڑی طاقت کے لیمپ تو ری فلیکٹر کی وجہ سے بہت دور دور تک روشنی پہنچا دیتے ہیں۔

ہمارے منارۃ المسیح پر جب روشنی کرنے کا سوال پیدا ہوا اور اس پر بحث ہوئی کہ لیمپ کیسے لگائے جائیں تو رِی فلیکٹر لگوانے کا سوال زیر بحث آیا اور ماہرین فن نے بتایا کہ پانچ سَو طاقت کی اگر بتی لگائی جائے اور اس پر اعلیٰ درجہ کا رِی فلیکٹر لگا دیا جائے تو اس سے کئی گنے طاقت تک کی روشنی پیدا ہو سکتی ہے۔ مگر چونکہ رِی فلیکٹر بہت گراں آتے تھے غالباً اسی لئے پھر وہ منگوائے نہیں گئے تو پوری روشنی چمنی کے ذریعہ ہوتی ہے اور پھر اس روشنی کو دور پھینکنے کے لئے اس کے پیچھے ایک ایسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے جو اسے تین جہت سے روک کر سامنے کی طرف لے جائے۔ اس طرح روشنی مکمل ہو جاتی ہے اور لوگ اس سے پوری طرح فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان آیات میں یہ بیان فرماتا ہے کہ یہ تین چیزیں ہیں جن سے نور مکمل ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک تو شُعلہ ہے جو اصل آگ ہے اور جس کے بغیر کوئی نور ہو ہی نہیں سکتا۔ روحانی دنیا میں وہ شعلہ اللہ تعالیٰ کا نور ہے اور چمنی جس سے وہ نور روشن

ہوتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے انبیاء ہیں۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے دنیا کے ہر ذرّہ سے خدا تعالیٰ کا نور ظاہر ہے مگر وہ نور لوگوں کو نظر نہیں آتا۔ ہاں جب خدا کا نبی آتا اور اسے اپنے ہاتھ میں لے کر دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے تب ہر شخص کو وہ نور نظر آنے لگ جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح بتی جب جلائی جائے تو ہوا کا ذرا سا جھونکا بھی اُسے بجھا دیتا ہے۔ اس میں سے دُھواں نکل رہا ہوتا ہے مگر جونہی اس پر شیشہ رکھا جاتا ہے اندھیرا سب دور ہو جاتا ہے، تاریکی سب مٹ جاتی ہے اور وہی نور آنکھوں کے کام آنے لگ جاتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اصل چیز شیشہ ہے اصل چیز تو وہ نور ہی ہے جو بتی میں سے نکل رہا ہوتا ہے۔ مگر چونکہ وہ نور دھویں کی شکل میں ضائع ہو رہا ہوتا ہے اس لئے لوگ اس سے اُس وقت تک فائدہ نہیں اُٹھا سکتے جب تک اُس پر شیشہ نہیں چڑھایا جاتا۔ ہاں جب شیشہ چڑھ جاتا ہے تو وہی نور جو پہلے ضائع ہو رہا ہوتا ہے ضائع ہونے سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ پھر چمنی سے مل کر پہلے نور سے بیس گنے، سَو گنے، دوسَو گنے، ہزار گنے بلکہ دو ہزار گنے زیادہ تیز ہو جاتا ہے۔ یہ شیشے اور گلوب دراصل انبیاء کے وجود ہوتے ہیں جو خدا کے اس نور کو جو قدرت میں ہر جگہ پایا جاتا ہے لیتے ہیں اور اپنے گلوب اور چمنی کے نیچے رکھ کر اس کا ہر حصہ انسانوں کے استعمال کے قابل بنا دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ساری دنیا اس نور کو دیکھنے لگ جاتی ہے اُس کی آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں اور وہ اس سے فائدہ حاصل کرنے لگ جاتی ہے۔

اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بھی بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ کے ذکر میں فرماتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ کے نور کو آگ کی شکل میں دیکھا۔ وہ فرماتے ہیں اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا۔[۴] میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔ اس فقرہ سے صاف ظاہر ہے کہ دوسرے لوگ اس آگ کو نہیں دیکھ رہے تھے۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ نبی کے وجود میں ظاہر ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا ظہور اس دنیا میں بطور نار کے ہوتا ہے۔ یعنی کوئی تیز نظر والا ہی اسے دیکھتا ہے۔ اس کی روشنی تیز نہیں ہوتی لیکن جب وہ نبی میں ظاہر ہوتا ہے تو پھر وہ نور ہو جاتا ہے یعنی لیمپ کی طرح اس کی روشنی تیز ہو جاتی ہے۔ نبوت میں آ کر یہ نور مکمل تو ہو جاتا ہے لیکن اس کا زمانہ پھر بھی محدود رہتا ہے۔ کیونکہ نبی بھی موت کا شکار ہوتے ہیں۔

پس اس روشنی کو دُور تک پہنچانے کیلئے اور زیادہ دیر تک قائم رکھنے کیلئے ضروری تھا کہ کوئی اور تدبیر کی جاتی۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کیلئے ایک رِی فلیکٹر ایجاد کیا جس کا نام خلافت رکھا۔ نبی کی روشنی اس رِی فلیکٹر کے ذریعہ سے دور تک پہنچا دی جاتی ہے۔ پُرانے زمانہ کے طریق کے مطابق اس کا نام طاق رکھا گیا۔ جو تین طرف سے روشنی کو روک کر صرف اُس جہت میں ڈالتا ہے جدھر اُس کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح خلیفہ نبی کی قوتِ قدسیہ کو جو اس کی جماعت میں ظاہر ہو رہی ہوتی ہے ضائع ہونے سے بچا کر ایک خاص پروگرام کے ماتحت استعمال کرتا ہے اور جماعت کی طاقتیں پراگندہ نہیں ہوتیں اور تھوڑی سی طاقت سے بہت سے کام نکل آتے ہیں کیونکہ طاقت کا کوئی حصہ ضائع نہیں ہوتا۔ اگر خلافت نہ ہوتی تو بعض کاموں پر زیادہ طاقت خرچ ہو جاتی اور بعض کام توجہ کے بغیر رہ جاتے اور تفرقہ اور شِقاق کی وجہ سے کسی نظام کے ماتحت جماعت کا روپیہ اور اس کا علم اور اس کا وقت خرچ نہ ہوتا۔

غرض خلافت کے ذریعہ سے الٰہی نور کو جو نبوت کے ذریعہ سے دنیا کے لحاظ سے مکمل ہوا تھا ممتد اور لمبا کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ محمدی نور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ ختم نہیں ہو گیا بلکہ ابوبکرؓ کی خلافت کے طاقچہ کے ذریعہ اس کی مدت کو تین سال اور بڑھا دیا گیا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد وہی نور خلافت عمرؓ کے طاق کے اندر رکھ دیا گیا اور سات سال اس کی مدت کو اور بڑھا دیا گیا۔ پھر وہ نور عثمانی طاقچہ میں رکھ دیا گیا اور تیرہ سال اس کی مدت کو اور بڑھا دیا گیا۔ پھر حضرت عثمانؓ کی وفات کے بعد وہی نور علوی طاقچہ میں رکھ دیا گیا اور وہ چھ سال اور اس نور کو لے گیا۔ گویا پچیس تیس سال محمدی نور خلافت کے ذریعہ لمبا ہو گیا۔ جیسے ٹارچوں کے اندر رِی فلیکٹر ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ بلب کی روشنی دور دور تک پھیل جاتی ہے یا چھوٹے چھوٹے رِی فلیکٹر بعض دفعہ تھوڑا سا خم دے کر بنائے جاتے ہیں۔ جیسے دیوار گیروں کے پیچھے ایک ٹین لگا ہوا ہوتا ہے جو دیوار گیر[۵] کا رِی فلیکٹر کہلاتا ہے اور گو اس کے ذریعہ روشنی اتنی تیز نہیں ہوتی جتنی ٹارچ کے رِی فلیکٹر کے ذریعہ تیز ہوتی ہے مگر پھر بھی دیوار گیر کی روشنی اس رِی فلیکٹر کی وجہ سے پہلے سے بہت بڑھ

جاتی ہے۔ چھ چھ آنے کے جو دیوار گیر آتے ہیں ان کے ساتھ بھی یہ رِی فلیکٹر لگا ہوا ہوتا ہے اوراس کے ذریعہ دیوار گیر کی روشنی زیادہ دور تک جاتی ہے۔ اسی طرح خلافت وہ رِی فلیکٹر ہے جو نبوت اور الوہیت کے نور کو لمبا کر دیتا اور اسے دور دور تک پھیلا دیتا ہے۔ پس مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتایا گیا کہ اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خلافت، نبوت اور الوہیت کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ہمارے نور کی مثال ایسی ہی ہے جیسے بتی کا شعلہ۔ وہ ایک نور ہے جو دنیا کے ہر ذرّہ سے ظاہر ہو رہا ہے مگر جب تک وہ نبوت کے شیشہ میں نہ آئے لوگ اس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ جیسے نیچر پر غور کر کے اللہ تعالیٰ کی ہستی معلوم کرنے کا شوق رکھنے والے ہمیشہ ٹھوکر کھاتے اور نقصان اُٹھاتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ [٦] بالکل درست ہے۔ اور زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کی بہت سی آیات پائی جاتی ہیں مگر یہی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ یورپ کے فلاسفروں کو دہریہ بنا رہی ہے۔ گویا خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ میں اللہ تعالیٰ کا جو نور ہے اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے بتی کا شعلہ۔ یہ شعلہ جب نکلتا ہے تو اس کے ساتھ دُھواں بھی اُٹھتا ہے جو بعض دفعہ نزلہ پیدا کر دیتا اور آنکھوں کو خراب کرتا ہے۔ وہ دُھواں تب ہی دور ہوتا ہے جب اس پر چمنی یا گلوب رکھ کر اسے روشنی کی صورت میں تبدیل کر دیا جائے۔ اگر اس کے بغیر کوئی اس شعلہ سے نور کا کام لینا چاہئے تو اسے ضرور کچھ نور ملے گا اور کچھ دُھواں، جو اس کی آنکھوں اور ناک کو تکلیف دے گا۔ چنانچہ اسی وجہ سے جو شخص نیچر پر غور کر کے خدا تعالیٰ کو پانا چاہتا ہے تو وہ کئی ٹھوکریں کھاتا ہے اور بعض دفعہ بجائے خدا تعالیٰ کو پانے کے دہریہ ہی ہو جاتا ہے۔ مگر جو شخص خدا تعالیٰ کے وجود کو نبوت کی چمنی کی مدد سے دیکھنا چاہتا ہے اس کی آنکھیں اور اس کا ناک دُھویں کے ضرر سے بالکل محفوظ رہتے ہیں اور وہ ایک نہایت لطیف اور خوش کن روشنی پاتا ہے جو سب کثافتوں سے پاک ہوتی ہے۔

غرض کائناتِ عالَم پر غور کر کے خدا تعالیٰ کے وجود کو پانے والوں کیلئے خدا تعالیٰ نے کچھ ابتلاء رکھے ہیں، کچھ شکوک رکھے ہیں، کچھ شُبہات رکھے ہیں تا وہ مجبور ہو کر نبوت کی چمنی

اس نور پر رکھیں۔ چنانچہ جب بھی الٰہی نور پر نبوت کی چمنی رکھی جائے اس نور کی حالت یکدم بدل جاتی ہے اور یا تو وہ بو دینے والا دُھواں نظر آرہا تھا اور یا یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ نور ہی نور ہے اور اس میں دُھویں کا نشان تک نہیں۔ پھر جب اس روشنی کو اُٹھا کر ہم طاقچہ میں رکھ دیتے ہیں تو پہلے سے بہت دور دور اس کی روشنی پھیل جاتی ہے۔

غرض یہ آیت ہے جو مجھے بتائی گئی اور مجھے سمجھایا گیا کہ اس میں الوہیت، نبوت اور خلافت کا جوڑ بتایا گیا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ آخر خلافت بھی تو ختم ہو جاتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ خلافت کا ختم ہونا یا نہ ہونا تو انسانوں کے اختیار میں ہے۔ اگر وہ پاک رہیں اور خلافت کی بے قدری نہ کریں تو یہ طاقچہ سینکڑوں ہزاروں سال تک قائم رہ کر ان کی طاقت کو بڑھانے کا موجب ہوسکتا ہے۔ اور اگر وہ خود ہی اس انعام کو ردّ کر دیں تو اس کا علاج کسی کے پاس نہیں ہے۔ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ والی آیت کا مضمون مختصراً بتانے کے بعد مَیں اب یہ بتاتا ہوں کہ کس طرح یہ تمام سورۃ اسی ایک مضمون کے ذکر سے بھری ہوئی ہے اور اس کی کوئی آیت ایسی نہیں جس میں اسی مضمون کے مختلف پہلوؤں کو بیان نہ کیا گیا ہو۔

اس سورۃ نور کو اللہ تعالیٰ نے بدکاری اور بدکاری کے الزامات لگانے والوں کے ذکر سے شروع کیا ہے اور اس کی تفصیلات بیان کرنے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جو الزام لگا تھا اُس کا ذکر کرتا ہے۔ پھر اور بہت سی باتیں اسی کے ساتھ تعلق رکھنے والی بیان کرتا ہے اور مسلمانوں کو نصیحت کرتا ہے کہ انہیں ایسے مواقع پر کن کن باتوں پر عمل کرنا چاہیئے۔ پھر وہ ذرائع بیان کرتا ہے جن پر عمل کرنے سے بدکاری دنیا سے مٹ سکتی ہے۔ یہ تمام مضامین اللہ تعالیٰ نے پہلے دوسرے اور تیسرے رکوع میں بیان کئے ہیں۔ چنانچہ دیکھ لو پہلا رکوع ان آیات سے شروع ہوتا ہے سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَ فَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۝ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ[7] یہ مضمون چلتا چلا جاتا ہے۔ پھر آگے فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ[8] زنا کا

الزام لگانے والوں کا ذکر اور ان کی سزا کا بیان کیا ہے۔ پھر فرماتا ہے اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ [9] اس کے بعد وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ [10] میں ان لوگوں کا ذکر کیا جو اپنی بیویوں پر بدکاری کا الزام لگاتے ہیں۔ پھر اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ [11] کہہ کر مخصوص طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگانے والوں کا ذکر کرتا ہے۔ پھر الزام لگانے کے نقائص بیان فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۙ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۱﴾ [12] یہاں دو رکوع سورۃ نور کے ختم ہو جاتے ہیں۔ پھر اسی مضمون کو اگلے رکوع میں بھی جاری رکھتا اور فرماتا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ [13] پھر اس شبہ کا ازالہ کرتا ہے کہ شاید صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگانا کوئی اہمیت رکھتا ہے۔ عام الزام ایسے خطرناک نہیں ہوتے اور فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ [14] اس کے بعد چوتھا رکوع شروع ہوتا ہے اور پھر اسی سلسلہ میں مختلف ہدایات دی گئی ہیں کہ ان الزامات کے مراکز کو کس طرح روکنا چاہئے۔ چنانچہ فرماتا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا [15]

(اِس موقع پر ایک دوست محمد احمد صاحب مالک محمود الیکٹرک سٹور قادیان نے ٹارچ لاکر حضور کی خدمت میں پیش کر دی۔ اس پر حضور نے ہاتھ سے بتایا کہ اس ٹارچ کے اندر جو بلب ہے اس کی باریک تاریں مصباح ہیں اور وہ گول شیشہ جس میں بلب رکھا جاتا ہے وہ زجاجہ ہے اور اس کا بیرونی دائرہ طاقچہ یا رِی فلیکٹر ہے جو روشنی کو لمبا کر کے آگے کی طرف پھینکتا ہے۔ گویا تیرہ سَو سال ترقی کرنے کے باوجود سائنس روشنی کے متعلق اُسی مقام پر آکر ٹھہری ہے جو قرآن کریم نے بتایا تھا اُس سے آگے نہیں بڑھی)۔

پھر اسی رکوع میں اللہ تعالیٰ بدی سے محفوظ رہنے کے ذرائع کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا

ہے قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۔[16] پھر شادیوں کا ذکر کرتا ہے اور اس پر چوتھا رکوع ختم ہو جاتا ہے۔ گویا پہلے رکوع سے لے کر چوتھے رکوع تک سب میں ایک ہی مضمون بیان کیا گیا ہے۔ کسی جگہ الزام لگانے والوں کے متعلق سزا کا ذکر ہے، کسی جگہ الزامات کی تحقیق کے طریق کا ذکر ہے، کسی جگہ شرعی ثبوت لانے کا ذکر ہے، کسی جگہ ایسے الزامات لگنے کی وجوہ کا ذکر ہے، کسی جگہ اُن دروازوں کا ذکر ہے جن سے گناہ پیدا ہوتا ہے۔ غرض تمام آیتوں میں ایک ہی مضمون بیان کیا گیا ہے مگر اس کے معاً بعد فرماتا ہے اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ [17] اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اب انسان حیران رہ جاتا ہے کہ اس کا پہلے رکوعوں سے کیا تعلق ہے؟ ایک ایسا مفسر جو یہ خیال کرتا ہے کہ قرآن کریم میں کوئی ترتیب نہیں وہ بے ربط کلام ہے اس کی آیتیں اسی طرح متفرق مضامین پر مشتمل ہیں جس طرح دانے زمین پر گرائے جائیں تو کوئی کسی جگہ جا پڑتا ہے اور کوئی کسی جگہ وہ تو کہہ دے گا اِس میں کیا حرج ہے۔ پہلے وہ مضمون بیان کیا گیا تھا اور اب یہ مضمون شروع کر دیا گیا ہے۔ مگر وہ شخص جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم سے واقف ہے جو جانتا ہے کہ قرآن کریم کا ہر لفظ ایک ترتیب رکھتا ہے وہ یہ دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے کہ پہلے تو بدکاری کے الزامات اور ان کو دور کرنے کا ذکر تھا اور اس کے معاً بعد یہ ذکر شروع کر دیا گیا ہے کہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ان دونوں کا آپس میں جوڑ کیا ہوا۔ پھر انسان اور زیادہ حیران ہو جاتا ہے جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ پانچویں رکوع میں تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور اس سے دو رکوع بعد یعنی ساتویں رکوع میں اللہ تعالیٰ یہ ذکر شروع کر دیتا ہے کہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ [18] کہ اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ بجالائے یہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ انہیں زمین میں اسی طرح خلیفہ بنائے گا جس طرح اس نے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا۔

کیا یہ عجیب بات نہیں کہ پہلے زنا کے الزامات کا ذکر ہے۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگنے کا بیان ہے۔ پھر ان الزامات کے ازالہ کے طریقوں کا ذکر ہے۔ پھر

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ذکرآ گیا۔ اور پھر کہہ دیا کہ میرا یہ وعدہ ہے کہ جو مومن ہوں گے انہیں مَیں اِس اُمت میں اسی طرح خلیفہ بناؤں گا جس طرح پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا اور ان کے دین کو دنیا میں قائم کروں گا اور ان کے خوف کو امن سے بدل دوں گا۔ وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور جو شخص ان خلفاء کا منکر ہوگا وہ فاسق ہوگا۔ پس لازماً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ پہلے زنا کے الزامات کا ذکر کیا پھر اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا ذکر کیا اور پھر خلافت کا ذکر کر دیا۔ ان تینوں باتوں کا آپس میں جوڑ ہونا چاہئے ورنہ یہ ثابت ہوگا کہ قرآن کریم نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ بے جوڑ باتوں کا مجموعہ ہے اور اس کے مضامین میں ایک عالم اور حکیم والا ربط اور رشتہ نہیں ہے۔ (اس جگہ ضمنی طور پر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جہاں دوسروں پر الزام لگانے والوں کا ذکر ہے وہاں الزام لگانے والوں کے متعلق فرمایا ہے کہ وَ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ کہ وہ لوگ جو بے گناہ لوگوں پر الزام لگاتے ہیں اور پھر ایک موقع کے چار گواہ نہیں لاتے تو فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً تم ان کو ۸۰ کوڑے مارو۔ وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اور تم اُن کی موت تک ہمیشہ اُن کو جھوٹا سمجھو اور ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرو۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ اور یہی وہ لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ کے نزدیک فاسق ہیں۔ پھر اسی سورۃ میں جہاں خلفاء کا ذکر کیا وہاں بھی یہی الفاظ رکھے اور فرمایا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ [19] کہ جو شخص خلیفہ کا انکار کرے وہ فاسق ہے۔ اب جو زنا کا الزام لگانے والوں کے متعلق خدا تعالیٰ نے الفاظ رکھے تھے اور جو نام ان کا تجویز کیا تھا بعینہٖ وہی نام خدا تعالیٰ نے خلافت کے منکرین کا رکھا اور قریباً اسی قسم کے الفاظ اس جگہ استعمال کئے۔ وہاں بھی یہ فرمایا تھا کہ جو لوگ بدکاری کا الزام لگاتے اور پھر چار گواہ ایک موقع کے نہیں لاتے انہیں ۸۰ کوڑے مارو، انہیں ساری عمر جھوٹا سمجھو اور سمجھ لو کہ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ یہی لوگ فاسق ہیں۔ اور یہاں بھی یہ فرمایا کہ جو شخص خلفاء کا انکار کرتا ہے سمجھ لو کہ وہ فاسق ہے۔ تو نام دونوں جگہ ایک ہی رکھتا ہے)۔

اب میں پھر اصلی مضمون کی طرف لوٹتا ہوں جو یہ ہے کہ جو شخص قرآن کریم کو ایک حکیم کی کتاب سمجھتا ہے اور اس کے اعلیٰ درجہ کے باربط اور ہم رشتہ مضمونوں کے کمالات کے دیکھنے کا جسے ذرا بھی موقع ملا ہے وہ اس موقع پر سخت حیران ہوتا ہے کہ کس طرح پہلے بدکاری اور بدکاری کے جھوٹے الزامات لگانے کا ذکر کیا گیا ہے پھر یکدم اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہہ دیا گیا اور پھر خلافت کا ذکر شروع کر دیا گیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تینوں مضمونوں میں ضرور کوئی اعلیٰ درجہ کا جوڑ اور تعلق ہے۔ اور یہ تینوں مضمون آپس میں مربوط اور ہم رشتہ ہیں۔ اس شکل کو مدنظر رکھتے ہوئے اس مضمون پر غور کرو جو میں نے اوپر بتایا ہے اور جو یہ ہے کہ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی آیت میں الوہیت اور نبوت اور خلافت کے تعلق کو بتایا گیا ہے۔ اس مضمون کو ذہن میں رکھ کر آخری دو مضمونوں کا تعلق بِالکل واضح ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ والی آیت میں خلافت کا اصولی ذکر تھا اور بتایا گیا تھا کہ خلافت کا وجود بھی نبوت کی طرح ضروری ہے کیونکہ اس کے ذریعہ سے جلالِ الٰہی کے ظہور کے زمانہ کو ممتد کیا جاتا ہے اور الٰہی نور کو ایک لمبے عرصہ تک دنیا کے فائدہ کیلئے محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ اس مضمون کے معلوم ہونے پر طبعاً قرآن کریم پڑھنے والوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہونا تھا کہ خدا کرے ایسی نعمت ہم کو بھی ملے۔ سو وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ کی آیات میں اِس خواہش کے پورا کرنے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرما دیا اور بتایا کہ یہ نعمت تم کو بھی اسی طرح ملے گی جس طرح پہلے انبیاء کی جماعتوں کو ملی تھی۔

غرض میرے بیان کردہ معنوں کے رو سے اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی آیت اور اس کی متعلقہ آیتوں کا وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ کی آیت اور اس کی متعلقہ آیتوں سے ایک ایسا لطیف اور طبعی جوڑ قائم ہو جاتا ہے جو دل کو لذت اور سرور سے بھر دیتا ہے اور ایمان کی زیادتی کا موجب ہوتا ہے اور قرآنی مطالب کی عظمت کا سکّہ دلوں میں بٹھا دیتا ہے۔ لیکن یہ سوال پھر بھی قائم رہتا ہے کہ اس مضمون کا پہلی آیتوں سے کیا تعلق ہوا۔

یعنی سورۃ نور کے پانچویں رکوع کا اِس کے نویں رکوع تک تو خلافت سے جوڑ ہوا لیکن جو پہلے چار رکوع ہیں اور جن میں بدکاری اور بدکاری کے الزامات کا ذکر آتا ہے اُن کا اِس سے کیا تعلق ہے۔ جب تک یہ جوڑ بھی حل نہ ہو اُس وقت تک قرآن کریم کی ترتیب ثابت نہیں ہوسکتی۔

اب میں یہ بتاتا ہوں کہ پہلے چار رکوعوں کا باقی پانچ رکوعوں سے جن میں خلافت کا ذکر آتا ہے کیا تعلق ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ پہلے چار رکوعوں میں بدکاری کے الزامات کا ذکر اصل مقصود ہے اور ان میں خصوصاً اس الزام کا ردّ کرنا مقصود ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگایا گیا تھا۔ اب ہمیں دیکھنا چاہئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جو الزام لگانے والوں نے الزام لگایا تو اس کی اصل غرض کیا تھی۔ اس کا سبب یہ تو نہیں ہوسکتا کہ ان لوگوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کوئی دشمنی تھی۔ ایک گھر میں بیٹھی ہوئی عورت سے جس کا نہ سیاسیات سے تعلق ہو، نہ قضا سے، نہ عہدوں اور اموال کی تقسیم سے، نہ لڑائیوں سے، نہ مخالف اقوام پر چڑھائیوں سے، نہ حکومت سے، نہ اقتصادیات سے، اس سے کسی نے کیا بغض رکھنا ہے۔ غرض حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے براہِ راست بُغض کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔ پس اس الزام کے بارہ میں دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں یا تو یہ کہ الزام سچا ہو جس امر کو کوئی مومن ایک منٹ کیلئے بھی تسلیم نہیں کرسکتا اور اللہ تعالیٰ نے عرش سے اِس گندے خیال کو ردّ کیا ہے۔ دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ حضرت عائشہؓ پر الزام بعض دوسرے وجودوں کو نقصان پہنچانے کے لئے لگایا گیا ہو۔

اب ہمیں غور کرنا چاہئے کہ وہ کون کون لوگ تھے جن کو بدنام کرنا منافقوں کے لئے یا ان کے سرداروں کے لئے فائدہ بخش ہوسکتا تھا اور کن کن لوگوں سے اس ذریعہ سے منافق اپنی دشمنی نکال سکتے تھے۔ ایک ادنیٰ تدبر سے معلوم ہوسکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگا کر دو شخصوں سے دشمنی نکالی جاسکتی تھی۔ ایک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ایک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے۔ کیونکہ ایک کی وہ بیوی تھی اور ایک کی بیٹی تھیں۔ یہ دونوں وجود ایسے تھے کہ ان کی بدنامی سیاسی یا اقتصادی لحاظ سے یا دشمنیوں کے لحاظ سے

بعض لوگوں کے لئے فائدہ بخش ہوسکتی تھی۔ یا بعض لوگوں کی اغراض ان کو بدنام کرنے کے ساتھ وابستہ تھیں ورنہ خود حضرت عائشہؓ کی بدنامی سے کسی شخص کو کوئی دلچسپی نہ ہوسکتی تھی۔ زیادہ سے زیادہ آپ سے سوتوں کا تعلق ہوسکتا تھا اور یہ خیال ہوسکتا تھا کہ شاید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سوتوں نے حضرت عائشہؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں سے گرانے اور اپنی نیک نامی چاہنے کیلئے اس معاملہ میں کوئی حصہ لیا ہو۔ مگر تاریخ شاہد ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سوتوں نے اس معاملہ میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ بلکہ حضرت عائشہؓ کا اپنا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سے جس بیوی کو میں اپنا رقیب اور مدمقابل خیال کرتی تھی وہ حضرت زینبؓ تھیں۔ ان کے علاوہ اور کسی بیوی کو میں اپنا رقیب خیال نہیں کرتی تھی مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں زینبؓ کے اِس احسان کو کبھی نہیں بھول سکتی کہ جب مجھ پر الزام لگایا گیا تو سب سے زیادہ زور سے اگر کوئی اس الزام کا انکار کیا کرتی تھیں تو وہ حضرت زینبؓ ہی تھیں۔ پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اگر کسی کو دشمنی ہوسکتی تھی تو وہ ان کی سوتوں کو ہی ہوسکتی تھی۔ اور وہ اگر چاہتیں تو اِس میں حصہ لے سکتی تھیں تا حضرت عائشہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ سے گر جائیں اور ان کی عزت بڑھ جائے۔ مگر تاریخ سے ثابت ہے کہ انہوں نے اس معاملہ میں دخل ہی نہیں دیا۔ اور اگر کسی سے پوچھا گیا تو اُس نے حضرت عائشہؓ کی تعریف ہی کی۔ چنانچہ ایک اور بیوی کے متعلق ذکر آتا ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے اِس معاملہ کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے تو سوائے خیر کے عائشہ میں کوئی چیز نہیں دیکھی۔[۲۰]

تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اپنی دشمنی نکالنے کا امکان اگر کسی کی طرف سے ہوسکتا تھا تو ان کی سوتوں کی طرف سے مگر ان کا اس معاملہ میں کوئی تعلق ثابت نہیں ہوتا۔ اسی طرح مردوں کی عورتوں سے دشمنی کی کوئی وجہ نہیں ہوتی۔ پس آپ پر الزام یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض کی وجہ سے لگایا گیا یا حضرت ابوبکرؓ سے بُغض کی وجہ سے ایسا کیا گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مقام حاصل تھا وہ تو الزام لگانے والے کسی طرح چھین نہیں سکتے تھے۔ انہیں جس بات کا خطرہ تھا وہ یہ تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی وہ

اپنی اغراض کو پورا کرنے سے محروم نہ رہ جائیں اور وہ دیکھ رہے تھے کہ آپ کے بعد خلیفہ ہونے کا اگر کوئی شخص اہل ہے تو وہ ابوبکر ہی ہے۔ پس اس خطرہ کو بھانپتے ہوئے انہوں نے حضرت عائشہؓ پر الزام لگا دیا تا حضرت عائشہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ سے گر جائیں اور ان کے گر جانے کی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ کو مسلمانوں میں جو مقام حاصل ہے وہ بھی جاتا رہے اور مسلمان آپ سے بدظن ہو کر اس عقیدت کو ترک کر دیں جو انہیں آپ سے تھی اور اس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے خلیفہ ہونے کا دروازہ بالکل بند ہو جائے۔ جس طرح حضرت خلیفہ اوّل کی زندگی میں پیغامیوں کا گروہ مجھ پر اعتراض کرتا رہتا تھا اور مجھے بدنام کرنے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ پس یہی وجہ تھی کہ خدا تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ پر الزام لگنے کے واقعہ کے بعد خلافت کا بھی ذکر کیا۔

حدیثوں میں صریح طور پر آتا ہے کہ صحابہؓ آپس میں باتیں کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر کسی کا مقام ہے تو وہ ابوبکرؓ کا ہی مقام ہے۔[۲۱] پھر حدیثوں میں آتا ہے کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ آپ میری فلاں حاجت پوری کر دیں۔ آپ نے فرمایا اِس وقت نہیں پھر آنا۔ وہ بدوی تھا اور تہذیب اور شائستگی کے اصول سے ناواقف تھا اُس نے کہا آخر آپ انسان ہیں اگر میں پھر آؤں اور آپ اُس وقت فوت ہو چکے ہوں تو میں کیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا اگر میں دنیا میں نہ ہوا تو ابوبکر کے پاس چلے جانا وہ تمہاری حاجت پوری کر دے گا۔[۲۲]

اسی طرح حدیثوں میں آتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا اے عائشہ! میں چاہتا تھا کہ ابوبکر کو اپنے بعد نامزد کر دوں مگر میں جانتا ہوں کہ اللہ اور مومن اس کے سِوا اور کسی پر راضی نہ ہونگے[۲۳] اس لئے میں کچھ نہیں کہتا۔ غرض صحابہؓ یہ قدرتی طور پر سمجھتے ہیں کہ رسول کریمؐ کے بعد ان میں سے اگر کسی کا درجہ ہے تو ابوبکر کا اور وہی آپ کا خلیفہ بننے کے اہل ہیں۔ مکی زندگی تو ایسی تھی کہ اس میں حکومت اور اس کے انتظام کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا تھا۔ لیکن مدینہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے

کے بعد حکومت قائم ہوگئی۔ اور طبعاً منافقوں کے دلوں میں یہ سوال پیدا ہونے لگا کیونکہ آپ کی مدینہ میں تشریف لانے کی وجہ سے ان کی کئی امیدیں باطل ہوگئی تھیں۔ چنانچہ تاریخوں سے ثابت ہے کہ مدینہ میں عربوں کے دو قبیلے تھے اوس اور خزرج۔ اور یہ ہمیشہ آپس میں لڑتے رہتے تھے اور قتل اور خونریزی کا بازار گرم رہتا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اس لڑائی کے نتیجہ میں ہمارے قبائل کا رُعب مٹتا جارہا ہے تو انہوں نے آپس میں صلح کی تجویز کی اور قرار پایا کہ ہم ایک دوسرے سے اتحاد کرلیں اور کسی ایک شخص کو اپنا بادشاہ بنالیں چنانچہ اوس اور خزرج نے آپس میں صلح کر لی اور فیصلہ ہوا کہ عبداللہ بن ابی بن سلول کو مدینہ کا بادشاہ بنا دیا جائے۔ اس فیصلہ کے بعد انہوں نے تیاری بھی شروع کر دی اور عبداللہ بن ابی بن سلول کے لئے تاج بننے کا حکم بھی دے دیا گیا۔ اتنے میں مدینہ کے کچھ حاجی مکہ سے واپس آئے اور انہوں نے بیان کیا کہ آخری زمانہ کا نبی مکہ میں ظاہر ہوگیا ہے اور ہم اس کی بیعت کر آئے ہیں۔ اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کے متعلق چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں۔ اور چند دنوں کے بعد بعض اور لوگوں نے بھی مکہ جا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کر لی۔ پھر انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ ہماری تربیت اور تبلیغ کے لئے کوئی معلّم ہمارے ساتھ بھیجیں۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو مبلّغ بنا کر بھیجا اور مدینہ کے بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اُنہی دنوں میں چونکہ مکہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو بہت سی تکالیف پہنچائی جارہی تھیں اِس لئے اہل مدینہ نے آپ سے درخواست کی کہ آپ مدینہ میں تشریف لے آئیں۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت سے صحابہ سمیت مدینہ ہجرت کر کے آ گئے۔ اور عبداللہ بن ابی بن سلول کے لئے جو تاج تیار کروایا جارہا تھا وہ دھرا کا دھرا رہ گیا کیونکہ جب انہیں دونوں جہانوں کا بادشاہ مل گیا تو انہیں کسی اور بادشاہ کی کیا ضرورت تھی۔ عبداللہ بن ابی ابن سلول نے جب یہ دیکھا کہ اُس کی بادشاہت کے تمام امکانات جاتے رہے ہیں تو اسے سخت غصہ آیا۔ اور گو وہ بظاہر مسلمانوں میں مل گیا مگر ہمیشہ اسلام میں رخنے ڈالتا رہتا تھا۔ اور چونکہ اب وہ اور کچھ نہیں کرسکتا تھا اس لئے اُس کے دل میں اگر

کوئی خواہش پیدا ہوسکتی تھی تو یہی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوں تو مَیں مدینہ کا بادشاہ بنوں لیکن مسلمانوں میں جونہی بادشاہت قائم ہوئی اور ایک نیا نظام انہوں نے دیکھا تو انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف سوالات کرنے شروع کر دیئے کہ اسلامی حکومت کا کیا طریق ہے۔ آپ کے بعد اسلام کا کیا حال ہوگا اور اس بارہ میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے۔ عبداللہ بن ابی بن سلول نے جب یہ حالت دیکھی تو اسے خوف پیدا ہونے لگا کہ اب اسلام کی حکومت ایسے رنگ میں قائم ہوگی کہ اس میں اس کا کوئی حصہ نہ ہوگا وہ ان حالات کو روکنا چاہتا تھا اور اس کیلئے جب اس نے غور کیا تو اسے نظر آیا کہ اگر اسلامی حکومت کو اسلامی اصول پر کوئی شخص قائم کرسکتا ہے تو وہ ابوبکر ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں کی نظر اسی کی طرف اُٹھتی ہے اور وہ اسے سب دوسروں سے معزز سمجھتے ہیں۔ پس اُس نے اپنی خیر اِسی میں دیکھی کہ ان کو بدنام کر دیا جائے اور لوگوں کی نظروں سے گرا دیا جائے بلکہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ سے بھی گرا دیا جائے۔ اور اس بدنیتی کے پورا کرنے کا موقع اسے حضرت عائشہؓ کے ایک جنگ میں پیچھے رہ جانے کے واقعہ سے مل گیا اور اس خبیث نے آپ پر گندہ الزام لگا دیا جو قرآن کریم میں اشارۃً بیان کیا گیا ہے اور حدیثوں میں اس کی تفصیل آتی ہے۔ عبداللہ بن ابی بن سلول کی اِس میں یہ غرض تھی کہ اس طرح حضرت ابوبکرؓ ان لوگوں کی نظروں میں بھی ذلیل ہو جائیں گے اور آپ کے تعلقات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی خراب ہو جائیں گے اور اس نظام کے قائم ہونے میں رخنہ پڑ جائے گا جس کا قائم ہونا اسے لابُدِّی نظر آتا تھا اور جس کے قائم ہونے سے اس کی امیدیں تباہ ہو جاتی تھیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حکومت کے خواب صرف عبداللہ بن ابی بن سلول ہی نہیں دیکھ رہا تھا اَور بعض لوگ بھی اس مرض میں مبتلا تھے۔ چنانچہ مسیلمہ کذاب کی نسبت بھی حدیثوں میں آتا ہے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے عرض کی کہ میرے ساتھ ایک لاکھ سپاہی ہیں میں چاہتا ہوں کہ اپنی تمام جماعت کے ساتھ آپ کی بیعت کرلوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام میں چھوٹے اور بڑے کی کوئی تمیز نہیں اگر تم پر حق کھل گیا ہے تو تم بیعت کرلو۔ وہ کہنے لگا میں

بیعت کرنے کیلئے تیار تو ہوں مگر میری ایک شرط ہے۔آپ نے فرمایا وہ کیا؟ وہ کہنے لگا میری شرط یہ ہے کہ آپ تو خیر اَب عرب کے بادشاہ بن ہی گئے ہیں لیکن چونکہ میری قوم عرب کی سب سے زیادہ زبردست قوم ہے پس میں اِس شرط پر آپ کی بیعت کرتا ہوں کہ آپ کے بعد میں عرب کا بادشاہ ہوں گا۔آپ نے فرمایا میں کوئی وعدہ نہیں کرتا۔ یہ خدا کا انعام ہے وہ جسے چاہے گا دے گا۔[۲۴] اس پر وہ ناراض ہو کر چلا گیا اور اپنی تمام قوم سمیت مخالفت پر آمادہ ہو گیا۔

تو مسیلمہ کذاب نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بادشاہت ملنے کی آرزو کی تھی، زندگی میں نہیں۔ یہی حال عبداللہ بن ابی بن سلول کا تھا۔ چونکہ منافق اپنی موت کو ہمیشہ دور سمجھتا ہے اور وہ دوسروں کی موت کے متعلق اندازے لگاتا رہتا ہے اس لئے عبداللہ بن اُبی بن سلول بھی اپنی موت کو دور سمجھتا تھا اور وہ نہیں جانتا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی وہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرے گا۔ وہ یہ قیاس آرائیاں کرتا رہتا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوں تو مَیں عرب کا بادشاہ بنوں گا۔لیکن اب اس نے دیکھا کہ ابوبکرؓ کی نیکی اور تقویٰ اور بڑائی مسلمانوں میں تسلیم کی جاتی ہے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے تشریف نہیں لاتے تو ابوبکرؓ آپ کی جگہ نماز پڑھاتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی فتویٰ پوچھنے کا موقع نہیں ملتا تو مسلمان ابوبکرؓ سے فتویٰ پوچھتے ہیں۔ یہ دیکھ کر عبداللہ بن ابی بن سلول کو جو آئندہ کی بادشاہت ملنے کی امید لگائے بیٹھا تھا سخت فکر لگا اور اُس نے چاہا کہ اِس کا ازالہ کرے۔ چنانچہ اِسی امر کا ازالہ کرنے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شہرت اور آپ کی عظمت کو مسلمانوں کی نگاہوں سے گرانے کے لیے اس نے حضرت عائشہؓ پر الزام لگا دیا تا حضرت عائشہؓ پر الزام لگنے کی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہؓ سے نفرت پیدا ہو اور حضرت عائشہؓ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نفرت کا یہ نتیجہ نکلے کہ ابوبکرؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی نگاہوں میں جو اعزاز حاصل ہے وہ کم ہو جائے اور ان کے آئندہ خلیفہ بننے کا کوئی امکان نہ رہے۔ چنانچہ اِسی امر کا اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں ذکر کرتا اور فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ کہ وہ لوگ جنہوں نے حضرت عائشہ پر اتہام لگایا وہ تم لوگوں میں سے ہی مسلمان کہلانے والا ایک جتھا ہے مگر فرماتا ہے لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ [۲۵]

تم یہ خیال نہ کرو کہ یہ الزام کوئی بُرا نتیجہ پیدا کرے گا بلکہ یہ الزام بھی تمہاری بہتری اور ترقی کا موجب ہو جائے گا چنانچہ لو اب ہم خلافت کے متعلق اصول بھی بیان کر دیتے ہیں اور تم کو یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ یہ منافق زور مار کر دیکھ لیں یہ ناکام رہیں گے اور ہم خلافت کو قائم کر کے چھوڑیں گے۔ کیونکہ خلافت، نبوت کا ایک جزو ہے اور الٰہی نور کے محفوظ رکھنے کا ایک ذریعہ ہے۔ پھر فرماتا ہے لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۔[۲۶] ان الزام لگانے والوں میں سے جیسی جیسی کسی نے کمائی کی ہے ویسا ہی عذاب اسے مل جائے گا۔ چنانچہ جو لوگ الزام لگانے کی سازش میں شامل تھے انہیں اسّی اسّی کوڑے لگائے گئے۔ پھر فرمایا وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ [۲۷] مگر ان میں سے ایک شخص جو سب سے بڑا شرارتی ہے اور جو اِس تمام فتنہ کا بانی ہے اسے ہم کوڑے نہیں لگوائیں گے بلکہ اس کو عذاب ہم خود دیں گے۔ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ وہ شخص جس نے اصل میں بات بنائی ہے (یعنی عبداللہ بن ابی بن سلول) وہ عام عذاب کا مستحق نہیں خاص اور بڑے عذاب کا مستحق ہے جو عذاب ہم ہی دے سکتے ہیں۔ چنانچہ اس حکم کے ماتحت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُسے عذاب مل گیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی وہ ہلاک ہو گیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے بعد خلیفہ ہو گئے۔ اس الزام کا ذکر کرنے اور عبداللہ بن ابی ابن سلول کی اِس شرارت کو بیان کرنے کے بعد کہ اس نے خلافت میں رخنہ اندازی کرنے کے لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگایا، اللہ تعالیٰ معاً فرماتا ہے اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ کہ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کا نور ہے مگر اُس کے نور کو مکمل کرنے کا ذریعہ نبوت اور اس کے بعد اس کے دنیا میں پھیلانے اور اسے زیادہ سے زیادہ عرصہ تک قائم رکھنے کا اگر کوئی ذریعہ ہے تو وہ خلافت ہی ہے۔ پس ان منافقوں کی تدبیروں کی وجہ سے ہم اس عظیم الشان ذریعہ کو تباہ نہیں ہونے دیں گے بلکہ اپنے نور کے دنیا میں دیر تک قائم رکھنے کیلئے اس سامان کو مہیا کریں گے۔

اِس بات کا مزید ثبوت کہ اس آیت میں جس نور کا ذکر ہے وہ نورِ خلافت ہی ہے اس

سے اگلی آیتوں میں ملتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ اِس سوال کا جواب دیتا ہے کہ یہ نور کہاں ہے۔ فرماتا ہے فِيْ بُيُوْتٍ یہ نورِ خلافت چند گھروں میں پایا جاتا ہے۔ نورِ نبوت تو صرف ایک گھر میں ہے مگر نورِ خلافت ایک گھر میں نہیں بلکہ فِيْ بُيُوْتٍ چند گھروں میں ہے۔ پھر فرماتا ہے اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وہ گھر ابھی چھوٹے سمجھتے جاتے ہیں مگر خدا نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ ان گھروں کو اونچا کرے۔ کیونکہ نبوت کے بعد خلافت اس خاندان کو بھی اونچا کر دیتی ہے جس میں سے کوئی شخص منصبِ خلافت حاصل کرتا ہے۔

اس آیت نے یہ بتا دیا کہ اس جگہ اللہ تعالیٰ کا مقصد نورِ خلافت کو بیان کرنا ہے اور یہ بتانا ہے کہ نورِ خلافت، نورِ نبوت اور نورِ الوہیت کے ساتھ کُلّی طور پر وابستہ ہے اور اس کو مٹانا دوسرے دونوں نوروں کو مٹانا ہے۔ پس ہم اِسے مٹنے نہ دیں گے اور اس نور کو ہم کئی گھروں کے ذریعہ ظاہر کریں گے تا نورِ نبوت کا زمانہ اور اس کے ذریعہ سے نورِ الٰہیہ کے ظہور کا زمانہ لمبا ہو جائے۔ چنانچہ خلافت پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئی۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئی اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئی۔ کیونکہ خدا نے یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ ان بیوت کو اونچا کرے۔ تُرْفَعَ کے لفظ نے یہ بھی بتا دیا کہ الزام لگانے والوں کی اصل غرض یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو نیچا کریں اور انہیں لوگوں کی نگاہ میں ذلیل کریں۔ مگر خدا کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ ان کو اونچا کرے اور جب خدا انہیں عزت دینا چاہتا ہے تو پھر کسی کے الزام لگانے سے کیا بنتا ہے۔

اب دیکھو سورۃ نور کے شروع سے لے کر اس کے آخر تک کس طرح ایک ہی مضمون بیان کیا گیا ہے پہلے اس الزام کا ذکر کیا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگایا گیا تھا اور چونکہ حضرت عائشہؓ پر الزام لگانے کی اصل غرض یہ تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ذلیل کیا جائے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے جو تعلقات ہیں وہ بگڑ جائیں اور اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی نگاہ میں بھی ان کی عزت کم ہو جائے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وہ خلیفہ نہ ہو سکیں۔ کیونکہ عبداللہ بن ابی بن سلول یہ بھانپ گیا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں کی نگاہ اگر کسی پر اُٹھتی ہے تو وہ ابوبکرؓ ہی ہے

اور اگر ابوبکرؓ کے ذریعہ خلافت قائم ہوگئی تو عبداللہ بن ابی بن سلول کی بادشاہی کے خواب کبھی پورے نہ ہوں گے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس الزام کے ذکر کے معاً بعد خلافت کا ذکر کیا اور فرمایا کہ خلافت بادشاہت نہیں ہے۔ وہ تو نورِ الٰہی کے قائم رکھنے کا ایک ذریعہ ہے اس لئے اس کا قیام اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ اس کا ضائع ہونا تو نورِ نبوت اور نورِ الوہیت کا ضائع ہونا ہے۔ پس وہ اس نور کو ضرور قائم کرے گا اور نبوت کے بعد بادشاہت ہرگز قائم نہیں ہونے دے گا اور جسے چاہے گا خلیفہ بنائے گا بلکہ وہ وعدہ کرتا ہے کہ مسلمانوں سے ایک نہیں متعدد لوگوں کو خلافت پر قائم کر کے نور کے زمانہ کو لمبا کر دے گا۔ یہ مضمون ایسا ہی ہے جیسے کہ حضرت خلیفہ المسیح الاوّل فرمایا کرتے تھے کہ خلافت کیسری کی دکان کا سوڈا واٹر نہیں کہ جس کا جی چاہے پی لے۔ اسی طرح فرمایا تم اگر الزام لگانا چاہتے ہو تو بے شک لگاؤ نہ تم خلافت کو مٹا سکتے ہو نہ ابوبکرؓ کو خلافت سے محروم کر سکتے ہو۔ کیونکہ خلافت ایک نور ہے وہ نور اللہ کے ظہور کا ایک ذریعہ ہے اس کو انسان اپنی تدبیروں سے کہاں مٹا سکتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اسی طرح خلافت کا یہ نور چند اور گھروں میں بھی پایا جاتا ہے اور کوئی انسان اپنی کوششوں اور اپنے مکروں سے اس نور کے ظہور کو روک نہیں سکتا۔ اب دیکھو اس تشریح کے ساتھ سورۃ نور کی تمام آیتوں کا آپس میں کس طرح ربط قائم ہو جاتا ہے اور کس طرح پہلے چار رکوعوں کے مضمون کا اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور اس کے مَا بَعْد کی آیتوں کے ساتھ ربط قائم ہو جاتا ہے اور ساری سورۃ کے مطالب آئینہ کی طرح سامنے آجاتے ہیں۔

پس خلافت ایک الٰہی سنت ہے کوئی نہیں جو اِس میں روک بن سکے۔ وہ خدا تعالیٰ کے نور کے قیام کا ذریعہ ہے جو اِس کو مٹانا چاہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نور کو مٹانا چاہتا ہے۔ ہاں وہ ایک وعدہ ہے جو پورا تو ضرور کیا جاتا ہے لیکن اس کے زمانہ کی لمبائی مومنوں کے اخلاص سے وابستہ ہے۔ فرماتا ہے وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ ۪ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا ؕ یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ

بِیْ شَیْـًٔا ؕ وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ [۲۸]

(خطباتِ محمود جلد ۱۸ صفحہ ۴۳۱ تا ۴۵۸)

---

۱ تذکرہ صفحہ ۵۴۱۔ ایڈیشن چہارم ۲۰۰۴ء

۲ الم نشرح: ۲ ۳ النور: ۳۶ تا ۳۹ ۴ طٰہٰ: ۱۱

۵ دیوار گیر: دیوار میں لگانے کا لیمپ (فیروز اللغات اردو جامع صفحہ ۶۷۳ مطبوعہ فیروز سنز لاہور ۲۰۱۰ء)

۶ آل عمران: ۱۹۱ ۷ النور: ۲، ۳ ۸ النور: ۵

۹ النور: ۶ ۱۰ النور: ۷ ۱۱ النور: ۱۲

۱۲ النور: ۲۰، ۲۱ ۱۳ النور: ۲۲ ۱۴ النور: ۲۴

۱۵ النور: ۲۸ ۱۶ النور: ۳۱ ۱۷ النور: ۳۶

۱۸، ۱۹ النور: ۵۶

۲۰ بخاری کتاب التفسیر باب لولا اذ سمعتموہ ظن المؤمنین صفحہ ۸۳۱ حدیث نمبر ۴۷۵۰ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانیة

۲۱ بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔ باب فضل ابی بکر بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۶۱۳، ۶۱۴ حدیث نمبر ۳۶۵۵ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانیة

۲۲ بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت متخذا خلیلا صفحہ ۶۱۴ حدیث نمبر ۳۶۵۹ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانیة میں عورت کا ذکر ہے

۲۳ بخاری کتاب الاحکام باب الاستخلاف صفحہ ۱۲۴۳ حدیث نمبر ۷۲۱۷ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانیة

۲۴ بخاری کتاب المغازی باب وفد بنی حنیفة صفحہ ۷۴۲ حدیث نمبر ۴۳۷۳ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانیة

۲۵ تا ۲۷ النور: ۱۲ ۲۸ النور: ۵۶

شیخ عبدالرحمٰن صاب مصری کی تسلی کے لئے قسموں کا اعلان

خطبہ جمعہ ۱۲؍نومبر ۱۹۳۷ء میں شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کی تسلی کے لئے قسموں کا اعلان کرتے ہوئے حضور فرماتے ہیں:۔

''شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری نے اپنے خط میں تسلیم کیا ہے کہ وہ دو سال سے خفیہ تحقیق میرے خلاف کررہے تھے اور اس بارہ میں لوگوں سے گفتگو کیا کرتے تھے۔ اگر جس دن انہیں میرے متعلق شبہ پیدا ہوا تھا اور میرے خلاف انہیں کوئی بات پہنچی تھی اُسی دن وہ میرے پاس آتے اور کہتے کہ میرے دل میں آپ کے متعلق یہ شبہ پیدا ہوگیا ہے تو میں یقیناً انہیں جواب دیتا اور اپنی طرف سے اُن کو اطمینان دلانے اور ان کے شکوک کو دور کرنے کی پوری کوشش کرتا۔ چنانچہ ایسی کئی مثالیں موجود ہیں کہ بعض لوگ میرے پاس آئے اور انہوں نے دیانت داری سے اپنے شکوک پیش کرکے ان کا ازالہ کرنا چاہا اور میں ان پر ناراض نہیں ہوا بلکہ میں نے ٹھنڈے دل سے اُن کی بات کو سُنا اور آرام سے اُنہیں سمجھانے کی کوشش کی۔ اور میں سمجھتا ہوں اگر وہ جھوٹ نہ بولیں تو ایسے لوگ بھی میں پیش کرسکتا ہوں جو اَب احمدی نہیں اور وہ اِس بات کے شاہد ہیں کہ انہوں نے مخفی طور پر اپنے بعض شکوک کے متعلق مجھ سے تسلی چاہی اور میں نے نہایت خندہ پیشانی سے ان کی باتوں کا جواب دیا۔ لیکن جو شخص پہلے مجھے مجرم قرار دیتا ہے اور پھر مجھ سے تسلی چاہتا ہے اُس کی تسلی کرنے کے کوئی معنی نہیں۔ جس نے فیصلہ کرلیا کہ میں مجرم ہوں، جس نے فیصلہ کرلیا کہ مجھ میں فلاں فلاں عیوب پائے جاتے ہیں اُس کی تسلی کرنی بالکل بے معنی بات ہے۔

پس مجھے ان کے طریق پر اعتراض ہے ورنہ وسوسے بعض کمزور انسانوں کے قلوب میں پیدا ہوتے ہی رہتے ہیں۔ مجھے جس بات پر اعتراض ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے خفیہ کارروائی

کی اور خفیہ طور پر لوگوں کو بہکایا۔ چنانچہ اِس کا ثبوت اِس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتا ہے کہ اِدھر جماعت سے وہ نکلے اُدھر حکیم عبدالعزیز صاحب نے کہہ دیا کہ میں جماعت سے الگ ہوتا ہوں اور وہ جھٹ مصری صاحب کے ساتھ شامل ہوگئے ۔ پھر مصری صاحب نے بھی اپنے خط میں یہی لکھا تھا کہ فخر الدین کو اگر آپ نے معاف نہ کیا تو اس کا نتیجہ اچھا نہیں نکلے گا۔ گویا میری وجہ سے وہ جماعت سے الگ نہیں ہوئے بلکہ اس لئے ہوئے کہ فخر الدین کو کیوں معاف نہیں کیا گیا۔ پس صاف پتہ لگتا ہے کہ یہ ایک پارٹی تھی جو اندر ہی اندر خفیہ منصوبے کررہی تھی ۔ چنانچہ ابتدائی رپورٹیں جو میرے پاس پہنچیں ان میں میاں فخر الدین صاحب، شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری، حکیم عبدالعزیز صاحب اور میاں مصباح الدین صاحب ان چاروں کے نام علاوہ بعض دوسرے ناموں کے آتے رہے ہیں۔کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ کیوں نہ فرض کرلیا جائے کہ رپورٹ دینے والوں نے جھوٹ بولا۔ یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ یہ شروع سے ایک پارٹی تھی۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ رپورٹ دینے والوں کو کیا پتہ تھا کہ کسی وقت یہ چاروں علیحدہ بھی ہوجائیں گے۔انہوں نے ایک رپورٹ کی اور وقوعہ نے ثابت کردیا کہ انہوں نے جھوٹ نہیں بولا بلکہ سچ کہا ورنہ وجہ کیا ہے کہ اِدھر میاں فخر الدین صاحب ملتانی جماعت سے نکالے جاتے ہیں اور اُدھر شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری بھی نکل جاتے ہیں۔ وہ علیحدہ ہوتے ہیں تو میاں عبدالعزیز حکیم اور میاں عبدالرب بھی فسخ بیعت کا اعلان کردیتے ہیں اور میاں مصباح الدین صاحب سے بھی ایسی حرکات سرزد ہوتی ہیں کہ انہیں جماعت سے الگ کرنا پڑتا ہے۔ یہ باتیں ثبوت ہیں اِس بات کا کہ ان میں خفیہ کارروائیاں ہوتی رہی تھیں اور یہی تقویٰ کے خلاف فعل ہے۔اگر پہلے دن ہی جب انہوں نے میرے متعلق کوئی بات سنی تھی میرے پاس آتے اور مجھ سے کہتے کہ میں نے فلاں بات سنی ہے مجھے اس کے متعلق سمجھایا جائے تو جس رنگ میں بھی ممکن ہوتا میں انہیں سمجھانے کی کوشش کرتا اور گو تسلی دینا خدا کا کام ہے میرا نہیں مگر اپنی طرف سے میں انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کرتا۔لیکن انہوں نے تقویٰ کے خلاف طریق اختیار کیا اور پھر ہر قدم جو انہوں نے اُٹھایا وہ تقویٰ کے خلاف اُٹھایا۔ چنانچہ جب انہوں نے یہ شور مچانا شروع کردیا کہ مجھ پر

جماعت کی طرف سے کئی قسم کے مظالم کئے جا رہے ہیں تو میں نے اس کی تحقیق کیلئے ایک کمیشن مقرر کیا جس کے ممبر مرزا عبدالحق صاحب اور میاں عطاء اللہ صاحب پلیڈر تھے۔ مرزا عبدالحق صاحب، شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کے گہرے دوست تھے۔ مگر انہوں نے مرزا عبدالحق صاحب کے متعلق کہہ دیا کہ یہ خلیفہ کے اپنے آدمی ہیں اور انہیں چونکہ جماعت کی طرف سے مقدمات ملتے ہیں اس لئے فیصلہ میں وہ خلیفہ کی طرفداری کریں گے اور میاں عطاء اللہ صاحب پلیڈر کہ وہ بھی ان کے گہرے دوستوں میں سے تھے ان کے متعلق انہوں نے یہ کہا کہ مجھے ان کے فیصلہ پر اس لئے تسلی نہیں کہ ان کی مرزا گل محمد صاحب نے جو خلیفہ کے چچا کے بیٹے ہیں ایک ضمانت دی ہوئی ہے۔ اب اگر احمدیوں کے ایمان اتنے کمزور ہیں کہ ان میں سے کوئی اس لئے صحیح فیصلہ نہ کرے کہ مجھے جماعت کی طرف سے مقدمات ملتے ہیں، اگر میں نے جماعت کے خلاف فیصلہ کیا تو مقدمات ملنے بند ہو جائیں گے۔ اور کوئی اس لئے صحیح فیصلہ نہ کرے کہ میرے چچا کے بیٹے نے ان کی ایک ضمانت دی ہوئی ہے تو ایسے لوگوں کے اندر شامل رہنے سے فائدہ کیا ہے۔ میں نے تو نہایت دیانتداری سے ان دونوں کو اس کا دوست سمجھ کر اس فیصلہ کیلئے مقرر کیا تھا مگر انہوں نے اس کمیشن کے سامنے اس لئے اپنے مطالبات پیش کرنے سے انکار کر دیا کہ یہ دونوں ہمارے زیر اثر ہیں۔ اس کے مقابلہ میں مصری صاحب کے ایک اَور دوست مصباح الدین صاحب کے متعلق جب کمیشن مقرر کیا گیا تو میں نے یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ لوگ ان لوگوں پر جو جماعت سے کوئی ملازمت وغیرہ کا تعلق رکھتے ہوں اعتراض کرنے کے عادی ہیں ایسے آدمی مقرر کئے جنہیں جماعت سے کبھی کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ ان میں سے ایک میر محمد بخش صاحب امیر جماعت احمدیہ گوجرانوالہ تھے۔ انہوں نے کبھی بھی جماعت سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا اور جماعت نے کسی مقدمہ میں انہیں کبھی فیس نہیں دی۔ دوسرے دوست چوہدری محمد شریف صاحب وکیل منٹگمری تھے انہیں بھی کبھی جماعت سے کوئی مالی فائدہ نہیں پہنچا۔ مگر جب ان دونوں کو میں نے مقرر کیا اور انہوں نے مصباح الدین صاحب کو بیان کیلئے بُلایا تو انہوں نے کہا کہ اگر خلیفہ خود مجھ سے جواب طلب کرے تو میں جواب دے سکتا ہوں کسی اَور کا ان امور سے کیا تعلق ہے۔ مجھے جب

یہ بات پہنچی تو میں نے جواب دیا کہ جب وہ سلسلہ پر اعتراض کرنے لگے تھے تو کیا انہوں نے خلیفہ سے اجازت لے لی تھی؟ اگر ان میں اتنا ہی اخلاص تھا تو چاہئے تھا کہ وہ اپنے اعتراضات کا بھی خلیفۂ وقت کے سوا اور کسی کے سامنے ذکر نہ کرتے۔ جب اعتراض کرنے کا وقت تھا اُس وقت تو اَوروں کے سامنے ہی اعتراض ہوتے رہے مگر جب جواب دینے کا وقت آیا تو کہہ دیا کہ میں خلیفہ کے سِوا اور کسی کو جواب نہیں دے سکتا۔ اصل بات یہ ہے کہ جب کسی انسان کے دل میں فتنہ پیدا ہو جاتا ہے تو وہ ''نہ مانوں'' ''نہ مانوں'' کی رٹ لگا تا رہتا ہے۔ جب کمیشن میں شیخ مصری صاحب کے دوست مقرر کئے گئے تو انہوں نے کہہ دیا کہ یہ پیڈ ایجنٹ (PAID AGENT) ہیں۔ ایک کو مقدمے مل جاتے ہیں اور دوسرے کو خلیفۂ وقت کے ایک رشتہ دار نے ضمانت دی ہوئی ہے۔ اور جب ایسے لوگ مقرر کئے گئے جن پر یہ اعتراض نہیں پڑ سکتا تھا تو یہ کہہ دیا گیا کہ خلیفۂ وقت کے سوا ہم کسی کے سامنے بات نہیں کر سکتے۔

پس میں نے تو چاہا تھا کہ اگر ہماری جماعت کے کسی فرد کی طرف سے ان پر سختی ہوئی ہو تو اس کا ازالہ کروں مگر انہوں نے خود اس کو قبول نہیں کیا۔ میں یہ ہرگز نہیں کر سکتا تھا کہ سلسلہ احمدیہ کے جھگڑوں میں غیر احمدیوں کو جج مقرر کروں۔ ہمیشہ اُمت محمدیہ میں اُمت محمدیہ کے افراد ہی باہمی جھگڑوں کا تصفیہ کرتے رہے ہیں۔ اس پر اگر کسی کو اعتراض ہے تو یہ میرے بس کی بات نہیں۔

خلفائے اسلام بھی بعض دفعہ دیوانی مقدموں میں بُلائے گئے ہیں مگر وہ اُنہی قاضیوں کے پاس گئے ہیں جنہیں انہوں نے خود مقرر کیا تھا۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما پر اگر کوئی دیوانی مقدمہ ہوا ہے تو اُنہی قاضیوں کے پاس جنہیں حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے مقرر کیا تھا اُس وقت کسی نے نہیں کہا کہ قاضی تو آپ کا اپنا مقرر کردہ ہے اس سے ہم فیصلہ کیونکر کرا سکتے ہیں، وہ آپ کی طرفداری کرے گا۔ وہ جانتے تھے کہ یہ مسلمان قاضی ہیں اور مسلمان قاضی دیانت داری سے ہی کام لیں گے۔ ان میں یہ بدظنی نہیں تھی کہ قاضی تو ان کا مقرر کردہ ہے وہ کس طرح صحیح فیصلہ کر سکتا ہے۔ اور اگر کسی وقت قوم کی حالت ایسی گندی

ہو جائے کہ اُس کا خلیفہ بگڑ جائے اور اُس کے افراد بد دیانت ہو جائیں تو پھر اس مرض کا علاج کوئی بندہ نہیں کر سکتا اس کا علاج پھر اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے۔ اُس وقت پھر اصلاح کا دعویٰ کرنا محض ایک لاف ہے۔ اُس کا علاج ایک ہی ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ سے فریاد کی جائے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرمایا کرتے تھے کہ اگر تمہیں مجھ پر ایسی بدظنی ہے اور تم سمجھتے ہو کہ یہ جماعت کو تباہ کر رہا ہے تو تم خدا سے کہو کہ وہ مجھے تباہ کر دے۔ بندوں کے پاس چیخ و پکار بالکل بے معنی بات ہے۔

مصری صاحب کے اِسی ساتھی نے جس کے خط کا میں اوپر ذکر کر آیا ہوں یہ بھی لکھا ہے کہ آپ نے سازش کر کے مستریوں پر حملہ کروایا تھا۔ پھر آپ نے سازش کر کے محمد امین کو قتل کروایا اور اب فخر الدین کو مروا دیا ہے۔ اور اس کے بعد آپ ہمیں مروانے کی فکر میں ہیں۔ مجھے اس قسم کے اعتراض کا جواب دینے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ ہر غلط الزام کا جواب دینے کی نہ ضرورت ہوتی ہے اور نہ اس کا فائدہ ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ خط لکھنے والے نے آئندہ کا شبہ بھی ظاہر کیا ہے اور میں کسی کو قلق اور اضطراب میں رکھنا نہیں چاہتا اِس لئے میں ان کے وسوسہ کو دور کرنے اور ان کے خدشات کو مٹانے کیلئے وہ بات کہتا ہوں جس کی مجھے عام حالات میں ضرورت نہیں تھی اور میں اُس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتیوں کا کام ہے کہ میں نے کسی کو پٹوانا اور قتل کروانا تو الگ رہا آج تک سازش سے کسی کو چپیڑ بھی نہیں لگوائی۔ کسی پر اُنگلی بھی نہیں اُٹھوائی اور نہ میرے قلب کے کسی گوشہ میں یہ بات آئی ہے کہ میں خدانخواستہ آئندہ کسی کو قتل کرواؤں یا قتل تو الگ رہا ناجائز طور پر پٹوا ہی دوں۔ اگر میں اِس قسم میں جھوٹا ہوں تو اللہ تعالیٰ کی لعنت مجھ پر اور میری اولاد پر ہو۔ ان لوگوں نے میری صحبت میں ایک لمبا عرصہ گزارا ہے۔ اگر یہ لوگ تعصب سے بالکل ہی عقل نہ کھو چکے ہوتے تو یہ ان باتوں سے شک میں پڑنے کی بجائے خود ہی ان باتوں کو ردّ کر دیتے۔ خدا تعالیٰ نے مجھے ظالم نہیں بنایا، اُس نے مجھے ایک ہمدرد دل دیا ہے جو ساری عمر دنیا کے غموں میں گھلتا رہا اور گھل رہا ہے۔ ایک محبت کرنے والا دل جس میں سب دنیا کی خیر خواہی ہے، ایک ایسا دل جس کی بڑی خواہش ہی یہ ہے کہ وہ اور اس کی اولاد اللہ تعالیٰ

کے عشق کے بعد اس کے بندوں کی خدمت میں اپنی زندگی بسر کریں۔ ان امور میں مجبوریوں یا غلطیوں کی وجہ سے کوئی کمی آجائے تو آجائے مگر اس کے ارادہ میں اس بارہ میں کبھی کمی نہیں آئی۔

میں اصل مضمون سے دُور چلا گیا۔ میں ان لوگوں کی تسلی کیلئے اس سے بھی بڑھ کر ایک قدم اُٹھاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اگر جماعت میں کوئی ایسا شخص ہے جسے میں نے کبھی بھی کسی کے قتل یا مخفی طور پر پیٹنے کا حکم دیا ہو (مخفی کی شرط میں نے اس لئے لگائی ہے کہ قضاء کی سزاؤں میں ان لوگوں کو جنہیں سزا دینے کا ہم کو شرعی اور قانونی حق ہوتا ہے کبھی بدنی سزا بھی دِلوا دیتے ہیں) تو اسے میں اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ وہ اس امر کو ظاہر کر دے تاکہ اگر میں جھوٹا ہوں تو دنیا پر میرا جھوٹ کھل جائے۔ پھر میں اس سے بھی بڑھ کر ایک اَور قدم اُٹھاتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے ہمیشہ ایسے افعال کو ناپسند کیا ہے جن میں ظلم پایا جائے اور ظاہر اور مخفی ہر طرح ان افعال کو روکنے کی کوشش کرتا رہا ہوں۔ ہاں اگر خدا کی بتائی ہوئی تقدیریں پوری ہوں تو ان میں میرا کوئی دخل نہیں۔ وہ خدا کا اپنا کام ہے جو وہ کرتا ہے اور مجھ پر اس کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ مجھ پر الزام تبھی آسکتا ہے کہ میرے منصوبہ یا اشارہ سے کوئی بات ہو۔ لیکن میں انہیں کہتا ہوں انہوں نے مجھ پر یہ اعتراض کر کے کہ میں پہلے اپنے دشمنوں کی تباہی کے متعلق ایک پیشگوئی کرتا ہوں اور پھر انسانوں کی منت سماجت کر کے اسے پورا کرواتا اور اپنے دشمنوں کو مروا ڈالتا ہوں غیر از جماعت لوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا کر دیئے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ہم بھی یہی کہا کرتے تھے کہ مرزا صاحب نے لیکھرام کے قتل ہونے کی پیشگوئی کی اور پھر ایک آدمی بھیج کر اُسے مروا دیا۔ گویا انہوں نے مجھ پر یہ الزام لگا کر ایک ایسا خطرناک حربہ دشمن کے ہاتھ میں دے دیا ہے کہ گو وہ سلسلہ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا مگر اس سے وہ ہنسی اور طعن و تشنیع کا نشانہ ضرور بن جاتا ہے۔ انہیں سوچنا چاہئے کہ میں خدا تعالیٰ کی خبر کو کس طرح چھپاؤں۔ میں اس بارہ میں بے بس ہوں۔ میں قسم کھا سکتا ہوں، ہر سخت سے سخت قسم کہ میں نے جو خبر دی وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے تھی میں نے اپنے پاس سے نہیں بنائی اور میں ہر غلیظ سے غلیظ قسم کھا سکتا ہوں کہ اس خبر

کے پورا کرنے کیلئے میں نے کوئی سازش نہیں کی۔ اس سے زیادہ میں اور کیا ذریعہ تسلی دلانے کیلئے اختیار کرسکتا ہوں۔ جو اس پر بھی تسلی نہیں پاتا اس کا علاج خدا تعالیٰ کے پاس ہی ہے میرے پاس نہیں۔ مگر بدقسمت ہے وہ جو خدا تعالیٰ کے نشانات سے فائدہ اُٹھانے کی بجائے اَور بھی گمراہ ہوجاتا ہے۔ بے شک خدا تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا [1] کچھ لوگ اس سے ہدایت پاتے ہیں اور کچھ گمراہ ہوجاتے ہیں۔ مگر اس قاعدہ کے گمراہی والے حصہ میں شامل ہونا کوئی اچھا مقام نہیں کہ انسان اس مقام پر کھڑا ہونے کی کوشش کرے۔

پیشگوئیاں ہمارے لئے کوئی نئی چیز نہیں۔ ابھی قریب کے زمانہ میں ہم خدا تعالیٰ کے ایک مامور کی آواز سن چکے ہیں۔ پیشگوئی کے بعد پیشگوئی ہم نے سُنی اور پھر اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے دیکھی۔ پھر کیا ہوا کہ اتنے قلیل عرصہ میں لوگ اس آواز سے ناآشنا ہوگئے اور کیوں نہ ہوا کہ وہ خدا تعالیٰ کی آواز سے فائدہ اُٹھاتے اور انکار کرکے اپنے گناہوں کے بار کو زیادہ نہ کرتے۔ اے زمین اور آسمان! تو گواہ رہ کہ میں ان الفاظ کے بیان کرنے میں جو میں نے بیان کئے تھے جھوٹا نہ تھا۔ میں نے وہی کہا جو میرے دل اور کانوں پر نازل ہوا اور میں نے افتراء نہیں کیا اور میں خدا تعالیٰ پر افتراء کرنے کو لعنتیوں کا کام سمجھتا ہوں۔ اور مجھے ایسا کہنے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ وہ خود کہہ چکا ہے کہ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا [2] میں نے صرف وہی کہا جو میرے روحانی کانوں نے سُنا اور میرے دل نے محسوس کیا اور اِسی دفعہ نہیں میں نے بہت دفعہ آسمانی آواز کو سنا ہے۔ اور یہ کوئی میرا ذاتی فخر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا محض احسان ہے ورنہ میں تو ایک ناکارہ وجود ہوں، گناہوں سے پُر، خطاؤں سے بھرا ہوا مگر مَیں کیا کروں کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کرچکا ہے کہ وہ مجھ سے اِحیائے اسلام کا کام لے اور اسلام کی عظمت کو میرے ذریعہ سے قائم کرے اور یہ کام ہوکر رہے گا جلد یا بدیر۔ مبارک ہے وہ جو اِس کام میں میرا ہاتھ بٹاتا ہے اور افسوس اُس پر جو میرے راستہ میں کھڑا ہوتا ہے کیونکہ وہ میرا نہیں خدا تعالیٰ کا مقابلہ کرتا ہے جس نے مجھ سے گنہگار کو اپنے جلال کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ کاش! وہ توبہ کرتا اور خدا تعالیٰ کے اشارہ کو سمجھتا، کاش! وہ اپنے آپ کو اس خطرناک مقام

پر کھڑا نہ کرتا کیونکہ اِس قسم کے اعتراضوں سے وہ جس مصیبت کو اپنے اوپر سے ٹلانا چاہتا ہے وہ اُس کو ٹلاتا نہیں بلکہ ان کی وجہ سے اپنے آپ کو پہلے سے کہیں زیادہ خداتعالیٰ کے غضب کے نیچے لے آتا ہے۔ میں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ میں اخلاص اور درد کے ساتھ اسے یہی کہتا ہوں کہ

اے آنکہ سُوئے من بدویدی بصد تبر
از باغباں بترس کہ من شاخِ مثمرم[۳]

میں آخر میں پھر شیخ صاحب سے اخلاص اور خیر خواہی سے کہتا ہوں کہ جس جس رنگ میں خداتعالیٰ کی قسم کھانا میرے لئے ممکن تھا میں نے قسمیں کھالی ہیں اور ان کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ توبہ کریں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کریں۔ میں نے ان کی باتوں کو سُنا اور صبر کیا اور اِس حد تک صبر کیا کہ دوسرے لوگ اِس حد تک صبر نہیں کر سکتے۔ مگر وہ یقین رکھیں اور اگر وہ یقین نہیں کریں گے تو زمانہ اُن کو یقین دلا دے گا اور اگر اس دنیا میں انہیں یقین نہ آیا تو مرنے کے بعد انہیں اس بات کا یقین آجائے گا کہ انہوں نے مجھ پر وہ بدترین ظلم کیا ہے جو زیادہ سے زیادہ انسان دنیا میں کسی پر کرسکتا ہے۔ انہوں نے ان حربوں کو استعمال کیا ہے جن حربوں کے استعمال کی اسلام اور قرآن اجازت نہیں دیتا۔ میں نے آج تک خداتعالیٰ کے فضل سے کبھی دیدہ دانستہ دوسرے پر ظلم نہیں کیا اور اگر کسی ایسے شخص کا مقدمہ میرے پاس آجائے جس سے مجھے کوئی ذاتی رنجش ہو تو میرا طریق یہ ہے کہ میں ہر وقت یہ دعا کرتا رہتا ہوں کہ الٰہی! یہ میرے امتحان کا وقت ہے تو اپنا فضل میرے شاملِ حال رکھ ایسا نہ ہو کہ میں فیل ہو جاؤں۔ ایسا نہ ہو کہ میرے دل کی کوئی رنجش اس فیصلہ پر اثر انداز ہو جائے اور میں انصاف کے خلاف فیصلہ کر دوں۔ پس میں ہمیشہ دعا کرتا رہتا ہوں تا خداتعالیٰ مجھے انصاف کی توفیق دے اور میں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ خداتعالیٰ نے مجھے ہمیشہ انصاف کی توفیق دی ہے۔ میں نے شدید سے شدید دشمنوں کی بھی کبھی بدخواہی نہیں کی۔ میں نے کسی کے خلاف اُس وقت تک قدم نہیں اُٹھایا جب تک شریعت مجھے اس قدم کے اُٹھانے کی اجازت نہیں دیتی۔ پس وہ تمام الزامات جو وہ مجھ پر مار پیٹ اور قتل وغیرہ کے

سلسلہ میں عائد کرتے ہیں سب غلط اور بے بنیاد ہیں۔ بلکہ بیسیوں دفعہ ایسا ہوا ہے کہ جب بعض لوگوں نے مجھے کہا کہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانا کرتے تو میں نے اُن کو ڈانٹا اور کہا کہ یہ شریعت کے خلاف فعل ہے۔ان باتوں کا کبھی دل میں خیال بھی نہیں لانا چاہئے۔ اگر اِس قدر یقین دلانے کے باوجود بھی وہ اپنی باتوں پر قائم رہتے ہیں تو میرے پاس ان کے اعتراضات کا کوئی جواب نہیں اور میں خدا تعالیٰ سے ہی اپیل کرتا ہوں کہ اے خدا! اگر تو نے مجھے عہدۂ خلافت پر قائم کیا ہے اور تُو نے ہی میرے ہاتھوں اور میری زبان کو بند کیا ہوا ہے تو پھر تو آپ ان مظالم کا جواب دینے کیلئے آسمان سے اُتر۔ نہ میرے لئے بلکہ اپنی ذات کیلئے ، نہ میرے لئے بلکہ اپنے سلسلہ کیلئے۔

مذکورہ بالا خط میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کوئی آزاد کمیشن بیٹھے تو اس کے سامنے میرے خلاف لڑکوں اور لڑکیوں اور عورتوں کی گواہیاں وہ دِلوادیں گے بلکہ خود میری بھی گواہی دِلوادیں گے۔ جہاں تک میں سمجھ سکتا ہوں میری اپنی گواہی سے لکھنے والے کی مراد شاید یہ ہو کہ وہ کوئی میری تحریر پیش کرنا چاہتے ہیں وَاللّٰهُ اَعْلَمُ اور کوئی معنی اس فقرہ کے میرے ذہن میں نہیں آئے۔مگر ایسا ہو تو بھی خلفائے سابق سے میری ایک اور مماثلت ثابت ہوگی۔ پہلے خلفاء کے مقابلہ میں بھی لڑکیاں پیش کی گئیں۔ پہلے خلفاء کے مقابلہ میں بھی تحریریں پیش کی گئیں۔ چاہے ان لڑکیوں کی گواہیاں ہوئیں یا نہ ہوئیں اور چاہے وہ تحریریں کیسی ہی جعلی تھیں مگر بہرحال اِس قسم کے دلائل پہلے بھی پیش ہوتے چلے آئے ہیں۔ پس ان باتوں سے میں نہیں گھبراتا۔ میں نے بندوں پر کبھی توکّل نہیں کیا، میرا توکّل محض خدا کی ذات پر ہے۔ اگر میں جماعت سے بھی محبت کرتا ہوں تو صرف اِس لئے کہ یہ خدا نے مجھے دی ہے اور اگر جماعت کے تمام لوگ مجھ سے الگ ہو جائیں تو میں سمجھ لوں گا کہ یہ خدا نے مجھے نہیں دیئے تھے۔ پس مجھے لوگوں کے ارتداد سے گھبراہٹ نہیں۔ مجھے یقین ہے خدا کے وعدوں پر، مجھے یقین ہے خدا کی نصرتوں پر اور مجھے یقین ہے کہ ہر وہ شخص جو سچے دل سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان رکھتا ہے وہ نہیں مرے گا جب تک میری بیعت میں داخل نہ

ہو لے۔ اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ جو شخص مجھے چھوڑتا ہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چھوڑتا ہے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چھوڑتا ہے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑتا ہے اور جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑتا ہے وہ خدا کو چھوڑتا ہے۔ میں اِس یقین پر قائم ہوں قرآن مجید کے ماتحت، میں اِس یقین پر قائم ہوں حدیث کے ماتحت، میں اس یقین پر قائم ہوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات کے ماتحت، میں اس یقین پر قائم ہوں ان رؤیا وکشوف اور الہامات کے ماتحت جو مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوئے اور میں اس یقین پر قائم ہوں خدا تعالیٰ کی اُن کھلی کھلی تائیدات کے ماتحت جو ہر وقت میرے شامل حال ہیں۔ اگر کسی کو خدا تعالیٰ کا یہ عمل نظر نہیں آتا تو وہ اندھا ہے۔ ورنہ جو شخص ایک معمولی بصیرت بھی رکھتا ہو وہ دیکھ سکتا ہے کہ خدا نے ہمیشہ میری امداد فرمائی ہے اور غیب سے میری تائید کے سامان پیدا کئے ہیں اور ہمیشہ اپنے فضل سے وہ میری پشت پناہ بنا رہا ہے۔ اس نے ہر لحہ میری تائید کی، اُس نے ہر گھڑی میری نصرت کی، اُس نے ہر حملہ سے مجھے بچایا، اُس نے ہر میدان میں مجھے کامیاب کیا۔ میں کمزور ہوں اِس کو میں مانتا ہوں، میں کم علم ہوں اِس سے میں ناواقف نہیں، میں نالائق ہوں اِس سے مجھے انکار نہیں مگر خدا تعالیٰ نے مجھ سے پوچھ کر مجھے خلیفہ نہیں بنایا۔ اگر وہ پوچھتا تو میں اُس سے ضرور کہتا کہ مجھ میں کوئی خوبی اور لیاقت نہیں۔ مگر کون ہے جو خدا تعالیٰ سے پوچھے کہ تُو نے یہ کام کیوں کیا اور کون ہے جو اس کے فیصلہ پر اعتراض کرے۔ جب اُس نے مجھے اِس مقام پر کھڑا کر دیا تو اب میں کھڑا ہوں۔ اِس لئے نہیں کہ اپنی عزت قائم کروں بلکہ اِس لئے کہ خدا کی عزت دنیا میں قائم کروں۔ پس اُسی کے نام کو قائم کرنے، اُسی کی عزت کو بلند کرنے اور اُسی کے جلال کو ظاہر کرنے کیلئے میں کھڑا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے آخر دم تک کھڑا رہوں گا اور اس کا عمل بتا رہا ہے کہ وہ میرے ساتھ ہے۔

پس جو شخص مجھے چھوڑتا ہے وہ خدا کو چھوڑتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی کھلی کھلی تائیدات کو بھی نہیں دیکھ سکتا وہ روحانی اندھا ہے۔ اگر وہ راہِ راست پر نہیں آ سکتا تو اس میں میرا کوئی

قصور نہیں۔ میری تو ہر آن اللہ تعالیٰ سے یہی دعا ہے کہ اے خدا! مجھ پر بھی رحم کر اور ان پر بھی جن کو تو نے میرے ساتھ تعلق پیدا کرنے کیلئے چنا اور اُن پر بھی جو اَب تک اس سے محروم ہیں۔ جس طرح تیرے فضل نے مجھ جیسے کمزور کو ڈھانپ لیا میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ اِسی طرح وہ فضل ساری دنیا کو ڈھانپ لے۔ وَمَا ذٰلِکَ بِبَعِیْدٍ عَنْ رَحْمَتِکَ یَارَبِّ۔''

(خطباتِ محمود جلد ۱۸ صفحہ ۵۲۸ تا ۵۳۷)

---

۱ البقرة: ۲۷ ۲ الانعام: ۲۲

۳ درثمین فارسی صفحہ ۱۰۶۔ شائع کردہ نظارت اشاعت ربوہ

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد کے واقعات سے متعلق

خطبہ جمعہ ۲۱ ؍جنوری ۱۹۳۸ء میں حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا:۔

''کیا عجیب نظارہ ہمیں نظر آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی مسجد میں حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد معاویہ ہزاروں مسلمانوں کے درمیان کھڑے ہوتے ہیں۔ وہی معاویہ جو فتح مکہ تک برابر رسول کریمؐ کیخلاف لڑتے رہے تھے اور کھڑے ہوکر مسلمانوں سے مخاطب ہوکر کہتے ہیں کہ اے مسلمانو! تم جانتے ہو ہمارا خاندان عرب کے رؤسا میں سے ہے اور ہم لوگ اشرافِ قریش میں سے ہیں۔ پس آج مجھ سے زیادہ حکومت کا کون مستحق ہوسکتا ہے اور میرے بعد میرے بیٹے سے کون زیادہ مستحق ہوسکتا ہے۔ اُس وقت حضرت عبداللہ بن عمرؓ مسجد کے ایک کونے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ عبداللہ بن عمرؓ جن کو حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی موجودگی میں صحابہؓ نے خلافت کا حق دار قرار دیا تھا اور حضرت عمرؓ سے خواہش کی تھی کہ آپ اپنے بعد ان کو خلافت پر مقرر فرمائیں کیونکہ مسلمان زیادہ سہولت سے اُن کے ہاتھ پر جمع ہو جائیں گے اور کسی قسم کے فتنے پیدا نہیں ہوسکیں گے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے جواب دیا میں اسکی نیکی کو جانتا ہوں اور اس کے مقام کو پہچانتا ہوں لیکن یہ رسم میں نہیں ڈالنا چاہتا کہ ایک خلیفہ اپنے بعد اپنے بیٹے کو خلیفہ مقرر کر دے اور خصوصاً جبکہ اکابر صحابہؓ زندہ موجود ہیں اس لئے میں اسے مشورہ میں تو شامل رکھوں گا لیکن خلافت کا امیدوار قرار نہیں دوں گا۔''

(الفضل ۲۵ جنوری ۱۹۳۸ء)

جو شخص ایک خلیفہ پر حملہ کرتا ہے وہ دراصل سارے خلفاء پر حملہ کرتا ہے

خطبہ جمعہ ۱۸؍فروری ۱۹۳۸ء میں حضور نے فرمایا:۔

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص مجھ پر حملہ کرے گا اس کے حملہ کی زد تمام انبیاء پر پڑے گی۔ اِسی طرح جو شخص ایک خلیفہ پر حملہ کرتا ہے وہ دراصل سارے خلفاء پر حملہ کرتا ہے۔ چنانچہ میں نے دیکھا ہے قریب کے عرصہ میں مصری صاحب نے ایک اشتہار شائع کیا ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے جب فلاں فلاں غلطیاں کیں اور مسلمانوں نے آپ سے مطالبہ کیا کہ آپ خلافت سے دستبردار ہو جائیں تو گو انہوں نے الگ ہونے سے انکار کر دیا مگر مسلمانوں نے تو بہر حال ایک رنگ میں انہیں معزول کر ہی دیا۔ گویا حضرت عثمانؓ اِسی بات کے مستحق تھے کہ خلافت سے معزول کئے جاتے حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کے متعلق بارہا یہ فرمایا ہے کہ انہوں نے جنت خرید لی اور وہ جنتی ہیں [۱] اور ایک دفعہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے دوبارہ بیعت لی اور حضرت عثمانؓ اُس وقت موجود نہ تھے تو آپ نے اپنا ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھا اور فرمایا یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے میں اُس کی طرف سے اپنے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہوں۔ اس طرح آپ نے اپنے ہاتھ کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دیا۔ پھر ایک دفعہ آپ سے فرمایا۔ اے عثمان! خدا تعالیٰ تجھے ایک قمیص پہنائے گا منافق چاہیں گے کہ وہ تیری اس قمیص کو اُتار دیں مگر تو اُس قمیص کو اُتاریو نہیں [۲]۔ اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو حضرت عثمانؓ سے یہ فرماتے ہیں کہ اس قمیص کو نہ اُتارنا اور جو تم

سے اس قمیص کے اتارنے کا مطالبہ کرینگے وہ منافق ہوں گے مگر مصری صاحب محض میری مخالفت میں آج یہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ سے عزل کا مطالبہ کرنے والے حق پر تھے اور غلطی پر حضرت عثمان ہی تھے۔ یہ ویسی ہی بات ہے جیسے کہتے ہیں کہ کوئی پٹھان کنز پڑھ رہا تھا۔ اس میں اس نے یہ لکھا دیکھا کہ حرکت سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ اس کے بعد ایک دن جب وہ حدیث کا سبق لے رہا تھا تو اتفاقاً یہ حدیث آ گئی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے کہ آپ نے اپنے ایک نواسہ کو اُٹھا لیا تو وہ حدیث پڑھتے ہی کہنے لگا خوہ محمد صاحب کا نماز ٹوٹ گیا۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم تو یہ فرماتے ہیں کہ خدا تجھے خلافت کی قمیص پہنائے گا اور تو اُس کا قائم کردہ خلیفہ ہوگا اور جو لوگ تجھ سے عزل کا مطالبہ کرینگے وہ منافق ہونگے ۔مگر مصری صاحب کہتے ہیں کہ نہیں وہ خدا کے قائم کردہ خلیفہ نہیں تھے اور جنہوں نے آپ سے عزل کا مطالبہ کیا وہی حق پر تھے۔ گویا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور خدا تعالیٰ کی بتائی ہوئی بات تو نَعُوْذُ بِاللّٰہِ جھوٹ ہوئی ۔لیکن منافق جو کچھ کہہ رہے تھے وہ سچ تھا۔'' (الفضل ۲۶ ؍فروری ۱۹۳۸ء)

---

۱ بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب مناقب عثمان بن عفان صفحہ ۶۲۱ حدیث نمبر ۳۶۹۵ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانية

۲ سنن ابن ماجه کتاب السنة باب فضائل عثمان رضی اللّٰه عنه صفحہ ۱۸ حدیث نمبر ۱۱۲ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الاولیٰ

لیڈر بنانا خدا کا کام ہے

یکم اپریل ۱۹۳۸ء کو حضور نے خدام الاحمدیہ کی مجالس کے قیام کا ذکر فرمایا اور خدام الاحمدیہ کے معنی ''احمدیت کا خادم'' بیان فرمائے۔ نیز فرمایا کہ بعض لوگوں کے دلوں میں خیال پایا جاتا ہے کہ کاش! ہم کسی طرح لیڈر بن جائیں یہ بیہودہ خیال ہے پھر فرمایا:۔

''لیڈر بنانا خدا کا کام ہے اور جس کو خدا لیڈر بنانا چاہتا ہے اسے پکڑ کر بنا دیتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتب میں تحریر فرمایا ہے کہ:۔

''میں پوشیدگی کے حجرہ میں تھا اور کوئی مجھے نہیں جانتا تھا اور نہ مجھے یہ خواہش تھی کہ کوئی مجھے شناخت کرے۔ اس نے گوشہ تنہائی سے مجھے جبراً نکالا۔ میں نے چاہا کہ میں پوشیدہ رہوں اور پوشیدہ مروں۔ مگر اس نے کہا کہ میں تجھے تمام دنیا میں عزت کے ساتھ شہرت دوں گا۔''[1]

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی مثال۔ انکسار

''پھر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کو ہم نے دیکھا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں آپ ہمیشہ پیچھے ہٹ کر بیٹھا کرتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آپ پر نظر پڑتی تو آپ فرماتے مولوی صاحب آگے آئیں اور آپ ذرا کھسک کر آگے ہو جاتے۔ پھر دیکھتے تو فرماتے مولوی صاحب اور آگے آئیں اور پھر آپ ذرا اور آگے آجاتے۔ خود میرا بھی یہی حال تھا۔ جب حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی وفات کا وقت قریب آیا اُس وقت میں نے یہ دیکھ کر کہ خلافت کے لئے بعض لوگ میرا نام لیتے ہیں اور بعض اس کے خلاف ہیں یہ ارادہ کر لیا تھا کہ قادیان چھوڑ کر چلا جاؤں تا جو فیصلہ ہونا ہو میرے بعد ہو۔ مگر حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ میں نہ جا سکا۔ پھر جب

حضرت خلیفۃ المسیح الاول کی وفات ہوگئی تو اُس وقت میں نے اپنے دوستوں کو اِس بات پر تیار کرلیا کہ اگر اِس بات پر اختلاف ہو کہ خلیفہ کس جماعت میں سے ہو تو ہم ان لوگوں میں سے (جو اَب غیر مبائع ہیں) کسی کے ہاتھ پر بیعت کرلیں۔اور پھر میرے اصرار پر میرے تمام رشتہ داروں نے فیصلہ کیا کہ اگر وہ اس امر کو تسلیم کرلیں تو اوّل تو عام رائے لی جائے۔اور اگر اس سے وہ اختلاف کریں تو کسی ایسے آدمی پر اتفاق کرلیا جائے جو دونوں فریق کے نزدیک بے تعلق ہو۔اور اگر وہ یہ بھی قبول نہ کریں تو ان لوگوں میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کرلی جائے اور میں یہ فیصلہ کر کے خوش تھا کہ اب اختلاف سے جماعت محفوظ رہے گی۔ چنانچہ گزشتہ سال حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی نے بھی حلفیہ بیان شائع کرایا تھا کہ میں نے حافظ صاحب کو اُنہی دنوں کہا تھا کہ ''اگر مولوی محمد علی صاحب کو اللہ تعالیٰ خلیفہ بنادے تو میں اپنے تمام متعلقین کے ساتھ ان کی بیعت کرلوں گا'' [2] لیکن اللہ تعالیٰ نے دھکا دے کر مجھے آگے کر دیا۔تو اللہ تعالیٰ جس کو بڑا بنانا چاہے وہ دنیا کے کسی کونہ میں پوشیدہ ہو خدا تعالیٰ اُس کو نکال کر آگے لے آتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی نظر سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہوسکتی''۔ (الفضل ۱۰؍مارچ ۱۹۳۸ء)

---

[1] الفضل ۱۰؍اپریل ۱۹۳۸ء

[2] الفضل ۲؍اگست ۱۹۳۷ء

خلیفہ کا مقام

۱۔ مجلس شوریٰ میں تنقید کے اصول

۲۔ جماعت احمدیہ اور حُکّام کے تعلقات

(فرمودہ ۲۲/اپریل ۱۹۳۸ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

''میرے سامنے ایک سوال اُٹھایا گیا ہے جس کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ مجھے جماعت کے سامنے اپنے خیالات کے اظہار کی ضرورت ہے تا جس جس حصہ میں کوئی نقص ہے اس کی اصلاح ہو سکے۔ مجھ سے کہا گیا ہے کہ مجلس شوریٰ کے موقع پر ناظروں کے کام پر جس رنگ میں تنقید کی جاتی ہے اس کے نتیجہ میں ناظروں کے کام میں رُکاوٹ پیدا ہوتی ہے اور ان کا مقام جماعت کی نگاہ میں گر جاتا ہے اور یہ کہ اِس تنقید کا موجب وہ تنقید ہوتی ہے جو کبھی میری طرف سے ناظروں کے کام پر کی جاتی ہے۔ میں اس امر کو تسلیم کرتا ہوں کہ اگر وہ لوگ جن کے ہاتھوں میں سلسلہ کے کام کی باگ ڈور ہو اُن کی حیثیت اور مقام لوگوں کی نظروں سے گرا دیا جائے اور لوگوں میں ان کی سبکی کر دی جائے تو کام میں دقتیں ضرور پیدا ہوتی ہیں۔ اگر یہ امر واقعہ ہو کہ موجودہ حالات میں ناظروں کا مقام اور ان کی حیثیت اور ان کے عہدے کا اعزاز اور اکرام کم ہو گیا ہو اور لوگوں کی نظروں میں اُن کی عزت نہ رہی ہو تو اِس میں شک نہیں کہ ان کو کام میں دِقتیں پیدا ہو سکتی ہیں اور ہونے کا خطرہ ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں اس سوال کے کئی حصے ہیں اور وہ الگ الگ توجہ کے محتاج ہیں۔ پس میں انہیں علیحدہ علیحدہ لیتا ہوں۔

پہلا حصہ یہ ہے کہ خلیفۂ وقت کی تنقید خواہ وہ تربیت کیلئے ہو یا تادیب کیلئے یا ہدایت کیلئے وہ شوریٰ کے دوسرے ممبروں کے دلوں میں تنقید کا ایسا مادہ پیدا کر دیتی ہے کہ جس کے نتیجہ میں تنقید حد سے زیادہ گزر جاتی ہے۔ جو لوگ دوسرے لوگوں سے ملتے جلتے رہتے ہیں اور قسم قسم کے لوگوں سے باتیں کرنے کا موقع ملتا ہے وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ میرے متعلق دونوں قسم کی شکایتیں سنی جاتی ہیں۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ ہمیشہ ناظروں کی پیٹھ ٹھونکتے اور ان کی حفاظت کرتے ہیں جس کی وجہ سے جماعت کا نظام درست نہیں ہوسکتا۔ ذرا کسی نے کسی ناظر پر اعتراض کیا تو انہوں نے فوراً اسے گرفت شروع کر دی۔ اور یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان کی طرف سے ناظروں کا صحیح طور پر اعزاز قائم نہیں کیا جاتا اور ایسی تنقید ان کے کام پر کی جاتی ہے جس سے وہ لوگوں کی نظروں سے گر جائیں۔ ان دونوں سوالوں کی موجودگی میں یہ ماننا پڑے گا کہ صداقت بہرحال تین میں سے ایک صورت میں ہے۔ یا تو پہلا اعتراض غلط ہوگا کہ یہ ناظروں کے مقابلہ میں جماعت کو زیادہ ڈانٹتے ہیں اور یا پھر یہ غلط ہوگا کہ جماعت کے مقابلہ میں ناظروں پر تنقید میں سختی کرتے ہیں۔ یا پھر یہ کہ دونوں ہی اعتراض غلط ہوں گے۔ یہ تین صورتیں ہی ممکن ہوسکتی ہیں ان کے سوا کوئی نہیں۔ لیکن ان تینوں صورتوں پر غور کرنے سے قبل یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ خلیفہ کا مقام کیا ہے۔ مجلس شوریٰ ہو یا صدر انجمن احمدیہ، خلیفہ کا مقام بہرحال دونوں کی سرداری کا ہے۔ انتظامی لحاظ سے وہ صدر انجمن کیلئے بھی رہنما ہے اور آئین سازی و بجٹ کی تعیین کے لحاظ سے وہ مجلس شوریٰ کے نمائندوں کیلئے بھی صدر اور رہنما کی حیثیت رکھتا ہے۔ جماعت کی فوج کے اگر دو حصے تسلیم کر لئے جائیں تو وہ اِس کا بھی سردار ہے اور اُس کا بھی کمانڈر ہے اور دونوں کے نقائص کا وہ ذمہ دار ہے اور دونوں کی اصلاح اس کے ذمہ واجب ہے۔ اس لحاظ سے اس کیلئے یہ نہایت ضروری ہے کہ جب کبھی وہ اپنے خیال میں کسی حصہ میں کوئی نقص دیکھے تو اُس کی اصلاح کرے۔ اپنے خیال میں مَیں نے اِس لئے کہا ہے کہ انسان ہمیشہ غلطی کرسکتا ہے اور خلیفہ بھی غلطی کرسکتا ہے۔ میں نے کبھی اِس عقیدہ کا اظہار نہیں کیا اور نہ ہی یہ اسلامی عقیدہ ہے کہ خلیفہ غلطی نہیں کرسکتا۔ اور بشری انتظام میں جب نبی

بھی غلطی کرسکتا ہےتو خلیفہ کی کیا حیثیت ہے۔پس یقیناً خلیفہ بھی غلطی کرسکتا ہے۔سوال یہ نہیں کہ امکان کیا ہے بلکہ یہ ہے کہ موقع کا تقاضا کیا ہے۔ یہ عین ممکن ہے کہ ایک باپ اپنے لڑکے کی تعلیم وتربیت کے متعلق فیصلہ کرنے میں غلطی کرجائے۔لیکن کیا اس غلطی کے امکان کی وجہ سے اپنے لڑکے کی تعلیم وتربیت کے متعلق انتظام کا اسے جوحق ہے وہ مارا جاتا ہے۔ ساری دنیا بالاتفاق اس بات کو مانتی ہے کہ باپ خواہ فیصلہ غلط کرے یا درست اپنے لڑکے کی تعلیم وتربیت کے متعلق فیصلہ کرنے کا حق بہرحال اسی کو ہے۔یہی صورت خلیفہ کے بارہ میں ہے۔اس کی نسبت غلطی کا امکان منسوب کرکے اس کی ذمہ واری کو اُڑایا نہیں جاسکتا۔لیکن یہ ادنیٰ تمثیل ہے۔باپ اور خلیفہ کے مقام میں کئی فرق ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ہماری شریعت کہتی ہے کہ خدا تعالیٰ جسے خلیفہ بناتا ہے اُس سے ایسی اہم غلطی نہیں ہونے دیتا جو جماعت کیلئے نقصان کا موجب ہو۔گویا عصمت کبریٰ تو بطور حق کے انبیاء کو حاصل ہوتی ہے لیکن عصمت صغریٰ خلفاء کو بھی حاصل ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں وعدہ فرماتا ہے کہ جو کام خلفاء کریں گے اُس کے نتیجہ میں اسلام کا غلبہ لازمی ہوگا۔ان کے فیصلوں میں جزئی اور معمولی غلطیاں ہوسکتی ہیں، ادنیٰ کوتاہیاں ہوسکتی ہیں مگر انجام کار نتیجہ یہی ہوگا کہ اسلام کو غلبہ اور اس کے مخالفوں کو شکست ہوگی۔ یہ خلافت کیلئے ایک معیار قائم کیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ [1] دین کے معنی مذہب کے بھی ہوتے ہیں اور اس لحاظ سے بھی دیکھ لو خلفاءِ اربعہ کا ہی مذہب دنیا میں قائم ہوا ہے۔ بے شک بعض علیحدہ فرقے بھی ہیں مگر وہ بہت اقلیت میں ہیں۔اکثریت اُسی دین پر قائم ہے جسے خلفاءِ اربعہ نے پھیلایا۔مگر دین کے معنی سیاست وحکومت کے بھی ہوتے ہیں اور اس لحاظ سے اس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ جس سیاست اور پالیسی کو وہ چلائیں گے اللہ تعالیٰ اسے ہی دنیا میں قائم کرے گا اور بوجہ اس کے کہ ان کو عصمت صغریٰ حاصل ہے خدا تعالیٰ کی پالیسی بھی وہی ہوگی۔ بے شک بولنے والے وہ ہوں گے، زبانیں انہی کی حرکت کریں گی، ہاتھ انہی کے چلیں گے اور پیچھے دماغ انہی کا کام کرے گا مگر دراصل ان سب کے پیچھے خدا تعالیٰ ہوگا۔کبھی ان سے جزئیات میں غلطیاں ہوں گی،کبھی ان کے مشیر غلط مشورہ دیں

گے۔ بعض دفعہ وہ اور ان کے مشیر دونوں غلطی کریں گے لیکن ان درمیانی روکوں سے گزر کر کامیابی انہیں ہی حاصل ہوگی ۔ جب تمام کڑیاں مل کر زنجیر بنیں گی وہ صحیح ہوگی اور ایسی مضبوط کہ کوئی اسے توڑ نہ سکے گا۔

پس اس لحاظ سے خلیفۂ وقت کا یہ فرض ہے کہ جس حصہ میں بھی اسے غلطی نظر آئے اس کی اصلاح کرے۔ جہاں اس کا یہ فرض ہے کہ منتظمین اور کارکنوں کی پوزیشن قائم رکھے وہاں یہ بھی ہے کہ جماعت کی عظمت اور اس کے مشورہ کے احترام کو بھی قائم رکھے۔ اگر جماعت کسی وقت کارکنوں کے حقوق پر حملہ کرے تو اس کا کام ہے کہ اسے پیچھے ہٹائے۔ اگر کبھی کارکن جماعت کے حقوق کو دبانا چاہیں تو خلیفہ کا فرض ہے کہ انہیں روک دے۔ مجلس شوریٰ کی گزشتہ رپورٹوں سے جو چھپی ہوئی ہیں یہ بات پوری طرح ظاہر ہوتی ہے کہ میں نے متوازی طور پر ان دونوں باتوں کا خیال رکھا ہے۔ اگر ناظروں پر جماعت نے ناواجب اعتراض کئے ہیں تو میں نے سختی کے ساتھ اور بے پرواہ ہو کر ان کے اس فعل کے قباحت کی وضاحت کی ہے۔ اور اگر کبھی ناظروں نے جماعت کو اس کے حق سے محروم کرنا چاہا ہے تو ان کو بھی ڈانٹا ہے۔ یہ متوازی سلسلہ جو خدا تعالیٰ نے جاری رکھا ہے میں نے ہمیشہ اس کا خیال رکھا ہے اور کوشش کی ہے کہ اگر ایک طرف ناظروں کا احترام اور اعزاز جماعت کے دلوں میں پیدا کیا جائے تو دوسری طرف جماعت کی عظمت کو بھی قائم رکھا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اگر ایک حصہ کو چھوڑ دیا جائے تو دوسرے کی عظمت بھی قائم نہ رہ سکے گی۔ اور اگر دونوں کو چھوڑ دیا جائے تو باوجود نیک نیتی اور نیک ارادہ کے ایک حصہ دوسرے کو کھا جائے گا۔ اگر کارکنوں کے اعزاز اور احترام کا خیال نہ رکھا جائے تو نظام کا چلنا مشکل ہو جائے گا۔ اور اگر جماعت کے حقوق کی حفاظت نہ کی جائے اور اس کی عظمت کو تباہ ہونے دیا جائے تو ایک ایسا آئین بن جائے گا جس میں خود رائی[2] اور خود ستائی غالب ہوگی۔ اس لئے میں ہمیشہ اس بات کو مدنظر رکھتا ہوں کہ جس کی غلطی ہو اُسے صفائی کے ساتھ کہہ دیا جائے۔ چنانچہ مجلس شوریٰ کی گزشتہ رپورٹوں سے یہ بات پوری طرح ظاہر ہوتی ہے کہ میں نے ناظروں کے اعزاز کو قائم کرنے کا پوری طرح خیال رکھا ہے۔ چنانچہ گزشتہ رپورٹوں سے ظاہر ہوگا کہ جب مجھے

معلوم ہوا کہ ناظر بعض جگہ گئے اور جماعت نے لاپروائی کا ثبوت دیا تو میں نے شوریٰ میں اس پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور بتایا کہ یہ طریق صحیح نہیں۔ جب بھی کوئی ناظر بحیثیت ناظر کسی جگہ جائے تو جماعت کا فرض ہے کہ اس کا استقبال کرے اور اس کا مناسب اعزاز کرے۔ چنانچہ اس کے بعد جماعت میں اس کا احساس پیدا ہوا اور انہوں نے ناظروں کا مناسب اعزاز کیا۔ ابھی تو ہماری جماعت میں کوئی بڑے آدمی ہیں ہی نہیں لیکن بڑے سے بڑا آدمی بھی نظامِ سلسلہ کے لحاظ سے ناظروں کے ماتحت ہے اور جب بادشاہ ہمارے سلسلہ میں داخل ہوں گے تو وہ بھی نظامِ سلسلہ کے لحاظ سے ناظروں کے ماتحت ہوں گے خواہ کوئی ان ناظروں میں سے کسی بادشاہ کی رعایا کا فرد ہی کیوں نہ ہو اور نظامِ سلسلہ کے لحاظ سے وہ اس کے ماتحت ہوگا اور اُس کو اُس کا ادب واحترام اسی طرح کرنا ہوگا جیسے ایک ماتحت، افسر کا کرتا ہے۔ اس حقیقت کی موجودگی میں عقلاً یہ ممکن ہی کس طرح ہوسکتا ہے کہ قانون پر چلتے ہوئے کوئی شخص ناظروں کی سبکی یا ہتک کا خیال بھی کرسکے۔

مگر اس کے مقابلہ میں جماعت کے بھی حقوق ہیں۔ مثلاً جب ناظروں سے کوئی ملے تو خواہ وہ چھوٹے سے چھوٹا کیوں نہ ہو ناظر کا فرض ہے کہ اس کا ادب اور احترام کرے اور اگر میرے پاس یہ شکایت پہنچے کہ کوئی ناظر کسی چھوٹے آدمی کا مناسب ادب نہیں کرتا تو اُس وقت میں افرادِ جماعت کے ساتھ ہوں گا۔ یوں میرے پاس بعض شکایات آتی ہیں میں ان کی تحقیقات نہیں کراتا کیونکہ میں نصیحت کو تحقیقات سے بہتر سمجھتا ہوں۔ پس نصیحت کردیتا ہوں۔ لیکن بہرحال ناظروں کا فرض ہے کہ جو لوگ ان سے ملنے آئیں اُن سے عزت واحترام سے پیش آئیں۔ میں خود بھی کوئی کونے میں بیٹھنے والا شخص نہیں ہوں۔ ہر روز دس پانچ بلکہ بیس تیس اشخاص مجھ سے ملنے آتے ہیں جن میں غریب سے غریب بلکہ سائل بھی ہوتے ہیں بلکہ اکثر سائل ہوتے ہیں۔ لیکن میں جیسا اعزاز بڑے سے بڑے آدمی کا کرتا ہوں ویسا ہی چھوٹے سے چھوٹے کا بھی کرتا ہوں۔ مثلاً حکومت کے عہدہ کے لحاظ سے ہماری ہندوستان کی جماعت میں چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب سب سے بڑے عہدیدار ہیں لیکن ان کے آنے پر بھی میں ان کا استقبال اُسی طرح کرتا ہوں جس طرح ایک غریب کے آنے پر۔ اور

میں اس بارہ میں چوہدری صاحب اور ایک غریب کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتا۔ اسی طرح چوہدری صاحب کو کھڑا ہو کر ملتا ہوں جس طرح ایک غریب آدمی کو۔ اور پہلے اُسے بٹھا کر پھر خود بیٹھتا ہوں۔ بعض غریب اپنے اندازہ سے زمین پر بیٹھنا چاہتے ہیں مگر میں نہیں بیٹھنے دیتا اور ان سے کہہ دیتا ہوں کہ جب تک آپ نہ بیٹھیں گے میں بھی کھڑا رہوں گا۔ بعض دفاتر کے چپڑاسی آتے ہیں اور وہ زمین پر بیٹھنا چاہتے ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ نہیں آپ چپڑاسی کی حیثیت سے نہیں بلکہ مجھے خلیفہ سمجھ کر ملنے آئے ہیں۔ غرضیکہ جب تک آنے والے کو نہ بٹھالوں میں خود نہیں بیٹھتا۔ مجھے ملنے والوں کی تعداد ہزاروں تک ہے مگر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس میں کبھی تخلف ہوا ہو۔ سوائے اِس کے کہ میں بیمار ہوں یا کسی کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے کبھی غلطی ہو جائے۔ ہاں جلسہ سالانہ کے ایام مستثنٰی ہیں۔ اُن دنوں میں ملنے والے اس کثرت سے آتے ہیں کہ ہر ایک کیلئے اُٹھنا مشکل ہوتا ہے۔ ہاں اُن دنوں میں بھی جب کوئی غیر احمدی آئے تو چونکہ میں جانتا ہوں کہ یہ میری مشکلات کو نہیں سمجھ سکتا اِس کیلئے کھڑا ہو جاتا ہوں۔ یا پھر ان ایام میں جب ملاقات کا زور نہ ہو تو کھڑا ہوتا ہوں۔ یہ میرا اصول ہے اور میں سمجھتا ہوں ناظروں کو بھی ایسا کرنا چاہئے اور اگر اس کے خلاف کبھی شکایت آئے تو میں چاہتا ہوں کہ جس کے خلاف شکایت ہو اُسے تنبیہ کی جائے۔ جب تک یہ بات قائم نہ ہو اسلام کی روح قائم نہیں ہو سکتی۔

ذرا غور کرو کہ خلیفہ چھوڑ نبی کا بھی کیا حق ہے کہ وہ بندوں پر حکومت کرے۔ اگر ہم مذہب اور اسلام کی روح کو سمجھتے ہیں تو اِس خدمت کی روح کو بھی سمجھنا چاہئے جس کیلئے ہم کھڑے کئے گئے ہیں۔ کیا ہمارے لئے یہ بات کم ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہم کو ایک رُتبہ دے دیا ہے۔ وہ ہمیں ایک چھوٹا سا دنیوی کام کرنے کو دیتا ہے اور اس کے نتیجہ میں اپنا مقرب بنا لیتا ہے۔ گویا اُجرت اس نے ادا کر دی پھر ہمارا کیا حق ہے کہ دونوں جگہ سے اُجرت وصول کریں۔ کیا دنیا میں کوئی ایسا مزدور بھی ہوتا ہے جو دو جگہ سے اپنی اُجرت وصول کرے۔ پس جب خدا تعالیٰ ہمیں اس خدمت کی اُجرت ادا کرتا ہے تو بندوں سے کیوں لیں۔ قرآن کریم میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو کہہ دے کہ میں تم

سے کوئی اُجرت نہیں مانگتا [3]۔ یہ نہیں فرمایا کہ میں اُجرت مانگتا ہی نہیں بلکہ یہ فرمایا کہ میں تم سے نہیں مانگتا جس کا یہ مطلب ہے کہ مجھے اُجرت خدا تعالیٰ سے مل رہی ہے۔ پس میرا فرض ہے کہ میں اس بات کا خیال رکھوں کہ یہ اصل ہماری جماعت میں قائم ہو۔ اور اگر اس میں غلطی ہو اور میرے پاس شکایت آئے تو میں اس بات کا خیال رکھوں گا کہ غریب سے غریب آدمی کا حق بھی مارا نہ جائے اور اس بات کا خیال نہیں رکھوں گا کہ اس کا حق دلانے میں ناظر کی ہتک ہوتی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا حق ہے جو بہرحال لیا جائے گا خواہ اس میں کسی بڑے آدمی کی ہتک ہو یا چھوٹے کی۔ لیکن اس کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ کارکنوں کو جماعت میں ایک اعزاز حاصل ہے اور اگر کوئی فرد اسے نہیں سمجھتا یا ان کی طرف سے جو آواز اُٹھتی ہے اس پر کان نہیں دھرتا اور اپنی دُنیوی وجاہت کے باعث ناظر کو اپنے درجہ سے چھوٹا سمجھتا ہے تو یقیناً وہ جماعت کا مخلص فرد نہیں۔ اُس کے اندر منافقت کی رگ ہے جو اگر آج نہیں تو کل ضرور پھوٹے گی۔

پھر ناظروں کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ مجلس شوریٰ اپنے مقام کے لحاظ سے صدر انجمن پر غالب ہے۔ اس میں براہ راست اکثر جماعتوں کے نمائندے شریک ہوکر مشورہ دیتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ابھی بیرونی ممالک کی جماعتوں کے نمائندے شریک نہیں ہوسکتے لیکن جب ان میں بھی امراء داخل ہو جائیں گے یا جماعتیں زیادہ ہو جائیں گی اور وہ اپنے نمائندوں کے سفر خرچ برداشت کر سکیں گی اور سفر کی سہولتیں میسر ہوں گی مثلاً ہوائی جہازوں کی آمد و رفت شروع ہو جائے گی تو اُس وقت ان ممالک کے نمائندے بھی اِس میں حصہ لے سکیں گے۔ پس مجلس شوریٰ جماعت کی عام رائے کو ظاہر کرنے والی مجلس ہے اور خلیفہ اُس کا بھی صدر اور رہنما ہے۔ انبیاء کو بھی اللہ تعالیٰ نے مشورہ کا حکم دیا ہے اور خلافت کے متعلق تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لَا خِلَافَةَ اِلَّا بِالْمَشْوَرَةِ [4] خلیفہ کو یہ حق تو ہے کہ مشورہ لے کر ردّ کر دے لیکن یہ نہیں کہ لے ہی نہیں۔ مشورہ لینا بہرحال ضروری ہے اور جب وہ مشورہ لیتا ہے تو قدرتی بات ہے کہ وہ اسے ردّ اسی صورت میں کرے گا کہ جب سمجھے گا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میری ذمہ داری کا یہی تقاضا ہے۔ اگر وہ شریف آدمی ہے اور جب اسے خدا تعالیٰ کا مقرر کردہ خلیفہ سمجھا جائے تو اس کی شرافت میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔ تو وہ سوائے

خاص حالات کے مشورہ کو ضرور مان لے گا۔ ہاں خاص صورتوں میں بوجہ اس کے کہ درحقیقت وہ خدا تعالیٰ کا نمائندہ ہے اگر وہ سمجھے کہ اس بات کو ماننے سے دین کو یا اس کی شان وشوکت کو کوئی خاص نقصان پہنچتا ہے تو وہ اس مشورہ کو ردّ بھی کر دے گا مگر اس اختیار کے باوجود اسلامی نظام مشورہ اور رائے عامہ کو بہت بڑی تقویت دیتا ہے اور وہ اس طرح کہ اتنے لوگوں کی رائے کو جو پبلک میں ظاہر ہو چکی ہو کبھی کوئی شخص خواہ وہ کتنی بڑی حیثیت کا ہو معمولی طور پر ردّ کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ وہ کثرتِ رائے کو اُسی وقت ردّ کرسکتا ہے جب وہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور اُس کی ذمہ داری کا یہی تقاضا ہے۔ یہ امر ظاہر ہے کہ اکیلے شخص کو یہ جرأت نہیں ہوسکتی کہ وہ کثرتِ رائے کو ردّ کر دے۔ کثرتِ رائے کو ردّ یا تو پاگل کرسکتا ہے اور یا پھر وہ شخص جو سمجھتا ہے کہ اس کے پیچھے کوئی طاقت ہے جو اس کی بات کو منوالے گی۔ پس خلفاء اُسی وقت ایسی رائے کو ردّ کریں گے جبکہ وہ خدا تعالیٰ کی مدد کا یقین رکھیں گے اور سمجھیں گے کہ ہم صرف خدا تعالیٰ کے منشاء کو پورا کر رہے ہیں۔ اور جب وہ خدائی طاقت سے جماعت کے مشورہ کو ردّ کریں گے تو ان کی کامیابی یقینی ہوگی۔

غرض اسلام نے شوریٰ کے نظام سے خودسری اور خودرائی کیلئے ایک بڑی روک پیدا کر دی ہے۔ پھر تربیت کے لحاظ سے بھی مشورہ ضروری ہے۔ کیونکہ اگر مشورہ نہیں لیا جائے گا تو جماعت کے اہم امور کی طرف افراد جماعت کو توجہ نہیں ہوگی۔ اس لئے بعد میں آنے والا خلیفہ بوجہ ناتجربہ کاری اور حالاتِ سلسلہ سے ناواقفیت کے بالکل بدھو ہوگا۔ یہ کسی کو کیا علم ہے کہ کون پہلے مرے گا اور کون بعد میں اور کس کے بعد کس نے خلیفہ ہونا ہے۔ اس لئے یہ حکم شریعت نے دے دیا ہے کہ مشورہ ضرور لو تا جماعت کی تربیت ہوتی رہے اور جو بھی خلیفہ ہو وہ سیکھا سکھایا ہو اور نئے سرے سے اُس کو نہ سیکھنا پڑے۔ اِس میں اور بھی بیسیوں حکمتیں ہیں مگر میں اِس وقت انہیں نہیں بیان کر رہا۔ مختصر یہ ہے کہ شوریٰ خدا تعالیٰ کی طرف سے خاص حکمت کے ماتحت ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ [5] گویا مشورہ والی انجمن کو قرآنی تائید حاصل ہے اور اس کا ذکر قرآن کریم میں کر کے اسے اہم قرار دے دیا ہے۔ گو قرآن کریم میں کارکنوں کا بھی ذکر ہے مگر شوریٰ کو ایک فضیلت دی گئی ہے اور

جب جماعت کے مختلف افراد مل کر ایک مشورہ دیں اور خلیفہ اسے قبول کر لے تو وہ جماعت میں سب سے بڑی آواز ہے۔ اور ہر خلیفہ کا فرض ہے کہ وہ دیکھے جس مشورہ کو اس نے قبول کیا ہے اس پر کارکن عمل کرتے ہیں یا نہیں اور کہ اس کی خلاف ورزی نہ ہو۔ یہ دو مختلف پہلو ہیں جنہیں نظر انداز کرنے کی وجہ سے دونوں فریق اعتراض کرتے ہیں۔ جب میں جماعت کے دوستوں کو ان کی غلطی کی وجہ سے سمجھاتا ہوں تو کہا جاتا ہے کہ ضمیر کی حریت کہاں گئی اور جب میں دیکھوں کہ ناظروں نے غلطی کی ہے اور اُن کو گرفت کروں تو بعض دفعہ ان کو بھی شکوہ پیدا ہوتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے کام میں رُکاوٹیں پیدا کی جا رہی ہیں۔ مگر مجھ پر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا فرض ہے جسے کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کر سکتا اور دراصل خلافت کے معنی ہی یہ ہیں۔

دوسرا حصہ اِس سوال کا یہ ہے کہ ناظروں پر تنقید خلیفہ کی تنقید کی وجہ سے ہوتی ہے۔ مجھے اس کے تسلیم کرنے سے انکار ہے۔ اگر اِسی مجلس شوریٰ کو لے لیا جائے تو جس حصہ پر میں نے تنقید کی ہے اُس پر میری تنقید سے پہلے بہت سی تنقید ہو چکی تھی اور میں نے جو تنقید کی وہ بعد میں تھی اور شوریٰ کے ممبر بہت سی تنقید پہلے کر چکے تھے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ ناظر تنقید سے گھبراتے کیوں ہیں۔ ان کا مقام وہ نہیں کہ تنقید سے بالا سمجھا جاتا ہو۔ ہر کارکن خلیفہ نہیں کہلا سکتا۔ میرے نزدیک اس بارہ میں جماعت اور ناظر دونوں پر ذمہ داری ہے۔ جماعت کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ خیال رکھیں کہ ان میں سے جو لوگ سلسلہ کیلئے اپنی زندگیوں کو وقف کر کے بیٹھے ہوئے ہیں ان کا مناسب احترام کیا جائے۔ اور ناظروں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ جماعت کی تنقید کو ایک مخلص بھائی کے مشورہ کے طور پر سنیں کیونکہ ان کا مقام تنقید سے بالا نہیں ہے۔ پارلیمنٹوں میں تو وزراء کو وہ جھاڑیں پڑتی ہیں جس کی حد نہیں مگر پھر بھی وزراء کے رُعب میں فرق نہیں آتا۔ یہاں تو میں روکنے والا ہوں مگر وہاں کوئی روکنے والا نہیں ہوتا۔ گالی گلوچ کو سپیکر روکتا ہے، سخت تنقید کو نہیں بلکہ اسے ملک کی ترقی کیلئے ضروری سمجھا جاتا ہے پس اس تنقید سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ اگر تنقید کا کوئی پہلو غلط ہو تو ثابت کریں کہ وہ غلط ہے اور اگر وہ صحیح ہے تو بجائے گھبرانے کے اپنی اصلاح کریں۔ بعض باتیں ایسی

ہوتی ہیں جن کا ثابت کرنا یا ردّ کرنا مشکل ہوتا ہے اور ان کی بنیاد ایسے باریک اصول پر ہوتی ہے کہ ان کی وجہ سے کوئی منطقی نتیجہ نکالنا قریباً ناممکن ہوتا ہے۔ مثلاً دو کمرے ایک سے ہوں اور یہ سوال ہو کہ ان میں سے کس میں بستر بچھانے چاہئیں اور کس کو بیٹھنے اُٹھنے کیلئے استعمال کرنا چاہئے تو یہ ایک ذوقی سوال ہوگا۔ لیکن دو شخص اگر اس پر بحث شروع کر دیں کہ کیوں اس میں بستر بچھانا چاہئے اور دوسرے میں اُٹھنا بیٹھنا چاہئے تو یہ بحث خواہ مہینوں کرتے رہیں نتیجہ کچھ نہ ہوگا۔ تو اِس قسم کی ذوقی باتوں کو چھوڑ کر باقی باتوں کو ثابت یا ردّ کیا جا سکتا ہے اور اگر اعتراض نامناسب رنگ میں ہوگا تو یا تو وہ کسی معذور کی طرف سے ہوگا جو بوجہ بڑھاپے کے یا ناتجربہ کاری یا سادگی کے ایسا کرے گا اور اس صورت میں سب محسوس کرلیں گے کہ اس شخص کے الفاظ کی کوئی قیمت نہیں اور اس کو روکنا فضول ہوگا۔ ایسی بات پر صرف مسکرا کر یا استغفار کر کے گزر جانا ہی کافی ہوگا۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو تو مجلس شوریٰ کی رپورٹیں اِس پر گواہ ہیں کہ میں نے نامناسب رنگ میں اعتراض کرنے والوں کو ہمیشہ سختی سے روکا ہے اور جنہوں نے غلط تنقید کی اُن کو اِس پر تنبیہ کی ہے اور اگر آئندہ بھی ایسا ہوگا تو اِنْشَاءَ اللّٰہ روکوں گا۔ اگر ساری جماعت بھی غلط تنقید کرے گی تو اسے بھی روکوں گا اور خدا تعالیٰ کے فضل سے ڈروں گا نہیں۔ اس قسم کا لحاظ میں نے کبھی نہیں کیا کہ غلط طریق اختیار کرنے پر کسی کو تنبیہہ نہ کروں۔ ہاں اس وجہ سے چشم پوشی کرنا کہ کام کرنے والوں سے غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں اَور بات ہے۔ ایسی چشم پوشی میں جماعت سے بھی کرتا ہوں اور کارکنوں سے بھی۔ ورنہ میں نہ جماعت سے ڈرتا ہوں اور نہ انجمن سے اور جب بھی میں نے موقع دیکھا ہے جماعت کو اس کے فرائض کی طرف توجہ دلائی ہے اور انجمن کو بھی۔

اِس سوال کا تیسرا حصہ جو پہلے سے ملتا جلتا بھی ہے اور علیحدہ سوال بھی وہ یہ ہے کہ تنقید ایسے رنگ میں کی جاتی ہے کہ جس سے ناظروں کی بے رُعبی ہوتی ہے۔ لیکن میں اس سے بھی متفق نہیں ہوں۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کے دین کے کام کیلئے کھڑے ہوں ان کی بے رُعبی نہیں ہوسکتی۔ جب تک جماعت میں اخلاص اور ایمان باقی ہے کوئی ان کی بے رُعبی نہیں کرسکتا۔ ان کے ہاتھ میں سلسلہ کا کام ہے۔ پس جو ان کی بے رُعبی کرے گا یہ سمجھ کر

کرے گا کہ اس سے سلسلہ کی بے رُعبی ہوگی اور اس کیلئے کوئی مخلص مومن تیار نہیں ہوسکتا۔ ہاں بعض دفعہ بعض لوگ نادانی سے ایسا کر جاتے ہیں۔ مثلاً اس دفعہ ہی سرگودھا کے ایک دوست نے نامناسب الفاظ استعمال کئے لیکن میں بھی اور دوسرے دوست بھی محسوس کر رہے تھے کہ وہ ذمہ داری کے ساتھ یہ باتیں نہیں کر رہے۔ اور میں نے دیکھا ہے کہ اُن کی باتوں پر دوست بالعموم مسکرا رہے تھے اور سب یہ سمجھتے تھے کہ یہ جو کچھ بھی کہہ رہے ہیں غلط کہہ رہے ہیں اور جوش میں انہیں اپنی زبان پر قابو نہیں رہا۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی بات کی تردید کی کیا ضرورت ہوسکتی ہے۔ چنانچہ میں نے اس کی تردید نہ کی اور میں سمجھتا ہوں تردید نہ کرنے سے لوگوں نے یہ نہیں سمجھا کہ یہ باتیں وزنی ہیں بلکہ غالب حصہ کو یہی یقین تھا کہ یہ تردید کے قابل ہی نہ تھیں کیونکہ دوست خود ان کی باتوں پر ہنس رہے تھے اور بعض کے ہنسنے کی آواز میں نے خود سنی۔ اور ہنسی کی وجہ یہ خیال تھا کہ انہوں نے کیا بے معنی نتیجہ نکالا ہے۔ اور جب جماعت پر ان کی بات کا اثر ہی نہ تھا اور سب سمجھ رہے تھے کہ یہ اپنی سادگی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے یہ باتیں کر رہے ہیں تو ان کی تردید نہ کرنے سے نقصان کیا ہوسکتا تھا۔ لیکن اس کے بالمقابل اِسی مجلس شوریٰ میں مَیں نے ایک مثال سنائی تھی کہ ایک انجمن نے جو کسی گاؤں یا شہر کی انجمن نہ تھی بلکہ پراونشل انجمن تھی مجھے لکھا کہ ہم نے صدرانجمن کو یہ بات لکھی ہے جو اگر اس نے نہ مانی تو اس کے ساتھ ہمارے اچھے تعلقات نہیں رہیں گے۔ میں نے انہیں لکھا کہ صدرانجمن احمدیہ جو کچھ کرتی ہے چونکہ وہ خلیفہ کے ماتحت ہے اس لئے خلیفہ بھی اس کا ذمہ دار ہوتا ہے اور جب آپ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آپ کی بات نہ مانی گئی تو صدرانجمن کے ساتھ آپ کے تعلقات اچھے نہ رہ سکیں گے تو ساتھ ہی آپ نے یہ بھی سوچ لیا ہوگا کہ خلیفہ کے ساتھ بھی آپ کے تعلقات اچھے نہ رہیں گے اور اس صورت میں آپ کو نئی جماعت ہی بنانی پڑے گی اس جماعت میں آپ نہیں رہ سکیں گے۔ تو کیا کوئی سمجھ سکتا ہے کہ اس بات کے سننے کے بعد بھی کسی احمدی کے دل میں ناظروں کا رُعب مٹ سکتا ہے۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ شوریٰ کے ممبروں نے ناظروں کے کام پر تنقید کو تو سن لیا مگر یہ بات انہوں نے نہ سنی ہوگی اور یہ بات جو میں نے ایک دو آدمیوں کو نہیں بلکہ ایک صوبہ کی انجمن کو لکھی تھی اس کے سننے

کے بعد کس طرح ممکن ہے کہ ناظروں کا رُعب مٹ جائے۔
اِس میں شبہ نہیں کہ اِس شوریٰ میں جرح زیادہ ہوئی ہے مگر ناظروں کو بھی ٹھنڈے دل کے ساتھ یہ سوچنا چاہئے کہ ایسا کیوں ہوا۔ ایسا اِس وجہ سے نہیں ہوا کہ میں نے بھی ان پر تنقید کی تھی۔ جب وہ چھپے گی تو ہر شخص دیکھ سکے گا کہ شوریٰ کے ممبروں نے جو جرح کی وہ میری تنقید کے نتیجہ میں نہ تھی۔ اور حق بات یہ ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور جس کا مجھے شدید احساس ہے کہ ناظر شوریٰ کے فیصلوں پر پوری طرح عمل نہیں کرتے اور واقعات اِس بات کو پوری طرح ثابت کرتے ہیں کہ وہ ان پر خاموشی سے گزر جاتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کیا جاتا ہے کہ سال کے آخر پر ناظر اعلیٰ دوسری نظارتوں سے پوچھ لیتا ہے کہ ان فیصلوں کا کیا حال ہوا؟ اور پھر یا تو یہ کہہ دیتا ہے کہ کوئی جواب نہیں ملا اور یا یہ کہ کوئی عمل نہیں ہوا۔ میں یہ بھی مان لیتا ہوں کہ بعض فیصلے ناظروں کے نزدیک ناقابل عمل ہوتے ہیں مگر ایسے فیصلوں کو قانونی طور پر بدلوانا چاہئے۔ وہ ایسے فیصلوں کو میرے سامنے پیش کر کے مجھ سے بدلوا سکتے ہیں۔ وہ میرے سامنے پیش کر دیں میں اگر چاہوں تو دوسری شوریٰ بلوا لوں یا چاہوں تو خود ان فیصلوں کو ردّ کر دوں۔ اور پھر اگر دوسری شوریٰ میں ان پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ان پر اعتراض ہو تو وہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ فیصلہ ردّ ہو چکا ہے۔ لیکن اگر وہ فیصلہ جوں کا توں قائم رہے اور پھر وہ اس پر عمل نہ کریں تو جماعت کے اندر بے انتظامی اور خود رائی کی ایسی روح پیدا ہوتی ہے جس کی موجودگی میں ہرگز کوئی کام نہیں ہوسکتا۔ اگر شوریٰ میں ایک فیصلہ ہوتا ہے تو ان کا فرض ہے کہ اس پر عمل کریں اور اگر وہ اس کو قابل عمل نہیں سمجھتے تو اس کو منسوخ کرائیں۔ لیکن ایسے فیصلوں کی ایک کافی تعداد ہے جن پر کوئی عمل نہیں کیا جاتا۔ مثلاً اُسی شوریٰ میں ایک سوال پیدا ہوا تھا جس سے جماعت میں جوش پیدا ہوا۔ ۱۹۳۰ء کی شوریٰ میں فیصلہ ہوا تھا کہ سلسلہ کے اموال پر وظائف کا جو بوجھ ہے اسے ہلکا کرنا چاہئے۔ یہ تو صحیح ہے کہ جس احمدی کے پاس روپیہ نہ ہو وہ مستحق ہے کہ اپنے بچوں کی تعلیم کیلئے انجمن سے مدد مانگے اور اگر انجمن کے پاس ہو تو اُس کا فرض ہے کہ مدد کرے۔ مگر اس طرح مدد لینے والے کا یہ بھی فرض ہے کہ جب وہ مالدار ہو جائے تو پھر اسے ادا کرے۔ ۱۹۳۰ء کی شوریٰ میں یہ فیصلہ

ہوا تھا کہ آئندہ پانچ سال میں گزشتہ تعلیمی وظائف کی رقوم وصول کی جائیں اور پھر آئندہ اِسی رقم میں سے وظائف دیئے جائیں، عام آمد سے امداد نہ کی جائے۔ اور اس کیلئے ناظر بیت المال کو ذمہ دار مقرر کیا گیا تھا یہ پانچ سال ۱۹۳۵ء میں پورے ہوتے تھے اور ۱۹۳۵ء کے بعد وظائف اسی وصول شدہ رقم میں سے دیئے جانے چاہئیں تھے۔ لیکن تین سال ہو چکے ہیں مگر وظائف برابر خزانہ سے ادا کئے جا رہے ہیں۔ شوریٰ کے ممبروں میں سے ایک کو یہ بات یاد آئی اور اس نے اعتراض کر دیا کہ جب یہ فیصلہ ہوا تھا تو اس پر کیا کارروائی کی گئی اور اب وظائف گزشتہ وظائف کی وصول شدہ رقوم میں سے دیئے جاتے ہیں یا سلسلہ کے خزانہ پر ہی بوجھ ہے۔ اور اگر ایسا ہے تو کیوں؟ اب ظاہر ہے کہ اگر اس تنقید کا دروازہ بند کر دیا جائے تو سلسلہ کیوں تباہ نہ ہوگا اور اسے ناظروں کی بے رُعبی کے ڈر سے کیونکر روکا جا سکتا ہے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے کہ کوئی ناظر نماز نہ پڑھے اور ہم اسے کہیں تو کہا جائے کہ اس بات سے ناظروں کی بے رُعبی ہوتی ہے۔ لیکن میں کہوں گا کہ اس کے نہ کہنے سے سلسلہ کی بے رُعبی ہوتی ہے۔ پس یہ اعتراض روکا نہیں جا سکتا تھا اور اس کیلئے جواب دینا ضروری تھا۔

عام پارلیمنٹوں میں یہ قاعدہ ہے کہ وزراء بعض دفعہ کوئی ٹلا واں جواب دے دیتے ہیں تا اس پر مزید جرح نہ ہو سکے اور بات مخفی رہے لیکن یہاں یہ نہیں ہو سکتا۔ بحیثیت خلیفہ میرا فرض ہے کہ صحیح جواب دلواؤں۔ پہلے اس سوال کے ایسے جواب دیئے گئے جو ٹالنے والے تھے مگر آخر اصل جواب دینا پڑا کہ اس فیصلہ پر عمل نہیں کیا گیا۔ اب اگر اس میں نظارتوں کی بے رُعبی ہوئی تو اس کی ذمہ دار نظارت ہے۔ اگر اس قسم کی تنقید کو روک دیا جائے تو سلسلہ کا نظام ایسا گر جائے گا کہ اس کی کوئی قیمت نہ رہے گی۔ اس میں شک نہیں کہ بعض دفعہ شوریٰ بھی غلط فیصلے کر دیتی ہے۔ مثلاً اِسی سال کی مجلس شوریٰ میں پہلے ایک مشورہ دیا گیا اور پھر اس کے خلاف دوسرا مشورہ دیا گیا جس کی طرف مجھے توجہ دلانی پڑی۔ تو ایسی غلطیاں مجلس شوریٰ بھی کر سکتی ہے، انجمن بھی کر سکتی ہے اور خلیفہ بھی کر سکتا ہے۔ بلکہ بشریت سے تعلق رکھنے والے دائرہ کے اندر انبیاء بھی کر سکتے ہیں۔ جو بالکل غلطی نہیں کر سکتا وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ شوریٰ کو تنقید کا جو حق ہے وہ مار دیا جائے۔ گو شوریٰ غلطی کر سکتی ہے مگر

اس سے اس کا حق باطل نہیں کیا جا سکتا۔ اور ناظر بھی غلطی کر سکتے ہیں مگر ان کے دائرہ عمل میں ان کے ماتحتوں کا فرض ہے کہ ان کی اطاعت کریں۔ ہاں جو امور شریعت کے خلاف ہوں ان میں اطاعت نہیں ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ایک صحابی کو ایک چھوٹے سے لشکر کا سردار بنا کر بھیجا۔ راستہ میں انہوں نے کوئی بات کہی جس پر بعض صحابہ نے عمل نہ کیا، اس پر وہ ناراض ہوئے اور کہنے لگے کہ مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تم لوگوں پر امیر مقرر کیا ہے اور آپ نے یہ بھی فرمایا ہوا ہے کہ جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے اس کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ اور جب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قائمقام ہوں تو تم نے میری نافرمانی کیوں کی[6]۔ اس پر صحابہؓ نے کہا کہ ہم آپ کی اطاعت کریں گے۔ انہوں نے کہا اچھا میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ اطاعت کرتے ہو یا نہیں۔ چنانچہ انہوں نے آگ جلانے کا حکم دیا اور جب آگ جلنے لگی تو صحابہؓ سے کہا کہ اس میں کود پڑو۔ بعض تو آمادہ ہو گئے مگر دوسروں نے ان کو روکا اور کہا کہ اطاعت امور شرعی میں ہے ان کو تو شریعت کی واقفیت نہیں۔ اس طرح آگ میں کود کر جان دینا ناجائز ہے اور خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ خودکشی نہیں کرنی چاہئے[7]۔ جب یہ امر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا تو آپؐ نے اس میں ان لوگوں کی تائید کی جنہوں نے کہا تھا کہ آگ میں کودنا جائز نہیں[8]۔ پس میں جو کہتا ہوں کہ ناظر کے دائرہ عمل میں اس کی اطاعت کرنی چاہئے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی ناظر کسی سے کہے کہ جھوٹ بولو تو اسے بولنا چاہئے۔ نظارت کے شعبہ میں جھوٹ بلوانا شامل نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی ناظر کہے کہ کسی کو قتل کر دو تو اس میں اس کی اطاعت جائز نہیں۔ اطاعت صرف شریعت کے محدود دائرہ میں ضروری ہے اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کہ غلطی ہر شخص کر سکتا ہے۔ ممکن ہے کسی فیصلہ میں ناظر بھی غلطی کرے لیکن اس دائرہ میں اس کی غلطی کو بھی ماننا پڑے گا۔

پس خلیفہ کا فیصلہ مجلس شوریٰ اور نظارت کیلئے ماننا ضروری ہے۔ اسی طرح شوریٰ کے مشورہ کو سوائے استثنائی صورتوں کے تسلیم کرنا خلیفۂ وقت کیلئے ضروری ہے۔ اور جس مشورہ کو خلیفۂ وقت نے بھی قبول کیا اور جسے شرعی احکام کے ماتحت عام حالتوں میں خلیفہ کو بھی قبول

کرنا چاہئے یقیناً نظارت اُس کی پابند ہے خواہ وہ غلط ہی ہو۔ ہاں اگر وہ سمجھتے ہیں کہ کسی فیصلہ کی موجودگی میں وہ کام کو نہیں چلا سکتے تو ان کو چاہئے کہ اسے پیش کر کے وقت پر منسوخ کرالیں۔ لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ ہر شوریٰ میں کچھ نہ کچھ شور ضرور اُٹھتا ہے کہ فلاں فیصلہ پر عمل نہیں ہوا، فلاں قانون کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ پھر ایسی باتوں پر کس طرح پردہ پڑ سکتا ہے۔ اور جب ایک نقص ظاہر ہو تو میرا فرض ہے کہ میں نظارت کو اس نقص کے دور کرنے کی طرف توجہ دلاؤں۔ کیونکہ میں صدر انجمن احمدیہ کا رہنما ہونے کی حیثیت میں خود بھی اس خلاف ورزی کا گو قانونی طور پر نہیں مگر اخلاقی طور پر ذمہ دار ہو جاتا ہوں۔ پس میرا فرض ہے کہ غلطی پر اس کی اصلاح کی طرف توجہ دلاؤں۔

غرض ناظروں کا یہ فرض ہے کہ شوریٰ کے فیصلوں کی پابندی کریں یا پھر ان کو بدلوالیں۔ لیکن جب تک وہ فیصلہ قائم ہے ناظروں کا اس پر عمل کرنا ویسا ہی ضروری ہے جیسا ان کے ماتحت کلرکوں اور دوسرے کارکنوں کا ان کے احکام پر۔ اگر ناظر اس طرح کریں تو بہت سے جھگڑے مٹ جاتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ صدر انجمن احمدیہ کا فرض ہونا چاہئے کہ ہر شوریٰ کے معاً بعد ایک میٹنگ کر کے دیکھے کہ کونسا فیصلہ کس نظارت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اور پھر اسے ناظر متعلقہ کے سپرد کرے کہ اس پر عمل ہوا اور وقت مقرر کر دیا جائے کہ اس کے اندر اندر اس فیصلہ کی تعمیل پوری طرح ہو جائے اور پھر اس مقررہ وقت پر دوسری میٹنگ کر کے دیکھے کہ عمل ہوا ہے یا نہیں۔ اس طرح تنقید کا سلسلہ خود بخود بند ہو جائے گا۔''

(الفضل ۲۷ /اپریل ۱۹۳۸ء)

۱؎ النور: ۵۶

۲؎ خودرائی: خودسری، سرکشی (فیروز اللغات اردو جامع صفحہ ۵۹۹ مطبوعہ فیروز سنز لاہور ۲۰۱۰ء)

۳؎ صٓ: ۸۷

۴؎ کنز العمال الجزء الخامس صفحہ ۶۴۸ حدیث نمبر ۱۴۱۳۶۔ مطبوعہ دمشق ۲۰۱۲ء

۵؎ الشوریٰ: ۳۹

۶ تا ۸؎ بخاری کتاب الاحکام باب السمع والطاعة للامام مالم تکن معصیة صفحہ ۱۲۲۹، ۱۲۳۰ حدیث نمبر ۷۱۴۵ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانیة

خدام الاحمدیہ کے قیام کی غرض

۱۷؍ مارچ ۱۹۳۹ء کو حضور نے مجلس خدام الاحمدیہ کے قیام کی غرض بیان فرمائی اور فرمایا درحقیقت یہ روحانی ٹریننگ اور روحانی تعلیم و تربیت ہے اُس فوج کی جس فوج نے احمدیت کے دشمنوں سے مقابلۂ جنگ کرنی ہے۔ فرمایا۔

''درحقیقت ایک ایسی زندہ قوم جو ایک ہاتھ کے اُٹھنے پر اُٹھے اور ایک ہاتھ کے گرنے پر بیٹھ جائے دنیا میں عظیم الشان تغیر پیدا کر دیا کرتی ہے اور یہ چیز ہماری جماعت میں ابھی پیدا نہیں ہوئی۔ ہماری جماعت میں قربانیوں کا مادہ بہت کچھ ہے مگر ابھی یہ جذبہ ان کے اندر کمال کو نہیں پہنچا کہ جونہی ان کے کانوں میں خلیفۂ وقت کی طرف سے کوئی آواز آئے اُس وقت جماعت کو یہ محسوس نہ ہو کہ کوئی انسان بول رہا ہے بلکہ یوں محسوس ہو کہ فرشتوں نے اُن کو اُٹھا لیا ہے اور صورِ اسرافیل ان کے سامنے پھونکا جا رہا ہے۔ جب آواز آئے کہ بیٹھو تو اُس وقت اُنہیں یہ معلوم نہ ہو کہ کوئی انسان بول رہا ہے بلکہ یوں محسوس ہو کہ فرشتوں کا تصرف اُن پر ہو رہا ہے اور وہ ایسی سواریاں ہیں جن پر فرشتے سوار ہیں۔ جب وہ کہے بیٹھ جاؤ تو سب بیٹھ جائیں۔ جب کہے کھڑے ہو جاؤ تو سب کھڑے ہو جائیں۔ جس دن یہ روح ہماری جماعت میں پیدا ہو جائے گی اُس دن جس طرح باز چڑیا پر حملہ کرتا اور اُسے توڑ مروڑ کر رکھ دیتا ہے اسی طرح احمدیت اپنے شکار پر گرے گی اور تمام دنیا کے ممالک چڑیا کی طرح اس کے پنجہ میں آجائیں گے اور دنیا میں اسلام کا پرچم پھر نئے سرے سے لہرانے لگ جائے گا۔''

(الفضل ۷؍ اپریل ۱۹۳۹ء)

جرمنی میں تغیر

(خطبہ جمعہ ۷ جولائی ۱۹۳۹ء)

خطبہ جمعہ ۷ جولائی ۱۹۳۹ء میں حضور نے جرمنی میں تغیر کا ذکر کرتے ہوئے جرمنی میں جاری شدہ نظام کا ذکر فرمایا اور فرمایا کہ جرمنی والوں کا نیا نظام نہیں بلکہ آج سے ۱۳۰۰ سال پرانا نظام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے۔ نیز فرمایا:۔

''حقیقت یہ ہے کہ یہ نیا نظام نہیں بلکہ یہ وہی نظام ہے جسے اسلام نے آج سے ساڑھے تیرہ سَو سال پہلے خلافت کی شکل میں دنیا میں قائم کیا۔ تم میں سے کوئی کہہ سکتا ہے کہ آج یورپ میں چونکہ یہ ایک نظام قائم ہو چکا ہے اور اس کے فوائد بھی ظاہر ہو چکے ہیں اس لئے اس کو دیکھ کر آپ نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے مگر میں بتاتا ہوں کہ یہ صحیح نہیں۔ تم ۱۹۱۴ء کا میرا وہ لیکچر نکال کر دیکھ لو جو ''برکات خلافت'' کے نام سے چھپا ہوا موجود ہے۔ اس میں میں نے وہی نظام پیش کیا ہے جس کی آج یورپین حکومتیں تقلید کر رہی ہیں۔ ۱۹۱۴ء میں تو نہ لینن تھا نہ مسولینی نہ مصطفیٰ کمال پاشا تھا نہ ہٹلر۔ اُس وقت میں نے یہ نظام لوگوں کے سامنے رکھا اور انہیں بتایا کہ قومی ترقی انہی اصول پر ہوسکتی ہے۔ پیغامی ہمیشہ میری اِس تقریر اور اِسی قسم کی اور تقریروں پر اعتراض کرتے رہتے ہیں اور کہا کرتے ہیں دیکھو! یہ شخص خودرائی کی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے حالانکہ اسلام نے جو طریق بتایا ہے وہ اس ڈکٹیٹر شپ سے ہزاروں درجے بڑھ کر ہے جو یورپین ممالک میں قائم ہے بے شک اِن دونوں میں ایک مشابہت بھی ہے اور وہ یہ کہ جس طرح لوگ ڈکٹیٹروں کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتے ہیں اسی طرح خدا تعالیٰ خلفاء کی اطاعت اور فرمانبرداری کی تلقین کرتا ہے مگر اس کے مقابلہ میں ایک بہت

بڑا فرق بھی ہے اور وہ یہ کہ ڈکٹیٹر خود قانون ساز ہوتا ہے مگر خلیفہ قانون ساز نہیں بلکہ ایک اور قانون کے تابع ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا ہے۔ ہٹلر قانون ساز ہے مسولینی قانون ساز ہے لینن قانون ساز ہے لیکن اسلامی خلیفہ نظام اور قانون کا اسی طرح پابند ہے جس طرح جماعت کا ایک عام فرد۔ وہ قانون ساز نہیں بلکہ خدائی قانون کا تابع ہوتا ہے اور اسی قانون کو وہ لوگوں سے منواتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خلافت کی وجہ سے لوگوں پر وہ ظلم نہیں ہوتا جو ان ملکوں میں ہو رہا ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ یہاں ایک مکمل قانون قرآن کریم کی شکل میں موجود ہے جس پر عمل کرنا اور دوسروں سے عمل کرانا خلفاء کا کام ہے۔ لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہماری جماعت میں ابھی تک احکامِ خلافت کی پابندی کی وہ روح پیدا نہیں ہوئی جو اسلام لوگوں کے دلوں میں پیدا کرنا چاہتا ہے اور نہ اس نظام کی قدر و قیمت کو اس نے پوری طرح محسوس کیا ہے۔ مجھے حیرت ہوئی جب میں نے اپنی جماعت کے ایک اخبار میں غیر مبائعین کے ایک انگریزی اخبار کا ایک نوٹ پڑھا جس میں وہ ہٹلر کی کتاب ''میری جدو جہد'' کے بعض اقتباسات درج کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ مسلمانوں کو اپنی توجہ اس نئے سوشل فلسفہ کی طرف مبذول کرنی چاہیے کیونکہ بظاہر یہ ان خیالات کے خلاف معلوم ہوتا ہے جو اسلامی جمہوریت کے متعلق قبول کئے جا چکے ہیں لیکن اس تجربہ کے بعد جو جرمنی نے کیا اور اس تجربہ کے بعد جو یورپ کے بعض اور ممالک میں کیا گیا یہ امر اس قابل ہو جاتا ہے کہ ہم دوبارہ تمام سوال پر غور کریں اور دیکھیں کہ اسلامی نقطہ نگاہ کیا ہے؟ گویا غیر مبائعین کے دلوں میں بھی اب یہ احساس پیدا ہونے لگا ہے کہ آج سے پچیس سال پہلے جو تعلیم ہماری جماعت کی طرف سے پیش کی گئی تھی کہیں وہی تو درست نہیں اور کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ غلطی پر ہوں اور اسلامی نظام کے سمجھنے میں انہوں نے ٹھوکر کھائی ہو۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اب غیر مبائعین کے دل بھی اس نظام کی خوبی کو تسلیم کرنے لگ گئے ہیں اور ان پر بھی یہ امر آشکار ہو گیا ہے کہ صحیح نظام وہی ہے جو خلافت کے ماتحت ہو............۔

میں نے دیکھا ہے لوگوں میں یہ ایک مرض پیدا ہو گیا ہے کہ جس کام پر خلیفہ کا ہاتھ رہتا

ہے اُس کام کی طرف وہ خوب توجہ کرتے رہتے ہیں مگر جونہی خلیفہ اپنے ہاتھ پیچھے کھینچ لیتا ہے لوگوں کا جوش بھی سرد پڑ جاتا ہے اوران پر غفلت طاری ہو جاتی ہے۔ حالانکہ خلافت کا وجود تو خدا تعالیٰ نے بطور محور رکھا ہے اب کون سا وہ خلیفہ ہوسکتا ہے جو ہر کام کرے ابھی تو ہماری جماعت بہت قلیل ہے مگر جوں جوں ہماری جماعت ترقی کرے گی کاموں میں بھی زیادتی ہوتی چلی جائے گی۔ ابھی تو ہمارے پاس نہ حکومت ہے نہ تجارت ہے نہ یونیورسٹیاں ہیں نہ علمی ادارے ہیں اور نہ کوئی اور چیز ہے مگر جب یہ تمام چیزیں آگئیں تو اُس وقت ہمارے کام کا دائرہ اتنا وسیع ہو جائیگا کہ ہمیں ہزاروں کی تعداد میں بڑے بڑے لائق آدمیوں کی ضرورت ہوگی جن کا یہ فرض ہوگا کہ وہ دن رات اپنے کاموں میں مشغول رہیں۔ اگر وہ خود کام نہیں کریں گے اور اپنا فرض صرف یہی سمجھیں گے کہ جس کام کی طرف خلیفہ توجہ دلاتا رہے اسے کرتے رہیں اور جس کام کی طرف وہ توجہ دلانا چھوڑ دے اُسے ترک کردیں تو جماعت کی ترقی کس طرح ہوگی۔ پس ضروری ہے کہ جماعت میں ابھی سے بیداری پیدا ہو اور وہ یہ غور کرنے کی عادت ڈالے کہ جو کام وہ کررہی ہے وہ اچھا ہے یا نہیں۔ اور جب اسے معلوم ہو کہ وہ اچھا ہے اور خلیفہ نے بھی ایک آدھ دفعہ اس کی طرف توجہ دلا دی ہے تو پھر وہ اس کام کو چھوڑے نہیں بلکہ مستقل طور پر اسے اپنی زندگی کے پروگرام میں شامل کرے کیونکہ اس کے بغیر ترقی ہونا ناممکن ہے۔ پس ہماری جماعت کو یہ عادت ترک کرنی چاہیے کہ جب تک خلیفہ کسی کام میں ہاتھ نہیں ڈالے گا اسے وہ نہیں کرے گی۔ خلیفہ کا کام صرف توجہ دلانا اور نگرانی کرنا ہے آگے جماعت کا یہ کام ہے کہ وہ کاموں کو اپنے ہاتھ میں لے اور اس مضبوطی اور استقلال سے ان کو چلائے کہ پھر ان کو چھوڑے نہیں۔ پس جماعت کے دوستوں کو اپنے اندر بیداری پیدا کرنی چاہیے اور اُس دن کیلئے اپنے آپ کو تیار کرنا چاہیے جب کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہمیں وسعت برکات حاصل ہوگی اور ایک ایک کام کیلئے ہمیں ہزاروں آدمیوں کی ضرورت ہوگی جو دن رات ان کاموں پر لگے رہیں۔ تم آج ہی ان اہم ذمہ داریوں کے کاموں کیلئے اپنے آپ کو تیار کرو اور اس بات کا انتظار نہ کیا کرو کہ ہر کام کے کرنے کا تمہیں خلیفہ کی طرف سے حکم ملے یہ محض نمائش ہے کہ جب تک تمہارا سردار

جس کی تم نے بیعت کی ہوئی ہے تمہیں توجہ دلاتا رہتا ہے تم کام کرتے رہتے ہو اور جب اس کی توجہ کسی اور کام کی طرف مبذول ہو جاتی ہے تو تم کام سے غافل ہو جاتے ہو۔ یہ ایک خطرناک مرض ہے جس کو دور کرنے کی طرف ہماری جماعت کو توجہ کرنی چاہئے۔''

(الفضل ۲؍اگست ۱۹۳۹)

خلافت جوبلی کے موقع پر جلوس اور چراغاں

خطبہ جمعہ فرمودہ ۸؍ دسمبر ۱۹۳۹ء سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

اخبارات میں مختلف اعلانات ''خلافت جوبلی کے متعلق'' نکل رہے ہیں ان اعلانات کے پڑھنے کے بعد میں بعض باتیں کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ میں نے مجلس شوریٰ کے موقع پر بھی ان باتوں کی طرف توجہ دلائی تھی مگر انسان کی فطرت ایسی ہے کہ وہ نقل کی طرف زیادہ مائل ہوتی ہے بہ نسبت عقل کے۔ کیونکہ نقل کرنا زیادہ آسان ہوتا اور عقل سے کام لینا مشکل ہوتا ہے۔ یہ زمانہ عیسائیت کے فروغ کا زمانہ ہے وہ قومیں جو آہستہ آہستہ ترقی کرتی ہیں ان میں مظاہرے کرنے کی عادت زیادہ ہوتی ہے اور جن کو یکدم غلبہ حاصل ہوتا ہے وہ چونکہ حقیقت سے آشنا ہو چکی ہوتی ہیں اور مقصود اُن کو مل چکا ہوتا ہے اسلئے اُن کو مظاہروں کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ جو ماں باپ بچوں کے ساتھ رہتے ہیں انہیں ان کی تصویریں رکھنے کا شوق اتنا نہیں ہوتا لیکن جن کے بچے ان سے دور ہوتے ہیں انہیں تصویروں کی طرف زیادہ خیال ہوتا ہے کیونکہ جب اصل انسان کے سامنے نہ ہو تو وہ نقل سے دل بہلانے کی کوشش کرتا ہے۔ جن قوموں کو خدا مل جاتا ہے وہ بتوں اور بت خانوں کی طرف توجہ نہیں کرتیں لیکن جن کو خدا نہیں ملا ہوتا وہ بتوں اور بت خانوں کی طرف زیادہ مائل ہوتی ہے کیونکہ کچھ نہ کچھ خدا تعالیٰ کا نقشہ ضرور چاہیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو قریب عرصہ میں خدا تعالیٰ نے وہ باتیں دلا دیں جو اُن کے اور اُن کی قوم کے متعلق موعود تھیں اِس لئے ان کی قوم میں ایسے مظاہروں کی طرف توجہ نہ تھی۔ عیسائیوں کو ایک لمبے عرصہ کے بعد وہ باتیں حاصل ہوئیں اس لئے وہ درمیانی زمانہ میں مظاہرے کرتے رہے کیونکہ کچھ نہ کچھ تو دل خوش کرنے کیلئے ہونا چاہیے۔ پھر مسلمانوں کو ان کے موعود انعامات بہت ہی تھوڑے عرصہ میں حاصل ہو گئے۔

حضرت موسیٰؑ کی قوم کو جتنے وقت میں کامیابی حاصل ہوئی تھی اس کے ایک تہائی زمانہ میں انہوں نے کامیابیاں دیکھ لیں۔ اس لئے ان کو بھی کوئی ضرورت نہ تھی کہ ایسے مظاہرے کرتے اور نقلیں کرتے۔ ہمارا زمانہ بھی عیسوی زمانہ کے نقش قدم پر ہے اور اس کے لئے آہستہ آہستہ ترقی موعود ہے۔ اس لئے ہمارے لوگوں میں بھی لازماً گدگدی پیدا ہوتی ہے کہ اگر ابھی فتح دور ہے تو فتح کے زمانہ کی نقل تو بنائیں۔ ہندوؤں میں بعض قومیں مثلاً بھابڑے ایسے ہیں جو گوشت کبھی نہیں کھاتے اور اس بارہ میں بڑی احتیاط کرتے ہیں مگر چونکہ اپنے ہمسائے میں ان کے کانوں میں ایسی آوازیں آتی رہتی ہیں کہ ذرا ایک بوٹی اور دینا یا یہ کہ آج کباب بنائے ہیں اور پھر گوشت کی خوشبو بھی آتی ہے اس لئے ان میں سے بعض کی نسبت کہا جاتا ہے کہ جب گوشت کا بہت شوق پیدا ہو تو بڑیاں بنا لیتے ہیں اور پھر ان کو ہی بوٹیاں فرض کر لیتے ہیں اور آپس میں کہتے ہیں کہ ایک بوٹی مجھے بھی دینا، ذرا شوربا اور ڈال دینا وغیرہ اور اس طرح وہ بڑی کو بوٹی کہہ کر اپنے دل کو تسلی دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ لڑکیوں کو دیکھ لو خدا تعالیٰ نے ان کی فطرت میں اولاد پیدا کرنا اور اس سے محبت کرنا رکھا ہوتا ہے مگر ابھی ان کی عمر اتنی نہیں ہوتی کہ ان کی شادی ہو اور اولاد ہو اس لئے وہ گڑیا بنا لیتی ہیں اور اسی سے پیار کرتی ہیں اور کہتی ہیں لاؤ اسے دودھ دیں۔ میری بچی روتی کیوں ہے وغیرہ وغیرہ یہ ان کی فطرت کا تقاضا ہوتا ہے مگر زمانہ ابھی آیا نہیں ہوتا اس لئے وہ ایسی باتوں سے دل بہلا لیتی ہیں۔ میں ڈرتا ہوں بلکہ میں اس کے آثار دیکھ رہا ہوں کہ اِس قسم کے نقص جماعت میں پیدا نہ ہو جائیں۔ مظاہرات کی طرف طبیعت فطرتاً مائل ہوتی ہے اور لوگ چاہتے ہیں کہ چراغاں کیا جائے اور جلوس نکالے جائیں چاہے کتنی قیدیں لگاؤ وہ پھر بھی کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر ایسا کر ہی لیا جاتا ہے۔ یہاں خلافت یا خلافت جوبلی کا سوال نہیں بلکہ اہم سوال یہ ہے کہ ہم نے اسلام کی تعلیم کو قائم رکھنا ہے خلافت تو الگ رہی نبوت بھی اسلامی تعلیم کے تابع ہے کیونکہ اسلام دائمی صداقت کا نام ہے اور ہر عقلمند شخص یہ تسلیم کرے گا کہ دائمی صداقت انبیاء پر بھی بالا ہے دائمی صداقت کو انبیاء کیلئے قربان نہیں کیا جاتا بلکہ انبیاء اس کیلئے اپنی جانیں قربان کرتے ہیں اور ہمیشہ ادنیٰ چیز اعلیٰ کیلئے قربان کی جاتی ہے اعلیٰ ادنیٰ کیلئے

نہیں۔قرآن کریم نے یہ کہیں نہیں کہا کہ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان خطرہ میں ہو تو توحید کو قربان کر دیا جائے ،صداقت اور حق کو قربان کر دیا جائے یہ کہا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی خاطر تو اپنے آپ کو قربان کر دے پس صداقت انبیاء سے بھی بالا چیز ہے۔ انسان خواہ وہ نبی ہو یا نبیوں کا سردار بہر حال صداقت کے تابع ہے۔ جہاں تک صداقت کی اشاعت کا تعلق ہوتا ہے نبی بے شک بمنزلہ سورج کے ہوتے ہیں اس لئے کہ ان کے ذریعہ صداقت قائم ہوتی ہے۔صداقت کو شہرت اور عزت ان کے ذریعہ ہی ملتی ہے اس لئے تمثیلی طور پر اللہ تعالیٰ ان کو سورج بھی قرار دیتا ہے ورنہ حقیقتاً وہ قمر کی حیثیت رکھتے ہیں تمام انبیاء الحق یعنی خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں جو اصل صداقت ہے قمر کی حیثیت رکھتے ہیں ان کو سورج کہنا ایسی ہی بات ہے جس طرح ماں باپ کی عزت ہر مذہب میں ضروری ہے اور اسلام نے تو اس پر زیادہ زور دیا اور فرمایا ہے کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے[1]۔قرآن کریم کا حکم ہے کہ ان کے سامنے اُف تک نہ کرو[2] مگر باوجود اس کے ماں باپ اپنے بچے کو کہتے ہیں کہ میں قربان جاؤں، واری جاؤں ان کا یہ کہنا مقام کے لحاظ سے نہیں ہوتا بلکہ اظہارِ محبت کے لئے ہوتا ہے اِسی طرح انبیاء کبھی شمس بھی کہلاتے ہیں مگر اصل مقام ان کا الحق کے مقابلہ میں قمر کا ہی ہوتا ہے۔اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی دن جب جوّ بالکل صاف ہو، مطلع بالکل ابر آلود نہ ہو، چاند چودھویں کا ہو اور وہ تمام باتیں جن سے روشنی تیز ہوتی ہے موجود ہوں تو کوئی شخص کہے کہ آج چاند کیا ہے سورج ہے تو اس کے معنی یہی ہوں گے کہ آج چاند سورج سے اتنا مشابہہ ہے کہ اس کا دوسرا نام رکھنا ٹھیک نہیں اس لئے بالکل وہی نام دینا چاہیے۔تو یاد رکھنا چاہیے کہ ایسے مواقع پر ہمیشہ شریعت کی حفاظت اور اسے سب باتوں پر مقدم رکھنا چاہئے جلوس وغیرہ اسلام میں ثابت نہیں ہیں یعنی ایسے جلوس جیسے آجکل نکلتے ہیں یہ صحیح ہے کہ دوسرے شہروں میں جو جلوس وغیرہ نکلتے ہیں ان کے مقابلہ میں قادیان کے جلوس اسلامی جلوس کے سب سے زیادہ قریب ہوتے ہیں مگر پھر بھی مجھ پر یہ اثر ہے کہ قادیان میں جو جلوس نکلتے ہیں وہ بھی خالص اسلامی جلوسوں کے مشابہہ نہیں ہیں اسلام کے زمانہ میں ہمیں یہ تو نظر آتا ہے تاریخ سے ثابت ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ کے عمل سے

یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ جماعت مسلمین جمع ہو کر خاص بازاروں میں سے گزر رہی ہے اور جب لوگ ایک دوسرے کے سامنے آتے ہیں تو کسی تکلف کے بغیر ایک دوسرے کو بلند آواز سے سلام کہتے ہیں یا تکبیر وتحمید کرتے ہیں مگر یہ کہ ایک شخص شعر پڑھتا ہے اور دوسرے اس کے پیچھے لپکتے جاتے اور وہی شعر پڑھتے ہیں یہ کہیں سے ثابت نہیں میں تو خیال کیا کرتا ہوں کہ اگر کوئی مجھے ایسا کرنے کے لئے کہے اگر تو وہ حاکم مذہب ہو جس کی اطاعت ضروری ہے ورنہ میں کبھی ایسا نہ کرسکوں میری فطرت اسے قبول کرنے کیلئے تیار نہیں مجھے تو یہ جلوس دیکھ کر بچپن کا وہ زمانہ یاد آجاتا ہے جب بچے اکٹھے ہو کر کھیلا کرتے تھے اور ایک دوسرے کی کمر کو پکڑ کر کہتے تھے کہ ہم بکرا لینے آئے ہیں میں نے پہلے بھی کئی دفعہ اس سے منع کیا ہے مگر پھر بھی بعض لوگ اسی طرح کرنا شروع کر دیتے ہیں حالانکہ اگر سنجیدگی سے کام لیا جائے تو ایسے موقع پر دل میں ذکرِ الٰہی کرنا چاہیے ہاں جیسا کہ سنت ہے جب کوئی دوسری جماعت سامنے آتی ہوئی نظر آئے تو تکبیر اور تسبیح وتحمید کرنی چاہیے۔ اسلام بے شک شعر پڑھنے اور سننے کی اجازت دیتا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے مگر اس قسم کا کورس میں نے اسلام میں کہیں نہیں دیکھا (کورس سے مشابہ ایک صورت اسلام میں ہے اور وہ امام کے پیچھے آمین کہنے کی ہے اسی طرح بعض آیات قرآنیہ کے جواب میں بعض فقرات کہے جاتے ہیں لیکن یہ اوّل تو نثر میں ہوتا ہے دوسرے نماز میں اور خاص سنجیدگی کے ساتھ ہوتا ہے بازاروں میں اس طرح کرتے پھرنے کی مثال پر، اور شعر پڑھ پڑھ کر ایسا کرنے کے متعلق میں اِس وقت بات کر رہا ہوں اور اس کی مثال مجھے نہیں ملی) حالانکہ جہاں تک کوشش ہوسکتی ہے میں نے اسلامی تاریخ کا مطالعہ بہت لمبا اور گہرا کیا ہے اگر کسی اور کو اس کی کوئی مثال معلوم ہو تو وہ مجھے بتا دے میں تسلیم کرلوں گا کہ عورتیں مل کر شعر پڑھتی ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو ان کے استقبال کیلئے عورت مرد نکلے اور جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نظر آئے تو انہوں نے شعر بھی پڑھے مگر یہ اس زمانہ کی بات ہے جب اہل مدینہ اسلام سے اچھی طرح واقف نہ تھے اُس وقت عورتوں نے جو شعر پڑھے وہ اس طرح شروع ہوتے تھے۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا مِنْ ثَنِیَّةِ الْوِدَاعِ[۳]

یعنی آج ہم پر چودھویں رات کا چاند فلاں گوشے سے طلوع ہوا ہے یہ سب لوگ استقبال کیلئے باہر نکلے تھے اور جب آپ کو دیکھا تو یہ شعر پڑھنے لگے مگر یہ وہ زمانہ تھا جب ان لوگوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی طرح دیکھا بھی نہ تھا بلکہ یہ وہ زمانہ تھا جب ان لوگوں نے آپؐ کے ساتھ یہ معاہدہ کیا تھا کہ اگر آپ پر کوئی دشمن مدینہ میں حملہ آور ہوگا تو ہم آپ کی مدد کریں گے لیکن اگر آپؐ مدینہ سے باہر لڑنے جائیں تو ہم پر کوئی ذمہ داری نہ ہوگی مگر اِس سے زیادہ پھر بھی ثابت نہیں کہ لوگوں نے جمع ہو کر شعر پڑھے۔ یہ ثابت نہیں کہ تکلّف کے ساتھ ایک پہلے شعر پڑھتا ہے دوسرے اس کے پیچھے مٹکتے جاتے ہیں اور بعد میں اس کے شعر کو یا اس کے ٹکڑے کو دہرا دیتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود شعر پڑھوا کر سنتے تھے بعض بیوقوف اس پٹھان کی طرح جس نے کہہ دیا تھا کہ خو محمد صاحب کا نماز خراب ہوگیا اس کو جائز نہیں سمجھتے مگر یہ حقیقت ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود کہہ کہہ کر بعض دفعہ شعر پڑھواتے تھے۔ جہاد کو جاتے ہوئے خوش الحانوں سے کہہ کر شعر پڑھوانا تو حدیثوں میں کثرت سے ثابت ہے۔ پھر حدی خوانی تو عربوں کی مشہور رہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس سے منع نہیں فرمایا۔ اونٹ شعر پر عاشق ہوتا ہے اور اسے سن کر تیز چلتا ہے تو اس قسم کی شعر خوانی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس میں ثابت ہے اپنے بے تکلف دوستوں میں میں بھی بچپن میں شعر پڑھ لیا کرتا تھا اب تو گلے کی تکلیف کی وجہ سے خوش آواز ہی باقی نہیں رہی شعر کیا پڑھنا ہے اور اگر ہو بھی تو مجلس میں شعر پڑھنے سے مجھے حجاب ہے مگر اس کے باوجود میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ میری فطرت کے خلاف ہے۔ بچپن میں میں پڑھتا رہا ہوں لیکن جس طرح یہاں جلوسوں میں کیا جاتا ہے اس طرح نہ میں نے کبھی کہا ہے اور نہ میری فطرت اسے برداشت کرسکتی ہے۔ ہاں بعض ادعیہ حدیثوں سے ثابت ہیں ان کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شعر بھی ہوتے تھے اور پڑھے بھی جاتے تھے اور وہی طریق اب تم بھی اختیار کرسکتے ہو مگر آپ کے فعل پر زیادتی کی کیا ضرورت ہے۔ جلوس کی صورت میں جمع ہو کر چلنا ثابت ہے اور پھر

یہ بھی ثابت ہے کہ جب دو جماعتیں آپس میں ملیں تو بلند آواز سے تکبیر یا تسبیح و تحمید بھی کریں۔عید کے موقع پر بھی ایسا کرنے کا حکم ہے اور ہم کرتے ہیں مگر یہ جلوس نکالنے والے عید پر تکبیر اور تسبیح وتحمید نہیں کرتے ۔ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ عید کے روز بھی یہ اسی طرح بلند آواز سے تکبیر اور تسبیح وتحمید کہتے ہوئے جائیں میرا گلا خراب ہے میں خوش الحانی کے طور پر صرف اونچی آواز نکال سکتا ہوں ہلکی نہیں نکال سکتا اور اگر آہستہ تلاوت کرنا چاہوں یا شعر پڑھنا چاہوں تو آواز منہ میں ہی رہ جاتی ہے یا تو آواز بالکل چھوٹی نکلے گی یا بہت بڑی۔مگر پھر بھی میں کوشش کر کے بڑی عید کے موقع پر جب ایسا کرنے کا حکم ہے تکبیر اور تسبیح وتحمید کرتا ہوں مگر یہ جلوس نکال کر شور کرنے والے چپ کر کے پاس سے گزر جاتے ہیں پس اگر اس رنگ میں جو کہ میں نے بتایا ہے اور جو اسلامی جلوس کا رنگ ہے کر لیا جائے تو کوئی حرج نہیں ۔اس طرح ذکرِ الٰہی کی کثرت ثواب کا بھی موجب ہے اور دوسرے اگر نقل کریں تو ان کے دلوں میں بھی خدا کی بڑائی پیدا ہوگی اور پھر ان کو بھی ثواب ہوگا لیکن جس طرح یہاں عام طور پر جلوس نکالے جاتے ہیں ان کا ثبوت اسلامی تاریخ میں نہیں ملتا۔

اسی طرح چراغاں کا سوال ہے مجھ سے میری ایک لڑکی نے سوال کیا اس نے کہا میں نے اپنے فلاں عزیز سے پوچھا تھا تو اس نے کہا کہ مجلس شوریٰ میں حضرت (خلیفۃ المسیح) نے چراغاں کرنے سے جماعت کو منع کیا تھا افراد کو نہیں ۔ میں نے کہا ہاں یہ درست ہے اس قدر بات بالکل درست تھی کیونکہ حقیقت یہی ہے کہ میں نے افراد کو منع نہیں کیا تھا مگر اُس وقت افراد کا سوال بھی تو پیش نہ تھا۔ پھر اِس کے بعد یہ بازگشت میرے کانوں میں آنی شروع ہوئی کہ افراد بے شک چراغاں کریں حالانکہ شوریٰ کے موقع پر جماعت کو منع کرنے کے یہ معنی نہیں تھے کہ افراد بے شک کریں۔ اُس وقت چونکہ جماعت ہی کے بارہ میں مجھ سے سوال کیا گیا تھا میں نے اُتنا ہی جواب دے دیا۔ افراد کے متعلق نہ مجھ سے پوچھا گیا اور نہ میں نے بتایا۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بڑھیا عورت آئی جو حضرت خدیجہؓ کی سہیلی تھی اُس کے ساتھ بوجہ اِس کے کہ وہ عمر میں بڑی تھی آپ اس قسم کی بے تکلفی فرما لیتے تھے جیسا کہ بڑوں سے انسان کر لیا کرتا ہے۔اس نے دریافت

کیا یَا رَسُوْلَ اللہ! کیا میں جنت میں داخل ہوں گی؟ آپ نے فرمایا کوئی بڑھیا جنت میں داخل نہیں ہو سکے گی۔ درحقیقت اس کا سوال بیوقوفانہ تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا پتہ کہ کون جنت میں داخل ہوگا۔ پس آپ نے سوال کے رنگ میں ہی جواب دیا اور فرمایا کہ کوئی بڑھیا جنت میں داخل نہیں ہوگی اس کا مطلب یہ تھا کہ جنت میں سب جوان ہوں گے۔آخر جنت کی نعماء حظ اُٹھانے کے لئے ہیں اور اگر نہ منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت، ہوکمر جھکی ہوئی ہو، آنکھیں بصارت کھو چکی ہوں تو جنت کی نعماء سے انسان کیا فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ پس آپ کا جواب بالکل درست تھا اور سوال کے مطابق الفاظ میں دیا گیا تھا۔ اُس عورت نے نہ غور کیا اور نہ آپ سے پوچھا بلکہ یہ بات سنتے ہی رونے لگ گئی اس پر آپ نے فرمایا تم روتی کیوں ہو؟ اُس نے کہا اس لئے کہ آپ فرماتے ہیں تو جنت میں داخل نہیں ہوگی۔ آپ نے فرمایا میں نے یہ تو نہیں کہا کہ تم داخل نہیں ہوگی میں نے تو کہا ہے کہ کوئی بڑھیا داخل نہیں ہو سکے گی اور یہ صحیح بات ہے کیونکہ جنت میں سب جوان ہوکر داخل ہوں گے[۴۲]۔ تو اسی رنگ میں اپنی لڑکی کو جواب دیا اور کہا کہ میں نے افراد کو چراغاں سے منع نہیں کیا تھا میرا مطلب یہ تھا کہ شوریٰ میں سوال ہی جماعت کا تھا ورنہ مذہبی خوشیوں کے مواقع پر چراغاں شریعت سے ثابت نہیں ہاں عیسائیوں سے ثابت ہے۔ بعض نقال کہہ دیا کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بادشاہ کی جوبلی پر چراغاں کیا مگر بادشاہ کی جوبلی پر تو میں بھی کرنے کو تیار ہوں سوال تو یہ ہے کہ کیا خلافت جوبلی پر بھی ایسا کرنا جائز ہے؟ ہمیں کئی ہندو ملتے ہیں اور ہاتھ سے سلام کرتے ہیں اور جواب میں ہم بھی اُس طرح کر دیتے ہیں مگر مسلمان تو اس طرح نہیں کرتے بلکہ اسے تو اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہتے ہیں تو جن چیزوں کی حرمت ذاتی نہیں بلکہ نسبتی ہے بلکہ حرمت ہے ہی نہیں صرف کراہت ہے اسے ہم اپنے لئے تو اختیار نہیں کر سکتے ہاں دوسرے کیلئے کرنے کو تیار رہیں جب ترکی سفیر حسین کامی یہاں آیا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک خاص آدمی بھیج کر لاہور سے اس کیلئے سگریٹ اور سگار منگوائے کیونکہ قرآن کریم میں تمباکو کا ذکر نہیں آتا صرف قیاس سے اس کی کراہت ثابت کی جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود اس سے کراہت کرتے تھے مگر

مہمان کیلئے لاہور سے منگوائے۔ اسی طرح چراغاں اپنی ذات میں بے شک منع نہیں سب لوگ اپنے گھروں میں لیمپ یا دیئے وغیرہ جلاتے ہیں اس لئے غیروں کی دلجوئی اور انہیں خوش کرنے کیلئے ان کی کسی تقریب پر چراغاں کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اب بھی اگر بادشاہ یا حکومت کی کوئی تقریب ہو اور وہ کہے کہ چراغاں کرو تو ہم کر دیں گے کیونکہ حکومت کی عزت ہم پر خدا تعالیٰ کی طرف سے واجب ہے اور ایسا کر دینے سے ہمارا خدا بھی ہم سے خوش ہوگا اور حکومت بھی۔ مگر یہی بات ہم اپنی کسی مذہبی تقریب پر اختیار نہیں کر سکتے اگر تو حکم کے ماتحت چراغ جلاتے ہیں تو ہمیں ثواب بھی پہنچتا ہے کہ ہم نے حکم مانا یہ جلانا ضائع نہیں جائے گا ورنہ یوں کسی غریب کو روٹی کھلا دینا اِس سے بہت زیادہ بہتر ہے کہ انسان گھر میں پندرہ بیس دیئے جلا لے۔ دیئے جلانے میں کم سے کم ڈیڑھ دو آنہ کا تیل تو ضائع ہوگا اور اتنے پیسوں میں دو غریبوں کا جو فاقہ سے تڑپ رہے ہوں پیٹ بھرا جا سکتا ہے۔ بتاؤ یہ اچھا ہے کہ دیئے جلا کر اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا لی جائے یا کسی غریب کا پیٹ بھر کر اللہ تعالیٰ کو خوش کیا جائے۔ تو چراغاں کا کوئی فائدہ نہیں اور نہ اس کا شریعت نے حکم دیا ہے۔ شریعت نے صدقہ کا حکم دیا ہے اور اس سے کئی فوائد بھی ہیں اس طرح کئی لوگوں کی طرف جن کا ہمیں پتہ بھی نہیں ہوتا توجہ ہو جاتی ہے اور پھر دوسرے کی مصیبت اور اپنی خوشی کے موقع پر اس کی طرف توجہ ہو جاتی ہے پس ایسی تقریبات کے موقع پر ہمیں خیال رکھنا چاہیے کہ یورپین لوگوں کی نقل نہ ہو بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل ہو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے متعلق فرمائے گا کہ ان کو جنت میں اعلیٰ انعام دو۔ میں بھوکا تھا انہوں نے مجھے کھانا کھلایا میں ننگا تھا انہوں نے مجھے کپڑے پہنائے وہ لوگ استغفار پڑھیں گے اور کہیں گے یا الٰہی! یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ تو بھوکا پیاسا یا ننگا ہو اور ہم کنگال کیا حیثیت رکھتے تھے کہ تجھے کھانا کھلاتے یا کپڑے پہناتے مگر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ نہیں تم نے ایسا ہی کیا جبکہ میرے غریب بندے بھوکے تھے اور تم نے اُن کو کھانا کھلایا وہ پیاسے تھے تم نے انہیں پانی پلایا وہ ننگے تھے اور تم نے انہیں کپڑے پہنائے [5] غور کرو یہ کتنا عظیم الشان درجہ ہے جو غریبوں کو کھانا کھلانے سے حاصل ہو سکتا ہے اور خوشیوں کو ایسے رنگ

میں منانے سے ہوسکتا ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مگر تیل خرچ کر دینے پر خدا تعالیٰ کیا کہہ سکتا ہے کیا وہ کہے گا کہ ان میرے بندوں کو جنت میں اعلیٰ درجہ کے انعام دو کیونکہ یہ بازار سے تیل خرید کر لائے ، بہت سے دیئے جلائے اور اس طرح اپنی آنکھیں تو خوش کر لیں مگر میرے کسی بھوکے اور پیاسے بندے کی خبر نہ لی۔ یہ فقرہ اللہ تعالیٰ کی زبان پر سجتا نہیں مگر وہ دوسرا فقرہ تو دل کو لگتا ہے اور اُس سے ایسا درد پیدا ہوتا ہے کہ ہر انسان کے دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے کہ کسی طرح اسے خدا تعالیٰ سے اپنے لئے سن لے۔ مگر یہ تو ایسا ہے کہ نہ اسے کان برداشت کر سکتے ہیں اور نہ خدا تعالیٰ کی زبان سے زیب دیتا ہے۔

پس جو کرنا چاہو کرو لیکن شریعت کے مطابق کرو اور ایسے رنگ میں کرو کہ دنیا بھی زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کر سکے جب تمہارے کام دنیا کے لئے مفید بن جائیں گے تو خدا تعالیٰ دنیا کے دوسرے کاموں کو بھی تمہارے لئے مفید بنا دے گا۔ جب تم لوگوں کیلئے اپنے کاموں کو مفید بناؤ گے تو خدا تعالیٰ دوسروں کے کام تمہارے لئے مفید بنا دے گا۔

دوسری بات جو میں کہنا چاہتا ہوں اور جس کیلئے اب میں ایک دو منٹ سے زیادہ وقت نہیں دے سکتا یہ ہے کہ جلسہ سالانہ کے دن قریب ہیں اس لئے دوستوں کو چاہیے کہ اپنی خدمات اور مکانات بھی پیش کریں جن کے دلوں میں یہ جوش اُٹھتا ہے کہ جوبلی کے موقع پر شعر پڑھتے ہوئے چلتے جائیں انہیں چاہیے کہ جلسہ پر آنے والوں کیلئے مکان بھی خالی کر کے دیں اور اپنی خدمات بھی پیش کریں۔ پس اگر جوبلی کے موقع پر خوشی منانا چاہتے ہو تو اس کا بہترین طریق یہی ہے کہ غرباء کو کھانا کھلاؤ مکانات خالی کر کے مہمانوں کیلئے پیش کرو اور اپنے افراد کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں فارغ کر کے خدمات کیلئے پیش کرو۔ یہ تو ٹھیک نہیں کہ تم لوگوں کیلئے اعلان تو یہ کرو کہ آجاؤ آجاؤ اور اگر وہ آجائیں تو نہ ان کے رہنے کیلئے کوئی مکان ملے اور نہ کوئی خدمت کرنے والا ہو۔ لوگ آئیں اور یہاں ان کیلئے نہ رہائش کا انتظام ہو اور نہ کوئی پوچھنے والا ہو تو وہ یہی کہیں گے کہ یہ کتنے بے حیا لوگ ہیں پہلے تو شور کر رہے تھے کہ آؤ آؤ اور اب آئے تو کہتے ہیں کہ تم سے کوئی جان پہچان ہی نہیں۔ جب لوگ زیادہ آئیں گے تو ان کے کھانے پینے کیلئے بھی زیادہ اشیاء درکار ہوں گی مکان بھی زیادہ

درکار ہوں گے اور خدمت کرنے والے بھی زیادہ چاہئیں۔
میں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ منتظمین کا یہ خیال کہ اس موقع پر بہت زیادہ روسا آئیں گے اور سینکڑوں غیر احمدی امراء شامل ہوں گے صحیح نہیں تمہارے دلوں میں بے شک خلافت اور خلافت جوبلی کی عزت ہوگی مگر دوسروں کے نزدیک اس کی کیا عزت ہوسکتی ہے پندرہ بیس غیر احمدی رؤسا تو ممکن ہے رونق دیکھنے کے لئے آجائیں یا ممکن ہے کچھ احمدیوں کے دوست آجائیں مگر یہ کہ ہزاروں دوڑے چلے آئیں گے یہ غلط ہے ان کے نزدیک خلافت جوبلی کی نہ کوئی قیمت ہے اور نہ اہمیت۔ ایاز قدر خود بشناس۔ آج تمہاری کیا حیثیت ہے کہ بڑے بڑے لوگ دوڑے چلے آئیں گے آج اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو بے شک تمہاری قدر ہے مگر بڑے لوگوں کے نزدیک کوئی نہیں۔ آج تو بعض جگہ ایک نمبردار بھی تمہارے پاس سے گزرتا ہے تو ناک چڑھا کر کہہ دیتا ہے کہ یہ بے حیثیت لوگ ہیں مگر تم سمجھتے ہو کہ تمہاری بڑی اہمیت ہے۔ آج صرف خدا تعالیٰ کے گھر میں تمہاری اہمیت ہے اس لئے اُسی کی طرف توجہ کرو جس کے گھر میں تمہاری عزت ہے، اُسی پر نگاہ رکھو دنیا داروں کے نزدیک ابھی تمہاری عزت کوئی نہیں۔ بے شک ایک دن آئے گا جب ان کے نزدیک بھی عزت ہوگی اور اُس وقت یہ لوگ بھی کہیں گے کہ ہم تو ہمیشہ سے ہی اِس طرف مائل تھے مگر ابھی وہ دن نہیں آیا۔ اس کیلئے ابھی بہت زیادہ قربانیوں کی ضرورت ہے جب وہ کرلو گے تو وہ دن آئے گا اور اس وقت بادشاہ بھی تمہاری طرف مائل ہوں گے اور کہیں گے کہ ہم تو بچپن سے ہی اِس طرف مائل تھے محض اتفاق ہے کہ اب تک اِس طرف نہ آسکے۔ گو اب تو معمولی نمبردار بھی ناک چڑھا کر گزر جاتا ہے اور کہتا ہے معلوم نہیں کہ یہ کون لوگ ہیں اور کون نہیں۔
ہر زمانہ کی حیثیت علیحدہ ہوا کرتی ہے ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں مخالفین نے مسجد کا دروازہ بند کر دیا اور آپ کئی دفعہ گھر میں پردہ کرا کر لوگوں کو مسجد میں لاتے اور کئی لوگ اوپر سے ہو کر آتے سال یا چھ ماہ تک یہ راستہ بند رہا آخر مقدمہ ہوا اور خدا تعالیٰ نے ایسے سامان کئے کہ دیوار گرائی گئی بعض خوابیں بھی عجیب ہوتی ہیں میں نے اُس زمانے میں خواب دیکھا کہ میں بڑی مسجد سے جارہا ہوں اور دیوار

گرائی جارہی ہے میں نے پیچھے مڑکر دیکھا تو مولوی صاحب یعنی حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل تشریف لا رہے ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ دیوار گرائی جارہی ہے خدا کی قدرت ہے کہ پہلے ایک مقدمہ ہوا وہ فیل ہوا دوسرا ہوا وہ ناکام ہوا تیسرے میں کامیابی ہوئی اور دیوارگرانے کا حکم ہوا۔ مسجد اقصیٰ میں حضرت خلیفہ اوّل درس دے رہے تھے جب درس ختم ہوا اور میں گھر کو چلا تو دیکھا کہ دیوار گرائی جارہی ہے میں نے پیچھے دیکھا تو حضرت خلیفہ اوّل آرہے تھے اور میں نے ان سے کہا کہ دیوار گرائی جارہی ہے بعینہٖ اسی طرح ہوا جس طرح میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے یہ خواب حضرت خلیفۃ المسیح اوّل کو سنائی ہوئی تھی اور انہوں نے میری بات سن کر فرمایا کہ تمہاری خواب پوری ہوگئی۔

پھر وہ بھی دن تھے کہ چوک میں جہاں آج کل موٹریں گاڑیاں کھڑی ہوتی ہیں اس کے سامنے لوگ جانور باندھنے کیلئے کیلے گاڑ کر جانور باندھ دیتے تھے اور جب احمدی اندھیرے میں مہمان خانہ سے نماز کیلئے آتے تو ٹھوکریں کھا کر گرتے۔ مگر آج یہ زمانہ ہے کہ کہتے ہیں قادیان میں احمدی ظلم کرتے ہیں میں کہتا ہوں کہ مان لو احمدی ظلم کرتے ہیں مگر کیا یہ اللہ تعالیٰ کا نشان نہیں؟ میں مان لیتا ہوں کہ احمدیوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم پر عمل نہ کیا مگر اس سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی تو بہرحال ظاہر ہے۔ مانا کہ ہم ظالم ہوگئے مگر اس ظلم کی توفیق کا ہمیں ملنا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کا پورا ہونا ہے تم ہمیں ظالم مان لو مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر تو ایمان لے آؤ۔

اس میں شبہ نہیں کہ غالباً جماعت کے لوگ اس سال زیادہ آئیں گے گو بعض روکیں بھی ہیں جنگ کی وجہ سے سرکاری ملازموں کو چھٹیاں نہیں مل سکیں گی یا کم ملیں گی اس لئے ان میں کمی کا امکان ہے اس لئے ممکن ہے کمی بیشی اس طرح پوری ہو جائے لیکن بہرحال سمجھنا یہی چاہیے کہ اس سال پہلے سے زیادہ لوگ آئیں گے اس لئے زیادہ مکانوں اور زیادہ خادموں کی ضرورت ہوگی اور اگر واقعہ میں تمہارے دلوں میں خوشی ہے تو اس کا اظہار اس طرح کرو کہ زیادہ سے زیادہ مکانات خالی کرکے دو اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں خدمات

کیلئے پیش کرو۔ یہ ہم خرما وہم ثواب کا موجب ہوگا خوشی بھی حاصل ہو جائیگی اور ثواب بھی حاصل ہوگا اور اگر ثواب کی نیت نہ ہوگی تو میلہ ٹھیلہ تو ہو ہی جائے گا۔ میلوں میں کیا ہوتا ہے جب لوگ جمع ہوتے ہیں تو دیکھنے والے کو کیا مل جاتا ہے کیا اس کے ہاں لڑکا پیدا ہوتا ہے یا اسے کوئی اور ذاتی خوشی حاصل ہوتی ہے؟ لوگ کندھے سے کندھے لگاتے ہوئے چلتے ہیں اور تمہاری باچھیں یونہی کھل جاتی ہیں گویا تمہارے گھر میں ہُن برس گیا تو اجتماع میں اللہ تعالیٰ نے خوشی رکھی ہے۔

حضرت خلیفہ اوّل فرمایا کرتے تھے کہ ایک مولوی میلوں کے خلاف بہت وعظ کیا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ یہ بدعت ہے دنیا گمراہ ہوگئی لوگوں نے سنت کو چھوڑ دیا وہ کوئی مہینہ بھر پہلے ہی شور مچاتا رہتا مگر جب میلہ کا دن آتا تو جبہ پہنے دوڑتا ہوا میلہ کی طرف چل دیتا اور جب کوئی پوچھتا کہ مولوی صاحب! کہاں جارہے ہیں؟ تو کہتا دنیا گمراہ ہوگئی سمجھانے جاتا ہوں اور وہاں کونے میں کھڑا ہو کر تماشا دیکھنے لگ جاتا اور جب کوئی پوچھتا کہ مولوی صاحب! آپ یہاں کہاں وہ کہتا کہ حیران کھڑا ہوں کوئی سنتا ہی نہیں۔ تو ہجوم ایک ذریعہ خوشی کا ہوتے ہیں۔ کسی روتے ہوئے شخص کو میلہ میں لے جاؤ تو اس کی توجہ بھی ادھر ہو جائیگی اور وہ خوش ہو جائے گا حالانکہ ذاتی طور پر اس کیلئے خوشی کا کوئی سامان اس میں نہیں ہوتا خواہ کوئی پیسہ کے پکوڑے بھی میلہ میں جا کر نہ کھائے خواہ کوئی بچہ ’’میری گو راؤنڈ‘‘ پر سوار نہ ہو سکے ایک دھیلے کا کھلونا بھی نہ خرید سکے مگر وہ ماں سے اصرار ضرور کرے گا کہ میں میلہ میں ضرور جاؤں گا تو ہجوم میں ایک خوشی انسان کو حاصل ہوتی ہے۔

پس جو لوگ خدا تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے جوبلی میں ایک سبق پیدا کرنا چاہتے ہیں انہیں تو کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں مگر جو لوگ چاہتے ہیں کہ جوبلی کی ایک تقریب پر ہجوم زیادہ ہوتا وہ زیادہ خوشی حاصل کر سکیں ان کو بھی چاہیے کہ وہ مکان بھی زیادہ خالی کر کے دیں اور خدمات کے لئے زیادہ سے زیادہ نام پیش کریں اور چندے بھی زیادہ دیں ابھی تو میں اخباروں میں یہی شور پڑھتا ہوں کہ چندہ پورا نہیں ہوا۔ پس اگر تمہاری عقیدت سچی ہے تو خوشی کا اظہار ایسے رنگ میں کرو کہ ثواب بھی ہو اور خوشی بھی حاصل ہو جائے اور

اس کی یہی صورت ہے کہ اپنے مالوں، جانوں اور مکانوں کی زیادہ سے زیادہ قربانی پیش کرو۔''

(الفضل ۱۴ دسمبر ۱۹۳۹ء)

۱؎ **کنز العمال** الجزء السادس عشر صفحہ ۴۶۱ حدیث نمبر ۴۵۴۳۹ مطبوعہ دمشق ۲۰۱۲ء

۲؎ **بنی اسرائیل**: ۲۴

۳؎ **السیرة الحلبیة** الجزء الثانی **باب الهجرة الى المدینة** صفحہ ۲۲۹ مطبوعہ بیروت لبنان ۲۰۱۲ء

۴؎ **شمائل الترمذی باب ماجاء فی صفة مزاح رسول الله** صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۱۴۴ مطبوعہ بیروت

۵؎ **مسلم کتاب البر والصلة باب فضل عیادة المریض** صفحہ ۱۱۲۶ حدیث نمبر ۶۵۵۶ مطبوعہ ریاض ۲۰۰۰ء **الطبعة الثانية**

خلافت جوبلی کی تقریب کے متعلق

خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۲ رجنوری ۱۹۴۰ء سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

''میں آج ایک اہم امر کے متعلق خطبہ پڑھنا چاہتا تھا اور میں اس بات کی ضرورت سمجھتا تھا کہ اس مضمون کو زیادہ بسط کے ساتھ بیان کیا جائے لیکن جلسہ کے بعد جو انفلوئنزا کا حملہ مجھ پر ہوا پیچھے اِس میں بہت حد تک کمی آجانے کے بعد پرسوں سے پھر دوبارہ میرے سینہ پر نزلہ گرنا شروع ہو گیا ہے اور اس کی وجہ سے میں زیادہ نہیں بول سکتا اور نہ اونچا بول سکتا ہوں مگر مضمون کی اہمیت اور اس کا موقع یہ چاہتا ہے کہ میں اِسے پیچھے نہ ڈالوں اور جلد سے جلد اس کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار جماعت کے سامنے کردوں اس لئے باوجود طبیعت کی خرابی کے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ میں آج خطبہ میں اسی مضمون کو بیان کروں۔

ہماری جمات نے اس جلسہ کو جو ابھی گزرا ہے ایک خوشی اور شکریہ کا جلسہ قرار دیا ہے کیا بلحاظ اِس کے کہ باوجود دنیا بھر کی مخالفتوں کے وہ نبوت کا پیغام جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام دنیا میں لائے تھے اور جس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میری بڑی مشکلات میں سے ایک نبوت کا مسئلہ بھی رہا ہے کیونکہ لوگ اِس مسئلہ کے سمجھنے کی قابلیت کم رکھتے تھے اور غلط خیالات اور غلط عقائد نے لوگوں کے دماغوں پر ایسا قبضہ جما لیا تھا کہ وہ اِس عقیدہ میں کسی اصلاح کیلئے تیار نہ تھے باوجود دنیا کی مخالفت کے پچاس سالہ عرصہ میں برابر دنیا میں پھیلتا چلا گیا ہے اور جس عقیدہ کے متعلق لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ وہ کسی صورت میں تسلیم کئے جانے کے قابل نہیں وہ دنیا کے ہر گوشہ میں تسلیم کیا جانے لگا ہے اور آج اللہ تعالیٰ کے فضل سے دنیا کے تمام براعظموں میں اس عقیدہ کے ماننے والے لوگ

موجود ہیں اور دوسرے اس وجہ سے اس جلسہ کوایک خوشی کا جلسہ قرار دیا گیا کہ وہ خلافت جو تابع نبوت ہوتی ہے اس کے متعلق بھی لوگوں میں ایسے ہی خیالات موجود تھے اور لوگ سمجھتے تھے کہ خلافت کا خیال دنیا میں قائم نہیں رہ سکتا اور اس آزادی اور نام نہاد ڈیما کریسی کی موجودگی میں خلافت دنیا میں کامیاب نہیں ہوسکتی۔ یہ خیال زیادہ تر دوسری خلافت کے شروع میں پیش کیا گیا اور اس پر بہت کچھ زور دیا گیا مگر باوجود اس کے گزشتہ پچیس سال میں اللہ تعالیٰ نے خلافت کی عظمت قائم کی اور اس کے دامن سے جو لوگ وابستہ تھے انہیں ہر میدان میں فتح دی اور ان کا قدم ترقی کی طرف بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ پچیس سال میں جماعت کہیں کی کہیں پہنچ گئی۔

ہماری جماعت کی ترقی اور اِس کی رفتار کی تیزی اس امر سے ہی سمجھی جاسکتی ہے کہ آج ہم ایک معمولی جمعہ کیلئے یہاں جمع ہوئے ہیں جس میں کوئی خاص خصوصیت نہیں صرف قادیان اور چند اِردگرد کے دیہات کے لوگ شامل ہیں مگر باوجود اس کے اس مسجد میں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کی مسجد سے چار گنے سے بھی زیادہ ہو چکی ہے تمام لوگ بھرے ہوئے ہیں اور ابھی مستورات کیلئے علیحدہ انتظام ہے وہ حصہ اِس سے قریباً تہائی ہوگا اور وہ بھی تمام کا تمام بھرا ہوا ہوتا ہے حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کے آخری سال جو جلسہ سالانہ ہوا اس میں جو احمدی شامل ہوے وہ اس مسجد کے چوتھے حصہ میں سما گئے تھے۔ ہمارے دادا کی جو قبر ہے یہ انتہائی اور آخری حد تھی اور میرے بائیں طرف دو تین گز چھوڑ کر جو ستون ہے وہ اس کی ابتدائی حد تھی میرے دائیں طرف مسجد کا کل حصہ اسی طرح بائیں طرف کا برآمدہ اور قبر سے لے کر مشرق کی طرف کا سب حصہ یہ سب زائد ہیں اس نسبت سے جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ حلقہ اُس وقت کے اجتماع سے چار گنے سے بھی زیادہ ہوگا۔ یہ اُس وقت کے جلسہ کے لوگوں کی کل تعداد تھی اور اِس تعداد کو اتنا اہم سمجھا گیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس جلسہ میں متواتر فرمایا کہ ہم سمجھتے ہیں ہمارا کام دنیا میں ختم ہو چکا ہے مگر آج ہمارے ایک معمولی جمعہ میں اس سے چار گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ آدمی موجود ہیں۔ تو یہ دونوں باتیں چونکہ ہماری جماعت کیلئے خوشی کا موجب تھیں اس لئے انہوں نے اس سالانہ

جلسہ کو دو خوشیوں کا موجب قرار دیا۔ ایک خوشی تو یہ کہ پیغامِ نبوت پچاس سالہ کامیابی کے ساتھ باوجود دشمنوں کی مخالفت کے ایسی شان وشوکت پیدا کر چکا ہے کہ دنیا اس کی اہمیت تسلیم کرنے پر مجبور ہے دوسری خوشی یہ کہ پیغامِ خلافت پچیس سالہ مخالفت بلکہ شروع خلافت کے وقت کے جماعت کے عمائدین کی مخالفت کے باوجود ترقی کرتا چلا گیا یہاں تک کہ آج خدا تعالیٰ کے فضل سے وہ دنیا کے تمام حصوں کو منظّم کرنے میں کامیاب ہو رہا ہے۔ دنیا میں جب کسی شخص کو کوئی خوشی پہنچتی ہے یا جب کوئی شخص ایسی بات دیکھتا ہے جو اس کیلئے راحت کا موجب ہوتی ہے تو اگر وہ اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتا ہے تو وہ ایسے موقع پر یہی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بڑا شکر ہے کہ ہم کو یہ بات حاصل ہوئی اور جب کسی مسلمان کو ایسی خوشی پہنچتی ہے تو وہ اِس مفہوم کو عربی زبان میں ادا کرتا اور کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ۔ تو اس جلسہ پر ہماری جماعت نے جو خوشی منائی اس کا اگر خلاصہ بیان کیا جائے تو وہ یہی بنے گا کہ پیغام نبوت اور پیغام خلافت کی کامیابی پر ہماری جماعت نے اس سال اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہا مگر باقی دنیا اور اسلام کی تعلیم میں ایک فرق ہے۔ باقی دنیا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کو اپنی آخری آواز سمجھتی ہے مگر اسلام اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کو نہ صرف آخری آواز قرار دیتا ہے بلکہ اس کو ایک نئی آواز بھی قرار دیتا ہے اسلامی تعلیم کے مطابق اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کائنات کے آدم اوّل کی بھی آواز تھی جیسا کہ وہ کائنات کے آدم آخر کی آواز ہے اور اس طرح اسلام اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے ساتھ اگر ایک سلسلہ اور ایک کڑی کو ختم کرتا ہے تو ساتھ ہی دوسرے سلسلہ اور دوسری کڑی کو شروع کر دیتا ہے۔ چنانچہ سورۃ فاتحہ میں ہم کو یہی بتایا گیا ہے۔ وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے شروع ہوتی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کامیابی اور خوشی دیکھ کر ایک مسلم کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ مگر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سورۃ فاتحہ کی آخری آیت نہیں بلکہ سورۃ فاتحہ کی پہلی آیت اور جب ہم اسے پڑھتے چلے جاتے ہیں تو اس کے درمیان ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ[1] یعنی اے ہمارے ربّ! الحمد کے نتیجہ میں ایک اور پروگرام ہمارے سامنے آ گیا ہے اور ایک نئے کام کی بنیاد ہم نے ڈال دی ہے ہم تجھ سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم پورے طور پر اس کام کو چلانے کی کوشش کریں گے اور ہم تجھ سے چاہتے ہیں کہ تو اس راہ میں ضروری سامان ہمیں مہیا کر

اور ہماری نصرت اور تائید فرما۔ پس اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کو پہلے رکھ کر اور اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کو بعد میں رکھ کر اسلام نے یہ بتایا ہے کہ کوئی حمد اس وقت تک حقیقی حمد نہیں کہلا سکتی جب تک اس کے ساتھ ایک نئے کام کی بنیاد نہ ڈالی جائے ہر حمد جو حمد پر ختم ہو جاتی ہے وہ درحقیقت حمد نہیں بلکہ ناشکری ہے لفظ چاہے حمد کے ہوں مگر حقیقت اس میں ناشکری کی پائی جاتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اس کی ایک مثال پائی جاتی ہے آپؐ رات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے اور بعض دفعہ اتنی لمبی دیر نماز میں کھڑے رہتے کہ آپؐ کے پاؤں سوج جاتے[۲] جب آپ بوڑھے اور کمزور ہو گئے اور آپ میں اتنی طاقت نہ رہی کہ آپ اس مجاہدہ کو آسانی سے برداشت کر سکیں تو ایک دفعہ آپ کی بیوی نے کہا کہ آپ اتنی تکلیف کیوں اُٹھاتے ہیں؟ کیا آپؐ کی نسبت خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے تیرے اگلے پچھلے ذنوب معاف فرما دیئے ہیں اور کیا آپ کے ساتھ اس کی بخشش کے وعدے نہیں؟ جب ہیں تو آپ اس قدر تکلیف کیوں اُٹھاتے ہیں؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ اے عائشہ (حضرت عائشہ کی طرف سے ہی یہ سوال تھا) اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا[۳] کیا میں خدا تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ ہوں جب خدا نے مجھ پر اتنا بڑا احسان کیا ہے اور اس کا یہ احسان تقاضا کرتا ہے کہ میں آگے سے بھی زیادہ اس کی عبادت کروں اور آگے سے بھی زیادہ خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت میں لگ جاؤں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں یہی بتایا ہے کہ انعام کے نتیجہ میں اَلْحَمْدُ مومن کا آخری قول نہیں ہوتا بلکہ وہ آخری قول بھی ہوتا ہے اور نئے کام کی بنیاد بھی ہوتا ہے۔ بہت لوگ جو اس حقیقت سے ناواقف ہوتے ہیں ان پر جب کوئی احسان ہوتا ہے تو وہ سمجھ لیتے ہیں کہ انہوں نے بڑا کام کر لیا اور یہ کہ اب ان کا کام ختم ہو گیا مگر اسلام ایسا نہیں کہتا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا نہیں کہتے بلکہ اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا کوئی احسان ہوتا ہے تو اس کے بعد بندوں پر نئی ذمہ داریاں رکھی جاتی ہیں اگر وہ ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے کیلئے تیار رہوں تب وہ مستحق ہوتے ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنے کے اور تبھی ان کی اَلْحَمْدُ سچی اَلْحَمْدُ کہلا سکتی ہے۔ لیکن اگر ہم کام ختم

کر دیتے ہیں یا اس کی قدر نہیں کرتے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہماری حمد جھوٹی تھی کیونکہ ہم فرض کر لیتے ہیں کہ وہ کام جس پر ہم نے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہا ایسا اچھا نہ تھا اگر اچھا ہوتا تو اسے جاری رکھتے بلکہ اسے بڑھانے اور ترقی دینے کی کوشش کرتے پس یہ جو خوشی کا جلسہ ہوا اِس نے درحقیقت ہماری ذمہ داریوں کو بہت بڑھا دیا ہے ممکن ہے اگر یہ جلسہ نہ ہوتا تو لوگ کہہ دیتے کہ ہم نہیں سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ کا ہم پر اتنا بڑا احسان ہے مگر اب کوئی نہیں کہہ سکتا کہ مجھے معلوم نہیں اللہ تعالیٰ کا ہم پر کتنا بڑا احسان ہے۔ اب ہر شخص نے اس امر کا اقرار کر لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر بہت بڑا احسان کیا اور جب خدا نے احسان کیا ہے تو اس کو اب بڑھانے کی کوشش کرنی چاہیے یا ختم کرنیکی۔ پس میرے نزدیک اس جلسہ نے ہماری جماعت پر ایک بہت بڑی ذمہ داری عائد کر دی ہے۔ یوں تو ہر روز خدا تعالیٰ کی جماعت کو خوشیاں پہنچتی ہی رہتی ہیں مگر ہر روز جشن نہیں منائے جاتے ایک خاص جلسے کے منانے کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ ایک منزل پر پہنچ گئے ہیں اور انہوں نے اپنے کام میں ایک درجہ کو حاصل کر لیا ہے۔ پس اس کے بعد ایک نئی ولادت کی ضرورت ہے گویا پہلا سلسلہ ختم ہوا اور اب ایک نیا سلسلہ شروع ہوگا جیسے ایک دانہ بویا جاتا ہے تو اس سے مثلاً ۷۰ یا ۱۰۰ دانے نکل آتے ہیں اب ۷۰ اور ۱۰۰ دانوں کا نکل آنا اپنی ذات میں ایک بڑی کامیابی ہے مگر وہ پہلے بیج کا ایک تسلسل ہوتا ہے اور زمیندار اسے کوئی نیا کام نہیں سمجھتا بلکہ وہ سمجھتا ہے میرے پہلے کام کا ہی سلسلہ جاری ہے لیکن جب زمیندار ان نئے دانوں کو پھر زمین میں ڈال دیتا ہے تو اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ اب میرے کام کا نیا دَور شروع ہوا۔ کام تو وہی ہے مگر اب کام کے دور میں فرق کرنے لگ جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میرا پہلا کام ختم ہوا اور اب ایک نیا کام شروع ہے۔ اسی طرح جب ہماری جماعت نے اس جلسہ کو خوشی کا جلسہ قرار دیا تو بالفاظِ دیگر انہوں نے یہ اعلان کیا کہ ہمارا پہلا بیج جو بویا ہوا تھا اُس کی فصل پک گئی اب ہم نیا بیج بو رہے ہیں اور نئی فصل تیار کرنے میں مصروف ہو رہے ہیں۔ یہ اقرار بظاہر معمولی نظر آتا ہے لیکن اگر جماعت کی حالت کو دیکھا جائے تو اِس اقرار کی اہمیت بہت بڑھ جاتی اور اِس پر ایسی ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے کہ اگر اِس کے افراد رات دن کوشش نہ کریں تو اِس ذمہ داری

سے کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔

اِس پچاس سالہ دور کے متعلق ہم نے جو خوشی منائی ہمیں غور کرنا چاہیے کہ اس دور کی پہلی فصل کس طرح شروع ہوئی تھی جب ہم اس نقطہ نگاہ سے دیکھتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ اس پہلی فصل کا بیج صرف ایک انسان تھا۔ رات کو دنیا سوئی۔ ساری دنیا اس بات سے ناواقف تھی کہ خدا اس کے لئے کل کیا کرنے والا ہے۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیّت کل کیا ظاہر کرنے والی ہے۔ یہ آج سے پچاس سال پہلے کی بات ہے ایک فرد بھی دنیا کا نہیں تھا جس کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں ایک انقلاب پیدا کرنا چاہتا ہے۔ یک دم بغیر اس کے کہ پہلے کوئی انتباہ ہو بغیر اس کے کہ پہلے کوئی اِنذار ہو، بغیر اس کے کہ پہلے کوئی اعلان ہو ایک شخص جس کو خود بھی یہ معلوم نہ تھا کہ کیا ہونے والا ہے خدا نے اُس کو جگایا اور کہا کہ ہم دنیا میں ایک نئی زمین اور نیا آسمان بنانا چاہتے ہیں اور تم کو اِس زمین اور آسمان کے بنانے کیلئے معمار مقرر کرتے ہیں۔ اُس کیلئے یہ کتنی حیرت کی بات ہوگی۔ اس وسیع دنیا میں بڑی بڑی حکومتیں قائم تھیں، بڑے بڑے نظام قائم تھے پھر اس وسیع دنیا میں باوجود مسلمانوں کے سابقہ شوکت کھو چکنے کے آج سے پچاس سال پہلے ان کی حکومتیں موجود تھیں۔ ٹرکی ابھی ایک بڑی طاقت سمجھی جاتی تھی، مصر ابھی آزاد تھا، ایران اور افغانستان آزاد تھے اور یہ اسلامی حکومتیں اسلام کی ترقی اور اس کی تہذیب کا گہوارہ کہلاتی تھیں مگر یہاں وہ آواز پیدا نہیں ہوئی۔ خدا نے ترکوں کے بادشاہ سے یہ بات نہیں کہی، خدا نے مصر کے بادشاہ سے یہ بات نہیں کہی، خدا نے ایران کے بادشاہ سے یہ بات نہیں کہی، خدا نے افغانستان کے بادشاہ سے یہ بات نہیں کہی، خدا نے ترکی اور مصر وغیرہ کے جو شیخ الاسلام کہلاتے یا علماء کے رئیس کہلاتے تھے اُن سے یہ نہیں کہا بلکہ ہندوستان کے ایک شخص سے خدا نے یہ بات کہی اور ہندوستان میں سے بھی اللہ تعالیٰ نے کلکتہ یا بمبئی کے کسی بڑے رئیس یا عالم سے یہ بات نہیں کہی، لاہور یا امرتسر کے کسی بڑے رئیس یا عالم سے یہ بات نہیں کہی، کسی ظاہری مرکز یا علمی اور سیاسی مرکز میں رہنے والے سے یہ بات نہیں کہی بلکہ خدا نے ریل سے دور، تمدن سے دور، تعلیمی مرکزوں سے دور قادیان میں ایک ایسی بستی میں جو کور کہلانے کی مستحق تھی اور جس

کے رہنے والے بالکل جاہل اور تہذیب وتمدن سے کوسوں دور تھے ایک ایسے شخص سے جو نہ عالم سمجھا جاتا تھا، نہ فاضل سمجھا جاتا تھا، نہ مالدار تھا اس کے گھر میں اور اس کے کان میں یہ بات کہی۔ ہم کسی صورت میں بھی اندازہ نہیں کر سکتے اُس کیفیت کا جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دل میں اُس وقت پیدا ہوئی ہوگی جس لڑائی کی آپ کو خبر دی گئی تھی وہ یقیناً اس جنگ سے بہت اہم تھی اور ہے جو آجکل جرمنی اور برطانیہ وفرانس میں جاری ہے۔ تم میں سے آج اگر کسی بچہ کو خواب میں یہ کہا جائے کہ تمہارا فرض ہے کہ جاؤ اور جرمنی کو فتح کرو تو وہ نہایت حیران ہو کر صبح اپنے دوستوں اور ملنے والوں سے کہے گا کہ آج میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے اور جب وہ بیان کرے گا تو لوگ ہنستے ہوئے کہیں گے کہ معلوم ہوتا ہے رات تم زیادہ کھا گئے ہو گے جس کی وجہ سے تمہیں بدہضمی ہوگئی اور ایسا خواب آ گیا۔ وہ خواب کی طرف کبھی توجہ نہیں کرے گا ہاں کبھی کبھی ہنس کر اپنے دوستوں سے کہہ دے گا کہ میں نے ایک دفعہ ایک عجیب بے ہودہ سا خواب دیکھا تھا مگر اِسی قسم کی کیفیت میں قادیان میں ایک شخص کو الہام ہوتا ہے اور اسے جس جنگ کی خبر دی جاتی ہے وہ اس جنگ سے بہت زیادہ اہم ہے۔ پس اُس کے قلب کی جو کیفیت ہوئی ہوگی اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ اگر تو وہ اس الہام کو اس رنگ میں لے لیتا جیسے میں نے بچہ کی مثال دی ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ مجھے بدہضمی ہوگئی ہے یا میں نے زیادہ کھا لیا تھا جس کے نتیجہ میں اِس قسم کا خواب آیا یا بخار کی کیفیت تھی یا نزلہ اس کا باعث تھا تب بھی سمجھ آ سکتا ہے کہ اس نے اس عظیم الشان خبر کو سن کر اسے برداشت کر لیا ہوگا تبھی تو اس نے توجیہہ کر لی کہ یہ محض وہم ہے دماغی خیال یا کسی بیماری کا نتیجہ ہے مگر اس نے یہ نہیں سمجھا کہ یہ الہام کسی دماغی خرابی کا نتیجہ ہے، اس نے یہ نہیں سمجھا کہ یہ کسی بیماری کا نتیجہ ہے، اس نے یہ نہیں سمجھا کہ یہ کسی بدہضمی کا نتیجہ ہے، اُس نے اسے خدا ہی کی آواز قرار دیا۔ جیسا کہ وہ فی الحقیقت خدا کی طرف سے تھی اور اس نے یہ نہیں کہا کہ یہ اتفاقی آواز ہے جو میرے کان میں پڑ گئی ہے بلکہ وہ فوراً اس آواز کا جواب دینے کیلئے تیار ہو گیا اور اُس نے کہا اے میرے ربّ! میں تیری طرف سے لڑائی کے لئے حاضر ہوں۔ اگر وہ اس آواز کے جواب میں اپنے نفس کو یہ کہہ کر تسلی دے لیتا کہ یہ میرا وہم ہے یا کسی

اندرونی نقص اور بیماری کا نتیجہ ہے تو بے شک اس کے دل کو صبر آ سکتا تھا اور ہم کہہ سکتے تھے کہ اس کی طبیعت میں اضطراب تو پیدا ہوا ہوگا مگر حد درجہ کا نہیں۔ مگر اس نے جس رنگ میں اس کلام کو لیا اور اس کی اہمیت کو سمجھا وہ بتلاتا ہے کہ اس نے اسے کھیل نہیں سمجھا اس نے اسے بیماری نہیں سمجھا، اس نے اسے بدہضمی نہیں سمجھا، اس نے اسے دماغی خرابی نہیں سمجھا بلکہ اُس نے نہایت یقین اور وثوق کے ساتھ یہ سمجھا کہ خدا نے واقعہ میں یہ کام میرے سپرد کیا ہے۔ پس وہ تاریک گھڑیاں اور اس کی بقیہ رات اس پر کیسی گزری ہوگی اِس کا اندازہ ہم نہیں لگا سکتے۔ ابھی تمہیں وہ مقام حاصل نہیں کہ تم بڑے لوگوں کی مجلسوں میں جا سکو۔ تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جسے یہ موقع مل سکتا ہو کہ وہ فرانس کے کمانڈر انچیف کے پاس رات گزارے، تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جسے یہ موقع مل سکتا ہو کہ وہ جرمن کے کمانڈر انچیف کے پاس رات گزارے، تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جسے یہ موقع مل سکتا ہو کہ وہ انگلستان کے کمانڈر انچیف کے پاس رات گزارے۔ مگر باوجود اس کے کہ وہ بہت چھوٹی سی جنگ کیلئے کھڑے ہوئے ہیں باوجود اس کے کہ ان کے پاس سامان موجود ہیں، باوجود اس کے کہ ان کے پاس فوجیں موجود ہیں، باوجود اس کے کہ ان کا تمام ملک ان کی مدد کیلئے کھڑا ہے پھر بھی ان کی راتیں اور دن جس کرب سے گزرتے ہیں اور جس بھاگ دوڑ سے وہ کام لے رہے ہیں اس کا اندازہ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جن کو کبھی تھوڑی دیر کیلئے ان کے پاس جانے اور رہنے کا موقع ملا ہو مگر یہ شخص جس پر رات آئی اس کے پاس وہ سامان نہ تھے جو آج انگلستان کے کمانڈر انچیف کو حاصل ہیں، اس کے پاس وہ سامان نہ تھے جو آج فرانس کے کمانڈر انچیف کو حاصل ہیں، اس کے پاس وہ سامان نہ تھے جو آج جرمنی کے کمانڈر انچیف کو حاصل ہیں۔ پھر ان لوگوں کے پاس صرف سامان ہی نہیں بلکہ ملک کی متحدہ طاقت ان کے ساتھ ہے۔ انگلستان کا کمانڈر انچیف جانتا ہے کہ اگر میرے پاس گولہ بارود ختم ہوگیا تو بھی پرواہ نہیں انگلستان کی تمام طاقت میرے ساتھ ہے اور اس کا بچہ بچہ میرے حکم پر کٹ مرنے کے لئے تیار ہے، فرانس کا کمانڈر انچیف صرف ان سامان کو نہیں دیکھتا جو اسکے پاس ہیں بلکہ وہ جانتا ہے کہ ملک کی تمام آبادی میرے حکم پر لبیک کہنے کیلئے تیار ہے اور جب میں کہوں گا کہ گولہ بارود لاؤ تو وہ گولہ بارود

اکٹھا کر دیں گے جب کہوں گا کہ جانی قربانی کرو تو وہ بھیڑ بکریوں کی طرح اپنے سر کٹانے کیلئے آگے آ جائیں گے اور اگر اور سامانوں کا مطالبہ کروں گا تو وہ حاضر کر دیں گے۔ پھر ان کے سامنے اپنی کامیابیوں کی ایک تاریخ موجود ہے لمبی اور مسلسل تاریخ۔ فرانس کے کمانڈر انچیف کے سامنے فرانس کی کامیابیوں کی ایک لمبی تاریخ ہے اور انگلستان کے کمانڈر انچیف کے سامنے انگلستان کی کامیابیوں کی ایک لمبی تاریخ ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ وہ کس طرح بری اور بحری جنگوں میں کودے اور ہر میدان میں وہ فاتح اور کامیاب رہے یہ ساری چیزیں ان کے سامنے موجود ہیں مگر باوجود اِس کے وہ گھبراتے ہیں کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ اس جنگ کا کیا نتیجہ ہوگا حالانکہ یہ جنگ صرف تلوار کی جنگ ہے دلوں کو فتح کرنے کی جنگ نہیں جو تلوار کی جنگ سے بہت زیادہ اہم اور بہت زیادہ کٹھن ہوتی ہے۔ اس سے تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ وہ آواز جو اس کے کان میں پڑی اُس نے اُس کے دل میں کیا تغیر پیدا کیا ہوگا مگر اُس نے اس آواز کو ہنسی میں نہیں ڈالا اس نے اسے پاگلانہ خیال نہیں سمجھا، اس نے اسے بیماری کا نتیجہ قرار نہیں دیا بلکہ اس نے اسے خدا ہی کی آواز قرار دیا اور کہا اے خدا! میں حاضر ہوں۔ اس جواب کے بعد اس نے اپنی باقی رات کس طرح گزاری ہوگی اس کا اندازہ دنیا کا کوئی شخص نہیں لگا سکتا۔ ایک بلبلہ جس طرح سمندر کی سطح پر نمودار ہوتا ہے بالکل اسی طرح وہ دنیا کے سامنے ظاہر ہوا بلکہ بلبلہ اور سمندر کی جو کیفیت ہوتی ہے وہ بھی اس کے مقابلہ میں ہیچ ہے ایک چھوٹا سا بیج تھا جو بہت بڑے جنگل میں ڈال دیا گیا جہاں خشکی ہی خشکی تھی اور پانی کا ایک قطرہ نہ تھا جہاں ریت ہی ریت تھی اور مٹی کا ایک ذرہ نہ تھا بلکہ وہ بیج جو بیابان میں ڈال دیا جائے ایسے ریگستان میں ڈال دیا جائے جہاں پانی نہیں اور جہاں مٹی کا ایک ذرّہ نہیں اس کیلئے بھی بڑھنے کا کچھ نہ کچھ موقع ہوسکتا ہے اُس بلبلے کو بھی کچھ دیر زندہ رہنے کا موقع مل جاتا ہے جسے سمندر کی ہوائیں اِدھر اُدھر لے جاتی ہیں مگر اِس کے لئے تو اتنی بھی امید نہ تھی جتنی بلبلے کے متعلق سمندر کی لہروں میں اُمید کی جاتی ہے اور اِس کیلئے اتنی بھی امید نہ تھی جتنی اس بیج کے متعلق امید کی جاسکتی ہے جو ایک وسیع ریگستان میں ڈال دیا جائے۔ پھر کوئی شخص نہ تھا جس سے وہ مشورہ کر سکتا اور وہ مشورہ کرتا تو کس سے کرتا۔ یہ

انسانی آواز نہ تھی کہ اس کے متعلق کسی انسان سے مشورہ لیا جاتا اگر انسانی آواز ہوتی تو کسی دوسرے سے مشورہ لیا جاسکتا تھا اور کہا جاسکتا تھا کہ ایک انسان نے مجھے یہ بات کہی ہے تمہارے بھی جذبات چونکہ ایسے ہی ہیں جیسے اس کے اسلئے مجھے مشورہ دو کہ میں کیا کروں اور کس طرح دنیا کا مقابلہ کروں مگر یہ آواز خدا کی آواز تھی اِس لئے وہ کسی بندے سے مشورہ نہیں کرسکتا تھا اور نہ کوئی بندہ ایسا تھا جو اُسے مشورہ دے سکتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جب پہلی دفعہ یہ آواز آئی تو اُس وقت آپ کی جو قلبی کیفیت ہوئی اُس کا پتہ حدیثوں سے لگتا ہے احادیث میں آتا ہے کہ اس آواز کے بعد آپ گھر تشریف لائے آپ بہت گھبرائے ہوئے تھے جسم کانپ رہا تھا کندھوں کا گوشت شدتِ ہیبت سے ہل رہا تھا اور رنگ اُڑا ہوا تھا آپ کی وفادار بیوی حضرت خدیجہؓ نے جب آپ کو اس حال میں دیکھا تو انہوں نے گھبرا کر کہا کہ میں آپ کو کس حال میں دیکھتی ہوں آپ کو یہ کیا ہوگیا ہے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدیجہ! مجھے نہیں معلوم کہ مجھے کیا ہوگیا مجھے یہ آواز آئی ہے کہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ [۴]۔ آسمان کے خدا نے مجھے بلایا ہے تا کہ میں اس کے نام کو لوں اور اسے دنیا میں پھیلاؤں میں حیران ہوں کہ میں اس کام کو کس طرح کروں گا خدائی آواز چونکہ اپنے ساتھ یقین کے انوار رکھتی ہے اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ نہیں فرمایا کہ مجھے بیماری ہوگئی ہے، آپ نے بھی یہ نہیں فرمایا کہ یہ کوئی دماغی عارضہ ہے یا بدہضمی کا نتیجہ ہے بلکہ آپ نے فرمایا کہ یہ ہے تو آسمان کی آواز مگر جو کام میرے سپرد کیا گیا ہے میں حیران ہوں کہ اسے کس طرح کروں گا۔ حضرت خدیجہؓ آخر آپ کی صحبت میں ہی رہنے والی تھیں انہوں نے جب یہ بات سنی تو انہوں نے اس کا بہت ہی لطیف جواب دیا وہ ہے تو عورتوں والا جواب مگر بہت ہی ایمان افزاء ہے۔ عورتیں عموماً سامانوں کو نہیں دیکھتیں بلکہ ان کا ایمان ایمان العجائز ہوتا ہے وہ یہ نہیں دیکھتیں کہ سامان بھی میسر ہیں یا نہیں بلکہ وہ کہتی ہیں کہ کام ہو جائے گا کس طرح ہوگا؟ اس کا انہیں کوئی علم نہیں ہوتا۔ خدیجہؓ کا جواب بھی ویسا جواب ہے انہوں نے فرمایا کَلَّا وَاللّٰہِ لَا یُخْزِیْکَ اللّٰہُ اَبَداً [۵] آپ کیوں گھبراتے ہیں مجھے خدا کی قسم ہے کہ خدا آپ کو کبھی

رُسوا نہیں کرے گا جب اس نے آپ کے سپرد ایک کام کیا ہے تو وہ خود آپ کی مدد کرے گا اور آپ کی کامیابی کیلئے سامان مہیا کرے گا۔ حضرت خدیجہؓ کا یہ فقرہ تاریخ میں محفوظ ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ فقرہ یہی نہیں کہ تاریخ میں محفوظ ہے بلکہ ان فقروں میں سے ہے جن کو تاریخ بھی مٹا نہیں سکتی۔ **کَلَّا وَاللّٰہِ لَایُخْزِیْکَ اللّٰہُ اَبَداً** وہی ایمان العجائز ہے، وہی یقین اور وہی وثوق ہے بغیر اس کے کہ وہ عواقب کو دیکھتیں، بغیر اس کے کہ وہ سامانوں پر نظر دَوڑاتیں۔ پس اس واقعہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قلبی کیفیت کا کسی قدر اندازہ ہو جاتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بھی الہامات نازل ہوئے کہ اُٹھو اور دنیا کو میری طرف بلاؤ اور دنیا میں پھر میرے دین کو قائم کرو۔ ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہی کیفیت آپ کی بھی ہوئی ہوگی۔ آپ بھی حیران ہوئے ہوں گے کہ کہاں میں اور کہاں یہ کام۔ قادیان جیسی جگہ میں میرے جیسے انسان کو آج خدا یہ کہہ رہا ہے کہ دنیا، مہذب دنیا، طاقتور دنیا، سامانوں والی دنیا سمجھ سے دور پڑی ہوئی ہے اتنی دور کہ دنیا اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتی۔ جاؤ اور ان گناہ کے قلعوں کو پاش پاش کر دو جو اسلام کے مقابلہ میں بنائے گئے ہیں اور جاؤ اور ان شیطانی حکومتوں کو مٹا دو جو میری حکومت کے مقابلہ میں قائم کی گئی ہیں اور ان تمام بے دینی کے قلعوں اور شیطانی حکومتوں کی جگہ میری حکومت اور دین کی بادشاہت قائم کرو۔ اگر کوئی شخص دُور بین نگاہ رکھتا ہے، اگر کوئی شخص حقیقت کو سمجھ سکتا ہے تو میں کہوں گا کہ یہ مطالبہ اس سے بھی زیادہ مشکل تھا جیسے کسی کو چاند دکھایا جائے اور کہا جائے کہ جاؤ اور اِس چاند کو جا کر توڑ ڈالو۔ وہ تو وہاں جا بھی نہیں سکتا پھر اس سے یہ کس طرح ممکن ہے کہ اس کو توڑ ڈالے۔ اِسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تو وہاں پہنچ بھی نہ تھی جہاں خدا آپ کو پہنچانا چاہتا تھا۔ بھلا کونسے ذرائع آپ کے پاس ایسے موجود تھے کہ آپ امرتسر کے لوگوں تک ہی اپنی آواز پہنچا سکتے یا لاہور، بمبئی، اور کلکتہ کے لوگوں تک یہ الٰہی پیغام پہنچا سکتے یا کون سے ذرائع آپ کے پاس ایسے موجود تھے کہ آپ عرب کے لوگوں کو بیدار کر سکتے۔ آپ انگلستان اور امریکہ تک اپنی آواز پہنچا سکتے۔ ہزاروں آوازیں دنیا میں گونج رہی تھیں، ہزاروں قومیں

دنیا میں موجود تھیں، بیسیوں حکومتیں دنیا میں پائی جاتی تھیں جن کی نگاہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اتنی بھی تو عزت نہ تھی جتنی دنیاوی حکومت کے سیکرٹریٹ کے چپڑاسی کی ہوتی ہے مگر خدا نے کہا اُٹھ اور دنیا کو میرا پیغام پہنچا دے اور اُس نے کہا اے میرے ربّ! میں حاضر ہوں۔ اس نے یہ بھی نہیں سوچا کہ یہ کام کیونکر ہوگا اس کا جسم کانپا ہوگا۔ یقیناً اس کے دل پر رعشہ طاری ہوا ہوگا۔ یقیناً وہ حیران ہوا ہوگا۔ مگر اس نے یہ نہیں پوچھا کہ یہ کام کیونکر اور کس طرح ہوگا اس کے دل کے تقویٰ اور محبت الٰہی نے اسے سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا اور اس کے جذبۂ فدائیت نے یہ پوچھنے ہی نہیں دیا کہ اے میرے رب! یہ کس طرح ہوگا؟ اُس نے پہلے کہا ہاں اے میرے ربّ! میں حاضر ہوں اور پھر اس نے سوچا کہ میرے پاس تو کچھ نہیں یہ کام کس طرح ہوگا؟ یہی وہ حقیقی اطاعت کا جوش ہے جو لبیک پہلے کہلوا دیتا ہے اور فکر پیچھے پیدا ہوتا ہے۔

صحابہؓ کی مجلس کا ہی ایک واقعہ ہے جس سے پتہ لگتا ہے کہ جہاں سچی محبت ہوتی ہے وہاں تعمیل پہلے ہوتی ہے اور فکر بعد میں پیدا ہوتا ہے۔

اہل عرب شراب کے سخت عادی تھے ایسے عادی کہ بہت کم لوگ ان کی طرح شراب کے عادی ہوتے ہیں ان کا تمام لٹریچر، شعر، نثر اور خطبے شراب کے ذکر سے بھرے ہوئے ہوتے تھے مسلمان بھی چونکہ انہی میں سے آئے تھے اس لئے ان میں بھی وہی عادتیں تھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے ماتحت شروع میں شراب حرام نہیں کی۔ مکہ کا سارا زمانہ گزر گیا اور شراب حلال رہی۔ مدینہ میں بھی چند سال اسی طرح گزر گئے اور شراب کی حرمت نہ ہوئی یہاں تک کہ ایک دن اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ اب شراب حرام کی جاتی ہے۔ آپؐ مسجد میں آئے اور جو لوگ اُس وقت موجود تھے ان سے کہا کہ اب خدا نے شراب حرام کر دی ہے اور ایک شخص سے کہا کہ جاؤ مدینہ کی گلیوں میں شراب کی حرمت کا اعلان کر دو۔ اُس وقت مدینہ میں ایک خوشی کی مجلس منعقد ہو رہی تھی اور حسب دستور اس مجلس میں شراب کے مٹکے رکھے ہوئے تھے لوگ باتیں کرتے، گاتے بجاتے اور شرابیں پیتے جاتے تھے ایک بہت بڑا مٹکا وہ ختم کر چکے تھے اور دو مٹکے شراب کے ابھی باقی تھے۔ تم سمجھ سکتے ہو

کہ جہاں شراب کا ایک مٹکا ختم ہو چکا ہو وہاں دماغوں کی کیا کیفیت ہوگی ۔ اُس وقت وہ لوگ نشہ میں آئے ہوئے تھے اور اُن کے ہوش و حواس بہت کچھ زائل ہو چکے تھے کہ بازار میں سے اس شخص کی یہ آواز آئی کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب حرام کر دی ہے ۔انہیں شراب سے مدہوش لوگوں میں سے ایک شخص گھبرا کر اُٹھا اور کہنے لگا میرے کان میں ایک آواز آئی ہے جو یہ کہہ رہی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب حرام کر دی ہے میں باہر نکل کر دیکھوں تو سہی یہ آواز کیسی ہے ۔ میں سمجھتا ہوں اگر اتنے پر ہی بس ہو جاتی تو یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس محبت کا جو صحابہؓ کے دلوں میں تھی معجزانہ نمونہ ہوتا ۔شراب کے نشہ میں بھلا کون دیکھتا ہے کہ کیسی آواز آرہی ہے ۔ عام حالات میں تو وہ ہنستے اور کہتے کہ شراب کو کون حرام کر سکتا ہے ۔ پس اگر بات یہیں تک رہتی تب بھی یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ایک معجز نما ثبوت ہوتی مگر اِسی پر بس نہیں جب اُس نے یہ کہا کہ میں دیکھوں تو سہی یہ آواز کیسی آرہی ہے تو ایک اور آدمی جو شراب کے نشہ میں مست بیٹھا ہوا تھا اور شراب پی پی کر اُس کے دماغ میں نشہ غالب آرہا تھا یک دم اس حالت سے بیدار ہوا اور بولا کہ کیا کہا تم نے ؟ ہمارے کان میں آواز پڑتی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب حرام کر دی اور تم کہتے ہو تحقیق کرو اِس کی بات کہاں تک سچ ہے ۔خدا کی قسم ! میں ایسا نہیں کروں گا میں پہلے شراب کا مٹکہ توڑوں گا بعد میں پوچھوں گا ۔ یہ کہہ کر اُس نے سونٹا پکڑ کر زور سے مٹکوں کو مارا اور انہیں توڑ دیا اور شراب صحن میں پانی کی طرح بہنے لگی ۔ اس کے بعد اس نے دروازہ کھول کر اعلان کرنے والے سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ اس نے بتایا کہ مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ اعلان کر دوں کہ شراب حرام کر دی گئی ہے اُس نے کہا ہم تو پہلے ہی شراب کے مٹکے توڑ چکے ہیں ۔ خدا کی رحمتیں ہوں اُس شخص پر ۔ اُس نے عشق کا ایک ایسا نمونہ قائم کیا کہ قیس اور مجنوں کا عشق اگر اس میں کوئی حقیقت تھی بھی اس کے عشق کے مقابل پر مرجھا کر رہ جاتا ہے ۔ اِس حقیقی محبت کے مظاہرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاں محبت ہوتی ہے وہاں دلیلیں نہیں پوچھی جاتیں وہاں انسان پہلے اطاعت کا اعلان کرتا ہے پھر یہ سوچتا ہے کہ میں اس حکم پر کسی طرح عمل کروں ۔ یہی کیفیات

انبیاء کی ہوتی ہیں جب اللہ تعالیٰ کا پہلا کلام اُترتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی محبت ان کے دلوں میں اتنی ہوتی ہے اتنی ہوتی ہے کہ وہ دلیل بازی نہیں کرتے اور جب خدا کی آواز ان کے کانوں میں پہنچتی ہے تو وہ یہ نہیں کہتے کہ اے ہمارے رب کیا تو ہم سے ہنسی کر رہا ہے کہاں ہم اور کہاں یہ کام بلکہ وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! بہت اچھا اور یہ کہہ کر کام کیلئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس کے بعد سوچتے ہیں کہ اب انہیں کیا کرنا چاہیے۔ یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اور یہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس رات کیا۔ خدا نے کہا اُٹھ اور دنیا کی ہدایت کیلئے کھڑا ہو اور وہ فوراً کھڑے ہو گئے اور پھر یہ سوچنے لگے کہ اب میں یہ کام کس طرح کروں گا۔

پس آج سے پچاس سال پہلے کی وہ تاریخی رات جو دنیا کے آئندہ انقلابات کیلئے زبردست حربہ ثابت ہونے والی ہے جو آئندہ بننے والی نئی دنیا کیلئے ابتدائی رات اور ابتدائی دن قرار دی جانے والی ہے اگر ہم اس رات کا نظارہ سوچیں تو یقیناً ہمارے دل اِس خوشی کو بالکل اور نگاہ سے دیکھیں۔ ہم میں سے کتنے ہیں جو یہ سوچتے ہیں کہ یہ خوشی انہیں کس گھڑی کے نتیجہ میں ملی۔ یہ مسرت انہیں کس پل کے نتیجہ میں حاصل ہوئی اور کس رات کے بعد ان پر کامیابی و کامرانی کا دن چڑھا۔ یہ خوشی اور یہ مسرت اور یہ کامیابی و کامرانی کا دن اُن کو اُس گھڑی اور اس رات کے نتیجہ میں ملا جس میں ایک تن تنہا بندہ جو دنیا کی نظروں میں حقیر اور تمام دنیوی سامانوں سے محروم تھا اُسے خدا نے کہا کہ اُٹھ اور دنیا کی ہدایت کیلئے کھڑا ہو اور اس نے کہا اے میرے ربّ میں کھڑا ہو گیا۔ یہ وہ وفاداری تھی، یہ وہ محبت کا صحیح مظاہرہ تھا جسے خدا نے قبول کیا اور اس نے اپنے فضل اور رحم سے اُس کو نوازا۔

رونا اور ہنسنا دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی شان سے بعید ہیں لیکن محبت کی گفتگو میں اور محبت کے کلاموں میں یہ باتیں آ ہی جاتی ہیں۔ پس میں کہتا ہوں اگر خدا کیلئے بھی رونا ممکن ہوتا، اگر خدا کیلئے بھی ہنسنا ممکن ہوتا تو جس وقت خدا نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کہا کہ میں تجھے دنیا کی اصلاح کیلئے کھڑا کرتا ہوں اور آپ فوراً کھڑے ہو گئے اور آپ نے یہ سوچا تک نہیں کہ یہ کام مجھ سے ہو گا کیونکر؟ اگر اُس وقت خدا کیلئے رونا ممکن ہوتا تو میں یقیناً جانتا ہوں

کہ خدا رو پڑتا اور اگر خدا کیلئے ہنسا ممکن ہوتا تو وہ یقیناً ہنس پڑتا۔ وہ ہنستا بظاہر اِس بے وقوفی کے دعویٰ پر جو تمام دنیا کے مقابلہ میں ایک نحیف و ناتواں وجود نے کیا اور وہ رو پڑتا اِس جذبۂ محبت پر جو اس تن تنہا روح نے خدا کیلئے ظاہر کیا یہی سچی دوستی تھی جو خدا کو منظور ہوئی اور اسی رنگ کی سچی دوستی ہی ہوتی ہے جو دنیا میں کام آیا کرتی ہے۔

میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ہی یہ واقعہ سنا ہوا ہے کہ ایک باپ اپنے بیٹے کو ہمیشہ یہ نصیحت کیا کرتا تھا کہ تم جلدی لوگوں کو دوست بنا لیتے ہو یہ کوئی اچھی بات نہیں۔ سچے دوست کا ملنا بہت ہی مشکل ہوتا ہے اور وہ کہتا کہ آپ کو غلطی لگی ہوئی ہے میرے دوست سب سچے ہیں اور خواہ مجھ پر کیسی ہی مصیبت کا وقت آئے یہ میری مدد سے گریز نہیں کریں گے۔ اُس نے بہتیرا سمجھایا مگر بیٹے پر کوئی اثر نہ ہوا۔ باپ نے کہا کہ میں ساٹھ ستر سال کی عمر کو پہنچ گیا ہوں مگر مجھے تو اب تک صرف ایک ہی دوست ملا ہے اور وہ بھی فلاں غریب شخص، جسے اس کا بیٹا حقارت سے دیکھا کرتا تھا اور اپنے باپ سے کہا کرتا کہ آپ اتنے بڑے ہو کر اس سپاہی سے کیوں محبت رکھتے ہیں اور باپ ہمیشہ یہی کہتا کہ مجھے تمام عمر اگر کوئی سچا دوست ملا ہے تو یہی ہے۔ آخر ایک دن اس نے اپنے بیٹے سے کہا تم میری بات نہیں مانتے تو تجربہ کر لو اور اپنے دوستوں سے جا کر کہو کہ میرے باپ نے مجھے اپنے گھر سے نکال دیا ہے میرے پاس رہنے کی کوئی جگہ نہیں میرے لئے رہائش اور خوراک کا انتظام کر دو۔ اُس نے کہا بہت اچھا چنانچہ وہ ایک ایک کے پاس گیا مگر جس دوست کے پاس بھی جاتا وہ پہلے تو کہتا کہ آپ نے بڑی عزت افزائی فرمائی سنایئے آپ کا کیسے آنا ہوا؟ اور جب یہ کہتا کہ میرے باپ نے مجھے نکال دیا ہے اب میں آپ کے پاس آیا ہوں تا کہ آپ میری رہائش وغیرہ کا انتظام کر دیں تو وہ یہ سنتے ہی کوئی بہانہ بنا کر اندر چلا جاتا۔ غرض اسی طرح اس نے سارے دوستوں کا چکر لگایا اور آخر باپ کے پاس آ کر کہا کہ آپ کی بات ٹھیک نکلی۔ میرے دوستوں میں سے ایک بھی تو نہیں جس نے مجھے منہ لگایا ہو باپ نے کہا اچھا تم نے اپنے دوستوں کا تو تجربہ کر لیا اب آج کی رات میرے دوست کا بھی تجربہ کر لینا۔ چونکہ وہ امیر آدمی تھا اِس لئے وہ اپنے دوست کے مکان پر نہیں جایا کرتا تھا اکثر وہی اس کے مکان پر آ جاتا مگر اس رات وہ اچانک

بیٹے کو ساتھ لیکر اپنے دوست کے مکان پر گیا اور دروازہ پر دستک دی۔ آدھی رات کا وقت تھا اُس نے پوچھا کون؟ اُس نے اپنا نام بتایا کہ میں ہوں وہ کہنے لگا بہت اچھا ذرا ٹھہریئے میں آتا ہوں یہ باہر انتظار کرنے لگ گئے مگر کافی وقت گزر گیا اور وہ اندر سے نہ نکلا یہ دیکھ کر بیٹا کہنے لگا جناب! آپ کا دوست بھی آخر ویسا ہی نکلا۔ باپ کہنے لگا ذرا ٹھہرو مایوس نہ ہو دیر لگانے کی کوئی وجہ ہوگی آخر کوئی آدھ گھنٹہ کے بعد وہ دوست باہر نکلا اس کی حالت یہ تھی کہ اس نے گلے میں تلوار لٹکائی ہوئی تھی ایک ہاتھ میں روپوں کی تھیلی تھی اور دوسرے ہاتھ سے اُس نے اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا اور کہنے لگا معاف کیجئے مجھے دیر ہوگئی اصل بات یہ ہے کہ جب مجھے آپ کی آواز آئی تو میں نے سمجھا کہ ضرور کوئی بڑا کام ہے جس کیلئے آپ رات کو میرے پاس آئے ہیں میں نے سوچا کہ آخر آپ کو مجھ سے اِس وقت کیا کام ہوسکتا ہے اور میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ دنیا میں مصیبتیں آتی رہتی ہیں اور بعض دفعہ بڑے بڑے امیر آدمی بھی بلاء میں گرفتار ہو جاتے ہیں پس میں نے سمجھا کہ شاید کوئی بیمار ہے جس کی خدمت کیلئے مجھے بلایا ہے اس لئے میں نے فوراً اپنی بیوی کو جگایا اور کہا کہ میرے ساتھ چل ممکن ہے کسی خدمت کی ضرورت ہو۔ پھر میں نے سوچا ممکن ہے کسی دشمن سے مقابلہ ہو جس میں میری جان کی ضرورت ہو سو اِس خیال کے آنے پر میں نے تلوار نکال کر گلے میں لٹکالی کہ اگر جانی قربانی کی ضرورت ہو تو میں اس کے لئے بھی حاضر ہوں۔ پھر میں نے سوچا کہ آپ امیر تو ہیں ہی مگر بعض دفعہ امراء پر بھی ایسے اوقات آجاتے ہیں کہ وہ روپوں کے محتاج ہو جاتے ہیں پس میں نے سوچا کہ شاید اِس وقت آپ کو روپوں کی ضرورت ہو میں نے ساری عمر تھوڑا تھوڑا جمع کر کے کچھ روپیہ حفاظت سے رکھا ہوا تھا اور اسے زمین میں ایک طرف دبا دیا تھا۔ اس خیال کے آنے پر میں نے زمین کو کھود کر اس میں سے تھیلی نکالی اور اب یہ تینوں چیزیں حاضر ہیں فرمایئے آپ کا کیا ارشاد ہے؟

دنیا کی زبان میں یہ دوستی کی نہایت ہی شاندار مثال ہے اور انسان ایسے جذبات کو دیکھ کر بغیر اس کے کہ وہ اپنے دل میں شدید ہیجان محسوس کرے نہیں رہ سکتا مگر اس دوستی کا اظہار اُس دوستی کے مقابلہ میں کچھ بھی تو نہیں جو نبی اپنے خدا کیلئے ظاہر کرتے ہیں۔ وہاں

قدم قدم پر قربانیاں پیش کرنی پڑتی ہیں اور وہاں قدم قدم پر مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے پس نبیوں کا جواب اپنے خدا کو ویسا ہی ہوتا ہے بلکہ اس سے بہت بڑھ کر جیسے اس غریب آدمی نے امیر آدمی کو دیا۔ بے شک اگر ہم معقولات کی نظر سے اس کو دیکھیں اور منطقی نقطہ نگاہ سے اس پر غور کریں تو اس غریب آدمی کی یہ حرکت ہنسی کے قابل نظر آتی ہے کیونکہ اس امیر کے ہزاروں نوکر چاکر تھے ان کے ہوتے ہوئے اس کی بیوی نے کیا زائد خدمت کر لینی تھی، اسی طرح وہ لاکھوں کا مالک تھا اس کو سَو ڈیڑھ سَو روپیہ کی تھیلی کیا فائدہ پہنچا سکتی تھی اور خود اس کے کئی پہریدار اور محافظ تھے اس کو اس دوست کی تلوار کیا نفع پہنچا سکتی تھی مگر محبت کے جوش میں اس نے یہ نہیں سوچا کہ میری تلوار کیا کام دے گی، میرا تھوڑا سا روپیہ کیا فائدہ دے گا اور میری بیوی کیا خدمت سرانجام دے سکے گی اُس نے اتنا ہی سوچا کہ جو کچھ میرے پاس ہے وہ مجھے حاضر کر دینا چاہیے۔ ایسے ہی بے وقوفی کے واقعات میں مجھے بھی اپنا ایک واقعہ یاد ہے کئی دفعہ اس واقعہ کو یاد کر کے میں ہنسا بھی ہوں اور بسا اوقات میری آنکھوں میں آنسو بھی آگئے ہیں مگر میں اِسے بڑی قدر کی نگاہ سے بھی دیکھا کرتا ہوں اور مجھے اپنے زندگی کے جن واقعات پر ناز ہے ان میں وہ ایک حماقت کا واقعہ بھی ہے وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ایک رات ہم سب صحن میں سو رہے تھے گرمی کا موسم تھا کہ آسمان پر بادل آیا اور زور سے گرجنے لگا اِسی دوران میں قادیان کے قریب ہی کہیں بجلی گر گئی مگر اس کی کڑک اس زور کی تھی کہ قادیان کے ہر گھر کے لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ بجلی شاید ان کے گھر میں ہی گری ہے۔ ہمارے مدرسہ میں ہی ایک واقعہ ہوا جس کو یاد کر کے لڑکے مدتوں ہنستے رہے اور وہ یہ کہ فخر دین ملتانی جو بعد میں مرتد ہو گیا وہ اُس وقت طالبعلم تھا اور بورڈنگ ہاؤس میں رہا کرتا تھا جب بجلی کی زور سے کڑک ہوئی تو اُس نے اپنے متعلق سمجھا کہ بجلی شاید اُس پر گری ہے اور وہ ڈر کے مارے چارپائی کے نیچے چھپ گیا اور زور زور سے آواز دینے لگا کہ بلی بلی۔ بجلی کا لفظ اس کے منہ سے نکلتا ہی نہیں تھا ڈر کے مارے بلی بلی کہنے لگ گیا پہلے تو سارے ہی لڑکے بھاگ کر کمروں میں چلے گئے مگر پھر تھوڑی دیر کے بعد باہر نکلے تو اسے چارپائی کے نیچے چھپا ہوا پایا اور دیکھا کہ وہ بلی بلی کر رہا ہے۔

آخر پوچھا تو اس کے ہوش ٹھکانے آئے اور کہنے لگا کہ مجھ پر بجلی گر پڑی ہے تو وہ اتنی زور کی کڑک تھی کہ ہر شخص نے یہ سمجھا کہ اسی کے قریب بجلی گری ہے۔ اس کڑک کی وجہ سے اور کچھ بادلوں کی وجہ سے تمام لوگ کمروں میں چلے گئے۔ جس وقت بجلی کی یہ کڑک ہوئی اُس وقت ہم بھی جو صحن میں سو رہے تھے اُٹھ کر اندر چلے گئے مجھے آج تک وہ نظارہ یاد ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب اندر کی طرف جانے لگے تو میں نے اپنے دونوں ہاتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سر پر رکھ دیئے کہ اگر بجلی گرے تو مجھ پر گرے ان پر نہ گرے۔ بعد میں جب میرے ہوش ٹھکانے آئے تو مجھے اپنی اس حرکت پر ہنسی آئی کہ ان کی وجہ سے تو ہم نے بجلی سے بچنا تھا نہ یہ کہ ہماری وجہ سے وہ بجلی سے محفوظ رہتے۔ میں سمجھتا ہوں میری وہ حرکت ایک مجنوں کی حرکت سے کم نہیں تھی مگر مجھے ہمیشہ خوشی ہوا کرتی ہے کہ اِس واقعہ نے مجھ پر بھی اُس محبت کو ظاہر کر دیا جو مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے تھی۔ بسا اوقات انسان خود بھی نہیں جانتا کہ مجھے دوسرے سے کتنی محبت ہے جب اس قسم کا کوئی واقعہ ہو تو اسے بھی اپنی محبت کی وسعت اور اس کی گہرائی کا اندازہ ہو جاتا ہے تو جس وقت محبت کا انتہائی جوش اُٹھتا ہے عقل اُس وقت کام نہیں کرتی محبت پرے پھینک دیتی ہے عقل کو۔ اور محبت پرے پھینک دیتی ہے فکر کو۔ اور وہ آپ سامنے آجاتی ہے جس طرح چیل جب مرغی کے بچوں پر حملہ کرتی ہے تو مرغی بچوں کو جمع کر کے اپنے پروں کے نیچے چھپا لیتی ہے اور بعض دفعہ تو محبت ایسی ایسی حرکات کرا دیتی ہے کہ دنیا اسے پاگل پنے کی حرکات قرار دیتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ جنون دنیا کی ساری عقلوں سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے اور دنیا کی ساری عقلیں اس ایک مجنونانہ حرکت پر قربان کی جاسکتی ہیں کیونکہ اصل عقل وہی ہے جو محبت سے پیدا ہوتی ہے۔

نبی کو بھی جب آواز آتی ہے کہ خدا زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا خدا۔ خدا عزت و شوکت کو پیدا کرنے والا خدا، بادشاہوں کو گدا اور گداؤں کو بادشاہ بنانے والا خدا حکومتوں کو قائم کرنے اور حکومتوں کو مٹانے والا خدا، دولتوں کے دینے اور دولتوں کو لے لینے والا خدا، رزق کے دینے اور رزق کو چھیننے والا خدا، زمین و آسمان کے ذرہ ذرہ اور کائنات کا مالک خدا آواز دیتا ہے ایک کمزور و ناتواں اور نحیف انسان کو کہ میں مدد کا محتاج

ہوں میری مدد کرو۔ تو وہ کمزور اور ناتواں اور نحیف بندہ عقل سے کام نہیں لیتا وہ یہ نہیں کہتا کہ حضور! کیا فرما رہے ہیں؟ کیا حضور مدد کے محتاج ہیں؟ حضور تو زمین و آسمان کے بادشاہ ہیں میں کنگال غریب اور کمزور آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔ وہ یہ نہیں کہتا بلکہ وہ نحیف ونزار اور کمزور جسم کو لے کر کھڑا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں کون ہے جو اِن جذبات کی گہرائیوں کا اندازہ کر سکتا ہے سوائے اس کے جسے محبت کی چاشنی سے تھوڑا بہت حصہ ملا ہو۔ آج سے پچاس سال پہلے اسی خدا نے پھر یہ آواز بلند کی اور قادیان کے گوشہ تنہائی میں پڑے ہوئے ایک انسان سے کہا کہ مجھے مدد کی ضرورت ہے، مجھے دنیا میں ذلیل کر دیا گیا ہے، میری دنیا میں کوئی عزت نہیں، میرا دنیا میں کوئی نام لیوا نہیں، میں بے یار و مددگار ہوں، اے میرے بندے! میری مدد کر۔ اس نے نہیں سوچا کہ کہنے والا کون ہے اور جس سے خطاب کیا جاتا ہے وہ کون ہے اس کی عقل نے یہ نہیں کہا کہ مجھے بلانے والے کے پاس تمام طاقتیں ہیں میں بھلا اس کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔ اس کی محبت نے اس کے دل میں ایک آگ لگا دی اور وہ دیوانہ وار جوش میں کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا میرے ربّ! میں حاضر ہوں، میرے ربّ! میں حاضر ہوں، میرے ربّ! میں بچاؤں گا! میرے ربّ! میں بچاؤں گا۔ یہی تو وہ ساعت ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۥ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ [٦] اس رات پر ہزاروں راتیں قربان ہیں اور چونکہ بار بار ایسی راتیں آجاتی ہیں اس لئے خدا نے خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ کہا ورنہ اگر ایک ہی رات ہوتی تو دنیا کی ساری راتیں اس ایک رات، اس ایک گھنٹے، اس ایک منٹ اور اس ایک سیکنڈ پر قربان کی جاسکتی ہیں۔ جب ایک کمزور بندہ اپنی محبت کے جوش میں بغیر سوچے سمجھے اور بغیر عواقب پر غور کئے تلوار لے کر کھڑا ہو جاتا اور خدا کے اردگرد پہرہ دینے لگ جاتا ہے تو وہ کیا ہی شاندار نظارہ ہوتا ہے جب قادر و قدیر خدا، جب زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا خدا ایک نحیف ونزار جسم کے ساتھ چارپائی پر لیٹا ہوا ہوتا ہے اور ایک نحیف ونزار انسان جو اپنی کمر بھی سیدھی نہیں کر سکتا وہ تلوار لے کر اس کے اِردگرد پہرہ دے رہا ہوتا ہے اور کہتا ہے میں اسے بچاؤں گا، میں اسے بچاؤں گا۔ اس سے زیادہ

محبت کا شاندار نظارہ کبھی نظر نہیں آ سکتا اور کبھی نظر نہیں آ سکتا۔

یہی رات ہمارے زمانہ میں بھی آئی اور خدائے قادر نے آواز دی کہ کوئی بندہ ہے جو مجھے بچائے۔ تب زمین کے گوشوں میں سے ایک کمزور شخص آگے بڑھا اور اس نے کہا اے میرے ربّ! میں حاضر ہوں۔ عقلمند انسان چاہے اسے بے وقوفی قرار دیں اور فلاسفر چاہے اسے نادانی قرار دیں مگر جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے ہزاروں عقلیں اِس بے وقوفی پر قربان کی جاسکتی ہیں اور ہزاروں فلسفے کے خیالات اِس بظاہر نادانی کے خیال پر قربان کئے جاسکتے ہیں۔ پھر اس کا وہ اعلان محض وقتی اعلان نہ تھا، اِس کا اظہارِ محبت ایک وقتی جوش نہ تھا وہ کھڑا ہو گیا اور کھڑا ہی رہا یہاں تک کہ اس نے اپنے مقصود کو حاصل کر لیا۔

کیا تم نے کبھی گھروں میں نہیں دیکھا کہ وہاں بعض دفعہ کیا تماشہ ہوا کرتا ہے میں نے تو اِس قسم کا تماشہ کئی دفعہ دیکھا اور میں سمجھتا ہوں ہر گھر میں کبھی نہ کبھی ایسا ہو جاتا ہوگا کہ کبھی کبھی مائیں ہنسی کے طور پر کپڑا منہ پر ڈال کر رونے لگ جاتی ہیں اور ''اُوں اُوں'' کرتے ہوئے اپنے کسی بڑے بھائی یا خاوند یا کسی دوسرے عزیز رشتہ دار کا نام لیکر بچے سے کہتی ہیں کہ وہ مجھے مارتے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ ڈیڑھ سال کا بچہ کود کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنا ہاتھ اُٹھا لیتا ہے گویا وہ اس شخص کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے جس کے متعلق اس کی ماں کہتی ہے کہ وہ مجھے مارتا ہے حالانکہ ماں کو بچانا تو الگ رہا بعض دفعہ وہ اپنا ہاتھ بھی اچھی طرح نہیں اُٹھا سکتا مگر جانتے ہو یہ کیا ہوتا ہے؟ یہ محبت کا مظاہرہ ہوتا ہے کہ بچہ یہ نہیں دیکھتا میں کمزور اور ناتواں ہوں بلکہ ماں جب اسے آواز دیتی ہے تو وہ اپنی کمزور حالت کو نظر انداز کرتے ہوئے اُس کی مدد کیلئے کھڑا ہو جاتا ہے۔ یہی حالت اُس رات اس گھڑی، اس سیکنڈ اور اُس پل میں نبیوں کی ہوتی ہے خدا تعالیٰ کہتا ہے اے میرے بندے! میں چھوڑ دیا گیا اے میرے بندے! مجھے دنیا نے دھتکار دیا اور مجھے اپنے گھر سے نکال دیا، کوئی ہے جو مجھے بچائے۔ اور وہ ناتواں اور نحیف بندہ چھوٹے سے نادان بچے کی طرح مٹھیاں بھینچ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے میں بچاؤں گا میں بچاؤں گا۔ پھر وہ صرف کہتا ہی نہیں بلکہ اس کو بچانے میں لگ جاتا ہے۔ اس بچے کا تو عشق کامل نہیں ہوتا۔ اگر واقعہ میں جو شخص ہنسی کر رہا ہوتا ہے وہ اس

بچے کو تھپڑ مارے تو اس نے ماں کو تو کیا بچانا ہے وہ خود ماں سے لپٹ جائے گا اور دوڑ کر اس کی گود میں چلا جائیگا مگر یہ شخص ایسا ہوتا ہے کہ دنیا اسے مارتی ہے ہاتھوں سے بھی لاتوں سے بھی اور دانتوں سے بھی اور چاروں طرف سے، اُس پر لعنت اور پھٹکار ڈالی جاتی ہے مگر وہ اپنے جسم کو ہلاتا نہیں، وہ چیختا نہیں، وہ چلاتا نہیں بلکہ برابر مقابلہ کئے جاتا ہے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہونے لگتی ہیں اور ایک ایک کر کے، ایک ایک کر کے، ایک ایک کر کے بندوں کو وہ خدا تعالیٰ کے دربار میں لانا شروع کر دیتا ہے۔ وہ کمزور بازو طاقت پکڑنے لگ جاتے ہیں، وہ لڑکھڑانے والی زبان مضبوط ہونے لگ جاتی ہے، وہ دبی ہوئی آواز طاقت وقوت پکڑتی جاتی ہے اور وہ نہایت ہی ذلیل نظر آنے والا وجود اپنے اندر ایسی ہیبت پیدا کر لیتا ہے کہ لوگ اُس سے کانپنے اور اس کے سامنے کھڑا ہونے سے لرزتے ہیں اور وہ قربانی کرتا چلا جاتا ہے کرتا چلا جاتا ہے اور کرتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے حضور وہ ایک جماعت کو لا ڈالتا ہے اور زمین وآسمان کا خدا جسے لوگوں نے اپنے گھروں میں سے نکال دیا تھا اُس کیلئے نئے نئے محلات بننے لگ جاتے ہیں۔ کوئی یہاں، کوئی وہاں، کوئی اِدھر کوئی اُدھر اور وہ خدا جو مسیحؑ کی طرح اپنے نبی کو یہ آواز دیتا ہے کہ اے میرے بندے! لومڑیوں کے بھٹ ہوتے ہیں اور ہوا کے پرندوں کے گھونسلے مگر میرے لئے تو سر چھپانے کی بھی جگہ نہیں ؎ اس کے لئے وہ سب سے پہلے اپنے دل کا دروازہ کھول دیتا ہے اور کہتا ہے اے میرے ربّ! یہ گھر حاضر ہے۔ پھر وہ اور گھروں کے تالے کھولتا ہے اور دیوانہ وار مجنونانہ کھولتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ ایک گھر کی بجائے خدا کے کئی گھر ہو جاتے ہیں اور خدا کی حکومت زمین پر اسی طرح قائم ہو جاتی ہے جس طرح وہ آسمان پر قائم ہے۔ پھر یہ سلسلہ بڑھتا چلا جاتا ہے بڑھتا جاتا ہے اور بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ ایک وقت آتا ہے جب خدا اپنے بندے سے کہتا ہے کہ میرے بندے! تو نے بہت خدمت کر لی اور میں سمجھتا ہوں تو نے اپنی خدمت کا حق ادا کر دیا پس جس طرح تو نے اپنے دل کو میرے لئے کھولا تھا اور اپنے دل کو میرا گھر بنایا تھا اسی طرح آج میں تجھ کو اپنے گھر میں بلاتا ہوں آ اور میرے پاس بیٹھ۔ پس خدا اس کو اپنے پاس بلا لیتا ہے اور وہ دنیا کی تکلیفوں شورشوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔

اس نبی کے بلائے جانے کے بعد دنیا میں جو بھی بیج بوئے ہوئے ہوتے ہیں وہ پھر نئی جدو جہد شروع کر دیتے ہیں۔ نبوت خلافت کا جامہ پہن لیتی ہے اور خلافت کے ذریعہ پھر خدا کیلئے نئے قلوب کی فتح شروع ہو جاتی ہے۔ یہی اِس زمانہ میں ہوا اور جب ہم نے ایک جشن منایا، ایک خوشی کی تقریب سرانجام دی تو کسان کی زبان میں ہم نے یہ کہا کہ ہم نے پہلی فصل کاٹ لی مگر کیا جانتے ہو کہ دوسرے لفظوں میں ہم نے کیا کہا؟ دوسرے لفظوں میں ہم نے یہ کہا کہ آج سے پچاس سال پہلے جو ایک بیج بویا گیا تھا اُس بیج کی فصل ہم نے کاٹ لی اب ہم ان بیجوں سے جو پہلی فصل سے تیار ہوئے تھے ایک نئی فصل بونے لگے ہیں۔ اس عظیم الشان کام کے آغاز کے بعد تم سمجھ سکتے ہو کہ تم پر کتنی عظیم الشان ذمہ داریاں عائد ہوگئی ہیں۔ تم نے اب اپنے اوپر یہ ذامہ داری عائد کی ہے کہ جس طرح ایک بیج بڑھ کر اتنی بڑی فصل ہو گیا اسی طرح اب تم ان بیجوں کو بڑھاؤ گے جو اس فصل پر تم نے بوئے ہیں اور اسی رنگ میں بڑھاؤ گے جس رنگ میں پہلی فصل بڑھی۔ پس ہم نے جشن مسرت منا کر اس بات کا اعلان کیا ہے کہ جس طرح ایک بیج سے لاکھوں نئے بیج پیدا ہو گئے تھے اسی طرح اب ہم ان لاکھوں بیجوں کو ازسرنو زمین میں بوتے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ پچھلے پچیس یا پچاس سال میں جس طرح سلسلہ نے ترقی کی ہے اسی طرح اتنے ہی گنے اگلے پچیس یا پچاس سال میں ہم آج کی جماعت کو بڑھا دیں گے یہ کوئی معمولی ذمہ داری نہیں جو تم نے اپنے اوپر عائد کی۔ گزشتہ پچاس سال میں ایک بیج سے لاکھوں بیج بنے تھے اب جب تک اگلے پچاس سال میں ان لاکھوں سے کروڑوں نہیں بنیں گے اُس وقت تک ہم اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں سمجھے جائیں گے۔ اگر ہم جشن نہ مناتے اگر ہم یہ نہ کہتے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہنے کا زمانہ آ گیا تو ہم اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کا زمانہ بھی پیچھے ڈال سکتے تھے مگر جب ہم نے جشن منا لیا اور پہلی فصل کاٹ لی تو بالفاظِ دیگر ہم نے دوسری فصل کو بو دیا اور ہمارا کام ازسرنو شروع ہو گیا اور جب کہ ایک بیج سے اتنے دانے نکلے تھے تو کیا اب ہمارا فرض نہیں کہ ہم ان بیجوں کو اتنے گنے بڑھائیں جتنے گنے وہ ایک بیج بڑھا اور پھولا اور پھلا پس یقیناً اس جشن کے بعد ہم پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہو چکی ہے۔ کیونکہ کیا بلحاظ جانی قربانیوں کے، کیا بلحاظ مالی

قربانیوں کے، کیا بلحاظ علمی ترقیات کے، کیا بلحاظ تبلیغ کے، کیا بلحاظ تعلیم وتربیت کے، اور کیا بلحاظ کثرتِ تعداد اور زیادتِ نفوس کے۔ غرض ہر رنگ میں ہم نے پہلی فصل کے کاٹنے اور دوسری فصل کے بونے کا اعلان کیا ہے مگر پہلی فصل صرف ایک بیج سے شروع ہوئی تھی اور اس دوسری فصل کی ابتدا لاکھوں بیجوں سے ہوتی ہے اس لئے جب تک ہم یہ ارادہ نہ کرلیں کہ ان لاکھوں بیجوں کو اتنی ہی تعداد سے ضرب دیں گے جتنی تعداد سے اس ایک بیج نے ضرب کھائی تھی اُس وقت تک ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے اپنی ذمہ داریوں کو سمجھ لیا ہے۔ مالی لحاظ سے وہ فصل خالی خزانے سے شروع ہوئی تھی اور لاکھوں تک پہنچ گئی مگر یہ فصل اب لاکھوں سے شروع ہوئی ہے اس طرح وہ فصل ایک کلمہ سے شروع ہوئی تھی اور سینکڑوں کتابوں تک پہنچ گئی اور یہ فصل سینکڑوں کتابوں سے شروع ہوئی ہے پس جب تک اب لاکھوں روپیہ سے کروڑوں روپیہ اور سینکڑوں کتابوں سے ہزاروں اور لاکھوں کتابیں نہ بن جائیں اُس وقت تک ہمارا کام ختم نہیں ہوسکتا۔

غرض اس جشن کے منانے سے ہم نے یہ اعلان کیا ہے کہ ہم نے پہلی فصل کاٹ لی اور نئے سرے سے اس سے حاصل شدہ بیجوں کو زمین میں ڈال دیا۔ میرا تو جسم کا ذرہ ذرہ کانپ جاتا ہے جب مجھے یہ خیال آتا ہے کہ کتنی اہم ذمہ داری ہے جو جماعت نے اپنے اوپر عائد کی۔ اگر ہم پہلی فصل نہ کاٹتے تو ہماری ذمہ داریاں کم رہتیں مگر جب ہم نے اس فصل کو کاٹ کر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہا تو اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کا سامان بھی ہمیں مہیا کرنا پڑا۔ پس میں جماعت کے دوستوں کو اُن کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ اس جلسہ کے نتیجہ میں ہم نے لاکھوں نئے بیج زمین میں بو دیئے ہیں اب ہمارا فرض ہے کہ اگلے پچیس یا پچاس سال میں ہم جماعت میں حیرت انگیز طور پر تغیر پیدا کریں۔ کیا بلحاظ آدمیوں کی تعداد کے اور کیا بلحاظ مالی قربانی کے اور کیا بلحاظ تبلیغ کے اور کیا بلحاظ تربیت کے اور کیا بلحاظ تعلیم کے۔ آج سے مثلاً پچیس یا پچاس سال کے بعد اگر ہم نئی فصل کے ویسے ہی شاندار نتائج نہ دکھائیں جیسے پہلی پچاس سالہ فصل کے نتائج نکلے تو ہماری اَلْحَمْدُ بے معنی اور ہماری اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ جھوٹی ہو جاتی ہے۔ پس

میں جماعت کے دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ اس جلسہ کے بعد ان کو اپنی نئی ذمہ داریاں بہت جوش اور توجہ کے ساتھ ادا کرنی چاہئیں۔ اب ہماری پہلی فصل کے جو نتائج رونما ہوئے ہیں ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ اگر اس سے زیادہ نہیں تو کم سے کم اتنے ہی گنے نتائج نئی فصل کے ضرور رونما کر دیں اور اگر پہلے ایک سے لاکھوں ہوئے تو آج سے پچاس سال کے بعد وہ کروڑوں ضرور ہو جائیں۔ اگر آج سے پچیس سال پہلے جماعت دس بارہ گنے بڑھی تھی تو اگلے پچیس سال میں کم سے کم دس بارہ گنے ضرور بڑھ جانی چاہیے۔ مگر یہ کیونکر ہوسکتا ہے جب تک ہر احمدی کیا مرد اور کیا عورت اور کیا بچہ اور کیا بوڑھا اور کیا کمزور اور کیا مضبوط اپنے ذمہ یہ فرض عائد نہ کرلے کہ میں احمدیت کی ترقی کیلئے اپنے اوقات صرف کروں گا اور اپنی زندگی کا اوّلین مقصد اشاعت دین اور اشاعت احمدیت سمجھوں گا۔ اسی طرح علمی طور پر کب ترقی ہوسکتی ہے جب تک ہماری جماعت کا ہر فرد دین سیکھنے اور دینی باتیں سننے اور پڑھنے کی طرف توجہ نہ کرے۔ اسی طرح مالی قربانی میں کب ترقی ہوسکتی ہے جب تک ہماری جماعت نہ صرف قربانیوں میں بیش از پیش ترقی کرے بلکہ اپنے اخراجات میں بھی دیانت داری سے کام لے۔

مال ہمیشہ دونوں طرح سے بڑھتا ہے زیادہ قربانیوں سے بھی بڑھتا ہے اور زیادہ دیانت داری سے خرچ کرنے سے بھی بڑھتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ایک شخص کو ایک دینار دیا اور فرمایا جا کر قربانی کیلئے کوئی عمدہ سا بکرا لا دو۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ حاضر ہوا اور کہنے لگا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! یہ بکرا موجود ہے اور ساتھ ہی اُس نے دینار بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس کر دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حیران ہوئے اور فرمایا یہ کس طرح؟ وہ کہنے لگا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! مدینہ میں شہر کی وجہ سے چیزیں گراں ملتی ہیں میں دس بارہ میل باہر نکل گیا وہاں آدھی قیمت پر بکرے فروخت ہو رہے تھے میں نے ایک دینار میں دو بکرے لے لئے اور واپس چل پڑا۔ جب میں آ رہا تھا تو رستہ میں ایک شخص مجھے ملا اسے بکرے پسند آئے اور کہنے لگا کہ اگر فروخت کرنا چاہو تو ایک بکرا مجھے دے دو میں نے ایک بکرا ایک دینار میں اسے دے دیا پس اب بکرا بھی حاضر ہے اور

دینار بھی ۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بہت ہی خوش ہوئے اور آپؐ نے اس کیلئے دعا فرمائی کہ خدا تجھے برکت دے۔صحابہؓ کہتے ہیں اِس دعا کے نتیجہ میں اسے ایسی برکت ملی کہ اگر وہ مٹی میں بھی ہاتھ ڈالتا تو وہ سونا بن جاتی اور لوگ بڑے اصرار سے اپنے روپے اُسے دیتے اور کہتے کہ یہ روپیہ کہیں تجارت میں لگا دو۔غرض کروڑوں کروڑ روپیہ اسے آیا۔ تو اچھی طرح خرچ کرنے سے بھی مال بڑھتا ہے۔ مال بڑھنے کی صرف یہی صورت نہیں ہوتی کہ ایک کے دو بن جائیں بلکہ اگر تم ایک روپیہ کا کام اٹھنی میں کرتے ہو تو بھی تمہارے دو بن جاتے ہیں بلکہ اگر تم روپیہ کا کام اٹھنی میں کرتے ہو اور ایک روپیہ زائد بھی کما لیتے ہو تو تمہارے دو نہیں بلکہ چار بن جائیں گے پس صرف یہی کوشش نہیں ہونی چاہیے کہ مالی قربانیوں میں زیادتی ہو بلکہ اخراجات میں کفایت کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے ۔اور میں کارکنوں کو بالخصوص اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ ایک روپے کا کام اٹھنی میں کرنے کی کوشش کیا کریں۔غرض اب جو ہمارے پاس جماعت موجود ہے، اب جو ہمارے پاس روپیہ ہے،اب جو ہمارے پاس تبلیغی سامان ہے،اب جو ہمارے دنیا میں مشن قائم ہیں،اب جو ہماری تعلیم اور اب جو ہماری تربیت ہے ان سب کو نیا بیج تصور کر کے آئندہ پچاس سال میں ہمیں جماعت کی ترقی کیلئے سرگرم جدوجہد کرنی چاہئے تاکہ آئندہ پچاس سال میں موجودہ حالت سے ہماری تعداد بھی بڑھ جائے ، ہمارا علم بھی بڑھ جائے ، ہماری تبلیغ بھی بڑھ جائے اور اسی نسبت سے بڑھے جس نسبت سے وہ پہلے پچاس سال میں بڑھا۔اگر ہم اس رنگ میں کوشش نہیں کریں گے تو اس وقت تک ہماری نئی فصل کبھی کامیاب نہیں کہلا سکتی ۔مگر یہ کام ویسا ہی ناممکن ہے جیسے آج سے پچاس سال پہلے نظر آتا تھا۔ پھر اُس وقت خدا کا ایک نبی کھڑا تھا۔ بے شک اُس وقت کوئی احمدی نہ تھا مگر خدا کا نبی دنیا میں موجود تھا جو اس پیغام کو لے کر دنیا میں کھڑا تھا مگر آج وہ نبی ہم میں موجود نہیں اور اس وجہ سے ہماری آواز میں وہ شوکت نہیں جو اُس کی آواز میں شوکت تھی ۔ پس آج ہمیں اس سے زیادہ آواز بلند کرنا پڑے گی اور ہمیں اس سے زیادہ قربانیاں کرنی پڑیں گی ۔اس کیلئے دعائیں بھی کرو اور اللہ تعالیٰ کے دروازہ کو کھٹکھٹاؤ اور یاد رکھو کہ جب تک جماعت دعاؤں پر یقین رکھے گی ، جب تک تم ہر

بات میں اللہ تعالیٰ سے امداد کے طالب رہو گے اُس وقت تک تمہارے کاموں میں برکت رہے گی مگر جس دن تم یہ سمجھو گے کہ یہ کام تم نے کیا جس دن تم یہ سمجھو گے کہ یہ نتائج تمہاری محنت سے نکلے اور جس دن تم یہ سمجھو گے کہ یہ ترقی تمہاری کوششوں کا نتیجہ ہے اُس دن تمہارے کاموں میں سے برکتیں بھی جاتی رہیں گی ۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ آج دنیا میں تم سے بہت زیادہ طاقت ور قومیں موجود ہیں مگر ان سے کوئی نہیں ڈرتا اور تم سے سب لوگ ڈرتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ تمہاری مثال اس تار کی سی ہے جس کے پیچھے بجلی کی طاقت ہوتی ہے اب اگر تار یہ خیال کرے کہ لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں تو یہ اُس کی حماقت ہوگی کیونکہ لوگ تار سے نہیں بلکہ اس بجلی سے ڈرتے ہیں جو اُس تار کے پیچھے ہوتی ہے جب تک اس میں بجلی رہتی ہے ایک طاقتور آدمی بھی اگر تار پر ہاتھ رکھے تو وہ اس کے ہاتھ کو جلا دے گی لیکن اگر بجلی نہ رہے تو ایک کمزور انسان بھی اس تار کو توڑ پھوڑ سکتا ہے ۔ پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق رکھو اور اس بجلی کو اپنے اندر سے نکلنے نہ دو بلکہ اسے بڑھاؤ اور اسے ترقی دو تبھی اور تبھی تم کامیابی کو دیکھ سکتے ہو اور نئی فصل زیادہ شان اور زیادہ عمدگی کیساتھ پیدا کر سکتے ہو۔ لیکن اگر یہ بجلی نکل گئی تو پھر تم کچھ بھی نہیں رہو گے ۔ ہاں اگر یہ بجلی رہی تو دنیا کی کوئی طاقت تمہارا مقابلہ نہیں کر سکے گی اور اس صورت میں تمہارا یہ عزم کہ تم اگلے پچاس سال میں تمام دنیا پر چھا جاؤ ناممکن نہیں ہوگا کیونکہ کام خدا نے کرنا ہے اور خدا کیلئے کوئی چیز ناممکن نہیں ۔‘‘

(الفضل ۲۵ جنوری ۱۹۴۰ء)

---

۱ الفاتحۃ: ۵

۲، ۳ بخاری کتاب التفسیر ۔تفسیر سورۃ الفتح باب قولہ لیغفر لک اللّٰہ ما تقدم من ذنبک صفحہ ۸۵۶ حدیث نمبر ۴۸۳۶ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعۃ الثانیۃ

۴ العلق: ۳۲

۵ بخاری کتاب بدء الوحی باب کیف کان بدء الوحی صفحہ ۱ حدیث نمبر ۳ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعۃ الثانیۃ

۶ القدر: ۶

۷ متی باب ۸ آیت ۲۰۔ پاکستان بائبل سوسائٹی مطبوعہ ۱۹۹۴ء

فتنہ غیر مبائعین کی مختصر تاریخ

(فرمودہ ۱۲؍اپریل ۱۹۴۰ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

''میں نے ایک گزشتہ خطبہ میں جماعت کے دوستوں کو اس امر کی طرف توجہ دلائی تھی کہ غیر مبائعین جہاں بھی ہوں ان کے ناموں اور پتوں سے مرکز سلسلہ کو اطلاع دی جائے اور خود بھی ہر جگہ ایسے سیکرٹری مقرر کئے جائیں جن کا کام غیر مبائعین میں تبلیغ اور ان کے خیالات کی اصلاح کرنا ہو۔ میری اِس تحریک پر بعض جماعتوں نے اس امر کی طرف توجہ کی ہے اور انہوں نے غیر مبائعین کے پتے بھجوانے شروع کر دیئے ہیں ۔لیکن بعض جماعتوں نے ابھی تک اس طرف توجہ نہیں کی یا ممکن ہے ان کی رپورٹیں میرے سامنے پیش نہ ہوئی ہوں کیونکہ کچھ رپورٹیں براہِ راست شاید دعوت وتبلیغ کو بھی جا رہی ہیں ۔ بہرحال یہ کام شروع ہو گیا ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ جماعت اپنی ذمہ داری کو سمجھتے ہوئے اس کام کو اِس عمدگی کے ساتھ انجام تک پہنچائے گی کہ ہمارے مخالفین کو یہ محسوس ہو جائے گا کہ حق کا مقابلہ کرنا کوئی آسان بات نہیں ہوتی اور جس طرح گزشتہ ایام میں جب بھی ان لوگوں نے ہماری جماعت کا مقابلہ کیا اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمیں ہی فتح حاصل ہوئی اور ہم ہی ان کے آدمیوں کو کھینچ کر لے آئے ۔ اسی طرح اب بھی یہ سبق دوبارہ ان کے لیے تازہ ہو جائے گا۔

مجھے افسوس ہے کہ ہماری جماعت کے بعض دوست پرانے لٹریچر کو نہیں پڑھتے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض باتوں کا جواب اگرچہ بارہا دیا جا چکا ہے مگر وہ اس شبہ میں رہتے ہیں کہ شائد اِن

باتوں کا جواب ابھی تک ہماری طرف سے نہیں دیا گیا حالانکہ سب باتوں کا جواب پوری تفصیل کے ساتھ ہماری طرف سے دیا جا چکا ہے۔ آج اِسی سلسلہ میں میں جماعت کے دوستوں کی راہنمائی کے لئے انہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ درحقیقت یہ اختلاف مذہبی بعد میں بنا ہے پہلے یہ صرف دنیوی اختلاف تھا۔ یعنی صدر انجمن احمدیہ کے بعض ممبروں کا خیال تھا کہ حضرت خلیفہ اوّل کی خلافت غاصبانہ ہے اور ان کا کوئی حق نہ تھا کہ وہ خلافت کے عہدہ پر متمکن ہوتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحیح جانشین اور قائم مقام صدر انجمن احمدیہ ہے۔ چنانچہ وہ لوگ جو اُس زمانہ کے ہیں ان کو معلوم ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد جو پہلا جلسہ سالانہ ہوا اُس میں متواتر صدر انجمن احمدیہ کے ممبروں کی تقریروں میں اِس بات پر زور دیا جاتا رہا کہ خدا تعالیٰ کے مامور کی مقرر کردہ جانشین اور خلیفہ صدر انجمن احمدیہ ہے اور بار بار اپنے لیکچروں میں اِس کا ذکر کیا جاتا۔ غرض ۱۹۰۸ء میں دسمبر کے ایام میں جو جلسہ سالانہ ہوا اور جس کا انتظام مدرسہ احمدیہ کے صحن میں کیا گیا تھا اُس وقت کے واقف لوگ جانتے ہیں کہ ان لوگوں نے اس جلسہ کی تقریروں میں بڑے زور سے اس بات کو دُہرایا کہ خدا تعالیٰ کے مامور کی مقرر کردہ جانشین صدر انجمن احمدیہ ہے۔ خدا تعالیٰ کے مامور کی قائم مقام صدر انجمن حمدیہ ہے۔ خدا تعالیٰ کے مامور کی خلیفہ صدر انجمن احمدیہ ہے اور اس کی اطاعت تمام جماعت کے لئے ضروری ہے۔ حضرت مولوی صاحب ہمارے پیر ہیں لیکن خلیفہ صدر انجمن احمدیہ ہے جس کے وہ صدر ہیں لیکن ان کی یہ تقریریں اب ان کے لئے فائدہ بخش نہیں ہوسکتی تھیں۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد سب سے پہلے انہی لوگوں نے حضرت خلیفہ اوّل کی خدمت میں درخواست کی تھی کہ آپ خلافت کے بوجھ کو اُٹھائیں اور پھر انہی لوگوں نے یہ اعلان کیا جو اُس وقت کے اخبارات میں شائع ہوا کہ ''مطابق فرمان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مندرجہ رسالہ الوصیت ہم احمدیان جن کے دستخط ذیل میں ثبت ہیں اس امر پر صدق دل سے متفق ہیں کہ اوّل المہاجرین حضرت حاجی مولوی حکیم نورالدین صاحب جو ہم سب میں سے اَعْلَم وَ اَتْقٰی ہیں اور حضرت امام کے سب سے زیادہ مخلص اور قدیمی دوست ہیں

اور جن کے وجود کو حضرت امام علیہ السلام اُسوۂ حسنہ قرار فرما چکے ہیں جیسا کہ آپ کے شعر

چہ خوش بودے اگر ہر یک ز اُمت نوردیں بودے
ہمیں بودے اگر ہر دل پُر اَز نورِ یقین بودے

سے ظاہر ہے کے ہاتھ پر احمد کے نام پر تمام احمدی جماعت موجودہ اور آئندہ نئے ممبر بیعت کریں اور حضرت مولوی صاحب موصوف کا فرمان ہمارے واسطے آئندہ ایسا ہی ہو جیسا کہ حضرت اقدس مسیح موعود مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا۔''[1]

اس اعلان کے بعد وہ جماعت جو صداقت کی شیدا تھی جس نے بڑی بڑی قربانیوں اور اپنے رشتہ داروں کو خدا تعالیٰ کے لئے چھوڑنے کے بعد ایمان کی دولت حاصل کی تھی کب ان لوگوں کی باتوں سے متاثر ہوسکتی تھی۔ چنانچہ جتنا زیادہ یہ لوگ اس بات کو دُہراتے کہ خدا تعالیٰ کے مامور کی مقرر کردہ خلیفہ اور جانشین صدر انجمن احمدیہ ہے اُتنا ہی زیادہ جماعت میں جوش پیدا ہوتا چلا جاتا کیونکہ وہ حیران تھی کہ پہلے انہی لوگوں نے یہ کہا تھا کہ خلافت کا انتخاب الوصیت کے مطابق ہے اور اب یہی کہہ رہے ہیں کہ اصل جانشین اور خلیفہ صدر انجمن احمدیہ ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کے ہاتھ پہلے ہی کاٹ کر رکھ دیئے تھے۔ ممکن ہے اگر انہوں نے یہ اعلان نہ کیا ہوا ہوتا تو جماعت کو ان کی تقریروں کی وجہ سے ٹھوکر لگ جاتی۔ مگر چونکہ یہ لوگ خود ایک اعلان شائع کر چکے تھے اس لئے اب جو اس کے خلاف انہوں نے تقریریں کیں تو لوگوں میں جوش پید ہوا اور انہوں نے سمجھ لیا کہ ان کی اصل غرض حضرت خلیفہ اوّل کو خلافت سے جواب دینا ہے اور ان کی نیت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کسی تعلیم کو جماعت میں قائم کرنا نہیں بلکہ فتنہ وفساد اور تفرقہ پیدا کرنا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انبیاء جب وفات پاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے بعد نشان کے طور پر خلافت کو قائم کیا کرتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ جس طرح اس نے نبی کی شخصی زندگی کو الہام سے شروع کیا اسی طرح وہ اس کی قومی زندگی کو بھی الہام سے شروع کرے۔ یہی وجہ ہے کہ

جب کوئی نبی فوت ہوتا ہے تو خدا تعالیٰ کا مخفی الہام قوم کے دلوں کو اس زندگی کی تفصیلات کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد بھی ان لوگوں کے دل اس قدر مرعوب اور خائف ہو گئے تھے کہ اس وقت یہ یقینی طور پر سمجھتے تھے کہ اب کسی خلیفہ کے بغیر جماعت کا اتحاد اور اس کی ترقی ناممکن ہے۔ چنانچہ حضرت خلیفہ اوّل کا انتخاب عمل میں آیا۔ یوں منہ سے ان لوگوں کا اپنے آپ کو یا صدر انجمن احمدیہ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جانشین کہنا اور بات ہے۔ سوال تو یہ ہے کہ انجمن کے یہ ممبر جو اپنے آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خلیفہ اور جانشین قرار دیتے تھے وہ دل گردہ کہاں سے لاتے جو خداوند تعالیٰ کے خلیفہ کے لئے ضروری ہے۔ منہ سے تو ہر شخص جو جی چاہے دعویٰ کر سکتا ہے خواہ حقیقت اس کے اندر کوئی ہو یا نہ ہو۔

کہتے ہیں کوئی شخص تھا جسے بہادری کا بہت بڑا دعویٰ تھا ایک دفعہ اس نے اپنی بہادری کے نشان کے طور پر اپنے بازو پر شیر گودوانا چاہا۔ وہ گودنے والے کے پاس گیا اور کہنے لگا میرے بازو پر شیر گود دو۔ اس نے کہا بہت اچھا اور یہ کہہ کر اس نے سوئی جو ماری تو اسے درد ہوا اور کہنے لگا یہ کیا کرنے لگے ہو؟ اس نے کہا شیر گودنے لگا ہوں۔ وہ کہنے لگا شیر کا کون سا حصہ؟ اس نے بتایا کہ دایاں کان۔ اس نے کہا کہ اگر دایاں کان نہ ہو تو شیر رہتا ہے یا نہیں؟ وہ کہنے لگا رہتا کیوں نہیں۔ اس نے کہا اچھا تو پھر اس دائیں کان کو چھوڑ و اور آگے گود و۔ اُس نے پھر دوسرا کان بنانے کے لئے سوئی ماری تو اسے پھر درد ہوا اور یہ پھر چلّا کے کہنے لگا اسے چھوڑ و اور آگے چلو۔ اُس نے اُسے بھی چھوڑا۔ اس کے بعد جس کسی عضو کے بنانے کے لئے وہ سوئی مارتا تو یہ شخص چلّا کر اسے منع کر دیتا آخر گودنے والے نے سوئی رکھ دی اور جب اُس نے پوچھا کہ کام کیوں نہیں کرتے؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں کان گودنے لگا تو تم نے کہا اس کو چھوڑ دو، پھر سر گودنے لگا تو تم نے کہا اس کو چھوڑ و، منہ گودنے لگا تو تم نے کہا اِس کو چھوڑ و، پیٹھ گودنے لگا تو تم نے کہا اس کو چھوڑ و، ٹانگیں گودنے لگا تو تم نے کہا اس کو چھوڑ و۔ جب تمام چیزیں میں نے چھوڑتے ہی چلے جانا ہے تو شیر کا باقی کیا رہ گیا۔ تو منہ سے دعویٰ کرنا اور بات ہے اور اللہ تعالیٰ سے طاقت اور قوت کا ملنا بالکل اور بات ہے۔

جو شخص خدا تعالیٰ کا سچا خلیفہ تھا وہ تو دلیر اور بہادر تھا اور ان لوگوں کا یہ حال تھا کہ قدم قدم پر ان لوگوں کے دل ڈرتے تھے۔ ایک طرف انہیں یہ ڈر تھا کہ جماعت میں ہمارے خلاف کوئی جوش پیدا نہ ہو جائے دوسری طرف یہ ڈر تھا کہ کہیں حضرت خلیفہ اوّل ان سے ناراض نہ ہو جائیں۔ تیسری طرف وہ اس بات سے بھی ڈرتے تھے کہ کہیں اس کے نتیجہ میں یہ تو نہیں ہوگا کہ نہ ہم اِدھر کے رہیں اور نہ اُدھر کے اور نہ احمدی رہیں نہ غیر احمدی۔ غرض بات بات پر ان کا دل ڈرتا تھا کیونکہ ان کے دل میں خدا نہیں بول رہا تھا بلکہ نفسیاتی خواہشات جوش مار رہی تھیں اور نفسیاتی خواہشات حوصلے بڑھایا نہیں کرتیں بلکہ حوصلوں کو پست کیا کرتی ہیں۔ گویا ان لوگوں کی جرأت اور پھر خلافت کے دعوے کی مثال ایسی ہی تھی جیسے بنیا جب کسی سے لڑتا ہے تو پنسیری اُٹھا کر کہتا ہے میں یہ مار کر تیرا سر پھوڑ دوں گا۔ مگر یہ کہنے کے ساتھ ہی بجائے اس کے کہ وہ دو قدم آگے بڑھے دو قدم پیچھے کود کر چلا جاتا ہے۔ جس سے صاف پتا لگ جاتا ہے کہ جب اُس نے یہ کہا کہ میں پنسیری مار کر تیرا سر پھوڑ دوں گا تو اُس وقت اُس کا دل نہیں بول رہا تھا بلکہ صرف زبان بول رہی تھی۔ ورنہ یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ ایک طرف تو کوئی یہ کہے کہ میں مار کر تیرا سر پھوڑ دونگا اور دوسری طرف وہ بجائے آگے بڑھنے کے کود کر دو قدم پیچھے چلا جائے۔

اسی طرح یہ لوگ بھی ایک طرف تو یہ کہتے تھے کہ ہم خلیفہ ہیں کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صدر انجمن احمدیہ کو ہی اپنا جانشین قرار دیا ہے اور دوسری طرف ڈرتے تھے کہ خبر نہیں کہیں جماعت ناراض نہ ہو جائے۔ کہیں حضرت مولوی صاحب ہم پر ناراضگی کا اظہار نہ کر دیں۔ کہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی کوئی ایسے سامان نہ ہو جائیں جو ہمیں اپنی کوششوں میں ناکام و نامراد کر دیں۔ غرض قدم قدم پر ان لوگوں کو خوف و ہراس نے گھیر رکھا تھا۔ مگر بہرحال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد اِن لوگوں نے حضرت خلیفہ اوّل کی بیعت کی اور جیسا کہ میں نے بتایا ہے ان لوگوں نے اخباراتِ سلسلہ میں ایک اعلان شائع کرایا جس میں لکھا کہ ہم نے الوصیت کی ہدایات کے مطابق خلافت کا

انتخاب کیا ہے۔

حضرت خلیفہ اوّل کی بیعت پر ابھی تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ خواجہ کمال الدین صاحب نے مولوی محمد علی صاحب کے سامنے مجھ سے سوال کیا کہ میاں صاحب! خلافت کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ میں نے کہا آپ کا اس سوال سے کیا منشاء ہے؟ کہنے لگے یہی کہ خلیفہ کے کیا اختیارات ہیں؟ میں نے کہا خواجہ صاحب وہ دن گئے اب اختیارات کے فیصلہ کا کوئی وقت نہیں۔ اختیارات کے فیصلے کا وقت وہ تھا جب ہم نے حضرت خلیفہ اوّل کی ابھی بیعت نہیں کی تھی مگر جب ہم نے آپ کی بیعت کر لی تو اب بیعت کرنے کے بعد ہمارا کیا حق ہے کہ ہم خلیفہ کے اختیارات پر بحث کریں۔ جب خلافت کا انتخاب عمل میں آ گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ کون شخص حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جانشین بننے کا اہل ہے تو اس کے بعد ہمارا یہی کام ہے کہ ہم آپ کی اطاعت کریں یہ کام نہیں کہ آپ کے اختیارات پر بحث کریں۔

میرے اِس جواب پر انہوں نے فوراً اپنی بات کا رُخ بدل لیا اور کہا کہ بات تو ٹھیک ہے میں نے تو یونہی علمی طور پر یہ بات دریافت کی تھی اور ترکوں کی خلافت کا حوالہ دے کر کہا کہ چونکہ آجکل لوگوں میں اس کے متعلق بحث شروع ہے اس لئے میں نے بھی آپ سے اِس کا ذکر کر دیا یہ معلوم کرنے کے لئے کہ آپ کی کیا رائے ہے اور اِس پر ہماری گفتگو ختم ہوگئی۔ لیکن بہرحال اِس سے مجھ پر ان کا عندیہ ظاہر ہوگیا اور میں نے سمجھ لیا کہ ان لوگوں کے دلوں میں حضرت خلیفہ اوّل کا کوئی ادب اور احترام نہیں اور یہ چاہتے ہیں کسی طرح خلافت کے اس طریق کو مٹا دیں جو ہمارے سلسلہ میں جاری ہوا ہے۔

پس اصل اختلاف یہاں سے شروع ہوا مگر جب انہوں نے محسوس کیا کہ جماعت نے چونکہ حضرت خلیفہ اوّل کی بیعت کی ہوئی ہے اور اس وجہ سے اسے بیعت سے منحرف کرنا آسان کام نہیں تو انہوں نے دوسرا قدم یہ اُٹھایا کہ لوگوں میں یہ کہنا شروع کر دیا کہ حضرت خلیفہ اوّل تو بڑے بزرگ انسان ہیں ان سے جماعت کو کوئی خطرہ نہیں۔ ہاں اگر کل کوئی بچہ خلیفہ ہوگیا تو پھر کیا ہوگا اور اس بچہ سے مراد میں تھا مگر مجھے اُس وقت اس بات کا کوئی علم

نہیں تھا۔

جماعت میں جب یہ اختلاف پیدا ہوگیا کہ کچھ لوگ تو یہ کہنے لگے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مقرر کردہ جانشین انجمن ہے اور کچھ اس پر اعتراض کرنے لگے تو میر محمد اسحاق صاحب نے حضرت خلیفہ اوّل کی خدمت میں بعض سوالات لکھ کر پیش کئے جن میں خلافت کے مسئلہ پر روشنی ڈالنے کی درخواست کی گئی تھی مگر مجھے اِن سوالات کا کوئی علم نہیں تھا۔ اِسی دوران میں میں نے رؤیا میں دیکھا کہ ایک بہت بڑا مکان ہے اور اس کے دو حصے ہیں ایک حصہ تو مکمل ہے اور دوسرا نامکمل۔ نامکمل حصے پر چھت پڑ رہی ہے، بالے رکھے ہوئے ہیں مگر ابھی اینٹیں یا تختیاں رکھ کر مٹی ڈالنی باقی ہے۔ رؤیا میں میں نے دیکھا کہ چھت کے ننگے حصہ پر ہم چار پانچ آدمی کھڑے ہیں اور عمارت دیکھ رہے ہیں۔ اِنہیں میں ایک میر محمد اسحاق صاحب بھی ہیں اور وہ بھی ہمارے ساتھ مل کر عمارت دیکھ رہے ہیں کہ وہاں کڑیوں پر ہمیں کچھ بھوسا پڑا دکھائی دیا۔ میر محمد اسحاق صاحب کے ہاتھ میں ایک دیا سلائی کی ڈبیہ تھی اُنہوں نے اس میں سے ایک دیا سلائی نکال کر کہا میرا دل چاہتا ہے کہ میں اِس بھس کو جلا دوں۔ میں نے انہیں کہا کہ یہ بھوسا جلایا تو جائے گا ہی مگر ابھی وقت نہیں آیا۔ آپ بھس کو مت جلائیں کڑیاں بھی ننگی ہیں ایسا نہ ہو کہ بھس کے ساتھ ہی بعض کڑیوں کو بھی آگ لگ جائے۔ مگر وہ کہتے ہیں میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس بھس کو جلا دوں۔ میں پھر انہیں روکتا ہوں اور کہتا ہوں ایسا نہ کرنا۔ اس پر وہ پھر کہنے لگے میں چاہتا ہوں اس بھس کو ضرور آگ لگا دوں۔ مگر میں نے پھر اُنہیں روکا اور یہ سمجھ کر کہ اب میر صاحب اس بھس کو آگ نہیں لگائیں گے دوسری طرف متوجہ ہوگیا۔ لیکن چند ہی لمحہ کے بعد مجھے کچھ شور سا معلوم ہوا۔ میں منہ پھیر کر کیا دیکھتا ہوں کہ میر محمد اسحاق صاحب دیا سلائی کی تیلیاں نکال کر اس کی ڈبیہ سے جلدی جلدی رگڑتے ہیں مگر وہ جلتی نہیں۔ ایک کے بعد دوسری تیلی نکال کر اس کو جلانے کی کوشش کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جلد سے جلد اس بھس کو آگ لگا دیں۔ میں یہ دیکھ کر ان کی طرف دوڑا مگر میرے پہنچنے سے پہلے پہلے انہوں نے بھس کو آگ لگا دی۔ میں یہ دیکھ کر آگ میں کود پڑا اور جلدی سے اسے بجھا دیا مگر اس عرصہ میں چند کڑیوں کے سرے جل

گئے ۔ میں نے جب یہ رؤیا دیکھا تو حیران ہوا کہ نہ معلوم اس کی کیا تعبیر ہے ۔اُن دنوں میں حضرت خلیفہ اوّل سے بخاری پڑھا کرتا تھا اور مسجد مبارک کو گلی میں سے جو سیڑھیاں چڑھتی ہیں اُن کے پاس ہی آپ دروازہ کے پاس مسجد میں بیٹھا کرتے تھے ۔ میں نے ایک خط لکھ کر حضرت خلیفہ اوّل کے سامنے پیش کیا جس میں لکھا کہ رات میں نے یہ عجیب خواب دیکھا ہے جو جماعت کے متعلق معلوم ہوتا ہے مگر ہے منذر مجھے معلوم نہیں اس کی کیا تعبیر ہے ۔ حضرت خلیفہ اوّل نے اس خواب کو پڑھتے ہی میری طرف دیکھ کر فرمایا۔ خواب تو پوری ہوگئی ۔ میں حیران ہوا کہ خواب کس طرح پوری ہوگئی چنانچہ میں نے عرض کیا کس طرح ؟ آپ فرمانے لگے میاں ! تمہیں معلوم نہیں اور یہ کہہ کر کاغذ کی ایک سلپ پر آپ نے لکھا ۔ میر محمد اسحاق نے کچھ سوالات لکھ کر دیئے ہیں ۔ وہ سوال میں نے باہر جماعتوں کو بھجوا دیئے ہیں میں سمجھتا ہوں اس سے خوب آگ لگے گی ۔ مجھے اس پر بھی کچھ معلوم نہ ہوا کہ میر محمد اسحاق صاحب نے کیا سوالات کئے ہیں لیکن میں نے ادب کی وجہ سے دوبارہ آپ سے دریافت نہ کیا ۔ البتہ بعد میں شیخ یعقوب علی صاحب اور بعض اور دوستوں سے پوچھا تو اُنہوں نے ان سوالات کا مفہوم بتایا ۔ بعد میں جب جماعتوں کی طرف سے ان کے جوابات آ گئے اور بعض میں نے دیکھے تو اُس وقت مجھے معلوم ہوا کہ وہ سوالات خلافت کے متعلق تھے اور اُن میں اس کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کی درخواست کی گئی تھی ۔

میر صاحب کے اِن سوالات کی وجہ سے جو گویا بُھس میں آگ لگانے کے مترادف تھے جماعت میں ایک شور پیدا ہوگیا اور چاروں طرف سے ان کے جوابات آنے شروع ہوگئے ۔ جلسہ سالانہ کے موقع پر انہیں یہ تو معلوم ہی ہوگیا تھا کہ جماعت کو بیعت کرنے کے بعد خلافت سے پھرانا مشکل ہے اس لئے اب انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں وہی خیالات (نَعُوْذُبِاللّٰہِ) حضرت خلیفہ اوّل کے ہیں ۔ اور کہتے ہیں کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ فتنہ ابھی ظاہر ہوگیا اور سب کو معلوم ہوگیا کہ ایک بچہ کو خلیفہ بنا کر بعض لوگ جماعت کو تباہ کرنا چاہتے ہیں ۔ خدا کا شکر ہے کہ ایسے بے نفس آدمی کے وقت میں یہ سوال پیدا ہوا جس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ وہ میری

ویسی ہی اطاعت کرتا ہے جیسے نبض حرکت قلب کی کرتی ہے۔ ایسے بےنفس آدمی کے زمانہ میں اس سوال کا پیدا ہو جانا بڑی بابرکت بات ہے۔ ان کے بعد ہوتا تو نہ معلوم کیا فساد کھڑا ہوتا۔ گویا جماعت کو یہ یقین دلایا جانے لگا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اصل جانشین انجمن ہی ہے اور یہ کہ ان خیالات میں حضرت خلیفہ اوّل بھی ان سے متفق ہیں۔

لاہور میں تو خصوصیت سے خواجہ کمال الدین صاحب نے اپنے مکان پر ایک جلسہ کیا جس میں تمام جماعت لاہور کو بلایا گیا اور لوگوں کو سمجھایا گیا کہ سلسلہ پر یہ ایک ایسا نازک وقت ہے کہ اگر دُوراندیشی سے کام نہ لیا گیا تو سلسلہ کی تباہی کا خطرہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اصل جانشین انجمن ہی ہے اور اگر یہ بات نہ رہی تو جماعت (نَعُوْذُ بِاللّٰہ) تباہ ہو جائے گی اور سب لوگوں سے اس بات پر دستخط لئے گئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فرمان کے مطابق انجمن ہی آپ کی جانشین ہے اور لاہور کی جماعت نے انہی تاثرات کی وجہ سے کہ حضرت خلیفہ اول کے بھی یہی خیالات ہیں اس پر دستخط کر دیئے صرف حکیم محمد حسین صاحب قریشی مرحوم نے اُن کی اِس بات کو بالکل ردّ کر دیا اور کہا ہم تمہارے کہنے سے اِس پر دستخط نہیں کر سکتے۔ یہ تمہارے خیالات ہیں حضرت خلیفہ اوّل کے خیالات نہیں اور ہم ایسے محضر نامہ پر دستخط کرنے کے لئے تیار نہیں۔ ہم جب ایک شخص کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں اور وہ ہم سے زیادہ عالم اور زیادہ خشیت اللہ رکھنے والا ہے تو جو کچھ وہ کہے گا وہی ہم کریں گے۔ تمہارے خیالات کی ہم تصدیق نہیں کریں گے۔ چنانچہ ان کی دیکھا دیکھی ایک دو اور دوست بھی رُک گئے مگر بہر حال لاہور کی اکثریت جماعت نے دستخط کر دیئے۔

آخر حضرت خلیفہ اوّل نے ایک تاریخ مقرر کی جس میں بیرونی جماعتوں کے نمائندگان کو بھی بلایا اور ہدایت فرمائی کہ اُس دن مختلف جماعتوں کے قائم مقام قادیان میں جمع ہو جائیں تا سب سے اس کے متعلق مشورہ لے لیا جائے۔ چنانچہ لوگ جمع ہوئے۔ اس دن صبح کی نماز کے وقت میں بیتُ الفِکر کے پاس کے دالان میں نماز کے انتظار میں ٹہل رہا تھا مسجد بھری ہوئی تھی اور حضرت خلیفہ اوّل کی آمد کا انتظار کیا جا رہا تھا کہ میرے کان میں شیخ رحمت اللہ صاحب کی آواز آئی کہ وہ مسجد میں بڑے جوش سے کہہ رہے ہیں کہ ہم کسی بچے کی بیعت کس

طرح کرلیں ایک بچہ کے لئے جماعت میں فتنہ پیدا کیا جا رہا ہے اور لوگ چاہتے ہیں کہ اسے خلیفہ بنا کر جماعت کو تباہ کر دیں۔ میں اس وقت ان حالات سے اتنا ناواقف تھا کہ میں ان کا یہ فقرہ سن کر سخت حیران ہوا اور میں سوچنے لگا کہ یہ بچے کا ذکر کیا شروع ہو گیا ہے اور وہ کون سا بچہ ہے جسے لوگ خلیفہ بنانا چاہتے ہیں۔ اس کے متعلق بھی مجھے بعد میں حضرت خلیفہ اوّل سے ہی معلوم ہوا کہ بچہ سے ان کی کیا مراد ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اُس روز صبح کی نماز کے بعد میں بھی بعض باتیں لکھ کر حضرت خلیفہ اوّل کے پاس لے گیا اور گفتگو کے دوران میں میں نے ذکر کیا کہ خبر نہیں آج مسجد میں کیا باتیں ہو رہی تھیں کہ شیخ رحمت اللہ صاحب بلند آواز سے کہہ رہے تھے ایک بچہ کی ہم بیعت کس طرح کرلیں۔ ایک بچہ کی وجہ سے جماعت میں یہ تمام فتنہ ڈالا جا رہا ہے نہ معلوم یہ بچہ کون ہے؟ حضرت خلیفہ اوّل میری اِس بات کو سن کر مسکرائے اور فرمانے لگے تمہیں معلوم نہیں وہ بچہ کون ہے؟ وہ تمہیں تو ہو۔

خیر اِس کے بعد میٹنگ ہوئی اس میٹنگ کے متعلق بھی میں نے ایک رؤیا دیکھا جو حضرت خلیفہ اوّل کو میں نے سنا دیا تھا اور دراصل یہی رؤیا بیان کرنے کے لئے میں صبح کے وقت حضرت خلیفہ اوّل کے پاس گیا تھا۔

میں نے رؤیا میں دیکھا کہ مسجد میں جلسہ ہو رہا ہے اور حضرت خلیفہ اوّل تقریر فرما رہے ہیں مگر آپ اُس حصہ مسجد میں کھڑے ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بنوایا تھا۔ اُس حصہ مسجد میں کھڑے نہیں ہوئے جو بعد میں جماعت کے چندہ سے بنوایا گیا تھا۔ آپ تقریر مسئلہ خلافت پر فرما رہے ہیں اور میں آپ کے دائیں طرف بیٹھا ہوں۔ آپ کی تقریر کے دوران میں خواب میں ہی مجھے رِقت آگئی اور بعد میں کھڑے ہو کر میں نے تقریر کی جس کا خلاصہ تقریباً اِس رنگ کا تھا کہ آپ پر اِن لوگوں نے اعتراض کر کے آپ کو سخت دکھ دیا ہے مگر آپ یقین رکھیں کہ ہم نے آپ کی سچے دل سے بیعت کی ہوئی ہے اور ہم آپ کے ہمیشہ وفادار رہیں گے۔ پھر خواب میں مجھے انصار کا وہ واقعہ یاد آ گیا جب ان میں سے ایک انصاری نے کھڑے ہو کر کہا تھا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! ہم آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے اور دشمن آپ تک نہیں پہنچ سکے

گا جب تک وہ ہماری لاشوں کو روندتا ہوا نہ گزرے[۲]۔ اسی رنگ میں میں بھی کہتا ہوں کہ ہم آپ کے وفادار ہیں اور لوگ خواہ کتنی بھی مخالفت کریں ہم آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے اور آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے اور دشمن آپ کے پاس اُس وقت تک نہیں پہنچ سکے گا جب تک وہ ہم پر حملہ کر کے پہلے ہمیں ہلاک نہ کر لے۔ قریباً اِسی قسم کا مضمون تھا جو رؤیا میں میں نے اپنی تقریر میں بیان کیا مگر عجیب بات یہ ہے کہ جب حضرت خلیفہ اوّل تقریر کرنے کے لئے مسجد میں تشریف لائے تو اُس وقت میرے ذہن میں سے یہ رؤیا بالکل نکل گیا اور بجائے دائیں طرف بیٹھنے کے بائیں طرف بیٹھ گیا۔ حضرت خلیفہ اوّل نے جب مجھے اپنے بائیں طرف بیٹھے دیکھا تو فرمایا میرے دائیں طرف آ بیٹھو پھر خود ہی فرمانے لگے تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تمہیں دائیں طرف کیوں بٹھایا ہے؟ میں نے کہا مجھے تو معلوم نہیں۔ آپ نے فرمایا تمہیں اپنی خواب یاد نہیں رہی تم نے خود ہی خواب میں اپنے آپ کو میرے دائیں طرف دیکھا تھا۔

اس وقت تک ان لوگوں نے جماعت پر مسلسل یہ اثر ڈالنے کی کوشش کی تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس امر کا فیصلہ کیا ہوا ہے کہ میرے بعد انجمن جانشین ہوگی اور یہ کہ حضرت خلیفہ اوّل بھی اس سے متفق ہیں۔ چنانچہ ان میں سے بعض لوگ کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ بڑا فضل ہوا کہ:۔

انجمن کی جانشینی کا سوال ایسے بےنفس آدمی کے زمانہ میں اُٹھا آج مولوی صاحب فوراً یہ فیصلہ کر دیں گے کہ اصل خلیفہ انجمن ہی ہے۔ بعد میں اُٹھتا تو نہ معلوم کیا مشکلات پیش آتیں اور اس قسم کے پروپیگنڈا سے ان کی غرض لوگوں کو یہ بتانا تھی کہ حضرت خلیفہ اوّل ان کے خیالات سے متفق ہیں۔

بہرحال حضرت خلیفہ اوّل تقریر کے لئے کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا تم نے اپنے عمل سے مجھے اتنا دکھ دیا ہے کہ میں اس حصہ مسجد میں بھی کھڑا نہیں ہوا جو تم لوگوں کا بنایا ہوا ہے بلکہ میں اپنے پیر کی مسجد میں کھڑا ہوا ہوں۔ لوگوں نے حضرت خلیفہ اوّل کے منہ سے جب یہ خیالات معلوم کئے تو گو جماعت کے بہت سے دوست جو ان کے ہم خیال بن کر آئے

ہوئے تھے مگر ان پر اپنی غلطی واضح ہوگئی اور انہوں نے رونا شروع کر دیا چنانچہ جو لوگ اُس وقت کے حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں وہ جانتے ہیں کہ وہ مجلس اُس وقت ایسی ہی معلوم ہوتی تھی جیسے شیعوں کی مرثیہ کی مجالس ہوتی ہے۔ اُس وقت لوگ اتنے کرب اور درد سے رو رہے تھے کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ مسجد ماتم کدہ بنی ہوئی ہے اور بعض تو زمین پر لیٹ کر تڑپنے لگ گئے۔ پھر آپ نے فرمایا:-

کہا جاتا ہے کہ خلیفہ کا کام صرف نماز پڑھانا یا جنازہ یا نکاح پڑھا دینا یا پھر بیعت لے لینا ہے یہ کام تو ایک مُلّاں بھی کر سکتا ہے اس کے لئے کسی خلیفہ کی ضرورت نہیں اور میں اس قسم کی بیعت پر تھوکتا بھی نہیں۔ بیعت وہی ہے جس میں کامل اطاعت کی جائے اور جس میں خلیفہ کے کسی ایک حکم سے بھی انحراف نہ کیا جائے۔

آپ کی اس تقریر کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں کے دل صاف ہوگئے اور ان پر واضح ہو گیا کہ خلافت کی کیا اہمیت ہے۔ تقریر کے بعد آپ نے خواجہ کمال الدین صاحب اور مولوی محمد علی صاحب کو کہا کہ وہ دوبارہ بیعت کریں۔ اسی طرح آپ نے فرمایا میں ان لوگوں کے طریق کو بھی پسند نہیں کرتا جنہوں نے خلافت کے قیام کی تائید میں جلسہ کیا ہے اور فرمایا جب ہم نے لوگوں کو جمع کیا تھا تو ان کا کوئی حق نہ تھا کہ وہ الگ جلسہ کرتے۔ ہم نے ان کو اس کام پر مقرر نہیں کیا تھا پھر جب کہ مجھے خود خدا نے یہ طاقت دی ہے کہ میں اِس فتنہ کو مٹا سکوں تو انہوں نے یہ کام خود بخود کیوں کیا۔ چنانچہ شیخ یعقوب علی صاحب سے جو اس جلسے کے بانی تھے انہیں بھی آپ نے فرمایا کہ آپ دوبارہ بیعت کریں۔ چنانچہ خواجہ کمال الدین صاحب، مولوی محمد علی صاحب اور شیخ یعقوب علی صاحب سے دوبارہ بیعت لی گئی۔ میں نے اُس وقت یہ سمجھ کر کہ یہ عام بیعت ہے اپنا ہاتھ بھی بیعت کیلئے بڑھا دیا مگر حضرت خلیفہ اوّل نے میرے ہاتھ کو پرے کر دیا اور فرمایا یہ بات تمہارے متعلق نہیں۔ اس موقع پر دو چار سَو آدمی جمع تھے اور تمام لوگوں نے یہ واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھے مگر ان لوگوں کی دیانت اور ایمانداری کا یہ حال ہے کہ خواجہ صاحب نے بعد میں لوگوں سے بیان کیا کہ ہم سے جو دوبارہ بیعت لی گئی تھی یہ بیعت ارشاد تھی جو پیر اُس وقت لیتا ہے جب وہ اپنے مرید کے اندر اعلیٰ درجے کے

روحانی کمالات دیکھتا ہے۔گویا حضرت خلیفہ اوّل نے یہ بیعت ان کی روحانی ترقی کی بناء پر خاص طور پر ان سے لی اور یہ بیعت ''بیعت ارشاد'' تھی۔اس کے ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہنا شروع کر دیا کہ ہم سے تو بیعت ارشاد لی گئی مگر جب میاں نے بھی بیعت کرنی چاہی تو ان کو ہٹا دیا۔ یہ بالکل ویسی ہی بات ہے جیسے کہتے ہیں کہ کسی انگریز کا کوئی باورچی تھا جو کھانا بہت خراب پکایا کرتا تھا مگر وہ جہاں کہیں بیٹھتا بڑیں ہانکنی شروع کر دیتا اور کہتا کہ میں اتنا لذیذ کھانا پکاتا ہوں کہ بس یہی جی چاہتا ہے کہ انسان کھائے چلا جائے۔ایک دفعہ اس نے اپنے آقا کے لئے کھانا جو پکایا تو وہ اسے سخت بدمزہ معلوم ہوا اور اس نے باورچی کو کمرے کے اندر بلا کر خوب چپتیں لگائیں۔ باورچی نے سمجھا کہ اب میں باہر نکلوں گا تو میری بڑی ذلّت ہوگی اس لئے کوئی ایسا طریق سوچنا چاہئے جس سے لوگوں کا ذہن کسی اور طرف منتقل ہو جائے چنانچہ وہ باہر نکلا اور اس نے بڑے زور سے قہقہے لگانے شروع کر دیئے ساتھ ہی وہ ہاتھ پر ہاتھ مارتا چلا جائے۔لوگوں نے پوچھا کیا ہوا؟ وہ کہنے لگا کہ آج تو کھانا اتنا لذیذ تھا کہ صاحب ہاتھ پر ہاتھ مارتا تھا اور کہتا تھا اتنا مزیدار کھانا میں نے آج تک کبھی نہیں کھایا۔ گویا انگریز نے تو اسے چپتیں لگائیں اور اس نے یہ فسانہ بنالیا کہ انگریز ہاتھ پر ہاتھ مارتا تھا اور کہتا تھا کہ آج خوب کھانا پکایا۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے۔ یہ بھی جب یہاں سے نکلے تو انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ ہم سے تو بیعت ارشاد لی گئی تھی جو پیر اپنے مرید سے اُس وقت لیتا ہے جب وہ اعلیٰ درجے کی منازل روحانی طے کر لیتا ہے اور یہ بیعت ہمیں نصیب ہوئی میاں کو نصیب نہیں ہوئی۔حالانکہ اوّل تو یہ بات ہی غلط ہے اور ہر شخص جو واقعات کو جانتا ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ بیعت ارشاد تھی یا نہیں۔لیکن اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ یہ بیعت ارشاد تھی تو پھر یہ بیعت ارشاد تو شیخ یعقوب علی صاحب سے بھی لی گئی تھی۔ان پر یہ لوگ کیوں ٹوٹے پڑتے تھے۔ بہرحال جلسہ ختم ہوا اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے مگر یہ لوگ جو حضرت خلیفہ اوّل کی دوبارہ بیعت کر چکے تھے اپنے دلوں میں اور زیادہ منصوبے سوچنے لگے اور انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہماری اِس قدر ہتک کی گئی ہے اب ہم قادیان میں نہیں ٹھہر سکتے۔

ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب مرحوم اُس وقت ان لوگوں سے خاص تعلق رکھتے تھے اور مولوی محمد علی صاحب کو وہ جماعت کا ایک بہت بڑا استون سمجھتے تھے۔ایک دفعہ میں حضرت خلیفہ اوّل کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ڈاکٹر صاحب اس طرح گھبرائے ہوئے آئے کہ گویا آسمان ٹوٹ پڑا ہے اور آتے ہی سخت گھبراہٹ کی حالت میں حضرت خلیفہ اوّل سے کہا کہ بڑی خطرناک بات ہوگئی ہے آپ جلدی کوئی فکر کریں۔حضرت خلیفہ اوّل نے فرمایا کیا بات ہے۔انہوں نے کہا مولوی محمد علی صاحب کہہ رہے ہیں کہ میری یہاں سخت ہتک ہوئی ہے اور میں اب قادیان میں نہیں رہ سکتا آپ جلدی سے کسی طرح اُن کو منوالیں ایسا نہ ہو کہ وہ قادیان سے چلے جائیں۔حضرت خلیفہ اوّل نے فرمایا ڈاکٹر صاحب! میری طرف سے مولوی محمد علی صاحب کو جا کر کہہ دیں کہ اگر انہوں نے کل جانا ہے تو آج ہی قادیان سے تشریف لے جائیں۔ڈاکٹر صاحب جو سمجھتے تھے کہ مولوی محمد علی صاحب کے جانے سے نہ معلوم کیا ہو جائے گا آسمان ہل جائے گا یا زمین لرز جائے گی انہوں نے جب یہ جواب سنا تو ان کے ہوش اُڑ گئے اور انہوں نے کہا میرے نزدیک تو پھر بڑا فتنہ ہوگا۔حضرت خلیفہ اوّل نے فرمایا ڈاکٹر صاحب! میں نے جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا اگر فتنہ ہوگا تو میرے لئے ہوگا آپ کیوں گھبراتے ہیں۔آپ انہیں کہہ دیں کہ وہ قادیان سے جانا چاہتے ہیں تو کل کی بجائے آج ہی چلے جائیں۔

غرض اسی طرح یہ فتنہ بڑھتا چلا گیا اور جب انہوں نے دیکھا کہ اس طرح ہماری دال نہیں گلتی تو انہوں نے غیروں میں تبلیغ کرنی شروع کر دی اور سمجھا کہ عزت اور شہرت کے حاصل کرنے کا یہ ذریعہ زیادہ بہتر ہوگا۔اِس تبلیغ کے سلسلہ میں کہیں انہوں نے نبوت کے مسائل میں ایسا رنگ اختیار کرنا شروع کر دیا جس سے غیر احمدی خوش ہو جائیں۔کہیں کفر و اسلام کے مسئلہ میں انہوں نے مداہنت سے کام لینا شروع کر دیا چنانچہ یہ نبوت اور کفر و اسلام وغیرہ مسائل ۱۹۱۰ء کے شروع میں پید ہوئے ہیں بلکہ ان مسائل نے اصل زور ۱۹۱۰ء اور ۱۹۱۱ء میں پکڑا ہے۔اس سے پہلے ۱۹۰۸ء میں اور ۱۹۰۹ء میں صرف خلافت کا جھگڑا تھا کفر و اسلام اور نبوت وغیرہ کے مسائل باعث اختلاف نہیں تھے۔اُس وقت ان

لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ایک شخص کو خلیفہ مان کر اوراس کی اطاعت کا اقرار کر کے ہم سے غلطی ہوئی ہے۔اب کسی طرح اس غلطی کو مٹانا چاہئے تا جماعت دوبارہ اس کا ارتکاب نہ کرے۔

اس مسئلہ کے متعلق ایک سوال ہے جو ہماری جماعت کے دوستوں کو یاد رکھنا چاہئے اور ہمیشہ ان لوگوں کے سامنے پیش کرتے رہنا چاہئے اور وہ یہ کہ یہی لوگ جو آج کہتے ہیں کہ الوصیت سے خلافت کا کہیں ثبوت نہیں ملتا ان لوگوں نے اپنے دستخطوں سے ایک اعلان شائع کیا ہوا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد حضرت خلیفہ اوّل کی بیعت کے وقت انہوں نے کیا۔اس اعلان میں ان لوگوں نے صاف طور پر لکھا ہوا ہے کہ ''مطابق فرمان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مندرجہ رسالہ الوصیت ہم احمدیان جن کے دستخط ذیل میں ثبت ہیں اس امر پر صدق دل سے متفق ہیں کہ اوّل المہاجرین حضرت حاجی مولوی حکیم نورالدین صاحب جو ہم سب میں سے اَعْلَم اور اَتْقٰی ہیں اور حضرت امام کے سب سے زیادہ مخلص اور قدیمی دوست ہیں اور جن کے وجود کو حضرت امام علیہ السلام اسوۂ حسنہ قرار فرما چکے ہیں۔جیسا کہ آپ کے شعر

چہ خوش بودے اگر ہر یک زِ اُمت نورِ دیں بودے
ہمیں بودے اگر ہر دل پُر اَز نورِ یقیں بودے

سے ظاہر ہے کے ہاتھ پر احمد کے نام پر تمام احمدی جماعت موجودہ اور آئندہ نئے ممبر بیعت کریں اور حضرت مولوی صاحب موصوف کا فرمان ہمارے واسطے آئندہ ایسا ہی ہو جیسا کہ حضرت اقدس مسیح موعود مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا''۔

پس جماعت کے دوستوں کو ان لوگوں سے یہ سوال کرنا چاہئے اور پوچھنا چاہئے کہ تم ہمیں ''الوصیت'' کا وہ حکم دکھاؤ جس کے مطابق تم نے حضرت خلیفہ اوّل کی بیعت کی تھی۔ اس کے جواب میں یا تو وہ یہ کہیں گے کہ ہم نے جھوٹ بولا اور یا کہیں گے کہ الوصیت میں ایسا حکم موجود ہے اور یہ دونوں صورتیں ان کے لئے کھلی شکست ہیں۔یعنی یا تو وہ یہ کہیں گے کہ ایسا حکم الوصیت میں موجود ہے ایسی صورت میں ہم ان سے کہہ سکتے ہیں کہ جب الوصیت

میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نظام خلافت کی تائید کی ہے تو تم اِس نظام کے کیوں مخالف ہو اور یا پھر یہ کہیں گے کہ ہم نے اُس وقت گھبرا کر اور دشمنوں کے حملے سے ڈر کر حضرت خلیفہ اوّل کی بیعت کر لی تھی ہمیں معلوم تو یہی تھا کہ صدر انجمن خلیفہ ہے اور ہمیں یقین اِسی بات کا تھا کہ خدا تعالیٰ کے مامور کی مقرر کردہ جانشین انجمن ہی ہے مگر ہم نے سمجھا دشمن اِس وقت زور میں ہے اور وہ احمدیت پر تیر چلا رہا ہے بہتر یہی ہے کہ ان تیروں کے آگے حضرت مولوی صاحب کو کھڑا کر دیا جائے چنانچہ وہ کھڑے ہو گئے اور جب ہم نے دیکھا کہ امن قائم ہو گیا ہے تو ہم اپنا حصہ لینے کیلئے آ گئے۔ جیسے قرآن کریم میں بعض لوگوں کے متعلق آتا ہے کہ جب انہیں جہاد میں شامل ہونے کے لئے کہا جاتا ہے تو وہ بھاگ جاتے ہیں لیکن جب مسلمانوں کو فتح ہو جاتی ہے اور وہ مالِ غنیمت لے کر میدانِ جنگ سے واپس لوٹتے ہیں تو وہ بھی دوڑ کر ان کے ساتھ آ ملتے ہیں اور کہتے ہیں ہم بھی تمہارے ساتھی ہیں ہمیں بھی مالِ غنیمت میں سے حصہ ملنا چاہئے۔ بہرحال کوئی صورت ہو ہر حال میں ان کو شکست ہی شکست ہے۔ اگر الوصیت میں خلافت کے متعلق کوئی حکم پایا جاتا ہے اور جیسا کہ ان لوگوں نے اپنے دستخطوں سے اعلان کیا کہ پایا جاتا ہے تو پھر اس حکم سے ان کا انحراف ان پر حجت قائم کرنے کیلئے کافی ہے اور اگر کوئی حکم نہ پائے جانے کے باوجود انہوں نے حضرت خلیفہ اوّل کو آگے کر دیا تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ جب حملے کا وقت تھا اُس وقت تو یہ پیچھے بیٹھے رہے مگر جب حملے کا وقت گزر گیا اور امن قائم ہو گیا تو اُس وقت یہ لوگ یہ کہتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے کہ ہمیں بھی مالِ غنیمت میں سے حصہ ملنا چاہئے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اسی کو عزت دیتا ہے جو قربانیوں کے میدان میں بھی آگے سے آگے قدم بڑھاتا ہے مگر ان لوگوں نے قربانیوں میں تو کوئی حصہ نہ لیا اور خدا تعالیٰ کی دی ہوئی عزت کے حصے بخرے کرنے میں مشغول ہو گئے۔

یہ سوال ہے جو بار بار اِن لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہئے اور ان سے پوچھنا چاہئے کہ وہ بتائیں ''الوصیت'' میں وہ کون سے الفاظ ہیں جن کے مطابق حضرت خلیفہ اوّل کو خلیفہ منتخب کر کے ان کی بیعت کی گئی تھی اور جس کے ماتحت حضرت خلیفہ اوّل کی اطاعت ویسی ہی

ضروری تھی جیسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت ضروری تھی ۔ کیونکہ اس اعلان میں یہ بھی درج ہے کہ حضرت مولوی صاحب کا فرمان ہمارے لئے آئندہ ایسا ہی ہوگا جیسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہوا کرتا تھا۔ پس ان سے پوچھنا چاہئے کہ ''الوصیت'' کے ہمیں وہ الفاظ دکھائیں۔ اور پھر ان سے یہ پوچھنا چاہئے کہ اب ہمیں ''الوصیت'' سے وہ دوسرے احکام دکھاؤ جن میں یہ لکھا ہوا ہے کہ حضرت خلیفہ اوّل کے بعد پہلا حکم منسوخ ہو جائے گا۔ دوسری بات جو اِن کے سامنے پیش کرنی چاہئے اور جس کے متعلق ان کا دعویٰ بھی سب سے زیادہ ہے وہ قرآن شریف کا ترجمہ ہے اور ان لوگوں کو ہمارے مقابلہ میں سب سے زیادہ اگر کسی بات کا دعویٰ ہے تو وہ یہ ہے کہ مولوی محمد علی صاحب نے قرآن شریف کا ترجمہ کیا ہے حالانکہ قرآن کا یہ ترجمہ انجمن کے روپیہ اور اُن تنخواہوں کو وصول کر کے کیا گیا ہے جو سلسلہ کی طرف سے مولوی محمد علی صاحب کو دی جاتی تھیں ۔ پھر سلسلہ کی طرف سے مولوی محمد علی صاحب کو صرف تنخواہ ہی نہیں ملتی تھی بلکہ پہاڑ پر جانے کے اخراجات بھی انہیں ملتے تھے اور پھر تنخواہ اور پہاڑ پر جانے کے اخراجات ہی مولوی محمد علی صاحب کو نہیں دیئے جاتے تھے بلکہ ہزاروں روپیہ کی کتب بھی سلسلہ کی طرف سے ان کو منگا کر دی گئیں تا کہ وہ ان کی مدد سے ترجمہ تیار کر سکیں اور جیسا کہ اُس وقت کے اخبارات سے معلوم ہوتا ہے ترجمہ اور قرآن کریم کے نوٹس قریباً مکمل ہو چکے تھے کیونکہ اس کی اشاعت کے لئے چندہ کی تحریک شروع کر دی گئی تھی ۔ پس تقریباً تمام کا تمام ترجمہ اور تفسیر وہی ہے جو صدر انجمن احمدیہ سے کئی سال تک تنخواہیں وصول کرنے اور ہزاروں روپیہ کتب پر صرف کرانے کے بعد مولوی محمد علی صاحب نے کیا۔ بعد میں سوائے اس کے کہ انہوں نے کچھ پالش کر دی ہو اور کچھ نہیں کیا۔ ترجمہ اور تفسیر کا کام درحقیقت حضرت خلیفہ اوّل کی زندگی میں ہی ختم ہو چکا تھا اور بعد میں صرف چند مہینے انہوں نے کام کیا ہے۔ شاید دو چار مہینے ورنہ اصل کام جس قدر تھا وہ اس سے پہلے ختم ہو چکا تھا اور چار سال تک مولوی محمد علی صاحب کو اِس کے عوض صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے تنخواہ ملتی رہی تھی ۔ پس یہ ترجمہ صدر انجمن احمدیہ کا تھا اور صدر انجمن احمدیہ ہی اِس کی مالک تھی مگر اب یہ ترجمہ مولوی محمد علی

صاحب کی ذاتی ملکیت بن چکا ہے اور اس کی آمد میں سے نہ صرف ان کو حصہ ملتا ہے بلکہ شاید انہوں نے اپنے بیوی بچوں کے حق میں بھی اس کی وصیت کر دی ہے۔ پس سوال یہ ہے کہ سلسلہ کے ایک مال پر تصرف کرنے کا مولوی محمد علی صاحب کو کہاں سے حق حاصل ہو گیا اور یہ کہاں کا تقویٰ ہے کہ ایک ترجمہ وہ صدر انجمن احمدیہ سے سالہا سال تک تنخواہ وصول کر کے کریں اور پھر وہ ان کی ذاتی ملکیت بن جائے۔ وہ ہم پر ہزاروں قسم کے اعتراضات کرتے ہیں، وہ ہماری مخفی زندگی کے عیوب بھی تلاش کر کر کے لوگوں کے سامنے رکھتے ہیں مگر ہم کہتے ہیں جو بات ہم پیش کر رہے ہیں وہ تو بالکل کھلی اور واضح ہے۔ وہ کسی کی مخفی زندگی کے متعلق نہیں بلکہ ایک ایسی بات ہے جو رجسٹروں میں آ چکی ہے جو پبلک کے سامنے پیش ہو چکی ہے۔ پس وہ بتائیں کہ سلسلہ احمدیہ نے ترجمۂ قرآن پر اپنا جو روپیہ خرچ کیا تھا اس کے متعلق مولوی محمد علی صاحب کو یہ کہاں سے حق حاصل تھا کہ وہ اس کو اپنی ذاتی جائیداد تصور کر لیتے۔

بعض پیغامی اِس کا یہ جواب دیا کرتے ہیں کہ اس روپیہ میں جو مولوی محمد علی صاحب کو بطور تنخواہ ملا کرتا تھا ہمارا چندہ بھی شامل تھا اور اس وجہ سے ہم نے علیحدگی پر ضروری سمجھا کہ اپنے چندہ کے معاوضہ کے طور پر ترجمہ قرآن کو بھی ساتھ لیتے آئیں کیونکہ جو روپیہ اس پر خرچ ہوا اس میں ہمارا بھی حصہ تھا۔ حالانکہ اوّل تو اصولاً یہ بات ہی غلط ہے کہ جس کے ہاتھ کوئی چیز لگے وہ اس بہانہ کی آڑ لے کر اسے ہتھیا لے کہ چونکہ میں بھی چندہ دیا کرتا تھا اس لئے میرے لئے جائز ہے کہ میں یہ چیز اپنے گھر لے جاؤں۔ لیکن اگر یہ اصول درست ہے تو کیا وہ پسند کریں گے کہ جو لوگ ان میں سے نکل کر ہمارے ساتھ شامل ہو گئے ہیں اور جو اُس زمانہ میں جب کہ وہ ان کے ساتھ شامل تھے انہیں سینکڑوں روپے بطور چندہ دیتے رہے ہیں وہ اب اُن کی انجمن کی چیزیں اُٹھا کر لے آئیں اور دلیل یہ دیں کہ چونکہ ہم غیر مبائعین کو ایک زمانہ میں کافی چندہ دیتے رہے ہیں اور ان چیزوں پر ہمارا چندہ بھی خرچ ہوا ہے اس لئے ہمیں حق حاصل ہے کہ ان میں سے ہمیں جو چیز پسند آئے وہ اُٹھا لے جائیں۔ مثلاً لاہور میں ہی پندرہ بیس احمدی غیر مبائعین میں سے نکل کر ہمارے ساتھ شامل ہوئے ہیں۔ میں نے ایک پچھلے خطبہ میں ہی ان میں سے بعض کے نام بھی لئے تھے جیسے ملک غلام محمد صاحب ہیں۔

اسی طرح ملک غلام محمد صاحب کے تین جوان لڑکے ان کے ساتھ شامل رہے ہیں۔ پھر ڈاکٹر غلام حیدر صاحب بھی انہی لوگوں میں سے نکل کر ہمارے ساتھ شامل ہوئے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو غیر مبائعین کو کافی چندہ دیتے رہے ہیں۔ پس کیا یہ جائز ہوگا کہ یہ لوگ غیر مبائعین کی انجمن کے دفتر میں سے چیزیں اُٹھا کر لے آئیں۔ اگر وہ اسے جائز تسلیم نہیں کریں گے تو ان کی یہ دلیل کیونکر معقول سمجھی جاسکتی ہے کہ چونکہ اس ترجمۂ قرآن میں ہمارے چندہ کا روپیہ بھی شامل تھا اس لئے اگر ترجمہ ہم اپنے ساتھ لے آئے تو کیا بُرا ہوا۔

مجھے یاد ہے مولوی محمد علی صاحب جس وقت ترجمہ قرآن اور کئی ہزاروں روپیہ کا سامان کتب وغیرہ کی شکل میں ساتھ لے کر قادیان سے گئے تو اُس وقت قاضی امیر حسین صاحب مرحوم تو اِس قدر جوش کی حالت میں تھے کہ وہ بار بار پنجابی میں کہتے تھے ''نیک بختو ایہہ سلسلہ دا مال لے چلیا ہے میں سچ کہنداں ہاں اس نے پھر مڑ کے نہیں آناں'' اور میں انہیں جواب دیتا تھا کہ قاضی صاحب! اگر یہ لے جاتے ہیں تو لے جانے دیں آپ کو اس موقع پر صبر سے کام لینا چاہئے اور انہیں یہ ترجمہ اور سامان وغیرہ اپنے ساتھ لے جانے سے نہیں روکنا چاہئے کیونکہ اگر ہم نے کہا کہ ترجمہ اور کتابیں وغیرہ اپنے ساتھ نہ لے جائیں تو یہ ساری دنیا میں شور مچاتے پھریں گے کہ انہوں نے قرآن کریم کے ترجمہ میں روک ڈالی۔ پس کتابوں اور ترجمہ وغیرہ کا کیا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں یہ چیزیں پھر دے دیگا لیکن اِس وقت اگر ہم نے ان کو روکا تو یہ سارے جہاں میں ہمیں یہ کہہ کر بدنام کرتے رہیں گے کہ انہوں نے قرآن کے ترجمہ میں روک ڈالی۔ پھر میں نے اُنہیں وہ مثال دی جو حضرت خلیفہ اوّل سنایا کرتے تھے کہ ایک بیوہ عورت تھی مگر تھی بڑی محنتی۔ ہمیشہ چرخہ کاتتی اور چرخہ کات کات کر گزارہ کرتی۔ ایک دفعہ اس نے کئی سال تک محنت مزدوری کرنے اور تھوڑا تھوڑا پیسہ جمع کرنے کے بعد سونے کے کنگن بنوائے اور اپنے ہاتھوں میں پہن لئے۔ کچھ دنوں کے بعد اُس کے مکان میں رات کے وقت کوئی چور آ گیا اور اُس نے اُس عورت کو مار پیٹ کر اور ڈرا دھمکا کر اس کے کنگن اُتار لئے اور چھین کر چلا گیا۔ وہ کنگن چونکہ اُس عورت نے کئی سال کی محنت مزدوری کے بعد پیسہ پیسہ جمع کر کے بنوائے تھے اِس لئے وہ چور اُسے بھولتا نہیں تھا

اور ہر وقت آنکھوں کے سامنے اس کی شکل پھرتی رہتی تھی۔ اس کے بعد پانچ سات سال کا عرصہ اور گزر گیا اور اُس عورت نے پھر تھوڑا بہت جمع کر کے سونے کے کنگن بنوا لئے۔ ایک دن وہ اِسی طرح چرخہ کات رہی تھی کہ اُس نے پھر اُسی چور کو کہیں پاس سے گزرتے دیکھا۔ اُس نے ایک لنگوٹی باندھی ہوئی تھی اور کسی کام کیلئے جارہا تھا۔ عورت نے جونہی اسے دیکھا آواز دے کر اُسے کہنے لگی بھائی ذرا بات سن جانا۔ اُس نے خیال کیا کہ کہیں یہ مجھے پولیس کے سپرد نہ کرا دے اس لئے اس نے تیز تیز قدم اُٹھا کر وہاں سے غائب ہو جانا چاہا اِس پر اس عورت نے پھر اُسے آواز دی اور کہا بھائی میں کسی سے نہیں کہتی تم میری ایک بات سن جاؤ۔ چنانچہ وہ شخص آ گیا۔ عورت اپنا ہاتھ نکال کر اُسے کہنے لگی۔ دیکھ لو ان ہاتھوں میں تو پھر سونے کے کنگن پڑ گئے ہیں اور تمہارے جسم پر کنگن چرا کر بھی لنگوٹی کی لنگوٹی ہی رہی تو میں نے کہا قاضی صاحب! آپ گھبرائیں نہیں اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل سے اور بہت کچھ دے گا لیکن آپ سمجھ لیں کہ ہم کتنے خطرناک الزام کے نیچے آ سکتے ہیں اگر ہم انہیں یہ سامان لے جانے سے روک دیں۔ کل کو لوگوں میں یہ کہتے پھریں گے کہ صرف دو مہینے کے لئے ترجمہ قرآن کرنے کی خاطر میں یہ کتابیں اور سامان اپنے ساتھ لے چلا تھا مگر ان لوگوں نے دو مہینے کے لئے بھی یہ چیزیں نہ دیں اور اس طرح ترجمہ قرآن میں انہوں نے روک ڈالی۔ پس اگر ہم یہ سامان لے جانے سے انہیں روکیں گے تو ساری عمر کے لئے ہماری پیشانی پر داغ لگ جائے گا اور اگر مولوی صاحب ان چیزوں کو واپس نہیں کریں گے تو وہ الزام کے نیچے آ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں اور سامان دے دیگا۔ تو قاضی صاحب کو اِس موقع پر بڑا طیش آیا مگر میں نے انہیں سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا لیکن بات اُن کی ٹھیک نکلی کہ وہ کئی ہزار روپے کا سامان ترجمہ قرآن کے نام سے اپنے ساتھ لے گئے۔ پس اگر یہ اصول درست ہے کہ چونکہ چندہ میں ان کا بھی حصہ تھا اس لئے اُن کو اِس بات کا حق حاصل تھا کہ وہ ترجمہ قرآن اور دوسرا سامان اپنے ساتھ لے جاتے تو پھر وہ اس بات کی بھی اجازت ہمیں دے دیں تا ہماری جماعت کے وہ دوست جو ان میں سے نکل کر ہمارے ساتھ شامل ہوئے ہیں اور جو انہیں ایک لمبے عرصہ تک چندے دیتے رہے ہیں وہ ان کی انجمن کی چیزیں

اُٹھا اُٹھا کر لے آئیں چونکہ ان چیزوں کی تیاری میں ان کے چندہ کا بھی دخل ہے اور اگر وہ اس بات کی اجازت نہیں دیں گے تو دنیا جان لے گی کہ انہوں نے جو جواب دیا ہے وہ غلط ہے اور انہیں اس بات کا قطعاً کوئی حق حاصل نہیں تھا کہ وہ انجمن کی کسی چیز کو اس طرح لے جاتے اور اگر وہ اس بات کو جائز سمجھتے ہیں تو اس کا اعلان کر دیں۔ میں ان لوگوں کی ایک لسٹ پیش کر دوں گا جو ان میں سے نکل کر ہمارے ساتھ شامل ہوئے اور کافی رقوم انہیں چندے میں دیتے رہے ہیں۔ میں ان تمام کو ایک وفد کی صورت میں ان کے پاس بھیجنے کے لئے تیار ہوں وہ اپنی انجمن کے دروازے ان کے لئے کھول دیں تا کہ وہ جس چیز کو اپنے لئے ضروری سمجھیں اُٹھا لیں کیونکہ ان کے چندہ میں وہ بھی حصہ دار رہ چکے ہیں۔ لیکن اگر وہ اس بات کے لئے تیار نہیں تو پھر ان کا یہ کہنا کس طرح درست ہوسکتا ہے کہ چونکہ ہمارے چندے بھی قادیان میں آتے تھے اس لئے ہم اپنے چندہ کے عوض ترجمہ قرآن اور دوسرا سامان لے آئے۔

پھر میں کہتا ہوں ایک منٹ کے لئے اگر اِس بات کو فرض بھی کر لیا جائے کہ اس وجہ سے سلسلہ کا ایک مال اپنے قبضہ میں کر لینا ان کے لئے جائز تھا تو سوال یہ ہے کہ یہ مال تو سلسلہ کا تھا مولوی محمد علی صاحب کو اس بات کی کس نے اجازت دی کہ وہ اس مال کو اپنی ذاتی جائیداد قرار دے لیں۔ مان لیا کہ وہ ترجمہ قرآن اور کتب وغیرہ اس چندہ کے بدلہ میں لے گئے جو شیخ رحمت اللہ صاحب دیا کرتے تھے۔ مان لیا کہ وہ ترجمہ قرآن اور کتب وغیرہ اس چندہ کے بدلہ میں لے گئے جو ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب دیا کرتے تھے۔ مان لیا کہ وہ ترجمہ قرآن اور کتب وغیرہ اس چندہ کے بدلہ میں لے گئے جو ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب دیا کرتے تھے۔ ہم نے ان تمام باتوں کو تسلیم کر لیا۔ مگر سوال یہ ہے کہ دنیا کا وہ کونسا قانون ہے جس کے مطابق قوم کے چندہ اور قوم کے روپیہ سے تیار ہونے والی چیز مولوی محمد علی صاحب کی ذاتی ملکیت بن جائے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سنایا کرتے تھے کہ ایک شخص باغ سے انگور کا ٹوکرا اُٹھا کر گھر کو لئے جا رہا تھا کہ باغ کے مالک کی اس پر نظر پڑ گئی اور اُس نے پوچھا کہ تم میرے باغ سے انگور توڑ کر

اور ٹوکرے میں بھر کر کس کی اجازت سے اپنے گھر لئے جارہے ہو وہ کہنے لگا پہلے میری بات سن لیجئے اور پھر اگر کوئی الزام مجھ پر عائد ہو سکتا ہو تو بے شک مجھ پر عائد کیجئے۔ مالک آدمی تھا شریف اُس نے کہا بہت اچھا پہلے اپنی بات سناؤ۔ وہ کہنے لگا بات یہ ہے کہ میں راستہ میں چلا جارہا تھا کہ ایک بگولہ آیا اور اس نے اُڑا کر مجھے آپ کے باغ میں لا ڈالا۔ اب بتائیے اس میں میرا کیا قصور ہے۔ مالک بہت رحم دل تھا اس نے کہا کہ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں بلکہ مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ وہ کہنے لگا، آگے سنیے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ جہاں میں گرا وہاں جا بجا انگوروں کی بیلیں لگی ہوئی تھیں ایسے وقت میں آپ جانتے ہیں کہ انسان اپنی جان بچانے کیلئے ہاتھ پاؤں مارا کرتا ہے۔ میں نے بھی ہاتھ پاؤں مارے اور انگوروں نے گرنا شروع کر دیا۔ بتائیے اِس میں میرا کوئی قصور ہے؟ وہ کہنے لگا قصور کیسا اگر تمہاری جان بچانے کے لئے میرا سارا باغ بھی اجڑ جاتا تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہ ہوتی۔ پھر وہ کہنے لگا کہ جب انگور گرنے لگے تو نیچے ایک ٹوکرا پڑا تھا انگور ایک ایک کر کے اس ٹوکرے میں اکٹھے ہو گئے۔ فرمائیے اس میں میرا کیا قصور ہے؟ مالک نے کہا یہ تم عجیب بات کہتے ہو۔ میں نے مانا کہ بگولہ تمہیں اُڑا کر میرے باغ میں لے گیا، میں نے مانا کہ تم ایسی جگہ گرے جہاں انگور کی بیلیں تھیں، میں نے مانا کہ تم نے اپنی جان بچانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارے تو انگور گرنے لگے، میں نے مانا کہ اُس وقت وہاں کوئی ٹوکرا پڑا تھا جس میں انگور اکٹھے ہوتے چلے گئے۔ مگر تمہیں یہ کس نے کہا تھا کہ ٹوکرا سر پر اُٹھا کر اپنے گھر کی طرف لے جاؤ۔ وہ کہنے لگا بس یہی بات میں بھی سوچتا آرہا تھا کہ یہ کیا ہو گیا۔ تو میں نے مان لیا کہ یہ لوگ چندہ دیا کرتے تھے، میں نے مان لیا کہ ان چندوں کی وجہ سے اِن لوگوں کو اِس بات کا حق حاصل تھا کہ انجمن کی ایک چیز کو غاصبانہ طور پر اپنے ساتھ لے جائیں۔ مگر مولوی محمد علی صاحب کے ہاتھ میں وہ ترجمہ دے کر انہیں یہ کس نے کہا تھا کہ وہ اسے اپنے گھر لے جائیں۔

اگر ترجمہ قرآن کی تمام آمد انجمن اشاعت اسلام لاہور کے کاموں پر خرچ ہوتی اور مولوی محمد علی صاحب کو اس سے ایک حبہ بھی نہ ملتا تو کہا جا سکتا تھا کہ یہ انجمن کی چیز تھی اور انجمن کے پاس ہی رہی۔ مگر وہ ترجمہ قرآن جس کے حقوقِ ملکیت یا تو ہمیں حاصل تھے یا

بطریق تنزل انجمن اشاعت اسلام لاہور کو۔ اس کے حقوق مولوی محمد علی صاحب کو کیونکر مل گئے اور ان کے لئے یہ کیونکر جائز ہوگیا کہ وہ اس کی آمد کو اپنے آپ پر اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کریں۔ یہ سوال ہے جو غیر مبائعین کے سامنے پیش کرنا چاہیے کہ دوسروں پر اعتراض کرنے سے پہلے تم اپنے گھر کا تو جائزہ لو اور بتاؤ کہ مولوی محمد علی صاحب کو کس طرح یہ حق حاصل تھا کہ وہ ترجمہ قرآن اُٹھا کر اپنے گھر لے جاتے۔ اور پھر ساتھ ہی ان سے یہ بھی پوچھ لو کہ آیا ہمیں بھی اس بات کی اجازت حاصل ہے کہ جو لوگ ہماری جماعت میں تم میں سے نکل کر شامل ہوئے ہیں اور تمہیں سینکڑوں روپے بطور چندہ دیتے رہے ہیں وہ تمہارا مال اُٹھالیں اور کیا تم اس پر بُرا تو نہیں مناؤ گے اور کیا اسی قانون کے مطابق انہیں غیر مبائعین کی چیزیں ہتھیا لینے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

اِسی طرح ان کے جو نئے دوست مصری صاحب پیدا ہوئے ہیں ان کے متعلق بھی جماعت کو بعض ضروری باتیں یاد رکھنی چاہئیں۔ مصری صاحب اب دراصل انہی کی پارٹی میں ہیں۔ گو ظاہر وہ یہ کرتے ہیں کہ ان کا غیر مبائعین کے عقائد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ پیغامی لوگ بھی انکی باتیں اپنے اخبارات کے ذریعہ خوب پھیلاتے رہتے ہیں۔ ان کے متعلق ''فاروق'' میں ایک مضمون شائع ہوا ہے جو بہت ہی لطیف ہے۔ سید احمد علی صاحب مولوی فاضل اس مضمون کے لکھنے والے ہیں۔ اس میں انہوں نے دو حوالے ایسے جمع کر دیئے ہیں جو بہت ہی کارآمد ہیں اور جماعت کے دوستوں کو چاہئے کہ وہ ان حوالوں کو یاد رکھیں۔ ان میں سے ایک حوالہ میں انہوں نے غیر مبائعین کو غلطی پر قرار دیا ہے اور دوسرے حوالہ میں انہوں نے ہمیں غلطی پر قرار دیا ہے۔ اب جب کہ مصری صاحب کے نزدیک ہم بھی غلطی پر ہوئے اور غیر مبائعین بھی غلطی پر ہوئے تو سوال یہ ہے کہ پھر سچائی پر کون قائم ہے اور وہ کونسی جماعت ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحیح تعلیم کی حامل ہے؟ اس صورت میں تو گویا نہ ہماری جماعت اُس تعلیم پر قائم ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دی اور نہ غیر مبائعین اُس تعلیم پر قائم ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دی۔ صرف مصری صاحب اور ان کے بیٹے ہی باقی رہ جاتے ہیں اور

غالباً ان کے نزدیک وہی ہیں جو سچائی پر قائم ہیں۔

پس یہ سوال بھی نہایت اہم ہے اور اِس قابل ہے کہ اُن سے دریافت کیا جائے کہ آخر وہ کون سی جماعت ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام قائم کر کے گئے تھے اور جو آپ کے بتائے ہوئے صحیح راستہ پر چل رہی ہے۔ جب ایک طرف وہ ہمیں غلطی پر قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف غیر مبائعین کو غلطی پر قرار دے چکے ہیں تو وہ کون سی جماعت رہ گئی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت ہے اور وہ جس کے متعلق کہہ سکتے ہیں کہ وہ سچائی پر قائم ہے۔ یا تو وہ یہ کہیں کہ اب دلائل سے انہیں معلوم ہو گیا ہے کہ غیر مبائعین ہی حق پر ہیں اور نبوت وغیرہ مسائل کے متعلق جو عقائد وہ پہلے رکھتے تھے وہ درست نہیں تھے اور اس صورت میں بے شک وہ سوال قائم نہیں رہیگا جو موجودہ حالت میں ان پر عائد ہو سکتا ہے۔ لیکن اس صورت میں مومنوں کی طرح دلیری سے کام لیتے ہوئے انہیں کہہ دینا چاہئے کہ پہلے میں غلطی پر تھا۔ اب مجھے پتہ لگ گیا کہ غیر مبائعین ہی حق پر ہیں۔ ہمارے متعلق تو وہ بار بار کہتے ہیں کہ میں مومنانہ جرأت کی وجہ سے ان باتوں کو چھپا نہیں سکتا جو میرے علم میں آئیں۔ پھر کیوں یہی مؤمنانہ جرأت غیر مبائعین کے متعلق ان سے ظاہر نہیں ہوتی۔

پس اگر وہ سمجھتے ہیں کہ غیر مبائعین کے عقائد درست ہیں اور وہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحیح تعلیم کے حامل ہیں تو وہ جرأت سے کام لیتے ہوئے ایسا اعلان کر دیں۔ مگر جب تک وہ ایسا اعلان نہیں کرتے یہ سوال بدستور قائم رہے گا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ کونسی جماعت ہے جو صحیح رنگ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منشاء کو پورا کر رہی ہے۔ کوئی اِس بات کو اچھا کہے یا بُرا یہ ایک حقیقت ہے اور اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ پیغامی کچھ نہ کچھ کام کر رہے ہیں۔ بعض علاقوں میں انہوں نے اپنے مبلغ بھی بھیجے ہوئے ہیں، لٹریچر اور کتابیں بھی شائع کرتے رہتے ہیں اور تبلیغ اسلام کے لئے بھی کوششیں کرتے رہتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں ہم ہیں ہم پر بھی کوئی لاکھ اعتراض کرے ہمارے کام کو اچھا کہے یا بُرا یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم بھی کچھ نہ کچھ کام کر رہے ہیں۔ ہم نے اپنے مبلغ دنیا کے مختلف ممالک میں بھجوائے ہوئے ہیں۔ کوئی چین میں تبلیغ کر رہا ہے،

کوئی جاپان میں تبلیغ کر رہا ہے، کوئی یورپ میں تبلیغ کر رہا ہے، کوئی امریکہ میں تبلیغ کر رہا ہے۔ اِسی طرح ہم اپنا لٹریچر اور کتابیں شائع کرتے رہتے ہیں۔ یہ کام اچھا ہے یا بُرا اس سے قطع نظر دیکھنے والی بات یہ ہے کہ اس وقت دو جماعتیں ہیں اور دونوں اپنی اپنی جگہ کام کر رہی ہیں مگر یہ دونوں مصری صاحب کے نزدیک غلط راہ پر ہیں۔ چنانچہ غیر مبائعین کے متعلق وہ آج سے اٹھارہ سال قبل کہہ چکے ہیں کہ وہ خوارج کے گروہ کی طرح ہیں۔ اور ہمارے متعلق انہوں نے اب کہا ہے کہ یہ بھی خوارج کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ پس جب دونوں جماعتیں ہی صحیح راستہ سے منحرف ہیں تو اب سوال یہ ہے کہ پھر دنیا میں صرف ایک ہی جماعت رہ گئی جو صداقت پر قائم ہے اور وہ مصری صاحب اور ان کے بیٹے ہیں۔

پس ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ انہوں نے اسلام کی اشاعت اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کو پھیلانے کے لئے کیا کیا۔ مصری صاحب جب سے علیحدہ ہوئے ہیں ان کا سارا زور ہمارے خلاف صرف ہو رہا ہے۔ نہ وہ آریوں کے خلاف لکھتے ہیں' نہ وہ عیسائیوں کے خلاف لکھتے ہیں، نہ وہ ہندوؤں کے خلاف لکھتے ہیں، نہ وہ پیغامیوں کے خلاف لکھتے ہیں۔ گویا آج حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا (نَعُوْذُ بِاللّٰہ) کوئی نام لیوا دنیا میں باقی نہیں اور جو مصریوں کی شکل میں باقی ہیں وہ بھی اسلام کی خدمت کا کوئی کام سرانجام نہیں دے رہے۔ مصری صاحب کہہ سکتے ہیں کہ میرا یہ بھی کام ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک مومن کو اپنی نگاہ ہر طرف رکھنی چاہئے۔

پس اگر انہیں ہم میں نقائص دکھائی دیتے ہیں تو وہ بے شک ہم پر اعتراض کریں کیونکہ میرے نزدیک اگر ہم انہیں یہ کہیں کہ ہم پر اعتراض نہ کرو احرار پر کرو، یا ہم پر اعتراض نہ کرو عیسائیوں پر کرو، یا ہم پر اعتراض نہ کرو آریوں پر کرو تو یہ کسی صورت میں درست نہیں ہوگا۔ مومن کا کام ہے کہ وہ ہر طرف توجہ رکھے۔ پس ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ ہم پر اعتراض نہ کریں بلکہ اگر وہ ہمیں غلطی پر سمجھتے ہیں تو یقیناً ان کا حق ہے کہ وہ ہمارے خلاف جدوجہد کریں۔ لیکن ایک سوال ہے جس کو وہ کبھی حل نہیں کر سکتے کہ کیا یہ فتنہ جو مصری صاحب کے نزدیک بڑا فتنہ ہے یہ تو اس بات کا حق رکھتا ہے کہ مصری صاحب اپنی تمام کوششیں اس کو

مٹانے کیلئے وقف کر دیں مگر وہ فتنے جنہیں خدا اور اس کے رسول نے بڑا قرار دیا ہے ان کو مٹانے کے لئے مصری صاحب کے لئے کسی قسم کی جد و جہد کرنا جائز نہیں۔ کیا مصری صاحب کو کبھی آریوں کے خلاف کچھ لکھنے کی بھی توفیق ملی؟ یا عیسائیوں کے خلاف بھی انہوں نے کچھ لکھا؟ یا احرار کے متعلق ہی کبھی انہوں نے دو چار مضمون لکھے؟ انہوں نے کبھی آریوں کے خلاف کچھ نہیں لکھا۔ انہوں نے کبھی عیسائیوں اور احرار وغیرہ کے خلاف کچھ نہیں لکھا کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر انہوں نے ان کے خلاف لکھا تو ان کی جتھہ بندی ٹوٹ جائے گی اور وہ مدد جو انہیں احرار اور پیغامیوں سے مل رہی ہے وہ جاتی رہے گی۔ مگر کیا خدا اور رسول کا یہ حق نہیں کہ جن فتنوں کو انہوں نے بڑا قرار دیا ہے انہیں بڑا سمجھا جائے؟ اور کیا یہ مصری صاحب کو ہی حق حاصل ہے کہ جس فتنہ کو وہ بڑا سمجھیں وہ بڑا بن جائے؟ قرآن کریم نے دجالی فتنہ کو بہت بڑا فتنہ قرار دیا ہے حتیٰ کہ قرآن کریم میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ قریب ہے اِس فتنہ سے آسمان پھٹ جائے زمین تہہ و بالا ہو جائے اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں[۳]۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے دجالی فتنہ سے بڑا فتنہ کوئی نہیں ہوا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آریوں کے فتنہ کو بہت بڑا فتنہ قرار دیا ہے لیکن وہ کبھی آریوں کے خلاف نہیں لکھتے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر میں نے آریوں کے خلاف کچھ لکھا تو قادیان کے آریوں سے جو مدد مجھے مل رہی ہے وہ بند ہو جائے گی۔ اسی طرح وہ کبھی عیسائیوں اور ہندوؤں اور دوسرے مذاہب کے خلاف نہیں لکھتے اور اس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام جس غرض کے لئے دنیا میں مبعوث فرمائے گئے تھے وہ آج کہیں پوری نہیں ہو رہی کیونکہ مصری صاحب کے نزدیک ہم بھی گمراہ اور مصری صاحب کے نزدیک غیر مبائعین بھی گمراہ اور پھر خود مصری صاحب بھی گمراہ۔ کیونکہ ان کی توجہ اس کام کی طرف ہے ہی نہیں جس کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث فرمائے گئے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مصری صاحب کے نزدیک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی وفات کے بعد جو کچھ چھوڑا وہ گمراہی ہی گمراہی تھی جو قادیان میں بھی ظاہر ہوئی، جو لاہور میں بھی ظاہر ہوئی اور جو مصری صاحب کے گھر میں بھی ظاہر ہوئی۔

کیا کوئی بھی معقول انسان تسلیم کرسکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا وہ مسیح جس کی نوحؑ نے خبر دی، خدا تعالیٰ کا وہ مسیح جس کی ابراہیمؑ نے خبر دی، خدا تعالیٰ کا وہ مسیح جس کی موسیٰؑ نے خبر دی، خدا تعالیٰ کا وہ مسیح جس کی عیسیٰؑ نے خبر دی، خدا تعالیٰ کا وہ مسیح جس کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی، جس کی یاد میں ہزاروں نہیں لاکھوں ائمہ دین اور صلحاء و اولیاء دعائیں کرتے ہوئے اِس جہان سے گزر گئے۔ وہ اس جہان میں آیا اور چلا گیا اور سوائے گمراہی اور ضلالت کے دنیا میں کچھ چھوڑ نہیں گیا۔

پس یا تو غیر مبائعین مصری صاحب سے یہ اعلان کروادیں کہ انہوں نے پیغامیوں کے متعلق جو کچھ لکھا تھا وہ صحیح نہیں تھا اور یہ کہ اب انہیں غور کرنے کے بعد معلوم ہوا ہے کہ پیغامی ہی حق پر ہیں۔ اس صورت میں بے شک ان کا پہلو مضبوط ہوسکتا ہے اور وہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جس جماعت کو سچائی پر قائم کیا اور جو صحیح معنوں میں آپ کی جماعت کہلاسکتی ہے وہ غیر مبائعین کی ہے۔ لیکن جب تک وہ یہ اعلان نہیں کرتے کہ پیغامی حق پر ہیں اُس وقت تک گویا ان کے نزدیک اس وقت روئے زمین پر کوئی جماعت بھی ایسی نہیں جو صداقت اور راستی پر قائم ہو۔ کیونکہ غیر مبائعین کی گمراہی کے متعلق ان کا پہلا عقیدہ اب تک قائم ہے اور گمراہی کے متعلق ان کے موجودہ اعلانات موجود ہیں اور ان کی اپنی گمراہی اس طرح ظاہر ہے کہ وہ اپنا سارا زور اس فتنہ کے مٹانے کیلئے صرف کررہے ہیں جو ان کے نزدیک بڑا ہے مگر جنہیں خدا اور اس کے رسول نے بڑا فتنہ قرار دیا ہے ان کے استیصال اور اسلام کی اشاعت کی طرف ان کی کوئی توجہ نہیں۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے اس غرض کے لئے مبعوث نہیں فرمایا تھا کہ آپ کے ذریعہ پہلے ایک جماعت قائم کرے اور پھر آپ کی وفات کے ساتھ ہی اس میں بگاڑ پیدا کردے اور کچھ عرصہ کے بعد اس کی اصلاح کے لیے کسی کو کھڑا کردے۔ کیا دنیا میں کوئی شخص ایسا بھی ہوا کرتا ہے جو مکان بنائے اور پھر توڑ ڈالے اور توڑنے کے بعد پھر اُسے بنانا شروع کردے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کی غرض صرف یہ تھی کہ آپؑ دنیا کی اصلاح کریں اور یہی کام ہے جو آپؑ کی جماعت کے سپرد ہے۔ پس جب ہم بھی گمراہ ہیں، جب

غیر مبائعین بھی گمراہ ہیں اور جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحیح تعلیم پر صرف مصری صاحب اور ان کے بیٹے ہی قائم ہیں تو کیا ان کا فرض نہیں تھا کہ وہ اس تین سالہ عرصہ میں عیسائیوں کے خلاف لکھتے ، آریوں کے خلاف لکھتے ، مذاہب باطلہ کا ردّ کرتے اور اسلام کی شوکت اور عظمت ان پر ظاہر کرتے ۔ مگر کیا وہ بتا سکتے ہیں کہ اس تین سال کے عرصہ میں انہوں نے کیا اصلاح کی اور کتنے آریوں اور عیسائیوں پر اتمام حجت کی؟ یا کیا وہ اب اس بات کے لئے تیار ہیں کہ آریوں اور احرار وغیرہ کے خلاف لکھیں گے؟ تو یقیناً وہ کبھی ایسا نہیں کریں گے کیونکہ ان کے اس فتنہ کی بنیاد ہی آریوں اور احرار کی مدد پر ہے اور وہ جانتے ہیں کہ وہ انہی کی مدد پر جی رہے ہیں ۔ اگر وہ ان کے خلاف لکھیں تو ان کا خدا ہی مر جائے ۔ پس ان کے خلاف لکھنے کی وہ کبھی جرأت نہیں کر سکتے ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آج دنیا میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی لائی ہوئی تعلیم کے ماتحت کوئی جماعت بھی کام نہیں کر رہی ۔ ہم نہیں کر رہے کیونکہ مصری صاحب کے نزدیک ہم گمراہ ہیں ۔ غیر مبائعین نہیں کر رہے کیونکہ مصری صاحب کے نزدیک وہ بھی گمراہ ہیں اور میں بتا چکا ہوں خود مصری صاحب بھی یہ کام نہیں کر رہے پس وہ بھی گمراہ ہوئے اور جب تمام کے تمام گمراہی پر قائم ہیں تو سوال یہ ہے کہ وہ کون سی جماعت ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قائم کی تھی اور جسے آپ کی بتائی ہوئی تعلیم کے ماتحت دنیا میں کام کرنا چاہئے تھا ۔

غرض یہ وہ باتیں ہیں جو جماعت کو ہر وقت اپنے سامنے رکھنی چاہئیں اور وقتاً فوقتاً ان لوگوں کے سامنے انہیں پیش کرتے رہنا چاہئے ۔ پھر اس امر کو بھی مدنظر رکھنا چاہئے کہ مخالف کے سوالات کا جواب دینے سے پہلے دلائل پر پوری طرح غور کر لیا جائے اور سوچ سمجھ کر اور فکر سے کام لے کر سوالات کا جواب دیا جائے ۔ بعض دفعہ غور سے کام نہیں لیا جاتا اور یونہی جواب دے دیا جاتا ہے ۔ یہ درست طریق نہیں ۔ مثلاً آجکل ذرّیت مبشرہ کے متعلق بحث ہو رہی ہے ۔ میرے نزدیک سب سے پہلی چیز یہ تھی کہ لغت کے لحاظ سے اس پر بحث کی جاتی ۔ اگر ہماری جماعت کے دوست لغت کے لحاظ سے اس پر بحث کرتے تو اس بحث کا خاتمہ ہی ہو جاتا ۔ اسی طرح بعض اور سوالات کا جواب دیتے وقت بھی میرے نزدیک پرانے لٹریچر کو

نہیں پڑھا گیا۔ اسی طرح ایک اور بحث بھی ہے مگر میں اُس کا نام نہیں لینا چاہتا تا کہ مخالف ہوشیار نہ ہو جائے۔ مگر اس کے متعلق بھی ایسے رنگ میں بحث کی جا سکتی تھی کہ مخالف اپنے منہ سے آپ ہی مجرم بن جاتا۔

پھر یہ بات بھی یاد رکھو کہ گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک ظاہر گناہ ہوتے ہیں اور ایک مخفی گناہ۔ جو گناہ کسی کے باطن سے تعلق رکھتے ہیں ان کے متعلق شریعت نے ہمیں یہ ہدایت دے دی ہے کہ ہم ان کے بارہ میں جستجو نہ کیا کریں لیکن جو ظاہر گناہ ہوتے ہیں وہ چونکہ ہر ایک کو دکھائی دیتے ہیں اس لئے ان کے بارہ میں تجسس کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اب دیکھو کیا یہ عجیب نہیں کہ یہ نئی پارٹی جو ہمارے خلاف نکلی ہے اسی طرح جو پیغامی ہمارے خلاف مضامین لکھتے رہتے ہیں ان میں سے اکثر ڈاڑھی مُنڈے ہوتے ہیں۔ اب بتاؤ کیا اللہ اور اس کے رسول کی حمایت کا جوش انہی لوگوں میں زیادہ ہوا کرتا ہے جو شریعت کی اس طرح کھلے طور پر ہتک کرنے والے ہوں۔ وہ اصلاح کا دعویٰ کرتے ہوئے اُٹھے ہیں مگر ان کے اپنے بیٹے اور رشتہ دار اور دوسرے قریبی سب ڈاڑھیاں مُنڈواتے ہیں۔ وہ ہمارے خلاف جب لکھنے پر اُترتے ہیں تو وہ ہمارے ان گناہوں کے متعلق بھی لکھ جاتے ہیں جو مخفی ہوتے ہیں اور جن کے متعلق شریعت انہیں یہ اجازت نہیں دیتی کہ وہ ان کا ذکر کریں مگر کیا انہوں نے اپنا منہ کبھی شیشہ میں نہیں دیکھا اور کیا مصلح ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ ممکن ہے وہ کہہ دیں کہ ہم نے کبھی شیشہ استعمال نہیں کیا مگر خدا نے ان کو آنکھیں تو دی ہیں وہ دیکھ سکتے ہیں کہ ان کے اپنے بیٹوں اور بھتیجوں اور دوسرے رشتہ داروں کی کیا صورت ہے اور کیا ایسی صورتیں ہی لوگوں کی اصلاح کیا کرتی ہیں۔

پھر ان لوگوں کے اخلاق کی حالت یہ ہے کہ میں ابھی سندھ میں ہی تھا کہ وہاں مجھے ایک رسالہ ملا جس میں لکھنے والے نے یہ ذکر کیا تھا کہ میں نے ایک رجسٹرڈ خط آپ کو بھجوایا تھا جس میں فلاں بات میں نے بیان کی تھی مگر اس کا مجھے کوئی جواب نہیں ملا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ خط دفتر نے میرے سامنے پیش ہی نہیں کیا تھا۔ کیونکہ جیسا کہ انہوں نے مجھے بتایا انہوں نے اس کے پیش کرنے کی ضرورت نہ سمجھی اور دفتر متعلقہ میں بھجوا دیا۔ بہر حال وہ

رسالہ شیخ غلام محمد صاحب کا تھا جو اِنہی پیغامیوں میں سے الگ ہو کر آجکل مصلح موعود ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ میں اُن دنوں چونکہ قدرے فارغ تھا اس لئے میں نے اس رسالہ کو کھولا اور اسے پڑھنا شروع کر دیا۔ اس رسالہ میں لکھا ہوا تھا کہ ایک پیغامی ڈاکٹر یہ بیان کرتا ہے کہ میں مرزا محمود احمد صاحب سے قادیان ملنے کیلئے گیا تو مجھے معلوم ہوا کہ انہوں نے شراب پی ہوئی ہے اور جب انہیں پتہ لگا کہ میں ان سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں تو وہ ڈر سے کہ نشہ چڑھا ہوا ہے ایسا نہ ہو کہ اسے پتہ لگ جائے چنانچہ انہوں نے ملاقات میں دو تین گھنٹے دیر لگا دی اور کہہ دیا کہ میں ابھی نہیں مل سکتا۔ دو تین گھنٹے انتظار کے بعد انہوں نے مجھے بلوایا اور میں نے جاتے ہی فوراً پہچان لیا کہ انہوں نے شراب پی ہوئی تھی کیونکہ ان کے منہ سے شراب کی بو آ رہی تھی۔ مگر انہوں نے اس بات کو چھپانے کے لئے عطر مل رکھا تھا۔ شیخ غلام محمد صاحب نے اس رسالہ میں یہ بھی لکھا تھا کہ میں نے اس مضمون کا رجسٹری خط امام جماعت احمدیہ کو بھجوایا تھا مگر مجھے اس کا کوئی جواب نہیں ملا۔ اب میں انہیں اس رسالہ کے ذریعہ توجہ دلاتا ہوں اور بتاتا ہوں کہ پیغامیوں کے حلقہ میں آپ کے متعلق یہ بات زور سے پھیلی ہوئی ہے۔ میں نے پرائیویٹ سیکرٹری کو ہدایت دی کہ آپ اس پیغامی ڈاکٹر کو ایک رجسٹرڈ خط لکھیں جس میں اُن سے دریافت کریں کہ یہ بات جو شائع ہوئی ہے کہاں تک درست ہے۔ ہمارا یہ حق نہیں کہ ہم خود بخود یہ فیصلہ کر لیں کہ آپ نے واقعہ میں یہ کہا ہوگا۔ چونکہ یہ بات شائع ہو چکی ہے اس لئے آپ ہمیں بتائیں کہ یہ بات صحیح ہے یا غلط میری غرض یہ تھی کہ اگر اُنہوں نے جواب دیا تو اصل بات خود ان کی زبان سے معلوم ہو جائے گی اور اگر جواب نہ دیا تو یہ اِس بات کا ثبوت ہوگا کہ انہوں نے واقعہ میں یہ بات کہی ہے۔ ایک مہینہ گزرنے کے بعد میں نے پرائیویٹ سیکرٹری صاحب سے دریافت کیا کہ کیا ان کا کوئی جواب آیا ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ کوئی جواب نہیں آیا۔ اِس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ ان لوگوں کی اخلاقی حالت کس قدر گری ہوئی ہے۔

حالانکہ واقعہ صرف یہ تھا کہ شیخ محمد نصیب صاحب کو اپنے ہمراہ لے کر وہ میری ملاقات کے لئے آئے۔ پرائیویٹ سیکرٹری نے کہا کہ آجکل ملاقاتیں تو بند ہیں مگر چونکہ آپ خاص

طور پر ملاقات کے لئے ہی آئے ہیں اس لئے میں اطلاع کرا دیتا ہوں۔ انہوں نے مجھے اطلاع کی اُس وقت میری بیوی ایک خادمہ کے ساتھ مل کر کمروں کی صفائی کر رہی تھی اور گرد و غبار اُڑ رہا تھا۔ میں نے خیال کیا کہ اگر برآمدہ میں بھی ہم بیٹھے تو مٹی اور گرد کی وجہ سے انہیں تکلیف ہوگی اس لئے بہتر یہی ہے کہ پہلے کمروں کی صفائی کر لی جائے۔ چنانچہ میں نے انہیں کہا کہ کمروں کی صفائی ہو رہی ہے اور اِس وقت گرد و غبار اُڑ رہا ہے صفائی ہولے تو میں ان کو بلوا لوں گا۔ انہیں پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے جا کر یہ بات کہی تو کہنے لگے کہ اچھا اس دوران میں ہم مقبرہ بہشتی وغیرہ دیکھ آتے ہیں چنانچہ وہ چلے گئے اور میں نے ساتھ مل کر جلدی جلدی مکان کو صاف کیا اور پھر گھنٹی بجائی۔ پرائیویٹ سیکرٹری آئے تو میں نے انہیں کہا کہ اب انہیں ملاقات کیلئے لے آئیے۔ وہ کہنے لگے ابھی تو وہ آئے نہیں جب آئیں گے تو میں اطلاع کر دوں گا چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد وہ آ گئے اور میں نے انہیں ملاقات کے لئے بلا لیا اور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تک ان سے باتیں کرتا رہا مگر باوجود اِس کے کہ میں نے ان سے اُن دنوں میں ملاقات کی جب کہ سب دوستوں سے ملاقاتیں بند ہیں اور باوجود اس کے کہ میں نے ان کیلئے اپنے وقت میں سے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ قربان کیا اور باوجود اس کے کہ میں نے ان ہی کی خاطر جلدی جلدی مکان کو صاف کرایا اور خود بھی اس صفائی میں شریک ہو گیا اور گرد و غبار میں میں نے انہیں اس لئے نہ بلایا کہ انہیں تکلیف ہوگی اُنہوں نے اس احسان کا بدلہ یہ دیا کہ چونکہ ملاقات کرنے میں انہوں نے دیر لگائی تھی اس لئے معلوم ہوا کہ انہوں نے شراب پی ہوئی تھی۔ اگر یہ اصول درست ہے تو اس کے بعد ہمارا بھی حق ہوگا کہ مولوی محمد علی صاحب سے اگر کوئی مبائع ملنے کے لئے جائے اور وہ نہ ملیں یا ملنے میں دیر لگا دیں تو ہم کہہ دیں گے کہ مولوی محمد علی صاحب نے شراب پی ہوئی تھی اس لئے انہوں نے ملاقات میں دیر لگا دی۔ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس سنت پر کہ آپ عطر ملا کرتے تھے[۴] عطر کے متعلق آپ نے فرمایا ہے کہ وہ مجھے بہت ہی محبوب ہے، عمل کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ عطر لگانے والے نے شراب پی ہوتی ہے تو پھر ہمارا بھی حق ہوگا کہ ہم مولوی محمد علی صاحب کو جب عطر لگائے ہوئے دیکھیں کہہ دیں کہ انہوں نے شراب پی ہوئی تھی جس

کی بو کو دور کرنے کے لئے انہوں نے عطر لگا لیا۔ حالانکہ عطر وہ چیز ہے جس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے دنیا میں جو چیزیں محبوب ہیں ان میں ایک عطر بھی ہے۔[۵]

مجھے بھی عطر بڑا محبوب ہے اور میں ہمیشہ کثرت کے ساتھ عطر لگایا کرتا ہوں۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ میں بخاری ہاتھ میں لئے حضرت خلیفہ اوّل سے پڑھنے کے لئے جا رہا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے دیکھ لیا اور فرمایا کہاں جا رہے ہو؟ میں نے عرض کیا حضرت مولوی صاحب سے بخاری پڑھنے جا رہا ہوں۔ فرمانے لگے مولوی صاحب کو میری طرف سے کہنا کہ ایک حدیث میں یہ ذکر بھی آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن نئے کپڑے بدلتے اور عطر لگایا کرتے تھے اِس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل اپنی سادگی میں بعض دفعہ بغیر کپڑے بدلے جمعہ کے لئے تشریف لے آیا کرتے تھے۔ میں نے جا کر اِسی رنگ میں ذکر کر دیا۔ حضرت مولوی صاحب یہ سن کر ہنس پڑے اور فرمانے لگے حدیث تو ہے مگر یوں ہی کچھ غفلت ہو جاتی ہے۔ تو عطر لگانا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے مگر ان کے نزدیک جو شخص عطر ملتا ہے وہ اس بات کا ثبوت مہیا کرتا ہے کہ گویا اس نے شراب پی ہوئی تھی جس کی بو کو زائل کرنے کیلئے اس نے عطر لگا لیا۔ ایسے لوگوں کو ملاقات کا موقع دینا میرے نزدیک ظلم ہے کیونکہ عقلمند لوگ کہا کرتے ہیں کہ جو لوگ اہل نہ ہوں ان پر احسان بھی نہیں کرنا چاہئے۔ پس یہ لوگ اس قسم کے اخلاق کے مالک ہیں کہ ان کے ساتھ شرافت اور خوش خلقی کے ساتھ پیش آنا بھی اپنا نقصان آپ کرنا ہے۔

ذرا غور کرو کہ ملاقاتیں بند تھیں میں اپنی جماعت کے دوستوں سے بھی نہیں ملتا تھا۔ گھر میں صفائی ہو رہی تھی، گرد اُڑ رہی تھی سامان اِدھر اُدھر بکھرا ہوا تھا اور میں محض اس لئے کہ ایک پیغامی دوست ملنے کے لئے آئے ہیں جلدی جلدی صفائی کروانے لگا اور خود بھی اس صفائی میں شریک ہوا اور جب ان صاحب کو ملاقات کا موقع دیا تو وہ گھر جا کر کہنے لگ گئے کہ انہوں نے شراب پی ہوئی تھی تبھی ملنے میں دیر لگائی۔ یہ لوگ اگر دنیا کی اصلاح کرنے والے ہیں تو پھر اصلاح ہو چکی۔ مگر اس قسم کے صرف چند لوگ ہی ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ

سارے غیر مبائعین ایسے ہی ہوں آخر ان میں شریف اور نیک لوگ بھی ہیں تبھی بعض شریف الطبع لوگ ان سے علیحدہ ہو کر ہم میں شامل ہوتے رہتے ہیں۔ پس اس قسم کی عداوت رکھنے والے لوگ بہت کم ہوتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال ہو تو بڑے بڑے معاندین کو بھی ہدایت نصیب ہو جاتی ہے۔

ابھی سیالکوٹ میں ایک دوست احمدیت میں داخل ہوئے ہیں۔ شیخ روشن الدین صاحب تنویر ان کا نام ہے اور وکیل ہیں۔ جب مجھے ان کی بیعت کا خط آیا تو میں نے سمجھا کہ کالج کے فارغ التحصیل نوجوانوں میں سے کوئی نوجوان ہوں گے مگر اب جو وہ ملنے کے لئے آئے اور شوریٰ کے موقع پر میں نے انہیں دیکھا تو ان کی داڑھی میں سفید بال تھے۔ میں نے چوہدری اسد اللہ خان صاحب سے ذکر کیا کہ میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ نوجوان ہیں اور ابھی کالج میں سے نکلے ہیں مگر ان کی تو داڑھی میں سفید بال آئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ یہ تو دس بارہ سال کے وکیل ہیں۔ پہلے احمدیت کے سخت مخالف ہوا کرتے تھے مگر احمدی ہو کر تو اللہ تعالیٰ نے انکی کایا ہی پلٹ دی ہے۔

اِسی طرح قادیان کا ہی ایک واقعہ ہے جو حافظ روشن علی صاحب نے سنایا وہ فرماتے تھے کہ میں ایک دفعہ جلسہ سالانہ کے ایام میں مدرسہ احمدیہ کی طرف سے آرہا تھا کہ میں نے دیکھا ایک چھوٹی سی ٹولی جس میں چار پانچ آدمی ہیں مہمان خانے کی طرف سے آرہی ہے اور دوسری طرف ایک بڑی ٹولی جس میں چالیس پچاس آدمی ہیں باہر کی طرف سے آرہی ہے وہ دونوں جماعتیں ایک دوسرے کو دیکھ کر ٹھہر گئیں اور پھر انہوں نے آگے بڑھ کر آپس میں لپٹ کر رونا شروع کر دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھ پر اِس نظارے کا عجیب اثر ہوا اور میں نے آگے بڑھ کر اُن سے پوچھا کہ تم روتے کیوں ہو؟ اس پر وہ جو زیادہ تھے انہوں نے بتایا کہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ جو آپ کو تھوڑے نظر آرہے ہیں یہ ہمارے گاؤں میں سب سے پہلے احمدی ہوئے۔ ہم لوگوں کو ان کا احمدیت میں داخل ہونا اتنا بُرا معلوم ہوا اتنا بُرا معلوم ہوا کہ ہم نے ان پر ظلم کرنے شروع کر دیئے اور یہاں تک ظلم کئے کہ یہ اپنی جائیدادیں اور مکان وغیرہ چھوڑ کر دور کسی اور شہر میں جا بسے۔ کچھ عرصہ کے بعد ہمیں بھی خدا تعالیٰ نے ہدایت دی اور ہم بھی

احمدیت میں داخل ہو گئے لیکن نہ ہمیں ان کی خبر تھی کہ یہ کہاں ہیں اور نہ اِنہوں نے پھر ہمارے متعلق کوئی خبر حاصل کی ۔ آج جلسہ سالانہ پر ہم آئے ہوئے تھے کہ اِدھر سے ہم آ نکلے اور اُدھر سے یہ آ نکلے اور ہم نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ ہمیں ان کو دیکھ کر وہ وقت یاد آ گیا جب ہم ان پر ظلم وستم کیا کرتے تھے اور جب خدا کی آواز پر لبیک کہنے کی وجہ سے ہم نے ان کو ان کے گھروں سے نکال دیا اور انہیں بھی وہ زمانہ یاد آ گیا جب ہم نے انہیں دُکھ دیئے تھے اور ہم دونوں بیتاب ہو کر رونے لگ گئے ۔ تو بڑے بڑے دشمن ہدایت پا جاتے ہیں اور بڑے بڑے مخالف راہِ راست پر آ جاتے ہیں پس تم یہ مت سمجھو کہ چونکہ غیر مبائعین تمہارے دشمن ہیں اِس لئے انہیں ہدایت نہیں مل سکتی ۔ ہدایت خدا تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل جب نازل ہو تو تمام کدورتیں دل سے چلی جاتیں ہیں ۔ ہاں بے شک انہوں نے جماعت میں تفرقہ پیدا کیا ہے اور اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کو انہوں نے اپنے اوپر ناراض کیا ہے ۔ مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ کی بخشش وسیع ہے اور اس کی رحمتوں کا کوئی شمار نہیں ۔

پس تم ناامید مت ہو اور تبلیغ میں لگے رہو اور صداقت ان کے سامنے متواتر پیش کرتے رہو تا ان میں سے جو سعید روحیں ہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو کھینچ کر ہماری طرف لے آئے اور اس فتنہ کو جس کے متعلق یہ مقدر معلوم ہوتا ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ اور کسی نہ کسی صورت میں ضرور قائم رہے گا ، جس حد تک کم ہو سکتا ہو کم کر دے تا ہدایت کو قبول کرنے کے راستہ میں جو روکیں حائل ہیں وہ زیادہ سے زیادہ دور ہو جائیں اور ہدایت کی تائید میں جو سامان ہیں وہ زیادہ سے زیادہ ترقی کر جائیں ۔ (الفضل ۲۱ /اپریل ۱۹۴۰ء)

---

۱ البدر ۲ /جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۶

۲ السیرة الحلبیة الجزء الثانی باب غزوة بدر الکبریٰ صفحہ ۳۷۵ مطبوعہ بیروت لبنان ۲۰۱۲ء

۳ مریم: ۹۱

۴ بخاری کتاب اللباس باب الطیب فی الراس واللحیة صفحہ ۱۰۳۹ حدیث نمبر ۵۹۲۳ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانیة

۵ سنن النسائی کتاب عشرة النساء باب حب النساء صفحہ ۴۶۹ حدیث نمبر ۳۳۹۱ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الاولیٰ

خلافت کے مخالفین کا ذکر

خطبہ جمعہ ۷ جون ۱۹۴۰ء میں حضور نے اپنے ایک خواب کا ذکر کرتے ہوئے خلافت کے مخالفین کا ذکر کیا آپ فرماتے ہیں :۔

'' میں نے ایک خواب دیکھا پہلے تو میں سمجھتا تھا کہ اس کا مطلب کچھ اور ہے مگر اب میں سمجھتا ہوں کہ شاید یہ ان کے اور ان کی قماش کے دوسرے لوگوں کے متعلق ہو۔ میں نے دیکھا کہ ایک چارپائی ہے جس پر میں بیٹھا ہوں۔ سامنے ایک بڑھیا عورت جو بہت ہی کریہہ المنظر ہے کھڑی ہے اس نے دو سانپ چھوڑے ہیں جو مجھے ڈسنا چاہتے ہیں۔ وہ چارپائی کے نیچے ہیں اور سامنے نہیں آتے تا جب میں نیچے اتروں تو پیچھے سے کود کر ڈس لیں۔ میرا احساس یہ ہے کہ ان میں سے ایک چارپائی کے ایک سرے پر ہے اور دوسرا دوسرے سرے پر تا میں جدھر سے جاؤں حملہ کرسکیں۔ میں کھڑا ہوگیا ہوں اور جلدی جلدی کبھی پائنتی کی طرف جاتا ہوں اور کبھی سرہانے کی طرف۔ میں خیال کرتا ہوں کہ جب میں پائنتی کی طرف جاؤں گا تو سرہانے کی طرف کا سانپ اس طرف دوڑے گا اور جب سرہانہ کی طرف آؤں گا تو پائنتی والا اس طرف آئے گا اور اس طرح میں ان کو جھانسہ دے کر نکل جاؤں گا۔ پانچ سات مرتبہ اس طرح کرنے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ اب دونوں سانپ ایک ہی طرف ہیں اور میں دوسری طرف سے کود پڑا۔ جب نیچے اترا تو میں نے دیکھا کہ واقعی وہ دونوں دوسری طرف تھے۔ میں فوراً ان کی طرف منہ کرکے کھڑا ہوگیا۔ ان میں سے ایک نے مجھ پر حملہ کیا اور میں نے اسے مار دیا پھر دوسرے نے حملہ کیا اور میں نے اسے مارا۔ مگر میں سمجھتا ہوں ابھی وہ کچھ زندہ سا ہی ہے۔ اس جگہ کے پہلو میں ایک علیحدہ جگہ ہے میں ہٹ کر اس کی طرف چلا گیا ہوں۔ وہاں ایک نہایت خوبصورت نوجوان ہے۔

جو میں سمجھتا ہوں فرشتہ ہے اور گویا میری مدد کے لئے آیا ہے۔ وہ عورت چاہتی ہے کہ اس سانپ کو پکڑ کر مجھ پر پھینکے مگر وہ نوجوان میرے آگے آ گیا اور میری حفاظت کرنے لگا۔ عورت نے نشانہ تاک کر اس پر مارا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی فوق العادت طاقت کا ہے۔ اس نے اسے سر سے پکڑ لیا اور چاقو نکال کر اس کی گردن کاٹ دی۔ اس عورت نے پھر اس کٹی ہوئی گردن کو اُٹھایا اور ہماری طرف پھینکنا چاہتی ہے۔ کبھی اس کی طرف نشانہ باندھتی ہے اور کبھی میری طرف۔ مگر اس فرشتہ نے مجھے پیچھے کر دیا اور خود آگے ہو گیا اور اسے پھینکنے کا موقع نہیں دیتا۔ آخر ایک دفعہ اس عورت نے پھینکا مگر فرشتہ آگے سے ایک طرف ہو گیا۔ سامنے کچی دیوار تھی وہ اس دیوار میں لگا اور اس میں سوراخ ہو گیا وہ اس سوراخ کے اندر ہی گھس گیا۔ میری پیٹھ اس طرف ہے۔ وہ فرشتہ ایک کمرہ کی طرف جو پہلو میں ہے اشارہ کر کے مجھ سے کہتا ہے کہ تم ادھر ہو جاؤ اس سوراخ میں سے یہ سانپ پھر نکلیں گے (گویا ان کی موت مجازی تھی اور جسمانی موت نہ تھی اور ابھی وہ حقیقتاً زندہ تھے)۔ میں نے دیکھا کہ کبھی وہ اس سوراخ میں سے سر نکالتا ہے اور کبھی زبان ہلاتا ہے کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر رُخ کرتا ہے۔ گویا چاہتا ہے کہ ہم ذرا غافل ہوں تو حملہ کر دے۔ جونہی وہ سر نکالتا ہے فرشتہ اس کو ڈراتا ہے اور وہ جھٹ اندر چلا جاتا ہے۔ اتنے میں یکدم یوں معلوم ہوا کہ ایک کی بجائے دو سانپ ہیں اور گویا دوسرا سانپ جسے میں نے مردہ سمجھا تھا وہ بھی درحقیقت زندہ تھا۔ چنانچہ پہلے تو ایک ہی سوراخ تھا مگر یکدم ایک اور نمودار ہو گیا اور دونوں سانپ ان سوراخوں میں سے کود ے اور زمین پر گرتے ہی آدمی بن گئے جو بڑے **قَوِیُّ الْجُثّہ** ہیں۔ اس پر فرشتہ نے کسی عجیب سی زبان میں کوئی بات کی جسے میں نہیں سمجھ سکا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس نے کسی زبان میں جسے میں نہیں جانتا دعائیہ الفاظ کہے ہیں اور وہ الفاظ ''ہا کی پا کی'' کے الفاظ سے مشابہ ہیں۔ مگر چونکہ وہ غیر زبان ہے میں نہیں کہہ سکتا کہ یہی الفاظ ہیں یا ان سے ملتے جلتے کوئی اور الفاظ۔ اس کے دعائیہ الفاظ کا اس کی زبان سے جاری ہونا تھا کہ میں نے دیکھا دونوں حملہ آور قید ہو گئے اور ان میں سے جو میرے قریب تھا میں نے دیکھا کہ اس کے دونوں ہاتھ اوپر اُٹھے اور ان میں ہتھکڑیاں پڑ گئیں مگر اس طرح کہ

ایک کلائی دوسری کے اوپر ہے اور دایاں ہاتھ بائیں طرف کر دیا گیا ہے اور بایاں دائیں طرف کر دیا گیا ہے اور اس کے علاوہ ایک کمان دونوں ہاتھوں پر رکھی گئی ہے اور اس کے ایک سرے سے ایک ہاتھ کی انگلیاں اور دوسرے سرے سے دوسرے ہاتھ کی انگلیاں باندھ دی گئی ہیں۔ دوسرے آدمی کو کس طرح قید کیا گیا ہے میں اچھی طرح نہیں دیکھ سکا۔ پھر فرشتہ نے مجھے اشارہ کیا کہ باہر آجاؤ۔ یہ خواب جب میں نے دیکھا یہ لوگ ابھی پوشیدہ تھے اور اندر ہی اندر اتحاد عالمین کے نام سے اپنی گدی بنانے کی سکیمیں بنا رہے تھے۔ ان کے اندر خود پسندی اور خود ستائی تھی اور اپنی ولایت بگھارتے پھرتے تھے۔ لوگوں سے کہتے تھے کہ ہم سے دعائیں کراؤ۔ حالانکہ خلافت کی موجودگی میں اس قسم کی گدیوں والی ولایت کے کوئی معنی ہی نہیں۔

جیسے گوریلا وار کبھی جنگ کے زمانہ میں نہیں ہوا کرتی۔ چھاپے اسی وقت مارے جاتے ہیں جب باقاعدہ جنگ کا زمانہ نہ ہو۔ خلفاء کے زمانہ میں اس قسم کے ولی نہیں ہوتے۔ نہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں کوئی ایسا ولی ہوا۔ نہ حضرت عمرؓ یا عثمانؓ یا حضرت علیؓ کے زمانہ میں۔ ہاں جب خلافت نہ رہی تو اللہ تعالیٰ نے ولی کھڑے کئے کہ جو لوگ ان کے جھنڈے تلے جمع ہو سکیں انہیں کر لیں تا قوم بالکل ہی تِتّر بِتّر نہ ہو جائے۔ لیکن جب خلافت قائم ہو اس وقت اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جیسے جب منظّم فوج موجود ہو تو گوریلا جنگ نہیں کی جاتی۔''

(الفضل ۱۶؍ جون ۱۹۴۰ء)

خلیفۂ وقت کے مقرر کردہ عہدیداروں کی اطاعت بھی ضروری ہے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۳ستمبر ۱۹۴۰ء بمقام قادیان)

سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

''نظام جہاں اپنے اندر بہت سی برکات رکھتا ہے اور دینی اور دُنیوی ترقیات کے لئے ایک نہایت ضروری چیز ہے وہاں اس میں بہت سی پیچیدگیاں بھی ہوتی ہیں اور جتنا نظام بڑھتا چلا جاتا ہے اتنی ہی اس میں پیچیدگیاں بھی بڑھتی چلی جاتی ہیں۔اس کے مقابلہ میں جتنی کوئی چیز منفرد اور اکیلی ہو اتنی ہی وہ سادہ ہوتی ہے۔پس جہاں نظام کے ذریعہ قوموں اور مذہبوں کو فوائد پہنچتے ہیں وہاں اس کی وجہ سے بعض دفعہ غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں اور جو لوگ نظام سے سچا فائدہ اُٹھانا چاہیں ان کا فرض ہوتا ہے کہ وہ ان غلطیوں کی اصلاح کریں اور اصلاح کرتے چلے جائیں۔اگر ان غلطیوں کی وہ اصلاح نہ کریں تو آہستہ آہستہ وہی نظام جو نہایت مفید ہوتا ہے کسی وقت لوگوں کے لئے عذاب بن جاتا ہے۔یہ جو آجکل ڈکٹیٹرشپ، نازی ازم اور فیسی ازم رائج ہیں یہ بھی نظام کی بگڑی ہوئی صورتیں ہیں۔یہ جو کمیونزم اور بالشوزم کہلاتے ہیں یہ بھی نظام کی بگڑی ہوئی صورتیں ہیں۔ہیں وہ نظام ہی لیکن ان کی کل ٹیڑھی چل گئی اور کل کے بگڑ جانے کی وجہ سے ان میں ایسی خرابیاں پیدا ہوگئیں کہ وہ دنیا کے لئے مصیبت اور عذاب بن گئے۔اسلام نے بھی ایک نظام قائم کیا ہے اور ہمارا دعویٰ ہے کہ وہ نہایت ہی اعلیٰ نظام ہے مگر جس طرح باقی نظام پیچیدہ ہیں ویسے ہی وہ بھی پیچیدہ ہے۔چنانچہ اُمت مسلمہ میں سے ہی وہ ایک گروہ کو اٹھاتا ہے اور اسے اٹھا کر دوسروں

کے لئے ان کی اطاعت واجب کر دیتا ہے۔ بعض لوگ غلط فہمی سے یہ خیال کرتے ہیں کہ صرف خلیفہ ہی واجب الاطاعت ہوتا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم نے صاف طور پر ایسا نظام بتایا ہے جس میں صرف خلیفہ ہی نہیں بلکہ خلیفہ کے مقرر کردہ عہدیدار بھی واجب الاطاعت ہوتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ[1] اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ جیسا کہ کئے گئے ہیں کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کے بعد اُولِي الْاَمْرِ کی مگر اس کے معنی یہ بھی ہیں بلکہ قریب ترین معنی یہی ہیں کہ تم اللہ کی اطاعت کرو۔ تم رسول کی اطاعت کرو اور تم اس زمانہ کے اُولِي الْاَمْرِ کی بھی اطاعت کرو گویا اللہ بھی موجود اور رسول بھی موجود ہے اور اُولِي الْاَمْرِ کی اطاعت بھی ضروری ہے اور یہ وہ معنی ہیں جن کی قرآن کریم کی متعدد آیات سے تصدیق ہوتی ہے۔ مثلاً جہاں خبروں کے پھیلانے کا ذکر ہے وہاں اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے کہ کیوں تم ان لوگوں تک خبریں نہیں پہنچاتے جو بات کو سمجھنے کے اہل ہیں اور جن کے سپرد اس قسم کے امور کی نگرانی ہے گویا وہ ایک جماعت تھی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھی اور لوگوں کو حکم تھا کہ بجائے پبلک میں غیر ذمہ دارانہ طور پر خبریں پھیلانے کے اسے پہنچائی جائیں۔ پس یہ آیت بتاتی ہے کہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسے لوگ موجود تھے جو عام لوگوں سے ایک امتیاز رکھتے تھے اور لوگوں کو حکم تھا کہ وہ ضروری باتیں ان تک پہنچائیں۔ پھر ایک اور دلیل اس بات پر کہ اُولِي الْاَمْرِ کی اطاعت اللہ اور رسول کی موجودگی میں ہی ضروری ہے یہ ہے کہ اللہ کے بعد رسول کی اطاعت نہیں ہوتی بلکہ اُس کی موجودگی میں ہی رسول کی اطاعت ضروری ہوتی ہے۔ یہ معنی نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نَعُوْذُبِاللّٰه فوت ہو جائے تو تم رسول کی اطاعت کرو اور رسول فوت ہو جائے تو اُولِي الْاَمْرِ کی اطاعت کرو بلکہ اللہ کی موجودگی میں رسول کی اطاعت کا حکم ہے۔ اسی طرح رسول کی موجودگی میں ہی اُولِي الْاَمْرِ کی اطاعت اور ان کی فرمانبرداری کا حکم ہے۔

ممکن ہے کہ کوئی اعتراض کر دے کہ رسول کی اطاعت کا تو حکم ہوا مگر خلیفہ کی اطاعت

کا کہاں حکم ہے؟ سو ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ خلیفہ رسول کا قائم مقام ہوتا ہے۔ چنانچہ خلیفہ کے معنی نائب کے ہیں مگر وہ نائب اور قائم مقام اُولِي الْاَمْرِ کا نہیں بلکہ رسول کا ہوتا ہے۔ پس قرآن کریم کا یہ حکم ہے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ اور جب رسول فوت ہو جائے تو تم اس کے خلیفہ کی اطاعت کرو۔ اور اس زمانہ میں اُولِي الْاَمْرِ کی بھی اطاعت کرو۔ کیونکہ کوئی نظام اس وقت تک نہیں چل سکتا جب تک خلیفہ کے مقرر کردہ عہدیداروں کی اطاعت لوگ اپنے لئے ضروری خیال نہ کریں اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ مَنْ اَطَاعَ اَمِيْرِىْ فَقَدْ اَطَاعَنِىْ وَمَنْ عَصٰى اَمِيْرِىْ فَقَدْ عَصَانِىْ [۲] یعنی جس نے میرے مقرر کردہ حاکم کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے مقرر کردہ حاکم کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی کیونکہ میں ہر جگہ نہیں پہنچ سکتا۔ مجھے لازماً کام کو عمدگی سے چلانے کے لئے اپنے نائب مقرر کرنے پڑیں گے۔ اور لوگوں کے لئے ضروری ہوگا کہ ان کی اطاعت کریں اگر وہ اطاعت نہیں کریں گے تو نظام ٹوٹ جائے گا۔ پس ان کی اطاعت درحقیقت میری اطاعت ہے اور ان کی نافرمانی میری نافرمانی۔ تو اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ میں ایک ایسا مکمل نظام پیش کیا گیا ہے جس کے تحت ایک ہی زمانہ میں اللہ کی اطاعت بھی ضروری ہے رسول کی اطاعت بھی ضروری ہے اور اگر رسول نہ ہو تو اس کے خلیفہ کی اطاعت ضروری ہے اور اس زمانہ میں اُولِي الْاَمْرِ کی اطاعت بھی ضروری ہے۔ اللہ ایک ہے رسول ایک ہے خلیفہ بھی ایک ہی ہوگا۔ لیکن اُولِي الْاَمْرِ کئی ہو سکتے ہیں۔ اس لئے اُولِي الْاَمْرِ میں جمع کا صیغہ رکھا گیا ہے کیونکہ یہ کئی ہوں گے اور گو خلیفہ ایک ہوگا مگر اس کے تابع بہت سے عہدیدار ہوں گے۔

یہ اسلامی نظام ہے جسے قرآنِ کریم پیش کرتا ہے اور وہ اُمت محمدیہ کو حکم دیتا ہے کہ اُولِي الْاَمْرِ کی اطاعت کرو۔ لیکن اس میں بعض دفعہ ایک بگاڑ بھی پیدا ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہ غلطی سے اُولِي الْاَمْرِ یہ خیال نہیں کرتے کہ لوگوں پر ان کی جو اطاعت فرض ہے وہ اُولِي الْاَمْرِ ہونے میں ہے زید اور بکر ہونے میں نہیں۔ زید اور بکر ہونے میں تو رسول کی

اطاعت بھی نہیں۔ یوں تو رسول کا مقام ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو یہی حکم دیتا ہے کہ اس کی اطاعت کرو۔مگر خدا نے انہیں جو حق دیا ہے وہ ہر بات میں نہیں اور نہ ہر بات میں انہوں نے کبھی اپنے حق کا اظہار کیا ہے۔ مثلاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وعلی آلہٖ وسلم کو یہ حق نہیں تھا اور نہ آپ نے کبھی ایسا کیا کہ کسی کی بیٹی کا اپنی مرضی سے کسی دوسرے سے نکاح کر دیں۔اسی طرح آپ نے کبھی کسی سے نہیں کہا کہ اپنا مکان فلاں کو دے دو بلکہ آپ نے ان امور میں ان کے اختیارات کو بحال رکھا۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وعلی آلہٖ وسلم کے زمانہ میں ایک لڑکی جو غلام تھی اور اس کا خاوند بھی غلام تھا کچھ عرصہ کے بعد آزاد ہوئی تو اسے شریعت کے ماتحت اس امر کا اختیار دیا گیا کہ چاہے تو وہ اپنے غلام خاوند کے نکاح میں رہے اور چاہے تو نہ رہے۔ اتفاق کی بات ہے بیوی کو اپنے خاوند سے شدید نفرت تھی اور ادھر خاوند کی یہ حالت تھی کہ اس کو بیوی سے عشق تھا۔ جب وہ آزاد ہوئی اور غلام نہ رہی تو اس نے کہا کہ میں اب اس کے پاس نہیں رہ سکتی۔ خاوند کو چونکہ اس کے ساتھ شدید محبت تھی اس لئے جہاں وہ جاتی وہ پیچھے پیچھے چلا جاتا اور رونا شروع کر دیتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم نے اسے اس حالت میں دیکھا تو آپ کو رحم آیا اور آپ نے اس لڑکی سے کہا کہ تم اس کے پاس رہو تمہارا کیا حرج ہے۔اس نے کہا **یَا رَسُوْلَ اللّٰہ!** یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ۔آپ نے فرمایا مشورہ ہے حکم نہیں کیونکہ اب تم آزاد ہو چکی ہو اور شریعت کی طرف سے تمہیں اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ چاہو تو تم اپنے غلام خاوند کے پاس رہو اور چاہو تو نہ رہو۔اس نے کہا **یَا رَسُوْلَ اللّٰہ!** اگر یہ آپ کا مشورہ ہے تو پھر میں اسے ماننے کے لئے تیار نہیں۔ مجھے اس سے نفرت ہے۔تو ذاتی معاملات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کبھی دخل نہیں دیتے تھے۔اسی طرح خلفاء نے بھی کبھی ذاتی معاملات میں دخل نہیں دیا۔خود میرے پاس کئی لوگ آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری لڑکی کا آپ جہاں چاہیں نکاح پڑھا دیں ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔مگر باوجود اس کے کہ آج تک مجھے سینکڑوں لوگوں نے ایسا کہا ہوگا میں نے کسی ایک کی بات بھی نہیں مانی میں نے ہمیشہ کہا ہے کہ کہ مجھ پر کیا آگے ذمہ داریاں کم ہیں کہ اب میں اور ذمہ داریوں کو بھی اُٹھا لوں۔

ممکن ہے میں انتخاب میں کوئی غلطی کر جاؤں اور اس طرح قیامت کے روز خدا تعالیٰ کے حضور مجھے جواب دہ ہونا پڑے۔ پس میں کیوں اس بوجھ کو برداشت کروں۔ شاید ماں باپ یہ سمجھتے ہوں کہ لڑکیوں کا نکاح کرتے وقت ان پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ مگر میرے نزدیک والدین پر بہت بڑی ذمہ داری ہوتی ہے اور ان کا فرض ہوتا ہے کہ وہ سوچ سمجھ کر اور دعاؤں سے کام لینے کے بعد اپنی لڑکیوں کا نکاح کیا کریں۔ اگر وہ بے احتیاطی سے کام لیں گے تو یقیناً وہ خدا تعالیٰ کے حضور جوابدہ ہوں گے پس جبکہ نکاح کرانا ایک خاص ذمہ داری کا کام ہے تو بالکل ممکن ہے مجھ سے کسی کے معاملہ میں کوئی بے احتیاطی ہو جائے اور قیامت کے دن باپ تو آزاد ہو جائے اور میں اس کا جواب دہ ٹھہر جاؤں۔ پس باوجود اس کے کہ میرے زمانہ خلافت میں سینکڑوں لوگوں نے مجھے یہ کہا ہوگا کہ آپ جہاں چاہیں میری لڑکیوں کا نکاح کر دیں۔ مجھے اس وقت ایک مثال بھی ایسی یاد نہیں جس میں میں نے دخل دیا ہو اور اپنی مرضی سے ان کی لڑکیوں کا کہیں نکاح کر دیا ہو۔ میں ہمیشہ انہیں یہی جواب دیتا ہوں کہ جب مجھے کسی رشتہ کا علم ہوا تو آپ کو اطلاع دے دوں گا۔ آگے یہ ماں باپ کا فرض ہے کہ وہ غور کر لیں کہ وہ یہ رشتہ ان کے لئے موزوں ہے یا نہیں۔ ایسے موقع پر بعض لوگ اصرار بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں میں نے اپنی لڑکیوں کا معاملہ آپ کے سپرد کر دیا ہے مگر میں یہی کہتا ہوں کہ میں اس کے لئے تیار نہیں۔ ہاں جب بھی مجھے رشتوں کا علم ہوگا میں لڑکے آپ کے سامنے پیش کرتا چلا جاؤں گا۔ آپ کو پسند آئیں تو لیتے جائیں اور اگر پسند نہ آئیں تو ردّ کرتے جائیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اُولِي الْاَمْرِ کو جو حکومت دی ہے وہ ذاتی معاملات میں نہیں قومی معاملات میں ہے۔ رسول کو بھی اور خلیفہ کو بھی اور اُولِي الْاَمْرِ کو بھی یہ قطعاً حق حاصل نہیں کہ وہ ذاتی معاملات میں لوگوں پر رُعب جتائیں۔ مثلاً مجھے یہ حق نہیں کہ میں جماعت کے کسی آدمی سے یہ کہوں کہ میں چونکہ خلیفہ ہوں اس لئے تم میری نوکری کرو اور جو تنخواہ میں دوں وہ قبول کرو۔ یہ خلافت کا کام نہیں بلکہ ایک دنیوی کام ہے اور دوسرے شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ اگر چاہے تو انکار کر دے چاہے یہی کہے کہ میں نوکر نہیں ہونا چاہتا اور چاہے یہ کہے کہ جو تنخواہ آپ دیتے ہیں وہ مجھے منظور نہیں اسے

کوئی گناہ نہیں ہوگا کیونکہ شریعت نے ان معاملات میں اسے آزادی بخشی ہے۔ یا فرض کرو میں اپنا مکان بنانے کے لئے کسی دوست سے کوئی زمین خریدنا چاہتا ہوں تو ہر شخص کا حق ہے کہ وہ اگر چاہے تو انکار کر دے۔ مثلاً یہی کہہ دے کہ جو قیمت آپ دینا چاہتے ہیں اس پر میں زمین فروخت کرنے کے لئے تیار نہیں۔ یا یہ کہہ دے کہ میں زمین بیچنا ہی نہیں چاہتا۔ بہرحال یہ اس کا حق ہے جسے وہ استعمال کرسکتا ہے۔ یہی حال اُولِی الْاَمْرِ کا ہے۔ ہماری جماعت میں بھی کچھ ناظر ہیں اور کچھ ناظروں کے ماتحت عہدیدار مقرر ہیں۔ ان ناظروں اور عہدیداروں کو بھی وہی محدود اختیارات حاصل ہیں جو جماعتی نظام سے تعلق رکھتے ہیں۔ جہاں ایسے کاموں کا سوال آ جائے گا جو نظام جماعت سے تعلق نہیں رکھتے وہاں اگر بعض لوگ ان کے کرنے سے انکار کر دیں تو یہ ان کا حق سمجھا جائے گا۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ میرے پاس ایسی رپورٹیں پہنچتی رہتی ہیں کہ بعض آدمی ذاتی کام لیتے وقت اپنے عہدہ کے جتانے کے عادی ہیں۔ اور وہ بات کرتے وقت دوسروں سے کہہ دیتے ہیں کہ تم جانتے ہو میں کون ہوں میں ناظر امور عامہ ہوں یا ناظر تعلیم وتربیت ہوں یا ناظر اعلیٰ ہوں یا فلاں عہدیدار ہوں۔ اس قسم کے الفاظ کا دہرانا یقیناً اس ذمہ داری کے ادا کرنے کے خلاف ہے جس کا اسلام ان سے مطالبہ کرتا ہے۔ ہر شخص جسے خدا نے بعض معاملات میں آزادی دے رکھی ہے اس کے متعلق ہم یہ حق نہیں رکھتے کہ اس کی آزادی کو سلب کریں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی مثال موجود ہے۔ آپ نے ذاتی معاملات میں کبھی دخل نہیں دیا۔ آپ نے بریرہ سے یہ نہیں کہا کہ میں خدا کا رسول ہوں تم میری بات مان لو۔ بلکہ فرمایا کہ یہ میرا ذاتی مشورہ ہے اسے ماننا یا نہ ماننا تمہارے اختیار کی بات ہے۔ اسی طرح بعض سودے ہوئے جن کے متعلق آپ نے صحابہؓ سے یہی فرمایا کہ لوگوں سے مشورہ کرلو اور جو کچھ صحیح سمجھو اس کے مطابق کام کرو۔

تو جماعت کے ذمہ دار کارکنوں کو میں ہدایت کرتا ہوں کہ وہ اپنے عہدے لوگوں کو ڈرانے کے لئے استعمال نہ کیا کریں۔ جو شخص کسی جھگڑے کے موقع پر یہ کہتا ہے کہ تم جانتے

ہو میں کون ہوں میں ناظر امور عامہ ہوں یا ناظر تعلیم وتربیت ہوں یا ناظر اعلیٰ ہوں وہ اپنے عمل سے یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ نظارت کو دوسرے معاملات میں بالا سمجھتا ہے۔ حالانکہ نظارت کا اپنا ایک محدود دائرہ ہے۔اس دائرہ سے باہر اس کے اختیارات نہیں یا سلسلہ کا کوئی مربی اور کارکن ایسے مواقع پر اگر یہ کہتا ہے کہ تم جانتے ہو میں کون ہوں میں سلسلہ کا مربی ہوں یا سلسلہ کا کارکن ہوں تو وہ اپنے عہدے کا ناجائز استعمال کرتا ہے۔ مثلاً دو آدمی آپس میں جھگڑ رہے ہوں تو اگر ایک ایسا شخص جسے نظام نے لوگوں کے جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کے لئے مقرر نہیں کیا وہاں جا کر کہتا ہے کہ میں سلسلہ کا مربی ہوں یا سلسلہ کا کارکن ہوں تو اس کے متعلق یہی سمجھا جائے گا کہ اس نے اپنا عہدہ دوسروں پر رُعب جتانے کے لئے استعمال کیا ہے کیونکہ مربی کا کام لوگوں کی تربیت واصلاح کرنا ہے نہ کہ جھگڑوں کا فیصلہ کرنا۔ اس کا یہ ہرگز حق نہیں کہ وہ لوگوں کے جھگڑوں کا فیصلہ کرے یا اپنا فیصلہ لوگوں سے منوائے۔ ہاں اگر کوئی قاضی ہو تو وہ ایسا کہہ سکتا ہے اور اپنا فیصلہ بھی اس جھگڑے کے متعلق دے سکتا ہے۔تو یہ ایک ایسی غلطی ہے جس کی اصلاح نہایت ضروری ہے ۔ پس میں جماعت کے تمام عہدیداروں کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ اس بارہ میں احتیاط ملحوظ رکھیں اور عَلَی الْاِعْلَان خطبہ جمعہ میں میں نے اس کا اظہار اس لئے کیا ہے تا دوسرے لوگ بھی نگران رہیں اور جب سلسلہ کے کارکنوں میں سے کوئی اس کی خلاف ورزی کرے تو اس کی فوری طور پر میرے پاس رپورٹ کریں۔

میں اس بارہ میں اپنا ہی ایک واقعہ سنا دیتا ہوں جس میں میرا نام ایک موقع پر ناجائز طور پر استعمال کیا گیا تھا۔مگر جب مجھے معلوم ہوا تو میں نے اس افسر کو سختی سے ڈانٹا۔ وہ واقعہ یہ ہے جیسا کہ دوستوں کو معلوم ہے ہم قادیان کے اِردگرد دیہات میں اپنے لئے زمینیں خریدتے رہتے ہیں۔اسی سلسلہ میں ہماری طرف سے ایک زمین کا سودا ہوا۔مگر ابھی یہ سودا ہو ہی رہا تھا کہ ننگل کے ایک شخص نے ہم سے زیادہ قیمت دے کر اس زمین کو خرید لینا چاہا۔ اس پر ہمارے مختار نے اُسے کہا کہ تم خلیفۃ المسیح ثانی کا مقابلہ کرتے ہو یہ تمہارے لئے اچھی بات نہیں۔ مجھے جب اس بات کا علم ہوا تو میں نے انہیں ڈانٹا اور کہا کہ اس میں خلیفۃ المسیح کا

کیا تعلق ہے یہ سودا خلیفۃ المسیح سے نہیں بلکہ مرزا محمود احمد سے ہو رہا تھا اور دوسرا فریق اس بات کا حق رکھتا تھا کہ اگر وہ چاہے تو سودے سے انکار کر کے کسی دوسرے سے سودا شروع کر دے۔

یہ زمیندارہ معاملہ ہے اور اس میں دوسرا شخص اختیار رکھتا ہے کہ وہ چاہے تو مان لے اور چاہے تو نہ مانے اس میں خلافت یا خلیفۃ المسیح کا کوئی سوال نہیں اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ دوسرے نے خلیفۃ المسیح کا مقابلہ کیا۔ گو اخلاقی طور پر میرے نزدیک دوسرے فریق کی غلطی تھی کیونکہ جب کوئی شخص سودا کر رہا ہو تو دوسرے کو اس میں دخل نہیں دینا چاہئے مگر شریعت میں چونکہ یہ بھی مسئلہ ہے کہ جب تک کچھ پیشگی رقم نہ دے دی جائے اس وقت تک سودا مکمل نہیں ہوسکتا اس لئے دوسرے کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ چاہے تو سودے سے انکار کر دے اور کسی دوسرے شخص کو زیادہ قیمت پر دے دے۔ بہر حال ہمارے ملک میں چونکہ عام طور پر لوگوں کو اپنے عہدے جتانے کی عادت ہے جیسے تحصیل دار کہہ دیا کرتے ہیں کہ تم جانتے ہو ہم کون ہیں ہم تحصیلدار ہیں یا ڈپٹی کمشنر کہہ دیا کرتے ہیں تم جانتے ہو ہم کون ہیں ہم ڈپٹی کمشنر ہیں۔ اسی طرح انہوں نے بھی دھمکی دے دی اور کہا کہ تم جانتے ہو یہ سودا خلیفۃ المسیح کر رہے ہیں پس تم کسی اور سے نہیں بلکہ خلیفۃ المسیح کا مقابلہ کر رہے ہو حالانکہ یہ زمین خلیفۃ المسیح نہیں بلکہ مرزا محمود احمد خرید رہا تھا اور مرزا محمود احمد کے مقابلہ میں ایسے معاملات میں ہر شخص خواہ وہ احمدی ہو یا نہ ہو اس بات کا حق رکھتا ہے کہ وہ اگر چاہے تو انکار کر دے۔ غرض اخلاقی طور پر گو اس سے غلطی ہوئی مگر میں نے پسند نہ کیا کہ میں واقف ہو کر اس کی ناواقفیت سے فائدہ اٹھالوں۔ تو لوگ بلا وجہ اپنے عہدوں سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اسی طرح جو عہدیدار ہیں ان کی عورتوں کے متعلق میرے پاس شکایت آتی رہتی ہے کہ وہ بھی دوسروں پر رُعب جمانا چاہتی ہیں گویا جو احترام ناظر امور عامہ کو حاصل ہے وہی ناظر امور عامہ کی بیوی بھی حاصل کرنا چاہتی ہے اور جس طرح ملکہ کو ایک حق حاصل ہوتا ہے اسی طرح وہ بھی اپنا حق جتانا چاہتی ہے حالانکہ ناظر امور عامہ کی بیوی کو کوئی حق نہیں کہ وہ لوگوں پر رُعب جمائے وہ جماعت میں محض ایک فرد کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر جماعت سے لوگ اس

لحاظ سے کہ اس کا خاوند قوم کا ایک خادم ہے اس کی عزت کریں تو یہ ایک اچھی بات ہے لیکن محض اس وجہ سے کہ وہ ناظر امور عامہ کی بیوی ہے یا ناظر امور خارجہ کی بیوی ہے یا ناظر ضیافت کی بیوی ہے یا ناظر بیت المال کی بیوی ہے یا ناظر تعلیم وتربیت کی بیوی ہے یا ناظر اعلیٰ کی بیوی ہے اس کو کوئی حق حاصل نہیں کہ وہ دوسروں پر رُعب جتائے۔ وہ جماعت کا ایک ویسا ہی فرد ہے جیسے کوئی معمولی سے معمولی شخص کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو بعض لوگوں کو رتبہ دیا ہے وہ کام کے لحاظ سے دیا ہے اور ان سے تعلق رکھنے والوں کو یہ قطعاً حق حاصل نہیں کہ وہ ان کے رتبہ سے ناجائز فائدہ اٹھا کر لوگوں پر رُعب جتانا شروع کر دیں۔ میری جب وصیت شائع ہوئی تو بعض انگریزی اخبارات کے نمائندے مجھ سے ملنے کے لئے آئے۔ اُن کے آنے کی بڑی غرض یہ تھی کہ وہ مجھ سے یہ کہلوانا چاہتے تھے کہ میرے بعد یا تو چوہدری ظفر اللہ خان صاحب خلیفہ ہونگے یا میرا بیٹا ناصر احمد؟ وہ بار بار اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے پھر یہی سوال میرے سامنے پیش کر دیتے اور کہتے کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہوگا۔ کیا چوہدری ظفر اللہ خان صاحب ہونگے یا ناصر احمد۔ میں نے اُنہیں کہا کہ خلافت تو خدا تعالیٰ کی ایک دین ہے اس میں چوہدری ظفر اللہ خان اور ناصر احمد کا ویسا ہی حق ہے جیسے ایک نومسلم چوہڑے کا۔ میں نے انہیں کہا کہ مجھے کیا معلوم اللہ تعالیٰ میرے بعد یہ رُتبہ کس کو دیگا۔ کسی بڑے آدمی کو یا ایک معمولی اور حقیر نظر آنے والے انسان کو۔ مگر وہ دنیاداری کے لحاظ سے سمجھتے تھے کہ میرے بعد خلافت کے اہل یا تو چوہدری ظفر اللہ خان ہیں یا ناصر احمد۔ چنانچہ چکر کھا کر وہ پھر یہی سوال کر دیتے کہ اچھا تو پھر آپ کے بعد کیا صورت ہوگی؟ مگر میں انہیں یہی کہتا رہا کہ مجھے کچھ علم نہیں اللہ تعالیٰ میرے بعد یہ نعمت کس کو عطا کرے گا۔ آخر انہیں میرے جوابوں سے اتنی مایوسی ہوئی کہ انہوں نے ملاقات کا ذکر شائع کرتے وقت اس سوال کو ہی اُڑا دیا۔ ایک اخبار والے نے تو میرے ساتھ اس سوال پر بڑی بحث کی اور کہا کہ آخر کچھ تو کہیں میں نے کہا میں اس بارہ میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔ پھر میں نے انہیں بتایا کہ حضرت خلیفہ اوّل جب فوت ہوئے اور جماعت میں خلافت کے متعلق جھگڑا شروع ہوا تو بعض لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید میں نے اپنی خلافت کے لئے یہ جھگڑا کھڑا کر رکھا

ہے۔ میں نے اس وقت اپنے رشتہ داروں کو جمع کیا ان رشتہ داروں میں میرے بزرگ بھی تھے، میرے برابر کے بھی تھے اور مجھ سے چھوٹے بھی تھے۔ نانا جان صاحب مرحوم بھی موجود تھے میرے بہنوئی نواب محمد علی خان صاحب بھی موجود تھے اِسی طرح میرے چھوٹے بھائی بھی تھے اور گھر کے دوسرے افراد بھی۔ میں نے ان سب کو جمع کر کے کہا کہ دیکھو یہ وقت ایسا نہیں کہ ہم ذاتیات کا سوال لے بیٹھیں اس وقت جو لوگ خلافت کی مخالفت کر رہے ہیں انہیں یہ وہم ہو گیا ہے کہ چونکہ خلافت سے ہم فائدہ اُٹھانا چاہتے ہیں اس لئے ہم یہ جھگڑا پیدا کر رہے ہیں۔ یہ وہم خواہ کیسا ہی غلط اور بے بنیاد ہو ہمیں اپنے وجود سے سلسلہ میں تفریق پیدا نہیں کرنی چاہیے اور اگر وہ اس بات پر متفق ہوں کہ کسی نہ کسی کو ضرور خلیفہ ہونا چاہئے تو اوّل تو یہی مناسب ہے کہ اس کے متعلق لوگوں کی عام رائے لے لی جائے لیکن اگر انہیں اس سے اتفاق نہ ہو تو ایسے لوگوں کو چھوڑ کر جیسے خواجہ کمال الدین صاحب یا مولوی محمد علی صاحب ہیں کسی ایسے آدمی کے ہاتھ پر بیعت کر لی جائے جو دونوں فریق کے نزدیک بے تعلق ہو اور اگر وہ اسے بھی نہ مانیں تو پھر ان لوگوں میں سے ہی کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لی جائے۔ میں نے اس پر اتنا زور دیا کہ میں نے اپنے رشتہ داروں سے کہا اگر آپ لوگ میری اس بات کو نہیں مانتے تو میں پھر باہر جاتا ہوں اور باہر جا کر عام لوگوں کے سامنے اپنی اس بات کو پیش کر دیتا ہوں نتیجہ یہ ہوا کہ سب میری بات پر متفق ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ اوّل تو یہی کوشش کرنی چاہئے کہ دونوں فریق کسی ایسے آدمی کے ہاتھ پر اکٹھے ہوں جو واضح طور پر گزشتہ جھگڑوں میں شامل نہ ہوا ہو اور جو دونوں کے نزدیک بے تعلق ہو۔ اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو پھر اتحاد کے خیال سے انہی لوگوں میں سے کسی کو منتخب کر لیا جائے تو میں نے ان سے کہا کہ میں نے تو حضرت خلیفہ المسیح اوّل کی وفات پر بھی خلیفہ کے انتخاب میں اس حد تک دخل دیا تھا اور کسی کا نام بالتصریح نہیں لیا تھا پھر تم کس طرح سمجھ سکتے ہو کہ اب میں کسی کا نام لے لونگا اور اس کے متعلق کہہ دوں گا کہ وہ میرے بعد خلیفہ ہو گا۔ پھر اس میں میری مرضی کا بھی سوال نہیں۔ ہمارا تو یہ عقیدہ ہے کہ خلیفہ خدا بناتا ہے اور جب خلیفہ بنانا خدا نے اپنے ذمہ لے لیا ہوا ہے تو میرا اس میں دخل دینا کیسی حماقت ہوگی پھر اس نے کہا کہ کیا آپ کو یہ

اختیار حاصل ہے یا نہیں کہ آپ اپنے بعد کسی کو خلیفہ مقرر کر جائیں؟ میں نے کہا اختیار تو ہے مگر میں اس اختیار کو استعمال کرنا نہیں چاہتا۔ اور آئندہ کے متعلق مجھے معلوم نہیں کہ حالات کیا صورت اختیار کریں۔ غرض ان کی ساری کوشش اسی امر پر مرکوز رہی کہ میں یا تو اپنے رشتہ داروں میں سے کسی کے متعلق کہہ دوں کہ میرے بعد وہ خلیفہ ہوگا یا دنیا کے لحاظ سے ان کی نگاہ چونکہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب پر پڑ سکتی تھی اس لئے انہوں نے سمجھا کہ اگر کوئی رشتہ دار خلیفہ نہ ہوا تو شاید وہ ہو جائیں میں نے انہیں کہا کہ یہ میرا کام نہیں کہ میں انتخاب کرتا پھروں یہ خدا کا کام ہے اور میں تو محض سلسلہ کے ایک خادم کے طور پر کام کر رہا ہوں غرض ہم میں سے کوئی بھی نہیں جسے اس قسم کا اختیار حاصل ہو ہمیں جو حکومت حاصل ہے وہ شریعت کے ماتحت اُولِي الْاَمْرِ ہونے کے لحاظ سے ہے پس جتنا امر ہوگا اتنی ہی حکومت ہوگی اور جو شخص اس حکومت کے دائرہ کو وسیع کرے گا وہ نظام کا دشمن قرار پائے گا۔ پس عام دُنیوی معاملات میں دوسروں سے یہ کہنا کہ میں تو ناظر امور عامہ ہوں یا ناظر اعلیٰ ہوں نظارت کے جامہ کی ہتک ہے وہاں وہ ناظر نہیں بلکہ ایک فرد کی حیثیت رکھے گا اور اسے دوسروں پر کوئی تفوق حاصل نہیں ہوگا اسلام میں اس کی کئی مثالیں بھی موجود ہیں چنانچہ تاریخ سے ثابت ہے کہ خلفاء پر دیوانی نالشیں ہوئیں اور انہیں قضا میں جواب کے لئے بلایا گیا۔ اب فرض کرو کہ کسی کو میرے خلاف کوئی شکایت ہو مثلاً وہ کہے کہ انہوں نے میرا اتنا روپیہ دینا ہے مگر دیتے نہیں یا اتنا دیا ہے اور اتنا نہیں دیا تو اسے اس بات کا پورا حق ہے کہ وہ اگر چاہے تو قضا میں میرے خلاف دعویٰ دائر کر دے وہاں مجھے اسی طرح جواب دینا پڑے گا جس طرح ایک عام شخص قضا کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے لیکن جہاں خدا نے مجھے کوئی حق دیا ہے وہاں وہ میرا حق چھین نہیں سکتا۔

پس جماعت کے دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ نظام کی برکتیں اس کی پیچیدگیوں کو حل کرنے سے حاصل ہوتی ہیں ورنہ نظام کے لفظ کا اندھا دھند استعمال خطرناک نتائج پیدا کر سکتا ہے۔ جیسے ہمارے مختار نے ایک زمین کے معاملہ میں دوسرے سے کہہ دیا کہ تمہارا مقابلہ خلیفۃ المسیح سے ہے حالانکہ وہاں خلافت کا کوئی سوال نہ تھا بلکہ اپنی ذاتی حیثیت میں

میری طرف سے ایک سودا ہو رہا تھا۔ اور ایسی صورت میں دوسرے فریق کا حق تھا کہ وہ اگر چاہتا تو زیادہ قیمت پر دوسرے کو دے دیتا۔ اگر میں لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتا ہوں تو میری حیثیت خلیفہ کی ہوتی ہے اگر میں جماعت کو کوئی حکم دیتا ہوں تو میری حیثیت خلیفہ کی ہوتی ہے لیکن اگر میں اپنے لئے یا اپنے خاندان کے لئے کوئی زمین خریدتا ہوں تو اس میں میری حیثیت خلیفہ کی نہیں ہوتی اور دوسرا اس بات کا حق رکھتا ہے کہ وہ سودے سے انکار کر دے یہ ایسی ہی بات ہے جیسے ترکاری بکنے لگے تو ایک طرف سے میرا آدمی ترکاری لینے کے لئے چلا جائے اور دوسری طرف سے جماعت کا کوئی اور آدمی۔ اب ایسے موقع پر اگر میرا آدمی دوسرے سے یہ کہے کہ تم ترکاری مت خریدو کیونکہ خلیفۃ المسیح یہ ترکاری لینا چاہتے ہیں تو یہ اس کی غلطی ہوگی کیونکہ جیسے میرا حق ہے کہ ترکاری لوں اسی طرح اس کا حق ہے کہ وہ ترکاری لے۔ اگر وہ پہلے پہنچ جاتا ہے تو یقیناً اسی کا حق ہے۔ گو بعض دفعہ شریفانہ رنگ میں ایک دوسرے کی ضروریات کو بھی ملحوظ رکھا جا سکتا ہے۔ اگر اس کی ضرورت زیادہ اہم ہوگی تو میرا آدمی اپنا حق چھوڑ سکتا ہے اور اگر میرے آدمی کی ضرورت زیادہ ہوگی تو دوسرا اپنا حق چھوڑ سکتا ہے۔

پس جماعت کے عہدیداروں کو میں نصیحت کرتا ہوں کہ ہر چیز کو اس کی حد کے اندر رکھو اگر تم اسے حد سے بڑھا دو گے تو وہ چیز خواہ کتنی ہی اعلیٰ ہو بُری بن جائے گی۔ ایک شاعر کا ایک شعر ہے جو مجھے یاد تو نہیں رہا مگر اس کا مفہوم یہ ہے کہ تل بڑی خوبصورت چیز ہے لیکن جب وہ بڑا ہو جاتا ہے تو مسّہ بن جاتا ہے۔ پس ہر چیز کو اس کی حد کے اندر رکھو۔ نظام کو بھی اور انفرادی معاملات کو بھی اور کبھی اپنے عہدوں کا نام لے کر ذاتی معاملات میں دوسروں پر رُعب نہ ڈالو۔'' (الفضل ۲۷ جولائی ۱۹۶۰ء)

۱؎ النساء: ۶۰

۲؎ بخاری کتاب الاحکام باب قول اللّٰہ تعالیٰ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ صفحہ ۱۲۲۸، ۱۲۲۹ حدیث نمبر ۷۱۳۷ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانية

درود شریف کی عظمت اور حکمت

۲۴/اکتوبر ۱۹۴۱ء کو خطبہ جمعہ میں حضور نے درود شریف کی عظمت اور حکمت بیان کرتے ہوئے ایک اہم نکتہ بیان فرمایا۔

''خلفاء اگرچہ انبیاء کی طرح معصوم تو نہیں ہوتے مگر ان کو بھی ایک عصمت صغریٰ حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو ایسی غلطی میں پڑنے سے بچاتا ہے جس کے نتیجہ میں دین کو نقصان پہنچ سکتا ہو۔ نبی کا ہر فعل اپنی ذات میں معصوم ہوتا ہے مگر خلفاء کے افعال بحیثیت مجموعی خدا تعالیٰ کی حفاظت کے نیچے ہوتے ہیں''۔

(الفضل ۹ نومبر ۱۹۴۱ء)

ابتدائے خلافت میں قادیان کے غریبوں کی بے نظیر قربانی

خطبہ جمعہ ۱۰ مارچ ۱۹۴۴ء میں حضور فرماتے ہیں :۔

''ابتدائے خلافت میں جب لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ چند مجاوروں نے جن کا کام روٹیاں کھانا تھا خلافت کو تسلیم کرلیا ہے تو معلوم ہوتا ہے قادیان کے لوگوں کو اس سے ضرور صدمہ ہوا ہوگا کیونکہ اُنہی دنوں میں میں نے رؤیا میں دیکھا کہ ایک شخص کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے کہ :۔

''مبارک ہو قادیان کی غریب جماعت تم پر خلافت کی رحمتیں یا برکتیں نازل ہوتی ہیں'' ۔

پس یہ خلافت کی برکت ہی ہے جو تم دیکھ رہے ہو کہ کس طرح قادیان کے غریبوں اور مسکینوں نے ایسی قربانی پیش کی جس کی نظیر اور کسی جماعت میں نہیں مل سکتی ۔ آج مجھے حیرت ہوئی جبکہ ایک غریب عورت جو تجارت کرتی ہے جس کا سارا سرمایہ سَو ڈیڑھ سَو روپیہ کا ہے اور جو ہندوؤں سے مسلمان ہوئی ہے صبح ہی میرے پاس آئی ہے اور اس نے دس دس روپیہ کے پانچ نوٹ یہ کہتے ہوئے مجھے دیئے کہ یہ میری طرف سے مسجد مبارک کی توسیع کے لئے ہیں ۔ میں نے اُس وقت اپنے دل میں کہا کہ اِس عورت کا یہ چندہ اس کے سرمایہ کا آدھا یا ثلث ہے مگر اس نے خدا کا گھر بنانے کے لئے اپنا آدھا یا ثلث سرمایہ پیش کر دیا پھر کیوں نہ ہم یقین کریں کہ خدا بھی اپنی اس غریب بندی کا گھر جنت میں بنائے گا اور اسے اپنے انعامات سے حصہ دے گا ۔

پس اللہ تعالیٰ کے جو فضل ہم پر ہیں ان کو دیکھتے ہوئے ہم یہی سمجھتے ہیں کہ ہمارا ہر قدم ترقی کے میدان میں بڑھتا چلا جائے گا جتنا کام اِس وقت تک ہوا ہے خدا نے کیا ہے اور آگے بھی خدا ہی کرے گا'' ۔ (الفضل ۱۴ مارچ ۱۹۴۴ء)

امام کی اطاعت کا ذکر

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۳۱ مارچ ۱۹۴۴ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا کہ دین کے لئے مالی اور جانی قربانیوں کا مطالبہ ہمیشہ اور ہر آن ہوتا رہے گا۔ خدمت دین کے لئے زندگی وقف کرنے والوں کو جلد اپنا نام پیش کرنے کا ذکر کرتے ہوئے امام کی اطاعت کے بارہ میں فرمایا۔

''یہ ایک خطرناک غلطی ہے جو بعض لوگوں میں پائی جاتی ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم وہ کام کریں گے جو ہماری مرضی کے مطابق ہوگا۔ یہ تمہارا کام نہیں کہ تم فیصلہ کرو کہ تمہیں کس کام پر لگایا جائے۔ جو شخص تمہارا امام ہے، جس کے ہاتھ میں تم نے اپنا ہاتھ دیا ہے جس کی اطاعت کا تم نے اقرار کیا ہے اُس کا فرض ہے کہ وہ تمہیں بتائے کہ تمہیں کس کام پر مقرر کیا جاتا ہے۔ تم اس میں دخل نہیں دے سکتے نہ تمہارا کوئی حق ہے کہ تم اس میں دخل دو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اَلْاِ مَامُ جُنَّةٌ یُقْتَلُ مِنْ وَّرَائِہٖ[1] امام ایک ڈھال کی طرح ہوتا ہے اور لوگوں کا فرض ہوتا ہے کہ اس کے پیچھے ہو کر دشمن سے جنگ کریں۔ پس جہاں امام تمہیں کھڑا کرتا ہے وہاں تم کھڑے ہو جاؤ اور امام تمہیں سونے کا حکم دیتا ہے تو تمہارا فرض ہے کہ تم سو جاؤ۔ اگر امام تم کو جاگنے کا حکم دیتا ہے تو تمہارا فرض ہے کہ تم جاگ پڑو۔ اگر امام تم کو اچھا لباس پہننے کا حکم دیتا ہے تو تمہاری نیکی، تمہارا تقویٰ اور تمہارا زُہد یہی ہے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ لباس پہنو اور اگر امام تم کو پھٹے پُرانے کپڑے پہننے کا حکم دیتا ہے تو تمہاری نیکی تمہارا تقویٰ اور تمہارا دینی عیش یہی ہے کہ تم پھٹے پُرانے کپڑے پہنو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ کشفی حالت میں ایک شخص کے ہاتھ میں کسریٰ

کے سونے کے کنگن دیکھے[۲]۔ جب حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا اور اسلامی فوجوں کے مقابلہ میں کسریٰ کو شکست ہوئی تو غنیمت کے اموال میں کسریٰ کے سونے کے کنگن بھی آئے۔ حضرت عمرؓ نے اُس شخص کو بلایا اور فرمایا تمہیں یاد ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ تمہیں کہا تھا کہ میں تمہارے ہاتھ میں کسریٰ کے سونے کے کنگن دیکھ رہا ہوں۔ اس نے عرض کیا ہاں یاد ہے۔ آپ نے فرمایا لو یہ کسریٰ کے سونے کے کنگن اور انہیں اپنے ہاتھوں میں پہنو۔ اُس نے اپنے ہاتھ پیچھے کر لئے اور کہا عمر! آپ مجھے اُس بات کا حکم دیتے ہیں جس سے شریعت نے منع کیا ہے۔ شریعت کہتی ہے کہ مردوں کے لئے سونا پہننا جائز نہیں اور آپ مجھے یہ حکم دے رہے ہیں کہ میں کسریٰ کے سونے کے کنگن اپنے ہاتھوں میں پہنوں۔ حضرت عمرؓ جس طبیعت کے تھے وہ سب کو معلوم ہے۔ آپ اُسی وقت کھڑے ہو گئے۔ کوڑا اپنے ہاتھ میں لے لیا اور فرمایا خدا کی قسم! اگر تم یہ سونے کے کنگن نہیں پہنو گے تو میں کوڑے مار مار کر تمہاری کمر اُدھیڑ دوں گا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کہا تھا وہی میں پورا کروں گا اور تمہارے ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہنا کر رہوں گا[۳]۔ تو درحقیقت یہی نیکی اور یہی حقیقی ایمان ہے کہ انسان وہی طریق اختیار کرے جس طریق کے اختیار کرنے کا امام اُسے حکم دے۔ وہ اگر اسے کھڑا ہونے کے لئے کہے تو کھڑا ہو جائے اور اگر ساری رات بیٹھنے کے لئے کہے وہ بیٹھ جائے اور یہی سمجھے کہ میری ساری نیکی یہی ہے کہ میں امام کے حکم کے ماتحت بیٹھا رہوں۔

پس جماعت میں یہ احساس پیدا ہونا چاہئے کہ نیکی کا معیار یہی ہے کہ امام کی کامل اطاعت کی جائے۔ امام اگر کسی کو مدرس مقرر کرتا ہے تو اس کی تبلیغ یہی ہے کہ وہ لڑکوں کو عمدگی سے تعلیم دے امام اگر کسی کو ڈاکٹر مقرر کر کے بھیجتا ہے تو اس کی تبلیغ یہی ہے کہ وہ لوگوں کا عمدگی سے علاج کرے امام اگر کسی کو زراعت کے لئے بھیج دیتا ہے تو اس کی تبلیغ یہی ہے کہ وہ زمین کی عمدگی سے نگرانی کرے اور امام اگر کسی کو صفائی کے کام پر مقرر کر دیتا ہے تو اس کی تبلیغ یہی ہے کہ وہ عمدگی سے صفائی کرے۔ وہ بظاہر جھاڑو دیتا نظر آئے گا، وہ بظاہر صفائی کرتا دکھائی دے گا مگر چونکہ اُس نے امام کے حکم کی تعمیل میں ایسا کیا ہوگا اس لئے اس کا

جھاڑو دینا ثواب میں اس مبلغ سے کم نہیں ہوگا جو دلوں کی صفائی کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ وہ زمین پر جھاڑو دے رہا ہوگا لیکن فرشتے اس کی جگہ تبلیغ کر رہے ہوں گے کیونکہ وہ کہیں گے یہ وہ شخص ہے جس نے نظام میں اپنے لئے ایک چھوٹی سے چھوٹی جگہ پسند کی اور امام کے حکم کی اطاعت کی۔ پس ایک نظام کے اندر رہ کر کام کرو اور تمہارا امام جس کام کے لئے تمہیں مقرر کرتا ہے اس کو کرو کہ تمہارے لئے وہی ثواب کا موجب ہوگا۔ تمہارے لئے وہی کام تمہاری نجات اور تمہاری ترقی کا باعث ہوگا''۔

(الفضل ۷؍اپریل ۱۹۴۴ء)

۱؎ بخاری کتاب الجهاد والسیر باب یقاتل من وراءِ الامام و یتقی بہٖ صفحہ ۴۸۹ حدیث نمبر ۲۹۵۷ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانیة

۲،۳؎ اسد الغابة الجزء الثانی صفحہ ۲۳۷ زیرعنوان ''سراقہ بن مالک'' مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانیة

تحریک جدید کے تقاضے اور اہمیت

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۸ دسمبر ۱۹۴۴ء کے خطبہ جمعہ میں تحریک جدید کے تقاضے اور اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:-

''ہمارا نظام بھی محبت اور پیار کا ہے کوئی قانون ہمارے ہاتھ میں نہیں کہ جس کے ذریعہ ہم اپنے احکام منوا سکیں بلکہ میری ذاتی رائے تو یہی ہے کہ احمدیت میں خلافت ہمیشہ بغیر دنیوی حکومت کے رہنی چاہئے۔ دنیوی نظام حکومت الگ ہونا چاہئے اور خلافت الگ تا وہ شریعت کے احکام کی تعمیل کی نگرانی کر سکے ابھی تو ہمارے ہاتھ میں حکومت ہے ہی نہیں لیکن اگر آئے تو میری رائے یہی ہے کہ خلفاء کو ہمیشہ عملی سیاسیات سے الگ رہنا چاہئے اور کبھی بادشاہت کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش نہ کرنی چاہئے۔ ورنہ سیاسی پارٹیوں سے براہ راست خلافت کا مقابلہ شروع ہو جائے گا اور خلافت ایک سیاسی پارٹی بن کر رہ جائے گی اور خلفاء کی حیثیت باپ والی نہ رہے گی۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام کے ابتداء میں خلافت اور حکومت جمع ہوئی ہیں مگر وہ مجبوری تھی کیونکہ شریعت کا ابھی نفاذ نہ ہوا تھا اور چونکہ شریعت کا نفاذ ضروری تھا اس لئے خلافت اور حکومت کو اکٹھا کر دیا گیا اور ہمارے عقیدہ کی رو سے یہ جائز ہے کہ دونوں اکٹھی ہوں اور یہ بھی جائز ہے کہ الگ الگ ہوں۔ ابھی تو ہمارے ہاتھ میں حکومت ہے ہی نہیں مگر میری رائے یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ ہمیں حکومت دے اُس وقت بھی خلفاء کو اسے ہاتھ میں لینے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے بلکہ الگ رہ کر حکومتوں کی نگرانی کرنی چاہیے اور دیکھنا چاہئے کہ وہ اسلامی احکام کی پیروی کریں اور ان سے مشورہ لے کر چلیں اور حکومت کا کام سیاسی لوگوں کے سپرد ہی رہنے دیں۔ پس اگر حکم کا سوال ہو تو میرا نقطۂ نگاہ تو یہ ہے کہ اگر میری چلے تو میں کہوں گا کہ حکومت ہاتھ میں آنے پر بھی خلفاء اسے

اپنے ہاتھ میں نہ لیں۔ انہیں اخلاق اور احکام قرآنیہ کے نفاذ کی نگرانی کرنی چاہئے۔ پس اگر کوئی ہماری نصیحت کو نہیں مانتا تو اس طرح کا حکم تو جیسے حکومت کے احکام ہوتے ہیں نہ ہمارے اختیار میں ہے اور نہ ہم دے سکتے ہیں اور نہ اس کا نفاذ کرا سکتے ہیں اور میرے دل کا میلان یہ ہے کہ ایسے اختیارات کو لینا میں پسند نہیں کرتا اس لئے ہم تو جب بھی کوئی بات کہیں گے محبت اور پیار سے ہی کہیں گے اور اگر اس سے کوئی یہ استدلال کرتا ہے کہ حکم نہیں تو اسے یاد رکھنا چاہیے کہ ایسے احکام دینا نہ تو ہمارے اختیار میں ہے اور نہ ہی ہم ایسے احکام کے نفاذ کی طاقت رکھتے ہیں''۔　　(الفضل ۱۲؍دسمبر ۱۹۴۴ء)

تمہاری ڈھال تمہارا امام ہے

۲۸ر دسمبر ۱۹۴۵ء کو جلسہ سالانہ پر خطاب کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے فرمایا:۔

''میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے رحم پر بھروسہ رکھتے ہوئے اسلام اور احمدیت کی اشاعت کے لئے بہت سی تدابیر اختیار کی ہیں اور کئی سکیمیں ہیں جن کا جماعت کے سامنے اعلان کر چکا ہوں۔ یہ ہوسکتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص ان میں سے بھی بہتر تدابیر جماعت کی علمی، تجارتی، صنعتی اور اقتصادی ترقی کے لئے بتا سکے۔لیکن تمہیں اس حقیقت کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ اگر تم آسمان کی چوٹی پر بھی پہنچ جاؤ تب بھی اسلام تمہیں یہی کہتا ہے کہ **اَلْاِمَامُ جُنَّۃٌ یُقَاتَلُ مِنْ وَّرَائِہٖ**[1] تمہاری ڈھال تمہارا امام ہے اور تمہاری تمام تر سلامتی اسی میں ہے کہ تم اس کے پیچھے ہو کر جنگ کرو۔ اگر تم اپنے امام کو ڈھال نہیں بناتے اور اپنی عقلی تدابیر کے ماتحت دشمن کا مقابلہ کرتے ہو تو تم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔ کامیابی اسی شخص کیلئے مقدر ہے جو اسلام کی جنگ میری متابعت میں لڑے گا۔ پس ہوسکتا ہے کہ تم میں سے کسی شخص کی ذاتی رائے تجارت کے معاملہ میں مجھ سے بہتر ہو یا صنعت وحرفت کے متعلق وہ زیادہ معلومات پیش کرسکتا ہو لیکن بہرحال جو اصولی سکیم میری طرف سے پیش ہوگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُسی میں برکت پیدا کی جائے گی اور وہی اسکے منشاء اور ارادہ کے ماتحت ہوگی۔ اگر تم اس سکیم پر عمل کرو گے تو کامیاب ہو جاؤ گے اور اگر تم اس سکیم کو نظر انداز کر کے اپنی ذاتی آراء کو مدّنظر رکھو گے اور اپنے تجربہ اور ذاتی معلومات کو اپنا راہنما بناؤ گے تو تم کبھی کامیاب نہیں ہوسکو گے۔ میں امید کرتا ہوں کہ جماعتیں ان تمام باتوں کو پوری طرح ملحوظ رکھیں گی۔ اور کوشش کریں گی کہ ان کا قدم ترقی کی دوڑ میں پہلے سے زیادہ تیز ہو۔'' (الفضل ۱۱ر نومبر ۱۹۶۵ء)

---

[1] **بخاری کتاب الجہاد والسیر باب یقاتل من وراءِ الامام و یتقی بہٖ** صفحہ ۴۸۹ حدیث نمبر ۲۹۵۷ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء **الطبعة الثانیة**

سادہ زندگی اور خلیفہٴ وقت کا حکم

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۲۵/اکتوبر ۱۹۴۶ء کے خطبہ جمعہ میں سادہ زندگی اپنانے اور خلیفہٴ وقت کے حکم پر ہر احمدی کو اپنی جان قربان کر دینے کے لئے تیار رہنے کا ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا:-

''جماعت کا ہر فرد جو اس سلسلہ میں منسلک ہے اس کا فرض ہے کہ امام کی طرف سے جو بھی آواز بلند ہو اس پر خود بھی عمل کرے اور دوسروں کو بھی عمل کرنے کی تحریک کرے اور چاہے صدر انجمن احمدیہ ہو یا کوئی اور انجمن حقیقی معنوں میں وہی انجمن سمجھی جاسکتی ہے جو خلیفہٴ وقت کے احکام کو ناقدری کی نگاہ سے نہ دیکھے بلکہ ان پر عمل کرے اور کرتی چلی جائے اور اس وقت تک آرام کا سانس نہ لے جب تک ایک چھوٹے سے چھوٹا حکم بھی ایسا موجود ہو جس پر عمل نہ کیا جاتا ہو۔ پس ہر احمدی جس نے منافقت سے میری بیعت نہیں کی اور ہر احمدی جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور سُرخرو ہونا چاہتا ہے اس کا فرض ہے کہ وہ خلیفہٴ وقت کے احکام پر عمل کرنے اور دوسروں سے عمل کرانے کے لئے کھڑا ہو جائے اور صرف اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حضور اس کے متعلق جوابدہ سمجھے۔ اگر امام کی طرف سے ایک آواز بلند ہوتی ہے سننے والے سنتے ہیں اور پھر اس پر عمل کرنے کی بجائے پیٹھ پھیر کر چلے جاتے ہیں تو خواہ اس قسم کا کام کرنے والی صدر انجمن احمدیہ ہو، خواہ تحریک جدید کا کوئی سیکرٹری ہو، خواہ فنانشل سیکرٹری ہو یا امیر جماعت مقامی ہو یا کوئی اور عہدیدار ہو وہ محض اپنے نام سے اللہ تعالیٰ کے حضور سُرخرو نہیں ہو سکتے۔ ان کے متعلق یہی کہا جائے گا کہ ان کا عمل منافقانہ عمل ہے اور ان کا یہ دعویٰ کہ انہوں نے اپنے امام کے ہاتھ پر بیعت کی ہوئی ہے ایک جھوٹا دعویٰ ہے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اُس وقت حضرت ابوبکرؓ نے ایک

تقریر کی جس میں فرمایا اے لوگو! تم میں سے جو شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کیا کرتا تھا اسے معلوم ہونا چاہئے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے ہیں لیکن وہ شخص جو خدا تعالیٰ کی عبادت کیا کرتا تھا اُسے معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارا خدا زندہ ہے اور وہ کبھی مرنہیں سکتا۔ اسی طرح میں کہتا ہوں جس نے خلیفہ وقت کی بیعت کی ہے اسے یاد رکھنا چاہئے کہ خلیفہ وقت کی بیعت کے بعد اس پر یہ فرض عائد ہو چکا ہے کہ وہ اس کے احکام کی اطاعت کرے اور اگر کسی نے صدر انجمن احمدیہ کی بیعت کی ہے تو اس سے خدا وہی معاملہ کرے گا جو صدر انجمن احمدیہ کی بیعت کے نتیجے میں ہوسکتا ہے۔ خلیفہ وقت کی بیعت کرنے والوں میں وہ شامل نہیں ہوگا۔ پس میں جماعت کو پھر متنبہ کرتا ہوں کہ اسے اپنے حالات کی اصلاح کرنی چاہئے۔ ہمارے سپرد ایک بہت بڑا کام ہے اور وہ کام کبھی سرانجام نہیں دیا جاسکتا جب تک ہر شخص اپنی جان اس راہ میں لڑا نہ دے۔ پس تم میں سے ہر شخص خواہ دنیا کا کوئی کام کر رہا ہو اگر وہ اپنا سارا زور اس غرض کیلئے صرف نہیں کر دیتا، اگر خلیفہ وقت کے حکم پر ہر احمدی اپنی جان قربان کرنے کیلئے تیار نہیں رہتا، اگر اطاعت اور فرمانبرداری اور قربانی اور ایثار ہر وقت اس کے سامنے نہیں رہتا تو اس وقت تک نہ ہماری جماعت ترقی کرسکتی ہے اور نہ وہ اشخاص مومنوں میں لکھے جاسکتے ہیں۔ یاد رکھو ایمان کسی خاص چیز کا نام نہیں بلکہ ایمان نام ہے اس بات کا کہ خدا تعالیٰ کے قائم کردہ نمائندہ کی زبان سے جو بھی آواز بلند ہو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کی جائے۔ اگر اسلام اور ایمان اس چیز کا نام نہ ہوتا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے کسی مسیح کی ضرورت نہیں تھی لیکن اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے مسیح موعود کی ضرورت تھی تو مسیح موعود کے ہوتے ہوئے ہماری بھی ضرورت ہے۔ ہزار دفعہ کوئی شخص کہے کہ میں مسیح موعود پر ایمان لاتا ہوں ہزار دفعہ کوئی کہے کہ میں احمدیت پر ایمان رکھتا ہوں خدا کے حضور اس کے ان دعوؤں کی کوئی قیمت نہیں ہوگی۔ جب تک وہ اس شخص کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ نہیں دیتا جس کے ذریعہ خدا اس زمانہ میں اسلام قائم کرنا چاہتا ہے۔ جب تک جماعت کا ہر شخص پاگلوں کی طرح اس کی اطاعت نہیں کرتا اور جب تک اس کی اطاعت میں اپنی زندگی کا ہر لمحہ بسر نہیں کرتا اس وقت تک وہ کسی قسم کی فضیلت اور بڑائی کا حقدار نہیں ہوسکتا۔'' (الفضل ۱۵ نومبر ۱۹۴۶ء)

اپنے اندر ایمان اور جوش پیدا کرنے اور تبلیغ کرنے کا ذکر

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اپنے اندر ایمان اور جوش پیدا کرنے اور دیوانہ وار تبلیغ کرنے کا ذکر اپنے خطبہ جمعہ یکم نومبر ۱۹۴۶ء میں اِس طرح کیا اور فرمایا:۔

''ہماری جماعت کے بعض افراد میں یہ نہایت خطرناک نقص پیدا ہو چکا ہے کہ جب کوئی کام ان کے سپرد کیا جاتا ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ اب ہم کسی کے مشورہ کے محتاج نہیں ہم سب کچھ کر سکتے ہیں۔ حالانکہ ان کی عقل ناقص ہوتی ہے ان کا تجربہ ناقص ہوتا ہے ان کا علم ناقص ہوتا ہے ان کا عمل ناقص ہوتا ہے اور وہ مرکز کے مشورے اور اس کی مدد کے بغیر ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے درخت سے کٹی ہوئی شاخ مگر وہ اس کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے اور اپنے زعم میں یہ کہتے ہیں کہ ہم سے بڑھ کر اس کام کا کون اہل ہے اب ہمیں مرکز کی راہنمائی کی ضرورت نہیں۔ یہ مرض اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ بعض مبلغ بھیجے جاتے ہیں تو وہ دو دو تین تین ماہ بلکہ سال سال بھر خاموش رہتے ہیں اور اپنے اپنے ناقص دماغ کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ وہ سب کچھ کر سکتے ہیں حالانکہ اگر وہ سب کچھ کر سکتے تو خدا نے ان کو کیوں خلیفہ نہ بنایا۔ پھر تو چاہئے تھا وہ خلیفہ بنتے میں خلیفہ نہ بنتا۔ پس ان کا اپنے کام کی رپورٹ نہ بھجوانا اس بات کی علامت نہیں ہوتی کہ ان میں عقل ہے بلکہ اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ ان کی عقل کا خانہ بالکل خالی ہے اور وہ اتنی معمولی سی بات کو بھی نہیں سمجھتے کہ خدا نے ہم کو ایک چھوٹی سی اینٹ بنایا ہے مکان نہیں بنایا۔ مگر کیسے تعجب کی بات ہے ایک اینٹ تو سمجھتی ہے کہ وہ اینٹ ہے ایک پتہ تو سمجھتا ہے کہ وہ پتہ ہے۔ ایک پھل تو سمجھتا ہے کہ وہ پھل ہے ایک بیج تو سمجھتا ہے کہ وہ بیج ہے مگر ہمارا مبلغ اس بات کو بھول جاتا ہے کہ میں ایک بیج ہوں لاکھوں بیجوں میں سے، میں ایک دانہ ہوں کروڑوں دانوں میں سے، میں ایک پتہ ہوں کروڑوں پتوں میں سے، میں

ایک پھل ہوں کروڑوں پھلوں میں سے، ایک پھل درخت کا قائم مقام نہیں ہوسکتا نہ ایک دانہ کھیتی کا قائم مقام ہوسکتا ہے مگر جہالت اور نادانی کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ حقیقت جو ایک جاہل اور اَن پڑھ صوبیدار جانتا ہے ہمارا مبلغ اس کو نہیں سمجھتا۔ وہ اپنے مقام کو شناخت نہیں کرتا اور مرکز سے اپنے آپ کو مستغنی سمجھنے لگ جاتا ہے۔

یہ ایک مرض ہے جو ہمارے نوجوانوں میں پیدا ہو رہا ہے اور جب انہیں کسی کام پر مقرر کیا جائے تو وہ سمجھتے ہیں کہ ہم سب کچھ کر سکتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے ایمان کو بھی برباد کرتے ہیں اور سلسلہ کو بھی نقصان پہنچاتے ہیں اور پھر اپنے حالات سے مرکز کو باخبر نہ رکھنے کی وجہ سے مرکز سے بالکل کٹ جاتے ہیں اور ایسے بھی ہو جاتے ہیں جیسے غیر احمدی کیونکہ وہ شاخ جس کا اپنے درخت سے تعلق ہے وہی سرسبز رہ سکتی ہے۔ خواہ وہ کس قدر کمزور اور ناطاقت کیوں نہ ہو لیکن ایک شاخ خواہ کس قدر سرسبز اور مضبوط ہو تم اسے درخت سے کاٹ کر پھینک دو وہ دو چار دن میں سوکھ کر کانٹا ہو جائے گی اور اس کی تمام سرسبزی اور تمام شادابی اور تمام لطافت جاتی رہے گی۔ پس میں سمجھتا ہوں کام لینے والوں میں بھی ابھی یہ احساس پیدا نہیں ہوا کہ وہ بیداری سے کام لیویں اور پھر کام کرنے والوں کو بھی اپنی ذمہ داری کا پوری طرح احساس نہیں۔ دونوں طرف غفلت طاری ہے اور اس غفلت کے نتائج کبھی اچھے نہیں نکل سکتے۔ اس موقع پر میں بیرونی جماعتوں کو بھی توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنی تنظیم کریں اور تنظیم کے معنی یہ نہیں کہ وہ باقاعدہ اور بار بار مرکز میں اپنی رپورٹیں بھیجیں اور ہم سے اپنی مشکلات میں مشورہ حاصل کریں۔ جب تک وہ بار بار مرکز کی طرف رجوع نہیں کریں گے اور جب تک بار بار ہم سے مشورہ نہیں لیں گے اس وقت تک ان کے کام میں کبھی برکت پیدا نہیں ہوسکتی۔ آخر خدا نے ان کے ہاتھ میں سلسلہ کی باگ نہیں دی میرے ہاتھ میں سلسلہ کی باگ دی ہے۔ انہیں خدا نے خلیفہ نہیں بنایا مجھے خدا نے خلیفہ بنایا ہے اور جب خدا نے اپنی مرضی بتانی ہوتی ہے تو مجھے بتاتا ہے انہیں نہیں بتاتا۔ پس تم مرکز سے الگ ہو کر کیا کر سکتے ہو۔ جس کو خدا اپنی مرضی بتاتا ہے، جس پر خدا اپنے الہام نازل فرماتا ہے، جس کو خدا نے اس جماعت کا خلیفہ اور امام بنا دیا ہے اس سے مشورہ اور ہدایت حاصل کر کے تم

کام کر سکتے ہو۔ اس سے جتنا زیادہ تعلق رکھو گے اسی قدر تمہارے کاموں میں برکت پیدا ہوگی اور اس سے جس قدر دُور رہو گے اسی قدر تمہارے کاموں میں بے برکتی پیدا ہوگی جس طرح وہی شاخ پھل لاسکتی ہے جو درخت کے ساتھ ہو۔ وہ کٹی ہوئی شاخ پھل پیدا نہیں کر سکتی جو درخت سے جدا ہو۔ اسی طرح وہی شخص سلسلہ کا مفید کام کر سکتا ہے جو اپنے آپ کو امام سے وابستہ رکھتا ہے۔ اگر کوئی شخص امام کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ نہ رکھے تو خواہ وہ دنیا بھر کے علوم جانتا ہو وہ اتنا بھی کام نہیں کر سکے گا جتنا بکری کا بکروٹہ کام کر سکتا ہے''۔

(الفضل ۲۰ نومبر ۱۹۴۶ء)

خدمت دین کرنے والوں کا مقام

خطبہ جمعہ ۱۵؍جولائی ۱۹۴۹ء بمقام پارک ہاؤس کوئٹہ میں حضور نے فرمایا:۔

''یہ بات انبیاء سے ہی مخصوص نہیں بلکہ ان سے اُتر کر بھی اپنے اپنے زمانہ میں ایسے لوگ ملتے ہیں کہ جو کام انہوں نے اس وقت کیا وہ ان کا غیر نہیں کر سکتا تھا مثلاً حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہی لے لو۔ حضرت ابوبکرؓ کے متعلق کوئی شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ آپ بھی کسی وقت اپنی قوم کی قیادت کریں گے۔ عام طور پر یہی سمجھا جاتا تھا کہ آپ کمزور طبیعت صلح کل اور نرم دل واقع ہوئے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی جنگوں کو دیکھ لو آپ نے کسی بڑی جنگ میں بھی حضرت ابوبکرؓ کو فوج کا کمانڈر نہیں بنایا۔ بے شک بعض چھوٹے چھوٹے غزوات ایسے ہیں جن میں آپ کو افسر بنا کر بھیجا گیا مگر بڑی جنگوں میں ہمیشہ دوسرے لوگوں کو ہی کمانڈر بنا کر بھیجا جاتا تھا۔ اسی طرح دوسرے کاموں میں بھی آپ کو انچارج نہیں بنایا جاتا تھا۔ مثلاً قرآن کریم کی تعلیم ہے یا قضاء وغیرہ کا کام ہے یہ بھی آپ کے سپرد نہیں کیا گیا۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ جب ابوبکرؓ کا وقت آئے گا تو جو کام ابوبکرؓ کرے گا وہ اس کا غیر نہیں کر سکے گا۔ چنانچہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے اور مسلمانوں میں یہ اختلاف پیدا ہو گیا کہ کون خلیفہ ہو اُس وقت حضرت ابوبکرؓ کے ذہن میں بھی یہ بات نہ تھی کہ آپ خلیفہ ہوں گے۔ آپ سمجھتے کہ حضرت عمرؓ وغیرہ ہی اس کے اہل ہو سکتے ہیں۔ انصار میں جوش پیدا ہوا اور انہوں نے چاہا کہ خلافت انہی میں ہو کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ہم نے اسلام کی خاطر قربانیاں کی ہیں اور اب خلافت کا حق ہمارا ہے اور ادھر مہاجرین کہتے تھے کہ خلیفہ ہم میں سے ہو۔ غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ایک جھگڑا برپا ہو گیا۔ انصار کہتے تھے کہ خلیفہ ہم میں سے ہو اور مہاجرین کہتے تھے

کہ خلیفہ ہم میں سے ہو۔ آخر انصار کی طرف سے جھگڑا اس بات پر ختم ہوا کہ ایک خلیفہ مہاجرین میں سے ہو اور ایک خلیفہ انصار میں سے ہو۔ اس جھگڑے کو دور کرنے کے لئے ایک میٹنگ بلائی گئی۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں اس وقت میں نے سمجھا کہ حضرت ابوبکرؓ بے شک نیک اور بزرگ ہیں لیکن اس گتھی کو سلجھانا ان کا کام نہیں۔ اس گتھی کو اگر کوئی سلجھا سکتا ہے تو وہ میں ہی ہوں یہاں طاقت کا کام ہے اور نرمی اور محبت کا کام نہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں میں نے سوچ سوچ کر ایسے دلائل نکالنے شروع کئے جن سے یہ ثابت ہو کہ خلیفہ قریش میں سے ہونا چاہئے اور یہ کہ ایک خلیفہ انصار میں سے ہو اور ایک مہاجرین میں سے یہ بالکل غلط ہے۔ آپ فرماتے ہیں میں نے بہت سے دلائل سوچے اور پھر اس مجلس میں گیا جو اس جھگڑے کو نپٹانے کے لئے منعقد کی گئی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ بھی میرے ساتھ تھے میں نے چاہا کہ تقریر کروں اور ان دلائل سے جو میں سوچ کر لے گیا تھا لوگوں کو قائل کروں۔ میں سمجھتا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ اس شوکت اور دبدبہ کے مالک نہیں کہ اس مجلس میں بول سکیں۔ لیکن میں کھڑا ہونے ہی لگا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ نے غصہ سے ہاتھ مار کر مجھ سے کہا کہ بیٹھ جاؤ اور خود کھڑے ہو کر تقریر شروع کر دی۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں خدا کی قسم! جتنی دلیلیں میں نے سوچی تھیں وہ سب کی سب حضرت ابوبکرؓ نے بیان کر دیں۔ اور پھر اور بھی کئی دلائل بیان کرتے چلے گئے اور بیان کرتے چلے گئے یہاں تک کہ انصار کے دل مطمئن ہو گئے اور انہوں نے خلافت مہاجرین کے اصول کو تسلیم کر لیا۔

یہ وہی ابوبکرؓ تھا جس کے متعلق حضرت عمرؓ خود بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک دفعہ کسی جھگڑے پر بازار میں آپ کے کپڑے پھاڑ دیئے اور مارنے پر تیار ہو گئے تھے۔ یہ وہی ابوبکرؓ تھا جس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ کا دل رقیق ہے مگر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت قریب آیا تو وفات سے قبل آپ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا عائشہ! میرے دل میں بار بار یہ خواہش اُٹھتی ہے کہ میں لوگوں سے کہہ دوں کہ وہ میرے بعد حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بنالیں لیکن پھر رُک جاتا ہوں کیونکہ میرا دل جانتا ہے کہ میری وفات کے بعد خدا تعالیٰ اور اس کے مومن بندے ابوبکر کے

سوا کسی اور کو خلیفہ نہیں بنائیں گے[1]۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ کو خلیفہ منتخب کیا گیا۔

آپ رقیق القلب انسان تھے اور اتنی نرم طبیعت کے تھے کہ ایک دفعہ آپ کو مارنے کے لئے بازار میں حضرت عمرؓ آگے بڑھے اور انہوں نے آپ کے کپڑے پھاڑ دیئے۔ لیکن وہی ابوبکرؓ جس کی نرمی کی یہ حالت تھی کہ ایک وقت ایسا آیا کہ حضرت عمرؓ آپ کے پاس آئے اور انہوں نے درخواست کی کہ تمام عرب مخالف ہو گیا ہے صرف مدینہ، مکہ اور ایک اور چھوٹی سی بستی میں نماز باجماعت ہوتی ہے۔ باقی لوگ نماز پڑھتے تو ہیں لیکن ان میں اتنا تفرقہ پیدا ہو چکا ہے کہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے تیار نہیں اور اختلاف اتنا بڑھ چکا ہے کہ وہ کسی کی بات سننے کو تیار نہیں۔ عرب کے جاہل لوگ جو پانچ پانچ چھ چھ ماہ سے مسلمان ہوئے ہیں مطالبہ کر رہے ہیں کہ زکوٰۃ معاف کر دی جائے۔ یہ لوگ زکوٰۃ کے مسئلہ کو سمجھتے تو ہیں نہیں اگر ایک دو سال کے لئے انہیں زکوٰۃ معاف کر دی جائے تو کیا حرج ہے۔ گویا وہ عمرؓ جو ہر وقت تلوار ہاتھ میں لئے کھڑا رہتا تھا اور ذرا سی بات بھی ہوتی تو کہتا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ ! حکم ہو تو اس کی گردن اُڑا دوں۔ وہ ان لوگوں سے اتنا مرعوب ہو جاتا ہے اتنا ڈر جاتا ہے اتنا گھبرا جاتا ہے کہ ابوبکرؓ کے پاس آ کر ان سے درخواست کرتا ہے کہ ان جاہل لوگوں کو کچھ عرصہ کے لئے زکوٰۃ معاف کر دی جائے ہم آہستہ آہستہ انہیں سمجھا لیں گے۔ مگر وہ ابوبکرؓ جو اتنا رقیق القلب تھا کہ حضرت عمرؓ کہتے ہیں میں ایک دفعہ انہیں مارنے کے لئے تیار ہو گیا تھا اور بازار میں ان کے کپڑے پھاڑ دیئے تھے اُس نے اُس وقت نہایت غصہ سے عمرؓ کی طرف دیکھا اور کہا عمر! تم اس چیز کا مطالبہ کر رہے ہو جو خدا اور اس کے رسول نے نہیں کی۔ حضرت عمرؓ نے کہا یہ ٹھیک ہے لیکن یہ لوگ حدیث العہد ہیں۔ دشمن کا لشکر مدینہ کی دیواروں کے پاس پہنچ چکا ہے کیا یہ اچھا ہوگا کہ یہ لوگ بڑھتے چلے آئیں اور ملک میں پھر طوائف الملوکی کی حالت پیدا ہو جائے یا یہ مناسب ہوگا کہ انہیں ایک دو سال کے لئے زکوٰۃ معاف کر دی جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا خدا کی قسم! اگر دشمن مدینہ کے اندر گھس آئے اور اس کی گلیوں میں مسلمانوں کو تہ تیغ کر دے اور عورتوں کی لاشوں کو کتے گھسیٹتے پھریں تب بھی میں انہیں زکوٰۃ معاف نہیں کروں گا۔ خدا کی قسم! اگر

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ لوگ رسّی کا ایک ٹکڑا بھی بطور زکوٰۃ دیتے تھے تو میں وہ بھی ان سے ضرور وصول کروں گا۔[۲] پھر آپ نے فرمایا عمر! اگر تم لوگ ڈرتے ہو تو بیشک چلے جاؤ میں اکیلا ہی ان لوگوں سے لڑوں گا اور اُس وقت تک نہیں رُکوں گا جب تک یہ اپنی شرارت سے باز نہیں آجاتے۔ چنانچہ لڑائی ہوئی اور آپ ہی فاتح ہوئے اور اپنی وفات سے پہلے پہلے آپ نے دوبارہ سارے عرب کو اپنے ماتحت کر لیا۔ غرض حضرت ابوبکرؓ نے اپنی زندگی میں جو کام کیا وہ انہی کا حصہ تھا کوئی اور شخص وہ کام نہیں کر سکتا تھا۔ مگر یہی عمرؓ جو ابوبکرؓ کی خلافت میں ایک خطرہ کی حالت میں ڈر گئے تھے اور جنہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے یہ درخواست کی تھی کہ لڑائی کرنے کی بجائے صلح کر لی جائے جب ان کا اپنا زمانہ آتا ہے تو جو کام انہوں نے کیا وہ انہی کا حصہ تھا ان کا غیر وہ کام نہیں کر سکتا تھا۔ وہی ارتداد کے فتنہ سے ڈر جانے والا عمرؓ جب خلافت کے مسند پر آتا ہے اس وقت دنیا میں دو بڑی سلطنتیں تھیں۔ آدھی دنیا پر ایران قابض تھا اور آدھی دنیا پر روم کی سلطنت تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں لڑائیاں ہوئیں اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں پھیل گئیں لیکن پھر بھی وہ اس شدت کو نہیں پہنچی تھیں جس شدت کو وہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں پہنچیں۔ حضرت عمرؓ کو یہ خبر پہنچی کہ ایرانیوں نے مسلمانوں پر چھاپہ مارا ہے لوگوں نے کہا یہ وقت نازک ہے روم سے لڑائی ہو رہی ہے اور ایران کی حکومت بھی حملہ آور ہونے کی تیاریاں کر رہی ہے اِس وقت ہمیں اس جھگڑے کو نظر انداز کر دینا چاہئے ایران سے لڑائی کرنے کا یہ موقع نہیں کیونکہ ایک وقت میں دنیا کی دو بڑی سلطنتوں سے لڑائی کرنا ہمارے لئے آسان نہیں۔ لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں اسلام کو ذلیل نہیں ہونے دوں گا میں ایک ہی وقت میں دونوں کا مقابلہ کروں گا۔ ایران میں جسر[۳] کی خطرناک شکست کے بعد جب مسلمانوں کا سارا لشکر تہ تیغ ہو گیا تھا اور باقی لشکر شام کی طرف گیا ہوا تھا۔ مدینہ سے صرف تین سو آدمی مل سکتے تھے مگر حضرت عمرؓ نے کہا میں ان تین سَو آدمیوں کو ساتھ لے کر ہی ایران کا مقابلہ کرنے کے لئے جاؤں گا۔ مگر اُس وقت حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہؓ کے اصرار کے بعد آپ خود جانے سے رُک گئے مگر تھوڑے سے لشکر کو ایران کا مقابلہ کرنے کے لئے بھجوا دیا۔

پھر حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا تو وہ بھی اپنے وقت کے بہترین انسان ثابت ہوئے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ شہید ہوئے لیکن ان کی شہادت کے واقعات پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سینے میں ایک مضبوط دل تھا اور ان کے اندر وہ دلیری اور حوصلہ پایا جاتا تھا جو عام انسانی برداشت سے بالکل باہر ہے۔

پھر حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ میں جو کام کیا وہ درحقیقت حضرت علیؓ کا ہی حصہ تھا اور کوئی دوسرا شخص اس کام کو سرانجام نہیں دے سکتا تھا۔ خوارج کے فتنہ کا عملی اور علمی مقابلہ جو حضرت علیؓ نے کیا وہ ایک بے نظیر کام ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے سرداری کی اور اپنے اپنے وقت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کلی طور پر نیابت کی۔ لیکن اس قسم کے اور واقعات بھی کثرت سے چھوٹے صحابہؓ میں پائے جاتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں علم دین کے ماہر تھے وہاں آپ کو علم النفس میں بھی کمال کی دسترس حاصل تھی۔ آپ جانتے تھے کہ کس طرح قوموں کو بیدار کیا جاتا ہے اور کس طرح انہیں کارہائے نمایاں دکھانے کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ آپ بعض دفعہ مثلاً تلوار ہاتھ میں لے لیتے اور صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کرتے یہ تلوار ہے کون ہے جو اس تحفہ کا حق ادا کرے؟ صحابہ باری باری کھڑے ہوتے اور اپنے آپ کو اس کام کے لئے پیش کرتے۔ آخر آپؐ ان میں سے اس شخص کو پہچان لیتے جو اس تلوار کا حق ادا کرنے والا ہوتا اور اسے وہ تلوار عنایت فرما دیتے۔ پھر وہ لوگ عجیب عجیب قسم کی قربانیاں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ایسی قربانیاں کہ ان واقعات کو پڑھ کر دل میں ایک خاص جوش پیدا ہوتا ہے اور مردہ لوگوں میں بھی زندگی کا خون دوڑنے لگتا ہے۔ پھر یہی واقعات دنیا کی عام تاریخ میں بھی ملتے ہیں۔ غرض ''ہر کارے و ہر مردے اور ہر وقتے و ہر سخنے'' بڑا ہی صحیح مقولہ ہے خدا تعالیٰ اپنی ساری برکتیں کسی ایک شخص کے لئے مخصوص نہیں کر دیتا۔ اس کی نظر عنایت ہزاروں ہزار پر ہے۔ کسی موقع پر وہ کسی کو آگے آنے کا موقع دے دیتا ہے اور کسی وقت کسی کو آگے آنے کا موقع دیتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کتنی زیادہ مالی قربانی کرنے والے تھے لیکن ایک دفعہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جنگ کی تیاری کے لئے روپیہ کی ضرورت پیش آئی اور آپ نے

فرمایا کہ کوئی ہے جو اپنے مال سے جنت خریدنا چاہے۔تو خدا تعالیٰ نے حضرت عثمانؓ کو موقع دے دیا[۱۴] اور آپ نے اپنا اکثر مال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ وہ مال کوئی بارہ ہزار دینار کے قریب تھا جو آجکل کے لاکھوں روپے کے برابر ہے۔غرض ہر وقت اور ہر زمانہ کے لئے کوئی نہ کوئی مخصوص شخص ہوتا ہے جسے خدا تعالیٰ کی طرف سے ایسی برکات حاصل ہو جاتی ہیں کہ وہ اپنے زمانہ کے لئے بطور یادگار بن جاتا ہے۔

اس زمانہ میں دنیا کی اصلاح کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے۔آپ کے ماننے والوں میں بھی ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے دین کی خاص خدمت کی اور اس کی خاطر وہ وہ قربانیاں کیں جنہیں دیکھ کر ہماری قوم تا قیامت زندہ رہ سکتی ہے۔کوئی شخص جب سید عبداللطیف شہید کی قربانیوں کو دیکھے گا تو وہ کہے گا کہ میں بھی عبداللطیف شہید بنوں گا۔کوئی حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے واقعاتِ زندگی کو دیکھے گا تو اس کے اندر آپ جیسا انسان بننے کی خواہش موجزن ہوگی۔کوئی حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کے حالات کو پڑھے گا تو وہ ان جیسا بننے کی کوشش کرے گا۔کوئی مولوی برہان الدین صاحب اور مولوی محمد عبداللہ صاحب سنوری کے واقعات پڑھے گا تو کہے گا کہ کاش! وہ بھی ان جیسا بن جائے۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض لوگوں نے بعد میں ٹھوکریں بھی کھائیں لیکن ہم ان کی قربانیوں اور ان کے بے مثال کارناموں کو بھول نہیں سکتے۔خدا تعالیٰ جیسا چاہے ان سے معاملہ کرے۔ ہمارا کام یہی ہے کہ ان کی قربانیوں کو نہ بھولیں۔ شیخ رحمت اللہ صاحب نے بے شک بعد میں ٹھوکر کھائی اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی وفات کے بعد پیغامی ہو گئے لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی دینی خدمات اور قربانیوں کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان سے خاص محبت تھی۔ میں نے کئی دفعہ رؤیا میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا کہ وہ دوسرے لوگوں کی طرف سے منہ پھیرے ہوئے ہیں لیکن شیخ رحمت اللہ صاحب کی طرف کنکھیوں سے محبت سے دیکھ رہے ہیں۔ان کے متعلق میں نے بھی ایک رؤیا دیکھا تھا جو اِس بات پر دلالت کرتا تھا کہ وہ ٹھوکر کھا جائیں گے پس گو انہیں بعد میں ٹھوکر لگی لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انہوں نے اپنے وقت میں دین کی

خاطر قربانیاں کی ہیں۔ ان سے پہلے سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب مدراسی نے قربانی کا بے نظیر نمونہ دکھایا۔ اِسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں آپ کے ماننے والوں میں سے کئی ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے اپنے وقت میں دین کے لئے عظیم الشان قربانیاں کیں۔ بعد میں آنے والے جب بھی ان کے واقعات پڑھیں گے دیکھیں گے کہ انہوں نے دین کی خاطر بے مثال خدمتیں کی ہیں اور خدا تعالیٰ کا خاص فضل ان پر نازل ہوا ہے تو ان میں بھی ان کی نقل کرنے کی خواہش پیدا ہوگی۔ پھر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کا زمانہ آیا وہ زمانہ زیادہ تر ارہاص یعنی خلافت کے قیام کا زمانہ تھا اس زمانہ میں کوئی ایسا ٹھوس کام جو جماعت کی تبلیغی ترقی کے ساتھ وابستہ ہوتا نہیں ہوا بلکہ سارا وقت اندرونی لڑائیوں اور آپس کے جھگڑوں میں ہی گزر گیا۔ مگر بہرحال اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس زمانہ میں بھی جماعت نے ترقی کی اور پہلے سے زیادہ مضبوط ہوگئی اور خصوصاً ہائی سکول کی تعمیر ایک نمایاں کام تھا۔ اُس زمانہ میں زیادہ تر اندرونی فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے مجھے ہی جنگ کرنی پڑی اور اس وجہ سے مخالفین اور فتنہ پرداز لوگوں کے ان حملوں کا جو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل اور اُن کی تائید کرنے والے لوگوں پر کئے گئے زیادہ تر میں ہی ہدف رہتا تھا۔ پھر میرا زمانہ آیا جس میں عام طور پر غیروں نے سمجھ لیا کہ اب یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا کیونکہ سب کام ایک بچے کے ہاتھ میں چلا گیا ہے۔ سلسلہ کے سپرد فتح دنیا کا کام ہے اور کام ایک غیر تعلیم یافتہ اور ناتجربہ کار بچہ کے سپرد ہو گیا ہے۔ جس نے بڑے بڑے کام نہیں کئے۔ میں بتا چکا ہوں کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کا زمانہ زیادہ تر خلافت کے قیام کا زمانہ تھا۔ لیکن اب خلافت کے کام کا زمانہ شروع ہو رہا تھا۔ اس زمانہ میں خلافت کی بنیادوں پر عمارت کی تعمیر شروع ہوئی اور مختلف لوگوں کو مختلف رنگوں میں خدمت دین کا موقع ملا۔''

(الفضل ۳۱ رجولائی ۱۹۴۹ء)

۱؎ مسلم کتاب فضائل الصحابة باب من فضائل ابی بکر صفحہ ۱۰۵۱ حدیث نمبر ۶۱۸۱ مطبوعہ ریاض ۲۰۰۰ء الطبعة الثانية

۲؎ تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ ۶۰ الناشر مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز ۲۰۰۴ء

۳؎ **جسـر:** حضرت عمرؓ کے دور میں مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان ایک جنگ لڑی گئی۔ اس جنگ میں فوجیں دریائے فرات کے آر پار تھیں۔ درمیان میں رابطے کی خاطر ایک پُل بنایا گیا۔ عربی میں اسے جسر کہتے ہیں۔ اس لیے اس جنگ کا نام جنگ جسر پڑا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے چار ہزار آدمی مارے گئے جن میں جنگ کے سپہ سالار ابو عبید بھی شامل تھے۔
(مخلص از تاریخ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۴۳۸ تا ۴۴۰ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء)

۴؎ **بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب مناقب عثمان بن عفان** صفحہ ۶۲۱ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء **الطبعة الثانية**

تم اگر خدا تعالیٰ کے لئے قربانی کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہیں ہمیشہ کی زندگی بخشے گا

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۳ر نومبر ۱۹۵۰ء بمقام ربوہ)

''دفاتر تحریک جدید میں بعض لوگ ایسے موجود ہیں جو وقف سے بھاگنا چاہتے ہیں۔ وہ ایسی رپورٹیں کر کے اپنے بھاگنے کے لئے رستہ کھولنا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان کے لئے مثالیں قائم ہو جائیں اور وہ بھی وقف سے بھاگ سکیں۔ اس قسم کے منافق لوگ جب دیکھتے ہیں کہ مخاطب مخلص احمدی ہیں اور اگر انہیں یہ بتایا کہ خلیفہ بھی ایسا ہے تو وہ بگڑ جائیں گے۔ اس لئے وہ کہہ دیتے ہیں خلیفۂ وقت کو تو ان باتوں کا پتہ ہی نہیں۔ گویا وہ تو بھنگ پینے والا ایک مست آدمی ہے اسے کیا پتہ ہے کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے اور یہ احمدی یہ نہیں سمجھتے کہ جب وہ منافق یہ کہتا ہے کہ دفتر والے خلیفہ وقت کے پاس غلط رپورٹیں کرتے ہیں تو وہ کارکنوں کو بے ایمان اور ذرا نرم لہجہ میں خلیفہ کو احمق کہتا ہے اور وہ لوگ یہ سن کر کہ اس منافق نے خلیفہ کو احمق کہا ہے بڑے خوش ہوتے ہیں لیکن وہ خلیفہ ہے کس کام کا جو لوگوں کی سچی جھوٹی باتیں سن کر ایک فیصلہ کر دیتا ہے وہ دفتر کا ایک چپڑاسی بننے کے قابل بھی نہیں کجا یہ کہ خلافت کا کام اس کے سپرد کیا جائے۔

وہ لوگ زندہ موجود ہیں جو جانتے ہیں کہ بعض دفعہ مجلس میں پرائیویٹ سیکرٹری تین تین ماہ بعد ایک خط پیش کرتا اور کہتا کہ اس میں فلاں آدمی یہ بات لکھتا ہے اور میں کہتا یہ بات غلط ہے لاؤ خط نکالو۔ پھر وہ خط نکالتا تو جو میں کہتا وہ صحیح ہوتا اور جو اس نے کہا ہوتا وہ غلط ہوتا

خدا تعالیٰ جس شخص کو خلافت پر کھڑا کرتا ہے وہ اس کو اپنے مطلب کے حافظے بھی دیا کرتا ہے اوراس کو زمانہ کے مطابق علوم بھی عطا کرتا ہے۔ اگر وہ احمق، جاہل اور بے وقوف ہوتا ہے جیسے یہ لوگ خیال کرتے ہیں تو اس کے کیا معنی ہیں کہ خلیفہ خود خدا بناتا ہے۔ اس کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ جب کسی کو خدا خلیفہ بناتا ہے تو اسے اپنی صفات بخشتا ہے اگر وہ اسے اپنی صفات نہیں بخشتا تو خدا تعالیٰ کے خود خلیفہ بنانے کے معنی ہی کیا ہیں۔

اِسی قسم کے کئی احمق کہا کرتے ہیں کہ فلاں نبی نے فلاں غلطی کی ہے۔ میں ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ اگر اس نبی نے غلطی کی ہے تو خدا تعالیٰ نے اسے نبی کیوں بنا دیا وہ تمہیں نبی بنا دیتا۔ جیسے آجکل بعض ترقی پسند مسلمان بھی کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ کے حالات کے مطابق بعض ناقص انتظام کئے تھے۔ ہم چونکہ ترقی یافتہ اور متمدن لوگ ہیں ہمیں اپنے زمانہ کے حالات کے مطابق انتظام کرنا چاہئے حالانکہ سوال یہ ہے کہ کیا خدا تعالیٰ بھی بیوقوف تھا جس نے تمہاری موجودگی میں نبوت محمد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدی۔ اگر نَعُوْذُ بِاللّٰہِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے اہل نہیں تھے تو خدا تعالیٰ نے آپ کو نبوت کا مقام کیوں عطا فرمایا۔ یہ تو ایسا ہی احمقانہ عقیدہ ہے جیسے بعض غالی شیعہ کہتے ہیں کہ نبوت جبرائیل علیہ السلام حضرت علیؓ کیلئے لائے لیکن غلطی سے محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی کیونکہ آپ دونوں ایک ہی مکان میں رہتے تھے۔ پس یہ بات تو درست نہیں کہ خلیفہ بے وقوف ہے۔ خلیفہ خدا کا بنایا ہوا ہے اور خدا تعالیٰ نے اسے اپنی طاقتوں سے بھی حصہ دیا ہاں وہ مومن جو اس قسم کے منافقوں کی باتوں سے دھوکا میں آجاتا ہے وہ ضرور بے وقوف ہوتا ہے اس کے سامنے جب ایک شخص اس کی ڈاڑھی نوچتا ہے وہ خلیفہ کو پیچدار الفاظ میں احمق کہتا ہے اور وہ واہ واہ کرتا جاتا ہے اوراپنے ذہن میں یہ سمجھتا ہے کہ اس نے بڑے اخلاص کا ثبوت دیا ہے حالانکہ جب اس کی تشریح کی جائے تو یہ اخلاص کا ثبوت نہیں ہوتا عدمِ اخلاص کا ثبوت ہوتا ہے کیونکہ اس کو اتنی بھی سمجھ نہیں کہ اس گالی کو سمجھ سکے جہاں اخلاص ہوتا ہے وہاں اس قسم کی باتوں کے سمجھنے کی طاقت بھی ہوتی ہے''۔

(الفضل ۲۲ رنومبر ۱۹۵۰ء)

خلافت ایک عظیم الشان نعمت ہے

(فرمودہ ۲ / مارچ ۱۹۵۱ء بمقام ناصر آباد سندھ)

تشہد، تعوّذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

''مجھے اس دفعہ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی ہے کہ سندھ کی جماعتوں میں یہ احساس پیدا ہوا ہے کہ وہ میرے اس دورہ کے موقع یہاں آئیں اور جمعہ کی نماز اس جگہ ادا کریں چنانچہ دونوں جمعوں میں مختلف اطراف سے جماعت کے احباب جمعہ کی نماز کے لئے یہاں آئے جو ایک خوش کن امر ہے۔ زندہ قوموں کے اندر کچھ زندگی کی علامتیں ہوتی ہیں اور وہ علامتیں ہی یہ بتاتی ہیں کہ ان کے اندر زندگی کی روح پائی جاتی ہے۔ وہ علامتیں نہ ہوں تو ان کا زندہ ہونا ایک مشتبہ امر ہوتا ہے۔ کیونکہ قومی زندگی انسانی زندگی کی طرح نہیں کہ ہم کسی کو سانس لیتا دیکھیں تو سمجھیں کہ وہ زندہ ہے۔ چلتے پھرتے دیکھیں تو سمجھیں کہ وہ زندہ ہے۔ قومی زندگی کی علامتیں فردی زندگی سے مختلف ہوتی ہیں۔ قومی زندگی کی علامتوں میں ترقی کی نیت اور اُمنگ اور امیدیں اور اصلاح کی طرف توجہ اور جماعتی روح اور نظام کی روح وغیرہ شامل ہیں اور یہی چیزیں قومی زندگی کی علامت ہوتی ہیں جس طرح فردی زندگی کی علامتوں میں دیکھنا، سننا، بولنا، کھانا، سانس لینا اور فضلے کا خارج کرنا ہے اور ان علامتوں کو دیکھ کر ہم سمجھ لیتے ہیں کہ ایک چیز زندہ ہے۔ اسی طرح جب ہم کسی جماعت کے اندر یہ دیکھتے ہیں کہ اس میں ترقی کا احساس پایا جاتا ہے، جب ہم دیکھتے ہیں کہ جماعت کے قیام کے لئے اس میں قربانی کا احساس پایا جاتا ہے، جب ہم دیکھتے ہیں کہ اپنی تنظیم کو مضبوط کرنے اور اسے زیادہ سے زیادہ نمایاں کرنے کا احساس اس میں پایا جاتا ہے، جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے ایک حصہ

پر جب حملہ ہوتا ہے تو باقی سارا حصہ اس کی اذیت کو محسوس کرتا ہے اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ سب کے سب افراد ایک مرکز کی طرف مائل ہیں جو اسلام میں خلیفہ ہوتا ہے جس طرح جسم کے حصے دل کی طرف جھکے ہوئے ہوتے ہیں تو ان علامتوں کو دیکھ کر ہم سمجھ لیتے ہیں کہ اس جماعت میں زندگی کا مادہ پایا جاتا ہے بلکہ اصل زندگی تو الگ رہی جو قومیں صداقت سے دور ہیں اور جن میں صرف ایک مصنوعی زندگی پائی جاتی ہے وہ بھی بعض دفعہ بڑی بڑی قربانی کرتی نظر آتی ہیں۔ پچھلے دوسال میں دودفعہ سرآغاخان کراچی آئے مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ گلگت سے جو ہزاروں میل دور ہے آغاخانی مذہب کے لوگ چل کر کراچی پہنچے اور آغاخان سے ملے۔ اُن میں ایسے طبقہ کے لوگ بھی تھے جو دنیوی لحاظ سے بہت بڑے سمجھے جاتے ہیں۔ چنانچہ دوتو نواب ہی تھے جو گلگت سے کراچی آئے۔ اس دفعہ بھی ان کے آنے پر میں نے دیکھا ہے کہ اخباروں میں لکھا تھا کہ سینکڑوں میل سے لوگ ان سے ملنے کے لئے آئے ہیں۔ اب آغاخانیوں میں جان تو نہیں ایک انسان کو خدا ماننے والوں یا دنیا میں اسے خدائی کا قائم مقام ماننے والوں میں حقیقی زندگی کہاں ہوسکتی ہے مگر جو سیاسی زندگی ہے وہ ان میں پائی جاتی ہے اور وہ جانتے ہیں کہ ہمارے جتھے کی تقویت کا ذریعہ یہی ہے کہ ہم ایک شخص کے پیچھے چلیں اور وہ بعض دفعہ ایسا مظاہرہ بھی کرتے ہیں جس سے وہ دنیا پر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ہم ایک ہاتھ پر جمع ہیں گو وہ ہاتھ شل ہی کیوں نہ ہو اور گو وہ ہاتھ ایسے غلط عقیدہ کے ساتھ وابستہ ہی کیوں نہ ہو جسے انسان کی فطرت کبھی مان نہیں سکتی۔ تو زندگی کے آثار میں سے جماعتی احساس بھی ہوتا ہے اور جماعتی احساس کا ثبوت جیسا کہ اسلام نے بتایا ہے ہمیشہ ایک مرکز کے ساتھ تعلق رکھنے کے ذریعہ ملتا ہے۔ جب تک مرکز کے ذریعہ وحدت قائم رہتی ہے ترقی ہوتی چلی جاتی ہے اور جب مرکز سے تعلق کمزور ہوجاتا ہے تو قومیں گرنے لگ جاتی ہیں۔ جیسے پہاڑوں پر چڑھائی مشکل ہوتی ہے لیکن جب لوگ کسی پہاڑ پر چڑھنا چاہیں تو اپنی مدد کے لئے کھڈ سٹک پکڑ لیتے ہیں پھر اور مشکل آئے تو درختوں کی شاخیں پکڑ لیتے ہیں اور زیادہ خطرناک راستے آجائیں تو وہاں واقف کار لوگ میخیں گاڑ کر ان کے ساتھ رسّے باندھ دیتے ہیں تاکہ ان کا سہارا لے کر لوگ اوپر چڑھ سکیں یا جہاں ایسی

سیڑھیاں آ جائیں جن سے گرنے کا خطرہ ہو وہاں میخوں کے ساتھ لوگوں نے رسّے باندھے ہوئے ہوتے ہیں جن کے سہارے لوگ اوپر چڑھ جاتے ہیں۔ اسی طرح مرکز کمزوروں اور گرنے والوں کے لئے ایک سہارا ہوتے ہیں اور وہ لوگ جو اپنے اندر کمزوری محسوس کرتے ہیں مرکز کے رسوں کو پکڑ کر مضبوطی حاصل کر لیتے ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے خلافت کو رحمت قرار دیا ہے اور مومنوں کے ساتھ اس نے خلافت کا وعدہ کیا ہے مگر ساتھ ہی فرمایا ہے کہ یہ انعام ہے اور انعام کے وعدے اور حکم میں فرق ہوتا ہے۔ حکم بہرحال چلتا چلا جاتا ہے اور انعام صرف اس وقت تک رہتا ہے جب تک انسان اس کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔ جب مستحق نہیں رہتا تو انعام اس سے واپس لے لیا جاتا ہے۔ چنانچہ دیکھ لو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف چار خلافتیں ہوئیں مگر عیسائیوں کی خلافت آج تک قائم ہے۔ اسلامی خلافت کا زمانہ صرف تیس سال تک رہا اور عیسائیوں کی خلافت پر انیس سَو سال گزر چکے ہیں اور وہ ابھی تک قائم ہے۔

بے شک جہاں تک روحانیت کا سوال ہے ان کی خلافت کا روحانیت سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے اور انہوں نے آپ کو نہیں مانا تو وہ ایمان سے خارج ہو گئے اور کافروں میں شامل ہو گئے۔ اسی طرح جہاں تک نیکی کا سوال ہے وہ بھی ان میں نہیں پائی جاتی اگر ان میں نیکی ہوتی تو لوٹ کھسوٹ اور کینہ اور کپٹ اور ناجائز تصرف اور دباؤ وغیرہ کی عادتیں ان میں کیوں پائی جاتیں۔ لیکن جہاں تک عیسائیت کو قائم رکھنے کا سوال ہے یہ خلافت اس کو قائم رکھنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ثابت ہوئی ہے اور اسی وجہ سے آج بھی عیسائی کروڑوں کروڑ روپیہ عیسائیت کی اشاعت کے لئے خرچ کر رہے ہیں۔ بظاہر ان کا مرکز اپنی طاقت کو کھو چکا ہے۔ چنانچہ پہلے بادشاہت بھی پوپ کے ساتھ ہوا کرتی تھی مگر آہستہ آہستہ بادشاہتیں الگ ہو گئیں اور اب محض چند میل کا علاقہ ادب کے طور پر پوپ کیلئے چھوڑ دیا جاتا ہے تا کہ اس علاقہ میں وہ اپنے آپ کو حاکم سمجھ لے۔ پانچ دس میل لمبا اور پانچ سات میل چوڑا علاقہ غالبًا ہے جس میں پوپ کی حکومت ہے بلکہ اسے حکومت بھی نہیں کہنا چاہئے دفاتر کا نظام اس جگہ قائم ہوتا ہے اور جہاں سارے اپنے ہی

کارکن ہوں وہاں حکومت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بہر حال صرف چند میل کا علاقہ ہے جو عیسائیوں نے محض پوپ کے ادب کے لئے آجکل چھوڑ رکھا ہے مگر اس کی طاقت کا یہ حال ہے کہ اب بھی عیسائی دنیا پوپ کی ناراضگی کو برداشت نہیں کرسکتی۔ دنیا میں کمیونزم ترقی کررہا ہے عیسائی دنیا گھبرا رہی ہے اور بڑے بڑے یورپین مدبر کمیونزم کی ترقی سے کانپ رہے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ اس کا مقابلہ کریں اور وہ یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ مذہب کا اتحاد ہی وہ اکیلی چیز ہے جس سے کمیونزم کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ ان کی سیاستیں بالکل کھوکھلی ہوچکی ہیں، ان کی حکومتیں بالکل بیکار ہوچکی ہیں اس لئے کہ حکومتوں کا زور تلواروں اور بندوقوں پر ہوتا ہے اور کمیونزم لوگوں کے دلوں میں گھس رہی ہے اور چاہے کتنی بڑی توپیں ہوں جب کوئی بات دل پر اثر کر جائے تو توپیں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔ امریکہ کے پاس اس وقت کتنی بڑی بڑی توپیں ہیں لیکن فرض کرو امریکہ کا پریذیڈنٹ کمیونزم کا لٹریچر پڑھتا ہے اور وہ کمیونزم کا شکار ہوجاتا ہے تو توپیں کیا کرسکتی ہیں۔ پس کمیونزم دلوں پر حملہ کررہی ہے اور حکومتیں دلوں پر حملہ نہیں کرسکتیں۔ صرف مذہب ہی ہے جو انسان کے دل پر اثر کرتا ہے اور اس وجہ سے مذہب ہی کمیونزم کا صحیح طور پر مقابلہ کرسکتا ہے۔ چنانچہ اب دنیا میں عام طور پر یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ کمیونزم کا اگر مقابلہ کیا جاسکتا ہے تو مذہب ہی کے ذریعہ سے۔ مگر عیسائیت اب اتنی بدنام ہوچکی ہے کہ اگر وہ ایشیا کی خیر خواہی کے لئے بھی کوئی بات کہے تو لوگ اسے کہتے ہیں اچھا اب ہماری خیر خواہی کا جبہ پہن کر تم ہمیں دھوکا دینے لگے؟ ہم تمہارے اس فریب میں آنے کے لئے تیار نہیں۔ چونکہ پادری کا جبہ عیسائی سیاست کے ساتھ ہمیشہ وابستہ رہا ہے اور جہاں انگریز کی توپ گئی وہاں پادری کا جبہ بھی جا پہنچا اس لئے اب خواہ وہ کسی اور نیت سے ان کے سامنے آئیں لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دھوکا اور فریب کا جبّہ ہے اور اپنی سیاست قائم کرنے کے لئے ہماری خیر خواہی کا اظہار کیا جارہا ہے۔ اور پھر جن ملکوں کے متعلق یہ خطرہ ہے کہ وہ کہیں کمیونزم کے اثر کو قبول نہ کرلیں ان میں عیسائی کم ہیں اور دوسرے مذاہب کے لوگ بہت زیادہ ہیں۔ ان ممالک میں تو یوں بھی عیسائی پادریوں کا کوئی اثر نہیں ہوسکتا۔ مثلاً اگر ہندوؤں میں کھڑے ہوکر کوئی پادری یہ کہے کہ انجیل میں یوں

لکھا ہے یا تورات میں یوں آتا ہے تو لوگوں پر اس کا کیا اثر ہوگا وہ یہی کہیں گے کہ ہم تو انجیل اور تورات کو مانتے ہی نہیں۔ ہمارے سامنے ان باتوں کے بیان کرنے کا فائدہ کیا ہے۔ ہندوؤں میں وہی شخص کامیاب ہوسکتا ہے جو ہندو مذہب کے لٹریچر اور ویدوں کے حوالہ جات کو پیش کر کے بات کرے اور مسلمانوں میں وہی شخص مقبول ہوسکتا ہے جو قرآن کریم اور احادیث سے مسائل بیان کرے اور بدھوں میں وہی شخص مقبول ہوسکتا ہے جو بدھ مذہب کے لٹریچر سے اپنی باتیں نکال کر پیش کرے۔ پس کمیونزم کے مقابلے کی صرف یہی صورت ہوسکتی ہے کہ عیسائی بھی ہندو بھی اور مسلمان بھی اور بدھ بھی اور زرتشتی بھی سب کے سب جمع ہو جائیں اور مل کر کمیونزم کا مقابلہ کریں۔

اگر تمام مذاہب کے ماننے والے جمع ہو جائیں اور اپنے اپنے عقائد کے مطابق اپنے ہم خیال لوگوں کو مخاطب کریں تو یقیناً ہندو بھی سنے گا اور عیسائی بھی سنے گا اور مسلمان بھی سنے گا اور بدھ بھی سنے گا کیونکہ وہاں سیاست کا کوئی سوال نہیں ہوگا۔ وہاں ہر شخص یہی کہے گا کہ ہمارا مذہب ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے اور کمیونزم اس کے خلاف ہے۔ دوسری طرف اس کے نتیجہ میں کمیونزم کو بھی اپنے حملہ کا رخ بدلنا پڑے گا۔ اب تو کمیونزم یہ کہتی ہے کہ ہم صرف سیاست کے خلاف ہیں۔ وہ ہے تو مذہب کے خلاف بھی مگر وہ اس کا ذکر نہیں کرتی۔ سمجھتی ہے کہ جب حکومت ہمارے ہاتھ میں آجائے گی تو مذہب خود بخود مٹا ڈالیں گے۔ فی الحال صرف حکومتوں کو توڑنا ہمارا کام ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ سرِ دست ہم نے خدانخواستہ پاکستان کی حکومت کو توڑنا ہے، ہم نے ہندوستان کی حکومت کو توڑنا ہے، ہم نے افغانستان کی حکومت کو توڑنا ہے، ہم نے یورپین حکومتوں کو توڑنا ہے۔ چین کی حکومت کو تو وہ توڑ ہی چکے ہیں جب تمام حکومتیں ٹوٹ گئیں تو مذہب کیلئے کوئی جگہ نہیں رہے گی کیونکہ جہاں ان کا غلبہ ہوا وہاں نہ کوئی مذہب کا نام لے سکے گا نہ اس پر عمل کر سکے گا اور نہ اس کی اشاعت کے لئے کوئی کوشش کر سکے گا۔ یہ سکیم ہے جس کے ماتحت کمیونزم اپنے کام کو وسیع کرتا چلا جا رہا ہے مگر مذہبی لوگ خاموش بیٹھے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا اس سے کیا واسطہ کمیونسٹ تو صرف سیاست کے خلاف ہیں۔ ان کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص دیکھے کہ ایک دشمن کسی بچے کو مار

رہا ہے تو وہ اس خیال سے خاموش بیٹھا رہے کہ یہ کسی اور کا بچہ ہے مگر جب وہ مر جائے تب اسے پتہ لگے کہ یہ تو میرا ہی بچہ تھا۔ وہ بھی اس وقت بالکل خاموش بیٹھے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمیں اس جھگڑے سے کیا واسطہ یہ تو ایک سیاسی جھگڑا ہے۔ لیکن اگر سارے کے سارے لوگ کھڑے ہو جائیں اور وہ کہیں کہ یہ دہریت کی تعلیم دینے والے یہ انبیاء کو جھوٹا اور فریبی کہنے والے یہ الہام اور وحی کا انکار کرنے والے یہ الہامی کتابوں کو جھوٹا کہنے والے یہ خدا اور اس کے رسولوں کا نام دنیا سے مٹانے والے ہمارے دشمن ہیں۔ اور ہمارا فرض ہے کہ ہم سب مل کر اس کا مقابلہ کریں تو لازماً کمیونزم کو بھی مذہب کا مقابلہ کرنا پڑے گا اور جب وہ مذہب کا مقابلہ کرے گی تو وہ لوگ بھی جو اپنے آپ کو پہلے بے تعلق سمجھا کرتے تھے اس لڑائی میں شامل ہو جائیں گے۔ اور یہ لڑائی تلوار سے ہٹ کر دلیل کی طرف آ جائے گی۔ اور اس میں کمیونزم کا شکست کھا جانا ایک قطعی اور یقینی چیز ہے۔ یہ ایک اتنی موٹی بات ہے کہ یورپ کے تعلیم یافتہ تو الگ رہے ہندوستان اور افغانستان کے جاہل اور غیر تعلیم یافتہ لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ مقابلہ کا اصل طریق یہی ہے مگر وہ کیوں ایسا نہیں کرتے؟ ابھی پچھلے دنوں ان کے بعض نمائندے کراچی آئے جن کے سامنے ہمارے بعض دوستوں نے یہی بات پیش کی اور ان سے کہا کہ کیا آپ اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھ سکتے کہ آپ لوگ سیاسی لڑائی کر رہے ہیں حالانکہ سیاسی لڑائی میں آپ کا پہلو کمزور ہے کمیونزم کا اصل حملہ مذہب پر ہے باقی سب درمیانی راستے ہیں جو انہوں نے اپنے لئے بنائے ہوئے ہیں اور مذہب کے خلاف ان کا حملہ ویسا ہی عیسائیت پر ہے جیسا اسلام پر یا جیسے ہندو مذہب پر ہے یا جیسے بدھ ازم پر ہے یا جیسے دنیا کے اور مذاہب پر ہے اور جب حالت یہ ہے تو آپ تمام مذاہب والوں سے یہ اپیل کیوں نہیں کرتے کہ مسلمان بھی اور ہندو بھی اور بدھ بھی اور عیسائی بھی سب مل کر کمیونزم کا مقابلہ کریں۔

یو۔این۔او کے ان نمائندوں نے جو امریکی تھے اور لاہور آئے ہوئے تھے ہماری جماعت کے دوستوں سے کہا کہ ہم یہ خوب سمجھتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ کمیونزم سے مقابلہ کا سہل طریق یہی ہے کہ تمام مذاہب کو متحد کیا جائے مگر مصیبت یہ ہے کہ اس طرح پوپ ناراض

ہو جاتا ہے اور ہم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔
یہ مثال میں نے اس لئے دی ہے کہ باوجود اس کے کہ عیسائیت کی خلافت اب محض ایک ڈھانچہ رہ گئی ہے اور وہ اپنی پہلی طاقت کو بالکل کھو چکی ہے پھر بھی عیسائیوں پر اس کا اتنا اثر ہے کہ وہ پوپ کی ناراضگی کو برداشت نہیں کر سکتے۔ وہ اپنی ہلاکت دیکھ رہے ہیں، وہ اپنی تباہی دیکھ رہے ہیں، وہ اپنی بربادی دیکھ رہے ہیں مگر یہ جرأت نہیں کر سکتے کہ پوپ کی رضامندی کے خلاف کوئی قدم اُٹھا سکیں۔
تو دیکھو ایک جتھے کا نتیجہ کتنا عظیم الشان ہوتا ہے اور اس میں کتنی بڑی طاقت پائی جاتی ہے۔ اسلام کا جتھا ایک زندہ جتھا ہے اور اسلام جس نظام کو قائم کرتا ہے اس کی بڑی غرض یہ ہے کہ روحانیت کو قائم کیا جائے، اخلاق کو درست کیا جائے اور ذاتی منافع پر قومی منافع کو ترجیح دی جائے۔ وہ تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى[1] کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ اس لئے جتھا بنانے کی تعلیم نہیں دیتا کہ ذاتی فوائد حاصل کئے جائیں بلکہ وہ اس لئے جتھا بندی کی تعلیم دیتا ہے تا کہ تمام انسان مل کر نیکی اور تقویٰ پر قائم رہیں اور یہ نعمت اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں مسلمانوں کو احمدیت کے ذریعہ دی ہے اور اس نے پھر ایک خلافت کا سلسلہ قائم کیا ہے جس کے ذریعہ وہ مسلمانوں کا ایک ایسا جتھا بنانا چاہتا ہے جو مل کر کفر کا مقابلہ کریں۔ یہ چیز بظاہر بہت حقیر نظر آتی ہے، بظاہر بہت کمزور نظر آتی ہے اور دشمن یہ سمجھتا ہے کہ ہم جب چاہیں احمدیت کو کچل سکتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ دنیا کے پردہ پر جو ساٹھ کروڑ کے قریب مسلمان ہیں ان کو وہ نعمت حاصل نہیں جو ہماری چھوٹی سی جماعت کو حاصل ہے اور وہ ان تمام فوائد سے محروم ہیں جو اس چھوٹی سی جماعت کو خلافت کی وجہ سے حاصل ہو رہے ہیں۔ مثلاً تبلیغ کو ہی لے لو یہی چیز ہے جسے ہم مخالف کے سامنے پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو ہم ساری دنیا میں تبلیغ اسلام کر رہے ہیں مگر تم نے کبھی غور کیا کہ یہ تبلیغ کس طرح ہو رہی ہے! یہ تبلیغ محض خلافت کی وجہ سے ہو رہی ہے۔ ایک مرکز ہے جس کے ماتحت وہ تمام لوگ جن کے دلوں میں اسلام کا درد ہے اکٹھے ہو گئے ہیں اور اجتماعی طور پر اسلام کے غلبہ اور اس کے احیاء کیلئے کوششیں کر رہے ہیں۔ وہ بظاہر چند افراد نظر آئے ہیں مگر اجتماعی طور پر ان میں

ایسی قوت پیدا ہوگئی ہے کہ وہ بڑے بڑے اہم کام سرانجام دے سکتے ہیں۔ جس طرح آسمان سے پانی قطروں کی صورت میں گرتا ہے پھر وہی قطرے دھاریں بن جاتے ہیں اور وہی دھاریں ایک بہنے والے دریا کی شکل اختیار کر لیتی ہیں اسی طرح ہمیں زیادہ سے زیادہ طاقت اور شوکت حاصل ہوتی چلی جاتی ہے ورنہ ہمارے احمدی جہاں تک ہمیں معلوم ہے پاکستان اور ہندوستان میں اڑھائی تین لاکھ سے زیادہ نہیں اور مسلمان ساری دنیا میں ساٹھ کروڑ ہیں۔ ساٹھ کروڑ اور اڑھائی تین لاکھ کی آپس میں کوئی بھی تو نسبت نہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ہم سے دو ہزار چار سَو گنے زیادہ ہیں اور پھر یہ زیادتی تو تعداد افراد کے لحاظ سے ہے مالی طاقت اور وسعت کو دیکھا جائے تو وہ ہم سے کئی گنا بڑھ کر ہیں۔ ہم ایک غریب جماعت ہیں اور وہ اپنے ساتھ بادشاہتیں رکھتے ہیں اس لحاظ سے تو درحقیقت وہ ہم سے دس گنا بڑھ کر ہیں لیکن اگر کم سے کم ان کی طاقت کو ہم دُگنا بھی فرض کر لیں تو اس کے معنی یہ بنتے ہیں کہ غیر احمدیوں کی طاقت ہم سے پانچ ہزار گنا زیادہ ہے۔ یعنی ہماری جماعت اگر تبلیغی مشنوں پر پانچ لاکھ روپیہ خرچ کرتی ہے تو مسلمانوں کو اڑھائی ارب روپیہ خرچ کرنا چاہئے۔ گویا مسلمانوں کی ہمارے مقابلہ میں اگر محض دُگنی طاقت ہو جو کسی صورت میں بھی درست نہیں ان کا مال اور ان کی دولت یقیناً بہت زیادہ ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں بھی بعض ایسے مسلمان تاجر موجود ہیں جو اکیلے اکیلے ہماری جماعت کی تمام جائیداد خرید سکتے ہیں۔ پس دراصل تو ان کی مالی طاقت فرد فرد کی نسبت سے ہم سے کئی گنا زیادہ ہے لیکن اگر دُگنی بھی فرض کی جائے تب بھی اڑھائی ارب روپیہ سالانہ انہیں تبلیغ کے لئے خرچ کرنا چاہئے لیکن وہ اڑھائی لاکھ بھی نہیں خرچ کرتے۔

اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ محض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں خلافت کی نعمت عطا کی ہے جس سے وہ لوگ محروم ہیں۔ اس خلافت نے تھوڑے سے احمدیوں کو بھی جمع کر کے انہیں ایسی طاقت بخش دی ہے جو منفردانہ طور پر کبھی حاصل نہیں ہوسکتی۔ یوں تو ہر جماعت میں کمزور بھی ہوتے ہیں اور ایسے طاقتور بھی ہوتے ہیں جو اکیلے تمام بوجھ کو اُٹھا لیں مگر تمام افراد کو ایک رسّی سے باندھ دینا محض مرکز کے ذریعہ ہوتا ہے۔ مرکز کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ وہ

کمزور کو گرنے نہیں دیتا اور طاقتور کو اتنا آگے نہیں نکلنے دیتا کہ دوسرے لوگ اس کے مقابلہ میں حقیر ہو جائیں۔ اگر مرکز نہیں ہوگا تو کمزور گرے گا، اگر مرکز نہیں ہوگا تو طاقتور اتنا آگے نکل جائے گا کہ باقی لوگ سمجھیں گے کہ یہ آسمان پر ہے اور ہم زمین پر ہیں ہمارا اور اس کا آپس میں واسطہ ہی کیا ہے لیکن نظامِ اسلامی میں آ کر وہ ایسے برابر ہو جاتے ہیں کہ بعض مواقع پر امیر اور غریب میں کوئی فرق ہی نہیں رہتا۔''

(الفضل ۲۸/مارچ ۱۹۵۱ء)

۱؎ المائدة: ۳

بچوں کی تربیت نہایت اہم چیز ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۲۱ رستمبر ۱۹۵۱ء کو خطبہ جمعہ میں بچوں کی تربیت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:۔

''پس بچوں کی تربیت نہایت اہم چیز ہے میں دیکھتا ہوں کہ ربوہ پر جہاں بہت سی ذمہ داریاں ہیں وہاں بچوں کی تربیت کے متعلق بھی اس پر بڑی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے لیکن افسوس ہے کہ بچوں کی تربیت کی طرف بہت کم توجہ کی جاتی ہے۔ قادیان میں بھی یہ نقص تھا اور میں نے اس کو دور کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہاں یہ نقص زیادہ نہیں تھا۔ یہاں تو یہ حالت ہے کہ والدین اپنے بچوں کو خلافت کی اہمیت بھی نہیں بتاتے چنانچہ بعض بچے جب میرے پاس آتے ہیں تو میں نے دیکھا ہے کہ وہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہنے کی بجائے اس قسم کے الفاظ اپنی زبان سے نکال دیتے ہیں کہ باباجی سلام۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ انہیں پتہ ہی نہیں کہ ان کا خلیفہ وقت کے ساتھ کیا رشتہ ہے اور اسے کن الفاظ میں مخاطب کرنا چاہیے۔ اگر والدین نے انہیں خلافت کے مقام کی اہمیت بتائی ہوتی تو وہ آدابِ اسلامی سے اس قدر بیگانہ نہ ہوتے۔ میں سمجھتا ہوں یہ ماں باپ کا ہی قصور ہے کہ انہیں یہ بتایا ہی نہیں گیا کہ خلیفہ کا رشتہ ماں باپ اور استاد کے رشتہ سے بھی زیادہ اہم ہے اور ان کا فرض ہے کہ اسے ان سب سے زیادہ عزت کا مقام دیں''۔ (الفضل ۱۰رمئی ۱۹۶۱ء)

دعا کی فلاسفی

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۲۸ ؍ستمبر ۱۹۵۱ء کوخطبہ جمعہ میں دعا کی فلاسفی بیان فرمائی اوراللہ تعالیٰ سے مدد کا ذکرکرتے ہوئے اپنے اور دیگر مذاہب میں فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

''ہمارے اوردوسرے مذاہب کے درمیان یہی لڑائی ہے۔ہم کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ زندہ ہے اوروہ انسان کے کاموں میں اسی طرح دخل دیتا ہے جیسے وہ پہلے دیا کرتا تھا۔ہم دیکھتے ہیں کہ جب انسان کی سب تدابیر ناکام ہوجاتی ہیں اوروہ خدا تعالیٰ کی طرف رُخ کرتا ہے تو اسے باوجود ظاہری سامان نہ ہونے کے کامیابی حاصل ہوجاتی ہے۔نپولین نے کتنی تیاریاں کی تھیں، قیصر نے کتنی تیاریاں کی تھیں،مسولینی نے کتنی تیاریاں کی تھیں لیکن وہ ناکام ہوئے۔انور پاشا اوراس کی پارٹی نے کتنی تیاریاں کی تھیں لیکن وہ ناکام ہوئے اورایک دھتکارا ہوا شخص مصطفیٰ کمال پاشا آگے آ گیا۔بیشک وہ بھی دیندار نہیں تھا لیکن انور پاشا پر یہ الزام تھا کہ اس نے ایسے بادشاہ کوجس کے زمانہ میں اسلام نے ترقی کی تھی معزول کیا مصطفیٰ کمال پاشا کا یہ قصور نہیں تھا اس نے بیشک خلافت کوتوڑا تھا لیکن اس نے اس خلافت کوتوڑا جس نے پہلے سے قائم شدہ خلافت کو برخواست کیا تھا اوراس کا مقابلہ کیا تھا اس لئے وہ باغی سے مقابلہ کرنے والا کہلاتا ہے۔دراصل اس آخری زمانہ میں جو خلافت تھی یہ اصل خلافت نہیں تھی۔اصل خلافت خلفائے راشدین والی خلافت ہی تھی۔سارے مسلمان متفق ہیں کہ خلافت راشدہ حضرت علیؓ پر ختم ہوگئی ہے۔بے شک بعد میں آنے والے بادشاہوں کوبھی خلفاء کہا گیا لیکن وہ خلفائے راشدین نہیں تھے۔وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ اگر بادشاہ کو خلیفہ نہ کہا تو پکڑے جائیں گے اس لئے انہوں نے پہلی خلافت کو

خلافت راشدہ کا نام دے دیا اور اس طرح بادشاہوں کا منہ بند کر دیا۔غرض عام بادشاہوں کو خلیفہ ہی کہا جاتا تھا۔لیکن جس خلافت کا ذکر قرآن کریم میں ہے وہ مسلمانوں کی اصطلاح میں خلافت راشدہ کہلاتی ہے۔اور اس بات پر سارے مسلمان متفق ہیں کہ خلافت راشدہ حضرت علیؓ پر ختم ہو چکی ہے۔ ہاں اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد نئے سرے سے قائم ہوئی ہے لیکن یہ خلافت روحانی ہے دُنیوی سلطنت کا اس سے کوئی تعلق نہیں''۔

(الفضل ۱۷ نومبر ۱۹۵۱ء)

خلیفۃ المسیح کا مقام

یکم فروری ۱۹۵۲ء کو خطبہ جمعہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے جماعت کی تعداد بڑھنے اور حضرت مسیح موعود کی خدمات بغیر کسی اجر کے کرنے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:-

''حضور علیہ السلام کی تحریرات کا اس سے زیادہ مطلب کچھ نہ تھا کہ میں کسی بدلہ کی خواہش کے بغیر یہ کام کر رہا ہوں۔ قرآن کریم میں بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آتا ہے کہ آپ نے فرمایا میں تم سے اس کا کوئی اجر نہیں مانگتا۔ اس کام کا بدلہ میں خداتعالیٰ سے لوں گا جس نے یہ کام میرے ذمہ لگایا ہے۔ کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ کر رہے تھے کہ مجھے کچھ دو؟ یہ صاف بات ہے کہ لوگ انگریزوں کی خدمات بجالاتے تھے اور وہ انہیں انعامات بھی دیتے تھے لیکن ان خدمات اور انعامات کے مقابلہ میں کوئی شور نہیں پڑتا۔ تمام مسلمان چپ ہیں۔ لوگ ان انعام یافتوں کی دعوتیں کرتے ہیں اور اس اعزاز کی وجہ سے ان کا احترام بھی کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کے اس فعل کو ناپسند نہیں کرتے۔ اگر مرزا صاحب پر مولوی لوگ اس لئے ناراض ہیں کہ آپ نے انگریزوں سے تعاون کیا ان کی مدد کی اور اس طرح ان کی طاقت کو بڑھایا تو سوال یہ ہے کہ اگر مرزا صاحب کا انگریزوں سے یہ تعاون کسی غرض کے لئے تھا تو انگریزوں نے ان کی کیا مدد کی۔ پنجاب موجود ہے اس میں دس پندرہ ہزار مربع زمین انگریز کی خدمات کے بدلہ میں لوگوں کو ملی ہے۔ ان دس پندرہ ہزار مربعوں میں سے مرزا صاحب کو کتنے ملے ہیں؟ یا وہ کونسے خطابات ہیں جو انگریزی حکومت نے مرزا صاحب کو دیئے۔ مرزا صاحب تو فوت ہوگئے ہیں۔ آپ کے زمانہ میں حکومت کی طرف سے کسی خطاب یا انعام کی آفر (OFFER) نہیں آئی تھی۔ لیکن میرے زمانہ میں حکومت نے یہ کہا

کہ اگر آپ پسند کریں تو ہم آپ کو کوئی خطاب دینا چاہتے ہیں۔لیکن میں نے ہر دفعہ یہی کہا کہ میں تمہارے خطاب کو ذلّت سمجھتا ہوں اور جس چیز کو جماعت احمدیہ کا خلیفہ اپنی ذلّت اور ہتک سمجھتا ہے اس کا بانی اس کی کیا حقیقت اور قیمت سمجھتا ہوگا۔تین دفعہ حکومت نے یہ کہا کہ ہم کوئی خطاب دینا چاہتے ہیں۔ایک دفعہ حکومت ہند کے ایک ممبر نے ایک احمدی کو بلا کر کہا کہ کیا تم اس بات کا پتہ کر سکتے ہو کہ اگر ہم مرزا صاحب کو کوئی خطاب دینا چاہیں تو وہ خطاب لے لیں گے۔یعنی ان کے دل میں بھی شبہ تھا کہ اگر ہم نے کوئی خطاب دیا تو یہ اسے منظور نہیں کریں گے۔جس شخص سے حکومت کے ممبر نے اس بات کا ذکر کیا اس میں اتنا ایمان نہیں تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ اگر خلیفہ کی شان کے مطابق کوئی انعام مل جائے تو اس میں ہماری عظمت ہوگی۔اس نے بیوقوفی سے کہہ دیا کہ اگر آپ ان کی شان کے مطابق کوئی انعام دیں گے تو وہ لے لیں گے اور مثال دی کہ جس طرح کا خطاب سر آغا خاں کو دیا گیا ہے اسی قسم کا خطاب دے دیا جائے جو ان کی شان کے مطابق ہو تو وہ انکار نہیں کریں گے۔ اس کے بعد مجھ کو خط لکھا تو میں نے جواب دیا کہ تم کتنے گھٹیا درجہ کے مومن ہو۔وہ خلیفۃ المسیح کے خطاب سے بڑھ کر کونسا خطاب مجھے دیں گے۔میں ایک مامور من اللہ کا خلیفہ ہوں۔اگر وہ مجھے بادشاہ بھی بنا دیں گے تو وہ اس خطاب کے مقابلہ میں ادنیٰ ہوگا۔تم فوراً جاؤ اور اس ممبر سے کہو کہ میں نے جو جواب دیا تھا وہ غلط تھا۔اگر آپ انہیں کوئی خطاب دیں گے تو وہ اسے اپنی ذلت اور ہتک سمجھیں گے۔اسی طرح ایک دفعہ حکومت کے ایک رکن نے میرے ایک سیکرٹری سے کہا کہ اب خطابات دیئے جانے کا سوال ہے۔اگر مرزا صاحب منظور کر لیں تو انہیں بھی کوئی خطاب دے دیا جائے تو انہوں نے کہ وہ آپ کا کوئی خطاب برداشت نہیں کریں گے۔اسی طرح ایک اور افسر نے ایک احمدی رئیس سے کہا کہ اب مربعے مل رہے ہیں ۔اگر مرزا صاحب پسند کریں تو انہیں بھی کچھ مربعے دے دیئے جائیں۔انہوں نے مجھ سے اسی بات کا ذکر کیا تو میں نے کہا یہ تو میری ذلّت اور ہتک ہے کہ میں حکومت سے کوئی انعام لوں۔اس کا تو یہ مطلب ہوگا کہ ہم پیسوں کے لئے سب کام کرتے ہیں۔''

(الفضل ۱۳ فروری ۱۹۵۲ء)

حکومت اور خلیفۂ وقت کی اطاعت

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۲۵ ؍ جولائی ۱۹۵۲ء کو خطبہ جمعہ میں اپنے شائع ہونے والے انٹرویو کا ذکر کیا جس میں بعض غلطیاں تھیں۔ حکومت کی اطاعت اور خلیفۂ وقت کی اطاعت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:-

''خلیفہ کی اطاعت ضروری ہے یا گورنمنٹ کی؟ اگر جماعت اور گورنمنٹ میں اختلافات بڑھ جائیں تو جماعت آپ کی فرمانبرداری کرے گی یا گورنمنٹ کی؟ یہ سوال کئی سال سے چلا آتا ہے۔ انگریزوں کے وقت میں بھی یہ سوال اُٹھا تھا کہ ہمارا اور آپ کا اتحاد کیسے ہوسکتا ہے جبکہ جماعت آپ کی فرمانبرداری کو ضروری خیال کرتی ہے۔ اس سوال کا جو جواب میں نے دیا تھا وہ بھی انہوں نے درست لکھا ہے کہ ہماری مذہبی تعلیم یہ ہے کہ حکومت وقت کی اطاعت کی جائے۔ ہم آیات قرآنیہ نکال نکال کر کہتے ہیں کہ حکومت وقت کی فرمانبرداری ضروری ہے۔ ہم احادیث نکال نکال کر کہتے ہیں کہ حکومت وقت کی فرمانبرداری ضروری ہے۔ پھر میں اپنے متبوع کی نافرمانی کیسے کرسکتا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی تو یہی لکھتے آئے ہیں کہ حکومت وقت کی اطاعت کی جائے اور میں خود بھی ۳۵، ۳۶ سال سے یہی کہتا چلا آیا ہوں کہ حکومت وقت کی اطاعت کرو۔ آخر میں اپنے قول کی مخالفت کیونکر کرسکتا ہوں۔ دراصل ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ خلیفہ کا محافظ خدا تعالیٰ ہے اور وہ اس سے ایسی غلطیاں سرزد نہیں ہونے دے گا جو اصولی امور کے متعلق ہوں۔ پس اس سوال کا اصل جواب تو یہ تھا کہ خلیفہ ایسی غلطی نہیں کرسکتا لیکن اس جواب سے غیر احمدیوں کی تسلّی نہیں ہوسکتی تھی کیونکہ وہ جماعت احمدیہ کے خلیفہ کے متعلق یہ اعتقاد نہیں رکھتے کہ وہ ایسی غلطی نہیں کرسکتا۔ اس قسم کے سوال فرضی کہلاتے ہیں۔ ان کے جوابات بھی

دیئے جا سکتے ہیں اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ سوال فرضی ہے اس لئے میں نے اس کا جواب نہیں دیا لیکن اگر میں ایسا جواب دیتا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ غیر احمدیوں کے شبہات دور نہ ہوتے بلکہ وہ کہتے یہ سوال کو ملا گئے ہیں۔ پس میرے اس جواب سے جو ہوتا تو بالکل درست سچائی ظاہر نہیں ہوسکتی تھی۔ ایسے موقع پر مناسب یہی ہوتا ہے کہ اس فرضی سوال کا جواب بھی دے دیا جائے چنانچہ میں نے اس سوال کے جواب میں اُس نمائندے سے یہ کہا کہ جب جماعت کا خلیفہ باوجود اس کے کہ قرآن کریم کا یہ حکم ہے کہ حکومت وقت کی اطاعت کرو، احادیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حکومت وقت کی اطاعت کرنی چاہیے، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتابوں میں یہی لکھا ہے کہ حکومت وقت کی اطاعت کرو۔ میں خود ۳۵،۳۶ سال سے اس بات کی تلقین کر رہا ہوں کہ حکومت وقت کی اطاعت ضروری ہے حکومت وقت کی نافرمانی کی تعلیم دے گا تو لازماً جماعت اس سے پوچھے گی کہ یہ حوالے کہاں گئے آپ ہمیں اب کہاں لے جانا چاہتے ہیں؟ درحقیقت ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ خلیفہ خدا تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتا ہے اور وہ اسے اس قسم کی غلطی نہیں کرنے دیتا جو اصولی امور سے تعلق رکھتی ہو۔ پس یہ سوال ہی غلط ہے ایسا موقع ہی نہیں آ سکتا کہ جماعت احمدیہ کا سچا خلیفہ حکومت وقت سے بغاوت کی تعلیم دے۔ وہ خدا تعالیٰ کی حفاظت میں ہے اور وہ یہ غلطی نہیں کرسکتا۔''

(الفضل ۲۹ جولائی ۱۹۵۲ء)

خدمت دین کے لئے آگے آنے کی تلقین

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۹ ؍دسمبر ۱۹۵۵ء)

حضرت مولانا عبدالرحیم درد صاحب کی وفات کے موقع پر حضور نے خطبہ جمعہ میں نوجوانوں کو اس طرف توجہ دلائی کہ وہ آگے آئیں اور ان کی جگہ لیں اور خدمت دین کے لئے اپنے آپ کو پیش کریں آپ نے فرمایا:۔

''پس میں نوجوانوں کو کہتا ہوں کہ وہ دین کی خدمت کے لئے آگے آئیں اور صرف آگے ہی نہ آئیں بلکہ اس ارادہ سے آگے آئیں کہ انہوں نے کام کرنا ہے۔ گو حضرت خالد بن ولیدؓ نوجوان آدمی تھے۔ حضرت عمرؓ نے آپ کی جگہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو کمانڈر اِن چیف مقرر کر دیا۔ اُس وقت حضرت خالد بن ولیدؓ کی پوزیشن ایسی تھی کہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے خیال کیا کہ اس وقت ان سے کمانڈ لینا مناسب نہیں۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کو اپنی برطرفی کا کسی طرح علم ہوگیا۔ وہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کے پاس گئے اور کہا کہ آپ کے پاس میری برطرفی کا حکم آیا ہے لیکن آپ نے ابھی تک اس حکم کو نافذ نہیں کیا۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے کہا خالد! تم نے اسلام کی بہت بڑی خدمت کی ہے اب بھی تم خدمت کرتے چلے جاؤ۔ خالدؓ نے کہا یہ ٹھیک ہے لیکن خلیفہ وقت کا حکم ماننا بھی ضروری ہے۔ آپ مجھے برطرف کر دیں اور کمانڈر انچیف کا عہدہ خود سنبھال لیں۔ میرے سپرد آپ چپڑاسی کا کام بھی کر دیں گے تو میں اسے خوشی سے کروں گا لیکن خلیفہ وقت کا حکم بہرحال جاری ہونا چاہئے۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے کہا کہ کمان تو مجھے لینی ہی پڑے گی کیونکہ خلیفہ وقت کی طرف سے یہ حکم آچکا ہے لیکن تم کام کرتے چلے جاؤ۔ خالدؓ نے کہا

آپ حکم دیتے جائیں، میں کام کرتا جاؤں گا۔ چنانچہ بعد میں ایسے مواقع بھی آئے کہ جب ایک ایک مسلمان کے مقابلہ میں سَو سَو عیسائی تھا لیکن خالدؓ نے ہمیشہ یہی مشورہ دیا کہ آپ ان کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہیں۔

خدا تعالیٰ کے اس وعدہ پر یقین رکھو کہ اسلام اور احمدیت نے دنیا پر غالب آنا ہے۔ اگر یہ فتح تمہارے ہاتھوں سے آئے تو رسول کریمؐ کی شفاعت تمہارے لئے وقف ہوگی کیونکہ تم اسلام کی کمزوری کو قوت سے اور اس شکست کو فتح سے بدل دو گے۔ خدا تعالیٰ کہے گا گو قرآن کریم میں نے نازل کیا ہے لیکن اس کو دنیا میں قائم ان لوگوں نے کیا ہے۔ پس اس کی برکات تم پر ایسے رنگ میں نازل ہوں گی کہ تم اس سے زیادہ فائدہ حاصل کرو گے اور وہ تمہاری اولاد کو بھی ترقیات بخشے گا۔''

(الفضل ۱۸؍دسمبر ۱۹۵۵ء)

خلیفۂ وقت کا توکل علی اللہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۳۱؍اکتوبر ۱۹۵۸ء کو خطبہ جمعہ میں ایک ڈپٹی پولیس سپرنٹنڈنٹ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

''آپ نے دیکھا ہے کہ دفتر میں پندرہ بیس آدمی بیٹھے ہیں لیکن آپ دلیری سے میرے پاس آ گئے ہیں آپ ان احمدیوں سے کیوں نہیں ڈرے؟ آپ ان سے اس لئے نہیں ڈرے کہ آپ سمجھتے تھے کہ اگر انہوں نے مجھے کچھ کہا تو میری حکومت ان کی گردنیں پکڑ لے گی۔ تو اگر آپ کو اپنی سرکار پر اتنا بھروسہ ہے تو آپ یہ بتائیے کہ میرا یہ دعویٰ ہے کہ میں خدا تعالیٰ کا مقرر کردہ خلیفہ یعنی اُس کا عہدیدار ہوں اب اگر آپ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس ہو کے اپنی سرکار پر اتنا اعتبار رکھتے ہیں تو کیا میں خدا کا خلیفہ ہو کر اپنے خدا پر اعتبار نہیں کروں گا؟ یاد رکھیں میری گردن آپ کے گورنر کے ہاتھ میں ہے لیکن آپ کے گورنر کی گردن میرے خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ میری گردن مروڑنے کی کوشش کرے گا تو خدا تعالیٰ اُس کی گردن مروڑ دے گا۔ چنانچہ چند دن کے اندر اندر اُسے واپس بلا لیا گیا اور گورنری سے ہٹا دیا گیا۔'' (غیر مطبوعہ از ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ)

تفسیر کبیر میں ''خلافت'' کے موضوع پر حضرت مصلح موعود کے ارشادات

آدمؑ سے پہلے بھی مخلوق موجود تھی

سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۳۱ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی فرماتے ہیں:۔

''پیشتر اس کے کہ اس آیت کے مضمون پر کچھ لکھا جائے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق سابق مفسرین کے خیالات کا اظہار کر دیا جائے۔ نیز اس بارہ میں جو کچھ سابق کتب میں بیان ہوا ہے اُس کا بھی ذکر کر دیا جائے۔

مفسرین نے اِس آیت کے متعلق اختلاف کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً[1] سے مراد آدم ہے اور مراد یہ ہے کہ انسانوں سے پہلے اِس دنیا پر ملائکہ رہتے تھے پس خدا تعالیٰ نے ان سے کہا کہ میں تم کو آسمان پر بُلا لوں گا اور تمہاری جگہ ایک اور وجود پیدا کروں گا یعنی آدم[2] (ابن کثیر) اس صورت میں خلیفہ بمعنی اسم فاعل لیا جائے گا۔

اِن معنوں کے قائلین میں سے بعض نے یہ توجیہہ کی ہے کہ آدم کو اس لئے خلیفہ نہیں کہا گیا کہ ان سے پہلے فرشتے بستے تھے اور انہوں نے ان کی جگہ لے لی بلکہ اس لئے کہ ان سے

پہلے دنیا پر جنّ بستے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو ہموار زمین سے پہاڑوں کی طرف دھکیل دیا اور آدم کو ان کی جگہ رکھا۔[۳]

بعض کہتے ہیں کہ خلیفہ سے مراد ایسا وجود ہے جس کے نائب آئندہ پیدا ہوتے رہیں۔ پس اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً سے مراد آدم ان معنوں میں ہیں کہ ان کی نسل اِس دنیا پر پھیلنے والی تھی[۴] اِس صورت میں خلیفہ بمعنی اسمِ مفعول ہوگا جیسے کہ ذَبِیْحَۃٌ بمعنی مَذْبُوْحٌ آتا ہے۔

اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد نسل انسانی ہے نہ آدم۔ چنانچہ اس کی تائید میں بعض نے اِس آیت کی یہ قراءت بھی نقل کی ہے کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْقَۃً یعنی میں زمین میں ایک مخلوق پیدا کرنے والا ہوں۔[۵]

اور بعض نے اس خیال کی بنیاد قرآن کریم کی اس آیت پر رکھی ہے هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ[۶] خدا ہی ہے جس نے تم کو دنیا میں ایک دوسرے کے بعد اس کی جگہ لینے والا بنایا ہے۔

قتادہ نے بھی یہی مراد لی ہے کہ اس جگہ خلیفہ سے مراد نسل انسانی ہے۔ وہ کہتے ہیں فَکَانَ فِیْ عِلْمِ اللّٰہِ اَنَّہٗ تَکُوْنُ فِیْ تِلْکَ الْخَلِیْفَۃِ اَنْبِیَآءُ وَرُسُلٌ وَقَوْمٌ صَالِحُوْنَ وَسَاکِنُوا الْجَنَّۃِ[۷] یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ اس خلیفہ کے وجود میں نبی بھی ہوں گے اور رسول بھی اور صلحاء کی جماعت بھی اور جنت کے بسنے والے بھی۔ اِس فقرے سے ظاہر ہے کہ قتادہ کے نزدیک خلیفہ سے آدم کے وجود کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا بلکہ ان کی نسل کے کاملین کی طرف۔ یہ قائلین اپنے دعویٰ کی تائید میں اس بات سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ فرشتوں نے جو یہ کہا کہ کیا تو اسے پیدا کرے گا جو فساد کرے گا اور خون بہائے گا؟ یہ بتاتا ہے کہ خلیفہ سے مراد آدم نہیں بلکہ بنی نوعِ انسان ہیں کیونکہ آدم نے نہ خون بہانا تھا اور نہ فساد کرنا تھا[۸]۔

بعض نے کہا ہے کہ خلیفہ سے مراد آدم ہیں کیونکہ خلیفہ اسے کہتے ہیں کہ جو کسی کی نیابت میں احکام واوامر کو جاری کرے۔ پس چونکہ آدم خدا تعالیٰ کے نبی ہونے والے تھے اور اس

کے احکام کو دنیا میں جاری کرنے والے تھے ان کا نام خلیفہ رکھا گیا۔

میرے نزدیک بھی خلیفہ کا لفظ اسی لئے استعمال ہوا ہے کہ آدم خدا تعالیٰ کے احکام ومناہی کو دنیا میں جاری کرنے والے تھے اور اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اب دنیا میں خدا تعالیٰ کا ایک نبی ظاہر ہونے والا ہے۔ یہ کہنا کہ آدم سے پہلے فرشتے دنیا پر رہتے تھے ایک بے ثبوت قول ہے اور یہ کہ جنّ پہلے رہتے تھے جو بشر کے سوا کوئی اور مخلوق تھی ویسا ہی بے ثبوت قول ہے اور اس کی وجہ سے آدم یا اس کی نسل کو خلیفہ کہنا بھی بے معنی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اس کی مخلوق کب سے چلی آرہی ہے۔ اگر خلیفہ کے لفظ سے بعد میں آنے والی کسی دوسری جنس کی مخلوق مراد لی جائے تو ہر مخلوق ہی خلیفہ کہلانی چاہئے کیونکہ وہ اپنے سے پہلے کسی اور مخلوق کی قائم مقام ہوگی کیونکہ خدا تعالیٰ کی صفت خلق کی نسبت نہیں کہا جا سکتا کہ صرف چند ہزار سال یا چند لاکھ سال سے جاری ہوئی ہے اس سے پہلے کچھ نہ تھا۔

میرے نزدیک یہ بھی درست نہیں کہ خلیفہ سے مراد اس جگہ آدم کی ذُریت ہے کیونکہ قرآن کریم میں جہاں قوموں کی نسبت خلیفہ کا لفظ آیا ہے جمع کی شکل میں آیا ہے چنانچہ سورہ انعام میں ہے وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ [9] اور سورہ فاطر میں ہے هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ اور سورہ یونس میں ہے ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ [10] اور پھر سورہ یونس میں ہے وَ جَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ [11] اسی طرح سورہ اعراف میں دو جگہ ہے وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ [12] پھر سورہ نمل میں ہے وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ [13] اِن حوالوں سے ثابت ہے کہ قرآن کریم نے جب کسی قوم کے خلیفہ ہونے کا ذکر کیا ہے جمع کے لفظ سے کیا ہے اس لئے کہ قوم بہت سے افراد پر مشتمل ہوتی ہے اور ہر فرد اپنی قسم کے فرد کا خلیفہ ہوتا ہے۔ پس جب تک کوئی خاص غرض نہ ہو کوئی وجہ نہیں کہ اس کے لئے مفرد لفظ کا استعمال ہو اس کے برخلاف قرآن کریم میں جہاں ایک شخص کے خلیفہ ہونے کا ذکر کیا گیا ہے وہاں لفظ خلیفہ مفرد استعمال کیا ہے مثلاً حضرت داؤد کی نسبت آتا ہے اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ [14]

پس ان حوالہ جات سے یہی استنباط ہوتا ہے کہ آیت زیر تفسیر میں بھی خلیفہ سے مراد

حضرت آدم ہیں نہ کہ بنی نوع انسان''۔ (تفسیر کبیر جلد ا صفحہ ۲۷۴، ۲۷۵)

اس تمہید کے بعد میں بتاتا ہوں کہ جو کچھ اس آیت میں بیان ہوا ہے یا تو وہ اوپر کی تمہید کے مطابق زبانِ حال کا ایک مکالمہ ہے لیکن اگر اسے زبان حال کا مکالمہ نہ کہا جائے اور میرا ذاتی رُجحان اِس طرف ہے کہ اِس آیت میں جو کچھ ملائکہ کے متعلق کہا گیا ہے وہ بذریعہ الہام گزرا ہے صرف زبان حال کا محاورہ نہیں تو پھر جو کچھ خدا تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا وہ بطور فیصلہ سنانے کے تھا مشورہ نہ تھا اور الفاظ قرآنیہ اس امر پر دلالت کررہے ہیں۔ آیت کا کوئی لفظ ایسا نہیں جس سے معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کچھ پوچھا ہے بلکہ الفاظ بالوضاحت بتا رہے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے فرشتوں سے یہ کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں پھر نہ معلوم معترضین نے مشورہ کا مفہوم کہاں سے نکال لیا۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو سوال کرنے کی اجازت دی ہے کیونکہ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے فرشتوں کو اس امر کے بتانے کا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے اپنے دائرہ میں آدم کی تائید میں لگ جائیں اور جس کے سپرد کوئی کام کیا جاوے اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اسے اچھی طرح سمجھ بھی لے۔ پس انہوں نے سمجھنے کیلئے یہ سوال کیا ہے کہ الٰہی! کیا آپ کوئی ایسی مخلوق پیدا کرنے والے ہیں جو فساد کرے گی اور خون بہائے گی؟ اور یہ سوال ان کا خلیفہ کے لفظ سے استدلال کرکے ہے جس کے معنی جیسا کہ بتایا جا چکا ہے ایسے وجود کے ہیں جو نظام قائم کرے اور نیکوں کو انعام اور بدوں کو سزا دے اور ظاہر ہے کہ ہر سوال اعتراض کے طور پر نہیں ہوتا بلکہ بعض سوال زیادتیٔ علم کے لئے ہوتے ہیں۔ ہر روز اس دنیا میں افسر ماتحتوں کو جب حکم دیتے ہیں تو وہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں ان کا یہ فعل اعتراض نہیں کہلاتا''۔

(تفسیر کبیر جلد نمبر ا صفحہ ۲۸۰)

۱؎ البقرہ: ۳۱

۲؎ تفسیر ابن کثیر جلد اول صفحہ ۲۱۶ مطبوعہ دار طیبہ للنشر والتوزیع ۱۹۹۹ء

۳؎ تفسیر ابن کثیر جز اوّل صفحہ ۱۱۲ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۴ء

۴؎ تفسیر فتح البیان جلد اول صفحہ ۱۲۵ مطبوعہ بیروت ۱۹۹۲ء

۵ قرطبی جلدا صفحہ ۱۳۱ مطبوعہ بیروت ۲۰۰۶ء

٦ فاطر: ۴۰

۷ تفسیر ابن کثیر جلدا صفحہ ۱۲۸ مطبوعہ بیروت ۱۹۹۸ء

۸ تفسیر ابن کثیر جلدا صفحہ ۱۲٦ مطبوعہ بیروت ۱۹۹۸ء

۹ الانعام: ۱٦٦ ۱۰ یونس: ۱۵ ۱۱ یونس: ۷۴

۱۲ الاعراف: ۷۰،۷۵ ۱۳ النمل: ٦۳ ۱۴ ص: ۲۷

تخلیق انسان یکدم نہیں ہوئی

''اب میں بتاتا ہوں کہ قرآن کریم میں جو آدم کا واقعہ بیان ہوا ہے اس میں کہیں بھی اس امر کا اظہار نہیں کیا گیا کہ آدم علیہ السلام سے نسلِ انسانی کی ابتداء ہوئی ہے یا یہ کہ ان کے زمانہ میں اور کوئی بشر نہ تھا۔ قرآن کریم میں آدم علیہ السلام کا نام لے کر ان کے واقعہ کو مندرجہ ذیل مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ اوّل تو اسی آیت میں جس کی تفسیر میں اِس وقت لکھ رہا ہوں۔ اس آیت کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ اس میں انسانی پیدائش کا کوئی ذکر نہیں صرف یہ فرماتا ہے کہ یاد کرو جب تمہارے ربّ نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر ایک خلیفہ بنانے والا ہوں اور یہ فقرہ اپنی بناوٹ سے ہی ظاہر کرتا ہے کہ آدم اور ان کے کچھ ہم جنس پہلے ہی موجود تھے ان کے بنانے کا اُس وقت سوال نہ تھا بلکہ سوال صرف بشر میں سے ایک خلیفہ بنانے کا تھا اور ظاہر ہے خلیفہ بنانے سے ہرگز یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ اس سے پہلے کوئی انسان نہ تھا بلکہ صرف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اُس وقت خلیفۃ اللہ نہ تھا۔ قرآن کریم میں حضرت داؤدؑ کو بھی خلیفۃ اللہ کہا گیا ہے اور حضرت داؤدؑ کسی لحاظ سے بھی پہلے انسان نہ تھے ان کی نسبت آتا ہے يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ[1] یعنی اے داؤد! ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے پس سچائی کے مطابق لوگوں میں فیصلہ کر اور اپنی خواہشات کی پیروی نہ کر کیونکہ اگر تو ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے راستہ سے بھٹک جائے گا۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ خلیفہ بنانے سے صرف یہ مراد ہے کہ وہ بنی نوع انسان میں انصاف کی حکومت قائم کرے اور انسانی عقل کو اللہ تعالیٰ کے الہام کی ہدایت کے تابع کرے۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنانے کا اعلان کیا تو اِس سے بھی

صرف اِسی قدر مراد تھی یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ آدم کو اُس وقت پیدا کیا گیا تھا بلکہ ان کی بلوغت روحانی کے زمانہ میں انہیں الہام کا مرکز بنانے کا اعلان تھا۔ اس کے بعد کی آیت بھی اسی امر پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا [۲] اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو خلیفہ بنانے کی خبر دے کر آدم پر الہام نازل کیا اور اسے تمام اسماء سکھائے۔ اسماء کیا تھے؟ اس کی نسبت تو میں اگلی آیت میں روشنی ڈالوں گا اِس وقت اِس امر کی طرف توجہ دلانی چاہتا ہوں کہ یہ آیت بتاتی ہے کہ اُس وقت آدم پہلے سے موجود تھے کیونکہ خلیفہ بنانے کا ذکر کرنے کے بعد یہ نہیں کہا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے آدم پر الہام نازل کیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ اُس وقت سے پہلے آدم پیدا ہو چکے تھے۔

دوسری آیت جس میں آدم کا ذکر کیا گیا ہے یہ ہے وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ [۳] یعنی ہم نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو اعلیٰ سے اعلیٰ قویٰ بخشے پھر اعلیٰ قویٰ بخش کر فرشتوں سے کہا کہ آدم کی فرمانبرداری کرو۔

میں نے صورت دینے کے معنی اس جگہ اعلیٰ قویٰ بخشنے کے کئے ہیں اور یہ لغت کے مطابق ہیں مفردات راغب میں لکھا ہے صورت دو قسم کی ہوتی ہے اَحَدُهُمَا مَحْسُوْسٌ يُدْرِكُهُ الْخَاصَّةُ وَالْعَامَّةُ بَلْ يُدْرِكُهُ الْاِنْسَانُ وَكَثِيْرٌ مِّنَ الْحَيَوَانِ كَصُوْرَةِ الْاِنْسَانِ وَالْفَرَسِ وَالْحِمَارِ بِالْمُعَايَنَةِ [۴] یعنی ایک صورت تو وہ ہوتی ہے جو حواس ظاہری سے معلوم ہوتی ہے اسے خاص و عام سب معلوم کر لیتے ہیں بلکہ انسان کے علاوہ بہت سے جانور بھی اسے دیکھتے ہیں جیسے انسان یا گھوڑے یا گدھے کی شکل وَالثَّانِیْ مَعْقُوْلٌ يُدْرِكُهُ الْخَاصَّةُ دُوْنَ الْعَامَّةِ كَالصُّوْرَةِ الَّتِیْ اخْتَصَّ الْاِنْسَانُ بِهَا مِنَ الْعَقْلِ وَالرَّوِيَّةِ وَالْمَعَانِی الَّتِیْ خُصَّ بِهَا شَیْءٌ بِشَیْءٍ [۵] اور دوسری صورت وہ ہے جو صرف عقل کے ذریعہ سے دیکھی جاسکتی ہے اسے صرف خاص ہستیاں دیکھ سکتی ہیں۔ جانور تو الگ رہے عام انسان بھی اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے جیسے کہ وہ صورت جس سے انسان کو ممتاز کیا گیا ہے یعنی اس کی عقل اور قوتِ فکریہ۔ اسی طرح وہ ممتاز کرنے والی طاقتیں جو مختلف اشیاء کو ایک دوسرے سے ممتاز کرتی ہیں۔

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ عربی زبان میں صورت کا لفظ ظاہری شکل کے لئے بھی اور باطنی شکل یعنی اندرونی طاقتوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور انہی دوسرے معنوں کے مطابق میں نے ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ کے معنی یہ کئے ہیں کہ تم کو اعلیٰ سے اعلیٰ قویٰ بخشے۔

اس کے بعد جو فرمایا کہ پھر ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدم کی فرمانبرداری کرو اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ محض پیدائش انسان کے معاً بعد ہی ملائکہ کو آدم کی فرمانبرداری کا حکم نہ دیا گیا تھا بلکہ انسان کے پیدا ہونے کے بعد جب درجہ بدرجہ ترقی کر کے انسان نے اپنی روحانی قوتوں کو کامل کیا تھا اُس وقت آدم کے سجدہ کا حکم دیا گیا تھا۔''

(تفسیر کبیر جلد ا صفحہ ۲۹۴، ۲۹۵)

---

[۱] صٓ: ۲۷ [۲] البقرة: ۳۲ [۳] الاعراف: ۱۲

[۴]، [۵] مفردات امام راغب صفحہ ۴۹۷ مطبوعہ قم ۱۴۲۳ھ

خلیفہ کے معانی

سورہ بقرۃ آیت نمبر ۳۱ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً[1] کی تفسیر میں لفظ خلیفہ کے بارے میں حضور نے فرمایا:۔

''جیسا کہ پہلے حل لغات اور نوٹوں میں بتایا جا چکا ہے لفظ خلیفہ کے مندرجہ ذیل معانی ہیں:۔

(۱) جو کسی پہلی قوم یا فرد کا قائم مقام ہو۔

(۲) جو کسی بالا افسر کا اس کی زندگی ہی میں دوسرے مقام پر اس کے احکام کے نافذ کرنے کے لئے مقرر ہو۔

(۳) جس کے بعد کوئی اس کا قائم مقام ہو خواہ (ا) اس کے اختیارات یا کام کو چلانے والا (ب) خواہ اس کی نسل۔

لیکن اس آیت میں جو لفظ خلیفہ کا آیا ہے اس کے معنوں کو قرآن کریم کے محاورہ کی روشنی میں دیکھنا چاہئے سو جب ہم قرآن کریم کو دیکھتے ہیں تو اس میں یہ لفظ مندرجہ ذیل تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے

(۱) نبی اور مامور کے معنوں میں جیسا کہ اس آیت میں استعمال ہوا ہے کیونکہ گو آدم اس معنی میں بھی خلیفہ تھا کہ ایک پہلی نسل کے تباہ ہونے پر اُس نے اور اُس کی نسل نے جگہ لی اور اس معنی میں بھی خلیفہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ سے ایک بڑی نسل چلائی لیکن وہ سب سے بڑی اہمیت جو اسے حاصل تھی وہ نبوت اور ماموریت ہی کی تھی جس کی طرف اس آیت میں سب سے پہلا اشارہ ہے۔

نبی یا مامور اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہوتے ہیں یعنی صفاتِ الٰہیہ کو اپنے زمانہ کی ضرورت کے

مطابق دنیا پر ظاہر کرتے ہیں اور اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ظل بن کر ظاہر ہوتے ہیں۔ انہی معنوں میں حضرت داؤدؑ کو بھی خلیفہ کہا گیا ہے۔[۲]

(۲) دوسرے ہر قوم جو پہلی قوم کی تباہی پر اس کی جگہ لیتی ہے ان معنوں میں بھی خلیفہ کا لفظ قرآن کریم میں متعدد بار استعمال ہوا ہے مثلاً حضرت ہودؑ کی زبان سے فرماتا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ[۳] یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے تم کو قومِ نوح کے بعد ان کا جانشین بنایا۔ یعنی قومِ نوح کی تباہی کے بعد ان کی جگہ تم کو دنیا میں حکومت اور غلبہ حاصل ہو گیا۔ اسی طرح حضرت صالحؑ کی زبانی فرماتا ہے وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ[۴] یاد کرو جب تم کو اللہ تعالیٰ نے عادِ اولیٰ کی تباہی کے بعد ان کا جانشین بنایا اور حکومت تمہارے ہاتھ میں آ گئی۔

(۳) نبی کے وہ جانشین بھی خلیفہ کہلاتے ہیں جو اس کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہوں یعنی اُس کی شریعت پر قوم کو چلانے والے ہوں اور ان میں اتحاد قائم رکھنے والے ہوں خواہ نبی ہوں یا غیر نبی۔ جیسے کہ قرآن کریم میں آتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام موعود راتوں کے لئے طور پر گئے تو اپنے بعد انتظام کی غرض سے انہوں نے حضرت ہارونؑ سے کہا اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ[۵] یعنی میرے بعد میری قوم میں میری جانشینی کرنا اور ان کی اصلاح کو مدنظر رکھنا اور مفسد لوگوں کی بات نہ ماننا۔ حضرت ہارونؑ خود نبی تھے اور اُس وقت سے پہلے نبی ہو چکے تھے پس یہ خلافت جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں دی تھی وہ خلافت نبوت نہ ہو سکتی تھی اس کے معنی صرف یہ تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر حاضری میں ان کی قوم کا انتظام کریں اور قوم کو اتحاد پر قائم رکھیں اور فساد سے بچائیں۔ جہاں تک اس خلافت کا تعلق ہے یہ خلافت نبوت نہ تھی بلکہ خلافت انتظامی تھی مگر جیسا کہ میں اوپر لکھ چکا ہوں اس قسم کی شخصی خلافت علاوہ خلافت انتظامی کے خلافت نبوت بھی ہوتی ہے یعنی ایک سابق نبی کی اُمت کی درستی اور اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ ایک اور نبی کو مبعوث فرماتا ہے جو پہلے نبی کی شریعت کو ہی جاری کرتا ہے کوئی نئی شریعت جاری نہیں کرتا۔ پس جہاں تک کہ شریعت کا تعلق ہوتا ہے وہ پہلے نبی کے کام کو قائم

رکھنے والا ہوتا ہے اور اس لحاظ سے پہلے نبی کا خلیفہ ہوتا ہے لیکن عہدہ کے لحاظ سے وہ پہلے نبی کا مقرر کردہ نہیں ہوتا نہ اُس کی اُمت کا مقرر کردہ بلکہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے مقرر کیا جاتا ہے اس قسم کے خلفاء بنی اسرائیل میں بہت سے گزرے ہیں بلکہ جس قدر انبیاء بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں آئے ہیں سب اسی قسم کے خلفاء تھے یعنی وہ نبی تو تھے مگر کسی جدید شریعت کے ساتھ نہ آئے تھے بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کو ہی دنیا میں جاری کرنے کیلئے آئے تھے چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ‌ ۚ يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوۡا عَلَيۡهِ شُهَدَآءَ [۶] یعنی ہم نے تورات اُتاری تھی جس میں ہدایت اور نور تھے۔ تورات کے ذریعہ سے بہت سے نبی جو (موسیٰؑ کے) فرمانبردار تھے اور اسی طرح ربانی اور احبار بوجہ اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی حفاظت کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا یہود کے درمیان فیصلے کرتے تھے اور یہ انبیاء اور ربانی اور احبار تورات پر بطور نگران مقرر تھے۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کچھ انبیاء ایسے آئے تھے جن کا کام موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کا قیام تھا اور وہ گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ تھے۔

(۲) ان انبیاء کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی جن کو ربانی اور احبار کہنا چاہئے اس کام پر مقرر تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء اور مجددین کا ایک لمبا سلسلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے خلفاء کے طور پر ظاہر ہوتا رہا جن کا کام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کام کی تکمیل تھا۔ اس سلسلہ کی آخری کڑی حضرت مسیح ناصری علیہ السلام تھے جن کو تدبر فی القرآن نہ کرنے کے سبب کئی مسلمان خصوصاً آخری زمانہ کے مسلمان با شریعت نبی سمجھ بیٹھے ہیں۔ اسی طرح اس زمانہ کے مسیحی ان کی نسبت یہ خیال کرنے لگ گئے ہیں کہ وہ ایک نیا قانون لے کر آئے تھے اور اسی وجہ سے وہ ان کی کتاب کو نیا عہد نامہ کہتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین کا قائم کرنے والا ایک خلیفہ قرار دیتا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا

آیت کے چند آیات بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ [7] یعنی ہم نے مذکورہ بالا نبیوں کے بعد جو تورات کی تعلیم کو جاری کرنے کیلئے آئے تھے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا جو ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے تھے اور توریت کی پیشگوئیوں کو پورا کرنے والے تھے خود مسیحؑ ناصری فرماتے ہیں :۔

''یہ خیال مت کرو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے کو آیا ہوں میں منسوخ کرنے کو نہیں بلکہ پوری کرنے کو آیا ہوں کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت کا ہرگز نہ مٹے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو۔'' [8]

غرض یوشعؑ سے لے کر جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے معاً بعد ان کے خلیفہ ہوئے حضرت مسیح ناصریؑ تک کے سب انبیاء اور مجددین حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ اور ان کی شریعت کو جاری کرنے والے تھے۔

اُمت محمدیہ میں ان تینوں قسم کی خلافتوں کا وعدہ بھی قرآن کریم سے ثابت ہے جن سے افسوس کہ بعض مسلمان غافل رہے اور ان سے صحیح فائدہ نہ اُٹھا سکے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ [9] یعنی اللہ تعالیٰ تم میں سے مومنوں اور مناسب حال عمل کرنے والوں سے وعدہ کرتا ہے کہ ضرور اُن کو بھی زمین میں اُسی طرح خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلوں کو خلیفہ بنایا تھا اور ضرور ان کے لئے ان کے اس دین کو جس کو اس نے ان کیلئے پسند کیا ہے مضبوطی سے قائم کرے گا اور ان کے خوف کے بعد امن کی حالت پیدا کر دے گا وہ میری عبادت کریں گے اور کسی چیز کو میرا شریک نہ بنائیں گے اور جو لوگ اس کے بعد بھی کفر کریں گے وہ نافرمان قرار دیئے جائیں گے۔

اِس آیت میں مسلمانوں سے وعدہ کیا گیا ہے کہ ان کو پہلی اُمتوں کی طرح کی خلافت حاصل ہوگی اور پہلی اُمتوں کی خلافت جیسا کہ قرآن کریم سے اوپر ثابت کیا جا چکا ہے تین قسم کی تھی۔

(۱) ایسے انبیاء ان میں پیدا ہوئے جو ان کی شریعت کی خدمت کرنے والے تھے۔

(۲) ایسے وجود ان میں کھڑے کئے گئے جو نبی تو نہ تھے لیکن خدا تعالیٰ کی خاص حکمت نے اُن کو اُن اُمتوں کی خدمت کے لئے چن لیا تھا اور وہ اُمت کو صحیح راستہ پر رکھنے کے کام پر خدا تعالیٰ کی حکمت کے ماتحت لگائے گئے تھے۔

(۳) ان اُمتوں کو خدا تعالیٰ نے پہلی قوموں کا قائم مقام بنایا اور پہلوں سے شوکت چھین کر ان کو دی۔

یہ تین قسم کی خلافتیں ہیں جن کا مسلمانوں سے وعدہ تھا اور تینوں کے حصول سے ہی اسلام کی شوکت پوری طرح ظاہر ہو سکتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی مسلمانوں کو اس وعدہ کے مطابق پہلی قوموں کی جگہ پر متمکن کر دیا اور ان کے دشمنوں کو ہلاک اور برباد کر دیا اور اگر مسلمان ایمان اور عمل صالح پر قائم رہتے تو ہمیشہ کے لئے ان کی شوکت قائم رہتی لیکن افسوس کہ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد وہ دین کی طرف سے ہٹ کر دنیا میں مشغول ہو گئے اور انہوں نے غلطی سے سمجھا کہ دوسری اقوام کی طرح وہ دنیا میں مشغول ہو کر بھی ترقی کر سکتے ہیں حالانکہ قرآن کریم صاف فرما چکا تھا کہ مسلمانوں کی ترقی دوسری اقوام کی طرح نہ ہوگی بلکہ وہ جب ترقی کریں گے ایمان اور عمل صالح کے ذریعہ سے ترقی کریں گے۔ صدیوں کے تجربہ نے اِس صداقت کو ثابت کر دیا ہے کاش! وہ اب بھی اپنی ترقی کے گُر کو سمجھ کر ایمان اور عمل صالح کی طرف توجہ کریں۔

دوسری قسم کی خلافت انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ملی جبکہ اوّل حضرت ابوبکرؓ اور پھر حضرت عمرؓ اور پھر حضرت عثمانؓ اور پھر حضرت علیؓ یکے بعد دیگرے نعمت خلافت سے متمتع ہوئے اور ان کی اس نعمت سے تمام مسلمانوں نے حصہ پایا۔ اگر بعد کے مسلمان اس نعمت کی قدر کرتے تو وہ صحابہؓ کی ترقی کی راہ پر گامزن رہتے اور آج اسلام کہیں کا کہیں پہنچا

ہوا ہوتا لیکن افسوس اُنہوں نے اِس نعمت کی بھی قدر نہ کی اور بادشاہت کی طرف متوجہ ہو گئے اور اُس شان کو کھو بیٹھے جو خلافت کے ذریعہ ان کو حاصل ہوئی تھی۔

تیسری قسم کی خلافت جو تابع انبیاء کے ذریعہ سے حاصل ہوئی تھی اس کی طرف سے مسلمان ایسے غافل ہوئے کہ آخری زمانہ میں اِس قسم کی نبوت کا سرے سے ہی انکار کر دیا اور بابِ نبوت کو خواہ غیر تشریعی ہی کیوں نہ ہو بند کر کے اس عظیم الشان فضل سے منکر ہو گئے جو اِس زمانہ میں صرف اسلام سے ہی مخصوص تھا اور جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ نبی ہونے کا ایک زبردست ثبوت تھا کیونکہ تابع کی نبوت متبوع کی نبوت اور شان کو بڑھاتی اور روشن کرتی ہے نہ کہ کم کرتی ہے۔

جماعت احمدیہ کا ایمان ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کے ذریعہ سے اس پُرفتن زمانہ کی اصلاح اور اسلام کو دوبارہ اِس مقام پر کھڑا کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے پھر اس تابع نبوت کا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے مناسب حال اُمتی نبوت ہے دروازہ کھولا ہے اور آپ کے ذریعہ سے اس نے پھر آپ کے ماننے والوں میں خلافت کو بھی زندہ کر دیا ہے جس سے پھر ایک دفعہ ساری دنیا میں ایک طبقہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جو ایک ہاتھ پر جمع ہو کر خدمت اسلام کر رہا ہے اور اسلام اور مسلمانوں کو ان کا حق دلانے کیلئے رات دن جدوجہد کر رہا ہے اور وہ دن دور نہیں جب پھر دنیا میں اسلام کا بول بالا ہو گا اور کفر بھاگ جائے گا۔ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ [۱۰]'' (تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۳۰۴ تا ۳۰۷)

---

۱ البقرة: ۳۱ ۲ صٓ: ۲۷ ۳ الاعراف: ۷۰

۴ الاعراف: ۷۵ ۵ الاعراف: ۱۴۳ ۶ المائدة: ۴۵

۷ المائدة: ۴۷

۸ متی باب ۵ آیت ۱۷، ۱۸۔ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی ۱۸۸۷ء لندن

۹ النور: ۵۶ ۱۰ القمر: ۴۶

قتل نفس سے مراد

سورۃ البقرہ آیت ۵۴ **فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ** کا ذکر کرتے ہوئے لفظ ''قتل'' کی حضور نے تفسیر فرمائی۔ آپ فرماتے ہیں:۔

لسان العرب میں **قَتَلَ** کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر جب خلافت کا انتخاب ہونے لگا تو بعض لوگوں نے اُس وقت اختلاف کیا اور ان میں سے ایک سعد بھی تھے ان کے متعلق کہا گیا **قَتَلَ اللّٰهُ سَعْدًا فَاِنَّهٗ صَاحِبُ فِتْنَةٍ وَشَرٍّ**[1] کہ اللہ تعالیٰ سعد کو قتل کرے کیونکہ وہی فتنہ وفساد کی جڑ ہیں اور مطلب یہ تھا کہ **دَفَعَ اللّٰهُ شَرَّهٗ** [2] یعنی اللہ تعالیٰ سعد کے شر کو دفع کرے اور اس کے ارادوں کو پورا نہ کرے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا **اُقْتُلُوْا سَعْدًا قَتَلَهُ اللّٰهُ** [3] کہ سعد کو قتل کردو اللہ تعالیٰ اسے قتل کرے اور مطلب یہ تھا کہ **اِجْعَلُوْهُ كَمَنْ قُتِلَ وَاحْسِبُوْهُ فِيْ عِدَادِ مَنْ مَاتَ وَهَلَكَ وَلَا تَعْتَدُّوْا بِمَشْهَدِهٖ وَلَا تُعَرِّجُوْا عَلٰى قَوْلِهٖ** [4] یعنی اے لوگو! تم سعد کی طرف التفات نہ کرو بلکہ اپنی توجہ کو اُس سے ہٹا کر اُسے ایسا کردو کہ گویا وہ مقتول ہے اور اُس کو ان لوگوں میں شمار کرو جو مر چکے ہوں اور اُس کو کسی گنتی میں نہ لاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ بھی اس سے ایسا ہی سلوک کرے۔

اسی طرح حضرت عمرؓ سے ایک حدیث مروی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ **مَنْ دَعَا اِلٰى اِمَارَةٍ نَفْسِهٖ اَوْغَيْرِهٖ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَاقْتُلُوْهُ اَىْ اِجْعَلُوْهُ كَمَنْ قُتِلَ وَمَاتَ بِاَنْ لَا تَقْبَلُوْا لَهٗ قَوْلَهٗ وَلَا تُقِيْمُوْا لَهٗ دَعْوَةً۔** [5]

یعنی جو شخص اپنی خلافت یا اور کسی کی خلافت کا پروپیگنڈا کرے اور لوگوں کو کہے کہ اُسے یا فلاں شخص کو خلیفہ بناؤ اُس کو قتل کردو یعنی اُس کی بات کو قبول نہ کرو اور مکمل طور پر اُس سے

قطع تعلق کرلو اور اُسے اِس ذریعہ سے ایسا کردو کہ گویا وہ مقتول ہے۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے اِذَا بُوْيِعَ لِخَلِيْفَتَيْنِ فَاقْتُلُوا الْاٰخِيْرَ مِنْهُمَا اَیْ اَبْطِلُوْا دَعْوَتَهٗ وَاجْعَلُوْهُ كَمَنْ مَاتَ[۶] کہ جب دو خلیفوں کی بیعت کی جاوے تو آخری کو قتل کردو یعنی اُس کی دعوت کی طرف کان نہ رکھو بلکہ اُس سے قطع تعلق کرکے اُسے قتل کیے جانے کے حکم میں کردو پس قتل کے عام مشہور معنوں کے علاوہ اس کے معنی ذلیل کرنے اور قطع تعلق کرنے کے بھی ہیں۔''

(تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۴۵۲)

[۱تا۶] لسان العرب زیر لفظ قَتَلَ جلد ۱۱ صفحہ ۳۵ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۸ء

حضرت مسیح موعودؑ کے بعد خلافت کی بشارت

سورہ بقرہ کی آیت۱۰۳ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُو الشَّيٰطِيْنُ کی تشریح کرتے ہوئے حضور فرماتے ہیں:۔

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مئی ۱۹۰۸ء میں فوت ہوئے تھے۔ غالباً آپ کی وفات کے ایک ماہ بعد کی بات ہے کہ مجھے الہام ہوا اِعْمَلُوْا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا. اے داؤد کی نسل! شکرگزاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور اعمال بجالاؤ۔ اس الہام میں اللہ تعالیٰ نے لفظِ سلیمان تو استعمال نہیں فرمایا مگر آلِ داؤد کہہ کر حضرت سلیمانؑ کی بعض خصوصیات کا مجھ کو وعدہ دیا گیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں اِن باتوں میں سے ایک یہ بات بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت جو ہمیشہ لوگوں کے لئے اضطراب کا موجب رہی ہے مجھ پر ابتدائی زمانہ ہی میں کھول دی تھی اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس میں یہ بھی پیشگوئی تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد خلافت کے مقام پر مجھ کو کھڑا کیا جائے گا اور ان مشکلات کا بھی اس میں ذکر تھا جو میرے راستہ میں آنے والی تھیں۔ چونکہ انسانی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ تکالیف اور اعتراضات سے گھبراتا ہے اِس لئے اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا کہ تکالیف اور اعتراضات کوئی بُری چیز نہیں ہیں بلکہ اٰلِ داؤد ہونے کے لحاظ سے تمہیں ان کا منتظر رہنا چاہئے اور ان سے گھبرانا نہیں چاہئے۔''

(تفسیر کبیر جلد۲ صفحہ ۶۶، ۶۷)

نبی کے چار اہم کام

سورۃ البقرہ آیت ۱۳۰ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ میں بیان نبی کے چار اہم کاموں کا ذکر کرتے ہوئے حضور فرماتے ہیں:۔

''یہی چار مقاصد خلافت اسلامی کے فرائض سے بھی تعلق رکھتے ہیں یعنی دلائل سکھانا، خدا کی باتیں لوگوں کو بتانا، شریعت سکھانا، ایمان تازہ کرنے کیلئے قرآن کریم کے احکام اوران کی حکمتیں بتانا، جسمانی وقلبی طہارت پیدا کرنے کی کوشش کرنا۔ اور یہی مبلغوں، کارکنوں، پریذیڈنٹوں، امیروں اورسیکرٹریوں کا کام ہے۔ جب تک ان چاروں باتوں کو مدنظر نہ رکھا جائے اُس وقت تک سلسلہ کی غرض وغایت پوری نہیں ہوسکتی۔ ابتدائے خلافت میں میں نے ''منصب خلافت'' میں ان باتوں کوتفصیل سے بیان کردیا تھا تا کہ لوگ اس طرف توجہ کریں اوراُنہیں بار بار مجھ سے یہ پوچھنے کی ضرورت نہ رہے کہ ہمیں بھی کوئی کام بتایا جائے مگر بہت کم لوگ اس طرف توجہ کرتے ہیں۔ پس جو دوست سلسلہ کی خدمت کا شوق رکھتے ہیں اُنہیں چاہئے کہ وہ اِس کتاب کو پڑھ لیں اور خود ہی دیکھ لیں کہ ان کے کیا فرائض ہیں۔ ان کی سب سے بڑی خدمت یہی ہے کہ وہ ان چاروں کاموں کو پورا کریں یہی وہ کام ہیں جن کے لئے اسلام نبوت، خلافت اورامامت قائم کرتا ہے۔ پس نبی کا بھی اور پھر اس کے بعد خلفاء اوران کے بعد تابعین کا بھی یہی کام ہوتا ہے اور جوشخص ان کاموں کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے انصار میں شامل کر لیتا ہے۔''

(تفسیر کبیر جلد۲ صفحہ ۱۹۵، ۱۹۶)

''اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نظام قائم رکھنے کے لئے اسلام نے خلافت کا سلسلہ قائم کیا ہے لیکن غلطی یہ ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ صرف خلافت ہی کا ذمہ ہے کہ وہ تمام کام کرے

حالانکہ یہ خلافت ہی کا ذمہ نہیں ہوسکتا اور نہ کوئی ایک شخص ساری قوم کی اس رنگ میں اصلاح کرسکتا ہے جب تک تمام افراد میں یہ روح نہ ہو کہ وہ قوم کی اصلاح کا خیال رکھیں۔ اور جب تک تمام افراد اس کی درستی کی طرف توجہ نہ کریں اُس وقت تک اصلاح کا کام کبھی کامیاب طور پر نہیں ہوسکتا۔ میں سمجھتا ہوں اگر قرآن کریم کے اِس حکم کی تعمیل میں مسلمان نَسْلاً بَعْدَ نَسْلٍ تبلیغ ہدایت کا کام جاری رکھتے اور لوگوں کی نگرانی کا فرض صحیح طور پر ادا کرتے تو وہ کبھی تباہ نہ ہوتے۔ اب یہ ہماری جماعت کا کام ہے کہ وہ اس سبق کو یاد رکھے اور آئندہ نسلوں کی درستی کے لئے ہمیشہ جدوجہد کرتی رہے''۔

(تفسیر کبیر جلد۲ صفحہ ۲۳۰)

اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ...... کے تین معانی

سورة البقرہ کی آیت ۱۸۷ وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ کی تفسیر میں تین باتوں کا ذکر فرمایا۔آپ فرماتے ہیں:۔

''پھر عربی زبان کا یہ قاعدہ ہے کہ جب اِذَا کے بعد ف آتی ہے تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ پہلے کام کے نتیجہ میں فلاں بات پیدا ہوئی۔اس جگہ بھی وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ کے یہ معنی ہیں کہ جب یہ تین باتیں جمع ہوجائیں یعنی سوال کرنے والے سوال کریں کہ ہمیں خدا تعالیٰ کی ضرورت ہے۔پھر تجھ سے سوال کریں فلاسفروں اور سائنس دانوں سے سوال نہ کریں،عیسیٰؑ یا موسیٰؑ سے سوال نہ کریں بلکہ تیرے پاس آئیں،قرآن کے پاس آئیں،تیرے خلفاء کے پاس آئیں اور پھر وہ میری ذات کے متعلق سوال کریں تو اِس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ میں اُن کے قریب ہوجاتا ہوں اور انہیں اپنا چہرہ دکھا دیتا ہوں۔''

(تفسیر کبیر جلد۲ صفحہ ۴۰۱)

سچے خلفاء کی علامات

سورۃ البقرہ آیت ۲۴۸ کی تفسیر میں سچے خلفاء کی علامات کا ذکر اور طالوت کے حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''پھر جسم کے لحاظ سے بتایا کہ تم لڑائی کرنا چاہتے تھے اس کا جسم بھی خوب مضبوط ہے اور اس کی جسمانی طاقتیں اعلیٰ درجہ کی ہیں۔ اس میں ہمت اور استقلال اور ثبات اور شجاعت کا مادہ پایا جاتا ہے پس اس سے زیادہ اور کون موزوں ہوسکتا ہے۔ یہ مراد نہیں کہ وہ موٹا تازہ ہے بلکہ مراد ہے کہ مضبوط اور دلیر ہے اور اُس میں قوتِ برداشت اور قربانی کا مادہ زیادہ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ لوگ کہا کرتے ہیں اَلْمَرْءُ بِاَصْغَرَیْهِ بِقَلْبِهٖ وَلِسَانِهٖ یعنی انسان کی تمام طاقت اس کی دو چھوٹی سی چیزوں پر موقوف ہے ایک دل پر اور ایک اُس کی زبان پر۔ اور یہی سچے خلفاء کی علامت ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ نہ تھے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے کہ لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے تو جانے دیں اِس وقت ان سے جنگ کرنا مسلمانوں کے لئے کمزوری کا باعث ہوگا مگر جب اپنی خلافت کا زمانہ آیا تو کتنے بڑے بڑے کام کئے۔ دراصل ہمت و استقلال اور استقامت ایک بہت بڑا نشان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے سچے خلفاء کو عطا کیا جاتا ہے۔''

(تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۵۵۷)

سچے خلفاء سے تعلق ملائکہ سے تعلق پیدا کر دیتا ہے

سورۃ البقرہ آیت ۲۴۹ جس میں تابوت کا ذکر ہے جسے فرشتے اُٹھائے ہوئے ہوں گے فرشتوں کی مدد اور فیوض حاصل کرنے کا ذریعہ بیان کرتے ہوئے حضور نے فرمایا:۔

''ضمنی طور پر اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ سے فیوض حاصل کرنے کا ایک یہ بھی طریق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ خلفاء سے مخلصانہ تعلق قائم رکھا جائے اور ان کی اطاعت کی جائے۔ چنانچہ اس جگہ طالوت کے انتخاب میں خدائی ہاتھ کا ثبوت یہی پیش کیا گیا ہے کہ تمہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے نئے دل ملیں گے جن میں سکینت کا نزول ہوگا اور خدا تعالیٰ کے ملائکہ ان دلوں کو اُٹھائے ہوئے ہوں گے۔ گویا طالوت کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے نتیجہ میں تم میں ایک تغیر عظیم واقع ہو جائے گا، تمہاری ہمتیں بلند ہو جائیں گی، تمہارے ایمان اور یقین میں اضافہ ہو جائے گا ملائکہ تمہاری تائید کے لئے کھڑے ہو جائیں گے اور تمہارے دلوں میں استقامت اور قربانی کی روح پھونکتے رہیں گے۔ پس سچے خلفاء سے تعلق رکھنا ملائکہ سے تعلق پیدا کر دیتا ہے اور انسان کو انوارِ الٰہیہ کا مہبط بنا دیتا ہے۔''

(تفسیر کبیر جلد۲ صفحہ ۵۶۱)

رسول کریم ﷺ کے جانشینوں کی ذمہ داری

سورۃ ھود کی آیت نمبر۱۱۳ فَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:۔
''اِس آیت میں بتایا گیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف اپنی جان ہی کی ذمہ داری نہیں بلکہ آپ پر ایمان لانے والوں کی درستی بھی آپ کا کام ہے۔ اور یہی ذمہ داری آپ کے جانشینوں اور آپ پر ایمان لانے والوں پر ہے۔ کیفیت اور کمیت دونوں لحاظ سے یہ ذمہ داری اِس قدر رہے کہ پڑھ کر دل کانپ جاتا ہے''۔
(تفسیر کبیر جلد۳ صفحہ ۲۶۳)

خلافت کی خواہش کا نتیجہ

سورۃ رعد آیت نمبر۱۲ لفظ ”لَہٗ مُعَقِّبٰتٌ“ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:۔

”ابونعیم نے الدلائل میں اور طبرانی نے اپنی معجم کبیر میں نقل کیا ہے کہ عامر بن طفیل اور عربد بن قیس دو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ عامر نے کہا کہ اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو کیا ولایت امر یعنی اپنے بعد خلافت مجھے دے دی جائے گی؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تمہاری اِس شرط کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خلافت تمہیں اور تمہاری قوم کو کبھی نہ ملے گی“۔

(تفسیر کبیر جلد۳ صفحہ۳۹۱)

حضرت موسیٰؑ کا حضرت ہارونؑ کو جانشین مقرر کرنا

سورۃ الکھف میں بیان شدہ حضرت موسیٰؑ کے ایک سفر کا ذکر جو آیت نمبر ۶۱ سے شروع ہوتا ہے اس میں حضرت موسیٰؑ کے اسراء کا ذکر کرتے ہوئے حضور فرماتے ہیں:۔

''چالیس دن کے سفر پر جاتے ہوئے حضرت موسیٰؑ اپنے بعد حضرت ہارونؑ کو خلیفہ مقرر کر کے جاتے ہیں مگر اِس ایک دفعہ کے واقعہ کے بعد کہیں بھی ثابت نہیں کہ حضرت موسیٰؑ نے حضرت ہارونؑ یا کسی اور کو اپنا خلیفہ مقرر کیا ہو۔ اگر سفر کا ذکر نہیں تھا تو کم از کم اس نیابت کا ذکر تو ضرور تورات میں ہونا چاہیئے تھا مگر چونکہ ایسا کوئی ذکر بائبل میں نہیں ہے تو یہی ماننا پڑتا ہے کہ کوئی ایسا جسمانی سفر واقعہ نہیں ہوا۔ کیونکہ یہ تو ہرگز تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت موسیٰؑ سفر پر گئے ہوں اور اپنا جانشین مقرر نہ کر گئے ہوں۔''

(تفسیر کبیر جلد۴ صفحہ ۴۶۷)

عمل صالح کرنے والے مؤمنوں سے خلافت کا وعدہ

سورۃ مریم کی آیت نمبر ۳ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا تفسیر کرتے ہوئے پہلے مجددین کا ذکر کر کے سورہ نور کی آیت استخلاف کا ذکر فرمایا۔آپ فرماتے ہیں:۔

''یہ امر یاد رکھنا چاہیئے کہ اِس جگہ زکریا سے وہ زکریا مراد نہیں جن کی کتاب بائبل میں شامل ہے وہ زکریا ۴۸۷ سال قبل مسیح گزرے ہیں اور یہ زکریا وہ ہیں جو حضرت مسیحؑ کے قریب زمانہ میں آپ کی والدہ کے کفیل تھے۔قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زکریاؑ بھی نبی تھے۔لیکن اناجیل میں ان کا ذکر بطور کاہن کیا گیا ہے بطور نبی کے نہیں۔مگر اس مشکل کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بالکل حل کر دیتی ہے۔آپ فرماتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا[1] یعنی اللہ تعالیٰ اِس اُمت میں ہر صدی کے سر پر احیائے دین کیلئے ایک مجدد مبعوث فرمایا کرے گا۔ اسی طرح قرآن کریم میں آتا ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ[2] یعنی اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں اور عمل صالح کرنے والوں سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں بھی زمین میں اسی طرح خلیفہ بنائے گا جس طرح اس نے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اُمت محمدیہؐ کے خلفاء یعنی مجددین کو پہلے زمانہ کے اسرائیلی خلفاء کا مثیل قرار دیا ہے۔اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ عُلَمَاءُ اُمَّتِيْ كَاَنْبِيَاءِ بَنِيْ اِسْرَائِيْل[3] یعنی میری اُمت کے علمائے روحانی یعنی مجددین انبیائے بنی اسرائیل کی طرح ہیں۔''

(تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۱۱۷)

ا؎ سنن ابی داؤد **کتاب الملاحم باب ما یذکر فی قرن المائة** صفحہ۶۰۲ حدیث نمبر ۴۲۹۱ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعۃ الاولیٰ

۲؎ **النور: ۵٦**

۳؎ موضوعات کبیر صفحہ ۴۸۔ مطبوعہ مطبع مجتبائی دھلی ۱۳۴٦ھ + مکتوبات امام ربّانی دفتر اوّل حصہ چہارم صفحہ۳۳ مکتوب نمبر۲۳۴۔ ۲۴۹

ہاتھوں کو بوسہ دینے سے متعلق

سورۃ مریم آیت ۵۳ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ ۔ لفظ الْاَيْمَنِ بمعنی ’’برکت والے‘‘ کو مدنظر رکھتے ہوئے ہاتھوں کو بوسہ دینے کے مسئلہ کے متعلق فرماتے ہیں:۔

’’اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ الٰہی کلام جس جگہ نازل ہوتا ہے وہ جگہ بھی بابرکت ہوجاتی ہے۔ میں نے دیکھا ہے بعض لوگ جب ہماری جماعت میں نئے نئے داخل ہوتے ہیں اور وہ جماعت کے دوستوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ میرے ہاتھوں کو بوسہ دے رہے ہیں تو پوچھتے ہیں کہ کیا ہاتھوں کو بوسہ دینا شرک تو نہیں؟ خصوصاً اہل حدیث میں سے جو لوگ ہماری جماعت میں داخل ہوتے ہیں وہ بعض دفعہ اس قسم کا سوال کر دیتے ہیں حالانکہ حدیثوں سے صاف ثابت ہے کہ صحابہؓ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ چوما کرتے تھے۔ وہ اہل حدیث کہلاتے ہیں مگر اس قسم کی حدیثوں کو بھول جاتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ بے جان چیز بھی اگر کسی بابرکت وجود سے وابستہ ہوجائے تو وہ برکت والی ہوجاتی ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کا کلام جب کسی جگہ پر نازل ہوتا ہے تو وہ جگہ بھی بابرکت ہوجاتی ہے۔‘‘

(تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۲۹۱)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کا قیام

''سورۃ مؤمنون کی آیت ۲ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مؤمنین کی صفات بیان کیں اور اس ضمن میں شیعیت کا بھی ذکر فرمایا۔آپ فرماتے ہیں :۔

''پھر شیعہ کہتے ہیں کہ خلافت کا اصل حق تو حضرت علیؓ کا تھا اور انہی کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت بھی فرمائی تھی مگر ابوبکرؓ اور عمرؓ جن کو خلافت کی خواہش تھی انہوں نے حضرت علیؓ کا حق غصب کرلیا اور خود خلیفہ بن گئے۔ یہ عقیدہ بھی اوّل تو اس لحاظ سے غلط ہے کہ حضرت علیؓ جیسے بہادر اور شجاع انسان کے متعلق یہ خیال کر لینا کہ وہ ایک امر کو حق سمجھتے ہوئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کا حامل ہوتے ہوئے اس کے خلاف عمل کرنے والوں کے مقابلہ میں خاموش رہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو انہوں نے پسِ پشت ڈال دیا اور عالم اسلام کو تباہی کے گڑھے میں گرتے دیکھ کر بھی کوئی قدم اُٹھانا مناسب نہ سمجھا بالکل عقل کے خلاف ہے۔ پھر تاریخی طور پر یہ امر ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکرؓ کی بھی بیعت کی تھی اور پھر حضرت عمرؓ کی بھی بیعت کی تھی اور ان دونوں خلفاء کے ساتھ مل کر وہ کام کرتے رہے بلکہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں بعض سفروں کے پیش آنے پر حضرت علیؓ کو اپنی جگہ مدینہ کا امیر بھی مقرر فرمایا۔ چنانچہ طبری میں لکھا ہے کہ واقعۂ جسر کے موقع پر جبکہ مسلمانوں کو ایرانی فوجوں کے مقابلہ میں ایک قسم کی زِک اُٹھانی پڑی تھی حضرت عمرؓ نے لوگوں کے مشورہ سے ارادہ کیا کہ آپ خود اسلامی فوج کے ساتھ ایران کی سرحد پر تشریف لے جائیں اور آپ نے اپنے پیچھے حضرت علیؓ کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا۔ اِسی طرح جب مسلمانوں نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا اور وہاں کے لوگوں نے اُس وقت تک ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا جب تک کہ

خود حضرت عمرؓ وہاں تشریف نہ لائیں تو اُس وقت بھی حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کو ہی اپنے بعد مدینہ کا گورنر مقرر کیا تھا حالانکہ آپ کو کئی ماہ کا سفر درپیش تھا۔ اِس روایت سے ثابت ہے کہ حضرت علیؓ اپنا عندیہ اتنا چھپاتے تھے کہ حضرت عمرؓ اُن کو اپنے پیچھے گورنر مقرر کر دیتے تھے اور اس بات سے ذرا بھی نہیں ڈرتے تھے کہ پیچھے یہ بغاوت کر دیں گے گویا حق چھپانے کی عادت حضرت علیؓ میں انتہا درجہ کی پائی جاتی تھی۔ اگر یہی بات کسی شیعہ عالم کے متعلق کہی جائے تو غالباً وہ گالیاں دینے لگ جائے گا لیکن ایسی گندی بات حضرت علیؓ کی طرف منسوب کرتے ہوئے وہ ذرا نہیں شرماتے اور درحقیقت وہ اس طرح حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کو گالیاں نہیں دیتے بلکہ خود حضرت علیؓ کو گالیاں دیتے ہیں۔

بہرحال جو شخص ابوبکرؓ اور عمرؓ کی غلامی کا جؤا اپنی گردن پر رکھ لیتا ہے اور ان کی بیعت میں شامل ہو جاتا ہے اور ان کے ساتھ مل کر کام کرتا ہے اُس کی نسبت یہ کہنا کہ وہ دل میں خلافت کو اپنا حق سمجھتا تھا اور حق بھی لیاقت کی وجہ سے نہیں بلکہ منشائے شریعت کے مطابق۔ اس کے دوسرے لفظوں میں یہ معنی بنتے ہیں کہ حضرت علیؓ نَعُوْذُبِاللّٰہِ ظاہر کچھ کرتے تھے اور دل میں کچھ رکھتے تھے اور یہ بات حضرت علیؓ کی نسبت امکانی طور پر بھی ذہن میں لانا گناہ ہے کجا یہ کہ اس کے وقوع پر یقین کیا جائے۔ پس اول تو حضرت علیؓ کا طریق عمل خود اس خیال کو باطل کر رہا ہے دوسرے قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ کی آیت بھی شیعوں کے اس خیال کی تردید کرتی ہے کیونکہ یہ آیت بتاتی ہے کہ جن مومنوں میں وہ صفات ہوں گی جن کا اللہ تعالیٰ نے اگلی آیات میں ذکر فرمایا ہے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ کیونکہ اَفْلَحَ کے معنی اپنے مقصد اور مدعا کو حاصل کر لینے اور اس میں کامیاب ہو جانے کے ہوتے ہیں۔ پس اگر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کو شیعوں کے نظریہ کے مطابق خلافت کی خواہش تھی اور وہ خلیفہ بن بھی گئے تو صاف طور پر معلوم ہو گیا ہے کہ وہ کامل مومن تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے مذہبی اور سیاسی نظام کی باگ ڈور دے دی اور انہیں دنیا کا راہنما بنا دیا۔ یا پھر یہ ماننا پڑے گا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے باوجود حضرت علیؓ یہی چاہتے تھے کہ ابوبکرؓ خلیفہ ہو جائیں میں نہ بنوں۔ سو خدا نے ان کی اس خواہش کو پورا کر دیا

اور حضرت ابوبکرؓ کامیاب ہو گئے لیکن بعد میں حضرت علیؓ کے اتباع نے ہی ان کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ پس قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ کی آیت نے شیعوں کے ان دونوں خیالات کا ردّ کر دیا۔ اس خیال کا بھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کی اکثریت نَعُوْذُ بِاللّٰہِ منافق تھی اور صرف اڑھائی آدمی پکے مومن تھے۔ اور اس خیال کا بھی کہ خلافت کے اصل مستحق حضرت علیؓ تھے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے ان کا حق غصب کر لیا تھا۔‘‘

(تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۱۲۲، ۱۲۳)

انبیاء اور خلفاء کے دشمن ہمیشہ حریت کے نام پر ان کی مخالفت کرتے رہے ہیں

سورۃ المؤمنون آیت ۲۵، ۲۶ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚۖ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۵﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ انبیاء اور خلفاء کے دشمنوں کے اعتراضات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''انبیاء اور خلفاء کے دشمن ہمیشہ حریت کے نام پر ان کی مخالفت کرتے رہے ہیں اور کہتے رہے ہیں کہ کیا اپنے جیسے انسان کو ہم اپنا حاکم تسلیم کرلیں؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ شخص ہم پر فضیلت حاصل کرنا چاہتا ہے یعنی ایسا خلیفہ جو ساری جماعت کی راہنمائی کرے اور جس کا حکم سب مانیں انسانیت اور حریت کے خلاف ہے۔ چنانچہ دیکھ لو جب اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کو آدمؑ کی اطاعت اور اس کی کامل فرمانبرداری کا حکم دیا تو اُس وقت بھی حریت کے نام پر ابلیس آدم کے مقابلہ میں کھڑا ہوگیا اور اُس نے کہا اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ[1] میں آدمؑ کی اطاعت کس طرح کرسکتا ہوں؟ میں تو اس سے بہت بہتر اور افضل ہوں۔ میرے اندر حریت اور آزادی کی آگ پائی جاتی ہے اور آدم غلامانہ ذہنیت کا مالک ہے۔ وہ لوگ جو غلامی کو پسند کرتے ہیں اور اپنی حریت کی روح کو کچل دینا چاہتے ہیں وہ تو بے شک آدمؑ کی اطاعت کرلیں مگر میں اِس کی اطاعت کرنے کے لئے تیار نہیں۔ یہی دعویٰ جو آجکل انارکسٹ کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم دوسروں کی غلامی برداشت نہیں کرسکتے ہم بغاوت کریں گے اور اپنی آزادی کی روح کو برقرار رکھیں گے۔

چونکہ دنیا کا نظام اُس وقت تک قائم نہیں رہ سکتا جب تک باہم مادۂ تعاون نہ پایا جائے اور اعلیٰ حکام کی اطاعت کا جؤا اپنی گردن پر نہ رکھا جائے اِس لئے ایسے لوگ جو باغیانہ روح اپنے اندر رکھتے ہیں مذہبی نقطہ نگاہ سے بھی قابل نفرت سمجھے جاتے ہیں اور دُنیوی حکومتیں بھی ایسے لوگوں کو گرفتار کر کے انہیں مختلف قسم کی سزائیں دیتی ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی اس قسم کی حریت کا نعرہ بلند کرنے والوں نے اسلام کی شدید مخالفت کی جن میں خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اپنے رشتہ دار بھی شامل تھے۔ چنانچہ ابولہب جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک چچا تھا اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ [۲] یعنی آگ کے شعلوں کا باپ ہلاک ہو گیا۔ اس جگہ اُسے آگ کے شعلوں کا باپ اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ وہ ناری طبیعت رکھنے والے لوگوں کا سردار تھا اور وہ اور اس کے ساتھی اس لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کیلئے تیار نہیں ہوتے تھے کہ آپ کو مانا تو انہیں اپنی سرداری چھوڑ کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اختیار کرنی پڑے گی اور یہ چیز ان کے لئے ناقابل برداشت تھی۔

حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں بھی ایسا ہی ہوا۔ نوح علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کی توحید کی تعلیم پیش کی تو لوگوں نے اُس کو ماننے سے انکار کر دیا اور اُنہوں نے دوسروں کو بھی یہ کہہ کر بہکانا شروع کر دیا کہ یہ تو تمہارے جیسا ایک انسان ہے اِس کے اندر کون سی ایسی خصوصیت پائی جاتی ہے جس کی بناء پر اِس کی اطاعت کی جائے۔ اس نے جو یہ ساری قوم کے خلاف ایک نئی آواز بلند کرنا شروع کر دی ہے تو اس کا مقصد محض اتنا ہے کہ اس کے نتیجہ میں کچھ لوگ اس کے گرد جمع ہو جائیں اور اِس کا جتھہ مضبوط ہو جائے اور یہ ہم پر حکومت کرنے لگ جائے۔ مگر ہم اِس کو کبھی برداشت نہیں کریں گے ہم مٹ جائیں گے مگر اپنی حریت اور آزادی میں کوئی فرق نہیں آنے دیں گے۔ پھر انہوں نے اس سے بھی آگے قدم بڑھایا اور کہا کہ اگر آسمان سے فرشتے ہم پر حاکم بنا کر بھیجے جاتے تو ہم مان بھی لیتے لیکن انسان نبی یا انسان خلیفہ کو ہم ماننے کیلئے تیار نہیں کیونکہ اس کو ہم پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ باوجود اس کے کہ شروع سے ہی خدا تعالیٰ کے انبیاء خدائی توحید کا

وعظ کرتے چلے آئے ہیں ان کے دشمنوں کا ہمیشہ یہ اعتراض رہا ہے کہ ہدایت کے لئے انسان سے بالا کوئی وجود آنا چاہئے لیکن باوجود اس اعتراض کے خدا ہمیشہ انسانوں کو ہی لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجتا رہا کیونکہ اگر رسول کسی غیر جنس میں سے ہو تو وہ بنی نوع انسان کے لئے نمونہ نہیں بن سکتا۔ جس طرح ایک انسان شیر کی نقل نہیں کرسکتا اور نہ شیر انسان کی نقل کرسکتا ہے اور یا پھر وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً [۳] کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اس کے ساتھ فرشتے کیوں نہیں اُترے کہ اِن کو دیکھ کر ہم سمجھ جاتے کہ یہ سچا ہے۔ اس میں ان کی جہالت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ انہوں نے پہلے لوگوں سے یہ سن کر کہ نبیوں پر فرشتے اُترا کرتے تھے یہ سمجھ لیا کہ وہ دوسروں کو بھی نظر آتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت دینا چاہتا تو جس طرح پہلے لوگوں کے ساتھ فرشتے آیا کرتے تھے اِسی طرح اس کے ساتھ بھی فرشتے اُترتے ایسا خاموشی سے آنے والا نبی تو ہم نے کبھی نہیں سنا۔ مگر ان مخالفتوں کے باوجود ہمیشہ انبیاء کی تعلیم ہی کامیاب ہوتی رہی ہے کیونکہ ماننے کے قابل وہی بات ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آئے۔ اور وہ جس وجود میں بھی انسان کو آواز دے اس کا فرض ہے کہ اس کو سنے اور غلط حریت اور مادر پدر آزادی کو اپنے لئے لعنت کا طوق سمجھے۔''

(تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۱۵۶، ۱۵۷)

---

[۱] صٓ: ۷۷ [۲] اللّھب: ۲ [۳] المؤمنون: ۲۵

حضرت علیؓ کی خلافت بلا فصل اور قرآن کریم

سورۃ المؤمنون آیت ۶۴ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''ضمنی طور پر یہ آیت شیعوں کا بھی رَدّ کرتی ہے۔شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کا حق مارا گیا تھا خلیفہ انہیں ہونا چاہئے تھا مگر حضرت ابوبکرؓ نے ان سے خلافت کا حق غصب کر لیا۔ اللہ تعالیٰ اِن آیات میں ان کے اس خیال کی بھی تردید کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ جس انعام کے دینے کا ہم فیصلہ کرتے ہیں وہ کبھی نہیں مارا جاتا کیونکہ قرآن کریم میں جو بات کہی جاتی ہے وہ ضرور پوری ہو کر رہتی ہے۔ اگر قرآن کریم حضرت علیؓ کی خلافت یا امامت کا فیصلہ کرتا تو کوئی طاقت ان سے یہ انعام چھین نہیں سکتی تھی۔''

(تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۱۹۹)

خلافت وہ رِی فلیکٹر ہے جو نبوت اورالوہیت کے نور کو دور تک پھیلا دیتا ہے

سورۃ النور آیت ۳۶ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ کی تفسیر کرتے ہوئے حضور فرماتے ہیں:۔

''اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بعض اور مقامات پر بھی بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ سورۃ طٰـہٰ میں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں فرماتا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے نور کو آگ کی شکل میں دیکھا۔ اور فرمایا اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا[1] میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔ اس فقرہ سے صاف ظاہر ہے کہ دوسرے لوگ اس آگ کو نہیں دیکھ رہے تھے۔ پس اٰنَسْتُ نَارًا میں یہ بتایا گیا ہے کہ نبی کے وجود میں ظاہر ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا ظہور اس دنیا میں بطور نار کے ہوتا ہے یعنی کوئی تیز نظر والا ہی اسے دیکھ سکتا ہے لیکن جب وہ نبی کے ذریعہ ظاہر ہوتا ہے تو پھر وہ نور ہو جاتا ہے یعنی لیمپ کی طرح اس کی روشنی بہت تیز ہو جاتی ہے۔ پھر نبوت میں یہ نور آ کر مکمل تو ہو جاتا ہے لیکن اس کا زمانہ پھر بھی محدود ہوتا ہے کیونکہ نبی بھی موت سے محفوظ نہیں ہوتے۔ پس اس روشنی کو دُور تک پہنچانے کے لئے اور زیادہ دیر تک قائم رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ کوئی اور تدبیر کی جاتی سو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ایک ری فلیکٹر بنایا جس کا نام خلافت ہے۔ جس طرح طاقچہ تین طرف سے روشنی روک کر صرف اس جہت میں ڈالتا ہے جدھر اس کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح خلفاء نبی کی قوتِ قدسیہ کو جو اس کی جماعت میں ظاہر ہو رہی ہوتی ہے ضائع ہونے سے بچا کر ایک خاص پروگرام کے ماتحت استعمال کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں جماعت کی طاقتیں پراگندہ نہیں

ہوتیں اور تھوڑی سی طاقت سے بہت سے کام نکل آتے ہیں کیونکہ طاقت کا کوئی حصہ ضائع نہیں ہوتا۔ اگر خلافت نہ ہوتی تو بعض کاموں پر تو زیادہ طاقت خرچ ہو جاتی اور بعض کام توجہ کے بغیر رہ جاتے اور تفرقہ اور شقاق کی وجہ سے کسی نظام کے ماتحت جماعت کا روپیہ اور اس کا علم اور اُس کا وقت خرچ نہ ہوتا۔ غرض خلافت کے ذریعہ سے الٰہی نور کو جو نبوت کے ذریعہ سے مکمل ہوتا ہے ممتد اور لمبا کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ دیکھ لو الٰہی نور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ ختم نہیں ہو گیا بلکہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے طاقچہ کے ذریعہ اس کی مدت کو سَوا دو سال اور بڑھا دیا گیا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد وہی نور خلافت عمرؓ کے طاق کے اندر رکھ دیا گیا اور ساڑھے دس سال اس کی مدت کو اور بڑھا دیا گیا۔ پھر حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد وہی نور عثمانی طاقچہ میں رکھ دیا گیا اور بارہ سال اس کی مدت کو اور بڑھا دیا گیا۔ پھر حضرت عثمانؓ کی وفات کے بعد وہی نور علوی طاقچہ میں رکھ دیا گیا اور چار سال نو ماہ اُس نور کو اور لمبا کر دیا گیا۔ گویا تیس سال الٰہی نور خلافت کے ذریعہ لمبا ہو گیا۔ پھر ناقص خلافتوں کے ذریعہ سے یہی نور چار سَو سال تک سپین اور بغداد میں ظاہر ہوتا رہا۔ غرض جس طرح ٹارچوں کے اندر رِی فلیکٹر ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ بلب کی روشنی دور تک پھیل جاتی ہے یا چھوٹے چھوٹے رِی فلیکٹر بعض دفعہ تھوڑا سا خم دے کر بنائے جاتے ہیں جیسے دیوار گیروں کے پیچھے ایک ٹین لگا ہوا ہوتا ہے جو دیوار گیر کا رِی فلیکٹر کہلاتا ہے اور گو اس کے ذریعہ روشنی اتنی تیز نہیں ہوتی جتنی ٹارچ کے رِی فلیکٹر کے ذریعہ تیز ہوتی ہے مگر پھر بھی دیوار گیر کی روشنی اس رِی فلیکٹر کی وجہ سے پہلے سے بہت بڑھ جاتی ہے۔ اسی طرح خلافت وہ رِی فلیکٹر ہے جو نبوت اور الوہیت کے نور کو لمبا کر دیتا ہے اور اسے دور تک پھیلا دیتا ہے......

غرض اِس آیت میں الوہیت، نبوت اور خلافت کا جوڑ بتایا گیا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ آخر خلافت بھی تو ختم ہو جاتی ہے تو اس کا یہ جواب ہے کہ خلافت کا ختم ہونا یا نہ ہونا انسانوں کے اختیار میں ہے اگر وہ پاک رہیں اور خلافت کی بے قدری نہ کریں تو یہ طاقچہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں سال تک قائم رہ کر اُن کی طاقت کو بڑھانے کا موجب ہو سکتا ہے اور اگر وہ خود ہی

اس انعام کو ردّ کر دیں تو اس کا علاج کسی شخص کے پاس نہیں۔

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ والی آیت کا مضمون مختصراً بتانے کے بعد اب میں یہ بھی بتاتا ہوں کہ کس طرح یہ تمام سورۃ اسی ایک مضمون کے گرد چکر لگا رہی ہے۔ اس سورۃ کو اللہ تعالیٰ نے بدکاری اور بدکاری کے الزامات لگانے والوں کے ذکر سے شروع کیا ہے اور اس کی تفصیلات بیان کرنے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جو الزام لگا تھا اُس کا ذکر کیا ہے۔ پھر اور بہت سی باتیں اِسی کے ساتھ تعلق رکھنے والی بیان فرماتا ہے اور مسلمانوں کو نصیحت کرتا ہے کہ انہیں ایسے مواقع پر کن کن باتوں پر عمل کرنا چاہئے۔ پھر وہ ذرائع بیان کرتا ہے جن پر عمل کرنے سے بدکاری دنیا سے مٹ سکتی ہے۔ یہ تمام مضامین اللہ تعالیٰ نے پہلے، دوسرے اور تیسرے رکوع میں بیان فرمائے ہیں۔ کسی جگہ الزام لگانے والوں کے متعلق سزا کا ذکر ہے، کسی جگہ الزامات کی تحقیق کے طریق کا ذکر ہے، کسی جگہ شرعی ثبوت لانے کا ذکر ہے، کسی جگہ ایسے الزامات لگنے کی وجوہ کا ذکر ہے، کسی جگہ ان دروازوں کا ذکر ہے جن سے گناہ پیدا ہوتا ہے۔ غرض تمام آیتوں میں ایک ہی مضمون بیان کیا گیا ہے مگر اس کے معاً بعد فرماتا ہے اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اب انسان حیران رہ جاتا ہے کہ اس کا پہلے رکوعوں سے کیا تعلق ہے؟ ایک ایسا مفسر جو یہ خیال کرتا ہے کہ قرآن کریم میں کوئی ترتیب نہیں، وہ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ ایک بے ربط کلام ہے، اس کی آیتیں اسی طرح متفرق مضامین پر مشتمل ہیں جس طرح دانے زمین پر گرائے جائیں تو کوئی کسی جگہ جا پڑتا ہے اور کوئی کسی جگہ تو وہ کہہ دے گا کہ اس میں کیا حرج ہے پہلے وہ مضمون بیان کیا گیا تھا اور اب یہ مضمون شروع کر دیا گیا ہے۔ مگر وہ شخص جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم سے واقف ہے جو جانتا ہے کہ قرآن کریم کا ہر لفظ ایک ترتیب رکھتا ہے وہ یہ دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے کہ پہلے تو بدکاری کے الزامات اور ان کو دور کرنے کا ذکر تھا اور اس کے معاً بعد یہ ذکر شروع کر دیا گیا ہے کہ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ان دونوں کا آپس میں جوڑ کیا ہوا؟ پھر انسان اور زیادہ حیران ہو جاتا ہے جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ پانچویں رکوع میں تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور اس سے دو رکوع بعد یعنی

ساتویں رکوع میں اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر شروع کر دیا ہے کہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ [۲] یعنی اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ بجا لائے یہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ انہیں زمین میں اسی طرح خلیفہ بنائے گا جس طرح اس نے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا۔ گویا پہلے تو زنا کے الزامات کا ذکر کیا پھر حضرت عائشہؓ کا واقعہ بیان کیا پھر ان الزامات کے ازالہ کے طریقوں کا ذکر کیا پھر اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا مضمون بیان کیا اور پھر کہہ دیا کہ میرا وعدہ کہ جو مؤمن ہوں گے انہیں میں اس اُمت میں اسی طرح خلیفہ بناؤں گا جس طرح پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا اور اُن کے دین کو دنیا میں قائم کروں گا اور ان کے خوف کو امن سے بدل دوں گا وہ میری عبادت کریں گے میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور جو اُن خلفاء کا منکر ہوگا وہ فاسق ہوگا۔

پس لازماً یہ سوال ہر شخص کے دل میں پیدا ہوتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ پہلے زنا کے الزامات کا ذکر ہے پھر اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا ذکر کیا اور پھر خلافت کا ذکر کر دیا۔ ان تینوں باتوں کا آپس میں جوڑ ہونا چاہئے ورنہ یہ سمجھا جائے گا کہ قرآن کریم نَعُوْذُ بِاللّٰهِ بے جوڑ باتوں کا مجموعہ ہے اور اس کے مضامین میں ایک عالم اور حکیم ہستی والا ربط اور رشتہ نہیں ہے۔ اس جگہ ضمنی طور پر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جہاں دوسروں پر الزام لگانے والوں کا ذکر ہے وہاں الزام لگانے والوں کے متعلق فرمایا ہے کہ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ [۳] کہ وہ لوگ جو بے گناہ عورتوں پر الزام لگاتے ہیں اور پھر ایک موقع کے چار گواہ نہیں لاتے تو تم ان کو ۸۰ کوڑے مارو اور تم اُن کی موت تک ان کو جھوٹا سمجھو اور ان کی شہادت کو کبھی قبول نہ کرو وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ اور یہی وہ لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ کے نزدیک فاسق ہیں۔

پھر اسی سورۃ میں جہاں خلفاء کا ذکر کیا وہاں بھی یہی الفاظ رکھے اور فرمایا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ہ جو شخص خلفاء کا انکار کرے وہ فاسق ہے۔ اب جو

الفاظ زنا کا الزام لگانے والوں کے متعلق خدا تعالیٰ نے رکھے تھے اور جو نام ان کا تجویز کیا تھا وہی نام خدا تعالیٰ نے خلافت کے منکرین کا رکھا اور قریباً اِسی قسم کے الفاظ اس جگہ استعمال کئے، وہاں یہ بھی فرمایا تھا کہ جو لوگ بدکاری کا الزام لگاتے اور پھر چار گواہ ایک موقع کے نہیں لاتے انہیں ۸۰ کوڑے مارو، انہیں ساری عمر جھوٹا سمجھو اور سمجھ لو کہ یہ فاسق لوگ ہیں۔ اور یہاں بھی یہ فرمایا کہ جو شخص خلفاء کا انکار کرتا ہے سمجھ لو کہ وہ فاسق ہے۔

غرض جو شخص قرآن کریم کو ایک حکیم ہستی کی کتاب سمجھتا ہے اور اس کے اعلیٰ درجہ کے باربط اور ہم رشتہ مضمونوں کے کمالات دیکھنے کا اسے موقع ملا ہے اُس کے دل میں لازماً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان تینوں باتوں کا آپس میں جوڑ کیا ہے؟ اس مشکل کو حل کرنے کیلئے اگر اس مضمون پر غور کیا جائے جو میں نے اوپر بتایا ہے اور جو یہ ہے کہ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الوہیت، نبوت اور خلافت کے تعلق پر روشنی ڈالی گئی ہے تو آخری دو مضمونوں کا تعلق پہلے دو مضامین سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کیونکہ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں خلافت کا اصولی ذکر تھا اور بتایا گیا تھا کہ خلافت کا وجود بھی نبوت کی طرح ضروری ہے کیونکہ اس کے ذریعہ سے جلالِ الٰہی کے ظہور کے زمانہ کو ممتد کیا جاتا ہے اور الٰہی نور کو ایک لمبے عرصہ تک دنیا کے فائدے کیلئے محفوظ رکر دیا جاتا ہے۔ اس مضمون کے معلوم ہونے پر طبعاً قرآن کریم پڑھنے والوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہونا تھا کہ خدا کرے ایسی نعمت ہم کو بھی ملے سو وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ کی آیات میں اس خواہش کو پورا کرنے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرما دیا اور بتا دیا کہ یہ نعمت تم کو بھی اسی طرح ملے گی جس طرح پہلے انبیاء کی جماعتوں کو ملی تھی۔ غرض ان بیان کردہ معنوں کی رو سے اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی آیت اور اس کی متعلقہ آیتوں کا وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ کی آیت اور ان کی متعلقہ آیتوں سے ایک ایسا لطیف اور طبعی جوڑ قائم ہو جاتا ہے جو دل کو لذت اور سرور سے بھر دیتا ہے اور ایمان کی زیادتی کا موجب ہوتا ہے لیکن یہ سوال پھر بھی قائم رہتا ہے کہ اس مضمون کا پہلی آیتوں سے

کیاتعلق ہوا یعنی سورۃ نور کے پانچویں رکوع کا اِس کے نویں رکوع تک تو خلافت سے جوڑ ہوالیکن جو پہلے چار رکوع ہیں جن میں بدکاری اور بدکاری کے الزامات کا ذکر آتا ہے ان کا اس سے کیاتعلق ہے جب تک یہ جوڑ بھی نہ ملے اُس وقت تک قرآن کریم کی ترتیب پورے طور پر ثابت نہیں ہوسکتی۔

اب میں یہ بتاتا ہوں کہ پہلے چار رکوعوں کا باقی پانچ رکوعوں سے جن میں خلافت کا ذکر آتا ہے کیاتعلق ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ پہلے چار رکوعوں میں بدکاری کے الزامات کا ذکر اصل مقصود ہے اور ان میں خصوصاً اُس الزام کو رد کرنا مقصود ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگایا گیا تھا۔ اب ہمیں دیکھنا چاہئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جو الزام لگایا گیا تو اس کی اصل غرض کیا تھی اُس کا سبب یہ تو نہیں ہوسکتا کہ ان لوگوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کوئی دشمنی تھی۔ ایک گھر میں بیٹھی ہوئی عورت سے جس کا نہ سیاسیات سے کوئی تعلق ہو، نہ قضاء سے، نہ عہدوں سے، نہ اموال کی تقسیم سے، نہ لڑائیوں سے، نہ مخالف اقوام پر چڑھائیوں سے، نہ حکومت سے نہ اقتصادیات سے، اُس سے کسی نے کیا بغض رکھنا ہے۔ پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے براہِ راست بغض کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔ اس الزام کے بارہ میں دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں یا تو یہ کہ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ یہ الزام سچا ہو جس کو کوئی مومن ایک لمحہ کے لئے بھی تسلیم نہیں کرسکتا خصوصاً اس صورت میں کہ اللہ تعالیٰ نے عرش پر سے اِس گندے خیال کو ردّ کیا ہے۔ اور دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ حضرت عائشہؓ پر الزام بعض دوسرے وجودوں کو نقصان پہنچانے کے لئے لگایا گیا ہو۔

اب ہمیں غور کرنا چاہئے کہ وہ کون کون لوگ تھے جن کو بدنام کرنا منافقوں کے لئے یا ان کے سرداروں کے لئے فائدہ بخش ہوسکتا تھا اور کن کن لوگوں سے اس ذریعہ سے منافق اپنی دشمنی نکال سکتے تھے۔ ایک ادنیٰ تدبر سے بھی معلوم ہوسکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگا کر دو شخصوں سے دشمنی نکالی جاسکتی تھی۔ ایک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ایک حضرت ابوبکرؓ رضی اللہ عنہ سے۔ کیونکہ ایک کی وہ بیوی تھیں اور ایک کی بیٹی۔ یہ دونوں وجود ایسے تھے کہ ان کی بدنامی سیاسی لحاظ سے یا دشمنیوں کے لحاظ سے بعض لوگوں کے

لئے فائدہ بخش ہوسکتی تھی یا بعض لوگوں کی اغراض ان کو بدنام کرنے کے ساتھ وابستہ تھیں ورنہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بدنامی سے کسی شخص کو کوئی دلچسپی نہیں ہوسکتی تھی۔ زیادہ سے زیادہ آپ سے سوتوں کا تعلق ہوسکتا تھا اور یہ خیال ہوسکتا تھا کہ شاید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سوتوں نے حضرت عائشہؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں سے گرانے اور اپنی نیک نامی چاہنے کے لئے اس معاملہ میں کوئی حصہ لیا ہو۔ مگر تاریخ شاہد ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سوتوں نے اس معاملہ میں کوئی حصہ نہیں لیا بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سے میں جس کو اپنا رقیب اور مدِ مقابل خیال کرتی تھی وہ حضرت زینب بنت جحش تھیں ان کے علاوہ اور کسی بیوی کو میں اپنا رقیب خیال نہیں کرتی تھی مگر عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں زینبؓ کے اس احسان کو کبھی نہیں بھول سکتی کہ جب مجھ پر الزام لگایا گیا تو سب سے زیادہ زور سے اگر کوئی اس الزام کی تردید کیا کرتی تھیں تو وہ حضرت زینبؓ ہی تھیں۔ [۴]

پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اگر کسی کو دشمنی ہوسکتی تھی تو اُن کی سوتوں کو ہی ہوسکتی تھی اور اگر وہ چاہتیں تو اِس میں حصہ لے سکتی تھیں تا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں سے گر جائیں اور ان کی عزت بڑھ جائے مگر تاریخ سے ثابت ہے کہ انہوں نے اس معاملہ میں کوئی دخل نہیں دیا اور اگر کسی سے پوچھا گیا تو اُس نے حضرت عائشہؓ کی تعریف ہی کی۔ غرض مردوں کی عورتوں سے دشمنی کی کوئی وجہ نہیں ہوتی۔ پس آپ پر الزام یا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض کی وجہ سے لگایا گیا یا پھر حضرت ابوبکرؓ سے بغض کی وجہ سے ایسا کیا گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مقام حاصل تھا وہ تو الزام لگانے والے کسی طرح چھین نہیں سکتے تھے انہیں جس بات کا خطرہ تھا وہ یہ تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی وہ اپنی اغراض کو پورا کرنے سے محروم نہ رہ جائیں۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ آپ کے بعد خلیفہ ہونے کا اگر کوئی شخص اہل ہے تو وہ ابوبکرؓ ہی ہے پس اس خطرہ کو بھانپتے ہوئے اُنہوں نے حضرت عائشہؓ پر الزام لگا دیا تا حضرت عائشہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ سے گر جائیں اور ان کے گر جانے کی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ

کو مسلمانوں میں جو مقام حاصل ہے وہ بھی جاتا رہے اور مسلمان آپ سے بدظن ہو کر اس عقیدت کو ترک کر دیں جو انہیں آپ سے تھی اور اس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے خلیفہ ہونے کا دروازہ بالکل بند ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ پر الزام لگنے کے واقعہ کے بعد خلافت کا بھی ذکر کیا۔

حدیثوں میں صریح طور پر ذکر آتا ہے کہ صحابہؓ آپس میں باتیں کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر کسی کا مقام ہے تو وہ ابوبکرؓ کا ہی مقام ہے۔ حدیثوں میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت عائشہؓ سے کہا۔ اے عائشہ! میں چاہتا تھا کہ ابوبکر کو اپنے بعد نامزد کر دوں مگر میں جانتا ہوں کہ اللہ اور مومن اس کے سوا اور کسی پر راضی نہیں ہوں گے [۵] اس لئے میں کچھ نہیں کہتا۔ غرض صحابہؓ یہ یقینی طور پر سمجھتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان میں اگر کسی کا درجہ ہے تو ابوبکرؓ کا ہے اور وہی آپ کا خلیفہ بننے کے اہل ہیں۔ مکی زندگی تو ایسی تھی کہ اس میں حکومت اور اس کے نظام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا لیکن مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کے بعد حکومت قائم ہوگئی اور طبعاً منافقوں کے دلوں میں یہ سوال پیدا ہونے لگا کہ آپ کے بعد کوئی خلیفہ ہو کر نظامِ اسلامی لمبا نہ ہو جائے اور ہم ہمیشہ کے لئے تباہ نہ ہو جائیں کیونکہ آپ کے مدینہ تشریف لانے کی وجہ سے ان کی کئی امیدیں باطل ہوگئی تھیں۔

تاریخوں سے ثابت ہے کہ مدینہ میں عربوں کے دو قبیلے اوس اور خزرج تھے اور یہ ہمیشہ آپس میں لڑتے رہتے تھے اور قتل و خون ریزی کا بازار گرم رہتا تھا جب انہوں نے دیکھا کہ اس لڑائی کے نتیجہ میں ہمارے قبائل کا رُعب مٹتا چلا جاتا ہے تو انہوں نے آپس میں صلح کی تجویز کی اور قرار دیا کہ ہم ایک دوسرے سے اتحاد کرلیں اور کسی ایک شخص کو اپنا بادشاہ بنالیں چنانچہ اوس اور خزرج نے آپس میں صلح کر لی اور فیصلہ ہوا کہ عبداللہ بن ابی ابن سلول کو مدینہ کا بادشاہ بنا دیا جائے۔ اس فیصلہ کے بعد انہوں نے تیاری بھی شروع کر دی اور عبداللہ بن ابی ابن سلول کے لئے تاج بننے کا حکم بھی دے دیا گیا۔ اتنے میں مدینہ کے کچھ حاجی مکہ سے واپس آئے اور انہوں نے بیان کیا کہ آخری زمانہ کا نبی مکہ میں ظاہر ہوگیا

ہے اور ہم اُس کی بیعت کر آئے ہیں۔ اِس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کے متعلق چہ مگوئیاں شروع ہو گئیں اور چند دنوں کے بعد اور لوگوں نے بھی مکہ جا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کر لی۔ اور پھر انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ ہماری تربیت اور تبلیغ کے لئے کوئی معلم ہمارے ساتھ بھیجیں۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابیؓ کو مبلغ بنا کر بھیجا اور مدینہ کے بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اُنہی دنوں چونکہ مکہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو بہت تکالیف پہنچائی جا رہی تھیں اس لئے اہل مدینہ نے آپ سے درخواست کی کہ آپ مدینہ تشریف لے آئیں۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ سمیت مدینہ ہجرت کر کے آ گئے اور عبداللہ بن اُبی ابن سلول کیلئے جو تاج تیار کروایا جا رہا تھا وہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔ کیونکہ جب اُنہیں دونوں جہانوں کا بادشاہ مل گیا تو انہیں کسی اور بادشاہ کی کیا ضرورت تھی۔ عبداللہ بن اُبی ابن سلول نے جب یہ دیکھا کہ اُس کی بادشاہت کے تمام امکانات جاتے رہے ہیں تو اُسے سخت غصہ آیا اور گو وہ بظاہر مسلمانوں میں مل گیا مگر ہمیشہ اسلام میں رخنے ڈالتا رہتا تھا اور چونکہ اب وہ اور کچھ نہیں کر سکتا تھا اس لئے اُس کے دل میں اگر کوئی خواہش پیدا ہو سکتی تھی تو یہی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوں تو میں مدینہ کا بادشاہ بنوں۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اُس کے اِس ارادہ میں بھی اسے زک دی کیونکہ اس کا اپنا بیٹا بہت مخلص تھا جس کے معنی یہ تھے کہ اگر وہ بادشاہ ہو بھی جاتا تو اس کے بعد حکومت پھر اسلام کے پاس آ جاتی۔ اس کے علاوہ خدا تعالیٰ نے اُسے اس رنگ میں زک دی کہ مسلمانوں میں جونہی ایک نیا نظام قائم ہوا انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف سوالات کرنے شروع کر دیئے کہ اسلامی حکومت کا کیا طریق ہے؟ آپ کے بعد اسلام کا کیا بنے گا؟ اور اس بارہ میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟ عبداللہ بن اُبی ابن سلول نے جب یہ حالت دیکھی تو اسے خوف پیدا ہونے لگا کہ اب اسلام کی حکومت ایسے رنگ میں قائم ہو گی کہ اس میں اس کا کوئی حصہ نہ ہو گا اور وہ ان حالات کو روکنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اِس کیلئے جب اس نے غور کیا تو اسے نظر آیا کہ اگر اسلامی حکومت کو اسلامی اصول پر کوئی شخص قائم کر سکتا ہے تو وہ ابوبکرؓ ہے اور

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں کی نظریں انہی کی طرف اُٹھتی ہیں اور وہ اسے تمام لوگوں سے معزز سمجھتے ہیں۔ پس اس نے اپنی خیر اِسی میں دیکھی کہ ان کو بدنام کر دیا جائے اور لوگوں کی نظروں سے گرا دیا جائے بلکہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ سے بھی آپ کو گرا دیا جائے اور اس بدنیتی کو پورا کرنے کا موقع اسے حضرت عائشہؓ کے ایک جنگ میں پیچھے رہ جانے کے واقعہ سے مل گیا اور اس خبیث نے آپ پر ایک نہایت گندا الزام لگا دیا جو قرآن کریم میں تو اشارۃً بیان کیا گیا ہے لیکن حدیثوں میں اس کی تفصیل آتی ہے۔ عبداللہ بن اُبی ابن سلول کی اس سے غرض یہ تھی کہ اس طرح حضرت ابوبکرؓ ان لوگوں کی نظروں میں بھی ذلیل ہو جائیں گے اور آپ کے تعلقات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی خراب ہو جائیں گے اور اس نظام کے قائم ہونے میں رخنہ پڑ جائے گا جس کا قائم ہونا اسے یقینی نظر آتا تھا اور جس کے قائم ہونے سے اس کی امیدیں برباد ہو جاتی تھیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حکومت کے خواب صرف عبداللہ بن اُبی ابن سلول ہی نہیں دیکھ رہا تھا بلکہ بعض اور لوگ بھی اس مرض میں مبتلا تھے۔ چنانچہ مسیلمہ کذاب کی نسبت بھی حدیثوں میں آتا ہے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا کہ میرے ساتھ ایک لاکھ سپاہی ہے میں چاہتا ہوں کہ اپنی جماعت کے ساتھ آپ کی بیعت کرلوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام میں چھوٹے اور بڑے کی کوئی تمیز نہیں اگر تم پر حق کھل گیا ہے تو تم بیعت کرلو۔ وہ کہنے لگا میں بیعت کرنے کیلئے تو تیار ہوں مگر میری ایک شرط ہے۔ آپ نے فرمایا وہ کیا؟ وہ کہنے لگا میری شرط یہ ہے کہ آپ تو عرب کے بادشاہ بن ہی گئے ہیں لیکن چونکہ میری قوم عرب کی سب سے زیادہ زبردست قوم ہے اس لئے میں اِس شرط پر آپ کی بیعت کرتا ہوں کہ آپ کے بعد میں عرب کا بادشاہ ہوں گا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں اُس وقت کھجور کی ایک شاخ تھی آپ نے مسیلمہ کذاب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم تو یہ کہتے ہو کہ محمدؐ رسول اللہ اگر اپنے بعد مجھے اپنا خلیفہ مقرر کر دیں تو میں ان کی بیعت کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن میں تو خدا کے حکم کے خلاف یہ کھجور کی شاخ بھی تم کو دینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔[۶] اِس پر وہ ناراض ہو کر چلا گیا اور اپنی

تمام قوم سمیت مخالفت پر آمادہ ہو گیا۔
تو مسیلمہ کذاب نے بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بادشاہت ملنے کی آرزو کی تھی۔ یہی حال عبداللہ بن اُبی ابن سلول کا تھا۔ چونکہ منافق ہمیشہ اپنی موت کو ہمیشہ دور سمجھتا ہے اور دوسروں کی موت کے متعلق اندازے لگاتا رہتا ہے اس لئے عبداللہ بن ابی ابن سلول بھی اپنی موت کو دور سمجھتا تھا اور وہ نہیں جانتا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی وہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرے گا۔ وہ یہ قیاس آرائیاں کرتا رہتا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوں تو میں عرب کا بادشاہ بنوں لیکن اب اس نے دیکھا کہ ابوبکرؓ کی نیکی اور تقویٰ اور بڑائی مسلمانوں میں تسلیم کی جاتی ہے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے تشریف نہیں لاتے تو ابوبکرؓ آپ کی جگہ نماز پڑھاتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی فتویٰ پوچھنے کا موقع نہیں ملتا تو مسلمان ابوبکرؓ سے فتویٰ پوچھتے ہیں۔ یہ دیکھ کر عبداللہ بن ابی ابن سلول کو جو آئندہ کی بادشاہت ملنے کی امیدیں لگائے بیٹھا تھا سخت فکر لگا اور اُس نے چاہا کہ اِس کا ازالہ کرے۔ چنانچہ اِسی امر کا ازالہ کرنے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شہرت اور آپ کی عظمت کو مسلمانوں کی نگاہوں سے گرانے کے لئے اُس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگا دیا تا حضرت عائشہؓ پر الزام لگنے کی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہؓ سے نفرت پیدا ہو اور حضرت عائشہؓ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نفرت کا یہ نتیجہ نکلے کہ حضرت ابوبکرؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی نگاہوں میں جو اعزاز حاصل ہے وہ کم ہو جائے اور ان کے آئندہ خلیفہ بننے کا کوئی امکان نہ رہے۔ چنانچہ اِسی امر کا اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ذکر کرتا ہے اور فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْکِ عُصْبَةٌ مِّنْکُمْ [۷] کہ وہ لوگ جنہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اتہام لگایا ہے وہ تم لوگوں میں سے ہی مسلمان کہلانے والا ایک جتھا ہے۔ مگر فرماتا ہے لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّکُمْ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ [۸] تم یہ خیال مت کرو کہ یہ الزام کوئی بُرا نتیجہ پیدا کرے گا بلکہ یہ الزام بھی تمہاری بہتری اور ترقی کا موجب ہو جائے گا۔ چنانچہ لو اب ہم خلافت کے متعلق اصول بھی بیان کر دیتے ہیں اور تم

کو یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ یہ منافق زور مار کر دیکھ لیں یہ ناکام رہیں گے اور ہم خلافت کو قائم کر کے چھوڑیں گے کیونکہ خلافت نبوت کا ایک جزو ہے اور الٰہی نور کے محفوظ رکھنے کا ایک ذریعہ ہے۔ پھر فرماتا ہے لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ [9] ان الزام لگانے والوں میں سے جیسی جیسی کسی نے کمائی ہے ویسا ہی عذاب اسے مل جائے گا۔ چنانچہ جولوگ الزام لگانے کی سازش میں شریک تھے انہیں اسّی اسّی کوڑے لگائے گئے۔ پھر فرمایا وَالَّذِي تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ [10] مگران میں سے ایک شخص جو سب سے بڑا شرارتی ہے اور جو اس تمام فتنہ کا بانی ہے یعنی عبداللہ بن ابی ابن سلول اسے نہ صرف ہم کوڑے لگوائیں گے بلکہ خود بھی عذاب دیں گے۔ چنانچہ اِس وعید کے مطابق اسے کوڑوں کی سزا بھی دی گئی۔ [11] اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اسے عذاب مل گیا اور وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر ہلاک ہوگیا اور حضرت ابوبکرؓ آپ کے بعد خلیفہ ہوگئے۔ اِس طرح یہ عذاب اسے اِس رنگ میں بھی ملا کہ غزوہ بنومصطلق میں ایک معمولی سی بات پر جب انصار اور مہاجرین کا آپس میں جھگڑا ہوگیا تو عبداللہ بن ابی ابن سلول جو ہمیشہ ایسے موقعوں کی تاک میں رہتا تھا اُس نے انصار کو بھڑکاتے ہوئے کہا کہ اے انصار! یہ تمہاری اپنی ہی غلطیوں کا نتیجہ ہے۔ تم نے مہاجرین کو پناہ دی اور اب وہ تمہارے سر چڑھ گئے ہیں تم مجھے مدینہ پہنچنے دو وہاں کا سب سے زیادہ معزز شخص یعنی وہ خود مدینہ کے سب سے زیادہ ذلیل آدمی یعنی (نَعُوْذُ بِاللّٰہ) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں سے نکال دے گا۔ عبداللہ بن اُبی ابن سلول کا بیٹا ایک نہایت ہی مخلص نوجوان تھا اس نے یہ الفاظ سنے تو وہ بے تاب ہوگیا اور بھاگتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اور کہنے لگا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میرے باپ نے ایسی بات کہی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ان الفاظ کی سزا موت کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتی۔ میں صرف اتنی درخواست کرنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ میرے باپ کے قتل کا حکم دیں تو یہ حکم کسی اور کو نہ دیں بلکہ خود مجھے دیں تا ایسا نہ ہو کہ کوئی اور شخص اسے قتل کر دے تو بعد میں کسی وقت اُسے دیکھ کر مجھے جوش آ جائے اور میں اُس پر حملہ کر بیٹھوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم اسے کوئی سزا نہیں دینا چاہتے۔ ہم

تمہارے باپ سے نرمی اور احسان کا ہی معاملہ کریں گے[۱۲]۔اب گو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کوئی سزا نہ دی مگر اس کے بیٹے کا دل اس غم سے کباب ہو رہا تھا کہ میرے باپ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسے گندے اور ناپاک الفاظ کیوں استعمال کئے اور اس نے فیصلہ کرلیا کہ وہ اپنے باپ سے اس کا انتقام لے گا۔ چنانچہ جب اسلامی لشکر مدینہ کے قریب پہنچا تو اُس کا بیٹا جلدی سے آگے بڑھا اور مدینہ کے دروازہ پر تلوار ہاتھ میں لے کر کھڑ ہو گیا اور اپنے باپ سے کہنے لگا کہ خدا کی قسم! میں تمہیں اُس وقت تک شہر میں داخل نہیں ہونے دوں گا جب تک تم اس بات کا اقرار نہ کرو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے سب سے زیادہ معزز شخص ہیں اور میں مدینہ کا ذلیل ترین انسان ہوں۔ اور اگر تو نے اس بات کا اقرار نہ کیا تو میں اِسی تلوار سے تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔ عبداللہ بن ابی ابن سلول نے اپنے بیٹے کی زبان سے یہ بات سنی تو وہ گھبرا گیا اور اس نے مدینہ کے دروازہ میں کھڑے ہو کر کہا کہ اے لوگو! سن لو میں اِس امر کا اقرار کرتا ہوں کہ میں مدینہ کا سب سے زیادہ ذلیل انسان ہوں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے سب سے زیادہ معزز انسان ہیں۔ جب اس نے یہ بات کہی تب اس کے بیٹے نے اس کا راستہ چھوڑا اور اُسے شہر میں داخل ہونے دیا[۱۳]۔غرض یہ بھی ایک عذاب تھا جو خدا تعالیٰ نے خود اس کے بیٹے کے ذریعہ اُسے دیا۔

اِس الزام کا ذکر کرنے اور عبداللہ بن ابی ابن سلول کی اس شرارت کو بیان کرنے کے بعد کہ اس نے خلافت میں رخنہ اندازی کرنے کے لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگایا تھا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۚ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ۚ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ [۱۴] اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے مگر اُس کے نور کو مکمل کرنے کا ذریعہ نبوت ہے اور اُس کے بعد اس کو دنیا میں پھیلانے اور اسے زیادہ سے زیادہ عرصہ تک قائم رکھنے کا اگر کوئی ذریعہ ہے تو وہ خلافت ہی ہے۔ گویا نبوت ایک چمنی ہے جو اس کو آندھیوں سے محفوظ رکھتی ہے اور خلافت ایک رِی فلیکٹر ہے جو اُس کے نور کو دور تک پھیلاتا ہے۔ پس ان منافقوں کی تدبیروں کی وجہ

سے ہم اس عظیم الشان ذریعہ کو تباہ نہیں ہونے دیں گے بلکہ اپنے نور کو دیر تک دنیا میں قائم رکھنے کے لئے اس سامان کو مہیا کریں گے۔

اس بات کا مزید ثبوت کہ اس آیت میں جس نور کا ذکر ہے وہ نورِ خلافت ہی ہے اس سے اگلی آیتوں میں ملتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ اِس سوال کا جواب دیتا ہے کہ یہ نور کہاں ہے؟ فرماتا ہے فِیْ بُیُوْتٍ [۱۵] یہ نورِ خلافت چند گھروں میں پایا جاتا ہے۔نورِ نبوت تو صرف ایک گھر میں تھا مگر نورِ خلافت ایک گھر میں نہیں بلکہ فِیْ بُیُوْتٍ چند گھروں میں ہے۔ پھر فرماتا ہے اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ [۱۶] وہ گھر ابھی چھوٹے سمجھے جاتے ہیں مگر خدا تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ ان گھروں کو اونچا کرے کیونکہ نبوت کے بعد خلافت اُس خاندان کو بھی اونچا کر دیتی ہے جس میں سے کوئی شخص منصب خلافت حاصل کرتا ہے۔

اس آیت نے بتا دیا کہ اس جگہ اللہ تعالیٰ کا مقصد نورِ خلافت کو بیان کرنا ہے اور یہ بتانا مدنظر ہے کہ نورِ خلافت ،نورِ نبوت اور نورِ الوہیت کے ساتھ کُلّی طور پر وابستہ ہے اور اس کو مٹانا دوسرے دونوں نوروں کو مٹانا ہے پس ہم اسے مٹنے نہیں دیں گے اور اس نور کو ہم کئی گھروں کے ذریعہ سے ظاہر کریں گے تا نورِ نبوت کا زمانہ اور اس کے ذریعہ سے نورِ الٰہیہ کے ظہور کا زمانہ لمبا ہو جائے۔ چنانچہ خلافت پہلے حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئی پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئی پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئی پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئی۔ کیونکہ خدا نے یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ ان بیوت کو اونچا کرے۔ تُرْفَعَ کے لفظ نے یہ بھی بتا دیا کہ الزام لگانے والوں کی اصل غرض یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو نیچا کریں اور انہیں لوگوں کی نگاہ میں ذلیل کریں مگر خدا تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ ان کو اونچا کرے۔اور جب خدا انہیں عزت دینا چاہتا ہے تو پھر کسی کے الزام لگانے سے کیا بنتا ہے۔

اب دیکھو سورۃ نور کے شروع سے لے کر اس کے آخر تک کس طرح ایک ہی مضمون بیان کیا گیا ہے۔ پہلے اس الزام کا ذکر کیا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگایا گیا تھا اور چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگانے کی اصل غرض یہ تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رُسوا کیا جائے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے جو تعلقات ہیں ان میں بگاڑ پیدا کیا جائے اور اس

کے نتیجہ میں مسلمانوں کی نگاہ میں ان کی عزت کم ہو جائے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وہ خلیفہ نہ ہو سکیں کیونکہ عبداللہ بن ابی ابن سلول یہ بھانپ گیا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں کی نگاہ اگر کسی پر اُٹھتی ہے تو وہ حضرت ابوبکرؓ ہی ہے اور اگر ابوبکرؓ کے ذریعہ سے خلافت قائم ہوگئی تو عبداللہ بن ابی ابن سلول کی بادشاہی کے خواب کبھی پورے نہیں ہوں گے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس الزام کے معاً بعد خلافت کا ذکر کیا اور فرمایا کہ خلافت بادشاہت نہیں وہ تو نورِ الٰہی کے قائم رکھنے کا ایک ذریعہ ہے اس لئے اس کا قیام اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اس کا ضائع ہونا نورِ نبوت اور نورِ الوہیت کا ضائع ہونا ہے۔ پس وہ اس نور کو ضرور قائم کرے گا اور جسے چاہے گا خلیفہ بنائے گا بلکہ وہ وعدہ کرتا ہے کہ مسلمانوں میں سے ایک نہیں بلکہ متعدد لوگوں کو خلافت پر قائم کر کے اس نور کے زمانہ کو لمبا کر دے گا۔ تم اگر الزام لگانا چاہتے ہو تو بے شک لگاؤ نہ تم خلافت کو مٹا سکتے ہو نہ ابوبکرؓ کو خلافت سے محروم کر سکتے ہو کیونکہ خلافت ایک نور ہے جو نور اللہ کے ظہور کا ایک ذریعہ ہے اس کو انسان اپنی تدبیروں سے کہاں مٹا سکتا ہے۔

دیکھو اس تشریح کے ساتھ سورۃ نور کی تمام آیتوں کا آپس میں کس طرح ربط قائم ہو جاتا ہے اور کس طرح پہلے چار رکوعوں کے مضمون کا اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور اس کے بعد کی آیتوں کے ساتھ ربط قائم ہو جاتا ہے اور ساری سورۃ کے مطالب آئینہ کی طرح سامنے آجاتے ہیں۔

پس خلافت ایک الٰہی انعام ہے کوئی نہیں جو اس میں روک بن سکے۔ وہ خدا تعالیٰ کے نور کے قیام کا ایک ذریعہ ہے جو اس کو مٹانا چاہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نور کو مٹانا چاہتا ہے۔ ہاں وہ ایک وعدہ ہے جو پورا تو ضرور کیا جاتا ہے لیکن اس کے زمانہ کی لمبائی مؤمنوں کے اخلاص کے ساتھ وابستہ ہے۔ پھر فرماتا ہے لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ [17] وہ نہ شرقی ہے نہ غربی۔ شرقی درخت اس کو کہتے ہیں جس پر سورج صرف مشرق کی طرف سے پڑتا ہو اور مغرب کی طرف سے کسی دیوار یا درختوں کی اَوٹ کی وجہ سے نہ پڑتا ہو۔ اور غربی اس کو کہتے ہیں جس پر سورج صرف مغرب کی طرف سے پڑتا ہو مشرق کی طرف سے نہ پڑتا ہو۔ اس میں ایک بات تو یہ بتائی کہ اسلامی شریعت ایک عالمگیر تعلیم کی حامل ہے وہ نہ مشرقی لوگوں سے مخصوص ہے اور نہ مغربی لوگوں سے بلکہ ہر قوم اور ہر زمانہ کے لئے ہے اور تمام بنی نوع

انسان کے لئے اس میں ترقیات کے دروازے کھلے ہیں۔ پس دنیا اسی صورت سے امن میں رہ سکتی ہے جب وہ قرآنی تعلیم پر عمل کرے۔

دوسرے اس میں اس طرف بھی اشارہ فرمایا کہ انتخابِ خلافت میں مشرق و مغرب کا خیال نہیں رکھنا چاہئے بلکہ مسلمانوں میں سے جو شخص لائق ہو اس کو خلیفہ بنانا چاہئے۔

يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ [۱۸] پھر اس کا تیل ایسا بھڑ کنے والا ہے کہ آگ کے بغیر بھی بھڑک سکتا ہے مگر اس کو آگ دکھا دی جائے تو نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ [۱۹] ہو جاتا ہے۔ یعنی وہ تعلیم ایسی کامل ہے کہ فطرتِ صحیحہ اس کو قبول کرنے کیلئے خود ہی اس کی طرف دوڑتی ہے لیکن اگر خدا تعالیٰ کا کوئی ہادی بھی ظاہر ہو جائے اور الہامِ الٰہی کی آگ بھی اُسے چھو جائے تو پھر فطرتِ صحیحہ اس شریعت کے ساتھ مل کر اور نبی کی صحبت کی گرمی پا کر دنیا کو روشن کر دیتی ہے۔ مگر فرماتا ہے یہ نور انسانی محنت سے نہیں ملتا بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ملتا ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے فائدہ کیلئے ہمیشہ اپنے دین کی تفاصیل بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر ایک بات کو خوب جانتا ہے۔''

(تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۳۲۰ تا ۳۳۱)

---

۱ طٰہٰ: ۱۱　　۲ النور: ۵۴　　۳ النور: ۵

۴ السیرة الحلبیة الجزء الثانی غزوة بنی المصطلق صفحہ ۵۹۶ مطبوعہ بیروت لبنان ۲۰۱۲ء

۵ مسلم کتاب فضائل الصحابة باب من فضائل اَبی بکرٍ صفحہ ۱۰۵۱ حدیث نمبر ۶۱۸۱ مطبوعہ ریاض ۲۰۰۰ء الطبعة الثانیة

۶ بخاری کتاب المغازی باب قصة الاَسْوَدالعنسی صفحہ ۷۴۲، ۷۴۳ حدیث نمبر ۴۳۷۸ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانیة

۷ تا ۱۰ النور: ۱۲

۱۱ السیرة الحلبیة الجزء الثانی غزوة بنی المصطلق صفحہ ۵۹۸ مطبوعہ بیروت لبنان ۲۰۱۲ء

۱۲ السیرة النبویة لابن ھشام الجزء الثانی صفحہ ۱۰۸۱ تا ۱۰۸۳ مطبوعہ دمشق ۲۰۰۵ء

۱۳ ترمذی ابواب تفسیر القرآن باب سورةُ المنافقین صفحہ ۷۵۴، ۷۵۵ حدیث نمبر ۳۳۱۵ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الاولیٰ

۱۴ النور: ۳۶　　۱۵، ۱۶ النور: ۳۷　　۱۷ تا ۱۹ النور: ۳۶

آیت استخلاف کی تفسیر

سورۃ النور آیت ۵۶، ۵۷ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

''ان آیات سے یہ مضمون شروع ہوتا ہے کہ اگر مسلمان قومی طور پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں گے تو ان کو کیا انعام ملے گا۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ تم میں سے جو لوگ خلافت پر ایمان لائیں گے اور خلافت کے استحقاق کے مطابق عمل کریں گے اور ایسے اعمال بجا لائیں گے جو انہیں خلافت کا مستحق بنا دیں اُن سے اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ وہ انہیں زمین میں اسی طرح خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو اس نے خلیفہ بنایا اور ان کی خاطر ان کے دین کو جو اُس نے ان کے لئے پسند کیا ہے دنیا میں قائم کرے گا اور جب بھی ان پر خوف آئے گا اُس کو امن سے بدل دے گا اور ایسا ہوگا کہ وہ میری عبادت کرتے رہیں گے اور کسی کو میرا شریک قرار نہیں دیں گے۔ لیکن جو لوگ مسئلہ خلافت پر ایمان لانا چھوڑ دیں گے وہ اس انعام سے متمتع نہیں ہوں گے بلکہ اطاعت سے خارج سمجھے جائیں گے۔

اس آیت میں مسلمانوں کی قسمت کا آخری فیصلہ کیا گیا ہے اور ان سے یہ وعدہ کیا گیا ہے کہ اگر وہ خلافت کے قائل رہے اور اس غرض کے لئے مناسب کوشش اور جدوجہد بھی کرتے رہے تو جس طرح پہلی قوموں میں خدا تعالیٰ نے خلافت قائم کی ہے اسی طرح ان

کے اندر بھی خدا تعالیٰ خلافت کو قائم کر دے گا اور خلافت کے ذریعہ سے ان کو ان کے دین پر قائم فرمائے گا جو خدا نے ان کیلئے پسند کیا ہے اور اس دین کی جڑیں مضبوط کر دے گا اور خوف کے بعد امن کی حالت ان پر لے آئے گا جس کے نتیجہ میں وہ خدائے واحد کے پرستار بنے رہیں گے اور شرک نہیں کریں گے۔ مگر یاد رکھنا چاہیے کہ یہ ایک وعدہ ہے پیشگوئی نہیں۔ اگر مسلمان ایمان بِالخلافت پر قائم نہیں رہیں گے اور ان اعمال کو ترک کر دیں گے جو خلافت کے قیام کے لئے ضروری ہیں تو وہ اس انعام کے مستحق نہیں رہیں گے اور خدا تعالیٰ پر وہ یہ الزام نہیں دے سکیں گے کہ اس نے وعدہ پورا نہیں کیا۔

پھر خلافت کے ذکر کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۔ یعنی جب خلافت کا نظام جاری کیا جائے تو اُس وقت تمہارا فرض ہے کہ تم نمازیں قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے رسول کی اطاعت کرو۔ گویا خلفاء کے ساتھ دین کی تمکین کر کے وہ اطاعتِ رسول کرنے والے ہی قرار پائیں گے۔ یہ وہی نکتہ ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا کہ مَنْ اَطَاعَ اَمِيْرِیْ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَمَنْ عَصٰی اَمِيْرِیْ فَقَدْ عَصَانِیْ [1] یعنی جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ پس وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ فرما کر اِس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ اُس وقت رسول کی اطاعت اِسی رنگ میں ہوگی کہ اشاعت و تمکین دین کے لئے نمازیں قائم کی جائیں، زکوٰتیں دی جائیں اور خلفاء کی پورے طور پر اطاعت کی جائے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اقامتِ صلوٰۃ اپنے صحیح معنوں میں خلافت کے بغیر نہیں ہوسکتی اور زکوٰۃ کی ادائیگی بھی خلافت کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ دیکھ لو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زکوٰۃ کی وصولی کا باقاعدہ انتظام تھا پھر جب آپ کی وفات ہوگئی اور حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوگئے تو اہل عرب کے کثیر حصہ نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ حکم صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے

مخصوص تھا بعد کے خلفاء کے لئے نہیں مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے اس مطالبہ کو تسلیم نہ کیا بلکہ فرمایا کہ اگر یہ لوگ اونٹ کے گھٹنے کو باندھنے والی رسّی بھی زکوٰۃ دینے سے انکار کریں گے تو میں ان سے جنگ جاری رکھوں گا اور اُس وقت تک بس نہیں کروں گا جب تک ان سے اُسی رنگ میں زکوٰۃ وصول نہ کرلوں جس رنگ میں وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ادا کیا کرتے تھے[۲] چنانچہ آپ اس مہم میں کامیاب ہوئے اور زکوٰۃ کا نظام پھر جاری ہوگیا جو بعد کے خلفاء کے زمانوں میں بھی جاری رہا۔ مگر جب سے خلافت جاتی رہی مسلمانوں میں زکوٰۃ کی وصولی کا بھی کوئی انتظام نہ رہا اور یہی اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں فرمایا تھا کہ اگر خلافت کا نظام نہ ہو تو مسلمان زکوٰۃ کے حکم پر عمل ہی نہیں کر سکتے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ جیسا کہ اسلامی تعلیم کا منشاء ہے امراء سے لی جاتی ہے اور ایک نظام کے ماتحت غرباء کی ضروریات پر خرچ کی جاتی ہے۔ اب ایسا وہیں ہوسکتا ہے جہاں ایک باقاعدہ نظام ہو اکیلا آدمی اگر چند غرباء میں زکوٰۃ کا روپیہ تقسیم بھی کردے تو اس کے وہ خوشگوار نتائج کہاں نکل سکتے ہیں جو اس صورت میں نکل سکتے ہیں جب کہ زکوٰۃ ساری جماعت سے وصول کی جائے اور ساری جماعت کے غرباء میں تقسیم کی جائے۔

یہ مسئلہ ان سارے اسلامی بادشاہوں کو مجرم قرار دیتا ہے جو سرکاری بیت المال کو اپنی ذات پر اور اپنے تعیش پر قربان کرتے تھے اور بڑے بڑے محل اور بڑی بڑی سیرگاہیں بناتے تھے۔ اگر پبلک اُس کا آرڈر دیتی چونکہ اُس کا روپیہ تھا جائز ہوتا بشرطیکہ اِسراف نہ ہوتا لیکن پبلک نے کبھی آرڈر نہیں دیا اور پھر وہ اسراف کی حد سے بھی آگے نکلا ہوا تھا اس لئے یہ سارے کام ناجائز تھے اور ان لوگوں کو گنہگار بناتے تھے۔ نہ اسلام کو تختِ طاؤس کی ضرورت تھی نہ تاج محل کی ضرورت تھی، نہ قصرِ زہرہ کی ضرورت تھی نہ بغداد کے محلاتِ ہارون الرشید کی ضرورت تھی۔ یہ ساری کی ساری چیزیں اسلامی شوکت کی بجائے چند افراد کی شوکت ظاہر کرنے کیلئے بنائی گئی تھیں اس لئے آخر میں ان خاندانوں کی تباہی کا باعث بنیں۔

اسی طرح اقامت صلوٰۃ بھی اپنے صحیح معنوں میں خلافت کے بغیر نہیں ہوسکتی اور اس کی

وجہ یہ ہے کہ صلوٰۃ کا بہترین حصہ جمعہ ہے جس میں خطبہ پڑھا جاتا ہے اور قومی ضرورتوں کو لوگوں کے سامنے رکھا جاتا ہے۔ اب اگر خلافت کا نظام نہ ہو تو قومی ضروریات کا پتہ کس طرح لگ سکتا ہے۔ مثلاً پاکستان کی جماعتوں کو کیا علم ہو سکتا ہے کہ چین اور جاپان اور دیگر ممالک میں اشاعت اسلام کے سلسلہ میں کیا ہو رہا ہے اور اسلام ان سے کن قربانیوں کا مطالبہ کر رہا ہے۔ اگر ایک مرکز ہوگا اور ایک خلیفہ ہوگا جو تمام مسلمانوں کے نزدیک واجب الاطاعت ہوگا تو اسے تمام اکنافِ عالم سے رپورٹیں پہنچتی رہیں گی کہ یہاں یہ ہو رہا ہے اور وہاں وہ ہو رہا ہے اور اس طرح لوگوں کو بتایا جا سکے گا کہ آج فلاں قسم کی قربانیوں کی ضرورت ہے اور آج فلاں قسم کی خدمات کے لئے آپ کو پیش کرنے کی حاجت ہے۔ اسی لئے حنفیوں کا یہ فتویٰ ہے کہ جب تک مسلمانوں میں کوئی سلطان نہ ہو جمعہ پڑھنا جائز نہیں اور اس کی تہ میں یہی حکمت ہے جو میں نے بیان کی ہے۔ اسی طرح عیدین کی نمازیں ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے یہ امر ثابت ہے کہ آپ ہمیشہ قومی ضرورتوں کے مطابق خطبات پڑھا کرتے تھے۔ مگر جب خلافت کا نظام نہ رہے تو انفرادی رنگ میں کسی کو قومی ضرورتوں کا کیا علم ہو سکتا ہے اور وہ ان کو کس طرح اپنے خطبات میں بیان کر سکتا ہے بلکہ بالکل ممکن ہے کہ حالات سے ناواقفیت کی وجہ سے وہ خود بھی دھوکا میں مبتلا رہے اور دوسروں کو بھی دھوکا میں مبتلا رکھے۔

میں نے ایک دفعہ کہیں پڑھا کہ آج سے ستّر اسّی سال پہلے ایک شخص بیکانیر کے علاقہ کی طرف سیر کرنے کے لئے نکل گیا جمعہ کا دن تھا وہ ایک مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے گیا تو اُس نے دیکھا کہ امام نے پہلے فارسی زبان میں مروجہ خطبات میں سے کوئی ایک خطبہ پڑھا اور پھر ان لوگوں سے جو مسجد میں موجود تھے کہا کہ آؤ اب ہاتھ اُٹھا کر دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ امیر المومنین جہانگیر بادشاہ کو سلامت رکھے۔ اب اُس بے چارے کو اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ جہانگیر بادشاہ کو فوت ہوئے سینکڑوں سال گزر چکے ہیں اور اب جہانگیر نہیں بلکہ انگریز حکمران ہیں۔ غرض جمعہ جو نماز کا بہترین حصہ ہے اِسی صورت میں احسن طریق پر ادا ہو سکتا ہے جب مسلمانوں میں خلافت کا نظام موجود ہو۔ چنانچہ دیکھ لو ہمارے اندر چونکہ ایک نظام

موجود ہے اس لئے میرے خطبات ہمیشہ اہم وقتی ضروریات کے متعلق ہوتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ کئی غیر احمدی بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ درحقیقت لیڈر کا کام لوگوں کی راہنمائی کرنا ہوتا ہے مگر یہ راہنمائی وہی شخص کرسکتا ہے جس کے پاس دنیا کے اکثر حصوں سے خبریں آتی ہوں اور وہ سمجھتا ہو کہ حالات کیا صورت اختیار کر رہے ہیں۔صرف اخبارات سے اس قسم کے حالات کا علم نہیں ہوسکتا کیونکہ اخبارات میں بہت کچھ جھوٹی خبریں درج ہوتی ہیں اس کے علاوہ ان میں واقعات کو پورے طور پر بیان کرنے کا التزام نہیں ہوتا لیکن ہمارے مبلغ چونکہ دنیا کے اکثر حصوں میں موجود ہیں اور پھر جماعت کے افراد بھی دنیا کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں اس لئے ان کے ذریعہ مجھے ہمیشہ سچی خبریں ملتی رہتی ہیں اور میں ان سے فائدہ اُٹھا کر جماعت کی صحیح راہنمائی کرتا رہتا ہوں۔ پس درحقیقت اقامۃ الصلوٰۃ بھی بغیر خلیفہ کے نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح اطاعت رسول بھی جس کا اس آیت میں ذکر ہے خلیفہ کے بغیر نہیں ہوسکتی کیونکہ رسول کی اطاعت کی اصل غرض یہ ہوتی ہے کہ سب کو وحدت کے ایک رشتہ میں پرو دیا جائے۔ یوں تو صحابہؓ بھی نمازیں پڑھتے تھے اور آجکل کے مسلمان بھی نمازیں پڑھتے ہیں، صحابہؓ بھی حج کرتے تھے اور آجکل کے مسلمان بھی حج کرتے ہیں پھر صحابہؓ اور آجکل کے مسلمانوں میں فرق کیا ہے؟ یہی ہے کہ صحابہؓ میں ایک نظام کا تابع ہونے کی وجہ سے اطاعت کی روح حد کمال کو پہنچی ہوئی تھی چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں جب بھی کوئی حکم دیتے صحابہؓ اُسی وقت اُس پر عمل کرنے کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے لیکن یہ اطاعت کی روح آجکل کے مسلمانوں میں نہیں۔ مسلمان نمازیں بھی پڑھیں گے، روزے بھی رکھیں گے، حج بھی کریں گے مگر ان کے اندر اطاعت کا مادہ نہیں ہوگا کیونکہ اطاعت کا مادہ نظام کے بغیر پیدا نہیں ہوسکتا۔ پس جب بھی خلافت ہوگی اطاعت رسول بھی ہوگی کیونکہ اطاعت رسول یہ نہیں کہ نمازیں پڑھو یا روزے رکھو یا حج کرو یہ تو خدا کے احکام کی اطاعت ہے۔ اطاعت رسول یہ ہے کہ جب وہ کہے کہ اب نمازوں پر زور دینے کا وقت ہے تو سب لوگ نمازوں پر زور دینا شروع کردیں اور جب وہ کہے کہ اب زکوٰۃ اور چندوں کی ضرورت ہے تو وہ زکوٰۃ اور چندوں پر زور دینا شروع کردیں اور جب

وہ کہے کہ اب جانی قربانی کی ضرورت ہے یا وطن قربان کرنے کی ضرورت ہے تو وہ جانیں اور اپنے وطن قربان کرنے کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ غرض یہ تین باتیں ایسی ہیں جو خلافت کے ساتھ لازم وملزوم ہیں۔ اگر خلافت نہ ہوگی تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہاری نمازیں بھی جاتی رہیں گی، تمہاری زکوٰۃ بھی جاتی رہے گی اور تمہارے دل سے اطاعت رسول کا مادہ بھی جاتا رہے گا۔

ہماری جماعت کو چونکہ ایک نظام کے ماتحت رہنے کی عادت ہے اور اس کے افراد اطاعت کا مادہ اپنے اندر رکھتے ہیں اس لئے اگر ہماری جماعت کے افراد کو آج اُٹھا کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں رکھ دیا جائے تو وہ اُسی طرح اطاعت کرنے لگ جائیں گے جس طرح صحابہؓ اطاعت کیا کرتے تھے لیکن اگر کسی غیر احمدی کو اپنی بصیرت کی آنکھ سے تم اس زمانہ میں لے جاؤ تو تمہیں قدم قدم پر وہ ٹھوکریں کھاتا ہوا دکھائی دے گا اور وہ کہے گا ذرا ٹھہر جائیں مجھے فلاں حکم کی سمجھ نہیں آئی بلکہ جس طرح ایک پٹھان کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے کہہ دیا ''خو، محمدؐ صاحب کا نماز ٹوٹ گیا'' کیونکہ قدوری میں لکھا ہے کہ حرکت کبیرہ سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ اسی طرح وہ بعض باتوں کا انکار کرنے لگ جائے گا لیکن اگر ایک احمدی کو لے جاؤ تو اس کو پتہ بھی نہیں لگے گا کہ وہ کسی غیر مانوس جگہ میں آ گیا ہے۔ بلکہ جس طرح مشین کا پُرزہ اپنی جگہ پر لگ جاتا ہے اُسی طرح وہ وہاں پر فٹ آ جائے گا اور جاتے ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی بن جائیگا اور آپؐ کے ہر حکم کی بِلا چون و چرا اطاعت کرنے لگ جائے گا اور ائمہ اربعہ اس کے لئے کبھی ٹھوکر کا موجب نہیں بنیں گے کیونکہ وہ سمجھتا ہوگا کہ اصل حکم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے ائمہ اربعہ تو محض آپ کے غلام بلکہ شاگردوں کے بھی شاگرد ہیں۔

یہ آیت جو آیت استخلاف کہلاتی ہے اس میں مندرجہ ذیل امور بیان کئے گئے ہیں۔

اوّل جس انعام کا یہاں ذکر کیا گیا ہے وہ ایک وعدہ ہے۔

دوم یہ وعدہ اُمت سے ہے جب تک وہ ایمان اور عمل صالح پر کاربند رہے۔

سوم اس وعدہ کی غرض یہ ہے کہ:۔

(الف) مسلمان بھی وہی انعام پائیں جو پہلی اُمتوں نے پائے تھے کیونکہ فرماتا ہے

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

(ب) اس وعدہ کی دوسری غرض تمکین دین ہے۔

(ج) اس کی تیسری غرض مسلمانوں کے خوف کو امن سے بدل دینا ہے۔

(د) اس کی چوتھی غرض شرک کا دُور کرنا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کا قیام ہے۔

اس آیت کے آخر میں وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے اِس کے وعدہ ہونے پر زور دیا اور وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ[۳] کے وعید کی طرف توجہ دلائی کہ ہم جو انعامات تم پر نازل کرنے لگے ہیں اگر تم اُن کی ناقدری کرو گے تو ہم تمہیں سخت سزا دیں گے۔ خلافت بھی چونکہ ایک بھاری انعام ہے اس لئے یاد رکھو جو لوگ اس نعمت کی ناشکری کریں گے وہ فاسق ہو جائیں گے۔

یہ آیت ایک زبردست شہادت خلافت راشدہ پر ہے اور اس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور احسان مسلمانوں میں خلافت کا نظام قائم کیا جائے گا جو مؤید مِنَ اللہ ہوگا۔ جیسا کہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ اور وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ سے ظاہر ہے اور مسلمانوں کو پہلی قوموں کے انعامات میں سے وافر حصہ دلانے والا ہوگا۔ پھر اس آیت میں خلفاء کی علامات بھی بتائی گئی ہیں جن سے سچے اور جھوٹے میں فرق کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ ہیں۔

اوّل۔ خلیفہ خدا بناتا ہے یعنی اس کے بنانے میں انسانی ہاتھ نہیں ہوتا۔ نہ وہ خود خواہش کرتا ہے اور نہ کسی منصوبہ کے ذریعہ وہ خلیفہ ہوتا ہے بلکہ بعض دفعہ تو ایسے حالات میں وہ خلیفہ بنتا ہے جبکہ اُس کا خلیفہ ہونا بظاہر ناممکن سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ الفاظ کہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ خود ظاہر کرتے ہیں کہ خلیفہ خدا ہی بناتا ہے کیونکہ جو وعدہ کرتا ہے وہی دیتا بھی ہے۔ نہ یہ کہ وعدہ تو وہ کرے اور اُسے پورا کوئی اور کرے۔ پس اِس آیت میں پہلی بات یہ بتائی گئی کہ سچے خلفاء کی آمد خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوگی۔ کوئی شخص خلافت کی خواہش کر کے خلیفہ نہیں بن سکتا اور نہ کسی

منصوبہ کے ماتحت خلیفہ بن سکتا ہے۔ خلیفہ وہی ہوگا جسے خدا بنانا چاہے گا۔ بلکہ بسا اوقات وہ ایسے حالات میں خلیفہ ہوگا جبکہ دنیا اُس کے خلیفہ ہونے کو ناممکن خیال کرتی ہوگی۔

دوسری علامت اللہ تعالیٰ نے سچے خلیفہ کی یہ بتائی ہے کہ وہ اُس کی مدد انبیاء کے مشابہ کرتا ہے کیونکہ فرماتا ہے کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کہ یہ خلفاء ہماری نصرت کے ایسے ہی مستحق ہوں گے جیسے پہلے خلفاء۔ اور جب پہلی خلافتوں کو دیکھا جاتا ہے تو وہ تین قسم کی نظر آتی ہیں۔

اوّل خلافت نبوت۔ جیسے آدم علیہ السلام کی خلافت تھی۔ جن کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً [4] میں زمین میں اپنا ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ اب آدم علیہ السلام کا انتخاب نہیں کیا گیا تھا اور نہ وہ دُنیوی بادشاہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے ایک وعدہ کیا اور انہیں اپنی طرف سے زمین میں آپ کھڑا کیا اور جنہوں نے ان کا انکار کیا انہیں سزا دی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آدمؑ ان معنوں میں بھی خلیفہ تھے کہ ایک پہلی نسل کے تباہ ہونے پر انہوں نے اور ان کی نسل نے پہلی قوم کی جگہ لے لی اور ان معنوں میں بھی خلیفہ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے ذریعہ ایک بڑی نسل جاری کی لیکن سب سے بڑی اہمیت جو انہیں حاصل تھی وہ نبوت اور ماموریت ہی کی تھی جس کی طرف اِس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اِنہی معنوں میں حضرت داؤد علیہ السلام کو بھی خلیفہ کہا گیا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ [5] یعنی اے داؤد! ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے (حضرت داؤد علیہ السلام چونکہ اللہ تعالیٰ کے نبی تھے اس لئے معلوم ہوا کہ یہاں خلافت سے مراد خلافت نبوت ہی ہے) پس تو لوگوں کے درمیان عدل وانصاف سے فیصلہ کر اور لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کر۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تجھے سیدھے راستہ سے منحرف کر دیں۔ یقیناً وہ لوگ جو گمراہ ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت عذاب ہوگا اس لئے ایسے لوگوں کے مشورہ کو قبول نہ کیا کر بلکہ وہی کر جس کی طرف

خدا تعالیٰ تیری راہنمائی کرے۔

ان آیات میں وہی مضمون بیان ہوا ہے جو دوسری جگہ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ [6] کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ بعض لوگوں نے غلطی سے لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ [7] کے یہ معنی کیے ہیں کہ اے داؤد! لوگوں کی ہواؤ ہوس کے پیچھے نہ چلنا۔ حالانکہ اِس آیت کے یہ معنی ہی نہیں بلکہ اس میں اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ بعض دفعہ لوگوں کی اکثریت تجھے ایک بات کا مشورہ دے گی اور کہے گی کہ یوں کرنا چاہئے مگر فرمایا تمہارا کام یہ ہے کہ تم محض اکثریت کو نہ دیکھو بلکہ یہ دیکھو کہ جو بات تمہارے سامنے پیش کی جارہی ہے وہ مفید ہے یا نہیں۔ اگر مفید ہو تو مان لو اور اگر مفید نہ ہو تو اسے ردّ کردو۔ چاہے اُسے پیش کرنے والی اکثریت ہی کیوں نہ ہو۔ بِالخصوص ایسی حالت میں جبکہ وہ گناہ والی بات ہو۔

پس پہلی خلافتیں اوّل خلافتِ نبوت تھیں جیسے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کی خلافت تھی جن کو قرآن کریم نے خلیفہ قرار دیا ہے مگر اُن کو خلیفہ صرف نبی اور مامور ہونے کے معنوں میں کہا گیا ہے۔ چونکہ وہ اپنے اپنے زمانہ کی ضرورت کے مطابق صفاتِ الٰہیہ کو دنیا میں ظاہر کرتے تھے اور اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ظلّ بن کر ظاہر ہوئے اسی لئے وہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ کہلائے۔

دوسری خلافت جو قرآن کریم سے ثابت ہے وہ خلافتِ ملوکیت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ حضرت ہود علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ زَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ [8] یعنی اُس وقت کو یاد کرو جبکہ قومِ نوحؑ کے بعد خدا نے تمہیں خلیفہ بنایا اور اُس نے تم کو بناوٹ میں بھی فراخی بخشی یعنی تمہیں کثرت سے اولاد دی۔ پس تم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو تا کہ تمہیں کامیابی حاصل ہو۔

اِسی طرح حضرت صالح علیہ السلام کی زبانی فرماتا ہے وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ [9] یعنی اُس وقت کو یاد کرو جبکہ تم کو خدا تعالیٰ نے عادِ اُولیٰ کی تباہی

کے بعد اُن کا جانشین بنایا اور حکومت تمہارے ہاتھ میں آ گئی۔ اس آیت میں خلفاء کا جو لفظ آیا ہے اس سے مراد صرف دُنیوی بادشاہ ہیں اور نعمت سے مراد بھی نعمت حکومت ہی ہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں نصیحت کی ہے کہ تم زمین میں عدل و انصاف کو مدنظر رکھ کر تمام کام کرو ورنہ ہم تمہیں سزا دیں گے۔ چنانچہ یہود کی نسبت اللہ تعالیٰ اِسی انعام کا ذکر ان الفاظ میں فرماتا ہے کہ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ [۱۰] اُس وقت کو یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کے اُس احسان پر غور کرو جو اُس نے تم پر اُس وقت کیا تھا جب اُس نے تم میں نبی بھیجے اور تمہیں بادشاہ بنایا اور تمہیں وہ کچھ دیا جو دنیا کی معلوم قوموں میں سے کسی کو نہیں دیا تھا۔ اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ یہود کو ہم نے دو طرح خلیفہ بنایا اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ کے ماتحت اُنہیں خلافت نبوت دی اور جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا کے ماتحت انہیں خلافت ملوکیت دی۔ چونکہ موسیٰؑ کے وقت تک تو اور کوئی بادشاہ اُن میں نہیں ہوا اِس لئے اِس سے مراد یہ کہ نبوتِ موسوی اور بادشاہت موسوی عطا کی جو دریائے نیل کو پار کرنے کے بعد سے ان کو حاصل ہوگئی تھی۔ جیسا کہ فتح مکہ کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبی بھی تھے اور ایک لحاظ سے بادشاہ بھی تھے مگر آپ کی بادشاہت خدا تعالیٰ کے احکام کے تابع تھی خودسر بادشاہوں والی بادشاہت نہ تھی۔

مگر ان دو قسم کی خلافتوں کے علاوہ نبی کے وہ جانشین بھی خلیفہ کہلاتے ہیں جو اس کے نقش قدم پر چلنے والے ہوں۔ یعنی اُس کی شریعت پر قوم کو چلانے والے اور اُن میں اتحاد قائم رکھنے والے ہوں خواہ وہ نبی ہوں یا غیر نبی۔ جیسا کہ قرآن کریم میں آتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام موعود راتوں کے لئے طور پر گئے تو اپنے بعد انتظام کی غرض سے انہوں نے حضرت ہارونؑ کو کہا کہ اُخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ [۱۱] یعنی میرے بعد میری قوم میں میری جانشینی کرنا اور ان کی اصلاح کو مدنظر رکھنا اور مفسد لوگوں کی بات نہ ماننا۔ حضرت ہارون علیہ السلام چونکہ خود نبی تھے اور اُس

وقت سے پہلے نبی ہو چکے تھے اس لئے یہ خلافت جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں دی تھی وہ خلافت نبوت نہیں ہوسکتی تھی۔اس کے معنی صرف یہ تھے کہ وہ حضرت موسیٰؑ کی غیر حاضری میں ان کی قوم کا انتظام کریں اور قوم کو اتحاد پر قائم رکھیں اور فساد سے بچائیں۔پس وہ ایک تابع نبی بھی تھے اور ایک حکمران نبی کے خلیفہ بھی تھے اور یہ خلافت خلافتِ نبوت نہ تھی بلکہ خلافتِ انتظامی تھی۔مگر اس قسم کی خلافت بعض دفعہ خلافت انتظامی کے علاوہ خلافتِ نبوت بھی ہوتی ہے۔یعنی ایک سابق نبی کی اُمت کی درستی اور اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ بعض دفعہ ایک اور نبی مبعوث فرماتا ہے جو پہلے نبی کی شریعت کو ہی جاری کرتا ہے کوئی نئی شریعت نہیں لاتا۔گویا جہاں تک شریعت کا تعلق ہوتا ہے وہ پہلے نبی کے کام کو قائم رکھنے والا ہوتا ہے اور اس لحاظ سے پہلے نبی کا خلیفہ ہوتا ہے۔لیکن عہدہ کے لحاظ سے وہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا جاتا ہے۔اِس قسم کے خلفاء بنی اسرائیل میں بہت گزرے ہیں بلکہ جس قدر انبیاء حضرت موسیٰؑ کے بعد بنی اسرائیل میں آئے ہیں سب اِسی قسم کے خلفاء تھے۔یعنی وہ نبی تو تھے مگر کسی جدید شریعت کے ساتھ نہیں آئے تھے۔بلکہ حضرت موسیٰؑ کی شریعت کو ہی دنیا میں جاری کرتے تھے۔چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ‌ ۚ يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوۡا عَلَيۡهِ شُهَدَآءَ ۚ [۱۲] یعنی ہم نے تورات کو یقیناً ہدایت اور نور سے بھرپور اُتارا تھا۔ اس کے ذریعہ سے انبیاء جو (ہمارے) فرمانبردار تھے اور عارف اور ربّانی علماء بہ سبب اس کے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی حفاظت چاہی گئی تھی اور وہ اس پر نگران تھے یہودیوں کے لئے فیصلے کیا کرتے تھے۔

اِس آیت سے ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد کئی انبیاء ایسے آئے تھے جن کا کام حضرت موسیٰؑ کی شریعت کا قیام تھا۔یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لو کہ وہ حضرت موسیٰؑ کے خلیفہ تھے۔لیکن ان انبیاء کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی جن کو ربّانی اور احبار کہنا چاہیئے اِس کام پر مقرر تھے۔اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء اور مجددین کا ایک لمبا سلسلہ حضرت موسیٰؑ کے

بعد ان کے خلفاء کے طور پر ظاہر ہوتا رہا جن کا کام حضرت موسیٰؑ کے کام کی تکمیل تھا۔ اس سلسلہ کی آخری کڑی حضرت مسیح ناصری علیہ السلام تھے جن کو کئی مسلمان غلطی سے صاحب شریعت نبی سمجھتے ہیں۔ اِسی طرح اِس زمانہ کے مسیحی بھی اُن کی نسبت یہ خیال کرنے لگے ہیں کہ وہ ایک نیا قانون لے کر آئے تھے اور اِسی وجہ سے وہ اُن کی کتاب کو نیا عہد نامہ کہتے ہیں حالانکہ قرآن کریم مسیح ناصری علیہ السلام کو حضرت موسیٰؑ کے دین کا قائم کرنے والا ایک خلیفہ قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا آیت سے چند آیات بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ قَفَّيْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ [۱۳] یعنی ہم نے مذکورہ بالا نبیوں کے بعد جو تورات کی تعلیم کو جاری کرنے کے لئے آئے تھے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا جو ان کے نقش قدم پر چلنے والے تھے اور تورات کی پیشگوئیوں کو پورا کرنے والے تھے۔ خود مسیح ناصری بھی فرماتے ہیں کہ:۔

> ''یہ نہ سمجھو کہ مَیں تورات یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں مَیں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ کیونکہ مَیں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے'' [۱۴]۔

غرض یوشعؑ سے لیکر جو حضرت موسیٰؑ کی وفات کے معاً بعد ان کے خلیفہ ہوئے حضرت مسیح ناصریؑ تک سب انبیاء اور مجددین حضرت موسیٰؑ کے خلیفہ اور ان کی شریعت کو جاری کرنے والے تھے۔ پس جب خدا تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا کہ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ تو اس سے یہ استنباط ہوا کہ پہلی خلافتوں والی برکات مسلمانوں کو بھی ملیں گی اور انبیائے سابقین سے اللہ تعالیٰ نے جو کچھ سلوک کیا وہی سلوک وہ اُمت محمدیہ کے خلفاء کے ساتھ بھی کرے گا۔ اگر کوئی کہے کہ پہلے تو خلافتِ ملوکیت کا بھی ذکر آتا ہے پھر خلافتِ ملوکیت کا ذکر چھوڑ کر صرف خلافتِ نبوت کے ساتھ اس کی مشابہت کو کیوں مخصوص کیا گیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک مسلمانوں کے ساتھ بادشاہتوں کا بھی وعدہ ہے مگر اس جگہ بادشاہت کا ذکر نہیں بلکہ صرف مذہبی نعمتوں کا ذکر ہے۔ چنانچہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ کہ خدا تعالیٰ اپنے قائم کردہ خلفاء کے دین کو دنیا میں قائم کر کے رہے گا۔اب یہ اصول دنیا کے بادشاہوں کے متعلق نہیں اور نہ ان کے دین کو خدا تعالیٰ نے کبھی دنیا میں قائم کیا ہے بلکہ یہ اصول روحانی خلفاء کے متعلق ہی ہے۔پس یہ آیت ظاہر کر رہی ہے کہ اِس جگہ جس خلافت سے مشابہت دی گئی ہے وہ خلافت نبوت ہے نہ کہ خلافت ملوکیت۔

اسی طرح فرماتا ہے وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا کہ خدا ان کے خوف کو امن سے بدل دیا کرتا ہے یہ علامت بھی دُنیوی بادشاہوں پر کسی صورت بھی چسپاں نہیں ہوسکتی کیونکہ دُنیوی بادشاہ اگر آج تاج وتخت کے مالک ہوتے ہیں تو کل تخت سے علیحدہ ہو کر بھیک مانگتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں۔اسی طرح خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کے خوف کو امن سے بدل دینے کا کوئی وعدہ نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات جب کوئی سخت خطرہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اس کے مقابلہ کی ہمت تک کھو بیٹھتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا کہ وہ خلفاء میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے گویا وہ خالص موحد اور شرک کے شدید ترین دشمن ہوں گے مگر دنیا کے بادشاہ تو شرک بھی کر لیتے ہیں حتیٰ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یہ بھی ممکن ہے کہ ان سے کبھی کفر بواح بھی صادر ہو جائے [۱۵]۔ پس وہ اس آیت کے مصداق کس طرح ہو سکتے ہیں۔

چوتھی دلیل جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان خلفاء سے مراد دُنیوی بادشاہ ہرگز نہیں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ یعنی جولوگ ان خلفاء کا انکار کریں گے وہ فاسق ہو جائیں گے۔ اب بتاؤ کہ کیا جو شخص کفرِ بواح کا بھی مرتکب ہوسکتا ہو آیا اُس کی اطاعت سے خروج فسق ہوسکتا ہے؟ یقیناً ایسے بادشاہوں کی اطاعت سے انکار کرنا انسان کو فاسق نہیں بنا سکتا۔فسق کا فتویٰ انسان پر اسی صورت میں لگ سکتا ہے جب وہ روحانی خلفاء کی اطاعت سے انکار کرے۔

غرض یہ چاروں دلائل جن کا اِس آیت میں ذکر ہے اس امر کا ثبوت ہیں کہ اس آیت

میں جس خلافت کا ذکر کیا گیا ہے وہ خلافت ملوکیت نہیں۔ پس جب خدا نے یہ فرمایا کہ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ کہ ہم ان خلفاء پر ویسے ہی انعامات نازل کریں گے جیسے ہم نے پہلے خلفاء پر انعامات نازل کئے تو اِس سے مراد یہی ہے کہ جیسے پہلے انبیاء کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ہوتی رہی ہے اُسی طرح ان کی مدد ہوگی۔ پس اِس آیت میں خلافت نبوت سے مشابہت مراد ہے نہ کہ خلافت ملوکیت سے۔

تیسری بات اس آیت سے یہ نکلتی ہے کہ یہ وعدہ اُمت سے اُس وقت تک کے لئے ہے جب تک کہ اُمت مومن اور عمل صالح کرنے والی رہے۔ جب وہ مومن اور عمل صالح کرنے والی نہیں رہے گی تو اللہ تعالیٰ بھی اپنے اِس وعدہ کو واپس لے لے گا۔ گویا نبوت اور خلافت میں یہ عظیم الشان فرق بتایا کہ نبوت تو اُس وقت آتی ہے جب دنیا خرابی اور فساد سے بھر جاتی ہے۔ جیسے فرمایا ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ [16] یعنی جب بر اور بحر میں فساد واقع ہو جاتا ہے، لوگ خدا تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں، الٰہی احکام سے اپنا منہ موڑ لیتے ہیں، ضلالت اور گمراہی میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور تاریکی زمین کے چپہ چپہ کا احاطہ کر لیتی ہے تو اُس وقت لوگوں کی اصلاح کیلئے خدا تعالیٰ کسی نبی کو بھیجتا ہے جو پھر آسمان سے نورِ ایمان کو واپس لاتا اور ان کو سچے دین پر قائم کرتا ہے لیکن خلافت اُس وقت آتی ہے جب قوم میں اکثریت مؤمنوں اور عمل صالح کرنے والوں کی ہوتی ہے اور خلیفہ لوگوں کو عقائد میں مضبوط کرنے کے لئے نہیں آتا بلکہ تنظیم کو مکمل کرنے کے لئے آتا ہے۔ گویا نبوت تو ایمان اور عمل صالح کے مٹ جانے پر آتی ہے اور خلافت اُس وقت آتی ہے جب قریباً تمام کے تمام لوگ ایمان اور عمل صالح پر قائم ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خلافت اُسی وقت شروع ہوتی ہے جب نبوت ختم ہو جاتی ہے کیونکہ نبوت کے ذریعہ ایمان اور عمل صالح قائم ہو چکا ہوتا ہے اور چونکہ اکثریت اُن لوگوں کی ہوتی ہے جو ایمان اور عمل صالح پر قائم ہوتے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ اپنی خلافت کی نعمت عطا فرما دیتا ہے۔ اور درمیانی زمانہ جب کہ نہ تو دنیا نیکوکاروں سے خالی ہو اور نہ بدی سے پُر ہو دونوں سے محروم رہتا ہے کیونکہ نہ تو بیماری شدید ہوتی ہے کہ نبی آئے اور نہ تندرستی کامل ہوتی ہے کہ اُن سے کام لینے والا خلیفہ آئے۔

پس اس حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت کا فقدان کسی خلیفہ کے نقص کی وجہ سے نہیں بلکہ جماعت کے نقص کی وجہ سے ہوتا ہے اور خلافت کا مٹنا خلیفہ کے گنہگار ہونے کی دلیل نہیں بلکہ اُمت کے گنہگار ہونے کی دلیل ہوتا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا یہ صریح وعدہ ہے کہ وہ اُس وقت تک خلیفہ بناتا چلا جائے گا جب تک جماعت میں مؤمنوں اور عمل صالح کرنے والوں کی اکثریت رہے گی۔ جب اس میں فرق پڑ جائے گا اور اکثریت مؤمنوں اور عمل صالح کرنے والوں کی نہیں رہے گی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا اب چونکہ تم خود بدعمل ہو گئے ہو اِس لئے میں اپنی نعمت تم سے چھین لیتا ہوں (گو خدا چاہے تو بطور احسان ایک عرصہ تک پھر بھی جماعت میں خلفاء بھجواتا رہے) پس وہ شخص جو یہ کہتا ہے کہ خلیفہ خراب ہو گیا ہے وہ بالفاظِ دیگر اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ جماعت کی اکثریت ایمان اور عمل صالح سے محروم ہو چکی ہے کیونکہ خدا کا یہ وعدہ ہے کہ جب تک اُمت ایمان اور عمل صالح پر قائم رہے گی اس میں خلفاء آتے رہیں گے اور جب وہ اس سے محروم ہو جائے گی تو خلفاء کا آنا بھی بند ہو جائے گا۔ پس خلیفہ کے بگڑنے کا کوئی امکان نہیں ہاں اِس بات کا ہر وقت امکان ہوسکتا ہے کہ جماعت کی اکثریت ایمان اور عمل صالح سے محروم نہ ہو جائے۔

چوتھی علامت خلفاء کی اللہ تعالیٰ نے یہ بتائی ہے کہ اُن کے دینی احکام اور خیالات کو اللہ تعالیٰ دنیا میں پھیلائے گا۔ چنانچہ فرماتا ہے **وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ** کہ اللہ تعالیٰ اُن کے دین کو تمکین دے گا اور باوجود مخالف حالات کے اُسے دنیا میں قائم کرے گا۔ یہ ایک زبردست ثبوت خلافتِ حقہ کی تائید میں ہے اور جب اس پر غور کیا جاتا ہے تو خلفاء کی صداقت پر خدا تعالیٰ کا یہ ایک بہت بڑا نشان نظر آتا ہے۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ایسے خاندانوں میں سے تھے جو عرب میں کوئی جتھا نہیں رکھتے تھے۔ لیکن حضرت عثمانؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما ایسے خاندانوں میں سے تھے جو عرب میں جتھے رکھتے تھے۔ چنانچہ بنوعبدالشّمس حضرت عثمانؓ کے حق میں تھے اور بنوعبدالمطلب حضرت علیؓ کے حق میں اور اِن دونوں کو عرب میں بڑی قوت حاصل تھی۔ جب خلافت میں تنزّل واقع ہوا اور مسلمانوں کی اکثریت میں سے ایمان

اورعمل صالح جاتا رہا تو حضرت عثمانؓ اورحضرت علیؓ کی شہادت کے بعد بنوعبدالشمّس نے مسلمانوں پر تسلط جمالیا۔اور یہ وہ لوگ تھے جوحضرت عثمانؓ سے تعلق رکھتے تھے۔ چنانچہ ان کی حکومت کے دوران میں حضرت علیؓ کوتو مذمت ہوتی رہی اورحضرت عثمانؓ کی خوبیاں بیان ہوتی رہیں۔حضرت ابوبکرؓ اورحضرت عمرؓ کے مدّاح اوران کی خوبیوں کا ذکر کرنے والے اِس دَور میں بہت ہی کم تھے۔اِس کے بعد حالات میں پھرتغیر پیدا ہوااور بنوعبدالشمّس کی جگہ بنوعبدالمطلب نے قبضہ کرلیا یعنی بغداد میں دولت عباسیہ قائم ہوگئی۔اور یہ وہ لوگ تھے جواہل بیت سے تعلق رکھتے تھے چنانچہ ان کا تمام زورحضرت علیؓ کی تعریف اورآپ کی خوبیاں بیان کرنے پرصرف ہونے لگ گیا۔اِس طرح کئی سَو سال تک مسلمانوں کا ایک حصہ حضرت عثمانؓ کے اوصاف شمار کرتا رہااورایک حصہ حضرت علیؓ کے اوصاف شمار کرتا رہا۔مگر باوجوداس کے کہ خلفائے اربعہ کے بعد اسلامی حکومتوں کے یہ دو دَور آئے اور دونوں ایسے تھے کہ ان میں حضرت ابوبکرؓ اورحضرت عمرؓ سے تعلق رکھنے والے لوگ بہت کم تھے پھربھی دنیا میں جوعزت اوررُتبہ حضرت ابوبکرؓ اورحضرت عمرؓ کے فتووں اورارشادات کوحاصل ہے وہ ان دونوں کو حاصل نہیں۔گو ان سے اُتر کر انہیں بھی حاصل ہے اور یہ ثبوت ہے وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ کا کہ خدا نے اُنکے دین کو قائم کیااوران کی عزت کولوگوں کےقلوب میں جاگزیں کیا۔چنانچہ آج کسی مسلمان سے پوچھ لوکہ اس کے دل میں خلفاء میں سے سب سے زیادہ کس کی عزت ہے؟ تو وہ پہلے حضرت ابوبکرؓ کا نام لے گا۔ پھرحضرت عمرؓ کا نام لے گا۔ پھرحضرت عثمانؓ کا نام لے گااور پھرحضرت علیؓ کا نام لے گا۔ حالانکہ کئی صدیاں ایسی گزری ہیں جن میں حضرت ابوبکرؓ اورحضرت عمرؓ کا نام لینے والاکوئی نہیں تھا۔اوراتنے لمبے وقفہ میں بڑے بڑے لوگوں کے نام دنیا سے مٹ جایا کرتے ہیں لیکن خدانے اُن کے نام کوقائم رکھااوراُن کےفتووں اورارشادات کووہ مقام دیا جوحضرت عثمانؓ اورحضرت علیؓ کےفتووں اورارشادات کوبھی حاصل نہیں۔

پھر بنوعبدالشمّس کے زمانہ میں حضرت علیؓ کو بدنام کرنے کی بڑی کوششیں کی گئیں اور دولت عباسیہ کے زمانہ میں حضرت عثمانؓ پر بڑالعن طعن کیا گیا۔مگر باوجود اس کے کہ یہ

کوششیں حکومت کی طرف سے ہوئیں اور انہوں نے اپنے اپنے زمانہ میں اُن کو بدنام کرنے اور اُن کے ناموں کو مٹانے کے لئے بڑی کوششیں کیں مگر پھر بھی یہ دونوں خلفاء دُھلے دُھلائے نکل آئے اور خدا نے تمام عالَمِ اسلام میں ان کی عزت وتوقیر کو قائم کر دیا۔

پھر دین کے ایک معنی سیاست اور حکومت کے بھی ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے سچے خلفاء کی اللہ تعالیٰ نے یہ علامت بتائی کہ جس سیاست اور پالیسی کو وہ چلائیں گے اللہ تعالیٰ اُسے دنیا میں قائم فرمائے گا۔ یہ تو ہوسکتا ہے کہ ذاتی معاملات میں خلیفۂ وقت سے کوئی غلطی ہو جائے لیکن ان معاملات میں جن پر جماعت کی روحانی اور جسمانی ترقی کا انحصار ہو اگر اُس سے کوئی غلطی سرزد بھی ہو تو اللہ تعالیٰ اپنی جماعت کی حفاظت فرماتا ہے اور کسی نہ کسی رنگ میں اُسے اس غلطی پر مطلع کر دیتا ہے۔ صوفیاء کی اصطلاح میں اِسے عصمت صغریٰ کہا جاتا ہے۔ گویا انبیاء کو تو عصمتِ کبریٰ حاصل ہوتی ہے لیکن خلفاء کو عصمتِ صغریٰ حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اُن سے کوئی ایسی اہم غلطی نہیں ہونے دیتا جو جماعت کے لئے تباہی کا موجب ہو۔ اُن کے فیصلوں میں جزئی اور معمولی غلطیاں ہوسکتی ہیں مگر انجام کار نتیجہ یہی ہوگا کہ اسلام کو غلبہ حاصل ہوگا اور اُس کے مخالفوں کو شکست ہوگی۔ گویا بوجہ اس کے کہ ان کو عصمتِ صغریٰ حاصل ہوگی خدا تعالیٰ کی پالیسی بھی وہی ہوگی جو اُن کی ہوگی۔ بیشک بولنے والے وہ ہوں گے، زبانیں انہی کی حرکت کریں گی، ہاتھ انہی کے چلیں گے، دماغ انہی کا کام کرے گا مگر ان سب کے پیچھے خدا تعالیٰ کا اپنا ہاتھ ہوگا۔ اُن سے جزئیات میں معمولی غلطیاں ہوسکتی ہیں۔ بعض دفعہ اُن کے مشیر بھی اُن کو غلط مشورہ دے سکتے ہیں لیکن ان درمیانی روکوں سے گزر کر کامیابی انہی کو حاصل ہوگی اور جب تمام کڑیاں مل کر زنجیر بنے گی تو وہ صحیح ہوگی اور ایسی مضبوط ہوگی کہ کوئی طاقت اُسے توڑ نہیں سکے گی۔

پانچویں علامت اللہ تعالیٰ نے یہ بتائی ہے کہ **وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا** یعنی جب بھی قومی طور پر اسلامی خلافت کے لئے کوئی خوف پیدا ہوگا اور لوگوں کے دلوں میں نورِ ایمان باقی ہوگا اللہ تعالیٰ اس خوف کے بعد ضرور ایسے سامان پیدا کرے گا کہ جن سے مسلمانوں کا خوف امن سے بدل جائے گا۔ چنانچہ دیکھ لو حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد

جب افراتفری کی حالت پیدا ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ایک بڑے گروہ کو حضرت علیؓ کے ہاتھ پر اکٹھا کر دیا۔ اور جب حضرت علیؓ کے مقابلہ میں حضرت معاویہؓ کھڑے ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت معاویہؓ کے دل میں اُس زمانہ کے مناسب حال خشیت اللہ پیدا کر دی۔ اور جب روم کے عیسائی بادشاہ نے مسلمانوں کا انتشار دیکھ کر اسلامی ممالک پر حملہ کرنا چاہا تو حضرت معاویہؓ نے اُسے کہلا بھیجا کہ یہ نہ سمجھنا کہ مسلمانوں میں اختلاف ہے اگر تم نے اسلامی ملکوں پر حملہ کیا تو سب سے پہلا جرنیل جو حضرت علیؓ کی طرف سے تمہارے مقابلہ کے لئے نکلے گا وہ مَیں ہوں گا۔[۱۷] چنانچہ رومی بادشاہ ڈر گیا اور مسلمانوں کا خوف امن سے بدل گیا۔ یہ ایک جزوی ایمان تھا۔ اگر حضرت معاویہؓ اُس وقت کُلّی طور پر ہتھیار ڈال دیتے اور حضرت علیؓ کے تابع ہو جاتے تو مسلمانوں کا اختلاف ہمیشہ کے لئے مٹ جاتا۔ اور ایسے خوش کن نتائج نکلتے کہ آج ہر مسلمان کی گردن فخر سے اونچی ہوتی مگر افسوس کہ حضرت معاویہؓ نے صرف وقتی اطاعت کا اعلان کیا کُلّی اطاعت کا اعلان نہ کیا۔

بعض لوگ غلطی سے اس آیت کا یہ مفہوم سمجھتے ہیں کہ خلفائے راشدین ہر تخویف سے محفوظ رہتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو چونکہ خلافت کے بعد مختلف حوادث پیش آئے اور دشمنوں نے انہیں شہید کر دیا اس لئے حضرت ابوبکرؓ کے سوا اور کسی کو خلیفۂ راشد تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ یہ غلطی انہیں اس لئے لگی ہے کہ انہوں نے قرآنی الفاظ پر غور نہیں کیا۔ بیشک خوف کا امن سے بدل جانا بھی بڑی نعمت ہے لیکن اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْ بَعْدِالْخَوْفِ اَمْنًا کہ جو بھی خوف پیدا ہوگا اُسے امن میں بدل دیا جائے گا بلکہ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا فرمایا ہے کہ جو خوف ان کے دل میں پیدا ہوگا اور جس چیز سے وہ ڈریں گے اللہ تعالیٰ اسے دُور کر دے گا اور اس کی جگہ امن پیدا کر دے گا۔ پس وعدہ یہ نہیں کہ زید اور بکر کے نزدیک بھی جو ڈرنے والی بات ہو وہ خلفاء کو پیش نہیں آئے گی بلکہ وعدہ یہ ہے کہ جس چیز سے وہ ڈریں گے اللہ تعالیٰ اسے ضرور دور کر دے گا اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔ مثال کے طور پر یوں سمجھ لو کہ سانپ بظاہر ایک بڑی خوفناک چیز ہے مگر کئی لوگ ہیں جو سانپ کو اپنے ہاتھ

سے پکڑ لیتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے سانپ کا خوف کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

اسی طرح فقر ایک بڑی خوف والی چیز ہے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ [۱۸] فقر میرے لئے ذلت کا موجب نہیں بلکہ فخر کا موجب ہے۔ اب اگر کسی کے ذہن میں یہ بات ہو کہ کھانے کے لئے اگر ایک وقت کی روٹی بھی نہ ملے تو یہ بڑی ذلت کی بات ہوتی ہے تو کیا اِس کے اس خیال کی وجہ سے ہم یہ مان لیں گے کہ نَعُوْذُ بِاللّٰہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی ذلت ہوئی؟ جو شخص فقر کو اپنی عزت کا موجب سمجھتا ہے، جو شخص چیتھڑوں کو قیمتی لباس سے زیادہ بہتر چیز سمجھتا ہے اور جو شخص دُنیوی مال و متاع کو نجاست کی طرح حقیر سمجھتا ہے اُس کیلئے فقر کا خوف بالکل بے معنی ہے۔ پس خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ وَلَیُبَدِّ لَنَّھُمْ مِّنْ بَعْدِ الْخَوْفِ اَمْنًا بلکہ فرمایا ہے وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا کہ کوئی ایسی خوف والی بات پیدا نہیں ہوگی جس سے وہ ڈرتے ہوں گے۔ اس فرق کو مدنظر رکھ کر دیکھو تو معلوم ہوگا کہ خلفاء پر کوئی ایسی مصیبت نہیں آئی جس سے انہوں نے خوف کھایا ہو اور اگر کوئی آئی تو اللہ تعالیٰ نے اسے امن سے بدل دیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت عمرؓ شہید ہوئے مگر جب واقعات کو دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو اس شہادت سے کوئی خوف نہیں تھا بلکہ وہ متواتر دعائیں کیا کرتے تھے کہ یا اللہ! مجھے شہادت نصیب کر اور شہید بھی مجھے مدینہ میں کر۔ [۱۹] پس وہ شخص جس نے اپنی ساری عمر یہ دعائیں کرتے ہوئے گزار دی ہو کہ یا اللہ! مجھے مدینہ میں شہادت دے وہ اگر شہید ہو جائے تو ہم یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ اُس پر ایک خوفناک وقت آیا مگر وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے امن سے نہ بدلا گیا۔ بے شک اگر حضرت عمرؓ شہادت سے ڈرتے اور پھر وہ شہید ہو جاتے تو کہا جا سکتا تھا کہ ان کے خوف کو خدا تعالیٰ نے امن سے نہ بدلا مگر وہ تو دعائیں کرتے رہتے تھے کہ یا اللہ! مجھے مدینہ میں شہادت دے۔ پس ان کی شہادت سے یہ کیونکر ثابت ہو گیا کہ وہ شہادت سے ڈرتے بھی تھے اور جب وہ شہادت سے نہیں ڈرتے تھے بلکہ اس کے لئے دعائیں کرتے تھے جن کو خدا تعالیٰ نے قبول فرما لیا تو معلوم ہوا کہ اس آیت کے ماتحت ان پر کوئی ایسا خوف نہیں آیا

جوان کے دل نے محسوس کیا ہو اور اس آیت میں جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں یہی ذکر ہے کہ خلفاء جس بات سے ڈرتے ہوں گے وہ کبھی وقوع پذیر نہیں ہو سکتی اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا مگر جب وہ ایک بات سے ڈرتے ہی نہ ہوں بلکہ اپنی عزت اور بلندیٔ درجات کا موجب سمجھتے ہوں تو اُسے خوف کہنا اور پھر یہ کہنا کہ اُسے امن سے کیوں نہ بدل دیا گیا بے معنی بات ہے۔ میں نے تو جب حضرت عمرؓ کی اس دعا کو پڑھا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ اِس کا بظاہر یہ مطلب تھا کہ دشمن مدینہ پر حملہ کرے اور اُس کا حملہ اتنی شدت کا ہو کہ تمام مسلمان تباہ ہو جائیں پھر وہ خلیفۂ وقت تک پہنچے اور اسے بھی شہید کر دے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کی دعا بھی قبول کر لی اور ایسے سامان بھی پیدا کر دیئے جس سے اسلام کی عزت قائم رہی۔ چنانچہ بجائے اس کے کہ مدینہ پر کوئی بیرونی لشکر حملہ آور ہوتا اندر سے ہی ایک خبیث اُٹھا اور اُس نے خنجر سے آپ کو شہید کر دیا۔ پھر حضرت عثمانؓ کے ساتھ جو واقعات پیش آئے ان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان باتوں سے کبھی خائف نہیں ہوئے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ جب باغیوں نے مدینہ پر قبضہ کر لیا تو وہ نماز سے پہلے تمام مسجد میں پھیل جاتے اور اہل مدینہ کو ایک دوسرے سے جدا جدا رکھتے تاکہ وہ اکٹھے ہو کر ان کا مقابلہ نہ کر سکیں مگر باوجود اِس شورش اور فتنہ انگیزی اور فساد کے حضرت عثمانؓ نماز پڑھانے کے لئے اکیلے مسجد میں تشریف لاتے اور ذرا بھی خوف محسوس نہ کرتے اور اُس وقت تک برابر آتے رہے جب تک لوگوں نے آپ کو منع نہ کر دیا۔ جب فتنہ بہت بڑھ گیا اور حضرت عثمانؓ کے گھر پر مفسدوں نے حملہ کر دیا تو بجائے اس کے کہ آپ صحابہؓ کا اپنے مکان کے گرد پہرہ لگواتے آپ نے اُنہیں قسم دے کر کہا کہ وہ آپ کی حفاظت کر کے اپنی جانوں کو خطرہ میں نہ ڈالیں اور اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ کیا شہادت سے ڈرنے والا آدمی بھی ایسا ہی کرتا ہے اور وہ لوگوں سے کہا کرتا ہے کہ میرا فکر نہ کرو بلکہ اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ؟ پھر اس بات کا کہ حضرت عثمانؓ ان واقعات سے کچھ بھی خائف نہیں تھے ایک اور زبردست ثبوت یہ ہے کہ اس فتنہ کے دوران ایک دفعہ حضرت معاویہؓ حج کرنے آئے جب وہ شام کو واپس جانے لگے تو مدینہ میں وہ حضرت عثمانؓ سے ملے اور عرض

کیا کہ آپ میرے ساتھ شام میں چلیں وہاں آپ تمام فتنوں سے محفوظ رہیں گے۔آپ نے فرمایا کہ معاویہ! میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسائیگی پر کسی چیز کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ انہوں نے عرض کیا کہ اگر آپ کو یہ بات منظور نہیں تو میں شامی سپاہیوں کا ایک لشکر آپ کی حفاظت کیلئے بھیج دیتا ہوں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا میں اپنی حفاظت کیلئے ایک لشکر رکھ کر مسلمانوں کے رزق میں کمی کرنا نہیں چاہتا۔حضرت معاویہؓ نے عرض کیا کہ امیرالمؤمنین! لوگ آپ کو دھوکا سے قتل کر دیں گے یا ممکن ہے آپ کے خلاف وہ برسرِ پیکار ہو جائیں۔حضرت عثمانؓ نے فرمایا مجھے اِس کی پرواہ نہیں میرے لئے میرا خدا کافی ہے۔[۲۰] آخر انہوں نے کہا اگر آپ اور کچھ منظور نہیں کرتے تو اتنا ہی کریں کہ شرارتی لوگوں کو بعض اکابر صحابہؓ کے متعلق گھمنڈ ہے اور وہ خیال کرتے ہیں کہ آپ کے بعد وہ کام سنبھال لیں گے چنانچہ وہ ان کا نام لے لے کر لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں آپ ان سب کو مدینہ سے رخصت کر دیں اور بیرونی مُلکوں میں پھیلا دیں اس سے شریروں کے ارادے پست ہو جائیں گے اور وہ خیال کریں گے کہ آپ سے تعرُّض کر کے انہوں نے کیا لینا ہے جبکہ مدینہ میں کوئی اور کام کو سنبھالنے والا ہی نہیں۔مگر حضرت عثمانؓ نے یہ بات بھی نہ مانی اور کہا یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ جن کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع کیا ہے میں اُن کو جلاوطن کر دوں۔حضرت معاویہؓ یہ سن کر رو پڑے اور انہوں نے عرض کیا اگر آپ اور کچھ نہیں کرتے تو اتنا ہی اعلان کر دیں کہ میرے خون کا بدلہ معاویہ لے گا۔مگر آپ نے فرمایا معاویہ! تمہاری طبیعت تیز ہے میں ڈرتا ہوں کہ مسلمانوں پر تم کہیں سختی نہ کرو اس لئے میں یہ اعلان بھی نہیں کرسکتا۔اب کہنے کو تو یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ دل کے کمزور تھے مگر تم خود ہی بتاؤ کہ اس قسم کی جرأت کتنے لوگ دکھا سکتے ہیں اور کیا ان واقعات کے ہوتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ ان کے دل میں کچھ بھی خوف تھا۔اگر خوف ہوتا تو وہ کہتے کہ تم اپنی فوج کا دستہ میری حفاظت کے لئے بھجوا دو انہیں تنخواہیں میں دلواؤں گا۔اگر خوف ہوتا تو آپ اعلان کر دیتے کہ مجھ پر کسی نے ہاتھ اُٹھایا تو وہ سن لے کہ میرا بدلہ معاویہ لے گا مگر آپ نے سوائے اس کے کوئی جواب نہ دیا کہ معاویہ! تمہاری طبیعت تیز ہے میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں نے تم کو یہ اختیار دے دیا تو تم

مسلمانوں پر سختی کروگے۔ پھر جب کہ آخر میں دشمنوں نے دیوار پھاندکر آپ پر حملہ کیا تو کس دلیری سے آپ نے مقابلہ کیا۔ بغیر ڈر اور خوف کے اظہار کے آپ قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ کا ایک بیٹا محمد بن ابی بکر جو بخفی ہ کہلاتا ہے (اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے) آگے بڑھا اور اُس نے حضرت عثمانؓ کی داڑھی پکڑ کر اُسے زور سے جھٹکا دیا۔ حضرت عثمانؓ نے اس کی طرف آنکھ اُٹھائی اور فرمایا میرے بھائی کے بیٹے! اگر تیرا باپ اِس وقت ہوتا تو تجھے کبھی ایسا کرنے نہ دیتا۔ یہ سن کر اُس کا جسم کانپ گیا اور وہ شرمندہ ہوکر واپس لوٹ گیا۔ اس کے بعد ایک اور شخص آگے بڑھا اس نے ایک لوہے کی سیخ حضرت عثمانؓ کے سر پر ماری اور پھر آپ کے سامنے جو قرآن کریم پڑا ہوا تھا اسے اپنے پاؤں کی ٹھوکر سے الگ پھینک دیا۔ وہ ہٹا تو ایک اور شخص آگے آ گیا اور اس نے تلوار سے آپ پر حملہ کیا جس سے آپ کا ہاتھ کٹ گیا پھر اُس نے دوسرا وار کیا مگر آپ کی بیوی حضرت نائلہ درمیان میں آ گئیں جس سے ان کی انگلیاں کٹ گئیں اس کے بعد اس نے ایک اور وار کیا جس سے آپ زخمی ہو کر گر گئے مگر پھر اس نے یہ خیال کر کے کہ ابھی آپ کی جان نہیں نکلی ایسی حالت میں جب کہ زخموں کی شدت کی وجہ سے آپ بے ہوش ہو چکے تھے آپ کا گلا پکڑ کر گھونٹنا شروع کر دیا اور اُس وقت تک آپ کو نہیں چھوڑا جب تک کہ آپ شہید نہیں ہو گئے۔

ان واقعات کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان واقعات سے خائف تھے اور جب وہ ان واقعات سے خائف ہی نہ تھے تو مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا کے خلاف یہ واقعات کیونکر ہو گئے۔ یہ لوگ تو اگر کسی امر سے خائف تھے تو اس سے کہ اسلام کی روشنی میں فرق نہ آئے۔ سو باوجود ان واقعات کے وہی بات آخر قائم ہوئی جسے یہ لوگ قائم کرنا چاہتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے خوف کو امن سے بدل دیا۔

یہی حال حضرت علیؓ کا ہے ان کے دل کا خوف بھی صرف صداقت اور روحانیت کی اشاعت کے بارہ میں تھا سو اللہ تعالیٰ نے اس خوف کو امن سے بدل دیا۔ یہ ڈر نہیں تھا کہ لوگ میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ چنانچہ باوجود اس کے کہ حضرت معاویہؓ کا لشکر

بعض دفعہ حضرت علیؓ کے لشکر سے کئی کئی گنا زیادہ ہوتا تھا آپ اس کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے تھے اور یہی فرماتے تھے کہ جو کچھ قرآن کہتا ہے وہی مانوں گا اس کے خلاف میں کوئی بات تسلیم نہیں کرسکتا۔

اگر بعض لوگوں کی مخالفت کو ہی خوفناک امر قرار دے دیا جائے تب تو ماننا پڑے گا کہ انبیاء (نَعُوْذُبِاللّٰہ) ہمیشہ لوگوں سے ڈرتے رہے ہیں کیونکہ جتنی مخالفت لوگ ان کی کرتے ہیں اتنی مخالفت اور کسی کی نہیں کرتے۔ بہرحال دنیا کی مخالفت کوئی حقیقت نہیں رکھتی اور نہ خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ وَلَیُبَدِّ لَنَّھُمْ مِّنْ بَعْدِالْخَوْفِ اَمْنًا بلکہ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا فرمایا ہے کہ جس چیز سے وہ ڈرتے ہوں گے اسے اللہ تعالیٰ دور کر دے گا اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا اور جیسا کہ میں بتا چکا ہوں کہ وہ صرف اس بات سے ڈرتے تھے کہ اُمت محمدیہ میں گمراہی اور ضلالت نہ آجائے۔ سو اُمت محمدیہ کو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس توجہ اور دعا کی برکت سے بحیثیت مجموعی ضلالت سے محفوظ رکھا اور اہل السنّت والجماعت کا مذہب ہی دنیا کے کثیر حصہ پر ہمیشہ غالب رہا۔

میں نے اس آیت کے جو یہ معنی کئے ہیں کہ اس جگہ خوف سے مراد عام خوف نہیں بلکہ وہ خوف ہے جسے خلفاء کا دل محسوس کرتا ہو۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ انہیں عام خوف ضرور ہوتا ہے بلکہ عام خوف بھی اللہ تعالیٰ ان سے دور ہی رکھتا ہے سوائے اس کے کہ اس میں کوئی مصلحت ہو۔ جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب خوف پیدا ہوا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ عام مسلمانوں کی حالت ایسی ہو چکی تھی کہ اب وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خلافت کے انعام کے مستحق نہیں رہے تھے۔ پس میرا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو عام خوفوں سے محفوظ نہیں رکھتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اصل وعدہ اس آیت میں اُسی خوف کے متعلق ہے جس کو وہ خوف قرار دیں اور وہ بجائے کسی اور بات کے ہمیشہ اس ایک بات سے ہی ڈرتے تھے کہ اُمت محمدیہ میں گمراہی اور ضلالت نہ آجائے۔ سو خدا کے فضل سے اُمت محمدیہ ایسی ضلالت سے محفوظ رہی اور باوجود بڑے بڑے فتنوں کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی وفات کے بعد اس کی

ہدایت کے سامان ہوتے رہے۔ اصل معجزہ یہی ہوتا ہے کہ کسی کی وفات کے بعد اس کی خواہشات پوری ہوتی رہیں۔ زندگی میں اگر کسی کی خواہشیں پوری ہوں تو کہا جا سکتا ہے کہ اس نے تدبیروں سے کام لے لیا تھا مگر جس کی زندگی ختم ہو جائے اور پھر بھی اس کی خواہشیں پوری ہوتی رہیں اس کے متعلق نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے کسی ظاہری تدبیر سے کام لیا ہوگا بلکہ یہ بات اس امر کا ثبوت ہوگا کہ وہ شخص خدا تعالیٰ کا محبوب اور پیارا تھا اور اللہ تعالیٰ کا اس سے گہرا تعلق تھا۔ جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کشفی حالت میں سراقہ بن مالک کے ہاتھوں میں سونے کے کڑے دیکھے۔ اب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ صرف یہ نہیں کہ آپ نے اس کے ہاتھوں میں سونے کے کڑے دیکھے بلکہ معجزہ یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے اور ایک لمبا عرصہ گزرنے کے بعد مالِ غنیمت میں سونے کے کڑے آئے اور باوجود اس کے کہ شریعت میں مردوں کو سونے کے کڑے پہننے ممنوع ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ جذبہ پیدا کر دیا کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کشف کو پورا کرنے کے لئے اسے سونے کے کڑے پہنائیں چنانچہ آپ نے اسے پہنائے [۲۱]۔ پس اس واقعہ میں معجزہ یہ ہے کہ باوجودیکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے تھے اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کے دل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی کو پورا کرنے کا جذبہ پیدا کر دیا۔

پھر یہ بھی معجزہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات حضرت عمرؓ نے سن لی اور آپ کو اس کے پورا کرنے کا موقع مل گیا۔ آخر حضرت عمرؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات تو نہیں سنا کرتے تھے ممکن ہے یہ بات کسی اور کے کان میں پڑتی اور وہ آگے کسی اور کو بتانا بھول جاتا۔ مگر اس معجزہ کا یہ بھی ایک حصہ ہے کہ جس شخص کے پاس سونے کے کڑے پہنچنے تھے اُسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کشف بھی پہنچ چکا تھا۔ پھر اس معجزے کا یہ بھی حصہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ تحریک پیدا کر دی کہ وہ اُس صحابی کو سونے کے کڑے پہنائیں حالانکہ شریعت کے لحاظ سے مردوں کے لئے سونا پہننا ممنوع ہے۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کو پورا کرنا چاہتا تھا اس لئے آپ

کے دل کو اس نے اس طرف مائل کر دیا کہ مردوں کے سونا نہ پہننے میں جو حکمتیں ہیں وہ بھی بے شک اچھی ہیں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کو پورا کرنے کیلئے کسی کو تھوڑی دیر کے لئے سونے کے کڑے پہنا دینا بھی کوئی بُری بات نہیں ہوسکتی چنانچہ انہوں نے اس صحابی کو اپنے سامنے سونے کے کڑے پہنائے۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ خلفائے راشدین فوت ہوگئے تو ان کی وفات کے سالہا سال بعد خدا تعالیٰ نے ان کے خوف کو امن سے بدلا۔ کبھی سَو سال بعد کبھی دوسَو سال بعد، کبھی تین سَو سال بعد، کبھی چار سَو سال کے بعد اور کبھی پانچ سَو سال کے بعد اور اس طرح ظاہر کر دیا کہ خدا تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ ان کے ارادے رائیگاں جائیں۔ لیکن اگر اس ساری آیت کو ساری قوم کی طرف منسوب کر دیا جائے تب بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ اس صورت میں بھی وہی معنی کئے جائیں جن کو میں نے بیان کیا ہے یعنی اس صورت میں بھی ساری قوم کو اگر کوئی خوف ہوسکتا تھا تو وہ کفار کے اسلام پر غلبہ کا ہوسکتا تھا۔ فردی طور پر تو کسی کو یہ خوف ہوسکتا ہے کہ میرا بیٹا نہ مر جائے، کسی کو یہ خوف ہوسکتا ہے کہ مجھے تجارت میں نقصان نہ ہو جائے مگر قوم کا خوف تو ایسا ہی ہوسکتا ہے جو اپنے اندر قومی رنگ رکھتا ہو اور وہ خوف بھی پھر یہی ماننا پڑتا ہے کہ ایسا نہ ہو اسلام پر کفار غالب آجائیں۔ سو قوم کا یہ خوف بھی اسلام کے ذریعہ ہی دور ہوا اور اسلام کو ایسا زبردست غلبہ حاصل ہوا جس کی اور کہیں مثال نہیں ملتی۔

خلفاء کی چھٹی علامت اللہ تعالیٰ نے یہ بتائی ہے کہ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا وہ خلفاء میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے یعنی ان کے دلوں میں خدا تعالیٰ جرأت اور دلیری پیدا کر دے گا اور خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں کسی کا خوف ان کے دلوں میں پیدا نہیں ہوگا۔ وہ لوگوں کے ڈر سے کوئی کام نہیں کریں گے بلکہ اللہ پر توکل رکھیں گے اور اسی کی خوشنودی اور رضا کیلئے تمام کام کریں گے۔ یہ معنی نہیں کہ وہ بت پرستی نہیں کریں گے بت پرستی تو عام مسلمان بھی نہیں کرتے کجا یہ کہ خلفاء کے متعلق یہ کہا جائے کہ وہ بت پرستی نہیں کریں گے۔ پس یہاں بت پرستی کا ذکر نہیں بلکہ اس امر کا ذکر ہے

کہ وہ بندوں سے ڈر کر کسی مقام سے اپنا قدم پیچھے نہیں ہٹائیں گے بلکہ جو کچھ کریں گے خدا تعالیٰ کے منشاء اور اس کی رضا کو پورا کرنے کے لئے کریں گے اور اس امر کی ذرا بھی پرواہ نہیں کریں گے کہ اس راہ میں انہیں کن بلاؤں اور آفات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دنیا میں بڑے سے بڑا دلیر آدمی بھی بعض دفعہ لوگوں کے ڈر سے ایسا پہلو اختیار کر لیتا ہے جس سے گو یہ مقصود نہیں ہوتا کہ وہ سچائی کو چھوڑ دے مگر دل میں یہ خواہش ضرور ہوتی ہے کہ میں ایسے رنگ میں کام کروں کہ کسی کو شکوہ پیدا نہ ہو۔

مولوی غلام علی صاحب ایک کٹر وہابی ہوا کرتے تھے وہابیوں کا یہ فتویٰ تھا کہ ہندوستان میں جمعہ کی نماز ہو سکتی ہے لیکن حنفیوں کے نزدیک ہندوستان میں جمعہ کی نماز جائز نہیں تھی کیونکہ وہ کہتے تھے کہ جمعہ پڑھنا تب جائز ہو سکتا ہے جب مسلمان سلطان ہو۔ جمعہ پڑھانے والا مسلمان قاضی ہو اور جہاں جمعہ پڑھا جائے وہ شہر ہو۔ ہندوستان میں انگریزی حکومت کی وجہ سے چونکہ نہ مسلمان سلطان رہا تھا نہ قاضی اس لئے وہ جمعہ کی نماز پڑھنا جائز نہیں سمجھتے تھے۔ ادھر چونکہ قرآن کریم میں وہ یہ لکھا ہوا پاتے تھے کہ جب تمہیں جمعہ کے لئے بلایا جائے تو فوراً تمام کام چھوڑتے ہوئے جمعہ کی نماز کے لئے چل پڑو اس لئے ان کے دلوں کو اطمینان نہ تھا۔ ایک طرف ان کا جی چاہتا تھا کہ وہ جمعہ پڑھیں اور دوسری طرف وہ ڈرتے تھے کہ کوئی حنفی مولوی ہمارے خلاف فتویٰ نہ دے دے۔ اس مشکل کی وجہ سے ان کا یہ دستور تھا کہ جمعہ کے روز گاؤں میں پہلے جمعہ پڑھتے اور پھر ظہر کی نماز ادا کر لیتے اور وہ خیال کرتے کہ اگر جمعہ والا مسئلہ درست ہے تب بھی ہم بچ گئے اگر ظہر پڑھنے والا مسئلہ صحیح ہے تب بھی ہم بچ گئے۔ اسی لئے وہ ظہر کا نام ظہر کی بجائے احتیاطی رکھا کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ خدا نے اگر ہمارے جمعہ کی نماز کو الگ پھینک دیا تو ہم ظہر کو اُٹھا کر اُس کے سامنے رکھ دیں گے اور اگر اس نے ظہر کو رد کر دیا تو ہم جمعہ اس کے سامنے پیش کر دیں گے۔ اور اگر کوئی ''احتیاطی'' نہ پڑھتا تو سمجھا جاتا کہ وہ وہابی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ ہم مولوی غلام علی صاحب کے ساتھ گورداسپور گئے راستہ میں جمعہ کا وقت آ گیا ہم نماز پڑھنے کے لئے ایک مسجد میں چلے گئے۔ آپ کا عام طریق وہابیوں سے ملتا جلتا

تھا کیونکہ وہابی حدیثوں کے مطابق عمل کرنا اپنے لئے ضروری جانتے ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنا ہی انسان کی نجات کے لئے ضروری ہے۔ غرض آپ بھی مولوی غلام علی صاحب کے ساتھ گئے اور جمعہ کی نماز پڑھی۔ جب مولوی غلام علی صاحب جمعہ کی نماز سے فارغ ہوگئے تو انہوں نے چار رکعت ظہر کی نماز پڑھ لی۔ آپ فرماتے تھے کہ میں نے ان سے کہا کہ مولوی صاحب! یہ جمعہ کی نماز کے بعد یہ چار رکعتیں کیسی ہیں؟ وہ کہنے لگے یہ ''احتیاطی'' ہے۔ میں نے کہا مولوی صاحب! آپ تو وہابی ہیں اور عقیدتاً اِس کے مخالف ہیں پھر ''احتیاطی'' کے کیا معنی ہوئے؟ وہ کہنے لگے احتیاطی ان معنوں میں نہیں کہ خدا کے سامنے ہمارا جمعہ قبول ہوتا ہے یا ظہر بلکہ یہ ان معنوں میں ہے کہ لوگ مخالفت نہ کریں۔ تو کئی لوگ اس طرح بھی کام کر لیتے ہیں جیسے مولوی غلام علی صاحب نے کیا کہ اپنے دل میں تو وہ اس بات پر خوش رہے کہ اُنہوں نے جمعہ پڑھا ہے اور ادھر لوگوں کو خوش کرنے کے لئے چار رکعت ظہر کی نماز بھی پڑھ لی۔

اسی طرح ایک لطیفہ مشہور ہے کہتے ہیں کہ کوئی سُنّی بزرگ تھے جو شیعوں کے علاقہ میں رہتے تھے۔ ایک دفعہ غربت کی وجہ سے وہ بہت پریشان ہوگئے اور اُنہوں نے فیصلہ کیا کہ بادشاہ کے پاس پہنچ کر مدد کی درخواست کرنی چاہیئے۔ چنانچہ وہ اس کے پاس گئے اور مدد کی درخواست کی۔ وزیر نے ان کی شکل دیکھ کر بادشاہ کو کہا کہ یہ شخص شیعہ نہیں سُنّی معلوم ہوتا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ تمہیں کس طرح معلوم ہوا؟ وہ کہنے لگا بس شکل سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ بادشاہ کہنے لگا یہ کوئی دلیل نہیں تم میرے سامنے اس کا امتحان لو۔ چنانچہ وزیر نے ان کے سامنے حضرت علیؓ کی بڑے زور سے تعریف شروع کر دی۔ وہ بزرگ بھی حضرت علیؓ کی تعریف کرنے لگ گئے۔ بادشاہ نے یہ دیکھ کر کہا دیکھا! تم جو کچھ کہتے تھے وہ غلط ثابت ہوا یا نہیں؟ اگر یہ شیعہ نہ ہوتا تو کیا حضرت علیؓ کی ایسی ہی تعریف کرتا؟ وزیر کہنے لگا بادشاہ سلامت! آپ خواہ کچھ بھی کہیں مجھے یہ سُنّی ہی معلوم ہوتا ہے۔ بادشاہ نے کہا اچھا امتحان کے لئے پھر کوئی اور بات کرو۔ چنانچہ وزیر کہنے لگا کہو ''بر ہر سہ لعنت'' یعنی ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ پر (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) لعنت۔ وہ بھی کہنے لگا ''بر ہر سہ لعنت''۔ بادشاہ نے کہا اب تو یہ یقینی طور پر

شیعہ ثابت ہو گیا ہے۔ وہ کہنے لگا بظاہر تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے مگر میرا دل مطمئن نہیں۔ آخر وزیر انہیں الگ لے گیا اور کہا سچ سچ بتاؤ تمہارا مذہب کیا ہے؟ اس نے کہا میں سُنّی ہوں۔ اس نے کہا پھر تم نے ''بر ہر سہ لعنت'' کیوں کہا تھا؟ وہ بزرگ کہنے لگے تمہاری ان الفاظ سے تو مراد یہ تھی کہ ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ پر لعنت ہو مگر میری مراد یہ تھی کہ آپ دونوں اور مجھ پر لعنت ہو۔ آپ لوگوں پر اِس لئے کہ آپ بزرگوں پر لعنت کرتے ہیں اور مجھ پر اِس لئے کہ مجھے اپنی بدبختی سے تم جیسے لوگوں کے پاس آنا پڑا۔

غرض انسان کئی طریق پر وقت گزار لیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس طرح اس نے کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا۔ مگر فرمایا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا خلفاء انتہائی طور پر دلیر ہوں گے اور خوف و ہراس ان کے قریب بھی نہیں پھٹکے گا وہ جو کچھ کریں گے خدا کی رضا کے لئے کریں گے کسی انسان سے ڈر کر ان سے کوئی فعل صادر نہیں ہوگا۔

یہ علامت بھی خلفائے راشدین میں بتمام و کمال پائی جاتی ہے۔ چنانچہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو اُس وقت سارا عرب مرتد ہو گیا صرف دو جگہ نماز باجماعت ہوتی تھی باقی تمام مقامات میں فتنہ اُٹھ کھڑا ہوا اور سوائے مکہ اور مدینہ اور ایک چھوٹے سے قصبہ کے تمام ملک نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمایا تھا کہ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً [۲۲] تو اُن کے مالوں سے صدقہ لے کسی اور کو یہ اختیار نہیں کہ ہم سے زکوٰۃ وصول کرے۔ غرض سارا عرب مرتد ہو گیا اور وہ لڑائی کے لئے چل پڑا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں گو اسلام کمزور تھا مگر لوگ متفرق طور پر حملہ کرتے تھے کبھی ایک گروہ نے حملہ کر دیا اور کبھی دوسرے نے۔ جب غزوۂ احزاب کے موقع پر کفار کے لشکر نے اجتماعی رنگ میں مسلمانوں پر حملہ کیا تو اُس وقت تک اسلام ایک حد تک طاقت پکڑ چکا تھا گو ابھی اتنی زیادہ طاقت حاصل نہیں ہوئی تھی کہ انہیں آئندہ کے لئے کسی حملہ کا ڈر ہی نہ رہتا۔ اس کے بعد جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ فتح کرنے کے لئے گئے تو اُس وقت عرب کے بعض قبائل بھی آپ کی مدد کے لئے کھڑے ہو گئے اس طرح خدا تعالیٰ نے

تدریجی طور پر دشمنوں میں جوش پیدا کیا تا کہ وہ اتنا زور نہ پکڑ لیں کہ سب ملک پر چھا جائیں۔لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یکدم تمام عرب مرتد ہو گیا صرف مکہ اور مدینہ اور ایک اور چھوٹا سا قصبہ رہ گئے باقی سب مقامات کے لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور وہ لشکر لے کر مقابلہ کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔بعض جگہ تو ان کے پاس ایک ایک لاکھ کا بھی لشکر تھا مگر اِدھر صرف دس ہزار کا ایک لشکر تھا اور وہ بھی شام کو جا رہا تھا اور یہ وہ لشکر تھا جسے اپنی وفات کے قریب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رومی علاقہ پر حملہ کرنے کے لئے تیار کیا تھا اور اسامہؓ کو اس کا افسر مقرر کیا تھا باقی جو لوگ تھے وہ یا تو کمزور اور بڑھے تھے یا پھر گنتی کے چند نوجوان تھے۔ یہ حالات دیکھ کر صحابہؓ نے سوچا کہ اگر ایسی بغاوت کے وقت اسامہؓ کا لشکر بھی روانہ ہو گیا تو مدینہ کی حفاظت کا کوئی سامان نہیں ہو سکے گا۔ چنانچہ اکابر صحابہؓ کا ایک وفد جن میں حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ بھی شامل تھے اور جو شجاعت اور دلیری میں مشہور تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ کچھ عرصہ کے لئے اس لشکر کو روک لیا جائے جب بغاوت فرو ہو جائے تو پھر بے شک اسے بھجوا دیا جائے مگر اب اس کا بھجوانا خطرہ سے خالی نہیں۔ مدینہ کی حفاظت کا کوئی سامان نہیں اور دشمن کا لشکر ہماری طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نہایت غصہ کی حالت میں فرمایا کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ابوقحافہ کا بیٹا سب سے پہلا کام یہ کرے کہ جس لشکر کو روانہ کرنے کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا اُسے روک لے۔ میں اِس لشکر کو کسی صورت میں روک نہیں سکتا۔ اگر تمام عرب باغی ہو گیا ہے تو بے شک ہو جائے اور اگر مدینہ کی حفاظت کا کوئی سامان نہیں تو بے شک نہ رہے خدا کی قسم! اگر دشمن کی فوج مدینہ میں گھس آئے اور ہمارے سامنے مسلمان عورتوں کی لاشیں کتے گھسیٹتے پھریں تب بھی میں اس لشکر کو ضرور روانہ کروں گا جس کو روانہ کرنے کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔[۲۳] اگر تم دشمن کی فوجوں سے ڈرتے ہو تو بے شک میرا ساتھ چھوڑ دو میں اکیلا تمام دشمنوں کا مقابلہ کروں گا۔ یہ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا کی صداقت کا کتنا بڑا ثبوت ہے۔

دوسرا سوال زکوٰۃ کا تھا صحابہؓ نے عرض کیا کہ اگر آپ لشکر نہیں روک سکتے تو صرف اتنا کر لیجئے کہ ان لوگوں سے عارضی صلح کر لیں اور انہیں کہہ دیں کہ ہم اس سال تم سے زکوٰۃ نہیں لیں گے اِس دوران میں ان کا جوش ٹھنڈا ہو جائے گا اور تفرقہ کے مٹنے کی کوئی صورت پیدا ہو جائے گی۔ موجودہ صورت میں جبکہ وہ جوش سے بھرے ہوئے ہیں اور جبکہ وہ لڑنے مرنے کے لئے تیار ہیں ان سے زکوٰۃ وصول کرنا مناسب نہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ لوگ اونٹ کا گھٹنا باندھنے والی ایک رسّی بھی زکوٰۃ میں دیا کرتے تھے اور اب نہیں دیں گے تو میں اُس وقت تک ان سے جنگ جاری رکھوں گا جب تک کہ وہ رسّی بھی ان سے وصول نہ کرلوں۔ اس پر صحابہؓ نے کہا اگر جیش اسامہؓ بھی چلا گیا اور ان لوگوں سے عارضی صلح بھی نہ کی گئی تو پھر دشمن کا کون مقابلہ کرے گا مدینہ میں تو بڈھے اور کمزور لوگ یا چند نوجوان ہیں وہ بھلا لاکھوں کا کہاں مقابلہ کر سکتے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اے دوستو! اگر تم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو ابوبکر اکیلا ان کا مقابلہ کرنے کے لئے نکل کھڑا ہوگا۔[۲۴] یہ دعویٰ اس شخص کا ہے جسے فنونِ جنگ سے کچھ زیادہ واقفیت نہ تھی اور جس کے متعلق عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ وہ دل کا کمزور ہے۔ پھر یہ جرأت، یہ دلیری، یہ یقین اور یہ وثوق آپ میں کہاں سے آیا؟ اس وجہ سے آیا کہ آپ نے یہ سمجھ لیا تھا کہ میں خلافت کے مقام پر خدا تعالیٰ کی طرف سے کھڑا ہوں اور مجھ پر ہی تمام کاموں کی ذمہ داری ہے پس میرا فرض ہے کہ میں مقابلہ کیلئے تیار ہو جاؤں۔ کامیابی دینا یا نہ دینا خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے اگر وہ کامیابی دینا چاہے گا تو آپ دے دے گا اور اگر نہیں دینا چاہے گا تو سارے لشکر مل کر بھی کامیاب نہیں کر سکتے۔

اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ جرأت دیکھو کہ انہوں نے اپنے عہد خلافت میں دنیا کی دو زبردست حکومتوں یعنی قیصر و کسریٰ سے بیک وقت جنگ شروع کر دی۔ حالانکہ اُس زمانہ میں صرف قیصر کا مقابلہ کرنا بھی ایسا ہی تھا جیسے آجکل افغانستان کی حکومت امریکہ یا انگلستان سے لڑائی شروع کر دے۔ مگر باوجود اتنی زبردست حکومت کے ساتھ

جنگ جاری ہونے کے جب حضرت ابوبکرؓ کے سامنے یہ سوال پیش ہوا کہ کسریٰ کی فوجوں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں سرگرمی دکھانی شروع کر دی ہے اور ان کے بہت سے علاقے جو مسلمانوں کے قبضہ میں تھے اُن میں بغاوت اور سرکشی کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں تو آپ نے حکم دیا کہ فوراً ایران پر حملہ کر دو۔ صحابہؓ کہتے ہیں کہ ایک ہی وقت میں دو زبردست حکومتوں سے کس طرح مقابلہ ہوگا۔ مگر آپ فرماتے ہیں کچھ پرواہ نہیں جاؤ اور مقابلہ کرو۔ مسلمان چونکہ اُس وقت رومی حکومت سے جنگ کرنے میں مشغول تھے اِس لئے ایران پر مسلمانوں کا یہ حملہ اِس قدر دور از قیاس تھا کہ ایران کے بادشاہ کو جب یہ خبریں پہنچیں کہ مسلمان فوجیں بڑھتی چلی آ رہی ہیں تو اُس نے اِن خبروں کو کوئی اہمیت نہ دی اور کہا کہ لوگ خواہ مخواہ جھوٹی افواہیں اُڑا رہے ہیں مسلمان بھلا ایسی حالت میں جبکہ وہ پہلے ہی ایک خطرناک جنگ میں مبتلا ہیں ایران پر حملہ کرنے کا خیال بھی کر سکتے ہیں۔ چنانچہ کچھ عرصہ تک تو ایرانیوں کی شکست کی بڑی وجہ یہی ہوئی کہ دارالخلافہ سے مسلمانوں کے مقابلہ میں کوئی فوج نہیں آئی اور بادشاہ خیال کرتا رہا کہ لوگ جھوٹی خبریں اُڑا رہے ہیں۔ مگر جب کثرت اور تواتر کے ساتھ اسے اس قسم کی خبریں پہنچیں تو اُس نے اپنا ایک جرنیل بھیجا اور اُسے حکم دیا کہ میرے پاس صحیح حالات کی رپورٹ کرو۔ چنانچہ اُس نے جب رپورٹ کی کہ مسلمان واقعہ میں حملہ کر رہے ہیں اور بہت سے حصوں پر قابض بھی ہو چکے ہیں تب اُس نے ان کے مقابلہ کے لئے فوج بھیجی۔ اس سے تم اندازہ لگا لو کہ مسلمانوں کا اس لڑائی میں کودنا بظاہر کتنا خطرناک تھا جبکہ اس کے ساتھ ہی وہ رومی لشکر کا بھی مقابلہ کر رہے تھے۔ مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خدا تعالیٰ نے مقامِ خلافت پر کھڑا کرنے کے بعد جو قوت بخشی تھی اس کے آگے ان چیزوں کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ اتنے مسلمان کہاں سے آئیں گے جو ایرانی لشکر کا مقابلہ کر سکیں، انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ اتنا سامان اور اسلحہ کہاں سے آئے گا جو ایرانی فوجوں کے سامان اور اسلحہ کے مقابلہ میں کام آ سکے۔ انہوں نے ایرانیوں کی سرکشی کی خبر سنتے ہی فوراً اپنے سپاہیوں کو اِس آگ میں کود جانے کا حکم دے دیا اور کسریٰ سے بھی جنگ شروع کر دی۔

اس کے بعد جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو وہی عمرؓ جو ابوبکرؓ کو یہ مشورہ دیتے تھے کہ اتنے

بڑے لشکر کا ہم کہاں مقابلہ کر سکتے ہیں وہ بہت ہیں اور ہم تھوڑے، جیش اسامہؓ کو روک لیا جائے تا کہ وہ ہماری مدد کر سکے۔ اُن میں بھی وہی توکّل آ گیا اور انہوں نے بھی ایک ہی وقت میں قیصر و کسریٰ سے جنگ شروع کر دی اور آخر ان دونوں حکومتوں کا تختہ اُلٹ کر رکھ دیا۔ اِسی جنگ کے نتیجہ میں جب ایران فتح ہوا اور کسریٰ کے خزائن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو مالِ غنیمت میں کسریٰ کا ایک رومال بھی آیا جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ملا۔ ایک دن انہیں کھانسی اُٹھی تو انہوں نے اپنی جیب سے کسریٰ شاہِ ایران کا رومال نکال کر اُس میں تھوک دیا اور پھر کہا بَخٍ بَخٍ اَبُوْهُرَيْرَةَ واہ واہ ابو ہریرہ! تیری بھی کیا شان ہے کہ تو آج کسریٰ شاہِ ایران کے رومال میں تھوک رہا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے یہ کیا الفاظ استعمال کئے ہیں انہوں نے کہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض دفعہ مجھے اتنے فاقے ہوتے تھے کہ میں بھوک سے بیتاب ہو کر بے ہوش ہو جاتا تھا اور لوگ یہ سمجھ کر کہ مجھے مرگی کا دورہ ہو گیا ہے میرے سر پر جوتیاں مارا کرتے مگر آج یہ حالت ہے کہ میں شاہی رومال میں تھوک رہا ہوں۔[۲۵] تو يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا کی علامت خدا تعالیٰ نے خلفائے راشدین کے ذریعہ نہایت واضح رنگ میں پوری فرمائی اور انہوں نے خدا تعالیٰ کے سوا کبھی کسی کا خوف اپنے دل میں نہیں آنے دیا۔

اِسی طرح حضرت عثمانؓ جیسے با حیا اور رقیق القلب انسان نے اندرونی مخالفت کا مقابلہ جس یقین سے کیا ہے وہ انسانی عقل کو دنگ کر دیتا ہے حالانکہ وہ عام طور پر کمزور سمجھے جاتے تھے مگر جب ان کا اپنا زمانہ آیا تو انہوں نے ایسی بہادری اور جرأت سے کام لیا کہ انسان ان واقعات کو پڑھ کر حیران رہ جاتا ہے۔

یہی حال حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہے کسی مخالفت یا خطرے کی انہوں نے پرواہ نہیں کی حالانکہ اندرونی خطرے بھی تھے اور بیرونی بھی مگر ان کے مدنظر صرف یہی امر رہا کہ خدا تعالیٰ کی مرضی پوری ہو اور ذرا بھی کسی سے خوف کھا کر اُس منشائے الٰہی میں جو انہوں نے سمجھا تھا فرق نہیں آنے دیا۔

غرض تمام خلفاء کے حالات میں ہمیں يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا کا نہایت اعلیٰ

درجہ کا نظارہ نظر آتا ہے جو اِس بات کا یقینی اور قطعی ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خود مقامِ خلافت پر کھڑا کیا تھا اور وہ آپ اُن کی تائید اور نصرت کا ذمہ دار رہا۔

اب میں اُن اعتراضات کو لیتا ہوں جو عام طور پر اِس آیت پر کئے جاتے ہیں ۔ پہلا اعتراض اس آیت پر یہ کیا جاتا ہے کہ اِس آیت میں اُمت مسلمہ سے وعدہ ہے نہ کہ بعض افراد سے اور اُمت کو خلیفہ بنانے کا وعدہ ہے نہ کہ بعض افراد کو۔ پس اس سے مراد مسلمانوں کو غلبہ اور حکومت کا میسر آجانا ہے نہ کہ بعض افراد کا خلافت پر متمکن ہوجانا۔ اِس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ بے شک یہ وعدہ قوم سے ہے مگر قوم سے کسی وعدہ کے کئے جانے کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ افراد کے ذریعہ وہ وعدہ پورا نہ ہو۔ بعض وعدے قوم سے ہوتے ہیں لیکن افراد کے ذریعہ پورے کئے جاتے ہیں اور کہا یہی جاتا ہے کہ قوم سے جو وعدہ کیا گیا تھا وہ پورا ہوگیا۔ اس کی مثالیں دنیا کی ہر زبان میں ملتی ہیں ۔ مثلاً ہماری زبان میں ہی کہا جاتا ہے کہ انگریز بادشاہ ہیں ۔ اب کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ ہر انگریز بادشاہ ہے؟ ہر انگریز تو نہ بادشاہ ہے اور نہ ہوسکتا ہے مگر کہا یہی جاتا ہے کہ انگریز بادشاہ ہیں ۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ فلاں قوم حاکم ہے حالانکہ ساری قوم کہاں حاکم ہوتی ہے چند افراد کے سپرد حکومت کا نظم ونسق ہوتا ہے اور باقی سب اس کے تابع ہوتے ہیں ۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ فلاں قوم بڑی دولت مند ہے مگر اس کے یہ معنی تو نہیں ہوتے کہ اس قوم کا ہر فرد دولت مند ہے۔ انگریزوں کے متعلق عام طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ بڑے دولت مند ہیں حالانکہ ان میں بڑے بڑے غریب بھی ہوتے ہیں ۔

ہمارے بڑے بھائی مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم نے ایک دفعہ سنایا کہ جب وہ لندن میں تھے تو ایک دن جس مکان میں وہ رہتے تھے اس کا کوڑا کرکٹ اُٹھا کر خادمہ نے جب باہر پھینکا تو ایک انگریز لڑکا جھپٹ کر آیا اور اُس نے کوڑے کرکٹ کے انبار میں سے ڈبل روٹی کا ایک ٹکڑا نکال کر کھالیا۔ اسی طرح برنڈزی میں میں نے دیکھا کہ عورتیں اپنے سر پر برتن رکھ کر پانی لینے جاتی تھیں اور ان کے بچوں نے جو پتلونیں پہنی ہوئی تھیں اُن کا کچھ حصہ کسی کپڑے کا ہوتا تھا اور کچھ حصہ کسی کپڑے کا۔ مگر کہا یہی جاتا ہے کہ یورپین بڑے

دولت مند ہیں۔ پس قوم سے وعدہ کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ افراد کے ذریعہ وہ وعدہ پورا نہ ہو۔ کئی وعدے قوم سے ہی ہوتے ہیں لیکن پورے وہ افراد کے ذریعہ کئے جاتے ہیں۔ اس کی مثال ہمیں قرآن کریم سے بھی ملتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا [۲۶] یعنی موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ اس نے تم میں اپنے انبیاء مبعوث کئے اور اس نے تم کو بادشاہ بنایا۔ اب کیا کوئی ثابت کرسکتا ہے کہ سب بنی اسرائیل بادشاہ بن گئے تھے۔ یقیناً ان بنی اسرائیل میں بڑے بڑے غریب بھی ہوں گے مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے یہی فرماتے ہیں جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا اس نے تم سب کو بادشاہ بنایا مراد یہی ہے کہ جب کسی قوم میں سے بادشاہ ہو تو چونکہ وہ قوم ان انعامات اور فوائد سے حصہ پاتی ہے جو بادشاہت سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے بالفاظ دیگر ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ بادشاہ ہوگئی۔ پس جب جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا کی موجودگی کے باوجود اس آیت کے یہ معنی نہیں کئے جاتے کہ ہر یہودی بادشاہ بنا تو وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ سے یہ کیونکر نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ یہ وعدہ بعض افراد کے ذریعہ پورا نہیں ہونا چاہئے بلکہ اُمت کے ہر فرد کو خلافت کا انعام ملنا چاہئے۔ پھر اگر اس سے قومی غلبہ بھی مراد لیں تو تب بھی ہر مومن کو یہ غلبہ کہاں حاصل ہوتا ہے پھر بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ بعض افراد کو غلبہ ملتا ہے اور بعض کو نہیں ملتا۔

صحابہؓ میں سے بھی کئی ایسے تھے جو قومی غلبہ کے زمانہ میں بھی غریب ہی رہے اور اُن کی مالی حالت کچھ زیادہ اچھی نہیں ہوئی۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا ہی لطیفہ ہے کہ جب حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی آپس میں جنگ ہوئی اور صفین کے مقام پر دونوں لشکروں نے ڈیرے ڈال دیئے تو باوجود اس کے کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے کیمپوں میں ایک ایک میل کا فاصلہ تھا جب نماز کا وقت آتا تو حضرت ابو ہریرہؓ حضرت علیؓ کے کیمپ میں آجاتے اور جب کھانے کا وقت آتا تو حضرت معاویہؓ کے کیمپ میں چلے جاتے۔ کسی نے ان سے کہا کہ آپ

بھی عجیب آدمی ہیں اُدھر علیؓ کی مجلس میں چلے جاتے ہیں اور اِدھر معاویہؓ کی مجلس میں شریک ہوجاتے ہیں؟ وہ کہنے لگے نماز حضرت علیؓ کے ہاں اچھی ہوتی ہے اور کھانا حضرت معاویہؓ کے ہاں اچھا ملتا ہے اس لئے جب نماز کا وقت ہوتا ہے تو میں اُدھر چلا جاتا ہوں اور جب روٹی کا وقت آتا ہے ادھر آجاتا ہوں۔

غیر مبائعین کا بھی ایسا ہی حال ہے بلکہ ان کا لطیفہ تو حضرت ابوہریرہؓ کے لطیفہ سے بھی بڑھ کر ہے۔ میں ایک دفعہ چوہدری ظفراللہ خان صاحب کے ہاں بیٹھا ہوا تھا کہ کسی دوست نے ایک غیر مبائع کے متعلق بتایا کہ وہ کہتے ہیں عقائد تو مولوی محمد علی صاحب کے درست ہیں مگر دعائیں میاں صاحب کی زیادہ قبول ہوتی ہیں گویا جیسے حضرت ابوہریرہؓ نے کہا تھا کہ روٹی معاویہؓ کے ہاں اچھی ملتی ہے اور نماز علیؓ کے ہاں اچھی ہوتی ہے اسی طرح اُس نے کہا کہ عقائد تو مولوی محمد علی صاحب کے درست ہیں مگر دعائیں اِن کی قبول ہوتی ہیں۔ تو قوم میں بادشاہت آجانے کے باوجود پھر بھی کئی لوگ غریب ہی رہتے ہیں مگر کہا یہی جاتا ہے کہ وہ قوم بادشاہ ہے کیونکہ جب کسی قوم میں سے کوئی بادشاہ ہو تو تمام قوم بادشاہت کے فوائد سے حصہ پاتی ہے۔ اسی طرح جب کسی قوم میں سے بعض افراد کو خلافت مل جائے تو یہی کہا جائے گا کہ اُس قوم کو وہ انعام ملا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہوگا کہ ہر فرد کو یہ انعام ملے۔

دوسری مثال اس کی یہ آیت ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ [۲۷] کہ جب یہود سے یہ کہا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں جو کچھ اُترا ہے اُس پر ایمان لاؤ تو وہ کہتے ہیں نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا ہم تو اُسی پر ایمان لائیں گے جو ہم پر نازل ہوا ہے اور یہ امر صاف ظاہر ہے کہ وحی ان پر نہیں اُتری تھی بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اُتری تھی۔ مگر وہ کہتے ہیں ہم پر اُتری گویا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلام کے متعلق اُنْزِلَ عَلَيْنَا کہتے ہیں۔ اسی طرح بعض افراد پر جو اس قسم کا انعام نازل ہو جس سے ساری قوم کو فائدہ پہنچتا ہو تو یہی کہا جاتا ہے کہ وہ ساری قوم کو ملا۔ چونکہ ملوکیت کے ذریعہ سے ساری قوم کی عزت ہوتی ہے اِس وجہ سے جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا فرمایا۔ اور چونکہ خلافت سے سب قوم نے

نفع اُٹھانا تھا اس لئے خلافت کے بارہ میں بھی یہی کہا کہ تم کو خلیفہ بنایا جائے گا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے فعل نے اِس امر پر شہادت دے دی ہے کہ اُس کی اِس آیت سے کیا مراد ہے۔ خدا تعالیٰ نے کہا تھا کہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کہ وہ ایمان اور عمل صالح پر قائم رہنے والوں کو زمین میں اُسی طرح خلیفہ بنائے گا جس طرح اُس نے پہلوں کو خلیفہ بنایا۔ اب اگر اللہ تعالیٰ کی اِس سے جمہوریت مراد تھی تو ہمیں دیکھنا چاہئے کہ آیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ جمہوریت قائم ہوئی یا نہیں۔ اور اگر خدا تعالیٰ کا یہ منشاء تھا کہ بعض افرادِ اُمت کو خلافت ملے گی اور اُن کی وجہ سے تمام قوم برکاتِ خلافت کی مستحق قرار پا جائے گی تو ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ آیا اس رنگ میں مسلمانوں میں خلافت قائم ہوئی یا نہیں؟ اس نقطۂ نگاہ کے ماتحت جب ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کے حالات کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بعض افرادِ اُمت کو ہی خلافت ملی تھی سب کو خلافت نہیں ملی۔ پس یا تو یہ مانو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد لوگ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے مصداق نہیں رہے تھے اور جس طرح شیعہ کہتے ہیں کہ امت میں صرف اڑھائی مومن تھے اسی طرح نَعُوْذُ بِاللّٰهِ سب منافق ہی منافق رہ گئے تھے اِس لئے خلافت قومی کا وعدہ ان سے پورا نہ ہوا۔ اور یا یہ مانو کہ خلافت کا طریق وہی تھا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عملاً جاری ہوا۔ بہر حال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں میں جس رنگ میں خلافت قائم کی وہ خدا تعالیٰ کی فعلی شہادت ہے اور خدا تعالیٰ کی یہ فعلی شہادت بتا رہی ہے کہ قوم سے اس وعدہ کو بعض افراد کے ذریعہ ہی پورا کیا جائے گا۔

دوسرا اعتراض اس آیت پر یہ کیا جاتا ہے کہ بہت اچھا ہم نے مان لیا کہ اِس آیت میں افراد کی خلافت کا ذکر ہے مگر تم خود تسلیم کرتے ہو کہ پہلوں میں خلافت، یا نبوت کے ذریعہ سے ہوئی یا ملوک کے ذریعہ سے۔ مگر خلفائے اربعہ کو نہ تم نبی مانتے ہو نہ ملوک پھر یہ وعدہ کس طرح پورا ہوا اور وہ اِس آیت کے کس طرح مصداق ہوئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس

میں کوئی شک نہیں کہ پہلوں کو خلافت یا نبوت کی شکل میں ملی یا ملوکیت کی صورت میں۔ مگر مشابہت کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ ہر رنگ میں مشابہت ہو بلکہ صرف اصولی رنگ میں مشابہت دیکھی جاتی ہے۔ مثلاً کسی لمبے آدمی کا ہم ذکر کریں اور پھر کسی دوسرے کے متعلق کہیں کہ وہ بھی ویسا ہی لمبا ہے تو اب کوئی شخص ایسا نہیں ہوگا جو یہ کہے کہ جب تم نے دونوں کو لمبا قرار دیا ہے تو یہ مشابہت کس طرح درست ہوئی۔ ان میں سے ایک چور ہے اور دوسرا نمازی یا ایک عالم ہے اور دوسرا جاہل بلکہ صرف لمبائی میں مشابہت دیکھی جائے گی ہر بات اور ہر صورت میں مشابہت نہیں دیکھی جائے گی۔ اس کی مثال ہمیں قرآن کریم سے بھی ملتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا [۲۸] کہ ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا ہے جو تم پر نگران ہے اور وہ ویسا ہی رسول ہے جیسے ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔

اب دیکھو اللہ تعالیٰ نے یہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آپس میں مشابہت بیان کی ہے حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی طرف بھیجے گئے تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایک بادشاہ کی طرف مبعوث نہیں ہوئے تھے بلکہ ساری دنیا کے بادشاہوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے تھے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ساری دنیا کی ہدایت کے لیے بھیجے گئے تھے۔ پھر حضرت موسیٰؑ کی رسالت کا زمانہ صرف اُنیس سَو سال تک تھا مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا زمانہ قیامت تک کے لئے ہے۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں اہم فرق ہے۔ مگر باوجود اِن اختلافات کے مسلمان یہی کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مثیل ہیں۔ پس اگر اِس قسم کے اختلافات کے باوجود آپ کی مشابہت میں فرق نہیں آتا تو اگر پہلوں کی خلافت سے بعض جزوی امور میں خلفائے اسلام مختلف ہوں تو اس میں اعتراض کی کون سی بات ہے۔ اصل بات جو اس آیت میں بتائی گئی تھی وہ یہ تھی کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو سنبھالنے کے لئے اُن کی وفات کے بعد خدا تعالیٰ کی

خاص حکمت نے بعض وجودوں کواُن کی اُمت کی خدمت کے لئے چن لیا تھااسی طرح رسول کریم صلی اللہ صلی علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی اللہ تعالیٰ بعض ایسے وجود کھڑے کرے گا جو آپ کی اُمت کوسنبھال لیں گے۔ اور یہ مقصد بہ نسبت سابق خلفاء کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء نے زیادہ پورا کیا ہے۔ اور پھر جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تیرہ سَو سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسیح ناصریؑ کومبعوث فرمایا جوموسوی شریعت کی خدمت کرنے والے ایک تابع نبی تھے اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تیرہ سَو سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود علیہ السلام کو بھیجا اور اس طرح اُس تابع نبوت کا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے مناسب حال اُمتی نبوت ہے دروازہ کھول دیا اور آپ کے ذریعہ اُس نے پھر آپ کے ماننے والوں میں خلافت کو بھی زندہ کر دیا۔ چنانچہ یہ سلسلہ خلافت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد شروع ہوا اور خلافت ثانیہ تک ممتد رہا اور اگر جماعت احمدیہ میں ایمان بالخلافت قائم رہا اور وہ اس کو قائم رکھنے کے لئے صحیح رنگ میں جدوجہد کرتی رہی تو اِنْشَاءَ اللّٰہ تَعَالٰی یہ وعدہ لمبا ہوتا چلا جائے گا۔ مگر جماعت احمدیہ کو ایک اشارہ جو اس آیت میں کیا گیا ہے کبھی نہیں بھولنا چاہئے اور وہ اشارہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح ہم نے پہلوں کو خلیفہ بنایا اُسی طرح تمہیں خلیفہ بنائیں گے یعنی خلافت کو ممتد کرنے کے لئے پہلوں کے طریق انتخاب کو مدّنظر رکھو اور پہلی قوموں میں سے یہودیوں کے علاوہ ایک عیسائی قوم بھی تھی جس میں خلافت بادشاہت کے ذریعہ سے نہیں آئی بلکہ ان کے اندر خالص دینی خلافت تھی۔ پس کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ میں پہلوں کے طریق انتخاب کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک الہام بھی اس کی تصدیق کرتا ہے۔ آپ کا الہام ہے ''کلیسیا کی طاقت کا نسخہ''[۲۹] یعنی کلیسیا کی طاقت کی ایک خاص وجہ ہے اس کو یاد رکھو۔ گویا قرآن کریم نے کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کے الفاظ میں جس نسخہ کا ذکر کر دیا تھا الہام میں اُس کی طرف اشارہ کر دیا گیا اور بتایا گیا کہ جس طرح وہ لوگ اپنا خلیفہ منتخب کرتے ہیں اسی طرح یا اس کے قریب قریب تم بھی اپنے لئے خلافت کے انتخاب کا طریقہ ایجاد کرو۔ چنانچہ اس طریق سے قریباً انیس سَو سال سے عیسائیوں کی

خلافت محفوظ چلی آتی ہے۔ عیسائیت کے خراب ہونے کی وجہ سے بے شک انہیں وہ نور حاصل نہیں ہوتا جو پہلے زمانوں میں حاصل ہوا کرتا تھا مگر جماعت احمدیہ اسلامی تعلیم کے مطابق اِس قانون کو ڈھال کر اپنی خلافت کو سینکڑوں بلکہ ہزاروں سال تک کے لئے محفوظ کر سکتی ہے۔ چنانچہ اِسی کے مطابق میں نے آئندہ انتخابِ خلافت کے متعلق ایک قانون بنادیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر جماعت احمدیہ ایمان بالخلافت پر قائم رہی اور اس کے قیام کیلئے صحیح جدوجہد کرتی رہی تو خدا تعالیٰ کے فضل سے قیامت تک یہ سلسلۂ خلافت قائم رہے گا اور کوئی شیطان اس میں رخنہ اندازی نہیں کر سکے گا۔

ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اگر خلافت کا مسلمانوں سے وعدہ تھا تو حضرت علیؓ کے بعد خلافت کیوں بند ہوگئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وعدہ شرطی تھا۔ آیت کے الفاظ صاف بتاتے ہیں کہ یہ وعدہ اُن لوگوں کے لئے تھا جو خلافت پر ایمان رکھتے ہوں گے اور حصولِ خلافت کیلئے جو مناسب قومی اعمال ہوں گے وہ کرتے رہیں گے کیونکہ یہاں وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے الفاظ ہیں اور صَلُحَ کے معنی عربی زبان میں ایسے کام کے ہوتے ہیں جو مناسب حال ہو۔ چونکہ اس آیت میں خلافت کا ذکر ہے اس لئے اٰمَنُوْا سے مراد اٰمَنُوابِالْخِلَافَةِ ہے اور عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سے مراد عَمِلُوْا عَمَلًا مُنَاسَبًا لِحُصُوْلِ الْخِلَافَةِ ہے۔ اگر یہ شرط پوری نہ ہوگی تو خدا تعالیٰ کا وعدہ بھی پورا نہیں ہوگا۔ حضرت علیؓ کے بعد صرف لفظ خلافت باقی رہ گیا تھا لیکن عملاً بادشاہت قائم ہوگئی اور خلافت کیلئے جو شرط ہے کہ تبلیغ دین اور تبلیغ اسلام کرے وہ مٹ گئی تھی۔ پس شرط کے ضائع ہونے سے مشروط بھی ضائع ہوگیا اور خدا تعالیٰ کا وعدہ ٹل گیا۔

ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ جب خلیفہ انتخاب سے ہوتا ہے تو پھر اُمت کے لئے اس کا عزل بھی جائز ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ گو خلیفہ کا تقرر انتخاب کے ذریعہ سے ہوتا ہے لیکن یہ آیت نص صریح کے طور پر اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُمت کو اپنے فیصلہ کا اس امر میں ذریعہ بناتا ہے اور اُس کے دماغ کو خاص طور پر روشنی بخشتا ہے لیکن مقرر اصل میں اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے چنانچہ فرماتا ہے لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ کہ وہ خود ان کو خلیفہ بنائے گا۔

پس گو خلفاء کا انتخاب مومنوں کے ذریعہ سے ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا الہام لوگوں کے دلوں کو اصل حقدار کی طرف متوجہ کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بتاتا ہے کہ ایسے خلفاء میں میں فلاں فلاں خصوصیات پیدا کر دیتا ہوں اور یہ خلفاء ایک انعامِ الٰہی ہوتے ہیں۔ پس اس صورت میں اس اعتراض کی تفصیل یہ ہوئی کہ کیا اُمت کو حق حاصل نہیں کہ وہ اس شخص کو جو کامل موحد ہے، جس کے لئے دین کو اللہ تعالیٰ نے قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے جس کے لئے خدا نے تمام خطرات کو دور کرنے کا وعدہ کیا ہے اور جس کے ذریعہ سے وہ شرک کو مٹانا چاہتا ہے اور جس کے ذریعہ سے وہ اسلام کو محفوظ کرنا چاہتا ہے معزول کر دے؟ ظاہر ہے کہ ایسے شخص کو اُمت اسلامیہ معزول نہیں کر سکتی ایسے شخص کو تو شیطان کے چیلے ہی معزول کرنے کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس جگہ وعدہ کا لفظ ہے اور وعدہ احسان پر دلالت کرتا ہے پس اس اعتراض کے معنی یہ ہوں گے کہ چونکہ اس انعام کا انتخاب اللہ تعالیٰ نے اُمت کے ہاتھ میں رکھا ہے اسے کیوں حق نہیں کہ وہ اس انعام کو ردّ کرے۔ ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ یہ استنباط بدترین استنباط ہے۔ جو انعام منہ مانگے ملے اُس کا ردّ کرنا تو انسان کو اور بھی مجرم بنا دیتا ہے اور اس پر شدید حجت قائم کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرمائے گا کہ اے لوگو! میں نے تمہاری مرضی پر چھوڑا اور کہا کہ میرے انعام کو کس صورت میں لینا چاہتے ہو۔ تم نے کہا ہم اس انعام کو فلاں شخص کی صورت میں لینا چاہتے ہیں اور میں نے اپنے فضل اس شخص کے ساتھ وابستہ کر دیئے۔ جب میں نے تمہاری بات مان لی تو اب تم کہتے ہو کہ ہم اس انعام پر راضی نہیں اب اس نعمت کے ردّ کرنے پر میں اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ لَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ اسی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ یعنی انتخاب کے وقت تو ہم نے اُمت کو اختیار دیا ہے مگر چونکہ اس انتخاب میں ہم اُمت کی رہبری کرتے ہیں اور چونکہ ہم اس شخص کو اپنا بنا لیتے ہیں اس لئے اس کے بعد اُمت کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔ اور جو شخص پھر بھی اختیار چلانا چاہے تو یاد رکھے کہ وہ خلیفہ کا مقابلہ نہیں کرتا بلکہ ہمارے انعام

کی بے قدری کرتا ہے۔ پس اگر انتخاب کے وقت وہ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ میں شامل تھا تو اب اس اقدام کی وجہ سے ہماری درگاہ میں اس کا نام اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی فہرست سے کاٹا جائے گا اور فاسقوں کی فہرست میں لکھا جائے گا۔

پھر فرماتا ہے وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ اس آیت میں وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ کے معاً بعد نماز اور زکوٰۃ اور اطاعت رسول کا ذکر کر کے اس طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ اگر کسی وقت برکاتِ خلافت کے نزول میں کمی آجائے تو مسلمانوں کو بحیثیت قوم نمازوں میں لگ جانا چاہئے اور زکوٰۃ دینے میں چست ہو جانا چاہئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت اختیار کرنی چاہئے۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو ان پر رحم کیا جائے گا اور پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ایسا نائب کھڑا کر دیا جائے گا جو سب مسلمانوں کو اکٹھا کر دے گا۔ بہرحال منکرین خلافت کبھی زمین پر غالب نہیں آئیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگ کھڑے کرتا رہے گا جو خلافت پر ایمان رکھتے ہوں خواہ جزوی ہی ہو۔ چنانچہ خوارج جو منکرین خلافت ہیں کبھی بھی دنیا پر حاکم نہیں ہوئے بلکہ سُنّی جو منہ سے خلافت کے قائل ہیں لیکن حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں انہوں نے اپنی جانیں قربان کر کے خلافت کو قائم رکھنے کی کوشش نہیں کی وہی ہمیشہ غالب رہے ہیں۔''

(تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۳۶۶ تا ۳۹۳)

---

۱ بخاری کتاب الاحکام باب قول اللّٰہ تعالیٰ اَطِیْعُوا اللّٰہَ و اطیعوا الرسول صفحہ ۱۲۲۸، ۱۲۲۹ حدیث نمبر ۷۱۳۷ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانیة

۲ تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ ۶۰ الناشر مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز ۲۰۰۴ء

۳ ابراھیم: ۸ ۴ البقرہ: ۳۱ ۵ صٓ: ۲۷

۶ آل عمران: ۱۶۰ ۷ صٓ: ۲۷ ۸ الاعراف: ۷۰

۹ الاعراف: ۷۵ ۱۰ المائدة: ۲۱ ۱۱ الاعراف: ۱۴۳

۱۲ المائدة: ۴۵ ۱۳ المائدة: ۴۷

۱۴ متی باب۵آیت ۱۷، ۱۸ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۲۲ء

۱۵ بخاری کتاب الفتن باب قول النبی ﷺ سَتَرَوْنَ بعدی اُمورًا تُنْکِرُوْنَھَا صفحہ ۱۲۱۷ حدیث نمبر ۷۰۵۶ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانية

۱۶ الروم: ۴۲

۱۷ البداية والنهاية جلد ۸ صفحہ ۱۲۶ مطبوعہ بیروت ۲۰۰۱ء

۱۸ موضوعات کبیر۔ از ملا علی قاری صفحہ ۸۵ مطبوعہ دہلی ۱۳۴۶ھ

۱۹ بخاری کتاب فضائل المدينة باب کراهية النّبِی ﷺ اَنْ تُعْرى الْمَدِيْنَة صفحہ ۳۰۴ حدیث نمبر ۱۸۹۰ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانية

۲۰ تاریخ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۵۷ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء

۲۱ اسدالغابہ الجزء الثانی صفحہ ۲۳۷ زیرعنوان ''سراقة بن مالک'' مطبوعہ بیروت ۲۰۰۶ء

۲۲ التوبة: ۱۰۳

۲۳ تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ ۶۰ الناشر مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز ۲۰۰۴ء

۲۴ تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۳۳۵ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء

۲۵ بخاری کتاب الاعتصام باب مَاذ کَرَ النَّبِیُّ ﷺ و حض علی اتفاق اهل العلم صفحہ ۱۲۶۱ حدیث نمبر ۷۳۲۴ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانية

۲۶ المائدة: ۲۱ ۲۷ البقرة: ۹۲ ۲۸ المزمل: ۱۶

۲۹ تذکرہ صفحہ ۵۲۷ ایڈیشن چہارم ۲۰۰۴ء

مجلس کے آداب

سورة النور آیت ۶۳ میں مجلس کے آداب بیان کرتے ہوئے حضور فرماتے ہیں:۔

''اس آیت میں قومی نظام کو درست رکھنے کے لئے یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب مومن کسی مشورہ کے لئے سردارِ قوم کے پاس جمع ہوں تو اس کی اجازت کے بغیر مجلس سے نہ جائیں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو وہ مومن ہوں گے ورنہ نہیں۔ پھر سردارِ قوم کو بھی ہدایت دی کہ اگر مشاورت میں جمع ہونے والے لوگوں میں سے کوئی شخص اپنے کسی ضروری کام کے لئے اجازت مانگے تو اسے اجازت دے دیں لیکن قومی مشورہ کے وقت کسی ایسی ضرورت کا پیش آجانا جس کی وجہ سے مجلس شوریٰ کو چھوڑنا پڑے یہ بھی کسی شامت اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے اس لئے اے سردارِ جماعت! تو ایسے موقع پر اجازت تو دے دیا کر مگر چونکہ وہ ضرورت جس کے لئے وہ اجازت مانگتے ہیں اُن کی کسی شامت اعمال کا نتیجہ ہوگی یا قومی مجلس سے اُٹھ جانے کی وجہ سے وہ لوگ سردارِ جماعت کی صحبت اور اس کے مشورہ سے اور مل کر کام کرنے سے محروم رہیں گے اور اس طرح ان کے علم اور تجربہ میں کمی آجائے گی اس لئے تو اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کر کہ یہ لوگ اس کے بداثرات سے بچ جائیں اور اللہ تعالیٰ ان کی کوتاہی کا ازالہ فرما دے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کو اس شدت کے ساتھ اس ہدایت پر عمل کرنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے کہ انہیں طبعی ضروریات کے لئے بھی مجلس سے بِلا اجازت جانے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ ایسی حالت میں صحابہؓ سِرک کر سامنے آجاتے یا انگلی اٹھا دیتے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ جاتے کہ کوئی حاجت ہے اور ہاتھ کے اشارہ سے اجازت دے دیتے مگر اس زمانہ میں عام طور پر اِس کی اہمیت کو نہیں سمجھا جاتا۔

مجھے یاد ہے حضرت خلیفہ اوّل ایک دفعہ لاہور تشریف لے گئے جب آپ نے واپس

قادیان آنے کا ارادہ فرمایا تو چونکہ حضرت (اماں جان) نے ابھی وہاں کچھ دن اور ٹھہرنا تھا اس لئے آپ نے مجھے لاہور میں ہی رہنے کی ہدایت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تم ان کے ساتھ آجانا۔ جب میں آیا اور آپ کے پاس آکر اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہا تو میرے سلام کا جواب دینے سے بھی پہلے آپ نے فرمایا میاں! تمہیں معلوم ہے کہ ہمارے ساتھ کیا ہوا؟ میں نے کہا مجھے تو معلوم نہیں۔ آپ نے فرمایا ہمارے ساتھ جتنے آدمی تھے وہ سارے ہمیں بٹالہ چھوڑ کر آگئے اس سے ظاہر ہے کہ ان لوگوں نے امر جامع کے متعلق جو قرآنی حکم تھا اُس پر عمل نہ کیا۔ خلیفۂ وقت کا وجود تو ایسی اہمیت رکھتا ہے کہ اس کا اثر سارے عالمِ اسلام پر پڑتا ہے اگر خدانخواستہ کوئی حادثہ ہو جائے تو اس کا اثر لازماً سب جماعت پر پڑے گا اس لئے اس بارہ میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ تو اس سختی کے ساتھ اس پر عمل کرتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھوڑی دیر کے لئے بھی اِدھر اُدھر ہونا ان کے لئے ناقابل برداشت ہو جاتا تھا۔ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بات کرتے کرتے مجلس سے اٹھے اور تھوڑی دیر تک واپس نہ آئے تو سب صحابہؓ آپ کی تلاش میں بھاگ پڑے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں تشریف لے گئے تھے وہ سب کے سب آپ کے پیچھے اٹھ کر چلے گئے اور انہیں اُس وقت ایسی گھبراہٹ اور بے چینی ہوئی کہ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں گھبراہٹ میں مجھے باغ کے اندر جانے کا راستہ بھی نظر نہ آیا اور میں گندے پانی کی نالی میں سے گزر کر اندر داخل ہوا[1] حالانکہ عموماً انہیں کمزور دل سمجھا جاتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ دین کے کام دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو افراد سے تعلق رکھتے ہیں جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ اور دوسرے ایسے احکام جو تمام لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں جیسے جہاد یا مشورہ کے لئے قوم کا جمع ہونا یا کوئی ایسا حکم جو ساری جماعت کی ضروریات کو مدنظر رکھ کر دیا گیا ہو۔ جو کام ساری جماعت سے تعلق رکھتے ہوں افراد سے نہیں ان میں سب کو ایسا پرویا ہوا ہونا چاہئے جیسے تسبیح کے دانے ایک تاگے میں پروئے ہوئے ہوتے ہیں۔ کسی کو ذرا بھی اِدھر اُدھر نہیں ہونا چاہئے۔ اور اگر کوئی ضروری کام کے لئے جانا چاہے تو امام کی اجازت سے جائے۔ اسی حقیقت کو تصویری زبان میں ظاہر کرنے

کے لئے لوگ جب تسبیح کے دانے پروتے ہیں تو تاگے کے دونوں سرے اکٹھے کر کے ایک لمبا دانا پُرو دیتے ہیں اور اسے امام کہتے ہیں۔ درحقیقت اس سے قومی تنظیم کی اہمیت کی طرف ہی اشارہ ہوتا ہے اور یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ جس طرح تسبیح کے دانوں کے لئے ایک امام کی ضرورت ہے اسی طرح تمہیں بھی ہمیشہ ایک امام کے پیچھے چلنا چاہئے ورنہ تمہاری تسبیح وہ نتیجہ پیدا نہیں کر سکے گی جو اجتماعی تسبیح پیدا کیا کرتی ہے لیکن بہت کم ہیں جو اس گر کو سمجھتے ہیں حالانکہ قرآن کریم کہتا ہے کہ وہ شخص مومن ہی نہیں ہوسکتا جو ایسے امور میں جو ساری جماعت سے تعلق رکھتے ہوں اپنی رائے اور منشا کے ماتحت کام کرے اور امام کی کوئی پرواہ نہ کرے۔ مومن کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ اگر کوئی دینی کام ہو تو اجازت لے لے اور اگر کوئی اہم دینوی کام ہو جس کا اثر ساری جماعت پر پڑتا ہو تو امام سے مشورہ لے لے۔ بہر حال امر جامع سے علیحدہ ہونے کیلئے اِستیذ ان ضروری ہوتا ہے۔مگر چونکہ انسان کا امر جامع سے علیحدہ ہونا اس کی شامت اعمال کی وجہ سے ہوگا اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسے اجازت تو دے دو مگر ساتھ ہی دعا کیا کرو کہ خدا تعالیٰ اسے معاف کرے اور اس کی کمزوریوں کو دور کرے۔''

(تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۴۰۶ تا ۴۰۸)

---

[۱] مسلم کتاب الایمان باب الدلیل علی ان من مات علی التوحید صفحہ ۳۷ حدیث نمبر ۱۴۷ مطبوعہ ریاض ۲۰۰۰ء الطبعة الثانیة

عبادالرحمٰن کی صفات کا ذکر

سورۃ الفرقان آیت ۶۴ عبادالرحمٰن کی صفات بیان کرتے ہوئے مذکورہ آیت کی تفسیر میں فرمایا:۔

''یہی کیفیت خلفائے راشدین کے زمانہ میں بھی جاری رہی اور انہوں نے بھی قیصر وکسریٰ سے زیادہ طاقت رکھنے کے باوجود سرکاری اموال کو کبھی بے جا خرچ نہیں کیا بلکہ ایک ایک پیسہ اور ایک ایک پائی کی حفاظت کی اور اگر کسی جگہ انہوں نے روپیہ کا بے جا خرچ دیکھا تو بڑی سختی سے اس کو روکا اور افسروں کو معزول کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب اپنے زمانۂ خلافت میں بیت المقدس تشریف لے گئے تو آپ نے دیکھا کہ بعض صحابہؓ نے ریشمی کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ ریشمی کپڑوں سے مراد وہ کپڑے ہیں جن میں کسی قدر ریشم ہوتا ہے ورنہ خالص ریشم کے کپڑے تو سوائے کسی بیماری کے مردوں کو پہننے ممنوع ہیں۔ آپ ان لوگوں پر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ کیا تم اب ایسے آسائش پسند ہو گئے ہو کہ ریشمی کپڑے پہنتے ہو؟ اس پر ان میں سے ایک شخص نے اپنی قمیض اٹھا کر دکھائی تو معلوم ہوا کہ اس نے نیچے موٹی اون کا سخت کرتا پہنا ہوا تھا۔ اس نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ ہم نے ریشمی کپڑے اس لئے نہیں پہنے کہ ہم ان کو پسند کرتے ہیں بلکہ اس لئے پہنے ہیں کہ اس ملک کے لوگ بچپن سے ایسے امراء دیکھنے کے عادی ہیں جو نہایت شان وشوکت سے رہتے تھے پس ہم نے بھی اپنے لباسوں کو صرف مُلکی سیاست کے طور پر بدلا ہے ورنہ ہم پر اس کا کوئی اثر نہیں۔ صحابہؓ کے اس عمل سے پتہ لگتا ہے کہ انہوں نے اپنے غلبہ کے زمانہ میں بھی کبھی اسراف سے کام نہیں لیا اور اگر کسی مقام پر ان سے کوئی لغزش بھی ہوئی تو خلفاء نے اُن کو ڈانٹا اور اُنہیں نصیحت کی کہ وہ اموال کے خرچ میں افراط وتفریط

سے بچیں اور سادگی اختیار کریں۔‘‘

(تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۵۷۰)

---

[1] تاریخ طبری جلد ۴ صفحہ ۴۳۴ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۷ء

صداقت کی مخالفت ہمیشہ ہوتی چلی آئی ہے

سورۃُ الشعراء آیت ۳۵ تا ۴۱ میں حضرت موسیٰؑ کے وقت جو فرعونِ مصر نے طریقہ اختیار کیا اس کا ذکر کرنے کے بعد حضور فرماتے ہیں:۔

''جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر ہوئے تو آپ نے جو تعلیم دی وہ بنی نوع انسان کو فلاح اور کامیابی کے مقام تک پہنچانے والی تھی مگر آپ کے وطن کے لوگوں نے اس کا انکار کر دیا اور پہلے تو ابوجہل کے پیچھے چلے جو فرعون کا ایک روحانی قائم مقام تھا اور اس کی ہرگندی اور فساد پھیلانے والی تعلیم کو انہوں نے قبول کرلیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ درجہ کی تعلیم کو ردّ کر دیا۔ آپؐ کے بعد بھی یہی ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے تو صحابہ آپ پر ایمان لے آئے مگر سارے عرب نے بغاوت کردی اور انہوں نے وہی طریق اختیار کیا جو ابوجہل اور اس کے ساتھیوں نے اختیار کیا تھا اور اُس وقت کے فراعنہ کے پیچھے چل پڑے۔ اُس وقت کے فرعون مسیلمہ کذاب، اسود عنسی، اور سجاح وغیرہ تھے جنہوں نے جھوٹے طور پر نبوت کا دعویٰ کر دیا اور لوگ ان کے متبع ہو گئے۔ مگر جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا جانشین تھا اور لوگوں کے اندر اسلامی روح پیدا کرنے والا تھا اس کو چھوڑ دیا۔ پھر آپؐ کے بعد حضرت عمرؓ کو خدا تعالیٰ نے خلیفہ بنایا تب بھی یہی ہوا۔ حضرت عمرؓ اپنی وفات کے قریب حج کے لئے گئے تو بعض لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ عمرؓ مر جائیں گے تو ہم فلاں کو خلیفہ بنائیں گے اور کسی کی بیعت نہیں کریں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ماتحت حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو ان کے زمانہ میں بھی عبداللہ بن سبا جیسے لوگوں نے فتنہ کھڑا کر دیا۔ یہ شخص بھی مصری تھا جیسا کہ فرعون مصری تھا اور لوگوں نے اُس کی بات ماننی شروع کر دی۔ اُن کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے تب بھی لوگوں نے یہی طریق اختیار کیا۔ پہلے تو حضرت علیؓ کو خلیفہ

بننے پر مجبور کیا گیا اور پھر ایک چھوٹا سا عذر کر کے کہ معاویہؓ سے صلح کیوں کی انہیں لوگوں نے جنہوں نے آپ کو خلافت کے لئے کھڑا کیا تھا بغاوت کر دی اور خوارج کے نام سے الگ ہو گئے۔ اور انہوں نے دو صدیوں تک اسلام میں وہ تہلکہ مچایا کہ لوگوں کا امن بالکل برباد ہو گیا۔ اسی طرح جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر ایک لمبا عرصہ گزر گیا اور اُمت محمدیہ میں مختلف اولیاء پیدا ہوئے تب بھی یہی ہوا کہ لوگوں نے ان کی نہ سنی بلکہ ان کے دشمن کی سنی جو اپنے وقت کے فرعون تھے اور ان کے پیچھے چل پڑے۔ چنانچہ حضرت معین الدین صاحب چشتیؒ، حضرت قطب الدین صاحب بختیار کاکیؒ، حضرت نظام الدین صاحب اولیاءؒ، اور حضرت خواجہ فرید الدین صاحب گنج شکر وغیرہ کی بھی مخالفت ہوئی۔ حضرت سید احمد صاحب سرہندی آئے تو لوگوں نے جہانگیر کے کان بھرنا شروع کر دیئے کہ یہ شخص حکومت کا باغی ہے اسے جلدی سنبھال لیں ورنہ سخت فتنہ پیدا ہو جائے گا۔ چنانچہ جہانگیر نے انہیں گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا۔ مگر پھر بعض لوگوں نے انہیں سمجھایا کہ یہ بزرگ انسان ہے اسے رہا کر دو چنانچہ اس نے دانائی سے کام لے کر انہیں رہا کر دیا۔ غرض جب سے اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور خلفاء کا سلسلہ جاری ہے صداقت کی ہمیشہ مخالفت ہوتی چلی آئی ہے۔''

(تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۱۳۴)

تم ہمیشہ اپنے آپ کو خلافت سے وابستہ رکھو

سورۃ النمل آیت ۶۵ اَمَّنۡ یَّبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُہٗ کی تفسیر کرتے ہوئے حضور فرماتے ہیں :۔

''اس جگہ بھی مَنۡ یَّبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُہٗ سے طبقات الارض والی پیدائش مراد نہیں کیونکہ طبقات الارض والی پیدائش تو نہ کسی نے دیکھی ہے اور نہ اس کو توحید باری تعالیٰ کی دلیل کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس جگہ پیدائش اولیٰ سے مراد قوموں کو تمکنت بخشنا اور یُعِیۡدُہٗ سے مراد غالب قوموں کے زوال کے بعد اُن میں دوبارہ زندگی اور بیداری کی روح پیدا کرنا ہے۔ گویا بتایا کہ اگر تم قوموں کی ترقی اور ان کے زوال کی تاریخ پر غور کرو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ جب بھی کسی قوم نے ترقی کی ہے تو صرف الٰہی مدد اور تائید سے کی ہے اور جب بھی کوئی قوم اپنے انحطاط کے بعد دوبارہ زندہ ہوئی ہے تو اس کا احیائے ثانیہ بھی الٰہی تدبیروں کے ماتحت ہی ہوا ہے خود بخود نہیں ہوا۔ اس آیت میں قوموں کی ترقی اور غلبہ کے بعد ان کے زوال اور پھر زوال کے بعد ان کے دوبارہ احیاء کا ذکر کر کے مسلمانوں کو بھی نہایت لطیف پیرایہ میں اس امر کی طرف توجہ دلائی گئی تھی کہ تمہیں بھی دنیا پر محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے غلبہ حاصل ہوگا اس لئے کبھی اس ترقی کو اپنے زورِ بازو کا نتیجہ نہ سمجھنا ورنہ تمہاری ساری ترقیات جاتی رہیں گی اور پھر آسمانی تدبیر کے بغیر تمہیں دوبارہ دنیا میں غلبہ میسر نہیں آسکے گا۔ مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اس قیمتی سبق کو فراموش کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قومی طور پر وہ ایسے زوال کا شکار ہوئے کہ اغیار کی نگاہ میں وہ ہنسی کا نشانہ بن کر رہ گئے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انسان دنیا میں پیدا بھی ہوتے ہیں اور مرتے بھی ہیں۔ کوئی

انسان دنیا میں ایسا نہیں ہوا جو ہمیشہ زندہ رہا ہو لیکن اگر قومیں چاہیں تو وہ ہمیشہ زندہ رہ سکتی ہیں۔ یہی امید دلانے کیلئے حضرت مسیحؑ ناصری نے فرمایا کہ:-

''میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے[۱]۔''

یعنی یوں تو ہر انسان کے لئے موت مقدر ہے جس کے نتیجہ میں میں تم سے ایک دن جدا ہو جاؤں گا لیکن اگر تم چاہو اور اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگتے رہو تو تم ابد تک زندہ رہ سکتے ہو۔ پس انسان اگر چاہے بھی تو وہ زندہ نہیں رہ سکتا لیکن قومیں اگر چاہیں تو زندہ رہ سکتی ہیں اور اگر وہ زندہ نہ رہنا چاہیں تو مرجاتی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اسی زندگی کی امید دلاتے ہوئے ''الوصیۃ'' میں تحریر فرمایا کہ:-

''تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے اور اُس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا اور وہ دوسری قدرت آنہیں سکتی جب تک میں نہ جاؤں لیکن میں جب جاؤں گا تو پھر خدا اُس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی[۲]۔''

''ہمیشہ'' کے یہی معنی ہیں کہ جب تک تم چاہو گے قدرتِ ثانیہ تم میں موجود رہے گی اور قدرتِ ثانیہ کی وجہ سے تمہیں دائمی حیات عطا کی جائے گی۔ اس جگہ ''قدرتِ ثانیہ'' سے ایک تو وہ تائیداتِ الٰہیہ مراد ہیں جو مومنوں کے شامل حال ہوا کرتی ہیں اور دوسرے وہ سلسلۂ خلافت مراد ہے جو نورِ نبوت کو ممتد کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ خود قائم فرماتا ہے۔ اگر قوم چاہے اور وہ اپنے آپ کو مستحق بنائے تو تائیداتِ الٰہیہ بھی ہمیشہ اس کے شامل حال رہ سکتی ہیں اور اگر قوم چاہے اور وہ اپنے آپ کو مستحق بنائے تو انعامِ خلافت سے بھی وہ دائمی طور پر متمتع ہو سکتی ہے۔ خرابیاں ہمیشہ ذہنیت کے مسخ ہونے سے پیدا ہوتی ہیں۔ ذہنیت درست رہے تو کوئی وجہ نہیں کہ خدا تعالیٰ کسی قوم کو چھوڑ دے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ واضح طور پر فرماتا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ

حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ [۳] یعنی اللہ تعالیٰ کبھی کسی قوم کے ساتھ اپنے سلوک میں تبدیلی نہیں کرتا جب تک کہ وہ خود اپنے دلوں میں خرابی پیدا نہ کر لے۔ اور یہ ایسی چیز ہے جسے ہر شخص سمجھ سکتا ہے لیکن اتنی سادہ سی بات بھی قومیں فراموش کر دیتی ہیں اور وہ تباہ ہو جاتی ہیں۔ انسان کا مرنا تو ضروری ہے اگر وہ مرجائے تو اس پر کوئی الزام عائد نہیں ہوتا لیکن قوموں کے لئے مرنا ضروری نہیں۔ قومیں اگر چاہیں تو وہ زندہ رہ سکتی ہیں لیکن وہ زندگی کے اصول کو فراموش کر کے ہلاکت کے سامان پیدا کر لیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مسلمانوں کو ایسی تعلیم دی تھی کہ اگر وہ اس پر عمل کرتے تو ہمیشہ زندہ رہتے لیکن قوم نے عمل کرنا چھوڑ دیا اور وہ مرگئی۔

دنیا بار بار یہ سوال کرتی ہے اور میرے سامنے بھی یہ سوال کئی دفعہ پیش ہوا ہے کہ باوجود اس کے کہ خدا تعالیٰ نے صحابہؓ کو ایسی اعلیٰ درجہ کی تعلیم دی تھی جس میں ہر قسم کی سوشل تکالیف اور مشکلات کا علاج تھا اور پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کر کے بھی دکھا دیا وہ تعلیم کہاں گئی؟ اور ۳۳ سال میں ہی وہ کیوں ختم ہوگئی؟ عیسائیوں کے پاس مسلمانوں سے کم درجہ کی خلافت تھی لیکن ان میں اب تک پوپ چلا آرہا ہے لیکن مسلمانوں نے ۳۳ سال کے عرصہ میں ہی خلافت کو ختم کر دیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عیسائیوں میں پوپ کے باغی بھی ہیں لیکن اس کے باوجود اُن کی کثرت ایسی ہے جو پوپ کو مانتی ہے اور انہوں نے اس نظام سے فائدے بھی اٹھائے ہیں لیکن مسلمانوں میں ۳۳ سال تک خلافت رہی اور پھر ختم ہوگئی اس کی وجہ یہی تھی کہ مسلمانوں کی ذہنیت خراب ہوگئی۔ اگر ان کی ذہنیت درست رہتی تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ یہ نعمت ان کے ہاتھ سے چھینی جاتی۔ مجھے یہ حقیقت ایک دفعہ رؤیا☆ میں بھی بتائی گئی تھی۔

میں نے دیکھا کہ پنسل کے لکھے ہوئے کچھ نوٹ ہیں جو کسی مصنف یا مؤرخ کے ہیں اور انگریزی میں لکھے ہوئے ہیں پنسل بھی COPYING یا BLUE رنگ کی ہے۔ نوٹ صاف طور پر نہیں پڑھے جاتے لیکن جو کچھ پڑھا جاتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان نوٹوں میں یہ

☆ (یہ رؤیا ۲۴، ۲۵ر اکتوبر ۱۹۵۳ء کی درمیانی شب کا ہے)

بحث کی گئی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمان اتنی جلدی کیوں خراب ہو گئے باوجود اس کے کہ خدا تعالیٰ کے عظیم الشان احسانات ان پر تھے۔اعلیٰ درجہ کا تمدن اور بہترین اقتصادی تعلیم انہیں دی گئی تھی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کر کے بھی دکھا دیا مگر پھر بھی وہ گر گئے اور ان کی حالت خراب ہو گئی۔ یہ نوٹ انگریزی میں لکھے ہوئے ہیں لیکن عجیب بات یہ ہے کہ جو انگریزی لکھی ہوئی تھی وہ بائیں طرف سے دائیں طرف کو نہیں لکھی ہوئی تھی بلکہ دائیں طرف سے بائیں طرف کو لکھی ہوئی تھی لیکن پھر بھی میں اسے پڑھ رہا تھا اور اس میں سے ایک فقرہ کے الفاظ قریباً یہ تھے کہ

THERE WERE TWO REASONS FOR IT. THEIR TEMPERAMENT BECOMING MORBID AND ANARCHICAL

یعنی وہ خرابی جو مسلمانوں میں پیدا ہوئی ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کی طبائع میں دو قسم کے نقائص پیدا ہو گئے تھے۔ایک یہ کہ وہ ماربڈ (MORBID) ہو گئے تھے یعنی اَنْ نیچرل (UN-NATURAL) اور ناخوشگوار ہو گئے تھے اور دوسرے ان کی ٹنڈنسیز (TENDENCIES) انارکیکل(ANARCHICAL) ہو گئی تھیں۔یعنی ان میں فساد اور بغاوت کی روح پیدا ہو گئی تھی۔ میں نے سوچا کہ واقعہ میں یہ دونوں باتیں صحیح ہیں۔ان کا ماربڈ(MORBID) ہونا تو اس سے ظاہر ہے کہ انہیں جو بھی ترقیات ملیں وہ اسلام کی وجہ سے ملی تھیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ملی تھیں ان کی ذاتی خوبی یا کمال کا ان میں کوئی دخل نہیں تھا مگر انہوں نے ان ترقیات کو اپنی ذاتی قابلیتوں کا نتیجہ سمجھنا شروع کر دیا۔ حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مکہ والوں کی جو کچھ حالت تھی اُس کا اندازہ صرف اِسی بات سے ہو سکتا ہے کہ لوگ اُن کا صرف مجاور سمجھ کر ادب کرتے تھے ورنہ ذاتی طور پر ان میں کوئی ایسی خوبی نہیں تھی جس کی وجہ سے لوگ ان کی عزت کرنے پر مجبور ہوتے۔اسی طرح جب وہ غیر قوموں میں جاتے تو وہ بھی ان کا مجاور سمجھ کر ہی اعزاز کرتیں یا زیادہ سے زیادہ تاجر سمجھ کر ادب کرتی تھیں۔ وہ انہیں کوئی حکومت قرار نہیں دیتی تھیں اور پھر ان کی حیثیت اتنی کم سمجھی جاتی تھی کہ دوسری حکومتیں یہ سمجھتی تھیں کہ ہم جب چاہیں ان کو کچل سکتی ہیں۔ جیسے

یمن کے گورنر نے بیت اللہ کو گرانے کے لئے حملہ کر دیا جس کا قرآن کریم نے اصحابُ الفیل کے نام سے ذکر کیا ہے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ نبوت فرمایا تو تیرہ سال تک تو صرف تھوڑے سے آدمی آپؐ پر ایمان لائے مگر ہجرت کے آٹھویں سال بعد سارا عرب ایک نظام کے ماتحت آ گیا اور اسلام کو ایسی طاقت اور قوت حاصل ہوگئی کہ بڑی بڑی حکومتیں اس سے ڈرنے لگیں۔ اُس وقت دنیا حکومت کے لحاظ سے دو بڑے حصوں میں منقسم تھی۔ اوّل رومی حکومت دوم ایرانی سلطنت۔ رومی سلطنت کے ماتحت تمام مشرقی یورپ، ٹرکی، ایپے سینیا، یونان، مصر، شام اور اناطولیہ تھا۔ اور ایرانی سلطنت کے ماتحت عراق، ایران، رشین ٹری ٹوری کے بہت سے علاقے افغانستان، ہندوستان کے بعض علاقے اور چین کے بعض علاقے تھے۔ ان دونوں حکومتوں کے سامنے عرب کی کوئی حیثیت ہی نہیں تھی لیکن ہجرت کے آٹھویں سال بعد سارا عرب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہو گیا۔ اس کے بعد جب سرحدات پر عیسائی قبائل کی شرارت کی آپؐ کو خبریں ملنی شروع ہوئیں تو پہلے تو آپؐ خود وہاں تشریف لے گئے اور جب آپؐ کو معلوم ہوا کہ کوئی شامی لشکر اِس وقت جمع نہیں ہو رہا تو آپ بعض قبائل سے معاہدات کر کے بغیر کسی لڑائی کے واپس آ گئے۔ لیکن تھوڑے عرصہ بعد ہی قبائل نے پھر شرارت شروع کی تو آپؐ نے ان کی سرکوبی کے لئے حضرت اسامہ بن زیدؓ کی سرکردگی میں ایک لشکر تیار کیا۔ اس لشکر نے بہت سے قبائل کو سرزنش کی اور بہتوں کو معاہدہ سے تابع کیا۔ پھر آپ کی وفات کے بعد اڑھائی سال کے عرصہ میں ہی یہ حکومت عرب سے نکل کر دوسرے علاقوں میں بھی پھیلنی شروع ہوئی۔ فتح مکہ کے پانچ سال کے بعد ایرانی حکومت پر حملہ ہو گیا تھا اور اس کے بعض علاقوں پر قبضہ بھی کر لیا گیا تھا اور چند سالوں میں رومی سلطنت اور دوسری سب حکومتیں تباہ ہو چکی تھیں۔ اتنی بڑی فتح اور اتنے عظیم الشان تغیر کی مثال دنیا کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ تاریخ میں صرف نپولین کی ایک مثال ملتی ہے لیکن اس کے مقابلہ میں کوئی ایسی طاقت نہیں تھی جو تعداد اور طاقت میں اس سے زیادہ ہو۔ جرمن کا ملک اُس وقت چودہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم تھا اور اس طرح اس کی تمام طاقت منتشر تھی۔ چنانچہ ایک مشہور امریکن پریذیڈنٹ سے کسی نے پوچھا

کہ جرمن کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا ایک شیر ہے دو تین لومڑ ہیں اور کچھ چوہے ہیں۔ شیر سے مراد رشیا تھا لومڑ سے مراد دوسری حکومتیں تھیں اور چوہوں سے مراد جرمن تھے۔ گویا جرمن اُس وقت ٹکڑے ٹکڑے تھا روس ایک بڑی طاقت تھی مگر وہ روس کے ساتھ ٹکرایا اور وہاں سے ناکام واپس لوٹا۔ اسی طرح انگلستان کو بھی فتح نہ کر سکا اور انجام اس کا یہ ہوا کہ وہ قید ہو گیا۔

پھر دوسرا بڑا شخص ہٹلر ہوا بلکہ دو بڑے آدمی دو ملکوں میں پیدا ہوئے یعنی ہٹلر اور مسولینی۔ دونوں نے بیشک ترقیات حاصل کیں لیکن دونوں کا انجام شکست ہوا۔ مسلمانوں میں سے جس نے یکدم بڑی حکومت حاصل کی وہ تیمور تھا اس کی بھی یہی حالت تھی وہ بیشک دنیا کے کناروں تک گیا لیکن وہ اپنے اس مقصد کو کہ ساری دنیا فتح کر لے حاصل نہ کر سکا۔ مثلاً وہ چین کو تابع کرنا چاہتا تھا لیکن تابع نہ کر سکا اور جب وہ مرنے لگا تو اُس نے کہا میرے سامنے انسانوں کی ہڈیوں کے ڈھیر ہیں جو مجھے ملامت کر رہے ہیں۔ پس صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی آدم سے لے کر اب تک ایسے گزرے ہیں جنہوں نے فردِ واحد سے ترقی کی اور تھوڑے عرصہ میں ہی سارے عرب کو تابع فرمان کر لیا۔ اور آپ کی وفات کے بعد آپؐ کے ایک خلیفہ نے ایک بہت بڑی حکومت کو توڑ دیا اور باقی علاقے آپ کے دوسرے خلیفہ نے فتح کر لئے۔ یہ تغیر جو واقع ہوا محض خدائی نصرت کا نتیجہ تھا کسی انسان کا کام نہیں تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو آپ کے بعد حضرت ابو بکرؓ خلیفہ ہوئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر مکہ میں پہنچی تو ایک مجلس میں حضرت ابو بکرؓ کے والد ابو قحافہؓ بھی بیٹھے ہوئے تھے جب پیغامبر نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں تو سب لوگوں پر غم واندوہ کی کیفیت طاری ہو گئی اور سب نے یہی سمجھا کہ اب ملکی حالات کے ماتحت اسلام پراگندہ ہو جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے کہا اب کیا ہوگا؟ پیغامبر نے کہا آپ کی وفات کے بعد حکومت قائم ہو گئی ہے اور ایک شخص کو خلیفہ بنا لیا گیا ہے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ کون خلیفہ مقرر ہوا ہے؟ پیغامبر نے کہا ابو بکرؓ۔ ابو قحافہ نے حیران ہو کر پوچھا کون ابو بکر؟ کیونکہ وہ اپنے خاندان کی حیثیت کو خوب سمجھتے تھے اور اس حیثیت کے لحاظ سے وہ

خیال بھی نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے بیٹے کو سارا عرب بادشاہ تسلیم کرلے گا۔ پیغامبر نے کہا ابوبکر جو فلاں قبیلہ میں سے ہیں۔ ابوقحافہ نے کہا کس خاندان میں سے ہے؟ پیغامبر نے کہا فلاں خاندان میں سے۔ اس پر ابوقحافہ نے دوبارہ دریافت کیا وہ کس کا بیٹا ہے؟ پیغامبر نے کہا ابوقحافہ کا بیٹا۔ اس پر ابوقحافہ نے کہا **لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ** اور پھر کہا آج مجھے یقین ہو گیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی تھے۔ ابوقحافہؓ پہلے صرف نام ہی کے مسلمان تھے لیکن اس واقعہ کے بعد انہوں نے سچے دل سے سمجھ لیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعویٰ میں راستباز تھے کیونکہ ابوبکرؓ کی خاندانی حیثیت ایسی نہ تھی کہ سارے عرب آپ کو مان لیتے۔ پس یہ الٰہی دَین تھی۔ بعد میں مسلمانوں کی ذہنیت ایسی بگڑی کہ انہوں نے یہ سمجھنا شروع کیا کہ یہ فتوحات ہم نے اپنی طاقت سے حاصل کی ہیں۔ کسی نے کہنا شروع کر دیا کہ عرب کی اصل طاقت بنوامیہ ہیں اس لئے خلافت کا حق ان کا ہے۔ کسی نے کہا بنو ہاشم عرب کی اصل طاقت ہیں۔ کسی نے کہا بنو مطلب عرب کی اصل طاقت ہیں۔ کسی نے کہا خلافت کے زیادہ حقدار انصار ہیں جنہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھروں میں جگہ دی۔ گویا تھوڑے ہی سالوں میں مسلمان ماربڈ (MORBID) ہو گئے اور اُن کے دماغ بگڑ گئے۔ اُن میں سے ہر قبیلہ نے یہ کوشش شروع کر دی کہ وہ خلافت کو بزور حاصل کرلے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت ختم ہو گئی۔

پھر مسلمانوں کے بگڑنے کا دوسرا سبب انارکی (ANARCHI) ہے۔ اسلام نے سب میں مساوات کی روح پیدا کی لیکن مسلمانوں نے یہ نہ سمجھا کہ مساوات پیدا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ایک آرگنائزیشن ہو اس کے بغیر مساوات قائم نہیں رہ سکتی۔ اسلام آیا ہی اسی لئے تھا کہ وہ ایک آرگنائزیشن اور ڈسپلن قائم کرے اور ڈسپلن بھی ایسا ہو جو ظالمانہ نہ ہو لیکن چند ہی سال میں مسلمانوں میں یہ خیال پیدا ہونا شروع ہو گیا کہ خزانے ہمارے ہیں اور اگر حکام نے ان کے راستہ میں روک ڈالی تو انہوں نے انہیں مارنا اور قتل کرنا شروع کر دیا۔ یہ وہ روح تھی جس نے مسلمانوں کو خراب کیا۔ انہیں یہ سمجھنا چاہئے تھا کہ یہ حکومت الٰہیہ ہے اور اسے خدا تعالیٰ نے قائم کیا ہے۔ پس اسے خدا تعالیٰ کے ہی ہاتھ میں رہنے دیا جائے تو بہتر

ہے۔ اللہ تعالیٰ سورہ نور میں صاف طور پر فرماتا ہے کہ خلیفے ہم بنائیں گے لیکن مسلمانوں نے یہ سمجھ لیا کہ خلیفے ہم نے بنائے ہیں اور جب انہوں نے یہ سمجھا کہ خلیفے ہم نے بنائے ہیں تو خدا تعالیٰ نے کہا اچھا اگر خلیفے تم نے بنائے ہیں تو اب تم ہی بناؤ۔ چنانچہ ایک وقت تک تو وہ پہلوں کا مارا ہوا شکار یعنی حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا مارا ہوا شکار کھاتے رہے لیکن مرا ہوا شکار ہمیشہ کام نہیں دیتا۔ زندہ بکرا یا زندہ بکری یا زندہ مرغا مرغی تو تمہیں ہمیشہ گوشت اور انڈے کھلائیں گے لیکن ذبح کی ہوئی مرغی یا بکری زیادہ دیر تک نہیں جا سکتی کچھ وقت کے بعد خراب ہو جائے گی۔ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں مسلمان شکار کا تازہ گوشت کھاتے تھے لیکن جب انہوں نے اپنی زندگی کی روح کو ختم کر دیا تو تازہ شکار کی بجائے اپنے باپ دادا کا مارا ہوا شکار انہوں نے کھانا شروع کر دیا۔ مگر یہ شکار کب تک کام دے سکتا تھا۔ ایک ذبح شدہ بکری میں اگر بیس پچیس سیر گوشت بھی ہو تو آخر وہ ختم ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ان کا مارا ہوا شکار بھی ختم ہو گیا اور پھر ان کا وہی حال ہوا کہ

''ہتھ پرانے کھوسڑے بسنتے ہوری آئے''

وہ ہر جگہ ذلیل ہونا شروع ہوئے انہیں ماریں پڑیں اور ان کی تمام شان وشوکت جاتی رہی۔ عیسائیوں نے تو اپنی مردہ خلافت کو آج تک سنبھالا ہوا ہے لیکن انہوں نے اپنی زندہ خلافت کو اپنے ہاتھوں زمین میں گاڑ دیا جو محض نفسانی خواہشات، دنیوی ترقیات کی تمنا اور وقتی جوشوں کا نتیجہ تھا۔ اب چونکہ خدا تعالیٰ نے پھر اپنے فضل سے مسلمانوں کو دوبارہ زندہ کرنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ جماعت احمدیہ میں خلافت قائم کی ہے اس لئے میں اپنی جماعت سے کہتا ہوں کہ تمہارا کام یہ ہے کہ تم ہمیشہ اپنے آپ کو خلافت سے وابستہ رکھو اور خلافت کے قیام کے لئے قربانیاں کرتے چلے جاؤ۔ اگر تم ایسا کرو گے تو خلافت تم میں ہمیشہ رہے گی خلافت تمہارے ہاتھ میں خدا تعالیٰ نے دی ہی اسی لئے ہے تا وہ کہہ سکے کہ میں نے اسے تمہارے ہاتھ میں دیا تھا اگر تم چاہتے تو یہ چیز تم میں قائم رہتی اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اسے الہامی طور پر بھی قائم کر سکتا تھا مگر اُس نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس نے یہ

کہا کہ اگر تم لوگ خلافت کو قائم رکھنا چاہو گے تو میں بھی اسے قائم رکھوں گا گویا اس نے تمہارے منہ سے کہلوانا ہے کہ تم خلافت چاہتے ہو یا نہیں چاہتے۔اب اگر تم اپنا منہ بند کرلو یا خلافت کے انتخاب میں اہلیت مدنظر نہ رکھو تو تم اس نعمت کو کھو بیٹھو گے۔پس مسلمانوں کی تباہی کے اسباب پر غور کرو اور اپنے آپ کو موت کا شکار ہونے سے بچاؤ۔تمہاری عقلیں تیز ہونی چاہئیں اور تمہارے حوصلے بلند ہونے چاہئیں۔تم وہ چٹان نہ بنو جو دریا کے رُخ کو پھیر دیتی ہے بلکہ تمہارا کام یہ ہے کہ تم وہ چینل (CHANNEL) بن جاؤ جو پانی کو آسانی سے گزارتی ہے۔تم ایک ٹنل ہو جس کا کام یہ ہے کہ وہ فیضانِ الٰہی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ حاصل ہوا ہے اُسے آگے چلاتے چلے جاؤ۔اگر تم ایسا کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے تو تم ایک ایسی قوم بن جاؤ گے جو کبھی نہیں مرے گی اور اگر تم اس فیضانِ الٰہی کے راستہ میں روک بن گئے ،اس کے راستہ میں پتھر بن کر کھڑے ہو گئے تو وہ تمہاری قوم کی تباہی کا وقت ہوگا۔ پھر تمہاری عمر کبھی لمبی نہیں ہوگی اور تم اسی طرح مر جاؤ گے جس طرح پہلی قومیں مریں۔''

(تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۴۲۵ تا ۴۳۰)

۱؎ یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۶ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۲۲ء

۲؎ الوصیت صفحہ ۷، روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۰۵

۳؎ الرعد: ۱۲

اُمتِ محمدیہ پر ضحٰی کا وقت
مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى کے تحت آئے گا

سورۃ الضحیٰ آیت ۱ تا ۳ کے سات معنی بیان کرنے کے بعد مزید تفسیر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا:۔

''دنیا میں ہر قوم پر ترقی اور تنزل کے مختلف دور آتے ہیں کبھی اقبال اور فتح مندی اس کے شامل حال ہوتی ہے اور کبھی ادبار اور ناکامی کی گھٹائیں اُس پر چھائی ہوتی ہیں۔ بالعموم قومیں ترقی کر کے جب تنزل کی طرف جاتیں ہیں تو ہمیشہ کیلئے تباہ اور برباد ہو جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جو زمانۂ نبوت ہے یعنی آپ کے دعویٰ سے لے کر قیامت تک کا زمانہ یہ دَورِ تنزل سے بالکل محفوظ رہے گا۔ ضحیٰ کی روشنی یکساں جلوہ گر رہے گی کبھی لوگ خدا سے دور نہیں ہوں گے اور ادبار یا گمراہی کا زمانہ اُمتِ محمدیہؐ پر نہیں آئے گا بلکہ ہم مانتے ہیں کہ ضحیٰ کی حالتیں بھی اُمتِ محمدیہ پر آئیں گی اور وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى[1] کی حالت بھی رونما ہوگی لیکن اس کے ساتھ ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قومی حیات کے متعلق ہم ایک وعدہ کرتے ہیں جو دنیا کی اور کسی قوم کے ساتھ ہم نے نہیں کیا کہ اس کی ضحیٰ بھی مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى[2] کے ماتحت ہوگی اور اس کی لیل بھی مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى کا ثبوت ہوگی۔

جہاں تک ماننے والوں کا تعلق ہے بے شک ان کی مختلف حالتوں کے لحاظ سے کبھی ان پر ضحیٰ کی گھڑیاں آئیں گی اور کبھی لیل کی تاریکی ان پر چھا جائے گی۔ مگر جہاں تک شریعت محمدیہ کا اور لوگوں کے خدا تعالیٰ سے تعلق کا تسلسل ہے اس کے لحاظ سے کوئی دَور ایسا نہیں ہوگا جو

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى کے ماتحت نہ ہو۔قوم پر بے شک تنزل آجائے گا،لوگ بے شک گر جائیں گے، کامیابی اور اقبال کی درخشندہ ساعات بے شک لیل کی شکل میں بدل جائیں گی مگر جتنا حصہ محمدیت کا زندہ رہنا ضروری ہے وہ خدا تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی معیت کے ماتحت قائم رہے گا۔اس میں درحقیقت اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جہاں دوسری اقوام خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر ترقی کر جاتی ہیں وہاں تیری قوم سے ایسا نہیں ہوگا بلکہ تیری قوم پر جب بھی ضحیٰ کا دَور آئے گا مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ کے ماتحت آئے گا۔ خدا تعالیٰ سے الگ ہو کر دوسری قوموں کی طرح مسلمان کبھی بڑی ترقی نہیں کر سکتے ۔ چنانچہ دیکھ لو وہ تمام دوسری اقوام جن میں اللہ تعالیٰ کے انبیاء مبعوث ہوئے تھے جب ان پر روحانی تنزل کا زمانہ آیا تو وہ باوجود اس کے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کو چھوڑا ہوا تھا وہ دُنیوی لحاظ سے ترقی کر گئیں مگر فرماتا ہے تیری قوم سے ایسا نہیں ہوگا بلکہ اُس پر جب بھی ضحیٰ کا وقت آئے گا مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى کے ماتحت آئے گا اور جب کبھی اللہ تعالیٰ ان کو دُنیوی ترقی نصیب کرے گا اس کے ساتھ ہی ان کا دین بھی درست ہوگا۔ یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ اُن پر ضحیٰ کا وقت ایسی حالت میں آجائے جب خدا تعالیٰ نے ان کو چھوڑا ہوا ہو یا ان کی دینی اور اخلاقی حالت ناگفتہ بہ ہو۔عیسائیوں کو دیکھ لو ان پر دُنیوی ترقی کا دَور بے شک آیا مگر کس وقت؟ جب عملی لحاظ سے عیسائیت بالکل مر چکی تھی۔ تین سو سال کے بعد جب عیسائی روحانی لحاظ سے سخت کمزور ہو چکے تھے اور ان میں حضرت مسیحؑ کی تعلیم کے خلاف کئی قسم کی خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں اُس وقت اُن پر دُنیوی ضحیٰ کا زمانہ آیا مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! تیری اُمت کے ساتھ ایسا نہیں ہوگا۔ مسلمانوں پر ضحیٰ کا وقت اُسی وقت آئے گا جب خدا تعالیٰ سے ان کا تعلق ہوگا۔ اگر خدا تعالیٰ سے ان کا تعلق اپنی بداعمالی کی وجہ سے کٹ چکا ہوگا تو ضحیٰ کا دور بھی ان پر کبھی نہیں آئے گا۔ ضحیٰ کا دَور اُسی وقت آئے گا جب عملی طور پر وہ خدا سے تعلق رکھ رہے ہوں گے۔ چنانچہ دیکھ لو خلافت راشدہ کا زمانہ جو اسلام کی ترقی کا زمانہ تھا اُس وقت یہ دونوں باتیں موجود تھیں ایک طرف روحانیت کا غلبہ موجود تھا اور دوسری طرف دُنیوی ضحیٰ کا دَور جاری تھا۔“ (تفسیر کبیر جلد ۹ صفحہ ۸۴، ۸۵)

---

[۱] الضحیٰ: ۳ [۲] الضّحیٰ: ۴

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہمیشہ یہ قانون جاری رہے گا کہ ان کی آخرۃ اُولیٰ سے بہتر ہوگی

سورۃ الضحیٰ آیت نمبر ۵ وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی کی تفسیر کرتے ہوئے حضور فرماتے ہیں:۔

''ممکن ہے کوئی کہے کہ مکہ تو آپؐ کے ہاتھوں پر فتح ہوا تھا مگر عراق اور مصر وغیرہ تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد فتح ہوئے ہیں اس لئے شاید غلطی سے یہ نام لے لئے گئے ہیں مگر میں نے غلطی نہیں کی میں نے دیدہ و دانستہ شام اور عراق اور مصر وغیرہ کا نام لیا ہے۔ اسی طرح ممکن ہے کہ کوئی کہے کہ اگر وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی کے ثبوت میں عراق اور مصر وغیرہ کی فتوحات کو پیش کیا جا سکتا ہے تو پھر اس بات کا کیا جواب ہے کہ ان فتوحات کے بعد اسلام کا تنزل شروع ہوگیا اور آخرۃ اُولیٰ سے بہتر نہ رہی۔ میں اس کو بھی درست سمجھتا ہوں اور اُس کو بھی درست سمجھتا ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا تھا وہ یہ تھا کہ وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہمیشہ یہ قانون رہے گا کہ ان کی آخرۃ اُولیٰ سے بہتر ہوگی۔ جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود رہے اسلام بڑھتا رہا اور جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں نے چھوڑ دیا اسلام کا تنزل شروع ہوگیا۔ عراق اور شام اور مصر مسلمانوں کو اس لئے ملے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں موجود تھے۔ بیشک جسمانی اعتبار سے آپؐ وفات پا چکے تھے مگر روحانی اعتبار سے آپؐ کا وجود اُمت میں موجود تھا۔ اور گو جسد عنصری کے ساتھ آپ دنیا میں زندہ نہیں تھے مگر ابوبکرؓ کے دل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

زندہ موجود تھے، عمرؓ کے دل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ موجود تھے، عثمانؓ کے دل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ موجود تھے، علیؓ کے دل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ موجود تھے یہی وجہ تھی کہ فتوحات پر فتوحات ہوتی چلی گئیں۔''

(تفسیر کبیر جلد ۹ صفحہ ۸۸)

حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں فتوحات اور آپ کا خدا کے حضور عجز وانکسار

سورۃ العلق کا شانِ نزول اور وحی کی ابتداء کے بارے میں بیان کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا:۔

''تاریخ اسلام میں اس کی ایک موٹی مثال موجود ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے آٹھ سالہ عرصہ میں دنیا کی کایا پلٹ دیتے ہیں، روم اور ایران کو شکست دے دیتے ہیں، عرب کی سرحدوں پر اسلامی فوجیں بھجوا کر اسے ہر قسم کے خطرات سے محفوظ کر دیتے ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کے لئے وہ کام کرتے ہیں جو قیامت تک ایک زندہ یادگار کی حیثیت میں قائم رہنے والا ہے مگر جب آپ روم کو شکست دے دیتے ہیں، جب ایران کو شکست دے دیتے ہیں، جب یہ دو زبردست ایمپائر اسلامی فوجوں کے متواتر حملوں سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہیں، جب عمرؓ کا نام ساری دنیا میں گونجنے لگتا ہے، جب دشمن سے دشمن بھی یہ تسلیم کرتا ہے کہ عمرؓ نے بہت بڑا کام کیا اُس وقت خود عمرؓ کی کیا حالت تھی۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ جب آپ وفات پانے لگے تو اُس وقت آپ کی زبان پر بار بار یہ الفاظ آتے تھے کہ رَبِّ لَا عَلَیَّ وَلَا لِیَ[1] اے میرے رب! میں سخت کمزور اور خطا کار ہوں میں نہیں جانتا مجھ سے اپنے کام کے دوران کیا کیا غلطیاں سرزد ہو چکی ہیں۔ الٰہی! میں اپنی غلطیوں پر نادم ہوں میں اپنی خطاؤں پر شرمندہ ہوں اور میں اپنے آپ کو کسی انعام کا مستحق نہیں سمجھتا صرف اتنی التجا کرتا ہوں کہ تو اپنے عذاب سے مجھے محفوظ رکھ۔

غور کرو اور سوچو کہ ان الفاظ سے حضرت عمرؓ کی کتنی بلند شان ظاہر ہوتی ہے۔ آپ کے

سپرد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کام کیا گیا اور آپ نے اُس کو ایسی عمدگی سے سرانجام دیا کہ یورپ کے شدید سے شدید دشمن بھی اس کام کی اہمیت کا اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکے۔ مگر چونکہ آپ کے دل پر خدا کا خوف طاری تھا آپ نے سمجھا کہ بیشک میں نے کام کیا ہے مگر ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ کام چاہتا ہو اور میں جس کام کو اپنی خوبی سمجھتا ہوں وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں خوبی نہ ہو اس لئے باوجود اتنا بڑا کام کرنے کے وفات کے وقت آپ تڑپتے تھے اور بار بار آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہوتے تھے رَبِّ لَا عَلَیَّ وَلَا لِیْ خدایا! میں تجھ سے کسی انعام کا طالب نہیں صرف اتنی درخواست کرتا ہوں کہ تو مجھے اپنی سزا سے محفوظ رکھ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ میں نے کوئی کام نہیں کیا مجھے خدمت کا حق جس رنگ میں ادا کرنا چاہئے تھا اُس رنگ میں ادا نہیں کیا۔''

(تفسیر کبیر جلد ۹ صفحہ ۲۳۱)

۱؎ بخاری کتاب الاحکام باب الاستخلاف صفحہ ۱۲۴۳ حدیث نمبر ۷۲۱۸ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانية

مَطْلَعِ الْفَجْرِ سے مراد

سورۃُ القدر کی آیت سَلٰمٌ ﺔ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ کی تفسیر کرتے ہوئے حضور فرماتے ہیں:۔

''یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مَطْلَعِ الْفَجْرِ[1] سے کیا مراد ہے؟ سو یاد رکھنا چاہئے کہ مَطْلَعِ الْفَجْرِ سے مراد وہ وقت ہے جب اسلام کو غلبہ حاصل ہو جائے اور یہ غلبہ ہمیشہ نبی کی وفات کے وقت ہوتا ہے۔ اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ''الوصیت'' میں تحریر فرمایا ہے کہ اے عزیزو! جبکہ قدیم سے سنت اللہ یہی ہے خدا تعالیٰ کی ہمیشہ سے یہ سنت چلی آتی ہے کہ وہ اپنی دو قدرتیں دکھلاتا ہے تا کہ دشمنوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کرے۔[2] ایک قدرت تو وہ ہوتی ہے جس کا نبی کے ذریعہ اظہار ہوتا ہے جب وہ اس راستبازی کا بیج بو دیتا ہے جس کو وہ دنیا میں پھیلانا چاہتا ہے۔ اور دوسری قدرت وہ ہوتی ہے جس کا اُس کے خلفاء کے ذریعہ تکمیل کے رنگ میں اظہار ہوتا ہے۔

پس یہاں مَطْلَعِ الْفَجْرِ سے نبی کی وفات کا زمانہ مراد ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ تمہاری تمام سلامتی اس بات میں ہے کہ تم اس رات کی عظمت کو پہچانو اور وہ قربانیاں کرو جن کا اِس وقت تم سے مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ جب فجر کا طلوع ہوگیا اور نبوت کا زمانہ ختم ہوگیا اُس وقت آسمان کی نعمتیں آسمان پر رہ جائیں گی اور زمین اُن برکات سے حصہ نہیں لے سکے گی جن سے اِس وقت حصہ لے رہی ہے......

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو ظاہری رنگ میں غلبہ دینا شروع کر دیا یہاں تک کہ اسلام کو ایسی طاقت حاصل ہوگئی کہ ابو بکرؓ کی آواز جب قیصر سنتا تو وہ اُس کو رَدّ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ حالت تھی کہ آپ کا خط جب اس کے پاس گیا تو گو اس پر اثر بھی ہوا مگر پھر اپنی

قوم سے ڈر گیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ماننے کے لئے تیار نہ ہوا۔ حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا تو آپ کو حضرت ابوبکرؓ سے بھی زیادہ رُعب حاصل ہوا۔ قیصر صرف ان کی بات سنتا نہیں تھا بلکہ ساتھ ڈرتا بھی تھا کہ اگر میں نے اس کے مطابق عمل نہ کیا تو میرے لئے اچھا نہیں ہوگا اور کسریٰ تو اُس وقت تک بالکل تباہ ہو چکا تھا۔ حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا تو ان کو بھی ایسا دبدبہ اور رُعب حاصل ہوا کہ چاروں طرف ان کا نام گونجتا تھا اور ہر شخص سمجھتا تھا کہ مجھے امیر المومنین کے حکم کی اطاعت کرنی چاہئے۔ اب جہاں تک دُنیوی اعزاز کا سوال ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ عزت حاصل نہیں ہوئی جو ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ کو حاصل ہوئی مگر پھر بھی یہ لوگ روحانی دنیا کے نجوم تھے شمس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔"

(تفسیر کبیر جلد ۹ صفحہ ۳۳۸ تا ۳۴۰)

۱؎ القدر: ٦

۲؎ الوصیت روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۰۵ کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن ۲۰۰۸ء

خلفائے اربعہ حقوق العباد کے ادا کرنے کی ایک بے نظیر مثال تھے

سورۃ البَیِّنَۃُ کی آیت وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ[1] کی تفسیر کرتے ہوئے حضور فرماتے ہیں:۔

''خلفائے اربعہ حقوق العباد کے ادا کرنے کی ایک بے نظیر مثال گزرے ہیں۔ایک طرف خدا تعالیٰ کو انہوں نے مضبوطی سے پکڑے رکھا اور دوسری طرف بندوں کے حقوق بھی خوب ادا کئے ایسے کہ اس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ وہ بادشاہ نہ تھے پریذیڈنٹ تھے مگر پہلا سوال تو یہ ہے کہ انہیں پریذیڈنٹ بننے پر مجبور کس نے کیا؟ آخر یہ عہدہ اُن کو اسلام نے ہی دیا اور اس عہدہ کی حیثیت کو انہوں نے اسلامی احکام کے ماتحت ہی قائم رکھا مگر یہ بات بھی تو نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ خواہ انہیں پریذیڈنٹ ہی قرار دیا جائے مگر اُن کا انتخاب ساری عمر کے لئے ہوتا تھا نہ کہ تین یا چار سال کے لئے۔جیسا کہ ڈیما کریسی کے پریذیڈنٹوں کا آجکل انتخاب ہوتا ہے۔یقیناً اگر ان کو صرف جمہوریت کا ہی عہدہ دیا جائے تو بھی یہ بات علم النفس کے ماتحت اور سیاسی اصول کے ماتحت ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ تین چار سال کے لئے چنے جانے والے صدر اور ساری عمر کے لئے چنے جانے والے صدر میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔تین چار سال کیلئے چنے جانے والے صدر کے سامنے وہ دن ہوتے ہیں جب وہ اس عہدہ سے الگ کر دیا جائے گا اور پھر ایک معمولی حیثیت کا انسان بن جائے گا لیکن ساری عمر کے لئے چنا جانے والا صدر جانتا ہے کہ اب اس مقام سے اُترنے کا کوئی امکان نہیں اور اس کے اہل ملک بھی جانتے ہیں کہ اس حیثیت کے سوا اور کسی

حیثیت میں اب وہ ان کے سامنے نہیں آئے گا۔ پس جس شان وشوکت کا وہ مستحق سمجھا جاتا ہے اس شان وشوکت کا مستحق تین سالہ یا چار سالہ صدر نہیں سمجھا جا سکتا۔ مگر اس ڈیما کریسی اور جمہوریت کے زمانہ میں سہ سالہ اور چار سالہ میعاد کے لئے چنے جانے والے صدروں کی زندگیوں کو دیکھ لو ملک کا کتنا روپیہ ان پر صرف ہوتا ہے۔ صدر جمہوریت امریکہ پر ہر سال جو روپیہ خرچ ہوتا ہے انگلستان کے بادشاہ پر بھی اتنا خرچ نہیں ہوتا۔ مگر اس کے مقابل میں خلفائے اربعہ کس طرح پبلک کے روپیہ کی حفاظت کرتے تھے وہ ایک ایسا تاریخی امر ہے کہ اپنے اور بیگانے اس سے واقف ہیں صرف نہایت ہی قلیل رقوم انہیں گزارے کے لئے ملتی تھیں اور خود اپنی جائیدادوں کو بھی وہ بنی نوع انسان کے لئے خرچ کرتے رہتے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اُن خلفاء میں سے ہیں جن پر اپنوں اور بیگانوں نے بہت سے اعتراضات کئے ہیں۔ جب ان کی عمر کے آخری حصہ میں کچھ لوگوں نے بغاوت کی اور ان کے خلاف کئی قسم کے اعتراضات کئے تو ان میں سے ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ انہوں نے بہت سے روپے فلاں فلاں اشخاص کو دیئے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کا یہ جواب دیا کہ اسلام کے خزانہ پر سب ہی مسلمانوں کا حق ہے اگر میں قومی خزانہ سے ان لوگوں کو دیتا تو بھی کوئی اعتراض کی بات نہ تھی مگر تم قومی رجسٹروں کو دیکھ لو میں نے ان کو قومی خزانہ سے روپیہ نہیں دیا بلکہ اپنی ذاتی جائیداد میں سے دیا ہے گویا ان کی ذاتی جائیداد قومی خزانہ کے لئے ایک منبع آمد تھی۔ پس ان لوگوں نے اپنے غلبہ اور استعلاء کو محض خدا تعالیٰ کے لئے خرچ کیا نہ کہ اپنی شان بڑھانے کے لئے۔ اور یہی وہ چیز ہے جو قوموں کو دوام بخشتی ہے۔ اگر مسلمان اس تعلیم پر عمل کرتے تو کبھی زوال کا منہ نہ دیکھتے''۔

(تفسیر کبیر جلد ۹ صفحہ ۳۷۶، ۳۷۷)

ا البینہ: ٦

نظامِ خلافت کے بغیر حکومتِ الٰہیہ دنیا میں قائم نہیں ہوسکتی

سورۃ الماعون آیت ۲ اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ کی تفسیر کرتے ہوئے حضور فرماتے ہیں:۔

''حکومت الٰہیہ تو محض خدا تعالیٰ کی قائم کردہ ہوتی ہے بندے کی قائم کردہ نہیں ہوتی آخر کونسا انسان ہے جو اس قسم کی حکومت کو نافذ کر سکتا ہے سوائے اس کے جو یہ کہے کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوں اور اس لئے آیا ہوں کہ دنیا میں حکومت الٰہیہ کو قائم کروں۔ پھر حکومت الٰہیہ کسی ایک مُلک پر نہیں ہوسکتی حکومت الٰہیہ جب بھی آئے گی مُلکی حد بندی سے آزاد ہو کر آئے گی۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اس بات کو بار بار پیش کیا ہے کہ پاکستان میں اِس وقت آئینِ اسلام جاری نہیں ہوسکتا لیکن میں نے جب بھی کسی لیکچر میں یہ بات بیان کی ہے فوراً اخبارات میں شور مچ جاتا ہے کہ ایک مذہبی آدمی ہو کر شریعت کی مخالفت کی جارہی ہے حالانکہ میں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ شریعت اسلام پاکستان میں جاری نہیں ہوسکتی۔ میں جو کچھ کہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اِس وقت آئینِ اسلام جاری نہیں کیا جاسکتا اور شریعت اسلام اور آئین اسلام میں فرق ہے۔ آئینِ اسلام خلافت سے تعلق رکھتا ہے اور خلافت کے معنی یہ ہیں کہ سارے مسلمان اس کے تابع ہو جائیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا عرب پاکستان کے تابع ہو جائے گا؟ کیا فلسطین پاکستان کے تابع ہو جائے گا؟ کیا انڈونیشیا پاکستان کے تابع ہو جائے گا؟ کیا اور اسلامی ممالک پاکستان کے تابع ہو جائیں گے؟ وہ ہو ہی نہیں سکتے کیونکہ اِس وقت مسلمانوں میں کوئی خلافت نہیں اور چونکہ وہ پاکستان کے تابع نہیں ہوسکتے اس لئے پاکستان میں آئین اسلام بھی جاری نہیں ہوسکتا۔ ہاں شریعت اسلام ہر وقت جاری ہوسکتی ہے۔ حکومت الٰہیہ دراصل عرش پر ہے دنیا میں صرف اس کا ظل قائم ہوتا

ہے اور قرآن کریم میں یہ وعدہ ہے کہ ہر حملہ جو اس حکومت پر ہوگا ہم پر ہوگا اور ہر دشمن جو اس پر چڑھائی کرے گا وہ ہمارا دشمن ہوگا اور ہم خود اُس کا مقابلہ کریں گے۔ ایسی حکومت کوئی انسان بنا ہی کس طرح سکتا ہے۔ جس چیز کا میں مخالف ہوں وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو یہ نہیں کہنا چاہئے کہ ہم آئین اسلام جاری کریں گے کیونکہ آئین اسلام خلافت کے بغیر نافذ نہیں ہوسکتا۔ آئین اسلام چند اصولوں کا نام ہے جو خلافت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں لیکن مسلمان اِس وقت خلافت کے قائل نہیں۔ یہ خلافت جب بھی قائم ہوگی روحانی ہوگی جیسے کہ میں اپنے آپ کو خلیفہ کہتا ہوں۔ یہ ظاہر ہے کہ میری خلافت سے دُنیوی خلافت مراد نہیں۔ پھر میں یہ نہیں کہتا کہ میں آپ ہی خلیفہ بن گیا ہوں بلکہ میں ساتھ ہی یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ خدا نے مجھے خلیفہ بنایا ہے۔ اب یہ واضح بات ہے کہ اگر میں اپنے اس دعویٰ میں جھوٹا ہوں تو خدا خود مجھے سزا دے گا اور اگر سچا ہوں تو لوگوں کی مخالفت میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔ بہرحال نظامِ خلافت کے بغیر حکومت الٰہیہ دنیا میں ہرگز قائم نہیں ہوسکتی لیکن اگر یہ حکومت قائم ہو جائے تو پھر اس سے بہتر حکومت دنیا میں اور کوئی نہیں ہوسکتی''۔

(تفسیر کبیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۶۶)

خلافۃ علیٰ منہاج النبوۃ کا وعدہ

سورۃ الکٰفرون کی آیت ۷ کی تفسیر کرتے ہوئے حضور فرماتے ہیں:۔

''چنانچہ مسلمانوں کے ساتھ جو یہ وعدہ کیا گیا تھا اس کا ذکر واضح الفاظ میں سورۃ نور میں (جو مدینہ میں نازل ہوئی) کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ[1] کہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں اور نیک اعمال بجا لانے والوں سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں ضرور ملک میں بادشاہ بنا دے گا۔ وہ ایسی شان اور عظمت رکھنے والے بادشاہ ہوں گے جیسے پہلی منعم علیہ قوموں میں ہوئے ہیں۔ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اسلام کے اعلیٰ اور افضل احکام جاری کر دے گا اور اِس وقت جو مسلمانوں کی خوف کی حالت ہے یا آئندہ جو بھی خوف کی حالت پیدا ہوگی اس کو امن میں بدل دے گا۔ یہ بادشاہ میری عبادت کو دنیا میں قائم کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ پس ان انعامات کے بعد جو میری نعمتوں کی ناشکری کرے گا اور صحیح طریق حکومت کو چھوڑ کر غلط راستہ اختیار کرے گا وہ فاسق ہوگا۔

مذکورہ بالا آیات میں مسلمانوں سے وعدہ کیا گیا ہے کہ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ یعنی وہ ان کو ملک میں خلفاء بنا دے گا۔ خلفاء خلیفہ کی جمع ہے اور خلیفہ کے معنی ہیں

۱۔ مَنْ يَّخْلُفُ غَيْرَهٗ وَيَقُوْمُ مَقَامَهٗ[2] یعنی جو کسی کے قائم مقام ہو کر وہی کام کرے جو اصل وجود کام کر رہا ہوتا ہے۔

۲۔ وَسُلْطَانُ الْاَعْظَمُ[3]۔سب سے بڑا بادشاہ۔

۳۔ وَفِی الشَّرْعِ الْاِمَامُ الَّذِیْ لَیْسَ فَوْقَهٗ اِمَامٌ[4]اورشرعی اصطلاح میں خلیفہ اس امام کو کہتے ہیں جس کے اوپر اس زمانہ میں کوئی امام نہ ہو۔(اقرب)

پھر اَلْخِلَافَةُ کے معنی کرتے ہوئے اقرب الموارد میں لکھا ہے:۔

۱۔ اَلْاِمَارَةُ[5]۔یعنی خلافت کے ایک معنی حکومت کے ہیں۔

۲۔ اَلنِّیَابَةُ عَنِ الْغَیْرِ اِمَّا لِغَیْبَةِ الْمَنُوْبِ عَنْهُ اَوْلِمَوْتِهٖ[6]۔کہ خلافت کے معنی ہیں کسی کا نائب اور قائم مقام ہوکر وہی کام کرنا جو اصل وجود کام کررہا تھا اور یہ نیابت یا تو اس لئے ہو کہ اصل وہاں موجود نہیں یا اصل وفات پا گیا ہے اب اس کے کام کو جاری رکھنے کی ضرورت ہے۔(اقرب)

پس لغت کے ان معنوں کے لحاظ سے لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ کے مندرجہ ذیل معنی ہوں گے:۔

۱۔ اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور ملک میں بہت بڑے خلفاء اور بادشاہ بنادے گا۔

۲۔ یہ بادشاہت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں ہوگی یعنی جو کام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سرانجام دے رہے ہیں وہی کام ان کو سرانجام دینا ہوگا۔

الغرض مومنوں سے یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں حکومت عطا کرے گا اور وہ حکومت بھی الٰہی منشاء کے مطابق ہوگی۔ پھر مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ کے الفاظ میں یہ بھی بتادیا کہ خلافت درحقیقت خدا تعالیٰ کی نمائندگی میں ہوتی ہے اور خدا کی صفات کو ظاہر کرنے والی ہوتی ہے جو اس کا انکار کرتا ہے وہ درحقیقت خدا تعالیٰ سے عہد مَوَدَّت توڑتا ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کے بعد خلافت ہوگی یعنی ایسے وجود ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی صفات کو جاری کرنے والے ہوں گے لیکن ان کے بعد یہ حالت بدل جائے گی اور دوسری قوموں کی نقل میں مسلمان بھی استبدادی حکومت کے شائق ہوجائیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ دوبارہ صحیح خلافت کو قائم کرے گا جو خدا تعالیٰ کے منشاء کو پورا کرنے والی ہوگی۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَكُوْنُ النُّبُوَّةُ فِیْكُمْ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ یَرْفَعُهَااللّٰهُ تَعَالٰی ثُمَّ

تَـکُـوْنُ خِلَافَۃٌ عَـلٰـی مِنْھَاجِ النُّبُوَّۃِ مَاشَاءَ اللّٰہُ اَنْ تَکُوْنَ ثُمَّ یَرْفَعُھَا اللّٰہُ تَعَالٰی ثُمَّ تَکُوْنُ مُـلْـکًـا عَـاضًا مَاشَاءَ اللّٰہُ اَنْ یَّکُوْنَ ثُمَّ یَرْفَعُھَا اللّٰہُ تَعَالٰی ثُمَّ تَکُوْنُ مُلْکًا جَبْرِیَّۃً فَیَکُوْنُ مَـاشَاءَ اللّٰہُ اَنْ یَّکُوْنَ ثُمَّ یَرْفَعُھَا اللّٰہُ تَعَالٰی ثُمَّ تَکُوْنُ خِلَافَۃٌ عَلٰی مِنھَاجِ النُّبُوَّۃِ۔[7] یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کچھ عرصہ جب تک اللہ تعالیٰ چاہے نبوت کا زمانہ رہے گا۔ پھر خلافت نبوت کے طریق پر قائم ہوگی اور اُس وقت تک رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ کا منشاء ہوگا۔ پھر وہ ختم ہوجائے گی اور بادشاہت کا دروازہ کھل جائے گا اور یہ کچھ عرصہ تک جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا کھلا رہے گا۔ پھر اس کے بعد جابر حکومتیں شروع ہوجائیں گی پھر اللہ تعالیٰ ان کو ختم کردے گا اور اس کے بعد دوبارہ نبوت کے طریق پر خلافت قائم ہوگی۔''

(تفسیر کبیر جلد ۱۰ صفحہ ۴۴۶، ۴۴۷)

---

[1] النور: ۵۶

[2] تا [4] اقرب الموارد جلد ۱ صفحہ ۲۹۶ مطبوعہ بیروت ۱۸۸۹ء

[6] اقرب الموارد جلد ۱ صفحہ ۲۹۵ مطبوعہ بیروت ۱۸۸۹ء

[7] مشکوٰۃ المصابیح جلد ۳ باب الانذار والتحذیر الفصل الثالث صفحہ ۱۴۷۸ حدیث نمبر ۵۳۷۸ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۵ء

اللہ تعالیٰ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عظیم الشان فتوحات کے وعدے

سورۃ النصر آیت ۲ اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ کی تفسیر کرتے ہوئے حضور فرماتے ہیں:۔

''یہ سورۃ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ستر دن پہلے نازل ہوئی تھی اور یہ کہ اس سورۃ کے نازل ہونے کے ساتھ ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم بھی دے دیا گیا تھا کہ اب آپ کی وفات کا وقت قریب ہے۔ یہ طبعی بات ہے کہ جب کسی شخص کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ عنقریب اپنے رشتہ داروں، عزیزوں اور اقرباء کو چھوڑ کر اس دنیا سے جانے والا ہے تو وہ اس لحاظ سے متفکر ہو جاتا ہے کہ اس کے بعد اسکی اولاد، اس کے عزیزوں، رشتہ داروں اور متعلقین کا کیا بنے گا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام بخشا تھا اس لحاظ سے آپ کو اپنے جسمانی عزیزوں اور اقرباء کے متعلق تو کوئی فکر دامن گیر نہیں ہوسکتا تھا ہاں اگر خیال آ سکتا تھا تو یہی کہ کہیں آپ کے بعد آپ کی اُمت میں کوئی خلل تو پیدا نہ ہوگا اور اگر پیدا ہوا تو اس کے متعلق کیا صورت ہوگی۔ اور نبی کی وفات پر عام طور پر اس کے متبعین گھبرا جاتے ہیں اور نبی کی وفات کو بے وقت موت سمجھا جاتا ہے اور مخالفین بھی اِس خیال میں ہوتے ہیں کہ اس نبی نے تو اپنے زمانہ میں کام چلا لیا ہے لیکن اس کی وفات کے بعد اس کا لگایا ہوا پودا ختم ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النصر میں ایک طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ آپ متفکر نہ ہوں یہ فتوحات جو آپ کے زمانہ میں ہوئی ہیں یہ رُک نہیں جائیں گی بلکہ ان کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو جائے گا اور اسلام میں اگر آپ کے زمانہ میں بیک وقت

سینکڑوں کی تعداد میں لوگ شامل ہوئے ہیں تو آپ کے بعد ہزاروں کی تعداد میں شامل ہوں گے اور حضورؐ کے چشمہ سے فوج درفوج لوگ سیراب ہوں گے اور آپ کے بعد اللہ تعالیٰ ایسے وجودوں کو کھڑا کر دے گا جو آپ کی اُمت کو سنبھال لیں گے اور اس میں کسی قسم کا رخنہ پیدا نہ ہونے دیں گے۔ اور مخالفین جو سمجھتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کا سلسلہ ختم ہو جائے گا ان کی خوشیاں پامال ہو جائیں گی اور اسلام دن دُگنی اور رات چوگنی ترقی کرے گا اور جو مشکلات پیش آئیں گی وہ خس وخاشاک کی طرح اُڑ جائیں گی۔ گویا اللہ تعالیٰ نے سورۃ النصر کو نازل کر کے ایک طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی اور دوسری طرف آپ کے متبعین کو یہ ہدایت کی کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر گھبرا نہ جائیں۔ جس خدا نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کامیاب و کامران کیا وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا خدا ہے اور وہ آپ کی وفات کے بعد آپ کی اُمت کا محافظ ہوگا اور آپ کے بعد صحابہؓ کو یتیم کی صورت میں دیکھ کر وہ پہلے سے بھی زیادہ مدد کرے گا اور اس کی نصرت کے دروازے بند نہیں ہوں گے بلکہ اور بھی زیادہ کھل جائیں گے اور اس نصرت کو دیکھ کر لوگ اسلام میں فوج درفوج داخل ہونے شروع ہو جائیں گے اور آسمانی بادشاہت کا قیام ہو جائے گا اور ساری دنیا توحید کے نور سے منور ہو جائے گی۔

مزید برآں مخالفین کی جھوٹی خوشیاں بھی پامال ہو جائیں گی چنانچہ یہ وعدہ جس رنگ میں پورا ہوا اس کو ہر غیر متعصب آدمی دیکھ کر یہ اقرار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ واقعی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سچے رسول تھے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اُس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے بہادر اور مخلص لوگوں کے بھی قدم لڑکھڑا گئے اور ان پر گھبراہٹ طاری ہوگئی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو بظاہر بے وقت سمجھا جانے لگا اور پھر خلافت کے انتخاب پر بھی فتنہ کے آثار نظر آ رہے تھے کیونکہ انصار یہ چاہتے تھے کہ خلیفہ ان میں سے منتخب کیا جائے اور مہاجرین کی یہ رائے تھی کہ عرب لوگ سوائے قریش کے کسی اور سے دبنے کے نہیں۔ اس فتنہ کو دیکھ کر مخالفین یہود اور دوسرے لوگ اس خیال سے خوش تھے کہ اسلام اب ختم ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے فوراً

گرتی ہوئی قوم کو سنبھال لیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کھڑا کر دیا اور انہوں نے قوم کی باگ ڈور سنبھال لی اور جو لوگ انصار میں سے تھے اور چاہتے تھے کہ ان میں سے خلیفہ کا انتخاب ہو ان کو بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف مائل کر دیا۔

پھر ابھی قوم کا شیرازہ سنبھلنے نہ پایا تھا کہ عرب کے بعض قبائل نے ارتداد کا اعلان کر دیا اور ان کے سرداروں نے خود مختار حکومتیں قائم کر لیں۔ اسی طرح سے متعدد جھوٹے مدعیانِ نبوت اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مزید برآں بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ اِن مشکلات کے ساتھ موتہ کی مہم علیحدہ درپیش تھی جس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں رومیوں سے حضرت زیدؓ بن حارثہ کے خون کا انتقام لینے کے لئے ان کے لڑکے اسامہ بن زیدؓ کی ماتحتی میں شام بھیجنے کا حکم دیا تھا ابھی یہ مہم روانہ نہ ہوئی تھی کہ آپؐ کا انتقال ہو گیا۔ یہ سب حالات اس قسم کے تھے کہ ایسے حالات میں ایک اچھا دلیر اور مضبوط دل والا انسان بھی گھبرا جاتا ہے لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دل پر اللہ تعالیٰ نے ایسی سکینت اور اطمینان نازل کیا کہ آپ گھبرائے نہیں اور آپ اِسی وثوق اور یقین پر تھے کہ خدا کے وعدے بہرحال پورے ہوں گے۔ زمین وآسمان بے شک ٹل جائیں لیکن خدا کی باتیں نہیں ٹل سکتیں اور اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ کی آیت ان کی ڈھارس کو باندھے ہوئے تھی۔ چنانچہ صحابہؓ کرام نے ان مخدوش حالات میں حضرت ابوبکرؓ کو مشورہ دیا کہ حضرت اسامہ بن زیدؓ کو موتہ کی مہم کے لئے نہ بھجوایا جائے اور سب سے پہلے ان فتنوں کا تدارک کیا جائے جو اندرونِ عرب پیدا ہو گئے ہیں یعنی مرتدین اور زکوٰۃ کے منکرین کا فتنہ اور جھوٹے مدعیان کا فتنہ۔ مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سختی سے صحابہؓ کی بات کا انکار کر دیا اور فرمایا کہ جس لشکر کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کیا تھا اُس کو روکنے کا حق ابوبکر کو کہاں ہو سکتا ہے۔ وہ لشکر بہرحال اپنی مہم پر روانہ ہو گا خواہ مدینہ کی یہ حالت ہو جائے کہ اس پر دشمن ٹوٹ پڑیں اور ہماری لاشوں کو درندے گھسیٹ رہے ہوں[1]۔ یہ فقرات اس شخص کی زبان سے ہی نکل سکتے ہیں جو اس یقین سے پُر ہو کہ اسلام کا غالب آنا خدا کی تقدیروں میں سے ایک تقدیر ہے اور یہ تقدیر ٹل نہیں سکتی خواہ ساری دنیا ہی اس کے مقابلہ کے لئے

آ کھڑی ہو۔ غور کریں کہ یہ یقین اور یہ ثبات اور دلیری حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہاں سے حاصل ہوگئی؟ یہ محض اس خدا نے آسمان سے نازل کی تھی جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات کے وقت تسلی دی تھی کہ آپ گھبرائیں نہیں آپ کے بعد ہر لمحہ خدا کے فرشتے نصرت اور فتح کو لے کر اُتریں گے یہاں تک کہ اسلام کا علَم ساری دنیا پر لہرا جائے گا۔

چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی خلافِ مرضی حضرت اسامہ بن زیدؓ کو لشکر سمیت موتہ کی طرف روانہ کر دیا۔ چنانچہ چالیس دن کے بعد یہ مہم اپنا کام پورا کر کے فاتحانہ شان سے مدینہ واپس آئی اور خدا کی نصرت اور فتح کو نازل ہوتے سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

پھر اس مہم کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جھوٹے مدعیان کے فتنے کی طرف متوجہ ہوئے اور اس فتنہ کی ایسی سرکوبی کی کہ اس کو کچل کر رکھ دیا اور یہ فتنہ بالکل ملیا میٹ ہو گیا۔ بعد ازاں یہی حال مرتدین کا ہوا جو لوگ زکوٰۃ دینے کے منکر تھے اُن کی تعداد کافی تھی اور صحابہ کبار بھی ان سے لڑنے کے بارے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اختلاف کر رہے تھے اور کہتے تھے کہ جو لوگ توحید اور رسالت کا اقرار کرتے ہیں اور صرف زکوٰۃ دینے سے منکر ہیں ان پر کس طرح سے تلوار اُٹھائی جاسکتی ہے۔ اِس موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نہایت جرأت اور دلیری سے کام لیتے ہوئے فرمایا کہ خدا کی قسم! جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اونٹ کی ایک رسی بھی زکوٰۃ کے طور پر دیتا تھا اگر وہ اس کے دینے سے انکار کرے گا تو آپ اس کا مقابلہ کریں گے۔ آپ کے اصرار پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی آپ کی اصابتِ رائے کا اعتراف کرنا پڑا اور وہ سمجھ گئے کہ اگر آج زکوٰۃ نہ دینے کی اجازت دیدی گئی تو آہستہ آہستہ لوگ نماز روزہ کو بھی چھوڑ بیٹھیں گے اور اسلام محض نام کا رہ جائے گا۔ الغرض ایسے حالات میں حضرت ابوبکرؓ نے منکرین زکوٰۃ کا مقابلہ کیا اور انجام یہی تھا کہ اس میدان میں بھی آپ کو فتح اور نصرت حاصل ہوئی اور تمام بگڑے ہوئے لوگ راہِ حق کی طرف لوٹ آئے۔ حقیقت یہی ہے کہ اگر اسلام خدا تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوتا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے سچے اور برگزیدہ رسول نہ ہوتے تو یہ حالات

مسلمانوں کو مٹانے کے لئے کافی تھے۔ لیکن کیا بات تھی کہ مسلمان آگ کے شعلوں اور موت کے منہ سے بھی نکل آئے اور ان کا بال تک بیکا نہ ہوا اور ہر گھڑی فتح و نصرت ان کے ساتھ رہی؟ وہ یہی وعدہ تھا جو اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا کہ اے رسول اللہ! آپ گھبرائیں نہیں، آپ کی قوم کی دستگیری اللہ تعالیٰ کرے گا اور اسے ہر میدان میں فتح مند کرے گا۔

پھر ابھی اندرونی خلفشار ختم ہی ہوئی تھی کہ عراق میں ایرانی حکومت کے ساتھ جنگ شروع ہوگئی۔ ایرانی حکومت اُن دنوں بڑی ترقی یافتہ حکومت تھی اور اس کی فوج تربیت یافتہ اور ان کے پاس بہت ساز و سامان تھا اور مسلمان ان کے مقابلہ میں ایسے ہی تھے جیسے باز کے مقابلہ میں چڑیا کی حیثیت ہوتی ہے۔ لیکن جونہی عراق میں معرکے شروع ہوئے یکے بعد دیگرے ایرانیوں کو خطرناک طور پر شکست ہوئی اور ان کو پسپا ہونا پڑا۔ ابھی مسلمان اس طرف سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ شام اور مصر میں رومیوں سے جنگ چھڑ گئی اور دمشق، اردن، حمص اور فلسطین میں سب طرف فوجوں کو بھیجنا پڑا اور سب طرف جنگ کے شعلے بلند ہونا شروع ہوگئے۔ ایسے نازک حالات میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے اور آپ کی وفات ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر مسندِ خلافت پر بٹھا دیا۔ آپ کے عرصہ خلافت میں سب طرف جنگ کا میدان گرم رہا اور ان جنگوں میں بعض اوقات مسلمانوں میں سے ایک ایک آدمی نے اپنے مخالفوں میں سے ایک ایک ہزار کا مقابلہ کیا اور مخالفوں کی لاکھوں کی تعداد میں آنے والی فوج کو چند ہزار مسلمانوں نے روند ڈالا اور وہ ہر میدان سے کامیاب و کامران آئے اور ایران اور روم جیسی عظیم الشان ترقی یافتہ سلطنتوں کے پرخچے اُڑا دیئے اور مصر، شام، فلسطین اور ہندوستان کی سرحد سے لے کر شمالی افریقہ تک اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانۂ خلافت شروع ہوا اور اس میں بھی مسلمان سیلاب کی طرح بڑھتے چلے گئے اور خراسان، افغانستان اور سندھ تک قبضہ کر لیا اور شمالی افریقہ کے علاقے طرابلس، تیونس،

مراکش اور الجزائر وغیرہ فتح کر لئے اور یورپ کی سرحد تک مسلمان پہنچ گئے اور مسلمانوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں نے سب علاقوں کو رَوند ڈالا۔

یہ سب فتوحات اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ کے وعدے کے مطابق تھیں۔ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے سچے فرستادہ اور رسول نہ ہوتے تو مزید کامیابی تو کجا مسلمانوں کا اپنا شیرازہ بھی بکھر جاتا۔ لیکن نہ صرف یہ کہ مسلمان ایک نقطہ پر جمع رہے بلکہ ہر طرف فتح نے ان کی پیشانیوں کو چوما۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ان وعدوں کے مطابق تھا جو اس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وفات کے وقت کئے تھے۔''

(تفسیر کبیر جلد ۱۰ صفحہ ۴۷۶ تا ۴۷۹)

۱؎ تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ ۶۰ الناشر نزار مصطفیٰ الباز ۲۰۰۴ء

مجالس شوریٰ میں خلافت کے موضوع پرارشادات

شخصی حکومت اور اسلامی تعلیم

مجالس شوریٰ جوحضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے دور میں منعقد ہوئیں اس دوران حضور کے پُر تاثیر ارشادات لوگوں نے سنے۔ ان ارشادات میں جہاں جہاں حضور نے خلافت کے بارہ میں ذکر کیا وہ سب پیش خدمت ہے۔

''مضرات کو اسلام نے دور کر دیا ہے اور فوائد کو لے لیا ہے۔ اس قسم کی شخصی حکومت کہ باپ کے بعد بیٹا جانشین ہو خواہ نالائق ہی ہو اِس کو اُڑا دیا اور یہ رکھا کہ سب کی رائے سے ہو۔ اور جب مقرر کر دیا تو اس کے لئے مشورہ رکھا تا کہ لوگ پارٹیاں نہ بنائیں اور چونکہ وہ خود اپنا جانشین بیٹے کو بھی بنا نہیں سکتا اس لئے اِس کے ایسے فوائد نہیں ہوتے جو وہ پچھلوں کے لئے چھوڑ جائے۔ اور میرے نزدیک شرعاً جائز نہیں کہ خلیفہ بیٹے کو مقرر کرے جیسا کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ کا فیصلہ ہے کہ بیٹا خلیفہ نہیں ہوسکتا۔ بعض نے چاہا کہ آپ اپنے بیٹے کو خلیفہ مقرر کر دیں مگر انہوں نے انکار کر دیا۔[1] پھر خلیفہ کے لئے کوئی اور ایسا درجہ نہیں ہوتا جسے وہ حاصل کرنا چاہے اس لئے مقابلہ اور پارٹی فیلنگ نہیں ہوتا۔ اس طرح انجمن کے مضرات کو دور کر دیا گیا۔ اب ہندوستان کے رہنے والے کا ہی حق نہیں کہ مسیح موعودؑ کا خلیفہ ہو بلکہ ممکن ہے کہ ایک دو خلیفوں کے بعد (کیونکہ فی الحال ان میں احمدیت کی اشاعت نہیں ہوئی) اس وقت عرب کے لوگوں میں سے کوئی خلیفہ ہو جائے یا حبشیوں میں سے آجائیں تو ان میں سے خلیفہ ہو جائے کیونکہ اس کے لئے کسی ملک، کسی طبقہ کی کوئی خصوصیت نہیں ہر جگہ کے لوگ ہو سکتے ہیں اس طرح اس کو اسلام نے عام کر دیا اور پارٹی فیلنگ کو بھی مٹا دیا۔

بادشاہتیں نسلاً بعد نسلٍ چلنے کی وجہ سے تباہ ہوتی ہیں لیکن خلیفہ کی کوئی ذاتی جائیداد نہیں ہوتی اوراس کے ذاتی فوائد بھی نہیں ہوتے کہ فساد کریں۔ نہ آئندہ اولادوں کے لئے خلافت منتقل کرسکتے ہیں کیونکہ خلفاء کا دستور روکتا ہے اس لئے وہ نقائص دور ہو گئے جو شخصی حکومت میں ہوتے ہیں۔ جمہوری حکومت پارٹی فیلنگ سے تباہ ہوتی ہے۔

اِس وقت انگلستان اور فرانس بھی جو تباہی کی طرف جارہے ہیں پارٹیوں کی وجہ سے ہی جارہے ہیں مگر اسلام نے ایسا طریق رکھا ہے کہ تباہی نہیں ہوسکتی۔ اسلام سے ملتا جلتا ظاہری نظام رومیوں میں پایا جاتا ہے اس لئے ہزار سال سے زیادہ سے چلا آرہا ہے لیکن اور کوئی حکومت ایسی نہیں جو اتنے لمبے عرصہ سے ایک طریق پر قائم ہو۔ مگر ان میں بھی نقص ہے کہ شریعت کو لعنت قرار دیتے ہیں اس لئے پوپ جو چاہے مذہب بنا دیتا ہے اس لئے انتظام تو چلا جارہا ہے مگر نقص یہ ہے کہ چونکہ مذہب کا فیصلہ پوپ کی رائے پر ہوتا ہے اس لئے مذہب باطل ہوگیا اور اس میں دست اندازی سے لڑائیاں ہوتی رہتی ہیں۔ مگر اسلام میں ایسا نہیں ہوسکتا کیونکہ قرآن مجید ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کلام موجود ہے ان حد بندیوں کے اندر خلیفہ کام کرسکتا ہے ان سے باہر نہیں جاسکتا۔ پس اس طرح اس نے تمام نقائص مٹا دیئے اور ضروری باتوں کو جمع کر دیا ان سے فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے۔ اصولی باتیں خدا نے طے کر دیں جو ایسی جامع ہیں کہ کوئی کمی باقی نہیں رہ گئی اور تفصیل رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمادی اِسی لئے ایک یہودی نے کہا تھا کہ دین تو اسلام ہی سچا ہے کہ پاخانے تک کے مسئلے بیان کر دیئے ہیں اور کوئی بات نہیں چھوڑی۔ فی الواقع یہ قابل رشک بات ہے۔ جرمنی سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے اس کا مصنف لکھتا ہے اسلام کے متعلق خواہ کچھ کہیں مگر بڑا اکمل مذہب ہے کہ کوئی بات نہیں چھوڑی۔

پس چونکہ پارٹی ہوتی نہیں اور خلیفہ سب سے تعلق رکھتا ہے اس لئے اُس کا تعلق سب سے ایسا ہی ہوتا ہے جیسے باپ بیٹے کا۔ بھائی بھائی تو لڑ پڑتے ہیں مگر باپ سے لڑائی نہیں ہوسکتی۔ چونکہ خلیفہ کا سب سے محبت کا تعلق ہوتا ہے اس لئے اگر ان میں لڑائی بھی ہو جائے تو وہ دور کر دیتا ہے اور بات بڑھنے نہیں پاتی۔

شوریٰ کے فوائد: اب میں شوریٰ کے فوائد بیان کرتا ہوں:۔
(۱) کئی نئی تجاویز سوجھ جاتی ہیں۔
(۲) مقابلہ کا خیال نہیں ہوتا اس لئے لوگ صحیح رائے قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔
(۳) یہ بھی فائدہ ہے کہ باتوں باتوں میں کئی باتیں اور طریق معلوم ہو جاتے ہیں۔
(۴) یہ بھی فائدہ ہے کہ باہر کے لوگوں کو کام کرنے کی مشکلات معلوم ہوتی ہیں۔
(۵) یہ بھی فائدہ ہے کہ خلیفہ کے کام میں سہولت ہو جاتی ہے۔ وہ بھی انسان ہوتا ہے اُس کو بھی دھوکا دیا جا سکتا ہے۔ اِس طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ لوگوں کا رُجحان کدھر ہے۔ یوں تو بہت نگرانی کرنی پڑتی ہے کہ غلط رستہ پر نہ پڑ جائیں۔ مگر جب شوریٰ ہو تو جب تک اعلیٰ درجہ کے دلائل عام رائے کے خلاف نہ ہوں لوگ ڈرتے ہیں کہ اِس پر عمل کریں اور اس طرح خلیفہ کو نگرانی میں سہولت حاصل ہو جاتی ہے۔

مجلس شوریٰ کا طریق: (۱) خلیفہ عام ہدایات پیش کرے گا کہ کن باتوں پر مشورہ لینا ہے اور کن باتوں کا خیال رکھنا ہے۔

(۲) اِس کے بعد ہر محکمہ کے لیے سب کمیٹیاں مقرر ہو جائیں گی کیونکہ فوراً رائے نہیں دینی چاہئے بلکہ تجربہ کار بیٹھ کر سکیم تجویز کریں اور پھر اس پر بحث ہو پہلے کمیٹی ضرور ہونی چاہئے جیسے معاملات ہوں اُن کے مطابق وہ غور کریں۔ سکیم بنائیں پھر اس پر غور کیا جائے۔ کمیٹی پوری تفاصیل پر بحث کرے اور پھر رپورٹ کرے۔ وہ تجاویز مجلس عام میں پیش کی جائیں اور اُن پر گفتگو ہو۔

جب تجاویز پیش ہوں تو موقع دیا جائے کہ لوگ اپنے خیالات پیش کریں کہ اس میں یہ زیادتی کرنی چاہئے یا یہ کمی کرنی چاہئے یا اس کو یوں ہونا چاہئے۔ تینوں میں سے جو کہنا چاہے کھڑے ہو کر پیش کر دے۔ اِن تینوں باتوں کے متعلق جس قدر تجاویز ہوں ایک شخص یا بہت سے لکھتے جائیں۔ پھر ایک طریق یا ایک طرز کی باتوں کو لے کر پیش کیا جائے کہ فلاں یہ کمی چاہتا ہے اور فلاں یہ زیادتی۔ اس پر بحث ہو مگر ذاتیات کا ذکر نہ آئے۔ اِس بحث کو بھی لکھتے جائیں۔

جب بحث ختم ہو چکے تو اُس وقت یا بعد میں خلیفہ بیان کردے کہ یہ بات یوں ہو۔ بولنے کے وقت بولنے والا کھڑا ہو کر بولے اور جو پہلے کھڑا ہو اُسے پہلے بولنے کا موقع دیا جائے۔ یہ دیکھنے کے لئے ایک آدمی مقرر ہوگا کہ کون پہلے کھڑا ہوا ہے اور کون بعد۔ اگر بہت سے کھڑے ہوں تو باری باری انہیں بولنے کے لئے کہنا چاہئے۔ جب سارے بول چکیں تو پھر پوچھنا چاہئے۔ پھر کھڑا ہو تو پہلے نئے بولنے والے کو موقع دینا چاہئے سوائے اس صورت کے کہ کوئی سوال یا اعتراض اُس کی تقریر پر کیا گیا ہو اُس کے حل کرنے کے لئے کھڑا ہو اور دو دفعہ سے زیادہ بولنے نہ دیا جائے کیونکہ بات کو حل کرنا ہے بحث نہیں کرنی۔ وہ شخص جس کو بولنے کا موقع دینے کے لئے مقرر کیا جائے وہ خلیفہ یا اس کے قائمقام کا مددگار ہوگا کیونکہ وہ دوسرے کاموں کی طرف توجہ کرے گا اِدھر توجہ نہ کر سکے گا اس لئے وہ بطور نائب کام کرے گا''۔

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۲ء صفحہ ۱۵ تا ۱۸)

۱؎ تاریخ ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۶۵ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء

انجمن اور خلیفہ

’’یہ کہنا کہ انجمن ٹوٹ گئی ہے، اِس کا رہنا نہ رہنا برابر ہے۔ وہ دوست جنہوں نے یہ بیان کیا اُنہوں نے کہا ہے کہ کل کی تقریروں سے یہ نتیجہ نکلا ہے۔ مگر کل تقریریں نہیں ہوئی تھیں اور میری تقریر تھی گویا اُس سے یہ نتیجہ نکلا ہے۔ اُس میں کیا تھا؟ یہ کہ خلافت کا انتظام انجمنوں سے بہتر ہے۔ انجمنوں میں طبعی طور پر پارٹیوں کا خیال پیدا ہوتا ہے اور ایک دوسرے کو گرانا چاہتا ہے۔ مگر یہاں کثرتِ رائے اور ووٹ سے نہیں بلکہ شرعی حقوق خلیفہ کے ہیں کہ مشورہ لیا جاوے گا۔ آگے خواہ کثرتِ رائے پسند آئے یا قلت وہ عزم کر کے اعلان کرے گا فیصلہ کا۔ یہ خیال آج نیا نہیں جو شخص جماعت کے لٹریچر سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ خلیفہ اوّل کے وقت بھی یہ بات پیش ہوئی تھی اور اِسی پر پیغامیوں سے جنگ شروع ہوگئی تھی کہ آیا انجمن اختلاف خلیفہ سے رکھ کر اپنا حکم جاری کرسکتی ہے یا خلیفہ روک سکتا ہے؟ اِس پر تفرقہ ہوا۔ اگر ان خیالات کے ساتھ کہ انجمن خلیفہ کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی اِس کے ماتحت ہے اور اگر یہ کہنے سے کہ خلیفہ کثرتِ رائے کا پابند نہیں انجمن ٹوٹتی ہے تو اُسی دِن ٹوٹ گئی تھی جب خلیفہ اوّل خلیفہ ہوئے تھے۔ اور اگر ان خیالات کے اظہار سے ٹوٹتی ہے تو جس دِن میں خلیفہ ہوا اُس دن ٹوٹ گئی اَور دنیا میں کوئی انجمن نہیں ہے۔ یہ اُن کے اور ہمارے اختلاف کا بنیادی پتھر ہے کہ انجمن ہو خلیفہ نہ ہو، کثرتِ رائے سے فیصلہ ہو اگر یہی ہے تو انجمن ہے ہی نہیں، ٹوٹ گئی ہے اُس وقت سے جب خلافت کا سلسلہ چلا اگر یہ خیالات نہ ہوتے تو نہ جھگڑا ہوتا، نہ پیغامی ہوتے، نہ مبائع ہوتے ایک ہی جماعت ہوتی۔ دو گروہ جو نظر آرہے ہیں وہ نبوت وغیرہ کے مسئلہ سے نہیں بلکہ یہی اختلاف ہے جو خلافت کے متعلق ہے۔ اگر امیر کا تقرر اِس کے ساتھ تعلق رکھتا ہے کہ انجمن اور خلیفہ کا کیا تعلق ہے تو

اس پر گفتگو ہی نہیں کی جا سکتی۔ اِسی وجہ سے ہم نے اپنے ہاتھوں کو جو کام کر رہے تھے کاٹ کر پھینک دیا کہ چونکہ تم خلافت کو انجمن کے ماتحت رکھنا چاہتے ہو اس لئے تم کو ہم نہیں رکھ سکتے۔ پس یہ بنیادی پتھر ہے کہ ایک خلیفہ ہو اس پر نہ اختلاف ہم سن سکتے ہیں نہ اختلاف ہے۔ ہم سب اس پر متفق ہیں کہ ایک واجب الاطاعت امام ہونا چاہئے۔ پیغامِ صلح میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے غیر احمدیوں کو اِس لئے پراگندہ طبع قرار دیا ہے کہ اُن کا کوئی امام نہیں۔ پس اگر یہ سوال ہے کہ خلافت کے ماننے والے اپنے اختیارات کو خلیفہ کے مقابلہ میں کس طرح بَرتیں تو یہ ان مسائل سے ہے کہ جن پر اختلاف کر کے ہم اکٹھے مل کر کام نہیں کر سکتے۔ اِس موقع پر ھٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَ بَیْنِکَ کہنا چاہئے۔ جیسے دو مسلمان اِس پر بحث نہیں کر سکتے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبی تھے یا نہیں اور اُسی وقت بحث کریں گے جب مسلمان نہ رہیں اِسی طرح دو احمدی اِس پر بحث نہیں کر سکتے کہ مسیح موعود علیہ السلام سچے ہیں یا نہیں۔ اِسی طرح خلیفہ اور انجمن کے اختیارات کے بارہ میں بھی ایک جماعت میں بحث نہیں ہو سکتی۔ اِس سے ٹوٹ کر ہو گی جیسا کہ پہلے ہوا ہے کیونکہ یہ ان مسائل سے نہیں کہ اکٹھے رہ کر بحث ہو سکے۔

انجمن سیالکوٹ، فیروز پور یا لاہور کیا چیزیں ہیں۔ وہ ظِل ہیں قادیان کی انجمن کا۔ وہ امیر جو فیروز پور، لاہور میں ہو وہ ظِل ہے خلیفہ کا۔ پھر ظِل پر وہ حکم کس طرح جاری ہو جو اصل پر نہیں۔ اگر صدر انجمن خلیفہ کے حکم دینے سے نہیں ٹوٹتی تو اس کی شاخیں خلیفہ کے قائم مقاموں کے حکم دینے سے کس طرح ٹوٹ جاتی ہیں اور اگر صدر انجمن کا ٹوٹنا مانیں تو ماننا پڑے گا کہ مسیح موعود علیہ السلام کے احکام کی خلاف ورزی کر رہے ہیں اور مجرم ہیں خدا تعالیٰ کے۔ اگر یہ نہیں تو ماننا پڑے گا کہ نہ انجمن ٹوٹی اور نہ مسیح موعودؑ کے احکام کی خلاف ورزی کی۔ یہ دونوں باتیں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ تعجب ہے اصل انجمن کے متعلق تو کہا جاتا ہے کہ نہیں ٹوٹی مگر ظِل جو ہیں ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ٹوٹ جائے گی۔ اِس کا کیا یہ مطلب نہیں کہ قادیان والی انجمن خلیفہ کے تقرر سے ٹوٹ جائے تو ٹوٹ جائے مگر ہم امراء کے تقرر سے اپنی انجمنیں نہ ٹوٹنے دیں گے۔ اِس میں امیر کا تقرر نہ ہو گا۔ مگر جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی

قائم کردہ انجمن کے متعلق فیصلہ کر دیا کہ اِس طرح نہیں ٹوٹتی تو اِس کی ظِل کس طرح ٹوٹ سکتی ہیں''۔

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۲ء صفحہ ۳۴، ۳۵)

خلافت کی موجودگی میں مشورہ کی ضرورت

''ابھی تک میں سمجھتا ہوں جماعت میں اس کے متعلق احساس پیدا نہیں ہوا کہ خلافت کی موجودگی میں مشورہ کی کیا ضرورت ہے۔ مگر پھر بھی پچھلے سال کی نسبت اب کی دفعہ زیادہ نمائندے آئے ہیں لیکن ابھی کم ہیں۔ یہ بات کسی سستی کی وجہ سے نہیں کیونکہ مشورے کے علاوہ دوسرے وقت میں شامل ہوتے ہیں۔ اب بھی نمائندوں کی نسبت ایسے لوگ زیادہ ہیں جو سننے آئے ہیں جب بھی کوئی تقریر ہو تو سب لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر عام لوگ جلسہ پر زیادہ ہوتے ہیں اور اس کثرت سے ہوتے ہیں کہ رات کے ۱۲ بجے تک مصافحہ کرتا ہوں اور پھر بھی مصافحہ ختم نہیں ہوتا۔ چنانچہ آج ایک صاحب ملے اُنہوں نے کہا چار سال ملنے کی کوشش کرتا رہا ہوں مگر نہیں مل سکا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری جماعت کے لوگ کام کرنے کو ترجیح دیتے ہیں اور مشورہ میں شامل ہونا ضروری نہیں سمجھتے۔ پس مشورہ میں زیادہ تعداد میں نہ آنے کی اصل وجہ یہی ہے کہ وہ خلیفہ کی موجودگی میں مشورہ کی ضرورت نہیں سمجھتے لیکن خلیفہ کے باوجود مشورہ کی ضرورت ہے اور بہت لوگوں کا خیال ہے کہ یہ تحریک خلیفہ کے خلاف ایک بغاوت ہے مگر ان کو معلوم نہیں کہ یہ تحریک خلیفہ کے خلاف بغاوت نہیں بلکہ اِس کی تحریک مجھ سے ہوئی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق سے ہوئی اور باوجود خلافت کی موجودگی کے مشورہ کی ضرورت ہے۔

جیسا کہ میں نے پچھلے سال کہا تھا کہ کوئی خلافت مشورہ کے بغیر نہیں اب بھی یہی کہتا ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ ہر ایک شخص جو کلمہ پڑھتا ہے اُس پر ایک دفعہ ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے اور وہ اسلام کی ذمہ داری ہے اُس کو اِس سے غرض نہیں کہ اس کام کو اور بھی کرنے والے ہیں بلکہ وہ یہی سمجھے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے وہی ذمہ دار ہے اور اس لئے ہر ایک

مسلمان خلیفہ ہے۔ جو مسلمان اپنے آپ کو خلیفہ نہیں سمجھتا وہ مسلمان نہیں۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ دس لاکھ میں سے ایک ہے اور اس کو دس لاکھواں حصہ ادا کرنا چاہئے بلکہ وہ سمجھے کہ وہ دس لاکھ ہی کا قائم مقام ہے اور یہ کام سارا اسی کا ہے۔ اس کا فرض ہے کہ وہ پورا کام کرے اور اس میں سے جس قدر کام کی اس میں طاقت نہیں اللہ تعالیٰ اس کو معاف کرے گا اور اس سے اس کی باز پُرس نہیں ہوگی۔

خلافت کے قیام کی ضرورت انتظام کے لئے ہے کیونکہ تقسیم عمل نہیں ہو سکتی جب تک ایک انتظام نہ ہو۔ ممکن ہے کہ سب زور دیں مگر ان کا زور ایک ہی کام پر خرچ ہو رہا ہو اور باقی کام یونہی بے توجہی کی حالت میں پڑے رہیں۔ پس جب تک ایک مرکز نہ ہو اُس وقت تک تمام متفرق جماعتوں کی طاقتیں صحیح مصرف پر صرف نہیں ہو سکتیں اس لئے ضرورت ہے کہ تمام متفرق جماعت کی طاقتوں کو جمع کرنے کے لئے ایک مرکزی طاقت ہو جو سب کے کاموں کی نگران ہو اور اس سے تمام جماعتوں کا تعلق ہو اس لئے ضروری ہے کہ کوئی جماعت اپنا مرکز قائم کرے اور اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ خلیفہ ہو جو اپنی رائے میں آزاد ہو لیکن وہ سب سے مشورہ طلب کرے۔ جو رائے اُس کو پسند آئے وہ اُس کو قبول کرے اور جو رائے اُس کو دین کے لئے اچھی نہ معلوم ہو خواہ وہ ساری جماعت کی ہو اُس کو ردّ کر دے اور اس کے مقابلہ میں جو بات اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ڈالے اور جس پر اُس کو قائم کرے وہ اُس کو پیش کرے اور لوگ اس کو قبول کر کے اس پر عمل کریں۔ جن لوگوں سے خلیفہ مشورہ طلب کرے ان کا فرض ہے کہ دیانت سے صحیح مشورہ دیں اور جب مشورہ طلب کیا جائے تو خواہ کسی کے بھی خلاف ان کی رائے ہو بیان کر دیں لیکن یہ دل میں خیال نہ کریں کہ اگر ہماری بات نہ مانی گئی تو یہ غلطی ہوگی۔ پس خلیفہ کے یہ معنی نہیں کہ وہی اسلام کا بوجھ اٹھانے والا ہے بلکہ اس کے معنی ہیں کہ وہ تمام جماعت کو انتظام کے تحت رکھنے والا ہے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ کوئی انسان بھی مشورہ سے آزاد نہیں۔

یہ خیال باطل ہے کہ مشورہ کی ضرورت نہیں یا یہ کہ مشورہ یونہی ہے اس کا فائدہ نہیں۔ یہ بھی غلط ہے کہ مجلس مشاورت خلافت کے خلاف بغاوت ہے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ کوئی

خلافت مستحکم نہیں ہوسکتی جب تک اس کے ساتھ مشورہ نہ ہو۔ کئی دفعہ بعض باتیں مشورہ سے ایسی معلوم ہو جاتی ہیں جو انسان کے ذہن میں نہیں ہوتیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مشورہ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ جنگ احزاب کے موقع پر جب تمام کفار مل کر مدینہ پر چڑھ آئے اور یہود بھی کفار کے ساتھ مل گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے مشورہ طلب کیا۔ حضرت سلمانؓ نے ایک مشورہ دیا کہ مدینہ کے اِردگرد خندق کھودی جائے کیونکہ ایران میں یہی طریق رائج ہے[1] اس سے ایک وقت تک دشمن اپنے حملے میں ناکام رہتا ہے یہ رائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند آئی اس کے مطابق عمل کیا گیا اور اس سے مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچا۔ اس مجلس میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی موجود تھے حضرت سلمانؓ کا ان سے رتبہ اور درجہ کم تھا مگر ایک بات میں وہ اُن سے بڑھا ہوا تھا یعنی اس نے غیر ممالک کو دیکھا ہوا تھا اس لئے فن کی واقفیت تھی۔ پس جو لوگ فن سے واقف ہوں اُن کی رائے سے بہت سے کام درست ہو جاتے ہیں۔ ایسے اوقات میں اخلاص کام نہیں آتا بلکہ فن سے واقفیت کام دیتی ہے۔ پس ضروری ہے کہ مجلس مشاورت میں ہر مذاق اور ہر ایک فن کے لوگ داخل ہوں۔

علاوہ اس کے کہ لوگوں میں یہ بات داخل کر دی جائے کہ اخلاص کے ساتھ فن کی واقفیت بھی پیدا کریں اس لئے ضرورت ہے کہ مجلس مشاورت میں ماہرین فن بھی آئیں۔ ان میں ایسے بھی ہوں جو اپنے دستخط بھی کرنا نہیں جانتے لیکن وہ اپنے علاقہ میں ایسا اثر اور رسوخ رکھتے ہوں کہ اپنے علاقہ میں کام کے متعلق جوش پیدا کرسکیں اور لوگوں میں جوش نہیں پھیل سکتا جب تک علاقہ کے ذی اثر لوگ اس مجلس میں داخل نہ ہوں۔

لیکن چونکہ مشورہ عام ہوتا ہے اس میں داخل ہونے والے بعض بطور مشغلہ کے بھی آتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ نمائندے الگ ہوں اور دوسرے الگ۔ پس جو نمائندہ ہے وہ مشورہ دے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق سے ثابت ہے کہ آپ مجالس مشاورت میں سب کی بات نہیں مانا کرتے تھے بلکہ کہتے تھے کہ اپنے امیر سے کہو کیونکہ اگر امراء اور نمائندوں کی رائے نہ لی جائے تو مشورہ کی غرض باطل ہو جاتی ہے۔ مشورہ کی اہمیت بتانے

کے بعد وہ نصائح سناتا ہوں جو میں نے پچھلے سال بھی مجلس مشاورت کے وقت بیان کی تھیں۔ میں ان کو رپورٹ سے پڑھ کر سناتا ہوں کہ مشورہ میں یاد رہیں اور مشورہ دینے والوں کا قدم جادۂ اعتدال سے باہر نہ ہو۔

(۱) ہم لوگ یہاں کسی دنیاوی بادشاہت اور حکومت کی تلاش کے لئے جمع نہیں ہوئے نہ عہدوں کے لئے اور نہ شہرت کے لئے آئے ہیں ہم میں سے اکثر وہ ہیں جن کا آنا ان کے لئے مشکلات بھی رکھتا ہے۔ مخالف ان پر ہنسی اُڑاتے اور اعتراض کرتے ہیں پس ان کا یہاں آنا خدا کے لئے ہے اس لئے ضروری ہے کہ سب احباب ان نصائح پر عمل کریں۔ اپنے عمل کو ضائع ہونے سے بچائیں اور دعائیں کریں۔ اخلاص سے مشورہ دیں درد کے ساتھ مشورہ دیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے مشورہ میں برکت ڈالے۔

(۲) دعا بغیر عمل کے قبول نہیں ہوتی جب تک انسان اس کے لئے سامان نہ کرے۔ اگر انسان کو خواہش ہوتی ہے تو سامان کرتا ہے اگر سامان نہیں کرتا تو دعا کرنا غلط ہے۔ یہ دھوکا ہے کہ خدا سے اِس بات کی دعا مانگی جائے جس کے لئے خود کچھ تیاری نہ کی جائے اور ظاہر نہ کیا جائے کہ جس کام میں خدا سے دعا مانگتا ہے اس کا محتاج ہے۔

(۳) جو لوگ مشورہ کے لئے اٹھیں یہ نیت کریں کہ جو بات وہ کہتے ہیں وہ دین کے لئے مفید ہوگی یا یہ کہ جس بات کے لئے مشورہ کیا جاتا ہے کون سی بات دین کے لئے مفید ہوگی۔

(۴) جو مشورہ دیں وہ آپ کا ہو کسی کی خاطر مشورہ نہ دیں۔ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مشاورت بھی ہو اور آپ مشورہ طلب کریں تو ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے علم کے مطابق مشورہ دیں۔ ہاں آپ کو یہ حق تھا کہ ہمارے مشورہ کو ردّ کر دیں۔ پس جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بھی مشورہ دیا جا سکتا ہے تو خلیفہ کی مجلس میں بدرجہ اَولیٰ دیا جا سکتا ہے۔ میرے نزدیک جو سچے طور پر خلیفہ ہے اس کا فرض ہے کہ وہ مشورہ سنے اور جو بات خواہ وہ کسی کی ہو اُس کو قبول کرے۔ یہ نہیں کہ وہ پہلے سے فیصلہ کرے کہ یونہی کرنا ہے بلکہ اس کی یہ حالت ہونی چاہئے کہ وہ اس ارادے سے بیٹھے کہ جو مشورہ ہوگا وہ درست ہوگا۔ اگر درست ہو تو مان لے ورنہ ردّ کر دے۔ جب تک

یہ حالت نہ ہو خطرہ ہے کہ لوگوں میں منافقت پیدا ہو جائے۔خلیفہ کی رائے کے لئے رائے دینا اس سے غداری ہے اور خدا سے بھی غداری ہے''۔

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۳ءصفحہ ۶ تا ۱۰)

---

۱ تاریخ طبری جلد۳ صفحہ ۱۶۵ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۷ء

خلیفۂ وقت کے گذارہ کا سوال

مجلس مشاورت منعقدہ ۱۹۲۴ء میں خلیفۂ وقت کے گذراوقات کے لئے رقم مقرر کرنے کے بارہ میں ایک تجویز کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا:۔

''اب میں تجویز نمبر ۹ کو لیتا ہوں جو خلیفہ کی ذات سے تعلق رکھتی ہے اور اس کو اپنی طرف سے پیش کرتا ہوں۔ اس میں عام لوگوں سے مشورہ نہیں لیا جاتا کیونکہ ان کیلئے اخلاقاً دِقتیں ہوں گی۔ ہاں اگر کوئی عالم صاحب کچھ کہنا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں وہ تجویز یہ ہے۔

خلیفۂ وقت سلسلہ کے اموال کو بلا مجلس شوریٰ سے مشورہ لینے کے اپنی ذاتی ضروریات پر خرچ نہیں کر سکتا۔ یعنی کوئی رقم ماہواری یا یکمشت اپنی ضروریات کے لئے نہیں لے سکتا جب تک مجلس شوریٰ کی کثرت رائے اس امر پر اپنی رضا ظاہر نہ کرے لیکن گو اِس وقت تک خلفاء خلافت کے کام کے بدلہ میں کوئی گذارہ نہیں لیتے ہوسکتا ہے کہ آئندہ اس کا انتظام کرنا پڑے اور بعض خلفاء ایسے ہوں جو بِلا کسی ایسے انتظام کے گذارہ نہ کر سکیں اس لئے یہ ضروری ہوگا کہ ہر نئے خلیفہ کے متعلق مجلس شوریٰ فیصلہ کرے کہ اُس کو اِس قدر رقم گذارہ کے طور پر ملے گی۔ کسی خلیفہ کو جائز نہیں ہوگا کہ شوریٰ کے اس فیصلہ کو توڑے کیونکہ خلفائے سابقین کا یہی طریق رہا ہے اور خلیفہ کا اپنے نفس کے متعلق اِس قید کو قبول کرنا حسن انتظام کے لئے ضروری ہے۔ ہاں مجلس شوریٰ کو یہ جائز نہ ہوگا کہ بعد میں کبھی اس رقم میں جو مقرر کر چکی ہے کمی کرے۔ مگر خلفاء اپنی وسعت ادائیگی کے مطابق حسب سنت خلفائے راشدین قرض بیت المال سے لے سکتے ہیں''۔

(اس کے بعد حضور کی اجازت کے مطابق دو بزرگ علماء سلسلہ نے اس تجویز کے بارہ میں اپنی آراء پیش کیں انہیں سننے کے بعد حضور نے فرمایا)

''جب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو دوسرے تیسرے دن کسب معاش کے لئے نکلے۔ صحابہؓ نے کہا کہ اس صورت میں آپ خلافت کس طرح کریں گے؟ انہوں نے کہا کہ پھر گذارہ کس طرح کروں؟ صحابہ نے مشورہ کیا اور ایک رقم اُن کے لئے مقرر کر دی۔[1] حضرت عمرؓ کے زمانے میں بھی اسی طرح ہوا کہ مشورہ سے اُن کے لئے رقم مقرر کی گئی[2] لیکن کچھ عرصہ کے بعد جب مال کثرت سے آئے اور چیزیں گراں ہوگئیں اِدھر اہل و عیال بڑھنے لگے تو بعض صحابہ نے محسوس کیا کہ حضرت عمرؓ کا گذارہ تنگ ہے۔ ایک نے دوسرے سے ذکر کیا کہ حضرت عمرؓ کا گذارہ تنگ ہے، کچھ انتظام کرنا چاہئے۔ دوسرے نے کہا وہ خود تو نہیں کہتے۔ اُس نے کہا کہ وہ کبھی بھی نہیں کہیں گے۔ اس لئے مشورہ ہوا اور حضرت حفصہ سے ذکر کیا کہ چونکہ حضرت عمرؓ کا گذارہ تنگ ہے اس لئے ہم نے یہ تجویز کی ہے مگر ہم اُن سے ذکر کرتے ہوئے ڈرتے ہیں، آپ ذکر کریں۔ وہ گئیں اور جا کر کہا کہ بعض صحابہ آپ کے گذارہ میں وسعت کرنا چاہتے ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ بہت ناراض ہوئے اور کہا کیا تو مجھے فتنہ میں ڈالنا چاہتی ہے؟[3] اس سے ظاہر ہے کہ رقم گذارہ میں اضافہ کی کوشش کی گئی گو حضرت عمرؓ نے منظور نہ کیا۔

تیسری قرضہ کی صورت رکھی ہے۔ یہ ثابت ہے کہ جب حضرت عمرؓ فوت ہوئے تو ۴۲ ہزار درہم قرضہ ان کے ذمہ تھا۔ یہ سب صورتیں خلفاء کے طرز سے ثابت ہیں۔ پس خلیفہ کو حق ہونا چاہئے کہ بیشی کا انکار کر دے۔ ایسا نہ کرنے سے اس کے وقار کو نقصان پہنچتا ہے اور بدنتائج بھی ہوتے ہیں۔ کچھ عرصہ کی بات ہے کہ انجمن میں کسی نے یہ سوال کیا کہ چونکہ گرانی کا وقت ہے اِس لئے خلیفہ کو اڑھائی سَو ماہوار دیا جائے۔ اس سے انجمن میں اوروں کی تنخواہیں بھی بڑھائی گئیں۔ میرے اپنے نفس کی یہ حالت ہے کہ میں اپنا گذارہ اس طرح نہیں چاہتا گو ناجائز نہیں کہتا کیونکہ اُنہوں نے اسے جائز رکھا ہے جن کا میں ادب کرتا ہوں اور بزرگ سمجھتا ہوں۔ تو میں یوں بھی اس رقم کو منظور کرنے سے انکار کرتا مگر یہ بھی خیال آیا کہ اگر منظور کرلوں تو یہ کہا جائے گا کہ چونکہ اوروں نے اپنی تنخواہیں بڑھائی ہیں اس لئے یہ رقم خلیفہ کو رشوت دی ہے تا کہ وہ اعتراض نہ کرے۔ گو یہ بات نہ تھی کیونکہ تجویز

حافظ روشن علی صاحب نے پیش کی تھی اور وہ انجمن کے ملازم نہ تھے۔ مگر چونکہ اعلان نہیں ہوتا کہ فلاں تجویز کس نے پیش کی اور لوگوں کے سامنے صرف فیصلہ آتا ہے اس لئے فتنہ پیدا ہو سکتا تھا۔ پھر میرے نزدیک اگر خلیفہ کو پابند کریں کہ مجلس شوریٰ اگر اس کے گذارہ میں اضافہ کرے تو وہ منظور کرے اس سے اس کے وقار کو صدمہ پہنچتا ہے اور کئی لوگوں کے لئے بدظنی کا موقع پیدا ہوتا ہے اس لئے انتظام تو کرنا چاہیئے کہ ضرورت کے وقت اضافہ کیا جائے مگر یہ گنجائش رکھنی چاہیئے کہ خلیفہ انکار بھی کر سکے۔ ہاں یہ بات بتا دینا چاہتا ہوں گو امید کرتا ہوں کہ ہماری جماعت کی آئندہ زیادہ توجہ تاریخ اسلام اور صحابہ کے اعمال کی طرف رہے گی نہ کہ جھوٹی روایات پر کہ بعض لوگ نادانی سے یہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو صرف ۱۵ روپے گذارہ کے لئے ملتے تھے۔ ایک شخص نے میرے سامنے یہ کہا۔ میں نے کہا کہ ہم تو ۱۵ بھی نہیں لیتے مگر یہ صحیح نہیں کہ ۱۵ روپیہ لیتے تھے۔ شبلی جیسوں نے بھی لکھا ہے مگر یہ صریح غلط ہے۔ تاریخ سے پتہ لگتا ہے کہ خلفاء کی چار قسم کی آمدنی تھی۔

(۱) بیت المال سے وظیفہ۔ یہ اڑھائی سَو روپیہ کے قریب ہوتا ہے۔

(۲) ایک وظیفہ مقرر کیا گیا تھا بحیثیت صحابی ہونے کے۔ اس کے متعلق حضرت ابوبکرؓ کا علم نہیں مگر حضرت عمرؓ کو ۵۰۰۰ درہم سالانہ ملتے تھے۔ یہ بدری صحابی کو ملتا تھا یعنی جو بدر کی جنگ میں شریک ہوئے تھے انہیں دیا جاتا تھا۔

(۳) جنگ میں جو فتوحات ہوتیں اور مال آتے وہ آکر تقسیم ہوتے اور صحابہ کو دیئے جاتے۔ اس کا ثبوت اسی واقعہ سے ملتا ہے جس سے کہتے ہیں خلفاء کو لوگ بُرا بھلا بھی کہہ دیتے تھے۔ لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جبّہ پہنا۔ وہ اُس کپڑے سے زیادہ کا تھا جو ان کے حصہ میں آیا تھا۔ کسی نے کہا اُس سے تو یہ نہیں بن سکتا تھا، پھر کس طرح بنایا ہے؟ حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عمر کو بُلایا اور اس نے آکر کہا کہ میں نے اپنے حصہ کا کپڑا بھی انہیں دے دیا ہے۔

(۴) دوست احباب ہدیہ دے دیتے تھے۔ میرے نزدیک خلفاء کے متعلق یہ ایک فتنہ ہے جو آئندہ زمانے میں پیدا ہو سکتا ہے اس لئے ہم ابھی سے گذارہ کے متعلق تشریح کر دیں

تا کہ آئندہ خلفاء کو دِقت نہ ہو۔ اس کے متعلق میں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ مجلس شوریٰ ایک طرف اس بات کو مدنظر رکھے کہ ایسی بات نہ ہو کہ لوگوں میں یہ خیال پیدا ہو کہ قوم کے مال کا خلفاء بے جا تصرف کرتے ہیں اور دوسری طرف یہ کہ ایسا گذارہ بھی مقرر نہ کرے کہ خلیفہ کے وقار کو صدمہ پہنچے۔ بعض ایسے اخراجات ہو جاتے ہیں جو دوسروں کے لئے ان کو کرنے پڑتے ہیں۔ مثلاً میں جب تک اس منصب پر قائم نہ ہوا تھا اپنے ذاتی اخراجات اُس وقت کم ہوتے تھے مگر اب بہت زیادہ ہو گئے ہیں۔ پہلے پرائیویٹ سیکرٹری کی ضرورت نہ تھی مگر اب جماعتوں کو ملنے ملانے اور دیگر کاموں کے لئے ضرورت ہے۔ پھر باہر جاتے وقت علماء کی ضرورت نہ ہوتی تھی مگر اب ہوتی ہے۔ یہ خلافت کی وجہ سے اخراجات ہوتے ہیں۔ اُس وقت اگر ایک روپیہ سفر پر خرچ ہوتا تھا آج سَو کرنا پڑتا ہے۔

میں تو خرچ نہیں لیتا سوائے اُس سفر کے جو جماعت کے لئے ہو اور یہ بھی پہلے نہیں لیتا تھا مگر اب مالی مشکلات کی وجہ سے لے لیتا ہوں۔ مگر ذاتی ضروریات کے لئے کہیں جاؤں تو خرچ نہیں لیتا لیکن جب آئندہ کے لئے غور کیا جائے گا تو ایسی باتوں کو مدنظر رکھنا پڑے گا۔

یہ حالات ہیں جن کے ماتحت یہ قانون تجویز کیا گیا ہے اور میں اس پر زور اس لئے دیتا ہوں تا یہ ایسے آدمیوں کے ہاتھوں طے پا جائے جن کی اس میں کوئی ذاتی غرض نہیں اور پھر اس لئے کہ ہماری جماعت کے خلفاء پر اموال یا انتظام کے نقص کا دھبہ نہ لگے۔ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ایسا آدمی تم پر مقرر ہوا کہ تمہارے اموال محفوظ نہ رہے۔

اس کے بعد فرمایا:۔

چونکہ اب سوال کی بہت وضاحت ہوگئی ہے اس لئے دوسرے احباب بھی اگر کچھ کہنا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں۔

(اس پر بعض ممبران نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس کے بعد حضور نے اس اہم تجویز کے بارہ میں درج ذیل فیصلہ فرمایا)

فیصلہ ''ہر خلیفہ کے متعلق مجلس شوریٰ فیصلہ کرے کہ اُس کو کس قدر رقم گذارے کے لئے

ملے گی اور دورانِ خلافت میں بھی اگر حالات متقاضی ہوں تو مجلس شوریٰ کے لئے ضروری ہوگا کہ اس رقم کو بڑھا دے۔ ضروری ہوگا کہ یہ رقم وقت کی ضروریات اور حالات کے مطابق ہو اور خلافت کے وقار کو اس میں مدنظر رکھا جائے۔ مجلس شوریٰ کو جائز نہ ہوگا کہ بعد میں کبھی اس رقم میں جو مقرر کر چکی ہے کمی کرے اس مشورہ کے دوران میں خلیفۂ وقت اس مجلس میں شریک نہیں ہوں گے۔''

(اس کے بعد فرمایا)

کوئی خلیفہ اپنے کسی رشتہ دار کو اپنا جانشین نہیں مقرر کر سکتا

حضرت عمرؓ کا طریق ہے اور میرے نزدیک عقلاً یہی ہونا چاہئے اور وہ یہ ہے کوئی خلیفہ اپنے بعد اپنے کسی قریبی رشتہ دار کو یعنی اپنے باپ یا بیٹے یا بھائی یا بہنوئی یا داماد کو یا اپنے باپ یا بیٹوں یا بیٹیوں یا بھائیوں کے اوپر یا نیچے کی طرف کے رشتہ داروں کو اپنا جانشین مقرر نہیں کر سکتا۔ نہ کسی خلیفہ کی زندگی میں مجلس شوریٰ اس کے کسی مذکورہ بالا رشتہ دار کو اس کا جانشین مقرر کر سکتی ہے۔ نہ کسی خلیفہ کے لئے جائز ہوگا کہ وہ وضاحتاً یا اشارتاً اپنے کسی ایسے مذکورہ بالا رشتہ دار کی نسبت تحریک کرے کہ اس کو جانشین مقرر کیا جائے۔ اگر کوئی خلیفہ مذکورہ بالا اصول کے خلاف جانشین مقرر کرے تو وہ جائز نہ سمجھا جائے گا اور مجلس شوریٰ کا فرض ہوگا کہ خلیفہ کی وفات پر آزادانہ طور سے خلیفہ حسب قواعد تجویز کرے اور پہلا انتخاب یا نامزدگی چونکہ ناجائز تھی وہ مسترد سمجھی جائے گی۔

مفتی محمد صادق صاحب نے فرمایا کہ قریبی رشتہ دار کے الفاظ اڑا دیئے جائیں۔ حضور نے فرمایا کہ لفظ یعنی سے ان الفاظ کی گو تشریح ہو جاتی ہے مگر ان کو اُڑا ہی دیتے ہیں۔ چنانچہ ان کو اڑا کر اس طرح عبارت کر دی گئی۔

''کوئی خلیفہ اپنے بعد باپ یا بیٹے ....۔''

(اس سلسلہ میں ایک تجویز حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے نے تحریراً حضور کی خدمت میں بھجوائی اس کے متعلق حضور نے فرمایا)

''خلافت کے متعلق برادر عزیز مرزا بشیر احمد صاحب نے ایک تجویز لکھ کر بھیجی ہے گو

خوشی یہ تھی کہ وہ خود ہی بیان کرتے یہ تجویز بہت معقول ہے۔اس سے وہ دِقت بھی حل ہوگئی ہے جس کے متعلق اوپر خطرہ ظاہر کیا گیا ہے۔اسے پہلے فیصلہ کے ساتھ بطور شق (ب) کے شامل کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے''۔

''یہ ضروری ہوگا کہ وہ خلیفہ وقت جس کو پہلے خلیفہ نے منصب خلافت کے لئے نامزد کیا ہے اپنے جانشین کو خود نامزد نہ کرے۔نامزد شدہ خلیفہ کا جانشین صرف مجلس شوریٰ ہی منتخب کر سکتی ہے''۔ (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۴ء صفحہ ۳۴ تا ۴۰، ۴۲)

ہر حالت میں فتنہ انگیزی سے بچو

''دیکھو اگر کسی کی شکایت خلیفہ کے سامنے بھی نہ سنی جائے۔ اگر خدانخواستہ خلیفہ بھی ظلم میں ہمدردی کر کے کام کرنے والوں کی حمایت کرے تو بھی میں یہی کہوں گا کہ صبر کرو نہ کہ کوئی فتنہ انگیزی کی حرکت کرو۔ اگر خلیفہ واقعہ میں ظالم اور ظلم کی حمایت کرنے والا ہوگا تو خدا تعالیٰ تمہارے راستہ سے اسے ہٹا دے گا کیونکہ جب خدا تعالیٰ خلیفہ مقرر کرتا ہے تو وہ خلیفہ کو ہٹا بھی سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی کارکن ظالم ہے تو اسے بھی خدا تعالیٰ ہٹا دے گا۔ تم خود نیک بنو اور دعاؤں کے ذریعہ نہ کہ فتنہ انگیزی کے ذریعہ جو غلطی اور نقص معلوم ہو اس کی اصلاح چاہو۔ اگر اس بارے میں تمہاری غلطی ہوگی تو خدا تعالیٰ تمہارے دلوں کو صاف کر دے گا اور تمہیں تباہی سے بچالے گا اور اگر تمہاری غلطی نہ ہوگی تو خدا ظالموں کی یا تو اصلاح کر دے گا یا اُنہیں ان کی جگہ سے ہٹا دے گا۔

جماعت کے انتظام کے متعلق آخری آواز

اسلامی اصول کے مطابق یہ صورت ہے کہ جماعت خلیفہ کے ماتحت ہے اور آخری اتھارٹی جسے خدا نے مقرر کیا اور جس کی آواز آخری آواز ہے وہ خلیفہ کی آواز ہے کسی انجمن، کسی شوریٰ یا کسی مجلس کی نہیں ہے۔ یہی وہ بات ہے جس پر جماعت کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

خلیفہ کا انتخاب ظاہری لحاظ سے بے شک تمہارے ہاتھوں میں ہے تم اس کے متعلق دیکھ سکتے اور غور کر سکتے ہو مگر باطنی طور پر خدا کے اختیار میں ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے خلیفہ ہم قرار دیتے ہیں اور جب تک تم لوگ اپنی اصلاح کی فکر رکھو گے ان قواعد اور اصول کو نہ بھولو گے جو خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے ضروری ہیں تم میں خدا خلیفہ مقرر کرتا رہے گا اور اسے

وہ عصمت حاصل رہے گی جو اس کام کے لئے ضروری ہے۔

خلیفہ جماعت کو تباہ کر دینے والی غلطی نہیں کرسکتا

میں اس بات کا قائل نہیں کہ خلیفہ کوئی غلطی نہیں کرسکتا مگر اس بات کا قائل ہوں کہ وہ کوئی ایسی غلطی نہیں کر سکتا جس سے جماعت تباہ ہو۔ وہ اِس اور اُس کام میں غلطی کرسکتا ہے مگر سب کاموں میں غلطی نہیں کرسکتا اور اگر وہ کوئی ایسی غلطی کر بھی بیٹھے جس کا اثر جماعت کے لئے تباہی خیز ہو تو خدا تعالیٰ اس غلطی کو بھی درست کر دے گا اور اس کے بھی نیک نتائج پیدا ہوں گے۔ یہ عصمت کسی اور جماعت یا کسی اور مجلس کو حاصل نہیں ہوسکتی۔ میں مانتا ہوں کہ خلفاء غلطی کرتے رہے اور اب بھی کر سکتے ہیں۔ بعض اوقات میں کوئی فیصلہ کرتا ہوں جس کے متعلق بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ غلطی ہوگئی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ غلطی سے زیادہ محفوظ کون ہے۔ اجتہادی اور سیاسی غلطیاں تو رسول سے بھی ہوسکتی ہیں پھر خلیفہ ایسی غلطیوں سے کس طرح بچ سکتا ہے۔ دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہو سکتا ہے کہ دو شخص میرے پاس لڑتے ہوئے آئیں۔ ان میں سے ایک لسّان ہو اور میں اس کے حق میں فیصلہ کر دوں لیکن اگر فی الواقعہ اس کا حق نہیں تو وہ یہ نہ سمجھے کہ میرے دلانے سے اس کے لئے جائز ہوگیا۔ ایسی حالت میں اگر وہ لے گا تو آگ کا ٹکڑا لے گا۔[1]

اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اقرار کیا ہے کہ ممکن ہے آپ ایک فیصلہ کریں اور وہ غلط ہو۔ ایک شخص کو کچھ دلائیں مگر وہ اس کا حق نہ ہو لیکن باوجود اس کے قرآن کریم کہتا ہے

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا[2]

میری ہی ذات کی قسم! ان میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے تمام جھگڑوں کا تجھ سے فیصلہ نہ کرائے اور پھر جو تو فیصلہ کرے گو یہ ممکن ہے کہ تو غلط کرے یا درست کرے مگر کچھ ہو، انتظام کی درستی اور قیامِ امن کے لئے ضروری ہوگا کہ اس کے متعلق دلوں میں تنگی نہ ہو اور پھر اس فیصلہ پر عمل بھی کریں۔

یہ وہ معاملات ہیں جن میں نبوت کا تعلق نہیں ہے۔ اگر نبوت کا تعلق ہوتا تو پھر ان میں

بھی غلطی کا امکان نہ ہوتا۔

خلفاء اور نبی کی وراثت

نبی اجتہاد کی غلطی کرتا ہے۔ بحیثیت فقیہہ غلطی کر سکتا ہے، بحیثیت بادشاہ غلطی کر سکتا ہے، لیکن بحیثیت نبی غلطی نہیں کر سکتا اور وہ باتیں جو نبی سے بحیثیت فقیہہ اور بحیثیت حاکم تعلق رکھتی ہیں، خلفاء ان میں نبی کے وارث ہوتے ہیں۔ خلفاء نبی کی ہر بات کے وارث ہوتے ہیں سوائے نبوت کے اور جو احکامِ نبوت کے سوا نبی کے لئے جاری ہوتے ہیں وہی خلیفہ کے لئے جاری ہوتے ہیں۔ اگر نبی ان مسائل میں غلطی کر سکتا ہے تو خلیفہ بھی کر سکتا ہے اور یہ آیت کہ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا رسول کے لئے ہی نہیں بلکہ ہر مسلمان حاکم اور گورنر کے لئے بھی ہے اور اس کے ماتحت عمل کئے بغیر دنیا کا کام نہیں چل سکتا۔ کیا ہائی کورٹ اور پریوی کونسل غلطی نہیں کر سکتی؟ کر سکتی ہے اور کرتی ہے۔ مگر کیا یہ ہوسکتا ہے کہ وہ فیصلہ کرے اور لوگ اُسے نہ مانیں؟ بات یہ ہے کہ انسان کا ہر کام نامکمل ہے مگر جب تک بعض نامکمل باتیں تسلیم نہ کی جائیں دوسری مکمل نہیں ہوسکتیں۔ اور جب تک اس نامکمل بات کو تسلیم نہ کیا جائے کہ حاکم غلطی کر سکتے ہیں اُس وقت تک یہ بات مکمل نہیں ہوسکتی اور کبھی فساد دور نہیں ہوسکتا۔ بے شک خلفاء غلطی کر سکتے ہیں مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر ان کے آگے سرِ تسلیم خم نہ کیا جائے تو کوئی جماعت جماعت نہیں رہ سکتی۔ پس خلیفہ بھی غلطی کر سکتا ہے اور تم بھی غلطی کر سکتے ہو مگر فرق یہی ہے کہ خلیفہ کی خطرناک غلطی کی خدا تعالیٰ اصلاح کر دے گا مگر آپ لوگوں سے خدا کا یہ وعدہ نہیں ہے۔''

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۵ء صفحہ ۲۳ تا ۲۵ مطبوعہ اکتوبر ۱۹۲۵ء)

---

[1] ابوداؤد کتاب القضاء باب فی قضاء القاضی اذا اخطأ صفحہ ۵۱۵ حدیث نمبر ۳۵۸۳ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الاولیٰ

[2] النساء: ٦٦

نمائندوں کے انتخاب میں احتیاط

’’احمدی جماعتوں کو نمائندوں کے انتخاب میں احتیاط سے کام لینا چاہئے اور بہترین آدمی کو منتخب کر کے بھیجنا چاہئے۔ مجھے اس بات سے خوشی ہے کہ جماعت میں مجلس مشاورت کے متعلق احساس پیدا ہو رہا ہے اور بعض جماعتیں اس کی نمائندگی کے حق پر زور دیتی اور بہترین آدمی چن کر لاتی ہیں۔ مگر اکثر حصہ میں ابھی سستی اور لاپرواہی پائی جاتی ہے۔ اس سال پہلے کی نسبت حاضری زیادہ ہے مگر اس کی وجہ یہ نہیں کہ جماعت کا احساس اس بارے میں بڑھ گیا ہے بلکہ جب میں نے دیکھا کہ بہترین آدمی منتخب ہو کر نہیں آتے تو میں نے ایسے آدمی جو سلسلہ میں پُرانے ہیں یا بہترین کام کرنے والے ہیں یا ایسے نوجوان ہیں جنہیں کام کرنے کے لئے شوق دلانا مدنظر ہے انہیں چٹھی بھیج کر بلایا ہے۔ یہ لوگ جماعت کے نمائندے نہیں ہیں بلکہ میرے ہی نمائندے ہیں کیونکہ جماعت نے ان کو منتخب کر کے نہیں بھیجا اور نہ خود ان کے دل میں شوق اور ولولہ پیدا ہوا ہے کہ بہترین آدمی منتخب کر کے بھیجے جائیں۔ غرض ہمارے مشورے نہایت اہمیت رکھتے ہیں۔ دوستوں کو چاہئے کہ اپنی اپنی جماعتوں میں جا کر اس اہمیت سے واقف کریں۔ دیکھو ان نمائندوں پر یہی ذمہ داری کتنی بڑی ہے کہ آئندہ جب خلافت کے انتخاب کا سوال درپیش ہوگا تو مجلس شوریٰ کے ممبروں سے ہی اس کے متعلق رائے لی جائے گی۔ یہ کتنا اہم اور نازک سوال ہے۔ پھر کیوں بااثر لوگوں کو نمائندہ منتخب نہیں کیا جاتا۔ اگر خدا تعالیٰ کی حفاظت نہ ہو تو کتنے خطرناک نتائج نکل سکتے ہیں۔ ایک شخص جو خود واقف نہ ہوگا کسی شخص کی لسانی یا ظاہری حالت کو دیکھ کر کہہ سکتا ہے کہ یہی خلیفہ ہو حالانکہ خلافت کے لئے جتنے اوصاف کی ضرورت ہے وہ اس قدر مختلف اور پیچ در پیچ ہیں کہ اگر اس بارے میں ذرا بھی غفلت سے کام لیا جائے تو جماعت کی تباہی

آ سکتی ہے''۔

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۶ء صفحہ ۳،۴)

''یہ بھی بحث کی گئی ہے کہ اس مجلس میں تجویز پیش کرنے سے خلیفہ پر پابندی عائد ہوگی اور اس کے جواب میں کہا گیا ہے یہ تو بطور مشورہ ہے۔ میرے نزدیک یہ صحیح بات ہے کہ یہاں جو ریزولیوشن پیش ہوتا ہے مشورہ کے طور پر ہوتا ہے نہ کہ پاس قرار پاتا ہے اس لئے یہ اعتراض درست نہیں، اس سے خلیفہ پر پابندی نہیں ہوتی۔ مگر ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ کسی بات کے گردو پیش کے حالات اور روح کو بھی مدنظر رکھا جاتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ درخواست میں التجاء ہوتی ہے مگر اس میں مخفی فیصلہ بھی ہوتا ہے۔ اس کے متعلق ہر شخص کو عموماً تجربہ ہوگا کہ بسا اوقات ایسی درخواستیں ہوتی ہیں جن کے الفاظ تو درخواست کے ہوتے ہیں مگر مخفی طور پر ان میں جبر پایا جاتا ہے کہ ہم یوں کرنے دیں گے اور یوں نہیں کرنے دیں گے۔ میرے نزدیک وہ امور جو خلیفہ کی ذات سے وابستہ ہیں ان میں اس قسم کی مداخلت بھی درست نہیں ہوسکتی۔

درحقیقت سلسلہ کے سب امور کا ذمہ دار خلیفہ ہے۔ بعض کے متعلق یہ ہوتا ہے کہ خلیفہ خود نہیں کرتا دوسروں سے کراتا ہے اور بعض خلیفہ کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں ان کا کرنا یا نہ کرنا اَوروں سے تعلق نہیں رکھتا۔ اس مجلس میں کسی ایسے امر کو پیش کرنا گو یہ نہیں کہلاتا کہ جبر اس میں پایا جاتا ہے لیکن اس سے یہ احتمال ضرور ہے کہ اس قسم کے ریزولیوشن سے آہستہ آہستہ اس بات کی جرأت پیدا ہو کہ خلیفہ کے اعمال کی حد بندی کرنے کے لئے لوگ اُٹھ کھڑے ہوں کیونکہ یہ تجویز خلیفہ کے اعمال کے متعلق ہے، جو اساسِ عمل ہے اس کے خلاف ہے۔ بحث کسی کی ہتک کے طور پر نہیں کی گئی مگر اس کا نتیجہ تو یہ ہے کہ خلیفہ کے اعمال پر بحث ہو اور اگر اس طریق کو جاری رکھا گیا تو ہوسکتا ہے کہ کل یہ التجاء اور درخواست پیش ہو کہ ہم تجویز کرتے ہیں فلاں فلاں قسم کے خطوط کا جواب خلیفہ خود دیا کرے۔ مطلب یہ کہ وہ امور جن کا فیصلہ صرف خلیفہ کی رائے کرسکتی ہے اور اس کی مرضی پر منحصر ہے کہ مجلس مشاورت بلائے یا نہ بلائے وہی مجلس خلیفہ کے اعمال کی حد بندی کرتی ہے۔

میں یہ تو نہیں کہتا کہ یہ تجویز پیش کرنے والوں کی نیت یہی تھی مگر اس بات سے متفق ہوں جو ذوالفقار علی خاں صاحب نے بیان کی ہے۔ چنانچہ میں نے اس کے متعلق جو نوٹ تقریر کرنے کے لئے لکھے تھے ان میں یہ بات موجود ہے۔ تجویز کرنے والوں کا اخلاص اس بات کو برداشت نہیں کرتا مگر اس ریزولیوشن کو اگر کوئی غیر دیکھے گا تو وہ یہی کہے گا کہ اس میں کمزور طاقت نے زبردست حاکم کو توجہ دلائی ہے جسے اپنے فرائض کی طرف خیال نہ تھا پس یہاں اس وقت یہ سوال درپیش ہے کہ دنیا اس ریزولیوشن سے کیا نتیجہ نکالے گی۔ کسی کے اخلاص پر حملہ نہیں، کسی کی نیت پر حملہ نہیں مگر جو بھی اس ریزولیوشن کو سنے گا اس پر یہی اثر ہوگا کہ خلیفہ کی طرف سے غفلت ہو رہی تھی جس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے‘‘۔

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۶ء صفحہ ۲۷، ۲۸)

خلیفہ کے گذارہ کا سوال

''اِس وقت جو تجاویز پیش ہیں ان میں سب سے پہلی تجویز میری طرف سے ہے جو بعض دوستوں کی تحریک سے کی گئی ہے۔ مجھ سے پوچھا گیا کہ جب جماعت ایک خلیفہ کے ماتحت رہے گی اور امید ہے کہ یہ سلسلہ ہمیشہ رہے گا تو اس لئے خلفاء کے گذارہ کے متعلق سوچنا ضروری سوال ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تو خدا تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ ہم تمہارے متکفل ہیں اور ہم تمہیں اُسی طرح دیں گے جس طرح سلیمانؑ کو دیتے تھے اس لئے خدا تعالیٰ لوگوں کو الہام اور وحی کے ذریعہ تحریک کرتا اور وہ آپ کے لئے ہدایا لاتے جو نہ صرف آپ کے لئے کافی ہوتے بلکہ لنگر خانہ پر بھی خرچ ہوتے اور اگر وہ ہدایا نہ ہوتے تو لنگر نہ چل سکتا تھا۔ آپ کے بعد حضرت خلیفہ اوّل ہوئے وہ بھی دعویٰ رکھتے تھے اور تجربہ سے ثابت ہے کہ خدا تعالیٰ کا آپ سے وعدہ تھا کہ ہم تمہارے متکفل ہوں گے۔ حضرت خلیفہ اوّل فرماتے بسا اوقات ایسا ہوا کہ ایک شخص نے مجھ سے کسی رقم کا مطالبہ کیا اور خدا تعالیٰ نے اتنی ہی رقم بھیج دی۔ فرماتے ایک دفعہ ایک شخص نے آکر مطالبہ کیا میں نے اسے کہا کہ بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ گیا مگر میرے پاس کچھ نہ تھا۔ اتنے میں ایک ہندو مریض آیا جو مٹھائی لایا۔ میں نے اُسے نسخہ لکھ دیا اور وہ چلا گیا۔ مٹھائی جب دیکھی گئی تو اس میں کچھ روپے بھی تھے مگر جس قدر روپے کا مطالبہ تھا اس سے کم نکلے۔ میں نے کہا پھر دیکھو۔ جب دوبارہ دیکھا گیا تو اتنے ہی روپے نکل آئے جتنے روپوؤں کی ضرورت تھی۔

اسی طرح میرے ساتھ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے اور اس کے فضل سے مجھے معقول رقم مل جاتی ہے جو بعض اوقات عیسائیوں سے، ہندوؤں سے، غیر احمدیوں سے حتّٰی کہ ایسے لوگوں سے جنہیں بہت بڑا دشمن سمجھا جاتا ہے اُن کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے ایسے سامان پیدا کئے جن

کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور روحانی طور پر اُن کا بیان کرنا مناسب بھی نہیں ہے۔بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ قرض لینا پڑا ہے مگر میری جائداد ہے اس سے قرض ادا کیا جا سکتا ہے لیکن دوستوں نے کہا یہ طریق ہمیشہ کے لئے نہیں چل سکتا تھا۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت تو اس بارے میں کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا۔حضرت خلیفہ اوّل کے وقت ہوسکتا تھا مگر نہ کیا گیا۔ میرے وقت میں بھی ہوسکتا ہے اگر اب بھی کچھ نہ کیا گیا اور تیسرے خلیفہ کے وقت یہ سوال اٹھایا گیا تو اُس کی وجہ سے اُس خلیفہ کو حقیر سمجھا جائے گا اور اِس سوال کو بدعت قرار دیا جائے گا۔ پہلے بھی بعض لوگوں نے مجھے کہا تھا کہ میں اپنا گزارہ لوں مگر یہ میرے نزدیک مناسب نہ تھا مگر اب جس طرز پر انہوں نے بات پیش کی ہے بات معقول معلوم ہوتی ہے اس لئے پہلا امر اس دفعہ یہ پیش ہے کہ خلیفہ کے اخراجات کے لئے رقم مقرر ہونی چاہئے۔ میں خود کچھ نہیں لیتا سوائے اس کے کہ قرضہ کے طور پر کچھ رقم لوں اور کوشش کروں کہ خود ادا کردوں۔ اور اگر خود ادا نہ کرسکوں تو میں نے کہا ہوا ہے میری جو جدی جائداد ہے اس سے جماعت وصول کرسکتی ہے‘‘۔

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۷ء صفحہ ۷، ۸)

’’مجھے بعض لوگوں نے اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اِس وقت تک خلفاء کا جو طریق گذارہ کے متعلق رہا ہے وہ آئندہ خلفاء کے لئے تکلیف کا موجب ہوگا اور اُن کو اپنے گذارہ کے متعلق کوئی تحریک کرنی بھی مشکل ہو جائے گی اس لئے گو آپ خود گذارہ نہ لیں لیکن اس سوال کو پیش کر دیں تا کہ آئندہ اس سوال کا اٹھنا کسی خلیفہ کی ہتک نہ سمجھا جائے‘‘۔

’’میں طبعاً اس سوال کے اٹھانے سے متنفر ہوں اور جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا اور اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے گا اِس کے بغیر ہی گذارہ کرنے کی کوشش کروں گا لیکن مذکورہ بالا امر میں مجھے بھی بہت حد تک سچائی نظر آتی ہے اور میں جانتا ہوں کہ اگر آج میری زندگی میں اِس امر کا فیصلہ نہ ہوا تو بعد میں آنے والوں کو اِس کی وجہ سے تکلیف ہوگی۔ میں نے دیکھا ہے کہ عام طور پر لوگوں میں احساس ہے کہ خلیفہ کو جو ہدایا ملتے ہیں وہ غالباً اس کے گذارہ کے لئے کافی ہوتے ہیں۔ میرا اپنا تجربہ یہ ہے کہ اوسطاً ماہوار ایسے اخراجات ۱۵۰ سے ۲۵۰ روپیہ

تک ہوتے ہیں اور ان میں لائبریری، امداد غرباء (بعض ایسے غرباء بھی ہوتے ہیں جن کی مخفی طور پر اپنے پاس سے بھی مدد کرنی پڑتی ہے) معاملاتِ تمدنی، دعوتوں اور کئی قسم کے اخراجات شامل ہیں۔ ستر، اسّی روپے ماہوار صرف لائبریری اور دفتر کا ہی خرچ ہوتا ہے۔ ہدایا کی تعداد عموماً اِس رقم سے بھی کم ہوتی ہے۔ پس یہ رقم بلکہ اِس سے بھی زیادہ تو انہی اخراجات میں خرچ ہو جاتی ہے جو جماعت کی غرض سے خلیفہ کی حیثیت میں خلیفہ کو کرنے پڑتے ہیں۔ میرے لئے اللہ تعالیٰ نے بعض ایسی راہیں کھول دی تھیں کہ ان کے ذریعہ پہلے سات آٹھ سال خرچ چلتا رہا مگر اس کے بعد بعض اپنی ہی غلطیوں کی وجہ سے بعض راہیں بند ہو گئیں اور اُس وقت سے بیس پچیس ہزار روپیہ مجھے قرض لینا پڑا۔ ان حالات میں مَیں سمجھتا ہوں کہ بعد کے خلفاء کو مشکلات پیش آسکتی ہیں۔ پس میں بھی اب یہ چاہتا ہوں کہ جماعت مناسب غور کے بعد ایک رقم بجٹ میں خلیفہ کے اخراجات کے لئے بھی مقرر کرے۔ میں اِنْشَاءَ اللّٰہَ اس رقم کو نہیں لوں گا۔ ہاں مجھے یہ فائدہ ہو جائے گا کہ بطور قرض مجھے صدر انجمن احمدیہ سے ضرورت کے موقع پر جو رقم لینی پڑتی ہے وہ میں اس مد میں سے لے کر جب توفیق ہوا ادا کر دیا کروں گا۔

اس رقم کے متعلق جو خلیفہ کے لئے مقرر کی جائے میں پسند کرتا ہوں کہ اس کے متعلق یہ قاعدہ ہو جائے کہ ہر سات سال کے بعد اس پر بلا خلیفہ کی تحریک کے مزید غور ہو جایا کرے کیونکہ حالات کے ماتحت اس میں کمی بھی اور زیادتی بھی دونوں ہی کا سوال پیدا ہو سکتا ہے۔

۱۹۲۴ء کی مجلس مشاورت میں ایک فیصلہ کیا گیا تھا جو اُس سال کی رپورٹ کے صفحہ ۳۹ پر اِس طرح درج ہے۔

''ہر خلیفہ کے متعلق مجلس شوریٰ فیصلہ کرے کہ اس کو کس قدر رقم گزارے کے لئے ملے گی اور دورانِ خلافت میں بھی اگر حالات متقاضی ہوں تو مجلس شوریٰ کے لئے ضروری ہوگا کہ اُس رقم کو بڑھا دے۔ ضروری ہوگا کہ یہ رقم وقت کی ضروریات اور حالات کے مطابق ہو اور خلافت کے وقار کو اس میں مدنظر رکھا جائے۔ مجلس شوریٰ کو جائز نہ ہوگا کہ بعد میں کبھی اس رقم میں جو مقرر کر چکی ہے کمی کرے۔ اس مشورہ کے دوران میں خلیفۂ وقت اِس مجلس میں

شریک نہیں ہوں گے‘‘۔

’’چونکہ اب جو تجویز پیش ہے اس میں کمی کا ذکر ہے جو پہلے فیصلہ کے خلاف ہے اِس لئے اس حصہ کو منسوخ کرتا ہوں۔ باقی چونکہ یہ بھی فیصلہ ہو چکا ہے کہ اس مشورہ میں خلیفہ شریک نہ ہو اس لئے میں اب نواب صاحب کے ہاں جاتا ہوں۔ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب مجلس کا انتظام کریں گے۔ جب اس امر کے متعلق فیصلہ ہو جائے تو مجھے اطلاع دے دی جائے‘‘۔ (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۷ء صفحہ ۱۴۵ تا ۱۴۷)

(حضور کے اس ارشاد کے مطابق محترم چوہدری صاحب کی صدارت میں مجلس کی کارروائی جاری رہی۔ فیصلہ ہو جانے کے بعد اطلاع ملنے پر حضور مجلس میں واپس تشریف لے آئے اور فرمایا)

’’یہ معاملہ جو مجلس کے سامنے پیش ہوا اس کے متعلق میری رائے یہی ہے کہ اس امر کے متعلق فیصلہ جماعت کو کرنا چاہئے۔ صحابہ کے زمانہ میں یہی طریق رہا ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ اب اسے تبدیل کیا جاوے۔ یہ سوال کہ خلیفہ کو اس بارے میں اختیار ہے پیش نہیں کیا جا سکتا کیونکہ جہاں خدا تعالیٰ کی طرف سے خلیفہ کو اختیارات دیئے جاتے ہیں وہاں حد بندی بھی کی جاتی ہے اور ان حد بندیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس معاملہ کو جماعت پر چھوڑا گیا ہے اور جماعت کے فیصلہ کو مقدم رکھا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے ۱۹۲۴ء میں اس بارے میں جو فیصلہ کیا تھا اُس میں بیان کر دیا تھا کہ اِس کا فیصلہ مجلس شوریٰ کرے۔ اس معاملہ میں شوریٰ کا اختیار مشورہ دینے کا نہیں بلکہ خود فیصلہ کرنے کا ہے۔

میں نے بتایا تھا کہ ۱۹۲۳ء تک قرضہ کے طور پر بھی بیت المال سے کوئی رقم لینے کی مجھے ضرورت پیش نہ آئی تھی ممکن ہے کبھی کوئی قلیل رقم لی ہو۔ بہت سے اخراجات سلسلہ کے متعلق ایسے تھے کہ وہ بھی میں اپنے پاس سے کرتا رہا مگر بعض حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ مجھے قرضہ لینا پڑا۔ اس قرضہ کو لئے تین سال ہو گئے ہیں۔ اس میں سے بعض رقوم ادا بھی کی گئیں مگر بیشتر حصہ ایسا ہے کہ جو ابھی ادا نہیں کر سکا گو میں نے اعلان کیا ہوا ہے کہ میرے قرضہ کی ذمہ دار میری جائداد ہے مگر میں اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھتا ہوں کہ وہ مجھے اپنی زندگی میں ہی

قرض ادا کرنے کی توفیق دے گا لیکن جیسا کہ کہا گیا ہے ہوسکتا ہے کہ کسی خلیفہ کو اخراجات کی ضرورت پیش آئے اس لئے کوئی انتظام ہونا ضروری ہے۔ حضرت خلیفہ اوّل کے پاس تو ایک ایسا فن تھا جس کی وجہ سے آمد ہو جاتی تھی۔ اسی طرح مجھے بھی پہلے سالوں میں معقول رقم خاص ذرائع سے مل جاتی تھی مگر یہ طریق ہمیشہ کے لئے نہیں چل سکتا۔ اب چوہدری صاحب کا بیان ہے کہ ۵۰۰ روپیہ ماہوار خلیفہ کے ذاتی اخراجات کے لئے اور ۱۵۰۰ سالانہ سفرخرچ کے لئے مجلس نے تجویز کیا ہے اور پانچ سال کا عرصہ اس پر دوبارہ غور کرنے کے لئے مقرر ہوا ہے۔ میری اپنی تجویز سات سالہ تھی اگر اِس دوران میں کوئی وجہ خاص پیش آجائے تو دوسرے اسے پیش کر سکتے ہیں۔ اگر ہر سال اِس پرغور کیا جاوے تو یہ مشغلہ ہی بن جائے‘‘۔

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۷ء صفحہ ۱۵۷، ۱۵۸)

مجلس مشاورت اور خلافت کا جوڑ

''میں دیکھتا ہوں کہ مجلس مشاورت جماعت میں بہت اہمیت اختیار کر رہی ہے اور ایسا ہی ہونا بھی چاہیئے ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے لَاخِلَافَةَ اِلَّا بِمَشْوَرَةٍ[1] کہ خلافت بغیر مشورہ کے نہیں اور یہ آپ نے خدا تعالیٰ کے حکم سے فرمایا۔ یہ میں اس لئے کہتا ہوں کہ خلافت کا حکم قرآن میں ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کے متعلق کوئی حد بندی اپنی طرف سے نہ کر سکتے تھے۔ بات یہی ہے کہ خلافت کبھی مفید نہیں ہوسکتی جب تک اس کے ساتھ مشورہ نہ ہو۔ تو خدا تعالیٰ کے نزدیک تو مجلس شوریٰ کو پہلے ہی اہمیت حاصل تھی مگر جماعت کی اس طرف کم توجہ تھی ۔ اب جماعت بھی اس کی اہمیت محسوس کر رہی ہے اور اس دفعہ دو تین جماعتوں کی طرف سے یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ فلاں نمائندہ ہو فلاں نہ ہو۔ پہلے یوں کہتے تھے کہ بھئی مجلس مشاورت میں جانے کیلئے کس کو فراغت ہے۔ اگر کوئی کہتا مجھے ہے تو اُسے بھیج دیتے مگر اب کے جماعتوں نے نمائندوں کے انتخاب کئے ہیں اور اچھے طریق پر کئے ہیں ۔ اس بات پر بحث ہوئی ہے کہ کون نمائندہ بن کر جائے ، یہ ایک اچھی روح ہے۔

ہماری جماعت کو سمجھنا چاہیئے کہ ہماری مجلس شوریٰ کی عزت ان بنچوں اور کرسیوں کی وجہ سے نہیں ہے جو یہاں بچھی ہیں بلکہ عزت اُس مقام کی وجہ سے ہے جو خدا تعالیٰ کے نزدیک اسے حاصل ہے۔ بھلا کوئی کہہ سکتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عزت اُس لباس کی وجہ سے تھی جو آپ پہنتے تھے۔ آپؐ کی عزت اُس مرتبہ کی وجہ سے تھی جو خدا تعالیٰ نے آپؐ کو دیا تھا اسی طرح آج بے شک ہماری یہ مجلس شوریٰ دنیا میں کوئی عزت نہیں رکھتی مگر وقت آئے گا اور ضرور آئے گا جب دنیا کی بڑی سے بڑی پارلیمنٹوں کے ممبروں کو وہ درجہ حاصل نہ ہوگا جو اِس کی ممبری کی وجہ سے حاصل ہوگا کیونکہ اس کے ماتحت ساری دنیا کی پارلیمنٹیں آئیں گی۔

پس اس مجلس کی ممبری بہت بڑی عزت ہے اور اتنی بڑی عزت ہے کہ اگر بڑے سے بڑے بادشاہ کو ملتی تو وہ بھی اس پر فخر کرتا۔ اور وہ وقت آئے گا جب بادشاہ اِس پر فخر کریں گے پس ضرورت ہے کہ جماعت اس کی اہمیت کو اور زیادہ محسوس کرے اور ضرورت ہے کہ سال میں دو دفعہ ہو تا کہ زیادہ مسائل پر غور کیا جا سکے''۔ (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۸ء صفحہ ۱۴، ۱۵)

سوال کرنے کی اجازت دینا خلیفہ کا کام ہے

''دوسرے سوال کے متعلق بولنا اور سوال کرنے کی اجازت دینا چونکہ خلیفہ کا کام ہے اس لئے اس قسم کی سٹرائیک نہیں کرنی چاہئے کہ اگر جواب دینے کے بعد پھر بولنے کی اجازت نہ ہو تو پھر سوال پیش ہی نہ کئے جائیں۔

ان کو سوالات پیش کرنے چاہئیں تھے اور پھر ان کے متعلق مزید گفتگو کرنے کیلئے درخواست کرنی چاہئے تھی کہ اجازت دی جائے۔ اگر مناسب ہوتا تو میں اجازت دے دیتا اور مناسب نہ ہوتا تو نہ دیتا۔ اس طرح وہ بھی خوش ہو جاتے اور سوالات سے جو بہت سے فائدے حاصل ہو جاتے ہیں وہ بھی حاصل ہو سکتے۔ پس یہ کہنا کہ اگر لمبی گفتگو کی اجازت نہ ہو تو سوالات بھی پیش نہ کئے جائیں یہ درست نہیں تھا''۔ (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۸ء صفحہ ۳۱)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم استغفار کیوں پڑھتے تھے

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا طریق تھا کہ جب آپ مجلس میں بیٹھتے تو استغفار پڑھا کرتے تھے اور حدیث میں آتا ہے ۷۰ دفعہ استغفار پڑھتے تھے[۱] اس کی غرض وہ نہ ہوتی تھی جو سوئے ادبی سے لوگ بیان کرتے ہیں کہ آپ کے دل پر مجلس میں بیٹھنے سے زنگ لگتا تھا اسے دور کرنے کے لئے استغفار پڑھتے تھے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرا شیطان مسلمان ہو گیا ہے تو پھر آپ کے دل پر زنگ لگانے والا کون ہو سکتا تھا۔ لیکن یہ صحیح ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے زنگ کا ذکر فرمایا ہے مگر یہ نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر زنگ لگتا تھا بلکہ اس لئے پڑھتے تھے کہ دوسروں کے دلوں پر زنگ نہ لگے اور خدا تعالیٰ انہیں اس سے بچا لے۔ اور دوسرے لوگ اس لئے پڑھتے تھے کہ وہ اس زنگ سے بچ جائیں۔

رسول اور خلفاء کی مجلس کے آداب

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلس میں بیٹھنے اور زنگ کا کیا تعلق ہے۔ اس موقع پر یا اُس موقع پر جب خلفاء بیٹھے ہوں کئی باتیں ایسی پیدا ہوسکتی ہیں کہ لوگوں کے دلوں پر زنگ لگا دیں۔ قرآن کریم میں حکم ہے کہ ایسی آواز سے نہ بولو کہ رسول سے سُوءِ ادبی ہو اور وہ بات جو رسول کے لئے ہو خلفاء بھی اس کے حصہ دار ہیں۔ اب اگر کوئی کسی اور مجلس میں بے جا زور اور تندی سے بولتا ہے تو اس کے متعلق کہیں گے بے ادب ہے۔ لیکن اگر رسول کریم ﷺ یا خلیفہ کی مجلس میں اس طرح کلام کرتا ہے تو نہ صرف آدابِ مجلس کے خلاف کرتا ہے بلکہ گناہ کا بھی مرتکب ہوتا ہے۔

پس احباب کو اس بات کی عادت ڈالنی چاہئے کہ اس مجلس مشاورت میں زیادہ وقار اور خشیت اللہ سے بات کریں مگر دیکھا گیا ہے بعض لوگوں نے یہ مدنظر نہیں رکھا کہ میں فیصلہ کر چکا ہوں اور کئی نے کہا ہے کہ فلاں فیصلہ میں ترمیم کی ضرورت ہے۔ یہ تو دنیوی حکومتوں میں بھی ہوتا ہے کہ جو فیصلہ پریذیڈنٹ کر دے پھر اس کے خلاف نہیں کہا جاتا حالانکہ ان لوگوں کو پریذیڈنٹ سے کوئی اخلاص نہیں ہوتا، کوئی مذہبی تعلق نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات دل میں اُسے پاجی کہہ رہے ہوتے ہیں مگر اس کے فیصلہ کا لحاظ رکھتے ہیں۔ ہماری جماعت کے لوگ اخلاص رکھتے ہیں مگر آداب مجلس سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے اِس قسم کی باتیں اِن سے سرزد ہو جاتی ہیں۔

پچھلی دفعہ کی مجلس مشاورت میں ایسا نہیں ہوا مگر اب کے محسوس کیا گیا ہے کہ بعض نے مجھے بھی ناظروں میں سے ایک ناظر سمجھا ہے حالانکہ خلیفہ کسی پارٹی کا نہیں ہوتا بلکہ سب کا ہوتا ہے اور سب سے اس کا یکساں تعلق ہوتا ہے۔ اسے کسی محکمہ سے تعلق نہیں ہوتا بلکہ سب سے اور سب افراد سے تعلق ہوتا ہے اس لئے ان باتوں میں شریعت کے آداب کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عورتوں میں وعظ کا سلسلہ شروع کیا مگر ان کی مجلس میں شور ہوا تو آپ نے فرمایا اب ہم وعظ نہیں کریں گے کیونکہ عورتوں نے ادب ملحوظ نہیں رکھا۔ پس خلافت کے آداب اور مجلس کے آداب مدنظر رکھنے چاہئیں''۔ (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۸ء صفحہ ۱۳۶، ۱۳۷)

منصب خلافت کا احترام

’’اب کمیشن کی سفارشات میں سے صرف ایک بات باقی رہ گئی ہے میں اسے بغیر توجہ کئے چھوڑ دیتا مگر خلافت کے مقام کے احترام نے مجھے اجازت نہ دی کہ میں اسے یونہی چھوڑ دوں۔

پہلے تو مجھے خیال آیا یہ پہلا کمیشن ہے جس نے کچھ کام کیا ہے اس لئے جہاں تک ہو سکے اس کی سفارشات کو رَدّ نہ کروں۔ مگر پھر بھی میں نے سمجھا ذمہ داری کے لحاظ سے میری خاموشی نقصان رساں ہوگی اور میں نے یہی سمجھا کہ کمیشن کے ممبر لائق اور تعلیم یافتہ اصحاب ہیں وہ اپنی کسی رائے پر جرح بخوشی برداشت کریں گے اور جب انہوں نے میری بیعت کی ہوئی ہے تو گویا اپنا سب کچھ میرے سپرد کر دیا ہے۔ گو مجھے معلوم ہوا ہے ایک ممبر نے جرح کو بہت بری طرح محسوس کیا ہے جس کا مجھے بہت دکھ ہے۔ بہرحال یہ ایسا سوال تھا جسے میں نظرانداز نہیں کرسکتا تھا اور اگر میں نظرانداز کرتا تو خدا تعالیٰ کے حضور مجرم ٹھہرتا۔

وہ سوال یہ ہے کہ کمیشن نے دانستہ نہیں بلکہ نادانستہ کیونکہ جب انہوں نے بیعت کی اور مجھے خلیفہ تسلیم کر کے میری بیعت میں داخل ہوئے تو پھر خلافت کے منصب کا احترام کرنا ان کا فرض ہے، بعض باتیں ایسی لکھی ہیں کہ جو کام ان کے لئے مقرر کیا گیا تھا اس سے باہر ہیں حتیٰ کہ وہ خود منصب خلافت پر حملہ کرتی ہیں۔ اس وجہ سے میں نے سمجھا اگر آج میں ان پر خاموش رہتا ہوں خواہ کسی وجہ سے تو کل کہا جائے گا خلیفہ دوم نے تسلیم کر لیا تھا کہ خلافت کا یہی منصب ہے۔

منصب خلافت

میں اس بات کی تفصیل میں پڑنے سے قبل بتانا چاہتا ہوں کہ وہ خلافت کا منصب جس کے لئے ہم نے یہ ذمہ داری برداشت کی تھی

کہ کسی اختلاف سے نہ ڈریں گے وہ کیا ہے؟ جب حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فوت ہوئے تو وہ لوگ جنہوں نے جماعت سے نکل کر الگ انجمن بنائی ان سے میری گفتگو ہوئی۔ میں نے ان سے کہا مجھے خلیفہ کے انتخاب میں اختلاف نہیں آپ لوگ جسے منتخب کریں میں اسے خلیفہ ماننے کے لئے تیار ہوں۔ اس موقع پر میں نے اپنے خاندان کے لوگوں کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ اگر دوسرا فریق اس بات پر اَڑ جائے کہ خلیفہ ہمارے ہم خیالوں اور ہم عقیدہ لوگوں میں سے نہ ہو تو ہمیں یہ بات منظور کر لینی چاہئے اور جسے وہ پیش کریں جماعت کا اتحاد قائم کرنے کے لئے اسے خلیفہ مان لینا چاہئے۔ اس پر بعض نے کہا ہم یہ کس طرح برداشت کر سکتے ہیں کہ کوئی ایسا شخص خلیفہ ہو جسے ہمارے عقائد سے اختلاف ہو۔ میں نے کہا اگر تم لوگ یہ برداشت نہیں کر سکتے تو وہ کس طرح برداشت کر سکتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی شخص خلیفہ ہو۔ اگر تم لوگ ان کے پیش کردہ آدمی کو خلیفہ نہیں مانو گے تو میں تم سے علیحدہ ہو جاؤں گا اور اُسے خلیفہ مان لوں گا۔ آخر یہ بات طے ہوئی کہ کسی ایسے شخص کو جس نے ہمارے خلاف عقائد کا اظہار نہیں کیا اور ان لوگوں کا بھی اس پر اعتماد ہو اُسے خلیفہ منتخب کرنے کی کوشش کی جائے اس کے لئے میر حامد شاہ صاحب اور مولوی محمد احسن صاحب کے نام تجویز ہوئے کہ ان میں سے اگر کسی کو وہ خلیفہ منتخب کریں تو ہمیں فوراً مان لینا چاہئے۔ لیکن اگر وہ ضد کریں کہ مولوی محمد علی صاحب ہی خلیفہ ہوں تو بھی انہیں ماننا ہوگا ورنہ میں تم سے علیحدہ ہو جاؤں گا۔ اس پر میں نے سب سے عہد لیا اور پھر مولوی محمد علی صاحب سے کہا کہ اگر آپ اپنے میں سے کسی کو خلیفہ منتخب کرنا چاہتے ہیں تو ہم اسے ماننے کے لئے تیار ہیں لیکن اگر آپ یہ کہیں کہ کوئی خلیفہ ہی نہیں ہونا چاہئے تو اسے برداشت نہیں کیا جا سکتا اور اس پر ہمارا آپ سے افتراق ہے چنانچہ ہمیں اسی وجہ سے ان سے علیحدہ ہونا پڑا اور ان کی علیحدگی کی ہم نے کوئی پرواہ نہ کی۔

غرض یہ وہ مسئلہ ہے کہ جس پر ان لوگوں سے جو جماعت کے لیڈر سمجھے جاتے تھے ہمیں علیحدگی اختیار کرنی پڑی اور ہم نے انہیں صاف طور پر کہہ دیا کہ اگر وہ خلافت کے قائل نہیں تو ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں۔

اب بعض دوستوں نے مجھ سے شکایت کی کہ خلافت کا مسئلہ بعض لوگوں پر مخفی ہو رہا ہے اور وہ اس کی حقیقی اہمیت سے ناواقف ہوتے جا رہے ہیں۔ کمیشن کی رپورٹ سے ظاہر ہو گیا کہ فی الواقعہ بعض لوگوں پر یہ مسئلہ مخفی ہو رہا ہے اس وجہ سے وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کی ضرورت ہوئی۔

میں صاف الفاظ میں کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اس مسئلہ میں اختلاف رکھنے والے کسی شخص سے ہمارا اتحاد نہیں ہو سکتا۔ خواہ وہ ہمارا بھائی ہو یا بیٹا یا کوئی اور قریبی رشتہ دار۔ اگر جماعت کا کوئی فرد اس میں اختلاف رکھتا ہو تو اسے دیانتداری کے ساتھ علیحدہ ہونا چاہئے اور اپنے لئے الگ نظام قائم کر لینا چاہئے۔ اس وجہ سے ہم اسے بُرا نہ سمجھیں گے مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم میں رہتے ہوئے خلافت تسلیم کرتے ہوئے پھر اس میں اختلاف کرے۔

ہمارے اس عقیدہ کی بنیاد یہ ہے کہ جس کو خلیفہ تسلیم کیا گیا، جس کی بیعت کی گئی اُس کی اسی طرح اطاعت کرنی چاہئے جس طرح شریعت نے ضروری قرار دی ہے لیکن اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ اس نے کسی غلط فہمی کی وجہ سے خلافت کو تسلیم کیا اور خلیفہ کی بیعت کی تھی تو وہ ہماری طرف سے آزاد ہے وہ جس وقت چاہے الگ ہو سکتا ہے اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں نہ ہم اسے بُرا سمجھیں گے۔ غیر مبائعین کو ہم اس لئے بُرا نہیں سمجھتے کہ وہ خلافت سے الگ ہو گئے بلکہ اس لئے بُرا قرار دیتے ہیں کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ہتک کرتے ہیں ورنہ میں تو انہیں بھی اپنا بھائی سمجھتا۔

پس پہلی بات جو اِس وقت میں بتانا چاہتا ہوں یہ ہے کہ خلافت کوئی سیاسی نظام نہیں بلکہ مذہب کا جزو ہے۔ میں اِس وقت اسے مذہب کا جزو ثابت کرنے کے لئے دلائل میں نہیں پڑوں گا۔ کوئی اسے غلط کہہ دے مگر ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن نے مقرر کیا ہے کہ خلیفہ ہو اس لئے یہ مذہبی مسئلہ ہے۔ میں اس میں کسی قسم کی تبدیلی کرنے کے لئے تیار نہیں۔ میرا خیال ہے ایک دفعہ خان صاحب ذوالفقار علی صاحب غیر مبائعین کی طرف سے پیغام لائے تھے کہ آپس کا اختلاف دور کر دینا چاہئے۔ میں نے انہیں کہا تھا کہ اگر کسی دنیوی بات پر اختلاف ہے تو میں اسے چھوڑنے کے لئے تیار ہوں، اگر کسی جائداد کے متعلق اختلاف ہے تو

وہ میں دینے کیلئے تیار ہوں لیکن اگر خلافت مذہبی مسئلہ ہے تو کس طرح خیال کیا جا سکتا ہے کہ میں اسے قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاؤں گا۔ دینی لحاظ سے تو ایک شعشہ کم کرنا بھی کفر ہے۔ پس میں یہی کر سکتا ہوں کہ وہ مجھے سمجھائیں، میں انہیں سمجھاتا ہوں، پھر جس کی بات حق ثابت ہو اُسے مان لیا جائے۔ تو خلافت کا مسئلہ ایک مذہبی مسئلہ ہے اور مذہب کا جزو ہے اور حق یہ ہے کہ خلیفہ قائم مقام ہوتا ہے رسول کا اور رسول قائم مقام ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا۔

اللہ تعالیٰ نے بعض احکام دے کر اس کے بعد رسول کو اختیار دیا ہے کہ وہ ان میں دوسروں سے مشورہ لے کر فیصلہ کرے۔ پھر لوگوں کو اس بات کا پابند قرار دیا ہے کہ جو فیصلہ رسول کرے اسے بغیر چوں و چرا کے تسلیم کریں۔ اس پر اعتراض کر کے پیچھے رہنے کا کسی کو حق نہیں دیا۔ اسی طرح خلیفہ کو حق دیا ہے کہ مشورہ لے اور پھر فیصلہ کرے۔

مجلس شوریٰ کا منصب

دنیاوی مجالس مشاورت میں تو یہ ہوتا ہے ان میں شامل ہونے والا ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ چاہے میری بات رد کر دو مگر سن لو۔ لیکن خلافت میں کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں خلیفہ کا ہی حق ہے کہ جو بات مشورہ کے قابل سمجھے اس کے متعلق مشورہ لے اور شوریٰ کو چاہئے کہ اس کے متعلق رائے دے۔ شوریٰ اس کے سوا اپنی ذات میں اور کوئی حق نہیں رکھتی کہ خلیفہ جس امر میں اس سے مشورہ لے اس میں وہ مشورہ دے۔ سوائے اس حق کے کہ وہ پہلے خلیفہ کی وفات پر نئے خلیفہ کا انتخاب کر سکتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو تحدید کر دی تھی کہ ان کے بعد چھ آدمی جسے خلیفہ منتخب کریں وہ خلیفہ ہو۔ ہم نے ان کی نقل کرتے ہوئے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وفات کے بعد مجلس شوریٰ رائے عامہ اور شریعت کے احکام کو مدنظر رکھ کر فیصلہ کرے کہ فلاں شخص خلیفہ ہو۔ تا اللہ تعالیٰ کی آواز اس کی زبان پر جاری ہو کر دنیا میں پھیلے۔ یہ مجلس شوریٰ کی حیثیت ہے۔ اس کے سوائے خلیفہ کے کاموں میں اسے کوئی دخل حاصل نہیں۔

یہ ہو سکتا ہے کہ ذاتی معاملات میں خلیفہ سے غلطی ہو جائے لیکن ان معاملات میں جن پر جماعت کی روحانی اور جسمانی ترقی کا انحصار ہو ان میں اگر اس سے غلطی سرزد ہو تو اللہ تعالیٰ جماعت کی حفاظت کرتا ہے اور الہام یا کشف سے اس غلطی پر مطلع کر دیتا ہے۔

صوفیاء کی اصطلاح میں اسے حفاظت صغریٰ کہا جاتا ہے اور قرآن کریم میں آتا ہے وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ [1] اس سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی رضامندی ان کی زبان پر جاری کرتا ہے اور اسے ان کے ذریعہ دنیا میں قائم کرتا ہے۔

یہ خلافت کے متعلق ہمارا عقیدہ ہے اور یہ بھی ہمارا عقیدہ ہے کہ سوائے ان اموال کے جو وقتی ضروریات کے لئے آتے ہیں باقی سب اموال خدا تعالیٰ کے ہوتے ہیں۔ یہ نہیں کہ خلیفہ کے پاس جو اموال آتے ہیں وہ ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے کہ پبلک کے اموال گورنمنٹوں میں جمع ہوتے ہیں۔ زکوٰۃ اور صدقہ ایسے اموال ہیں جو محض خدا کے لئے دیئے جاتے ہیں۔ انہیں جو شخص اس لئے دیتا ہے کہ اس کی مرضی سے خرچ ہوں وہ خدا تعالیٰ کے لئے نہیں دیتا بلکہ اپنے لئے دیتا ہے۔ جو خدا تعالیٰ کے لئے عشر، زکوٰۃ اور صدقہ دیتا ہے وہ مال اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے جس کا محافظ رسول اور پھر خلیفہ ہوتا ہے۔ ہاں آگے اس کے لئے یہ رکھا کہ وہ مشورہ لے مگر جس طرح چاہے خرچ کرے اس پر کوئی اعتراض کرنے کا حق نہیں رکھتا۔

جب ایک موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر غنیمت کے متعلق انصار میں سے کسی نے اعتراض کیا کہ خون ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے لیکن مال دوسروں کو دے دیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اب انصار کو دنیا میں کسی بدلہ کی اُمید نہیں رکھنی چاہئے ان کی خدمات کا بدلہ قیامت میں ہی ملے گا۔[2] چنانچہ دنیا میں انصار کو حکومت نہ ملی اور دوسروں نے آ کر اُن پر حکومت کی کیونکہ ان میں سے کسی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق جو قول منہ سے نکالا تھا اسے خدا تعالیٰ نے ناپسند کیا۔

جماعت کا ذمہ دار خلیفہ ہے

تو یاد رکھنا چاہئے مجلس شوریٰ جماعت احمدیہ کی ایگزیکٹو (EXECUTIVE) باڈی نہیں ہے۔ اسی بناء پر ہمارا غیر مبائعین سے اختلاف ہوا تھا کہ وہ خلیفہ کی بجائے انجمن کو جماعت کا ذمہ دار قرار دیتے تھے حالانکہ تولّیت خلیفہ کی ہے۔ آگے خلیفہ نے اپنے کام کے دو حصے کئے ہوئے ہیں۔ ایک حصہ انتظامی ہے اس کے لئے عُہدہ دار مقرر کرنا خلیفہ کا کام ہے۔ ان کارکنوں پر مجلس شوریٰ کی کوئی حکومت نہیں ہے۔ یہ طریق عمل رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

اور خلفائے راشدین کے وقت نظر آتا ہے۔ اسامہؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لشکر کا سردار مقرر کیا باقی لوگ اس کے خلاف تھے مگر آپ نے کسی کی پرواہ نہ کی۔ پھر حضرت عمرؓ نے جب حضرت خالدؓ کو سپہ سالاری سے معزول کیا تو مجلس شوریٰ اس کے خلاف تھی مگر آپ نے وجہ تک نہ بتائی۔ دوسرا حصہ خلیفہ کے کام کا اصولی ہے اس کے لئے مجلس شوریٰ سے وہ مشورہ لیتا ہے۔ پس مجلس معتمدین انتظامی کاموں میں خلیفہ کی ویسی ہی جانشین ہے جیسے مجلس شوریٰ اصولی کاموں میں خلیفہ کی جانشین ہے۔ ان دونوں کا آپس میں سوائے خلیفہ کے واسطہ کے کوئی واسطہ اور جوڑ نہیں ہے۔ مگر ہمارے اس کمیشن نے اس بات کو نظر انداز کر کے بعض تجاویز پیش کر دیں جن سے خلافت پر بھی زد پڑتی ہے۔

مجلس معتمدین کے ممبروں کا انتخاب

کمیشن نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ مجلس معتمدین کے ممبر مجلس مشاورت میں سے منتخب کئے جایا کریں۔ مجلس معتمدین کے ارکان چونکہ جماعت کے کارکن ہیں اس لئے وہ جماعت کے نمائندے نہیں ہو سکتے۔ جماعت کی اصل نمائندہ مجلس شوریٰ ہے اس میں مجلس معتمدین کے ارکان منتخب ہونے چاہئیں۔

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ سلسلہ کا اصل ذمہ دار خلیفہ ہے اور سلسلہ کے انتظام کی آخری کڑی بھی خلیفہ ہے۔ خلیفہ مجلس معتمدین مقرر کرتا ہے اور وہی مجلس شوریٰ مقرر کرتا ہے۔ دونوں مجلسیں اپنی اپنی جگہ خلیفہ کی نمائندہ ہیں۔ اگر مجلس معتمدین مجلس شوریٰ کے ماتحت ہو تو اس کا مطلب ہوا کہ خلیفہ مجلس شوریٰ کے فیصلہ کا پابند ہو۔ مجلس شوریٰ جو کارکن مقرر کرے خلیفہ ان سے کام لے حالانکہ کوئی دنیا کی مہذب حکومت ایسی نہیں ہے جس کی پارلیمنٹ وزراء مقرر کرتی ہو۔ اور کمیشن کا یہ ایسا مشورہ ہے کہ دنیاوی حکومتوں کے نام کے بادشاہوں کے حقوق بھی اس کے لحاظ سے محفوظ نہیں رہتے اور ان پر بھی ایسی پابندی نہیں ہے جو کمیشن نے خلیفہ پر عائد کی ہے۔ اس بات کا خیال کمیشن کو بھی آیا اور انہوں نے سمجھا کہ اس طرح خلیفہ کے اختیارات پر تو پابندی عائد نہیں کی جا رہی؟ اس وجہ سے انہوں نے یہ لکھ دیا کہ مجلس مشاورت میں مجلس معتمدین کا کس طرح انتخاب ہو، اس کے متعلق بعد میں غور ہو۔

مگر میں صاف طور پر بتا دینا چاہتا ہوں کہ کارکنوں کا انتخاب سوائے خلیفہ کے اور کسی کے اختیار میں نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے انتخابِ کارکنان کے متعلق تو مشورہ بھی ثابت نہیں ہوتا۔ خلفاء کے وقت بھی اس کے لئے مشورہ کی پابندی نظر نہیں آتی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقت سارے کہتے رہے کہ حضرت خالدؓ کو معزول نہ کیا جائے مگر انہوں نے ان کی بجائے ابوعبیدہؓ کو مقرر کر دیا۔

کمیشن کا یہ فقرہ کہ ''اصولاً ہمیں یہ درست نہیں معلوم ہوتا کہ انجمن معتمدین صرف ناظروں کی جماعت کا نام ہو۔ انجمن معتمدین خلیفۂ وقت کی ماتحتی میں سلسلہ کی تمام جائداد کی نگران اور مالک مقرر ہوتی ہے اس واسطے وہ صحیح معنوں میں جماعت کی نمائندہ ہونی چاہئے۔ ناظر صاحبان جو جماعت کے ملازمین میں سے ہیں کسی طرح بھی جماعت کے نمائندہ نہیں کہلا سکتے۔ ہمارے خیال میں انجمن معتمدین کے ممبران جماعت کے انتخاب سے مقرر ہونے چاہئیں''۔

یہ خلافت پر تبر ہے کیونکہ اس کا یہ مطلب ہے خلیفہ کا انتخاب صحیح نمائندہ جماعت نہیں ہے اور اس سے یہ نتائج نکلتے ہیں۔

اوّل یہ کہ مجلس معتمدین سلسلہ کی تمام جائداد کی نگران اور مالک ہے گو خلیفہ کے ماتحت ہے۔

(۲) خلیفہ کا ناظر صاحبان کو مجلس معتمدین کے ممبر مقرر کرنا درست نہیں۔

(۳) مجلس معتمدین کا انتخاب خلیفہ کی طرف سے نہیں بلکہ جماعت کے انتخاب سے ممبر مقرر ہونے چاہئیں۔

اور یہ تینوں نتیجے ہماری خلافت کے متعلق عقیدہ کے خلاف ہیں اور دنیا کی کانسٹی ٹیوشنز کے بھی خلاف ہیں۔ کوئی پارلیمنٹ وزراء مقرر نہیں کرتی مگر کمیشن کہتا ہے کہ مجلس شوریٰ مجلس معتمدین مقرر کرے۔ ساتھ ہی کہا گیا ہے کہ ہم اس تفصیل میں نہیں جانا چاہتے کہ کس طرح انتخاب ہو اور کس طرح وہ ممبران اجلاس کریں۔ ممبران کی تعداد کیا ہو اور کتنے عرصہ کے بعد ان کا انتخاب ہو۔ کس قدر حصہ نامزدگان کا ہو اور کس قدر منتخب شدہ کا۔ پھر کمیشن کرنا کیا چاہتا ہے۔

منصب خلافت کے خلاف تجویز

یہ تجویز منصب خلافت کے بالکل خلاف ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں اس قسم کی باتوں کا علم نہ ہونے کی وجہ سے انہیں یہ خیال آیا ورنہ کمیشن کے پریذیڈنٹ صاحب اور ایک دوسرے ممبر صاحب نے جس بشاشت سے اپنی رپورٹ میں میری جرح سنی ہے اس سے میں خیال بھی نہیں کرسکتا کہ انہوں نے منصب خلافت کونقصان پہنچانے کے لئے یہ تجویز کی ہے۔ چونکہ یہ ایک غلط خیال تھا اور آئندہ کے لئے نقصان رساں ہوسکتا تھا جو نادانستہ طور پر پیش کیا گیا اس لئے میں نے اس کی اصلاح کر دی ہے لیکن گوکمیشن کے ممبروں کے متعلق میں سمجھتا ہوں ان سے نادانستہ غلطی ہوئی ہے مگر ممکن ہے کسی نے ان کے دل میں یہ خیال پیدا کیا ہو اور کوئی اَور ہو جو دیدہ و دانستہ یہ خیال رکھتا ہو اس لئے میں واضح کر دینا چاہتا ہوں اور کہتا ہوں لکھنے والے جلد لکھ کر اسے شائع کر دیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا گواہ ہے ہم ایسے لوگوں سے تعاون کر کے کام نہیں کر سکتے۔ ہم نے اس قسم کے خیالات رکھنے والے ان لوگوں سے اختلاف کیا جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں رہے، آپ کے پاس بیٹھے، آپ کی باتیں سنیں۔ ہم اپنے جسم کے ٹکڑے الگ کر دینا پسند کر لیتے لیکن ان کی علیحدگی پسند نہ کرتے مگر ہم نے انہیں چھوڑ دیا اور اس لئے چھوڑ دیا کہ خلافت جو برکت اور نعمت کے طور پر خدا تعالیٰ نے نازل کی وہ اس کے خلاف ہوگئے اور اسے مٹانا چاہتے تھے۔ خلافت خدا تعالیٰ کی ایک برکت ہے اور یہ اُس وقت تک قائم رہتی ہے جب تک جماعت اس کے قابل رہتی ہے لیکن جب جماعت اس کی اہل نہیں رہتی تو یہ مٹ جاتی ہے۔ ہماری جماعت بھی جب تک اس کے قابل رہے گی اس میں یہ برکت قائم رہے گی۔ اگر کسی کے دل میں یہ خیال ہو کہ مجلس شوریٰ جماعت کی نمائندہ ہے اور اس کی نمائندہ مجلس معتمدین ہو تو اسے یاد رکھنا چاہئے کہ ہم یہ خیال سننے کے لئے بھی تیار نہیں ہو سکتے اور ہم اس کے مقابلہ میں ہر قسم کی قربانی کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن خلافت کو نقصان پہنچنے دینے کے لئے تیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ گواہ ہے میں صاف صاف کہہ رہا ہوں ایسے لوگ ہم سے جس قدر جلدی ہو سکے الگ ہو جائیں اور اگر وہ ہمارے ساتھ رہتے ہیں تو منافق ہیں اور دھوکا دے کر رہتے ہیں۔ اگر سارے کے سارے

بھی الگ ہو جائیں اور میں اکیلا ہی رہ جاؤں تو میں سمجھوں گا کہ میں خدا تعالیٰ کی اس تعلیم کا نمائندہ ہوں جو اس نے دی ہے مگر یہ پسند نہ کروں گا کہ خلافت میں اصولی اختلاف رکھ کر پھر کوئی ہم میں شامل رہے۔ یہ اصولی مسئلہ ہے اور اس میں اختلاف کر کے کوئی ہمارے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ (اس موقع پر ہر طرف سے پُر زور آوازیں آئیں کہ ہم سب اس کے ساتھ متفق ہیں)

میں نے اس مجبوری کی وجہ سے کہ خدا تعالیٰ کے حضور گناہ گار نہ بنوں ضروری سمجھا کہ اس غلطی کا ازالہ کر دوں۔ ورنہ مجھے یقین ہے کہ کمیشن کے ممبران یہ خیال نہیں رکھتے۔ اس پر میں نے جب ان کے سامنے جرح کی تو انہوں نے یہی جواب دیا کہ ہم نے یہ بات سمجھی نہیں''۔

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۰ء صفحہ ۳۹ تا ۴۷)

کوئی سلسلہ احمدیہ کو مٹا نہیں سکتا

’’حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات پر لوگوں نے خیال کیا کہ یہ سلسلہ تباہ ہو جائے گا کیونکہ انہوں نے سمجھا کہ سلسلہ کی روحِ رواں چلا گیا ہے مگر وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ سلسلہ کی روح رواں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ تھے بلکہ خدا نے اسے قائم کیا تھا۔ اُسی نے اسے قائم رکھا اور اُسی نے حضرت مولوی صاحب کو خلیفہ بنایا ہے۔ کچھ لوگ جو پہلے ہی کہتے تھے کہ اس سلسلہ کو مولوی نورالدین صاحب چلا رہے ہیں انہوں نے کہا ہم نہ کہتے تھے سب کچھ مولوی نورالدین صاحب کرتے ہیں، ان کے بعد اس سلسلہ کا خاتمہ ہو جائے گا اور جب حضرت خلیفہ اوّل فوت ہوئے تو سب نے کہا اب فیصلہ ہو جائے گا۔ مخالفت کے کچھ اور سامان بھی پیدا ہو گئے یعنی کچھ لوگ جماعت سے علیحدہ ہو کر تفرقہ کرنے لگے مگر خدا تعالیٰ قدرت نمائی کرنا چاہتا تھا۔ جہاں سلسلہ کے کاموں کو اپنے ہاتھوں میں رکھنے والے اختلاف میں پڑ گئے وہاں سلسلہ کی باگ اُس نے ایسے شخص کے ہاتھ میں دے دی جس کے متعلق کہتے تھے یہ بچہ ہے اور جو دنیا کے تجربہ کے لحاظ سے بچہ ہی تھا۔ اُس وقت میری عمر ۲۶ سال کی تھی اور میں نے یہ عمر قادیان میں ہی بسر کی تھی۔ دنیا کا مجھے کوئی تجربہ نہ تھا اور نہ ہی سلسلہ کے کاموں کا تجربہ تھا کیونکہ جن کے ہاتھوں میں کام تھا وہ پسند نہ کرتے تھے کہ میں کوئی کام کروں۔

ایسی حالت میں جب یہ کام خدا تعالیٰ نے میرے سپرد کیا تو مخالف کہنے لگے اب یہ سلسلہ تباہ ہو جائے گا اور ان لوگوں میں سے جو جماعت سے علیحدہ ہو گئے تھے ایک نے کہا ہم تو یہاں سے جاتے ہیں عوام الناس احمدیوں نے ایک بچہ کو خلیفہ مقرر کر لیا ہے دس سال کے بعد دیکھنا اِن عمارتوں پر عیسائی قابض ہو جائیں گے اور احمدیت بالکل مٹ جائے گی۔ یہ

۱۹۱۴ء کے ابتداء کا واقعہ ہے جس پر ۱۸ سال ختم ہو گئے اور اُنیسواں شروع ہے۔ گویا دو دہا کے ختم ہونے والے ہیں لیکن دیکھ لو کون قابض ہے اور آیا سلسلہ تباہ ہو گیا ہے یا خدا تعالیٰ کے فضل سے اس نے اتنی ترقی کی ہے کہ کئی گنے زیادہ جماعت ہو گئی ہے۔ جب خدا تعالیٰ نے میرے ہاتھ میں سلسلہ کی باگ ڈور دی تو بیرونی ممالک میں کسی جگہ کوئی احمدی جماعت قائم نہ تھی سوائے افغانستان کے۔ مگر اب خدا کے فضل سے مختلف ممالک میں جماعتیں قائم ہیں اور نہ صرف ہندوستانی جو دوسرے ممالک میں گئے ہوئے ہیں وہ سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے بلکہ ان ممالک کے باشندے بھی داخل ہو چکے ہیں اور غیر مذاہب کے باشندے بھی داخل ہو چکے ہیں۔ پھر جس وقت اُس انسان کے ہاتھ میں خدا تعالیٰ نے سلسلہ کا انتظام دیا جسے بچہ کہتے تھے اُس وقت خزانہ پر اٹھارہ ہزار قرض کا بار تھا اور صرف چند آنے خزانہ میں موجود تھے۔ اُس وقت کہا گیا کہ قادیان کے لوگ چند دن میں بھوکے مرنے لگیں گے لیکن ابتداء ہی سے اللہ تعالیٰ کے فرشتوں نے میرے اندر وہ طاقت اور قوت پیدا کی کہ مجھے ہر موقع پر یہی یقین رہا کہ یہ سلسلہ ضرور بڑھے گا اور ترقی کرے گا۔ آج خدا کے فضل سے وہ نظارہ نظر آ رہا ہے کہ سلسلہ کی اشاعت اور جماعت کی ترقی الگ رہی خدا تعالیٰ نے جو رُعب عطا کر رکھا ہے وہ جماعت احمدیہ سے سینکڑوں گنے زیادہ تعداد رکھنے والوں کو بھی حاصل نہیں ہے۔ اُس وقت جماعت احمدیہ کو ایک چھوٹی سی اور نا قابل التفات جماعت سمجھا جاتا تھا مگر اب اسے زبردست طاقت تسلیم کیا جاتا ہے۔ اُس وقت مسلمان کہتے تھے احمدیوں کو کسی کام میں اپنے ساتھ ملا کر کیا کرنا ہے مگر آج کہتے ہیں یہ ایک ہی جماعت ایسی ہے کہ اِس کی امداد کے بغیر مسلمان ترقی نہیں کر سکتے۔ یہ عملی ثبوت ہے اِس بات کا کہ یہ سلسلہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ کیا خدا تعالیٰ کی ان نصرتوں اور ان تائیدوں کو دیکھتے ہوئے ہم گھبرا سکتے ہیں؟ اور کیا ان حالات میں دنیا کی مشکلات روک ہو سکتی ہیں؟

پس اپنے فیصلوں میں یہ بات مدنظر رکھو کہ اس جگہ ہم خدا تعالیٰ کے ایجنٹوں کی حیثیت سے بیٹھے ہیں اور خدا تعالیٰ کا سپرد کیا ہوا کام کرنا ہمارا فرض ہے۔ کسی صورت اور کسی حالت میں بھی بزدل، کمزور ہمت اور پست حوصلہ نہ بنو۔ اپنی نظریں بلند اور اپنے دل

مضبوط رکھو۔ ایک طاقتور آقا نے یہ کام ہمارے سپرد کیا ہے اور وہ دیکھ رہا ہے کہ ہم کس طرح یہ کام کرتے ہیں۔

جن نتائج کو خدا تعالیٰ پیدا کرنا چاہتا ہے ان میں وہ ہمارا محتاج نہیں وہ کُن کہہ سکتا ہے اور جو کچھ چاہے فوراً ہوسکتا ہے لیکن وہ دنیا کو یہ دکھانا چاہتا ہے کہ یہ سب کچھ اُسی کے حکم سے ہوا ہے''۔

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۳ تا ۱۶)

بات کرتے وقت مخاطب خلیفہ ہونا چاہئے

''دوست جب کوئی بات پیش کرنا چاہیں تو آپس میں خطاب نہ کریں۔ یہ بات دینی اور دُنیوی دونوں لحاظ سے ناجائز ہے۔ اس مجلس مشاورت کا مطلب یہ ہے کہ خلیفہ آپ صاحبان سے مشورہ لے رہا ہے اس لئے بات کرتے وقت مخاطب خلیفہ ہی ہونا چاہئے۔ یہ معمولی بات نہیں اس کی وجہ سے انسان کئی قسم کی ٹھوکروں سے بچ جاتا ہے۔ جب انسان کسی کو مدمقابل سمجھ کر کوئی بات کرتا ہے تو اُسے غصہ آجاتا ہے لیکن جب مخاطب خلیفہ ہوگا تو پھر غصہ نہیں آئے گا۔ پس احباب کو یہ بات ہمیشہ مدنظر رکھنی چاہئے کہ ایسے مواقع پر خلیفہ کو مخاطب کرکے بات کی جائے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ بات کرتے وقت خلیفہ کا لفظ بولا جائے بلکہ یہ ہے کہ گفتگو کا رُخ اُس کی طرف ہو''۔

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۳ء صفحہ ۱۲، ۱۳)

آدابِ مجلس خلافت

''میں احباب کو اس ادب کی طرف توجہ دلاتا ہوں جس پر ہر مجلس میں عمل ہونا چاہئے اور جو کسی مذہب سے متعلق نہیں بلکہ ہر مذہب کے لوگوں کے لئے ضروری ہے مگر بعض دوست اسے بھول جاتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ جب مجلس شروع ہو تو آپس میں باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ یہ شکایت کل مجھے اپنے سامنے والے اصحاب سے پیدا نہیں ہوئی بلکہ ان کی طرف سے پیدا ہوئی جو میرے پیچھے بیٹھے ہیں اور جو سلسلہ کے کارکن ہیں۔ جب میں تقریر کر رہا تھا تو دو ناظر منٹوں آپس میں بے تکلفی سے باتیں کرتے گئے۔ یہ آدابِ مجلس کے صریح خلاف ہے اور خلاف ورزی کرنے والے صدر انجمن احمدیہ کے ناظر تھے۔ وہ نہایت ذمہ داری کے کام پر مقرر ہیں مگر خلیفہ تقریر کر رہا ہے اور وہ اس کی بغل میں بیٹھ کر کوئی ایک بات نہیں بلکہ لمبا سلسلۂ گفتگو شروع کر دیتے ہیں۔ گویا گھروں کے جھگڑے اسی وقت طے کرنے بیٹھے ہیں۔ یہ شکایت مجھے پہلے بھی پیدا ہوئی تھی اِس کی طرف میں توجہ دلاتا ہوں اور اب وضاحت کے ساتھ بتاتا ہوں کہ آئندہ اگر کسی ناظر کے متعلق یہ شکایت پیدا ہوئی تو میں ہدایت جاری کروں گا کہ اسے مجلس شوریٰ سے خارج کر دیا جائے۔ اگر کوئی ضروری بات کرنی ہو تو کاغذ پر لکھ کر، کر لینی چاہئے۔ یا اگر چھوٹا سا فقرہ کہہ دیا جائے تو اس کی وجہ سے تقریر میں حرج واقع نہیں ہوتا مگر ایسا نہیں ہوتا بلکہ لمبا سلسلہ گفتگو چلتا ہے''۔

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۴ء صفحہ ۱۱، ۱۲)

زمانہ قربِ نبوت اور موعود خلافت

''اِس وقت ہماری جماعت کے لئے تو خلافت کا ہی سوال نہیں دو اور سوال بھی ہیں۔ ایک قربِ زمانہ نبوت کا سوال اور دوسرا موعود خلافت کا سوال۔ یہ دونوں باتیں ایسی ہیں جو ہر خلیفہ کے ماننے والے کو نہیں مل سکتیں۔ آج سے سَو دوسَو سال بعد بیعت کرنے والوں کو یہ باتیں حاصل نہیں ہوسکیں گی۔ اُس زمانہ کے عوام تو الگ رہے خلفاء بھی اِس بات کے محتاج ہوں گے کہ ہمارے قول، ہمارے عمل اور ہمارے ارشاد سے ہدایت حاصل کریں۔ ہماری بات تو الگ رہی وہ اس بات کے محتاج ہوں گے کہ آپ لوگوں کے قول، آپ لوگوں کے عمل اور آپ لوگوں کے ارشاد سے ہدایت حاصل کریں۔ وہ خلفاء ہوں گے مگر کہیں گے کہ زید نے فلاں خلافت کے زمانہ میں یوں کیا تھا ہمیں بھی اس پر عمل کرنا چاہئے۔ پس یہ صرف خلافت اور نظام کا ہی سوال نہیں بلکہ ایسا سوال ہے جو مذہب کا سوال ہے۔ پھر صرف خلافت کا سوال نہیں بلکہ ایسی خلافت کا سوال ہے جو موعود خلافت ہے۔ الہام اور وحی سے قائم ہونے والی خلافت کا سوال ہے۔ ایک خلافت تو یہ ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ لوگوں سے خلیفہ منتخب کراتا ہے اور پھر اسے قبول کر لیتا ہے مگر یہ ویسی خلافت نہیں۔ یعنی میں اس لئے خلیفہ نہیں کہ حضرت خلیفہ اوّل کی وفات کے دوسرے دن جماعت احمدیہ کے لوگوں نے جمع ہو کر میری خلافت پر اتفاق کیا بلکہ اس لئے بھی خلیفہ ہوں کہ حضرت خلیفہ اوّل کی خلافت سے بھی پہلے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا تعالیٰ کے الہام سے فرمایا تھا کہ میں خلیفہ ہوں گا۔ پس میں خلیفہ نہیں بلکہ موعود خلیفہ ہوں۔ میں مأمور نہیں مگر میری آواز خدا تعالیٰ کی آواز ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ اِس کی خبر دی تھی۔ گویا اس خلافت کا مقامِ ماموریت اور خلافت کے درمیان کا مقام ہے اور یہ موقع ایسا نہیں ہے

کہ جماعت احمدیہ اسے رائیگاں جانے دے اور پھر خدا تعالیٰ کے حضور سرخرو ہو جائے۔ جس طرح یہ بات درست ہے کہ نبی روز روز نہیں آتے اسی طرح یہ بھی درست ہے کہ موعود خلیفے بھی روز روز نہیں آتے۔ پھر یہ کہنے کا موقع کہ فلاں بات ہم سے پچیس تیس سال پہلے خدا تعالیٰ کے نبی نے یوں کہی یہ بھی روز روز میسر نہیں آتا۔ جو روحانیت اور قرب کا احساس اس شخص کے دل میں پیدا ہوسکتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ آج سے تیس سال پہلے خدا تعالیٰ کے مأمور اور مرسل نے یہ فرمایا تھا اُس شخص کے دل میں کیونکر پیدا ہوسکتا ہے جو یہ کہے کہ آج سے دوسَو سال پہلے خدا تعالیٰ کے فرستادہ نے فلاں بات یوں کہی تھی کیونکہ دوسَو سال بعد کہنے والا اس کی تصدیق نہیں کرسکتا لیکن بیس تیس سال بعد کہنے والا اس کی تصدیق کرسکتا ہے۔

جماعت متّحد الخیال ہو جائے

پس ضرورت ہے اس بات کی کہ جماعت متّحد الخیال ہو کر خلیفہ کو اپنا ایسا استاد سمجھے کہ جو بھی سبق وہ دے اسے یاد کرنا اور اس کے لفظ لفظ پر عمل کرنا اپنا فرض سمجھے۔ اتحادِ خیالات کے ساتھ قومیں بہت بڑی طاقت حاصل کرلیا کرتی ہیں ورنہ یوں نظام کا اتحاد بھی فائدہ نہیں دیتا جب تک اتحادِ خیالات نہ ہو۔ یورپ کا حال کا تجربہ دیکھ لو۔ اٹلی یورپ میں ذلیل ترین حکومت سمجھی جاتی تھی لیکن جب مسولینی نے اٹلی میں اتحادِ خیالات پیدا کیا تو آج اٹلی کے لوگ کہتے ہیں کہ یورپ کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی ہمارا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ اور اتنا تو ہم نے بھی دیکھا ہے کہ شیر انگلستان جس کے چنگھاڑنے سے کسی وقت دنیا کانپ جاتی تھی اسے بھی اٹلی کے مقابلہ میں آکر دُم دبانی ہی پڑی۔ یہ ایک کھلا ہوا راز ہے کہ اُس وقت انگریزی حکومت لڑائی کو ضروری سمجھتی تھی اور وہ محسوس کرتی تھی کہ اس کی ذلت ہوئی ہے مگر اس کے افسروں نے کہہ دیا کہ اگر اس وقت اٹلی سے لڑائی شروع کی گئی تو اس کا نتیجہ خوش کن نہ ہوگا اور ہم لڑائی کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ کمزوری صرف اس لئے نہ تھی کہ اٹلی طاقتور ہے بلکہ اس لئے تھی کہ اور طاقتیں بھی اندرونی طور پر اٹلی کے ساتھ تھیں۔ مگر ایک زمانہ کا انگلستان وہ تھا کہ دوسری طاقتوں کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتا تھا۔ اس قدر طاقت اٹلی کو کہاں سے حاصل ہوئی؟ اسی سے کہ مسولینی نے اٹلی والوں میں اتحادِ خیالات

پیدا کر دیا۔ بے شک اس کے لئے اس نے جبر سے کام لیا، اپنے مخالفین کو قتل کرایا، اُن کی جائدادیں چھین لیں اوران کی اولادوں پر قبضہ کر کے ان کے خیالات کو ایک طرف لگا دیا لیکن ذرائع خواہ کچھ ہوں اُس نے یہ کام کیا اور کامیاب ہو گیا۔ یہی بات ہٹلر نے جرمنی میں کی ۔غرض اتحادِ خیالات کمزوروں کو بھی بڑا طاقتور بنا دیتا ہے۔

پس جب تک اتحادِ خیالات پیدا کرنے کی ہم کوشش نہیں کرتے وہ نتائج نہیں دیکھ سکتے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لئے مقدر ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ وہ آج نہیں تو کل ضرور رونما ہوں گے مگر وہ کل ہمارے لئے خوشگوار نہیں ہوگا کیونکہ ہم میں سے بہت سے وہی کھیل کھیل رہے ہیں جو ڈاکٹر اقبال نے حال ہی میں کھیلا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ اگر کوئی نماز چھوڑ دے تو مسلمان رہ سکتا ہے، اگر کوئی زکوٰۃ نہ دے تو مسلمان رہ سکتا ہے، اگر عورتیں پردہ ترک کر دیں تو مسلمان رہ سکتی ہیں، غرض اسلام کے ہر حکم کو ترک کرنے والا مسلمان رہ سکتا ہے لیکن اگر یہ نہ مانے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا تو پھر مسلمان نہیں کہلا سکتا۔ ہم میں سے بھی کئی ہیں جو کہتے ہیں ہم اگر اسلام کے کسی حکم پر عمل نہیں کرتے یا کسی حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو کیا ہوا، ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تو مانتے ہیں۔ اگر کوئی اپنی بیوی پر ظلم کرتا ہے اوراس سے اسلامی احکام کے مطابق سلوک نہیں کرتا تو وہ یہ کہہ دینا کافی سمجھتا ہے کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تو مانتا ہوں، اگر کوئی اپنی بہنوں کو حصہ نہیں دیتا تو کہہ دیتا ہے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تو مانتا ہوں، اگر کوئی اپنے بچوں کو تعلیم اسلامی طرز کے مطابق نہیں دلاتا تو کہہ دیتا ہے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تو مانتا ہوں، اگر کوئی ڈاڑھی منڈواتا ہے تو کہہ دیتا ہے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تو مانتا ہوں مگر مانتا کیا ہے خاک! جب وہ تفصیلی احکام نہیں مانتا۔ اس کی مثال اُس شخص کی سی ہے جس نے گودنے والے سے کہا تھا میری کلائی پر شیر گود دو۔ جب اس نے سوئی ماری اور اسے درد ہوا تو کہنے لگا کیا کر رہے ہو؟ گودنے والے نے کہا شیر کا دایاں کان گودنے لگا ہوں۔ اس نے کہا اگر دایاں کان چھوڑ دیا جائے تو پھر شیر رہتا ہے یا نہیں؟ گودنے والے نے کہا رہتا ہے۔ وہ کہنے لگا اچھا اسے جانے دو اور آگے

چلو۔ پھر اس نے سوئی ماری تو کہنے لگا اب کیا کرتے ہو؟ اس نے کہا شیر کا بایاں کان گودتا ہوں۔ کہنے لگا اگر بایاں کان نہ ہو تو کیا شیر رہتا ہے یا نہیں؟ اس نے کہا ہاں رہتا ہے۔ کہنے لگا پھر آگے چلو۔ اسی طرح اس نے ہر عضو کے متعلق کہنا شروع کیا آخر گودنے والے نے سُوئی رکھ دی اور کہہ دیا کہ اس طرح شیر کا کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔

تو بے شک انسان کمزور ہے، اس سے قصور ہو جاتا ہے مگر ایک قصور ہو گیا دو ہو گئے یہ کیا کہ ہر حکم کو چھوڑ دے۔ پھر اس میں اسلام کا کیا باقی رہ سکتا ہے۔صرف یہ مان لینا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قوتِ قدسیہ سے نبی ہوسکتا ہے اور یہ سمجھ لینا کہ اس طرح اسلام دنیا میں غالب آجائے گا ایسا ہی ہے جیسا کہ ڈاکٹر اقبال کا یہ کہنا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خاتم النبین مان لینے کے بعد پھر خواہ کچھ کرو کوئی حرج نہیں اور اسلام غالب آجائے گا۔

پس ہمارا فرض اسلام کو اس کی جزئیات سمیت قائم کرنا ہے اور اپنی اصلاح کے لئے ہر حکم پر عمل کرنا ضروری ہے مگر یہ اصلاح میرے خطبات اور تقریروں سے نہیں ہوسکتی کیونکہ ہر کان وہ تقریریں نہیں سن سکتا اور ہر شخص اُس وقت نہیں سن سکتا جب تک اس کا کان قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہو بلکہ یہ اسی طرح ہوسکتا ہے کہ جماعت کا ہر فرد میرے ساتھ تعاون کرے۔ ہر خطبہ جو میں پڑھتا ہوں، ہر تقریر جو مَیں کرتا ہوں اور ہر تحریر جو مَیں لکھتا ہوں اسے ہر احمدی اس نظر سے دیکھے کہ وہ ایک ایسا طالب علم ہے جسے ان باتوں کو یاد کر کے ان کا امتحان دینا ہے اور ان میں جو عمل کرنے کے لئے ہیں ان کا عملی امتحان اس کے ذمہ ہے۔ اس طرح وہ میری ہر تقریر اور تحریر کو پڑھے اور اس کی جزئیات کو یاد رکھے۔ پھر جب پڑھ چکے تو سمجھے کہ اب میں استاد ہوں اور دوسروں کو سکھلانا میرا فرض ہے۔ پس جو کچھ میں کہتا ہوں وہ ایسا ہی ہے جیسے ایک کتاب تصنیف کر دی جائے اور سکول کا کورس تیار کر دیا جائے مگر اس سے وہ فائدہ نہیں اٹھا سکتا جو اسے یاد نہ کرے اور حفظ نہ کرے جیسا کہ مدرسہ کی کتاب یاد نہ کرنے والا فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ پس آپ لوگ اقرار کریں کہ میں جو کچھ کہوں گا آپ طالب علم کی حیثیت سے اُسے سنیں اور یاد کریں گے اور جب یاد کر لیں گے تو پھر استاد کی

حیثیت سے دوسروں کو پڑھانا اپنا فرض سمجھیں گے۔ جب تک ہم یہ صورت اختیار نہ کریں تب تک کوئی مفید نتیجہ نہیں نکل سکتا یعنی انسانی ہاتھوں کے ذریعہ۔ ورنہ خدا تعالیٰ تو کرے گا ہی جو کچھ کرنے کا اس نے وعدہ کیا ہوا ہے۔

خلیفہ استاد ہے اور جماعت کا ہر فرد شاگرد

مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ باوجود اس کے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے ایک نہایت مخلص جماعت دی ہے اور آپ لوگوں میں اتنا اخلاص ہے کہ جس کا نمونہ کسی اور جگہ نہیں مل سکتا اس نقطۂ نگاہ کے نہ پیدا ہونے کی وجہ سے کہ آپ لوگ شاگرد ہیں اور خلیفہ استاد ہے، پھر پڑھ لینے کے بعد تم استاد ہوا اور دوسرے لوگ شاگرد وہ کامیابی نہیں حاصل ہو رہی جو ہونی چاہئے۔ اس کے مقابلہ میں ایک ایک دن جو گزر رہا ہے ہمارے لئے زیادہ سے زیادہ مشکلات پیدا کر رہا ہے۔ ایک گزرنے والے دن ہم جس قدر زمانہ نبوت سے قریب ہوتے ہیں دوسرے دن اس سے دور ہوتے جاتے ہیں اور یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ بظاہر تو یہ نظر آرہا ہے کہ ہم ہر روز ترقی کی طرف جا رہے ہیں لیکن اصل بات یہ ہے کہ ہم روز بروز ساحل عافیت سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ جن کوششوں، محنتوں اور قربانیوں سے کل ہم اپنے مقصد اور مدعا میں کامیاب ہو سکتے تھے آج اُن سے زیادہ کی ضرورت ہے کیونکہ کل ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے جس قدر قریب تھے آج اس سے دور ہیں۔ پس تم لوگ اس ظاہری کامیابی اور شان وشوکت کو نہ دیکھو جو نصیب ہو رہی ہے۔ یہ مت دیکھو کہ کل جہاں ایک سَو احمدی تھے وہاں آج ایک ہزار ہو گئے ہیں اور یہ مت خیال کرو کہ کل جہاں سے چندہ ایک ہزار آتا تھا آج دو ہزار آتا ہے بلکہ یہ سمجھو کہ خدا تعالیٰ کی برکت کل ہمیں کتنی حاصل تھی اور آج کتنی حاصل ہے۔ کیا کل جتنی ہی ہے یا آج کم ہے؟ یقیناً ہر گزرنے والا دن اسے کم کرتا جا رہا ہے۔ اس کے لئے یہی صورت ہے کہ ہم اپنی جدوجہد کو بڑھاویں تا کہ جو کمی روحانی طور پر ہو رہی ہے اس کا ازالہ اپنی جدوجہد میں اضافہ کر کے کر سکیں مگر میں دیکھتا ہوں کہ جو باتیں زیادہ سے زیادہ چھ ماہ میں پوری ہو سکتی ہیں وہ سال بھر میں بھی نہیں ہوتیں۔ ہمیں اس سے کیا خوشی ہو سکتی ہے کہ فلاں سکیم پیش کی

گئی ہے جبکہ اس پر عمل نہ کیا جائے۔ میں نے تعاون نہ کرنے کے متعلق شکایت کی ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خدانخواستہ جماعت میں اخلاص نہیں۔ اخلاص ہے مگر جب تک جماعت کے لوگ اس نقطہ کو نہ سمجھیں گے کہ ان کا تعلق مجھ سے شاگرد کا ہے اور وہ دنیا کے اُستاد ہیں اُس وقت تک ترقی نہ کرسکیں گے اور اگر وہ اس نکتہ کو سمجھ لیں گے تو خدا تعالیٰ کے فضل سے روز بروز ترقی کرتے جائیں گے''۔

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۶ءصفحہ ۱۶ تا ۲۱)

صدر انجمن سے خطاب

''پھر مَیں صدر انجمن کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنے آپ کو خلیفہ کا ہاتھ سمجھے، پورا پورا تعاون کرے۔ ایسے لوگوں کو سلسلہ کے کام پر لگایا جائے جو خلیفہ کا پورا ادب اور احترام کرنے والے ہوں، تعاون کرنے والے ہوں اور جو ایسا نہ ہو اُس کی اصلاح کی جائے اور اگر اصلاح نہ ہو تو انہیں نکال دیا جائے۔

اِسی طرح جو کارکن ہیں انہیں سمجھنا چاہئے کہ وہ ہتھیار ہیں ان کا اپنا کوئی وجود نہیں، جب خلافت قائم ہو تو سارے وجود اس میں مدغم ہو جاتے ہیں کیونکہ خلیفہ دماغ ہوتا ہے اور تمام جوارح کا فرض ہوتا ہے کہ دماغ کے تابع چلیں اور اگر کوئی شخص نہیں چل سکتا تو وہ کام چھوڑ دے اور تفرقہ یا سستی سے اس سکیم کو نقصان نہ پہنچائے جو جاری کی گئی ہے۔''

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۶ءصفحہ ۱۴۶، ۱۴۷)

آدابِ خلافت

’’آج میں پھراس امرکوواضح کرنا چاہتا ہوں کہ ہماری مجلس کوئی پارلیمنٹ(PARLIMENT) نہیں ہے،کوئی لیجسلیٹو اسمبلی(LAGISLATIVE ASSEMBLY)نہیں ہے بلکہ خالص اسلامی مجلس شوریٰ ہے۔ یعنی آپ لوگ خواہ جماعتوں کی طرف سے نمائندہ بن کر آئیں،خواہ مرکز کی طرف سے آپ کو نامزد کیا جائے،خواہ صدرانجمن احمدیہ کے کارکن ہوں،خواہ دوسرے لوگ آپ کے اس جگہ جمع ہونے کی محض اتنی ہی غرض ہوتی ہے کہ آپ خلیفۂ وقت کو اپنی رائے اور اپنے خیالات سے آگاہ کردیں پس جبکہ اس مجلس کی بنیاد ہی اس اصول پر ہے کہ اس میں صرف احباب خلیفہ وقت کے سامنے اپنا مشورہ پیش کرنے کے لیے جمع ہوتے ہیں تو خطاب کُلّی طور پر خلیفۂ وقت سے ہوتا ہے نہ آپس میں ایک دوسرے سے مگر باوجود بار بار سمجھانے کے دوست ایک دوسرے کو مخاطب کرنے لگ جاتے ہیں اور ایک دوسرے کا نام لے کر اعتراض کرنے یا جواب دینے لگ جاتے ہیں حالانکہ اس مجلس کے آداب کے لحاظ سے ہر دوست کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اِس وقت اُس کے سامنے صرف ایک ہی وجود ہے جو خلیفۂ وقت کا وجود ہے۔ جب تک کوئی نمائندہ اس مجلس میں بیٹھتا ہے اس کو اپنے دائیں اور اپنے بائیں بیٹھنے والے آدمیوں سے ناواقف رہنا چاہئے اور سمجھنا چاہئے کہ میں ہی اکیلا خلیفۂ وقت سے خطاب کررہا اور اس کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کر رہا ہوں۔مشورے کی غرض بالکل فوت ہوجاتی ہے اگر احباب اس بات کی پابندی نہ کریں اوراُن کے دماغ پر یہ بات مستولی رہے کہ چند دوسرے لوگ ہیں جن کے خیالات کو رد کرنا اُن کا کام ہے۔اُن خیالات کو رد کرنا یا نہ کرنا یہ خلیفہ کا کام ہے۔اُن کا محض اتنا ہی کام ہے کہ وہ اپنے خیالات ظاہر کردیں اور خاموش ہو جائیں۔اس کو مدنظر نہ رکھنے کا نتیجہ یہ ہوتا

ہے کہ بعض دفعہ باتوں میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے اور نامناسب الفاظ ایک دوسرے کے متعلق استعمال ہونے لگ جاتے ہیں حالانکہ جب خطاب خلیفۂ وقت سے ہے تو کسی دوسرے کی بات کو رد کرنا کسی کے حق اور اختیار میں نہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ احباب اس امر کو پھر ذہن نشین کر لیں گے کہ آئندہ جب کبھی بات کہنے کے لئے کھڑے ہوں تو گو دوسرے کی بات کی تردید کریں مگر ردِ خطاب کے طور پر نہیں ہونا چاہئے بلکہ اصولی طور پر ہونا چاہئے اور ذاتیات کا سوال درمیان میں نہیں لانا چاہئے اور اگر کسی سے غلطی ہوئی ہو تو دوسرے کو نہیں چاہئے کہ اس غلطی کو لمبا کرے۔ اگر اس امر کو مدنظر نہ رکھا جائے اور ذاتیات کا سوال درمیان میں لایا جائے تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پہلا ایک بات کہتا ہے اور پھر دوسرا شخص کھڑا ہوتا ہے اور اس کا رد کرتا ہے۔ اس کے بعد تیسرا کھڑا ہوتا ہے اور اس کا رد کرتا ہے اور اس طرح آپس میں ہی تکرار شروع ہو جاتا ہے اور اُن آداب کو وہ بھول جاتے ہیں جو خلافت کے لئے ضروری ہیں۔ میں ڈرتا ہوں کہ اگر احباب نے اس طریق میں اصلاح نہ کی تو مجھے کسی وقت زیادہ پابندی کے ساتھ اپنی اس بات کو قائم کرنا پڑے گا اور ایسے دوستوں کو مجھے بولنے سے روکنا پڑے گا۔ ہم یہاں اس لئے جمع ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کریں، اسلام کی ترقی کی تجاویز سوچیں اور ایسی تدابیر عمل میں لائیں جن سے دین کو فائدہ پہنچے۔ بھلا اس میں ہماری کیا عزت ہے کہ کہا جائے فلاں کی بات کم عقلی والی ہے لیکن ہماری بات بہت صحیح ہے۔ عقل سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے کیونکہ عقل علم کے تابع ہے اور علم خدا تعالیٰ بخشتا ہے۔ بے شک عقل انسانی خاصہ ہے اور خدا تعالیٰ کے متعلق ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ بڑا عقلمند ہے کیونکہ عقل کے یہ معنی ہیں کہ بُری اور اچھی باتوں کا موازنہ کر کے بُری باتوں سے رُکنا اور اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اچھی اور بُری باتوں کا اندازہ کر کے بُری باتوں سے رُکتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی صفات میں علم داخل ہے عقل نہیں۔ وہ علیم تو ہے لیکن نہیں کہا جا سکتا کہ وہ عاقل ہے مگر بہر حال عقل علم کے تابع ہے اور جو عقل علم کے تابع نہ ہو وہ عقل نہیں بلکہ جہالت ہوتی ہے۔ پس چونکہ عقل علم کے تابع ہے اور علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے اس لئے اس کے حصول میں کسی کی ذاتی خوبی نہیں ہوتی۔ پس

ہمارے لئے یہ کوئی فخر کی بات نہیں کہ اپنی عقل پر ناز کریں اور دوسرے کی بے عقلی پر تمسخر اُڑائیں اور نہ یہ ہمارے لئے جائز ہے کہ ہم معمولی باتوں میں جن میں تیزی کی کوئی وجہ نہیں ہوتی تیز ہو جائیں اور ایسے فقرے استعمال کرنا شروع کر دیں جیسے ''میری تو سمجھ میں نہیں آتا فلاں دوست نے فلاں خلافِ عقل بات کس طرح پیش کر دی'' اگر کسی کو کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی اور وہ دوسرے کو اس کی غلطی سے آگاہ کرنا چاہتا ہے تو اُسے یاد رکھنا چاہئے کہ اُس مجلس میں جہاں خلیفہ موجود ہو دوسرے کو سبق دینا اور سکھانا خلیفہ کا کام ہے دوسرے کا کام نہیں''۔

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۷ء صفحہ ۵۴ تا ۵۶)

انتخابِ خلافت کے طریق

''خلافت کے انتخاب کے متعلق بھی کئی طریق ثابت ہیں۔ایک یہ کہ مرکزی جماعت کے موجودہ ممبر انتخاب کر لیں یا جماعت میں سے چند لوگ منتخب کر لئے جائیں اور پھر وہ انتخاب کریں۔ یا ایک خلیفہ دوسرے خلیفہ کو منتخب کر دے جیسے حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو کیا۔تو یہ مختلف طریق ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلفاء سے ثابت ہیں اور آپؐ نے فرمایا ہے کہ عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ[1] اور قرآن کریم نے صحابہ کو نجوم قرار دیا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بِاَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ[2] جو لوگ حقیقی طور پر صحابہ ہیں منافق نہیں وہ سب ستاروں کی طرح ہیں جس کی چاہو پیروی کرو ہدایت ہی ملے گی اور صحابہؓ سے یہ سارے طریق ثابت ہیں۔ اس واسطے ہمارے لئے گنجائش ہے کہ زمانہ کے حالات کے لحاظ سے جو مناسب سمجھیں اختیار کر لیں۔مگر یہ ضروری ہے کہ پبلک کی مرضی کا خیال رکھا جائے اوراس کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے موجودہ طریق رکھا ہوا ہے۔

ایک زمانہ میں سب کی رائے لی جاسکتی ہے اور پھر ایسا وقت بھی آسکتا ہے جب سب کی رائے لی ہی نہ جاسکے۔ جیسے ہم امید رکھتے ہیں کہ احمدیت ساری دنیا میں پھیل جائے گی اُس وقت اگرسب کی رائے لینے کے طریق پر عمل کیا جائے تو ممکن ہے سال دوسال تک کوئی خلیفہ ہی نہ ہو اور یا پھر بنوعباس والا طریق ہو جو بالآخر انسان کی تباہی کا باعث ہوا تھا۔تمام مسلم وغیر مسلم مؤرخ اس امر پر متفق ہیں کہ ان کی تباہی کا موجب یہی بات ہوئی کہ وہ ایک خلیفہ کے وقت میں ہی دوسرا مقرر کر دیتے تھے جو خلافِ اسلام بھی تھا اور خلافِ مصلحت بھی۔ پس یہ دونوں طریق یعنی جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے جائز ہیں اور موقع کے لحاظ سے ان سے فائدہ

اُٹھایا جاسکتا ہے''۔

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۸ء صفحہ ۵۷، ۵۸)

---

۱ ترمذی ابواب العلم باب ماجاء فی الاخذ بالسنة صفحہ ۶۰۷ حدیث نمبر ۲۶۷۶ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الاولیٰ

۲ مشکاة المصابیح جلد ۳ باب مناقب الصحابة صفحہ ۱۶۹۶ حدیث نمبر ۶۰۱۸ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۵ء

خلیفہ کی نافرمانی خدااور رسول کی نافرمانی ہے

''اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مومنوں کوحکم دیا ہے اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ [1] تو خلیفہ جس بات کا حکم دیتا ہے اس کی نافرمانی کرنے والا ایسا ہی مجرم ہے جیسا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنے والا۔ اور اگرچہ اس کی کوئی سزا شریعت نے مقرر نہیں کی مگر مومنوں کے نزدیک خود نافرمانی اپنی ذات میں سزا ہے اور یہ احساس کہ خلیفہ کا حکم نہیں مانا گیا اپنی ذات میں ایک سزا ہے اور اصل سزا یہی ہے دوسری سزائیں تو مصلحتاً دی جاتی ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ سلسلہ اور خلیفہ کی نافرمانی سے بڑھ کر اور کیا سزا ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ناراضگی خود بہت بڑی سزا ہے دوزخ کی سزا کا مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ناراض ہے پس گو اوامر کی نافرمانی کے لئے سزا مقرر نہیں مگر بہرحال وہ احکام ہی ہیں''۔

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۴۲ء صفحہ ۲۵)

---

[1] النساء: ٦٠

شوریٰ میں رائے کا اظہار دیانتداری سے کریں

''بعض دوست ایسے موقع پر اعتراض کر دیا کرتے ہیں کہ خلیفۂ وقت جب پہلے اپنی رائے کا اظہار کر دے تو پھر شوریٰ کا مشورہ مشورہ نہیں رہتا کیونکہ لوگ مجبور ہوتے ہیں کہ خلیفۂ وقت کی رائے کے مطابق رائے دیں خواہ اُن کو اس سے کیسا ہی اختلاف کیوں نہ ہو۔ مگر میں سمجھتا ہوں جماعت کی تربیت کے لئے ایسا ہونا ضروری ہے۔ میرے نزدیک جماعت کو اپنے اندر ایسا رنگ پیدا کرنا چاہئے کہ باوجود اس اقرار کے کہ وہ خلیفۂ وقت کی کامل اطاعت کرے جب اس سے مشورہ لیا جائے تو وہ خواہ مشورہ لینے والا نبی ہی کیوں نہ ہو جماعت کا فرض ہے کہ وہ اپنی دیانتدارانہ رائے کا اظہار کر دے اور ہرگز کسی اور رائے سے متأثر نہ ہو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق بھی ثابت ہے کہ آپ نے بعض مقامات پر پہلے اپنی رائے کا اظہار فرمایا اور پھر لوگوں سے مشورہ لیا اس لئے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ یقین رکھتے تھے کہ جہاں تک رائے کا سوال ہے صحابہؓ رائے دیتے وقت ہر قسم کے اثرات سے آزاد رہیں گے اور یہ دیانتدارانہ رنگ میں اپنا مشورہ پیش کریں گے۔ اسی طرح میں بعض دفعہ اپنی رائے کا پہلے ہی اظہار کر دیا کرتا ہوں تا مشورہ دینے سے پہلے اُس کے مختلف پہلو جماعت کے سامنے آ جائیں مگر اس کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ جب دوستوں سے رائے لی جائے تو اُن کا فرض ہے کہ وہ وہی رائے دیں جس پر اُن کے دل کو اطمینان حاصل ہو۔ محض اس لئے کہ ایک نبی نے یا خلیفۂ وقت نے اپنی رائے کا اظہار کر دیا ہے بلاوجہ اپنی رائے کو بدل لینا درست نہیں۔ ہاں اگر دلائل سن کر کسی شخص کی رائے واقعہ میں بدل گئی ہو تو اسے کوئی شخص مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ اپنی پہلی رائے ہی پیش کرے کیونکہ دلائل نے اسے پہلی رائے پر قائم نہیں رہنے دیا۔ بہرحال اگر کوئی شخص

دیانتداری سے اپنی رائے بدل لیتا ہے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا کہ اس نے اپنی رائے کو کیوں بدلا لیکن اگر کوئی شخص اپنی رائے کو نہیں بدلتا تو اُس کا فرض ہوتا ہے کہ وہ سچائی کے ساتھ اپنی رائے پیش کردے خواہ خلیفۂ وقت اس رائے کے خلاف اپنے خیالات کا اظہار کیوں نہ کر چکا ہو''۔

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۴۳ء صفحہ ۲۸، ۲۹)

خلیفۂ وقت کے حکم کی تعمیل

''بابو عبدالحمید صاحب نے سوال اٹھایا تھا کہ ایک گزشتہ مجلس مشاورت میں یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ محصلوں کا کام بجٹ تشخیص کرنا ہوگا۔ اس کا جواب مختلف پہلوؤں سے خاں صاحب نے دینے کی کوشش کی ہے مگر حقیقی جواب کی طرف نہیں آئے۔ انہوں نے کہا ہے شہری جماعتیں خود بجٹ بنایا کریں مگر یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسی کل ناظر اعلیٰ نے ایک موقع پر کہی کہ ایک بات خلیفہ نے کہی تھی اور ایک ناظروں نے کہی اور جب ہم نے ناظروں کی بات مان لی تو خلیفہ کی کس طرح مان سکتے تھے۔ خاں صاحب کو چاہئے تھا کہ یا تو میرے فیصلہ کو رد کرتے یا اس کا جواب دیتے۔ اگر خلیفہ کی بات واجب العمل ہے تو پھر زید و بکر کا اس کے خلاف خیال لغو ہے۔ ورنہ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ ناظر صاحب جب چاہیں میرے فیصلہ کو رد کر دیں اور خود جو چاہیں جاری کر دیں۔ پس اگر میرے فیصلہ پر عمل کرنا لازمی ہے تو ضروری ہے کہ اگر کسی فیصلہ کے متعلق کوئی مشکل پیش آئے تو اس میں ترمیم کرنے کی اجازت مجھ سے لی جائے۔ یہی فیصلہ جس میں یہ ذکر ہے کہ جماعتوں کے بجٹ محصل تشخیص کیا کریں اس پر شہروں میں عمل کرنا اگر ناممکن تھا تو اس میں ترمیم کرنے کی اجازت مجھ سے لے لیتے کہ شہروں کو مستثنیٰ کر دیا جائے۔ مگر یہ طریق تو اختیار نہ کرنا اور یہ کہنا کہ میری یہ رائے ہے کہ اب اس فیصلہ پر عمل نہیں کیا جا سکتا خلافت کے نظام کی دھجیاں اڑانی ہیں۔ جس نظام پر چلنے کا حکم دیا جائے یا تو اس پر عمل کرنا چاہئے یا پھر صفائی کے ساتھ انکار کر دینا چاہئے۔ مگر عملی طور پر تو پیغامیوں کا طریق اختیار کرنا اور منہ سے یہ کہنا کہ ہم خلیفہ کے احکام کی اطاعت کرتے ہیں یہ درست اور مؤمنانہ طریق نہیں۔ اگر خلیفہ کا فیصلہ قابل عمل سمجھا جاتا تو اس پر عمل کرنا چاہئے اور اگر نہیں سمجھا جاتا تو صاف طور پر کہہ دینا چاہئے تا کہ جماعت

فیصلہ کرے۔

پچھلے دنوں نظارت دعوت وتبلیغ کی دعوت پر میں نے ایک تقریر کی تھی جس میں کہا تھا کہ تمام تاریخ صدر انجمن احمدیہ کی بتاتی ہے کہ یا تو خلیفہ کے فیصلہ کو توڑنے کی کوشش کی جاتی ہے یا پھر اس پر عمل کرنا ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ میں نے اُس وقت کہا تھا کہ میں ایسا نظام قائم کرنا چاہتا ہوں کہ یہ مشکل دور ہو جائے۔ جب ایک بات بالبداہت ثابت ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ خلیفہ کی سمجھ میں نہ آئے ورنہ یہ کہنا پڑے گا کہ (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) خدا تعالیٰ سب سے بڑے بیوقوف کو خلیفہ بناتا ہے اور بالفرض کوئی بات خلیفہ کی سمجھ میں نہ آئے تو بھی خلیفہ کا ہی فیصلہ ماننا چاہیئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہوسکتا ہے کہ میں کوئی ایسا فیصلہ کروں جو درست نہ ہو اور قرآن کریم کہتا ہے کہ ایسا ہوسکتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ غلط ہو لیکن تم اگر اسے نہ مانو گے تو کافر ہو جاؤ گے۔ غرض غلطی کا امکان تو ہر جگہ موجود ہے۔ ہوسکتا ہے کہ خلیفہ کا کوئی فیصلہ غلط ہو۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ خلیفہ میں عقل تو ہے لیکن فیصلہ غلط کیا گیا ہے تو بھی تمہارا فرض ہے کہ اس کی تعمیل کرو۔ اپنا صحیح فیصلہ اس کے مقابلہ میں لاکر نظام کی جڑ کو نہیں کاٹنا چاہیئے۔ مگر میں دیکھتا ہوں برابر یہ طریق انجمن کا چلا جاتا ہے کہ خلیفہ کے فیصلہ کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یا صدر انجمن کے موجودہ نظام میں تبدیلی کی ضرورت ہے یا بعض لوگوں میں منافقت پائی جاتی ہے کیونکہ صدر انجمن اور ناظر خلافت کے فیصلوں کے لئے روک ثابت ہو رہے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ اپنی مرضی کریں اور خلافت کے فیصلے روک دیں۔ ایک ناظر کو سزا کے طور پر ہٹا دیا گیا ہے کیونکہ اس نے بار بار میرے فیصلوں کو رد کیا اور جماعت کے اموال کو ضائع کیا۔ گو اس کی عزت کی خاطر یہ کہا گیا ہے کہ وہ ریٹائر ہوا ہے۔ میں سمجھتا ہوں وقت آچکا ہے کہ اِس خرابی کو دور کر دیا جائے۔ ایک ناظر کو تو مَیں نے ہٹا دیا ہے اگر یہی بات جاری رہی تو دوسروں کی نسبت بھی فیصلہ کر دیا جائے گا اور کسی کی پرواہ نہ کی جائے گی۔ بعض لوگوں کو یہ غلطی لگتی ہے کہ چونکہ بہت کام کرتے ہیں اس لئے غلطیاں ہو جاتی ہیں اور اس سے کوئی حرج نہیں مگر یہ درست نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک جنگ کے دوران میں ایک شخص کے متعلق جو بہت زیادہ زور

کے ساتھ جنگ کر رہا تھا فرمایا یہ جہنمی ہے۔ ایک صحابی کہتے ہیں میں نے سنا بعض نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رائے درست معلوم نہیں ہوتی۔ اس قدر جان توڑ کر لڑنے والا شخص جہنمی کس طرح ہوسکتا ہے۔ اس پر میں اس شخص کے ساتھ ہولیا تا کہ اس کا انجام دیکھوں۔ وہ اِس زور کے ساتھ لڑتا تھا کہ مسلمانوں کے منہ سے مَرْحَباً نکل جاتا تھا۔ آخر وہ زخمی ہوا اور مسلمان اُسے جنت کی مبارک دینے لگے تو اُس نے کہا میں خدا اور اس کے رسول کے لئے نہیں لڑا بلکہ فلاں کا بدلہ لینے کے لئے لڑ رہا تھا۔ پھر زخموں کی تکلیف برداشت نہ کرتا ہوا خودکشی کر کے مر گیا۔ یہ دیکھ کر وہ صحابی واپس لوٹے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کیا بات ہے؟ صحابی نے کہا آپ نے ایک شخص کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ جہنمی ہے مگر بعض نے کہا وہ تو بہت اخلاص سے لڑ رہا ہے وہ کیونکر جہنمی ہوسکتا ہے۔ اس پر میں اس کے ساتھ ساتھ رہا۔ اب وہ خودکشی کر کے مر گیا ہے۔ اِس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اَشْھَدُاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ تو اس شخص کا خدمت کرنا اسے بری نہیں قرار دے گیا۔ بہرحال اگر کوئی شخص قانون شکنی کرتا ہے یا قانون شکنی کی روح پیدا کرتا ہے تو وہ مجرم ہے اور قابل گرفت ہے۔ مگر نظارتوں میں دیکھا گیا ہے کہ بجائے یہ تسلیم کرنے کے کہ قانون شکنی کی گئی ہے کہا یہ جاتا ہے کہ اس پر عمل کرنا ہی ناممکن تھا۔ مثلاً یہی محصلین کے دورہ کا سوال تھا۔ اگر یہ کہا جاتا کہ ان کا دورہ کرنا بجٹ کی تشخیص کے لئے ضروری تھا مگر ایسا طوفان آ گیا کہ راستے بند ہو گئے تو اور بات تھی۔ یہ قانون شکنی نہ ہوگی مگر یہ نہیں بتایا جاتا کہ دورہ کرنا کیوں ناممکن تھا۔ پھر ناظر نے یہ جواب دیا ہے کہ میرے نزدیک شہری جماعتوں کو بجٹ خود تشخیص کرنا چاہئے۔ اسی طرح دیہاتی جماعتوں کے متعلق یہ جواب نہیں دیا کہ اتنے محصّل نہیں کہ سب جماعتوں میں دورہ کر سکتے بلکہ یہ کہا ہے کہ دوسرے کاموں میں مصروف رہے۔ نظارت کا کام تھا کہ محصلوں کو اِس کام پر لگا دیتی کہ فارم پُر کرائیں۔ پھر جتنا کام ہوسکتا ان سے کرایا جاتا اور باقی کے لئے کہہ دیا جاتا کہ بقیہ کام میرے اختیار کا نہ تھا، تو یہ درست ہوتا کہ جتنا کام

ہوسکتا تھا اتنا کرالیا گیا۔ ۱۴ محصلین سے چار سَو جماعتوں کے بجٹ کی تشخیص کرانا ممکن نہ تھا۔ اگر یوں کہا جاتا تو یہ معقول بات ہوتی لیکن اِس کی بجائے یہ کہا گیا ہے کہ ۱۴ محصلین سے فلاں فلاں کام کرایا گیا اس لئے بجٹ کی تشخیص نہیں کر سکے۔ یہ صریح قانون شکنی ہے۔ ان کا اصل کام بجٹ تیار کرانا ہے نہ کہ دوسرے کام کرانا۔

اس کا جواب اظہارِ ندامت تھا۔ میں اِس وقت پھر اعلان کرتا ہوں کہ محصلین کے متعلق میرا وہ فیصلہ لفظاً لفظاً اب بھی قائم ہے اور اُس کی تعمیل کرنا ناظر پر فرض ہے۔ اگر وہ میرے فیصلہ کی تعمیل کرتے تو درست ہوتا۔ ورنہ خواہ وہ مریخ اور زہرا کے ٹکڑے لے آئیں اور خزانے میں داخل کر دیں مگر حکم کی تعمیل نہ کریں تو وہ نافرمان سمجھے جائیں گے۔

کہا گیا ہے کہ ان جماعتوں کے نام شائع کئے گئے جنہوں نے فارم بھیجے مگر پھر بھی تعمیل نہ کی گئی۔ اس کا جواب وہ یہ دے سکتے ہیں کہ تم نے خلیفہ کا حکم نہ مانا ہم پر تمہارے حکم کا کیا اثر ہوسکتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک ناظر اپنے رویہ کو نہ بدلیں گے ان کی باتوں کا بھی کوئی اثر نہ ہوگا۔

ایک دفعہ کسی بزرگ کا گھوڑا چلنے سے اَڑا۔ انہوں نے فرمایا میں نے ضرور خدا تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی کی ہوگی جس پر گھوڑے نے میری نافرمانی کی۔ جانے دو نیکی اور ایمان کو مگر کیا یہ درست نہیں کہ جو ماں باپ بچوں کے سامنے لڑتے ہیں بچے ان سے لڑتے ہیں۔ خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ بدلتا ہے۔ جو لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ فلاں نے قانون شکنی کی اور اُسے بُرا نہیں سمجھا گیا تو وہ بھی اس طریق کو اختیار کر کے نظام کو درہم برہم کر دیتے ہیں۔ اس وجہ سے قانون شکنی کی روح کو ہی کچل دینا چاہئے۔ قانون شکنی خواہ ناظر کرے یا کوئی اور وہ برداشت نہیں کی جاسکتی۔ جب ناظر خلیفہ کے کسی فیصلہ کی خلاف ورزی کرتا ہے تو کیا کلرک نہیں دیکھتے کہ یہ فیصلہ لکھا ہے مگر ناظر اِس پر عمل نہیں کرتے۔ پھر اسی طرح کلرک ناظر کے حکم کے متعلق کرتے ہیں اور وہی بات ہو جاتی ہے جو کسی برہمن کے متعلق بیان کی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے ایک برہمن دریا کی طرف سے آرہا تھا۔ سردی کا موسم تھا اور غسل کرنا مشکل تھا۔ ایک دوسرے برہمن نے پوچھا غسل کر آئے؟ اُس نے کہا میں نے دریا میں ایک کنکر پھینک

کر کہہ دیا ''تو را شنان سوموراشنان''۔ پوچھنے والے نے کہا پھر میں تم کو مخاطب کر کے کہہ دیتا ہوں کہ ''تو را شنان سوموراشنان''۔ اور یہ کہہ کر وہ بھی گھر لوٹ گیا۔ اسی طرح ایک کلرک جب دیکھتا ہے کہ خلیفہ کا ایک حکم لکھا ہوا موجود ہے مگر بجائے اس کے متعلق فیصلہ کرانے کے خود ہی ناظر کہہ دیتا ہے کہ اس پر عمل نہیں ہوسکتا تو وہ ناظر کے حکم پر کہتا ہے کہ اس پر عمل نہیں ہوسکتا۔ پھر جب وہ کوئی حکم دیتا ہے تو چپڑاسی کہہ دیتا ہے کہ اس پر عمل نہیں ہوسکتا۔ اس طرح توجیہہ کا دروازہ وسیع ہوتا جاتا ہے اسی لئے کسی نے کہا ہے کہ سب سے اوّل قیاس ابلیس نے کیا اور وہ تباہ ہوگیا۔ پس یا تو جو قانون بن چکا ہو اُسے بدلوانا چاہیئے یا پھر عمل کرتے ہوئے مرنا بھی پڑے تو مرجانا چاہیئے''۔

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۴۵ء صفحہ ۱۴۳ تا ۱۴۷)

ٹرانسپورٹ، مہمان نوازی، امداد مستحقین اور خلافت لائبریری کے بجٹ کی بابت

''سب سے پہلے تو میں اس حصہ کے متعلق کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں جو بجٹ میں خلافت بجٹ کے طور پر پچھلے سال رکھا گیا تھا۔ غور کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ بجائے خلافت کے بجٹ کے نیچے ان کا نام رکھنے کے انہیں پرائیویٹ سیکرٹری کے بجٹ کے نیچے رکھنا چاہئے۔ وہ کام بھی پرائیویٹ سیکرٹری کا ہی ہے اور گو وہ خلیفۂ وقت کی ہدایات کے ماتحت ہی کام کرے گا لیکن عنوان کے لحاظ سے اس چیز کو اس کے بجٹ کے نیچے چلا جانا چاہئے تاکہ نگرانی بھی رہے اور حساب کتاب بھی رکھا جا سکے۔ ان میں سے پہلی چیز میرے نزدیک موٹر ہے۔ موٹر کو میرے نزدیک خلافت کے بجٹ میں سے نکال کر سیکرٹری کے بجٹ میں رکھ دینا چاہئے کیونکہ یہ ایک ایسی چیز ہے جس کا حساب ہونا چاہئے اور ہوتا ہے پس کوئی وجہ نہیں کہ پرائیوٹ سیکرٹری کے دفتر کے نیچے اس کو نہ رکھا جائے۔ اسی طرح چار مدات میں سے ایک مد ایسی ہے جس کے متعلق میں چاہتا ہوں کہ اسے اُڑا دوں کسی الٰہی مصلحت کے ماتحت وہ گزشتہ سال رکھی گئی تھی مگر میں سمجھتا ہوں اب وہ مصلحت پوری ہو چکی ہے اور مناسب یہی ہے کہ اگر اس مد کو اُڑا دیا جائے اور وہ مہمان نوازی کی مد ہے۔ مہمان نوازی کی مد ہے تو ضروری لیکن میں سمجھتا ہوں اگر کسی شخص کو توفیق حاصل ہو تو اس کے لئے کسی قسم کا روپیہ وصول کرنا طبیعت پر گراں گزرتا ہے۔ چنانچہ میں نے اس سال محسوس کیا ہے کہ ہر دعوت پر مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے میں بھیک مانگ رہا ہوں۔ اب اس پر ایک دفعہ عمل ہو گیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ خلفاء کے لئے اب یہ طریق عمل معیوب نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی

خلیفہ ایسا ہو کہ اس کی ذاتی آمدنی اتنی قلیل ہو کہ اس کام کا چلانا اس کے لئے دوبھر ہو تو ایک سال تک اس مد کے جاری رہنے سے سنت پڑ گئی ہے اور اگر آئندہ خلفاء کے لئے اس بارہ میں کوئی عار ہو سکتی تھی تو وہ ٹوٹ گئی ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ کم سے کم میرے لئے اس کا لینا بہت گراں گزرتا ہے اس لئے میری تجویز یہ ہے کہ اس مد کو نکال دیا جائے۔ صرف سلسلہ کے ایسے لوگوں کی امداد کے لئے جو پرانے خادم ہیں کچھ رقم ضرور ہونی چاہئے کیونکہ ایسے مواقع پیش آجاتے ہیں جب ضرورت ہوتی ہے کہ ان کی دلجوئی کے لئے اور ان کا حوصلہ بڑھانے کے لئے کچھ مدد کی جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس غرض کے لئے صرف تین ہزار کی رقم اس سال کے لئے رہنے دی جائے۔ باقی موٹر کے متعلق فنانس کمیٹی کے اصرار پر پچھلے سال جو فیصلہ کیا گیا تھا بعد میں غور کرنے پر مَیں نے سمجھا کہ وہ غلط طریق ہے۔ درحقیقت ہونا یہ چاہئے کہ موٹر جب خریدا جائے تو اس کے لئے بجٹ میں گنجائش رکھی جائے اور جب پرانا موٹر بیچا جائے تو اس کی قیمت آمد میں شمار کی جائے۔ یہ جو فیصلہ کیا گیا تھا کہ موٹر کی خرید کے لئے قرضہ لے لیا جائے اور ہر سال تین ہزار روپیہ اس قرض میں واپس کیا جائے بعد میں مَیں نے سمجھا کہ یہ طریق درست نہیں۔ گزشتہ سال کے بجٹ میں سے صرف تین ہزار روپیہ موٹر کی خرید کے لئے لیا گیا تھا اور باقی روپیہ قرض لے لیا گیا تھا۔ موٹر کے متعلق جیسا کہ چوہدری عبداللہ خاں صاحب نے کہا تھا یہ ضروری تھا کہ ایسا موٹر خریدا جاتا جو زیادہ محفوظ ہوتا۔ ان کا اندازہ بائیس ہزار روپیہ کا تھا مگر ہم نے سترہ ہزار میں موٹر خریدا۔ تین ہزار موٹر کی مد میں سے نکال کر دیا گیا۔ چھ ہزار بجٹ میں خرید موٹر کی قسط کے طور پر موجود تھا اور آٹھ ہزار امانت سے قرض لے کر ادا کر دیا گیا۔ میری تجویز یہ ہے کہ موٹر کی خرید کے لئے جو رقم قرض لے کر خرچ کی گئی ہے اس کو موجودہ بجٹ سے ادا کر دیا جائے۔ آئندہ جب تک یہ موٹر رہے رہے جب نیا موٹر خریدنے کی ضرورت محسوس ہو تو اسے بیچ کر جو روپیہ حاصل ہو وہ آمد میں ڈال دیا جائے اور جتنے روپیہ کی مزید ضرورت محسوس ہو اتنا روپیہ نئے موٹر کے لئے بجٹ میں رکھا جائے۔ باقی موٹر کے جو ماہوار اخراجات ہیں مثلاً ڈرائیور کی تنخواہ ہے، مرمت ہے، پٹرول ہے، ٹیکس ہے، ان چیزوں کا بجٹ مناسب طور پر سب کمیٹی تجویز کر سکتی ہے مگر بہر حال یہ بجٹ

پرائیوٹ سیکرٹری کے ماتحت رکھا جائے اور خلافت بجٹ میں اعانت کی ایک مد رکھ دی جائے اور تین ہزار روپیہ سالانہ اس کے لئے رقم رکھی جائے۔ ضیافت والی مداُڑا دی جائے اور کار کے اخراجات مثلاً تنخواہ ڈرائیور، پٹرول، مرمت، لائسنس اور بیمہ وغیرہ کے متعلق اندازہ کر کے ایک رقم معین کر دی جائے۔

چوتھی چیز جس پر میں زیادہ زور اور وضاحت سے کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ لائبریری ہے تین ہزار روپیہ اِسی مد میں لائبریری کے لئے میں نے رکھوایا تھا۔ درحقیقت لائبریری خلافت کا کوئی ذاتی خرچ نہیں بلکہ انجمن کا خرچ ہے اس لئے میں کوئی وجہ نہیں سمجھتا کہ اس کو خلافت کے خرچ کے ماتحت رکھا جائے کیونکہ اس کا بھی حساب ہوتا ہے اور یہ امداد مستحقین والے حصہ کو میں نے خلافت کے ماتحت اس لئے رکھا ہے کہ اس میں ایک قسم کا اخفاء ضروری ہے کیونکہ اس میں زیادہ تر یہی مدنظر ہے کہ وابستگانِ خلافت اور وابستگانِ جماعت کی امداد کی جائے اور ان کی دلجوئی کے لیے انہیں کچھ رقمیں دی جائیں اور اس قسم کی امداد کا ظاہر ہونا طبعًا لوگ پسند نہیں کرتے اور گو اس صورت میں بھی بہت چھوٹی چھوٹی رقمیں ان کے حصہ میں آئیں گی مگر چونکہ عام طور پر طبائع پر اس قسم کی امداد کا اظہار گراں گزرتا ہے اس لئے خلافت کی مد ہی ایسی ہے کہ اس کے ماتحت بغیر دفتر میں سے گزرنے کے دوسرے کی امداد کے لئے رقم دی جاسکتی ہے اور اس شخص کی طبیعت پر بھی گراں نہیں گزرتا لیکن لائبریری کوئی پوشیدہ رہنے والی چیز نہیں وہ پرائیوٹ سیکرٹری کے ماتحت ہونی چاہئے اور گو اس کا نام خلافت لائبریری ہی ہوگا مگر باقی دفاتر کو بھی اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہوگا''۔

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۲ء صفحہ ۷ تا ۹)

متعدد زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم شائع ہونا بھی خلافت کی برکات میں سے ہے

''یہ خلافت اور تنظیم کی ہی برکت ہے کہ جماعت نے متعدد زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم شائع کر دیئے ورنہ جماعت میں کوئی ایک فرد بھی ایسا مالدار نہیں جو ان تراجم میں سے ایک ترجمہ بھی شائع کروا سکتا۔ اسی طرح کوئی فرد ایسا رسوخ نہیں رکھتا کہ وہ علیحدہ طور پر کسی زبان میں بھی قرآن کریم کا ترجمہ شائع کرا سکتا لیکن اجتماعی صورت میں ہم اِس وقت تک انگریزی، ڈچ، روسی، سپینش، پرتگیزی، اٹالین، جرمن اور فرانسیسی زبانوں میں قرآن کریم کا ترجمہ کروا چکے ہیں۔ مشرقی افریقہ میں سواحیلی زبان میں ترجمہ شائع ہو چکا ہے اور ''لوگنڈا'' زبان میں ترجمہ کا کام ہو رہا ہے۔ انڈونیشین اور ملائی زبانوں میں بھی ترجمہ کا کام ہو رہا ہے۔ ہندی اور گورمکھی زبانوں میں بھی ترجمہ کروایا جا رہا ہے اور امید ہے کہ اگلے تین چار سال میں بیس سے زائد زبانوں میں قرآن کریم کا ترجمہ شائع ہو جائے گا۔ ہماری نیت ہے کہ ہر اہم زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ شائع کر دیں تا کسی زبان کا جاننے والا ایسا نہ رہے جو اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے''۔

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۶ء صفحہ ۲۰)

انتخابِ خلافت کے متعلق ایک ضروری ریزولیوشن

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے جلسہ سالانہ ۱۹۵۶ء کے موقع پر آئندہ خلافت کے انتخاب کے متعلق یہ بیان فرمایا تھا کہ پہلے قانون تھا کہ مجلس شوریٰ کے ممبران جمع ہوکر خلافت کا انتخاب کریں لیکن آجکل کے فتنہ کے حالات نے اِدھر توجہ دلائی ہے کہ تمام ممبرانِ شوریٰ کا جمع ہونا بڑا لمبا کام ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس سے فائدہ اٹھا کر منافق کوئی فتنہ کھڑا کر دیں اس لئے اب میں یہ تجویز کرتا ہوں جو اسلامی شریعت کے عین مطابق ہے کہ آئندہ خلافت کے انتخاب میں مجلس شوریٰ کے جملہ ممبران کی بجائے صرف ناظران صدرانجمن احمدیہ، ممبران صدر انجمن احمدیہ، وکلاء تحریک جدید، خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زندہ افراد (جن کی تعداد اِس غرض کیلئے اِس وقت تین ہے یعنی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب اور حضرت نواب میاں عبداللہ خان صاحب) جامعۃ المبشرین کا پرنسپل، جامعہ احمدیہ کا پرنسپل اور مفتی سلسلہ احمدیہ مل کر فیصلہ کیا کریں۔

مجلس انتخابِ خلافت کے اراکین میں اضافہ

جلسہ سالانہ ۱۹۵۶ء کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے علماء سلسلہ اور دیگر بعض صاحبان کے مشورہ کے مطابق مجلس انتخابِ خلافت میں مندرجہ ذیل اراکین کا اضافہ فرمایا۔

۱۔ مغربی پاکستان کا امیر اور اگر مغربی پاکستان کا ایک امیر مقرر نہ ہو تو علاقہ جات مغربی پاکستان کے امراء جو اِس وقت چار ہیں۔

۲۔ مشرقی پاکستان کا امیر۔

۳۔ کراچی کا امیر۔

۴۔ تمام اضلاع کے امراء

۵۔ تمام سابق امراء جو دو دفعہ کسی ضلع کے امیر رہ چکے ہوں گو انتخابِ خلافت کے وقت امیر نہ ہوں۔(ان کے اسماء کا اعلان صدرانجمن احمدیہ کرے گی)

۶۔ امیر جماعت احمدیہ قادیان۔

۷۔ممبران صدرانجمن احمدیہ قادیان

۸۔ تمام زندہ صحابہ کرام کو بھی انتخابِ خلافت میں رائے دینے کا حق ہوگا۔(اس غرض کے لئے صحابی وہ ہوگا جس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا ہو اور حضور کی باتیں سنی ہوں اور ۱۹۰۸ء میں حضور علیہ السلام کی وفات کے وقت اُس کی عمر کم از کم بارہ سال کی ہو۔صدرانجمن احمدیہ تحقیقات کے بعد صحابہ کرام کے لئے سرٹیفکیٹ جاری کرے گی اور ان کے ناموں کا اعلان کرے گی)

۹۔ حضرت مسیح موعو علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوّلین صحابیوں میں سے ہر ایک کا بڑا لڑکا انتخاب میں رائے دینے کا حقدار ہوگا بشرطیکہ وہ مبائعین میں شامل ہو۔(اس جگہ صحابہ اوّلین سے مراد وہ احمدی ہیں جن کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۹۰۱ء سے پہلے کی کتب میں فرمایا ہے(ان کے ناموں کا اعلان بھی صدرانجمن احمدیہ کرے گی)

۱۰۔ ایسے تمام مبلغین سلسلہ احمدیہ جنہوں نے کم از کم ایک سال بیرونی ممالک میں تبلیغ کا کام کیا ہو اور بعد میں تحریک جدید نے کسی الزام کے ماتحت انہیں فارغ نہ کر دیا ہو۔(ان کو تحریک جدید سرٹیفکیٹ دے گی اور اُن کے ناموں کا اعلان کرے گی)

۱۱۔ ایسے تمام مبلغین سلسلہ احمدیہ جنہوں نے پاکستان کے کسی صوبہ یا ضلع میں رئیس التبلیغ کے طور پر کم از کم ایک سال کا کام کیا ہو اور بعد میں ان کو صدرانجمن احمدیہ نے کسی الزام کے ماتحت فارغ نہ کر دیا ہو۔(انہیں صدرانجمن احمدیہ سرٹیفکیٹ دے گی اور اُن کے ناموں کا اعلان کرے گی)

مجلس انتخاب خلافت کا دستور العمل

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مندرجہ بالا جملہ اراکین مجلس انتخاب خلافت

کے کام کے لئے حسب ذیل دستورُ العمل منظور فرمایا ہے:۔

ا۔ مجلس انتخابِ خلافت کے جو اراکین مقرر کئے گئے ہیں اُن میں سے بوقت انتخاب حاضر افراد انتخاب کرنے کے مجاز ہوں گے۔ غیر حاضر افراد کی غیر حاضری اثر انداز نہ ہوگی اور انتخاب جائز ہوگا۔

ب۔ انتخابِ خلافت کے وقت اور مقام کا اعلان مجلس شوریٰ کے سیکرٹری اور ناظر اعلیٰ کے ذمہ ہوگا۔ اُن کا فرض ہوگا کہ موقع پیش آنے پر فوراً مقامی اراکین مجلس انتخاب کو اطلاع دیں۔ بیرونی جماعتوں کو تاروں کے ذریعہ اطلاع دی جائے۔ اخبار الفضل میں بھی اعلان کر دیا جائے۔

ج۔ نئے خلیفہ کا انتخاب مناسب انتظار کے بعد چوبیس گھنٹے کے اندر اندر ہونا چاہئے۔ مجبوری کی صورت میں زیادہ سے زیادہ تین دن کے اندر انتخاب ہونا لازمی ہے۔ اِس درمیانی عرصہ میں صدر انجمن احمدیہ پاکستان جماعت کے جملہ کاموں کو سرانجام دینے کی ذمہ دار ہوگی۔

د۔ اگر حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی زندگی میں نئے خلیفہ کے انتخاب کا سوال اٹھے تو مجلس انتخابِ خلافت کے اجلاس کے وہ پریذیڈنٹ ہوں گے۔ ورنہ صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے اُس وقت کے سینئر ناظر یا وکیل اجلاس کے پریذیڈنٹ ہوں گے۔ (ضروری ہے کہ صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید فوری طور پر مشترکہ اجلاس کر کے ناظروں اور وکلاء کی سینیارٹی فہرست مرتب کرلے)

ھ۔ مجلس انتخابِ خلافت کا ہر رُکن انتخاب سے پہلے یہ حلف اٹھائے گا کہ:۔

''میں اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر اعلان کرتا ہوں کہ میں خلافت احمدیہ کا قائل ہوں اور کسی ایسے شخص کو ووٹ نہیں دوں گا جو جماعت مبائعین میں سے خارج کیا گیا ہو یا اس کا تعلق احمدیت یا خلافت احمدیہ کے مخالفین سے ثابت ہو''۔

جب خلافت کا انتخاب عمل میں آجائے تو منتخب شدہ خلیفہ کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ لوگوں سے بیعت لینے سے پہلے کھڑے ہوکر قسم کھائے کہ:۔

''میں اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میں خلافت احمدیہ پر ایمان رکھتا ہوں اور میں ان لوگوں کو جو خلافت احمدیہ کے خلاف ہیں باطل پر سمجھتا ہوں اور میں خلافت احمدیہ کو قیامت تک جاری رکھنے کے لئے پوری کوشش کروں گا اور اسلام کی تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچانے کے لئے انتہائی کوشش کرتا رہوں گا اور میں ہر غریب اور امیر احمدی کے حقوق کا خیال رکھوں گا اور قرآن شریف اور حدیث کے علوم کی ترویج کے لئے جماعت کے مردوں اور عورتوں میں ذاتی طور پر بھی اور اجتمائی طور پر بھی کوشاں رہوں گا''۔

ر۔ اوپر کے قواعد کے مطابق صحابہ اور نمائندگان جماعت جن میں امراء اضلاع سابق و حال بھی شامل ہیں کی تعداد ڈیڑھ صد سے زیادہ ہو جائے گی۔ ان میں خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے افراد کی تعداد اتنی قلیل رہ جاتی ہے کہ منتخب شدہ ممبروں کے مقابلہ میں اس کی کوئی حیثیت ہی باقی نہیں رہتی۔ ہاں خلیفۂ وقت کا انتخاب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان کے افراد اور جماعت کے ایسے مخلصین میں سے ہو سکے گا جو مبائعین ہوں اور جن کا کوئی تعلق غیر مبائعین یا احرار وغیرہ دشمنانِ سلسلہ احمدیہ سے نہ ہو (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اِس وقت تک ایسے مخلصین کی تعداد لاکھوں تک پہنچ چکی ہے)

بنیادی قانون

ضروری نوٹ:۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے آئندہ کے لئے انتخابِ خلافت کے لئے مذکورہ بالا اراکین اور قواعد کی منظوری کے ساتھ بطور بنیادی قانون کے فیصلہ فرمایا ہے کہ:۔

''آئندہ خلافت کے انتخاب کے لئے یہی قانون جاری رہے گا سوائے اس کے کہ خلیفۂ وقت کی منظوری سے شوریٰ میں یہ مسئلہ پیش کیا جائے اور شوریٰ کے بعد خلیفۂ وقت کوئی اور تجویز منظور کرے''۔ مجلس علماء سلسلہ احمدیہ

۱۸۔۳۔۵۷

''مجلس علماء کی یہ تجویز درست ہے۔''

دستخط مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ۲۰۔۳۔۵۷

اس کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے نمائندگان مجلس شوریٰ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

شاید مولوی صاحب کو یہ بات یاد نہیں رہی یا پھر انہیں بتائی نہیں گئی کہ یہ خط جو انہوں نے پڑھا ہے اور اُس میں عبدالمنان سے کہا گیا ہے کہ تم بعض ایسے مضامین لکھو جو اسلام کی تائید میں ہوں تا اس سے جماعت احمدیہ کو جو تم سے نفرت ہے دور ہو جائے۔ اس سے اوپر لکھا ہے ''ماموں جان'' اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ''ماموں جان'' کے الفاظ سے کیسے پتہ لگا کہ یہ خط عبدالمنان کو لکھا گیا ہے۔ سو اس کا پتہ اس طرح لگتا ہے کہ جس دن یہ خط ملا اور مولوی صاحب نے مجھے بھیجا اور کہا کہ یہ میرے بیٹے کو بازار سے ملا ہے تو اُس دن نائی میری حجامت بنانے آیا ہوا تھا۔ پہلے جب بھی وہ آیا کرتا تھا مجھے بتایا کرتا تھا کہ آج میاں عبدالمنان نے مجھے حجامت بنوانے کے لئے بلوایا اور وہاں مجھ سے یہ یہ باتیں کیں لیکن اُس دن اُس نے کوئی بات نہ کی۔ میں نے اُس سے دریافت کیا کہ آج تو نے میاں عبدالمنان کی کوئی بات نہیں بتائی۔ اس پر اُس نے کہا کہ میاں عبدالمنان تو بڑی مدت سے میری دکان پر نہیں آئے اور نہ ہی انہوں نے مجھے اپنے گھر بلایا ہے۔ آج اتفاقاً گول بازار میں (جہاں سے یہ خط ملا ہے) وہ خود اور اُن کے بیٹے پھر رہے تھے۔ وہاں میں نے دیکھا کہ ایک دکاندار جو اُن کا کرایہ دار تھا آگے آیا اور کہنے لگا میاں صاحب! میں بڑی دیر سے آپ کو تلاش کر رہا ہوں۔ دفتروں میں مَیں کہاں کہاں جاتا۔ میں نے آپ کو کرایہ دینا تھا آپ ملتے ہی نہیں۔ میں نے اس دکاندار کو کہا کہ تم کیوں تکلیف کرتے ہو میاں صاحب کو ضرورت ہو گی تو وہ آکر کرایہ مانگ لیں گے۔ تو یہ واقعہ اور اس خط کا وہاں سے ملنا بتاتا ہے کہ ممکن ہے جیب سے رومال نکالتے ہوئے یہ خط میاں عبدالمنان سے نیچے گر گیا ہو۔ پھر میں نے گھر میں بات کی تو انہوں نے مجھے بتایا کہ شاید آپ کو معلوم نہیں حضرت خلیفہ اوّل کے خاندان کے ساتھ جو تعلق رکھنے والے لوگ ہیں وہ سارے کے سارے میاں عبدالمنان کو ''ماموں جان'' ہی کہتے ہیں اس لئے انہوں نے کہا ''ماموں جان'' کے الفاظ کی وجہ سے آپ ان کے کسی بھانجے یا بھانجی کی تلاش نہ کریں کیونکہ بیسیوں ایسے آدمی ہیں جن کے ساتھ ان کے تعلقات

ہیں اور وہ سب اُن کو عادتاً ''ماموں'' کہتے ہیں۔ بہر حال میاں عبداللہ صاحب حجام کی گواہی سے پتہ لگ گیا کہ یہ خط فی الواقع عبدالمنان کا ہے کیونکہ اُس نے اُسی جگہ جہاں سے یہ خط ملا ہے اور اُسی دن جس دن خط ملا ربوہ میں انہیں دیکھا تھا۔

اس کے بعد ریزولیوشن کے متعلق ووٹ لینے سے پہلے میں یہ بات کہنی چاہتا ہوں کہ اِس ریزولیوشن کے متعلق غلط فہمی ہوئی ہے۔ بعض جماعتوں نے اپنے نمائندوں سے قسمیں لی ہیں کہ وہ شوریٰ میں اِس ریزولیوشن کی تائید کریں اور اس کے خلاف ووٹ نہ دیں۔ بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا ہے اور وہ اعتراض یہ ہے کہ ہم نے تو اپنے ایمان کی بناء پر اور یہ بتانے کے لئے کہ ہمیں خلافت کے ساتھ وابستگی ہے اور ہم خلافت احمدیہ کو کسی صورت میں بھی تباہ نہیں ہونے دیں گے اس ریزولیوشن کی تائید کرنی تھی لیکن ہوا یہ کہ جماعتوں نے ہم سے اسی بات کے متعلق حلف لی ہے کہ ہم ضرور اس ریزولیوشن کی تائید کریں اس طرح جو بات ہم نے اپنے ایمان کے ثابت کرنے کے لئے کرنی تھی وہ حلف کے ذریعہ سے کروائی جائے گی اور یہ سمجھا جائے گا کہ اس شخص میں ایمان تو کوئی نہیں صرف جماعت سے وعدہ کی بناء پر یہ ایسا کر رہا ہے۔ اس طرح گویا ہمارے ثواب کا راستہ بند ہوتا ہے اور ہم اپنے اخلاص کا اظہار نہیں کر سکتے۔ ان کی یہ بات چونکہ معقول ہے اس لئے جو دوست باہر سے جماعت کے نمائندہ بن کے آئے ہیں اور ان سے جماعتوں نے اس بات کے لئے حلف لیا ہے کہ وہ ضرور اس ریزولیوشن کی تائید کریں میں انہیں اس حلف سے آزاد کرتا ہوں۔ خلافت احمدیہ کو خدا تعالیٰ نے قائم کرنا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے ایمان میں کمزور ہے اور وہ کوئی ایسا راستہ کھولتا ہے جس کی وجہ سے خلافت احمدیہ خطرہ میں پڑ جاتی ہے یا دشمنوں کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے تو اس کے ووٹ کی نہ خلافت احمدیہ کو ضرورت ہے اور نہ خدا کو ضرورت ہے۔ یہاں جماعتیں کچھ نہیں کر سکتیں، اگلے جہان میں خدا تعالیٰ خود اس کو سیدھا کر سکتا ہے۔ اس لئے مجھے اس بات کی کوئی ضرورت نہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ ایسے نمائندگان کو تائید کا پابند کرنے کی مجھے ضرورت نہیں۔ وہ ووٹ دیں تو اپنے ایمان کی بناء پر دیں۔ یہ سمجھ کر نہ دیں کہ وہ کسی جماعت کے حلف کی وجہ سے ایسا کر رہے ہیں بلکہ اگر وہ سمجھتے ہیں کہ یہ

ریزولیوشن جماعت احمدیہ کی خلافت کی حفاظت کرتا ہے اوراس کے ذریعہ سے آئندہ فتنوں کا سدِّ باب ہوتا ہے تو وہ اپنی عاقبت سنوارنے کے لئے ووٹ دیں نہ کہ اپنی جماعت کو خوش کرنے کے لئے اور اگر کوئی شخص سمجھتا ہے کہ اس ریزولیوشن سے شرارت بڑھتی ہے اور فتنہ کا دروازہ کھلتا ہے تو وہ ووٹ نہ دے۔ ہمیں اس کے ووٹ کی ضرورت نہیں اور نہ خدا تعالیٰ کو اس کے ووٹ کی ضرورت ہے۔ خدا تعالیٰ نے جب مجھے خلیفہ بنایا تھا اُس وقت اِس قسم کا کوئی قانون نہیں تھا مگر اللہ تعالیٰ نے فتنہ پردازوں کی کوششوں کو ناکام کر دیا۔ پس ہم خدا تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں۔ جو شخص ووٹ دے وہ اِس بات کو سمجھ کر دے کہ اس ریزولیوشن کی وجہ سے جماعت میں شرارت کا سدِّ باب ہوتا ہے لیکن اگر وہ سمجھتا ہے کہ اس ریزولیوشن سے شرارت کا سدِّ باب نہیں ہوتا بلکہ اس سے شرارت کا دروازہ کھلتا ہے تو وہ ووٹ نہ دے۔ آگے اس کا معاملہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ خدا تعالیٰ جس طرح چاہے گا اُس کے ساتھ برتاؤ کرے گا۔ وہ اپنی جماعت سے نہ ڈرے۔ کراچی کا نمائندہ کراچی جماعت سے نہ ڈرے، لاہور کا نمائندہ لاہور کی جماعت سے نہ ڈرے، سرگودھا کا نمائندہ سرگودھا کی جماعت سے نہ ڈرے، وہ ووٹ دے تو خدا تعالیٰ سے ڈر کر دے اور پھر اس کے بعد ہمارا اور اس کا جو معاملہ ہے وہ خدا تعالیٰ خود طے کرے گا۔ ہمیں اس کے ووٹ کی ضرورت نہیں۔ ہمیں صرف اُس شخص کے ووٹ کی ضرورت ہے جو خدا تعالیٰ سے محبت رکھنے والا ہے، اسلام سے محبت رکھنے والا ہے اور خلافت سے محبت رکھنے والا ہے۔ پس اگر وہ خدا تعالیٰ، اسلام اور خلافت کی خاطر ووٹ دیتا ہے تو دے اور اگر وہ اپنی جماعت کی خاطر ووٹ دیتا ہے تو ہمیں اس کے ووٹ کی ضرورت نہیں۔

یہ تحریک کرنے کے بعد میں جماعت کے دوستوں کی رائے اس بارے میں دریافت کرنا چاہتا ہوں مگر میں یہ کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس ریزولیوشن کے بعض حصے ایسے ہیں جن پر آئندہ زمانوں میں دوبارہ غور کرنے کی ضرورت ہوگی لیکن بہر حال جب تک کوئی دوسرا ریزولیوشن پاس نہ ہوگا اُس وقت تک یہ ریزولیوشن قائم رہے گا جیسا کہ خود اس ریزولیوشن میں بھی یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ آئندہ خلافت کے انتخاب کے لئے یہی

قانون جاری رہے گا سوائے اس کے کہ خلیفۂ وقت کی منظوری سے شوریٰ میں یہ مسئلہ پیش کیا جائے اور شوریٰ کے مشورہ کے بعد خلیفۂ وقت کوئی اور تجویز منظور کرے۔ پس یہ ریزولیوشن دوبارہ بھی مزید غور کے لئے پیش ہوسکتا ہے اور آئندہ پیدا ہونے والی مشکلات کو دور کیا جاسکتا ہے۔

مجھے خود اس میں بعض ایسی باتیں نظر آتی ہیں جن میں بعد میں تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوگی۔ مثلاً کچھ عرصہ کے بعد صحابی نہیں رہیں گے۔ پھر ہمیں یہ کرنا پڑے گا کہ انتخاب کی مجلس میں تابعی لئے جائیں یا وہ لوگ لئے جائیں جنہوں نے ۱۹۱۴ء سے پہلے بیعت کی ہے۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد یہ قانون بنانا پڑے گا کہ وہ لوگ لئے جائیں جنہوں نے ۱۹۴۰ء سے پہلے بیعت کی ہے۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد یہ قانون بنانا پڑے گا کہ وہ لوگ لئے جائیں جنہوں نے ۱۹۵۴ء سے پہلے بیعت کی ہوئی ہے۔ بہرحال یہ درستیاں حالات کے بدلنے کے ساتھ ہوتی رہیں گی اور ریزولیوشن بار بار مجلس شوریٰ کے سامنے آتا رہے گا۔ سردست یہ ریزولیوشن شرارت کے فوری سدِّ باب کے لئے ہے ورنہ آئندہ زمانہ کے لحاظ سے دوبارہ ریزولیوشن ہوتے رہیں گے اور پھر دوبارہ غور کرنے کا لوگوں کو موقع ملتا رہے گا۔

اس کے بعد مَیں دوستوں سے کہتا ہوں کہ وہ اپنی رائے دیں۔ جو دوست اس بات کی تائید میں ہوں اور خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اور اسلام سے محبت رکھتے ہوئے یہ رائے رکھتے ہوں کہ اس ریزولیوشن کو پاس کیا جائے وہ کھڑے ہو جائیں۔ جماعتوں کی طرف سے جو پابندی عائد کی گئی تھی اور نمائندگان سے وعدے لئے گئے تھے اُن کو میں نے ختم کر دیا ہے۔ اب صرف اس وعدہ کو پورا کرو جو تمہارا خدا تعالیٰ کے ساتھ تھا۔''

(حضور کے اس ارشاد پر تمام نمائندگان کھڑے ہو گئے)

رائے شماری کے بعد حضور نے فرمایا:۔''۳۴۱ دوستوں کی رائے ہے کہ اس ریزولیوشن کو منظور کر لیا جائے مگر میں چاہتا ہوں کہ اگر کوئی نمائندہ اس تجویز کے مخالف ہو اور اس کی رائے یہ ہو کہ اس ریزولیوشن کو منظور نہ کیا جائے تو وہ بھی کھڑا ہو جائے لیکن یہ یاد رہے کہ جن دوستوں نے اس ریزولیوشن کے موافق رائے دی ہے ان کو دوبارہ کھڑا ہونے کی

ضرورت نہیں ہاں اگر کوئی نمائندہ ایسا ہو جو اس کے مخالف رائے رکھتا ہو تو وہ کھڑا ہو جائے ۔‘‘
(اس پر کوئی دوست کھڑے نہ ہوئے)

فیصلہ ’’گنتی میں سہولت کے لئے اِس وقت آٹھ حلقے بنائے گئے ہیں ۔ ان آٹھ حلقوں میں کوئی نمائندہ بھی اس ریزولیوشن کے خلاف کھڑا نہیں ہوا اور اس کے بالمقابل ۳۴۱ ووٹ اس ریزولیوشن کی تائید میں ہیں ۔ اس طرح دوستوں نے واضح کر دیا ہے کہ انہوں نے اِس وقت اپنی مرضی سے ریزولیوشن کے حق میں رائے دی ہے ۔ جماعتوں کے دباؤ کی وجہ سے انہوں نے ایسا نہیں کیا ۔ سو میں اِس ریزولیوشن کے حق میں فیصلہ کرتا ہوں اور اسے منظور کرتا ہوں ۔ خدا تعالیٰ اِس کو مبارک کرے ۔

میں جانتا ہوں کہ اس ریزولیوشن کے بعض حصے ایسے ہیں جن پر دوبارہ غور کرنے کی ضرورت ہوگی جیسا کہ مولوی ابوالعطاء صاحب نے کہا ہے ۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بات کو رسالہ الوصیۃ میں اٹھایا ہے کہ جو بھی اس دنیا میں پیدا ہوا ہے اس نے ضرور مرنا ہے چاہے وہ آج مریں یا کل مریں اس لئے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ کوئی خلیفہ قیامت تک زندہ رہے یا اس کا کوئی ماننے والا قیامت تک زندگی پائے ۔ پس ہم نے جو کچھ کرنا ہے اِس دنیا کی زندگی کے متعلق کرنا ہے ۔ اگلی دنیا کا خدا خود ذمہ دار ہے ۔ اس جہان میں خدا تعالیٰ نے انسان کو نیکی اور بدی کا اختیار دیا ہے ۔ اگلے جہان کا کام وہ خود کرے گا ۔ پس چونکہ صرف اس دنیا کا کام چلانا انسان کے اختیار میں ہے اِس لئے ہماری کوشش اس حد تک ہونی چاہئے کہ ہم اس دنیا کے نظام کو اچھا کرنے کی کوشش کرتے رہیں ۔ اگلے جہان کا نظام خدا تعالیٰ نے خود اپنے اختیار میں رکھا ہے اور وہ اسے آپ ہی ٹھیک کر دے گا ۔

ہماری اللہ تعالیٰ سے یہی دعا ہے کہ وہ نظامِ خلافت حقہ کو احمدیت میں ہمیشہ کے لئے قائم رکھے اور اس نظام کے ذریعہ سے جماعت ہمیشہ ہمیش منظّم صورت میں اپنے مال و جان کی قربانی اسلام اور احمدیت کے لئے کرتی رہے اور اس طرح خدا تعالیٰ ان کی مدد اور نصرت کرتا رہے کہ آہستہ آہستہ دنیا کے چپہ چپہ پر مسجدیں بن جائیں اور دنیا کے چپہ چپہ پر مبلغ ہو جائیں اور وہ دن آجائے جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی فرمایا ہے کہ دنیا

کے دیگر مذاہب اسلام اور احمدیت کے مقابلہ میں ایسے رہ جائیں جیسے ادنیٰ اقوام کے لوگ ہیں۔ دنیا میں ہر کہیں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے پڑھنے والے نظر آئیں اور روس، امریکہ، برطانیہ اور فرانس کے لوگ جو آج اسلام پر ہنسی اُڑا رہے ہیں وہ سب کے سب احمدی ہو جائیں، وہ اسلام کو قبول کر لیں اور انہیں اپنی ترقی کے لئے اسلام اور مسلمانوں کا دست نگر ہونا پڑے۔ ہم ان ممالک کے دشمن نہیں ہماری دعا ہے کہ یہ ملک ترقی کریں لیکن ترقی کریں اسلام اور مسلمانوں کی مدد سے۔ آج تو دمشق اور مصر روس کے ہاتھوں کی طرف دیکھ رہا ہے کہ کسی طرح اس سے کچھ مدد مل جائے لیکن ہم چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دمشق اور مصر کے مسلمانوں کو پکا مسلمان بھی بنائے اور پھر دُنیوی طاقت بھی اتنی دے کہ دمشق اور مصر روس سے مدد نہ مانگے بلکہ روس دمشق اور مصر کو تار دے کہ ہمیں سامانِ جنگ بھیجو۔ اسی طرح امریکہ ان سے یہ نہ کہے کہ ہم تمہیں مدد دیں گے بلکہ امریکہ شام، مصر، عراق، ایران، پاکستان اور دوسری اسلامی سلطنتوں سے کہے کہ ہمیں اتنے ڈالر بھیجو ہمیں ضرورت ہے ورنہ ہم تو خالص دین کے بندے ہیں اور دنیا سے ہمیں کوئی غرض نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جو چیز ہے وہی ہمیں پیاری ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اسلام کے غلبہ کی کوئی صورت پیدا کرے۔ اور خلافت کی اصل غرض بھی یہی ہے کہ مسلمان نیک رہیں اور اسلام کی اشاعت میں لگے رہیں یہاں تک کہ اسلام کی اشاعت دنیا کے چپہ چپہ پر ہو جائے اور کوئی غیر مسلم باقی نہ رہے۔ اگر یہ ہو جائے تو ہماری غرض پوری ہوگئی اور اگر یہ نہ ہو تو محض نام کی خلافت نہ ہمارے کسی کام کی ہے اور نہ اس خلافت کے ماننے والے ہمارے کسی کام کے ہیں۔ ہمارا دوست وہی ہے جو اللہ کے نام کو دنیا کے کناروں تک پھیلائے۔ وہ خلیفہ ہمارے سر آنکھوں پر جو خدا تعالیٰ کے نام کو دنیا کے کناروں تک پھیلاتا ہے۔''

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۷ء صفحہ ۹ تا ۱۸)

متفرق

قرآن شریف نے خلیفہ کے انکار کا نام فسق رکھا ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو ایک دوست نے خط لکھا جس کے جواب میں حضور نے فرمایا:۔

مکرمی ! اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ آپ کا خط ملا چونکہ آپ نے نہایت ادب اور محبت سے خط لکھا ہے اس لئے میں خود ہی اس کا جواب لکھتا ہوں ۔ گو آجکل مجھے بہت کم فرصت ہے لیکن آپ کے اخلاص نے مجبور کیا ہے کہ میں خود ہی آپ کو جواب لکھوں ۔

(۱) شریعت اسلام کے ہر ایک حکم کا ماننا ضروری ہے اور جو شخص ایک حکم بھی توڑتا ہے وہ اپنے ایمان میں خود نقص پیدا کرتا ہے اور قرآن شریف نے خلیفہ کے انکار کا نام فسق رکھا ہے اور گو مولوی محمد علی صاحب اور ان کے ہم خیالوں نے آیت استخلاف کے اور ہی معنی کر دیئے ہیں لیکن خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتاب سر الخلافہ اور شہادت القرآن میں یہی معنی کئے ہیں کہ خلیفہ کا انکار فسق ہے اور فسق کے معنی ہوتے ہیں عہد شکنی ۔ پس اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفۂ برحق کا نہ ماننا گناہ ہے ہاں اس سے انسان دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہو جاتا بلکہ فاسق مسلمان ہوتا ہے یعنی وہ مسلمان جس نے اللہ تعالیٰ کا ایک عہدِ عظیم توڑ دیا۔

(۲) میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے خلیفہ ہوں اور انہیں خلفاء سے ہوں جنہیں خدا مقرر

کرتا ہے۔ باقی ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ اور حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفہ اوّل کو الہام کے ذریعہ سے مقرر نہ کیا گیا تو اب مجھے کیوں الہام کے ذریعہ سے بتایا جاتا کہ میں خلیفہ ہوں۔ ان میں سے ایک کا الہام بھی ثبوت نہیں دیا جا سکتا۔ اور اگر کہا جائے کہ ان کو الہام ہوتا تھا تو میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے کہہ سکتا ہوں کہ مجھے بھی الہام ہوتا ہے اور کثرت سے اللہ تعالیٰ مجھے امورِ غیبیہ پر اطلاع دیتا ہے۔ **فَذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَاءُ۔**

(۳) میں کس قسم کا خلیفہ ہوں اِس کا ثبوت وہی ہے جو ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم کی خلافتوں کا ثبوت ہے۔ جو ثبوت اُن کی سچائی میں پیش کیا جائے اور وہ سچا ثبوت ہے تو میں وہی اپنی سچائی میں پیش کر سکتا ہوں۔ **اِنۡشَاءَ اللّٰہ تَعَالٰی۔**

ٹرکی خلیفہ خلیفہ نہیں ہوتا اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں اور اس لئے اس پر آیت استخلاف کا کوئی حکم نہیں لگتا اور سب سے زیادہ ایک احمدی کے لئے یہ دلیل ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے خود لکھ دیا ہے کہ وہ خلیفہ نہیں ہے اس لئے ٹرکی کے جابر بادشاہ کو جس پر آیت استخلاف کا ایک حکم بھی چسپاں نہیں ہوتا خلیفہ کہنے والا مسیح موعودؑ کے قول کو رد کرتا ہے اور یہ جرأت اب تک میں نے خواجہ صاحب میں ہی دیکھی ہے جنہوں نے اسے خلیفۃ المسلمین لکھا ہے ورنہ اور کسی احمدی سے میں نے یہ بات نہیں سنی۔

(۴) مجھے اگر یہ وحی نہیں ہوئی کہ میں خلیفہ ہوں تو اس میں کچھ حرج نہیں۔ اگر مجھے وحی ہو تو میرا منکر کافر ہوا نہ کہ فاسق۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی وحی نہ ہوئی تھی کہ آپ خلیفہ ہیں کیونکہ انہوں نے بیعت کے وقت خود کہا کہ اگر چاہو تو کسی اور کو خلیفہ بنا لو۔ اگر وحی ہوتی تو کہتے کہ مجھے خدا نے کہا ہے کہ تم سب میری بیعت کر لو۔ مگر ان کے نہ ماننے والے کو جو ایک عظیم الشان صحابی تھا اور ۱۲ نقباء میں سے تھا خود صحابہ نے منافق اور مرتد کہا ہے۔ پس اگر آپ معذور ہیں تو وہ لوگ بھی معذور ہیں لیکن حضرت صاحب نے لکھا ہے کہ وہ زندیق اور فاسق ہے۔ دیکھیں آپ کی کتاب سر الخلافۃ۔ اگر وہ معذور نہیں تو آپ کیوں کر معذور ہو سکتے ہیں۔

(۵) خود پیغام لکھتا ہے کہ بعض نے حضرت خلیفۃ المسیح کی بیعت نہ کی تھی اور مولوی محمد علی

صاحب نے خود اُس وقت کہا تھا کہ ابھی ٹھہر جاؤ لیکن خواجہ صاحب کے زور دینے پر مانے۔ اِس وقت کئی آدمی زندہ ہیں جنہوں نے آپ کی بیعت نہ کی تھی پھر کیا آپ ان کی خلافت کا انکار کر دیں گے اور پھر حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کا بھی کیونکہ سب انصار نے بالاتفاق ان کی بیعت سے اوّل انکار کیا بعد میں مانا۔ حضرت عمرؓ کی خلافت پر بھی اعتراض ہوا، حضرت عثمانؓ کی خلافت پر بھی سخت اعتراض ہوا، حضرت علیؓ کی خلافت پر بھی سخت جنگ ہوئی۔ تو پہلے سب کی خلافت کا انکار کر دینا چاہئے کیونکہ سب کی مخالفت ہوئی۔ حضرت مسیح موعودؑ سرالخلافہ میں لکھتے ہیں کہ خلیفہ کا انکار ضروری ہے اور آیت استخلاف سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ فرمایا ہے وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا [1] پس ان کی مخالفت ضروری ہے کیونکہ وہ انبیاء کے قائم مقام ہوتے ہیں اور انبیاء کی نسبت آیا ہے کہ يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ [2] اور اگر آپ نے فوراً تحریک سے بیعت کی ہے تو میرے نام ہزاروں خطوط آئے ہیں جو بیعت کے اعلان سے پہلے کے تھے جنہوں نے بغیر اطلاع کے میری بیعت کی ہے۔

(۶) یہ کہنا کہ خلیفہ تو ہوتے ہیں لیکن برحق وہ ہے جس سے اختلاف نہ ہو۔ یہ حضرت مسیح موعودؑ کی تعلیم کے خلاف ہے کیونکہ آپ نے لکھا ہے کہ خلیفہ کی مخالفت ضروری ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ ہر ایک خلیفہ کی مخالفت ہوئی حتیٰ کہ حضرت خلیفہ اوّل کی بھی۔ ان کی لاہوریوں نے مخالفت کی۔

(۷) تعجب تعجب تعجب آپ کے اس قول پر سخت تعجب ہوا کہ خلیفہ اور اختلاف ایک مادہ سے ہیں اس لئے وہ ساری جماعت کا امام نہیں ہوسکتا۔ آدم خلیفہ تھا یا نہیں؟ کیا اس کا ماننا سب کیلئے ضروری تھا یا نہیں؟ خود حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے آپ کو خلیفہ کہا ہے اور ان کو الہام ہوا ہے پھر کیا ان کا ماننا بھی ضروری نہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خلیفہ کہا گیا ہے۔ آدم کے ذکر سے مطلب بھی یہی ہے پھر آپ کا ماننا بھی ضروری نہیں؟ اختلاف تو ضرور ہوتا ہے لیکن اختلاف کرنے والا گنہگار رہتا ہے۔ اختلاف تو آنحضرتؐ اور مسیحؑ سے بھی کیا گیا پھر کیا ان کا ماننا ضروری نہیں؟

(۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چار خلفاء کے بعد اختلاف نہیں ہوا بلکہ خود حضرت ابوبکرؓ سے اختلاف ہوا۔ معلوم ہوتا ہے آپ نے کبھی کوئی اسلامی تاریخ نہیں پڑھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ''۔

(الفضل ۱۰ جون ۱۹۱۴ء)

---

۱ النور: ۵۶ ۲ یٰس: ۳۱

کیا خلافت کے منکر فاسق نہیں؟

"عن ابی ھریرہ قال لما توفی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم واستخلف ابوبکر بعده وکفر من کفر من العرب قال عمر بن الخطاب لابی بکر کیف تقاتل الناس وقد قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم امرتُ ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الٰه الا اللّٰه فمن قال لااله الااللّٰه فقد عصم منی ماله ونفسه الابحقه وحسابه علی اللّٰه تعالٰی فقال ابوبکر واللّٰه لاقاتلن من فرّق بین الصلوٰة والزکوٰة فان الزکوٰة حق المال واللّٰه لو منعونی عقالا کانوا یؤدونه الی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لَقَاتَلْتُھُمْ علی منعه[1]

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے اور عرب کے جو کافر ہوئے کافر ہو گئے تو عمرؓ نے ابوبکرؓ سے کہا کہ تم ان لوگوں سے کیونکر لڑو گے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہوا ہے کہ مجھے لوگوں سے لڑنے کا اُس وقت تک حکم دیا گیا ہے جب تک کہ وہ لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ کہیں۔ پس جس نے لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ کہا اس نے مجھ سے اپنے مال اور جان کو بچا لیا مگر کسی حق کے بدلہ۔ پھر اس کا حساب اللہ پر ہے۔ پس ابوبکرؓ نے کہا خدا کی قسم! میں اس شخص سے لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ خدا کی قسم! وہ ایک ایسے عقال (رسی کا ٹکڑا) کو روکیں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت دیا کرتے تھے تو میں ان سے لڑوں گا اس کے نہ دینے پر۔

اس حدیث سے جو باتیں نکلتی ہیں ان میں سے دو یہ ہیں۔ اول یہ کہ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ غیر مبائعین کس طرح فاسق ہو سکتے ہیں انہیں غور کرنا چاہئے کہ یہاں ان لوگوں کا ذکر ہے

جو مسلمان تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت زکوٰۃ ادا کیا کرتے تھے لیکن حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں دینے سے انکار کر دیا تھا۔ ان کے ساتھ خلیفہ کو زکوٰۃ نہ دینے کے سبب کافروں کا سا سلوک روا رکھا گیا تو کیا سرے سے خلافت ہی کا انکار کسی مسلمان کے لئے روا ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جو احکام نبی کی معرفت لوگوں کو پہنچتے ہیں ان کا جاری رکھنا خلیفہ کا کام ہوتا ہے اور وہ خلیفہ کے وقت میں لوگوں کے لئے اسی طرح قابل تعمیل ہوتے ہیں کیونکہ حضرت ابو بکرؓ فرماتے ہیں کہ میں وہی کچھ ان لوگوں سے لوں گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے''۔

(الفضل ۱۵ جولائی ۱۹۱۵ء)

ل **بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة. باب الاقتداء بسنن رسول اللہ** ﷺ صفحہ ۱۲۵۳ حدیث نمبر ۷۲۸۴، ۷۲۸۵ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء **الطبعة الثانية**

جھوٹے مدعی خلافت کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں

ایک شخص نے حضور سے دریافت کیا کہ عابد علی نے خلیفہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے کیا ہم اس کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں؟ فرمایا:۔

''اگر اس نے خلافت کا دعویٰ کیا ہے تو اس کے پیچھے نماز جائز نہیں''۔

(الفضل ۱۸ مارچ ۱۹۱۶ء)

روحانی خلافت

حافظ محمد حسن صاحب بی اے، مسٹر ظہور احمد صاحب بی اے سابق ایڈیٹر پیغام اور مسٹر عطاء اللہ صاحب سٹوڈنٹ ایم اے کلاس حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو ملنے کیلئے آئے۔ تعارف کے بعد ان میں سے ایک نوجوان مسٹر ظہور احمد سے حضور کی درج ذیل گفتگو ہوئی۔

''نوجوان: ''اگر کوئی کہے کہ فلاں شخص خلیفہ ہے تو کیا اس کو حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ کی طرح خلیفہ مان سکتے ہیں؟

حضرت خلیفۃ المسیح: ہر ایک دعویٰ کی صداقت دلائل سے ثابت ہوتی ہے جو شخص خلیفہ ہونے کا مدعی ہے اس کے پاس جو دلائل ہیں ان کو دیکھیں گے۔

نوجوان: وہ دلائل آپ ہی بیان فرمائیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح: تو آپ صاف کیوں نہیں کہتے کہ مدعی خلافت سے آپ کی مراد مجھ سے ہی ہے۔

نوجوان: اصل بات یہ ہے کہ حال ہی میں مَیں نے الفضل میں پڑھا ہے کہ آپ کی خلافت ایسی ہی ہے جیسی خلفاء اربعہ کی تھی۔

حضرت خلیفۃ المسیح: میری خلافت کی صداقت کے وہی دلائل ہیں جو خلفاء اربعہ کی خلافت کے تھے۔ آپ ان کی صداقت کی کوئی دلیل بیان کریں۔

نوجوان: ان کو شوریٰ نے خلیفہ منتخب کیا تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح: شوریٰ سے آپ کی کیا مراد ہے؟

نوجوان: صحابہ نے منتخب کیا تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح : کیا تمام کے تمام صحابہ نے ؟

نوجوان : نہیں صحابہ کی مجاریٹی (کثرت) نے ۔

حضرت خلیفۃ المسیح : یہی دلیل میرے خلیفہ ہونے کی صداقت میں موجود ہے ۔

نوجوان : کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کی خلافت بالکل ان کی خلافت کی طرح ہے؟

حضرت خلیفۃ المسیح : بالکل ان کی خلافت کی طرح تو نہیں کہا جا سکتا ان کے پاس فوج تھی ، ملک تھا ، سلطنت تھی میرے پاس نہیں ہے ۔

نوجوان : خلفائے اربعہ میں تو **اُولِی الامر** کی صفت بھی پائی جاتی تھی جو کہ آپ میں نہیں پھر آپ کو خلیفہ کس طرح کہا جا سکتا ہے ۔

حضرت خلیفۃ المسیح : دیکھئے دولت مند کی یہ تعریف ہے کہ جس کے پاس دولت ہو ۔ جو شخص فرانس میں ہوگا اس کے پاس فرانس ہی کا سکہ دولت کے طور پر ہوگا ۔ جو امریکہ میں ہوگا اس کے پاس امریکہ کا ہی سکہ ہوگا اور جو چین میں ہوگا اس کے پاس چین کا ہی سکہ ہوگا اور ان سب کو دولت مند کہا جائے گا نہ یہ کہ امریکن دولت مند نہیں ، یا چینی دولت مند نہیں ۔ اب ایک ایسا شخص جو روحانی طور پر **اُولِی الامر** ہوگا اس کا خلیفہ روحانی ہی ہوگا اور جو روحانی اور جسمانی ہے اس کا خلیفہ بھی روحانی اور جسمانی **اُولِی الامر** ہوگا ۔ چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم روحانی اور جسمانی دونوں طریق کے **اُولِی الامر** تھے اس لئے آپ کے خلفاء روحانی اور جسمانی **اُولِی الامر** ہوئے ۔ لیکن حضرت صاحبؑ چونکہ روحانی **اُولِی الامر** تھے اس لئے آپ کا خلیفہ بھی روحانی **اُولِی الامر** ہی ہوگا ۔

نوجوان : ایسا خلیفہ تو نامکمل خلیفہ ہوا ۔

حضرت خلیفۃ المسیح : اگر اس سے آپ کی یہ مراد ہے کہ ہمارے پاس حکومت نہیں تو یہ ہم خود کہتے ہیں کہ ہماری خلافت روحانی ہے جسمانی نہیں ۔

نوجوان: مختلف ممالک کے بادشاہ ہیں فرانس کا ہے، انگلستان کا ہے، آسٹریا کا ہے یہ سب بادشاہ کہلاتے ہیں۔ اسی طرح جو بھی خلیفہ ہو وہ ایسا ہی ہونا چاہئے جیسے پہلے ہوئے ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح: یہ تو آپ کو علم ہی ہوگا کہ مختلف ممالک کے بادشاہوں کے اختیارات میں فرق ہے اور سب کے اختیارات ایک جیسے نہیں ہیں۔

نوجوان: اوّل یہ تو مجھے معلوم ہے کہ ان کے اختیارات میں فرق ہے لیکن ان کے نام میں تو فرق نہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح: پس اگر ان کے اختیارات میں فرق ہونے کی وجہ سے ان کے نام میں کوئی فرق نہیں اور اس طرح ان کے بادشاہ کہلانے میں کوئی حرج نہیں تو اسی طرح خلافت کے متعلق بھی سمجھ لیجئے۔ خلفائے اربعہ چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ تھے اور رسول کریمؐ کے پاس حکومت بھی تھی اس لئے وہ خلفاء حکومت بھی رکھتے تھے۔ لیکن میں جس کا خلیفہ ہوں وہ چونکہ حاکم نہیں تھا اس لئے میرے پاس کس طرح حکومت آجاتی۔ میں تو روحانی بادشاہ کا خلیفہ ہوں اس لئے روحانی خلیفہ ہوں''۔

(الفضل ۲۶ فروری ۱۹۲۰ء)

خلافت اور سلطنت

ایک صاحب نے عرض کیا کہ کیا خلیفہ کے لئے سلطنت ضروری ہے؟ فرمایا:۔

''خلافت کے معنی ایک بادشاہت کے ہیں اور ایک نیابت کے۔اور جو جس کا خلیفہ ہوگا وہ اسی بات میں ہوگا جو اس کے اصل میں ہوگی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض بھی روحانی اصلاح تھی۔اور خلیفہ عربی کے لحاظ سے بادشاہ کو بھی کہنا درست ہے۔ ہر ایک سلطان بھی خلیفہ ہے۔ہاں مسلمانوں نے اس کو خاص کر لیا ہے''۔

(الفضل ۲۸رنومبر ۱۹۲۱ء)

خلیفہ اور پریزیڈنٹ

حکیم احمد حسین صاحب لائلپوری سے فرمایا کہ آپ نے سوال کیا ہے کہ خلیفہ اور انجمن کے صدر دونوں کو لوگ منتخب کرتے ہیں اس لئے دونوں میں کیا فرق ہے؟ فرمایا:۔

''اس میں شبہ نہیں کہ بظاہر یہ دونوں ایک نظر آتے ہیں مگر ان میں ایسا ہی فرق ہے جیسا ان دو بچوں میں فرق ہوتا ہے جن میں سے ایک زمین پر بیٹھا ہوا اور دوسرا ایک مضبوط جوان شخص کے کندے پر سوار ہو اور دونوں کسی درخت سے پھل توڑنا چاہیں۔ ظاہر ہے کہ زمین پر بیٹھنے والے کے مقابلہ میں کامیاب وہی ہوگا جو ایک جوان کے کندے پر سوار ہے کیونکہ اس نے اس ذریعہ سے پھل کو ہاتھ سے پکڑ کر توڑ لیا ہے۔ زمین پر بیٹھنے والا ممکن ہے پتھر مار کر پھل گرانا چاہے مگر ضروری نہیں کہ اس کے پتھر سے پھل ٹوٹے لیکن اس کے مقابلہ میں کندھے پر چڑھنے والا یقیناً کامیاب ہوگا۔ اسی طرح کسی انجمن یا حکومت کے صدر کو بھی لوگ ہی منتخب کرتے ہیں اور خلیفہ کو بھی۔ مگر خلیفہ کا انتخاب خدا کے وعدہ کے ماتحت ہوتا ہے اس کی تائید خدا کرتا ہے کسی اور صدر کے لئے کوئی وعدہ نصرتِ الٰہی نہیں ہوتا۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ حضرت صاحبؑ ہمیشہ تقریر فرمایا کرتے تھے اور خطبہ الہامیہ کے دن بھی حضور ہی نے تقریر فرمائی تھی مگر باقی تمام تقریروں کو الہامی نہیں کہتے اور صرف خطبہ الہامیہ کو ہی الہامی تقریر کہتے ہیں۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ اور تقریروں کے متعلق وعدہ الٰہی نہ تھا اور خطبہ الہامیہ کے لئے خاص حکم اور وعدہ تھا اس لئے یہی الہامی کہلاتا ہے۔ چونکہ وعدہ الٰہی دوسرے انتخابوں کے ساتھ نہیں ہوتا اس لئے ان میں وہ بات نہیں ہوتی جو خلافت کے انتخاب کے لئے ہے کیونکہ یہ وعدہ الٰہی کے ماتحت ہے۔ لوگوں کا منتخب کیا ہوا صدر ممکن ہے خدا کی ناراضی کا موجب ہو مگر خلیفہ نہیں ہوسکتا''۔ (الفضل ۲؍جنوری ۱۹۲۲ء)

’’نیز یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جو کام خدا کرے خواہ اس کو بندے ہی کریں وہ خدا کا کام سمجھا جاتا ہے۔ بیشک لوگ ہی خلیفہ کو منتخب کرتے ہیں مگر اس کے انتخاب کو خدا اپنا کیا ہوا انتخاب فرماتا ہے۔ اور اس طریق انتخاب کے ذریعہ نبیوں اور خلفاء میں تمیز ہو جاتی ہے۔ اگر خدا براہ راست کسی کو خلیفہ منتخب کرے اور کہے کہ میں تجھ کو خلیفہ بناتا ہوں تو اس خلیفہ اور نبی میں کوئی فرق نہیں رہ سکتا۔ پس نبی کا انتخاب خدا نے خاص اپنے ذمہ رکھا اور خلیفہ کا بندوں کے ذریعہ۔ مگر ایسا کہ بندوں سے اپنی منشاء کے مطابق انتخاب کراتا ہے اور اس کی تائید و نصرت کا وعدہ فرماتا ہے۔ نبی جو جماعت بناتا ہے اس کا بیشتر حصہ خلیفہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کے وقت میں جب اختلاف ہوا تو صحابہ کا بڑا حصہ حضرت علیؓ کے ساتھ تھا‘‘۔ (الفضل ۵؍جنوری ۱۹۲۲ء)

آدم و داؤد کی خلافت

حکیم صاحب نے عرض کیا کہ ’’قرآن کریم میں آدم اور داؤد کو بھی خلیفہ کہا گیا ہے‘‘۔

فرمایا: ’’لفظ خلیفہ کے وسیع معنی ہیں۔ آدم اور داؤد کی خلافت الگ قسم کی تھی اس کی مثال اور ہے۔ وہ نبوت کے رنگ کی خلافت تھی۔ مثلاً خلیفہ تو درزی حجام کو بھی کہا جاتا ہے۔ کوئی کہے میں نے پانچ خلیفہ دیکھے تو وہ درزی کا کام کرتے تھے یہ کیوں نہیں کرتے؟ تو کہا جائے گا کہ اُن کی خلافت اور ہے اور یہ خلافت اور۔‘‘

مسئلہ خلافت جزوی ہے

حکیم صاحب نے عرض کیا کہ ’’یہ تو قرآن کریم کے ماننے والے کیلئے ہوا منکرِ قرآن کیلئے کیا ثبوت ہوگا؟

فرمایا: ’’خلافت کا مسئلہ تو جزوی مسائل میں سے ہے مثلاً کوئی منکرِ اسلام کہے کہ صبح کی نماز میں دو رکعتیں کیوں ہیں اور مغرب میں تین کیوں اور عصر میں چار کیوں؟ تو اُس کو کہا جائے گا کہ یہ جزوی مسئلہ ہے جس کی بنیاد نقل پر ہے۔ جو مسائل اصولی ہوں ان کی بنیاد عقل پر ہوتی ہے اور جو جزوی ہوں ان کی بنیاد نقل پر۔ ہم منکرِ اسلام سے خلافت کے متعلق یا رکعاتِ نماز کے متعلق بحث نہیں کریں گے بلکہ صداقت اسلام کے اصول کے متعلق کریں گے۔ جب وہ مان لے گا پھر اس کو جزوی مسائل کے تصفیہ کے لئے نقلی بحث میں لے آئیں گے۔ حضرت علیؓ

نے فرمایا تھا جزئیاتِ مسائل کی بنیاد اگر عقل پر ہوتی تو میں پاؤں کے اوپر مسح کرنے کی بجائے تلوے کا مسح بتاتا۔ مگر اس میں بحث عقل کی نہیں نقل کی ہے۔ گو ہم کسی جزوی بات میں کتنے ہی نکات بتائیں اور فلسفیانہ رموز بیان کریں مگر ان کی حیثیت ذوقیات سے زیادہ نہ ہوگی۔ پس خلافت کی بحث اصولی نہیں جزوی ہے جس کا تعلق مخالف اسلام سے نہیں قائل اسلام سے ہے''۔

(الفضل ۵ ؍جنوری ۱۹۲۲ء)

سلسلہ خلافت

ایک شخص نے سوال کیا کہ کیا حضور کے بعد بھی خلیفہ آ سکتا ہے یا آئے گا؟ حضور نے لکھوایا:۔

''ہم تو خلافت کے قرآن مجید کی تعلیم کے مطابق قائل ہیں۔ اگر جماعت مستحق ہوگی تو خلیفہ ہوگا اس قابل نہ ہوگی تو خلیفہ نہیں ہوگا۔ خلافت کا نہ ہونا ایک عذاب ہے''۔

(الفضل ۸؍مئی ۱۹۲۲ء)

بیعتِ خلافت کی ضرورت

ایک صاحب کی طرف سے سوال پیش کیا گیا کہ وہ کہتے ہیں جب مان لیا کہ آپ سچے خلیفہ ہیں تو پھر بیعت کی کیا ضرورت ہے؟ فرمایا:۔

''ایسے امور جن کا عقائد کے لئے ماننا ضروری ہے ان میں سے ملائکہ بھی ہیں۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کو مان لینا کافی ہے اور جو لوگ واقف نہیں کہ فرشتوں کے کیا کام ہیں اور ان پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے اور ان سے تعلق کی کیا ضرورت ہے ان کیلئے صرف یہی ہے کہ ان کو مان لیا جائے۔ لیکن بعض اس قسم کی چیزیں ہیں کہ ان پر ایمان کے ساتھ ان کے احکام کے مطابق اعمال بھی کرنے کی ضرورت ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس کو ماننا ایک علیحدہ فعل ہے اور اس کے احکام پر عمل کرنا دوسرا فعل ہے۔ اگر ایک شخص خدا تعالیٰ کو مان لیتا ہے تو وہ ایک حصہ کو مکمل کرتا ہے جس کا اس کو ثواب ملے گا اور اگر دوسرے حصہ کو پورا کرے گا تو اس کا علیحدہ ثواب ہوگا۔ صرف خدا تعالیٰ کے ماننے میں ایمانی عمارت کا ایک حصہ بن جائے گا مگر عمارت نامکمل رہے گی۔ اسی طرح رسول کا ماننا ایک کام ہے اور اس کے احکام کے مطابق اعمال کرنا دوسرا کام ہے اور ان دونوں کا ثواب ہے۔ انبیاء کے لئے محض ماننے میں بھی ثواب ہے اور ایمان جب عمل کے ساتھ مل جائے تو پھر اس کا ثواب بہت زیادہ ہوتا ہے۔ پس بعض ایسی چیزیں ہیں کہ ان کا ماننا مستقل ایک فعل ہے۔ لیکن خلفاء کا وجود ایسا نہیں کہ ان کا محض ماننا کسی ثواب کا موجب ہو۔ ان کا ماننا تو اسی لئے ہوتا ہے کہ وہ سلسلہ کو قائم رکھتے ہیں اور اس کا انتظام کرتے ہیں اور یہی ان کی ضرورت ہے اور اسی لئے ان کی بیعت کی جاتی ہے۔ خلفاء کا ماننے کا عقیدہ علیحدہ عقیدہ نہیں۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ، ملائکہ، رُسل، کتب، قیامت وغیرہ عقائد ہیں اور ان کا ماننا ضروری

ہے۔خلفاء کا ماننا ایسے عقائد میں سے نہیں بلکہ خلیفہ کا ماننا اس لئے ہے کہ سلسلہ کا انتظام قائم رہے۔ یہ کہنا کہ بغیر بیعت ہی کے خلیفہ جو کہے مان لیں گے صحیح نہیں۔اس طرح اوّل تو خلیفہ کو یہ کیسے پتہ لگ سکتا ہے کہ فلاں شخص اپنے دل میں یہ ارادہ رکھتا ہے۔مثلاً آپ افسر ہوں اور ایک مہم آپ کے سپرد ہو جس کے سر کرنے کیلئے ایک سو دس آدمیوں کی ضرورت ہو مگر آپ کے پاس سَو آدمی ہوں اور بیس آدمی ایسے ہوں جو اپنے گھر میں اس ارادے کے ساتھ بیٹھے ہوں کہ ہم بھرتی نہیں ہوتے اور اپنا نام فوج میں نہیں لکھواتے لیکن ہمیں یہ افسر صاحب جو حکم دیں گے ہم اس کو مان لیں گے تو ان کے اس خیال سے وہ مہم فتح نہیں ہوسکتی اور آپ ان سے کام نہیں لے سکتے۔اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ فوج میں بھرتی ہوں تاکہ ضرورت کے وقت آپ ان سے کام لے سکیں۔اسی طرح بیعت کی ضرورت ہے اگر ایک کو اجازت مل جائے کہ وہ بیعت نہ کرے تو باقی یہ جو اس قدر بیٹھے ہیں اور گھر بار چھوڑ کر آئے ہیں ان کو کیا ضرورت ہے کہ بیعت کریں یہ بھی آرام سے اپنے گھروں میں بیٹھ سکتے ہیں''۔

(الفضل ۲۳؍اکتوبر ۱۹۲۲ء)

ترکی خلافت

''تھریس کے منتخبہ ترکی گورنر رفعت پاشا مقیم قسطنطنیہ نے جو اپنی ایک تقریر میں یہ کہا کہ سلطان سلیم کی سب سے بڑی سیاسی غلطی یہ تھی کہ اس نے خلافت اور سلطنت کو جمع کر دیا۔ آئندہ خلیفہ اور حاکم دُنیوی جدا جدا ہوں گے اور موجودہ ترکی خلیفہ کو معزول کرنے کی ضرورت نہیں بیشک خلیفہ وہی رہیں لیکن حکومت دُنیوی کو آئندہ ان سے کوئی واسطہ نہ ہوگا۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے فرمایا کہ ہندوستان کے خلافت کمیٹیوں کے کارکنوں کی تو اس تقریر سے کمریں ٹوٹ جائیں گی کیونکہ ان کا سارا زور اسی بات پر رہا ہے کہ خلیفہ سے اقتدارِ دُنیوی جدا نہیں ہوسکتا اور ساتھ ہی مولوی محمد علی صاحب کو بھی اپنی غلطی معلوم ہوگی کہ وہ جو کہا کرتے تھے کہ خلیفہ تو وہ ہوتا ہے جس کے پاس حکومت ہو اس لئے سلسلہ احمدیہ میں خلافت نہیں ہوسکتی اور ترک سلطان خلیفۃ المسلمین کہلانے کا مستحق ہے''۔

اہلحدیث اور ترکی خلافت

''ایک اور ذکر کے دوران میں فرمایا کہ اہلحدیث اپنے مذہب کے رو سے سوائے قریش کی خلافت کے سب کی خلافت سے منکر ہیں۔ نواب صدیق حسن خان صاحب ترکوں کی خلافت کے مخالف تھے۔ یہ تو آجکل سیاسی ہوا کا اثر ہے کہ اہلحدیث بھی اپنے آپ کو خلافت ترکیہ کے قائل ظاہر کرتے ہیں''۔

(الفضل ۹ رنومبر ۱۹۲۲ء)

حضرت معاویہ اور یزید خلیفہ نہ تھے

''ایک صاحب نے لکھا کہ ایک شیعہ نے ان سے سوال کیا کہ حضرت معاویہ اور یزید بھی خلیفہ تھے؟ کیا ان کی خلافت بھی آیت استخلاف کے ماتحت تھی؟ مجھے اس کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں آیا۔ حضور مکلّف ہوں کہ اس کا مفصل جواب لکھیں۔

حضور نے جواب میں فرمایا معاویہ اور یزید کو کون خلیفہ کہتا ہے۔ خلیفہ کے دو معنی ہیں ایک سلطان کے اور دوسرے اسلامی امیر کے۔ وہ بمعنے سلطان خلیفہ بیشک تھے مگر اسلامی اصطلاح کے مطابق وہ خلیفہ نہ تھے کیونکہ جن شرائط کے ماتحت اس قسم کا خلیفہ ہوسکتا ہے وہ ان میں نہیں پائی جاتی تھیں''۔

(الفضل ۱۳ نومبر ۱۹۲۲ء)

مبائعین اور غیر مبائعین میں فرق

''ہم میں اور غیر مبائعین میں فرق یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں خلیفہ کی کوئی ضرورت نہیں اور ہم لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن کریم کے احکام کے مطابق ایک خلیفہ ہونا ضروری ہے جو اپنے متبوع کے دائرہ عمل میں اس کے احکامات اور مقاصد کو پورا کرے۔ سورۃ نور میں اللہ تعالیٰ ایسے وجودوں کا ہونا ضروری اور اپنے انعامات اور برکات میں سے قرار دیتا ہے اور وہ لوگ جو اس نعمت کو اپنے ہاتھ سے ضائع کرتے ہیں ان کے متعلق فرمایا **مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ**[1] اصل اختلاف تو یہی ہے۔ باقی جب اختلاف پیدا ہوتا ہے تو آہستہ آہستہ تنافر کی وجہ سے ہر ایک چیز میں اختلاف ہونے لگ جاتا ہے۔ اس اختلاف کے نتیجہ میں بعض عقائد میں بھی اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ مثلاً وہ کہنے لگ گئے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نبی نہیں تھے اور ان کا فیصلہ ہر حالت میں ہمارے لئے حجت نہیں۔ بلکہ وہی فیصلہ قابل حجت ہے جو کہ وحی سے ہو اور پھر وحی بھی وہی قابل حجت ہے جو زید یا بکر کے خیال کے مطابق، مطابق قرآن وحدیث ہو جائے۔''

(الفضل ۲۱ رمئی ۱۹۲۵ء)

---

[1] النور: ۵۶

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد خلافت

’’خلافت کے جھگڑے کا میں پہلے ذکر کر آیا ہوں۔ انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے اس کا مطلب وہی ہے جو جانشینوں کا ہوا کرتا ہے۔ ہر ایک شخص جس کے سپرد کوئی کام ہوتا ہے وہ اس شخص کا جانشین ہوتا ہے۔ جانشین اور قائم مقام کے ایک ہی معنی ہیں۔ جانشین کے معنی ہیں کسی کی جگہ بیٹھنے والا اور قائم مقام سے مراد کسی کی جگہ کھڑا ہونے والا۔ آگے پھر مختلف حیثیتیں اور عہدے ان کے ہیں۔ ایک چپڑاسی بھی گورنمنٹ کا قائم مقام ہے اور ایک تحصیلدار بھی قائم مقام ہے۔ سپاہی جس وقت کسی سرکاری کام کیلئے کسی دروازہ پر دستک دے کر یہ کہتا ہے کہ بنام سرکار دروازہ کھول دو تو اس کے ہرگز یہ معنی نہیں ہوتے کہ اس کے اوپر کوئی اور افسر نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریروں سے ثابت ہے کہ آپ کے بعد اس رنگ میں خلافت کا سلسلہ قائم کیا جائے گا جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قائم کیا گیا اور یہ کہ آپ کے خلفاء واجب الاطاعت ہوں گے اور سلسلہ کے حقیقی نمائندے وہی ہوں گے۔ جس امر کے متعلق کسی غیر جماعت نے احمدی جماعت سے بحیثیت جماعت فیصلہ کرنا ہے تو ایسے امور کو وہ انہیں خلفاء سے طے کر سکے گی نہ کہ کسی انجمن سے یا اور دوسرے افراد سے۔ پس جو بھی انجمن یا افراد سلسلے کے ہوں جن کے سپرد کوئی کام ہو اور وہ کسی دائرہ عمل میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشین ہوں تو وہ سب اپنی اپنی جگہ پر ان کے جانشین کہلائیں گے۔ مگر سب خلیفہ کے ماتحت ہوں گے اور اس کی رائے اور منشاء کے ماتحت کام کریں گے۔ انجمن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں بھی آپ کی جانشین تھی۔ اگر آپ کی زندگی میں وہ آپ کی اطاعت سے باہر نہیں ہوئی تو آپ کی وفات کے بعد آپ کے خلفاء کی اطاعت سے باہر نہیں ہوسکتی۔‘‘ (الفضل ۲۱ مئی ۱۹۲۵ء)

خلافت مأموریت اور خلافت نیابت

ایک غیر مبائع نے سوال کیا کہ:۔

''حضرت صاحبؑ خدا کے مقرر کردہ خلیفہ تھے کیا اسی طرح آپ بھی خدا کے مقرر کردہ خلیفہ ہیں؟ اگر یہ درست ہے تو حضرت صاحبؑ کی ماموریت میں اور آپ کی ماموریت میں کیا فرق ہے؟

جواب:۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا کے مقرر کردہ خلیفہ تھے اور میں بھی خدا تعالیٰ کا مقرر کردہ خلیفہ ہوں لیکن تقرر الگ الگ قسم کے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا تقرر بذریعہ الہام اور وحی کا تھا اور میرا تقرر جماعت کے لوگوں کی زبانوں پر تصرف کر کے۔ گویا وہ وحی جلی کے ذریعہ تھا اور یہ وحی خفی کے ذریعہ۔ جتنا عظیم الشان فرق وحی جلی اور خفی میں ہوتا ہے اتنا ہی فرق میری اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خلافت میں ہے۔ حضرت مسیح موعود کی خلافت خلافت ماموریت تھی اور میری خلافت خلافت نیابت ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ایک پٹواری بھی گورنمنٹ کا مقرر کردہ ہوتا ہے اور ایک وائسرائے بھی گورنمنٹ کا مقرر کردہ ہوتا ہے لیکن پھر بھی بڑا فرق ہوتا ہے''۔

(الفضل ۴ مارچ ۱۹۲۷ء)

حقوقِ خلافت ایک فرد کو حاصل ہیں یا پوری قوم کو

ایک دوست نے سوال کیا کہ:۔

''آیت استخلاف میں حقوقِ خلافت صرف ایک فرد کو حاصل ہیں یا قوم کی قوم کو؟

جواب:۔اس میں دونوں خلافتیں شامل ہیں۔ جزوی خلافت بھی شامل ہے جس میں خلافت نبوت اور خلافت نیابت دونوں شامل ہیں اور قومی خلافت بھی شامل ہے کیونکہ جس قوم میں خلفاء ہوتے ہیں وہ بھی خلیفہ ہوتے ہیں۔جس قوم میں بادشاہ ہوتے ہیں وہ قوم بھی بادشاہ ہوتی ہے''۔

(الفضل ۱۱مارچ ۱۹۲۷ء)

ناقصاتُ العقل وَ الدِّیْنِ ہونے کا مطلب

(مجلس عرفان ۴ر دسمبر ۱۹۲۹ء بعد نماز مغرب)

''حدیث میں آتا ہے کہ عورتیں ناقصاتُ العقل وَالدِّیْنِ ہیں اس کا کیا مطلب ہے؟

فرمایا:۔

''اس کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں میں فطری کمزوری ہے جس کی وجہ سے وہ نبی، امام، اور خلیفہ نہیں بن سکتیں۔ اگر اس کا یہی مفہوم ہوتا جو آجکل سمجھا جاتا ہے کہ عورتیں کم عقل ہوتی ہیں اور دین میں ناقص تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ازواجِ مطہرات سے کبھی مشورہ نہ لیتے۔ حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دین کا بہت سارا حصہ مروی ہے۔ دیکھو حضرت عائشہؓ نے لَانَبِیَّ بَعْدِیْ کے کیسے اعلیٰ معنی بیان کئے جن سے موجودہ زمانہ کے عظیم الشان مأمور نے بھی فائدہ اٹھایا۔ مردوں میں سے جہاں اس بارے میں بڑے بڑے اَئمہ اور علماء، فضلاء نے ٹھوکر کھائی وہاں ایک عورت نے ایسی اعلیٰ راہنمائی کی جس سے آج بھی ہم فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ پس حدیث کا یہ مفہوم نہیں کہ عورتوں کی عقل ناقص ہوتی ہے اور وہ مشورہ دینے کے قابل نہیں ہوتیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ عورت کا رحم کا پہلو غالب ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ مرد کی طرح بااختیار اور خودمختار حاکم نہیں بن سکتی اور نہ نبی اور خلیفہ ہوسکتی ہے۔ کیونکہ نبوت اور خلافت میں قوتِ حاکمانہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو عورتوں میں طبعًا کم ہے اس لئے اگر خلیفہ یا بادشاہ بن جائیں تو ایسے مواقع پر جہاں جابرانہ احکام نافذ کرنے کی ضرورت ہو کمزوری دکھائیں۔ ملکہ وکٹوریہ کے متعلق ثابت ہے کہ جب کسی کو پھانسی وغیرہ کا حکم دینا پڑتا تو اُس وقت نرمی دکھاتی اور انتہائی رحمدلی سے کام لیتی اور یہ بات تمام عورتوں

میں ہے۔ پس چونکہ حاکمانہ قوت جس میں سخت احکام بھی نافذ کرنے پڑتے ہیں عورتوں میں نہیں ہے اس لئے وہ ایسے موقعوں پر کمزوری اور نرمی دکھاتی ہیں جس سے حکومت میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا عورت کو ناقص العقل وَالدِّیْنِ کہنے سے شریعت کی مراد یہ ہے کہ وہ سختی اور خشونت سے کام نہیں کرا سکتیں جس طرح مرد کرا سکتے ہیں۔ یہ ایک فطری کمزوری ہے۔

ایک حدیث کا مطلب

عرض کیا گیا کہ ایک حدیث میں صاف طور پر آیا ہے کہ اِذَاکَانَ اَمْرُکُمْ شُوْرٰی بَیْنَکُمْ فَظَھْرُ الْاَرْضِ خَیْرٌ لَّکُمْ مِنْ بَطْنِھَا وَاِذَا کَانَ اُمُوْرُ کُمْ اِلٰی نِسَائِکُمْ فَبَطْنُ الْاَرْضِ خَیْرٌ لَّکُمْ مِنْ ظَھْرِھَا[1] کہ جب تمہارے معاملات کی باگ ڈور عورتوں کے ہاتھ میں ہو تو تمہارے لئے اس وقت مرجانا بہتر ہے۔

فرمایا:۔

حدیث نے خود ہی تشریح کر دی ہے کہ عورتیں خود مختار رئیس اور بادشاہ نہیں بن سکتیں یعنی اس سے مراد عورت کا بادشاہ ہونا ہے کہ اگر کوئی عورت تمہاری حاکم ہو جائے اور بکلّی تمام سیاہ وسفید کی وہی مالک ہو تو اُس وقت حکومت تباہ ہو جائے گی۔ اس سے عورتوں سے مشورہ لینے کی نفی کہاں سے نکلی؟ ہاں شوریٰ میں عورت حاکم نہیں ہوسکتی عورتوں کی طرف سے نمائندہ بن کر مشورہ دے سکتی ہے۔

چھوٹا دماغ

عرض کیا گیا کہ جدید تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ عورت کا دماغ مرد کی نسبت چھوٹا ہوتا ہے۔

فرمایا:۔

دماغ کے چھوٹے اور بڑے ہونے سے اخلاق اور عقل کو کوئی تعلق نہیں اور یہ ضروری نہیں کہ ہر بڑے دماغ والا ہر بات اچھی کرے۔ بعض دفعہ چھوٹی عقل والے بڑا کام کر جاتے ہیں۔ پس مشورہ دینے میں عورت کی عقل ہرگز کمزور نہیں مردوں کی طرح عورتیں بھی مشورہ دینے کی اہل ہیں۔

عورت صدیق بن سکتی ہے

عرض کیا گیا کیا عورت صدیق بن سکتی ہے؟
فرمایا:۔

کیوں نہیں حضرت مریم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما دونوں صدیقہ تھیں۔صدیقیت ایک الگ مرتبہ ہے اور خلافت الگ۔خلافت میں بعض دفعہ سختی کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو عموماً عورتوں میں نہیں اس لئے خلیفہ نہیں ہوسکتیں۔

عورت قاضی بن سکتی ہے؟

عرض کیا گیا کیا عورت قاضی بن سکتی ہے؟
فرمایا:۔

ہاں بن سکتی ہے۔

اس پر عرض کیا گیا قاضی ہونے کی صورت میں حدود اور قصاص کے مقدمات میں عورت فیصلہ کرتے وقت کمزوری نہ دکھائے گی؟

فرمایا:۔

آگے اپیل کا دروازہ کھلا ہے۔عورت حاکم اعلیٰ نہیں بن سکتی ماتحتی میں درجے اورعہدے حاصل کرسکتی ہے۔یعنی عورت بادشاہ یا خلیفہ کے ماتحت کسی منصب پر مأمور ہوسکتی ہے۔''

(الفضل ۱۷ دسمبر ۱۹۲۹ء)

۱؎ جامع الترمذی کتاب الفتن باب متٰی یکون ظهر الارض خیرا من بطنها صفحہ ۵۲۱ حدیث نمبر ۲۲۶۶ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الاولیٰ

خلافت کے مدارج

''مولوی امام دین صاحب:۔خلافت بھی صدیقیت ہے؟

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی:۔ خلافت کے متعلق درجے ہیں۔ کوئی خلیفہ نبی ہوگا، کوئی خلیفہ صدیق، کوئی شہید اور کوئی صالح۔ خلافت کے زمانہ میں بھی مسلمانوں کو ایک سخت غلطی لگی اور وہ یہ کہ لوگ سمجھ لیتے ہیں ہمارا سب بار ایک شخص پر پڑ گیا جو خلیفہ ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ نے ہر مومن کو خلیفہ بنایا ہے کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ[1] ہر مومن اپنے دائرہ میں خلیفہ ہے۔ عہدہ والی خلافت تو ایک ہی کیلئے ہوتی ہے لیکن عہدہ کے بغیر خلافت ہر مومن کو حاصل ہے اور ہر خلیفہ کو یہ درجے حاصل ہو سکتے ہیں''۔

(الفضل ۲ مئی ۱۹۳۳ء)

---

[1] بخاری کتاب الاحکام باب قول اللّٰہ تعالیٰ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ صفحہ ۱۲۲۹ حدیث نمبر ۷۱۳۸ مطبوعہ ریاض ۱۹۹۹ء الطبعة الثانية

حضرت مسیح موعودؑ کے سلسلہ خلافت سے مراد

(ملفوظات ۶ فروری ۱۹۴۴ء غیر مطبوعہ)

''سوال:۔ حضرت مسیح موعودؑ کے سلسلہ خلافت سے کیا مراد ہے؟

جواب:۔ پہلے لوگوں نے بھی خلافت کے مسئلہ کے متعلق غلطی کھائی ہے اور ہماری جماعت بھی کھا رہی ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ قرآن کریم میں جس خلافت کا وعدہ کیا گیا ہے وہ اُس وقت تک کیلئے ہے جب تک کہ مومنوں کی عمل صالح رکھنے والی جماعت ہوگی۔ جب جماعت میں خرابی پیدا ہو جائے گی یا نقص آئے گا خلافت اپنی شکل بدل لے گی اور اس کے بعد حقیقی خلافت نہیں رہے گی اور وہ پھر تبھی قائم ہوگی جب کوئی مامور آئے گا اور ایسا مامور ایسے وقت میں آئے گا جس وقت اسلامی خلافت اپنی شکل بدل چکی ہوگی۔ تو جب جماعت میں خرابی پیدا ہو جائے گی تو خلافت خلافت نہیں رہے گی بلکہ بادشاہت یا کوئی اَور رنگ اختیار کر لے گی تو وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ [1] میں وعدہ اس شرط کے ساتھ کیا گیا ہے کہ جب کبھی اعمال صالح رکھنے والی جماعت ہوگی یعنی ان میں مومنوں کی اکثریت ثابت ہو جائے تو ان میں خلافت رہے گی۔ اگر اس میں مومنوں کی اکثریت ثابت نہیں ہوگی تو پھر یہ خلافت خلافت نہیں ہوگی۔ جس وقت تک یہ بات رہے گی خلافت قائم رہے گی اور جس وقت تفرقہ پڑ جائے گا جیسے کہ پہلے زمانہ میں مسلمانوں میں ہوا اور عملی طور پر مسلمانوں کی حالت میں نقص آ جائے تو پھر وہ خلافت سے محروم کئے جاتے ہیں۔ محض خلیفہ کہلانے سے کوئی خلیفہ نہیں ہو جاتا جیسے ترکوں کا بادشاہ خلیفہ کہلاتا رہا ہے۔ ایسا آدمی دنیاوی بادشاہ ہوتا ہے اور خلیفہ کہلانے کے باوجود خلیفہ

نہیں ہوگا۔ جس وقت اس کا اس شخص سے ٹکرا ہوگا جو خدا کی طرف سے آئے گا تو مؤخر الذکر ہی جیتے گا۔ اب خدا نے جو وعدہ کیا ہے وہ یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں میں خلافت ہمیشہ جاری رہے گی بلکہ وعدہ یہ ہے کہ جب تک مومنوں اور اعمالِ صالح رکھنے والے لوگوں کی اکثریت ہوگی وہ کبھی خلافت کے انعام سے محروم نہیں ہو سکتے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ اگر جماعت میں خرابی بھی آجائے تو بھی اس میں خلیفہ آتے رہیں گے۔ ہمیشہ اکثریت کو دیکھا جاتا ہے جب قوم میں اکثریت مومنوں اور اعمالِ صالح رکھنے والوں کی ہوگی تو ان میں خلافت ضرور ہوگی۔ جس وقت تک قوم میں یہ روح رہے گی خلافت ضرور قائم ہوگی مگر جب یہ روح مٹ جائے گی تو چاہے اس کا نام خلیفہ ہو وہ خلافت نہیں ہو سکتی۔

سوال:۔ کیا وہی خلیفہ ہوگا اور وہی مجدد؟

جواب:۔ مجددیت چلتی جاتی ہے اُس وقت صدی کا سر بھی ضروری نہیں ہوگا جس وقت جماعت میں یہ انتظام قائم رہے گا اور ایسا تسلسل جاری رہے گا تو اُس وقت ہر خلیفہ مجدد ہوگا چاہے یہ تسلسل ۲۰۰ یا ۳۰۰ سال تک کیوں نہ جاری رہے صدی کا سر ضروری نہیں ہوگا۔ مگر جب خرابی ہوگی تو پھر آئندہ مجدد صدی کے سر پر ہی آئے گا اور وہ خلیفہ نہیں ہوگا۔ اُس وقت خلافت نام کی ہی ہوگی۔ اور جب نظام خلافت سے باہر مجدد آئیں گے تو اُس وقت نام نہاد خلفاء ان کا مقابلہ کریں گے مگر خدا اس کو ہی فتح دے گا اور نام نہاد خلفاء شکست کھائیں گے''۔

(غیر مطبوعہ از ریکارڈ خلافت لائبریری)

ا النور: ۵۶

امام کی مجلس میں بیٹھنے کے ضروری آداب

(فرمودہ ۲۸ مئی ۱۹۴۴ء بعد نماز مغرب)

سوال کرنے کی ممانعت

''میں نے کئی دفعہ بتایا ہے کہ دین اور خدا کا قرب اتنا باتوں سے حاصل نہیں ہوتا جتنا کہ دل کی صفائی کے ساتھ اور خدا تعالیٰ کے ذکر اور اس کی محبت سے حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے بھی زیادہ سوالات کرنے سے منع فرمایا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آتا ہے کہ آپ جب مجلس میں بیٹھتے تو بعض دفعہ ستر ستر دفعہ استغفار کرتے چلے جاتے تھے۔ اگر وہ ایسی ہی مجلس ہوتی جیسی ہماری مجلس ہوتی ہے تو ستر دفعہ استغفار کرنے کا آپ کے لئے موقع ہی کون سا نکل سکتا تھا کوئی اُدھر سے کہتا کہ فلاں بات کس طرح ہے اور کوئی ادھر سے بولتا کہ فلاں مسئلہ کس طرح ہے۔ یہ طریق کبھی بھی روحانیت کی صفائی اور اس کی ترقی کے لئے مفید نہیں ہوتا۔ امام اگر باہر مجلس میں بیٹھتا ہے تو صرف اس لئے آکر نہیں بیٹھتا کہ وہ سوالوں کا جواب دیتا رہے بلکہ اگر مجلس میں بیٹھ کر لوگ ذکر الٰہی کریں اور اپنے قلوب کی صفائی کا خیال رکھیں اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید بجا لائیں تو یہ چیز سوالات سے بہت زیادہ اہم اور بہت زیادہ مفید نتائج پیدا کرنے والی ہوتی ہے۔ مجلس کو ڈیبیٹنگ کلب بنا دینا ہرگز مؤمنوں کا شیوہ نہیں۔ خدا تعالیٰ کے ماموروں اور ان کے خلفاء اور مصلحین کا کام ڈیبیٹنگ کلب میں بیٹھنا نہیں ہوتا بلکہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی محبت کی طرف توجہ دلانا ہوتا ہے اس لئے وہی شخص ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے جو مجلس میں خاموشی کے ساتھ بیٹھے، اپنے قلب کو ہر قسم کے دُنیوی مالوفات سے پاک کر دے اور اسے اس طرح خالی کرے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور نازل ہو تو اس کا

دل اس نور کو قبول کرنے کیلئے تیار ہو۔

ضمنی طور پر کوئی سوال کرنا

ضمنی طور پر کبھی کبھی کوئی سوال پوچھ لینا منع نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی لوگ سوالات پوچھ لیتے تھے۔قرآن کریم نے بھی سوالات کرنے سے کلیتہً نہیں روکا صرف یہ فرمایا ہے کہ اس رنگ میں جونا پسندیدہ ہو سوال نہیں کرنا چاہئے ورنہ اگر امام لوگوں کے سوالات کا جواب ہی دیتا رہے تو یہ صورت بن جاتی ہے کہ گویا مقتدی امام کے اختیارات کو چھین رہے ہیں۔ حالانکہ ہونا یہ چاہئے کہ امام خود فیصلہ کرے کہ اس نے کیا بات کہنی ہے نہ یہ کہ لوگ اسے اپنی مرضی کے مطابق باتیں کرنے پر مجبور کریں۔ آخر ایک شخص کو لیڈر بنایا ہی کیوں جاتا ہے اس لئے کہ وہ لوگوں کی راہنمائی کرے۔ یہ نہیں ہوتا کہ لوگ لیڈر کی راہنمائی کرنے لگ جائیں۔ پھر اگر لوگ اپنے امام اور لیڈر کو اپنی مرضی کے مطابق بولنے ہی نہ دیں تو راہنمائی کا فرض وہ کس طرح سرانجام دے سکتا ہے۔ یہ تو امام کے دل میں خدا تعالیٰ نے ڈالنا ہے کہ کونسی باتیں قلب کی صفائی کے لئے ضروری ہیں اگر اس کو موقع ہی نہیں ملے گا اور لوگ اپنے مشغلہ میں مشغول رہیں گے تو وہ خاموش رہے گا یہاں تک کہ وہ وقت آجائے گا جو اعمال کے نتائج ظاہر کرنے کا ہوتا ہے۔ اور چونکہ لوگوں نے محض باتوں میں اپنے وقت کو ضائع کر دیا ہوگا عملی رنگ میں اصلاح اور تربیت اور تزکیہ کے طور پر کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا ہوگا اس لئے نتائج ان کے خلاف نکلیں گے اور وہ کفِ افسوس ملتے رہیں گے۔

بے جا سوالات

پھر عام طور پر لوگوں کے سوالات محض ایسے ہوتے ہیں جو دماغی تعیش کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں یا اس قسم کے ہوتے ہیں جن میں روحانیت کی طرف کم اور مادیت کی طرف زیادہ میلان پایا جاتا ہے۔ حالانکہ اصلاحِ نفس کے لئے ان مضامین کی طرف زیادہ توجہ کرنی چاہئے جن کا روحانیت کے ساتھ تعلق ہے۔ باقی مسائل پر روشنی ڈالنے کے لئے سلسلہ کے علماء موجود ہیں ان سے اس قسم کے مسائل پوچھنے چاہئیں نہ یہ کہ جو سوال دل میں پیدا ہو وہ براہِ راست امام سے دریافت کرنا شروع کر دیا جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی یہی طریق تھا کہ جب آپ سے کوئی دوست کسی

مسئلہ کے متعلق دریافت کرتا تو آپ حضرت خلیفہ اوّل سے فرماتے کہ مولوی صاحب یہ مسئلہ اس کو سمجھا دیں۔ اور واقعہ میں ہماری مجلس کوئی مدرسہ تو نہیں کہ جس میں لوگوں کے سوالات کا جواب دینے کے لئے ہم آجاتے ہیں اس غرض کے لئے علماء اور مدرس مقرر ہیں اور وہ اپنی اپنی جگہ سوالات پوچھنے والوں کی تشفی کر سکتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ کی احتیاط

صحابہ تو اس بارہ میں اس قدر احتیاط سے کام لیا کرتے تھے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم بدویوں کا انتظار کیا کرتے تھے کہ وہ کب آتے ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات دریافت کرتے ہیں۔ گویا ادب کی وجہ سے وہ خود سوال کرنے کی جرأت ہی نہیں کرتے تھے۔

قادیان سے باہر رہنے والوں کی معذوری

بدوی کے معنی باہر سے آنے والے کے ہیں۔ آجکل کے حالات کے لحاظ سے وہ لوگ جو قادیان سے باہر رہتے ہیں اور جنہیں یہاں بہت کم آنے کا موقع ملتا ہے وہ اگر ایسے سوالات کرلیں تو معذور سمجھے جا سکتے ہیں۔ مثلاً وہ یہ بھی پوچھ سکتے ہیں کہ وضو کا مسئلہ کس طرح ہے یا طہارت کا کیا طریق ہے؟ اور ان کے لحاظ سے اس قسم کے سوالات طبیعت پر گراں بھی نہیں گزرتے کیونکہ وہ عموماً باہر رہتے ہیں اور انہیں ان مسائل کی واقفیت نہیں ہوتی لیکن وہ لوگ جو قادیان میں رہتے ہیں ان کو اس قسم کے سوالات میں کیا دِقت پیش آسکتی ہے کہ انہیں سوائے اس مجلس کے سوالات کرنے کے لئے اور کوئی جگہ ہی نہیں ملتی۔ قادیان میں کئی علماء موجود ہیں کئی دینی علم رکھنے والے لوگ پائے جاتے ہیں اور وہ ان سوالات کو بخوبی حل کر سکتے ہیں۔ پھر وجہ کیا ہے کہ ایک شخص ان سے تو نہیں پوچھتا اور اس مجلس میں آکر سوال کر دیتا ہے۔

مجلس میں بیٹھنے کی غرض

حالانکہ یہ مجلس اس لئے قائم کی گئی ہے اور میں محض اس لئے باہر آکر بیٹھتا ہوں کہ آنے والی جنگ سے پہلے دوستوں کو اس کے لئے تیار کر دوں۔ مگر میں تو لوگوں کو جنگ کے لئے تیار کرنا چاہتا ہوں اور لوگ مجھے گھسیٹ کر کسی اور میدان میں لے جاتے ہیں۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے جنگ میں

بجائے اس کے کہ جرنیل کو دشمن کی فوج پر حملہ کرنے کا موقع دیا جائے اس کی اپنی فوج کے سپاہی اسے گھسیٹ کر کبھی ایک طرف لے جائیں اور کبھی دوسری طرف لے جائیں۔ ظاہر ہے کہ سپاہی کا یہ کام نہیں کہ وہ جرنیل کو گھسیٹے بلکہ جرنیل کا یہ کام ہے کہ وہ سپاہیوں کو لے کر دشمن کی فوج کی طرف بڑھے اور ان سے مناسب کام لے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تم سوالات کرنے سے بالکل رُک جاؤ مگر میں یہ ضرور کہتا ہوں کہ سوالات ایسے ہی ہونے چاہئیں جو اس مجلس کے مناسب حال ہوں اور جو دوسرے علماء سے نہ پوچھے جا سکتے ہوں۔ اگر ایسے سوالات ہوں جن کے جوابات ہمارے سلسلہ کے دس بیس بلکہ پچاس علماء دے سکتے ہوں تو اس مجلس میں وہ سوالات پیش کر کے وقت کو ضائع نہیں کرنا چاہئے''۔

(الفضل ۷ جون ۱۹۴۵ء)

اسلامی خلفاء کے زمانہ میں عوام کی ضروریاتِ زندگی کا خاطرخواہ انتظام

(ملفوظات فرمودہ ۱۵؍ستمبر ۱۹۴۶ء بعد نماز مغرب)

۱۵؍ستمبر ۱۹۴۶ء بعد نماز مغرب حضور نے اسلامی خلفاء کے زمانہ میں عوام کی ضروریاتِ زندگی کے خاطرخواہ انتظام کے متعلق فرمایا:۔

''اسلامی خلفاء کے زمانہ میں اس قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کیلئے یہ طریق جاری تھا کہ انہوں نے ہر ایک کے لئے غلہ، کپڑا اور دوسری ضروریاتِ زندگی کا خاطرخواہ انتظام کیا ہوا تھا اور ان کے زمانہ میں یہ طریق پوری تنظیم کے ساتھ جاری رہا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں پورے طور پر مردم شماری کی گئی اور آپ نے فیصلہ فرمایا کہ ہر ایک کو اس کی ضرورت کے مطابق غلہ اور کپڑا سال بھر کے لئے دے دیا جائے۔ اس کے نتیجہ میں وہ لوگ جن کے پاس زمینیں نہ تھیں وہ بھی نہایت فارغ البالی کے ساتھ دن بسر کرتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ہم بھوکے اور ننگے نہیں رہیں گے۔ پہلے تو میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یقینی طور پر نہیں جانتا تھا کہ آپ نے اس طریق کار پر عمل کیا تھا یا نہیں لیکن انہی دنوں جبکہ میں مولوی محمد یعقوب صاحب کو ترجمۃ القرآن کا دیباچہ لکھوا رہا تھا مجھے تلاش کرتے کرتے یہ حوالہ بھی مل گیا اور مجھے از حد خوشی ہوئی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی پر عمل کیا ہے۔ بحرین عرب کا ایک علاقہ ہے جو بہت خوشحال ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں تبلیغ کے لئے ایک مبلغ بھیجا۔ اس نے وہاں اسلام کی تبلیغ کی جس کے نتیجہ

میں وہاں کا بادشاہ مسلمان ہوگیا۔ مسلمان ہونے کے بعد اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لکھا کہ میں مسلمان ہوگیا ہوں۔ کچھ لوگ میری حکومت میں ایسے ہیں جو مسلمان نہیں ہیں ان سے کیا سلوک کیا جائے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا خط جب ملا تو آپ نے اس کو لکھوایا کہ جو لوگ مسلمان نہیں ہوئے خواہ وہ مجوسی ہوں یا عیسائی ہوں یا بت پرست ہوں ان کے مذہب میں دخل دینا جائز نہیں ان کا فرض ہے کہ وہ گورنمنٹ کے ٹیکس ادا کریں اور تم اپنے ملک کا جائزہ لو اور ایسے تمام لوگ جن کے پاس زمینیں نہیں ہیں ان کے غلے اور کپڑے کے لئے چار روپیہ مہینہ کا انتظام کرو‘‘۔[1]

(الفضل ۲۲؍اکتوبر ۱۹۶۰ء)

---

[1] زرقانی جلد ۵ صفحہ ۳۶ حاشیہ مطبوعہ بیروت ۱۹۹۶ء

حضرت معاویہؓ خلیفہ تھے یا بادشاہ؟

(ملفوظات ۶ دسمبر ۱۹۴۶ء)

''ایک دوست نے عرض کیا کہ حضرت معاویہؓ کے متعلق کیا عقیدہ رکھا جائے، آیا وہ خلیفہ تھے یا بادشاہ؟

حضور نے فرمایا:۔ہم ان کو ایک نیک بادشاہ سمجھتے ہیں۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیزوں میں سے تھے اور آپ کے صحابہ میں شامل تھے لیکن جس خلافت کا آیت استخلاف میں وعدہ کیا گیا ہے اس میں وہ شامل نہ تھے۔ یہ خلافت حضرت علیؓ تک ہی رہی اور پھر ختم ہوگئی''۔

(الفضل ۱۳ مئی ۱۹۶۱ء)

حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ چھوڑ کر عراق کیوں تشریف لے گئے تھے؟

(فرمودہ ۱۷ فروری ۱۹۴۷ء بمقام قادیان)

''چند دن ہوئے کچھ آدمی لاہور سے آئے ہوئے تھے انہوں نے مجھ سے بعض سوالات کئے جن میں سے ایک سوال یہ تھا کہ حضرت علیؓ مدینہ چھوڑ کر عراق کی طرف کیوں چلے گئے تھے؟

یہ ایک ایسا تاریخی سوال ہے جس کے متعلق ہمیشہ ہی مختلف آراء رہی ہیں اور لوگوں کے دلوں میں بار بار یہ سوال پیدا ہوتا رہا ہے کہ آخر وجہ کیا ہے کہ آپ عراق تشریف لے گئے جبکہ مدینہ اسلام کا مرکز تھا۔ بعض لوگوں نے اپنی نادانی سے یہ خیال کیا ہے کہ انہوں نے مدینہ کو اس لئے چھوڑا کہ آپ ڈرتے تھے کہ مدینہ کے لوگ میری زیادہ مخالفت کریں گے اور چونکہ عراق کے لوگوں سے آپ کو زیادہ ہمدردی کی امید تھی اس لئے آپ وہاں چلے گئے۔ قطع نظر اس سے کہ عراق کے لوگوں کو آپ سے ہمدردی تھی مدینہ کے لوگوں کی مخالفت کا خیال بِالبداہت باطل ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ انصار کو حضرت علیؓ سے بِالخصوص محبت تھی اور مدینہ درحقیقت انصار کا ہی شہر تھا اس لئے یہ خیال بالکل غلط ہے۔ باقی رہی عراق والوں کی ہمدردی سو یہ بھی درست ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ حضرت عثمانؓ کے قاتل تھے وہ یا تو مصر کے رہنے والے تھے یا عراق کے رہنے والے۔ مصر میں عبداللہ بن سبا ان کا سردار تھا اور وہی اس فتنہ کا بانی مبانی تھا۔ درحقیقت وہ مصری فلسفہ کا معتقد تھا اور اسے اسلام

سے کوئی دلی رغبت نہ تھی۔ جب اسلام مختلف ممالک میں پھیلا تو وہ بھی مسلمان ہو گیا مگر اندرونی طور پر نظامِ خلافت کے خلاف جدوجہد شروع کردی اور ایسے اعتقادات بھی پھیلانے شروع کردیئے جو اسلام کے خلاف تھے۔ مثلاً اس نے یہ کہنا شروع کردیا کہ قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے۔ دراصل وہ تناسخ کا قائل تھا مگر آدمی بڑا ذہین اور ہوشیار تھا۔ اگر وہ یوں کہتا کہ تناسخ درست ہے تو لوگ جوش میں آجاتے مگر اس نے یہ کہنا شروع کردیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح دوبارہ دنیا میں آئے گی۔ اب کون ایسا انسان ہے جو اس کی مخالفت کر سکے۔ ہر شخص کہے گا کہ کاش ایسا ہی ہو اور ہم پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں دیکھ سکیں۔ اس نے چالاکی یہ کی کہ قرآن کریم کی وہ پیشگوئیاں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ میں دوبارہ آنے کے متعلق تھیں یا وہ پیشگوئیاں جو آپؐ کی بعثت ثانیہ سے تعلق رکھتی تھیں جیسے سورۃ جمعہ میں پیشگوئی ہے ان میں استدلال کر کے وہ اپنے عقیدے کو تقویت دیتا اور کہتا کہ ان میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوبارہ آنے کا ذکر ہے۔ لوگ محبت رسول کی وجہ سے اس کی ان باتوں سے خوش ہو جاتے اور وہ حقیقت کی تہ تک پہنچنے کی کوشش نہ کرتے۔ اسی طرح قرآن کریم کی یہ آیت کہ اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ[1] اس سے وہ یہ استدلال کرتا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔ حالانکہ اس میں فتح مکہ کی پیش گوئی تھی اور مکہ ہی معاد تھا کیونکہ وہ عربوں کا مرجع تھا اور ہمیشہ حج کے لئے لوگ مکہ میں آتے جاتے تھے۔ بہرحال وہ لوگ جنہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی مگر انہوں نے آپ کو دیکھا نہ تھا وہ ان باتوں سے خوش ہوتے اور کہتے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا چاہئے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لاویں۔

غرض عبداللہ بن سبا اپنے اندر ایک بہت بڑے فتنہ کی روح رکھتا تھا اور اس نے لوگوں کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسانے کے لئے اِدھر اُدھر آدمی بھیجے تو عراق کے لوگوں میں اس نے بے چینی اور اضطراب محسوس کیا اور اس نے سمجھا کہ اگر میرے مفید مطلب کوئی لوگ ہو

سکتے ہیں تو وہ عراق کے لوگ ہی ہیں۔ درحقیقت عراق کے لوگوں میں بے چینی اور اضطراب کی وجہ یہ تھی کہ ایرانیوں سے جنگ کرنے کے بعد جب عرب افواج واپس لوٹیں تو انہیں عرب میں واپس جانا پسند نہ آیا کیونکہ وہ دنیا کے دوسرے ممالک میں رہ کر ترفہ اور خوشحالی کی زندگی بسر کرنے کی عادی ہو چکی تھیں۔ گویا ان کی مثال بالکل ویسی ہی تھی جیسے پرانے زمانہ میں جب کوئی یورپ جاتا تو اس کی حالت ہو جاتی۔ اب تو یورپ میں آنا جانا ایک روزمرہ کی بات ہوگئی ہے اور اس میں کوئی عجوبہ نظر نہیں آتا لیکن پرانے زمانہ میں جب کوئی بیرسٹر یورپ سے واپس آیا کرتا تھا تو وہ یہ نہیں کہتا تھا کہ ہم یوں کریں گے بلکہ جب اسے ہندوستانیوں سے گفتگو کرنے کا موقع ملتا تو وہ اس انداز میں کلام کیا کرتا کہ ''ہم لوگ یوں بولتا''، ''تم لوگ یوں کہتا'' اور بعض کے متعلق تو یہاں تک لطیفہ بن جاتا کہ خواہ ان کا اپنا رنگ کتنا ہی کالا ہوتا وہ دوسروں کو اپنی انگریزیت جتانے کے لئے یہ کہتے کہ تم کالا لوگ یوں ہوتا ہے۔ اسی طرح اہل عرب کی زندگی بالکل سادہ تھی ان کا کھانا پینا اور پہننا بالکل سادہ تھا۔ جب قیصر و کسریٰ کی حکومتوں پر وہ حملہ کرنے کے لئے گئے تو صحابہؓ نے تو ان سے کوئی خاص اثر قبول نہ کیا کیونکہ وہ خود بھی متمدن زندگی بسر کرتے تھے۔ مگر بدوی لوگ جب ادھر اناطولیہ اور ادھر ایران کی سرحدوں پر پہنچے اور ان گوہ کھانے والوں اور اونٹنی کا دودھ پی پی کر گزارہ کرنے والوں نے دیکھا کہ دنیا میں بڑے بڑے محلات ہیں، کمروں میں قالینیں بچھی ہوئی ہیں، آفتابوں میں ہاتھ دھلائے جاتے ہیں، دسترخوانوں پر کھانے کھلائے جاتے ہیں تو انہیں واپس جانا سخت گراں گزرا اور انہوں نے سمجھا کہ ایسی اعلیٰ زندگی ترک کر کے ہمارے لئے پھر وہی غیر متمدن زندگی بسر کرنا بالکل ناممکن ہے۔ چنانچہ ایرانی فوجیں جب فتوحات حاصل کرنے کے بعد واپس لوٹیں تو وہ عرب میں نہیں آئیں بلکہ عراق میں پھیل گئیں کیونکہ اب متمدن زندگی کا نقشہ ان کے سامنے تھا اور وہ شہری زندگی سے متمتع ہونا زیادہ پسند کرتے تھے۔

دوسری طرف رومی حکومت کو شکست دینے والی فوجیں جب واپس لوٹیں تو وہ بھی عرب کی بجائے فلسطین اور شام وغیرہ علاقوں میں پھیل گئیں کیونکہ فلسطین اور شام کے علاقے

اچھے متمدن تھے اور ان میں صنعت وحرفت کا خوب زور تھا۔ غرض ایک طرف عراق اور دوسری طرف فلسطین اور شام چھاؤنیاں بن گئیں اور اسلامی فوجوں نے ان مقامات پر اپنا ڈیرا ڈال لیا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب اسلامی حکومت قائم ہوئی اور عراق کا علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا تو حضرت عمرؓ نے فیصلہ فرمایا کہ جس قدر اُفتادہ زمینیں ہیں انہیں محفوظ رکھا جائے لوگوں میں بانٹا نہ جائے۔ جب ایران سے اسلامی فوجیں واپس لوٹیں تو چونکہ طرزِ زندگی ان کے ذوق کے مطابق نہیں رہی تھی وہ ان چھاؤنیوں میں بس گئیں اور یکدم بڑے بڑے شہر کوفہ اور بصرہ وغیرہ آباد ہوگئے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ان لوگوں کو چسکے پڑے ہوئے تھے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ بدویوں میں لوٹ مار بھی ہوتی ہوگی۔ اگر یہ لوگ واپس مدینہ میں چلے جاتے تو دین کی خدمت کرتے اور دنیا دارانہ خیالات ان کے دماغوں میں پیدا نہ ہوتے۔ مگر جب یہ واپس لوٹے تو ادھر ان کو کوئی کام نہ رہا اور ادھر ان کی عادتیں خراب ہو چکی تھیں نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں اور انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ زمینیں ہم میں تقسیم ہو جانی چاہئیں تا کہ ہم ان سے فائدہ اٹھائیں۔ عراق کے گورنر نے حضرت عمرؓ کو یہ تمام حالات لکھے مگر آپ نے فرمایا میں اس مطالبہ کو منظور نہیں کر سکتا یہ اُفتادہ زمینیں اسی طرح پڑی رہیں تا کہ آئندہ عرب کی ترقی کی سکیم جاری رہے۔ حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ نے بھی ایسا ہی کیا۔ مگر آپ کے ابتدائی چھ سالہ عہد خلافت میں ایک طرف تو جنگیں ختم ہوگئیں اور دوسری طرف کوئی نیا پروگرام نہ بنا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں کی طرف سے مطالبہ بڑے زور سے شروع ہو گیا۔ حضرت عثمانؓ کو حضرت عمرؓ کی پالیسی ہی پسند تھی اور انہوں نے بھی یہی فیصلہ کیا کہ ان زمینوں کو بجائے لوگوں میں تقسیم کرنے کے ان کی آمد کو غرباء پر خرچ کیا جائے۔ اس کے نتیجہ میں لوگوں میں اور زیادہ بے چینی شروع ہوگئی اور انہوں نے گورنروں پر اعتراض کرنے شروع کر دیئے۔ آخر یہ فتنہ بڑھتے بڑھتے ایسا رنگ اختیار کر گیا کہ تمام عالم اسلامی اس کی لپیٹ میں آ گیا اور حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا۔ ''اسلام میں اختلافات کا آغاز'' میری ایک کتاب ہے جس میں یہ تمام تفاصیل چھپی ہوئی موجود ہیں۔

جب حضرت عثمانؓ شہید ہو گئے اور صحابہ وغیرہ نے اپنی طاقت کو منظّم کرنا شروع کیا تو بغاوت کرنے والے گروہ کو اپنی فکر پڑ گئی۔ چنانچہ ان میں سے کچھ تو روتے ہوئے حضرت علیؓ کے پاس پہنچے اور کہا کہ حضور پر ہی اب تمام عالم اسلامی کی وحدت کا انحصار ہے۔ کچھ حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچے اور کہا کہ آپ پر ہی اب اسلام کی ترقی کی بنیاد ہے۔ کچھ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے پاس جا پہنچے اور کہا کہ جو کچھ کر سکتے ہیں آپ ہی کر سکتے ہیں۔ کچھ حضرت عائشہؓ کے پاس جا پہنچے اور ان سے اس فتنہ کے دور کرنے کی درخواست کی۔ حضرت علیؓ کے گرد یہ جتھا زیادہ ہو گیا کیونکہ حضرت علیؓ کا نقطہ نگاہ یہ تھا کہ پہلے امن قائم کرنا چاہئے اور اس کے بعد حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو سزا دینی چاہئے۔ اگر فوراً سزا دی گئی تو فساد بڑھ جائے گا کم نہیں ہوگا۔ اس کے بالمقابل حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ کا نقطہ نگاہ یہ تھا کہ ان کو فوراً سزائیں ملنی چاہئیں۔ یہ دونوں نقطہ نگاہ سیاسی لحاظ سے صحیح ہیں کبھی فوری گرفت کرنی پڑتی ہے اور کبھی ڈھیل دینی پڑتی ہے۔ میاں بیوی کا ہی جھگڑا ہو تو کبھی خاوند بالکل خاموش رہتا ہے اور کبھی اس خیال سے کہ بچے گستاخ نہ ہو جائیں اسے فوراً ڈانٹ دیتا ہے۔ اسی طرح حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے تو یہ پہلو اختیار کیا کہ ان لوگوں کو فوراً سزا ملنی چاہئے اور حضرت علیؓ نے یہ پہلو اختیار کیا کہ پہلے امن قائم ہو نے دو پھر جو مجرم ثابت ہوگا اسے سزا دی جائے گی۔ چونکہ عراق کے لوگ بھی اس فتنہ کو کھڑا کرنے والے تھے اور وہ حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے میں پیش پیش تھے یہ لازمی بات تھی کہ وہ اپنے بچاؤ کی تدبیر کرتے۔ حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے تو ان کو دھتکار دیا مگر حضرت علیؓ چونکہ پہلے امن قائم کرنا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے ان سے ہمدردی کرنا مناسب سمجھی اور سرزنش نہ کی۔ یہی وجہ تھی کہ عراق والوں کو حضرت علیؓ سے ہمدردی ہوگئی اور انہوں نے حضرت علیؓ کو عراق میں بلا لیا۔ پس اس میں مدینہ والوں کی کسی دشمنی کا سوال نہیں۔ مدینہ والے انصار تھے اور انصار حضرت علیؓ سے خاص طور پر محبت رکھتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ چونکہ بالعموم بدوی قبائل فوجوں میں چلے گئے تھے اور عرب کی آبادی بہت کم ہو چکی تھی اس لئے عرب میں رہنے والا بیرونی حملہ کی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ مثلاً

اگر حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کی جنگ ہو جاتی تو دمشق میں بیٹھے ہوئے حضرت معاویہؓ بہت بڑی فوج لا سکتے تھے مگر مدینہ میں حضرت علیؓ اپنے ساتھ کوئی فوج نہیں لا سکتے تھے۔ پس چونکہ عرب سے کافی فوج کا ملنا مشکل تھا اور حضرت علیؓ نے یہ دیکھا کہ معاویہ دمشق میں بیٹھے تیاری کر رہے ہیں آپ مدینہ چھوڑ کر عراق میں چلے گئے اور آپ نے سمجھا کہ عراق اور ایران خوب آباد علاقے ہیں میں وہاں رہ کر اسلام کی حفاظت کے لئے کافی فوج بھرتی کر سکتا ہوں۔ یہ جواب تھا جو اس روز میں نے دیا مگر بعد میں مجھے خیال آیا کہ حضرت علیؓ کے عراق جانے میں اللہ تعالیٰ کی ایک اَور بھی بہت بڑی حکمت تھی۔ بسا اوقات انسان ایک قدم اٹھاتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ میں یہ قدم فلاں غرض سے اٹھا رہا ہوں لیکن درحقیقت اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی کوئی اَور حکمت کام کر رہی ہوتی ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب مکہ میں مظالم ہوئے اور یہ مظالم روز بروز بڑھتے چلے گئے تو آپ نے رؤیا میں دیکھا کہ میں ایک ایسی جگہ ہجرت کر کے گیا ہوں جہاں کھجور کے درخت بڑی کثرت کے ساتھ ہیں۔ طائف اور مکہ کے درمیان ایک مقام نخلہ نامی ہے آپ کا ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ غالباً ہجرت کا مقام نخلہ ہے مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہجرت کا مقام نخلہ نہیں بلکہ مدینہ تھا۔ اگر آپ اپنی مرضی سے ہجرت کرتے تو آپ کی نظر مکہ سے دس پندرہ میل کے فاصلہ پر ہی پڑتی اور اس طرح الٰہی منشاء جو اسلام کے دنیا میں پھیل جانے کے متعلق تھا وہ پورا نہ ہوسکتا۔ کیونکہ مکہ متمدن دنیا سے بالکل الگ تھلگ تھا اور اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو یہ حکم تھا کہ دشمن پر خود حملہ نہیں کرنا۔ اگر یہی صورتِ حالات رہتی تو ایرانی اور رومی حکومت کو کبھی خیال بھی نہ آ سکتا تھا کہ مسلمان ایک بڑھنے والی قوم ہے اور ان کا مقابلہ کرنا ضروری ہے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ کی حکمت کے ماتحت آپ مدینہ میں ہجرت کر کے تشریف لے گئے تو ایک طرف رومیوں کی نظر آپ پر پڑنی شروع ہوئی اور دوسری طرف ایرانیوں نے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کا مشاہدہ شروع کیا کیونکہ پاس پاس ہی یہودی اور عیسائی قبائل آباد تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طاقت پکڑنی شروع کی تو مدینہ کے مرکز ہونے کی وجہ سے یہودی اور عیسائی قبائل کے ذریعہ اِدھر ایران میں

رپورٹیں پہنچنی شروع ہوئیں اور اُدھر رومیوں کو مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کا احساس ہونے لگا اور انہوں نے سمجھا کہ ''گربہ کشتن روزِ اوّل'' کے مطابق ہمیں آج ہی مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے معدوم کر دینا چاہئے ایسا نہ ہو کہ وہ بڑھیں اور ہمارے لئے کسی مستقل خطرہ کا باعث بن جائیں۔ چنانچہ ایرانی حکومت نے تو اپنے دو آدمی اس غرض کے لئے بھیجے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر لے آئیں اور رومی حکومت نے سرحد پر لشکر بھیج دیا تا کہ مسلمانوں کو ڈرا دھمکا کر ختم کیا جا سکے۔ خدا تعالیٰ کے سامنے تو رومی اور ایرانی لشکروں کی حقیقت ہی کیا تھی یہ تو ایسی ہی بات تھی جیسے بچے بعض دفعہ ماں باپ کے سامنے ان کو ڈرانے کے لئے ''ہو ہو'' کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ مگر بہرحال قیصر کسریٰ سے زیادہ عقل مند تھا کسریٰ تو اتنا احمق نکلا کہ اس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صرف دو سپاہی بھیج دیئے اور سمجھا کہ اسلام کو مٹانے کے لئے اس کے صرف دو سپاہی ہی کافی ہیں۔ بہرحال یہ ایک ذریعہ بن گیا خدائی حکم کو قبول کرتے ہوئے دشمن سے لڑنے کا ورنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حملہ نہیں کرنا تھا اور دشمن اُس وقت تک حملہ نہیں کر سکتا تھا جب تک اُسے انگیخت نہ ہوتی۔ مگر جب مدینہ میں ان کی آنکھوں کے سامنے مسلمانوں نے ترقی کرنی شروع کی تو حکومتوں کو فکر پیدا ہوا اور وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں نکل کھڑی ہوئیں۔ اس طرح اسلام اور کفر کی کھلم کھلا جنگ ہوئی اور تھوڑے ہی عرصہ میں مسلمان معلومہ دنیا کے کناروں تک پہنچ گئے۔

پس ہجرت میں بظاہر یہی نظر آتا ہے کہ مدینہ سے چند آدمی گئے اور وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے مدینہ لے آئے۔ مگر درحقیقت یہ ایک الٰہی تدبیر تھی اور اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ مسلمانوں کو مکہ سے دور لے جا کر ایران اور روم کے سامنے کھڑا کر دے اور اس طرح وہ آپؐ سے نپٹ لیں۔ اس طرح چاہے حضرت علیؓ کے ذہن میں یہ الٰہی تدبیر آئی ہو یا نہ آئی ہو مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت علیؓ کے عراق جانے میں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی حکمت تھی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس وقت قیصر و کسریٰ کی حکومتیں تباہ ہو چکی تھیں مگر وہ کُلّی طور پر مٹی نہیں تھیں بلکہ ایک طرف ایرانی حکومت کا بقیہ اور دوسری طرف رومی حکومت کا بقیہ

مسلمانوں کے خلاف معاندانہ عزائم اپنے دلوں میں پوشیدہ رکھتا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ اگر موقع ملے تو مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیا جائے۔

اس فتنہ کے ازالہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ تدبیر کی کہ ایک طرف معاویہؓ کو دمشق میں بٹھا دیا اور دوسری طرف حضرت علیؓ کو عراق میں بٹھا دیا۔ اسلام کو ایک طرف رومی حکومت سے خطرہ ہوسکتا تھا اور اگر اُس وقت رومی حکومت حملہ کرتی تو مسلمانوں کا زندہ رہنا محال ہو جاتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ایسے سامان پیدا فرما دیئے کہ جس علاقہ سے گزر کر رومی حکومت آ سکتی تھی اس کے دروازے پر حضرت معاویہؓ اسلامی فوجوں کو جمع کر رہے تھے۔ دوسری طرف ایران سے حملہ کا خطرہ ہوسکتا تھا سو اللہ تعالیٰ نے ایسے سامان پیدا کر دیئے کہ حضرت علیؓ نے عراق میں ڈیرے ڈال دیئے۔ بظاہر وہ آپس میں لڑ رہے تھے، بظاہر حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ کے خلاف اور حضرت علیؓ حضرت معاویہؓ کے خلاف اپنی فوجیں جمع کر رہے تھے مگر درحقیقت وہ دونوں اسلام کی حفاظت کر رہے تھے۔

معاویہؓ کی تیاریوں کو دیکھ کر رومی حکومت اسلام پر حملہ کرنے سے ہچکچاتی تھی اور حضرت علیؓ کی تیاریوں کو دیکھ کر ایرانی حکومت مسلمانوں کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کی جرأت نہیں کر سکتی تھی۔ چنانچہ تاریخ میں اس کا ایک ثبوت بھی موجود ہے لکھا ہے کہ جب مسلمانوں کی آپس کی خانہ جنگی بڑھتی چلی گئی تو روما کے بادشاہ کو کسی نے کہا کہ یہ وقت مسلمانوں پر حملہ کرنے کیلئے نہایت موزوں ہے وہ آپس میں لڑ رہے ہیں بہتر ہے کہ ان پر فوج کشی کر دی جائے۔ جب پوپ کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے بادشاہ کو روکا اور کہا اس قوم میں بیداری پیدا ہو چکی ہے اب اس کا مقابلہ کرنا آسان نہیں۔ پھر اس نے ایک مثال دی اور چونکہ وہ دشمن تھا اس نے گندی ہی مثال دی۔ اس نے کہا بادشاہ سلامت! دو کتے لائیے اور ان کے آگے گوشت ڈال دیجئے۔ جب گوشت ڈالا گیا تو دونوں کتے آپس میں لڑنے لگ گئے۔ اس پر پوپ نے کہا اب ان پر ایک شیر چھوڑ دیجئے۔ شیر چھوڑا گیا تو دونوں کتے اپنی لڑائی چھوڑ کر شیر پر حملہ آور ہو گئے۔ پوپ نے کہا بس اسی طرح جب آپ نے حملہ کیا ان دونوں نے اکٹھے ہو کر آپ پر حملہ کر دینا ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے مسلمانوں پر حملہ کا ارادہ

ترک کر دیا۔ یہ بات انہی دنوں اُڑتی اُڑتی حضرت معاویہؓ کے کان تک بھی پہنچ گئی کہ روما کا بادشاہ مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ حضرت معاویہؓ نے بادشاہ کو پیغام بھجوایا کہ ہمارے گھر کے جھگڑوں سے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جانا اگر تم نے حملہ کیا تو پہلا جرنیل جو علیؓ کی طرف سے مقابلہ کے لئے نکلے گا وہ میں ہوں گا۔[۲] پس اگر شام اور عراق میں یہ میدان جنگ نہ ہوتے تو چونکہ اُس وقت مسلمانوں کی ابتدائی حالت تھی دشمن ان پر حملہ کرنے میں کامیاب ہوسکتا تھا۔ مگر خدا تعالیٰ نے ایسے سامان پیدا کر دیئے کہ ایک دشمن کے منہ کے سامنے مسلمانوں کا ایک کیمپ لگ گیا اور دوسرے دشمن کے سامنے مسلمانوں کا دوسرا کیمپ لگ گیا۔ اس طرح وہ زمانہ گزر گیا اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے رومی اور ایرانی حکومتوں کے حملوں سے محفوظ کر دیا۔ پس یہ ایک الٰہی تدبیر تھی جو اس تمام کارروائی کے پس پردہ کام کر رہی تھی۔ اگر حضرت علیؓ مدینہ میں ہی رہتے تو ایران ضرور حملہ کر دیتا کیونکہ ایران کا دروازہ خالی پڑا تھا۔ اور اگر معاویہؓ دمشق کی بجائے یمن میں ہوتے تو رومی حکومت ضرور حملہ کر دیتی کیونکہ رومی حکومت کا دروازہ خالی پڑا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ایسی تدبیر کی کہ وہ بظاہر آپس میں لڑنے کی تیاری کرتے رہے مگر درحقیقت اس میں بھی اسلام کی حفاظت کا بہت بڑا راز پنہاں تھا اور اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ تم بے شک لڑو ہمارا اسلام پھر بھی قائم رہے گا پھر بھی وہ دشمن کے حملوں سے محفوظ رہے گا۔ اس طرح اس فتنہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اسلام کی حفاظت کا سامان پیدا فرمایا۔''

(الفضل ۲۳، ۲۴ جون ۱۹۶۱ء)

---

۱ القصص: ۸۶

۲ البداية والنهاية جلد۸ صفحہ ۱۲۶ مطبوعہ بیروت ۲۰۰۱ء

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد منہاجِ نبوت پر خلافت کیوں جاری نہ رہی

اور

آج اس کی ضرورت کیوں پیش آئی

(فرمودہ ۶ / مارچ ۱۹۴۷ء بمقام کراچی)

''صابر صاحب نے عرض کیا کہ ایک شخص نے سوال کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد منہاجِ نبوت پر خلافت کیوں جاری نہ رہی اور آج پھر اس کی کیا ضرورت پیش آئی ہے؟ حضور نے فرمایا:-

اصل بات یہ ہے کہ ہر چیز کو کئی پہلوؤں سے دیکھا جاتا ہے ایک پہلو تو یہ ہے کہ منہاجِ نبوت کے بعد کس قانون کے ماتحت خلافت کا جاری رہنا ضروری ہے۔ خلافت کا قانون ہمیں تورات، انجیل اور ویدوں میں تو ملتا نہیں۔ ہمیں جو علم ہوا ہے تو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا ہر نبوت کے بعد خلافت ہوتی ہے[1] اور میرے بعد خلافت ہوگی، پھر خلافت ہوگی، پھر خلافت ہوگی، پھر خلافت ہوگی۔ اس کے بعد ظالمانہ اور جابرانہ حکومتیں بن جائیں گی۔[2] تو جس ہستی سے ہمیں یہ علم ہوا کہ نبوت کے بعد خلافت ہوتی ہے اسی سے ہمیں یہ علم ہوا کہ آپ کے بعد خلافت چار دفعہ قائم ہوگی۔ پھر

بادشاہت کا رنگ آ جائے گا۔ اگر تو خلافت قانونِ طبعی ہوتا تو اس کے بند ہونے سے ہمیں حیرت ضرور ہوتی کیونکہ طبعی قانون بدل نہیں سکتا۔ مثلاً یہ طبعی قانون ہے کہ وزن دار چیزیں پانی میں ڈوب جاتی ہیں اگر اس کے خلاف کوئی واقعہ ہوگا تو وہ باعث حیرت بنے گا۔ لیکن اگر ایک شخص گراموفون کا ایک ڈسک ایجاد کرتا ہے اور اس کے متعلق کہتا ہے کہ یہ چار منٹ تک چلے گا پھر ختم ہو جائے گا تو اس کے چار منٹ کے بعد ختم ہو جانے پر کسی کو اعتراض کرنے کا موقع نہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس خلافت کا وعدہ کیا ہے وہ بطور انعام کے ہے اور انعام اُسی وقت ملا کرتا ہے جبکہ انسان نیکی کے کام کرے اور جب بُرا ہو جائے تو وہ انعام کا مستحق نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ**[۳] یعنی اے مسلمانو! جب تک تم میں عمل صالح اور صداقت باقی رہے ہم تمہارے درمیان خلافت کو قائم رکھیں گے۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عمل صالح کی شرط ضروری قرار دی ہے۔ جب تک مسلمان اس شرط پر قائم رہے اللہ تعالیٰ نے خلافت ان کے اندر قائم رکھی جب انہوں نے ایمان اور عمل صالح کو ترک کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے انعام واپس لے لیا۔

اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ ہر زمانے کے حالات سے بعض چیزوں کو وابستگی ہوتی ہے اور وہ ایک خاص ماحول میں ترقی کر سکتی ہیں اس کے باہر ترقی نہیں کر سکتیں۔ مثلاً اگر زمین میں نومبر کے مہینہ میں گندم کا بیج ڈالا جائے تو بہت اچھی فصل پیدا ہوتی ہے اور اپنے وقت پر جا کر پک جاتی ہے۔ لیکن اگر اسی زمین میں نومبر کی بجائے اگست، ستمبر کے مہینہ میں گندم کا بیج ڈالا جائے گا تو وہ بیج فصل کی صورت اختیار نہیں کر سکے گا اور اوّل تو وہ بیج اُگے گا نہیں اور جو اُگے گا وہ چارے کی صورت میں ہی رہ جائے گا۔ اسی طرح ہم باقی چیزوں کے متعلق دیکھتے ہیں کہ اگر خاص وقت اور خاص ماحول میں ان کو سرانجام دیا جائے تو وہ نفع بخش ثابت ہوتی ہیں اور اگر اس بات کو نظر انداز کیا جائے تو بجائے فائدہ کے نقصان کا موجب ہوتی ہیں۔ اسی طرح خلافت بھی ایک خاص وقت اور ماحول کو چاہتی ہے۔ قرآن کریم کا نزول ایسے

وقت میں ہوا جب کہ ذہنی ارتقاء کمال کو پہنچ چکا تھا لیکن کسی چیز کا کمال کو پہنچنا اور چیز ہے اور مناسب حال ہونا اور چیز ہے۔ بلوغ میں انسانی دماغ کمال کو پہنچ جاتا ہے لیکن کیا ہر بالغ کامل دماغ کا مالک ہوتا ہے۔ بعض لوگ جوانی میں ہی بات کی گہرائی تک پہنچ جاتے ہیں اور اس سے نتیجہ اخذ کر لیتے ہیں۔ اور بعض لوگوں کی عقل کہولت میں جا کر پختہ ہوتی ہے۔ جس طرح انسانی زندگی ہوتی ہے اسی طرح قوموں کی زندگی ہوتی ہے۔ اسلام نے خلافت کو پیش کیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس پر عمل بھی ہو گیا کیونکہ اگر اس پر عمل نہ ہوتا تو خلافت صرف کتابی چیز رہ جاتی۔ لیکن چونکہ آخری زمانہ میں نئے نئے نظام دنیا میں ظاہر ہونے والے تھے اور نئے نئے اعتراض اسلامی نظامِ حکومت پر پڑنے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے خلافت کو اِس زمانہ میں دوبارہ جاری فرمایا تا کہ اس کی فوقیت تمام نظاموں پر ثابت کر کے دکھا دے''۔

(الفضل ۲۴ مارچ ۱۹۴۷ء)

---

۱ کنز العمال جلد۵ صفحہ ۲۵۹ حدیث نمبر ۱۴۴۷۳ مطبوعہ دمشق ۲۰۱۲ء

۲ مشکاة المصابیح جلد۳ باب الانذار والتحذیر الفصل الثالث صفحہ ۱۴۷۸ حدیث نمبر ۵۳۷۸ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۵ء

۳ النور: ۵۶

خلافت عارضی ہے یا مستقل

(از حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی)

''عزیزم مرزا منصور احمد نے میری توجہ ایک مضمون کی طرف پھیری ہے جو مرزا بشیر احمد صاحب نے خلافت کے متعلق شائع کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ غالباً اس مضمون میں ایک پہلو کی طرف پوری توجہ نہیں کی گئی جس میں مرزا بشیر احمد صاحب نے یہ تحریر کیا ہے کہ خلافت کا دَور ایک حدیث کے مطابق عارضی اور وقتی ہے۔ میں نے اس خط سے پہلے یہ مضمون نہیں پڑھا تھا اس خط کی بناء پر میں نے مضمون کا وہ حصہ نکال کر سنا تو میں نے بھی سمجھا کہ اس میں صحیح حقیقت خلافت کے بارہ میں پیش نہیں کی گئی۔

مرزا بشیر احمد صاحب نے جس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ خلافت کے بعد حکومت ہوتی ہے اُس حدیث میں قانون نہیں بیان کیا گیا بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے حالات کے متعلق پیشگوئی کی گئی ہے اور پیشگوئی صرف ایک وقت کے متعلق ہوتی ہے سب اوقات کے متعلق نہیں ہوتی۔ یہ امر کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت نے ہونا تھا اور خلافت کے بعد حکومت مستبدہ نے ہونا تھا اور ایسا ہی ہوگیا۔ اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ ہر مأمور کے بعد ایسا ہی ہوا کرے گا۔ قرآن کریم میں جہاں خلافت کا ذکر ہے وہاں یہ بتایا گیا ہے کہ خلافت ایک انعام ہے۔ پس جب تک کوئی قوم اس انعام کی مستحق رہتی ہے وہ انعام اسے ملتا رہے گا۔ پس جہاں تک مسئلے اور قانون کا سوال ہے وہ صرف یہ ہے کہ ہر نبی کے بعد خلافت ہوتی ہے اور وہ خلافت اُس وقت تک چلتی چلی جاتی ہے جب تک کہ قوم خود ہی اپنے آپ کو خلافت کے انعام سے محروم نہ کر دے۔ لیکن اس اصل سے یہ بات ہرگز نہیں

نکلتی کہ خلافت کا مٹ جانا لازمی ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خلافت اب تک چلی آرہی ہے۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم کہتے ہیں کہ پوپ صحیح معنوں میں حضرت مسیحؑ کا خلیفہ نہیں لیکن ساتھ ہی ہم یہ بھی تو مانتے ہیں کہ اُمت عیسوی بھی صحیح معنوں میں مسیحؑ کی اُمت نہیں۔ پس ''جیسے کو تیسا'' تو ملا ہے مگر ملا ضرور ہے بلکہ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ جیسے موسیٰؑ کے بعد ان کی خلافت عارضی رہی لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کی خلافت کسی نہ کسی شکل میں ہزاروں سال تک قائم رہی اِسی طرح گو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت محمدیہ تواتر کے رنگ میں عارضی رہی لیکن مسیح محمدی کی خلافت مسیح موسوی کی طرح ایک غیر معین عرصہ تک چلتی چلی جائے گی۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مسئلہ پر بار بار زور دیا ہے کہ مسیح محمدی کو مسیح موسوی کے ساتھ ان تمام امور میں مشابہت حاصل ہے جو امور کہ تکمیل اور خوبی پر دلالت کرتے ہیں سوائے ان امور کے کہ جن سے بعض ابتلاء ملے ہوتے ہیں ان میں علاقہٗ محمدیت علاقہٗ موسویت پر غالب آجاتا ہے اور نیک تبدیلی پیدا کر دیتا ہے۔جیسا کہ مسیح اوّل صلیب پر لٹکایا گیا لیکن مسیح ثانی صلیب پر نہیں لٹکایا گیا کیونکہ مسیح اوّل کے پیچھے موسوی طاقت تھی اور مسیح ثانی کے پیچھے محمدی طاقت تھی۔خلافت چونکہ ایک انعام ہے ابتلاء نہیں اس لئے اس سے بہتر چیز تو احمدیت میں آسکتی ہے جو کہ مسیح اوّل کو ملی لیکن وہ ان نعمتوں سے محروم نہیں رہ سکتی جو کہ مسیح اوّل کی اُمت کو ملیں کیونکہ مسیح اوّل کی پشت پر موسوی برکات تھیں اور مسیح ثانی کی پشت پر محمدی برکات ہیں۔

پس جہاں میرے نزدیک یہ بحث نہ صرف یہ کہ بیکار ہے بلکہ خطرناک ہے کہ ہم خلافت کے عرصہ کے متعلق بحثیں شروع کر دیں وہاں یہ امر ظاہر ہے کہ سلسلہ احمدیہ میں خلافت ایک بہت لمبے عرصہ تک چلے گی جس کا قیاس بھی اس وقت نہیں کیا جا سکتا۔اور اگر خدانخواستہ بیچ میں کوئی وقفہ پڑے بھی تو وہ حقیقی وقفہ نہیں ہوگا بلکہ ایسا ہی وقفہ ہوگا جیسے دریا بعض دفعہ زمین کے نیچے گھس جاتے ہیں اور پھر باہر نکل آتے ہیں کیونکہ جو کچھ اسلام کے قرونِ اُولیٰ میں ہوا وہ اُن حالات سے مخصوص تھا وہ ہر زمانہ کے لئے قاعدہ نہیں تھا''۔

(الفضل ۳؍اپریل ۱۹۵۲ء)